عام فہم اُردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیس اور عام فہم زبان میں اُردو کی سب سے پہلی مُفصّل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن
اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظِ و نصائح
کی تشریح، اسباب نُزول کا مُفصّل بیان، تفسیر و حدیث اور کتبِ فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر
حضرۃ مولانا مفتی محمّد عاشقِ اِلٰہی مہاجر مدنی مدظلہ العالی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر فون: 540513

جدید کمپیوٹر ایڈیشن

عام فہم اُردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

جلد اوّل

سلیس اور عام فہم زبان میں اُردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر
تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام
دلنشیں انداز میں احکام ومسائل اور مواعظ ونصائح کی تشریح
اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر وحدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر
حضرۃ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی قدس سرہٗ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 4540513-4519240

عرضِ ناشر

الحمدللہ ''انوارالبیان'' کی پہلی جلد جدید طباعت کے بعد یہ آپ کے سامنے ہے۔
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ کی مدینہ منورہ میں لکھی گئی وہ مقبول عام تفسیر ہے جس کی اوّل مکمل اشاعت کی توفیق سے اللہ پاک نے ادارہ تالیفات اشرفیہ کو نوازا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اس کے گذشتہ ایڈیشن میں عربی عبارات کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ جس کے بارہ میں علماء کرام کی مشاورت سے یہ طے پایا کہ ان عربی عبارات کے تراجم کو حذف کر دیا جائے جس کی پہلی وجہ یہ کہ یہ عبارات محض حوالہ جات کے طور پر لکھی گئی ہیں جن کا ماحصل خود تفسیر میں آ چکا ہے اور دوسری وجہ کہ جب خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کا ترجمہ نہیں کیا تو بہتر یہی ہے کہ ان تراجم کو حذف ہی کر دیا جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس جدید ایڈیشن میں ایسے تراجم حذف کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ پاک ادارہ کی اس سعی کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کو قرآن وحدیث کی خدمت اور اس پر عمل کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

والسلام

محمد اسحاق عفی عنہ

(شوال المکرم ۱۴۳۴ھ اگست 2013)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد ۴ جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اور عربی عبارات مثلاً روح المعانی اور قرطبی وغیرہ کا اُردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اس سے استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔
مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔
افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آ رہی ہے جبکہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للّٰہِ وانا الیہ راجعون۔
حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خودنمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔
زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (کامل نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جا کر ان کے پاس سے خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کر لاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی

کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور ﷺ کے ارشاد الفقر فخری کا نمونہ بن کر دکھلایا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُر ملال ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم راحت وامن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما، آمین۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ
محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد نمبر پنجم جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اس سے ان شاء اللہ استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔ مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آ رہی ہے جبکہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ **انا للّٰہِ و اِنا الیہ راجعون۔**

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خود نمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبد الرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے۔ ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جا کر ان کے پاس سے خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کر لاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے۔ ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور ﷺ کے ارشاد **الفقر فخری** کا نمونہ بن کر دکھلایا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُر ملال ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالمِ راحت و امن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما۔ آمین۔

میرے چھوٹے بھائی عزیز القدر حافظ محمد عثمان سلمہٗ کو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی۔ دوسرے روز اس کو خواب میں حضرت مولانا کی زیارت ہوئی تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو گئے؟ آپ نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں راضی ہو گئے ہیں اور اب مجھے آرام کرنے کا حکم ہوا ہے، علماء نے اس کی تعبیر یہ بتلائی کہ یہ راحت سے کنایہ ہے۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد ششم جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اس سے ان شاء اللہ استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔ مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آرہی ہے جبکہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خودنمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (کامل نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے۔ جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جا کر ان کے پاس سے خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کرلاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور ﷺ کے ارشاد الفقر فخری کا نمونہ بن کر دکھلایا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُر ملال ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم راحت و امن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما، آمین۔

میرے چھوٹے بھائی عزیز القدر حافظ محمد عثمان سلمہٗ کو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی دوسرے روز اس کو خواب میں حضرت مولانا کی زیارت ہوئی تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو گئے؟ آپ نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں راضی ہو گئے ہیں اور اب مجھے آرام کرنے کا حکم ہوا ہے، علماء نے اس کی تعبیر یہ بتلائی کہ یہ راحت سے کنایہ ہے۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد ۷،۸ جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اور عربی عبارات مثلاً روح المعانی اور قرطبی وغیرہ کا اُردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اس سے استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔

مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آ رہی ہے جبکہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خودنمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (کامل نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جاکر ان کے پاس سے خشک روٹیوں

کے ٹکڑے اکٹھے کرلاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور ﷺ کے ارشاد الفقر فخری کا نمونہ بن کر دکھلایا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُر ملال ۱۳ ار مضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم راحت وامن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین ؓ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما، آمین۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد نمبر 9 جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اس سے ان شاء اللہ استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔ مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب وتزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آ رہی ہے جبکہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خودنمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (نوجلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے۔ جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے۔

ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جا کر ان کے پاس سے خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کر لاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے۔ ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور ﷺ کے ارشاد **الفقر فخری** کا نمونہ بن کر دکھلایا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُرملال ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالمِ راحت وامن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما۔ آمین۔

میرے چھوٹے بھائی عزیز القدر حافظ محمد عثمان سلمہٗ کو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی۔ دوسرے روز اس کو خواب میں حضرت مولانا کی زیارت ہوئی تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو گئے؟ آپ نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں راضی ہو گئے ہیں اور اب مجھے آرام کرنے کا حکم ہوا ہے، علماء نے اس کی تعبیر یہ بتلائی کہ یہ راحت سے کنایہ ہے۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ ذی القعدہ ۱۴۲۲ھ

حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے "ادارہ تالیفات اشرفیہ" ملتان کے لئے

دُعاء و تشکر اور خصوصی اجازت کے کلمات مبارکہ

مبسملاً و محمدًا و مصلیاً و مسلمًا

تفسیر انوار البیان جب احقر نے لکھنی شروع کی تھی بظاہر کوئی انتظام اس کے شائع ہونے کا نہ تھا بعض ناشرین سے اس کی اشاعت کیلئے درخواست کی تو عذر پیش کر دیا۔ احقر کی کوشش جاری رہی حتیٰ کہ حافظ محمد اسحٰق صاحب دام مجدھم مالک "ادارہ تالیفات اشرفیہ" ملتان کی خدمت میں معروض پیش کر دیا، جس کی انہوں نے کتابت شروع کرادی اور کتابت، تصحیح اور طباعت کے مراحل سے گزر کر جلد اول جلد ہی شائع ہوگئی جو ناظرین کے سامنے ہے، یہ حافظ صاحب موصوف کی مسلسل محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں دُنیا اور آخرت کی خیر نصیب فرمائے اور اُن کے ادارہ کو بھی بھرپور ترقی عطا فرمائے۔

افریقہ کے بعض احباب نے تفسیر کی کتابت کیلئے بھرپور رقم عطا فرمائی۔ [1] (جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے) اللہ جل شانہٗ ان سے راضی ہو جائے اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے اور انہیں اور اُن کی اولاد کو اعمال صالحہ کی توفیق دے اور رزق حلال وسیع نصیب فرمائے، ان کے علاوہ اور جس کسی نے بھی اس تفسیر کی اشاعت میں دامے درمے قدمے کسی قسم کی شرکت فرمائی خصوصاً وہ احباب جنہوں نے اس کی تالیف میں میری مدد کی اور تسوید و تبییض کے مراحل سے گزارنے میں میرے معاون بنے اور مراجعت کتب میں میرا ساتھ دیا، میں سب کا شکر گزار ہوں اور سب کیلئے دُعاء گو ہوں۔ اللہ جل شانہٗ ان سب کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

محتاج رحمت لامتناہی   محمد عاشق الٰہی بلند شہری

عفا اللّٰہ عنہ و عافاہ وجعل آخرتہ خیرا من اولاہ

تکمیل تفسیر پر حضرت مؤلف رحمہ اللہ کا

مکتوب گرامی

محترمی جناب حافظ محمد اسحاق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بالعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انوار البیان کی آخری جلد پہنچی جو آپ نے بڑی ہمت اور محنت سے اس کی طباعت اور اشاعت پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام تک پہنچائی، حسنِ خط، حسنِ طباعت، حسنِ تجلید سب کو دیکھ کر بہت زیادہ دل خوش ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعتیں اور زیادہ حسن و جمال کا پیکر ہوں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ کی محنت کو قبول فرمائے اور انوار البیان کو امت مسلمہ میں قبولیت عامہ نصیب فرمائے، بعد کی اشاعتوں میں تصحیح کا اور زیادہ خصوصی اہتمام فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں خیر سے نوازے اور علوم نافعہ و اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آئندہ ہمیشہ انوار البیان کو شائع فرماتے رہیں اور امت مسلمہ تک پہنچاتے رہیں۔ آمین!   والسلام

محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ   **المدینۃ المنورہ**   یکم محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

[1] طباعت کے بعد حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق افریقہ کے بعض احباب کی رقم کے عوض تفسیر کے نسخے مختلف مستحق افراد و اداروں میں تقسیم کر دیئے گئے اس طرح تفسیر انوار البیان کی طباعت و اشاعت کے تمام اخراجات و انتظامات کی سعادت "ادارہ تالیفات اشرفیہ" ملتان کو حاصل ہوگئی۔

مختصر حالات

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علماء ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خودنمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اوراسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جارہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔

آپ کی عربی' اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے۔ ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس تشریف لے جاتے تو خاموشی سے خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کرلاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے۔ ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الفقر فخری کا نمونہ تھے۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُرملال ۱۳ ؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ' قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالمِ راحت وامن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! ہم سب کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما۔ آمین

میرے چھوٹے بھائی عزیز القدر حافظ محمد عثمان سلمہٗ کو آپ کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی۔ دوسرے روز اس کو خواب میں حضرت مولانا کی زیارت ہوئی تو عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہوگئے؟ آپ نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں راضی ہوگئے ہیں اور مجھے آرام کرنے کا حکم ہوا ہے' علماء نے اس کی تعبیر یہ بتلائی کہ یہ راحت سے کنایہ ہے۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے' اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

اظہار تشکر

مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ

مبسملاً ومحمدًا ومصلیاً ومسلماً

تفسیر انوار البیان جب احقر نے لکھنی شروع کی تھی بظاہر کوئی انتظام اس کے شائع ہونے کا نہ تھا۔ بعض ناشرین سے اس کی اشاعت کے لئے درخواست کی تو عذر پیش کر دیا۔ احقر کی کوشش جاری رہی حتیٰ کہ حافظ محمد اسحٰق صاحب دام مجدھم مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی خدمت میں معروض پیش کی تو وہ بشاشت قلب کے ساتھ پوری طرح اس کی اشاعت کے لئے راضی ہو گئے احقر نے مسودہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جس کی انہوں نے کتابت شروع کرا دی اور کتابت، تصحیح اور طباعت کے مراحل سے گزر کر جلد دوم جلد ہی شائع ہو گئی جو ناظرین کے سامنے ہے، یہ حافظ صاحب موصوف کی مسلسل محنت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں دنیا اور آخرت کی خیر نصیب فرمائے اور ان کے ادارہ کو بھی بھرپور ترقی عطا فرمائے۔

افریقہ کے بعض احباب نے تفسیر کی کتابت کے لئے بھرپور رقم[1] عطا فرمائی (جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے) اللہ جل شانہٗ ان سے راضی ہو جائے اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے۔ اور انہیں اور ان کی اولاد کو اعمالِ صالحہ کی توفیق دے اور رزق حلال وسیع نصیب فرمائے۔ ان کے علاوہ اور جس کسی نے بھی اس تفسیر کی اشاعت میں دامے درمے قدمے کسی قسم کی شرکت فرمائی خصوصاً وہ احباب جنہوں نے اس تالیف میں میری مدد کی اور تسوید و تبییض کے مراحل سے گزارنے میں میرے معاون بنے اور مراجعت کتب میں میرا ساتھ دیا۔ میں سب کا شکر گزار ہوں اور سب کے لئے دعا گو ہوں۔ اللہ جل شانہٗ ان سب کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

محتاج رحمت لامتناھی

محمد عاشق الٰہی بلندشہری

عفا اللہ عنہ و عافاہ وجعل آخرتہ خیرا من اولاہ

---

[1] اس رقم کی مولانا کے مشورہ سے جلد اوّل تقسیم کر دی گئی تھی۔ (ادارہ)

تکمیل تفسیر پر
حضرت مؤلف رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی

محترمی جناب حافظ محمد اسحاق صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بالعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انوار البیان کی آخری جلد پہنچی جو آپ نے بڑی ہمت اور محنت سے اس کی طباعت اور اشاعت پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام تک پہنچائی۔ حسنِ خط، حسنِ طباعت، حسنِ تجلید سب دیکھ کر بہت زیادہ دل خوش ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعتیں اور زیادہ حسن و جمال کا پیکر ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ شانہ آپ کی محنت کو قبول فرمائے اور انوار البیان کو امت مسلمہ میں قبولیت عامہ نصیب فرمائے۔ بعد کی اشاعتوں میں تصحیح کا اور زیادہ خصوصی اہتمام فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں خیر سے نوازے اور علوم نافعہ و اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آئندہ ہمیشہ انوار البیان کو شائع فرماتے رہیں اور امت مسلمہ تک پہنچاتے رہیں۔ آمین! (والسلام)

محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

المدینۃ المنورہ (یکم محرم الحرام ۱۴۲۱ھ)

فہرست مضامین

(سورة الفاتحة و سورة البقرة)

تمت فهرس المجلّد الاوّل

لتفسیر انوار البیان واللہ الموفق وھو المستعان

فہرست مضامین

﴿سورہ آلِ عمران و سورۃ النساء﴾

سورۃ النسآء

﴿فہرست مضامین﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست مضامین

(بقیہ سورۃ الأعراف، سورۃ الانفال، سورۃ التوبہ، سورۃ یونس، سورۃ ہود)

بقیہ سورۃ الاعراف

فہرست مضامین

(از سورۃ یوسف تا سورۃ الکہف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

سورۃ مریم و سورۃ طٰہٰ و سورۃ الانبیاء و سورۃ الحج و سورۃ المؤمنون و سورۃ النور و سورۃ الفرقان و سورۃ الشعراء و سورۃ النمل

سورۃ الانبیاء

سورۃ المؤمنون

سورۃ الفرقان

سورة الشعراء

فہرست عنوانات

فہرست عنوانات جلد ۸

فہرست مضامین

﴿سورۂ قٓ تا سورۂ ناس﴾

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا' جو سب سے بڑا مہربان بہت

الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ

زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے روزِ جزا کا' ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں'

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں' چلا ہم کو سیدھے راستہ پر'

الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ

جو اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا'

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں

سورۂ فاتحہ کے اسماء اور فضائل

سورۂ فاتحہ مکی ہے، بعض علماء نے اسے مدنی بھی کہا ہے اور بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ سورت دوبار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں، اس سورت کے بہت سے نام ہیں سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے۔

تفسیر اتقان میں پچیس نام ذکر کئے ہیں جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

(۱) فاتحۃ الکتاب (۲) فاتحۃ القرآن (۳) ام الکتاب (۴) ام القرآن (۵) السبع المثانی (۶) سورۃ المناجاۃ (۷) سورۃ السؤال (۸) سورۃ الحمد (۹) سورۃ الشکر

سورۂ حجر میں فرمایا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝

(اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا)

السبع (سات) اس لئے فرمایا کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثانی اس لئے فرمایا کہ یہ سورت بار بار پڑھی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ص ۶۴۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا نام ام الکتاب اس لئے رکھا گیا کہ یہ مصاحف میں بالکل شروع میں لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی اس سے قراءت شروع کی جاتی ہے اور سورۂ فاتحہ کی یہ بھی بہت بڑی فضیلت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ میں سورۂ فاتحہ کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں صحیح بخاری ص ۶۴۲ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ فاتحہ کو **اعظم سُورۃ فی القرآن** (یعنی قرآن کی عظیم ترین سورت) فرمایا سُنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس جیسی سورت نہ توریت میں اُتاری گئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں (**باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب**) حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ فاتحہ کو افضل القرآن بتایا۔ (درمنثور) بعض احادیث میں سورۂ فاتحہ کو دوتہائی قرآن کے برابر فرمایا ہے۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں اُس خزانہ سے اُتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے ان چار کے علاوہ اس میں سے کوئی چیز نہیں اُتاری گئی (۱) اُم الکتاب (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورۂ بقرہ کی آخری آیات (۴) سورۂ کوثر (درمنثور ص ۵ ج ۱ عن الطبرانی والضیاء المقدسی فی المختارۃ)

حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ ابلیس ملعون چار مرتبہ رویا، ایک تو اس وقت رویا جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی، دوسرے اُس وقت جب وہ ملعون قرار دیا گیا، تیسرے جب زمین پر اُتارا گیا، چوتھے جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ (درمنثور)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام فخر عالم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اُٹھائی اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا، ایک فرشتہ نازل ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج

سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اُترا۔ اس فرشتہ نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ خوش خبری سن لیجئے' دو نور آپ کو ایسے ملے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے (۱) فاتحۃ الکتاب (۲) سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں (ان میں دعاء ہے اور چونکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اس لئے مقبول ہے) ان دونوں میں سے جو کچھ بھی آپ تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور آپ کا سوال پورا فرمائیں گے تفسیر اتقان میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ میں (اجمالی طور پر) قرآن شریف کے تمام مقاصد اور مضامین جمع کر دیئے ہیں یہ سورت مطلع القرآن ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ سورت پورے قرآن شریف کیلئے براعت استہلال کا حکم رکھتی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ قرآن شریف اور تمام آسمانی ادیان چار علوم پر مشتمل ہیں اوّل علم الاصول جس میں تین چیزیں ہیں (۱) اللہ پاک کی ذات وصفات کو جاننا' اسکی طرف سورۂ فاتحہ میں شروع کی دو آیتوں میں اشارہ ہے۔ (۲) نبوت ورسالت' اس کی طرف اَلَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ میں اشارہ ہے (۳) قیامت' اس کی طرف مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ میں اشارہ ہے۔ دوّم علم العبادات' اس کی طرف اِیَّاکَ نَعۡبُدُ میں اشارہ ہے۔ سوّم علم السلوک یعنی نفس کو آدابِ شرع کا پابند بنانا اور احکام خداوندی کی فرماں برداری پر آمادہ کرنا اس کی طرف وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں اور اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ میں اشارہ ہے۔ چہارم علم القصص یعنی گزشتہ اُمتوں کے واقعات' ان واقعات سے یہ غرض ہے کہ فرماں برداروں کی سعادت و کامیابی اور نافرمانوں کی بدبختی و بربادی معلوم کر کے عبرت حاصل کی جائے' اس مقصد کی طرف صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ میں ارشاد ہے۔

مسلم شریف ص ۱۷۰ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت فخر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو (یعنی نماز کے اہم ترین حصہ کو) اپنے اور بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے اور بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے (اس کے بعد اس تقسیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ) جب بندہ کہتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حَمِدَنِیۡ عَبۡدِیۡ (یعنی میرے بندہ نے میری تعریف کی) پھر جب وہ کہتا ہے اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَثۡنٰی عَلَیَّ عَبۡدِیۡ (یعنی میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَجَّدَنِیۡ عَبۡدِیۡ (یعنی بندہ نے میری بزرگی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے (یہ آیت اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جہاں بندہ نے اپنی بندگی کا اعلان اور اقرار کیا اور مدد مانگنے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو خاص کر لیا اور مان لیا اور اس طرح خود کو رحمت ونعمت کی نوازش کے قابل بنا لیا وہاں اس نے بلاشرکت غیرے اللہ پاک کی معبودیت کا بھی اعلان کیا اور یہ بھی مانا اور جانا اور دوسروں کو بتایا کہ جس سے مدد مانگی جائے وہ صرف اللہ پاک رؤف ورحیم احد وصمد ہے جو سب کچھ دے سکتا ہے اور جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے قبضہ میں ہر چیز ہے اور جس کسی کے پاس قلیل وکثیر جو کچھ بھی ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ تو اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعوذ اور تسمیہ کا بیان:

جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جائے تو اوّل اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا جائے سورۂ نحل میں ارشاد ہے فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم (سو جب تو قرآن پڑھنا شروع کرے تو اللہ کی پناہ مانگ شیطان مردود سے) اور اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا جائے۔

جب کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کو تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتے ہیں پھر اس کو زینت دیتے ہیں یعنی رنگ و روغن کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تلاوت شروع کریں تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کریں۔ اس کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ (آخر تک) پڑھی جائے پھر اللہ کا نام لے کر دل کو مزین کریں۔ نماز میں سب سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کو شروع کرنے سے پہلے دل کو شیطانی وسوسوں سے صاف کیا جاتا ہے اور اللہ کے نام سے دل کو مزین کیا جاتا ہے۔ جب آدمی نماز شروع کرے تو اُن چیزوں سے ذہن فارغ کرلے جن میں شیطان لگائے رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی جب بھی کوئی سورت شروع کرے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے' البتہ سورۂ انفال ختم کر کے سورۂ براءت شروع کرے تو بسم اللہ نہ پڑھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ لیکن سورۂ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے' البتہ سورۂ نمل کے دوسرے رکوع میں جو ایک جگہ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے وہ سورۂ نمل کا جزو ہے۔ ساری اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات آیات ہیں جو حضرات بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو سورۂ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں وہ اس کو ایک آیت شمار کرتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے لے کر ختم سورت تک چھ آیات شمار کرتے ہیں (حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے) اور جن ائمہ اور قراء کے نزدیک بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۂ فاتحہ کا جُزو نہیں ہے ان کے نزدیک غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ساتویں آیت ہے۔ (معالم التنزیل)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو سورت ختم ہونے کا علم نہ ہوتا تھا جب تک بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل نہ ہو جاتی تھی جب بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا نزول ہوتا تو آپ سمجھ لیتے تھے کہ

سورت ختم ہوگئی اوراب نئی سُورت شروع ہورہی ہے۔(درمنثور)

تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہرسورت کے شروع میں ہونا اللہ پاک کی طرف سے بندوں کوتعلیم ہے کہ قرأت سے پہلے اس کو پڑھیں اورقراءت شروع کرنے کا اَدب جان لیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱
سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں جوتمام جہانوں کاپروردگار ہے

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں:

اوّل کی تین آیات میں اللہ پاک کی تعریف اوراسم ذات اوراللہ پاک کی بڑی بڑی صفات ذکر کی گئی ہیں جودیگر صفات کمالیہ کوبھی شامل ہیں۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔اس دعویٰ کوواضح اورثابت کرنے میں مذکورہ صفات کوبڑادخل ہے یعنی جوذاتِ پاک ایسی ایسی صفات سے متصّف ہے ظاہر ہے کہ ہرتعریف کی مستحق ہے۔جتنی تعریفیں آج تک ہوئی ہیں یا آئندہ دنیاوآخرت میں ہوں گی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں جواللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے کی ہے یا آئندہ کوئی کرے گااس کااللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہونا توظاہر ہےاورجوتعریفیں اسکی مخلوق کی کی جاتی ہیں یاآئندہ کی جائیں گی یا گزشتہ تمام زمانوں میں ہوچکی ہیں وہ بھی درحقیقت اللہ پاک کی ہی تعریفیں ہیں کیونکہ ہرصاحب کمال کواُس نےوُجودبخشا ہےاورکمال سےنوازاہےاورکمال اورصاحب کمال کی پرورش فرمائی ہےاوراپنی رحمت سےان کمالات کوباقی رکھاہے لِلّٰہِ میں لام اختصاص اوراستحقاق کے لئے ہے جس کامطلب یہ ہے کہ محمودحقیقی اورمستحق حمداللہ تعالیٰ ہی ہےاگرکوئی اللہ کی حمدنہ کرےتواس کی محمودیت حقیقیہ میں ذرافرق نہیں آتا۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کامعنیٰ اورمطلب:

رَب عربی زبان میں بمعنی مالک بھی آتاہےاوربمعنی پروردگار(پالنےوالا)بھی آتاہے(معالم التنزیل)یہاں دونوں معنی درست ہیں۔اللہ پاک تمام جہانوں کے مالک ہیں اورپالنےوالےبھی۔اَلْعٰلَمِیْنَ عالم کی جمع ہے۔عالم (بروزن فاعل بفتح العین)علم سےلیاگیاہے۔عربی قاعدہ کی روسےفاعل کاوزن مادۂ اشتقاق کےآلہ کےلئےآتاہے عالم کامادۂ اشتقاق علم ہے۔اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق عالَم ہےاس لئےکہ اپنےخالق(پیداکرنےوالے)کےمعلوم ہونےکاذریعہ ہے'یوں توساری مخلوق بہ حیثیت مخلوق کےایک عالَم ہےلیکن مخلوق کی بےشمارقسمیں ہیں۔ہرقسم کوعلیحدہ علیحدہ عالم قراردیکرجمع(عالمین)لائی گئی توگویااس میں اس طرف اشارہ ہےکہ خدائےپاک کےجاننےاورپہچاننے کےلئےایک عالم(بلکہ اس کاایک ذرّہ بھی)کافی ہےلیکن عالَم اتنےزیادہ اوربیشمارہیں کہ ان کودیکھ کراگرکوئی کوڑھ

مغز بد باطن خدائے پاک کو نہ پہچانے تو اس کی محرومی، بدنصیبی، جہالت اور حماقت کے سوا اور کیا ہے۔ ہر ہر جنس کو ایک عالم بتا کر اللہ پاک کو سب عالموں کا رب بتانے میں ان مشرکوں اور جاہلوں کی بھی تردید ہے جو بعض مخلوقات کو معبود مانتے ہیں اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق و مملوک کے سامنے جبین نیاز رکھتے ہیں۔ مقاتل بن حبان نے فرمایا کہ عالم اسی ہزار ہیں، چالیس ہزار خشکی میں اور چالیس ہزار سمندر میں۔

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ عالموں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو جناب کعب الاحبار نے فرمائی کہ عالموں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا انہوں نے اپنے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (معالم التنزیل)

اللہ جل شانہٗ سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اور پرورش کرنے والا بھی اس نے صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ وہ رزق بھی دیتا ہے کھلاتا پلاتا بھی ہے ہر فرد تک رزق پہنچاتا ہے۔ جب کھانے والا رزق کھالیتا ہے تو وہ اس رزق کو پچاتا ہے جس سے جسم بڑھتا ہے خون پیدا ہوتا ہے رگوں میں دوڑتا ہے اور یہ سب بقائے حیات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جتنے بھی اسباب معاش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائے ہیں، ان سب سے شان ربوبیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ نئی نئی تحقیقات سے اجسام کے پلنے بڑھنے کے جو راز منکشف ہوئے ہیں انسانی عقل و شعور کے لئے بہت حیرت ناک ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھا جائے۔ طرح طرح کے غلے پھل اور میوے مختلف سبزیاں ترکاریاں وجود میں آرہی ہیں انسان اور جانوران کو کھاتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ جس کا جو رزق مقرر ہے وہ اس کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے ایک براعظم کی پیداشدہ چیزیں دوسرے براعظم کے لوگ کھا کر اور استعمال کر کے جی رہے ہیں۔

پالنے کے مفہوم میں صرف جسمانی غذائیں ہی نہیں آتیں بلکہ ہر وہ چیز آجاتی ہے جو زندگی اور بقا کا ذریعہ ہو۔ اجسام کی پرورش کے ساتھ رُوح کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو زندگی کے لئے اصل چیز ہے اور جو معیشت کے آلات اور اسباب ہیں اور جو جسم کے اعضاء اور جوارح ہیں یہ سب پرورش کا ذریعہ ہیں۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾
بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:

یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحم سے مشتق ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ دونوں کا ایک معنی ہے اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے چونکہ دونوں ہی مبالغہ کے صیغے ہیں اس لئے ہر ایک کے ترجمہ میں معنی مبالغہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ رَحْمٰن اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے رحیم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسکی مخلوق کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے کما قال تبارک وتعالیٰ فی شان نبیه علیه الصلوٰة والسلام بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے وہ ساری مخلوق پر رحم فرماتا ہے سب کا وجود اور بقا آرام وسکون سب اسی کی رحمت سے ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

دین جزا اور بدلہ کو کہتے ہیں یَوْمِ الدِّیْنِ بدلہ کا دن۔ اس سے قیامت کا روز مُراد ہے۔ اس روز خیر وشر کے بدلوں کا فیصلہ ہوگا۔ ہر شخص اپنے اپنے عمل کا نتیجہ پائے گا۔ اللہ پاک کے رحم وکرم کے سوا کوئی راستہ جان چھوٹنے کا نہ ہوگا اگر کوئی سفارش کرنا چاہے گا تو بغیر اجازت مالک یوم الدین جل مجدہٗ سفارش نہیں کر سکے گا، اس روز کسی کی مجازی حکومت وحاکمیت بھی نہ ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ شانہٗ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وقال جل جلالہ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وقال عزاسمہ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ. اللہ تعالیٰ شانہ صرف قاضی یوم الدین ہی نہیں بلکہ مالک یوم الدین بھی ہے بعض مرتبہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ قاضی (جج) فیصلہ تو کرتا ہے مگر ملک اور قانون کا مالک نہیں ہوتا۔ بادشاہ ملک یا مجلس قانون ساز کے مرتب کردہ دستور کا پابند ہوتا ہے اور اسی کے دائرہ قانون میں فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ مالک الملک ہے قاضی روزِ جزا ہے اور مالک روزِ جزا بھی۔ اس پر کسی کا کوئی قانون اور کوئی حکم لاگو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ رَد نہیں ہوسکتا۔ اس کے خلاف اپیل نہیں ہوسکتی۔ وہاں دنیا کے حاکموں اور فیصلے کرنے والوں کے فیصلے بھی ہوں گے اور جانوروں تک نے جو ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کی ہوگی اس کا بھی فیصلہ ہوگا۔ دنیا کے بادشاہ اور بڑے بڑے تسلط اور دبدبہ والے مجرموں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور اپنے اپنے عمل اور کردار کا فیصلہ سُنیں گے اور اس فیصلے کے مطابق عمل ہوگا۔ لا معقب لحکمہ وھو سریع الحساب۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں

معبود اور مستعان صرف اللہ کی ذات ہے:

شروع سورت سے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا بیان تھا۔ اس بیان میں اگرچہ غیب کا عنوان تھا لیکن جب بندہ نے مستحق حمد کی حمد بیان کرنے میں صفات کمال اور مظاہر جلال وجمال کا یقینی طور پر تصور کر لیا تو اس مستحق حمد سے خطاب کرنے اور مُراد مانگنے کے لئے جذبہ میں آکر خطاب کرنے لگا، اوّل مخاطب ہو کر یہ اعلان کیا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور پھر اپنی سب سے بڑی ضرورت کا سوال کیا کہ ہم کو صراط مستقیم دکھا دے اور بتا دے، کاف ضمیر خطاب نَعْبُدُ اور نَسْتَعِيْنُ کا مفعول ہے اس کو ضمیر منفصل بنا کر فعل سے مقدم لانے سے معنی میں حصر پیدا ہو گیا۔ اہل بلاغت نے بتایا ہے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ترجمہ یہ ہو گیا کہ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ سورۂ فاتحہ پڑھنے والا گو واحد شخص ہوتا ہے۔ لیکن صیغہ جمع متکلم لا کر دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔ اور اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ساری مخلوق کا تو ہی معبود

ہے اور ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں وہ گمراہ ہیں اور غلطی پر ہیں اُنکا معبودِ حقیقی بھی تو ہے ہم ساری بنی نوع انسان کی طرف سے اور سارے جنات اور فرشتوں کی طرف سے بلکہ ساری مخلوق کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ صرف تو ہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے بعد یوں عرض کیا کہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ جب خداوند قدوس جل مجدہ ہر چیز کا خالق بھی ہے مالک بھی ہے معبودِ حقیقی بھی ہے قادرِ مطلق بھی ہے تو اس کے سوا کوئی نہیں جس سے مدد مانگی جائے۔ عبادت بھی صرف اُسی کی کرتے ہیں اور مدد بھی صرف اسی سے لیتے ہیں اس میں بھی صیغہ خطاب کا استعمال کیا اور یہ اعلان کیا کہ اے اللہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود اور مددگار ماننے کے بعد کسی دوسرے کو عبادت اور استعانت (مدد مانگنے) کے لئے پکارنا اعلان اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس آیت میں شرک فی العبادۃ اور شرک فی الاستعانت دونوں کی نفی علے وجہ الکمال کر دی گئی ہے۔ دیوی دیوتا مزار قبر وَلی پیر تعزیہ یا اور کسی چیز کو حاجت رَوا مشکل کشا سمجھنا اور اسکے سامنے سجدہ کرنا شرک ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝				
ہم	کو	سیدھا	راستہ	دکھا

صراطِ مستقیم کی دعا:

راہِ حق کا دِکھانا اور مطلوب حق تک پہنچانا یہ سب کچھ ہدایت کے مفہوم میں داخل ہے۔ مدد مانگنے کے ذیل میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں ہدایت کی طلب بھی ہے اور درحقیقت ہدایت ہی مخلوق کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے اگر سب کچھ موجود ہو اور بندہ ہدایت پر نہ ہو عقیدہ اور عمل سے گمراہ ہو تو دنیاوی چیزوں سے تھوڑا بہت فائدہ اُٹھا کر عذاب دوزخ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حقیقی نعمت ہدایت ہی ہوئی۔ لہٰذا یہ کہہ کر کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں فوراً ہدایت کا سوال کر لیا گیا۔ یعنی صحیح راستہ پر چلانے کی دعا کر لی گئی۔ صحیح راستہ کون سا ہے اسکی تعیین کے لئے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ لایا گیا جس کی تفسیر ابھی آتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں قرآن کو مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہدایت پر ہیں ہی ان لوگوں سے بار بار ہدایت کا سوال کیوں کرایا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے ہدایت کی دعا کرنا موت تک ہدایت پر جمے رہنے اور ثابت قدم رہنے کا سوال ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اہل ایمان کی دعا کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو حق سے نہ ہٹا دیجئے بعد اس کے کہ آپ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما دیجئے بے شک آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں) قال النسفی ای ثبتنا علی المنهاج الواضح کقولک للقائم قم حتی اعود الیک ای اثبت علی ما انت علیه أو اهدنا فی الاستقبال کما هدیتنا فی الحال (مدارک التنزیل)

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬

راستہ ان حضرات کا جن پر آپ نے انعام فرمایا

صراطِ مستقیم والے کون حضرات ہیں:

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۔ان الفاظ میں صراطِ مستقیم کی تعیین کردی گئی۔صراط مستقیم (سیدھا راستہ) کیا ہے جتنی جماعتیں اور قومیں دنیا میں بسی ہیں وہ اپنے آپ کو ہدایت پر ہی سمجھتی ہیں۔لیکن وہ کون سا راستہ ہے جسے سیدھا راستہ مانا جائے اور جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور آخرت میں نجات ہوگی۔اس کے بتانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا راستہ صراط مستقیم ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔یہ حضرات کون ہیں ان کا ذکر سورۂ نساء کی اس آیت میں ہے۔وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ والصّٰلِحِیْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے یہ اشخاص اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں) اس سے واضح ہوگیا کہ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔سورۂ فاتحہ میں ان ہی حضرات کے راستہ کو صراطِ مستقیم یعنی صحیح اور سیدھا راستہ بتایا ہے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ ع

جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں

مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچنے کی دعاء:

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ہ (جن پر غُصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں) یہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی صفت ہے۔مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جن حضرات پر آپ نے انعام فرمایا ہے یہ وہ حضرات ہیں جن پر آپ کا غصہ نہیں اور جو گمراہ نہیں ہیں۔مفسر ابن کثیر نے بعض روایات ایسی نقل کی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سے یہود اور اَلضَّآلِّیْنَ سے نصارٰی مراد ہیں۔حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔یہودیوں کے بارے میں سورۂ بقرہ میں فرمایا فَبَآءُوْا بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ کہ وہ غصہ پر غصہ کے مستحق ہوئے اور نصارٰی کے بارے میں سورۂ مائدہ میں فرمایا۔

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ (ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے) یہودیوں نے علم ہوتے ہوئے عمل کو کھودیا اور حق کو ٹھکرادیا' نصارٰی علم کے مدعی نہ تھے اور علم سے خالی بھی تھے لیکن اپنے

آپ کو عبادت گزار سمجھتے تھے۔ اُن کے راہب پہاڑوں میں رہتے تھے اور عبادت میں طرح طرح کی مشقتیں جھیلتے تھے اور عبادت کے طریقے اُنہوں نے خود نکالے تھے۔ یہ لوگ راہِ حق سے ہٹے اور گمراہ ہوئے، جو شخص علم ہوتے ہوئے عمل چھوڑ دے وہ زیادہ مستحق غضب ہوتا ہے اس لئے صفت مغضوبیت یہودیوں کے لئے خاص طور سے ذکر کی گئی اور نصاریٰ نے عمل کا ارادہ تو کیا لیکن بے علمی کی وجہ سے طریقہ غلط اختیار کر گئے اور اتباع حق کو چھوڑ کر بے راہ ہو گئے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہو، پھر لکھتے ہیں۔ **و کل من الیھود و النصاری ضال مغضوب علیه لکن اخص اوصاف الیھود الغضب واخص اوصاف النصاری الضلال** (ج ۱ص ۲۹) یعنی ہیں تو دونوں ہی فریق (یہود و نصاریٰ) گمراہ اور مغضوب علیہ لیکن مغضوبیت کی شان یہودیوں میں زیادہ ہے (اس لئے خصوصیت کے ساتھ اُن کی طرف مغضوبیت کی نسبت کی گئی) اور نصاریٰ کے اوصاف میں خاص طور پر ضلال زیادہ واضح ہے (اس لئے ان کو ضَالِّیْنَ فرمایا)

یہودیوں کی شرارت، عناد اور مکاریاں اور دسیسہ کاریاں جو سورۂ بقرہ میں اور دُوسری سورتوں میں بیان کی گئی ہیں اُن کے جاننے کے بعد ہر صاحب عقل یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ لوگ قصداً و ارادۃً ایسی حرکتیں کرتے تھے جن سے اللہ تعالیٰ کے غصہ کے زیادہ سے زیادہ مستحق ہوتے چلے گئے۔

سورۂ فاتحہ کے ختم پر اہل ایمان سے یہ دُعاء کرائی گئی ہے کہ یہودیوں اور نصرانیوں دونوں جماعتوں کے طریقوں سے علیحدہ اور بیزار رہیں۔ نماز میں بار بار سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں۔ اب مسلمان غور کر لیں کہ وہ ان دونوں جماعتوں کے طور طریق سے کس قدر دور ہیں اور جن حضرات پر انعام ہوا یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور صالحین ان کے طریقوں سے کتنے قریب ہیں۔ حکومت، سیاست، معاشرت، شکل وصورت، لباس، کسب مال، تجارت، معیشت و معاشرت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں غور کر لیں۔ اُمت محمدیہ میں یہود و نصاریٰ کی مُشابہت اور انکا اتباع پایا جاتا ہے عوام میں بھی اور خواص میں بھی، جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچا وہ لوگ بھی ان کے اتباع سے پرہیز نہیں کرتے۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اس اُمت میں سے جو عالم بگڑے گا اس کے اندر یہود کی صفات سے مشابہت ہوگی اور جو عابد بگڑے گا اس کے اندر نصاریٰ کی مشابہت ہوگی در حقیقت صحیح فرمایا اُمت کا حال نظروں کے سامنے ہے جو مغضوب ہیں اور ضالین ہیں عام لوگوں کو انہیں کے طریقے محبوب ہیں (اعاذنا اللہ من ذٰلک)

جن حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کے راستہ کے علاوہ جتنے بھی دین، مذہب، فرقے، جماعتیں، پارٹیاں، قوانین ہیں سب ہی صراطِ مستقیم سے خارج ہیں اور مومن موّحد کے لئے ان سب سے بچنا فرض و واجب ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے راستہ سے بچنے کی دعاء مانگنے کی اس لئے تلقین کی گئی کہ ایک مسلمان بُت پرست دہری منکرِ خدا ہونا گوارا نہیں کر سکتا اور اہل کتاب کے راستوں کو اختیار کر سکتا ہے، اہل کتاب کے دونوں فرقوں کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ان کے انجام کار ہی کو ان کا لقب بنا کر ذکر فرما دیا، جس میں دو امر کی طرف اشارہ ہے، اوّل یہ کہ انبیاء صلحاء صدیقین

وشہداء کے راستہ سے ہٹنے کا انجام راہ سے بھٹک جانا اور خدائے پاک کے غصہ میں آ جانا ہے۔ دوسرے یہ کہ صراطِ مستقیم کے خلاف صرف یہود و نصاریٰ ہی کا راستہ نہیں ہے بلکہ جو بھی یہود و نصاریٰ کے عقائد و کردار اوصاف و اخلاق اختیار کرے گا اس کے نتیجہ میں مغضوب علیہ اور ضالّ ہوگا (خواہ فرد ہو خواہ جماعت) لہٰذا اسکے راستہ سے بچنا بھی فرض ہوگا۔

آمین: سورۂ فاتحہ کے ختم پر نماز میں اور خارج نماز آمین کہنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ بھی جو دعاء کی جائے اس کے آخر میں آمین کہا جائے۔ احادیث شریفہ میں اس کی فضیلت اور ترغیب وارد ہوئی ہے۔ آمین کا معنی ہے کہ اے اللہ قبول فرما۔ ایک مرتبہ دعا کی پھر دعا کی قبولیت کی دعا کی یہ مل کر گویا دو مرتبہ دعا ہو جاتی ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد ذرا ٹھہر کر آمین کہے (تاکہ سُورۃ فاتحہ کا جزو ہونے کا ایہام نہ ہو) چونکہ آمین قرآن مجید کا جزو نہیں ہے اس لئے قرآن مجید میں لکھا نہیں جاتا لیکن پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تمہاری کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا آمین کہنے پر حسد کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تم سے تین چیزوں پر حسد کیا ہے۔ ۱ سلام کو پھیلانا ۲ نماز میں صفیں قائم کرنا ۳ آمین کہنا۔ (یہ روایات درمنثور سے نقل کی گئی ہیں)

فائدہ: بعض غیر مسلموں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنی تعریف خود کرنا ٹھیک نہیں ہے پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کیوں کی؟ اس کا یہ جواب مفسرین کے اس قول سے نکل سکتا ہے کہ یہ مضمون بندوں کی زبانی ادا کرایا گیا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے پہلے قُوْلُوْا (صیغہ امر) مقدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ یوں کہو اور چونکہ بندہ کی زبانی اول کی تین آیات ادا کرائی گئی ہیں اس لئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ بھی اوّل کی تین آیات کے ساتھ اس صورت میں مضمون واحد ہو کر مسلسل ہو جائے گا۔ لیکن یہ جواب جزوی طور پر سورۂ فاتحہ کے بارے میں ہو سکتا ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ پاک کی حمد بیان کی گئی ہے اور حدیث شریف میں صاف اس طرح آیا ہے کہ لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک۔ (اے اللہ میں ایسی تعریف تیری بیان نہیں کر سکتا ہوں جیسی تو نے اپنی تعریف بیان کی ہے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان کرتے ہیں پس غیر مسلموں کے سوال مذکور کا ایسا ٹھیک کلّی جواب جو ہر موقعہ پر جواب بن سکے یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بلاشبہ مخلوق کے لئے خود ستائی بُری بات ہے لیکن خالق اگر اپنی تعریف کرے تو یہ کوئی بے جا نہیں ہے بلکہ صحیح اور دُرست ہے۔ اوّل اس پر غور کرنا چاہئے کہ خود ستائی بُری چیز کیوں ہے؟ اسکی وجہ غور کرنے اور اہل عقل و دانش کے بتانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خود ستائی سے عُجب (خود پسندی) اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور خالق کمالات رب العالمین جل مجدہٗ سے غفلت ہو جاتی ہے اور انسان کا ذہن خالق کی حمد اور خالق کے کمالات سے ہٹ کر خود اپنی ذات میں اُلجھ جاتا ہے اور رب العٰلمین خالق کل شیٔ اپنی خود تعریف کرے تو یہ کسی خرابی کا باعث نہیں ہے اللہ پاک سے اُوپر کوئی نہیں ہے اور وہ ایسا بڑا ہے کہ سب کی بڑائیاں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور ہر بڑے کو اس نے بڑائی دی ہے۔ لفظ تکبر میں تکلّف کے معنی پوشیدہ ہیں یعنی جو بڑا نہیں وہ بڑا بنے اس

کو تکبر کہتے ہیں۔ اللہ پاک کی بڑائی کامل ہے تکلف سے نہیں ہے وہ سب کا خالق ہے اس کا کوئی خالق نہیں ہے لہٰذا اس کو اپنی تعریف کا پورا پورا حق ہے۔ اگر وہ اپنی تعریف کرے تو یہ لازم نہیں آتا کہ جو بڑا نہیں اس نے بڑائی کا دعویٰ کیا اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی تعریف میں مشغول ہوا۔ فللّٰہ الحمد اولا و آخرا وظاھراً وباطِناً اللّٰھم لک الحمد لا احصیٰ ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک ۔

سُورۃ فاتحہ شفا ہے:

سورہ فاتحہ کا ایک نام شافیہ (یعنی شفا دینے والی ہے) بھی ہے اس کے مضامین جس طرح مومن مؤحد کے لئے باطنی اور روحانی شفاء کا باعث ہیں اسی طرح اس کے الفاظ جسمانی امراض وتکالیف اور دُکھ درد کے لئے شفا بن جاتے ہیں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مرض سے نجات دلانے کے لئے سورہ فاتحہ پڑھ کر مجھ پر دم کرتے ہوئے تھتکار دیا' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب زہر کے لئے شفا ہے حضرت عبد الملک بن عمیر نے (مرسلاً) روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب ہر مرض کے لئے شفاء ہے (یہ سب روایات درمنثور میں ہیں)

حصن حصین میں (ابوداؤد اور نسائی سے نقل کیا) ہے کہ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز صبح شام سورۃ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جاوے (جھاڑنے والا) سورہ فاتحہ کو پوری پڑھ کر اپنا تھوک (منہ) میں جمع کرے تھتکار دے اور ترمذی شریف سے نقل کیا ہے کہ جس کو سانپ' بچھو ڈس لیوے سات مرتبہ سُورہ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ (سفر میں) ایک تالاب پر گزرے' وہاں ایک آدمی کو بچھو نے ڈس لیا تھا۔ وہاں جو قبیلہ مقیم تھا اُن میں سے ایک آدمی ان حضرات کے پاس آیا اور اُس نے کہا کیا تم میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ یہ سُن کر اُن حضرات میں سے ایک صاحب چلے گئے اور انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا اور کچھ بکریاں لینے کی شرط لگالی۔ وہ شخص اچھا ہو گیا' اور یہ بکریاں لے کر اپنے رفقاء کے پاس آ گئے۔ انہوں نے ان بکریوں کا لینا اچھا نہ جانا اور کہنے لگے کہ تم نے اللہ کی کتاب پر اُجرت لے لی۔ جب کہ مدینہ منورہ میں واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اُنہوں نے کتاب اللہ پر اُجرت لی ہے آپ نے فرمایا بلا شبہ کتاب اللہ ان سب چیزوں میں اُجرت لینے کے لئے زیادہ احق ہے۔ جن پر تم اُجرت لیتے ہو۔ (صحیح بخاری)۔

اس حدیث کی وجہ سے جھاڑ پھونک کی اُجرت لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ کلام صحیح ہو شرکیہ کلام نہ ہو۔

رات کو حفاظت کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے بستر پر اپنا پہلو رکھا اور فاتحۃ الکتاب اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (ختم سورت تک) پڑھ لی تو موت کے سوا ہر چیز سے تجھے امان مل گئی۔ (درمنثور)

ولقد تم تفسیر فاتحة الکتاب بحمد الله تعالیٰ وحسن توفیقه فله الحمد حمد اکثیرا طیبا مبار کا فیه

3

(۲۸۶ آیاتہا) (۲) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (۸۷) (۴۰ رکوعاتہا)

سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی دوسو چھیاسی آیات اور چالیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

الٓمّٓ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ جو ایمان لاتے ہیں

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

اُس پر جو اُتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں

سورة البقرہ

مصحفِ عثمانی کی ترتیب کے لحاظ سے یہ دُوسری سورت ہے۔ اس سورت میں بقرہ کا تذکرہ ہے اس لئے سورۃ البقرہ کے نام سے موسوم ہوئی روایت حدیث میں اس کا یہ نام آیا ہے۔

فضائل سورہ بقرہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ذکر و تلاوت سے گھروں کو خالی نہ رکھو جیسا کہ قبریں خالی ہوتی ہیں) بے شک شیطان اُس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے (سنن ترمذی)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لئے سفارش کرنیوالا بن کر آئے گا۔ دو روشن چیزوں کو پڑھو (یعنی) سورۃ بقرہ اور سورۃ آلِ عمران کو، کیونکہ وہ دونوں قیامت کے دن اسی طرح آئیں گی جیسے بادل ہوں یا جیسے پرندوں کی دو جماعتیں صف بنائے ہوئے ہوں۔ اپنے لوگوں کے لئے خوب زوردار سفارش کریں گی۔ سورہ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل کے بس کی نہیں۔ (صحیح مسلم)

اہل باطل کے بس کی نہیں۔ یعنی وہ اسے حفظ نہیں کر سکتے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل باطل سے جادوگر مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے پڑھنے والے پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔ (ابن کثیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک بلند حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا بلند حصہ سورۃ بقرہ ہے، اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی سب آیتوں کی سردار ہے۔ وہ آیت الکرسی ہے، جس گھر میں پڑھی جائے گی اس میں سے شیطان ضرور بھاگ جائے گا۔ (الترمذی فی السنن، والحاکم وصححہ کما فی الدر المنثور) سورۂ بقرہ کو سب سے بڑی سورت ہونے کے اعتبار سے قرآن کا بلند حصہ فرمایا نیز اس اعتبار سے بھی کہ اسمیں احکام کثیر تعداد میں مذکورہ ہیں۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں جہاد کا حکم ہے جس سے رفعت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔ واللہ اعلم (مرقات شرح مشکوٰۃ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء، سورہ حج، سورہ نور کو سیکھو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ (درمنثور)

حروف مقطعات کی بحث

تفسیر: الٓمّٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ الٓمّٓ ۔ الٓرٰ ۔ الٓمّٓصٓ ۔ الٓمّٓرٰ ۔ حٰمٓ ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ طٰسٓ ۔ طٰسٓمّٓ ۔ طٰہٰ ۔ یٰسٓ ۔ صٓ ۔ قٓ ۔ نٓ ۔

ان میں الٓمّٓ چھ جگہ ہے۔ اور الٓمّٓرٰ پانچ جگہ ہے اور حٰمٓ چھ جگہ ہے اور طٰسٓمّٓ دو جگہ ہے۔ اور ان کے علاوہ باقی سب ایک ایک جگہ ہیں۔ کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہیں اس لئے مفسرین ان کے سامنے یوں لکھ دیتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ بذٰلک۔ (اللہ کو اس کا معنی معلوم ہے)۔

بہت سے اکابر جن میں خلفاء اربعہ اور ابن مسعودؓ بھی ہیں ان کا مؤقف یہی ہے جیسا کہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔ بعض حضرات نے ان کے کچھ معانی بھی بتائے ہیں کسی نے کہا ہے کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں آئے ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ الٓمّٓ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت شعبی نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ الٓمّٓ لفظ اللہ کا پہلا حرف ہے اور لام اللہ کے نام لطیف کا پہلا حرف ہے اور میم مجید کا پہلا حرف ہے اور ایک قول یہ ہے الف سے آلآء اللہ یعنی اللہ کی نعمتیں اور لام سے لطف اللہ یعنی اللہ کی مہربانی اور میم سے مجد اللہ یعنی اللہ کی بزرگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس میں سے کوئی بات رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ مفسرین نے حروف مقطعات کے ذریعہ سورتیں شروع کرنے کی یہ حکمت بھی لکھی ہے کہ اہل عرب کو بتانا تھا کہ یہ کتاب جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس کے کلمات انہیں حروف سے مرکب ہیں جو تمہاری گفتگو اور محاورات میں استعمال ہوتے ہیں۔ تم فصیح بلیغ ہو اس جیسی کتاب بنا کر لاؤ۔

جب ماہرین اس جیسی کتاب بنا کر نہیں لا سکتے تو ایک اُمی جس نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا اس کے بارے میں کیسے کہتے ہو کہ اس نے اپنے پاس سے بنا لیا۔ اگر یہ کلام کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم لوگ اس جیسا کلام بنانے سے کیوں عاجز رہ جاتے۔ اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں بیان کی ہیں جو مفسر بیضاوی نے لکھی ہیں۔ ان حروف کو اسی طرح الگ الگ پڑھنا ہے ان میں تجوید کے قواعد کے مطابق مد بھی ہیں جو مد حرفی مثقل اور مد حرفی مخفف کے نام سے کتب تجوید میں

بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اسکی وجہ سے اُسے ایک نیکی ملے گی اور وہ ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

قرآن مجید بلا ریب اللہ کی کتاب ہے

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں) مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔ اس کا وحی الٰہی ہونا اور خداوند قدوس کی طرف سے نازل ہونا یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں نظر صحیح کی جائے تو کسی عاقل کے لئے کسی طرح کے کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں اگر کسی کو کوئی شک ہے تو اس کی کج فہمی کی وجہ سے ہے اس کے شک کا اعتبار نہیں۔ اور جو شخص فکر صحیح کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لیکن پھر بھی منکر ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھے شک ہے تو اسے حقیقت میں شک نہیں ہے۔ ضد اور عناد نے اُسے اس پر آمادہ کیا ہے کہ حق اور حقیقت کا انکار کرے۔

قرآن مجید متقیوں کے لئے ہدایت ہے

هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (یہ کتاب ہدایت ہے متقیوں کیلئے) سورۂ بقرہ میں دوسری جگہ (رکوع ۲۳) میں قرآن مجید کو هُدًی لِّلنَّاسِ فرمایا اور یہاں هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ فرمایا ہے۔ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ قرآن کی دعوت عام ہے ہر انسان کو قرآن نے حق کی دعوت دی ہے اور بار بار سمجھایا ہے اور دلائل پیش کئے ہیں جن کو سامنے رکھ کر تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا بھی ہدایت پر آسکتا ہے لیکن چونکہ اس سے وہی لوگ نفع حاصل کرتے ہیں جو اپنی عقل و فکر کو استعمال کر کے حق قبول کرتے ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ ہمیں گمراہی میں نہیں رہنا اور شرک و کفر سے بچنا ہے اس لئے یہاں هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ فرمایا، لفظ اِتِّقَاء (جس سے متقی کا لفظ ماخوذ ہے اور اسکی جمع متقین ہے) اس کا معنی بچنے کا ہے اور ڈرنے کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے۔ لفظ تقویٰ اور اِتِّقاء دونوں کا مادہ ایک ہی ہے شرک اور کفر سے بچنا اور ایمان قبول کر کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا اور مزید ترقی کر کے مشتبہات سے بچنا اور اپنے باطن کو صرف ذات حق تعالیٰ شانہٗ ہی میں مشغول رکھنا اور اُسی کی طرف متوجہ رہنا یہ سب تقویٰ میں آتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں جو یہ بات بتائی گئی تھی کہ اس میں ہدایت پر ثابت رہنے کی دُعا ہے یہاں بھی وہ بات کہی جاسکتی ہے۔ جو لوگ متقی ہیں۔ قرآن مجید پڑھ کر اور سن کر ان کی صفت تقویٰ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ایمان بڑھ جاتا ہے۔ (فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ)

متقین کی صفات: اس کے بعد متقین کی صفات بیان فرمائیں اوّل یہ کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن باتوں کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں بتائی ہیں ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے اُن سب کو مانتے ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں، بغیر دیکھے صرف خبر پر ایمان لے آنا یہ ایمان بالغیب ہے اور ایمان بالغیب ہی معتبر ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو وہاں کے حالات سب ہی دیکھ لیں گے اور مان لیں گے لیکن دیکھنے کے بعد مان لینا اور ایمان لانا معتبر نہیں۔

متقیوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں یُصَلُّوْنَ نہیں فرمایا بلکہ

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ فرمایا۔ نماز قائم کرنا یہ ہے کہ نماز کے فرائض وواجبات وسُنن ومستحبات سب کو خوب دھیان اور خشوع خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ اتمام الرکوع والسجود والتلاوۃ والخشوع والاقبال علیھا فیھا۔ یعنی نماز کا قائم کرنا یہ ہے کہ رکوع سجدہ پورا پورا ادا کیا جائے اور تلاوت بھی صحیح ہو اور نماز میں خشوع بھی ہو اور نماز پڑھتے وقت نماز کا دھیان بھی ہو۔

پھر فرمایا: وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں) متقیوں کی صفت اقامت الصلوٰۃ بیان کرنے کے بعد (جو عبادت بدنیہ میں سے سب سے اہم اور سب سے بڑی عبادت ہے) مالی عبادت کا ذکر فرمایا۔ یعنی متقیوں کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُنکو عطا فرمایا ہے۔ اُس میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں مالی فرائض (زکوٰۃ اور عشر) اور واجبات (صدقہ فطر وغیرہ) نفلی صدقات سب داخل ہیں۔

پھر فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (جو لوگ متقی ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپکی طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا) ایمان وہ معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے تمام رسولوں پر اور اسکی تمام کتابوں پر ایمان ہو۔ اللہ کے کسی ایک نبی یا اسکی کسی ایک کتاب کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ میں اسی بات کا اعلان کیا گیا ہے وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ کے عموم میں قرآن کریم سے پہلی تمام کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا شامل ہے۔ بعض صحیفوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے (صحف ابراہیم وموسیٰ) اللہ کی جن کتابوں اور صحیفوں کا علم ہے اور جن کا علم نہیں' ان سب پر ایمان لانا اور اللہ کی کتاب ماننا فرض ہے۔

پھر فرمایا: وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں) ایمان کے تین اہم جزو ہیں۔ توحید' رسالت اور موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانا' یہاں ان تینوں چیزوں کو بتا دیا ہے۔ اور ساتھ ہی نماز اور زکوٰۃ کا بھی ذکر فرما دیا۔ کیونکہ ایمان قلبی کے بعد دوسرا درجہ نماز کا ہے اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔ ایک فریضہ بدنیہ اور دوسرا فریضہ مالیہ بیان فرما دیا۔

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ (آخر تک) اس آیت میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت پر ہونے اور کامیاب ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ جن کی صفات پہلے بیان ہوئیں۔ ان کو اس بات کی سند دی گئی کہ یہ ہدایت پر ہیں اور حقیقی اور واقعی کامیابی انہیں کو حاصل ہونے والی ہے جو آخرت میں اللہ کی رضا اور دُخولِ جنت کی صورت میں حاصل ہو گی۔ اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ
بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے برابر ہے کہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں' وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اُن کے دلوں پر'
وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ط وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۷
اور اُن کے سُننے کی قوت پر' اور اُن کی آنکھوں پر بڑا پردہ ہے' اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے

کافروں کی گمراہی اور آخرت میں بدحالی

تفسیر: اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں اُن کافروں کا ذکر فرمایا ہے جن کا اللہ کے علم

میں خاتمہ کفر پر ہونا ہے اور جو لوگ حق واضح ہوتے ہوئے اور حق و باطل کو سمجھتے ہوئے کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ہرگز کسی حالت میں اسلام قبول نہیں کرنا اللہ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرتِ ایمانیہ پر پیدا فرمایا پھر اس کے ماں باپ اسکو کفر پر ڈالدیتے ہیں اور وہ اپنے ماحول اور مُعاشرہ کی وجہ سے ایمانی استعداد کھو بیٹھتا ہے اور اپنے کو اس درجہ میں پہنچا دیتا ہے کہ کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جب انہوں نے اپنی شرارت اور عناد کی وجہ سے اپنی استعداد خود برباد کر دی تو اپنی تباہی کا سبب وہ خود ہی بن گئے لیکن چونکہ اللہ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے اس لئے اس خلق افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی جسے مُہر لگانے سے تعبیر کیا گیا۔ یہ مسئلہ قدرے باریک ہے اسی لئے اسی اجمال پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ جو لوگ کافر ہیں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں خواہ ہندو مشرک ہوں خواہ دوسری کسی قوم کے افراد ہوں اہل اسلام اُن سے ملتے رہتے ہیں۔ اور دلیل سے اُن کو عاجز اور خاموش کر دیتے ہیں اور اُن میں لاکھوں افراد ایسے ہیں جو قرآن اور اسلام کو حق جانتے ہیں پھر بھی نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں اور جو کوئی اسلام قبول کر لیتا ہے اُس کو کفر میں واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسلام کو حق جانتے ہوئے قومی یا مذہبی عصبیت کے باعث اسلام کیخلاف کتابیں لکھتے ہیں ان کے احوال اور اقوال پر نظر کرو تو اُن کا عناد اور ان کا حال معلوم کرنے کے بعد آیۃ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ کا مطلب بالکل واضح طور پر سمجھ میں آجاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا ہُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۹﴾ؕ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَہُمُ

اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے اُن

اللّٰہُ مَرَضًا ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ ۬ۙ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۱۰﴾

کا روگ بڑھا دیا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے

منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب

تفسیر: جب سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور دین اسلام خوب پھیلنے لگا تو یہودیوں اور خاص کر ان کے علماء اور احبار کو یہ بات زیادہ کھلی اور یہ لوگ دشمنی پر اُتر آئے کچھ لوگ اوس اور خزرج میں سے بھی اسلام کے مخالف ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت عام ہو جانے کے بعد کھل کر یہ لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دشمنی کے اظہار سے بھی عاجز تھے اس لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا' اندر سے کافر تھے اور ظاہر میں مسلمان تھے۔

ان کا سردار عبداللہ ابن اُبی تھا حضور اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے اوس اور خزرج نے عبداللہ بن اُبی کو اپنا بادشاہ بنانے اور اُس کو تاج پہنانے کا مشورہ کیا تھا سید العالمین ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کی سرداری نہیں چل سکتی تھی اُس نے اور اس کے ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شمار کر دیا اور اندر سے اسلام کی

کاٹ میں لگے رہے۔ ان کے اس طریقۂ کار میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر جو منافع ہیں وہ بھی ملتے رہیں اور کنبے اور قبیلے سے باہر بھی نہ ہوں اور اہل کفر سے بھی گٹھ جوڑ رہے۔ اور اُن سے بھی فائدہ ملتا رہے۔

اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر العیاذ باللہ اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور بقا زیادہ دیر تک نہ رہے تو حسب سابق پھر سرداری مل جائے گی لہٰذا یہ اُوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر رہے اور اسلام اور داعی اسلام کی ناکامی کے انتظار میں رہنے لگے مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں اور اس طرح سے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے تھے۔ اور خالص کافروں سے تنہائیوں میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ دل میں نمازی نہ تھے اس لئے جماعتوں کو حاضری میں سستی کرتے تھے۔ اور اکساتے ہوئے اُوپر کے دل سے نماز پڑھتے تھے جہادوں میں بھی شریک ہونے کے لئے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن کبھی تو درمیان سے واپس آ گئے اور کبھی ساتھ رہتے ہوئے ہی مکر و فریب کو کام میں لاتے رہے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور دل دکھانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم مُسلمان ہیں اور اسلام کے خلاف منصوبے بنا کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والی باتیں کر کے صاف انکار کر جاتے تھے۔ اور قسم کھا جاتے تھے کہ ہم نے تو نہیں کہا۔ ان لوگوں کے حالات سُورۃ بقرہ کے دُوسرے رکوع میں اور سورۃ نساء کے رکوع ۲۱ میں اور سورۃ منافقون میں اور سورۃ حشر میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور سورۃ برأت میں خوب زیادہ انکی قلعی کھولی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں کہ یہ کون کون تھے اور کس قبیلہ سے تھے۔ البدایہ والنہایہ اوائل کتاب المغازی میں یہودی علماء اور احبار جنہوں نے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی کھل کر مخالفت اختیار کی اور خوب زیادہ دشمنی میں لگ گئے اُن کے نام اور اُن لوگوں کے نام جو یہودیوں اور اوس و خزرج میں سے منافق بنے ہوئے تھے واضح طور پر ذکر کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مروّت کا برتاؤ فرماتے رہے اور انکی ایذاؤں کو سہتے رہے۔ آپ احسن اسلوب سے اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور دین اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس میں جہاں یہ حکمت تھی کہ شاید یہ لوگ مخلص مسلمان ہو جائیں وہاں یہ مصلحت بھی تھی کہ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو عرب کے دوسرے قبائل جو مسلمان نہیں ہوئے ہیں اور صحیح صورت حال انہیں معلوم نہیں وہ اسلام کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہو جائیں گے۔ اور شیطان ان کو یہ سمجھائے گا کہ دیکھو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنے ماننے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذِلّت کے ساتھ مسجد نبوی سے نکال دیئے گئے جس کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام (جلد ثانی کے اوائل) میں مذکور ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں اور ان کے بعد والی چند آیتوں میں منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر بھی ایمان لائے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ اہل ایمان نہیں ہیں۔ ایمان فعل قلب ہے صرف زبانی دعوٰی سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ جب تک دل سے اُن چیزوں کی تصدیق نہ کرے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ منافقین کے اسی دوغلے پن کو کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ حالانکہ مومن نہیں۔ سورۃ مائدہ میں اس طرح بیان فرمایا۔ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ۔ (یعنی اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں

نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے) اِس دورنگی اور دوغلے پن کو قرآن وحدیث میں نفاق اور منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ان کو منافق فرمایا گیا ہے۔

یہ کلمہ لفظ ''نَفَقٌ'' سے ماخوذ ہے۔نفق اُس سُرنگ کو کہتے ہیں۔جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ مُنافقین اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازے سے نکل جاتے ہیں اس لئے ان کے اس عمل کا نام نفاق رکھا گیا۔مفردات امام راغب میں ہے ومنه النفاق وهو الدخول فی الشرع من باب والخروج عنه من باب وعلی ذلک نبه تعالیٰ بقوله ان المنافقین هم الفاسقون ای الخارجون من الشرع منافقت کُفر کی بدترین اور خبیث ترین قسم ہے۔اس میں کفر بھی ہے، جھوٹ بھی ہے۔دھوکہ دہی بھی ہے ایسے لوگ صرف بندوں ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق بناتے ہیں اور جو کھلے کافر ہیں اُن کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔اور حال یہ ہے کہ وہ کسی میں سے نہیں جس کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا ہے۔ یُرَآءُ وْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِکَ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ (یعنی وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بس ذرا بہت یاد کرتے ہیں ایمان اور کفر کے درمیان مذبذب ہیں نہ ان کی طرف ہیں اور نہ اُنکی طرف) وجہ اسکی یہ ہے کہ منافق کسی کا نہیں ہوتا وہ صرف اپنا ہوتا ہے۔جہاں دنیا اور دُنیاوی منافع دیکھتا ہے موقعہ دیکھ کر اُسی طرف ہو جاتا ہے۔اور اتنے ہی وقت کے لئے ہوتا ہے جتنے وقت تک ضرورت محسوس کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان ایک بکری ہے وہ گابھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی اُس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔(مشکوٰۃ ص ۱۷)

منافقین اپنے اس عمل کو چالبازی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ دیا اور اپنا کام نکالا۔حالانکہ اس دھوکہ دہی اور چالبازی کا بُرا انجام خود انہی کے سامنے آئے گا۔اور یہ چالبازی انہیں کے لئے وبال جان بنے گی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے اصل نفع اور نقصان تک کو نہیں سمجھتے۔

نِفاق کا مرض بہت پرانا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔زمانہ نبوت کے منافقین اس مرض میں مُبتلا تھے۔جیسے جیسے اسلام آگے بڑھتا گیا منافقوں کا نفاق بھی بڑھتا رہا۔مرض نفاق حسد اور حُب دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔دنیا میں ایسا شخص ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں منافق کے لئے سخت سزا ہے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفاق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا۔ آج تو یا اسلام ہے یا کفر ہے۔اُن کا یہ ارشاد امام بخاری نے نقل کیا ہے۔شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے اس لئے ہم کسی مدعی اسلام کو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ منافق ہے۔رسول اللہ ﷺ کو اللہ پاک کی طرف سے اِس زمانہ کے منافقوں کے نفاق کا علم تھا اس لئے متعین طریقے پر اُن کو منافق قرار دیا گیا ہم ظاہر کے مکلف ہیں جو شخص کہے گا میں مُسلمان ہوں اس کو مسلمان سمجھیں گے۔جب تک کہ اس سے کفر کا کوئی کلمہ یا کفر کا کوئی کام صادر نہ ہوا گر کسی کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ ظاہر میں مسلمان بنتا ہے۔اندر سے مسلمان نہیں ہے اُسے مُنافق کہے بغیر اپنی حفاظت کریں گے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فَساد مت کرو تو کہتے ہیں۔کہ ہم تو صرف اصلاح ہی کرنیوالے ہیں۔خبر دار بلا شبہ یہی لوگ مُفسد ہیں۔

وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ

لیکن نہیں سمجھتے ہیں۔اور جب کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف ایمان لے آئے۔

السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَإِذَا خَلَوْا

خبردار بلاشبہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔اور جب یہ لوگ اُن سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔اور جب تنہائیوں میں

اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ

اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ہم تو صرف مذاق بنانے والے ہیں۔اللہ اُن کا مذاق بناتا ہے اور اُن کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

سرکشی میں اندھے ہو کر بھٹک رہے ہیں۔

منافقوں کے دعوے اور اُن کا طریقِ کار

تفسیر: ان آیات میں منافقین کے بعض دعوے نقل فرمائے ہیں۔اور اُن کا طریقۂ کار ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے تھے کہ اجی ہم کہاں فساد کہاں؟ ہمارا کام تو اصلاح کرنا ہی ہے۔ اُن کی تردید میں فرمایا کہ خبردار بلاشبہ یہ لوگ فسادی ہی ہیں لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے، جس فساد میں یہ لوگ مبتلا تھے اُس میں کئی طرح سے حصہ لیتے تھے۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنے کھڑے کرتے تھے۔اور دشمنانِ اسلام کو لڑائیوں پر آمادہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے بھید دشمنوں تک پہنچاتے تھے۔اور جو لوگ مسلمان ہونے کا ارادہ کرتے اُن کو اسلام سے روکنے کا سبب بنتے تھے۔اور مسلمانوں کا مذاق بناتے تھے فساد کے کاموں میں مبتلا ہوتے ہوئے اُن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تو اصلاح ہی کرنیوالے ہیں مفسر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں فریق یعنی مسلمین اور کافرین کی مدارات کرتے ہیں۔ دونوں میں جوڑ لگانے اور دونوں کے تعلقات استوار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (و کذا نقله السیوطی عن ابن عباس فی الدر) اُنہوں نے اپنے نفاق کو اصلاح سے تعبیر کیا' اُن کا دعویٰ جھوٹ تھا دونوں فریق میں سے ہر فریق اُن کو اپنی جماعت سے علیحدہ سمجھتا تھا (لا إلى هؤلاء ولا إلى هؤلاء) جس شخص سے دونوں جانب میں سے کوئی بھی مطمئن نہ ہو وہ کیا جوڑ بٹھا سکتا ہے۔ پھر ایمان اور کفر میں جوڑ بٹھانے کا ارادہ کرنا بھی مزید کفر ہے۔ایمان اور کفر کا جوڑ بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اُن کا دعوٰی اصلاح صرف دھوکہ ہے اور وہ اس کے نتیجہ سے ناواقف ہیں۔اُن کے عمل سے جو فساد پھیلتا ہے اس کو نہیں سمجھتے اور آخرت میں جو اس کا وبال ان پر پڑے گا اس کو نہیں جانتے۔اور جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ ایمان لے آؤ یعنی دین اسلام کو سچے دل سے قبول کرو تو وہ کہتے تھے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو بے وقوف ہیں ہم بیوقوفی کا کام کیوں کریں۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور خاص کر انصار کے دونوں قبیلے اُوس اور خزرج جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ان کو انہوں نے بیوقوف بنایا۔اور گویا اپنے سمجھدار اور ہوشیار ہونے کا دعوٰی کیا۔اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ خود بیوقوف ہیں۔لیکن جانتے نہیں ہیں۔جس نے ایمان کھویا کفر اختیار کیا اسلام کو نقصان پہنچایا اپنی

آخرت برباد کی اور دُنیا میں مومنین اور کافرین دونوں کے نزدیک مطعون اور قابل ملامت ہوا اسکی بیوقوفی میں کیا شک ہے؟

منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ مومنین سے کہتے تھے کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں یعنی کفر کے سرغنوں کے پاس جاتے تھے جو کھلے کافر تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ بلا شبہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ جو ہم مسلمانوں سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ تو ہمارا مذاق ہے۔ اُن کا مذاق بنانے کے لئے بطور دل لگی ہم اُن کے سامنے اُن کی جماعت میں ہونے کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن اندر سے اور دِل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (قال ابن عباسؓ کان رجال من الیھود اذا لقوا اصحاب النبی ﷺ او بعضھم قالوا انا علی دینکم واذاخلوا الی شیاطینھم وھم اخوانھم قالوا انّا معکم ای علی مثل ما انتم علیہ انما نحن مُسْتَھْزِءُ وْنَ ساخرون. (درمنثور)

انہوں نے یہ جو کہا کہ ہم مسلمانوں کا مذاق بناتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کا مذاق بناتا ہے یعنی وہ ان کے اس استہزاء اور مذاق بنانے کا بدلہ دے گا انہوں نے استہزاء کر کے مُسلمانوں کے ساتھ جو حقارت کا معاملہ کیا اسکی پاداش میں آخرت میں ذلیل اور رُسوا ہوں گے۔ اور ان کے استہزاء کا وبال انہیں پر پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ اُن کو ڈھیل دے رہا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت فائدہ میں ہیں حالانکہ وہ دوزخ کی طرف جا رہے ہیں یہاں دُنیا میں مسلمانوں کی طرف اشارے کرتے ہیں زبانوں سے کنکھیوں سے اُن کا مذاق بناتے ہیں۔ آخرت میں مومنین اِن پر ہنسیں گے۔ (فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ) سورۂ حدید کے دوسرے رکوع میں منافقین کے پیش آنیوالے ایک استہزاء کا ذکر ہے۔ (فَضُرِبَ بَیْنَھُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاھِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ) جس کی تفسیر ان شاء اللہ اپنی جگہ پر بیان ہوگی۔

دنیا میں منافقین اپنے مال اور جائیداد وغیرہ میں مشغول ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں ان کا سمجھنا غلط ہے ان کا مال اور جائیداد اُن کو گمراہی اور سرکشی میں لگائے ہوئے ہیں اور وہ اسی گمراہی میں حیران اور سرگرداں ہو کر بھٹک رہے ہیں۔ دُنیاوی مال اور جائیداد سے دھوکہ کھانا اور یہ سمجھنا کہ کفر کے ہوتے ہوئے یہ ہمارے لئے مفید اور نافع ہے، بہت بڑا دھوکہ ہے سورہ مومنون میں فرمایا۔

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّایَشْعُرُوْنَ (کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور بیٹے دیئے چلے جاتے ہیں (اس طرح) ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (بات یوں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی۔ سو اُن کی تجارت نفع مند نہ ہوئی۔ اور نہ وہ ہدایت پر چلنے والے بنے

منافقین نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی

تفسیر: اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمان پر پیدا فرمایا پھر عقل اور ہوش بھی دیا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ کتابیں نازل فرمائیں اس سب کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت کو اختیار نہ کرے اور گمراہی کو اختیار کرے تو

یہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والا بن گیا اس نے اپنی عقل و بصیرت کی پونجی کو جس کے ذریعہ ہدایت پر چل سکتا تھا' ضائع کر دیا اور گمراہی اختیار کر لی۔ یعنی اپنی پونجی گمراہی حاصل کرنے میں لگا دی ایسے لوگوں کی یہ تجارت نفع مند نہیں' بلکہ سراسر نقصان اور خسران کا باعث ہے۔ حقیر دنیا کے لئے گمراہی لی ہدایت سے منہ موڑا آخرت کی بربادی کو خرید افطرتِ سلیمہ جو اُن کی پونجی تھی اس کو برباد کیا ایسی تجارت میں نفع کہاں؟ نقصان کو نفع سمجھنا بہت بڑی حماقت اور خود فریبی ہے۔ اہل ایمان کو دھوکہ دیا اُن کو بیوقوف بتایا اور خود ہی دھوکہ میں پڑے اور برباد ہوئے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ
ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی پھر جب اُس آگ نے اس شخص کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنکی روشنی کو ختم کر دیا۔ اور اُنکو اندھیروں میں چھوڑ دیا
فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾
کہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ یہ لوگ بہرے ہیں' گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوگ رجوع نہ ہوں گے

منافقوں کے بارے میں دو اہم مثالیں

تفسیر: منافقوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور دل میں اُن کے ایمان نہ تھا ظاہری ایمان قبول کرنے سے جو کچھ انہیں دنیاوی فائدہ پہنچ گیا مثلاً جان و مال محفوظ کر لیا کہ مسلمان ان سے تعرض نہ کریں اس کو اولاً ایسے شخص سے تشبیہ دی جو اندھیری رات میں آگ جلائے اور اُس روشنی سے راستہ دیکھنے کا فائدہ حاصل کرنا چاہے۔ اور اُن لوگوں کا جو انجام ہونے والا ہے کہ مرتے ہی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کو اس آگ کے بجھانے سے تشبیہ دی جس کو انہوں نے روشنی کے لئے جلایا تھا۔ دنیا میں جھوٹے منہ سے ایمان ظاہر کر کے ذرا سا فائدہ اُٹھالیا اور ہمیشہ کے لئے عذاب الیم میں گرفتار ہوئے جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں آگ جلائے اور روشنی ہو جائے تو وہ روشنی اللہ تعالیٰ شانہٗ ختم فرما دے اور یہ آگ جلانے والا اندھیروں میں حیران کھڑا رہ جائے نہ کچھ دیکھ سکے نہ بوجھ سکے' منافقوں نے اپنے طور پر بڑی ہوشیاری کی کہ ایمان ظاہر کر کے دُنیا کا کچھ فائدہ اُٹھالیا لیکن دل میں جو کُفر گھسا ہوا ہے اسکی وجہ سے موت کے بعد جن مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے اس کو نہ سوچا اور کفر میں بڑھتے بڑھتے اس درجے پر پہنچ گئے۔ کہ بہرے بھی ہیں حق سننے کے قابل نہ رہے اور گونگے بھی ہیں جن کے منہ سے کلمہ حق ادا نہیں ہو سکتا اور اندھے بھی ہیں جو راہِ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا نفع نقصان جاننے اور سمجھنے سے غافل ہیں۔ اُن کے بارے میں اب نہ سوچا جائے کہ وہ حق کی طرف رجوع کریں گے اور دل سے مسلمان ہوں گے۔ ذکر ابن کثیر فی شرح المثل عدة اقوال وقد اخترنا ما نقله عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال هذا مثل ضربه الله للمنافقين انهم كانوا يعتزون بالاسلام فيناكحهم المسلمون ويوارثونهم ويقاسمونهم الفئ فلما ماتوا سلبهم الله ذلك العز كما سلب صاحب النار ضوءه.

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ
یا ان کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان سے تیز بارش ہو رہی ہو اُس میں اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ

یہ لوگ موت کے اندیشے کے سبب اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہے ہیں کڑک کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہیں ہے کافروں کا قریب ہے کہ بجلی

كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَھَبَ

اُن کی بینائی کو اُچک لے جب کبھی اُن کے لئے روشنی ہوئی تو اس میں چلنا شروع کردیا اور جب اندھیرا ہوگیا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ چاہے

بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تو ان کے سُننے اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرما دے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے

تفسیر : ان دو آیتوں میں منافقین کی دوسری مثال پیش فرمائی جیسے تیز بارش ہو اندھیریاں چھائی ہوئی ہوں گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو موت کا سامنا ہو۔ جو لوگ وہاں موجود ہوں۔ کڑک کی آواز سے خوف زدہ ہو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ ابھی موت آ جائے گی۔ کڑک کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہیں۔ سخت بجلی اُنکی آنکھوں کی روشنی سَلب کرنے کو ہے اِسی حیرانی اور پریشانی میں کھڑے کھڑے جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو اسکی روشنی میں ایک دو قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران سرگردان کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے جب غلبہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس کا نور پھیلتا ہوا نظر آتا ہے تو اسکی طرف بڑھنے لگتے ہیں پھر جب دنیا کی محبت زور پکڑتی ہے اور دُنیاوی فائدے کفر اختیار کئے رہنے میں نظر آتے ہیں تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی ایمان کی طرف بڑھنے سے رُک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و قُدرت سے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اسکی طرف بڑھنا اور اس کا دین قبول کرنا لازم ہے۔ وہ چاہے تو سُننے اور دیکھنے کی ساری قوتیں ختم فرمائے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مفسّر بیضاوی لکھتے ہیں کہ منافقین کو اُصحاب صَیِّب (بارش والوں) سے تشبیہ دی اور اُن کے (ظاہری) ایمان کو جو کفر اور دھوکے بازی کے ساتھ ملا ہوا تھا ایسی بارش سے تشبیہ دی جس میں اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو یہ تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ بارش اگرچہ فی نفسہ نافع ہے لیکن جب مذکورہ صورت میں بارش نازل ہوئی تو اس کا نفع ضرر سے بدل گیا اور منافقین نے جو نفاق اسلئے اختیار کیا کہ مؤمنین کی طرف سے جو تکالیف پہنچنے والی ہوں اور کھلے کافروں کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہوں ان سے بچاؤ ہو جائے ان کی اس منافقت کو کانوں میں انگلیاں دینے سے تشبیہ دی جیسے کوئی شخص بجلیوں کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہا ہو اور موت سے ڈر رہا ہو تو جس طرح کانوں میں انگلیاں دینے سے اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں ٹالا جا سکتا اسی طرح سے منافقت اختیار کرنے سے مصائب و آلام سے حفاظت نہیں ہو سکتی اور شدت الامر کی وجہ سے جو ان کو حیرانی اور یہ پریشانی تھی کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں اسے بجلی سے تشبیہ دی کہ کوئی موقع پاتے ہیں تو ذرا اپنے مقاصد میں آگے بڑھ جاتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ خوف لگا ہوا ہے۔ کہ بجلی ان کی آنکھیں نہ اُچک لے۔ لہٰذا چند قدم چلتے ہیں پھر جب بجلی کی چمک ختم ہو جاتی ہے تو بلا حس و حرکت کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

پھر دوسری طرح سے بھی اس تشبیہ کی تقریر کی ہے (راجع البیضاوی) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال اُن منافقوں کے بارے میں پیش فرمائی ہے جو بہت مضبوطی کے ساتھ کفر پر جمے ہوئے تھے اُن کے بارے میں فرمایا وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔

اور دوسری مثال اُن منافقوں کے بارے میں ہے جن کو اسلام کے بارے میں تر دّ د تھا کبھی اسکی حقانیت دل میں آتی تو اسکی طرف مائل ہونے لگتے اور جب دُنیاوی اغراض سامنے آتیں اور دُنیا کی محبت زور پکڑ لیتی تو وہ میلان ختم ہو جاتا تھا اور کفر ہی پر جمے رہ جاتے تھے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ﴿۲۱﴾
اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا فرمایا اور اُن لوگوں کو بھی پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ'
الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ
جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت' اور اُتارا آسمان سے پانی' پھر نکال دیا اس کے ذریعہ
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۲۲﴾
پھلوں سے تمہارے لئے رزق' لہٰذا مت بناؤ اللہ کے لئے مقابل' حالانکہ تم جانتے ہو

دعوت توحید اور دلائل توحید

تفسیر: مومنین مخلصین اور کافرین اور منافقین کا ذکر کرنے کے بعد اب دلائل کے ساتھ توحید کی دعوت دی گئی۔ اور اللہ جل شانہٗ کی شان خالقیت اور شان ربوبیت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی قُدرت اور نعمت کا تذکرہ فرمایا جس کا مظاہرہ سب کے سامنے ہے اور ایک کم سمجھ آدمی بھی اس کو دیکھتا ہے۔

اوّل: تو یہ فرمایا کہ تم اپنے رب کی عبادت کرو جو تمہاری پرورش فرماتا ہے اور یہی نہیں کہ صرف پرورش فرماتا ہے بلکہ اس نے تم کو وجود بھی بخشا ہے' ممکن ہے کوئی ناسمجھ یہ کہنے لگتا کہ مجھے تو میرے ماں باپ نے پیدا کیا اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے فوراً ہی یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ تم سے پہلے ہیں ان سب کو اُسی نے پیدا فرمایا ہے اس نے وجود بھی دیا اور وہ وجود کو باقی رکھے ہوئے بھی ہے اور وجود کے باقی رہنے کے جو اسباب ہیں وہ بھی اُسی نے پیدا فرمائے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ جب اسی ذات پاک کی عبادت کو اختیار کرو گے اسی میں لگو گے تو تم کو صفت تقویٰ حاصل ہوگی۔ تقویٰ عربی زبان میں بچنے اور پرہیز کرنے کو کہتے ہیں اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔ سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک کا مراقبہ رکھے اور ہر وقت اسی کی طرف دل و دماغ کو متوجہ رکھے اُسی کے لئے جیئے اور اُسی کے لئے مرے' چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔ جب کسی کو خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات پاک کا استحضار رہے گا تو کہاں گناہ کر سکے گا اور جب گناہوں سے بچے گا تو ظاہر ہے دوزخ سے بھی محفوظ رہے گا۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے تاکہ تم دوزخ سے بچو۔ سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ شرک سے بھی بچے اور توحید کو اختیار کرے جو سب سے بڑی عبادت ہے اور چھوٹے بڑے گناہوں سے بھی پرہیز کرے ایسا کرے گا تو ظاہر ہے کہ دوزخ سے ضرور اسکی حفاظت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی قُدرت اور شان خالقیت کا مظاہرہ تو ہر چھوٹی بڑی چیز میں ہوتا ہے لیکن بہت واضح چیزیں جو سب کے سامنے ہیں اور کم سمجھ بھی جن کو سمجھتا اور جانتا ہے اُن میں سے تین چیزیں بیان فرمائیں۔ جن میں سے اوّل یہ ہے کہ اُس

نے زمین کو پیدا فرمایا۔ یہ زمین سب کے سامنے ہے اس پر بستے ہیں اور رہتے سہتے ہیں اگر کوئی نابینا ہو تو وہ بھی یہ تو جانتا ہی ہے کہ میں کسی چیز پر آباد ہوں کسی چیز پر چل پھر رہا ہوں' جو زمین ہے اس کا وجود ہی بتاتا ہے کہ اس کا پیدا کرنیوالا بڑی قدرت والا ہے پھر زمین کا وجود محض وجود ہی نہیں بلکہ انسانوں کے لئے اس کا وجود بہت بڑی نعمت ہے ساری زمین انسانوں کے لئے بچھونا ہے جس پر رہتے سہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں اس کے اتنے بڑے پھیلاؤ میں انسانوں کے رہنے کے مکانات بنانے چلنے پھرنے سفر کرنے حاجتیں پوری کرنے کے مواقع ہیں اگر زمین پر پہاڑ ہی پہاڑ ہوتے یا پانی ہی پانی ہوتا تو اس پر رہنا دُشوار ہو جاتا۔ زمین کے ساتھ ہی آسمان کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ آسمان کو تمہارے لئے چھت بنایا۔ یہ چھت ستاروں سے مُزّین ہے۔ دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی طرف نظر کرنے سے فرحت اور بشاشت محسوس ہوتی ہے۔ صاحب بیان القرآن نے اپنے رسالہ رفع البناء کے آخر میں لکھا ہے کہ بعض حکماء کا قول ہے کہ آسمان کی طرف دیکھنے سے دس فائدے ہیں (۱) غم کا کم ہونا (۲) وسواس کی تقلیل (۳) وہم اور خوف کا ازالہ (۴) اللہ کی یاد (۵) قلب میں اللہ کی عظمت کا پھیل جانا (۶) افکار ردّیہ کا جاتا رہنا (۷) سوداوی مرض کے لئے نافع ہے (۸) مشتاق کی تسلی (۹) محبین کا مونس ہونا (۱۰) دعا کرنیوالوں کا قبلہ ہے اھ نقله عن كتاب الحكمة للغزالی.

پھر بارش کے پانی کا تذکرہ کیا اور یہ فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے آسمان سے پانی اُتارا اور اس کے ذریعہ طرح طرح کے پھل پیدا فرمائے جو بنی نوع انسان کے لئے رزق ہیں اور غذا ہیں ان کے ذریعہ انسانوں کی پرورش اور بقا ہے اس میں دلائل قُدرت بھی ہیں اور شان ربوبیت کا اظہار بھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے اس میں طرح طرح کے پھل ہیں جن کے رنگ بھی مختلف ہیں مزے بھی مختلف ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ جب اپنے رب اور خالق کو تم نے اس کے دلائل قدرت کے ذریعہ اور اسکی نعمتوں کے واسطہ سے پہچان لیا تو عقل اور سمجھ کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اسکو ایک جانو اور ایک مانو اسکی الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کرو۔ اور اس کے مقابل شریک مت ٹھہراؤ۔ اُس کے علاوہ نہ کوئی رب ہے نہ کوئی خالق ہے نہ نعمتیں دینے والا ہے نہ زندگی کے اسباب پیدا کرنیوالا ہے۔ ان سب باتوں کو جانتے اور سمجھتے ہوئے اس کے لئے شریک تجویز کرنا اور کسی کو اس کے علاوہ عبادت کا مستحق سمجھنا علم و فہم اور عقل و دانش کے خلاف ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ
اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بلالو اپنے مددگاروں کو
مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾
اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو

رسالت محمدیہ ﷺ کی دلیل اور قرآن پاک کا اعجاز

تفسیر: توحید کے ثابت کرنے کے بعد رسالت کے ماننے اور تسلیم کرنے کی دعوت دی جارہی ہے' کوئی شخص خالق

و مالک کو مان لے تو اسکی معرفت کی بھی ضرورت رہتی ہے اسکی ذات وصفات کو جاننا اور ماننا لازم ہے اور ان کا علم خود بخود نہیں ہو سکتا اور خالق و مالک جل مجدہ کی عبادت کے طریقے اپنے پاس سے ایجاد نہیں کئے جا سکتے۔ لہٰذا ان سب چیزوں کے سمجھانے اور بتانے کے لئے اللہ جل شانہٗ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا جو انسان تھے اور انسانوں سے انسان کی زبان میں بات کرتے تھے۔ جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے ان کی نبوت ثابت کرنے کے لئے ہر ایک زمانہ کے ماحول کے اعتبار سے معجزات دیئے گئے۔ آخر الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خطہ عرب میں پیدا ہوئے مکہ معظمہ آپ کا وطن تھا جو جزیرہ عرب میں واقع ہے اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا' اہل عرب جب مختلف مواقع میں جمع ہوتے تھے تو مقابلے کے طور پر مختلف قبائل اپنے اپنے قصیدے سُنایا کرتے تھے۔

جس کا قصیدہ بہت زیادہ فصیح بلیغ سمجھا جاتا اُس کو کعبہ شریف پر لٹکا دیتے تھے اور یہ گویا ایک قسم کا چیلنج ہوتا تھا کہ کوئی شخص اس کا مقابلہ میں قصیدہ لکھ کر پیش کرے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت عامہ سارے عالم کے انسانوں کے لئے ہے' قیامت آنے تک آپ ہی رسول ہیں۔ آپ ہی کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے میں سب کی نجات ہے آپ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا جو حدیث سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور ان معجزات پر مُستقل کتابیں لکھی گئی ہیں ان معجزات میں بہت بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو آپ پر نازل ہوئی جس کا نام قرآن مجید ہے اس زمانہ میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا بہت چرچا تھا اور مخاطبین اوّلین چونکہ اہل عرب ہی تھے۔ اس لئے یہ ایک ایسا معجزہ دے دیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے تمام شعراء عرب عاجز رہ گئے۔ اور اُسکو دیکھ کر بہت سے شعراء نے کلام کہنا ہی چھوڑ دیا جن میں حضرت لبید بن ربیعہؓ بھی تھے۔ ان کا قصیدہ بھی اُن قصائد میں شامل ہے جن کو مقابلہ کے لئے کعبہ شریف پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کرایا کہ زمانہ اسلام میں آپ نے کیا اشعار کہے ہیں انہوں نے جواب دیا۔ ابدلنی اللہ بالشعر سورۃ البقرۃ و سورۃ آلِ عمران (الاصابہ)

مذکورہ بالا آیت میں اہل عرب کو قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرنے کے لئے تحدّی کی گئی ہے یعنی مقابلہ میں کوئی سورت لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ تم سب اپنے حامیوں اور مددگاروں کو بُلا لو اور اللہ تعالیٰ کے سوا سارے حمایتوں کو جمع کرو پھر قرآن کریم جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرو۔ پہلے دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت لانے کے لئے فرمایا گیا تمام فصحاء بلغاء ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی بنا کر نہ لا سکے اور یکسر عاجز رہ گئے۔

سورۃ یونس میں ارشاد فرمایا: قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (آپ فرما دیجئے کہ لے آؤ تم کوئی سورۃ اس جیسی' اور بُلا لو جس کو بھی بُلا سکتے ہو اللہ کے سوا' اگر تم سچے ہو)

قرآن کریم کا معجز ہونا ایسی ظاہر بات ہے جو سب کے سامنے ہے اور سب کو اس کا اقرار ہے دُشمن بھی اس کو جانتے اور مانتے رہے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بعضے جاہلوں نے تو یہ کہہ کر اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی کہ: لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کہہ دیں) لیکن کر کچھ نہ سکے اور کچھ لوگوں نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارتیں بنائیں پھر خود ہی آپس میں مل کر بیٹھے تو تسلیم کر لیا کہ یہ قرآن جیسی نہ بنی اور آج تک بھی کوئی بنا کر نہ لا سکا اور نہ لا سکے گا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (آپ فرما دیجئے کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جنات کہ وہ لے آئیں اس قرآن جیسا تو نہیں لائیں گے اس جیسا اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ
سو اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، سو ڈرو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ تیار کی گئی ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾
کافروں کے لئے

قرآن کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے

تفسیر: اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ہرگز قرآن کے مقابلہ میں اس جیسی کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکتے ہو اور کبھی بھی نہ لا سکو گے اس میں رہتی دُنیا تک کے لئے قرآن کے دنیا میں باقی رہنے کی پیشین گوئی کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہے کہ اس جیسا کوئی بھی جماعت یا کوئی فرد نہیں بنا سکتا۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں صادق ہیں سچی ہیں سب کے سامنے ہیں چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت عام ہے تمام افراد انسانی جب تک بھی دنیا میں رہیں ان پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا دین قبول کریں۔ چونکہ سارے انسانوں کے لئے سارے زمانوں اور سارے مکانوں میں آپ کی دعوت قیامت آنے تک ہے اس لئے کسی ایسے معجزہ کی بھی ضرورت تھی جو ہمیشہ زندہ اور تابندہ رہے یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو اللہ کا کلام ہے اور اس کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے تمام انسان اور جنات افراد اور جماعتیں عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔

قرآن موجود ہے اسکی دعوت عام ہے اسکی حقانیت اور سچائی واضح ہے پھر بھی کفر میں اور شرک میں بے شمار قومیں کروڑوں افراد مبتلا ہیں قرآن سُنتے ہیں اور اس کو حق جانتے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ عناد اور ضد اور تعصب قومی اور مذہبی نے انکو دعوت قرآن کے ماننے سے اور اسلام قبول کرنے سے روک رکھا ہے سب کچھ جانتے ہوئے پھر اسلام قبول نہ کرنا اپنے لئے عذاب آخرت مول لینا ہے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآن کے مقابلہ میں کوئی سورت نہیں لا سکتے اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو دوزخ کی آگ سے اپنے کو بچاؤ یعنی قرآن لانے والے کی رسالت اور دعوت کے منکر ہو کر عذاب دائمی کے مستحق نہ بنو اور دیکھتے بھالتے دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن نہ بنو اس آگ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں۔ انسان تو وہی ہیں جو اس کے منکر ہیں اور ایمان لانے کو تیار نہیں اور پتھروں کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ پتھر جن کی دُنیا میں مُشرکین عبادت کیا کرتے تھے دوزخ میں ہوں گے۔ سُورۃ انبیاء میں فرمایا۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (بے شک تم اور وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس پر وارد ہونے والے ہو)

تفسیر درِ منثور میں بحوالہ طبرانی، حاکم اور بیہقی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ میں فرمایا ہے۔ کبریت (گندھک) کے پتھر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرما دیا۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ بلاشبہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جب کبھی بھی

رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ

انکو ان باغوں میں سے کوئی پھل بطور غذا کے دیا جائے گا تو کہیں کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا اور انکو ہم شکل پھل دیئے جائیں گے

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان کے لئے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں۔ اور وہ اُن باغوں میں ہمیشہ رہیں گے

اہل ایمان کو جنت کی بشارت

تفسیر: کافروں کی سزا بتانے کے بعد (جو اُوپر کی آیت میں مذکور ہوئی) اس آیت میں اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ والے بندوں کی جزا ذکر فرمائی ہے جو طرح طرح کی نعمتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوگی۔

اوّل: تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ باغوں میں رہیں گے یہ باغات دار النعیم میں ہونگے جسے جنت کہا جاتا ہے ان باغوں میں رہنے کے لئے مکان بھی ہونگے جیسا کہ سورہ صف میں وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ فرمایا ہے ان باغات میں نہریں جاری ہوں گی جو صاف ستھرے پانی کی ہوں گی جس میں کسی طرح کا تغیر نہ ہوا ہوگا۔ اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہ ہوا ہوگا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے لذت کا ذریعہ ہوں گی۔ اور صاف ستھرے شہد کی نہریں ہوں گی جیسا کہ سورۃ محمد ﷺ میں ان نہروں کا ذکر فرمایا ہے۔

اور جو شراب وہاں پی جائے گی وہ لذت کے لئے ہوگی۔ اس سے نہ نشہ آئے گا اور نہ سر میں درد ہوگا۔ سورۃ الصافات میں فرمایا ہے لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (یہ اس میں دردِ سر ہوگا نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)

دوم: یہ فرمایا کہ ان باغوں کے درختوں میں جو پھل ہوں گے وہ ان کو کھانے کے لئے پیش کئے جائیں گے اور جب کبھی بھی کوئی پھل لایا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور وجہ اسکی یہ ہوگی کہ وہ پھل آپس میں ہم شکل ہوں گے اگرچہ لذت اور مزے میں مختلف ہوں گے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ من قبل سے یہ مراد ہے کہ دنیا میں جو پھل ہمیں دیئے گئے تھے یہ اُسی جیسا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہیں جنت میں جو پھل دیئے جائیں گے اُن کے بارے میں کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ابھی پہلے کھایا تھا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے معنی لینا زیادہ ظاہر ہے تاکہ لفظ كُلَّمَا کا عموم باقی رہے (کیونکہ جنت میں سب سے پہلے جب پھل ملے گا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے دیا گیا تھا اُسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب من قبل سے دنیا والے پھل مُراد لئے جائیں) لیکن صاحب تفسیر نسفی لکھتے ہیں۔

والضمير فی به يرجع الى المرزوق فی الدنيا والاخرة لان قوله هذا الذی رزقنا من قبل انطوی تحته ذكر ما رزقوه فی الدارين

جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا یہ کہنا کہ "یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے مل چکا ہے"۔ دونوں پھلوں کے بارے میں ہے' دنیا والے پھل اور جو پھل وہاں دیئے جاتے رہیں گے دونوں مراد ہیں جو پھل اُن کو دیئے جائیں گے دیکھنے میں بظاہر دُنیاوی پھلوں سے مشابہ ہوں گے' جس چیز کو پہلے دیکھا ہو اس سے اُنس اور اُلفت زیادہ ہوتی ہے اور اُسکی طرف طبعی میلان زیادہ ہوتا ہے اس لئے ظاہری صورت میں وہ پھل دنیا والے پھلوں کی طرح ہوں گے اور حقیقت میں اُن کا مزہ اور کیف دوسرا ہی ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جنت کے پھلوں سے دنیا میں کوئی پھل نہیں بس ناموں کی مشابہت ہے یعنی پھلوں کو دیکھ کر اہل جنت کہیں گے کہ یہ سیب ہیں۔ یہ انار ہیں' ہم نے اُن کو دُنیا میں کھایا تھا۔ لیکن وہ مزے میں دُنیاوی پھل کی طرح نہ ہونگے بلکہ اُن کا مزہ اور کیف جنت کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ سورۃ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ. بعض حضرات نے یہ اشکال کیا ہے کہ دنیا والے پھل مراد لئے جائیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جنتی پھل صرف انہی پھلوں کے مشابہ دیئے جائیں اور پھر اُن پھلوں کے انواع واقسام پیش کئے جاتے رہیں جو دُنیاوی پھلوں کے مشابہ نہ ہوں اور ان میں آپس میں مُشابہت ہو تو اس میں کوئی بات عقل وفہم سے بعید نہیں ہے۔ اہل جنت کو بار بار اور ہمیشہ ایسے پھل دیئے جانا کہ جن میں ظاہری مُشابہت ہو اور حقیقت میں مزہ اور کیف الگ الگ ہو اس سے بہت زیادہ استغراب واستعجاب ہوگا۔ اور اس سے خوشی دوبالا ہوگی۔

سوم: یہ فرمایا کہ اُن لوگوں کے لئے بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مطهرة من القذى والاذى کہ وہ گندگی اور تکلیف دینے والی چیز سے پاک ہوں گی۔ اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا: من الحيض والغائط والبول والنخام والبصاق والمنى والولد۔

یعنی وہ بیویاں حیض سے' اور پیشاب پاخانہ سے' ناک سے نکلنے والے بلغم سے' تھوک سے' اور منی سے پاک وصاف ہوں گی اور اولاد بھی نہ ہوگی جس کے باعث نفاس آتا ہے۔ حضرت قتادہؒ نے فرمایا: مطهرة من الاذى والمأثم یعنی وہ بیویاں ہر تکلیف والی چیز سے اور نافرمانی سے پاک ہوں گی۔ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ اُن عورتوں میں کسی قسم کی کوئی چیز گھن والی اور تکلیف دینے والی نہ ہوگی۔ اُن کا ظاہر اور باطن سب کچھ عمدہ اور بہترین ہوگا۔ شوہروں کی بات مانیں گی نافرمانی نام کو بھی نہ ہوگی۔ (مذکورہ اقوال تفسیر ابن کثیر میں نقل کئے گئے ہیں) مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ مُطَهَّرَةٌ (باب تفعیل سے) فرمایا اور طَاهِرَاتٌ نہیں فرمایا اس سے ان کی طہارت اور پاکیزگی کو نہایت اعلیٰ طریقے پر بیان فرمانا مقصود ہے کہ ان کو ایک پاک کرنیوالے نے پاک بنایا ہے اور وہ پاک بنانیوالا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اِن بیویوں کا حسن وجمال دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ رحمٰن میں ارشاد فرمایا: كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ (گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں) اور سورۃ واقعہ میں فرمایا: وَحُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (وہ سفید رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں)

چہارم: یہ فرمایا هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یعنی اہل جنت ہمیشہ اُن باغوں میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے اور نہ نکالے جائیں گے' نہ نکلنا چاہیں گے۔ کمافی سورۃ الکھف (لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو خوشخبری سُنانے کے لئے) ایک نِدا دینے والا پُکار کر ندا دے گا تمہارے لئے یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ تندرست رہو گے لہٰذا کبھی بھی بیمار نہ ہو گے اور یہ کہ زندہ رہو گے۔ کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔

اور جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور یہ کہ نعمتوں میں رہو گے۔ پس تم کو کبھی محتاجگی نہ ہو گی۔ (صحیح مسلم ج ۲)

دنیا کی نعمتوں میں کدورت ملی ہوئی ہے۔ خوشی کے ساتھ رنج ہے تندرستی کے ساتھ بیماری ہے۔ پھولوں کے ساتھ کانٹے ہیں۔ مال اور عہدوں کے ساتھ دوسروں کا حسد اور دشمنی ہے اور سب سے آخر بات یہ ہے کہ سب نعمتیں فانی ہیں صاحب نعمت بھی فانی ہے نعمتوں کا دوام اور ہمیشگی کسی کے لئے نہیں۔ آخرت کی نعمتیں ابدی ہیں دائمی ہیں ہمیشہ کے لئے ہیں۔ ان کے زوال اور چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہو گا۔ زندگی بھی دائمی ہو گی۔ **خالدین فیھا ابدا** ان کی شان میں فرما دیا ہے۔ (**جعلنا اللہ تعالٰی منھم**)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

بے شک اللہ تعالٰی اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے۔ مچھر ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی کوئی چیز ہو سو جو لوگ ایمان لائے

فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ

وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ مثال حق ہے انکے رب کی طرف سے اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا

قرآنی مثالوں سے مومنین کا ایمان پختہ ہونا اور منکرین کا بے جا اعتراض کرنا

تفسیر: کتاب اللہ کے منکرین کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتانے کے بعد کتاب اللہ کے منکروں کے ایک اشکال اور اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ مخالفین اور معاندین سے یہ تو نہ ہو سکا کہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر لاتے لیکن انہوں نے ایک اعتراض کر دیا اور اس اعتراض میں قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا انکار مضمر ہے حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے عنکبوت (مکڑی) اور ذباب (مکھی) کا قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا تو مشرکین کہنے لگے کہ اس میں تو مکڑی اور مکھی کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالٰی نے اس حقیر مثال سے کیا ارادہ کیا ہو گا۔ (ابن کثیر) اور یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ تھا کہ یہ مثال اللہ تعالٰی کی شان کے لائق نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالٰی کا کلام نہیں ہو سکتا۔ تفسیر نسفی میں ہے کہ جب مکھی اور مکڑی کا ذکر کتاب اللہ میں سُنا تو یہود ہنسے اور کہنے لگے کہ یہ تو اللہ تعالٰی کے کلام سے ملتی جلتی باتیں نہیں مقصد ان کا بھی کتاب اللہ کا انکار کرنا ہی تھا۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ مثال **ممثل لہ** کے مطابق ہونی چاہئے۔ مثال دینے والے کی عظمت کو اور جس چیز کی مثال دی گئی اسکی حقارت کو سامنے رکھ کر قیاس دوڑانے لگے اور یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تعالٰی کے کلام میں ان چیزوں کا ذکر نہیں ہو سکتا۔

اللہ جل شانہٗ نے ان معاندین اور معترضین کی تردید فرمائی اور ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالٰی اس سے نہیں شرماتا کہ کوئی چیز مثال میں پیش فرما دے خواہ مچھر ہی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز ہو (بڑھ کر ہونے میں دونوں صورتیں آجاتی ہیں حقارت اور چھوٹا ہونے میں بڑھ کر ہو یا جسامت میں بڑھ کر ہو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان کو اس میں کوئی تردد نہیں ہوتا کہ یہ مثال اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ (کیونکہ مثال اپنی جگہ ٹھیک ہے ممثل لہ کے مطابق ہے) وہ یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مثال واقعی صحیح ہے۔ موقع کے مطابق ہے۔ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور کافر لوگ عناد کرتے ہیں اور ماننے سے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حقیر چیز سے اللہ تعالٰی نے کیا ارادہ فرمایا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝٢٦ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سوں کو ہدایت دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ نہیں گمراہ کرتے مگر فرمانبرداری سے نکل جانے والوں کو جو

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اسکی مضبوطی کے بعد اور کاٹتے ہیں اُن چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا

فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٢٧

اور فساد کرتے ہیں زمین میں یہ لوگ پورے خسارہ والے ہیں

قرآنی مثالیں فاسقوں کے لئے گمراہی کا سبب ہیں

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو طرح طرح کی مثالیں پیش فرمائی ہیں سمجھانے کے لئے اور معاندین کو راہِ حق پر لانے کے لئے ہیں لیکن ان لوگوں میں بہت سے لوگ ان مثالوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اُن کا یہ انکار اور عناد ضلال اور اضلال کا سبب ہو جاتا ہے اور جو اہل ایمان ہیں وہ مزید اپنے ایمان پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے صحیح اور درست ہے اور موقع کے مطابق ہے۔ جو لوگ اس مثال کو اپنے لئے ذریعہ کفر بنا لیتے ہیں یعنی مثال پر اعتراض کر کے اپنے کفر میں مزید اضافہ کر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حکم عدولی پر کمر باندھے ہوئے ہیں ان کو غور کرنے اور حق تلاش کرنے کی عادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام فصاحت التیام ہی کو اُنہوں نے اپنے لئے ذریعہ ضلال بنا لیا۔ ان میں مُنافقین بھی ہیں اور عام کافرین بھی۔

قال ابن مسعود رضى الله عنه يضل به كثيرا يعنى به المنافقين ويهدى به كثيرا يعنى به المومنين، فيزيد هؤلآء ضلالة إلى ضلالتهم لتكذيبهم بما قد علموه حقاً يقيناً من المثل الذي ضربه الله بما ضرب لهم وانه لما ضرب له موافق فذلک اضلال الله ايّاهم به ويهدى به يعنى بالمثل كثيرا من اهل الايمان والتصديق فسيزيدهم هدى إلى هداهم وايمانا الى ايمانهم لتصديقهم بما قد علموه حقا يقينا انه موافق لما ضربه الله له مثلا واقرارهم به وذلک هداية من الله لهم به (من ابن كثير) والا ضلال خلق فعل الضلال فى العبد والهداية خلق فعل الاهتداء هذا هو الحقيقة عند اهل السنة. (تفسیر نسفی)

فاسقوں کے اوصاف

پھر ان فاسقوں[1] یعنی حکم عدولی کرنے والوں اور ہدایت ربانی کے خلاف چلنے والوں کے کچھ اوصاف ذکر فرمائے۔ اور (۱) وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں۔ اس عہد سے یا تو عقل انسانی مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے اور یہ عقل دُنیا میں انسان پر حجت ہے اور ایک طرح کا عہد ہے کہ انسان اپنی عقل سے اپنے

[1] فاسقین فاسق کی جمع ہے یہ لفظ فسق سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حکم عدولی کرنا اور فرمانبرداری سے باہر ہو جانا' یہ لفظ کافروں کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے بھی ہر ایک کی حکم عدولی اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ہے۔

خالق اور مالک کو پہچانے اور اپنے خالق اور مالک کو واحد جانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یا عہد الست بربکم مُراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری ذریت کو (جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی) ان کی پشت سے نکالا جو بہت چھوٹی چھوٹی شکلوں میں چیونٹیوں کی طرح سے تھے۔ اور اُن سے عہد لیا اور سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا "بَلٰی" کہ ہاں آپ ہمارے رَبّ ہیں۔ وادی نعمان میں (عرفات کے قریب) یہ عہد لیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح از مسند احمد)

سورۂ اعراف کی آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی میں اسی عہد کا ذکر ہے۔ یہ عہد سب نے کیا پھر اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس عہد کے یاددلانے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جن حدیثوں میں اس عہد کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اقرار کے بعد فرمایا کہ میں ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو تمہارے اُوپر گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں۔ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمیں اس بات کا پتہ نہ تھا۔ تم جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا' میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا یہ عہد اور میثاق یاد دلائیں گے' اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس بات کے گواہ ہو گئے کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں اور ہمارے لئے آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں چنانچہ سب نے اسکا اقرار کر لیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

جو عہد سب نے کر لیا تھا اسکے یاد دلانے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ اس عہد کو توڑنا سراسر ناانصافی ہے اور عہد سے مکر جانا ہے۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے بھی عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہارے اوپر نازل کی گئی اسکو تم لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں۔

کما قال تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ (سورۂ آل عمران ع ۱۹)

یہ عہد بھی یہاں اس آیت سے مراد ہو سکتا ہے کیونکہ علماء اہل کتاب بھی قرآن کی لغت میں لگے ہوئے تھے۔ منافقین اور مُشرکین عرب کی طرح یہ لوگ بھی اسلام کے پھیلنے اور قرآن کی دعوت عام ہونے میں پوری طرح رُکاوٹیں کھڑی کرتے رہتے تھے۔

(۲) ان فاسقوں کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ اُن چیزوں کو کاٹتے ہیں جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا' ان میں وہ احکام بھی ہیں جو فیما بین العبدو بین اللہ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے بندے کا تعلق ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار رہے) اور وہ احکام بھی ہیں جو فیما بین العباد ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں تفریق نہ کریں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں بلکہ سب پر ایمان لائیں' اور "لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ" کا مصداق بنیں۔

اور ان احکام میں صلہ رحمی بھی ہے اور اہل ایمان سے دوستی کرنا بھی ہے۔ غرض ایمان باللہ کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق عمل کرنا عہد کو جوڑے رکھنا اور ہر وہ عمل جس میں خیر کا چھوڑنا اور شر کا اختیار کرنا ہو یہ سب اُس چیز کے قطع میں آتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑے رکھنے کا حکم فرمایا ہے سورۂ رعد میں ایفاء عہد اور عدم نقض میثاق اور وصل ما امر اللہ بہ کی مدح کی گئی ہے۔ اور جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اُن کے توڑنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (سورۂ رعد رکوع ۳ کا ترجمہ اور تفسیر پڑھیئے)

(۳) ان فاسقوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ زمین میں فساد کرتے ہیں' فساد بگاڑ کو کہتے ہیں اور یہ بہت جامع لفظ

ہے۔ کفر اختیار کرنا، منافق بننا، مُشرک ہونا، اللہ کی وحدانیت کا منکر ہونا، دوسروں کو ایمان سے روکنا، حق اور اہل حق کا مذاق بنانا، حقوق کا غصب کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل وخون کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی۔ یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ آخر میں فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ کہ یہ لوگ پورے خسارے میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم بہت کامیاب ہیں ایمان نہ قبول کر کے اور منافقت اختیار کر کے دنیا کے فائدوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا انہوں نے دنیا کے حقیر فائدوں پر نظر کی اور آخرت کے دائمی عذاب کے مستحق بنے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ، حالانکہ تم بے جان تھے سو اس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ فرمائے گا، پھر اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے

مکرر دعوت توحید

تفسیر: اس آیت میں پھر توحید کی دعوت دی گئی جو یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا۔ میں دی گئی تھی اور ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنے خالق و مالک کے کیسے منکر ہو رہے ہو اور اس کی توحید سے کیسے انحراف کر رہے ہو حالانکہ اُس نے تم کو وجود بخشا ہے۔ تم نطفے کی حالت میں بے جان تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے تم کو زندگی دی تمہارا جسم بنایا اور اُس میں روح پھونکی۔ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسی ذات پاک پر ایمان لائیں اور کفر اختیار نہ کریں اور بات اتنی ہی نہیں ہے کہ مردہ تھے اُس کے بعد اُس نے زندگی بخشی بلکہ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جب تمہاری اجل مقررہ ختم ہوگی وہ تمہیں موت دے گا اس کے بعد پھر زندگی بخشے گا اُس زندگی کے بعد اُسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ اُس وقت اس دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا حساب ہوگا۔ کفر کا اور بُرے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ایمان اور عمل صالح کی بھی جزا ملے گی۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر قصد فرمایا آسمان کی طرف سو ٹھیک طرح بنا دیا اُن کو سات

سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

آسمان، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

ارض وسماء کی تخلیق کا بیان

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی شان خالقیت بیان فرمائی ہے کہ اُس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے جو مخلوقات میں بڑی چیزیں ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں صرف پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری حاجت کی چیزیں زمین میں پیدا فرمائیں، زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے ہے شرعی قواعد اور قوانین کے مطابق اُس سے نفع حاصل کر سکتے ہو۔ خود زمین انسانوں کے لئے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے اور اس کی سطح پر اور اس کے اندر ان گنت چیزیں ہیں۔ انسان ان سب سے منتفع ہوتے ہیں۔ سورۂ رحمٰن میں ہے۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ اور سورۂ ملک میں ہے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا

وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو تمہارے قابو کی چیز بنا دی لہٰذا اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور تمہیں اُسی کی طرف موت کے بعد اُٹھ کر جانا ہے)

زمین سے نکلنے والے چھوٹے بڑے درخت، پھل، میوے، معدنیات اور طرح طرح کی چیزیں جن کی گنتی بیان سے باہر ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں انسان ان کو استعمال کرے اور ان کے پیدا کرنے والے کا شکر گزار ہو۔ بعض وہ چیزیں جن میں بظاہر ضرر نظر آتا ہے وہ بھی بعض حالات میں نافع اور مفید ہیں۔ سانپ، بچھو اور سنکھیا تک سے دوائیں بنائی جاتی ہیں۔ البتہ نفع مند بنانے کی تدبیریں ہیں وہ بھی اللہ جل شانہٗ نے ذہنوں میں ڈالی ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے الّا یہ کہ دلیل حُرمت اور استعمال کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جس طرح استعمال کے طریقے سیکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق استعمال کیا جائے مثلاً کوئی شخص کسی کی ملکیت غصب نہ کرے۔ اور نافع چیز کو اپنے لئے ضرر کی چیز نہ بنا لے۔ حرام چیزیں استعمال نہ کرے جس کے فروع اور مسائل جزئیہ بہت زیادہ ہیں۔ اس آیت سے اور سورۃ حٰمٓ سَجْدَۃ کی آیت: قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ. الآیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے پیدا فرمائی اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ جو دُھواں تھا اُس کے سات آسمان بنا دیئے اور سورۃ النازعات میں فرمایا ہے۔

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا۔ (یعنی آسمان کی چھت کو بلند فرمایا اور اسکو ٹھیک بنایا اور اُسکی رات کو تاریک بنایا اور اُس کے دن کو ظاہر فرمایا اور اُس کے بعد زمین کو پھیلایا)

ان سب آیات کے ملانے سے معلوم ہوا کہ اوّل زمین کا مادّہ بنایا اور اس کے اُوپر بھاری بھر کم پہاڑ پیدا فرمائے پھر سات آسمان بنا دیئے جو بنانے سے پہلے دھوئیں کی صورت میں تھے اس کے بعد زمین کو موجودہ صورت میں پھیلا دیا۔

قال النسفی فی المدارک ولا یناقض هذا قوله والارض بعد ذلک دَحٰهَا لان جرم الارض تقدم خلقُه خلقَ السماءِ واما دحوها فتأخر.

فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ یعنی آسمان کا مادہ جو دھویں کی صورت میں تھا جس کا ذکر سورۃ حٰمٓ سَجْدَۃ میں ہے (وَهِیَ دُخَانٌ) اِس کے سات آسمان بنا دیئے اور خوب اچھی طرح بنائے ٹھیک بنائے، دُرست بنائے، اُن میں نہ کجی ہے نہ پھٹن ہے نہ شگاف ہے نہ کسی قسم کا کوئی نقص ہے۔ ساتوں آسمان جو اُوپر نیچے تہ بتہ بنے ہوئے ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں۔ سورۂ ملک میں فرمایا: وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (اور وہ زبردست ہے بخشنے والا ہے جس نے تہ بتہ سات آسمان پیدا فرمائے تو خدا کی خالقیت میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا سو تو نگاہ ڈال کر دیکھ لے کیا تو اس میں کوئی خلل دیکھ رہا ہے)

سورۃ قٓ میں فرمایا: اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف اپنے اُوپر ہم نے اسکو کیسا بنایا اور اس کو زینت دے دی اور اُس میں کوئی شگاف نہیں ہے)

سورۂ بقرہ کی آیت بالا کے آخر میں فرمایا: وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اتنے بڑے آسمان اتنی بڑی زمینیں اور اُن میں جو کچھ اب ہے جو کچھ آئندہ ہوگا جو کچھ پہلے تھا اور اُن کے سوا بھی جو کچھ ہے اُن سب کا اسکو پورا پورا علم ہے۔ جو انسان اور جنات دنیا میں آئے اُن کے لئے ہدایت بھیجی اُن میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی،

فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی، ہدایت قبول کرنے والے بھی اور اُس سے منہ موڑنے والے بھی اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کا علم ہے۔ ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ فرشتوں نے عرض کیا۔ آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں جو اُس میں

یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ

فساد کریگا اور خونوں کو بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

جو تم نہیں جانتے

حضرت آدم کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی معروض

تفسیر: انسان کی تخلیق سے پہلے اس زمین میں جنات رہتے تھے۔ وہ آگ سے پیدا کئے گئے تھے ان کے مزاج میں شر ہے، زمین میں بہت فساد کرتے رہے اور خون بہاتے رہے اللہ جل شانہٗ نے زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنیوالا ہوں۔ فرشتوں نے جنات کا حال دیکھ رکھا تھا انہوں نے سمجھا کہ زمین کا مزاج ایسا ہی ہے کہ جو اس میں رہے گا فساد کریگا اور خون بہائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ گویا فرشتوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں ہوں گی۔ (جن کا وجود خلافت کے لئے ضروری ہے) یعنی قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضبیہ، جو فساد اور خون خرابے پر آمادہ کرنیوالی ہیں اور قوتِ عقلیہ جو معرفت باللہ اور طاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ کرنیوالی ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ پہلی دو قوتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا خلیفہ پیدا نہ کیا جائے جس میں یہ دونوں موجود ہوں اور قوۃ عقلیہ کے جو تقاضے ہیں یعنی فرمانبرداری اور اطاعت اور تسبیح و تقدیس و تحمید ہم اس میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اس سے پہلے ایسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی تھی جس میں متضاد قوتیں جمع ہوں اور اُن کے مجموعہ سے ایسی طبیعت پیدا ہو جائے جس سے خیر کا مظاہرہ ہو۔ عفت بھی ہو، شجاعت بھی ہو۔ عدل و انصاف بھی ہو۔ اہل شر کی سرکوبی پر قدرت بھی ہو اور پہلی دو قوتیں مہذب ہو کر قوت عقلیہ کے تابع ہو جائیں۔ لہٰذا وہ سوال کر بیٹھے انہوں نے پہلی دو قوتوں کے بارے میں الگ الگ غور کیا۔ اور یہ نہ غور کیا کہ قوتِ عقلیہ کے ساتھ ان دونوں کے ملنے سے کیا کچھ کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرشتوں نے لفظ خلیفہ سے یہ بات نکال لی کہ اس دُنیا میں فسادی لوگ ہونگے کیونکہ خلیفہ کی ضرورت ہی اسی لئے ہے کہ اصلاح کی جائے اور اصلاح جبھی ہوگی جب فساد ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے بطور تعجب یہ عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زمین میں ایسا خلیفہ بنائیں گے جو نافرمانی کرے گا، لفظ خلیفہ سے جہاں یہ بات نکلتی ہے کہ زمین میں فساد کرنیوالے ہوں گے۔ وہاں یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اصلاح کرنیوالے بھی ہوں گے لیکن اُنہوں نے معصیت کا حکم سب پر لگا دیا۔ جو صحیح نہیں تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بتا دیا تھا کہ زمین میں ایسی مخلوق ہوگی جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی

اس لئے انہوں نے وہ بات کہی جو اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ میں ذکر فرمائی۔ فرشتوں نے جو کچھ کہا وہ بطور اعتراض نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے اور فرشتے کفر سے اور ہر طرح کی معصیت سے بری اور معصوم ہیں کما قال تعالیٰ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ (سورۃ الانبیاء) اور فرمایا لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ (سورۃ تحریم) راجع فی ذلک کله القرطبی والبیضاوی

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر عیب اور ہر نقص سے آپ کی تنزیہ کرتے ہیں اور یہ تسبیح حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یعنی تسبیح کے ساتھ آپ کی حمد بھی کرتے ہیں۔ اور ہر کمال سے آپ کو متصف جانتے ہیں اور اس کو بیان کرتے ہیں۔ نُسَبِّحُ کے ساتھ وَنُقَدِّسُ لَکَ بھی مذکور ہے۔ یہ لفظ تقدیس سے مشتق ہے۔ تسبیح اور تقدیس کا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ اور تفسیر قرطبی میں حضرت مجاہد تابعی سے نُقَدِّسُ کا معنی یوں نقل کیا ہے۔

ای نعظمک ونمجدک ونطھر ذکرک عما لا یلیق بک مما نسبک الیه الملحدون

(یعنی ہم تیری عظمت اور بزرگی بیان کرتے ہیں اور تیرے ذکر کو ہر اُس چیز سے پاک کرتے ہیں جس کی نسبت ملحدوں نے تیری طرف کی ہے)

نُقَدِّسُ لَکَ کا ایک معنی مُفسّر بیضاوی نے یوں لکھا ہے۔ نطھر نفوسنا عن الذنوب لا جلک (یعنی ہم اپنی جانوں کو آپ کی رضا کے لئے پاک وصاف رکھتے ہیں گناہوں میں ملوث نہیں ہیں)

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ
اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھا دیئے سارے نام' پھر ان کو فرشتوں پر پیش فرمایا۔ پھر فرمایا کہ مجھے بتا دو ان چیزوں کے نام اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾
تم سچے ہو

حضرت آدم کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے سوال فرمانا

تفسیر: جس نئی مخلوق کے پیدا فرمانے اور زمین میں خلیفہ بنانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی ذریت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اوّل تو پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی۔ اور جب یہ جاندار چیز بن گئی اور جاننے اور پہچاننے کے قابل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ساری چیزوں کے نام بتا دیئے پھر اُن چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا جن کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیئے تھے اور فرمایا تم مجھے ان کے نام بتا دو اگر تم سچے ہو۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں: فی زعمکم انکم احقاء بالخلافة لعصمتکم وان خلقھم واستخلافھم وھذہ صفتھم لا یلیق بالحکیم وھو وان لم یصرحوا به لکنه لازم مقالھم مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے خیال میں اور اس بات میں سچے ہو کہ خلافت کے زیادہ حقدار تم ہو کیونکہ تم معصوم ہو' اور یہ کہ ایسی مخلوق کا پیدا کرنا اور خلیفہ بنانا جس کی صفت فساد فی الارض اور سفک دماء ہو

شانِ حکیم کے لائق نہیں ہے تو تم ان چیزوں کے نام بتادو، یہ بات کہ ہم بہ نسبت نئی مخلوق کے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں صاف طور پر انہوں نے نہیں کہی تھی لیکن ان کے قول سے یہ بات بطور لزوم کے نکلتی ہے۔

لفظ آدم کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ عجمی لفظ ہے۔ جیسے آزر اور شالخ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عربی لفظ ہے جو اُدْمَۃٌ سے مشتق ہے۔ عربی میں یہ مادہ گندم گونی رنگ کے معنی دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام بتادیئے تھے حتیٰ کہ چھوٹے بڑے پیالے کا نام بھی بتادیا تھا۔ جب فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر ان کے نام پوچھے تو وہ عاجز رہ گئے۔ (اور سوال ہی ان کا عجز ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا تھا) اور اس طرح سے اللہ جل شانہٗ نے نئی مخلوق کی فضیلت ثابت فرمادی اور بتادیا کہ اس نئی مخلوق میں صفت علم ایک ایسی بڑی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے زمین میں خلافت قائم کی جاسکتی ہے اور باقی رکھی جاسکتی ہے۔ بغیر علم کے خلافت نہیں چل سکتی بلکہ کوئی بھی کام علم کے بغیر صحیح طریقے سے نہیں ہوسکتا۔ صحیح عمل کے لئے صحیح علم کی ضرورت ہے۔ اور صفت علم میں یہ نئی مخلوق تم سے بڑھ کر ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہمیں اُس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا، بے شک آپ جاننے والے ہیں حکمت والے ہیں

فرشتوں کا عجز اور اقرار

تفسیر: جب فرشتوں نے دیکھ لیا کہ اس نئی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نواز دیا اور جو علوم اُسکو دیئے ہیں وہ ہم میں نہیں ہیں تو اُنہوں نے اپنی عاجزی کا اقرار کرلیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ ہم ان چیزوں کے نام نہیں بتا سکتے۔ ہمیں جو کچھ علم ہے اسی قدر ہے جو کچھ آپ نے عطا فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی کہ آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے آپ ہر عیب اور نقص سے پاک ہیں آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا اُس کے متعلق کسی قسم کا کوئی سوال اُٹھانا درست نہیں اور آپ علیم ہیں سبھی کچھ جانتے ہیں اور حکیم بھی ہیں آپ کا کوئی ارادہ اور فعل حکمت سے خالی نہیں۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتادو سو جب انہوں نے اُن کو ان چیزوں کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ بے شک میں جانتا ہوں

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

آسمانوں اور زمین کی غیب کی چیزوں کو اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فضل ظاہر ہونا

تفسیر: جب فرشتوں نے اُن چیزوں کے نام بتانے سے اپنے عاجز ہونے کا اظہار کردیا جو اُن پر پیش کی گئی تھیں تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم ان کے نام بتادو چنانچہ انہوں نے اُن چیزوں کے نام بتادیئے۔ فرشتوں کی

عاجزی کا اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا خوب اچھی طرح مظاہرہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا۔ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب تم سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنیوالا ہوں تو تمہیں توقف کرنا چاہئے تھا اور اس انتظار میں رہنا مناسب تھا۔ کہ اس نئی مخلوق کے بارے میں ایسی معلومات حاصل ہو جائیں جو اس کے فضل و کمال پر اور اس کے مستحق خلافت ہونے پر دلالت کریں۔ خلیفہ پیدا فرمانے کا اعلان سنتے ہی اشکال کرنا درست نہ تھا۔

اور یہ جو فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جو ظاہر کیا وہ یہ بات تھی جو بطور سوال عرض کی تھی کیا آپ پیدا فرمائیں گے جو زمین میں فساد اور خون خرابہ کریں گے اور جو چھپایا اس سے مراد یہ ہے کہ ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ انہوں نے یہ بات چھپائی کہ اللہ تعالیٰ ہم سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائے گا۔ واللہ اعلم۔

ان آیات سے علم کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافت کے لئے علم ضروری ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ ان کو اُن سے زیادہ علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (کیا برابر ہیں جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۴﴾
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو سو انہوں نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا

فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکاری ہونا

تفسیر: جب آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کرو۔ حکم تو پہلے سے دیا جا چکا تھا جیسا کہ سورۂ حجر اور سورۂ صٓ میں ہے۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ (کہ جب میں اس کو بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا)

لیکن جب اُن کا علم و فضل ظاہر ہو گیا اور سجدہ کرنے کا سبب یعنی آدم علیہ السلام کا افضل ہونا معلوم ہو گیا تو حکم سابق کا اعادہ فرمایا تاکہ فرشتے اپنے علم سے انکی فضیلت کا اقرار کریں اور حکم کے مطابق سجدہ میں گر پڑیں۔ لہٰذا وہ سب آدم کے لئے سجدہ ریز ہوئے اور آدم کی تخلیق سے پہلے ہی جو انہوں نے مُفسد اور خون خرابہ کرنے والا کہہ دیا تھا اس کی بھی تلافی ہو گئی۔

سجدہ تعظیمی کی بحث اور اس کا حکم

یہ تو یقینی طور سے ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا کیونکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ پھر یہ سجدہ کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں لکھی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اور آدم علیہ السلام کو قبلہ بنایا گیا تھا۔ اُن کو قبلہ بنانے سے بھی اُن کا مرتبہ ظاہر ہو گیا جیسا کہ کعبہ شریف قبلہ ہے اور اس سے اسکی فضیلت ظاہر ہے۔ اور لِاٰدَمَ میں جو لام ہے وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے حضرت حسان کے اس شعر میں ہے۔ الیس اوّل من صلّٰی لقبلتکم + واعرف الناس بالقرآن والسنن

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سجدہ تو آدم علیہ السلام ہی کو تھا لیکن یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت نہ تھا جیسے یوسفؑ

کے بھائیوں نے اُن کو سجدہ کیا تھا۔ (بیضاوی)

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ خواہ کیسا ہی سجدہ ہو، سجدہ تعظیمی جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا وہ اُن کی شریعت میں جائز تھا۔ یہ شریعت سابقہ کی بات تھی جو منسوخ ہو گئی حضرت قیس بن سعد (صحابی) رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں شہر حیرہ میں آیا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے علاقے کے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ شہر گیا تھا وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو (میرے نزدیک) آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا اگر تم میری قبر پر گزرو گے تو کیا سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا سو (اب بھی) مجھے سجدہ نہ کرو اگر میں حکم دیتا کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے شوہروں کا عورتوں پر رکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ میں سجدہ تعظیمی کسی کے لئے جائز نہیں، نہ زندہ کو نہ مردہ کو۔ نہ مرشد کو نہ قبر کو۔ اور حدیث مذکور کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت وارد ہوئی بعض حضرات نے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر سورۂ جن کی آیت وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا سے بھی استدلال کیا ہے۔ کہ مساجد مصدر میمی بمعنی سجدات ہے اور اس کا عموم اور اطلاق ہر طرح کے سجدوں کو شامل ہے (ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ تمام سجدے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو)

ابلیس کی بدتمیزی اور بدبختی: سورہ حجر میں فرمایا ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (کہ حکم سن کر فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنیوالوں میں شامل ہو)

اللہ جل شانہٗ نے جب اس سے سوال فرمایا کہ تو سجدہ کرنیوالوں کے ساتھ کیوں نہ ہوا اور تو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ تو اس پر اُس نے جواب دیا کہ۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ (سورۂ اعراف وسورۂ صٓ) (کہ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو کیچڑ سے پیدا کیا)

ابلیس ملعون نے نہ صرف یہ کہ حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو غلط بتایا اور اعتراض کر بیٹھا کہ آپ نے افضل کو حکم دیا کہ غیر افضل کو سجدہ کرے۔ یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اُس نے اپنے خیال میں آگ کو مٹی سے افضل سمجھا اس لئے جو آگ سے پیدا ہوا ہے اس کو بھی مٹی سے پیدا شدہ شخص سے افضل سمجھ لیا۔ آگ کو مٹی سے افضل سمجھنا ہی اول تو غلط ہے۔ آگ میں فساد زیادہ ہے صلاح کم ہے۔ اور مٹی میں سراپا خوبی ہے، جو نافع ہی نافع ہے۔ اور سب سے بڑی جو خوبی کی چیز مٹی میں ہے وہ تواضع اور فروتنی ہے پھر کام کی چیزیں سب زمین ہی سے نکلتی ہیں انسانوں اور جنوں کے رہنے کی جگہ بھی زمین ہی ہے۔ پھل، میوے، غلے، ہرے بھرے باغ، کھیتیاں، سب زمین سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور بہت سی وجوہ سے مٹی کو آگ پر فضیلت حاصل ہے۔ پھر مومن بندے کا کام یہ ہے کہ وہ بات مانے حکم کی تعمیل کرے اگرچہ اپنی سمجھ سے خلاف ہی ہو۔

ے زبان تازہ کردن باقرار تو نیگخیتن علّت از کارِ تو!

حکم عالی سُن کر اس میں حجت نکالنا کبر اور نافرمانی ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے سورۃ بقرہ میں فرمایا اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (یعنی ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا، اور وہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں کافروں میں سے تھا) اور بعض مفسرین نے کان بمعنی صار بھی لیا ہے یعنی وہ اب اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہو گیا۔ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم سُن کر حجت بازی کی اور حکم الٰہی کو حکمت کے خلاف بتایا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو ملعون قرار دے دیا یعنی اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ اور فرمایا:

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔

(کہ تو اس سے اُتر تجھ کو کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے) (سورۃ اعراف)

اور فرمایا: فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (کہ تو اس سے نکل جا کیونکہ بے شک تو مردود ہے اور بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی) جو شخص قیامت کے دن تک ملعون رہ گیا اس کے بعد اُس پر رحمت ہو ہی نہیں سکتی پھر تو اس کے لئے دوزخ ہی دوزخ ہے۔ قال تعالیٰ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (سورۃ ص)

غرض کہ شیطان کو تکبر کھا گیا اور ہمیشہ کے لئے ملعون اور مدحور اور ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس نے ملعون ہونا گوارہ کیا لیکن حکم ماننا اُسے منظور نہ ہوا۔ تکبر ایسی بُری بلا ہے جو دنیا اور آخرت میں متکبر کا ناس کھو دیتی ہے۔

بعض لوگوں نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ سجدہ کا حکم تو فرشتوں کو ہوا تھا۔ اور ابلیس جن میں سے تھا پھر اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا مواخذہ کیوں ہوا؟ یہ سوال غلط ہے کیونکہ سورۃ اعراف میں اس کی تصریح ہے کہ اس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ کما قال تعالیٰ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (تجھے کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا)

اس تصریح کے بعد اصل سوال تو ختم ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کو بالاستقلال الگ سے حکم تھا یا چونکہ فرشتوں کے ساتھ رہتا سہتا اور اُن کے ساتھ عبادت کرتا تھا اس لئے اس کے عموم میں یہ بھی آ گیا تھا یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ والعلم عند اللہ العلیم۔

قرآن مجید سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس عالم بالا میں رہتا تھا جب نافرمانی کی تو وہاں سے اُتر جانے اور نکل جانے کا حکم ہوا۔ وہاں اس کے اعمال و اشغال کیا تھے اس کے بارے میں بعض صحابہ اور تابعین سے کچھ باتیں منقول ہیں' جو در منثور میں ص ۵۰ ج ا پر لکھی ہیں۔ بظاہر یہ اسرائیلی روایات ہیں۔ بہر حال جو بھی کچھ ہو اُس نے اپنا علم بے جگہ استعمال کیا اور غرور علم میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر دیا اور کفر اختیار کر کے مردود ہو گیا۔ اور اس سے پہلے جتنی بھی عبادت کی تھی سب اکارت گئی ؎

مارا گیا شیطان ایک سجدہ کے نہ کرنے سے ہزاروں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

ابلیس کی بنی آدم سے دُشمنی: سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۔ (اے آدم بلاشبہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو یہ ہرگز تم کو جنت سے نکال نہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے) اور ابلیس نے قسم کھائی کہ میں آدم کی ذرّیت کا ناس کھو دوں گا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ابلیس نے کہا: لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (میں ضرور ضرور اسکی ذرّیت کو اپنے قابو میں کر لوں گا بجز تھوڑے لوگوں کے) اس مضمون کی تکمیل ان شاء اللہ سورۃ اعراف کے دوسرے رکوع کی تفسیر سے کی جائے گی۔

اس کے بعد حضرت آدم و حوا کے جنت میں رہنے اور شیطان کے بہکانے کا ذکر ہے جو ابھی آتا ہے' ان شاء اللہ تعالیٰ

ابلیس کا پرانا نام عزازیل تھا جب ملعون ہو گیا تو اس کا نام ابلیس رکھا گیا' اور شیطان بھی کہا جانے لگا۔ شیطان کا معنی ہے بہت زیادہ شریر۔ یہ سب سے بڑا شیطان ہے اور اسکی ذرّیت بھی شیطان ہے۔ اور بہت سے انسان بھی شیطانوں کا کام کرتے ہیں۔ اسی لئے شیاطین الانس والجن فرمایا گیا ہے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور اس میں سے خوب اچھی طرح کھاؤ' جہاں سے چاہو۔ اور نہ قریب جانا اس

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

درخت کے ورنہ تم دونوں ظلم کرنیوالوں میں سے ہو جاؤ گے

حضرت آدم علیہ السلام اور اُنکی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم اور ایک خاص درخت سے بچنے کی ہدایت

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہ فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور اُنکی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور خوب بافراغت اچھی طرح کھانے کا کھلا اختیار دے دیا۔ لیکن خاص ایک درخت کے بارے میں فرمایا کہ اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ مقصد تو یہ تھا کہ اس میں سے مت کھانا لیکن بطور مبالغہ اچھی طرح اہتمام کے ساتھ اس سے بچنے کے لئے یہ فرمایا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس میں سے کھا لیا تو ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔ اس سے دو طرح کا ظلم مراد ہو سکتا ہے۔ **اوّل** تو یہ کہ اس کے کھانے سے جو ممانعت کی خلاف ورزی ہوگی' یہ گناہ ہو گا اور ہر گناہ' گناہ کرنیوالے کے لئے وبال ہے۔ اور وہ اسکی وجہ سے مستحق سزا ہے۔ **دوم** یہ کہ جب خلاف ورزی کر لو گے تو یہاں جن نعمتوں میں رہ رہے ہو سلب ہو جائیں گی اور یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ اور یہ بھی اپنی جان پر ظلم ہو گا۔

شجرہ (درخت) جس کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ کون سا درخت تھا۔ اس بارے میں حضور اقدس ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ یہ گیہوں کا درخت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کھجور کا درخت تھا۔ (یہ اقوال تفسیر درمنثور) پر درج ہیں صحیح علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ کون سا درخت تھا' ہمیں معین طریقہ پر اس کا علم یقینی نہیں ہے اور اس میں مضائقہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ

سو شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعہ سے لغزش دی' سو ان دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ اتر جاؤ تم میں سے بعض' بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور تمہارے لئے

فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

زمین میں ٹھہرنا ہے' اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے

حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو شیطان کا بہکانا اور جنت سے نکالا جانا

تفسیر : اللہ جل شانہٗ نے آدم علیہ السلام سے فرمادیا تھا کہ دیکھو یہ ابلیس تمہارا دشمن ہے تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے یعنی جنت سے نکال دیئے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اُدھر شیطان نے بھی دُشمنی پر کمر باندھ لی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی اور اُن کی ذرّیت کو تکلیف پہنچانے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ اس تاک میں رہا کہ ان کو کسی طرح جنت سے نکلواؤں اور یہاں کی نعمتوں سے محروم کروں۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ان کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے اگر کسی طرح ان سے اس ممانعت کی خلاف ورزی کرادوں تو ضرور ان پر عتاب ہوگا۔ جو یہاں سے نکالے جانے کا سبب بنے گا۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لئے روکا گیا ہے۔ کہ جو کوئی شخص اس درخت میں سے کھالے گا وہ ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جو بادشاہی یہاں حاصل ہے اس میں کبھی ضُعف نہ آئے گا' اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے اس لئے روکا ہے کہ اس کو کھا کر فرشتے ہو جاؤ گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔ (فی سورۃ الاعراف) مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ (وفی سورۃ طٰہٰ) يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۔

اور اُس نے صرف معمولی طور پر ہی ترغیب نہیں دی بلکہ دونوں میاں بیوی سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہی کا مشورہ دینے والا ہوں۔ (کمافی سورۃ الاعراف) وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۔

شیطان کے سمجھانے بجھانے اور قسم کھانے سے دونوں میاں بیوی نے اُس درخت میں سے کھالیا جس سے منع فرمایا گیا تھا اور وہ ان کو فریب دے کر نیچے اُتارنے میں کامیاب ہوگیا۔ (فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ) اس درخت کو چکھنا تھا کہ جنت کے کپڑے ان کے تن سے جدا ہو گئے اور دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئیں اب تو جنت کے پتے اپنے جسموں پر جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔ جیسا کہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے ان کو پکار کر فرمایا کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ دونوں فوراً گناہ کے اقراری ہوئے اور مغفرت طلب کرنے لگے۔ اس کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے۔ اور ابھی فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ۔ کی تفسیر میں بھی انشاء اللہ ان کی توبہ کا ذکر آئے گا۔ یہاں یہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ شیطان نے اُن کو کس طرح بہکایا اور وسوسہ کیسے ڈالا۔ جبکہ وہ وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں مُفسر بیضاوی نے یہ احتمال لکھا ہے کہ اعزاز کے طور پر اس کا وہاں رہنا اور داخل ہونا ممنوع قرار دیا گیا تھا اور ایسی مضبوط ممانعت نہ ہوئی تھی کہ بالکل ہی داخل نہ ہو سکے' چونکہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام کا ابتلاء اور امتحان مقصود تھا اس لئے وسوسہ کے لئے داخلہ کا موقعہ دیا گیا۔ اور ایک احتمال میں لکھا ہے کہ دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر وسوسہ ڈالا۔ (لیکن یہ دونوں باتیں اس پر مبنی ہیں کہ وہ جنت سے نکالا گیا تھا اور ابھی زمین پر نہیں آیا تھا) ان کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ جو بھی صورت ہو اُس نے وسوسہ ڈالا اور بہکایا اور انہوں نے اسکی بات پر عمل کیا۔ جس کی وجہ سے زمین پر آنا پڑا' تکوینی طور پر جو اُن کو زمین پر بھیجنا اور خلیفہ بنانا پہلے سے طے تھا شیطان کا بہکانا اور اُن کا درخت میں سے کھالینا زمین پر آنے اور رہنے اور بسنے کا سبب بن گیا۔

جب درخت کھانے کا واقعہ پیش آ گیا تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ تم یہاں سے اُتر جاؤ' زمین میں جا کر رہو وہاں تم

میں بعض بعض کے دُشمن ہوں گے۔ اور زمین میں تم کو ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔ اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ آدم اور حوا اور انکی ذرّیت کو قیامت تک دُنیا میں رہنا ہے جس کا وقت مقرر ہے' یا یہ مطلب ہے کہ اُن میں سے ہر شخص کو اپنی موت آنے تک زمین پر رہنا ہے اور تھوڑا بہت نفع حاصل کرنا ہے۔

یہاں لفظ اِهْبِطُوْا (تم اُتر جاؤ) جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جب دو آدمی تھے تو جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام اور ابلیس' تینوں کو خطاب ہے (ابلیس ابھی تک آسمانوں میں تھا' زمین پر نہیں آیا تھا) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صیغہ جمع اس لئے لایا گیا کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام اور اُن کی ذریت کا مجموعہ مراد ہے۔ یہ دونوں اُتارے گئے تو ساری ذریت اُتاری گئی' گو ابھی موجود نہ تھی۔ یہ دوسری بات زیادہ اولیٰ واقرب ہے کیونکہ سورۂ طٰہٰ میں تثنیہ کا صیغہ اِهْبِطَا لایا گیا ہے۔ اور ابلیس کو مستقل وہاں سے اُترنے اور نکلنے کا حکم پہلے دیا جا چکا تھا جو سورۂ اعراف میں مذکور ہے۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۔ (تم میں سے بعض' بعض کے دشمن ہوں گے) اس سے بنی آدم کی آپس کی دشمنیاں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔ اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ شیطان تمہارا دُشمن رہے گا اور تم اس کے دشمن ہو گے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷
اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کر لئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے

حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا

تفسیر: حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی سے جو خطا ہوگئی اس کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ ندامت تھی۔ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ان کو چند کلمات بتائے گئے کہ اُن کے ذریعے توبہ کریں' یہ کون سے کلمات تھے بعض مفسروں نے فرمایا کہ سورۂ اعراف میں جو اُن کی توبہ کے الفاظ مذکورہ ہیں وہی مراد ہیں یعنی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ضرور ہم خسارے والوں میں سے ہو جائیں گے)

ان الفاظ میں متکلم مع الغیر کا صیغہ استعمال فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام دونوں ہی نے مذکورہ الفاظ کے ذریعہ توبہ کی۔ حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوئے تھے وہ یہ الفاظ تھے۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (اے اللہ میں آپکی پاکی بیان کرتا ہوں اور آپ کی حمد بیان کرتا ہوں اور آپ کی شان بلند ہے اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا' لہٰذا مجھے بخش دیجئے بے شک آپ کے علاوہ کوئی بھی گناہ کو نہیں بخش سکتا)

جو بھی الفاظ ہوں اللہ تعالیٰ نے اُنکو توبہ کے الفاظ بتائے انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے توبہ کے الفاظ خود ہی القاء فرمائے اور اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا اور بہت بڑا مہربان

ہے جب کبھی بھی کوئی شخص ندامت کے ساتھ رجوع کریگا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہے۔ وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (اور اللہ وہ ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو) معافی اور مغفرت تو ہوگئی لیکن جنت میں واپس نہیں بسایا گیا کیونکہ تکوینی طور پر اُن کو پہلے ہی سے دنیا میں بھیجنا اور خلیفہ بنانا طے تھا اُن کے دنیا میں آنے کی وجہ سے بہت کثیر تعداد میں اُن کی ذرّیت کے افراد مرد اور عورت ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے مستحق جنت ہوئے۔ یہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا فائدہ ہوا۔ اگر وہ دونوں جنت ہی میں واپس کردیئے جاتے تو وہاں کی نعمتوں سے وہی متنفع اور متمتع رہتے۔ اور اگر بالفرض وہاں اولاد ہوتی تو وہ اعمالِ صالحہ کی محنت اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی مشقت کے بغیر ہی نعمتوں میں رہتی اور نعمتوں کی زیادہ قدر نہ ہوتی اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہو اور دکھ تکلیف کے بعد جو نعمتیں ملیں اُن کا مزہ اور کیف اور ہی ہوتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہم نے کہا تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا تو اُن پر کوئی خوف نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

ہدایت قبول کرنیوالوں کیلئے انعام اور کافروں کیلئے دوزخ کا داخلہ

تفسیر: اس سے پہلے حکم اِهْبِطُوْا (اُتر جاؤ) پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اسکو دوبارہ لانا یا تو تاکید کے لئے ہے یا پہلا حکم یہ بتانے کیلئے تھا کہ تم یہاں سے جاؤ جہاں جارہے ہو مصیبت کی جگہ ہوگی آپس میں دشمنی ہوگی اور وہاں تھوڑی مدت رہنا ہوگا، ہمیشگی نہ ہوگی اور دوسرا حکم یہ بتانے کے لئے ہے کہ جہاں تم کو بھیجا جارہا ہے وہ دارالتکلیف ہے۔ وہاں قیام کرنے کے بارے میں یہ بھی ذہن میں رکھو اور یہیں سے سمجھتے جاؤ کہ تمہارے خالق اور مالک کی طرف سے وہاں ہدایت آئے گی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آئیں گے اسکی کتابیں نازل ہوں گی۔ اُن پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانا ہوگا اور اُنکی تعلیمات اور ہدایات کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی جو ہدایت کا اتباع کریں گے ان کے لئے یہاں واپس آکر خیر ہی خیر ہے نہ اُنہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج لاحق ہوگا۔ سورۂ طٰہٰ میں یوں فرمایا ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (کہ جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا سو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا) اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے یہ نار (آگ) والے ہوں گے یعنی دوزخ میں جائیں گے جس طرح اہل ایمان ہمیشہ جنت میں رہیں گے اسی طرح یہ اہل کفر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم وحوا علیہما السلام اور اُن کے دشمن ابلیس ملعون کے مذکورہ واقعہ سے بڑے بڑے اہم نتائج اور فوائد معلوم ہوئے۔

انسان کو خلافت ارضی کیلئے پیدا فرمایا: (۱) اللہ جل شانہٗ نے انسان کو خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا۔ اُس پر لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کا خلیفہ بن کر رہے۔ اس کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنے زور وطاقت سے احکام الٰہیہ کو

5

نافذ کرے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو صاحب اقتدار بنانا واجب ہے جو احکام الٰہیہ پر عمل کرا سکتا ہو۔

جو لوگ قرآن کو نہیں مانتے وہ تو اس واجب پر کیا عمل کریں گے جنہیں قرآن کے ماننے کا دعویٰ ہے وہ بھی احکام الٰہیہ کی تنفیذ کے حق میں نہیں ہیں۔ دُنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے لیکن قوانین شریعت نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں اُس سے جان چراتے ہیں۔ دُشمنانِ اسلام کے ترتیب دیئے ہوئے ظالمانہ قوانین کو کورٹ اور کچہری میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ شرعی قوانین سے بہت سے دنیاوی منافع اور نفس کی لذتوں پر زد پڑتی ہے اس لئے اللہ کی خلافت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ساری دُنیا فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ جو ممالک مسلمانوں کے زیر اقتدار ہیں فسادات وہیں زیادہ ہیں۔ قتل وخون کے واقعات بھی انہیں ممالک میں بہت زیادہ پیش آتے رہتے ہیں۔ مسلمان ہی مسلمان کو قتل کرتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا خلیفہ بنائیں جو احکام الٰہیہ کو نافذ کرے اور اس بارے میں اس کی مدد کریں۔ اور خلافت کے کام انجام دیں۔ اور فاسق بن کر یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ کا مصداق نہ بنیں۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا اس کے اکثر افراد تو کافر ہی ہیں اور جو اسلام کے مدعی ہیں اُن میں سے بھی اکثر نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ انسان کی حماقت اور شقاوت ہے۔ اپنے بلند مرتبہ کو چھوڑ کر دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کے لئے اپنی جان کو تیار کر رکھا ہے یہی انسان جس کے سب سے پہلے فرد کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا وہی انسان اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے کو تیار ہے یہ تو اہل کفر ہیں اور جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں وہ بھی صالحین کے پیچھے نہیں لگتے۔ فاسقوں فاجروں بدعقیدہ ملحدوں کو اپنا لیڈر اور قائد بنا لیتے ہیں اور انہیں کو اقتدار سونپتے ہیں اور یہ لوگ خود اور صاحب اقتدار سب مل کر فساد برپا کرتے ہیں۔ قتل وخون اور لوٹ مار کی خبریں برابر آتی رہتی ہیں۔ رشوت کی گرم بازاری ہے سودی کاروبار ہیں سودی لین دین ہے۔ شرابیں پی جارہی ہیں۔ زکوٰتیں نہیں دی جاتیں (بہت کم لوگ زکوٰۃ شرعی قاعدہ کے مطابق دیتے ہیں) لوگوں کے حق مارے جارہے ہیں۔ نمازیں برباد ہیں رمضان میں کھلے عام سب کے سامنے کھایا پیا جاتا ہے۔ جانتے بوجھتے گناہ کرتے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہے۔ اپنا مقام بھول گئے اور معصیتوں میں لگ گئے۔ شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ پھر تو فرشتوں نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جو نئی مخلوق پیدا ہو رہی ہے وہ فساد کی ہوگی اور خون خرابہ کرنے والی ہوگی۔ اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے تو تمام افراد انسانی کو ہی فساد اور خون خرابہ سے متصف کر دیا تھا انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء صلحاء شہداء عابدین ذاکرین قانتین مجاہدین حجاج حُفاظ قرآن مفسرین قرآن محدثین مصنفین مصلحین ومرشدین بھی ہوں گے اگر بنی نوع انسان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور خاص کر اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسانوں میں کیسے کیسے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اصلاح حال کے لئے جانیں وقف کرنے والے اور خلافت الٰہیہ کے فریضہ کو انجام دینے والے گزرے ہیں۔ فرشتوں کے سامنے اہل صلاح وفلاح کے اعمالِ خیر کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اندر یکے بعد دیگرے رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آتے رہتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتے واپس ہو کر اُوپر جاتے ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری تو اللہ تعالیٰ شانہٗ اُن سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والے ہیں کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا۔ وہ عرض کرتے ہیں: ترکناھم وھم یصلون واتیناھم وھم یصلون یعنی ہم نے اُن کو اس

حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اُن کے پاس گئے تھے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (رواہ البخاری)

اور یوم عرفہ کو جب حجاج عرفات میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ جل شانہٗ اُن کو فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر فخر فرماتے ہیں (فی حدیث جابر مرفوعا اذا کان یوم عرفة ان الله ینزل إلی السماء الدنیا فیباھی بھم الملٰئکة فیقول انظروا الی عبادی اتونی شعثاً غبرا ضاجین من کل فجّ عمیق. الحدیث کما فی المشکوٰة عن شرح السنة)

یوم عید میں بھی اسی طرح فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کو پیش فرما کر اللہ تعالیٰ فخر فرماتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۲)

علم بہت بڑی دولت ہے

(۲) علم اللہ جل شانہٗ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ جل شانہٗ نے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر فرمائی۔ علم ہر حال میں جہالت سے بہتر ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ علم کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اور خلافت الٰہیہ کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں خرچ کرنے سے صاحب علم کی فضیلت باقی رہتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جن چیزوں کا علم دیا گیا تھا۔ یہ خلافت الٰہیہ کو قائم اور باقی رکھنے کیلئے دیا گیا تھا انسان کو جو بھی علم ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بننے کے لئے استعمال کیا جائے۔ جو علم مجادلہ پر اُبھارے' راہ حق سے ہٹائے' وہ علم جہل ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ ان من العلم جھلا (یعنی بعض علم جہالت ہوتے ہیں) اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الادب۔

کتاب وسنت کے علوم تو باعث قرب الٰہی ہیں ہی دوسرے علوم بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بن سکتے ہیں (قال تعالیٰ) وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (وقال تعالیٰ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ) لیکن حال یہ ہورہا ہے کہ آفاق اور انفس اور اشجار واحجار جبال وبحار سے متعلق جو علوم منکشف ہورہے ہیں' انسان ان سے اپنے دُنیاوی امور میں منتفع اور متمتع ہوتا ہے لیکن جس نے یہ علوم دیئے ہیں اور یہ منافع پیدا فرمائے اور انکی طرف لوگوں کا ذہن منتقل کیا ہے اسکی طرف متوجہ نہیں' یہ لوگ عام طور پر ملحد' کافر اور فاسق فاجر ہی ہیں۔

جو علم میں بڑھ کر ہو اس کی برتری تسلیم کرنی چاہئے:

(۳) جب کسی کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اُس کے عالم ہونے کا اقرار کرے۔ اور بغیر کسی پس وپیش کے اپنا عجز ظاہر کردے اور اس میں اپنی خفت محسوس نہ کرے۔ جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم ظاہر ہوتے ہی اپنے عجز کا اقرار کرلیا' جاہل ہوتے ہوئے علم کا دعویٰ کرنا اور اہل علم سے بحث کرنا بہت بڑی حماقت ہے اور حق منکشف ہونے کے بعد باطل پر جمار ہنا یہ بہت بڑی شقاوت ہے۔

توبہ کی اہمیت اور ضرورت:

(۴) بندے کا کام یہ ہے کہ جب کوئی گناہ ہوجائے فوراً توبہ کرے اور اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع ہو' اپنے گناہ کا اقرار کرے۔ اور مغفرت طلب کرے۔ گناہ پر اصرار نہ کرے اور گناہ کو اپنے لئے وبال سمجھے اور گناہ کو اپنی جان پر ظلم جانے۔ حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے گناہ ہوگیا تھا یعنی وہ درخت کھالیا تھا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ اور حضرت آدم ممانعت کو اُسوقت بھولے ہوئے بھی تھے۔ (کمافی سورۃ طٰہٰ وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا) جب ان کا مواخذہ ہوا تو انہوں نے کوئی حجت نہیں

کی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کا اقرار کیا اور توبہ کی۔ گو بھول پر مؤاخذہ نہیں ہوتا مگر بھول کے اسباب اختیار کرنے پر مؤاخذہ ہو جاتا ہے اور بڑوں کی بڑی بات ہے اُن کی وہ باتیں بھی گرفت میں آ جاتی ہیں جو دوسروں سے درگزر کردی جاتی ہیں حضرت آدم اور اُن کی بیوی نے کوئی کٹ حجتی نہیں کی نہ بھول کا بہانہ بنایا اللہ جل شانہٗ نے اُن پر رحم فرمایا اور خود ہی ایسے کلمات انکو القاء فرمائے جو قبولیت توبہ کا ذریعہ بن گئے۔ **قال البیضاوی مجیباً عما یردعلی العصمة انه فعله ناسیاً لقوله تعالیٰ فنسی ولم نجدله عزماً ولکنه عُوتب بترک التحفظ عن اسباب النسیان ولعله (ای النسیان) وان حطَّ عن الامة لم یحط عن الانبیاء لعظم قدرھم۔**

برخلاف ابلیس شیطان کے اس نے دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ حکم ہی کو غلط بتایا اور ذات خداوندی پر اعتراض کر بیٹھا اور اپنی خطا تسلیم نہیں کی دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ گناہ کا اقرار کرنا اور توبہ کرنا معافی کے لئے رونا دھونا بے چین ہونا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور تمام صالحین کا جو اپنے باپ آدم کی راہ پر تھے یہی طریقہ رہا ہے اور گناہ کر کے کٹ حجتی کرنا اور اس کو گناہ نہ سمجھنا' گناہ کا اقرار نہ کرنا' ابلیس کا طریقہ ہے جو تمام شیطانوں کا سرغنہ ہے۔ مومن بندے جن کو تعلق مع اللہ حاصل ہے اور انابت إلی اللہ کی نعمت سے نوازے گئے ہیں وہ تو نہ صرف یہ کہ گناہ ہو جانے پر توبہ کرتے ہیں بلکہ نیکی کر کے بھی استغفار کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خالق کا حق ادا نہ ہوا۔ گناہ تو بندوں سے ہو ہی جاتا ہے لیکن مغفرت کی طلب میں جلدی کرتے ہیں اور معافی مانگتے رہتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔" **کل بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التّوابون**"۔ یعنی تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو خوب توبہ کرنیوالے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی مشکوٰۃ)

پس بنی آدم پر لازم ہے کہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلیں اور ابلیس دُشمن کی راہ اختیار نہ کریں۔

تکبّر بری بلا ہے: (۵) تکبر بہت بُری بلا ہے۔ یہ صفت انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ ابلیس علیہ اللعنۃ نے تکبر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ مانا اور اُس کو خلاف حکمت قرار دیا۔ تنبیہ کرنے پر بھی اپنے انکار پر اڑا رہا۔ ملعون اور مطرود اور مدحور ہونا گوارا کر لیا لیکن حکم خداوندی کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اس نے یہ تو کہا کہ میری زندگی دراز کردی جائے اور مجھے مہلت دی جائے (اور اس میں شر کا پہلو تھا کیونکہ درازیٔ عمر سے کوئی خیر مقصود نہ تھی بلکہ بنی آدم کو بہکانا ورغلانا کفر و شرک پر ڈالنا مقصود تھا) اور توبہ کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ جسے اپنی بڑائی کا خیال ہوا اُس سے بڑے بڑے گناہ صادر ہوتے ہیں وہ حق کو ٹھکراتا ہے۔ لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا' یارسول اللہ! کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو (کیا یہ تکبر ہے) آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے (لہٰذا اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پہننا تکبر نہیں ہے) پھر فرمایا۔ **الکبر بطل الحق وغمط الناس**۔ یعنی تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور اس کے ماننے سے انکار کرے اور لوگوں کو ذلیل اور حقیر جانے (رواہ مسلم)

اس آفت میں امیر غریب عالم جاہل سب مبتلا ہوتے ہیں۔ اور مصلحین' واعظین' مرشدین کو بھی یہ مرض گھن کی طرح سے لگ جاتا ہے۔ اپنے اعمال کی ریاکاری دوسروں کی غیبت اور تحقیر اپنے عمل وفضل کا ظاہر کرنا حق سامنے ہوتے ہوئے نہ ماننا گناہ کرنا اور نصیحت و خیر خواہی کرنیوالوں سے کٹ حجتی کرنا۔ مسئلہ غلط بتا کر یا شائع کر کے رجوع نہ کرنا۔ اور غلطی پر اصرار کرتے رہنا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو پیش آتی رہتی ہیں۔ یہ سب تکبر ہے۔

اللہ جل شانہٗ کو تواضع پسند ہے۔ ایمان کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت عطا فرمائی اسکی قدردانی اور شکر گزاری

کرتے ہوئے اسکی مخلوق کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اُس کو بلند فرمادیں گے جو اپنے نفس میں تو چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا۔ اور جو شخص تکبر اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گرادیں گے۔ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح از بیہقی فی شعب الایمان)

گناہوں کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں

(۶) گناہ نعمتیں چھن جانے کا سبب ہیں۔ آخرت کے مؤاخذہ کے علاوہ دنیا میں بھی گناہ کی وجہ سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ حضرت آدم وحوا علیہما السلام شجر ممنوعہ کے کھانے کے سبب جنت سے نکال دیئے گئے۔ اور دنیاوی مصیبتوں میں اُن کو اور اُن کی ذرّیت کو مبتلا ہونا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ۔ **ان الرّجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبه** یعنی بلاشبہ انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم کردیا جاتا ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۶ ص ۴۹۳)

بہت سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں بلکہ پوری پوری قومیں اور قبیلے گناہوں میں لت پت ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مصیبتیں دور ہوں اور تنگدستی سے خلاصی ہو لیکن گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں بلکہ سمجھانے والے کو آڑے ہاتھوں لے لیتے ہیں۔ اور اُلٹے سیدھے سوال و جواب کرتے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن اُنہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انکے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا)

متعدد احادیث میں بعض اعمال پر دنیا میں مل جانے والی سزاؤں کا خصوصی تذکرہ بھی وارد ہوا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا کہ جس قوم میں زنا کا رواج ہو جائے گا وہ قحط کے ذریعہ پکڑی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت عام ہو جائے گی وہ لوگ رعب کے ذریعہ پکڑے جائیں گے۔ (یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا دشمن سے ڈریں گے دور سے کانپیں گے) (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۳)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس رات بارش برسنے سے بہتر ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

یعنی ایک حد قائم کرنے کا اتنا بڑا نفع ہے جو چالیس دن بارش ہونے کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ اب وہ لوگ غور کرلیں جو اللہ کی حدود نافذ نہیں کرتے اور نافذ ہونے نہیں دیتے۔ وہ اللہ کی عام مخلوق پر رحم کھا رہے ہیں یا ظلم کر رہے ہیں۔ نیز حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قوم میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو اُن پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔

(بیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ المصابیح)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے مگر ماں باپ کے تکلیف

دینے کو معاف نہیں فرماتا جو شخص ایسا کرے اُس کو اسی دنیا میں موت سے پہلے سزا دے دیتا ہے۔ (رواہ البیہقی کما فی مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ رُعب ڈالدے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری کا رواج ہوجائے گا اُن لوگوں میں موت کی کثرت ہوجائے گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے اُنکا رزق منقطع ہوجائے گا اور جو لوگ ظالمانہ فیصلے کریں گے اُن میں قتل و خون خوب زیادہ ہوگا اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے اُن پر دشمن مسلط کردیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا وہو فی حکم المرفوع)

شرم اور حیا انسان کا فطری وصف ہے

(۷) شرم اور حیا انسان کی فطری صفت ہے اور اسکی خلقت اور جبلّت میں داخل ہے۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے جنت میں شجر ممنوعہ کھالیا تو اُن کے جسموں سے جنت کے کپڑے گر پڑے اور دونوں کی شرم کی جگہ ظاہر ہوگئی لہٰذا جنت سے پتے لے لے کر اپنے جسم پر لگانے لگے تا کہ شرم کی جگہ ڈھک جائے۔ دونوں میاں بیوی تھے پھر بھی آپس میں شرما گئے اور پردہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انسان دنیا میں آیا تو شرم و حیا کو ساتھ لے کر آیا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے برابر حیاء کی تعلیم دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کی عادتوں اور خصلتوں میں سے ہیں۔ (۱) حیا (۲) خوشبو استعمال کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا (رواہ الترمذی فی ابواب النکاح)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ **ان الحیاء والایمان قرناء جمیعا واذا رفع احدھما رفع الاخر.**
اس میں شک نہیں کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ جب ان میں سے ایک اُٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اُٹھالیا جاتا ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ المصابیح)

ہدایت قبول کرنے پر انعام:

(۸) حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کے آخر میں یہ جو فرمایا۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى. الآیۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اس دنیا میں صرف جینے اور کمانے کھانے اور ماں باپ بننے اور اولاد پالنے کے لئے نہیں آیا اس کو یہاں دار التکلیف میں بھیجا گیا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پابند کیا گیا ہے اور یہ احکام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے پہنچتے رہے ہیں۔ ان احکام پر عمل کرنا اُسے واپس جنت میں لے جائے گا۔ اور وہی مقام بلند اور برتر مل جائے گا۔ جہاں سے اُس کے ماں باپ آدم و حوا علیہما السلام اس دنیا میں آئے تھے جنت اپنے ماں باپ کی جگہ ہے جہاں وہ گئے وہیں انکی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور ہمیشہ وہاں رہے گی۔ اور جو لوگ انکے دین سے علیحدہ ہوئے انہیں وہ جگہ دوبارہ نصیب نہ ہوگی بلکہ وہ دار العذاب یعنی دوزخ میں جائیں گے۔ اختلاف دین کی وجہ سے میراث منقطع ہوجاتی ہے جو کافر ہوں گے وہ اپنے ماں باپ کے دین پر نہیں۔ اس لئے وہ مستحق میراث بھی نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے اُن کا دین اسلام تھا۔ اُن کی ذریّت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آتے رہے۔ سب ہی دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ جو اُن کے دین پر تھا وہ مسلم ہوا اور جو اُن کے دین کا منکر ہوا وہ کافر ہوا۔ بنیادی طور پر دین اسلام کے تین عقیدے ہیں۔

اوّل: توحید (جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو اس طرح ماننا داخل ہے جیسا کہ وہ اپنے نزدیک ہے اور جیسا کہ اُس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ اپنی پہچان کرائی ہے)

دوم: رسالت (یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان لانا اور اسکی کتابوں پر ایمان لانا) اس میں ہر اس بات کی تصدیق آ جاتی ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے بتائی۔ فرشتوں پر ایمان لانا' تقدیر کو ماننا' جنت دوزخ کے احوال پر ایمان لانا بھی ایمان بالرسالت میں شامل ہے۔ اور اُن سب احکام کا ماننا اور عمل پیرا ہونا بھی داخل ہے جو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچائے۔

سوم: معاد (یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حساب کتاب ہونے اور ایمان و کفر اور اچھے برے اعمال کی جزا ملنے اور جنت یا دوزخ میں داخل کئے جانے کا عقیدہ رکھنا)

ان تین عقائد کی ہر نبی نے تبلیغ کی ہے البتہ فروعی احکام میں حالات کے اعتبار سے فرق رہا ہے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: **انا اولی الناس بعیسیٰ بن مریم فی الاولیٰ والاٰخرۃ الانبیاء اخوۃ من علات وامهاتهم شتٰی ودینهم واحد** (رواہ البخاری)

یعنی میں عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ قریب تر ہوں دنیا اور عقبیٰ میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں علاتی بھائی ہیں یعنی دین واحد ہونے میں اس طرح ہی جیسے باپ ایک ہو اور مائیں کئی ہوں اُن سب کا دین ایک ہے۔ لوگ اپنی جہالت سے سمجھتے ہیں کہ دین اسلام ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا میں آیا ہے' اُن کا خیال اور عقیدہ غلط ہے انسان جب سے دنیا میں آیا ہے دین اسلام کے ساتھ آیا ہے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسلام کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آخری رسول ہیں آپ وہی دعوت لیکر تشریف لائے جو حضرات انبیاء کرام آپ سے پہلے لیکر آئے تھے آپ پر نبوت و رسالت ختم ہوگئی۔ لیکن آپ کی دعوت قیامت تک کیلئے ہے۔ اس دعوت کے پہنچانے اور باقی رکھنے کے لئے قرآن مجید باقی ہے اور باقی رہیگا ہر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام قبول کرنے کا مامور ہے۔ کوئی یہودی ہو یا نصرانی' ہندو یا بدھسٹ پارسی ہو' کسی بھی دین کا ماننے والا ہو سب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت دعوت میں شامل ہیں۔ جو آپ پر ایمان لائیگا آخرت میں نجات پائیگا جو منکر ہوگا دوزخی ہوگا۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔ (یعنی جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہوگا) (آل عمران ع ۹)

سورہ سبا (ع ۳) میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَّنَذِيْراً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والا ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

صحیح مسلم (ص ۸۶ ج ۱۱) میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت به الا کان من اصحاب النار

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لیکر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔ یہودی ہو یا نصرانی)

بنی اسرائیل کا تعارف

چونکہ آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر آ رہا ہے اور کئی رکوعوں میں انکی شرارتیں مذکورہ ہیں اور سُورۃ بقرہ کے علاوہ بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا تذکرہ ہے۔اس لئے بنی اسرائیل کا تعارف مفصل کرایا جاتا ہے تاکہ ان سے متعلقہ مضامین کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل وطن بابل کا علاقہ تھا جہاں نمرود بادشاہ تھا وہاں بت پرست رہتے تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی بُت پرست تھے آپ نے اُن لوگوں کو حق کی تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔اُن کی پوری قوم دشمن ہوگئی۔یہاں تک کہ اُن کو آگ میں ڈالا گیا۔اُن کے واقعات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔اُن کی ایک بیوی کا نام سارہ تھا جو اُن کے چچا کی لڑکی تھی اور ایک بیوی کا نام ہاجرہ تھا۔حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔حضرت ہاجرہ وہی ہیں جنہیں مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں بحکم الٰہی چھوڑ دیا تھا۔اُن کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت گود میں تھے مکہ معظمہ کے بالکل ابتداءً آباد کرنے والے یہی دونوں ماں بیٹے تھے۔حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے علاوہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے تھے جن کے نام البدایۃ والنہایۃ میں لکھے ہیں۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند یعقوب علیہ السلام تھے۔جن کا لقب اسرائیل تھا۔ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔اور اُن کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا' جس کا قصہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے۔

بنی اسرائیل مصر میں: حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اقتدار میں مصر میں جا کر رہنے لگے تھے۔حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہوگئی تب بھی یہ لوگ مصر ہی میں رہتے رہے پشتہا پشت وہاں رہنے سے انکی نسل بھی بہت زیادہ ہوگئی اور بارہ بھائیوں کی اولاد جو بارہ قبیلیوں میں منقسم تھی' مجموعی حیثیت سے اُنکی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی ان لوگوں کا اصل وطن کنعان تھا جو فلسطین کا علاقہ ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا اصلی وطن (بابل) چھوڑ کر اور ہجرت فرما کر اس علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ معظمہ میں آباد رہی اور بڑھتی رہی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی نسل اوّلاً کنعان میں پھر مصر میں آباد ہوگئی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی۔جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو اُن لوگوں کا اقتدار میں کچھ حصہ بھی نہ رہا۔

چونکہ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے نہیں تھے۔اجنبی قوم کے افراد تھے اس لئے مصری قوم (قبط) کے افراد ان لوگوں سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور اُن کو بُری طرح غلام بنا رکھا تھا۔حد یہ ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ اُن کے سامنے عاجز محض تھے اُن کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔غلامی کی ایسی بدترین مثال دنیا کی تاریخ میں کسی قوم کی نہیں ملتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت:

اللہ جل شانہٗ نے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔جنہوں نے اس زمانہ کے ظالم اور جابر ترین

بادشاہ فرعون کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ بھی کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ نہ اُس نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور نہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہوا اور اُس نے اعلان کیا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے زیادہ بلند معبود ہوں)

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ جب صبح ہو کر ان کے نکلنے کا فرعون کو علم ہوا تو وہ اپنے لشکر لے کر ان کے پیچھے لگا اور سمندر پر پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا مبارک سمندر پر ماری جس سے سمندر پھٹ گیا اور اس میں راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان راستوں سے پار ہو گئے۔ ان کو دیکھ کر فرعون نے بھی اپنے لشکروں کو سمندر میں ڈال دیا جب فرعون اور اس کا لشکر بیچ سمندر میں آ گیا تو اللہ جل شانہٗ نے سمندر کو ملا دیا۔ فرعون کا لشکر تو ڈوب گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر سمندر پار ہو گئے۔ فرعون بھی اس عظیم حادثہ میں غرق ہوا اور مر گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسکی لاش کو محفوظ رکھا جو اب بھی مصر کے عجائب گھر میں بتائی جاتی ہے۔ عبرت کے لئے اس کی لاش کو محفوظ فرمایا تا کہ لوگ خدائی کے جھوٹے دعویدار کا انجام دیکھ لیں۔ قال تعالیٰ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً البدایۃ والنہایۃ ص ۲۷۰ ج ۱ میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل فرعون سے نجات پا کر سمندر پار ہوئے تو اسوقت ان کی تعداد چھ لاکھ کے لگ بھگ تھی یہ تعداد بچوں عورتوں کے علاوہ تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ مصر میں ان لوگوں کے رہنے کی مدت چار سو چھبیس سال شمسی تھی۔

مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے

بنی اسرائیل سمندر پار تو ہو گئے لیکن اب سوال تھا کہ کہاں جا کر بسیں؟ اپنے ہی علاقہ میں جانا تھا اور وہ علاقہ بہت دور بھی نہیں تھا آخر وہیں سے ان کے باپ دادے مصر میں آئے تھے اور چند دن میں اونٹوں پر پورا سفر قطع کر لیا تھا لیکن یہ چلے تو ان کو اپنے وطن پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستاتے رہے میدان تیہ میں چالیس سال سرگرداں پھرتے رہے (صبح کو جہاں سے چلتے شام کو وہیں پہنچ جاتے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف ملی وہ طور پہاڑ پر توریت شریف لینے گئے تو پیچھے ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ کو آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کی غذا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے من اور سلویٰ ملتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ ہم کو سبزی۔ پیاز۔ کھیرا وغیرہ چاہئے۔ جو توریت شریف لے کر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا پہاڑ طور اکھاڑ کر ان پر سائبان کی طرح کھڑا کر دیا گیا۔ یہ واقعات اسی میدان میں پیش آئے جس میں چالیس سال حیران اور سرگردان گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہیں وفات ہوگئی۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں اُن کا علاقہ فتح ہوا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ عاجزی کے ساتھ اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے عاجزی کے ساتھ داخل ہوں انہوں نے اسکی خلاف ورزی کی بنی اسرائیل کے یہ واقعات مختلف مواقع میں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔

یہودی مدینہ میں کب آئے؟

یہودی مدینہ منورہ میں کب آئے؟ اس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ ان کے وطن بیت المقدس کو جب بخت نصر (مشہور کافر بادشاہ) نے منہدم کر دیا اور وہاں کے رہنے والوں کو جلاوطن کر دیا اور بنی اسرائیل (یہود) میں سے بہت لوگوں کو قید کر لیا تو ان میں سے ایک جماعت نے حجاز کی طرف رُخ کیا ان میں بعض وادی القرٰی میں اور بعض تیماء اور بعض مدینہ منورہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ یہاں پہلے سے کچھ لوگ بنی جرہم کے اور کچھ بقایا عمالقہ کے آباد تھے۔ انہوں نے کھجوروں کے باغ لگا رکھے تھے اور کھیتیاں کرتے تھے۔ یہودی اُن کے ساتھ ٹھہر گئے اور گھل مل کر رہنے لگے پھر یہ بڑھتے رہے اور بنی جرہم اور عمالقہ کم ہوتے رہے یہاں تک کہ اُن کو یہودیوں نے مدینہ منورہ سے نکال دیا اور مدینہ منورہ پوری طرح ان کے تسلط میں آ گیا اس کی عمارتیں اور کھیتیاں سب انہیں کی ہو گئیں اور ایک مدت تک جس کا علم اللہ ہی کو ہے اسی حال میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ (فتوح البلدان للبلاذری)

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی علماء توریت شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پڑھتے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جس میں کھجوریں ہوں گی اور وہ دو پتھریلی زمینوں کے درمیان ہو گا لہٰذا وہ شام سے آئے۔ اور اس صفت کے شہر کی تلاش میں نکلے تاکہ اسی شہر میں جا کر رہیں اور مبعوث ہونے والے نبی پر ایمان لائیں اور اُن کا اتباع کریں۔ جب مدینہ منورہ آئے وہاں کھجوریں دیکھیں، تو وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ شہر ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہیں اور پھر وہیں رہنے لگے۔ (عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار و معجم البلدان للحموی)

اوس و خزرج کا مدینہ میں آ کر آباد ہونا

مدینہ منورہ کی آبادی بہت پُرانی آبادی ہے اس کا پرانا نام یثرب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بعد اس کا نام مدینۃ الرسول اور طابہ اور طیبہ معروف ہو گیا۔ اور المدینۃ نیز المدینۃ المنورہ کے نام کی زیادہ شہرت ہو گئی۔ یہودیوں کے مدینہ منورہ میں آ کر بسنے کے سالہا سال کے بعد یمن کے دو قبیلے اوس اور خزرج بھی مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں تین قبیلے یہودیوں کے یعنی (۱) بنی نضیر (۲) بنی قریظہ (۳) بنی قینقاع اور دو قبیلے یمن سے آ کر آباد ہونے والوں کے موجود تھے یعنی اوس اور خزرج۔ یہی دونوں قبیلے ہیں جو بعد میں انصار بنے۔

یہود کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں

یہ دونوں قبیلے بُت پرست تھے آپس میں بھی انکی لڑائیاں ہوتی تھیں اور یہودیوں سے بھی جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہودی اہل کتاب تھے اور اہل علم سمجھے جاتے تھے۔ جب یمن کے ان دونوں قبیلوں سے ان کی لڑائی ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں ان کا زمانہ آئے گا ہم ان کا اتباع کر کے اور اُن کے ساتھی بن کر تمہارا ناس کھو دیں گے۔

اوس و خزرج کا اسلام قبول کرنا:

حج کے موقعہ پر پہلی ملاقات میں جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس اور خزرج کے چند افراد پر اپنی دعوت پیش کی تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں دھمکیاں

دیتے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آگے بڑھ جائیں لہٰذا ہمیں یہ دین قبول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ یہ حضرات مسلمان ہو گئے۔ اور مدینہ منورہ آکر انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور انصار کے دونوں قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔ پھر دونوں قبیلوں کے بارہ نمائندوں نے اگلے سال موسم حج میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی۔ اور عرض کیا آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

ہجرت مدینہ: چنانچہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے آپ کی آمد سے پہلے بہت سے صحابہ ہجرت کر کے آ چکے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ سب باتیں لکھی ہیں۔ فتوح البلدان بلاذری الروض الانف سیرت ابن ہشام باب عرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسہ علی القبائل کا مطالعہ کیا جائے۔

یہودیوں کا عناد اور قبولِ حق سے انحراف:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہودی یہ جاننے کے باوجود کہ آپ نبی ہیں (اور علامات پوری اُتر رہی ہیں۔ جو نبی آخر الزماں کے بارے میں انہیں معلوم تھیں) منکر ہو گئے اور آپ کو نبی رسول ماننے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کو اوس اور خزرج کے لوگوں نے توجہ دلائی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آئیں گے اور ہم اُن کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے اور تم اُن کی صفات بیان کرتے تھے۔ اب کیوں منکر ہو رہے ہو۔ لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی۔ (سیرۃ ابن ہشام اوائل المجلد الثانی) اور بجز چند آدمیوں کے (جن میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نام زیادہ مشہور ہے) یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور طرح طرح کی باتیں بناتے رہے اور کٹ حجتی پر اتر آئے۔ حسد اور دشمنی پر کمر باندھ لی اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ اور عہد توڑتے رہے آج تک اُن کے سارے قبیلوں اور خاندانوں کا یہی حال ہے۔

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِکُمۡ
اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا اپنے عہد کو۔
وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾
اور صرف مجھ ہی سے ڈرو

بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی

تفسیر: بنی اسرائیل (اسرائیل کی اولاد) اس سے یہودی مراد ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو عبرانی زبان کا لفظ ہے اسرائیل کا معنی ہے صفوۃ اللہ یعنی اللہ کا برگزیدہ بندہ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے عبداللہ (اللہ کا بندہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کی اولاد بارہ قبیلوں پر منقسم ہے اور بنی اسرائیل کا خطاب ان سب کو شامل ہے۔ بنی اسرائیل مدینہ منورہ میں اور خیبر میں اور شام میں اور انکے علاوہ مختلف علاقوں میں آباد تھے۔ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے آپکی بعثت تو سارے ہی انسانوں کیلئے ہے لیکن

آپ کے اولین مخاطبین مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے اور وہاں سے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ میں اوس وخزرج اور یہودیوں کے تینوں قبیلے سامنے تھے اوس اور خزرج تو مسلمان ہو گئے لیکن یہودیوں میں سے صرف چند افراد نے اسلام قبول کیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو خصوصی خطاب بھی فرمایا ہے اور ان کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلائے ہیں۔ آیت بالا میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی ہیں اور میرا عہد پورا کرو میں بھی تمہارا عہد پورا کرونگا۔ اور صرف مجھ سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بنی اسرائیل پر جو کچھ تھیں وہ اُن کو جانتے تھے اُنہیں اپنی تاریخ کا پتہ تھا۔ قرآن مجید میں ان نعمتوں کا تذکرہ فرمانے میں جہاں یہود کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ کے آخری نبی پر ایمان لائیں وہاں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی ہیں کیونکہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا اہل کتاب کی صحبت نہیں اُٹھائی تھی۔ یہ واقعات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے ان کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائے' آپ کا ان چیزوں کی خبر دینا' یہ سب آپکے معجزات میں شامل ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ
اور ایمان لاؤ اُس کتاب پر جو میں نے نازل کی' حال یہ ہے کہ یہ کتاب اسکی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہل کرنیوالے مت بنو۔ اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو۔
وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾
اور صرف مجھ ہی سے ڈرو

بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت

تفسیر: بنی اسرائیل کو مزید خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس کتاب پر ایمان لاؤ' جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید' اور یہ کتاب اس کتاب کے معارض نہیں ہے جو تم کو دی گئی تھی (یعنی توریت شریف) بلکہ یہ کتاب تو اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی جس کو تم جانتے ہو اور مانتے ہو۔ جو توریت وانجیل بزمانہ نزولِ قرآن اہل کتاب کے پاس تھیں اگرچہ ان لوگوں نے ان میں تحریفات کر دی تھیں پھر بھی ان میں نبی آخر الزماں ﷺ کی صفات موجود تھیں۔ سورۂ اعراف میں فرمایا۔ اَلَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الآیۃ)

جب یہودیوں کو خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کا علم ہو گیا اور یہ اہل علم تھے' اہل کتاب تھے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی علامات اپنی کتاب میں پاتے تھے (اور پہچان بھی گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت پہلے سے دی گئی ہے اور ہم جن کے انتظار میں برسہا برس سے مدینہ میں رہ رہے ہیں) تو ان کو سب سے پہلے ایمان لانا لازم تھا۔ اہل کتاب کا جو دوسرا فرقہ تھا یعنی نصاریٰ اُن کے پاس سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر بہ نسبت یہودیوں کے بعد میں پہنچی مکہ معظمہ والے بے علم تھے۔ مشرک تھے۔ اپنے کفر اور شرک پر اڑے رہے اور ضد اور عناد پر جمے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن یہود کے لئے انکار کا کیا مقام تھا۔ اُن کو فوراً مان لینا تھا اور تصدیق کرنا تھا اور نصاریٰ سے

آگے بڑھ کر اسلام قبول کرنا تھا لیکن بجائے اسلام میں آگے بڑھنے کے انہوں نے اسلام سے منحرف ہونے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے میں پہل کر لی۔ اسی کو فرمایا کہ تم اس کتاب کے انکار کرنیوالوں میں پہل کرنے والے مت بنو یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انکار کرنے والوں میں اہل مکہ پہل کر چکے تھے پھر یہود کو "اول کافر" کیسے فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سب سے پہلے منکر یہودی ہی بنے تھے۔ کیونکہ اہل کتاب کی دو جماعتیں تھیں۔ یہود اور نصاریٰ۔ ان دونوں میں سے یہود کو سب سے پہلے مسلمان ہونا لازم تھا۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ دعوت اُن کو پہلے پہنچی دوسرے اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات بخوبی پہچان لی تھیں اور بہ نسبت نصاریٰ کے یہ لوگ اہل العلم تھے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے یہود مدینہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے کافر نہ بنو۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے مخاطب یہود مدینہ ہی تھے۔

قال ابن عباس ولا تكونوا اوّل كافر به وعندكم فيه من العلم ما ليس عند غيركم' قال ابو العالية ولا تكونوا اول من كفر بمحمّد ﷺ يعني من جنسكم اهل الكتاب بعد سماعكم بمبعثه واما قوله اول كافر به فيعني به اوّل من كفر به من بني اسرائيل لا نه قد تقدمهم من كفار قريش وغير هم من العرب بشر كثير. (تفسیر ابن کثیر ص ۸۳ ج ۱)

پھر فرمایا: وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَناً قَلِیْلاً ۔ (اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو) مفسرین نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میری آیات پر ایمان لاؤ اور میرے تمام رسولوں کی تصدیق کرو (جس میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق بھی شامل ہے) اور حقیر دنیا کے چلے جانے کی وجہ سے ایمان سے نہ رکو اگر کفر اختیار کئے رہنے میں کچھ منافع نظر آتے ہیں تو ان کو چھوڑ و (ابن کثیر)

ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں حقیر ہی ہے خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ میری آیات میں تبدیل اور تحریف نہ کرو اور کتمان حق نہ کرو۔ جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہو اور اپنے عوام سے اس کے ذریعہ دنیاوی منافع حاصل کرتے ہو۔ وقيل كا نوا يا كلون الرشي فيحرفون الحق ويكتمونه (من البيضاوى)

پھر فرمایا: وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ (کہ صرف مجھ ہی سے ڈرو) درحقیقت خوف خدا بہت بڑی چیز ہے کفر اور شرک اور ہر طرح معاصی چھڑانے میں اس کو سب سے بڑا دخل ہے۔ اسکی طرف دوبارہ توجہ دلائی اور بطور تاکید اس کا دوبارہ اعادہ فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ رہبت سے تقویٰ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور چونکہ ایمان کا حکم عوام و علماء سب کو ہے اس لئے پہلی آیت کے ختم پر فَارْهَبُوْنِ فرمایا اور دوسری آیت میں جب علماء کو خصوصی خطاب ہوا تو فَاتَّقُوْنِ فرمایا' کیونکہ تقویٰ خوف و خشیت اور رہبت کا منتہٰی ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾
اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو

حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ

تفسیر: اس آیت میں بھی علماء یہود کو خطاب ہے یہ لوگ توریت شریف میں تحریف کر چکے تھے اور اس میں سے جو

کچھ صحیح باتیں اُن کے پاس باقی تھیں اُن میں بھی خلط ملط کرتے تھے۔ اوّل تو تعلیم عام نہیں تھی اپنی قوم کے تمام افراد کو دین اور کتاب نہیں سکھاتے تھے اور توریت شریف کے اوراق منتشر کر کے رکھ رکھے تھے (تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا) جو شخص کوئی بات پوچھتا تو کوئی ایک ورق نکال کر اس کا مطلب جو چاہتے بتا دیتے تھے۔ اور پوچھنے والے کو خوش کرنے اور اس سے رشوت لینے کے لئے اسکی مرضی کے مطابق توریت شریف کے مضامین کی تشریح کر دیتے تھے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی جو علامات توریت شریف میں لکھی تھیں اُن کو چھپاتے تھے۔ اُن کو حکم فرمایا کہ تم حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ۔ اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو خود تراشیدہ بات کو حکم خداوندی ظاہر نہ کرو، تم جانتے ہو کہ ہم ایسا کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہو کہ اس کا کیا وبال ہے۔ پھر بھی ایسی حرکت کرتے ہو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ

نماز اور زکوٰۃ کا حکم

تفسیر: اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب سورۃ البقرہ کے شروع میں بیان ہو چکا ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نفس میں رجوع الی اللہ اور تواضع پیدا ہوتی ہے۔ اور نماز کی برکات اور ثمرات بہت ہیں جو علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں۔ زکوٰۃ سے نفس کی کنجوسی دور ہوتی ہے اور مال کا خبث بھی دور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یعنی نماز با جماعت پڑھو۔ جماعت کی نماز میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں۔ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ با جماعت نماز پڑھنے سے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور ایک نماز کا ثواب ستائیس نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو سبھی کو ہے۔ لیکن یہودیوں کو خصوصی خطاب اس لئے فرمایا کہ ان لوگوں میں حُب جاہ اور حب مال کا مرض تھا۔ نماز اور زکوٰۃ میں ان دونوں کا علاج ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اس لئے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ اب تک جو نماز پڑھتے رہے اب اُس کو چھوڑو اور اب وہ نماز پڑھو جو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے بتائی ہے جو رکوع اور سجدہ دونوں پر مشتمل ہے۔ بعض علماء نے اس آیت سے فرض نماز با جماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ اور جو حضرات واجب نہیں کہتے اُن کے نزدیک بھی نماز با جماعت بہت زیادہ مؤکدہ ہے۔ اس آیت شریفہ سے نماز با جماعت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ احادیث شریفہ میں بھی اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشک میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جو جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں، تا کہ اذان دی جائے پھر کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کا امام بنے اور میں ان لوگوں کے گھروں کی طرف چلا جاؤں جو جماعت میں حاضر نہ ہوئے۔ پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں۔ (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی جماعت قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ (ان لوگوں کے گھروں میں جو کچھ ہے) آگ سے جلادیں (جو جماعت میں نہیں آئے) (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں شخص حاضر ہے حاضرین نے عرض کیا نہیں، فرمایا۔ کیا فلاں شخص حاضر ہے۔ عرض کیا نہیں فرمایا۔ بے شک یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان دونوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔ اور (فرمایا) کہ بلاشبہ پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح سے ہے اور اگر تم جان لو کہ اسکی کیا فضیلت ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور بلاشبہ ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے بہ نسبت تنہا نماز پڑھنے کے اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی بھی زیادہ تعداد ہوگی اُسی قدر اللہ کو محبوب ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں نے اپنا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ نماز جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا تھا جو منافق ہوتا اور اس کا نفاق کھلا ہوا سب کو معلوم ہوتا تھا یا کوئی مریض ہوتا (بلکہ) مریض کا بھی یہ حال تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر آتا تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں حاضر ہو جاتا تھا۔ اور فرمایا کہ بلاشبہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ہدایت کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان دی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی تین مرد کسی جنگل یا بستی میں ہوں جن میں نماز با جماعت قائم نہ کی جاتی ہو تو ضرور شیطان ان پر غلبہ پالے گا۔ لہٰذا جماعت کی حاضری کو لازم کرلو کیونکہ بھیڑیا اُسی بکری کو کھاتا ہے جو گلّہ سے دور ہو جائے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۹۶)

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾
کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے

مبلغ اور داعی اپنے نفس کو نہ بھولے

تفسیر: اسی آیت میں بھی یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ قرآن کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جانتے تھے اس لئے پوشیدہ طور پر کبھی کبھی اپنے عوام اور رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر اور در منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بات نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا آپ تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو وہاں موجود تھا اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا اور آپ وہیں سے یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اسے دوزخ سے بچادیا۔ (صحیح بخاری)

اس کے علاوہ بھی علماء یہود میں بے عملی عام تھی لوگوں کو نماز روزے کا حکم کرتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو عار دلائی اور فرمایا کہ جو خیر کا حکم کرے اُسے خیر میں دوسروں سے آگے بڑھنا چاہئے۔ (قالہ ابن جریج کما فی تفسیر ابن کثیر)

یہاں یہ بات اگرچہ یہودیوں کی بے عملی ظاہر کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے لیکن اس کا حکم سب کے لئے عام ہے۔ جو بھی کوئی شخص لوگوں کو بھلائی کا حکم کرے گا اور گناہوں سے روکے گا اور خود بے عمل ہوگا اس کا انجام بُرا ہوگا۔ اور اس طریقہ کار کی شناعت اور قباحت اُسے لے ڈوبے گی بعض روایات میں ہے کہ جو عالم لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا وہ اس چراغ کی طرح سے ہے جس کی بتی چلتی رہتی ہے لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے لیکن بتی خود جل جاتی ہے۔ (ابن کثیر عن الطبرانی فی المعجم الکبیر)

بے عمل واعظوں کی سزا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ جب کٹ جاتے ہیں تو پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی اُمت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں جس کی اُن کو سمجھ نہیں ہے۔ (در منثور ص ۶۴ ج ۱ عن البیہقی عن شعب الایمان، وعزاہ صاحب المشکوٰۃ الی شرح السنۃ) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پھر اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس میں اس کے پیٹ کی آنتیں نکل پڑیں گی اور وہ اپنی آنتوں کے ساتھ گھومتا پھرے گا جیسے گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے۔ دوزخ والے اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ اے فلاں تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں اچھی باتیں نہیں بتاتا تھا اور بُرائی سے نہیں روکتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ میں تم کو اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا اور تم کو بُرائی سے روکتا تھا اور خود اس بُرائی کو کرتا تھا۔ (صحیح مسلم)

فائدہ: مذکورہ بالا آیات اور احادیث شریفہ کا مقصد یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں (نیکیوں کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں) اور خود بھی عمل کریں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کریں نہ امر بالمعروف کریں نہ نہی عن المنکر کریں۔ مبلّغ اور مصلح کو عمل کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو عمل نہ کرے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔

قال ابن کثیر فکل من الامر بالمعروف وفعله واجب ولا یسقط احدهما بترک الاخر علی اصح قولی العلماء من السلف والخلف والصحیح ان العالم یأمر بالمعروف وان لم یفعله وینهی عن المنکر وان ارتکبه.

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ، اور بلا شبہ نماز ضرور دشوار ہے۔ مگر خشوع والوں پر، جو یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶

اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں

صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرو

تفسیر: اس آیت شریفہ میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ بتایا ہے لفظ صبر تین معنی میں آتا ہے۔ اوّل طاعات پر جما رہنا خاص کر فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔ دوم گناہوں سے پوری طرح اہتمام کے ساتھ بچنا۔ سوم جو مصائب اور مشکلات درپیش ہوں اُن پر صبر کرنا۔

عام طور پر لوگوں میں یہ تیسرا معنی ہی زیادہ معروف ہے۔ تینوں قسم کا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والا ہے۔ زندگی میں عموماً صبر کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ عبادات بھی صبر ہی سے ادا ہوتی ہیں۔ نفس عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر تیار ہوتا ہے تو صحیح طریقہ سے ادا کرنے سے بچتا ہے۔ روزہ اور جہاد تو سراپا صبر ہی ہے۔ نماز سب سے بڑی عبادت ہے اس میں بھی صبر کا مظاہرہ ہے۔ نمازی کا ظاہر اور باطن عبادت ہی میں مشغول ہو جاتا ہے جو نفس پر شاق ہوتا ہے۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلب کرنے کا حکم فرمایا یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے میں بڑا دخل رکھتی ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاحزاب میں (غزوہ خندق کے موقعہ پر) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا (اُن کو ایک کام کے لئے بھیجا تھا) تو آپ چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے غزوۂ بدر کی رات میں دیکھا کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے سب لوگ سوئے ہوئے تھے آپ برابر نماز میں مشغول رہے اور صبح ہونے تک دعا کرتے رہے۔ (ابن کثیر) اس سلسلہ کا کچھ مضمون ان شاء اللہ آیت کریمہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کے ذیل میں آئے گا۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریر طبری سے نقل کیا ہے کہ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ میں علماء یہود سے خطاب فرمایا ہے (وہ لوگ تحصیل دنیا کے لئے اور ریاست اور جاہ باقی رکھنے کے لئے حق چھپاتے تھے اور اسلام نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اُن کو حکم ہوا کہ حق قبول کرو اسلام لاؤ' اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگو' صبر اور صلاۃ کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو جو اللہ سے نزدیک کرے گی اور برائیوں سے روکے گی اسلام قبول کرنے پر جو کچھ تکلیف پہنچ جائے' مال اور ریاست میں کمی آجائے اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو)

پھر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا خطاب اگرچہ بنی اسرائیل کے انذار اور تحذیر کے سیاق میں وارد ہوا ہے لیکن علی سبیل التخصیص صرف یہود مخاطب نہیں ہیں بلکہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرنے کا حکم یہود اور غیر یہود سب ہی کے لئے ہے۔

نماز کی اہمیت: نماز میں ظاہر اور باطن سب عبادت میں لگ جاتا ہے۔ یہ ظاہری طہارت اور باطنی تزکیہ دونوں کو شامل ہے کچھ نہ کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے (مثلاً وضو اور غسل کے لئے پانی حاصل کرنا پڑتا ہے اور ستر عورت کے لئے کپڑوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے) اگر صحیح طریقہ پر نماز پڑھی جائے تو دل اور اعضاء نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ سے مناجات ہے تلاوت قرآن ہے توحید اور رسالت کی گواہی ہے نفس کو اس کے تقاضوں سے روکنا ہے اس میں چلنا پھرنا کھانا پینا اور بات کرنا ممنوع ہے۔ نماز کے بہت سے فضائل اور فوائد ہیں۔ اگر نماز کو ٹھیک طرح سے پڑھا جائے۔ فرائض کی پابندی کی جائے' سنتوں کا اہتمام کیا جائے نوافل کی طرف دھیان دیا جائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

6

خشوع کی ضرورت: پھر فرمایا کہ نماز ضرور دُشوار ہے مگر خشوع والوں پر دشوار نہیں۔ خشوع دل کے جھکاؤ اور عاجزی اور فروتنی کو کہا جاتا ہے۔ جب دل میں خشوع ہوتا ہے تو اعضاء میں بھی اسکی کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو لوگ خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں انکی نماز واقعی نماز ہوتی ہے نماز میں اُن کا دل لگتا ہے نماز چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ مسجد سے جائیں تو مسجد میں واپسی کے لئے دل اٹکا رہتا ہے۔ جسے نماز کا خشوع حاصل ہو گیا اُسے ساری کامیابیاں حاصل ہو گئیں۔ سورۃ مومنون میں فرمایا کہ: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (بے شک وہ کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنیوالے ہیں) دنیا میں لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ طلب دنیا کے لئے بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں۔ پہاڑ توڑتے ہیں۔ پتھر پھوڑتے ہیں بہت سے لوگ اٹھارہ گھنٹے روزانہ محنت کرتے ہیں لیکن دو رکعت پڑھنا ان کے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ اگر نماز شروع کر دیں تو اس میں بھی اپنے دنیاوی مشاغل کا ہی دھیان رکھتے ہیں خشوع نہیں ہوتا اس لئے دو رکعت پڑھنا بھی بھاری پڑ جاتا ہے۔

خشوع والے کون ہیں؟ پھر فرمایا خشوع والے وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اسکی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ خشوع اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جنہیں اس بات کا یقین ہے کہ اُن کو موت کے بعد جی اُٹھنا ہے اور میدان قیامت میں حاضر ہونا ہے اور بارگاہ خداوندی میں پیشی ہونی ہے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ جس کو ان باتوں کا یقین ہوگا وہ نماز قضا بھی نہ کرے گا بے وقت بھی نہ پڑھے گا اچھی نماز بھی پڑھے گا اس کو خشوع کی کیفیت بھی حاصل ہوگی۔ رکوع سجدہ بھی ٹھیک کرے گا۔ اس کی تلاوت بھی صحیح ہوگی۔ (قال ابن کثیر ای یعلمون انھم محشورون الیه یوم القیامة معروضون علیه وانھم الیه راجعون ای امورھم راجعة الی مشیئته فلھذا لما ایقنوا بالمعاد والجزاء سھل علیھم فعل الطاعات وترک المنکرات.

درحقیقت جسے یہ یقین ہو کہ یہ نماز آخرت میں نجات کا ذریعہ بنے گی اور نماز قبول ہوئی تو اور نیکیاں بھی قبول ہوں گی یہ ردّ ہوئی تو دوسرے اعمال بھی رد ہو جائیں گے (جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے) اور یہ کہ میری نماز کا ثواب مجھی کو ملنا ہے اور اسکی وجہ سے بڑے بڑے انعامات نصیب ہوتے ہیں تو ایسا شخص بے وقت نماز کیوں پڑھے گا۔ جلدی جلدی کیوں پڑھے گا۔ اور رکوع سجدہ میں کمی کیوں کرے گا؟ درحقیقت آخرت کی پیشی اور وہاں کے عذاب و ثواب کا فکر ہو تو یہ دین کے بڑے بڑے کام کروا سکتا ہے۔ یہ نہ ہو تو صحیح طریقے پر دو رکعت نماز پڑھنا بھی بھاری ہو جاتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک انسان نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اُس کے لئے نماز کا دسواں یا نواں یا آٹھواں یا ساتواں یا چھٹا یا پانچواں یا چوتھائی یا تہائی یا آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ کمافی الترغیب)

یہ ثواب کی کمی اور کٹوتی خود نمازی کے اپنے اخلاص عمل اور خشوع کی کمی اور کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے۔ اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی جہانوں پر، اور ڈرو

يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

اس دن سے جس دن کوئی بھی شخص کسی کی طرف سے بھی کچھ ادائیگی نہیں کریگا۔ اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی

عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

معاوضہ لیا جائے گا' اور نہ اُن لوگوں کی مدد کی جائے گی

قیامت کے دن نفسا نفسی

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں بھی بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا' اور مکرّر اپنی نعمتوں کی یاد دہانی فرمائی۔ اُن میں سے بہت سی نعمتوں کا تذکرہ آئندہ آیات میں آنے والا ہے۔ یہ جو فرمایا: وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَی الۡعَالَمِيۡنَ (کہ میں نے تم کو فضیلت دی جہانوں پر) اس سے اُن کے آباؤ اجداد مراد ہیں۔ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی تھے اور وہ علماء صُلحاء بھی تھے جنہوں نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھاما تھا اور جنہوں نے دین خداوندی میں کسی قسم کی تحریف اور تغییر نہیں کی تھی۔ ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف تھے اور جن پر فضیلت دینے کا ذکر ہے ان سے ان کے زمانے کے لوگ مراد ہیں۔ تمام عالم کے انسان اگلی پچھلی' اقوام وافراد مُراد نہیں ہیں۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے افضل ہیں اور آپ کی اُمت ساری اُمتوں سے افضل ہے۔ جس کی تصریح كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ۔ میں اور وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا۔ میں فرمائی ہے۔

اپنے زمانہ میں بنی اسرائیل کو دوسری اقوام پر فضیلت اور برتری حاصل تھی۔ کیونکہ ان میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے تھے اور اُن کے ماننے والے بھی ہوتے تھے اور اعمال صالحہ والے بھی موجود تھے۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو فترت کا زمانہ ہے (اور یہ زمانہ چھ سو سال کے لگ بھگ تھا) اس میں علماء یہود نے توریت شریف میں تحریف کر دی اور دین خداوندی کو بدل دیا پھر جب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور علماء یہود نے پہچان بھی لیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کے آنے کا ہمیں انتظار تھا تو آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے۔ تحریف و تغییر و انکار نبوت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنی ہر طرح کی فضیلت کھو بیٹھے۔ اور اب نہ صرف یہ کہ کفر اختیار کرنیوالے بن گئے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن بن کر مستقل طریقہ پر مغضوب علیہ کی سند لے لی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسل سے ہیں مگر کفر کے ساتھ نسب کوئی کام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ وہ ہر کافر کو دوزخ میں بھیج دے گا کسی کی بھی اولاد ہو۔

یہودیوں کی دنیا طلبی' حُبّ مال' حُبّ جاہ اور اس بات کا حسد کہ نبی ہم میں سے کیوں نہ آیا عربوں میں سے کیوں آیا ان چیزوں نے اُن کو بَربَاد کر دیا۔ قرآن مجید نے خطاب کر کے اُن سے فرمایا کہ دنیا کو نہ دیکھو آخرت پر نظر کرو۔ اموال و اولاد اور قوم اور قبیلہ قیامت کے دن بالکل کام نہیں آ سکتا وہاں نہ کوئی جان کسی کی طرف سے کوئی حق ادا کر سکے گی۔ (یہ نہ ہو سکے گا کہ کوئی کسی کی طرف سے عذاب بھگت لے)

جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے

کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی' بلکہ کوئی شخص کسی کے لئے سفارش کر ہی نہ سکے گا۔ سوائے اُن لوگوں کے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اور جن کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی ان ہی کے بارے میں قبول ہوگی۔ اور کافروں کے لئے کوئی سفارش کرنیوالا نہ ہوگا اور نہ ان کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔

(قال اللہ تعالیٰ شانہ) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ (وقال اللہ تعالیٰ) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (وقال تعالیٰ) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (وقال تعالیٰ) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

وہاں عذاب سے جان چھڑانے کے لئے کوئی معاوضہ یا فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اوّل تو وہاں کسی کے پاس کچھ ہوگا ہی نہیں جو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے جان چھڑائے اور بالفرض کوئی دینا بھی چاہے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور جس کے لئے عذاب کا فیصلہ ہوگیا اُسے عذاب ہی میں رہنا ہوگا۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (جو لوگ کافر ہوئے اور مرگئے کافر ہی' تو ہرگز قبول نہ ہوگا کسی ایسے شخص سے زمین بھر سونا۔ اگرچہ فدیہ دے اس قدر سونے کا' اُن کے لئے عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ہوگا اُن کا مددگار) اور سورۂ مائدہ میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. (جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہوتا کہ بدلہ میں دیں قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے تو اُن سے قبول نہ ہوگا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے) آخر میں فرمایا وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور روزِ قیامت اُن لوگوں کی مدد نہ کی جائے گی اوّل اس بات کی نفی کی گئی کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ پھر سفارش کی نفی کی گئی پھر جان کا بدلہ قبول کئے جانے کی نفی کی گئی پھر ہر طرح کی مدد کی نفی کردی گئی۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تم کو سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری

نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا

مصر میں بنی اسرائیل کی مظلومیت

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے ایک بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے پہلے گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام قبیلے مصر میں رہتے تھے۔ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مصر کے لوگ (فرعون اور فرعون کی قوم) ان پر بری طرح مسلط تھے انکی زندگی غلاموں سے بھی بدتر تھی ان سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ایسی بدترین غلامی میں بنی اسرائیل مبتلا تھے کہ مصری لوگ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے تو یہ ذرا چوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا فرمایا پھر ان کو اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی فرعون سے ان کا مقابلہ اور مناظرہ ہوا' فرعون نے مقابلہ کے لئے جادوگر بلائے معجزہ کے سامنے وہ لوگ نہ ٹھہر سکے اور اپنی ہار مان کر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کی قوم کی اور زیادہ سختیاں بڑھ گئیں۔ اللہ جل شانہٗ کا موسیٰ علیہ السلام کو

حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل کھڑے ہو اور راتوں رات روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ ملک مصر سے نکل آئے اور فرعون اور اس کے لشکروں سے نجات پائی۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ مصر میں چار سو سال سے رہ رہے تھے۔ عرصہ دراز کی بدترین غلامی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ آیت کے اخیر میں جو لفظ بَلَاءٌ ہے اس کے دو معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کو بھی بلاء کہتے ہیں۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ تم ایسی سخت تکلیفوں میں مبتلاء تھے اس میں تم بڑے امتحان میں تھے' اور بَلَاء کا دوسرا معنی انعام کا ہے اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تکلیفوں سے اور غلامی سے نجات دینے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو کیوں ذبح کرتے تھے اسکے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا یا اُسے کاہنوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ جل شانہٗ کی قضاء و قدر غالب آئی انکی تدبیریں ہی دھری رہ گئی خدا جانے کتنے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ اُسی زمانہ قتل میں موسیٰ علیہ السلام پیدا بھی ہوئے پلے بڑھے جوان ہوئے اور فرعون ہی کے محل میں پرورش پائی پھر اسکی اور اسکی حکومت کی تباہی کا ذریعہ بنے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝
اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی' اور آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے

بنی اسرائیل کا سمندر پار کر کے نجات پانا اور آلِ فرعون کا غرق ہونا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اجمالی طور پر مصریوں سے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کی بربادی اور ہلاکت کا ذکر ہے اللہ جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم راتوں رات بنی اسرائیل کو لیکر مصر کی آبادیوں سے نکل جاؤ اس وقت مصر میں فرعون کی حکومت تھی فرعون مصر کے ہر فرماں روا کو کہا جاتا تھا اور اس فرعون کا نام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا بعض مفسرین نے ولید بتایا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا نام بھی موسیٰ تھا۔ اس کا تعلق قوم عاد سے بتاتے ہیں یہ بڑا سرکش بادشاہ تھا اپنے آپ کو سب سے اونچا معبود منواتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو رات کو لیکر مصر کی آبادی سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پہنچ گئے ان کے نکلنے کی جب فرعون اور آل فرعون کو خبر لگی تو فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا بنی اسرائیل دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے سورج نکل چکا تھا فرعون جو اپنے لشکروں کے ساتھ پیچھے سے پہنچا تو بنی اسرائیل گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (کہ ہم تو دھر لئے گئے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور مجھے راہ بتائے گا) اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی سمندر میں مارو! انہوں نے سمندر میں لاٹھی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور پہاڑوں کے برابر اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ ان پانی کے پہاڑوں کے درمیان زمین خشک ہو گئی اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان پہاڑوں کے درمیان سے گزر گئے۔ فرعون نے بھی اپنی جماعتوں اور لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور یہ لوگ بھی سمندر میں داخل ہو گئے بنی اسرائیل کا پار ہونا تھا اور فرعون اور اس کے لشکر کا سمندر میں داخل ہونا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ملا دیا اور فرعون اپنے لشکروں اور جماعتوں سمیت ڈوب گیا ان کے

ڈوبنے کے اس منظر کو بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کو اس آیت میں وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ سے تعبیر فرمایا ہے۔ فرعون جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں بھی ایمان لاتا ہوں کہ اس ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ ارشاد ہوا آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے تھا) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا فرعون غرق ہو کر ہلاک تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکی نعش کو محفوظ رکھا تاکہ بعد میں آنیوالوں کو عبرت ہو جیسا کہ سورۂ یونسؑ میں فرمایا ہے۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً (سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تیری ذات ان لوگوں کے لئے عبرت ہو جائے جو تیرے بعد میں آنے والے ہیں) فرعون اور اس کے لشکروں کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے نجات پانے کا واقعہ سورۂ طٰہٰ (رکوع ۴) میں اور سورۂ شعراء (رکوع ۴) میں اور سورۂ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾
اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے اُن کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظلم کرنیوالے تھے
ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۵۲﴾
پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طُور پر جانا اور بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت کرنا

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لیکر سمندر پار ہو گئے تو ایک میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ان کو اپنے وطن فلسطین جانا تھا لیکن وہاں چالیس سال کے بعد پہنچ سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے علاقے میں ان کو جانا نصیب ہوا اُن کی وفات اُسی میدان میں ہو گئی۔ اور اسی عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا ہوئی۔ طور پہاڑ اُسی میدان میں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بلایا ایک مہینہ اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن تیس راتیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی رائحہ دُور ہو گئی جو روزہ رکھنے سے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو حدیث میں خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ سے تعبیر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔ (کما فی صحیح البخاری) جب یہ رائحہ دور ہو گئی تو دس دن مزید روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ لہٰذا چالیس دن کوہ طور پر گزارے مُدت مذکورہ گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا ہوئی۔ سورہ بقرہ میں چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ اور سورۃ اعراف میں تفصیل بیان فرمائی کہ تیس راتوں میں دس راتیں اور بڑھا دی گئیں۔ لہٰذا چالیس راتیں پوری ہو گئیں۔ (اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً)

سامری سُنار کا زیورات سے بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے اور وہاں چالیس دن لگ گئے۔ ادھر انکے پیچھے انکی قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے۔ تو انہوں نے قبطی قوم کے

لوگوں سے (جومصر کے اصل باشندہ تھے) زیورات مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے ان میں ایک آدمی سامری نام کا تھا جو سُنار کا کام کرتا تھا اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے گائے کے بچھڑے کی شکل بنادی اور اُس کے منہ میں مٹی ڈال دی۔ یہ وہ مٹی تھی جو اُس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے اُٹھالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمہ سے گائے کے بچہ کی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل مصر میں بُت پرستی دیکھ آئے تھے۔ جب اُس کی آواز سنی تو کہنے لگے۔ هٰذَا اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ موسٰى فَنَسِىَ۔ (یعنی یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے گئے۔ معبود تو العیاذ باللہ یہاں موجود ہے) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے چھوڑ گئے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا اور بتایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمٰن ہے میرا اتباع کرو۔ میری اطاعت کرو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس بچھڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں۔

سامری کو بدُعا اور بچھڑے کا انجام

جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے تو اُنہوں نے یہ ماجرا دیکھا، بہت غصہ ہوئے اور پوری صورت حال معلوم فرمائی پتہ چلا کہ سامری نے یہ حرکت کی ہے۔ اس سے بھی سوال جواب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا دے دی اور فرمایا: فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ (تو جا تیرے لئے زندگی بھر یہ بات طے کردی گئی کہ تو جسے دیکھے گا اُس سے کہے گا کہ مجھے نہ چھونا) لہٰذا وہ حیران پریشان جنگل میں پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی کو چھولیتا تھا یا کوئی شخص اُسے چھولیتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اُس بچھڑے کو جلا دیا اور راکھ کو سمندر میں بہادیا۔ اور فرمایا: اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا۔ (تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے)۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے تم سے درگزر کردیا۔ یہ اُن کی توبہ کرنے کے بعد کی بات ہے۔ اُن کی توبہ کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾
اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دے دی تاکہ تم ہدایت پاؤ

توریت شریف عطا فرمانے کا انعام

تفسیر: اس آیت میں توریت شریف عطا فرمانے کا ذکر ہے بنی اسرائیل پر جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اُن کو ایک جامع کتاب دی گئی جو احکام پر مشتمل تھی اس میں احکام دینیہ پوری طرح واضح طور پر بیان فرمادیئے گئے تھے سورۃ انعام میں فرمایا: ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِىْ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھی طرح عمل کرنیوالوں پر نعمت پوری ہوجائے اور سب احکام کی تفصیل معلوم ہوجائے۔ اور رہنمائی ہو اور رحمت ہوتا کہ وہ لوگ اپنے

رب کے ملنے پر ایمان لائیں) توریت شریف کو فرقان فرمایا یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنیوالی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ اللہ کی کتاب کی یہ سب صفات ہیں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنیوالی ہے اور حلال وحرام کے درمیان بھی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الفرقان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مُراد ہیں۔ سیاق کلام سے یہ بھی بعید نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت شریف بھی دی اور معجزات بھی دیئے۔ جو اُن کے دعوائے نبوت اور رسالت کو ثابت کرنیوالے تھے۔ جو انعامات موسیٰ علیہ السلام پر ہوئے وہ سب بنی اسرائیل پر بھی ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل ان کی اُمت میں سے تھے اور خود موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کی ساری نعمتوں کی ناقدری کی اور بجائے شکر گزار ہونے کے ناشکرے ثابت ہوئے اور ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کی جس کا تذکرہ آئندہ آیات میں آرہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ سو
بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ
اپنی جانوں کو قتل کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے
الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾
والا ہے اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

گئوسالہ پرستی کرنیوالوں کی توبہ اور اس بارے میں جانوں کا قتل کرنا

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر واپس بنی اسرائیل کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ بہت بڑی تعداد میں یہ لوگ گئوسالہ پرستی یعنی بچھڑے کی عبادت میں منہمک ہو چکے ہیں اس پر انہیں بہت زیادہ غصہ آیا اور ان کو بت پرستی سے توبہ کرنے پر متوجہ فرمایا۔ ان لوگوں کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے سے اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا جیسا کہ سورۂ اعراف میں فرمایا۔ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿﴾ (اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمیں معاف نہ کرے تو ہم بالکل نقصان میں پڑ جانیوالے ہونگے) اُن لوگوں کی توبہ کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہ متعین فرمایا تھا کہ وہ مقتول ہو جائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یوں حکم ہوا تھا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں۔ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب قتل کرنا شروع کیا تو قاتلین کے سامنے بچھڑے کی عبادت کرنیوالوں میں سے وہ لوگ بھی سامنے آجاتے تھے جو انکے رشتہ دار اور عزیز قریب تھے۔ لہٰذا وہ قتل کرنے سے ہچکچاتے تھے اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھیج دیئے تاکہ ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور صبح سے شام تک قتل کا سلسلہ چلتا رہا حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دعا کی بادل ہٹا دیا گیا اور توبہ نازل

ہوگئی اس وقت تک ستر ہزار آدمی قتل کئے جاچکے تھے۔ مفسرین کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی وہ سب ہی مقتول نہیں ہوئے بلکہ ستر ہزار کے قتل ہونے پر سب کی توبہ قبول ہوگئی۔ (بیضاوی وابن کثیر)

آیت کریمہ میں یہ جوفرمایا کہ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ (کہ تم اپنے پیدا کرنیوالے کے حضور میں توبہ کرو) اس میں اسطرف اشارہ ہے کہ مستحق عبادت وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اُسے چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پرستش میں لگ گئے جن کی شکل و صورت تمہارے آدمی نے خود بنائی۔ شرک کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے اُس سے بچنے کے لئے توبہ کرلو۔ اور توبہ کی قبولیت کے لئے یہ شرط لگائی کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے یہ ایک وقتی تکلیف ہے جس کا سہہ لینا دوزخ کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں بہت زیادہ سہل ہے۔ اور اس عذاب سے بچنا تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔

اُمت محمدیہ پر اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے انکی توبہ ندامت سے اور آئندہ گناہ کے نہ کرنے کا فیصلہ کر لینے پر اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے سے قبول ہوجاتی ہے۔ کوئی کیسا ہی کتنا بڑا گناہ کرے۔ کفر اختیار کرے شرک کا کام کرے اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سچے دل سے اسلام قبول کرے توحید ورسالت پر ایمان لائے اُسکی توبہ قبول ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ
اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں، سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے اور حال یہ تھا
تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۵۶﴾
کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تم کو زندہ اٹھادیا تمہاری موت کے بعد، تاکہ تم شکر ادا کرو

بنی اسرائیل کی بیجا جسارت اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال

تفسیر: جب موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام توریت شریف لائے تو بنی اسرائیل کو پایا کہ اُن میں سے بہت سے لوگ بچھڑے کی عبادت کر چکے ہیں بچھڑے اور اُس کی عبادت کرنے والوں کا انجام اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے گئوسالہ پرستی کے علاوہ ایک اور اڑ لگائی، اور انہوں نے کہا کہ آپ جو فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہمارے پاس اُسکی کیا دلیل ہے۔ ہم تو اس کو جب مانیں گے جب اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو یہ بھی سہی تم لوگ اپنے نمائندے تیار کرلو اور جو لوگ میرے ساتھ چلیں وہ روزہ رکھیں اور پاک صاف ہو کر چلیں جس دن ان کو خداوند قدوس سے ہم کلامی سے مشرف ہونے کا موقع آیا (جس کے لئے پہلے سے اجازت لی ہوئی تھی اور وقت مقرر فرمادیا تھا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر آدمیوں کو بھی ساتھ لے گئے اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر یہ لوگ مطمئن ہوئے اور دوسری کروٹ بدلی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر اپنے آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے کے دیکھتے ہی لقمۂ اجل بن گئے۔ جب یہ ماجرا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی کہ پہلے ہی بنی اسرائیل مجھے متہم کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اب اتنے آدمی ہلاک ہوگئے تو میں جب یہ بیان کروں گا کہ وہ لوگ بجلی کی کڑک سے مرگئے تو خدا جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے اور کیسے اتہام دھریں گے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کی وجہ سے دوبارہ زندہ کردیئے گئے۔ اس نعمت کا شکر اُن زندہ ہونیوالوں پر اور ساری قوم پر واجب ہوا۔ (ابن کثیر ص ۹۳/۹۴ ج ا والبیضاوی)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا' اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلوٰی نازل کیا' جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ'

وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۷﴾

اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے

میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور من وسلوٰی نازل ہونا

تفسیر: جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور دریا پار کر کے ایک بیابان جنگل میں پہنچے جہاں سے اُن کو اپنے وطن کنعان جانا تھا اور وہاں پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں موجود ہوتے تھے۔ (ذکرہ البیضاوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ) دھوپ اور گرمی میں چلنا اور روزانہ چلنا نہایت تکلیف دہ تھا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے لئے کچھ سایہ کا انتظام ہونا چاہئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعاء کی جس کی وجہ سے اُن کے لئے بادل بھیج دیئے گئے دن میں جب وہ سفر کرتے تھے تو بادل اُن پر سایہ کرتے تھے اس سایہ میں انکا سفر طے ہوتا تھا چونکہ روزانہ سفر ہی سفر تھا کسی طرح کی تجارت یا صنعت وحرفت یا زراعت کا موقع نہیں تھا اور کھانے کی ضرورت بدستور جس کا ہر انسان محتاج ہے تو انکی اس حاجت کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے من اور سلوٰی نازل فرمائے۔

مَنّ کے بارے میں علماء تفسیر کے بہت سے اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ کوئی ایسی چیز تھی جو درختوں پر نازل ہو جاتی تھی۔ صبح جا کر اس میں سے جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کا گوند تھا۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ وہ کوئی چیز تھی جو گاڑھے گودے کے مشابہ تھی۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ لوگ جہاں مقیم ہوتے وہیں برف کی طرح اُن کی جگہوں میں مَنّ کا نزول ہو جاتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا۔ اور یہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک نازل ہوتا تھا ایک دن کی ضرورت کے بقدر ہر شخص کو لینے کی اجازت تھی اس سے زیادہ کوئی لے لیتا تو خراب ہو جاتا تھا۔ البتہ جمع کے دن جمعہ اور سنیچر دونوں دنوں کے لئے لے لیتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عجوہ (مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم) جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفا ہے اور کھنبی مَن سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے۔ (اخرجہ الترمذی فی ابواب الطب) وھو فی البخاری من غیر ذکر العجوۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو کھنبی کبھی کبھی زمین پر نظر آ جاتی ہے یہ اُس مَن کا بقیہ ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میری ایک باندی چُندھی تھی میں نے کھنبی کا پانی لیکر اُس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔

سلوٰی یہ کیا چیز تھی؟ یہ کوئی پرندہ تھا جو بٹیر سے مُشابہ تھا اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے پاس خوب زیادہ تعداد میں پرندے بھیج دیتا تھا جو ہوا کے ذریعہ آ جاتے تھے وہ لوگ ان کو ذبح کر دیتے تھے اس بارے میں بھی حکم تھا کہ بقدر ضرورت لیں اور ذخیرہ بنا کر نہ رکھیں لیکن انہوں نے اس بات پر عمل نہ کیا مَنّ اور سلوٰی دونوں کا ذخیرہ بنایا اور جب دوسرے دن اُسے دیکھا تا کہ کھائیں تو اس میں بدبو آ چکی تھی اور خراب ہو چکا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت میں تغیر نہ آتا اور وہ بدبودار نہ ہوتا۔ اور اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی

عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی (صحیح بخاری ص ۴۶۹ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ پر بھروسہ نہ کیا ان کے لئے حکم تھا کہ من وسلویٰ اُٹھا کر نہ رکھیں لیکن وہ نہ مانے اُٹھا کر رکھا تو اس میں بدبو آ گئی خراب ہو گیا لہٰذا گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء ان لوگوں سے ہوئی اور ان کی حرکت بد کی وجہ سے ہوئی اسی طرح سے حضرت حوا نے حضرت آدم کو جنت کا وہ درخت کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا پھر دونوں نے کھالیا اور دونوں دنیا میں بھیج دیئے گئے۔ شوہر کی خیانت کی ابتداء حضرت حوا سے ہوئی لہٰذا اُن کی نسل میں بھی یہ بات باقی رہ گئی۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء)

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں سو کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح، اور داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے
وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ
اور یوں کہو کہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ اور نیکوکاروں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو بدل دیا اُن لوگوں نے جنہوں نے
الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾
ظلم کیا بات کو اس بات کے علاوہ جو اُن سے کہی گئی تھی سو ہم نے نازل کر دیا اُن لوگوں پر آسمان سے عذاب جنہوں نے ظلم کیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

ایک بستی میں خشوع کے ساتھ داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی شرارت اور اس پر عذاب آنا

تفسیر: یہ کون سی بستی ہے جس میں داخل ہونے کا یہاں اس آیت شریفہ میں ذکر فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اَریحا بستی تھی جس میں داخل ہونے کا حکم ہوا تھا۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدسہ میں جا رہے تھے اور اَریحا اُن کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا اور پھر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ جب بنی اسرائیل چالیس سال میدان میں حیران وسرگرداں پھرتے رہے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں ان کو بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب ہوا ان کے علاقہ میں (جسے یہ چھوڑ کر مصر چلے گئے تھے) قوم عمالقہ آباد تھی۔ وہ بڑے قد آور اور قوت وشوکت والے لوگ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل سے فرمایا کہ چلو اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ اس میں تو بڑے جابر قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ہمارے بس کا نہیں جو اُن سے مقابلہ کریں تم جاؤ اور تمہارا رب جائے دونوں وہاں جا کر قتال کر لیں۔ ان کی اس حرکت پر چالیس سال کے لئے بیت المقدس کی سرزمین ان پر حرام کر دی گئی پھر یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں بیت المقدس فتح ہوا جب بیت المقدس میں داخل ہونے لگے تو حکم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے ان کا علاقہ ان کو واپس فرمایا اور اس میں فتح یابی نصیب فرمائی اور ان کو میدان تیہ کی حیرانی اور پریشانی سے نجات دی۔ اور اس شکر کے اظہار کے لئے عملی طور پر یہ تجویز فرمایا کہ جھکے ہوئے داخل ہوں تو اضع کا طریقہ اختیار کریں غرور اور تکبر کو پاس نہ آنے دیں اور ایسی کوئی صورت اختیار نہ کریں جس سے استہزاء کی کیفیت ظاہر ہو۔ اور ان کو یہ بھی حکم دیا

تھا۔ کہ حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہوں جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں ان کے ثواب میں اور اضافہ کر دیں گے۔ حکم کیا ہوا تھا اور حرکت کیا کی؟ اسی کو فرمایا کہ ظالموں نے اس کو بدل دیا جس کا حکم دیا تھا' عمل کو تو اس طرح بدلا کہ جھکے ہوئے داخل ہونے کی بجائے بچوں کی طرح اپنے دھڑوں پر گھسٹتے ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے۔ اور جو معافی مانگنے کا حکم ہوا تھا اس میں اس طرح ادل بدل کیا کہ حَبَّةٌ فِی شَعِیْرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ (کمافی صحیح البخاری)

جب انہوں نے ایسی حرکت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسقانہ کرتوتوں کی وجہ سے اُن پر عذاب نازل فرما دیا۔ یہ عذاب جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا اسکو رجز سے تعبیر فرمایا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان لوگوں پر طاعون بھیج دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کثیر تعداد میں بنی اسرائیل کی موتیں ہوئیں۔ علماء تفسیر نے یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ۔ اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهٖ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (یعنی طاعون رجز ہے جو عذاب ہے جس کے ذریعہ تم سے پہلی اُمتوں کو عذاب دیا گیا) (ذکرہ ابن کثیر۔ عن ابن اُبی حاتم)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ طاعون کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی ایک ہی ساعت میں ہلاک ہو گئے۔
مومن بندوں کو ہر حال میں اپنے خالق و مالک ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ فتح اور کامرانی دے تو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوں عاجزی اور فروتنی کو اختیار کریں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں خشوع خضوع کے ساتھ داخل ہوئے فتح مکہ کے بعد حضرت اُم ھانی کے گھر میں آٹھ رکعات نماز پڑھی یہ چاشت کا وقت تھا' مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اسکو صلاۃ الضحیٰ اور بعض حضرات نے صلاۃ الفتح سے تعبیر کیا ہے جب امیر لشکر کسی شہر کو فتح کرے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اول مرتبہ جب داخل ہو تو آٹھ رکعت نفل پڑھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب فارس فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بھی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ (ابن کثیر ج ۱)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

اور جب موسیٰ سے اُن کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنی عصا پتھر پر مارو سو اس میں سے

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى

بارہ چشمے پھوٹ نکلے' ہر جماعت نے اپنے اپنے پینے کی جگہ جان لی' کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور مت خرابی کرو

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

زمین میں فساد کرتے ہوئے

میدان تیہ میں بنی اسرائیل کیلئے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا

تفسیر: یہ بھی میدان تیہ کا قصہ ہے۔ اس میدان میں جب بنی اسرائیل کو پیاس لگی اور پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں پانی کی درخواست کی تو

اللہ جل شانہ، نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لاٹھی کا پتھر پر مارنا تھا کہ اُس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ جس پتھر میں لاٹھی مارنے سے چشمے جاری ہوتے تھے یہ ایک ہلکا سا پتھر تھا جو چوکور تھا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں رہتا تھا۔ جب پانی کی حاجت ہوتی اُسے زمین پر رکھ کر لاٹھی مار دیتے تھے جس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے۔

جب بنی اسرائیل پانی سے سیراب ہو جاتے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسکو اُٹھا کر تھیلے میں رکھ لیتے تھے اور جب پانی لینا چاہتے تھے تو پھر اس میں لاٹھی مار دیتے تھے جس سے پانی نکلتا' روزانہ چھ لاکھ آدمی اس سے سیراب ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے کے لئے پتھر سے چشمہ پھوٹتا تھا اور ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا تھا۔

لق دق میدان میں اللہ جل شانہ، نے بنی اسرائیل کے کھانے کے لئے من وسلوٰی عطا فرمایا اور اُن کے پینے کے لئے پتھر سے چشمے جاری فرمائے یہ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر بہت بڑا انعام تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ بھی تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (کہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو) لَا تَعْثَوْا عثی سے مشتق ہے جو خوب زیادہ بڑا فساد کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی آپس کا قتل وقتال اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا بہت بڑا فساد ہے۔ نعمتوں کی ناشکری کرنے سے نعمتوں سے محرومی ہو جاتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ نعمتوں کے مقابلہ میں ناشکری اور نافرمانی شرعاً وعقلاً بہت بڑی جہالت اور باعث ہلاکت ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر لہٰذا ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ ہمارے لئے اُن چیزوں میں سے نکال دے

الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي

جن کو زمین اُگاتی ہے۔ اس کی سبزی اور کھیرا گیہوں اور مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بدلتے ہو اُس چیز کو جو گھٹیا ہے

هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

اُس چیز کے بدلہ میں جو خیر ہے؟ اُتر جاؤ کسی شہر میں' سو بے شک تمہارے لئے وہ ہے۔ جو تم نے سوال کیا۔ اور ماری دی گئی اُن لوگوں پر ذلت

وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ

اور مسکنت' اور مستحق ہو گئے غصہ کے جو اللہ کی طرف سے تھا' یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے' یہ اس لئے کہ اُنہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھتے تھے

بنی اسرائیل کا کہنا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ہمیں پیاز' لہسن چاہیے

تفسیر: میدان تیہ میں بنی اسرائیل کو دونوں وقت کھانے کے لئے من وسلوٰی ملتا تھا۔ انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے

کہ وہ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بددل ہو جاتا ہے۔ اور اسکی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے کھانے کھائے بنی اسرائیل من وسلوٰی کھاتے کھاتے اُکتا گئے لیکن اُنہوں نے طبعی اُکتاہٹ کو دیکھا اور اس بات کو نہ دیکھا کہ ہم ایسی بدترین غلامی سے نکل کر آئے ہیں جہاں ہمارے بچے ذبح کر دیئے جاتے تھے اور اُف نہ کر سکتے تھے ایسے بڑے دشمن کا ہلاک اور برباد ہونا اور اس سے نجات پانا یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے سامنے کھانے کی طبعی اکتاہٹ پر صبر کر لینا معمولی بات ہے لیکن اُنہوں نے صبر کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے زمین سے نکلنے والی چیزیں پیدا فرمائے ہمیں سبزیاں چاہئیں' کھیرا چاہئے' گیہوں چاہئے' مسور کی دال چاہئے اور پیاز چاہئے۔ اور طرز سوال بھی عجیب ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں آپ اپنے رب سے دعا کریں۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم سب مل کر اپنے رب سے مانگیں' گویا اپنا کوئی تعلق ہی اپنے رب سے نہیں ہے اور گویا موسیٰ علیہ السلام نے انکو مصر سے لا کر ایک طرح کے کھانے کی مصیبت میں ڈالا ہے لہٰذا وہ دعا کریں اور وہی مصیبت حل کریں۔ اُن کا شکریہ تو کجا کہ اُن کی محنتوں کوششوں اور قربانیوں سے بدترین غلامی سے نجات پائی۔ شکریہ کی بجائے اُن کو مطعون کر رہے ہیں کہ تم نے ہم کو مصیبت میں ڈالا۔ جب مذاق بگڑ جاتا ہے تو انسان عزت اور رفعت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے پست ذہن کی وجہ سے پستی کو ہی پسند کرتا ہے۔ اور ذلت کا خوگر ہو جاتا ہے اسکی طبیعت ذلیل ہو کر رہنے ہی کو پسند کرتی ہے وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ طبیعت کی خواہشوں کے مطابق جیتا رہوں۔ چاہے جوتے ہی پڑتے رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی یہ ادا پسند نہ آئی اور فرمایا کہ تمہارے پاس عمدہ کھانا بغیر کسب معاش اور بغیر محنت مشقت کے پہنچ جاتا ہے۔ تم اس عمدہ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیزیں طلب کر رہے ہو' یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اگر تم کو سبزیاں ترکاریاں دال اور پیاز چاہئے۔ تو کسی شہر میں چلے جاؤ۔ یہ چیزیں وہاں ملیں گی۔

لفظ "فوم" کا معنی تفسیر کی کتابوں میں گیہوں بھی لکھا ہے۔ اور لہسن بھی' دونوں ہی معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ بنی ہاشم کی زبان میں "فوم" گیہوں کو کہا جاتا تھا حضرت مجاہد نے اس کا ترجمہ لہسن کیا اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔ حضرت امام بخاری نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ "الحبوب التی توکل کلھا فوم" یعنی تمام غلّے جو کھائے جاتے ہیں وہ سب فوم کا مصداق ہیں۔ (راجع ابن کثیر)

یہودیوں پر ذلت اور مسکنت ماردی گئی

پھر فرمایا کہ یہود پر ذلت اور مسکنت ماردی گئی یعنی ان کے ساتھ لازم کر دی گئی۔ وہ برابر ذلیل رہیں گے' جس میں دوسری قوموں کا ماتحت ہونا' جزیہ دینا' مال کا حریص ہونا' بہت زیادہ مال ہوتے ہوئے بھی مال کی طلب میں لگنا اور جان کھپانا یہ سب ذلت میں داخل ہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں۔

فتری الیھود وان کانوا میاسیر کأنھم فقراءٌ وقیل الذلۃ ھی فقر القلب فلا تری فی اھل الملل اذل واحرص علی المال من الیھود.

یہود پر چونکہ ذلت اور مسکنت ماردی گئی اور انکی جانوں کے ساتھ لگادی گئی اس لئے تم ان کو دیکھو گے کہ مالدار ہوتے ہوئے بھی فقیر ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ذلت سے دل کا فقیر ہونا مراد ہے۔ اسی لئے تمام اہل مذاہب میں یہودیوں سے بڑھ کر کوئی قوم زیادہ ذلیل اور مال کی حریص نہیں ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے سچ فرمایا کہ مالدار ہوتے ہوئے لیچڑ ہونا اور پیسے کے لئے جان دینا اور تھوڑا سا نقصان ہوجانے پر بیمار پڑجانا یا دل کا دورہ پڑجانا یا اچانک مرجانا' یہ باتیں قلبی فقر کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے نمونے اگر دیکھنے ہوں تو ہندوستان کے بنیوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہود نے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا اس لئے غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے

پھر فرمایا کہ وہ غضب الٰہی کے مستحق ہوگئے اور ذلت اور مسکنت کا ان کے ساتھ لازم ہوجانا اور غضب الٰہی کا مستحق ہوجانا اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے اور اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل تو ناحق ہی ہوتا ہے لیکن بغیر الحق کی تصریح اس لئے فرمائی کہ ان کے نزدیک بھی ان کو قتل کرنا ناحق تھا پھر یہ کہ ان حضرات کے قتل کرنے پر کوئی ندامت نہیں ہوتی تھی۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تین سو نبیوں کو قتل کردیا (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پھر شام کو اپنے بازاروں میں سبزیوں کا کاروبار شروع کردیا۔ بنی اسرائیل نے جن انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو قتل کیا اُن میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے اسماء گرامی زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا وہ شخص ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا جسے کسی نبی نے قتل کیا یا جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا۔ اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا اور اُس عالم کو بھی جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح از بیہقی فی شعب الایمان)

یہودیوں کی حکومت سے متعلق ایک سوال

جب سے یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے تو کم علم یہ اشکال پیش کرنے لگے ہیں کہ قرآن مجید میں پیشین گوئی تھی کہ اُن کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اس پیشین گوئی کے خلاف کیسے ہوگیا؟ یہ سوال کوئی وزنی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ سورۂ آلِ عمران میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو ذلت ان پر ماردی گئی ہے بعض حالات میں وہ نہ رہے گی چنانچہ ارشاد ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (یعنی اُن پر ذلت جمادی گئی وہ جہاں کہیں پائے جائیں مگر اللہ کے کسی قانون کے ذریعے سے یا آدمیوں کے ذریعہ سے) اللہ کے قانون کا مطلب تو یہ ہے کہ کوئی یہودی بوڑھا ہو عبادت میں لگا ہو مسلمانوں سے جنگ نہ کرتا ہو تو وہ قتل نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ اسکی عبادت آخرت میں نفع دینے والی نہیں ہے۔ اور آدمیوں کے ذریعہ اس کی ذلت رُک جانے کا ذریعہ یہ ہے کہ کسی قوم سے انکی صلح ہوجائے یا کوئی قوم ان کو قوت پہنچانے لگے یا اُن کی مدد کرنے لگے جس سے اُن کو تھوڑی سی عارضی عزت مل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی جواب حکومت قائم ہے وہ بعض دوسری حکومتوں کی وجہ سے ہے اگر وہ انکی مدد اور معاونت چھوڑ دیں تو ایک دن بھی انکی حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی' اور نصاریٰ' اور صابئین' ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم

الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو اُن کے لئے اجر ہے اُن کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے

صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدار نجات ہے

تفسیر: گذشتہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا' کہ یہودیوں پر ذلت اور مسکنت لازم کردی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہوئے اور اُس کا سبب یہ بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگتے اور حدود سے آگے بڑھتے تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے مطرود اور مَردود ہونا کوئی یہودی قوم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونا اور مستحق اجر وثواب ہونا اور قیامت میں بے خوف اور بے غم ہونا کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جو بھی کوئی شخص ایمان کی صفت سے متصف ہوگا وہ اپنے رب کے نزدیک مستحق اجر وثواب اور بے خوف وبے غم ہوگا۔ یہ ایمان کی صفت ہر قوم کے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھی۔ یہودیوں کا ایمان یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور توریت شریف پر ایمان لائیں اور ہر اُس عقیدہ کو مانیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل شریف پر ایمان لانا اور اُن کی شریعت کو پوری طرح سے ماننا اور جو کچھ انہوں نے بتایا اُس کو تسلیم کرنا یہ اُن کے زمانہ کے لوگوں کا ایمان تھا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا جو لوگ اُن پر ایمان نہ لائے یا ایمان تو لائے لیکن بعد میں اُن کی شریعت کو بدل دیا اور ان کے دین میں شرک داخل کردیا' وہ لوگ مومن نہ رہے۔ یہودیوں نے جب اُن کی نبوت اور رسالت سے انکار کیا تو اُن میں جو اب تک مومن تھے وہ بھی کافر ہوگئے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ

پھر جب خاتم النبیین سرور عالم حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی جن کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی (مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْ ۢ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ) اور جن کا تذکرہ توریت اور انجیل میں پاتے تھے (يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ) تو اب ایمان یہ ہوگا کہ حضرت سرور عالم ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کی ہر بات تسلیم کریں۔ اسی لئے سورۃ آلِ عمران میں فرمایا (وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ) (یعنی جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا) جتنی قومیں بھی دنیا میں بستی ہیں اور جتنے اہل مذاہب آنحضرت سرور عالم محمد ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا میں موجود تھے یا اب موجود ہیں خواہ وہ کسی نبی کے ماننے اور پیرو ہونے کے مدعی ہوں اور خواہ کسی بھی دین پر ہوں اُن سب پر فرض ہے کہ آنحضرت سرور عالم محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور ہر وہ عقیدہ تسلیم کریں اور مانیں جو آپ نے بتایا۔ قیامت تک کے لئے ہر قوم ہر جماعت ہر فرد ہر علاقہ کے انسان آپ کی اُمت دعوت میں شامل ہیں۔

سورۂ اعراف میں فرمایا: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (آپ فرما دیجئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا پیغمبر ہوں تم سب کی طرف)

سورۂ سبا میں ارشاد فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)

لہٰذا جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے یہودی نصرانی فرقہ صائبین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لئے معیار نجات صرف سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قسم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔

ان سب تصریحات کو سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا ترجمہ اور مطلب سمجھ لیں کہ جو لوگ ایمان لائے یعنی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے اقراری ہوتے ہوئے آپ کو دل سے نبی اور رسول مانا اور یہودی اور نصرانی اور صائبین میں سے جو کوئی اللہ پر ایمان لائیگا۔ اور یوم آخرت کو مانے گا۔ اور عمل صالح کرے گا۔ اور یہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر اور عمل صالح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ایمان کے مطابق اور عمل صالح آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے موافق ہوگا۔ تو ایسے لوگ قیامت کے دن بے خوف اور بے غم ہوں گے۔

وحدتِ ادیان کا فتنہ اور اسکی تردید

اتنی بڑی تفصیل ہم نے دور حاضر کے ملحدین اور زنادقہ کی تردید کرنے کے لئے لکھی ہے۔ دورِ حاضر کے فتنوں میں وحدت ادیان کا فتنہ بھی ہے۔ بہت سے اہل باطل یہ کہتے ہیں کہ نجات اخروی کے لئے اللہ پر اور آخرت پر ایمان لانا کافی ہے۔ دین اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں (العیاذ باللہ) یہ لوگ اپنی گمراہی کو پھیلانے کے لئے آیت بالا کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں صرف من آمن باللّٰہ والیوم الآخر مذکور ہے۔ ایمان بالرسول کا ذکر نہیں ہے۔ یہ لوگ جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے اُن آیات کو سامنے نہیں رکھتے جو ہم نے اُوپر ذکر کی ہیں۔ ایمان باللہ کا مطلب صرف اتنا سا نہیں ہے کہ اللہ کے وجود کا اقرار کرے اور انسانوں کے خود ساختہ طریقوں سے عبادت کر لیا کرے۔ اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے اس کے جاننے کا ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

یہ کیسا ایمان باللہ ہے کہ بتوں کی پوجا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کریں۔ اور یہ کیسا یوم آخرت پر ایمان ہے کہ تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہوں اور جنت دوزخ کے منکر ہوں۔ آیت شریفہ میں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے صرف اہل اسلام مراد ہیں۔

یہود کی وجہ تسمیہ: اور اَلَّذِيْنَ هَادُوْا سے یہود مراد ہیں هاد یهود توبہ کرنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ ان لوگوں نے گائے کے بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اس لئے ان کو ان لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ انکا مشہور نام یہود ہے۔ جماعت کو یہود اور ایک شخص کو یہودی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے یہودا کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے انکو یہودی کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ لفظ تھود سے مشتق ہے جو تحرک یعنی حرکت کرنے کے معنی میں ہے۔ چونکہ یہ لوگ توریت شریف پڑھتے ہوئے حرکت کرتے تھے اسی طرح ان کا یہ لقب پڑ گیا۔ (قالہ ابو عمرو بن العلاء)

النصارٰی: سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو ماننے کے مُدعی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ نصرت سے مشتق ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ فرمایا تو اُن کے حوارین نے

7

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کہا جیسا کہ سورۃ صف میں مذکور ہے۔ لفظ نصارٰی کی جمع نصران بھی بتایا گیا ہے جیسا کہ سکران کی جمع سکارٰی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے ایک بستی میں سکونت اختیار کی تھی جس کو ناصرہ کہا جاتا تھا اسکی وجہ سے ان کو نصارٰی کہا گیا۔ بہر حال وجہ تسمیہ جو بھی ہو نصارٰی سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں۔ ان دعوے داروں میں وہ بھی تھے جو اُن کے واقعی اصلی دین پر تھے اور اُن کے دین میں کسی طرح کی تغییر و تبدیل نہیں کی اور وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اُنکا دین بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُنکی والدہ کو بھی معبود ماننے لگے۔ قرآن مجید نے ان کو کسی جگہ عیسائی نہیں فرمایا یعنی حضرت عیسیٰ کی طرف نسبت نہیں کی۔ مشرک اُنکی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے ان کے لئے لفظ نصارٰی استعمال فرمایا ہے۔

الصَّابِئِین: یہ صَبَأَ یَصْبَؤُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ زمانہ نزول قرآن میں اس فرقہ کا وجود تھا۔ ان لوگوں کا دین کیا تھا اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ لوگ مجوسیت یہودیت اور نصرانیت کے درمیان تھے۔ ان کا مستقل کوئی دین نہ تھا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے ابن ابی الزناد نے اپنے والد سے نقل کیا کہ یہ وہ لوگ تھے جو عراق کے قریب رہتے تھے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے تھے اور سال بھر میں تیس روزے رکھ لیتے تھے اور یمن کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن زید نے کہا کہ یہ لوگ موصل کے جزیرہ میں تھے صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے تھے۔ خلیل کا قول ہے کہ ان کا دین نصارٰی کے دین سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبیلہ جنوبی ہوا کی طرف تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نوح علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ یہ لوگ نہ دین یہودیت پر تھے نہ نصرانیت پر نہ مجوسیت پر اور مشرک بھی نہ تھے۔ یہ فطرت پر باقی تھے۔ اُس کا کوئی مقرر دین نہ تھا جس کا اتباع کرتے اور بعض علماء کا قول ہے کہ صائبین وہ لوگ ہیں کہ جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ (آیت کی تفسیر اور توضیح کے لئے ہم نے تفسیر ابن کثیر کو سامنے رکھا ہے اہل علم اسکی مراجعت فرمالیں)

فائدہ: صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ حاصل قانون کا یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص پوری اطاعت اعتقاد اور اعمال میں اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو ہمارے یہاں مقبول اور اسکی خدمت مشکور ہے اور ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت مسلمان ہونے میں منحصر ہے مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جائے گا مستحق اجر و نجات اخروی ہوگا۔

اور اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ظاہر میں ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن اس سے کلام میں ایک خاص بلاغت اور مضمون میں ایک خاص وقعت پیدا ہو گئی اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کریگا وہ مورد عنایت ہوگا اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے۔ سنانا ہے اصل میں مخالف کو لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کو جو موافقین پر عنایت ہے سو اسکی علّت اُن سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ اُن کی صفت موافقت مدار ہے ہماری عنایت کا سو مُخالف بھی اگر اختیار کر لے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ

اور جب ہم نے لے لیا تمہارا عہد اور اُٹھا دیا تمہارے اُوپر طور کو، لے لو قوت کے ساتھ جو کچھ ہم نے تم کو دیا اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی، سو اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل

وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور اس کی رحمت تو ضرور تم تباہ کاروں میں سے ہو جاتے

بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینا پھر ان کا منحرف ہو جانا

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر آئے اور مستقل شریعت بنی اسرائیل کو دی گئی تو بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی کتاب پر ایمان لائیں اور اس کے رسول کا اتباع کریں اور اسکی شریعت پر عمل کریں گے۔ جب انہوں نے سخت احکام دیکھے تو عمل کرنے سے انکاری ہو گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے پہاڑ طور کو اسکی جگہ سے اُکھاڑ کر ان کے اُوپر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اس قوت کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد کرو۔ سورۃ اعراف میں اور زیادہ واضح طریقے پر اس کو یوں بیان فرمایا۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اُٹھا کر سائبان کی طرح اُن کے اُوپر معلق کر دیا۔ اور اُن کو یقین ہو گیا کہ اب ان پر گرا اور ہم نے کہا کہ لے لو قوت کے ساتھ جو ہم نے تم کو دیا ہے اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی ہو جاؤ) جب انہوں نے دیکھا کہ واقعی پہاڑ گرنے کو ہے تو اسوقت مان لیا لیکن بعد میں اس میثاق عظیم کو توڑ دیا اور اقرار سے پھر گئے اللہ تعالیٰ نے انکو توبہ کرنے کی توفیق دی اور اُن کو باقی رکھا اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انکی طرف آتے رہے اور اُن کو ہدایت دیتے رہے اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اسکی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو دنیا و آخرت میں برباد ہو جاتے۔ (من ابن کثیر)

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ دین میں تو زبردستی نہیں ہے جیسا کہ **لا اکراہ فی الدین** میں بتایا ہے پھر پہاڑ سروں پر اُٹھا کر بنی اسرائیل سے کیوں قول و قرار لیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کرانے کے لئے زبردستی نہیں ہے، اگر کوئی قوم مسلمان نہ ہو جزیہ دیکر رہنا چاہے اس سے جزیہ قبول کر لیا جائیگا۔ جس نے اسلام قبول کر لیا اس سے احکام پر زبردستی عمل کرانے کی نفی لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ میں نہیں ہے اسی لئے ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر تین دن کے بعد اسلام میں واپس نہ آئے تو قتل کر دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ

اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سنیچر کے دن میں زیادتی کی، سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل!

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

پھر ہم نے اسکو عبرت بنا دیا اُن لوگوں کے لئے جو اسوقت موجود تھے اور جو بعد میں آنیوالے تھے۔ اور نصیحت بنا دیا ڈرنے والوں کے لئے

یہودیوں کا سنیچر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنا دیا جانا

تفسیر: جیسے مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن معظم قرار دیا گیا ہے اسی طرح سے یہود کے لئے سنیچر کے دن کو معظم قرار دیا گیا تھا۔ اور اسکی تعظیم کیلئے یہ حکم بھی تھا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کریں۔ ایک طرف تو یہ حکم تھا اور دوسری طرف ان کا امتحان تھا اور وہ امتحان اسطرح سے تھا کہ دوسرے دنوں میں مچھلیاں عام حالات کے مطابق پانی میں اندر ہی رہتی تھیں اور سنیچر کے دن خوب اُبھر اُبھر کر پانی پر آجاتی تھیں جس کا تذکرہ سورۃ اعراف کی آیت وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ میں فرمایا ہے چونکہ سنیچر کے دن مچھلیاں خوب اُبھر کر سامنے آجاتی تھیں اس لئے ان لوگوں نے انکے پکڑنے کے لئے حیلے نکالے اور یہ کہا کہ سنیچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ وہ ان میں پھنس کر رہ جاتی تھیں جب سنیچر کا دن گزر جاتا تھا تو اُن کو پکڑ لیتے تھے۔ اور اپنے نفسوں کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنیچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی وہ تو خود سے جالوں میں اور کانٹوں میں آگئیں اور یہ جال اور کانٹے ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے انکو منع کرنیوالوں نے منع کیا تو نہ مانے لہٰذا اللہ پاک کی طرف سے ان پر یہ عذاب آیا کہ ان کو بندر بنا دیا گیا۔ جب یہ لوگ بندر بنا دیئے گئے تو بندروں کی طرح آوازیں نکالتے تھے اُنکی دمیں بھی پیدا ہو گئیں جو لوگ انکو منع کرتے تھے وہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو وہ سر ہلا کر جواب دیتے تھے۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا۔ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ اس میں بتایا ہے کہ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے یہ خنزیر بنا دینے کا واقعہ اس موقع سے متعلق ہے جبکہ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنے کے جرم میں بندر بنا دیئے گئے تھے یا اور کسی موقع سے متعلق ہے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔ البتہ تفسیر ابن کثیر میں آیت بالا وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ سنیچر کے دن زیادتی کرنیوالے بندر بنا دیئے گئے اور خنزیر بھی اُن میں جو جوان تھے وہ بندر ہو گئے اور جو بوڑھے تھے وہ خنزیر بنا دیئے گئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جو قوم مسخ ہوئی ہے وہ مسخ شدہ حالت میں تین دن سے زیادہ نہیں رہی ان تین دنوں میں انہوں نے کچھ کھایا پیا نہیں اور اُنکی نسل بھی نہیں چلی۔ یہ جو بندروں اور خنزیروں کی نسلیں ہیں مسخ شدہ قوموں کی نسلیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہے۔ الجامع الصغیر میں بروایت حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ **ما مسخ الله تعالىٰ من شئ فكان له عقب ولا نسل رمزله السيوطی بالحسن قال الهيثمی فيه ليث بن سليم مدلس وبقية رجاله رجال الصحيح** (کمافی فیض القدیر)

اس واقعہ کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں بیان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاصی کی وجہ سے کئی طرح سے عذاب آتا رہا ہے ان میں سے ایک طریقہ صورتیں مسخ کر کے ہلاک کرنے کا بھی تھا اُمت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ اب تک مسخ کے عذاب سے محفوظ چلی آرہی ہے لیکن قرب قیامت میں مسخ ہوگا۔ جیسا کہ سنن الترمذی کتاب الفتن میں حدیث **اذا اتخذ الفئی دولا** کے آخر میں تصریح ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بھی مسخ کئے جانے کا ذکر ہے۔ (مشکوٰۃ)

جتنے بھی عذاب آئے سب میں عبرت ہے اُن لوگوں کے لئے بھی جو عذاب کے وقت موجود تھے اور اُن کے لئے بھی

جو بعد میں آنے والے ہیں اور اُن عذابوں میں نصیحت بھی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے خاص کر یہ مسخ کا عذاب تو بہت ہی زیادہ عبرت ناک ہے ہلاک تو ہو ہی گئے لیکن ہلاکت سے پہلے تین دن جو بندر رہے اس میں سب کے لئے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے اسی لئے فرمایا کہ ہم نے اس کو عبرت بنادیا اُن لوگوں کے لئے جو اُس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنیوالے ہیں اور نصیحت بنادیا ڈرنے والوں کے لئے فَجَعَلْنٰھَا کی ضمیر عقوبت کی طرف یا قری کی طرف راجع ہے جس سے اہل قری مراد ہیں لِمَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں اُن کو مسخ کرنے کی سزادی گئی اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے اور اُن کے بعد آنیوالوں کے لئے عبرت ہو جائے اور ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کی قریب کی بستیوں اور دور کی بستیوں کے لئے عبرت ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ دوسرا معنی منقول ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ عن ابن عباس لما بین یدیھا من القری وماخلفھا من القری اس کے بعد حضرت ابوالعالیہ کا قول نقل کیا ہے۔ وما خلفھا لمابقی ما بعدھم من الناس من بنی اسرائیل ان یعملوا مثل عملھم یعنی ماخلفھا سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو اس عبرت ناک واقعہ کے بعد باقی رہے یہ واقعہ ان کے لئے عبرت ہے تاکہ اپنے اسلاف جیسا عمل نہ کریں۔

حضرت حسن اور قتادہ نے موعظۃ للمتقین کے بارے میں فرمایا کہ اُن لوگوں کے بعد میں جو آنیوالے ہیں ان کے لئے نصیحت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں گے اور خوف کھائیں گے' اور عطیہ عوفی نے کہا ہے کہ المتقین سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُن چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا حیلوں کے ذریعہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال مت کرلو۔ (وہٰذا اسناد جید)

یہود نے ایک اور بھی حیلہ کیا اور وہ یہ کہ ان پر چربی حرام کردی گئی تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اُنہوں نے اچھی صورت میں بنا کر بیچ دیا۔ (بخاری و مسلم کمافی مشکوٰۃ)

شراح حدیث نے اچھی صورت میں بنانے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ چربی کو انہوں نے پگھلا دیا اور اس میں کچھ ملا کر دوسرا کوئی نام رکھ کر اسکو بیچ دیا۔ اور اس کی قیمت کھا گئے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں اس طرح کے حیلے رواج پا گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ شراب کو حلال کرلیں گے عرض کیا یہ کیسے ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسکی حرمت واضح طور پر نازل فرمائی ہے آپ نے فرمایا کہ یسمونھا بغیر اسمھا فیستحلونھا یعنی وہ شراب کا دوسرا نام رکھ لیں گے۔ اور اس طرح اس کو حلال کرلیں گے۔ (رواہ الدارمی مشکوٰۃ ص ۴۶۱)

چنانچہ آجکل ایسی باتیں سننے میں آرہی ہیں' شراب پیتے ہیں' نام دوسرا رکھ لیا ہے۔ سود لیتے ہیں اس کا نام نفع رکھ لیا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے تدبیریں کرلیتے ہیں۔ تصویریں اور مورتیاں حلال کرنے کے لئے حیلے تراشتے ہیں۔ ڈاڑھی مونڈنے کے جواز کے لئے حجتیں نکالتے ہیں۔ ایسے حیلوں اور بہانوں کی تفصیلات بہت ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ کہنے لگے کیا تو ہمارا مذاق بناتا ہے؟

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ؕ

موسیٰ نے کہا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں، وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان کر دے کہ وہ بیل کیسا ہو،

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا

موسیٰ نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو بوڑھا نہ ہو اور بالکل جوان بھی نہ ہو ان دونوں کے درمیان ہو، سو تم اس پر عمل کرو جس کا

تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

تم کو حکم دیا جا رہا ہے، وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان فرما دے کہ اس بیل کا رنگ کیسا ہو، موسیٰ نے کہا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ تیز رنگ کا

صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ

پیلا بیل ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہو، وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر ہمارے لئے بیان فرما دے کہ اس بیل کی پوری کیا حقیقت ہے؟

اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

بیشک بیلوں کے بارے میں ہم کو اشتباہ ہو رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے، موسیٰ نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ

بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ

ایسا بیل ہو جو صحیح سالم نکمانہ ہو گیا ہو۔ وہ نہ زمین کو پھاڑتا ہو اور نہ کھیتی کو سیراب کرتا ہو اس میں ذرا کوئی دھبہ نہ ہو، وہ کہنے لگے کہ اب تم نے ٹھیک طرح بیان کیا ہے۔

بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

لہٰذا اُنہوں نے وہ بیل ذبح کر دیا اور حال یہ ہے کہ وہ ایسا کرنیوالے نہ تھے

ذبح بقرہ کا قصہ، یہود کی کج بحثی

تفسیر: ان آیات میں ذبح بقرہ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ بقرہ عربی زبان میں گائے اور بیل دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ بیل کیا ہے اور اُن کا فرمانا ہے کہ قصہ کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ وہ بقرہ ایسا ہو جو ہل جوتنے میں استعمال نہ کیا ہو اور کھیتی کی آبپاشی میں اسکو نہ لگایا گیا ہو۔ یہ کام چونکہ بیل ہی سے ہوتا ہے اس لئے بقرہ سے بیل مراد ہے دوسرے حضرات نے اس کا ترجمہ گائے سے کیا ہے۔ چونکہ بقرہ اسم جنس ہے اس لئے گائے کا ترجمہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ وزن دار ہے۔ کیونکہ قرآن کے الفاظ سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ اس کے بارے میں قرآن مجید کی اگلی آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مقتول ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا لہٰذا قاتل کا پتہ چلانے کے لئے اللہ جل شانہٗ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ ایک بیل

ذبح کرو اور اس بیل کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں مارو چنانچہ بڑی حجتوں کے بعد بنی اسرائیل نے ایک بیل ذبح کیا اور ذبح شدہ بیل کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں مار دیا۔ چنانچہ وہ مقتول زندہ ہوگیا۔ (اور اپنا قاتل بتا کر اُسی وقت دوبارہ مر گیا)

واقعہ کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں کئی طرح سے لکھی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ جس کی کوئی اولاد نہ تھی اور مالدار بہت تھا اور اس کے بھائی کے لڑکے تنگدست تھے۔ اور اُن کو چچا کی میراث بھی پہنچتی تھی۔ یہ لوگ چچا کی موت کا انتظار کرتے تھے لیکن اسکی زندگی لمبی ہوتی چلی گئی۔ لہٰذا شیطان نے ان کو یہ سمجھایا کہ تم اپنے چچا کو قتل کر دو تم اس کے مال کے وارث بھی ہو جاؤ گے اور اسکی دیت (خون بہا) بھی حاصل کر لو گے جس جگہ کا یہ واقعہ ہے وہاں دو بستیاں تھیں۔ جب کوئی مقتول دونوں بستیوں کے درمیان پڑا ہوا ملتا تھا تو جس بستی سے قریب تر ہوتا اس پر دیت ڈال دی جاتی تھی شیطان نے اُن لوگوں کو سمجھایا کہ تم قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دینا۔ جس میں تمہاری سکونت نہیں ہے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے چچا کو رات میں قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دیا پھر جب صبح ہوئی تو یہی قاتلین دعویدار ہو گئے اور اس بستی والوں پر دعویٰ کر دیا جس کے قریب نعش کو ڈال دیا تھا۔ اور اُن سے کہا کہ تمہاری بستی کے دروازے پر ہمارا چچا مقتول ملا ہے۔ ہم تم سے اسکی دیت ضرور لیکر چھوڑیں گے اس بستی کے لوگ قسم کھانے لگے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ ہم نے شام سے لیکر صبح تک اپنی بستی کا دروازہ ہی نہیں کھولا' لہٰذا ہمارے ذمہ اس کے قتل کا الزام لگا دینا صحیح نہیں اور کوئی دیت لازم نہیں۔ مفسر سُدّی نے واقعہ اس طرح بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بہت مالدار تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی اور اُس کے بھائی کا بیٹا تھا جو غریب تھا۔ اس نے اپنے چچا کو پیغام دیا کہ اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دو' چچا نے انکار کیا تو وہ غصہ ہوگیا اور اس نے چچا کے قتل کا خیال دل میں جما لیا اور اپنے دل میں کہا کہ چچا کو قتل بھی کرونگا اور اس کا مال بھی لونگا اور اسکی بیٹی سے نکاح بھی کروں گا اور اسکی دیت بھی کھا جاؤں گا۔ لہٰذا وہ چچا کے پاس آیا اور رات کو اپنے چچا کو ایک کاروباری ضرورت بتا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اور کسی جگہ جا کر قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس انداز میں باتیں کر رہا ہے کہ خدا جانے میرے چچا کہاں گئے؟ جس جگہ قتل کیا تھا وہاں پہنچا دیکھا کہ وہاں کے لوگ اُس کی نعش کے قریب جمع ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اس نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے میرے چچا کا قتل کیا ہے لہٰذا اسکی دیت ادا کرو۔ وہ دیت کا مطالبہ کر رہا تھا اور رو رہا تھا اور سر پر مٹی ڈال رہا تھا اور رو رہا تھا اور ہائے ہائے چچا کی آوازیں لگا رہا تھا۔

واقعہ کی صورت جو بھی ہو قاتل کا پتہ چلانے کے لئے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قاتل کا پتہ چلانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو اور اس کا گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مار دو۔ بات سننے کے ساتھ ہی اُن کو چاہئے تھا کہ کوئی بھی ایک بیل ذبح کر کے مقتول پر مار دیتے۔ لیکن اوّل تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مذاق اور مخول بتایا' کہنے لگے کہ کہاں بیل کا گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کو مارنا اور کہاں مقتول کا زندہ ہو کر نام بتانا یہ بے جوڑ بات ہے آپ تو ہم لوگوں کا مذاق اُڑا رہے ہیں ان جاہلوں نے یہ نہ سوچا کہ ہمیں اللہ کا نبی ایک بات بتا رہا ہے جو اللہ کی طرف سے ہے اس میں مذاق اور مخول کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات کہہ بیٹھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے

فرمایا کہ: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ. (کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں) ایک ادنیٰ مسلمان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اللہ کے حکم کو مخول اور ٹھٹھا مذاق بنائے۔ یہ تو جہالت کی بات ہے پھر اللہ کا نبی کیسے اللہ کی طرف کسی ایسے حکم کی طرف نسبت کرسکتا ہے جو مذاق اور مخول ہو۔ پھر جب بیل ذبح کرنے پر راضی ہوگئے تو طرح طرح کے سوالات کرتے گئے اور اُن سوالات کے ذریعہ بندشوں اور قیدوں میں بندھتے چلے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بھی بقرہ ذبح کردیتے تو ان کا کام چل جاتا لیکن اُنہوں نے سختی کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے تکے سوالات کرتے رہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر حکم میں سختی فرمادی۔ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں جو ہمیں یہ بتادے کہ وہ بیل کیسا ہے یعنی اس کی عمر کتنی ہو۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ وہ بوڑھا جانور بھی نہ ہو اور بالکل کم عمر بچھڑا بھی نہ ہو۔ ان دونوں کا درمیانی عمر کا ہو اور فرمایا کہ جو تم کو حکم ہو رہا ہے اس کو کر گزرو۔ لیکن ان لوگوں کو اُلٹی چڑھی ہوئی تھی' پھر سوال اُٹھایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے یہ دعا کردیجئے کہ وہ ہمیں اس کا رنگ بتادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسا بیل ہو جس کا رنگ پیلا خالص گہرا تیز ہو جس سے دیکھنے والوں کی طبیعت خوش ہوتی ہو۔ اُن لوگوں نے پھر سوال اُٹھایا کہ ہماری سمجھ میں تو پوری طرح بات نہیں آئی اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں خوب واضح طور پر بتادے کہ وہ بیل کیسا ہو بیل بہت سارے ہیں طرح طرح کے ہیں ہمیں اشکال ہو رہا ہے کہ کونسا بیل ذبح کریں اب کی مرتبہ بیان ہو جانے پر انشاء اللہ ہم ضرور راہ پاجائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی انکو پوری طرح اُس بیل کا حال بیان نہ کیا جاتا جس کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ (در منثور میں اس کو حدیث مرفوع بتایا ہے) لیکن مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ بظاہر حضرت ابی ہریرہؓ کا کلام ہے۔

بہر حال تیسری بار جب انہوں نے سوال کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ وہ ایسا بیل نہ ہو جسے کام کاج میں استعمال کر کے نکما کردیا گیا ہو یعنی اس نے نہ کھیتیوں میں ہل چلایا ہو اور نہ آبپاشی کے لئے اُسے کنویں سے پانی نکالنے میں استعمال کیا گیا ہو۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس کا جو رنگ بتایا گیا ہے پورا بیل اُسی رنگ کا ہو۔ اُس میں کسی قسم کے دوسرے رنگ کا نشان داغ دھبہ نہ ہو۔ اور وہ جانور جسمانی طور پر صحیح سالم ہو اُس کے اعضاء میں کمی اور خرابی نہ ہو مثلاً لنگڑا۔ کانا۔ اندھا نہ ہو جب بیل کے حالات بیان ہوگئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہاں اب آپ نے پوری طرح ٹھیک اور واضح بات کی ہے۔ لہٰذا اب اُس قسم کا جانور تلاش کرنے لگے جیسا بیان کیا گیا تھا اور جو اُن کے سوالات کے جوابات کے بعد اپنی خاص صفات کے اعتبار سے متعین ہو چکا تھا۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے (جو اسرائیلی روایت سے منقول ہے) کہ وہ جانور ان کو بہت زیادہ مہنگا ملا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ انہیں مخصوص صفات کا بیل تلاش کر رہے تھے اسی اثنا میں ایک شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس مذکورہ صفات کا بیل تھا اس سے کہا یہ ہمیں بیچ دے۔ یہ لوگ قیمت لگاتے رہے اور وہ قیمت بڑھاتا رہا حتیٰ کہ اس بیل کے وزن کا دس گنا سونا دینے پر معاملہ ہوا۔ چنانچہ وہ سونا اُس نے قیمت کے طور پر لے لیا یہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔ درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے اس بیل کی کھال دیناروں سے بھر کردینے پر سودا کیا۔ اور اس بیل کے مالک نے اس قدر دینار لیکر وہ بیل اُن کے حوالے کیا۔ بہر حال خدا خدا کر کے وہ لوگ ذبح کرنے پر

آمادہ ہوئے اور اُس بیل کو اُنہوں نے ذبح کر دیا حالانکہ ان کا ڈھنگ ایسا تھا کہ وہ یہ کام کرنے والے نہیں تھے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا

اور جب تم نے ایک جان کو قتل کر دیا پھر اس کے بارے میں ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اسکو ظاہر فرمائے جس کو تم چھپا رہے ہو پس ہم نے حکم دیا

اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

کہ اس کا ایک حصہ اس میں مارو، ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو، اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تا کہ تم عقل سے کام لو

مردہ زندہ ہونے کا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا تکملہ

تفسیر: ان آیات میں سابقہ قصہ کا تتمہ بیان فرمایا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ذبح بقرہ کا حکم کیوں ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ تم نے ایک خون کر دیا تھا اور اس خون کو ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے' قاتل اقراری نہیں تھا اور ہمیں منظور تھا کہ اس کے قاتل کا لوگوں کو علم ہو جائے لہٰذا ہم نے یہ طریقہ بتایا کہ یہ جو بیل ذبح کیا ہے اس کا کوئی ٹکڑا مقتول کی لاش سے لگا دو۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اُن لوگوں نے اُس بیل کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کے مونڈھوں کے درمیان لگا دیا چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے تو اُس نے کہا کہ مجھے میرے بھائی کے بیٹے نے قتل کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میرا مال لے لے اور میری بیٹی سے نکاح کر لے۔ یہ بات بیان کر کے وہ شخص دوبارہ مر گیا۔ اور قصاص میں قاتل کو قتل کر دیا گیا۔

یہاں پر یہ سوال اُٹھانا بے جا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ جس مردہ کو چاہے زندہ فرمائے پھر اس کے لئے بیل کا ذبح ہونا اور مقتول کو اس کے گوشت کا ٹکڑا مارا جانا کیوں مشروط کیا گیا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنا مخلوق کے بس کا کام نہیں۔ اور نہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تکوین اور تشریع میں جو حکمتیں ہیں اُن میں سے کوئی سمجھ میں آ جاتی ہے کبھی سمجھ میں نہیں آتی۔ مومن بندہ کا کام ماننا اور عمل کرنا ہے۔ ذبح بقرہ سے متعلق ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل کی حجت بازی اور کج روی کا حال عام لوگوں کو اور انکے بعد میں آنیوالی نسلوں کو معلوم ہو جائے تا کہ وہ ایسا نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا: كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تا کہ تم عقل سے کام لو) موت کے بعد زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لئے قبروں سے اٹھایا جانا قرآن و حدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ اس بات کے تسلیم کرنے سے بہت سے لوگوں کو انکار رہا ہے کہ موت کے بعد زندہ ہوں گے اُن کے اشکالات قرآن مجید میں دور کئے گئے ہیں اور بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کر کے دکھایا ہے اُن مواقع میں سے ایک موقع یہ بھی تھا کہ مقتول نے بحکم خدا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور یہ واقعہ حاضرین کے سامنے ہوا' سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہوا۔ اور تواتر کے ساتھ یہ قصہ لوگوں تک پہنچ گیا۔ تو اب موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت ہے اور بعض مواقع میں حاضرین نے اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتا دیکھا ہے۔ عقل کو کام میں لائیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا اُن سے بھی زیادہ سخت، اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ

جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر اُن سے پانی نکلتا ہے اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے بے خبر نہیں ہیں جن کو تم کرتے ہو

یہودیوں کی قلبی قساوت کا تذکرہ

تفسیر: اس آیت کریمہ میں یہودیوں کے قلوب کی قساوت اور سختی بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ اُن میں سختی آ گئی۔ دلائل قدرت بھی دیکھتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت بھی دیکھتے ہیں ان کے دلوں میں ذرا خدا کا خوف نہیں ہے اور حق قبول کرنے کے لئے ذرا بھی آمادہ نہیں۔ پتھروں میں تو یہ بات ہے کہ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور بعض پھٹ پڑتے ہیں تو اُن میں پانی نکل آتا ہے اور بعض اُن میں ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

پہلے ان کے دلوں کو سختی میں پتھروں سے تشبیہ دی جو اس اعتبار سے لوہے سے بھی سخت ہیں کہ لوہے کو بھٹی میں ڈالا جائے تو پگھل جاتا ہے لیکن کیسی ہی آگ ہو اس سے پتھر پگھلتا نہیں پھر فرمایا کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ بعض پتھروں سے تو نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور جب پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اگر تمہارے دل نرم ہوتے تو نافرمانیوں کی وجہ سے خوب زیادہ روتے (یہ مثال ہے نہریں جاری ہونے کی) اور کچھ بھی نہیں تو تھوڑا بہت ہی روتے (یہ مثال ہے فیخرج منه الماء کی) اور آنکھوں سے آنسو نہ نکلتے تو کم سے کم دل ہی روتا (یہ مثال ہے یهبط من خشیة اللّٰه کی) (من ابن کثیر)

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں جو کچھ کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے اس سب کی سزا پاؤ گے دنیا کی کچھ دن کی زندگی کے دھوکے میں نہ آؤ۔

اہل کتاب کے دلوں کی سختی کا قرآن مجید میں اور جگہ بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (پھر ان کے میثاق توڑنے کے باعث ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا)

اُمت محمدیہ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو حکم ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح سخت دل مت بن جاؤ۔ سورۃ حدید میں ارشاد ہے

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا

اُنکے دل اللہ کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اُس کے لئے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر اُن کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی اُن میں سے فاسق ہیں)

اپنے گناہوں کو یاد کرنا اور اللہ سے مغفرت چاہنا اور اللہ کے خوف سے رونا، یہ کسی کو حاصل ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ڈر سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس ہو جائے (جس طرح دودھ تھنوں میں واپس نہیں جاتا اسی طرح یہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا) (الترغیب والترہیب) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ نجات کس چیز میں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ تجھے نقصان نہ پہنچادے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے (یعنی بلاضرورت گھر سے باہر نہ جا) اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (أخرجہ الترمذی فی ابواب الزہد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی ہیں (۱) آنکھوں کا جامد ہونا (یعنی ان سے آنسو نہ نکلنا) اور (۲) دل کا سخت ہونا (۳) لمبی لمبی آرزوئیں رکھنا (۴) اور دنیا کی حرص رکھنا۔ (الترغیب عن البزار)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! روؤ اور رونا نہ آئے تو بتکلف رونے کی کوشش کرو کیونکہ دوزخ والے دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح جاری ہوں گے جیسے چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی جاری ہوتا ہے روتے روتے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہنے لگیں گے جس سے آنکھوں میں زخم ہو جائیں گے اور اس قدر کثرت سے خون اور آنسو جمع ہو جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن شرح السنۃ) اگر کوئی شخص قبر، دوزخ اور حشر کے حالات کا مراقبہ کیا کرے تو آسانی سے سخت دلی دور ہو سکتی ہے۔ اور رونے کی شان پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرا دل سخت ہے آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر۔ (مشکوٰۃ)

کثرت ذکر سے دل نرم ہوتا ہے اور زیادہ بولنے سے سختی آتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بات نہ کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ بات کرنا دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

غیر ذی روح میں حیات ہے سب چیزیں اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں

اس کی آیت میں پتھروں سے پانی نکلنا اور اُن سے نہریں جاری ہونا مذکور ہیں اور یہ ایسی بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے دنیا میں چشمے ہیں جھرنے ہیں پہاڑوں سے پانی نکل رہے ہیں عموماً لوگ اسکو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اس بارے میں کسی کوتاہ عقل کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اُن میں عقل وادراک نہیں ہے پھر وہ کیسے ڈرتے ہیں اور ڈر کر گر پڑتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ پتھروں میں اور دوسری جمادات میں ہمارے خیال میں ادراک اور شعور نہیں ہے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے اور ہمیں وہ احوال معلوم نہیں جو اُن پر گزرتے ہیں۔ اور ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک اور عبادت گزار ہونے کا جو تعلق ہے انسان اس سے واقف نہیں ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں میں ادراک ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں اُسکی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اسکی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ لیکن تم لوگ اُنکے پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے) اور سورۃ نور میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ٥ (کیا تجھ کو معلوم نہیں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دُعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اُس سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اُسے پہچانتا ہوں جن دنوں میں میری بعثت ہوئی وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا ہم ایک دن بعض اطرافِ مکہ کی طرف نکلے جو بھی درخت یا پہاڑ آنحضرت ﷺ کے سامنے آتا تھا وہ السلام علیکم یارسول اللہ کہتا تھا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب المناقب وقال حسن غریب)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے سات یا نو کنکریاں لیں ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی یہاں تک کہ میں نے اُن کی ایسی آواز سنی جیسی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے پھر آپ ﷺ نے اُن کو رکھ دیا تو ان کی گویائی ختم ہوگئی۔ پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو اُن کے ہاتھ میں بھی اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو اُن کے ہاتھ میں بھی اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہر مرتبہ میں نے شہد کی مکھیوں کی جیسی بھنبھناہٹ سُنی۔ (جمع الفوائد فی ذکر کلام الحیوانات والجمادات)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ جب جنات بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر قرآن سننے لگے تو آنحضرت ﷺ کو کس نے بتایا کہ جنات حاضر ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہاں جو ایک درخت تھا اس نے آپ کو بتایا۔ (للشیخین کما فی جمع الفوائد)

اسطوانہ حنانہ کا قصہ تو مشہور و معروف ہی ہے کہ جب مسجد نبوی کے لئے منبر تیار کر دیا گیا تو آنحضرت سرورِ عالم ﷺ اس پر خطبہ دینے کے لئے تشریف فرما ہوئے اس سے پہلے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے یہ ستون کھجور کا تنا تھا۔ جب آپ منبر پر تشریف لے گئے تو کھجور کا یہ تنا چیخنے لگا جیسے بچہ چیختا ہے آپ منبر سے اُترے اور اس تنے کو چمٹا لیا اور اس سے ایسی آواز نکلنے لگی جیسے بچہ کی آواز ہوتی ہے جب اُسے چُپ کیا جاتا ہے۔ یہ تنا جو اللہ کا ذکر سنا کرتا تھا اس سے محروم ہو جانے کے باعث بچہ کی طرح چیخنے لگا۔ (رواہ البخاری ص ۵۰۶ ج ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے خیبر تشریف لے گئے تھے وہاں ایک یہودی عورت نے بکری کا ایک ہاتھ بھون کر پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی اس میں سے کھایا پھر آپ نے فرمایا آپ لوگ ہاتھ اٹھا لیں اور اُس یہودی عورت کو بلا کر فرمایا کہ تو نے بکری میں زہر ملایا ہے۔ وہ کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا آپ نے فرمایا مجھے بکری کے اس ہاتھ نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگی ہاں واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔ (جمع الفوائد عن ابی داؤد)

حصن حصین میں بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لیکر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو۔ وہ دوسرا پہاڑ جب جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اُوپر گزرا ہے تو وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔

اِن سب روایات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ ہم جن چیزوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ادراک اور احساس و شعور نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کے اس احساس و ادراک کا پتہ نہیں ورنہ اُن میں احساس اور شعور ہے۔ وہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں اور اللہ کا ذکر سُن کر خوش ہوتی ہیں۔ اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو ان کو بولنے کی قوت دے دی جاتی ہے۔ قال العارف الرومی ؎

آب و باد و خاک و آتش بندہ اند — بامن و تو مُردہ با حق زندہ اند

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ
کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے کہ اُن میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر
يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے

یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی یہ اُمید اور آرزو ختم فرما دی کہ یہودی ایمان لائیں گے۔ اور فرمایا کہ ان کے اسلاف کا یہ حال تھا کہ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے اس میں تحریف کر دیتے تھے اور یہ لوگ اُن پر اب تک کوئی نکیر نہیں کرتے اور طریقہ کار کو غلط نہیں بتاتے بلکہ اُن سے محبت اور تعلق میں بہت آگے ہیں۔ اور جس طرح اُن لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں آیات بینات کا کھلا مشاہدہ کیا پھر بھی اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اللہ کے کلام کی تکذیب کی اسی طرح یہ لوگ بھی معجزات اور دلائل اور شواہد دیکھتے ہیں لیکن ٹس سے مس نہیں ہوتے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت شریفہ میں جو اللہ تعالیٰ کا کلام سُن کر اس میں تحریف کرنے کا ذکر ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا تھا لیکن جب قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے اس کے خلاف بیان دیا جو وہاں سن کر آئے تھے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے توریت شریف کی تحریف کرنا مراد ہے۔ علماء یہود رشوت لیکر

حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے تھے اگر کوئی شخص رشوت لے آیا تو اس کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ اور جو شخص کچھ بھی نہ لایا اس کو صحیح اور حق بات بتا دی۔ یہ لوگ جو ایسی حرکت کرتے تھے جانتے بوجھتے ہوئے کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔ پھر بھی اسکو کرتے چلے جاتے تھے۔ اس تحریف میں یہ بات بھی تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات اور علامات جو توریت شریف میں بیان کی گئی تھیں' اُن کو بدل دیا۔ اس میں وہ لوگ بھی مبتلا تھے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے جو لوگ خود مبتلائے تحریف ہوں اور دوسروں کو ایمان لانے سے روک رہے ہوں وہ خود کیا ایمان لائیں گے؟

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا
اور جب ملاقات کرتے ہیں اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو
فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ
اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو مغلوب کر دیں۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟ کیا یہ لوگ نہیں جانتے
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾
کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں

یہودیوں کی منافقت

تفسیر: جو عام منافقین کا طریقہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور تنہائیوں میں اپنے سرغنوں سے کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اسی طرح یہودی منافق بھی مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے اور اسی ظاہر کرنے میں یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ توراۃ شریف میں ایسا ایسا لکھا ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت اور آپ کی علامات اور صفات موجود ہیں اور ان علامات اور صفات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہل مدینہ (اوس اور خزرج) نے یہود مدینہ سے مشورہ کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات ہوئی ہے اور ہم لوگ اُن پر ایمان لائے ہیں اور وہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں' ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے تو سادہ دل یہودیوں نے کہہ دیا کہ ہاں اُن پر ایمان لاؤ وہ نبی ہیں۔ پھر جب تنہائیوں میں ایک دوسرے سے ملتے تو آپس میں کہتے کہ تم لوگ عجیب ہو مسلمانوں کے سامنے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہو اور اُنکو یہ بھی بتاتے ہو کہ ان کا ذکر اور نعت وصفت توراۃ شریف میں موجود ہے یہ تو تم اپنے اُوپر حجت قائم کر رہے ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ پاک کے حضور میں تم پر حجت قائم کر دیں گے اور خود تم اپنے اقرار سے پکڑے جاؤ گے تم نے اُن سے تو کہا کہ واقعی نبی ہیں اور خود انکی نبوت کو نہ مانا تمہارا اقرار خود تم پر حجت ہوگا لہٰذا ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو تمہارے خلاف حجت بنیں تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے خود اپنے اقرار کی چھری سے خود اپنے ذبح کا انتظام کر رہے ہو۔ (در منثور و معالم التنزیل)

یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہے کہ مسلمانوں پر حق ظاہر کر کے خود اس کے خلاف کرو گے تو قیامت کے دن مسلمان تم پر حجت قائم کریں گے اور دلیل سے مغلوب کر دیں گے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مواخذہ کرنیوالا تو اللہ تعالیٰ ہے وہ سب کچھ جانتا ہے

جو دلوں میں ہے اُسے اس کا بھی پتہ ہے اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ اگر مسلمانوں سے حق کو چھپایا تو اللہ پاک کے حضور میں اس وجہ سے کفر کے عذاب سے کیونکر خلاصی ہو گی کہ ہم نے مسلمانوں کو صحیح بات نہ بتائی تھی جب شقاوت کسی کو گھیر لیتی ہے تو وہ جان بوجھ کر اُسی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾

اور اُن میں ایسے لوگ ہیں جو اَن پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے آرزوؤں کے اور وہ لوگ صرف گمانوں میں پڑے ہوئے ہیں

یہودیوں کی جھوٹی آرزوئیں

تفسیر: اس آیت میں یہودی جاہل اَن پڑھ عوام کا تذکرہ فرمایا ہے یہ لوگ نہ توریت شریف پڑھ سکتے ہیں نہ اور کسی طرح کا علم رکھتے تھے البتہ جھوٹی آرزوؤں میں اُلجھے ہوئے تھے یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہمیں جنت میں ضرور جانا ہے اگر عذاب بھی ہوا تو تھوڑے سے دن دوزخ میں رہیں گے اور ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ہیں اسکی اولاد ہیں اور نبوت صرف ہمارے ہی اندر رہ سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور بہت سی جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا تھے خیالات کی دنیا میں پڑے ہوئے تھے اور اپنی نجات اور اللہ کے ہاں محبوب ہونے کے خیالی پلاؤ پکا رکھے تھے۔ ان کے خیال میں نہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے جھٹلانے سے ان کے محبوب عنداللہ ہونے میں فرق آتا تھا اور نہ سود کھانے سے اُنکی دینداری کو بٹہ لگتا تھا نہ کسی طرح کے کسی بھی بُرے عمل سے ان کو آخرت کا فکر لاحق ہوتا تھا۔ اپنے بارے میں جو جھوٹی آرزوئیں لئے بیٹھے تھے اور جو خوش کن گمانوں کی دنیا بسائے ہوئے تھے اُسی میں مست تھے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِندِ

سو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ

اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم

اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے اُن کے لئے بوجہ اس کے جو اُن کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور بڑی ہلاکت ہے اُن کے لئے

مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾

اُسکی وجہ سے جسے وہ کسب کرتے ہیں

علمائے یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودی علماء کی بدعملی اور دھاندلی اور حب دنیا کی وجہ سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے عوام جب علماء کے پاس جاتے تھے اور اُن سے مسائل معلوم کرتے تھے اور ساتھ ہی رشوت بھی دیتے تھے تو وہ لوگ سائل کی رضا جوئی کے لئے اُسکی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے، خود اپنے ہاتھ سے مسئلہ لکھ دیتے تھے اور عوام کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور توریت شریف میں یوں ہی نازل ہوا ہے جو شخص رشوت نہ لاتا اُس کے لئے مسئلہ میں

ادل بدل نہیں کرتے تھے۔ اُن کے علماء تحریف کتاب اللہ کے مجرم بھی تھے اور رشوت خوری کے گناہ میں بھی مبتلا تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے اُن کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اُن کے لئے دونوں وجہ سے ہلاکت اور بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرنے کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ حرام مال کماتے ہیں اور باقی رہنے والی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر دنیا کی کچھ نقدی لینے پر راضی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اپنے عوام کو بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جو توریت شریف میں موجود پاتے تھے اُسے واضح طور پر بتاتے تو اس میں ممکن تھا کہ ظاہری دنیا میں کمی ہو جاتی لیکن آخرت کے ثواب سے مالا مال ہو جاتے لیکن اُنہوں نے حقیر دنیا کو ترجیح دی۔ اور تھوڑے سے فانی کے مقابلہ میں آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مستحق عذاب ہوئے۔ ان کے عوام میں اگرچہ بے پڑھے لوگ بھی تھے لیکن اتنا تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ جو شخص پیسہ لے کر ایک بات بتاتا ہے اور جو پیسہ نہ دے اسے دوسری بات بتاتا ہے ایسا شخص کیسے اہل حق ہو سکتا ہے ایسے شخص پر دین میں اعتماد کرنا سراسر حماقت ہے۔ جس میں سراسر ہلاکت ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا

اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن گنتی کے، آپ فرمائیے کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے؟

فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

سو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے

یہود کی جھوٹی خوش گمانی کہ دوزخ میں صرف چند دن کیلئے جائینگے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا ایک اور دعویٰ اور اسکی تردید مذکور ہے۔ یہودیوں کا یہ جھوٹا دعویٰ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ نہیں ہوگی۔ اور اپنے بارے میں سمجھتے تھے کہ ہم اُسی شریعت پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے لہٰذا ہمیں عذاب کیوں ہونے لگا۔ اور عذاب ہوگا تو صرف چالیس دن عذاب ہوگا یعنی جتنے دن ہمارے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی عبادت کی ہے اُتنے ہی دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اس کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے اور حضرت ابن عباسؓ سے یوں منقول ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلہ ہم کو ایک دن دوزخ بھگتنا ہوگا۔ اور گنے چنے سات دن ہوں گے جو زیادہ نہیں ہیں۔ اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ ہم کچھ دن دوزخ میں رہیں گے پھر ہم تو دوزخ سے نکل آئیں گے اور ہماری جگہ مسلمان دوزخ میں چلے جائیں گے۔ غزوہ خیبر کے موقعہ پر جب ایک یہودی عورت نے زہر ملا کر بکری کا گوشت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اس وقت آپ نے ان سے جو سوال و جواب کئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ دوزخی کون ہیں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم دوزخ میں تھوڑا وقت گزاریں گے پھر آپ لوگ اس میں ہمارے بعد داخل ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دور ہو جاؤ اللہ کی قسم ایسا کبھی نہ ہوگا کہ تم اس میں سے نکل جاؤ اور تمہارے بعد ہم اس میں چلے جائیں۔ مفسر ابن کثیر نے یہ روایات لکھی ہیں اور آخری بات جس میں خیبر کی گفتگو مذکور ہے اس کو بحوالہ مسند احمد و صحیح بخاری نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ص ۸۶۰ ج ۲ پر مذکور ہے۔

پہلی آیت میں یہودیوں کی آرزوؤں اور خوش گمانیوں کا جو ذکر تھا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم دوزخ میں چند دن ہی جائیں گے۔ وہ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں آپ پر ایمان نہ لائے اور یہ جانتے ہوئے کہ کسی نبی کو نہ ماننا کفر ہے اور کفر کی سزا دائمی ہے طرح طرح کے جھوٹے دعوے کرتے تھے اور اُن کے دعوے اور آرزوئیں سب خودساختہ تھے جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی' بے سند باتیں کرتے تھے اور انہیں باتوں میں مست تھے۔ اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا۔ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَاللّٰهِ عَهْدًا (الآیۃ)

کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن سے فرما دیں کہ یہ جو کچھ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں گے اسکی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کیا اللہ تعالیٰ سے تم نے کوئی عہد لیا ہے۔ جس کی بنیاد پر تم ایسی باتیں کر رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا لیکن تم سے اس کا کوئی عہد نہیں ہے خود اپنے پاس سے اللہ کی طرف ان باتوں کی نسبت کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔ اپنی طرف سے اپنے بارے میں کوئی شخص کوئی بھی خیال اور گمان کر کے بیٹھ جائے اور اُسی پر بھروسہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی کوئی سند اور دلیل نہ ہو تو اس کا گمان اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کفر کی سزا بہر حال ملے گی خواہ کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہو یہودیوں کی حماقت تو دیکھو کہ خود اپنے اقرار سے دوزخ میں جانے کو تیار ہیں (اگرچہ چند دن دوزخ میں رہنے کا اقرار ہے) لیکن حضرت خاتم النبیین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں جبکہ یہ جانتے ہیں کہ دوزخ میں ایک سیکنڈ کا عذاب بھی بہت بڑا ہوگا جس کی برداشت کسی کو نہیں ہوسکتی۔ دنیا کی اس آگ کی ایک چنگاری تھوڑی سی دیر کے لئے ہاتھ پر لینے کو کوئی بھی شخص تیار نہیں اور دوزخ میں جانے کو بڑی ہمت اور حوصلے کیساتھ تیار ہیں۔ جبکہ دوزخ کی آگ کی گرمی دنیا کی آگ سے اُنہتر درجے زیادہ گرم ہے۔ (کمافی روایۃ الصحیحین)

جس طرح یہود جھوٹی آرزوؤں اور خود تراشیدہ اوہام و خیالات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اسی طرح آج کل بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں۔ لیکن کفریہ عقائد کے حامل ہیں مثلاً قرآن کی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (العیاذ باللہ) ہمارے امام کے اندر حلول کیا ہے اور بہت سے لوگ جھوٹے نبی کی اُمت بنے ہوئے ہیں اور ان سب کو اپنی نجات کی خوش گمانی ہے حالانکہ یہ لوگ قرآنی تصریحات کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ بہت سے پیر فقیر جو بالکل بے عمل بلکہ بدعمل ہیں وہ صرف اس بنیاد پر اپنی نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں ہیں اپنی خوش گمان اور جھوٹی آرزو سے کچھ نہیں ہوتا نجات کے لئے عقیدہ اور عمل صحیح ہونا ضروری ہے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ بے سند آرزو اور بے سند خوش گمانی آخرت کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ کسی کی نسل میں ہونے سے نجات نہ ہوگی۔ بنی اسرائیل بھی تو انبیاء کی اولاد ہیں پھر بھی دوزخی ہیں خوب سمجھ لیا جائے۔

دورِ حاضر کے کافروں کی خوش گمانی

جس طرح یہودی اپنے بارے میں خیالی دُنیا اور خوش گمانی میں مبتلا ہیں اسی طرح دورِ حاضر کے مذاہب والے جو یہودیوں کے علاوہ ہیں وہ بھی اپنے بارے میں خوش گمانیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اُن کے خودساختہ عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی سند نہیں کہ وہ جس دین پر ہیں وہ ذریعہ نجات بنے گا۔ مشرکین اور بُت پرست اپنی

8

مکتی اور نجات کا عقیدہ لئے پھرتے ہیں اور الٹا موحدین مسلمین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انکی نجات نہ ہوگی۔

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ
ہاں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ
فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ
اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ جنت والے ہیں
ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

اصحابُ الجنۃ کون ہیں؟ اور اصحابُ النار کون ہیں؟

تفسیر: ان دو آیتوں میں جنتی اور دوزخی ہونے کا ضابطہ بتایا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے طریقہ سے یہودیوں کے اس دعوے کی تردیدی بھی ہے جو اُوپر کی آیت میں مذکور تھا۔ پہلی آیت میں یوں فرمایا کہ تمہارے پاس اپنے دعوے کی دلیل نہیں اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ اور ان دو آیتوں میں جو ضابطہ جنت اور دوزخ کے داخلے کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ تم لوگ ضابطہ کے مطابق اُن لوگوں کے زمرہ میں آتے ہو جن کو ہمیشہ دائمی عذاب ہوگا۔

ارشاد فرمایا کہ تم یہ جو کہتے ہو کہ ہم دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے صرف چند دن عذاب ہوگا۔ تمہاری بات غلط ہے۔ تم ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہو۔ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص برائی کرے اور اُسکی برائی ہر طرف سے اُس کو گھیر لے کہ وہ کفر اختیار کرے جو سب سے بڑی برائی ہے۔ تو وہ دوزخ والا ہے اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تم لوگ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہو لہٰذا ضابطہ کے مطابق ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔ اور اہل جنت وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جنہوں نے اللہ کے سب نبیوں کو مانا خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کو مانا اور اعمالِ صالحہ انجام دیئے۔ یہ حضرات ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا
اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین کے ساتھ
وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ
اور قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا
وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾
اور زکوٰۃ دینا' پھر تم نے روگردانی کی مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں نے' اور تم اعراض کرنے والے ہو

بنی اسرائیل سے عہد و پیمان اور اُنکا انحراف

تفسیر: اس آیت شریفہ میں توریت شریف کے چند اُحکام مذکور ہیں بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا تھا کہ تم ان سب کاموں کو کرنا انہوں نے عہد کر لیا۔ لیکن ان میں سے تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ سب اس عہد سے پھر گئے اور عہد کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اُن کے عہد سے پھر جانے کا ذکر فرمانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ وانتم معرضون کہ اے یہودیو! تمہاری عادت اور مزاج ہی یہ ہے کہ حق سے اور قول و قرار سے اور اطاعت سے اعراض کیا کرتے ہو۔ اور خاص طور سے زمانہ نزول قرآن کے یہودیوں کو مخاطب فرمایا کہ تم بھی اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر ہو اور قبول حق سے اعراض کئے ہوئے ہو۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے۔ اور پھر والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ ان چیزوں کا سابقہ اُمتوں کو بھی حکم تھا اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر نسخ وارد نہیں ہوا۔ اُمت محمدیہ بھی ان سب چیزوں کی مامور ہے۔ سورۂ نساء میں فرمایا کہ: (وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ) (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی۔ اور یتیموں کے ساتھ بھی اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور قریب والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی اور برابر میں ساتھ بیٹھنے والے کے ساتھ بھی اور اُن کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں)

نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکورہ ہے۔ سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں متقیوں کی صفات میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر سورۂ بقرہ کے پانچویں رکوع میں اقامت الصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم مذکورہ ہے اور اسی سورۂ بقرہ کے تیرھویں رکوع میں بھی ان دونوں کا حکم فرمایا ہے اور بھی جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت اور تاکید قرآن مجید میں مذکور ہے۔ یہ جو فرمایا وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا اِس میں بہت عموم ہے اور یہ بہت سے احکام پر مشتمل ہے اوّل تو یہ فرمایا کہ لوگوں سے اچھی باتیں کہو اس عموم میں مومن کافر نیک و بد سب قسم کے انسان آ گئے۔ پھر اچھی بات میں سب کچھ آ گیا نیکیوں کی راہ بتانا برائی سے روکنا نصیحت میں نرمی اختیار کرنا گفتگو میں بڑوں کا ادب ملحوظ رکھنا اور مسئلہ صحیح بتانا اور سچ بات کہنا کسی کو دھوکہ نہ دینا۔ حقوق کی وصولیابی میں نرم کلمات استعمال کرنا اور اس طرح کے بہت سارے احکام پر یہ کلمہ مشتمل ہے۔ اس میں یہودیوں سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی نعت اور صفت جو توریت میں مذکور ہے اُسے واضح طور پر ظاہر کریں۔ اور حق اور حقیقت کو نہ چھپائیں۔ مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ مذکورہ احکام کی پاسداری کریں۔ اور ان سے اعراض کر کے رُوگردانی نہ کریں اور وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ کا مصداق نہ بنیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اور جب ہم نے تم سے عہد کیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝۸۴ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اسکی گواہی بھی دیتے ہو، پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو اور نکالتے ہو

فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ

اپنوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے اُن کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ اور اگر وہ آ جائیں تمہارے پاس قیدی ہونے کی حالت میں

تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ

تو تم انکی جان کا بدلہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔

بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ

سو کیا جزا ہے اسکی جو تم میں سے ایسا کام کرے سوائے اس کے کہ دنیاوی زندگی میں رسوا ہو اور قیامت کے دن

الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا

سخت ترین عذاب میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٨٦﴾

جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا' سو نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ اُنکی مدد کی جائے گی

یہودیوں کی ایک خاص خلاف ورزی کا تذکرہ

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یہودیوں کے ایک اور عہد اور قول وقرار کا اور پھر اُن کی عہد شکنی کا تذکرہ فرمایا۔ زمانہ نزول قرآن کے وقت جو یہودی تھے ان کو اس قول وقرار اور اقرار کا بھی پتہ تھا جو یہودیوں سے لیا گیا تھا اور اُن سے جو عہد شکنی اور خلاف ورزی سرزد ہوتی رہی تھی وہ بھی اُن کے علم میں تھی ان سے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور ان کو عہد شکنی یاد دلائی۔ اور ان کی دنیا و آخرت کی سزا بھی بتائی اور ساتھ ہی ساتھ اس میں حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی نبوت اور رسالت پر بھی دلیل قائم ہو گئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے اس قول وقرار اور عہد اور اسکی خلاف ورزی کا علم آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا ہے۔ سب کچھ جاننے کے باوجود آنحضرت علیہ السلام کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ آباد تھے اور دو قومیں یمن سے آ کر آباد ہو گئی تھیں ان میں سے ایک قبیلہ کا نام اَوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا' یہ دونوں قبیلے بُت پرست تھے اور یہودیوں کے دونوں قبیلے اپنے کو دین سماوی پر سمجھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی کا دم بھرتے تھے۔ اس زمانے میں عرب کا کچھ ایسا مزاج تھا کہ لڑائی کے بغیر گزارہ ہی نہ ہوتا تھا۔ جب اَوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تھی تو بنو قریظہ اَوس کی مدد کرتے تھے اور بنو نضیر خزرج کے حمایتی بن جاتے تھے اس میں جہاں اوس اور خزرج کے افراد مارے جاتے اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوتے وہاں یہودیوں کے دونوں قبیلوں کے افراد بھی مارے جاتے تھے اور بہت سے افراد ترک وطن پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔

اور جب بنی نضیر اور بنی قریظہ کے کسی فرد کو دشمن قید کر لیتا تو اُس کے چھڑانے کے لئے ان کی دونوں جماعتیں پیسے خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتی تھیں جب اُن سے کوئی پوچھتا کہ تم اس کو کیوں چھڑا رہے ہو تمہاری حرکت سے تو وہ دشمن کے قبضے میں گیا ہے اور ترکِ وطن پر مجبور ہوا ہے۔ تو جواب دیتے تھے کہ ہم کو شریعت موسوی میں یہ حکم دیا گیا کہ جب کسی کو قیدی

دیکھو تو اُسے رہائی دلا دو۔ لہٰذا ہم اس حکم کی پابندی کرتے ہیں اس حکم پر عمل کرنے کو تو تیار تھے کہ قیدی کو رہائی دلا دیں۔ لیکن جس وجہ سے وہ گھر سے بے گھر ہوا اور دشمن کے چنگل میں پڑ کر قیدی ہوا اس کے اختیار کرنے یعنی اپنوں کے مقابلہ میں جنگ کرنیوالوں کی مدد سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ اُن سے کہا جاتا تھا کہ تم یہ کیا کرتے ہو تم خود ہی اپنوں کے مقابلہ میں مددگار بنے اور اُس قتال کی وجہ سے تمہارا آدمی گرفتار ہو کر قیدی ہوا' اب اس کے چھڑانے کو تیار ہو؟ اس کا جواب یہ دیتے تھے کہ چونکہ اُوس اور خزرج ہمارے حلیف ہیں اس لئے ان کی مدد کرنے پر مجبور ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اس کو بیان فرمایا کہ: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (کیا تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے)

کیا توریت شریف میں قیدی کے چھڑانے ہی کا حکم ہے اور کیا آپس کا قتل قتال اور ایک دوسرے کو جلاوطن کرنا توریت شریف میں ممنوع نہیں ہے؟ یعنی قتل وقتال کی ممانعت پر تو عمل نہ کیا اور قیدی چھڑانے کے لئے پیسے خرچ کرنے کو تیار ہو گئے۔ حالانکہ اس کا قیدی ہونا قتل وقتال کی بنیاد پر ہے۔ نہ قتل وقتال کرتے نہ یہ قیدی ہو کر آتا۔ لہٰذا معاملہ شریعت موسوی کا نہ رہا بلکہ اپنی طبیعت کا رہا۔ جس حکم کو چاہا مانا اور جس حکم کو چاہا نہ مانا' جس حکم کو مانا اسے ایمان سے اور جس حکم کو نہ مانا اسے کفر سے تعبیر فرمایا اگر دل سے کسی حکم قطعی کا منکر ہو جائے تب تو کافر ہو ہی جاتا ہے اور اگر دل سے منکر نہ ہو لیکن عمل حکم کے خلاف ہو تو اس عمل کا کرنے والا گناہ کا مرتکب تو ہو ہی جاتا ہے جو منکروں اور کافروں کا طریقہ ہے۔

یہودیوں کی مذکورہ بالا بے عملی کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں اُن کے لئے سخت عذاب ہے ہی۔ چنانچہ بنونضیر مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے مدینہ منورہ سے خیبر کو نکال دیئے گئے اور پھر خیبر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو نکال دیا' اور دربدر مارے پھرتے رہے۔ اور بنی قریظہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا' سو آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ اور نہ اُن کی کسی طرح کی کوئی مدد ہوگی۔ کوئی حامی مددگار طرف دار وکیل مختار موجود نہ ہوگا جو انکی کچھ مدد کر سکے۔

مسلمانوں کو تنبیہ جو پورے دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں

جو حال یہودیوں کا تھا وہی آج مسلمانوں کا ہے۔ وہ بھی کتاب اللہ کے بعض حصے پر عمل کرتے ہیں اور بعض پر عمل نہیں کرتے' جو لوگ بے عمل ہیں وہ تو درکنار جو لوگ بظاہر دین دار ہیں اُن کی دینداری بھی نماز روزہ اور دو چار کاموں تک محدود ہے۔ حرام ذریعہ سے مال کمانا اور حرام محکموں میں ملازمت کرنا' رشوتیں دینا' بیاہ شادی اور مرنے جینے میں غیر اسلامی طور پر طریق اختیار کرنا' اس طرح کے اُمور میں دینداری کے دعوٰی دار بھی مبتلا ہیں۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ حج بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے اسلامی تعزیرات حدود اور قصاص نافذ کرنے کی بات آتی ہے تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں اور اس کے نفاذ کے لئے ہاں کرنے کو تیار نہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں ہی انکاری ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل'

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ

اور اُن کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے اُحکام لایا جو تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا۔

فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾

سوایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو

یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کر دیتے تھے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی (یعنی توریت شریف) اور اُن کے بعد بھی رسول بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات دیئے جو انکی نبوت اور رسالت پر واضح دلائل تھے۔ مُردوں کو زندہ کرنا' مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک دینا جس سے پرندہ ہو کر اُڑ جانا' مادر زاد اندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا اور غیب کی باتیں بتا دینا' اور روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ انکی تائید کرنا۔ یہ سب امور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے لئے واضح دلائل تھے۔ سورۃ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ (یعنی میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کرتا ہوں جو تم پر (توریت شریف میں) حرام کر دی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے معجزہ لیکر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) بعض احکام انہوں نے ایسے بتائے جن سے توریت شریف کے بعض احکام منسوخ ہو گئے تو اس پر یہودی ان کے دشمن ہو گئے' اُن سے حسد بھی کیا اور عناد پر بھی تل گئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت ہی تکلیف دی اور اُن کے قتل کے درپے ہو گئے قتل تو نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اوپر اٹھا لیا لیکن ان سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کو قتل کر چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور تکذیب پر اس لئے آمادہ ہو گئے کہ جو احکام انہوں نے بتائے ان کے نفسوں کی خواہشوں کے خلاف تھے۔ اور انہوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ بہت سے نبیوں کو انہوں نے جھٹلایا۔ اور بہت سے نبیوں کو قتل بھی کیا۔ خدا جانے انہوں نے کتنے نبیوں کو قتل کیا اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل اور تکذیب کے درپے یہودی اس لئے ہو جاتے تھے کہ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاتے تھے وہ ان کے نفسوں کو نہیں بھاتے تھے اور انکی طبیعت کے خلاف ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ اُن کی تکذیب تو کرتے ہی تھے قتل بھی کر دیتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ قتل کا تذکرہ فرماتے ہوئے مضارع کا صیغہ تقتلون لایا گیا ہے۔ قتلتم صیغہ ماضی کا نہیں لایا گیا۔ اس میں اس پر دلالت ہے کہ آئندہ بھی تم سے ایسی حرکت سرزد ہو گی چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا اور خیبر میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر پیش کر دیا جسے آپؐ نے تناول فرما لیا اور پھر موت کے قریب اس زہر کے اثر سے ایک رگ کٹ گئی جو موت کا سبب بنی جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۵۴۸ میں مذکور ہے اس آیت شریفہ میں تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بھی انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان حضرات میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے اور بعض حضرات کے اسماء گرامی قرآن مجید میں نہیں ہیں تفسیر کی بعض کتابوں میں لکھے ہیں۔ لیکن کسی صحیح روایت سے ان اسماء کا

ثبوت نہیں ملتا۔ تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی نقل کیے ہیں۔ مثلاً شمویل حزقیل ہم اللہ کے سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ سب کے نام سب کا زمانہ بعثت ہمیں معلوم نہیں' اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے روح القدس کے ذریعہ عیسیٰ بن مریم کی تائید کی اس تائید سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو اُوپر اُٹھالیا اور تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت جبریلؑ ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور حفاظت فرماتے تھے رُوح القدس قرآن وحدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے سورۂ نحل میں فرمایا: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کو دعا دی۔ اللّٰھم اَیِّدْہُ بروح القدس (رواہ مسلم)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو اللہ نے ملعون قرار دے دیا سو بہت کم ایمان لاتے ہیں

یہودیوں کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں' اور اسکی تردید

تفسیر: یہودی اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تھے آپ کی سچائی کی علامات اور معجزات دیکھ کر بھی منحرف تھے اور اس گمراہی کو اپنے لئے کمال اور باعث فخر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایمان لانیوالے نہیں ہیں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور پردے پڑے ہوئے ہیں کسی کی بات ہمارے دلوں پر اثر نہیں کرسکتی اور اپنے دین کے علاوہ ہم کوئی دوسرا دین قبول نہیں کرسکتے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انکی تردید فرمائی' کہ یہ بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق بھی جانتے ہیں لیکن حق سے انکو تنفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنکو ملعون قرار دیدیا ہے لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہیں دلوں پر پردے اور غلاف کچھ نہیں کفر کی پھٹکار اور لعنت کے سبب ایمان سے محرومی ہے سورۂ مائدہ میں فرمایا کہ: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اُنکے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ماردی۔ غرض یہ ہے کہ کفر میں انکی پختگی لعنت اور پھٹکار اور دلوں پر مہر لگ جانے کے سبب سے ہے جس پر وہ فخر کررہے ہیں قبحھم اللہ یہ جو فرمایا کہ بہت کم ایمان لاتے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہے اس سے منکر ہوگئے۔ ایک نبی کی تکذیب بھی کفر ہے تھوڑا سا ایمان آخرت میں کام نہیں دیگا۔ بعض مفسرین نے فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ اُن میں سے بہت کم لوگ ہونگے جو ایمان لائینگے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ

اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اُن کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کافروں

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا

کے مقابلہ میں فتح یابی طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز اُن کے پاس آگئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہوگئے۔ سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر بُری چیز ہے وہ جس کو

اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى

اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اُتارا حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۹۰

اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا

یہودیوں نے جانتے بوجھتے ہوئے عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا

تفسیر: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اس لئے آ کر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوگی تو ہم اُن کا اتباع کریں گے۔ یہ لوگ اپنے کو موحد سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ہم دین سماوی کے حامل ہیں اوس اور خزرج کے قبیلے بھی یمن سے آ کر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے یہ لوگ بت پرست مشرک تھے۔ یہودیوں سے ان لوگوں کی جنگ ہوتی رہتی تھی اور یہودی اُن سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے انکی بعثت کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔ ہم اُن پر ایمان لا کر اُن کے ساتھ ہو کر تم سے جہاد کریں گے اور اس وقت تمہارا ناس کھو دیں گے۔ اور قوم عاد کی طرح تمہارا قتل عام کریں گے۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ یہودی یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ اس نبی کی بعثت فرما جس کے مبعوث ہونے کا ہماری کتاب میں ذکر ہے تا کہ ہم اس کے ساتھ مل کر عرب کے مشرکوں کو قتل کریں۔ یہ لوگ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نعت اور صفت جانتے تھے جو توریت شریف میں مذکور تھی آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوگئی اور آپ مدینہ منورہ میں بھی تشریف لے آئے اور یہودیوں نے آپکو اُن علامات اور صفات کے ذریعہ پہچان بھی لیا جو اُن کے علم میں تھیں کہ یہ واقعی نبی آخر الزماں ہیں ہم جن کی انتظار میں تھے انہوں نے آپ کے معجزات بھی دیکھے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے۔ اُن کو اوس اور خزرج کے بعض افراد نے توجہ بھی دلائی اور کہا کہ اے یہودیو! تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لا کر اور اُن کے ساتھ مل کر تمہیں مغلوب اور مقہور کر دیں گے۔ لہٰذا اب تم حق کو قبول کرو نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جس کے انتظار میں تھے وہ تو ہم ہی میں سے ہوگا۔ عرب میں سے نہیں ہوگا۔ جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو گئے اور یہ حسد اُن کو کھا گیا کہ نبی عرب میں سے کیوں آیا۔ اس آیت میں اُن کے اسی انکار اور حق سے انحراف کرنے کا تذکرہ ہے اور اخیر میں یہ فرمایا ہے کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہے جو حق اور حقیقت کو جانتے ہیں پھر بھی اس کے ماننے سے منکر ہیں۔ (من ابن کثیر)

کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی صفت بیان کرتے ہوئے یہ جو فرمایا کہ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ کہ یہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی ہے جس کو وہ اللہ کی کتاب مانتے ہیں (یعنی توریت شریف) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ نبی اس نبی کے خلاف ہوتا جس پر توریت نازل ہوئی اور یہ نبی اس کتاب کا کاٹ کرتا جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر نازل کی تھی جس کو تم مانتے ہو تو انحراف اور مخالفت کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ وہ تو سارے نبیوں پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی ساری کتابوں کو ماننے کی دعوت دیتا ہے اس سے انحراف کرنا اس حسد میں کہ یہ عرب میں سے ہے سراپا حماقت اور بیوقوفی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے عرب میں سے نبی کیوں بھیجا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مستقل کفر ہے۔

اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بَغْیًا میں یہ بتایا کہ انہوں نے اپنی جانوں کو دوزخ کا مستحق اس لئے بنایا کہ انکو اللہ تعالیٰ کا اختیار فرمانے سے عناد ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نبوت اور رسالت عطا کرے اور جس بندے پر چاہے اپنی کتاب اُتارے اُسے پورا پورا اختیار ہے اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا اور یہ ضد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو کیوں نبی بنایا اور فلاں کو نہیں بنایا؟

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے منکر ہو کر کافر ہوئے پھر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہوئے۔ اور اللہ کے رسول محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کے منکر ہو کر کفر ہی کفر میں ترقی کرتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے۔ لہٰذا آخرت میں ذلت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے لفظ اِشْتَرَوْا کے بارے میں مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ بَاعُوْا وشروا بحَسْبِ ظَنِّھِمْ' اور صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں۔ اَی باعوا' فالا نفس بمنزلة المثمن' والکفر بمنزلة الثمن لان انفسھم الخبیثة لا تشتریٰ بل تباع' وھو علی الا ستعارة ای أنھم اختاروا الکفر علی الایمان وبذلوا أنفسھم فیه. (یعنی اُنہوں نے اپنے نفسوں کو بیچ دیا اور اُن کے عوض کفر کو بطور قیمت کے لے لیا اور یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اُن کے خبیث نفس خریداری کے قابل نہیں بیچنے ہی کے لائق ہیں۔ مطلب یہ ہے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا یعنی برباد کر دیا اور کفر کو بطور قیمت کے حاصل کر لیا)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اشتروا اپنے مشہور معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے اعتقاد میں یہ سمجھا کہ جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے اس سے اپنی جانوں کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لیں گے اسکی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَھُمْ کہ اُن کا یہ خیال غلط ہے کہ اس سے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

قال صاحب الروح فھولاء الیھود لما اعتقدوا فیما اَتوابه أنه یخلصھم من العقاب ظنوا أنھم اشتروا أنفسھم وخلصوھا فذمھم اللہ تعالٰی علیه.

اگر یہ لوگ نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے تو اپنی جانوں کو دوزخ سے بچا لیتے' منکر اور منحرف ہو کر ہمیشہ کے دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اُتارا گیا ہم پر'

بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ

اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو اُن کے پاس ہے آپ فرما دیجئے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے رہے ہو

قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اگر تم مومن ہو' اور بلا شبہ موسیٰ تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا'

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

حالانکہ تم ظالم تھے

یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم توریت کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے اور اس پر اُن سے سوال

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا یہ قول ذکر فرمایا کہ ہم صرف توریت پر ایمان لاتے ہیں اس کے سوا کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کہ جو کتاب ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی ہے۔ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنیوالی ہے جس پر وہ ایمان رکھنے کے مدعی ہیں۔ قرآن کو نہ ماننا توریت کے نہ ماننے کو مستلزم ہے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ لأنهم لما كفروا بما يوافق التوراة فقد كفروا بها۔

توریت شریف میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں سے اللہ تعالیٰ نبی بھیجے تو اس کو مت ماننا اور توریت کے علاوہ اللہ کی کسی دوسری کتاب پر ایمان نہ لانا۔ یہ سب باتیں انکے ذاتی حسد کی وجہ سے ہیں۔ توریت شریف میں تو نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کی خبر دی ہے۔ جب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوگئی اور اُن کی علامات اور صفات سے یہود نے پہچان لیا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں پھر ان سب کے باوجود آپ پر ایمان نہ لانا اور قرآن مجید کو نہ ماننا یہ توریت شریف کے ماننے سے انکاری ہونا ہے۔ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا توریت پر ایمان ہے حالانکہ ان کا اس پر بھی ایمان نہیں۔

یہودیوں کی بری حرکتوں میں سے یہ بھی تھا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر دیتے تھے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کرنے کا ارتکاب کیوں کیا نبی کا قتل کرنا تو توریت شریف کے قانون سے بھی کفر ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد نے اس جرم کا ارتکاب کیا تم اُس سے راضی ہو اور اُن کو اپنا مقتدا مانتے ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت شریف پر نہ تمہارا ایمان ہے اور نہ تمہارے باپ دادوں کا ایمان تھا۔

اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ توریت کے احکام کی تبلیغ کرتے تھے اور انہوں نے توریت کے منسوخ ہونے کا اعلان بھی کیا۔ اے یہودیو! تم ان کو نبوت اور رسالت میں سچا بھی جانتے تھے۔ پھر بھی تم نے ان کو قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ تمہاری قوم میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ تمہارا دین وایمان شریعت موسوی کا اتباع نہیں ہے۔ بلکہ خواہشات نفس کا اتباع ہی تمہارا دین ہے۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ (الآیۃ) یعنی تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام بھی کھلی ہوئی اور واضح دلیلیں لیکر آئے جو تم نے خود دیکھیں جس سے اُن کا رسول اللہ ہونا واضح ہو گیا اور انہوں نے پوری طرح توحید کی دعوت دی اور تم کو جم کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تبلیغ کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لیکن جب وہ کوہ طور پر توریت شریف لینے چلے گئے تو تم لوگوں نے اُن کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تمہارا یہ غیر اللہ کی پرستش کرنا سراسر ظلم صریح تھا۔ راہ حق کے خلاف چلنا دلائل واضحہ اور آیات بینات سامنے ہوتے ہوئے منکر ہو جانا سراسر ظلم ہے جو تمہاری پرانی عادت ہے تمہارے اسلاف کی حرکتیں تمہارے سامنے ہیں جن کا تم کو علم ہے لیکن ابھی تک اُن کو پیشوا بنائے ہوئے ہو اور انہیں کی راہ پر گامزن ہو۔ (من ابن کثیر)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا

اور جب ہم نے تم سے لیا پختہ عہد لیا اور بلند کر دیا تمہارے اُوپر طور کو لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ اور سن لو وہ کہنے لگے

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ

ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں۔ اور پلا دیا گیا اُن کے دلوں میں بچھڑا ان کے کفر کے سبب آپ فرما دیجئے کہ بری ہیں یہ باتیں جن کا تمہیں حکم دیتا ہے

إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

تمہارا ایمان اگر تم مومن ہو

یہودیوں سے عہد و پیمان اور انکے دلوں میں بچھڑے کی محبت

تفسیر: اس سے پہلے بھی اسی سورت کے آٹھویں رکوع میں یہودیوں سے پختہ عہد لینے اور کوہ طور اُن پر اُٹھانے اور مضبوطی کے ساتھ توریت شریف کو تھامنے اور اس پر عمل کرنے کا عہد لینے کا ذکر گزرا ہے یہاں پھر اسکو دہرایا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جب اُن کو حکم ہوا کہ توریت شریف کو مضبوطی سے تھام لو اور اس کے احکام کو سن لو تو اُنہوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اس پر عمل نہ کریں گے، حکم تھا کہ دل کے کانوں سے سنو، قبول کرنے کے لئے سنو، عمل کرنے کے لئے سنو لیکن انہوں نے اپنے اوپر پہاڑ گرنے کے ڈر سے اس وقت تو کہہ دیا کہ ہاں ہم نے سنا اور اُوپر کے دل سے اقرار بھی کر لیا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے لیکن بعد میں اس قول وقرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر تل آئے اور کہنے لگے کہ سنا تو ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں پھر فرمایا کہ انہوں نے بچھڑے کی جو عبادت کی تھی وہ ان کے اندر رچ بس گئی تھی اور رگ و پے میں گھس گئی تھی جیسے پینے کی چیز اندر جا کر جہاں جہاں جگہ دیکھتی ہے اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کا یہ حال ہوا کہ بچھڑے کی محبت ان کے اندر پوری طرح سرایت کر گئی اور جا گزیں ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیں تم ایمان کے دعویدار ہو اگر تم مومن ہو (حالانکہ مومن نہیں) تو سمجھ لو کہ تمہارا ایمان تمہیں بُرے اعمال کی تعلیم دیتا ہے کفر اور شرک پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ کیسا ایمان ہے جو توحید کی تعلیم نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُبھارتا ہے۔ اور نبی آخر الزماں ﷺ کی تکذیب پر آمادہ کرتا ہے جن کا نبی ہونا تم پر دلائل سے واضح ہے۔

فائدہ: بچھڑے کی عبادت سے اُن لوگوں نے توبہ تو کی تھی جیسا کہ سورۂ بقرۃ کے چھٹے رکوع میں گزرا لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سوں نے اُوپر اُوپر سے توبہ کر لی، دل کی گہرائی سے توبہ نہ کی اور بچھڑے کی پرستش کا اثر ان میں باقی رہا اور اس اثر کی وجہ سے اللہ کی کتاب توریت شریف کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جب پہاڑ اُٹھا کر اُن پر کھڑا کر دیا گیا تو اس وقت تو جھوٹ موٹ کو مان گئے لیکن بعد میں نافرمانی پر تلے رہے۔

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

آپ فرما دیجئے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کے لئے نہیں تو موت کی تمنا کرو

إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ اُن اعمال کے جو اُنہوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ

اور یہ واقعی بات ہے کہ تم ان کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے اور اُن لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا اُن کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو

اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہزار سال کی عمر دے دی جائے اور حال یہ ہے کہ اُسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اسکی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے اُن کاموں کو جن کو وہ کرتے ہیں

یہودیوں کو دعوت مباہلہ کہ موت کی تمنا کریں

تفسیر: یہودیوں کے دعووں اور آرزوؤں میں یہ بھی تھا کہ عالم آخرت کی خیر اور خوبی اور جنت کا داخلہ اور نعمتوں کا حصول یہ سب کچھ ہمارے لئے ہی خاص ہے۔ دوسرے کسی دین والے اور کسی بھی قوم اور نسل کے لوگ جنت میں نہ جائیں گے انکے اس خیالی جھوٹے دعوے اور جھوٹی آرزو کے پیش نظر اُنکو مباہلہ کی دعوت دی گئی کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آ جاؤ' ہم اور تم مل کر موت کی دعا کریں کہ دونوں فریق میں سے جو بھی جھوٹا ہو وہ ابھی فوراً مر جائے جب یہ بات سامنے آئی تو اس پر آمادہ نہ ہوئے اور راہ فرار اختیار کر لی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو اُسی وقت مر جاتے۔ مفسر ابن جریر نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنا اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتے اور مباہلہ کیلئے نکلتے تو واپس ہو کر نہ جاتے اور مال کچھ بھی نہ پاتے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انہیں اپنا کفر اور بداعمالیاں معلوم ہیں وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سب مجرموں اور ظالموں کو جانتا ہی ہے۔ جو ہر ایک کو اسکا بدلہ دے دیگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ کیا موت کی آرزو کر سکتے ہیں۔ یہ تو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی حرص رکھتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں اللہ کی کسی کتاب کو نہیں مانتے اُن سے بھی زیادہ دنیا میں رہنے اور جینے کے حریص ہیں۔ انکی خواہش ہے کہ کاش ہزار سال زندہ رہ جاتے اگر ہزار سال بھی زندہ رہ جائیں تو اسکی وجہ سے عذاب سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا کبھی تو موت آ ہی جائے گی اور موت کے بعد وہی عذاب کا سامنا اور دوزخ کا داخلہ ہوگا۔ جو اہل کفر کے لئے طے شدہ ہے' ابلیس کو ہزاروں سال کی زندگی دیدی گئی مگر انجام دوزخ ہی ہے۔ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو تم ضرور اس سے ملاقات کرنیوالے ہو' پھر اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو غیب اور شہادۃ کو جانتا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے کاموں کی خبر دے دے گا)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اوپر جو آیت کی تفسیر بیان ہوئی کہ یہود کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی یہی تفسیر صحیح ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا نجران کے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی جو سورۂ آل عمران میں مذکور ہے۔ (ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ) اس کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے آیت کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ دار آخرت تمہارے ہی لئے خاص ہے تو موت کی تمنا کرو تا کہ مرنے کے ساتھ ہی جنت میں چلے جاؤ اور دنیا کی تکلیفوں سے محفوظ و مامون ہو جاؤ۔ اس دوسری تفسیر میں مباہلہ کا ذکر نہیں بلکہ صرف آرزوئے موت کی دعوت

دی گئی۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ معنی لیکر اُن لوگوں پر حجت قائم نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ اپنے دعویٰ میں سچا ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ موت کی تمنا بھی کرے کیونکہ وہ الٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! تم بھی تو اپنے بارے میں جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہو تم بھی حالت صحت اور تندرستی میں موت کی تمنا نہیں کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

آپ فرمادیجئے کہ جو شخص دشمن ہو جبریل کا سو اُس نے اُتارا ہے قرآن تمہارے قلب پر اللہ کے حکم سے جو تصدیق کرنیوالا ہے اُس کتاب کی جو اُس

يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

سے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لئے۔ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

اور میکائیل کا تو بے شک اللہ دشمن ہے کافروں کا

یہودیوں کا کفریہ قول کہ جبریل ہمارا دشمن ہے

تفسیر: یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں تو کہنے لگے کہ جبریل تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ سخت احکام لاتا ہے۔ اور ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جو جبریل کے ذریعہ نازل ہوئی ہے اور وہ عذاب بھی لاتا رہا ہے لہٰذا اگر میکائیل وحی لانیوالے ہوتے تو ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کر لیتے کیونکہ وہ رحمت اور بارش لانیوالے ہیں۔ ایک مرتبہ یہودی حضور ﷺ سے باتیں پوچھ رہے تھے انہوں نے وعدہ کرلیا تھا کہ آپ نے یہ باتیں بتادیں تو ہم آپ کا اتباع کرلیں گے جب آپ اُن کا جواب دیتے گئے تو انہوں نے بات نکالی کہ جبریل تو ہمارے دشمن ہیں اگر میکائیل آپ پر وحی لانیوالے ہوتے تو ہم مان لیتے (ابن کثیر ص ۱۲۰ ج ۱) اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو ہوا کرے (جبریل کا کوئی قصور نہیں وہ مامور من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہی لیکر آتے ہیں) انہوں نے ہی آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے قرآن نازل کیا ہے اور یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اہل ایمان کو بشارت بھی دیتا ہے (جو شخص جبریل سے دشمنی کرتا ہے وہ حقیقۃً اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ نے قاصد بنایا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعہ اپنے نبیوں پر بھیجا جبریلؑ وہی لیکر آئے ان سے دشمنی کرنا اللہ سے دشمنی کرنا ہوا۔ جو شخص اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہوگا وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) یہودیوں کی یہ کیسے احمقانہ بات ہے کہ ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جس کو جبریلؑ لے کر آئے۔ اوّل تو وہ جو کچھ لیکر آئے اللہ کا کلام ہے سفیر اور قاصد کوئی بھی ہو بھیجنے والے کو دیکھا جاتا ہے احکام بھیجنے والا اللہ جل شانہٗ ہے پھر اللہ کے احکام کو اس لئے نہ ماننا کہ جبریلؑ لائے ہیں جب کہ وہ اللہ کے حکم سے لائے بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فرشتوں اور رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ کا جو خصوصی ذکر فرمایا اس سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ کے کسی رسول سے دشمنی رکھنا فرشتوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے

کہ جبریلؑ سے ہماری دشمنی ہے اور میکائیلؑ سے ہماری دشمنی نہیں ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ درحقیقت میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے کیونکہ ایک فرشتے سے دشمنی سب فرشتوں سے دشمنی کرنے کے درجہ میں ہے اور موجب کفر ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ میکائیلؑ ہمارے دوست ہیں یہ غلط ہے جبریلؑ کا یا کسی بھی فرشتے کا دشمن ہونا سارے فرشتوں کا دشمن ہونا ہے اور اس میں اللہ کی دشمنی پوشیدہ ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح دلیلیں نازل کی ہیں۔ اور اُن کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ کیا جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد

نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

کیا اس عہد کو ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ اُن میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے

آیات بینات کا انکار فاسقوں ہی کا کام ہے

تفسیر: (تفسیر درمنثور میں ص ۹۴ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابن صوریا یہودی نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد کوئی ایسی چیز آپ نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں اور نہ آپ کے پاس ایسی کوئی کھلی ہوئی دلیل ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کا اتباع کر لیں۔ اسکی تردید میں اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائی ہیں جو آیات بینات ہیں اُن آیات میں یہود کی پوشیدہ باتیں اُن کے بھید اور راز بیان کرنا اُن کے گزرے ہوئے اسلاف کے حالات بتانا اور انکی تحریفات کا پتہ دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمایا اور اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ جو شخص انصاف پسند ہو حسد اور جلن کی وجہ سے اپنی جان کو ہلاک کرنے پر تلا نہ گیا ہو اُس کے لئے یہ دلائل کافی اور وافی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو حق اور حقیقت سے بغض اور عناد ہو اور حکم عدولی ہی جس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہو اور فسق اُسکی طبیعت میں رچ بس گیا ہو وہ ہی ان آیات بینات کا منکر ہو سکتا ہے۔

یہودیوں کی ایک جماعت ہر عہد کی خلاف ورزی کرتی رہی ہے

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے یہودیوں کو تذکیر فرمائی اور جو ان سے میثاق اور قول و قرار لیا گیا تھا وہ اُن کو یاد دلایا اور خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں جو اُن سے عہد لیا گیا تھا اُسکی یاد دہانی فرمائی تو وہ صاف منکر ہو گئے۔ اُن میں ایک آدمی مالک بن سیف تھا اُس نے کہا کہ اللہ کی قسم محمد (ﷺ) کے بارے میں ہم سے کوئی عہد نہیں لیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا (الآیۃ) یعنی یہ لوگ اس عہد سے منکر ہو رہے ہیں۔ اور حال اُن کا یہ رہا ہے کہ جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو اُن میں سے ایک جماعت نے اُس کو پھینک دیا اُن کا یہ مزاج ہے اور نقض عہد کی عادت ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ واؤ کے پہلے معطوف علیہ حذف ہے اور عبارت یوں ہے۔ **اکفروا بالآیت و کلما عاھدوا وھو من عطف الفعلیۃ علی الفعلیۃ**۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ انکی پرواہ نہ کریں۔ اور انکی مخالفت کو اپنے دل کا بوجھ نہ بنائیں ج ۱ ص ۳۳۵ آخر میں فرمایا بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے بعض یہودی مسلمان ہو گئے تھے اس لئے یہ فرمایا کہ اُن میں سے اکثر ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ

اور جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی

أُوتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

اُن میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں

اہل کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہودیوں کی اس بات کا ذکر ہے کہ جب اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم المرتبہ رسول آیا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ اور اس رسول نے اس کتاب کی تصدیق بھی کی جسے یہود مانتے تھے اور اُس کو اللہ کی کتاب جانتے تھے (یعنی توریت شریف) تو ان لوگوں نے دونوں کتابوں میں مطابقت ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب توریت شریف کو پس پشت ڈال دیا۔ قرآن کو تو قبول کیا ہی نہیں اور توریت شریف کے بھی منحرف ہو گئے اور اس میں جو نبی اکرم ﷺ کی صفات بیان کی گئی تھیں۔ اُن کے اظہار کے بجائے اُن کو پوشیدہ کر لیا اور اس انداز سے منکر اور منحرف ہوئے کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ توریت اللہ کی کتاب ہے اور انہیں پتہ ہی نہیں ہے۔ کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل موجود ہیں (کذافی الروح ص ۳۳۶ ج ۱)

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِينُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِينَ

اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے۔ اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن شیاطین نے

كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هٰرُوتَ

کفر اختیار کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور انہوں نے اس کا بھی اتباع کیا جو نازل ہوا دو فرشتوں پر بابل میں۔ یہ دو فرشتے ھاروت

وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ

اور ماروت تھے اور یہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو جب تک یوں نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود ایک فتنہ ہے لہٰذا تو کفر اختیار نہ کر، پس یہ لوگ

مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَآرِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ

اُن سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ مرد اور اُسکی بیوی کے درمیان جدائی کر دیتے تھے۔ اور وہ لوگ اس کے ذریعہ کسی کو کچھ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر

اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ

اللہ کے حکم سے اور وہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں جو اُن کو ضرر دینے والی ہے اور نفع دینے والی نہیں۔ اور البتہ تحقیق اُنہوں نے یہ بات جان لی کہ جس نے اس کو خریدا ہے اُس کے لئے آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا

کوئی حصہ نہیں۔ اور بے شک وہ بری چیز ہے جس کے ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا۔ اگر وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے

لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکا ثواب بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے۔

بابل میں جادوگروں کا زور' اور یہود کا جادو کے پیچھے لگنا

جادوگری کا سلسلہ پرانا ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ ہی سے ہے۔ اسباب جو بھی ہوں' جادو بھی ایک سبب ہے جس سے احوال میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے اور جس پر جادو کیا جائے اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے حضرت ہود علیہ السلام کو انکی امت کے لوگوں نے کہا: اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ (کہ تم تو انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو) اور یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ان کی اُمت کے افراد نے کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ تو مشہور ہی ہے اور یہ جادوگری کا سلسلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک تھا اور اس کے بعد بھی رہا ایک یہودی نے حضرت سرور عالم ﷺ پر جادو کر دیا تھا جس کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے۔ (ص ۸۵۸ ج ۲) اور اب بھی جادوگر دنیا میں موجود ہیں اور جادوگری دنیا میں رواج پائے ہوئے ہے۔ اوّل تو یہود کی شکایت فرمائی کہ اللہ کی کتاب اُنہوں نے پس پشت ڈال دی پھر فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے یعنی جادو کرتے تھے اور اس میں مشغول رہتے تھے انہوں نے اس کا اتباع کیا۔ مفسرین نے اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ عارضی طور پر چند دن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جاتی رہی تھی اس زمانے میں شیاطین نے اُن کی کرسی کے نیچے جادو کی چیزیں دفن کر دی تھیں اور جب اُنکی وفات ہوگئی تو اُن کو کھود کر نکالا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ جادو کے زور پر حکومت چلاتے تھے علماء بنی اسرائیل نے تو اس بات کو نہیں مانا لیکن ان کے عوام نے اس بات کو مان لیا اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہی سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے میں لگ گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے' جب حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے تو یہودیوں نے کہا کہ محمد (ﷺ) یہ کہتے ہیں کہ سلیمان ابن داؤد (علیہما السلام) نبی تھے حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سحر سے برأت نازل فرمائی۔ اور صاف فرمایا: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا۔ (یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا) شیاطین کا یہ مشغلہ تھا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (من القرطبی وابن کثیر)

ہاروت ماروت کے ذریعہ امتحان

ارشاد ربانی ہے: وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ (یہود نے اس کا بھی اتباع کیا جو دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل شہر میں اُتارا گیا)

کسی زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا خاص کر شہر بابل میں جو عراق میں واقع ہے' جادو کے اثرات کو دیکھ کر لوگ اس سے بہت متاثر ہوئے جادوگروں کو مقدس سمجھنے لگے۔ اللہ جل شانہٗ نے جادو کا ضرر اور اسکی مذمت ظاہر فرمانے کے لئے دو

فرشتوں کو بھیجا جن کا نام ھاروت اور ماروت [1] تھا تاکہ وہ سحر کی حقیقت واضح کریں اور معجزہ اور سحر میں فرق ظاہر ہو جائے اس میں لوگوں کا امتحان بھی مقصود تھا کہ دیکھا جائے کہ کون ایمان اور خیر کو اور کون کفر اور شر کو اختیار کرتا ہے۔ جب ان دونوں فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگ ان کے پاس آنے جانے لگے اور کہنے لگے کہ ہم کو بھی جادو کے اصول و فروع بتا دیں۔ وہ دونوں فرشتے جب اُن کو جادو کی کوئی چیز بتاتے تو پہلے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے بندوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ ان چیزوں کو جان کر کون شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے جو شر سے بچ جائے اور کون شخص اپنے دین کو برباد کرتا ہے اور اپنے لئے شر کو اختیار کرتا ہے۔ وہ فرشتے کہتے تھے کہ ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر

[1] ومما يقضى منه العجب ما قله الامام القرطبى إن هاروت و ماروت بدل من الشياطين على قراء ة التشديد وما فى (وما أنزل) نا فية' والمراد من الملكين جبرائيل و ميكائيل لأن اليهود زعموا أن الله تعالىٰ أنزلهما بالسحر وفى الكلام تقديم و تاخير' والتقدير (وما كفر سليمان) (وما أنزل على الملكين) (ولكن الشياطين) (هاروت و ماروت) (كفرو ايعلمون الناس السحر) (ببابل)وعليه فالبدل إما بدل بعض من كل ونص عليهما بالذكر لتمردهما' ولكو نها رأسا فى التعليم' أوبدل كل من كل إما بناءً على أن الجمع يطلق على الاثنين او على أنهما عبارتان عن قبيلتين من الشياطين لم يكن غيرهما بهذه الصفة' واعجب من قوله هذا قوله' وهذا أولى ما حملت عليه الأية من التاويل وأصح ما قيل فيها' ولا تلتفت إلى ما سواه' ولا يخفى لدى كل منصف أنه لا ينبغى لمؤمن حمل كلام الله تعالىٰ. وهو فى اعلى مراتب البلاغة والفصاحة على ما هو ادنى من ذلك' وما هو الامسخ لكتاب الله تعالىٰ عزشانهٔ وإهباط له عن شاواه (روح المعانی)

تم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اچھی نیت سے حاصل کرو کہ شر سے محفوظ رہو گے' پھر اس نیت پر قائم رہنا' شر کے لئے معلوم نہ کرو اور اس کو شر میں استعمال نہ کرنا ورنہ اس میں لگ کر ایمان برباد کر لو گے جو شخص ان سے اس طرح کا عہد و پیمان کر لیتا تھا وہ اُسے جادو کے اصول و فروع بتا دیتے تھے اس کے بعد جو کوئی اپنے عہد پر قائم نہ رہتا اور اس جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنا لیتا تو وہ اس کا اپنا عمل تھا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

وهذا ن الملكان أنزلا لتعليم (السحر) ابتلاء من الله تعالىٰ للنّاس' فمن تعلم وعمل به كفر. ومن تعلم وتوقى عمله ثبت على الايمان' ولله تعالىٰ أن يمتحن عباده بماشاء كما امتحن قوم طالوت بالنهر و تمييزا بينه وبين المعجزة حيث أنه كثر فى ذلك الزمان' واظهر السحرة امورًا غريبةً وقع الشك بها فى النبوة فبعث الله تعالىٰ الملكين لتعليم أبواب السحر حتى يزيلا الشبه ويميطا الأذى عن الطريق قيل كان ذلك فى زمن أدريس عليه السلام (ومثله فى تفسير ابن كثير)

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی عالم باعمل کے پاس جائے کہ مجھ کو فلسفہ قدیمہ یا جدیدہ پڑھا دیجئے تا کہ خود بھی شبہات سے محفوظ رہوں' اور مخالفین کو جواب دے سکوں اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو مثلاً دھوکہ دے کر پڑھ لے پھر خود بھی تقویت باطل میں اس کا استعمال کرنے لگے

اور اس احتمال کی وجہ سے اُسکو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کرے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جائے۔ لیکن پھر وہ شخص درحقیقت قصداً اُسی سوءِ استعمال محتمل میں مبتلا ہو جائے' سو ظاہر ہے کہ اس کے سوءِ استعمال سے اُس معلم پر کوئی ملامت یا قبح عائد نہیں ہو سکتا اسی طرح اس اطلاع سحر سے اُن فرشتوں پر کسی شبہ و وسوسہ کی گنجائش نہیں۔ (بیان القرآن)

جادو کے بعض اثرات

پھر فرمایا: فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ۔ (یعنی وہ لوگ اُن دونوں فرشتوں سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ جادو کے اثر سے دو محبت والوں میں بغض پیدا ہو سکتا ہے اور میل محبت والوں میں جدائی ہو سکتی ہے۔ جادو کے ذریعہ اُس زمانہ کے لوگوں کیا کیا حرکتیں کرتے ہوں گے کیا کیا ایذائیں دیتے ہوں گے اُن میں سے صرف ایک ایسی چیز کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی مبغوض اور شیطان کو بہت محبوب ہے اور وہ ہے میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنی جماعتوں کو بھیجتا ہے اسکی جماعتوں کے افراد لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب ان میں سے وہ ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں سب سے بڑا ہو (فتنوں میں مبتلا کر کے اس کے نمائندے اس کے پاس آتے رہتے ہیں اور اپنا اپنا کمال ظاہر کرتے ہیں) ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر اُن میں سے ایک آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے اتنا لگا کہ اس کے اور اُس کی بیوی کے درمیان میں نے جدائی کر دی اُس کی یہ بات سن کر ابلیس اُسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے کام کیا ہے۔ حضرت اعمش (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے' جس نے میاں بیوی میں جدائی کرا دی۔ (صحیح مسلم)

جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے

پھر فرمایا: وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (یہ لوگ جادو کے ذریعہ کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے) اس میں یہ بات واضح طور پر بتا دی کہ جادو کے زور سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے جو ظاہری اسباب لوگوں کے سامنے ہیں مثلاً آگ سے جل جانا اور چاقو چھری سے زخم ہو جانا اور بعض مشہور دواؤں کے کھانے سے اسہال ہو جانا اور روٹی سے پیٹ بھر جانا اور پانی سے سیراب ہو جانا اس طرح کی چیزیں چونکہ روزانہ مشاہدہ میں آتی ہیں اس لئے ان کو کچھ عجیب نہیں سمجھا جاتا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو آگ نہ جلائے (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ سے کچھ اثر نہیں کیا) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو چھری سے کچھ بھی نہ کٹے (جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری ذبح نہ کر سکی) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو خوب زیادہ کھانے سے بھی پیٹ نہ بھرے (جیسا کہ جوع البقر کا مریض کھاتا ہی رہتا ہے اور اُس پر پیٹ نہیں بھرتا اور جیسا استسقاء کا مریض پیتا ہی رہتا ہے مگر پیاس نہیں بجھتی) جادو کے ذریعہ جو کچھ ہوتا ہے اس لئے جادو کے اثر سے ظاہر ہونیوالی چیزوں کو لوگ تعجب سے دیکھتے ہیں اور کم علم اور کم فہم جادوگروں کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں اور بہت سے جاہل پیر تھوڑا بہت جادو یا مسمریزم کا کام سیکھ کر جاہلوں کو

معتقد بنانے کا کاروبار بھی کر لیتے ہیں جادو کا اثر بھی جبھی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو پھر جب اللہ چاہتا ہے تو جادو کٹ بھی جاتا ہے۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا۔ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو نیست و نابود کر دے گا) بڑے بڑے جادوگروں کا عمل سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے۔

جادو کے اسباب خفیہ

جادو کے پوشیدہ اسباب کئی طرح کے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ شیاطین سے مدد حاصل کرنے کے لئے انکو خوش کیا جاتا ہے اور اس کے لئے کبھی ایسے الفاظ کلمات پڑھے جاتے ہیں جو کفر و شرک کے کلمات ہوں اور جن میں شیاطین کی تعریف کی گئی ہو اور کبھی ستاروں کی عبادت کی جاتی ہے کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اُن کا خون استعمال کرنا یا جنابت کی حالت میں رہنا اور نجاست میں ملوث رہنا اسی لئے زیادہ کامیاب جادو اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہتے ہیں۔ اور جو طہارت سے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے دور بھاگتے ہیں اور ان کو خبیث کاموں کی عادت ہوتی ہے۔ جادوگر عورتیں حیض کے زمانہ میں جادو کرتی ہیں جو زیادہ مؤثر ہوتا ہے عموماً خبیث شیاطین جادوگروں کی مدد طلب کرنے سے کام کر دیتے ہیں دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ جادوگر کے کسی کرتب سے ایسا ہو گیا۔ جس طرح فرشتے ان حضرات کی مدد کرتے ہیں جو متقی ہوں اور طہارت اور پاکیزگی کو اختیار کرتے ہوں اور بدبو اور نجاست سے دُور رہتے ہوں اللہ کے ذکر اور اعمال خیر میں لگے رہتے ہوں اسی طرح شیاطین ان لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں جو قول اور فعل اور اعتقاد کے اعتبار سے خباثت اور نجاست میں شیاطین کی طرح ہوں۔ کیونکہ تعاون کے لئے تناسب ضروری ہے۔ (عن روح المعانی)

سحرۂ فرعون کا عمل

مفسر ابن کثیر نے ابو عبداللہ رازی سے سحر کی آٹھ قسمیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے قوت خیالیہ کا اثر اور نظر بندی اور شعبدہ اور دواؤں کا استعمال کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے ان میں جو شعبدہ اور ہاتھ کی صفائی یا قوت خیالیہ یا دواؤں کا استعمال ہے اس کو مجازاً جادو کہہ دیا گیا ہے نظر بندی کو بطورِ مثال ایسا سمجھ لیا جائے جیسے ریل میں بیٹھے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ زمین بھی ساتھ ساتھ جا رہی ہے جیسے پلیٹ فارم پر وہ گاڑی چل رہی ہو جس میں ہم بیٹھے ہیں تو نظر کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برابر کی گاڑی چل رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جو جادوگر آئے تھے اُن کے بارے میں ارشاد ہے۔ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (کہ اُن کے جادو کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں) یہ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ اور سورۂ اعراف میں ارشاد ہے۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا سَحَرُوْا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۔ (کہ جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُن پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے) اس سے صاف ظاہر ہے کہ جادوگروں نے اپنے جادو سے لوگوں کی نظر بندی کر دی تھی جس کے اثر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اُن لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ سمجھنے لگے۔ اور اُن کے دل میں تھوڑا سا خوف بھی آ گیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى

(موسیٰ نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ۔ لَاتَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَاَلْقِ مَا فِی یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سَاحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی (کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے یہ جو تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو ڈالدو انہوں نے جو کچھ کرتب کیا ہے اس کو تمہاری لاٹھی نگل جائے گی۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادو کا مکر ہے۔ اور جادوگر جہاں بھی ہو کامیاب نہیں ہوتا)

معجزہ اور سحر میں فرق

جیسا کہ پہلے ہم نے عرض کیا کہ سحر کا اثر بھی اسباب کے تحت ہوتا ہے وہ اسباب عام لوگوں کے سامنے نہیں ہوتے۔ اور جادوگروں کو ان پوشیدہ اسباب کا پتہ ہوتا ہے۔ اب رہا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا معجزہ تو اس میں کوئی سبب ظاہر یا پوشیدہ نہیں ہوتا اس میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا فعل حقیقۃً مؤثر ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے سمندر کا پھٹ جانا اور پتھر سے چشموں کا بہہ جانا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مٹھی خاک پھینک دینے سے کافروں کی آنکھوں میں پہنچ جانا مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا۔ اور تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا۔ تھوڑے سے آٹے کی روٹیاں کئی سو آدمیوں کے لئے کافی ہو جانا وغیرہ وغیرہ یہ سب کسی سبب کے تحت نہیں تھا۔ ختم نبوت کے بعد ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا کہ اب کوئی نبی نہیں آسکتا ہر مدعی نبوت ساحر کے کرتبوں کی عقیدت سے اُسے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور اُوپر جو معجزہ اور سحر کا فرق ظاہر ہو گیا اس کے علاوہ دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سحر گندے اور ناپاک لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نبی طاہرین اور صالحین بندے تھے۔ اس لئے بھی دونوں میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی جادوگر کو یہ طاقت نہیں دی کہ دریا کو پھاڑ دے یا مردوں کو زندہ کر دے یا جمادات سے بات کرادے۔ اور ان کے علاوہ بھی اُن میں سے کسی کو ایسی چیز پر قدرت نہیں دی جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تھے۔ نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض محققین نے سحر اور معجزہ کے درمیان یوں فرق بتایا ہے کہ معجزہ تحدی کے ساتھ ہوتا تھا یعنی صاحب نبوت کے ہاتھ پر جو کوئی معجزہ ظاہر ہوا اسکی طرف سے نبوت کا دعویٰ ہوتا تھا اور جو معجزہ اس سے ظاہر ہوتا تھا وہ اس کے مقابلہ میں اس طرح کی چیز پیش کرنے کا چیلنج بھی کرتا تھا اور یہ صورت کسی جادوگر اور جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یوں ہی رہی ہے (ص ۳۳۹ ج ۱)

اور اب تو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ہی ختم ہے۔ بہتیرے جھوٹے مُدعی نبوت پیدا ہوئے اگر کسی نے کوئی کرتب دکھایا بھی تو شعبدہ تھا اور سب جھوٹے اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ جادوگر تحدی یعنی چیلنج نہیں کر سکتے وہ تو مقابلہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور ایک جادوگر دوسرے جادوگر کا کاٹ کر دیتا ہے اور تماشا دکھانے والے جادوگروں کو دیکھا ہے کہ بانسری بجتے بجتے اسکی آواز ختم ہو جاتی ہے اور مجمع میں کھڑا ہوا دوسرا جادوگر اسکی آواز بند کر دیتا ہے۔ کسی نبی کے کسی معجزہ کے موافق کوئی کر کے نہیں دکھا سکا اور نہ اسکی کاٹ کر سکا۔ تاریخ اسکی شاہد ہے۔

کرامت اور سحر میں فرق

بہت سے اولیاء اللہ سے کرامت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ حسب تحقیق صوفیاء کرام اس کرامت سے تقرب الی اللہ میں اور رفع درجات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا پتہ بھی نہیں

چلتا اس لئے محقق صوفیہ کے نزدیک کرامت کی کوئی اہمیت نہیں۔ شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ معجزہ اور سحر میں تو فرق ظاہر ہو گیا اب نبوت باقی بھی نہیں رہی تا کہ کسی کو دھوکہ ہو سکے لیکن اولیاء اللہ تو ہوتے ہیں اور اُن سے کرامت کا صدور ہونا ممکن ہے۔ پھر کرامت اور جادو میں فرق ظاہر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ سمجھ لینا چاہئے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں سے ظاہر ہوتی ہے جو عبادت میں اور ذکر اللہ میں اور اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہتے ہیں۔ پاک صاف ہوتے ہیں نجاست سے بچتے ہیں۔ جنابت ہو جانے پر جلدی غسل کر لیتے ہیں اور جادو اُن لوگوں کا کام ہے جو گندے اور ناپاک ہوتے ہیں جنہیں اللہ کے نام سے بیر ہوتا ہے اور جو اللہ کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں۔ نجاست اور خباثت اور جنابت میں ملوث اور متلبس رہنا اُن کا مزاج بن چکا ہوتا ہے، جو شخص یہ کہے کہ میں ولی صاحب کرامت ہوں اور اُن کا حال وہ ہو جو شیاطین اور اُس کے دوستوں کا ہوتا ہے یعنی طاعت و عبادات اور ذکر اللہ سے دور اور نجاست و جنابت اور خباثت سے بھرپور اس کے ولی ہونے کا خیال کسی مسلمان کو نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے کرتب کو کرامت کہا جا سکتا ہے۔

سحر فسق بھی ہے اور کفر بھی

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے کلمات کفریہ ہوں مثل استعانت بہ شیاطین یا کواکب وغیرہ تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے یا نفع پہنچایا جائے۔ اور اگر کلمات مباحہ ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذن شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے نہ اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے۔ تو اس کو عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں۔ اور مباح ہے۔ البتہ لغت میں لفظ سحر اُسکو بھی شامل ہے کہ ہر تصرف عجیب کو کہا جاتا ہے۔ اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو وہ بوجہ احتمال کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور یہی تفصیل ہے تمام تعویذ گنڈوں اور نقش وغیرہ میں کہ غیر مفہوم نہ ہوں اور غیر مشروع نہ ہوں اور غرض ناجائز میں استعمال نہ ہوں، اتنی شرطوں سے جائز ہیں ورنہ ناجائز، اور کفر عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے۔

پھر فرمایا: وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (کہ وہ لوگ ایسی چیز سیکھتے تھے جو اُن کو ضرر دینے والی تھی نفع دینے والی نہ تھی) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جادو کی وجہ سے نقصان پہنچے گا۔ اگرچہ دنیا میں ذرا بہت نفع کما لیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ان کے لئے ضرر ہے کیونکہ جادو کا ضرر جادوگر کو پہنچ جاتا ہے۔ حکومت اسلام اس کو سزا دے گی۔ اور جادوگری کی بدبختی اس کو لاحق ہو گی۔ اھ

صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ماقبل پر معطوف ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جادو خالص شر ہے اور ضرر محض ہے ایسا نہیں کہ جیسی بعض ضرر والی چیزیں نفع بھی دے جاتی ہیں۔ (جیسے زہر کا کشتہ اور وہ دوا میں مفید ہو جاتا ہے) اس لئے کہ جادوگر جادو سیکھ کر جادوگری کی باتوں سے محفوظ رہنے کا ارادہ نہیں کرتا تا کہ فی الجملہ کوئی نفع متصور ہو سکے۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ سیاق آیت سے یہ ظاہر ہے کہ وہ دونوں جہان میں غیر نافع ہے کیونکہ اس کا تعلق نہ امورِ معاش سے اور نہ معاد سے اور آیت میں جادو سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اھ

اگر کوئی شخص کبھی کوئی نفع جادو کے ذریعہ کسی مسلمان کو اس طرح کا پہنچادے کہ مسلمانوں سے دفع ضرر کر دے تو گویا یہ ایک

نفع ہے لیکن چونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور عام طور جادوگر بے دین ہوتے ہیں اس لئے عمومی طور پر جادو مطلقاً ضرر دینے والی چیز ہوئی۔ کوئی بھی جادوگر ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے جادو کے زور پر دنیا جمع کر لی ہو جائیداد حاصل کر لی ہو یا حکومت پر قابض ہو گیا ہو۔ ان لوگوں کو ہمیشہ بدحالی میں دیکھا جاتا ہے دین اور اعمال دین سے اور طہارت اور ذکر و عبادت سے تو دور ہوتے ہیں ہیں دنیاوی اعتبار سے بھی میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں رہتے ہیں۔ تماشے دکھا کر یا لوگوں کے کہنے سے دوسروں پر جادو کر کے تھوڑے بہت پیسے وصول کرنے سے زندگی گزارتے ہیں اور چند پیسوں کے لئے دوسروں پر جادو کر دیتے ہیں انکی دنیا و آخرت کی تباہی نظروں کے سامنے ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (یعنی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جو یہودی) جادو کے پیچھے لگے انہیں معلوم ہے کہ جس نے جادو حاصل کیا اور کتاب اللہ کو چھوڑا ان کا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود انہوں نے جادو اختیار کر کے کفر مول لیا) پھر فرمایا: وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کہ انہوں نے اپنی جانوں کو جو بیچ دیا یعنی جانوں کے بدلہ جادو اور کفر خرید لیا اور اپنی جانوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے محروم کر کے مبتلائے عذاب کر دیا۔ یہ بہت بُرا سودا کیا۔ اگر وہ اس کو جانتے تو ایسا نہ کرتے۔ فی روح المعانی لو کانوا یعلمون ای مذمومیة الشراء المذکور لا متنعوا عنه . وفی معالم التنزیل باعوا به أنفسهم (ای) حظ انفسهم حیث اختاروا السحر و الکفر علی الدین و الحق۔

مفسرین نے اشکال کیا ہے کہ پہلے تو وَلَقَدْ عَلِمُوْا فرمایا پھر لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ فرمایا اس میں بظاہر تعارض ہے۔ پھر اس کے دو تین جواب دیئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ اُن کا جاننا نہ جاننے کے درجہ میں ہے۔ جب ضرر جانتے ہوئے کسی چیز کو اختیار کیا اور ایمان سے منہ موڑا گویا کہ وہ جاننے کے باوجود نہیں جانتے۔ رُوح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اُنہوں نے عتاب اور عذاب کو تو جانا لیکن اسکی حقیقت اور شدت کو نہ جانا گویا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کا مفعول محذوف ہے۔

پھر فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (الآیۃ) یعنی یہ لوگ اگر اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاتے (جس میں خاتم النبیین محمد ﷺ پر ایمان لانا بھی شامل ہے) اور کفر و معاصی سے بچتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اسکی جزا دی جاتی۔ جو اس سے بہتر ہے جس کے بدلہ انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا۔ اگر وہ جانتے ہوتے تو آخرت کے ثواب کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور خیر کی طرف بڑھتے۔ آخرت کا تھوڑا سا ثواب بھی فانی دنیا کے بہت بڑے نفع سے بھی بہت ہے۔ باقی اور فانی کا فرق خود سمجھ لینا چاہئے۔

جادوگر کی کیا سزا ہے اس کے بارے میں تفصیل ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول و مشہور ہے کہ جادوگر علی الاطلاق قتل کیا جائے۔ جب یہ معلوم ہو کہ جادوگر ہے اس کا یہ کہنا کہ میں اب سے جادو نہ کرونگا توبہ کرتا ہوں قبول نہیں کیا جائے گا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تکملہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جو سحر کفر ہے اس کا اختیار کرنے والا مرد مُرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور جادوگر عورت قتل نہیں کی جائے گی اس لئے کہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا (وہ ہمیشہ قید میں رہے گی الا أن تتوب) اور جو سحر فسق کے درجے میں ہو اس میں سحر کی وجہ سے قتل نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ایسا کام ہو جس سے کسی انسان کی ہلاکت ہو گئی یا مریض ہو گیا یا میاں بیوی میں جدائی کرادی ہو تو زمین میں فساد کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں ساحر اور ساحرہ دونوں قتل کئے جائیں گے کیونکہ اسکی علت ارتداد نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے اھ حضرت

جندب بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھیل کر رہا ہے اس نے ایک شخص کو ذبح کر دیا اور اُس کا سر جدا کر دیا پھر اُس کا سر واپس جوڑ دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے حضرت جندب نے تلوار نکالی اور اس جادوگر کی گردن ماردی اور فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنے نفس کو زندہ کرے۔ حضرت جندب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: یضرب ضربۃً فیکون امۃ واحدۃ کہ یہ ایک ایسی تلوار مارے گا جس کی وجہ سے یہ تنہا ایک اُمت کے برابر درجہ پالے گا۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ص ۲۵۰ ج ۱)

چونکہ اس جادوگر کے عمل سے لوگ متاثر ہو کر یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص مردوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے رفع فساد کی وجہ سے اُس کا قتل ضروری ہوا۔

تفسیر قرطبی میں اس قصے کو اس طرح لکھا ہے کہ ولید بن عقبہ (امیر عراق) کے پاس ایک شخص رسی پر چل رہا تھا اور گدھے کے پیچھے سے اس کی دم میں داخل ہوتا تھا اور اس کے منہ سے نکل جاتا تھا۔ حضرت جندب نے اسکو قتل کر دیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری اُمت میں وہ شخص ہوگا جس کو جندب کہا جائے گا وہ ایک مرتبہ ایسی تلوار مارے گا جس سے حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دیگا۔ (ص ۴۷ ج ۲)

مسئلہ: اگر قرآن و حدیث کے کلمات ہی سے عمل کیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (معارف القرآن)

مسئلہ: تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں اور حرام ہیں اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

فائدہ: عام طور پر عوام میں ایک قصہ مشہور ہے جو ہاروت ماروت اور زہرہ کے بارے میں ہے کہ ان دونوں فرشتوں کو قوت شہوانیہ دے دی گئی تھی، اور زمین میں اُتار دیئے گئے تھے اور وہ زمین میں آئے تو زہرہ سے شہوت والی مطلب براری کا ارادہ کیا اور اسکو آمادہ کرنے کی کوشش کی اس پر اس نے ان سے اسم اعظم پوچھ لیا جس کے ذریعہ وہ آسمان پر چلی گئی اور وہاں ستارہ بن گئی۔ ان دونوں فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا۔ تو انہوں نے دنیا کے عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی اور وہ بابل کے کنویں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور قیامت تک عذاب ہوگا۔ اس قصہ کو علامہ ابن جوزی نے دو طریق سے نقل کیا ہے۔ علامہ قرطبی اور صاحب روح المعانی نے بھی اس قصہ کی تردید کی ہے۔

قال القرطبی انه قول تدفعه الأصول فی الملائكة هم أمناء الله علی وحیه وسفرائه إلی رسله لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ. يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ٥ وأما العقل فلا ينكر وقوع المعصية من الملائكة وان يوجد منهم خلاف ما كلفوه ويخلق فيهم الشهوات اذفی قدرة الله تعالیٰ كل موهوم ومن هذا خوف الانبياء والاولياء الفضلاء العلماء لكن وقوع هذا الجائز لا يدرك الا بالسمع ولم يصح. (ص ۵۲ ج ۲)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

قدأنكره جماعة منهم القاضی عياض، وذكر أن ماذكره أهل الاخبار ونقله المفسرون فی قصة

هاروت وماروت لم يردمنه شئ لا سقيم ولا صحيح. عن رسول الله ﷺ، وليس هو شيئاً يوخذ بالقياس، وذكر في البحر أن جميع ذلک لا يصح منه شئ، ولم يصح أن رسول الله ﷺ كان يلعن الزهرة. ولا ابن عمر رضي الله عنهما خلافا لمن رواهٔ وقال الامام الرازي بعد أن ذكر الرواية في ذلک ان هذه الرواية فاسدة مردودة غير مقبولة ونص الشهاب العراقي. على أن من اعتقد في هاروت و ماروت أنهما ملكان يعذبان على خطيئتهما مع الزهرة فهو كافر بالله تعالىٰ العظيم فان الملائكة معصومون (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ) والزهرة كانت يوم خلق الله تعالىٰ السمٰوت والارض والقول بأنها تمثلت لها فكان ما كان وردت إلى مكانها غير معقول ولا مقبول. واعترض الامام السيوطي على من أنكر القصة بأن الامام احمد و ابن حبان والبيهقي وغيرهم رووها مرفوعة وموقوفة على علّي وابن عباس وابن عمر وابن مسعود رضي الله عنهم باسانيد عديدة صحيحة يكادالواقفُ عليها بصحتها لكثرتها وقوة مخرجيها وذهب بعض المحققين ان ماروى مروى حكاية لما قاله اليهود وهو باطل في نفسه وبطلانه في نفسه لا ينا في صحة الرواية ولا يرد ما قاله الامام السيوطي عليه انما يرد على المنكرين بالكلية. (ص۳۴۱ج۱) اقوال صحة الند لا تستلزم صحة الرواية فان من لوازم الصحة اشياء أخر غير صحة الند ذكرها العلماء في كتب الاصول، فلوصح بعض الاسانيد على رائ الامام السيوطي لا يستلزم منه قبول الرواية.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اے ایمان والو! تم لفظ رَاعِنَا نہ کہو اور لفظ اُنْظُرْنَا کہو اور سنو! اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے

رَاعِنَا کہنے کی ممانعت اور یہود کی شرارت

تفسیر: یہودیوں کی بہت سی شرارتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو لفظ رَاعِنَا کہتے تھے۔ یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور عبرانی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجئے۔ اور عبرانی زبان میں یہ لفظ بددعا کے معنی میں ہے۔ یہ لوگ شرارت اور بددعا دینے کی نیت سے اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تاکہ حضور اقدس ﷺ اور دوسرے سننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف توجہ فرمائیے۔ اور اندر سے دل میں برے معنی کی نیت کرتے تھے۔ سورہ نساء میں فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّاۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ۔ مسلمان عربی زبان کے اعتبار سے رَاعِنَا يَا مُحَمَّدُ کہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کرلیا کہ یہودی رَاعِنَا يَا مُحَمَّدُ کہتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو گردن ماردوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو کہتے ہو اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ اے مسلمانو! تم رَاعِنَا نہ کہو اس کی بجائے لفظ اُنْظُرْنَا کہو اس کا معنی بھی وہی ہے کہ ہماری طرف دیکھئے اور

توجہ فرمائیے۔ لہٰذا وہ لفظ بولا جائے جس کے معنی میں دوسرے معنی کا اشتباہ نہ ہو سکے اور یہودی یہ نہ کہہ سکیں تم بھی لفظ رَاعِنَا بولتے ہو تو ہم نے بھی بول دیا۔ نیز مسلمانوں سے خطاب ہوا کہ تم بات کو سنو اور اشاعت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کے لئے عذاب الیم ہے وہ آخرت میں اپنی حرکتوں کی دردناک سزا پالیں گے۔ (عن معالم التنزیل ص ۱۰۲ ج ۱)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اُس کے حق میں مباح نہیں رہتا جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہوگا تو خود اس عالم کے لئے بھی منع ہو جائے گا۔

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا سے استنباط احکام

اور ابوبکر جصاص اُحکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جس لفظ میں احتمال خیر و شر دونوں کا ہو اس کا بولنا جائز نہیں جب تک کوئی ایسی چیز اس کے ساتھ نہ ملا لی جائے جس سے وہ خیر ہی کے لئے متعین ہو جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی ہنسی کرنا' مذاق اُڑانا ممنوع ہے۔ اور ہر وہ لفظ ممنوع ہے جس میں احتمال مذاق اُڑانے کا ہو (چونکہ یہودی لفظ راعنا کہہ کر ہنستے تھے اور مذاق بناتے تھے اس لئے جصاص نے اس آیت کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے)۔

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا قول میں بھی اور فعل میں بھی۔ اس کے بعد مسند اُحمد اور سنن اُبی داؤد سے حدیث نقل کی ہے۔ **من تشبہ بقوم فھو منھم** (کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اُنہیں میں سے ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ کافروں کے ساتھ اُن کے اقوال اور افعال اور لباس اور تہوار اور عبادات وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا سخت ممنوع ہے۔ اور مُشابہت کرنے والوں کے لئے تہدید اور وعید ہے۔

متعدد احادیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ خطاب اور گفتگو میں اچھے الفاظ استعمال کئے جائیں اور اُن الفاظ سے بچیں جو بُرے اور نامُناسب معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی لئے کسی کو مالک الاملاک یعنی شہنشاہ کہنے سے منع فرمایا (کیونکہ سب بادشاہوں کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے) ایک لڑکی کا نام عاصیہ (گنہگار) تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام اور باندی کو عَبْدِیْ اور اَمَتِیْ نہ کہے۔ تم سب اللہ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ عَبْدِیْ اور اَمَتِیْ کی بجائے غُلَامِیْ اور جَارِیَتِیْ کہا جائے۔ (یہ سب احادیث مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی میں مذکور ہیں)

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اُوپر

خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر۔ اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں اور مشرکوں کو یہ گوارا نہیں کہ مسلمانوں پر کوئی خیر نازل ہو

تفسیر: جب مسلمان یہودیوں سے کہتے تھے کہ تم اسلام قبول کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے تھے کہ تم جس دین کی طرف بلاتے ہو ہمارے دین سے بہتر نہیں ہے اور ہماری خواہش ہے کہ تمہارا دین بہتر ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے انکی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ اے مسلمانو! ان کو یہ پسند نہیں ہے تم کو کسی طرح کی خیر نصیب ہو یہودی تو اس حسد میں مرے جا رہے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کیوں آیا اور حضرت اسحاق کی اولاد میں کیوں نہ ہوا اور مشرکین اس لئے ناراض ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین پیش فرمایا وہ ان کی خواہشوں کے خلاف ہے ان کو توحید پسند نہیں۔ اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے محبت ہے۔ جب اُن کی تردید کی جاتی ہے تو انہیں بُرا معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہود اور مشرکین کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تمہارے خیالات کا پابند نہیں وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے، وہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے اور حسد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۳ ج ۱، روح المعانی ص ۳۵۰ ج ۱)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں اہل کتاب اور مشرکین کی سخت دشمنی کا ذکر فرمایا ہے تا کہ اہل ایمان اور اہل کفر کے درمیان مودّت اور محبت بالکل منقطع ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بیان فرمایا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مومنین کو عطا فرمایا یعنی شریعت کاملہ عطا فرمائی مَنْ یَّشَاءُ کا عموم خود آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین سب کو شامل ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى
ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اُس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ ہر
كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ
چیز پر قادر ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لئے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لئے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾
اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں

نسخ آیات کی حکمت

تفسیر: قرآن مجید کے بعض احکام اللہ تعالیٰ منسوخ فرما دیتے تھے کبھی ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرما دیا اور اُسکے خلاف حکم دیدیا کبھی ایک حکم کے بجائے دوسرا حکم نازل فرما دیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوتا تو اس میں منسوخیت والی بات کیوں ہوتی معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بیان سے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ سورۂ نحل میں ان دشمنوں کی بات کی

اس طرح بیان فرمایا: وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ ط (اور جب ہم کسی آیت کو ایک آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ بس تو افتراء ہی کرنے والا ہے)

اللہ جل شانہٗ نے اس آیت شریفہ میں ان کی جہالت والی بات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ منسوخ کرنے میں حکمت ہوتی ہے اور بندوں کا اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ یا تو ان کے لئے دوسرا حکم اَنفع اور اسہل ہوتا ہے یا اس میں منفعت اور ثواب پہلی جیسی آیت کی طرح ہوتا ہے۔ سخت حکم کو آسان کر دیا گیا تو بندوں کے لئے یہ بھی بہتر ہے کہ اس میں عمل کے لئے آسانی ہوگئی اور اگر آسانی کی بجائے کوئی سخت حکم آ گیا تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ عمل جس قدر مشکل ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

منسوخ ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ عبارت قرآنیہ باقی رہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں۔ جیسے عورت کے لئے شوہر کی وفات پر عدّت ایک سال تک رکھی گئی تھی بعد میں چار مہینے دس دن کر دی گئی۔ اور جس آیت میں ایک سال کا ذکر ہے وہ بھی مصحف میں باقی ہے۔ (مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ) اور نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ اسکی تلاوت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی رہے۔ اس کو منسوخ التلاوہ کہتے ہیں۔ اسکی مثال میں آیت رجم کو پیش کیا جاتا ہے اور منسوخ کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو جائے اور اسکی جگہ دوسرا حکم آ جائے جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا منسوخ کیا گیا اور اس کی بجائے نماز میں استقبال کعبہ کا حکم ہوا اور جیسے پہلے اقارب کے لئے وصیت کرنا واجب تھا پھر وہ آیت میراث سے منسوخ ہوگئی۔ اور بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں امر اوّل منسوخ ہو گیا اور اسکی جگہ دوسرا حکم نافذ نہیں کیا گیا جیسے سورۂ ممتحنہ میں اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ منسوخ کر دیا گیا اور اس کے بجائے دوسرا حکم نازل نہیں ہوا۔ نَنْسَخْ کے ساتھ نُنْسِهَا بھی فرمایا جس کا ترجمہ بھلا دینے کا ہے۔ بعض آیات ایسی تھیں جن کو بالکل ہی مصاحف سے اور ذہنوں سے بھلا دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ جیسی تھی۔ اس کا اکثر حصہ اُٹھا لیا گیا نہ تلاوت باقی رہی نہ حکم باقی رہا در منثور ص ۱۰۵ ج ا میں ہے کہ حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک رات کو ایک صحابی تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے انہیں ایک سورت یاد تھی انہوں نے اسے نماز میں پڑھنا چاہا تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے علاوہ وہ کچھ نہ پڑھ سکے اور اُس رات میں چند صحابہ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا صبح کو جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت گزشتہ رات منسوخ ہوگئی جو لوگوں کے سینوں سے اور ہر اُس جگہ سے محو کر دی گئی جہاں جہاں لکھی ہوئی تھی۔

وأما علی قرأءة ننسأها بفتح النون الاوّل وفتح السین مهموزا فمعناه نؤخرها فلا نبدلها أو نرفع تلاوتها ونؤخر حکمها أو نؤخرها ونترکها فی اللوح المحفوظ فلا ننزل۔ (معالم التنزیل ص ۱۰۴ ج ۱)

پھر فرمایا کہ اے مخاطب کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے حکم باقی رکھنے پر بھی قدرت ہے منسوخ کرنے پر بھی قدرت ہے ذہنوں سے بھلا دینے پر بھی قدرت ہے۔ وہ حکمت کے مطابق جو چاہے کرے جس حکم کو چاہے باقی رکھے جس کو چاہے منسوخ فرمائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہے اگر کوئی اللہ پر اعتراض کرے گا تو اسکی سزا بھگت لے گا آسمان و زمین میں اس کی بادشاہت ہے جب وہ کافروں پر عذاب بھیجے گا ان کا کوئی یار اور مددگار اور دوست اور رشتہ دار اور کارساز نہیں ملے گا۔

قال ابن کثیر یرشد عبادہ تعالٰی بهذا إلى أنه المتصرف فی خلقه بما یشاء فله الخلق والأمر وهو المتصرف فکما خلقهم کما یشاء یسعد من یشاء ویشقی من یشاء ویصحح من یشاء ویمرض من یشاء ویوفق من یشاء ویخذل من یشاء کذالک یحکم فی عبادہ بما یشاء فیحل ما یشاء ویحرم مایشاء ویبیح ما یشاء ویحظر مایشاء وهو الذی یحکم بما یرید لا معقب لحکمه ولا یسئل عما یفعل وهم یسئلون ویختبر عبادہ وطاعتهم لرسله بالنسخ فیامر بالشیٔ لما فیه من المصلحة التی یعلمها تعالٰی ثم ینهی عنه لما یعلمه تعالٰی فالطاعة کل الطاعة فی امتثال أمرہ والتباع رسله فی تصدیق ما أخبروا وامتثال ما أمروا وترک ما عنه زجروا.

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلہ

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

کفر کو اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

بے جا سوالات کی ممانعت

تفسیر: معالم التنزیل میں اس آیت شریفہ کے دو شان نزول لکھے ہیں اوّل تو یہ کہ یہودیوں نے یوں کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم آسمان سے اسی طرح پوری کتاب بیک وقت لا کر پیش کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لائے تھے اور دوسرا یہ کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے یہاں تک کہ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لے آؤ، ممکن ہے دونوں باتوں کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہو اللہ جل شانہٗ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے سوالات نہ کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سوالات کئے گئے بنی اسرائیل نے اُن سے کہا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً کہ ہمیں اللہ پاک کو آمنے سامنے دکھا دو دلائل واضحہ سامنے ہیں عقل مند کیلئے کافی ہیں بے تکے سوالات کی کوئی ضرورت نہیں اور جن کو اعتراض ہی کرنا مقصود ہے وہ تو ہر فرمائش پوری ہو جانے پر بھی ماننے والے نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پوری کتاب بیک وقت لائے تھے۔ پھر بھی ظالموں نے اُسے کہاں مانا؟ سورہ قصص میں ہے۔

فَلَمَّا جَآئَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ۔

(سو جب ہماری طرف سے اُن لوگوں کے پاس حق پہنچا تو کہنے لگے ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس سے قبل یہ لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور یوں بھی کہتے تھے کہ ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں)

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہٰذا حج کرو اس پر ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے۔ اس پر آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ سائل نے تین بار سوال کیا۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کو نہیں کر سکتے تھے پھر فرمایا کہ میں جب تک تم کو چھوڑے رکھوں (یعنی کوئی حکم نہ بتاؤں) تم بھی مجھے چھوڑے رکھو (یعنی سوالات نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ سوالات زیادہ کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے خلاف چلتے تھے سو میں جب کسی چیز کا

حکم کروں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو اور اگر میں کسی چیز سے منع کر دوں تو اُسے چھوڑ دو۔

ایک اور حدیث میں ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیل قال اور کثرتِ سوال اور اضاعت المال کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری و مسلم)

آیت کا شان نزول خواہ وہی ہو جو معالم التنزیل سے نقل کیا گیا لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی یہ نصیحت مل گئی کہ جو احکام ہیں اُن میں لگیں بے تکے سوال نہ کریں۔ قیل وقال میں وقت ضائع نہ کریں اور ضرورت کی بات پوچھیں۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا لیں

أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ

اپنے دلوں کے حسد کے باعث، بعد اس کے کہ اُن کے لئے حق ظاہر ہو گیا ہے، سو تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا

اپنا حکم بھیج دے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ

تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾

پہلے سے بھیج دو گے اپنی جانوں کے لئے کوئی خیر اُسے اللہ کے پاس پالو گے، بے شک اللہ اُن کاموں کا دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو

کفار چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنالیں

تفسیر: یہودیوں کو یہ تو خوب واضح طریقے پر معلوم ہو گیا تھا کہ نبی عربی محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے نبی ہیں لیکن اُن کو حسد کھا گیا خود تو مسلمان ہوتے ہی نہ تھے (الاقلیلا منھم) اور طرح طرح کی کوششیں کرتے تھے کہ عرب بھی مسلمان نہ ہوں اور جو لوگ مسلمان ہو چکے انکو واپس کر لیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُن کے قلبی ارادوں سے مطلع فرمایا تاکہ اُن سے بچتے رہیں اور اُن کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں اور اُن کی جھوٹی ہمدردی کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ چونکہ مسلمان اور یہودی ایک ہی شہر یعنی مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور اس وقت تک ظاہری اسباب کے اعتبار سے مسلمانوں کے غلبہ کی صورت ظاہر نہ ہوئی تھی اس لئے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم معاف اور درگزر کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے منجملہ اس قدرت کے یہ بھی ہے کہ وہ تم کو ان پر غلبہ دے دے چنانچہ اس کے بعد وہ دن آیا کہ قبیلہ بنی نضیر کو مسلمانوں نے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا اور یہود کے دوسرے قبیلہ بنو قریظہ کے مرد قتل کئے گئے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نمازیں قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جو کچھ اپنی جانوں کے لئے کوئی بھلائی پہلے سے بھیج دو گے اُسے اللہ کے پاس پالو گے۔ اس میں اعمالِ صالحہ میں مشغول رہنے اور جانی و مالی عبادت ادا کرتے رہنے کا حکم دیا جیسا کہ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا میں

صبر کا حکم دیا۔ صبر اور صلاۃ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ میں یہ بات واضح طور پر بتادی گئی ہے۔ اعمال صالحہ میں یہ بھی تاثیر ہے کہ دشمن پر غالب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے فلاح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ان کا بدل ملے گا یہاں سے جو کوئی خیر بھیجیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع رہے گی وہاں جائیں گے تو پالیں گے۔ آخر میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے) ہر خیر و شر کا اُسے علم ہے۔ جو شخص خیر یا شر لے کر پہنچے اس کے مطابق جزا اور سزا کا مستحق ہوگا قال ابن كثير وهذا الكلام وان كان قد خرج مخرج الخبر فان فيه وعداً ووعيداً وأمراً وزجراً وذلك أنه علم القوم أنه بصير بجميع أعمالهم ليجدُّوا في طاعته اذكان ذلك مذخوراً لهم عنده حتى يثيبهم عليه.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص ایک کھجور کے برابر حلال کمائی سے صدقہ کر دے اور اللہ تعالیٰ حلال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیتا ہے پھر اسکی تربیت فرماتا ہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہتا ہے) جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا رہتا ہے۔ (بڑھتے بڑھتے وہ بہت زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۹ ج ۱) جب قیامت کے دن ثواب ملنے لگے گا تو کھجور کے برابر جو چیز دی تھی اُس کا ثواب اتنا زیادہ ملے گا جیسے اُس نے اللہ کی راہ میں پہاڑ خرچ کر دیا ہو۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو یہ اُن کی آرزوئیں ہیں آپ فرما دیجئے کہ لے آؤ

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ

اپنی دلیل اگر تم سچے ہو ہاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے جھکا دیا اور وہ محسن ہو تو اُس کے لئے

اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس، اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے۔

یہود و نصاریٰ کا قول کہ جنت میں ہم ہی جائینگے اور اسکی تردید

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے بارے میں یہ کہا کہ صرف ہم جنتی ہیں اور نصاریٰ نے اپنے بارے میں یہی کہا دونوں فریق باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف کر بیٹھے اور اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی، اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں شرک داخل کر دیا۔ اس سب کے باوجود دونوں جماعتوں کو یہ غرور تھا اور اب بھی ہے کہ صرف ہم ہی جنتی ہیں۔ کفر اختیار کریں پھر بھی جنتی ہوں یہ اُن کی سراپا جہالت، حماقت اور سفاہت ہے۔ اور اُن کا یہ دعویٰ بالکل بے بُنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ کہ یہ اُنکی آرزوئیں ہیں۔ صرف آرزو سے کچھ نہیں ہوتا جب تک ایمان نہ ہو نجات نہیں ہوسکتی۔ پھر فرمایا قُلْ هَاتُوْا

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم اگر اپنی آرزوؤں میں سچے ہو تو اسکی دلیل پیش کرو) دعویٰ بلا دلیل' بلا سند' بلا حجت کیسے مانا جائے گا؟ یہود و نصاریٰ کو بڑا غرور تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہم مقربان الٰہی ہیں سورۃ مائدہ میں ہے کہ انہوں نے کہا۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے محبوب ہیں) اولاد تو اسکی ہے ہی نہیں۔ یہ عقیدہ شرکیہ ہے کہ اسکی اولاد ہو' شرکیہ عقیدہ رکھنے والا اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقرب کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنی حماقت سے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے بہانے سے وہ یہی باطل خیال جمائے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور صرف ہم ہی جنتی ہیں' یہودیوں کا دین تو خاندانی دین ہے وہ اپنے خاص خاندان کے باہر اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہی نہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اُن کے نزدیک ساری دنیائے انسانیت کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی دین نہیں ہے صرف اپنے خیال سے اپنی نجات کا یقین کر بیٹھنا اور یہ سمجھ لینا کہ ہم ہی جنتی ہیں اور باقی سارے انسانوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اُن کے لئے خالق و مالک کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں جسے اختیار کر کے وہ مستحق جنت بنیں۔ سراسر خود فریبی ہے۔

نصاریٰ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے سمجھے جاتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہم جس دین پر ہیں وہ دین نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے کر بھیجا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں یا یہ فرمایا ہو کہ میری اور میری والدہ کی عبادت کرو' یا یہ فرمایا ہو کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میرے قتل کے بعد جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کرا کر اُن سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ کر دیا جو اُن کو اللہ کا بیٹا مانیں' ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ سب باتیں نصاریٰ کی خود تراشیدہ ہیں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے کوئی بات بھی نہیں فرمائی انہوں نے تو صرف اللہ کی عبادت کرنے کی تبلیغ کی اور نصاریٰ جو کچھ کہتے ہیں اُن کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتائی ہیں۔ یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد اُن کے جھوٹے ماننے والوں نے کئی سو سال کے بعد تجویز کیں کیونکہ اس میں تن آسانی ہے اور پورے گناہ کرتے ہوئے مغفرت اور نجات کی گارنٹی ہے اس لئے نصاریٰ نے ان باتوں کو بغیر تحقیق کے قبول کر رکھا ہے اتوار کے دن پادری کہہ دیتا ہے کہ میں نے اس ہفتہ کے سب گناہ معاف کر دیئے یہ کیسی خلاف عقل بات ہے کہ نافرمانی کی ہے خدائے پاک کی اور معاف کر رہی ہے مخلوق۔ اور پادریوں کو گناہ کے معاف کرنے میں خداوند تعالیٰ کا نائب مانتے ہیں ان کو یہ نیابت کہاں سے ملی کس نے ان کو نائب بنایا؟ ہر عقلمند کے سامنے یہ سوالات آتے ہیں۔ یہ سب کچھ نصاریٰ کا اپنا بنایا ہوا دین ہے۔ اور اوپر سے اس دھوکہ اور آرزو میں پڑے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور ہم ہی جنتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ کوئی بات بلا دلیل قبول نہیں ہوتی اور دنیا میں سب اسی قانون پر چلتے ہیں۔ لیکن آخرت کے بارے میں جہاں دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پانے کی ضرورت ہوگی۔ صرف خوش فہمی اور گمان اور خیالات اور اوہام اور آرزوؤں پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں۔ ھداھم اللّٰہ تعالیٰ

یہود و نصاریٰ کے علاوہ کفار کی دوسری قومیں بھی اپنی بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اور ان سب نے محض جھوٹی آرزوؤں کا سہارا لے رکھا ہے۔ انکے پاس ان کے دین کے حق ہونے کی اور اس بات کی کہ ان کا دین یوم آخرت میں ذریعہ نجات بنے گا کوئی دلیل نہیں ہے اور مشرکوں کی بیوقوفی دیکھو کہ پیدا کیا اللہ نے اور کھانے کو وہی دیتا ہے اور انسانوں کی ضرورت کا سامان اُسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن پرستش اور پوجا اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی کرتے ہیں اور اس میں نجات سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ دے۔

عند اللہ جنتی کون ہے

یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید کرنے اور اُن سے دلیل طلب کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا: بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ (الآیۃ) یعنی دوسرے لوگ کیوں جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو اور اپنی ذات کو اللہ کے احکام کی تعمیل میں جھکا دے اور وہ صفتِ احسان سے متصف بھی ہو تو اس کا اجر اُس کے رب کے پاس ضرور ملے گا۔ جو جنت کے داخلے کی صورت میں ہوگا۔ ان لوگوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غمگین ہونے کا کوئی موقعہ ہے۔ یہ عمومی قانون ہے جو بھی اس پر عمل کریگا داخلہ جنت کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی قرابت رشتہ داری نہیں ہے اور نہ کوئی خواہ مخواہ محبوب اور مقرب بن جاتا ہے۔ ایمان پر دخول جنت کا مدار ہے۔

لفظ مُحْسِنٌ لفظ احسان سے مشتق ہے جو حسن سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے اچھے طریقے سے کام کرنا اور عمدگی کے ساتھ انجام دینا اس میں احسان عقیدہ اور احسان عمل سب کچھ داخل ہے۔ بعض مفسرین نے محسن کا ترجمہ مخلص سے کیا ہے اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہونا لازم ہے اور عمل بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ جس کا عقیدہ رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہو وہ عقیدہ میں محسن نہیں ہے لہٰذا اسکی نجات نہیں ہے۔ اس نے اپنی ذات کو اللہ کے لئے نہیں جھکایا وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ لہٰذا مستحق نجات نہیں اور جس شخص کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق نہیں ہے یا نیت میں اخلاص نہیں یعنی اللہ کی رضا مطلوب نہیں۔ اس کا وہ عمل مردود ہے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ ہو تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے عقیدہ اور عمل دونوں میں اخلاص ضروری ہے منافق عقیدہ میں مخلص نہ تھے اور جو لوگ عقیدہ ٹھیک رکھتے ہیں لیکن عمل اللہ کی رضا کے لئے نہیں کرتے دکھاوے کیلئے اور دنیاوی جاہ و عزت حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں انکے عمل کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں۔ سورہ کہف کے آخیر میں فرمایا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

کافروں اور مشرکوں میں جو لوگ کوئی عمل کرتے ہیں اگر ان میں اللہ کی رضا کو مقصود رکھتے ہوں تب بھی وہ معتبر نہیں اور آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ عقیدہ کے اعتبار سے گمراہ ہیں اور اللہ کے دین پر نہیں ہیں ان کے لئے سورۂ فرقان میں فرمایا: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اور ہم اُن کے کاموں کی طرف جو وہ کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو اُن کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار شاید کوئی شخص اپنی جہالت سے یہ سوال کرے کہ آیت میں مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے پھر یہ شرط کہاں سے آ گئی اس کا جواب یہ ہے کہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ اور وَهُوَ مُحْسِنٌ سے ہی یہ قید ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیات بھی پیش نظر رکھنا لازم ہے سورۂ آل عمران کی آیت وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ کو پیش نظر رکھیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ

اور کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی

عَلٰی شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی کہا اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے انہیں کی سی بات،

فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں

یہود ونصاریٰ کا آپس میں نزاع اور اُنکی باتوں کی تردید

تفسیر: تفسیر درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل ہے کہ جب نجران کے نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہودیوں کے علماء بھی وہاں پہنچے دونوں فریقوں نے وہیں خدمت عالی میں حاضر ہوتے ہوئے آپس میں مباحثہ شروع کردیا۔ یہودیوں میں ایک شخص رافع بن حریملہ تھا۔ اس نے نصاریٰ سے کہا کہ کسی چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کیا اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کے بھی منکر ہوئے نصاریٰ کو مقابلہ میں جواب دینے کا جوش آیا تو ان میں سے ایک شخص نے یہودیوں سے کہا کہ تم کسی چیز پر نہیں ہو یعنی تمہارے دین کی کوئی اصلیت اور بنیاد نہیں۔ اللہ کے کسی نبی یا اللہ کی کسی کتاب سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر بیٹھے اور توراۃ شریف کے کتاب اللہ ہونے کے منکر ہوگئے۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ اور دونوں جماعتوں کے دعوے ذکر کرکے فرمایا۔ وَهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتَابَ (یعنی ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت کا علم ہوتے ہوئے انکی رسالت کے منکر ہورہے ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں معلوم ہے کہ باوجود تحریف کرلینے کے پھر بھی اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول سے ہر ایک کو انتساب ہے۔ گو یہ انتساب اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو نجات دلانے والا نہیں لیکن فی الجملہ اس کا انکار بھی صحیح نہیں کہ اُن کے دین کی ابتداء اللہ کے کسی نبی یا کسی کتاب سے ہے۔

قال ابن کثیر ولهذا قال تعالٰی وهم یتلون الکتاب ای وهم یعلمون شریعة التوراة والانجیل کل منهما کانت مشروعة فی وقت ولکنهم تجاحدوا فیما بینهم عنادا و کفرا ومقابلة للفاسد بالفاسد.

پھر فرمایا کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (یعنی ایسی ہی بات اُن لوگوں نے کہی جو نہیں جانتے) یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ جو اُن سے پہلے اُمتیں گزری ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی جہالت کی باتیں کرتی رہی ہیں۔ کہ عناد اور تعصب کی وجہ سے حق کو جھٹلایا اور حقیقت واضحہ کو نہ مانا۔ اور اب مشرکین عرب کا یہی حال ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے حالانکہ آیات بینات اور دلائل واضحہ اُن کے سامنے ہیں۔ دلوں سے جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن مانتے نہیں۔ **واختلف فیمن عنی فی قوله تعالٰی: الذین لا یعلمون، فقال عطاءٌ اممٌ کانت قبل الیهود و النصارٰی وقال السُّدّی هم العرب، قالوا لیس محمد علی شیءٍ واختار ابن جریر أن الحمل الجمیع اولی** (من ابن کثیر ص ۱۵۵ ج ۱)

پھر فرمایا: فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن سب کو جمع

10

فرمائینگے اور عدل کیساتھ اُن کے درمیان فیصلے فرمائینگے۔ اور اس فیصلہ سے سب پر حق ظاہر ہو جائے گا۔ اور باطل کا پتہ چل جائیگا۔

سورۂ سبا میں فرمایا: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ (کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا اور بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیں گے۔ اور وہ عملی فیصلہ یہ ہو گا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قول اور برھانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دُنیا میں بھی ہو چکا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ
اور اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور اُن کی ویرانی کی کوشش کرے
اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ
اُن لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ اُن میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، اُن کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے
فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
آخرت میں بڑا عذاب ہے

اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اُن لوگوں کو سب سے بڑا ظالم بتایا ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکیں، ان میں اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے سے منع کریں اور اُن کی ویرانی کی کوشش کریں اس کام کے کرنیوالے کون ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؟ معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱ میں حضرت عطا اور عبدالرحمٰن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ کے لئے مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا۔ مساجد کی آبادی یہ ہے کہ اُن میں وہ کام ہوتے رہیں جن کاموں کے لئے وہ بنائی گئی ہیں۔ نماز، تلاوت، ذکر، اعتکاف وغیرہ اور مسجد حرام کے آباد کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اُس میں طواف کیا جائے، جو شخص ان کاموں سے روکے گا وہ انکی ویرانی کی کوشش کرنیوالا ہے۔ مشرکین مکہ اس وقت مسجد حرام کے متولی تھے لیکن کعبہ شریف میں انہوں نے بت رکھے ہوئے تھے ظاہری تعمیر کی دیکھ بھال ہی کو انہوں نے اسکی آبادی سمجھ لیا اور اس کی حقیقی تعمیر سے غافل تھے۔ توحید کے بجائے شرک کے کام کرتے تھے وہاں نمازیوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ اُن کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے پھر جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو عمرہ نہ کرنے دیا۔ مشرکین کو سمجھایا بجھایا گیا کہ عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے لیکن وہ ایک نہ مانے اور ضد پر اڑے رہے۔ بالآخر آپ صحابہؓ کے ساتھ واپس تشریف لے آئے اور آئندہ سال عمرہ کی قضا فرمائی، یہ جو فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ اس میں اس

بات کی خوشخبری دی کہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ جب غلبہ اہل اسلام کا ہو جائے گا تو یہ مشرکین اس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرایا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک ہرگز حج نہ کرے۔ (عن معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے کہ انہوں نے مختلف اوقات میں بیت المقدس کی بے حرمتی کی حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس سے نصاریٰ مراد ہیں جو بیت المقدس میں تکلیف دینے والی چیزیں پھینک دیتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے رومی لوگ مراد ہیں انہوں نے یہودیوں کے بغض میں بیت المقدس کی بربادی میں بخت نصر مجوسی کی مدد کی اور کعب احبار سے منقول ہے کہ نصاریٰ بیت المقدس پر غالب ہوئے تو انہوں نے اس کو جلا دیا جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ لہٰذا جو بھی کوئی نصرانی اب بیت المقدس میں داخل ہوتا ہے تو خوف کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱)

سبب نزول جو بھی ہو اور نزول آیت کے وقت مساجد اللہ سے روکنے کا مصداق جو بھی کوئی جماعت ہو قرآن مجید کے عمومی بیان سے واضح ہوا کہ مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکنا ظلم کی چیز ہے اور یہ بڑے ظلم میں شمار ہے۔ **في روح المعاني وظاهر الآية العموم في كل مانع وفي كل مسجد وخصوص السبب لا يمنعه** نیز وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا کے عموم میں مسجدوں کو گرا دینا اور معطل کر دینا بھی شامل ہے۔ **قال صاحب روح المعاني وسعىٰ في خرابها أي هدمها وتعطيلها**۔ اگر کوئی ایسی جماعت یا اُس کا کوئی فرد مسجد میں آنا چاہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہوں مثلاً کسی نئے مدعی نبوت پر ایمان لانے والے لوگ جس نے ختم نبوت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ان لوگوں کو اپنی مسجد سے روک سکتے ہیں یہ منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو کفر سے محفوظ رکھنے کے لئے ہوگا۔ اسی طرح کی ایک جماعت کو جب مسلمانوں نے مسجد سے روکا تو انہوں نے مذکورہ بالا آیت پڑھ دی جس پر ایک عالم نے سورۂ انعام کی یہ آیت پڑھ کر سنائی: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (اور اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے میں عنقریب ایسا نازل کروں گا) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ صرف مسجد حرام کے بارے میں نہیں ہے بلکہ دیگر مساجد کو بھی اس کا عموم شامل ہے (کمافی تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۷ ج ۱) مومنین سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُن کی مدد ہوگی اور مسجدیں کافروں کے تسلط سے آزاد ہوں گی (کمامر) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اگر کوئی نصرانی اس میں داخل ہوتا تھا تو چوری چھپے اپنا روپ بدل کر داخل ہوتا تھا پھر قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو بھی کوئی نصرانی بیت المقدس میں پایا جاتا ہے اسکو خوب زیادہ سزا دی جاتی ہے۔ پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سوال اُٹھائے کہ بیت المقدس پھر نصاریٰ کے ہاتھ میں چلا گیا جسے صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ فتح کیا تو یہ سوال وارد نہیں ہوتا کیونکہ آیت میں کوئی کلمہ اس بات پر دلالت کرنے والا نہیں ہے کہ بیت المقدس ہمیشہ مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہے گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قبضے میں دے دیا تو ان پر لازم تھا کہ قبضہ باقی رکھتے ضعف ایمان ضعف اعمال اور ضعف تدبیر کی وجہ سے کھو بیٹھے یہ اُنہوں نے ایمانی تقاضوں کے خلاف کیا۔

صاحبِ بیان القرآن نے اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ کا مطلب یہ لکھا ہے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت اور بے باک ہو کر ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت وحرمت وادب سے جاتے جب بے باک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اسکی ہتک حرمت کا کب حق حاصل ہے۔ اسی کو ظلم فرمایا گیا اھ خلاصہ یہ نکلا کہ اس میں مساجد کا ادب بتایا گیا ہے یہ بات سیاقِ کلام سے دل کو زیادہ لگتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمایا: لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (کہ دنیا میں ان لوگوں کے لئے رسوائی ہے۔ اور آخرت میں وہ سب قومیں رسوا ہونگی جنہوں نے مسجد حرام یا بیت المقدس میں اللہ کے ذکر وعبادت سے روکا اور اُن کی ویرانی کی کوشش کی دنیا میں یہ قومیں مغلوب بھی ہوئیں مسلمانوں کی محکوم بھی بنیں اور یہود ونصاریٰ جزیہ دینے پر مجبور ہوئے اور آخرت میں سب کافروں کو جو بڑا عذاب ہوگا۔ بار بار قرآن مجید میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس عذاب کی تفصیلات آیات اور احادیث میں مذکور ہیں)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب، سو تم جس طرف بھی رُخ کرو اُدھر اللہ کا رُخ ہے، بیشک اللہ واسع ہے، علیم ہے

جدھر رُخ کرو اُدھر اللہ کا رخ ہے

تفسیر: الباب النقول میں تین واقعات لکھے ہیں جن میں اس آیت کے سبب نزول کا ذکر ہے تینوں واقعات میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سفر میں تھے اندھیری رات میں (اور بعض روایات میں ہے کہ بادل کی وجہ سے) قبلہ کے بارے میں اشتباہ ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنے غور وفکر کے مطابق جدھر قبلہ سمجھ میں آیا اُدھر نماز پڑھی صبح ہوئی تو غلطی معلوم ہوئی آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی، ان میں سے ایک واقعہ سُنن ترمذی (ابواب التفسیر میں بھی مذکور ہے)

جہت قبلہ کا قانون

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے (بلکہ تمام جہات کا مالک ہے اس عموم میں جنوب اور شمال بھی آ گئے۔ کما قال تعالیٰ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اِنَّا لَقَادِرُوْنَ لہٰذا اُسے پورا اختیار ہے کہ جس جہت کو چاہے قبلہ قرار دیدے اور چونکہ معبود وہی ہے اور سب جہات اُسی کے مملوک اور مخلوق ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت کے لئے جس رُخ کا بھی حکم دے اور جس رُخ پر بھی عبادت کرنے سے راضی ہو جائے عبادت گزاروں کے لئے وہی جہت قبلہ ہے۔ کسی کو اس میں اعتراض کا کیا حق ہے وہ کعبہ شریف کو قبلہ مقرر فرمادے تو اُسے پورا اختیار ہے اور بیت المقدس کو قبلہ بنا دے تو اُسے پورا اختیار ہے ان دونوں کے علاوہ اور کسی رُخ پر نماز پڑھنے کی اجازت دے دے تو بھی اُسے اختیار ہے۔

اللہ تعالیٰ تو اس سے بلند اور بالا ہے کہ اس کا جسم ہو یا وہ کسی جہت میں ہو جدھر بھی رُخ کیا جائے اُدھر اللہ کا رُخ ہے۔ یعنی حکم خداوندی اور اذن خداوندی کے مطابق جدھر کو بھی نماز پڑھ لیں گے اُدھر ہی وہ جہت ہوگی جس کی طرف تمہیں رُخ

کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسی طرف نماز پڑھنے میں اسکی رضا ہے (قال فی الروح ای فهناک جهته سبحانه التی أمرتم بها ص ۳۷۵ ج ۱ وفی معالم التنزیل عن مجاهد فی هذه الآیة فثم وجه الله فثم قبلة الله والوجه والوجهة والجهة القبلة وقیل رضا الله تعالیٰ)

۱؎ قال القرطبی فی تفسیره إختلف الناس فی تاویل الوجه المضاف إلی الله تعالیٰ فی القرآن والسنة فقال الحذاق ذلک راجع إلی الوجود والعبارة عنه بالوجه من مجاز الکلام إذکان الوجه أظهر الاعضاء فی الشاهد وأجلّها قدرا' قال ابن عباس الوجه عبارة عنه عزّوجلّ کما قال ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام' وقال بعض الائمة تلک صفة ثابتة بالسمع زائدة علی ما توجبه العقول من صفات القدیم تعالیٰ قال ابن عطیة وضعف أبوالمعالی هذآ القول وهو کذلک ضعیف وانما المراد وجوده وقیل المراد بالوجه هنا الجهة التی وُجهنا إلیها أی القبلة وقیل الوجه المقصد وقیل المعنی وثم رضا الله وثوابه کما قال تعالیٰ انما نطعمکم' لوجه الله أی لرضائه وطلب ثوابه ومنه قوله ﷺ من بنی مسجدًا یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت سفر میں نفل نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے اور اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ رہے تھے۔ سواری جدھر بھی متوجہ ہوتی آپ برابر نماز میں مشغول رہے (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ البقرۃ)

انس بن سیرین کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا جبکہ وہ شام سے آ رہے تھے ہم نے دیکھا کہ مقام عین التمر میں اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے ہیں اور رُخ قبلہ سے ہٹا ہوا ہے جو بائیں جانب کو ہے۔ میں نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپ قبلہ کے رُخ کے علاوہ دوسری طرف کو نماز پڑھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا یہ روایات صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔

آیت کے آخیر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یعنی وہ بندوں پر ان کے دین میں وسعت عطا فرماتا ہے اور ایسی کسی بات کا حکم نہیں دیتا جو انکی طاقت سے باہر ہو بعض حضرات نے فرمایا کہ واسعٌ سے یہ مراد ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کے علم سے باہر ہو۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْماً اور فراء کا قول یہ ہے کہ واسع بمعنی جوّاد اور سخی ہے جس کی عطا ہر ایک کو شامل ہے بعض مفسرین نے اس کا معنی واسع المغفرہ بتایا ہے یعنی کوئی بھی گناہ ایسا نہیں جس کا بخشنا اس کے نزدیک مشکل ہو۔ (من القرطبی ص ۸۴ ج ۲)

روح المعانی ص ۳۶۵ ج ۱ میں ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ) ای محیط بالا شیاء ملکا اور حمة فلهذا وسع علیکم القبلة ولم یضیق علیکم (علیمٌ) بمصالح العباد واعمالهم فی الاماکن

یعنی اللہ تعالیٰ مالکیت کے اعتبار سے یا رحمت کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے اسی لئے اس نے قبلہ کے بارے میں تم پر آسانی فرما دی۔ اور تنگی نہیں فرمائی اور وہ بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور جس جگہ بھی کوئی عمل کریں وہ اس سے باخبر ہے۔ اھ لہٰذا وہ سب کو ثواب عطا فرمائے گا وہ قلوب کے احوال بھی جانتا ہے اگر کسی نے اندھیرے میں اپنے غور و

فکر کے مطابق قبلہ کی معینہ جہت کے خلاف نماز پڑھی لیکن پڑھی اللہ ہی کے لئے اس کا مقصد اطاعت ہی ہے بغاوت نہیں تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اُسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

قبلہ کے مسائل

مسئلہ: استقبال قبلہ نماز کی شرائط میں سے ہے غیر قبلہ کو نماز پڑھے تو نماز نہ ہوگی ہاں اگر کوئی شخص خائف ہے قوی دشمن اسے معینہ قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھنے دیتا تو جس طرف منہ کر کے پڑھ سکتا ہو اسی طرف پڑھ لے اُس وقت یہی اس کا قبلہ ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی ایک فرد یا جماعت کسی جگہ موجود ہوں اور قبلہ میں اشتباہ ہو جائے اور وہاں پر کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے طور پر خوب غور و فکر کرے۔ جس طرف دل ٹھکے ہر شخص اُس طرف کو نماز پڑھ لے۔ اگر غور و فکر کے بعد کسی طرف کو نماز پڑھنی شروع کی اور نماز کے اندر ہی پتہ چل گیا کہ قبلہ دوسری طرف کو ہے۔ تو اسی طرف گھوم جائے۔ پھر سے نماز پڑھنا ضروری نہیں۔

مسئلہ: اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ غلط رُخ پر نماز پڑھی گئی تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: اندھیری رات میں کسی جگہ چند مسلمان موجود ہیں قبلہ کا علم نہیں ہے اُن میں سے ایک شخص امام بن گیا اور امام اور مقتدی سب نے اپنے اپنے غور و فکر سے ایک ایک جہت کو نماز پڑھ لی اور ہر ایک کی جہت مختلف تھی اور مقتدیوں کو یہ علم نہیں کہ امام کا رُخ کدھر ہے تو یہ صحیح ہو جائے گی۔ ہاں اگر کسی کو یہ پتہ ہے کہ امام کا رخ فلاں جانب ہے۔ اور وہ رُخ اس مقتدی کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو اس مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنے امام کو غلطی پر سمجھے ہوئے ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام سے آگے بڑھ گیا یعنی امام کے آگے کھڑا ہو گیا۔ اس طرح سے کہ امام کا چہرہ اُسکی پشت کی طرف ہو۔ تو بھی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ (من الھدایہ باب شروط الصلاۃ)

مسئلہ: جو شخص آبادی سے باہر ہو اور جانور پر سوار ہو وہ چاہے کہ میں نفل نماز پڑھوں تو وہ بیٹھے بیٹھے اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ سواری کا رُخ قبلہ کی جانب نہ ہو جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بعض صحابہؓ کا عمل بحوالہ صحیح مسلم گزر چکا۔

مسئلہ: فرض نماز غیر قبلہ کی طرف رُخ کر کے پڑھی جائے تو صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس صورت میں تحری یعنی غور و فکر کر کے نماز پڑھ لے جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ: ریل میں اور پانی کے جہاز میں نماز آسانی سے قبلہ رُخ ہو کر پڑھی جا سکتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ فرض نماز بھی سفر میں بلا قبلہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے غیر قبلہ کو نماز پڑھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صاحب سفر میں سب معاف ہے۔ یہ اُن کی غلطی ہے۔ اور اُن کا عمل فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ انکی نماز نہیں ہوتی۔

حکمت تعیین قبلہ: کسی خاص جانب کو قبلہ قرار دینا بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ اگر کسی خاص رُخ پر نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا اور ہر شخص کو اختیار ہوتا کہ جدھر کو چاہے رُخ کر کے نماز پڑھ لے تو اس پر تشتت اور انتشار کا مظاہرہ ہوتا اور ایک ہی جانب قبلہ معیّن ہو جانے سے تنظیم اور اتحاد کا جو عملی سبق مل رہا ہے وہ بھی نہ رہتا لہٰذا سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا۔ ہجرت کے بعد ایک سال سے کچھ اوپر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی گئی پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دیا گیا جیسا کہ دوسرے پارے

کے شروع میں قصہ بیان ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے بیت اللہ یا بیت المقدس؛ جس کی طرف بھی حکم خداوندی کے مطابق نماز پڑھی گئی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے۔ کسی جہت یا کسی گھر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے اس جہت یا اس گھر کی عبادت نہیں ہوتی۔ اس سے بُت پرستوں کا یہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو تم بھی تو کعبہ کو نماز پڑھتے ہو۔ کیونکہ مسلمان رُخ کعبہ کرتے ہیں اور عبادت اللہ کی کرتے ہیں اور مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں کہیں سے کہیں تک بھی یہ بات نہیں کہ ہم عبادت اللہ کی کر رہے ہیں اور بتوں کو بطور قبلہ سامنے رکھ رکھا ہے اگر مسلمانوں کی دیکھا دیکھی کہنے بھی لگیں تو یہ اُن کی جھوٹی بات ہوگی۔

فائدہ: بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کے بعد کعبہ شریف میں قبلہ قرار دینے سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ بیت المقدس یا کعبہ شریف میں نماز پڑھنا قبلہ کے طور پر ہے (یعنی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے ان میں سے اللہ تعالیٰ نے جس کو جب چاہا قبلہ قرار دے دیا) وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ چاروں جہات میں سے کوئی جہت قبلہ کے لئے معیّن اور مخصوص نہیں ہے۔ جب کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو قبلہ کی کوئی جہت معین نہ رہی سارے عالم کے مسلمانوں کو کعبہ شریف کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا اور سب اس پر عمل کرتے ہیں تو چاروں جہات کی طرف نمازوں میں رُخ ہو جاتا ہے اس سے فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے بلکہ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کے لئے فرمانبردار ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

وہ بلا مثال کے پیدا فرمانے والا ہے اور جب فیصلہ فرمائے کسی امر کا تو بس یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا، پس ہو جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنیوالوں کی گمراہی

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں پھر فوراً ہی سُبْحَانَهٗ فرما کر انکی تردید کی اور خالق و مالک جل و علیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے کا شرکیہ عقیدہ یہود میں بھی رہا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بناتے تھے۔ اور نصرانیوں کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا (کیا تمہارے رب نے تم کو تو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا۔ بیشک تم بڑی بیجا بات کہتے ہو) اور سورہ زخرف میں فرمایا: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں۔ عورت قرار دے رکھا ہے کیا اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ

دعویٰ لکھ لیا جائے گا اور ان سے باز پرس ہوگی) قرآن مجید میں جگہ جگہ اس عقیدہ کی تردید فرمائی اور سورۃ اخلاص میں واضح طور پر فرمایا ہے۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ (کہ اس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی بھی اس کے برابر نہیں) سورۃ انعام میں فرمایا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان کو خدا نے پیدا کیا اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اسکے کوئی ساتھ والی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے) سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ۝ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا یَنْبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کی ہے۔ تم بہت زیادہ بڑی بات لے کر آئے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اُڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو بندے بنے ہوئے حاضر ہوتے ہیں)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے ایسا کرنا درست نہ تھا اور اُس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لئے ایسا کرنا دُرست نہ تھا اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں (موت دے کر) دوبارہ اُسے زندہ نہ کرونگا جیسا کہ میں نے اُسے شروع میں پیدا کیا اور اُس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ اولاد ہو گیا حالانکہ یہ بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲)

ان آیات سے اور حدیث شریف سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ ناگوار ہے اور یہ بہت بڑا کفر ہے اور بہت بڑا شرک ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حلم نہ ہو اور اُس کا مخلوق کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ ہو تو اس شرک کی وجہ سے آسمان و زمین کے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ گر پڑیں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں

حضرت اُبو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف دینے والی باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے لوگ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ وہ پھر بھی اُنکو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳ از بخاری و مسلم)

تکلیف تو جسم اور جان کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ لیکن لوگوں کی باتیں ایسی ہیں جو

تکلیف دینے والی ہیں۔اور ان سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناگواری اور بیزاری ہے وہ پھر بھی زندہ رکھتا ہے رزق اور عافیت دیتا ہے اور عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔اصحاب دنیا میں کسی ذرا سے صاحب اقتدار کو بھی کوئی ناگواری کی بات کہہ دی جائے تو وہ بہت جلدی سزا دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔پھر فرمایا۔بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ کہ جو بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے۔یہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور مملوک ہے اور سب اس کے بندے ہیں اور سب اس کے فرمانبردار ہیں خالق اور مخلوق کے درمیان اور مالک اور مملوک کے درمیان اور عابد و معبود کے درمیان نسبی کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔رشتہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے لہٰذا خالق تعالیٰ شانہٗ کی کوئی اولاد ہونا ہی محال ہے اس کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے عیب تجویز کرنا ہے۔اور اسکی ذات کو محتاج بتانا ہے اور اس کے لئے برابر کا تجویز کرنا ہے اور وہ ان سب باتوں سے پاک ہے بلند و بالا ہے اس لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کو گالی دینا ہے یعنی اسکی ذات کو ایسی چیز سے متصف کرنا ہے جو اس کے لئے نقص اور عیب کی چیز ہے۔پھر فرمایا۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔الآیۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمایا ہے آسمان اور زمین کا پہلے وجود نہ تھا خداوند قدوس نے ان کو بغیر مثال اور بغیر نمونہ کے پیدا فرمایا اور جو کچھ ان کے اندر ہے وہ بھی پیدا فرمایا اور نظام محکم کا ان کو پابند بنایا سب اس کے حکم تکوینی کے پابند ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے۔وہ صفت انفعال سے متصف نہیں ہے اور جب کسی کے اولاد ہوتی ہے تو اس میں سے اولاد منفصل یعنی جدا ہوتی ہے۔اور یہ سراپا صفت انفعال ہے جس سے اللہ جل شانہٗ منزہ اور پاک ہے اور برتر ہے۔ (من روح المعانی)

پھر فرمایا: وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا) پس اس کا وجود ہو جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا فرمانے کیلئے اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے۔کسی چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ[1] ہی کافی ہے جس طرح اُسے اسباب اور آلات کی ضرورت نہیں اسی طرح معین اور مددگار کی بھی ضرورت نہیں اولاد کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کاموں میں کچھ مدد کرے یا باپ کی موت کے بعد اس کا قائم مقام ہو۔اللہ تعالیٰ شانہٗ ازلی اور ابدی ہے۔اُسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں جو اسکی جگہ قائم مقام ہو اور اسکی قدرت بھی کامل ہے محض اس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ کسی چیز کے پیدا فرمانے کے لئے اللہ جل شانہٗ کن فرما دیتا ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور واقعۃً اللہ تعالیٰ کلمہ کُنْ فرماتے ہیں جس سے اس چیز کا وجود ہو جاتا ہے جس کے وجود میں لانے کے لئے یہ کلمہ فرماتے ہیں۔بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہیں اس کو کیوں کر خطاب کیا جاتا ہے۔اس اشکال کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ خطاب کرنے کے لئے اس چیز کا علم ہونا کافی ہے۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ کن سے لفظ کن مراد نہیں ہے بلکہ یہ مجاز ہے سرعۃ تکوین سے اور جلد سے جلد وجود میں آ جانے سے۔قال صاحب الروح والامر محمول علی حقیقته کما ذهب إليه محققو ساداتنا الحنفية والله تعالیٰ قد اجری سنة فی تکوین

---

[1] فی روح المعانی ای ارادشیأ بقرینة قوله تعالیٰ إنما امره اذا ارادشیئًا وَجاء القضاء علی وجوه ترجع کلها إلی اتمام الشیی قولاً أوفعلا والطلاقه علی الارادة مجاز من استعمال اللفظ المسبب فی السبب فان الایجاد الذی هوا تمام الشیی مسبب عن تعلق الارادة لانه یوجبه.

الاشياء أن يكونها بهذه الكلمة وان لم يمتنع تكوينها بغيرها. والمراد الكلام الازلی لا نه يستحيل قيام اللفظ المرتب بذاته تعالٰی وكثير من أهل السنة إلى أنه ليس المراد به حقيقة الامر والا متثال. وانما هو تمثيل لحصول ما تعلق به الارادة بلا مهلة بطاعة المامور المطيع بلا توقف۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور کہا اُن لوگوں نے جو نہیں جانتے' کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیل' ایسا ہی کہا اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے

قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

تھے انہی جیسی بات' اُن کے دل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے' بلاشبہ ہم نے اُن لوگوں کے لئے دلیلیں بیان کردی ہیں جو یقین لاتے ہیں

جاہلوں کی باتیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا

تفسیر: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ سامنے صریح دلائل اور معجزات ہوتے ہوئے اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور اپنے پاس سے تجویز کر کے نبوت کی دلیلیں طلب کرتے تھے۔ انہیں میں سے ایک یہ مطالبہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود بات کرے تو ہم مانیں' اور کہتے تھے کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ہمارے سامنے آنا چاہئے۔ اس آیت میں بقول بعض مفسرین کے مشرکین عرب کا یہی سوال نقل فرمایا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اگر مشرکین عرب مراد ہوں تو اُن کے بارے میں اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ جو فرمایا ہے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ وہ عموماً ان پڑھ تھے اور کسی کتاب کے حامل بھی نہ تھے اور اگر یہود و نصاریٰ مراد ہوں ان کو لَا يَعْلَمُوْنَ (نہیں جانتے) اس لئے فرمایا کہ انہوں نے جانتے ہوئے انجان ہونے کا کام کیا پھر فرمایا: كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (یعنی ان سے پہلے جو لوگ تھے جنہوں نے کفر و عناد اور سرکشی پر کمر باندھی ہوئی تھی انہوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کہی تھیں ان کے قلوب ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے) کفر و عناد اور سرکشی میں اور انکار حق میں یہ لوگ اور جو اُن سے پہلے تھے ایک ہی جیسے ہو گئے۔

پھر فرمایا قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (بے شک ہم نے دلائل بیان کر دیئے' اُن لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں) تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کو معجزات دیئے گئے۔ وہ انکی نبوت اور رسالت ثابت کرنے کیلئے بالکل کافی و افی تھے۔ اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر بھی بڑے بڑے معجزات اور دلائل واضحہ سامنے آ چکے ہیں۔ منکرین اور معاندین کو تو ماننا ہی نہیں ہے۔ جن کے دلوں میں اتباع حق کا جذبہ ہے اور جو حق سامنے آنے کے بعد حق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور حق کو حق جان کر مان لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں یہ دلائل اُنہیں کے لئے مفید ہوتے ہیں' منکرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جو بھی کوئی معجزہ ان کے سامنے آیا اس کو جادو بتا دیا اور حق کو ٹھکرا دیا۔ جس کو سورت قمر میں یوں بیان فرمایا کہ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (اور اگر معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا) سورۃ انعام میں فرمایا۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ لَّيُؤۡمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَمَا يُشۡعِرُكُمۡ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ (یعنی انہوں نے خوب زوردار قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ہمارے پاس (ایسا) معجزہ آ جائے (جس کی ہم فرمائش کرتے ہیں) تو ہم ضرور ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ سب نشانیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا تم کو اسکی کیا خبر کہ نشانی فرمائش کے مطابق ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اُس وقت بھی ایمان نہ لائیں گے؟)

اپنی طرف سے تجویز کر کے دلائل و معجزات طلب کرنا ایمان لانے کے لئے نہیں ہے بلکہ محض ضد اور عناد مقصود ہے اُسی پر تُلے ہوئے ہیں ایمان و یقین کا ارادہ ہی نہیں رکھتے۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـئَلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری سنانیوالا اور ڈرانے والا اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے

تفسیر: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور آپ کا عہدہ یہ ہے کہ آپ جنت کی بشارت دیں اور دوزخ سے ڈرائیں بشارت میں وہ اعمال بتانا داخل ہے۔ جو دخولِ جنت کا سبب ہیں جن میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے اور ڈرانے کے مفہوم میں ان اعمال سے باخبر کرنا شامل ہے جو دوزخ میں لے جانیوالے ہیں جن میں سب سے بڑی چیز کفر و شرک ہے اور یہ جو فرمایا کہ وَلَا تُسۡئَلُ عَنۡ اَصۡحَابِ الۡجَحِيۡمِ۔ (کہ آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا) اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ مسلمان نہ ہوں آپ اُن کے بارے میں پریشان نہ ہوں آپ اپنا کام کئے جائیں۔ اللہ کا کلام پہنچائیں۔ حق کو واضح طور پر بیان فرما دیں۔ آگے ایمان کو قبول کرنا یا نہ کرنا مخاطبین کی ذمہ داری ہے۔ آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا کہ کافروں نے اسلام کیوں قبول نہ کیا اور وہ دوزخ کے مستحق کیوں ہوئے زبردستی ایمان قبول کرانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کا کام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ کما فی سورة الرعد فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ سورۃ غاشیہ میں فرمایا: وَذَكِّرۡ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ لَّسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ (یعنی آپ حق کی یاد دہانی کرتے رہئے آپ تو مُذَکِّر ہی ہیں (یاد دہانی کرنیوالے آپ کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا) اور سورة قٓ کے آخیر میں فرمایا: نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ يَّخَافُ وَعِيۡدِ۔ (یعنی ہم اُن باتوں کو خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنیوالے نہیں ہیں سو آپ ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت فرماتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہے) قال صاحب الروح والآیة اعتراض لتسلیة الرسول ﷺ یضیق صدره لا صرارهم علی الکفرا (الی ان قال) ای ارسلناک غیر مسئول عن اصحاب الجحیم مالهم لم یؤ منوا بعد ان بلغت ما ارسلت به والزمت الحجّة علیهم

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاریٰ یہاں تک کہ آپ اُن کے دین کا اتباع کر لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت

اللہِ ھُوَ الْھُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے انکی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے

مَالَكَ مِنَ اللہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾

تو نہ ہوگا آپ کے لئے کوئی ولی اور مددگار جو اللہ سے بچادے

یہود ونصارٰی راضی نہیں ہوسکتے جب تک اُنکے دین کا اتباع نہ کیا جائے

تفسیر: تفسیر معالم التنزیل ص ۱۱۰ ج ۱ میں ہے کہ یہود ونصارٰی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپس میں کچھ صلح کرلیں (یعنی بعض چیزوں میں آپ نیچے اُتر جائیں اور کچھ ڈھیل دے دیں تو ہم آپ کا دین قبول کرلیں گے) اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ تفسیر قرطبی ص ۹۳ ج ۲ میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اے محمد ﷺ ان کا اپنے تجویز کردہ دلائل و معجزات کا مطالبہ اس لئے نہیں ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں تو یہ واقعی ایمان لے آئیں گے حقیقۃً بات یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات لے آئیں جن کا یہ سوال کرتے ہیں تب بھی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اپنے دین اسلام کو چھوڑ دیں اور ان کا پورا پورا اتباع کرلیں۔ جب تک آپ ان کے دین کا اتباع نہ کریں گے یہ کبھی آپ سے راضی ہونیوالے نہیں۔

پھر فرمایا: قُلْ اِنَّ ھُدَی اللہِ ھُوَ الْھُدٰی کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط ہے گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی خواہشوں سے مذاہب بنالئے ہیں۔ ان کا دین اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے انکی خواہشوں کا اتباع کیا جبکہ آپ کے پاس علم آچکا ہے آپ اللہ کی گرفت میں آجائیں گے اور اس وقت اللہ کی گرفت سے بچانیوالا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔ (کما فی سورۃ الرعد وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب یا تو حقیقتاً رسول اللہ ﷺ کو ہے اور یا بظاہر آپ کو خطاب کیا ہے اور مراد اس سے آپ کی اُمت ہے اگر پہلی صورت مراد لی جائے تب بھی اس میں اُمت کیلئے تادیب ہے کیونکہ اُمت کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ سے کہیں کم ہے پس جب دوسروں کی خواہشوں کے اتباع سے رسول اللہ ﷺ کا مواخذہ ہوسکتا ہے تو اگر اُمت ایسا کوئی کام کریگی جس میں دوسروں کا اتباع ہو وہ کیونکر مواخذہ سے بچے گی۔

مومن کا کام ہے کہ صرف اپنے خالق اور مالک کو راضی رکھے اور اُسے راضی رکھنے کے ذیل میں جو راضی ہوتا ہو وہ راضی رہے جو ناراض ہوتا ہو وہ ناراض رہے کوئی اپنا ہو یا پرایا خدا کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو راضی کرنے کی کوشش ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔ آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ اپنے اعمال اور لباس اور وضع قطع اور شکل وصورت میں یہود ونصارٰی کا اتباع کئے ہوئے ہیں اور اُن لوگوں کے سامنے اپنے کو حقیر جانتے ہیں انہیں راضی رکھنے کے لئے داڑھی بھی مونڈتے ہیں۔ یورپین لباس بھی پہنتے ہیں عورتوں کو بھی بے پردہ پھراتے ہیں اور غیروں

سے ان کے مصافحہ کراتے ہیں۔ ٹائی لگانے کو فخر سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ دشمنانِ اسلام طعنے دیں گے۔ اور ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ افسوس ہے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوٹ جائے لیکن اہل کفر راضی رہیں اور عزت کی نظر سے دیکھیں چاہے آخرت میں گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب ہی بھگتنا پڑے حالانکہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو سکتے وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب العیاذ باللہ دین اسلام کو چھوڑ کر انکی ملت و مذہب کا اتباع کر لیا جائے۔

ہمیں کافروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہماری عزت اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ ہم مومن موحد ہیں افضل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہمارے لئے اتنا بڑا فخر ہے کہ اس سے بڑا اور فخر نہیں اور یہی ہماری سب کچھ عزت ہے۔ دشمنوں کے اتباع میں دنیا و آخرت کی ذلت ہی ذلت ہے۔ اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا۔ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعاً (کیا اُن کے پاس معزز رہنا چاہتے ہو سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے)

فائدہ: آیت شریفہ میں حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ فرمایا حالانکہ ابتداء آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ملت الگ الگ ہے۔ پھر بھی تثنیہ کا صیغہ نہیں لایا گیا۔ اور یوں نہیں فرمایا کہ آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ انکی ملتوں کا اعتبار نہ کریں۔ اس سے علماء تفسیر نے یہ بات مُستنبط کی ہے کہ کافر اگرچہ مذہبی اعتبار سے اختلاف رکھتے ہوں۔ لیکن کفر میں سب شریک ہیں اس لئے ان سب کی ملت بھی ایک ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملتیں دنیا میں دو ہیں ایک ملت ایمان اور ایک ملت کفر فقہاء نے اس سے میراث کے بعض مسائل ثابت کئے ہیں اور یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ کافروں کی ساری جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں ایک ہی رہیں۔ اور سب کی یہ کوشش ہے کہ اسلام نہ پھیلے اور مسلمان دنیا میں عروج نہ پائیں۔ اسلام کے خلاف جو تدبیریں کرتے ہیں ان میں سبھی کافر مشورے یا مال سے یا دل سے شریک ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض وہ فرقے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور عقائد کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں وہ بھی اسلام دشمنی میں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی تباہ کاری میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو تنبیہ: آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کیلئے ایسی کوئی صورت نہیں کہ کافروں کے ساتھ اپنے دین میں کوئی مداہنت اور مصالحت کر لیں۔ دین اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ بندوں کا تجویز کیا ہوا نہیں ہے۔ بندوں کو کوئی اختیار نہیں کہ کچھ اُونچ نیچ کر کے دینی مسائل اور احکام میں رد و بدل کر کے دشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے کیلئے کوئی راستہ نکالیں۔ دشمنان اسلام یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دین کو بدل دیں کیونکہ انکا دین ان کا اپنا ہی بنایا ہوا ہے۔ اپنی بنائی ہوئی چیز میں ادل بدل کر سکتے ہیں لیکن مسلمان جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے پابند ہیں وہ اپنے دین میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے اگر چند جاہلوں نے مل کر کسی حکم کو بدل بھی دیا تو ان کا یہ عمل کافرانہ ہوگا۔ اور اسلام میں کوئی تبدیلی نہ آئیگی۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اسکی تلاوت کا حق ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو شخص اس پر ایمان نہ لائے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

سو یہ لوگ پوری طرح خسارہ میں ہیں

جن کو کتاب ملی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کا حق ہے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اسکی تلاوت کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ایسی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اُن پر عمل کریں اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اُن کو اختیار نہ کریں اور قرآن کو اسی طرح پڑھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا' اس کے کلمات میں تحریف نہ کریں اور اس کے معانی میں کوئی تبدیلی نہ کریں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس کے محکمات پر عمل کریں اور متشابہات پر ایمان لائیں اور جو کچھ اشکال پیش آئے اس کو اہل علم کے سپرد کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو تلاوت کرتے وقت کسی رحمت والی آیت پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہنچتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (ابن کثیر ص ۱۶۳-۱۶۴ ج ۱)

یہ جو فرمایا کہ اسی طرح تلاوت کریں جیسا کہ نازل ہوا اسی میں تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی داخل ہے سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ عربی ایک مستقل زبان ہے جو ۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔ حروف کے مخارج بھی ہیں اور صفات بھی ہیں۔ مخارج اور صفات کا خیال نہ کرنے سے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ جس سے معانی بھی بدل جاتے ہیں اور بعض مرتبہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ تلاوت کرنیوالے قرآن کو صحیح طریقہ پر مخارج و صفات کی رعایت کے ساتھ پڑھیں اور صحیح ادائیگی کے لئے اصحابِ تجوید سے رجوع کریں۔ علامہ جزری فرماتے ہیں۔

والاخذ بالتجوید حتم لازم' من لم یجوّد القران آثم

لانه به الاله انزلا وهکذا منه الینا وصلا

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں' معلوم ہوا کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی تلاوت اُسی طرح کی جائے جیسا کہ اُسکی تلاوت کا حق ہے اور یہ کہ اسکی لفظی یا معنوی تحریف کرنیوالے اس پر ایمان والے نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥ یعنی جو لوگ اللہ کی کتاب کے منکر ہیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے یہ لوگ بھرپور خسارہ اور نقصان میں ہیں انہوں نے کفر اختیار کیا اور ایمان کے قریب نہ آئے لہٰذا دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اعاذنا الله منها۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو جہانوں پر

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا

فضیلت دی، اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی جان کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

کوئی شفاعت نفع دے گی، اور نہ انکی مدد کی جائے گی

بنی اسرائیل کو نعمتوں کی مکرر یاددہانی

تفسیر: یہ دونوں آیتیں سورۃ بقرہ کے چھٹے رکوع کے شروع میں گزر چکی ہیں۔ دونوں آیتوں میں وہاں ایک طرح کی تمہید تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلائے تھے اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا، اسکے بعد تفصیلی طور پر بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور انکی حرکتوں اور بدعملیوں اور جھوٹی آرزوؤں کا اور بچھڑے کی پرستش کرنے اور جادو کے پیچھے لگنے اور فرشتوں کو اپنا دشمن بتانے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دبی زبان سے رَاعِنَا کہنے اور اسکے بُرے معنی مراد لینے کا اور بعض دیگر اُمور کا تفصیلی بیان ہوا۔ بیان کے ختم پر اب یہاں پھر انہیں دونوں آیتوں کو دہرایا جو بطور تمہید شروع میں مذکور تھیں۔ البتہ دوسری آیت میں ذرا سا لفظی فرق ہے اولاً و آخراً انکو اجمالی طور پر اپنے انعامات یاد دلا کر ایمان اور اعمالِ صالحہ میں لگنے کی طرف متوجہ فرمایا اور قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا اگر انسان اللہ کی نعمتوں کو سامنے رکھے کہ اللہ نے مجھ پر کیا کیا انعامات فرمائے اور اپنے نفس کا محاسبہ بھی کرے کہ میں نے انکے مقابلے میں کیا کیا اور ساتھ ہی فکر آخرت بھی ہو تو ایسا شخص ایمانِ صالحہ سے دور نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہودی ایمان سے بھی گئے اور اعمال صالحہ سے بھی گئے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ

اور جب آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ تو انہوں نے اُن کو پورا کیا۔ ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا اور

ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

میری اولاد میں سے، ان کے رب نے فرمایا کہ میرا عہد ظلم کرنے والوں کو نہ ملے گا

حضرت ابراہیمؑ کا آزمائشوں میں پورا اترنا اور انکی امامت کا اعلان فرمانا

تفسیر: اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا پھر اس میں انکے پورا اُترنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اُن کو چند کلمات کے ذریعہ آزمایا۔

کلمات کی تشریح اور توضیح جن کے ذریعہ آزمایا گیا

ان کلمات سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کرام نے بہت کچھ لکھا ہے کلمات جمع ہے کلمۃ کی اور کلمہ لفظ مفرد بامعنی کو کہا جاتا ہے اور کلام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں کلمات سے احکام شرعیہ مراد ہیں جن کا ابراہیم

علیہ السلام کو مکلّف بنایا گیا تھا۔ جو احکام ان کو دیئے گئے انہوں نے اُن کو پورا کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان احکام کے انجام دینے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرمائی۔ یہاں فرمایا فَاَتَمَّھُنَّ ای قام بھن کلھن یعنی (جتنے بھی احکام) کا حکم دیا گیا اُن کو پورا فرمایا اور سورۃ النجم میں فرمایا: وَاِبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی (اور وہ ابراہیم جس نے احکام کی پوری بجا آوری کی) یہ کون سے احکام تھے جن کا انکو حکم دیا گیا اور وہ اُن پر پوری طرح قائم رہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کئے۔ خود حضرت ابن عباسؓ ہی کے متعدد اقوال ہیں جو تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کا ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مناسک حج کا حکم دیا جس کو انہوں نے پورا فرمایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ طہارت اور نظافت سے متعلق ان کو احکام دیئے تھے اور یہ دس احکام ہیں جن میں پانچ سر کے متعلق اور پانچ باقی جسم سے متعلق ہیں۔ جو سر سے متعلق تھے وہ یہ ہیں۔ (۱) مونچھیں کاٹنا (۲) کلی کرنا (۳) سانس کے ساتھ ناک میں پانی لیکر ناک صاف رکھنا جیسا کہ وضوء اور غسل میں کرتے ہیں۔ احادیث میں اس کو استنشاق سے تعبیر فرمایا ہے۔ (۴) مسواک کرنا (۵) سر کے بالوں میں مانگ نکالنا۔ اور باقی جسم کے احکام یہ ہیں۔ (۶) ناخن کاٹنا (۷) ناف کے نیچے بال صاف کرنا (۸) ختنہ کرنا (۹) بغلوں کے بال اُکھاڑنا (۱۰) پیشاب اور پاخانہ کر کے پانی سے استنجاء کرنا۔ صحیح بخاری (ص ۴۷۳) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں مقام قدوم میں اپنی ختنہ کی، حضرت سعید بن المسیب سے منقول ہے کہ ابراہیم خلیل الرحمٰن سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمان کی مہمان نوازی کی۔ اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی مونچھیں تراشیں اور وہ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جن کے چہرے پر سفید بال نظر آئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ کیا ہے؟ ربّ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے (یعنی متانت اور سنجیدگی کی چیز ہے) اس پر اُنہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا وقار اور بڑھا دیجئے (مؤطا مالک) حضرت ابن عباسؓ سے تیسرا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش فرمائی ان میں سے چھ چیزیں انسان کے اندر ہیں اور چار احکام حج کے متعلق ہیں جسم انسانی کے متعلق چھ عدد یہ ہیں۔ (۱) ناف کے نیچے بال صاف کرنا اور بغلوں کے بال اُکھاڑنا (۲) ختنہ کرنا (۳) ناخن کاٹنا (۴) مونچھیں تراشنا (۵) مسواک کرنا (۶) جمعہ کے دن غسل کرنا، اور باقی چار جو احکام حج سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں (۱) طواف کرنا (۲) صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا (۳) جمرات پر کنکریاں مارنا (۴) طواف زیارت کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ سے چوتھا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جن چیزوں کا حکم دیا اور اُنہوں نے اُن کو پورا کیا وہ تیس چیزیں ہیں اُن میں سے دس سورۂ برآت کی آیت اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ (الی آخر الآیۃ) میں اور دس سورۂ مؤمنون کے اول میں اور سورۃ معارج (کے پہلے رکوع میں) اور دس سورہ احزاب کی آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ میں مذکور ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر ان سب کا شمار اس طرح سے ہے۔ (۱) توبہ کرنا (۲) عبادت کرنا (۳) اللہ کی حمد کرنا (۴) روزہ رکھنا (۵) رکوع کرنا (۶) سجدہ کرنا (۷) امر بالمعروف کرنا (۸) نہی عن المنکر کی انجام دہی کرنا (۹) اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ اس آیت میں نو چیزیں مذکور ہیں۔ لیکن مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ سورۂ براءت میں دس ہیں۔ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے وہ آیت بھی ساتھ ملائی ہوگی جو آیت مذکورہ سے پہلے ہے۔ یعنی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ

لَهُمُ الْجَنَّةَ اس آیت میں قتال اور جہاد مذکور ہے اسکو ملا کر دس صفات ہو جاتی ہیں۔ سورۃ مومنون میں یہ احکام مذکور ہیں۔ (۱) نماز میں خشوع کرنا (۲) لغو سے اعراض کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) شرم کی جگہ کو حرام سے محفوظ رکھنا (۵) اَمانتوں کی نگہداشت رکھنا (۶) عہد کی پابندی کرنا (۷) نمازوں کی پابندی کرنا۔ یہ چیزیں سورۂ مومنون کے پہلے رکوع میں مذکور ہیں۔ سورۂ معارج میں بھی ان چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں یہ چیزیں زائد ہیں۔ (۸) اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا حصہ رکھنا (۹) اپنے رب کے عذاب سے ڈرنا (۱۰) گواہیوں کو ٹھیک ادا کرنا۔

سورۂ احزاب میں یہ چیزیں مذکور ہیں۔ (۱) اسلام کا کام کرنا (۲) دل سے مومن ہونا (۳) فرمانبرداری کرنا (۴) قول و عمل میں سچائی اختیار کرنا (۵) طاعات کی ادائیگی میں اور مصائب کے آنے پر صبر اختیار کرنا۔ (۶) خشوع اختیار کرنا (۷) مال خیرات کرنا (۸) روزہ رکھنا (۹) شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنا۔ (۱۰) بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنا۔ یہ دس چیزیں لیکن اس میں بعض چیزیں وہ ہیں جو سورۂ مومنین کی آیت میں بھی مذکور ہیں۔ اور یہاں اگر خشوع سے مراد مطلق خشوع لیا جائے (نماز میں اور غیر نماز میں) جس کا معنی ہے قلب کا جھکاؤ ہونا تو اس سے خشوع فی الاعمال اور خشوع فی المعاملات بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تکبر اختیار نہ کرے اور قلب و جوارح کو عناد سے اور ہر ایسی چیز سے بچائے جو قلب اور اعضاء جوارح کے جھکاؤ کے خلاف ہو۔ سورۂ براءت میں جو اَلسَّائِحُوْنَ ہے اس کا ترجمہ بھی روزہ دار کا کیا گیا ہے۔ سورۃ احزاب میں بھی الصائمین مذکور ہے۔ لیکن حضرت عطار نے السَّائِحُوْنَ هم طلبة العلم (كما فی معالم التنزیل) اگر ان میں سے کوئی معنی لیا جائے تو مستقل ایک صفت کا ذکر آ جاتا ہے اور تکرار ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچواں قول یہ منقول ہے کہ جن کلمات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا فرمایا اور اُن کو آزمایا وہ یہ ہیں۔ (۱) اپنی قوم سے جدا ہو جانا اور اللہ کے لئے مفارقت اختیار کرنا (۲) نمرود سے اللہ کی توحید کے بارے میں مباحثہ کرنا اور جان کا خطرہ ہوتے ہوئے ایک جابر کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا (۳) پھر آگ میں ڈالا جانا اور اس کے باوجود حق پر قائم رہنا (۴) اپنا وطن چھوڑ کر اللہ کے لئے ہجرت کرنا اور دوسری جگہ (ملک شام چلا جانا) (۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ضیافت کے لئے مامور ہو جانا اور اپنی جان و مال سے اس پر ثابت قدم رہنا (۶) بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہونا پھر اس کے لئے نہ صرف یہ کہ آمادہ ہو جانا بلکہ اس کے گلے پر چھرا پھیر دینا (انہوں نے تو چھری پھیر ہی دی؛ آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی اور بیٹا ذبح نہ ہوا۔ یہ دوسری بات ہے) جب یہ سب کام کر گزرے اور امتحان میں پورے اُتر گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَسْلِمْ (فرمانبردار ہو جاؤ) اُنہوں نے عرض کیا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں) مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ کے یہ اقوال نقل کئے ہیں ہم نے تشریح میں بعض روایات کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور آیات مذکورہ میں جو احکام ہیں انکی تعداد میں جو کلام ہے وہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر نے کلمات کی تفسیر میں حضرت حسن بصری کے اقوال نقل کئے ہیں پھر ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کلمات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیات میں مذکور ہیں۔ حضرت مجاہد سے بھی ایسا ہی منقول ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر مفسر ابن جریر سے نقل فرماتے ہیں کہ کلمات کی تفسیر میں جتنے بھی اقوال ہیں۔ ان میں جو کچھ مذکور ہے کلمات سے یہ سب مراد ہوں یہ بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں

مراد ہوں اور کسی بھی چیز کے بارے میں متعین طریقہ پر اُسی وقت یقین کیا جا سکتا ہے کہ جب کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہو یا اجماع امت ہو لیکن صحیح حدیث یا اجماع سے ان میں سے کوئی چیز کلمات کی تفسیر میں ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت مجاہد نے جو کلمات کی تفسیر کی ہے وہ زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے' لیکن ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تمام اقوال میں جو مذکور ہے ان سب کو مراد لینا زیادہ اقویٰ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت

اس کے بعد ارشاد ہے: قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا) علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام دے کر آزمایا اور اُنہوں نے احکام کی پورے طور پر بجا آوری کر دی تو بطور صلہ اور انعام اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اُن کو لوگوں کا پیشوا بنا دیا۔ اور جن احکام میں اُن کو مبتلا فرمایا تھا اُن کے پورا کروانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے اُنکی پوری طرح تربیت ہو جائے تا کہ وہ امامت کے لائق ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس طرح پیشوا بنایا کہ اوّل تو ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے اور پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے ہیں وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور سب اس بات کے مامور تھے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ حتیٰ کہ نبی عربی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی انکی نسل میں سے تھے اور انکو بھی حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ **کما قال تعالیٰ** ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا گو پوری طرح سے انکی ملت کے احکام اُن کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی ملت میں نہ تھے لیکن اکثر یا بعض احکام انکے بعد کے شرائع میں انکی ملت کے موافق اور مطابق تھے۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت دوامی لی جائے اور اگر یہ مطلب ہو کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے پیشوا تھے تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔ روح المعانی میں دونوں باتیں لکھی ہیں۔ لیکن امامت سے نبوت مراد لینے کی صورت میں کلمات کی تفسیر میں جو بعض باتیں بیان کی گئی ہیں وہ نہیں آ سکتیں جب کہ پیشوا ہونے کا اظہار اتمام کلمات کے بعد مراد ہو کیونکہ لڑکے کا ذبح اور بعض دیگر امور جو کلمات کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں وہ نبوت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ **(ذکرہ فی الروح)**

لیکن ان میں سے جو کوئی ظالم ہوگا وہ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا' مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عہد سے مراد امامت ہے اور متعین طور پر اس سے نبوت مراد ہے اور ظالموں سے کافر مراد ہیں۔ **کما قال تعالیٰ** وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت میں ظالم بھی ہوں گے اور ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی اور نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو نسلی تعلق کی وجہ سے ملتی چلی جائے وہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہا اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا اور جب چاہا سلسلۂ نبوت ختم فرما دیا۔ **قال فی الروح وعبّر عنها بالعهد للا شارة الی انها امانة اللہ تعالیٰ وعهده الذی لا یقوم به الاّمن شاء اللہ تعالیٰ من عباده و آثر النیل علی الجعل ایماءً الی ان امامة الانبیاء من ذریته علیهم السّلام لیست بجعل مستقل بل هی حاصلة فی ضمن امامته تنال کلا منهم فی وقته المقدرله.**

وَ اِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمۡنًا ؕ وَ اتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ
اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن، اور بنا لو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ
وَ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡعٰکِفِیۡنَ
اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع
وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾
اور سجدہ کرنے والوں کے لئے

کعبہ شریف کو مرجع اور جائے امن بنایا

تفسیر: حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ملک شام چلے گئے تھے انکی ایک بیوی حضرت سارہ تھی اور اس سے جو اولاد تھی وہ سب وہیں رہتے تھے۔ دوسری بیوی حضرت ہاجرہ تھی، جن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ان کو اور اُن کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بحکم خدا آپ مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے، جو اسوقت سنسان اور چٹیل میدان تھے جس کا واقعہ ان شاء اللہ سورہ ابراہیم کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہوگا۔ جب اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہوگئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے ذبح کرنے کا حکم ہوا جس کی بجا آوری میں کامیاب ہوگئے۔ نیز دونوں کو کعبہ شریف بنانے کا حکم ہوا۔ دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ بنایا جس کا ذکر ابھی آرہا ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس آیت شریفہ میں کعبہ شریف کو اوّل تو مَثَابَة فرمایا جو ثَابَ یَثُوْبُ سے ظرف کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ، حضرت ابن عباسؓ اور متعدد تابعین سے مروی ہے کہ اسکو مثابہ اس لئے فرمایا کہ لوگ بار بار اس کی طرف آتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں پھر واپس آتے ہیں، اسکی حاضری دینے سے طواف کرنے سے دل نہیں بھرتا۔ دنیا کے مختلف شہروں کے لوگ اس کی طرف بار بار رجوع کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ، قتادہ، اور عطا خراسانی نے اس کا ترجمہ ''مجمع'' سے کیا یعنی جمع ہونے کی جگہ، مآل اس کا بھی وہی ہے جو دوسرے حضرات نے فرمایا۔ کیونکہ جب ہر طرف لوگ آتے ہیں تو وہاں جمع ہونے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے پھر فرمایا وَ اَمۡنًا (کہ ہم نے کعبہ شریف کو امن کی جگہ بنایا) سورۂ آلِ عمران میں فرمایا۔ وَ مَنۡ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا (اور جو شخص اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا) حضرت ابراہیم علیہ السلام بانی کعبہ ہی کے وقت سے کعبہ شریف کی حُرمت ذہنوں میں چلی آرہی ہے۔ درمیان میں مشرکین بھی کعبہ شریف کے متولی رہے ہیں اور وہ بھی اسکی عظمت اور حرمت کے قائل تھے اور سارے عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ یہ امن کی جگہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ آپس میں لڑتے رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر غارت گری کر دیتا تھا اور جنگ کرنا اُن کا ضروری مشغلہ تھا لیکن مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں کوئی قبیلہ حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے سورہ عنکبوت میں اہل مکہ پر اپنا انعام ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ

اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے بنا دیا حرم کو امن کی جگہ اور انکے گردو پیش میں لوگوں کو اُچک لیا جاتا ہے یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں) چونکہ حرم مکہ امن کی جگہ قرار دے دی گئی۔ اس لئے اس میں قتل وقتال جائز نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ تم میں سے کسی کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ مکہ میں ہتھیار ساتھ لئے پھرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے کسی کیلئے اس میں قتال کرنا حلال قرار نہیں دیا گیا اور میرے لئے حلال نہیں کیا گیا مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں پس مکہ معظمہ حرام ہے (یعنی اسکی حرمت برابر قائم ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کیلئے اس کی حرمت باقی رکھی ہے۔ (بخاری)

یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے اس میں تھوڑی دیر کے لئے قتال حلال کیا گیا اس سے فتح مکہ کا دن مراد ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص حرم کے باہر حل میں کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اس کو حرم میں قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ اُٹھا بیٹھا نہ جائے خرید وفروخت نہ کی جائے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آجائے پھر اُسے خارج حرم حل میں قتل کر دیا جائے (رُوح المعانی) حرم مکہ میں جیسا کہ قتل وقتال جائز نہیں ہے اسی طرح سے اس میں شکار کرنا۔ شکار کے جانوروں کو بھگانا دوڑانا بھی ممنوع ہے۔ حرم مکہ سے گھاس اور درخت کاٹنا اور وہاں کے کانٹے کاٹنا بھی ممنوع ہے جس کی تصریح بخاری ومسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ اور کُتب فقہ میں تفصیل لکھی ہے۔ پھر فرمایا: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو) مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے اس بارے میں متعدد اقوال مشہور ہیں اور معتمد قول یہ ہے جسے عام مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (اور احادیث شریفہ سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ) اس سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف تعمیر فرماتے تھے یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام اینٹیں اور چونہ وغیرہ دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے لیکر تعمیر فرماتے تھے۔ جب کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو جس جانب کعبہ شریف کا دروازہ ہے اس طرف دیوار سے ملا ہوا اُس کو چھوڑ دیا۔ سالہا سال وہ وہیں تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اُسی جگہ رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی وہیں تھا پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے وہاں سے ہٹا کر اس جگہ رکھ دیا جہاں اب ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیلاب آ گیا تھا جو اس کو بہا کر لے گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے لیکر وہاں رکھ دیا جہاں اب حضرات صحابہ کے سامنے اسکی جگہ بدلی' کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اور ساری اُمت نے اس کا ایک جگہ ہونا تسلیم کر لیا جہاں حضرت عمرؓ نے رکھ دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کے طریقے پر چلنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ (علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین) اور اُن کے بارے میں یہ بھی فرمایا: اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر و عمر (رواہ الترمذی) (یعنی میرے بعد اُن کا اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابوبکر وعمر) اور اسکو پہلی جگہ سے ہٹانے میں حکمت بھی ہے کیونکہ اب طواف کرنیوالوں اور طواف کی رکعتیں پڑھنے والوں کی زیادہ کثرت ہے اگر اپنی جگہ ہوتا اور طواف کرنے والے اسی کے پیچھے طواف کی رکعتیں پڑھتے تو طواف کرنے والوں کو کعبہ شریف کے قریب سے گزرنے کا راستہ نہ ملتا۔ ایک زمانہ تک مقام ابراہیم ایک چار دیواری کے اندر تھا جو

مسقف تھی اور قفل پڑا رہتا تھا۔ موجودہ حکومت نے وہ مسقف عمارت ختم کر کے مقامِ ابراہیم کو بلوری شیشہ میں رکھ دیا ہے۔ باہر سے مقام ابراہیم دکھائی دیتا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات صاف نظر آتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے (ص ۳۹۵ ج ۱) کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ تلاوت فرمائے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى اور وہاں دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقامِ ابراہیم کو اپنے اور کعبہ شریف کے درمیان کرلیا۔ ان دو رکعتوں میں سورۂ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور سُورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے تو اچھا تھا تو اس پر آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى نازل ہوئی (صحیح بخاری) طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے۔ انکو مسجد حرام میں کسی بھی جگہ پڑھ سکتے ہیں لیکن مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔

بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم

پھر فرمایا: وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (اور ہم نے حکم بھیجا ابراہیم اور اسماعیل کی طرف کہ پاک کرو میرے گھر کو طواف کرنیوالوں کیلئے اور وہاں کے مقیمین کے لئے اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کیلئے) اس میں کعبہ شریف کو پاک رکھنے کا حکم ہے اور کعبہ شریف کے ساتھ مسجد حرام کے پاک رکھنے کا بھی حکم ہو گیا کیونکہ طواف اور نماز کی ادائیگی اس میں ہوتی ہے۔ اور پاک کرنے میں سب کچھ داخل ہے۔ باطنی ناپاکی شرک و کفر اور بُت پرستی ہے اور گندی باتوں سے جھوٹ سے فریب سے بد عملی سے اور ظاہری ناپاکی سے اسے پاک رکھیں۔ طواف ایک ایسی عبادت ہے جو صرف مسجد حرام ہی میں ہو سکتی ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ آیت شریفہ میں جو لفظ اَلْعٰكِفِيْنَ آیا ہے اسکے بارے میں حضرت سعد بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مکہ معظمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو عاکفین میں شمار ہو گئے۔ اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مسجد حرام میں اعتکاف کریں۔ کیونکہ لفظ عکوف اُن پر بھی صادق آتا ہے۔ اور اَلرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ (رکوع اور سجدہ کرنیوالے) سے نمازی مراد ہیں۔ مسجد حرام میں جس قدر بھی طواف اور نماز کا اہتمام ہو سکے غنیمت جانے ان دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

طواف کا ثواب

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس گھر کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگائے اور ٹھیک طرح سے شمار کیا اُسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہو گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ طواف کرنے والا جو بھی قدم رکھے گا اور اُٹھائے گا تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ معاف فرما دیں گے اور ایک نیکی اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیں گے۔

مسجد حرام میں نماز کا ثواب

مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک

نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ہزار نمازوں سے افضل ہے مگر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے (کیونکہ اس کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہے) مسجد حرام میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔
(رواہ احمد وابن ماجہ باسنادین صحیحین کمافی الترغیب للحافظ المنذری ص ۲۱۴ ج ۲)

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهٗٓ

ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص کفر اختیار کریگا سو میں اسے تھوڑا سا نفع پہنچاؤں گا۔ پھر اُسے دوزخ

إِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

کے عذاب کی طرف جبراً پہنچاؤں گا۔ اور وہ بری جگہ ہے

اہل مکہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے اللہ جل شانہٗ سے درخواست کی کہ اس کو امن والا شہر بنا دیجئے' اللہ جل شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کو "بلد امین" قرار دیا جس کے متعلق بعض احکام گذشتہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اس شہر کے رہنے والوں کو جو بھی ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو رزق دیا جائے جو طرح طرح کے پھلوں سے ہو۔ چونکہ انہوں نے پہلے لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ۔ کا اعلان سُن لیا تھا اس لئے دعا میں اہل ایمان کی تخصیص کر دی اور عرض کیا پھلوں کا انعام اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو دیا جائے' چونکہ اللہ تعالیٰ دنیا سبھی کو دیتے ہیں اور رزق دنیاوی مومن اور کافر سبھی کو ملتا ہے اس لئے اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہوا کہ رزق تو سبھی کو ملے گا اس میں ایمان والوں کی تخصیص نہیں ہے مومن اور کافر سبھی کھائیں گے لیکن آخرت کا رزق صرف مومنین کے لئے مخصوص ہے کافروں کو بھی دنیا میں رزق ملتا رہے گا۔ جتنی جس کی زندگی ہوگی اتنے دن دنیا میں اپنا رزق کھا سکے گا۔ اور دُنیا میں جتنی بھی بڑی زندگی ہو آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی ہی سی ہے۔ اہل کفر دنیا میں کھا پی لیں گے دنیا سے نفع اٹھا لیں گے لیکن آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں وہاں اُن کو دوزخ جانے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔ اور دوزخ کے عذاب سے انہیں کسی بھی طرح اور کبھی بھی کوئی چھٹکارا نہ ملے گا۔ اور دوزخ بہت بُری عذاب کی جگہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں جب تک اللہ نے چاہا اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ پھر اہل مکہ مشرک ہو گئے۔ کعبہ شریف تک میں اُنہوں نے بُت رکھ لئے اور لات وعزّٰی اور منات کی پوجا کرنے لگے۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہو جاتی کہ جو اہل ایمان ہیں انہیں رزق ملے تو اہل مکہ نے جب کُفر اختیار کیا تھا اُسی وقت سے پھلوں سے محروم ہو جاتے لیکن اللہ جل شانہٗ نے اہل مکہ کو ہمیشہ رزق دیا مومنوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔

مکہ معظّمہ میں دنیا بھر کے پھل

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ایسی قبول فرمائی کہ دنیا بھر سے مکہ معظّمہ میں پھل آتے ہیں اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج وزائرین سب کھاتے ہیں اور ان سے منتفع اور متمتع ہوتے ہیں۔ سورۂ قصص میں فرمایا: اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا ہم نے اُن کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن اُن میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)

مکہ معظّمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز شاداب علاقہ ہے ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظّمہ پہنچتے رہے ہیں اور دنیا کے تمام اطراف واکناف سے مکہ معظّمہ میں طرح طرح کے پھل آ رہے ہیں۔ شاید دنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظّمہ نہ پہنچا ہو بعض حضرات کا یہ فرمانا ہے کہ ثمرات کے عموم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے۔ مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے نہ شجرکاری ہے اور نہ صنعت کاری لیکن پھر بھی اس میں دُنیا بھر کی ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

مدینہ منورہ کیلئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ معظّمہ کے لئے دعاء کی تھی اور حضرت حبیب اللہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کیلئے دعاء کی (صحیح مسلم) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب پہلا پھل آتا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے تھے آپ اُسے لے کر یوں دعا کرتے تھے اے اللہ تو ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت دے اور ہمارے لئے ہمارے شہر میں برکت دے اور ہمارے لئے ہمارے ''صاع'' میں برکت دے اور ہمارے لئے ہمارے ''مُد'' میں برکت دے (صاع اور مُد اُس زمانہ کے پیمانے تھے) اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں تیرا بندہ تیرا نبی ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے آپ سے مکہ کیلئے دعا کی تھی اور میں آپ سے مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں جو کچھ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے مانگا میں اُسی قدر اور اُس کیساتھ اُس جیسا مزید آپ سے طلب کرتا ہوں اسکے بعد اپنے کسی سب سے چھوٹے بچہ کو بُلا کر وہ پھل دیدیتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی۔ اللهم اجعل بالمدينة ضعفى ما بمكة من البركة (اے اللہ مدینہ میں اُس سے دوگنی برکت کردے جو مکہ میں ہے) صحیح مسلم

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی مقبول مدینہ منورہ میں بھی پورے عالم سے طرح طرح کے ثمرات ومصنوعات ومنتجات کھنچ کر آتے ہیں اور کھلی آنکھوں مکہ معظّمہ سے دوچند برکات دیکھنے میں آتی ہیں۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ

اور جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اور اسمٰعیل بھی اے ہمارے رب قبول فرمالے ہم سے بے شک تو ہی خوب سُننے والا

الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا

جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور بنادے ہم کو تو اپنا فرمانبردار اور بنادے ہماری اولاد میں سے ایک اُمت جو تیری فرمانبردار ہو اور ہمیں بتادے

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾

ہمارے حج کے احکام اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا کعبہ شریف تعمیر کرنا

تفسیر: کعبہ شریف پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفانِ نوح کی وجہ سے اسکی دیواریں مسمار ہوگئیں اور عمارت کا ظاہری پتہ تک نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اور کعبہ بنایا (کما ذکرہ الازرقی) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو متعین کر کے اس کی جگہ بتا دی گئی جس کا ذکر سورہ حج کی آیت کریمہ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ میں فرمایا ہے۔ بنائے ابراہیمی میں حطیم کا حصہ کعبہ شریف میں داخل تھا قریش مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے جب کعبہ شریف بنایا۔ تو ان کے پاس خرچہ پُورا نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ دیا جسے حطیم کہا جاتا ہے اس حصہ میں میزابِ رحمت کا پانی گرتا ہے اور نصف قد کے برابر دیواریں بنی ہوئی ہیں اس پر چھت نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں کعبہ شریف کو توڑ دیتا اور اُسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنا دیتا اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا اور حجر یعنی حطیم کو اس میں داخل کر دیتا دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے دو دروازے بنا دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کعبہ شریف اُسی حال میں رہنے دیا جس طرح قریش مکہ نے بنایا تھا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قواعد ابراہیمیہ پر بنا دیا تھا اور حطیم کو کعبہ شریف میں داخل کر دیا تھا اور دروازے بنا دیئے تھے ایک داخل ہونے کا ایک خارج ہونے کا اور بالکل زمین کے برابر کر دیا تھا اندر جانے کے لئے زینہ کی ضرورت نہ تھی پھر حجاج بن یوسف نے اُسی طرح بنا دیا جیسا قریش نے بنایا تھا' حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حجاج کے بعد ہارون الرشید بادشاہ نے پوچھا کہ ہم پھر سے اُسی طرح بنا دیں جیسا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بنایا تھا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اس کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنایئے جو بھی آئے گا اسے توڑا کرے گا۔ اور بنایا کرے گا۔ اس طرح سے لوگوں کے دلوں سے اسکی ہیبت جاتی رہے گی (ذکرہ النووی فی شرح مسلم ص ۴۲۹ ج ۱) صحیح بخاری ص ۴۷۶ ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے' کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری مدد کرنا' عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کرونگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤ اور ایک اُونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا اس کے بعد دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھانا شروع کیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ تعمیر کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب دیواریں اُونچی ہوگئیں تو یہ پتھر (یعنی مقام ابراہیم) لے آئے جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے۔ یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا حضرت اسمٰعیلؑ ان کو پتھر دیتے تھے

اور دونوں یہ دعا کرتے جاتے تھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بات کس قدر ذہن میں بٹھانے کے لائق ہے کہ اللہ کے دو پیارے اللہ کے دونوں پیغمبر خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہما السلام اللہ کا گھر اللہ کے حکم سے بنا رہے ہیں۔ اُن کے اخلاص میں ذرا بھی شبہ نہیں پھر بھی وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یُوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم نے قبول فرمائیے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی مخلص ہو اور کیسا ہی عمل صالح کرے اُسے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دُعا کرتے رہنا چاہئے اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں خود پسندی اور عجب نفس میں مبتلا نہ ہو جائے درحقیقت اہل اخلاص کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کرتے جاتے ہیں اور ڈرتے جاتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل قبول ہوتا ہے۔ یا نہیں۔؟ کما قال الله تبارک وتعالٰی وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُھُمْ وَجِلَةٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ ہ (مفسر ابن کثیر ص ۱۷۵ ج ۱) نے بحوالہ ابن ابی حاتم وہیب بن الورد سے نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے آیت یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ (الآیۃ) پڑھی پھر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے رحمٰن کے دوست آپ بیت الرحمٰن کی بنیادیں اُٹھا رہے ہیں اور اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ قبول نہ ہو، حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا بھی کی کہ اے ہمارے رب تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک اُمت بنا دے جو تیری فرمانبردار ہو، اس میں اوّل تو وہی خوف وخشیت والی بات کا مظاہرہ کیا کہ مسلم اور فرمانبردار ہوتے ہوئے بھی اپنے بارے میں دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فرمانبردار ہی رکھے مومن کو چاہئے کہ ڈرتا رہے اور ایمان واسلام کی دولت کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر گزار رہے اور اس کو محض اللہ کی توفیق سمجھتے اور اس نعمت کے بقا اور دوام کی دعا کرتا رہے۔

اُمت مسلمہ کے لئے دعاء اور اسکی قبولیت:

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اپنی ذرّیت میں سے اُمت مسلمہ کے پیدا ہونے کی دعا بھی کی مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ ارشاد خداوندی لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اُن کی ساری ذرّیت مومن نہ ہوگی اس لئے اُنہوں نے یوں عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہماری ذریت میں سے اُمت مسلمہ بنا دینا بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ اس سے عرب مراد ہیں، جو حضرت اسمٰعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن بندوں کو اپنے دین و ایمان کی فکر رکھتے ہوئے اپنی نسل اور ذرّیت کے دین ایمان کے لئے بھی فکر مند ہونا چاہئے اور یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ ہماری نسل میں موحدین، مومنین، مخلصین، متقین باقی رہیں۔ سُورۃ فرقان میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا دے) اور سورۂ تحریم میں فرمایا ہے۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (اے ایمان والو بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے) اہل وعیال کے دین وایمان کے لئے دعاء بھی کرنا چاہئے اور فکر بھی کرنا چاہئے۔

مناسک حج جاننے کے لئے دعاء

کعبہ شریف بناتے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے یہ دُعا بھی کی کہ اے اللہ ہمیں مناسک

یعنی احکام حج سکھا دے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر مکمل کر دی تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اُن کے ہاتھ پکڑ کر صفا اور مروہ پر لے گئے کہ یہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں پھر اُن کو منیٰ لے گئے' پھر مزدلفہ میں لے گئے اور فرمایا یہ المشعر الحرام ہے۔ پھر اُن کو عرفات میں لے گئے اور اُن کو احکام حج سکھا دیئے۔ جب عرفات میں لے گئے تو پوچھا کہ میں نے جو کچھ تم کو بتایا ہے تم نے پہچان لیا اور تین بار پوچھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں پہچان لیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت جبریل علیہ السلام نے حج کا طریقہ اور حج کے احکام بتائے انہوں نے حج کا اعلان عام کر دیا جس کا ذکر سورۂ حج میں ان الفاظ میں ہے **وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ** (اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو) ان کے بعد موحدین برابر حج کرتے رہے اور ان کے حجوں میں توحید کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ جب ان ہی کی نسل اور ذریت میں مشرکین پیدا ہو گئے اور وہی کعبہ شریف کے متولی بنے تو ان لوگوں نے حج میں شرک کی آمیزش کر دی اور حج کے احکام بدل دیئے' حج کا مہینہ بھی بدل دیتے تھے۔ عرفات ہی میں نہیں جاتے تھے۔ مزدلفہ سے واپس آ جاتے تھے۔ بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرتے تھے جب حضور اقدس ﷺ نے مکہ فتح کیا اور مکہ سے مشرکین کا تسلط ختم ہوا تو آپ نے اعلان کروا دیا کہ آئندہ کوئی شخص بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے اور کوئی مشرک حج نہ کرے۔ پھر آپ نے ۹ھ میں حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں اور اُس میں پوری طرح حج کے احکام سکھائے اور بتائے اور حکم فرمایا کہ **خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ** (یعنی تم مجھ سے احکام حج سیکھ لو) اور فرمایا: **قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم علیہ السلام**۔ (کہ تم لوگ انہیں جگہوں میں وقوف کرو جو پُرانی جگہیں معروف ہیں کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر ہو)۔ (رواہ الترمذی وأبوداؤد والنسائی وابن ماجہ کمافی مشکوٰۃ ص ۲۲۸)

جس کسی کو بھی حج یا عمرہ کرنا ہو اُس کو لازم ہے کہ حج اور عمرہ کے احکام معلوم کرے۔ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ حج اور عمرہ کے لئے چل دیتے ہیں اور ذرا بھی انکے احکام معلوم نہیں کرتے تلبیہ تک نہیں جانتے' فرائض و واجبات تک چھوڑ دیتے ہیں اور جب کوئی عالم بتانے لگتا ہے تو اس کا بتانا ناگوار ہوتا ہے۔ **نعوذ باللہ من الجھل والسفاھہ والحمق والضلالۃ**۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
اے ہمارے رب اور بھیج دے اُن میں ایک رسول اُن میں سے' جو تلاوت کرے اُن پر تیری آیات' اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت'
وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾
اور اُن کا تزکیہ کرے' بے شک تو ہی عزیز ہے' حکیم ہے

اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجنے کی درخواست اور اسکی مقبولیت

تفسیر: اس آیت میں بھی حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دُعا کا تذکرہ ہے کعبہ شریف بناتے ہوئے جو دعائیں ان دونوں حضرات نے کی تھیں ان میں سے ایک یہ دُعا بھی ہے کہا اے ہمارے رب ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما اس رسول سے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں جو عربی بھی تھے اور مکی بھی اور حضرت ابراہیم و

حضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کی نسل میں سے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے سب انہی کی نسل میں سے تھے۔ اور حضرت سرورِ عالم خاتم النبیین ﷺ کے علاوہ سب بنی اسحٰق تھے اور صرف آپ ہی بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے (ص ۱۸۴ ج ۱) مسند امام احمد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کا ابتدائی تذکرہ اولاً کیسے شروع ہوا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے جو خواب دیکھا کہ اُن کے اندر سے ایک نور نکلا ہے جس نے شام کے محلات کو روشن کردیا۔ میں اس خواب کا مظہر ہوں یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے بھی ص ۵۱۳ شرح السنہ سے نقل کیا ہے اس میں یوں ہے کہ میں اپنی والدہ کے خواب کا مظہر ہوں جنہوں نے وضع حمل کے وقت دیکھا تھا اُن کے لئے ایک نور روشن ہوا جس سے شام کے محل روشن ہوگئے۔ حدیث نقل کر کے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مطلب یہ کہ سب سے پہلے جنہوں نے میرا تذکرہ کیا اور لوگوں میں مجھے مشہور کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ تذکرہ دُعا کی صورت میں تھا۔ ذکر مشہور ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے جو آخری نبی تھے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہوں نے آپ کا نام لیکر بشارت دی۔ اور بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا: يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗ اَحْمَدُ (کہ اے بنی اسرائیل بلاشبہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں۔ میرے سامنے جو توراۃ ہے اسکی تصدیق کرنے والا ہوں۔ اور ایک ایسے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا)

زمانہ حمل میں آپ کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنا خواب اپنی قوم کو سنایا۔ جو لوگوں میں مشہور ہوگیا اور یہ آپکی تشریف آوری کے لئے ایک بہت بڑی تمہید تھی۔

آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا جن کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی تھی۔ آپ کا نام احمد بھی ہے اور محمد بھی۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت ختم فرمادی اور سارے عالم کے انسانوں کے لئے رہتی دنیا تک آپ کو نبی اور رسول بنا کر بھیج دیا اور سورۃ احزاب میں آپکے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمادیا۔ اور آپ نے لا نبیّ بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور ختم بی النبیون (مجھ پر نبیوں کی آمد ختم ہوگئی) اور انّ الرسالة والنبّوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبیّ (بلاشبہ نبوت ختم ہوگئی اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی ہے) (سنن ترمذی)

اعلان فرمایا:- آپ کی نبوت اور رسالت عامہ کا اعلان فرمانے کے لئے سورۃ اعراف میں یوں ارشاد فرمایا: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں)۔

جس رسول کے آنے کی دُعا کی اسکی صفات

حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے اپنی نسل میں سے جس رسول کے مبعوث ہونے کے لئے دعا کی تھی اسکی صفات میں يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ فرمایا تھا۔ سورۃ آلِ عمران (ع ۱۸) میں بھی آپ کی یہ صفات مذکور ہیں اور سورۃ جمعہ میں بھی آپ کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد فرمائے تھے۔ آپ نے ان کو پوری طرح سے انجام دیا۔

تلاوتِ کتاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں سورۃ بقرہ میں اوّل تو یہ فرمایا کہ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ کہ وہ نبی لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی اس کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا اور سُننا اور سُنانا تلاوت کرنا صحیح طریقہ پر ادا کرنا بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ بہت سے جاہل جو تلاوت کا انکار کرتے ہیں اور بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ کلامِ الٰہی کا مرتبہ اور مقام نہیں سمجھتے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کو لوگوں کے آپس کے خطوط پر اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر قیاس کرتے ہیں۔ اور اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ قرآن کے معانی اور مفاہیم کا سمجھنا کافی ہے۔ اس کا پڑھنا اور یاد کرنا ضروری نہیں (العیاذ باللہ) یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید کے الفاظ کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ صحیفوں پر اعتماد کئے بغیر سینوں میں یاد رکھنا لازم ہے تاکہ اگر مطبوعہ مصاحف (العیاذ باللہ) معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن شریف اپنی تمام قراءتوں کے ساتھ محفوظ رہ سکے۔

تلاوت قرآن کے فضائل

نیز قرآن مجید کی تلاوت میں بہت بڑا ثواب ہے' سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے پڑھے تلاوت پر اجر عظیم ملتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جسے قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کر لیا میں اُسے اُس سے افضل عطیہ دوں گا جو مانگنے والوں کو دوں گا۔ اور کلام اللہ کی فضیلت دوسرے تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس گنی ہو کر ملتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (صرف الٓمّٓ کا تلفظ کرنے سے تیس نیکیاں مل جائیں گی) (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح) معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کو طوطے کی طرح رٹنے سے تشبیہ دینا سخت گمراہی ہے۔ جس کی تلاوت کرنے سے ہر حَرف پر ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کی دس نیکیاں بن جاتی ہوں اُسکی تلاوت طوطے کی طرح رٹنی لگانے کے برابر کیسے ہوئی۔ دَر حقیقت قرآن کی تلاوت مُستقل کام ہے اس کے الفاظ کو محفوظ رکھنا مستقل ذمہ داری ہے اور اسکی تفسیر کو صحابہ اور تابعین کے طریقے پر محفوظ رکھنا اور بیان کرنا مُستقل کام ہے۔ اور اس کے معانی مفاہیم کو سمجھنا اور اس سے احکام کا استنباط کرنا مستقل عمل ہے۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں امت انکی مکلف ہے۔

جو لوگ اس پر زور دیتے ہیں کہ الفاظ کے پڑھنے اور یاد رکھنے کی ضرورت نہیں یہ لوگ نصاریٰ اور یہود سے بھی عبرت نہیں لیتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں کے الفاظ کو محفوظ نہ رکھا تو اپنی کتابوں سے محروم ہو گئے۔ ان کی کتابوں کے ترجمے تو دنیا کی زبان میں ملتے ہیں مگر اصل کتاب مفقود ہے۔ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اُس کے میلان کے لئے ان کے پاس اصل کتاب نہیں ہے اور یہیں سے اُن کے یہاں تحریف کا راستہ بھی نکل آیا۔ جب اصل کتاب موجود نہیں تو جس کا جو جی چاہے ترجمہ کر سکتا ہے۔

مسجد نبوی (ﷺ) میں ایک صاحب سے احقر کی ملاقات ہوئی اور اُنہوں نے کہا کہ میں نے اپنے بچّہ کو قرآن مجید

حفظ کرنے میں لگایا ہے لیکن میرے ایک اُستاد آئے تھے اُنہوں نے کہا کہ اب قرآن حفظ کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن مجید کمپیوٹر میں آ گیا ہے۔ احقر نے اُن سے کہا کہ تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لئے کیا کمپیوٹر محرابوں میں رکھ دیا جائے گا؟ اور دنیا بھر کے دیہات میں ایک ایک گاؤں میں پانچ چھ سات مسجدیں ہیں کیا گاؤں والے ہر مسجد کے لئے کمپیوٹر خریدیں گے اور کمپیوٹر سیکھنے کے لئے اپنے دیہاتی آدمیوں کو سکھانے والوں کے پاس بھیجیں گے؟ حفظ کی ضرورت صرف اس لئے نہیں ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ فلانی آیت کس سُورت میں ہے اور پوری آیت کس طرح سے ہے۔ قرآن کا تلاوت کرنا اور سننا اور سُنانا اپنی زبان اور کانوں کو اس میں مشغول رکھنا بہت بڑا عمل صالح ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف کو نہیں جانتے اور ایمانی تقاضوں سے ناواقف ہوتے ہیں وہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی باتوں سے متاثر ہو کر الفاظِ قرآنیہ سے محروم ہونے کا سبق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو ایمان کی سمجھ دے اور اہل شر کے شر سے بچائے۔

کتاب اور حکمت کی تعلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا کام ذکر کرتے ہوئے **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فریضہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سمجھائیں۔ عربی زبان جاننا قرآن کے سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اور سورۂ حضرات صحابۂ کرام نے سیکھی پھر اُن سے تابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین سے ہوتے ہوئے اُمت تک پہنچی۔ سُورۂ نحل میں فرمایا: **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ** (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ بیان کریں جو انکی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا) آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تھوڑی بہت عربی جان کر قرآن شریف کے معانی اور مفاہیم اپنی طرف سے بتانے لگے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تفسیر سے بے نیاز ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں اور گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی سے کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا خط ہے۔ جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور رسول کی حیثیت محض ایک ڈاکیے کی ہے۔ ڈاکیے کا کام خط پہنچا دینا ہے۔ خط پڑھ کر سنانا۔ سمجھانا اس کا کام نہیں۔ قرآن مجید نے تو اپنے بارے میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کا خط ہے جو مخلوق کی طرف آیا ہے اس کو خود ہی سمجھ لینا اور اس کے لانے والے سے مت سمجھنا' بلکہ قرآن نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا بتایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان سے نکال کر قرآن سمجھنا کفر کی دعوت اور اشاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمت مرحومہ کو ان لوگوں کے فریب سے محفوظ فرمائے۔

آیت شریفہ میں الکتاب اور الحکمۃ دو لفظ مذکور ہیں اور دونوں کی تعلیم دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے فرائض میں شمار فرمایا ہے مفسر بغوی معالم التنزیل (ص ۱۱۶ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ الکتاب سے قرآن مجید مُراد ہے اور الحکمت سے مجاہد کی تفسیر کے مطابق فہم القرآن مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے احکام قضا مراد لئے ہیں۔ اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر العلم والعمل سے کی ہے۔ صاحب روح المعانی نے بعض مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

الحکمۃ سے کتاب اللہ کے حقائق ودقائق اور وہ سب چیزیں مراد ہیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے۔اس صورت میں تعلیم کتاب سے مراد اُس کے الفاظ سمجھانا اور اسکی کیفیت ادا بیان کرنا مراد ہے اور تعلیم الحکمۃ سے اس کا معانی اور اسرار اور جو کچھ اس میں ہے اس سے واقف کرانا مراد ہے اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر یوں کی ہے۔ما تکمل به النفوس من المعارف و الاحکام یعنی وہ تمام معارف اور احکام جن سے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے حکمت سے وہ سب مراد ہیں۔

درحقیقت حکمت کے جو معانی حضرات مفسرین نے بتائے ہیں وہ ایک دوسرے کے معارض اور منافی نہیں ہیں مجموعی حیثیت سے اُن سب کو مراد لیا جا سکتا ہے۔

تزکیہ نفوس: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا فرض منصبی وَیُزَکِّیهِمْ بیان فرمایا لفظ یُزَکِّیْ تزکیہ سے مضارع کا صیغہ ہے۔ تزکیہ لغت میں پاک صاف کرنے کو کہتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف کتاب اللہ کا پڑھا دینا اور سمجھا دینا ہی نہیں دیا بلکہ نفوس کا تزکیہ بھی آپ کے فرض منصبی میں داخل تھا۔یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ میں تحلیة النفوس بالفضائل اور یزکیهم میں تخلیة النفوس عن الرذائل کا ذکر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید خداوندی سے آراستہ کیا اور کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کیا۔ایمان اور یقین دیا۔شک سے بچایا۔گناہوں کی گندگی سے دور کیا۔نفوس کے رذائل دور کئے۔ اخلاق عالیہ اور اعمالِ صالحہ بتائے اور عمل کر کے دکھایا۔گناہوں کی تفصیل بتائی ان کے اثرات ظاہرہ باطنہ دنیویہ اُخرویہ سے باخبر فرمایا۔نیکیوں کی تفصیلی فہرست بتائی اور اُن کے منافع دنیویہ واُخرویہ سے مطلع فرمایا حسد، بخل، کینہ، تکبر، حرص، لالچ، حبّ جاہ کی مذمت فرمائی۔حب فی اللہ اور تواضع اور فروتنی، صلہ رحمی، سخاوت، ضعیف کی مدد، بڑوں کی خدمت، یتیم کیساتھ رحمدلی، تقویٰ، اخلاص، اکرام اہل ایمان، نرمی، حسن الجوار، غصہ پی جانا وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دی۔انسان کو انسان بنایا حیوانیت اور بہیمیت سے بچایا۔آپ نے فرمایا ہے کہ بعثت لا تمم حسن الاخلاق (کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں) (رواہ مالک فی المؤطا)

نفوس کا تزکیہ صرف زبانی طور پر بتا دینے سے نہیں ہو جاتا اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے لئے انسانوں ہی میں سے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے تاکہ وہ عملی طور پر ان کا تزکیہ کر سکیں اور تاکہ اُنکی صحبت سے انسانوں کے نفوس خیر کی طرف پلٹ سکیں اور اعمال صالحہ کے خوگر ہو جائیں اور نفوس کی شرارتوں کو سمجھ سکیں اور اُن سے بچ سکیں سورۂ توبہ میں ارشاد ہے۔یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اس آیت شریفہ میں سچوں کے ساتھ ہونے کی تعلیم فرمائی ہے جو لوگ اپنے اخلاص اور عمل میں سچے ہیں ان کے ساتھ رہنے سے طبیعت اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتی ہے اور نفس وشیطان کی مکاریوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے پھر ان کا توڑ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔جس کسی کی صحبت اختیار کرے پہلے دیکھ لے کہ وہ متبع سُنّت ہے یا نہیں؟ اس میں فکر آخرت کتنی ہے؟ اور حب دنیا اور جلب زر کے لئے تو مرشد بن کر نہیں بیٹھا، جس کسی کو متبع سُنّت اور آخرت کا فکر مند پائے اس کی صحبت اُٹھائے، مال وجاہ کا حریص مصلح اور مُرشد نہیں ہو سکتا اس کی صحبت میں رہنا زہر قاتل ہے۔

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کریگا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے اُن کو منتخب کر لیا دُنیا میں،

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ

اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں، جب فرمایا اُن کے رب نے کہ فرمانبردار ہو جا، تو اُنہوں نے عرض کیا کہ میں رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

ملت ابراہیمی سے وہی اعراض کرے گا جو احمق ہو

تفسیر: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت میں توحید الٰہی پر جینے اور مرنے کا حکم ہے اور شرک سے بیزاری ہے۔ ظاہری باطنی نظافت اور طہارت ہے، مہمانی ہے، قربانی ہے، اللہ کی عبادت ہے اور فرمانبرداری ہے۔ انابت اِلی اللہ ہے صحیح انسانیت کی تعلیم ہے اُن کی ملت کا اتباع کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجئے جو باطل دینوں کو چھوڑ کر حق ہی کی راہ پر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمل اتمام کلمات، اور اُن کو لوگوں کا پیشوا بنانے کے اعلان، اور ان کے کعبہ بنانے، اور قبولیت کی دعائیں کرنے، اور اپنی نسل میں سے نبی آخر الزماں کی بعثت کی دعا مانگنے کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ ملت ابراہیمی سے وہی شخص بے رغبت ہو سکتا ہے اور اُن کی ملت سے وہی روگردانی کر سکتا ہے جو عقل سے کورا ہو اور جس نے اپنے نفس کو بالکل ہی احمق بنا دیا ہو، کوئی سلیم الفطرت عقل مند انسان اُن کی ملت سے انکاری نہیں ہو سکتا۔

ملت ابراہیم اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے داعی ہیں۔ جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک، بُت پرست، بے حیا، بے شرم، بداخلاق، بداعمال، دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنیوالے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں اور جسقدر بھی دنیاوی قبائح اور خراب کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیم سے ہٹے ہوئے ہیں گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں اور دوسرے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ بھی حماقت ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ (الآیۃ) مسلمین اہل المعاصی کی حماقت ان لوگوں کی حماقت سے بہت زیادہ کم ہے جو کفر و شرک پر جمے ہوئے ہیں اور ملت ابراہیمی کو قبول کرنے کو بالکل تیار نہیں ہیں۔

یہ بتانے کے بعد کہ ابراہیم کی ملت سے وہی روگردانی کریگا جس نے اپنی جان کو بے وقوف بنا دیا ہو یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا اور برگزیدہ بنا لیا۔ دنیا میں انکی فضیلت اور برتری سب پر ظاہر ہے سب قومیں اُن کی فضیلت کی قائل ہیں اور اُن کے بعد جو بھی کوئی نبی آیا ہے انہیں کی نسل اور ذریت میں سے آیا ہے اور سب ان کو مانتے ہیں اور اُن سے عقیدت رکھتے ہیں۔ اُن کو دشمن نے آگ میں ڈالا، اللہ تعالیٰ نے وہ آگ اُن کے لئے گلزار بنا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے کعبہ تعمیر کرایا اس وقت سے لے کر آج تک کعبہ شریف کا حج ہوتا ہے۔ اور اُن کو جو مناسک حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتائے

تھے۔اُن پر برابر عمل ہو رہا ہے۔انہوں نے جو بیٹے کی قربانی کی تھی اس قربانی کے اتباع میں کروڑوں قربانیاں ہر سال پورے عالم میں ہوتی ہیں۔درودابراہیمی میں اُن کا ذکر ہے اُمت محمدیہ جس کا نام اُنہوں نے مسلمین رکھا تھا (کمافی سورۃ الحج) وہ اُن کی ملت کی اتباع کرنیوالی ہے اور اُن کی یادگار ہے۔ پھر فرمایا: وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے) ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ ثابت قدم صاحب استقامت اور خیر اور صلاح سے متصف ہونیوالوں میں شمار ہوں گے۔وہاں بھی اُن کی رفعت ہوگی جیسا کہ دنیا میں انکی فضیلت مشہور و معروف ہوئی۔صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں۔ ای المشهود لهم بالثبات على الاستقامة والخير والصلاح اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

وذلک من حيث المعنى دليل مبين لكون الراغب عن ملة ابراهيم سفيها اذالاصطفاء والعز فى الدنياغاية المطالب الدنيوية والصلاح جامع للكمالات الاخر وية و لا مقصد للانسان الغير السفيه سوى خير الدارين.

یعنی ان کی خیر وصلاح اور ثبات علی الاستقامۃ میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ جو شخص ملت ابراہیمی سے منحرف ہو اوہ واقعی بیوقوف ہے۔اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ بننا اور معزز ہونا دُنیاوی مطلوبات کا آخری مقام ہے اور صلاح کمالات اُخرویہ کو جامع ہے۔اور سمجھ دار آدمی کے لئے دونوں جہاں کی خیر سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں (ناسمجھ یعنی بیوقوف ہی ان مقاصد عالیہ سے مُنحرف ہو سکتا ہے)

اسلام کا معنی اور مفہوم

پھر فرمایا: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یعنی جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ فرمانبردار ہو جا تو انہوں نے عرض کیا میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں)

لفظ اسلام کا مادہ سین۔لام۔میم ہے۔جب یہ مادہ باب افعال میں مستعمل ہوتا ہے تو حکم ماننے فرمانبرداری کرنے اور حکم کے سامنے جھک جانے اور ظاہر و باطن سے فرمانبردار ہو جانے پر دلالت کرتا ہے اس کا صیغہ اسم فاعل مُسلم ہے۔ جس کی جمع مسلمون اور مسلمین ہے۔اللہ جل شانہٗ خالق اور مالک ہیں سب اس کے بندے ہیں۔بندہ اپنے خالق کا فرمانبردار ہو اس سے بڑھ کر اسکی کوئی سعادت نہیں ہے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا کرتے جارہے تھے۔رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو اُن لوگوں سے بنادے جو تیرے فرمانبردار ہیں) اور ساتھ ہی یہ بھی دعا کی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (کہ ہماری ذرّیت میں سے بھی ایک اُمت مسلمہ بنادے) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ اپنے رب کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاؤ تو اُنہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے رب کا فرمانبردار ہوں۔فرمانبردار تو وہ تھے ہی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنے کے لئے حکم ہوا اور انہوں نے ہمیشہ فرمانبردار رہنے کا اقرار کیا اور یہ بتادیا کہ میں ہمیشہ کے لئے اپنے رب کا فرمانبردار ہوں لفظ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہہ کر یہ بات ظاہر کردی کہ چونکہ وہ رب العالمین ہے اس لئے اسکی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہی لازم ہے جو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کریگا وہ اپنے مخلوق ہونے کا فرض منصبی ادا کریگا۔سورۃ انعام میں فرمایا۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ

عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ . سورۃ آل عمران میں فرمایا۔ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (کیا اللہ کے دین کے سوا دوسرا دین چاہتے ہیں حالانکہ اس کے لئے سب فرمانبرداری کے ساتھ جھکے ہوئے ہیں جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور سب اُس کی طرف لوٹیں گے) ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت کریں۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام امتحانات میں کامیاب ہوئے ہر مرحلہ سے گزرتے گئے۔ اور اطاعت و فرمانبرداری ہی کو اختیار کئے رہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا یہ مقصد تھا کہ وہ سارے انسانوں کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی فرمانبرداری کی طرف بلائیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین اسلام تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانیں اور شرک سے بیزار ہوں اور احکام الٰہیہ کی تعمیل کریں اور ہر طرح سے فرمانبردار رہوں۔ گو احکام فرعیہ میں اختلاف بھی رہا۔ لیکن اصول میں سب متحد اور متفق تھے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الانبیاء اخوۃ من علات وامھاتھم شتی ودینھم واحد (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۵۰۹)

اُن کی اپنی اپنی زبانوں میں اس دین کیلئے جو بھی لفظ اختیار کیا گیا ہو ہمارے رسول حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عربی تھے اور ان پر کتاب بھی عربی میں نازل ہوئی اس لئے لفظی اور معنوی طور پر اُن کے دین کا نام اسلام ہی ہے اور یہ لفظ جہاں فرمانبرداری کے معنی دیتا ہے وہاں اپنے مادہ کے اعتبار سے اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حقیقی سلامتی دین اسلام ہی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا اُس میں تحریر فرمایا تھا۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ (تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا) (صحیح بخاری ص ۵ ج ۱)

حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے جو اُمت مسلمہ کے لئے دعا کی اسکی قبولیت کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ اُمت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ وجود میں آ گئی اور اس امت کے اعیان و اشخاص و افراد کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ''مسلمین'' رکھ دیا تھا (حیث قال فی دعائہ امۃ مسلمۃ لک)

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا نام اسلام ہے دعوت بھی فرمانبرداری کی ہے۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو دین کے اعتبار سے تمہارے لئے پسند کر لیا) اور فرمایا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (کہ بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) اور فرمایا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (اور جو اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہو گا) پس مسلمانوں کا دین لفظاً و معنی سراپا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ زندگی کے آخری لمحات تک فرمانبردار رہنے کا حکم ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت میں مت مرنا معلوم ہو گیا کہ مسلمان کا کام بس یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے۔ بغیر چوں چرا اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل پیرا ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے کیونکہ رسول اللہ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے (مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ) بہت سے لوگ اپنے دعوٰی میں تو مسلمان ہیں لیکن دل سے مسلمان نہیں۔ وہ اپنی عقل سے اسلام کی

12

باتوں کو رد کرتے ہیں اور دشمنانِ اسلام کی صحبتوں سے متاثر ہو کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اسلام کو اپنے نظریات کے تابع بنانا چاہتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ حقائق ایمانیہ کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام والے نہیں (اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں) ایسے لوگ ملت ابراہیمہ سے منحرف ہیں۔

دین اسلام کے علاوہ ہر دین مردود ہے

شاید کوئی ناسمجھ یہ اعتراض کرے کہ جب خالق و مالک کی فرمانبرداری ہی مطلوب ہے تو دین اسلام قبول کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ جس دین پر بھی کوئی شخص ہو اور اس دین میں رہتے ہوئے (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے تو مقصود حاصل ہو گیا اور وہ مستحق نجات ہو گا اس جاہلانہ سوال کا جواب یہ ہے کہ خالق و مالک نے اُسی کو فرمانبردار قرار دیا ہے جو اُس کے بھیجے ہوئے دین کے مطابق اسکی فرمانبرداری کرے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے زمانہ میں آتے رہے ان پر ایمان لانا فرض تھا اور اُن کی کتابوں اور صحیفوں پر بھی ایمان لانا فرض تھا اور قیامت پر ایمان لانا بھی اُن تفصیلات کے ساتھ فرض تھا جو انہوں نے بتائیں اللہ کے کسی نبی سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے۔ کسی بھی نبی کا انکار اور اللہ کی کسی کتاب کا انکار کفر ہے' کفر سب سے بڑی نافرمانی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت اور کوئی فرمانبرداری معتبر نہیں سب سے آخر میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول ﷺ تشریف لائے۔ آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لانا ہر انسان پر فرض ہے جو شخص آپ کے لائے ہوئے دین سے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سے اور آپ کی نبوت اور رسالت سے منحرف ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کا باغی اور نافرمان ہو گا۔ لہٰذا اس کی نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں۔ اس بارے میں آیاتِ قرآنیہ ہم گذشتہ صفحہ پر پیش کر چکے ہیں۔

اسلام کے علاوہ دنیا میں جتنے مذاہب ہیں۔ کفر تو ان سبھی میں ہے اور اُن میں اکثر مشرکین میں اور بہت بڑی بھاری تعداد میں وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ یہ سب کیسے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو سکتے ہیں؟ پھر ان لوگوں میں بے شرمی' بے حیائی' سود خوری' رشوت ستانی' اور زناکاری اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ یہ کسی بھی طرح فرمانبرداری کے دائرہ میں نہیں آسکتے ہندوؤں اور بدھسٹوں کے پیشوا تو لنگوٹی باندھے ہوئے عام مخلوق کے سامنے آجاتے ہیں یورپ اور امریکہ کے لوگ اور اُن کی تقلید کرنے والے جہاں کہیں بھی ہیں حتیٰ کہ ان کے مذہبی مقتدا اور سیاسی زعما بداعمالی اور بدکرداری میں لت پت ہیں۔ ان لوگوں کو خداوند قدوس کی فرمانبرداری سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ جس قوم میں زناکاری عام ہو اور اُن کے عقیدہ میں اتوار کے دن چرچ میں پوپ کے معاف کر دینے سے گناہ معاف ہو جاتے ہوں اور چھوٹے پوپ کے گناہ بڑا پوپ معاف کر دیتا ہو وہ خداوند قدوس کے حکم کے فرمانبردار نہیں ہو سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور انجیل شریف کی تحریف کی اور حضرت محمد رسول ﷺ پر نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ آپ کی ذات گرامی پر اعتراضات کئے اور کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خداوند قدوس کے نافرمان اور سراپا نافرمان ہیں ان میں جو کوئی شخص راہب ہے اور اپنے خیال میں خداوند قدوس کی عبادت کرتا ہے اسکی رہبانیت اور عبادت سب بیکار ہے اور ضائع ہے' بھسم ہے اور راکھ کا ڈھیر ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا

اور ملت ابراہیمیہ کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی' اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے منتخب فرمایا ہے تمہارے لئے اس دین کو'

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ

سو ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم دین اسلام پر ہو۔ کیا تم حاضر تھے جس وقت آنے لگی یعقوب کو موت، جبکہ اُنہوں نے اپنے بیٹوں

لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ

سے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد اُنہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اسمٰعیل

وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

اور اسحٰق کے معبود کی، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں

ملت ابراہیمی کی وصیت

تفسیر: یعنی ملت ابراہیمیہ کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے اپنے بیٹوں کو۔ اور اُنہوں نے فرمایا کہ اے بیٹو! تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمیہ کو منتخب فرما دیا ہے۔ جس میں اخلاص ہے اور احکام الٰہیہ کا انقیاد ہے اور سراپا فرمانبرداری ہے۔ اس دین کو کبھی بھی مت چھوڑنا، مرتے وقت تک اور زندگی کے آخری لحات تک اسی پر قائم رہنا کہ تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو۔ علامہ واحدی اسباب النزول میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یعقوبؑ نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ تم یہودیت پر قائم رہنا اُن کی اس بات کی تردید میں آیت بالا نازل ہوئی کہ تم لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف یہ بات کیسے منسوب کرتے ہو کہ اُنہوں نے موت کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی کیا تم اُن کی موت کے وقت ان کے پاس موجود تھے؟ اُن کی موت کے سینکڑوں سال بعد تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی جن کے دین کو تم یہودیت سے تعبیر کرتے ہو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بھی صدیاں گزر گئیں۔

اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی تمہارے پاس تمہارے دعویٰ کی نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی گواہ ہے اور یہودیت ان کے زمانہ میں تھی بھی نہیں پھر اُنہوں نے بیٹوں کو کیسے اسکی وصیت کر دی؟ اُنہوں نے تو توحید کی وصیت کی جس پر ملت ابراہیمیہ مشتمل ہے اور جو ملت ابراہیمیہ کا رکن اعظم ہے اُن کے بیٹے سراپا مطیع اور فرمانبردار تھے اور توحید خالص اُن کا دین تھا جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو ان سب نے جواب میں کہا کہ ہم اسی ذات پاک کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود اور آپ کے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق علیہم السلام کا معبود ہے۔ اور معبود صرف وہی ایک ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں اور طاعت گزار ہیں اور ہم اسی دین پر رہیں گے اور مریں گے در حقیقت جب عصبیت جاہلیہ کسی فرد یا قوم یا جماعت کے دلوں میں جگہ پکڑ لے تو حق اور ناحق کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور ایسے لوگ صرف اپنے نفسانی عقائد و اعمال کے پیچھے چلتے ہیں تدبر اور تفکر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کہاں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق علیہم السلام کا دین جو توحید الٰہی پر مشتمل تھا اور جس میں سراپا خداوند قدوس کی فرمانبرداری تھی اور کہاں یہودیوں کا وہ دین جس پر وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جس میں حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ابن اللہ

ہونے کا عقیدہ بھی تھا اور جس میں حق کا چھپانا بھی تھا اور جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور توریت شریف کی تحریف اور رشوت خوری اور سود خوری تھی جو آج تک بھی یہودیوں کے اندر باقی ہے۔

فائدہ: (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے اسمٰعیل اور دوسرے اسحٰق تھے اور یعقوب اسحٰق کے بیٹے تھے۔ اسمٰعیل یعقوب کے والد نہ تھے پھر بھی اُنکے آباء کے عموم میں شامل فرمایا' مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ چچا پر بھی باپ کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ تفسیر روح المعانی میں مصنف ابن ابی شیبہ سے حدیث مرفوع نقل کی ہے۔ **واحفظوا نی فی العباس فانه بقية آبائي** (ص ۳۵۱ ج ۱) کہ تم عباسؓ کے بارے میں میرے تعلقات کی حفاظت کرو کیونکہ وہ میرے آباء کا بقیہ ہیں۔

فائدہ: (۲) حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی وصیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو جہاں اپنے دین کے لئے فکر مند ہونا ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے لئے اس بات کا فکر مند ہو کہ وہ توحید پر قائم رہیں اور دین اسلام پر جئیں۔ اور ہمیشہ اللہ کے فرمانبردار رہیں برخلاف اس کے اپنی اولاد کو ایسے ممالک میں بھیجنا یا لے جانا جہاں وہ دین خداوندی پر باقی نہ رہ سکیں یا ایسی درسگاہوں میں ان کو علم پڑھانا جہاں وہ اپنے دین کو کھو بیٹھیں یہ اُن کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ جو لوگ اپنے نماز روزے کا خیال کرتے ہیں اور اولاد کو کفر اور فسق و فجور کے ماحول میں دھکیل دیتے ہیں اور وہ اس ماحول کو ان کے لئے تقدم اور ترقی سمجھتے ہیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا
وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی' ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا' اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا' اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا
يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾
جو وہ کیا کرتے تھے

یہودیوں کے اس غرور کا جواب کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں

تفسیر: یہودیوں کو اس بات پر بہت غرور تھا اور اب بھی ہے کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور ان کے نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے ہم عذاب سے بچ جائیں گے اس آیت میں صاف صاف اس بات کی تصریح فرما دی کہ وہ حضرات اپنے اپنے عقائد اور اعمال لیکر دنیا سے چلے گئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے ساتھ ہے ان کے اعمال صالحہ ان کے کام آئیں گے اور تم نے جو کچھ کیا وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال میں سے کوئی حصہ تمہیں نہ ملے گا دوسروں کے اعمال کی وجہ سے خواہ مخواہ آس لگائے بیٹھے ہو جبکہ یہ آس اور اُمید قانون خداوندی کے خلاف ہے۔ تم اپنے عقائد اور اعمال اور کفر و ایمان کو دیکھو تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے پھر بھی نجات کی اُمید لگائے ہوئے ہو۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے وہ حضرات سابقین جن سے تم انتساب رکھتے ہو ان کے اعمال کی تم سے پوچھ تک نہ ہوگی اور نہ اُن کا ذکر تمہارے سامنے آئے گا ان کے اعمال کا تمہیں نفع پہنچنا تو دور کی بات ہے۔

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ میں بھی بہت بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو سید زادے پیر زادے ہونے پر گھمنڈ کئے

ہوئے ہیں تارک فرائض ہیں۔ مرتکب منہیات ومحرمات ہیں بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کی نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے اور بہت سے جعلی جھوٹے دنیادار پیروں نے اپنے عوام کو یہ دھوکہ دے رکھا ہے۔ کہ تم ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوگے جس نے ہم سے بیعت کرلی بس وہ بخشا بخشایا ہے یہ سب فریب ہے گمراہی ہے قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (صحیح بخاری) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو اور اپنے اعزہ واقرباء کو پکارا سب کو حق کی دعوت دی اور عمومی اور خصوصی خطاب فرمایا اس خطاب میں یہ بھی تھا کہ اے عباس بن عبدالمطلب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا' اور اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور فاطمہ بنت محمد ﷺ تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ اپنا دین وایمان اور عمل صالح اللہ کے ہاں کام آئے گا۔ جو مومن نہ ہوگا اس کو میری رشتہ داری کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ جب آنحضرت ﷺ نے اپنی رشتہ داری کے بارے میں ایسا فرمادیا تو دوسروں کی کیا مجال ہے کہ وہ نسب کی بنیاد پر بخشے جانے کی اُمید رکھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **من بطأ به عمله لم يُسرع به نسبه** یعنی جس کا عمل دیر لگائے گا اُس کا نسب جلدی کر کے آگے نہیں بڑھا دے گا۔ ص ۳۴۵

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ

اور انہوں نے کہا کہ ہوجاؤ یہودی یا نصرانی تم ہدایت پاجاؤ گے آپ فرمایئے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو پوری طرح حق ہی کی طرف تھے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ

اور مشرکین میں سے نہ تھے' تم لوگ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر بھی جو اس نے نازل کیا ہماری طرف' اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ

اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب پر' اور اُن کی اولاد پر' اور اُس پر بھی جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو کچھ عطا کیا گیا دیگر

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں

اللہ کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم

تفسیر: تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن اسحاق وابن جریر وغیرہما حضرت ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن صوریا اعور (یہودی) نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہدایت صرف وہی ہے جس پر ہم ہیں لہٰذا تم ہمارا اتباع کرو۔ ہدایت پاجاؤ گے۔ اور نصاریٰ نے بھی اسی طرح کی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا (الآیۃ) نازل فرمائی۔ (ص ۱۴۰ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے دین کو ہدایت بتایا اور اسکی دعوت دی اور نصاریٰ نے اپنے دین کو ہدایت بتایا اور اسکی دعوت دی اللہ جل شانہٗ نے انکی تردید فرمائی کہ تم ہدایت پر نہیں ہو تم اپنے اپنے دین کو چھوڑو اور ابراہیم حنیف کے

دین کو اختیار کرو جس کے داعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے دین کا عالم اور شارح اور داعی آپ کے سوا کوئی نہیں ہے اُن کے دین میں توحید ہے حق پر استقامت ہے۔ قربانی ہے ایثار ہے۔ اخلاص ہے اور تم میں سے کوئی بھی ملت ابراہیمی کا متبع نہیں ہے۔ دین حق میں اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض ہے کہ اُسکی ساری کتابوں اور اس کے سارے نبیوں پر ایمان لایا جائے اور ایمان لانے میں کوئی تفریق نہ کی جائے۔ اگر کسی ایک نبی کو بھی نبی نہ مانا تو سب کی تکذیب لازم آئے گی۔ اس صورت میں ہدایت پر ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو نہیں مانا اور یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا قرآن کو نہیں مانا پھر ہدایت پر کیسے ہو سکتے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی وصف لفظ حنیفاً میں بیان فرمایا اور یہ قرآن مجید میں کئی جگہ ان کے حق میں استعمال ہوا ہے اس کا مادہ ح۔ ن۔ ف ہے امام راغب لکھتے ہیں: **الحنف هو الميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو المائل إلى ذلك** (ص ۱۳۳) یعنی حنف یہ ہے کہ گمراہی سے ہٹتے ہوئے حق پر استقامت ہو۔ اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے۔ تفسیر در منثور ص ۱۴۰ ج ۱ میں مسند احمد اور الادب المفرد (للبخاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا **الحنيفية السمحة** یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دُشواری نہیں ہے (اس سے دین اسلام مراد ہے)

حنیفاً کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت بیان فرمائی یعنی **وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** اُن کی یہ صفت دوسری آیات میں بھی ان الفاظ میں مذکور ہے۔ اس میں صاف اور واضح طور پر بتا دیا کہ ابراہیم علیہ السلام مُشرک نہیں تھے۔ جو بھی کوئی جماعت یا فرد مشرک ہوگا وہ دین ابراہیم پر نہیں ہو سکتا مشرکین مکہ بھی اس بات کے مُدعی تھے کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں۔ اُن کے اندر ختنہ کرنا، حج کرنا اور مہمان نوازی کرنا باقی تھا۔ لیکن ساتھ ہی مشرک بھی تھے۔ حج کے تلبیہ میں بھی شرک کے الفاظ بڑھا رکھے تھے اور کعبہ شریف میں بُت بھر رکھے تھے اور یہود و نصاریٰ نے بھی شرک اختیار کر رکھا ہے۔ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ ملت ابراہیم کا اتباع کرو اور اُن کی ملت میں سب سے پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ توحید کے اقراری ہوں اور شرک کے انکاری ہوں۔

مذکورہ بالا آیت میں لفظ **الاسباط** جو آیا ہے یہ سبط کی جمع ہے اس سے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد مُراد ہے۔ ان میں سب تو نبی نہیں تھے لیکن ایک بڑی تعداد میں اُن میں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اسی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّالَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ** (ذکرہ حکایۃ عن موسیٰ علیہ السلام فی سورۃ المائدۃ)

مفسرین لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد بجز سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے بھی نبی آئے سب انہی کی اولاد میں سے تھے اور وہ حضرت اسحٰق کے بیٹے تھے (صلوات اللہ علیہم اجمعین) امت محمدیہ الحمد للہ اللہ کے تمام نبیوں پر اور اسکی ساری کتابوں پر ایمان رکھتی ہے سب کا ادب سے نام لیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی عصبیت نہیں ہے۔ باوجودیکہ یہود و نصاریٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے جا باتیں کرتے ہیں لیکن مسلمان کبھی بھی اُلٹ کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شان میں کوئی ناروا کلمہ نہ کہتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں اگر ایسا کریں گے تو ان کا ایمان جاتا رہے گا۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ

سو اگر وہ ایمان لے آئیں ان چیزوں پر جن[1] پر تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو بس وہ مخالفت ہی میں لگے ہوئے ہیں۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ ﴿۱۳۷﴾

پس عنقریب اللہ آپ کی طرف سے اُن کے لئے کافی ہوگا اور وہ سمیع ہے علیم ہے

اگر دشمنان دین اسلام نہ لائیں تو وہ مخالفت ہی پر تلے ہوئے ہیں

تفسیر: اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور حضور اقدس ﷺ کو تسلی بھی ہے ارشاد ہے کہ اپنے اپنے دین کو ہدایت پر بتانے والے اگر اسی طرح کے مومن ہو جائیں جسطرح کے تم مومن ہو اور اُن سب چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ اعراض کریں اور اس ایمان سے رُوگردانی کریں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے اور جسے تم پیش کرتے ہو تو سمجھ لو کہ ان کو خواہ مخواہ کی ضد ہے حق قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور انہوں نے حق کی مخالفت پر کمر باندھی ہوئی ہے تھوڑا سا موقعہ ان کو مل رہا ہے اے نبی اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری طرف سے کفایت فرمائے گا اور اُن کے شر اور مکر و کید سے مستقل طریقہ پر تمہیں چھٹکارا اور خلاصی دے گا۔ وہ ذلیل ہوں گے خوار ہوں گے دنیا و آخرت کی سزا میں مبتلا ہوں گے اللہ تعالیٰ سمیع ہے وہ ان کی سب باتیں سنتا ہے اور علیم بھی ہے جو اُن کی سب باتوں کو جانتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور وہ کون ہے جس کا رنگ دینا اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے سے اچھا ہو اور ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے

تفسیر: علامہ واحدی نے اسباب النزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نصاریٰ کا یہ طریقہ تھا کہ جب اُن کا کوئی بچہ سات دن کا ہو جاتا تھا تو اُسے پانی میں رنگ دیتے تھے اور اس بات کو معمودی کہتے تھے۔ مقصد اُن کا یہ تھا کہ اس طرح سے اُسے پاک کر دیں۔ اور (چونکہ ختنہ نہیں کرتے تھے) اس لئے کہتے تھے کہ یہ عمل ختنہ کی جگہ ہے جس سے طہارت حاصل ہو گئی جب یہ کام کر لیتے تھے تو سمجھتے تھے کہ اب پکا نصرانی ہو گیا۔ اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور بتا دیا کہ صحیح رنگ وہی ہے جس رنگ میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کو رنگ دیا۔ اصل رنگ ایمان کا رنگ ہے اور اعمال صالحہ کا رنگ اور اللہ کے علاوہ وہ کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے کی حالت سے اچھی ہو۔ حاصل یہ ہے کہ مومن بندے اعلان کر دیں کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان رچا دیا اور اعمال صالحہ سے ہم کو آراستہ فرما دیا۔ ایمان اور اعمال صالحہ

[1] ترجمہ علی ان "مثل" زائدۃ کما فی تفسیر الجلالین ۱۲ قال صاحب معالم التنزیل ای بما اٰمنتم بہ و کذلک کان یقرء ھا ابن عباس والمثل صلۃ کقولہ تعالیٰ لیس کمثلہ شئ ای لیس ھو کشئ وقیل معناہ فان آمنوا بجمیع ما آمنتم بہ أی اتوبایمان کایمانھکم و توحید کتوحید کم' وقیل معناہ فان امنو مثل ما آمنتم والباء زائدۃ

پر ہم کو جو استقامت بخشی ہے ہمارا رنگ یہی ہے اور ہم اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ہم ایمان اور اعمال صالحہ کے رنگ کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں اس سے اچھا کوئی رنگ نہیں اللہ نے ہمیں رنگ دیا ہے اور ہم اسی رنگ میں خوش ہیں۔ ہم اللہ کی توحید پر جیتے اور مرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ صاحب تفسیر جلالین فرماتے ہیں' **صبغة الله مصدر مؤكد بامنا ونصبه بفعل مقدر أى صبغنا الله والمراد بها دينه الذى فطر الناس عليها لظهور أثره على صاحبه كالصبغ.**

نصرانی معمودی کے نام کے پانی میں رنگنے سے اپنے بچوں کو اپنے باطل خیال میں پاک کرتے تھے اور اب بھی جس کو نصرانی بناتے ہیں بتسمیہ دیتے ہیں اور خاص پانی میں نہلاتے ہیں' کفر کے ساتھ باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا' ظاہری پانی تطہیر باطن کا کام دینے والا نہیں ہے۔ آیت شریفہ میں مؤمنین کو ایمان پر استقامت کا حکم بھی ہو گیا اور نصاریٰ کی تردید بھی ہو گئی۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

آپ فرمائیے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۙ﴿۱۳۹﴾

اور ہم اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص والے ہیں

اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

تفسیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ یہود ونصاریٰ سے فرما دیں کہ تم ہم سے اللہ کے دین کے بارے میں جو حجت بازی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جو دین اللہ کو پسند ہے وہ یہودیت اور نصرانیت ہے۔ تمہارا یہ کہنا اور اپنے خیال کے مطابق جنت میں داخل ہونے کے خواب دیکھنا غلط ہے۔ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سب کو اُسے راضی کرنے کیلئے فکرمند ہونا لازم ہے اور اُس نے جس دین اور جس ملت کو جس زمانہ میں ذریعہ نجات بنا دیا اُسی کو اختیار کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے عرب میں سے ایک نبی کو چن لیا۔ اس نبی پر ایمان لانا فرض ہے تم ایمان نہیں لاتے اور ہم سے جھگڑتے ہو۔ ہم سے جھگڑنا فضول ہے' ہمیں اپنے ایمان اور اعمالِ حسنہ کا اجر ملے گا تمہیں تمہارے کفر اور تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت کی سزا ملے گی۔ ہم تو اللہ کیلئے مخلص ہیں اپنے اعمال کے ذریعہ صرف اُسی کی رضا چاہتے ہیں۔

قال صاحب الروح قل اتحاجوننا تجريد الخطاب للنبى ﷺ لما ان المامور به من الوظائف الخاصة به عليه الصلوة والسلام والهمزة للانكار فى الله اى فى دينه وتدعون ان دينه الحق اليهودية والنصرانية وتبنون دخول الجنة والاهتداء عليهما' وقيل: المراد فى شان الله تعالىٰ واصطفائه نبيا من العرب دونكم' بناء على ان الخطاب لاهل الكتاب' وسوق النظم يقتضى ان تفسر المحاجة بما يختص بهم' والمحاجة فى الدين ليست كذلك (الى آخر ما قال)

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور انکی اولاد

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ آپ فرمادیجئے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے چھپایا

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اُس گواہی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے پاس موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے بے خبر نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو

یہود و نصاریٰ کے اس قول کی تردید کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ یہودی یا نصرانی تھے

تفسیر: یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد جن کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ یہ حضرات نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ یہ حضرات ملت ابراہیمی پر تھے یہودیت اور نصرانیت اور توریت اور انجیل اُن کے بعد نازل ہوئی ہیں جن سے تم اپنا جوڑ لگاتے ہو پھر ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے بیٹے اور پوتے یہودیت اور نصرانیت اور توریت پر کیسے ہوسکتے ہیں تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے اُسی کو صحیح علم ہے تم جہاں حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل اسحٰق اور یعقوبؑ اور ان کے اسباط کے بارے میں غلط بات کہتے ہو اور ان کو یہودیت اور نصرانیت پر بتلاتے ہو وہاں اس شہادت اور گواہی کو بھی چھپاتے ہو جو اللہ کی طرف ہے تمہارے پاس پہنچی۔ اور وہ شہادت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے موحد تھے مشرک نہیں تھے۔ یہودی اور نصرانی نہیں تھے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا۔

قال تعالیٰ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ○ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں تو حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی سو ایسی باتوں میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن طریق مستقیم والے صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے)

آیت شریفہ کے عموم میں جہاں اس شہادت کے چھپانے کو بڑا ظلم بتایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تھی وہاں یہودیوں کی اس بد باطنی کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی وجہ سے اُن لوگوں نے اس گواہی کو چھپا رکھا تھا جو تورات اور انجیل میں حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور نبوت و رسالت کے بارے میں موجود تھی۔

قال فی الروح (ص ۴۰۰ ج ۱) وفی اطلاق الشهادة مع ان المراد بها ماتقدم من الشهادة المعينة تعريض بكتمانهم شهادة الله تعالىٰ لنبيه محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراة والانجيل

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ

وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا اور تم سے اُس چیز کا سوال نہ ہوگا

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾

جو وہ کرتے تھے۔

نسب و غرور کرنے والوں کو تنبیہ

تفسیر: یہ آیت مکرّر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہود کو دوبارہ متنبہ فرمایا ان کی طبیعتوں میں جو باپ دادوں پر فخر کرنا اور نسب پر بھروسہ کرنا مستحکم تھا اس کے نافع نہ ہونے پر دوبارہ بطور تاکید کے تنبیہ فرمائی اور بتادیا کہ اللہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزادے گا اور تمہارے باپ دادوں کا عمل تمہیں کچھ نفع نہ دے گا اور قیامت کے دن تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادے کیا عمل کرتے تھے (یعنی ان کے اعمال کا بالکل ذکر نہ ہوگا) بلکہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال ہوگا اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہ آیت پہلے جو گزری ہے وہاں اہل کتاب کو خطاب تھا۔ اور یہاں اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو تنبیہ ہے کہ تم لوگ یہود کی اقتداء نہ کرنا اور اُن کی طرح سے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرنا اور اپنے ذاتی اعمال کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ

عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگ کس چیز نے پھیر دیا اُن کو اُن کے اُس قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ آپ فرما دیجئے اللہ ہی کے لئے

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

مشرق اور مغرب ہے۔ وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے سیدھے راستہ کی طرف

تحویل قبلہ پر بیوقوفوں کا اعتراض اور اُن کا جواب

تفسیر: تفسیر در منثور (ص ۱۴۱ ج ۱) میں بحوالہ ترمذی ونسائی وغیرہم حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھیں۔ آپ آسمان کی طرف منہ اُٹھاتے تھے (اور وحی کا انتظار کرتے تھے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہو جائے) اللہ جل شانہٗ نے آیت قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ (الآیۃ) نازل فرمائی اور کعبہ شریف کی طرف نماز میں رُخ کرنے کا حکم فرما دیا اس پر بیوقوفوں نے یعنی یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کسی چیز نے اس قبلہ سے ان کا رُخ پھیر دیا۔ جس پر یہ تھے (یعنی بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا چھوڑ کر کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنا کیوں شروع کیا) اللہ تعالیٰ نے (اس کے جواب میں) قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ نازل فرمائی۔ تفسیر (در منثور) میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو حکم قرآنی منسوخ ہوا وہ قبلہ کی منسوخیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ منورہ تشریف لائے) تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے جو یہود کا قبلہ تھا۔ سترہ مہینے تک آپ نے اس طرف نماز پڑھی۔ تاکہ یہود ایمان لے آئیں اور آپ کا اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی آیت وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اور قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ الخ نازل فرمائی۔

جب کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا تو یہودیوں نے باتیں بنانا اور اعتراض کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اور اُن کے اصحاب کو کس چیز نے اُس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف اب تک نماز پڑھتے رہے۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اے نبی آپ فرما دیں اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے اُسے اختیار ہے اپنے عبادت کرنے والوں کو جس طرف چاہے نماز پڑھنے کا حکم دیدے۔ کسی کو خداوند قدوس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ مومن بندے اللہ کے قانون پر چلتے ہیں وہ اُسی کے پابند ہیں۔ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو ادھر نماز پڑھنے لگے۔ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اُسے قبلہ بنا لیا۔ قبلہ بدلنے کا اعتراض کرنا مسلمانوں پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ مقصد اللہ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ کسی جہت یا کسی جانب کا رُخ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور اسی لئے اعتراض کرنے والوں کو بے وقوف بتایا وہ یہ نہیں سمجھ رہے کہ ہمارا اعتراض کس پر ہو رہا ہے۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے اُسے یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی اور میرا اعتراض کہاں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنا ہی صراط مستقیم کو اختیار کرنا ہے۔ اللہ کا

ہر فرمان حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اُس نے اپنی حکمت کے موافق بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ پھر حکمت ہی کے مطابق اپنے بندوں کا رُخ کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا اس نے اپنے بندوں کو ہدایت دی اور ہدایت کے لئے چُن لیا۔ ہدایت یافتہ بندے حکم کے پابند ہیں۔ بے چوں وچرا حکم پر عمل کرتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام صراط مستقیم سے دور ہیں اور اللہ کے حکم اور اسکی حکمت پر معترض ہیں۔ ایسے معترضین کا بے وقوف ہونا ظاہر ہے۔ قال صاحب الروح (ص ۳ ج ۲) **كانه قيل ان التولية المذكورة هداية يخص الله تعالىٰ بها من يشاء ويختار من عباده. وقد خصّنا بها فلله الحمد.**

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم ہو جاؤ لوگوں پر گواہ اور ہو جائے رسول
عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ
تم پر گواہ

اُمت محمدیہ ساری اُمتوں سے افضل ہے

تفسیر: ابھی قبلہ کا مضمون باقی ہے۔ درمیان میں اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی فضیلت بیان فرمادی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارا قبلہ سب قبلوں سے افضل بنادیا اسی طرح ہم نے تم کو اعتدال والی اُمت بنادی اور ساری اُمتوں سے افضل اُمت بنادی۔ اس امت کی افضلیت کا ظہور میدانِ حشر میں اس طرح سے ہوگا کہ یہ اُمت تمام اُمتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ہاں میری اُمت عدل ہے۔ ثقہ ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔

دُوسری اُمتوں کے مقابلہ میں اس اُمت کی گواہی اور اس پر فیصلے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور اُن سے سوال ہوگا کیا تم نے تبلیغ کی وہ عرض کریں گے یارب میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی۔ اُن کی اُمت سے سوال ہوگا کہ بولو انہوں نے تم کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والے کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے اُمتی ہیں۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سیدنا عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی اس کے بعد آنحضرت سید عالم ﷺ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادی ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسری اُمتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ گواہ بنیں)

یہ بخاری شریف کی روایت ہے (ص ۶۴۵ ج ۲) اور مسند احمدؒ وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام

کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی اُمتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی۔ اس پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور اُنکی اُمت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور اُنہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی اُمت کو تبلیغ کی۔ (درمنثور)

آیت کا عموم لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ بھی اس کو چاہتا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتوں کے مقابلہ میں بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ گواہی دے گی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جب اُمت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں (علیہم السلام) نے ان کو تبلیغ کی ہے تو سیدنا حضرت محمد ﷺ کو لایا جائے گا اور آپ سے آپکی امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی امت عادل ہے گواہی دینے کے لائق ہے؟ آپ پر آپ اُن کا تزکیہ فرمائیں گے اور گواہی دیں گے کہ واقعی میری امت عدل ہے۔ گواہی کے لائق ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔ (ص ۵ ج ۲) بلاشبہ اس اُمت کا بڑا مرتبہ ہے اور بڑی فضیلت ہے جس کا میدانِ حشر میں تمام اولین و آخرین کے سامنے ظہور ہوگا۔ یہ اُمت خیر الامم ہے اس کو افضل الانبیاء کی امت میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب کتابوں میں سے افضل کتاب عطا فرمائی جو اللہ کی کتاب ہی نہیں اللہ کا کلام بھی ہے۔ جو چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے اور صغیر و کبیر سب کے وردِ زباں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو تمام بنی آدم سے منتخب فرمایا۔ سورۂ حج میں ارشاد ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ط هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اُس نے تم کو منتخب فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تا کہ تمہارے لئے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو)

امت محمدیہ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے

اِس اُمت کی فضیلتوں میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اسکی گواہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اُنکی گواہی سے دوسری امتوں کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ اور آپس میں بھی ان کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت اَنس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزرے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کئے اور اسکی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا وَجَبَتْ پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو حاضرین نے بُرائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے اس پر بھی وَجَبَتْ فرمایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا وَجَبَتْ کا کیا مطلب ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اُس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہٰذا اس کیلئے جنت واجب ہوگئی اور اس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کئے اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔ انتم شھدآء اللہ فی الارض۔ یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ (صحیح بخاری) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کیلئے چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کہ اگر دو شخص گواہی دے دیں؟ آپ نے فرمایا' دو کا بھی یہی حکم ہے پھر ہم نے ایک کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)

تفسیر درمنثور (ص ۱۴۵ ج ۱) میں بحوالہ مسند احمد و سنن ابن ماجہ وغیرہ حضرت ابوزہیر ثقفی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم اپنے اچھے لوگوں کو بڑے لوگوں سے ممتاز کرسکو گے۔ اور جان سکو گے کہ کون کیسا ہے۔ حضرات صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ذکر ہونے سے اور بُرا ذکر ہونے سے (یعنی جسے مسلمان اچھا کہیں وہ اچھا ہے اور جسے بُرا کہیں وہ بُرا ہے) تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اھ۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ محروم ہوں گے جو لعنت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفیع ہونگے۔ (یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہونگے اور نہ سفارش کرنے کے لائق ہوں گے۔)

امت محمدیہ کا اعتدال اور لفظ وَسَطًا کی تشریح

امت محمدیہ کی تعریف میں اُمَّةً وَّسَطًا فرمایا لفظ وسط کا معنی بہترین بھی کیا گیا ہے اور عدول بھی کیا گیا ہے عدول' عدل کی جمع ہے عدل اس کو کہتے ہیں جو ثقہ ہو۔ منصف ہو اور اسکی گواہی معتبر ہو۔ اوصاف عالیہ سے متصف ہو۔ خیر کی صفات کو جامع ہو برائیوں سے دور ہو' اور بعض حضرات نے اس کا معنی معتدل کا بھی لیا ہے یعنی یہ اُمت ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے اس کے اخلاق اور اعمال سب میں اعتدال ہے افراط و تفریط سے بری ہے۔ نہ عبادت سے غفلت ہے نہ راہبوں کی طرح دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں رہنا ہے۔ ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ نفس اور بیوی اور مہمان کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی۔ روزانہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا۔ نہ فضول خرچی ہے نہ بخل بلکہ درمیانی راہ ہے جس کا نام جود ہے۔ اسی طرح نہ بزدلی نہ ضرورت سے زیادہ بہادری جس سے لوگوں پر ظلم ہوجائے بلکہ ان کے درمیان شجاعت ہے ظالم بھی نہیں اور مظلوم رہنے کو بھی تیار نہیں نہ عورتوں کو سردار بنایا گیا نہ ان کی مظلومیت روا رکھی گئی۔ نہ ہر فعل حلال قرار دیا گیا نہ ہر چیز کا کھانا جائز کیا گیا بلکہ حلال حرام کی تفصیلات بتائی گئی۔ ضرر دینے والی اور خبیث چیزوں کے کھانے سے منع کر دیا گیا' جن سے اخلاق و اجسام پر بُرا اثر پڑے طیّب اور حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی۔ انسانیت کو اونچا کیا گیا۔ بہیمیت سے بچایا گیا بربریت سے دور رکھا گیا۔ حد یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عین میدانِ جنگ کے موقع پر عمل کرنے کے لئے بھی ایسے احکام صادر فرمائے جن میں اعتدال ہی اعتدال ہے۔ بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا مُثلہ کرنے یعنی دشمن کے ہاتھ پاؤں' ناک' کان کاٹنے سے منع فرمایا۔ معاشی نظام میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔ نفلی صدقات کا بھی حکم دیا گیا۔ میراث کے احکام جاری کئے گئے تاکہ دولت ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے۔ جان کا بدلہ قصاص مقرر کیا گیا لیکن خطا میں دیت رکھی گئی۔ اور

قصاص واجب ہونے کی صورت میں اولیاء مقتول کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو قصاص لے لیں۔ چاہیں دیت لے لیں۔
حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عام ابواب پر نظر کی جائے تو احکام میں سراسر اعتدال ہی نظر آتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی
اور جس قبلہ پر آپ تھے اسے ہم نے مقرر نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہم جان لیں کون اتباع کرتا ہے رسول کا اس سے ممتاز ہو کر جو پیچھے پلٹ جاتا ہے
عَقِبَیْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ
اپنے الٹے پاؤں، اور بے شک یہ قبلہ بدلنا بھاری بات ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ضائع کرے
اِیْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۳﴾
تمہارے ایمان کو۔ بیشک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق مہربان ہے

تحویل قبلہ امتحان کے لئے ہے

تفسیر: اُمت محمدیہ کی فضیلت ظاہر فرما کر پھر قبلہ کے موضوع سے متعلق باقی بیان شروع ہوتا ہے۔ بیت المقدس کی طرف جو سولہ سترہ مہینے تک نمازیں پڑھی گئیں، پھر کعبہ شریف کی طرف نماز میں رُخ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے قبلہ کی بجائے دوسرے قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا جو حکم دیا اس میں یہ حکمت ہے کہ ہم جان لیں کہ رسول کا اتباع کون کرتا ہے اور تبدیل قبلہ کی وجہ سے کون اُلٹے پاؤں لوٹتا ہے۔ اور اتباع رسول سے روگردانی کرتا ہے۔ مومن بندوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت ہے۔ جدھر منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا وہی جہت قبلہ ہے۔ فرمانبردار بندوں کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کے احکام ماننے میں ذرا بھی کوئی جھجک نہیں ہوتی اور نہ ان کے نزدیک چوں چرا کا موقع ہوتا ہے۔

زبان تازہ کردن باقرارِ تو ، نینگیختن علّت از کارِ تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبلہ بدلنے میں یہی حکمت تھی کہ ہم جان لیں یعنی علم ازلی کا ظہور ہو جائے کہ کون ہمارے رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون منکر اور منحرف ہو جاتا ہے۔ اور اُلٹے پاؤں چلا جاتا ہے۔ جب قبلہ بدلنے کا حکم ہوا تو بعض ضعیف الایمان، ایمان سے پھر گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ کبھی ادھر نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے اور کبھی اُدھر (اس کو بہانہ بنا کر مرتد ہو گئے)
(نقلہ فی الدر المنثور عن ابن جریج ص ۱۴۶ ج ۱)

اللہ تعالیٰ کو سب اختیار ہے بندوں کو جو چاہے حکم دے لیکن جاہلوں، بیوقوفوں اور منافقوں اور یہودیوں کے نزدیک قبلہ بدلنا بہت بڑی چیز ہو گئی۔ ان کے نفسوں پر یہ امر بہت شاق گزرا۔ اور اسے ہدف طعن و تشنیع اور محل اعتراض بنا لیا اور مومنین کے لئے اس میں کوئی اشکال اور اعتراض کی بات ہی نہیں ہے۔ فرمانبرداریوں بھی خوش ہے اور یوں بھی راضی۔ وہ تو پابند حکم ہے اُسے فرمانبرداری کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں۔

قال صاحب الروح ص ۶ ج ۲ وان كانت لكبيرة اى شاقة ثقيلة والضمير لمادل عليه قوله تعالىٰ وما جعلنا (الخ) من الجعلة اوالتولية اوالردة او التحويلة او الصيروة اوالمتابعة اوالقبلة وفائدة اعتبار التانيث على بعض الوجوه الدلالة على ان هذا الرد والتحويل بوقوعه مرة واحدة وقوله الا على الذين

هدى الله اى الى سر الاحكام الشرعية المبنية على الحكم والمصالح اجمالا او تفصيلا والمراد بهم (من يتبع الرسول) من الثابتين على الايمان الغير المتزلزلين المنقلبين على اعقابهم (۱۵ بحذف)

قبلۂ اُولیٰ کی طرف جو نمازیں پڑھی گئیں اُن کا ثواب ضائع نہیں:

پھر فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ (اور اللہ نہیں ہے کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو) تفسیر درمنثور میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بحوالہ سُنن ترمذی و معجم طبرانی و مستدرک حاکم حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے (اور قبلہ بدلنے سے پہلے وفات پا گئے) اس پر اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع فرمادے۔

اس آیت میں نماز کو ایمان فرمایا اس سے نماز کا رُتبہ معلوم ہوگیا۔ بعض روایات میں نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسلام میں نماز کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انسان کے جسم میں سر کا مرتبہ ہے۔ (الترغیب ص ۲۴۶ ج ۱)

سر موجود ہے تو جسم کی بھی حیثیت ہے، جسم سے سر کٹ گیا تو کچھ بھی نہ رہا۔ آیت کے اخیر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (کہ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق اور مہربان ہے) اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے حاکم بھی ہے۔ وہ حکمت کے مطابق ان کاموں کا جو لوگوں کو حکم دیتا ہے جن میں بندوں کا بھلا اور نفع ہوتا ہے ہر حکم میں ان کے ساتھ رأفت اور رحمت کا معاملہ ہے۔ جو نمازیں حکم کے مطابق پڑھ لی گئیں ان کے ضائع ہونے کا وہم و گمان صحیح نہیں۔ وہ عمل صحیح کو ضائع نہیں فرماتا جو حکم کے مطابق انجام دیا گیا ہو لفظ رحمت اور رأفت دونوں ہی مہربانی کے معنی میں آتے ہیں لیکن رأفت میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا آسمان کی طرف بار بار منہ اُٹھانا پس ہم آپ کو ضرور ضرور متوجہ کردیں گے ایسے قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں گے، سو آپ پھیر دیجئے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف، اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو سو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف متوجہ کیا کرو، اور بلاشبہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی۔

لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

وہ ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکم حق ہے ان کے رب کی طرف سے ہے اور اللہ غافل نہیں ہے اُن کاموں سے جن کو تم کرتے ہو

کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنے کا حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت سے اس کا انتظار

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے سلام پھیر کر آسمان کی طرف (اس انتظار میں) منہ اُٹھاتے کہ کعبہ شریف قبلہ مقرر کیا جائے۔ لہٰذا آیت قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ۔ نازل ہوئی۔ علامہ واحدی (اسباب نزول ص ۳۹) میں لکھتے ہیں کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے ہٹا کر تیرے لئے کوئی دوسرا قبلہ مقرر فرمادے اور مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف مقرر ہو جائے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمیہ ہے۔ حضرت جبریلؑ نے عرض کیا کہ میں بھی تو آپ کی طرح ایک بندہ ہوں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ آپ کو قبلہ ابراہیمی کی طرف رُخ کرنے کا حکم فرمادے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام اُوپر چڑھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس اُمید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے رہے کہ جبریل آپ کی خواہش کے مطابق حکم خداوندی لے کر نازل ہوں۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور یہ سولہ یا سترہ مہینے تک رہا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ اور کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اور عمومی طور پر سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو (مکہ یا مدینہ میں یا بیت المقدس میں یا دُنیا کے کسی گوشہ میں) مسجد حرام ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے

مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ اس پر ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ کعبہ شریف ہی قبلہ ہے۔ چونکہ کعبہ شریف مسجد حرام کے اندر ہے اس لئے مسجد حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ خاص کعبہ ہی کی طرف ہر دُور اور قریب کے نمازی کو رُخ کرنا لازم نہیں بلکہ مسجد حرام کی طرف منہ کرنے سے نماز ہو جائے گی۔ جو لوگ مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں چونکہ عین کعبہ کی طرف رُخ کرنا اُن کی قدرت سے باہر ہے اس لئے آسانی اور رفع حرج کے لئے مسجد حرام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ لیکن جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے اس کے لئے لازم ہے کہ عین کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۵۹ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعبہ شریف مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد حرام اہل حرم کا قبلہ ہے اور حرم شرقاً و غرباً میری تمام اُمت کے لئے قبلہ ہے زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں فقہا نے لکھا ہے کہ جس جہت پر کعبہ شریف ہو اس طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ تھوڑا سا انحراف مفسد صلوٰۃ نہیں۔ جب کوئی شخص جہت کعبہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہوا اور کعبے شریف سے دائیں یا بائیں جانب ۴۵ درجے کے اندر انحراف ہو گیا تو نماز ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں جو شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ فرمایا ہے اس سے حضرات فقہاء نے یہ استنباط کیا کہ کعبہ شریف کے رُخ پر نماز پڑھنا کافی ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا انحراف ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مابین المشرق و المغرب قبلة (رواہ الترمذی) فرما کر یہ بتا دیا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان جو جہت ہے اس طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ یہ آپ کے اہل مدینہ کے لئے فرمایا کیونکہ کعبہ شریف مدینہ منورہ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور وہاں سے جہت جنوب مشرق اور مغرب کے درمیان پڑتی ہے۔ پورے عالم میں بسنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے استقبال کے بارے میں یہ بہت آسانی دی گئی ہے کہ وہ جہت قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں۔ تھوڑا سا انحراف ہو جائے۔ تب بھی نماز ہو جائے گی۔ احکام شرعیہ کو اللہ جل شانہٗ نے اس قدر آسان رکھا ہے کہ ہر گاؤں جنگل اور پہاڑ اور جزیرہ میں بسنے والے

13

مسلمان احکام شریعت پر عمل کر سکتے ہیں۔ اوقات نماز طلوع وغروب کے مشاہدہ سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح حسابات اور ریاضی اور ہیئت اور آلاتِ رصدیہ کے احتیاج کے بغیر کسی تکلف کے اپنا قبلہ مقرر کر سکتے ہیں یعنی جہت کعبہ کی طرف نماز پڑھ سکتے ہیں جس میں کافی وسعت ہے۔ ہاں مسجدیں بناتے وقت خوب محقق کر کے قبلہ مقرر کرنا افضل ہے۔

کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت

اللہ جل شانہ، کی ذات پاک سمت اور جہت سے بالا اور برتر ہے مشارق اور مغارب سب اُسکی ملکیت ہیں۔ اسی لئے قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فرمایا۔ تاہم نماز میں اجتماع اور وحدت کے لئے تمام دنیا کے تمام انسانوں کا رُخ کسی ایک جہت کی طرف ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا کعبہ شریف کو آخر میں قبلہ نماز مقرر فرما دیا گیا۔ اور کعبہ شریف چونکہ اول حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا اور وہ سب سے پہلے پیغمبر تھے اور تمام انسانوں کے باپ تھے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا جن کو ان کے بعد آنے والی تمام قومیں مانتی ہیں۔ اس لئے کعبہ شریف کو ہمیشہ کے لئے قبلہ قرار دیا گیا۔ اس سے تمام مسلمانوں کی وحدت اجتماعیہ فی الصلوٰۃ حاصل ہوگئی۔ اگر انسانوں پر اس کا فیصلہ چھوڑا جاتا تو بہت سے اختلافات رونما ہوتے اور کسی طرح سے وحدت حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کعبہ شریف کو قبلہ صلوٰۃ مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ چاروں جہات میں ہر جہت نماز کے لئے مقرر ہوگئی۔ ہر جہت والے اس رُخ پر نماز پڑھتے ہیں جس رُخ پر ان کے علاقہ کے اعتبار سے کعبہ شریف واقع ہے۔ اب نمازیں مشرق کو بھی ہو رہی ہیں اور مغرب کو بھی اور جنوب و شمال کو بھی اس میں لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اور اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کا پورا پورا مظاہرہ ہے۔ پھر آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا: وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود و نصاریٰ ان کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قبلہ کا بدلنا اور کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینا بالکل صحیح ہے اور حق ہے اور اُن کے رب کی طرف سے ہے)

لیکن وہ ضد اور عناد کی وجہ سے معترض ہو رہے ہیں اور حق کی تکذیب کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں جن کی بشارت انکی کتابوں میں موجود ہے اور وہ باطل کا حکم نہیں دیتے۔ (روح المعانی)۔

آخر میں ارشاد فرمایا: وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اعمال سے اور ان کی حرکتوں سے غافل نہیں ہے۔ اُسے سب کچھ معلوم ہے۔ یہ لوگ اپنے کفر اور اعمالِ بد کی سزا پائیں گے۔

وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام دلیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے۔ اور نہ آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں،

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ

اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اور البتہ اگر آپ نے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو

الْعِلْمِ ۙ اِنَّکَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے

یہود و نصاریٰ کی ضد اور عناد کا مزید تذکرہ

تفسیر: اس آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کے عناد اور ضد کو مزید واضح کر کے بیان فرمایا اور صاف طور پر بتا دیا کہ ان لوگوں سے قبول حق کی کوئی اُمید نہیں۔ انہوں نے جو آپ کے قبلہ کو قبول نہیں کیا تو یہ کسی دلیل کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف مخالفت اور عناد اور مکابرہ پر تلے ہوئے ہیں آپ دلیلیں پیش کر دیں انہیں آپ کی موافقت کرنا نہیں ہے۔ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں اہل کتاب نے دھوکہ دینے کے لئے کہا تھا۔ یا محمد ﷺ عُدْ الی قبلتنا نؤمن بک و نتبعک۔ (کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جاؤ۔ ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے قبلہ کا اتباع کرلیں گے) اللہ تعالیٰ نے دونوں طرف کی اُمید کو ختم فرما دیا کہ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ نے اپنا قبلہ جہت مشرق کو تجویز کر لیا تھا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء تک کبھی بھی مشرق کی طرف نماز نہیں پڑھی ان کا قبلہ وہی تھا جو بنی اسرائیل کا قبلہ تھا یعنی بیت المقدس۔ (روح المعانی)

پھر یہ فرمایا: وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ. (کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے نہیں ہیں) صاحب روح المعانی (ص ۱۲ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اس میں یہود و نصاریٰ کے الحاد اور تصلب فی الھویٰ کو بیان فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنکی یہ مخالفت اور عناد صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے خود آپس میں بھی انکی مخالفت اور عناد کا یہی حال ہے۔ آخر میں فرمایا: وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُم مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے علم آ گیا۔ اور یہ یقین ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ انہیں حق قبول کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ لہٰذا بالفرض اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کرلیا تو آپ اُن لوگوں میں شمار ہو جائیں گے جو ظلم کرنے والے اور حق کو چھوڑ کر ناحق کی طرف جانے والے ہیں۔ اس طرز بیان میں اتباع ہویٰ سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اتباع ہویٰ اور ارتکاب گناہ ظالموں کا شیوہ ہے۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر ظلم سے محفوظ اور معصوم ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۲ ج ۱)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بلاشبہ اُن میں سے ایک فریق ایسا ہے

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

جو ضرور حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ ہرگز شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو جائیں

اہل کتاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہچانتے ہیں اور حق چھپاتے ہیں

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اہل کتاب کا مزید عناد اور تمرد بیان فرمایا کہ اہل کتاب صرف قبلہ کے بارے میں ہی عناد پر قائم نہیں بلکہ وہ تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہی کے منکر ہیں اور اُن کا یہ انکار خالص عناد پر مبنی ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں آپ کی صفات جلیلہ اور آپ کی تشریف آوری کی بشارت عظیمہ پڑھتے رہے ہیں اور وہ نعوت اور صفات خوب اچھی طرح واضح طور پر دیکھ کر آپ کی نبوت کو اس طرح پہچان گئے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پہچاننے میں اُن کو ذرا شک وشبہ نہیں ہے (تفسیر درمنثور) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہود کے علماء میں سے تھے) آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انہوں نے اسلام قبول کیا اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں مجھے اپنے بیٹے کے پہچاننے سے زیادہ یقینی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیوں کر؟ انہوں نے کہا کہ میں بالکل یقین کر کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لیکن میں اس طرح کی گواہی اپنے بیٹے کے بارے میں نہیں دے سکتا، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ عورتیں (مردوں کے پیچھے) کیا کرتی ہیں ممکن ہے میری بیوی نے خیانت کی ہو اور میں جسے اپنا بیٹا کہہ رہا ہوں وہ میرا بیٹا نہ ہو۔ (اسباب النزول للواحدی ص ۴۰ درمنثور ص ۱۴۷ ج ۱)

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کو چھپاتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے بھی ہیں کہ یہ حق ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم حق کو چھپا رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ حق چھپانے کا وبال اور عذاب بہت زیادہ ہے۔

آخر میں فرمایا کہ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے لہٰذا آپ ہرگز شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو جائیں۔

صاحب روح المعانی ص ۱۴ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق اپنی جگہ ثابت اور متحقق ہے اور ظاہر و باہر ہے اس میں کسی کو کچھ بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ صیغہ نہی کا ہے لیکن مقصود اخبار ہے۔ حق میں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ
اور ہر جماعت کے لئے ایک جہت ہے، جس کی طرف وہ اپنا رُخ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا تم نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو، جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئے گا۔
جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہر ملت کا قبلہ الگ ہے

تفسیر: اس میں لکل کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ ای لکل اهل ملة او جماعة من المسلين واليهود والنصارىٰ یعنی ہر مذہب اور ملت اور جماعت کا عبادتوں میں اپنا رُخ الگ ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیا گیا ہو۔ خواہ لوگوں نے کوئی جہت اپنے طور پر مقرر کر لی ہو پھر اگر نبی اکرم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

قبلہ ابراہیمی مقرر کر دیا گیا جو دوسروں کے قبلہ سے مختلف ہے تو اس میں اعتراض اور تعجب کی کیا وجہ ہے۔ اور یہ معنی بھی لیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا رخ مختلف بلاد وامصار اور مختلف آفاق واطراف میں مختلف ہوتا ہے۔ چار جہات (مشرق مغرب جنوب شمال) میں سے کوئی جہت بھی مسلمانوں کا قبلہ نہیں ہے بلکہ ان کا قبلہ کعبہ ہے اور کعبہ شریف کو رُخ کرنے سے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف جہات کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ رُخ سب کا کعبہ شریف ہی کی طرف ہے کوئی مشرق کو رُخ کئے ہوئے ہیں۔ کوئی مغرب کی طرف نماز پڑھتا ہے کسی کا قبلہ جنوب اور کسی کا قبلہ شمال کی طرف ہے۔ او لکل قوم من المسلمین جهة و جانب من الكعبة يصلى اليها جنوبية او شمالية او شرقية او غربية۔ (رُوح المعانی)

پھر فرمایا: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ اے مومنو! اُن کاموں کی طرف آگے بڑھو اور پہل کرو جن میں دارین میں سعادت حاصل ہو قبلہ کا استقبال بھی امر خداوندی کے مطابق کرو اور اُس کے سوا دیگر احکام الٰہیہ پر بھی بڑھ چڑھ کر عمل کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الخیرات سے نمازیں مراد ہیں جب نماز کا وقت مامور بہ ہو جائے تو نماز کی طرف لپکنے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

پھر فرمایا: ﴿اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو جس خطۂ زمین میں ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا دینے کے لئے تم سب کو جمع فرمائے گا۔ فرمانبرداری اور اعمال صالحہ کی اچھی جزا ملے گی اور بُرے کاموں کی سزا ملے گی۔ لٰہذا فرصت کو غنیمت جانیں اور موت اور حشر نشر سے غافل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت ہے۔ زندگی بخشنا موت دینا جمع کرنا جزا دینا سب اُس کے لئے آسان ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ”ہر جماعت کا الگ الگ قبلہ ہے پس تم نیک کاموں کی طرف سبقت کرو“ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان کا کام فضول بحثوں میں اُلجھنا نہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل کتاب تمہارے قبلہ کی طرف رُخ کرنیوالے نہیں اور تم ان کے قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تو اب بحث بلاضرورت ہے اور فضول ہے اور وقت کا ضائع کرنا ہے ان بحثوں کو چھوڑ کر اپنے اصلی کام میں لگیں یعنی خیر کے کاموں کی طرف سبقت کریں جو آخرت میں اجر وثواب کا ذریعہ ہیں اور ﴿فَاسْتَبِقُوْا﴾ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بھی خیر کا موقع مل جائے تو فوراً اس کی طرف بڑھنا اور لپکنا چاہیے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ اور بلا شبہ یہ ضرور حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور اللہ غافل نہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد

الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۤ اِلَّا

حرام کی طرف پھیر دیجئے۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو سو اپنے چہرے اُس کی طرف پھیر لو تا کہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ سوائے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

اُن کے جنہوں نے اُن میں سے ظلم کیا۔ لٰہذا تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو تا کہ میں پوری کر دوں تم پر اپنی نعمت اور تا کہ تم ہدایت پر رہو

دنیا میں جہاں بھی ہوں مسجد حرام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ جس جگہ سے بھی کہیں سفر میں باہر نکلیں نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور فرمایا کہ یہ حکم حق ہے آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ سب کاموں کو دیکھتا ہے کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ پھر مذکورہ بالا حکم کا دوبارہ اعادہ فرمایا اور ساتھ ہی عامۃ المسلمین کو بھی خطاب فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو نمازوں میں اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف کرلیا کرو۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ سے لیکر لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ تک فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تین مرتبہ ہے اور وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ دوبار ہے۔ تحویل قبلہ کا مسئلہ چونکہ بہت اہم بن گیا تھا۔ مخالفوں کا اعتراض اور شور وشغب کی وجہ سے بعض کچے مسلمان بھی متاثر ہو گئے تھے اور اُن میں سے بعض مُرتد بھی ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس لئے تاکید کے طور پر بار بار مسجد حرام کی طرف استقبال کرنے کا حکم فرمایا گیا اور درمیان میں اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لایا گیا۔

اور بعض حضرات نے یوں بھی کہا ہے کہ پہلے حالت حضر کا بھر حالت سفر کا حکم بیان فرمایا کہ سفر میں بھی مسجد حرام ہی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں اور مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ دوبارہ ذکر فرمایا تا کہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ سفر قریب کا ہو یا بعید کا مشرق کا ہو یا مغرب کا جنوب کا ہو یا شمال کا۔ ہر حالت میں مسجد حرام ہی کی طرف نماز پڑھنا ہوگا۔

قبلہ بدلنے پر یہودیوں کی حجت ختم ہوگئی:

آخر میں یہ فرمایا: لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ۔ اس کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ کی عِلّت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ شریف کی طرف رُخ پھیر دینے میں یہودیوں کی حجت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اُن کا یہ اعتراض تھا کہ توریت شریف میں تو یہ مذکور ہے کہ نبی آخر الزماں کا قبلہ کعبہ شریف ہوگا لیکن یہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور دُوسری بات وہ یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں لیکن ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں یہودیوں کے یہ دونوں اعتراض کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم ملنے سے ختم ہو گئے۔ اور مشرکین جو یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیمی کا اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اُنکے قبلہ کے علاوہ دُوسرا قبلہ اختیار کئے ہوئے ہیں تحویل قبلہ سے ان کا اعتراض بھی ختم ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ اَلنَّاس کا عموم یہود اور مشرکین دونوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ یعنی کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دینے سے لوگوں کی حجت ختم ہوگئی اور اب کسی کا اعتراض باقی نہیں رہا سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہیں جنہوں نے عناد پر ہی کمر باندھ رکھی ہے۔ اور جنہیں حق قبول کرنا ہی نہیں۔ مثلاً یہودی معاندین کہیں گے کہ انہوں نے کعبہ کو قبلہ اس لئے اختیار کرلیا کہ اپنی قوم کے دین کی طرف مائل ہو گئے اور وطن کی محبت نے ان کو کعبہ کو قبلہ بنانے پر آمادہ کرلیا۔ یا یوں کہیں گے کہ ان کو اس وقت یہ خیال آ گیا کہ اپنے باپ دادوں کا قبلہ اختیار کرلیں ممکن ہے کہ پھر ہمارے قبلہ کی طرف واپس آجائیں۔ معترض اور معاند کا منہ تو کبھی بند نہیں ہوسکتا وہ تو کٹ حجتی کرتا ہی رہتا ہے۔

پھر فرمایا: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ (کہ تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جو حکم کعبہ شریف کو رُخ کرنے کا ہوا ہے اسکی تعمیل کرو اور معترضین اور معاندین کی کسی بات کا کوئی خیال نہ کرو ان سے نہ ڈرو کیونکہ ان کے طعنے اور

اعتراضات تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے مجھ سے ڈرو میرے اَمر کی مخالفت نہ کرو۔

آخر میں فرمایا: وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ یہ محذوف کی علت ہے یعنی وامرتکم لا تمامی النعمة علیکم وارادتی اهتداء کم یعنی میں نے تم کو تحویل قبلہ کا حکم دیا ہے جو اس لئے ہے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہو۔ (کل من البیضاوی)

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ
جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے اندر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور تم کو کتاب
وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ
اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو؛
وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾
اور میری ناشکری نہ کرو

اہل ایمان کے لئے تکمیل نعمت

تفسیر: یہ ماقبل سے متعلق ہے ای ولا تم نعمتی علیکم فی امر القبلة اوفی الاخرة کما اتممتها بارسال رسول منکم یعنی ہم نے تم کو کعبہ شریف کیطرف نمازوں میں رُخ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ تم پر اپنی نعمت قبلہ کے بارے میں اور آخرت میں پوری کروں جیسا کہ میں نے اپنی نعمت تم پر اس طرح بھی پوری کی ہے کہ تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔ جو ہماری آیتیں پڑھ کر تم کو سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے تم ظاہری باطنی برائی اور خرابی سے پاک ہو جاؤ گے۔ وہ تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔ جن کے جاننے کا راستہ وحی الٰہی کے علاوہ بالکل نہیں ہے۔ ہم نے اپنا رسول بھیجا اس پر وحی بھیجی اور وحی کے ذریعہ تم کو بہت کچھ بتایا اور سمجھایا لہٰذا تم میرا ذکر کرو؛ میں تمہیں یاد کرونگا اور تم میرا شکر کرو؛ اور میری ناشکری نہ کرو۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ فاذکرونی باطاعتی اذکرکم بالثواب یعنی تم مجھے فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب دے کر یاد کروں گا۔ دل سے زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ بھی یاد ہے اور فرمانبرداری اور اطاعت میں لگنا یہ بھی یاد ہے۔ اللہ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دینا یہ بھی یاد ہے محققین نے فرمایا ہے۔ کل مطیع لله فهو ذاکر۔ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری میں مشغول ہو وہ ذاکر ہے۔ زبان سے یاد کرنے کی بھی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کریں (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آنحضرت

سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے سو اگر اس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا تو میں بھی اُسے تنہا یاد کروں گا اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں بھی اُسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اسکی جماعت سے بہتر ہے۔ (یعنی عالم بالا کے درباری فرشتوں کے سامنے)۔ (صحیح بخاری ایضاً عن ابی ہریرۃ)

ذکر اللہ کے فضائل: احادیث شریفہ میں تسبیح تہلیل اور تکبیر میں مشغول ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن چیزوں پر آفتاب طلوع ہوا۔ (صحیح مسلم ص ۳۴۵ ج ۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام (ذکر کے لئے) سب سے زیادہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ. (رواہ مسلم ص ۳۵۱ ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے یوں کہا سُبْحٰنَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اس کے لئے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الدعوات)

حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہوں گے اور رحمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ صحیح بخاری آخری حدیث۔

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی باتیں تو بہت ہیں آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس میں لگا رہوں آپؐ نے فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی وحسنہ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا اور دِل میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا وہ خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے (صحیح مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کر اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اُن کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اُن پر رحمت چھا جاتی ہے اور اُن پر اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے درباریوں میں یاد فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۴۵ ج ۲)

شکر کی فضیلت اور اہمیت:

ذکر کا حکم فرمانے کے بعد شکر کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (یعنی میرا شکر کرو اور میری نا شکری نہ کرو) ذکر کے ساتھ شکر ادا کرنا بھی لازم ہے۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن کا شمار بھی بندوں کی قُدرت سے باہر ہے۔ اُن نعمتوں کا شکر اَدا کرنا واجب ہے شکر میں یہ سب کچھ آ جاتا ہے کہ نعمتوں کا اقرار کریں۔ قول اور فعل سے نعمتوں کا اظہار کریں۔ نعمتوں کی قدردانی کریں۔ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور

اطاعت میں خرچ کریں۔ نعمتوں کا منکر ہونا ان کی ناقدری کرنا ان کو گناہوں میں خرچ کرنا ناشکری ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے اور اُن نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور نفس وشیطان کی فرمانبرداری میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو سبھی استعمال کرتے ہیں لیکن شکر گزار بندے کم ہیں جیسا کہ سورۂ سبا میں فرمایا۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ شکر بہت بڑی چیز ہے اس کی وجہ سے نعمتیں باقی بھی رہتی ہیں اور نعمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اور ناشکری پر نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ سورت ابراہیم (ع ۱) میں فرمایا۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (اور جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا کہ البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور ضرور اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے۔ تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے)

انسان کے مزاج میں ناشکری غالب ہے۔ سورۂ زخرف میں فرمایا کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (بلاشبہ انسان کھلا ناشکرا ہے اور سورہ ابراہیم میں فرمایا) وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بلاشبہ انسان بڑا ظالم ہے (اور) بڑا ناشکرا ہے)۔

بندوں کا یہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں اسکی نعمتوں کو یاد کریں۔ جب انہیں استعمال کریں تو اللہ کی حمد وثنا میں مشغول ہوں۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جو دُعائیں وارد ہوئیں۔ ان میں نعمتوں پر بار بار اللہ کی حمد کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ الحمد رأس الشکر ہے ما شکر اللہ عبدٌ لا یحمدہ (یعنی اللہ کی حمد کرنا اصل شکر ہے جو بندہ اللہ کی حمد بیان نہیں کرتا' اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو' بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے

صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد مانگنے کا حکم

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا حکم فرمایا اور اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ لفظ صبر کا لغوی معنی رُکنے اور ٹھہر جانے کا ہے۔ شریعت میں یہ لفظ تین معنی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اوّل اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت وفرمانبرداری پر لگائے رہنا دوم اپنے نفس کو گناہوں سے روک کر رکھنا سوم آفات اور مصائب پر جو تکلیف ہو اُسے سہ جانا اور اس طرح گزر جانا کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ کرے اور دکھ تکلیف اور مصیبت پر ثواب کا اُمیدوار رہے عام لوگ صبر صرف تیسرے معنی ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں پہلے دو معنی کی طرف اُن کا ذہن نہیں جاتا حالانکہ یہ تینوں صورتیں صبر کا جُزو ہیں اور صبر کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اور تینوں میں مشترک امر وہی ایک بات ہے یعنی نفس کو دَبانا اور ہر اُس بات سے روکنا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ جو شخص بھی صبر کے ان تینوں طریقوں کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نُصرتیں اس پر نازل ہوں گی۔ سورہ زمر میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کہ صابروں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائیگا۔

صبر کی فضیلت اور اہمیت: درحقیقت صبر اور شکر مومن کی زندگی کے لئے (جو ایک رواں دواں سیارہ کے مشابہ ہے) پہیے ہیں اور مومن کی کوئی چیز ضائع نہیں ہے۔ آرام و راحت ہو نعمتیں ہوں یا دکھ تکلیف ہو اور کلفتیں ہوں ہر حال میں اُس کے لئے نفع ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا معاملہ عجیب ہے اسکی ہر حالت خیر ہے۔ اور یہ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر مومن کو خوش کرنے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے شکر کیا جو اس کے لئے بہتر ہوا اور اگر اس کو تکلیف دینے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے صبر کیا یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوا۔ (رواہ مسلم)

صحیح بخاری (ص ۹۵۸ ج ۲) میں ہے کہ ولن تعطوا عطاء خیرا و اوسع من الصبر۔ (یعنی تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر سے بہتر اور وسیع کوئی عطا نہیں دی گئی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں عطا کر دی گئیں اُسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔ (۱) شکر گزار دل (۲) ذکر کرنے والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن (۴) ایسی بیوی جو اپنی جان کے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیانت نہ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۲۸۳)

صبر میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر اس کے بعد نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ کچھ ملتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ تکلیفیں تو سبھی کو پہنچتی ہیں۔ مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ فرق اتنا ہے کہ جو لوگ صبر کر لیتے ہیں وہ ثواب بھی لے لیتے ہیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد۔ رحمت اور نصرت کے دروازے بھی ان کے لئے کھل جاتے ہیں۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے واویلا کرتے ہیں چیختے چلاتے ہیں۔ اللہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اسکی قضا اور قدر پر راضی نہیں ہوتے تکلیف بھی اُٹھاتے ہیں اور ثواب سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ اور اللہ پر اعتراض کر کے کافر ہو جاتے ہیں۔ اور درحقیقت اصل مصیبت زدہ وہی لوگ ہیں جو ثواب سے بھی محروم رہتے ہیں۔ وانما المصاب من حرم الثواب (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

جس نے اپنی تکلیف پر صبر کر کے ثواب لے لیا آخرت میں درجات بلند کروالئے۔ اسکی تکلیف کوئی تکلیف نہیں ہے کیونکہ اُسے اس تکلیف کی قیمت مل گئی۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ مہینہ بھر ملازمت کی ڈیوٹی انجام دینے کے لئے تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ مزدور دن بھر دھوپ میں کام کرتے ہیں لیکن چونکہ ان سب کا معاوضہ مل جاتا ہے اس لئے یہ تکلیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اس کو تکلیف سمجھا ہی نہیں جاتا۔

دفع مصائب کیلئے نماز: صبر کے ساتھ نماز کا تذکرہ بھی فرمایا اور نماز کے ذریعہ بھی مدد حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ نماز بھی اللہ کی مدد اور نُصرت لانے کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ اور ہر طرح کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی مشکل پیش آجاتی تھی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

نماز فرض کا تو بہر حال اہتمام ہوتا ہی تھا۔ مشکلات سے نکلنے کے لئے اور حاجات پوری کرانے کے لئے آنحضرت سرور عالم ﷺ خصوصیت کے ساتھ نفل نماز میں مشغول ہو جاتے تھے صلوٰۃ الحاجۃ، صلوٰۃ الاستخارہ، صلوٰۃ التوبہ، صلوٰۃ الاستسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) یہ سب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ جو اللہ کی رحمت اور نصرت طلب کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہیں۔ اِس سلسلہ کی بعض روایات آیت کریمہ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کے ذیل

میں گزر چکی ہے لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ کوئی مصیبت آجائے دنیا بھر کی تدبیریں کرتے ہیں اور مخلوق سے مدد چاہتے ہیں لیکن صبر اور صلوٰۃ کو مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اس کے برعکس بے صبری کرتے ہیں اور تھوڑے بہت چند افراد جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ فرض نمازیں بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ نفل نمازوں میں لگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔اور جن گناہوں میں مبتلا تھے۔ان سب گناہوں میں بھی لگے رہتے ہیں۔ پھر رحمت اور نصرت کیسے ملے؟ آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ صابروں کے لئے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ اگر حکومت کا کوئی معمولی درجہ کا آدمی بھی یقین دلا دے کہ فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس سے بڑی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ طبیعت میں بڑا اطمینان ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا کہ میں صبر والوں کے ساتھ ہوں اس وعدہ پر عموماً لوگ یقین نہیں رکھتے اور صبر کے موقعہ میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت مومن کو کسی بھی جگہ ناکام ہونے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر میں اور صبر و صلوٰۃ میں لگا رہے پھر اس کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں اُن کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک نہیں کرتے

شہداء کے فضائل

تفسیر: علامہ واحدی اسباب النزول میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر میں شہید ہو جانیوالے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن میں آٹھ حضرات انصار میں سے اور چھ حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ شہید ہو جانے والوں کے بارے میں بعض لوگوں نے یوں کہا کہ فلاں مر گیا اور دنیا کی لذت اور نعمت اس سے فوت ہو گئی تو آیات بالا کا نزول ہوا۔اھ

اللہ کے دین کے پھیلانے اور حق کے آگے بڑھنے میں جو لوگ آڑے آتے ہیں اُن سے نبٹنے کے لئے جہاد اور قتال کرنا پڑتا ہے جب جہاد کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ سب کافر ہی مقتول ہوں اس میں بہت سے مسلمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں ان مقتول مسلمانوں کو شہداء کا معزز خطاب دیا گیا ہے۔ شہیدوں کے بڑے مرتبے ہیں۔ اُن سے بلند درجات کے وعدے ہیں ان کی برزخی زندگی بھی دوسروں سے ممتاز ہے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اُن پر موت طاری ہوئی ہے لیکن برزخی زندگی میں اُن کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ تم لوگ انکی اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ سورۃ آل عمران میں شہداء کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اور ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا اس پر خوش ہیں)

حیاتِ برزخیہ میں سب سے زیادہ قوی تر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہے۔ اُن کے اجسام کو زمین نہیں

لے فی روح المعانی ای ارادشیأ بقرینۃ قولہ تعالیٰ إنما امرہ اذا ارادشیأ وجاء القضاء علی وجوہ ترجع کلها إلی اتمام الشیی قولا أو فعلا والطلاقہ علی الارادۃ مجاز من استعمال اللفظ المسبب فی السبب فان الایجاد الذی ھوا تمام الشیی مسبب عن تعلق الارادۃ لانہ یوجبہ.

کھاتی۔حدیث شریف میں ہے۔

ان اللہ حرّم علی الارض أن تاکل اجساد الانبیاء (رواہ ابوداؤد) اوران کی حیات برزخیہ اس قدر ممتاز ہے کہ اس کے ظاہری آثار احکام دنیا بھی بعض اُمور میں ظاہر ہیں مثلاً انکی میراث کا تقسیم نہ ہونا اور ازواج مطہرات کا انکی وفات کے بعد دوسروں سے نکاح جائز نہ ہونا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ممتاز اور قوی تر حیاتِ برزخیہ کے بعد شہداء کی حیات کا درجہ ہے۔جس کا آیت بالا میں اور سُورۂ آلِ عمران کی آیت مذکورہ میں تذکرہ ہے۔ان کے بعد دوسرے لوگوں کی حیات ہے جس کے ذریعہ قبر میں عذاب ہوتا ہے یا آرام ملتا ہے ان کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

شہید چونکہ اپنا جان و مال لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔اس لئے اُس کا اللہ کے یہاں بہت بڑا مرتبہ ہے ان کا جو وہاں اکرام ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ دُنیاوی زندگی اس کے سامنے ہیچ در ہیچ ہے۔

حضرت مسروق تابعی نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ (الآیۃ) کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اُن کے لئے قندیل ہیں جو عرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں یہ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں۔پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ خواہش رکھتے ہو انہوں نے کہا ہم کیا خواہش کریں۔(اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ) ہم جنت میں جہاں چاہیں پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تین مرتبہ ان سے یہی سوال فرمایا جب اُنہوں نے دیکھا کہ سوال ہوتا ہی رہے گا کچھ نہ کچھ جواب دینا ہی ہے تو عرض کیا اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں دوبارہ جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں مقتول ہو جائیں۔جب اُنہوں نے کسی اور حاجت کا سوال نہ کیا (اور وہاں سے واپسی کا قانون نہیں ہے) تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔(رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ وفات پا جاتا ہے جس کے لئے اللہ کے پاس خیر ہو (یعنی عذاب سے نجات ہو اور وہاں کی نعمتوں سے متمتع ہو رہا ہو) اُسے یہ خوشی نہیں ہوتی کہ دنیا میں واپس آجائے۔اگرچہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اُسے مل جائے سوائے شہید کے' شہید کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ دنیا میں دوبارہ آجائے اور پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے کیونکہ وہ (وہاں پہنچ کر) شہادت کی فضیلت دیکھ لیتا ہے۔(بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ضرور میری یہ خواہش ہے۔کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔(بخاری)

نبوت کا مرتبہ تو ہر مرتبہ سے فائق ہے اور برتر ہے پھر بھی آنحضرت ﷺ نے اللہ کی راہ میں بار بار شہید ہونے کی تمنا ظاہر فرمائی۔اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں بار بار قتل ہونے اور زندہ ہونے کی تمنا پوری نہ فرمائی لیکن آپ کو درجہ شہادت اس طرح سے عطا فرما دیا کہ غزوۂ خیبر میں جو ایک یہودی عورت نے بکری کے بھنے ہوئے دست میں زہر ملا کر دے دیا تھا۔اُس کا اثر وقتی طور پر رُک گیا تھا لیکن وفات کے وقت اس نے اثر کیا اور وہ آپکی وفات کا ذریعہ بن گیا۔

حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے

شہید کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن فی سبیل اللہ قتل ہو جانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یُغفر للشہید کل ذنب الا الدّین (کہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ قرض کے علاوہ) (صحیح مسلم)

جہاد میں اخلاص کی ضرورت:

شہادت کا درجہ ملنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے دشمنان دین سے جنگ کی ہو اور اُس میں مقتول ہوا ہو اور اللہ کی بات اُونچی کرنے کے لئے لڑا ہو۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص غنیمت کے لئے جنگ کرتا ہے ایک شخص اپنی شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے لڑا ہے کہ بہادری میں اس کا مقام اور مرتبہ مشہور ہو جائے۔ سو ان میں اللہ کی راہ میں کون سا ہے آپ نے فرمایا جو اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کی بات بُلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری ظاہر کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص (قوم یا وطن) کی حمیّت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص ریا کاری کے لئے جنگ کرتا ہے۔ سو ان میں اللہ کی راہ میں کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص کو اللہ کی راہ میں زخم پہنچ جائے اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اُس کی راہ میں کس کو زخم پہنچا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کے زخم سے خون جاری ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح ص ۱۳۳ ج ۲)

اس میں یہ جو فرمایا کہ "اللہ ہی کو معلوم ہے جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوا"۔ اس میں اُسی اخلاص کی طرف اشارہ ہے جس کی ہر عبادت میں ضرورت ہے۔ بندے ظاہری اعمال تو دیکھتے ہیں لیکن اصل معاملہ اللہ سے ہے اگر اللہ کے نزدیک اُس کی نیت یہ ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے تو عمل کا ثواب ملتا ہے اور وہ فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور اگر کسی عمل سے ریا اور شہرت مقصود ہو تو اس سے ثواب کیا ملتا۔ وہ تو آخرت میں وبال بن جائے گا۔ اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہوگا۔

وطنی اور قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں ہیں:

آجکل بھی دنیا میں جنگ وجدال اور قتل وقتال جاری ہے لوگ برابر مر رہے ہیں قتل ہو رہے ہیں۔ لیکن عموماً قومی، وطنی، لسانی، صوبائی عصبیت کی وجہ سے لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ اللہ کی رضا کا کہیں سے کہیں تک بھی خیال نہیں۔ پھر ان لڑائیوں میں جو کوئی مارا جاتا ہے اس کو شہید بھی کہتے ہیں حالانکہ شہید وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہو۔ اور اب تو شہید وطن اور شہید قوم کے الفاظ بھی زبانوں پر جاری ہیں اور صحیفوں جریدوں میں آ رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کافروں اور ملحدوں کے لئے شہید کا لفظ استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ سب جہالت اور الحاد اور بے دینی کی باتیں ہیں۔ حفظنا اللہ من الضلال.

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ

اور خوشخبری سُنا دیجئے صبر کرنے والوں کو جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی

وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کے لئے ہیں اور بے شک ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف عام رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور یہ وہ لوگ

الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ہیں۔ جو ہدایت پانے والے ہیں

مختلف طریقوں سے آزمائش ہوگی

تفسیر: یہ دنیا دار الابتلاء اور دار الامتحان ہے۔ موت اور حیات کی تخلیق ہی ابتلاء اور امتحان کے لئے ہے۔ جیسا کہ سورۂ ملک میں فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ا لَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں پورا ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے پیدا فرمایا موت کو اور زندگی کو۔ تا کہ وہ آزمائے کہ تم میں کون عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔)

سورۂ محمد (ﷺ) میں فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَ اَخْبَارَكُمْ (اور البتہ ہم تم کو ضرور جانچیں گے تا کہ معلوم کرلیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور جو صبر کرنیوالے ہیں۔ اور تا کہ ہم جان لیں تمہاری خبریں)۔

مذکورہ بالا آیت میں بھی ابتلاء و امتحان کا تذکرہ فرمایا اور لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ مؤکد کر کے فرمایا کہ ہم تم کو ضرور ضرور جانچ میں ڈالیں گے اور امتحان کریں گے۔ کبھی خوف ہوگا۔ کبھی بھوک سے دوچار ہوگے' مال کم ہوگا' جانیں بھی کم ہوں گی۔ اعزاء واقرباء اولاد اور احفاد فوت ہوں گے پھلوں میں کمی ہوگی اس میں تمام امہات المصائب کا تذکرہ آ گیا' دنیا میں دشمنوں کا خوف قحط سالی' سیلاب اور زلزلے' تجارتوں میں نقصان۔ مکانات کا گر جانا۔ اموال کا چوری ہونا۔ کہیں دفن کر کے بھول جانا۔ رکھے ہوئے مالوں کا تلف ہو جانا۔ کارخانوں کا بند ہو جانا۔ مشینوں کا خراب ہو جانا۔ بجلی کا بند ہو جانا۔ اعزہ واقربا اور احباب کی موتیں ہونا۔ وبائی امراض کا پھیل جانا۔ باغوں میں پھل کم آنا یا بہت زیادہ پھل آ کر آندھی سے گر جانا۔ کھیتوں میں کیڑا لگ جانا۔ ٹڈی آ جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب امور کی طرف اشارہ ہو گیا۔

مومن بندے صبر سے کام لیتے ہیں جس طرح کی بھی کوئی مصیبت درپیش ہو اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اللہ کی قضا و قدر پہ راضی رہتے ہیں اور ثواب کی اُمید رکھتے ہیں۔ جو مصیبتیں درپیش ہوتی ہیں۔ وہ گناہوں کی سزا کے طور

پر بھی پیش آتی ہیں اور کفارہ سیئات کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ امتحان کے لئے بھی ہوتی ہیں اور رفع درجات کے لئے بھی۔ قرآن مجید سے اور احادیث شریفہ سے یہ باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

مومن بندوں کو مصائب کا فائدہ:

سورۂ نساء میں فرمایا: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (جوشخص بھی کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا) تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کیا اب کامیابی کی صورت ہے۔ جبکہ ہر بدی کا بدلہ ملنا ضروری ہے آپ نے فرمایا اے ابوبکر اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ کیا تم مریض نہیں ہوتے ہو، کیا تمہیں تکلیف نہیں پہنچتی' کیا تم رنجیدہ نہیں ہوتے' کیا تم کو کوئی مصیبت در پیش نہیں ہوتی عرض کیا ہاں یہ چیزیں تو پیش آتی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان چیزوں کے ذریعہ گناہوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابوبکر تم اور تمہارے اصحاب مومنین دنیا میں گناہوں کا بدلہ پالیں گے یہاں تک کہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کریں گے کہ کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔ لیکن دوسرے لوگ (یعنی کافر) ان کے سب گناہ جمع کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان سب کی سزا اُن کو قیامت کے دن ملے گی۔ (ابن کثیر)

سورۃ شوریٰ میں فرمایا: وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (اور جو کوئی مصیبت تم کو پہنچی سو وہ بدلہ ہے اسکا جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ معاف فرما دیتا ہے بہت سے گناہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی بندے کو کوئی تھوڑی یا زیادہ تکلیف پہنچتی ہے وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں وہ بہت زیادہ ہے۔ پھر آپ نے آیت کریمہ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اُسے تکلیف میں مُبتلا فرما دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳ ج ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی درجہ مقرر کر دیا گیا جس درجہ میں وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہ پہنچ سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم یا مال میں یا اولاد میں (تکلیفوں کیساتھ) مبتلا فرما دیتے ہیں پھر اس پر اس کو صبر دے دیتے ہیں یہاں تک کہ اُسے اُسی درجہ میں پہنچا دیتے ہیں جو پہلے سے اُس کے لئے طے فرما دیا تھا۔ (رواہ احمد وابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۱۳۷)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی کوئی تکلیف' مرض' فکر' رنج' اذیت' غم پہنچ جائے یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳ جلد ۲)

ام السائب ایک صحابیہ تھیں۔ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ اُن کے پاس تشریف لے گئے وہ کپکپا رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا بات ہے کیوں کپکپا رہی ہو؟ انہوں نے کہا اس کا بُرا ہو بخار چڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا بخار کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ بنی آدم

کی خطاؤں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دنیا ہی میں سزا دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو روکے رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو قیامت کے دن پوری سزا دے دیں گے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مَرد اور مومن عورت کو جان مال اور اولاد میں برابر تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریگا کہ اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں جو بالغ نہیں ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت فرمانے کی وجہ سے اس مسلمان کو (یعنی ان کے والد کو) جنت میں داخل فرما دیں گے۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ عورتیں جمع ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کے سامنے وعظ و نصیحت کی باتیں فرمائیں اور یہ بھی فرمایا کہ جس کسی کے تین بچے فوت ہو گئے وہ اس کے لئے دوزخ سے بچانے کے لئے آڑ بن جائیں گے ایک عورت نے کہا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہوئے ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہوئے ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (بخاری) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو مسلمان (میاں بیوی) جن کے تین بچے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرما دے گا اپنی رحمت کے فضل سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر دو بچے فوت ہوئے ہوں؟ فرمایا دو کا بھی یہی حکم ہے عرض کیا اگر ایک بچہ فوت ہوا ہو۔ فرمایا ایک کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بلا شبہ اُدھورا بچہ اپنی ماں کو اپنی ناف کے ذریعہ کھینچتا ہوا لے جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر اسکی ماں نے اس کی موت پر ثواب کی پختہ امید رکھی ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۳)

مومن بندوں کے لئے تکالیف اور مَصائب کوئی گھبرانے اور پریشان ہونے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ فانی دنیا میں تھوڑی بہت تکلیفیں پہنچ گئیں اور آخرت کے مواخذہ سے بچ گیا اور وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا تو اس کے حق میں یہ سراسر بہتر ہی بہتر ہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ مصیبت اور تکلیف دور ہونے کی دعا نہ کرے کیونکہ دعا بھی سنت ہے۔ اور ہمیشہ اللہ سے عافیت کا سوال کرے۔ مصیبت' تکلیف اور مرض کا سوال بھی نہ کرے' آ جائے تو صبر کرے۔

صابرین کی ایک خاص صفت

یہ فرمانے کے بعد کہ ہم تم کو ضرور ضرور آزمائیں گے۔ صابرین کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو) پھر انکی صفت بیان فرمائی۔ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب اُنکو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہتے ہیں۔ یہ کلمہ بہت سے

حقائق کو اپنے اندر سموئے ہوئے اور اس میں بہت بڑی تسلی ہے۔ اس میں اول تو زبان اور دل سے اس بات کا اقرار ہے کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں جب ہم اللہ ہی کے بندے ہیں۔ اسکی مخلوق ہیں اس کی مملوک ہیں تو ہمیں پوری طرح اپنے خالق و مالک کے فیصلے پر راضی ہونا ضروری ہے۔ ہم بھی اللہ ہی کے ہیں اور جو جان و مال اس نے لے لیا وہ بھی اللہ ہی کا ہے اس نے جو کچھ کیا اپنی مخلوق اور مملوک میں تصرف کیا۔ کسی کو بولنے اعتراض کرنے دل اور زبان سے ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایک صاحبزادی کا بچہ جان کنی کے عالم میں تھا۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں خبر بھیجی اور تشریف لانے کی گزارش کی۔ آپ نے اُن کو سلام کہلوایا اور فرمایا: اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ (کہ بلاشبہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ اس نے لیا اور اُسی کے لئے ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر ایک کی اُس کے نزدیک اجل مقرر ہے۔ لہٰذا صبر کر اور اللہ سے ثواب کی اُمید رکھ۔ (بخاری)

دوسرے اس بات کا اعلان اور اقرار ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچیں گے تو ہم کو ہر ضائع اور فوت شدہ چیز کا ثواب مل جائے گا۔ اور یہ ثواب دنیا کی حقیر چیزوں سے کہیں اعلیٰ و افضل ہے جن کے چلے جانے پر رنج ہوتا ہے۔ اپنے اعزہ و اقرباء آل اولاد جو فوت ہو گئے ان سے بھی عارضی جدائی ہے۔ جہاں وہ گئے وہیں ہم کو جانا ہے۔ وہاں دار النعیم میں ان شاء اللہ تعالیٰ اُن سے مُلاقاتیں ہو جائیں گی۔

سُنن ترمذی۔ میں ہے کہ جب بندہ کا کوئی بچہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندہ کے بچے کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں! پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے آپ کی تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اُس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان مرد یا عورت کو جو بھی کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ اور اسکو بعد میں یاد کرے اگرچہ اس کو عرصہ دراز گزر چکا ہو۔ اور اُس وقت پھر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو پھر اُسی جیسا اجر عطا فرماتے ہیں جیسا کہ اُس دن عطا فرمایا تھا جس دن اُس کو مصیبت پہنچی تھی۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تب بھی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے۔ کیونکہ یہ بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔ (رواہ المشکوٰۃ عن شعب الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اُسکی مصیبت کی تلافی فرما دیں گے اور اسکی آخرت اچھی کریں گے اور اسے ضائع شدہ چیز کے بدلہ اچھی چیز عطا فرمائیں گے۔ (درمنثور)

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ : صابرین کی صفت بیان فرمانے کے بعد (کہ جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہتے ہیں) ان کے لئے جو بشارت ہے اس کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

14

صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ.

لفظ صَلَوٰت صلوٰۃ کی جمع ہے صلوٰۃ رحمت کو کہتے ہیں۔ اور صَلَوٰت کے ساتھ لفظ رحمت بھی مذکور ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لفظ رحمت بطور تاکید کے لایا گیا ہے۔ و کرّر الرحمۃلما اختلف اللفظ تا کید او اشباعا للمعنی (قرطبی)

مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لفظ صلاۃ کی نسبت ہو تو اس سے تزکیہ اور مغفرت مراد ہوتی ہے اور اس کو جمع لانے میں اسکی کثرت پر اور اسکی مختلف انواع پر تنبیہ فرمائی اور رحمت سے مراد لطف اور احسان ہے۔ (ص ۱۱۷ ج ۱) بعض حضرات نے فرمایا کہ صلوٰۃ سے عام مہربانیاں اور رحمت سے خاص رحمت مراد ہے۔ رحمتوں کا انعام ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ کہ صابرین جو مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی قضا پر دل اور زبان سے رضامندی ظاہر کر کے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ پڑھ کر حق اور ثواب کی راہ پانے والے ہیں۔ (بیضاوی ص ۱۱۸ ج ۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صابرین کے لئے صلوات اور رحمت کے وعدہ کے ساتھ ہی جو اُن کو ہدایت یافتہ بتایا اور اُن کی شان میں المھتدون فرمایا۔ یہ زائد چیز بھی بہت عمدہ ہے۔ رحمتوں کا وعدہ بھی اور ہدایت پر ہونے کا اعلان بھی یہ سب کچھ نفع ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے۔

صبر سے متعلق چند فوائد

فائدہ: (۱) اس دنیا کا یہ مزاج ہے کہ دُکھ تکلیف کا ہر ایک کو سامان کرنا پڑتا ہے۔ اور نہ آرام ہمیشہ رہتا ہے اور نہ تکلیف ہمیشہ رہتی ہے۔ مومن بندے صبر اور شکر کو اختیار کرتے ہیں۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے اجر سے محروم ہوتے ہیں۔ شدہ شدہ کچھ دن کے بعد ان کو بھی صبر آ ہی جاتا ہے اور مصیبت کو بھول جاتے ہیں لیکن اس صبر کا کوئی اعتبار نہیں اجر و ثواب اور فضیلت اسی صبر کے متعلق ہے جو عین مصیبت کے وقت ہو۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اگر تو صدمہ اُولیٰ کے وقت صبر کرے اور ثواب کی امید باندھے تو میں تیرے لئے جنت کے علاوہ کسی دوسرے ثواب سے راضی نہ ہوں گا۔ (یعنی تیرے صبر اور احتساب کا بدلہ جنت ہی ہے) (رواہ ابن ماجہ)

(صحیح بخاری ص ۱۷۱ ج ۱) اور (صحیح مسلم) میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عورت پر گزر ہوا وہ ایک قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں' کہنے لگی کہ ہٹو مجھے چھوڑ دو کیونکہ تمہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی ہے جو مجھے پہنچی ہے۔ (اگر تمہیں ایسی مصیبت پہنچتی تو پتہ چلتا کیسی مصیبت ہے اسکے بعد آپ تشریف لے گئے) اس عورت سے کسی نے کہا کہ (تجھے معلوم ہے کس کو تو نے بے ڈھنگا جواب دیا ہے) آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ سن کر وہ عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی دروازہ پر پہنچی تو وہاں دربان (چوکیدار) نہ پائے (حالانکہ اس کو خیال تھا کہ آپ بہت ٹھاٹ باٹ سے رہتے ہوں گے اور آپ کے دروازہ پر بادشاہوں کی طرح دربان ہوں گے یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئی کہ سید الخالق صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی سادہ زندگی ہے) کہنے لگی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کو پہچانی نہیں (اس لئے ایسا جواب دیا) آپ نے فرمایا اصلی صبر وہی ہے جو تازہ تازہ مصیبت کے موقعہ پر ہو (کیونکہ وقت گزر جانے پر خود ہی صبر آ جاتا ہے)۔

اس حدیث میں اسی خاص نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن وحدیث میں جو صبر کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ اُس سے وہ صبر مراد ہے جو عین مصیبت اور تکلیف کے وقت ہو نیا نیا حادثہ ہے ابھی ابھی کسی کی موت ہوئی ہے یا رقم کھوگئی ہے دل رنجیدہ ہے اس وقت اگر ہم نے صبر کر لیا تو اس صبر کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ بلکہ حقیقت میں صبر ہی وہ ہے جو دل دکھا ہوا ہونے کے وقت ہو کیونکہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے مصیبت کا احساس طبعی طور پر کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کچھ دن کے بعد تکلیف کا بالکل احساس نہیں رہتا۔ وقت گزر جانے پر جب مصیبت بھول بھلیاں ہوگئی تو یہ نہ صبر ہے اور نہ اسکی کوئی فضیلت ہے اس میں مومن کافر سب برابر ہیں۔ جس صبر پر مومن سے اجر کا وعدہ ہے اس سے وہی صبر مراد ہے جو اس وقت ہو جب کہ رنج تازہ ہو دل بے چین ہو طبیعت بے قرار ہو۔ بُرے بُرے وسوسے آرہے ہوں۔ زبان اللہ پاک پر اعتراض کرنے کے لئے کھلنا چاہتی ہو۔ نفس خلاف شرع کاموں پر اُبھارتا ہو۔ ایسی حالت میں صبر کرنا باعثِ اجر ہے۔

فائدہ: (۲) کسی کی موت پر دل کا رنجیدہ ہونا یا آنکھوں سے آنسو آجانا۔ یا زبان سے رنج اور تکلیف کا اظہار کر دینا یہ بے صبری نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں (ص ۱۷۴ ج ۱) ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جانکنی کے وقت تشریف لائے اس وقت آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) (عام لوگ تو بچوں کی موت پر روتے ہی ہیں) بھلا آپ بھی رونے لگے آپ نے فرمایا یہ طبعی رحمت ہے (جو اللہ پاک نے دل میں رکھی ہے) پھر فرمایا کہ بے شک آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم زدہ ہے اور زبان سے ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو پھر فرمایا اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہم کو رنج ہے۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسوؤں اور دل کے رنج پر عذاب نہیں دیتا لیکن وہ زبان کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم فرماتا ہے۔ یعنی زبان سے بُرے کلمات کہنے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے پر گرفت اور عذاب ہے۔ اور اگر یوں کہا کہ میں اللہ کی قضا اور قدر پر راضی ہوں اس نے جو کچھ کیا بہتر ہے تو اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

فائدہ: (۳) جس طرح زباں سے بُرے کلمات نکالنا ممنوع ہے اور بے صبری ہے اسی طرح عمل سے کوئی ایسی حرکت کرنا جو صبر کے خلاف ہے یا غیر مسلموں کا طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ مُصیبت' دُکھ' تکلیف کے وقت خاص کر جب کوئی بچہ فوت ہو جائے اپنے چہرے پر طمانچے مارتے ہیں۔ دیوار پر سر دے کر مارتے ہیں گریبان پھاڑتے ہیں جاہلانہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا ہی بچہ رہ گیا تھا اُسے اللہ نے موت دی۔ یہ سب جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو رُخساروں پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی دُہائی دے۔ (صحیح مسلم)

بعض علاقوں میں مرنے والے کے سوگ میں بال مُنڈوا دیتے ہیں اور خاص کر عورتیں تو بہت ہی چیختی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے بری ہوں جو (کسی کی موت پر) سر مونڈے' آوازیں بلند کرے اور کپڑے پھاڑے۔ (صحیح مسلم)

عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ عزیزوں کی موت پر چیختی ہیں اور چلاتی ہیں۔ گھر سے باہر آوازیں جاتی ہیں اور برس چھ مہینے تک جو بھی کوئی مہمان آئے اُس کے سامنے زبردستی کا رونا لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور نوحہ کرنا ان کی ایک خاص عادت ہے۔ میت کو خطاب کر کے کہتے ہیں اے میرے پیارے اے میرے جوان اے بیٹا تو کہاں گیا۔ مجھے تو کس پر چھوڑے تو ایسا تھا ویسا تھا۔ اور اس طرح کی

بہت سی باتیں پکار پکار کر بیان کرتی ہیں اور رونا پیٹنا مہینوں تک کے لئے اُن کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ باوجود منع کرنے کے اور شرعی ممانعت کے جاننے کے نوحہ کرتی رہتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے لعن اللہ النائحۃ والمسمعۃ کہ اللہ کی لعنت ہو نوحہ کرنے والی پر اور اس کا نوحہ سننے والی پر (رواہ ابوداؤد) حضور اقدس علیہ السلام نے نوحہ کرنے والی پر لعنت فرمائی اور ساتھ ہی نوحہ سننے والی پر بھی (کیونکہ نوحہ کرنے والی کا نوحہ سننے کے لئے جو عورتیں جمع ہوں وہ بھی نوحہ کا سبب بنتی ہیں۔ عموماً نوحہ کرنے والی عورت تنہائی میں نوحہ نہیں کرتی) (صحیح مسلم ص ۳۰۳) میں ہے کہ نوحہ کرنے والی موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے بدن میں ایک کرتہ قطران کا ہوگا اور ایک کرتہ کھجلی کا ہوگا۔

عرب میں قطران ایک درخت کا پانی ہوتا تھا جس کو کھجلی والے بدن پر لگاتے تھے اسکی خاصیت تیزاب جیسی تھی اس سے کھجلی جل جاتی تھی اور کھجلی جل کر آرام ہو جاتا نوحہ کرنے والی کے جسم پر قیامت کے دن اول تو کھجلی مسلّط کی جائے گی۔ دنیا میں رواج ہے کہ جب کسی کو ایگزیما اور داد ہو جاتا ہے تو اس پر تیزاب لگا دیتے ہیں۔ اس سے جو تکلیف ہوتی ہے بیان سے باہر ہے اور یہ تکلیف دنیا میں ہوتی ہے آخرت کی تکلیف دنیا کی تکلیفوں سے کہیں زیادہ ہے (العیاذ باللہ) پھر دنیا میں جو تیزاب لگاتے ہو اُس سے ایگزیما اور دادا چھا ہو جاتا ہے لیکن آخرت میں چونکہ عذاب دینا مقصود ہوگا۔ اس لئے قطران لگا ہوا ہونے سے کھجلی نہیں جائے گی بلکہ اور شدید تکلیف ہوتی رہے گی۔

فائدہ: (۴) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے ساتھ ایک اور دُعا بھی حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تھا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچ جائے اور وہ اللہ جل شانہٗ کے فرمان کے مطابق اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھے اور ساتھ ہی یہ بھی پڑھے: اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا. (اے اللہ میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کا بدلہ مجھے اس سے بہتر عنایت فرما)۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ جب اُبوسلمہ کی وفات ہوگئی تو میں نے (دل میں) کہا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون سا مسلمان ہوگا؟ اس کا گھرانہ پہلا گھرانہ ہے جس نے رسول اللہ علیہ السلام کی طرف ہجرت کی۔ پھر بھی میں نے مذکورہ دُعا پڑھ لی لہٰذا مجھے اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ کے بدلہ رسول اللہ علیہ السلام کی ذات گرامی عطا فرما دی۔ (یعنی آپ سے نکاح ہوگیا) اور آپ اُبوسلمہ سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

فائدہ: (۵) یہاں تک جو متعدد احادیث کا ترجمہ لکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے دنیاوی تکالیف اور مصائب' امراض و آلام سب نعمت ہیں ان کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ درجات بلند ہوتے ہیں اور گناہوں کا کفارہ ہو جانے کی وجہ سے برزخ اور روز قیامت کے عذاب سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ مومن بندوں پر لازم ہے کہ صبر و شکر کے ساتھ ہر حال کو برداشت کرتے چلیں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی بہت زیادہ پختہ اُمید رکھیں اور یقین جانیں کہ ہمارے لئے صحت و عافیت بھی خیر ہے اور دُکھ تکلیف بھی بہتر ہے۔ اصل تکلیف تو کافر کی تکلیف ہے اُسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا۔ مومن کی تکلیف' تکلیف نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مصیبت و تکلیف اور مرض کی دعاء کیا کریں یا شفاء کی دعا نہ مانگیں۔ کیونکہ جس طرح صبر میں ثواب ہے شکر میں بھی ثواب ہے۔ سوال تو عافیت ہی کا کریں اور کرتے رہیں اور تکلیف پہنچ جائے تو صبر کریں۔

فائدہ: (۶) بہت سے لوگ جو آرام و راحت اور دکھ تکلیف کی حکمت اور اس بارے میں قانون الٰہی کو نہیں جانتے

بہت سی بے تکی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جہان کی ساری مصیبتیں مسلمانوں پر ہی آ پڑی ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ کافروں کو محلات اور قصور اور مسلمانوں کو صرف وعدۂ حور کبھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غیروں کو خوب نوازا ہے اور اپنوں کو فقر و فاقہ اور دوسری مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ جاہل اتنی بات نہیں جانتے کہ اپنا ہونے ہی کی وجہ سے تو مسلمانوں کو تکلیفوں میں مبتلا فرمایا جاتا ہے تاکہ ان کے گناہ معاف ہوں۔ درجات بلند ہوں۔ اور آخرت میں گناہوں پر سزا نہ ہو درحقیقت یہ بہت بڑی مہربانی ہے کہ دنیا کی تھوڑی بہت تکلیف میں مُبتلا فرما کر آخرت کے شدید عذاب سے بچا دیا جاتا ہے' اور کافروں کو چونکہ آخرت میں کوئی نعمت نہیں ملنی۔ کوئی آرام نصیب نہیں ہونا بلکہ ان کے لئے صرف عذاب ہی عذاب ہے۔ اس لئے ان کو دنیا زیادہ دے دی جاتی ہے اور اُن پر مصیبتیں کم آتی ہیں۔ اگر کسی کافر نے خدمت خلق وغیرہ کا کوئی کام کیا تو اس کا عوض اس دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں اُسے ذرا سی بھی خیر اور معمولی سا بھی آرام نہ ملے گا۔ اور اَبدالا باد تک دوزخ میں رہے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چٹائی اور آپ کے جسم کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے۔ چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے مُبارک پہلوں میں نشان ڈال دیئے ہیں۔ آپ ایسے تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے ہیں جو چمڑے کا ہے۔ جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ سے دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کو خوب مال دیدے۔ کیونکہ فارس اور روم میں لوگوں کو وسعت دی گئی ہے اور وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب کیا تم (ابھی تک) اسی (سوچ بچار) میں پڑے ہو (تمہیں معلوم نہیں) کہ ان لوگوں کو عمدہ چیزیں اس دنیا میں دے دی گئی ہیں (آخرت میں اُن کو کچھ نہیں ملنا) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کیا تم اُس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اُس پر اس بات میں ذرا بھی گناہ نہیں

عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

کہ ان دونوں کے درمیان آنا جانا کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان ہے جاننے والا ہے

حج و عمرہ میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرنیکی مشروعیت اور اس کی ابتداء

تفسیر: شعائر شعیرۃ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں صفا اور مروہ مکہ معظمہ میں دو پہاڑیاں ہیں جو کعبہ شریف سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہیں ان میں صفا بہ نسبت مروہ کے کعبہ شریف سے زیادہ قریب ہے' حج اور عمرہ میں سات مرتبہ ان دونوں پر آنا جانا ہوتا ہے۔ اس کو سعی کہا جاتا ہے یہ حج اور عمرہ دونوں میں واجب ہے اللہ تعالیٰ شانہ' نے صفا اور مروہ کو شعائر اللہ میں سے فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے جو مناسک حج میں سے ہے اور حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ہے اس اعتبار سے دین اسلام میں ان دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان آنے جانے کی ابتداء کس طرح ہوئی اس کا واقعہ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری ص ۴۷۴ ج ۱ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو مکہ معظمہ میں چھوڑ کر تشریف لے گئے (جو اس وقت چٹیل میدان تھا) انکے پاس ایک تھیلہ میں کچھ کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی رکھ دیا۔ جب واپس ہونے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ انکے پیچھے ہو لیں۔ اور کہنے لگیں کہ اے ابراہیم ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں نہ کوئی انسان ہے نہ اور کوئی چیز ہے کئی بار اُنہوں نے یہی سوال کیا وہ سوال کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے سوال کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں، وہ کہنے لگیں بس تو اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اپنے بچہ اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں اور جو پانی موجود تھا اس میں سے پیتی رہیں، مشکیزہ میں جو پانی تھا جب وہ ختم ہو گیا تو خود بھی پیاسی ہو گئیں اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا۔ وہ بچہ کو تڑپتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ جب اسکی حالت نہ دیکھی جا سکی تو صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں تا کہ بچہ پر نظر نہ پڑے۔ صفا پر کھڑے ہو کر نظر ڈالی کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اُتر کر مروہ کی طرف چلیں، درمیان میں نشیب تھا وہاں پہنچیں تو تیزی کے ساتھ دوڑ کر گزر گئیں۔ مروہ پر پہنچ کر پھر نظریں ڈالیں کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ سات مرتبہ ایسا ہی کیا (کبھی صفا پر جاتیں کبھی مروہ پر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں تک پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ اسی وجہ سے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں (یعنی یہ سعی کی ابتداء ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے عمل کو حج و عمرہ کی عبادت کا جزو بنا دیا) جب آخری مرتبہ مروہ پر تھیں تو اُنہوں نے ایک آواز سنی، آواز سنکر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہنے لگیں کہ مطمئن ہو جا۔ اس کے بعد انہوں نے کان لگایا تو پھر آواز سنی، آواز سن کر کہنے لگیں (کہ اے بولنے والے) تو نے آواز تو سنا دی اگر تیرے پاس کوئی مدد کی صورت ہے تو ہماری مدد کر دے، اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ جس جگہ زمزم ہے وہاں فرشتہ نے اپنی ایڑی سے تھوڑی سی زمین کُریدی۔ یہاں تک کہ زمین پر پانی ظاہر ہو گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے وہاں حوض کی صورت بنانی شروع کر دی اور اس میں سے اپنے مشکیزہ میں پانی بھر لیا۔ مشکیزہ میں بھرنے کے بعد بھی پانی جوش مار رہا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے اسماعیل کی والدہ پر اگر وہ زم زم کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیتیں تو زمزم (زمین پر) جاری ہونے والا چشمہ ہوتا۔ اب انہوں نے اس میں سے پانی پیا اور بچہ کو دودھ پلایا۔ اور فرشتے نے ان سے کہا کہ تم ضائع ہونے سے نہیں ڈرنا کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے جسے یہ لڑکا اور اس کا والد دونوں مل کر تعمیر کریں گے۔ فرشتہ نے یہ بھی کہا بلا شبہ اللہ اپنوں کو ضائع نہیں فرماتا۔ (اس کے بعد بخاری شریف میں وہاں بنی جرھم کے آباد ہونے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قبیلہ میں شادی ہونے کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تشریف لانے کا اور کعبہ شریف تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اللہ تعالیٰ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ کا صفا مروہ کے درمیان آنا جانا ایسا پسند آیا کہ حج عمرہ کرنیوالوں کے لئے اس کو احکام حج عمرہ میں داخل فرما دیا۔ اللہ کی راہ میں قربانی والوں کی عجیب شان ہوتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں صفا مروہ کی سعی

صحیح بخاری ص ۲۴۶ ج ۲ میں حضرت عاصم بن سلیمان سے نقل کیا ہے۔ کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفا مروہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ اُن پر آنے جانے کو جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان پر جانے سے رُک گئے اللہ تعالیٰ نے آیت إن الصفا والمروة الآية نازل فرمائی (صحیح مسلم) میں اس

بارے میں متعدد روایات درج ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں انصار منات کے لئے احرام باندھتے تھے (جو ایک مشہور و معروف بت تھا) جب اُس کے لئے احرام باندھتے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کو حلال نہیں سمجھتے تھے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے آئے تو اُنہوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ بیان فرما کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ اس کا حج پورا نہیں کرے گا جس نے صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کی' (صحیح بخاری) میں اُبو بکر بن عبدالرحمٰن کا بیان نقل کیا ہے میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ عام طور پر زمانہ جاہلیت میں لوگ صفا مروہ کی سعی کیا کرتے تھے۔ سوائے ان لوگوں کے جن حضرت عائشہؓ نے ذکر فرمایا (کہ جو لوگ منات کے لئے احرام باندھتے تھے وہ صفا مروہ پر آنے جانے سے بچتے تھے) جب قرآن مجید میں طواف بیت اللہ کا حکم آیا (جو سورۂ حج میں ہے) اور صفا مروہ کا ذکر نہیں آیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم صفا مروہ پر آیا جایا کرتے تھے اور یہ جاہلیت کے زمانہ کی بات تھی۔

اللہ تعالیٰ نے طواف کے بارے میں حکم نازل فرمایا ہے اور صفا مروہ کا ذکر نہیں فرمایا تو کیا اس بات میں کچھ حرج ہے کہ ہم صفا مروہ پر آنا جانا کریں' اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اس کے بعد ابو بکر بن عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ آیت بالا دونوں فریقین کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ پر نہیں جاتے تھے ان کے بارے میں بھی اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ پر جاتے تھے پھر زمانہ اسلام میں جانے کو پسند نہ کیا ان کے بارے میں بھی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس بارے میں لمبی بحث کی ہے اور روایات میں تطبیق دینے کی کوشش فرمائی ہے۔

نسائی نے نقل کیا ہے کہ صفا اور مروہ پر تانبہ کے دو بت تھے۔ ایک کا نام اساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا مشرکین (حج یا عمرہ میں صفا مروہ پر جاتے تھے تو ان کو ہاتھ لگاتے تھے) حضرت شعبی سے منقول ہے کہ ایک بت صفا پر تھا جس کا نام اساف تھا اور ایک بت مروہ پر تھا جس کا نام نائلہ کہا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان دونوں کو پھینک دیا گیا اب مسلمان کہنے لگے کہ صفا مروہ پر آنا جانا جاہلیت والوں کا کام ہے جو اپنے بتوں کی وجہ سے ان پر آتے جاتے تھے لہٰذا ان دونوں کے درمیان سعی کرنے سے رُک گئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کا علمی جواب

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ اس میں لفظ لَا جُنَاحَ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص صفا مروہ کی سعی نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اگر بات اس طرح ہوتی جیسے تم کہہ رہے ہو تو آیت کے الفاظ یوں ہوتے لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفا مروہ پر آنا جانا نہ کرے) آیت میں تو یوں ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفا مروہ پر آنا جانا کرے' پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو صفا مروہ پر جانے سے رکتے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اب صفا مروہ پر جائیں یا نہ جائیں تو اس پر یہ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ (صفا مروہ پر

جانے میں کچھ حرج نہیں ہے) پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صفا مروہ کی سعی کو رسول اللہ ﷺ نے مشروع فرمایا ہے۔ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان سعی چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری)

سعی کے مسائل

مسئلہ: صفا مروہ کی سعی طواف کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ حج کی سعی طواف قدوم کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور طواف زیارت کے بعد بھی اور طواف زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہے۔ البتہ جس کا حج قران ہو اُسے طواف قدوم کے بعد کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: پہلے زمانہ میں صفا مروہ کے درمیان ایک جگہ نشیب تھا۔ حضرت اسمٰعیل کی والدہ وہاں سے دوڑ کر گزری تھیں اس لئے حج و عمرہ میں سعی کرنے والے بھی اس جگہ دوڑ کر گزرتے ہیں۔ اب نشیب نہیں ہے زمین برابر ہموار ہے اُوپر چھت پڑی ہوئی ہے اس جگہ کی نشانی کے لئے ہرے ستون بنا دیئے گئے ہیں۔ ایک ہرے ستون سے دوسرے ہرے ستون تک دوڑ کر چلنا مسنون ہے۔

مسئلہ: سعی کے صرف سات چکر ہیں۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر ہوتا ہے اسی طرح سات چکر پورے کئے جائیں، صفا سے شروع کر کے مروہ پر سعی ختم کی جائے۔

مسئلہ: سعی خود کرنا واجب ہے اس میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ (الّا یہ کہ کوئی شخص احرام سے پہلے بے ہوش ہو جائے تو دوسرا شخص اسکی طرف سے احرام باندھ لے اور مکہ معظمہ پہنچ کر اسکی طرف سے طواف قدوم اور سعی کرے تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ اس سے پہلے اسے ہوش نہ آیا ہو)

مسئلہ سعی پیدل کرنا لازم ہے اگر کسی نے بلا عذر سواری پر سعی کی اور پھر اعادہ نہیں کیا یعنی دوبارہ نہیں کی تو دم واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص سعی چھوڑ کر مکہ معظمہ سے چلا گیا تو اسکی تلافی کے لئے ایک دم واجب ہوگا۔

مسئلہ: ہرے ستونوں کے درمیان تیزی سے چلنا صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں (کیونکہ انکی طرف سے ان کی جنس کی ایک عورت یہ کام کر چکی اور اُسی کے عمل کی تو یہ نقل ہے جو حج اور عمرہ کا جزو بنا دی گئی ہے)

آیت کے اخیر میں فرمایا: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ کہ جو بھی شخص کوئی اچھا کام اپنی خوشی سے کر دے (جو اس پر فرض واجب نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ثواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ کی قدردانی فرماتے ہیں اور جو شخص کوئی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسکی پوری طرح خبر ہے۔ خیر و شر کا کوئی ذرّہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اُن چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں جو واضح چیزیں ہیں اور ہدایت کی باتیں ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے

فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

کتاب میں بیان کیا یہ چھپانے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں لعنت کرنے والے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی

وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

اور بیان کیا سو یہ وہ لوگ ہیں میں جن کی توبہ قبول کروں گا۔ اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ رحیم ہوں

حق چھپانے والوں کی سزا

تفسیر: علامہ واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ آیت علماء اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے آیت رجم کو چھپایا اور آنحضرت ﷺ کی صفات کو (جو توریت شریف میں پڑھتے آئے تھے) پوشیدہ رکھا۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور بعض دیگر انصار نے بعض علماء یہود سے توریت کی بعض باتیں دریافت کیں تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی نیز درمنثور میں یہ بھی ہے کہ حضرت اُبوالعالیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی نعت کا کتمان کیا (یعنی اس بات کو بھی چھپایا کہ توریت شریف میں آپ کی بعثت کا ذکر ہے اور آپ کی نعت اور صفت جو توریت شریف میں مذکور تھی اس کو بھی پوشیدہ رکھا) حالانکہ وہ یہ سب کچھ اپنے پاس لکھا ہوا پاتے تھے۔
صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر جو کھلی کھلی آیات واضحہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں جن میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ بھی تھا۔ اس کو اُہل کتاب نے چھپایا اور پوشیدہ رکھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اَلْهُدٰی عطف ہے البیّنات پر اور اس سے عمومی طور پر ہدایت کی سب چیزیں مُراد ہیں۔ جن میں حضرت خاتم النبیین پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع کرنا بھی شامل ہے۔ اور آیات اگرچہ اَہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن ان کا حکم سب کے لئے عام ہے یعنی علم دین کا چھپانا ہر جاننے والے کیلئے گناہ ہے۔ (ص ۲۶-۲۷ ج ۲)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اگر دو آیتیں نہ ہوتیں (جن میں علم چھپانے کی وعید مذکور ہے) تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا پھر اُنہوں نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں اور سُنن ابن ماجہ ص ۲۳ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کوئی ایسا علم چھپایا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دینی معاملہ میں نفع پہنچاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کے منہ میں آگ کی لگام لگائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ آیات بینات اور ہدایت کے چھپانے والوں کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ اُن پر لعنت فرماتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں) لعنت کا معنی ہے رحمت سے دور کر دینا' اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور فرماتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان کے لئے بددعا کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں۔ تفسیر درمنثور (ص ۱۶۲ ج ۱) میں حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ لعنت کرنے والوں سے جنات اور انسان اور زمین پر چلنے والے تمام جاندار مُراد ہیں پھر فرمایا: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا (الآیۃ) یعنی جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور بیان کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کر لوں گا۔

حق چھپانے اور گمراہ کرنے والوں کی توبہ کی شرائط

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا ای رجعوا من الکتمان أوعنہ وعن سائر ما یجب أن یتاب عنہ۔ (یعنی وہ لوگ لعنت سے بچ جائیں گے جنہوں نے علم کے چھپانے سے اور ہر اُس عمل سے توبہ کی جس سے توبہ کرنا لازم ہے) پھر فرمایا وَاَصْلَحُوْا' اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں: اصلحوا ما افسدوا بالتدارک فیما

یتعلق بحقوق الحق والخلق ومن ذلک ان یصلحوا قومھم بالارشاد الی الاسلام بعد الاضلال وان یزیلوا الکلام المعرف ویکتبوا مکانہ ما کانوا ازالوہ عند التحریف۔ یعنی توبہ کرنے کے ساتھ اصلاح بھی کریں، جو فساد کیا تھا اس کو دور کریں حق کے چھپانے کی وجہ سے خالق جل مجدہ اور مخلوق کے جو حقوق تلف ہوئے تھے ان کا تدارک کریں اور جن لوگوں کو گمراہ کیا تھا اُن کو اسلام قبول کرنے کی طرف دعوت دیں اور بتادیں کہ ہم نے تم کو حق سے روکا تھا حق یہ ہے کہ جو ہم اب کہہ رہے ہیں اور اللہ کی کتاب میں جو کچھ تحریف کی تھی اس کو دُرست کردیں۔ غلط کو ہٹادیں اور صحیح کو اس کے قائم مقام کر دیں۔ پھر فرمایا: وَبَیَّنُوْا اسکی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ ای اظھر وا ما بینہ اللہ تعالٰی للناس معاینۃ (یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو کچھ بیان فرمایا تھا اور انہوں نے اُس کو چھپا دیا تھا اب اُس کو خوب واضح طور پر بیان کریں)۔

نیز صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وبھذین الامرین تتم التوبۃ۔ یعنی جن لوگوں نے حق کو چھپایا فساد کیا لوگوں کو گمراہی پر ڈالا ان کی توبہ اُسی وقت پوری ہوگی جب وہ اصلاح بھی کریں اور بیان بھی کریں۔ ان کے قول و فعل سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں اور عوام وخواص میں جو گمراہی پھیلی اسکی تلافی کریں جو حقوق تلف ہوئے ہیں ان کا تدارک کریں۔

یہ بات بہت اہم ہے جسکی طرف لوگوں کی بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ بہت سے آزاد خیال لوگ جو اہل حق کو چھوڑ کر خود رو مجتہد اور مجدد بن جاتے ہیں اور مصنف اور مضمون نگار ہونے کے زعم میں زور قلم دکھاتے ہیں ایسے لوگ اہل سنت والجماعت سے ہٹ کر اپنی راہ نکالتے ہیں اور اُسی کی اشاعت کرتے ہیں یہ لوگ اگر توبہ کرنے لگیں تو صرف تنہائی میں توبہ کرنا کافی نہیں ہے ان لوگوں پر لازم ہے کہ صاف صاف اعلان کریں اور عوام کو بتائیں کہ فلاں فلاں عقیدہ یا عمل کو جو ہم نے اہل السنّت والجماعت کے مسلک کے خلاف تبلیغ واشاعت کی ہے وہ غلط ہے۔ آجکل فتنوں کا دور ہے۔ بہت سے لوگ صریح کفر اختیار کرلیتے ہیں اور اس کی تبلیغ واشاعت بھی کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب توبہ کرتے ہیں تو چپکے سے توبہ کرکے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا۔ تینوں پر عمل کریں۔

فائدہ اولیٰ: جہاں علم دین کو چھپانا گناہ ہے۔ وہاں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ جو شخص واقعی عالم ہو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واقف ہو حلال حرام کا علم رکھتا ہو مسائل سے پوری طرح واقف ہو مسئلہ بتانے فتویٰ دینے کا مقام اُسی شخص کا ہے۔ غلط مسئلہ بتانے کا وبال بھی بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من سئل من علم عَلِمہٗ ثم کتمہ اُلجم یوم القیامۃ بلجام من نار (کہ جس شخص سے علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا پھر اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اُس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی) (سنن الترمذی ابواب العلم)

اس میں لفظ عَلِمہٗ جو زیادہ فرمایا ہے یہ اس بات کو واضح کررہا ہے کہ جو شخص جانتا ہو بتانے کی ذمہ داری اُسی کی ہے بے علم اگر دینی بات بتانے کی جُرأت کرے گا تو گمراہی کے گڑھے میں گرے گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جسے علم کی کوئی چیز معلوم ہو تو وہ اُسے بتادے اور جسے معلوم نہ ہو تو واللہ اعلم کہہ دے (یعنی اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے) اس لئے کہ یہ بھی علم کی بات ہے کہ جو کچھ نہ جانتا ہو اُس کے بارے میں اللہ اعلم کہہ دے اور خواہ مخواہ اپنے پاس سے نہ بتادے اور بتکلف عالم نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے۔ قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ (آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر کسی اُجرت کا سوال نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ لا ادری نصف العلم (یعنی یہ کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا یہ آدھا علم ہے) بہت سے ناقص العلم آدمیوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اُن کے ہاں لا ادری کا خانہ ہی نہیں ہے ہر بات بتانے کو تیار ہیں اور علم پڑھے بغیر دینی کتابیں لکھتے ہیں غلط مسائل جمع کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جب کسی اچھے علم والے ماہر مفتی سے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو وہ ابھی غور ہی کر رہا ہے لیکن پاس کے بیٹھنے والے جاہلوں نے بتا کر بات ختم بھی کر دی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ دینی ذمہ داری اور آخرت کے مواخذہ کا احساس نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اَجْرَءُ کُمْ عَلَى الفُتْيَا اَجْرَءُ کُمْ عَلَى النَّارِ (یعنی تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں زیادہ جَری ہے وہ دوزخ میں جانے پر زیادہ جرأت کرنے والا ہے) سنن الدارمی۔

درحقیقت قرآن کے معنی بتانا یا حدیث کی روایت کرنا یا مسئلہ بتانا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ حضرت محمد بن المنکدر ر نے فرمایا کہ بلاشبہ عالم (جو علم کی باتیں بتاتا ہو) وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے۔ اب اس ذمہ داری سے نکلنے کا راستہ سوچے (سنن الدارمی) نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ اٹکل سے اور بھرپور علم کے بغیر باتیں نہ بتائے اور جو کوئی بات معلوم نہ ہو صاف کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی فتویٰ دیا گیا۔ جو علم اور تحقیق کے بغیر تھا تو اس کا گناہ اُسی پر ہے جس نے اُسے فتویٰ دیا۔ (سنن دارمی) و (سنن ابوداؤد)

اول تو مسئلہ خوب تحقیق کے بعد بتائیں پھر بھی اگر غلطی ہو جائے تو اپنی غلطی کا اعلان کریں اور جسے فتویٰ دیا ہو اُسے تلاش کریں اور بتائیں کہ ہم سے غلطی رہ گئی صحیح مسئلہ یہ ہے۔

فائدہ ثانیہ: علم کی باتوں کو چھپانا گناہ ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے معلوم ہوا لیکن بتانے والے کو یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ سائل جو کچھ پوچھ رہا ہے وہ اس کے جواب کو سمجھنے کا اہل ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر سمجھ بھی لے تو اس سے مطلب کیا نکالے گا اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگی تو وہ اس کو سمجھ پائیں گے یا نہیں اور کسی فتنہ میں تو نہ پڑ جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو وہ باتیں بتاؤ جو جانتے پہچانتے ہوں (ان کی عقل و فہم سے اُونچی باتیں کرو گے تو وہ اللہ و رسول کی تکذیب کریں گے) کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اُس کے رسول کی تکذیب کی جائے (بخاری) حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: من لقی اللہ لا یشرک بہ شیئاً دخل الجنۃ (کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک نہ کیا ہو تو جنت میں داخل ہوگا) انہوں نے عرض کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں مجھے ڈر ہے کہ لوگ (اسی پر) بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور اعمال چھوڑ دیں گے) (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان الذی یفتی الناس فی کل ما یُستفتٰی لمجنون۔ (جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء کا جواب دے وہ دیوانہ ہے) (سنن دارمی ورواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی جمع الفوائد)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے سو یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور

أَجْمَعِينَ ﴿۱۶۱﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

تمام لوگوں کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی

کفر پر مرنے والوں پر لعنت اور عذاب

تفسیر: اس آیت شریفہ میں کفر پر مرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے آیت کا عموم ان یہود کو بھی شامل ہے جو کفر پر جے رہے اور دوسروں کو بھی کفر پر جمائے رہے۔ حضور اقدس ﷺ کی نعت اور صفت کو چھپایا اور حق کو قبول نہ کیا اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیا' اور یہود کے علاوہ دوسرے تمام کفار نصاریٰ مشرکین منکرین خدا منکرین رسالت انبیاء علیہم السلام اور منکرین عقائد اسلامیہ اور منکرین ضروریات دین اور ختم نبوت کے منکر اور تمام ملاحدہ اور زنادقہ اور وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا پھر کافر ہو گئے ان سب کو آیت کا عموم شامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمام کافر جو کفر پر مر جائیں اُن سب پر اللہ کی لعنت ہے اور سب فرشتوں کی اور سب انسانوں کی' گزشتہ آیت کی تفسیر میں بتا دیا گیا ہے کہ لعنت خدائے پاک کی رحمت سے دوری کو کہتے ہیں۔ سب سے بڑی دوری یہ ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ کے لئے داخلہ ہو جائے کافروں کے لئے یہ سب سے بڑی لعنت ہے اس کے لئے خَالِدِیْنَ فِیْهَا فرمایا۔ حضرت ابو العالیہ نے اسکی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا خالدین فی جهنم فی اللعنة یعنی وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل ہوں گے اور لعنت میں رہیں گے۔ (درمنثور)

شاید کسی کے ذہن میں یہ خیال وارد ہو کہ کافر تو ایک دوسرے پر لعنت نہیں کرتے۔ پھر ان لوگوں کی لعنت کیسے ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس دنیا میں لعنت نہیں کرتے مگر آخرت میں سب ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ سورۂ عنکبوت میں ہے۔ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَّمَأْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (یعنی پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے سے برگشتہ ہو جاؤ گے۔ اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔ اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہو گا)۔

سورۃ اعراف میں ہے: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ (جب بھی کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہو گی تو وہ دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں ایک دوسرے کو پالیں گے تو بعد والے پہلے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا ان کو آگ کا دوگنا عذاب دے)۔

اور سورۃ احزاب میں فرمایا: وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی' سو انہوں نے ہم کو راہ سے بھٹکا دیا اے ہمارے رب اُن کو دُہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت فرما۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کافر کھڑا کر دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ پھر اس کے فرشتے لعنت کریں گے۔ پھر تمام انسان اس پر لعنت بھیجیں گے)

پھر فرمایا: لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ یعنی ان لوگوں سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا سورۃ نحل میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (یعنی جو لوگ کفر کرتے تھے اللہ کی راہ سے روکتے تھے اُن کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بمقابلہ اُن کے فساد کے بڑھا دیں گے)۔

سورۂ زخرف میں فرمایا: اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ (بلاشبہ مجرمین جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اُن سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں نا اُمید ہو کر پڑے رہیں گے)۔

سورۂ مومن میں فرمایا: وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ قَالُوْا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰی قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے داروغاؤں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے تم دُعا کرو ایک دن ہمارا عذاب ہلکا فرما دے، وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر نہ آئے تھے وہ کہیں گے ہاں آئے تو تھے۔ داروغہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دُعا کرلو اور کافروں کی دعا نہیں ہے مگر بے اثر)۔

آخر میں فرمایا: وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ (اور اُن کو مہلت نہ دی جائے گی) مہلت اُسے دی جاتی ہے جسے اپیل کرنے کا موقع دیا جائے۔ کافروں کو بہرحال دائمی عذاب میں رہنا ہے کسی طرح کی اُن کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی نہ اُن کو کسی طرح کی معذرت خواہی کی اجازت دی جائے گی۔ سورۂ مرسلات میں فرمایا: هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ (یہ دن ہے جس میں وہ نہ بولیں گے اور نہ اُن کو اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔ ہلاکت ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے)۔

لعنت کرنے سے متعلقہ مسائل

مسئلہ: عام طور سے یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت اور ظالموں پر اللہ کی لعنت لیکن کسی خاص شخص کو مقرر کر کے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ ملعون ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو خاص طور پر معین کر کے صرف اُسی شخص پر لعنت بھیج سکتے ہیں جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو جیسے فرعون۔ اُبولہب۔ اُبو جہل وغیرہم جو شخص اسی دنیا میں موجود ہے اور حالت کفر میں ہے اس کو بھی متعین طریقہ پر ملعون کہنا جائز نہیں کیونکہ یہ یقین نہیں ہے کہ وہ کفر پر مرے گا۔ بہت سے لوگ اس میں بے احتیاط ہوتے ہیں نہ صرف کافروں کو بلکہ مسلمانوں کو ملعون لعین کہہ دیتے ہیں۔ بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ کی زبان اس میں زیادہ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ سو آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر زمین کی طرف اُتاری جاتی ہے سو زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں پھر وہ دائیں بائیں اپنا راستہ دیکھتی ہے جب کوئی جگہ نہیں پاتی تو اس پر لوٹ جاتی ہے جس پر لعنت بھیجی ہے۔ سو اگر وہ اس کا اہل تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے اور اگر اس کا اہل نہیں تھا تو اسی پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کے لفظ زبان سے نکالے تھے۔ (سُنن ابوداؤد کتاب الادب ص ۳۱۶ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کی چادر ہوا نے ہٹا دی اُس نے ہوا پر لعنت کر دی حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کر۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق چلتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز اس کی اہل نہ ہو تو لعنت کرنے والے پر ہی لعنت لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب)

مسئلہ: لعنت کے ہم معنی جو بھی الفاظ ہوں اُن کا استعمال کرنا بھی اُسی وقت جائز ہے جبکہ اُصول کے مطابق اس پر

لعنت بھیجنا جائز ہو۔ لفظ مردود بھی ملعون کے معنی میں ہے۔ اور پھٹکار بھی اردو میں لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ عورتوں کو لعنت اور اس کے ہم معنی لفظ استعمال کرنے کی بہت زیادہ عادت ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لے جا رہے تھے عورتوں پر آپ کا گزر ہوا آپ نے فرمایا کہ اے عورتو! تم صدقہ کرو مجھے دوزخ میں تمہاری تعداد زیادہ دکھائی گئی ہے۔ عورتوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ (ﷺ)؟ آپ نے فرمایا کہ تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳ از بخاری و مسلم)

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾
اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے

معبود حقیقی ایک ہی ہے

تفسیر: اس آیت میں خالق تعالیٰ شانہٗ کی توحید بیان فرمائی ہے اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات صفات میں یکتا ہے اور تنہا ہے۔ اور ایک ہے وہ بہت مہربان ہے اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ اسکی کوئی نظیر نہیں اور اُس کا کوئی ہمسر اور برابر نہیں۔ وہ واحد ہے احد ہے وحدہ لاشریک ہے۔ ساری مخلوق کو تنہا اُسی نے پیدا فرمایا۔ لہٰذا وہی واحد معبود ہے ساری مخلوق پر وہ رحم فرماتا ہے۔ لوگوں نے اُس کے علاوہ جو دوسرے معبود بنائے ہیں وہ جھوٹے معبود ہیں اُن میں سے کوئی بھی مستحق عبادت نہیں نہ وہ خالق ہیں نہ مالک ہیں نہ رحمٰن ہیں نہ رحیم ہیں۔

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى
بلا شبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات و دن کے اُلٹ پھیر میں اور کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں
الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ
سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾
ضرور نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں

توحید کے دلائل کا بیان

تفسیر: تفسیر درمنثور ص ۱۶۳ ج ۱ میں ہے کہ جب آیت وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ نازل ہوئی تو مشرکین کو تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ یہ کہتے ہیں کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ اگر وہ سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

نازل فرمائی اور اپنے خالق و مالک ہونے کا اور کائنات میں تصرف فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ مشرک بھی جانتے ہیں کہ یہ تصرفات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ سمجھ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے کے سوا کوئی راستہ نہیں اور حضرت عطار سے منقول ہے کہ جب مدینہ منورہ میں آیت کریمہ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ نازل ہوئی تو مکہ میں کفار قریش نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سب لوگوں کا ایک ہی معبود ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آخر تک) نازل فرمائی۔ ان آیات میں غور کریں تو سمجھ میں آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور واحد ہے اور وہ ہر چیز کا معبود ہے اور ہر چیز کا خالق ہے (ایضاص ۱۷۴) مشرکین کا عجیب طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے رزق دیا اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پرورش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اولاد وہ دیتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں وہ پیدا فرماتا ہے لیکن مشرکین عبادت دوسروں کی کرتے ہیں اور عجیب تر بات یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ کے سامنے یہ بات آئی کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ تو تعجب سے کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ (کیا تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا بلاشبہ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے) دنیا بھی عجیب جگہ ہے جو بھی چیز رواج پا جائے خواہ کیسی ہی باطل اور بُری ہو رواج کی وجہ سے لوگ اسے اچھی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ انسانوں پر فرض ہے کہ وہ صرف اپنے خالق مالک کی عبادت کریں۔ اُس کے علاوہ کسی دوسرے کو معبود نہ بنائیں یہی انسانوں کا دین ہے جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے بتایا اور اختیار کیا اور اُن کے بعد تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی دعوت دیتے رہے۔ جب لوگوں میں شرک پھیل گیا تو اُسی سے مانوس ہوگئے اور توحید کی دعوت پر تعجب کرنے لگے۔

مذکورہ بالا آیت میں چند ایسی چیزوں کا ذکر ہے۔ جو سب کے سامنے ہیں اور سب کو اقرار ہے کہ یہ ساری چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت اور تصرف سے وجود میں آئی ہیں اور اُن کا بقا اور وجود صرف اسی کی مشیت سے ہے۔ کسی دوسرے کو ذرہ بھر بھی انکے وجود و بقا میں دخل نہیں۔

آسمان و زمین کی تخلیق

سب سے پہلے آسمان و زمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ سورۃ احقاف میں فرمایا: قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (آپ کہیے کہ یہ تو بتلاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی یا اُن کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے۔ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہے یا وہ کوئی مضمون منقول لے آؤ اگر تم سچے ہو)۔

رات دن کا آنا جانا: آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر فرمانے کے بعد اختلاف اللیل و النھار یعنی رات دن کے آگے پیچھے آنے ایک کے کم ہونے دوسرے کے زیادہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ سورۃ فرقان میں ارشاد ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (اور وہی ذات پاک ہے جس نے بنا دیا رات و دن کو آگے پیچھے آنے والا اُس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا ارادہ کرے شکر گزار

ہونے کا) سورۂ زمر میں فرمایا: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ (پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ، وہ لپیٹتا ہے۔ رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے۔ دن کو رات پر اور اس نے مسخر فرمایا۔ سورج کو اور چاند کو)

سورۂ فاطر میں فرمایا: یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَهُ الْمُلْکُ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ (وہ داخل فرماتا ہے رات کو دن میں اور داخل فرماتا ہے دن کو رات میں اور اُس نے مسخر فرمایا سورج کو اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے اپنی مقررہ اجل کے لئے یہ اللہ ہے تمہارا رب اُسی کے لئے ملک ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں)

رات اور دن کا وجود میں آنا کم وبیش ہونا کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں سب اہل عقل اس کو جانتے اور مانتے ہیں۔

سمندروں میں جہازوں کا چلنا

پھر تیسری نشانی کا ذکر فرمایا: وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ (یعنی جو کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں وہ سامان لے کر جس سے لوگ نفع اُٹھاتے ہیں) ان کشتیوں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے سمندر خود اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے اس میں طرح طرح کے جانور اور بہت سی چیزیں ہیں جو انسانوں کے کام آنے والی ہیں۔ سمندروں نے ایک براعظم کو دوسرے براعظم سے ملا رکھا ہے۔ اگر سمندر نہ ہوتے تو خشکی ہی کے ذریعہ دُور ونزدیک کے سامان کو منتقل کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر میں کشتیاں جاری فرما دیں اگر اللہ چاہتا تو کوئی کشتی سمندر کی سطح پر نہ چلتی بلکہ ڈوب کر رہ جاتی۔ ایک سوئی سمندر کی سطح پر نہیں ٹھہر سکتی۔ لیکن ہزاروں من کے جہاز اور کشتیاں سمندر کی سطح پر ہزاروں من سامان لے کر چلتی ہیں۔ یہ سامان یورپ سے ایشیا اور ایشیا سے یورپ تک جاتا ہے۔ ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظم کی پیداوار سے منتفع ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ ہوائی جہازوں کی سروس بہت زیادہ ہوگئی ہے اور ٹرینیں بھی کثیر تعداد میں چلنے لگی ہیں لیکن سامان کے نقل وحمل کے لئے آج تک بحری جہازوں سے بے نیازی نہیں ہے۔

سورۂ نحل میں فرمایا: وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ سمندر میں پانی کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور تا کہ شکر کرو)

سمندر کا سفر ہے نیچے پانی ہے۔ اُوپر آسمان ہے۔ بھاری بھر کم جہاز دریا کا تلاطم، ہواؤں کے تھپیڑے اور ڈوبنے کا ڈر۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرماتے ہیں۔ ڈوبنے سے بچاتے ہیں۔ جو سامان لدا ہوا ہے اور جو لوگ اس میں سوار ہیں۔ صرف اللہ کی حفاظت سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں جب سمندر میں طغیانی آ جائے تو ڈرتے ہیں اور لرزتے ہیں اور اُس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی اور صرف اُسی کو پکارتے ہیں۔ سارے باطل معبودوں کی یادیں ہی دھری رہ جاتی ہے۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا: فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِکُوْنَ لِیَکْفُرُوْا بِمَا اٰتَیْنٰهُمْ وَلِیَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ (پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد

کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ اُن کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ وہ ناقدری کریں اُس نعمت کی جو انکو ہم نے دی اور تا کہ وہ نفع حاصل کر لیں۔ سو عنقریب جان لیں گے)

یہ مشرک انسان کا عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو صرف اللہ کو یاد کرتا ہے اور اُسی کو پکارتا ہے اور جب مصیبت سے چھوٹ جاتا ہے تو شرک کرنے لگتا ہے۔ اور غیر اللہ کو پکارتا ہے اور اس کی عبادت میں لگ جاتا ہے۔

بارش کا نازل فرمانا: چوتھی نشانی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو پانی اُتارا ہے اور اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خالق مالک اور واحد ہونے کی نشانیوں میں سے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت بہت زیادہ ہے کروڑوں انسان اور چوپائے اور درخت اس سے سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن ختم ہونے نہیں پاتا بارشیں ہوتی ہیں میٹھا پانی برستا ہے۔ خشک زمینیں اس سے سیراب ہوتی ہیں۔ کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں۔ باغات سر سبز شاداب ہوتے ہیں۔ تالابوں میں پانی جمع ہوتا ہے۔ مہینوں انسان اور جانور اس کو اپنے خرچ میں لاتے ہیں بہت سے علاقوں میں بارش کے سوا پانی کا کوئی انتظام ہی نہیں۔ کنویں ہیں تو وہ بھی بہت گہرے اور کم پانی والے ہیں۔ پانی پینے' کپڑے دھونے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے' بارش کے لئے اللہ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو جان میں جان آتی ہے۔ جن علاقوں میں میٹھے پانی کی نہروں سے سیرابی ہوتی ہے وہ بھی آسمان ہی کا برسایا ہوا ہے۔ کیونکہ آسمان کی بارشیں پہاڑوں پر برف کی صورت میں منجمد ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ برف پگھل پگھل کر نہروں میں آتی ہے۔ سُورۃ شوریٰ میں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۔ (اور وہی ہے جو بارش نازل فرماتا ہے اس کے بعد کہ وہ نا اُمید ہو چکے اور وہ پھیلاتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کام بنانے والا سب تعریفوں کے لائق)

سورہ حٰم سجدہ میں فرمایا: وَمِنْ آيَاتِهٖ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِيْ أَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى إِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور اسکی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی ہوئی پڑی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ فرمایا وہی مردوں کو زندہ کر دے گا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

سورۂ روم میں فرمایا: وَانْظُرْ إِلٰى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سو رحمت الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)۔

زمین کا خشک ہو جانا اور اس کے درختوں کا سُوکھ جانا اسکو زمین کی موت سے تعبیر فرمایا اور اسکی سر سبزی شادابی کو حیات سے تعبیر فرمایا۔

جانوروں کو پیدا فرمانا اور زمین میں پھیلانا

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے پانچویں نشانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلا دیئے ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور۔ اس کا عطف أَنْزَلَ پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور أَحْيٰ پر بھی (کما ذکرہ

صاحب الروح) عربی لغت کے اعتبار سے دَابَّۃ ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو زمین پر چلے پھرے اگرچہ عرف عام میں بڑے بڑے جانور گائے' بیل' بھینس اُونٹ وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والے طرح طرح کے جانور بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کس قدر کثیر تعداد میں مختلف اجناس واصناف کے جانور پیدا فرمائے ہیں اُن کی طبیعتیں الگ الگ ہیں۔ صورتیں الگ الگ ہیں۔ منافع مختلف ہیں۔ اور ان سب پر انسان کو مسلط فرمادیا ہے۔ خوب زیادہ غور کیا جائے اور ایک ایک جانور کے خواص پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار قدرت الٰہیہ کے مظاہر سمجھ میں آجاتے ہیں۔

ہواؤں کو مختلف رُخوں پر چلانا

چھٹی نشانی ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَتَصْرِیْفِ الرِّیَاحِ یعنی ہواؤں کو چلانے پھرانے اُن کے رُخوں کو بدلنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی قُدرت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جیسا چاہتے ہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں جس رُخ پر اللہ چاہتے ہیں۔ اُدھر ہی جاتی ہیں۔ تیز چلنے کا حکم ہو تو تیز چلتی ہیں اور آہستہ چلنے کا حکم ہو تو آہستہ چلتی ہیں عذاب کا ذریعہ بھی بنتی ہیں اور رحمت کا سبب بھی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے کہ انکا رخ بدل دے یا اُن کی تیز رفتاری کو کم کردے یا سست رفتاری کو تیز کردے۔

سورۂ روم میں فرمایا: وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں اور تاکہ تم کو اپنی رحمت چکھادے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں تاکہ اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو) قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے عذاب دینے کے لئے ہوا بھیج دی وہ آندھی بن کر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔ پوری نافرمان قوم ہلاک اور برباد ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اُس کو نعمت بنادیا۔ صبح کو ایک ماہ کی مُسافت تک لے جاتی تھی اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی۔ غزوۂ خندق میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آندھی بھیج دی جس نے دُشمنان اسلام کو واپس ہونے پر مجبور کردیا۔ اُن کے خیمے اُکھڑ گئے' ہانڈیاں اُلٹ گئیں۔ اُنکے چہرے مٹی سے اَٹ گئے۔ سخت تیز اور سخت ٹھنڈی ہوا تھی جس کی وجہ سے بدحواس ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے۔

سورۂ احزاب میں ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جبکہ آگئے تمہارے پاس لشکر سو ہم نے بھیج دیا اُن کے اُوپر ہوا کو اور ایسے لشکر کو جسے تم نہیں دیکھ رہے تھے(صحیح بخاری میں ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نُصِرت بالصبا واهلكت عاد بالدبور یعنی صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد دبور کے ذریعہ ہلاک کی گئی (صبا اور دبور ہواؤں کے نام ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا رحمت لے کر آتی ہے اور عذاب لے کر آتی ہے۔ جب تم اس کو دیکھو تو اُسے بُرا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اسکی خیر کا سوال کرو اور اللہ تعالیٰ سے اسکے شر سے پناہ مانگو۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ ﷺ یوں دعا فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَآ اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَآ اُرْسِلَتْ بِهٖ (اے اللہ میں آپ سے اسکی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اسکی خیر کا اور جو کچھ یہ لے کر بھیجی گئی اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں آپ کی پناہ مانگتا

ہوں اس کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ یہ لیکر بھیجی گئی ہے اس کے شر سے)۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۴ ج ۱)

بادلوں کی تسخیر

ساتویں نشانی ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (اور بادلوں میں نشانی ہے جو مسخر ہیں آسمان وزمین کے درمیان) بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان وزمین کے درمیان مسخر فرمایا کہ یہ پانی بھر بھر کر لاتے ہیں جب بارش ہوتی ہے تو ان سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بارش ہونے والی ہے۔ ان کو دیکھ کر لوگ اپنا انتظام کر لیتے ہیں اور پانی سے بھرے ہوئے بادل اُدھر ہی جاتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

سورۂ اعراف میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (اور وہ ایسا ہے کہ اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو وہ خوش کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اُٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر اس کے ذریعہ پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ یوں ہی ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے۔ تا کہ تم سمجھو)

بادلوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں سایہ عطا فرمایا۔ بادل اُن کے ساتھ چلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور تصرف سے بادلوں کا ہلکا بھاری ہونا بہت زیادہ بادلوں کا آ جانا بالکل ختم ہو جانا نظروں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ سب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قوم عاد پر عذاب آنے کی ابتداء اسی طرح سے ہوئی تھی کہ عرصہ دراز سے بارش نہ ہوئی تھی اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بادل ظاہر ہو گئے۔ اُنہوں نے سمجھا کہ بادل بارش برسائے گا۔ سخت گرمی کی وجہ سے جب میدان میں نکل کر کھڑے ہو گئے تو بجائے بارش کے سخت آندھی آ گئی جس کی وجہ سے وہ بالکل تہس نہس ہو کر رہ گئے۔ (صحیح بخاری) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ جب کوئی بادل یا ہوا دیکھتے تھے تو اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ لوگ جب بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اس امید پر کہ بارش ہو گی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ کے سامنے بادل آ جائے تو آپ کے چہرہ مبارک میں پریشانی محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ مجھے کیا اطمینان ہے اس میں عذاب ہو۔ ایک قوم کو ہوا کے ذریعہ عذاب دیا گیا۔ جب اُنہوں نے عذاب کو دیکھا (جس کی ابتداء بادل ظاہر ہونے سے تھی) تو اُنہوں نے کہا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا (کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا) لیکن وہ ہوا کی صورت میں سخت عذاب تھا ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب آسمان میں کچھ بادل وغیرہ معلوم ہوتا تھا تو آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا آپ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے جب بارش ہو جاتی تھی تو آپ کی وہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۴ ج ۱)

یہ امور جو آیت میں مذکور ہوئے ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور خالقیت کی نشانیاں ہیں توحید کے منکر بھی مانتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اس کی تصریف سے عالم میں سب کچھ ہو رہا ہے پھر بھی توحید کا اقرار نہیں کرتے اور شرک میں مبتلا ہیں۔ ہداھم اللہ تعالیٰ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ اس کے شریک تجویز کر رکھے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی واجب ہے اور جو لوگ

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

ایمان لائے اُن کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے اور اگر جان لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جس وقت دیکھیں عذاب کو کہ بلا شبہ ساری قوت

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے

مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت عذاب

تفسیر: توحید کا ذکر کرنے اور توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد اب اُن لوگوں کی حالت بیان فرمائی جنہوں نے توحید سے منہ موڑا اور شرک کو اختیار کیا۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود تجویز کر لئے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں۔ ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ اور ان کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں۔ ان کا حال بتانے کے بعد فرمایا: يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ کہ یہ لوگ ان باطل معبودوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہئے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۳۴ ج ۲ کہ یہاں محبت سے تعظیم اور فرمانبرداری مُراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور معبودان باطلہ کے درمیان برابری کرتے ہیں اور باطل معبودوں کی تعظیم اور اطاعت میں اسی طرح لگتے ہیں جیسا کہ معبودِ حقیقی کی عبادت اور اطاعت کرنا لازم ہے چونکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر سمجھتے ہیں اس لئے وہ ضمیر جمع لائی گئی جو عقلاء کیلئے استعمال ہوتی ہے یعنی يُحِبُّوْنَهُمْ فرمایا يُحِبُّوْنَهَا نہیں فرمایا۔ بعض مُفسرین نے اَنْدَادًا سے قوم و قبیلے اور علاقہ کے بڑے لوگ مراد لئے ہیں یعنی بہت سے لوگ اپنے رؤساء کو ایسا مُطاع مانتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔

اہل ایمان کو اللہ سے محبت ہے:

پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (یعنی جو لوگ ایمان لائے اُن کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے) کیونکہ اہل ایمان کی جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ کامل ہے اور راسخ ہے۔ اور مضبوط ہے۔ اُس کی محبت میں کبھی کمی نہیں آتی۔ وہ کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے مدد نہیں مانگتے اور غیر اللہ کی کبھی بھی عبادت نہیں کرتے۔ برخلاف بُت پرستوں کے کہ جب وہ مصیبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں تو بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ مثلاً جب کشتی میں سوار ہوں اور وہ ڈوبنے اور ڈگمگانے لگے تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی سے نجات کا سوال کرتے ہیں۔ اور دوسرے احوال میں بھی جب بھی کوئی پریشانی ہو اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ تک کسی بت کی پوجا پاٹ کرتے رہتے ہیں۔ پھر اُسے چھوڑ کر دوسرا بت تراش کر اُس کے سامنے جبین نیاز رگڑنے لگتے ہیں اور بعض مرتبہ حلوے وغیرہ کا بت بنا لیتے ہیں۔ پھر عند الضرورت اُسے کھا جاتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرکوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دیوالی کے موقعہ

پر (جو اُن کا ایک تہوار ہے) کھانڈ کی مورتیاں بناتے ہیں پھر ان کو بیچتے ہیں اور چھوٹے بڑے مل کر ان کو کھا جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (کہ جن لوگوں نے خدا کے ہمسر تجویز کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا قیامت کے دن جب عذاب کو دیکھیں گے تو اُس وقت جان لیں گے کہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس موقعہ پر ان کو بہت زیادہ ندامت' پشیمانی اور شرمندگی ہوگی جس سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہ آیت کی ایک تفسیر ہے۔ اور اس تفسیر کی بناء پر جواب لو محذوف ہے۔)

قال البیضاوی لو یعلمون ان القدرة لله جمیعا اذا عاینوا العذاب لندموا اشد الندم ۔ اور مفسر ابن کثیر (ص ۲۰۶ ج ۱) نے اسکی تفسیر اس طرح سے کی ہے کہ۔

اگر وہ جان لیں اُس عذاب کو جسے وہاں یوم قیامت میں دیکھیں گے (جو سخت عذاب ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ان کو دیا جائے گا) تو آج ہی اس دنیا میں اپنے کفر سے باز آ جائیں۔ مفسر بیضاوی نے بعض مفسرین سے آیت کی تفسیر اس طرح بھی نقل کی: وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا اَنْدَادَهُمْ لَا تَنْفَعُ لَعَلِمُوْا اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ كُلَّهَا لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ غَيْرُهٗ (یعنی جنہوں نے ظلم کیا اگر وہ جان لیں کہ ان کے بنائے ہوئے خدا نفع دینے والے نہیں ہیں تو یہ بات ضرور جان لیں کہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ اس صورت میں یَرٰی کا مفعول یعنی اندادھم لا ینفع محذوف ہوگا۔ وذکرہ فی الروح ایضا (ص ۳۵ ج ۲)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی۔ اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں
الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا
گے ان کے آپس کے تعلقات' اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش ہم کو واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے۔
مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾
جیسا کہ وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ اللہ اسی طرح دکھائے گا ان کو ان کے اعمال حسرتیں بنا کر اور وہ آگ سے نکلنے والے نہ ہوں گے

قیامت کے دن متبوعین کا اپنے ماننے والوں سے بیزاری ظاہر کرنا اور اس وقت ان کو پشیمانی ہونا

تفسیر: ان آیات میں کافروں کی ایک اور حسرت اور ندامت اور شناعت اور فظاعت ذکر فرمائی۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ دنیا میں پیشوا تھے اور قوموں اور قبیلوں کے اور ملک وطن کے بڑے تھے جن کے پیچھے چل کر ان کی اولاد نے اور قوم وقبیلہ نے اور ملک کے بسنے والوں نے اپنا ناس کھویا اور کفر اور شرک میں مبتلا ہوئے۔ یہ سرداران قوم اور زعماء ملک و وطن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور انکی رضا مندی کے لئے قربانیاں دینے والوں سے صاف

صاف کہہ دیں گے کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اور یہ بیزاری ایسے موقع پر ہو گی جب اُن کے ماننے والے اس دنیا سے گزر چکے ہوں گے اور کفر و شرک پر مر چکے ہوں گے وہاں نہ ایمان لانا معتبر ہو گا نہ دنیا میں واپس آسکیں گے اور عذاب بھگتنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا اور ان کے آپس کے تعلقات ختم ہو چکے ہوں گے اور کوئی کسی کو کسی طرح بھی مدد نہ دے سکے گا۔ کما قال تعالیٰ۔ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ۔ (سورۃ مومن) (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارشی ہو گا جس کی اطاعت کی جائے)

جب سردارانِ قوم بیزاری ظاہر کر دیں گے تو وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا۔ یوں کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جائے تو ہم ان سے اسی طرح بیزاری ظاہر کریں جیسا کہ آج وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔

پھر فرمایا: کَذٰلِکَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ (یعنی جس طرح ان کو آپ کی بیزاری کا منظر دکھایا جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دوسرے اعمال بھی حسرتیں بنا کر اُن کو دکھائے گا اور حسرت سے کوئی فائدہ نہ ہو گا دوزخ کے عذاب کے ساتھ حسرتوں کا عذاب مستقل عذاب ہو گا۔ بار بار نادم ہوں گے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کا اتباع کر لیتے تو اچھا تھا۔ کفر و شرک اختیار نہ کیا ہوتا' فلاں فلاں عمل اختیار کرتے تو کیسا ہی اچھا ہوتا اور اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اُس دن کا سوچنا' سمجھنا' نادم ہونا۔ دوزخ سے نکلنے کا ذریعہ نہ بنے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی اُس سے نکلنا نصیب نہ ہو گا۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ
اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور مت پیچھے چلو شیطان کے قدموں کے۔
اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ
بے شک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو صرف برائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
جن کو تم نہیں جانتے

حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دی جو زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں موجود ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کریں۔ شیطان کا اتباع کرنے اور اسکی بات ماننے میں سراسر نقصان اور خسران اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ اس کا کوئی مشورہ اور کسی بھی عمل کی ترغیب انسانوں کے لئے خیر نہیں ہو سکتی وہ تمہارا دشمن ہے اس نے دشمنی پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ اُسے دوزخ میں جانا ہے اُسکی کوشش یہ ہے کہ سب بنی آدم بھی میرے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔ وہ ہمیشہ بُرائی ہی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بدکاری ہی کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کا یہ بھی کام ہے

کہ تم سے شرک کرائے اور تمہیں غلط عقیدوں پر ڈالے۔ اور پھر تم سے یہ کہلوائے کہ یہ جو کچھ ہم نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اور اسکی رضا کے لئے کیا ہے۔ سورۃ اعراف میں فرمایا: وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کا حکم نہیں دیتا' کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کو تم نہیں جانتے)۔

اسباب النزول للواحدی ص ۴۳ میں ہے کہ آیت یَا اَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ (الایۃ) بنی ثقیف اور بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں نے کچھ کھیتیاں' کچھ جانور اپنے اُوپر حرام کر لئے تھے اور جن جانوروں کو حرام کیا تھا (ان کی حُرمت کے لئے کچھ شرطیں اور قیدیں لگا دی تھیں اور) اُن کے نام بحیرہ' سائبہ اور وصیلہ اور حام تجویز کر لئے تھے۔ اھ سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام کی تفسیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی تفصیلات مذکور ہوں گی۔ یہ باتیں ان کو شیطان نے بتائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے کا یا حرام کو حلال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ یہ جو تحریم و تحلیل کا سلسلہ مشرکین نے نکالا تھا اس میں شیاطین کو اور بتوں کو راضی رکھنے کے جذبات تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں جو چیزیں حلال ہیں ان کو حرام کر لینا حلال نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی شریعت کو بدلنا ہے۔ اور تحریف کرنا ہے۔

تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے

سورۃ مائدہ میں فرمایا: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اے ایمان والو! اللہ نے جو چیز تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو۔ بلاشبہ اللہ حد سے نکلنے والوں سے محبت نہیں فرماتے)۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ شہد پینے کے متعلق فرما دیا تھا کہ اب ہرگز نہ پیوں گا' اللہ جل شانہٗ نے آیت نازل فرمائی: يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ.

(اے نبی تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے) ایسی بہت سی رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ میں (جسے عورتیں خالی مہینہ کہتی ہیں) اور محرم اور صفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔ ماہ محرم میں میاں بیوی والے تعلق سے بچتے ہیں۔ اور بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور عملاً اس کو حرام بنا رکھا ہے۔ بہت سی قوموں میں ماموں' خالہ' چچا' پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کرنے کو عملاً بلکہ اعتقاداً حرام قرار دے رکھا ہے۔ یہ سب حدود سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جس طرح حلال کو حرام کرنا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے۔ حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے خواہ اس نے قرآن میں نازل فرمایا ہو یا اپنے نبی ﷺ کی زبانی بتایا ہو۔ سورۃ نحل میں ارشاد ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا زبانی جھوٹا دعویٰ ہے۔ ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ گے)۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اُس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ کیا

كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾

وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے۔ اگر چہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں

باپ دادے ہدایت پر نہ ہوں تو اُنکا اتباع اور اقتداء باعث ہلاکت ہے

تفسیر: مشرکین کا یہ طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کو مقتدیٰ سمجھتے رہے ہیں۔ اُن کو ہزار سمجھایا جائے، حق کی دعوت دی جائے، توحید کی طرف بُلایا جائے۔ اللہ کے دین اور اسکی شریعت قبول کرنے کے لئے کہا جائے اور توحید کی دلیلیں خوب کھول کر بیان کر دی جائیں۔ اور شرک و کفر کی مذمت خوب واضح کر کے بتا دی جائے تو بھی وہ کسی قیمت پر اپنے باپ دادوں کا دین کفر و شرک چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے ان کا یہی ایک جواب ہوتا ہے کہ ہم اس دین اور طور طریق اور رسم و رواج کے پابند ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ اس آیت شریفہ میں مشرکین کی یہی بات نقل فرمائی ہے اور پھر اسکی تردید کی ہے۔ تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: أَوَلَوْ كَانَ آبَاءُ هُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ (کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگر چہ وہ کچھ ہی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) باپ دادوں نے اپنی ناسمجھی سے شرک اختیار کیا، غیر اللہ کی پرستش کی بُرے رسم و رواج نکالے، وہ لوگ کیسے لائق اتباع ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ معلوم ہے کہ باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے پاس تھی نہ کسی نبی سے اُنہوں نے ہدایت حاصل کی تھی، سراپا گمراہی میں تھے گمراہوں کا اتباع کرنا کہاں کی سمجھ داری ہے۔ ہاں اگر باپ دادے ہدایت پر ہوں اور اُنہوں نے حق کی راہ بتائی ہو تو اُن کا اتباع کیا جائے جیسا کہ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ اُنہوں نے اپنے جیل کے ساتھیوں سے فرمایا: وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ۔ (کہ میں نے اتباع کیا اپنے باپ دادوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کی ملت کا) باطل میں کسی کی بھی تقلید کرنا حلال نہیں ہے۔ البتہ جو اہل حق ہو اللہ کے دین پر چلتا ہو اور اُسی کی دعوت دیتا ہو اُس کا اتباع کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ سورۃ لقمان میں فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (کہ جو شخص میری طرف رجوع ہو اُس کا اتباع کرو)

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً ۚ صُمٌّ

اور مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے کُفر کیا اُس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سُنے سوائے پُکار کے اور بُلاوے کے، بہرے ہیں،

بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے

کافروں کی ایک مثال

تفسیر: صاحب روح المعانی (ص ۴۸ ج ۲) پر لکھتے ہیں کہ مشبہ یا مشبہ بہ کی جانب میں مضاف محذوف ہے پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ کافروں کی دعوت دینے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُن جانوروں کے پیچھے چیخ رہا ہو جو بس پکار اور آواز سُنتے ہیں اور اُس سے زیادہ کوئی بات وہ نہیں سمجھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کسی نے آواز دی لیکن کیا کہا اس کو بالکل نہیں سمجھتے اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ کافروں کی مثال اُس شخص کے جانوروں کی طرح سے ہے جو اپنے جانوروں کو پُکارتا اور چیختا چلاتا ہے اور جانوروں کو پُکار کے سوا کچھ خبر نہیں۔ خلاصہ مطلب دونوں صورت میں یہ ہے کہ کافر لوگ اپنی جہالت اور حماقت سے باپ دادوں کی تقلید میں لگے ہوئے ہیں حق سمجھنے اور قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس بارے میں وہ جانوروں کی طرح سے ہیں۔ حق کی آواز سُنتے ہیں لیکن سب اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ نہ اُدھر اپنے ذہنوں کو متوجہ کرتے ہیں اور نہ غور و فکر کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ بالکل جانوروں کی طرح سے ہیں۔ آواز تو سُنی لیکن سمجھے کچھ نہیں۔

کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں

پھر فرمایا: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ کہ یہ لوگ حق سننے کو تیار نہیں بہرے بنے ہوئے ہیں، حق بولنے کو تیار نہیں گونگے بنے ہوئے ہیں۔ راہ حق پر چلنے کو تیار نہیں۔ اندھا پن اختیار کئے ہوئے ہیں، اپنے حواس کھو چکے ہیں۔ لہٰذا حق کو ذرا بھی نہیں سمجھتے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
اے ایمان والو! کھاؤ اُن پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اُس کی عبادت کرتے ہو

حلال کھانے اور شکر ادا کرنے کا حکم

تفسیر: اس آیت شریفہ میں بھی پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم فرمایا اور اللہ پاک نے جو نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر ادا کرو کیونکہ جو عبادت اُس کی عظمت و کبریائی کی شایان شان ہے وہ شکر کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو حلال رزق عطا فرمایا ہے اُسے کھاؤ پیو اور شکر کرو۔ سورۃ سبا میں فرمایا كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ (اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو) نعمتوں کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اسکی نعمتوں کو گناہوں میں خرچ نہ کریں۔ مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ میں یہ بھی نکتہ ہے کہ دوسروں کا مال چھین کر یا چُرا کر یا خیانت کر کے استعمال نہ کیا جائے کہ اللہ نے جو مال جس کسی کو دیا ہے وہ اگرچہ فی نفسہ اصول شریعت کے مطابق حلال اور طیب ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے اسی وقت حلال اور طیب ہوگا جبکہ حلال طریقہ سے صاحب مال سے حاصل کیا ہو۔

حرام کھانے کا وبال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ پاک ہے اور وہ پاک ہی (مال اور قول و عمل) کو قبول فرماتا ہے۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ (حلال کھانے کے بارے میں) اللہ

جل شانہٗ نے پیغمبروں کو جو حکم فرمایا ہے وہی مومنین کو حکم فرمایا ہے چنانچہ پیغمبروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے رسولو! طیب چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں اُن میں سے کھاؤ' اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر رہا ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں جسم پر گرد و غبار اَٹا ہو اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے یا رب یا رب کہہ کر دعا کرتا ہو یہ شخص دعا تو کر رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اُس کا کھانا حرام ہے۔ پینا حرام ہے اور پہننا حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے پس ان حالات کی وجہ سے اسکی دعا کیونکر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۶ ج ۱)

اس حدیث میں حرام سے پرہیز کرنے اور حلال کھانے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ جو صدقہ حلال مال سے ہوگا وہی قبول ہوگا۔ اللہ پاک ہے اور اس کی بارگاہ میں پاک چیز ہی قبول ہو سکتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پہلی آیت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکم ہے کہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں اور دوسری آیت میں ایمان والوں کو حکم ہے کہ اللہ پاک کی عطا کردہ چیزوں میں سے پاک چیزیں کھائیں۔ اللہ جل شانہٗ نے جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے کہ حلال کھائیں' وہی حکم اپنے مومن بندوں کو دیا ہے۔ حلال کی اہمیت اور ضرورت ظاہر کرنے کے بعد آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر میں ہو اور بدحالی کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوں جسم پر غبار پڑا ہو اور وہ اپنی اسی بدحالی میں آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے یا رب یا رب کہہ کر خدائے پاک کو پکار رہا ہو اور چاہتا ہو کہ میری دعا قبول ہو جائے اسکی دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کا کھانا حرام ہے' پینا حرام ہے اور لباس حرام ہے اور اُس کو حرام غذا دی گئی ہے' مسافر کا شمار اُن لوگوں میں ہے جن کی دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے اور مضطر و پریشان حال شخص کی بھی دُعا مقبول ہوتی ہے۔ لیکن مسافر اور پریشان حال ہونے کے باوجود ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی جس کا کھانا پینا اور پہننا حرام ہو' آج کل بہت سی دُعائیں کی جاتی ہیں۔ لیکن دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ لوگ شکایتیں کرتے پھرتے ہیں کہ دعاؤں کا اس قدر اہتمام کیا اور اتنی بار دعا کی لیکن دعا قبول نہیں ہوتی۔ شکایت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنا حال دیکھیں اور اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ ہر شخص غور کرے کہ میں حلال کتنا کھاتا ہوں اور حرام کتنا' اور کپڑے جو پہنتا ہوں وہ حلال آمدنی سے ہیں یا حرام سے اگر روزی حرام ہے یا لباس حرام ہے تو اُس کو ترک کریں' خوراک اور پوشاک کو حدیث شریف میں بطور مثال ذکر فرمایا ہے۔ اوڑھنا بچھونا' رہائش کا مکان آسائش کی چیزیں اگر حرام کی ہوں تو وہ بھی لباس کے حکم میں ہیں انکا استعمال بھی حرام ہے۔

حرام کی کمائی کی چند صورتیں

رشوت آجکل بہت عام ہے سب کو معلوم ہے کہ رشوت کا مال حرام ہے۔ رشوت کا نام ہدیہ یا تحفہ رکھ لیا جائے تب بھی حرام ہی رہتی ہے۔ جو لوگ حکومت کے کسی جائز شعبے میں کام کرتے ہیں اور رشوت لیتے ہیں ان کی رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حلال نہیں اس لئے کہ جس کام کے لئے حکومت نے ان کو دفتر میں بٹھایا ہے وہ کام اُنہوں نے نہیں کیا رشوت لینے کے لئے اُن اصول و قواعد کے خلاف کام کرتے ہیں جو کام کرنیوالے کے لئے مقرر کئے ہیں۔ سود کم ہو یا زیادہ عوام سے لیا جائے یا کسی بھی ادارہ سے وہ سب حرام ہے اگرچہ اس کا نام نفع رکھ لیا جائے' ہر وہ ملازمت حرام ہے جس میں گناہ کیا جاتا ہو'

کیونکہ گناہ کرنا اور گناہ کی مدد کرنا دونوں حرام ہیں اس لئے گناہ کی اُجرت بھی حرام ہے اور گناہ پر مدد کرنے کی اُجرت بھی حرام ہے۔ حرام چیزوں کی تجارت حرام ہے اور اس پر نفع بھی حرام ہے۔ شراب، خنزیر، خون، مُردار گوشت، تصویریں، مورتیاں ان سب چیزوں کی خرید وفروخت حرام ہے۔ اور ان کی قیمت اور نفع بھی حرام ہے جتنے بھی ٹیکس ہیں سب کا وصول کرنا حرام ہے اور اس سلسلہ کی تمام ملازمتیں بھی حرام ہیں اور ان کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ محکمہ آبکاری کی ملازمت حرام ہے اور اسکی تنخواہ بھی حرام ہے۔ بیمہ پالیسی سراسر قمار ہے یعنی جوا ہے زندگی کا بیمہ ہو یا اموال تجارت کا کارخانوں کا یا گاڑیوں کا یہ سب حرام ہے۔ اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے زائد جو کچھ ملے وہ سب حرام ہے۔ جتنے بھی قمار کے طریقے ہیں گھوڑ دوڑ وغیرہ ان کی آمدنی سب حرام ہے۔ غصب، چوری، ڈاکہ زنی کے ذریعہ جو کچھ حاصل کیا جائے وہ سب حرام ہے۔ لوگوں کو اغواء کر کے جو اُن پر رقم حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جو لوگ پیری مُریدی کا کاروبار کرتے ہیں اُن کو اہل حق اور اہل ارشاد سمجھ کر جو کچھ دیا جاتا ہے۔ (حالانکہ وہ حقیقت میں ایسے نہیں ہیں) ان کے لئے وہ سب حرام ہے۔ میراث شریعت کے مطابق تقسیم نہیں کی جاتی۔ جس وارث کے قبضہ میں جو مال آجاتا ہے وہی اپنا بنا کر بیٹھ جاتا ہے۔ مرنے والے کے بیٹے اپنی بہنوں کو اور ماؤں کو میراث نہیں دیتے۔ اور چونکہ میراث تقسیم نہیں ہوتی اس لئے یتیموں کے حصہ کا مال بھی خورد برد کر دیا جاتا ہے۔ شرعاً جو دوسروں کا مال ہے اس کو اپنی ملکیت اور کام میں لانا حرام ہے۔ اور نفس کی خوشی سے جو مال نہ دیا گیا ہو اگرچہ دینے والے نے بظاہر کسی دباؤ میں خاموشی اختیار کر لی ہو وہ مال بھی حرام ہے۔ یہ تھوڑی سی تفصیل زیر قلم آ گئی ہے۔ حرام کے شعبے بہت ہیں۔ ہر شخص اپنی آمدنی اور اخراجات کا فکر کرے۔

حرام مال کا وبال: بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام آمدنی میں سے صدقہ کر دیا جائے تو باقی سب مال حلال ہو جاتا ہے۔ حرام صدقہ کرنا تو اور گناہ ہے۔ وہ مقبول ہی نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ ہی کو قبول فرماتے ہیں جو صدقہ خود ہی قبول نہیں اس کے ذریعہ باقی مال کیسے حلال ہو جائے گا جو صدقہ دیا وہ بھی وبال اور جو باقی مال ہے وہ بھی وبال اور آخرت کے عذاب کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو بھی کوئی بندہ حرام مال سے کسب کرے گا پھر اس میں سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور اُس میں سے خرچ کریگا تو اس کے لئے اُس میں برکت نہ ہو گی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بُرائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتے لیکن بُرائی کو نیکی کے ذریعہ مٹاتے ہیں۔ بے شک خبیث، خبیث کو نہیں مٹاتا۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۲۴۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ گوشت داخل نہ ہوگا جو حرام سے پلا بڑھا اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پلا بڑھا ہو دوزخ کی آگ اسکی زیادہ مستحق ہے۔ (ایضاً) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ جسم داخل نہ ہوگا۔ جس کو حرام سے غذا دی گئی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۳)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ اسکی کوئی بھی نماز قبول نہ فرمائے گا جب تک کہ وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۳)

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ

اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

محرمات کا اجمالی بیان اور اضطرار کا حکم

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مردہ جانور (جو اپنی موت سے بغیر ذبح کئے مر جائے) اور خون اور خنزیر کا گوشت کھانے کی اور اُن جانوروں کے کھانے کی حرمت بیان فرمائی ہے جن پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان چیزوں کے کھانے کا عرب کے مشرکوں میں رواج تھا۔ اور ان کے علاوہ حلال چیزیں بھی کھاتے تھے۔ ان کے رواج کی چیزوں میں جو چیزیں حرام تھیں اُصولی طور پر ان کی حرمت بیان فرمائی اور لفظ اِنَّمَا سے جو حصر معلوم ہو رہا ہے۔ یہ حصر اضافی ہے۔ جو چیزیں یہاں مذکور ہیں ان کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جس کا ذکر دیگر آیات میں اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

سورۂ مائدہ میں مزید چند حرام چیزوں کا بیان ہے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ پوری تفصیل سورۃ مائدہ ہی کی تفسیر میں لکھیں گے یہاں یہ جو فرمایا کہ: فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھوک سے ایسا دوچار ہو رہا ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اُس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کو کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھا لے جس سے موت سے بچ جائے۔ صرف اتنا ہی کھائے جس سے جان بچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے اور لذت کا طالب بھی نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب پینے اور سؤر کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر یہ نہ سوچے کہ آج اجازت مل گئی ہے خوب مزے سے کھاؤں پیوں گا۔ خم کے خم چڑھا لوں گا۔ اور پیٹ بھر کے خنزیر کا گوشت کھا لوں گا۔ پھر کبھی موقعہ ملے یا نہ ملے' ایسا آدمی باغی اور عادی یعنی حد سے بڑھنے والا ہے۔ اگر طلب لذت کے لئے کھائے گا یا ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور لَا إِثْمَ عَلَيْهِ فرما کر یہ بتایا کہ جان بچانے کی مجبوری میں تھوڑا سا کھانے کی جو اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے یوں نہ کہا جائے گا کہ یہ چیز حلال ہو گئی۔ یوں کہیں گے کہ اس کا کھانا حلال ہو گیا۔ حرام اپنی جگہ حرام ہی ہے۔ بہت سے لوگ یورپ' امریکہ اور آسٹریلیا میں بلا تکلف شراب پیتے ہیں' اور خنزیر کھاتے ہیں۔ اور اُن جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ جو شرعی طریقے پر حلال نہیں کئے گئے اور جب اُن سے بات ہوتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں۔ اور لفظ فَمَنِ اضْطُرَّ کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ اضطرار اور مجبوری اُن کو کہیں سے کہیں تک بھی نہیں ہے۔ ان ملکوں میں سینکڑوں قسم کی چیزیں ملتی ہیں مچھلی بھی ہے انڈے بھی ہیں۔ دودھ بھی ہے اور انتظام کرنے سے حلال گوشت بھی مل جاتا ہے۔ ایسی حالت میں حرام کھانا پینا کسی طرح بھی حلال نہیں ہے اور بالفرض واقعی کوئی شخص مجبور ہو جس کی جان ہی جا رہی ہو کھانے کو کچھ بھی نہ مل رہا ہو وہ جان بچانے کے لئے ذرا سا کھا سکتا ہے۔ یہ پیٹ بھر بھر کر روزانہ حرام کھانا اور پینا اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم تو سؤر

کا گوشت بسم اللہ پڑھ کر کھا لیتے ہیں۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ، بسم اللہ پڑھنے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا بلکہ حرام پر بسم اللہ پڑھنے سے ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ مسلمان کو کسی ایسے ملک میں رہنے کی کیا مصیبت ہے جہاں حلال نہ ملتا ہو۔ حرام ہی کھانا پڑتا ہو طلب دنیا کے جذبات ہی ایسے ملکوں میں لے جاتے ہیں اور حرام کھلاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب، اور خرید تے ہیں اس کے بدلہ تھوڑی قیمت تو یہ وہ لوگ ہیں

مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ

جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا۔ اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور اُن کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ

دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو مغفرت کے بدلے، سو وہ

اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا

کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر، یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ، اور بے شک جن لوگوں نے

فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

کتاب میں اختلاف کیا بے شک وہ بڑی دور کی خلاف ورزی میں ہیں

کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا انجام

تفسیر: ان آیات میں اللہ کی نازل فرمودہ کتاب کو چھپانے اور اس میں تحریف و تبدیل کرنے اور غلط تفسیر بتانے اور پھر اس کو دنیاوی معاوضہ کا ذریعہ بنانے کی مذمت کی گئی ہے۔ اسباب النزول میں علامہ واحدی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے رؤسا اور علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے نیچے کے لوگوں سے ہدایا وصول کرتے تھے اور وہ یہ اُمید باندھے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ اُن میں سے ہوں گے۔ لیکن جب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوگئی جو ان کے قبائل میں سے نہیں ہیں تو ان کی صفات کو بدل دیا جو توریت میں پاتے تھے اور دوسری صفات بتا دیں جو توریت میں نہیں تھیں تاکہ اُن کے عوام نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان نہ لائیں اور انکی ریاست باقی رہے اور رشوت ملتی رہے۔ اس سے پہلے بھی اللہ کی کتاب کے مضامین کو چھپانے پر وعید مذکور ہوئی تھی۔ یہود کے علماء میں یہ مرض بہت زیادہ تھا۔ دوبارہ اس مضمون کا اعادہ فرمایا اور اُن کو توجہ دلائی کہ حقیر دنیا کے حقیر مال کے لئے جو حرکتیں کرتے ہو آخرت میں اس کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا۔ یہ حرکتیں دوزخ میں لے جانے والی ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ گو اس دنیا میں کھانے پینے کی چیزوں سے پیٹ بھرتے ہیں لیکن یہ پیٹ بھرنا دوزخ کی آگ کے انگارے پیٹ میں بھرنے کا ذریعہ بنے گا یہ لوگ دنیاوی غذائیں نہیں کھا رہے ہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کے انگارے ہی بھر رہے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غصہ بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے مہربانی کے ساتھ بات بھی نہ فرمائے گا اور اُن کو پاک بھی نہ کرے گا۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي

اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر اور اپنا مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں اور قائم کرے نماز کو

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

اور ادا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جبکہ وہ عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں اور تکلیف میں اور

الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

جنگ کے موقعہ پر۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں

اعمالِ حسنہ اور اخلاق عالیہ کا بیان

تفسیر: یہ آیت کریمہ اُن آیات میں سے ہے جن میں بہت سے اعمال حسنہ اور اخلاق عالیہ کو ایک ہی جگہ جمع فرما دیا ہے۔ لباب النقول (ص ۲۳) میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی مغرب کی جانب نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف (اور اپنے اپنے قبلہ پر جمنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور ایمان قبول نہ کرتے تھے) لہٰذا آیت لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ (الآیۃ) نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی (کی تفصیلات) کے بارے میں سوال کیا اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ نے اُس شخص کو بلایا اور آیت کریمہ پڑھ کر اُسے سنا دی۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو اہل کتاب اور بعض مسلمانوں کو شاق گزرا اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی حکمت نازل فرمائی کہ کوئی جہت مقصود بالذات نہیں ہے۔ بندوں کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اس کے حکموں کو مانیں جدھر رُخ کرنے کا حکم ہو اُدھر کر لیں۔ بس یہ نیکی ہے اور تقویٰ ہے اور ایمان کامل کا تقاضا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل ہو جائے مشرق یا مغرب کو رُخ ہو عند اللہ یہ کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اسکی تفسیر میں فرمایا یہ نیکی نہیں ہے کہ نماز پڑھا کرو اور دوسرے احکام پر عمل نہ کرو، اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ولکن البر و التقوی ان تؤدوا الفرائض علی وجھھا یعنی نیکی اور تقویٰ یہ ہے کہ تمام فرائض کو حکم کے مطابق صحیح طریقے پر پورا پورا ادا کرو۔

اس آیت میں بہت سے نیک کام مذکور ہیں۔ سب سے پہلے تو ایمان کا ذکر فرمایا اور اُصول عقائد بتا دیئے۔ ایمان وہ

چیز ہے جس کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ ایمان تو لاتے نہیں تھے اور اپنے اپنے قبلہ کی طرف رُخ کرنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصلی نیکی اُس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر اور اس کے سب نبیوں پر۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا۔ اللہ کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کی تکذیب نہ کرے گا اور رسولوں کے درمیان تفریق نہ کرے گا۔ وہ مومن ہو گا پھر ایمان کے تقاضوں کے مطابق جو اعمال کریگا اور جو اموال خرچ کرے گا اور جو اقوال اُس سے صادر ہوں گے وہ سب نیکی اور تقویٰ میں شمار ہوں گے۔

اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا:

اصول عقائد بتانے کے بعد مال خرچ کرنے کی عمومی مدّیں ذکر فرمائیں۔ اور مال کی محبت ہوتے ہوئے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دینا نیکی میں شمار فرمایا۔ اور جو ایسے غلام ہیں جن سے اُن کے آقاؤں نے کتابت کا معاملہ کرلیا (یعنی اُن کو کہہ دیا کہ اتنا مال لا کر دے دو تو آزاد ہو) ان کی گردنوں کے آزاد کرانے میں مال خرچ کرنے کو نیک کاموں میں ذکر فرمایا۔ لفظ عَلٰی حُبِّہٖ میں جو ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مفسرین نے مال کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی احتمال نکالا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے مال کو وجوہِ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی دوسرے معنی کو شامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص مال کی محبت ہوتے ہوئے مذکورہ وجوہ خیر میں خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں خرچ کرے گا۔

افضل الصدقہ: صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو ایسے وقت میں صدقہ کرے جبکہ تو تندرست ہو اور خرچ کرتے ہوئے نفس کنجوس بن رہا ہو۔ تجھے تنگدستی کا ڈر ہو اور مالداری کی اُمید لگائے بیٹھا ہو، اور صدقہ کرنے میں تو اتنی دیر نہ لگا کہ جب روح حلق کو پہنچنے لگے تو تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا (اب تیرے دینے اور اعلان کرنے سے کیا ہوگا) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ تندرستی کے وقت (جب کہ مرض الموت میں مبتلا نہیں ہے) اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اس وقت خرچ کرتا ہے تو نفس یوں کہتا ہے کہ خرچ نہ کر پھر بھی نفس کے تقاضے کو دبا کر خرچ کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے خرچ کرو گے تو تنگدستی آجائے گی۔ اور مالدار بننے میں دیر لگے گی۔ پہلے خوب مالدار ہو جاؤ پھر خرچ کرنا۔ لیکن خرچ کرنے والا نفس کی کوئی بات نہیں مانتا اللہ کی رضا کے لئے وجوہِ خیر میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ موت کے وقت صدقہ کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کو اتنا دینا، فلاں کو اتنا دینا اسکی وہ حیثیت نہیں رہتی جو تندرستی میں خرچ کرنے کی تھی اب دوسروں کو کیا دے رہے ہو اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت:

مال خرچ کرنے کے مصارف خیر بتاتے ہوئے پہلے ذَوِی الْقُرْبٰی کا ذکر فرمایا، عربی زبان میں ذوی القربیٰ رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سُنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور جس سے رحم کا رشتہ ہو اُس کو صدقہ دینے میں (دوہرا) ثواب ہے۔ (کیونکہ وہ) صدقہ بھی ہے اور

صلہ رحمی بھی ہے۔ رشتہ داروں میں سب سے پہلا اور بڑا رشتہ ماں باپ کا اور اپنی اولاد کا ہے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم جگہ جگہ دیا گیا ہے اور بیوی پر اور اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان رشتوں کے تعلق سے طبعی تقاضے کے باعث سب ہی خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نہ صرف والدین اور اولاد بلکہ دور اور نزدیک کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں بھی ثواب رکھا ہے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو، ریاکاری نہ ہو۔ جن پر خرچ کرے اُن پر احسان نہ جتائے۔ طعن و تشنیع نہ کرے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل خرچ کرنا اُس دینار کا ہے۔ جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے تو اپنے ساتھیوں پر جہاد میں خرچ کرے (یعنی سب سے زیادہ افضل صدقہ ہے) (صحیح مسلم)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی کا اپنے گھر والوں پر ثواب سمجھتے ہوئے خرچ کرنا صدقہ ہے (یعنی اس میں بھی ثواب ہے) صحیح بخاری ص ۳۲۴ ج ۱۔ بلکہ خرچ کرنے سے پہلے اُن لوگوں کا سب سے پہلے دھیان رکھنے کا حکم فرمایا جو اپنے عیال میں ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰)

یتیموں پر خرچ کرنے کی فضیلت

ذوی القربیٰ کے بعد یتامیٰ پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کا باپ زندہ نہ ہو۔ عموماً ایسے بچے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اخراجات کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی اُنکی دلداری کی جائے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کیلئے ایسا کیا تو ہر بال جس پر اُس کا ہاتھ گزرے گا اسکے عوض نیکیاں ملیں گی۔ اور صحیح بخاری ص ۸۸۸ ج ۲ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنیوالا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔ اس موقع پر آپ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی) ساتھ ملا کر دکھائی۔ آجکل لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ یتیموں پر اپنا مال تو کیا خرچ کرتے انہیں کا مال کھا جاتے ہیں۔ باپ کی میراث میں سے جو حصہ ان کو ملتا ہے۔ اُس کو دبا لیتے ہیں۔ اپنے نام یا اپنی اولاد کے نام کروا لیتے ہیں۔ یتیم کے مال پر قبضہ کرنے سے ذرا نہیں جھجکتے۔

مساکین پر مال خرچ کرنا:

پھر مساکین پر مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا، جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو ان کو مسکین کہا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی حاجت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، دُکھ تکلیف میں بھوکے پیاسے وقت گزار لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ جن کو سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ تو سوال کر کے اپنی حاجت پوری کر لیتے ہیں۔ لیکن آبرومند آدمی سوال نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی تلاش رکھنی چاہئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لئے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے۔ جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔ یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا (لیکن واقعی) مسکین وہ ہے، جو ایسی چیز نہیں پاتا جو اُسے بے نیاز کرے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تا کہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔

سورۂ بلد میں فرمایا: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (سو کیوں گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور اے مخاطب تجھے معلوم ہے۔ گھاٹی کیا ہے؟ گردن کا چھڑانا (یعنی غلام آزاد کرانا) یا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین کو کھانا کھلانا) اس میں غلاموں کی آزادی میں مدد دینے اور یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانے کو گھاٹی کے پار کرنے سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ یہ چیزیں نفس پر شاق ہیں۔

مسافر پر مال خرچ کرنا: پھر ابن سبیل پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ عربی زبان میں ابن سبیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کے پاس سفر میں خرچہ ختم ہو جاتا ہے یا مال چوری ہو جاتا ہے۔ یا جیب تراش کر رقم نکال لی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے تو ان پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ حاجت کا اظہار کریں تب ہی دیا جائے۔ کسی طرح بھی انکی حاجت معلوم ہو جائے تو انکی مدد کر دی جائے۔ مسافر کے گھر پر جس قدر بھی مال ہو اور اپنے اموال واملاک' جائداد کی وجہ سے غنی ہو لیکن سفر میں حاجتمند ہو گیا تو اس پر خرچ کر کے ثواب لیا جائے۔

سوال کرنے والے کو دینے کا حکم:

پھر سوال کرنے والوں کو دینے کا فرمایا۔ ان لوگوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان میں واقعی ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کو تو دینا ہی چاہئے اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یقین تو نہیں کہ وہ حاجت مند ہو گا لیکن اُس کے ظاہر حال اور غالب گمان سے ضرورت مند ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بھی دینا دُرست ہے۔

بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت:

مجبوری میں بھوک دفع کرنے یا اور کسی حاجت کے پورا کرنے کے لئے کوئی مانگ لے تو اسکی گنجائش ہے۔ لیکن اس کو پیشہ بنا لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جن کو سوال کی عادت ہوتی ہے وہ مانگتے رہتے ہیں۔ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ دنیا میں تو سوال کرنے والے بن کر بے آبرو ہوتے ہی ہیں۔ قیامت کے دن بھی بے آبرو ہوں گے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال اس لئے کیا کہ مال زیادہ جمع ہو جائے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے (جو دوزخ میں اسے ملیں گے) اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے (رواہ مسلم)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہو گی۔ (صحیح بخاری)

اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ دنیا میں سائل تھا وہاں اپنے چہرے کی آبرو کھوئی تو یہاں بھی اسی کا ظہور ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غنی کو اور ٹھیک ٹھاک بدن والے قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگدستی نے اُسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اُس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہو گیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو۔ اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا تو قیامت کے دن اُس کا چہرہ چھلا ہوا ہو گا۔ اور یہ مال گرم پتھر بنا ہو گا جس کو جہنم سے لیکر کھاتا ہو گا اب جی چاہے تو کمی کرے اور چاہے تو زیادہ کرے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۳)

16

ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتادی گئی مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ موقع دیکھ کر خرچ کرے۔ سائل کو جھڑک کے بھی نہیں۔ کیا معلوم مستحق ہی ہو اور غور و فکر بھی کر کے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔

مسئلہ: جو شخص مسجد میں سوال کرتا ہے اُسے نہ دے۔

غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا:

مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سب سے آخر میں وَفِی الرِّقَابِ فرمایا رقاب' رقبة کی جمع ہے۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں فی الرقاب سے مکاتبوں کے آزاد کرانے میں مدد دینا مراد ہے' جو غلام کسی کی ملکیت میں ہو اور اُس کا آقا کہہ دے کہ اتنا مال دے دو تو تم آزاد ہو تو اُس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ ان کو مال دے کر آزاد کرا دینا بھی وجوہ خیر میں سے ہے اور ثواب کا کام ہے۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ قیدیوں کی جانوں کا فدیہ دے کر اُن کا چھڑا لینا یا غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی اس کے عموم میں شامل ہے (جب بھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کرتے تھے اور شریعت کے مطابق جہاد اور قتال ہوتا تھا۔ اس وقت غلام اور باندیوں کے مالک ہوتے تھے۔ اب نہ اللہ کے لئے جہاد ہے نہ غلام ہیں نہ باندیاں ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا مالک نہیں ہے۔ پھر جب بھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کریں گے اور اُصولِ شریعت پر لڑیں گے تو پھر غلام باندیاں قبضہ میں آئیں گی) ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا: مال خرچ کرنے کے مواقع ذکر فرما کر فرمایا: وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ ج۔ یعنی تقویٰ کے کاموں میں یہ بھی ہے کہ فرضِ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ اُدا کریں۔ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان پہلے بھی آ چکا ہے۔ اوپر مال کے مصارف خیر بیان فرما کر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی ذکر فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے مصارفِ زکوٰۃ بیان کئے اور پھر زکوٰۃ کی ادائیگی پر متوجہ فرمایا پھر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جو وجوہِ خیر بیان کی ہیں ان سے نفلی صدقات مُراد ہوں (اور نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمانے میں اسکی فرضیت بتانا مقصود ہو)۔

عہد پورا کرنا: نیکی اور تقویٰ کے کام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وہ عہد کرلیں)۔ ایفائے عہد کی شریعت مطہرہ میں بڑی اہمیت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ: اَلَا لَا اِيْمٰنَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ (خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر چار خصلتیں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں اُس میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں مانا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ اُسے چھوڑ نہ دے۔ (۱) جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔
(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔
(۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری ص ۱۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دھوکہ دینے والے

کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ بازی (کا جھنڈا) ہے اوراس جھنڈے کے ذریعہ اُسے پہچانا جائے گا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا۔ جو اس کے پیچھے اس کے دھڑ پر کھڑا ہوا ہوگا۔ اور جتنا بڑا اس کا غدر ہوگا اُسی قدر وہ جھنڈا اونچا ہوگا۔ (پھر فرمایا) خبردار اُس سے بڑھ کر بڑا دھوکے باز کوئی نہیں جو عوام کا امیر ہو اور عوام کو دھوکہ دے۔ (صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنادے (یعنی صاحب اقتدار بنا کر عوام کی نگرانی اور خیر خواہی اس کے سپرد کردے) پھر وہ اسکی خیر خواہی نہ کرے تو وہ شخص جنت کی خوشبو نہ سُونگھے گا۔ (صحیح بخاری)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت سرورعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کی کسی جماعت کا والی ہو اور اُن کی نگرانی اور نگہداشت اُس کے ذمہ ہو پھر وہ اس حال میں مرجائے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت حرام فرمادے گا۔ (صحیح بخاری)

جو لوگ بڑے وعدے کر کے حکومت حاصل کرتے ہیں یا حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر وہ عوام کے ساتھ غدر کرتے ہیں اور سارے عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں اُن لوگوں کے حق میں یہ کیسی سخت وعیدیں ہیں غور کرلیں۔

مسئلہ: اگر کافروں سے کوئی معاہدہ ہو تو اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو اور ان کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو اور اس کے ختم کرنے میں مصلحت ہو تو پہلے یہ بتادیں کہ ہمارا عہد باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کوئی نئی کارروائی کرسکتے ہیں جو معاہدہ کی شرطوں کے خلاف ہو سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا: وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ (اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کردیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہوجائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس سے (امان اور حفاظت جان کا وعدہ تھا) تو وہ جنت کی خوشبو نہ سُونگھے گا۔ (صحیح بخاری)

صابرین کی فضیلت: پھر صبر والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اس میں سختی اور تکلیف کے زمانہ میں صبر کرنے کو نیکی اور تقویٰ والا کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہو اُس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے سورۂ انفال میں فرمایا۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔ اُمید ہے کہ تم کامیاب ہوجاؤ)۔

سورۂ صف میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اسکی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہو)

آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥ (کہ یہ حضرات جن کی صفات اُوپر مذکور ہوئیں وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں (کیونکہ ایمان قلبی کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں) اور

یہ لوگ تقوے والے بھی ہیں (کیونکہ حرام سے بچتے ہیں اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں۔)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد کو آزاد کے بدلہ۔ اور غلام کو غلام کے بدلہ

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ

اور عورت کو عورت کے بدلہ، سو جس شخص کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کردی جائے تو بھلائی کے ساتھ اس کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقہ پر اس کی

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

ادائیگی ہو۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے۔ پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ہے اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو

قصاص اور دیت کے بعض احکام

تفسیر: جب کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو اُسکی جان کا بدلہ جو جان سے دیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کو قصاص کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ قصاص قتل عمد (یعنی قصداً جان کو قتل کرنے) میں ہوتا ہے۔ جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مرقوم ہیں۔ لفظ قصاص مماثلت یعنی برابر پر دلالت کرتا ہے چونکہ جان کا بدلہ جان سے رکھا گیا ہے اس لئے اس میں حاکم محکوم وصغیر کبیر اور امیر وغریب میں کوئی فرق نہیں اور قبیلوں اور قوموں کے اعتبار سے جو دُنیا میں امتیاز سمجھا جاتا ہے قصاص کے قانون میں اسکا کوئی اعتبار نہیں اگر مقتول کے اولیاء سب یا کوئی ایک وارث جان کے بدلہ مال لینے پر راضی ہو جائے تو اس مال کو دیت (خون بہا) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خطاءً قتل کردے (جس کی کئی صورتیں ہیں اور جس کے احکام سورۂ نساء میں مذکور ہیں) تو اس کے عوض مال واجب ہوتا ہے اس مال کو بھی دیت کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ دے تو اس میں بھی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے۔ اعضاء کی دیت کو ارش بھی کہا جاتا ہے۔ اعضاء کے قصاص کا ذکر سورۂ مائدہ میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں قصاص نفس کے بعض احکام ذکر فرمائے ہیں۔ لباب النقول میں حضرت سعد بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ زمانۂ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عرب کے دو قبیلے آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے اور اُن میں کُشت وخون کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ غلام اور عورتوں تک کو قتل کر بیٹھتے تھے ابھی تک ان کے آپس کے قصاص یا دیت کے فیصلے نہ ہونے پائے تھے کہ دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اُن میں سے ایک قبیلہ دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ صاحب عزت اور رفعت سمجھتا تھا اس لئے اُنہوں نے قسم کھائی کہ ہم راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلہ آزاد کو قتل نہ کیا جائے اور ہماری عورت کے بدلہ دوسرے قبیلہ کا مرد قتل نہ کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد فرمایا کہ آزاد آزاد کے بدلہ اور غلام، غلام کے بدلہ اور عورت، عورت کے بدلہ قتل کی جائے۔ اس شانِ نزول سے معلوم ہوگیا کہ اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ اور

اَلْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ غلام کے بدلہ آزاد قتل نہ ہو اور عورت کے بدلہ مرد قتل نہ ہو۔ سورۂ مائدہ میں جو اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ فرمایا ہے۔ اس میں ہر جان کو دوسری جان کے برابر قرار دیا ہے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب مرد کو عورت کے بدلہ قتل نہیں کرتے تھے بلکہ مرد کو مرد کے بدلہ اور عورت کو عورت کے بدلہ قتل کرتے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ کا حکم نازل فرمایا۔

قصاص اور وارثوں کا حق

قتل عمد (جس میں قصاص ہے) اس پر قصاص لینا مقتول کے وارثوں کا حق ہے۔ مقتول کے جتنے بھی شرعی وارث ہوں وہ سب قصاص کے مستحق ہیں لیکن چونکہ قصاص قابل تقسیم نہیں ہے اس لئے اگر کوئی بھی ایک وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو اب دوسرے وارث بھی قصاص نہیں لے سکتے اور اب وہ دیت ہی لے سکتے ہیں۔ اور جس نے قصاص معاف کر دیا اب وہ بھی دیت لے گا۔ یہاں اگر اس نے اپنے حصہ کی دیت بھی معاف کر دی تو وہ بھی معاف ہو جائے گی۔ ایک جان کی دیت سو اُونٹ ہیں۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۃ نساء کی آیت وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً کی تفسیر میں بیان ہو گی۔ اگر قاتل اور مقتول کے ورثاء آپس میں مال کی کسی مقدار معلوم پر صلح کر لیں تب بھی قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور جو مال مصالحت یا دیت کے طور پر وصول ہو مقتول کے وارث شرعی میراث کے حصوں کے مطابق اس کے مالک اور وارث ہوں گے۔ یہ دیت کے طور پر یا مصالحت کے ذریعہ مال لینا فریقین کی رضامندی سے ہو سکتا ہے۔

قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت اُمت محمدیہ ﷺ کے لئے تخفیف اور رحمت ہے

قتل عمد کی صورت میں باہمی رضامندی سے قصاص کے عوض مال دے کر قاتل کی جان بچا دینا اور دیت کا حلال ہونا یا بطور مصالحت کے کچھ مال لے لینا یہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہے اور خاص رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل پر قصاص ہی فرض تھا۔ دیت اُن کے لئے مشروع نہ تھی۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر رحم فرمایا کہ اُن کو دیت لینے کا حق دیا۔ اور اس اُمت سے پہلے دیت حلال نہیں تھی۔ اہل توریت پر صرف قصاص فرض تھا اور دیت مشروع نہ تھی اور اہل انجیل کو معاف کر دینے ہی کا حکم تھا۔ اس اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص اور معافی اور دیت تینوں چیزیں مشروع فرما دیں۔ (ابن کثیر)

جب کوئی ایک وارث یا سب وارث خون معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں اور دیت کا دینا واجب ہو جائے یا مصالحت کے ذریعہ آپس میں کچھ مال دینا طے ہو جائے تو اب مقتول کے ورثاء کو چاہئے کہ حسن مطالبہ کریں اور سختی اور تشدد سے کام نہ لیں فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ میں اسی کا حکم فرمایا ہے اور قاتل پر لازم ہے کہ بغیر ٹال مٹول کے اور بغیر تقاضوں کے وارثوں کو طے شدہ مال ادا کر دے وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ میں اسی کا حکم دیا ہے۔ جب آپس میں معاملات طے ہو گئے۔ تو دونوں فریقوں میں سے جو شخص بھی زیادتی کرے گا وہ آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہو گا۔ اُسے سخت عذاب دیا جائے گا۔ مثلاً قاتل اگر دیت پر معاملہ کر کے دیت دینے سے انکاری ہو جائے کہیں چھپ جائے، فرار ہو جائے تو یہ اُسکی طرف سے ظلم اور زیادتی ہے اور مثلاً مقتول کے اولیاء دیت لیکر بھی قتل کر دیں تو یہ اُن کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہو گی۔ ہر

فریق کے لئے عذاب دوزخ ہے۔ حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سُنا ہے کہ جس شخص کا کوئی خونی نقصان ہو جائے (یعنی اُس کا کوئی عزیز عمداً قتل کر دیا جائے یا زخم پہنچ جائے) تو اُسے تین چیزوں کا اختیار ہے قصاص لے لے یا معاف کر دے یا دیت لے لے اس کے سوا اگر کوئی چوتھا کام کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو ان میں سے کسی چیز کو اختیار کرنے کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

قانونِ قصاص میں بڑی زندگی ہے

قصاص کا قانون جاری کرنے اور اس کو عملاً نافذ کرنے میں بہت بڑی زندگی ہے۔ اس مضمون کو وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔ میں بیان فرمایا ہے۔ قصاص میں بظاہر قاتل کی موت ہے لیکن اُسے اُمت کے حق میں بڑی حیات فرمایا۔ کیونکہ جب قصاص کا قانون نافذ ہوگا تو قاتل بھی قتل کرنے سے بچے گا اور ہر شخص کے کنبہ اور قبیلے کے لوگ اس بات کے فکرمند رہیں گے کہ ہمارے کسی فرد سے کوئی شخص قتل نہ ہو جائے۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی مل کر قتل کر دیں تو اُن سب کو اُس ایک مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا۔

حضرت سعید بن المسیبؒ نے بیان فرمایا کہ پانچ یا سات آدمیوں نے کسی ایک شخص کو تنہائی میں پوشیدہ طور پر قتل کر دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں یا ساتوں کو ایک شخص کے قصاص میں قتل کر دیا اور فرمایا کہ اگر شہر صنعا کے سارے آدمی مل کر بھی شخص واحد کو قتل کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (رواہ مالک وروی البخاری عن ابن عمرؓ نحوہ کما فی المشکوٰۃ)

قصاص عین عدل ہے' اس کو ظلم کہنا ظلم ہے

قصاص کا قانون نافذ ہونے سے اور اس پر عمل کرنے سے بہت سی جانیں بچتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے سے باز رہتے ہیں اس لئے قصاص کو بڑی حیات کا ذریعہ بتایا۔ بہت سے جاہل قصاص کے قانون کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ظلم کا معنی بھی نہیں جانتے' ظلم کرنے والا تو قاتل ہے جس نے ناحق قصداً و عمداً کسی کو قتل کیا قتل کے بدلہ میں قاتل کو قتل کر دینا عین انصاف ہے اس کو ظلم سے تعبیر کر دینا جہالت اور حماقت ہے یہ جاہل کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جیل میں ڈالدیا جائے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے تو اور زیادہ قتل پر جرأت ہو جاتی ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ قتل تو کر ہی دوں' تھوڑی بہت جیل بھگت لوں گا۔ جن کا مزاج قتل اور غارت گری اور ڈکیتی اور فتنہ فساد کا ہے وہ جیل سے بالکل نہیں ڈرتے۔ جیل کی دیواریں پھاند کر اور کھڑکیاں توڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے نزدیک انسان کی جانوں کی قیمت نہیں ہے وہ لوگ قصاص کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں قاتل پر رحم آتا ہے۔ عامۃ الناس کی جانوں پر رحم نہیں آتا۔ سُنن ابوداؤد میں ہے کہ جس نے قصداً قتل کیا تو اس میں قصاص ہے۔ اور جو شخص قصاص نافذ کرنے کے بارے میں آڑے آ جائے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ (آخر حدیث من کتاب الدیات)۔

قصاص یا دیت معاف کرنا سَربراہ مملکت کے اختیار میں نہیں ہے

دنیا میں ایک یہ جاہلانہ قانون نافذ ہے کہ ملک کا سربراہ قاتل کی درخواست پر اپنے ذاتی و جماعتی فائدہ کو سامنے رکھ کر قاتل کو معاف کر دیتا ہے۔ یہ شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے مقتول کے وارثوں کو حق ہے کہ معاف کریں یا قصاص

لیں یا دیت لیں، کسی امیر یا وزیر یا صدر یا بادشاہ کو معافی دینے کا اور وارثوں کا حق معاف کرنے کا بالکل اختیار نہیں ہے۔ جو بھی کوئی سربراہ ایسا کرے گا۔ وہ قانون قرآن کا باغی ہوگا۔ اور اسکی سزا کا مستحق ہوگا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے تو اپنے والدین اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرے۔

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا

بشرطیکہ مال چھوڑا ہو۔ یہ حکم لازم ہے اُن لوگوں پر جو خدا کا خوف رکھتے ہیں پھر جو شخص سننے کے بعد اُس کو بدل دے

إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ

اُس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہوگا جو اُس کو تبدیل کردیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ سو جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی

جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

جانب داری یا گناہ کا خوف کھائے پھر ان کے درمیان صلح کرادے سو اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

وصیت کے احکام

تفسیر: اس آیت کریمہ میں والدین اور قرابت داروں کے لئے مال کی وصیت کرنا فرض قرار دیا ہے جب کسی کی موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تو وہ وصیت کردے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس وصیت کی فرضیت میراث کے حصے مقرر ہونے کے بعد منسوخ ہو چکی ہے۔ والدین وارثوں میں شامل ہیں۔ جن کے حصے سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے جب تک کہ دوسرے ورثاء کی اجازت نہ ہو لما ورد فی الحدیث **لا وصیة لوارث اخرجه الترمذی و ابوداؤد** اجازت وصیت کرنے والے کی موت کے بعد معتبر ہوگی۔ اگر دوسرے ورثاء اجازت دیں تو کسی وارث کے لئے وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔ البتہ غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے لیکن وصیت کا اُصول یہ ہے کہ وہ صرف تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے بہتر یہ ہے کہ مرنے والا تہائی مال سے کم میں وصیت کرے اور بہت سے بہت تہائی مال تک وصیت کرنے کی گنجائش ہے۔ جتنی بھی وصیتیں ہوں گی وہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اسکے تہائی میں نافذ ہوں گی۔

اگر تہائی سے زیادہ مال کی وصیت ہو تو وہ بھی بالغ ورثاء کی اجازت سے مرنے والے کی موت کے بعد نافذ ہو سکتی ہے۔ اس کی زندگی میں جو کوئی وارث اجازت دے دے وہ معتبر نہیں ہے۔ اگر وارثوں نے اسکی زندگی میں تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کی اجازت دی تھی تو اسکی موت کے بعد منسوخ کر سکتے ہیں۔ اور وصیت کرنے والا جو کچھ وصیت کردے وہ بھی اپنی زندگی میں منسوخ کر سکتا ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اللہ کے لئے خرچ کرتا رہے۔ اہل و عیال پر بھی خرچ کرے اور دوسرے اعزہ اور اقرباء پر بھی اور یتامیٰ اور مساکین پر بھی۔ مساجد و مدارس کے لئے وقف کرے مسجدیں بنوائے۔ مدرسے کھولے۔

وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے ادا کئے جائیں گے

وصیت کے بارے میں اول تو یہ قانون ہے کہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد باقی تہائی مال میں نافذ ہوسکتی ہے۔ دوسرے وصیت کے مطابق خرچ کرنے کا تعلق وارثوں سے ہوجاتا ہے۔ وہ دیانتداری سے خرچ کریں یا نہ کریں اس لئے جو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کرنا چاہئے زندگی میں خرچ کردے۔ البتہ ایسا نہ ہو کہ گھر والے ضرورت مند ہوں۔ ان کی ضروری حاجتیں رُکی رہیں۔ اور یہ باہر خرچ کرتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ لوگوں کے قرضے چڑھے ہوئے ہوں اور سخاوت کے جوش میں ثواب کے کاموں میں خرچ کرتا رہے اور قرضوں کی ادائیگی رُکی رہے۔ اگر زندگی میں نیک کاموں میں خرچ نہ کرسکا اور موت سے پہلے وصیت کردی کہ فلاں فلاں جگہ اتنا مال خرچ کردیا جائے۔ اور قرض خواہوں کے قرض کا ذکر چھوڑ دیا تب بھی پہلے قرضے ہی ادا کئے جائیں گے اگر اتنا زیادہ قرض ہے کہ جتنا مال ہے وہ سب انکی ادائیگی میں ختم ہوجاتا ہے تو نہ وصیت نافذ ہوگی نہ میراث میں کسی کو کچھ ملے گا۔

مسئلہ: وصیت کرنے میں پہلے فرائض کو مقدم کیا جائے۔ مثلاً اگر وصیت کرنیوالے نے حج فرض نہیں کیا تھا یا اس کے ذمہ زکوٰتیں فرض ہوئی تھیں اور اُس نے نہیں دیں یا کفارات واجبہ ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے۔ ان چیزوں کی ادائیگی کو وصیت میں مقدم کرے۔ اگر اس نے فرائض اور واجبات کے ساتھ غیر فرض اور غیر واجب کاموں کی وصیت کردی تب بھی اُن لوگوں پر لازم ہے جن کے قبضے میں اُس کا مال آجائے کہ فرائض اور واجبات کو مقدم کریں۔ اگرچہ اُس نے وصیت میں ان کا ذکر بعد میں کیا ہو۔

حج بدل کی وصیت:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ قرضوں کی ادائیگی کے بعد تہائی مال میں وصیت نافذ ہوسکتی ہے (اگرچہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی کی وصیت ہو) پس اگر حج بدل کی وصیت کی ہو اور اس کے لئے کسی کو بھیجنا چاہیں اور تہائی مال اس کے لئے کافی نہ ہو اور بالغ ورثاء اپنے پاس سے بقدر ضرورت تہائی سے زائد مال دے دیں تو بہتر ہے لیکن یہ ان پر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: یہ حج مرنے والے کے شہر سے کسی شخص کو بھیج کر کرائیں جو سواری پر جا کر اس کی طرف سے حج کرلے اگر اسکی وصیت کے مطابق اس کے شہر سے کسی کو بھیج کر حج کرانا چاہیں اور اس کے لئے وصیت کی رقم کافی نہیں ہورہی ہے اور ورثاء اپنے پاس سے بھی نہیں دیتے تو جس کسی شہر سے بھی آدمی بھیج کر حج کرایا جاسکتا ہو وہیں سے کسی کو بھیج دیا جائے اور وصیت کی رقم اس پر خرچ کردی جائے۔

گناہ کی وصیت کرنا گناہ ہے:

کسی بھی گناہ کی وصیت کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص گناہوں میں مال خرچ کرنے کی وصیت کردے تو وہ نافذ نہ ہوگی۔ شرک اور بدعت کے کاموں کے لئے کوئی شخص وصیت کردے تو وہ بھی نافذ نہ ہوگی۔ اس کے متعلقین اور ورثاء پر لازم ہے کہ اسکی اسطرح کی وصیت کو نافذ نہ کریں۔

وارثوں کے لئے مال چھوڑنا بھی ثواب ہے

وارثوں کے لئے مال چھوڑ کر جانا بھی ثواب ہے۔ صحیح بخاری (ص ۳۸۳ ج ۱) میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ

عنہ نے بیان فرمایا کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا مریض ہوا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ ابھی موت آنیوالی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بہت سا مال ہے اور (فرائض میراث کے اعتبار سے) صرف میری بیٹی کو میراث کا حصہ پہنچتا ہے تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کر دوں' فرمایا نہیں' میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تہائی مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا "ہاں" تہائی مال کی وصیت کر سکتے ہو اور تہائی (بھی) بہت ہے۔ بلاشبہ اگر تم اپنے وارثوں کو (جن کو عصبہ ہونے کے اعتبار سے میراث پہنچتی ہے) مال دار ہونے کی حالت میں چھوڑ دو تو یہ اُس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدستی کی حالت میں چھوڑ و جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا کریں اور اس میں شک نہیں کہ تم جو بھی کوئی خرچہ کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو تمہیں ضرور اس کا ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ ایک لقمہ اُٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دے دو گے تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

وصیت میں دیر نہ کی جائے

انسان دنیا میں رہتا ہے تو لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے کسی سے لینا کسی کو دینا حقوق واجبہ ہوتے ہیں۔ قرضے لئے ہوئے ہوتے ہیں امانتیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور موت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ وصیت لکھی ہوئی ہر وقت تیار رہے۔ جس جس کا جو کچھ حق ہے یا قرضہ ہے یا امانتیں ہیں یا دینی فرائض اور واجبات ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے ان سب کو کسی کاپی وغیرہ میں لکھ کر رکھے۔ اور وصیت تیار رہے تا کہ اچانک موت آجائے تو وارثین ان سب کو ادا کر دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو جسکی وصیت کرنا ہو اس کے لئے یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ دو راتیں گزر جائیں اور اسکی وصیت اُس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو وصیت پر موت آئی (یعنی وصیت کر کے مرا) وہ صحیح راستہ پر اور سنت پر مرا اور تقویٰ اور شہادت پر مرا اور بخشا ہوا ہونے کی حالت میں مرا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۴)

وصیت کے بدلنے کا گناہ

جب وصیت کرنے والا وصیت کر کے وفات پا جائے تو اس کے ورثاء اور جس کو اُس نے وصی یا مختار بنایا ہو اسی طرح حاکم اور قاضی ان لوگوں پر ضروری ہے کہ مرنے والے نے جو وصیت کی اس کے مطابق شرعی اُصول پر نافذ کر دیں۔ وصیت کرنے والا تو دنیا سے چلا گیا اس کے اختیارات ختم ہو گئے۔ اب مال دوسروں کے قبضہ میں ہے۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ وصیت کو صحیح طریقہ پر نافذ کریں جس کو جتنا دینا ہے اُس کو دینے سے دریغ نہ کریں۔ فقراء اور مساکین کے لئے وصیت کی ہے انہیں معلوم بھی نہیں کہ ہمارے لئے کوئی وصیت کی گئی ہے۔ اور بعض رشتہ دار جو دور رہتے ہیں اُن کے لئے وصیت کی اور انہیں اس کا پتہ نہیں ہے یہ لوگ خود سے تقاضا کریں گے نہیں۔ اب جن کے قبضہ میں مال ہے وہ دیں یا نہ دیں' کم دیں زیادہ دیں' وصیت کو چھپائیں یا ظاہر کریں۔ یہ سب اُن کے اختیارات کو سامنے رکھتے ہوئے سارا کام انجام دیں۔ وصیت کو اَدل بدل نہ کریں۔ اگر وصیت میں تبدیلی کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور آخرت میں باز پُرس ہو گی۔ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى

اَلَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص وصیت کر کے مر جائے (اور ادائیگی کے لئے مال بھی چھوڑا ہو) تو اس کی آخرت کی ذمہ داری ختم ہوگئی اب ذمہ داری وارثوں پر آگئی۔ اگر اُنہوں نے ادائیگی نہ کی تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے ان کا ادانہ کرنا تبدیل وصیت کی ایک صورت ہے۔ نیز علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ جس کسی پر زکوٰۃ فرض ہوئی اور اسکی ادائیگی کے بغیر مر گیا۔ تو وہ گناہگار ہوگا اور زکوٰۃ روکنے والوں کے حکم میں داخل ہوگا اگر اس نے ادائیگی زکوٰۃ کی وصیت کر دی اور ورثا نے وصیت نافذ نہ کی تو وہ گناہ سے بری ہو گیا اور اب وصیت بدلنے والے گنہگار ہوں گے۔ علامہ جصاص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وصیت میں ظلم کیا گیا ہو مثلاً پورے مال کی وصیت کر دی یا ورثاء کی اجازت کے بغیر تہائی مال سے زائد کی وصیت کر دی تو اس کا بدل دینا واجب ہے۔

آخر میں فرمایا: فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ۔ (سو وہ شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانبداری کا یا گناہ کا خوف کھائے پھر اُن کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے) بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وصیت کرنیوالا خطأً یا عمداً وصیت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیتا ہے جس میں کسی وارث یا دوسرے کسی رشتہ دار کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور وصیت میں عدل باقی نہیں رہتا اگر ایسی کوئی صورت ہو جائے اور کسی کو معلوم ہو جائے کہ ایسی وصیت کی ہے یا ایسی وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ بیچ میں پڑ کر موصی (وصیت کرنے والا) اور موصیٰ لھم (جن کے لئے وصیت کی جائے) کے درمیان اصلاح کر دے اور اُن کو صحیح طریقہ بتا دے جو شرعاً درست ہو۔ یا صاحب اقتدار اس کو بدل دے تو اس کو بدلنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا اللہ اسکی مغفرت فرمائے گا یہ وہ تبدیلی نہیں ہے جس کی مذمت فَمَنْ بَدَّلَهٗ میں کی گئی ہے۔ جو وصیت عادلانہ نہ ہو اسکی کئی صورتیں مفسرین نے لکھی ہیں۔ اس میں سے ایک یہ ہے کہ دُور کے رشتہ داروں کے لئے وصیت کر دے اور قریب کے رشتہ داروں کو چھوڑ دے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ چونکہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتوں کو میراث نہیں مل سکتی اور کسی ایک بیٹے کو زیادہ مال پہنچانا چاہتا ہے تو پوتوں کے غیر وارث ہونے کا بہانہ بنا کر پوتوں کے لئے وصیت کر دے تاکہ اُن پوتوں کے باپ کو مال زیادہ پہنچ جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ کل مال کی وصیت کر دے یا تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر دے، جو شخص بھی اس قسم کی وصیت پر واقف ہو کر صحیح طریقہ بتائے گا۔ اور راہ صحیح پر ڈالے گا اسکو تبدیل وصیت کا گناہ نہ ہوگا۔

بعض لوگ بیٹوں کو میراث سے محروم کرنے کے لئے زندگی ہی میں بیٹوں کے نام یا کسی ایک بیٹے کے نام جائیداد کر دیتے ہیں تاکہ دوسری اولاد محروم ہو جائے۔ اور بھی طرح طرح کی غیر شرعی وصیتیں کر جاتے ہیں جس سے گنہگار ہوتے ہیں۔ وارث کو میراث سے محروم کرنے کے لئے کسی کو مال ہبہ کر دینا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ کوئی مرد اور کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرمانبرداری میں لگے رہیں۔ پھر ان کو موت حاضر ہو جائے اور وصیت کرنے میں کسی کو ضرر پہنچانے کا پہلو اختیار کر لیں تو ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ حدیث بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ نساء کی آیت مِنْ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصٰی بِهَا اَوْ دَیْنٍ غَیْرَ مُضَآرٍّ تلاوت کی اور وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ تک پڑھی۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ)

حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے وارث کی میراث

سے کوئی حصہ کاٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ جنت سے اُس کی میراث کاٹ دیں گے (سنن ابن ماجہ)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ چند دن کے روزے رکھ لو سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی

مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ

کر کے روزے رکھ لے۔ اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے ان کے ذمہ ہے فدیہ ایک مسکین کے کھانے کا۔ پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی خیر کا کام کرلے تو وہ

خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اس کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو

رمضان کے روزوں کی فرضیت اور انکے ضروری احکام

تفسیر: ان آیات میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا اعلان اور اظہار فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری)

نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے بدنی محنت بھی ہوتی ہے اس لئے وہ بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ہے۔ نماز تو نبوت کے پانچویں ہی سال مکہ معظمہ ہی میں فرض ہو گئی تھی جو شب معراج میں عطاء کی گئی۔ اور رمضان شریف کے روزے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض ہوئے۔ جس طرح نماز اور زکوٰۃ پہلی اُمتوں پر فرض تھی۔ اس طرح سے روزے بھی اُن پر فرض تھے كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ میں یہ بتایا ہے کہ روزے کوئی نئی چیز نہیں ہیں یہ پہلی اُمتوں پر بھی فرض ہوئے تھے انہوں نے بھی روزے رکھے تھے تم بھی رکھو۔

روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے

پھر روزہ کی حکمت اور فائدہ بتاتے ہوئے فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زد پڑتی ہے اور قویٰ شہوانیہ میں ضعف آتا ہے اور تقویٰ صغیرہ کبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیت کریمہ میں بتایا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ہے بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات ہیں نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں جن سے نفس کا اُبھار معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا اُبھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات ولذّات کی اُمنگ گھٹ جاتی ہے۔ پورے رمضان کے

روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضی پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سدھار پیدا ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص روزے اُن احکام وآداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعۃً نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ یہ چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں۔ ایک منہ دوسری شرمگاہ۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ بنے گی۔ آپ نے جواب دیا۔ الفم و الفرج، یعنی منہ اور شرمگاہ (ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے) روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے۔ اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لئے تو ایک حدیث میں فرمایا کہ: اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ یعنی روزہ ڈھال ہے (گناہ سے اور آتش دوزخ سے بچاتا ہے (بخاری ص ۲۵۴ ج ۱)

اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام وآداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ خاص روزہ کے وقت بھی اس کے بعد بھی اگر کسی نے روزہ کے آداب کا خیال نہ کیا روزہ کی نیت کر لی کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے باز رہا مگر حرام کمانے اور غیبت کرنے میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا۔ مگر روزہ کی برکات وثمرات سے محرومی رہے گی۔ جیسا کہ سُنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ مَا لَمْ یَخْرِقْهَا (یعنی روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اُس) کو پھاڑ نہ ڈالے)۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجةٌ فی ان یدع طعامه و شرابه (جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا پینا چھوڑ دے۔ (بخاری)

معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش ومنکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے روزہ منہ میں ہو اور آدمی بدکلامی کرے یہ اس کے لئے زیب نہیں دیتا۔ اسی لئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ اِمْرُءٌ صَائِمٌ (یعنی جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے۔ شور نہ مچائے اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں۔ (گالی گلوچ کرنا یا لڑائی کرنا میرا کام نہیں) (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کے لئے (حرام کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے) پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لئے (ریاکاری کی وجہ سے جاگنے کے سوا کچھ نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۷)

اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فرما کر یہ بتایا کہ یہ چند دن کے روزے ہیں۔ ان روزوں کو رکھ لینا کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس کے بعد مریض اور مسافر کیلئے آسانی بیان فرمائی کہ وہ اپنے ایامِ مرض اور ایامِ سفر میں روزہ نہ رکھیں تو رمضان گزر جانے کے بعد

دوسرے دنوں میں اپنی ہی گنتی کر کے روزے رکھ لیں۔ یعنی چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کر لیں۔ اسکی توضیح آئندہ آیت کے ذیل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ!

یہ جو فرمایا وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کے کھانے کا) یہ ابتدائی حکم تھا۔ سُنن ابو داؤد میں ص ۷۴ ج ۱ پر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو (ہر ماہ) تین دن کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا پھر رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہو گیا۔ لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی۔ اور روزہ رکھنا اُن کے لئے بھاری کام تھا۔ لہٰذا یہ اجازت تھی کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جو شخص روزہ نہ رکھے وہ ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ پھر آیت کریمہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی (اور طاقت ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت منسوخ ہو گئی) اور سب کو روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ البتہ مریض اور مسافر کے لئے اجازت باقی رہی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزہ رکھ لیں۔ مسند امام احمد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث نقل کی ہے جس میں یہ ہے۔

روزوں کے احکام میں تین انقلاب

کہ نماز کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے اور روزوں کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے۔ اسکے بعد نماز کے تین انقلاب ذکر کرنے کے بعد روزہ کے تین انقلاب یوں ذکر کئے۔ (۱) رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر ماہ تین دن کے روزے رکھتے تھے اور عاشورا کے دن کا روزہ بھی رکھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض فرما دیئے اور آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ نازل فرمائی جس میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں۔ انہیں اختیار ہے کہ چاہیں تو روزہ رکھ لیں اور چاہیں' تو ایک روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں' یہ کھانا کھلا دینا روزہ رکھنے کے عوض کفایت کرے گا۔

(۲) پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کے بعد والی آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (آخر تک) نازل فرمائی اس آیت میں یہ بھی ہے کہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کا روزہ رکھے اس آیت سے مقیم اور تندرست پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا اور طاقت رکھنے والے کو روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی جو اجازت تھی وہ منسوخ کر دی گئی) اور مریض اور مسافر کے لئے رُخصت باقی رہی (کہ وہ رمضان میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں بعد میں روزہ رکھ لیں) اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ایسے بوڑھے کے لئے باقی رہا جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔

(۳) روزے کی راتوں میں کھاتے پیتے تھے اور عورتوں کے پاس جاتے تھے۔ جب تک کہ سو نہ جائیں۔ اگر کوئی شخص سو گیا (اگرچہ رات باقی ہوتی) تو ان کاموں میں سے کوئی کام کرنا جائز نہ تھا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک انصاری صحابیؓ جن کا نام صِرْمَہ تھا وہ روزہ کی حالت میں دن بھر کام کرتے رہے شام کو گھر آئے تو عشاء پڑھ کر سو گئے۔ اور اب سونے کی وجہ سے کچھ کھا پی نہ سکے کیونکہ سو جانے والے کو اجازت نہ تھی کہ باقی رات میں کھائے پیئے۔ ان کو اسی حال میں صبح ہو گئی اور روزہ بھی رکھ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو دیکھا کہ اُن کے جسم میں تکلیف کے آثار محسوس ہو رہے ہیں آپ

نے فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں سخت تکلیف میں دیکھ رہا ہوں۔ اُنہوں نے اپنا سارا واقعہ سُنایا اور ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد آنکھ کھلنے پر کسی باندی سے یا بیوی سے جماع کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ سُنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریف: اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ نازل فرمائی۔ (جس صحابی نے نیند آ جانے کی وجہ سے کھائے پیئے بغیر دوسرے دن روزہ رکھ لیا تھا۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے)

صحیح بخاری میں حضرت ابن ابی لیلیٰ تابعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت سرور عالم محمد ﷺ کے صحابہ نے ہم سے بیان کیا کہ رمضان کے روزے نازل ہوئے تو روزہ رکھنا ان پر شاق گزرا۔ لہٰذا جو شخص روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا وہ باوجود طاقت ہونے کے روزہ چھوڑ دیتا تھا اور ان کو اسکی اجازت دی گئی تھی' پھر اس حکم کو وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ نے منسوخ کر دیا۔ اور سب کو روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ اجازت منسوخ ہو چکی ہے ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی اجازت منسوخ ہے۔ اب تو روزہ رکھنا ہی ہوگا۔ اور اس میں جو تکلیف اور مشقت ہوگی وہ برداشت کرنی ہوگی البتہ جو شخص بالکل ہی عاجز ہو جو روزہ رکھ ہی نہیں سکتا اُس کے لئے فدیہ کا حکم باقی ہے اور احادیث شریفہ کی تصریحات کے بعد اب اس تاویل کی ضرورت نہیں رہی کہ یُطِیْقُوْنَ سے قبل حرف نفی "لا" مقدر ہے۔ یا یہ کہ باب افعال کا ہمزہ سلب مأخذ کے لئے ہے۔ پھر فرمایا: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّهٗ (کہ جو بھی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیک کام کرے گا تو یہ اس کے لئے بہتر ہے)۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ ان فرض روزوں کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے نفل روزے رکھ لے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۲۵۴ ج ۱ میں ہے کہ جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے لئے پانچ نمازوں کی فرضیت بتا دی اس پر اس نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے آپ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ اور کوئی نماز فرض نہیں اِلَّا یہ کہ اپنی خوشی سے نفل نمازیں پڑھ لو۔ پھر آپ نے رمضان کے روزوں کی فرضیت ذکر فرمائی اس نے وہی سوال کیا' کیا ان کے علاوہ مجھ پر اور روزے بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کے علاوہ اور کوئی روزہ فرض نہیں اِلَّا یہ کہ اپنی خوشی سے نفلی روزے رکھ لو۔ الفاظ کے عموم میں ہر نیک کام کی ترغیب ہے۔ ایک نماز روزہ ہی کیا جو بھی کوئی شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرے گا۔ نفلی عبادات میں لگے گا۔ وہ اس کا صلہ پائے گا اور اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ جو اسکی آخرت کے لئے بہتر ہوگا اور دوسرا مطلب علمائے تفسیر نے یہ لکھا ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا دینا ہے اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے زائد دیدے تو وہ بہتر ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ علامہ ابُوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کو شروع میں تندرست اور گھر پر مقیم ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے اور اسکی جگہ فدیہ دینے کی اجازت دی گئی تھی۔ باوجود روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے کی اجازت کے یہ فرمایا کہ روزہ رکھنا بہتر ہے۔ روزے کی جو خیر و برکت ہے اور اس کا جو روحانی نفع ہے۔ روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے میں وہ نفع نہیں ہے۔ علامہ جصاص فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق اَلَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَ سے بھی ہو اور مسافروں سے بھی ہو کیونکہ اس سے پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ مسافر اور مریض رمضان میں روزہ نہ رکھ کر بعد میں قضا کر سکتے ہیں ان کے لئے بھی فرمایا کہ وہ بھی رمضان ہی میں روزہ

رکھ لیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ عموماً مسافروں کو بغیر کسی ضرر کے روزہ رکھنے کی طاقت ہوتی ہے۔ اور اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے بہتر ہے۔ علامہ جصاص نے اس سے ایک اور دقیق مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور وہ یہ کہ جب ایک روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا دینے کی اجازت دی گئی تھی۔ (اور یہ ایک مسکین کا کھانا نصف صاع کے برابر ہوتا ہے) تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک نفلی روزہ نصف صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب واضح ہیں
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
اور حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرنیوالے ہیں سو جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہے وہ اس میں روزہ رکھے اور جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔ دشواری کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم گنتی پوری کیا کرو۔
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
اور تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو

قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ان دنوں کی تعیین فرما دی گئی جن میں روزے رکھنا فرض ہے پہلی آیت میں اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فرمایا اور اس آیت میں ماہِ رمضان کا صاف نام لے کر بیان فرما دیا کہ جو شخص اس ماہ میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور ساتھ ہی رمضان المبارک کی ایک دوسری فضیلت بھی بیان فرما دی اور وہ یہ کہ اس ماہ میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید ماہِ رمضان میں نازل کیا گیا اور سورہ قدر میں فرمایا کہ لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قرآن مجید تو تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال میں نازل ہوا۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ رمضان المبارک میں نازل ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شبِ قدر میں لوح محفوظ سے پورا قرآن جملة واحدة (اکٹھا) آسمان دنیا پر نازل کیا گیا اور بیت العزت میں رکھ دیا گیا۔ پھر وہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا حسب الحکم لاتے رہے۔ (تفسیر قرطبی)

یہ جو فرمایا فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس میں ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد عورت پر رمضان کے روزوں کی فرضیت کی تصریح فرما دی۔ البتہ مسافر اور مریض اور حمل والی عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو اجازت دی گئی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں اسکی قضا رکھ لیں۔ اور حیض و نفاس والی عورت کو حکم ہے کہ وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں رکھ لیں۔ ان مسائل کی تفصیلات حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض مسائل ان شاء اللہ ابھی نقل کریں گے۔

دنیا میں جب سے سلسلہ مواصلات کی آسانی ہو گئی ہے اور تیز رفتار طیارے گھنٹوں میں مہینوں کی مسافت پر پہنچا دیتے

ہیں اس وقت سے یہ سوال سامنے آنے لگا کہ کوئی شخص کسی ملک میں تھا وہاں اس نے تین روزے رکھ لئے پھر وہ کسی ایسے ملک میں پہنچ گیا جہاں ایک دو دن ابھی رمضان کے ختم ہونے میں باقی ہیں تو وہ ان دنوں میں کیا کرے۔ احقر کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ جہاں پہنچا ہے وہاں چونکہ رمضان موجود ہے اس لئے ان دنوں کے روزے رکھے۔ آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ کا عموم اسی کو متقاضی ہے۔ اور فقہاء نے یہ جو لکھا ہے کہ رمضان کے دن میں بے روزہ نابالغ، بالغ ہو جائے یا کوئی حیض والی عورت پاک ہو جائے تو وہ رمضان کے احترام میں شام تک نہ کھائے پیئے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی ایسے علاقہ میں پہنچ گیا جہاں ابھی رمضان باقی ہے وہ رمضان کا احترام کرے احترام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ روزہ نہ رکھے اور کھائے پیئے بھی نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ روزہ سے رہے۔ اور یہ روزہ رکھنا آیت کے عموم کے مطابق ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو روزہ ہی رکھنا چاہئے۔ مطلق نیت صوم سے روزہ رکھ لینا چاہئے۔ مطلق نیت سے نفل روزہ ادا ہو جاتا ہے اور رمضان کا فرض روزہ بھی۔ لہٰذا اگر مطلق روزہ کی نیت کر لی اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک ان دنوں کے روزے فرض ہوئے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ ورنہ نفل کا ثواب مل جائے گا اور رمضان کا احترام بھی ہو جائے گا۔

مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور بعد میں قضا رکھنے کا حکم

یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ ''جو شخص ماہِ رمضان میں موجود ہو اس کے روزے رکھے'' مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جتنے دنوں کے روزے رمضان المبارک میں مسافر اور مریض نے نہیں رکھے وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کرے جتنے روزے چھوٹے اور ان کی قضا رکھ لے۔ علامہ جصاص فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً اتنے دنوں کی گنتی کر کے قضا کرنے کا حکم فرمایا ہے جتنے دن کے روزے رہ گئے ہیں اور لگاتار قضا رکھنے کی کوئی قید اور شرط نہیں لگائی اس لئے روزوں کی قضا کرنے والا متفرق طور پر رکھ لے یا لگاتار رکھ لے دونوں طرح درست ہے۔ اور يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ۔ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دوسرا رمضان آنے تک پہلے رمضان کے قضا روزے نہ رکھے تو اب اس موجودہ رمضان کے روزے رکھ لے اور گذشتہ رمضان کے روزوں کی قضا بعد میں کر لے البتہ جلد سے جلد قضا رکھ لینا بہتر ہے اس میں مسارعت اِلی الخیر ہے اور چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں اس لئے ادائیگی فرض کا اہتمام بھی ہے۔

مسئلہ: ہر مریض کو اجازت نہیں ہے کہ بعد میں قضا رکھنے کے لئے رمضان کے روزے چھوڑے بلکہ یہ رخصت و اجازت ایسے مریض کو دی ہے جسکو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو جو تجربہ سے یا ماہر مسلم معالج کے قول کی بنیاد پر ہو اور یہ ماہر مسلم معالج ایسا ہو جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔ قال فی الدر المختار او مریض خاف الزیادة لمرضه وصحیح خاف المرض بغلبة الظن بامارة اوبتجربة او باخبار طبیب حاذق مسلم مستور اه وفی الشامی اما الکافر فلا یعتمد علی قوله لا حتمال ان غرضه افساد العبادة (فصل فی العوارض) اس بارے میں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ معمولی سے مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس مرض کے لئے روزہ مضر بھی نہ ہو۔ بلکہ بعض امراض میں روزہ مُفید ہوتا ہے پھر بھی مرض کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے اور بہت سے لوگ

ڈاکٹروں کے کہہ دینے سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ڈاکٹر بے دین فاسق بلکہ کافر بھی ہوتے ہیں۔ اُنہیں نہ مسئلہ کا علم ہوتا ہے۔ نہ روزہ کی قیمت جانتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو تو خواہ مخواہ روزہ چھڑوانے میں مزہ آتا ہے اور کافر ڈاکٹر کا قول تو اس بارے میں بالکل ہی معتبر نہیں۔

مریض کو اپنے تجربہ اور اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے معالج سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا چاہئے جو مسلمان ہو روزے کی اہمیت سمجھتا ہو اور خوفِ خدا رکھتا ہو۔ اور مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو۔ اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہت سے لوگ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی محبت اور آخرت کی بے فکری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان مریضوں کا بیان ہوا جو عموماً تندرست رہتے ہیں۔ اور عارضی طور پر مریض ہو گئے۔ یہ لوگ صحت یاب ہو کر بعد میں قضا رکھ لیں۔ لیکن ایسا مرد یا عورت جو مُستقل مریض ہو جسے روزہ رکھ سکنے کی زندگی بھر اُمید نہ ہو۔ اور ایسے مرد یا عورت جو بہت بوڑھے ہوں نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ پھر کبھی روزہ رکھ سکنے کی اُمید ہے تو یہ لوگ روزوں کے بجائے فدیہ دیں۔ لیکن اگر کبھی بعد میں روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو روزے رکھنا فرض ہوگا اور فدیہ جو دیا ہے نفلی صدقہ ہو جائے گا۔ جس طرح کہ ہر مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں اسی طرح ہر مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رمضان المبارک کا روزہ بعد میں قضا رکھنے کی نیت سے اس مسافر کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو مسافت قصر کے ارادہ سے اپنے شہر یا بستی سے نکلا ہو جب تک سفر میں رہے گا مرد ہو یا عورت اُسے رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جب گھر آ جائے تو روزوں کی قضا کرلے۔ ہاں اگر سفر میں کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب شرعاً مسافر کے حکم میں نہیں رہا۔ ان دنوں میں رمضان المبارک ہو تو روزے رکھنا فرض ہوگا اور نماز میں قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ مسافت قصر ۴۸ میل ہے (کلومیٹر کا حساب کرلیا جائے) اتنی مسافت کے لئے خواہ پیدل سفر کرے یا بس سے یا ہوائی جہاز سے شرعی مسافر مانا جائے گا۔ وہ نمازوں میں قصر بھی کرے اور اُسے یہ بھی جائز ہے کہ رمضان شریف کے روزے نہ رکھے اور بعد میں جب گھر آ جائے تو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا رکھ لے۔

جو شخص مسافت قصر سے کم سفر کے لئے گیا ہو اُسے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ شرعی مُسافر کو (جس کی مسافتِ سفر اُوپر بتا دی گئی ہے) سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت تو ہے۔ لیکن رمضان میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اوّل تو رمضان کی برکت اور نورانیت سے محرومی نہ ہوگی۔ دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہوگی اور بعد میں تنہا روزہ رکھنا مشکل ہوگا۔

مسئلہ: مسافر اور مریض (جنہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے) وہ اگر اپنے زمانۂ عذر ہی میں مر گئے۔ تو چونکہ انہوں نے قضا رکھنے کا وقت ہی نہیں پایا۔ اس لئے ان پر اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب نہیں۔ اور اگر مریض نے اچھا ہو کر اور مسافر نے گھر آ کر روزے نہیں رکھے یا کچھ رکھے کچھ نہ رکھے۔ تو جتنے دن مرض کے بعد پائے ہیں ان کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ وصیت کے بعد اُس کا ولی قرضوں کی ادائیگی کے بعد اس کے تہائی مال سے ہر روزہ کے عوض بقدرِ صدقۂ فطر کے صدقہ کر دے۔ اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور اُس کے وَلی نے اپنی خوشی سے اپنے ذاتی مال سے اس کی طرف سے فدیہ دے دیا تو ان شاء اللہ یہ بھی مفید ہوگا۔

17

مثلاً اگر دس دن کے روزے چھوڑے تھے اور اس قدر ایامِ صحت اور ایام اقامت پالئے اور قضاروزے نہ رکھے اور موت آنے لگی تو پورے دس دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ اور اگر ایامِ صحت اور ایام اقامت میں صرف پانچ دن ملے تھے اور ان میں قضاروزے نہ رکھے تو صرف پانچ دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ (من الدر المختار)

حاملہ اور مرضعہ کے لئے رُخصت

سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے اور اسکی نماز کا ایک حصہ معاف فرما دیا ہے (کہ چار رکعات والی فرض نماز کی دو رکعتیں مسافر کے ذمہ رہ جاتی ہیں) اور دودھ پلانے والی عورت اور حمل والی عورت کو بھی رمضان میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے کہ وہ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں جس حاملہ کو روزہ رکھنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہو یا زیادہ تکلیف میں پڑ جانے یا اپنی جان یا بچے کی جان کا اندیشہ ہو تو وہ عورت رمضان کے روزے چھوڑ کر بعد میں رکھ لے اسی طرح دُودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی اسی وقت رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنا جائز ہے جبکہ روزہ رکھنے سے بچے کو دودھ سے محرومی ہوتی ہو اور بچہ دودھ پلانے والی کے دودھ کے علاوہ دوسری غذا کے ذریعہ گزارہ نہ کرسکتا ہو اُوپر کا دودھ پلانے سے (جیسا کہ آج کل رواج ہے) یا دلیہ یا چاول وغیرہ کھانے سے بچہ کی غذا کا کام چل سکتا ہو تو پھر دودھ پلانے والی کو رمضان المبارک کے روزے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے تو اس کو عورت کا دودھ پلانا ہی منع ہے۔ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے اس کے دودھ پلانے کے لئے روزہ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حیض اور نفاس والی عورت کا حکم

جس عورت کو رمضان المبارک میں ماہواری کے دن آ جائیں یا ولادت کے بعد کا خون آ رہا ہو جسے نفاس کہتے ہیں یہ دونوں عورتیں رمضان المبارک کے روزے نہ رکھیں اگرچہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو لیکن بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں۔ اور حیض نفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں۔ ان دونوں پر انکی قضا نہیں۔

اللہ نے دین میں آسانی رکھی ہے

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جو بندوں کی طاقت سے باہر ہو قرآن میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے آیت بالا میں مریض اور مسافر کا حکم بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: **یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ** (کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہارے لئے مشقت کا ارادہ نہیں فرماتا) نمازوں کے بارے میں بھی مریض کے لئے آسانی ہے کہ کھڑے ہو کر لیٹ کر بیٹھ کر رکوع اور سجدہ یا اشارہ کے ساتھ اپنی طاقت کے مطابق جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے زکوٰۃ میں بھی مطلق مال ہونے پر زکوٰۃ فرض نہیں کی گئی بلکہ صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اسکی ادائیگی اس وقت فرض ہے جب ناپ پر چاند کے حساب سے ایک سال گزر جائے اور پھر زکوٰۃ میں جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ بہت قلیل ہے یعنی کل مال کا چالیسواں حصہ دینا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح حج ہر شخص پر فرض نہیں جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آنے جانے کی طاقت رکھتا ہو اور ساتھ ہی سفر خرچ بھی ہو اور بال بچوں کا ضروری خرچہ پیچھے چھوڑ جانے کے لئے موجود ہو تب حج فرض ہوتا ہے اور وہ بھی زندگی

میں صرف ایک بار فرض ہے۔ روزہ رمضان فرض ہونے کے باوجود مریض اور مسافر اور شیخ فانی حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے جو آسانیاں ہیں وہ اوپر ابھی بیان ہو چکی دیگر احکام میں جو آسانیاں ہیں وہ بھی عام طور پر معلوم اور مشہور ہیں۔

قوله تعالیٰ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ. (الایة) اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ص ۶۲ ج ۲) فرماتے ہیں ای و شرع لکم جملة ما ذکر من امر الشاهد بصوم الشهر المستفاد من قوله تعالیٰ : فمن شهد منكم الشهر فليصمه وامر المرخص له بالقضاء كيف ما كان متواترا او متفرقا وبمراعاة عدة ما افطر من غير نقصان ومن الترخيص المستفاد من قوله عزّوجل (يريد الله بكم اليسرا ومن قوله تعالیٰ فعدة من ايام أخر) لتكملوا الخ.

مطلب یہ کہ ولتکملوا میں واؤ عاطفہ ہے جو فعلِ محذوف پر عطف ہے مطلب یہ کہ تمہارے لئے جو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم مشروع فرمایا کہ جو شخص ماہِ رمضان میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور مریض اور مسافر کو رمضان میں روزے چھوڑ کر بعد میں چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی کے موافق قضا روزے متواتر یا متفرق طریقے پر رکھنے کی جو اجازت دی یہ اس لئے ہے کہ تم ٹھیک اچھی طرح گنتی کا دھیان رکھ کر تکمیل کرو تا کہ اداءً وقضاءً کوئی روزہ رہ نہ جائے اور تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور یہ جو فرمایا: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی یعنی اسکی حمد و ثنا بیان کرنے کا حکم ہے۔ حضرت زید بن اسلمؓ نے فرمایا کہ اس سے یوم عید کی تکبیریں مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے چاند دیکھنے کے وقت اللہ اکبر کہنا مراد ہے۔

اور لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ میں تسہیل اور تیسیر کی علت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حالت سفر اور مرض میں روزہ چھوڑ کر بعد میں قضا رکھنے کی جو آسانی دی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو یہ آسانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس نعمت کی قدردانی کرو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ
اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں سو بلاشبہ میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے سو وہ میرے احکام کو قبول کریں
وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
اور مجھ پر یقین رکھیں تا کہ وہ نیک راہ پر رہیں

دعا کی فضیلت اور آداب

تفسیر: درمنثور میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا رب قریب ہے جس سے ہم آہستہ طریقے پر مناجات کریں یا دُور ہے جسے ہم زور سے پکاریں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ آخر تک نازل فرمائی اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے بیان فرمایا کہ آیت وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض

کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ہم کس وقت دعا کریں تو اچھا تھا اس پر آیت وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ اخیر تک نازل ہوئی۔

گزشتہ آیات میں روزے کے احکام بیان ہوئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آخرت کمانے کا سیزن ہے اس میں کمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رات ایک منادی ندا دیتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے تلاش کرنے والے رُک جا (سنن الترمذی ص ۱۴۲ ج ۱) اور اہل ایمان کی طبیعتیں نیکیوں کی طرف بہت زیادہ راغب ہو جاتی ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ فرضوں کے علاوہ مزید نمازیں پڑھتے ہیں ذکر و تلاوت میں لگتے ہیں۔ دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں۔ شب قدر کو زندہ رکھتے ہیں۔ رمضان میں دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ (سُنن ترمذی ابواب الدعوات) لہٰذا یہ مناسب ہوا کہ احکام رمضان کے درمیان دعا کی قبولیت کا ذکر کر دیا جائے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے وہ سب کی دُعا سنتا ہے اور قبول بھی فرماتا ہے۔ آہستہ سے دعا کرو یا زور سے وہ ہر دُعا سنتا ہے۔ جو دُعا زبان سے نہ ہو اور صرف دل سے ہو وہ اسکو بھی جانتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔ اِسی لئے اَسْمَعُ نہیں فرمایا بلکہ اُجِیْبُ فرمایا تا کہ قلبی دعا کو بھی شامل ہو جائے۔ سورۂ ق میں فرمایا۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے نفس میں جو خیالات آتے ہیں۔ ہم اُن کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے جب ہم کسی اُونچائی پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم کسی ایسے کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرہ ہے اور غائب ہے۔ تم تو سمیع اور بصیر کو پکار رہے ہو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارا رب شرمیلا ہے کریم ہے وہ اس بات سے شرماتا ہے کہ بندہ جب اسکی طرف ہاتھ اُٹھائے تو وہ ان ہاتھوں کو بغیر کسی خیر کے واپس کر دے۔ (اخرجہ الترمذی فی ابواب الدعوات وحسنہ اخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال علی شرط الشیخین واقرہ الذہبی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ دعا کرنے والا جلدی نہ کرے وہ کہتا ہے کہ میں نے دعا کی وہ قبول نہ ہوئی۔ (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعا برابر قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور قطع رحمی کی دُعا نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ مچائے عرض کیا گیا کہ جلدی مچانے کا کیا مطلب ہے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے میں نے دعا کی اور لیکن مجھے قبول ہوتی نظر نہیں آتی یہ سمجھ کر تھک کر بیٹھ جائے اور دعا کو چھوڑ دے (صحیح مسلم)

دعا برابر کرتے رہیں۔ رغبت کے ساتھ دل کو حاضر کر کے دعا کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیس شیء اکرم علی اللہ من الدعاء کہ اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز فضیلت والی نہیں ہے اور ایک حدیث میں ہے الدعاء مخ العبادة کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص کو یہ خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور بے چینیوں کے وقت اسکی دعا قبول کرے سو چاہئے کہ وہ اچھے

حالات میں کثرت سے دعا کرے۔ دعا قبول ہونے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سوال کے مطابق اسے عطا فرما دیتا ہے یا اس جیسی آنے والی کسی مصیبت کو روک دیتا ہے جب تک کہ گناہ گاری اور قطع رحمی کی دُعا نہ کرے۔ (أخرج الاحادیث الاربعة الترمذی فی ابواب الدعوات)

اور مسند احمد میں ایک بات کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ یا اسکی دعا کو اللہ تعالیٰ آخرت کے لئے ذخیرہ بنا کر رکھ دے گا (جو اُسے آخرت میں کام دے گی) (مشکوٰۃ المصابیح)

لوگ کہتے ہیں دُعا قبول نہیں ہوتی حقیقت میں مانگنے والے ہی نہیں رہے۔ اول تو حضور قلب سے دعا نہیں کرتے۔ دوسرے حرام سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص لمبے سفر میں ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں، جسم پر گرد و غبار اٹا ہوا ہے۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے یارب یارب کہہ کر دُعا کرتا ہو اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے اور اس کو حرام سے غذا دی گئی ہے۔ پس ان حالات میں اسکی دُعا کیوں کر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم)

نیز سُنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دُعا ان مصیبتوں کے دُور ہونے کے لئے بھی نافع ہے جو نازل ہو چکیں اور ان مصیبتوں کو روکنے کے لئے بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ سوائے اللہ کے بندو! تم دُعا کو لازم پکڑ لو۔ (ابواب الدعوات)

سُنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے تم اس طرح دُعا کرو کہ قبولیت کا یقین ہو اور یہ جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ آیت کریمہ کے آخیر میں فرمایا: فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۔ کہ میرے تمام احکام کو قبول کریں اور میری ذات وصفات پر ایمان لائیں مجھ پر یقین اور بھروسہ رکھیں۔ ایسا کریں گے تو ہدایت پر ثابت قدم رہیں گے اور مزید ہدایت پائیں گے۔ قال صاحب الروح ای فلیطلبوا اجابتی لهم اذا دعوتهم للإيمان والطاعة كما انی اجيبهم إذا دعونی لحوائجهم۔

وقال القرطبی قال الهروی الرُشد والرشَد والرشاد الهُدی والاستقامة ومنه قوله تعالیٰ لعلهم يرشدون.

وقال البيضاوی فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي اذا دعوتهم للايمان والطاعة كما اجيبهم اذا دعونی لمهما تهم وَلْيُؤْمِنُوا بِي امر بالثبات والمداومة عليه لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ راجين اصابة الرشد وهوا صابة الحق.

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ

حلال کیا گیا تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں بیویوں میں مشغول ہونا، وہ لباس ہیں تمہارے لئے اور تم ان کا لباس ہو۔

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہو سو اُس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تم کو معاف فرما دیا۔ سو اب اُن سے میل ملاپ کرو

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

اور تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو

الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي

جائے۔ یعنی فجر کا تاگہ پھر تم روزے پورے کرو رات تک۔ بیویوں میں میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم اعتکاف کئے ہوئے ہو

الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہٰذا ان کے پاس نہ پھٹکو اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ لوگ پرہیز گار بنیں

تکملہ احکام صیام

تفسیر: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ روزوں کی فرضیت کے ابتدائی زمانہ میں (قانون کے مطابق) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس پر عمل کرتے تھے کہ جس شخص کا روزہ ہوتا اور افطار کا وقت آجاتا اور وہ افطار سے پہلے سو جاتا تو اَب پوری رات اور اگلے پورے دن نہیں کھا سکتا تھا جب تک کہ شام نہ ہوجائے۔ اور یہ واقعہ پیش آیا کہ قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا روزہ تھا افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اُن سے کہا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں کہیں سے جا کر تمہارے لئے انتظام کر کے لاتی ہوں۔ انہوں نے دن بھر کام کیا تھا ابھی اُن کی بیوی واپس نہ آئی تھی کہ ان کی آنکھ لگ گئی پس جب وہ آئیں اور ان کو دیکھا کہ سو چکے ہیں تو کہنے لگیں ہائے تیری محرومی (کھانے کا وقت ختم ہوا اور کل کو روزہ بھی رکھنا ہے) انہوں نے اسی طرح (بغیر کھائے پیئے) روزہ رکھ لیا جب آدھا دن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ نازل فرمائی جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور آیت وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری) قال فی فتح الباری بعد ذکر الاختلاف فی اسم الصحابی الذی وقع له ذلک أنه أبو قیس صرمة بن أبی أنس قیس بن مالک فمن قال قیس بن صرمه قلبه۔

سو جانے کے بعد رمضان المبارک میں جیسے کھانا پینا ممنوع ہو جاتا تھا اسی طرح بیویوں سے ہمبستر ہونا بھی ممنوع ہو جاتا تھا۔ صحابہ کو اس میں بہت دُشواری پیش آئی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب رمضان کے روزوں کا حکم ہوا تو (افطار کے بعد نیند آ جانے کی صورت میں) عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے اور پورے رمضان کا یہی قانون تھا اور بہت سے لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے (اور قانون کی خلاف ورزی کر بیٹھتے تھے) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ نازل فرمائی۔ سنن ابوداؤد باب کیف الاذان میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی سے جماع کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے کہا میں تو سو گئی تھی (اب یہ کام جائز نہیں رہا) اُنہوں نے سمجھا کہ یہ بہانہ کر رہی ہے لہٰذا جماع کر بیٹھے۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور باتیں کرتے رہے جب گھر آئے تو دیکھا کہ بیوی سو چکی ہے اُسے جگایا اور مخصوص کام کا ارادہ کیا وہ کہنے لگی کہ میں تو سو گئی تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ تم سوئی نہیں ہو (غلط کہہ رہی ہو) پھر اس سے جماع کر لیا اور کعب بن مالکؓ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا صبح کو حضرت عمرؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سُنایا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ نازل فرمائی۔ نفس کے اُبھار کی وجہ سے جو نفسوں کا تقاضا پورا کر لیا اس میں بظاہر نفس کی موافقت ہے لیکن قانون شرعی کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہ نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ اَحکام کی خلاف ورزی مواخذہ کی چیز ہے اور تختانون کا یہ

معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ غلبۂ شہوت کی وجہ سے تمہارے نفسوں کا تقاضا بیویوں کے پاس جانے کا ہوتا تھا لیکن تم اجازت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے تقاضے کو پورا نہ کرتے تھے اس میں نفسوں کی خواہش کی خیانت تھی اگرچہ ایمانی تقاضوں کی موافقت تھی۔ اب مُباشرت کی اجازت دے دی گئی تو نفسوں کی خیانت بھی ختم ہوئی۔ آیت شریفہ اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ۔ آخر تک نازل ہونے سے پوری رات کھانا پینا اور بیویوں سے مباشرت کرنا جائز ہوگیا۔ جو کچھ کسی سے خلاف ورزی ہوئی تھی وہ اس پر نادم ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی اور اُن کو معاف فرمادیا۔

زن وشوہر کے تعلقات کا لطیف انداز میں بیان

رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے میاں بیوی کے تعلق کو ایک لطیف انداز میں بیان فرمایا۔ اور وہ یہ کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں یعنی وہ تمہارے لئے سکون اور دل جمعی کا باعث ہیں اور تم اُن کے لئے سکون اور دل جمعی کا باعث ہو۔

کمافی سُورۃ الاعراف لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا وفی سُورۃ الروم لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا۔ عورت اور مرد چونکہ معانقہ کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے سے لپٹ جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو ایک دوسرے کے لئے لباس سے تعبیر فرمایا اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پردہ بن جاتے ہیں اور فسق وفجور سے روکتے ہیں۔ اس لئے بھی ہر ایک کو دوسرے کا لباس بتایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی بندہ نے نکاح کرلیا تو اس نے آدھا دین کامل کرلیا۔ لہٰذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ عن البیہقی فی شعب الایمان)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلے جملہ یعنی ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ سے یہ واضح ہورہا ہے کہ تم عورتوں سے صبر نہیں کرسکتے اور دوسرا جملہ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ یہ بتارہا ہے کہ تمہارے لئے ان سے پرہیز کرنا مشکل ہے اور چونکہ مَرد کا احتیاج خوب واضح ہے اس لئے پہلے جملہ کو مقدم کیا گیا۔ (من روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۲)

ابتغائے اولاد کا حکم

یہ جو فرمایا وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ (یعنی طلب کرو تم جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے اولاد طلب کرنا مقصود ہے یعنی جماع کرنے میں نیت رکھو کہ اللہ تعالیٰ اولاد نصیب فرمائے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نکاح کرنے میں نسل بڑھنے کی نیت رکھنی چاہئے صرف قضائے شہوت مقصود نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہوتِ جماع کو بنی نوع انسان کی بقا کے لئے انسانوں میں رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ کھانے کی خواہش انسانوں کے زندہ رہنے کے لئے پیدا فرمادی ہے صرف قضا شہوت جانوروں کا مقصود ہے بعض مُفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ جب جماع کو اولاد طلب کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا تو اس سے عورتوں سے غیر فطری طریقے سے قضاء شہوت کرنے کی ممانعت ثابت ہوگئی کیونکہ وہ جگہ طلب ولد کی نہیں ہے۔

صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت

پھر فرمایا: وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (اور کھاؤ

اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے یعنی فجر کا تاگہ) اس میں اجازت دی گئی ہے کہ روزوں کی راتوں میں صبح صادق ہونے تک کھا پی سکتے ہو۔ سفید تاگے سے بیاض النہار (یعنی دن کی سفیدی جو صبح صادق سے شروع ہوتی ہے) مراد ہے۔ اور سیاہ تاگے سے سواد اللیل (یعنی رات کی تاریکی) مُراد ہے۔ یہ تفسیر خود آنحضرت سرور عالم ﷺ سے مروی ہے۔ (کمافی صحیح البخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ نازل ہوئی اور ابھی لفظ مِنَ الْفَجْرِ نازل نہ ہوا تھا تو بعض لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور کالا تاگہ باندھ لیا اور برابر کھاتے پیتے رہے یہاں تک کہ ان دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے (وہ زمانہ بتی اور بجلی کا تو تھا نہیں چھوٹے چھوٹے گھروں میں اندر بیٹھ کر کھاتے رہے صبح صادق ہو جانے اور باہر روشنی پھیل جانے پر بھی دونوں تاگوں میں امتیاز نہ ہوا۔ ان حضرات نے خَيْطِ اَبْيَضْ اور خَيْطِ اَسْوَدْ کا معروف معنی سمجھا) پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ مِنَ الْفَجْرِ نازل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ خیطِ ابیض اور خیط اسود سے دِن اور رات مراد ہے۔ (صحیح بخاری)

معلوم ہوا کہ سحری کھانے کا آخری وقت صبح صادق تک ہے اور چونکہ پوری رات میں جماع کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی اس لئے جماع بھی صبح صادق ہونے تک جائز ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب رات کے آخر حصے تک جماع کرنے کی اجازت ہے تو جماع کرنے والا لامحالہ فجر طلوع ہونے کے بعد ہی غسل کرے گا اور غسل کرنے میں جو وقت خرچ ہوگا اس وقت میں روزہ بھی ہوگا جو صبح صادق سے شروع ہو چکا ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو حالت جنابت میں فجر ہو جاتی تھی، پھر آپ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام نہیں بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری) چونکہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے اس لئے اگر روزہ میں احتلام ہو جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

روزہ کا ابتدائی وقت حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ میں بتادیا پھر روزے کی انتہا بتانے کے لئے فرمایا: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (پھر روزوں کو رات تک پورا کرو) رات غروب شمس ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے جیسے ہی سورج غروب ہو جائے روزہ افطار کرنے کا وقت ہو جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مشرق کی طرف سے رات آ گئی اور دن مغرب کی طرف چلا گیا اور سورج چھپ گیا تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۲ ج ۱)

مسئلہ: غروب ہوتے ہی فوراً روزہ افطار کر لینا مستحب ہے جیسا کہ سحری کھانا آخر رات میں مستحب ہے۔ (کمافی صحیح مسلم) البتہ سحری میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ صبح صادق ہونے کا اندیشہ ہو جائے۔

اعتکاف کے فضائل اور مسائل

پھر فرمایا وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ (اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم اعتکاف کئے ہوئے ہو مسجدوں میں) اعتکاف مسنون ہے جو صرف مسجدوں ہی میں ہوتا ہے اور اس کے لئے نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اعتکاف کی نیت کے بغیر مسجد میں جتنا بھی وقت گزارے اعتکاف میں شمار نہ ہوگا۔ اعتکاف کے دنوں میں ایک تو شب قدر میں بیدار رہنے

اور نمازوں میں قیام کرنے کی آسانی ہو جاتی ہے۔ دوسرے مخلوق سے تعلق کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اور خالق تعالیٰ شانہٗ ہی کی طرف پوری توجہ رہتی ہے۔ دل وجان سے جسم اور زبان سے عبادت اور تلاوت میں مشغولیت رہتی ہے۔ یہ دَر پر جا پڑنے والی بات ہے۔

حضرت اَبو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری) حضرت اُبیُّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے پھر ایک سال کا اعتکاف نہیں کیا تو آئندہ سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ (سنن ابوداؤد) اور ایک سال آپ نے ماہِ شوال میں بھی بیس دن کا اعتکاف فرمایا (ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ گناہوں سے روکتا ہے اور اس کے لئے اس شخص کا ثواب لکھا جاتا ہے جو تمام نیکیاں کرنے والا ہو (سُنن ابن ماجہ) رات ہو یا دن اعتکاف میں جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ بیوی کو چھونا جائز نہیں ہے۔ اگر جماع کر لیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اگر شہوت کے بغیر ہاتھ لگایا تو اسکی گنجائش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ حالت اعتکاف میں (مسجد میں بیٹھے ہوئے) اپنا سَر مبارک میری طرف کو نکال دیتے تھے اور میں آپ کا سَر دھو دیتی تھی' اور ایک رِوایت میں ہے کہ آپ کے سَر میں کنگھی کر دیتی تھی۔ (صحیح بخاری) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ آپ اعتکاف کی حالت میں صرف انسانی حاجت کے لئے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حاجت انسانی سے پیشاب پاخانہ مراد ہے۔ کھانا پینا چونکہ مسجد ہی میں ہوتا ہے اس لئے معتکف کو اس کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب کوئی شخص اعتکاف کرے گا اور راتوں میں بیدار رہے گا۔ تو جس رات میں بھی شب قدر ہوگی وہ اُسے پالے گا اور اسکی خیر و برکت سے محرومی نہ ہوگی۔ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) لہٰذا شبِ قدر کی تلاش میں رہنا چاہئے اور خاص کر آخر عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کریں ہزار مہینے کے ۸۳ سال چند ماہ ہوتے ہیں چند گھنٹے عبادت میں گزار کر اتنا بڑا ثواب لے لینا عظیم نفع ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَيحرم خيرَها اِلّا كل محروم یعنی شب قدر کی خیر سے وہی محروم ہوگا۔ جو پورا محروم ہے۔ (جسے ذرا بھی عبادت کا ذوق نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۳ ج ۱) ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے شب قدر کی رات میں نماز میں قیام کیا (یعنی نفل نمازیں پڑھتا رہا) اُس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری)

نفل روزوں کا بیان

گزشتہ آیت میں جو فرمایا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ اس میں نوافل کی ترغیب دی ہے بیان تو روزوں کے ذیل میں آیا ہے۔ لیکن الفاظ کے عموم میں ہر نفلی عبادت آ گئی۔ یہاں نفل روزوں کے کچھ فضائل لکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ ہر نیکی کم از کم دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔

شش عید کے روزے

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ روزے شوال کے مہینے میں رکھ لئے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا اگر ہمیشہ ایسا ہی کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (رواہ مسلم)

جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہوں گے۔ اس طرح سے پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص ہر سال ایسا ہی کرلیا کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا شمار ہوگا۔ اگر رمضان کے روزے چاند کی وجہ سے ۲۹ ہی رہ جائیں تب بھی شوال میں چھ روزے رکھنے سے ان شاء اللہ مذکورہ بالا ثواب ملے گا کیونکہ ہر مسلمان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ چاند نظر نہ آیا تو تیسواں روزہ بھی ضرور رکھے گا۔

پیر اور جمعرات کا روزہ:

پیر اور جمعرات کو بھی روزہ رکھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں لہٰذا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔ (رواہ الترمذی)

ایام بیض کے روزے

ایامِ بیض کے روزے رکھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ۱۳-۱۴-۱۵ کو ایام بیض کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مہینے سے تین روزے رکھے تو تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کے روزے رکھ لے۔ (رواہ الترمذی ص ۱۳۳ ج ۱) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ بیض کے روزے رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔ (رواہ النسائی ص ۳۲۹ ج ۱)

عاشوراء کا روزہ: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں قریش عاشوراء (محرم کی دس تاریخ) کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا پھر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشوراء کا روزہ (بحیثیت تاکیدی حکم کے) باقی نہ رہا پھر جو چاہتا اس دن کا روزہ رکھتا تھا اور جو چاہتا چھوڑ دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم عاشوراء کا روزہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے مشروع تھا اور اس کا روزہ رکھنا مؤکد تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد تاکد ختم ہو گیا اور استحباب کا درجہ رہ گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوری پوری اُمید رکھتا ہوں کہ یوم عرفہ (بقرعید کی نویں تاریخ) کا روزہ رکھنے پر ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ معاف فرما دیگا اور یومِ عاشوراء کے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوری پوری امید رکھتا ہوں کہ ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ فرما دیگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ رمضان کے بعد سب سے

زیادہ اُفضل محرم (یعنی اُس کی دس تاریخ) کا روزہ ہے جو شہر اللہ ہے۔اور سب نمازوں میں فرض نمازوں کے بعد رات کی نماز (یعنی نماز تہجد) افضل ہے۔ (صحیح مسلم)

قال الطیبی أرادبصیام شهر الله صیام یوم عاشوراء اه ویکون من باب ذکر الکل وارادة البعض ویمکن ان یقال أفضلیته لما فیه من یوم عاشوراء ولکن الظاهر ان المراد جمیع شهر المحرم (کذافی المرقاة)

محرم کو شہر اللہ یعنی اللہ کا مہینہ فرمایا۔ یہ اضافت تشریفی ہے۔ کیونکہ سب مہینے اللہ ہی کے ہیں۔ محرم الحرام کی فضیلت بتانے کے لئے شہر اللہ فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھواور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ (سنن الترمذی)
اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ دسویں تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے' کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھے۔ صرف یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے۔ (ذکرہ فی المرقاۃ)

عشرہ ذی الحجہ کے روزے:

بقرعید کی نویں تاریخ کے روزہ کی فضیلت اُوپر معلوم ہوئی۔ اُس سے پہلے جو آٹھ دن ہیں اُن میں بھی روزہ رکھنا چاہئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذوالحجہ کے اول کے دس دنوں میں عمل صالح سب دنوں کے اعمال سے افضل ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا (ہاں) جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کے اعمال صالحہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی شخص اللہ کی راہ میں نکلا (اور اس نے جان اور مال کی بازی لگادی) پھر کچھ بھی لیکر واپس نہ ہوا۔ (صحیح بخاری)
ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کا روزہ اور ذوالحجہ کے عشرہ اولیٰ کے روزے (باستثناء یوم الاضحیٰ) اور مہینے کے تین روزے نہیں چھوڑتے تھے۔ (سنن نسائی)

فائدہ: بقرعید کی نویں تاریخ کو حج ہوتا ہے۔ اس دن حج کرنے والے عرفات میں ہوتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک دعاؤں میں مشغولیت ہوتی ہے اس لئے حجاج کے لئے افضل ہے کہ اس تاریخ کا روزہ نہ رکھیں۔ حضور اقدس ﷺ نے بھی حج کے موقعہ پر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا (کمافی صحیح البخاری ص ۲۶۷ ج ۱، صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۱)

فائدہ: نفلی عبادت روزہ ہو یا نماز ذکر ہو یا تلاوت' حج ہو یا عمرہ جس قدر بھی کوئی شخص ادا کرے گا اُس کا ثواب پائے گا۔ لیکن ہر عمل میں شریعت کے اصول وقوانین کا خیال رکھنا لازم ہے۔ ایک نفلی روزہ کی قیمت اِتنی زیادہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک روزہ رکھ لیا اللہ تعالیٰ اسکی ذات کو دوزخ سے اتنی دور کردیں گے جتنی دُور کوئی شخص ستر سال میں چل کر پہنچے۔ (یعنی وہ دوزخ میں نہ جائے گا)۔ (صحیح بخاری)
لفظ فی سبیل اللہ کا متبادر معنی تو یہ ہے کہ جہاد کے موقع پر روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اور اس لئے امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجہاد میں ذکر کیا ہے۔ اور بعض شراح حدیث نے اس کا ترجمہ لوجہ اللہ بھی کیا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کی رضا کے لئے روزہ رکھے۔ اس کا یہ ثواب ہے۔ فتح الباری میں دونوں معنی لکھے ہیں۔ نفل روزے بقدرِ طاقت (جس سے دوسری فرض عبادتوں میں ضعف نہ آجائے اور اپنے لئے اور اہل وعیال کے لئے ضروری حلال کسب معاش میں فرق نہ

آئے) رکھتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور راتوں رات نفل نماز میں قیام کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو اور رات کو نماز میں بھی قیام کرو اور سوؤ بھی۔ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے پاس آنے جانے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اور فرمایا کہ سب سے افضل روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ (صحیح البخاری)

سال بھر میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے

وہ پانچ دن یہ ہیں۔ عید الفطر کا دن اور ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ تاریخوں میں۔ ذوالحجہ کے ان دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کے دن ہیں۔ رواہ المسلم (بخاری) میں حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ ذکر اللہ میں تو ہمیشہ ہی مشغول رہنا چاہئے۔ لیکن ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

مسئلہ: جس عورت کا شوہر گھر میں موجود ہو وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے البتہ فرض روزوں میں شوہر کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ منع بھی کرے تب بھی رکھے کیونکہ اللہ کے فرائض سب کے حقوق سے مقدم ہیں۔

روزانہ نفلی روزہ رکھنا محمود نہیں

فائدہ: بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ روزانہ روزہ رکھتے ہیں۔ روزانہ روزہ رکھنا محمود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **لا صام من صام الابد** (یعنی جس نے ہمیشہ روزے رکھے اُس نے روزے رکھے ہی نہیں)۔ صحیح بخاری۔

اور آپ نے روزانہ روزہ رکھنے والے کیلئے یہ بھی فرمایا کہ **لا صام ولا افطر** کہ اس نے روزے رکھے نہ افطار کیا۔ (صحیح مسلم)

اور وجہ اسکی یہ ہے کہ روزانہ روزہ رکھنے سے نفس کو عادت ہو جاتی ہے۔ صرف کھانے پینے کے اوقات بدل جاتے ہیں۔

افضل الصیام: سب سے افضل روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن بے روزہ رہے حضرت داؤد علیہ السلام اسی طرح نفلی روزے رکھتے تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا **لا صوم فوق صوم داوٗد** (صحیح بخاری) (یعنی داؤد علیہ السلام کے روزہ سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں) اور ایک روایت میں ہے۔ **لا افضل من ذلک** (بخاری ص ۲۶۵ ج ۱) یعنی اس روزے سے افضل کوئی روزہ نہیں ہے۔

حدود اللہ سے آگے بڑھنے کی ممانعت:

آخر میں فرمایا تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا الآیۃ (یعنی یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہٰذا ان کے پاس نہ پھٹکو) گزشتہ آیات میں جو روزہ کی فرضیت اور مریض و مسافر کے لئے رخصت اور روزہ کی ابتداء اور انتہاء کے اوقات بیان ہوئے اور اعتکاف والوں کے لئے ارشاد ہوا کہ اعتکاف میں مباشرت نہ کریں۔ ان سب کے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ یہ احکام اللہ کی حد بندیاں ہیں۔ حدود سے آگے مت بڑھو جو حکم جس طرح ہوا ہے اس کو اُسی طرح پورا کرو اور ایسی صورت اختیار نہ کرو

جس سے روزہ یا اعتکاف فاسد ہو جائے رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی چھوڑو بھی نہیں اور توڑو بھی نہیں۔ حد بندیوں کے قریب جانے کی ممانعت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے روزہ ضائع ہو جائے۔ نہ سحری میں اتنی دیر کریں کہ صبح صادق ہو جائے نہ افطار میں اتنی جلدی کریں کہ سورج چھپنے سے پہلے ہی کھا کے فارغ ہو جائیں حالت روزہ میں منہ میں ایسی کوئی چیز نہ لیں جس کا اندر جانے کا اندیشہ ہو اور وضو کرتے وقت ناک میں پانی دینے میں مبالغہ نہ کریں (کمافی الحدیث و بالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما' رواہ ابوداؤد) روزے میں مسواک کرنا تو احادیث شریفہ سے ثابت ہے لیکن دوسری چیزوں سے روزے میں دانت صاف کرنے کو فقہاء نے اسی لئے مکروہ لکھا ہے کہ تھوڑا بہت اندر چلے جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ
اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ۔ اور نہ لے جاؤ اُن کو حاکموں کی طرف تا کہ کھا جاؤ ایک حصہ
ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾
لوگوں کے مالوں میں سے گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو

باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت میں باطل طریقہ پر کسی کا مال حاصل کرنے اور اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت فرمائی۔ رمضان میں دن کے اندر حلال کھانے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اور اب اُحکام رمضان کے متصل ہی یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام کبھی نہ کھاؤ۔ نہ رمضان میں نہ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں۔ لفظ "بالباطل" بڑھا کر یہ بتا دیا کہ جو مال شرعاً جائز ہو مثلاً طیب نفس کے ساتھ کوئی ہدیہ دے دے یا شریعت کے مطابق تجارت کرنے سے نفع کی صورت میں کچھ مال مل جائے یا میراث میں حلال مال مل جائے تو یہ حلال ہے۔ باطل کے ذریعہ مال حاصل کرنے کی بہت صورتیں ہیں۔ جن میں سے متعدد صورتیں آیت کریمہ یَا اَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا کے ذیل میں بیان کر دی گئی ہیں۔ یہاں قرآن کریم نے ایک خاص صورت کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ لوگوں کے مالوں پر باطل طریقہ سے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ حکام وقت کو ذریعہ بنا کر لوگوں کے مالوں کو اپنا مال بنا لیتے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

حاکم کے فیصلہ کر دینے سے کسی کا مال حلال نہیں ہو جاتا

ایک صورت یہ ہے کہ کسی کے مال پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور حاکم کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا اور ایک طریقہ یہ ہے کہ جھوٹی تحریر لکھ کر یا جھوٹے گواہ بنا کر حاکم کے ہاں پیش کر کے کسی غیر کے مال اور جائداد کے بارے میں اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ اور ایک طریقہ یہ ہے کہ شرعی قانون کے خلاف حکومت وقت کے رائج قوانین کے مطابق کسی کا مال دبا لیا۔ مثلاً کسی حکومت نے یہ قانون بنا دیا کہ مرنے والے کے مال میں صرف لڑکوں کا حصہ ہوگا۔ اور اس قانون کے پیش نظر لڑکوں نے حاکم سے اپنے حق میں میراث تقسیم کرانے کا فیصلہ کرا لیا۔ اور بہنوں کو محروم کر دیا۔ یا جیسے کسی حکومت نے قانون بنا دیا کہ فلاں فلاں اشخاص کا مال زبردستی لے کر فلاں فلاں قسم کے آدمیوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ تو ان میں سے کسی بھی صورت میں کسی شخص کا

مال ہرگز حلال نہیں ہوگا اور بھی اس کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں مقدمہ باز جانتے ہیں اور مکروفریب کے ذریعہ حکام کو استعمال کرکے دوسروں کے مالوں پر قبضہ کرتے رہتے ہیں۔ حاکم سے فیصلہ کرا کر جو شخص کسی کا مال لے لے گا۔ وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگا۔ دنیا و آخرت میں اس کا بہت بڑا وبال ہے اور سخت عذاب ہے دنیاوی حکام کے فیصلوں کے ذریعہ کسی کا مال اپنا بنا کر مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہ یاد رکھیں کہ مالک یوم الدین قاضی روز جزاء جل مجدہ کے حضور میں بھی پیش ہونا ہے۔ حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہی ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لیکر آتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کے مقابلہ میں اپنی حجت کو بڑھ چڑھ کر بیان کردے اور میں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں جو کچھ میں نے اس سے سُنا (اور یہ فیصلہ حقیقت میں غلط ہو) سو جس کے لئے میں اُس کے بھائی کے مال میں سے کسی چیز کا کوئی فیصلہ کر دوں تو اُسے ہرگز نہ لے کیونکہ میں اُس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ (صحیح بخاری)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر جھوٹا مقدمہ دائر کیا اور جس کا حق نہیں ہے اُس کے زور بیان پر میں نے اس کو دوسرے کا حق دلا دیا یا تو میرے دلانے سے وہ اس کے لئے حلال نہ ہو جائے گا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ لہٰذا میرے لئے دوسرے کا مال حلال ہو گیا۔ باوجود فیصلہ کر دینے کے دوسرے کا مال مدعی کے لئے حلال نہ ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اُس کی نہیں ہے تو وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ (رواہ مسلم)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی جس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال اپنے حق میں کر لینا چاہتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوگا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

لفظ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ جو فرمایا ہے۔ اس میں یہ بتا دیا کہ صرف آپس میں مسلمان ہی کا مال ناحق لے لینا حرام نہیں ہے بلکہ غیروں کا مال ناحق لے لینا بھی حرام ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اُن کو ذمی کہا جاتا ہے۔ تمام مسلمانوں پر ان کی جان و مال کی حفاظت لازم ہے۔ اور خیانت کرکے یا کسی بھی طرح سے ان کا مال ناحق رکھ لینا جائز نہیں ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ

وہ آپ سے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ اوقاتِ مقررہ ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے، اور نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں

مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے۔ اور آ جاؤ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے۔ اور اللہ سے ڈرو

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ

چاندوں میں کمی بیشی کیوں ہوتی ہے

تفسیر: تفسیر در منثور (ص ۲۰۳ ج ۱) میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عنمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ چاند چھوٹا بڑا کیسے ہو جاتا ہے۔ اوّل باریک تاگہ کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور گول ہو جاتا ہے۔ پھر گھٹتے گھٹتے باریک ہو جاتا ہے۔ اور شروع میں جیسا تھا ویسا ہی آخر میں ہو جاتا ہے۔ اس کے سوال پر آیت بالا نازل ہوئی اور ان کو جواب دیا گیا کہ یہ چاند لوگوں کے لئے اوقاتِ مقررہ بتانے والے ہیں اور حج کا وقت بھی ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزے کب رکھنا شروع کریں گے۔ عورتوں کی عدت کے اوقات ان کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور خرید و فروخت کے معاملات میں جو کوئی اَجل اور میعاد مقرر ہوتی ہے چاندوں کے ذریعہ ان کے ختم ہونے کا علم بھی ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے

شریعت اسلامیہ میں چاند کے مہینوں کا اعتبار کیا گیا ہے صاحب نصاب پر چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزر جانے پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوتی ہے (اگر کوئی شخص شمسی مہینوں کے اعتبار سے سال گزر جانے پر زکوٰۃ ادا کرتا رہے گا تو چھتیس سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کمی رہ جائے گی۔ کیونکہ شمسی سال قمری سال سے دس دن بڑا ہوتا ہے) جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اسکی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اور جس عورت کو ابتک حیض نہیں آیا اُس کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین مہینہ ہے۔ یہ مہینے قمری مہینوں کے اعتبار سے معتبر ہوں گے۔ اور رمضان کے روزے بھی چاند ہی کے حساب سے رکھے جاتے ہیں کیونکہ رمضانِ چاند کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے پھر عید بھی چاند دیکھ کر کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزے رکھنا شروع کرو اور چاند دیکھ کر رمضان کے روزے رکھنا ختم کر دو۔ اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس (روزوں کی) گنتی پوری کر لو۔ (صحیح مسلم)

حج بھی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے اور قربانیاں ذوالحجہ کی دس۔ گیارہ۔ بارہ کی تاریخوں میں ہوتی ہیں۔ ان سب احکام میں چونکہ چاند ہی کا مہینہ معتبر ہے اور چاند ہی کے حساب سے مہینوں کی ابتدا اور انتہاء ہوتی ہے اس لئے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور انکی ابتداء اور انتہاء جاننا فرض کفایہ ہے۔

دینی اُمور کو قمری مہینوں سے متعلق کرنے میں آسانی ہے

چاند کے مہینوں سے دینی امور کو متعلق کرنے میں عوام اور خواص کے لئے اور پورے عالم کے انسانوں کے لئے آسانی بھی ہے۔ چاند شروع میں مغرب کی طرف چھوٹا سا نظر آتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ شروع ہے پھر چند دن کے بعد پوری رات روشن رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ایام بیض کا زمانہ ہے پھر اخیر میں مشرق کی طرف چھوٹا ہو کر نظر آنے لگتا ہے اور ایک دو دن بالکل ہی نظر نہیں آتا اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ اخیر ہو رہا ہے۔ اگر شمسی مہینوں سے عبادات کا تعلق ہوتا تو اُسے صرف حساب دان ہی سمجھ سکتے تھے اور ہر شخص کے پاس کیلنڈر اور جنتری ہونا ضروری تھا اور یہ یاد رکھنا ضروری تھا کہ کونسا مہینہ کتنے دن کا ہوتا ہے یہ سب باتیں عوام کے لئے سمجھنا اور یاد رکھنا مشکل تھا

پھر کیلنڈر وغیرہ اب ترقی یافتہ دنیا میں چھپنے لگے ہیں وہ بھی ہر بستی اور ہر گھر میں نہیں ہوتے۔ اور احکام اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہیں پھر کیلنڈر اور جنتریوں پر عبادات کیسے موقوف رکھی جاسکتی ہیں۔ عوام اور خواص کے لئے یہ آسانی ہے کہ چاند دیکھا اور مہینے کی ابتداء اور انتہا سمجھ لی۔ سورج روزانہ ایک ہی طرح نکلتا اور چھپتا ہے۔ سردی گرمی میں اس کا طلوع غروب ایک ہی طرح ہے اسے دیکھ کر مہینوں کی ابتداء اور انتہا سمجھنے کا کوئی راستہ نہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ نے جو سوال کیا تھا وہ یہودیوں کے سوال کرنے پر تھا۔ یہودیوں نے حضرات صحابہؓ سے چاند کے بارے میں سوال کیا تو ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیا۔ الفاظ سوال میں احتمال ہے کہ انہوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے کی علت اور سبب معلوم کیا ہو۔ اگر چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی تھی تب تو جواب سوال کے مطابق ہو گیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں عبادات کے اوقات اور معاملات کی میعادیں معلوم کرنے کا فائدہ ہے۔ اگر چاند آفتاب کی طرح ایک ہی حالت پر ہوتا تو اوقات کا سمجھنا اور معلوم کرنا مشکل ہو جاتا۔ اور اگر حضرات صحابہؓ کا سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت جاننے کے متعلق تھا تو جواب من قبیل اسلوب الحکیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں وہ معلوم کرنا چاہئے جس کی تمہیں ضرورت ہے۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ جاننے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں، تمہیں تو یہ پوچھنا چاہئے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے میں حکمت کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے چنانچہ ان کو اسی سوال کا جواب دے دیا گیا جو سوال انہیں کرنا چاہئے تھا۔ چاند کا گھٹنا بڑھنا یعنی چھوٹا بڑا نظر آنا اس کے اسباب تکوینیہ ریاضی کی کتابوں میں لکھے ہیں کچھ پرانے فلاسفہ کے تخیلات ہیں اور کچھ نئے سائنس کے تصورات ہیں ان میں سے کسی بھی چیز کی قرآن وحدیث سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی دینی مسئلہ ان کے جاننے پر موقوف ہے۔ بہت سے لوگ فلکیات اور اجرام سماویہ کے احوال جدید آلات کے ذریعہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مروجہ علوم میں ماہر بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے کو بڑا عالم بھی سمجھتے ہیں دنیا کے ادارے اور ملکوں کے سربراہ اُن کو اعزازی ڈگریاں بھی دیتے ہیں لیکن یہ سب لوگ ان چیزوں کے خالق و مالک کی نہ صرف عبادت کرنے سے اور اُس کی معرفت سے محروم ہیں بلکہ اس ذات پاک پر ایمان بھی نہیں لاتے جس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ قرآن مجید کے طرزِ جواب میں ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ کے جاننے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان پر سب سے زیادہ خالق جل جلالہ کے احکام کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے۔

گھروں میں دروازں سے آنے کا حکم

چاندوں کے متعلق سوال کا جواب دینے کے بعد جاہلیت کی ایک رسم کی تردید فرمائی۔ صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب احرام باندھ لیتے تھے تو (احرام کے زمانہ میں) گھر کی پشت سے داخل ہوتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا اور صحیح بخاری ابواب العمرہ (ص ۲۴۲ ج ۱) میں یوں نقل کیا ہے کہ انصار (اوس اور خزرج کے قبیلے) جب حج کر کے واپس ہوتے تھے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے نہیں بلکہ پچھواڑوں کی طرف سے داخل ہوتے تھے ایک انصاری جو حج کر کے آئے تو

وہ گھر کے دروازہ سے داخل ہوگئے ان کو عار دلائی گئی (گویا انہوں نے کوئی برا کام کیا ہے) اس پر آیت بالا نازل ہوگئی۔

اپنی طرف سے کسی کام میں ثواب یا گناہ سمجھ لینا بدعت ہے

گھروں کے پچھواڑوں سے داخل ہونے کو وہ لوگ ثواب سمجھتے تھے اور اس کو نیک کام جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انکی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ نیکی نہیں ہے کہ اپنے گھروں میں ان کی پشتوں کی طرف سے آؤ۔ نیکی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے پرہیز کیا جائے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی رہے اور اپنی طرف سے تراشے ہوئے احکام اور اعمال کی پابندی کی جائے اور اس میں ثواب سمجھا جائے یہ گمراہی کی بات ہے۔ جس چیز کو شریعت نے ضروری نہیں قرار دیا یا ثواب کا کام نہیں بتایا اسکو اپنی طرف سے ضروری قرار دے دینا یا ثواب کا کام سمجھ لینا بدعت ہے اور گناہ ہے جیسا کہ جو چیز شرعاً جائز ہو اُسے گناہ سمجھنا گناہ ہے' گھر کے دروازوں سے داخل ہونا شرعاً جائز تھا اسکو گناہ قرار دیا اور مکان کی پشتوں کو توڑ کر داخل ہونے کو ضروری سمجھا اور ثواب کا کام جانا اس لئے ان کے عقیدہ اور عمل کی تردید فرمائی اور آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کہ تم اللہ سے ڈرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے اَحکام پر عمل پیرا ہو اور اس کے احکام میں تغیر تبدل نہ کرو۔

علامہ جصاص کا ایک استنباط

علامہ جصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ قانون معلوم ہوا کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے ثواب کا کام نہیں بتایا اور جس کی ترغیب نہیں دی وہ کسی شخص کے ثواب بنا لینے سے ثواب کی چیز نہ بنے گا۔ نہ دین کا جزو ہوگا۔ اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہ سمجھ لیا جائے۔ اور یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ وہ دین ہے پھر لکھتے ہیں کہ اُس کی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن بھر خاموش رہنے سے منع فرمایا۔ (چونکہ شریعت محمدیہ میں خاموش رہنے کا روزہ نہیں ہے) اور ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے دھوپ میں کھڑے ہونے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ سایہ میں چلا جا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں' اور زیادتی مت کرو' بے شک اللہ تعالیٰ

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا' اور تم اُن کو قتل کرو جہاں بھی پالو اور نکال دو ان کو جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا'

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ

اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور اُن سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اُس میں خود نہ لڑیں۔

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

سو اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم اُن کو قتل کر دو۔ ایسی ہی جزا ہے کافروں کی۔ سو اگر وہ باز آجائیں تو اللہ غفور

18

رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا

رحیم ہے۔ اور اُن سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور ہو جائے دین اللہ ہی کے لئے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو

عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾

زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر

اللہ کی راہ میں قتال کرنیکا حکم اور ظلم وزیادتی سے پرہیز کرنیکی تاکید

تفسیر: حضرت سید المرسلین علیہ السلام ہجرت کے چھٹے سال اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جب مکہ معظمہ قریب آیا تو مقام حدیبیہ پر مشرکین مکہ نے آپ کو روک دیا۔ اور مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ بڑی ردّوکد کے بعد اُنہوں نے اس سال کے لئے چند شرطوں پر صلح کر لی اُن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس سال عمرہ نہیں کر سکتے آئندہ سال عمرہ کے لئے تشریف لائیں۔ اور اُس وقت مکہ معظمہ میں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ پھر آپ آئندہ سال ماہ ذی قعدہ ہی میں عمرہ کی قضا کے لئے تشریف لائے اس زمانہ میں چار مہینوں میں قتال اور جنگ کرنا ممنوع تھا۔ اُن چار مہینوں میں ذیقعدہ کا مہینہ بھی شامل تھا۔

لباب النقول میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ مذکورہ بالا آیت اس موقعہ پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لئے اپنے صحابہ کے ساتھ ۷ھ میں تشریف لے گئے تھے حضرات صحابہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ قریش مکہ صلح کی شرطوں کی خلاف ورزی کر بیٹھیں اور اس مرتبہ بھی مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیں اور جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں بھی جنگ کا اقدام کرنا پڑے گا اور یہ اس مہینہ میں ہوگا جس میں جنگ کرنا حرام ہے اور ہم جوابی کارروائی نہ کریں تو مغلوب ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور قتال کرنے کی اجازت دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تم سے قتال کرتے ہیں اُن سے قتال کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا۔ شریعت اسلامیہ میں ہر چیز کی حدود ہیں۔ اصول ہیں آداب ہیں اور اخلاق عالیہ ہیں۔ قتل اور قتال کے بھی کچھ اُصول ہیں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ لَا تَعْتَدُوْا کے عموم میں وہ سب باتیں داخل ہوگئیں جو جنگ کے موقعہ پر ممنوع ہیں مثلاً مُثلہ کرنا (کسی مقتول کے ناک کان کاٹ دینا صورت بگاڑ دینا) مال غنیمت میں خیانت کرنا' عورتوں بچوں اور اُن بوڑھوں کو قتل کرنا جو نہ جنگ کرتے ہوں نہ جنگ کے معاملات میں کوئی رائے یا مشورہ دیتے ہوں اور مثلاً راہبوں کو قتل کرنا اور بغیر کسی مصلحت کے درختوں کو جلانا اور حیوانات کو قتل کرنا (تفسیر ابن کثیر) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستہ کا کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تو خاص کر اُس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور جو مسلمان اس کے ساتھ جا رہے ہوں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت فرماتے تھے۔ پھر فرماتے تھے کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کو نہ مانتا ہو اُس سے جنگ کرنا مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور غدر نہ کرنا اور کسی کا مثلہ نہ کرنا اور کسی بچہ کو قتل نہ کرنا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کے موقعہ پر ایک عورت مقتولہ پائی گئی۔ رسول اللہ علیہ السلام کو اس کا علم ہوا'

آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کی ممانعت فرمائی۔ (صحیح مسلم)

پھر فرمایا وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ۔ (کہ اُن کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ) وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ (اور ان کو نکال دو جہاں سے اُنہوں نے تم کو نکالا) یعنی تمہیں مکہ معظمہ چھوڑ کر ہجرت پر مجبور کیا۔

فتنہ گری قتل سے زیادہ سخت ہے:

اور فرمایا وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے) فتنہ سے مراد شرک ہے۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ صحابہ کے دلوں میں جو یہ بات آ رہی تھی کہ حرم میں اُن کو کس طرح قتل کریں گے۔ جبکہ حرم کا احترام ضروری ہے۔ ان کے اس وسوسہ کا جواب دیا گیا ہے کہ جس کام میں یہ لوگ خود لگے ہوئے ہیں یعنی شرک باللہ اور وہ بھی حرم میں وہ قتل کرنے سے بہت زیادہ سخت ہے۔ لہٰذا تم اسکی پرواہ نہ کرو کہ حرم میں قتل وقتال واقع ہو جائے گا۔

دفاع کے لئے قتال کرنا

پھر فرمایا: وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (اور اُن سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اُس میں خود نہ لڑیں۔ سو اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو، ایسی ہی جزا ہے کافروں کی) اسمیں مسلمانوں کو ابتداء بالقتال کی ممانعت فرمائی کہ مسجد حرام کے قریب خود قتل وقتال کی ابتداء نہ کرنا جب تک کہ وہی تم سے قتال شروع نہ کریں، اگر وہ حرم کی حرمت کی پاسداری ترک کر دیں تو تم بھی اُن کو قتل کر دو۔

قال صاحب الروح نفی للحرج عن القتال فی الحرم الذی خاف منه المسلمون وکرهوه ای ان قاتلوکم هناک فلا تبالوا بقتالهم لا نهم الذین هتکوا الحرمة وأنتم فی قتالهم دافعون القتل عن انفسکم.

اس کے بعد فرمایا: فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی اگر مشرکین کفر اور شرک سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں گے تو (اہل اسلام سے قتال بھی نہ کریں گے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (وہ سب کی توبہ قبول فرماتا ہے)۔

قتال کب تک ہونا چاہئے

پھر فرمایا: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ (یعنی کافروں سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے) اس میں قتال کی ضرورت اور غرض وغایت بیان فرمائی ہے شرک اور کفر بدترین گناہ ہے۔ خالق و مالک کی بغاوت ہے۔ دنیا میں اسکو مٹانے کے لئے کافروں اور مشرکوں سے جنگ کرتے رہیں اور یہاں تک جنگ کریں کہ سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ (صحیح بخاری ص ۸ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا کہ لوگوں سے اُس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا اله الا الله کو نہ مانیں۔ جب انہوں نے اس کو کہہ لیا تو وہ مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے۔ ہاں اگر اسلام کا قانون ان کے خونوں اور مالوں کے بارے میں جاری کرنا ضروری ہوا تو وہ اور بات ہے اور اُن کا حساب اللہ پر ہے۔

(یعنی کوئی شخص اگر ظاہراً اسلام قبول کرے گا تو ہم اُس کو قتل نہ کریں گے۔ آگے اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے دل سے اسلام قبول نہ کیا ہوگا تو آخرت کے دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ دلوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہم ظاہر کے پابند ہیں)

قتال کرنے میں کیا نیت ہو؟

آیت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ قتال کی ضرورت کفر اور شرک کو مٹانے کے لئے ہے وہاں قتال کرنے والوں کو یہ بھی بتا دیا کہ قتال اور جہاد میں یہ نیت رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو اس کا دین بلند ہو۔ دنیا سے اس کے باغی ختم ہوں اور حقیقۃً اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اللہ کی بات بلند کرنے کے لئے قتال کرے ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ ایک آدمی مال غنیمت کے لئے قتال کرتا ہے ایک شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک اس لئے لڑتا ہے کہ لوگ اسکی بہادری کے قائل ہو جائیں سو اُن میں فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کی بات اُونچی ہو تو وہ فی سبیل اللہ لڑنے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۴ ج ۱)

فائدہ: عرب کے مشرکوں کے لئے یہی قانون ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کر دیئے جائیں ان کے علاوہ دوسرے انسانوں کے لئے جان و مال محفوظ کرنے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ وہ جزیہ دینا منظور کرلیں وہ مسلمانوں کے ملک میں مغلوب ہو کر رہیں اور اُصولِ شریعت کے مطابق ان سے جزیہ وصول کیا جاتا رہے۔ سورۃ برأت میں ادائے جزیہ کی صورت میں جنگ بند کر لینے کا ذکر ہے۔ یہاں چونکہ مشرکین عرب کا ذکر ہے اس لئے جزیہ کا ذکر نہیں فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جزیہ کا قانون بعد میں نازل ہوا ہو۔

فتنوں کو دبانے کے لئے جنگ کرنا

یہ جو فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ اس میں واضح طور پر فرما دیا کہ قتال فتنہ ختم کرنے کے لئے ہے۔ لفظ فتنہ عام ہے سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے۔ اور اس کے علاوہ فسق و فجور کے فتنے بھی اُٹھتے رہتے ہیں کبھی مسلمان بھی آپس میں لڑتے ہیں اس میں بہت سی مرتبہ واضح طور پر کسی جماعت کے بارے میں حق اور ناحق کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ جنگ میں شریک ہونے پر موجودہ فتنہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے دین دار سمجھ دار آخرت کے فکر مند حضرات اس میں حصہ نہیں لیتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں دو آدمی آئے۔ یہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ و جدال کرنے کا زمانہ تھا۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ لوگ ضائع ہو رہے ہیں۔ اور آپ حضرت عمرؓ کے بیٹے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ آپ جنگ میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان دونوں سے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے (مسلمان) بھائی کا قتل کرنا حرام قرار دیا ہے۔ (پھر میں کیسے شرکت کروں؟ ممکن ہے مجھ سے کوئی ناحق قتل ہو جائے) اُن دونوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (کہ اُن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے دشمنانِ دین سے یہاں تک جنگ کی کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین اللہ ہی کے لئے ہو گیا اور تم چاہتے ہو کہ یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ وجود میں آجائے اور دین غیر اللہ کیلئے ہو جائے (لہٰذا تمہاری جنگ اللہ کیلئے نہیں ہے میں اس میں کیسے شرکت کروں؟)

آج کل قتل و قتال کی کثرت ہے اسلام کا دعویٰ کرنے والے افراد اور جماعتیں طرح طرح کی عصبیتوں کی وجہ سے اور دشمنان دین کے اُبھارنے کے باعث آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو مسلمان بے تحاشہ قتل کر ڈالتے ہیں اول تو قتل

مسلم حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے جس کی سزا آخرت میں بہت سخت ہے پھر اس سے کفر اور اہل کفر کی تقویت ہوتی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں میں کمزوری آتی ہے۔ یہ وہی فتنہ ہے جس کے پیش نظر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قتال میں حصہ لینے سے باز رہے اور فرمایا کہ قرآن نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ نہ رہے اور تم اس لئے لڑتے ہو کہ فتنہ ہو۔ تمام مسلمان حضرت ابن عمرؓ کی بات کو سمجھیں اور باہمی قتل وقتال کر کے دنیا وآخرت کے عذاب اور وبال کے مستحق نہ بنیں۔

جو مشرک اسلام قبول کرلیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں

یہ فرمایا: فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ. اس میں یہ بتایا کہ کافر اور مشرک اگر اسلام قبول کرلیں تو پھر ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد تم نے ان کو قتل کیا تو تم ظالم ہو جاؤ گے اور پھر تم گرفت اور سزا کے مستحق ہو گے کیونکہ ظالم ہی گرفت کے مستحق ہوتے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو ان پر سختی کرنے کا موقعہ نہ رہا۔ سختی تو ظالموں پر ہوتی ہے جو لوگ کفر وشرک پر مصر ہیں اُن پر سختی کرنا درست ہے۔ مفسر بیضاوی (ص ۱۴۴) پر لکھتے ہیں۔

ای فلا تعتدوا علی المنتهین اذلا یحسن ان یظلم الا من ظلم أوأنکم اِن تعرضتم للمنتهین صرتم ظالمین وینعکس الأمر علیکم اور معالم التنزیل میں ہے: أی فان اسلموا فلا نهب ولا أسر ولا قتل الّا علی الظالمین الذین بقوا علی الشرک۔

لفظ عدوان کا ترجمہ زیادتی کیا گیا ہے۔ جو اس کا لفظی ترجمہ ہے تعدی اور اعتداء کا مادہ بھی یہی ہے جو لوگ اسلام قبول نہ کریں ان سے قتال کرنے کو عدوان سے جو تعبیر فرمایا ہے۔ یہ مشاکلۃً ہے یعنی اُنہوں نے جو کفر پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اور اس طرح سے زیادتی کر رکھی ہے تم ان کو اس زیادتی کی سزا دے سکتے ہو انہوں نے زیادتی کی ہے تو تم بھی زیادتی کر سکتے ہو یعنی انکی زیادتی پر اُن کو قتل کر سکتے ہو۔ مسلمانوں کی طرف سے جو اُن پر قتل اور غارت گری کی صورت میں سزا ہو گی اُسے عدوان فرمایا۔ جیسے مُحاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں زیادتی کرے تو تم بھی زیادتی کرو حالانکہ زیادتی کا جواب زیادتی نہیں ہوتا۔ وفی التنزیل العزیز وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (من البغوی والبیضاوی)

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا
حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے عوض اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں۔ سو جو شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مشرکین کی زیادتی کا جواب

تفسیر: صلح کی شرطوں کے مطابق جب نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ۷ھ میں عمرۃ القضا کے لئے تشریف لے گئے تو یہ ماہ ذی قعدہ تھا۔ مشرکین مکہ سے مسلمانوں کو خطرہ تھا کہ معاہدہ کی پاسداری نہ کریں اور حملہ کر دیں اگر اُنہوں نے حملہ کیا تو حرمت والے مہینہ میں اور حرم میں جنگ کرنی پڑے گی اور ایسے مکان وزمان دونوں کی حرمت میں فرق آئے

گا۔ حرم کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ۔ اور مہینہ کی حرمت کے بارے میں اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر جنگ کرنی پڑے تو تم جنگ کر لینا اور حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے عوض ہو جائے گا یعنی مشرکین حرمت والے مہینہ کا احترام کریں تو تم بھی احترام کرو اور خود سے جنگ نہ کرو وہ بے حرمتی کر بیٹھیں تو تم بھی جوابی کارروائی کرو۔ اور یہ جو فرمایا وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمت عوض اور معاوضہ کی چیزیں ہیں جو لوگ تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کریں تم بھی انکی رعایت کرو جس ذات پاک نے حرم اور ماہ حرام میں جنگ کرنے کو حرام قرار دیا اسی کی طرف سے جواب کارروائی کرنے اور دفاع کرنے کی اجازت مل گئی تو اب حیرانی پریشانی کا کوئی موقعہ نہ رہا۔

پھر فرمایا: فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَيْكُمْ (یعنی جو شخص تم پر زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے) جس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (یعنی عمرۃ القضا جس میں دشمنوں کے حملے کا خطرہ تھا)۔ اس کے بارے میں بتا دیا کہ زیادتی کرنے والے پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی وہ زیادتی کرے آیت کا نزول اگرچہ خاص موقعہ پر تھا لیکن الفاظ کے عموم میں مستقل قانون بتا دیا کہ زیادتی کا جواب بقدر زیادتی ہی دے سکتے ہو اور جتنی زیادتی کسی نے کی ہو اس سے اسی قدر بدلہ لے سکتے ہو اگر اس سے زیادہ کچھ کیا تو پھر تم زیادتی کرنے والے ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے

آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (یعنی بدلہ لینے میں اور ہر موقعہ پر گناہ سے بچو اور اللہ سے ڈرو۔ جس چیز کی اجازت نہیں اسے نہ کرو اور یہ بھی سمجھ لو کہ تقویٰ اختیار کرنیوالوں کا بہت بڑا مقام ہے) اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ اگر کسی موقعہ پر نفس کے ابھار کی وجہ سے زیادتی کرنے کا تقاضا ہوا اور شرعی ممانعت کی وجہ سے اس سے پرہیز کیا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ دیں گے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ
اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں، اور خوبی کے ساتھ کام کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾
خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے

اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت

تفسیر: مستدرک حاکم (ص ۲۷۵ ج ۳) میں ابو عمران سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے اور امیر المومنین کی طرف سے مصر پر عقبہ بن عامر جہنی اور شام پر فضالہ عامل تھے رومیوں کی ایک بہت بڑی صف (جنگ کرنے کے لئے) سامنے آئی۔ مسلمانوں نے بھی انکے سامنے بہت بڑی صف بنالی ایک مسلمان نے رومیوں کی صف پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ ان میں گھس گئے پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر وہاں سے نکلے۔ لوگ کہنے لگے کہ اس نے تو

اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈال دیا اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کا مطلب غلط لیتے ہو (اس کا یہ مطلب نہیں کہ دشمنوں سے قتال نہ کرو اور اُن پر حملہ آور نہ ہو) یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ دے دیا اور اُس کے مددگار بہت ہو گئے تو بعض انصار نے یوں کہا کہ ہمارے مال ضائع ہو گئے۔ لہٰذا اب اگر ہم مالوں کی دیکھ بھال کے لئے گھروں میں مقیم رہیں (تو شاید کچھ حرج نہ ہو) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ہمارے ارادوں کی تردید فرمائی اور آیت کریمہ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (الآیۃ) نازل فرمائی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مالوں کی دیکھ بھال کے لئے گھروں میں بیٹھنے میں ہلاکت ہے۔ پس ہم کو جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابو ایوبؓ موت آنے تک برابر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے سُنن ترمذی کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ البقرہ) میں بھی یہ واقعہ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: فلو اقمنا فی اموالنا واصلحنا ما ضاع منها۔ (کہ اگر ہم اپنے مالوں میں قیام کرتے اور اُن میں جو خرابی و خستگی آ گئی ہے اُسے ٹھیک کر لیتے تو اچھا تھا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس سے واضح ہوا کہ ہلاکت مالوں کی دیکھ بھال اور اُن کی اصلاح کے لئے گھروں میں مقیم ہونے اور جہاد چھوڑنے میں ہے۔ آیت کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرتے رہنے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے رہنے میں اسلام اور مسلمان کی عزت اور غلبہ ہے اور اُس کو چھوڑنے میں ہلاکت ہے۔

جہاد کی اہمیت اور ضرورت

درحقیقت جہاد بہت بڑی چیز ہے اس میں بہت بڑی عزت ہے اس سے اللہ کی مدد آتی ہے اور اسلام اور مسلمان کا غلبہ رہتا ہے۔ تاریخ الخلفاء (ص ۸۷) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرویات میں بحوالہ طبرانی (فی المعجم الاوسط) حدیث نقل کی ہے: ما ترک قوم الجهاد الا عمهم الله بالعذاب (جس قوم نے جہاد کو چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ عام عذاب بھیج دیں گے) جب سے مسلمانوں نے فی سبیل اللہ جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے اسکی وجہ سے عمومی عذاب بھی دیکھ رہے ہیں۔ مسلمان جہاد کی طرف متوجہ نہیں' یا تو آپس میں لڑتے ہیں یا دشمن کی شہہ پر جنگ کرتے ہیں اور جنگ میں بھی وطن یا زبان کی عصبیتیں پیش نظر ہوتی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اور اللہ کی بات اُونچی کرنے کے لئے جنگ کرنے کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ لامحالہ دشمن پیٹ دیتا ہے۔ اور جب ایک دشمن دُوسرے دشمن کو مسلمان کا ملک دلواتا ہے تو اُسی کے پاس فریاد لے کر چلے جاتے ہیں اور اُسی کے فیصلوں پر راضی ہو جاتے ہیں اس طرح ہلاکت میں پڑ رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جو جان و مال خرچ کرنے کا حکم ہے مسلمانوں کا کوئی ملک اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ فالی اللہ المشتکی وهو المستعان.

یہ جو فرمایا: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ اسکی ایک تفسیر تو وہی ہے جو شان نزول سے معلوم ہوئی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی لیکن مفسرین نے اس کا مصداق بناتے ہوئے اور بھی کئی چیزیں ذکر کی ہیں اور الفاظ کے عموم کے اعتبار سے بہت سی صورتیں اس میں شامل ہیں۔ مال کے خرچ کرنے میں اسراف کرنا' حلال ذریعہ معاش کو ضائع کرنا۔ خودکشی کرنا۔ قصداً و عمداً ایسے کام کرنا جس میں ہلاکت ہو۔ جن مواقع میں مال خرچ کرنا فرض یا واجب ہے وہاں خرچ کرنے سے جان چرانا۔ گناہوں میں مبتلا رہنا توبہ نہ کرنا۔ اور اس طرح کی بہت سی صورتیں ہیں جو جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے ذیل میں آتی ہیں وہ سب ممنوع ہیں۔

صفت احسان اختیار کرنے کا حکم

آیت کے آخر میں فرمایا: وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ لفظ اَحۡسِنُوۡا باب افعال سے امر کا صیغہ ہے۔ اور احسان حسن سے ماخوذ ہے۔ حُسن خوبی اور اچھائی کو کہتے ہیں اور احسان کسی کام کو عمدہ طریقے پر انجام دینے کو کہا جاتا ہے۔ جو کام کئے جائیں۔ اُن کی شرائط اور آداب کا خیال رکھا جائے۔ تا کہ اُن میں صفتِ احسان پیدا ہو جائے اور خوبی کے ساتھ انجام دینا صادق آجائے۔ حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے جب سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے تو آپ نے عبادت کا احسان بتادیا اور فرمایا: ان تعبد اللّٰه کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے) زکوٰۃ کو صفتِ احسان کے ساتھ ادا کریں دکھاوا مقصود نہ ہو۔ ردی مال نہ دیں۔ جس کو دیں اُس پر احسان نہ دھریں۔ خوش دلی کے ساتھ دیں۔ پوری زکوٰۃ نکالیں۔ حج میں جنایات نہ کریں۔ جنگ وجدال سے پرہیز کریں۔ حج کر کے نام کرنا مقصود نہ ہو۔ روزہ رکھیں۔ غیبت اور سب وشتم سے روزہ کی حفاظت کریں یہ سب صفت احسان میں شامل ہے انسانی ضرورت کے لئے جانوروں کے ذبح کرنے کی اجازت دی گئی لیکن اس میں بھی صفتِ احسان ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں خوبی اختیار کرنے کا حکم فرمایا سو جب تم (کسی کو شریعت کی اجازت سے) قتل کرو تو قتل کرنے میں خوبی کو اختیار کرو (مثلاً ہاتھ پاؤں نہ کاٹ دو۔ چہرہ نہ بگاڑ دو) اور جب تم ذبح کرنے لگو تو خوبی کے ساتھ ذبح کرو اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم)

وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا
اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے۔ پس اگر تم کو روک دیا جائے تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دو اور اپنے
رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ
سروں کو اس وقت تک نہ مونڈو جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے
رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍۚ
سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دیدے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے

حج اور عمرہ کے احکام

تفسیر: جہاد کا حکم بیان فرمانے کے بعد اب حج اور عمرہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آجا سکتا ہو اور سفر کے اخراجات اس کے پاس ہوں اور بال بچوں کے لئے ضروری اخراجات بھی موجود ہوں اس پر حج کرنا فرض ہے اور حج زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے اس سے زیادہ جو کوئی شخص حج کرے گا تو وہ نفل ہوگا۔ حج کے احکام آٹھ ذوالحجہ سے شروع ہوتے ہیں۔ اور بارہ۔ تیرہ ذوالحجہ تک ختم ہو جاتے ہیں۔ البتہ طواف وداع اس وقت ہوگا جب مکہ

معظّمہ سے واپس آنے لگیں اگرچہ اس سے پہلے بھی جائز ہے (بشرطیکہ اس سے پہلے طواف زیارت کر چکا ہو) چونکہ افعالِ حج کے لئے ایام مقرر ہیں۔ اس لئے حج میں یہ بات نہیں ہے کہ جب چاہے کر لیں۔ اور عمرہ پورے سال میں جس وقت چاہے کر سکتا ہے اسکی کوئی تاریخ مقرر نہیں البتہ ایام حج میں یعنی ۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ کو عمرہ کرنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے (کیونکہ یہ ایام حج کی مشغولیت کے ہیں) عمرہ زندگی میں ایک مرتبہ کر لینا سنت ہے اگر کسی کو مقدور ہو تو عمرہ کی فضیلت سے محروم نہ ہو۔ عمرہ میں احرام اور طواف دو چیزیں فرض ہیں اور صفا مروہ کی سعی اور حلق یا قصر (سر منڈانا یا کاٹنا) جس سے احرام سے نکل جائے یہ دونوں چیزیں واجب ہیں حج اور عمرہ دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور (جس میں گناہ نہ کئے ہوں) اسکی جزا جنت ہی ہے (صحیح بخاری) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور ایسی باتیں نہ کیں جو مرد وعورت کے درمیان ہوتی ہیں اور گناہ نہ کئے وہ (حج سے) ایسا واپس ہوگا جیسا کہ اس دن (بے گناہ) تھا، جس دن اسکی ماں نے اسے جنا تھا۔ (صحیح بخاری)۔ اور رمضان المبارک میں عمرہ (ثواب میں) حج کے برابر ہے (صحیح بخاری ص ۲۳۹ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج وعمرہ کے درمیان متابعت کرو (کہ ایک کے بعد دوسرے کو ادا کرو) کیونکہ وہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی اور لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

جو لوگ حج کے لئے جاتے ہیں وہ حج سے پہلے یا حج کے بعد عمرہ کر ہی لیتے ہیں لیکن جو لوگ غیر ایام حج میں مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کر کے چلے آتے ہیں اور پھر زندگی بھر حج فرض کیلئے نہیں جاتے وہ لوگ ترک حج کر کے گنہگار ہوتے ہیں جس کی وعید بہت شدید ہے۔

حج نہ کرنے پر وعید

مکہ معظّمہ پہنچنے کی قدرت ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مر جانا سخت گناہ ہے حدیث شریف میں ہے کہ جسے مجبوری نے یا ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مر گیا اور حج نہ کیا تو چاہے تو یہودی ہونے کی حالت میں مر جائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مر جائے۔ (مشکوٰۃ عن الدارمی)

حج اور عمرہ احرام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ (یعنی لبیک اللّٰھم لَبیک اخیر تک) پڑھنے سے احرام میں داخل ہو جاتا ہے ممنوعات اور محظورات دونوں احراموں کے ایک ہی ہیں۔ ان کی خلاف ورزی پر بعض صورتوں میں دم (یعنی حرم مکہ میں ایک سال کی بکری یا بکرا ذبح کرنا) اور بعض صورتوں میں صدقہ (بقدر صدقہ فطر) واجب ہوتا ہے۔

احرام کے ممنوعات

احرام کے ممنوعات یہ ہیں (۱) خوشبو استعمال کرنا۔ (۲) جسم سے بال دور کرنا۔ (۳) ناخن کاٹنا۔ (۴) خشکی کا شکار کرنا (۵) میاں بیوی والے خاص تعلق کو کام میں لانا اور شہوت کے کام کرنا (۶) مرد کو ایسا کپڑا پہننا جو پورے بدن یا کسی ایک عضو کی ہیئت اور ساخت پر سی کر یا بُن کر یا چپکا کر تیار کیا گیا ہو (۷) مرد کو سر یا چہرہ کو کپڑا لگانا اور عورت کو چہرہ پر کپڑا لگانا (اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے لئے چہرہ سے ہٹا کر چادر وغیرہ لٹکا لے پردہ احرام میں بھی لازم ہے)

ان چیزوں کی خلاف ورزی کرنے پر جو دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے اسکی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اور حج کی معتبر کتابوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مرض کی مجبوری سے اگر بال دور کرے یا ناخن کاٹے یا مرد سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر ڈھانکے یا چہرہ ڈھانکے یا عورت چہرہ ڈھانکے تو اُس کے لئے رعایت ہے جو ابھی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی۔ جب حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کا شرعاً موقعہ آجائے اس وقت بال مونڈ کر یا بال کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اس وقت سے پہلے بالوں کے مونڈ نے پر تراشنے سے جزا لازم ہوگی۔ عورتوں کو احرام سے نکلنے کے لئے سر مونڈنا حرام ہے۔ وہ پورے سر کے بال بقدر ایک پورے کے کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اگر کسی مرد نے بقدر ایک پورے کے چوتھائی سر کے بال کاٹ دیئے یا عورت نے چوتھائی سر کے بال اپنی چوٹی سے بقدر ایک پورے کے کاٹ دیئے تو احرام سے نکل جائیں گے بشرطیکہ احرام سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہو۔

احصار کے احکام

اگر کسی مرد یا عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باندلیا اور کسی مرض یا دشمن یا درندہ کی وجہ سے آگے بڑھنے سے روک دیا گیا کہ حج کا احرام والا نہ عرفات جاسکتا ہے نہ طواف کرسکتا ہے۔ اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف سے روک دیا گیا تو اس کو احصار کہتے ہیں اور جس محرم کو روک دیا گیا ہو اُسے محصر کہتے ہیں۔ محصر اگر انتظار نہیں کرسکتا اور احرام سے نکلنا چاہتا ہے تو وہ حدودِ حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کردے ایسا کرنے سے احرام سے نکل جائے گا۔ اور اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی اگر حدودِ حرم میں خود موجود نہیں ہے تو جس جگہ بھی ہے وہاں سے کم از کم ایک سال کی بکری یا بکرا یا اُس کی قیمت بھیج دے اور جس کے ذریعہ بھیجے اُس سے وقت مقرر کرلے کہ فلاں دن فلاں وقت ذبح کردے۔ جب وہ وقت آجائے اور غالب گمان ہو جائے کہ اب جانور ذبح ہو چکا ہوگا تو احرام سے نکل جائے۔ اب اگر اُن کاموں میں سے کوئی کام کرے گا جو احرام کی وجہ سے ممنوع تھے تو جزاء لازم نہ ہوگی اور صرف جانور ذبح ہو جانے سے احرام سے نکل جائیگا مگر بہتر یہ ہے کہ مرد محصر ہو تو سر بھی منڈا دے۔ اگر کوئی شخص قارن تھا یعنی اُس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا تو وہ حدودِ حرم میں دو جانور ذبح کرائے۔ جب یہ دونوں جانور ذبح ہو جائیں گے تو وہ دونوں احراموں سے نکل جائے گا۔

حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے

اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آیت کی تفسیر غور سے پڑھئے۔ اول تو یہ فرمایا: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ (کہ حج و عمرہ کو پورا کرو اللہ کے لئے) اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی مرد یا عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اب احرام کے کپڑے اتار دینے سے یا نیت بدل دینے سے احرام سے نہ نکلے گا اور حج یا عمرہ پورا کرنا ہی ہوگا۔ حج فرض ہو یا نفل، عمرہ سنت ہو یا نفل، اپنا حج ہو یا حج بدل۔ بہر حال پورا کرنا ہی لازم ہے۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام تو باندھ لیا لیکن احصار ہو گیا کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور احرام میں رہنے میں دقت ہے اور جلد حلال ہونا چاہتا ہے تو حرم میں قربانی کا جانور ذبح کرا دے جس کی تفصیل اُوپر گزر چکی۔ حرم میں جانور ذبح کرائے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتا۔ اسی کو فرمایا: فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ کہ اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو جانور میسر ہو ذبح کردو۔ یا دوسرے سے ذبح کرا دو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ۶ھ میں عمرہ کرنے کیلئے اپنے صحابہ کیساتھ تشریف لے

گئے تھے اور دشمنوں نے مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے تھے۔ یہ مقام حدیبیہ کا قصہ ہے جو مکہ معظمہ سے دس میل ہے اور جدہ کے پرانے راستہ پر ہے۔ آج کل اس کو شمیسہ کہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا: وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ (اور اپنے سروں کو مت مونڈو یہاں تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پہنچ جائے) جگہ سے مراد حرم ہے اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ احصار کا جانور حرم میں ذبح کیا جائے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ احرام میں سر مونڈنا ممنوع ہے۔

سُنن ترمذی (باب ماجاء فی الذی یھل بالحج فیکسر او یعرج) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو اس کو حلال ہونے کی اجازت ہے اور اس پر آئندہ ایک حج کرنا لازم ہے (وقال الترمذی ہذا حدیث حسن واخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین واقرہ الذھبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مُحصر قربانی کا جانور ذبح کرا کر حلال ہو جائے تو اس کے ذمہ قضاء بھی لازم ہوتی ہے۔

احصار زائل ہو جانے کے بعد:

اگر کسی شخص نے حج کا احرام باندھا تھا اور احصار ہو جانے کی وجہ سے حرم میں جانور ذبح کرا کے حلال ہو گیا پھر احصار دور ہو گیا اور ابھی اسی سال حج کا وقت باقی ہے لہٰذا اس نے دوبارہ احرام باندھ کر اسی سال حج کر لیا تو حج ادا ہو گیا۔ اور اب اسکی قضاء واجب نہیں (المحصر بالحج اذا تحلل ثم زال الاحصار عنه وحج من عامه فليس عليه نية القضاء ولا عمرة عليه) اور اگر اسی سال حج نہ کر سکا تو حج کی قضا واجب ہے' آئندہ سال یا جب بھی موقع ہو قضا کی نیت سے حج کرے اور اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہوگا' اگر قارن تھا اور اسی سال احرام کے مطابق حج و عمرہ نہ کر سکا تو اس پر قضا میں ایک حج اور دو عمرے واجب ہوں گے۔

مسئلہ: اگر حج فرض کے احرام میں احصار ہوا تھا۔ اور حرم میں قربانی کرا کر احرام سے نکل گیا تھا تو جب بھی حج کرے قضا کی نیت واجب نہیں خواہ اسی سال حج کرے یا اس کے بعد۔

مسئلہ: ہر محصر پر قضا واجب ہے خواہ حج فرض ہو یا نفل' اپنا حج ہو یا حج بدل' اگر عمرہ کے احرام میں احصار ہوا تھا تو اسکی قضاء بھی واجب ہے۔ اور اس پر صرف ایک ہی عمرہ کی قضا لازم ہے۔ جب چاہے عمرہ کر سکتا ہے۔ عمرہ کے ساتھ دوسرا عمرہ کرنا واجب نہیں (جبکہ حج قضا کرنے کی صورت میں اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہے)

فائت الحج کا حکم: اگر کسی شخص کو احصار ہو گیا اور وہ حرم میں قربانی کرا کے احرام سے نہ نکلا حتیٰ کہ حج کے دن گزر گئے یعنی احرام باندھنے کے بعد نو ذوالحجہ کو زوال سے لیکر صبح صادق ہونے تک عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا اور یہ شخص فائت الحج ہو گیا۔ جب حج فوت ہو جائے۔ عذر سے یا بلا عذر تو اسی احرام سے عمرہ کے افعال ادا کر کے یعنی طواف اور سعی کر کے بال مونڈا کر احرام سے نکل جائے پھر آئندہ سال یا جب موقع مل جائے اس حج کی قضا کر لے۔ اس قضا کے ساتھ عمرہ کرنا لازم نہیں۔

مسئلہ: عمرہ میں احصار تو ہو سکتا ہے لیکن عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد جتنے دن بھی گزر جائیں جب بھی عمرہ کرے گا ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ پورے سال میں ادا ہو سکتا ہے۔ اگر عمرہ کے احرام کے بعد محصر ہو گیا اور ابھی قربانی کرا کے احرام سے نہیں نکلا تھا کہ احصار زائل ہو گیا تو اب جا کر عمرہ کر لے۔

عذر کی وجہ سے ارتکاب جنایت کا حکم

اگر کسی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور وہ سر منڈانے پر دکھ تکلیف کی وجہ سے مجبور ہو گیا۔ مثلاً سر میں جوئیں زیادہ پڑ گئیں یا پورے سر یا آدھے سر میں درد ہے تو ایسے شخص کو اختیار ہے کہ سر منڈا دے اور چونکہ یہ احرام پر جنایت ہو گی اس لئے یا تو حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کر دے یا تین صاع گیہوں چھ مسکینوں کو دے دے۔ ہر مسکین کو آدھا صاع دے (آدھا صاع صدقہ فطر کے برابر ہوتا ہے) یا تین روزے رکھ لے اگر مالدار ہو تب بھی اختیار ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے جو صورت چاہے اختیار کرے۔

آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (یعنی جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دے دے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے) اس میں یہی مسئلہ بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت میرے سر سے جوئیں گر رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا یہ جانور تجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ سر مونڈ لو۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا سر مونڈ لو اور تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا دے دو یا ایک بکری ذبح کر دو۔ تیسرے روایت میں اسکی تصریح ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع دے دینا۔ یہ سب روایات صحیح بخاری میں مذکور ہیں۔ آیت شریفہ میں جو فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ۔ وارد ہوا ہے اسکی تفسیر حدیث شریف سے معلوم ہو گی۔

مسئلہ: مرض کی معذوری اور سر میں تکلیف ہونے کی مجبوری سے سر منڈانے کا فدیہ اُوپر مذکور ہوا اگر کوئی شخص احرام میں ہو اور سخت بخار یا سخت سردی یا سخت گرمی میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے سلا ہوا کپڑا پہن لے اور بقدر ایک دن یا ایک رات کے پہنے یا بقدر ایک دن ایک رات کے سر یا چہرہ ڈھانک لے یا علاج کی مجبوری سے زخم پر خوشبو دار دوا استعمال کر لے تو اس صورت میں ایک دم واجب ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عذر کی وجہ سے جنایت کا ارتکاب کیا ہے اس لئے مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کی جا سکتی ہے۔ اگر بلا عذر ان جنایات کا ارتکاب کرے تو دم ہی دینا لازم ہے۔

مسئلہ: اگر بیماری کی مجبوری کی وجہ سے کوئی ایسا کام کیا جسے بلا عذر کرنے میں صدقہ واجب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک دن یا ایک رات سے کم سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس صورت میں اختیار ہے کہ ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں دے دے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ

پھر جب تم امن کی حالت میں ہو سو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہو تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دے، سو جو شخص نہ پائے

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن

تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات دن کے روزے ہیں جب کہ تم لوٹ آؤ۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ اس کے لئے ہے

لَمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلا شبہ اللہ سخت عذاب والا ہے

تمتع اور قران کا بیان

تفسیر: جو شخص صرف حج سے پہلے کوئی عمرہ نہ کرے اُس کا حج 'حج افراد ہوگا۔ اور جو شخص حج سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور پھر اُسی سال حج بھی کرے اسکی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر جائے پھر عمرہ کرنے کے بعد سر مونڈ کر یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے اور ایام حج کا انتظار کرتا رہے پھر ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے حج کا احرام باندھ لے اور حج کے سب کام پورے کرلے جیسا کہ حج افراد والا کرتا ہے۔ اسکو فقہاء کی اصطلاح میں حج تمتع کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھے اس کے بعد مکہ معظمہ آ کر عمرہ کر لے پھر حلق یا قصر کئے بغیر احرام ہی میں رہے اور ایام حج میں حج کرے، اور دس تاریخ کو جمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے۔ اس کو فقہاء کی اصطلاح میں قِران کہا جاتا ہے جو صرف حج کرے وہ مفرد ہے اور جو شخص حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنے کی پہلی صورت اختیار کرے وہ متمتع ہے اور جو شخص دوسری صورت اختیار کرے، وہ قارن ہے۔

متمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے

متمتع اور قارن پر جمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر سے پہلے قربانی کرنا بھی واجب ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ دونوں عبادتیں جمع کرنے کی سعادت نصیب فرمائی، اسی کو فرمایا: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہوا ہو جو قربانی کا جانور میسر ہو ذبح کر دے) قربانی حرم ہی میں ہونا ضروری ہے منیٰ میں ہونا افضل ہے۔ اور بارھویں تاریخ کا سورج چھپنے سے پہلے پہلے قربانی کر دینا واجب ہے۔ متمتع اور قارن جب تک قربانی نہیں کرے گا اُس وقت تک حلق یا قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جو لفظ تَمَتَّعَ فرمایا ہے یہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے اصطلاحی تمتع اور قران دونوں کو شامل ہے تمتع اور قران کی قربانی میں ایک سال کا بکرا یا بکری یا پانچ سالہ اونٹ یا دو سالہ گائے کا ساتواں حصہ بھی کافی ہو سکتا ہے بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت ثواب کی ہو۔

تمتع اور قران کی قربانی کا بدل

اگر کسی متمتع یا قارن کے پاس قربانی کا جانور نہیں اور پیسے بھی نہیں تا کہ جانور خرید کر قربانی کرے تو اس کے لئے یہ آسانی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے چاہے متفرق طور پر رکھے چاہے متواتر (لگاتار) رکھے۔ مگر لگاتار رکھنا مستحب ہے۔ اور افضل ہے کہ ذوالحجہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں کو رکھ لے اور اگر اندیشہ ہو کہ نویں کا روزہ رکھنے سے وقوف عرفات کے موقعہ پر ضعف ہو جائے گا تو اس سے پہلے ہی تینوں روزے رکھ کر فارغ ہو جائے۔ تین روزے تو یہ ہوئے جو حج سے پہلے رکھ لئے اور سات روزے تیرھویں تاریخ کے بعد رکھ لے۔ خواہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو خواہ اپنے گھر یا اور کسی جگہ چلا گیا ہو۔ ان روزوں کو بھی متفرق طور پر رکھ سکتا ہے اور

لگاتار رکھنا افضل ہے۔ یہ کل دس روزے ہو گئے جو قربانی کا بدل ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

مسئلہ: اگر کسی نے دس ذوالحجہ سے پہلے تین روزے نہ رکھے اور نویں تاریخ گزر گئی تو اب روزے رکھنے سے متمتع اور قران کی قربانی کا بدل نہیں ہو سکتا بلکہ اب قربانی ہی کرنا متعین ہو گیا۔ اگر قربانی کرنے پر قدرت نہیں ہے تو حلق یا قصر کرا کر حلال ہو جائے پھر اگر بارہ تاریخ کے اندر قربانی کرنے پر قادر ہو گیا تو قربانی کر دے اور ایک دم ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا دے اور اگر بارہ تاریخ کے بعد قربانی پر قادر ہوتو تین دم دینے ہوں گے۔ ایک دم شکر (یعنی تمتع یا قران کی قربانی) اور ایک ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا اور ایک ایامِ نحر سے ذبح کو مؤخر کرنے کا۔

مسئلہ: تمتع کی ایک صورت یہ ہے کہ محرم اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لایا ہو ایسے محرم کو سائق الھدی کہتے ہیں۔ جو متمتع سائق الھدی ہو مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کر لے لیکن حلق اور قصر نہ کرے ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ آنے تک احرام ہی میں رہے پھر آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھ لے اور حج افراد کرنے والوں کی طرح حج کرے اور دسویں تاریخ کو جمرہ کبریٰ کی رمی اور ذبح کے بعد حلق یا قصر کر کے دونوں احراموں سے ایک ساتھ نکل جائے۔

مسئلہ: جو شخص مفرد ہو اس پر حج کی قربانی واجب نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے کہ وہ قربانی کر دے۔ اگر قربانی کرے تو افضل یہ ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو جمرہ کبریٰ کی رمی کے بعد پہلے ذبح کرے پھر حلق یا قصر کرے البتہ رمی سے پہلے حلق یا قصر جائز نہیں ہے۔ اگر مفرد نے قربانی سے پہلے حلق یا قصر کر دیا تو افضل کے خلاف ہوگا۔

مسئلہ: دم قران یا تمتع کی قربانی عیدالاضحیٰ کی قربانی کے قائم مقام نہیں ہے۔ عیدالاضحیٰ کی قربانی مقیم پر واجب ہے مسافر پر واجب نہیں۔ جو لوگ مکہ مکرمہ میں حج سے پہلے پہنچ کر پندرہ روزہ قیام کرنے کی نیت کر چکے ہیں اُن پر عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے مگر اس کے لئے حرم میں ہونا شرط نہیں۔ وطن میں بھی خط بھیج کر یا پہلے سے کہہ کر کرائی جا سکتی ہے۔ پھر فرمایا: ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (یہ اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں) اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ ذٰلک کا مشار الیہ کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ اشارہ مَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ کی طرف ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اشارہ جمع بین النسکین کی طرف ہے جو مَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ۔ میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے کہ تمتع اور قران اُن لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے جو مکہ معظمہ میں یا حرم میں یا حل میں رہتے ہیں بلکہ جو شخص مکہ مکرمہ میں اس وقت موجود ہو جب عید کا چاند ہوا تو اس کے لئے بھی تمتع اور قران جائز نہیں ہے ہاں اگر یہ لوگ حج کے مہینوں سے پہلے میقات سے باہر کہیں چلے جائیں پھر اشہر حج میں احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئیں تو قران اور تمتع کر سکتے ہیں۔

آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ کہ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے چونکہ ہر کام اُسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کا خوف دل میں ہو اس لئے بار بار تقویٰ کا حکم دیا جاتا ہے حج کے متعدد احکام بیان فرما کر یہاں بھی وَاتَّقُوا اللّٰهَ فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ شدید العقاب ہے۔ نافرمانی پر عذاب ہونے کا قانون ہے۔ لہٰذا ہر نافرمانی سے بچو۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي
حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، سو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو نہ کوئی فحش بات ہے نہ فسوق ہے نہ کسی قسم کا
الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوْنِ
جھگڑا ہے۔ اور جو بھی کوئی نیک کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے اور زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو چونکہ بہتر زادِ راہ بچا رہنا ہے اور اے
يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾
عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو

حج کے مہینوں کا تذکرہ اور حج کے بعض احکام

تفسیر: حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے چند مہینے اللہ پاک کی طرف سے مقرر ہیں جو معروف و مشہور مہینے ہیں۔ ان میں ماہِ شوال اور ماہ ذیقعدہ اور شروع کے دس دن ذوالحجہ کے ہیں افعال حج تو ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ سے شروع ہوتے ہیں لیکن شوال اور ذیقعدہ کو حج کے مہینوں میں اس لئے شمار کیا گیا کہ ان میں اگر کوئی شخص عمرہ کرے اور اس کے بعد اسی سال حج بھی کرے تو وہ عمرہ مل کر حج تمتع ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے قربانی واجب ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص شوال سے پہلے عمرہ کرے تو وہ عمرہ مفردہ ہوگا اور اسکی وجہ سے حج تمتع نہ بنے گا۔ اسی طرح اگر کسی کو تمتع یا قران کی قربانی کے عوض روزے رکھنے ہیں تو وہ حج کے کسی بھی مہینہ میں عمرہ کے احرام کے بعد تین روزے رکھ سکتا ہے جو ھدی کے عوض حج سے پہلے رکھے جاتے ہیں اگر کوئی شخص حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو احرام تو منعقد ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ سب اُحکام اس پر متفرع ہیں کہ حج کے مہینے شوال کا چاند دیکھنے سے شروع ہو جاتے ہیں۔ حج اُن لوگوں پر فرض ہے جو حج کی استطاعت رکھتے ہوں اور جب حج کی استطاعت ہو جائے تو حج کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔ لیکن اگر کسی نے دیر لگائی اور زندگی بھر میں کبھی بھی حج کر لیا تو وہ حج ادا ہی ہوگا۔ فرض ہوتے ہی پہلے سال نہ کرنے سے یہ نہ کہا جائے گا کہ حج قضا ہو گیا۔ جب کسی سال حج کا احرام باندھ لیا تو احرام باندھنے والے نے اپنے ذمہ حج کرنا فرض کر لیا اب حج کرنا ہی ہوگا اور بغیر حج کئے احرام سے نہیں نکل سکتا۔ (ہاں اگر احصار کی صورت پیش آ جائے تو اور بات ہے) احرام کی ممنوعات چند صفات پہلے بیان ہو چکی ہیں ان ممنوعات میں وہ چیزیں بھی ہیں جو غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں۔ مرد کو سلے ہوئے کپڑے پہننا سر اور چہرہ ڈھکنا بال اور ناخن کاٹنا میاں بیوی والے تعلقات کو کام میں لانا (جماع بوس و کنار اور اس سلسلے کی بے تکلفی والی باتیں کرنا) یہ چیزیں غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں لیکن احرام میں جائز نہیں۔ وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لے تو حج فاسد ہو جاتا ہے۔ اور شہوت سے بوس و کنار کرے تو دم واجب ہوتا ہے۔

حج میں گناہوں سے بچنے کی تاکید

آیت بالا میں جو فَلَا رَفَثَ فرمایا۔ اُس میں ان سب چیزوں کی ممانعت فرما دی جو شوہر اور بیوی کے درمیان زوجیت کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ بھی فرمایا۔ فسوق نافرمانی کو کہا جاتا ہے۔ لفظ فاسق اسی سے نکلا

ہے۔حج میں نافرمانی نہیں اس کا عموم ان سب نافرمانیوں کو شامل ہے جو احکام احرام کی خلاف ورزی کی صورت میں ہوں اور جو باتیں احرام میں بھی گناہ ہیں اور غیر احرام میں بھی گناہ ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف کرنا وہ بھی سب اس کے عموم میں داخل ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگ حج کرنے نکلتے ہیں تو فرض نمازیں تک چھوڑ دیتے ہیں اور بہت سے لوگ حرام مال ہی سے حج کرنے کو چل دیتے ہیں۔عورتیں بغیر محرم کے حج کے لئے روانہ ہو جاتی ہیں۔عین احرام کے وقت غیبتیں بھی جاری رہتی ہیں اور احرام میں بدنظری کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس سے بھی احتیاط نہیں برتی جاتی حالانکہ لَا فُسُوْقَ کے عموم کا تقاضا ہے کہ احرام میں ہر گناہ سے خصوصیت کے ساتھ پرہیز کریں گو گناہوں سے بچنا ہمیشہ ہی لازم ہے۔حجاج کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مبارک ایام میں مقدس سرزمین میں حدودِ حرم میں جہاں صرف عبادت ہی کے لئے آئے ہیں اور بار بار تلبیہ پڑھ رہے ہیں احرام کے لباس میں ہیں۔ پھر بھی چھوٹے بڑے گناہوں میں ملوث رہتے ہیں۔ ڈاڑھی مونڈنے کا گناہ تو ہزاروں حجاج کرتے ہیں۔احرام سے نکلنے کے لئے ذرا بہت بال کاٹ دیتے ہیں جس سے احرام سے نکلتے بھی نہیں۔سر کے بال تو مونڈاتے نہیں جس میں حضور اقدس ﷺ کا اتباع ہے اور جو قصر سے افضل ہے لیکن وہیں منیٰ میں بیٹھ کر ڈاڑھی ضرور مونڈ دیتے ہیں عین وقوف عرفات کے موقعہ پر گانے سننے میں مشغول رہتے ہیں۔حالانکہ قبولیت حج کی شرط یہ ہے کہ رفث اور فسوق کا ارتکاب نہ کیا ہو۔اس بارے میں حدیث صریح آیت وَاَتِمُّوا الْحَجَّ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

لڑائی جھگڑے سے بچنے کا حکم

فسوق کی نفی کے بعد جدال کی نفی فرمائی۔ جدال عربی زبان میں لڑنے جھگڑنے کو کہتے ہیں۔سفر حج میں اول سے اخیر تک بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں۔ جہاں رفقاء سفر سے اور حجاج سے لڑنے کو جی چاہتا ہے کہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے اور کہیں پانی لینے کی بھیڑ میں دوسرے سے آگ بڑھ جانے کی وجہ سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ حجاج لڑ پڑتے ہیں۔اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ معمولی سی باتیں جن پر ہمیشہ اپنے گھروں میں آپس میں مسامحت کر لیتے ہیں اُن میں سے کوئی صورت حج میں پیش آجائے تو دل کھول کر لڑائی لڑتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ابتلاء ہوتا ہے بعض حجاج نے بتایا کہ اندر سے بار بار نفس میں لڑائی کے لئے اُبھار ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سینچر کے دن بنی اسرائیل کے لئے مچھلیاں سمندر کی تہہ سے اوپر آجاتی تھیں لیکن اس دن پکڑنا منع تھا اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ابتلاء کے موقعہ پر ہر مسلمان اپنے نفس پر قابو کرے اور شریعت کو سامنے رکھے' قرآن وحدیث کی ہدایت کا اتباع کرے۔

جو بھی خیر کا کام کرو اللہ کو معلوم ہے

پھر فرمایا: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ اس میں یہ بتا دیا ہے کہ جو کچھ خیر کا کام کرو گے۔اللہ اُسے جان لے گا اور اُس کا ثواب دے گا۔احرام کی ممنوعات سے بچو اور ان دنوں کو غنیمت جانو' عبادت تلاوت' ذکر اور اعمالِ صالحہ میں لگاؤ۔ یہ چیزیں ضائع ہونے والی نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سب کا ثواب ملے گا۔

مخلوق سے سوال کرنے کی ممانعت

پھر فرمایا: وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔ کہ زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو کیونکہ بہتر زادِ راہ بچا رہنا ہے (بچے رہنے کا

مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے) اسباب النزول (ص ۵۵) میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یمن کے لوگ حج کو آتے تھے لیکن سفر کے لئے انتظام کر کے نہیں چلتے (زادِراہ پاس نہ ہوتا تھا) اور کہتے تھے کہ ہم توکل والے ہیں جب مکہ معظّمہ پہنچ جاتے تھے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ توشہ ساتھ لیا کرو کیونکہ بہتر توشہ یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری)

چونکہ ایام حج میں عموماً مال والے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دنوں میں سوال کرنے والوں کو خوب مواقع ملتے ہیں اور بہت سے لوگ حج اور عمرہ کا سفر ہی حجاج سے مانگنے کیلئے کرتے ہیں بہت سے مردوں اور عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وقوف عرفات میں سارا وقت خیمہ خیمہ گھومنے اور لوگوں سے سوال کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو عرفات میں لوگوں سے مانگ رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کو ایک درہ مارا اور فرمایا کیا تو آج کے دن میں اور اس جگہ میں غیر اللہ سے سوال کرتا ہے۔

آخر میں تقوے کا حکم دیا اور فرمایا: وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (کہ اے عقل والو! مجھ سے ڈرو) درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا گناہوں سے بچنا ہر کام میں ضروری ہے اور اس طرح ہر کام خوبی کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔

(کما فی الحدیث علیک بتقوی اللہ فانہ ازین لامرک کلہ ، مشکوٰۃ)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ
تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ معاش تلاش کرو جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم عرفات سے
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔ اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے
الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾
محض ناواقف تھے

حج میں خرید و فروخت کی اجازت اور مشعر حرام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنیکا حکم

تفسیر: اس آیت میں اول تو حج کے موقعہ پر کسب معاش کی اجازت دی اور فرمایا کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فضل تلاش کرنے میں تجارت اور محنت مزدوری سب داخل ہیں۔ صحیح بخاری (ص ۶۴۸ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز جاہلیت میں لوگوں کی تجارت گاہیں تھیں۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو مسلمانوں نے اُن میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا۔ یہاں تک کہ آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ نازل ہوگئی جس میں موسم حج میں تجارت کرنے کی اجازت دی گئی۔

مستدرک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں حج کے موقعہ پر (اونٹ وغیرہ) کرائے پر لے جاتا ہوں اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ تیرا کوئی حج نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تو احرام نہیں باندھتا، تلبیہ نہیں

پڑھتا‘ طواف نہیں کرتا‘ عرفات جا کر واپس نہیں آتا‘ رمی جمار نہیں کرتا؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں یہ تو سب کام کرتا ہوں۔ فرمایا پھر تو تیرا حج ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جو سوال تو نے مجھ سے کیا ہے آپ نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ (الایۃ) نازل ہوگئی اور آپ نے اس شخص کو بُلا کر یہ آیت سُنادی اور فرمایا کہ تیرا حج ہوگیا۔ (قال الحاکم هذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاه أقره الذهبی)

فتح الباری میں لکھا ہے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کی صبح سے بیس دن تک مقام عکاظ میں میلہ لگاتے اور تجارت کرتے تھے پھر دس دن مقام مجنہ میں بازار لگاتے تھے پھر کیم ذوالحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک مقام ذی المجاز میں قیام کرتے اور کاروبار جاری رکھتے تھے۔ عکاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نخلہ اور طائف کے درمیان واقع تھا اور مجنہ کے بارے میں بتایا ہے یہ مرظہران کے قریب تھا اور ذوالمجاز کے بارے میں لکھا ہے کہ عرفات کے قریب ذرا ایک جانب کو ہٹ کر تھا۔ آیت بالا میں حج کے موقعہ پر کسب معاش کی جو اجازت دی گئی ہے۔ اس میں اندازِ بیان ایسا اختیار فرمایا ہے کہ اگر کوئی تجارت کرے تو اسکی اجازت ہے ایسی کوئی ترغیب نہیں دی گئی کہ اس کو حج کا جزو ہی بنالیں اور تجارت کو حج کے کاموں میں داخل کرلیں کوئی شخص اپنی نیت اصلیہ کے اعتبار سے حج ہی کے لئے گیا اور موقعہ پا کر خصوصاً ضرورت کے وقت تجارت بھی کرلی تو اسکی گنجائش آیت شریفہ سے معلوم ہوتی ہے۔ سفر حج ہی کے لئے ہونا چاہئے۔ اصل سفر تجارت کا ہو اور حج نمبر دو پر ہو۔ ایسا نہ کیا جائے۔

قال الحافظ فی الفتح و استدل بهذا الحدیث علی جواز البیع و الشراء للمعتکف قیاسا علی الحج و الجامع بینهما العبادة وهو قول الجمهور‘ وعن مالک کراهة مازاد علی الحاجة کا لخبز اذا لم یجد ما یکفیه و کذا کرهه عطاء و مجاهد و الزهری وَلا ریب انه خلاف الاولی و الآیة انما نفت الجناح و لا یلزم من نفیه نفی اولویة مقابله و الله اعلم اهـ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ پہلی آیت میں جدال سے منع فرمایا اور تجارت میں کچھ جھگڑا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ قیمت کی کمی بیشی کے سلسلہ میں نزاع ہو سکتا ہے۔ اسلئے ممکن تھا کہ بعض اذہان جدال کی ممانعت سے تجارت کی ممانعت کی طرف چلے جاتے اس لئے تجارت کی اجازت دے دی۔ تجارت چاہے تو کرے لیکن جدال اور نزاع سے بچے۔ پھر فرمایا: فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ (پھر جب تم عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر الحرام کے نزدیک) اس میں عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا۔ عرفات مزدلفہ سے تین میل مشرق کی طرف ہے یہ ایک بہت بڑا میدان ہے۔ یہاں پر ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے حج کے احرام کے ساتھ کوئی شخص ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے لیکر آنیوالی رات کی صبح صادق تک عرفات میں پہنچ جائے تو اس کا حج ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرائض حج میں سے صرف طواف زیارت باقی رہ جاتا ہے۔ عرفات میں ذکر اور دعا میں مشغول رہتے ہیں۔ ظہر و عصر کی نماز بھی اسی وقفہ میں پڑھتے ہیں۔ سورج چھپ جانے کے بعد مزدلفہ کے لئے واپس ہوتے ہیں (جب عرفات گئے تھے تو مزدلفہ سے ہوتے ہوئے گئے تھے۔ کیونکہ منٰی سے عرفات کو جاتے ہوئے درمیان میں مزدلفہ آتا ہے) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی جاتی ہے۔ عرفات میں یا راستہ میں نماز مغرب پڑھنا جائز نہیں۔ سورج چھپ جانے کے باوجود قصداً نماز مغرب کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے وقت

میں مغرب پڑھی جائے۔ اگر کسی نے مزدلفہ میں پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔ مغرب عشاء دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ کر رات کو مزدلفہ میں رہنا سنت ہے۔ اور صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ دیر تک وقوف کرے۔ یہاں تک کہ سورج نکلنے میں تھوڑی دیر رہ جائے تو منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے۔ المشعر الحرام مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام جبلِ قزح ہے رسول اللہ ﷺ نے عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی، پھر آرام فرمایا اس کے بعد صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر اندھیرے میں پڑھ کر المشعر الحرام کے پاس تشریف لے گئے اور قبلہ رخ ہو کر خوب زیادہ روشنی پھیل جانے تک دعا اور تکبیر و تہلیل میں اور توحید باری تعالیٰ ذکر کرنے میں مشغول رہے۔ پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے۔ (صحیح مسلم)

مزدلفہ سارا وقوف کی جگہ ہے۔ البتہ المشعر الحرام کے قریب وقوف کرنا افضل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ووقفت ھھنا وجمع کلھا موقف (صحیح مسلم)

چونکہ سارا ہی مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے اور المشعر الحرام اسی میں ہے اس لئے بعض حضرات نے پورے مزدلفہ کو المشعر الحرام سے تعبیر کر دیا ہے۔ (کماذکر فی الدر المنثور عن عبداللہ بن عمرو وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم) مزدلفہ میں رات کا وقت گزاریں اور صبح صادق کے بعد منیٰ کے لئے روانہ ہونے سے پہلے جو وقت ہے اُس میں خوب اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور دعائیں مانگیں پھر ارشاد فرمایا: وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تم کو ہدایت دی) یعنی جس طرح اُس نے تم کو ہدایت سے نوازا ہے اور راہ حق پر ڈالا ہے تم بھی اُسے خوب اچھی طرح سے یاد کرو اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ کا ذکر اُسی طریقے پر کرو جو طریقے اس نے سکھائے اور بتائے ہیں۔ دونوں معانی صاحب روح المعانی نے لکھے ہیں اور تیسرا معنی یہ لکھا ہے کہ: اذکروہ وعظموہ لأجل ھدایتہ السابقۃ منہ تعالیٰ لکم یعنی تم اُس کا ذکر کرو اور عظمت کے ساتھ اُسے یاد کرو اس وجہ سے کہ اُس نے تم کو پہلے سے ہدایت دی ہے۔ پھر فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ (اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے محض ناواقف تھے) یعنی ایمان کو اور طاعات کو نہیں جانتے تھے اور جاہلیت میں جو حج کرتے تھے اس میں جو ذکر کرتے تھے اول تو آباؤ اجداد کا ذکر ہوتا تھا اور تھوڑا بہت جو اللہ کا نام لے لیتے تھے آخرت میں وہ بھی مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی کام نہیں دیتی۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾
پھر تم اسی جگہ واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آئیں، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

تفسیر: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ قریش اور وہ لوگ جو انکے دین پر تھے (بنو عامر، بنو ثقیف، بنو خزاعہ) یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کرتے تھے تو عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ یہ لوگ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے واپس ہو جاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ عرفات میں پہنچیں، اور وہاں وقوف کریں پھر وہاں سے واپس آئیں۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ میں یہی حکم مذکور ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۴۸ ج ۲)

تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ قریش اور ان کے حلفاء اور جو اُن کے دین پر تھے مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ہم اللہ والے اور اس کے حرم کے رہنے والے ہیں۔ لہٰذا ہم حرم کو پیچھے نہ چھوڑیں گے اور حرم سے نہ نکلیں

گے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھتے تھے کہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہریں۔ جب دوسرے قبائل عرفات میں وقوف کر کے واپس آتے تھے تو قریش اور اُن کے حلفاء مزدلفہ سے ان سب لوگوں کے ساتھ واپس آجاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عرفات میں وقوف کریں پھر وہاں سے سب لوگوں کے ساتھ مزدلفہ میں آئیں۔

حضور اقدس ﷺ بھی قریشی تھے اس لئے حجۃ الوداع کے موقعہ پر قریش کو اس میں کچھ بھی شک نہ تھا کہ آپ ہماری طرح مزدلفہ ہی میں ٹھہر جائیں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ مزدلفہ کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات پہنچ گئے۔ (کمافی صحیح مسلم)

آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کیا اور سب صحابہ بھی آپ کے ساتھ عرفات پہنچے اور پھر وہاں سے آفتاب غروب ہونے پر واپس ہوئے۔

لفظ ثم جو اس آیت میں وارد ہوا ہے اسکی وجہ سے بعض اہل تفسیر نے یوں کہا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں مزدلفہ سے منیٰ کو واپس ہونے کا ذکر ہے۔ کیونکہ عرفات سے واپس ہونے کا ذکر گزشتہ آیت میں ہو چکا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ثم واؤ کے معنی میں ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ تینوں قول لکھے ہیں بظاہر یہ تیسرا قول زیادہ مناسب ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ثم ترتیب ذکری کے لئے ہے ترتیب عملی کے لئے نہیں ہے۔

(قال ابن کثیر) **ثم ھھنا لعطف خبر علی خبر و ترتیبه علیه کانه تعالیٰ امر الواقف بعرفات ان یدفع الی المزدلفة لیذکر اللہ تعالیٰ عند المشعر الحرام و امره ان یکون وقوفه مع جمھور الناس بعرفات الخ.**

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ
سو جب تم پورا کر لو اپنے حج کے کاموں کو سو اللہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ذکر کرو۔ سو بعض لوگ ایسے ہیں
مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ
جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں دے دیجئے، اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ
رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ
اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرمایئے اور آخرت میں بہتری عنایت کیجئے اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچایئے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اُن کے لئے بڑا حصہ ہے
مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾
ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

ایام منیٰ میں ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا حکم

تفسیر: دسویں ذوالحجہ کو مزدلفہ سے واپس آ کر جمرہ کبریٰ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں اور پھر حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جاتے ہیں اس کے بعد طواف زیارت اور دو یا تین دن کی رمی یعنی کنکریاں مارنا باقی رہ جاتا ہے۔ زمانہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ حج سے فارغ ہو کر اپنے باپ دادوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور مقابلہ میں اشعار پڑھتے تھے اور اپنے قبیلوں کی بڑائی بیان کرتے تھے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ حج کے کاموں سے فارغ ہو کر اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اللہ کو یاد کرو۔ (روح المعانی)

صاحب معالم التنزیل نے مَنَا سِکَکُمْ کا ترجمہ نَسَائِکَکُمْ کیا ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ اور قربانی کے جانور ذبح کرلو تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔

وذلک بعد رمی جمرة العقبة والاستقرار بمنی۔

پھر دعا کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا ہی طلب کرتے ہیں۔ یہ لوگ حج میں بکریاں۔ اُونٹ۔ گائیں اور غلام مانگا کرتے تھے۔ صرف طالب دنیا تھے۔ آخرت کا اُنہیں کچھ بھی دھیان نہ تھا۔ یہ لوگ یوں دُعا کرتے تھے۔ اے اللہ میرے باپ کا عظیم قبہ تھا' بڑا پیالہ تھا اور وہ کثیر المال تھا مجھے بھی اسی قدر مال عطا فرما جتنا اُس کو دیا تھا۔ (معالم التنزیل)

ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لئے آخرت میں ذرا سا بھی حصہ نہیں ہے۔ پھر اہل ایمان کی دعا کا تذکرہ فرمایا کہ وہ یوں دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی عطا فرما' اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا' اہل ایمان دونوں جہاں کی کامیابی' خوشحالی اور خوبی و بہتری کے لئے دعا کرتے ہیں۔ لفظ حَسَنَةً حَسَنٌ کی تانیث ہے جو ہر خوبی اور ہر بہتری کو شامل ہے مذکورہ دعا میں دنیا کی ہر خوبی اور آخرت کی ہر خوبی اور بہتری کا سوال ہے اور اس میں بڑی جامعیت ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اکثر یہ دعاء کیا کرتے تھے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی جن کی آواز بہت ہی زیادہ کمزور ہوگئی تھی اور وہ چوزہ کی طرح دُبلے ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ سے کوئی دعاء کرتے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں میں یہ دعا کرتا تھا کہ یا اللہ مجھے جو کچھ سزا آخرت میں دینی ہو وہ دنیا ہی میں دیدیجئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! تم میں اسکی طاقت نہیں ہے تم نے دعا میں یوں کیوں نہ کہا۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ راوی حدیث حضرت اُنس فرماتے ہیں کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء عطاء فرمادی۔ (صحیح مسلم) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان طواف کرتے وقت ربنا آتنا فی الدنیا (آخر تک) پڑھتے تھے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ
اور اللہ کا ذکر کرو چند دنوں میں پھر جو شخص دو دن میں تعجیل کرے اس پر کچھ گناہ نہیں' اور جو شخص تاخیر کرے اس پر کچھ گناہ نہیں
فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
اس شخص کے واسطے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے

ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رمی جمار کی مشغولیت

تفسیر: آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔ ان دنوں سے ایام تشریق مراد ہیں جن میں قربانیاں کی

جاتی ہیں اور حجاج کا منیٰ میں قیام ہوتا ہے۔ اور جمرات کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ اس سے پہلے مزدلفہ میں ذکر کرنے کا حکم فرمایا اور عرفات میں تو ذکر اور دعا ہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمرات کو کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کی سعی کرنا اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ مؤمن بندوں کو ہر وقت اس میں لگا رہنا چاہئے بعض خاص ایام اور خاص اوقات میں ذکر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو) جیسا کہ سب جانتے ہیں نماز اول سے آخر تک ذکر ہی ہے نماز سے پہلے اذان و اقامت ہے وہ بھی ذکر ہے۔ نماز کے بعد تسبیحات اور دعائیں ہیں یہ بھی ذکر ہے۔ حج سراپا ذکر ہے تلبیہ ذکر ہے طواف میں ذکر ہے سعی میں ذکر ہے۔ عرفات میں ذکر ہے۔ مزدلفہ میں ذکر ہے۔ ایام منیٰ میں ذکر ہے۔ رمی کرتے وقت ذکر ہے۔ قربانی کرتے وقت ذکر ہے۔

سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے زندگی کے تمام احوال و اشغال میں اذکار و ادعیہ کی تعلیم دی۔ درحقیقت ذکر ہی اس دنیا کی رُوح ہے جس دن اللہ کا ذکر نہ ہوگا یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ صحیح مسلم (ص ۸۴ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایسا وقت نہ آ جائے کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ سید المرسلین ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ کان یذکر اللہ فی کل احیانه (صحیح مسلم) منیٰ کے مقام کے دوران خوب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ تفسیر روح المعانی میں ہے: واذکروا اللہ ای کبروہ أدبار الصلوات وعند ذبح القرابین وعند رمی الجمار وغیرھا۔ یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرو نمازوں کے بعد اور قربانی کرتے وقت اور رمی جمار وغیرہ کے وقت۔ پھر فی ایام معدودات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: وھی ثلثة ایام التشریق وھو المروی فی المشھور عن عمر وعلی وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھم

اور تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے: ومن الذکر فی أیام التشریق التکبیر۔ (یعنی ان دنوں کے ذکر میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں تکبیر کہی جائے) پھر لکھا ہے کہ حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نمازوں کے بعد منیٰ میں تکبیر کہتے تھے اور مجلس میں بھی اور بستر پر ہوتے ہوئے بھی اور راستہ میں بھی اھ تکبیر تشریق بھی ان ایام میں مشروع ہے۔ منیٰ میں موجود ہوں یا اپنے وطن میں مقیم ہوں فرض نمازوں کے بعد اس کا پڑھنا واجب ہے۔ مرد زور سے تکبیر تشریق پڑھیں اور عورتیں آہستہ کہیں۔ یہ تکبیر نویں تاریخ کی فجر سے لیکر تیرھویں تاریخ کی عصر تک پڑھی جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے فرمایا حضور ﷺ نے لا تصوموا فی ھذه الأیام فانھا ایام أکل و شرب و ذکر اللہ۔ (صحیح مسلم) یعنی ان دنوں میں روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔

رمی جمار کے بعض مسائل

ذکر کا حکم فرمانے کے بعد رمی جمار کے بعض مسائل بیان فرمایا جس کی تشریح یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ کبریٰ کی رمی کی جاتی ہے۔ اس کا وقت سورج نکلنے کے بعد سے لیکر آنیوالی صبح صادق تک ہے۔ لیکن رات میں کنکریاں

مارنا قوت اور صحت والوں کے لئے مکروہ ہے۔ گیارہ اور بارہ تاریخ کی کنکریاں مارنے کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور وہ بھی آنیوالی صبح صادق تک رہتا ہے قوت وصحت والوں کے لئے رمی کرنا ان دنوں کی راتوں میں بھی مکروہ ہے۔ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے۔ دس گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کرنا واجب ہے۔ منٰی میں چھوٹے چھوٹے تین منارے سے بنائے ہوئے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں جو جمرۃ کی جمع ہے پہلا جمرہ مسجد خیف کے قریب ہے اس کو جمرہ اولیٰ اور جمرہ صُغریٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو جمرہ ہے اُسے جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو جمرہ ہے اس کو جمرہ کبریٰ اور جمرہ اُخریٰ اور جمرۃ العقبۃ کہتے ہیں۔ اس کے قریب منٰی کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ ان تینوں جمرات کے نیچے جڑ میں دائرے بنے ہوئے ہیں۔ ان دائروں میں کنکریاں گرنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان تینوں جگہ شیطان نے وسوسہ ڈال کر ورغلانے کی کوشش کی تھی آپ نے اس کو کنکریاں ماری تھیں۔ کنکریاں مارنا اسی کی یادگار ہے ہر کنکری کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكۡبَرُ رَغۡمًا لِلشَّيۡطَانِ وَرِضًى لِلرَّحۡمٰنِ پڑھے (میں اللہ کا نام لے کر رمی کرتا ہوں اللہ سب سے بڑا ہے یہ رمی شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے اور رحمٰن کو راضی کرنے کے لئے ہے)۔

۱۳ ذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے

ان دونوں (گیارہ بارہ تاریخ) کی رمی کرنے کے بعد اگر کوئی شخص چاہے کہ منٰی سے چلا جائے اور تیرھویں تاریخ کی رمی نہ کرے تو اسکی اجازت ہے۔ اسی کو فرمایا فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِيۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ لیکن افضل یہ ہے کہ منٰی میں ٹھہرا رہے۔ اور تیرھویں تاریخ کی رمی کر کے منٰی سے روانہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تیرھویں تاریخ کی رمی بھی کی تھی جیسا کہ گیارہ بارہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی کی تیرھویں تاریخ کی رمی کا وقت صرف غروب آفتاب تک ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بارہویں تاریخ کو اگر منٰی میں ہوتے ہوئے سورج غروب ہو جائے تو تیرھویں کی رمی چھوڑ کر جانا مکروہ ہے۔ اور اگر منٰی میں ہوتے ہوئے تیرھویں کی صبح ہو جائے تو تیرہویں کی رمی کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گیارہ بارہ کی رمی کر کے چلے جانے کی اجازت ہوتے ہوئے منٰی میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں کی رمی کر کے جائے۔ اُس کے بارے میں فرمایا: وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ لِمَنِ اتَّقٰى (اور جو شخص تاخیر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ جو دو جگہ وارد ہوا ہے اس سے دونوں باتوں میں اختیار دینا مقصود ہے کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دن کی رمی کر کے چلا جائے تو اس کا بھی اختیار ہے اور تیسرے دن کی رمی کے لئے ٹھہر جائے اور منٰی سے روانگی میں تاخیر کرے تو اس کا بہت اختیار ہے۔ اس پر یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ جب تیرھویں تاریخ کی رمی کر کے جانا افضل ہے تو اس کے بارے میں فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ کے بجائے ایسا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ جو فضیلت پر دلالت کرتا۔ اس کے جواب میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے افضلیت کی نفی نہیں ہوتی (کیونکہ جو چیز افضل ہوتی ہے فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ اس پر بھی صادق آتا ہے) لیکن یہ بات پھر بھی قابل توجہ ہے کہ نفی الاثم کو دونوں جگہ کیوں اختیار کیا گیا۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل جاہلیت کی تردید کرنے کے لئے یہ طرز اختیار فرمایا ہے کیونکہ وہ آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے تعجیل گناہ ہے اور بعض کہتے تھے کہ تاخیر گناہ ہے۔ اھ

علامہ قرطبی نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ اہل عرب کی تردید کے لئے یہ لفظ اختیار کیا گیا ہے حیث قال فمعنی

الآیۃ أن کل ذلک مباح وعبر عنہ بھذا التقسیم اھتماما و تاکیدا اذکان من العرب من یذم المتعجل وبالعکس، فنزلت الآیۃ رافعۃ للجناح فی کل ذلک. اھ۔

صاحب معالم التنزیل نے (ص ۱۷۹ ج ۱) آیت کی تفسیر میں بعض حضرات سے یوں نقل کیا ہے کہ حج کرنے والے پر کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا۔ خواہ بارہ تاریخ کو رمی کر کے چلا جائے خواہ تیرھویں کی رمی کے لئے ٹھہر جائے۔ اور اس معنی کی تائید کے لئے حدیث من حج للہ ولم یرفث فلم یفسق پیش کی ہے۔ اور پھر یہ فرمایا ہے کہ یہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ اس معنی کو لینے سے لمن اتقٰی کا تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تعجیل کرے یا تاخیر کرے کوئی گناہ باقی نہ رہے گا بشرطیکہ اس حج میں تقویٰ اختیار کیا ہو اور گناہوں سے بچا ہو صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول اِنما جعلت مغفرۃ الذنوب لمن اتقی اللہ تعالٰی فی حجہ اس معنی کی تائید کے لئے نقل کیا ہے۔ اور حضرت ابو العالیہ سے لمن اتقٰی کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ذھب ائمۃ لمن اتقی فیما بقی من عمرہ (یعنی بعض ائمہ نے لمن اتقٰی کا معنی یہ کیا ہے کہ حج کرنے کے بعد باقی عمر میں گناہوں سے بچتا رہے) واللہ تعالٰی أعلم بالصواب۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ
لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اُس بات پر جو اس کے دل میں ہے۔
وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ
حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو
وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ
اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ سو اس کے لئے
جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾
جہنم کافی ہے اور بلاشبہ وہ برا بچھونا ہے

میٹھی باتیں کرنیوالے منافقوں اور مفسدوں کا تذکرہ

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۱۷۹ ج ۱) میں لکھا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی یہ شخص میٹھی باتیں کرنے والا تھا۔ دیکھنے میں بھی اچھا لگتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تھا اور پاس بیٹھ کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس پر قسمیں کھاتا تھا اور اندر سے منافق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اسکی ظاہری باتوں کی وجہ سے) اسے قریب بٹھاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اخنس بن شریق کی حرکت

لباب النقول میں بحوالہ ابن جریر مفسر سُدی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی وہ آپ کی خدمت میں

آیا اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ آپ کو اسکی باتیں پسند آئیں۔ پھر وہ آپ کے پاس سے چلا گیا اور مسلمانوں کی کھیتیوں پر گزرا جہاں گدھے بھی (چر رہے) تھے۔ اس نے کھیتوں کو آگ لگادی اور گدھوں کے پاؤں کاٹ کر چلا گیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

(یُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ میں اسی کو بیان فرمایا) علامہ مناوی نے فیض القدیر شرح الجامع الصغیر (ص ۱۴۵ ج ۲) میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اللّٰھم إنی أعوذبک من خلیل ما کر (الحدیث) میں یہ اخنس بن شریق مراد ہے جو میٹھی زبان والا تھا' جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا تھا' تو نرم نرم باتیں کرتا تھا اور یوں کہتا تھا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔

لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک یہ بات نقل کی ہے کہ جس جماعت میں حضرت عاصم اور حضرت مرثد تھے اس جماعت کے شہید ہونے کا جب علم ہوا تو دو منافقوں نے یہ کہا کہ افسوس ہے ان لوگوں پر جو فتنے میں پڑ گئے اور ہلاک ہو گئے۔ نہ تو اپنے گھروں میں ہی بیٹھے اور نہ تبلیغی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

بہر حال آیت کا سبب نزول جو بھی ہوا الفاظ کا عموم ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو دنیاوی زندگی میں میٹھی میٹھی اور چکنی چپڑی باتیں کر کے مسلمانوں کے عوام اور خواص میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں اندر سے منافق ہوتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کے جھوٹے دعوے ثابت کرنے کے لئے بار بار قسم کھاتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے ہم سچے مسلمان ہیں' ان لوگوں کا مقصد چونکہ اول سے آخر تک دنیا اور دنیا کا جاہ و مال ہی ہوتا ہے اور اندر سے مسلمان نہیں ہوتے اس لئے جب بھی کوئی موقعہ دیکھتے ہیں مسلمانوں کو زک دینے اور نقصان پہنچانے اور انکی حکومتوں کے خلاف منصوبے بنانے میں اور انکی حکومتوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا کر نہیں رکھتے۔ جو کام اخنس بن شریق نے کیا کہ خدمت عالی میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ کو اپنے دعوے کی سچائی پر گواہ بنایا اور پھر وہاں سے نکل کر مسلمانوں کی کھیتیوں کو آگ لگا دی اور مویشیوں کو کاٹ کر پھینک دیا۔ وہی کام ہمیشہ سے منافقین کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قتادہ اور مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر کو چھپائے ہوئے ہو' نفاق اور جھوٹ کو اپناتے ہوئے اپنی زبان سے اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتا ہو۔ نیز علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ دینی اور دنیاوی اُمور میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن)

لفظ فی الحیاۃ الدنیا کے بارے میں مُفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ امور دنیا اور اسباب معاش میں آپکو اسکی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ ایسی باتیں کرتا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیاوی باتوں میں اس کی حلاوت اور فصاحت آپکو پسند آتی ہے لیکن آخرت میں اسکی کوئی بات قابل التفات نہیں ہوگی۔ وہاں جو اس کو وحشت سوار ہوگی اسکی وجہ سے وہ بولنے بھی نہ پائے گا۔ (ص ۱۳۹ ج ۱)

جھگڑالو اور چرب زبان کی مذمت

اَلَدُّ الْخِصَامِ یہ دونوں کلمے آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں۔ پہلا لفظ لدد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ جھگڑالو' اور خصام بھی جھگڑے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ جھگڑالو ہے' مفسر

بیضاوی نے اس کا ترجمہ شدید العداوہ (سخت دشمنی والا) کیا ہے جو اس کا لازمی معنی ہے۔ منافقوں کی یہ صفت بیان فرمانے سے ہر جھگڑالو کی مذمت معلوم ہوئی جو باطل کے لئے جھگڑتا ہو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو زیادہ جھگڑالو ہو (صحیح بخاری ص ۶۴۹ ج ۲، ص ۱۰۶۶ ج ۲)

میٹھی میٹھی باتیں کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا آج کی دنیا میں اسکو بڑی ہوشیاری سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ چیز سیاست حاضرہ کا جُزو بن چکی ہے' سنن ترمذی' ابواب الزہد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کریں گے اور تواضع ظاہر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھالوں کے کپڑے پہنیں گے انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔ اور ان کے دل بھیڑوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ میرے حلم سے دھوکہ کھاتے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان لوگوں پر اُن ہی میں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا۔ جو اُن میں ہوشمند عقل والا ہوگا اسے (بھی) حیران کر دے گا۔

تکبر کی مذمت: جن لوگوں میں خالص دنیاوی جاہ اور مال کی طلب ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں جھکاؤ نہیں ہوتا۔ وہ غرور نفس کی وجہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی حق کہنے والے کی بات قبول کر لی تو ہماری ہیٹی ہو جائے گی اور ناک کٹ جائے گی' کفر و شرک پر اور گناہوں پر اصرار کرتے رہتے ہیں اور حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کا نفس انہیں حق قبول کرنے نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: وَاِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ۔ (کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے طور طریق اور طرز عمل میں اللہ سے ڈر تو اسکی حمیت اسے پکڑ لیتی ہے اور گناہ پر آمادہ رکھتی ہے)۔

تکبر کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا الکبر بطر الحق وغمط الناس یعنی کہ حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام تکبر ہے' بہت سے اسلام کے دعویدار بھی حق کو ٹھکرا دیتے ہیں' جب کوئی شخص دین کی بات کرتا ہے اور گناہ چھوڑنے کو کہتا ہے یا کسی بات کی خیر خواہانہ نصیحت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ تو کون ہے ہمیں نصیحت کرنے والا' تو ہماری سامنے کا بچہ ہے فلاں قوم کا فرد ہے' فلاں ملک کا رہنے والا ہے' یہ سب کبر ہے اور حق کو جھٹلانے کی باتیں ہیں۔ اوپر منافقوں اور مفسدوں کا طرز عمل بیان فرمایا اور اخیر میں فرمایا کہ ایسے شخص کو دوزخ کافی ہے اور دوزخ بُرا بچھونا ہے۔ مہاد عربی میں بستر کو کہتے ہیں' دوزخ میں اہل نفاق کا جو ٹھکانا بنے گا اسے مہاد سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ جو اُن کو دنیا کے بستروں کے بجائے ملے گا۔ یہاں نرم بستروں پر سوتے تھے اور وہاں آگ کا بستر ہوگا اور آرام و راحت و نیند کا نام و نشان نہ ہوگا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو خرید لیتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے

اللہ کی رضا کیلئے جان و مال خرچ کرنیوالوں کی فضیلت

تفسیر: حلیۃ الاولیاء (ص ۱۰۱ ج ۱) میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی نیت سے (مکہ معظمہ سے) نکلے تو قریش کے چند افراد ان کے پیچھے لگ گئے تا کہ ان کو واپس کریں۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اُترے اور اپنے ترکش سے تیر نکالے اور اُن سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے بڑھ کر تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے سارے تیر تمہاری طرف نہ پھینک دوں جو میرے ترکش میں بھرے ہوئے ہیں اس کے بعد میں اپنی تلوار سے لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں سکت رہے گی' اب تم جو چاہو کر لو اور ایک صورت یہ ہے کہ میرا مال اور میرے کپڑے جہاں مکہ میں رکھے ہیں میں تمہیں انکا پتہ بتا دیتا ہوں تم ان کو لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو' وہ کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے ہم اس پر راضی ہیں وہ لوگ تو اُدھر چلے گئے اور حضرت صہیب سفر قطع کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا ربح البیع اباىحى ربح البیع ابا یحیی' (اے ابویحییٰ یہ بیع نفع والی ہے اے ابو یحییٰ یہ بیع نفع والی ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی دنیا خرچ کر کے جو اپنی جان اور دین کو بچا لیا یہ نفع کا سودا ہے۔ (ابو یحییٰ حضرت صہیب کی کنیت ہے) ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر دیدی تھی۔ مستدرک حاکم ص ۳۹۸ ج ۳ میں بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ قصہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آیت شریفہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ حضرت صہیبؓ کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی نازل ہو گئی تھی۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو یحییٰ نفع کا سودا ہوا اور آپ نے انہیں آیت بالا پڑھ کر سنائی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب میں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اے صہیب تم یہاں آئے تھے تو تمہارے پاس کبھی بھی مال نہ تھا اور اب تم یہاں کا کمایا ہوا مال اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم مناسب جانو تو میں تمہیں اپنا مال دیدوں اور تم مجھے چھوڑ دو۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور میں نے اُن کو اپنا مال دیدیا اور مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر مل چکی تھی آپ نے فرمایا: رَبِحَ صُهَيْبٌ رَبِحَ صُهَيْبٌ (صہیب نے نفع کا سودا کیا صہیب نے نفع کا سودا کیا)۔

بعض مفسرین نے یَشْرِىْ کا ترجمہ یَبِيْعُ سے کیا ہے یعنی بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں مفسر ابن کثیر (ص ۲۴۷ ج ۱) لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات نے آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے' قرآن پاک کی آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (الآیۃ) سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا۔ اس اعتبار سے مجاہدین اپنے جان و مال کو فروخت کرنے والے ہو گئے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت صہیب کے قصے میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ وہ مشرکین مکہ سے قتال کے لئے تیار ہو گئے اُس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو بیچ دیا' اس اعتبار سے ان کے قصہ کو سامنے رکھ کر بھی یَشْرِىْ کا ترجمہ یَبِيْعُ (بیچتا ہے) کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت آیت کا جو شان نزول ہے (یعنی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ) اس کو سامنے رکھتے ہوئے بھی آیت کا عموم ہر اُس شخص کو شامل ہے جو بھی اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال خرچ کرے اور اللہ کی رضا کے لئے اپنی جان پر کھیل جائے' معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا مصداق ایسے شخص کو

بتایا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو بے شک وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾

کھلا دشمن ہے' سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آ چکی ہیں تو جان لو کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے

اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم

تفسیر: آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ جو پہلے یہودی تھے انہوں نے سنیچر کے دن کی تعظیم کو باقی رکھنا چاہا جو شریعت موسوی میں تھی اور اونٹ کا گوشت کھانے سے پرہیز کرنا چاہا کیونکہ یہودیت کے زمانہ میں نہیں کھاتے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ توریت بھی تو اللہ کی کتاب ہے' ہم اس کو تہجد کی نماز میں پڑھ لیا کریں (جیسا کہ قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے) اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور حکم فرمایا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (من الدر المنثور والبیضاوی) شریعت محمدیہ کے آنے کے بعد اب کوئی شریعت باقی نہیں رہی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس خوب روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو اُن کے لئے بھی اس کے سوا کوئی گنجائش نہ تھی کہ وہ میرا اتباع کریں۔ (معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۱) حضرت جابرؓ کی روایت مسند احمد اور شعب الایمان للبیہقی میں بھی ہے (کما فی المشکوٰۃ ص ۳۰)

زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام کا پابند ہے

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام کے احکام کو پورا پورا قبول کرو اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرو' حاکم ہو یا محکوم بڑا ہو یا چھوٹا شہری ہو یا دیہاتی' تاجر ہو یا کاریگر' کارخانہ دار ہو' مزدور ہو یا کسان' سب اسلام پر پوری طرح چلیں اور اب دوسرے کا منہ نہ دیکھے کہ وہ چلے تو میں بھی چلوں۔ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو سامنے رکھے۔ بہت سے لوگوں نے یہ طریقہ بنا رکھا ہے کہ نماز روزہ اور انکے علاوہ دو چار کاموں تک ہی اسلام کو محدود رکھتے ہیں اس کے علاوہ معیشت اور معاشرت' تجارت اور سیاست اور زندگی کے دیگر تمام شعبوں میں اسلام کے احکام کی پاسداری نہیں کرتے جس طرح چاہیں تجارت کر لیں اور جو بھی چیز سامنے آ جائے خرید لیں' یا بیچ دیں۔ جس محکمہ میں چاہیں ملازم ہو جائیں۔ حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ بیاہ شادی میں غیر شرعی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ سراسر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی کے موقعہ پر ہم پر شرعی کوئی پابندی نہیں۔ حرام حلال کی بحثوں کو فضول سمجھتے ہیں' کوئی عالم اگر بتا دے کہ تمہاری ملازمت حرام ہے یا تجارت میں سُود ہے تو کہتے ہیں کہ مولوی ترقی سے روکتا ہے۔ جن قوموں کے دین میں چند تصورات اور توہمات اور چند اعمال کے علاوہ اور کوئی بھی پابندی نہیں ہے۔ اپنے دین کو انہیں کے دین پر قیاس کر لیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ہمارا دین جامع ہے' کامل ہے مکمل ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے' انسانی

زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے احکام تفصیل کے ساتھ اسلام میں نہ بتائے ہوں۔ بعض اُحکام پر عمل کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا یہ وہی چیز ہے جس کو سورۂ بقرہ کے رکوع (۱۰) میں یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: (کیا کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کے منکر ہوتے ہو) بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کے صرف دعوے دار ہی ہیں۔ اسلام کے فرائض تک پر عمل نہیں کرتے' اور کچھ لوگوں کو دینداری کا خیال ہے لیکن اُنکی دینداری نماز تک یا ایک دو اعمال تک محدود ہے۔ اگر توجہ دلائی جائے کہ حرام ملازمت چھوڑ دو تو تیار نہیں اگر یوں کہا جائے کہ سود کا لین دین نہ کرو تو آمادہ نہیں اگر یوں کہو کہ حرام چیزیں فروخت نہ کرو تو کہتے ہیں کہ یہ روزی کا معاملہ ہے۔ اس کو کیسے چھوڑیں؟ انکی جاہلانہ بات کا مطلب یہ ہے کہ روزی کمانے میں گویا پورے آزاد ہیں' (العیاذ باللہ)

اصحاب حکومت کی بے راہی

جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں کے ذمہ دار انہی طریقوں پر حکومتیں چلاتے ہیں جو کافروں سے سیکھے ہیں کچہریوں میں کافرانہ اور ظالمانہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ اسلام کے قانون کا نام آجائے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ کافرانہ اُقوال اور افعال کے باوجود اس کے دعوے دار ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام پر پوری طرح عمل نہ کرنا بعض اُحکام کو ماننا بعض کو چھوڑ نا یہ سب شیطانی حرکات ہیں۔ اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کا حکم دینے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ کہ شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو' اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے) لوگ شیطان کو بُرا بھی کہتے ہیں اور اُس پر لعنت بھی بھیجتے ہیں۔ اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔ پھر فرمایا: فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آچکی ہیں' تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے)۔

اس آیت میں بتایا کہ واضح دلائل آجانے کے بعد پھر بھی اسلام میں داخل نہ ہوتے تو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت ہے۔ وہ غالب ہے اس کے عذاب اور انتقام سے بچ نہیں سکتے' اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق وہ سزا دینے میں جلدی نہ کرے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ گرفت نہ ہوگی اور انتقام سے محفوظ رہیں گے۔

قال صاحب الروح غالب علی أمره لا یعجزه شئ من الانتقام منكم حكيم لا يترك ما تقتضيه الحكمة من مؤاخذة المجرمين.

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ
یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آجائیں اور سارا قصہ
الْاَمْرُ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾
ختم ہو جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف اُمور لوٹائے جائیں گے

حق قبول نہ کرنے پر وعید

تفسیر: جو لوگ واضح دلائل کے بعد بھی دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے انہیں کیا انتظار ہے ان کے طور طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بس اُسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں آ جائیں اور انکو ان کے کفر کی سزا مل جائے اور سارا فیصلہ ہو جائے' پھر آگے اسلام قبول کرنے کا موقعہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ عذاب سامنے آنے کے بعد اسلام قبول نہیں ہوتا' پھر فرمایا کہ تمام اُمور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے وہ قاضی روزِ جزا ہے۔ اس دن مجازی صاحب اختیار بھی کوئی نہ ہوگا۔ وہ حق کے ساتھ فیصلے فرمائے گا' اہل کفر کے بارے میں دائمی عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ لہٰذا اپنا انجام سوچ لیں۔

فائدہ: لفظ یاتیهم اللہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اتیان (یعنی آنے) کی نسبت کی ہے اس پر ایمان لائیں۔ مفہوم کے سمجھنے اور معنی کریدنے میں نہ لگیں۔ سلف کا بھی طریقہ ہے' اور بعض حضرات نے مضاف مقدر مانا ہے۔ قال القرطبی (ص ۲۵ ج ۳) وقیل لیس الکلام علی ظاهره فی حقه سبحانه وانما المعنیٰ یأتیهم امر الله وحکمه وقیل ای بما وعدهم من الحساب والعذاب. مطلب یہ ہے کہ یأتیهم الله سے اللہ کا اُمر اور اس کا حکم اور عذاب آنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سَلْ بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا
آپ بنی اسرائیل سے دریافت فرمائیے ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دیں۔ اور جو شخص اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ
جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾
نعمت اس کے پاس آ جائے تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے

بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب

تفسیر: بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی واضح دلیلیں عنایت فرمائی تھیں۔ وہ ان دلائل سے کام لیتے اور حق پر جمتے تو ان کے حق میں اچھا تھا۔ لیکن انہوں نے اُلٹی ہی چال چلی ہدایت کے بجائے گمراہیوں کو پسند کیا' اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو نقمت سے بدل دیا۔ جسکی وجہ سے دنیا و آخرت میں مستحق عذاب و عقاب ہوئے۔ بنی اسرائیل کو جو دلائل واضحہ دیئے گئے تھے ان کے بارے میں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے وہ دلائل مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں عطا کئے گئے تھے۔ مثلاً عصا موسوی اور ید بیضاء اور سمندر کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو پار کرنا وغیر ذلک' اور ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے وہ صاف اور واضح بیانات مراد ہیں جو تورات و انجیل میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تھے' یہودیوں نے جو ان آیات سے انحراف کیا اور حق واضح ہو جانے کے باوجود گمراہی کا راستہ اختیار کیا اس کے بیان کرنے کے لئے ایک ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس سے ہر نعمت کے بدلنے کی شناعت اور قباحت معلوم ہو جائے اور عمومی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کی کسی بھی نعمت کو بدلے گا وہ مستحق عذاب و عقاب ہوگا۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا

مزین کی گئی ان لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی جنہوں نے کفر کیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے حالانکہ جن لوگوں نے پرہیزگاری کو

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

اختیار کیا وہ قیامت کے دن اُن سے بالا ہوں گے' اور اللہ جسے چاہے بلاحساب رزق عطا فرماتا ہے

کافروں کے لئے دنیا کا مزین ہونا اور انکا ایمان والوں پر ہنسنا

تفسیر: اس آیت میں کافروں کے کفر پر جمنے اور کفر اختیار کرنے کا سبب بتایا ہے اور وہ یہ کہ دنیاوی زندگی اور اس سے متعلقہ ساز و سامان آرائش اور زیبائش انکی نظروں میں بھایا ہوا ہے۔ اسی حسن ظاہر کو دیکھ کر وہ دنیا پر پلے پڑے ہیں۔ چونکہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے میں انہیں دنیا اور اسباب دنیا میں کمی ہوتی نظر آتی ہے اس لئے کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ دنیا کے ساز و سامان مال اور جائیداد ہی کو کامیابی سمجھے ہوئے ہیں اس لئے اہل ایمان کا مذاق اُڑاتے ہیں اور ان سے تمسخر کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں یہ دنیا چند روزہ ہے اس کے بعد اہل کفر کے لئے عذاب ہی عذاب ہے اور اہل ایمان کے لئے جنت ہے۔ اہل ایمان قیامت کے دن بلند و بالا ہوں گے۔ جنت کے بالاخانوں میں ہوں گے اور اہل کفر دوزخ میں پڑے ہوں گے۔ اس وقت اہل ایمان ان پر ہنسیں گے جیسا کہ سورہ مطففین میں فرمایا: فَالْيَوْمَ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ، عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُونَ (سو آج ایمان والے کافروں سے ہنسیں گے۔ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھتے ہونگے) علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب ابو جہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ اپنے مالوں میں مست تھے۔ تنعم کی زندگی گزارتے تھے اور آخرت کی تکذیب کرتے تھے اور فقرائے مومنین مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ عمار بن یاسرؓ اور صہیبؓ اور بلالؓ اور خبابؓ جیسے حضرات کا مذاق بناتے تھے' ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت منافقین (عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں) کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ دنیا میں مزے کی زندگی گزارتے تھے اور فقرائے مہاجرین پر پھبتیاں کستے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو محمد (علیہ السلام) کا کہنا ہے کہ ان (مسکینوں) کو ساتھ لے کر لوگوں پر غلبہ پائیں گے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ یہ آیت رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو فقرائے مہاجرین پر ہنستے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے اموال تم کو بغیر جنگ کے مل جائیں گے چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ (معالم التنزیل)

آیت کے ختم پر فرمایا کہ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اور اللہ جسے چاہے بلاحساب رزق عطا فرماتا ہے) بعض مفسرین نے اس کا مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دنیا میں بغیر کسی محنت اور تکلیف کے جس قدر چاہے عطا فرمادے اور اسے اعمال صالحہ کی توفیق دیدے پھر آخرت میں اس مال کا حساب نہ لے اور بعض حضرات نے بِغَيْرِ حِسَابٍ کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے دے کم دے زیادہ دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس سے کوئی حساب لینے والا نہیں' اور ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حساب خرچ فرماتا ہے اسے خرچ کرنے میں حساب کرنے کی ضرورت نہیں اس کے خزانے بے انتہا ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ

سب لوگ ایک جماعت تھے پھر اللہ نے نبی بھیجے تو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ

ان کے ساتھ کتاب اُتاری حق کے ساتھ تا کہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان اُس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف

اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ

ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی۔ اور انہوں نے یہ اختلاف باہمی ضد اضدی کے باعث اسکے بعد کیا جبکہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آ چکی تھیں، پھر اللہ نے اپنے فضل سے

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۱۳

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس امر حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے

سارے انسان اُمت واحدہ تھے حق واضح ہونے کے بعد عناد اور ضد کی وجہ سے مختلف فرقے ہو گئے

تفسیر: تفسیر درمنثور میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان جو قرنیں تھیں یہ سب ہدایت پر اور حق شریعت پر تھے پھر لوگوں نے اختلاف کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جو اس اختلاف کے بعد سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا اور ایسے وقت میں بھیجا جب کہ لوگوں میں اختلاف ہو چکا تھا اور حق کو چھوڑ چکے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے بعد رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں جو مخلوق پر حجت ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں کلبی اور واقدی سے نقل کیا ہے۔ اُمت واحدہ سے وہ مسلمان مراد ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے (اس وقت دنیا میں صرف یہی لوگ اہل ایمان تھے دوسری کوئی جماعت نہ تھی) حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا (اور اہل ایمان کے مقابلہ میں مشرکوں اور کافروں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں)

اُمة واحدہ کا مصداق بیان کرنے کے سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں۔ بہرصورت آیت شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی زمانہ میں تمام انسان ایک ہی مذہب اور ملت اور ایک ہی عقیدہ پر تھے اور یہ وہ دین تھا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول تھا' پھر لوگوں میں (شیطان کے بہکانے سے اور رائے وفکر کے اختلاف سے) بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے راہ حق بتانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے راہِ حق بتانے اور اصلاح حال کرنے کے لئے اپنی پوری پوری کوششیں کیں' یہ حضرات حق قبول کرنے والے کو جنت کی بشارت دیتے تھے۔ اور حق سے منہ موڑنے والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کتابوں کے ذریعہ امورِ اختلافیہ میں فیصلہ فرمایا' اور حق اور ناحق کو ممتاز کر کے بتا دیا' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیم وتبلیغ سامنے ہوتے ہوئے بھی لوگوں نے اپنی نفسانیت اور ضد وعناد کی وجہ سے حق سے منہ موڑا' اور باہمی

اختلاف کرتے رہے، جن کو علم دیا گیا واضح دلائل سامنے ہوتے ہوئے حق سے منحرف ہوئے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو راہ حق کی ہدایت دی اور جو چیز حق تھی وہ انکو بتادی۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر درمنثور میں وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت اُبی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ جن کو کتاب اور علم دیا گیا ان سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ اور بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی حرص اور ملک کی طلب اور اسکی ظاہری زیب و زینت کی وجہ سے بعض نے بعض پر بغاوت کردی اور آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں ماردیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت دی جو اختلاف کے وقت اس دین پر قائم رہے جو دین حق تھا وہ خدائے وحدہ لاشریک کے لئے اخلاص کے ساتھ دین میں لگے اور اختلاف والوں سے علیحدہ ہوکر رہے، لہٰذا یہ لوگ قیامت کے دن دوسری قوموں یعنی قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح اور قوم شعیب (وغیرہم) کے مقابلہ میں گواہی دیں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان کے رسولوں نے ان کو تبلیغ کی تھی لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا تھا اس عالم میں اللہ جل شانہ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں اور کتب الٰہیہ نازل ہوتی رہی ہیں۔ حق پر چلنے والے بھی رہے اور مخالفین بھی رہے اب اہل ایمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اہل کفر ہماری مخالفت کرتے رہیں گے اور حق ظاہر ہونے کے باوجود اسے اختیار نہ کریں گے اور جب اختلاف ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی، اور قتل و قتال کی نوبت بھی آجائے گی۔ صبر بھی کرنا ہوگا اور اللہ کی راہ میں جان و مال بھی خرچ کرنا ہوگا کافر اپنے عناد پر جمے رہیں گے۔ اہل ایمان کو ایمانی تقاضوں پر ثابت قدم رہنا لازم ہوگا۔ اس تقریر سے آیت اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ کا ربط بھی سمجھ میں آگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ
کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ اُن لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔
مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
ان کو پہنچی سختی اور تکلیف اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے اور ان مؤمنین نے جو رسول کے ساتھی تھے
مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾
کہہ دیا کہ کب ہوگی اللہ کی مدد، خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے

مصائب میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور امم سابقہ کے مسلمانوں سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم

تفسیر: مسلمانوں کو مشرکین اور یہود و منافقین سے برابر تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔ مکہ معظمہ میں جب تک رہے مشرکین برابر تکلیفیں پہنچاتے رہے پھر جب مدینہ منورہ ہجرت کرکے آگئے تو یہودیوں سے اور منافقوں سے واسطہ پڑا اور مشرکین مکہ نے یہاں بھی چین سے نہ رہنے دیا۔ ان کی دشمنی کی وجہ سے بدر اور اُحد اور خندق کے غزوات پیش آئے۔ دشمنوں کی

ایذا رسانیوں کے علاوہ بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں بھی پہنچتی رہتی تھیں۔

اسباب النزول میں ہے کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے موقعہ پر نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی، دشمنوں کا خوف بھی تھا، اور سردی بھی سخت تھی اور کھانے پینے کی چیزیں بھی مہیا نہ تھیں۔ اور کئی طرح سے تکالیف کا سامنا تھا جس کو اللہ جل شانہ نے سورۂ احزاب میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے) نیز اللہ جل شانہٗ نے غزوہ احزاب کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ: هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔ (کہ اس موقع پر مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالا گیا اور ان کو سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا) منافقین اس حال کو دیکھ کر طرح طرح کی باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ کفریہ کلمات تک کہہ گئے اللہ رب العزت تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم جنت کی آرزو لئے بیٹھے ہوئے حالانکہ جسے جنت میں جانے کا ارادہ ہو اُسے آزمایا جاتا ہے۔ تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے اُن کو دُکھ پہنچا، مصیبتوں نے گھیرا، تکلیفوں نے دبوچا، اور ان کو اس قدر سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا کہ ان کے زمانہ کے رسول نے اور ان کے ساتھیوں نے مدد میں دیر محسوس کی تو یوں کہہ دیا کہ اللہ کی مدد کب ہو گی۔ جب وہ اس حال پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی گئی کہ خبردار اللہ کی مدد قریب ہے۔

اس میں جہاں منافقین کو جواب دیا گیا (جنہوں نے غزوہ اُحد میں مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا کہا تھا) وہاں مسلمانوں کو بھی تسلی دی گئی ہے یہ مصائب اور تکالیف کوئی نئی نہیں ہیں۔ تمہارے ساتھ نیا معاملہ نہیں کیا جا رہا ہے تم سے پہلے جو اُمتیں گزری ہیں۔ ان کو بھی آزمایا گیا ہے۔ جب ان کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور اُنہوں نے مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (کب ہو گی اللہ کی مدد) کہا تو اللہ پاک کی طرف سے اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ کا اعلان کیا گیا اور جلد ہی مدد آ گئی، تمہاری تکلیف بھی اس مرحلہ پر پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے دنیا میں بھی مدد ہو گی اور جنت کا داخلہ بھی ہو گا۔ قال ابن کثیر قال اللہ تعالٰی الا ان نصر اللہ قریب کما قال فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا و کما تکون الشدة ینزل من النصر مثلها ولهذا قال تعالٰی الا ان نصر اللہ قریب۔ اھ۔

یہ آزمائش پہلے نبیوں (علیہم السلام) پر اور ان کی امتوں پر آئی ہمارے رسول سرورِ عالم ﷺ پر آئی آپ کے صحابہؓ پر آئی، تابعین پر آئی ان کے بعد مسلمانوں پر آتی رہی اور آتی رہے گی۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا۔ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو آزمایا جو اُن سے پہلے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور جان لے گا۔ ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ضرور جان لے گا جھوٹوں کو) حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اُن تکلیفوں کی شکایت کی جو مشرکین مکہ سے پہنچتی رہتی تھیں۔ اس وقت آپ کعبہ کے سایہ میں چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا کیا آپ اللہ سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو مسلمان تھے۔ ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیا جاتا تھا پھر آرہ لا کر سر کے اُوپر سے لیکر (نیچے تک) چیر دیا جاتا تھا جس سے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ یہ تکلیف بھی اُن کو ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ اور ان کے سروں میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں

جو گوشت سے گزر کر ہڈی اور پٹھے تک پہنچ جاتی تھی اور یہ چیز انہیں ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ (مشکوٰۃ عن البخاری ص ۵۲۵)

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ

وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم خرچ کرو اس کا مصرف والدین اور قرابت دار

وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾

اور یتیم اور مسکین لوگ ہیں۔ اور جو بھی خیر کا کوئی کام تم کرو گے سو اللہ اسکو خوب جاننے والا ہے

کن مواقع میں مال خرچ کیا جائے

تفسیر: اسباب النزول (ص ۶۰) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عمرو بن جموح انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی' وہ بوڑھے آدمی تھے اور بہت مال والے تھے' انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم کیا صدقہ کریں اور کس پر خرچ کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی' تفسیر درمنثور (ص ۲۴۳ ج ۱) میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں نفلی صدقات کا ذکر ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے۔

سبب نزول کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دو باتوں کا سوال کیا گیا تھا' اول یہ کہ کیا خرچ کریں' دوم یہ کہ کس پر خرچ کریں' اللہ جل شانہٗ نے اولاً دوسرے سوال کا جواب دیا کہ والدین پر اور دیگر رشتہ داروں پر' اور یتیموں پر' اور مسکینوں پر خرچ کرو۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس پر اور بیوی بچوں پر چونکہ انسان اپنے ذاتی تقاضے سے خرچ کرتا ہے اس لئے سوال ان کے علاوہ دوسروں پر خرچ کرنے کے متعلق تھا۔ لہٰذا اخراجات کی تفصیل بتاتے ہوئے پہلے والدین کا ذکر فرمایا پھر ماں باپ کے بعد دوسرے رشتہ داروں کا اجمالی ذکر فرمایا جو اپنے کنبہ کے لوگ ہیں۔ پھر یتیموں اور مسکینوں کا ذکر فرمایا جو رشتہ داروں میں ہوتے ہیں اور رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے خاندانوں میں بھی ہوتے ہیں۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ! عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ' پھر جو تجھ سے زیادہ قریب ہو' پھر اس کے بعد جو تجھ سے زیادہ قریب ہو۔

پھر وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ۔ فرما کر پہلے سوال کا جواب دیدیا کہ جو مال بھی تھوڑا یا بہت خرچ کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے وہ اس سب کی جزا عطا فرماوے گا اور مال کو جو خیر سے تعبیر فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ مال حلال ہو (کیونکہ مال حرام خیر نہیں ہے) اور رضائے الٰہی کے لئے خرچ ہو (کیونکہ جس خرچہ سے ریاکاری اور شہرت مقصود ہو وہ خیر نہیں ہے)۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوسرے سوال کے جواب کو اس لئے اہمیت دی گئی کہ کوئی شخص کتنا ہی مال خرچ کرے جب تک صحیح مصرف میں خرچ نہ ہو ثواب کا استحقاق نہ ہوگا یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی فضیلت سے متعلق بعض روایات حدیث آیت کریمہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

فرض کیا گیا تم پر جنگ کرنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے' اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو'

وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾

اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو' اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

جہاد کی فرضیت اور ترغیب

تفسیر: مکہ مکرمہ کے زمانۂ قیام میں مسلمان بہت ہی ضعیف تھے' تھوڑے سے تھے کافروں کا تسلط تھا ان سے لڑنے اور جنگ کرنے کا کوئی موقعہ نہ تھا اور نہ جنگ کرنے کی اجازت تھی' بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ قیام پذیر ہو گئے' یہاں قیام کرنے کے بعد ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی جو لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں جیسا کہ سورۂ حج میں فرمایا: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۔ اس کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ عام مشرکین سے قتال کرنے کا حکم ہو گیا اگرچہ وہ ابتداء نہ کریں (قرطبی)

آیت بالا کے عموم سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ کفار سے جنگ کرنا ہر مسلمان پر نماز روزہ کی طرح فرضِ عین ہے لیکن سورہ براءت کی آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (الآیۃ) سے اور بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کرنا ہر مسلمان پر ہر وقت فرض عین نہیں ہے اسی لئے فقہاء نے اس بارے میں تفصیل لکھی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ بعض حالات میں فرض عین اور عام حالات میں فرضِ کفایہ ہے کافروں سے جنگ کرنا جارحانہ بھی مشروع ہے اور دافعانہ بھی جیسا کہ قرآن و حدیث کے نصوصِ عامہ سے ثابت ہے۔ عام طور سے کافروں سے جنگ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے لفظ جہاد جُہد سے لیا گیا ہے جو محنت اور کوشش کے معنی میں ہے یہ اپنے عمومی معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ہو' سورۂ براءت میں فرمایا: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (نکل کھڑے ہو ہلکے ہو یا بھاری اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے' اللہ کی راہ میں یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)۔

اس آیت میں مال اور جان دونوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاهدوا المشركين بأموالكم وانفسكم والسنتكم (باب كراهية ترك الغزو)

اس حدیث میں زبانوں سے جہاد کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ زبان سے جہاد کرنے میں بہت باتیں آ گئیں' کافروں سے مناظرہ کرنا' ان کے خلاف تقریریں کرنا' مسلمانوں کو جہاد کے لئے ترغیب دینا اور آمادہ کرنا وغیرہ' مسلمانوں پر ہر قسم کا جہاد باقی رکھنا لازم ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام اَبو یوسف اور امام محمد اور امام مالک اور تمام فقہاء امصار کا قول ہے کہ جہاد قیامت تک فرض ہے' لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے مسلمانوں کی ایک جماعت اس میں مشغول رہے گی تو باقی مسلمانوں کو اس کے ترک کرنے کی گنجائش ہوگی' اور یہ بھی لکھا

ہے کہ تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کے ممالک کی سرحدوں کے رہنے والے مسلمان اگر طاقت ور نہ ہوں اور ان میں کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو جس کی وجہ سے انہیں اپنے شہروں اور اپنی جانوں اور اپنے بال بچوں پر دشمنوں کی طرف سے خوف ہو تو ساری اُمت پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں اور کافروں کے حملہ سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اُمت میں کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے کہ جب (کسی علاقہ میں) مسلمانوں کو اپنی جانوں کے قتل ہونے کا اور بچوں کے قید ہونے کا خطرہ ہو تو دوسرے (علاقہ کے) مسلمانوں کو انکی مدد چھوڑ کر گھر میں بیٹھنا جائز ہو۔

پھر لکھا ہے کہ امام المسلمین پر اور عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ ہمیشہ کافروں سے جنگ کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔ (ثم قال: وھو مذھب أصحابنا ومن ذکرنا من السلف المقداد بن الأسود و أبی طلحۃ فی آخرین من الصحابۃ والتابعین وقال حذیفۃ بن الیمان: الأسلام ثمانیۃ أسھم وذکر سھما منھا الجھاد)

علامہ جصاص نے جہاد کی فرضیت پر متعدد آیاتِ قرآنیہ نقل کی ہیں۔ مثلاً: (وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ) اور (قَاتِلُوْھُمْ يُعَذِّبْھُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ .الآیۃ) اور (قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. الآیۃ) اور (فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ) اور (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ) اور (وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً) وغیرھا من الآیات صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اگر اس فریضہ پر قائم رہے تو باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بھی جہاد میں مشغول نہ رہے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں کہ کافروں سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ خود سے جنگ میں پہل نہ کریں، اور اگر مسلمانوں کے کسی شہر پر دشمن چڑھ آئیں تو تمام مسلمانوں پر انکا دفاع لازم ہوگا۔ اس صورت میں عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کھڑی ہو، اور غلام بھی آقا کی اجازت کے بغیر میدان میں آجائے، اس لئے کہ اس صورت میں دشمنوں سے جنگ کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ کتاب السیر) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ جہاد اور قتال اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کا دین پھیلانے کے لئے ہے اور جنگ برائے جنگ نہیں ہے اور جہاد کے لئے مستقل احکام ہیں جو حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

جہاد کے بعض احکام:

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمان کافروں کے ملک میں داخل ہوں اور انکے کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں اگر وہ دعوت قبول کرلیں اور اسلام لے آئیں تو جنگ کرنے سے رُک جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دیں (اور مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائیں کما زادہ مسلم فی روایۃ)۔ اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دیں اگر وہ جزیہ ادا کرنا منظور کرلیں تو پھر انکے وہی حقوق ہونگے جو مسلمانوں کے ہیں اور انکی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو (ملک کی حفاظت کے سلسلے میں) مسلمانوں پر عائد ہوں گی (لیکن جزیہ کی دعوت مشرکین عرب کو نہیں دی جائیگی ان کیلئے اسلام ہے یا تلوار ہے) جن لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی ان کو دعوت دیئے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں۔ اور جن لوگوں کو دعوت اسلام پہنچ

چکی ہے۔ ان کے بارے میں مستحب ہے کہ پہلے ان کو دعوت دی جائے پھر قتال کیا جائے' اگر کفار قبول اسلام سے بھی انکاری ہوں اور جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہوں تو اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کی جائے اور عورتوں کو اور بچوں کو اور بہت بوڑھے کو اور اپاہج کو اور اندھے کو قتل نہ کیا جائے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص امور حرب میں رائے رکھنے والا ہو یا عورت بادشاہ بنی ہوئی ہو تو انکو قتل کر دیا جائے (من الهداية باب كيفية القتال) مسلمانوں نے جب سے جہاد چھوڑا ہے دشمنوں نے ان پر قابو پایا ہوا ہے۔ اور ایسے معاہدوں میں جکڑ دیا ہے جن کی وجہ سے وہ کافروں پر حملہ نہ کر سکیں' اور کافروں کا اپنا یہ حال ہے کہ معاہدوں کی پاسداری کے بغیر جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سراسر خیر ہی ہے اس سے اسلام پھیلتا ہے کافروں پر حجت قائم ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں قوت آتی ہے دشمن مغلوب ہوتے ہیں اور مغلوب رہتے ہیں مسلمان باعزت زندہ رہتے ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرنا دشمنان دین کے مشوروں پر چلنا اور ان سے دبنا اسی نے تو عالم میں مسلمانوں کی ساکھ خراب کر رکھی ہے۔

مسلمانوں نے خدمت اسلام کے جذبہ کو چھوڑ دیا۔ حُبِ جاہ' حُبِ اقتدار نے ان کے چھوٹے چھوٹے ملک بنا دیئے' ہر ایک اپنے اقتدار کی ہوس میں ہے اور اقتدار باقی رکھنے کے لئے دشمنوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اس طوائف الملوکی نے مسلمانوں کی طاقت کو منتشر کر رکھا ہے۔ آپس میں لسانی عصبیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کی جانوں کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔ دشمنوں کی شہہ پر اپنی وحدت ختم کر رکھی ہے۔ سارے عالم کے مسلمانوں کا اگر ایک ہی ملک ہوتا اور ایک ہی امیر المومنین ہوتا سارے مسلمان اسلام ہی کے لئے سوچتے اور اسی کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے تو کسی دشمن کی ہمت نہ تھی کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھتا' دشمنوں نے عصبیتیں سمجھا کر بہت سارے چھوٹے چھوٹے ملک بھی بنوا دیئے اور جہاد سے بھی دور کر دیا۔ لہٰذا اپنے قابو میں کچھ نہ رہا' ہمت کر کے آپس میں ایک ہوں تو اب بھی ان شاء اللہ حال ٹھیک ہو جائے گا۔

مجاہدین کے فضائل:

حضرت ابو ہریرہ' حضرت سہیل بن سعد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلنا ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غُبار آلودہ ہو گئے اُسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ (بخاری)

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جو بھی کوئی شخص جنت میں داخل ہو گا وہ دنیا میں واپس آنے کی آرزو نہ کرے گا۔ خواہ اس کو وہ سب کچھ مل جائے جو دنیا میں ہے سوائے شہید۔ وہ وہاں جو اپنا اعزاز دیکھے گا۔ اسکی وجہ سے آرزو کرے گا کہ دنیا میں واپس چلا جاتا اور دس مرتبہ قتل کیا جاتا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۵ ج ۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن ایک رات اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت میں گزارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور راتوں رات ایک ماہ نمازوں میں قیام کرنے سے بہتر ہے اگر یہ شخص اسی حالت میں وفات پا گیا تو (ثواب کے اعتبار سے) اُس کا وہ عمل جاری رہے گا جو عمل وہ کیا کرتا تھا اور اُس کا رزق جاری رہے گا اور (قبر میں) فتنہ ڈالنے والوں سے پُر امن رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۲ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس نے جہاد نہیں کیا اور اس کے نفس میں جہاد کا خیال بھی نہ آیا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مر گیا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۱ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اسکی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے تو وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہ رہا ہو گا۔ رنگ تو خون کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح بخاری ص ۱۳ ج ۲، صحیح مسلم ۱۳۳ ج ۲)

جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے۔ ایک شخص نے جہاد کے لئے ایک اُونٹنی پیش کر دی جس کو مہار لگی ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے لئے اس کے عوض قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی ہر ایک کی مہار لگی ہوئی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۱۳۷ ج ۲) (یعنی مہار لگی ہوئی سات سو اونٹنیاں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا)

جہاد میں شرکت کے لئے جانے والے کو سامان دے دینا جس سے وہ جنگ کرے اور کھائے پیے اس کا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے کسی فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کو سامان دیا اُس نے (بھی) جہاد کیا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کی خدمت میں خیر کے ساتھ رہا اس نے بھی جہاد کیا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۹ ج ۱)

جہاد پر دشمنان اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب

دشمنان اسلام نے جہاد کو بہت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے اول تو اسلام کی دشمنی میں اسلام کی دعوت کو نہیں سمجھتے۔ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانیں اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں، قرآن پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش کی ہے اس کو مانیں، جو شخص یہ سب قبول کرے گا وہ مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبردار ہوگا مستحق جنت ہوگا اور جو شخص اس دین و شریعت کو قبول نہ کرے گا۔ وہ کافر ہوگا، مستحق دوزخ ہوگا۔ ہمیشہ ہمیش آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جب مسلمان کافروں سے جنگ کریں تو اُنہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو کوئی لڑائی نہیں، جنگ نہیں۔ قتال نہیں، اگر اسلام کو قبول نہ کریں تو اُن سے جزیہ دینے کو کہا جائے گا۔ پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصود اعلیٰ کافروں کو دین حق کی طرف بلانا ہے تا کہ وہ جنت کے مستحق ہو جائیں اگر جنگ کر کے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا تو اس میں ان کے ساتھ احسان ہی کیا، کسی قوم کے تھوڑے

سے افراد جنگ میں کام آ گئے اور اکثر افراد نے اسلام قبول کر لیا تو مجموعی حیثیت سے اُس قوم کا فائدہ ہی ہوا اگر کوئی قوم اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کرے تو اس میں بھی اس قوم کا فائدہ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے انکی جانیں محفوظ ہو گئیں اور آخرت کے اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ انہیں دین اسلام کے بارے میں غور کرنے کا موقعہ مل گیا۔ مسلمانوں کی اذانیں سُنیں گے۔ نمازیں دیکھیں گے۔ مسلمانوں کا جو اللہ سے تعلق ہے اور جو مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات ہیں وہ سامنے آئیں گے۔ مسلمانوں کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہوں گے۔ اس طرح سے اقرب ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور کفر سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ رہا جزیہ تو وہ انکی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے اور وہ بھی سب پر نہیں ہے۔ اور زیادہ نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے سمجھ لینا چاہئے کہ جہاد میں کافروں کی خیر خواہی پیش نظر ہے اگر کافروں کی کوئی جماعت اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ دینا بھی منظور نہ کرے تو اُن کے ساتھ جنگ اور قتل و قتال کا معاملہ ہو گا' کافر اللہ کا باغی ہے۔ کفر بہت بڑی بغاوت ہے۔ مجازی حکومتوں میں سے کسی حکومت کی کوئی فرد یا جماعت بغاوت کرے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اللہ کے باغی جو اسکی زمین پر بستے ہیں اس کا دیا کھاتے ہیں اسکی عطا کی ہوئی نعمتیں کام میں لاتے ہیں اللہ پر ایمان نہیں لاتے اگر اللہ کو مانتے ہیں تو اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ بتوں کو پوجتے ہیں اور بہت سے خدا مانتے ہیں ایسے لوگ اس قابل کہاں ہیں کہ خدا کی زمین پر زندہ رہیں' اللہ کے وفادار بندے جنہوں نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں پھر ان باغیوں کے منکر ہونے کے بعد اللہ کے وفادار بندے ان کو قتل کر دیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لئے اور خالق و مالک جل مجدہٗ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دشمنوں کو اعتراض ہے لیکن صدیوں سے دشمنانِ اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیاء کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خون ہوئے ہیں۔ اٹھارہ سو ستاون (۱۸۵۷ء) میں جو انگریزوں نے ہندوستانیوں کا قتل عام کیا ہے اور ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں جو عالمی جنگیں ہوئی تھیں اور ہیروشیما پر جو بم پھینکا گیا اور ایک طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تہ تیغ ہوئے یہ سب کچھ کونسی خیر پھیلانے کے لئے ہوا؟ کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دین اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے؟ یہ ان لوگوں کی حرکتیں ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعوے دار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رُخسار بھی اس کے سامنے کر دو اور مشرکین ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتھیار رکھنا بہت بڑا پاپ ہے جو چوہا مارنے کو بُرا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور قتل و خون کا بازار گرم کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا منہ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں انکی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں' سچ ہے ؎

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پرواہ ہے؟ غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے!
یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے؟

ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو

آیت بالا میں جہاد کی فرضیت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (کہ ممکن ہے تمہیں کوئی چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز محبوب ہو اور وہ تمہارے لئے بری ہو)

سیاق کلام کے اعتبار سے تو اس کا تعلق جہاد اور قتال سے ہے کہ طبعی طور پر جہاد ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن نتائج اور ثمرات کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر ہے اور جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانا اور کاروبار میں لگنا تمہاری محبوب چیز ہے لیکن حقیقت میں اس کا چھوڑ دینا تمہارے حق میں شر ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے بہت سی خیر سے محرومی ہے اور بُرے نتائج سامنے آنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن انداز بیان ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ جہاد کے علاوہ بھی بہت سے اُمور کو شامل ہے، عموماً انسان بعض چیزوں کو مکروہ جانتا ہے لیکن اس کے لئے وہ بہتر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس کے لئے مُضر ہوتی ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا خیر اسی میں ہے کہ اللہ کے احکام مانیں اور ان ہی پر چلیں۔

آخر میں ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، کیونکہ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ اسے اپنی مخلوق کا نفع و ضرر اور مصلحت سب کچھ معلوم ہے وھو بکل شیء علیم۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ
آپ سے شہر حرام کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے، اور
سَبِیْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک
وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى یَرُدُّوْكُمْ عَنْ
اس سے بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ پردازی قتل کرنے سے بڑا جرم ہے۔ اور کافر لوگ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں
دِیْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ
تمہارے دین سے اگر اُن سے ہو سکے، اور وہ شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر حالت کفر میں مر جائے،
فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
سو دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں،
هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے

سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾

اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور فتنہ پردازی کرنا جرم کے اعتبار سے قتل سے بڑھ کر ہے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش ؓ کی امارت میں چند مہاجرین سے فرمایا کہ مقامِ بطن نخلہ میں پہنچ کر قریش کے قافلہ کا انتظار کرنا ممکن ہے کوئی خیر کی خبر لے آ ؤ بطن نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے' یہ حضرات وہاں پہنچے تو قریش کا قافلہ گزرتا ہوا نظر آیا جو طائف سے سامان تجارت کشمش وغیرہ لے کر آ رہا تھا' یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور نوفل بن عبداللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے حضرات صحابہ کرام کو دیکھا تو ڈر گئے' حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو گئے لہٰذا ان پر حملہ کر دینا چاہئے جب مشورہ سے یہ بات طے ہو گئی تو واقد بن عبداللہ تمیمی ؓ نے عمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا' یہ پہلا مشرک تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا' نیز حضرات صحابہ ؓ نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا۔ یہ دونوں سب سے پہلے قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا۔ قافلہ کا ایک فرد نوفل بن عبداللہ قابو میں نہ آیا اور فرار ہو گیا۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اس قافلہ کے سامان کو اور دونوں قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الأخریٰ کی انتیس تاریخ گزرنے کے بعد آنے والے دن میں پیش آیا۔ اس کے بارے میں یہ طے نہ کر سکے کہ یہ جمادی الأخری کی تیس تاریخ ہے یا رجب کی پہلی ہے۔

رجب کا مہینہ ان چار مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں جنگ کرنا ممنوع تھا (زمانۂ جاہلیت میں ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم اور رجب میں قتال نہیں کرتے تھے اور ابتدائے اسلام میں بھی ان میں قتال کرنے کی ممانعت تھی) حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو یہ حملہ کر دیا تھا اس میں رجب کا شروع ہونا متحقق نہیں تھا لیکن قریش مکہ نے اس کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنا لیا' اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے اس مہینہ میں قتال حلال کر لیا جو شہر حرام ہے۔ اس مہینہ میں لوگ امن کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور اپنی روزیوں کے لئے منتشر ہو جاتے ہیں۔ اور انہوں نے اس ماہ کی بے حرمتی کی ہے۔ اس اعتراض کو انہوں نے بہت اہمیت دی۔ مسلمانوں کی جس جماعت نے حملہ کیا تھا ان کو قریش مکہ نے عار دلائی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کا حملہ آور ہونا پسند نہ آیا اور آپ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں شہر حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ نے یہ سامان اور دونوں قیدیوں کا معاملہ موقوف رکھا' اور اس مال میں سے کچھ بھی نہیں لیا' جس جماعت نے یہ کارروائی کی تھی انہیں بڑی ندامت ہوئی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس دن ہم نے عمرو بن حضرمی کو قتل کیا ہے اس دن شام کو جو چاند نہ نظر آیا تو اس کے اعتبار سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ قتل ہم سے جمادی الاخریٰ میں ہوا یا رجب میں' اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ نزول آیت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قافلہ کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا جو مال غنیمت کا اصول ہے۔ اور باقی مال اسی جماعت پر تقسیم کر دیا جنہوں نے قافلہ سے مال چھین لیا تھا' جو دو قیدی مسلمانوں نے پکڑ لئے تھے مال دے کر ان

کو مکہ والوں نے چھڑا لیا' پھر ان دونوں میں سے حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں رہے اور بیئر معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے اور دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ نامی مکہ معظمہ واپس جا کر حالت کفر میں مر گیا۔ (اسباب النزول ص ۶۲ تا ص ۶۴' روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲)

مشرکین نے جو اعتراض کیا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ فرما دیجئے شہر حرام میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن مشرکین کو اپنے کرتوت نظر نہیں آتے۔ اللہ کی راہ سے روکنا دین حق قبول کرنے والوں کو منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا (جیسا کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا حالانکہ مسجد حرام کے تقدس کو باقی رکھنے والے اور نمازوں سے اسے معمور کرنے والے یہی حضرات تھے) یہ سب چیزیں اللہ کے نزدیک شہر حرام میں قتل کرنے سے گناہ گاری میں بڑھ کر ہیں جن کا ارتکاب کیا ہے (قال القرطبی ص ۴۶ ج ۳) وما تفعلون انتم من الصد عن سبیل اللہ لمن اراد لا سلام ومن کفرتم باللہ واخراجکم اهل المسجد منه کما فعلتم برسول اللہ ﷺ واصحابه اکبر جرماً عند اللہ.

پھر فرمایا وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ (فتنہ پردازی جرم میں قتل سے بڑھ کر ہے) مشرکین مکہ شرک و کفر میں مبتلا تھے اور جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو مارتے پیٹتے تھے اور کفر میں واپس لے جانے کی کوشش کرتے تھے' یہ سب بہت بڑا فتنہ ہے جو اللہ ایک شخص کے قتل سے بہت بڑھ کر ہے جسے بعض صحابہؓ نے چاند کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا پھر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اس میں مشرکین کے عزائم بتائے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان سے کبھی بھی راضی نہ ہوں گے اور اپنے دین میں واپس کرنیکی کوششیں کرتے رہیں گے (وہ اپنے دین میں پختہ ہیں تم اپنے دین میں پختہ رہو' وہ تمہیں اپنے دین میں کھینچنا چاہتے ہیں تم انہیں اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے رہو)

مرتد کے احکام: اسکے بعد فرمایا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے' پھر حالت کفر میں مر جائے تو دنیا و آخرت میں اُن لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں' وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)

اس میں مرتد کے بعض احکام بتائے ہیں' دین اسلام قبول کرنے کے بعد جو شخص اس کو چھوڑ کر کوئی سا بھی دین اختیار کرے۔ (اور اسلام کے علاوہ ہر دین کفر ہی ہے) تو اس نے زمانہ اسلام میں جو اعمال کئے تھے وہ سب ضائع ہو گئے۔ کفر کی وجہ سے ان سب کا اجر و ثواب ختم ہو گیا دنیا میں بھی اُن اعمال کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جو زمانہ اسلام میں کئے تھے اور آخرت میں بھی ان کا کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا' اور دوسرے کافروں کی طرح وہ بھی ہمیشہ دوزخ میں جائے گا۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (اور جو شخص ایمان کا منکر ہو جائے تو اس کے اعمال حبط ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) جو شخص مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اس سے بات کی جائے۔ اس کا جو کوئی شبہ ہو دُور کیا جائے' اور تین دن اسے بند رکھا جائے' اگر تین دن گزر جانے پر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر عورت مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اور باوجود سمجھانے کے دوبارہ اسلام نہ لائے تو

اسے بند کر دیا جائے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائے اگر اسلام قبول نہ کرے تو موت آنے تک جیل ہی رکھی جائے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے بھی تین دن کی مہلت دینے کے بعد قتل کر دیا جائے، جب کسی نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے تمام اموال اس کی ملک سے نکل گئے، پھر اگر مسلمان ہو گیا تو واپس اس کی ملک میں آجائیں گے۔ اگر حالت کفر میں مر گیا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو اس کے وہ اموال جو اُس نے زمانہ اسلام میں کسب کئے تھے اس کے مسلمان وارثوں کو مل جائیں گے۔ اور جو مال اس نے مرتد ہونے کی حالت میں کمایا اس پر مال فئی کے احکام جاری ہوں گے۔ (یعنی اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا اور وہ حسب قواعد مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کر دیا جائے گا) یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں قسم کے اموال میں فئی کے احکام جاری ہوں گے۔

اور جیسے ہی کوئی شخص مرتد ہو جائے اسکی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جس کی اسے میراث پہنچتی تھی تو اسکی میراث سے یہ شخص محروم ہوگا۔ مرتد کی نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اور اسکا ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔ ارتداد سے پہلے جو بھی نیک کام نماز، روزہ، حج، عمرہ وغیرہ کیا تھا یہ سب ضائع ہو گیا۔ آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر یہ شخص دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سو اسکے بارے میں جان لینا چاہئے کہ آخرت میں دوزخ سے بچ جائے گا اور دنیا میں بھی آئندہ احکام اسلام اس پر جاری ہوں گے اور اُسے خود بھی احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا لازم ہوگا اور عام مسلمان بھی اس سے مسلمانوں جیسا معاملہ کریں گے۔ رہی یہ بات کہ اس کے گزشتہ اعمال صالحہ کا ثواب پھر سے واپس ملے گا یا نہیں اور جو حج کر لیا تھا اسکی فرضیت دوبارہ عود کرے گی یا نہیں، اس بارے میں حضرات ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرتد ہو جانے کی وجہ سے جو اس کے اعمال ضبط ہو گئے تھے اب دوبارہ مسلمان ہونے سے ان کا ثواب واپس نہ ہوگا اور جو حج کر لیا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب حج فرض دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔ مرتد ہونے کی وجہ سے جو بیوی نکاح سے نکل گئی تھی دوبارہ اسلام قبول کرنے سے پھر باہمی رضامندی سے نکاح کریں تو ہو سکتا ہے دوبارہ نکاح نہ کیا تو اسکی بیوی نہ ہوگی۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے عموم میں مُرتد شامل نہیں:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرتد دوبارہ اسلام قبول نہ کرنے سے جو قتل کیا جائے گا یہ تو ایک قسم کا جبر ہے حالانکہ سورۃ بقرہ ہی میں دوسری جگہ (ع ۳۴) لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ فرمایا ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ سوال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ان کافروں سے متعلق ہے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، جب کسی نے ایک مرتبہ اسلام قبول کر لیا اور اسکو حق مان لیا دلائل سے سمجھ لیا اسکی برکات دیکھ لیں تو اب اس کے لئے صرف یہی ہے کہ یا اسلام قبول کرے یا قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (رواہ البخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲)

آخر میں یہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا (الآیۃ) اس کے بارے میں مفسر ابن کثیر (ص ۲۵۴ ج ۱) لکھتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور انکے ساتھیوں کا مسئلہ حل ہو گیا اور سرور عالم ﷺ نے انکے لائے ہوئے مال کو جو کافروں سے لے لیا تھا ۱/۵ نکال کر باقی مال انہی پر تقسیم فرما دیا تو اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اس بات

کی اُمید کریں کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے یہ ہمارے لئے جہاد شرعی میں شمار ہو جائیگا اور اس میں ہمیں وہ اجر مل جائے گا جو مجاہد کو ملا کرتا ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے واضح طور پر بتا دیا کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہ لوگ رحمت کی اُمید رکھتے ہیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کا اُمید رکھنا صحیح ہے اور ان لوگوں سے جو خطاء اجتہادی کے طور پر ایک آدمی قتل ہو گیا تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

فائدہ: قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ (آپ فرما دیجئے کہ شہر حرام میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے) اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شہر حرام میں قتال کرنا ممنوع ہے۔ سورۃ براءۃ کی آیت اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ سے بھی خوب واضح طور پر چار مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت معلوم ہو رہی ہے۔ ان چار مہینوں میں قتال کی حرمت اب بھی باقی ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عطاء بن اَبی رباح فرماتے تھے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے لہٰذا اشہر حرم میں قتال کرنا جائز نہیں الا یہ کہ دشمن قتال کرنے لگے تو اس کے جواب میں قتال کرنا جائز ہو گا۔ حضرت سلیمان بن یسار اور سعید بن المسیب فرماتے تھے کہ اشہر حرم میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو گئی اور اب اشہر حرم میں قتال کرنا جائز ہے علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: وھو قول فقھاء الأمصار (کہ یہی فقہاء امصار کا قول ہے)۔

پھر لکھتے ہیں کہ پہلا حکم حرمت قتال والا منسوخ ہے۔ آیت کریمہ اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور دوسری آیت قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ اَشہر حرم میں قتال کی ممانعت کے بعد نازل ہوئی۔ (احکام القرآن ص ۳۲۲ ج ۱)

علامہ قرطبی (ص ۴۳ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور اب ان میں قتال کرنا مباح ہے اس کا ناسخ کون ہے۔ اس میں اختلاف ہے حضرت زہری نے فرمایا کہ آیت کریمہ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً (سورۂ توبہ) نے اسے منسوخ کر دیا اور بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر حرام میں بنی ثقیف سے جہاد فرمایا تھا اور حضرت ابو عامر اشعری کو شہر حرام میں وادی اوطاس میں جہاد کرنے کے لئے بھیجا تھا اھ

بہر حال جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اَشہر حرم میں قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہے ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اگر دشمن جنگ کی ابتداء کر دیں تو اس صورت میں وہ حضرات بھی جنگ کرنیکی اجازت دیتے ہیں جو اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں اور ان کا گناہ

اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

ان کے نفع سے بڑا ہے اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں آپ فرما دیجئے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى

آیات، تاکہ تم فکر کرو دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے بارے میں،

قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ

آپ فرما دیجئے کہ اصلاح کرنا ان کے لئے بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ آپس میں ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں مفسد کون ہے

الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

مصلح کون ہے اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا' بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے

شراب اور جوئے کی حرمت

تفسیر: ان آیتوں میں اول تو شراب اور جوئے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں پھر یہ فرمایا کہ ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑا ہے' اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کے نفع مند ہونے سے اُس کا حلال ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز نفع مند ہو اور حرام بھی ہو۔ حرام حرام ہی رہے گا خواہ اس میں کتنا ہی بڑا نفع ہو۔ اور اس کے ارتکاب میں گناہ ہوگا جو دنیا و آخرت میں باعث وبال ہوگا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی کلام ان شاء اللہ تعالیٰ ہم سورۃ مائدہ کی آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ (الآیۃ) کے ذیل میں لکھیں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لیں کہ نشہ لانیوالی ہر چیز کا پینا حرام ہے اور ہر ایک جوا حرام ہے جس طرح سے بھی ہو اور جس صورت میں بھی ہو' اس کا جو بھی نام رکھ لیا جائے حرام ہی رہے گا۔

فی سبیل اللہ کیا خرچ کریں؟

پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یہ سوال چونکہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وہاں یہ جواب دیا تھا کہ جو بھی تم مال خرچ کرو اپنے والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو چونکہ وہاں مصارف بتانے کی اہمیت زیادہ تھی اس لئے وہاں خرچ کے مواقع بتا دیئے اور پھر یہ بتا دیا کہ جو بھی کوئی خیر کا کام کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہوگا (اور وہ اس کا ثواب عطا فرمائے گا) اور یہاں الفاظ سابقہ میں جو دوبارہ سوال مذکور ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ اس پر زور ہے کہ کیا خرچ کریں؟ لہٰذا انہیں اسی سوال کا جواب دے دیا گیا۔

لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہوا تو چند صحابہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مالوں میں جو مقرر فرمایا گیا ہے وہ کس قدر ہے ہم اس میں کتنا خرچ کریں ان کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ نازل فرمائی اور سوال کرنے والوں کے جواب میں فرمایا کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ کہ تم خرچ کرنے میں غور و فکر سے کام لو' آخرت کی ضروریات دیکھو' اور دنیاوی ضروریات کو بھی سمجھو' ایسا بھی نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کرو کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو وہ پڑا ہی رہے اور جمع ہی ہوتا رہے۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ سب خرچ کر کے بیٹھ رہو اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر کل کو دوسروں سے مانگنے کی نوبت آجائے۔ نیز جوشِ سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اہل

وعیال جن کے حقوق واجب ہیں ان کا کوئی حق ضائع ہو جائے ضرورت سے زیادہ جو مال جمع ہو جائے اگر اس سے فرض زکوٰۃ اور صدقات ونفقات واجبہ ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز تو ہے لیکن خرچ کر دینا افضل ہے اس میں احوال بھی مختلف ہوتے ہیں، کسی میں زہد غالب ہے اور جتنا زائد ہو سب خرچ کر دیتا ہے اسکی بھی گنجائش ہے رسول اللہ ﷺ کل کیلئے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے للہ فی اللہ کچھ خرچ کر دے اور کچھ کچھ رکھ لے تو اسکی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن انکے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھا آپ نے نکیر نہیں فرمائی۔

پھر ارشاد فرمایا: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى کہ وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں پھر اس سوال کا جواب عنایت فرمایا، جواب سمجھنے سے پہلے آیت کا سبب نزول سمجھ لیا جائے اس سے سوال کا مضمون بھی واضح ہو جائے گا، اور پھر جواب بھی سمجھ میں آ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

درمنثور (ص ۲۵۵ ج ۱) میں بحوالہ سنن ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب آیت کریمہ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ (اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو) اور آیت کریمہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔ (جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں) نازل ہوئی تو وہ صحابہ جن کے پاس کوئی یتیم تھا انہوں نے یتیم کا کھانا پینا الگ کر دیا (یتیم کے لئے الگ پکاتے اور اپنے لئے الگ تیار کرتے) ایسا کرنے سے یتیم کے کھانے میں سے کچھ حصہ بچ جاتا تھا اسے رکھ لیتے تھے پھر بعد میں وہ یتیم کھا لیتا تھا یا خراب ہو جاتا تھا۔ جب یہ صورتحال پیش آئی تو ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پوری کیفیت پیش کی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ، نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (درمنثور)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصود اصلی اصلاح ہے یتیم بچوں کا مال اس طریقہ پر ان پر خرچ کرو کہ ان کا نقصان بھی نہ ہو اور کوئی خراب نیت بھی نہ ہو کہ اس کا مال ساتھ ملا کر پکانے میں اس کے حصہ میں سے اپنے اوپر یا اپنے بچوں پر خرچ ہو جانے کی نیت ہو ان کا مال اپنے مال سے ملا کر پکانے میں چونکہ مصلحت پیش نظر ہے کہ ان کا مال زیادہ خرچ نہ ہو اور ضائع نہ ہو تو اس میں کوئی مؤاخذہ اور محاسبہ کی بات نہیں ہے وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بھائیوں کی طرح مل جل کر اصلاح و خیر خواہی مدنظر رکھتے ہوئے کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ شانہ، مصلح کو بھی جانتا ہے۔ (جس کی نیت اصلاح کی ہو) اور مفسد کو بھی جانتا ہے جس کی نیت خراب ہو اور فساد اور بگاڑ کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر فرمایا کہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا اور تم کو حکم دیتا کہ یتیموں کا ہر حال میں الگ پکاؤ اور ایسے انداز سے پکاؤ کہ ذرا بھی خراب نہ ہو اور یہ تمہارے لئے مشکل اور دشواری کا باعث ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے آسانی عطا فرما دی آسانی پر عمل کرو اور نیت اچھی رکھو آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے یعنی غلبہ والا ہے) وہ مؤاخذہ فرمائے تو کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، اور البتہ ایمان والی باندی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

وہ تمہیں اچھی لگے' اور نہ نکاح کرو اپنی عورتوں کا مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ البتہ ایمان والا غلام بہتر ہے

مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ

مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے' یہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف' اور اللہ بلاتا ہے جنت

وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے' اور اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے نکاح کریں' ہاں اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان سے نکاح کرنا جائز ہوگا مشرک عورتیں بعض مرتبہ حسن جمال یا اموال کے اعتبار سے اچھی معلوم ہوتی ہیں اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش ہوتی ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم مشرکہ سے نکاح نہ کرو' اگر کوئی باایمان لونڈی مل جائے تو اس سے نکاح کرلو۔ وہ تمہارے لئے مشرک عورت سے بہتر ہے۔ پھر دوسرا حکم ارشاد فرمایا کہ مشرکوں سے اپنی عورتوں کا نکاح نہ کرو' مشرک کی نسبت مومن غلام بہتر ہے (تم اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کرو) ہاں اگر کوئی مشرک مسلمان ہوجائے تو وہ تمہارا دینی بھائی ہوگیا اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کرسکتے ہو۔

آخر میں مشرکوں سے بچنے اور ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرنے کی علت بتادی کہ مشرکین دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ مشرکین سے مرد ہوں یا عورت ازدواجی میل جول رکھنے میں خطرہ ہے کہ مسلمان مرد ہو یا عورت خدانخواستہ انکے عقائد سے متاثر ہوجائے اور کسی دن ایمان کھو بیٹھے اور مستحق دوزخ ہوجائے' پھر مسئلہ اولاد کا بھی پیدا ہوگا مرد مشرک ہو یا عورت وہ اولاد کو ضرور اپنے دین پر لگائیں گے۔ اگر اولاد مشرک ہوگئی تو دوزخی ہوگی۔ لامحالہ مؤمن مرد و عورت مشرک مرد و عورت سے بہتر ہے چاہے وہ مومن غلام یا باندی ہی ہو' چونکہ نہ تو وہ اپنے جوڑے کو دوزخ کی دعوت دیتا ہے اور نہ اولاد کو دوزخ کے راستہ پر ڈالتا ہے۔

فائدہ: آیت کے عموم الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مؤمن عورت کا کسی مشرک مرد سے اور کسی مومن مرد کا کسی مشرک عورت سے نکاح درست نہیں ہے اور اس عموم میں ہر طرح کے کافر داخل ہیں۔ ملحد زندیق دہریئے بھی اس حکم میں آجاتے ہیں۔ ایسے مردوں اور عورتوں سے کسی مرد مومن اور عورت مومنہ کا نکاح دُرست نہیں اگر نکاح کرلیا تو وہ نکاح شرعی نکاح نہ ہوگا اور اسکی بنیاد پر ازدواجی تعلقات حرام ہوں گے' البتہ کتابی عورت (یہودیہ ہو یا نصرانیہ) سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور اس کا جواز سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع میں بیان فرمادیا ہے۔ اس کے بعض احکام ہم وہیں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اگرچہ یہودیہ و نصرانیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست ہے لیکن اُن سے بچنا افضل ہے خاص کر اس زمانہ میں جبکہ یہ عورتیں مسلمانوں سے نکاح کرتی ہی اس لئے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے دین پر لے آئیں اور اولاد کو بھی اپنے

دین پر ڈال دیں، اور مسلمانوں کی اندرونی خبریں دُشمنانِ اسلام کو پہنچایا کریں، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اس نزاکت کو بھانپ لیا تھا۔ اور اپنے عہد خلافت میں صحابہ کو اس سے روکتے تھے۔ (کمافی کتاب الآثار للامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۸۹)

بہت سے ممالک میں جہاں مسلمان مل جل کر رہتے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہر مذہب اور مسلک کے لڑکے لڑکیاں یک جا ہو کر کلاسوں میں بیٹھتے ہیں وہاں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ مسلمان لڑکے اور لڑکیاں مقامی حکومت کے قانون کے مطابق کورٹ میں جا کر نکاح کر لیتے ہیں، اگر لڑکا مسلمان ہو اور لڑکی کتابی ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے ہوا ہو اور اگر لڑکی کتابی نہیں ہے۔ ہندو، سکھ، بدھسٹ، آتش پرست ہو تو یہ نکاح ہونے ہی کا نہیں، اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ کافر یہودی و نصرانی ہو۔ بہت سے فرقے ایسے بھی ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن وہ اپنے عقائد کی وجہ سے کافر ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو ختم نبوت کے منکر ہیں اور وہ لوگ جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور وہ لوگ جو اپنے امام کے اندر خدائے پاک کا حلول مانتے ہیں یہ سب لوگ بھی کافر ہیں ان سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلمان مرد کا اس طرح کی کسی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔

سبب نزول بیان کرتے ہوئے اسباب النزول (ص ٦٦) میں لکھا ہے کہ ابو مرثد غنوی صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناق نامی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی، یہ عورت قریشیہ تھی اور حسن و جمال میں بڑھ کر تھی لیکن وہ مشرکہ تھی اور ابو مرثد مسلمان تھے، ابو مرثد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میرے دل کو بھاتی ہے، اس پر آیت وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ نازل ہوئی اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ایک سیاہ فام باندی تھی انہوں نے غصہ میں اس کو ایک طمانچہ مار دیا پھر گھبرائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا اے عبداللہ وہ کیسی عورت ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ روزہ رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے۔ اور اچھی طرح وضو کرتی ہے اور اللہ کی توحید کی اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ وہ مومنہ ہے، انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں ضرور اُس کو آزاد کر دوں گا اور اس سے نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اس پر بعض مسلمانوں نے ان پر طعن کیا اور کہا کہ اس نے باندی سے نکاح کر لیا۔ جو لوگ چاہتے تھے کہ مشرکین سے مناکحت ہوتی رہے (کیونکہ ان لوگوں میں کچھ مال و جمال نظر آتا تھا) انکی تردید میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ نازل فرمائی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ

اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی ہے، سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض کے زمانہ میں،

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ

اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو انکے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے،

اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو

حیض والی عورت سے متعلقہ احکام

تفسیر: اللہ جل شانہٗ نے نوعِ انسانی کو بڑھانے اور باقی رکھنے کے لئے مرد عورت کے درمیان خاص تعلق رکھا ہے اور شرعی قانون کے مطابق نکاح ہو جانے سے قواعد اور اُصول کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھنے اور قریب تر ہونے کی اجازت دی ہے۔ اور طبعی طور پر مرد عورت میں شہوت رکھی ہے وہ اس شہوت کے تقاضے پر عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور یہی شہوت اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اولاد پیدا ہونے کے لئے شہوت رکھدی اور پھر اسکی پرورش کروانے کے لئے محبت رکھ دی جسے مامتا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور تکوینی طور پر عورتوں کے لئے یہ تجویز فرما دیا کہ ان کے رحم سے خون جاری ہوا کرے یہ خون عموماً بالغ عورتوں کو ہر مہینہ جاری ہوتا ہے۔ اسے حیض اور محیض کہا جاتا ہے شریعت مطہرہ میں اس کے بھی احکام ہیں ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ وہ ان ایام میں نہ روزہ رکھیں نہ نماز پڑھیں (اور ایامِ حیض گزر جانے کے بعد نمازوں کی قضاء بھی واجب نہیں البتہ رمضان میں حیض آیا تو پاک ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا رکھنا واجب ہے) زمانہ حیض میں مسجد میں داخل ہونا کعبہ شریف کا طواف کرنا، قرآن شریف پڑھنا اور قرآن شریف چھونا بھی ممنوع ہے۔ (ہاں اگر ایسے غلاف کے ساتھ چھوئے جو قرآن شریف سے الگ ہوتا رہتا ہے تو چھو سکتی ہے)۔

جو احکام حیض سے متعلق ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ ان ایام میں عورت کا شوہر اس سے جماع نہ کرے، حیض کے زمانہ میں جماع کرنا حرام ہے۔ جس کو فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ میں بیان فرمایا ہے، حیض والی عورت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سب جائز ہے اور ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کو چھوڑ کر شوہر اس سے بوس و کنار کے ذریعہ استمتاع بھی کر سکتا ہے، بہت سی قوموں میں یہ جو رواج ہے کہ حیض کے زمانہ میں عورت اچھوت بنا کر ڈال دی جاتی ہے، شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ وہ حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھیں اور اُنہوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ میری گود میں تکیہ لگا کر قرآن شریف تلاوت فرمالیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے تھے کہ تہمبند باندھ لو پھر میرے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۴۳، ۴۴ ج ۱)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ زمانہ حیض میں پانی پی کر نبی اکرم ﷺ کو برتن دے دیتی تھی آپ میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے تھے اور میں اپنے دانتوں سے ہڈی کا گوشت چھڑا کر کھا لیتی تھی پھر آپ کو دے دیتی تھی تو آپ ﷺ میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر تناول فرما لیتے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب عورت کو حیض آ جاتا تھا تو اس کے ساتھ نہ تو کھاتے پیتے تھے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ رہتے سہتے تھے حضراتِ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم کیا کریں تو اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ (آخر تک) نازل فرمائی، آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماع کرنے کے سوا سب کچھ کرو (اس میں ساتھ کھانے پینے، رہنے سہنے اُٹھنے بیٹھنے لیٹنے کی اجازت ہوگئی) یہودیوں کو جو اس بات کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص ہر

چیز میں ہماری مخالفت کرنے کا ارادہ کیے ہوئے ہیں اُن کی یہ بات سن کر (دو صحابی) اُسید بن حضیر اور عباد بن بشیر حاضر خدمت ہوئے اور اُنہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہودی ایسا ایسا کہتے ہیں تو کیا ہم ایسا نہ کریں کہ حیض والی عورتوں کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا۔ (ص ۱۴۳ ج ۱)

ان روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ میں جماع کرنے کی ممانعت ہے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کی ممانعت نہیں ہے یہ جو فرمایا: فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (پس جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے حکم دیا ہے)۔

یعنی عورتوں سے جماع کرنے کے لئے سامنے کے راستہ سے آؤ جو رحم کا راستہ ہے۔ اس میں اس بات کی ممانعت فرمائی کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرے اس بارے میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں ان شاء اللہ ابھی بیان ہوں گی۔

پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (کہ بلاشبہ اللہ پسند فرماتا ہے خوب زیادہ توبہ کرنے والوں کو) اس میں باطنی پاکیزگی اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے یعنی گناہوں سے پاک ہونے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے حضور میں توبہ کرنے اور گناہوں کے سوا دوسری تمام گندی چیزوں سے بچنے کی تعلیم اور ترغیب کے لئے۔ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (اور پسند فرماتا ہے خوب زیادہ پاکی اختیار کرنے والوں کو) فرمایا اس میں ہر قسم کی ظاہری گندگیوں سے بچنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ جسم یا کپڑوں میں ناپاکی کا لگا رہنا، حالت حیض میں جماع کرنا، گندی جگہ پر شہوت پوری کرنا اُن سب چیزوں کی بُرائی اور ممانعت اس میں آ گئی۔

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو اور تم اپنی جانوں کے لئے آگے بھیج دو، اور

اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ تم اُس سے ملاقات کرنے والے ہو، اور مومنین کو خوشخبری سنا دو

وطی فی الدبر کی حرمت اور یہود کی ایک بات کی تردید

تفسیر: صحیح بخاری (ص ۶۴۹ ج ۲) میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہودی یوں کہتے تھے کہ جو کوئی مرد عورت کے سامنے کی شرم گاہ میں پیچھے کی جانب سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔ ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی، اور فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ لہٰذا تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جیسے چاہو۔ اس میں اول تو عورتوں کو کھیتی فرمایا اور مرد عورت کے میل ملاپ کی ضرورت اور فائدہ کو واضح طور پر بیان فرمایا کہ اسکی ضرورت اور مشروعیت اولاد طلب کرنے کے لئے ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ (کے رکوع ۲۲) میں وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ فرمایا ہے۔

نکاح کرنے میں جہاں نفس ونظر کی حفاظت ہے۔ وہاں طلب ولد بھی مطلوب ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت رکھنے والی ہو اور اس سے اولاد زیادہ پیدا ہونے والی ہو (جس کا اندازہ خاندانی عورتوں کے احوال سے ہو جاتا ہے)

کیونکہ میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کرونگا۔ (سنن ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اولاد کی پیدائش پر کوئی پابندی لگانا یا اولاد کی کثرت کے خلاف منصوبے بنانا شریعت اسلامیہ کے مقصد اور مزاج کے خلاف ہے۔

پھر یہ فرمایا کہ تم اپنی کھیتیوں میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو آ جاؤ اس میں یہ بتا دیا کہ عورت کے پاس مرد کے آنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے یعنی وہ راستہ جسے اختیار کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرے۔ کیونکہ وہ راستہ کھیتی کا نہیں ہے بلکہ اسکی گندگی حیض والی گندگی سے زیادہ ہے پہلے تو فرمایا فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ۔ پھر فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ پھر فرمایا فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ اس میں ایک ہی سیاق میں تین اسلوب اختیار فرما کر عورت کے پیچھے والے راستہ سے شہوت پوری کرنے کی ممانعت فرما دی بعض اکابر نے فرمایا کہ غالباً صریح الفاظ میں اس کا ذکر نہ فرمانا اس لئے ہے کہ صراحۃً ایسے خبیث و بدترین فعل کا تذکرہ بصورت نفی یا بصورت نہی بھی گوارہ نہیں فرمایا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی حیض والی عورت سے شہوت پوری کی یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت والا کام کیا' یا کسی ایسے شخص کے پاس آیا جو غیب کی خبریں بتاتا ہو تو وہ اس دین کا منکر ہو گیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶)

تفسیر درمنثور (ص ۲۶۴ ج ۱) میں بحوالہ ابوداؤد والنسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کسی مرد یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا وہ ملعون ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کرے اسکے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا ایسا کام کافر ہی کر سکتا ہے (درمنثور) معلوم ہوا اغلام کرنا اپنی بیوی کے ساتھ بھی حرام ہے' اور اہل کفر کا طریقہ ہے۔ أعاذ الله منه كل مؤمن.

یہ جو فرمایا: فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ (کہ تم اپنی کھیتی میں آؤ جیسا چاہو) اس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے' سامنے سے پیچھے سے اپنی بیویوں سے لذت حاصل کرو' بشرطیکہ کھیتی کی جگہ پر آؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت جو نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ (آخر تک) نازل ہوئی ہے۔ اس میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ عورتوں سے جو خاص تعلق ہے اس کے لئے آگے سے آؤ یا پیچھے سے آؤ (دونوں طرح اختیار ہے) اور دبر میں (یعنی پیچھے کے راستہ میں) اور حیض کے زمانہ میں جماع کرنے کی ممانعت فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسکی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد یا عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا۔ (رواہ الترمذی)

پھر فرمایا: وَقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (کہ اپنی جانوں کے لئے خیر آگے بھیج دو اور اللہ سے ڈرو) اس میں ہر خیر کا حکم آ گیا اور ہر شر سے بچنے کی تاکید آ گئی وَاتَّقُوا اللّٰهَ کے عموم میں تمام گناہوں کے چھوڑنے کا حکم فرما دیا۔ چھوٹے

ہوں یا بڑے پھر تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا' اور فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ (کہ تم جان لو کہ بے شک تم اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو) جو شخص یوم القیامہ کی حاضری' اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں پیشی کا یقین رکھے گا اور بار بار اس کا استحضار کرے گا۔ اُسے ان شاء اللہ تعالیٰ صفتِ تقویٰ حاصل ہوگی۔

آخر میں فرمایا: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (کہ مؤمن بندوں کو کامیابیوں کی اور نعمتوں کی بشارت دے دیجئے)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ
اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے اللہ کو
النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾
آڑ نہ بناؤ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے

اپنی قسموں کو نیکی اور تقویٰ سے بچنے کا ذریعہ نہ بناؤ

تفسیر: اسباب النزول میں ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی' انکے بہنوئی اور بہن کے درمیان کچھ ناراضگی ہوگئی تھی انہوں نے قسم کھائی کہ اس کے پاس کبھی بھی نہیں جائیں گے اور نہ اس سے بات کریں گے اور نہ میاں بیوی کے درمیان صلح کرائیں گے وہ کہتے تھے کہ میں نے تو قسم کھا رکھی ہے۔ اب میں اسکی خلاف ورزی کیسے کروں۔ اس پر اللہ جل شانہ' نے آیت بالا نازل فرمائی۔

تفسیر درمنثور (ص ۲۶۸ ج ۱) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض مرتبہ کوئی شخص قسم کھا لیتا تھا کہ فلاں نیکی اور تقویٰ کا کام نہیں کروں گا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔

اگر کوئی شخص قسم کھائے تو خیر کی قسم کھائے یعنی نیکی کے ارادہ کو مؤکد کرنے کے لئے قسم کھائی جاسکتی ہے لیکن نیکی نہ کرنے پر قسم کھانا اور گناہ کرنے پر قسم کھانا شرعاً ممنوع ہے بعض لوگ جو قسم کھا لیتے ہیں کہ میں فلاں عزیز کے گھر نہیں جاؤں گا یا فلاں مسلمان بھائی کی دعوت قبول نہیں کروں گا یا جماعت سے نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں گناہ کروں گا۔ ایسے لوگوں کو آیت بالا میں ہدایت دی گئی ہے اور فرمایا کہ اللہ کے نام کو نیکیوں سے بچنے اور تقویٰ چھوڑنے کا ذریعہ مت بناؤ' قسم کھا بیٹھے اب کہتے ہیں کہ قسم کے خلاف کیسے کریں؟ حالانکہ قسم اس لئے نہیں ہے کہ اس کو خیر سے بچنے کا ذریعہ بنایا جائے' اگر کوئی شخص گناہ کی قسم کھالے تو اس کا توڑنا واجب ہے۔

قطع رحمی کی یا کسی بھی قسم کے گناہ کی قسم کھالے تو اس پر لازم ہے کہ قسم توڑ دے اور اس کے خلاف کرلے اور قسم کا کفارہ دیدے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے چچا کے بیٹے کے پاس جاتا ہوں اس سے کچھ سوال کرتا ہوں سو وہ مجھے نہیں دیتا اور صلہ رحمی نہیں کرتا' پھر اسے حاجت درپیش ہو جاتی ہے تو مجھ سے آکر سوال کرنے لگتا ہے حالانکہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اسے کچھ نہ دوں گا اور صلہ رحمی نہیں کرونگا' اس کے بارے میں آپکا کیا ارشاد ہے آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو خیر ہو اور قسم کا کفارہ دیدوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

سورہ نور میں ارشاد فرمایا: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کردے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایک بھانجہ پر خرچ کیا کرتے تھے اس سے ایک ایسی حرکت سرزد ہوگئی جس کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت ناراضگی ہوئی اور انہوں نے قسم کھالی کہ میں اب اس پر خرچ نہیں کیا کروں گا' اس پر سورہ نور کی مذکورہ آیت بالا نازل ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو کوئی قسم کھالے پھر تو دیکھے کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے دوسری چیز اس سے بہتر ہے (جو اس کے مقابل ہے) تو اس بہتر صورت کو اختیار کرلے (اور اس کے اختیار کرنے سے جو قسم ٹوٹ گئی) اس کا کفارہ دیدے۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ
اللہ تعالیٰ تمہارا مؤاخذہ نہیں فرمائے گا تمہاری لغو قسموں کے بارے میں لیکن مؤاخذہ اُس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے
قُلُوبُكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۲۵﴾
دلوں نے ارادہ کیا اور اللہ غفور ہے حلیم ہے

قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام

تفسیر: جو قسم کھائی جائے اسکی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ گزشتہ کسی فعل پر جھوٹی قسم کھائی جائے' جو کام نہیں کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالے کہ میں نے کیا' یا جو کام کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالی کہ یہ میں نے نہیں کیا' اس کو یمین غموس کہا جاتا ہے۔ اس کا بہت بڑا گناہ ہے' صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں' اللہ کے ساتھ شرک کرنا' والدین کی نافرمانی کرنا' کسی جان کو قتل کرنا اور یمین غموس (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷)

یہ لفظ غمس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو پوری طرح کسی دوسری چیز میں داخل کردیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جھوٹی قسم کو یمین غموس اس لئے کہا گیا کہ یہ اولاً گناہ میں پھر دوزخ میں داخل کردیتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے بارے میں قسم کھائے' مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم یہ کام ضرور کروں گا' یا اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا' اسکو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اسکی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ جو سورۂ مائدہ کے رکوع نمبر ۱۲ میں مذکور ہے کفارۂ قسم کی تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ وہیں بیان ہونگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ کام پر قسم کھالی اور یہ سمجھ کر قسم کھائی کہ سچ بول رہا ہوں سچی قسم کھا رہا ہوں۔ حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا جیسا اس نے سمجھا تھا اپنے خیال میں اس نے سچی قسم کھائی لیکن اصل واقعہ اس کے خلاف تھا۔ اس قسم کا نام یمین لغو ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گا' یمین لغو کی دوسری تفسیر حضرت عائشہؓ سے یوں منقول ہے

کہ باتوں باتوں میں قسم کی نیت کے بغیر جو زبان سے لا واللہ اور بلی واللہ نکل جاتا ہے۔ یہ یمین لغو ہے (رواہ البخاری ص ۹۸۶ ج ۲)
یمین لغو میں کیونکہ ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اس پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے جو یمین لغو پر مؤاخذہ نہیں فرمائے گا۔ اور بُردبار بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینہ کا انتظار ہے پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کا بیان

تفسیر: جو کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا۔ اس کے لئے شریعت میں کچھ احکام ہیں۔ اگر قسم کھا کر یوں کہا کہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لیکن کوئی مدت مقرر نہیں کی یا یوں کہا کہ چار ماہ تک اس سے جماع نہیں کروں گا یا چار ماہ سے زیادہ کا ذکر کر دیا (جس میں ہمیشہ کے لئے قسم کھانا بھی شامل ہے) یا چار مہینے سے کم مدت مقرر کر دی۔ تو ان سب صورتوں میں پہلی تین صورتوں کو ایلاء کہا جاتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اگر چار مہینے گزر گئے اور اس نے قسم نہیں توڑی یعنی اس مدت میں بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس سے ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اب بلا نکاح ثانی کے رجوع نہیں ہو سکتا۔ آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اور مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اگر چار ماہ کے اندر اس بیوی سے جماع کر لیا جس سے ایلاء کیا تھا تو قسم ٹوٹ گئی۔ اور اس صورت میں بیوی تو نکاح سے نہیں نکلی لیکن قسم ٹوٹ جانے کی وجہ سے قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہو گا جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہے۔ اب رہ گئی چوتھی صورت جس میں چار مہینہ سے کم کی مدت مقرر کر کے بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس میں اگر مدت مقررہ کے اندر جماع کر لیا تو قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہو گیا اور بیوی نکاح سے نہیں نکلے گی اور اگر مدت مقرر پوری کر لی تو قسم پوری ہو گئی جس کا کوئی کفارہ نہیں اور نکاح بھی اپنی حالت میں باقی رہا۔ قسم کھانے کے بعد رجوع کرنے کو فَيْئی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ بھی رجوع کے معنی میں آتا ہے۔

فائدہ اولیٰ: ایلاء کی صورت میں حکم ایلاء اسی وقت ختم ہو گا۔ جبکہ چار مہینہ کے اندر جماع کر لے یہ رجوع بالعمل ہے لیکن اگر کوئی ایسی مجبوری ہو کہ جماع نہیں کر سکتا مثلاً عورت مریض ہے جماع کے قابل نہیں یا کم عمر ہے تو اس صورت میں رجوع بالقول بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ مدت ایلاء میں زبان سے کہہ دے فِئْتُ اِلَيْهَا۔ (یعنی میں نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیا) لیکن اگر مدت ایلاء کے اندر پھر جماع پر قادر ہو گیا تو یہ رجوع باللسان باطل ہو جائے گا۔ اور اب لازم ہو گا کہ رجوع بالعمل کرے یعنی جماع کر لے اگر جماع نہ کیا اور چار مہینے گزر گئے تو حسب قانون طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

فائدہ ثانیہ: اگر یوں قسم کھائی تھی کہ کبھی بھی اس سے جماع نہیں کروں گا اور چار مہینہ تک جماع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر پھر اس سے نکاح کر لیا تو قسم باقی رہنے کی وجہ سے ایلاء کا

حکم نافذ ہوگا۔ اگر اس دوسرے نکاح کے بعد چار مہینے کے اندر جماع کرلیا تو قسم ٹوٹ گئی جس کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اگر نکاح ثانی کی ابتداء سے لے کر چار ماہ پورے ہوجانے تک جماع نہ کیا تو پھر طلاق بائن واقع ہو جائے گی پھر اگر تیسرے نکاح کے بعد سے لے کر چار ماہ گزر جانے تک جماع نہیں کیا تو تیسری طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر اس مدت کے اندر جماع کرلیا تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن قسم ٹوٹ جائے گی اس کا کفارہ دینا ہوگا (من الھدایہ)

فائدہ ثالثہ: یہ چار ماہ جن کا بار بار ذکر ہوا چاند کے حساب سے معتبر ہونگے۔ اس میں شمسی مہینوں کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

اسباب النزول میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل جاہلیت کا ایلاء سال دو سال اور اس سے زیادہ بھی جاری رہتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے چار مہینہ کی معیاد مقرر فرمائی لہٰذا چار مہینے سے کم پر جو قسم کھائے گا تو وہ ایلاء نہ ہو گا (اگرچہ خلاف ورزی کرنے پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا) اور چار ماہ یا اس سے زیادہ کی قسم کھانے پر چار مہینے تک فئی نہ کرے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ (مطلق قسم چونکہ چار ماہ کو بھی شامل ہے اس لئے وہ بھی ایلاء ہوگی)۔

حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے عورتوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے ایلاء کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ جو شخص اپنی بیوی کو نہیں چاہتا تھا اور ساتھ یہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو یہ قسم کھالیتا تھا کہ کبھی بھی اس کے پاس نہیں جائے گا پھر اسکو اسی حال پر چھوڑے رکھتا تھا اور عورت کی زندگی اس طرح گزرتی تھی اور نہ وہ شوہر والی ہے اور نہ بے شوہر والی ہے۔ اللہ جل شانہ نے ایلاء کی ایک مدت مقرر فرمادی اور آیت شریفہ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ (آخر تک) نازل فرمادی۔ (معالم التنزیل)

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنی جانوں کو روکے رکھیں تین حیض آنے تک اور ان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ جو کچھ

خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ

اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اُن کے شوہر

أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

ان کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اس مدت کے اندر اگر اصلاح کا ارادہ کریں اور عورتوں کے لئے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقہ پر

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے

مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان

تفسیر: مرد عورت آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اس حاجت کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا قانون مشروع فرمایا ہے۔ اور نکاح اس لئے ہے کہ دونوں اطمینان اور سکون کے ساتھ اچھی زندگی گزاریں اور مل جل کر حسن سلوک کے

ساتھ رہیں اور زندگی بھر نباہنے کی کوشش کریں آپس میں کوئی ناگواری کی بات ہو جائے تو اس سے درگزر کرتے رہیں لیکن کبھی ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ ساتھ رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف سے یا دونوں طرف سے طبیعت کا جوڑ نہیں کھاتا اور باہمی میل جول کی خوبصورتی کے ساتھ کوئی صورت نہیں بنتی تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق اور خلع کا قانون مشروع فرما دیا۔ بہت سی قوموں میں نکاح تو ہے لیکن طلاق نہیں ہے۔ یہ لوگ پہلے اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے لیکن جب حالات نے مجبور کیا خود طلاق کا قانون بنا کر اپنے دین میں داخل کر رہے ہیں۔ چونکہ انکا دین اپنا ہی بنایا ہوا ہے اس لئے اس میں کمی بیشی بھی کرتے رہتے ہیں۔

ہر چند کہ اسلام میں یہاں بیوی کا آپس میں نباہ بہت زیادہ محبوب و مرغوب ہے لیکن اس قدر مجبور بھی نہیں کیا کہ باہمی ساتھ رہنے میں اچھے طریقہ پر زندگی نہ گزار سکیں تو خواہ مخواہ بددلی کے ساتھ نباہتے رہیں اور ایک دوسرے کیلئے سوہان روح بنے رہیں۔

اسلام میں جو طلاق کا قانون ہے اس کے کچھ احکام بھی ہیں۔ ان احکام میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت طلاق کے بعد کچھ ایسی مدت گزارے گی۔ جس میں کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکے گی۔ اس مدت کے گزرنے کو عدت کہتے ہیں' عدت لغت میں شمار کرنے کے معنی میں آتا ہے' چونکہ عورت کو یہ مدت گزارنے کے لئے مہینے یا حیض شمار کرنے پڑتے ہیں اس لئے اسکو عدت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' عدت کے بعض احکام یہاں آیت بالا میں مذکور ہیں اور بعض احکام سورۂ طلاق کے پہلے رکوع میں ذکر فرمائے ہیں۔ جس عورت کو اس کا شوہر طلاق دیدے تو دیکھا جائے گا کہ اس کو حمل ہے یا نہیں' اگر اس کو حمل ہے تو اسکی عدت وضع حمل یعنی ولادت ہو جانے پر ختم ہو جائے گی' سُورۂ الطلاق میں فرمایا ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ (اور حمل والی عورتوں کا اجل یعنی ختم عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے)۔

اور مطلقہ اگر حمل والی عورت نہیں ہے نابالغ ہے یا بالغ تو ہے لیکن اسے اب تک حیض آیا ہی نہیں یا وہ کبھی حیض والی تھی بوڑھی ہو چکی ہے اور حیض آنے سے نا اُمید ہو چکی ہے تو ان تینوں قسم کی عورتوں کی عدت طلاق یہ ہے کہ تین ماہ گزار دیں' اسکو سورہ طلاق میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔ وَالّٰٓـئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ۔ (اور عورتیں حیض آنے سے نا اُمید ہو چکی ہیں تمہاری عورتوں میں سے اگر تم شک میں پڑو تو انکی عدت تین ماہ ہے اور جن کو حیض نہیں آیا انکی عدت بھی یہی ہے)۔

اب ان عورتوں کا حکم جاننا چاہئے جو حمل والی نہیں ہیں اور ان کو حیض آتا ہے اور ایسی عورتوں کو طلاق ہو جائے تو انکی عدت یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض گزاریں۔ جب شرعی اصول کے مطابق تین حیض گزر جائیں گے تو عدت پوری ہو جائے گی۔ خواہ کتنے ہی مہینے میں تین حیض آئیں' آیت بالا میں اُنہیں عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کو حیض آتا ہے۔ زمانہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے جب کسی شخص نے طہر میں یعنی ایسے زمانہ میں طلاق دی جو پاکی کا زمانہ ہے حیض کا زمانہ نہیں تو یہ عورت ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے پھر ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے پھر ایک حیض گزارے۔ جب تیسرا حیض ختم ہو جائے تو عدت تمام ہو جائے گی۔

ابھی بیان کیا گیا کہ جس عورت کو حمل ہو اسکی عدت وضع حمل تک ہے۔ حمل اور حیض یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق خود عورت کی ذات سے ہے وہ جانتی ہے کہ مجھے حیض ہے یا حمل ہے۔ یا دونوں میں سے کچھ بھی نہیں' اب یہاں عورت کی دیانت پر مسئلہ موقوف ہو جاتا ہے۔ عورت سمجھتی ہے کہ وضع حمل میں تو کئی مہینے لگیں گے لہٰذا میں یوں بیان کر دوں

کہ مجھے حمل نہیں ہے اور حیض والی بھی نہیں ہوں۔ اس طرح عدت مہینوں پر آجائے گی اور تین ماہ گزر جانے پر میرے بارے میں عدت گزر جانے کا فیصلہ کر دیا جائے گا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مہینوں میں طہر کا زمانہ لمبا ہو گیا کئی ماہ سے حیض نہیں آرہا لیکن عدت کا فیصلہ جلد ہو جانے کی وجہ سے دو تین ماہ میں کہہ دیتی ہے کہ مجھے تین حیض آچکے ہیں حالانکہ ابھی تین حیض نہیں آئے اس طرح کی غلط بیانی کرنا حرام ہے' اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اور ان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں)۔

جب کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن کی پیشی کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا تو اللہ تو جانتا ہے ایسا شخص امانت و دیانت کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے پھر وہ جھوٹ نہیں بول سکتا اور غلط بیانی نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا (اور انکے شوہر انکے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس مُدت کے اندر اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں)

اس میں طلاق رجعی سے متعلق ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو صاف صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دیدے تو یہ طلاق رجعی ہوتی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر نکاح ثانی کے بغیر شوہر رجوع کر سکتا ہے۔ اگر عدت گزر جائے تو یہ طلاق رجعی بائن ہو جاتی ہے جس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جب نکاح کے بعد جماع بھی ہوا ہو' اگر نکاح ہوا ہو اور اس کے بعد جماع نہ ہوا اور طلاق دیدے تو یہ طلاق رجعی نہیں بلکہ طلاق بائن ہوگی۔ طلاق رجعی جس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہے اس طلاق کے بعد عدت کے اندر شوہر رجوع کرنا چاہے تو عورت کے رشتہ دار یا کوئی بھی شخص بلکہ خود عورت بھی اس کو بُرا نہ مانے اور کوئی شخص ایسی صورت حال پیدا نہ کر دے جس سے کہ وہ رجوع کے ارادے کو موقوف کر دے' بلکہ جوڑ لگانے کی اور تعلق استوار ہو جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ شوہر اگر رجوع کر لے تو عورت اور عورت کے رشتہ داروں کی مرضی کے بغیر رجوع تو ہو ہی جائے گا' لیکن سب کی خوشی اور رضامندی سے ہو اور آپس کے تعاون کے ساتھ ہو تو زیادہ مستحسن اور مُبارک ہوگا۔

جس طرح عورت اور اس کے رشتہ داروں کو چاہئے کہ رجوع کی فضا بن جائے تو اس میں آڑے نہ آئیں اور ایسی باتیں نہ کریں جن سے شوہر کا دل کھٹا ہو جائے۔ اسی طرح سے شوہر کو بھی لازم ہے کہ اصلاح کی نیت سے رجوع کرے' اس کو اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا میں بیان فرما دیا ہے۔

شوہر اگر یہ سمجھتا ہے کہ آئندہ میں خوش اسلوبی' اور حسن معاشرت اور حسن اخلاق کے ساتھ نباہ کر سکوں گا تو رجوع کر لے' ضرر دینے کا ارادہ نہ کرے' بہت سے لوگ جہالت کی وجہ سے اور نفس کی بھڑاس نکالنے کے لئے رجوع کر لیتے ہیں اور پھر حسن سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ صاف کہہ دیتے ہیں تو یوں ہی پڑی رہے گی۔ نہ تیرا حق ادا کروں گا۔ نہ نکاح سے خارج کرونگا اور بہت سے ڈبل رجوع کر کے پھر طلاق دیتے ہیں جس سے عدت لمبی ہوتی جاتی ہے' یہ بھی ضرر پہنچانے کا ایک پہلو ہے۔ یہ سب طریقے غیر اسلامی ہیں۔ اصلاح مقصود ہو تو رجوع کرے ورنہ عدت گزرنے دے' عدت گزرتے ہی رجعی طلاق بائن ہو جائے گی۔ پھر وہ جہاں چاہے اپنی مرضی سے مناسب جگہ نکاح کر لے گی' جب نباہ کرنا نہیں ہے تو

رجوع کر کے تکلیف دینا سمجھداری اور دینداری کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ظلم ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت:

پھر فرمایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (اور عورتوں کے لئے اس جیسا حق ہے جو ان کے اُوپر ہے اچھے طریقہ پر) اس میں یہ بتایا ہے کہ صرف یہی بات نہیں ہے کہ مردوں ہی کے حقوق عورتوں پر ہیں بلکہ جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں۔ عورت کو خدمت گزار سمجھنا اور اس کے حقوق اور حاجات کا دھیان نہ رکھنا، شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

زمانۂ اسلام سے پہلے دنیا کی اقوام میں عورت کی بہت بُری گت بنائی جاتی تھی اب باوجودیکہ زمانہ کافی آگے بڑھ چکا ہے۔ پھر بھی اسلام کے علاوہ کسی دین یا قانون میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جو شریعت اسلامیہ نے اس کو دیا ہے۔ ہندوستان کے مشرکین میں تو یہ دستور تھا کہ مرد مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اور عورتوں کا میراث میں کسی بھی مذہب اور قانون میں حصہ نہیں ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عورت کی حیثیت ایک استعمال کی چیز سے زیادہ نہ تھی، عورت مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی، عورت کسی چیز کی مالک نہ تھی، جب اس کا شوہر مر جاتا تھا تو شوہر کے خاندان والے ہی اس پر قابض ہو جاتے تھے اور اس کی اجازت کے بغیر جہاں چاہتے جبراً نکاح کر دیتے تھے بلکہ شوہر کی اولاد ہی اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتی تھی، عرب کے جاہل لڑکیوں کو زندہ در گور بھی کر دیتے تھے اور پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے اسلام نے عورت کو صحیح مقام عطا فرمایا جو اسکی شان کے لائق ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ اس کو عورت پنے سے نکال کر مردوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہو اور ایسا بھی نہیں کہ وہ محض ایک استعمال کی چیز بن کر رہ جائے نہ اس کا کوئی حق تسلیم کیا جائے اور نہ اس کی کوئی حیثیت مانی جائے۔

اسلام میں عورت گھر کی ملکہ ہے اپنی اولاد کی محترم اور والدہ ہے اپنے شوہر کی چہیتی بیوی ہے باپ ماں شوہر اور اولاد کے مال کی حسب قوانین وارث ہے اور اپنے مال میں تصرف کرنے کا اسے پورا اختیار ہے جس میں شوہر کو ممانعت کا کوئی حق نہیں ہے بشرطیکہ خلاف شرع کاموں میں خرچ نہ کرے۔ عورت کا ایک طرف میراث میں حصہ ہے دوسری طرف شوہروں پر مہر لازم ہوتا ہے، اور یہ مہر عورتوں کی مرضی سے مقرر ہوتا ہے۔ کمی بیشی کرنا انکا اپنا حق ہے، وہ چاہیں اپنی مرضی سے معاف کریں اور چاہیں تو پورا وصول کریں۔ اسلام نے صلہ رحمی کی بھی تعلیم دی ہے ایک عورت کسی کی والدہ ہے کسی کی بہن ہے۔ کسی کی خالہ ہے کسی کی پھوپھی ہے۔ صلہ رحمی کے اصول پر سب کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ شوہر بھی حسن معاشرت سے پیش آئے۔ نان نفقہ کا خیال کرے اور اُسکی حاجات پوری کرے۔ اولاد بھی اکرام واحترام پیش آئے۔ اس طرح عورت کی برتری ظاہر ہوگی اور معاشرہ میں اس کا مرتبہ اونچا ہوگا۔ اور عزت و اکرام کے ساتھ اس کی زندگی گزرے گی۔

یورپین اقوام میں عورت کی بے آبروئی:

یورپین اقوام نے عورت کو بالکل ہی بے آبرو کر کے چھوڑ دیا ہے۔ ان کے یہاں عورت مرد کی نفسانی خواہش پوری کرنے کا محض ایک آلہ ہے۔ اُن کے معاشرہ میں اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ میراث میں اُسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ مہر کا بھی کوئی معاملہ نہیں، بلکہ سرے سے نکاح ہی کو ان کے یہاں عیب سمجھا جاتا ہے۔ دوستانہ طریقہ پر برسوں

زندگی گزارتے ہیں اور نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ بعد میں کبھی رسمی نکاح بھی کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان میں اولاد بھی ثابت النسب نہیں ہے۔ اولاد کی ولدیت میں ماؤں کے نام لکھے جاتے ہیں اور عورتوں کے اخراجات کی ذمہ داری عموماً چونکہ کسی پر نہیں ہے اس لئے انہیں اپنی آبرو کھو کر ملازمتیں کرنی پڑتی ہیں راہ گیر کے جوتوں پر پالش کرتی ہیں۔ دوکانوں میں مال فروخت کرنے پر ملازمت کرتی ہیں۔ ننگا لباس پہن کر شوروموں کے پاس کھڑی رہتی ہیں تاکہ گاہک متوجہ ہو اور آنے والوں کا نفس انکی طرف مائل ہو جس سے زیادہ خریداری ہو سکے۔

اس آزادی نسواں کو دیکھ کر بہت سے نام نہاد مسلمان بھی اپنی عورتوں کو یورپین اقوام کے عورتوں کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ عورتیں بازاروں میں کاروبار کریں۔ بے پردہ ہو کر رہیں۔ عورتیں ناقص العقل تو ہیں ہی وہ سمجھتی ہیں کہ ہمیں حق دلائے جارہے ہیں اور بے پردہ گھومنے اور ننگا لباس پہننے اور دوست تلاش کرنے کی آزادی کو اپنے لئے ہنر اور فخر کی بات سمجھتی ہیں۔ افسوس کہ دور حاضر میں عورت کو یہ گوارا نہیں کہ گھر کی ملکہ بن کر گھر میں بیٹھے گھر کے سب لوگ اس کا احترام و اکرام کریں اسے شوہر سے بھی مال ملے۔ میراث میں بھی حصے ملیں اور نفس و نظر کا تعلق صرف شوہر سے رہے۔ اور اپنے مال میں جیسے چاہے تصرف کرے وہ شیطانوں اور ملعونوں اور ملحدوں اور زندیقوں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر نکلنے اور خود کما کر اپنا خرچ اُٹھانے پر اپنے حقوق کی ادائیگی سمجھتی ہیں۔

یورپ کے رواجی طریقوں میں جب عورت کا کسی پر کوئی حق ہی نہیں ہے تو کوئی شخص ان کا کیا حق ادا کریگا؟ درحقیقت عورت کی یہ کوئی زندگی نہیں ہے جو مذہب اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور قوانین میں ہے۔ دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جہاں زنا کی کثرت ہے جو بچے پیدا ہوتے ہیں حکومت ان کی پرورش کرتی ہے۔ نہ کوئی ماں ہے نہ باپ نہ چچا ہے۔ نہ ماموں خالہ نہ پھوپھی نہ صلہ رحمی ہے نہ نکاح ہے نہ مہر ہے۔ اس سے زیادہ انسانیت کی مٹی اور کیا پلید ہوگی ان لوگوں کی نہ سمجھی کی کہاں تک داد دی جائے جو انسانیت و نسوانیت کا خون کر رہے ہیں اور دعویٰ انکا یہ ہے کہ وہ حقوق انسانی کے محافظ ہیں اور عورتوں کو ان کے حقوق دلا رہے ہیں۔

مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے

پھر فرمایا: وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے) اس میں یہ بتایا کہ اگرچہ میاں بیوی کے آپس میں ایک دوسرے پر حق ہیں (اور ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے) لیکن مردوں کو عورتوں پر ایک طرح کی برتری اور فضیلت حاصل ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ (مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذمہ عورتوں کا خرچہ مقرر فرمایا ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے وہ ان پر حکمران ہیں۔ امور خانہ داری میں اور دینی پابندی کرانے میں اور عورت کو اس کے ماں باپ کے یہاں آنے جانے میں اور بہت سے امور میں مرد کے حکموں کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے اس کے بغیر گھر کا نظام ٹھیک نہیں بیٹھتا اگر مرد کی برتری عورتوں پر

بالکل ہی نہ رہے۔تو شریعت اسلامیہ کے مطابق زندگی کا نظام نہیں چل سکتا۔البتہ مردوں کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ سردار بن گئے تو ظلم کیا کریں۔اور اس کے حقوق ادا نہ کریں اور اس کا مال برباد کردیں۔عورت یہ سمجھ کر چلے کہ یہ میرا سردار ہے اور مرد یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ضروریات پورا کرنے کے لئے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے مجھے خیر و خوبی کے ساتھ نباہنا چاہئے۔ایسا کریں گے تو ماں باپ اور اولاد سب کی زندگی ان شاء اللہ تعالیٰ عمدہ طریقہ پر گزرے گی۔سورۃ النساء میں فرمایا: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (کہ خوش اسلوبی کے ساتھ عورتوں کے ساتھ زندگی گزارو) اس میں ہر طرح کی خیر و خوبی ہمدردی اور حقوق کی ادائیگی اور مراعات کا حکم فرمادیا۔

مردوں کو چونکہ سرداری اور بڑائی دی گئی ہے اس لئے وہ اپنے مقام اور مرتبہ کا خیال کریں اور عورتوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں پر صبر کریں اور برداشت کریں، اگر برداشت نہ کیا تو بڑائی ہی کیا رہی؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد کسی مؤمن عورت سے (یعنی ایمان والی بیوی) سے بغض نہ رکھے۔اگر اسکی ایک بات ناپسند ہوگی تو دوسری بات پسند آ جائے گی۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب میں بہتر ہوں۔(رواہ ابن ماجہ ۱۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں سب سے زیادہ کامل ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔اور جو اپنے گھر والوں کیلئے سب سے زیادہ مہربان ہیں۔(مشکوٰۃ المصابیح)

آخر میں فرمایا۔وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔(اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اگر کسی نے کی تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میرا کوئی مؤاخذہ نہیں۔اللہ نے احکام بھیجے ہیں اور عمل پیرا ہونے کا حکم فرمایا ہے۔جو خلاف ورزی کرے گا اسکی گرفت ہونے لگے تو بچ نہیں سکتا۔کیونکہ حکم دینے والا عزیز اور غالب ہے۔اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس نے جو احکام دیئے ہیں وہ سب حکمتوں پر مبنی ہیں ان میں بندوں کی رعایتیں ملحوظ ہیں بندوں کے لئے اس نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں جو انکے خالق نے انکے لئے حکمت کے مطابق تجویز فرمایا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ

طلاق دو مرتبہ ہے پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ، یا، چھوڑ دینا ہے اچھے طریقہ پر، اور تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے۔

تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ

کہ تم کچھ بھی لے لو اس مال میں سے جو تم نے اُنکو دیا ہے مگر اس صورت میں کہ میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ

تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اس بارے میں کہ عورت اپنی جان کا بدلہ دیدے، یہ اللہ کے حدود ہیں۔

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ

سو تم ان سے آگے مت بڑھو۔اور جو کوئی شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں، پھر اگر

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا

اس کو طلاق دیدی تو اس کے لئے اس کے بعد حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ اس شوہر کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔ سو اگر اس نے طلاق دیدی تو

جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر آپس میں رجوع ہو جائیں۔ اگر دونوں کو اس بات کا گمان ہو کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں

يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

وہ انہیں بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

طلاق اور خلع کے چند احکام

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں طلاق کے متعدد مسائل اور متعدد تنبیہات مذکور ہیں جو زن و شوہر سے متعلق ہیں، طلاق رجعی، طلاق بائن، طلاق مغلظہ اور خلع کے مسائل اجمالی طور پر بیان فرمائے ہیں۔

اگر کوئی شخص طلاق دینے کی ضرورت محسوس کرے تو احسن طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے طہر میں (یعنی پاکی کے زمانے میں) ایک طلاق دے دے جس میں جماع نہ کیا ہو پھر عورت کو اپنی حالت پر چھوڑ دے، قانون شرعی کے مطابق یہ طلاق رجعی ہو گی (بشرطیکہ عورت سے نکاح کے بعد جماع بھی کر چکا ہو، اگر صرف نکاح ہوا تھا تو یہ طلاق بائن ہوگی) جب پاکی کے زمانہ میں طلاق رجعی دے دی اور عورت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ عدت گزر گئی (جس کی تفصیل پہلے رکوع میں گزر چکی ہے) تو یہی رجعی طلاق بائن طلاق ہو جائے گی۔ عدت سے پہلے پہلے رجوع کرنے کا حق تھا۔ جب طلاق بائن بن گئی تو اب رجوع کا حق ختم ہو گیا۔ اگر عدت کے اندر ایک طلاق اور دیدی تو یہ بھی طلاق رجعی ہوگی اور اس کے بعد بھی عدت ختم ہونے تک رجوع کا اختیار رہے گا۔ عدت ختم ہو جانے پر دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی اور رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔

طلاق بائن کے بعد آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ شوہر نے عدت کے اندر تیسری طلاق بھی دیدی تو اب یہ طلاق مغلظہ ہوگئی جس کا حکم یہ ہے کہ اب آپس کی رضامندی سے بھی دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ اب دوبارہ آپس میں نکاح ہونے کی یہی ایک صورت ہے کہ کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح ہو پھر وہ مرد اس سے جماع کرے پھر طلاق دے یا وفات پا جائے اور پھر اسکی عدت گزر جائے اگر دوسرا شوہر جماع کئے بغیر طلاق دے دے تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جس کی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ اور یہ طے کر کے کسی سے نکاح کر دینا کہ تو جماع کر کے طلاق دے دینا مکروہ تحریمی ہے اس پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔ عن علیؓ قال لعن رسول اللہ ﷺ المحلل والمحلل له (رواه ابن ماجه و رواه الحاكم في المستدرك. وصححه واقره الذهبی)

اللہ جل شانہٗ نے بندوں کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت رکھی ہے اول تو حلال چیزوں میں طلاق کو مبغوض ترین چیز قرار دیا کما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق رواه ابوداؤد (ص ۲۹۶ ج ۲) پھر حالت حیض میں طلاق دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ بے رغبتی کا زمانہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ انکو حکم دو کہ رجوع کرلیں پھر حالت طہر یا حمل میں طلاق دیں۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۶ ج ۱)

صحیح بخاری (ص ۸۰۳ ج ۲) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ زمانہ حیض میں جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کرلیں اس کے بعد یہ حیض گزر جائے پھر ایک طہر گزر جائے پھر ایک حیض اور گزر جائے اس کے بعد جو طہر یعنی پاکی کا زمانہ آئے چاہے تو اس میں طلاق دے دے اور یہ طلاق جماع کرنے سے پہلے ہوا۔ اگر طلاق دے تو اچھی طرح غور کرلے اگر طلاق کی ضرورت محسوس کرے تو پاکی کے زمانہ میں طلاق دے دے اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ (اگر نکاح کے بعد جماع کیا تھا تو یہ طلاق رجعی ہوگی) عدت گزر جانے سے پہلے ایک طلاق اور دیدی تو وہ بھی رجعی ہوگی۔ اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی۔ لیکن باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر غور کرلیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر شوہر تین طلاقیں دیدے خواہ متفرق اوقات میں دے یا بیک وقت تینوں طلاقیں دے تو اس سے طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے جس کا حکم اوپر بیان ہوا۔ جب شریعت کی دی ہوئی رعایتوں کی پاسداری نہ کی تو اب یہ سزا دی گئی کہ اب دوسرے شوہر سے نکاح اور جماع کئے بغیر پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن عورت کو بھی مرد کے نکاح سے نکلنے کے حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے اگر کوئی صورت نباہ کی نہ رہے تو وہ مرد سے خلع کر سکتی ہے خلع کا معنی یہ ہے کہ وہ مرد سے یوں کہے کہ میں اپنے مہر کے عوض یا اپنے مال کے عوض آپ سے خلع کرتی ہوں مرد اُسے منظور کرلے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال دینا طے ہوا ہے وہ عورت پر ادا کرنا واجب ہوگا۔

خلع کا یہ مطلب نہیں کہ عورت مرد کو خود سے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے یا حاکم کے یہاں دعویٰ کر کے بغیر کسی شرعی سبب کے جدائی کا فیصلہ کرائے حاکم سے نکاح فسخ کرانے کے کچھ اصول اور قوانین ہیں بعض صورتوں میں قاضی کو شرائط فسخ ملحوظ کرتے ہوئے نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن صورتوں میں حاکم کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے ان میں یہ بھی ضروری ہے کہ حاکم مسلمان ہو غیر مسلم حاکموں کے فسخ کرنے سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوگا خواہ کیسی ہی مجبوری ہو۔

میاں بیوی دونوں جہاں تک ممکن ہو آپس میں نباہ کی کوشش کریں لیکن اگر دونوں کو اس بات کا ڈر ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ عورت مال دے کر اپنی جان چھڑا لے اگر مرد کی طرف سے زیادتی ہو تو اس سے کچھ بھی نہ لے اور بلا عوض اسکی جان چھوڑ دے اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی اور نافرمانی ہو تب بھی مرد اتنا ہی لے جتنا مہر اسے دے چکا ہے اس سے زیادہ نہ لے اور اگر زیادہ لے لیا تو قضاءً جائز تو ہوگا۔ لیکن مکروہ ہوگا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ثابت بن قیس کی عادت اور خصلت اور دینداری کے بارے میں کوئی ناراضگی نہیں ہے لیکن میں مسلمان ہوتے ہوئے ناشکری کو پسند نہیں کرتی (میرا ان سے دل نہیں ملتا لہٰذا علیحدگی کی کوئی صورت ہو جائے) آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغیچہ واپس کردو گی (جو مہر میں دیا تھا) عرض کیا ہاں میں واپس کردوں گی آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا کہ تم اپنا باغیچہ قبول کرلو اور اسکو ایک طلاق دیدو (رواہ البخاری ص ۷۹۴ ج ۲)

اس حدیث سے خلع کا جواز معلوم ہوا' اور آیت شریفہ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ کے سیاق سے معلوم ہوا کہ نباہ کی صورت نہ رہے اور حدود اللہ قائم نہ کر سکیں تو خلع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ خواہ مخواہ بلا وجہ خلع کرنا اور چھوٹ چھٹاؤ کے درپے ہونا محمود نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹ چھٹاؤ کا مطالبہ کرنے والی اور خلع چاہنے والی عورتیں نفاق والی عورتیں ہیں۔

(رواہ النسائی ص ۱۰۷ ج ۲ والترمذی ص ۱۹۱ ج ۱)

مسئلہ: لفظ خلع سے طلاق ہو جاتی ہے یعنی شوہر کے قبول کرنے پر عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور چونکہ طلاق مغلظہ نہیں ہے اس لئے دوبارہ شوہر اوّل سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ خلع کے علاوہ ایک ''طلاق بالمال'' بھی ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ مرد یوں کہے کہ میں تجھے اتنے مال کے عوض طلاق دیتا ہوں اگر عورت قبول کرے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی' اور عورت کو مقرر مال دینا لازم ہوگا۔

فائدہ: مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اول دو رجعی طلاقوں کا ذکر ہے اس کے بعد خلع کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر ہے: فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ میں چوتھی طلاق مذکورہ نہیں ہے بلکہ دو طلاق کے بعد بطور جملہ معترضہ کے خلع کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد تیسری طلاق کو ذکر فرمایا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ
اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزر جانے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا ان کو چھوڑ دو
بِمَعْرُوْفٍ ص وَّلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ ط
خوبی کے ساتھ اور ضرر پہنچانے کے لئے انہیں روک کر کے نہ رکھو تا کہ تم زیادتی کرو' اور جو شخص ایسا کریگا سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا ز وَّاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنَ
اور مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو مذاق کی چیز اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں' اور جو کچھ اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے
الْکِتٰبِ وَالْحِکْمَۃِ یَعِظُکُمْ بِہٖ ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾
کتاب اور حکمت اس کو بھی یاد کرو۔ اللہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بے شک ہر چیز کا جاننے والا ہے

مطلقہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت میں چند باتوں پر تنبیہ فرمائی۔ اول یہ کہ جو لوگ اپنی عورتوں کو طلاق رجعی دے دیں اگر انہیں رغبت نہیں ہے اور اب بیوی بنا کر رکھنا گوارہ نہیں ہے تو خوش اسلوبی کے ساتھ اسے چھوڑیں' جب عدت گزرنے کے قریب ہو جائے تو رجوع کئے بغیر عدت ختم ہونے دیں تا کہ عدت ختم ہوتے ہی طلاق بائن ہو جائے اور عورت کسی دوسری جگہ اپنا نکاح کر سکے' ایسا نہ کریں کہ جب عدت گزرنے کے قریب ہو تو رجوع کر لیں اور اس کے بعد پھر طلاق دے دیں اور جب عدت گزرنے کے قریب ہو پھر لوٹا لیں' ایسا کرنے سے خواہ مخواہ عورت کو تکلیف ہوگی اور ضرر پہنچے گا۔ تفسیر روح المعانی (ص ۱۴۲ ج ۲) میں ہے

کہ انصار میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ یہی معاملہ کیا حتیٰ کہ اسی طرح نو مہینے گزر گئے اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا' فَاَمْسِکُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ کہ ان کو اگر اپنے نکاح میں رکھنا ہے تو اچھے طریقہ پر روک لو اور نکاح میں نہیں رکھنا تو خوبی کے ساتھ اسے چھوڑ دو اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ مزید فرمایا: وَلَا تُمْسِکُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا' کہ ان کو ضرر پہنچانے اور دُکھ دینے کے لئے روک کر نہ رکھو تا کہ ان پر ظلم کرو۔

اور مزید فرمایا: وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ کہ جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے ایک مؤمن عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت کر کے اپنی جان کو آخرت کے عذاب کے لئے پیش کر دیا اور اللہ کے حکم کی فرماں برداری پر جو ثواب مل سکتا ہے اس سے محروم ہو گیا' کسی بھی مؤمن کو ضرر پہنچانا حلال نہیں ہے حدیث شریف میں ہے۔ مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا اَوْ مَکَرَ بِهٖ (یعنی وہ شخص ملعون ہے جو کسی مؤمن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے) (رواہ الترمذی)

اللہ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت:

دوسری تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا کہ اللہ کی آیات کو اور اس کے احکام کو کھیل اور مذاق مخول ٹھٹھہ نہ بناؤ۔ ایسا نہ کرو کہ جی چاہا عمل کیا چاہا نہ کیا اور احکام کی رعایت کا دھیان نہ رکھا' بلکہ آیات قرآنیہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں۔ انکی پابندی کرو اور عزم و ہمت و ارادہ کے ساتھ عمل پیرا ہو' حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں' آنحضرت سرور عالم ﷺ غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے گا حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ آپ کا غصہ دیکھ کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۴ ج ۱) اکٹھی تین طلاقیں دے دینا شرعاً مذموم ہے۔ ایک سے زیادہ طلاق دے تو الگ الگ کر کے دے' اور ہر طہر میں (پاکی کے زمانے میں) ایک ایک طلاق دے۔ کیونکہ اس شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو سخت ناگواری ہوئی۔ مؤطا مالک میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیری بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیات کا مذاق بنایا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۴)

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو: تیسری بات یہ فرمائی کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور جو کچھ اس نے تمہارے اوپر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اس کو بھی یاد کرو۔ یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کرو نعمتوں کے ذریعہ گناہ نہ کرو' اور آیات قرآنیہ پر عمل کرو۔ اللہ کے احکام میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ ان میں خیر سمجھو۔

پھر فرمایا: یَعِظُکُمْ بِهٖ یہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا وہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے۔ خلاف ورزی کر کے نصیحت سے منہ موڑنے والے نہ بنو۔

پھر فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے) سب کے اعمال کو وہ جانتا ہے ان کے مطابق جزاء سزاء دے گا اور جن چیزوں میں تمہارے لئے مصلحت ہے ان کو

22

بھی جانتا ہے اس کے حکموں میں تمہاری مصلحت مضمر ہے۔ مخالفت کرکے اپنے لئے خرابی کا راستہ اختیار نہ کرو۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مذاق میں طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ اسکی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ فقد روی أبوهريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ ثَلاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ، اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ رواه الترمذی (ص ۱۹۱ ج ۱) وحسنه وأخرجه الحاكم ايضا فی المستدرک (ص ۱۹۸ ج ۲) وصححه.

فائدہ: ارشاد باری تعالیٰ لَا تَتَّخِذُوْا اٰیَاتِ اللّٰہِ ھُزُوًا اگرچہ مسائل طلاق کے ذیل میں وارد ہوا ہے لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کا مذاق بنانا بدترین گناہ ہے بلکہ قصداً و ارادۃً اگر آیات و احکام کا مذاق بنایا جائے تو کفر ہے، سورۂ مائدہ میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ. (اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا، یعنی وہ لوگ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ دوسرے کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ، اور اللہ سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو، اور جب تم نماز کی طرف بلاتے ہو تو نماز کا مذاق اور کھیل بنالیتے ہیں یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں)

سورۃ الجاثیہ میں اہل دوزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِکُمْ بِاَنَّکُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا وَّغَرَّتْکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا. (یہ عذاب اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا تھا۔ اور تم کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا تھا)

بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن قرآن اور احادیث شریفہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا مذاق بناتے ہیں ایسے لوگ اگرچہ مدعی اسلام ہوں لیکن اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہت سے لوگ حج کے احکام و افعال کو فلماتے ہیں اور سینما میں لہو و لعب کے پردہ پر دکھاتے ہیں اور دیکھنے والے دیکھتے ہیں کعبۃ اللہ شریف کے چاروں طرف جو نماز ہوتی ہے اس کے فوٹو لئے جاتے ہیں۔ حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے فوٹو لئے جاتے ہیں۔ منیٰ میں تصویر کشی ہے۔ عرفات میں کیمرے لئے کھڑے ہیں۔ فوٹو کھینچے جا رہے ہیں۔ نیک کام کو معصیت کے ساتھ مکدّر کیا جا رہا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ٹیلیویژن میں ڈرامے آرہے ہیں۔ ان اکابر دین کی داڑھیاں منڈی اور مونچھیں خوب زیادہ بڑھی ہوئی دکھائی جا رہی ہیں۔ ان حضرات کے علم و عمل کو لہو و لعب اور تماشہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ سب دین اور دینیات کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے جو لہو و لعب میں شامل ہے۔ عوام الناس نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ اس سے دین کی تبلیغ ہوگی۔ حالانکہ اس کی حیثیت لہو و لعب سے زیادہ نہیں ہے۔ قراءت قرآن کی مجلسیں ہیں۔ قاریوں کی تصویریں کھینچی جا رہی ہیں اور اخبارات میں چھپ رہی ہیں۔ قرآن کے نام پر اجتماعات ہیں۔ فوٹو گرافی ہو رہی ہے۔ فلمیں دکھائی جا رہی ہیں کالج یونیورسٹی میں اسلامیات کی کلاسیں ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ بے پردہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ عین اسلامی عنوان کے پیریڈ میں احکام قرآن کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، سودی لین دین ہے بنک کا نام اسلامی ہے۔ حرام مال سے ایصال ثواب کیا جا رہا ہے اسی سے حج و عمرہ ہو رہا ہے۔ داڑھی مونڈنے کی دکانیں ہیں۔ اسلامی صالوں یا صالون الحرمین کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ سب اعمال و افعال ایسے ہیں جن سے احکام اسلام کی توہین اور تضحیک ہوتی ہے۔ اسلام کے نام پر مذاق ہے۔ گناہ کرنا بہت بڑی بدبختی ہے جس کا لوگوں کو بالکل احساس نہیں،

داڑھیوں کا، داڑھی رکھنے والوں کا تمسخر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر چلنے والوں پر پھبتیاں ہیں، اور یہ سب کچھ ان لوگوں سے صادر ہو رہا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ، سب کو صحیح سمجھ دے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ
اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ
جبکہ آپس میں خوبی کے ساتھ رضامند ہو جائیں۔ اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ
اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٢﴾
نہیں جانتے

مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں

تفسیر: اس آیت میں عورتوں کے اولیاء اور اقرباء کو ایک خاص نصیحت کی گئی اور وہ یہ کہ جب طلاق کے بعد عورت کی عدت گزر جائے اور وہ اپنے اسی شوہر کے نکاح میں پھر جانا چاہے جس نے طلاق دی تھی تو اس میں رُکاوٹ نہ ڈالو طلاق رجعی کے بعد جب عدت گزر جائے تو یہ طلاق بائن ہو جاتی ہے اور طلاق بائن ہو جانے پر میاں بیوی کی رضامندی سے آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ جب دونوں یہ محسوس کریں کہ ہمیں پھر سے زن و شوہر کی طرح رہنا چاہئے اور پھر سے نکاح کر لینے میں مصلحت محسوس کریں تو عورت کے اولیاء و اقرباء رکاوٹ نہ ڈالیں ان کا نکاح آپس میں ہونے دیں۔ البتہ ان دونوں میں آپس میں خیر و خوبی سے اور عمدہ طریقہ پر نباہ کرنے کے جذبات ہونے چاہئیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وقتی جوش میں مرد طلاق دے بیٹھتا ہے اور عورت بھی کبھی غصہ میں طلاق طلب کر لیتی ہے جس سے شوہر کے منہ سے طلاق کے کلمات نکل جاتے ہیں۔ پھر آپس میں پشیمان ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر مل بیٹھیں۔ یعنی دوبارہ نکاح کر لیں۔ جب ایسی صورت حال بن جاتی ہے تو عورت کا باپ یا بھائی یا خاندان کے دوسرے لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اس کو اپنی ہتک عزت سمجھتے ہیں اور بعض مرتبہ رشوت لینے کے پھیر میں ہوتے ہیں اس کے شوہر کو دباتے ہیں تا کہ کچھ مال دینے پر مجبور ہو جائے' ان سب باتوں سے آیت بالا میں منع فرمایا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے اپنی ایک بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا تھا پھر اس نے اس کو طلاق دے دی۔ جب عدت گزر گئی تو پھر وہ اس سے نکاح کرنے کے لئے پیغام لے کر آ گیا میں نے کہا کہ میں نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا اور اس کو تیرے پاس بھیج دیا اور تیرا اکرام کیا پھر تو نے طلاق دے دی اب تو دوبارہ نکاح کا پیغام لے کر آیا ہے اللہ کی قسم کبھی بھی تیرے پاس نہ جائے گی۔ یہ آدمی مناسب تھا اور عورت چاہتی تھی کہ واپس چلی جائے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت سنکر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اب تو میں ضرور وہی کروں گا جس کا حکم ہوا ہے لہٰذا اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اسی شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آیت سنی تو حضرت معقل بن یسارؓ نے کہا سَمْعاً لِرَبِّیْ وَطَاعَۃً (میں نے اپنے رب کا فرمان سنا اور میں فرمانبرداری کے لئے حاضر ہوں) (تفسیر درمنثور ص ۲۸۷ ج ۱ عن البخاری وابی داؤد والترمذی والحاکم وغیرہم)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اَزْوَاجَھُنَّ سے پہلے شوہروں کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو پہلے شوہر نہ تھے لیکن طلاق وعدت کے بعد مطلقہ عورتیں بعض مرتبہ بعض مردوں سے رشتہ طے کر لیتی ہیں اور آپس میں دونوں شریعت کے قاعدہ کے مطابق نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو عورت کے اولیاء واقرباء آڑے نہ آئیں اور نہ طلاق دینے والا پہلا شوہر رکاوٹ ڈالے لفظ بالمعروف میں یہ بتا دیا کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نکاح کرنا چاہیں تو ان کو نکاح کرنے دیں، البتہ خلاف شرع کوئی بات ہو تو اس سے روکنا واجب ہے۔ عورت کو بھی چاہئے کہ اب برابر اور میل کے آدمی سے نکاح کرے اور مہر مثل پر نکاح کرے تاکہ اولیاء کو خفت محسوس نہ ہو اور کسی طرح اعتراض کا موقعہ نہ ملے پھر فرمایا اس میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ فرمایا کہ اس حکم کے ماننے میں تمہاری بہت بڑی صفائی اور پاکیزگی ہے کیونکہ اسکی خلاف ورزی میں فتنہ فساد اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے مواقع نکل سکتے ہیں، اور مرد وعورت کی عفت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔

آخر میں فرمایا وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) بعض لوگ اپنے خیال سے کچھ مصلحتیں سوچتے ہیں لیکن فکر میں خطاء کرتے ہیں غلط بھی سوچتے ہیں۔ دنیاداری کے جذبات سے سوچتے ہیں مرد وعورت کی مصلحتوں پر نظر نہیں رکھتے، اپنے غور وفکر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کریں، اس نے جو قانون بتایا ہے اس پر چلنے میں خیر ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ ؕ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَھَا ۚ لَا

اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ماؤں کا کھانا اور کپڑا ہے قاعدہ کے مطابق، کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برداشت کے مطابق، نہ

تُضَآرَّ وَالِدَۃٌ ۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّہٗ بِوَلَدِہٖ ق وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ ۚ

تکلیف دی جائے والدہ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو تکلیف دی جائے جس کا بچہ ہے اس کے بچہ کی وجہ سے، اور وارث کے ذمہ اسی طرح سے لازم ہے۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْھُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ

سو اگر دونوں آپس کی رضامندی اور باہم مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر تم اپنی اولاد کو

اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَکُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ تم سپرد کر دو جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق،

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو

بچوں کو دودھ پلانے کے احکام

تفسیر: اس آیت میں بچوں کو دودھ پلانے اور پلوانے کے بارے میں چند احکام مذکور ہیں۔ جب میاں بیوی خوشی کے ساتھ آپس میں مل جُل کر رہ رہے ہوں اور اولاد پیدا ہو جائے تو چونکہ ماں اور باپ دونوں کو بچہ پر شفقت ہوتی ہے اور دونوں اس کی تربیت کرتے ہیں اور دکھ تکلیف سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے بچے ماں باپ کے سایہ میں خوب اچھی طرح سے پرورش پاتے ہیں اور ایسی صورت میں والدہ اس کے دودھ پلانے یا پرورش کرنے پر اس کے باپ سے کسی طرح کی اُجرت بھی طلب نہیں کرتی' حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بچے کی والدہ جب اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور بحق زوجیت کھانا کپڑا اسے مل رہا ہے تو اس کے لئے یہ دُرست نہیں کہ دودھ پلانے کے سلسلے میں کوئی اُجرت طلب کرے۔ اور بعض مرتبہ ایسا ہو جاتا ہے کہ شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ اس میں اول تو یہ اختلاف رونما ہوتا ہے کہ بچہ کون لے۔ اُصول یہ ہے کہ لڑکا جب تک سات برس کا نہ ہو جائے اور لڑکی نو سال کی نہ ہو جائے اس وقت تک والدہ کو پرورش کا حق ہے۔ لڑکا یا لڑکی کی پرورش کا حق مطلقہ عورت کو اُس وقت تک ہے جب تک کہ کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کر لے جو بچے کا محرم نہ ہو' والدہ کی پرورش میں بچہ کے رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بچہ کے اخراجات بھی والدہ ہی کے ذمہ ہوں بلکہ اخراجات بچے کے والد پر ہی واجب ہوں گے' جب کسی مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لئے لے لیا اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو جب تک عدت نہ گزر جائے اس وقت تک بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت وہ نہیں لے سکتی کیونکہ اسے طلاق دینے والے شوہر کی طرف سے زمانہ عدت کا نان ونفقہ مل رہا ہے۔ دوہرا خرچہ نہیں دیا جائے گا اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے۔ بچہ کے دوسرے اخراجات اس کے سوا ہوں گے اور دودھ پلانے کی اُجرت کا مطالبہ بچہ کی عمر دو سال (قمری مہینوں کے اعتبار سے) ہو جانے تک طلب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد بچہ کا باپ دودھ پلانے کی اُجرت نہ دے تو دودھ پلانے والی والدہ دودھ پلانے کی اُجرت طلب نہیں کر سکتی (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مُدت زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک دو سال ہے۔ اور احتیاط اسی میں ہے کہ دو سال سے زیادہ دودھ نہ پلایا جائے البتہ اگر کسی نے دو سال کے بعد بھی ڈھائی سال ہونے تک کی مدت میں پلا دیا تو اس سے حرمت رضاعت کا فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ تحریم نکاح کے سلسلہ میں اسی میں احتیاط ہے' سو اگر کوئی عورت دو سال کے بعد بھی دودھ پلائے تو شوہر کے ذمہ دودھ پلائی کا خرچہ نہیں ہے)۔

ماں کو یا باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے:

اُجرت رضاعت اور مدت رضاعت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا جس میں یہ بتایا کہ بچہ کا باپ جو دودھ پلانے والی کو اُجرت دے گا اس میں اسکی حیثیت سے زیادہ مطالبہ نہ کیا جائے گا وہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق خرچہ دے گا جو خرچہ اس کی استطاعت سے باہر ہو اس کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے پھر ارشاد فرمایا: لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ۔ یعنی کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور کسی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے۔ مثلاً طلاق ہو گئی تو بچہ کے ماں باپ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے باز رہیں اگر بچہ کی والدہ دودھ پلانے سے معذور ہو یا حق پرورش سے دستبردار ہو جائے اور یوں کہے کہ کسی اور سے دودھ پلوا لو تو اس کا باپ زبردستی

نہ کرے کہ تجھے ہی پلانا ہوگا اور مفت پلانا ہوگا ماں کی مامتا سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھائے۔ یہ نہ سوچے کہ جب بچہ کو تڑپتا دیکھے گی خود ہی پلائے گی۔ یا ماں اُجرت پر پلانے کو راضی ہو تو باپ یوں نہ کہے کہ میں تجھ سے نہیں پلواتا میں دوسری عورت کو زیادہ اُجرت دے دوں گا لیکن تجھے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔

باپ نہ ہو تو وارث ذمہ دار ہے

پھر فرمایا وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ کا باپ وفات پا جائے تو اس کے دودھ پلانے کی ذمہ داری وارث پر ہے اگر بچہ کا اپنا مال ہو مثلاً اس کے باپ کی میراث سے اسے ملا ہے اور بچہ کے دودھ پینے کی مُدت ابھی باقی ہے تو بچہ کے مال میں سے بچہ پر خرچ کرے اور دودھ پلوانے کی اُجرت اس مال سے دے اور اگر بچہ کا اپنا مال نہیں ہے تو یہ وارث اپنے مال سے بچہ پر خرچ کرے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وارث سے بچہ کا وارث مراد ہے مثلاً اگر یہ فرض کیا جائے کہ بچہ کی موت ہوگئی تو اس وقت جو لوگ اس کے وارث ہو سکتے ہیں ان پر اس کا خرچ واجب ہے۔ حضرت امام صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے وہ وارث مراد ہے جو محرم ہو' اگر اس طرح کا وارث ایک ہی ہو تو پورا خرچ اس ایک ہی پر واجب ہوگا' اور اگر چند افراد ایسے ہوں تو ان سب پر بقدر حصہ میراث بچہ کے اخراجات لازم ہوں گے محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح جائز نہ ہو' اگر بچہ اور اس کے رشتہ دار ایک ہی جنس کے ہوں یعنی سب مرد ہوں تو محرم کے پتہ چلانے کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ اور اس کے رشتہ داروں میں سے اگر کسی کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح درست نہ ہو ایسے رشتہ کو رشتہ محرمیت کہتے ہیں۔ چچا بھتیجی کا نکاح تو آپس میں دُرست نہیں ہے لہٰذا چچا اپنی بھتیجی کا محرم ہے' اور چچا اپنے بھتیجہ کا بھی محرم ہے اس لئے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح دُرست نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی بچہ کا والد وفات پا گیا اور بچہ کا مال بھی نہیں ہے اور اسکی والدہ ہے اور دادا ہے تو دونوں پر بقدر اپنے حصہ میراث کے بچہ کا خرچہ واجب ہوگا' لہٰذا ۱/۳ ماں کے ذمہ ہوگا اور ۲/۳ دادا کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچے کی میراث ان دونوں کو اسی نسبت سے پہنچتی ہے۔

دو سال سے پہلے بھی باہمی مشورہ سے دودھ چھڑا سکتے ہیں

پھر فرمایا: فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا یعنی اگر دو سال سے پہلے ہی والدین بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں اور آپس میں رضامندی اور مشورے سے اس کا فیصلہ کر لیں تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ مشورے میں بچے کی مصلحت پیش نظر رکھی جائے' کبھی ایسا ہوتا ہے، بچہ کی والدہ کا دودھ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ کے لئے مضر ہوتا ہے۔ کبھی بچہ دودھ پینا خود سے چھوڑ دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ ماں کے علاوہ نہ کسی اور عورت کا دودھ پینے کو تیار ہے نہ اُوپر کا دودھ پینا گوارا کرتا ہے ایسی صورت میں ماں کا دودھ چھڑائیں گے تو وہ بھوکا رہے گا' دودھ چھڑاتے وقت بچہ کی ہمدردی اور مربیانہ شفقت پیش نظر رکھی جائے۔

اجرت پر دودھ پلوانے کے مسائل

پھر فرمایا: وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوْا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ. جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم بچوں کو ماؤں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ ماں زندہ ہے لیکن مناسب یہ سمجھتے ہیں کہ دودھ کسی اور سے پلوائیں۔ تو یہ بھی درست ہے۔ بچہ کی مصلحت پیش نظر

ہوتے ہوئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' البتہ اس میں ایک یہ صورت پیش آ سکتی ہے کہ بچہ کی ماں کو اس کے باپ نے طلاق دے دی ہے اور عدت بھی گزر گئی ہے اور دودھ پلانے کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تو بچہ کی ماں اگر اُجرت پر پلانا گوارا کرے تو باپ اس سے بچہ کو جدا نہ کرے اس کی والدہ ہی سے پلوائے' ہاں اگر وہ دوسری دودھ پلانے والیوں کے بہ نسبت زیادہ اُجرت مانگتی ہو' یا ماں کے دودھ میں کچھ خرابی ہو تو اس کا باپ دوسری عورت سے دودھ پلوا دے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ: جب بچہ کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے اور ماں یوں کہے کہ دودھ خواہ وہ پلائے لیکن رہے میرے ہی پاس تو اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے۔ بچہ کے باپ کو یہ مطالبہ پورا کرنا لازم ہے۔

مسئلہ: جب کسی عورت کو دودھ پلانے پر مقرر کریں تو اسکی اُجرت اچھی طرح سے طے کر لیں۔ ایسا نہ کریں کہ اُجرت طے کر کے اسے بالکل ہی نہ دیں یا جو اُجرت طے ہوئی تھی اس سے تھوڑی دیں یا ٹال مٹول کریں۔ جو کچھ طے ہوا تھا ہے قاعدہ کے موافق خوش اسلوبی سے دے دیں' اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ: دودھ پلانے کے علاوہ اگر اس سے اور کوئی خدمت لینا چاہیں تو اسے بھی معاملہ میں طے کر لیں۔

مسئلہ: دودھ پلانے والی کی روٹی کپڑے پر ملازم رکھنا درست ہے۔ البتہ کھانا کپڑا کیسا ہوگا اس کی صاف صاف تصریح کر دے۔ دودھ پلانے والی کے علاوہ اور کسی ملازم کو روٹی کپڑے پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو پوری طرح دیکھنے والا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ احکام شرعیہ کی پابندی کرو اور اللہ سے ڈرو۔ خلاف ورزی کر کے مؤاخذہ اور عذاب کے مستحق نہ بنو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

دس دن' پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد کو سو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں

بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

خوبی کے ساتھ کوئی فیصلہ کر لیں' اور جو تم کرتے ہو اللہ اسکی خبر رکھنے والا ہے

شوہر کی موت پر عدت گزارنے کے احکام

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اُن عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کے شوہر وفات پا جائیں اور یہ عدت چار مہینہ دس دن ہے۔ چار ماہ دس دن تک وہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح نہ کرے جس کا شوہر وفات پا گیا ہو' اور اس زمانہ میں سوگ بھی کرے' یعنی خوشبو مہندی نہ لگائے اور بن ٹھن کر نہ رہے۔ یہ حکم حدیث شریف میں وارد ہوا ہے' واضح رہے کہ چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہے جس کو حمل نہ ہو اور اس کا شوہر وفات پا جائے اگر کسی ایسی عورت کا شوہر وفات پا جائے جو حمل

سے ہو تو پھر اسکی عدت وضع حمل ہے یعنی شوہر کی موت کے بعد جتنی مدت میں بھی بچہ پیدا ہو۔ اس وقت تک وہ عورت عدت میں رہے گی۔ خواہ شوہر کی مدت کے ایک گھنٹہ بعد ہی ولادت ہو جائے۔ خواہ مہینوں لگ جائیں۔ یہ مضمون سورۂ طلاق کی آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ میں بیان فرمایا ہے۔ اور سوگ کرنا بھی اس کے لئے واجب ہے۔

مسئلہ: جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ عدت ختم ہونے تک اس گھر میں رہے، جس میں رہتے ہوئے شوہر کی موت ہوئی ہے۔ اگر خرچہ نہ ہو تو بقدر ضرورت روزی حاصل کرنے کے لئے دن کے اوقات میں نکل سکتی ہے۔ ضرورت پوری کر کے پھر اسی گھر آجائے۔

مسئلہ: اگر چاند رات کو شوہر کی وفات ہوئی ہو تو مہینوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن پورے کرے، اور اگر چاند رات گزر جانے کے بعد وفات ہوئی ہے تو ایک سو تیس دن شمار کر کے عدت پوری کرے۔

جب عدت گزر جائے تو عورتیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی خود مختار ہیں کہ خوبی کے ساتھ شرعی قواعد کے موافق جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ اولیاء اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ ہاں اگر کوئی خلاف شرع کام کرنے لگیں تو اولیاء کے ذمہ ہوگا کہ اس سے روکیں اور نہی عن المنکر کریں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ اور عورتوں کو اور انکے اولیاء کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری طرح خبر ہے، اگر کسی عورت نے خلاف شرع کوئی اقدام کیا یا مردوں نے اس طرح کا اقدام کرنے دیا تو گناہ گار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو کنایۃً نکاح کا پیغام دیدو یا اپنے دلوں میں

اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

پوشیدہ رکھو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، اور لیکن ان سے نکاح کا خفیہ طور پر وعدہ نہ کر لینا، مگر یہ کہ ان سے ایسی بات کہو

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا

جو قاعدہ کے موافق ہو اور تم نکاح کرنے کا ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت قانون کے مطابق ختم ہو جائے، اور تم جان لو

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

کہ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہے، اور سو تم اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بیوہ عورتوں کو صریح پیغامِ نکاح دینے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت شریفہ میں عدت وفات گزارنے والی عورتوں کے بارے میں ایک تنبیہ فرمائی اور وہ یہ کہ ایسی عورتوں کو صاف صریح الفاظ میں نکاح کا پیغام نہ دیا جائے ہاں اگر اشارۃً و کنایۃً ذکر کر دیا جائے مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ فکر نہ کرنا اللہ مالک ہے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ صرف دل میں یہ خیال کر لیا جائے کہ اسکی عدت گزر جائے گی تو اس سے نکاح کر لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کو

سب کے دلوں کا حال معلوم ہے۔ اس نے اتنی گنجائش دے دی کہ اشارۃً و کنایۃً عورت کے کان میں بات ڈال دی جائے۔ البتہ اسکی اجازت نہیں دی کہ عدت والی عورت کو پیغام دینے والا مرد آپس میں خفیہ طریقہ پر عقدِ نکاح کا آپس میں وعدہ کرلے اور اسکی بھی اجازت نہیں دی کہ عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کریں۔

آیت کے ختم پر پھر وہی بات دُھرائی کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کا سب حال معلوم ہے اس سے ڈرو احکام کی خلاف ورزی نہ کرو اگر کبھی کوئی خطاء ہو جائے تو توبہ کرلو اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے حلیم بھی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ

کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان کو چھوا نہ ہو اور مہر مقرر نہ کیا ہو اور ان کو

فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا

متعہ دے دو گنجائش رکھنے والے پر گنجائش کے بقدر ہے اور تنگ دست پر اسکی حیثیت کے موافق ہے یہ فائدہ پہنچانا عمدہ طریقہ پر ہو

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔ اور اگر تم انکو اس سے پہلے طلاق دو کہ ان کو چھوا ہو

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا

حالانکہ ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے

الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ

جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور یہ بات کہ تم معاف کردو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور نہ بھولو آپس میں احسان کرنے کو

بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

مہر اور متعہ کے احکام

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو صرف نکاح کر کے طلاق دیدے نہ اسے ہاتھ لگایا ہو نہ اسکے لئے مہر مقرر کیا ہو تو اس صورت میں مہر واجب نہیں ہے۔

البتہ بطور سلوک واحسان اور دلداری کے متعہ دینا واجب ہے، یہ متعہ ایک جوڑا کپڑوں کی صورت میں ہوگا، یعنی طلاق دینے والا مرد مطلقہ عورت کو تین کپڑے دے دے، ایک کرتہ، ایک دوپٹہ اور ایک خوب چوڑی چکلی چادر جو سر سے پاؤں تک ڈھانک سکے۔ اور اس میں مرد کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ مرد پیسہ والا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست ہے تو اپنے حالات کے مطابق دے دے، اس وجوب کو مؤکد فرمانے کے لئے ارشاد فرمایا: مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

کہ یہ نفع پہنچانا شرعی قاعدہ کے مطابق ہو جو محسنین پر واجب ہے ہر مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے صفت احسان اختیار کرنے پر مامور ہے اور ہر مؤمن محسن ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ فاسق اور گناہ گار ہیں۔ ان پر واجب نہیں آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر مذکورہ بالا صورت پیش آ جائے (کہ مرد نے عورت کو ہاتھ بھی نہ لگایا اور طلاق دے دی) تو اس صورت میں متعہ دینا ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور اگر مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر لیا اور پھر میاں بیوی والی بھی ہوگئی یا خلوت سے پہلے شوہر کی وفات ہوگئی تو مہر مثل دینا ہوگا۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

اور اگر مہر مقرر کیا تھا لیکن طلاق خلوت سے پہلے دیدی تو اس صورت میں مقرر کردہ مہر کا آدھا دینا لازم ہوگا۔ ہاں اگر عورت بالکل ہی چھوڑ دے کچھ بھی نہ لے تو معاف ہو جائے گا اور اگر شوہر اسے پورا ہی مہر دیدے باوجود یکہ آدھا ہی واجب تھا یا جو پورا مہر دے چکا تھا اس میں سے آدھا واپس نہ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں' اَوْ یَعْفُوَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ میں یہی آخری بات بیان فرمائی ہے۔ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ وہ شوہر ہے' اور اگر مہر مقرر کیا گیا تھا اور خلوت بھی ہوگئی تھی تو پورا مہر دینا فرض ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (کہ تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے) کیونکہ معاف کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔

پھر فرمایا: وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنے کو نہ بھولو' آپس میں حسن سلوک سے پیش آتے رہو' قال صاحب الروح (ص ۱۵۵ ج ۲) ای لا تترکوا أن یتفضل بعضکم علی بعض کالشئ المنسی

آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اس میں وہی تذکرہ و تنبیہ ہے جو بار بار گزر چکی ہے اور مضامین کے ختم میں بار بار دھرائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس بات کا مراقبہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور ہمارے کردار کو وہ دیکھ رہا ہے۔ سارے اعمال کو درست بنا دینے کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں آخرت کی مسئولیت سے ذرا غفلت ہوتی ہے وہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضائع ہونے کے مواقع پیش آ جاتے ہیں اس لئے قرآن مجید میں بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ آخرت کی پیشی اور محاسبہ کو سامنے رکھیں۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾

پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کئے ہوئے ہو

تمام نمازوں اور خاص کر صلوٰۃ وسطیٰ کی محافظت کا حکم

تفسیر: طلاق اور شوہر کی وفات سے متعلق بعض مسائل باقی ہیں درمیان میں نمازوں کی پابندی کا حکم فرما دیا' بندے جس حال میں بھی ہوں۔ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں اور خاص کر نمازوں کا خوب زیادہ اہتمام کریں۔ نماز سراپا ذکر ہے' بار بار خالق کائنات جل مجدہ کی یاد کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور اللہ کی یاد ہی اس پورے عالم کی جان ہے۔ آدمی کیسی ہی مشغولیت میں ہو نماز سے غافل نہ ہو' اور ان نمازوں میں بھی صلاۃ وسطیٰ یعنی درمیان والی نماز کا اور زیادہ دھیان رکھے۔ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ (درمیان والی نماز) سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اس نماز کا خصوصی دھیان رکھنے کے لئے اس لئے ارشاد فرمایا کہ عموماً تجارتی امور اور کاروبار اور بہت سے کام ایسے وقت میں سامنے آ جاتے ہیں جبکہ

نماز عصر کا وقت ہوتا ہے۔ مالوں کی خرید و فروخت کی گرم بازاری عصر ہی کے وقت ہوتی ہے اس وقت میں نمازوں کی پابندی کرنیوالے بھی نماز عصر سے غافل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے۔ جس نے اچھی طرح ان کا وضو کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور ان کا رکوع و خشوع پورا کیا تو اللہ کے ذمہ یہ عہد ہے کہ وہ اسکی مغفرت فرمادے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اُس کے لئے اللہ کا کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب دے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۱ ج ۱) آخر میں فرمایا: وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ لفظ قانتین قنوت سے لیا گیا ہے۔ جو اسم فاعل کا صیغہ ہے اسکی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ مطیعین، خاشعین، ساکتین، یہ سب اسکی تفسیریں ہیں۔ جو سب حضرات سلف سے مشہور ہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نماز کے اندر باتیں کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ آیت کریمہ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ نازل ہوگئی تو ہمیں خاموشی کا حکم ہوا اور آپس میں بات کرنے سے روک دیئے گئے۔ (رواہ البخاری ص ۶۵۰ ج ۲)

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہی پڑھا جائے اور آپس میں باتیں نہ کی جائیں۔ حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا کہ قنوت یہ ہے کہ رکوع لمبا ہو نظر پست ہو اور خشوع حاصل ہو اور یہ کہ کسی طرف التفات نہ کیا جائے، اور کنکریوں کو اُلٹ پلٹ نہ کیا جائے (جو بعض مسجدوں میں فرش پر پڑی رہتی تھیں) اور دنیاوی اُمور کے وسوسے اپنے دل میں نہ لائے، بعض حضرات نے قانتین کی تفسیر کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے۔ مکملين الطاعة ومُتمميها على أحسن وجه من غير اخلال بشئ ممايتبغي فيها۔ کہ نہایت اچھے طریقہ پر طاعت کو درجہ کمال تک پہنچایا جائے اور جو چیزیں طاعت کے لئے چاہئیں ان میں سے کسی بھی چیز میں خلل نہ آنے دیا جائے۔ (روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲)

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ
پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے
تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾
تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے

دشمنوں کا ہجوم ہو تو نماز کیسے پڑھی جائے؟

تفسیر: گزشتہ آیت میں تمام نمازوں کی پابندی اور خاص کر صلاۃ وسطیٰ کی پابندی کا حکم فرمایا۔ اِس آیت میں خوف اور اُمن کے حالات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جہاں تک بھی ممکن ہو پانچوں نمازوں کو ہر حال میں اور ہر مقام میں ضرور پڑھیں۔ بعض مرتبہ دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس موقعہ پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ باقاعدہ رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہیں ہوتا ایسی صورت میں کھڑے کھڑے اشارہ ہی سے نماز پڑھ لیا کریں۔ زمین پر اُترنے کا موقعہ نہ ہو تو سواری ہی پر پڑھ لیں۔ پھر جب امن ہو جائے اور اطمینان نصیب ہو جائے تو اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امن و اطمینان کے حالات میں نماز پڑھنے کی تعلیم دی ہے اگر دشمنوں کا ہجوم ہو اور کوئی صورت کسی طرح نماز

پڑھنے کو بن نہ پڑے تو مجبوراً نماز مؤخر کردے اور بعد میں قضا پڑھ لے۔ صحیح بخاری (ص ۸۳ ج ۱) میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں نے بھی عصر نہیں پڑھی پھر وادی بطحان کی طرف توجہ فرمائی اور آپ نے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ اس کے بعد آپ نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مشرکین کو بددعا دیتے ہوئے) فرمایا اللہ انکی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۶ ج ۱)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ
اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لئے متمتع ہونے کی ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر
غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ
سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں جو وہ اپنی جانوں کے لئے قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیں،
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾
اور اللہ عزت والا ہے، حکمت والا ہے

بیویوں کے لئے وصیت کرنا

تفسیر: زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو اسکی عدت ایک سال تھی، وہ ایک سال تک کسی کوٹھڑی میں پڑی رہتی تھی اور ایک سال کے بعد اس کوٹھڑی سے نکالتے تھے اور اسکی گود میں اُونٹ کی مینگنیاں بھر دیتے تھے پھر اسے باہر گلی کوچے میں نکالتے تھے۔ وہ لوگوں پر مینگنیاں پھینکتی جاتی تھی اس سے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اسکی عدت ختم ہو گئی جیسا کہ صحیح بخاری (ص ۸۰۳ ج ۲) اور صحیح مسلم (ص ۴۸۷ ج ۱) اور سنن ابو داؤد (ص ۳۱۴ ج ۱) میں مذکور ہے اسلام میں ایسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرما دی جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حمل سے نہ ہو اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

اس آیت میں حکم فرمایا کہ مرنے والا اپنی بیویوں کا خیال رکھے موت سے پہلے اس بات کی وصیت کر دے کہ شوہر کے ترکہ سے ایک سال تک اس کو نان ونفقہ دیا جائے، لفظ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور اس کے ساتھ یہ حکم تھا کہ وصیت میں یہ بھی شامل کر دیں کہ ایک سال تک اسے شوہر کے گھر سے نہ نکالا جائے، غَيْرَ اِخْرَاجٍ میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن عورت کو اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو مرنے والے شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جائے فَاِنْ خَرَجْنَ الخ میں اس مضمون کا بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم آیت میراث نازل ہونے سے پہلے تھا۔ جب میراث کا حکم نازل ہو گیا اور شوہر کے مال میں بیوی کا حصہ بطور میراث مقرر کر دیا گیا تو یہ حکم کہ ایک سال تک اسے نان ونفقہ دیا جائے، منسوخ ہو گیا اور اس کے بعد یہ حکم ہو گیا کہ میراث لے لے اور خرچہ

اسی میں سے کرے۔ البتہ عدت پوری ہونے تک شوہر ہی کے گھر میں رہے۔ نہ اس میں سے نکلے نہ نکالی جائے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ

اورطلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ پہنچانا ہے اچھے طریقہ پر یہ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے اپنی آیات

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

تاکہ تم سمجھو

مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کی تاکید

تفسیر: جن عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی جائے اور مہر مقرر نہ کیا گیا ہو ان کے لئے متعہ دینے کا حکم عنقریب گذر چکا ہے۔ اس آیت میں پھر فرمایا کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے نفع پہنچانا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس سے پہلے جن عورتوں کو متعہ یعنی تین کپڑے دینے کا حکم ہوا تھا اس کو یہاں بطور تاکید دوبارہ بیان فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی (ص ۱۶۰ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اسکی تعیین اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے ابن زید سے روایت کی ہے اور وہ جو کہ جب لفظ حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ نازل ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تو احسان اور سلوک کی بات ہوئی۔ (یعنی تبرع والا معاملہ ہوا) چاہے عمل کروں چاہے نہ کروں۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ فرمادیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص اس پر عمل نہیں کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔

بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے عدت کے زمانہ کا نان ونفقہ مراد ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی نفع پہنچانے میں شامل ہے۔ اور لفظ مَتَاعٌ کو اور زیادہ عام لیا جائے تو اس میں وہ سب احکام داخل ہو جاتے ہیں جو مطلقہ عورتوں سے متعلق ہیں جس میں بعض صورتوں میں پورے مہر کی ادائیگی اور بعض صورتوں میں نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے تو یہ نہ سمجھے کہ اب تو میری بیوی رہی ہی نہیں اب کیا لینا دینا ہے بلکہ اب تو مہر کی ادائیگی کی فرضیت اور زیادہ مؤکد ہوگئی کیونکہ جب تک نکاح میں تھی تو معاف کر دینے کا بھی احتمال تھا اب کیوں معاف کرنے لگی۔ لہٰذا اب جلدی ادائیگی کر کے سبکدوش ہو جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ

تو نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ تعداد میں ہزاروں تھے' پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ مرجاؤ'

ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

پھر ان کو زندہ فرما دیا' بے شک اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر' لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ سننے والا' جاننے والا ہے

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

تفسیر: علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل (ص ۲۲۳ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بستی جس کا نام داوردان تھا اس میں طاعون واقع ہو گیا' اس موقعہ پر ایک جماعت وہاں سے نکل گئی اور ایک جماعت بستی ہی میں رہ گئی۔ جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے۔ اور جو لوگ بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ صحیح سلامت رہے اور پھر بستی میں آ گئے' جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے اُنہوں نے کہا کہ ہمارے یہ ساتھی ہم سے زیادہ ہوشیار رہے۔ آئندہ ہم ایسی زمین کی طرف نکل جائیں گے جہاں وباء نہ ہو چنانچہ آئندہ سال طاعون واقع ہوا تو بستی کے تقریباً سب ہی لوگ چلے گئے اور ایک وسیع میدان میں قیام کر لیا' اس میدان میں نجات پانے کی نیت سے قیام کیا تھا لیکن ہوا یہ ایک فرشتہ نے اوپر کے حصہ سے اور ایک فرشتہ نے میدان کے نچلے والے حصہ سے پکارا اور کہا کہ مُوْتُوْا کہ تم سب مر جاؤ' چنانچہ وہ سب مر گئے۔

دوسرا قول علامہ بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ جو لوگ گھروں سے نکلے تھے یہ لوگ جہاد سے فرار ہوئے تھے جس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دشمن سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں ان لوگوں نے اول تو لشکر تیار کر لیا لیکن پھر اُن پر بُزدلی سوار ہو گئی اور موت سے جان چھڑانے لگے' لہٰذا اُنہوں نے ایک حیلہ بنایا اور اپنے بادشاہ سے کہا کہ جس سرزمین میں جہاد کرنے کے لئے ہم کو جانے کا حکم ہوا ہے اس میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ جب وبا ختم ہو جائے گی تو ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر موت بھیج دی' جب وہیں ان کی بستی میں موتیں ہونی شروع ہوئیں تو وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ جب بادشاہ نے یہ منظر دیکھا تو بارگاہ خداوندی میں اُس نے دعا کی کہ اے اللہ! آپ ان کو کوئی ایسی نشانی دکھا دیجئے جس سے یہ سمجھ لیں کہ موت سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں' اور فرار موت سے نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ جب وہ بستیوں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا مُوْتُوْا (مر جاؤ) اور یہ بطور عقوبت وسزا کے فرمایا چنانچہ وہ لوگ مر گئے' انکے جانور بھی مر گئے اور آن واحد میں سب کو موت آ گئی۔ جیسے شخص واحد کی موت ہو' وہ آٹھ دن تک اسی طرح پڑے رہے' یہاں تک کہ نعشیں ان کی پھول گئیں۔ ان کی طرف لوگ نکلے تو اتنی کثیر تعداد کو دفن کرنے سے عاجز آ گئے۔ لہٰذا اُنہوں نے ان کے چاروں طرف احاطہ بنا دیا تا کہ درندے نہ پھاڑ ڈالیں اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا' حضرت حزقیل علیہ السلام جو اس زمانہ کے نبی تھے وہ ان لوگوں پر گزرے تو کھڑے ہو گئے اور تعجب سے غور فرمانے لگے' اللہ جل شانہٗ نے ان کی طرف وحی بھیجی کیا میں تمہیں کوئی نشانی دکھاؤں عرض کیا' ہاں دکھائیے' اس پر اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے زندہ کرنے کے لئے دعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا' جب وہ لوگ زندہ ہو گئے تو ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے۔

سُبحان اللہ ربنا وبحمدک لا الٰہ الّا انت (اے اللہ اے ہمارے رب ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں) زندہ ہو کر یہ لوگ اپنی قوم میں چلے گئے' حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور سزا کے موت دیدی تھی۔ کیونکہ موت سے بھاگے تھے پھر باقی عمریں پوری کرنے کے لئے زندہ کر دیئے گئے' اگر انکی عمریں ختم ہو چکی ہوتیں تو دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے۔

یہ لوگ مقدار میں کتنے تھے جو موت کے بعد زندہ ہوئے اس کے بارے میں علامہ بغوی نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں ۳ ہزار' ۴ ہزار' ۸ ہزار' دس ہزار' تیس ہزار سے کچھ اوپر' چالیس ہزار' ستر ہزار علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ جس نے دس ہزار

سے زیادہ کہا وہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ اُلوف جمع کثرت ہے جس کا دس ہزار سے کم پر اطلاق نہیں ہوتا۔

یہ جو کچھ معالم التنزیل سے نقل کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی کتب تفسیر میں واقعات کچھ نقل کئے گئے ہیں۔ بظاہر یہ سب واقعات اسرائیلیات ہیں اور ان قصوں کے جاننے پر قرآن کا مفہوم سمجھنا موقوف بھی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کو موت دیدی پھر ان سب کو زندہ فرمادیا' اللہ تعالیٰ کی قوت کاملہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسے موت دینے اور پھر زندہ کرنے پر قدرت ہے۔ ایک جان کی موت وحیات اور ہزاروں جانوں کی موت وحیات اس کے لئے سب برابر ہیں۔ آن واحد میں وہ ہزاروں افراد کو موت دے سکتا ہے اور زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اس واقعہ میں خاص کر بنی اسرائیل کے لئے تذکیر ہے۔ کیونکہ انہیں اپنے خاندانوں کے واقعات یاد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اُمّی تھے۔ آپ کو ان باتوں کا پتہ نہ تھا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ باتیں بتائی ہیں۔ اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے روشن دلیل ہے۔ دوسری آیت میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو اس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ اُن لوگوں کو خطاب ہے جو موت کے بعد زندہ کئے گئے تھے۔ اور یہ بات ان مفسرین کے بیان سے جوڑ بھی کھاتی ہے جنہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جہاد سے بچنے کے لئے راہ فرار اختیار کی تھی' اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس میں اُمت محمدیہ کو خطاب فرمایا ہے اور ان کو جہاد کا حکم دیا ہے اس قول کے مطابق بنی اسرائیل کے واقعہ کو حکم جہاد کی تمہید کہا جا سکتا ہے کہ جہاد میں شریک ہونے سے موت کا خوف مانع نہ ہونا چاہئے موت کے ڈر سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں آدمی بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن موت نے ان کو نہ چھوڑا' اللہ کی راہ میں جہاد کرنا آخرت کے بہت بڑے اجر وثواب اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے جو جہاد نہ کریگا موت اسکو بھی آئے گی پھر کیوں اجر وثواب کو کھوئے بعض اہل تفسیر کے قول کے مطابق وہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے جو بنی اسرائیل کے لئے عذاب تھا اور اس امت کے لئے رحمت ہے ہمارے نبی فخر الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

طاعون ایک عذاب ہے اللہ جس پر چاہتا ہے اُسے بھیج دیتا ہے۔ اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اُسے مومنین کے لئے رحمت بنایا ہے' جو بھی کوئی شخص کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں طاعون واقع ہو گیا ہو اور صبر کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے وہیں ٹھہرا رہے کہ مجھے اس کے سوا کچھ (ضرر) نہیں پہنچ سکتا۔ جو اللہ نے میرے لئے لکھ دیا ہے' تو ایسے شخص کے لئے ایک شہید کا ثواب ہے۔ (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

یہ تو اس شخص کے لئے ہے جو طاعون کی جگہ ثابت قدم رہا۔ وہاں سے گیا نہیں اور طاعون میں مبتلا نہ ہوا۔ صبر واستقامت کی وجہ سے اسے شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص طاعون میں مر گیا تو وہ بھی شہیدوں میں شمار ہے۔ (کما رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عوف اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی ایسی سرزمین میں طاعون آ جائے جہاں تم موجود ہو تو اس سے بھاگنے کے لئے مت نکلنا (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طاعون سے بھاگے تو وہ ایسا ہے جیسے میدان جہاد سے بھاگا اور جو صبر کرتے ہوئے وہیں رہے اس کیلئے ایک شہید کا ثواب ہے۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۱۳۹ ج ۱)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ

کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن' پھر اللہ اُس کے لئے اضافہ فرمادے چند در چند بہت سے اضافے فرما کر' اور اللہ تنگی فرماتا ہے

وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۴۵

اور کشادہ فرماتا ہے' اور اسکی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے

اللہ کی رضا کیلئے صدقہ خیرات کرنیکی فضیلت

تفسیر: لباب النقول میں اس آیت کریمہ کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن حبان وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (آخر تک) نازل ہوئی تو رسول اللہ علیہ ﷺ نے عرض کیا رَبِّ زِدْ اُمَّتِيْ (یعنی اے میرے رب میری اُمت کو اور زیادہ عطا فرما) اس پر آیت مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا نازل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے استفہام کا طریقہ اختیار فرمایا ہے (جو ترغیب کا بہت عمدہ طریقہ ہے) کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دیتا ہے۔ قرض کا معنی تو سب ہی جانتے ہیں اور حسن اچھے کے معنی میں آتا ہے۔ صاحب روح المعانی (ص ۱۶۲ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اخلاص کے ساتھ خرچ کرنا اور حلال اور طیب مال خرچ کرنا یہ سب قرض حسن کے عموم میں داخل ہے اھ اللہ تعالیٰ شانہٗ محتاج نہیں ہے سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا اور سب اسی کی ملکیت ہے۔ جو لوگ مجازی مالک ہیں وہ اور اُن کے اموال سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا کتنا بڑا فضل ہے اور شان کریمانہ ہے کہ اس کو دیئے ہوئے میں سے جو شخص اس کی مخلوق پر خرچ کرے جو خرچ کرنے والے کی اپنی جنس ہے حتیٰ کہ اپنے اُوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اور اس میں ثواب سمجھے تو اس کا نام قرض رکھ دیا۔ اور پھر جتنا دیا ہے اس سے بہت زیادہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا جس کو اپنی آیت میں اَضْعَافًا كَثِيْرَةً فرمایا ہے کسی نے کیا خوب کہا۔

مالِ عالم ملک تست و مالکاں مملوک تو ... باوجود ایں بے نیازی اقرضوا اللہ گفتۂ

صحیح بخاری (ص ۱۸۹ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب کوئی شخص ایک کھجور کے برابر حلال مال سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال ہی کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے پھر اسکی تربیت فرماتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا ہے اور وہ ذرا سا صدقہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم (ص ۲۵۸ ج ۲) میں ہے کہ روزانہ رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اسکی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسکو دے دوں' کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اسکی مغفرت کر دوں' کون ہے جو ایسے کو قرض دے جس کے پاس سب کچھ ہے اور جو ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ صبح تک یوں ہی فرماتے رہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ کون ہے جو ایسے کو دے جس کے پاس سب کچھ ہے اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے مال کی حاجت نہیں ہے اسکی ملکیت میں سب کچھ ہے' کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ضرورت مند کو دے رہا ہوں' بلکہ اپنا فائدہ سمجھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے اس میں یہ بتایا کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ضائع نہ جائے گا اس کے مارے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

پھر فرمایا: وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اللہ تعالیٰ تنگی کرتا ہے اور کشادہ فرماتا ہے۔ اور اسکی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسکی روزی تنگ کر دے اس کا بھی اسے اختیار ہے اس پر کوئی پابندی لگانے والا نہیں۔ کسی کو زیادہ دینا اور دے کر کم کر دینا سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا (بلاشبہ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق عطا فرماتا ہے اور تنگی فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے) یہ مضمون سورۃ العنکبوت رکوع نمبر ۶ اور سورۂ سباء رکوع نمبر ۴ اور رکوع نمبر ۵ میں بھی مذکور ہے۔ آخر میں یہ جو فرمایا وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اس میں یہ بتایا کہ اللہ کے لئے خرچ کیا ضائع نہیں ہے۔ جب اللہ کے یہاں پہنچو گے سب کا ثواب پالو گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا

کیا آپ کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ معلوم ہے جو موسیٰ کے بعد پیش آیا، جب انہوں نے اپنے نبی سے عرض کیا کہ مقرر کر دیجئے ہمارے لئے

مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا

ایک بادشاہ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، انہوں نے فرمایا کیا ایسا ہو گا کہ اگر تم پر قتال فرض کیا گیا تو

تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

تم قتال نہ کرو؟ وہ کہنے لگے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور

أَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾

اپنے بیٹوں کے پاس سے، پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو پھر گئے سوائے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ

اور کہا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ وہ کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمران ہونے کا حق کیسے پہنچتا ہے

عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ

حالانکہ ہم ان سے زیادہ حکمرانی کے مستحق ہیں اور انکو مالی گنجائش نہیں دی گئی، ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے ان کو تم پر حکمرانی

عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ

کے لئے منتخب فرمایا ہے، اور ان کو علم میں اور جسم میں فراخی عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ

وسعت والا ہے علم والا ہے۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ بلاشبہ ان کے حکمران ہونے کی یہ نشانی ہے کہ آ جائے گا تمہارے پاس تابوت جس میں تسکین ہے

مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جنہیں چھوڑا تھا آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے جس کو فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے۔ بے شک اس میں

لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

ضرور نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو۔

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اور طالوت کی بادشاہت کا ذکر

تفسیر: ان آیات کریمہ میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پورا واقعہ پارہ کے ختم کے قریب تک بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ میں بنی اسرائیل کے لئے جہاں تذکیر کی نعمت ہے وہاں اُمت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ) کے لئے بھی بہت سی

23 عبرتیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انہی کی قوم میں سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جو یکے بعد دیگرے آتے رہے، حضرت یوشع، حضرت شمعون، حضرت شمویل اور حضرت کالب بن یوقنا اور حضرت حزقیل علیہم السلام کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔ یہ حضرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ اور توریت شریف کے مضامین بیان فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل میں شدہ شدہ بے دینی بلکہ بد دینی تک آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ جو جالوت کی قوم میں سے اور عمالقہ میں سے تھے اور بحر روم کے ساحل پر مصر و فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل پر غالب ہو گئے۔ انکی زمین چھین لی اور ان کو اور ان کی اولاد کو جن میں ان کے بادشاہوں کی نسل کے لوگ بھی تھے قید کر لیا اور ان پر جزیہ لگا دیا۔ بنی اسرائیل اس موقع پر بہت ہی زیادہ مصیبت اور سختی میں بتلا رہے کوئی ایسا نہ رہا جو اُن کا قائد اور مدبر ہوتا۔ جب بہت زیادہ دُکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوئے تو اس زمانہ میں جو اُن کے نبی تھے۔ (اور اسی مصیبت کے زمانہ میں وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہو کر نبوت سے سرفراز ہوئے) انکی خدمت میں بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اللہ پاک کی طرف سے آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کرا دیں تا کہ ہم ان کے ساتھ ملکر دشمنوں سے جہاد کریں اور ان کو اپنے علاقوں سے نکال دیں (چونکہ بنی اسرائیل کو سیاسی حالات میں بادشاہوں کے ساتھ ملکر کام کرنے کی عادت تھی اس لئے انہوں نے ایسا سوال کیا) جب ان لوگوں نے کسی کو بادشاہ بنانے کا سوال کیا اور دشمنوں سے جہاد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے نبیؑ نے جو ان کے حال اور قال کو جانتے تھے۔ خطرہ ظاہر کیا اور فرمایا کہ تم سے تو یہ اُمید ہے کہ قتال فرض ہو گیا تو جنگ سے دور بھاگو گے اور لڑائی سے جان چھڑاؤ گے اس پر وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں۔ جنگ نہ لڑنے کا کوئی سبب نہیں بلکہ لڑنے کا سبب موجود ہے اور وہ یہ کہ دشمن نے ہم پر جو تسلط کر رکھا ہے اسکی وجہ سے ہم اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں اور اپنی اولادوں سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ باتیں تو بڑھ چڑھ کر کر رہے تھے لیکن جب قتال فرض ہو گیا تو وہ خطرہ سامنے آ گیا جو ان کے نبی کو تھا اور تھوڑے لوگوں کے علاوہ باقی سب ارادوں اور وعدوں سے پھر گئے اور جنگ کرنے سے منہ موڑ لیا۔ اللہ جل شانہٗ نے انکی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ بنا دیا اور ان کے نبی نے اس کا اعلان کر دیا۔ عمل اور کارگزاری حضرت طالوت کی تھی اور مشورہ اور رہبری ان کے نبی کی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ نبی جس سے مذکورہ بالا درخواست کی تھی۔ حضرت شمعون علیہ السلام تھے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا تو اپنی روایتی کجروی کے باعث اُسی طرح کی اُلٹی باتیں کیں جیسا کہ ان کا مزاج تھا اور پرانا طریقہ کار تھا۔ ان کی اس طرح کی باتیں ذبح بقرہ کے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں۔ حضرت طالوت کی بادشاہت کا اعلان سننے کے بعد کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے اس کے پاس پیسہ ہے نہ کوڑی، اس سے زیادہ تو ہم بادشاہ بننے کے مستحق ہیں اپنی جہالت سے وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو بھی رائے دینے لگے کہ اس کے بجائے ہم میں سے کوئی پیسہ والا بادشاہ ہونا چاہئے۔ اور یہ انسان کا عجیب مزاج ہے کہ وہ پیسہ والا کو بڑا آدمی سمجھتا ہے خواہ کیسا ہی بے علم اور ناسمجھ اور بخیل ہو۔

ان کے نبی نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو منتخب فرما لیا ہے تم پر ان کو ترجیح دے دی اور حکومت کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس میں پوری طرح موجود ہے حکومت کے لئے علم ہونا چاہئے جس کے ذریعہ وہ تدبیر امور کر سکے اور دشمنوں سے نمٹ سکے اور ساتھ ہی جسمانی قوت بھی ہونی چاہئے علم کی تدبیر اور جسم کی قوت سے ہمت ہوتی ہے اور حوصلہ بلند ہوتا ہے اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے انہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور یوں بھی اللہ کو اختیار ہے وہ جس کو چاہے حکومت اور مملکت عطا فرمائے، تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے اور اللہ کے فیصلہ کے خلاف تم رائے دینے والے کون ہو اُسے معلوم ہے کہ حکومت ملنے پر کوئی کیا کرے گا اور کیسا ثابت ہو گا۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ایک نبی کا فرمانا بات ماننے کے لئے اور حضرت

طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے کافی تھا۔لیکن ان کے نبی نے حضرت طالوت کی بادشاہت کا ثبوت دینے کے لئے ایک نشانی بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تمہارے پاس وہ تابوت آئے گا جو تمہارے لئے باعثِ اطمینان وسکون ہوگا۔اس تابوت میں ان چیزوں کا بقیہ ہوگا جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے چھوڑی تھیں چنانچہ وہ تابوت ان لوگوں کے پاس آ گیا جسے فرشتے اُٹھائے ہوئے تھے دشمنوں نے ان سے چھین لیا تھا جب یہ تابوت انکے پاس تھا تو دشمنوں سے جنگ کرتے وقت اُن کو سامنے رکھا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ دشمن پر فتح یابی حاصل کر لیتے تھے۔حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے جو چیزیں چھوڑی تھیں ان کا بقیہ کیا تھا جو اس تابوت میں تھا۔اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ توراۃ شریف کی دو تختیاں تھیں اور اُن تختیوں کا کچھ چورا تھا جو ٹوٹ گئی تھیں۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی اور کچھ من بھی تھا جو سلویٰ کے ساتھ بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا۔اس تابوت کا ان کے پاس فرشتوں کا لیکر آنا اور دوبارہ واپس مل جانا اس بات کی صریح دلیل تھی کہ حضرت طالوت کو واقعی اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا ہے۔فرشتے یہ تابوت لائے اور حضرت طالوت کے سامنے رکھ دیا لیکن بنی اسرائیل سے پھر بھی یہ بعید نہ تھا کہ انکار کر بیٹھیں اس لئے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (تمہارے لئے اس میں نشانی ہے اگر تم مومن ہو)۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

طالوت لشکروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمانے والا ہے سو جس نے اس میں سے پی لیا

فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا

وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس میں سے نہ پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو پی لیا' پھر تھوڑے سے افراد کے علاوہ

مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

سب نے اس میں سے پی لیا پھر جب آگے بڑھے طالوت اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے تو کہنے لگے کہ

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ

آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے' جو لوگ اللہ کی ملاقات کا یقین رکھتے تھے وہ کہنے لگے کتنی ہی

قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ

کم تعداد جماعتیں اللہ کے حکم سے بھاری تعداد والی جماعتوں پر غالب ہو چکی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔اور جب یہ لوگ جالوت

وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لئے نکلے تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔سو ان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے انکو ملک دیدیا حکمت

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ

عطا فرما دی، اور ان کو جو کچھ چاہا علم دے دیا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ تو

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

زمین میں فساد ہو جاتا اور لیکن اللہ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

اور بلا شبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں

طالوت کے لشکر کا عمالقہ پر غالب ہونا اور جالوت کا مقتول ہونا

تفسیر: جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کا حکمران مقرر کر دیا گیا اور انکے نبی کی خبر کے مطابق مذکورہ تابوت فرشتے لے کر آ گئے تو اب بنی اسرائیل کے لئے کوئی حجت باقی نہیں رہی، اور جہاد کرنے کے لئے نکلنا پڑا۔ جب دشمن سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت طالوت نے اپنے لشکروں سے فرمایا کہ تم لوگوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو مبتلا فرمائے گا اور یہ ابتلاء اور امتحان ایک پانی کی نہر کے ذریعہ ہوگا' چونکہ گرمی سخت تھی اور پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے اس لئے اکثر افراد امتحان میں ناکام ہو گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ نہر فلسطین تھی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اردن اور فلسطین کے درمیان کوئی نہر تھی جس کا پانی میٹھا تھا' حضرت طالوت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو اس میں سے چلو بھر پانی پینے تک تو بات ٹھیک ہے جس نے چلو بھر پانی پی لیا وہ تو میرا ساتھی ہے میرے آدمیوں میں ہے اور جس نے زیادہ پانی پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے میری جماعت میں اس کا شمار نہیں' چونکہ اکثر افراد نے خوب پانی پی لیا تھا اس لئے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور جی چھوڑ بیٹھے اور ہمت ہار گئے اور کہنے لگے ہم تو آج اپنے دشمن جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ہماری بساط نہیں کہ ہم ان سے لڑ سکیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ حضرت طالوت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ ستر یا اسی ہزار تھے ان میں سے تھوڑے ہی سے رہ گئے جنہوں نے پانی نہیں پیا' جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا انکی تعداد تین سو تیرہ لکھی ہے۔ یہ تھوڑا سا ایک چلو پانی جن لوگوں نے پیا اللہ تعالیٰ نے اتنے ہی پانی کو ان کے لئے کافی فرما دیا ان کی پیاسیں اس سے بجھ گئیں اور جن لوگوں نے ڈٹ کر پانی پی لیا تھا وہ وہیں نہر کے کنارے پھیل گئے اور بزدل ہو کر گر پڑے' جو لوگ حضرت طالوت کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کی وہ دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑے تھے لیکن انہیں یقین تھا کہ ہمیں اللہ کے پاس جانا ہے۔ میدان جہاد سے بھاگنا مؤمن کا شیوہ نہیں۔ ہمیں جہاد کرنا ہی کرنا ہے۔ رہا ہماری جماعت کا کم تعداد ہونا تو اللہ کی مدد کی اُمید رکھنے والوں کے لئے یہ بات سوچنے کی نہیں ہے بہت سی کم تعداد جماعتیں بڑی بھاری تعداد والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب ہو چکی ہیں۔ صبر و ثابت قدمی اللہ کی مدد کو لانے والی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت طالوت کا لشکر دشمن سے جہاد کرنے کے لئے جا رہا تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ایک تھیلے میں چند پتھر رکھ لئے تھے جب دونوں فریق مقابل

ہوئے تو جالوت نے کہا کہ تم لوگ اپنے میں سے ایک شخص نکالو جو مجھ سے جنگ کرے اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارا ہو جائے گا۔ اور میں نے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرے ملک میں شامل ہو جائے گا۔ حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جالوت کے مقابلہ کے لئے روانہ کرنا چاہا اور ان کو ہتھیار پہنچا دیئے' حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس سے جنگ کرنے کے لئے ہتھیار پہننا منظور نہیں ہے۔ اصل اللہ کی مدد ہے اگر اللہ نے مدد نہ فرمائی تو کوئی ہتھیار کام نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر جالوت سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ جالوت نے کہا کہ تم مجھ سے مقابلہ کرو گے انہوں نے فرمایا کہ ہاں' جالوت نے کہا تم تو یہ پتھر اور غلیل لے آئے جس سے کتے کو مارا جاتا ہے' حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ کا دشمن ہے کتے سے بھی بدتر ہے یہ کہہ کر اپنی غلیل سے ایک پتھر مارا جو اسکی آنکھوں کے درمیان لگا اور دماغ میں گھس گیا۔ اس سے جالوت کا کام تمام ہوا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ جالوت جو اُن کا دشمن تھا اور قوم عمالقہ کا بادشاہ تھا اس سے اور اس کے لشکروں سے آمنا سامنا ہوا' دونوں فریق صف آرا ہوئے تو حضرت طالوت کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر کی اور ثابت قدمی کی اور کافروں کے مقابلہ میں فتح یاب ہونے کی دعا کی۔ جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں جالوت اور اس کے لشکروں کو شکست ہوئی' اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت طالوت کے لشکر کو فتح یابی ہوئی' اور دشمن نے باوجود کثیر تعداد ہونے کے شکست کھائی' اس جہاد میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شریک تھے۔ ان کے ہاتھ سے جالوت قتل ہوا۔ جیسا کہ اُوپر بیان ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت عطا فرما دی جس کا ذکر سورۂ صٓ کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ملک سے حکومت اور حکمت سے نبوت مراد ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دونوں سے سرفراز فرمایا صاحب روح المعانی (ص ۱۷۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ انکے زمانہ کے جو نبی تھے انکی وفات کے بعد اور طالوت کی وفات کے بعد ان کو نبوت اور بادشاہت دی۔ جس کا اجمالی طور پر وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ میں تذکرہ فرمایا ہے مذکورہ قصہ جہاد بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ فرماتا تو زمین فساد والی ہو جاتی اور لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے) وہ قوت اور شوکت والوں کی طاقت کو دوسرے لوگوں کے ذریعہ دفع فرماتا رہتا ہے اور ظالمین تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی ایک ہی علاقہ یا ایک ہی قوم کی قوت و شوکت ہمیشہ رہتی تو وہ ساری دنیا کو مصیبت میں ڈال دیتے اور سب کو مقہور و مجبور بنا لیتے' اور ہمیشہ طغیانی سرکشی کرتے رہتے۔

آخر میں فرمایا ''کہ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں''۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کتابیں پڑھی تھیں' نہ پرانی تاریخیں سنی تھیں۔ اس لئے ان واقعات کا علم ہو جانا اور لوگوں کو بتانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا ہے۔ قال صاحب الروح قوله تعالىٰ (وانک لمن المرسلين) حيث تخبر بتلک الآيات والقرون الماضية على ما هى عليه من غير مطالعة كتاب ولا اجتماع بأحديخبر بذلک (ص ۱۷۵ ج ۲)۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر، ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

بعض کو درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا، اور ہم نے دیئے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات، اور ہم نے انکی تائید کی روح القدس کے ذریعہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے جو اُن کے بعد تھے اس کے بعد کہ آئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات، لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ

انہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جنہوں نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے لیکن

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے

حضرات انبیاء علیہم السلام کے درمیان فرقِ مراتب

تفسیر: لفظ تلک اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ المرسلین ہے، یعنی یہ پیغمبر جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا ان کو ہم نے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی کہ بعض کو ایک منقبت سے متصف فرمادیا جو بعض دوسروں میں نہیں تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تفضیل بالشرائع مراد ہے۔ ان میں سے بعض کو مستقل شریعت دی اور بعض کو سابق نبی ہی کی شریعت کا مؤید و مبلغ بنایا، صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں (ص ۲ ج ۳) پہلے قول کی تائید مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ سے ہوتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض ایسے حضرات تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو سب ہی کلیم اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اور اس کلام سے بلاواسطہ کلام مراد ہے جس میں فرشتے کا واسطہ نہیں تھا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ان حضرات میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے ہوئے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ بھی فرمایا یعنی بعض انبیاء کے درجات دوسرے بعض انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ بلند فرمائے۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں بَعْضَهُمْ سے سرورِ عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو وہ خواص علمیہ و عملیہ عطا فرمائے کہ زبانیں ان کو پوری طرح ذکر کرنے سے عاجز ہیں، آپ رحمۃ للعالمین ہیں، صاحب الخلق العظیم آپ کی صفت خاص ہے۔ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا جو پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو معجزات کے ذریعے مؤید ہے۔ مقامِ محمود اور شفاعت عظمیٰ کے ذریعہ آپ کو رفعت دی گئی ہے اور آپ کے فضائل اور مناقب اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار کرنا بندوں کے بس سے باہر ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب الخصائص الکبریٰ اور امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ کا مطالعہ کیا جائے آخر الذکر کتاب سات جلدوں میں ہے جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

پھر ارشاد فرمایا وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح معجزات عطا کئے اور روح القدس (یعنی جبریل علیہ السلام) کے ذریعہ انکی تائید کی اُسکی تفسیر وتشریح سورۃ البقرہ کے رکوع نمبر ۱۲ میں گزر چکی ہے پھر ارشاد فرمایا: وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ (الآیۃ) اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ اور قتل وقتال نہ کرتے۔ جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے تشریف لیجانے کے بعد آپس میں مختلف ہوگئے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیں آپس میں اختلاف کرتی رہیں اور ان میں لڑائیاں ہوتی رہیں حالانکہ ان کے پاس کھلے ہوئے دلائل موجود تھے۔ اگر ان کو سامنے رکھتے تو نہ مختلف ہوتے نہ جنگ کرتے ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور انبیاء علیہم السلام کے متبع بنے اور بہت سے لوگوں نے کفر اختیار کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ان کا آپس میں قتل وقتال نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور فاعل مختار ہے وہ جو چاہے کرے اس پر کسی کا اعتراض ہو نہیں سکتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
اے ایمان والو اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے کہ جس میں نہ بیع
فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾
ہو گی نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہ ظلم کرنے والے ہیں

روز قیامت آنے سے پہلے پہلے اللہ کیلئے خرچ کرلو

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور لفظ رَزَقْنٰكُمْ میں یہ بتادیا کہ یہ مال ہمارا دیا ہوا ہے۔ جس نے مال دیا اس کو پورا پورا حق ہے کہ مال خرچ کرنے کا حکم فرمائے نیک کاموں میں فرائض واجبات کے مصارف بھی ہیں اور مستحب ونفلی صدقات بھی' اور جس طرح بدنی عبادات (نماز روزہ) آخرت کے عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح مالی عبادات اس کا سبب ہیں۔

صحیح بخاری (ص ۱۹۱ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (دوزخ سے بچو اگرچہ آدھی ہی کھجور کا صدقہ کردو) قیامت کا دن بہت سخت ہوگا نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام دیں گے۔ اس دن نہ بیع ہوگی' نہ دوستی نہ سفارش' لہٰذا اس دن نجات پانے اور عذاب سے بچنے کے لئے اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہئے۔ اعمال صالحہ میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ''اس دن بیع نہیں ہوگی'' اس کے بارے میں حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے فدیہ یعنی جان کا بدلہ مراد ہے' مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی جان کسی جان کے بدلہ عذاب بھگتنے کے لئے تیار نہیں ہوگی جیسا کہ سورۃ البقرہ کے چھٹے رکوع میں فرمایا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا اور فدیہ کی صورت میں کیونکہ مبادلہ ہوتا ہے اس لئے اسے بیع سے تعبیر فرمایا۔ اور جو فرمایا اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِيْنَ . (اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جو صفت تقویٰ سے متصف تھے) وَلَا شَفَاعَةٌ فرما کر شفاعت یعنی سفارش کی نفی فرمادی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے اُس دن کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المؤمن میں فرمایا: مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ (کہ ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا نہ سفارش کرنے والا ہوگا جس کی

بات مانی جائے) اہل ایمان کے لئے جو شفاعت ہوگی اس میں اسکی نفی نہیں ہے جس کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لئے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اس کے لئے سفارش ہو سکے گی۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (کفر کرنے والے ظالم ہی ہیں) اُنہوں نے معبود حق سے منہ موڑا اور خالق و مالک سے منحرف ہوگئے۔ ایسے لوگوں کی نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
اللہ ایسا ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی' وہ زندہ ہے' قائم ہے' قائم رکھنے والا ہے' اس کو نہیں پکڑتی اُونگھ اور نہ نیند' اُسی کے لئے ہے جو آسمانوں
وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
میں ہے اور جو زمین میں ہے' کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت کے ساتھ' وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ
اور جو ان کے پیچھے ہے' اور وہ احاطہ نہیں کرتے اسکی معلومات میں سے کسی چیز کا مگر جو وہ چاہے' گنجائش ہے اسکی کرسی میں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾
آسمانوں کی' اور زمین کی اور اسے بھاری نہیں ہے ان دونوں کی حفاظت' اور وہ برتر ہے' عظمت والا ہے

اللہ جل شانہٗ کی صفاتِ جلیلہ کا بیان

تفسیر: یہ آیت کریمہ آیۃ الکرسی ہے احادیث شریفہ میں اسکی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے بیان فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوالمنذر (یہ انکی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو اللہ کی کتاب میں وہ کون سی آیت تمہارے پاس ہے جو اعظم ہے (سب سے بڑی عظمت والی ہے) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے پھر وہی سوال فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ وہ آیت اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے' آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابوالمنذر تمہیں علم مبارک ہو۔ (رواہ مسلم ص ۲۷۱ ج ۱)

چونکہ اس آیت شریفہ میں کرسی کا ذکر ہے اس لئے عوام و خواص سب ہی اسے آیۃ الکرسی کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ خود روایات حدیث میں اسے آیۃ الکرسی کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ آیۃ الکرسی میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے' وہی معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ صفت الوہیت میں منفرد ہے۔

پھر ارشاد فرمایا اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لفظ حیّ عربی زبان میں زندہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ زندہ ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اسکی ذات و صفات ازلی و ابدی ہیں جن کو کبھی بھی زوال نہیں' اور قَيُّوْمُ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ قائم خود قائم رہنے والا اور قیوم قائم رکھنے والا' ساری کائنات اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مخلوق ہے اور اس نے ان سب کو وجود دیا ہے اور اسی کے اذن و مشیت سے سب کا وجود قائم ہے کائنات کے سب احوال اسی کی مشیت اور قدرت سے متغیر و متبدل ہوتے ہیں اور وہ جس کو جس حال میں

چاہے رکھتا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۱۵۱ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جب نماز تہجد کے لئے بیدار ہوتے تھے تو بارگاہ خداوندی میں جو معروض پیش کرتے تھے۔ اس میں یہ بھی تھا: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ (اے اللہ آپ ہی کیلئے سب حمد ہے آپ تمام آسمانوں کے اور زمینوں کے اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کے قائم رکھنے والے ہیں)۔

پھر فرمایا: لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (اس کو نہیں پکڑتی ہے اُونگھ اور نہ نیند) سِنَةٌ ہلکی نیند کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ اونگھ سے کیا گیا ہے۔ اور نَوْمٌ سو جانے کو کہا جاتا ہے جس میں ہوش و حواس بالکل ہی قائم نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اونگھ اور نیند دونوں سے برتر اور بالا ہے، مخلوق کو تھکن دور کرنے اور آرام پانے کیلئے نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ جل شانہٗ کو کسی طرح کی کوئی بھی تھکن نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ نیز نیند اور اونگھ میں انفعال ہوتا ہے اور تغیر حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ انفعال اور تغیر حال سے پاک ہے۔ لہٰذا اسے نہ نیند آ سکتی ہے نہ آتی ہے مخلوق کا یہ حال ہے کہ کام کرتے کرتے تھک جائیں تو نیند غالب ہو جاتی ہے، سونا نہ چاہیں تب بھی نیند دبا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اپنے اختیار سے سوتا ہے اور نہ اسے نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ لفظ لَا تَاْخُذُهٗ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ پر نیند غلبہ نہیں پا سکتی۔ جب ہلکی نیند یعنی اُونگھ بھی اسے نہیں پکڑ سکتی تو بڑی نیند کیسے غلبہ پائے گی۔ نیند مخلوق کی صفت ہے جو خالق کائنات کے حق میں عیب و نقص ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّنَامَ (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ یہ اسکی ذات کے شایان شان ہے کہ وہ سوئے۔ پھر فرمایا: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب اسی کے بندے ہیں اور ہر چیز اسکی ملکیت ہے سب کو اُسی نے پیدا فرمایا ہے وہ فاعل مختار ہے جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمائے پھر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (کون ہے جو اسکی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اسکی اجازت سے) اس میں یہ بتایا کہ کسی کی ایسی حیثیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر سکے، ہاں اس کا یہ کرم اور فضل ہے کہ جس کو چاہے سفارش کرنے کی اجازت دیدے اور جس کے لئے اجازت دے اسی کی سفارش ہو سکتی ہے۔ قیامت کا دن جو مخلوق کے لئے بہت ہی کٹھن ہوگا۔ اس وقت لوگ متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے جب سب عاجزی ظاہر کر دیں گے تو فخر الاولین والآخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہماری سفارش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں روانہ ہو جاؤں گا۔ اور عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کیلئے سجدہ میں پڑ جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی وہ تعریفیں اور وہ بہترین ثنا منکشف فرمائیں گے۔ جو مجھ سے پہلے کسی پر منکشف نہ فرمائی تھیں۔ پھر ارشاد ربی ہوگا کہ اے محمد سر اُٹھاؤ اور مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ سفارش کرو تمہاری سفارش پوری کی جائے گی (اس کے بعد آپ سفارش فرمائیں گے۔ جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے)۔

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا: يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔ (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور جس کے لئے بات کرنا پسند فرمایا ہو) سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (اللہ جانتا ہے انکے اگلے پچھلے احوال کو اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کے لئے جس کے لئے خدا تعالیٰ راضی ہو اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں) سورۂ نجم میں فرمایا: وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ

شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضٰى (اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں جنکی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیدیں۔اور راضی ہو جائیں)۔

پھر فرمایا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔(اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے آگے اور پیچھے ہے) یعنی ان کے امور دنیویہ واخرویہ کا اس کو پوری طرح علم ہے۔ بعض مفسرین نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ عمل کرنیوالوں کے جو اعمال اچھے برے سامنے ہیں وہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو پہلے کر چکے ہیں انکو بھی جانتا ہے' غرض کہ اس کا علم پوری مخلوق کو اور مخلوق کے احوال واعمال وافعال سب کو پوری طرح محیط ہے۔

پھر فرمایا: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (اور بندوں کو اللہ کی معلومات میں سے بس اسی قدر علم ہے جتنا اُس نے چاہا) جس کسی مخلوق کو جتنا بھی علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ملا ہے۔ان میں سے کسی کا کوئی علم ذاتی نہیں ہے اور نہ کسی کا علم ساری معلومات الٰہیہ تک محیط ہے۔

پھر فرمایا: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (کہ گنجائش ہے اسکی کرسی میں آسمانوں کی اور زمینوں کی) اس میں کرسی کی وسعت بتائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اسکی کرسی میں آسمان اور زمین سب سما سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ شانہٗ نشست و برخاست سے اور جگہ ومکان سے بالاتر ہے۔اور منزہ ہے۔اس طرح کی آیات کو علماء کرام متشابہات میں شمار فرماتے ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ انکے اس معنی ومفہوم پر ایمان لائیں کہ اُن کا جو مطلب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے میں اُس پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس بھی نہ کریں' عرش اور کرسی دونوں کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہوا ہے صاحب روح المعانی (ص ۹ ج ۳) نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو الگ الگ پھیلا دیا جائے تو کرسی کے مقابلہ میں سب مل کر ایسی ہوں گی جیسے جنگل میں کوئی چھوٹی سی گول چیز پڑی ہو' پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے اور کرسی عرش کے سامنے اتنی چھوٹی ہے جیسے چھوٹی سی گول چیز میدان میں پڑی ہو۔یہ روایت انہوں نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتایا ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ عرش اور کرسی ایک ہی چیز ہے۔کرسی کے بارے میں اور بھی چند اقوال مفسرین نے نقل فرمائے ہیں۔پھر فرمایا: وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا (کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان وزمین کی حفاظت بھاری نہیں ہے) چونکہ وہ خالق ہے اور مالک ہے اس لئے اسکی کوئی بھی مخلوق خواہ آسمان ہو خواہ زمین اس کے علم سے اور اس کی حفاظت سے باہر نہیں۔مخلوق عاجز ہے وہ اپنی جیسی مخلوق کی حفاظت سے بھی عاجز ہے اللہ تعالیٰ خالق ومالک ہے وہ اپنی ساری مخلوق کا نگران ونگہبان ہے۔

آخر میں فرمایا: وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے اور عظمت والا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات عالیہ الوہیت' وحدانیت' حیات' علم' ملک' قدرت' ارادہ' جمع فرمادی ہیں: ونطقت بأنه سبحانه موجود' منزه عن التحيز والحلول' مبرأ عن التغير والفتور' لا مناسبة بينه وبين الأشباه لا يحل بساحة جلاله ما يعرض النفوس والأرواح' مالك الملوك والملكوت' و مبدع الأصول والفروع' ذوالبطش الشديد' العالم وحده بجلي الأشياء وخفيها' وكليها وجزئيها' واسع الملك والقدرة لكل ما من شأنه أن يملك ويقدر عليه' لا يشق عليه شاق ولا يثقل شئ لديه' متعال عن كل مالا يليق بجنابه عظيم لا يستطيع طيرا لفكر أن يحوم في بيداء صفات قامت به. (روح المعانی ص ۱۱ ج ۳)

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو جنت کے داخل ہونے میں اس کے لئے صرف موت ہی آڑ بنی ہوئی ہے۔ اور جس نے آیۃ الکرسی لیٹتے وقت پڑھ لی اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو اور اس کے پڑوسی کے گھر کو اور آس پاس کے چند گھروں کو امن سے رکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۹)

اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے رات کو اپنے بستر پر پہنچ کر آیت الکرسی پڑھ لی۔ صبح ہونے تک اُس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگران مقرر رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۵ عن البخاری فی قصۃ اسیر ابی ہریرۃؓ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے صبح کو سورۂ حٰمٓ (یعنی سورہ مومن جسے سورۂ غافر بھی کہتے ہیں) اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ تک پڑھی اور اس کے ساتھ آیۃ الکرسی بھی پڑھ لی تو شام ہونے تک ان دونوں کی وجہ سے محفوظ رہے گا اور جس نے ان دونوں کو شام کو پڑھ لیا تو صبح ہونے تک محفوظ رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۷ عن الترمذی)

لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ ۛ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ فَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ

نہیں ہے زبردستی دین میں، ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو کر، سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا

وَیُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰی ۗ لَا انۡفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

اور ایمان لائے اللہ پر تو بے شک اُس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔ جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

دین میں زبردستی نہیں ہے

تفسیر: لباب النقول میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابوداؤد ونسائی وابن حبان، حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے جس عورت کا بچہ مر جاتا تھا وہ یہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنا دوں گی (العیاذ باللہ) جب یہود کا قبیلہ بنو نضیر مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا تو ان میں انصار کے قبیلوں کے وہ لڑکے بھی تھے جو دین یہودیت پر تھے۔ یہودی مدینہ منورہ سے جانے لگے تو ان لڑکوں کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم ان کو نہیں جانے دیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ نازل فرمائی۔

نیز لباب النقول میں بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جو قبیلہ بنی سالم میں سے تھے اور جن کا نام حصین تھا ان کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود اسلام قبول کر چکے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ دونوں نصرانیت چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں، کیا میں ان پر زبردستی نہ کروں (تاکہ وہ دونوں مسلمان ہو جائیں) اس پر اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آیت شریفہ میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دین اسلام قبول نہیں کرتا تو اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی کہ تو اسلام قبول کرلے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے، شاید حکم جہاد کی وجہ سے کسی کو اس کا وہم اور وسوسہ ہو کہ زبردستی نہیں ہے تو جہاد کیوں شروع کیا گیا جن لوگوں کو جہاد کی حقیقت معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاد کا قانون یہ ہے کہ جب کافروں کی کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو اول ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور یہ دعوت ان کو آخرت کے عذاب سے بچانے کے لئے ہے اگر وہ اسلام قبول کرنے پر راضی نہ ہوں تو اُن سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو جب وہ جزیہ دینے لگیں گے تو ان کا دارالسلام اور اہل اسلام سے

اللہ تعالیٰ نے ہر دعا کے جواب میں قَدْ فَعَلْتُ فرمایا یعنی میں نے تمہارے سوال کے مطابق کر دیا یعنی تمہاری دعائیں قبول ہو گئیں۔

صحیح مسلم (ص ۹۷ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) سورۃ البقرہ کا آخری حصہ (آمن الرسول سے سورۃ کے ختم تک) (۳) آپ کی اُمت میں جو لوگ مشرک نہ ہوں۔ انکے بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کر دی گئی (گناہ کبیرہ محض اللہ کی رحمت سے یا توبہ سے یا بطور تطہیر و تمحیص عذاب بھگت کر معاف ہو جائیں گے اور اہل ایمان ایمان کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے۔ فاسق کو دائمی عذاب نہیں ہے۔ کافر و مشرک کو دائمی عذاب ہوگا)۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم والمراد واللہ اعلم بغفرانها انه لا یخلد فی النار بخلاف المشرکین ولیس المراد انه لا یعذّب اصلا الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے اسی اثناء میں اُوپر سے ایک آواز سُنی' انہوں نے اوپر کو سر اُٹھایا اور بتایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے۔ جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ فرشتہ آج زمین پر نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس فرشتے نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ دو نوروں کی خوشخبری سن لیں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اول فاتحۃ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ' دوم سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں (سورۂ فاتحہ اور یہ آیات دعاؤں پر مشتمل ہیں) ان میں سے جو بھی کوئی حصہ آپ تلاوت کریں گے (جو سوال پر مشتمل ہوگا) تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو سوال کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۲۷۱ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات سے سورۃ البقرہ کی آخری دونوں آیات کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ آیات شب معراج میں عطا ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول فرما لیا۔ صحیح بخاری (ص ۷۵۵ ج ۲) اور صحیح مسلم (۲۷۱ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الأیتان فی اٰخر سورۃ البقرۃ من قرء بهما فی لیلة کفتاه (یعنی جس نے کسی رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لئے کافی ہوں گی)

حضرات شراح حدیث نے کافی ہونے کے کئی مطلب لکھے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والے کو تمام انسان اور جنات کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہوں گی' دوسرے یہ کہ ہر قسم کی آفات و مکروہات سے حفاظت رہے گی' تیسرے یہ کہ رات کو جو پڑھنے کی چیزیں ہیں وہ رہ گئیں تو انکی جگہ کفایت کریں گی' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیام اللیل یعنی رات کو نفل نمازوں میں قیام کرنے کے قائم مقام ہو جائیں گی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ولقد من اللہ تعالٰی با کمال تفسیر سورۃ البقرۃ علی ید هذا العبد
الضعیف بالمدینۃ المنورۃ فی اواخر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بحسن
توفیقه و تیسیره وأرجو أن یوفقنی اللہ تعالٰی لإتمام تفسیر کتابه کله
والحمد للہ اولا و آخرا' والصلوٰۃ والسلام علی من جاء نا بکتاب اللہ
تعالٰی وأرسل طیبا وطاهرا'
وکانت مدۃ تالیفه من بدء سورۃ الفاتحۃ اِلٰی آخر سورۃ البقرۃ سنة
فصاعدا واللہ ولی التوفیق و بیده أزمة التحقیق.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے وسوسے آنے پر پڑھنے کے لئے یہ بتایا اَللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ اور فرمایا اس کے بعد بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹)

پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے بندوں کو دعا تلقین فرمائی کہ اس طرح دعا مانگا کریں، جو متعدد جملوں پر مشتمل ہے اور ان میں متعدد دعائیں ہیں پہلے یہ دعا بتائی: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرما۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے) صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ خطا اور نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اس نعمت کا اقرار کرنا ہے کہ اُس نے بھول اور خطاء پر مؤاخذہ نہیں رکھا' خطا اُردو کے محاورہ میں گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں وہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ خطا سے وہ عمل مراد ہے جو بلا ارادہ صادر ہو جائے۔ یاد رہے کہ مؤاخذہ ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور خطا و نسیان سے بعض احکام کا متعلق ہونا دوسری بات ہے۔ خطا اور نسیان کے بارے میں جو بعض احکام ہیں عدم مؤاخذہ فی الآخرۃ سے اُن احکام کی نفی نہیں ہوتی مثلاً نماز میں بھول کر کوئی شخص بول پڑا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر خطأً کسی مؤمن کو قتل کر دیگا تو دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

پھر ایک اور دعاء تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا اس میں ارشاد فرمایا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرو کہ اے ہمارے رب ہم پر بھاری احکام کا بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں یعنی' بنی اسرائیل پر رکھا تھا مثلاً توبہ قبول ہونے کے لئے اپنی جان کو قتل کرنا مشروط تھا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اُس کے دروازے پر لکھا ہوا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے' اور بعض طیبات اُن پر حرام کر دی گئی تھیں۔ کما قَالَ تَعَالٰی حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَھُمْ وَقَالَ تَعَالٰی وَعَلَی الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ (الآیۃ) اور نماز پڑھنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ مسجد ہی میں نماز پڑھے اور مال غنیمت اُن لوگوں کے لئے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اُمت محمدیہ کیلئے آسانی فرمائی اور مشکل احکام مشروع نہیں فرمائے جو بنی اسرائیل پر فرض تھے۔ سورۂ اعراف میں رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کیلئے حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام فرماتے ہیں اور اُن پر جو بوجھ اور طوق تھے اُن کو دور کرتے ہیں)۔

مزید دعا تلقین فرماتے ہوئے ارشاد ہے: رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ۔ (اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو) اس سے تکالیف شرعیہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور مصائب تکوینیہ بھی اور دونوں بھی مراد لے سکتے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں: من التکالیف والبلایا اِس سے دونوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

آخر میں مختصر الفاظ میں چار دعائیں اکٹھی تلقین فرمائیں۔ وَاعْفُ عَنَّا (اور ہمیں معاف فرما) وَاغْفِرْ لَنَا (اور ہماری مغفرت فرما) وَارْحَمْنَا (اور ہم پر رحم فرما) اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (تو ہمارا مولیٰ یعنی وَلی اور مددگار ہے۔ سو ہماری مدد فرما' کافر قوم کے مقابلہ میں)۔

صحیح مسلم (ص ۷۸ ج ۱) میں ہے ہر ہر دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب میں نَعَمْ کا جواب ملا' دوسری روایت میں ہے کہ

ایک خاص تعلق پیدا ہو جائے گا جس سے آپس میں ملنا جلنا ہوگا۔ اہل کفر اسلام سے قریب ہوں گے اس کے سمجھنے کے مواقع فراہم ہوں گے۔ اللہ کی کتاب ان کے کانوں میں پڑے گی۔ اسلام کی سچائی کے دلائل واضحہ ان کے سامنے آئیں گے۔ اور اہل ایمان کے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ دیکھیں گے تو اقرب ہے کہ کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں اگر اسلام کے دلائل واضحہ سامنے آنے کے بعد بھی کوئی شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا تو اس کی حماقت ہے کہ کفر پر جمنے ہی کو اختیار کئے ہوئے ہے۔

اسلام کے عہد اول سے لے کر آج تک مسلمان ممالک میں کروڑوں کافروں نے زندگی گزاری ہے۔ کسی امیر یا خلیفہ یا بادشاہ نے انہیں اسلام پر مجبور نہیں کیا۔ اور جن قوموں نے اسلام قبول کیا وہ اہل اللہ کی محنتوں و کوششوں سے اسلام کی آغوش میں آئی ہیں' کسی نے سر پر تلوار رکھ کر یا سینہ پر بندوق رکھ کر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا فقہاء نے واضح طور پر لکھا ہے کہ میدان جہاد میں عورتوں' بوڑھوں' اپاہجوں اور گرجوں میں رہنے والوں کو قتل نہ کیا جائے' حالانکہ ان لوگوں کو تلوار کے ذریعہ بآسانی اسلام میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ تفسیر در منثور (ص ۳۳۰ ج ۱) میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا أَسْلِمِیْ تَسْلَمِیْ (یعنی تو اسلام قبول کر لے۔ عذاب سے بچ جائے گی) اس نے انکار کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (کہ اے اللہ آپ گواہ رہیں میں نے دعوت دے دی ہے) اس کے بعد اُنہوں نے یہی آیت لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ تلاوت کی البتہ اتنی بات ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ کفر خالق و مالک کی سب سے بڑی بغاوت ہے۔ باغی کی سزا تو سب کو معلوم ہی ہے۔ ان باغیوں کی بہت بڑی اور سب سے بڑی دائمی سزا تو ان کو آخرت میں ہوگی لیکن دنیا میں بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ انکی سرکوبی ہوتی رہے۔ اور کفر کا اثر جس قدر بھی کم ہو اچھا ہے اگر جہاد و قتال نہ ہو تو کافر اہل ایمان پر چڑھ جائیں گے اور اہل ایمان تھوڑے رہ جائیں گے اور انکا جینا دو بھر ہو جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اگر جزیہ بھی دینا منظور نہیں کرتے تو ان سے قتال کیا جائے' اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کفر جو خداوند تعالیٰ کی بغاوت ہے اسکی سزا میں قتل کر دینا اور بات ہے (اور جو لوگ باغیوں کا قانون جانتے ہیں وہ اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتے) اور سر پر تلوار رکھ کر یہ کہنا کہ اسلام قبول کرو ورنہ قتل کر دینگے یہ دوسری بات ہے اس دوسری بات کو اکراہ کہا جاتا ہے اور جہاد کے موقعہ پر اکراہ نہیں کیا جاتا اور یہ بات بھی ہے کہ ایمان قبول کرنے پر زبردستی کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص جبر و اکراہ کی وجہ سے ظاہری طور پر اسلام قبول کر بھی لے اور دل سے مسلمان نہ ہو تو نہ تو اس کے حق میں مفید فی الآخرۃ ہوگا اور نہ جھوٹی زبان سے اسلام قبول کرنے والے سے مسلمانوں کو کوئی نفع پہنچے گا۔ جیسا کہ منافقین ظاہر میں مسلمان تھے اور اندر سے کافر تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے تھے۔ اسلام کی حقانیت اور اسکی سچائی کے دلائل روز روشن کی طرح واضح ہیں دنیا بھر کی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ چھپ چکا ہے گھر گھر اسلام کا کلمہ پہنچ چکا ہے۔ آلات جدیدہ نے دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام کی دعوت پہنچا دی ہے اس کو حق جانتے ہوئے بھی جو لوگ اس کو قبول نہیں کرتے' وہ اپنے کو عذاب میں دھکیلنے کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہدایت ظاہر ہو چکی ہے' گمراہی کو لوگ سمجھ چکے ہیں' دونوں میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے اب اگر کوئی شخص ہدایت قبول نہیں کرتا اور جانتا ہے کہ یہ ہدایت ہے' دنیاوی مصلحتوں نے' جائیدادوں کے خیال نے' رشتہ داریوں کی فکر نے' عہدوں کے چھن جانے کے خوف نے' ہدایت قبول کرنے سے روک رکھا ہے اور چند روزہ دنیاوی زندگی کے منافع و مصالح کی وجہ سے آخرت کے دائمی عذاب کے لئے تیار

ہے اور اس طرح اپنی جان کا دشمن بنا ہوا ہے' تو اس کا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہداھم اللہ تعالیٰ۔

لفظ طاغوت معتل لام واوی ہے جس کا ماضی مضارع طغٰی یطغٰی ہے یہ لفظ سرکشی کے معنی پر دلالت کرتا ہے اہل لغت کا فرمانا ہے کہ اس میں قلب مکانی ہوا ہے اصل کلمہ طغووت ہے۔ لام کلمہ کو مقدم کر دیا گیا اور عین کلمہ کو مؤخر کر دیا گیا' پھر حرف علت کو الف سے بدل دیا گیا' یہ تو لفظی تحقیق ہوئی معنوی اعتبار سے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس سے شیطان مراد ہے' مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **کل ما عبد من دون اللہ فھو طاغوت** (یعنی اللہ کے سوا جس کسی کی بھی عبادت کی گئی۔ وہ طاغوت ہے) اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے اصنام یعنی بت مراد ہیں' یہ سب اقوال لکھنے کے بعد صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں (ص ۱۳ ج ۳) **والأولٰی أن یقال بعمومہ** (یعنی اس کا عمومی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے) اور اس کے مفہوم میں وہ سب معانی داخل ہیں جو اُوپر بیان ہوئے' درحقیقت شیطان اور اسکی مدد گار تمام طاغوتی طاقتیں انسان کو اسلام سے روکتی ہیں۔ جس کسی نے بھی ان طاقتوں کو نہ گردانا اور ان سے رشتہ توڑا اور ان سب سے منہ موڑا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے بہت مضبوط حلقہ اور بڑی قوت والا کڑا پکڑ لیا' یہ کڑا ایسا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کو مان لیا اور اس کے دین کو تسلیم کر لیا اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان لے آیا اس نے سب سے بڑی طاقت کا سہارا لے لیا اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو گیا نہ اس قوت کو شکستگی ہے نہ زوال ہے' آخر میں فرمایا کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ وہ سب کے اقوال کو سنتا ہے۔ سب کے اعمال کو جانتا ہے' جو صرف زبان سے مسلمان ہوا اس کا بھی علم ہے اور جس نے جھوٹی زبان سے کلمہ پڑھا وہ اس سے بھی باخبر ہے۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاک اور خسران سے محفوظ رہتا ہے اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون ہو جائے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں (اور یوں کوئی رَسّی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے) اسی طرح اسلام میں بطلان کا احتمال نہیں جو مفضی اِلی الھلاک ہو' اور خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے وہ اور بات ہے' اور مقصود آیت کا اسلام کی خوبی کا واضح وثابت بالدلیل ہونا ہے جس کو اس عنوان خاص سے بیان فرمایا گیا۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اللہ ولی ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لائے' وہ ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے نور کی طرف' اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا

اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

ان کے اولیاء شیاطین ہیں وہ اُن کو نکالتے ہیں نور سے اندھیریوں کی طرف' یہ لوگ دوزخ والے ہیں

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۵۷

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی ہیں اور کافروں کے اولیاء شیطان ہیں

تفسیر: ولی مددگار کارساز اور دوست کو کہتے ہیں' اس آیت شریفہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی ہے وہ ایمان والوں کو

کفروشرک کی اندھیریوں سے نکالتا ہے ان کو اسلام کی روشنی میں لاتا ہے ان کو نور پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اندھیریوں سے بچاتا ہے۔

اور جن کے لئے ایمان مقدر ہے ان کو کفروشرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان عطا فرماتا ہے برخلاف کافروں کے کہ ان کے اولیاء یعنی دوست شیاطین ہیں۔ شیاطین ان کو ایمان قبول کرنے نہیں دیتے اور ان کو کفر کی تاریکیوں ہی میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کفر پر مریں۔ شیاطین خود دوزخ والے ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو بھی دوزخ میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں سب دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اس کے عام معنی مراد لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کفر کی تاریکیوں سے اور گناہوں کی تاریکیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور نور کو عام لیا جائے تو تمام اعمال صالحہ کے نور کو بھی اس کا شمول ہوگا **والأولى أن يحمل الظلمات على المعنى الذى يعم سائر انواعها ويحمل النور أيضا على مايعم سائر انواعه ويجعل فى مقابلة كل ظلمة مخرج منها نور مخرج اِليه۔** (ص ۱۴ ج ۳)

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ نور کو مفرد اور ظلمات کو جمع لایا گیا ہے۔ کیونکہ حق ایک ہی ہے جسے نور سے تعبیر فرمایا ہے اور تاریکیاں چونکہ بہت ساری ہیں اور طرح طرح کی ہیں (کیونکہ گمراہی کے راستے بہت سے ہیں) اس لئے اس کے لئے لفظ جمع یعنی ظلمات لایا گیا ہے۔ اہل کفر کا ذکر فرماتے ہوئے جو **يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ** فرمایا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے یا تو وہ نورِ فطری مراد ہے جس پر تمام انسان پیدا کئے گئے **(وهو المراد بقوله ﷺ كل مولود يولد على الفطرة الحديث)** اور نور بیّنات بھی مراد ہوسکتا ہے کھلے دلائل کے ذریعہ جو حق واضح ہو چکا ہے وہ سراپا نور ہے شیاطین اپنے ماننے والوں کو اس سے بچاتے ہیں اور کفروشرک کے فائدے ان کو سمجھاتے ہیں اور حق قبول کرنے نہیں دیتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے حجت بازی کی ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت دی تھی، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا
رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ
میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ لاتا ہے
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ
سورج کو پورب سے تو اس کو لے آ پچھم سے، پس حیرانی میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر اختیار کئے ہوئے تھا اور اللہ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ۝۲۵۸
قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا

ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیدائشی وطن شہر بابل کے آس پاس تھا ان کے زمانہ کا بادشاہ نمرود تھا جو اس علاقہ پر حکمران تھا۔ دنیا میں کفروشرک پھیلا ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بھی بُت پرست تھا جس کا تذکرہ سورۃ

الانعام (ع ۸) اور سُورۃ مریم (ع ۳) میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے جب توحید کی دعوت دی اور پوری قوم کو بتایا کہ تم گمراہی پر ہو تو سب کو بُرا لگا' نمرود بھی کافر تھا نہ صرف کافر تھا بلکہ داعی کفر تھا اور اپنے آپ کو معبود بتاتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تو وہ کٹ حجتی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میرے خیال میں تو میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملک اور مال دیا تھا اسی لئے اس کے گھمنڈ میں اس نے ایسی بات کہی' اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام سے دلیل مانگی کہ آپ جس رب کی توحید کی دعوت دیتے ہیں اس کے وجود پر کیا دلیل ہے' حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے ارشاد فرمایا: رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے۔ اور موت دیتا ہے۔ درحقیقت یہ بہت بڑی دلیل تھی جتنے بھی خدائی کے دعوے دار ہوتے ہیں اور جتنے انکے ماننے والے ہیں سب کو معلوم ہے کہ زندہ کرنے اور موت دینے کا کام ان میں سے کسی کے بس کا بھی نہیں ہے لامحالہ کوئی ذات ہے جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے اور جلانا اور موت دینا اسی کا کام ہے۔ جو خدائی کے دعوے دار ہوئے وہ اپنی جان کو تو بچا ہی نہیں سکے وہ کسی دوسرے کو کیا زندہ کرتے' ایسی واضح موٹی بات نمرود نے یا تو بے عقل ہونے کی وجہ سے نہ سمجھی یا بطور کٹ حجتی کے یوں ہی بحث جاری رکھنے کے لئے اس نے جواب میں یوں کہہ دیا کہ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اپنی بات کی دلیل کے لئے اس نے یہ کیا کہ دو آدمیوں کو بلایا جن کے قتل کا حکم ہو چکا تھا ان میں سے ایک کو قتل کروا دیا' اور ایک کو چھوڑ دیا' اُسکی جہالت کا جواب تو یہ تھا کہ تو یہ بتا کہ جسے تو نے قتل کیا ہے اس میں جان کس نے ڈالی تھی اور جسے تو نے چھوڑ دیا یہ موت کے بعد زندہ کرنا ہوا یا زندہ کو زندہ چھوڑ دینا ہوا لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے عناد اور سفاہت و جہالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالق کائنات جل مجدہ کے وجود پر اور کائنات میں اس کے تصرفات پر دوسری دلیل دیدی اور فرمایا: فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ کہ اللہ تعالیٰ روزانہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اگر معبود ہونے کا مدعی ہے تو سورج کو پچھم سے لاکر دکھا دے' میرے رب کے حکم سے روزانہ سورج پچھم کی جانب غروب ہو جاتا ہے تو اسی جانب سے اسے واپس کر دے۔ یہ سنتے ہی خدائی کا دعویٰ دار نمرود مبہوت اور حیران رہ گیا اور بالکل ہی گونگا بن گیا آگے ایک کلمہ بھی نہ بول سکا۔

پھر فرمایا: وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی رہبری نہیں فرماتا وہ کسی نبی یا نبی کے نائبین کے سامنے حجت اور دلیل سے نہیں جیت سکتے۔ سورہ شوریٰ میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُحَاجُّوْنَ فِی اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَہٗ حُجَّتُھُمْ دَاحِضَۃٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔ (اور جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں اس کے بعد کہ اس کا معبود ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے (یعنی اصحاب علم وفہم اس پر ایمان لا چکے ہیں) اُن لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے' اور اُن پر غضب ہے اور اُن کے لئے سخت عذاب ہے)۔

بعض علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا کر دکھا دے تو وہ کہہ سکتا تھا کہ میں مشرق سے لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ مغرب سے لائے لیکن وہ ابراہیم علیہ السلام کے جواب سے ایسا مبہوت و متحیر ہو چکا تھا کہ اس کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا۔ اہل حق کے مقابلہ میں اہل باطل دلیل کے ساتھ چل ہی نہیں سکتے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر لے آ' اُسکی وجہ سے اسکو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی اس پوری دنیا کا کوئی خالق و مالک متصرف ضرور ہے اور یہ شخص جو برملا مجھ سے سوال و جواب کر رہا ہے ضرور اسی ذات پاک کا پیغمبر ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور جس کے تصرف میں ساری

مخلوق ہے اور اسکی یہ دلیل بہت زیادہ وزن دار ہے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں مشرق سے سورج کو لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کر مغرب سے لے آ' تو حاضرین میں سے کوئی اس کو نہیں مانے گا اور جو میرے ماننے والے ہیں وہ اسی کی طرف ہو جائیں گے۔ تھوڑی سی جو چھوٹی سلطنت ہے وہ بھی جاتی رہے گی اس لئے اس نے دم بخود ہو جانا ہی مناسب جانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ

یا اس شخص کی طرح سے جو گزرا ایک بستی پر اور وہ اس حال میں تھی کہ چھتوں پر اسکی دیواریں گری پڑی تھیں' یہ شخص کہنے لگا کہ

اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ

اللہ کیونکر زندہ فرمائے گا اس بستی کو اس کی موت کے بعد پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھا دیا اس سے سوال فرمایا کہ تو کتنے عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ اس نے کہا

لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ

کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں' فرمایا بلکہ تو سو سال تک ٹھہرا رہا ہے' سو تو دیکھ لے اپنے کھانے کو

وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى

اور پینے کی چیز کو وہ سڑی گلی نہیں ہے اور دیکھ لے اپنے گدھے کو' اور تاکہ ہم تجھے نشانی بنا دیں لوگوں کے لئے اور دیکھ

الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ

ہڈیوں کی طرف' ہم ان کو کیسے جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہنچا دیتے ہیں' سو جب اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ہر چیز پر قادر ہے

مردہ کو زندہ فرمانے کا ایک واقعہ

تفسیر: یہ آیت پہلی آیت پر معطوف ہے اور تقریری عبارت اس طرح سے ہے۔ **الم تر إلى الذی حاج ابراهیم فی ربه اوهل رایت کالذی مر علی قریة**۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت قتادہؒ اور حضرت عکرمہؒ وغیرہم بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ جس شخصیت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت عزیر بن شرخیا تھے اور بعض حضرات نے آرمیا بن خلقیا بھی بتایا ہے اور اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے' بہر صورت قرآن کریم نے موت کے بعد زندہ ہونے کا مشاہدہ کرنے والے شخص کا واقعہ ذکر فرمایا ہے یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہوں یا کوئی بھی شخصیت ہو' ایک بستی پر ان کا گزر ہوا جس کی سب آبادی ختم ہو چکی تھی۔ اور بستی کے در و دیوار بھی منہدم تھے چھتیں گر گئی تھیں پھر چھتوں پر دیواریں گر گئی تھیں اس بستی کا یہ حال دیکھ کر ان کے منہ سے بطور تعجب یہ نکلا کہ اللہ اس بستی کو اسکی موت کے بعد کیسے زندہ فرمائے گا؟ خدا تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کا انکار کرنا مقصود نہ تھا بلکہ انسان کے مزاج میں جو ایسی چیزوں میں ایک استبعاد کی شان ہے اس کے اظہار کے طور پر منہ سے ایسے الفاظ بے ساختہ نکل گئے' جیسے حضرت

زکریا علیہ السلام نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے کو بھی اولاد دے سکتا ہے خدا تعالیٰ سے اپنے لئے بیٹے کی دعا کی پھر جب فرشتے بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے تو بطور تعجب یوں کہنے لگے رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ (کہ اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لڑکا حالانکہ میں بڑھاپے کو پہنچ چکا اور میری بیوی بانجھ ہے) جس نے سوال کیا ہو وہ کیسے قدرت الٰہیہ کا منکر ہو سکتا ہے لیکن بطور تعجب سوال کر بیٹھے، جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں بھی اس طرح کی بات ہے، جب اُنہوں نے یہ کہا کہ اللہ کیسے زندہ فرمائے گا اس بستی کو (جس میں تعجب بھی تھا اور کیفیت کا سوال بھی) تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کے کہنے والے ہی کو موت دے دی اور سو سال تک اسی حال میں رکھا پھر سو سال کے بعد زندہ فرما کر اُٹھا دیا اور سوال فرمایا کہ تم کتنے وقت اسی حالت میں ٹھہرے رہے (جو زندگی کی حالت نہ تھی) تو اُنہوں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں اس حالت میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ چاشت کے وقت ان کو موت آئی تھی اور سو سال گزرنے کے بعد جب انکو اللہ تعالیٰ نے اُٹھایا تو غروب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ سورج پر نظر ڈالی تو نظر آیا کہ وہ غروب ہونے والا ہے لہٰذا انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن ایسی حالت میں رہا ہوں اور جب یوں غور کیا کہ ابھی تو سورج چھپا بھی نہیں تو کہنے لگے کہ ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ تمہارا یہ بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم سو سال تک اسی حالت میں رہے ہو سو سال تک وہ مردہ رہے لیکن چونکہ جسم اُسی طرح صحیح سالم تروتازہ باقی رہا۔ جیسا کہ زندگی میں تھا تو ان کو اس سے مزید تعجب ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور نمونہ ان کو دکھایا اور فرمایا کہ تو اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھ لے وہ ذرا بھی گلی سڑی نہیں ہے۔ جس طرح یہ کھانا اپنی حالت پر سو سال باقی رہ گیا اس طرح بغیر روح کے تیرا جسم بھی صحیح سالم تروتازہ رہا، قال فی الروح (ص ۲۲ ج ۳) واستشکل تفرع فانظر علی لبث المائة بالفاء وھو یقتضی التغیر، واجیب بأن المفرع علیه لیس لبث المائة" بل لبث المائة من تغیر فی جسمه حتی ظنه زمانا قلیلا ففرع علیه ماھو أظھر منه وھو علم تغیر الطعام والشراب وبقاء الحیوان حیا من غیر غذاء۔ پھر اللہ جل شانہٗ نے انکے سامنے ان کے مردہ گدھے کو زندہ کر کے دکھایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تم اپنے گدھے کو دیکھو اور ہڈیوں پر نظر ڈالو۔ گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو ہم ان کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، ان کے سامنے وہ ہڈیاں ترتیب کے ساتھ جمع ہوئی پھر ان پر گوشت چڑھا اور گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اُٹھے کہ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، یقین تو پہلے ہی سے تھا کیونکہ مؤمن آدمی تھے۔ لیکن عینی مشاہدہ بھی کر لیا، درمیان میں یہ جو فرمایا کہ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ محذوف پر معطوف ہے صاحب روح المعانی (ص ۲۳ ج ۳) لکھتے ہیں کہ یہاں عبارت مقدر ہے۔ ای وفعلنا ذلک لنجعلک یعنی ہم نے تمہیں مردہ کر کے زندہ کر دیا تاکہ ہم تمہاری ذات کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں، تمہیں دیکھ کر اور تمہارا واقعہ معلوم کر کے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور موت کے بعد اُٹھائے جانے پر یقین کرنے میں ہچکچاہٹ کرنے کا موقعہ نہ رہے گا۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اُنْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ جو حکم تھا وہ مدت دراز تک موت کی حالت میں رہنے کو ظاہر کرنے کے لئے تھا اور وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ میں جو حکم ہوا وہ مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ

اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب آپ مجھے دکھا دیجئے مردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں، فرمایا

24

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ۭ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ

کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا یقین ہے لیکن اس غرض سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے فرمایا سوتم لے لو چار پرندے پھر انکو اپنے سے ہلا لو

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ

پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ ہونا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا ایک سوال اور پھر خداوند قدوس کی طرف سے عینی مشاہدہ کرا کر ان کے سوال کا جواب ذکر فرمایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے موحد تھے حشر ونشر بعث بعد الموت کے قائل تھے پھر بھی انہوں نے نظروں سے دیکھنے کیلئے اللہ جل شانہ سے سوال کیا کہ آپ مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے اللہ جل شانہ، نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کر دونگا انہوں نے عرض کیا کہ یقین ضرور ہے پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ علم الیقین سے آگے مجھے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھ لوں تاکہ طبعی طور پر انسان کو جو اطمینان دیکھنے سے حاصل ہو جاتا ہے وہ بھی مجھے حاصل ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر حضرات سے منقول ہے کہ جب فرشتہ نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو قبول فرمائے گا اور آپ کی دعا سے مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس پر انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندے لے لو اور پہلے ان کو اپنے پاس رکھو اور مانوس کر لو اور ہلا لو جب وہ تم سے مانوس ہو جائیں اور ہل جائیں تو ان چاروں کو ذبح کرنا اور ان کے گوشت کو اور پروں کو ایک ساتھ ملا دینا اور ان کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دینا پھر انکو پکارنا وہ پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے، چنانچہ حسب الحکم انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پرندے زندہ ہو کر انکی آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئے پرندے ہونے کے باوجود اڑ کر نہ آئے بلکہ پیروں سے چل کر آئے کیونکہ نظروں کے سامنے اس کا ظہور بدرجہ اتم ہے۔

آخر میں فرمایا: وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے) اسباب عادیہ وغیر عادیہ سب اُس کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے سب کاموں میں حکمت ہے۔ (من روح المعانی ص ۲۶ تا ۳۱ ج ۳)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس نے اُگائیں سات

سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ

بالیں، ہر بال میں ہیں سو دانے، اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔ اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾
وسعت والا ہے علم والا ہے

فی سبیل اللہ خرچ کرنیوالوں کا اجر وثواب

تفسیر: اس آیت شریفہ میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ اللہ کی رضا کے لئے جو بھی مال خرچ کیا جائے وہ سب فی سبیل اللہ ہے۔ اور عام طور سے یہ لفظ جہاد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بہرصورت جہاد میں خرچ کرے یا غیر جہاد میں خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی فضیلت بہت ہے اور یہ تو عام قانون ہے کہ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ (جو کوئی شخص ایک نیکی کرے اس کے لئے اس کا دس گنا ہے) ایک نیکی کی دس نیکی یہ تو کم سے کم ہے اور اس کے علاوہ اللہ جل شانہٗ اس سے زیادہ جتنا جس کو بڑھا چڑھا کر عنایت فرمائے وہ مزید انعام واکرام ہے۔ اس آیت شریفہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنیوالوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جیسے کوئی دانہ زمین میں گر جائے پھر اس سے ایک درخت نکل آئے اس درخت میں سات بالیں ہوں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہیں اس طرح سے ایک دانہ کے سات سو دانے بن گئے' اللہ تعالیٰ شانہٗ' ایک درہم یا ایک دینار یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ خرچ کرنے پر اس کے عوض ثواب میں سات سو گنا عطا فرماتے ہیں اور سات سو پر بھی کوئی منحصر نہیں ہے اس سے زیادہ بھی عطا فرما دیتے ہیں جس کو وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا ہے وہ جس کو جتنا چاہے دے سکتا ہے اور وہ علم والا بھی ہے کسی کی کوئی نیکی اس کے علم سے باہر نہیں اس کی رضا کے لئے جو بھی کوئی بدنی یا مالی عبادت انجام دے گا اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں' آخرت میں اس کا ثواب چند در چند پالے گا۔

سنن ابن ماجہ میں (۱۹۸) متعدد صحابہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) خرچ کرنے کیلئے مال بھیج دیا اور خود گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم (کا ثواب) ملے گا اور جس شخص نے اپنی جان سے شریک ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی خوشنودی کیلئے مال خرچ کیا تو اُس کیلئے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہونگے' یہ فرما کر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ کی تلاوت فرمائی تفسیر درمنثور (۳۳۶ ج ۱) میں بحوالہ طبرانی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ اس کیلئے بہت بڑی خوبی ہے جو فی سبیل اللہ جہاد میں مشغول ہوتے ہوئے اللہ کے ذکر کی کثرت کرے کیونکہ اُسے ہر کلمہ کے عوض ستر ہزار نیکیاں ملیں گی جن میں سے ہر نیکی دس گنی کر کے ملے گی اسکے علاوہ جو اس کیلئے اللہ کے نزدیک ہے وہ مزید ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا کیا ثواب ہے آپ نے فرمایا وہ بھی اس قدر ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کے شاگرد نے عرض کیا کہ میں نے تو یہ سُنا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا ہے اُنہوں نے فرمایا کہ تو کم سمجھ آدمی ہے۔ یہ سات سو گنا اس وقت ہے جب اپنے گھروں میں رہتے ہوئے جہاد میں خرچ کرنے کیلئے بھیج دیں اور خود جہاد میں شریک نہ ہوں اور جب خود جہاد میں شریک ہوں اور اس وقت خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں میں ان کیلئے جو کچھ پوشیدہ رکھا ہے وہاں بندوں کے علم کی رسائی نہیں ہے اور بندے اسکی کیفیت کے جاننے سے عاجز ہیں۔ یہ لوگ حزب اللہ (اللہ کی جماعت ہیں) اور اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے۔

حضرت بریدہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج و جہاد کا خرچہ یکساں ہے ایک درہم خرچ کرنا سات سو درہم خرچ کرنے کے برابر ہے (درمنثور ص ۳۴۳ ج ۱) اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں فضل ہی فضل ہے' عطا ہی عطا ہے۔ تھوڑے پر بہت ملتا ہے۔ نیت اللہ کی رضا کی کرنی لازم ہے' آیت بالا میں بھی لفظ فی سبیل اللہ فرما کر اخلاص کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور آئندہ آنے والی آیات میں خرچ کرنے کے آداب بتاتے ہوئے ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں دھرتے اور

اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ

ایذاء نہیں پہنچاتے ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب کے پاس' اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے بھلی بات کہہ دینا

مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اور درگزر کر دینا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے اور اللہ غنی ہے حلیم ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ

اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے

رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ

لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور یوم آخرت پر' سو اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر

تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ

ذرا سی مٹی ہو پھر پہنچ گئی اس کو زوردار بارش سو کر چھوڑا اس کو بالکل ہی صاف' یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا

فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے آداب اور ریاکاروں کے صدقات کی مثال

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بتائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے لئے اجر و ثواب ہے نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہوں گے' اور ساتھ ہی دو باتوں پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اول یہ کہ جس کسی کو مال دیں اس پر احسان نہ دھریں اور اسے تکلیف نہ پہنچائیں' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ صدقہ دینے کے بعد احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے' بہت سے لوگوں کی جو یہ عادت ہوتی ہے کہ تھوڑا بہت صدقہ دے کر ان لوگوں پر احسان دھرتے ہیں جن لوگوں کو کچھ دیا اور خاص کر ان لوگوں پر جو رشتہ دار ہیں یا اپنے شہر کے رہنے

والے ہیں ایسے لوگ احسان دھرنے سے اپنا ثواب باطل کر دیتے ہیں جس پر احسان دھرا جائے اسے احسان کے الفاظ سننے سے یا احسان دھرنے کی طرح برتاوا کرنے سے تکلیف ہوتی ہی ہے اور بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اُن پر خرچ کرنے کی وجہ سے بیگاریں لیتے ہیں اس لئے لفظ مَنّ (احسان جتانے) کے ساتھ لفظ اَذٰی بھی ذکر فرمایا کہ اللہ کے لئے خرچ کریں اور احسان بھی نہ دھریں اور کسی قسم کی کوئی تکلیف بھی نہ پہنچائیں تب ثواب کے مستحق ہوں گے اگر کسی نے سوال کیا اور اسے نہ دیا اور خوبصورتی کے ساتھ اچھے الفاظ میں جواب دے دیا اور سائل کی بدتمیزی پر اور تنگ کرنے پر جو غصہ آیا اس سے درگزر کر دیا تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کچھ دیدے پھر احسان دھرے یا کسی طرح سے تکلیف پہنچائے۔ اس کو فرمایا: قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ أَذًى ۔ جو لوگ صدقہ کر کے احسان جتاتے ہیں یا ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کا ایسا حال ہے جیسے کوئی شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے شخص کے خرچ کرنے کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جیسے کوئی چکنا پتھر ہو اس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُوپر سے زوردار بارش پڑ جائے جو اس ذرا سی مٹی کو بہا کر لے جائے اور پتھر کو بالکل چکنا سپاٹ چھوڑ دے اول تو پتھر چکنا پھر اس پر مٹی بھی ذرا سی اور جو بارش برسی تو وہ بھی زوردار، ظاہر ہے کہ اس حالت میں پتھر صاف ہو کر چکنا نہ رہ جائے گا تو اور کیا ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ منافق کے خرچ کرنے کی مثال ہے کیونکہ وہ اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ مسلمانوں میں شریک ہو کر جو کسی نیک کام میں تھوڑا بہت خرچہ کیا تو ایسا ہوا جیسے چکنے پتھر پر ذرا سی مٹی آ جائے اور چونکہ اس خرچ کا اسے کوئی ثواب نہ ملے گا اس لئے یہ خرچ کرنا اس کے حق میں بالکل ہی بے فائدہ ہے جیسا کہ اس ذرا سی مٹی پر خوب تیز بارش برس جائے اور اسے دھو ڈالے۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر ذرا بھی قادر نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کمایا اور خرچ کیا حالت کفر میں تھا اور دکھاوے کے لئے تھا اس کا ثواب انہیں ذرا نہ ملے گا، آخرت میں ان کا کمانا بھی ضائع ہے اور خرچ کرنا بھی اور جب ایمان نہیں اور اخلاص نہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُنہیں جنت کا راستہ بھی نہ دکھائے گا۔ اور پر منافق ریاکار کا ذکر ہے جو مومن مخلص کے مقابلہ میں آیا ہے۔

اگر کوئی شخص مسلمان ہو اور ریاکاری سے کوئی ایسا کام کرے جو فی نفسہ نیک ہو خواہ مالی عبادت ہو یا جانی عبادت، ریاکاری کی وجہ سے وہ بھی ثواب سے محروم رہے گا بلکہ ریاکاری اس کے لئے وبال ہوگی اور آخرت میں مستحق عذاب ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جن لوگوں کے بارے میں سزا کا فیصلہ ہوگا۔ ان میں ایک شخص وہ ہوگا جو بظاہر شہید ہو گیا تھا لیکن اُسکی نیت یہ تھی کہ بہادری میں اس کا نام ہو، اور ایک وہ شخص ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن شریف پڑھا۔ علم حاصل کرنے سے اسکی نیت یہ تھی کہ اس کو عالم کہا جائے اور قرآن پڑھنے سے اُس کی نیت یہ تھی کہ اُس کو قاری کہا جائے۔ اور ایک وہ شخص ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا مال دیا تھا وہ اللہ پاک کے حضور میں کہے گا کہ جو بھی کوئی خرچ کرنے کی سبیل مجھے ملی جس میں خرچ کرنا آپ کے نزدیک محبوب تھا اس میں میں نے آپ کے لئے خرچ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے یہ اس لئے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے۔ تینوں آدمیوں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہاری جو خواہش تھی وہ پوری ہو چکی اور جو تم چاہتے تھے وہ کہا جا چکا لہٰذا ان تینوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن کے ذریعہ سب سے پہلے دوزخ کو دہکایا جائے گا یہ تین آدمی ہوں گے۔ (الترغیب والترہیب ص ۶۲ ج ۱)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، اور جس نے روزہ رکھ کر ریاکاری کی اُس نے شرک کیا اور جس نے صدقہ دے کر ریاکاری کی اُس نے شرک کیا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۵ ج ۳)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور نفسوں کو پختہ کرنے کے لئے

كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا

ایسی مثال ہے جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زوردار بارش پھر وہ دوگنا پھل لایا ہو پس اگر زوردار بارش نہ پہنچی

وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

تو ہلکی بوندا باندی بھی اسے کافی ہے۔اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرنیوالوں کی مثال

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مؤمنین صالحین مخلصین کے مال خرچ کرنے کی ایک مثال بتائی ہے اور اس مثال میں ان کے ثواب کی کثرت اور عنداللہ مقبولیت ظاہر فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اور اس خرچ کرنے میں انکی یہ بھی نیت ہے کہ ان کے نفس اس نیکی کرنے پر پختہ ہو جائیں تاکہ نفس خرچ کرنے کے خوگر رہیں اور کنجوسی کو پاس نہ آنے دیں تو ایسے لوگوں کے خرچ کرنے کی ثواب کے اعتبار سے ایسی مثال ہے جیسے کسی ٹیلے پر ایک باغیچہ ہو (ٹیلوں کی آب و ہوا باغوں کے لئے نہایت مناسب ہوتی ہے) پھر اُوپر سے زوردار بارش بھی ہو جائے تو زمین کو اور زیادہ قوت و طاقت پہنچ جائے جس کی وجہ سے دوگنے پھل آ جائیں چونکہ یہ باغیچہ اُونچے ٹیلہ پر ہے اس لئے زوردار بارش نہ ہو تو تھوڑا بہت چھینٹا بھی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے جس طرح اس باغیچہ میں پھل خوب زیادہ کثیر مقدار میں آئیں گے اہل ایمان اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے جو مال خرچ کریں گے اسی طرح انکے خرچ کرنے کا ثواب بھی بہت زیادہ ملے گا۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. یعنی جو بھی کوئی کسی طرح کا عمل کرتا ہے اچھا ہو یا برا اللہ تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے ہر عمل کا بدلہ اللہ کے یہاں سے ملے گا۔ ریاکار کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مخلصین کو بھی اپنے عمل کی ہر ایک کو نگرانی کرنا لازم ہے کہ اخلاص ہے یا نہیں صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ اس تشبیہ میں جو دو طرح کی بارش فرض کی گئی ہے اس سے مقصود تفاوت مراتب اخلاص کا بیان کرنا ہے کہ چونکہ یہ انفاق ایمان کے ساتھ مقرون ہے مَنّ و اذٰی و ریا اس میں مفقود ہے اخلاص اس میں موجود ہے تو ضرور ہی مقبول ہو کر موجب تضاعف اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ خواہ اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ درجہ کا ہو نفس قبول و تضاعف کے لئے ہر حال میں کافی ہے گو تفاوت مراتب اخلاص سے مراتب قبول و تضاعف میں بھی تفاوت ہو جائے گا۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ

نہریں اس میں اس کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے اور اسکی

ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

ضعیف آل واولاد ہو پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی جس میں آگ ہو سو وہ باغ جل جائے ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

آیات تاکہ تم فکر کرو

عبادت اور طاعات کو باطل کردینے والوں کی مثال

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ جو اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں لیکن انکو ریا کاری یا مَنّ واذی کی وجہ سے یا کسی ایسے عمل کے کرنے سے جو حبط اعمال کا سبب ہو برباد کردیتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کا باغ ہو جس میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت ہوں اور انکے علاوہ بھی ہر قسم کے پھل ہوں اس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں وہ خود بوڑھا ہوگیا اور اس کے اہل واولاد ضعیف ہوں۔ خود بھی کچھ نہیں کرسکتا اور اولاد بھی کسی قابل نہیں، گزارہ کا راستہ صرف یہی باغ ہے اپنا خرچہ بھی اس سے ہے اور بال بچوں کا سہارا بھی یہی باغ ہے۔ ایسی حالت میں ایک تیز آندھی آئی اس آندھی میں آگ تھی اُس آگ نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کردیا، عین حاجت کے وقت جبکہ اس باغ کی بہت زیادہ ضرورت تھی کچھ بھی نہ بچا سارا ہی جل کر راکھ ہوگیا، اس مثال کو سامنے رکھ کر سمجھ لیں کہ جو اعمال صالحہ انجام دیئے جاتے ہیں اُن کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آخرت میں ان کا ثواب ملے۔ وہاں حاجتیں پوری ہوں اور عذاب سے حفاظت ہو لیکن اخلاص نہ ہونے کے باعث جب بہت بڑی اور سب سے بڑی حاجت کا وقت آیا تو جو اعمال کئے تھے انہوں نے کچھ بھی کام نہ دیا کیونکہ اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ بندوں کو دکھانے کے لئے اعمال کئے تھے جو بظاہر نیک تھے لیکن ریا کاری نے ان کی نیکی ختم کردی تھی نماز پڑھی دکھاوے کے لئے، حج کیا نام ونمود کے لئے، صدقہ دیا شہرت کے لئے، جہاد کیا بہادری ظاہر کرنے کے لئے، صدقہ دیا شہرت کے لئے، اور شہرت کے خیال سے نہ تھا تو جن کو دیا تھا اُن پر احسان دھر کر اور تکلیف پہنچا کر اکارت کردیا آخرت میں پیشی ہے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اور اعمال کا ثواب مل نہیں رہا ایسے وقت میں جو بدحالی ہوگی اس کا کچھ اندازہ مذکورہ بالا باغ والے آدمی کی حیرت اور پریشانی سے کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فکر مند بنانے کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ

اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو، اور اس میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لئے

مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ

زمین میں سے، اور مت ارادہ کرو ردی چیزوں کا کہ اس میں سے خرچ کرو، اور تم خود اس کے لینے والے نہیں ہو مگر اس صورت میں کہ

تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

چشم پوشی کر جاؤ، اور جان لو کہ بلا شبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے

اللہ کی رضا کیلئے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم

تفسیر: گزشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب ذکر فرمایا ہے اور خرچ کرنے کے آداب بتائے ہیں اس آیت میں اپنے کمائے ہوئے مالوں میں سے طیب عمدہ حلال اور اچھی چیزیں خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ حرام کمانا تو حرام ہے جو حلال مال ہے اس میں سے بھی عمدہ چیز کو اللہ کی راہ میں دینا چاہئے۔ اسباب النزول صفحہ ۸۲ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، جب فصل پر کھجوروں کے پھل کاٹتے تھے تو کھجوروں کے خوشے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی پر لا کر ٹانگ دیتے تھے جس میں سے فقراء مہاجرین کھا لیتے تھے ان میں سوکھے ہوئے خوشے بھی ہوتے تھے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (کہ تم ردّی چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو)

لباب النقول میں بحوالہ حاکم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقۃ الفطر ادا فرمانے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کھجور کا ایک صاع صدقہ میں دیا جائے اُس پر ایک شخص ردی کھجوریں لے آیا لہٰذا آیت کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ نازل ہوئی یہ جو فرمایا وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ۔ اس میں تنبیہ فرمائی کہ تم اللہ کی راہ میں گھٹیا مال خرچ کرنے کو تو تیار ہو لیکن ویسا ہی گھٹیا مال تمہیں کوئی دے تو تم خود اسے لینے کو تیار نہ ہو گے۔ تمہارا کسی پر قرضہ ہے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں تمہیں کوئی خراب کھجوریں یا دوسرا کوئی گھٹیا مال دینے لگے تو تم اُسے قبول نہ کرو گے ہاں یہ اور بات ہے کہ موقع دیکھ کر آنکھیں میچ لو اور یہ سمجھ کر رکھ لو کہ اس آدمی سے عمدہ مال کبھی بھی نہیں ملے گا چلو جو ہاتھ آتا ہے یہ ہی سہی، یہ مسامحت والی بات دوسری ہے رضا اور رغبت اور دل کی خوشی کے ساتھ تم ردّی چیز قبول نہیں کر سکتے۔

عمومی طور پر مال طیّب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (کہ ہم نے زمین سے جو کچھ تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بھی خرچ کرو) حضرات فقہاء کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ ہے اور احادیث شریفہ سے بھی پیداوار کی زکوٰۃ ثابت ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو عشر کہا جاتا ہے)۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ زمین سے جو بھی کچھ پیدا ہو (غلہ ہو یا سبزیاں، ترکاریاں ہوں یا پھل) سب کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ البتہ گھاس اور لکڑی ان کے نزدیک اس سے مستثنیٰ ہے۔ پیداوار کی زکوٰۃ کا اُصول یہ ہے کہ جو زمین ایسے پانی سے سیراب کی جائے جس کی قیمت ادا کرنی نہ پڑے مثلاً بارش کے پانی سے سیراب کی جائے یا ندی یا دریا کے کنارے پر ترائی میں کوئی چیز پانی دیئے بغیر بونے سے پیدا ہو جائے تو اسکی کل پیداوار سے دسواں حصہ مستحقین زکوٰۃ کو دینا فرض ہے اور یہ بھی زکوٰۃ ہی ہے مثلاً دس کلو پیداوار میں سے ایک کلو دیدے اور اسی طرح باغ میں جو پھل پیدا ہوں ان کا بھی دسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرے۔ اور اگر پانی کی قیمت دے کر زمین کو سیراب کیا گیا ہے تو ایسی زمین کی پیداوار کا نصف العشر یعنی دسویں کا آدھا زکوٰۃ میں دینا فرض ہوتا ہے۔ جس کو بیسواں حصہ کہا جاتا ہے یعنی دس کلو پیداوار سے آدھا کلو زکوٰۃ دیدے۔

مسئلہ: یہ دسواں یا بیسواں حصہ جو زکوٰۃ میں ادا کرنا فرض ہے۔ اس میں کوئی نصاب نہیں ہے یعنی جس قدر بھی پیداوار ہو اُس کا دسواں یا بیسواں حسب تفصیل بالا اُدا کرے۔

مسئلہ: کھیتی پر جو مال خرچ ہوا مثلاً بیج ڈالا مزدوروں سے زمین کھدوائی، بیل خریدے، ٹریکٹر چلوایا، کام کرنے

والوں کو مزدوری دی‘ یہ سب اخراجات منہا نہیں ہوں گے جو کچھ بھی پیداوار ہو اسکی زکوٰۃ کا دسواں یا بیسواں حصہ (حسب تفصیل بالا) زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہے۔

فائدہ: زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں کچھ تفصیل ہے۔ مختصراً اتنا سمجھ لیا جائے کہ جو کوئی علاقہ کافروں کے قبضہ میں تھا پھر مسلمانوں نے حملہ کر کے وہ علاقہ اُن سے چھین لیا اور امیر المومنین نے اس علاقہ کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تو یہ زمین عشری ہے اسی طرح سے اگر کسی شہر کے رہنے والے مسلمان ہو جائیں تو انکی زمین بھی عشری ہو جائے گی۔

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ کہ (اللہ تعالیٰ غنی ہے مستحق حمد ہے) اُسے تمہارے صدقات کی حاجت نہیں جو کچھ خرچ کرتے ہو آپس میں خود ہی منتفع ہوتے ہو اُس نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے عطاء فرمانے پر وہ مستحق حمد ہے۔ مستحق شکر ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حمید بمعنی حامد بھی ہوسکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ عمدہ چیز قبول فرماتا ہے یعنی خرچ کرنے والے کو ثواب دیتا ہے اور یہ قبول کرنا اور ثواب دینا اسکی طرف سے بندوں کی تعریف ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً

شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے‘ اور حکم دیتا ہے تمہیں فحش کاموں کا اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا

مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ښ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ

اور فضل کا‘ اور اللہ وسعت والا ہے۔ خوب جاننے والا ہے‘ وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے‘ اور جس کو

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

حکمت دی گئی اُسے خوب زیادہ خیر عطاء کی گئی‘ اور وہ ہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں

شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ہدایت فرمائی ہے کہ شیطان کے بہکانے اور ڈرانے میں نہ آؤ جب تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ کرو گے تو شیطان تمہارے دل میں وسوسے ڈالے گا۔ اور یوں کہے گا کہ صدقہ دو گے تو مال کم ہو جائے گا۔ تنگدستی آجائے گی اپنی کل کی ضرورت کے لئے مال بچا کر رکھو بچوں کے کام آئے گا اگر خرچ کرنے ہی لگو گے تو پھر وہ گھٹیا مال خرچ کرنے کی ترغیب دے گا وہ تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ بخل پر اُبھارتا ہے اور اس کے علاوہ بے حیائی کے کاموں کا بھی حکم کرتا ہے وہ گناہوں کی ترغیب دیتا ہے‘ تم اس کے کہنے میں نہ آؤ‘ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھو اُس نے تم سے جو مغفرت اور فضل کا وعدہ فرمایا ہے اس کے امیدوار رہو اور یقین جانو کہ وہ اپنے سب وعدے پورے فرمائے گا‘ اپنے خالق و مالک کے وعدوں کو بھول جانا اور دشمن شیطان کی باتوں میں آجانا سمجھداری کی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تھوڑا سا دو گے تو بہت ملے گا آخرت میں تو اجر و ثواب ہے ہی دنیا میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بڑے بڑے منافع ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں ایک تو یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے کسی بندہ کا مال کم نہ ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جس کسی بندہ پر بھی ظلم کیا جائے وہ اس پر صبر کر لے گا تو اللہ اسکی وجہ سے اس کو ضرور عزت عطا فرمائے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ جو بھی کوئی شخص بندوں سے

مانگنے کا دروازہ کھولے گا تو اس کے لئے ضرور تنگدستی کا دروازہ کھل جائے گا۔ (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ ص ۱۶۳ ج ۱)

زکوٰۃ اور صدقات سے مال گھٹتا نہیں ہے بڑھتا ہی ہے اور اس سے مال کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے ضائع ہونے سے محفوظ کرو اور اپنے مریضوں کے علاج کے لئے صدقہ دیا کرو (کیونکہ یہ بہت بڑا علاج ہے) اور مُصیبت کی موجوں کا مقابلہ دُعاء سے اور تضرع وزاری سے کرو۔ (رواہ ابوداؤد فی المراسیل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ روزانہ جب صبح ہوتی ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو اُس کے عوض اور دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! روکنے والے کا مال تلف کر دے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۴ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم تو (مخلوق پر) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خرچ کرتی رہو اور گن کر مت رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن کر دے گا اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی داد و دہش بند فرما دیگا جو بھی تھوڑا بہت ہو خرچ کرتی رہو۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۳ ج ۱)

شیطان چاہتا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں نفس بھی ہچکچاتا ہے کہ خرچ ہو جائے گا تو آگے کیا ہوگا' کہاں سے آئے گا اور ایسے ہی وقت میں صدقہ کرنے کی زیادہ فضیلت ہے جبکہ نفس کنجوسی کی طرف جاتا ہو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کونسا صدقہ ثواب کے اعتبار سے زیادہ بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا صدقہ کہ صدقہ کرتے وقت تندرست ہو۔ (مرض الموت میں نہ ہو) خرچ کرنے کو دل نہ چاہتا ہو۔ تنگدستی سے ڈرتا ہو اور پیسہ پاس رکھنے کی آرزو رکھتا ہو یہ صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے' اور خرچ کرنے میں تو دیر نہ لگا یہاں تک کہ جب موت آ جائے اور جان حلق کو پہنچ جائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا (اب فلاں کو کیا دلوا رہا ہے) اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی وجہ سے مال کا شر چلا گیا یعنی مال کی وجہ سے جس کسی شر کا اندیشہ تھا اس سے حفاظت ہو گئی۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۹ ج ۱)

شیطان انسان کا بہت بڑا دشمن ہے یہی نہیں کہ صرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے بلکہ طرح طرح کی مشکلات سامنے لا کر پریشان کرتا ہے اور ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور بندوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کے دل پر شیطان کی پہنچ بھی ہوتی ہے اور فرشتے کا نزول بھی ہوتا ہے۔ شیطان (تنگدستی وغیرہ سامنے لا کر) ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے۔ اور فرشتہ خیر کے واقع ہونے کی اُمیدیں دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ سو تم میں سے جو شخص بھی اسے محسوس کرے تو جان لے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا اللہ کی حمد کرے اور جو شخص دوسری بات (یعنی شیطان کی سمجھائی ہوئی چیز) محسوس کرے وہ شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگے۔ یہ بات بیان فرما کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ ہی آیت اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸ ج ۱)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کہ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت وسیع فضل' وسیع علم والا ہے۔ سب کے صدقات کو اور نیتوں کو جانتا ہے۔ وہ خوب زیادہ دے گا پھر فرمایا یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ کہ اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتا ہے جس کو چاہے لفظ

حکمت مضبوط چیز کے معنی میں آتا ہے، علم، عمل، قول جس میں بھی اتقان ہو وہ سب حکمت ہے یہ لفظ قرآن مجید میں بہت سی جگہ وارد ہوا ہے۔ روح المعانی (ص ۱۴۱ ج ۳) میں تفسیر البحر المحیط سے نقل کیا ہے کہ اس میں حضرات علماء کرام کے انتیس اقوال ہیں اور تقریباً سب کا مرجع ایک ہی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے فقہ فی القرآن مراد ہے، حضرت قتادہ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کو پڑھنا اور اس میں فکر کرنا یہ حکمت عملی ہے، حضرت مجاہد نے فرمایا کہ قول و عمل کی درستگی حکمت ہے۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ قرآن و علم و فقہ یہ سب حکمت ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حکمت سے وہ علم مراد ہے، جس کا نفع بہت بڑا ہو اور فائدہ خوب زیادہ ہو، حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ کی معرفت کا نام حکمت ہے۔ حضرت ابو عثمان نے فرمایا کہ حکمت ایک نور ہے جس کے ذریعہ وساوس اور الہام صحیح میں فرق ہوتا ہو، جو بھی معنی لیا جائے ہر ایک مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ سب کا مرجع تقریباً ایک ہی ہے، علم محکم اور علم نافع اور عمل صحیح اور قول صحیح اجمالی طور پر یہ معنی مراد لے لئے جائیں تو آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا فرمائے۔ پھر فرمایا کہ جسے حکمت عطا کی گئی اُسے بہت زیادہ خیر عطا کر دی گئی، کیونکہ حکمت اس کے لئے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہونے کا ذریعہ بنے گی جس کے اقوال و اعمال ٹھیک ہوں علم محکم کے مطابق ہوں۔ صحیح بخاری (ص ۱۷ ج ۱) میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشک کے قابل صرف دو ہی آدمی ہیں ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا پھر اسے خیر کے کاموں میں خوب زیادہ خرچ کرنے پر مسلط فرما دیا، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ کہ عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اوہام سے اور اتباع ھوی کی تاریکیوں سے دور ہیں۔ اللہ کی آیات میں غور و فکر ان کے لئے ذریعہ موعظت و نصیحت بنتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ)

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا
جو کچھ کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلا شبہ اللہ اسکو جانتا ہے اور
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾
ظلم کرنے والوں کیلئے کوئی بھی مددگار نہیں

جو کچھ خرچ کرو گے یا نذر مانو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے

تفسیر: اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور ریا اور منّ و اذیٰ سے بچنے کی تاکید اور مالِ طیّب خرچ کرنے کا حکم فرمانے اور شیطان کے وسوسوں پر عمل نہ کرنے اور خدائی وعدوں کے مطابق اعمال کے ثواب کی اُمید رکھنے کا حکم دینے کے بعد اب اجمالی طور پر یہ فرمایا ہے کہ تم جو بھی کوئی خرچہ کم یا زیادہ دکھا کر یا پوشیدہ طور پر خرچ کرو گے یا کوئی نذر مانو گے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے وہ نیت اور عمل سب کو جانتا ہے اسی کے مطابق وہ جزا دے گا۔ یہ ایک اعتبار سے گزشتہ مضامین کی تاکید ہے، نفقہ کے ساتھ نذر کا ذکر بھی فرمایا ہے کوئی شخص اگر نذر مان لے بشرطیکہ گناہ کی نذر نہ ہو تو وہ لازم ہو جاتی ہے نذر مطلق بھی ہوتی ہے اور معلق بھی، مطلق یہ کہ یوں زبان سے کہے کہ اللہ کے لئے ایک روزہ رکھوں گا یا دو رکعت نماز پڑھوں گا

یا نفلی صدقہ کروں گا اور نذر معلق یہ ہے کہ یوں کہے کہ میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو اتنے نفل پڑھوں گا یا اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا یا سو روپے صدقہ کرونگا دونوں طرح کی نذر کرنے سے نذر کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہے: وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (کہ اپنی نذروں کو پورا کریں) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے لوگ چونکہ کسی مرض یا خوف یا کسی مصیبت کے دور کرنے کے لئے نذر مانتے ہیں اور عموماً مال خرچ کرنے کی نذر ہوتی ہے اس لئے یہاں نفقہ کے ساتھ اُس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ نذر کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ وہ کسی چیز کو دفع نہیں کر سکتی اور ہوتا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بخیل سے کوئی چیز نکال لی جاتی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۹۰ ج ۲)

نذر ماننا مناسب تو نہیں جیسا کہ حدیث میں معلوم ہوا لیکن اگر کوئی شخص نذر مان لے تو اسے پورا کرے۔ البتہ اگر گناہ کی نذر مانی ہے تو اس کو پورا نہ کرے لیکن اس کا کفارہ ادا کرے جو قسم کا کفارہ ہے وہ ہی نذر کی خلاف ورزی کا بھی کفارہ ہے قسم کا کفارہ سورۂ مائدہ میں ساتویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے وہاں اسکی تفصیل دیکھ لی جائے۔

مسئلہ: کسی بھی گناہ کی نذر ماننا حرام ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جو شخص مصیبت کی نذر مان لے وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ (رواہ البخاری ص ۹۹۱ ج ۲) یعنی گناہ کی نذر ماننے کی وجہ سے یہ نہ سمجھے کہ مجھے گناہ کرنا ہی ہے بلکہ اپنی نذر کی خلاف ورزی کرے اور کفارہ دیدے۔ (کمافی روایة ابی داؤد و الترمذی و النسائی مشکوٰة المصابیح ص ۲۹۸)

وجوب نذر سے متعلق فقہاء نے چند مسائل لکھے ہیں ان کے لئے کتب فقہ کی مراجعت کی جائے، پھر فرمایا: وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ (کہ ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں) ہر معصیت ظلم ہے۔ چھوٹے بڑے جتنے بھی گناہ ہیں اپنے اپنے درجہ کے اعتبار سے ظلم ہیں بہت سے گناہ ایسے ہیں جو دوسروں پر ظلم کرنے کا سبب بنتے ہیں لیکن ہر گناہ، گناہ کرنے والے کی جان پر تو بہر حال ظلم ہے ہی اور سب سے بڑا ظلم کفر و شرک ہے۔

إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ
اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ زیادہ بہتر ہے
لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾
تمہارے لئے، اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے

صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں صدقات دینے کے بارے میں ایک بہت اہم بات ذکر فرمائی ہے اور وہ صدقات ظاہر کر کے دینے اور چھپا کر دینے کے متعلق ہے اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ریا کاری جس کا نام ہے وہ خواہ مخواہ چپکتی نہیں پھرتی وہ تو نیت و ارادہ کا نام ہے، جو کوئی شخص نماز پڑھے یا ذکر کرے یا زکوٰۃ دے یا صدقہ نافلہ دے اور اسکی نیت یہ ہو کہ لوگ مجھے نیک سمجھیں، میرا نام ہو میری شہرت ہو تو یہ ریا کاری ہوگی اور گناہ ہوگا جس سے اعمال ضائع ہو جائیں گے، لیکن

اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جانی و مالی عبادت کرے چاہے لوگوں کے سامنے ہی ہو اور اس سے نام ونمود شہرت مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' بلکہ اگر یہ نیت ہو کہ لوگوں کے سامنے عمل کرنے سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوگی تو اس نیت کا مستقل ثواب ملے گا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے گھر کے اندر اپنی نماز کی جگہ نماز پڑھ رہا تھا ایک آدمی داخل ہوا اس نے مجھے دیکھ لیا اس کے آنے سے مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اس میں تیرے لئے دو اجر ہیں' پوشیدہ عمل کرنے کا اجر بھی اور ظاہراً عمل کرنے کا اجر بھی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ بیان کیا کہ "مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بیان کرنے میں یا تو ان کا یہ مطلب تھا کہ میرے نفس میں ریا کاری کا وسوسہ آ گیا کہ مجھے ایک آدمی نے تنہائی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا یا یہ مطلب تھا کہ نفس کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ یہ جو آدمی آیا ہے یہ میرا عمل دیکھ کر خود بھی عمل کرلے گا۔ بہر حال جو بھی صورت ہو آنحضرت ﷺ نے ان کو دوہرے اُجر کی خوشخبری دی۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ریا لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو اندر کے اس جذبہ کا نام ہے کہ لوگ میرے معتقد ہوں اور مجھے اچھا کہیں اور عبادت کی وجہ سے میری تعریف ہو اس تمہید کے بعد آیت بالا کی تفسیر ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دے دو تو یہ بھی اچھی بات ہے' جب نیت خالص ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہے تو یہ ادائیگی ریا کاری نہ رہی اور اس میں اس فائدہ کی اُمید ہے کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہوگی پھر فرمایا اور اگر تم صدقات کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے لئے ظاہر کر کے دینے سے زیادہ بہتر ہے ظاہر کر کے دینے کو اچھی بات بتایا اور چھپا کر دینے کو زیادہ بہتر بتایا۔ کیونکہ چھپا کر دینے میں احتمال ریا کا ختم ہو جاتا ہے اور نفس کے پھولنے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اور اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس کو صدقہ دیا جائے وہ تنہائی میں لینے سے شرماتا نہیں اور اپنی خفت بھی محسوس نہیں کرتا۔ الفاظ آیت کے عموم میں معلوم ہو رہا ہے کہ چھپا کر دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ بعض حالات کے اعتبار سے لوگوں کے سامنے خرچ کرنا زیادہ باعث فضیلت ہو جائے وہ دوسری بات ہے۔ مثلاً کسی جگہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا رواج نہیں ہے لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں فریضۂ زکوٰۃ زندہ کرنے اور اس کا رواج ڈالنے کیلئے لوگوں کے سامنے دے یا کوئی ایسا شخص ہو جس کی اقتداء میں لوگوں کو خرچ کرنے کی طرف توجہ ہوگی تو ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے دینے اور خرچ کرنے میں چھپا کر دینے سے زیادہ ثواب ہو سکتا ہے اصل چیز اخلاص نیت ہے اور نفس پر قابو پانا چونکہ ہر شخص کے بس کا نہیں ہے اس لئے چھپا کر خرچ کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل بتایا ہے۔ بہت سے لوگ دیتے تو تنہائی میں ہیں لیکن اخبارات کے ذریعہ شہرت کرتے ہیں اور مساجد و مدارس کی روئیدادوں میں اپنا نام لانے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے بڑے القاب و آداب کے ساتھ اپنا نام چھپنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ تنہائی میں دینے کا کیا فائدہ ہوا جبکہ دل میں ریا کاری کی موجیں اُٹھ رہی ہیں۔ عمل ظاہر میں کرے یا پوشیدہ کرے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو اور عمل کی جو خوبی ظاہر میں ہو وہی پوشیدہ حالت میں ہو تو یہ دلیل اخلاص ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور اچھی طرح نماز پڑھتا ہے۔ اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہے تب اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں کہ واقعی یہ میرا بندہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۵)

صاحب روح المعانی (ص۴۴ ج۳) لکھتے ہیں کہ چھپا کر صدقہ کرنے کے بارے میں کثیر تعداد میں احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں پھر مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو صدقہ کسی فقیر کو چپکے سے دے دیا جائے یا ایسا شخص صدقہ کر دے جو تنگدست ہوتے ہوئے محنت اور کوشش کر کے مال حاصل کرے اور صدقہ دے دے اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی صحیح بخاری (ص۱۹۱ ج۱) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا' ان سات آدمیوں میں ایک وہ شخص ہے جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
آپ کے ذمہ نہیں ہے انکی ہدایت' لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو بھی کچھ اچھا مال تم خرچ کرتے ہو' تو وہ
فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ
تمہاری جانوں کے لئے ہے' اور تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ کی رضا کے لئے' اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں دے دیا جائے گا
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾
اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا

جو کچھ بھی اچھا مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمہیں مل جائے گا

تفسیر: رسول اللہ ﷺ بہت محنت و کوشش فرماتے تھے اور اہل کفر کو حق کی دعوت دیتے تھے۔ وہ لوگ جب قبول نہیں کرتے تھے تو آپ کو طبعی طور پر رنج ہوتا تھا' آپ ﷺ کی تسلی کے لئے آیات نازل ہوتی تھیں' ایسی آیات قرآن کریم میں کئی جگہ موجود ہیں انہی میں سے ایک یہ آیت بھی ہے کہ آپ کا کام راہ دکھانا ہے۔ صحیح بات بتانا ہے' حق کا قبول کرانا آپ کے ذمہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ہادی ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے' آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ صاحب روح المعانی (ص۴۵ ج۳) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہم صرف اہل اسلام پر خرچ کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ انصار کی رشتہ داریاں تھیں جن میں بعض لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ حضرات ان کو صدقہ دینے سے بچتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کرلیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی' سبب نزول کو سامنے رکھنے کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت پر لانا آپ کا کام نہیں ہے۔ تاکہ صدقہ روک کر لوگوں کو اسلام پر لانے کی صورت پیدا کی جائے صدقات نافلہ غیر مسلم ضرورت مندوں کو دینے میں بھی ثواب ہے اسلام قبول کرنا نہ کرنا انکا کام ہے۔

پھر فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ صاحب روح المعانی اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو مال بھی نیک کاموں میں خرچ کرو گے اس کا نفع تم ہی کو ہوگا۔ لہٰذا مَنّ اور اَذی اور ریاکاری سے اُسے ضائع نہ کرو یا یہ مطلب ہے

کہ فقراء کو دے دیا کرو' خواہ وہ کافر ہی ہو تمہیں ثواب ملنے سے مطلب ہے۔

پھر فرمایا: وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ کہ تم تو صرف اللہ کی رضا ہی کے لئے خرچ کرتے ہو' لہٰذا ان آداب کی رعایت کرو جن سے اللہ کی رضا حاصل ہو اور ان اعمال سے بچو جن سے اللہ کی ناراضگی ہوتی ہو اور جن سے صدقات باطل ہو جاتے ہوں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ نفی نہی کے معنی میں ہے یعنی تم نہ خرچ کرو مگر اللہ کی رضا کے لئے پھر فرمایا وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ یعنی جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ذرا سی بھی کمی نہ ہوگی اس میں پچھلے جملہ کی تاکید ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے خرچ کرنے کے بعد مزید مال عطا فرمائے گا۔ بحکم حدیث **اللّٰھم اعط منفقا خلفا** یہ معنی لینا بھی بعید نہیں ہے (من روح المعانی ج ۳ ص ۴۶)

مسئلہ: کافر کو نفلی صدقات دینا جائز ہے اس میں بھی ثواب ہے۔ البتہ یہ کافر کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینا جائز نہیں۔

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ
صدقات فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔
يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ
سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے' تو انہیں پہچان لے گا۔ انکی نشانی سے' وہ لگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں
اِلۡحَافًا ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۷۳﴾
کرتے' اور جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے' اچھا مال سو اللہ اس کا جاننے والا ہے

فی سبیل اللہ کام کرنے والوں پر خرچ کرنے کا حکم

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ان فقراء پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی جو دینی کاموں میں مشغول ہوں ان کی دینی مشغولیت انہیں کہیں آنے جانے نہیں دیتی کسب مال کے مواقع انکی مشغولیت کی وجہ سے میسر نہیں ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص ۴۶ ج ۳) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان سے حضرات اصحاب صفہ مراد ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات تین سو کے لگ بھگ تھے ان کی تعداد میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی یہ فقراء مہاجرین تھے جو مسجد نبوی کے چبوترے پر رہتے تھے جس پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ یہ حضرات اپنے اوقات علم دین حاصل کرنے میں اور جہاد میں خرچ کرتے تھے اور جو کوئی جماعت جہاد کے لئے رسول اللہ ﷺ بھیجتے تھے۔ اس میں چلے جاتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ ان سے وہ حضرات مراد ہیں۔ جن کو جہاد میں زخم آ گئے تھے' اور وہ معذور ہو گئے تھے لہٰذا مسلمانوں کے اموال میں ان کا حق مقرر فرمایا۔

صاحب روح المعانی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آیت کا مفہوم ان حضرات کو اوّلیت کے اعتبار سے شامل ہے حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم قیامت کے دن تک

باقی ہے جو لوگ اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں ان کی ایک صفت تو یہ بیان فرمائی کہ دینی مشغولیت کی وجہ سے چل پھر کر کسب معاش نہیں کر سکتے اور اُن پر خرچ کرنے کا یہ بہت بڑا سبب ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کہ یہ لوگ مخلوق کے سامنے سوال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس وجہ سے انجان آدمی جسے ان کا اندرونی حال معلوم نہیں ہے انہیں مالدار سمجھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں جنہیں کمانے کی فرصت نہیں وہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کریں کسی کے سامنے کوئی حاجت نہ رکھیں ایسے بے نیاز ہو کر رہیں کہ جنہیں ان کا حال معلوم نہ ہو وہ انکی بے نیازی کو دیکھ کر انہیں مالدار سمجھیں ہاں دوسرے مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ خرچ کرنے کی صحیح جگہ پہنچیں اور ایسے حاجت مندوں کا پتہ چلائیں، اور در حقیقت اصل مسکین وہی ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وہ مسکین نہیں ہے جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے۔ اُسے ایک لقمہ اور دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجوریں در بدر پھراتی ہیں لیکن واقعی مسکین وہ ہے جسے اتنا مقدور نہیں جو اُسے بے نیاز کر دے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تا کہ اُس پر خرچ کر دیا جائے اور وہ لوگوں سے سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔ (رواہ البخاری ج ۱)

ان حضرات کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ کہ اے مخاطب ایسے لوگوں کو تو انکی نشانی سے پہچان لے گا۔ نشانی سے حالت ظاہرہ مُراد ہے جسے دیکھ کر انکی حاجت مندی اور بے چارگی معلوم ہو جائے۔ اس نشانی کے بارے میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مشقت کے ظاہری آثار جو چہرے سے عیاں ہوں وہ مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے جو رنگ زرد ہو گئے ہوں وہ مراد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کپڑوں کا پھٹا پُرانا ہونا مراد ہے۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۲۵۹ ج ۱) نے یہ اقوال نقل کئے ہیں لیکن در حقیقت ان پر کوئی انحصار نہیں، بھانپنے والے طرح طرح سے بھانپ لیتے ہیں جو فکر مند ہو گا وہ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اور انکے پاس اُٹھ بیٹھ کر انکی حاجت مندی کو پہچان ہی لے گا۔

پھر فرمایا کہ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا یعنی یہ حضرات لوگوں سے لگ لپٹ کر ذمہ ہو کر ضد کر کے سوال نہیں کرتے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اِلْحَافًا قید احترازی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے اگر سوال کرتے تو دیکھنے والا انہیں مالدار کیوں سمجھتا اور ان کے بارے میں یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کیوں ارشاد ہوتا۔ آخر میں فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ اور جو بھی کچھ تم خیر میں سے خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اُس کا جاننے والا ہے اسکی قدر فرمائے گا اور اسکی جزا دے گا تمہارا خرچ کیا ہوا ضائع نہ ہو گا۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں پس اس بنا پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور ان پر بعض نا تجربہ کاروں کا جو یہ طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کو علم دین کی خدمت کا کچھ مذاق ہو گا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی اور انہماک کی حاجت ہے اس کے لئے اس کے ساتھ اکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہو سکتا اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے چنانچہ ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر سو ان کے لئے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ان کے رب کے پاس، اور ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

رات دن مال خرچ کرنے والوں کی فضیلت اور منقبت

تفسیر: اس آیت میں رات دن اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا تذکرہ ہے۔ جو لوگ پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں گے یا علانیہ طور پر قیامت کے دن ان کا خرچ کیا ہوا مال اجر و ثواب کی صورت میں انہیں مل جائے گا۔ وہ وہاں غمگین نہ ہوں گے جبکہ بہت سے لوگ بدعملی کی وجہ سے یا اپنے مالوں کو گناہوں میں خرچ کرنے کی وجہ سے غمگین ہوں گے اس آیت میں مال خرچ کرنے کے بیان میں سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے سامنے مال خرچ کرنا ریا کاری میں شامل نہیں جس سے گناہ ہو اور خرچ کرنا اکارت ہو جاتا ہو، گو خفیہ طریقہ پر خرچ کرنے کی فضیلت زیادہ ہے لیکن اگر دکھاوا مقصود نہ ہو نام و نمود پیش نظر نہ ہو اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہو تو لوگوں کے سامنے خرچ کرنے سے ریا کاری میں شمار نہ ہوگا، ریا کاری اپنے دل کے جذبہ اور ارادہ کا نام ہے۔ اگر کوئی شخص تنہائی میں نیک عمل کرے اور مال خرچ کرے اور پھر لوگوں کو معتقد بنانے کے لئے اپنے عمل کو ظاہر کرے یا دل میں یہ تڑپ ہو کہ میرے اعمال لوگوں پر ظاہر ہوں تاکہ میری تعریف ہو تو یہ بھی ریا میں شامل ہو جائے گا بلکہ اس میں دُہرا ریا ہے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ دیکھو کیسے مخلص ہیں تنہائیوں میں عمل کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپیٹ

مِنَ الْمَسِّ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ

کر مخبوط بنا دے، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۗ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۗ

اور سود کو حرام قرار دیا، سو جس کے پاس آ گئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لئے وہ ہے جو گزر چکا،

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو شخص پھر عود کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

سود خوروں کی مذمت

تفسیر: ان آیات میں سود خوروں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت کے دن ان کو پیش آئے گا

یعنی وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح حیران اور مدہوش کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان لپٹ چپٹ جائے اور وہ اس کی وجہ سے مخبوط ہو جائے یعنی اس کے ہوش خطا ہو جائیں' مبہوت ہو جائے۔ بہکی بہکی باتیں کرے اس کا دل اور دماغ کام نہ کر سکے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ بیوت یعنی گھروں کی طرح سے تھے اُن میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو اُن کے پیٹوں کے باہر سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا' اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶ بحوالہ احمد وابن ماجہ)

جس کے سامنے ایک سانپ ہو اسکی حیرانی اور پریشانی کا تصور کرو' پھر یہ سوچو کہ اگر کسی کے پیٹ میں ایک سانپ ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا اور اس کے بعد یہ غور کرو کہ جس کا پیٹ گھر کے برابر ہو اور اس میں سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے ہوں اس کا کیا حال ہوگا اور کیا ہوش برقرار رہے گا۔ سودخوروں کی قیامت کے دن کی حالت بتا کر یہ بتایا کہ یہ لوگ سود کو حلال قرار دینے کیلئے یوں کہتے ہیں کہ سود میں اور بیع میں فرق کیا ہے کاروبار کرنے میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ اور سود کے لین دین میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ لہٰذا بیع کی طرح سود لینا بھی صحیح ہوا۔ اس بات کو سود لینے والے مختلف الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو نفع کے نام سے کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پیسے کا نفع ہے حالانکہ کسی چیز کا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے وہ ہمیشہ حرام ہی رہے گا' جب سے بنکوں کا نظام جاری ہوا ہے۔ لوگوں کو سود لینے کی عادت ہوگئی ہے اور جب تک سود نہ کھائیں ان کے نفس کو تسلی ہی نہیں ہوتی اور علماء کو خصوصیت کے ساتھ ہدف ملامت بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں نے قوم کو سود لینے سے اور سودی کاروبار سے روک دیا جس کی وجہ سے قوم بہت نیچے چلی گئی اور دوسری قومیں سودی کاروبار کر کے بامِ عروج پر پہنچ گئیں۔ بھلا مولوی کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے پاس سے خود کچھ کہے۔ وہ تو حکم سنانے والا ہے۔ حلال چیز کو حرام قرار دینا اس کے عہدہ میں کب ہے؟ اس کا تو صرف اتنا قصور ہے کہ حق سُناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے' اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ جن لوگوں کو حرام کا ذوق ہے وہ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا' کہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا پھر کیسے فرق نہیں ہے؟ ایک چیز حلال ہے دوسری چیز حرام ہے یہ بہت بڑا فرق ہے اور بیع اور سود کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ بیع تو مال سے مال کے مبادلہ کو کہا جاتا ہے پوری قیمت کے بدلہ مال آ جاتا ہے اور سود میں یہ ہوتا ہے کہ جتنا قرض دیا وہ تو پورا وصول کر لیا جاتا ہے اور اس کے سوا الگ سے بھی زائد رقم لی جاتی ہے' فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر وہ قرض جو ذرا سا بھی زائد کچھ لے کر آئے تو وہ سود ہے۔ (کل قرض جرّ نفعا فھو ربوا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو کچھ قرض دے پھر قرض لینے والا کچھ ہدیہ دے یا اپنے جانور پر سوار کرے تو نہ سوار ہو نہ ہدیہ قبول کرے۔ ہاں اگر ان کے درمیان اس سے پہلے ہدیہ لینے دینے کا تعلق تھا تو وہ اور بات ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۲۴۶)

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اُنہوں نے فرمایا کہ تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کا لین دین رواج پائے ہوئے ہے جب کسی پر کچھ قرض ہو پھر وہ تمہیں

بھوسہ کا ایک گٹھڑ یا جو کی گٹھڑی یا رسی میں بندھی ہوئی سبزی بھی دینا چاہے تو اس کو مت لینا کیونکہ وہ سود ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ جب کسی قرضدار سے تقاضا کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو اسکی دیوار کے سایہ میں بھی کھڑے نہ ہوتے تھے تاکہ قرضدار کی کسی چیز سے انتفاع نہ ہو جس کو قرض دیا ہو اس سے ہدیہ لینے کی ممانعت سے اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ جو شخص سود دیتا ہے وہ اپنی خوشی سے دیتا ہے۔ پھر اس کے لینے پر کیوں پابندی ہے؟ ہدیہ لینے کی ممانعت سے معلوم ہوا کہ خوشی سے دینے پر بھی سود لینا حلال نہیں ہے۔ جبکہ قرضدار سے ہدیہ لینا بھی حلال نہیں ہے تو سود کے نام سے اور سود کے عنوان سے جو کچھ طے کر کے لیا جائے۔ اُس کے حلال ہونے کا ذکر ہی کیا ہے؟ باہمی رضامندی سے نہ سود حلال ہے نہ رشوت حلال ہے نہ زنا حلال ہے۔ سود کا لین دین پرانی اُمتوں میں بھی حرام تھا۔ سورۂ نساء میں فرمایا: فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا. (سو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو اُنکے لئے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ کثرت سے اللہ کے راستہ سے روکنے کا کام کرتے تھے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا' اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے' اور ہم نے اُن کے لئے جو اُن میں سے کفر پر ثابت رہے' دردناک عذاب تیار کیا ہے)۔

چونکہ سودی لین دین میں غریبوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اور مہاجن لوگ گھر بیٹھے ہوئے عوام کا خون چوستے ہیں اس لئے سود کھانے کی وہ سزا جو عالم برزخ میں ہے رسول اللہ ﷺ کو ایک خواب میں یوں دکھائی گئی کہ ایک شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے اور نہر کے کنارے ایک آدمی ہے جس کے سامنے پتھر ہیں جو شخص نہر میں ہے وہ نکلنا چاہتا ہے تو یہ دوسرا شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسی جگہ چلا جاتا ہے جہاں پہلے تھا جب بھی وہ شخص نکلنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے' جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چلا جاتا ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا جن میں ایک جبریل اور دوسرے میکائیل تھے (علیہما السلام) کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ان دونوں نے بتایا کہ یہ شخص جو نہر کے اندر ہے سود کھانے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۵ ج ۱)

کیونکہ سود کا لین دین بہت ہی بڑا گناہ ہے اس لئے سود سے متعلق ہر شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اسکی لکھا پڑھی کرنے والے پر اور اُس کے گواہوں پر' اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ میں سب برابر ہیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۷ ج ۲)

جو لوگ سودی کاغذات لکھتے ہیں اسکی فائلیں بنا کر رکھتے ہیں سودی لین دین کی فرموں اور کمپنیوں اور بینکوں میں کام کرتے ہیں اور جو سود لیتے ہیں اور سود دیتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ لعنت کے کام میں مشغول ہیں۔ گناہ کی مدد بھی حرام ہے اور جس نوکری میں گناہ کرنا پڑے وہ بھی حرام ہے اور اسکی تنخواہ بھی حرام ہے۔ سود کا لین دین کرنے والوں اور زیادہ آمدنی کی خواہش رکھنے والوں کو مفتیوں کی بات ناگوار تو لگتی ہے مگر حق تو کہنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود کا ایک درہم جو انسان کھالے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو یہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (رواہ احمد والدار قطنی مشکوٰۃ ص ۲۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں اُن میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ برا کام کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

بیع کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ کہ جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی سو جو کچھ گزر چکا وہ اسی کے لئے ہے یعنی اب تک جو سود لیا اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا قال النسفی فی مدارک التنزیل (ص ۱۳۸ ج ۱) فلا یؤاخذ بما مضی منه لأنه اخذ قبل نزول التحریم۔ یعنی گزشتہ عمل پر اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ اس نے حرمت نازل ہونے سے پہلے لیا ہے صاحب روح المعانی (ص ۵۱ ج ۳) لکھتے ہیں کہ یہ سود واپس نہ کروایا جائے گا کیونکہ حرمت نازل ہونے سے پہلے حرمت کا قانون نافذ نہیں تھا۔ لہٰذا معاف کر دیا گیا۔

پھر فرمایا: وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ۔ کی نصیحت اور موعظت کے بعد جس نے توبہ کر لی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ کے یہاں قبول ہو گی۔ اور جھوٹی توبہ کی ہے تو نفع نہیں دے گی' ظاہری توبہ کے بعد بندوں کو بدگمانی کا کوئی موقع نہیں۔ اور جس نے پہلی بات کی طرف عود کیا یعنی سود کو حلال بنایا اور یوں کہا کہ وہ تو بیع کی طرح سے ہے تو ایسا کہنے والے دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تفسیر مدارک و روح المعانی کی تصریح سے معلوم ہوا کہ فَلَهٗ مَا سَلَفَ نزول تحریم سے پہلے جو سود لیا تھا اس سے متعلق ہے۔ بعد تحریم کے جو شخص سود لے گا وہ واپس ہو گا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو' اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے گناہ کرنے والے کو

صدقات کی برکات اور سود کی بربادی

تفسیر: سود خوروں کی مذمت بیان فرمانے کے بعد اس آیت شریفہ میں سود اور صدقات کے درمیان ایک فرق عظیم بتایا ہے اور وہ یہ کہ صدقات کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے اور سود کے مال کو بے برکت کر دیتا ہے اور اس کو برباد اور تلف فرما دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سود اگر چہ بہت ہو جائے اس کا انجام کمی کی طرف ہو جائے گا۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان واحمد کمافی المشکوٰۃ ص ۲۴۶)

دنیا میں سودی مالوں کی بے برکتی تو سب کی نظروں کے سامنے ہے' سود خور ہمیشہ ایک کے دس کرنے ہی کے فکر میں رہتا ہے۔ اور پیسہ ہی اسکی زندگی بن جاتا ہے۔ خدائے پاک کی رضا کے لئے کوئی کام کرے اس سے تو اس کا ذہن فارغ ہی رہتا ہے اس میں بے رحمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ حاجت مند کی حاجت دیکھتا ہے اور اسکی مجبوری سے مال حاصل کرنے کا راستہ نکالتا ہے اور مجبور اور بے کس کو سود پر قرض دے دیتا ہے اور خیر کے کاموں میں اس کا مال خرچ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ پھر سود سے جو مال جمع ہوتا ہے اس سے اسباب معیشت تو جمع ہو جاتے ہیں لیکن سکون و اطمینان سلب ہو جاتا ہے۔ اسباب راحت ہیں۔ راحت نہیں' پھر یہ سودی اموال ہلاک ہو جاتے ہیں مالوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈوب جاتے ہیں اور بنک دیوالئے ہوتے رہتے ہیں' یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں اگر کسی سود خور کا مال دُنیا میں ہلاک اور برباد نہ ہوا تو آخرت میں تو یہ مال بالکل ہی کام نہ دیگا۔ بربادی ہوگی۔ وہاں نہ مال ہوگا نہ مال سے فائدہ۔ اور حرام مال دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص حرام

مال کما کر صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں سے خرچ کرے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ میں لیجانے والا توشہ بنے گا۔ (رواہ احمد کمافی مشکوٰۃ ص ۲۴۲)

پھر جو حرام مال آل واولاد پر زندگی میں خرچ ہوتا ہے اور جو موت کے بعد ان کو پہنچے گا اور اُن پر خرچ ہوگا وہ ان کے لئے بھی وبال ہوگا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے بڑھا ہو جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے بڑھا دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہوگی (احمد و دارمی، مشکوٰۃ ص ۲۴۲) اُس مال کی کثرت کس کام کی جو صاحبِ مال کے لئے اور اسکی آل اولاد کے لئے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنے اور دنیا میں بے برکت ہو اور اسکی وجہ سے آرام اور چین مفقود ہو، برخلاف حلال مال کے وہ خواہ تھوڑا ہی ہو اس میں برکت ہوتی ہے۔ اس میں سے جو صدقہ کر دیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے اور تھوڑا مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو بہت زیادہ چند در چند مضاعف کر دیا جاتا ہے جس کا بے انتہا ثواب آخرت میں ملے گا۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ یعنی جو شخص سود کی حرمت کا قائل نہ ہو اس کو حلال سمجھے اور کفر اختیار کرے اور سود کھا کھا کر خدائے پاک کی نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے وہ شخص اللہ کا مبغوض ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی سو اُن کیلئے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے

مومنوں، نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کا اجر وثواب

تفسیر: ابھی سود کے بارے میں بعض احکام کا بیان باقی ہے۔ درمیان میں اہل ایمان کی فضیلت اور ان کا اجر وثواب بیان فرمادیا اور ان کے بعض اعمال خاصہ کا تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور فرمایا کہ بروز قیامت ان لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ نہ ہوں گے برخلاف سود لینے والوں کے کہ وہ وہاں دیوانوں کی طرح کھڑے ہوں گے مخبوط الحواس ہوں گے۔ اموال دنیا میں چھوڑ چکے ہوں گے اور وہاں ان اموال کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کی وجہ سے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

اول تو مال حرام والے نیک کاموں میں پیسے خرچ کرتے ہی نہیں اور اگر خرچ کر بھی دیں تو آخرت میں ان کا کچھ اجر نہیں نمازوں اور زکوٰۃ اور صدقات والے وہاں آرام اور چین سے ہوں گے کوئی خوف ان کو لاحق نہ ہوگا اور سود خواروں کا بُرا حال ہوگا، جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو،

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ

پس اگر تم نہ کرو تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے اصل

اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾
مال ہیں نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا

سود خوروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ

تفسیر: اس آیت کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے علماء تفسیر نے نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف کے چار آدمی جو آپس میں بھائی بھائی تھے بنی مغیرہ سے سود کا معاملہ کرتے تھے یعنی بنی مغیرہ کو سود پر قرض دیتے تھے۔ جب طائف پر رسول اللہ ﷺ کا غلبہ ہو گیا (اور طائف اسلامی علاقہ میں داخل ہو گیا) تو یہ چاروں بھائی بھی مسلمان ہو گئے انہوں نے بنی مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا تو بنی مغیرہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم اسلام قبول کرنے کے بعد سود نہیں دیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم فرما دیا ہے۔ یہ قضیہ حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا جو مکہ معظمہ پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عامل یعنی حاکم تھے۔ اُنہوں نے پورا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ' نے یہ آیت نازل فرمائی' سودی مال بہت زیادہ تھا۔ آیت شریفہ سن کر ان لوگوں نے اپنا سود چھوڑ دیا۔ آیت شریفہ میں باقی سود چھوڑنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم اصلی مال لے سکتے ہو' نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سود چھوڑنے کو تیار نہیں ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو یہ بات سنکر ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کے مقابلہ کی کہاں طاقت ہے؟ کس کے بس کی بات ہے جو اللہ سے جنگ کرے؟ ہم اپنا سود چھوڑتے ہیں۔

آیت کا سبب نزول ہم نے اس لئے ذکر کیا کہ کوئی ایسا شخص جو مسلمان ہے اور اس نے سود پر قرضے دے رکھے ہیں اور بہت سے سود وصول بھی کر رکھے ہیں وہ یہ آیت کا مطلب یہ نہ نکال لے کہ جو سود میں نے اب تک لیا ہے وہ میرے لئے حلال ہے باقی سود چھوڑ دیتا ہوں اور اصل مال لے لیتا ہوں' آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن لوگوں نے زمانہ کفر میں سود پر قرضے دیئے تھے اور بہت سا سود قرضداروں سے وصول کر چکے تھے' وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی باقی سود وصول کرنا چاہتے تھے ان کو حکم فرمایا کہ جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔ جو کوئی مسلمان سود پر قرضے دے کر سود وصول کر چکا ہو اس کا حکم اس میں مذکور نہیں ہے۔

اگر کسی مسلمان نے سود لیا ہے اگرچہ سود دینے والے نے خوشی سے دیا ہے تو اس کا واپس دینا واجب ہے' اگر یاد نہ رہا ہو کہ کس کس سے لیا ہے تو جتنا مال سود کا وصول کیا تھا اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے' جن لوگوں نے سود پر قرضے دے رکھے ہیں وہ توبہ کریں کہ سود وصول نہ کریں گے اگر توبہ نہیں کرتے تو اپنا انجام سوچ لیں کیونکہ سود لینا اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا ہے اور اسکی گرفت و عذاب سے نڈر ہو جانا ہے جو اموال سود کے طور پر لے چکے ہیں ان کو واپس کریں' جن سے سود لیا ہے البتہ اپنا اصل مال وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ سود لے کر ظلم نہ کریں' اور جن لوگوں پر قرضے ہیں وہ اصل مال روک کر قرض دینے والوں پر ظلم نہ کریں۔

بنکوں میں جو رقمیں رکھتے ہیں اور ان پر سود لیتے ہیں یہ سخت حرام ہے اگرچہ اس کا نام نفع رکھ لیں۔ توبہ کریں اور وہاں سے اپنا اصلی مال لے لیں' نام رکھنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور سود کا نام نفع رکھنے سے نفع نہیں ہو جاتا' جو لوگ سود کا نام نفع رکھ لیتے ہیں اور پھر سود لیتے رہتے ہیں۔ ان کا قول انہی لوگوں کے قول کے مطابق ہو جاتا ہے اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا کہا تھا۔ اللہ پاک نے اُنکی تردید فرمائی اور اَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فرمایا' جب کسی چیز کا رواج ہو جاتا ہے وہ خواہ کیسی ہی بری چیز ہو اسکی قباحت اور شناعت دلوں سے اُٹھ جاتی ہے۔ جب سے بنکوں کا سلسلہ چلا ہے لوگ بنکوں سے سود لینے کے

خوگر ہو گئے ہیں اور اسکی قباحت دلوں سے جاتی رہی ہے اور سود کو حلال کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ صاحب بنک والے ہمارے پیسوں سے تجارت کرتے ہیں نفع کماتے ہیں ہمیں بھی اُنہوں نے اگر نفع میں شریک کر لیا تو کیا ہوا؟ یہ انکی جہالت و گمراہی کی بات ہے۔ وہ بنک تجارت تو کرتا ہے اور تمہارے پیسوں سے کرتا ہے لیکن تم نے بنک کو مال مضاربت کے اُصول پر نہیں دیا، تمہیں فی صد ایک متعین رقم مل جاتی ہے۔ شرعی اصول سے یہ سود ہے، باتوں کی ہیرا پھیری سے سود حلال نہ ہوگا۔

فائدہ: جو شخص سود نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ پاک نے اپنی طرف سے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ فرمایا، اس طرح کا مضمون ان لوگوں کے بارے میں بھی آیا ہے جو اللہ کے دوستوں سے دشمنی کریں، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ عَادٰى لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ (کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو اسے میں جنگ کا اعلان کرتا ہوں) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ من عادی لله ولیا فقد بارز الله بالمحاربة (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۵ از ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان) یعنی جس نے اللہ کے کسی ولی سے دشمنی کی وہ اللہ سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں آ گیا۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہی دو گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کا ارتکاب کرنے والوں کو اعلان جنگ کرتا ہوں اور یہ دونوں گناہ ایسے ہیں جو آجکل بہت زیادہ رواج پا گئے ہیں۔ سود کا لین دین بھی بہت ہو رہا ہے۔ اور جو اولیاء اللہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ عبادت و تلاوت میں لگے رہتے ہیں قرآن و حدیث کے علوم پڑھتے ہیں۔ دینی علوم و اعمال کی طرف بُلاتے ہیں دین کے لئے محنتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے دشمنی کی جاتی ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے اُمیدوار بھی ہیں جس سے لڑائی ہے اس سے اُمید رحمت کیسی نا سمجھی کی بات ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینا ہے آسودہ ہو جانے تک' اور یہ بات کہ تم صدقہ کر دو تمہارے لئے بہتر ہے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ

تم جانتے ہو' اور ڈرو تم اس دن سے جس میں لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف' پھر ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اس نے کسب کیا' اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا

تنگ دست قرضدار کو مہلت دینا

تفسیر: اس آیت میں تنگ دست قرضدار کو مہلت دینے کی ترغیب دی ہے کہ جب تک مال میسر نہ ہو اُسکو مہلت دیدو اور یہ بھی فرمایا اگر اس پر صدقہ کر دو یعنی اپنا قرض بالکل ہی معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ سود خوروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اُدھار کی وجہ سے اصل مال پر زائد رقم لیتے ہیں اور جب قرضدار وقت پر ادا نہ کر سکے تو دل سے خوش ہوتے ہیں اور سود کی رقم کو اصل کے ساتھ ملا کر مزید سود لگا دیتے ہیں، اللہ جل شانہ نے اس کے برخلاف حکم دیا کہ اول تو اصل رقم سے زائد نہ ٹھہراؤ (غریب کی حاجت پوری کرنے کے لئے قرض دے دو) پھر جب دیکھو کہ باوجود مقررہ اجل پورا ہونے کے وہ ادائیگی پر قادر نہیں تو اس کو

مہلت دیدؤاور اگر بالکل معاف ہی کر دو تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ معاف کرنے کو صدقہ سے تعبیر فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے اور مال میں برکت ہے اسی طرح قرضدار کا قرضہ معاف کر دینے میں بھی وہی برکات حاصل ہوں گی جو صدقہ دینے کی برکات ہیں۔ تنگ دست قرضدار کو مہلت دے دینے اور قرضہ معاف کر دینے کی احادیث شریفہ میں بڑی فضیلت آئی ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں سے قرضوں کا لین دین کیا کرتا تھا قرضے وصول کرنے پر جو غلام اس نے مقرر کر رکھے تھے ان سے کہتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس پہنچو تو اس سے درگزر کر دینا اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر فرمائے گا۔ چنانچہ موت کے بعد جب وہ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوا تو خداوند تعالیٰ شانہٗ نے اس سے درگزر فرما دیا۔ (رواہ البخاری ص ۲۷۹ ج ۱ و مسلم ص ۱۸ ج ۲)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی بے چینیوں سے نجات دے تو تنگدست (قرضدار) کو مہلت دیدے یا معاف کر دے۔ (رواہ مسلم ص ۱۸ ج ۲)

حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی تنگدست کو مہلت دے دی یا قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اُسے (قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا۔ (رواہ مسلم ص ۴۱۶ ج ۲)

قرض دینا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے اگرچہ بعد میں وصول ہو جائے اور مہلت دینا بھی صدقہ کرنے میں شامل ہے تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ مسند احمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے کسی تنگدست کو مہلت دیدی تو اس کو روزانہ اسی قدر صدقہ دینے کا ثواب ہوگا۔ جتنا قرض اُس نے کسی کو دیا ہے یہ ثواب ادائیگی دین کا مقررہ وقت آنے سے پہلے ملتا ہے پھر مقررہ وقت آنے کے بعد مہلت دے تو روزانہ اتنے مال کا دوگنا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جتنا اس نے قرض دیا ہے۔ (ص ۳۳۱ ج ۱)

آخر میں ارشاد فرمایا ہے: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ الآیۃ سود اور قرض سے متعلقہ احکام بیان فرمانے کے بعد قیامت کے دن کی حاضری کی طرف متوجہ فرمایا اور یوم الحساب کی حاضری کا مراقبہ کرنے کا حکم دیا جس دن ہر شخص اپنے پورے پورے اعمال کی فہرست پر مطلع ہوگا اور اپنے کئے ہوئے کا بدلہ ملے گا جسے فکر آخرت ہو موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو اور بارگاہِ خداوندی میں اعمال کا حساب دینے کا استحضار ہو وہ وہاں کی نجات اور اجر و ثواب کے لئے ہر طرح کے حرام مال کو با آسانی چھوڑ سکتا ہے اور اس کے لئے نفس کو راضی کر سکتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ

اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک اُدھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو' اور چاہئے کہ جو شخص تمہارے

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ

درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے' اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ سو چاہئے کہ لکھدیا

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ

کرے' اور جس کے اُوپر حق ہے اسے چاہئے کہ لکھوا دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے' سو اگر

الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ

وہ شخص کم سمجھ ہو جس پر حق ہے یا ضعیف ہو یا املا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی

وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا

انصاف کے ساتھ لکھوا دے، اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو، پس اگر

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو تا کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھٹک جائے

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ

تو ایک دوسری کو یاد دلا دے اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے، اور قرضے کے معاملہ میں لکھنے سے مت اُکتاؤ

تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ

چھوٹا ہو یا بڑا ہو اسکی مدت مقررہ تک یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے

لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا

اور اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو جس میں لینا دینا دست بدست ہو جس کا تم آپس میں معاملہ کر

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ

رہے ہو سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ لکھا پڑھی نہ کرو، اور گواہ بنا لیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو، اور نہ ضرر دیا جائے

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ

کاتب کو، اور نہ گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو تو بلا شبہ اس میں گناہ گاری ہے تمہارے لئے، اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

مداینت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل

تفسیر: یہ کلمات اور حروف کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے جو متعدد احکام پر مشتمل ہے۔

شروع آیت میں فرمایا کہ جب تم آپس میں قرض کا لین دین کرو جس کی میعاد مقرر ہو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ اس سے ایک تو قرض کے لین دین کا جواز معلوم ہوا۔ دوسرے اس بات کا تاکیدی حکم معلوم ہوا کہ قرض کے لین دین کو لکھ لیا کرو۔ اس لکھنے میں قرض کی مقدار بھی آ جائیگی اور جس وقت اداء کرنا طے کیا ہو وہ وقت تحریری طور پر متعین ہو جائے گا۔ دونوں باتیں مفید ہوں گی۔ کیونکہ خدانخواستہ آپس میں کوئی

اختلاف ہو گیا تو تحریر سامنے ہو گی جس سے اختلاف رفع ہو جائے گا۔ لفظ اَجَل کے ساتھ جو مسمّٰی بڑھایا ہے اس میں یہ بتایا کہ ادائیگی کا وقت اس طرح مقرر کریں جسے واقعی مقررہ وقت کہا جا سکے۔ مثلاً کسی مہینہ کی تاریخ مقرر کر دیں اگر یوں کہا کہ جب میرا باغ پکے گا تو دے دوں گا یا کھیت کٹے گا تو دیدوں گا یا میرا بیٹا یا باپ سفر سے آئے گا تو ادا کر دوں گا تو یہ اجل مسمّٰی نہیں ہے۔

قرض کے لین دین کے لکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے علماء کرام نے اس کو فرض یا واجب پر محمول نہیں کیا بلکہ یہ ایک مستحب عمل ہے اور استحباب مؤکد ہے تاکہ کوئی اختلاف واقع ہو جائے یا بھول چوک ہو جائے تو تحریر کے ذریعہ رفع ہو سکے۔

جہاں دین (قرض) کی لکھا پڑھی کا حکم ہوا اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی پابند کیا جو لکھنا جانتے ہیں کہ انصاف کے ساتھ لکھیں کچھ ردوبدل نہ کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو لکھنا جانتا ہو وہ اللہ کی نعمت کی قدر دانی کرے اللہ نے اسے کتابت کی نعمت دی ہے اور لکھنے کے لائق بنایا ہے تو اللہ کی مخلوق کے کام آئے اور جب اس سے لکھنے کے لئے کہا جائے تو لکھ دیا کرے۔

پھر فرمایا: وَلْيُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ یعنی جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ املا کرائے اور کاتب کو بتائے کہ یہ لکھدو اور عبارت لکھوانے میں اللہ سے ڈرے، صحیح بات لکھوائے، پورا حق لکھوائے، حق واجب میں سے ذرا سی کمی بھی نہ کرے۔ تحریر کرانے میں اس کو خطاب فرمایا جس پر حق ہے کیونکہ جس پر حق ہے اس کا لکھوانا ایک قسم کا اقرار بھی ہے اور چونکہ اسی کو ادا کرنا ہے اس لئے حق واجب سے زیادہ تو لکھوا ہی نہیں سکتا۔ البتہ صاحب حق کی غفلت یا کم سمجھی یا محاورات نہ جاننے یا کاتبوں کی اصطلاحات نہ سمجھنے کے باعث اصل حق سے کم نہ لکھوا دے۔

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ کم سمجھ اور خفیف العقل ہے یا کسی بھی اعتبار سے ضعیف ہے (جس میں کم سن نابالغ بچہ ہونا اور بہت زیادہ بوڑھا ہونا بھی شامل ہے جو کاتب تک نہیں پہنچ سکتا یا اس پر خطاء ونسیان غالب ہے) یا املاء کرانے اور لکھوانے پر قدرت نہیں رکھتا (مثلاً غیر ملکی ہے یا گونگا ہے یا بے پڑھا ہے۔ عبارت بنانے اور بولنے پر قدرت نہیں رکھتا یا جو عبارت دستاویز میں لکھی جاتی ہے وہ نہیں جانتا بات کے الٹ پلٹ ہونے کا اندیشہ ہے) تو اس کا ولی (جس کے ذمہ اس کے اعمال و اموال کی دیکھ بھال ہے) انصاف کے ساتھ املا کرا دے' کتابت کرانے کے حکم کے ساتھ گواہ بنا لینے کا بھی حکم فرمایا اور فرمایا کہ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ جس کا مطلب ہے کہ کتابت کے ساتھ دو گواہ بھی بنا لو دونوں گواہ مرد ہوں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لیں، عورتیں چونکہ حافظہ کے اعتبار سے اور ادائیگی مفہوم کے اعتبار سے عموماً کمزور ہوتی ہیں اس لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اس بات کو اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى میں بیان فرمایا کہ ایک عورت بھٹک جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے گی قانون چونکہ عمومی احوال کے اعتبار سے وضع کیا جاتا ہے۔ اس لئے شاذ و نادر احوال اور افراد کو سامنے نہیں رکھا جاتا اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے زیادہ فہیم ہوتی ہیں اور حافظہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور بات پیش کرنے کا سلیقہ زیادہ رکھتی ہیں، گواہ عاقل بالغ ہوں، مسلم ہوں یہ مِنْ رِّجَالِكُمْ سے مفہوم ہو رہا ہے اور مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ جو فرمایا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ گواہ صالح عادل ہونے چاہئیں جن پر بھروسہ ہو اور جن پر دونوں فریق کا اعتماد ہو اور ان میں سے کسی کے بارے میں جانب داری اور غلط بیانی کا احتمال نہ ہو۔

پھر فرمایا: وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا کہ جن لوگوں کے سامنے معاملہ ہوا ہے ان کو معاملہ کی صحیح خبر ہے اب جب ضرورت کے وقت ان کو بلایا جائے کہ گواہی دے دو تو ان کو انکار کرنا جائز نہیں ہے وہ جا کر حاکم کے یہاں یا جہاں بلائے جائیں جا کر گواہی دیدیں، اگر کسی کا حق مارا جاتا ہو اور گواہ کی گواہی سے اس کا حق زندہ ہو سکتا ہو تو گواہوں پر واجب ہے کہ گواہی دیں حق جانتے ہوئے گواہی کو چھپائیں گے تو گناہ گار ہوں گے جس کا ذکر آئندہ آیت میں آرہا ہے بعض مرتبہ

آپس کے اعتماد یا ہجوم اشغال کی وجہ سے کتابت کرانے میں تنگی محسوس کرتے ہیں اس کے بارے میں تنبیہ فرمائی کہ وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ کہ چھوٹا قرضہ ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں بددلی اختیار نہ کرو، یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی چیز ہے اور ٹھیک طرح گواہی کی ادائیگی کے لئے بھی بہت زیادہ قائم رکھنے والی ہے اور اس میں ہر قسم کے شک وشبہ سے بچنے اور دور رہنے کا بھی فائدہ ہے البتہ ایک صورت میں کتابت کرنے کی تاکید نہیں ہے جسے یوں بیان فرمایا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا کہ اگر ایسی تجارت ہو جس کا لین دین نقد اسی وقت ہو رہا ہو اسکی اگر لکھا پڑھی نہ کی تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ لفظ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں نہ لکھنے کی اجازت تو ہے لیکن اگر لکھ لیا تو وہ بھی کوئی ممنوع چیز نہیں ہے جیسا کہ دورِ حاضر میں مال خریدتے وقت کیش میمو نقد کاٹ کر دے دیتے ہیں اور اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس کا نام کیش میمو میں لکھ دیا گیا ہو اس پر خود دکان دار جس سے خریدا ہے یا دوسرا شخص غصب کرنے یا چرانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (اور جب تم خرید وفروخت کا معاملہ کرو تو گواہ بنالیا کرو) گواہ بنانے میں بہت سے فائدے ہیں آپس میں کوئی اختلاف ہو جائے گا تو گواہوں کے ذریعہ رفع ہوگا۔ مثلاً فریقین کے دل میں کوئی خیانت کا جذبہ پیدا ہو جائے یا بھول کر کسی بات کا انکار کر دیں مثلاً بیچنے والا کہنے لگے کہ مجھے قیمت وصول نہیں ہوئی (حالانکہ خریدار کا دعویٰ ہے کہ میں قیمت ادا کر چکا ہوں) یا بیچنے والا سرے سے بیع ہی کا انکار کر دے یا یوں کہہ دے کہ میں نے ہر عیب سے براءت کر لی تھی یا خریدار کہنے لگے کہ میں نے خریدا ہی نہیں یا یوں کہہ دے کہ قیمت تو میں نے دیدی ہے لیکن سامان مجھے نہیں ملا، یا یوں کہنے لگے کہ میں نے اپنے لئے واپسی کا اختیار بھی رکھا تھا جسے بائع نے مان لیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ بیع کا معاملہ کرتے وقت اور قیمت لیتے وقت اور مال دیتے وقت گواہ بنانے کی صورت میں اس طرح کے انکار اور نزاع کا دفعیہ ہو سکے گا، گواہ ہوں گے تو صحیح بات کی گواہی دے دیں گے، بھول اور خیانت سے سب کا دفاع ہو جائے گا۔

پھر فرمایا: وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ (کہ کسی کاتب کو اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے) پہلے کاتب کو حکم دیا کہ انصاف کے ساتھ کتابت کر دے اور لکھنے سے انکار نہ کرے اور اللہ کی اس نعمت کی قدر کرے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا ہے اور گواہوں کو حکم دیا کہ گواہی کو نہ چھپائیں (جیسا کہ آئندہ آیت میں مذکور ہے) کاتب اور گواہ دونوں کو ان سے متعلقہ کام کی تاکید کے ساتھ ان لوگوں کو ہدایت فرمائی جو کاتب سے کتابت کرائیں اور جو گواہوں کو گواہی دینے کے لئے بلائیں، کتابت کرانے والے ایسا نہ کریں کہ کاتب کو کسی طرح کوئی تکلیف یا نقصان پہنچائیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کاتب کتابت کرنے پر اُجرت مانگے تو اس کو اُجرت دے دی جائے اور مفت لکھنے پر مجبور نہ کیا جائے، اسی طرح جب گواہ کو بلائیں اور اس کو آنے جانے میں زحمت ہو یا جگہ دور ہو سواری طلب کرتا ہو تو اس کے لئے سواری کا انتظام کر دینا واجب ہے اور جب وہ گواہی دے چکے تو اسکے واپس گھر پہنچانے کا بھی انتظام کر دیں ایسا نہ کریں کہ اب تو ہمارا کام نکل ہی گیا ہے اب خیر وخبر کا خیال نہ کیا تو کیا حرج ہے۔ البتہ گواہی دینا چونکہ فرض ہے اس لئے اسکی اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ جب سچی گواہی کی اُجرت لینا جائز نہیں تو جھوٹی گواہی کی اُجرت لینا جس کا عام رواج ہو گیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ملعون من ضار مؤمنا او مكر به (رواہ الترمذی) وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے۔ کاتب اور شہید کو ضرر نہ پہنچانے کی تاکید فرمائی اور مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے گناہ گار ہونے کی بات ہے۔

آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (کہ اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو وہ تمہیں احکام کی تعلیم دیتا ہے

اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے) کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرو گے تو اسے اس کا علم ہوگا' دنیا میں کسی کا حق مار لیا یا کسی کو ضرر پہنچایا یا تکلیف دیدی تو یہ نہ سمجھنا کہ یہیں ختم ہوگیا بلکہ وہ سب محفوظ ہے۔ اللہ کے علم میں ہے۔ یوم آخرت میں پیش ہونے کا یقین رکھو اور وہاں کے مؤاخذہ اور محاسبہ سے ڈرو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

اور اگر تم سفر میں ہو اور حال یہ ہو کہ نہ پاؤ کسی کاتب کو تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے دی جائیں۔ سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

اطمینان کرے تو جس کو امانت دار سمجھا گیا ہے صاحب امانت کو امانت ادا کردے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو مت چھپاؤ'

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اُس کا دل گنہگار ہے' اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو

رہن کا حکم اور گواہی چھپانے کی مذمت

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اول تو رہن کا قانون مشروع فرمایا' اور فرمایا کہ تم اگر کہیں سفر میں ہو اور کوئی کاتب معاملہ لکھنے والا نہ ملے تو جس کے ذمہ قرض ہو وہ دوسرے فریق کو اطمینان دلانے کے لئے بطور رہن کے کوئی چیز دیدے جس پر وہ قبضہ کرلے اور اُسے اطمینان ہو جائے کہ میرا حق واجب مارا نہیں جائے گا۔

سفر کی قید احترازی نہیں ہے جو لوگ حضر میں یعنی وطن میں ہوتے ہوئے بھی اطمینان کے لئے رہن رکھنے کا معاملہ کرلیں تو یہ بھی صحیح ہے لفظ مَقْبُوْضَةٌ سے معلوم ہوا کہ جب راہن (رہن رکھنے والا) مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا جائے) کے قبضہ میں رہن کی چیز دیدے تب اُس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے محض زبانی بات چیت کرلینے سے رہن نہیں ہوگا۔

کوئی کاتب بھی نہیں اور گواہ بھی نہیں اور رہن رکھنے کو بھی کوئی چیز نہیں اور اس سب کے باوجود جس کا حق ہے وہ اس شخص پر بھروسہ کرتا ہے جس کے ذمہ قرض ہے اور اُدھار دے دیتا ہے تو جس پر بھروسہ کیا اُس پر لازم ہے کہ امانت کو پوری طرح صحیح طریقہ پر مُدّت مقررہ کے مطابق ادا کردے نفس یا شیطان کے سمجھانے سے حق مارنے کا ارادہ نہ کرے اور یہ نہ سوچے کہ نہ تحریر ہے نہ گواہ ہیں نہ میں نے کوئی چیز رہن رکھی ہے اگر میں مکر ہی جاؤں تو یہ کیا کرے گا؟ یوں تو سب کے حقوق مالیہ ادا کرنا فرض ہے لیکن جس نے اطمینان کیا اور بھروسہ کیا اُس کے حق کی ادائیگی کا فکر کرنا تو اور زیادہ لازم ہے' اور شرافت کا یہی تقاضا ہے۔ اگر گواہ یا تحریری سند نہ ہونے کی وجہ سے دُنیا والے صاحب حق کا حق نہ دلا سکیں تو اس سے چھٹکارہ نہیں ہوسکتا۔ سامنے آخرت ہے یوم الحساب ہے اُس دن سب کے حقوق ادا کرنے ہوں گے۔ قاضی روز جزا جل مجدہ حساب لے گا' اور ذرّہ ذرّہ کا محاسبہ ہوگا اور اموال کی جگہ اعمال صالحہ دینے ہوں گے اعمال صالحہ نہ ہوئے تو حقوق والوں کے گناہ سر ڈالدیئے جائیں گے۔ دنیاوی حکام کچھ نہیں کرسکتے تو احکم الحاکمین کو تو سب کچھ معلوم ہے جب وہاں پیشی ہوگی تو چھٹکارے کا کوئی راستہ نہ ہوگا اسی کو ارشاد فرمایا وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ پھر فرمایا وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ۔ (یعنی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اُس کا دل گنہگار ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کا چھپانا حرام ہے جب کسی کا کوئی حق مارا جا رہا ہو اور ایک شخص کو معلوم ہے کہ واقعی اس کا حق فلاں شخص پر ہے تو اُس کے لئے یہ حرام ہے کہ گواہی کو چھپائے۔ بشرطیکہ صاحب حق اُس سے درخواست کرے کہ تم چل کر گواہی دیدو اگر وہ درخواست نہ کرے تو گواہی کے لئے جانا واجب نہیں۔ گواہی چھپانے والے کے بارے میں فرمایا

کہ اُس کا دل گنہگار ہے اس میں یہ بتایا کہ گواہی کے لئے نہ جانا صرف اعضاء ظاہرہ ہی کا گناہ نہیں دل کا گناہ بھی ہے۔

مسئلہ: شہادت پر اُجرت لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ گواہ آمد و رفت کا کرایہ لے سکتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے حق نہ دینے والا اور گواہی کو چھپانے والا اور ہر شخص اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور اسکی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اسکو پوشیدہ رکھو

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ

اللہ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ پھر جس کو چاہے بخشش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ

چیز پر قادر ہے' ایمان لایا رسول اس پر جو اسکی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے' اور مؤمنین بھی ایمان لائے' سب ایمان لائے

بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا

اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، یہ کہتے ہیں کہ ہم اُس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا' ہم آپ کی بخشش کا سوال کرتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے' اللہ نہیں مکلف بناتا کسی جان کو

وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ

جس کی اُسے طاقت نہ ہو' ہر جان کے لئے وہی ہے جو اس نے کسب کیا اور اس کے اُوپر وبال ہے اُس کا جو وہ گناہ کرے' اے ہمارے رب ہمارا مؤاخذہ نہ فرما اگر ہم بھول جائیں

اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ

یا ہم سے چوک ہو جائے۔ اے ہمارے رب اور نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر بھاری بوجھ رکھا جو ہم سے پہلے تھے

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا

اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف فرما دیجئے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے آپ ہمارے مولیٰ ہیں۔

فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

سو ہماری مدد فرمائیے کافر قوم کے مقابلہ میں

خطا اور نسیان کی معافی اور چند دعاؤں کی تلقین

تفسیر: اعضاء و جوارح کے افعال دو قسم کے ہیں ایک اختیاری اور دوسرے وہ جو بلا اختیار صادر ہوں بلا اختیار کی صورت ایسی ہی ہے جیسے رعشہ کی وجہ سے ہاتھ ہر وقت حرکت کرتا ہو جس کو یہ مرض ہو وہ ہاتھ کی حرکت کو روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔ یا جیسے سوتے میں

زبان سے کچھ اُلٹی سیدھی بات نکل جائے۔ یہ بھی اختیاری نہیں ہے۔امور غیر اختیاری پر گرفت نہیں ہے۔ جزاء سزا امور اختیار یہ سے متعلق ہے۔ کسی کا بچہ فوت ہو گیا اس کو بے اختیار رونا آ گیا تو اس پر کوئی گرفت نہیں لیکن اگر زبان سے ایسے کلمات نکال دیئے جن سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا ہو تو ایسے کلمات کفریہ کلمات کے دائرہ میں آجاتے ہیں اور ان پر عذاب اور عتاب ہے۔

اسی طرح قلب کے اعمال بھی دو طرح کے ہوتے ہیں جو خیالات اور وسوسے غیر اختیاری طور پر آجائیں اُن پر گرفت نہیں اور اپنے اختیار سے جو بات دل میں جمالے کفر کی بات ہو یا فسق کی تو اس پر گرفت ہے۔ کینہ' حسد' کسی گناہ کے کرنے کا پختہ عزم' کسی کو نقصان پہنچانے کا مضبوط ارادہ' یہ سب گرفت کی چیزیں ہیں اور محض وسوسہ اور خیال پر کوئی مؤاخذہ نہیں' آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے سب کچھ اسکی مخلوق بھی ہے اور مملوک بھی ہے' اُسے اپنی مخلوق کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے' ان کے اعمال وافعال کے بارے میں تکوینی یا تشریعی طور پر جو بھی حکم فرما دے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اُس کے بعد افعال قلبیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے اُسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ اُس کا محاسبہ فرمائے گا۔ ان افعال قلبیہ میں جو لائق مواخذہ ہوں گے جس کے لئے چاہے معاف فرما دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا البتہ کفر و شرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اسکی تصریح ہے اُخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کا حساب لے سکتا ہے بخش بھی سکتا ہے۔ اور عذاب بھی دے سکتا ہے۔

آیت میں بظاہر اختیاری اور غیر اختیاری کی تفصیل نہیں ہے۔ اس لئے مضمون آیت پر مطلع ہو کر حضرات صحابہ کرامؓ بہت پریشان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اب تک تو ہمیں اُن اعمال کا حکم تھا جنہیں ہم کر سکتے ہیں یعنی نماز اور روزہ' جہاد اور صدقہ' اور اب یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر عمل کرنے کی تو ہمیں طاقت نہیں (کیونکہ بلا اختیار وسوسے آجاتے ہیں اگر ان پر بھی پکڑ ہوئی تو ہمارا کیا بنے گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم بھی وہ ہی کہنا چاہتے ہو جو اہل کتاب یعنی توریت وانجیل والوں نے کہا اُن کے پاس احکام آئے تو کہنے لگے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (کہ ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں) تم یوں کہو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ (ہم نے سنا اور مان لیا' اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف جانا ہے) حضرات صحابہ دل اور زبان سے مان گئے اور بار بار ان کلمات کو دہرایا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے بعد والی آیتیں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ آخر سورت تک نازل فرمائیں۔ جن میں اپنے رسول ﷺ کی اور مؤمن بندوں کی تعریف فرمائی اور انہوں نے بخوشی جو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ کہا تھا قبولیت کے انداز میں نقل فرمایا اور حکم سابق کو جس میں بظاہر عموم تھا منسوخ فرما دیا اور بالتصریح فرما دیا کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو ایسے کام کا مکلّف نہیں بناتا جو اُس کے بس میں نہ ہو) (صحیح مسلم ص ۷۷ ج ۱)

بعض حضرات نے اس پر اشکال کیا ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا اس کو نسخ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟ در حقیقت یہ نسخ بالمعنی الحقیقی نہیں ہے۔ بلکہ ایضاح مجمل کو نسخ سے تعبیر فرما دیا ہے' نسخ کے قول سے احتراز کرنے کے لئے بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا تعلق سابق آیت سے ہے جس میں کتمان شہادت کا ذکر ہے' مطلب یہ ہے کہ عمل ظاہری طور پر کرو گے یا پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ اس کا حساب فرما لے گا۔ یعنی مؤاخذہ فرمائے گا۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت شعبی اور حضرت عکرمہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کو لیا جائے تو نسخ لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا کے ساتھ ہی لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ بھی فرمایا ہے پہلے جملہ میں یہ بتایا ہے افعال غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ نہیں ہے اور دوسرے دونوں جملوں میں یہ بتایا کہ جو اچھا عمل اپنے اختیار سے کرو گے اُس پر اجر ملے گا۔ اور جو کوئی کام ایسا کرو گے جس کی ممانعت ہے تو وہ وبال جان ہوگا اور اُس پر مؤاخذہ اور محاسبہ کا قانون جاری ہوگا۔

یہ عموم افعال قلبیہ کو بھی شامل ہو گیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ: وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (لیکن اللہ تمہارا مؤاخذہ فرمائے گا اُن چیزوں پر جنہیں تمہارے قلب نے کسب کیا) اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بے شک کان' آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا) آیت کی تفسیر میں جو اعمال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تفصیل لکھی ہے اور جو صحابہ کے فکرمند ہونے پر لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے ذریعہ عموم الفاظ سے مفہوم ہونے والے مضمون کا منسوخ ہونا مذکور ہوا اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ بلا اختیار جو وسوسے آ جاتے ہیں اُن پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے اُن چیزوں کے بارے میں درگزر فرما دیا ہے جو اُن کے نفسوں میں آ جائیں جب تک کہ اُن پر عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں۔ (صحیح مسلم ص ۷۸ ج ۱)

انسان کے دل میں بہت سے خطرات گزرتے ہیں اور وسوسے آتے ہیں۔ بُرے بُرے خیالات کا ہجوم ہوتا ہے شیطان وسوسے ڈالتا رہتا ہے چونکہ یہ چیزیں اختیاری نہیں ہیں اس لئے ان پر گرفت نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے پریشان بھی نہ ہوں اور فکر میں بھی نہ پڑیں۔ ہاں اگر برائی کا کوئی وسوسہ آیا پھر اس پر عمل کر لیا یا اپنے اختیار سے زبان سے کوئی برا کلمہ نکال دیا تو اس پر مؤاخذہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں دائرہ اختیار میں آ گئیں۔ جو لوگ پکے مومن ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں ایسے وسوسوں کا آنا ہی خالص مومن ہونے کی دلیل ہے۔ صحیح مسلم (ص ۷۹ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم اپنے نفسوں میں ایسی بات محسوس کرتے ہیں کہ جس کو زبان پر لانا بھاری معلوم ہوتا ہے آپ نے یہ سن کر سوال فرمایا کیا واقعی تم نے ایسا محسوس کیا ہے؟ عرض کیا ہاں محسوس کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خالص ایمان ہے۔ سنن ابوداؤد (ص ۳۴۱ ج ۲) میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے عرض کیا میں اپنے نفس میں ایک چیز محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اُسے زبان سے نکالنے کی بہ نسبت کوئلہ ہو جانا زیادہ محبوب ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا اللہ اکبر' اللہ اکبر' پھر فرمایا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے شیطان کی شرارت کو وسوسہ تک ہی رہنے دیا (اگر دل سے مؤمن نہ ہوتے تو اس بات کو برا کیوں جانتے اور زبان پر لانے کو کیوں بھاری چیز سمجھتے' یہ بھاری سمجھنا اور کوئلہ ہو جانے کو محبوب جاننا سراسر ایمان ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تمہارے پاس آئے گا پھر کہے گا کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی' فلاں چیز کس نے پیدا کی' اس طرح کے کئی سوال کرتے ہوئے یوں کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا سو جب تم میں سے کسی شخص کے ساتھ اس طرح کی صورت حال پیش آ جائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور وہیں رک جائے (وسوسہ کو اور سوال و جواب کو آگے نہ بڑھائے) دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ برابر آپس میں طرح طرح کے سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ بھی سوال کریں گے یہ (جو کچھ موجود ہے) اللہ کی مخلوق ہے اسے اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جو کوئی شخص ایسے سوالات میں سے کوئی چیز (اپنے اندر) محسوس کرے تو آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا) کہہ دے (ایضاً)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے وسوسے آنے پر پڑھنے کے لئے یہ بتایا اَللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ اور فرمایا اس کے بعد بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹)

پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کو دعا تلقین فرمائی کہ اس طرح دعا مانگا کریں، جو متعدد جملوں پر مشتمل ہے اور ان میں متعدد دعائیں ہیں پہلے یہ دعا بتائی: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرما۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے) صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ خطا اور نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی اس نعمت کا اقرار کرنا ہے کہ اُس نے بھول اور خطاء پر مواخذہ نہیں رکھا' خطا اُردو کے محاورہ میں گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں وہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ خطا سے وہ عمل مراد ہے جو بلا ارادہ صادر ہو جائے۔ یاد رہے کہ مؤاخذہ ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور خطا و نسیان سے بعض احکام کا متعلق ہونا دوسری بات ہے۔ خطا اور نسیان کے بارے میں جو بعض احکام ہیں عدم مؤاخذہ فی الآخرۃ سے اُن احکام کی نفی نہیں ہوتی مثلاً نماز میں بھول کر کوئی شخص بول پڑا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر خطاً کسی مؤمن کو قتل کر دیگا تو دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

پھر ایک اور دعا تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا اس میں ارشاد فرمایا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرو کہ اے ہمارے رب ہم پر بھاری احکام کا بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں یعنی بنی اسرائیل پر رکھا تھا مثلاً توبہ قبول ہونے کے لئے اپنی جان کو قتل کرنا مشروط تھا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اُس کے دروازے پر لکھا ہوا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے' اور بعض طیبات اُن پر حرام کر دی گئی تھیں۔ کما قَالَ تَعَالٰی حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَقَالَ تَعَالٰی وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ (الآیۃ) اور نماز پڑھنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ مسجد ہی میں نماز پڑھے اور مال غنیمت اُن لوگوں کے لئے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے اُمت محمدیہ کیلئے آسانی فرمائی اور مشکل احکام مشروع نہیں فرمائے جو بنی اسرائیل پر فرض تھے۔ سورۂ اعراف میں رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَائِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ (وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کیلئے حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام فرماتے ہیں اور اُن پر جو بوجھ اور طوق تھے اُن کو دور کرتے ہیں)۔

مزید دعا تلقین فرماتے ہوئے ارشاد ہے: رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔ (اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو) اس سے تکالیف شرعیہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور مصائب تکوینیہ بھی اور دونوں بھی مراد لے سکتے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں: من التکالیف والبلایا اِس سے دونوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

آخر میں مختصر الفاظ میں چار دُعائیں اکٹھی تلقین فرمائیں۔ وَاعْفُ عَنَّا (اور ہمیں معاف فرما) وَاغْفِرْ لَنَا (اور ہماری مغفرت فرما) وَارْحَمْنَا (اور ہم پر رحم فرما) اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (تو ہمارا مولیٰ یعنی وَلی اور مددگار ہے۔ سو ہماری مدد فرما' کافر قوم کے مقابلہ میں)۔

صحیح مسلم (ص ۷۸ ج ۱) میں ہے ہر ہر دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب میں نَعَمْ کا جواب ملا' دوسری روایت میں ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے ہر دعا کے جواب میں قد فعلتُ فرمایا یعنی میں نے تمہارے سوال کے مطابق کردیا یعنی تمہاری دعائیں قبول ہوگئیں۔

صحیح مسلم (ص ۹۷ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) سورۃ البقرہ کا آخری حصہ (آمن الرسول سے سورۃ کے ختم تک) (۳) آپ کی اُمت میں جو لوگ مشرک نہ ہوں۔ انکے بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کردی گئی (گناہ کبیرہ محض اللہ کی رحمت سے یا توبہ سے یا بطور تطہیر و تمحیص عذاب بھگت کر معاف ہوجائیں گے اور اہل ایمان ایمان کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے۔ فاسق کو دائمی عذاب نہیں ہے۔ کافر و مشرک کو دائمی عذاب ہوگا)۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم والمراد واللہ اعلم بغفرانها انه لا یخلد فی النار بخلاف المشرکین ولیس المراد انه لا یعذّب اصلا الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے اسی اثناء میں اُوپر سے ایک آواز سُنی‘ انہوں نے اوپر کو سر اُٹھایا اور بتایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے۔ جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ فرشتہ آج زمین پر نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس فرشتے نے آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ دو نوروں کی خوشخبری سن لیں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اول فاتحۃ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ‘ دوم سورۃ البقرۃ کی آخری آیتیں (سورۂ فاتحہ اور یہ آیات دعاؤں پر مشتمل ہیں) ان میں سے جو بھی کوئی حصہ آپ تلاوت کریں گے (جو سوال پر مشتمل ہوگا) تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو سوال کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۲۷۱ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات سے سورۃ البقرہ کی آخری دونوں آیات کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ آیات شب معراج میں عطا ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول فرمالیا۔ صحیح بخاری (ص ۷۵۵ ج ۲) اور صحیح مسلم (۲۷۱ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الأیتان فی اٰخر سورة البقرة من قرء بهما فِی لیلة کفتاه (یعنی جس نے کسی رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لئے کافی ہوں گی)

حضرات شراح حدیث نے کافی ہونے کے کئی مطلب لکھے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والے کو تمام انسان اور جنات کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہوں گی‘ دوسرے یہ کہ ہر قسم کی آفات و مکروہات سے حفاظت رہے گی‘ تیسرے یہ کہ رات کو جو پڑھنے کی چیزیں ہیں وہ رہ گئیں تو انکی جگہ کفایت کریں گی‘ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیام اللیل یعنی رات کو نفل نمازوں میں قیام کرنے کے قائم مقام ہوجائیں گی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ولقد من اللہ تعالٰی با کمال تفسیر سورة البقرة علی ید هذا العبد
الضعیف بالمدینة المنورة فی اواخر شعبان المعظم سنة ١٤٠٩ھ بحسن
توفیقه و تیسیره وأرجوأن یوفقنی اللہ تعالٰی لإتمام تفسیر کتابه کله
والحمد للہ اولا و آخرا‘ والصلوٰة والسلام علی من جاء نا بکتاب اللہ
تعالٰی وأرسل طیبا وطاهرا‘
وکانت مدة تالیفه من بدء سورة الفاتحة اِلٰی آخر سورة البقرة سنة
فصاعدا واللہ ولی التوفیق و بیده أزمة التحقیق.

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

(سورہ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو آیات ہیں اور بیس رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝١ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝٢ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

الم۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔ اس نے آپ پر حق کیساتھ کتاب نازل فرمائی۔ ایسی کتاب جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے

يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝٣ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

جو اس سے پہلے تھیں اور اس سے پہلے نازل فرمایا توریت کو اور انجیل کو جو لوگوں کے لیے ہدایت ہیں اور نازل فرمایا فرقان کو، بے شک جن

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝٤ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى

لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس پر

عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝٥ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، اللہ وہ ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے رحموں میں جس طرح چاہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦

کوئی معبود نہیں اس کے سوا۔ وہ غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔

نصاریٰ کے ایک وفد سے گفتگو اور ان کی باتوں کی تردید

تفسیر: اسباب النزول میں صفحہ ۹۰ اور معالم التنزیل میں (صفحہ ۲۷: ج ۱) علماء تفسیر سے نقل کیا ہے کہ نجران کے لوگ وفد کی صورت میں مدینہ منورہ آئے یہ لوگ نصاریٰ تھے انکا یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا ان میں چودہ آدمی ایسے تھے جوان کی قوم کے سردار تھے اور ان میں سب سے بڑا ایک شخص عبد المسیح نامی اور ایک شخص ابہم نامی تھا یہ بھی بڑا سردار تھا۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور مشرق کی طرف انہوں نے اپنی نماز پڑھی ان میں سے جو دو آدمی سب سے بڑے دوسردار اور قوم کے ذمہ دار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ ہمارا دین تو اسلام ہی ہے ہم آپ سے پہلے اس دین کو قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹے ہو دین اسلام پر نہیں ہو (اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے دین اسلام میں سب سے بڑی دعوت، دعوتِ توحید ہے جو توحید والا نہیں وہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ دین اسلام والے کس طرح ہو سکتے ہو جبکہ تم اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہو اور صلیب کی عبادت کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو انہوں نے کہا کہ اگر عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر ان کا باپ کون

ہے اور اس طرح سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کٹ حجتی کی اور بحثا بحثی میں ان کے دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے۔

حضرت سرور عالم ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ کہنے لگے ہاں! یہ بات تو ہے آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر موت طاری نہ ہوگی اور (تمہارے عقیدہ کے مطابق) عیسیٰ کو موت آ چکی ہے۔ (کیونکہ ان کے عقیدہ میں وہ مقتول ہو چکے ہیں اور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ وہ قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے اور وفات پائیں گے) وہ کہنے لگے ہاں یہ بات بھی ہے! آپ نے فرمایا کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم کئے ہوئے ہے سب کی حفاظت فرماتا ہے اور سب کو رزق عطا فرماتا ہے کہنے لگے ہاں ہم اس کو بھی مانتے ہیں! آپ نے فرمایا تو اب تم بتاؤ کیا عیسیٰ ان میں سے کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں ان چیزوں پر وہ قادر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں؟ کہنے لگے ہاں! ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اب بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ کچھ علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا؟ کہنے لگے ان کو اس سے زیادہ کچھ علم نہیں تھا! آپ نے فرمایا ہمارے رب نے رحم مادر میں عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بنا دی جس طرح چاہا۔ اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ بتاؤ اس بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ کہنے لگے جو کچھ آپ نے فرمایا وہ صحیح ہے پھر آپ نے ان سے سوال کیا کہ بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں نہیں رہے جیسا کہ اور بچے رہتے ہیں پھر اُن کی اسی طرح پیدائش ہوئی جیسا کہ دوسرے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر بچوں کی طرح انہیں غذا دی گئی اور وہ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور حالتِ حدث بھی ان کو طاری ہوتی تھی وہ کہنے لگے کہ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے! آپ نے فرمایا پھر ایسے شخص کے بارے میں یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ پاک کا بیٹا ہو۔

یہ بات سُن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور اللہ جل شانہ نے سورہ آلِ عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن کی تعداد اسی (۸۰) سے کچھ اوپر ہے (ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں عقائد بیان فرمائے جن کے بغیر کوئی شخص مُوَحِّد اور مسلم نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں مشرکین سے بھی خطاب فرمایا۔ اور اہلِ دنیا کے مرغوبات بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں آخرت کے انعامات بیان فرمائے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دین اسلام ہی معتبر ہے۔ حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بھی تذکرہ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا فرمانے کی بھی تصریح فرمائی۔ نیز ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ فرمایا اور آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کو مباہلہ کی دعوت دیں۔ آپ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو وہ مقابلہ میں آنے سے عاجز ہو گئے۔ یہ مضامین اور ان کے ساتھ اور بہت سے امور ساتویں رکوع کے ختم تک بیان کئے گئے ہیں۔

سورہ آل عمران کی فضیلت: سورہ آلِ عمران یہود ونصاریٰ اور مشرکین سب پر حجت ناطقہ ہے اس میں ان سب سے خطاب فرمایا ہے اور۔۔۔۔ اُن کو حق کی دعوت دی ہے اور ان کے عقائد باطلہ کی خوب کھول کر تردید فرمائی اور حضرت

2

عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو خیالات باطلہ لوگوں نے اختیار کئے ہوئے تھے ان سب کا رد فرمایا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن کو لایا جائے گا اور قرآن والوں کو بھی لایا جائے گا جو اس پر عمل کرتے تھے آگے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی جو دو بادلوں کی طرح یا دو سائبانوں کی طرح ہونگی جن کا سایہ خوب زیادہ گھنا ہوگا ان کے درمیان میں روشنی چمک رہی ہوگی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۷۰: ج ۱)۔

الم: یہ حروف مقطعات میں سے ہے جو متشابہات میں شمار کئے جاتے ہیں ان کا معنیٰ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم کی تفسیر: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ: اس میں اولاً اللہ جل شانہ کی توحید بیان فرمائی اور بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس سے تمام مشرکین کی تردید ہوگئی۔ ثانیاً اللہ جل شانہٗ کی دو بڑی اہم صفات ذکر فرمائیں یعنی الحی القیوم۔

حَیٌّ: یعنی زندہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ **قَیُّوْم** جو ساری مخلوق کو قائم رکھنے والا ہے اسی نے سب کو پیدا فرمایا۔ وہی سب کی پرورش فرماتا ہے اسی نے سب کا وجود باقی رکھا ہے وہ جب چاہے گا سب کو فنا کردیگا۔ اور وہ خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف ہے وہی عبادت کے لائق ہے اور جس کا وجود پہلے نہ تھا بعد میں وجود ملا اور وہ وجود اسے خالق و مالک جل مجدہ نے بخشا اور اپنی بقا میں وہ اپنے خالق و مالک کا محتاج ہے وہ کسی طرح بھی معبود نہیں ہوسکتا۔ معبود صرف وہی ہے جو حی ہے اور قیوم ہے جو لوگ معبودان باطلہ کو مانتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں اپنی بقا میں خالق تعالیٰ شانہٗ کی محتاج ہیں اور پہلے ان کا وجود بھی نہ تھا اور انہیں دنیاوی چیزوں کی حاجت ہے۔ یہ سب باتیں دیکھتے اور سمجھتے ہوئے ان باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ ان کی حماقت ہے۔ لفظ الحی القیوم باری تعالیٰ شانہ کی صفات میں ذکر فرما کر تمام مشرکین کی پوری پوری تردید ہوگئی:

کتب سماویہ کا تذکرہ: نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ ط مِنْ قَبْلُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ☆ اس آیت میں قرآن مجید اور توریت شریف اور انجیل شریف کے نازل فرمانے کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ ان سب کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل کی گئیں اس میں یہود و نصاریٰ کی تالیف قلوب بھی ہے اور قرآن کے ماننے کی طرف دعوت بھی ہے۔ قرآن سے اور صاحب قرآن سے کیوں دور بھاگتے ہو۔ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جن کو تم مانتے ہو وہ کتابیں جن کو تم مانتے ہو اور قرآن مجید اصولی طور پر عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ معاد کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر قرآن مجید تمہاری کتابوں کی مخالفت کرتا تو یہ بہانہ کرسکتے

تھے کہ یہ ہمارے دین کے خلاف ہے جس طرح انجیل نے توریت کی تصدیق کی۔ اسی طرح قرآن توریت اور انجیل کی اور تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے نیز قرآن کے نزول سے متعجب نہیں ہونا چاہیے اس سے پہلے توریت اور انجیل نازل ہو چکی ہیں جن کو تم تسلیم کرتے ہو۔ جس ذات پاک نے ان دونوں کو نازل فرمایا اسی نے قرآن مجید نازل فرمادیا۔

توریت اور انجیل کے بارے میں هُدًى لِّلنَّاسِ فرمایا جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں بھی سورہ بقرہ رکوع ۲۲ میں هُدًى لِّلنَّاسِ فرمایا۔ توریت انجیل لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اسی ہدایت میں یہ بھی ہے کہ نبی عربی ﷺ تشریف لائیں گے ان پر ایمان لانا (اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ☆ (الآیۃ)

فرقان سے کیا مراد ہے؟ پھر فرمایا وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ لفظ الفرقان فُعلان کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے فرق کرنے والی چیز۔ یہاں الفرقان سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے (صفحہ ۷۷ جلد ۳) متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت قتادہ تابعی کا ارشاد ہے کہ الفرقان سے قرآن مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے اس میں حلال و حرام حدود اور فرائض طاعت اور معصیت کو خوب اچھی طرح واضح فرمادیا ہے پہلے اس کی تنزیل کا ذکر فرمایا پھر اس کی صفت بیان فرمائی کہ وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے تمام کتب الٰہیہ مراد ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے زبور مراد ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ مشہور چار کتابوں میں سے تین کتابوں کا ذکر فرما کر وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ میں زبور شریف کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ الفرقان سے معجزات مراد ہیں جن کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید اور تصدیق ہوتی رہی اور حق اور باطل میں فرق ظاہر ہوتا رہا۔

منکرین کے لیے وعید: توحید اور رسالت کے بیان کے بعد منکرین کے لیے وعید ذکر فرمائی اور فرمایا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ کہ جنہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے پھر فرمایا وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے۔ عزیز کے ساتھ ذوانتقام بھی فرمایا کہ وہ مجرموں کو سزا دینے والا ہے۔ اور اسے پوری پوری طاقت اور قوت ہے کوئی مجرم اس کے علم سے باہر نہیں اور اس کے فیصلے سے کسی کو کوئی مفر نہیں۔

اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں: اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علم کی وسعت بیان فرمائی اور فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ یعنی اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ارض و سماء (آسمان و زمین) سے پورا عالم مراد ہے آسمان و زمین کے علاوہ بھی مخلوقات ہے اُن میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں آسمان و زمین چونکہ نظروں کے سامنے ہیں اور عام طور سے لوگ انہیں جانتے ہیں اس لئے ان کا ذکر فرمادیا۔ وهذا من اطلاق الجزء وارادة الكل. (اور یہ ہے جز بول کر کل کا ارادہ کرنا)

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ شانہ نے جو کسی کو عطا فرمادیا (جیسے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو(کہ لوگوں کو ان کے گھروں میں رکھی ہوئی چیزیں بتا دیتے تھے) اس سے معبود ہونا لازم نہیں آتا۔ معبود حقیقی وہی ہے جس کے علم سے کوئی بھی چیز باہر نہ ہو۔

قال صاحب الروح فی بیان ذالک تنبیہ علیٰ ان الوقوف علی بعض المغیبات کما وقع لعیسی علیہ السلام بمعزل من بلوغ رتبۃ الصفات الالٰھیہ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کے بیان میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بعض غیب کی چیزوں پر اطلاع پالینا صفات الٰہیہ کے مرتبہ کو پہنچنا نہیں ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے واقع ہو گیا تھا)

اللہ جیسے چاہے رحم مادر میں تصویر بناتا ہے: پھر اللہ جل شانہ کی ایک اور خاص صفت بیان فرمائی اور فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے یہ ایک ایسی صفت ہے جسے موحد اور مشرک سب ہی مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے ماؤں کے رحموں میں تصویریں بنا دیتا ہے کسی کے اعضاء صحیح سالم ہیں کسی میں نقص۔ کوئی کالا ہے کوئی گورا ہے کوئی مذکر ہے کوئی مؤنث ہے۔ کسی کی ناک اونچی ہے اور کسی کی ناک پھڈی ہے کسی کے ہونٹ موٹے ہیں اور کسی کا ہاتھ ٹیڑھا ہے۔ کان تو ہیں مگر بہرا پیدا ہوا زبان تو ہے مگر گونگا ہے اور اس طرح کی کتنی چیزیں ہیں نہ باپ کچھ کر سکتا ہے نہ ماں کچھ کر سکتی ہے نہ پیدا ہونے والا کوئی طاقت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ جیسی صورت بنا دے اُسی صورت میں عالم دنیا میں انسانوں کے بچے ظہور پذیر ہو جاتے ہیں اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو اپنی صورت خود نہیں بنا سکتا وہ کیا معبود ہو سکتا ہے۔ خالق و مالک نے اس کی جیسی صورت بنا دی وہ مجبور ہے کہ اسی صورت میں رہے۔ اسے یہ مرتبہ کہاں حاصل ہو سکتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے والوں کی بھی واضح تردید ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ نہ خود پیدا ہوئے نہ اپنی صورت بنا سکے ان کو خدا ماننا سراسر گمراہی ہے آخر میں فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اس میں پھر مضمون توحید کا اعادہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی باہر نہیں اور جو کچھ وجود میں ہے سب اس کی حکمت کے موافق ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس میں آیات محکمات ہیں جو اُمّ الکتاب ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ

سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ان کے پیچھے پڑتے ہیں جو قرآن میں متشابہات ہیں فتنہ تلاش کرنے کے لئے اور

تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ

اس کا مطلب تلاش کرنے کے لئے اور نہیں جانتا اس کے مطلب کو مگر اللہ اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے

محکمات اور متشابہات کا مطلب

تفسیر: اس آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیات محکمات ہیں اور بہت سی آیات متشابہات ہیں، اور بعض آیات میں تمام آیات کو محکم بتایا ہے جیسا کہ سورہ ھود میں فرمایا ہے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ اور بعض جگہ پورے قرآن کو متشابہ فرمایا جیسا کہ سورہ زمر میں فرمایا اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ان مواقع میں محکم اور متشابہ کا وہ معنی مراد نہیں ہے جو سورہ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں مراد ہے جو ابھی مذکور ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پورا قرآن محکم اس اعتبار سے ہے کہ وہ سارا حق ہے لفظی اور معنوی اعتبار سے بالکل صحیح ہے کسی بھی جگہ کسی طرح کا اس میں اشکال نہیں ہے اس کے الفاظ اور معنی سب ہی محکم مضبوط اور مربوط ہیں اور جہاں پورے قرآن کو متشابہ فرمایا وہاں یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی آیات آپس میں متشابہ ہیں اس کے معانی حُسن اور خوبی میں، حق اور صادق ہونے میں ایک دوسرے سے تشابہ رکھتے ہیں۔

یہاں (سورہ آل عمران میں) محکمات سے وہ آیات مراد ہیں جن کا مطلب بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ نیز یہ آیات اُم الکتاب یعنی اصل الاصول ہیں جن کے معانی و مفاہیم میں کوئی اشتباہ نہیں ان میں اوامر و نواہی ہیں اور احکام ہیں جو بالکل واضح ہیں ان کے جاننے اور سمجھنے میں کوئی اشتباہ والتباس نہیں اگر کسی آیت میں کوئی ابہام یا اجمال ہو تو اس کے مفہوم کو بھی انہیں محکمات یعنی اصل الاصول کی طرف راجع کر دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی آیات یعنی متشابہات سے وہ آیات ہیں جن میں صاحبِ کلام کی مراد ہمیں معلوم نہیں۔ ان آیات کو متشابہات کہا جاتا ہے۔

راسخین فی العلم کا طریقہ: ان کے بارے میں راسخین فی العلم کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مفہوم کو آیات محکمات کے مفاہیم کی طرف لوٹا دیتے ہیں جو معنی آیاتِ محکمات کے خلاف پڑے اس کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیاتِ محکمات کے خلاف نہ ہو۔ اور کوئی ایسی تاویل اور توجیہ صحیح نہ سمجھی جائے جو اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہو۔ آیات متشابہات کا صحیح مطلب وہی تسلیم کیا جائے جو اللہ کے نزدیک ہے یہ اسلم ترین راستہ ہے۔ بہت سے لوگ ان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھ نہیں پاتے اور چونکہ ان کے دلوں میں کجی ہے اس لیے آیاتِ محکمات کے واضح بیانات کو چھوڑ کر متشابہات کے معانی سمجھنے اور کریدنے کے نامبارک شغل میں لگ جاتے ہیں۔ اور فتنہ گری کے لئے ان کے وہ مفاہیم تجویز کرتے ہیں جو ان کی خواہشوں اور افکار و آراء کے موافق ہوں۔ اگرچہ ان کی یہ تاویل آیاتِ قرآنیہ محکمہ کے خلاف ہی ہو۔

بہت سے وہ لوگ جو منکرین حدیث تھے منکرین قرآن بن گئے۔ کیونکہ وہ لوگ متشابہات کے پیچھے لگے اور ان کے دل کی کجی نے ان کو قرآن پاک سے دور کر دیا۔ قرآن میں جو "اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" اور "یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ" اور "جَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا" اور "یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" وارد ہوا۔ راسخین فی العلم ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور سمجھے بغیر ان کے معانی اور مفاہیم کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا جو مطلب اللہ کے نزدیک

ہے وہی ہمارے نزدیک ہے اسی کو فرمایا۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کہ جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ جو لوگ قرآن کی تعلیمات کا مرکز اور محور آیاتِ محکمات کو مانتے ہیں اور متشابہات کے بارے میں اپنے علم کے قصور کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے حقیقی معانی کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے یوں کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کا جو مفہوم اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اس پر ہمارا ایمان ہے۔

جب امام مالک رحمہ اللہ سے ''اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ'' کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

المعنی معلوم والکیف مجھول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة: (معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے (معنی کے) بارے میں سوال کرنا بدعت ہے) نقائص اور عیوب سے اور تجسیم و تعطیل سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کرنا بھی واجب ہے اور جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر ایمان لانا بھی واجب ہے تاکہ متشابہات کے ان مفاہیم پر بھی ایمان ہو جائے جو اللہ کے نزدیک ہیں اور لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کے خلاف بھی عقیدہ نہ ہو جائے۔ بہت سے لوگ متشابہات کے ظاہری معنی لیتے ہیں اور لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کو بھول جاتے ہیں یہ اتباع ہوئی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کی تفتیش میں لگے ہوئے ہوں تو ان سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے لہٰذا ان سے پرہیز کرو (صحیح بخاری صفحہ ۶۵۲: ج ۲)

''ای ذکرھم فی قوله فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ بعض علماءِ اصول نے فرمایا ہے کہ متشابہات اہلِ علم کے ابتلاء کے لئے ہیں، جن کا تفتیش اور تلاش کا مزاج ہوتا ہے ان کا ابتلاء اس میں ہے کہ بس رک جاؤ آگے نہ بڑھو۔ اور جن لوگوں کو علم کا ذوق نہیں ان کا ابتلاء اس میں ہے کہ ان کو ترغیب دے کر علم پر لگایا جائے اور آیات محکمات کے سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے پر آمادہ کیا جائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو کج نہ کر دیجئے اس کے بعد کہ آپ نے ہم کو ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے بڑی رحمت عطا فرمائیے! بے شک آپ بہت عطا فرمانے والے ہیں

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝٩

اے ہمارے رب! بیشک آپ لوگوں کو اس دن میں جمع فرمانے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا

راسخین فی العلم کی دعاء

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں ان لوگوں کی دعا نقل فرمائی ہے جنہیں رسوخ فی العلم حاصل ہے۔ وہ یوں دعا کرتے

ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ہم کو ہدایت پر ہی رکھئے ہمارے دلوں میں کجی اور ٹیڑھا پن پیدا نہ فرمائیے۔ جو لوگ دلوں کی کجی کی وجہ سے متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں ہمیں ان میں سے نہ کیجئے اور اپنے پاس سے ہمیں بڑی رحمت عطا فرمائیے۔ یہ رحمتِ عامہ ہمیں دنیا میں بھی شامل ہو۔ اور آخرت میں بھی شامل ہو۔ ہمارا ایمان محکمات پر بھی رہے اور متشابہات پر بھی رہے۔ درحقیقت یہ دعا بہت اہم ہے اور یہ دعا برابر کرتے رہنا چاہئے۔ بہت سے لوگوں نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد گمراہی اختیار کر لی فتنہ گروں کے اتباع میں لگ گئے اور فتنہ میں پڑ گئے اور ایمان کھو بیٹھے اور ہدایت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ بنی آدم کے دل سب کے سب رحمان کے قبضہ میں ہیں وہ جیسے چاہے پھیر دے۔ پھر آپ نے یہ دعا کی:۔ اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰)

(اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری پر لگائے رکھ)

راسخین فی العلم کی دوسری دعا یہ نقل فرمائی کہ اے ہمارے رب! آپ سب لوگوں کو ایسے دن میں جمع فرمائیں گے جس میں کوئی شک نہیں ہے آپ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے جو سچا وعدہ ہے قیامت کا دن ضرور آئے گا اور تمام لوگ اس میں ضرور جمع ہوں گے۔

اس دعا میں اپنی حاجت اصلیہ کا اظہار کر دیا جو دن واقعی حاجت مندی کا ہے اس دن کی خیر طلب کی۔ کما قال صاحب الروح صفحہ ۹۱: ج ۳ و مقصود ھم من ھذا کما قال غیر واحد . عرض کمال افتقارھم الی الرحمۃ وأنھا المقصد الأسنی عندھم، والتاکید لاِ ظھار ما ھم علیہ من کمال الطمانینۃ و قوۃ الیقین باحوال الأخرۃ لمزید الرغبۃ فی استنزال طائر الاجابۃ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں جیسا کہ کئی حضرات نے کہا ہے اس سے ان کا مقصود رحمت الٰہی کی طرف اپنی انتہائی عاجزی کا اظہار مقصود ہے۔ اور یہی ان کے نزدیک اہم مقصد ہے اور احوال آخرت کے بارے میں ان کے کمال یقین اور کمالِ اطمینان کے اظہار کی تاکید مقصود ہے تاکہ قبولیت الٰہی کی مزید رغبت ہو)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور اولاد اللہ کے نزدیک کچھ بھی کام نہ آئیں گے،

وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ کَذَّبُوْا

اور یہ لوگ وہ ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں ان کا طریقہ وہی ہے جو آلِ فرعون کا اور ان لوگوں کا تھا جو ان سے پہلے تھے۔ ان لوگوں نے

بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ؕ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

ہماری آیات کو جھٹلایا۔ سو اللہ نے ان کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کی وجہ سے، اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

آخرت میں اموال واولاد کام نہیں آئیں گے

تفسیر: اہل کفر اپنے مالوں پر اور اولاد پر بہت فخر کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے لئے بہت فائدہ مند ہیں دنیا میں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچ ہی جاتا ہے ان کا خیالِ خام یہ ہے کہ آخرت میں بھی مال اور اولاد سے کام چلے گا اور اللہ کے عذاب سے یہ چیزیں ہم کو بچالیں گی۔ سورہ سبا رکوع نمبر ۴ میں کافروں کا قول نقل فرماتے ہوئے ارشاد ہے: وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (اور انہوں نے کہا ہم زیادہ مال اور اولاد والے ہیں اور ہم کو عذاب ہونے والا نہیں ہے)

جب آخرت میں کفر پر عذاب ہوگا تو وہاں مال تو ہونے ہی کا نہیں۔ اگر مال ہو بھی تو جان کے بدلے میں قبول نہیں ہوسکتا جیسا کہ اسی سورت کے رکوع ۹ میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے سو ہرگز ان میں سے کسی کی طرف سے بھی زمین بھر کر سونا قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ اپنی جان کا بدلہ دینا چاہے ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

یہ تو مال کے بارے میں ارشاد فرمایا اور اولاد کے بارے میں سورہ عبس میں فرمایا کہ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (جس دن بھاگے گا انسان اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے، ہر شخص کی الگ الگ حالت ہوگی جو دوسروں کی طرف توجہ کرنے سے بے نیاز کر دیگی)

ان حالات میں یہ امید رکھنا کہ جس طرح مال و اولاد سے دنیا میں کام چل جاتا ہے آخرت میں بھی کام چل جائے گا سراپا حماقت اور بے وقوفی ہے اور جھوٹی آرزو ہے جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے ان کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اور وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔

حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کا حال اور طور طریق وہی ہے جو آلِ فرعون کا تھا۔ اور جو ان لوگوں کا تھا جو ان سے پہلے تھے ان لوگوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے سبب گرفت فرمالی۔ دنیا میں بھی ان پر عذاب آئے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔

قوله تعالىٰ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا قَالَ الكلبى من عَذاب الله و قال ابو عبيده من بمعنى عند اى عند الله. (معالم التنزيل صفحه ۲۸۱: ج ۱) (علامہ کلبیؒ فرماتے ہیں من الله شيئاً سے مراد ہے من عذاب الله (اللہ کے عذاب سے) ابو عبیدہؒ نے فرمایا ہے یہاں من عند کے معنی میں ہے یعنی اللہ کے ہاں)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲ قَدْ كَانَ

آپ ان لوگوں سے فرمادیجئے جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب ہوگے اور جمع کئے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور وہ برا بچھونا ہے۔ بلا شبہ

لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ

تمہارے لیے نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو آپس میں مقابل ہوئیں ایک جماعت لڑ رہی تھی اللہ کی راہ میں اور دوسری جماعت کافر تھی وہ دیکھتی آنکھوں

مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

مسلمانوں کی جماعت کو دوگنی دیکھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہے تائید فرماتا ہے۔ بلاشبہ اس میں ضرور بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو آنکھوں والے ہیں۔

یہودیوں کو نصیحت کہ واقعہ بدر سے عبرت لیں

تفسیر: روح المعانی میں صفحہ ۹۴: ج ۳ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بدر میں فتحیابی ہوئی تو آپ نے بدر سے واپس ہو کر یہودیوں کو بنی قینقاع کے بازار میں جمع فرمایا اور فرمایا کہ اے یہودیو! اسلام قبول کرو اس سے پہلے کہ تم کو بھی وہی مصیبت پہنچ جائے جو قریش کو پہنچی، یہ سن کر یہودیوں نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) تم اس دھوکے میں نہ رہو کہ تم نے قریش کے چند ایسے افراد کو قتل کر دیا جو اناڑی ناتجربہ کار تھے جنگ کرنا نہیں جانتے تھے، تم یہ خیال نہ کرو کہ ہمارے مقابلہ میں بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم ہم ہیں، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں اور ان کو بتا دیا کہ تم نے بھی کفر اختیار کر رکھا ہے تم بھی عنقریب مغلوب ہو گے۔ (یہ گیدڑ بھبکیاں اور دھمکیاں کچھ کام نہ آئیں گی) دنیا میں مغلوب و مقتول ہو گے اور آخرت میں دوزخ میں جمع کر دیئے جاؤ گے دوزخ بہت برا بچھونا ہے وہاں کی جو آگ ہے اسی پر پڑے رہو گے اور جلتے رہو گے۔

یہودیوں کی ڈھٹائی: یہودیوں نے بہت بڑی بھبکی دی لیکن بالآخر مغلوب ہوئے بنی قریظہ مقتول ہوئے اور بنی نضیر کو خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں بھی ان پر مسلمان حملہ آور ہوئے اور ان کے قلعے فتح ہوئے اور ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ کھیتی باڑی کرتے رہیں اور کھجور کے باغوں میں کام کریں اور جو پیداوار ہو اس کا مخصوص حصہ مسلمانوں کو دیا کریں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو خیبر سے بھی نکال دیا گیا۔ یہ دنیا میں ان کی مغلوبیت ہوئی اور آخرت میں تو ہر کافر کے لیے جہنم ہے ہی۔

غزوہ بدر کا منظر: یہودیوں کو اللہ رب العزت نے توجہ دلائی اور فرمایا کہ تمہارے لئے عبرت ہے اور اس بات کی نشانی ہے کہ مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے اور یہ عبرت بدر کے معرکے سے تم کو لے لینی چاہیے۔

بدر میں دو جماعتیں مقابل ہوئیں ایک جماعت مسلمانوں کی تھی جو اللہ کی راہ میں جنگ کر رہے تھے اور دوسری، جماعت کافروں کی تھی یہ قریش مکہ تھے مسلمان تعداد میں تھوڑے سے تھے ان کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصاری تھے ان کے پاس ستر اونٹ تھے ہر تین آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا تھا جو اترتے چڑھتے نمبروار سفر کرتے

تھے دو گھوڑے تھے اور چھ زرہیں تھیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ مدینہ منورہ سے بدر کا سفر تھا جو سو میل ہے پہاڑی راستہ تھا اس کو گذار کر بدر میں پہنچے۔

مشرکین مکہ کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا تھی ان میں ۹۰۰ لڑنے والے تھے اور عورتیں ان کے علاوہ تھیں۔ یہ لوگ بڑے طمطراق سے گاتے بجاتے ہوئے کھانے پینے کا بہت زیادہ سامان لے کر بدر پہنچے۔ ان کے ساتھ سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ جب جہاد ہوا تو مشرکین مکہ میں سے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر افراد کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا اور مسلمانوں میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کئی طرح مدد فرمائی۔ ایک صورت مسلمانوں کی مدد اور تائید کی یہ ہوئی کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے (یہ اس صورت میں ہے جب مِثْلَیْهِمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہو) سورہ انفال میں فرمایا ہے:

وَ اِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِالْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلاً وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْراً کَانَ مَفْعُوْلاً (اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تمہاری مڈبھیڑ ہونے کے وقت تمہاری آنکھوں میں ان کو کم دکھا رہا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم دکھا رہا تھا تا کہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے)۔

دونوں آیات کا مضمون ملانے سے معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی آنکھوں میں مسلمانوں کو ان کی اپنی تعداد سے کم دکھایا تا کہ مشرکین میں جنگ کرنے کی جرات بڑھ جائے اور زیادہ تعداد دیکھ کر واپس نہ ہو جائیں پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسلمانوں کی اصل تعداد سے زیادہ دکھایا (وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ہم سے دوگنے ہیں) اور مسلمانوں کی آنکھوں میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی تا کہ مسلمان خوب زیادہ جرأت سے لڑیں اور مشرکین بزدل ہو جائیں۔ آیت کی تفسیر میں علماء کا یہ ایک قول ہے جسے صاحب معالم التنزیل نے صفحہ ۲۸۳: ج۱ میں نقل کیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بھی صفحہ ۹۶: ج۲ میں یہ قول ذکر کیا ہے۔

وقال و کان ذلک عند تدانی الفئتین بعد ان قللهم الله تعالیٰ فی اعینهم عند الترائی لیجترءُ وا علیهم ولا یرهبوا فیهربوا حیث ینفع الهرب. (فرمایا اور یہ دونوں لشکروں کے قریب ہونے کے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے اس کے بعد ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کی نظروں میں قلیل دکھلایا تا کہ مسلمان کافروں پر بہادر ہو جائیں اور پیٹھ نہ پھیریں اور کافر بھاگ کھڑے ہوں۔ جس وقت کہ ان کا بھاگنا مسلمانوں کے لئے مفید ہو)

اِذِالْتَقَیْتُمُوْهُمْ کو سامنے رکھ کر یوں کہا جائے گا کہ جب ابتدائی مقابلہ کے لئے فریقین آمنے سامنے آئے تو مشرکین مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور جب بالکل ہی مڈبھیڑ ہونے لگی تو وہ مسلمانوں کو کم دیکھ رہے تھے اور مسلمان ان کو کم دیکھ رہے تھے لفظ تدانی اور ترائی جو صاحب روح المعانی اپنی عبارت میں لائے ہیں اس سے یہ معنی مفہوم ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یَرَوْنَ کی ضمیر مرفوع سے مومنین مراد ہیں اور ضمیر منصوب کافروں کی طرف راجع ہو۔ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا۔ کہ مومنین کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ ان سے تین گنا تھے اور ان کو دوگنا اسلئے دکھایا کہ انہیں اپنی فتح کا اطمینان رہے کیونکہ فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ

صَابِرَةٌ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ میں اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ تھا کہ اپنے سے دوگنوں پر غالب ہوں گے۔

علامہ صادی نے فرمایا کہ فاعل اور مفعول کے ضمیروں کے احتمالات کو دیکھتے ہوئے معنوی اعتبار سے چار صورتیں بنتی ہیں یعنی:

(۱) یشاهد المومنون الکفار قدر انفسهم مرّتين (۲) یری المومنون الکفار قدرا لکفار مرّتین محنةً لهم

(۳) یری الکفار المومنین قدرهم مرّتين (۴) یری الکفار المومنین قدر المؤمنین مرّتین

(۱) مومن کافروں کو اپنی دوگنی تعداد میں دیکھ رہے تھے۔ (۲) مومن کافروں کو ان کی کوشش کی وجہ سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

(۳) کافر مومنوں کو اپنی تعداد سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ (۴) کافر مومنوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے۔

یہ سب احتمال ہو سکتے ہیں لیکن دوسرا احتمال بعید معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ پھر فرمایا وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہے تقویت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ۳۱۳ بے سروسامان جماعت کو ہزار افراد کے لشکر پر غالب فرمایا جبکہ اس مغلوب ہونے والے لشکر کے پاس خوب زیادہ ہتھیار تھے۔ سب لڑنے والے مسلح تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی خوب تھا اور ہر طرح کی آسائش تھی۔ یہودیوں نے اس بھرپور مدد کو نہ دیکھا اور عبرت حاصل نہ کی۔ بلکہ الٹا اثر لیا اور کہنے لگے کہ وہ تو اناڑی لوگ تھے جو جنگ میں ہار گئے۔ ہم سے پالا پڑا تو پتہ چلے گا کہ لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں۔

درحقیقت جب ظاہری باطنی بینائی کو کام میں نہ لایا جائے اور قصداً کوئی شخص اندھا بنے تو وہ ہلاک ہی ہو کر رہتا ہے اسی کو فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کہ بدر کے واقعہ میں بصارت اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہودی قصداً اندھے بنے ہوئے ہیں بصیرت سے کام نہیں لیتے عقل اور سمجھ کو کام میں لاتے تو مشرکین مکہ کی شکست دیکھ کر جو سرورِ عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ تھا اسلام قبول کر لیتے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

خوش نما بنادی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور بڑے بڑے بھاری مال سونے کے

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

اور چاندی کے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں، یہ دنیا والی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے اور اللہ کے پاس ہے

حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭

اچھا ٹھکانہ

لوگوں کے لئے دنیاوی مرغوبات مزین کر دی گئی ہیں

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اجمالی طور پر انسانوں کی مرغوب چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ چیزیں چونکہ انسان کو مرغوب اور محبوب ہیں اور ایمان قبول کرنے کی صورت میں بظاہر ان چیزوں کا ضائع ہونا نظر آتا ہے اس

لئے عموماً اہل کفر ایمان قبول نہیں کرتے۔ یہودیوں کے سامنے بھی یہی چیزیں تھیں جو ایمان سے مانع تھیں یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے دین پر چلوں گا تو نعمتیں چھن جائیں گی۔ حالانکہ ایمان کی وجہ سے نعمتیں زیادہ ملتی ہیں یہ بات اور ہے کہ کچھ دن کے لئے بطور امتحان کچھ تکلیف پہنچ جائے۔

خواہش کی چیزیں جو انسان کو مرغوب ہیں وہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں ان چیزوں میں عورتیں بھی ہیں بیٹے بھی اور بھاری تعداد میں اموال بھی ہیں، (یہ اموال سونے چاندی کی صورت میں ہیں) اور ان میں نشان لگائے ہوئے گھوڑے بھی ہیں اور مویشی بھی اور کھیتیاں بھی۔ ان چیزوں سے انسان خوش ہوتے ہیں اور جس کے پاس یہ چیزیں ہوں اس کو دنیاوی اعتبار سے بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں چند روزہ ہیں دنیاوی زندگی میں ان سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیا جاتا ہے۔ اور آخرت میں تو صرف ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے اسی کو فرمایا: ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

انسان کو چاہیے کہ اپنی آخرت کی فکر کرے ایمان اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہو تاکہ دارِ آخرت میں اچھا ٹھکانہ نصیب ہو۔

القناطیر: یہ قنطار کی جمع ہے عربی میں قنطار مالِ کثیر کو کہتے ہیں پھر اس کو المقنطرہ سے موصوف فرمادیا۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ خوب بڑے بڑے مال۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں ظِلٌّ ظَلِیْلٌ اور لَیْلٌ اَلْیَلُ مبالغہ کے معنی ظاہر کرنے کے لئے القناطیر المقنطرۃ فرمایا۔ بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے قنطار کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے بارہ ہزار اوقیہ بتایا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم چاندی کا ہوتا تھا (ایک درہم ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی کا) دورِ حاضر کے اعتبار سے القناطیر المقنطرۃ کا معنی نوٹوں کے گڈے کہا جاسکتا ہے۔

اَلْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ: (نشان زدہ گھوڑے) اہلِ عرب گھوڑوں پر کچھ نشان لگالیا کرتے تھے اس لئے مُسَوَّمَۃ فرمایا۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ لفظ تسویم سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے جانوروں کو چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑ دینا۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ایسے گھوڑے جو چراگاہوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور حضرت مجاہد نے اَلْمُسَوَّمَۃ کا معنی المُطَہَّمۃ الحِسان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے گھوڑے جو جسمانی اعتبار سے خوب اچھی طرح صحیح اور تندرست ہوں اور خوبصورت ہوں۔

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ: پھر مویشیوں کا ذکر فرمایا اور ان کو لفظ ''الانعام'' سے تعبیر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ گائے بکری وغیرہ بھی لوگوں کو مرغوب ہیں جس کے پاس یہ چیزیں زیادہ ہوتی ہیں عام طور سے اسے گاؤں کا بڑا اور چودھری مانا جاتا ہے جب صبح کو مویشی چرنے کے لئے جاتے ہیں اور شام کو آتے ہیں اس وقت چودھری صاحب کے نشہ کا کیا پوچھنا، اپنے جانوروں کو دیکھ دیکھ کر پوری طرح مست ہوجاتا ہے اور اپنے سامنے کسی کو نہیں سمجھتا۔ سورہ نحل میں فرمایا وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ☆ آخر میں کھیتوں کا ذکر فرمایا کھیتوں اور کھیتیوں والے بھی اپنی فصل کو دیکھ دیکھ کر مست

ہوتے ہیں اور خوشی میں پھولے نہیں سماتے اہلِ دنیا اپنی دنیا میں خوش ہیں اور اہلِ آخرت اپنی آخرت کی طرف متوجہ ہیں اہل دنیا کو آئندہ آیت میں آخرت کی نعمتوں کی طرف متوجہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

آپ فرمادیجئے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتادوں؟ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۱۵

نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بیویاں ہیں پاکیزہ، اور رضامندی ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ اَلصّٰبِرِيْنَ

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم ایمان لائے لہٰذا بخش دے ہمارے گناہوں کو اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچادے یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝۱۷

اور سچے ہیں، اور حکم ماننے والے ہیں، اور خرچ کرنے والے ہیں اور راتوں کے پچھلے حصوں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔

اہلِ تقویٰ کا آخرت میں انعام

تفسیر: لوگوں کی دنیاوی مرغوبات ذکر فرمانے کے بعد اس آیت میں آخرت کی نعمتوں کو ذکر فرمایا اور بتادیا کہ ان دنیاوی چیزوں سے بہتر وہ چیزیں ہیں جو آخرت میں نصیب ہوں گی لیکن وہ ہر شخص کو نہیں ملیں گی۔ وہ اہلِ تقویٰ کو نصیب ہوں گی۔ سب سے بڑا تقویٰ تو یہ ہے کہ انسان کفر اور شرک سے بچے اور ایمان قبول کرے ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح معتبر نہیں اور اس کے بعد تقویٰ کے درجات ہیں، کبیرہ گناہوں سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے اور مشتبہات سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔ متقی بندوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے رب کے پاس انہیں ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ مزید براں یہ کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں بھی ملیں گی (پاکیزہ کا مطلب سورہ بقرہ کے رکوع ۳ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے)۔

رضائے الٰہی: اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ان سب سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا ہر نعمت سے بڑھ کر ہے اور سب سے بڑی چیز ہے۔ سورۂ توبہ میں فرمایا: وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور جگہ جگہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا اعلان فرمایا ہے ایک غلام کی اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور نیک بختی ہوگی کہ اس کا آقا اس سے راضی ہو۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور پوری خیر آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کیسے راضی نہ ہوں گے۔ آپ نے

ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا میں تم کو اس سے افضل چیز عطا کردوں؟ وہ عرض کریں گے اے پروردگار اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ اب اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری ومسلم) اہل تقویٰ کو ان کے رب کے پاس جو نعمتیں ملیں گی جن میں سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے ان کے ذکر فرمانے کے بعد ان حضرات کی دعا کا تذکرہ فرمایا اور ان کی چند صفات ذکر فرمائیں کہ وہ لوگ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے لہٰذا آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچایئے۔ پھر ان کی صفات کا تذکرہ فرمایا اور صفتِ صبر کو مقدم کیا اور فرمایا۔

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ

اَلصَّابِرِیْنَ: (صبر کرنے والے) اس صفت کو مقدم فرمایا کیونکہ صفت صبر ہی ایسی چیز ہے جس کا تمام نیکیوں میں دخل ہے جیسا کہ آیت کریمہ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں اول نیکیوں پر جما رہنا دوسرے گناہوں کے چھوڑنے پر نفس کو لگائے رہنا اور گناہوں کے تقاضوں کو دبانا تیسرے تکلیفوں پر صبر کرنا۔ مومن بندہ کی زندگی میں ہر موقعہ پر اور ہر عبادت میں مالی ہو یا بدنی اس صفت کی ضرورت پڑتی ہے پھر فرمایا:

والصَّادِقِیْنَ: (سچے لوگ) سچائی بہت بڑی صفت ہے۔ ایمان میں سچائی ہو تو انسان منافق نہیں ہوتا۔ اقوال میں سچائی ہو تو انسان جھوٹ نہیں بولتا اعمال میں سچائی ہو تو اعمال کو اچھی طرح انجام دیتا ہے اور نیت میں سچائی ہو تو سب اعمال درست ہوتے ہیں۔

سورہ زمر میں فرمایا وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی یہ لوگ تقوی والے ہیں)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑلو کیونکہ سچ نیکی کی راہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ کو اختیار کرتا ہے اور اہتمام سے فکر کر کے سچ کو اختیار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق (بہت زیادہ سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم لوگ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گنہگاری کی راہ بتاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر جھوٹ اختیار کرتا ہے اور دھیان کر کے سوچ سوچ کر جھوٹ کو اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب (بہت زیادہ جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے (بخاری ومسلم)

وَالْقَانِتِیْنَ: (فرمانبرداری کرنے والے) یہ لفظ قنوت سے لیا گیا۔ قنوت کے متعدد معنی ہیں ان میں سے ایک معنی طاعت اور فرمانبرداری کرنے کے ہیں اس کے عموم میں ہر طرح کی فرمانبرداری اور تمام عبادات اور ترک منکرات داخل ہے۔

وَالْمُنْفِقِیْنَ: پھر فرمایا وَالْمُنْفِقِیْنَ (خرچ کرنے والے) اس میں مال خرچ کرنے کی فضیلت ذکر فرمائی یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنے والے ہیں، خرچ کرنے کا تعلق مالداری سے نہیں ہے آخرت میں ثواب ملنے کے جذبات سے ہے۔ جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت نہیں ہوتی مال کثیر ہوتے ہوئے بھی خرچ نہیں کرتے

اور جن کے پیش نظر آخرت کا ثواب ہوتا ہے وہ تھوڑا مال ہوتے ہوئے بھی اللہ فی اللہ خرچ کر دیتے ہیں۔

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ: پھر فرمایا وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (اور پچھلی راتوں میں گناہوں کی مغفرت طلب کرنے والے ہیں) یہ بھی اہل تقویٰ کی خاص صفت ہے۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ قیام اللیل (نماز تہجد) کو لازم پکڑ لو کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین تھے یہ ان کا طریقہ رہا ہے اور یہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے اور گناہوں کا کفارہ کرنے والی ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (ترمذی)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا کو قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسے عطا کروں کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۵۳: ج ۱)

رات کو اٹھنے کی فضیلت: حضرت عمرو بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب آخری رات کے حصے میں ہوتا ہے۔ سو اگر تجھ سے ہو سکے تو ان لوگوں میں سے ہو جا جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَا اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ☆

(بے شک جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ان کے رب نے جو انہیں عطا فرمایا اس کے لینے والے ہوں گے۔ بلاشبہ یہ لوگ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے رات کو کم سوتے تھے اور راتوں کے پچھلے حصوں میں استغفار کرتے تھے)۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

اللہ نے گواہی دی کہ بلا شبہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور اہل علم نے، وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے، کوئی معبود نہیں مگر

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

وہی، وہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے، بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا محض آپس میں ضد اضدی کی وجہ سے، اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرے سو اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

جلد حساب لینے والا ہے، سو اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا اور

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْاۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

جن لوگوں کو کتاب دی گئی آپ ان سے اور ان پڑھوں سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہوئے؟ پس اگر وہ فرمانبردار ہو جائیں تو انہوں نے ہدایت پالی، اور اگر وہ روگردانی کریں

عَلَيْكَ الْبَلٰغُؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝

تو آپ کے ذمہ پس پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

توحید پر گواہی

تفسیر: روح المعانی صفحہ ۱۰۴: ج ۳ اور معالم التنزیل صفحہ ۲۸۵: ج ا میں کلبی سے نقل کیا ہے کہ شام کے علماء یہود میں سے دو عالم مدینہ منورہ آئے انہوں نے مدینہ کو دیکھا ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ یہ شہر تو ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں ہم نے پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ اس شہر میں قیام پذیر ہوں گے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو انہیں صفات کے ساتھ پہچان لیا جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں محمد ہوں! پھر سوال کیا کہ آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں احمد ہوں! کہنے لگے کہ ہم ایک شہادت کے بارے میں آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ نے ہم کو بتا دیا تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، آپ نے فرمایا تم دونوں سوال کرو، کہنے لگے ہمیں یہ بتائیے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اس کو سن کر ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے معبود لاشریک لہٗ ہونے کی گواہی دی، اور فرشتوں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جو اللہ کے برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں ہر طرح کے گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہیں۔ ان میں سے بہت سے دربار الٰہی کے حاضرین بھی ہیں اور تمام فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہے، پھر اہل علم کی گواہی کا ذکر فرمایا کہ ان حضرات نے بھی اللہ کے معبود وحدہٗ لاشریک ہونے کی گواہی دی۔

اہل علم کون ہیں؟ اہلِ علم سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور وہ تمام حضرات مراد ہیں جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کا اتباع کیا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے دلائل قطعیہ عقلیہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور اسے اپنی ذات وصفات میں اور معبود حقیقی ہونے میں اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہونے میں خوب اچھی طرح سے جانا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ جو اللہ کی مخلوقات کا تجزیہ اور تحلیل کرنے میں مصروف ہیں اور کائنات میں طرح طرح کی ریسرچ کرتے ہیں۔ حیوانات، نباتات، جمادات کے احوال جاننے کے لئے محنتیں کرتے ہیں۔ ان میں اہل علم کہنے کے لائق وہی لوگ ہیں جو مخلوق کے ذریعہ خالق کی معرفت حاصل کرنے میں عمریں خرچ کرتے ہیں اور جو خالق جل مجدہٗ کے منکر ہیں یہ لوگ اہلِ علم نہیں ہیں۔ بڑی بڑی ریسرچ کرتے ہوئے بھی جہالت میں مبتلا ہیں۔ اسی کو سورۂ زمر میں فرمایا: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ (آپ فرما دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا تم مجھے حکم دیتے ہوا اے

جا نو!) مخاطبین) کو جاہل فرمایا حالانکہ وہ اس زمانہ کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے۔

قَآئِماً بِالْقِسْطِ: پھر فرمایا قَائِماً بِالْقِسْطِ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کاملہ کے ساتھ عدل کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سب احکام اور فیصلے انصاف کے ساتھ ہیں مخلوق کی جزاء اور سزا کے سب فیصلے جو دنیا میں ہیں اور آخرت میں ہوں گے سب میں انصاف ملحوظ ہے۔ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہے اور نہ ہوگا جو لوگ ظلم اور انصاف کے معانی نہیں سمجھتے وہی اشکال کرتے ہیں۔ اللہ کے احکام اور قضایا میں کوئی ظلم نہیں۔

پھر فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس میں بطور تاکید ابتدائی آیت کے مضمون کا اعادہ فرمایا ہے۔ شروع آیت میں توحید بیان فرمائی اور اس آیت میں بھی اور دو صفات کا ذکر فرمایا کہ وہ عزیز ہے یعنی زبردست ہے اور سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے جو کچھ مخلوق میں تصرفات ہوتے ہیں وہ سب اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔

اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام معتبر ہے: اس کے بعد فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اس میں اعلان فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی معتبر ہے۔ وہی ذریعہ نجات ہے اگر کسی نے اللہ کو مانا لیکن اللہ کے دین کو نہ مانا جو اس کے نزدیک معتبر ہے تو وہ گمراہ ہے آخرت میں اس کی نجات نہ ہوگی اسی سورت کے رکوع ۹ میں فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا) اسلام کا لغوی معنی فرمانبردار ہونے کا ہے جو دین اللہ پاک نے اپنے بندوں کے لئے تجویز فرمایا اس کا نام اسلام رکھا ہے۔ کیونکہ وہ سراپا فرمانبرداری ہی ہے ہر شخص اپنے خالق و مالک کے سامنے ظاہر سے اور باطن سے جسم سے اور جان سے جھک جائے اور ہر حکم کو ماننے اور تعمیل ارشاد کرتا رہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام دین اسلام کے داعی تھے۔ ہر نبی کا دین اسلام تھا جو ان پر ایمان لایا وہ مسلم تھا اور جس نے ان کی دعوت کو نہ مانا وہ غیر مسلم تھا کافر تھا حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کا دین بھی اسلام ہے انہوں نے اسی کی دعوت دی اور اس کی دعوت قیامت تک ہے جو شخص اس دین کو مانے گا مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبردار ہوگا۔ اور جو اسے نہ مانے گا وہ کافر ہوگا۔

لفظ اسلام کا مادہ سلامتی ہے جو شخص اسلام قبول کرے گا دنیا و آخرت کی آفات اور مصائب اور عذاب اور تکالیف سے محفوظ رہے گا اسے ہر طرح کی سلامتی ملے گی۔ مضمون بالا سورہ بقرہ کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ اور دوسری آیت اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ کے ذیل میں بھی بیان ہو چکا ہے اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے جو اختلاف کیا اور داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا ان کا یہ اختلاف جہالت سے نہیں بلکہ یہ جاننے کے بعد ہے کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں اسلام کی حقانیت کی دلیل پہنچ گئی پھر بھی ضد اضدی کا مزاج رکھنے کے جذبات نے ان کو حقانیت اسلام کے انکار پر آمادہ کیا۔ انہیں دنیا اور دنیا میں سرداری مطلوب ہے جس کی وجہ سے اللہ کی آیات کے منکر ہو رہے ہیں اور جانتے بوجھتے حق کا انکار کر کے مستحق عذاب بن رہے ہیں اللہ تعالیٰ جلد سب کا حساب لے لے گا اسی کو فرمایا وَمَنْ

3

یَکْفُرْ بِاٰیٰاتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ پھر فرمایا فَاِنْ حَاجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ (پس اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرمادیں کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کے لئے جھکا دیا اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا) تم نہیں مانتے تم جانو نہ ماننے کی سزا بھگتو گے ہم تو اللہ کے ہو گئے اس کی فرمانبرداری ہمارا اشعار ہے پھر فرمایا وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ یعنی آپ ان لوگوں سے فرمادیں جن کو کتاب دی گئی (یعنی یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب سے بھی فرمادیں جو اُمّی یعنی ان پڑھ ہیں کہ بولو تم نے اسلام قبول کیا؟ یعنی ان کو دعوت دے دو۔

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا اگر اسلام قبول کرلیں تو ہدایت والے ہو جائیں گے وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ اور اگر وہ آپ کی دعوت سے اعراض کریں اور روگردانی کریں تو آپ کو اس سے کوئی ضرر نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ منوانا آپ کے ذمہ نہیں، آخر میں فرمایا وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے وہ مسلم کو بھی جانتا ہے اور کافر کو بھی۔ داعیٔ حق کا بھی اسے علم ہے اور حق قبول کرنے والے کا بھی۔ وہ ہر ایک کو اس کی جزاء دے دے گا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میری حرکتوں کی میرے خالق کو خبر نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں

بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی

سو اُن کو آپ دردناک عذاب کی خوش خبری سنادیجئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہوگئے

الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

کافروں کے لئے عذاب کی وعید

تفسیر: اس آیت شریفہ میں وعید ہے تمام کافروں کے لئے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں اور خاص کر یہودیوں کا ذکر فرمایا کہ وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ جن یہودیوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا وہ تو قاتل تھے ہی اور جو یہودی نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے وہ بھی چونکہ اپنے اسلاف کی حرکتوں سے بیزار نہیں تھے اس لئے ان کی طرف بھی قتل کا اسناد کیا گیا...... نیز ان لوگوں کا ذکر بھی فرمایا جو ایسے حضرات کو قتل کرتے رہے جو انصاف کا حکم کرتے تھے جن لوگوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا ان سے کوئی بعید نہیں کہ ان کے امتیوں کو قتل کریں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، اس دور میں بھی لوگ اہل حق اور اہلِ عدل کے قتل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ ان سب لوگوں کے بارے میں فرمایا فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو خوشخبری تو آرام راحت اور نعمت کی ہوتی ہے لیکن عذاب الیم کے ساتھ جو بَشِّرْ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی حرکتوں کو ذریعہ عذاب سمجھنے

کی بجائے اچھی چیز سمجھتے تھے اور مغفرت اور نجات آخرت کی امید رکھتے تھے لہٰذا ان کو عذاب الیم کی خوشخبری دی گئی۔ صاحب روح المعانی صفحہ (۱۰۹: ج ۳) نے ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے حوالہ سے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن کن لوگوں کو ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ شخص سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو۔ پھر آنحضرت ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے ابوعبیدہ بنی اسرائیل نے ایک ہی وقت علی الصباح ۴۳ نبیوں کو قتل کیا ان کو منع کرنے کے لئے ایک سو ستر افراد کھڑے ہوگئے جو بنی اسرائیل کے عبادت گذاروں میں سے تھے انہوں نے ان قاتلین کو اچھے کاموں کا حکم دیا اور بری باتوں سے روکا تو دن کے آخر حصہ میں وہ سب بھی قتل کر دیئے گئے۔ آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اسی لوگوں کا ذکر فرما دیا ہے۔

کافروں کے اعمال اکارت ہیں: پھر فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِیْنَ کہ ان لوگوں کے سارے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت چلے گئے دنیا میں ان کے جان و مال محفوظ نہ رہے اور کسی طرح کی مدح اور تعریف کے مستحق نہ ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے اعمال نے کچھ کام نہ دیا کیونکہ ان اعمال کا کوئی ثواب نہ ملا اور ان کے اعمال عذاب دفع کرنے کا ذریعہ نہ بن سکے، آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا جو کسی طرح کی مدد یا سفارش کر سکے۔

جو اعمال برے ہوں ان پر تو ثواب ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں جو اعمال نیکی کے نام سے کئے ہوں ان کے حبط ہونے کا تذکرہ فرمایا، کافر کی کوئی نیکی آخرت میں فائدہ نہیں دے سکتی (من روح المعانی)

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر

یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا

ان میں سے ایک فریق اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند گنے چنے دنوں میں،

مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ

اور ان کو دھوکے میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں اس چیز نے جس کو وہ افترا کرتے تھے، پس کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے اس دن جس میں

فِیْهِ وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

کوئی شک نہیں، اور ہر جان کو اس عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

یہودیوں کا اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا اور خوش فہمی میں مبتلا ہونا

تفسیر: روح المعانی صفحہ ۱۱۰: ج ۳ میں ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت المدراس میں تشریف لے گئے (جو یہودیوں کی مذہبی اور تعلیمی جگہ تھی) وہاں یہودی جمع تھے آنحضرت ﷺ نے توحید کی دعوت دی۔ ان لوگوں

میں نعمان بن عمرو اور حارث بن زید دو آدمی تھے انہوں نے کہا کہ اے محمد آپ کس دین پر ہیں آپ نے فرمایا میں ابراہیم کی ملت پر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے آپ نے فرمایا کہ توریت لے آؤ وہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی وہ توریت لانے پر راضی نہ ہوئے اور اس کا فیصلہ ماننے سے انکار کر بیٹھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ ان کو اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دے لیکن ان میں کا ایک فریق (جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا) اللہ کی کتاب کو ماننے سے اعراض کرتا ہے اور حق قبول کرنے سے رو گردانی کرتا ہے۔

یہودیوں کے خیالات اور آرزوئیں: پھر ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ طریقہ کار (حق سے منہ پھیرنا اور اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا) اس لئے ہے کہ خود تراشیدہ خیالات کی دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے دلوں میں سوچ رکھا ہے کہ بس جی ہم دوزخ میں صرف چند دن کے لئے جائیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان چند دنوں سے وہ چند دن مراد لیتے تھے جن میں ان کے آباؤ اجداد نے بچھڑے کی عبادت کی تھی، یہ کتنی بڑی حماقت ہے اپنے عقیدہ کے مطابق چند دن کو دوزخ میں جانے کے لئے تیار ہیں جس کے عذاب کی ایک منٹ کی بھی سہار نہیں اور حق ماننے اور اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، جو جھوٹی باتیں انہوں نے تراش رکھی تھیں اور جن جھوٹے خیالات میں مبتلا تھے ان چیزوں نے ان کو دھوکے میں ڈالا اور خام خیالیوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے۔

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ایسی سند نہیں جس میں اس کا وعدہ ہو کہ چند دن کے بعد وہ دوزخ سے نکل آئیں گے انہیں معلوم ہے کہ دین حق کا انکار کفر ہے اور کفر کا عذاب دائمی ہے۔ پھر بھی اوہام وخیالات اور افتراآت کی دنیا میں مستغرق ہیں ان کی خوش فہمیوں میں یہ بھی تھا کہ ہم انبیاء کرام کی اولاد ہیں وہ ہمیں بخشوالیں گے، یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے بیٹوں کو عذاب نہیں دے گا۔ بس اتنا ہوگا کہ دوزخ سے عبور کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسی کے محبوب ہیں۔ یہ سب خام خیالیاں ان کو لے ڈوبیں گی۔ (من روح المعانی صفحہ ۱۱۱: ج ۳)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ

آپ یوں کہیئے کہ اے اللہ جو ملک کا مالک ہے تو ملک دیتا ہے جس کو چاہے اور ملک چھین لیتا ہے جس سے چاہے اور

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ

تو عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہے تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، تو داخل کرتا ہے رات کو

فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؗ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے

تفسیر: معالم التنزیل صفحہ ۲۷۹: ج ۱ میں حضرت ابن عباس وحضرت انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح فرمالیا تو آپ نے اپنی امت کو فارس اور روم کے فتح ہونے کی خوشخبری دی یہ سن کر منافقوں اور یہودیوں نے کہا اجی انہیں فارس اور روم کیسے مل جائیں گے؟ وہ تو بڑے غلبہ والے اور قوت والے لوگ ہیں کیا محمد کو یہ کافی نہیں کہ مکہ اور مدینہ مل گیا ہے۔ اسی پر بس نہیں کرتے جو آگے بڑھ کر ملک فارس اور ملک روم کے بارے میں بھی لالچ کررہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں دعا کریں کہ اے اللہ آپ ملک کے مالک ہیں آپ جسے چاہیں ملک دیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیں اور جسے چاہیں عزت دیں اور جسے چاہیں ذلت دیں، اس میں دعا بھی ہے اور منافقین اور یہودیوں پر تعریض بھی ہے کہ اللہ ملک کا مالک ہے وہ جسے چاہے ملک دے سکتا ہے اور جس سے چاہے چھین سکتا ہے۔ اس نے مدینہ سے یہودیوں کا اقتدار ختم فرمایا اور مکہ معظمہ سے قریش کا اقتدار ختم فرمایا اور دونوں شہر اور ان کے ملحقات رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو عطا فرمادیئے یہ حضرات بے سروسامان تھے ان کو اصحابِ مال اور اصحابِ شوکت پر غلبہ دیا اور فتح عطا فرمائی اللہ ہی نے فارس وروم کو اقتدار دیا ہے وہ ان سے چھین کران کے ملکوں کا اقتدار رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو دے سکتا ہے یہ لوگ فارس اور روم کی شان وشوکت اور کرّ وفر کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں دیکھتے جس نے ان کو اقتدار دیا ہے، جو اقتدار دے سکتا ہے وہ اقتدار لے بھی سکتا ہے ملک کا دینا اور چھین لینا عزت دینا اور ذلت دینا سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

پھر فرمایا بِيَدِكَ الْخَيْرُ کہ ساری خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے علماء نے فرمایا ہے کہ خیر وشر سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے لیکن ایک کے ذکر پر اکتفا فرمایا دوسری چیز اسی سے سمجھ آ گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کیونکہ یہ مقام دعا ہے اس لئے خیر پر اکتفاء کیا گیا (اور شر کی نفی بھی نہیں کی) کیونکہ مانگنے والا اسی بات کا ذکر کرتا ہے جس سے اس کا مطلب ہو جب لینا ہے تو یہی کہے گا کہ آپ کے ہاتھ میں خیر ہے اس موقعہ پر یوں کیوں کہے کہ آپ کے ہاتھ میں شر بھی ہے۔ آخر میں فرمایا: اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اس میں اجمالی طور پر پوری آیت کے مضمون کو دہرادیا گیا ہے اور الفاظ کے عموم نے یہ بھی بتادیا کہ اوپر جو چیزیں مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ اور تمام چیزوں پر بھی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے۔

قدرتِ خداوندی کے بعض مظاہرے: پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بعض مظاہرے جو نظروں کے سامنے ہیں ان کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے کبھی رات بڑی کبھی دن بڑا پورے عالم میں اس کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ کہیں رات دن کے اوقات میں چار پانچ ہی گھنٹے کا فرق ہوتا ہے اور کہیں پندرہ سولہ گھنٹے یا اس سے زیادہ کا بھی فرق ہوجاتا ہے۔ یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے کسی بھی مخلوق کو قدرت نہیں ہے کہ اس کے خلاف کرسکے، نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ مفسرین نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ نطفہ جو بے جان ہے اس سے زندہ حیوان نکالتا ہے اور زندہ حیوان سے نطفہ نکالتا ہے جو بے جان ہے،

اور بعض حضرات نے اس کی مثال بچہ اور انڈے سے دی ہے کہ چوزہ کو انڈے سے اور انڈے کو پرندہ سے نکالتا ہے، حضرت حسن اور عطاء نے اس کا ایک اور معنی بتایا اور وہ یہ کہ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے نکالتا ہے یعنی مومن کی اولاد کافر اور کافر کی اولاد مومن ہوتی ہے۔ مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔

قَالَ تَعَالٰی اَوَمَنْ کَانَ مَیْتاً فَاَحْیَیْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوراً یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمَاتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا، آخر میں فرمایا! وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ، رازق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے اور کمی بیشی کرنا بھی اس کے قبضہ میں ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ.

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ

نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو شخص یہ کام کرے گا تو اللہ سے دوستی کرنے کے کسی شمار میں نہیں۔

مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

مگر اس حالت میں کہ دشمنوں سے کچھ بچاؤ کرنا ہو، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اہلِ ایمان کو حکم کہ کافروں سے دوستی نہ کریں

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کو اس بات سے منع فرمایا کہ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی شخص ایسا کرے گا یعنی مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائے گا اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۹۱: ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا آیت عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ ظاہر میں مومن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے۔ یہودیوں سے اور مشرکوں سے دوستی رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں یہودی اور مشرکین غلبہ پالیں گے اور فتح یاب ہوجائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مومنین کو منع فرمادیا کہ ان لوگوں کی طرح عمل نہ کریں اور کافروں کی دوستی سے پرہیز کریں اپنی دوستی صرف مسلمانوں سے رکھیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چند یہودی بعض انصار سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا اندرونی مقصد یہ تھا کہ ان کو دین اسلام سے پھیر دیں بعض صحابہؓ نے ان انصاریوں کو ان یہودیوں کی دوستی سے منع کیا ان لوگوں نے نہ مانا اور ان کے ساتھ گھلنا ملنا جاری رکھا۔ اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی اور دشمنان دین کی دوستی سے منع فرمادیا۔

موالات کفار (کافروں کی دوستی) کی ممانعت اس آیت کے علاوہ دیگر آیات میں وارد ہوئی ہے۔ سورہ ممتحنہ میں فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ

السَّبِيلِ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ

اے ایمان والو! مت بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم ان کی طرف دوستی کے پیغامات بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا جو تمہارے پاس حق آیا وہ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس وجہ سے کہ تم ایمان لائے اللہ کے ساتھ جو تمہارا رب ہے اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا کی تلاش میں تم چپکے سے ان کی طرف دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم نے پوشیدہ کیا اور جو کچھ ظاہر کیا اور تم میں سے جو شخص ایسا کام کرے گا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تم کو پالیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو بڑھادیں گے برائی کے ساتھ، اور ان کی آرزو ہے کہ کاش تم لوگ کافر ہو جاؤ۔

کافروں سے محبت کرنے کے نتائج: ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کافروں سے موالات اور ان سے دوستی رکھنا قطعاً اور سخت ممنوع ہے آجکل مسلمانوں کو اس ممانعت کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے کافروں سے دوستی ہے اور اپنوں سے بیزاری ہے۔ دنیا کا مفاد پیش نظر ہے اپنے مفاد کو باقی رکھنے کے لئے کافروں سے دوستی کرتے ہیں اور مسلمانوں کی دوستی کا خیال تک نہیں آتا۔ مسلمان غیر قوموں کے مخبر بھی بن جاتے ہیں مسلمانوں کے ملکوں کی خبریں ان کے دشمنوں کو پہنچاتے ہیں۔ آپس میں بگاڑ ہے اور کافروں سے جوڑ ہے، اس افسوسناک صورتحال نے مسلمانوں کے ملکوں کو کافروں کی حکومتوں کا دم چھلہ بنا رکھا ہے۔ کوئی ملک کافروں کی کسی حکومت کا سہارا لے کر جی رہا ہے اور کوئی ان کی کسی دوسری حکومت کا خاص الخاص بنا ہوا ہے، مسلمان مقالے لکھتے ہیں، ڈاکٹریٹ کرتے ہیں، دشمن ان سے ایسے مضامین لکھاتے ہیں جو مسلمانوں کے اندرونی حالات اور معاملات اور ان کے ارادوں اور اداروں کی خبروں پر مشتمل ہوں، یہ لوگ کافروں کے دوست ہیں اسلام اور مسلمان کی دوستی ان کے پیش نظر نہیں، مسلمانوں کے بعض ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم اور جفا کا معاملہ ہوتا ہے ان کو اجنبی کہہ کر ملک سے خارج کر دیا جاتا ہے اور کافروں کو المواطن کہہ کر گلے لگایا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کافروں کی موالات اور دوستی سے جو منع فرمایا یہ بہت اہم بات ہے لوگ اس کو رواداری کے خلاف سمجھتے ہیں، رواداری اور چیز ہے اور موالات یعنی دل سے دوستی کرنا اور چیز ہے۔ دل سے جب دوستی ہوتی ہے تو مسلمانوں کی خبریں بھی دشمنوں کو پہنچائی جاتی ہیں اور مسلمان حکومتوں کے اندر کے پروگرام بھی دشمن کو بتا دیئے جاتے ہیں، ایمان کا تقاضا ہے کہ قلبی محبت صرف مسلمانوں سے ہو کافروں سے نہ ہو، کہتے ہیں فلاں صاحب نمازی ہیں، نمازی تو ہیں لیکن اندر سے دشمنوں کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں ان کو اسلام کا یہ حکم ماننا گوارا نہیں کہ کافروں سے موالات اور محبت نہ کریں۔

مسلمانوں میں طرح طرح کی عصبیتیں ہیں آپس میں موالات نہیں رہی کہیں صوبائی عصبیت ہے کہیں لسانی عصبیت، اور کہیں عرب وعجم کی عصبیت ہے۔ ایمانی رشتوں کو چھوڑ کر غیر ایمانی تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔ اس میں کافروں سے بھی موالات کرنی پڑتی ہے اور یہ عصبیتیں کافروں ہی نے سمجھائی ہیں۔ بعض ملکوں میں تو کافروں سے دوستی کا یہ حال ہے کہ لوگ دشمنوں کے مندر تک بنوا دیتے ہیں اور ان کی دوستی میں نمازیں تک چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے مذہبی تہواروں میں

شرکت بھی کرتے ہیں اور ہدیے بھی دیتے ہیں۔ اس صورتحال نے مسلمانوں کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت دنیا میں باقی نہیں رکھی، کافروں سے یہ امید کرنا کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچادیں گے غلط خیال ہے جو بظاہران سے فائدہ پہنچتا ہے اس کی آڑ میں نقصان ہی پوشیدہ ہوتا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا میں صاف بتادیا کہ کافروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ اور یہ بھی واضح طور پر بتادیا گیا کہ وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑی رہے ان کے ممالک ہماری طرف جھکے رہیں اس طرح ہمارے محتاج بھی رہیں اور ہمارے خلاف کچھ کر بھی نہ سکیں اور ہمیں ان کے اندرونی راز بھی معلوم ہوتے رہیں۔

آیت میں جو لفظ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا اس میں اس پر خاص تنبیہ ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی نہ کریں۔ اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ مسلمانوں کو نہ چھوڑے ان سے بھی دوستی رکھے اور کافروں سے بھی۔ کیونکہ مقصود کافروں کی دوستی سے منع کرنا ہے، اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ کافروں سے قلبی دوستی جبھی ہوسکتی ہے جبکہ مسلمانوں کی دوستی کو نظر انداز کر دیا جائے۔ خواہ مستقل طور پر مسلمانوں سے بے تعلقی اختیار کی جائے خواہ عارضی طور پر ہر حال میں کافروں سے قلبی محبت ہوگی تو وہ ضرور مسلمانوں سے کسی نہ کسی درجہ میں تعلق کم کرنے یا تعلق توڑنے پر مجبور کرے گی۔

کافروں سے موالات کرنے والوں کے لئے وعید شدید: آیت شریفہ میں کافروں کی موالات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور ان سے دوستی کرنے والوں کے حق میں ارشاد فرمایا کہ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ کہ جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ کی دوستی یا اللہ کے دین کا اس سے کوئی بھی تعلق نہیں۔

قال صاحب الروح ص ۱۲۱:ج۲ والکلام علی حذف مضاف ای من ولایته اومن دینه والظرف الاول حال من (شئ)والثانی خبر لیس. وتنوین(شئ) للتحقیر ای لیس فی شئ یصح ان یطلق علیه اسم الولایة او الدین. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس جملہ میں مضاف محذوف ہے یعنی من ولایتہ یا من دینہ ہے۔ اور پہلا ظرف شئی سے حال ہے اور دوسرا ظرف لیس کی خبر ہے اور شئی کی تنوین تحقیر کے لئے ہے۔ یعنی جو کافروں سے موالات کرے گا تو یہ کوئی چیز نہیں ہے کہ اسے کوئی دوستی یا دین کہا جائے وہ اس لائق نہیں ہے۔)

موالات کی ایک صورت مستثنیٰ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً یعنی ایسی صورت میں ظاہری دوستی اجازت ہے جبکہ ان سے کسی قسم کا ضرر پہنچنے کا واقعی اندیشہ ہو، کوئی مسلمان کافروں میں پھنس جائے۔ مقتول ہونے کا یا کسی عضو کے تلف ہونے کا واقعی اندیشہ ہو اور کافر زبردستی کریں کہ تو ہمارے دین کے مطابق نہ بولا تو تجھے مارڈالیں گے تو صرف ظاہری طور پر زبان سے (نہ کہ دل سے) کوئی کلمہ ایسا کہہ دے جس سے جان بچ جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

پھر فرمایا وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لہٰذا ہر عمل میں اس کو سامنے رکھیں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے یہ ہمیشہ پیش نظر رہے اگر اس پر عمل کریں گے تو گناہوں سے بچ سکیں گے گناہوں میں موالات کفار بھی شامل ہے۔

مواسات اور مدارات کس حد تک جائز ہے: واضح رہے کہ آیات قرآنیہ میں کافروں سے قلبی دوستی کی ممانعت فرمائی ہے مواسات اور مدارات کی ممانعت نہیں ہے خوش خلقی سے پیش آنا مہمانی کے طور پر کچھ کھلانا پلانا۔ دفتروں میں ان کے ساتھ ملازمتیں کرنا، تجارتی معاملات کرنا اس کی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ جو کفار دارالحرب کے ہوں

اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں ان سے کسی قسم کا تعاون نہ کیا جائے اور معاملات میں بھی شرعی اصول کے موافق جائز ناجائز کا خیال رکھا جائے۔ حربی کافروں کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنا ممنوع ہے کافروں کو ملازم رکھنا اور ان کے اداروں میں ملازم ہونا یہ بھی جائز ہے۔ البتہ دلی دوستی اور محبت کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ قرآن کریم نے کافروں سے جو قلبی دوستی رکھنے کو منع فرمایا ہے یہ کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔ خود کافر بھی اسی پر عامل ہیں وہ بھی مسلمانوں سے قلبی دوستی نہیں رکھتے جب تک کفر اور کافر سے قلبی نفرت نہ ہوگی اسلامی احکام پر پوری طرح عمل نہیں ہو سکتا۔

کافروں نے ممالک میں یک جہتی کے نام سے تحریک چلا رکھی ہے۔ اس طرح سے مسلمانوں کو ان کے دین میں کچا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو اپنی جماعت میں مدغم کرنے کی کوشش میں ہیں اور ان کی کوشش انہیں مسلمانوں میں کامیاب ہوتی ہے جنہیں کفر اور کافر سے نفرت نہیں ہے بعض مسلمان کافروں سے جھینپتے ہیں کہ قرآن میں کافروں سے موالات کرنے کو منع فرمایا ہے اس میں جھینپنے کی کوئی بات نہیں کافر اس پر اعتراض کریں تو ان سے کہیں کہ تم خود بتاؤ کیا تم ہمیں دل سے چاہتے ہو اور ہمارے دین کو اچھا سمجھتے ہو؟ کیا ہمارا وجود تمہیں گوارا ہے؟ وہ اگر صحیح جواب دیں گے تو یہی کہیں گے کہ ہم تمہیں دل سے نہیں چاہتے لہٰذا ان سے کہیں کہ جو تمہارا حال ہے وہی ہمارا طریقہ ہے۔

روافض کا تقیہ اور اس کی تردید: روافض کے دین میں تقیہ کی بہت اہمیت ہے یہ ان کے دین کا بہت بڑا رکن ہے لا ایمان لمن لا تقیۃ لہ ان کا مشہور عقیدہ ہے اور اس پر ان کا عمل بھی ہے انہوں نے اپنے تقیہ کے لئے آیت کے الفاظ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً سے استدلال کیا ہے اول یہ سمجھ لیں کہ روافض کو تقیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں نے جب روافض کو سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے دین کے علاوہ دوسرا دین بنا کر دیا تو اس میں یہ بھی تھا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے خلافت غصب کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل تھے، اس پر مسلمانوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ اگر وہ خلیفہ بلافصل تھے تو انہوں نے حق کا اعلان کیوں نہیں کیا اور ۲۶ سال تک ان حضرات کے مشوروں میں کیوں شریک رہے؟ اور جہادوں میں ان کے ساتھ کیوں شرکت کی اور ان کے پیچھے جمعہ اور عیدین کیوں پڑھتے رہے۔ اور روزانہ جماعتوں میں کیوں حاضر رہے؟ اس پر روافض کو ان کے استادوں یعنی یہودیوں نے یہ نکتہ سمجھا دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کر لیا تھا، یہ تقیہ کا ایسا ہتھیار دشمنوں نے ان کے ہاتھ میں دیا کہ اس کو انہوں نے اپنے دین کا بہت بڑا استون بنا لیا۔ ہر بات میں تقیہ کے ذریعہ گرفت میں آنے سے بچ جاتے ہیں۔ اور اپنے عقیدہ کے خلاف قصداً و ارادۃً بہت سی باتیں کہہ جاتے ہیں اور اس کو بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔ کہاں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا جری اور بہادر بانگ دہل حق کا اعلان کرنے والے اور کہاں روافض کا تقیہ جو عقیدہ کے خلاف کہہ دینے اور مخاطب کو دھوکہ دینے پر مبنی ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ سے دبنے کی کوئی ضرورت نہ تھی وہ حق گو، حق بین، حق شناس صحابی (رضی اللہ عنہ) تھے۔ باطل سے دبنا اور حق کے خلاف زبان نہ کھولنا اہل حق کا شیوہ نہیں۔ بزعم روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل بھی تھے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دب بھی گئے خاتم النبیین ﷺ کا خلیفہ مخلوق سے دب جائے یہ بات اہل ایمان کی سمجھ میں آنے والی نہیں۔

اب دوسرا رخ لیجئے وہ یہ کہ حضرت حسینؓ جب روافض کی دعوت پر کوفہ پہنچے اور وہاں دیکھا کہ ان کے جھوٹے حامی ان سے الگ ہو گئے اور ان کے ساتھ اپنے ہی خاص لوگ مختصر سی تعداد میں رہ گئے تو انہوں نے اظہار حق کے لئے جان دینا اور اپنے اہل بیت کو قتل کروانا مناسب جانا، اگر تقیہ کوئی دین کا کام تھا تو ان کو بطور تقیہ یزید اور ابن زیاد کی بات مان لینا چاہیے تھا، معلوم ہوا کہ روافض کا تقیہ ان کے ائمہ سے بھی ثابت نہیں ہے یہ ایک تراشیدہ عقیدہ ہے اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں قرآن سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور جن کو شیعہ اپنا امام مانتے ہیں ان سے بھی ثابت نہیں اور جو روایات روافض نے تقیہ کے بارے میں اماموں کی طرف منسوب کی ہیں وہ سب جعلی ہیں، شیعہ مؤلفین نے تراشی ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ نے (بقول روافض) تقیہ خوف کی وجہ سے کیا ہو یا بلا خوف، یہ خلیفہ برحق کی شان کے خلاف ہے۔ اندر کچھ ہو اور باہر کچھ یہ امام کی شان کے خلاف ہے۔ روافض کے نزدیک خلیفہ اول کا جو حال ہے وہی بعد کے اماموں کا بھی حال ہے ان کے نزدیک وہ سب تقیہ کرنے والے تھے (العیاذ باللہ) روافض کا جو تقیہ ہے اس کا قرآن کریم سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً میں یہ بتایا ہے کہ کوئی مسلمان کافروں میں پھنس جائے، مثلاً محبوس ہو یا محبوسوں کی طرح سے ہو (جیسے اندھے اپاہج لنگڑے لولے اور بیمار) اور کافر کفر کا کلمہ کہلوانے پر کسی ایسی تکلیف دینے کی دھمکی دیں جو ناقابل برداشت ہو اور وہ جو دھمکی دے رہے ہیں اس پر وہ قادر بھی ہوں تو زبان سے کلمہ کفر کے کہنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ سورہ نحل کی آیت اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ میں اجازت دی ہے۔ لیکن فضیلت اسی میں ہے کہ جان دیدے اور تکلیف اٹھالے اور کفر کا کلمہ زبان پر نہ لائے اور روافض کو قرآن مجید سے استدلال کرنے کا حق کیا ہے وہ تو اسے محرّف مانتے ہیں اور صحیفہ عثمانی مانتے ہیں، جو قرآن ہمارے پاس ہے جس کو ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں اور جس کے بارے میں محفوظ غیر محرف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس سے منکرین قرآن کو استدلال کرنے کا کیا حق ہے۔ ممکن ہے کوئی رافضی یوں کہے کہ ہم تمہیں الزام دینے کے لئے تمہارے قرآن سے استدلال کرتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی جہالت سے اپنے خود تراشیدہ عقیدہ کے لئے آیت کا مطلب جو تم نے تجویز کیا ہے ہم پر حجت نہیں، پھر تمہیں تو پھر بھی تقیہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے اس کی دلیل کے لئے کم از کم حضرت علیؓ کا ایک ارشاد ہی ثابت کر دیجئے جو صحیح سند سے ہو۔ روافض کا بنایا ہوا نہ ہو۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی

آپ فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ گے جو تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان لے گا، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۛۚ

زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس دن ہر شخص اپنے نیک عمل کو حاضر پائے گا

وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ

اور ان کاموں کو بھی پالے گا جو برے تھے اس کی خواہش ہوگی کہ کاش اس کے اور اس دن کے درمیان بہت دور کی مسافت ہوتی، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

اللہ سب جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

تفسیر: پہلے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو سب کچھ معلوم ہے دلوں کا حال چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ اسے وہ سب معلوم ہے، اور اسے ہر چیز پر قدرت بھی ہے۔ جس ذات پاک کے علم وقدرت سے کچھ بھی باہر نہیں اس سے ڈرنا اور اس کے احکام کی پابندی کرنا لازم ہے۔

قیامت کے دن کی پریشانی: پھر قیامت کے دن کا ایک منظر بتایا اور وہ یہ کہ دنیا میں جس شخص نے جو بھی عمل کیا ہوگا خیر ہو یا شر ہو وہ اسے وہاں اپنے سامنے حاضر کیا ہوا پالے گا انسان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش یہ دن نہ ہوتا جس میں اعمال پیش ہوئے، میرے اور اس دن کے درمیان بہت بڑی مسافت حائل ہوتی، لہٰذا اس دن سے پہلے ہی ہر شخص کو اپنے اعمال درست کر لینا اور اعمال صالحہ کی فکر کر لینا لازم ہے۔ برے عمل کا برا انجام ہے پہلی آیت میں وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ فرمایا پھر اس آیت میں بھی اس کا اعادہ فرما کر مکرر نصیحت فرما دی۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، سو اگر وہ اعراض کریں تو بلاشبہ اللہ دوست نہیں رکھتا کافروں کو

اگر اللہ سے محبت ہے تو رسول اللہ کا اتباع کرو

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا ہے، اطاعت فرمانبرداری اور حکم ماننے کو کہتے ہیں اور اتباع اپنے مقتدا کے پیچھے چلنے اور اس کی راہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ جتنی بھی مذہبی قومیں ہیں وہ اللہ کو مانتی ہیں (اگرچہ ماننے کے طریقے مختلف ہیں) اور انہیں یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء ﷺ سے اپنی کتاب میں یہ اعلان کروا دیا کہ محبت صرف دعویٰ کرنے کی چیز نہیں اس کا ایک معیار ہے اور وہ محبت معتبر ہے جو محبوب کی مرضی کے مطابق ہو اس محبت کا معیار جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کیا جائے آپ نے جو کچھ بتایا ہے اور جو کچھ کر کے دکھایا اسے اختیار کریں اور اسے عمل میں لائیں، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہوگی۔ اور یہ محبت دنیا اور آخرت میں خیر وخوبی کا ذریعہ بنے گی۔ اتباع کے ساتھ اطاعت کا بھی حکم دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، ان دونوں اطاعتوں سے اعراض کرنے والے کو کافر قرار دیا اور فرمایا کہ اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ فرمانبرداری عقائد میں بھی ہے اور ارکانِ دین میں بھی فرائض میں بھی اور

واجبات میں بھی، عقائد اسلامیہ سے اعراض کرنا تو کفر ہے ہی.........فرائض کی فرضیت کا انکار بھی کفر ہے، اگر کسی کے عقائد صحیح ہوں اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہو اور فرائض کو فرائض مانتا ہو تو ترک فرائض کی وجہ سے اس کا کفر اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہوگا۔

محبت کے دعویداروں کو تنبیہ: جو لوگ دین اسلام قبول نہیں کرتے اور اللہ سے محبت کرنے کے دعویدار ہیں ان کے لئے تو آیت شریفہ میں تنبیہ ہے ہی کہ جب تک محبوب رب العالمین خاتم النبیین ﷺ کی دعوت پر لبیک نہ کہو گے ان کی دعوت اور ان کا دین قبول نہ کرو گے اللہ سے محبت کرنے والوں میں اللہ کے نزدیک شمار نہ ہوگے اور تمہاری محبت اور محبت کا دعویٰ سب ضائع ہے بیکار ہے اور اکارت ہے، ساتھ ہی ان مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے جو اللہ سے محبت کے بھی دعویدار ہیں اور نبی کریم ﷺ کی محبت کا بھی بڑھ چڑھ کر دعوے کرتے ہیں لیکن نبی اکرم ﷺ کے اتباع اور اطاعت سے دور ہیں کاروبار بھی حرام ہے پھر بھی اللہ و رسول سے محبت ہے داڑھی منڈی ہوئی ہے پھر بھی محبت کا دعویٰ ہے۔ لباس نصرانیوں کا ہے پھر بھی مدعیان محبت ہیں ملکوں کو کافروں کے قوانین کے مطابق چلاتے ہیں پھر بھی محبت کرنے والے ہیں، یہ محبت نہیں محبت کا دھوکہ ہے اور جھوٹا دعویٰ ہے۔

منکرین حدیث کی تردید: ساٹھ ستر سال سے ایک گروہ ایسا نکلا ہے جو عمل بالقرآن کا مدعی ہے یہ لوگ اطاعت رسول اور اتباع رسول کو دین کا جز نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو رسول کے ذریعہ آئی ہے اور رسول کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے کتاب کو ہم سمجھ لیں گے جیسا مکتوب الیہ اپنے نام کا خط خود پڑھ لیتا ہے رسول کو بیچ میں ڈالنے اور اس کے سمجھانے اور تفسیر کرنے کی کیا ضرورت؟ العیاذ باللہ یہ لوگ ان تمام آیات کے منکر ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے سورہ نحل میں فرمایا: وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ اور ہم نے آپ کی طرف ذکر کو نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان فرمائیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور تاکہ لوگ فکر کریں اور سورہ نساء میں فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ (بیشک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے آپ کو سمجھایا) معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کا بیان کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کا کام ہے ان سے ہٹ کر جو سمجھنے کا ارادہ کرے گا وہ اللہ کی کتاب سے دور ہوگا، عامل بالقرآن نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنے نفس کی ذاتی رائے پر چلنے والا ہوگا۔ سورہ اعراف میں رسول اللہ ﷺ کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا، یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ کہ وہ لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ تحریم و تحلیل کا کام بھی رسول اللہ ﷺ کو سپرد کئے ہوئے کاموں میں سے ہے۔

حدیث کو چھوڑ کر عمل بالقرآن کے مدعی درحقیقت نفس کی آزادی چاہتے ہیں اور اتباع رسول اور اطاعت رسول کے انکار کی لپیٹ میں انکار قرآن بھی مضمر ہے اور یہ لوگ عجمی سازش کا شکار ہیں اپنے عجمی استادوں یعنی یورپ اور

امریکہ کے یہود ونصاریٰ کے اشاروں سے گمراہی اور زندقہ پھیلا رہے ہیں اگر قرآن کے ماننے والے ہوتے تو بحکم قرآن رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو لازم قرار دیتے اور احادیث شریفہ پر عمل کرنے کی تلقین کرتے۔

قرآن کے بارے میں قرآن ہی کا بیان معتبر ہے قرآن نے تو یہ نہیں فرمایا کہ میری حیثیت ایک ذاتی خط کی ہے قرآن تو اپنے بارے میں هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سارے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ اور چونکہ عقل انسانی ہدایت پانے کے لئے ناکافی ہے (اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی) اور اللہ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو مُبینِ قرآن اور مفسرِ قرآن بنا کر بھیجا اور آپ کے اتباع کا حکم دیا اس لئے آپ کی تشریحات وتعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہونا لازم ہے اگر کتاب اللہ کے معانی ومفاہیم ہر شخص کی سمجھ کے مطابق تسلیم کر لئے جائیں تو ہر آیت کے معانی سینکڑوں طرح کے تجویز کر دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب عقلمندی کے جھوٹے دعویداروں کا کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ **اعاذنا اللہ من خرافاتها۔**

ان جاہلوں کو اپنے خیال میں قرآن سے عقیدت ہے لیکن قرآن کے نازل فرمانے والے کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنانے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے وہ خالق ومالک ہے اسے سب کچھ اختیار ہے۔ اگر اس نے کتاب نازل فرما کر رسول اللہ ﷺ کے ذمہ اس کی تشریح وتفسیر عائد فرما دی اور بہت سے احکام آپ کی زبانی بیان کروا دیئے تو اس سے ناگواری کیوں ہے؟

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا

بے شک اللہ نے منتخب فرمالیا آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آل عمران کو سارے جہانوں پر۔ بعض ان میں بعض کی اولاد ہیں،

مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جب عرض کیا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے رب بے شک میں نے آپ کے لئے نذر مان لی

لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾

کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ آزاد ہوگا لہٰذا آپ اس کو مجھ سے قبول فرمایئے، بے شک آپ ہی ہیں سننے والے جاننے والے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ

پس جب اس کو جنا تو کہنے لگیں اے میرے رب بلاشبہ میں نے اس کو لڑکی جنا ہے، اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا، اور نہیں ہے

الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

بیٹا بیٹی کی طرح سے، اور میں نے اس کا نام رکھ دیا ہے مریم اور بے شک میں اس کو اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان

الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا

مردود سے، سو اس کے رب نے قبول فرمالیا اس بچی کو اچھی طرح کا قبول فرمانا اور اس کو بڑھایا اچھی طرح کا بڑھانا اور اس کو زکریا کی کفالت میں دے دیا۔ جب کبھی

دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ
زکریا داخل ہوئے ان پر محراب میں تو پایا ان کے پاس رزق، تو انہوں نے کہا کہ اے مریم کہاں سے ہے یہ تیرے لئے۔ انہوں نے کہا کہ
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب

حضرت مریم کی والدہ کی نذر، اوران کی ولادت اور کفالت کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کو اور حضرت ابراہیم اور جناب عمران کی آل واولاد کو سارے جہانوں پر فضیلت دی اور ان کو منتخب فرمالیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بعض بعض کی اولاد ہیں آدم علیہ السلام تو سب کے باپ ہیں ہی پھر نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل اور عمران اور آلِ عمران سب ہی نسل درنسل آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی پیغمبر بنایا اور آئندہ جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے۔ جن میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہیں اور آل عمران بھی ان ہی کی نسل میں سے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے تھے۔ اور یہ عمران کی بیٹی تھیں یہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کے علاوہ دوسرے عمران ہیں۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۴۶: ج ۱ میں لکھا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ۱۸۰۰ سال کا فاصلہ تھا۔ پھر مریم علیہا السلام کی والدہ عمران کی بیوی کی نذر کا تذکرہ فرمایا انہوں نے نذر مانی تھی کہ اے میرے رب میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے اس کو آزاد چھوڑنے کی منت مان لی اور آزاد چھوڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اس کو صرف بیت المقدس کی خدمت کے لئے فارغ رکھوں گی دنیا کا کوئی کام نہیں لوں گی۔ مسجد کی خدمت کرنے والے مرد ہوتے تھے اب ہوا یہ کہ جس حمل کے بچہ کو آزاد چھوڑنے کی منت مانی تھی۔ جب اس حمل کی پیدائش ہوئی تو لڑکا نہ تھا بلکہ لڑکی تھی۔ عمران کی بیوی افسوس کرنے لگیں اور کہنے لگیں کہ اے میرے رب میرے تو لڑکی پیدا ہوگئی۔ لڑکی بیت المقدس کی خدمت گذار کیسے بنے گی۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی تھا کہ اس نے کیا جنا لیکن انہوں نے بطور حسرت کے اللہ پاک سے یوں خطاب کیا۔ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى اور اپنی حسرت کو دوسرے الفاظ میں یوں دہرایا۔ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى کہ لڑکا لڑکی کی طرح سے نہیں ہے۔ اس عبارت کو بعض علماء نے مبالغۂ قلب پر محمول کیا ہے اور علامہ بیضاوی نے اول تو دونوں لام عہد کے لئے بنائے ہیں پھر یہ تفسیر کی ہے۔ اَیْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ الَّذِیْ طلبت كالانثیٰ التی وهبت اور پھر لکھا ہے۔ ویجوزان یکون من قولها بمعنی ولیس الذکر کالانثی سیّئا فیما نذرت فیکون الام للجنس (یعنی اور وہ لڑکا جو میں نے طلب کیا وہ اس لڑکی جیسا نہیں جو مجھے دی گئی۔ اور یہ بھی ہوسکتا کہ آپ کے اس قول کا یہ معنی ہو کہ لڑکا اور لڑکی اس عمل میں برابر نہیں جس کی میں نے منت مانی پس لام جنس کے لئے ہے) مطلب یہ ہے کہ لڑکا لڑکی فی الحقیقت برابر نہیں ہیں۔ لڑکی وہ کام نہیں کرسکتی جو لڑکا کرسکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ ولیس الذکر کالانثی حضرت مریم کی والدہ کا

قول نہیں ہے بلکہ یہ جملہ معترضہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جولڑکی انہوں نے جنی ہے لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں ہوسکتا تھا جو انہوں نے طلب کیا تھا بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کیونکہ اس کے کمالات و برکات عجیب وغریب ہوں گے یہ معنی لینے سے تشبیہ مقلوب کا احتمال ختم ہوجاتا ہے۔

عمران کی بیوی نے لڑکا پیدا نہ ہونے کا افسوس ظاہر کرنے کے بعد کہاوَاِنِّی سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ کہ میں نے اس بچی کا نام مریم رکھ دیا پھر یوں کہاوَاِنِّیٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (کہ میں اس لڑکی اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے) صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چھوتا ہے جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ سو وہ اس کے چھونے سے چیختا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے (کہ وہ ان کو نہیں چھوسکا) بعض روایات میں ہے کہ شیطان اپنی انگلی سے کچوکا دیتا ہے اسی لئے بچہ چیخ پڑتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے کہ وہ ان دونوں تک نہیں پہنچ سکا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پردے میں انگلی مار کر چلا گیا (روح المعانی ص ۱۳۷: ج ۱)

حضرت مریم کا نشوونما اور حضرت زکریا کی کفالت:

حضرت مریم کی والدہ کا قول ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایافَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ کَفَّلَهَا زَکَرِیَّا کہ اس کے رب نے اس بچی کو قبول فرما لیا، نذر کو ہدیہ سے تشبیہ دی۔ اور ان کے نذر سے راضی ہونے کو قبول کرنے سے تعبیر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور بہت خوبی کے ساتھ قبول فرمایا علماء تفسیر نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت مریمؑ پیدا ہوگئیں تو ان کی والدہ جن کا نام حنہ تھا ان کو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے گئیں اور وہاں جو عبادت میں مشغول رہنے والے حضرات مقیم تھے ان کے سامنے رکھ دیا (اور پوری کیفیت بتادی کہ میری یہ نذر تھی اور لڑکی پیدا ہوئی ہے) زمانہ حمل میں لڑکی کے والد جناب عمران کی وفات ہو چکی تھی وہ وہاں کے امام بھی تھے۔ وہ ہوتے تو پرورش کے زیادہ مستحق تھے۔ مریم کی والدہ نے مریم (عابدہ) نام رکھا جس میں یہ اشارہ ہے کہ میں اپنی نذر پر اب بھی قائم ہوں۔ خدمت کے لئے نہیں تو عبادت ہی کے لئے سہی اسی نذر کی وجہ سے وہ بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں۔ (روح المعانی و بیان القرآن)

ان حضرات نے بچی کی کفالت کے سلسلے میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں انہیں حضرات میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے جو ان سب کے سردار تھے انہوں نے فرمایا کہ میں اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اس لئے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے وہ حضرات کہنے لگے کہ ہم سب آپس میں قرعہ ڈالیں گے جس کا نام نکل آیا وہی زیادہ حقدار ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قلم منگوائے اور ان کو جمع کر کے ڈھانک دیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک نابالغ بچے سے فرمایا کہ تو ہاتھ ڈال کر ایک قلم نکال لے اس نے نکالا تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم نکل آیا۔ لہٰذا انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ (اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ چند صفحات کے بعد آئے گی)

حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں مریم علیہا السلام رہنے لگیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نشوونما خوب اچھے طریقہ سے کیا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو علیحدہ ایک محراب میں رکھ چھوڑا تھا۔ محراب سے کیا مراد ہے اس کے

بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں ایک کمرہ ان کے لئے مخصوص کر دیا تھا یہ کمرہ بلندی پر تھا۔ جس میں زینہ سے چڑھتے تھے اور بعض حضرات نے محراب سے مطلق مسجد مراد لی ہے اور بعض حضرات نے محراب کا معروف معنی مراد لیا ہے۔

حضرت مریم کے پاس غیب سے پھل آنا: بہر حال وہ بیت المقدس میں رہتی رہیں اور نشو و نما ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی طور پر ان کو پھل ملتے رہے، گرمی کے پھل سردی کے زمانہ میں اور سردی کے پھل گرمی کے زمانہ میں ان کے پاس ملتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان کا بہت دھیان رکھتے تھے۔ اور ان کے سوا کوئی شخص حضرت مریم علیہا السلام کے پاس نہیں جاسکتا تھا جب وہ ان کے پاس جاتے تو دیکھتے تھے کہ غیر موسم کے پھل رکھے ہوئے ہیں اول تو دروازہ بند ہوتے ہوئے اندر پھلوں کا پہنچ جانا پھر غیر موسم کے پھل ہونا۔ یہ دونوں باتیں بڑے تعجب کی تھیں حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے سوال فرمایا کہ یہ پھل کہاں سے آئے انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ اس آیت سے کرامات اولیاء کا ثبوت ہوتا ہے (روح المعانی)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾
اس موقعہ پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے رب مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دیجئے بلاشبہ آپ دعا سننے والے ہیں،
فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا
پس فرشتوں نے ان کو آواز دی اس حالت میں کہ وہ کھڑے ہوئے محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بلاشبہ اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے
بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ
وہ اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں سے دور رہنے والا ہوگا۔ اور نبی ہوگا صالحین میں سے وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب کہاں سے ہوگا
لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ
میرے لڑکا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ وہ کہنے لگے کہ
رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ
اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا مگر صرف اشارہ سے، اور یاد کر اپنے رب کو
كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾
کثرت کے ساتھ اور اللہ کی پاکی بیان کر شام اور صبح

اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء

تفسیر: حضرت زکریا علیہ السلام خوب زیادہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کے کوئی اولاد نہ تھی جو دینی علوم اور

اعمال میں ان کی وارث بنے جیسا کہ سورہ مریم میں ذکر فرمایا قَالَ رَبِّ اِنِّی وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْباً وَّلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیاً وَاِنِّی خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِی وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِراً فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا، یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار (میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی اور آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دے دیجئے کہ وہ میرا وارث بنے اور یعقوب کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے رب پسندیدہ بنائیے)

حضرت یحییٰ کی پیدائش کی خوشخبری: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور فرشتوں کے ذریعے ان کو خوشخبری بھیجی کہ تمہارے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام یحییٰ ہوگا یہ لڑکا اللہ کے کلمہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔اور یہ لڑکا سردار ہوگا (صاحب روح المعانی نے متعدد علما کرام سے سیداً کے متعدد معانی نقل کئے ہیں، الکریم، الحلیم ، الحسن، الخلق، الشریف، الفقیه العالم، الراضی بقضاء الله تعالیٰ ، الخلیل، المتوکل العظیم الهمة، الذی لا یحسد، الذی یفوق بالخیر قومه، (سخی، بردبار، خوش خُلق، شریف، عالم فقیہ، اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہنے والا، اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ، توکل والا، عظیم ہمت والا، جس پر حسد نہیں کیا جاسکتا۔ جو بھلائی میں اپنی پوری قوم سے بڑھ کر ہو) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ سب معانی یحییٰ علیہ السلام کی شان کے لائق ہیں مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ سید کے اصل معنی یہ ہیں کہ جو اپنی قوم کا سردار ہو اور اس کے اتباع ہوں پھر ہر اس شخص کے لئے اسی کا اطلاق ہونے لگا جو دین میں یا دنیا میں دوسروں پر فائق ہو۔)

حصور کا معنیٰ: حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف میں حصور بھی فرمایا اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں معناه الذی لا یاتی النساء مع القدرة علیٰ ذلک یعنی حصور وہ ہے جو قدرت ہوتے ہوئے عورتوں سے شہوانی حاجت پوری نہ کرے اور نفس کی خواہش کے باوجود صبر کرتا رہے۔ بعض حضرات نے فرمایا اس سے ہر طرح کی مباح اور حلال خواہشوں سے بچنا مراد ہے۔ نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات بتاتے ہوئے نبیّ من الصالحین بھی فرمایا کہ یہ بچہ جس کی پیدائش کی بشارت دی جارہی ہے نبی ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا۔

صالحین کا مصداق: صالح صلاح سے مشتق ہے جو شخص گناہوں سے بچتا ہو اور نیکیوں سے آراستہ ہو اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع رکھتا ہو وہ صالح ہے اور اس کے بہت سے درجات ہیں اور مراتب ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے اونچے درجے کے صالحین ہیں کیونکہ وہ معصوم تھے ان کے بعد دوسرے صالحین کے درجات ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ اور سورہ انبیاء میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا وَاَدْخَلْنَا هُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ بے شک وہ صالحین میں سے تھے) معلوم ہوا کہ صالحیت بہت بڑی بلکہ اہل خیر کی مرکزی صفت ہے۔ صالح ہونا بہت بڑی چیز ہے۔ آجکل کوئی شخص بزرگ مشہور ہو اس کے مریدوں کے سامنے کوئی کہہ دے کہ ان کے پیر صالح آدمی ہیں تو وہ برا ماننے لگا کہ واہ صاحب ہمارے حضرت بس صرف صالح ہیں وہ تو شمس العارفین ہیں اور قطب الاقطاب

4 ہیں حالانکہ کسی کے بارے میں صالح ہونے کی گواہی بہت بڑی گواہی ہے کیونکہ یہ مقبولین بارگاہ الٰہی کی مرکزی صفت ہے۔

حضرت زکریا کو استعجاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب: جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ملنے کی خوشخبری مل گئی اور بیٹے کی صفات بھی معلوم ہوگئیں تو بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے کہ میرے لڑکا کہاں سے ہوگا میں تو بوڑھا ہو چکا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے تو دعا ہی میں عرض کردیا تھا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اور اللہ کی قدرت پر بھروسہ کرتے ہوئے انہوں نے دعا کی تھی اب جب دعا قبول ہوگئی تو تعجب کیوں کررہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرات مفسرین کرام نے کئی باتیں لکھی ہیں اول یہ کہ ان کا سوال حصولِ ولد کی کیفیت سے تھا کہ مجھے اسی عورت سے اولاد عطا ہوگی یا دوسری کوئی جوان عورت سے نکاح کرنا ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ تعجب بشریت کے فطری تقاضے کے اعتبار سے ان کی زبان سے ظاہر ہوگیا۔ قدرتِ الٰہی کو کامل جانتے ہوئے بھی اس قسم کے مواقع پر انسان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔ سوم بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ غایت اشتیاق کی وجہ سے انہوں نے سوال کیا تا کہ خدائے پاک کی طرف سے دوبارہ بشارت کا اعادہ ہو۔ اور قلبی لذت میں اضافہ ہوجائے۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے تعجب خیز انداز میں یہ کہا کہ اے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ حالانکہ مجھ کو بڑھاپا پہنچ گیا اور میری عورت بانجھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا **کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ** یعنی تمہارا بڑھاپا ہوتے ہوئے ہی اولاد ہوجائے گی اللہ جو چاہے کرے اسے اختیار ہے، خلاف عادت افعال عجیبہ پر اس کو پوری طرح قدرت ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ **کَذٰلِکَ** مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی **الامر کذلک** اور **اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ** کو اس کا بیان قرار دیا ہے۔

جب دوبارہ بشارت مل گئی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی نشانی مقرر فرمادیجئے کہ جس سے مجھے پتہ چل جائے کہ استقرارِ حمل ہو چکا۔ یہ اس لئے عرض کیا کہ خوشی کی ابتداء ابتداءِ حمل ہی سے ہوجائے اور اللہ کی نعمت کا شکر مزید در مزید ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے لئے یہ نشانی مقرر فرمادی کہ تم تین دن تین رات تک لوگوں سے بات نہ کرسکو گے تین دن کا ذکر تو یہیں اسی آیت میں موجود ہے۔ اور تین رات کا ذکر سورہ مریم میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم لوگوں سے بول ہی نہ سکو گے البتہ ہاتھ کا یا سر کا اشارہ کرکے بات کرسکو گے زبان سے بات کرنے پر قدرت نہ ہوگی اللہ کے ذکر پر تم کو قدرت ہوگی۔ اور اپنے رب کا ذکر خوب زیادہ کرنا۔ صبح شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اوقات نماز کی پابندی مراد ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صبح شام کنایہ ہے جمیع اوقات سے مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے رہنا۔

سورہ انبیاء اور سورہ مریم میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ سورہ مریم میں کچھ مضمون زائد ہے۔ پہلے رکوع کے ختم پر دیکھ لیا جائے اور سورہ انبیاء میں فرمایا **فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ** کہ ہم نے زکریا کی دعا قبول کی اور ان کو یحیٰی (بیٹا) عطا فرمادیا اور اس کی بیوی کو درست کردیا یعنی

ولادت کے قابل بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ خالق الاسباب اور خالق المسببات ہے۔ وہ اسباب بھی پیدا فرماتا ہے اور اسباب کے بغیر بھی اسے ہر چیز کی تخلیق پر قدرت ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات میں جو لفظ حَصُوْراً وارد ہوا ہے (عورتوں سے پرہیز کرنے والا) اس سے حضرات شوافع نے اپنے مذہب کے لئے استدلال کیا ہے کہ نکاح نہ کرنا افضل ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا سنت ہے اور نفس کا تقاضا زیادہ ہو تو نکاح کرنا واجب ہے۔ احادیث شریفہ سے یہ امر بخوبی واضح ہے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کی قدرت ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ وہ نظر کو پست رکھنے کا ذریعہ ہے اور شرم کی جگہ کو پاک رکھنے والی چیز ہے، اور جسے نکاح کی قدرت نہ ہو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزوں سے اس کی قوت شہوانیہ دب جائے گی۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے تبتل یعنی نکاح نہ کرنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات کو رد فرما دیا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۷ از بخاری و مسلم)

نکاح نہ کرنا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی۔ عام طور سے حضرات انبیاء علیہم السلام نکاح کرتے رہے۔ سورہ رعد میں فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَھُمْ اَزْوَاجاً وَّذُرِّیَّۃً (اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لیے بیویاں مقرر کیں اور اولاد عطا کی) سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کے طریقوں میں سے ہیں شرم والا ہونا۔ عطر لگانا۔ مسواک کرنا۔ نکاح کرنا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ

اور جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ نے تجھے منتخب فرما لیا اور پاک بنا دیا اور سب جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں تم کو چن لیا

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم تم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

فرشتوں کا حضرت مریم کو بتانا کہ اللہ نے تمہیں چن لیا ہے

تفسیر: اس سے پہلے رکوع کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ آل عمران کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرما لیا پھر اسی ذیل میں حضرت مریم کی پیدائش اور نشو و نما اور حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کا پیدا ہونا بیان فرمایا اب اسی سلسلہ کے تتمہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ حضرت مریم کا منتخب فرمانا پھر ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دینا اور ان کو رسالت سے سرفراز فرمانا اور ان کے بعض معجزات کا ذکر فرمانا۔ یہ باتیں اس رکوع میں مذکور ہیں۔ اِصْطَفٰکِ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اختارک من اول الامر و لطف بک و میزک علی کل محرر و خصک بالکرامات السنیۃ یعنی شروع ہی سے اللہ نے تجھے چن لیا اور تیرے ساتھ مہربانی فرمائی اور تجھے ان تمام لڑکوں پر امتیاز

بخشا جن کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کیا جاتا ہے اور بڑی بڑی کرامات کے ساتھ تجھے مخصوص فرمایا، اور طَھَّرَکِ کے بارے میں لکھتے ہیں ای من الادناس والاقذار التی تعرض للنساء مثل الحیض والنفاس حتی صرت صالحة لخدمة المسجد یعنی اللہ نے تجھے ان گندگیوں سے پاک فرمایا جو عورتوں کو پیش آ جاتی ہیں۔ جیسے حیض اور نفاس یہاں تک کہ تو مسجد کی خدمت کے لائق ہوگئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ طھرک بالایمان عن الکفر وبالطاعة عن المعصیة یعنی تجھے ایمان دیا اور کفر سے پاک رکھا اور طاعت میں لگایا اور گناہوں سے پاک رکھا اور بعض حضرات نے اس کا مطلب بتاتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ نَزَّھَکَ عَنِ الْاَخْلَاقِ الذَّمِیْمَةِ وَالطِّبَاعِ الرَّدِیَّةِ یعنی تجھے برے اخلاق سے اور بری طبیعتوں سے پاک صاف کر دیا۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ عموم پر محمول کیا جائے اور مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی گندگیوں سے تجھے اللہ نے پاک کر دیا۔ اقذارِ حسیه معنویه قلبیه قالبیه سب سے صاف اور ستھری بنا دیا۔

حضرت مریم کی فضیلت: پھر فرمایا وَاصْطَفَاکِ عَلیٰ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ اور تجھے جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمالیا عموم الفاظ کے پیش نظر بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں پر حضرت مریم کو فضیلت دی گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ان کے اپنے زمانہ کی عورتیں مراد ہیں۔

روایات حدیث میں حضرت مریم بنت عمران حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور حضرت خدیجہ بنت خویلد (رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی اہلیہ) اور حضرت فاطمہ بنت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ان فضائل کی وجہ سے بعض حضرات نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور بعض حضرات نے توقف کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان کے فضائل مختلف جہات سے ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت: حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کا جگر گوشہ تھیں اس حیثیت سے ان کو سب پر فضیلت حاصل ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔ مجھے وہ چیز ناگوار ہوتی ہے جو اسے ناگوار ہو۔ اور وہ چیز مجھے ایذا دیتی ہے جو اسے ایذا دے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۶۸ از بخاری و مسلم) نیز صحیح بخاری صفحہ ۵۱۲: ج۱ میں ہے کہ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت فاطمہ سے فرمایا اما ترضین ان تکونی سیدة نساء اهل الجنة او نساء المومنین (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جنّت والی عورتوں کی سردار ہوگی یا یوں فرمایا کہ مومنین کی عورتوں کی سردار ہوگی)

حضرت خدیجہؓ کی فضیلت: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس اعتبار سے افضل ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی بیوی ہیں اور ....سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا اور اپنا مال رسول اللہ ﷺ پر اور دین اسلام کی خدمت میں پوری طرح لگا دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغْنیٰ اس کی تفسیر میں علماء لکھتے ہیں اَی بمالِ خدیجةَ (یعنی اللہ نے آپ کو بے پیسے والا پایا سو آپ کو خدیجہ کے مال کے ذریعہ مال والا بنا دیا)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت: حضرت عائشہؓ کی فضیلت اس اعتبار سے دوسری تمام عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد انہوں نے آپ کے علوم کو تمام بیویوں سے زیادہ پھیلایا احکام و مسائل بتادئیے بہت بھاری تعداد میں ان کے شاگرد تھے جنہوں نے ان سے علوم حاصل کئے الاصابہ صفحہ ۲۶۰: ج ۴ میں ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں اور سب لوگوں سے زیادہ عالم تھیں۔ اور حضرت ابوموسیٰ ؓ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی مشکل معاملہ در پیش ہوا تو ہم نے عائشہؓ کے پاس ضرور اس کے بارے میں علم پایا۔ یہ تو حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن کی فضیلتیں ہیں جو مختلف جہات سے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ ان کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کے لئے بطور خادم مقرر کیا اور حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت کی اور ان کے پاس غیب سے رزق آیا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں۔

حضرت آسیہ کی فضیلت: اور حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے اس ماحول میں اسلام قبول کیا جبکہ فرعون ایمان قبول کرنے والوں کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ زمین پر لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بطور مثال اہل ایمان کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ تحریم میں یوں ان کا ذکر فرمایا: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ نے بیان فرمایا مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات دیجئے اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے نجات دیجئے)

صحیح بخاری صفحہ ۵۳۲: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مردوں میں بہت لوگ کامل ہوئے اور عورتوں میں کامل نہیں ہیں مگر مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت ہے ثرید کی باقی تمام کھانوں پر۔

بہر حال ان پانچوں خواتین کی فضیلت بہت زیادہ ہے جو روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کلی فضیلت کس کو حاصل ہے۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کی تفسیر: حضرت مریم علیہا السلام کے انتخاب اور اصطفاء کا ذکر فرمانے کے بعد اس بات کا ذکر فرمایا کہ فرشتوں نے ان سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی فرمانبرداری کرنے اور رکوع سجدہ کرنے کے لئے کہا اس میں سجدہ کا ذکر رکوع سے پہلے ہے اس کی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پہلی امتوں میں سجدہ رکوع سے پہلے کیا جاتا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ واو ترتیب کے لئے نہیں مطلق جمع کے لئے ہے پہلی امتوں میں بھی رکوع سجدہ سے پہلے ہی تھا۔ رکوع کے ذکر کے ساتھ مع الراکعین بھی فرمایا اس کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ بعض یہود نے نماز میں رکوع چھوڑ دیا تھا جیسے بعضے ہم میں قومہ چھوڑ دیتے ہیں اور بعضے رکوع کرتے تھے اس لیے حکم فرمایا کہ نماز کے طریقہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا جو رکوع بھی کیا کرتے ہیں پس مقصود اہتمام ہے

رکوع کا میں کہتا ہوں کہ اگر یہ امر منقول کسی کے نزدیک ثابت نہ ہو تو عمدہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فرائض صلوٰۃ میں قیام و سجود کی ہیئت میں عادۃً خلل کم ہو سکتا ہے بخلاف رکوع کے کہ اس کی ہیئت میں خلل زیادہ محتمل ہوتا ہے جیسا کہ اکثر مشاہدہ ہے کہ رکوع میں لوگ کم جھکتے ہیں جس سے وہ اقرب الی القیام رہتا ہے اور کیونکہ اس ہیئت میں معاینہ کو ایک خاص دخل ہے اس لئے مع الراکعین بڑھا دیا کہ جس طرح سے کامل راکعین کیا کرتے ہیں۔ ویسے ہی کرنا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب کہ وہ ڈال رہے تھے اپنی قلموں کو کہ ان میں کون

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝

مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جس وقت کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔

نبوتِ محمدیہ پر واضح دلیل

تفسیر: ابھی حضرت مریم علیہا السلام سے متعلق بعض چیزوں کا بیان باقی ہے۔ جو اس آیت کے بعد آنے والا ہے۔ درمیان میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلا دی اس میں بظاہر خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن مضمون یہودیوں کو یاد دہانی سے متعلق ہے یہودیوں کے سامنے بار بار ایسی چیزیں آتی تھیں جن سے یہ یقین ہو جاتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی آخر الزمان آپ ہی ہیں جن کی خوشخبری ان کی کتاب میں دی گئی تھی لیکن وہ ضد و عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے خود ان کے اپنے آباؤ اجداد سے متعلق واقعات جو وہ جانتے تھے قرآن مجید میں وہ بھی بیان کئے گئے اور سب کو یہ بھی معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ امی ہیں کتابیں نہیں پڑھیں۔ اور علماء یہود کے پاس رہنا بھی نہیں ہوا۔ لامحالہ یہودیوں کے آباؤ اجداد سے متعلق واقعات ضرور وحی کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ لیکن جسے ہدایت پر آنا ہی نہ ہو وہ کسی بھی بات سے ہدایت و عبرت حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت مریم کی والدہ کا نذر ماننا پھر حضرت مریم کا پیدا ہونا پھر حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں نشو و نما ہونا ان کے پاس غیب سے رزق آنا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا دعا کرنا اور ان کے ہاں بیٹا پیدا ہونا۔ حضرت مریم کو فرشتوں کا خطاب کرنا یہ سب امور غیب کی باتیں ہیں جنہیں سرور عالم ﷺ نزول قرآن سے پہلے نہیں جانتے تھے ان چیزوں کا علم آپ کو صرف وحی کے ذریعہ ہوا۔ اور یہ آپ کے معجزات واضحہ میں سے ہے آیت بالا میں یہودیوں کو توجہ دلائی کہ دیکھو یہ خبریں محمد رسول اللہ ﷺ کو کہاں سے معلوم ہوئیں جو تمہارے آباء و اجداد سے متعلق ہیں اور جنہیں تم جانتے اور پہچانتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان کا ذریعہ صرف وحی ہے لہٰذا حق کو قبول کرو۔

حضرت مریم کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی: مذکورہ خبروں کے تذکرہ کے علاوہ ایک اور بات کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے کر آئیں تو آپس میں ان کی کفالت کے سلسلے میں وہاں کے حاضرین و عابدین آپس میں جھگڑنے لگے ہر ایک کہتا تھا کہ مجھے ان کی کفالت کی سعادت نصیب ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا استحقاق ظاہر فرمایا کہ اس بچی کی خالہ میرے گھر میں ہے اس کی تربیت کا حق مجھے زیادہ پہنچتا ہے لیکن وہ لوگ نہ مانے اور کہنے لگے کہ ہم قرعہ ڈالیں گے جس کا نام نکلے گا اسی کو استحقاق کفالت ہوگا۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۹۶: ج ا میں لکھا ہے کہ یہ حضرات ۲۹ افراد تھے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ سب لوگ پانی میں قلم ڈالیں جس کا قلم چڑھ جائے وہ زیادہ مستحق ہوگا یہ لوگ نہر اردن پر پہنچے اور اس میں اپنے اپنے قلم ڈالے ہر ایک قلم پر صاحب قلم کا نام لکھا ہوا تھا سب کے قلم پانی میں بیٹھ گئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پانی میں بہہ گئے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی پر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسا کہ مٹی میں کھڑا ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ نہیں گیا بلکہ پانی کے اوپر الٹا ادھر ہی کو چلا گیا جس طرف سے پانی آ رہا تھا۔ بہر حال حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا اور مجبوراً سب کو ان کا استحقاق ماننا پڑا یہ واقعہ بھی یہودیوں میں معروف و مشہور تھا۔ قرآن کریم نے اس کا اجمالی تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (کہ آپ ان کے پاس نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلموں کو ڈال رہے تھے) وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (اور آپ ان کے سامنے نہیں تھے جبکہ وہ جھگڑ رہے تھے) اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ یہ واقعہ بتایا یہ بھی آپ کے معجزات میں سے ہے۔ مخاطبین بصیرت سے کام لیں اور ضد اور عناد اختیار نہ کریں تو یہ بھی ان کی ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قال صاحب الروح ص ۱۵۸: ج ۳ قوله تعالىٰ من انباء الغيب اى من اخبار ما غاب عنك و عن قومك مما لا يعرف الا بالوحى على ما يشير اليه المقام و قال القرطبى ص ۸۵: ج ۴ فيه دلالة على نبوة محمد ﷺ حيث اخبر عن قصة زكريا و مريم و لم يكن قرا الكتب و اخبر عن ذلك و صدقه اهل الكتاب بذلك (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد من انباء الغيب: سے مراد یہ ہے کہ وہ خبریں جو کہ خود آپ ﷺ سے بھی غیب ہے اور آپ کی قوم سے بھی غائب جو کہ وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ مقام اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس میں حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زکریا اور حضرت مریم کے قصہ کی خبر دی۔ حالانکہ آپ ﷺ نے کوئی کتاب دی اور اس کی خبر دی اور آپ ﷺ کے بیان کئے ہوئے ان قصوں میں اہل کتاب نے بھی آپ ﷺ کی تصدیق کی۔)

فائدہ: قرعہ ڈالنا امت محمدیہ میں بھی مشروع ہے اس کے مواقع کتب فقہ میں مذکور ہیں کتاب القسمۃ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لیتے تھے جس کا نام نکل آتا تھا اسے ساتھ لے جاتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ

جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا اس کا نام مسیح ہوگا وہ عیسیٰ ابن

مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا

مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں باوجاہت ہوگا اور مقربین میں سے ہوگا اور وہ لوگوں سے بات کرے گا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں

وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

اور وہ صالحین میں سے ہوگا وہ کہنے لگیں کہ اے رب میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا فرمایا اللہ اسی طرح

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾

پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرما دے تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مریم کو حضرت مسیح عیسیٰ کی پیدائش کی خوشخبری

تفسیر: ان آیات میں اس بات کو ذکر فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹا ہونے کی خوشخبری دی۔ بیٹے کا نام مسیح ہوگا جو عیسیٰ ابن مریم ہوگا اور یہ بتایا کہ یہ بیٹا من جانب اللہ ایک کلمہ ہوگا۔

کلمۃ اللہ اور مسیح کا مطلب: حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں مُصَدِّقاً بِکَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ گذر چکا ہے۔ وہاں بھی کَلِمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کَلِمَةٌ مِّنَ اللّٰهِ اس لئے فرمایا کہ وہ بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے: قال فی الروح صفحہ ۱۶۰: ج ۳ واطلاق الکلمة علی من اطلقت علیه باعتبار انه خلق من غیر واسطة اب بل بواسطة کن فقط علی خلاف افراد بنی آدم فکان تاثیر الکلمة فی حقه اظهر واکمل. (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں آپ پر لفظِ کلمہ کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ آپ کو باقی بنی آدم کے برعکس باپ کے واسطہ کے بغیر صرف امرِ کن کے واسطہ سے پیدا فرمایا ہے۔ پس آپ کے حق میں کلمہ کُن کی تاثیر زیادہ کامل طور پر ظاہر ہوئی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح بھی بتایا اور عیسیٰ بھی۔ لفظ مسیح کے بارے میں صاحب معالم التنزیل صفحہ ۳۰۱: ج ا لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فعیل مفعول کے معنی میں ہے مسیح بمعنی ممسوح ہے اور ان کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ ان کو گندگیوں اور گناہوں سے پاک کیا گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے جسم پر اپنا بازو پھیر دیا تھا جس کی وجہ سے شیطان ان سے دور رہتا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مسیح بمعنی ماسح ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریض کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے اور اس سے وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اس لئے ان کو یہ نام دیا گیا۔ دجال کو بھی مسیح کہا گیا ہے۔ وہ مسیح بمعنی ممسوح ہے کیونکہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ گویا اس کی آنکھ پر کوئی چیز پھیر دی گئی۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ابن مریم کے ساتھ کیا گیا ہے، چونکہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا اس لئے والدہ ہی کی طرف نسبت کی گئی۔ اس زمانہ میں بعض ایسے لوگ ہیں جو قرآن وسنت کی تصریحات کے خلاف عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہم۔

وجیھا فی الدنیا والآخرة حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا وَجِیْهاً فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ کہ وہ دنیا و آخرت میں باوجاہت ہوں گے۔ جب پیدا ہوئے تو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ رفعت عزت عطا فرمائی۔ جب یہودی ان کے قتل کے درپے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اوپر اٹھالیا۔ (بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ) قیامت کے قریب ان کا نزول ہوگا۔ صاحب اقتدار ہوں گے امت محمدیہ کو ساتھ لے کر دین اسلام کو قائم کریں گے اور اس پر چلیں گے اور چلائیں گے۔ نیز فرمایا وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ کہ اللہ کے نزدیک مقربین میں سے ہوں گے ہر پیغمبر اللہ کا مقرب ہے اور سب اولیاء اللہ اللہ کے مقرب ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے مقرب ہیں۔

حضرت یحییٰ کی تصدیق: جب عیسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو یحییٰ علیہ السلام بھی منصب نبوت

پر دنیا میں موجود تھے۔ انہوں نے ان کی نبوت کی تصدیق کی اور وہ پیشین گوئی صادق آئی جو مُصَدِّقاً بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں مذکور ہوئی۔ روح المعانی صفحہ ۱۴۷: ج ۴ میں لکھا ہے وھو اول من آمن بعیسیٰ علیہ السلام و صدقہ انہ کلمۃ اللّٰہ تعالیٰ و روح منہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعلان اور اس بات کی تصدیق کی کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں سب سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کیا)۔

فِی الْمَھْدِ وَ کَھْلاً:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مزید فرمایا وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَ کَھْلاً (کہ اے مریم تمہارے جو یہ لڑکا پیدا ہوگا۔ گہوارہ میں اپنی بچپن میں بات کرے گا۔ اور بڑی عمر میں بھی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ سورہ مریم کے دوسرے رکوع میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ جب ان کی ولادت ہوگئی اور ان کی والدہ ان کو اٹھا لائیں تو لوگوں نے کہا کہ اے مریم تم نے یہ بڑے غضب کا کام کیا۔ اس وقت انہوں نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر دیا وہ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارہ میں ہے بچہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبَارَکاً اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیّاً وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّاراً شَقِیًّا (وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا) فِی الْمَھْدِ کے ساتھ وَ کَھْلاً بھی فرمایا یعنی یہ بچہ زمانہ کہولت میں بھی لوگوں سے بات کرے گا۔ کہولت جوان اور بوڑھے کی درمیانی عمر کو کہتے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کا کلام کرنا بچپن میں اور زمانہ کہولت میں یکساں ہوگا۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت دی گئی کہ تمہارا بچہ زمانہ کہولت کو بھی پائے گا اور اس کی اتنی عمر ہوگی کہ جوانی کی عمر سے بڑھ کر زمانہ کہولت میں بھی داخل ہوگا۔

آخر میں فرمایا وَمِنَ الصَّالِحِیْنَ یہ بچہ صالحین میں سے ہوگا۔ چند صفحات پہلے صالح کا مطلب بتا دیا گیا ہے اور وہاں یہ بتایا گیا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام صفت صلاح سے متصف ہیں۔

بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

حضرت مریم علیہا السلام کو جو فرشتوں نے بشارت دی اس بشارت کو سن کر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگیں: رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ (مریم عرض کرنے لگیں کہ اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا حال یہ ہے کہ مجھے کسی بھی بشر نے چھوا تک نہیں) سورہ مریم میں یہ بھی ہے کہ حضرت مریم نے عرض کیا: وَلَمْ اَکُ بَغِیّاً اور نہ میں بدکار رہوں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَایَشَاءُ کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے انسانوں کی پیدائش عادۃً جس طرح ہوتی ہے چونکہ ان کی پیدائش اس کے خلاف تھی اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھی مشکل نہیں ہے کہ بغیر باپ

کے پیدا فرمادے: اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ وہ جب کسی چیز کے وجود میں لانے کا فیصلہ فرمائے تو کُن (ہوجا) فرمادیتا ہے۔ پس وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ قادر مطلق جل مجدہٗ نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمادیا اور اپنی کتاب قرآن حکیم میں بتادیا لیکن یہود و نصاریٰ کی تقلید میں بعض لوگ قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یوسف نجار کو باپ تجویز کرتے ہیں اور ان کو اپنے کفریہ عقیدہ پر اصرار ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ

اور اللہ سکھادے گا اس کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل اور بنادے گا اس کو رسول بنی اسرائیل کی طرف،

اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ

بنی اسرائیل سے ان کا یہ خطاب ہوگا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر، کہ بلاشبہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک چیز پھر اس میں

فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

پھونک دیتا ہوں تو وہ پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں۔ مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے،

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اپنے گھروں میں، بلاشبہ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ

ایمان قبول کرنے والے ہو، اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توراۃ ہے تاکہ میں حلال کروں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئیں،

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ

اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

یہ سیدھا راستہ ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منصب کی ذمہ داری اور ان کے معجزات

تفسیر: ان آیات میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعض صفات بیان فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ان کو کتاب کی تعلیم دے گا۔ کتاب سے کیا مراد ہے جبکہ توراۃ اور انجیل کا ذکر بعد میں آرہا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے توراۃ انجیل کے علاوہ کتابیں مراد ہیں مثلاً زبور وغیرہ، نیز فرمایا کہ اللہ ان کو حکمت سکھائے گا۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۶۶: ج ۳ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے علم الحلال والحرام مراد ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ

تمام امور دینیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنتیں مراد ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو توراۃ اور انجیل سکھائے گا۔ انجیل تو انہیں پر نازل ہوئی تھی اور توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو بنی اسرائیل کے لئے دینی و دنیاوی امور میں مفصل دستور حیات تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے توراۃ بھی سکھا دی اور اس کے علوم بھی بتا دیئے۔ یہ سب باتیں فرشتوں کی خوشخبری ہی کے ذیل میں مذکور ہو رہی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور نبوت سے سرفراز فرمایا ان سب باتوں کا ظہور ہو گیا اور ایسا ہی ہوا جیسے فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی تھی۔

معجزات کی تفصیل: خوشخبری میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مریم کا یہ لڑکا بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہو گا اور اس کو معجزات دیئے جائیں گے ان کو جو معجزات دیئے گئے ان میں ایک یہ تھا کہ وہ مٹی (گارا) لے کر پرندہ کی ایک صورت بنا دیتے تھے پھر اس میں پھونک دیتے تھے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ ہو کر اڑ جاتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ مادرزاد اندھے کی آنکھوں کی جگہ پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے وہ بینا ہو جاتا تھا اور دیکھنے لگتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ برص والے کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے اس کے جسم کی کھال صحیح ہو جاتی تھی اور مرض جاتا رہتا تھا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خصوصیت کے ساتھ ایسی چیزیں بھی بطور معجزہ دی جاتی ہیں جن سے اہل زمانہ اپنے فن میں ماہر ہونے کے باوجود عاجز ہوتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری کا بہت زور تھا ان کو عصا دے دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا بڑے بڑے ماہرین موجود تھے جو اکمہ (مادرزاد اندھا) اور برص کے علاج سے بالکل ہی عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطور معجزہ ایسی چیز دی گئی جس کا مقابلہ کوئی بھی صاحب فن طبیب نہیں کر سکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک یہ بھی معجزہ تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے روح المعانی صفحہ ۱۶۹: ج ۳ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا ان چار میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام بھی تھا۔ جب انہوں نے مُردوں کو زندہ کیا تو معاندین کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے ان کو زندہ کر کے دکھایا ہے جو زمانہ حال ہی میں مرے تھے ممکن ہے ان کو سکتہ طاری ہو گیا ہو کسی ایسے شخص کو زندہ کرو جس کی موت کو زمانہ طویل ہو چکا ہو۔ لہٰذا انہوں نے سام ابن نوح کو زندہ کیا ان کی موت کو چار ہزار سال سے زیادہ ہو چکے تھے اور فرمایا کہ اب تو ایمان لے آؤ ان میں سے بعضے ایمان لائے اور بعض نے تکذیب کی اور کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے۔ دوسرا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتاتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اور فرمایا کہ یہ سب معجزات خوارق عادات جو تمہارے سامنے آئے یہ واضح معجزات ہیں اگر تمہیں ایمان قبول کرنا ہے راہ حق اختیار کرنا ہے تو ایمان لے آؤ۔ لیکن جن کو ماننا نہ تھا انہوں نے نہ مانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو میرے سامنے توراۃ شریف ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں کہ وہ اللہ کی کتاب ہے یہ بات کہنے کی ضرورت اس لئے تھی کہ بنی اسرائیل توریت شریف کو مانتے تھے اگر کوئی توریت شریف کی تصدیق نہ کرتا تو ایمان نہ لانے کا یہ بہانہ ہو سکتا تھا کہ تم اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے تم پر کیسے ایمان لائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں توریت شریف کی تصدیق کرتا ہوں تمہارے اور تمہارے دین کے خلاف کوئی دین لے کر نہیں آیا اور تمہارے لئے اللہ کی طرف سے بعض ان چیزوں کو بھی حلال قرار دیتا ہوں جو تم پر سابقہ شریعت میں حرام تھیں اور یہ معجزات منصف سمجھ دار کے لئے کافی ہیں تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ کفر اختیار کر کے اپنی بربادی نہ کرو۔ اندیشہ تھا کہ مذکورہ بالا معجزات اور خاص کر احیاء موتی کا منظر دیکھ کر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نہ سمجھنے لگیں اس لئے انہوں نے دوبار باذن اللہ فرمایا۔ سورہ مائدہ کے ختم کے قریب بھی ان کے معجزات کا ذکر ہے وہاں چار مرتبہ یہ فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے مزید فرمایا کہ:

دعوتِ توحید: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بار بار بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دی لیکن وہ ان کے دشمن ہو گئے۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کر دیا اور ان سے پہلے پتہ نہیں کتنے انبیاء کو قتل کر چکے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بھی درپے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا اور اوپر اٹھالیا۔ پھر صدیوں کے بعد ان لوگوں نے جو اپنے جھوٹے خیال میں ان کے ماننے والے تھے۔ عقیدہ تثلیث اور عقیدہ تکفیر اپنی طرف سے گھڑ لیا اور اب جو لوگ ان کے ماننے کے دعویدار ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ (العیاذ باللہ) جس نے بار بار توحید کی دعوت دی اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا اس کے جھوٹے ماننے والوں نے شرک اختیار کر لیا۔

فائدہ: سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے تھے اس کے لئے بعض اکابر نے فرمایا کہ تصویر بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا اس سے ہماری شریعت میں جواز پر استدلال نہ کیا جائے کیونکہ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے تصویر سازی کو مطلقاً منع فرما دیا۔ احقر کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے جواز تصویر پر استدلال کرنے کا موقعہ اس لئے بھی نہیں ہے کہ وہ تو معجزہ دکھانے کے لئے بناتے تھے اور وہ تصویر اپنی حالت میں باقی نہیں رہتی تھی۔ بلکہ ان کے پھونکنے سے پرندہ بن کر اڑ جاتی تھی، آجکل جو مورتیوں اور تصویروں کا رواج ہے وہ زندہ کر کے دکھانے کے لئے نہیں ہے۔ الماریوں میں رکھنے اور گاڑیوں میں لٹکانے اور دفتروں میں آویزاں کرنے کے لئے ہے کہاں موجودہ صورتحال اور کہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں،

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کا اتباع کیا آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں

عامۃ بنی اسرائیل کا کفر اختیار کرنا اور حواریوں کا حضرت عیسیٰ کی مدد کے لئے کھڑا ہونا

تفسیر: سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو اپنے اتباع اور اطاعت کی دعوت دی اور انجیل پر ایمان لانے کا حکم فرمایا اور ان کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم میری اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے عناد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود سے خطاب فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے اور وہ لوگ ان کا مذاق بناتے تھے ان کے انکار اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس فرمالیا کہ بنی اسرائیل ایمان لانے والے نہیں ہیں لہٰذا انہوں نے پکارا کہ کون ہے جو میرا مددگار بنے؟ اس پر بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے ایمان قبول کیا اور ایک جماعت نے کفر اختیار کیا جیسا کہ سورۃ صف کی آخری آیت میں مذکور ہے وہیں پر حواری بھی موجود تھے انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

حواری کون تھے؟ حواری کون لوگ تھے اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کئے لفظ حواری حور سے مشتق ہے۔ حُور سفیدی کو کہتے ہیں جنت کی عورتوں کو اس لئے حور کہا گیا کہ ان کا رنگ سفید ہوگا ایک قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دھوبیوں کا کام کرتے تھے۔ یعنی اجرت پر لوگوں کے کپڑے دھوتے تھے اس لئے ان کو حواری کہا جاتا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ ان کے کپڑے سفید تھے اس لئے حواری کا لقب دیا گیا حضرت قتادہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب کی صفائی اور اخلاق کی پاکیزگی کی وجہ سے حواری کہا گیا صاحب روح المعانی صفحہ ۱۷۶ ج ۳ نے یہ اقوال لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بارہ افراد تھے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انتیس آدمی تھے، بہر حال یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص متبعین میں سے تھے انہوں نے ایمان بھی قبول کیا اور ان کیساتھ دعوت کے کام میں شریک رہنے کا بھی اعلان کیا اور کہا کہ ہم راہ خداوندی کی طرف دعوت دینے میں آپ کے ساتھی ہیں۔ اور اللہ کے مددگار ہیں۔ اللہ کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ یہ اس کا کرم ہے کہ جو اس کے دین کی نصرت کرے اس کے عمل کو اپنی مدد کرنے سے تعبیر فرمادیا۔ جیسا کہ سورہ محمد ﷺ میں ہے کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا) حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ عرض کیا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ بن جائیں اور انہوں نے اللہ سے یہ دعا بھی کی کہ اے ہمارے رب آپ نے جو کچھ نازل فرمایا ہم اس پر ایمان لے آئے آپ کے رسول کا اتباع کیا۔ آپ ہمیں ان لوگوں میں لکھ دیجئے جو انبیاء کے سچا ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

پھر لفظ حواری ایسے خصوصی شخص کے لئے استعمال ہونے لگا جو بہت ہی زیادہ خاص ہو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیًّا وَّ حَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ (کہ بلاشبہ ہر نبی کے لئے ایک حواری ہے اور میرا حواری زبیر ہے)

بہر حال عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے خاص خادم مل گئے تھے جو ان کے ساتھ دعوت کے کام میں شریک تھے لیکن پوری قوم بنی اسرائیل کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت ہی کم تھی بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان سے دشمنی کی اور ان کی دعوت کو نہ مانا۔ بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے (جیسا کہ آئندہ آیت کی تفسیر میں آ رہا ہے)۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ

اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى

اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا، اور جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ان کو غالب رکھوں گا قیامت کے دن تک ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا۔

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہوگا۔ پھر فیصلے کروں گا تمہارے درمیان اس چیز کے بارے میں جس میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ کے قتل کا منصوبہ بنانا اور اس میں ناکام ہونا

تفسیر: جیسے جیسے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت آگے بڑھتی گئی اور آپ اپنے عہدہ رسالت کے مطابق کام کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ افراد ان کے ساتھی ہوتے گئے بنی اسرائیل کی دشمنی تیز ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کی ٹھان لی اور طے کر لیا کہ انہیں ختم کر کے رہیں گے۔ اب بنی اسرائیل نے اپنی ایسی تدبیریں شروع کر دیں جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہید کر دیئے جائیں اور ان سے بنی اسرائیل کا چھٹکارہ ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ تو ان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ جب قتل کرنے کے لئے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی صورت بنا دی اور ان کو اوپر اٹھا لیا (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل صفحہ ۳۰۶ : ج ۱) ان لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں ایک ہی شخص کو پایا اور اسے قتل کر دیا کیونکہ یہ شخص صورۃً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل تھا لیکن اس سوچ بچار میں رہے کہ ایک اگر یہ شخص وہی تھا جس کے قتل کرنے کے لئے ہم آئے تھے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ قتل تو اس کو کر دیا لیکن پھر بھی شک وشبہ میں رہے، اس کو سورہ نساء میں یوں بیان فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ (اور انہوں نے نہ ان کو قتل کیا نہ ان کو صلیب پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بلاشبہ جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں) اس کی مزید توضیح انشاء اللہ تعالیٰ سورہ نساء کی آیت بالا کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہوگی۔ جن لوگوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا کہ ان کا اپنا آدمی قتل ہوا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر غالب آئی اور یہود کی مکاری دھری رہ گئی اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا پورا ہو گیا۔

مکر کا معنی: لفظ مکر خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، یہ اچھے کام کے لئے بھی ہوتی ہے اور برے کام کے لئے بھی، سورہ فاطر میں فرمایا: وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِهٖ اس سے معلوم ہوا کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اور عربی زبان میں دونوں معنیٰ کی گنجائش ہے اگر چالبازی اور دھوکہ سے کوئی تدبیر کی جائے گی تو وہ اردو زبان کے محاورہ میں مکاری ہو گی اور ضروری نہیں کہ تدبیر بری ہی ہو، قرآن مجید میں جو مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس سے اردو کے محاورہ والا مکر مراد نہیں ہے بلکہ عربی کے معنیٰ مراد ہیں، یعنی خفیہ اور لطیف تدبیر جس کا دوسرے کو پتہ نہ چل سکے۔

فی روح المعانی ص ۷۹: ج ۳ و نقل من الامام ان المکر ایصال المکروہ الی الغیر علی وجہ یخفی فیہ وانہ یجوز صدورہ عنہ تعالیٰ حقیقۃ، و قال غیر واحد انہ عبارۃ عن التدبیر المحکم و ھو لیس بممتنع علیہ تعالیٰ. وقال فی تفسیر قولہ تعالیٰ واللہ خیر الماکرین ای اقواھم مکراً و اشلھم أو ان مکرہ احسن واوقع فی محلہ لبعدہ عن الظلم (روح المعانی میں ہے اور امام سے منقول ہے کہ مکر کا مطلب ہے غیر تک خفیہ طریقہ سے تکلیف پہنچائی جائے اور حقیقت کے لحاظ سے مکر کا صدور اللہ تعالیٰ سے جائز ہے۔ کئی حضرات نے کہا ہے کہ مکر محکم تدبیر سے عبارت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ممتنع نہیں ہے اور وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سب سے زیادہ محکم اور سخت ہے اور اس کی تدبیر سب سے عمدہ اور اپنے محل میں سب سے زیادہ مؤثر ہے کیونکہ وہ ظلم نہیں ہے)

مُتَوَفِّیْکَ اور رَافِعُکَ کی تفسیر: اللہ جل شانہ نے یہ جو فرمایا کہ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ اِذ لفظ مَکَرَ کا ظرف ہے یا یہاں اُذکر مقدر ہے جیسا کہ اس قسم کے مواقع میں مانا جاتا ہے۔ اگر مَکَرَ سے متعلق کیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا جب اللہ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور یہ فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اوپر اٹھا لینے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا۔ چونکہ آسمان پر اٹھانا پہلے ہوا اور احادیث کی تصریح کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور ایک عرصہ تک زندہ رہ کر پھر ان کو طبعی موت آئے گی اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مُتَوَفِّیْکَ ذکر میں مقدم ہے اور وقوع کے اعتبار سے مؤخر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا تھا جبکہ یہودی ان کے قتل کے درپے ہو چکے تھے اس لئے مُتَوَفِّیْکَ کا یہ معنی لینا (کہ میں تم کو طبعی موت دوں گا یہ تمہیں قتل نہ کر سکیں گے اور ابھی تو تم کو اوپر اٹھانے والا ہوں) سیاق کلام سے بعید نہیں ہے اور اس میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو لفظ توفی سے لیا گیا ہے توفی کا اصل معنی موت کا نہیں ہے بلکہ کسی چیز کو پورا پورا لے لینے اور اٹھانے کا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ نیند کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورہ انعام میں فرمایا: وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ (اللہ وہ ہے جو تمہیں اٹھا لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو دن میں) اگر مُتَوَفِّیْکَ کا یہ معنی لیا جائے کہ تمہیں پورا پورا اٹھانے والا ہوں تو اس میں بھی تقدیم و تاخیر کا قول اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور رَافِعُکَ اس صورت میں متوفی کا عطف تفسیری ہو گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا تو کافروں سے ان کی جان چھڑا دی کیونکہ وہ لوگ ان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا ہے۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورہ نساء ع ۲۲) (اور یہ یقینی بات ہے کہ ان لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا) اس تصریح سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بالا کی طرف اٹھالیا۔

قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ کا دنیا میں تشریف لانا:

احادیث کثیرہ متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور عدل وانصاف قائم کریں گے۔ حافظ ابن کثیر صفحہ ۱۳۲: ج ۴ میں لکھتے ہیں:

وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسیٰ علیه السلام قبل یوم القیامة اماماً عادلاً وحكماً مقسطاً.

(تواتر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کی خبر دی وہ امام عادل ہوں گے اور انصاف کے فیصلے کریں گے)۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہ وہاں زندہ ہیں اور اسی لئے ان کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (شب معراج میں دیگر انبیاء علیہم السلام سے جو ملاقات ہوئی وہ ان حضرات کی برزخی زندگی میں تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چونکہ ابھی وفات نہیں ہوئی اس لئے ان سے جو وہاں ملاقات ہوئی وہ موت سے قبل والی زندگی میں تھی لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں شمار ہیں)

حیات مسیح کا انکار کرنے والے قرآن کے منکر ہیں:

حیات مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کا انکار ایک جاہل جھوٹے شخص نے کیا جس نے خود اپنے کو ان کی جگہ مسیح موعود کے نام سے پیش کیا اس شخص کے ماننے والے آج تک اسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اختیار کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہوگئی اور مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرے تو ہم اس کو وہ کچھ کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے)

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتادیا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا اور مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرنا دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں مسلمین کی راہ کو بھی معیار حق بتایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کے خلاف راہ اختیار کرنے والا دوزخ میں جائے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے عقائد و اعمال سیکھے اور ان سے تابعین نے اور ان سے تبع تابعین نے اور ان کے بعد سلفاً عن خلفٍ تمام مسلمانوں نے وہی عقائد و اعمال سیکھے جو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے بتائے تھے لہٰذا اس دین کے خلاف جو کچھ ہوگا وہ سراسر گمراہی ہے۔

جولوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور وہ لوگ دوزخ میں جانے کو تیار ہیں لیکن حق ماننے کو تیار نہیں، جب ان کے سامنے رَافِعُکَ اِلَیَّ اور رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ پیش کیا جاتا ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا تو کہتے ہیں کہ اس سے رفع درجات مراد ہے جب یہ جاہلانہ تاویل کرتے ہیں تو لفظ اِلَیَّ اور اِلَیْهِ کا ترجمہ کھا جاتے ہیں۔ جاہلوں کے سامنے ادھورا ترجمہ کرتے ہیں، قرآن مجید میں جہاں رفع درجات کا ذکر ہے وہاں اِلیٰ نہیں ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ورفع بعضهم درجات ان کافروں ملحدوں کو قرآن ماننا نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ ابن مریم قیامت سے پہلے نازل ہوں گے اس بات کے ماننے کو تیار نہیں ہیں، جھوٹے شخص پر ایمان لے آئے تو اب جھوٹ ہی کو پھیلا رہے ہیں قبحهم الله تعالیٰ۔

مُطَهِّرُكَ کی دوسری تفسیر: مُطهِرُکَ کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو ہم نے دو صفحے پہلے بیان کی کہ اللہ تم کو گندے لوگوں کے ماحول سے دور کر کے پاک کرنے والا ہے۔ قال روح المعانی صفحہ ۱۸۲: ج ۳ يحتمل ان يكون تطهيره عليه السلام بتبعيده منهم بالرفع ويحتمل ان يكون بنجاته مما قصد وافعله به من القتل (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں یہ احتمال ہے کہ پاک کرنے کا مطلب یہ ہو کہ آپ کو اٹھا کر اور ان سے دُور کر کے ان سے پاک کردیں گے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے ارادہ قتل اور پروگرام سے نجات دیدیں گے) اور ایک تفسیر یہ ہے کہ یہود نے تم پر جو الزامات لگائے ہیں اور جو تمہارے نسب کو مطعون کیا ہے اللہ تعالیٰ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے ان سب چیزوں سے تمہاری تطہیر فرمائے گا اور تم کو ان سب سے بری کردے گا۔

جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا: اللہ جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (الآیہ) (جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ان کو قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے کفر کیا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں میں نصاریٰ تھے پھر مسلمان بھی ان کی رسالت اور نبوت کے ماننے والے ہوگئے ان دونوں قوموں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین یعنی یہودیوں پر قیامت تک کے لئے غلبہ عطا فرمایا یہ غلبہ دنیاوی ہے۔ رہا مسئلہ آخرت کی نجات کا تو وہ اس ایمان پر موقوف ہے جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے دعوے کے مطابق کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں لیکن سیدنا خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ پر ایمان لانے کے لئے ان سے فرمادیا تھا (<u>وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ</u>) اور مسلمانوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانا کہ وہ اللہ کے رسول تھے اور سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پر بھی ایمان لائے۔ اور ان باتوں کا بھی عقیدہ رکھا جو قرآن و حدیث میں ان کے بارے میں بیان کی گئی ہیں اس لئے وہ نجات آخرت کے بھی مستحق ہوئے بہر حال یہودیوں پر مسلمین اور نصاریٰ دونوں قوموں کو برتری اس دنیا میں حاصل ہے۔

قال صاحب الروح صفحہ ۱۸۳: ج ۳ و هذا الاتباع يصح ان يراد بالمتبعين ما تشمل المسلمين والنصارى مطلقا من آمن به قبل مجيء نبينا ﷺ و من آمن بزعمه بعد ذلك. (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں اور اس اتباع سے متبعین کا وہ معنی مراد لینا صحیح ہے کہ جو مسلمانوں اور نصاریٰ دونوں کو شامل ہو کہ جو حضور ﷺ سے پہلے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور جو حضور ﷺ کے بعد اپنے گمان کے مطابق آپ ایمان لایا۔ سب مراد ہیں)

فلسطین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں اولاً انگریزوں کے تسلط دینے سے اور اب امریکہ کی سرپرستی میں جو یہودیوں کی نام نہاد حکومت قائم ہے اس کی وجہ سے آیت کے مضمون پر کوئی اشکال نہ کیا جائے۔ چونکہ یہ حکومت انہیں نصاریٰ نے ہی دی ہے اور نصاریٰ ہی ان کی سرپرستی کر رہے ہیں اور پورے عالم کے مسلمان اور نصاریٰ مل کران پر تعداد اور اموال اور ہتھیاروں کے اعتبار سے غالب ہی ہیں اس لئے ان کی حکومت قائم ہونے سے آیت قرآنی کے مضمون پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ اگر نصاریٰ ان کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیں تو ان کی نام نہاد حکومت ذرا دیر بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

پھر فرمایا ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ (الآیۃ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ دنیا میں تو غالب اور مغلوب کافر اور مومن سب ہی زندگی گذاریں گے پھر سب کو میری طرف لوٹنا ہوگا اور میدان قیامت میں ان سب باتوں کے بارے میں فیصلے کر دوں گا جن کے بارے میں اختلاف رکھتے ہو اس اختلاف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت بھی ہے ان کو یہودیوں نے اللہ کا رسول نہیں مانا اور نصاریٰ میں سے کسی نے خدا مانا کسی نے خدا کا بیٹا اور مسلمانوں نے قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کی وجہ سے ان کے بارے میں صحیح عقائد رکھے۔ قیامت کے دن غلط عقائد رکھنے والوں کو صحیح بات کا پتہ چل جائے گا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ٘ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پس میں ان کو سخت عذاب دوں گا، دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے کوئی

نّٰصِرِیْنَ۝۵۶ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ٘ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۝۵۷

مددگار نہ ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو اللہ ان کو پورے پورے اجر عطا فرمادے گا، اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ۝۵۸

یہ آیات اور ذکر حکیم ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

کافروں کے لئے وعید عذاب شدید اور اہل ایمان کے لئے اجر و ثواب کا وعدہ

تفسیر: دنیا میں مومن اور کافر بھی زندہ رہتے ہیں اور کھاتے کماتے ہیں۔ یہ سب دنیاوی امور ہیں آخرت میں تو ایمان مدار نجات ہوگا ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر جنت ملے گی اور اس وقت اعمال کا پورا پورا بدلہ اللہ پاک کی طرف سے دیدیا جائے گا اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے دنیا میں بھی سزا ہے اور آخرت میں بھی، یہ سزا مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ جب مسلمان جہاد کرتے تھے (جواب بھی واجب ہے) اس وقت کافران کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے قید ہوتے تھے غلام باندی بنائے جاتے تھے جزیہ دینے پر مجبور ہوتے تھے۔ اور اب بھی ان کے ملکوں میں تباہی آتی رہتی ہے۔ نئی بیماریاں زلزلے وغیرہ مصائب و آلام کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور اگر کہیں دنیاوی حال اچھا ہے تو وہ استدراج ہے اور مسلمانوں کے ملکوں میں جو بھی اس طرح کی کوئی چیز آجاتی ہے۔ وہ کفارہ سیئات کا ذریعہ بنتی ہے۔ نصاریٰ کا دنیا میں یہودیوں پر فائق اور غالب رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ آخرت میں نجات کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ وہاں کی نجات کا

تعلق اس ایمان سے ہے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح نہیں مانتے جیسا انہوں نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا (اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ) اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہیں لاتے (ان کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی) اس لئے کافروں میں شمار ہیں اور کفر کی وجہ سے آخرت میں ان کو سخت اور دائمی عذاب ہوگا اور یہودی بھی کفر اختیار کئے ہوئے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان نہیں لائے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو بھی نہیں مانتے لہٰذا وہ بھی آخرت میں عذاب دائمی کے مستحق ہیں۔ آخر میں فرمایا ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

کہ اے محمد یہ جو کچھ ہم پڑھ کر سناتے ہیں یہ ان آیات یعنی دلائل واضحہ میں سے ہے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں ان چیزوں کو کوئی شخص نہیں جان سکتا جب تک کہ پرانی کتاب نہ پڑھی ہو یا کسی معلم سے علم حاصل نہ کیا ہو آپ کو یہ دونوں باتیں حاصل نہیں لہٰذا یہ ساری معلومات متعینہ طور پر وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوئیں وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اور ذکر حکیم یعنی قرآن محکم بھی ہم آپ کو سناتے ہیں جو باطل سے محفوظ ہے اور حکمتوں سے پُر ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾ اَلْحَقُّ مِنْ

بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر ان سے فرمادیا ہو جا پس ان کی پیدائش ہوگئی یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف

رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ

سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں سو جو شخص ان کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ

تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلالو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلالیں اپنی عورتوں کو اور تم بلالو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کردیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے

لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ

دعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر، بلاشبہ یہ سچی بات ہے، اور کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا اور

اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾

بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح سے ہے

تفسیر: سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جو بغیر باپ کے ہوئی اس پر یہودیوں نے شک کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی اور آج بھی قرآن کے منکریں اسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بلا باپ کے مریم بتول کے ہاں کیسے لڑکا پیدا ہوگیا؟ اللہ جل شانہٗ نے ان سب کے استعجاب اور استبعاد کا جواب دے دیا اور فرمایا اِنَّ مَثَلَ

عِیۡسٰی عِنۡدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (الایۃ ۵۹) اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی پیدائش ایسی ہی ہے جیسے آدم کو پیدا فرمادیا، آدم کا پتلا بنایا پھر اس میں روح پھونک دی بس باذن اللہ بغیر ماں باپ کے پیدا فرمادیا اور پھر ابوالبشر کا جوڑا یعنی حضرت حوا انہی کے جسم سے پیدا فرمادیا (خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا) اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔

اللہ جل شانہٗ نے انسانوں کی عام تخلیق کا سبب والدین کے ملاپ کو بنادیا ہے اور یہ سلسلہ سب کے سامنے ہے عادۃ مستمرہ ہے اس لئے اس میں کسی کو تعجب نہیں اور ایک جان کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور ایک جان کو بغیر ماں کے اور ایک جان کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا ان سب میں اس کی قدرت کے مظاہرے ہیں۔ جو ذات پاک بغیر ماں باپ کے پیدا فرمائے اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرمادے۔ قرآن وحدیث کی تصریحات ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بلا باپ کا انکار کرکے کفر اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ عیسیٰ کی پیدائش آدم کی طرح سے ہے۔

پھر فرمایا اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ، کہ یہ جو کچھ بیان ہوا آپ کے رب کی طرف سے حق ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجائیں بظاہر اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مقصود امت کو خطاب کرنا ہے کہ وہ کسی طرح سے شک میں نہ پڑیں۔ کما قال البغوی فی معالم التنزیل الخطاب للنبی ﷺ والمراد امته (صفحہ ۳۱۰: ج ۱)۔

اسباب النزول صفحہ ۹۸ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد آیا اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ کیا بات ہے آپ ہمارے صاحب کو (یعنی ہم جسے مانتے ہیں) برا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کیا کہتا ہوں؟ کہنے لگے آپ کہتے ہیں کہ وہ ایک بندہ ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جسے کنواری عورت بتول کی طرف ڈالا۔ یہ سن کر وہ لوگ غصہ ہوگئے اور کہنے لگے کیا کوئی انسان کبھی بغیر باپ کے آپ نے دیکھا ہے۔ ہمیں کوئی شخص ایسا دکھاؤ جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ نازل فرمادی جس میں ان کا جواب مذکور ہے۔

نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ: اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ (الآیۃ) اس میں دعوت مباہلہ کا ذکر ہے۔ مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۳۶۸: ج ۱ میں محمد بن اسحٰق بن یسار سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا ان میں سے ایک شخص کو سید کہتے تھے جس کا نام ایہم تھا اور ایک شخص ابوحارثہ تھا اور بھی لوگ تھے ان میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا اسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سیّد ان کا عالم تھا۔ ان کی مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابوحارثہ ان کا پوپ تھا جو ان کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا بنی بکر بن وائل کے قبیلے سے تھا اور عرب تھا۔ لیکن نصرانی ہوگیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی اس کے لئے گرجا گھر بنادیئے۔ اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کا علم تھا کتب سابقہ میں آپ کی صفات مذکور ہیں ان سے

واقف تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مُصر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت و جاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے اور مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے بہت ہی بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوبصورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ان کی اپنی نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے مسجد نبوی ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابو حارثہ عاقب اور سید نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور وہی اپنی شرکیہ باتیں پیش کرنے لگے کسی نے کہا عیسیٰ اللہ ہے کسی نے کہا ولدُ اللہ ہے کسی نے کا ثالث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسیٰ ہے ایک اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے) ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد ﷺ عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کے شروع سے لے کر اسی (۸۰) سے کچھ اوپر آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اللہ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحی نازل ہوگئی اور ان سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہوگیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔

مباہلہ کا طریقہ: دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آجاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں فریق مل کر خوب سچے دل سے دعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو جائے، جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابو القاسم ﷺ ہمیں مہلت دیجئے ہم غور و فکر کر کے حاضر ہوں گے۔

نصاریٰ کا مباہلہ سے فرار: جب آپ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبدالمسیح سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمد نبی مرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (یعنی حضرت عیسیٰ) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جس کسی قوم نے کسی نبی سے کبھی کوئی مباہلہ کیا ہے تو کوئی چھوٹا بڑا ان میں باقی نہیں رہا۔ اگر تمہیں اپنا بیج ناس کھونا ہے تو مباہلہ کرلو۔ اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کرلو اور اپنے شہروں کو واپس ہو جاؤ، مشورے کے بعد وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے ابو القاسم (ﷺ) ہمارے آپس میں یہ طے پایا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور آپ اپنے آدمیوں سے ایک شخص کو بھیج دیں جو ہمارے درمیان ایسی چیزوں میں فیصلہ کر دے جن میں ہمارا مالیاتی سلسلہ میں اختلاف ہے آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ معالم التنزیل صفحہ ۳۱۰: ج ۱ میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا: نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَکُمْ آخر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک مہلت مانگی جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے آپ پہلے سے حضرت حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسنؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے

تشریف لا چکے تھے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے تشریف لا رہی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے تھے آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ضرور ہٹا دے گا لہٰذا تم مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا یہ سن کر کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم ﷺ ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول کرو اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر آپ نے فرمایا کہ بس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی وہ کہنے لگے کہ ہمیں جنگ کی طاقت نہیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

نصاریٰ نجران سے مال لینے پر صلح:

اور وہ یہ کہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑوں کے پیش کیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں، آپ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہل نجران پر عذاب منڈلا رہا تھا اگر وہ مباہلہ کر لیتے تو مسخ کر دیئے جاتے اور بندر اور خنزیر بنا دیئے جاتے اور ان کے سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے۔ اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تفسیر ابن کثیر میں صفحہ ۳۶۹: ج ۱ بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کرنے کو تیار ہو رہے تھے اگر مباہلہ کے لئے نکل آتے تو (میدان مباہلہ سے) اس حال میں واپس ہوتے کہ نہ مال پاتے نہ اہل وعیال میں سے کسی کو پاتے۔ (اور خود بھی مر جاتے)

نصاریٰ مباہلہ کے لئے راضی نہ ہوئے اور اپنے باطل دین پر قائم رہے اور یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ ہے حضرات علماء کرام نے بار ہا مناظروں میں ان کو شکست دی ہے۔ ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی ہے ان کے دین کو مصنوعی خود ساختہ دین بار ہا ثابت کر چکے ہیں لیکن وہ اپنے دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دین اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں جس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ (کہ اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ مفسدوں کو خوب جاننے والا ہے) یہ وعید اس وقت سے لے کر آج تک کے نصاریٰ کو اور آج کے بعد جو نصاریٰ حق سے اعراض کریں گے قیامت تک ان سب کو شامل ہے۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آجاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو

بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا
شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب نہ بنائے، سو اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾
ہم فرمانبردار ہیں

اہل کتاب کو توحید کی دعوت

تفسیر: اس آیت میں یہود اور نصاریٰ کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے نزدیک مسلم ہے ہم بھی مانتے ہیں تم بھی مانتے ہو اور وہ یہ کہ ہم سب صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔

یہود و نصاریٰ کو معلوم تھا کہ ہمارے دین کی اصل تعلیم یہی ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں۔ اگرچہ انہوں نے شرک اختیار کر لیا تھا لیکن ان کے دین میں جو صحیح بات تھی وہ ان کو معلوم تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ان کو توحید کی طرف بلاؤ اور انہیں بتاؤ کہ یہ وہ چیز ہے جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اس کو قبول کرو صحیح بات کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے یہ بات کریں کہ ہمارا اور تمہارا جن چیزوں پر اتفاق ہے دونوں قومیں مل کر غیر قوموں کو ان چیزوں کی دعوت دیں یعنی یہود و نصاریٰ اپنے اپنے دین پر ہوتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کریں اور توحید کی دعوت دیتے رہیں العیاذ باللہ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے قرآن کسی قوم کو دین کفر پر باقی رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر لوگوں کو صرف توحید کی دعوت دی اور اسلام کی دعوت نہ دی اور وہ موحد ہو گئے تو یہ توحید اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں جب تک دین اسلام قبول نہ کریں گے باوجود موحد ہونے کے آخرت میں نجات نہ پائیں گے یہ تو غیر اقوام کو دھوکہ دینا ہوا کہ تم توحید کی دعوت میں شریک ہو جاؤ اگرچہ اسلام قبول نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ملک روم ہرقل کو خط لکھا تو اس میں تحریر فرمایا: **سلام علی من اتبع الھدی** یعنی اللہ کا سلام ہے اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے، پھر تحریر فرمایا کہ: **اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم یعطک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیریسین**

(کہ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا۔ اللہ تجھے دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے اعراض کیا تو تیرے اوپر تمام کاشتکاروں کا گناہ ہوگا)

مطلب یہ کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے تجھ پر تیرا گناہ تو ہوگا ہی تیری وجہ سے تیری مملکت کے کاشت کار جو اسلام قبول نہ کریں گے ان کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا کیونکہ تو ان کو اسلام سے روکنے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے مکتوب گرامی میں آیت بالا تحریر فرمائی (صحیح بخاری صفحہ ۵)

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اول اسلام کی دعوت دی پھر آیت بالا تحریر فرمائی جس سے واضح ہوا کہ آیت شریفہ کا مقصد اسلام ہی کی دعوت دینا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ تم یہودیت اور نصرانیت پر باقی رہتے ہوئے ہمارے ساتھ مل کر دعوت توحید کا کام کرو۔

قولہ تعالیٰ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور نہ بنائیں ہم آپس میں ایک دوسرے کو رب، اللہ کو چھوڑ کر) تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۹۳: ج ۳ میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم (صحابیؓ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم غیر اللہ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے (پھر یہ کیوں فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں) آپ نے فرمایا کیا وہ لوگ تمہارے لئے کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتے تھے اور تم ان کی بات پر عمل نہیں کرتے تھے تو عرض کیا ہاں ایسا تو تھا، آپ نے فرمایا یہ رب بنانے میں داخل ہے (کیونکہ چیزوں کو حلال یا حرام قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے لائق ہے وہ خالق و مالک ہے اپنی مخلوق میں جسے چاہے جس کے لئے حلال یا حرام قرار دے یہ مرتبہ کسی اور کو حاصل نہیں) واضح رہے کہ عدی بن حاتم پہلے نصرانی مذہب رکھتے تھے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ

اے اہل کتاب تم کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی توریت اور انجیل مگر ان کے بعد،

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ

کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو، اے لوگو! تم ایسے لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا، پھر تم کیوں حجت کرتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں

عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، نہیں تھے ابراہیم یہودی اور نصرانی، لیکن وہ

حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

حق کو اختیار کرنے والے فرمانبردار تھے، اور مشرکین میں سے نہ تھے، بلاشبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا

وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سب مومنین کا ولی ہے۔

اہل کتاب کی اس بات کی تردید کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے

تفسیر: لباب النقول صفحہ ۵۳ میں ہے (بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ اور یہودیوں کے علماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ کے پاس جھگڑا کرنے لگے علماء یہود نے کہا کہ ابراہیم یہودی ہی تھے اور نصاریٰ نے کہا وہ تو نصرانی ہی تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کی سرزنش فرمائی کہ تم کو جو تھوڑا سا علم حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں تھا اس کے متعلق

تو تم نے کچھ حجت بازی کرلی لیکن جس چیز کا تمہیں بالکل ہی علم نہیں اس کے بارے میں کیوں حجت بازی کرتے ہو۔ توریت اور انجیل میں جو باتیں ہیں ان کا کچھ تمہیں علم ہے لیکن ان باتوں سے غلط نتیجے نکال کر تم نے حجت بازی کرلی۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے یہ تو جھوٹ ہی جھوٹ ہے اس کی طرف تو کوئی بھی اشارہ تمہاری کتابوں میں نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام یہودی کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی نسل سے ہیں اور ان سے سینکڑوں سال کے بعد دنیا میں تشریف لائے اور مبعوث ہوئے اور ان پر توریت شریف نازل ہوئی، دین یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا اب تم بتاؤ کہ جو شخص ان سے سینکڑوں سال پہلے گذر چکا ہو وہ ان کے دین پر کیسے ہوگا؟ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں سال کے بعد تشریف لائے ان پر انجیل شریف نازل ہوئی۔ اب بتاؤ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر کیسے ہوسکتے ہیں؟ اور تم نے تو دین یہودیت اور دین نصرانیت میں شرک ملالیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرلی ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو اور ابراہیم علیہ السلام خالص موحد تھے مشرک نہ تھے۔ وہ حق کو اختیار کرنے والے اور باطل سے دور رہنے والے تھے بھلا وہ کیسے یہودی یا نصرانی ہوگئے؟ تم علم کے دعویدار ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس بات کا وجود ہی نہیں تم اس کے مدعی ہو یہ سب تمہاری بے عقلی بھی ہے بے علمی بھی ہے۔ پہلی آیت کے ختم پر اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ فرمایا۔ اس سے ان کا بے عقل ہونا بھی بتادیا اور بے علم ہونا بھی۔

حضرت ابراہیم سے زیادہ خصوصی تعلق والا کون ہے؟ پھر فرمایا اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ (الآیۃ) (بلاشبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا) یہود اور نصاریٰ نے نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ وہ یہودی اور نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی تکذیب فرمائی اور فرمایا کہ ابراہیم سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی شریعت کا اتباع کیا اور یہ نبی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور جو لوگ ان پر ایمان لائے یہ بھی ابراہیم سے قریب تر ہیں کیونکہ یہ امت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے۔ جیسا کہ سورۂ حج کے آخر میں فرمایا۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ، توحید اور عقیدہ معاد میں تمام انبیاء علیہم السلام مشترک ہیں لیکن شریعت محمدیہ ﷺ کے احکام کثیر تعداد میں ایسے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہیں توحید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو محنت کی جان جوکھوں میں ڈالی۔ اس کے لئے آگ میں ڈالے گئے وطن چھوڑا۔ امت محمدیہ نے پوری طرح محنت اور کوشش کرکے جانوں اور مالوں کی قربانی دے کر اس دعوت کو صحیح طریقہ پر باقی رکھا اور کروڑوں موحد ان کوششوں کی وجہ سے وجود میں آئے۔ دعوت توحید کے لئے اور توحید پر خود باقی رہنے اور دوسروں کو باقی رکھنے میں امت محمدیہ نے جو قربانیاں دی ہیں اس کی نظیر دوسری امتوں میں نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ تو مشرک ہوگئے۔ انہوں نے تو توحید کی دعوت ختم ہی کردی ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اللہ مومنین کا ولی ہے: آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں ان کی مدد اور حفاظت فرمائے گا اور ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا دے گا وَلِيُّهُمْ کی بجائے وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا تاکہ

یہ معلوم ہو جائے کہ صفت ایمان ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ کی مدد و نصرت اور حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے ہی نفسوں کو اور وہ نہیں سمجھتے،

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ

اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو، اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

کیوں مخلوط کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

اہل کتاب کی خواہش کہ مسلمانوں کو گمراہ کر دیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو یہ بتایا کہ اہل کتاب کا ایک گروہ ایسا ہے جو تمہیں گمراہ کرنے کے درپے ہے ان کی خواہش ہے کہ جس طرح ہو سکے تمہیں گمراہ کر لیں۔ کافروں کو یہ گوارا نہیں ہے کہ تم اپنے دین پر رہو اور وہ اپنے دین پر رہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ سورہ بقرہ کے رکوع ۱۳ میں گذر چکا ہے کہ اہل کتاب تمہیں مرتد بنانے کی آرزو رکھتے ہیں۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ. اور سورہ نساء میں فرمایا وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (یعنی ان کی خواہش ہے کہ تم کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور ان کی خواہش ہے کہ تم اور وہ برابر ہو جائیں) اور سورہ ممتحنہ میں فرمایا وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ (اور ان کی خواہش ہے کاش تم کافر ہو جاتے) زمانہ نبوت میں جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین تھے ان کی یہ خواہش ہمیشہ رہی کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ کر کفر اختیار کریں اور اس کے لئے تدبیریں کرتے رہے۔ ان کا ایسی تدبیریں کرنا خود ان ہی کی مزید گمراہی میں مبتلا ہونے اور کفر میں شدید ہونے کا ذریعہ بنتا رہا۔ اور ان کی اس کوشش کا وبال انہیں پر پڑا، آج بھی کافروں کی اس طرح کی کوششیں جاری ہیں۔ ان کے دلوں پر ایسے سیاہ پردے پڑے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ ہم گمراہی میں ترقی کر رہے ہیں۔

اے اہل کتاب! تم کیوں کفر اختیار کرتے ہو اور حق کو باطل کیساتھ کیوں ملاتے ہو؟ پھر اہل کتاب سے خطاب فرمایا کہ تم اللہ کی آیات کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ آیات حق ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت پر جو دلائل قاطعہ سامنے آچکے ہیں ان کو جانتے ہوئے گمراہی کو اختیار کرنا سخت در سخت عذاب کا ذریعہ ہے۔

نیز فرمایا کہ اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو، اس کے بارے میں حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ توریت اور انجیل میں جو انہوں نے تحریف کر لی تھی مخلوط کرنے سے وہ مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ

اس سے یہ مراد ہے کہ وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتے تھے اور دلوں میں انہوں نے کفر اختیار کر رکھا تھا۔ منافق بنے ہوئے تھے اس کی تفسیر میں اور بھی بعض اقوال ہیں، مزید فرمایا وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کہ تم حق کو یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ نبی برحق ہیں، یہودی آپس میں اور بعض مرتبہ انصار اور مہاجرین کے سامنے یہ بات کہہ دیتے تھے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن دنیاوی اغراض کی وجہ سے حق قبول نہیں کرتے تھے۔ جانتے بوجھتے ہوئے گمراہ ہونا بہت بڑی شقاوت ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ

اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں پر دن کے شروع حصہ میں

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ

اور منکر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ اور اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ

اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ

بلاشبہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے یہ باتیں تم اس لئے کرتے ہو کہ کسی دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو تمہیں دی گئی یا اس لئے کہ وہ تم پر دلیل میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اسے عطا فرماتا ہے جسے چاہے اور اللہ واسع ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں کی ایک مکاری کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہودیوں کے ایک منافقانہ طریق کار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان میں سے ایک جماعت نے آپس میں ایک دوسرے کو مشورہ دیا کہ صبح صبح جب دن شروع ہو تم مسلمانوں کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے یوں کہو کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے تمہارا دین قبول کر لیا اور دن بھر اسی طرح گذار دو، اور جب شام کا وقت ہو جائے دن جانے لگے تو کفر اختیار کر لو۔ تاکہ مسلمان اپنے دین سے واپس ہو جائیں۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۹۹: ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہود خیبر کے علماء میں سے بارہ آدمیوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا تھا اور وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ جو انہوں نے کہا تھا اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صبح کو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بعد اسی دن شام کو اپنے کفر کا اظہار کر دینا (جو دل میں پہلے ہی سے تھا) اور مسلمانوں سے یوں کہنا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں غور کیا اور اپنے علماء سے مشورہ کیا تو ہماری سمجھ میں یہی آیا کہ محمد ﷺ کا دین باطل ہے جب ایسا کہو گے تو سچے مسلمانوں پر بھی اثر پڑے گا وہ سمجھیں گے کہ یہ تو اہل کتاب ہیں اہل علم ہیں جب انہوں نے دین اسلام قبول کر کے چھوڑ دیا تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین اسلام صحیح نہیں ہے۔ یہ طریقہ کار

انہوں نے اپنے خیال میں مسلمانوں کو ورغلانے کے لئے اختیار کیا لیکن دشمنوں کے مکر و فریب کا الحمدللہ کسی مسلمان نے کچھ بھی اثر نہ لیا۔

اس کے بعد یہودیوں کی ایک اور بات کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں یوں کہا وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ، کہ تمہارا جو دین یہودیت ہے اس دین پر مضبوطی کے ساتھ جمنے کا اقرار ان ہی لوگوں کے سامنے کرنا جو تمہارے دین کے تابع ہیں۔ یعنی اپنا اندرونی عقیدہ اپنے ہی لوگوں کے سامنے بیان کرنا۔ اور مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کے لئے اوپر اوپر سے یہ کہہ دینا کہ ہم نے تمہارا دین قبول کر لیا (اندر سے اپنے عقیدہ پر رہنا) پھر ظاہری طور پر بھی یوں کہہ دینا کہ ہم اپنے دین پر واپس آ گئے حالانکہ دل سے انہوں نے اپنا دین چھوڑا ہی نہیں تھا۔ یہ ان کا مکر تھا۔

اور بعض مفسرین نے وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم صرف اسی شخص پر ایمان لاؤ جو تمہارے دین کی موافقت کرتا ہو کما فی معالم التنزیل ای ولا تصدقوا الا لمن تبع دینکم ای وافق ملتکم (جس کا معنی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ نئی شریعت لے کر آئے ہیں اور وہ تمہاری شریعت کے موافق نہیں ہے اس لئے تم ان پر ایمان نہ لاؤ) اللہ جل شانہٗ نے فرمایا قُلْ اِنَّ الْهُدٰی هُدَی اللّٰهِ کہ اے محمد ﷺ آپ فرمادیں کہ بلاشبہ ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے وہ جسے ہدایت دینا چاہے اور ہدایت پر رکھنا چاہے اسے کسی کی تدبیر ہدایت سے نہیں روک سکتی یہ معنی پہلی تفسیر کے مطابق ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق اس کا یہ معنیٰ ہوگا کہ اللہ کو اختیار ہے کہ اپنی بھیجی ہوئی ایک شریعت کو منسوخ کر دے اور اس کی جگہ دوسری شریعت بھیج دے اور اس پر عمل کرنے کا حکم فرمادے جب اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دوسری شریعت بھیج دی تو اسے قبول کر لو اگر اس کے خلاف چلو گے تو برابر کفر کی گمراہی میں رہو گے قولہ تعالیٰ اَنْ یُّؤْتٰۤی اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اس میں بھی یہودیوں کی ایک بات کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں کہا کہ تم کبھی یہ تصدیق نہ کرنا کہ تم کو جو علم اور کتاب اور حکمت دی گئی ہے اس جیسی کسی اور کو بھی عطا کی گئی ہو، علم اور کتاب اور حکمت یہ صرف ہمارا ہی حصہ ہے، نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم اس بات کی بھی تصدیق نہ کرنا کہ تمہارے رب کے پاس دوسرے لوگ حجت میں تم پر غالب آ جائیں گے۔ کیونکہ تمہارا ہی دین صحیح ہے اس صورت میں اَنْ یُّؤْتٰۤی سے پہلے ایک وَلَا تُؤْمِنُوْۤا مقدر ماننا ہوگا صاحب بیان القرآن نے اَنْ یُّؤْتٰۤی اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اے یہودیو! تم ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ تمہیں مسلمانوں پر حسد ہے کہ انہیں آسمانی کتاب کیوں مل گئی یا یہ لوگ تم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آ جاتے ہیں اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہلِ اسلام کے تنزل کی کوششیں کرتے ہو اس صورت میں اَنْ یُّؤْتٰۤی سے پہلے تدبرتم یا قلتم مقدر ماننے کی ضرورت ہوگی۔

آخر میں یہودیوں کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (الآیہ) آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمادے، وہ بڑی وسعت والا ہے بڑے علم والا ہے، وہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے مخصوص فرمادے اور وہ بڑے فضل والا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین سیدنا محمد عربی ﷺ کو

نبوت ورسالت سے نواز دیا اور ان پر کتاب نازل فرمادی اور ان کے ذریعہ ہدایت پھیلا دی اس پر تم کو حسد کرنا جہالت اور کفر ہے یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسرے کو نبی کیوں بنایا۔ یہ عصبیت جاہلیہ اہل علم کو برباد کر دیتی ہے، مزید توضیح اور تشریح کے لئے سورہ بقرہ (ع ۱۱) میں بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ کی تفسیر دیکھ لی جائے (انوار البیان صفحہ ۱۳۷: ج ۱) یہ لوگ عصبیت جاہلہ کی وجہ سے کفر اختیار کرنے اور کفر پر جمے رہنے اور دائمی عذاب میں پڑنے کو تیار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے پر تیار نہیں کہ وہ اپنی رحمت سے جسے چاہے اپنا فضل عطا فرمائے۔ اللہ کی مشیت اور ارادہ میں کسی کو چوں کرنے کا مقام نہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ

اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پاس اگر بہت زیادہ مال امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا کر دیں گے اور ان میں ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو گے

لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ

تو وہ تمہاری طرف ادا نہیں کریں گے مگر یہ کہ تم برابر سر پر کھڑے رہو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ

سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى

نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

اہل کتاب کی امانت داری اور خیانت کا تذکرہ

تفسیر: اس آیت میں ان اہل کتاب کا بیان ہے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور وہ بدستور حب مال اور حب دنیا میں غرق رہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور دیگر صحابہ جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور لَا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ سے وہ یہود مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور بدستور حب دنیا اور حب مال میں مستغرق تھے۔ جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن سلام کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا امانت رکھ دیا تھا۔ انہوں نے اس کو ادا کر دیا (ایک اوقیہ چالیس درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے) اور فنحاص بن عازوراء ایک یہودی تھا اس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھ دیا تو وہ خیانت کر بیٹھا۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کی دو جماعتوں کا حال بیان فرمایا کہ بعض ان میں ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس قنطار یعنی مال کثیر امانت رکھ دو گے تو وہ واپس کر دیں گے اور اچھے طریقے پر ادا کر دیں گے اور بعضے لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دینار امانت رکھ دو تو ادا نہ کریں گے ہاں سر پر برابر کھڑے ہی رہو اور تقاضوں سے عاجز آ کر ادا کر دے تو وہ دوسری بات ہے ابوبکر جصاص احکام

القرآن صفحہ ۱۷۰: ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِماً سے معلوم ہوا کہ جس کا حق ہے وہ اس کے پیچھے پڑ سکتا ہے اور مسلسل اس کا پیچھا کر سکتا ہے جس کے اوپر حق ہے۔ وقد دلت الاية على ان للطالب ملازمة المطلوب للدين۔

آیت میں اہل کتاب کا تذکرہ تو ہے ہی اس امت کے نادہندہ لوگوں کو بھی تنبیہ ہے قرض لینے اور امانت رکھنے کے لئے تو جلد سے جلد تیار ہو جاتے ہیں اور جب دینے کا وقت آتا ہے تو ٹال مٹول کرتے ہیں۔ صاحب حق کو چکر کھلاتے ہیں۔ پریشان کرتے ہیں امانت کھا جاتے ہیں قرض مار لیتے ہیں۔ پھر بدنیت لوگوں کی اللہ پاک کی طرف سے مدد بھی نہیں ہوتی۔ صحیح بخاری صفحہ ۳۲۱: ج ۱ میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے لوگوں کے مال لے لئے جن کی ادائیگی کا وہ ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرما دیتا ہے یعنی اس کی حسن نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قرضوں کی ادائیگی کے لئے سہولت پیدا فرما دیتے ہیں اور جس نے لوگوں کے مال لئے جنہیں وہ تلف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تلف فرما دیتا ہے (مال اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور اس پر قرضہ باقی رہ جائے گا۔ قیامت کے دن حقوق العباد مارنے کی وجہ سے عذاب میں جائے گا) (كما في حاشية البخاری عن العینی)

یہودیوں کا یہ جھوٹ کہ ہمیں ان پڑھوں کا مال مارنا حلال ہے:

یہودیوں پر ایک اور جہالت سوار تھی اور وہ یوں کہتے تھے کہ عرب کے امی لوگوں کا ہمارے لئے سب کچھ حلال ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو بھی کوئی ہمارے دین پر نہ ہو اس پر ظلم کرنا مال مارنا حلال ہے۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگوں نے یہودیوں سے خرید و فروخت کے معاملات کئے یہودیوں پر ان کے قرضے تھے جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور یہودیوں سے تقاضا کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہمارے ذمہ کچھ ادائیگی ہے تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور ہمارے تمہارے درمیان جو عہد تھا وہ ختم ہو گیا اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ہم نے یہ بات اپنی کتابوں میں پائی ہے۔ عربوں کو اُمِّیُّوْن (ان پڑھ) کہا کیونکہ یہ لوگ یہودیوں کے مقابلہ میں پڑھے لکھے نہیں تھے یہودیوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے ہم نے مال مار لئے تو کیا ہے ان کے مالوں کے بارے میں ہم سے کوئی پوچھ گوچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کو ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔.......اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ کہ یہ لوگ اللہ کے ذمہ جھوٹ لگاتے ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں (معالم التنزیل صفحہ ۳۱۷۔۳۱۸: ج ۱) تفسیر ابن کثیر میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ جب اہل کتاب نے لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا كذب اعداء الله کہ اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۷۴: ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم جہاد میں جاتے ہیں اور ذمی (یعنی وہ کافر جو دار الاسلام میں رہتے ہیں) ہم کو ان کے جو مال مل جاتے ہیں مرغی اور بکری ہم انہیں کھا جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم کیا سمجھ کر کھا جاتے ہو اس نے جواب دیا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے اہل کتاب نے کہا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی

الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ جب ذمیوں نے جزیہ ادا کر دیا تو تمہارے لئے ان کے مال حلال نہیں ہیں ہاں اگر وہ اپنے نفسوں کی خوشی کے ساتھ دیں تو اور بات ہے۔

جھوٹے فقیروں کا طریق کار: اس امت میں بھی بہت سے جھوٹے پیر فقیر ایسے ہیں کہ جن بستیوں میں ان کے کسی باپ دادا سے لوگ مرید ہو گئے تھے۔ ان بستیوں کو اپنا مرید آباد بنا رکھا ہے۔ سالانہ ان علاقوں میں گشت کرتے ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں ان کے مالوں میں سے بلا اجازت لیتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ لحاظ اور مروت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ شرعاً اس طرح کا لیا ہوا مال حلال نہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ الا لا یحل مال امرء مسلمٍ الا بطیب نفسٍ منه (خبردار کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر یہ کہ وہ نفس کی خوشی سے دے دے کما فی المشکٰوۃ صفحہ ۲۵۵، بے آبروئی کے ڈر سے یا کسی بھی طرح کے دباؤ سے کوئی شخص اگر اجازت دیدے تب بھی اس کا مال لینا حلال نہیں ہوتا اگر چہ وہ ظاہری طور پر زبان سے اجازت بھی دیدے یا خاموش رہے، اسی لیے طیب نفس کی قید لگائی جو مال طیب نفس سے نہ ملے گا وہ حلال نہ ہوگا اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جو شخص فاسق ہو اندر سے اس کا باطن پاک نہ ہو اور اسے بزرگ سمجھ کر ہدیہ دیا جائے اگر چہ خوشدلی سے ہو وہ ہدیہ اس کے لئے حلال نہیں ہے (کمافی احیاء العلوم صفحہ ۱۰۴: ج ۲)

مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی کی تفسیر: آخر میں فرمایا بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ کہ یہ بات نہیں ہے کہ ان پڑھوں کے مالوں کو حرام طریقے پر رکھ لینے سے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہو ان پر مواخذہ ضرور ہے۔

فی الروح صفحہ ۲۰۳: ج ۳ بلی جواب لقولهم لیس علینا فی الامیین سبیل وایجاب لما نفوه والمعنی بلی علیهم فی الامیین سبیل اور من اوفی بعهده واتقی (روح المعانی میں ہے کہ بَلٰی ان کے قول لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ کا جواب ہے اور جس چیز کی وہ نفی کر رہے ہیں اس کا اثبات ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ نہیں بلکہ ان پر ان پڑھوں کے بارے میں بھی مؤاخذہ ہے)

یہ جملہ مستانفہ ہے.............. یہودی باوجود ایسی حرکتوں کے جو اوپر ذکر ہوئیں اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی سمجھتے ہیں۔ اللہ کا محبوب وہ ہے جو اس کے عہد کو پورا کرے (عہد میں یہ بھی شامل ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں) اور گناہوں سے بچے سب سے بڑا گناہ کفر اور شرک ہے اس سے بھی بچے اور لوگوں کے اموال مارنے سے بھی بچے (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پوری طرح خیال رکھے) جو شخص ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ قال ابن کثیر صفحہ ۳۷۴: ج ۱:

ای لکن من اوفی بعهده واتقی منکم یا اهل الکتاب الذی عاهدکم الله علیه من الایمان بمحمد ﷺ اذا بعث کما اخذ العهد والمیثاق علی الانبیاء و اممهم بذلک واتقی محارم الله واتبع طاعته و شریعته التی بعث بها خاتم رسله و سید هم (فان الله یحب المتقین). (یعنی اے اہل کتاب تم میں سے جس نے اپنا وہ وعدہ پورا کیا کہ جو حضور ﷺ پر ان کی بعثت کے بعد ایمان لانے کا وعدہ اللہ سے کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کی امتوں سے عہد و میثاق لیا ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچا اور اس کی اطاعت اختیار کی اور خاتم المرسلین ﷺ جو شریعت لیکر آئے ہیں اس کی پیروی کی تو پھر اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے)

اس آیت میں عہد پورا کرنے کی اہمیت کا بھی ذکر ہے۔ اللہ سے عہد ہو یا بندوں سے اس کا پورا کرنا لازم ہے

اللہ سے اہل کتاب کا یہ عہد تھا کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں گے اسے انہوں نے پورا نہ کیا اور ہر مسلمان کا اللہ سے عہد ہے کہ میں آپ کے احکام کی تعمیل کروں گا حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایک بات بتا دیجئے جس کے بعد مجھے آپ کے علاوہ کسی اور سے پوچھنا نہ پڑے اور یہ بات اسلام کی باتوں میں سب سے زیادہ جامع ہو آپ نے فرمایا قل آمنت باللہ ثم استقم (تو آمنت باللہ کہہ دے اور اس پر جما رہ) (رواہ مسلم کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۲)

اسلام کا کلمہ پڑھ لینا محض زبانی بات نہیں ہے اس کی ذمہ داریاں ہیں اس میں اللہ تعالیٰ سے اقرار ہے اور عہد ہے کہ میں آپ کے احکام پر چلوں گا جو آپ کی کتاب اور آپ کے رسول کے ذریعے مجھے پہنچے ہیں۔ اسلام کی جو پابندیاں ہیں ہر مسلمان ان کے پورے کرنے کا عہد کر چکا ہے ان کا پورا کرنا لازم ہے اور بندوں سے بھی بہت سے عہد کئے جاتے ہیں ان میں سے جو گناہ نہ ہو اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (اور عہد کو پورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں جس شخص میں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں ایک خصلت ہوگی جب تک اسے چھوڑ نہ دے گا اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہوگی (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔ (۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے (صحیح بخاری کتاب الایمان)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي
بے شک اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں
الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ
اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک فرمائے گا اور ان کے لئے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾
عذاب ہے دردناک

اللہ کے عہد کے عوض دنیا کمانے والوں کو تنبیہ

تفسیر: یہودیوں سے جو اللہ تعالیٰ کا عہد تھا کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اس عہد کو انہوں نے اپنے عوام سے چھپایا اور بدل بھی دیا۔ کیونکہ جو صفات توریت شریف میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھی تھیں ان کو واقعی طور پر جاننے کے باوجود بھی تغیر تبدل کر دیا اور اپنے عوام کو بتایا کہ جو صفات ہم نے پڑھی ہیں وہ ان پر منطبق نہیں ہوتیں اور اس طرح اپنے عوام کو اپنی جانب کر کے اپنی ریاست باقی رکھی۔ اور اپنے عوام سے رشوت لیتے رہے۔ یہ عہد خداوندی کے عوض حقیر دنیا حاصل کرنا ہوا۔ حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ابو رافع اور کنانہ اور حُیّ اور ان کے علاوہ دیگر

رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی ان صفات کو چھپا دیا جو توریت شریف میں مذکور تھیں اور ان کو بدل کر دوسری صفات اپنے قلم سے لکھ دیں اور انہوں نے قسم کھائی کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے تا کہ رشوتیں اور کھانے پینے کے طریقے جو جاری کرر کھے تھے وہ ہاتھ سے نہ جائیں۔ اور ان کے اتباع سے جو کچھ ملتا تھا وہ ملتا رہے۔

جھوٹی قسم اور اس کا وبال: یہودی مالیات کے سلسلے میں جھوٹی قسمیں بھی کھا جاتے تھے اور اس طرح کی حرکتیں دوسرے لوگوں سے بھی صادر ہوتی ہیں اور ہوتی رہی ہیں اس لئے کسی جماعت کا نام لینے کے بجائے عمومی بات ذکر فرمادی کہ جو لوگ ایسا ایسا کریں گے ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر سخت غصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ فرمائے گا۔ اور ان کی طرف نظر رحمت سے بھی نہیں دیکھے گا.......... یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے فرمائیں۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۲۰۴: ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خود حساب لے، بلکہ فرشتے ان سے بات کریں گے اور حساب لیں گے۔ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۳۱۹: ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ ای لا یثنی علیهم بالجمیل ولا یطهر هم من الذنوب کہ اللہ تعالیٰ ان کو اچھائی کے ساتھ یاد نہ فرمائے گا اور انہیں گناہوں سے پاک نہ کرے گا۔ اور حافظ ابن کثیر صفحہ ۳۷۵: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ ای من الذنوب والادناس ویامربهم الی النار یعنی اللہ تعالیٰ ان کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا اور ان کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ (نہ ان کی مغفرت ہوگی جس سے گناہ معاف ہوں اور نہ یہ ہوگا کہ کچھ مدت کے لئے دوزخ میں بھیج کر گناہوں کی سزا دے کر پاک صاف کر کے جنت میں بھیجا جائے جیسا کہ بعض گناہ گار اہل اسلام کے ساتھ ہوگا) وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے جس سے کبھی نہ نکلیں گے۔ صحیح بخاری صفحہ ۳۶۶: ج ۱ میں ہے کہ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین کے بارے میں مخاصمت تھی اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا کوئی حق نہیں۔ میں اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا میں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِیْلاً (الآیۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص جھوٹی قسم کھالے تا کہ کسی کا مال اس کے ذریعہ حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت بالا تلاوت فرمائی راوی حدیث حضرت ابووائل (شاگرد ابن مسعود رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت اشعثؓ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود نے آج تم سے کیا بیان کیا میں نے ان سے حدیث بالا بیان کر دی اور عرض کر دیا کہ آخر میں انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت اشعث نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی (صحیح بخاری صفحہ ۳۶۸: ج ۱)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص مال بیچنے کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے اللہ

کی قسم کھالی کہ میں نے اس کے عوض اتنا اتنا مال دیا ہے (اور یہ جھوٹ تھا۔ کیونکہ اس نے اتنا مال نہیں دیا تھا جتنا اس نے بتایا۔ تاجروں کی عادت ہوتی ہے کہ زیادہ نفع کمانے کے لئے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھاجاتے ہیں کہ میں نے تو خود اتنے میں خریدا ہے) اس پر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِیْلاً نازل ہوئی (صحیح بخاری صفحہ ۳۶۷: ج۱)

مذکورہ بالا روایات سے آیت کے چند اسباب نزول معلوم ہوئے بیک وقت چند چیزیں جمع ہوگئیں ہوں جو آیت نازل ہونے کا سبب بن گئیں اس میں کوئی بعد نہیں۔ آیت شریفہ میں اللہ کے عہد کو بدلنے والوں اور جھوٹی قسم کھا کر دوسروں کا مال حاصل کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور ان کی آخرت کی سزا ذکر کی ہے۔ آیت کا مضمون عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو اس طرح کی حرکت کرے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا۔ ان کے لئے عذاب الیم ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ان کا برا ہو اور نقصان میں پڑیں۔ کون ہیں یہ لوگ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا اپنے کپڑوں کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا اور (کسی کو کچھ دے کر) احسان جتانے والا۔ اور اپنی بکری کے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ چالو کرنے والا۔ (صحیح مسلم) نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم سودا بکوا دیتی ہے اور برکت کو ختم کردیتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۳: ج۱ از بخاری و مسلم)

بہت سے لوگ حاکم کے ہاں جھوٹا مقدمہ لے جاتے ہیں بعض مرتبہ مدعی جھوٹا ہوتا ہے اور وہ جھوٹے گواہ پیش کردیتا ہے اور بعض مرتبہ مدعی علیہ جھوٹا ہوتا ہے وہ جھوٹی قسم کھاجاتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور ایسا شخص اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہوں میں سے اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور ماں باپ کو تکلیف دینا ہے۔ جھوٹی قسم کھانا ہے اور جس کسی شخص نے بھی اپنی بات پر جمتے ہوئے قسم کھائی اور اس میں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی جھوٹی بات داخل کردی تو وہ قسم قیامت کے دن تک اس کے لئے سیاہ داغ بن جائے گی۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۲۸)

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقاً یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ

اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو موڑ کر کتاب بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے

الْكِتٰبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

بعض اہل کتاب کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے

تفسیر: یہ آیت بھی یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ توریت شریف میں تحریف اور تغیر کرتے تھے۔ بیان کرتے ہوئے اس انداز سے زبان موڑ کر بات کرجاتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھ لے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے رسول اللہ ﷺ کی صفات جو توریت شریف میں پائی تھیں ان کو بدل دیا اور آیت رجم کو چھپالیا۔ تحریف کرتے ہوئے جو بات کہتے تھے اس کو ایسے انداز میں پیش کرتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ ان کی اپنی بنائی ہوئی بات ہوتی تھی۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ صاف ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بات خود تراشیدہ ہوتی تھی۔ اَلْسِنَتَھُمْ کا جو مطلب اوپر عرض کیا گیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص سے مدعی نے کہا کہ تو کعبہ کی قسم کھا اس نے زبان دبا کر کابک کی قسم کھالی دوسرے کاف کی طرف مدعی اور دوسرے سننے والوں کا ذہن بھی نہ گیا انہوں نے سمجھا کہ اس نے واقعی کعبہ کی قسم کھالی پھر جب مجلس سے جدا ہوا تو اس کے متعلقین نے کہا کہ تو نے جھوٹی قسم کھائی تو کہنے لگا کہ میں نے تو کابک کی قسم کھائی ہے۔

کابک بعض علاقوں میں کبوتر بند کرنے کے پنجرے کو کہتے ہیں۔ کعبہ کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے یہ ایک مثال ذہن میں آئی تھی عرض کردی اس طرح کے اور بھی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ لوی لسانه عن كذا سے ماخوذ ہے اور یہ غیّر کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن کثیر اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

يحرفون الكلم عن مواضعه ويبدلون كلام الله و يزيلونه عن المراد به ليوهموا الجهلة انه فى كتاب الله كذلك وينسبونه الى الله وهو كذب على الله وهم يعلمون من انفسهم انهم قد كذبوا وافتروا فى ذلك كله. (کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹاتے اور کلام اللہ میں تبدیلی کرتے تھے۔ اور کلامِ الٰہی کو اپنی مراد سے ہٹا دیتے تھے تاکہ جاہلوں کو یہ جتلائیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اسی طرح ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور وہ خود جانتے تھے کہ وہ اس پورے عمل میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہیں اور بہتان لگا رہے ہیں)

حافظ بغوی اور حافظ ابن کثیر نے زبان موڑ کر بیان کرنے کا معنی یہی لیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں یعنی اس کا مطلب غلط بتاتے ہیں اور لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی کتاب کا مطلب تمہارے سامنے صحیح بیان کیا ہے وہ لوگ تحریف کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اور جان بوجھ کر یہ گناہ کرتے تھے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ

چونکہ اللہ کی کتاب کی تعلیم ان کے ہاں عام نہیں تھی اور چند علماء ہی ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اس لئے اپنے عوام کو جو چاہتے تھے سمجھا دیتے تھے۔ امت محمدیہ میں بھی بعض فرقے جو اہل ہویٰ ہیں حقیر دنیا کے لئے اہل کتاب کی نقل اتارتے ہیں ایک واعظ صاحب جو رسول اللہ ﷺ کی بشریت کے منکر تھے اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ کا ترجمہ کرتے ہوئے ما کو نافیہ بتا گئے اور اس سے بشریت کی نفی ثابت کر گئے اہل ہویٰ کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ خواہ کافر ہی ہو جائیں لیکن ان کے عوام ناراض نہ ہوں۔ اور عوام سے جو ملتا ہے وہ ملتا رہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اسے کتاب حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یوں کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ

دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم پڑھتے ہو

وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنالو کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا۔ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

ہر نبی کی یہ دعوت ہوتی تھی کہ اللہ والے بن جاؤ

تفسیر: لباب النقول صفحہ ۵۴ میں ہے کہ جب مدینہ کے یہودی اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع نے کہا (جو یہود کے قبیلہ بنی قریظہ سے تھا) اے محمد آپ جو چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسے نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) میں ایسی دعوت کیوں دینے لگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا جاتا ہے کیا ہم ایسا نہ کریں (کہ آپ کی رفعت اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے) آپ کو سجدہ کریں آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو اپنے نبی کا اکرام کرو اور صاحب حق کا حق پہچانو۔ کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے لئے سجدہ کرنا درست نہیں ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (روح المعانی صفحہ ۲۰۷: ج ۳)

اوپر آیت کے دو سبب نزول بیان ہوئے اگر دونوں ہی ہوں تو اس میں کوئی بات قابل اشکال نہیں آیت میں صاف صاف واضح طور پر بیان فرمایا کہ جس کسی بشر کو اللہ پاک کتاب اور حکمت عطا فرمائے اور نبوت سے نوازے اس کے لئے کسی طرح سے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی دعوت دے۔ نبیوں کا کام تو یہ تھا کہ لوگوں کو خدائے پاک کی بندگی کی طرف بلائیں اور خدا کا بندہ بنائیں وہ خدائے پاک کی عبادت چھڑا کر اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف دعوت نہیں دے سکتے اس میں نصاریٰ کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اور اپنی ماں کی عبادت کی دعوت دی ہے۔ اور یہودیوں کے اس قول کا بھی رد ہو گیا جنہوں نے کہا کہ اے محمد تم اپنی عبادت کرانا چاہتے ہو۔ جس کسی بھی بندہ کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اس نے یہی دعوت دی کہ تم ربانی بن جاؤ۔ اللہ پر ایمان لاؤ اسی کی عبادت کرو۔

قولہ تعالیٰ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ، اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی صفحہ ۲۰۸: ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ الباء السبية متعلقة بكونوا اى كُونُوا كذلک بسبب مثابرتكم على تعليمكم الكتاب و د راستكم له والمطلوب ان لا ينفک العلم عن العمل اذ لا يعتد احدهما بدون الآخر

اس کا مطلب یہ ہے کہ باءِ سببیہ ہے جار مجرور کُوْنُوْا سے متعلق ہے۔ یعنی تم لوگ ربانی ہو جاؤ۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور کتاب کو پڑھتے ہو جس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جس کو پڑھتے پڑھاتے رہے ہو اس کا تقاضا یہی ہے کہ ربانی بنو اور جو تمہارے پاس علم ہے اس پر عمل کرو کیونکہ علم بغیر عمل کے معتبر نہیں اور عمل بغیر علم کے صحیح نہیں۔

ربانی کون ہیں؟ لفظ رَبّٰنِیّٖنَ، ربانی کی جمع ہے جو رب کی طرف منسوب ہے نسبت میں الف اور نون زائد کر دیا گیا۔ لفظ ربانی کا معنی بتاتے ہوئے حضرات مفسرین کرام نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں معالم التنزیل صفحہ ۳۲۰: ج ۱ میں حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ اور حسنؒ سے کونوا ربانیین کا معنی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کُوْنُوْا فقھاء علماء اور حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حکماء وعلماء اور سعید بن جبیر نے فرمایا العالم الذی یعمل بعلمہ اور حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ ہے۔ فُقَهَاءُ مُعَلِّمِیْنَ اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے۔ ھو الذی یوتی علمہ بعملہ۔

مجموعی طور پر ان سب اقوال کا خلاصہ یہی ہوا کہ ربانی وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہیں فقیہ ہیں حکیم ہیں متقی ہیں اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق پر چلاتے ہیں۔ اور ایمان تو بہر حال ثواب اور نجات آخرت کے لئے شرط ہے ہی، یہ سب چیزیں ہوں اور باایمان ہو تب ربانی کا مصداق ہوگا جس کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اللہ والے فرمایا۔ یہ ترجمہ بہت جامع ہے اس میں علم اور عمل تعلیم تدریس عبادت اخلاق حسنہ سب کچھ آ جاتا ہے۔ ربانیین کی ذمہ داری ہے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل پر ڈالیں۔ سورہ مائدہ میں فرمایا: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ (کیوں نہیں روکتے ان کو ربانی لوگ اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام کے کھانے سے)

غیر اللہ کو رب بنانے کی ممانعت: پھر فرمایا وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا (کہ نبی تم کو یہ حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو اپنا رب بنالو) تمام انبیاء علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے تھے وہ غیر اللہ کو رب ماننے کی دعوت کیسے دے سکتے تھے؟ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (کیا نبی تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو)۔ اگر تم موحد ہو تو نبی تم کو توحید سے کیوں ہٹائے گا؟ وہ شرک کی دعوت نہیں دے سکتا۔ ہاں اپنی نبوت اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دے گا۔ جس کا وہ مامور ہے اور جس پر ایمان لائے بغیر تم مومن نہیں ہو سکتے اور تمہارا عقیدہ توحید اس پر ایمان لائے بغیر تمہیں نجات نہیں دلا سکتا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت یہ تھی کہ صرف اللہ کے بندے بنو اسی کی عبادت کرو نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کی دعوت دی اور اسی دعوت پر محنت کی۔ اور آپ کے صحابہؓ نے بھی اسی دعوت کے لئے مشقت اٹھائی اور جہاد کئے۔ ایک مرتبہ فارس کے جہاد کے موقعہ پر حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ بطور سفیر رستم کے پاس تشریف لے گئے۔ رستم اہل فارس کا صاحب اقتدار تھا۔ رستم نے کہا کہ تم لوگ کیوں آئے ہو انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ ہم بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لے جائیں اور جو موجودہ دین میں ان کے ظلم سے بچا

کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔ (کما ذکر ابن کثیر فی البدایۃ فی ذکر یوم القادسیہ)

دورِ حاضر میں بہت سے ایسے پیر وفقیر ہیں جنہیں نہ شریعت سے تعلق ہے نہ طریقت کو جانتے ہیں، سجادے بنے ہوئے گدیاں سنبھالے ہوئے ہیں، اپنے مریدوں سے خود اپنے کو سجدہ کراتے ہیں اور ان قبروں کو بھی جن کو کسب دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے طریقت تو شریعت کی خادم ہے۔ بیعت اور ارشاد اور تصوف وسلوک اسی لئے ہے کہ انسان اللہ کے بندے بنیں اور اس کی عبادت میں لگیں نہ اس لئے کہ غیر اللہ کو سجدے کئے جائیں۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر آجائے تمہارے پاس رسول

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ

جو تصدیق کرنیوالا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا مضبوط عہد قبول کر لیا؟

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

انہوں نے کہا کہ ہاں، ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا سو تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو شخص اس کے بعد روگردانی کرے گا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

سو یہی لوگ نافرمان ہیں۔

حضرات انبیاء کرام سے اللہ تعالیٰ کا عہد لینا

تفسیر: ان دو آیتوں میں اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ تمہاری موجودگی میں جو دوسرا کوئی نبی آئے گا اس پر ایمان لانا اور اپنی امت کو بھی اس پر ایمان لانے کی دعوت دینا تبلیغ کرنا اور اس نبی کی مدد کرنا۔ اگر تمہاری موجودگی میں کوئی نبی نہ آئے تو اپنی امت کو تاکید کر دینا کہ اس نبی پر ایمان لانا جو میرے بعد آئے اور اس کی تصدیق اور اس کی مدد کرنا۔ اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عہد لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ رسول کی تنوین تنکیر کے لئے ہو اور بعض مفسرین نے یوں فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ تمہاری موجودگی میں محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں گے تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امتوں کو بھی اس کا حکم دینا کہ ان میں سے جو بھی ان کا زمانہ پالے ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے (معالم التنزیل صفحہ ۳۲۲: ج ۱)

عہد لے کر اللہ تعالیٰ نے تاکیداً فرمایا ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ (کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر تم نے میرا مضبوط عہد لے لیا) سب نے عرض کیا کہ ہاں ہم نے اس کا اقرار کر لیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو

اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ یہ عہد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی لیا۔ اور ان کے واسطے سے ان کی امتوں سے بھی لیا۔ اس عہد کو جن لوگوں نے پورانہ کیا ان کے بارے میں فرمایا فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ کہ جس نے اس عہد کے بعد روگردانی کی عہد کو پورا نہ کیا کسی بھی ایک نبی کو جھٹلایا تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں اور نافرمانی کے بدترین مرتبہ میں ہیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔ (قال فی الروح ای الخارجون فی الکفر الی افحش مراتبه) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے تو اللہ کی نافرمانی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی امتوں نے اس عہد سے منہ موڑا اور کفر اختیار کیا۔ یہودی حضرت عیسیٰ السلام پر ایمان نہ لائے اور یہود و نصاریٰ دونوں قومیں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی منکر ہو کر کفر پر مصر رہیں۔

خاتم النبیین ﷺ کی فضیلت: شیخ ابوالحسن تقی الدین السبکی رحمہ اللہ کا مستقل ایک رسالہ ہے جو آیت بالا کی تفسیر سے متعلق ہے اس رسالہ کا نام التعظیم والمنّة فی لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ہے جو فتاویٰ سبکی میں صفحہ ۳۸: ج ا سے شروع ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ رسول مصدق سے مراد اس آیت میں ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں جس سے اللہ نے یہ عہد نہ لیا ہو کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کروں گا اگر وہ تمہارے زمانہ میں آئیں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امت کو اس کی وصیت کرنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اور اخذ میثاق میں نبی اکرم ﷺ کی جس عظمت شان کا بیان ہے وہ پوشیدہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انبیاء کرام کے زمانہ میں آپ کی بعثت ہوتی تو آپ ان کے لئے بھی مرسل ہوتے اور اس طرح سے آپ کی نبوت اور رسالت تمام مخلوق کو عام ہوگئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آخیر زمانے تک۔ اور اس طرح سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں سب آپ کی امت میں داخل ہیں۔ اور آپ کا ارشاد بُعثت الی الناس کافةً صرف انہیں لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہوں گے بلکہ ان لوگوں سے بھی متعلق ہے جو آپ سے پہلے تھے۔ اور اس سے آپ کے ارشاد کنت نبیا و آدم بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَد کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ

کیا اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ وہ سب اس کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے۔ اور اسی کی طرف

يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

سب واپس ہوں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہم پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ

اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اور اس پر جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ

نہیں کرتے۔ اور ہم اس کے لئے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو طلب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا

مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا

دین اسلام ہی اللہ کے نزدیک معتبر ہے

تفسیر: جو دین اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے پسند فرمایا ہے وہ دین اسلام ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کے دوسرے رکوع میں فرمایا: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (بے شک دین جو معتبر ہے اللہ کے نزدیک وہ اسلام ہی ہے) اور سورہ مائدہ میں فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا) اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا ہے جس کا معنی فرمانبردار ہونے کا ہے۔ ساری مخلوق اللہ کی فرمانبردار ہے اور ہمیشہ سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی دعوت دی جس کا طریقہ اللہ کی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ معلوم ہوتا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے تو اس وقت انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو تو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک امت مسلمہ پیدا فرمانا۔ ان کی دعا اللہ نے قبول فرمائی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور امت مسلمہ پیدا فرمائی جو امت محمدیہ ہے۔

دین اسلام میں سراپا خالق اور مالک کی فرمانبرداری ہے۔ بندہ کا کام ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے ظاہر و باطن سے جسم و جان سے جھک جائے اور ہر حکم کو مانے سارے فرشتوں کا دین اور ان کے علاوہ ساری مخلوق اور جو بھی کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب کا دین اسلام ہے۔ مخلوق میں انسان اور جنات بھی ہیں اللہ پاک کی طرف سے ان کے لئے بھی دین اسلام ہی کو پسند فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ ان دونوں قوموں کا ابتلاء بھی مقصود ہے اس لئے ان کو مجبور نہیں کیا گیا کہ اسلام ہی کو اختیار کریں اسی وجہ سے ان میں بہت سے کافر اور بہت سے مومن ہیں خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا البتہ تکوینی طور پر یہ دونوں بھی وہی کرتے ہیں جو اللہ کی قضا و قدر کا فیصلہ ہوتا ہے مجبوراً قضا و قدر کے فیصلے کے مطابق ہی جیتے اور مرتے ہیں۔ ان دونوں قوموں کو بتا دیا ہے کہ ایمان کی جزاء یہ ہے اور کفر کی سزا یہ ہے۔ اب اپنے اختیار سے دوزخ یا جہنم کی تیاری کرتے ہیں۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا (الآیہ)

تمام انبیاء کرام علیہم السلام مسلم تھے۔ اللہ کے فرمانبردار تھے اپنی امتوں کو بھی انہوں نے اسی کی دعوت دی اسی لئے فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ اعلان فرما دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس کتاب پر بھی جو ہم پر نازل کی گئی اور ان چیزوں پر جو ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق، یعقوب اور یعقوب کی اولاد پر نازل کی گئیں اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا۔ ان سب پر بھی ایمان لائے۔ ان حضرات میں سے ہم کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے اس لئے ہم سبھی پر ایمان لاتے ہیں جو احکام ان پر نازل ہوئے ہم ان پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ سب حضرات اللہ کے فرمانبردار تھے ہم بھی اللہ کے فرمانبردار ہیں (لفظ النبیون) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو شامل ہے پھر بھی بعض انبیاء علیہم السلام کا خصوصی تذکرہ فرمادیا کیونکہ یہود و نصاریٰ ان حضرات کو جانتے اور مانتے تھے)

طوعاً و کرھاً کی تفسیر: طوعاً و کرھاً کی تفسیر بتاتے ہوئے مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں صفحہ ۳۷۹: ج۱:۔

اما من فی السمٰوٰت فالملائکة واما من فی الارض فمن ولد علی الاسلام و اما کرھا فمن اتی به من سبایا الامم فی السلاسل و الاغلال یقادون الی الجنة و هم کارهون.

(یعنی آسمانوں میں فرشتے اور زمین میں وہ لوگ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے یہ بخوشی اسلام پر چلتے ہیں اور ناخوشی سے چلنے والے وہ لوگ ہیں جن کو زنجیروں میں اور بیڑیوں میں قید کر کے لایا گیا۔ (اس وقت وہ کافر تھے) بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا یہ قید کر کے لانا ان کے جنت میں جانے کا سبب بن گیا جس وقت قید کئے گئے تھے ان کو ناگوار تھا)

صاحب روح المعانی نے کرھًا کا ایک معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے **ما کان حاصلا بالسیف و معاینة ما یلجیء الی الاسلام** یعنی اہل اسلام کی تلواروں کی وجہ سے اور ان چیزوں کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے جنہوں نے اضطراری طور پر اسلام کے لئے آمادہ کر دیا۔ پھر اس کے علاوہ ایک اور قول بھی لکھا ہے وہ ان کو خود ہی پسند نہیں آیا۔ پھر صوفیہ سے ایک قول نقل کیا کہ طوعاً کا معنی یہ ہے کہ کسی ظلمت نفسانیہ کے بغیر اللہ کے احکام کو مان لیا اور انانیت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہوا۔ اور کرھًا کا معنی یہ ہے کہ وساوس پیش آگئے اور پردے حائل ہو گئے۔ پھر لکھتے ہیں کہ طوعاً کا مصداق حضرات ملائکہ اور بعض ان حضرات کا اسلام ہے جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں زمین میں رہتے ہیں اور دوسرا اسلام ان لوگوں کا ہے جن کو شکوک پیش آتے رہتے ہیں، پھر لکھتے ہیں کہ کفار قسم ثانی سے ہیں کیونکہ انہوں نے خالق کو تو مانا لیکن ظلمات نفسانیہ کی وجہ سے خالق جل مجدہ کے ساتھ انہوں نے شرک شروع کر دیا۔ ان کا ایمان شرک میں ملا ہوا ہے جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ نے پیدا کیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ طوعاً و کرھاً کی تفسیر مجاہد (تابعی) کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ اس تفسیر سے اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو بالکل ہی خدا تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ خالق اور صانع کے منکر ہیں۔ اور من کا عموم سامنے رکھا جائے تو ابن کثیر کی بات بھی عام اور تام نہیں ہوتی۔ اس لئے احقر نے وہ تفسیر کی ہے جو اوپر مذکور ہے جس میں کرھا کا معنی اللہ کی قضا اور قدر کے تابع ہونا اور تکوینی طور پر اس کے فیصلوں کے مطابق چلنا اختیار کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تکوینی طور پر سب اسی کی قضا اور قدر کے مطابق مرتے اور جیتے ہو تو جو دین تشریعی طور پر اس نے تمہارے لئے بھیجا ہے اسے بھی اختیار کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دین اسلام کے سوا کوئی دین عند اللہ مقبول نہیں: آخر میں فرمایا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (یعنی جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرے گا تو ہرگز

اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) دین اسلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بھیجا اور اسی کو آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے جس کا سورہ مائدہ میں اعلان فرمایا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یہ دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و معتبر ہے اس کے علاوہ جو بھی دین کوئی شخص اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔ خواہ کتنی ہی عبادت کرے اس کی مزید تشریح اور توضیح کے لئے سورہ بقرہ کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا (آخر تک) کی تفسیر مطالعہ کی جائے۔ نیز آیت شریفہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کا مطالعہ کیا جائے جو سورہ آل عمران کے رکوع نمبر ۲ میں ہے۔

کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ

اللہ کیونکر ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا۔ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بلاشبہ رسول حق ہے

وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ

اور ان کے پاس واضح دلائل بھی آگئے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سزا یہ ہے کہ ان پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا

وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ

اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور اصلاح کرلی تو بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے بیشک

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے ہرگز ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور یہ لوگ پکے گمراہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ

بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مرگئے کہ وہ کافر تھے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سونا قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ

افْتَدٰی بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۹۱﴾

وہ اپنی جان کے بدلہ میں دینا چاہے یہ وہ لوگ ہیں جنکے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا

مرتدوں اور کافروں کی سزا

تفسیر: تفسیر درمنثور صفحہ ۱۹: ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ حارث بن سوید نے اسلام قبول کیا پھر کافر ہوکر اپنی قوم کی طرف چلا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا ... غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تک نازل فرمائی۔ اس کی قوم میں سے ایک شخص اس کے پاس گیا اور اسے پوری آیت سنائی۔ آیت سن کر حارث بن سوید نے کہا کہ میں جہاں تک جانتا

ہوں تو سچا ہے اور رسول اللہ ﷺ تجھ سے بڑھ کر سچے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم دونوں سے بڑھ کر سچا ہے۔ اس کے بعد اس نے (دوبارہ) اسلام قبول کرلیا اور اچھی طرح اسلام کے کاموں میں لگا رہا۔ چونکہ آیت میں اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا بھی ہے اس لئے حارث بن سوید نے اس استثناء پر نظر کی اور اسلام قبول کرلیا اور سچی توبہ کرلی۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کر کے اسلام سے پھر جائے پھر سچی توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہے اور اس کا اسلام بھی قبول ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا (الآیة) اس کے بارے میں درمنثور میں حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ اس سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جو موت کے وقت توبہ کرنے لگیں۔ موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ کُفَّارٌ (سورہ نساء ع ۳) کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرت ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور پھر کفر میں آگے بڑھتے چلے گئے پھر اس کے بعد کفر پر باقی رہتے ہوئے گناہوں سے توبہ کرنے لگے۔ لہٰذا ان کی توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ کفر پر ہوتے ہوئے گناہوں کی توبہ مقبول نہیں اور حضرت مجاہد نے ثُمَّ ازْدَادُوْا کفرا کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ کفر پر مرگئے۔

آخر میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ (الآیة) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پھر حالت کفر ہی میں مرگئے تو قیامت کے دن ان سے ان کی جان کا بدلہ قبول نہ کیا جائے گا تاکہ مال دے کر چھوٹ جائیں۔ وہاں کسی کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔ لیکن اگر بالفرض ہو بھی اور وہ دینا چاہے اور اتنا سونا دے جس سے زمین بھر جائے تو بھی قبول نہ ہوگا۔ دائمی عذاب ہی بھگتنا ہوگا اور وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا۔ سورہ مائدہ میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ... یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ

(بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تاکہ وہ ان کو دیکر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں تو وہ چیزیں ان سے قبول نہ کی جائیں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا وہ چاہیں گے کہ دوزخ کے عذاب سے نکل آئیں حالانکہ وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو دائمی عذاب ہوگا۔

اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ کی تشریح کے لئے سورہ بقرہ رکوع نمبر ۱۹ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو، اور جب وہی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔

فی سبیل اللہ محبوب مال خرچ کیا جائے

تفسیر: اس آیت میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ خیر (کامل) تمہیں نہیں مل سکتی جب تک کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی رضا کے لئے خرچ نہ کرو، حضرات صحابہ کرام ایک ایک حکم پر عاشق تھے، جب آیت بالا نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی محبوبات پر نظر ڈالی کہ ہماری محبوب چیزیں کیا کیا ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار مدینہ میں باغوں کی ملکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے، مسجد نبوی کے مقابل ان کا باغ تھا جس میں ایک کنواں بیرحاء کے نام سے موسوم تھا، رسول کریم ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی پیتے تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ باغ ان کو اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے ثواب کی امید رکھتا ہوں اور اللہ کے یہاں اس کو ذخیرہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو اپنی صوابدید سے جیسے اللہ آپ کے دل میں ڈالے خرچ فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عظیم منافع کا باغ ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کر دو، حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اور اپنے اقرباء اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم فرما دیا (صحیح بخاری صفحہ ۱۹۷: ج۱)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض واقعات: تفسیر درمنثور میں اس طرح کے اور بھی واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے مال میں ایک رومی لونڈی جس کا نام مرجانہ تھا سب سے زیادہ محبوب تھی۔ آیت شریفہ سن کر انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ جلولاء کے قیدیوں میں سے ایک باندی میرے لئے خرید کرو جب وہ باندی آ گئی تو حضرت عمرؓ نے آیت بالا پڑھی اور اسے آزاد فرمایا۔ حضرت محمد بن المنکدرؒ نے بیان فرمایا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہؓ نے اپنا گھوڑا صدقہ میں دے دیا۔ کیونکہ وہ ان کو سب سے زیادہ محبوب تھا (صفحہ ۵۰: ج۲)

ہر شخص کی محبوبات الگ الگ ہیں اور جس شخص کے پاس پیسہ کم ہو وہ اس میں سے اللہ کے لئے خرچ کر دے تو وہ بھی اس آیت کے مفہوم میں شامل ہے۔ کیونکہ کم مال ہونے کی وجہ سے پیسہ زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ہو یا صدقاتِ واجبہ یا نافلہ ان میں سب سے اچھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور اپنی محبوب چیزیں مستحقین میں خرچ کی جائیں۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کو اللہ کے راہ میں دیدے جو اس کی ملکیت تو ہے لیکن ضرورت

سے زائدہ ہے جیسے پرانے اتارے ہوئے کپڑے تو اس کا بھی اجر ہے۔ البتہ جس چیز سے محبت ہو اس کے خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہے اسی لئے بعض مفسرین نے البرّ کی تفسیر الخیر الکامل سے کی ہے۔ یعنی کامل ثواب اسی میں ہے جبکہ محبوب چیز خرچ کی جائے۔ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیز محبوب نہیں اسے خرچ نہ کرو مطلب یہ ہے کہ محبوب چیز خرچ کرنے کی طرف رغبت کرو۔ آیت کے آخر میں جو فرمایا: وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ اس کے عموم سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نیا کپڑا پہنا۔ پھر یوں کہا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ کَسَانِیۡ مَا اُوَارِیۡ بِہٖ عَوۡرَتِیۡ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیۡ حَیَاتِیۡ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس کے ذریعہ اپنی شرم کی جگہ کو چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ جمال حاصل کرتا ہوں) پھر اس کے بعد اس کپڑے کو صدقہ کر دیا جسے پرانا کیا تھا تو اللہ کی حفاظت میں اور اللہ کی طرف سے پردہ پوشی میں ہوگا۔ زندگی میں اور موت کے بعد (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۷۷)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسۡرَٰٓءِيلُ عَلَىٰ نَفۡسِهِۦ مِن

سب کھانے حلال تھے بنی اسرائیل کے لئے سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لئے تھے۔

قَبۡلِ أَن تُنَزَّلَ ٱلتَّوۡرَىٰةُۗ قُلۡ فَأۡتُواْ بِٱلتَّوۡرَىٰةِ فَٱتۡلُوهَآ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ۝ فَمَنِ

اس سے پہلے کہ توارت نازل ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تم توارت لے آؤ پھر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو پھر

ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ مِنۢ بَعۡدِ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝ قُلۡ صَدَقَ ٱللَّهُ

اس کے بعد جس شخص نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا۔ سو وہی لوگ ہیں بڑے بے انصاف آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا

فَٱتَّبِعُواْ مِلَّةَ إِبۡرَٰهِيمَ حَنِيفٗاۖ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلۡمُشۡرِكِينَ ۝

لہٰذا تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنے والے تھے اور مشرکین میں نہ تھے۔

ملت ابراہیمیہ میں کیا چیزیں حلال تھیں

تفسیر: معالم التنزیل صفحہ ۳۲۶: ج ۲ میں ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ ملت ابراہیم پر ہیں اور ابراہیم اونٹوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور اونٹنیوں کا دودھ نہیں پیتے تھے معلوم ہوا کہ آپ ان کی ملت پر نہیں ہیں، اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کے لئے حلال تھیں وہ کہنے لگے ہر وہ چیز جو ہمارے نزدیک حرام ہے وہ نوح پر اور ابراہیم علیہما السلام پر حرام تھیں اور اس کی حرمت اسی طرح ہم تک پہنچی ہے اللہ جل شانہٗ نے ان کی تردید کرتے ہوئے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ سب کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے سوائے اس کے جو اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) نے توریت نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لئے تھے۔

قال مجاھد :حرم لحوم الانعام، وروی عکرمۃ عن ابن عباس انہ حرم زائدتی الکبد والکلیتین والشحم الا ماکان علی الظھر و عن عطاء انہ حرم لحوم الابل والبانھا و سبب تحریم ذلک کما فی الحدیث الذی أخرجہ الحاکم وغیرہ بسند صحیح عن ابن عباس انہ علیہ الصلاۃ والسلام کان بہ عرق النساء فنذر ان شفی لم یاکل احب الطعام الیہ و کان ذلک احب الیہ و فی روایۃ سعد بن جبیر عنہ انہ کان بہ ذلک الداء فاکل من لحوم الابل فبات بلیلۃ یزقو فحلف ان لا یا کلہ ابداً (روح المعانی صفحہ ۲: ج۴) (حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں چوپایوں کا گوشت حرام کیا ہوا تھا اور عکرمہؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جگر گردہ اور چربی اپنے اوپر حرام کی تھی مگر جو پیٹھ پر ہو وہ حرام نہیں کی تھی اور حضرت عطاءؒ سے مروی ہے کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کیا تھا اور حاکم نے صحیح سند سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں اس حرام کرنے کا سبب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ منقول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی تو آپ نے منت مانی کہ اگر مجھے شفاء ہوگئی تو میں اپنا پسندیدہ کھانا چھوڑ دوں گا اور آپ کا پسندیدہ کھانا یہی تھا اونٹوں کا گوشت اور دودھ۔ اور حضرت سعد بن جبیرؒ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ آپ کو جب یہ بیماری تھی تو آپ نے اونٹ کا گوشت کھالیا جس کی وجہ سے ساری رات تکلیف میں رہے اس وقت آپ نے قسم کھالی کہ اب کبھی اونٹ کا گوشت نہیں کھاؤں گا)

آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ ان حلال کھانوں میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بھی تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام نہیں کئے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر بھی حرام نہیں تھے اور ان کی اولاد پر بھی حرام نہیں تھے۔ البتہ یعقوب علیہ السلام نے کچھ کھانے اپنے اوپر حرام کر لئے تھے یعنی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ (ان کی حرمت روایتی طور پر ان کی اولاد میں چلتی رہی) اور یہ توریت شریف نازل ہونے سے پہلے تھا۔ توریت شریف میں اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ کی حرمت نہیں ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے بھی بالکل ابتدائی عمر میں ان کو اپنے اوپر حرام نہیں کیا تھا بلکہ کچھ اسباب ایسے عارض ہوئے کہ انہوں نے ان دو چیزوں کو حرام کر لیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعض چیزیں اپنے اوپر کیوں حرام کی تھیں۔ اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کو عرق النساء کی تکلیف ہوگئی تھی۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر شفا ہوگئی تو سب سے زیادہ جو محبوب کھانا ہے وہ نہیں کھاؤں گا ان کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ محبوب تھا)۔ لہٰذا شفا ہو جانے پر انہوں نے ان کو چھوڑ دیا) روح المعانی صفحہ ۲: ج۴۔

اونٹ کے گوشت اور اونٹنیوں کے دودھ کو یہودی اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کی حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آرہی ہے اسی بات کے پیش نظر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر دیا کہ آپ ملتِ ابراہیمی پر ہوتے تو آپ بھی ان کو نہ کھاتے پیتے۔ آیت میں یہودیوں کے دعویٰ کی تردید فرمائی۔

یہود سے تورات لاکر پڑھنے کا مطالبہ اور ان کا فرار

اور مزید فرمایا قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰۃِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (آپ فرما دیجئے کہ تم توریت لے آؤ اور اس کو پڑھو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ توریت میں یہ چیزیں حرام ہیں) ابراہیم علیہ السلام پر تو یہ چیزیں کیا حرام ہوتیں خود توریت میں ان کی حرمت نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں سال کے بعد حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو صاحب روح المعانی (صفحہ ۳: ج۴) لکھتے ہیں کہ وہ لوگ توریت لاکر سنانے کی ہمت نہ کرسکے اور مبہوت رہ گئے۔ نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بھی دلیل ہے کیونکہ آپ نے ان کو چیلنج کر دیا کہ توریت شریف لے آؤ حالانکہ آپ نے نہ توریت پڑھی تھی اور نہ کوئی دوسری آسمانی کتاب پڑھی تھی۔ ظاہر ہے کہ

آپ نے یہود کو جو چیلنج دیا وہ سب کچھ وحی کے ذریعہ تھا۔ پھر فرمایا: فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (کہ اس کے بعد جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے سو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ظہور حق کے بعد نہ حق قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے اتباع کو قبول کرنے دیتے ہیں یہ اپنی جانوں پر بھی ظلم ہے اور اپنے ماننے والوں پر بھی۔

ملت ابراہیمیہ کے اتباع کا حکم: آخر میں فرمایا قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا کہ کھانے کی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں (سوائے اس کے جن کو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا) یہ جو کچھ اسرائیل نے حرام کرلیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں حرام نہ تھا۔ لہٰذا تم ملت ابراہیمیہ کا اتباع کرو جو دین اسلام ہے جسے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے جو تمام باطل دینوں سے ہٹ کر اور بچ کر دین حق پر رہے جو دین توحید تھا۔ اور تمام عبادات میں اور تحلیل و تحریم کے بارے میں احکام الٰہی پر عمل کرتے رہے۔ اور مشرکین میں سے بھی نہ تھے (اے یہودیو! تم ان سے اپنا تعلق جوڑتے ہو حالانکہ تم نے شرک اختیار کرلیا)

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو برکت والا ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے اس میں

اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ

کھلی ہوئی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا اور اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

جسے طاقت ہو اس گھر تک راہ طے کر کے جانے کی اور جو شخص منکر ہو سو اللہ بے نیاز ہے سارے جہانوں سے۔

کعبہ شریف کی تعمیر اور حج کی فرضیت

تفسیر: روح المعانی میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ بیت المقدس کعبہ سے اعظم ہے کیونکہ وہ اس جگہ ہے جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام ہجرت کرتے رہے اور وہ ارض مقدسہ میں ہے اور مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ شریف اعظم ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی، اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب گذشتہ آیت میں کافروں کو حکم دیا کہ ملت ابراہیمیہ کا اتباع کریں تو بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کی تعظیم کا بھی حکم دیا اور اس کی فضیلت اور حرمت بیان فرمائی کیونکہ کعبہ کا حج کرنا اور اس کی فضیلت و حرمت کا اقرار کرنا یہ بھی ملت ابراہیمی میں شامل ہے۔

کعبہ شریف کا کثیر البرکت ہونا: آیت بالا میں فرمایا کہ سب سے پہلا گھر جو عبادت کے لئے زمین میں بنایا گیا وہ وہ گھر ہے جو مکہ معظمہ میں واقع ہے اور وہ کعبہ معظمہ ہے۔ وہ بابرکت ہے یعنی کثیر الخیر ہے۔ اس میں عبادت کا ثواب بہت زیادہ ہے جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ان برکات کے علاوہ اس کی ظاہری برکات بھی

بہت ہیں سورہ قصص میں اس کی ظاہری برکات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یُجْبٰی اِلَیْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا۔ (لائے جاتے ہیں اس کی طرف ہر چیز کے پھل جو بطور رزق ہمارے پاس سے دیئے جاتے ہیں) یہ ظاہری برکات بھی کعبہ شریف میں دیکھی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے ثمرات اور مصنوعات ہر وقت مکہ معظمہ میں مل جاتی ہیں۔ پھر قربانیاں بھی وہاں اس کثرت سے ہوتی ہیں جو کسی شہر میں نہیں ہوتیں۔ نیز کعبہ شریف کو هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ بھی فرمایا یعنی وہ جنت کی طرف ہدایت کا ذریعہ ہے (روح المعانی صفحہ ۴۰۵: ج۴) اور سارے عالم کے مسلمان جو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس میں بھی هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ کا خوب مظاہرہ ہے۔ لفظ اول بیت سے اس طرف اشارہ ہے کہ بنائے ابراہیمی سب سے پہلی بناء نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی کعبہ شریف بنایا گیا تھا۔

زمین میں پہلا گھر: معالم التنزیل صفحہ ۳۲۸: ج۱ میں اَوَّلَ بَيْتٍ کے معنی بتاتے ہوئے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ کعبہ شریف سب سے پہلا گھر ہے جو پانی پر ظاہر ہوا آسمان و زمین کے پیدا فرمانے سے دو ہزار سال پہلے وجود میں آیا اس وقت یہ پانی پر سفید بلبلہ تھا۔ پھر زمین اسی کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ سب سے پہلا گھر ہے جو زمین میں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر مقرر فرمایا جو بیت معمور ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں پھر ان فرشتوں کو حکم دیا جو زمین میں رہتے ہیں کہ زمین میں ایک گھر بنائیں جو البیت المعمور کی محاذات میں ہو اور اس جیسا ہو اور زمین والوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں جیسے آسمان کے رہنے والے البیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔ یہ حضرت علی بن حسینؓ (حضرت زین العابدین) کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کو بنایا تھا وہ اس کا حج کیا کرتے تھے، جب آدم علیہ السلام نے اس کا حج کیا تو فرشتوں نے کہا اے آدم اللہ تمہارا حج قبول فرمائے ہم نے اس گھر کا حج تم سے دو ہزار سال پہلے کیا ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ حاصل سب کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی اس کے پہلے بانی نہیں ہیں اس سے پہلے بھی اس کی بناء تھی۔ اسی لئے سورہ ابراہیم میں حضرت ابراہیم کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ (اس وقت وہاں گھر موجود نہیں تھا پھر بھی انہوں نے عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ کہا اور سورۂ حج میں ہے وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ (اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتادی) حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ بَوَّاْنَا کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف کی جگہ متعین طریقے پر بتادی کیونکہ کعبہ شریف کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔

تاریخ بناء کعبہ: صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۴۲: ج۱۷) لکھتے ہیں کہ کعبہ شریف پانچ مرتبہ بنایا گیا پہلی مرتبہ فرشتوں نے بنایا یہ بناء آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اور یہ سرخ یاقوت سے بنایا گیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں اس کو اٹھالیا گیا۔ دوسری بناء ابراہیمی ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ بیت اللہ بنائیں تو انہیں اس کی جگہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جو خوب تیز چلی اور اس نے پرانی بنیاد کو ظاہر کر دیا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کردی۔ تیسری تعمیر قریش کی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ بھی شریک تھے اس وقت حجر اسود کے رکھنے میں جھگڑا ہوا۔ اور ہر قبیلے نے یہ چاہا کہ ہم حجرِ اسود کو رکھیں پھر یہ طے کیا کہ کل کو جو شخص سب سے پہلے فلاں گلی سے نکلے اور مسجد حرام میں داخل ہو وہ جو فیصلہ کرے وہی منظور ہوگا۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ سب لوگ آپ کو امین کہتے تھے آپ کے فیصلہ پر سب راضی ہوگئے اور آپ نے فیصلہ فرمایا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھ دیں پھر تمام قبیلے اس چادر کو اٹھائیں۔ چنانچہ ان سب نے اس چادر کو اٹھایا اور حجر اسود کو اس جگہ تک لے گئے پھر آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ رکھدیا۔ یہ واقعہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا ہے چوتھی تعمیر عبداللہ بن زبیر ﷜ کی ہے اور پانچویں تعمیر حجاج کی ہے۔ اور وہی آج تک موجود ہے۔ اس میں کچھ مرمت کے طور پر تغییر اور تبدیلی ہوتی رہی ہے لیکن اصل تعمیر حجاج ہی کی ہے (انتھی)

بعض حضرات نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر اور حضرت شیث علیہ السلام (جو ان کے بیٹے تھے) اور عمالقہ اور بنی جرہم کی تعمیر بھی بتائی ہے (روح المعانی صفحہ ۵: ج ۴) بہر حال سب سے پہلی تعمیر فرشتوں نے کی ہو یا حضرت آدم علیہ السلام نے اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ اس پر صادق آتا ہے۔ اور بنائے ابراہیمی بھی بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

بکہ اور مکہ: آیت بالا میں کعبہ شریف کو بکہ میں بتایا۔ عام طور سے اس شہر کو مکہ کہا جاتا ہے جس میں کعبہ شریف ہے اور سورہ فتح میں مکہ میم سے وارد ہوا ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ با اور میم قریب المخرج ہیں اور اہل عرب ایک کو دوسری جگہ استعمال کر لیتے ہیں جیسے لازم کو لازب کہتے ہیں۔ لہٰذا مکہ میں با کو میم سے بدل دیا۔ اور بعض حضرات نے دونوں میں فرق بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ بکہ بیت اللہ کی جگہ ہے یہ حضرت ابن عباس ﷛ کا قول ہے۔ حضرت عکرمہ ﷫ نے فرمایا کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان بکہ ہے اور باقی مکہ ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ پورا حرم مکہ ہے (الجامع اللطیف فی فضل مکة وبناء البیت الشریف ص ۱۳۶)

آیات بینات اور مقام ابراہیم: پھر فرمایا فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ (اس میں آیات بینات ہیں اور مقام ابراہیم ہے) جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے بعض آیات تکوینی ہیں اور بعض آیات تشریعی ہیں۔ کعبہ شریف کا مبارک ہونا اور هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ہونا اور جو شخص وہاں داخل ہو جائے اس کا مامون ہونا اور بشرط استطاعت حج کا فرض ہونا یہ تشریعی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم کا وہاں موجود ہونا (یہ وہ پتھر ہے جو زینہ کا کام کرتا تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے) یہ تکوینی نشانی ہے جو اب تک موجود ہے۔ سب کی نظروں کے سامنے ہے۔ نیز کعبہ شریف کی تکوینی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس کسی نے بھی کعبہ شریف پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا وہ خود تہس نہس ہو گیا۔ اصحاب فیل کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ابرہہ یمن کا حاکم ہاتھی لے کر حملہ کرنے کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیج دیئے جنہوں نے ان پر کنکریاں پھینکیں اور ہاتھی اور ہاتھی والے سب چورہ ہو کر رہ گئے جس کا ذکر سورۂ فیل میں ہے۔

7 اس ساری تفصیل سے کعبہ شریف کی اولیت اور افضلیت دونوں چیزیں معلوم ہوئیں کیونکہ بیت المقدس میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے نہ بابرکت ہونے میں کعبہ شریفہ سے زیادہ ہے نہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد حرام سے بڑھ کر ہے۔ نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے نہ ہی وہاں کے داخل ہونے والے کو مامون بتایا نہ وہاں حج کے لئے جانے کا حکم ہے۔ نہ وہاں مقام ابراہیم ہے۔

حرم مکہ کا جائے امن ہونا: پھر فرمایا وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (کہ جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ امن سے ہوگا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ شریف بنایا اس وقت دعا کی تھی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (کہ اے اللہ اس شہر کو امن والا بنا دے) ان کی دعا مقبول ہوئی اور مکہ اور حرم مکہ امن والا بنا دیا گیا۔ اہل عرب آپس میں بہت لڑتے تھے اور ایک دوسرے کو مارتے اور لوٹتے تھے۔ لیکن حدود حرم میں کسی پر حملہ کرنے سے باز رہتے تھے۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے اور حرم والوں کے چاروں طرف لوگ اچک لئے جاتے ہیں) صحیح بخاری صفحہ ۲۴۷: ج ا میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے اس شہر کو حرام قرار دیدیا جس دن آسمان وزمین کو پیدا فرمایا۔ اور وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لئے جنگ حلال نہیں تھی اور میرے لئے بھی حلال نہیں ہوئی مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی پڑی ہوئی چیز کو اٹھایا جائے الا یہ کہ کوئی شخص اعلان کرنے کے لئے اٹھائے (کہ کسی کی کوئی چیز گری ہو تو وصول کر لے) اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے وہیں حضرت عباسؓ بھی موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اذخر کا استثناء ہونا چاہیے (جو ایک خاص قسم کی گھاس تھی) کیونکہ وہ اہل مکہ کے سناروں کے لئے اور ان کے گھروں (کی چھتوں) کے کام آتی ہے۔ آپ نے فرمایا الا الاذخر یعنی اذخر کے کاٹنے کی اجازت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک مکہ کو اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے لوگوں نے اسے حرام قرار نہیں دیا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اس میں خون بہائے اور اس کے درخت کاٹے۔ سو اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے قتال کے پیش نظر اپنے لئے رخصت نکالے تو اس سے کہہ دو کہ بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کے لئے اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی اور مجھے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ میں اجازت دی ہے اور اس کی حرمت اسی طرح آج واپس آگئی جیسے کل اس کی حرمت تھی (صحیح بخاری صفحہ ۲۱: ج ۱)

معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اس کے پرامن ہونے کی دعا کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اس کا پر امن ہونا پہلے سے چلا آ رہا ہے اب بھی اسی طرح باقی رہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے یا کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جائے گا۔ اور جو شخص کسی کو حرم سے باہر قتل کر دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا ہاں اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر نکل جائے نہ کوئی شخص اس

کے ہاتھ کچھ فروخت کرے نہ اسے کچھ کھانے پینے کو دے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر نکل جائے اور وہاں قصاص لیا جائے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر صورت میں حرم میں قصاص لیا جائے گا (کما ذکرہ الجصاص فی احکام القرآن صفحہ ۲۱: ج ۲)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعی کے نزدیک ہر حال میں حرم میں قصاص لینا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بعض صورتوں میں قصاص لینا ہے اور وہ کَانَ آمِنًا کے خلاف نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ کی پناہ لے لے بیت اللہ اسے پناہ دے دے گا۔ لیکن اگر وہ کسی کو قتل کر کے آیا ہو تو اس کو نہ ٹھکانہ دیا جائے اور نہ کھلایا پلایا جائے جب باہر نکلے تو اس کی جنایت کا بدلہ لے لیا جائے (ابن کثیر صفحہ ۳۸۴: ج ۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ہے۔

حج کی فرضیت:

پھر فرمایا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اور اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو وہاں تک راہ طے کر کے پہنچنے کی)

اس آیت میں حضرت حفص کی روایت اور حضرت حمزہ اور کسائی کی قرأت حِجُّ الْبَيْتِ حا کے زیر کے ساتھ ہے اور باقی حضرات نے حا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغت فصیح ہیں (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل)

استطاعت کیا ہے؟

آیت بالا میں ان لوگوں پر حج کرنا فرض بتایا ہے جن کو مکہ معظمہ تک پہنچنے کی طاقت ہو آیت میں جو مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مَا السَّبِيْلُ (کہ سبیل سے کیا مراد ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ (کہ سفر خرچ اور سواری) ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا چیز حج کو فرض کرتی ہے آپ نے فرمایا اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ (کہ سفر خرچ اور سواری ہونے سے حج فرض ہو جاتا ہے) دونوں حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ میں مذکور ہیں۔

ترک حج پر وعیدیں:

درمنثور صفحہ ۵۶: ج ۲ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے ارادہ کر لیا ہے شہروں میں لوگوں کو بھیجوں وہ ان لوگوں کو دیکھیں جو مالدار ہیں اور انہوں نے حج نہیں کیا میں ان لوگوں پر جزیہ مقرر کر دوں یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں، یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر لوگ حج کو چھوڑ دیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ چھوڑنے پر قتال ہوگا۔

آیت مبارکہ سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس مکہ معظمہ تک آنے جانے کا اور سفر خرچ کا انتظام ہو، اتنا پیسہ بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے مگر حج نہیں کرتے ایسے لوگ وعید پر غور کریں۔

لوگوں نے حج کے بہت سے خرچے اپنے ذمہ لگا لئے ہیں سامان خرید کر لاتے ہیں عزیزوں کو قیمتی ہدایا دیتے ہیں ان سب کو انہوں نے حج کے خرچ میں شمار کر رکھا ہے۔ بہت سے لوگ مر جاتے ہیں اور اس لئے حج نہیں کر پاتے کہ ان کے پاس رواجی خرچ نہیں ہوتا۔ یا خرچ ہوتا تو ہے لیکن لڑکیوں کی رواجی شادیاں اور دوسرے دنیاوی انتظامات کی وجہ سے حج کرنے میں تاخیر

کرتے ہیں ان میں بعض لوگ ایسے وقت حج کرتے ہیں جبکہ بوڑھے کھوسٹ ہو جاتے ہیں۔ احکام حج ادا کرنے سے بوجہ ضعف اور کمزوری قاصر رہتے ہیں اور بعض لوگ گھر بار کے انتظامات کے انتظار میں مرجاتے ہیں اور حج سے رہ جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جسے کسی مجبوری نے یا کسی ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مرگیا اور حج نہ کیا تو اسے چاہیئے کہ یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ عن الدارمی)

بڑے بڑے سیٹھ حج نہیں کرتے اور یوں ہی مرجاتے ہیں لاکھوں روپے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں پر ریا کاریوں کے لئے خرچ کرتے ہیں لیکن حج کے لئے رقم خرچ کرنے سے ان کا دل دکھتا ہے۔ اور بعض لوگ تو حج کا مذاق ہی اڑاتے ہیں اور حج کی فرضیت کے منکر ہیں یہ لوگ تو کافر ہی ہیں اور بعض لوگ حج کی فرضیت کے منکر تو نہیں لیکن استطاعت ہوتے ہوئے حج کو جاتے بھی نہیں۔ ایسے لوگوں کو کافر تو نہ کہا جائے گا لیکن کفران عملی میں ضرور مبتلا ہیں جو کوئی آدمی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کرے اپنا ہی کچھ کھوئے گا۔ گناہگار ہوگا اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اسے کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے) فرضیت کا منکر اور جو عملاً منکر ہو آیت کا عموم دونوں کو شامل ہے حج کے مسائل اور احکام بہت ہیں معتبر کتابوں میں دیکھ لیا جائے کچھ مسائل آیت وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کے تحت ہم بیان کرآئے ہیں۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ

اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ اللہ کو تمہارے سب کاموں کی اطلاع ہے، آپ فرمادیجئے

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ

کہ اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس شخص کو جو ایمان لائے، تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود

شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ

گواہ ہو، اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو، اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے ایک جماعت کا ان لوگوں میں سے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ

جن کو کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں واپس کافر بنادیں گے اور تم کفر کیسے اختیار کرسکتے ہو حالانکہ تم

تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ

پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑ لے سو اس کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دی گئی،

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

مسلمان ہو اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں متفرق نہ ہو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى

جبکہ تم دشمن تھے سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمادی لہٰذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم

شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیات تاکہ تم ہدایت پر رہو

یہودیوں کی شرارت سے مسلمانوں میں انتشار، اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم

تفسیر: تفسیر درمنثور صفحہ ۵۷: ج ۲ میں ان آیات کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ شاس بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا جو بہت بڑا کافر تھا، یہ شخص مسلمانوں سے بہت زیادہ کینہ رکھتا تھا اور بہت سخت حاسد بھی تھا۔ صحابہؓ کی ایک مجلس پر گذرا جس میں اوس اور خزرج کے حضرات جمع تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ (اوس اور خزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت میں لڑائیاں رہتی تھیں) اس حاسد کو ان حضرات کا اُنس اور محبت کے ساتھ جمع ہونا اور آپس میں ان کی صلح ہونا بہت ناگوار ہوا۔ اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ تو جا کر ان کے پاس بیٹھ جا اور ان کو ان کی پرانی لڑائیاں یاد دلا دے اور ان کے سامنے بعض اشعار پڑھ دے جو یوم بعاث کے سلسلہ میں (انہوں نے کہے تھے، بعاث ایک زبردست جنگ ہوئی تھی جس میں اوس کو خزرج پر غلبہ ہوا تھا، وہ نوجوان اس مجلس میں چلا گیا اور اس نے ایسی ہی باتیں کیں جن کی وجہ سے اوس اور خزرج کو پرانی باتیں یاد آگئیں اور جھگڑے شروع ہوگئے اور ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دو آدمی آپس میں لڑنے بھی لگے، اور دونوں فریق میں لڑائی ٹھن گئی۔ پتھریلی زمین میں (جس کو اہل مدینہ حرہ کہتے ہیں) لڑنے کا اعلان ہوگیا اور دونوں قبیلے آپس میں جمع ہونے لگے حضرت رسول اکرم ﷺ کو یہ قصہ معلوم ہوا آپ مہاجرین کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت تم اللہ سے ڈرو کیا تم جاہلیت کے دعوے کو لے کر اٹھ رہے ہو اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور اسلام کے ذریعہ تم کو عزت دی اور جاہلیت کی چیزوں کو ختم فرمادیا اور تمہیں کفر سے بچا دیا اور تمہارے درمیان الفت پیدا کردی کیا تم اسی حالت پر واپس ہونا چاہتے ہو جس پر تم حالت کفر میں تھے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی بات سن کر دونوں قبیلوں کو احساس ہوا کہ یہ جو کچھ ہم سے صادر ہوا اور جنگ کا ارادہ ہوا یہ شیطانی حرکت ہے اور دشمن کی مکاری ہے لہٰذا انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور آپس میں ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ پھر فرمانبردار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے آئے۔ اللہ نے دشمن کی مکاری کو ختم فرما دیا۔ اور شاس بن قیس کے بارے میں دو آیات:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ (الیٰ قوله تعالیٰ) وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ نازل فرمائیں اور وہ جو دو

آدمی آپس میں لڑ پڑے تھے (جن میں ایک کا نام اوس اور دوسرے کا نام جبار تھا ان کے بارے میں اور جو لوگ لڑنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئے تھے ان کے بارے میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوْا سے لے کر (متعدد آیات) عَذَابٌ عَظِیْمٌ تک نازل فرمائیں۔ ان آیات میں اول تو یہودیوں کو خطاب فرمایا جن میں شاس بن قیس بھی شامل ہے کہ تم لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ کو سب معلوم ہے جو تمہارا کردار ہے اور ایمان لانے والوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ اللہ کی راہ میں ٹیڑھا پن اور کجی کیوں تلاش کرتے ہو حالانکہ تم اپنے اعمال پر خود گواہ ہو اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ یہ حسد اور کینہ دونوں تمہیں دنیا میں لے ڈوبے اور آخرت میں بھی لے ڈوبیں گے تم اپنی فکر کرو حسد اور حقد (کینہ) سے باز آؤ اور کفر اور بداعمالی کو چھوڑ دو۔

پھر اہل ایمان کو خطاب فرمایا جن میں اوس اور جبار بھی شامل ہیں کہ اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تم کو ایمان پر نہ رہنے دیں گے تم کو کفر میں واپس کر کے چھوڑ دیں گے۔ دشمن کی بات کو سمجھ کر چلنا چاہیئے۔ کافر تمہارے ایمان سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے نیز فرمایا کہ تم کیسے کفر اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تمہارے اندر اللہ کا رسول ﷺ موجود ہے ان آیات کو اور رسول کی تعلیمات کو چھوڑ دو گے تو دشمن تم کو قابو کر لے گا اور دین کفر پر لگا دے گا۔ تم اللہ کو مضبوطی سے پکڑو جس نے اللہ کو مضبوطی سے پکڑا اس کو صحیح اور سیدھے راستے کی ہدایت مل گئی۔

اتقوا اللہ حق تقاتہ کا مطلب:

پھر ایمان والوں سے مزید خطاب فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ حَقَّ تُقَاتِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے بھولا نہ جائے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حَقَّ تُقَاتِہٖ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کا حق ہے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں اور انصاف کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہوں اگرچہ اپنے خلاف اور اپنے ماں باپ کے خلاف بھی انصاف کرنا پڑے تو ایسے وقت میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، (درمنثور صفحہ ۵۹: ج ۲)

اسلام پر مرنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم اور افتراق کی ممانعت:

نیز فرمایا وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اور ہرگز مت مرنا مگر اس حال میں کہ مسلمان ہو مطلب یہ ہے کہ آخری دم تک اسلام پر قائم رہنا، مزید فرمایا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق مت ہو جاؤ) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے تم اس کو مضبوطی سے پکڑ لو کیوں کہ اس کے پکڑنے کے بعد کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے اندر اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہو گا اور جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر ہو گا (درمنثور صفحہ ۶۰: ج ۲)

ان روایات سے جہاں قرآن کو مضبوطی سے تھامنے کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کو چھوڑ دینا گمراہی ہے آیت بالا میں وَلَا تَفَرَّقُوْا بھی فرمایا کہ افتراق نہ کرو اور جدا جدا فرقے نہ بناؤ۔ ایک زمانہ سے مسلمانوں میں فرقہ بندیاں ہیں جس کا سبب قرآن کو چھوڑنا بھی ہے اور قائدین کے اپنے اپنے مفادات بھی ہیں اس افتراق نے دشمنوں کو قابو دے رکھا ہے دشمن جیسے چاہتے ہیں استعمال کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاددہانی: پھر فرمایا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً (الآیہ) کہ تم اللہ کے انعام کو یاد کرو جبکہ تم دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمائی لہٰذا تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے۔ اللہ نے تم کو بچالیا۔ دوزخ کے کنارہ پر ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ اوس اور خزرج دونوں قبیلے کافر اور مشرک تھے اور ان کی آپس کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ بقول ابن اسحٰق اوس اور خزرج میں ایک سو بیس سال تک جنگ جاری رہی تھی۔ جب دونوں قوموں نے اسلام قبول کیا تو وہ جنگ کی آگ اللہ نے بجھا دی ان کے درمیان اللہ نے الفت پیدا فرما دی۔ (درمنثور صفحہ ۶۱: ج ۲)

آخر میں فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ کہ اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

ضروری تنبیہ: مذکورہ بالا آیات میں اول تو تقویٰ کا حکم فرمایا اور یہ فرمایا اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا کہ جب مرو تو اسلام ہی کی حالت میں مرو، شیطان کے بہکانے سے یا دشمنوں کے ورغلانے سے یا دنیا کی محبت کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار مت کرو۔ پھر سب مسلمانوں کو اتفاق کے ساتھ مجتمع رہنے کی ہدایت فرمائی سب کو معلوم ہے کہ اتفاق واتحاد ہر قوم کی قوت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اور اتفاق اس وقت ہی ہوسکتا ہے جب کہ ہر قبیلہ ہر قوم ہر علاقہ کے لوگ اسلام کی قوت اور ساکھ برقرار رکھنے کے لئے اپنے اپنے جذبات کو دبا کر رہیں۔ مسلمانوں کا پورے عالم میں ایک ہی امیر المومنین ہونا چاہئے اور مشرق سے مغرب تک تمام مسلمانوں کا ایک ہی ملک ہو تو اس قوت کا کیا عالم ہوگا اس کو غور کر لیں۔ دشمنوں نے جو عصبیتیں بیدار کر دی ہیں کہ عربی عجمیوں کے ماتحت کیوں رہیں اور عراقی اور شامی اور یمنی حجاز کے ماتحت کیوں رہیں اور سندھی پنجابیوں کے ماتحت کیوں رہیں اور بنگالی پٹھانوں کے ماتحت کیوں رہیں اور غیر بنگالی بنگالیوں کے ماتحت کیوں رہیں ان باتوں نے کثیر تعداد میں مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے ملک بنا دیئے ہیں پھر دشمن نے ان ملکوں کے سربراہوں پر سیاسی یا نظریاتی قبضہ کر رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تمہارا امیر ایسا شخص بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں جو تمہیں اللہ کی کتاب کے ذریعہ لے کر آگے چلتا ہو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو (رواہ مسلم صفحہ ۱۲۰: ج ۲) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایسے شخص کو عامل بنا دیا جائے جو حبشی غلام ہو گویا کہ اس کا سر کشمش (کی طرح) چھوٹا سا ہو۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۵: ج ۲)

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ بات سنیں گے اور فرمانبرداری کریں گے تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور اس بات پر بھی کہ صاحبِ اقتدار سے جھگڑا نہ کریں گے ہاں اگر بالکل ظاہر باہر کفر نظر آئے جس کے بارے میں ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل ہو تو اس وقت ہم اس سے جھگڑا کریں گے (رواہ مسلم صفحہ ۱۲۵: ج ۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین کیسا ہی ہو اس کے ساتھ چلنا چاہئے بشرطیکہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ لے چلتا ہو۔ اپنی رائے اور منشا کے موافق ہو تب بھی فرمانبرداری کریں اور اپنی رائے اور منشا کے مخالف ہو تب بھی فرمانبرداری کریں۔ اگر ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جاتی ہو تب بھی بات مانیں اور اطاعت کریں۔ اگر کالے حبشی کو امیر بنا دیا جائے تب بھی اطاعت کریں۔ حبشی کی مثال دینے سے رسول اللہ ﷺ نے رنگ اور نسل کا سوال ختم فرما دیا اور یہ جو فرمایا کہ اگر امیر کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں تب بھی بات سنیں اور اطاعت کریں۔ اس سے صورت اور شکل کا سوال ختم فرما دیا۔ پھر عبد حبشی فرما کر یہ بتا دیا کہ اگرچہ آئمہ قریش سے ہونے چاہئیں، لیکن اس کے خلاف کسی غلام کو بھی اقتدار دے دیا جائے تب بھی اس سے جڑے رہو بعض مرتبہ امیر کی رائے سے اختلاف ہو جاتا ہے اور اس کی رائے خطا معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے اس نے صحیح فیصلہ نہیں کیا اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ باوجود اختلاف رائے کے جھگڑا نہ کریں ہاں اگر بالکل ہی دلیل واضح سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا فیصلہ بالکل کافرانہ فیصلہ ہے اور تم اس کی دلیل اللہ پاک کے حضور میں دے سکتے ہو تو اس سے منازعت کر سکتے ہو امیر اور مامورین کے بارے میں احادیث تو اور بھی ہیں لیکن ان چند احادیث میں ایسے چند امور ارشاد فرما دیئے جن کو اختیار کرنے سے امت کا شیرازہ بندھا رہ سکتا ہے اور وحدت قائم رہ سکتی ہے سارے مسلمان اللہ کی رسی کو مضبوط تھامیں صاحب اقتدار یا عوام یا جماعتیں دشمنوں کا کھلونا نہ بنیں نہ کسی کے ہاتھ بکیں وحدت اسلامیہ کو قائم رکھنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ باوجودیکہ زبانیں مختلف ہوں جغرافیائی اعتبار سے مختلف علاقوں کے رہنے والے ہوں لیکن سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہوں۔ زبانوں کے اختلاف کو اور اختلاف رائے اور فروعی مسائل کو جنگ و جدال اور اختلاف کا ذریعہ نہ بنائیں اور پہلے سے دیکھ کر متقی آدمی کو امارت اور خلافت سونپیں، یورپ سے آئی ہوئی جمہوریت جاہلیہ کو ذریعہ انتخاب نہ بنائیں۔ جو فاسقوں بلکہ کفریہ عقائد رکھنے والوں کو بھی اقتدار اعلیٰ اور اقتدار ادنیٰ دلوا دیتی ہے۔

افتراق کے اسباب، اتحاد کا طریقہ: اس آیت میں اول تو اجتماعیت کا طریقہ بتایا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا پھر افتراق سے منع فرمایا اور واضح طور پر بتایا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ یہ میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو اور دوسری راہوں پر مت چلو وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی) مسائل فرعیہ میں جو ائمہ کا اختلاف ہے وہ اتحاد و اتفاق سے مانع نہیں ہے صدیوں سے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کا احترام کرتے رہے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی مسائل میں اختلاف تھا لیکن وہ باوجود اختلاف کے آپس میں شیر و شکر ہو کر مجتمع

رہے۔ اگر کہیں شدید اختلاف ہوگیا تو وہ بھی اللہ ہی کے لئے تھا۔ کسی سے خطا اجتہادی ہوگئی۔ یہ دوسری بات ہے لیکن مقصد کسی کا دین اسلام کے خلاف چلنا نہ تھا، البتہ اصحاب ہویٰ (جنہیں اپنی خواہشات پر چلنا) اہل حق کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

بحوالہ درمنثور روایت گذر چکی ہے کہ اوس اور خزرج میں ۱۲۰ سال سے لڑائی چلی آرہی تھی وہ اسلام قبول کرنے پر ختم ہوگئی اور سب آپس میں بھائی بھائی ہوگئے جس کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا میں یاد دلایا ہے۔ اتنی پرانی دشمنی محبت سے بدل سکتی ہے تو دور حاضر کے مسلمانوں کے آپس کے صوبائی اور لسانی اور سیاسی اختلافات وحدت اسلامیہ کو قائم کرنے کے لئے کیوں ختم نہیں ہوسکتے جو زعماء سیاست ہیں، جنہیں اسلام سے تعلق ہی نہیں وہ برملا اسلام سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہیں۔ اسلام کے قوانین پر اعتراض کرتے ہیں عجیب بات ہے کہ اسلام کا کلمہ پڑھنے والے انہیں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو حدود کفر میں تو داخل نہیں ہوئے لیکن وحدت اسلامیہ سے زیادہ انہیں اپنا اقتدار محبوب ہے ان حالات میں وحدت کیسے قائم ہو؟

جو لوگ نام کے مسلمان ہیں لیکن اپنے عقائد کی وجہ سے اور اسلام پر اعتراض کرنے کی وجہ سے حدود کفر میں داخل ہیں عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ان پر بھی صادق ہے یہ لوگ سچے دل سے صحیح معنی میں اسلام قبول کریں تو عذاب دوزخ سے بچ جائیں گے اللہ کی آیات ہمیشہ کے لئے ہیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو دعوت دیتے ہوں خیر کی طرف اور حکم کرتے ہوں اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہوں

الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ

برے کاموں سے اور یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہوگئے

بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵ۙ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں اختلاف کرلیا اور یہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن چہرے سفید ہوں گے اور چہرے سیاہ ہوں گے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا

سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان کے بعد سو چکھ لو عذاب اس وجہ سے کہ

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۱۰۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۷

تم کفر کرتے تھے اور جن کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۸ وَلِلّٰهِ مَا فِي

یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں حق کے ساتھ، اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہو!

تفسیر: مسلمان کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خود اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرے۔ نیکیاں کرتا رہے گناہوں سے بچتا رہے اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے اور برائیوں سے روکتا رہے خود نیک بن جانا اسلامی معاشرہ باقی رکھنے کے لئے کافی نہیں ہے دوسروں کو بھی خیر کی دعوت دیتے رہیں اور نیکیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روکیں تب اسلامی معاشرہ باقی رہے گا چونکہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات بھی ہیں اور اس کے پیچھے شیطان بھی لگا ہوا ہے اس لئے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات چھوڑ بیٹھتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو صحیح راہ پر باقی رکھنے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت: آیت بالا میں حکم فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر بالمعروف کرتی ہو اور نہی عن المنکر کرتی ہو، جو کام اللہ کی رضامندی کے ہیں ان کو معروف اور جو کام اللہ کی ناراضگی کے ہیں ان کو منکر کہا جاتا ہے پانچ آیات کے بعد پھر اس کی اہمیت پر زور دیا ہے اور فرمایا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں یہ لوگ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا اس کے علاوہ دوسری آیات میں بھی قرآن مجید میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور ضرورت بتائی ہے سورہ توبہ کی آیت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام مومنین کی خاص امتیازی صفات ہیں احادیث شریفہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت بتائی گئی ہے۔

(صحیح مسلم صفحہ ۵۱: ج۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ

(یعنی جو تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے یعنی برائی کرنے والے کو اپنے زور کی طاقت سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے (یعنی برائی کرنے سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے

برا جانے اور یہ (صرف دل سے برا جان کر خاموش رہ جانا اور ہاتھ یا زبان سے منع نہ کرنا) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر شخص نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا مامور ہے اپنے گھر کے بڑے اداروں کے بڑے کمپنیوں اور فرموں کے ذمہ داروں، حکومتوں کے عہدیدار بقدر اپنی قوت اور طاقت کے اس فریضے کو انجام دیں۔ گھر کے لوگ اپنی اولاد کو اور نوکروں کو نیکیوں کی دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے میں پوری قوت استعمال کر سکتے ہیں لیکن افسوس فرائض اور واجبات کا انہیں حکم نہیں دیتے اور گناہوں سے انہیں نہیں روکتے۔

اصحاب اقتدار کی غفلت:

بہت سے لوگوں کو مختلف طرح کے عہدے اور مناصب حاصل ہیں وہ اپنے ماتحتوں کو نہ فرائض اور واجبات کا حکم کرتے ہیں اور نہ گناہ چھوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ حکومتوں کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہونے والے خود بھی بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور فرضوں کے تارک ہوتے ہیں نہ صرف یہ کہ اپنے ماتحتوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے بلکہ اپنا اقتدار جمانے کے لئے ماتحتوں کو گناہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور سرکاری کاموں میں نمازیں تک برباد کر دی جاتی ہیں۔

اہل ایمان اصحاب اقتدار کی صفات بتاتے ہوئے سورہ حج میں ارشاد فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے پر دنیا میں عذاب:

قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف نہ کرنا اور برائیوں سے نہ روکنا سخت وبال کی چیز ہے اس دنیا میں عہدے اچھے لگتے ہیں لیکن جب ان کا وبال آخرت میں سامنے آئے گا تب پچھتاوا ہوگا جس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہر مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پابند ہے اور اس فریضہ کا چھوڑ دینا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب آنے کا ذریعہ ہے اگر اس فریضہ کو چھوڑ دیا جائے تو دعائیں تک قبول نہیں ہوتیں۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس قوم میں کوئی ایک شخص گناہ کرتا ہو جسے روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے وہ لوگ نہ روکیں تو مرنے سے پہلے ان لوگوں پر عذاب آئے گا (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۴۰: ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستی کا تختہ اس کے رہنے والوں کے ساتھ الٹ دو۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ اے پروردگار ان میں آپ کا فلاں بندہ بھی جس نے پلک جھپکنے کے بقدر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اسے بھی عذاب میں شریک کر لیا جائے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص پر اور باقی رہنے والوں پر الٹ دو کیونکہ اس کے چہرہ پر میرے (احکام) کے بارے میں کبھی کسی وقت شکن بھی نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تمہارے اوپر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے تو وہ دعا قبول نہ فرمائے گا (رواہ الترمذی)

معلوم ہوا کہ بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایسا اہم اور ضروری کام ہے کہ اس کے نہ ہونے سے نیکیاں کرنے والے بھی عذاب کی لپیٹ میں آسکتے ہیں اور جب عذاب آئے گا تو جو دعائیں کی جائیں گی تو وہ بھی قبول نہ ہوں گی۔ عموماً لوگ خود گناہوں میں مبتلا ہیں نمازیں چھوڑے ہوئے ہیں۔ زکوتیں نہیں دیتے۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں ان گواہیوں کے ذریعہ پیسہ کماتے ہیں ڈاکے پڑ رہے ہیں مال لوٹے جارہے ہیں۔ چوریاں ہو رہی ہیں۔ قانون شریعت کی اجازت کے بغیر قتل ہو رہے ہیں۔ اور کوئی شخص بولنے والا نہیں ایسی صورت میں عذاب سے کیسے حفاظت ہو؟ اور عذاب آئے تو دعائیں کیسے قبول ہوں؟

ہر شخص کی ایمانی ذمہ داری حدیث شریف میں بتادی کہ جو بھی شخص کسی منکر کو دیکھے اس کو اپنی طاقت کے بقدر روک دے۔ اور ہر شخص کی ذمہ داری کے سوا آیت بالا میں مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہونے کا حکم بھی فرمایا جو دعوت الی الخیر کرتی ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا خصوصی کام ہو۔ یہ جماعت فرض کفایہ کے طور پر ہر علاقہ میں کام کرے اور اتنے افراد ہونے چاہئیں جو ہر علاقہ کے افراد کو دعوت خیر دے سکیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکیں۔ جماعت سے یہ مراد نہیں کہ دور حاضر کے انداز کی کوئی جماعت ہو جس کا صدر ہو سیکرٹری ہو ممبران ہوں دفتر ہو جماعت کا کوئی نام یا یونیفارم ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے کرنے والے بقدر ضرورت امت میں موجود رہیں۔ حکومت ایسے افراد مہیا کرے۔ حکومت نہ کرے تو مسلمان خود ایسی ایک جماعت قائم رکھیں جو اس فریضہ کو انجام دیتی رہے اور چھوٹی موٹی جماعت نہ ہو بلکہ اتنی بڑی جماعت ہو کہ ہر علاقہ میں اہل اسلام کے جتنے افراد رہتے اور بستے ہوں ان تک بات پہنچانے کے لئے کافی ہوں۔

فائدہ: آیت شریفہ میں پہلے **یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ** فرمایا اس کے بعد **یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** فرمایا، دعوت الی الخیر میں سب باتیں داخل ہوگئیں کافروں کو اسلام کی دعوت دینا بھی اس میں آگیا اور فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن اور مستحبات کی دعوت دینے کو بھی **یدعون الی الخیر** کا عموم شامل ہوگیا، مستحبات کو چھوڑ دینا اگرچہ منکر نہیں ہیں لیکن ان پر عمل کرنے میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ اس لئے ان کی دعوت بھی دیتے رہنا چاہئے لیکن سختی نہ کی جائے البتہ فرائض اور واجبات کی دعوت سختی سے دی جائے جس درجہ کا جو حکم ہے اسی درجہ میں اس کی دعوت ہونی چاہئے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات میں مسامحت کرتے ہیں بلکہ خود بھی فرائض کو چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں اور مستحبات کے بارے میں سختی کرتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں شریعت محمدیہ میں **علیٰ صحبها الصلوٰة والتحیه** جس چیز کا جو درجہ ہے اسی درجہ کے مطابق دعوت میں سختی اور نرمی اختیار کی جائے، لفظ "خیر" ہر نیک کام کو شامل ہے۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۹۰: ج۱ میں حضرت ابو جعفر باقر رحمہ اللہ

سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ الخیر اتباع القرآن وسنتی (کہ قرآن کا اور میری سنت کا اتباع کرنا خیر ہے) اس کے مطابق ہر چھوٹی بڑی نیکی کو لفظ خیر شامل ہے۔

کامیاب کون لوگ ہیں؟

جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا: وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کہ یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں۔ کامیابی کو تو ہر شخص چاہتا ہے لیکن مقاصد کے اعتبار سے ہر ایک کے نزدیک کامیابی کا معیار الگ الگ ہے۔ قرآن کریم نے بھی کامیابی کا معیار بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے کام کئے جائیں۔ جن کی وجہ سے دوزخ سے حفاظت ہو جائے اور جنت مل جائے اوپر جو کام بتائے ہیں وہ اللہ کے کام ہیں اس لئے ان پر عمل پیرا ہونے والوں کو مفلحون (کامیاب) فرمایا۔

دلائل سے حق واضح ہونے کے بعد انحراف کرنے والوں کی سزا:

پھر فرمایا وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ (اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے)

صاحب روح المعانی صفحہ ۲۲: ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اختلاف کیا اور افتراق کی راہ اختیار کی، امت مسلمہ کو حکم ہوا کہ ان جیسے نہ ہو جاؤ جن کے پاس آیات بینات اور حجج بالغہ آئیں جو متحد رہنے کا حکم دے رہی تھیں انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور اتحاد کے بجائے افتراق کو اپنایا یہ افتراق دنیاوی اغراض اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑنے اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے منہ موڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے بہت سے اصحاب ہوئی دین کو اپنی افکار و آراء کے تابع بنا کر چلتے ہیں اور ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جاتے ہیں، مرجیہ کرامیہ مجسمہ مشبہ معطلہ جہمیہ فرقے عصر ماضی میں گذر چکے ہیں، اور اب بھی ایسے بہت سے فرقے ہیں جو مدعی اسلام ہیں لیکن ملت اسلامیہ سے خارج ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو حدیث نبوی ﷺ کی حجیت کے منکر ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ایسی جماعت بھی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانتی ہے اور بھی طرح طرح کے کفریہ عقائد رکھنے والے موجود ہیں۔

افتراق کرنے والے جو اپنے اہواء و افکار کی وجہ سے حدود اسلام سے نکل جائیں ان کے لئے آخرت کا عذاب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے) پھر فرمایا فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ (سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا، کیا تم نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد سو چکھ لو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے) وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

قیامت کے دن اہل کفر کی بدصورتی: قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی قیامت کے دن چہروں کا سفید و سیاہ ہونا مذکور ہے سورہ عبس کے آخر میں فرمایا: وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ (اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ہنستے ہوئے ہوں گے۔ خوش ہوں گے اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے کہ جن پر ظلمت ہوگی جن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی یہ لوگ کافر فاجر ہوں گے)

سورہ زمر میں فرمایا وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا عَلَى اللّٰهِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّةٌ (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن دیکھے گا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے)

سورہ یونس میں فرمایا وَالَّذِيۡنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثۡلِهَا وَ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ كَاَنَّمَآ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ (اور جن لوگوں نے برے کام کئے بدلہ برائی کا اسی جیسا ہوگا اور چھا جائے گی ان پر ذلت، ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

مضمون کے ختم پر فرمایا تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (کہ یہ اللہ کی آیات ہیں ہم تمہارے او پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا)

پھر فرمایا وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ (کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں) وہ مالک اور متصرف ہے اسے سب اختیار ہے اپنی مخلوق میں جیسا تصرف کرے کوئی اسے روکنے والا نہیں)۔

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ
تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو نکالی گئی لوگوں کے لئے بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو
وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اٰمَنَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ مِنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ
اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر ان میں سے
الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾
فرمانبرداری سے باہر ہیں۔

امتِ محمدیہ کی امتیازی صفات

تفسیر: اس آیتِ شریفہ میں امتِ محمدیہ کو خَيۡرَ اُمَّةٍ فرمایا ہے اور اس امت کا نبی بھی خیر الانبیاء اور سید الانبیاء ہے۔ جس کا آیت لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ میں ذکر فرمایا ہے، نیز آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا اَنَا سید ولد آدم یوم

القیامه (کہ میں قیامت کے دن آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا (رواہ مسلم ۲۴۵: ج ۲) نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا۔ اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور اس دن آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور نبی ہو سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (یعنی قبر سے سب سے پہلے ظاہر ہوں گا) اور میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳)

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ ستر ویں امت کو پورا کررہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے بڑھ کر اکرم ہو (قال الترمذی ہذا حدیث حسن) اس امت کو خیر الامم بتاتے ہوئے اس کے اوصاف بھی بتادیئے اور وہ یہ کہ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ اس امت کا طرہ امتیاز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امت کا ہر فرد اس کام میں لگے البتہ اس میں تفصیلات ہیں کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ کبھی واجب اور کبھی سنت روح المعانی (صفحہ ۲۸: ج ۴) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا: یاایها الناس من سره ان یکون من تلکم الامة فلیود شرط الله تعالیٰ واشار بذالک الی قوله سبحانه تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر. (اے لوگو! جو اس امت میں سے ہونا پسند کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی شرط کو پورا کرے۔ اور اس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ہی کی طرف تھا کہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو)

گذشتہ رکوع میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت اور ضرورت اور اہمیت بیان ہو چکی ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے یہاں یہ بات بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ تومنون باللہ کو کیوں مؤخر کیا جبکہ ایمان ہر عمل سے مقدم ہے۔ اور ہر عمل کے قبول ہونے کے لیے شرط ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس سلسلہ میں تین باتیں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مقصود بالبیان اس جگہ پر چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اس لئے ان دونوں کو مقدم کیا۔ لیکن پھر ایمان کا تذکرہ بھی فرمادیا ہے کہ و تؤمنون باللہ اس لئے فرمایا کہ آگے اہل کتاب سے جو کلام متعلق ہے اس سے مرتبط ہو جائے۔

اکثر اہل کتاب فرمانبرداری سے خارج ہیں:

اہل ایمان کا ذکر فرما کر اہل کتاب کا ذکر فرمایا وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا) اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد آپ سے پہلے جس کسی نبی یا جس کسی کتاب سماوی پر کسی کا ایمان تھا یا اب ہے وہ معتبر نہیں ہے جب تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان نہ ہو۔ پھر فرمایا اہل کتاب میں بعض مومن ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور بعض دیگر اہل کتاب (جنہوں نے حق کو قبول کیا اور دنیاوی منافع نے ان کو حق سے نہیں روکا) اور اہل کتاب میں اکثر اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں، یعنی کافر ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۚ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۚ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ

تم کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا سی تکلیف اور اگر تم سے جنگ کریں گے وہ تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی، جمادی گئی

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں مگر ایسے سبب سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہو، اور وہ لوٹ گئے اللہ کے غصہ کو لے کر،

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَآءَ

اور جمادی گئی ان پر مسکنت، یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کے ساتھ اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے

بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوا سَوَآءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم ہے

يَتْلُونَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُونَ

رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور امر

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ ۗ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۱۴﴾

بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں،

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

اور یہ لوگ جو بھی کچھ خیر کا کام کریں گے تو اسکی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ متقیوں کو جاننے والا ہے۔

یہود کی ذلت اور مسکنت

تفسیر: زمانہ نبوت میں یہودیوں کی دشمنی ظاہراً بھی تھی اور پوشیدہ بھی تھی مسلمانوں کو ان سے تکلیف پہنچتی رہتی تھی، خطرہ تھا کہ کوئی ایسی کارروائی نہ کر بیٹھیں جس سے زیادہ تکلیف پہنچ جائے۔ بلکہ رؤسا یہود نے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان عوام کو جو یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ زبانی طور پر ایذا دینے کا سلسلہ شروع بھی کر دیا تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کے اس خطرہ کو دور فرما دیا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ تمہیں بس ذرا سی تکلیف پہنچا سکیں گے اور اگر انہوں نے جنگ چھیڑی تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر یہودیوں کی حالت مغضوبیت بیان فرمائی کہ ان پر ذلت کی چھاپ ماردی گئی جہاں کہیں بھی ہوں گے ذلیل ہوں گے۔

یہود کی موجودہ حکومت: ہاں اگر اللہ کے کسی عہد میں آجائیں یا انسانوں کے عہد میں آجائیں تو (دنیاوی) ذلت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے عہد میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً مسلمانوں سے ان کا کوئی معاہدہ ہو جائے اور معاہدہ کے موافق مسلمان ان سے تعرض نہ کریں یا یہ لوگ جزیہ قبول کریں اور مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کریں تو اس صورت میں ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو ذمیوں کے ساتھ ہوتا ہے یا کہیں لڑائی ہو تو مسلمان ان کے بچے اور عورتوں کو حسب قانون شرعی قتل کرنے سے باز رہیں گے اور انسانوں کے عہد میں آنے کا یہ مطلب ہے کہ کسی حکومت سے ان کا کوئی معاہدہ ہو جائے وہ حکومت ان کو امان دے دے۔

جب سے یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے لوگوں کو اشکال ہو رہا ہے کہ قرآن نے تو ان کے بارے میں ذلت کا اعلان کیا تھا پھر ان کی حکومت کیسے قائم ہوئی؟ درحقیقت قرآن کے اعلان میں کوئی بات قابل شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ اول تو قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ ہمیشہ ہمیش تا قیامت ان لوگوں کا یہی حال رہے گا۔ دوام ذلت اور دوامًا تو کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں، پھر یہودیوں کی جو حکومت قائم ہے وہ حبل من الناس کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں سے کچھ معاہدے کر کے بعض نصرانی حکومتوں نے ان کی حکومت قائم کی ہے اور نصاریٰ ہی کے بل بوتے اور سہارے پر ان کی حکومت قائم ہے قرآن کریم نے جو حبل من الناس فرمایا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ان کے بعض حالات انسانوں سے جوڑ توڑ رکھنے کی وجہ سے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں ان کو کچھ عزت مل جائے اور ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ کا اطلاق عام مستثنیٰ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ یہودی اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر مسکنت کی چھاپ ماردی گئی اور اس کا سبب یہ بتایا کہ وہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے نافرمانی کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ مضمون سورہ بقرہ کے رکوع سات کے اخیر میں بھی گذر چکا ہے۔

بعض اہل کتاب کی تعریف جنہوں نے اسلام قبول کیا:

پھر ان اہل ایمان کی تعریف فرمائی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا کہ وہ راتوں رات اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور یوم آخرت پر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دیتے ہیں۔ نیکیوں میں آگے بڑھتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں اور یہ لوگ جو بھی خیر کا کام کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو متقیوں کا علم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ
بلا شبہ جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اور یہ لوگ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ
دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اس کی مثال جو کچھ وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے
رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ
جیسے ایک ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچ گئی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر دیا۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن
لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾
وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

کافروں کے اموال اور اولاد عذاب سے نہ بچا سکیں گے

تفسیر: پہلی آیت میں تو یہ فرمایا کہ اہل کفر پر جب اللہ کا عذاب آئے گا تو ان کے مال اور اولاد کچھ بھی

8

نفع نہ دے سکیں گے یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخی ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ سورہ آل عمران کے رکوع ۲ کے شروع میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ پھر ان لوگوں کے اخراجات اور نفقات کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اور ان اخراجات میں وہ اموال بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں خرچ کئے جاتے ہیں) ان اخراجات کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ایسی قوم کی کھیتی ہو جنہوں نے کفر اور معاصی کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو۔ اس کھیتی پر اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جس میں سخت ٹھنڈک تھی اس ٹھنڈک نے ساری کھیتی کو برباد کر دیا۔ کھیتوں کو سخت سردی پہنچ جاتی ہے تو اس کو عام محاورات میں پالا پڑ جانا یا پالے سے ہلاک ہو جانا کہتے ہیں یہ ہوا بطور سزا اور عقاب کے ان کے کھیتوں کو لگی اور سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہی خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، یہ عذاب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے آیا۔ اللہ کو کوئی الزام نہ دیں اپنے کفر اور معاصی کو دیکھیں کافروں نے ثواب کی نیت سے جو کچھ خرچ کیا وہ بھی بھسم ہے اس کا کوئی ثواب آخرت میں نہیں ملے گا اور جو کچھ دین اسلام کی دشمنی میں خرچ کرتے ہیں ظاہر ہے اس کا کیا ملنا ہے؟ دنیا میں بھی مالوں کی بربادی ہے اور آخرت میں زیادۃ فی الکفر کی وجہ سے عذاب در عذاب کا سبب بنے گا۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا: مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِنِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ایسی ہے جیسے کہیں راکھ پڑی ہو آندھی کے دن میں سخت تیز ہوا اس کو اڑا دے یہ لوگ قادر نہ ہوں گے اپنے کمائے ہوئے میں سے کسی چیز پر بھی یہ دور کی گمراہی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو اپنا رازدار مت بناؤ وہ لوگ تمہارے بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے، ان کو وہ چیز پسند ہے جس سے

عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا

تمہیں تکلیف ہو بغض ظاہر ہو چکا ہے، ان کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے، تحقیق ہم نے بیان کر دیں

لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

تمہارے لئے آیات اگر تم عقل رکھتے ہو، تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لاتے ہو،

بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ

اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ جب آپس میں تنہائیوں میں جاتے ہیں تو مارے غصہ کی جلن کے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹے لیتے ہیں،

الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ مر جاؤ اپنی جلن میں، بے شک اللہ جاننے والا ہے ان سب چیزوں کو جو سینوں میں ہیں اگر تم کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ

تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچ جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی ضرر نہ

كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾

پہنچائے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

کافروں کو راز دار نہ بناؤ

تفسیر: ان آیات میں دشمنان اسلام کی دشمنی کو خوب زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا ہے اور چونکہ وہ دشمن ہیں اس لئے دشمن سے دشمنی ہی کی امید رکھی جاسکتی ہے سب سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا راز دار مت بناؤ وہ تمہیں بگاڑنے اور خراب کرنے میں ذرا سی بھی کسر نہ چھوڑیں گے اور اس میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھیں گے۔

مسلمانوں کی بدحالی: تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی اس نصیحت کے خلاف کیا ہے مسلمانوں نے مار کھائی، دشمن اسی طریقہ سے قابو پاتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کو مال دے کر یا عہدے دے کر اپنا ہمنوا بنالیتا ہے یہ مال کے لالچی اور عہدوں کے حریص دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی خفیہ باتیں سب اُگل دیتے ہیں، دشمنوں نے مسلمانوں کے ملکوں میں مسلمانوں میں سے ایسے جاسوس بنا رکھے ہیں جو ہر چھپی ڈھکی بات اور ہر خفیہ مشورہ دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومتیں زیر زبر ہوتی رہتی ہیں، اہم افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام کو اور مسلمان کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

کافروں کو خیر خواہ سمجھنے کی بیوقوفی: دشمن سے تو کبھی کسی طرح کی دوستی کرنے کی گنجائش ہی نہیں مسلمانوں کی بعض حکومتیں دشمنوں کے بل بوتے پر قائم ہیں اور اس ڈر سے کہ وہ حکومت کسی اور کو نہ دلا دیں دشمنوں کی ہر بات مانتے ہیں اور جس طرح دشمن کہتے ہیں اسی طرح کرتے ہیں۔ دشمنوں نے سمجھا رکھا ہے کہ عوام کو بہکانے کے لئے کہتے رہو کہ ہم اسلام قائم کریں گے، اگر کوئی شخص واقعی اسلام لانے لگے تو وہ مقتول یا معزول ہو جاتا ہے دشمن کے سہارے اقتدار لے کر بیٹھنا ہی اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ دشمن تو مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہیں جیسا کہ رب العزت جل شانہٗ نے فرمایا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ کفر ملت واحدہ ہے سارے کافر خواہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتے ہوں اندر سے سب ایک ہیں اور مسلمانوں کے دشمن ہیں جب کبھی موقعہ آتا ہے ان کی وحدت کا مظاہرہ ہو جاتا ہے ان میں سے بہت سے لوگ صاف اور صریح الفاظ میں اسلام دشمنی کا اعلان کر بھی دیتے ہیں جیسا کہ زمانہ نبوت میں یہودیوں نے کیا تھا اسی کو فرمایا قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (کہ ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے)

مسلمانوں کو بار بار جھنجھوڑ کر ارشاد فرمایا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (کہ بلاشبہ ہم نے تمہارے لئے

آیات بیان کردیں اگر تم عقل رکھتے ہو)

مسلمانوں کی غفلت پر سرزنش: مزید فرمایا کہ اے مسلمانو! تم ایسے ہو کہ دشمنوں سے محبت کا برتاو کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، تم ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہو، جو انبیائے سابقین علیہم السلام پر نازل ہوئیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے تم جو ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو انہیں اس کی کچھ پاسداری نہیں، ان میں منافقت ہے، جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو غصہ کی جلن کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ لیتے ہیں کہ مسلمان کیسے آگے بڑھ رہے ہیں اور کیسے قوت پا رہے ہیں ان کے اس حال کے بارے میں ارشاد فرمایا قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ کہ تم اپنے غصہ کی جلن میں مرجاؤ، دین اسلام کو قوت ہو کر رہے گی۔ اسلام کی قوت اور شان و شوکت بڑھنے پر انگلیاں کاٹنے سے کیا ہوتا ہے اس غصہ میں مر بھی جاؤ گے تب بھی اسلام کا کلمہ بلند ہوگا۔ سب دینوں پر اسلام غالب ہوگا۔ پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بے شک اللہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے) تمہارے دلوں میں جو کفر ہے اسے اس کا پتہ ہے اس نے مسلمانوں کو بھی تمہارا حال بتادیا تا کہ وہ چوکنے ہو کر رہیں اور آخرت میں تمہیں کفر کی سزا دے گا۔

مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (کہ اگر تم کو اچھی حالت پیش آجاتی ہے اس سے وہ رنجیدہ ہوتے ہیں اور اگر تم کو کوئی ناگواری کی حالت پیش آجائے تو وہ خوش ہوتے ہیں) کیا ایسے لوگ محبت کرنے کے قابل ہیں؟

تفسیر درمنثور صفحہ ۶۶: ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کا زمانہ جاہلیت میں یہود مدینہ سے پڑوسی ہونے کی وجہ سے تعلق تھا اور بعض مواقع میں آپس میں ایک دوسرے کے حلیف بھی بن جاتے تھے اس پرانے تعلق کی وجہ سے قبول اسلام کے بعد بھی ان مسلمانوں نے یہودیوں سے اپنا تعلق جاری رکھا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے تعلق سے منع فرمایا جس سے دشمن رازدار بن جائے (تجارت اور معاملات کی حد تک تو تعلق رکھنے کی گنجائش ہے لیکن ایسے تعلق کی کوئی گنجائش نہیں جس سے مسلمانوں کے راز دشمنوں پر کھلیں اور مسلمانوں کی اندرونی حالت سے دشمن باخبر ہو جائیں) آیت کے سبب نزول سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کے پاس بعض مسلمانوں کا آنا جانا تھا اس پر تنبیہ فرمائی اور یہودیوں کا ظاہر باطن سب بتادیا چونکہ ہر زمانے کے کافروں کا مسلمانوں کے بارے میں ایک ہی حال ہے اس لئے ہم نے دورِ حاضر کے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کردی اور بتادیا کہ کسی بھی کافر کو راز دار نہ بنائیں اور مسلمانوں کے بھید اُن کو نہ پہنچ جائیں۔

یہودیوں کی مکاریاں اور دسیسہ کاریاں ابھی تک جاری ہیں، گو احوال اور ظروف کے اعتبار سے کچھ بدل گئی ہیں نصاریٰ کی حکومتوں میں بھی یہودیوں کا بہت بڑا دخل ہے، وہ مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کے افراد کو بھی استعمال کرتے ہیں اور نصرانی حکومتوں میں بھی ان کی خفیہ سازشیں اور پوشیدہ مکاریاں جاری ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ یہ جو سوال

پیدا ہوتا ہے کہ کفار اپنی تدبیروں میں مسلمانوں پر کیوں غالب ہیں اس کا جواب آیت کے اخیر میں دے دیا جو ہمیشہ کے لئے ناطق فیصلہ ہے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی نقصان نہ دے گی)

مسلمان صبر اور تقویٰ اختیار کریں، دین پر جمیں، گناہوں سے بچیں تو دشمن کی مکاریاں کچھ بھی ضرر نہ دیں گی۔ ہتھیاروں کا انتظام کرنا جیسا کہ دشمن کے دفاع کا سبب ہے اسی طرح سے صبر وتقویٰ بھی دفاع دشمن کا ایک ہتھیار ہے بلکہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے اہل ایمان غافل رہتے ہیں آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (کہ بلاشبہ اللہ کو تمہارے دشمنوں کا پوری طرح علم ہے)۔ وہ ان کو اپنی حکمت مشیت وارادہ کے مطابق سزا دے گا۔

کافر تمہارے بگاڑ میں کبھی کوتاہی نہ کریں گے:

کافروں کے میل ملاپ سے جو منع فرمایا، اور ان کو راز دار بنانے کی جو ممانعت فرمائی اس میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی عبرت اور موعظت اور نصیحت ہے۔ کافروں کو دوست بناتے ہیں اور قرآن مجید میں جو واضح طور پر فرمایا ہے لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا اُس سے غافل ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ تمہارے فساد اور بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں گے۔ یہود ونصاریٰ اور تمام مشرکین حتیٰ کہ وہ لوگ جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن اپنے عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں (جن میں روافض پیش پیش ہیں) یہ سب اسلام اور اہل اسلام کے پورے اور پکے دشمن ہیں۔ ان سے دوستی کر کے اچھی امید رکھنا بیوقوفی ہے، اسلام کے عہد اول سے ہی دشمنان اسلام اپنی مکاریوں اور تدبیروں سے کبھی غافل نہیں ہوئے اسلام کو بڑھتا دیکھتے ہیں تو جلتے ہیں۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو اسلام مکہ سے آگے نہ بڑھتا، لیکن یہ جلتے رہے اور اسلام بڑھتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دشمن تو تباہ کرنے کی فکر میں ہے اور مسلمان ہیں کہ ان سے دوستی کرنے ہی کو ہنر سمجھ رہے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کرنے کے لئے مقامات بتا رہے تھے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہوجائیں اور اللہ ان کا ولی تھا اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے

غزوہ احد کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں غزوہ احد کا تھوڑا سا ذکر ہے۔ پھر آئندہ رکوع میں اور اس کے بعد والے رکوع میں تفصیل سے اس غزوہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت سرور عالم ﷺ نے مکہ معظمہ میں جب اسلام کی دعوت دی تو مکہ کے مشرکین آپ کے دشمن ہوگئے۔ بڑی بڑی مشکلات سے گذرتے رہے دشواریاں پیش آتی رہیں۔ تیرہ سال تک محنت مجاہدہ

کرتے ہوئے اور مشقت اٹھاتے ہوئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اسلام کی دعوت دی لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اور انصار مدینہ کی دعوت پر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے یہاں آ کر بھی مشرکین مکہ نے پیچھا نہ چھوڑا اور یہود مدینہ نے اندرونی خلفشار اور دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا منافقوں کا بھی ظہور ہوا یہ لوگ ظاہری طور پر اسلام کا نام لیتے تھے اور اندر سے کاٹ کرتے تھے چونکہ یہودی بہت بڑے دشمن تھے اس لئے ان سے میل محبت کا تعلق رکھنے سے منع فرمایا جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہو چکا اس وقت کے موجودہ دشمن یہودی تھے (جو مدینہ میں رہتے تھے) اور مشرکین مکہ بھی دشمن تھے ان سب سے میل ومحبت سے منع فرمایا اور ہمیشہ کے لئے تمام مسلمانوں کو یہ ممانعت کر دی گئی۔

مشرکین مکہ اپنی دشمنی کی وجہ سے ہجرت کے دوسرے سال بہت بھاری تعداد میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے چڑھ آئے اور مقام بدر میں فیصلہ کن جنگ ہوئی سب کی نظروں کے سامنے حق وباطل کا فیصلہ ہو گیا۔ غزوہ بدر کا واقعہ کچھ اسی رکوع میں آنے والی آیات میں بیان فرمایا اور کچھ سورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں گذر چکا۔ اور تفصیل کے ساتھ سورہ انفال کے پہلے اور دوسرے رکوع میں اور چھٹے اور ساتویں رکوع میں بیان فرمایا۔ ہم اس کو تفصیل سے سورۂ انفال کی تفسیر میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔

غزوہ احد کے موقعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ: ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ احد پیش آیا۔ مشرکین مکہ کو غزوۂ بدر میں چونکہ بہت بڑی شکست ہوئی تھی جس میں تین سو تیرہ نہتے مسلمان دشمن کی تین گنا تعداد پر غالب آئے اور دشمن کے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ لایا گیا اس لئے قریش مکہ کو بدلہ لینے کی بہت بڑی فکر تھی۔ لہٰذا آپس میں خوب زیادہ چندہ کیا اور قریش آپس میں مجتمع ہو کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے مکہ معظمہ سے نکلے قریش مکہ اپنے اموال اور فوج اور سپاہ کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو احد پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال لیا آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرات صحابہ سے مشورہ کیا آپ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے باہر نہ نکلیں لیکن وہ مسلمان جو گذشتہ سال غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم شہر سے باہر نکلیں گے اور احد جا کر ہی ان سے لڑیں گے ان حضرات کا اندازہ تھا کہ جس طرح مسلمان سال گذشتہ بدر میں دشمن کے مقابلہ میں فتح یاب ہو چکے ہیں اس مرتبہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ضرور غالب ہوں گے یہ حضرات برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو باہر نکلنے پر آمادہ کر لیا آنحضرت سرور عالم ﷺ نے تیاری فرمائی۔ زرہ پہن لی اور خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھ لی آپ مشورہ کی وجہ سے آمادہ تو ہو گئے لیکن ہتھیار پہننے سے پہلے آپ نے فرمادیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ کے اندر ہوں جس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ اس سے مدینہ منورہ مراد ہے اور میں نے ایک خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار کچھ کند ہو گئی اس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ تمہارے اندر کچھ شکستگی ہوگی اور میں نے یہ بھی خواب دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جا رہا ہے اور وہ بھاگ رہا ہے۔ مطلب اس خواب کے بیان کرنے کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ ہی کے اندر رہنا چاہئے اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں مسلمانوں میں شکستگی ہوگی۔ بعد میں بعض

لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہماری تاریخ یہ ہے کہ جب کبھی اندر رہتے ہوئے جنگ لڑی ہے تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب کبھی باہر نکل کر جنگ کی ہے تو دشمن فتح یاب ہوا ہے۔ لہٰذا رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اندر ہی رہیں باہر نہ نکلیں جن حضرات نے خوب جماؤ کے ساتھ باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا۔ بعد میں ان کو بھی ندامت ہوئی جب آپ کی خدمت میں دوسرا مشورہ پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ کی جیسی رائے ہو آپ اسی پر عمل فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سامان جنگ سے آراستہ ہو جائے اور دشمن کی طرف نکلنے کا حکم دیدے تو وہ قتال کئے بغیر واپس ہو جائے میں نے تم کو پہلے اس امر کی دعوت دی تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں۔ لیکن تم لوگوں نے نہیں مانا پس اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو جماؤ کے ساتھ جنگ کرنا۔ اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

اس کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ مسلمانوں کو لے کر احد کی طرف تشریف لے چلے اس وقت آپ کے ساتھ ایک ہزار کی نفری تھی اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی۔ احد جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ قیام کیا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ لہٰذا مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ عبداللہ بن ابی جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہو گیا تو انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو گئی اور ان کے اندر بھی بزدلی کا اثر ہونے لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت دی اور یہ بھی لشکر اسلام کے ساتھ ٹھہر گئے اسی کو آیت بالا میں فرمایا: اِذْهَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (اور جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ ان کا ولی ہے اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے)

حضرت سرور عالم ﷺ احد کے دامن میں پہنچ گئے اور وہاں ایک گھاٹی میں نزول فرمایا آپ نے اور آپ کے لشکر نے احد کی طرف پشت کر لی تاکہ احد پیچھے رہے اور دشمن سے احد کے سامنے میدان میں قتال کیا جا سکے وہیں ایک پہاڑی پر پچاس صحابہ کو مقرر فرما دیا۔ اور ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو بنا دیا اور ان حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اسی پہاڑ پر ثابت قدم رہنا۔ فتح ہو یا شکست تم یہاں سے مت ٹلنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم کو پرندے بھی بوٹی بوٹی کر کے لے اڑیں تب بھی اس جگہ سے نہ جانا ان حضرات کا کام یہ تھا کہ دشمن کے لشکر کو مقررہ پہاڑی سے نیزے مارتے رہیں تاکہ وہ ان کی طرف سے گذرتے ہوئے لشکر اسلام پر حملہ نہ کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ اور جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کی ترتیب دی اور ان کے ٹھکانے مقرر فرمائے، میمنہ اور میسرہ کی تعیین فرمائی جس کو آیت بالا میں اس طرح بیان فرمایا: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مقامات بتا رہے تھے)

جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتحیاب فرمایا لیکن پھر یہ ہوا کہ جن پچاس افراد کو تیر اندازی کے لئے ایک پہاڑی پر مامور فرمایا تھا انہوں نے جب فتح و ظفر دیکھی تو ان میں آپس میں اختلاف ہو گیا ان میں سے

بعض صحابہؓ کہنے لگے کہ اب یہاں ٹھیرنے کی ضرورت کیا ہے اب تو ہم فتحیاب ہو ہی چکے لہٰذا اس جگہ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ جو بھی صورت ہو ہمیں جم کر رہنے کا حکم ہے، جماعت کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے کچھ ساتھی وہیں جمے رہے اور اکثر حضرات نے جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، اور وہ شکست کھا کر راہ فرار اختیار کر چکا تھا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ تیرانداز پہاڑی سے اتر چکے ہیں تو پلٹ کر پھر جنگ شروع کر دی، اب صورتِ حال بدل گئی اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ

اور بلاشبہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم کمزور حالت میں تھے، پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گذار ہو، جب آپ مومنین سے فرمار ہے تھے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

کیا تمہیں یہ کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد فرمادے جو اتارے گئے ہوں،

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ

ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن تم پر فوراً آپہنچے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ

جن پر نشان لگے ہوئے ہوں گے اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو۔ اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں،

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور مدد نہیں ہے مگر صرف اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔ تاکہ کافروں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کردے

اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

یا ان کو ذلیل کردے تو وہ واپس ہو جائیں محروم ہو کر

غزوہ بدر کی فتح یابی کا تذکرہ

تفسیر: ابھی غزوہ احد کا واقعہ مکمل نہیں ہوا، انشاء اللہ تعالیٰ آگے مزید اس کا بیان ہوگا۔ اللہ جل شانہٗ نے غزوۂ احد کا تھوڑا سا واقعہ بیان فرما کر غزوۂ بدر کا تذکرہ فرمایا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو خوب زیادہ بڑھ چڑھ کر فتح حاصل ہوئی اور اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کی خوب مدد فرمائی تھی یہاں اس مدد کا تذکرہ ہے۔ غزوۂ بدر والی مدد احد کی حالیہ شکست کے مقابلہ میں سامنے رکھی جائے تو وہی زیادہ معلوم ہوتی کیونکہ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ اور غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے لہٰذا اس فتح کے سامنے یہ شکست آدھی رہ جاتی ہے اس طرح سے غزوۂ بدر کے تذکرہ میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی تسلی ہے۔

اِذْتَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الآیہ) میں فرشتوں کے نزول کے وعدہ کا تذکرہ ہے غزوۂ بدر میں فرشتے آئے تھے انہوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا اور مسلمانوں کو ہمتیں دلائیں اور ان کو ثابت قدم رکھا۔ کیا غزوہ احد میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا تھا۔ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، آیت بالا میں جو تین ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں غزوہ بدر ہی کے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا ہے سورۂ انفال میں غزوۂ بدر میں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ ہے اور یہاں تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ سب غزوۂ بدر سے متعلق ہے اول ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا وعدہ فرمایا اور پانچ ہزار کا نزول ہوا۔

معالم التنزیل صفحہ ۳۴۷: ج ۴ میں حضرت قتادہ ؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بدر میں صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائے، نیز معالم التنزیل میں ضحاک اور عکرمہ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ جس وعدہ کا اِذْتَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ میں ذکر ہے جنگ احد کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں سے بشرط صبر مدد کا وعدہ فرمایا تھا لیکن انہوں نے صبر نہیں کیا لہٰذا ان کی مدد نہیں کی گئی۔ صاحب روح المعانی اسی قول کو معتمد بتاتے ہیں کہ یہ آیت جس میں پانچ ہزار فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے اس میں غزوہ بدر ہی کا ذکر ہے

لفظ مُسَوِّمِيْنَ کا ترجمہ نشان لگے ہوئے سے کیا گیا ہے ان فرشتوں کے کیا نشان تھے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی صفحہ ۴۶: ج ۴ بحوالہ ابن اسحٰق اور طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ وہ سفید پگڑیاں باندھے ہوئے جن کے شملے کمروں پر ڈالے ہوئے تھے اور غزوہ حنین میں ان کے عمامے سرخ تھے اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں جو کتب تفسیر میں مذکور ہیں۔

مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے:

پھر فرمایا وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں اور مدد نہیں ہے مگر صرف اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے)

یہ آیت تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ غزوہ بدر کے تذکرہ میں سورہ انفال کے دوسرے رکوع کے ختم پر بھی ہے۔ اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ جو مدد کی گئی وہ اس لئے ہے کہ تمہارے دل خوش ہو جائیں اور مطمئن ہو جائیں تاکہ دشمن کی کثرت کا خوف نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے وہ جس کی مدد فرمائے وہی منصور اور کامیاب ہوگا لوگوں کی آپس کی مدد کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کی مدد کے سامنے ہر جماعت شکست خوردہ ہے اور ہر مدد بے حیثیت ہے۔ اللہ عزیز ہے یعنی غالب ہے اور حکیم بھی ہے۔ وہ حکمت کے موافق مدد فرماتا ہے۔ اور بعض مرتبہ حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ مدد نہ کی جائے تو ایسا بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوۂ احد میں ہوا۔

پھر فرمایا لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوْا اَوْيَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَائِبِيْنَ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تم کو اس لئے غلبہ دیا کہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک فرما دے یا ان میں سے بعض کو ذلیل اور خوار کر دے پھر وہ ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بدر میں ستر کافر مارے گئے جو اپنی جماعت کے رؤسا تھے اور ستر قید کر کے لائے گئے۔ جو بچے تھے وہ ناکام ہو کر واپس ہو گئے ان کی تعداد اور سامان نے کچھ کام نہ دیا اللہ کی مدد کی وجہ سے مسلمان غالب ہوئے حالانکہ وہ تھوڑے سے تھے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ
آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے اللہ چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں اور
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ مغفرت فرماتا ہے جس کی چاہے اور عذاب دیتا ہے جس کو چاہے،
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾
اور اللہ غفور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کو سب کچھ اختیار ہے

تفسیر: یہاں سے پھر غزوہ احد کے واقعہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اسباب النزول صفحہ ۱۱۶ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ غزوہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت شہید ہو گئے تھے اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا۔ چہرہ مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جنہوں نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگ دیا۔ اس حال میں کہ وہ انہیں ان کے رب کی طرف بلا رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ نازل فرمائی یعنی تمام امور اللہ کی طرف مفوض ہیں اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ آپ کو صبر کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو گی تو ان کو ایمان کی توفیق دے کر ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اگر چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا۔ کفر پر مریں گے، عذاب میں مبتلا ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا جو لوگ احد میں مکہ معظمہ سے لڑنے کے لئے آئے تھے ان میں سے بعض بعد میں مسلمان ہو گئے جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ صفوان بن امیہ بھی تھے ابوسفیان کی بیوی ہند بھی مسلمان ہو گئی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ اور وحشی بن حرب بھی مسلمان ہوئے جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾
اے ایمان والو مت کھاؤ سود چند در چند بڑھا کر، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور جلدی آگے بڑھو مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اور جنت کی طرف جس کا عرض ایسا ہے جیسے تمام آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لئے۔

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ

جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں، اور جو ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور جو لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں

وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ

اور اللہ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے، اور وہ لوگ جنہوں نے جب کوئی برا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا

ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی

تو اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی اور گناہوں کو کون بخشے گا سوائے اللہ کے اور انہوں نے اپنے کئے پر اصرار نہیں کیا

مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ

وہ جانتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں

تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ

ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا، تم سے پہلے بہت سے طریقے گذر چکے ہیں

فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ

لہٰذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا یہ بیان ہے لوگوں کے لئے

وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے۔

سود کھانے کی ممانعت اور مغفرت خداوندی کی طرف بڑھنے میں جلدی کرنے کا حکم

تفسیر: ابھی غزوہ احد کا واقعہ پورا ذکور نہیں ہوا اس کا بہت سا حصہ باقی ہے۔ درمیان میں بعض گناہوں سے خصوصی طور پر بچنے کا حکم فرمایا اور تقویٰ کا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمایا اور بعض طاعات کی ترغیب دی اور اہل طاعت کے اخروی بدلہ کا تذکرہ فرمایا۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے جو حکم کی خلاف ورزی ہوگئی تھی۔ جس کا ذکر آیت شریفہ: اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا میں فرمایا ہے یہاں عمومی طور پر گناہوں سے بچنے اور طاعت میں لگنے کا حکم فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ گناہ عمومی طور پر مصیبتوں کو لانے والے ہیں اور طاعات مصائب کو

دور کرنے کا سبب ہیں اور آخرت میں مغفرت اور جنت ملنے کا ذریعہ ہیں خاص کر سود لینے کی ممانعت فرمائی۔ یہ گناہ ایسا ہے جو انسان کو خالص دنیادار بنا دیتا ہے۔ سود خوروں کے دلوں میں تقویٰ اور خوف باقی نہیں رہتا مال زیادہ ہو جانا ہی ان کا وظیفہ زندگی بن جاتا ہے۔ اور مخلوق پر رحم کھانے کا ان میں جذبہ رہتا ہی نہیں۔ یہ جو فرمایا ہے کہ چند در چند سود نہ کھاؤ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ تھوڑا بہت سود کھانا جائز ہے۔ کیونکہ سود کا ایک درہم لینا بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سود کا ایک درہم بھی کوئی شخص کھاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ سود کا ہے تو وہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۶: از احمد و دار قطنی)

جو لوگ سود پر رقمیں دیتے ہیں عموماً ان کے اصل مال سے سود کا مال بڑھ جاتا ہے۔ اور ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ماہانہ مقررہ فیصد پر رقم قرض دیتے ہیں پھر جب وقت پر ادا نہیں ہوتا تو اصل اور سود دونوں پر سود لگا دیتے ہیں اور جب تک اصل رقم اور سود ادا نہ ہوگا ہر ماہ سود بڑھتا ہی رہے گا۔ اصل پر اور سود پر برابر سود کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس طرح سے اضعافاً مضاعفہ (چند در چند گنا) ہوتا چلا جاتا ہے۔ سود خوروں میں جو طریقہ مروج ہے آیت کریمہ میں اس کا ذکر فرما دیا ہے۔ کوئی سود خوار فاسق یہ نہ سمجھ لے کہ تھوڑا بہت سود ہو تو جائز ہے (العیاذ باللّٰہ من ذالک) سود خوری کا خصوصی ذکر اس جگہ غزوہ کے ذیل میں بیان فرمانا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سود خور کا جہاد میں حوصلہ نہیں ہو سکتا وہ اپنے مال کی وجہ سے ایمان کے تقاضے پورا کرنے سے عاجز رہے گا سود کے بارے میں جو وعیدیں حدیث شریف میں وارد ہوئیں ان کا تذکرہ آیت کریمہ اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ کے ذیل میں گذر چکا ہے اور بھی معلومات متعلقہ سود وہاں لکھی جا چکی ہیں (انوار البیان صفحہ ۵۰۷ تا صفحہ ۵۱۵: ج ۱)

سود سے بچنے کا حکم دینے کے بعد تقویٰ کا حکم فرمایا اور اس کو کامیابی کا سبب بتایا پھر دوزخ کی آگ سے بچنے کا حکم دیا۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے ہر گناہ دوزخ کی طرف کھینچنے والا ہے۔ گناہوں سے بچنا ہی دوزخ سے بچنا ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ یعنی دوزخ کی آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اصل مقام کافروں ہی کا ہے۔ مسلمانوں کو گناہوں میں مبتلا ہو کر اس مقام میں جانا نہایت شرم کی بات ہے دشمن کی جگہ تو یوں بھی نہیں جانا چاہیئے چہ جائیکہ عذاب کی جگہ پہنچنے کی راہ ہموار کی جائے اور عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ سخت در سخت ہے۔ ان مومن مخلص بندوں کی حرص کریں جو جنت ہی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے جیسا کہ انہیں آیات میں مذکور ہے تقویٰ اختیار کر کے جنت میں جائیں جو مومنین کا اصل مقام ہے گناہوں میں مبتلا ہو کر دوسری راہ کیوں اختیار کریں۔

پھر ارشاد فرمایا وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم لانے والی چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔

پھر ارشاد فرمایا وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (الآیہ) کہ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جلدی جلدی آگے بڑھو مسارعت اور مقابلہ کی چیز مغفرت اور جنت ہے اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

جنت کا طول و عرض: ساتھ ہی جنت کی وسعت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کہ جنت کا چوڑاؤ ایسا ہے جیسے تمام آسمانوں اور زمین کی وسعت ہے، انسانوں کی نظر کے سامنے چونکہ آسمان اور زمین ہی طول و عرض کے اعتبار سے سب سے بڑی چیزیں ہیں اس لئے جنت کی وسعت بتانے کے لئے تقریب الی الفہم کے طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ایسی ہے جیسی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ (۵۶: ج۴) نے فرمایا: کناية عن غاية السعة بما هو فی تصور السامعين (یہ سامعین کے تصور کے مطابق انتہائی وسعت سے کنایہ ہے) حقیقت میں جنت آسمانوں اور زمینوں سے بہت بڑی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے آخری جنتی کو اتنی بڑی جگہ ملے گی جیسی یہ دنیا ہے اور اس جیسی دس گنی اور مزید ملے گی (مشکوٰۃ المصابیح: صفحہ ۴۹۲: ج۲) جس خالق نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ ان سے بڑی مخلوق پیدا فرمادے۔ لوگ آسمان پر تو پہنچے ہی نہیں زمین کے لمبے چوڑے سفر کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں تو فلاں چیز نہیں ملی جس کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے اول تو اسی کی کوئی دلیل نہیں کہ ہر جگہ پہنچ چکے ہیں اور اگر زمین کو ہر جگہ ٹٹول بھی لیا تو اس زمین کے علاوہ اور چھ زمینیں ہیں اور سات آسمان ہیں ان سب کے درمیان خلا ہے وہاں تک تو پہنچے ہی نہیں اور سورج تک پہنچنے کا تصور ہی نہیں کر سکتے پھر یہ سوال کرنا کہ جنت دوزخ کہاں ہے سراپا بے وقوفی ہے جو چیز آسمان اور زمین سے باہر ہو وہ آسمانوں میں اور زمین میں کیسے ملے گی۔

صاحب معالم التنزیل صفحہ ۳۵۱: ج۱ میں لکھتے ہیں کہ جنت کے عرض کو بیان فرمایا ہے اور معلوم ہوا کہ طول عرض سے زیادہ ہوتا ہے جب اس کا عرض اتنا بڑا ہے تو طول کتنا بڑا ہوگا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں۔ انہوں نے فرمایا کہ کون سی زمین اور کون سا آسمان ہے جس میں جنت کے سما جانے کی گنجائش ہو عرض کیا گیا پھر کہاں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش کے نیچے ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ یہ جانتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے عرش کے نیچے ہے اور دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ (انتہی بحذف)

متقیوں کی بعض صفات

پھر فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے اس کے بعد متقیوں کی بعض صفات بیان فرمائیں۔

اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنا: اول اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (یہ حضرات خرچ کرتے ہیں تکلیف میں بھی اور خوشی میں بھی) اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ ہر حال میں خرچ کرتے رہنا چاہیے ایک ہزار روپے میں جو ایک روپے کی حیثیت

مالدار کے لئے ہے وہی حیثیت ایک روپے میں سے ایک پیسے کی غریب آدمی کے لئے ہے۔ جن کو اللہ کے لئے خرچ کرنے کا ذوق ہے وہ تنگدستی میں بھی خرچ کرتے ہیں فراخی میں بھی دکھ تکلیف میں بھی اور خوشی میں بھی اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی حاجت کو روک کر دوسروں کی حاجت پوری کرتے ہیں جن کی تعریف فرماتے ہوئے سورہ حشر میں فرمایا ہے وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (کہ وہ اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان کو خود حاجت ہو) فی سبیل اللہ خرچ کرنا مالداروں ہی کا حصہ نہیں غریبوں کا بھی حصہ ہے۔ سخاوت ایک مزاج ہے جس کا تعلق مالداری سے نہیں جسے سخاوت کا مزاج نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں خرچ کرتا ہے۔

غصہ پینے کی فضیلت: دوم یہ فرمایا وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کہ یہ حضرات اپنے غصے کو ضبط کرنے والے ہیں یعنی جب غصہ آتا ہے تو اس کو پی جاتے ہیں اور غصہ کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے (بلکہ) پہلوان وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے (رواہ البخاری صفحہ ۹۰۳: ج ۲) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے اللہ کے نزدیک کوئی گھونٹ اس گھونٹ سے زیادہ فضیلت والا نہیں پیا جو غصہ والا گھونٹ ہو جسے وہ اللہ کی رضامندی کے لئے ضبط کر جائے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۴ از مسند احمد) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ غصہ شیطان سے ہے اور بیشک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے سو تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے تو وضو کرے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اس طرح غصہ چلا جائے تو بہتر ہے ورنہ لیٹ جائے (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور جس نے اپنے غصے کو روک لیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لیں گے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۴)

معاف کرنے کی فضیلت: سوم یہ فرمایا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ کہ یہ لوگ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ معاف کرنا بہت فضیلت والی صفت ہے اور یہ فضیلت ہر قسم کے مظالم کے معاف کرنے کو شامل ہے کسی آدمی نے مال مار لیا ہو، حق روک لیا ہو، مار پیٹ کی ہو، غیبت کی ہو، بہتان لگایا ہو ان سب کے معاف کرنے میں اجر و ثواب ہے اور معاف کرنے کا بلند مرتبہ یہ ہے کہ قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب آپ کے نزدیک آپ کے بندوں میں سب سے زیادہ باعزت کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

محسنین اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں: چہارم یوں فرمایا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اللہ اچھے کام کرنے

والوں کو پسند فرماتا ہے) المحسنین محسن کی جمع ہے جس کا مصدر احسان ہے اور احسان ہر کام کو خوبی کے ساتھ انجام دینے کو کہا جاتا ہے۔ عبادات کا احسان تو حدیث جبریئل میں بیان فرمادیا کہ: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے سو اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے) اور بندوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان یہ ہے کہ ان کے ساتھ جو معاملات پیش آئیں ان میں خوبی اور عمدگی اختیار کرے۔ مثلاً قرضوں کے تقاضوں میں نرمی اختیار کرے۔ بڑوں کی عزت کرے چھوٹوں پر رحم کرے یتیموں، مسکینوں اور ضعیفوں کی خدمت کرے ضرورت مندوں کو کھلائے پلائے پہنائے اور دوسروں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

حضرت زین العابدین کا ایک واقعہ:

صاحب روح المعانی نے یہاں ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام زین العابدین کو ان کی ایک باندی وضو کرا رہی تھی اس کے ہاتھ سے لوٹا گر گیا جس سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس نے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ پڑھ دیا اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا پھر اس نے وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ پڑھا آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ پھر اس نے وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ پڑھا اس پر انہوں نے فرمایا اچھا جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

توبہ استغفار کی فضیلت:

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ (الآیہ) اس میں ان لوگوں کی تعریف فرمائی جن سے کوئی فاحش گناہ سرزد ہو جائے یا کسی بھی گناہ کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو استغفار کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اس کے بعد اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ اس میں توبہ کی ایک بڑی شرط کی طرف راہنمائی فرمائی اور وہ یہ کہ جب گناہ ہو جائے اور توبہ کرے تو توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرے گناہ پر اصرار نہ کرے زبان سے توبہ توبہ کرے اور گناہ کے کام بھی جاری رہیں تو اس طرح سے توبہ نہیں ہوتی۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

سبحہ برکف توبہ برلب دل پراز ذوق گناہ — معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

اور حضرت رابعہ بصریہ نے فرمایا کہ اِسْتِغْفَارُنَا يَحْتَاجُ اِلَى اسْتِغْفَارٍ كَثِيْرٍ (ذکرہ ابن الجوزی فی الحصن الحصین) یعنی ہمارا استغفار ایسا ہے کہ اس کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ وہ سچے دل سے نہیں ہوتا غفلت کے ساتھ جو استغفار ہے وہ مقام بندگی کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں ہے:

درمیان میں فرمایا وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (کہ اللہ کے سوا وہ کون ہے جو گناہوں کو معاف فرمائے) اس میں جہاں مومن بندوں کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوں وہاں اس میں نصاریٰ کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہے کہ جو کچھ گناہ کریں گے اتوار کے دن گرجا میں جا کر اپنے پوپ سے معاف کرا لیں گے، عام گناہوں کو تو وہ بغیر کسی درخواست کے معاف کر دیتا ہے اور بعض

گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ پوپ کے کان میں کہہ دے کہ ہم نے یہ گناہ کیا اس پر وہ معاف کر دیتا ہے یہ کیسی بیہودہ بات ہے جو عقل سے بھی باہر ہے کہ انسان گناہ کرے اللہ کا اور اس کی بخشش کر دے کوئی انسان۔ **نعوذ باللہ من اباطیلھم و جھلھم۔**

نیک بندوں کا ثواب: پھر نیک بندوں کی جزاء بیان فرمائی کہ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ (الآیہ) یعنی ان کے اعمال کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اس بدلہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (کیا ہی خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)

امم سابقہ سے عبرت: پھر فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ (الآیہ) یعنی تم سے پہلے بہت سے طریقے گذر چکے ہیں۔ لہٰذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہے جھٹلانے والوں کا) مطلب یہ ہے کہ تم سے پہلی امتوں کے واقعات گذر چکے ہیں جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور جھٹلانے والے انجام کے اعتبار سے مغلوب اور معذب اور ہلاک ہوئے دنیا میں چل پھر کر ان کا انجام اپنی نظروں سے دیکھ لو۔ کتنی قومیں تھیں کہاں کہاں آباد تھیں ان کی بربادی کے نشانات ابھی تک دنیا میں موجود ہیں جو آنکھوں والوں کو عبرت کے لئے کافی ہیں۔ (قال صاحب الروح صفحہ ۶۵: ج ۴ **ای وقائع فی الامم المکذبۃ اجراھا اللہ تعالٰی حسب عادتہ**)

اگر وقتی طور پر تمہارے دشمنوں کو کسی طرح کی ظاہری فتح حاصل ہو گئی تو اس سے گھبراؤ نہیں اللہ تعالٰی تمہیں پھر فتح یابی سے سرفراز فرمائے گا۔ (قال فی معالم التنزیل صفحہ ۳۵۴: ج ا **یقول اللہ عزوجل و انا امھلھم واستدرجھم حتی یبلغ اجلی الذی اجلت فی نصرۃ النبی** ﷺ **و اولیاءہ و اھلاک اعداءہ۔** (معالم التنزیل میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرما رہے ہیں میں انہیں مہلت اور ڈھیل دے رہا ہوں تاکہ میرا وہ مقرر کردہ وقت آ جائے جو میں نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی مدد اور آپ کے دشمنوں کی ہلاکت کے لئے مقرر کیا ہے)

آخر میں فرمایا ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ (الآیہ) کہ یہ لوگوں کے لئے بیان ہے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے) یعنی جو کچھ اوپر بیان ہوا۔ یہ واضح بیان ہے لوگوں کے لئے لوگوں کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو جنگ کرنے کے لئے آئے تھے اور عام مکذبین بھی۔ آخر میں وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ فرما کر یہ بتا دیا کہ اہل تقویٰ ہی واقعی طور پر ہدایت اور عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں (قال صاحب روح المعانی صفحہ ۶۶: ج ۴ **والمراد بیان لجمیع الناس لکن المنتفع بہ المتقون لانھم یھتدون بہ و ینتفعون بوعظہ**)۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ بیان تو تمام انسانیت کے لئے ہے لیکن اس سے نفع متقی اٹھاتے ہیں کیونکہ وہی اس سے راہنمائی لیتے ہیں اور اس کی نصیحت سے نفع مند ہوتے ہیں)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
اور ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم مومن ہو

تم ہی بلند ہو گے اگر مومن ہو

تفسیر: اسباب النزول صفحہ ۱۲۰ میں علامہ واحدی حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ احد میں

صحابہ ؓ کو شکست ہوگئی تو خالد بن ولید (جو اس وقت مشرکین کے لشکر میں تھے) مشرکین کے لشکر کو لے کر آگے بڑھے ارادہ یہ تھا کہ پہاڑ کے اوپر سے چڑھ کر پھر حملہ کر دیا جائے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس موقعہ پر یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ لَا يَعْلُوْنَ عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ لَا قُوَّةَ لَنَا اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ لَيْسَ يَعْبُدُكَ بِهٰذِهِ الْبَلْدَةِ غَيْرُ هٰؤُلَاءِ النفر

(اے اللہ یہ ہم پر بلند نہ ہوجائیں اے اللہ ہمارے پاس کوئی قوت نہیں سوائے آپ کی قوت کے اس شہر میں ان چند آدمیوں کے علاوہ آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور چند مسلمان جو تیرانداز تھے پہاڑ پر چڑھ گئے جنہوں نے مشرکین کی گھوڑے سوار جماعت کو تیروں کا نشانہ بنایا جس سے وہ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے۔ مسلمانوں کی ہمت ٹوٹی ہوئی تھی پھر بھی انہوں نے ہمت کرلی اور دشمن کو تیروں کی بوچھاڑ سے مار بھگایا۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں جنہیں ہم باری باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۴۰﴾

اور تاکہ اللہ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور بنالے تم میں سے شہادت پانے والے، اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

اور تاکہ پاک صاف کرے ایمان والوں کو، اور مٹادے کافروں کو، کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ

اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے، اور تاکہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو، اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

مسلمانوں کو تسلی

تفسیر: ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو اس سے پہلے تمہارے دشمنوں کو بھی اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے (کہ بدر میں ان کے بھی ستر آدمی مارے جاچکے ہیں) پھر یہ بیان فرمایا کہ ہم اہل زمانہ کا حال یکساں نہیں رکھتے یہ ایام باری باری سے بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کا پلہ بھاری ہوجاتا ہے اور کبھی اس کے مقابل دشمن کو غلبہ ہوجاتا ہے، اسی معمول کے مطابق پچھلے سال تمہارے دشمن مغلوب ہوگئے اور اس سال انہوں نے غلبہ پالیا اور تم کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔

واقعہ احد کی حکمتیں: اس کے بعد واقعہ احد کی بعض حکمتیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کو یہ منظور تھا کہ وہ جان لے کہ ایمان والے کون ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مصیبت کے وقت امتحان ہو جاتا ہے اور مخلص اور غیر مخلص کی پہچان ہو جاتی ہے، چنانچہ منافقین معرکہ پیش آنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے اور جو اہل ایمان تھے شکست کھا کر بھی اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ رہے (اللہ تعالیٰ کو علم تو ہر بات اور ہر واقعہ کا پہلے ہی سے ہے، لیکن ایک علم وہ ہے جو قبل الوقوع ہے اور ایک علم وہ ہے جو بعد الوقوع ہے اس قسم کے مواقع میں وہ علم مراد ہوتا ہے جو بعد الوقوع ہو کیونکہ یہ علم ہونا کہ اب یہ واقعہ ہو چکا یہ وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کو خوب سمجھ لیں)

اور دوسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو تم میں سے شہید بنانا منظور تھا شہادت بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قیمت اور عظمت وہی جانتے ہیں جن کا قرآن و حدیث پر ایمان ہے۔

تیسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ ایمان والوں کو پاک و صاف کر دے، کیونکہ مصیبت پر صبر کرنے اور تکلیفیں جھیلنے سے اخلاق اور اعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔

چوتھی حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ کافروں کو مٹا دے وہ اس مرتبہ غالب ہوئے تو آئندہ پھر اسی گمان سے چڑھ کر آئیں گے کہ ہمیں غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آکر ہلاک ہوں گے۔

صاحب روح المعانی صفحہ ۷۰: ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ یہاں کافرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو احد کے موقع پر جنگ کرنے کے لئے آئے پھر کفر پر مصر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ختم کر دیا اور ہلاک فرما دیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر جب کبھی غالب ہو جاتے ہیں تو شیطان ان کو ورغلاتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈالتا ہے کہ برابر کفر پر مصر رہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرما دیتا ہے اور ہمیشہ کے لئے وہ عذاب نار میں داخل ہو جاتے ہیں۔

کیا جنت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہو جاؤ گے؟

پھر ارشاد فرمایا اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ (الآیہ) (کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا علم نہ ہو جنہوں نے جہاد کیا، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہ جان لے جو صبر کرنے والے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تم جنت کے طلب گار ہو جنت حاصل کرنے کے لئے محنت، مشقت، جہاد اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے جنت میں جانے کی آرزو رکھنے والوں کو ان سب چیزوں کے لئے تیار رہنا چاہئے اور حسب موقع ان چیزوں میں اپنی جانوں کو لگا دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ وہ تم کو ان تکالیف میں مبتلا کرے پھر وہ تمہاری جہاد والی محنت کو اور صبر کو ان کے وقوع کے بعد جان لے کہ تم نے واقعی جہاد کیا اور صبر سے کام لیا۔

شہادت کی آرزو کرنے والوں سے خطاب:

آخر میں فرمایا وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ (اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے) اس میں ان حضرات صحابہؓ سے خطاب ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ بدر میں جنگ کی صورت پیش آجائے گی یہ

بات ان کے ذہن میں نہ تھی، اس لئے وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے جب وہاں معرکہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نازل ہوئی جس میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم شہید بھی ہوئے تو یہ پیچھے رہ جانے والے شریک نہ ہونے پر نادم ہوئے یہ حضرات جنگ کی آرزو کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کاش ہم بھی ان حضرات کے ساتھ مقتول ہو جاتے جو بدر میں مقتول ہوئے اور ہم بھی شہادت کا درجہ پالیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں شرکت کا موقعہ دیا اور مسلمانوں کی فتح کے بعد صورت حال پلٹ گئی اور مشرکین بھاگنے کے بعد الٹ کر واپس آ کر حملہ آور ہوئے جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ان لوگوں نے بھی ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیا جو شہادت کے پیش نظر غزوہ میں شریک ہوئے تھے (روح المعانی صفحہ ۷۱: ج ۴)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى

اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا ان کو موت آجائے یا مقتول ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟

اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾

اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گذاروں کو ثواب دے گا۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اور کسی جان کو موت نہیں آسکتی مگر اللہ کے حکم سے اس طرح پر کہ اس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کرے گا

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٥﴾

ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا ہم اس میں اسے دے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گذاروں کو جزا دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر پر پریشان ہونے والوں کو تنبیہ

تفسیر: جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ابتداءً غزوہ احد میں فتح حاصل ہوگئی لیکن جب فتح یابی دیکھ کر ان تیر انداز حضرات نے اپنی جگہ چھوڑ دی جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا تھا تو مشرکین نے واپس ہو کر حملہ کیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے جن میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ حضرات بھی جو پہاڑی پر استقامت کے ساتھ جمے رہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اس موقعہ میں تکلیف پہنچی آپ کے دندان مبارک میں ایک پتھر آ کر لگا جس سے سامنے کے بعض دندان مبارک شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ اسی موقع پر ایک مشرک نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے جن کے ہاتھ میں جھنڈا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دفاع کیا لیکن خود شہید ہو گئے دشمن نے یہ سمجھا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ شہید ہو گئے تو اس نے پکار کر کہا کہ میں نے محمد ﷺ کو شہید کر دیا اور بعض اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ ابلیس نے یہ اعلان کیا۔ یہ آواز سن کر مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی اور اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اس موقعہ پر بعض منافقین نے یوں کہا کہ محمد تو مقتول ہو گئے (ﷺ) لہٰذا اب اپنے پہلے دین کو اختیار کر لو۔ منافقین تو پہلے ہی دین اسلام پر نہ تھے ظاہری طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اب جب ایسا موقعہ آگیا تو مخلص مسلمانوں کو بھی دین اسلام سے

پھر جانے کی دعوت دینے لگے رسول اللہ ﷺ نے پکارنا شروع کیا۔ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہ (کہ اے اللہ کے بندو میری طرف آو) چنانچہ تیس آدمی آپ کے آس پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کی حفاظت کی حتیٰ کہ مشرکین کو دفع کر دیا۔ اس موقعہ پر بعض صحابہؓ نے بہت ہی دلیری سے کام کیا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اتنی تیراندازی کی کہ ان کی کمان کا ایک حصہ مڑ گیا۔ رسول اکرم ﷺ خود اپنے دست مبارک سے ان کو تیر دیتے رہے اور فرماتے رہے کہ اے سعد تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اس موقعہ پر حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرت ﷺ کو بچایا ان کا ایک ہاتھ تیر لگنے سے بالکل بیکار ہو گیا۔ حضرت قتادہ کی آنکھ حلقے سے نکل کر ان کے رخسار پر گر پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھ کو دوبارہ حلقے میں لگا دیا وہ پہلے سے بھی اور زیادہ اچھی ہو گئی۔ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور صحابہ جمع ہونے شروع ہوئے تو سب سے پہلے آپ کو حضرت کعب بن مالکؓ نے پہچانا ان کی نظر آپ کی مبارک آنکھوں پر پڑ گئی دیکھا کہ آپ کی مبارک آنکھیں خود کے نیچے سے پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہیں۔ انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ خوشخبری سن لو۔ یہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ نے خاموش رہنے کو فرمایا (شاید اس میں یہ مصلحت ہو کہ دشمن ارادہ بدل کر واپس نہ آجائے) حضرت کعب کی آواز سن کر صحابہ کی ایک جماعت آپ کے پاس پہنچ گئی آپ نے ان کو ملامت کی کہ تم لوگوں نے راہ فرار اختیار کی وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارے باپ دادے اور بیٹے آپ پر قربان ہوں ہم نے جو خبر سنی تھی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس سے ہمارے دلوں پر رعب چھا گیا اور ہم بھاگ نکلے اس پر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (الآیہ) نازل ہوئی۔

جب حضرت رسول اکرم ﷺ کی شہادت کی خبر اڑا دی گئی تو حضرت انس بن نضرؓ نے صحابہ سے کہا آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اب ہم کیا کریں انہوں نے کہا اب رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر ہی کیا کرو گے۔ قوموا فموتوا علی ما مات علیہ رسول اللّٰہ ﷺ (کھڑے ہو جاؤ اور اسی دین پر مر جاؤ جس دین پر رسول اللہ ﷺ نے جان دے دی) اس کے بعد انہوں نے دشمن کی طرف رخ کیا اور جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔

حضرت ثابت بن وحداح نے بھی حضرات صحابہ سے اسی قسم کا خطاب کیا اور فرمایا اِنْ کَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ قَدْ قُتِلَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ فَقَاتِلُوْا عَنْ دِیْنِکُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ مُظْهِرُکُمْ وَنَاصِرُکُمْ (یعنی اگر محمد ﷺ شہید ہو گئے تو اللہ تو ہمیشہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی لہٰذا اپنے دین کی طرف سے لڑائی لڑو واللہ تمہیں پاک صاف فرمائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا) کچھ انصاری ان کے کہنے سے جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے لڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ خالد بن ولید نے نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر صحابیؓ کا ایک انصاری پر گذر ہوا جو اپنے خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے۔ مہاجر صحابی نے ان سے کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے اس انصاری نے اسی حالت میں جواب دیا اگر وہ شہید ہو گئے تو انہوں نے رسالت کا کام پورا کر دیا (اب ہمارا کام باقی ہے) لہٰذا ان کے دین کی طرف سے قتال کرو حضرت سعد بن ربیعؓ کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ ان کو کہیں دیکھ لو تو میرا اسلام کہنا۔ حضرت زید بن ثابتؓ ان کو مقتولین میں تلاش کر رہے تھے تو

دیکھا کہ ان میں زندگی کے دو چار سانس رہ گئے ہیں اور ستر زخم ان کے جسم میں آچکے ہیں۔ حضرت زید نے ان کو آنحضرت ﷺ کا پیغام دیا اور ان سے کہا کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ سعد بن ربیع ؓ نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول پر سلام اور تم پر سلام رسول اللہ ﷺ سے کہہ دینا کہ جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ تک دشمن پہنچ گئے اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھتی رہی (یعنی تم میں سے کوئی بھی زندہ رہ گیا) تو تمہارے لئے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

جب آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر اڑی جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے تو اس وقت ابوسفیان نے (جو اس وقت مشرکین کے لشکر کا قائد تھا) پہاڑ کے نیچے والے حصے سے آواز دی **اُعْلُ هُبَل** (ھبل مشرکین کا ایک بت تھا) مذکورہ الفاظ میں اس کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اسکا جواب نہ دیں آپ نے فرمایا ہاں جواب دو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے جواب میں یہ نعرہ لگایا کہ "**اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَل**" (کہ اللہ سب سے بالا اور برتر ہے اور بزرگ تر ہے)۔ پھر ابوسفیان نے کہا **لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ** (کہ ہمارے لئے عزّیٰ ہے اور تمہارے لئے عزّیٰ نہیں) عزّیٰ بھی ان لوگوں کا ایک بت تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا یوں جواب دو "**اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ**" اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) (چنانچہ یہ جواب دے دیا گیا۔

پھر ابوسفیان نے پوچھا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں، اس کا یہ سوال حضرت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا یہ رسول اللہ ہیں اور یہ ابوبکر ہیں اور میں بھی موجود ہوں۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور یہ بھی کہا کہ دن بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کی فتح ہوتی ہے اور کبھی کسی کی، لڑائی برابر سرابر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ برابر نہیں ہے۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم یہ عقیدہ رکھتے ہو تو ہم تو بالکل ہی برباد ہیں۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ افراد رہ گئے تھے (بعد میں دیگر افراد بھی حاضر ہو گئے تھے) ان کے علاوہ جو صحابہ تھے ان میں سے کچھ لوگ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور کچھ پہاڑی پر چڑھ گئے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حارث بن صمہ اور دیگر چند صحابہ تھے (رضی اللہ عنہم) آپ ان حضرات کے ساتھ گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے جہاں جنگ سے پہلے قیام تھا۔

مشرک ابی بن خلف کا قتل: جب آپ گھاٹی میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تو ابی بن خلف مشرک نے آپ کو دیکھ لیا اور کہا کہ میں محمد ﷺ کو قتل کر دوں گا، یہ بات وہ پہلے سے کہا کرتا تھا جب مکہ مکرمہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ یہ شخص پوری طرح لوہے کے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی ہنسلی نظر آ گئی آپ نے اس کو ایک نیزہ مار دیا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے سے گر پڑا آپ کا نیزہ لگنے سے اسے بظاہر معمولی سی خراش آ گئی تھی۔ لیکن وہ گائے کی طرح

آوازیں نکال رہا تھا۔ اس کے ساتھی اٹھا کر لے گئے اور کہنے لگے تو اتنا کیوں چیختا ہے ذرا سی ہی تو خراش آئی ہے وہ کہنے لگا کہ میں مر کر رہوں گا، محمد (ﷺ) نے کہا تھا کہ میں اُبی کو قتل کروں گا۔ پھر کہنے لگا کہ یہ تکلیف جو مجھے ہو رہی ہے اگر سب اہل حجاز کو ہو جائے تو سب مر جائیں واپس ہوتے ہوئے رابغ میں مر گیا اور جہنم رسید ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر)

سیدنا رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے پورے غزوات میں یہی ایک شخص مقتول ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ شخص مبتلا ہوگا۔ جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو یا جس نے والدین میں سے کسی کو قتل کیا ہو اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا۔ اور اس عالم کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۸۷)

آیت بالا میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ محمد ﷺ اپنے عہدہ اور مرتبہ کے اعتبار سے رسول ہی تو ہیں تم نے یہ کیسے اپنے پاس سے تجویز کر لیا کہ ان کو موت نہیں آئے گی۔ یہ تو خالق کائنات جل مجدہ کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر مسلمانوں کو سرزنش فرمائی کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف بلانے والے تھے۔ معبود نہیں تھے۔ معبود تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اپنی دعوت کا کام کر کے شرک چھڑا کر اور تم کو توحید پر لگا کر اور اللہ کی عبادت کی تعلیم دے کر اگر اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے تشریف لے گئے یا مقتول ہو گئے تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا دین حق کو چھوڑ کر پھر دین باطل کو اختیار کر لو گے۔ دین تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے جس کا دین ہے وہ تو ہمیشہ زندہ ہے۔ ہمیشہ اسی کی عبادت کرتے رہو۔ ان باتوں اور ان وسوسوں کا کیا مقام ہے جو اس وقت تمہارے نفسوں میں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن حضرت ابوبکرؓ کا خطاب:

غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نہ مقتول ہوئے تھے نہ آپ کو موت طبعی طاری ہوئی تھی لیکن جس دن آپ کو واقعی موت آئی تھی۔ اس دن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت زیادہ حیرانی پریشانی ہوئی۔ حضرت عمرؓ جیسے جری اور سمجھدار شخص بھی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم آپ کو موت نہیں آئی آپ تو اپنے رب سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس رات کے لئے اپنے رب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ پھر واپس آ گئے اسی طرح آنحضرت سرور عالم ﷺ بھی واپس تشریف لے آئیں گے جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو موت آ گئی ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ اے عمرؓ ٹھہرو خاموش ہو جاؤ۔ اس کے بعد انہوں نے اللہ جل شانہٗ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو کوئی شخص محمد علیہ السلام کی عبادت کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ ان کو موت آ چکی ہے اور جو کوئی شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کو موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد انہوں نے آیت بالا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آخر تک) تلاوت فرمائی۔ حضرات صحابہ اور حضرت عمرؓ کے ذہنوں میں اس وقت یہ آیت نہ تھی۔ گویا کہ انہیں اس کا علم ہی نہ تھا۔ آیات شریفہ سن کر سب کو آنحضرت ﷺ کی موت کا یقین ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا کہ جب میں نے یہ آیت سن لی

تو میں نے بھی جان لیا کہ واقعی آنحضرت ﷺ کو موت آ گئی ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

آیت شریفہ میں اس سرزنش کے بعد کہ محمد رسول اللہ ﷺ شہید ہو جائیں یا مقتول ہو جائیں تو کیا تم پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ یوں فرمایا وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا (کہ جو شخص پچھلے پاؤں پلٹ جائے اور دین حق کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا۔ اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص دین حق پر ہے یعنی دین اسلام قبول کئے ہوئے ہے۔ وہ ہرگز یہ نہ سمجھے کہ میرے ایمان واسلام سے اور میری عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع ہے اگر میں اس دین کو چھوڑ دوں اور اللہ کی عبادت نہ کروں تو اللہ کا کوئی نقصان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر اور بالا ہے کہ اسے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچے۔ البتہ جو کوئی شخص موحد مومن مسلم ہے۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اس کے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی جزا دیدے گا۔ ایمان اور اعمال صالحہ میں خود مومنین کا اپنا نفع ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ الشاکرین سے الثابتین علیٰ دین الاسلام مراد ہیں۔ اسلام پر ثابت قدمی اسی وقت ہوتی ہے جب اس کی حقانیت کا یقین ہو۔ اور اسلام پر ثابت رہنا شکر ہے اور اس دین کو چھوڑ دینا کفران نعمت ہے (اور بہت بڑا کفران وہ ہے جو کفر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے)

ہر شخص کو اجل مقرر پر موت آئے گی: پھر فرمایا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (الآیہ) یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے) یعنی جس کو بھی موت آئے گی اللہ کے حکم سے آئے گی اور اجل مقرر کے مطابق آ جائے گی جس کی جو اجل یعنی موت کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے موت نہیں آ سکتی اور اس وقت سے ٹل بھی نہیں سکتی جو اس کے لئے مقرر ہے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۷۵: ج ۴) فرماتے ہیں کہ اس میں جہاد کی ترغیب ہے اور قتل کے ڈر سے جہاد کو چھوڑ دینے پر ملامت کی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی موت کی جو خبر سنی اس میں استبعاد کی کوئی بات نہیں۔ ان کو بھی اللہ کے حکم سے موت آئے گی۔ جیسا کہ سب جانوں کو موت آنا ہے۔ اگر ان کی موت ہو ہی گئی جو اللہ کے حکم سے ہے تو ان کے دین کو چھوڑنے کا کیا جواز ہے۔

پھر ارشاد فرمایا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا (الآیہ) کہ جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا بدلہ چاہے گا۔ مثلاً جہاد سے مال غنیمت کا طالب ہو تو ہم اس میں سے اسے دے دیں گے۔ (مگر ضروری نہیں کہ دے ہی دیں کما فی سورۃ بنی اسرائیل) عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا تو ہم اس میں سے دے دیں گے۔ پھر فرمایا وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ (اور عنقریب ہم شکر گذاروں کو بدلہ دیں گے)۔ اس میں ان حضرات پر تعریض ہے جنہوں نے غنیمت کے مالوں کی طرف توجہ کر لی اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد میں جو مصلحت تھی اس پر غور نہ کیا اور ان حضرات کی تعریف ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

دورِ حاضر کے مقررین اور اصحاب جرائد کو تنبیہ: اللہ جل شانہ کے افعال میں بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی موت کی خبر اڑ جانے سے مسلمانوں کے پریشان اور سراسیمہ ہونے میں پھر اللہ تعالیٰ

شانہٗ کی طرف سے عتاب نازل ہونے میں (کہ اگر محمد ﷺ مرجائیں یا مقتول ہوجائیں کیا تم اللہ کا دین چھوڑ دو گے اور واپس دین باطل کو اختیار کرلو گے)۔ ہمیشہ کے لئے سبق دے دیا گیا کہ دین اللہ جل شانہ کا ہے اسی کی عبادت کرنا وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور اسی آیت کو سامنے رکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی وفات کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کو خاموش کیا اور اسی سے تسلی دی اور آئندہ رہتی دنیا کے تمام مسلمانوں کو سبق دے دیا کہ کسی بھی شخصیت کے وفات پاجانے پر اگر طبعی رنج ہو تو ہو لیکن عقلی طور پر اس بات کے سمجھنے اور جاننے اور ماننے کی ضرورت ہے کہ جس خادم دین مفتی، مرشد، محدث کی وفات ہوتی ہے اس کی موت ہونا تو ضروری ہی تھا رنج کر کے اور آنسو بہا کر بیٹھ رہنا کوئی سمجھ داری کی بات نہیں جس محنت اور دعوت اور اعمال صالحہ پر انہوں نے زندگی گذاری اسی پر زندہ رہیں اور باقی زندگی گذاریں نہ عقلی طور پر رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے نہ جاہلانہ دہائی کا موقعہ ہے کہ ہائے اب کیا ہوگا۔ ہمارے حضرت کی وفات ہوگئی اور نہ اعمال صالحہ میں اور دعوت حق میں کچا پڑنے کی ضرورت ہے عالم برحق اور مرشد برحق نے جو کچھ کیا اسی کو کرتے رہیں جو گیا وہ تو دوبارہ دنیا میں آنے والا نہیں اور یہ بات کہ آگے کیا ہوگا اس کے بارے میں سوچ لیں کہ جب یہ نہیں تھے تو دین کس طرح قائم تھا آخر ان کے بھی مشائخ تھے جن کی موت کا رونا لے کر بیٹھے ہیں۔ جب دین اللہ کا ہے اور اللہ حی اور باقی ہے تو اس کے دین پر چلتے رہو آنے والے آتے رہیں گے اور جانے والے جاتے رہیں گے۔

اس سلسلے میں اصحاب جرائد، مدیران صحف و مجلات تعزیتی جلسوں کے مقررین بڑی بیباکی سے ایسے کلمے کہہ گذرتے ہیں جن سے کفر تک عائد ہوجاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ قدرت کے سفاک ہاتھوں نے (العیاذ باللہ) اس شخص کو ہم سے ایسے موقعہ پر چھین لیا جبکہ اس کی ہم کو بہت زیادہ ضرورت تھی۔ کوئی لکھتا ہے کہ اب اس جیسا کوئی شخص کہاں پیدا ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت ہم کو بے سہارا چھوڑ گئے۔ یتیم کر گئے۔ (گویا کہ وہ اجل مقرر سے پہلے اور اذن الٰہی کے بغیر خود سے چلے گئے)...... (العیاذ باللہ)

آیت بالا میں اس قسم کے ماتمی کلمات کہنے والوں کا جواب ہے۔ اللہ کی قضا اور قدر پر راضی رہو اور اعمال صالحہ ادا کرتے رہو۔ جب تک اللہ چاہے گا اس کا دین دنیا میں باقی رہے گا کسی شیخ اور محدث اور مفتی اور پیر و مرشد کے مرنے جینے پر دین کی بقاء موقوف نہیں، واقعہ احد سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سالانہ ماتم کرنے والوں کی بھی تردید ہوگئی۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوہ احد کے بعد سات سال تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی ماتم نہیں کیا۔ اور ماتم کرنا آنسوے بہانا یوں بھی زندہ قوم کو زیب ہی نہیں دیتا۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا

اور بہت سے نبی گذرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی وجہ سے

ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ

نہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے۔ اور نہ عاجز ہوئے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے، اور ان کا قول اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے

قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

یوں کہا کہ اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور ہمارے کاموں میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ

میں ہماری مدد فرما، سو اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ دیدیا اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

پسند فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں کو۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھیوں کے مجاہدات اور ان کی ریاضتیں

تفسیر: دنیا میں عہد قدیم سے ایمان اور کفر کی جنگ رہی ہے۔ سیدنا حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی اولاد میں جب سے اہل کفر کا وجود ہوا اسی وقت سے اہل ایمان اور اہل کفر کا آپس میں مقابلہ اور مقاتلہ ہوتا رہا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جو ساتھی تھے ان کو اپنے اپنے زمانہ میں کافروں سے جنگ کرنی پڑی۔ دشمن کے مقابلہ میں ان حضرات نے جانوں کی بازی لگائی۔ ان آیات میں ان حضرات کی تعریف فرمائی کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے میں نہ ہمت ہاری نہ سستی دکھائی نہ دشمن کے سامنے عاجزی ظاہر کی۔ صبر و ثبات اور استقامت کے ساتھ جنگ کرتے رہے، عمل تو ان کا یہ تھا اور قول یہ تھا کہ اللہ جل شانہ سے گناہوں کی مغفرت مانگتے رہے اور اپنے کاموں میں جو کچھ اسراف ہوا یعنی حدود سے آگے بڑھ گئے اس کی بھی مغفرت طلب کی۔ اور کافروں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا یعنی فتح اور ظفر نصیب فرمائی اور آخرت میں بدلہ بھی دیا جو اچھا بدلہ ہے یعنی اللہ کی رضا اور جنت۔

امت محمدیہ کے لئے ان تمام امور میں عبرت اور نصیحت ہے کہ تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ جم کر لڑیں وہ مصائب اور شدائد سے نہ گھبرائے، تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ والوں کو ایسی مشکلات پیش آتی ہی ہیں۔ دشمن اپنی کوششیں جاری رکھتے ہیں جنگ کرنی پڑتی ہے اپنے آدمی مقتول بھی ہوتے ہیں۔ ہر صورت حال پر قابو پانے کو اپنا وطیرہ بناؤ اور جم کر لڑو سستی اور کمزوری نہ دکھاؤ۔ دشمن کے سامنے عاجز نہ ہو جاؤ۔

امم سابقہ کی جو دعائیں نقل فرمائی ہیں کہ ''اے اللہ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما اور ہمارے حد سے آگے بڑھ جانے کو معاف فرما اور کافروں کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدمی عطا فرما''۔ اس میں اس بات کی بھی تعلیم ہے کہ نیکیاں کرتے ہوئے بھی استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ مالک الملک جل جلالہ کی شان اقدس کے لائق بندوں سے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ ادائے حق میں کوتاہی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا جو حضرات جہاد میں یا کسی بھی نیک عمل میں مشغول ہوں۔ استغفار بھی ساتھ ساتھ کرتے رہیں، استغفار سے گناہ بھی معاف ہوں گے اور اعمال میں بھی جو کوتاہیاں ہوں گی ان کی بھی تلافی ہوگی۔ اور بعض مرتبہ کسی نیک کام میں لگنے سے جو دوسرے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں اور اس طرح حدود سے آگے بڑھ جانے کی صورت بن جاتی ہے۔

جس کو اسراف سے تعبیر فرمایا استغفار سے اس کی بھی تلافی ہوگی۔ کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی دعا کرنے میں اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ اپنے آلات اور اسباب اور تعداد پر کبھی گھمنڈ نہ کریں۔ اللہ ہی سے مدد مانگیں اور اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جنہوں نے کفر اختیار کیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر دیں گے، جس کی وجہ سے تم ناکام ہو جاؤ گے

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ

بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے

اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا شریک بنایا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

کافروں کی اطاعت نہ کرو

تفسیر: اوپر تین آیتوں کا ترجمہ مذکور ہے۔ پہلی آیت میں کافروں کی بات ماننے پر زجر و توبیخ ہے اور اس کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تم کو واپس الٹے پاؤں لوٹا دیں گے یعنی پھر سے دین شرک میں داخل کر لیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو تم بری طرح سے ناکام ہو جاؤ گے دنیا کی خیر اور آخرت کی سعادت دونوں سے محرومی ہوگی۔ پھر دوسری آیت میں فرمایا: بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اسی کی فرمانبرداری کرو اور اسی سے مدد مانگو اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۸۷: ج۴ میں لکھتے ہیں کہ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے منافقین مراد ہیں۔ جب شکست ہوگئی تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اپنے بھائیوں کی طرف واپس ہو جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ یہ حضرت علیؓ سے منقول ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی یعنی مشرکین مکہ جو غزوہ احد میں جنگ کرنے کے لئے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے عاجزی ظاہر نہ کرو اور ان سے امان طلب نہ کرو (کیونکہ اس موقعہ پر بعض لوگوں نے یہ رائے بھی دی تھی کہ اب ہتھیار ڈال دیں اور دشمنوں سے امان طلب کریں)۔ اور یہود و نصاریٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کے مشوروں میں ان کو مخلص نہ جانو ان کی باتیں نہ مانو۔ ابن جریج نے اسی کو اختیار کیا ہے، قرآن مجید کا طرز بیان عام ہے جس میں ہمیشہ کے لئے تمام مسلمانوں کو کافروں کی باتیں اور ان کے مشورے ماننے کی ممانعت فرما دی ہے، مومن کا کام ہے کہ اللہ ہی سے مانگے اسی کو اپنا مددگار سمجھے کافروں کے سامنے نہ جھکے اور نہ ان کو خیر خواہ سمجھے۔

کافروں کے قلوب میں رعب ڈالنے کا وعدہ: سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (الآیہ) صاحب روح المعانی اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی غزوہ احد کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے اور کچھ دور پہنچ گئے تو نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگوں نے برا کیا، چاہیئے تھا کہ ان لوگوں

کو (یعنی سب مسلمانوں کو) قتل کر کے آتے یہاں تک کہ ان میں اس کے سوا کوئی بھی نہ باقی نہ رہتا جو ادھر اُدھر نکلا ہوا ہو لہٰذا واپس چلو اور ان سب کو ختم کر کے آؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہیں سے واپس چلے گئے البتہ ایک اعرابی کو اس بات پر کچھ دینا کیا کہ تو مدینہ منورہ پہنچے تو محمد ﷺ کے ساتھیوں کو یہ کہہ دینا کہ ہم نے ان کے لئے ایسی ایسی تیاری کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دے دی آپ نے مقام حمراء الاسد تک اپنے صحابہ کو بھیجا تا کہ ان کا پیچھا کریں وہ لوگ جا چکے تھے کہیں ملاقات نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا کہ ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اور رعب ڈالنے کا سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ کہ ہمارے اس رعب ڈالنے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جس کی کوئی دلیل اور سند اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ دنیا میں ان کے دلوں میں رعب ڈال کر مومنین کو محفوظ رکھا اور ان کا آخرت کا عذاب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ اور وہ ظالموں کا برا ٹھکانہ ہے۔ آیت کے انداز بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ شرک باللہ رعب واقع ہونے کا سبب ہے اور یہ آزمائی ہوئی بات ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب فارس کی طرف رخ کیا تو وہاں کے مشرکین آتش پرست بڑی بھاری تعداد میں ان کے مقابلہ میں آتے تھے۔ پھر جب معرکہ شروع ہوتا تھا۔ ان کے کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے اور بچے کھچے بے تحاشا بھاگ جاتے تھے صلیبی جنگوں میں بھی ایسے ہی واقعات پیش آئے۔ ہندوستان پر جب مسلمانوں نے حملے کئے تو مشرکین رعب کھا گئے، مقتول ہوئے اور راہ فرار اختیار کی اور فاتحین نے ان کے ملک پر توحید کے جھنڈے لہرا دیئے۔ شرک کے مزاج میں مرعوبیت اور توحید کے مزاج میں شجاعت دلیری اور بہادری ہے۔

دین حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہو:

مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا میں یہ بات بتائی ہے کہ زندگی گذارنے کا طریق کار وہی صحیح ہے جس کی اللہ کی طرف سے سند اور دلیل ہو انسان فطری طور پر اس بات کو مانتا ہے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا کوئی خالق اور مالک اور معبود ہے لیکن جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کا دامن نہیں پکڑا انہوں نے اپنے خالق اور مالک حقیقی کی عبادت میں شرک کی ملاوٹ کر دی وہ اپنے خالق کی بھی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں نے اپنے خالق اور مالک کے بارے میں ایسے عقیدے تجویز کر لئے ہیں، جو گمراہی پر مبنی ہیں۔ عقائد اور عبادات کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ تجویز کر لینا بالکل گمراہی ہے اسلام کے علاوہ دنیا میں جو مذاہب معروف ہیں اور ان میں جو عبادات کے طریقے رائج ہیں ان کے ماننے والے اپنے عقائد اور اعمال کے بارے میں کسی بھی طرح یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کے یہ عقائد اور اعمال ان کے مذہب کے بانیوں نے یا بعد کے لوگوں نے بنائے ہیں اور بتائے ہیں جو عقیدہ اور عمل خالق کی طرف سے نہ بتایا گیا ہو اس کو زندگی کا مشغلہ بنانا اور اس پر نجات کی امید رکھنا عقل و فہم کی رو سے کسی بھی طرح صحیح نہیں۔ ایسے عقائد اور اعمال کے اختیار کرنے کی وجہ سے یہ امید رکھنا کہ موت کے بعد نجات ہو گی اور عذاب سے محفوظ ہوں گے۔ بہت بڑی نادانی ہے جو عقل و دانش کے سراسر خلاف ہے ان سب لوگوں سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ خالق کی ذات و صفات کے بارے میں جو عقائد رکھتے ہو اور جن طریقوں سے تم اس کی عبادت کرتے ہو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی

سند ہے کہ خداوند قدوس جل مجدہ نے تمہیں یہ عقائد اور اعمال بتائے ہیں۔ مشہور ادیان میں نصاریٰ کا دین بھی ہے نصاریٰ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہو کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں یا یہ فرمایا ہو کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میرے قتل کے بعد جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کرا کر ان سب لوگوں کو نجات دے دی جوان کو اللہ کا بیٹا مانیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں فرمائی۔ یہ سب باتیں عرصہ دراز کے بعد تجویز کی گئیں ہر مذہب والا اس بات پر غور کرے کہ میں جس دین پر ہوں میرے پاس اس کی کیا دلیل اور سند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دین پر چلنے کا حکم دیا ہے اور اس پر چل کر آخرت میں میری نجات ہوگی۔ قرآن شریف نے واضح طور پر بتا دیا کہ ہر عقیدہ اور ہر عبادت وہی صحیح ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہو اور جو سند صحیح کے ساتھ بندہ تک پہنچی ہو سب کو معلوم ہے کہ دین اسلام کے علاوہ کوئی دین ایسا نہیں ہے جو اس بات کی سند پیش کر سکے کہ میرا دین اللہ کی طرف سے ہے۔ پس جب ان لوگوں کے پاس اپنے اپنے دین کے صحیح ہونے کی سند خالق و مالک جل مجدہ کی طرف سے نہیں ہے تو ہر شخص اس دین پر آئے جو دین اللہ جل شانہ نے بھیجا ہے اور تمام انسانوں کی نجات اسی پر رکھی ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ **ادامنا الله عليه و اماتنا عليه۔**

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حکم

فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ

کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھا دی جسے تم محبوب رکھتے تھے تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض

مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ

آخرت کے طلبگار تھے۔ پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف فرما دیا اور اللہ

فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ

مومنین پر بڑے فضل والا ہے۔ جب تم دور چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تم کو پکار رہے تھے۔ تمہارے

فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ

پیچھے سے پس اللہ نے تمہیں غم کی پاداش میں غم دیدیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵۳ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى

اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے، پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرما دیا جو اونگھ کی صورت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھائی

طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

ہوئی تھی اور ایک جماعت ایسی تھی جن کو اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ لوگ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے۔

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے۔

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا

یہ لوگ اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل

قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى

نہ کئے جاتے آپ فرما دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی بلاشبہ وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا اپنی ان جگہوں کے لئے نکل کھڑے ہوتے

مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

جہاں جہاں وہ قتل ہو کر گرے اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

ہے۔ بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئی تھیں۔ بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرما دیا بے شک اللہ بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔

غزوہ احد میں شکست کے اسباب کیا تھے؟

تفسیر: ان آیات میں مسلمانوں کی اس عارضی شکست کے اسباب بیان فرمائے جو انہیں غزوہ احد میں پیش آ گئی تھی۔ اور ابتداءً جو مسلمانوں کو غلبہ ہوا تھا اس کا بھی تذکرہ فرمایا، نیز مسلمانوں کو غم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ایک آرام اور چین کی صورت پیش آ گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ کا غلبہ فرما دیا تھا تاکہ غم غلط ہو جائے اس کا بھی تذکرہ فرمایا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک دستہ کو ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم یہاں سے مت ٹلنا اور یہ کہ ہم برابر غالب ہی رہیں گے جب تک کہ تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے، اس وعدہ کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی فرمایا تھا مسلمانوں کو ابتداء میں فتح حاصل ہوئی اور وہ دشمنوں کو باذن اللہ قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کی عورتیں جن میں ہندہ بنت عتبہ بھی تھیں، بھاگنے لگیں اپنے سامان میں سے قلیل یا کثیر اٹھا کر چلنے کا بھی ان کو ہوش نہ رہا۔ لیکن فتح دیکھنے کے بعد (جو مسلمانوں کو محبوب تھی) تیر انداز حضرات (جو پہاڑی پر مقرر تھے) نے اول تو آپس میں اختلاف کیا کہ ہم کیا کریں اختلاف کرنا ہی صحیح نہ تھا کیونکہ یہ ارشاد نبوی ﷺ کے خلاف تھا (اس کو تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ سے تعبیر فرمایا) اور پھر اکثر افراد پہاڑی کو چھوڑ کر چلے ہی گئے اور مالِ غنیمت لینے لگے اس کو وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا اَرٰىكُمْ مَا تُحِبُّوْنَ میں بیان فرمایا) اور مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہونے کے بارے میں مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا فرمایا۔ جب دشمنوں نے پہاڑی خالی دیکھی تو پلٹ کر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کی

ہمت نہ رہی۔ اور دشمنوں کا دفاع نہ کر سکے اس کو ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس میں تمہاری آزمائش مقصود تھی (لِيَبْتَلِيَكُمْ) ساتھ ہی معافی کا اعلان بھی فرما دیا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ.

کافروں کے پلٹ کر حملہ کرنے سے جو مسلمانوں میں انتشار ہوا اور میدان چھوڑ کر چل دیئے تو رسول اللہ ﷺ کی آواز اِلَيَّ عِبَادَ الله پر بھی متوجہ نہیں ہوئے (مگر چند افراد) تو اللہ تعالیٰ نے غم کے بدلہ غم پہنچایا یعنی رسول اللہ ﷺ کو جو تم نے تکلیف پہنچائی تھی اس تکلیف کے بدلہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی۔ اس کو اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ میں بیان فرمایا ہے۔

تُصْعِدُوْنَ باب افعال سے ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ذھاب اور ابعاد فی الارض ہے بعض حضرات نے اس کے مشہور معنی بھی لئے ہیں۔ اور گھوڑوں کا چڑھنا مراد لیا ہے۔

غَمًّاۢ بِغَمٍّ کی ایک تفسیر تو یہی ہے جو ابھی اوپر بیان ہوئی اور اس کے علاوہ مفسرین کے اور بھی چند اقوال اس کی تفسیر کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک غم تو مقتول اور مجروح ہونے اور مشرکین کے غالب ہونے کی وجہ سے تھا اور دوسرا غم وہ تھا جو رسول اکرم ﷺ کی شہادت کی خبر اڑ جانے سے ہوا (اس صورت میں ب مصاحبت کے لئے ہوگی) مزید اقوال جاننے کے لئے روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

غم پہنچنے میں بھی حکمت: پھر فرمایا لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ (تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے) مطلب یہ ہے کہ جو غم تم کو پہنچا اس میں حکمت ہے کہ تم میں پختگی ہو جائے اور آئندہ جب کبھی کوئی مشکل درپیش ہو مثلاً کوئی چیز جاتی رہے یا کوئی مصیبت آپڑے تو تم صبر کرو۔ صبر کی عادت ہو جانے سے ہر مشکل آسانی سے گذر جائے گی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے صبر سے اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔

غم غلط کرنے کے لئے نیند کا غلبہ: مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچ گئی اور شکست کا جو سامنا ہوا (جو بہت بڑا غم تھا) اس غم کو غلط کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ بھیج دی اور اتنی زیادہ اونگھ سوار ہوئی کہ رنج اور غم کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔ علاج کرنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب مریض کی تکلیف بڑھ جاتی ہے اور کسی طرح سے افاقہ نہیں ہوتا تو تکلیف سے بےخبر کرنے کے لئے کوئی ایسی دوا دے دیتے ہیں یا انجکشن لگا دیتے ہیں جس سے نیند آجائے اللہ جل شانہ نے ان حضرات پر نیند غالب فرما دی جس سے غم کا محسوس ہونا ختم ہو گیا ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ میں اسی کو بیان فرمایا اور اونگھ کو اَمَنَةً یعنی چین اور راحت بتایا، یہ تو مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ جو منافقین تھے ان کا دوسرا ہی رنگ تھا۔ ان کو اپنی ہی جانوں کی پڑی تھی، انہیں رسول اللہ ﷺ سے اور دین اسلام سے کچھ بھی ہمدردی نہ تھی اور

اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے خیالات پکار رہے تھے کہتے تھے کہ ہماری تو کچھ چلتی ہی نہیں۔ ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ شہر سے باہر جا کر نہ لڑیں ہماری بات چلتی اور ہماری رائے پر عمل ہوتا تو یہاں آ کر ہم کیوں مارے جاتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو جواب دیدو کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، سب کام اللہ کی قضا اور قدر کے مطابق ہوتے ہیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی وہ لوگ گھروں سے نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں میں پہنچ جاتے جن کے بارے میں مقتول ہونا مقدر ہو چکا تھا۔

پھر فرمایا وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰہُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (اور تا کہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تا کہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس لئے پیش آیا کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش فرمائے کیونکہ مصیبت کے وقت سچوں اور جھوٹوں کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ منافقوں کا نفاق کھل گیا اور مومنین کا ایمان اور زیادہ مضبوط اور ثابت ہو گیا اور یوں تو اللہ تعالیٰ سب باتوں کو جانتا ہی ہے لیکن علم ظہور کے طور پر یہ باتیں ظاہر ہو گئیں اور مسلمانوں کو بھی سچوں اور جھوٹوں کا پتہ چل گیا۔

صحابہؓ کی معافی کا اعلان:

آخر میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ (الآیہ) بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئیں بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرمایا بے شک اللہ بخشنے والا علم والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تسلی بھی دی ہے (کیونکہ ان کی معافی کا اعلان فرمایا ہے) اور یہ بھی بتایا ہے کہ جو لوگ پشت پھیر کر چل دیئے تھے ان کو شیطان نے لغزش دے دی تھی اور اس لغزش کا سبب ان کے بعض گناہ بن گئے اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اور گناہوں کے ذریعہ شیطان دوسرے گناہوں پر آمادہ کر دیتا ہے۔

(غزوہ احد کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے حافظ ابن کثیر کی تفسیر سے اور البدایہ والنہایہ سے اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ
اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا، جب وہ زمین میں سفر کرنے لگیں
اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ
یا غازی بن جائیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تا کہ اللہ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنادے
قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
اور اللہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے اور البتہ اگر تم قتل کر دیئے جاؤ یا اللہ کی راہ میں مرجاؤ تو

اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ

بلاشبہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا قتل ہو گئے

لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

تو ضرور اللہ کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کو جہاد میں جانا پسند نہیں

تفسیر: بہت سے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خیر کا کام نہ خود کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں اور جو لوگ خیر کے کاموں میں لگیں ان کو طعنے دیتے ہیں۔ اور جو خیر انہیں نصیب ہوا سے نقصان سے تعبیر کرتے ہیں جو لوگ حب دنیا میں غرق ہوں انہیں دوسروں کے آخرت کے اعمال نہیں بھاتے اللہ کے لئے جو ان کی جانی یا مالی قربانی ہو وہ انہیں اچھی نہیں لگتی۔ منافقین کا یہی حال تھا انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائی (نسب میں ان کے بھائی ہوتے تھے اور منافقین ظاہری طور پر دینی بھائی بھی کہلاتے تھے) جو سفر میں گئے یا جہاد میں شریک ہوئے یہ اگر یہیں ہمارے پاس رہتے، سفر میں نہ جاتے، جہاد نہ کرتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے بظاہر ان کا یہ کہنا ہمدردی جتانے کے لئے تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ہمدردی خیر کے کاموں سے روکنے میں نہیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ ایسا کہنا ان کے قلوب میں حسرت کا سبب ہے پھر فرمایا کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص کسی جگہ قیام کرنے سے قضاء الٰہی سے نہیں بچ سکتا وہ جہاں بھی ہوگا قضا اور قدر کے موافق اجل مسمّٰی پر اس کو موت آ ہی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی سامان سے بہتر ہے: پھر فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں اگر قتل ہو گئے یا اللہ کی راہ میں مر گئے تو یہ کوئی نقصان کا سودا نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا سبب ہے اور اللہ کی مغفرت اور رحمت اس سب سے بہتر ہے جو کچھ ایسی باتیں کرنے والے جمع کرتے ہیں۔ دنیا کے لالچی دنیا ہی کے لئے سوچتے ہیں اور اسی دنیا کو دوسروں کے لئے پسند کرنے کی وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی کہ یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ مزید زندگی پا لیتے کچھ پیسہ اور کما لیتے یہ پیسہ اللہ کی مغفرت اور رحمت کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم مر گئے یا مقتول ہو گئے تو اللہ کی بارگاہ میں ضرور جمع کئے جاؤ گے، مرنا اور بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہر ایک کے لئے ضروری ہے پھر اللہ کی راہ میں کیوں نہ مریں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے،

حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل

عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ

تفسیر: غزوہ احد کے موقعہ پر مسلمانوں سے جو لغزش ہوگئی تھی اور میدان چھوڑ کر چلے گئے تھے جس سے رسول اکرم ﷺ کو غم پہنچا اور تکلیف ہوئی اس پر آپ نے ان سے سختی کا معاملہ نہیں کیا۔ ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کے ان کریمانہ اخلاق اور آپ کی نرم مزاجی کی اس آیت میں تعریف فرمائی۔ نیز مسلمانوں کی بھی دلداری اور دل جوئی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اول تو دو مرتبہ اپنی طرف سے معافی کا اعلان فرمایا۔ جس کا ذکر پچھلے رکوع میں آچکا ہے پھر اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ بھی معاف فرمادیں اور نہ صرف یہ کہ خود معاف فرمادیں بلکہ ان کے لئے اللہ جل شانہ سے بھی استغفار کریں۔ اور مزید دلداری یوں فرمائی کہ آپ کو ان سے مشورہ لینے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ مشورہ کے بعد جس طرف آپ کی رائے پختہ ہو جائے اللہ کے بھروسہ اس پر عمل کر لیجئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھتے ہیں وہ اللہ کو محبوب ہیں۔

خوش خلقی کا بلند مرتبہ: آنحضرت ﷺ خوش اخلاق نرم مزاج ہمیشہ ہی سے تھے اس موقعہ پر خاص طور پر اس کا مظاہرہ ہوا۔ مؤطا میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے زیادہ بھاری چیز قیامت کے دن جو مومن کی ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے اور بے شک اللہ کو فحش گو اور بدزبان مبغوض ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مومن اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے راتوں رات نماز پڑھنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ نرمی خوش خلقی کا بہت بڑا جزو ہے صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نرمی سے محروم ہوگیا وہ خیر سے محروم ہوگیا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نرمی جس کسی چیز میں بھی ہوگی اسے زینت دے دیگی اور جس چیز سے نرمی نکال دی جائے گی وہ عیب دار ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں بتادوں جو آتش دوزخ پر حرام ہے اور جس پر آتش دوزخ حرام ہے پھر فرمایا کہ یہ صفت اس شخص کی ہے جس سے ملنا جلنا آسان ہو نرم مزاج ہو قریب ہو سہل ہو، سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سخت مزاج بداخلاق داخل نہیں ہوگا۔ (یہ روایات مشکوٰۃ المصابیح باب الرفق والحیا وحسن الخلق) میں مذکور ہیں۔ آنحضرت ﷺ تو تمام حسنِ خلق والوں کے سردار تھے۔ آپ کیوں نرم نہ ہوتے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچیں سب کو سہہ گئے اور نرمی کے ساتھ نباہ گئے۔

یہ جو فرمایا وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے) اس میں جہاں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خوش خلقی اور نرم

مزاجی اور رأفت اور شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ یہ صحابہ جو آپ کے پاس جمع ہیں اور آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور دل و جان سے آپ پر نثار ہیں اس میں اس کا بہت دخل ہے کہ آپ سخت مزاج اور سخت دل نہیں ہیں اگر خدانخواستہ آپ ایسے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے۔

معلمین اور مرشدین خوش خلقی اختیار کریں: انسان کا مزاج ہے کہ وہ بردبار و خوش اخلاق متواضع اور منکسر المزاج کے پاس جانا اور اٹھنا بیٹھنا اور اس سے فیض لینا اور علم و معرفت حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو حضرات حضرت رسول اکرم ﷺ کے نائب ہیں معلم ہیں محدث ہیں، مفتی ہیں، مرشد ہیں، مبلغ ہیں داعی اور ہادی ہیں، ان لوگوں کے لئے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے، اگر امت کو علم سکھانا اور فیض پہنچانا ہے تو نرم مزاج، نرم خو، شفیق اور مہربان بردبار بنیں ورنہ صاحب بڑے عالم اور اونچے درجہ کے مرشد ہیں اور ہمیں ان سے فیض مل سکتا ہے پھر بھی فیض لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یوں تو ہر مسلمان ہی کو خوش خلق اور نرم مزاج ہونا چاہیئے لیکن خاص کر مسلمین مصلحین، مبلغین مرشدین کو تو بہت ہی زیادہ اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے۔ حضرت سعدیؒ نے کیا اچھا فرمایا:

کس نہ بیند کہ تشنگان حجاز برلب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمہ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آیند

کمال یہی ہے کہ عامۃ المسلمین میں گھل مل کر رہے۔ خیر کے کام کرے خیر کی تعلیم دے اور ان سے جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرے۔ اپنی ذاتی نیکیوں کو لے کر تنہائی میں بیٹھ جانا تاکہ لوگ تکلیف نہ دیں اس میں وہ بات نہیں جو خیر پہنچانے اور تکلیف اٹھانے میں ہے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو گھل مل کر نہیں رہتا اور لوگوں کی تکلیف پر صبر نہیں کرتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۲)

مشورہ کرنے کا حکم: پھر فرمایا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اللہ جل شانہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ فرمانے کا حکم دیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اپنے صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی آپ نے مشورے فرمائے۔ آیت شریفہ میں مشورے کا حکم دے کر حضرات صحابہ کی اللہ تعالیٰ نے دلجوئی فرمائی اور ان کا اعزاز و اکرام فرمایا یہ مشورہ ان امور میں نہیں تھا جہاں کوئی نص قطعی اور واضح حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجود ہو، جن امور کو آنحضرت سرور عالم ﷺ کے سپرد فرمایا دیا گیا ان میں مشورہ کرنے کا حکم فرمایا۔

مشورہ کی ضرورت اور اہمیت: اس سے مشورے کی اہمیت اور ضرورت ظاہر ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ جب سید الاولین والآخرین ﷺ مشورہ سے مستغنی نہیں تو آپ کے بعد ایسا کون ہو سکتا ہے جو مشورہ سے بے نیاز ہو، آئندہ آنے والے امراء اور اصحاب اقتدار اور امت کے کاموں کے ذمہ دار جو بھی آئیں سب کے لئے مشورہ کرنے کی

ضرورت واضح ہوگئی۔ مشورہ میں بہت خیر ہے جو اصحاب رائے ہوں خواہ عمر یا مرتبہ میں چھوٹے ہی ہوں ان کو مشورہ میں شریک کرنا چاہئے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورہ کرنے کی صورت میں مختلف رائیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان رایوں کے درمیان سے کسی مناسب ترین رائے کو اختیار کر لینا آسان ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ بڑے کی نظر سے وہ گوشے اوجھل رہ جاتے ہیں جو چھوٹوں کی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ تمام گوشے سامنے آنے سے کسی پہلو کو اختیار کرنے میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ (یعنی جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا۔ اور جس نے مشورہ کیا اسے ندامت نہ ہوگی) (ذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد)

خانگی امور میں اور اداروں کے معاملات میں مشورے کرتے رہنا چاہئے جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ وہی رائے دیں جسے اپنی دیانت سے فیما بینہم وبین اللہ صحیح سمجھتے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ان المستشار مؤتمن (یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے) (اخرجہ الترمذی فی ابواب الزہد وابن ماجہ فی کتاب الادب)

اگر کوئی شخص اپنے ذاتی معاملہ میں مشورہ کرے تب بھی اسے وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من اشار علی اخیه بامر یعلم ان الرشد فی غیره فقد خانه (جس نے اپنے بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دیا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ مشورہ لینے والے کی بہتری دوسری رائے میں تھی جو پیش نہیں کی گئی تو اس نے خیانت کی) (رواہ ابوداؤد فی کتاب العلم) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک قاعدہ کلیہ مروی ہے جسے علامہ سخاوی نے المقاصد الحسنہ صفحہ ۳۸۳ میں نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ فاذا استشیر احدکم فلیشر بما هو صانع لنفسه (کہ جب کسی سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ مشورہ دے جسے وہ اپنے لئے اختیار کرتا اگر وہ خود اس حال میں مبتلا ہوتا جس میں مشورہ لینے والا مبتلا ہے) اور یہ مضمون اس حدیث کے مطابق ہے جس میں افضل الایمان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ان تحب للناس ما تحب لنفسک و تکره لهم ما تکره لنفسک (یعنی یہ کہ تو لوگوں کے لئے اسی کو پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لئے اس چیز کو ناپسند جانے جس کو اپنے لئے ناپسند جانتا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶)

مشورہ کی شرعی حیثیت:

مشورے کا حکم دینے کے بعد فرمایا فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشورے کے بعد آپ جب کسی جانب طے فرما کر عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اپنے عزم کے مطابق عمل کیجئے۔ اس میں یہ بات ظاہر ہے کہ مشورہ کرنے کے بعد آپ کو سب کے یا کسی ایک کے مشورے کا پابند ہونا ضروری نہیں۔ جس طرف آپ کا رجحان ہو اس پر عمل کرلیں اس میں مشورہ دینے والوں کو بھی دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں مشورہ دینا اور لینا ضائع نہیں ہے کیونکہ اس میں ہر شخص کو غور و خوض کرنے اور اپنی رائے پیش کرنے کا ثواب مل چکا ہے اب آپ جس رائے کو مناسب جانیں اور رایوں میں اپنی ذاتی رائے بھی ہے) اس پر عمل فرمائیں۔

اپنا عزم فرمانے کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم فرمایا اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مشوروں اور تدبیروں کے بعد بھروسہ صرف اللہ ہی پر رہے بندوں کی رائیں اور تدبیریں صرف اسباب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسباب پر بھروسہ کرنا مومن کا کام نہیں، مومن کا بھروسہ صرف اللہ پر ہوتا ہے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ کے بعد بھی مشورہ کی سنت جاری ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ مشورہ لینے والے کے لئے خواہ امیر المؤمنین ہی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا مشورہ مانے۔ باوجود مشورہ لینے کے اسے اپنی رائے پر عمل کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ حق بات یہ ہے کہ جب مشورہ لینے والا بھی مخلص ہو اور مشورہ دینے والے بھی مخلص ہوں اور ہر ایک کو اللہ کی رضا مقصود ہو تو کسی وقت بھی بدمزگی پیدا ہونے کا موقعہ نہیں رہتا۔ آپس میں ضدا ضدی اور یہ اعتراض کہ میری رائے پر عمل کیوں نہ کیا اور امیر کی شکایت کہ وہ آمر مطلق ہے مشورہ کر کے بھی اپنی رائے پر عمل کرتا ہے۔ یہ سب باتیں جبھی ہوتی ہے جب امیر اور مامور میں اخلاص نہ ہو اور آپس میں اعتماد نہ ہو اور امارت کے اصول پر امیر و مامور کو چلنے کا ارادہ نہ ہو، نفسانی اور دنیاوی چیزوں نے جگہ پکڑ رکھی ہو۔ اگر امیر کے انتخاب میں اللہ کی رضامندی کا دھیان رکھا ہو اور متقی آدمی کو امیر بنایا ہو جس کے علم و عمل اور اخلاص پر اعتماد ہو جو دنیادار نہ ہو عہدہ کا طالب نہ ہو تو اس صورت میں امیر کا اپنی رائے پر عمل کرنا ناگوار نہ ہوگا۔ انتخاب تو غلط کریں اور پھر امیر کے خلاف احتجاج کرنے جلوس نکالنے کے جاہلانہ طریقوں سے امیر کو ہٹانے کی کوشش کریں۔ ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ نہیں کھاتا۔

موجودہ جمہوریت اور اس کا تعارف

زمانہ قدیم میں بادشاہتیں جاری تھیں ولی عہدی کے اصول پر بادشاہت ملتی تھی عرب و عجم میں بادشاہ تھے ان میں ظالم بھی تھے، رحم دل بھی تھے اور انصاف پسند بھی۔ لیکن بادشاہت کی تاریخ میں زیادہ تر مظالم ہی ملتے ہیں۔ ان مظالم سے تنگ آ کر یورپ والوں نے جمہوریت کا طرز حکومت جاری کیا۔ اور اس کا نام عوامی حکومت رکھا۔ اس کے جو طریق کار ہیں انہیں عام طور سے سبھی جانتے ہیں۔ اس جمہوریت کا خلاصہ عوام کو دھوکہ دینا اور کسی ایک پارٹی کے چند افراد کے ملک پر مسلط ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عنوان یہ ہے کہ اکثریت کی رائے انتخاب میں معتبر ہوگی۔ اور انتخاب بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوگا اس میں امیدوار کے لئے عالم ہونا، دیندار ہونا بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں پڑھے لکھے اور بالکل جاہل، جٹ مرد عورت امیدوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض پارٹی کے نمائندے ہوتے ہیں اور بعض آزاد ہوتے ہیں ان میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو اسلام کے خلاف بولتے رہتے ہیں، اسلام کے نظام حدود و قصاص کو ظالمانہ کہتے ہیں جس کی وجہ سے حدود کفر میں داخل ہو جاتے ہیں اور انتخاب میں پارٹیوں کے زور پر اور سرداروں کے زور پر اور پیسوں کے زور پر ووٹ دینے والے بھی عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین اسلام کے تقاضوں کو نہیں جانتے لہٰذا بے پڑھے اور ملحد اور زندیق بھی منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں آ جاتے ہیں۔ جس شخص کو زیادہ ووٹ مل گئے وہی ممبر منتخب ہو جاتا ہے اگر کسی سیٹ پر گیارہ آدمی کھڑے ہوں تو ان میں سے اگر دس آدمیوں کو ۱۵۔۱۵

ووٹ ملیں اور ایک شخص کو سولہ ووٹ مل جائیں تو یہ شخص سب کے مقابلہ میں کامیاب مانا جائے گا اور کہا یہ جائے گا کہ اکثریت سے منتخب ہوا حالانکہ اکثریت اس شخص کے مخالف ہے ڈیڑھ سو افراد نے اسے ووٹ نہیں دیئے۔ سولہ آدمیوں نے ووٹ دیئے ہیں ڈیڑھ سو کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں یہ جمہوریت ہے جس میں ۱۵۰ آدمیوں کی رائے کا خون کیا گیا اور سولہ افراد کی رائے کو مانا گیا۔ پھر پارلیمنٹ میں جس کسی پارٹی کے افراد زیادہ ہو جائیں اسی کی حکومت بن جاتی ہے اور وہ افراد اسی طریقہ پر پارلیمنٹ میں آئے ہیں جو ابھی ذکر ہوا اس طرح سے تھوڑے سے افراد کی پورے ملک پر حکومت ہو جاتی ہے اور پارٹی کے چند افراد اختیار سنبھال لیتے ہیں اور سیاہ سفید کے مالک ہو جاتے ہیں خود پارٹی کے جو افراد کسی بات سے متفق نہ ہوں انہیں پارلیمنٹ میں پارٹی ہی کے موافق بولنا پڑتا ہے اپنی ذاتی رائے کا خون کر دیتے ہیں۔ یہ جمہوریت اور اکثریت کی حقیقت ہے۔

پھر خدا کی پناہ مرکزی حکومت کے صدر اور وزیر اعظم اور دوسرے وزراء کے بے تکے اخراجات بنگلے اور ان کی سجاوٹیں گاڑیاں ڈرائیور، پٹرول کا خرچ، باورچی، مالی اور دوسرے خادموں کی تنخواہیں اور وزیروں کی بے جا کھپت پارٹی کے آدمی ہونے کی بنیاد پر خواہ مخواہ عہدے نکالنا اور حد یہ ہے کہ وزیر بے قلمدان بنانا اور کثیر تعداد میں مشیروں کو کھپانا ان سب کا بوجھ قوم کی گردن پر ہوتا ہے۔ پھر ہر صوبہ کا گورنر، وزیر اعلیٰ دوسرے وزراء اور نائب وزراء ان سب اخراجات سے ملک کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے اور ملک چلانے کے لئے سودی قرضے لیتے ہیں۔ اور قوم پر ٹیکس لگاتے ہیں۔ انکم ٹیکس، برآمد ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی۔ یہ سب مصیبت قوم پر سوار ہوتی ہے اور عوام کو دھوکہ دے رکھا ہے کہ تمہاری حکومت ہے عوام ان پارٹی بازوں اور سیاسی بازی گروں کی باتوں میں آجاتے ہیں اور سیدھا سادا اسلامی نظام جس میں ایک امیر مرکزی حکومت میں ہو جس کا معمولی سا وظیفہ ہو۔ اور علاقوں میں چند امیر ہوں اور یہ سب لوگ سادگی کے ساتھ رہیں بقدر ضرورت واجبہ ان کو وظیفہ مل جائے معمولی سے گھر میں رہیں۔ اگر کسی کا اپنا گھر ہے تو اسی میں قیام پذیر ہو۔ اس نظام کو ماننے کے لئے لوگ تیار نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کہا جاتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اسلام میں شوریٰ کی بھی کوئی حیثیت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر اس کی حیثیت وہی ہے جو اوپر ذکر کر دی گئی ایسی جمہوریت جس میں پورے ملک میں انتخاب ہو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہر کس و ناکس ووٹر ہو اور کثرتِ رائے پر فیصلہ رکھا جائے اسلام میں ایسی جمہوریت نہیں ہے۔ بعض اہل علم بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ اسلام کی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بڑی محنتوں سے جمہوریت کو لائے ہیں اب اس کے خلاف کیسے بولیں۔ اور ان کی لائی ہوئی جمہوریت بالکل جاہلانہ جمہوریت ہوتی ہے۔ جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انتخاب میں کوئی بھی کیسا ہی بے دین منتخب ہو جائے جمہوریت جاہلیہ کی وجہ سے اس کے عہدہ کو ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اب کیا کریں اب تو منتخب ہو ہی گیا عوام کی رائے کو کیسے ٹھکرائیں۔ قانون کے تابع ہیں اس کے خلاف چلنے بولنے کی کوشش کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔

حضرات خلفائے اربعہ کا انتخاب: یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم

خلفاء راشدین تھے ان حضرات کو منتخب کرتے وقت کوئی بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخاب نہیں ہوا۔ نہ پورے ملک سے ووٹ لئے گئے تاریخ اور سیرت کے جاننے والے اس امر سے واقف ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرات مہاجرین اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ وہاں اس بات کا مشورہ ہو رہا تھا کہ امیر کون ہو۔ انصار میں سے بعض حضرات یہ رائے دے رہے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ لائیے میں بیعت کرتا ہوں انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ حضرت عمرؓ نے بیعت کر لی اس کے بعد مہاجرین نے بیعت کر لی ان کے بعد انصار نے بیعت کی۔ یہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب تھا جو سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۴۶: ج ۵ میں مذکور ہے، اس کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے بغیر کسی مشورہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن نے خنجر مار دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں جانبر ہونے والا نہیں ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ خلافت کا مستحق ان حضراتؓ کے علاوہ کوئی نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ راضی تھے اور اسی حالت رضامندی میں آپ کی وفات ہوئی۔ پھر انہیں حضرات میں سے حضرت علیؓ، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے نام لئے اور فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرا بیٹا عبداللہ بن عمرؓ مشورے میں شریک ہوگا لیکن اسے خلافت سپرد نہ کی جائے اور فرمایا کہ اگر سعد کو منتخب کر لیا جائے تو وہ اس کے اہل ہیں۔ اور اگر ان کے علاوہ کسی دوسرے کو امیر بنا لیا جائے تو وہ ان سے مدد لیتا رہے جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی اور ان کو دفن کر دیا گیا تو وہ حضرات جمع ہوئے جن کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ تم سب اپنا معاملہ تین آدمیوں کے سپرد کرو حضرت زبیر نے فرمایا میں نے اپنا معاملہ حضرت علیؓ کے سپرد کیا اور حضرت طلحہ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ عثمانؓ کے سپرد کیا۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد کیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ تم دونوں میرے سپرد کرتے ہو تو میں تم میں جو افضل ترین ہوگا۔ اس کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں سے علیحدہ علیحدہ تنہائی میں بات کی اور دونوں نے اقرار کیا کہ اگر میرے علاوہ دوسرے کو تم نے امیر بنا دیا تو میں فرمانبرداری کروں گا اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا لاؤ ہاتھ بڑھاؤ یہ کہہ کر ان سے خود بیعت کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے بیعت کر لی۔ دوسرے حضراتؓ جو باہر منتظر تھے وہ بھی اندر آئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ مفصل واقعہ صحیح بخاری صفحہ ۵۲۴: ج ۱ میں مذکور ہے۔ یہ انتخاب خلیفہ ثالث کا تھا (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برضاء و رغبت حضرت عثمانؓ سے بیعت کی تھی اور پہلے سے اقرار کر لیا تھا کہ اگر ان کو امیر بنا دیا گیا تو میں فرمانبردار رہوں گا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی جگہ کسی امیر کے انتخاب کی ضرورت محسوس کی گئی اہل مصر جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہ حضرت علیؓ کو اصرار کرتے رہے کہ آپ خلافت کا بوجھ سنبھالیں لیکن وہ راضی نہ ہوئے اور باغوں کی طرف تشریف لے گئے۔ کوفہ والوں نے حضرت زبیرؓ کو تلاش کیا وہ بھی نہ ملے۔ بصرہ والوں

نے حضرت طلحہؓ سے عرض کیا انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معروض پیش کی انہوں نے بھی قبول نہ کیا۔ حضرت ابن عمرؓ کے پاس گئے انہوں نے بھی نہ مانا ساری کوششیں کر کے پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت قبول کرنے پر اصرار کرتے رہے آخر میں انہوں نے ذمہ داری قبول فرمائی۔ یہ تفصیل البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۲۶: ج ۷ میں لکھی ہے۔

یہ چاروں خلفاء کا انتخاب تھا ان میں کبھی بھی پورے ملک میں الیکشن نہیں ہوا۔ بلکہ پورے صحابہ ؓ بھی شریک نہیں ہوئے نہ پورا مدینہ شریک ہوا چند افراد نے منتخب کرلیا سب نے مان لیا۔ ممکن ہے یورپ کی جمہوریت جاہلیہ سے مرعوب ہو کر بعض ناواقف یہ کہنے لگیں کہ صحیح طریقہ وہی ہے جو آجکل رواج پائے ہوئے ہے۔ ان حضرات نے انتخاب صحیح نہیں کیا۔ (العیاذ باللہ) اس جاہلانہ اُپچ کا جواب دینے کی ضرورت تو ہے نہیں لیکن پھر بھی ہم عرض کر دیتے ہیں کہ یہ اعتراض اللہ تعالیٰ کی ذات پر پہنچتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے سورہ توبہ کہ آیت نمبر ۱۰۰ میں مہاجرین اور انصار اور جو خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کریں ان کی تعریف فرمائی اور ان کے بارے میں رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ فرمایا اگر انہیں حضرات نے اسلام کو نہیں سمجھا اور امیر کا انتخاب جس طرح ہونا چاہیئے تھا اس طرح نہیں کیا تو ان کے بعد اسلام کو اور اسلام کے تقاضوں کو جاننے والا کون ہے؟ پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (رواہ ابوداؤد والترمذی) (کہ میرے طریقے کو اور خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا) اگر ان حضرات کا اپنا انتخاب صحیح نہیں اور انہوں نے دوسروں کا انتخاب صحیح نہیں کیا تو وہ خلفاء راشدین ہو ہی نہیں سکتے اگر آج کے جاہلوں کی بات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرات صحابہؓ میں سے کوئی بھی خلیفہ راشد نہیں ہوا (العیاذ باللہ) دشمنوں کے طریقہ کار سے مرعوب ہو کر اسلام کی تحریف اور تبدیل کرنے پر آمادہ ہو جانا ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِىْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ
اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد کے چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا۔
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں مومن بندے۔

اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تو کوئی غالب نہیں ہو سکتا

تفسیر: پہلی آیت میں ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں) اس آیت شریفہ میں اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کسی قوم پر غالب ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد ہی اصل چیز ہے قلت اور کثرت اور اسباب سے اس کا حقیقی تعلق نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب ہونے والا نہیں۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی۔ مسلمان تھوڑے تھے سامان حرب بھی معمولی تھا دشمن کی

تعداد بہت زیادہ تھی اور ان کے پاس سامان بھی بہت تھا لیکن دشمن مغلوب ہوئے۔ پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو مدد کے بغیر چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اور واقعہ احد میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے حاصل یہ کہ مدد اور نصرت کے لئے ہمیشہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور اسی سے مدد طلب کریں اور اسی پر توکل کریں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ
اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
کئے کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن ساتھ لے کر آئے گا!

تفسیر: تفسیر درمنثور صفحہ ۹۱: ج ۲ میں ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر مال غنیمت میں سے ایک سرخ چادر نہیں مل رہی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ غلول کرے؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ غلول کا اصل معنی یہ ہے کہ خفیہ طریقہ سے کوئی چیز لے لی جائے۔ پھر یہ لفظ مال غنیمت میں سے کوئی چیز چرا لینے کے لئے مخصوص کر دیا گیا اس کو غلول بھی کہا جاتا ہے۔ اور مطلق خیانت کو بھی غلول کہتے ہیں کیونکہ اس میں سے ایک طرح سے خفیہ طریقے پر دوسرے کا مال اپنا مال بنالیا جاتا ہے جو اپنے لئے حلال نہ ہو۔

پھر فرمایا وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کہ جو شخص خیانت کرے گا۔ اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا (تاکہ اس کی خوب اچھی طرح رسوائی ہو اور لوگ جان لیں کہ اس نے خیانت کی تھی) سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کو جب مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرماتے تھے کہ تم لشکر میں یہ پکار دو کہ جس کے پاس جو بھی مال غنیمت ہو وہ حاضر کر دے جب مال جمع ہو جاتا تو آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے کر (جس کا ذکر وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ (الآیۃ میں ہے) باقی مال کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیتے تھے۔ ایک دن ایک شخص تقسیم کے بعد بالوں کی ایک رسی لے کر آیا جسے باگ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اور اس نے عرض کیا یہ وہ ہے جو مجھے مال غنیمت میں سے ملی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے بلال کی آواز سنی تھی؟ تین مرتبہ سوال فرمایا اس نے کہا جی ہاں سنی تھی آپ نے فرمایا پھر تو کیوں نہیں لے کر آیا تجھے اس کے لانے سے کیا مانع تھا اس نے کچھ عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اب تو ہی اسے قیامت کے دن لے کر آئے گا، میں تجھ سے ہرگز قبول نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے چند صحابہ یہ کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے کہ فلاں شہید اور فلاں شہید۔ اسی ذیل میں انہوں نے

ایک آدمی کا ذکر کیا آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں بلاشبہ میں نے اسے دوزخ میں دیکھا ہے ایک چادر کے بارے میں جس کا اس نے غلول کر لیا تھا (یعنی چھپا کر رکھ لی تھی) پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب جاؤ اور لوگوں میں پکار کر تین بار کہہ دو کہ جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر ایمان والے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اس مضمون کا تین مرتبہ اعلان کر دیا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۳۲: ج ۲)

مال غنیمت کے علاوہ اور بھی جو کوئی مال کسی طرح سے لے لیا جائے جو لینے والے کا حق نہ ہو اس مال کا لینے والا قیامت کے دن گردن پر لے کر آئے گا۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو جو قبیلہ بنی ازد میں سے تھے، صدقات وصول کرنے پر مقرر فرمایا جب وہ آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے یہ سن کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا اما بعد میں بہت سے لوگوں کو ان کاموں پر مقرر کرتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے والی بنایا پھر ان میں سے ایک شخص آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، کیوں نہ بیٹھ گیا وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں پھر وہ دیکھتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بھی کوئی شخص اس مال میں سے کچھ بھی لے لے گا جس کی تحصیل کے لئے مقرر کیا گیا تو قیامت کے دن اسے لے کر آئے گا جیسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا۔ اگر اونٹ ہوگا تو وہ بولتا ہوا ہوگا اور اگر گائے ہوگی تو وہ بھی آواز نکال رہی ہوگی اور بکری ہوگی تو وہ بھی ہنہنا رہی ہوگی، پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ہم نے آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔ پھر دوبارہ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ (متفق علیہ، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵۶)

جو لوگ اوقاف کے اموال میں یا عامۃ الناس کے مالوں میں بیت المال کی املاک میں غبن کرتے ہیں، آخرت کے دن کا تصور کریں اور غور کریں کہ اموال میں خیانت کرنے اور غبن کرنے کا انجام کیا ہوگا۔ آیت کے ختم پر جو کچھ ارشاد فرمایا اسے بار بار ذہن میں بٹھائیں۔ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (پھر ہر جان کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

کیا جو شخص اللہ کی رضا کا تابع ہو وہ ایسے شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اس جیسا نہیں جو ناراضگی کا مستحق ہو

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں اللہ کی رضا تلاش کرنے والے اور اللہ کے غصہ کے مستحق ہو جانے والے کے

درمیان جوفرق ہے وہ بیان فرمایا ہے ارشاد ہے کہ اللہ کی رضا کے طالب اور وہ لوگ جو اپنے اعمال بد کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہوسکتے۔ اس مضمون کو بیان فرمانے کے لئے استفہام انکاری کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ سننے والے خود بھی غور کرلیں۔ اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے والوں کے ذیل میں جنت کا ذکر نہیں فرمایا۔ کیونکہ وہ تو حاصل ہو ہی جائے گی اور صرف اللہ کی رضا کے طالب ہونے پر اکتفا فرمایا کیونکہ اللہ کی رضا جنت سے بھی بڑی چیز ہے اور دوسری جانب میں غضب الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔ اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ غضبِ الٰہی کے مستحقین دوزخ میں داخل ہوں گے۔ اور فرمایا کہ دوزخ بہت بری جگہ ہے پھر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں فریق مختلف درجات والے ہوں گے (جولوگ اللہ کی رضا کے طالب ہیں وہ جنتوں میں طرح طرح کی نعمتوں میں ہوں گے اور جولوگ غضب الٰہی کے مستحق ہوئے۔ وہ دوزخ کے مختلف عذابوں میں ہوں گے) یہ درجاتِ جنت اور درکاتِ جہنم اللہ کے علم میں ابھی سے مقرر ہیں اور اللہ سب کے اعمال کو دیکھتا ہے، اچھے برے اعمال کی جزا دے گا کسی کا کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اپنا رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا

تفسیر: اللہ جل شانہ بہت بڑا کریم ہے، صدیوں سے لوگ شرک اور کفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، بجز خال خال چند افراد کے اللہ کے ماننے والے دنیا میں رہے ہی نہ تھے جو لوگ اپنے خیال میں اللہ کو مانتے اور جانتے تھے وہ بھی عموماً مشرک تھے عرب اور عجم سب پر شیاطین کا تسلط تھا۔ پوری دنیا کفر کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی ایسے موقعہ پر اللہ جل شانہ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ کی ذات گرامی سے تاریکیاں چھٹ گئیں ایمان کا نور پھیل گیا۔ لاکھوں افراد جو کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق دوزخ ہو چکے تھے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اور وہ خود اور ان کی قیامت تک کی آنے والی نسلیں جو دین اسلام قبول کریں گی وہ سب جنتی بن گئے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں میں سے رسول بھیجا تاکہ وہ قول سے بھی بتائے اور عمل سے بھی کر کے دکھائے اور انہیں کے اندر رہتے ہوئے ان کی اصلاح کرے ان کو اللہ کی آیات بھی سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت بھی سکھلائے اور ان کا تزکیہ بھی کرے یعنی ان کے نفسوں کو صفات رذیلہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک کرے، یہ مضمون تفصیل کے ساتھ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں بیان ہو چکا ہے جو پارہ اول کے ختم کے قریب ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دوگنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے آپ فرما دیجئے یہ

اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٦٥ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ

تمہاری طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو تکلیف تمہیں پہونچی جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں سو یہ

اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٦٦ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے مومنین کو اور جان لے ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ ھُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ

یا دفاع کرو، وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، وہ لوگ بہ نسبت ایمان کے آج کفر سے زیادہ قریب ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِھِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِھِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝١٦٧ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ

وہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے اس بات کو جسے وہ چھپاتے ہیں، جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا

وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝١٦٨

اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے آپ فرما دیجئے تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو اگر تم سچے ہو

مسلمانوں کو تسلی اور منافقوں کی بدحالی کا بیان

تفسیر: مسلمانوں کو جو غزوہ احد میں وقتی طور پر شکست ہوئی اور اس سلسلہ میں تکلیف پہنچی اس مصیبت پر کچھ لوگوں کے منہ سے یہ نکلا انی هذا (یہ مصیبت کہاں سے آئی) اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ آپ ان کو جواب میں فرما دیں کہ یہ اسباب ظاہرہ میں تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور پہاڑی پر جن تیراندازوں کو بٹھا دیا گیا تھا انہوں نے باوجود تاکیدی حکم کے اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ اور مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے اس بات کو بیان فرماتے ہوئے قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا بھی فرمایا کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے گذشتہ سال غزوہ بدر میں اس سے دوگنی مصیبت تم دشمنوں کو پہنچا چکے ہو۔ ستر آدمی ان کے قتل ہوئے تھے اور ستر آدمیوں کو تم قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لے آئے تھے۔ اس میں تسلی دینے کا پہلو اختیار فرمایا کہ تم اپنے دشمنوں کو اپنی مصیبت سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو۔ اب اگر تمہیں مصیبت پہنچ ہی گئی اور وہ بھی تمہاری نافرمانی کی وجہ سے تو اس پر غمگین کیوں ہو رہے ہو۔ پھر فرمایا وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئی تھیں اس روز تمہیں جو تکلیف پہنچی سو یہ تکلیف پہنچنا اللہ کے حکم سے تھا) یعنی سبب ظاہر وہی تھا، جس کا ذکر ہوا کہ تم نے نافرمانی کی اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر جو کچھ مصیبت پیش آئی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی سے تھی وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ بعض حکمتیں پہلے بیان ہو چکی

ہیں اور بعض حکمتیں آگے بیان ہوتی ہیں اور وہ یہ ہیں، وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے جنہوں نے منافقت کی، جو اندر سے مسلمان نہ تھے زبانوں سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں میں گھل مل کر رہتے تھے اب جب جنگ کا موقعہ آیا تو ظاہری دوستی بھی چھوڑ بیٹھے اور ان کا نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا جس کی صورت آگے بیان فرمائی۔ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا یعنی ان سے کہا گیا کہ آجاؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اگر جنگ نہیں کر سکتے ہو تو ہمارے ساتھ ہی رہو اگر ہمارے ساتھ رہو گے تو دشمن کو ہماری جماعت زیادہ نظر آئے گی اس سے بھی دشمن کے دفاع کی ایک صورت بنے گی (ذکرہ فی الروح عن ابن عباس رضی اللہ عنهما) آگے ان کا جواب نقل فرمایا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ وہ کہنے لگے اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے اس کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی مفید ہو سکتی ہے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شرکت کر لیتے، ہمارے خیال میں تو لڑائی کا ڈھنگ نہیں ہے یہ کیا لڑائی ہے کہ تم تھوڑے سے آدمی ہو اور دشمن زیادہ ہے، سامان حرب بھی تمہارے پاس کم ہے کم سے کم برابر کی ٹکر ہو تو لڑائی لڑی جائے، غالب ہونے کی امید نہ ہو تو کم از کم مدافعت کرنے کی قوت تو ہو اب تو ظاہری حالات میں اپنے کو جنگ میں جھونک دینا سراسر ہلاکت میں ڈال دینا ہے (ذکرہ فی الروح)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ یعنی اس بات کے کہنے سے وہ اب ظاہر میں بھی کفر سے زیادہ قریب ہو گئے جبکہ اس سے پہلے ایمان کے جھوٹے دعوے کر کے مسلمانوں میں گھلے ملے رہنے کی وجہ سے ظاہر میں ایمان کے قریب تھے، اندر سے کافر تو پہلے ہی سے تھے لیکن ظاہر میں جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اس دعوے پر خود ان کے اپنے قول و فعل نے پانی پھیر دیا۔ ہر عقلمند ان کی باتوں کے پیش نظر یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ مومن نہیں ہیں، کیوں کہ باتیں کافروں جیسی کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ کہ وہ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں، ان کا یہ کہنا کہ ہم جنگ کو جانتے ہوتے یا یہ کہ جنگ کا ڈھنگ دیکھتے تو تمہارے ساتھ ہو جاتے، دونوں باتیں ایسی ہیں جو ان کے قلبی عزائم کے خلاف ہیں۔ حقیقی بات یہ ہے کہ وہ کوئی بھی حیلہ بہانہ کریں ان کو تمہارے ساتھ ہونا ہی منظور نہ تھا، پھر فرمایا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح اس کا علم ہے جس کو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں (مومنین تو اجمالی طور پر علامات سے ان کے ظاہر کو دیکھ کر باطن کا اندازہ کرتے ہیں اور اللہ جل شانہ پوری طرح ان کے باطن سے باخبر ہے ان کے قلبی عزائم کو پوری طرح جانتا ہے)

جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے چھٹکارہ نہیں ہوسکتا: منافقین کا مزید حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو لڑائی سے جان بچا کر بیٹھ رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا (جو ان کے نسب میں رشتہ دار تھے) کہ ہم نے تو پہلے ہی رائے دے دی تھی کہ

جنگ نہ کی جائے ہماری بات مان لیتے تو مقتول نہ ہوتے ان کے جواب میں بطور سرزنش اور توبیخ کے ارشاد فرمایا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کہ آپ فرما دیجئے موت سے کہاں بچاؤ ہے لڑائی چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہے اور یہ سمجھ لیا کہ موت سے بچ گئے یہ بیوقوفی ہے موت تو پھر بھی آنی ہی ہے۔ جب تم کو موت آنے لگے جو اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو موت کو دفع کر دینا اور اسے ٹال دینا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

منافق کے نزدیک جان کی قیمت زیادہ ہے اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتا ہے مومن کو اللہ کی رضا مندی مقصود ہے وہ اللہ کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے اللہ کے لئے لڑنے اور جان دینے سے اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ
اور ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں وہ خوش ہیں
بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ
اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور وہ خوش ہو رہے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جو ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے رہ گئے کہ کوئی خوف نہیں
عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ
ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، وہ خوش ہو رہے ہیں، بوجہ نعمت اور فضل خداوندی کے اور اس بات سے خوش ہیں کہ بلاشبہ اللہ
لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۱﴾
ضائع نہیں فرماتا مومنین کے اجر کو۔

شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں

تفسیر: اوپر کی آیت میں مذکور ہے کہ منافقین نے اللہ کی راہ میں مقتول ہو جانے والوں کے بارے میں یوں کہا تھا کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو مقتول نہ ہوتے گویا کہ ان کا مقتول ہو جانا ان کے نزدیک اچھا نہ ہوا اور ان کی خیر خواہی اس میں ظاہر کر رہے تھے کہ وہ مقتول نہ ہوتے اور دنیا میں اور زیادہ زندہ رہ جاتے آیت بالا میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا توڑ بھی ہے اور مومنین کو تسلی بھی ہے اور بشارت بھی کہ جو حضرات اللہ کی راہ میں مقتول ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور دنیا کی چیزیں ان کے پاس نہیں ہیں تو یہ کوئی نقصان کی بات نہیں کیونکہ ان کو وہاں ان کے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے جو دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر اعلیٰ اور افضل ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اس پر وہ خوش ہیں ہشاش بشاش ہیں، وہ تو نعمتوں میں ہیں اور رحمتوں میں ہیں اور منافقین خواہ مخواہ کی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں کہ ہماری بات مانتے تو مقتول نہ ہوتے یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی راہ میں مر جانا موت نہیں ہے بلکہ وہ زندگی ہے اور عمدہ زندگی ہے اور بہت بڑی زندگی ہے۔

جو حضرات شہید ہو گئے وہ نہ صرف اپنی نعمتوں میں خوش ہیں بلکہ وہ ان مسلمانوں کے بارے میں بھی خوش ہو رہے ہیں، جو ان تک ابھی نہیں پہنچے اس دنیا میں ان سے پیچھے رہ گئے۔ کہ اگر یہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو ان پر بھی ہماری طرح انعام ہو گا، نہ خوف زدہ ہوں گے نہ مغموم ہوں گے، وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا، نہ اس نے ہمارا اجر ضائع فرمایا نہ ہمارے بعد میں آنے والے اہل ایمان کا اجر ضائع فرمائے گا۔

قال صاحب الروح صفحہ ۱۲۳ : ج ا ای یستبشرون بما تبین لهم من حسن حال اخوانهم الذین ترکوهم احیاء وهو انهم عند قتلهم فی سبیل الله تعالیٰ یفوزون کما فازوا او یحوزون من النعیم کما حازوا.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: یعنی اپنے زندہ بھائیوں کے اچھے حالات و اعمال کی خبر ملنے پر خوش ہوتے ہیں کہ وہ بھی قتال فی سبیل اللہ میں کامیاب ہوتے ہیں جیسا کہ یہ کامیاب ہوئے' یا وہ بھی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جیسا کہ یہ ہوئے)

حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کا مطلب معلوم کیا انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطلب معلوم کر چکے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں ان کے لئے قندیل ہیں جو عرش سے لٹکے ہوئے ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں واپس آ جاتے ہیں، اللہ جل شانہٗ نے خاص توجہ فرمائی اور ان سے دریافت فرمایا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے انہوں نے عرض کیا ہمیں کس چیز کی خواہش ہو گی؟ اور حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ اسی طرح سوال فرمایا جب انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ جواب دینا ہی پڑے گا، جب تک خواہش کا اظہار نہ کریں سوال ہوتا ہی رہے گا تو اللہ تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کر دی جائیں تا کہ ہم ایک بار پھر آپ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں جب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ انہیں اور کوئی حاجت نہیں ہے تو سوال کرنا چھوڑ دیا گیا (اول تو کسی چیز کی خواہش ظاہر نہ کی اور ظاہر کی بھی تو یہ کہا کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ واپس بھیج دیا جائے تا کہ ایک بار پھر شہید ہو جائیں وہاں سے واپس آنے کا قانون نہیں اور اس کے سوا اور کچھ مانگتے نہیں، لہٰذا آگے سوال نہیں فرمایا) (رواہ مسلم صفحہ ۱۳۵: ج ۲)

شہادت اور شہدا کی فضیلت کا مزید بیان سورہ بقرہ کی آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو مان لیا اس کے بعد کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا ان میں سے جنہوں نے نیکی کے کام کئے

وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے بہت بڑا ثواب ہے یہ ایسے ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے، لہٰذا تم ان سے ڈرو تو

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَّقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ

ان کی اس بات نے ان کا اور زیادہ ایمان بڑھا دیا، اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے ان کو کچھ بھی

سُوءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ

تکلیف نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضا مندی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے یہ جو بات پیش آئی صرف اس وجہ سے کہ شیطان

أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾

اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

صحابہ کی تعریف جنہوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا

تفسیر: درمنثور صفحہ ۱۰۱: ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی (غزوہ احد کے بعد) واپس ہوئے اور مشرکین کا آپس میں مشورہ ہوا کہ ہم شکست دے کر واپس آ گئے (یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) سب مسلمانوں کو ختم ہی کر دیتے لہٰذا واپس چل کر پھر حملہ کریں، اس کی خبر آنحضرت ﷺ کو ہوگئی تو آپ اپنے صحابہ کو لے کر ان کے پیچھے چلے اور مقام حمراء الاسد تک ان کا پیچھا کیا جب ابوسفیان کو یہ پتہ چلا کہ آپ ہمارے پیچھے آ رہے ہیں تو ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا، راستے میں بنی عبدالقیس کے چند سواروں سے ملاقات ہوئی ان سے ابوسفیان نے کہہ دیا کہ تم محمد ﷺ کو کہہ دو کہ ہم واپس لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو بالکل ہی ختم کر دیں، ان لوگوں کو حمراء الاسد میں آنحضرت سرور ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ابوسفیان کی بات نقل کر دی اس پر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** کہا کہ (اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارا کارساز ہے)

اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی (جس میں مسلمانوں کی تعریف ہے کہ غزوہ احد میں زخم خوردہ ہونے کے بعد بھی) اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی بات مان لی اور دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے حمراء الاسد تک پیچھا کیا اور جب دشمن کی طرف سے یہ بھبکی ملی کہ ہم نے بہت سا سامان تیار کر لیا ہے۔ تو حسبنا اللہ ونعم الوکیل مضبوط اعتقاد اور یقین کے ساتھ پڑھ لیا اور دشمن واپس نہ ہوئے اور سیدھے مکہ معظمہ چلے گئے۔

اور ابن شہاب زہری سے بحوالہ بیہقی فی الدلائل نقل کیا ہے کہ ابوسفیان نے چلتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ اب بدر میں جنگ ہوگی جہاں تم نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا تھا اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ بدر کے لئے روانہ ہوئے ساتھ ہی تجارت کے لئے سامان بھی لے لیا تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو جنگ کر لیں گے، ورنہ تجارت تو ہو ہی جائے گی، جب یہ حضرات بدر کے لئے جا رہے تھے تو راستہ میں شیطان نے اپنے دوستوں کو ان کے ڈرانے کے لئے کھڑا کر دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے مقابلہ کے لئے بہت سا سامان تیار کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا تم اپنے ارادہ سے باز آؤ اور احتیاط سے کام لو دشمن تم سے جنگ کرے گا اور تمہارا سامان چھین لے گا ان شیطانی حرکتوں کا ان حضرات پر کچھ اثر نہ ہوا اور برابر چلتے رہے حتیٰ

کہ بدر میں پہنچ گئے وہاں دشمن کا نام ونشان بھی نہ تھا انہوں نے اپنے اموال کو فروخت کیا اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے۔

مذکورہ بالا آیات میں حضرات صحابہؓ کی تعریف ہے جو غزوہ احد میں چوٹ کھانے کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور دشمن کی جھوٹی بھبھکیوں اور شیطان کی حرکتوں کا بھی ذکر ہے اور مسلمانوں کو جو مال تجارت میں نفع حاصل ہوا اس کا بھی تذکرہ ہے۔ شیطان کے دوستوں نے جو ڈرایا کہ تمہارا دشمن ایسے ایسے سامان حرب سے لیس ہو کر حملہ آور ہونے والا ہے اس کا اثر لینے کی بجائے وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوئے اور مضبوط یقین کے ساتھ انہوں نے حسبنا اللہ و نعم الوکیل کہا جس سے ان کا قلب قوی ہوا ایمان بڑھ گیا، مومن بندوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے، شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتیں ہی ہیں لیکن مسلمان کو اللہ کافی ہے اور وہی ان کا کارساز ہے، اگر اللہ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا، شیطان اور اس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ أَلَّا

اور آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو تیزی کے ساتھ کفر میں جا پڑتے ہیں بے شک وہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے، اللہ چاہتا ہے

يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ

کہ ان کو آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ دے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، بیشک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا

بِالْإِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّمَا

وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں

نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾

وہ ان کی جانوں کے لئے بہتر ہے بات یہی ہے کہ ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کرلیں اور ان کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

جو لوگ تیزی کے ساتھ کفر میں گرتے ہیں ان کے عمل سے رنجیدہ نہ ہوں

تفسیر: اس آیت میں حضرت رسول اکرم ﷺ کو اللہ پاک نے تسلی دی ہے، خطاب تو آپ کو ہے لیکن تسلی کے مضمون میں تمام مسلمان شریک ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تیزی کے ساتھ کفر میں گر رہے ہیں اور کفر انہیں خوب زیادہ مرغوب ہے ان کی حرکتوں اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف ان کی کوششوں سے رنجیدہ نہ ہوں اور یہ اندیشہ نہ کریں کہ یہ لوگ آپ کو نقصان پہنچا دیں گے اور آپ کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کر دیں گے۔

قال صاحب الروح صفحہ ۱۳۳ : ج۴ والمراد لا یحزنک و خوف ان یضروک ویعینوا علیک (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں لا یحزنک سے مراد یہ ہے کہ آپ کی مضرت رسانی اور اپنے مخالفوں کے لئے ان کی مدد کا غم نہ کریں)

حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا ہے کہ اَلَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ سے یہاں منافقین مراد ہیں جنہوں نے غزوہ

احد میں شرکت نہیں کی، اور حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ اس سے تمام کفار مراد ہیں، آیت نازل ہونے کے وقت خواہ منافقین ہی مراد ہوں لیکن مضمون عام ہے، تمام کافروں کی ہر قسم کی حرکتیں سامنے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کو غمگین نہیں ہونا چاہیئے۔ کافر تیزی کے ساتھ کفر میں پڑتے ہیں، اور اسلام کے خلاف کافرانہ سازشیں کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں مضاف مقدر ہے، مطلب یہ ہے کہ لن یضروا اولیاء اللہ شیئا اور بعض اکابر نے یہاں لفظ ''دین'' کو مقدر مانا ہے ای لن یضروا دین اللہ شیئا، یعنی یہ لوگ اللہ کے دین کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے کافروں کی سازشیں ہمیشہ سے رہیں اور برابر رہیں گی، مومن بندے غمگین نہ ہوں کیونکہ دشمن کو تو دشمنی کرنی ہی ہے لیکن انکی دشمنی سے اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا جسے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا وہی تمہارا مددگار ہے، لہٰذا اسی پر بھروسہ کرو اور اس سے مدد مانگو۔

دشمن جو تیزی سے کفر میں گر رہے ہیں اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا ذرا سا حصہ بھی نہ ہو ظاہری دنیا کے اعتبار سے ان کو غلط فہمی ہے کہ ہم اچھے رہے کہ اسلام قبول نہ کیا اور اپنے جان و مال کو بچا لیا۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ آخرت کے منافع سے بالکل محروم ہوگئے بلکہ وہ وہاں بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــٴًـاۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (بیشک جن لوگوں نے ایمان کو کفر کے بدلہ خرید لیا وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے، اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک) کفر کو ایمان کے بدلے خرید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کے بدلہ کفر اختیار کر لیا۔ ایمان کو چھوڑ کر کفر کو رغبت کی چیز بنا لی۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہاں جو مکرر لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئاً فرمایا یہ بطور تاکید کے ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس سے تعریض مقصود ہو اور مطلب یہ ہو کہ یہ لوگ صرف اپنی ہی ذاتوں کو ضرر دے رہے ہیں۔ اللہ کو کوئی ضرر نہیں دے سکتے اور اپنی حرکتوں کی وجہ سے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

پھر فرمایا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًاۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ (اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کر لیں اور ان کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا) کافروں کو جو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم تو بہت اچھے حال میں ہیں۔ صاحب مال ہیں، صاحب اولاد ہیں، کھاتے پیتے ہیں، ہمیں اسی حال میں اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور ہماری زندگیاں دراز ہو رہی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہیں ہے یہ ان کی نا سمجھی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے ڈھیل دینے کو یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے حق میں بہتر ہے، ہم تو صرف اس لئے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ گناہوں میں ترقی کرتے چلے جائیں پھر ان کو خوب زیادہ سزا ملے، اور سزا بھی خوب ذلیل کرنے والی ہوگی۔ یہ مضمون قرآن مجید میں کئی جگہ میں وارد ہوا ہے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ (اور جن لوگوں نے کہ ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو اس طور پر بتدریج لئے جا رہے ہیں کہ ان کو علم بھی نہیں اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے) سورہ توبہ میں فرمایا

فَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَتَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ (سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں)۔

مسلمانوں کو بھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ دنیا میں مال اولاد زیادہ ہونا دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ جس کے پاس یہ چیزیں ہوں، وہ اللہ کا محبوب ہی ہو اللہ تعالیٰ جن سے ناراض ہے ان کو بھی یہ چیزیں دیتا ہے بلکہ اپنے محبوبین سے زیادہ دیتا ہے، اپنے دشمنوں کو جو دنیاوی چیزیں زیادہ عنایت فرماتا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ لوگ کفر اور معاصی میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرتے رہیں پھر ان کو یکبارگی سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جائے اسی طرح بہت سے فاسقوں اور فاجروں کو بھی مال بہت زیادہ دیتا ہے، مخلصوں اور متقیوں کو اتنا نہیں دیتا۔ جن لوگوں کو اللہ کا تکوینی قانون معلوم نہیں ہے وہ اس پر تعجب کرتے ہیں اور بعض تو تعجب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتراض بھی کر دیتے ہیں جنہیں ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ حلال مال مل گیا گو تھوڑا ہی ہو وہ بہت مبارک ہے اور جسے کفر کے ساتھ مال دولت مل گیا یا فسق و فجور کے ساتھ مال مل گیا جس کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں یا وہ شخص فسق و فجور میں ترقی کرتے رہتے ہیں، تو یہ کوئی نعمت کی چیز نہیں ہے۔ استدراج کا خطرہ پیش نظر رہنا چاہیئے اگر مال حلال ہی ہو اور گناہوں میں خرچ ہو تو یہ زبردست مواخذہ کی چیز ہے اور اگر حرام ہو تو وہ تو سراپا عذاب ہی عذاب ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت سے دوچار ہونا ہے اس کے لئے اللہ کے نزدیک ایک قاتل ہے جو کبھی نہ مرے گا یعنی دوزخ کی آگ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۷)

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ۭ وَمَا کَانَ

اللہ مومنین کو اس حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ فرمادے، اور

اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ

اللہ تم کو امور غیب پر مطلع نہیں فرماتا لیکن اللہ منتخب فرمالیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے سو ایمان لاؤ اللہ پر

وَرُسُلِہٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان پر قائم رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے ثواب عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ اچھے اور برے لوگوں میں امتیاز فرمائے گا

تفسیر: منافقین مخلص مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے ان کے ظاہری دعووں کی وجہ سے اور بعض نمازوں میں حاضر ہونے کی وجہ سے ظاہری طور پر یہ امتیاز نہ ہو پاتا تھا کہ منافق کون ہے اور مخلص کون ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو اس حالت پر نہیں رکھنا چاہتا جس پر تم اب ہو بلکہ اللہ پاک کی طرف سے ایسے شدائد اور مصائب پیش

آتے ہیں اور پیش آئیں گے کہ ناپاک لوگ یعنی منافقین کا پاک لوگوں (یعنی مومن مخلصین) سے امتیاز ہو جائے کیونکہ مصیبت کے وقت اپنے پرائے کا اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے۔

پھر فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اس میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ تمہیں منافقین کے نفاق پر اس طرح مطلع فرما دیں کہ تم ان کے قلوب کو جان لو ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، حکمت یہ ہے کہ عملی طور پر ظاہری طریقے پر منافقوں کا نفاق کھل جائے اور وہ اس طرح سے واضح ہو کہ جب مصیبتیں پیش آئیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے مواقع آئیں تو منافقین بھاگ نکلیں غزوہ احد میں عمل سے بھی راہ فرار اختیار کی اور زبانی طور پر بھی ایسے کلمات بول اٹھے جن سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں۔ اگر مسلمانوں کو منافقوں کے قلوب کا حال بتا دیا جاتا اور مسلمان اپنے اسی علم کی بنیاد پر یہ کہتے کہ تم منافق ہو مسلمان نہیں ہو تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ تمہارے پاس ہمارے منافق ہونے کی کیا دلیل ہے تم غلط کہتے ہو ہم تو سچے پکے مسلمان ہیں، لیکن جب مصیبتوں کا سامنا ہوا اور منافق بھاگ کھڑے ہوئے تو ظاہری طور پر خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو گئے اور اب ان کا یہ منہ نہ رہا کہ مومن مخلص ہونے کا دعویٰ کریں۔

ہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے غیب کی بات بتا دیتا ہے اس غیب میں یہ بھی ہے کہ کسی کا نفاق اور دل کا چور اپنے رسول اللہ ﷺ کو بتا دے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پر ظاہر فرمائے یا مصائب اور شدائد اور تکالیف اور قربانی کے مواقع سامنے لا کر منافقین کا نفاق ظاہر فرمائے اور سب کے سامنے رسوا فرمائے یہ سب حکمت کے مطابق ہے۔

قال صاحب الروح صفحہ ۱۳۷: ج ۴ والاستدراک اشارة الىٰ كيفية وقوعه على سبيل الاجمال و ان المعنى ماكان الله ليترک المخلصين على الاختلاط بالمنافقين بل يرتب المبادئ حتى يخرج المنافقين من بينهم وما يفعل ذلک باطلاعكم على ما فى قلوبهم من الكفر والنفاق ولكنه تعالىٰ يوحى الى رسوله ﷺ فيجزه بذلک وبما ظهر منهم من الاقوال والافعال حسبما حكى عنهم بعضه فيما سلف فيفضحهم على رؤس الاشهاد ويخلصكم مما تكرهون (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور لٰكِنَّ سے استدراک اجمالی طور پر منافقین کی اطلاع کے وقوع کی طرف اشارہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلصوں کو منافقین کے ساتھ ملا ہوا نہیں چھوڑے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کرے گا کہ منافقین جدا ہو جائیں گے اور اس سے ان کے دلوں میں موجود کفر و نفاق کی اطلاع کر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی طرف وحی کر کے اس کی خبر دیتا ہے اور اس سلسلہ میں ان سے ظاہر ہونے والے افعال و اقوال کو واضح کرتا ہے کہ خود انہیں کے لوگ اپنی گذشتہ کسی بات کو ظاہر کر دیتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ انہیں سب کے سامنے رسوا کر دیتا ہے اور تمہیں تکلیف دہ امور سے بچا لیتا ہے)

آخر میں فرمایا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) یعنی اسی پر ثابت قدم رہو اور اگر تم مومن رہو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بخل کرنا ان کے لئے بہتر ہے،

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے، جس چیز کے ساتھ انہوں نے بخل کیا، عنقریب قیامت کے دن کو اس کا طوق پہنایا جائے گا اور اللہ کے لئے آسمانوں کی اور

وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۸۰

زمین کی میراث ہے اور اللہ ان کاموں کی خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

جو لوگ بخیل ہیں وہ بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں

تفسیر: جو لوگ مومن نہ تھے وہ اللہ کی راہ میں جس طرح جان دینے سے بچتے تھے اسی طرح مال خرچ کرنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ اس آیت میں بخل کی مذمت فرمائی اور فرمایا کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ عمل ان کے لئے بہتر ہے۔ یہ تو ان کے لئے بہت ہی برا ہے اور اس کا برا انجام آخرت میں سامنے آئے گا، ان کا مال قیامت کے دن طوق بنا کر ان کے گلوں میں ڈال دیا جائے گا حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اللہ نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بنا دیا جائے گا۔ (جس سانپ کے زیادہ زہریلا ہونے کی وجہ سے سر کے بال اڑ گئے ہوں اسے گنجا سانپ کہا جاتا ہے) یہ گنجا سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا پھر وہ اس کی دونوں باچھوں کو پکڑ کر کہے گا **انا مالک انا کنزک** (کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ (الآیہ) (رواہ البخاری صفحہ ۱۸۸: ج۱) پھر فرمایا وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یعنی آسمانوں کی اور زمین کی میراث سب اللہ کے لئے ہے سب کا وہی مالک ہے ملکیت حقیقی میں کوئی اس کا ساجھی نہیں، اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کا حکم نازل ہونے پر خرچ نہ کرنا اور مال خرچ کرنے میں اللہ کی رضا کا خیال نہ کرنا بڑی بے وقوفی ہے جن مالوں کو آپس میں یکے بعد دیگرے میراث میں تقسیم کر لیتے ہیں وہ اولاً آخراً سب اللہ ہی کا ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اور جو بھی عمل کرتے ہو سخاوت ہو یا کنجوسی خیر ہو یا شر اللہ تعالیٰ کو ان سب کی خبر ہے وہ ان سب کا بدلہ دے گا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ

بلاشبہ اللہ نے سن لی ان کی بات جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، عنقریب ہم ان کی بات کو لکھ لیں گے اور جو انہوں نے نبیوں

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۱۸۱ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ

کے ناحق خون کیے ہیں اس کو بھی لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے کہ چکھ لو جلنے کا عذاب یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور

اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۸۲ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ

بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں

حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ

جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی کی چیز نہ لائے جسے آگ کھا جائے آپ فرما دیجئے مجھ سے پہلے بہت سے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور

بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ

جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی لائے پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسول جھٹلائے

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝

جا چکے ہیں وہ کھلی کھلی نشانیاں لائے اور صحیفے لائے اور روشن کتاب لائے۔

یہود کی بیہودگی اور ان کے لئے عذاب کی وعید

تفسیر: لباب النقول صفحہ ۶۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دن یہودیوں کے بیت المدارس (یعنی مدرسہ) میں تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کے پاس یہودی جمع تھے جس کا نام فنحاص تھا فنحاص نے کہا اے ابوبکر ہمیں اللہ کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور اللہ ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض کیوں مانگتا، تمہارا نبی یہ بتاتا ہے کہ اللہ قرض طلب کرتا ہے اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور فنحاص کے چہرے پر طمانچہ مار دیا۔ فنحاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور کہنے لگا اے محمد (ﷺ) دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیا کیا۔ آپ نے ابوبکر سے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے بہت سخت بات کہی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اس پر فنحاص منکر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب آیت کریمہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا نازل ہوئی تو یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد تمہارا رب تو فقیر ہو گیا، وہ بندوں سے مانگتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ (آخیر تک) نازل فرمائی۔ یہ تو مشہور ہی ہے کہ اعتراض کرنے والا اندھا ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے زکوٰۃ صدقات دینے کا جو حکم فرمایا پھر اس پر آخرت میں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا اس کو مہربانی کے طور پر قرض سے تعبیر فرما دیا کہ یہاں میرے بندوں پر خرچ کر دو اور اس کا اجر و ثواب میں تم کو آخرت میں دے دوں گا، سارے بندے اور بندوں کے سارے مال سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں وہ اگر سارا مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور بالکل کچھ بھی ثواب نہ دیتا تو اسے اس کا بھی اختیار ہے وہ تو بے غرض اور بے حاجت ہے غنی ہے مُغنی ہے بے نیاز ہے اسے کسی چیز کی حاجت نہیں اس نے ابتلاء اور امتحان کے طور پر بندوں کو حکم دیا کہ بندوں پر خرچ کریں۔ اور اپنے پاس سے دینے کا وعدہ فرما لیا۔ یہودیوں نے اس کرم اور فضل اور مہربانی کو نہ سمجھا کہ اللہ نے اپنے دیئے ہوئے مال میں سے حکم کے مطابق خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور ثواب کا وعدہ فرما لیا اور قرآن کی اس تعبیر پر اعتراض کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ اللہ فقیر ہو گیا ہم سے مانگتا ہے لہٰذا ہم مالدار ہوئے اور وہ فقیر ہوا (العیاذ باللہ)

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ انہوں نے جو کہا ہے اس کو ہم لکھ لیں گے یعنی صحائف اعمال میں اس کو درج کرا دیں گے اور ان کی یہ بات محفوظ رہے گی، جس پر ان کو سزا ملے گی۔ یہودیوں کی اس بات میں اللہ جل شانہٗ کے بارے میں

بدعقیدہ ہونے کا اظہار ہے اور قرآن کا استہزاء ہے اور ان کا ایک یہی قول باعث عذاب و عقاب نہیں ہے بلکہ وہ تو اور بھی بہت سی بری حرکتیں کر چکے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں نے ناحق انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا، یہ کام کیا تو تھا ان کے آباء واجداد نے لیکن موجود یہودیوں کو اس پر کوئی نکیر نہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے اس عمل سے راضی ہیں لہٰذا یہ بھی قیامت کے دن ان کے اعمال ناموں میں لکھا ہوا ملے گا۔ کافرانہ عقیدوں اور حرکتوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھ لو اور یہ عذاب تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے دنیا میں کئے اور آخرت میں بھیج دیئے۔ جو کچھ بھی عذاب ہے تمہارے اپنے کئے کا پھل ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد یہودیوں کی ایک اور بات نقل فرمائی پھر اس کا جواب دیا، یہودیوں نے یہ کہا کہ اے محمد ﷺ ہم تم پر کیسے ایمان لائیں، ہمیں تو اللہ نے توراۃ میں یہ حکم دیا ہے، اور تاکید فرمائی ہے کہ جو بھی کوئی شخص رسالت اور نبوت کا مدعی ہو ہم اس کی تصدیق نہ کریں جب تک کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش نہ کرے اور یہ قربانی ایسی ہو جسے آگ جلا کر بھسم کر دے یہ آگ کا جلانا دلیل اس بات کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی قبول ہوگئی اور یہ شخص جس نے قربانی پیش کی ہے واقعی اللہ کا رسول ہے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ آپ جواب میں فرما دیجئے کہ تم سے پہلے کثیر تعداد میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ان کے پاس کھلے کھلے معجزات تھے اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ قربانی پیش کی جائے جسے آگ جلا دے انہوں نے تمہارے سامنے یہ بھی کیا قربانیاں پیش کیں جنہیں آگ نے جلایا، تم تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ تم نے ان کو قتل کر دیا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو انبیاء سابقین پر ایمان لے آتے بات یہ ہے کہ تمہیں ایمان لانا نہیں ہے بطور کٹ حجتی حیلے بہانے تراشنے کے لئے ایسی باتیں کہتے ہو (روح المعانی صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۴: ج ۴)

پھر فرمایا فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ اس میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے۔ وہ حضرات کھلے کھلے معجزات لے کر آئے ان کے پاس اللہ کے عطا فرمودہ صحیفے تھے اور خوب اچھی طرح واضح کر کے بیان کرنے والی کتاب تھی۔ اس سب کے باوجود جنہیں ایمان نہ لانا تھا وہ ایمان نہ لائے اور رسولوں کی تکذیب کرتے رہے اگر آپ کی تکذیب کی جائے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ

ہر جان موت چکھنے والی ہے اور بات یہی ہے کہ تم کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، سو جو شخص بچا دیا گیا

النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں سو وہ کامیاب ہوگیا اور دنیا والی زندگی دھوکہ کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو مرنا ہے اور موت کا مزہ چکھنا ہے مومن ہو یا کافر

سب کو یہاں سے چلا جانا ہے اور زندگی کا مرحلہ موت پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ زندگی میں جو اچھے یا برے کام کئے موت کے بعد ان کا بدلہ ملے گا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، حساب ہوگا اعمال کی پیشی ہوگی قاضی روز جزا جل مجدہ فیصلے فرمائے گا، جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا اصل کامیاب وہی ہے۔

کامیاب کون ہے؟ لوگوں نے دنیا میں اپنی کامیابی کے لئے بہت سے معیار تجویز کر رکھے ہیں، حکومتوں والے سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، سیٹھ اور مہاجن اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، بڑے بڑے عہدوں پر پہنچنے والے اپنی کامیابی کے گھمنڈ میں ہیں بڑے بڑے محلوں میں رہنے والے گمان کر رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، ان لوگوں کو آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا ذرا بھی دھیان نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہے، اس میں یہودیوں کو بھی نصیحت ہوگئی جو اپنے احوال اور اموال میں مست ہیں اور کفر کو اختیار کرنے کے باوجود اپنے کو کامیاب سمجھ رہے ہیں، یہ لوگ بہت بڑی گمراہی میں ہیں۔ اور اپنی جانوں کو دوزخ میں دھکیل رہے ہیں یہاں کی عارضی زندگی کو کامیابی سمجھ رہے ہیں، اور دوزخ کے داخلے کی صورت میں جو ناکامی سامنے آئے گی اور جو جنت سے محرومی ہوگی اس بات کی طرف ذرا دھیان نہیں ہے۔

مسلمانوں کو بھی اس میں تعلیم دی گئی کہ دنیا میں کسی قوم یا فرد کی مال اور دولت والی زندگی دیکھ کر اپنے کو ناکام نہ سمجھیں، جب مومن ہو اور جنت اور دوزخ کو مانتے ہو اور یہ بھی سمجھتے ہو کہ مومن جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل ہوں گے تو اپنی وہاں کی کامیابی پر نظر رکھو اور اسی پر خوش رہو۔

دنیا دھوکہ کا سامان ہے: آخر میں فرمایا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (اور دنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں) اس جملے کی تشریح ہزاروں صفحات میں ہو سکتی ہے دنیا اور احوال دنیا اور اصحاب دنیا اور ان کے احوال پر نظر ڈالیں تاریخ کا مطالعہ کریں، بادشاہوں کی تاریخ دیکھیں، دولت مندوں کے واقعات سنیں، اپنے سامنے جو دنیا میں حوادث پیش آ رہے ہیں، ان کو دیکھیں انقلابات پر نظر ڈالیں تو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ دنیا والی زندگی صرف دھوکہ ہے جس کی مثال کھیتی کی طرح ہے آج لہلہا رہی ہے۔ کل کو سوکھ گئی کسانوں نے کاٹ پیٹ کر برابر کر دی (فاصبح هشيماً تذروه الرياح) لوگوں کے سامنے انقلابات ہیں، حوادث ہیں، قرون اولیٰ کی تاریخ ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ مریں گے۔ پھر بھی دنیا ہی سے دل لگائے ہوئے ہیں اسی کے لئے سوچتے ہیں، اسی کے لئے جیتے ہیں اسی کے لئے مرتے ہیں اور آخرت کی دائمی اور عظیم نعمتوں کے حاصل کرنے کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذرا دھیان نہیں کرتے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

تم لوگ ضرور ضرور آزمائے جاؤ گے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور جن لوگوں نے شرک کیا ان کی طرف سے ضرور بالضرور بہت سی باتیں دل آزاری کی سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

جانوں اور مالوں میں تمہاری ضرور آزمائش ہوگی

تفسیر: اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو بتادیا ہے کہ صبر اور آزمائش کے جو واقعات تمہارے سامنے آئے یہ نہ سمجھو کہ یہ آخری ہیں ان کے بعد بھی ایسے واقعات پیش آتے رہیں گے، جن سے تمہاری آزمائش ہوتی رہے گی، یہ آزمائش جانوں میں بھی ہوگی اور مالوں میں بھی ہوگی، ہمت اور حوصلہ کے ساتھ سب کو برداشت کرتے رہو، نیز اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہیں ایذا پہنچاتے رہیں گے اور ان سے ایسی باتیں سنو گے جن سے تمہیں دکھ پہنچے گا، دشمن اپنی حرکت سے باز نہ آئے گا، تمہیں ان کی ایذاؤں سے اور بدزبانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ صبر اختیار کرو اور تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دو تمہارے لئے اسی میں خیر ہے اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنا ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

صبر کرنے سے تسلی ہوتی ہے اور تقویٰ سے اعمال صالحہ کی تکمیل ہوتی ہے جب یہ دونوں چیزیں اختیار کرلیں دشمن کی دل آزاریوں سے صرف نظر کرنا آسان ہوگا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے مضبوط عہد لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم ضرور ضرور کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور اس کو نہ چھپانا سو انہوں نے اس کو اپنی

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

پشتوں کے پیچھے ڈالدیا اور انہوں نے اس کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت خرید لی، سو بری ہے وہ چیز جو وہ خریدتے ہیں، آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ جو لوگ

يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ

اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے ان کے بارے میں آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ

الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

عذاب سے چھوٹ گئے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اہل کتاب سے میثاق لینا اور ان کا عہد سے پھر جانا

تفسیر: جن لوگوں کو امت محمدیہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب دی گئی جن میں یہود و نصاریٰ کے علماء بھی تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہیں دی گئی ہے اس کو لوگوں کے سامنے بیان کروگے اور کسی چیز کو چھپانا نہیں۔

عہد کی ان لوگوں نے پاسداری نہ کی، اور اس کو پس پشت ڈال دیا اور حقیر دنیا حاصل کرنے کے لئے کتاب کے مضامین کو چھپایا اور حق کو بیان کرنے سے پیچھے ہٹتے رہے، اللہ کے عہد کو پس پشت ڈال کر اور حق کو چھپا کر جو اپنے معتقدین سے ذرا بہت دنیا حاصل کرلی یہ انہوں نے بہت بڑے نقصان کا سودا کیا اپنی آخرت برباد کی اور ذرا سی دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی حق چھپانے کے واقعات یہودیوں کی طرف سے پیش آتے رہتے تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آنحضرت سرور عالم

ﷺ نے علماء یہود سے کوئی بات پوچھی (جو توریت شریف میں تھی) ان لوگوں نے اصل بات کو چھپا دیا اور اس کی جگہ دوسری بات نقل کر دی جب وہاں سے چلے گئے تو خوش ہو رہے تھے کہ واہ ہم نے خوب کام کیا اور ان کی خواہش تھی کہ ان کی اس پر تعریف کی جائے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب بیان کر دی اس پر آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ نازل ہوئی۔

اور بعض روایات میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ منافقین میں سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے اور مدینہ منورہ ہی میں بیٹھے رہے جب آپ واپس تشریف لائے تو جھوٹے عذر پیش کئے جن پر قسمیں کھا گئے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ جو کام نہیں کیا اس پر تعریف کی جائے (یعنی جہاد کے شرکاء میں ان کو شامل کر لیا جائے) اس پر آیت کریمہ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ (آخر تک) نازل ہوئی۔ (درمنثور صفحہ ۱۰۸: ج ۲)

دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، دونوں ہی باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ انسان کے نفسانی تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور اس کی محبت اس درجہ میں ہے کہ جو عمل نہیں کئے وہ عمل اس کی طرف منسوب کئے جائیں اور پھر ان کی تعریف کی جائے یہودیوں اور منافقوں کا یہی طریقہ تھا اور بھی بہت سے لوگ اس مزاج کے پائے جاتے ہیں جو حضرات متقی اور محتاط ہیں وہ اپنے اعمال حسنہ پر بندوں کی طرف سے تعریف کئے جانے کی تمنا نہیں کرتے پھر جو عمل نہیں کئے ان پر کہاں تعریف کے متمنی ہو سکتے ہیں، حضرت امام ابو حنیفہؒ بازار سے گذر رہے تھے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ دیکھو یہ شخص پوری رات نماز پڑھتا ہے یہ سن کر حضرت امام صاحب پوری رات نماز پڑھنے لگے اور فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ اس عمل پر میری تعریف ہو جو میں نے نہیں کیا۔

یہودیوں نے اور منافقین نے جو اس بات کی آرزو کی کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم کامیاب ہو گئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ یہ لوگ عذاب سے چھوٹ گئے بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آخر میں فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اس میں بہت سی باتیں آ گئیں جو لوگ حقیر دنیا کے لئے حق چھپاتے تھے ان کو بھی بتا دیا کہ جو کچھ لینا ہے اللہ سے لو اس کی رضا کے کام کر کے لو۔ ہر چیز کا وہی مالک ہے اور مسلمانوں کو بھی توجہ دلا دی کہ اگر دنیا میں کسی فاسق فاجر کے پاس مال زیادہ ہے تو اس کی طرف نظریں نہ اٹھائیں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہ جب چاہے گا تم کو بھی عطا فرما دے گا۔ اور اس کی مشیت ہو گی تو تمہیں دشمنوں سے زیادہ عطا فرما دے گا، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں،

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے، اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں،

وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ

اے ہمارے رب آپ نے اس کو عبث پیدا نہیں فرمایا ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں سو آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دیجئے، اے ہمارے رب اس میں شک نہیں

تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

کہ جسے آپ دوزخ میں داخل فرما دیں تو واقعی آپ نے اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں، اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ

يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا

وہ ایمان کے لئے پکار رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے رب سو آپ مغفرت فرما دیجئے ہمارے گناہوں کی، اور کفارہ کر دیجئے

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

ہمارے گناہوں کا اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دیجئے، اے ہمارے رب اور ہمیں عطا فرمایئے جو آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

ہمیں رسوا نہ کیجئے بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے، پس اللہ پاک نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہ کروں گا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِھِمْ

مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے

وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَيِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور میری راہ میں ان کو ایذا دی گئی اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کئے گئے سو میں ضرور ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دوں گا، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن

مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے

عقلمندوں کی صفات اور ان کی دعائیں

تفسیر ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں کو اور زمین کو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے کا جو نظام رکھا ہے جس کے مطابق رات اور دن آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ ان کا پیدا فرمانے والا قادر مطلق ہے، خالق ہے، حکیم ہے یہ نشانیاں ایسی ہیں کہ عقل والے ان کو دیکھتے ہیں اور ان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب یہ جو کچھ آپ نے پیدا فرمایا ہے بے کار عبث اور لایعنی نہیں ہے۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تو ہمیں عذاب دوزخ سے بچا دینا۔ درمیان میں ان عقل والوں کی یہ صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ کھڑے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ کی ذات و صفات کا تذکرہ کرنا اس کی تکوین و تخلیق بیان کرنا اس کی قدرت اور حکمت کا تذکرہ کرنا یہ سب ذکر اللہ میں داخل ہے جن لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے وہی حقیقت میں عقل والے ہیں اور ان کے عقل مند اور عارف ہونے کا تقاضا یہ

ہوتا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، کھڑے ہوں چل رہے ہوں کسی حال میں ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ پر بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا باعث ہوگی، اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمائے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی جگہ میں لیٹا اس میں اللہ کو یاد نہ کیا تو اس کا یہ لیٹنا اللہ کی طرف سے اس کے لئے نقصان کا باعث ہوگا اور جو شخص کسی جگہ میں چلا اس نے اس چلنے کے دوران اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ چلنا اس کے لئے اللہ کی طرف سے نقصان کا باعث ہوگا (الترغیب ۴۰۹: ج ۲) درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی اس عالم کی روح ہے جب تک اس دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی (کما رواہ مسلم صفحہ ۸۴: ج ۱)

آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں عقلمند سمجھا جاتا ہے ان لوگوں نے اپنے طور پر سائنس کی معلومات میں اور دیگر امور کی معرفت حاصل کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ لیکن ان معلومات کے ذریعہ انہوں نے خالق کائنات جل مجدہ کو نہیں پہچانا۔ ان میں بہت سے تو خالق جل مجدہ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ اسے موجود مانتے ہیں، وہ بھی اس کے صفاتِ جلال و جمال کو نہیں جانتے۔ اور اس کی تکوینی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اس کے مظاہر قدرت سے اس کی معرفت حاصل کرنے کی بجائے مادہ ہی کو یا طبیعت ہی کو سب کچھ مانتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں کہ طبیعت خود ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گئی یہ ان لوگوں کی اپنے خالق کی معرفت سے محرومی ہے، پھر انہیں یہ احساس نہیں کہ ہم کیوں پیدا ہوئے اور اس دنیا کے بعد ہمارا کیا بنے گا، اور یہ کہ ہمارے خالق نے زندگی گزارنے کا جو نظام بھیجا ہے وہ ہم پر قبول کرنا فرض ہے، ان کے علوم اور تجربات سب اسی دنیا تک ہیں۔ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ۔

اولوالالباب (عقل والے لوگوں) کی جو دعائیں ذکر فرمائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ (کہ اے ہمارے رب بلاشبہ آپ جسے دوزخ میں داخل فرمائیں اسے رسوا فرمائیں گے) اور یہ ایسی رسوائی ہے جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ دوزخ کا عذاب عَذَابٌ مُّهِيْنٌ یعنی ذلیل کرنے والا ہے اور وہاں کی رسوائی سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ تمام اولین و آخرین کے سامنے ذلیل ہونا بہت بڑی رسوائی ہے لوگ یہ تو سوچتے ہیں کہ دنیا میں رسوائی نہ ہو اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ رہنے کا کوئی خیال نہیں رکھتے" وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ پھر فرمایا وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا) سب سے بڑا ظلم کفر ہے۔ کما قال تعالیٰ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، میدانِ قیامت میں کافروں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار اور نہ سفارشی۔

اولوالالباب یعنی عقل والوں کی یہ دعا بھی ذکر فرمائی۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار سنی جو ایمان کی دعوت دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے، سو ہمارے

گناہوں کو معاف فرما اور ہمارے گناہوں کا کفارہ فرما اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دیجئے اے ہمارے رب اور ہمیں وہ اجر ثواب عطا فرما جس کا ہم سے آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے اور بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے اس دعا میں جو مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِ یْمَانِ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے مفسرین کے دو قول لکھے ہیں۔

اول یہ کہ اس سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی مروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآن کریم مراد ہے مفسر طبری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایسا منادی ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور ایمان کی دعوت دیتا رہے گا۔

پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جس کو بھی (تا قیامت) رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی اور آپ کی دعوت پہنچی (اگرچہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے) ان سب کے حق میں آپ منادی اور ہادی اور داعی ہیں۔ اس لئے بعد میں آنے والے بھی آپ کے بارے میں سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِ یْمَانِ کہہ سکتے ہیں، لہٰذا پہلا قول بھی صحیح ہے۔

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ مُنادیاً فرمایا اور داعیاً نہیں فرمایا کیونکہ نداء معنوی اعتبار سے ابلغ ہے، کیونکہ نداء آواز بلند کرنے کے بغیر نہیں ہوتی اور ظاہر ہے نداء دور تک پہنچتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبوں میں خوب بلند آواز سے نصیحت اور موعظت فرماتے تھے۔ اور حاضرین سے یہ بھی فرماتے تھے، **لیبلغ الشاھد منکم الغائب** (یعنی جو لوگ موجود ہیں ان لوگوں کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں)

فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا اس میں فاء تفریعیہ ہے مطلب یہ کہ ہم منادی کی آواز سن کر ایمان لے آئے لہٰذا ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے، چونکہ مغفرت ایمان پر مرتب ہے اس لئے درمیان میں فاء لائی گئی۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان نہ ہو تو گناہوں کی مغفرت نہیں ہوسکتی اور کافر کی توبہ کافر ہوتے ہوئے مقبول نہیں)

وَ کَفِّرْعَنَّا سَیِّاٰتِنَا (اور ہماری برائیوں کا کفارہ فرما دیجئے، ذُنُوْبَنَا کے بعد جو سَیِّاٰتِنَا لایا گیا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ذُنُوْبَنَا سے پہلے گناہ اور سَیِّاٰتِنَا سے پچھلے گناہ مراد ہیں۔ اور دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ ذُنُوْبَنَا سے کبائر اور سَیِّاٰتِنَا سے صغائر مراد ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ذُنُوْبَنَا سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا یہ جانتے ہوئے ارتکاب کیا ہو کہ یہ گناہ ہیں اور سَیِّاٰتِنَا سے وہ گناہ مراد ہیں جو جہالت اور لاعلمی کی بناء پر صادر ہوگئے ہوں (چونکہ لاعلمی بھی گناہ ہے اس لئے ایسے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی بھی ضرورت ہے (روح المعانی صفحہ ۱۶۴: ج ۴)

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (اور ہمیں نیک آدمیوں کے ساتھ وفات دیجئے) مطلب یہ ہے کہ ہمیں صالحین میں شمار فرمایئے اور موت کے بعد ہم سے وہی معاملہ فرمایئے جو نیک آدمیوں کے ساتھ ہوگا، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے

اپنی دعا میں یوں کہا تھا ''تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ'' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ مَعَ الْاَبْرَارِ میں تواضع ہے اور حسن ادب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ابرار میں سے تو نہیں ہیں لیکن ہمیں ابرار میں شامل فرما دیجئے ہم اس کے امیدوار ہیں۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

(اور اے ہمارے رب جس کا ہم سے آپ نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطا فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے اور بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے)

ایمان اور اعمالِ صالحہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو اجر و ثواب عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اس میں اس کے ملنے کی عاجزانہ درخواست ہے، اعمال میں جو کمی اور کوتاہی ہو اس سے درگزر فرما کر وہی ثواب پورا پورا عطا کیجئے، جس کا رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور بعض حضرات نے مَا وَعَدْتَنَا سے نصرت علی الاعداء یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمانے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ مراد لیا ہے، اگر نصر علی الاعداء مراد لیا جائے تو اس سے عطاء دنیوی مراد ہوگی جیسا کہ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ سے عطاء اخروی مراد ہے جسے آخرت میں ثواب مل گیا اور وہاں کے عذاب سے محفوظ ہو گیا وہ وہاں کی رسوائی سے بچ گیا۔

اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے) ان الفاظ میں اپنی دعاؤں کی مقبولیت کا یقین ظاہر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جو دعائیں ہم نے کی ہیں وہ ضرور قبول ہوں گی، اس کا وعدہ سورہ بقرہ کی آیت اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ میں اور سورہ مومن کی آیت وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں فرمایا ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں تذییل لتحقیق ما نظموا فی سلک الدعاء.

المیعاد سے بعث بعد الموت بھی مراد ہو سکتا ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور صحیح ہے، اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ یوم الحساب کا جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے وہ ضرور واقع ہوگا، اس دن کے حساب اور عذاب سے ہمیں محفوظ فرمائیے اور ہمیں اس دن رسوا نہ کیجئے۔

دعاؤں کی مقبولیت: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی (سو ان کے رب نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت اعمال کا ثواب سب کو ملے گا، جو بھی کوئی فرد ایمان قبول کرے گا، اعمال صالحہ میں لگے گا، دعائیں کرے گا اس کا کچھ بھی ضائع نہ ہوگا، جیسے مردوں کے اعمال صالحہ مقبول ہیں اسی طرح عورتوں کے اعمالِ صالحہ بھی مقبول ہیں۔

بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ (تم میں سے بعض بعض سے ہیں) اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں ماقبل سے مرتب ہونے کے اعتبار سے ''ضحاک'' کا قول اقرب معلوم ہوتا ہے جسے معالم التنزیل صفحہ ۳۲۷: ج ا میں نقل کیا ہے رجالکم شکل

نسائکم و نسائکم شکل رجالکم فی الطاعۃ یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں مرد عورتوں کی طرح اور عورتیں مردوں کی طرح ہیں۔ جو بھی فرمانبردار ہوگا اپنا اجر و ثواب پائے گا۔ نیز اعمال خیر میں مرد عورتوں کے اور عورتیں مردوں کی معاون ہیں ایک دوسرے کے لئے خیر کا سبب ہیں جیسا کہ سورہ توبہ میں فرمایا وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (اور مومن مرد مومن عورتیں بعض بعض کے معاون اور مددگار ہیں)۔

مہاجرین اور مجاہدین کا ثواب: فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (الی قولہ تعالیٰ) وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں انہیں ایذا دی گئی اور جنہوں نے قتال کیا اور جو مقتول ہوئے میں ضرور ضرور ان کی برائیوں کا کفارہ کردوں گا اور ضرور ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان کو اللہ کی طرف سے بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے)۔

اس آیت میں چند اعمال خیر کا تذکرہ فرمایا پھر اصحاب اعمال کے بدلہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور یہ حضرات جنت میں داخل ہو جائیں گے جن اعمال کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک ہجرت ہے۔ جن لوگوں نے دشمنوں کے مجبور کرنے سے دین حق پر باقی رہنے کے لئے اپنے وطن کو اور جاگیر و جائداد اور اعزہ و اقربا کو چھوڑا ان کی بڑی قربانی ہے، نیز اللہ کی راہ میں جن لوگوں کو تکلیفیں پہنچائی گئیں اور وہ صبر و استقامت کے ساتھ ایمان پر باقی رہے اور اعمال صالحہ میں لگے رہے یہ عمل بھی بہت بڑا ہے جسے وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ سے تعبیر فرمایا، نیز اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کا بھی تذکرہ فرمایا جس میں کافروں کو قتل کیا جاتا ہے اور اہل ایمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں اس عمل کو وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا سے تعبیر فرمایا، جہاد بہت بڑا عمل ہے جیسے ایک حدیث میں چوٹی کا عمل بتایا، (ذروۃ سنامہ الجھاد "مشکوٰۃ ص۱۴") مذکورہ بالا اعمالِ خیر کا بدلہ تکفیر سیئات اور دخولِ جنت کی صورت میں ہوگا، آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ اس میں عمومی طور پر فرما دیا کہ نیک اعمال کا جو بدلہ اللہ کے پاس سے ملے گا وہ اچھا ہی ہوگا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ

ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو کافروں کا شہروں میں آنا جانا یہ تھوڑا سا نفع ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ برا بچھونا ہے، لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے، اور جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیک بندوں کے لئے۔

کافروں کے احوال و اموال دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں

تفسیر: گذشتہ آیت میں اہل ایمان کا اجر و ثواب بتایا ہے اہل ایمان میں تنگدست فقراء اور مساکین بھی ہوتے

ہیں۔ اور دنیاوی احوال واموال کے اعتبار سے ان میں ایک گونہ کمزوری ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اہلِ کفر کو جو دنیا میں ادھر ادھر آنے جانے اور اموال کمانے کی قدرت اور وسعت دی گئی ہے یہ کوئی قابلِ رشک چیز نہیں ہے ان لوگوں کی خوشحالی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے یہ تو چند دن کی بہار ہے اس کے بعد ان کے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔ عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ جہنم کا عذاب ہے جو آگ ہی آگ ہے ایسی خوشحالی پر کیا رشک کرنا جس کے کچھ عرصہ کے بعد آگ کے دائمی عذاب میں داخل ہونا پڑے۔ اسباب النزول صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ خوشحال تھے تجارت کرتے تھے اور دنیا کے ساز وسامان سے منتفع ہوتے تھے۔ بعض اہل ایمان کے منہ سے نکل گیا کہ اللہ کے دشمن تو اچھے حال میں ہیں اور ہم بھوک اور مشقت سے ہلاک ہو رہے ہیں اس پر آیت لَا یَغُرَّنَّکَ آخر تک نازل ہوئی۔

جہنم کے بارے میں کہیں بِئْسَ الْمَصِیْرُ اور کہیں بِئْسَ الْمِهَادُ فرمایا اور کہیں دوسرے الفاظ میں اس کا برا ٹھکانا ہونا بتایا۔ یہاں بِئْسَ الْمِهَادُ برا بچھونا جو فرمایا ہے۔ سیاق کلام کے اعتبار سے نہایت ہی برمحل ہے۔ کیونکہ جو لوگ اصحاب اموال ہوتے ہیں دنیاوی چیزوں سے منتفع اور متمتع ہونے کے جو ان کے طریقے ہیں، ان میں جہاں عمدہ کھانا پینا اور لباس فاخر ہوتا ہے وہاں بستر ے بھی عمدہ اور نرم ہوتے ہیں۔ آیت شریفہ میں بتادیا کہ ان کے یہاں کے بستروں کو نہ دیکھو ان کے اصلی اور دائمی بستر پر نظر کرو جو دوزخ کی آگ کا ہوگا، وہاں آرام کا نام نہیں اور نیند کا گمان نہیں۔

نزول قرآن کے وقت سفر کے ذرائع یہی چوپائے تھے گھوڑے، اونٹ خچر وغیرہ۔ دورِ حاضر میں سیارے اور طیارے ہیں جن سے تقلُّب کا مفہوم بہت زیادہ واضح ہے ایک شخص ایک ہی دن میں ایشیا میں بھی ہے اور یورپ میں بھی، دوسرا شخص امریکہ جاتا ہے پھر شام تک واپس بھی آجاتا ہے، ایشیا والوں کے لئے افریقہ اور آسٹریلیا ایسے ہیں جیسے کبھی دو تین میل کی مسافت تک جا کر واپس آجاتے تھے۔ یہ تقلب کا بہت بڑا مصداق ہے، قرآن مجید میں جو لفظ تقلُّب ہے قیامت تک آنے والی سواریوں کے لئے شامل ہے۔

سورہ مومن میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا مَا یُجَادِلُ فِیْ اٰیَاتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْکَ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ (نہیں جھگڑتے ہماری آیات کے بارے میں مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ سو دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو شہروں میں ان کا چلنا پھرنا)۔

متقیوں کا ثواب:

پھر فرمایا لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (جو لوگ اپنے رب سے ڈریں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے) اس میں تسلی ہے اہل ایمان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے وہ نعمتیں ملیں گی جو اہل کفر کے تصور میں بھی نہیں۔ ان کی نعمتوں کو ہیچ سمجھو۔ ان کی نعمتیں ان کے لئے باعثِ عذاب ہیں اور تمہاری نعمتیں واقعی اور حقیقی اور دائمی ہوں گی جو اللہ کی طرف سے بطور مہمانی کے عطاء کی جائیں گی۔ کما قال تعالیٰ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ

لِّلۡاَبۡرَارِ (یعنی اللہ کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک بندوں کے لئے بہتر ہے) کیونکہ یہ دائمی ہے اور کثیر در کثیر اور کافروں کے پاس قلیل در قلیل ہے اور عارضی ہے۔

وَ اِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ

اور بلاشبہ بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف

خٰشِعِيۡنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ

جو عاجزی کرنے والے ہیں اللہ کے لئے وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے بدلہ تھوڑی سی قیمت، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس،

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝

بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

مومنینِ اہلِ کتاب کا اجر

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب سب ہی ایسے نہیں جو کفر پر جمے رہیں۔ اور اللہ کے آخری نبی اور آخری کتاب کے انکار پر تلے رہیں۔ بلکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تم پر یعنی اہل اسلام پر نازل ہوئی ہے، اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب ان پر اتاری گئی (یعنی ان کے انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے) اس پر بھی ایمان لاتے ہیں، ان میں عناد اور تکبر نہیں ہیں۔ وہ اللہ کے سامنے جھکتے ہیں اور اللہ کی آیات کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت حاصل نہیں کرتے یعنی یہ لوگ طالبِ دنیا نہیں ہیں جو پوری کی پوری آخرت کے مقابلہ میں ذرا سی چیز ہے یہ لوگ آخرت کے طالب ہیں اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اللہ کے ہاں ان کو اپنا اجر ملے گا، لہٰذا حق کو نہیں چھپاتے، اور اللہ کی آیات کو صحیح صحیح بیان کرتے ہیں، اپنی قوم سے کسی طرح کی رشوت کے طالب نہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ (ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس) یعنی ان کے اعمال کا ثواب ان کو ملے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اضافت عہد کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو وہ اجر عطا کردیا جائے گا جس کا ان سے وعدہ فرمایا ہے جو سورہ قصص میں مذکور ہے۔ اُولٰٓئِكَ يُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا کہ انہیں دہرا اجر دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔

اسباب النزول صفحہ ۱۳۴ میں حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی (جو حبشہ کا بادشاہ تھا اور وہیں اس نے اسلام قبول کرلیا تھا) حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر دی آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ چلو اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جو تمہاری اس سرزمین کے علاوہ دوسری جگہ وفات پا گیا۔ آپ بقیع کی طرف روانہ ہوگئے اور جب اس کی نماز پڑھانے لگے تو نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کردیا گیا (یہ بطور معجزہ کے تھا) آپ نے نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کے لئے

استغفار کیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کے لئے استغفار کرو اس پر منافقین کہنے لگے کہ دیکھو یہ ایک حبشی نصرانی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں جس کو انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور جو ان کے دین پر بھی نہیں تھا۔ اس پر آیت وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ آخر تک نازل ہوئی۔

پھر حضرت مجاہد اور ابن جریج اور ابن زید سے صاحب اسباب النزول نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان تمام اہل الکتاب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ سببِ نزول خاص ہوتے ہوئے بھی الفاظ کا عموم تمام اہل کتاب مومنین شامل ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔) ابرار اور صالحین کو ان کا بدلہ دیا جائے گا اور کافر اور اشرار کو ان کا بدلہ دے دیا جائے گا یہ دنیاوی زندگی گذرنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس کو دیر نہ سمجھنا چاہیئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾
اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں جم کر رہو اور نیک کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ

اہل ایمان کو چند نصیحتیں

تفسیر: یہ سورہ آل عمران کی آخری آیت ہے اس میں اہل ایمان کو چار وصیتیں فرمائیں، جن میں جینے کا طریقہ بتایا ہے، عام حالات میں کیسے رہیں اور کافروں سے مقابلہ ہو تو کیسے لڑیں۔ اجمالی طور پر یہ بات بتادی ہے۔ پہلی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا صبر کرو، صبر کے تینوں معنی ذہن میں لے آئیں (یعنی نیک کاموں پر مضبوطی سے قائم رہنا اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے رہنا اور جو دکھ تکلیف پیش آئے اس کے بارے میں جزع فزع سے باز رہنا)۔

دوسری نصیحت یہ فرمائی وَصَابِرُوا چونکہ یہ بابِ مفاعلہ ہے اس لئے عربی قواعد کے اعتبار سے دونوں جانب سے اشتراک کو چاہتا ہے، اسی کے پیش نظر حضرات مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آجائے تو خوب جم کر مقابلہ کرو۔ گو اِصْبِرُوْا میں بھی یہ مفہوم داخل ہے لیکن مستقل طریقہ پر اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ قتال کے موقع پر صبر کی اہمیت اور فضیلت زیادہ ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وذکرہ بعد الامر بالصبر العام لانہ اشد فیکون افضل، فالعطف کعطف جبریل علی الملائکۃ والصلوٰۃ الوسطی علی الصلوات (اور اسے عام صبر کے بعد ذکر کیا کیونکہ یہ سخت ہے لہٰذا افضل ہے پس عطف ایسے ہے جیسے جبریل کا عطف ملائکہ پر اور صلوٰۃ وسطیٰ کا عطف صلوات پر)

تیسری نصیحت یہ فرمائی وَرَابِطُوا یہ بھی باب مفاعلہ سے ہے جس کا مادہ ربط ہے اور ربط باندھنے کو اور اپنے نفس کو کسی کام پر جمائے رکھنے کو کہتے ہیں۔ کفار کے مقابلہ کے لئے گھوڑے باندھ کر رکھنا ان کو کھلانا پلانا چارنا جنگ کے لئے تیار

12 کرنا اس کے لئے بھی لفظ رباط وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ انفال میں ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (اور تیاری کرو ان کے لئے جو بھی طاقت تمہارے بس میں ہو اور گھوڑوں سے بھی تیاری کرو جو تمہارے پاس بندھے ہوئے ہیں تم اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت اور اپنے دشمنوں پر رعب ڈالتے رہو گے) نیز لفظ رباط اسلامی ملکوں کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھی آیا ہے۔ جنگ کے مواقع تو کبھی کبھار آتے ہیں لیکن چونکہ کافروں کی طرف سے حملہ کرنے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے اس لئے سرحدوں پر لشکروں کو پڑاؤ ڈالنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس کی بھی بہت فضیلت ہے۔ اسی معنی کے اعتبار صاحب روح المعانی نے لفظ رابطوا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ای اقیموا فی الثغور رابطین خیولکم فیھا حابسین لھا مترصدین للغزو مستعدین له بالغین فی ذلک المبلغ الأوفی اکثر من اعداء کم (یعنی سرحدوں میں قیام کئے رہو۔ گھوڑوں کو وہاں باندھ کر رکھو اور جہاد کے مواقع کی تاک میں رہو۔ خوب اچھی طرح جنگ کے لئے تیار رہو تمہاری تیاری دشمنوں کی تیاری سے بڑھ کر ہو)

سرحد کی حفاظت کے لئے پڑاؤ ڈال کر رہنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رباط الیوم فی سبیل اللّٰہ خیر من الدنیا وما علیھا (اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت میں گذارنا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے)۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۰۵: ج۱)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اسلامی سرحد کی حفاظت میں گذارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور ایک ماہ راتوں رات نماز میں قیام کرنے سے بہتر ہے، اور اگر اسی عمل میں موت آ گئی تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ کرتا تھا۔ اور اس کا رزق اسے ملتا رہے گا، اور وہ قبر میں عذاب دینے والوں سے بے خوف رہے گا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۴۲: ج۲)

اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے وفات پا گیا وہ بڑی گھبراہٹ (یعنی قیامت کے دن کی پریشانی سے) محفوظ رہے گا۔ اور (قبر میں) اسے صبح شام رزق ملتا رہے گا اور اسے برابر مرابط (یعنی رباط کے کام میں لگنے والے) کا ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن قبر سے) اٹھائے (رواہ الطبرانی ورواتہ ثقات کمافی الترغیب صفحہ ۲۴۳: ج۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رباط کے ثواب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک رات رباط کے کام میں مشغول رہا مسلمانوں کی حفاظت کرتا رہا تاکہ دشمن حملہ آور نہ ہو جائے تو اسے ان سب لوگوں کا ثواب ملے گا جو اس کے پیچھے روزہ رکھ رہے ہوں اور نماز پڑھ رہے ہوں (رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید کمافی الترغیب صفحہ ۲۴۵: ج۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن اللہ کی راہ میں رباط کے کام میں خرچ کرنا ان ہزاردنوں سے افضل ہیں جو اس کے علاوہ دوسری عبادات میں خرچ کئے جائیں۔(رواہ النسائی والترمذی وقال حدیث حسن غریب کمافی الترغیب صفحہ۲۴۶: ج۲)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ دوآنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی ہواوردوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں (مسلمانوں کی) حفاظت کرتے ہوئے رات گذاری ہو۔(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب کمافی الترغیب صفحہ۲۴۸: ج۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کیا میں تمہیں ایسی رات نہ بتادوں جو شب قدر سے بھی افضل ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ وہ رات ہے کہ جس میں کسی نے خوف وخطرہ کی جگہ چوکیداری کی (مسلمانوں کی حفاظت میں رات گذاری) اسے خطرہ ہے کہ شاید اپنے گھر واپس ہی نہ جائے گا (لیکن پھر بھی حراست اور حفاظت کے کام میں لگا ہوا ہے) (رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط البخاری کمافی الترغیب صفحہ۲۵۰: ج۲)

روایاتِ حدیث سے معلوم ہوا کہ عین سرحد پر ہی مسلمانوں کی حفاظت کے لئے رات گذارنا فضیلتِ عظیمہ کا باعث نہیں بلکہ جس موقع پر بھی شہر میں محلہ میں آبادی سے باہر یا اندر مسلمانوں کی حفاظت میں وقت خرچ کیا جائے وہ سب بہت بڑے اجروثواب کا باعث ہے حدیث شریف میں بعض اعمالِ صالحہ میں پابندی سے لگے رہنے کو بھی رباط سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کیا میں تمہیں وہ اعمال نہ بتادوں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خطاؤں کو محوفرمادے گا (یعنی بالکل ختم کردے گا) اوردرجات کو بلند فرمادے گا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ضرور ارشادفرمائیں آپ نے فرمایا (وہ کام یہ ہیں):

۱۔ ناگواریوں کے باوجود وضو کا پانی اچھی طرح اعضاء پر پہنچانا (سردی میں گرمی میں ہر حالت میں خوب اچھی طرح ہر جگہ اعضائے وضو پر پانی پہنچانا اگرچہ نفس کو ناگوار ہو خاص کر سردی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا۔ ۲۔ مسجدوں کی طرف کثرت کے ساتھ جانا۔ ۳۔ نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔

یہ بیان فرما کر آپ نے فرمایا فذٰلکم الرباط (یہ رباط ہے جس میں نفس کو پابند رکھا جاتا ہے) بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ذٰلِکُم الرباط دومرتبہ فرمایا (صحیح مسلم صفحہ۲۲۷: ج۱) اور موطا میں ہے کہ اس لفظ کو تین بار فرمایا (کمافی شرح النووی)۔

اوپر جو رابطوا کا ترجمہ کیا گیا کہ نیک کاموں میں لگے رہو اسی عموم کے اعتبار سے کیا ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔

چوتھی نصیحت فرماتے ہوئے وَاتَّقُوا اللّٰہَ فرمایا یہ حکم بار بار جگہ جگہ قرآن میں وارد ہوا ہے اور صفت تقویٰ ہی وہ چیز ہے جو خیر کے ہر کام پر لگاتی اور گناہوں سے بچاتی ہے، یہ صفت جامع الخیرات ہے اس لئے بار بار اس کا اعادہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ کہ تم یہ کام کرو گے تو کامیاب ہو گے۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے جو ایمان اور اعمالِ صالحہ پر اور تقویٰ اختیار کرنے پر موقوف ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباسؓ ایک دن رات کو اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سو گئے (یہ رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ تھیں) اور مقصد یہ تھا کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد دیکھیں۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ جب آپ رات کو اٹھے تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع فرما کر ختم سورت تک سورہ آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت فرمائی (صحیح بخاری صفحہ ۶۵۷: ج۲ صحیح مسلم صفحہ ۲۶۱: ج۱) لہٰذا تہجد پڑھنے کے لئے اٹھیں تو ان آیات کو پڑھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے سورہ آل عمران کا آخری حصہ (اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے) کسی رات میں پڑھ لیا تو اسے پوری رات نماز میں قیام کرنے کا ثواب ملے گا (رواہ الدارمی صفحہ ۲۲۵: ج۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے سورہ آل عمران پڑھ لی وہ مالدار ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فقیر آدمی کا خزانہ سورہ آلِ عمران ہے جسے وہ تہجد کی نماز میں پڑھتا ہے (سنن دارمی صفحہ ۲۲۵: ج۲)

ولقدتم تفسیر سورۃ ال عمران

بفضل اللہ و حسن توفیقہ

والحمد للہ اولاً و آخراً

و ظاھراً و باطناً

سورہ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو ستر (۱۷۰) آیتیں اور چوبیس ۲۴ رکوع ہیں

سُوْرَۃُ النِّسَاۗءِ مَدَنِيَّۃٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَّاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا اوران دونوں سے

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ

بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلادیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو۔ اور قرابت داریوں سے بھی ڈرو،

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪

بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے اور دیدو، یتیموں کو ان کے مال اور مت بدلو خبیث مال کو اچھے مال سے،

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

اور مت کھاؤ ان کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر، بے شک ایسا کرنا بڑا گناہ ہے

بنی آدم کی تخلیق کا تذکرہ اور یتیموں کے مال کھانے کی ممانعت

تفسیر: ان آیات میں اول تو تمام انسانوں کو ان کے خالق و مالک اور پرورش کرنے والے سے ڈرنے کا حکم فرمایا اور یہ حکم جگہ جگہ قرآن حکیم میں موجود ہے اللہ تعالیٰ شانہ سے ڈرنا ہی سب کامیابیوں کی کنجی ہے کوئی شخص خلوت میں ہو یا جلوت میں اپنے رب تعالیٰ شانہ سے ڈرے گا اور خوف و خشیت کی صفت سے متصف ہوگا تو دنیا و آخرت میں اس کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ دنیا و آخرت کی بربادی گناہوں میں مبتلا ہونے سے ہوتی ہے اور خوف و خشیت دل میں جگہ پکڑ لے تو پھر گناہ چھوٹتے چلے جاتے ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ (کہ تم اللہ سے ڈرنے کو لازم پکڑ لو کیونکہ اس سے تمہارے ہر کام میں زینت آجائے گی (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵) پھر رب جل شانہ کی ایک صفت جلیلہ بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا پھر اس جوڑے سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔ ایک جان سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔

حضرت حوّا کی تخلیق: ان کا جوڑا یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو ان ہی سے پیدا فرمایا صحیح مسلم صفحہ ۴۷۵: ج ۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی طریقہ پر تیرے لئے سیدھی نہیں ہوسکتی۔ سو اگر تو اس سے نفع حاصل کرنا چاہے تو اس کی کجی یعنی ٹیڑھے پن کے ہوتے ہوئے ہی نفع حاصل کرسکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا تو توڑ ڈالے گا اور اس کو توڑ دینا طلاق دینا ہے، صحیح

بخاری صفحہ ۴۶۹:ج ۲ کی ایک روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ قرآن مجید میں جو وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا فرمایا اس کی تفسیر حدیث شریف سے معلوم ہوگئی کہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کی گئیں۔

بہت سے لوگ جن کا مزاج معتزلہ والا ہے وہ چونکہ اپنی عقل کو پہلے دیکھتے ہیں بعد میں قرآن وحدیث پر نظر ڈالتے ہیں اور جو چیز ان کی عقل میں نہ آئے اس کے منکر ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی ہے انہوں نے حضرت حوا کا حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے کا انکار کیا ہے۔ آیت کو انہوں نے سمجھنا چاہا آیت کے مفہوم صریح تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوئی۔ رہی حدیث تو اس مزاج کے لوگ احادیث کو مانتے ہی نہیں۔ ھداھم اللّٰہ پھر فرمایا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً کہ ان دونوں (یعنی ایک مرد اور ایک عورت) سے بہت سارے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں پیدا ہوئیں ان ہی سے آگے نسل چلی جس سے کروڑوں انسان مرد اور عورتیں زمین پر پھیل گئے۔ (درمنثور صفحہ ۱۱۶: ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی بیوی پیدا فرمائی پھر ان دونوں سے خوب زیادہ نسل چلی اور پھلی پھولی اور پھیلی، موجودہ دور کے انسان اسی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کو بھی سامنے رکھیں اور صفت ربوبیت کو بھی کہ اس نے پیدا فرمایا اور پرورش بھی فرمائی اور پرورش کے سامان پیدا فرمائے کئی طرح سے اس کا شکر واجب ہے اور شکر کا بہت بڑا جزو یہ ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ یعنی جو مال واولاد اس نے عطا فرمایا ہے اس کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنایا جائے، یہ تقویٰ کی صفت ہے، شروع آیت میں تقویٰ کا حکم فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ تقویٰ کیوں اختیار کیا جائے؟ جس نے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت خالقیت اور صفت ربوبیت کو جان لیا وہ ضرور متقی ہوگا اور خلوت وجلوت میں گناہوں سے بچے گا۔

اللہ سے ڈرنے کا حکم: پھر فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ (کہ تم اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔) جس نے حق مار لیا ہو یا حق دینے میں دیر لگا دی ہو اس سے کہتے ہو کہ تو خدا سے ڈر اور میرا حق دے۔ حقوق مانگنے کے سوا دوسری ضروریات کے لئے بھی ایک دوسرے سے یوں کہتے ہو کہ اللہ کے لئے میرا یہ کام کردو، خدا کے لئے مجھے یہ دے دو جس خدا تعالیٰ کے نام سے اپنے کام چلاتے ہو اس سے ڈرو اور گناہوں سے بچو۔

صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کا وبال: پھر فرمایا وَالْاَرْحَامَ ارحام رحم کی جمع ہے، عربی میں رحم بچہ دانی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے پھر یہ کلمہ مطلقاً رشتہ داری کے تعلقات کے لئے استعمال ہونے لگا، زمانہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب کے نزدیک رشتہ داری کے تعلقات باقی رکھنا اور انہیں خوبی کے ساتھ نباہنا بہت اہم کام تھا۔ تعلقات باقی رکھنے کو صلہ رحمی اور تعلقات توڑ دینے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ اسلام نے بھی اس کی اہمیت کو باقی رکھا صلہ رحمی پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا اور قطع رحمی پر وعیدیں بیان فرمائیں۔ اہل عرب آپس میں صلہ رحمی کے تعلقات کو

یاد دلایا کرتے تھے اور قسم دلا کر کہتے کہ اے فلاں تجھے رحم کی قسم ہے تو ہماری رعایت کر اور قطع رحمی نہ کر۔ اس آیت شریفہ میں عرب کی اس عادت کو یاد دلایا ہے۔ اور فرمایا کہ تم قرابت داری کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو۔ آپس میں ایک دوسرے کو رحم کا واسطہ دے کر جو سوال کرتے ہو اس واسطہ کی لاج رکھو اور آپس کے حقوق ضائع نہ کرو۔ صلہ رحمی کی شریعت اسلامیہ میں بھی بہت اہمیت ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے پسند ہو کہ اس کا رزق زیادہ کر دیا جائے اور اس کی عمر بڑھا دی جائے تو اسے چاہیئے کہ صلہ رحمی کرے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۸۸۵: ج۱)

اپنے قرابت داروں سے ملنا جلنا اور شریعت کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے آنا جانا، لینا دینا یہ سب صلہ رحمی میں شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں کوئی بھی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو اُن پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۰: ج۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (ایضاً)

سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں، میں نے لفظ رحم کو اپنے نام میں سے نکالا ہے جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اسے اپنے سے ملا لوں گا۔ اور جو شخص قطع رحمی کرے گا میں اسے اپنے سے کاٹ دوں گا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۰: ج۲)

آجکل قطع رحمی کا گناہ بہت عام ہے جو لوگ دینداری کے مدعی ہیں نمازوں کے پابند ہیں تہجد گذار ہیں وہ بھی اس گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ کسی کا بہن کے گھر آنا جانا نہیں، کوئی بھائی سے روٹھا ہوا ہے۔ کوئی چچا سے ناراض ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ماں باپ سے ہی تعلقات صحیح نہیں۔ لوگوں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ غیروں کے ساتھ گذارہ کر سکتے ہیں اچھے تعلقات رکھ سکتے ہیں مگر اپنوں کے ساتھ گذارہ نہیں کر سکتے۔ معمولی سی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کر بیٹھتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ آپس کے تعلقات درست رکھے جائیں ایک دوسرے سے جو قصور اور کوتاہی ہو جائے اس سے درگذر کرتے رہیں اور صلہ رحمی کی فضیلت اور دنیاوی و اخروی منفعت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجئے آپ نے فرمایا یا عُقْبَةُ صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَکَ وَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ ظَلَمَکَ (کہ اے عقبہ! جو شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کرے اس سے تعلقات جوڑے رکھو اور جو تمہیں نہ دے اسے دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو یعنی اس کے ظلم کی طرف دھیان نہ دو) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا ''وَاعْفُ عَنْ مَّنْ ظَلَمَکَ'' (جو شخص تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو) (الترغیب والترہیب صفحہ ۳۴۲: ج۳)

جو شخص یوں کہتا ہے کہ رشتہ دار میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو میں بھی کروں گا ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں وہ تو بدلہ اتارنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تعلق جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ اتار دے بلکہ تعلق جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی

کرے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۶: ج۲)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۹: ج۲)

اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے: پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگران ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ تمہارا کوئی عمل خیر یا شر اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ اعمال کے بدلے پورے پورے دیدے گا اس میں تقویٰ کے مضمون کو دوسرے الفاظ میں دہرا دیا ہے۔ جو ذات پاک خالق اور مالک ہے جسے ہر عمل کا علم ہے جو خلوتوں اور جلوتوں کے تمام اعمال کو جانتا ہے اس سے ڈرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

اموال یتامیٰ کے بارے میں تین حکم: پھر یتیموں کے اولیاء کو حکم دیا کہ تم ان کے مال ان کو دے دو اور اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو۔ اور اپنے مال ان کے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ اس میں تین باتوں کا حکم فرمایا ہے۔

یتامیٰ کے اموال دے دو: اول یہ کہ جو یتیم بچے تمہاری پرورش میں ہیں ان کے مال جو انہیں میراث میں ملے ہیں یا کسی نے انہیں ہبہ کر دیئے ان کے بالغ ہونے تک ان کے مالوں کو محفوظ رکھو اور بقدر ضرورت ان کے مالوں میں سے ان پر خرچ کرتے رہو۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو۔ ایسا نہ کرو کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال بلاوجہ اپنی تحویل میں رکھے رہو اور ان کو دینے سے منع کر دو۔ اسباب النزول صفحہ ۱۳۶ میں ہے کہ یہ آیت بنی غطفان کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی اس کی پرورش میں ایک یتیم بچہ تھا جو اس کے بھائی کا لڑکا تھا۔ جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے اپنا مال طلب کیا۔ چچا نے اس کا مال سپرد کرنے سے انکار کر دیا اس پر دونوں چچا بھتیجے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی چچا نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ ہم اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بڑے گناہ سے پناہ مانگتے ہیں یہ کہا اور یتیم کا مال اس کے حوالے کر دیا۔

یتامیٰ کے اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو: دوم یہ فرمایا کہ بُرے مال کو اچھے مال سے تبدیل نہ کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ یتیم بچے جو تمہاری پرورش اور نگرانی میں ہیں جن کا مال تمہارے قبضہ میں ہے ان کے اچھے مال کو خود اپنے حصے میں اور اپنا گھٹیا مال کو اس کے عوض اس کے حساب میں لگا کر حساب پورا نہ کر دو۔ اپنی اولاد کی خاطر لوگ یتیم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ اچھی جائیداد اور اچھا مال جو یتیموں کی ملکیت ہو اسے اپنا بنا کر اپنے نام رجسٹری کروا لیتے ہیں اور یتیم بچوں کو گھٹیا مال دے دیتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ اپنے حلال مال کو چھوڑ کر یتیموں کا مال نہ کھاؤ جن کا کھانا تمہارے لئے حرام ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو طیب کو چھوڑ کر خیانت کر کے دوسرے کا مال کھانے والے بن

جاؤ گے۔ اور یہ مال چونکہ تمہارے لئے حرام ہوگا اس لئے خبیث ہوگا، یہ معنی بھی لفظ قرآنی سے بعید نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اپنا گھٹیا مال یتیم کے حصہ میں لگا کر اس کا اچھا مال لے لینا حرام ہے تو یہ تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا کہ ان کا مال بالکل ہی بلا بدل کے کھالیا جائے۔

یتامیٰ کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھاجاؤ: سوم: یہ ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ (اور یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاجاؤ) یتیم بچے جن لوگوں کی پرورش میں ہوتے ہیں ان میں جن کا مزاج خیانت والا ہوتا ہے ایسے لوگ مختلف طریقوں اور تدبیروں سے یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر کھاجاتے ہیں کچھ لوگ تو غفلت اور بے دھیانی میں ایسا کر گذرتے ہیں کہ گھر کی مشترکہ ضرورتوں میں مشترکہ مال خرچ کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یتیم بچے پر اس کے اپنے ذاتی مال میں سے کتنا خرچ ہوا اور اس کے مال میں سے مشترکہ ضروریات میں دوسروں پر کتنا خرچ ہوا ہے؟ اور کچھ لوگ قصداً وارادۃً ایسا کرتے ہیں کہ یتیم بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ان کے مال کو کسی نہ کسی طرح اپنے نام میں یا اپنی اولاد کے نام میں لکھوا دیتے ہیں پھر جب وہ بالغ ہوجاتا ہے تو اسے اپنے مال میں سے ذرا بہت ملتا ہے یا بالکل ہی محروم ہوجاتا ہے۔

فائدہ: یتیم بچوں کا کھانا اپنے کھانے میں ملا کر پکانے کے بارے میں ضروری ہدایت سورہ بقرہ کی آیت وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى کی تفسیر میں گذر چکی ہے (دیکھو انوار البیان صفحہ ۴۰۷: ج۱) وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

آخر میں فرمایا اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (یعنی یتیم کے مال میں خیانت کرنا بڑا گناہ ہے) ہر امانت داری کی خلاف ورزی گناہ ہے لیکن یہاں مستقل طریقہ پر یتیم کے مال میں خیانت کرنے پر تنبیہ فرمائی اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ گناہ ہے بلکہ یہ فرمایا کہ بڑا گناہ ہے جو لوگ یتیموں کے مالوں کے محافظ ومتولی ہیں پوری آیت کو بار بار پڑھیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ

اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرلو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو تین تین،

وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝

چار چار سو اگر تم کو ڈر ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرلو، یا ان لونڈیوں پر بس کرو جو تمہاری ملکیت ہوں۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو

یتیم بچیوں کے نکاح کرنے کے بارے میں ہدایات

تفسیر: آیت کا مضمون سمجھنے سے پہلے سبب نزول ذہن نشین کرلینا چاہئے تفسیر درمنثور صفحہ ۱۱۸: ج۲ میں بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اس آیت میں ایسی یتیم بچیوں کا ذکر ہے جن کا باپ فوت ہوجاتا تھا اور جو مال میراث میں ملتا وہ اس بچی اور اس

کے ولی کا مال مشترک ہوتا تھا جسے تقسیم کرنا لازم تھا۔

اب ہوتا یہ تھا کہ جو شخص اس یتیم بچی کا ولی (سرپرست) ہوتا تھا وہ اس کے مال میں یا جمال میں رغبت رکھنے کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیتا تھا لیکن بچی چونکہ اپنے ہی گھر میں اپنی ہی پرورش میں ہے اس لئے اس کا مہر جس قدر ہونا چاہیئے اتنا مقرر نہیں کرتے تھے۔ دوسری جگہ سے جو مہر ملتا اس سے کم مقرر کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اس بات سے منع فرمادیا گیا کہ ان لڑکیوں سے نکاح کریں اور پورا مہر نہ دیں، بلکہ حکم یہ فرمایا کہ ان لڑکیوں کو پورا حق مہر دو جتنا زیادہ سے زیادہ ان کو دوسری جگہ سے مل سکتا تھا۔ (راجع صحیح البخاری صفحہ ۷۷۲: ج ۲)

اور یہ بھی حکم فرمایا کہ اگر ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو ان کے علاوہ اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے نکاح کرلیں۔ دوسری عورتوں سے نکاح کریں گے تو چونکہ وہ خود سوچ سمجھ والی ہوں گی اور پہلے سے ان پر قابو نہ ہوگا تو حسب منشا جتنا مہر چاہیں گی مقرر کرالیں گی کیونکہ ان پر کوئی دباؤ نہ ہوگا، اگر کوئی شخص یتیم لڑکی ہی سے نکاح کرنا چاہے اور مہر اس کو پورا پورا دے تو یہ بھی درست ہے اسی لئے وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فرمایا، نیز تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن جریر وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص کی سرپرستی میں کوئی یتیم لڑکی ہے اور وہ مالدار بھی ہے تو جس کی سرپرستی میں ہے وہ اس سے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتا تھا لیکن چونکہ طبعی طور پر اسے پسند نہ تھی اس لئے اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا تھا لہٰذا اس بارے میں نصیحت فرمائی۔

سبب نزول کے جاننے سے معلوم ہوا کہ یتیم لڑکیاں جو صاحب مال ہوتی تھیں ان سے نکاح تو کر لیتے تھے لیکن ان سے سلوک اچھا نہ رکھتے تھے اور ان کو مہر بھی اتنا نہ دیتے تھے۔ جتنا ان کو اور جگہ سے مل سکتا تھا۔ لہٰذا ان کو حکم دیا کہ اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو دوسری عورتوں سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند ہوں۔

چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت اور عدل کرنے کا حکم: اور ساتھ ہی ساتھ عورتوں کی تعداد کے بارے میں بھی ارشاد فرمادیا کہ جو عورتیں پسند ہوں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر سکتے ہو اور اگر یہ ڈر ہو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کر سکتے ہو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اول تو ہر شخص کو بیک وقت دو یا تین یا چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو ایک سے زائد نکاح کرنا جائز ہے۔ فرض اور واجب نہیں ہے اور جائز بھی اس شرط پر ہے کہ جتنی بیویاں ہوں ان سب کے درمیان عدل وانصاف رکھے۔ قلبی تعلق پر تو مواخذہ (گرفت) نہیں ہے کہ یہ اختیاری چیز نہیں۔ البتہ اختیاری چیز میں عدل نہ کیا تو گرفت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ ان دونوں عورتوں کے درمیان عدل یعنی برابری نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا، جتنی راتیں ایک کے پاس رہے اتنی ہی راتیں دوسری کے پاس

رہے تقسیم جس طرح چاہے کرے اس کے اختیار میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۷۹: از ترمذی وغیرہ)

بہت سے لوگ پیسہ زیادہ ہونے کی وجہ سے یا خواہ مخواہ شوق میں آ کر یا پہلی بیوی پرانی ہو جانے کی وجہ سے یا نئی بیوی کے مالدار ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ لیکن پھر برابری نہیں کرتے اور کسی ایک کے ساتھ ظلم و زیادتی بھی کرتے رہتے ہیں یہ شرعاً حرام ہے۔ اگر کسی کو برابری پر قدرت نہ ہو ایک ہی بیوی رکھے تاکہ ظلم و زیادتی سے محفوظ رہے۔

پھر آیت کے خاتمے پر فرمایا: ذٰلِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا (یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو) یعنی نکاح کے بارے میں جو تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے اس کے مطابق عمل کرو گے تو ظلم و زیادتی سے محفوظ رہ سکتے ہو مذکورہ ہدایات پر عمل کرنا ظلم سے بچانے کے لئے بہت زیادہ قریب تر ہے۔

فائدہ: شریعت اسلامیہ میں بیک وقت صرف چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے مگر مذکورہ بالا شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ دوسری قوموں میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کے بدلے ان کے یہاں یہ جائز ہے کہ بہت سی دوستانیاں (گرل فرینڈز) رکھ لے۔ زنا کاری کرنا ان کے نزدیک کچھ عیب کی بات نہیں ہے البتہ نکاح کر کے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا اور حلال طریقہ سے زندگی گذارنا ان کے نزدیک عیب ہے۔ اسلام پر جو بعض جاہلوں کے اعتراضات ہیں ان میں سے ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت ہے۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اول تو چار تک کی اجازت ہے واجب نہیں۔ دوسرے دنیاوی احوال کے اعتبار سے اس اجازت کی ضرورت ہے اول تو اس میں نسل بڑھانے کا فائدہ ہے اور دوسرا عظیم فائدہ یہ ہے کہ جب کسی وجہ سے مردوں کی قلت ہو جائے (جیسا کہ جہاد کے مواقع میں مرد شہید ہو جاتے ہیں) تو عورتیں بیوہ ہو جائیں۔ تحفظ آبرو کے ساتھ ان کے اخراجات کا انتظام ہو جائے۔ پھر جب عورتوں کی کثرت ہو اور مردوں کی کمی ہو (جیسا کہ اس کا دور شروع ہو چکا ہے) تو عورتوں کی عفت و عصمت اور شریفانہ معیشت کا انتظام اسی میں ہے کہ مرد ایک سے زیادہ نکاح کریں۔ جو لوگ گہرائیوں میں نہیں جاتے۔ حکمتوں کو نہیں سمجھتے انہوں نے اپنے ذمہ صرف اعتراض کرنا ہی لے رکھا ہے جب اجازت اور اباحت کو عدل و انصاف کے ساتھ مشروط و مقید کر دیا گیا تو پھر کسی عقلمند کے لئے کسی طرح بھی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

فائدہ: بیک وقت چار عورتوں تک سے نکاح کرنے کی اجازت ہے لیکن اس میں شرطیں ہیں ہر عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا، مثلاً جو عورت کسی مرد کی عدت میں ہو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا، دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اور جن عورتوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے ان سے کبھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ جس کی تفصیل اس سورت کے چوتھے رکوع میں آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر کوئی شخص بیک وقت چار عورتیں نکاح میں ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح کرے گا تو یہ نکاح شرعی نہ ہوگا اور یہ عورت اس کی شرعی بیوی نہ بن سکے گی زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ بغیر کسی قانون کے بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ اسلام میں صرف چار تک کی اجازت دی گئی اور عدل و انصاف کی قید لگا دی گئی۔

غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے پاس دس عورتیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار کو رکھ لو اور باقی کو چھوڑ دو (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الطلاق)

باندیوں سے جماع کرنے کی اجازت: پھر فرمایا اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی انصاف پر قائم نہ رہ سکنے کی صورت میں ایک بیوی پر اکتفا کرو۔ یا پھر ان باندیوں سے گذارہ کرو جو تمہاری ملکیت میں ہیں ملکیت میں جو باندی ہو اس سے بھی بحق ملکیت جماع کرنا جائز ہے لیکن ان کے حقوق بیوی والے حقوق نہیں ہیں اگر کئی باندیاں ہوں تو ان سے جماع کرنا تو جائز ہے لیکن چونکہ جماع باندی کا حق نہیں اس لئے ان کے درمیان راتیں تقسیم کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ البتہ بسبب ملکیت ان کے کھلانے پلانے اور پہنانے کے جو حقوق ہیں وہ اپنی جگہ پر واجب ہیں۔

جو کافر عورتیں قید میں آ جاتی تھیں ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا لہٰذا وہ ان کی ملکیت ہو جاتی تھیں اور ان سے گھر بار کی خدمت لینے کے علاوہ جماع کرنا بھی جائز تھا۔ اس کے جائز ہونے کی بھی کچھ شرطیں ہیں۔ جو کتب فقہ میں لکھی گئی ہیں۔ باندی سے جو اولاد ہو جاتی تھی وہ ثابت النسب ہوتی تھی اور وہ اولاد آزاد ہوتی تھی اور جس باندی سے اولاد پیدا ہوتی وہ باندی آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی تھی۔ تفصیلی احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

کافر قیدیوں کو غلام باندی بنانے میں حکمت: جب مسلمان جہاد کرتے تھے تو جن کافروں کو قید کر لیا جاتا تھا ان میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی۔ امیر المؤمنین کو اختیار تھا کہ ان کو جہاد کرنے والوں میں تقسیم کر دے جب ان مجاہدین میں قیدی تقسیم ہو جاتے تھے تو ان کی ملکیت میں آ جاتے تھے اس لئے ان کا بیچنا، فروخت کرنا جائز تھا اور یہ غلامی کفر کی سزا ہے اور اس میں ان غلاموں کا یہ نفع ہے کہ دارالاسلام میں رہیں گے تو مسلمانوں کے اسلامی معاشرہ سے مانوس ہوں گے اذانیں سنیں گے، نمازیں دیکھیں گے، اور اسلام قبول کریں گے، اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جائیں گے اور حکومت اسلامیہ کا یہ نفع ہے کہ جب ان کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تو ان کی قوت بھی ٹوٹ گئی جس سے بغاوت کا اندیشہ تھا اور بیت المال پر ان قیدیوں کے کھلانے پلانے کا بار نہ پڑا، اگر ان کو جیل میں رکھتے تو بغاوت کا بھی خطرہ تھا۔ آپس میں مشورہ کرتے رہتے اور دارالحرب سے تعلقات پیدا کر کے دارالاسلام میں فساد کا باعث بن جاتے اور بیت المال کو روزانہ ان لوگوں پر بھاری رقم خرچ کرنی پڑتی۔ دوسری طرف مجاہدین کو نفع ہوا ان کو کام کاج کرنے والے افراد مل گئے اور چونکہ یہ لوگ اپنے مالکوں کا کام کریں گے اس لئے ان کو کھلانا پلانا بھی ناگوار نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ جو غلام تمہارے احوال کے مناسب اور موافق ہو اسے اسی میں سے کھلاؤ جس میں سے تم کھاتے ہو اور اسی میں سے پہناؤ جس میں سے تم پہنتے ہو اور جو تمہارے احوال کے مناسب نہ ہو اس کو بیچ دو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو، (رواہ احمد وابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۹۲)

مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے احوال کے موافق اور مناسب نہ ہوگا تو خواہ مخواہ اس کی مار پیٹ کی طرف بھی طبیعت چلے گی اور کھلانے پلانے میں بھی کوتاہی ہوگی اسے بیچ دو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ دوسری جگہ اس کے حال کے مناسب مل جائے گی

جب غلام اسی کھانے میں سے کھائے جو گھر والوں کے لئے پکایا گیا اور اسی کپڑے میں سے پہنے گا جو دوسرے گھر والے پہنتے ہیں اور اس کے علاوہ رواداری، دلداری اور حسن معاشرت کے مظاہرے اس کے سامنے آئیں گے تو حسن و خوبی کے برتاؤ کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کرے گا اور رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنے کے قریب تر آ جائے گا۔

اسلام کی تاریخ میں بڑے بڑے محدثین ایسے حضرات گذرے ہیں جو غلام تھے۔ یا باندیوں کی اولاد تھے۔ حدیث کی کتابوں میں غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ گذارہ کرنے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے کے بارے مفصل ہدایت موجود ہیں۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں بار بار یہ فرمایا اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (تم نماز کا دھیان رکھنا اور جو تمہارے غلام اور باندیاں ہو ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا) (رواہ احمد صفحہ ۸۱۷: ج ۳) یہ ہے وہ غلامی جسے یورپ کے متعصب جاہلوں نے اعتراضات کا نشانہ بنا رکھا ہے۔

فائدہ نمبر ۲: غلام اور باندیوں کے جو احکام بیان ہوئے یہ سب اب بھی مشروع ہیں، کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہے لیکن اس دور میں مسلمان غلام اور باندیوں سے اس لئے محروم ہیں کہ اول تو اللہ کے لئے جہاد نہیں کرتے اور جو کوئی جنگ ہوتی ہے وہ دشمن کے اشارہ سے ہوتی ہے اور دشمن ہی کے اشارہ سے بند کر دی جاتی ہے۔ پھر دشمنوں نے مسلم حکومتوں کو ایسے معاہدوں میں جکڑ رکھا ہے جن کی وجہ سے وہ قیدیوں کو غلام اور باندیاں نہیں بنا سکتے، غلام اور باندیاں جو بہت بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دی تھی کہ گھر گھر ان کے باندیاں اور غلام ہوں ان سب سے یکسر محروم ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دشمنوں کے پنجے سے چھڑائے اپنے دین پر چلائے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور اصول شریعت کے مطابق جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں ان سے جماع کرنا حرام ہے

اور آزاد لڑکے اور لڑکی کو فروخت کرنا بھی حرام ہے

وہ باندیاں جن سے جماع کرنا جائز ہے وہ وہی قیدی ہیں جو جہاد کے موقع پر لائے گئے ہوں اور جنہیں امیر المؤمنین نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہو۔ اس کے سوا ابتداءً کسی مرد یا عورت کو غلام باندی بنانے کا کوئی راستہ نہیں۔ گھروں میں جو نوکرانیاں رکھ لیتے ہیں، یہ باندیاں نہیں ہیں ان سے پردہ بھی واجب ہے اور ان سے جماع کرنا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح دوسری عورتوں سے حرام ہے۔ ان عورتوں سے جماع کرنا سراپا زنا کاری ہے اس کو خوب سمجھ لیا جائے، اگر کسی لڑکی کے ماں باپ لڑکی فروخت کر دیں یا کہیں سے اغوا کر کے کوئی لا کر بیچ دے یا کوئی عورت خود سے کہہ دے کہ میں باندی بن کر رہوں گی اس طرح سے وہ شرعی باندی نہ بنے گی اور اس سے جو جماع کیا جائے گا وہ زنا ہو گا۔

کیسی عورتوں سے نکاح کیا جائے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ میں لفظ طاب فرمایا ہے

یہ خوبی بہتری اور عمدگی کے معنی میں آتا ہے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں اس سے نکاح کرلو۔ پسند آنے کے اسباب میں حسن و جمال بھی ہے۔ مال بھی ہے اور دین داری بھی ہے۔ خوش خلقی بھی ہے اور بہت سے اوصاف ہیں جو عورتوں میں ہوتے ہیں۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ خوبی والی عورتیں تلاش کرنا غلط کام نہیں ہے بلکہ اس کی اجازت ہے اگر حسن و جمال کو دیکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے البتہ دیندار کو ترجیح دینی چاہیے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا چار چیزوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے اس کے صاحب مرتبہ ہونے کی وجہ سے (شخصی حیثیت کی وجہ سے) اس کے جمال کی وجہ سے، اس کے دین کی وجہ سے، پس اے مخاطب تو دین والی کو حاصل کرکے کامیاب ہوجا، اللہ تیرا بھلا کرے (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۳: ج۱)

اچھی بیوی کی صفات: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا ساری کی ساری نفع کی چیز ہے اور دنیا کے منافع میں سب سے بہتر چیز نیک عورت ہے (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۵: ج۱) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرماتے ہیں کہ بہتر عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہیں (عرب عورتیں) قریش کی وہ عورتیں ہیں جو بچوں پر بہت زیادہ شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں (رواہ البخاری صفحہ ۷۶۰: ج۲) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کے بعد جو چیزیں بندہ کو حاصل ہوں ان میں نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی بہترین نعمت نہیں۔ پھر نیک بیوی کے اوصاف بیان فرمائے:

۱۔ اگر اسے حکم دے تو فرمانبرداری کرے۔

۲۔ اور اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے۔

۳۔ اور شوہر کوئی قسم کھائے (جو عورت کے عمل کرنے سے متعلق ہو مثلاً یوں کہے کہ تم فلاں کام ضرور ضرور کرو گی) تو اس کی قسم پوری کرے۔

۴۔ اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اپنی جان اور شوہر کے مال میں خیر خواہی کرے (رواہ ابن ماجہ صفحہ ۱۳۲)

جس طرح عورتوں میں دینداری کو دیکھ کر نکاح کرنے کو ترجیح دینی چاہیے اسی طرح لڑکیوں کے لئے مرد بھی نیک دیکھنے چاہئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام بھیجے جس کی دینی اور اخلاقی حالت تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کردو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا (رواہ الترمذی صفحہ ۲۰۷: فی ابواب النکاح)۔

نکاح کرنا شرعی ضرورت ہے: نکاح انسان کی ضروریات میں سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے مرد میں عورت کی اور عورت میں مرد کی خواہش رکھی ہے۔ یہ خواہش فطری اور طبعی ہے نفس اور نظر کو پاک رکھنے کے لئے اس کی

ضرورت ہے۔ سنن ترمذی (اول کتاب النکاح) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کے طریقے میں سے ہیں: ۱۔ حیاء ۲۔ خوشبو لگانا ۳۔ مسواک کرنا ۴۔ نکاح کرنا۔

بے نکاح کے رہنا کوئی کمال اور دینداری کی بات نہیں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے پر قدرت ہو نکاح کر لے، کیونکہ وہ نظر کو پست رکھنے والا ہے اور شرم کی جگہ کو پاک رکھنے والا ہے، اور جسے نکاح کی قدرت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے شہوت دب جائے گی (رواہ البخاری صفحہ ۷۵۸: ج ۲)

قوت مردانہ زائل کرنے کی ممانعت: اگر نکاح کرنے کا موقع نہ لگے تو قوت مردانہ ختم کرنے کی اجازت نہیں البتہ عارضی طور پر اور بقدر ضرورت روزے رکھ کر شہوت کو دبا لے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خصی ہونے اور قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت مانگی تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰی وَلَا اخْتَصٰی اِنَّ خَصَاءَ اُمَّتِیَ الصِّيَامُ یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو بلاشبہ میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھا کریں۔ (رواہ فی شرح السنہ کما فی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

نکاح کرنے میں دینی، دنیاوی بہت سے منافع ہیں مرد کو سکون کی جگہ مل جاتی ہے، کام کاج کر کے تھکا ماندہ آ کر آرام کا ٹھکانہ پکڑ لیتا ہے جسے سورت اعراف میں لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا سے تعبیر فرمایا اور عورت کو بھی اخراجات کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اسے کمانا نہیں پڑتا پردہ میں محفوظ رہتی ہے مرد و عورت دونوں کی حیثیت اور شخصیت بن جاتی ہے گھر بار والے آل اولاد والے کہلاتے ہیں پھر جو اولاد ہوتی ہے اس سے دل خوش ہوتا ہے بچوں کو کھلانے پلانے پہنانے سے مسرت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں اور اس اولاد کو جب دین اور علم دین پر ڈالا جائے تو آخرت میں بھی رفع درجات کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسلام کے احکام فطرت انسانیہ کے موافق ہیں۔ انسانی خواہشوں کو اسلام نے ختم نہیں فرمایا بلکہ ان کی حدود مقرر فرما دی ہیں اور متعلقہ احکام کی تعلیم دے کر ان کا پابند بنا دیا ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا
اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کر دو، سو اگر وہ تمہارے لئے اس میں سے نفس کی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اس سے
فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ④
مبارک طور پر خوشگواری کے ساتھ کھالو

عورتوں کے مہر ادا کرنے کا حکم

تفسیر: شریعت مطہرہ میں عورت کی ایک حیثیت ہے جب کوئی مرد اس سے نکاح کرے تو اس کا مہر مقرر کرے

اور جس قدر مہر پر وہ راضی ہوا تنے مہر پر نکاح ہوگا، مہر کی مقدار مقرر کرنے کے لئے اس پر زبردستی نہیں کی جاسکتی پھر جب مہر مقرر کردیا تو اس کا ادا کرنا فرض ہے، اور مرد جب تک مہر ادا نہ کرے بیوی کا قرض دار رہے گا اگر عورت پورا مہر یا کچھ حصہ معاف کردے یا کچھ حصہ لینے کے بعد واپس کردے تو اس کو رکھ لینا جائز ہے البتہ اس میں ایک شرط لازم ہے اور وہ یہ کہ عورت نے جو کچھ دیا ہو یا معاف کیا ہو وہ اس نے طیب نفس کے ساتھ دیا ہو، طیب نفس کا معنی یہ ہے کہ اچھی طرح خوب خوشی سے دل کی گہرائی سے دیدے یا معاف کردے اگر زبردستی معاف کروالیا یا لکھوالیا یا دھوکہ دے کر دستخط کرالئے یا انگوٹھا لگوالیا تو خواہ اس کی وجہ سے دنیاوی عدالتوں میں دعویٰ نہ کرسکے لیکن اس کا حق باقی رہے گا۔ اور آخرت میں ادا کرنا ہوگا۔

وہ معافی معتبر ہے جو طیب نفس سے ہو: قرآن مجید میں مہر چھوڑنے کو جو طیب نفس کے ساتھ مشروط کیا ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ جب تک سچ مچ اندر کے جذبات سے بلا دباؤ اور بلا اکراہ معاف نہ کیا گیا ہو اس وقت تک معاف نہ سمجھا جائے، بغیر طیب نفس کے معاف سمجھ لینا غلط ہے۔ طیب نفس کا لفظ استعمال فرمایا طیب قلب نہیں فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ انسان جب سوچنے بیٹھتا ہے تو بہت کچھ سوچ کر فیصلہ کرتا ہے اس سوچ بچار میں آئندہ حالات کے پیش نظر نفع نقصان کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ رشوت دینے والے سوچ سمجھ کر جان بوجھ کر رشوت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بیس روپے دیں گے تو سو روپے بچیں گے یہ قلب (دل) کا اور دماغ کا کام ہے۔ لیکن نفس کبھی بھی اپنا حق چھوڑنے یا بے جگہ پیسہ خرچ کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ جب شوہر بیوی سے مہر معاف کرواتے ہیں تو اسے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اگر میں معاف نہ کروں تو کتنے نوٹوں کے گڈے میری ملکیت میں آئیں گے اور ان کے خرچ کرنے کے بارے میں مجھے پورا پورا اختیار ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب معاف کرانے لگتے ہیں تو وہ دور تک سوچتی ہے کہ میں نے اگر معاف نہ کیا تو شوہر کو ناگواری ہوگی۔ اور یہ ناراض ہوگیا تو کہاں جاکر رہوں گی۔ ماں باپ کب تک سہارا دیں گے، بھائی ہمیشہ رکھ نہیں سکتے ایسی باتیں سوچ کر اور یہ سمجھ کر کہ ملتا تو ہے نہیں لاؤ معاف ہی کردوں، لہٰذا اوپر کے دل سے معاف کردیتی ہیں۔ شرعاً بددلی کی معافی کا کوئی اعتبار نہیں، زبردستی یہ ہی نہیں ہے کہ کسی سے ڈنڈا مار کر چھین لیا جائے جو بھی چیز بددلی کے ساتھ لی جائے وہ لینے والے کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ آیت شریفہ میں مہر کی معافی یا بخشش کے بارے میں فرمایا کہ طیب نفس سے دے دیں تو کھالو اور حدیث شریف میں قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ قانون بتادیا کہ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِیءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ (خبردار ظلم نہ کرو۔ خبردار کسی شخص کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کے نفس کی خوشی کے ساتھ) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۵۵)

بہت سے لوگ دوسرے کا مال لے لیتے ہیں وہ لحاظ میں یا کسی قسم کے دباؤ میں کچھ نہیں کہتا اور اندر سے تلملاتا رہ جاتا ہے اس کی خاموشی سے حلال سمجھ لینا غلط ہے اس طرح مال لے لینا حرام کھانے ہی کے درجہ میں ہے۔ بعض لوگ مذاق میں کسی کی چیز لے لیتے ہیں۔ پھر واپس نہیں کرتے اور جس کی چیز ہے وہ دل سے راضی نہیں ہوتا اس طرح سے کسی کا مال لے لینا حرام ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لَا يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ عَصَا اَخِيْهِ لَا عِبًا جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهٗ اِلَيْهِ (تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی اس طرح سے نہ لے لے کہ (ظاہر میں) دل لگی ہو اور دل سے واقعی طور پر لینے

کا ارادہ ہو جو شخص اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے تو واپس کردے (لاٹھی کو بطور مثال کے فرمایا چونکہ یہ معمولی چیز ہوتی ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز کا یہی حکم ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۵۵)

آخر میں یہ جو فرمایا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز خوش دلی سے دی جائے اس کا کھانا مبارک بھی ہوگا اور خوشگوار بھی ہوگا۔ دل میں فرحت بھی ہوگی اور خوبی کے ساتھ جسم و جان میں بھی لگے گا۔ برخلاف اس کے جو چیز کسی کو بدلی سے دیجائے۔ وہ نہ مبارک ہوگی نہ خوشگوار ہوگی، اور نہ صحیح طور پر جسم و جان میں لگے گی۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا

اور بے وقوفوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی گذارنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ان مالوں سے ان کو کھانے پینے کے لئے دے دو

وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

اور ان کو کپڑے پہنا دو، اور ان سے بھلی بات کہہ دو، اور آزمالو تم یتیموں کو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہوجائیں

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا

سو اگر تم ان کی طرف سے سمجھداری محسوس کرو تو ان کے مال ان کو دے دو اور مت کھاؤ ان کے مالوں کو فضول خرچی کرتے ہوئے اور ان کے بڑے ہوجانے سے پہلے

اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ

جلدی کرتے ہوئے اور تم میں سے جو شخص صاحب مال ہو وہ پرہیز کرے اور جو شخص تنگدست ہو سو وہ مناسب طریقہ پر کھالے سو

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

جب تم دے دو ان کو ان کے مال تو اس پر گواہ بنالو اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

یتیم بچوں کے مالوں کے بارے میں چند ہدایات

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں اول یہ فرمایا کہ بیوقوفوں کو اپنے مال نہ دے دو، بیوقوفوں سے یتیم مراد ہیں اول یہ حکم فرمایا تھا کہ یتیموں کو ان کے مال دے دو جب وہ بالغ ہوجائیں اور یہاں یہ فرمایا کہ باوجود بالغ ہوجانے کے ان کا مال ان کو نہ دو، اگر ان کے اندر ہوش مندی اور سمجھداری نہ پائی جائے بالغ ہو کر بھی ان میں بچپن کی بیوقوفی موجود ہو جس سے اندیشہ ہو کہ مال کو برباد کردیں گے تو ان کے مال ان کے سپرد نہ کرو بلکہ اپنی تحویل میں حفاظت سے رکھو اور ان کے کھانے پینے پہننے کے اخراجات میں خرچ کرتے رہو اور جب وہ دلگیر ہوں، برا مانیں کہ ہمارا مال ہمارے قبضہ میں نہیں آیا تو ان کو سمجھا دو کہ تمہاری مصلحت کے لئے میں نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، ذرا اور بڑے ہوجاؤ تمہارا مال ہے تم ہی کو ملے گا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک نکتہ قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ اَمْوَالَهُمْ نہیں فرمایا بلکہ اَمْوَالَكُمْ فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ

یتیموں کے مالوں کو خورد برد کرنے اور اپنے اوپر خرچ کرنے کے بارے میں تو ان کے مال کو اپنا مال نہ سمجھو لیکن حفاظت سے رکھنے کے بارے میں ایسا سمجھو جیسے تمہارا ہی مال ہے ان کے مال کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو، اور اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ تم میں سے جو کوئی شخص کسی یتیم کو مال ہبہ کرے تو اس مال کو بھی حفاظت سے رکھے اور ان کو اس وقت تک حوالہ نہ کرے جب تک کہ ان میں بالغ ہونے کے بعد ہوشمندی سمجھداری نہ دیکھ لے۔ 13

نیز ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ مال کو قیاماً سے تعبیر فرمایا کہ اس میں یہ بتایا کہ مال کے ذریعہ انسان کی زندگی اچھی طرح سے گذرتی ہے اور مال انسانی زندگی کے صحیح طریقے پر قائم رہنے اور انسانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ ہے، اللہ کسی کو حلال مال دے تو اس کی قدر کرے اپنی جان پر اہل وعیال پر خرچ کرے مال کو ضائع نہ کرے فضول خرچی میں نہ اڑا دے۔ مال ضائع کرنا ہنر اور کمال نہیں بلکہ حرام ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے تم پر حرام فرمایا ہے ماؤں کو تکلیف دینا اور بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا (جیسے اہل عرب کرتے تھے) اور جس کا حق چاہیئے اس کا حق روک دینا اور جس پر اپنا حق نہ ہو اس سے مانگنا اور اللہ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ قیل وقال کی جائے، اور زیادہ سوال کئے جائیں اور مال ضائع کیا جائے (رواہ البخاری صفحہ ۳۲۴: ج ۱)

دوسرا حکم یہ دیا کہ یتیموں کو آزمالو جب وہ بالغ ہو جائیں تو دیکھو ان کے اندر سمجھداری اور ہوشمندی ہے یا نہیں، اگر ان کا مال ان کے سپرد کر دیا جائے تو حفاظت سے رکھتے ہوئے سلیقہ سے اچھے چال چلن کے ساتھ زندگی گذارنے کا ذریعہ بنا سکیں گے یا نہیں بے جا خرچ کر کے مال کو برباد تو نہ کر دیں گے، جب تم یہ محسوس کر لو کہ مال کو ضائع نہیں کریں گے خوبی سے خرچ کریں گے تو ان کے مال ان کو دے دو اس صورت میں بالغ ہو جانے کے بعد ان کے مال ان کے سپرد کرنے میں دیر نہ لگاؤ۔

تیسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ یتیموں کے مالوں کو فضول خرچی کر کے نہ کھاؤ اور اس ڈر سے نہ اڑا دو کہ یہ بڑا ہو جائے گا تو اپنا مال مانگ لے گا اور ضابطہ کے مطابق اس کو دینا پڑے گا یہ سوچ کر اس کے بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنی ذات یا اپنی اولاد پر یا احباب واصحاب پر خرچ نہ کر ڈالو۔

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا کہ جو اولیاء یتیموں کے مالوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان میں جو لوگ صاحب حیثیت ہیں، وہ ان یتیموں کے مالوں میں سے نہ کھائیں اور جو لوگ محتاج وضرورت مند ہوں وہ مناسب طریقے پر ان کے مال میں سے کھا سکتے ہیں، اس کے بارے میں علامہ آلوسی نے روح المعانی صفحہ ۲۰۸: ج ۴ میں تین قول لکھے ہیں اول یہ کہ پہلے ضرورت مند ولی کو یتیم کے مال سے کھانے کی اجازت تھی بعد میں آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی (الآیۃ) نے اس کو منسوخ کر دیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یتیم کا ولی جو تنگدست ہو بطور قرض بقدر ضرورت اس کے مال سے کھا سکتا ہے جب مال ہاتھ میں آجائے تو ادائیگی کر دے۔ یہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد اور

حضرت ابوالعالیہ اور حضرت عبیدہ سلمانی اور حضرت باقر رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یتیم کا ولی جو ضرورت مند ہو اس کے مال کی نگرانی اور متعلقہ امور ضروریہ کی مشغولیت کے عوض بطور اجرت اس میں سے کھا سکتا ہے، مگر یہ کھانا بالمعروف یعنی مناسب طریقہ پر ہو مثلاً ایک یتیم ہے اس کے باپ نے جائیداد چھوڑی ہے بہت دکانیں ہیں۔ مکان ہیں، کھیتیاں ہیں، باغات ہیں ان کی دیکھ بھال کرنے، کرائے وصول کرنے اور محکموں میں جانے، مزدوروں کسانوں کو تلاش کرنے میں کافی وقت صرف ہوتا ہے اس دوڑ دھوپ محنت و کوشش کے عوض وہ شخص کھا سکتا ہے جو ان کاموں میں لگا ہوا ہے اور یہ کھانا بھی بالمعروف یعنی مناسب طریقے پر ہو، اس میں یتیم کی ہمدردی کا پورا پورا لحاظ رہے مال اڑانے کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے، اس سے زیادہ نہ لے جتنا اور کسی شخص کو اس کی اجرت دینا گوارا ہوتا اور یہ بھی دیکھ لیں کہ ہم اپنے کام کے لئے آتے تو کتنا خرچ ہوتا۔ ایسا نہ کریں کہ یتیم کے مال کی نگہداشت کرنے کے سلسلہ میں سفر میں جائیں تو بڑے بڑے ہوٹلوں میں ٹھہر کر بے تحاشا مال خرچ کر دیں اور اپنی ضرورت سے اسی شہر میں جائیں تو معمولی سے کرائے کی جگہ لیں اور معمولی سا کھانا کھا کر گذار لیں۔ اصولی بات یہ ہے جو اپنے لئے پسند کریں وہی یتیم کے لئے پسند کریں۔

پانچواں حکم یہ ہے کہ جب یتیموں کو ان کے مال سپرد کرنے لگو تو گواہ بنالیا کرو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعد میں وہ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے مال نہیں لیا، اور جتنا مال دیا ہوگا اس کی مقدار کا علم بھی رہے گا۔ اور کبھی کوئی بات مخالفت اور اعتراض کی پیش آ گئی تو گواہوں کے ذریعہ فیصلہ ہو سکے گا۔

آخر میں فرمایا وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے) اس لفظ میں بہت جامعیت ہے جو بھی ولی یا وصی یتیم کے مال کی نگرانی کرے گا اور اس سلسلہ میں غلط طریقہ اختیار کرے گا مثلاً حساب غلط لکھے گا۔ کسی حاکم کو رشوت دے کر غلط فیصلہ کرالے گا، یا یتیم بالغ ہو کر مال لینے کے بعد وصول کرنے سے انکاری ہو جائے گا یا جتنا مال ملا ہے اس کی مقدار کم ظاہر کرے گا (غرض جس جانب سے بھی غبن یا خیانت ہو) تو وہ دنیا کی ظاہری کاغذی کاروائی کے ذریعہ مطمئن نہ ہو جائے اس کے پیش نظر رہے کہ یوم آخرت بھی سامنے ہے اللہ جل شانہ حساب لینے والا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے وہاں کے حساب میں صحیح اترنا چاہیئے۔

فائدہ: آیت بالا میں جو یہ فرمایا حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو سمجھداری محسوس ہونے پر ان کے مال ان کے حوالے کر دو اس میں بلوغ کا ذکر ہے۔ لڑکا بالغ جب ہوتا ہے جب احتلام ہو جائے یا انزال ہو جائے اور لڑکی اس وقت بالغ ہوتی ہے جب اسے حیض آ جائے یا احتلام ہو جائے یا حاملہ ہو جائے اگر ان چیزوں میں سے کچھ نہ ہو تو لڑکا یا لڑکی جب بھی ہجری سال کے اعتبار سے پندرہ سال کا ہو جائے شرعاً بالغ سمجھا جائے گا۔ قول مفتی بہ یہی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

مردوں کے لئے اس مال میں سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لئے مال میں سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷

اور رشتہ داروں نے چھوڑا، وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے

میراث میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر ہیں

تفسیر: اس آیت شریفہ میں میراث جاری کرنے کی اہمیت بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مردوں اور عورتوں کے جو حصے مقرر ہیں ان کا دے دینا فرض ہے، مردوں کا بھی اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے متروکہ مالوں میں حصہ مقرر ہے، اور عورتوں کے لئے بھی اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے اموال واملاک میں حصہ مقرر ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو مرنے والے کی میراث سے حصہ نہیں دیا کرتے تھے اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہی رواج ہے، اول تو لوگ میراث تقسیم کرتے ہی نہیں جس کے قبضہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر قبضہ جمائے بیٹھا رہتا ہے، اور اگر حصہ دینے بھی لگتے ہیں تو مرنے والوں کی بیویوں اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ خاص کر جہاں دو بیویوں کی اولاد ہوان میں جس بیوی کی اولاد کا قابو ہوگیا وہی سارا مال دبا لیتے ہیں شرعی طور پر حق دینے کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ وارثین میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، ان کا مال بھی کھا جاتے ہیں، اور میراث کا جو شرعی نظام ہے اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، نماز پڑھنے کی حد تک تو مسلمان ہیں، تلاوت ذکر اذکار بھی خوب کرتے ہیں لیکن میراث جاری کرنا جو شریعت کا ایک لازمی حکم ہے اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جیسے والدین سے میراث پہنچتی ہے ایسے ہی دوسرے رشتہ داروں کے مال میں سے بھی بطور میراث مردوں اور عورتوں کو حصہ پہنچتا ہے جس کی کچھ تفصیلات انشاء اللہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں معلوم ہوں گی، ہر رشتہ دار کو حصہ نہیں پہنچتا ہے اس کے کچھ اصول مقرر ہیں جو کتب فرائض میں مذکور ہیں۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا

اور جب تقسیم کرنے کے موقعہ پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہو جائیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دے دو اور ان سے اچھے طریقہ پر بات کرو،

مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ

اور چاہئے کہ وہ لوگ ڈریں جو اپنے پیچھے ضعیف بچوں کو چھوڑ جاتے اور ان پر خوف ہوتا

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا

سو یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک بات کریں بیشک جو لوگ ظلم کے طریقے پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں بات

يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰

یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے

یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید اور ان کے مالوں کی نگرانی کا حکم

تفسیر: بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میراث کا مال تقسیم ہونے لگے تو عزیز رشتہ دار اور یتیم مسکین بھی حاضر ہو جاتے

ہیں جن کو میراث میں شرعاً حصہ نہیں پہنچتا اگر یہ لوگ ایسے موقعہ پر حاضر ہو جائیں تو بالغ ورثا اپنے حصوں میں سے کچھ دے دیں تاکہ ان کی دلداری ہو جائے اور ان کو مناسب طریقہ پر نرمی کے ساتھ اچھے الفاظ میں سمجھا دیں کہ شرعاً تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے تم کو میراث میں سے نہ دینا کوئی ظلم زیادتی کی بات نہیں ہے اور یہ ہم اپنے پاس سے پیش کر رہے ہیں، آپ حضرات قبول کر لیں اور دلگیر نہ ہوں اللہ کی قضا و قدر اور اس کی شریعت پر راضی رہیں، پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کے قبضہ میں مرنے والے کا مال آجائے وہ لوگ مال کو خود ہی لے کر نہ بیٹھ جائیں شرعی حصہ داروں کو ان کے حصے دے کر شرعی فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں محتاج بھی، یتیم بھی اور چھوٹے بچے بھی، اگر ان کا حصہ نہ دیا یا حصہ دینے میں دیر لگائی تو ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا یہ غور کریں کہ اگر ہم مرجاتے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ جاتے تو ہماری کیا خواہش ہوتی۔ اپنی اولاد کے بارے میں یہ سوچتے کہ پورا پورا حصہ ملے تاکہ ضائع ہو جانے سے بچ جائیں۔ یہی بات دوسروں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے بارے میں سوچنی چاہیئے۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میراث صحیح طریقہ پر تقسیم کرو اور بچوں کا مال ایسے ولی یا وصی کے سپرد کرو جو مال کو ضائع نہ کردے خیانت نہ کرے اور بچوں پر مناسب طریقہ پر خرچ کرے اور جب بالغ ہو جائیں تو ان کو دے دے عملی طور پر بھی بچوں کو مطمئن کردے اور ان کا حصہ دیدے تاکہ حق بحق دار رسید پر عمل ہو جائے اور قولی طور پر بھی ایسی باتیں کرے جو مناسب ہوں جن میں ان کی دلداری ہو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا ہی سب کچھ ہے، کھایا پیا یہیں برابر ہو جائے گا، خوب سمجھ لیں کہ آگے آنے والی گھاٹی بہت سخت ہے یوم آخرت میں حساب و کتاب ہے یتیموں کے مال کھا جانا آسان بات نہیں۔ یہاں وہ ضعیف ہیں معصوم بچے ہیں کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن بارگاہ خداوندی میں جب پیشی ہوگی تو اس حرام خوری کی سزا بھگتنی ہوگی یتیم کا مال کھا رہے ہیں، بظاہر روٹی سے پیٹ بھر رہے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے پیٹ میں نار آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور پھر قیامت کے دن دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ جو لوگ ورثہ کا مال تقسیم نہیں کرتے یتیموں کا حق نہیں دیتے اور جو لوگ یتیم خانے کھول کر بیٹھے ہوتے ہیں یتیموں کے نام سے چندے کرتے ہیں اور ان پر ذرا بہت خرچ کر کے خود ہی کھا جاتے ہیں۔ آیت کے مضمون پر بار بار غور کریں حقیقت یہ ہے کہ میراث کے مال تقسیم نہ کرنے کی وجہ سے گھر گھر یتیم کا مال کھایا جا رہا ہے اور کھانیوالوں کو ذرا اس طرف توجہ نہیں۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، لڑکے کے لئے اتنا حصہ ہے جتنا دو لڑکیوں کا ہے، سو اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں

فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

تو ان کے لئے اس مال کا دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور اس کے ماں باپ کے لئے یعنی ہر ایک کے لئے

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ

چھٹا حصہ ہے اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا بشرطیکہ اس کے اولاد ہو، پس اگر اس کے لئے اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے،

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ

سو اگر مرنے والے کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے، اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو مرنے والے نے کی ہو یا اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت پر ہو، تمہارے باپ

اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًاؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱

اور بیٹے ہیں تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تم کو کون شخص نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے، یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں، بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

میراث پانے والوں کے حصوں کی تفصیل

تفسیر: اس رکوع میں تفصیلی طور پر اللہ جل شانہ نے میراث کے احکام بتائے ہیں اور میراث کے بعض احکام سورہ نساء کے آخری رکوع میں بھی مذکور ہیں۔ مندرجہ بالا آیت میں ماں باپ اور اولاد کے حصے بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تم کو اولاد کی میراث کے بارے میں حکم دیتا ہے اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ مرنے والے کے چھوڑے ہوئے مال میں جو حصے دیئے جارہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردیئے گئے ہیں۔ خود مرنے والے کو یا کسی بھی حکومت کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان میں ردوبدل کرے، قرآن کے بیان فرمودہ قانون کے خلاف جو کوئی قانون بنادیا جائے وہ قانون باطل ہوگا، اس کے بعد فرمایا: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ یعنی لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دے دو۔

۱۔ مثلاً اگر ماں باپ نہ ہوں اور بیوی اور شوہر بھی نہ ہو اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو متروکہ مال کے چار حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ ہر لڑکی کو دے دیا جائے۔

۲۔ اور اگر مرنے والے کے ماں باپ ہیں یا دونوں میں سے ایک ہے یا شوہر یا بیوی ہے تو ان کا حصہ دے کر جو مال بچ جائے اس کو بھی اسی اصول کے مطابق تقسیم کردیا جائے یعنی ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دوگنا دے دیا جائے۔

۳۔ اور اگر مرنے والے نے اولاد میں صرف لڑکیاں چھوڑی ہیں لڑکا کوئی نہیں ہے تو اگر صرف ایک لڑکی ہے تو اس کو کل مال کا آدھا حصہ دے دیا جائے (اور باقی حسب ضابطہ دوسرے وارثوں کو دے دیا جائے گا)۔

۴: اور اگر لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں اور لڑکا کوئی ہو تو ان دونوں لڑکیوں کو کل مال کا دو تہائی ۲/۳ حصہ دے دیا جائے یعنی ہر لڑکی کو تہائی تہائی حصہ دے دیں (اور باقی ایک تہائی دوسرے وارثوں کو حسب ضابطہ دے دیا جائے)۔

۵۔ اگر مرنے والے کے ماں باپ بھی ہیں اور اولاد بھی ہے اگرچہ ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہی ہو تو ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ یعنی ۱/۶ دے دیا جائے، یعنی باپ کو بھی چھٹا حصہ اور ماں کو بھی چھٹا حصہ دے دیں، باقی مال جو بچے وہ اولاد پر تقسیم کردیا جائے جس کا اصول اوپر بیان کیا گیا۔

۶۔ اور اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو نہ لڑکا ہو نہ لڑکی، اور میراث پانے والے صرف والدین ہی ہوں تو کل مال کا ایک تہائی حصہ ۱/۳ والدہ کو اور دو تہائی ۲/۳ والد کو دے دیا جائے۔

۷۔ اگر مرنے والے کے اولاد نہ ہو اور میراث پانے والے ماں باپ ہوں اور ساتھ ہی اس کے بھائی بہن بھی ہوں جو ایک سے زیادہ ہوں (مثلاً ایک بھائی ہو اور ایک بہن ہو) خواہ سگے ہوں یا باپ شریک ہوں یا ماں شریک ہوں تو اس صورت میں اس کی ماں کو کل مال سے چھٹا حصہ ۱/۶ ادیا جائے گا اور باقی جو بچا وہ اس کے والد کو دے دیا جائے (بہن یا بھائی کو کچھ نہیں۔ ملے گا، البتہ ان کے موجود ہونے سے اتنا فرق پڑ گیا کہ والدہ کا حصہ تہائی سے کم ہو کر چھٹا حصہ رہ گیا)۔

وَهٰذَا حَجْبُ النُّقْصَانِ فِیْ اِصْطِلَاحِ اَهْلِ الْفَرَائِضِ وَانْتَقَصَ حِصَّةُ الْاُمِّ مَعَ اَنَّ الْاِخْوَةَ لَمْ یَنَالُوْا شَیْئًا (اور یہ علمائے میراث کی اصطلاح میں یہ باعثِ نقصان ہے اور باوجودیکہ بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملا ماں کا حصّہ کم ہو گیا ہے)

۸۔ اور اگر مرنے والے کے اولاد نہ ہو اور میراث پانے والے ماں باپ ہوں اور ساتھ ہی اس نے صرف ایک بھائی یا صرف ایک بہن چھوڑی ہو تو اس سے والدہ کے حصہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، وہ حسب ضابطہ ۱/۳ حصہ لے گی اور باقی ۲/۳ باپ کو ملے گا۔

اولاد اور والدین کے حصے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اٰبَآءُ كُمْ وَاَبْنَاءُ كُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا یعنی یہ تمہارے اصول و فروع ہیں تمہیں پتہ نہیں کہ ان میں سے کون سا شخص تم کو (امید کے اعتبار سے) نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے پر میراث کی تقسیم چھوڑ دی جاتی تو تم تو یہ دیکھتے کہ جو شخص ہمیں زیادہ نفع پہنچانے والا ہو اسی کو حصہ زیادہ دیں اس طرح حصے مقرر ہی نہ ہو سکتے تھے، اور پھر یہ بھی ممکن تھا کہ کسی سے زیادہ امید باندھ کر زیادہ مال دینے کی وصیت کر دی جاتی خواہ اس نے کچھ بھی نفع نہ پہنچایا ہو لہٰذا نفع یا امید نفع پر میراث کے حصوں کی تقسیم نہیں رکھی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری مصلحتوں کے اعتبار سے خود ہی حصے مقرر فرما دیئے اور حصوں کی بنیاد اولاد یا ماں باپ ہونے پر رکھ دی یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور جس کا جو حصہ مقرر کیا گیا ہے اسے وہی دینا ہو گا، کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، کسی وارث کو محروم کرنا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اس نے جو کچھ حکم دیا وہ حکمت کے مطابق ہے۔

فائدہ: بہت سے لوگ اپنی بعض اولاد کو عاق کر دیتے ہیں اور حاکم کے یہاں یہ لکھوا دیتے ہیں کہ اس کو ہماری میراث سے کچھ نہ دیا جائے ایسا کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص ایسے لکھ بھی دے تب بھی کوئی اولاد حصہ شرعی سے محروم نہ ہو گی اور لامحالہ شرعی حصہ دینا ہی ہو گا۔ میراث کی تقسیم نفع پہنچانے یا خدمت زیادہ کرنے کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ اولاد ہونے کی بنیاد پر ہے لہٰذا کسی بھی لڑکے یا لڑکی کو میراث سے محروم کرنا یا ایسی وصیت کر دینا کہ اسے میراث نہ ملے شرعاً حرام ہے۔

فائدہ ثانیہ: اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ماں باپ کی میراث میں تمام اولاد کو حصہ دار بنایا ہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں، البتہ لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا رکھا ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ لڑکی کو شوہر کی طرف سے مہر بھی ملے گا، اور اس کی اولاد کی پرورش بھی اس کے شوہر یعنی بچوں کے باپ کے ذمہ ہو گی۔ برخلاف اس کے لڑکوں کو اپنی بیویوں کو مہر دینے ہوں گے اور اولاد کی پرورش بھی خود کرنی ہو گی۔

بہنوں کو میراث سے محروم کرنا حرام ہے: اور یہ بات ملحوظ رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کر دینا

اوران کو جو میراث سے حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں ہی تقسیم کر لینا (جیسا کہ اکثر یہی ہوتا ہے) یہ سخت حرام ہے، بہنوں پر ظلم ہے اور قانون خداوندی سے بغاوت ہے اگر کسی فرد یا جماعت یا پنچایت یا ملک کے حکام اپنے مروجہ قانون کے مطابق لڑکوں ہی میں مرنے والوں کی میراث تقسیم کر دیں اور لڑکیوں کو محروم کر دیں تو اس طرح سے لڑکوں کے لئے شرعاً بہنوں کا حصہ لے لینا حلال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فرمایا یعنی لڑکوں کا حصہ علیحدہ سے بتایا ہی نہیں بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے غیر منقسم ہندوستان میں جب انگریزوں کا تسلط تھا اور انہیں کا قانون رائج تھا اس زمانہ میں ایک مسلمان انگریز مجسٹریٹ کے یہاں اپنے باپ کی میراث تقسیم کرانے کے لئے گیا، اور اس سے کہا کہ آپ انگریزی قانون کے مطابق تقسیم کر دیں، مجسٹریٹ نے کہا چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں اس لئے میں اسی طرح تقسیم کر دوں گا جیسے آپ کہہ رہے ہیں لیکن میرا سوال یہ ہے کہ آپ مسلمان ہوتے ہوئے قرآن کے مطابق کیوں تقسیم نہیں کراتے؟ قرآن میں تو آدھی سطر سے بھی کم میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کا حصہ بیان فرما دیا ہے آپ قرآن کے لفظ لِلذَّكَرِ کو تو ماننے کے لئے تیار ہیں مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ماننے کو تیار نہیں۔ یہ قرآن ماننے کا کون سا طریقہ ہے؟ مسلمان صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

بعض لوگ بہنوں کا حصہ یوں کہہ کر دبا لیتے ہیں کہ وہ لیتی ہی نہیں یا انہوں نے معاف کر دیا ہے، اگر واقعی سچے دل سے معاف کر دیں تو وہ معاف ہو جاتا ہے لیکن اگر انہوں نے اوپر کے دل سے معاف کر دیا تو اس سے معاف نہیں ہوگا، اس میں بھی وہی تفصیل جو فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ کے ذیل میں مہروں کی معافی کے سلسلہ میں ذکر ہو چکی ہے، اگر بہنوں کو بتا دے کہ تمہارا اتنا اتنا حصہ ہے اتنے اتنے ہزار روپے تمہارے حصے میں آ رہے ہیں اور باغ میں تمہارا اتنا حصہ ہے اور مکان میں جائیدا میں اور زرعی زمین میں اتنا اتنا حصہ ہے، اور وہ سمجھ لیں کہ ہم اپنے اپنے حصہ میں صاحب اختیار ہیں، معاف نہ کریں تو ہمارے بھائی ضرور ہمارا حصہ ہم کو دے دیں گے اس کے باوجود معاف کر دیں تو یہ معافی معتبر ہوگی اگر انہوں نے یہ سمجھ کر اوپر کے دل سے معاف کر دیا کہ ملنا تو ہے ہی نہیں۔ بھائیوں کا دل بھی کیوں برا کیا، اگر شوہر سے مخالفت ہو گئی یا اس کی موت ہو گئی تو ان بھائیوں کے پاس آنا پڑے گا، اس وقت بھائی برا مانیں گے اور بھابیاں طعنہ دیں گی، اس لئے لاؤ مجبوراً زبانی طور پر معاف ہی کر دیں۔ ایسی معافی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ طیب نفس سے اور اندر کی خوشی سے نہیں ہے۔

فائدہ: میت کے مال میں سے جو حصے تقسیم ہوں گے وہ قرضوں کی ادائیگی اور وصیت نافذ کرنے کے بعد جاری ہوں گے جس کو مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ کے مختصر الفاظ میں بیان فرما دیا ہے یہ واضح رہے کہ قرضوں کی ادائیگی میراث نافذ کرنے سے پہلے ہوگی اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں اوراق میں بیان ہوگی۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

اور تمہارے لئے اس مال میں سے آدھا ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں۔ اگر ان کے اولاد نہ ہو، سو اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے اس مال کا

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ

چوتھائی ہے جو کچھ انہوں نے چھوڑا اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئیں اور اس قرضے کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہے اور ان کے لئے اس مال کا چوتھائی ہے

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

جو تم نے چھوڑا اگر تمہارے اولاد نہ ہو، سو اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کے لئے آٹھواں ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو تم وصیت

تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

کر گئے ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو تمہارے ذمہ ہو۔

میراث میں شوہر اور بیوی کا حصہ

تفسیر: اس آیت میں شوہر اور بیوی کا حصہ میراث بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ اگر بیوی فوت ہو جائے تو اس کے کل متروکہ اموال واملاک سے شوہر کو آدھا مال ملے گا، بشرطیکہ اس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو نہ کوئی لڑکا ہو اور نہ کوئی لڑکی نہ ایک اور نہ ایک سے زیادہ، نہ اس شوہر سے اور نہ کسی پہلے شوہر سے۔

۲۔ اگر عورت فوت ہو جائے اور اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہو خواہ ایک لڑکا یا لڑکی ہی ہو موجودہ شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے تو جس شوہر کی زوجیت میں ہوتے ہوئے فوت ہوئی ہے اس شوہر کو اس عورت کے متروکہ مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اور دونوں صورتوں میں یہ حصہ ادائے دین اور نفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا۔

۳۔ اگر شوہر فوت ہو جائے اور اس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو نہ موجودہ بیویوں میں سے کسی سے اور نہ کسی پہلی بیوی سے تو مرتے وقت منکوحہ موجودہ بیوی کو کل متروکہ مال سے چوتھائی حصہ ملے گا۔

۴۔ اور اگر شوہر نے کوئی اولاد بھی چھوڑی ہے، خواہ ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہی ہو (کسی سابقہ یا موجودہ بیوی سے) تو موت کے وقت جو بیوی اس کے نکاح میں تھی اس کو شوہر کی میراث سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

یہ حصہ دونوں صورتوں میں ادائیگی دیون اور نفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا۔

فائدہ: اگر مرنے والے نے ایک سے زیادہ بیویاں چھوڑی ہوں تو ۱/۴ یا ۱/۸ میں سب شریک ہوں گی، اور مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق چوتھائی یا آٹھواں حصہ دیا جائے۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ

اور اگر مرنے والا کوئی مرد یا کوئی عورت ہو جس کو مورث بنایا جا رہا ہو اور حال یہ ہے کہ (کلالہ کی تفسیر کو ترجمہ میں لے لیا گیا ہے) اس کے ماں باپ (دادا بھی باپ کے حکم میں ہے) میں سے کوئی نہ ہو اور نہ کوئی بیٹا بیٹی ہو اور نہ پوتا پوتی ہو اور اس نے کوئی بھائی یا بہن چھوڑی ہو

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ

تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، سو اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی مال میں شریک ہوں گے

مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی ہو اور ادائے قرض کے بعد، اس حال میں کہ نقصان پہنچانے کی نیت نہ کی ہو۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ

عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

علیم ہے اور حلیم ہے۔

اخیافی بہن بھائی کا حصہ

تفسیر: یہاں پر کلالہ کی میراث کا حکم بیان فرمایا، کلالہ وہ مرد یا عورت ہے جس کی نہ ماں زندہ ہو نہ باپ نہ دادا، نہ بیٹی ہو، نہ بیٹا، نہ بیٹے کی اولاد ہو، اگر کلالہ مر جائے اور اس کے سگے بہن بھائی ہوں یا باپ شریک بہن بھائی ہوں تو ان کا حصہ سورہ نساء کی آخری آیت یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ میں بیان فرمایا ہے اور اگر ایسے مرد یا عورت کا کوئی بہن یا بھائی ماں شریک ہو (جسے فقہاء کی اصطلاح میں اخیافی بہن بھائی کہتے ہیں) تو ان کا حصہ یہاں بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی ماں شریک یا ایک بہن ماں شریک ہو تو ان میں سے ہر ایک کو مرنے والے کے مال میں سے چھٹا حصہ ملے گا، یہ اس صورت میں ہے جبکہ صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو اور اگر یہ لوگ ایک سے زیادہ ہوں یا دو بھائی اور ایک بہن ہو یا اس سے بھی زیادہ ہوں تو وہ سب مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے، ان میں مذکر و مؤنث کا حصہ برابر ہوگا اور باقی دو تہائی مال دوسرے وارثوں کو دے دیا جائے گا، ان کو دونوں صورتوں میں جو حصہ ملے گا ادائے دین اور انفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا یہ تفصیل اخیافی بہن بھائی کے حصوں کے بارے میں ہے۔

عینی اور علاتی بہن بھائیوں کا حصہ: اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو گیا جو کلالہ ہے یعنی اس کی اولاد یا ماں باپ نہیں ہیں اور اس کی ایک بہن حقیقی یا باپ شریک ہے تو اس بہن کو مرنے والے کا آدھا مال دیا جائے گا اور اگر کوئی عورت وفات پاگئی جو کلالہ ہے جس کے اولاد اور ماں باپ نہیں ہیں اور اس کا ایک بھائی حقیقی یا باپ شریک ہے تو یہ بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہو جائے گا، اگر مرنے والا کلالہ ہے اور اس کی دو بہن ہیں، سگی یا باپ شریک ہیں تو یہ دونوں مرنے والے کے کل ترکہ سے دو تہائی ۲/۳ مال لے لیں گی اور اگر دو بہنوں سے زیادہ ہوں تب بھی سب دو تہائی ہی میں شریک ہوں گی۔ اور اگر کوئی شخص کلالہ فوت ہو گیا اور اس نے سگے یا باپ شریک بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان میں مرنے والے کی میراث لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ کے اصول پر تقسیم ہوگی، یعنی ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دوگنا حصہ دیا جائے گا، مثلاً ایک شخص کی وفات ہوگئی جس کی اولاد اور ماں باپ نہیں ہیں اور اس نے ایک سگا بھائی اور دو سگی بہنیں چھوڑی ہیں تو کل مال کے چار حصے کر کے دو حصے بھائی کو اور ایک ایک حصہ ہر بہن کو دے دیا جائے گا، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ کلالہ کے بہن بھائیوں کی میراث کا حکم سورہ نساء میں دو جگہ بیان کیا گیا ہے، سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں ماں شریک بہن بھائیوں کا حصہ بتایا ہے اور سورہ نساء کے آخری رکوع میں سگے اور باپ شریک بہن بھائیوں کا حصہ بتایا ہے۔

میراث کے مقررہ حصے ادائے دین اور انفاذ وصیت کے بعد دیئے جائیں گے

جتنے بھی حصے شروع رکوع سے اب تک بیان فرمائے ان سب میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ حصے مرنے والے کی وصیت نافذ کرنے اور ادائے دین کے بعد دیئے جائیں گے یہاں یہ بات واضح رہے کہ وصیت کا ذکر اگرچہ دین سے پہلے آیا ہے لیکن اصول یہ ہے کہ پہلے مرنے والے کے مال سے اس کے کفن و دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں جو واجبی شرعی اخراجات ہوں اس کے بعد اس کے قرضے ادا کئے جائیں، اگر پورا مال قرضوں کی ادائیگی میں خرچ ہو جائے تو اس نے جو کچھ وصیت کی ہو نہ اس کی کوئی حیثیت باقی رہے گی اور نہ کسی وارث کو کچھ ملے گا۔

ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے: حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ (جس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وصیت مقدم ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے کی ادائیگی کا فیصلہ فرمایا ہے (رواہ ابن ماجہ والترمذی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۳)

وصیت تہائی مال میں نافذ ہوگی: اگر قرضوں کی ادائیگی کے بعد کم یا زیادہ کچھ مال بچ گیا تو مرنے والے کے تہائی مال کے اندر اندر وصیت نافذ کی جائے گی (بشرطیکہ وصیت شرعاً صحیح ہو) اگر اس نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ہے تب بھی تہائی مال میں نافذ ہوگی ہاں اگر بالغ ورثاء اپنے حصہ میں سے خرچ کرنے پر راضی ہو جائیں تو جتنے مال کی اجازت دیں، اسی قدر مال میں وصیت نافذ ہو سکے گی، نابالغ وارث کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر مرنے والے کی کوئی وصیت نہیں ہے۔ تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو بھی مال بچے گا۔ اس سارے مال میں میراث جاری ہوگی، اگر نہ قرض ہے اور نہ وصیت ہے تو وارث اپنے اپنے مقررہ حصوں کے بقدر پورا مال تقسیم کر لیں گے۔

وصیت کے بعض احکام: اگر کوئی شخص آخرت کے اجر و ثواب کے لئے بطور صدقہ جاریہ کچھ مال خرچ کرنے کی وصیت کر دے یا وارثوں کے علاوہ کسی دوسرے عزیز قریب یا کسی اجنبی کو اپنے مال میں سے کچھ دینے کے لئے وصیت کر دے تو صرف تہائی مال میں وصیت کرے اور بہتر یہ ہے کہ تہائی سے بھی کم میں کرے۔ جب مرنے والے نے وصیت کر دی تو اب وارثوں پر فرض ہے کہ جو وصیت شریعت کے مطابق ہو اس کو نافذ کریں اور وصیت کا مال خود نہ کھا جائیں اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے، قرآن مجید میں جو وصیت کو دین سے پہلے ذکر کیا ہے (اور بار بار ایسا ہی فرمایا ہے) بعض علماء نے اس کی یہی حکمت بتائی ہے کہ جن لوگوں کا قرض ہے وہ تو لڑ جھگڑ کر قوت و طاقت سے وصول کر لیں گے اور وصیت کا نافذ کرنا محض وارثوں کے رحم و کرم پر ہے، نہ مسجد و مدرسہ والے دعویٰ لے کر اٹھیں گے نہ دوسرا شخص جس کے لئے وصیت کی ہے جھگڑنے کے لئے کھڑا ہوگا (بلکہ بعض مرتبہ اسے پتہ بھی نہیں ہوتا جس کے لئے وصیت کی ہے) اس لئے قرآن مجید بطور تاکید اور شدت اہتمام ظاہر فرمانے کے لئے وصیت کو ترتیب ذکری میں مقدم فرمایا اگرچہ وہ عملاً دین سے مؤخر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص پر حج فرض تھا اور اس نے وصیت کر دی کہ میری طرف سے حج کرا دیا جائے تو یہ وصیت بھی

تہائی مال میں نافذ ہوگی، وارثوں پر فرض ہوگا کہ اس کے تہائی مال میں سے حج بدل کرادیں۔ یہ لوگ اس وصیت پر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے اگر تہائی مال سے حج کے مصارف پورے نہ ہوتے ہوں تو جہاں سے سفر کرانے سے تہائی مال سے مصارف پورے ہوسکتے ہوں وہاں سے کسی کو بھیج کر حج بدل کرادیں۔ اور اگر ورثاء اپنے حصے میں سے باقی اخراجات برداشت کرلیں تو یہ بہتر ہے۔ ثواب میں شریک ہوجائیں گے۔

فائدہ: وارثوں سے محروم کرنا یا اس کی نیت کرنا حرام ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے وارث کی میراث سے کچھ حصہ کاٹ دیا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا (رواہ ابن ماجہ صفحہ ۱۹۴) (مثلاً کسی وارث کے بارے میں یوں کہا کہ اسے میراث نہ دی جائے یا خود ہی اپنی موت سے پہلے سارا مال ادھر ادھر کردیا تاکہ وارث کو نہ ملے تو اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرمانبرداری کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں پھر موت کے وقت ایسی وصیت کرجاتے ہیں جس میں (وارثوں کو) ضرر پہنچادیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے دوزخ واجب ہوجاتی ہے، اس کے بعد حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نے آیت میراث کا یہ حصہ تلاوت فرمایا:

مِنۡ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرٍّ وَّصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ الی قولہ تعالیٰ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۶)

مسئلہ: وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہاں اگر دوسرے ورثاء اجازت دیں تو اس کی گنجائش ہے۔

مسئلہ: قاتل کو مقتول کی میراث نہیں ملے گی۔

میراث کے بعض احکام: مسئلہ: مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۰۱: ج ۲)

فائدہ: میراث پانے والے تین قسم کے رشتہ دار ہیں۔

اول اصحاب الفرائض جن کے حصے قرآن مجید نے مقرر کیے ہیں (جن کا بیان تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکا ہے)۔

دوم عصبات، جو مال اصحاب الفرائض سے بچ جائے، یہ لوگ اس کے مستحق ہوتے ہیں، مثلاً مرنے والے کی اولاد میں جبکہ لڑکے لڑکیاں دونوں موجود ہوں تو دوسرے اصحاب الفروض کا حصہ دے کر جو بچے گا وہ للذکر مثل حظ الانثین کے اصول پر تقسیم کریں گے اسی طرح میت کے باپ کی اولاد یعنی میت کے بھائی اور میت کے دادا کی اولاد یعنی چچا اور چچاؤں کے لڑکے یہ سب اقرب فالاقرب عصبہ ہونے کی بنیاد پر وارث ہوتے ہیں۔

اوران میں تفصیل بہت ہے جو میراث کی کتب میں مذکور ہے اس مختصر سے بیان کو پڑھ کر مفتی نہ بن جائے اگر اصحاب فرائض نہ ہوں تو پورا مال بعد ادائے دیون وانفاذ وصیت یہی لوگ لے لیتے ہیں، ان کے بعد ذوی الارحام کا درجہ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عصبات نہ ہونے کی صورت میں حصہ ملتا ہے جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، ان مسائل میں تفصیلات بہت ہیں جو باقاعدہ استاد سے پڑھنے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

مسئلہ: بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عصبات نہیں ہوتے اور اصحاب الفرائض سے جو مال بچ جاتا ہے ان ہی کو بقدر ان کے حصوں کے واپس کر دیا جاتا ہے اس کو علماء میراث کی اصطلاح میں رد کرنا کہتے ہیں اس سے شوہر اور بیوی مستثنیٰ ہیں ان پر رد نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ: مرنے والے نے بیوی کا مہر اگر ادا نہیں کیا تو بیوی بحیثیت قرضخواہ ہونے کے اول اپنا قرض لے گی جو بصورت مہر شوہر پر واجب ہے، پھر اپنا میراث کا مقررہ حصہ مستقل لے گی، عام طور سے لوگ مرنے والے کی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں، مہر نہیں دیتے یا میراث نہیں دیتے یا دونوں ہی سے محروم کر دیتے ہیں یہ ظلم آخرت میں وبال بن کر سامنے آئے گا۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں، اور جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اسے اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے آگے نکل جائے

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

وہ اسے آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم اور نافرمانی پر وعید

تفسیر: میراث کے حصے بیان فرمانے کے بعد احکام خداوندیہ پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں خدائے پاک کے قانون کو توڑنا اور حد بندیوں سے آگے بڑھنا بغاوت ہے، اور قانون کی پاسداری کرنا اور اس کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی رضامندی اور اس کے انعامات حاصل ہونے کا سبب ہے۔ فرمانبرداروں کے لئے باغ ہیں جو دار النعیم میں ہوں گے ان میں ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں داخل ہو جانا بہت بڑی کامیابی ہے اور جو لوگ حدود وقوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ نافرمان ہیں، نافرمانوں کی سزا دوزخ کا عذاب ہے جو ذلیل کرنے والا ہے۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں مانتے یا جھوٹے منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اللہ کے قوانین کو غلط قرار دیتے ہیں ان کو ظالمانہ قوانین بتاتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں وہ تو کافر ہیں ہی ان کے لئے سزا دائمی اور ابدی ہے ان کو دوزخ سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، اور جو لوگ ایمان رکھتے ہوئے بے عمل ہیں سزا کے مستحق

وہ بھی ہیں۔ اللہ کی جب مشیت ہوگی ان کی دوزخ سے رہائی ہوجائے گی۔ قوانین میراث کے بارے میں جو عملی خلاف ورزیاں ہوئی ہیں۔ ان کا تذکرہ سلسلہ بیان میں کچھ آچکا ہے، بعض باتیں جو رہ گئی ہیں اب ان کے بارے میں عرض کیا جاتا ہے۔

ضروری مسائل وفوائد متعلقہ میراث: ۱۔ دور حاضر کے جاہل کہتے ہیں کہ مرنے والے کا مال جو اس کے بیٹوں پر برابر تقسیم ہوتا ہے اس میں یہ بھی ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی بیٹا باپ سے پہلے مرگیا تو اس کا حصہ مرنے والے کے بیٹے کے بیٹوں کو دے دیا جائے، یہ بات ملحدوں اور زندیقوں نے نکالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث میں اقربیت کو بنیاد بنایا ہے، مرنے والے کے بیٹے ہوں گے تو پوتوں کو میراث نہ ملے گی، اور یہ کہنا کہ مرنے والے کے بیٹے کا حصہ اس کے بیٹے کے بیٹوں کو دے دیا جائے سراپا جہالت اور گمراہی ہے اس لئے کہ باپ کی زندگی میں اس کے مال میں اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا یعنی بطور میراث کسی کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا، جس کسی کا کوئی حصہ ہے اصول کے مطابق مرنے والے کی موت کے بعد ہی ہے، جو میراث کے عنوان سے ملتا ہے۔

۲۔ مرنے والے کی بیویوں، بیٹیوں کو عموماً میراث نہیں دیتے یہ ظلم ہے جس کا ذکر پہلے آچکا۔

۳۔ عموماً میراث تقسیم کرتے ہی نہیں اسے مل جل کر کھاتے پیتے رہتے ہیں، وارثوں میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، ان کا مال کھا پی کر دوسرے لوگ برابر کردیتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں۔

۴۔ کفن میں غیر شرعی اخراجات کرتے ہیں، چارپائی کے اوپر کی چادر کفن کے ساتھ خریدی جاتی ہے، قبر میں اتارنے کے لئے علیحدہ ایک چادر خریدی جاتی ہے، پھر یہ چادریں قبرستان والوں کو یا رسم کے مطابق جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ یہ چیزیں کفن کی ضرورت میں شامل نہیں ہیں۔ میراث کے مشترک مال سے ان کو خریدنا خصوصاً جبکہ غائب وارث اور یتیم بچے بھی ہوتے ہیں جائز نہیں ہے جو لوگ یہ کپڑے لے لیتے ہیں ان کے لئے یہ کپڑے لے لینا حرام ہے کیونکہ یہ میراث کا مال مشترک ہے جو تقسیم سے پہلے دیا گیا ہے۔

۵۔ بعض علاقوں میں اس میراث کے مشترک مال سے دفن کے بعد قبر پر روٹیاں یا کوئی اور چیز تقسیم کی جاتی ہے اور بعض جگہ دفن کے بعد فقیروں یا شرکائے جنازہ کو گھر بلا کر کھانا کھلایا جاتا ہے اور یہ سب اسی مشترک مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے یہ رسم بدعت بھی ہے اور اس میں مشترک مال سے خرچ کرنے کا وبال بھی ہے۔ کھانے والوں کو ہوش نہیں کہ ہم کیا کھا رہے ہیں۔

۶۔ پھر اسی مشترک مال سے تیجا، دسواں، چالیسواں، کیا جاتا ہے اور سال بھر کے بعد برسی کی جاتی ہے ان کا بدعت ہونا تو سب کو معلوم ہی ہے، لیکن میراث کے مشترک مال میں سے خرچ کرنا یہ مستقل گناہ ہے۔

۷۔ بہت سے لوگوں کو قرآن پڑھنے کے لئے ایصال ثواب کے لئے گھر بلایا جاتا ہے یا بعض لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے کہ قبر پر چالیس دن تک قرآن پڑھتے رہو اور ان کو نذرانہ اور کھانا پینا اجرت کے طور پر دیا جاتا ہے اس میں اول تو مال

مشترک میں سے خرچ کرتے ہیں جو ناجائز ہے دوسرے ایصال ثواب کے دھوکہ میں رہتے ہیں جو شخص دنیاوی لالچ کے لئے قرآن مجید پڑھے اسے خود ہی ثواب نہیں ہوتا دوسروں کو کیا ثواب بخشے گا۔

۸۔ بہت سے علاقوں میں حیلہ اسقاط کا رواج ہے، میراث کے اسی مال مشترک سے لے کر بیس تیس سیر غلہ میت کے چاروں طرف گھماتے ہیں پھر جو لوگ حاضر ہوتے ہیں آپس میں بانٹ لیتے ہیں، اور بعض علاقوں میں رواج ہے کہ اولیاء میت پر یکمشت مخصوص رقم واجب کر دیجاتی ہے بالکل دکانداری کی طرح میت کا ولی گھٹاتا ہے اور واجب کرنے والا بڑھاتا ہے اور جس مقدار پر اتفاق ہو جاتا ہے اس کو بھی واجب کرنے والے آپس میں بانٹ لیتے ہیں، یہ سب کچھ اسی مشترک مال میں سے ہوتا ہے جس میں نابالغوں کا بھی حصہ ہے اس کا خرچ کرنا جائز نہیں۔ تقسیم کرنے والے اور اس مال کے کھانے والے بظاہر اہل علم اور دیکھنے میں صالحین ہوتے ہیں یہ لوگ اپنی ظاہری دنیاوی آمدنی کو دیکھتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ آخرت میں اس کا کیا وبال ہوگا۔

وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں سو ان پر چار آدمیوں کی گواہی طلب کرلو جو تم میں سے ہوں، سو اگر وہ گواہی دے دیں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا

تو ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ اللہ ان کو موت دے دے یا ان کے لئے کوئی راہ تجویز فرمادے اور جو بھی دو شخص تم میں سے

مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

بے حیائی کا کام کریں ان کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو، بلاشبہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

احکام متعلقہ مرد و زن جو فواحش کے مرتکب ہوں

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں زنا کاروں کے بارے میں بعض احکام بتائے ہیں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں فاحشہ کام کر گذریں ان کے اس عمل پر چار گواہ طلب کرلو۔

جب کسی عورت کے بارے میں یہ بات سنی جائے کہ اس نے ایسا کام کیا ہے تو خبر چونکہ کانوں کان محلہ اور بستی میں گونج جاتی ہے (اگر چہ جھوٹی ہی ہو) اور یہ عورت کے لئے اور اس کے خاندان کے لئے باعث ننگ و عار بن جاتی ہے اس لئے شریعت اسلامیہ نے گواہ طلب فرمانے کا حکم دیا۔ اس قسم کے امور گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، جب حاکم کے پاس معاملہ چلا جائے تو وہ گواہ طلب کرے یہ گواہ صرف مرد ہوں گے، عورتوں کی گواہی اس سلسلہ میں معتبر نہیں۔ گواہ بھی چار ہوں گے اور مسلمان ہوں گے دیگر امور میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ ننگ و ناموس اور عزت و آبرو کا معاملہ ہے اس لئے اس میں سختی کی گئی جب تک چار مرد گواہی نہ دیں اس وقت تک کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ اگر چار گواہ نہ ملیں تو جن لوگوں نے یہ بات اڑائی ہے۔ وہ سب اور خود گواہ جو چار سے کم رہ گئے ان سب پر حد قذف

یعنی تہمت لگانے کی سزا نافذ کی جائے گی جو ۸۰ کوڑے ہیں، سورۂ نور کے پہلے رکوع میں حد قذف بیان فرمادی ہے۔

اگر کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور چار مرد مسلمان گواہ قائم نہ ہو سکے تو عورت پر سزا نافذ نہ کی جائے گی۔ البتہ اگر واقعی اس نے ایسا کام کیا ہو جسے وہ جانتی ہے تو اللہ کے حضور میں توبہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ چونکہ قاضی کے پاس ثبوت نہ ہو سکا اور مجھ پر سزا نافذ کرنے کا فیصلہ نہیں دیا گیا تو میں یہ کام کرتی ہی رہوں۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ بندوں کو علم ہو یا نہ ہو وہ گناہوں پر سزا دے گا، لہٰذا ہر گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے۔

اگر چار مسلمان مرد گواہی دے دیں کہ فلاں عورت نے زنا کیا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ شادی شدہ عورت نے اگر ایسا کیا ہو تو اسے رجم کر دیا جائے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے اور اگر شادی شدہ نہ ہو تو سو (۱۰۰) کوڑے مارے جائیں یہ شریعت کا حکم ہے جو سورۂ نور میں مذکور ہے۔ اس سے پہلے یہ حکم تھا کہ ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھیں کیوں کہ باہر نکلنے ہی سے عموماً زنا کاری کے واقعات پیش آتے ہیں یہ حکم سورہ نساء میں مذکور ہے ارشاد ہے۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (یعنی ان کو گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو موت دیدے یا ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے) یہ حکم سورۂ نور کی آیت سے منسوخ ہو گیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا الرجم للثیب و الجلد للبکر یعنی شادی شدہ زنا کار کو سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ کے لئے کوڑے لگانا یہ سزا مرد عورت دونوں کے لئے ہے اس کی مزید تفصیل و توضیح انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں بیان ہوگی۔

دوسری آیت وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا میں یہ حکم دیا کہ جو دو آدمی (مرد و عورت) بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو۔ ایذا دینے میں زبان سے عار دلانا اور زجر و توبیخ کی باتیں کرنا بھی شامل ہے اور اس آیت میں مار پیٹ کی صورت میں کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی، اس کو حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا لیکن سورۂ نور کی آیت میں سزا مقرر کر دی گئی تو اب اس پر عمل کرنا لازم ہو گیا، ایذا دینے کا حکم دے کر فرمایا کہ اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

غیر فطری طریقے پر قضاء شہوت کرنے والوں کی سزا:

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ یہ اسم موصول تثنیہ مذکر کے لئے ہے اس لئے اس سے مراد غیر فطری طریقہ سے قضائے شہوت کا کام کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں، یعنی اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے عمل کا تذکرہ ہے لفظوں کے اعتبار سے یہ تفسیر مستبعد نہیں ہے لیکن اس کو بھی منسوخ ہی کہا جائے گا، کیونکہ جو لوگ اس موجب لعنت عمل کو کریں ان کے لئے اب اتنی سی بھی بات نہیں ہے کہ ان کو ایذا دی جائے، بعض روایات حدیث میں فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسا کریں فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کیا جائے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۱۲)

قتل کی کیا صورت ہو اس کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ اور دوسرے صحابہ کے مشورہ سے جلانے کا حکم دیا تھا، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا کام کرنے والے کو سب سے اونچی جگہ پر لے جا کر اوندھے منہ کر کے گرا دیا جائے (رواہ ابن ابی شیبہ کمافی فتح القدیر)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے وہی سزا مقرر فرمائی جو زانی یا زانیہ کی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس کی کوئی سزا خاص مقرر نہیں ہے۔ پہلی بار ایسا کرے تو امام المسلمین مار پیٹ کی سزا دیدے اور دوسری بار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے (کماذکرہ الشامی عن الاشباہ وغیرہ)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ

پس اللہ کے ذمہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے جو حماقت کے ساتھ گناہ کر لیتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں، سو یہ وہ لوگ ہیں

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى إِذَا

جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے، اور ان لوگوں کی توبہ نہیں جو برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب

حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا

ان میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے تو کہتا ہے کہ بے شک میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے، جو کافر ہونے کی حالت میں مرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے

توبہ کی ضرورت اور اس کا طریقہ

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں توبہ کا قانون بیان فرمایا ہے اولاً تو یہ فرمایا کہ جو لوگ حماقت سے گناہ کر بیٹھیں پھر جلدی ہی توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اگر توبہ سچی ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور قبول ہوگی اور گناہ معاف ہو جائے گا، صغیرہ گناہوں کا کفارہ تو نیکیوں سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہ (یقینی طور پر) صرف توبہ ہی سے معاف ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے اور صغیرہ گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ بھی خالق و مالک جل مجدہ کی بغاوت ہے اور اس پر بھی مواخذہ اور عذاب ہو سکتا ہے جب کوئی گناہ ہو جائے چھوٹا ہو یا بڑا جلد سے جلد توبہ کریں جیسا کہ آیت بالا میں ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فرما کر جلدی توبہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

توبہ کی حقیقت: توبہ کی کیا حقیقت ہے اس کو سمجھنا چاہیئے بہت سے لوگ زبان سے توبہ توبہ کے الفاظ نکال دیتے ہیں اور ان کے دل میں ذرہ بھی اس بات کی کسک نہیں ہوتی کہ گناہ کو چھوڑیں سو جاننا چاہیئے کہ توبہ کے تین جزو ہیں، اول یہ کہ جو بھی گناہ ہو گئے ہیں ان سب پر سچے دل سے خوب ندامت ہو اور اس بات کی شرمندگی و پشیمانی ہو کہ ہائے! میں نے کیا

14

کر دیا؟ میں نے اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کر دی۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا خوب پکا مضبوط عہد ہو۔

تیسرا جزو یہ ہے کہ جو حقوق ضائع کئے (اللہ کے حقوق ہوں یا بندوں کے) ان کی ادائیگی کرے، اللہ کے حقوق مثلاً زکوٰتیں نہیں دیں، حج فرض تھا وہ ادا نہیں کیا دیگر فرائض وواجبات چھوڑے ان سب کی تلافی کرے گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰتیں حساب کر کے دے اور اتنا مال دیدے کہ یقین ہو جائے کہ اس سے زیادہ کی ادائیگی فرض نہ ہوگی۔ اور حج بھی کرے اور نمازوں کی بھی قضا کرے، فرضوں اور وتروں کی قضا ہوگی ان میں بھی حساب لگائے کہ زیادہ سے زیادہ اتنی ہوں گی، ان سب کو ادا کرے، اگر رمضان کے روزے چھوڑے ہوں ان کو بھی قضا کرے اور ان کے علاوہ بھی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کیا کیا ضائع کئے ہیں اور ان کی تلافی کی فکر کرے، بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرے، کس کس کی مالی خیانت کی ہے چوری کی ہے، سودا بیچتے وقت ناپ تول میں کمی کی ہے اور خرید وفروخت میں دھوکہ دیا ہے قرض لے کر مار لیا ہے، غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں بہتان باندھے ہیں کسی کو گالیاں دی ہیں، مار پیٹ کی ہے وغیرہ وغیرہ ان سب امور کی تلافی کرے، مالی حقوق کو ادا کرے ادائیگی کا انتظام نہ ہو تو ان لوگوں سے معاف کرائے جن کے حقوق ہیں، جن کی غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں ان سے معافی مانگے اور جن پر بہتان باندھے ہیں ان سے بھی معافی مانگے اور جن کو گالیاں دی ہیں ان سب سے معافی مانگے، ظالمانہ مار پیٹ کی تلافی کرے یعنی جس کو بلا اجازت شرعی مارا ہو اگرچہ وہ اپنے سے چھوٹا ہی ہو اس کو بدلہ دے یا معافی مانگے اس میں خفت اور ذلت محسوس نہ کرے کیونکہ آخرت میں اصحاب حقوق کے گناہ ظلم کرنے والے کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ توبہ کے تین اہم جزو ہیں اول گناہ پر نادم ہونا، دوم آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرنا، سوم ضائع کردہ حقوق کی تلافی کرنا، یہ چیزیں نہ ہوں اور زبانی توبہ توبہ کرتا رہے تو اس سے مطلوبہ توبہ نہیں ہوتی خوب سمجھ لیا جائے آج کل غفلت کے ساتھ توبہ کی جاتی ہے جو زبان کی حد تک ہوتی ہے اور دل میں اس کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا، دل کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میری زبان سے توبہ کے الفاظ نکل رہے ہیں، اسی کو حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا اِسْتِغْفَارُنَا یَحْتَاجُ اِلَی اسْتِغْفَارٍ کَثِیْرٍ یعنی ہمارا استغفار بھی ایک طرح کا گناہ ہے (کیونکہ غفلت کے ساتھ ہے) اس کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے۔
ہست استغفار ما محتاج استغفار فرما۔

جب سچے دل سے پوری شرطوں کے ساتھ توبہ کی جائے گی تو ضرور قبول ہوگی۔ انشاء اللہ

فائدہ: آیت شریف میں یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ فرمایا ہے اس میں جہالت حماقت کے معنی میں ہے جو بھی کوئی شخص گناہ کرتا ہے وہ حماقت ہی سے کرتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے آپ کو عذاب آخرت میں مبتلا کرنے کا راستہ اختیار کرتا ہے گناہ میں جو ذرا سا مزہ ہے اس مزہ کے لئے آخرت کے بڑے عذاب کے لئے اپنی جان کو تیار کرنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہالت کے یہی معنی منقول ہیں، لہٰذا آیت کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ عمداً گناہ کو گناہ جانتے ہوئے کوئی شخص گناہ کرے تو توبہ قبول نہ ہوگی، گناہ عمداً ہوں یا سہواً خطاً ہوں یا جہلاً توبہ سے سب معاف ہو جاتے ہیں مگر شرط

وہی ہے کہ توبہ اصول وشرائط کے مطابق ہو۔

موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی: پھر ارشاد فرمایا کہ جو لوگ گناہ کرتے چلے جائیں اور جب موت آنے لگے تو توبہ کرنے لگیں ایسے لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں۔ اور جو لوگ کفر پر مر رہے ہیں ان کی توبہ بھی کوئی توبہ نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جب موت کا وقت آجائے، دوسرے عالم کے حالات نظر آنے لگیں اس وقت جو کوئی توبہ کرے وہ توبہ قبول نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ بِنَفْسِهٖ (رواہ احمد، ورجالہ رجال الصحیح غیر عبدالرحمن و ھو ثقة کما فی مجمع الزوائد) کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک کہ غرغرہ کی حالت نہ ہو جائے، جب روح نکلنے لگے اور اندر سے جان نکلنے کی آواز آنے لگے اس وقت کو غرغرہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت چونکہ عالم غیب کی چیزیں سامنے آجاتی ہیں فرشتے نظر آنے لگتے ہیں اور جان کنی کی تکلیف شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح سے دوسرے عالم سے تعلق ہو جاتا ہے اس لئے اس حالت میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس وقت نہ مومن کی توبہ قبول ہوتی ہے جو گناہوں سے توبہ کرے اور نہ کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر سے توبہ کرنے لگے کیونکہ ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو جب عالم برزخ کی چیزیں نظر آنے لگیں اور ان کا مشاہدہ کر لیا تو اب ایمان بالغیب نہ رہا اس لئے اس وقت کسی کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

غرغرہ کی حالت سے پہلے سب کی توبہ قبول ہے، اگر غرغرہ سے پہلے کافر ایمان لے آئے تو وہ بھی معتبر ہے مومن ہمیشہ توبہ کرتا رہے اور جب توبہ کرے پکی توبہ کرے اگر توبہ کے بعد گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرے اور توبہ کی شرائط جو اوپر لکھی گئی ہیں ان کا لحاظ رکھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ

اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث ہو جاؤ اور تم ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت رکھو کہ جو مال تم نے ان کو دیا ہے اس

مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

میں سے کچھ واپس لے لو، مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح فحش کام کر بیٹھیں اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گذارو، سو اگر تم کو وہ ناپسند ہیں

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں زیادہ خیر رکھ دے

جبر واکراہ کے ساتھ عورتوں کی جان ومال کا وارث بننے کی ممانعت

تفسیر: جاہلیت کے زمانہ میں عورتوں پر لوگ طرح طرح سے ظلم وزیادتی کرتے تھے۔ یہ ظلم ان کی جانوں پر بھی ہوتا تھا اور ان کے مالوں پر بھی۔ ان کی جانوں پر اس طرح ظلم ہوتا تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر مر گیا تو اس عورت کو میت کے مال کی طرح اپنی میراث سمجھتے تھے۔ عورت کو اپنی جان میں کوئی اختیار نہ ہوتا تھا اور خود سے کہیں اپنا نکاح نہیں کر سکتی تھی۔ پھر جو

لوگ وارث ہوتے وہ اس عورت کو اپنی مرضی سے جہاں چاہتے بیاہ دیتے تھے اور یہ بیاہنا ایک طرح کا بیچنا ہوتا تھا۔ مہر میں جو مال ملتا تھا خود ہی کھا جاتے تھے۔ یا با قاعدہ باندی کی طرح بیچ دیتے تھے اور قیمت پر قابض ہو جاتے تھے۔ نیز عورت کے مال کے جبراً مالک بن جاتے تھے۔ میراث میں جو اس کا حق نکلتا۔ اسے خود ہی دبا لیتے تھے یا اس کو نکاح نہ کرنے دیتے تھے۔ تا کہ یہیں ہمارے گھر پڑی پڑی مر جائے اور ہم اس کا مال لے لیں، یا وہ اپنے مال میں سے دینے پر مجبور ہو جائے (یہ چیزیں اب بھی بہت سے خاندانوں میں پائی جاتی ہیں) عورتوں کا مال زبردستی وصول کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورت کو طرح طرح سے تکلیفیں دیں ایذائیں پہنچائیں اور جب وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے طلاق مانگے تو اس سے کہیں کہ اتنی رقم دیدے یا حق معاف کر دے تو میں چھوڑوں وہ بیچاری مصیبت زدہ اپنی جان چھڑانے کے لئے مجبور ہو کر مال دے دیتی ہے یا مہر معاف کر دیتی ہے، آیت کے عمومی الفاظ سے اہل ایمان کو اسطرح کی تمام حرکتوں سے منع فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے ایسا کرنا حلال نہیں ہے۔ البتہ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر عورتیں کوئی صریح نازیبا حرکت کر لیں تو ان سے مال لیا جا سکتا ہے۔

صریح نازیبا حرکت سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے عورت کی زبان درازی، بدخلقی نافرمانی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عورت ایسی حرکتیں کرے تو شوہر اپنا مال جو مہر کی صورت میں دیا تھا۔ وہ بطور خلع لے سکتا ہے، اور اس صورت میں یہ مال لینا جائز ہوگا، اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ ان سے العیاذ باللہ اگر زنا صادر ہو جائے تو خاوند اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے اور اس کو طلاق دے کر جدا کر دے، یہ حکم ابتدائے اسلام میں حدود نازل ہونے سے پہلے تھا اب جب زنا کی حد نازل ہو گئی تو یہ حکم باقی نہیں رہا لہٰذا عورت کے زنا کر لینے سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم: پھر ارشاد فرمایا وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گذارو یعنی خوش اخلاقی سے پیش آؤ، نان نفقہ خوراک و پوشاک کی خیر و خبر رکھو اور اگر تمہیں ان کی کوئی ادا طبعی طور پر ناپسند ہو تو اس کو برداشت کر لو اور یہ سمجھ لو کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی ایسی چیز میں کوئی بڑی منفعت رکھ دے جو چیز تمہیں ناپسند ہو۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ رنگ و روپ اور شکل و صورت کے لحاظ سے عورت دل کو نہیں بھاتی لیکن خدمت گذار ہوتی ہے، مال کی حفاظت کرتی ہے، گھر بار کو سنبھال کر رکھتی ہے، بچوں کی اچھی تربیت کرتی ہے ان کو تقویٰ اور اعمال صالحہ پر ڈالتی ہے یہ خیر کی صورتیں ہیں، تھوڑی سی طبعی ناگواری اس طرح کے منافع کے لئے برداشت کرنی چاہیئے۔

سمجھدار اور دیندار مرد ایسا ہی کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد مومن کسی مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔

(رواہ مسلم صفحہ ۴۷۵: ج ۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کامل ایمان والوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ سب سے اچھے اخلاق والے اور سب سے زیادہ مہربان ہیں (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۲) حضرت عائشہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل کے لئے سب سے بہتر ہیں اور میں تم میں اپنے اہل کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہوں (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۱ از ترمذی)

درحقیقت بات یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ معاشرت ہو یا دوسرے لوگوں کے ساتھ مرافقت و مصاحبت ہو سو فیصدی ہر ایک کا ہر ایک کے ساتھ دل مل جائے اور ذرا سی بھی طبعی و عقلی اذیت نہ پہنچے اس دار المصائب میں عموماً ایسا ہوتا ہی نہیں فوائد و منافع کو دیکھ کر نا گواریوں کو برداشت کرنے ہی سے مصاحبت اور مرافقت باقی رہ سکتی ہے۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

اور اگر ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ بدلنا چاہو اور تم ان میں سے ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی نہ لو،

أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ

کیا تم اس کو واپس لوگے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور انہوں نے

مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾

تم سے خوب پختہ عہد لے لیا ہے۔

بیویوں کو جو کچھ دے دیا ہو اس کے واپس لینے کی ممانعت

تفسیر: اگر کسی شخص کے نکاح میں کوئی عورت ہو اور وہ اسے طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے اس کے متعلق آیت بالا میں ہدایت فرمائی ہے کہ اگر کسی بیوی کو چھوڑ رہے ہو جسے تم مہر میں یا مہر کے علاوہ بھی بطور ہبہ و عطیہ کے بہت سا مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ نہ لو، اول تو طلاق دینا ہی مبغوض چیز ہے پھر ایسی عورت کو جو ایک عرصہ ساتھ رہی ہے خصوصاً جبکہ اس کا کوئی قصور نہ ہو اس کو طلاق دینا اور جو مال اس کو دے دیا ہو وہ اس سے واپس لے لینا اخلاق اسلامیہ کے خلاف ہے اس قسم کے مواقع میں عورتیں مال واپس کرنے سے گریز کرتی ہیں لہٰذا مال لینے کے لئے طرح طرح سے انہیں تنگ کیا جاتا ہے یا ان پر کسی طرح کی تہمت رکھ دی جاتی ہے یا زبردستی چھین لیا جاتا ہے، یہ سراپا ظلم ہے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا (کیا تم واپس لوگے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے؟)

پھر فرمایا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ کہ جو مال تم نے اپنی بیوی کو دے دیا ہے حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے حجاب ہو کر مل بھی چکے ہو، وہ اپنی ذات تمہارے حوالے کر چکی ہے (اور مہر اسی کا عوض ہے) تو اب اس عوض کو جو تم دے چکے ہو کس طرح واپس لوگے؟ یہ تو عقلاً بھی برا ہے اور مزید یہ ہے کہ وہ عورتیں تم سے مضبوط اقرار لے چکی ہیں کہ تم نے جو مہر مقرر کئے وہ مہر ادا کروگے، لہٰذا اس عہد کی خلاف ورزی کرنا عقلاً و شرعاً مذموم ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ بوقت نکاح ادائے مہر کا عہد و پیمان ہوا، پھر آپس میں مل کر بے حجابانہ میل جول بھی رکھتے رہے اب ان کو مجبور کرنا کہ مال واپس کر دیا معاف کر دیہ سراپا ظلم و جور ہے۔

وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو پہلے گذر چکا بے شک یہ بے حیائی کا اور غصہ کا کام ہے اور برا راستہ ہے

والد کی بیوی سے نکاح کرنے کی حرمت

تفسیر: اسباب نزول صفحہ ۱۴۱ میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت حصن بن ابی قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا نیز اسود بن خلف اور صفوان بن امیہ نے اور بھی دو تین افراد کے نام لکھے ہیں جو باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کے مرتکب ہوئے ابو قیس کی بیوی کو جب ابو قیس کے بیٹے نے نکاح کا پیغام دیا تو وہ کہنے لگی کہ میں تجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں تجھ سے کیسے نکاح کروں؟ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کروں گی۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور بات سامنے رکھی) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ مرنے والے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا کرتے تھے۔ ابتداء اسلام میں بعض ایسے واقعات پیش آئے۔ پھر ہمیشہ کے لئے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا، واضح رہے کہ جس کسی بھی عورت سے کسی شخص نے نکاح کرلیا صرف نکاح کر لینے سے ہی وہ عورت اس شخص کے بیٹوں پر حرام ہوگئی باپ کے ساتھ اس عورت کی خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میرے ماموں ابو بردہ میرے پاس سے گذرے ان کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا آپ کہاں جارہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کا سر کاٹ کر لاؤں (مشکوٰۃ المصابیح ۲۷۴)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ

حرام ہو گئیں ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں

اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ

جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن بیویوں سے دخول کر چکے ہو جو تمہاری

اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ

گودوں میں ہیں، سو اگر تم نے ان بیویوں سے دخول نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لو، اور حرام ہیں تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری

مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾

پشت سے ہیں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کرو مگر جو گذر چکا، بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا تفصیلی بیان

تفسیر: ان آیات میں تفصیل کے ساتھ محرمات کا تذکرہ فرمایا ہے محرمات وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح جائز نہ ہو۔ بعض عورتیں تو وہ ہیں جن سے کبھی بھی نکاح جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پہلی آیت میں ان عورتوں کا ذکر ہے اور بعض عورتیں وہ ہیں جن سے کسی موجودہ سبب کی وجہ سے نکاح جائز نہیں۔ اگر وہ سبب دور ہو جائے تو نکاح جائز ہو جاتا ہے مثلاً کوئی عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو تو جب تک وہ عورت اس مرد کے نکاح سے نہ نکل جائے۔ (اس مرد کی وفات ہو جانے یا طلاق دینے کی وجہ سے) اور عدت نہ گذر جائے، اس وقت تک کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، طلاق یا موت کے بعد عدت گذر جائے تو یہ عورت کسی ایسے مرد سے نکاح کر سکتی ہے جس سے نکاح کرنا حلال ہو۔ اسی طرح جب کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کر لیا تو جب تک یہ عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی، اسوقت تک اس عورت کی بہن سے اس مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، منکوحہ بہن کا شوہر طلاق دیدے یا فوت ہو جائے اور اس کی عدت گذر جائے تو اس کی بہن اس کے شوہر کے نکاح میں آ سکتی ہے جس نے طلاق دی ہے یا فوت ہوا ہے۔

محرمات ابدیہ: جن سے کبھی بھی نکاح درست نہیں تین طرح کی ہیں: اول محرمات نسبیہ (جو نسب کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) دوم محرمات رضاعیہ (جو دودھ پینے کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) سوم محرمات بالمصاہرہ (جو سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں)

محرمات نسبیہ: بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں۔ اس کے عموم میں مائیں اور ماؤں کی مائیں اوپر تک جہاں تک سلسلہ چلا جائے سب کی حرمت آ گئی۔

وَبَنٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری بیٹیاں) اس کے عموم میں بیٹیاں اور بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں اور ان کی بیٹیاں سب داخل ہو گئیں۔

وَاَخَوٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری بہنیں) اس کے عموم میں سگی بہنیں باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب آ گئیں۔

وَعَمّٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری پھوپھیاں) اس میں باپ کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب داخل ہو گئیں۔

وَخٰلٰتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری خالائیں) اس کے عموم میں بھی ماں کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب داخل ہو گئیں۔

وَبَنٰتُ الْاَخِ (اور بھائی کی بیٹیاں حرام کی گئیں) اس کے عموم میں سگے بھائی کی بیٹیاں اور باپ شریک بھائی کی بیٹیاں اور ماں شریک بھائی کی بیٹیاں سب داخل ہیں۔

وَ بَنَاتُ الْاُخْتِ (اور بہن کی بیٹیاں حرام کی گئیں) اس کے عموم میں سگی بہن باپ شریک بہن، ماں شریک بہن سب کی بیٹیاں داخل ہیں۔

محرمات بالرضاع: یہاں تک محرمات نسبیہ کا بیان ہوا، اس کے بعد رضاعی رشتوں کا ذکر فرمایا ارشاد ہے وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْۤ اَرْضَعْنَكُمْ اور حرام کی گئیں تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔

وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (اور حرام کی گئیں تمہاری بہنیں جو تمہاری دودھ شریک ہیں) قرآن مجید میں رضاعت کے رشتہ کو حرمت کا سبب بیان فرماتے ہوئے رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے، احادیث شریفہ میں اس کا قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اَلرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ یہ صحیح بخاری صفحہ ۷۶۴ کے الفاظ ہیں (مطلب یہ ہے کہ جو عورت ولادت کے رشتہ سے حرام ہے رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہے) اور صحیح مسلم صفحہ ۴۶۷ میں یہ الفاظ ہیں یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ (بلاشبہ رضاعت کی وجہ سے وہ سب رشتے حرام ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں) حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد میرے رضاعی چچا میرے پاس آئے جنہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اجازت نہ دی اور جواب میں کہہ دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کرلوں گی اجازت نہ دوں گی جب آنحضرت سرور عالم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا وہ تمہارا رضاعی چچا ہے اسے اندر آنے کی اجازت دے دو میں نے عرض کیا مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا آپ نے فرمایا وہ تمہارا چچا ہے تمہارے گھر میں اندر آ سکتا ہے (رواہ البخاری صفحہ ۷۶۴، ومسلم صفحہ ۴۶۷: ج ۱) صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی عورت کسی بچی کو دودھ پلا دے تو یہ بچی اس عورت کے شوہر پر اور اس کے باپوں پر اور اس کے بیٹوں پر حرام ہو جائے گی اور جس شوہر کے ذریعہ دودھ پلانے والی عورت کا دودھ اترا ہے وہ اس دودھ پینے والی بچی کا باپ ہو جائے گا، اور جس کسی عورت کا دودھ کسی لڑکے نے پی لیا اور اس عورت کا دودھ کسی لڑکی نے بھی پی لیا تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا اور جس لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پی لیا اس لڑکی کا دودھ پلانے والی کے لڑکے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اور دودھ پلانے والی کے پوتے سے بھی اس دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی بچہ نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو اس بچہ کا نکاح دودھ پلانے والی کے شوہر کی بہن سے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔ رضاعی باپ (جس کی بیوی کا دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ: ذرا سا دودھ (اگرچہ ایک ہی قطرہ ہو) اگر حلق میں صرف ایک ہی بار اتر جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: دو سال (چاند کے اعتبار سے) کی مدت کے اندر حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اس پر سب ائمہ کا اجماع ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت ڈھائی سال ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ڈھائی سال کے اندر کوئی بچہ یا بچی دودھ پی لے تو اس دودھ پینے کی وجہ سے حرمت کا فتویٰ دیا جائے۔ اکثر اماموں کے نزدیک

دوسال کے بعد دودھ پینے سے اور حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ: محض کسی ایک عورت یا چند عورتوں کے کہنے سے کہ فلاں عورت نے فلاں لڑکے یا لڑکی کو دودھ پلایا ہے۔حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی بلکہ اس کے ثبوت کے لئے وہ دومردوں کی یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی ہونا شرط ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے کہ میں نے فلاں لڑکے اور لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو ان کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔

مسئلہ: اگر مردہ عورت کا دودھ چھاتی سے نکال لیا جائے اور کسی بچہ یا بچی کے حلق میں ڈال دیا جائے تو اس سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔

مسئلہ: اگر مرد کے دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچہ کو پلادیا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی رضاعت سے متعلقہ مسائل میں کچھ مزید تفصیل بھی ہے اور **حرم من الرضاعِ مَا حرم من النسب**(رضاعت سے وہ رشتے حرام ہیں جونسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں) کے عموم میں تھوڑا سا استثناء بھی ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔

محرمات بالمصاہرہ: اس کے بعد محرمات بالمصاہرہ کا تذکرہ فرمایا وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام کی گئیں ان سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا، کسی عورت سے نکاح ہوجانا ہی اس کی ماں سے نکاح ہونے کی حرمت کے لئے کافی ہے۔بیوی سے خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ۔

یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جنہیں تم گودوں میں لیتے ہو، اور کھلاتے ہو ان لڑکیوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، بشرطیکہ تم نے ان لڑکیوں کی ماؤں سے جماع کیا ہو۔اگر کسی عورت سے نکاح تو کرلیا لیکن جماع نہیں کیا پھر اسے طلاق دے دی تو اس عورت کی پہلے شوہر والی لڑکی سے نکاح جائز ہے فِیْ حُجُوْرِكُمْ قید احترازی نہیں ہے، جس بیوی سے نکاح کرکے جماع کرلیا اس کی لڑکی سے نکاح درست نہیں اگرچہ وہ کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس پرورش پاتی ہو اور اس کی گود میں پلتی ہو۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں وہ بھی تم پر حرام ہیں۔اس میں بھی عموم ہے حرمت کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ بیٹے نے کسی عورت سے نکاح کرلیا ہو۔نکاح کے بعد جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو بہرحال اب نکاح کرنے والے کے باپ سے اس عورت کا نکاح حرام ہوگا۔

مسئلہ: پوتوں کی بیویوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: رضاعی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کا حکم: مسئلہ: اگر کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیا جائے۔اور وہ

اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے تو اس کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے (بشرطیکہ اور کوئی مانع نہ ہو) مفسرین نے فرمایا ہے کہ مِنْ اَصْلَابِكُمْ کی قید ذکر فرما کر اسی مسئلے کو بیان فرمایا ہے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے ان کے طلاق دینے کے بعد نکاح فرمالیا تھا۔ اس پر دشمنان دین نے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حلت کی تصریح نازل ہوئی اور فرمایا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (سورۃ الاحزاب ع ۵)

(پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر کسی طرح کی کوئی تنگی نہ رہے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے بارے میں جبکہ وہ اپنی حاجت پوری کر چکیں)

فائدہ: جس طرح منہ بولا بیٹا اصلی بیٹا نہیں ہوتا۔ اسی طرح منہ بولا باپ یا منہ بولا بھائی یا بہن یا منہ بولی ماں حقیقی ماں باپ اور بھائی بہن نہیں ہو جاتے اگر کوئی دوسرا رشتہ محرمیت کا نہ ہو تو صرف منہ بولا باپ یا ماں یا بھائی یا بہن یا بیٹا یا بیٹی بنا لینے سے محرم والے احکام جاری نہیں ہوتے۔ ان کا آپس میں پردہ کرنا واجب ہوتا ہے، اور آپس میں نکاح کرنا بھی جائز ہے (بشرطیکہ کوئی اور مانع نہ ہو)

جمع بین الاختین کی حرمت: اس کے بعد ان محرمات کا ذکر فرمایا جو بعض اسباب کی وجہ سے حرام ہوتی ہوں اگر وہ عارض دور ہو جائے تو نکاح اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہو جاتا ہے ارشاد فرمایا وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کہ یہ بھی تم پر حرام کیا گیا کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں جمع کرو، جب ایک بہن سے کسی نے نکاح کر لیا تو جب تک اسے طلاق نہ دیدے یا فوت نہ ہو جائے اور اس کی عدت نہ گذر جائے اس وقت تک اس کی کسی بھی بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا، ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کر لیا تو شرعاً وہ نکاح نہ ہوگا۔

فائدہ: جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح سے پھوپھی اور بھتیجی خالہ اور بھانجی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر یا پھوپھی کا اس کے بھائی کی بیٹی پر اور کسی عورت کا اس کی خالہ پر یا خالہ کا اپنی بہن کی بیٹی پر نکاح کیا جائے نہ بڑی کا نکاح چھوٹی پر کیا جائے اور نہ چھوٹی کا بڑی پر کیا جائے۔

رواہ الترمذی وابوداؤد (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۷۴ و ھو فی البخاری صفحہ ۷۶۶: ج ۲ باختصار)

مطلب یہ ہے کہ چونکہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی ہیں اس لئے پہلے سے کسی مرد کے نکاح میں بڑی ہو تو چھوٹی سے اور چھوٹی ہو تو بڑی سے اس مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: حضرات فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جن دو عورتوں میں ایسا رشتہ ہو کہ ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا

اور حرام ہیں وہ عورتیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں سوائے ان عورتوں کے جن کے تم مالک ہو جاؤ۔ اللہ نے ان احکام کو تم پر فرض فرما دیا ہے، اور تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں

وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں کہ تم اپنے مالوں کے بدلہ طلب کرو اس حال میں کہ تم پاک دامنی اختیار کرنے والے ہو، پانی بہانے والے نہ ہو سو ان میں سے جن عورتوں سے نفع حاصل کر لو

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ

ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ مقرر مہر کے بعد آپس کی رضامندی سے کسی بات پر راضی ہو جاؤ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی حرمت

محرمات بالسبب میں وہ عورتیں بھی ہیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں یعنی جب کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو گیا ہو اگرچہ رخصتی ابھی نہ ہوئی ہو تو اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے نہ نکلے اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت گذر جائے تب کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی کو وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ میں بیان فرمایا ہے ہاں اگر ایسی صورت پیش آئے کہ مسلمان کافروں سے جہاد کریں اور وہاں سے عورتوں کو قید کر کے لے آئیں اور امیر المؤمنین عورتوں کو باندی بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دے تو یہ مجاہدین بحق ملکیت (بالشرائط المعتبرۃ) ان باندیوں سے جماع کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اپنے شوہر دار الکفر میں چھوڑ کر آئی ہوں اصول یہ ہے کہ جب دار الحرب کی عورتوں کو قید کر کے دار الاسلام میں لے آئیں تو اپنے سابقہ شوہروں کے نکاح سے نکل جاتی ہیں۔ ان کو باندی بنا کر امیر المؤمنین جس کسی مسلمان کو دے دے وہ ان سے جماع کر سکتا ہے شروط اور قیود کے لئے کتب فقہ کی مراجعت کر لی جائے۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ کے بعد جو اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فرمایا ہے اس استثناء میں ان ہی عورتوں کا ذکر ہے جو دار الحرب سے قید کر کے لائی گئی ہوں اور ان کے شوہر وہیں دار الحرب میں رہ گئے ہوں (راجع صحیح مسلم صفحہ ۴۷۰)

پھر فرمایا وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت اب تک بیان ہوئی ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، مثلاً خالہ اور چچا کی لڑکی، ماموں زاد اور پھوپھی زاد بہن یا ماموں اور چچا کی بیوی جس کی عدت ماموں یا چچا کی وفات یا طلاق کے بعد گذر جائے، بشرطیکہ اور کوئی رشتہ یا کوئی سبب حرمت کا موجود نہ ہو، لفظوں کے عموم میں بہت سی صورتیں داخل ہیں، اور اسی عموم میں بعض استثناء کی صورتیں بھی ہیں ان میں سے بعض گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں، اور بعض فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مہروں کے ذریعہ ازواج طلب کرو: اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ میں یہ بتایا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ نکاح میں لانے کے لئے عورتوں کو تلاش کرو (جن سے نکاح کرنا حلال ہو) اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ہونا ضروری ہے اگر مرد عورت بلا مہر کے آپس میں نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تب بھی مہر لازم ہوگا جس کی کم سے کم مقدار حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درہم ہے، اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو، نکاح تب بھی ہو جائے گا لیکن مہر پھر بھی دینا ہوگا، جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

نکاح سے عفت و عصمت مقصود ہے: اور مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ میں یہ ارشاد فرمایا کہ مالوں کے ذریعہ جو عورتیں تلاش کی جائیں اس سے عفت و عصمت کو باقی رکھنا اور پاکدامن رہنا مقصود ہو محض شہوت رانی پیش نظر نہ ہو، مومن کے نکاح کا مقصد تکثیر نسل اور نفس و نظر کی حفاظت اور عفت و عصمت کے ساتھ زندگی گذارنا ہے زنا کاری میں بھی گو مال خرچ ہوتا ہے لیکن اس میں صرف شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت و عصمت کا خون کر کے یہ کام کیا جاتا ہے، جس میں طلب اولاد کا مقصد بالکل نہیں ہوتا اور اولاد ہو بھی جاتی ہے تو ثابت النسب نہیں ہوتی۔ حرامی بچوں کو لوگ عزت کا مقام نہیں دیتے اور وہ بچہ چونکہ کسی باپ کا نہیں ہوتا تو کئی طرح سے اس کی بربادی ہوتی ہے اسی لئے کسی دین میں بھی زنا کی اجازت نہیں دی گئی۔

متعہ کی حرمت: مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ میں متعہ کی حرمت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا جس کا بعض گمراہ فرقوں میں رواج ہے، متعہ مخصوص وقت کے لئے کیا جاتا ہے اس سے عفت و عصمت مقصود نہیں ہوتی اور نہ اولاد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے محض شہوت رانی کے لئے کیا جاتا ہے، متعہ کی حرمت خوب واضح کر کے سورۃ مؤمنون کے پہلے رکوع میں اس طرح بیان فرمائی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰىٓ اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا مملوکہ باندیوں سے جو استمتاع کر لیتے ہیں اس پر کوئی ملامت نہیں سو جو شخص اس کے علاوہ کا طلب گار ہو تو یہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں) اس میں صاف بتا دیا گیا کہ اپنی شرمگاہوں کو صرف بیویوں اور باندیوں میں استعمال کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کوئی جگہ تلاش کرنے والا حلال کی حدود سے آگے بڑھ جانے والا ہے جو لوگ متعہ کرتے ہیں وہ لوگ بھی متعہ والی عورت کو منکوحہ بیوی کی حیثیت نہیں دیتے نہ اس کو بیوی شمار کرتے ہیں اور نہ اس کو میراث دیتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بھی ان کا شمار ازواج میں نہیں ہے۔

مہر کی ادائیگی کا حکم: پھر فرمایا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (سو ان میں سے جس عورت سے نفع حاصل کرو تو ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں) اس میں ادائیگی مہر کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر نکاح کرنے

کے بعد خلوت صحیحہ ہوگئی تو جو مہر مقرر ہوا تھا۔ پورا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ میں گذر چکا ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو میاں بیوی بن کر رہتے سہتے ہیں لیکن بیوی کے مہر کی ادائیگی کا فکر نہیں کرتے اور بیوی لحاظ میں کچھ نہیں کہتی اس آیت میں ان لوگوں کے لئے تاکید اور تنبیہ ہے کہ ادائیگی مہر کی فکر کریں اور بیوی کے تقاضے کے بغیر ادا کریں۔

پھر فرمایا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ اس میں یہ بتایا ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد آپس میں میاں بیوی جس بات پر مہر کے سلسلے میں خوشی کے ساتھ راضی ہو جائیں اس میں کچھ حرج نہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت بخوشی پورا مہر معاف کر دے یا کچھ حصہ چھوڑ دے یا شوہر مہر میں اپنی طرف سے اضافہ کر دے تو یہ سب درست ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر عورت مہر معجّل کو مؤجل کر دے یعنی یہ مان لے کہ میرا مہر بعد میں دے دینا تو یہ بات بھی درست ہے۔

آیت کے ختم پر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا بلا شبہ اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے اس نے اپنی مخلوق کے احوال و طبائع کو جانتے ہوئے احکام مقرر فرمائے ہیں۔ اور تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں ان احکام کی تعمیل کرنے میں بندوں کا سراسر نفع ہے جو کوئی ان کی خلاف ورزی کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے موافق سزا دے گا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم.

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

اور تم میں جس شخص کو اس کا مقدور نہ ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو آپس کی ایمان والی باندیوں سے نکاح کر لے جو تمہاری مملوکہ ہیں

فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو، سو تم مذکورہ باندیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو اور انہیں ان کے

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ

مہر بہتر طریقہ پر دیدو، یہ منکوحہ باندیاں نہ علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ طریقہ پر دوست بنانے والی ہوں پس جب وہ باندیاں نکاح میں آجائیں

اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

تو اگر کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو ان پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں پر ہے یہ اس کے لئے ہے جو تم میں سے زنا میں مبتلا ہونے کا

الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اندیشہ رکھتا ہو اور یہ بات کہ صبر کرو بہتر ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے

باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت

تفسیر: اپنی مملوکہ باندی سے تو (شروط و قیود کے مطابق) بلا نکاح بھی جماع کرنا جائز ہے اور اپنی باندی سے نکاح درست بھی نہیں۔ اور نہ اس کی حاجت ہے کیوں کہ اس سے جماع بھی حلال ہے اور اس سے جو اولاد ہوگی وہ بھی (حسب ضابطہ) ثابت النسب ہوگی، البتہ دوسرا کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی باندی سے نکاح کرنا چاہے تو یہ نکاح کرنا

درست ہے، یہ نکاح باندی کے مالک کی اجازت سے ہوسکتا ہے، اور جو مہر مقرر کر دیا گیا ہو وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے اس مہر کا مالک اس باندی کا آقا ہی ہوگا۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ باندی سے نکاح نہ کرے چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مفہوم شرط اور مفہوم وصف معتبر ہے اس لئے ان کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے کسی بھی باندی سے نکاح کرنا درست نہیں۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی باندی سے نکاح درست ہے۔ بشرطیکہ وہ باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت ہو تو باندی سے نکاح نہ کرے اور اگر باندی سے نکاح کرے تو مومنہ تلاش کرے (من البحر الرائق صفحہ ۱۱۳: ج ۳) یہ مفہوم شرط اور مفہوم وصف والی بحث علمی بات ہے جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے اس کے سمجھنے کے لئے کسی عالم سے رجوع کریں۔

بات یہ ہے کہ شادی کا مقصد پاک دامن رہنا اور اولاد کا طلب کرنا ہے اولاد کی تربیت میں ماؤں کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے جس طرح بچہ ماں کی زبان سیکھتا ہے (اور اسی لئے اس کی زبان کو مادری زبان کہتے ہیں) اسی طرح سے دین وایمان، اخلاق و آداب، اطوار و عادات بھی ماں سے سیکھتا ہے اول تو یہی کوشش رہے کہ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کیا جائے پھر مسلمان عورتوں میں دیندار صالحہ اور تقویٰ طہارت والی عورت کو تلاش کیا جائے۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح پر قدرت نہ ہو، اس کے مہر کی ادائیگی اور دیگر اخراجات کا تحمل نہ ہو تو پھر لونڈی سے نکاح کرلے، اس میں بھی مومنہ باندی کو ترجیح دی جائے۔

یہ جو فرمایا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ایمان کا خوب اچھی طرح علم ہے۔ ایمان ہی وجہ فضیلت ہے، بعض مرتبہ مومن باندی مرتبہ ایمانیہ میں آزاد عورت کے مقابلہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس کے نکاح سے عار نہ کریں اور باندی کے آقا کی اجازت سے اس سے نکاح کریں اور جنس انسانیت کے اعتبار سے سب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں اور کسی نے باندی سے نکاح کیا تو اپنی جنس ہی سے نکاح کیا۔

اور یہ جو فرمایا مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن باندیوں سے نکاح کرلو جو پاکدامن ہوں مُسَافِحَات (اعلانیہ زنا کرنے والی) اور مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (خفیہ طریقہ پر آشنا تلاش کرنے والی نہ ہوں) پاکدامن عورت ہی نکاح کے لائق ہے آزاد ہو یا باندی ہو۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ باندیوں کے نکاح کے ذیل میں اس بات کا اس لئے تذکرہ فرمایا کہ باندیوں کی نگرانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ کام کاج کے لئے وہ باہر جاتی ہیں۔

پھر فرمایا فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باندیاں نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد زنا کا ارتکاب کرلیں تو ان کو آدھی سزا ملے گی بمقابلہ اس سزا کے جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے اگر وہ زنا کر بیٹھیں یہاں آزاد عورتوں سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں،

غیر شادی شدہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے۔ اس اعتبار سے باندی اگر زنا کرے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا ملے گی، شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے۔ یعنی پتھروں سے مار دینا ہے، چونکہ رجم میں تنصیف نہیں ہوسکتی اس لئے اگر باندی اور غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس سے زنا سرزد ہو جائے تو پچاس کوڑے ہی لگیں گے، زنا کی سزا کا تفصیلی بیان انشاء اللہ سورۃ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں لکھا جائے گا۔

آخر میں فرمایا ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (کہ باندیوں سے نکاح کرنا اس شخص کے لئے ہے جو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ رکھتا ہو، اور باوجود اجازت کے صبر کرنا بہتر ہے)۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْکُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ

اللہ چاہتا ہے کہ بیان فرمائے تمہارے لئے اور تم کو بتلاوے طریقے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور یہ کہ وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور اللہ علم والا ہے

حَکِیْمٌ ۝۲۶ وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ ۫ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا

حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور جو لوگ خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی

عَظِیْمًا ۝۲۷ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۝۲۸

بھاری کجی میں پڑ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تخفیف کا ارادہ فرماتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے

اور نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنے والے تمہیں راہِ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیئے ہیں اور زندگی گذارنے کے جو طریقے بتائے ہیں اس میں تمہارا فائدہ ہے تم سے پہلے جو صالحین تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے طریقے بھی تمہیں بتائے ہیں۔ تاکہ تم سمجھو کہ گذشتہ امتوں کے لئے بھی احکام آئے تھے اور وہ ان پر عمل کرتے تھے۔ (تم کو بھی عمل کرنا چاہیئے) اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ قبول کرنا منظور ہے اس نے جو بھی کچھ حکم دیا ہے تمہارے لئے اس میں خیر ہے وہ علیم ہے تمہارے انفرادی و اجتماعی اعمال کو جانتا ہے۔ اور حکیم بھی ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے (لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اس کے احکام پر چلو) اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، جنہوں نے خواہشات ہی کو اپنا پیشوا بنا رکھا ہے وہ خود ڈوبے ہیں اور تمہارے لئے بھی یہی چاہتے ہیں کہ راہِ حق سے ہٹ جاؤ اور بہت دور تک ہٹتے چلے جاؤ۔ ان لوگوں کو اپنے لئے عفت و عصمت اور حیاء و شرم محبوب نہیں ہے۔ فحاشی اور شہوت پرستی ہی ان کے پیش نظر ہے یہ تم کو بھی اپنی راہ پر لانا چاہتے ہیں، تمہاری عفت و عصمت بھی ان کو کھلتی ہے اور انہیں یہ گوارا نہیں کہ تم حیا و شرم کے ساتھ زندگی گذارو، تم احکام خداوندیہ پر مضبوطی سے جمے رہو تا کہ یہ

شہوت کے بندے اور خواہشوں کے غلام تمہیں اپنے راستے پر نہ ڈالیں (ناول افسانے لکھنے والے سینما میں کام کرنے والے ایکٹر اور ٹی وی اور وی سی آر میں بے حیائی اور فحاشی کے مناظر سامنے لانے والے سب ہی عفت و عصمت کے دشمن ہیں)۔

احکام شرعیہ میں انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے: پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تمہارے لئے احکام میں تخفیف فرمائے یعنی آسانی فرمائے۔ اس نے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ انسان کا ضعف اور انسان کی کمزوری اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ان کمزوریوں کا احکام میں لحاظ رکھا ہے اور ایسے احکام دیئے ہیں جو بندہ کی قدرت سے باہر نہیں ہیں، اول تو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کا حکم دیا، اور ایک سے لے کر چار بیویوں تک کی اجازت دی اور عورتوں کے لئے مہر مقرر فرمانے کا حکم دیا تاکہ معاشرہ میں عورت کی بھی حیثیت و عزت قائم رہے اور مردوں کو باندیوں سے استمتاع کرنے کی بھی اجازت دی مملوکہ ہوں یا منکوحہ یہ سب آسانیاں ہیں جن کی انسان کو حاجت ہے احکام نکاح کے علاوہ دوسرے احکام میں بھی آسانیاں رکھی ہیں، اور کوئی حکم ایسا نہیں دیا جس کی تعمیل انسان کے بس سے باہر ہو، البتہ انسان کو شتر بے مہار کی طرح آزاد بھی نہیں چھوڑا جو مرد جس عورت سے چاہے استمتاع کرے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ یہ تو حیوانی زندگی ہے اگر سب کچھ حلال کر دیا جائے تو انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہے گا؟ اس طرح سے تو انسانیت کا شرف ہی ختم ہو جائے گا جس پر پابندی نہیں وہ تو انسان ہی نہیں۔

شہوت پرستوں کا طریق کار: جو لوگ شہوتوں کے بندے ہیں انہیں انسانیت محبوب و مرغوب ہی نہیں وہ تو انسان ہو کر پچھتا رہے ہیں اور نفس کے مزہ کے لئے محض حیوانیت پر اتر آئے ہیں۔

یورپ، امریکہ میں بے ہودگی، آوارگی، فحاشی، زناکاری کا جو سیلاب آیا ہوا ہے، چھوٹے بڑے حاکم و محکوم اور ہر طبقہ کے لوگ اس میں بہہ چکے ہیں، حکومتوں کا یہ حال ہے کہ کوئی قانون بناتے ہیں پھر جب دیکھتے ہیں کہ عوام اس کے مطابق نہیں چلتے قانون کو بدل دیتے ہیں۔ تھوڑا بہت جو قانون کا بھرم باقی ہے تو صرف اتنا سا ہے کہ زنا بالجبر ممنوع ہے۔ آپس کی خوشی سے زناکاری جتنی مرتبہ بھی ہو جائے اس پر ان کے نزدیک کوئی مواخذہ نہیں، اور اب استلذاذ بالمثل کا قانون پاس کر دیا ہے ان شہوت پرستوں کے نزدیک عورت عورت سے اور مرد مرد سے استمتاع کر سکتا ہے، اور خلاف فطرت قضائے شہوت میں ان کے بڑے لوگ بھی مبتلا ہیں (دینی بڑے ہوں یا دنیاوی ذمہ دار ہوں) ایسے پارک ہیں جن میں کسی عمل پر کوئی پابندی نہیں، اس پارک میں اعلانیہ طور پر مرد اور عورت جو فعل کرے ان کے یہاں اس پر قانون کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ فرمایا ہے اس کے پورے پورے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

جن ملکوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں وہاں بھی بہت سے لوگ یورپ اور امریکہ کے حیوانوں کی طرح جنسی خواہشات پورا کرنے کے متوالے ہیں، یہ لوگ نہ صرف یہ کہ خود بے حیائیوں فحاشیوں اور زناکاریوں میں مبتلا ہیں بلکہ باقاعدہ ان کی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جن کی برابر اور مستقل یہ کوشش ہے کہ نکاح اور حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ دیا جائے ایسے جرائد

ہفت روزہ اور ماہنامے جاری ہیں جن میں بے حیائی کے کاموں کو اچھالا جاتا ہے ننگی تصویریں شائع کی جاتی ہیں جذبات نفسانیہ کو ابھارا جاتا ہے اور ایسی انجمنیں بنی ہوئی ہیں جو عامۃ المسلمین کو بے حیائی اور زنا کاری کے غار میں دھکیلنے کی پوری کوشش کر رہی ہیں، ننگوں کے کلب ہیں زنا کاری کے اڈے ہیں ان کی سرپرستی کی جاتی ہے، فاحشہ عورتوں کو حکومتیں لائسنس دیتی ہیں، پہلے تو اتنا ہی تھا کہ سینما ہال میں معاشقہ کے نظارے کئے جاتے تھے اور ننگی سے ننگی اور گندی سے گندی فلمیں بنوا کر سینماؤں کے مالکان خوش ہوتے تھے (کیونکہ اس میں ذریعہ آمدنی بہت زیادہ ہے) اور اب تو گھر گھر عشقیہ فلمیں اور ڈرامے دیکھے جا رہے ہیں، ٹی وی کے پروگراموں نے اور وی سی آر (وڈیو کیسٹ ریکارڈر) نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا ہے، بے حیا ماں باپ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور بچوں کو دکھاتے ہیں جن حکومتوں کے سربراہوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری اسلامی حکومت ہے ان کے ٹی۔ وی پروگراموں اور یورپ امریکہ کے پروگراموں میں کوئی فرق نہیں، وی سی آر بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں، دینداری کے دعویدار بھی اپنے بچوں کو اس سے منع نہیں کرتے۔ پورا معاشرہ عریانی و فحاشی کی راہ سے گذر رہا ہے۔ پرانے قسم کے جو کچھ لوگ باقی ہیں وہ نئی نسل کے نوجوانوں کو کھلتے ہیں اور قرآن و حدیث کی عفت و عصمت کی تعلیم نوجوانوں کو پسند نہیں بے حیائی کے داعیوں نے عامۃ الناس کو اس سطح پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ پیچھے مڑنے اور حیا و شرم اختیار کرنے کے لئے بہت بڑی محنت کی ضرورت ہے گذشتہ زمانوں میں کوئی شخص زنا کرتا تو چھپ کر کرتا تھا اور اس طرح کا پیشہ کرنے والی عورتوں کو بھی بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی لیکن آج تو عفت و عصمت حیا و شرم عیب بن گئی ہے اور بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہنر اور کمال سمجھی جا رہی ہے اور اسے معاشرہ کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے۔

حیاء و شرم انبیاء کرام کے اخلاق عالیہ میں سے ہیں: عفت و عصمت اور حیاء و شرم کی تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں کو تعلیم دی ہے اور یہ اہل ایمان کا شعار ہے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی میں سے ہیں (۱) حیا (۲) تعطر (یعنی خوشبو لگانا) (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا (رواہ الترمذی فی اول کتاب النکاح) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر دین کا ایک خاص مزاج ہے اور دین اسلام کا مزاج حیاء ہے (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ان میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۳۲)

آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا نظروں کے سامنے ہے کہ جن قوموں میں حیاء نہیں ان میں ایمان نہیں اور جو قومیں مسلمان ہونے کی دعویدار ہیں ان میں جیسے جیسے بے حیائی بڑھ رہی ہے ویسے ویسے ایمان اور ایمانیات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، یورپ اور امریکہ میں جو مسلمان جا کر بسے ہیں ان میں جو تھوڑا بہت ایمان و اسلام تھا وہ ان کی نسلوں میں وہاں برباد ہو رہا ہے، شریعت اسلامیہ نے عفت و عصمت کے لئے جو قانون بنائے اور ان کی حفاظت کے لئے جو

15

پابندیاں رکھی ہیں ان میں پہلی پابندی نظر پر ہے اور بدنظری کو حرام قرار دیا ہے، نیز عورتوں کے لئے پردہ لازمی قرار دیا ہے۔ عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے جو کوئی عورت خوشبو لگا کر باہر نکلے اسے زنا کار قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر نظریں ڈالنے لگتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۹) تعجب ان لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور ساتھ ہی بے حیاء بھی ہیں اور عفت و عصمت کے دشمن بھی ہیں جو لوگ عفت و عصمت کے دشمن ہیں عام مسلمانوں کو بڑی حد تک بے حیائی پر ڈال چکے ہیں ان کی کوششیں جاری ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بالکل ہی عفت و عصمت اور حیاء و شرم سے ہاتھ دھو بیٹھیں ولقد صدق اللہ تعالیٰ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلاً عَظِيْماً اللہ تعالیٰ کی بات نہ ماننا اور دشمنوں کی راہ اختیار کرنا یہ کیسی مسلمانی ہے؟

فاللہ یھدیم و یوفقھم لما یحب و یرضی

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی تجارت آپس کی

تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا

رضا مندی سے ہو، اور مت قتل کرو اپنی جانوں کو، بے شک اللہ تم پر بہت بڑا مہربان ہے اور جو شخص زیادتی

وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

اور ظلم اختیار کرے گا سو عنقریب ہم اسے دوزخ میں داخل کردیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا اصول

تفسیر: اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۴۱۷: ج ۱ پر لکھتے ہیں بالحرام یعنی :بالربوا و القمار والغصب والسرقة والخيانة و نحوها و قيل هو العقود الفاسدة (یعنی باطل سے مراد یہ ہے کہ حرام طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ مثلاً سود لے کر جوئے بازی کے طریقے سے اور چھین کر، چوری کر کے، خیانت کر کے اور اسی طرح کے دوسرے غیر شرعی طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے عقود فاسدہ مراد ہیں یعنی خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ کے وہ طریقے جو شرعاً فاسد ہیں ان کے ذریعہ ایک دوسرے کا مال حاصل نہ کرو۔ لفظ باطل بہت عام ہے مال حاصل کرنے کا ہر وہ طریقہ جو شرعاً جائز نہ ہو وہ سب باطل کے عموم میں داخل ہے۔

پھر اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ فرماتے ہوئے تجارت کے ذریعہ مال حاصل کرنے کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی عَنْ تَرَاضٍ کی بھی قید لگا دی یعنی تجارت کے ذریعہ بھی وہ مال حاصل کرنا حلال ہے جو آپس کی رضا

مندی سے ہو۔ خریدار یا صاحب مال دونوں کسی معاملہ پر راضی ہو جائیں اور یہ رضامندی خوش دلی سے ہو تو لین دین جائز ہے کسی فریق کو خریدنے یا بیچنے پر مجبور نہ کیا جائے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی کی چیز اٹھا کر چل دیتے ہیں یہ غصب یا لوٹ مار ہے اور بعض لوگ صاحب مال کو کچھ پیسے دے دیتے ہیں۔ اول تو وہ بیچنے پر راضی نہیں ہوتا اور اگر راضی ہو جائے تو اتنی قیمت نہیں دیتے جس پر وہ خوش دلی سے راضی ہو زبردستی کسی کی چیز لے لینا یا اپنے پاس سے خود قیمت تجویز کر کے دے دینا جس سے صاحب مال راضی اور خوش نہ ہو یہ سب حرام ہے۔

چند غیر شرعی معاملات کا تذکرہ: جتنے بھی غیر شرعی معاملات ہیں ان کے ذریعہ جو مال حاصل ہوگا وہ باطل طریقے پر کھانے میں شمار ہوگا، شراب، خنزیر اور مردار کی بیع حرام ہے، رشوت لینا حرام ہے جو پیسہ اس ذریعہ سے ملے وہ بھی حرام ہے جو چیز اپنی ملکیت میں نہیں اس کی بیع باطل ہے، پرندہ کی بیع جبکہ وہ اڑ رہا ہے اور مچھلی کی بیع جبکہ وہ سمندر میں ہو یہ بھی بیع باطل ہے، اگر مال مثلاً سو روپے کا لیا ہو اور خریدار سے یوں کہے کہ میں نے ایک سو دس میں لیا ہے اور تمہیں اصل دام پر دیتا ہوں، یہ بھی حرام ہے اس میں جھوٹ بھی ہے اور فریب بھی۔ کرایہ پر مکان، دکان کا دینا لینا بھی ایک قسم کی تجارت ہے اس میں بھی باہمی رضامندی شرط ہے بہت سے لوگ کسی کے خالی مکان کو دیکھ کر قبضہ کر لیتے ہیں پھر صاحب مکان کو مجبور کرتے ہیں کہ کرایہ لے لو اگر وہ کرایہ لینا منظور کرے تو اپنا منہ بولا کرایہ دینے پر مجبور کرتے ہیں وہ مجبور ہو کر بد دلی کے ساتھ تھوڑا کرایہ منظور کر لیتا ہے، یہ بھی حرام ہے اور بعض لوگ حکومتوں کے غیر شرعی قانون کی آڑ لے لیتے ہیں۔ حکومتوں کا قانون ہے کہ کرایہ دار سے خالی نہیں کرا سکتے، کرایہ بھی نہیں بڑھا سکتے، ایسے قانون بنانا اور ایسے قانون کو استعمال کر کے مالک مکان کو نقصان پہنچانا یہ بھی حرام ہے۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مال ایک ہزار کا خریدا اور دکاندار سے کیش میمو بارہ سو کا بنوا لیا پھر جب کوئی شخص خریدنے آیا تو اس کو وہ کیش میمو دکھا کر یہ باور کرا دیا کہ یہ مال ہم نے بارہ سو میں خریدا ہے لہٰذا تم دام کے دام خرید لو یا سو روپیہ نفع دے کر لے لو۔ یہ سب دھوکہ دہی ہے اور حرام ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یوں فرمایا ہے کہ حرام مال کھا کر اپنی جانوں کو قتل نہ کرو (کیونکہ آخرت کا عذاب دنیاوی قتل کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہے) اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا لَا یَقْتُلْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں خودکشی کی ممانعت فرمائی ہے (معالم التنزیل صفحہ ۴۱۸) چونکہ الفاظ میں عموم ہے اس لئے آیت کا مفہوم ان سب کو شامل ہے۔

اس زمانہ میں قتل و غارت کی بہت کثرت ہے، مسلمان مسلمان کو قتل کرتا ہے، لسانی اور صوبائی عصبیتوں اور طرح طرح کی جاہلانہ باتوں کی وجہ سے خونریزی کا بازار گرم ہے دشمنوں نے مسلمانوں کو آپس کے جنگ و جدال پر آمادہ کر رکھا ہے بظاہر دنیاوی مفاد سامنے آتا ہے، اس لئے بے تحاشا قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں، اس بارے میں جو وعیدیں ہیں سورہ نساء کی آیت وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً (الآیۃ رکوع ۱۴) کے ذیل میں انشاء اللہ بیان ہوں گی۔

خودکشی کا گناہ: جیسا کہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے اپنی جان کو قتل کرنا بھی حرام ہے، یہ جان اس

٥/١٥

ذات پاک کی ملکیت ہے جس نے جان بخشی ہے کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی بھی طرح خودکشی کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کر لی وہ دوزخ کی آگ میں ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ اس میں (چڑھتا) اور گرتا رہے گا، اور جس شخص نے زہر پی کر خودکشی کر لی اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا دوزخ کی آگ میں وہ ہمیشہ ہمیشہ اس کو پیتا رہے گا، اور جس شخص نے کسی لوہے کی چیز سے خودکشی کر لی اس کا وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اس لوہے کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا (رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۹۹) دنیا کی مصیبتوں سے تنگ آ کر بعض لوگ خودکشی کر لیتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ آخرت کا عذاب اس دنیاوی تکلیف سے بہت زیادہ ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تم پر بہت بڑا مہربان ہے اس نے جو احکام بھیجے ہیں ان کو اپنے حق میں خیر سمجھو، ان احکام کی تعمیل میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خیر ہے، جس حکم کی تعمیل میں تکلیف محسوس ہوتی ہو ہمت کر کے اس کی بھی تعمیل کرو کیونکہ حکم کی خلاف ورزی میں تمہارے لئے سراپا ضرر ہے اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان میں تمہیں نقصان اور ضرر سے بچایا ہے۔

دوسری آیت میں قتل نفس کی وعید بتائی اور ارشاد فرمایا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَاناً وَّظُلْماً فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَاراً کہ جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر کسی جان کو قتل کرے، ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، بعض صورتوں میں قتل کرنے کا جو شرعی جواز ہے اس سے آگے بڑھ جانا اور حدود شرعی سے نکل کر کسی کو قتل کر دینا حرام ہے، قتل نفس کی سزا جہنم کا داخلہ ہے، اللہ تعالیٰ کو سب پر قدرت ہے کوئی اس کی قدرت سے باہر نہیں اور اس کے ملک سے کوئی نہیں نکل سکتا نہ موت سے پہلے نہ موت کے بعد، اللہ تعالیٰ کو سب کچھ آسان ہے، اور ہر طرح کی قدرت ہے جس کو جیسے چاہے سزا دے سکتا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلاً كَرِيْماً ﴿۳۱﴾

جن چیزوں سے تمہیں منع کیا جاتا ہے، اگر ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔

تکفیر سیّئات کا وعدہ

تفسیر: اس آیت میں کبائر سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور صغائر کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دیں گے، دیگر نصوص کثیرہ کی بنا پر بعض علماء نے یہ اشکال کیا ہے کہ محض اجتناب کبائر سے (جن میں عدم ادائے فرائض بھی داخل ہے) اگر صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں تو جتنے بھی صغائر ہیں بظاہر نتیجہ کے طور پر مباح کا درجہ لے لیں گے کیونکہ ان کے ارتکاب کرنے والے کو یہ یقین رہے گا کہ کبائر سے بچنے کی وجہ سے میرے تمام صغائر معاف ہیں، لہٰذا صغائر پر کوئی عتاب اور عذاب نہ ہوگا اور مباح ہونے کا یہی معنی ہے۔ اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے معتزلہ کی تردید کے ذیل میں صاحب مدارک التنزیل صفحہ ۲۲۲: ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

وتشبث المعتزلة بالآية على ان الصغائر واجبة المغفرة باجتناب الكبائر و على ان الكبائر غير مغفورة

باطل لان الکبائر والصغائر فی مشیئة اللہ تعالیٰ سواء ان شاء عذب علیھما و ان شاء عفا عنھما لقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ فقد وعد المغفرة لما دون الشرک و قرنھا بمشیتہ تعالیٰ و قولہ ان الحسنات یذھبن السیئات فھذہ الآیة تدل علی ان الصغائر والکبائر یجوزان یذھبا بالحسنات لان لفظ السیات یطلق علیھا (معتزلہ کا اس آیت سے اس بات پر دلیل پکڑنا کہ صغیرہ گناہ کی مغفرت کبیرہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے واجب ہے اور اس پر کہ کبیرہ گناہ ہرگز معاف نہیں ہوں گے باطل ہے کیونکہ صغیرہ کبیرہ گناہ کی مغفرت کرنا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں برابر ہے چاہے تو ان پر عذاب دے اور چاہے تو بخش دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے شرک کے علاوہ کی بخشش کا وعدہ کیا ہے البتہ اسے اپنی مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: (ترجمہ) بے شک نیکیاں سیّئات کو ختم کردیتی ہیں یہ کبیرہ و صغیرہ دونوں قسم کے گناہوں کا نیکیوں سے ختم ہونا ممکن ہے کیونکہ سیّئات کے لفظ کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ وعدہ مغفرت تو ہے لیکن مشیت الٰہی پر موقوف ہے وہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمادے گا۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہاں کبائر ما تنھون عنه سے وجوہ کفر مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ تمام وجوہ کفر سے اجتناب کرو گے یعنی مسلمان رہو گے تو تمہارے سب گناہ معاف کرنے کا وعدہ ہے، کفر کے علاوہ جو باقی گناہ ہیں وہ چونکہ کفر کے مقابلہ میں صغائر ہیں (اگرچہ فی نفسہ ان میں بھی فرق مراتب ہے ان میں صغیرہ بھی ہیں اور کبیرہ بھی) ان کے معاف فرمانیکا وعدہ فرمایا، لیکن یہ وعدہ تحت المشیة ہے اور اس آیت کا مفہوم اور آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ کا ایک ہی مفہوم ہے۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں و قیل المراد بھا انواع الکفر بدلیل قراء ة عبداللہ کبیر ما تنھون عنه وھو الکفر (اور بعض نے کہا اس سے مراد کفر کی انواع ہیں عبداللہ کی قراءت "کَبِیْرَ مَا تَنْھَوْنَ عَنْهُ" کی دلیل سے) علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ بات کہی ہے اور جمع والی قراءت (کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْهُ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے اجناس کفر مراد ہیں پھر فرماتے ہیں: والآیة التی قیدت الحکم فترد الیھا ھذہ المطلقات کلھا قولہ تعالیٰ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (صفحہ ۱۵۹: ج ۳)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة و رمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنبت الکبائر (یعنی پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ کرنے والے ہیں جبکہ بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۱۲۲: ج ۱)

اور صحیح مسلم صفحہ ۱۲۱: ج ۱ کی ایک حدیث مرفوع میں یوں ہے کہ ما من امرئی مسلم تحضرہ صلوة مکتوبة فیحسن وضوء ھا و خشوعھا و رکوعھا الا کانت کفارةٍ لما قبلھا من الذنوب مالم یوت کبیرة (یعنی جس مسلمان کی موجودگی میں فرض نماز کا وقت ہوگیا اور اس نے اچھی طرح وضو کیا اور اس کا رکوع سجود اچھی طرح ادا کیا تو اس سے اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا، جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو۔

ان حدیثوں میں بظاہر وہی بات ہے کہ جب بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے گا تو نیکیوں سے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا، لیکن علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

معناہ ان الذنوب کلھا تغفر الاالکبائر فانھا لا تغفر و لیس المراد ان الذنوب تغفر مالم تکن کبیرۃ فان کانت لا یغفر شیٔ من الصغائر فان ھذا وان کان محتملا فسیاق الحدیث یاباہ قال القاضی عیاض ھذا المذکور فی الحدیث من غفران الذنوب مالم یوت کبیرۃ ھو مذھب اھل السنۃ وان الکبائر انما یغفرھا التوبۃ و رحمۃ اللہ تعالیٰ و فضلہ واللہ اعلم (اس کا معنی یہ ہے کہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں سوائے کبیرہ کے کیونکہ وہ نہیں بخشے جاتے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گناہ بخشے جاتے ہیں جب تک کہ کبیرہ نہ ہوں اگرچہ صغیرہ معاف نہ ہوں۔ اس کا احتمال تو ہے مگر حدیث کا سیاق اس کا انکار کرتا ہے۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں حدیث میں جو گناہوں کی معافی کا ذکر ہے یہ اس وقت تک ہے جب کہ گناہ کبیرہ نہ ہو اہل السنت کا مذہب یہی ہے۔ کبیرہ گناہوں کو توبہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل معاف کرتا ہے) (شرح صحیح مسلم صفحہ ۱۲۱:ج۱)

مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ جو گناہ معاف ہونے کا وعدہ ہے یہ صغیرہ گناہوں سے متعلق ہے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوں گے، اور یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑے گناہ نہ ہوں تو چھوٹے گناہ معاف ہوں گے، ظاہری الفاظ میں اس معنی کا احتمال تو ہے لیکن حدیث کا سیاق اس سے انکار کرتا ہے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہوا کہ جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو صغائر معاف کر دیئے جائیں گے یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اور کبائر صرف توبہ سے یا اللہ کی رحمت و فضل سے معاف ہوں گے، بظاہر آیت شریفہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ اور حدیث اذا اجتنبت الکبائر اور مالم یوت کبیرۃ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کے ہوتے ہوئے چھوٹے گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا، لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں اگرچہ محتمل ہے، امام نووی نے جو بات فرمائی ہے اور جو بات قاضی عیاض سے نقل کی ہے اور جو کچھ علامہ نسفی نے لکھی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم چاہیں گے تو تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو (کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ ان کی مغفرت اور کفارہ کے لئے توبہ شرط ہے)۔ امام نوویؒ کی بات ان نصوص کی وجہ سے دل کو لگتی ہے جن میں اعمال صالحہ کے ذریعہ گناہوں کے کفارہ کا تذکرہ ہے اور ان میں کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوئی قید یا شرط نہیں سورۃ ہود میں فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (کہ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے واقعہ کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ نازل فرمائی اس شخص نے عرض کیا کہ یہ بشارت میرے ہی لئے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے تمام افراد کے لئے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۸:ج۱) آیت بالا کے الفاظ میں جو عموم ہے اس سے بھی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور بے شمار احادیث میں ان نیکیوں کا ذکر ہے جن کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے، جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

لفظ اِنْ تَجْتَنِبُوْا سے شرط معلوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں جو اکابر نے فرمایا ہے وہ ہم نے لکھ دیا ہے، بعض حضرات نے اور بھی توجیہات کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آیت کا تعلق گذشتہ آیت سے ہے، گذشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ اب یہاں یہ بات بیان فرمائی کہ باطل مال لینے کے لئے کوئی شخص چلا جس کا ارادہ مثلاً غصب کرنے یا چوری کرنے کا تھا پھر وہ غصب یا چوری کرنے سے پہلے ہی گناہ کے ارادہ سے باز آ گیا تو ارتکاب کبیرہ کے لئے جو وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا یہ روانگی اور وہ سب گناہ معاف ہوگئے جو غصب یا چوری کے ارتکاب کے لئے کئے تھے جب اس نے چوری اور غصب کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا تو اس سلسلہ میں جو عمل کئے تھے وہ بھی معاف ہوگئے۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا میں مفہوم شرط معتبر نہیں یعنی کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے تو صغیرہ گناہ معاف ہوں گے لیکن عدم اجتناب کبائر سے صغیرہ معاف نہ ہوں اس پر اس کی دلالت نہیں ہے۔

کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ کبیرہ گناہ کون سے ہیں اس کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الکبائر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ان کی تعیین میں حضرات علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں جنہیں بخاری و مسلم کی حدیث اجتنبوا السبع الموبقات میں بیان فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ ستر کے قریب ہیں، پھر فرمایا ہے کہ جس حدیث میں سات گناہوں کا ذکر ہے اس میں حصر مقصود نہیں ہے، بلکہ اس میں بہت بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ فرما دیا ہے، نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کبیرہ گناہ ہیں ان میں خود فرق مراتب ہے، بعض بعض سے بڑے ہیں۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں صفحہ ۱۵۹: ج ۳ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر دوزخ کے داخلے کی یا اللہ کے غصے کی یا لعنت کی یا عذاب کی وعید آئی ہو، نیز حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں، ساتھ ہی ان کا یہ مقولہ بھی نقل کیا ہے لا کبیرۃ مع استغفار و لا صغیرۃ مع اصرار یعنی جب استغفار ہوتا رہے تو کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ (بشرطیکہ استغفار سچے دل سے ہو، زبانی جمع خرچ نہ ہو) اور صغیرہ پر اصرار ہوتا رہے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا۔ پھر لکھتے ہیں:

وقد اختلف الناس فی تعدادھا و حصرھا اختلاف الآثار فیھا، والذی انزل انه قد جاء ت فیھا احادیث کثیرۃ صحاح و حسان لم یقصد به الحصر ولکنھا بعضھا اکبر من بعض الی ما یکثر ضررہ الی آخر ما قال. اور علماء نے کبیرہ گناہوں کی تعداد اور اس بارے میں احادیث میں مذکور تعداد کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف کیا ہے' جو چیز میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس بارے میں بہت ساری صحیح اور حسن احادیث مذکور ہیں جن سے مقصود حصر نہیں ہے لیکن اتنا ہے کہ بعض گناہ بعض سے بڑے ہیں اس لئے کہ ان کا ضرر زیادہ ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب میں ستر گناہ لکھے ہیں اور ان کے بارے میں جو وعیدیں ہیں وہ بھی درج کی ہیں۔ ان کی کتاب کا مراجعہ کر لیا جائے۔

کبیرہ گناہوں کی فہرست: اجمالی طور پر ہم حافظ ذہبی کی کتاب سے کبیرہ گناہوں کی فہرست لکھتے ہیں:

۱۔ شرک اور شرک کے علاوہ وہ عقائد و اعمال جن سے کفر لازم آتا ہے (کفر و شرک کی مغفرت کبھی نہ ہوگی۔ کما جاء مصرحاً فی کتاب اللہ تعالیٰ)

۲۔ کسی جان کو عمداً قتل کرنا

۳۔ جادو کرنا

۴۔ فرض نماز کو چھوڑنا یا وقت سے پہلے پڑھنا

۵۔ زکوٰۃ نہ دینا۔

۶۔ بلا رخصت شرعی رمضان شریف کا کوئی روزہ چھوڑنا یا رمضان کا روزہ رکھ کر بلا عذر توڑ دینا۔

۷۔ فرض ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مر جانا۔

۸۔ والدین کو تکلیف دینا اور ان امور میں ان کی نافرمانی کرنا جن میں فرمانبرداری واجب ہے۔

۹۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا۔

۱۰۔ زنا کرنا۔

۱۱۔ غیر فطری طریقے پر عورت سے جماع کرنا یا کسی مرد یا لڑکے سے اغلام کرنا۔

۱۲۔ سود کا لین دین کرنا یا سود کا کاتب یا شاہد بننا۔

۱۳۔ ظلماً یتیم کا مال کھانا۔

۱۴۔ اللہ پر یا اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولنا۔

۱۵۔ میدان جہاد سے بھاگنا۔

۱۶۔ جو اقتدار اعلیٰ پر ہو اس کا رعیت کو دھوکہ دینا اور خیانت کرنا۔

۱۷۔ تکبر کرنا۔

۱۸۔ جھوٹی گواہی دینا یا کسی کا حق مارا جا رہا ہو تو جانتے ہوئے گواہی نہ دینا۔

۱۹۔ شراب پینا یا کوئی نشہ والی چیز کھانا پینا۔

۲۰۔ جوا کھیلنا۔

۲۱۔ کسی پاکدامن عورت کو تہمت لگانا۔

۲۲۔ مال غنیمت میں خیانت کرنا۔

۲۳۔ چوری کرنا۔

۲۴۔ ڈاکہ مارنا۔

۲۵۔ جھوٹی قسم کھانا۔

۲۶۔ کسی بھی طرح سے ظلم کرنا (مار پیٹ کر ہو یا ظلماً مال لینے سے ہو یا گالی گلوچ کرنے سے ہو)

۲۷۔ ٹیکس وصول کرنا۔

۲۸۔ حرام مال کھانا یا پینا یا پہننا یا خرچ کرنا۔

۲۹۔ خودکشی کرنا یا اپنا کوئی عضو کاٹ دینا۔

۳۰۔ جھوٹ بولنا۔

۳۱۔ قانون شرعی کے خلاف فیصلے کرنا۔

۳۲۔ رشوت لینا۔

۳۳۔ عورتوں کا مردوں کی یا مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا (جس میں ڈاڑھی مونڈنا بھی شامل ہے)

۳۴۔ اپنے اہل وعیال میں فحش کام یا بے حیائی ہوتے ہوئے دور کرنے کی فکر نہ کرنا۔

۳۵۔ تین طلاق دی ہوئی عورت کے پرانے شوہر کا حلالہ کروانا اور اسکے لئے حلالہ کر کے دینا۔

۳۶۔ بدن میں یا کپڑوں میں پیشاب لگنے سے پرہیز نہ کرنا۔

۳۷۔ دکھاوے کے لئے اعمال کرنا۔

۳۸۔ کسب دنیا کے لئے علم دین حاصل کرنا اور علم دین کو چھپانا۔

۳۹۔ خیانت کرنا۔

۴۰۔ کسی کے ساتھ سلوک کر کے احسان جتانا۔

۴۱۔ تقدیر کو جھٹلانا۔

۴۲۔ لوگوں کے خفیہ حالات کی ٹوہ لگانا، تجسس کرنا اور کنسوئی لینا۔

۴۳۔ چغلی کھانا۔

۴۴۔ لعنت بکنا۔

۴۵۔ دھوکہ دینا اور جو عہد کیا ہو اس کو پورا نہ کرنا۔

۴۶۔ کاہن اور منجم (غیب کی خبریں بتانے والے) کی تصدیق کرنا۔

۴۷۔ شوہر کی نافرمانی کرنا۔

۴۸۔ تصویر بنانا یا گھر میں لٹکانا۔

۴۹۔ کسی کی موت پر نوحہ کرنا۔ منہ پیٹنا، کپڑے پھاڑنا۔ سر منڈانا ہلاکت کی دعا کرنا۔

۵۰۔ سرکشی کرنا، اللہ کا باغی ہونا، مسلمانوں کو تکلیف دینا۔

۵۱۔ مخلوق پر دست درازی کرنا۔

۵۲۔ پڑوسی کو تکلیف دینا۔

۵۳۔ مسلمانوں کو تکلیف دینا اور ان کو برا کہنا۔

۵۴۔ خاص کر اللہ کے نیک بندوں کو تکلیف دینا۔

۵۵۔ ٹخنوں پر یا اس سے نیچے کوئی کپڑا پہنا ہوا لٹکانا۔

۵۶۔ مردوں کو ریشم اور سونا پہننا۔

۵۷۔ غلام کا آقا سے بھاگ جانا۔

۵۸۔ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا

۵۹۔ جانتے بوجھتے ہوئے اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو باپ بنالینا۔ یعنی یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں میرا باپ ہے حالانکہ وہ اس کا باپ نہیں۔

۶۰۔ فساد کے طور پر لڑائی جھگڑا کرنا۔

۶۱۔ (بوقت حاجت) بچا ہوا پانی دوسروں کو نہ دینا۔

۶۲۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔

۶۳۔ اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو جانا۔

۶۴۔ اولیاء اللہ کو تکلیف دینا۔

۶۵۔ نماز با جماعت کا اہتمام نہ کرنا۔

۶۶۔ بغیر شرعی عذر نماز جمعہ چھوڑ دینا۔

۶۷۔ ایسی وصیت کرنا جس سے کسی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود ہو۔

۶۸۔ مکر کرنا اور دھوکہ دینا۔

۶۹۔ مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی ٹوہ لگانا اور ان کی پوشیدہ چیزوں پر دلالت کرنا۔

۷۰۔ کسی صحابی کو گالی دینا۔

یہاں تک حافظ ذہبیؒ کی کتاب سے اقتباس ختم ہوا، ہم نے ترتیب سے نمبر ڈالے ہیں، بعض چیزیں مکرر بھی آ گئیں ہیں اور بعض مشہور چیزیں ان سے رہ گئی ہیں۔ اور ان کی کتاب کے بعض نسخوں میں بعض چیزیں زائد ہیں (جو ذیل میں درج شدہ فہرس میں آ گئی ہیں)، صغائر و کبائر کے بیان میں علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی صاحب بحر الرائق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک رسالہ ہے جو الاشباہ والنظائر کے آخر میں چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے مزید کبیرہ گناہوں کی فہرست دی ہے جو حافظ ذہبی کی فہرست سے زیادہ ہے مثلاً۔

۷۱۔ کسی ظالم کا مددگار بننا، قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنا۔

۷۲۔ جادو کا سیکھنا اور سکھانا یا اس پر عمل کرنا۔

۷۳۔ قرآن کو بھول جانا۔

۷۴۔ کسی حیوان کو زندہ جلانا۔

۷۵۔ اللہ کی رحمت سے نا امید ہو جانا۔

۷۶۔ مردار یا خنزیر بغیر اضطرار کے کھانا۔

۷۷۔ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا۔

۷۸۔ گناہوں پر مدد کرنا اور ان پر آمادہ کرنا

۷۹۔ گانے کا پیشہ اختیار کرنا۔

۸۰۔ لوگوں کے سامنے ننگا ہونا۔

۸۱۔ ناچنا۔

۸۲۔ دنیا سے محبت کرنا۔

۸۳۔ حاملین قرآن اور علماء کرام کے حق میں بدگوئی کرنا۔

۸۴۔ اپنے امیر کے ساتھ غدر کرنا۔

۸۵۔ کسی کے نسب میں طعن کرنا۔

۸۶۔ گمراہی کی طرف دعوت دینا۔

۸۷۔ اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا۔

۸۸۔ اپنے غلام کو خصی کرنا یا اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ دینا۔

۸۹۔ کسی محسن کی ناشکری کرنا۔

۹۰۔ حرم میں الحاد کرنا۔

۹۱۔ نرد سے کھیلنا، اور ہر وہ کھیل کھیلنا جس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔

۹۲۔ بھنگ پینا (ہیروئن اسی کے حکم میں ہے)

۹۳۔ کسی مسلمان کو کافر کہنا۔

۹۴۔ بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنا۔

۹۵۔ مشت زنی کرنا۔

۹۶۔ حالت حیض میں جماع کرنا۔

۹۷۔ مسلمانوں کے ملک میں مہنگائی ہو جائے تو خوش ہونا۔

۹۸۔ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا۔

۹۹۔ عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔

۱۰۰۔ کھانے کو عیب لگانا۔

۱۰۱۔ بے ریش حسین لڑکے کی طرف دیکھنا۔

۱۰۲۔ کسی کے گھر میں بلا اجازت نظر ڈالنا اور بلا اجازت اندر چلے جانا۔

علامہ ابن نجیم کی فہرست متعلقہ کبائر ختم ہوئی۔ ہم نے مکررات کو ختم کر دیا ہے یعنی حافظ ذہبی کے رسالہ میں جو چیزیں آ گئی تھیں ان کو نہیں لیا۔ اور بعض دیگر چیزوں کو بھی چھوڑ دیا ہے۔

صغیرہ گناہوں کی فہرست: اس کے بعد حافظ ابن نجیم نے صغائر کی فہرست دی ہے، جو یہ ہے:۔

۱۔ جہاں نظر ڈالنا حرام ہو وہاں دیکھنا۔

۲۔ بیوی کے سوا کسی کا شہوت سے بوسہ لینا یا بیوی کے سوا کسی کو شہوت سے چھونا۔

۳۔ اجنبیہ کے ساتھ خلوت میں رہنا۔

۴۔ سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا۔

۵۔ کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا یعنی سلام کلام بند رکھنا۔

۶۔ کسی نمازی کا نماز پڑھتے ہوئے اپنے اختیار سے ہنسنا۔

۷۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

۸۔ مصیبت پر نوحہ کرنا اور منہ پیٹنا (یا گریبان پھاڑنا اور جاہلیت کی دہائی دینا)۔

۹۔ مرد کو ریشم کا کپڑا پہننا۔

۱۰۔ تکبر کی چال چلنا۔

۱۱۔ فاسق کے ساتھ بیٹھنا۔

۱۲۔ مکروہ وقت میں نماز پڑھنا۔

۱۳۔ مسجد میں نجاست داخل کرنا یا دیوانے کو یا بچے کو مسجد میں لے جانا جس کے جسم یا کپڑے پر نجاست ہونے کا غالب گمان ہو۔

۱۴۔ پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا۔

۱۵۔ تنہائی میں بطور عبث شرم گاہ کو کھولنا۔

۱۶۔ لگاتار نفلی روزے رکھنا جس میں بیچ میں افطار نہ ہو۔

۱۷۔ جس عورت سے ظہار کیا ہو کفارہ دینے سے پہلے اس سے وطی کرنا۔

۱۸۔ کسی عورت کا بغیر شوہر اور محرم کے سفر کرنا۔

۱۹۔ کسی دوسرے خریدار سے زیادہ قیمت دلوانے کے لئے مال کے دام زیادہ لگا دینا جبکہ خود خریداری کا ارادہ نہ ہو۔

۲۰۔ ضرورت کے وقت مہنگائی کے انتظار میں غلہ روکنا۔

۲۱۔ کسی مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا یا کسی کی منگنی پر منگنی کرنا۔

۲۲۔ باہر سے مال لانے والوں سے شہر سے باہر ہی سودا کر لینا (تا کہ سارا مال اپنا ہو جائے اور پھر دام چڑھا کر بیچیں)

۲۳۔ جو لوگ دیہات سے مال لائیں ان کا مال اپنے قبضہ میں کر کے مہنگا بیچنا۔

۲۴۔ اذان جمعہ کے وقت بیع وشراء کرنا۔

۲۵۔ مال کا عیب چھپا کر بیچنا۔

۲۶۔ شکار یا مویشیوں کی حفاظت کی ضرورت کے بغیر کتا پالنا۔

۲۷۔ مسجد میں حاضرین کی گردنوں کو پھاند کر جانا۔

۲۸۔ زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جانے کے بعد ادائیگی میں تاخیر کرنا۔

۲۹۔ راستے میں بیع وشراء یا کسی ضرورت کے لئے کھڑا ہونا جس سے راہ گیروں کو تکلیف ہو یا راستے میں پیشاب پاخانہ کرنا (سائے اور دھوپ میں جہاں لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں اور پانی کے گھاٹ پر پیشاب پاخانہ کرنا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے)۔

۳۰۔ بحالت جنابت اذان دینا یا مسجد میں داخل ہونا یا مسجد میں بیٹھنا۔

۳۱۔ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا اور کپڑے وغیرہ سے کھیلنا۔

۳۲۔ نماز میں گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھنا۔

۳۳۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا، اور وہ کام کرنا جو عبادت نہیں ہیں۔

۳۴۔ روزے دار کو بوس وکنار کرنا۔ اور وہ کام کرنا جو عبادت نہیں ہیں۔

۳۵۔ گھٹیا مال سے زکوٰۃ ادا کرنا۔

۳۶۔ ذبح کرنے میں اخیر تک (پوری گردن) کاٹ دینا۔

۳۷۔ بالغ عورت کا اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لینا۔

۳۸۔ ایک سے زیادہ طلاق دینا۔

۳۹۔ زمانۂ حیض میں طلاق دینا۔

۴۰۔ جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں طلاق دینا۔

۴۱۔ اولاد کو لینے دینے میں کسی ایک کو ترجیح دینا، الایہ کہ علم یا صلاح کی وجہ سے کسی کو ترجیح دے۔

۴۲۔ قاضی کو مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان برابری نہ کرنا۔

۴۳۔ سلطان کا یا جس کے مال میں غالب حرام ہو ہدیہ قبول کرنا اور اس کا کھانا کھانا اور اس کی دعوت قبول کرنا۔

۴۴۔ کسی کی زمین میں بغیر اجازت کے چلنا۔

۴۵۔ انسان یا کسی حیوان کا مثلہ کرنا (یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دینا)۔

۴۶۔ نماز پڑھتے ہوئے تصویر پر سجدہ کرنا یا ایسی صورت میں نماز پڑھنا کہ نمازی کے مقابل یا اس کے برابر تصویر ہو۔

۴۷۔ کافر کو سلام کرنا۔

۴۸۔ بچہ کو وہ لباس پہنانا جو بالغ کے لئے جائز نہ ہو۔

۴۹۔ پیٹ بھرنے کے بعد بھی کھاتے رہنا۔

۵۰۔ مسلمان سے بدگمانی کرنا۔

۵۱۔ لہو ولعب کی چیزیں سننا۔

۵۲۔ غیبت سن کر خاموش رہ جانا (غیبت کرنے والے کو منع نہ کرنا اور تردید نہ کرنا)

۵۳۔ زبردستی امام بننا (جبکہ مقتدیوں کو اس کی امامت گوارا نہ ہو اور اس کی ذات میں دینی اعتبار سے کوئی قصور ہو۔

۵۴۔ خطبے کے وقت باتیں کرنا۔

۵۵۔ مسجد کی چھت پر یا مسجد کے راستے میں نجاست ڈالنا۔

۵۶۔ دل میں یہ نیت رکھتے ہوئے کسی سے کوئی وعدہ کر لینا کہ پورا نہیں کروں گا۔

۵۷۔ مزاح یا مدح میں افراط کرنا۔

۵۸۔ غصہ کرنا (ہاں اگر دینی ضرورت سے ہو تو جائز ہے)۔

عام طور سے جن چیزوں میں لوگ مبتلا ہیں وہ ہم نے ذکر کر دی ہیں بعض چیزیں جو ابن نجیم کی کتاب میں ہیں وہ ہم

نے چھوڑ دی ہیں اور صغائر میں انہوں نے بعض وہ چیزیں ذکر کی ہیں جن کو حافظ ذہبی نے کبائر میں شمار کیا ہے اور یوں بھی مذکورہ گناہوں میں بعض کو صغائر میں شمار کرنا محل نظر ہے۔ خاص کر کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا اور سلام کلام بند رکھنا اس کو صغائر میں شمار کرنا نادرست ہے اس پر حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔ اور یہ ایک اجتہادی امر ہے کہ صغیرہ گناہ کون کون سے ہیں اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق حضرات اکابر نے تعیین فرمادی ہے۔

حج یا عمرہ کا احرام میں داخل ہو کر اسے فاسد کر دینا یا ممنوعات احرام کا قصداً ارتکاب کرنا یا نماز شروع کر کے بغیر عذر شرعی کے توڑ دینا اس کا ذکر نہ حافظ ذہبی نے کیا نہ ابن نجیم نے، اگر دیگر احادیث شریفہ پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے اور گناہ بھی سامنے آجائیں گے۔

ہمارا رسالہ گناہوں کی فہرست بھی ملاحظہ کر لیا جائے جس میں گناہ اور گناہوں پر جو وعیدیں ہیں وہ ذکر کر دی گئی ہیں۔

صغیرہ گناہ بھی گناہ ہے۔ اس سے بھی بچنا واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بھی مواخذہ کرنے والے ہیں یعنی فرشتے جو نیکی بدی لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں، (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۸)

فائدہ: صغیرہ گناہ کا ارتکاب اگر عذاب اور مواخذہ سے ڈرتے ہوئے کر لیا جائے تو صغیرہ ہے، اگر لاپرواہی سے کیا جائے اور یہ سمجھ کر کرے کہ اس میں کوئی بات نہیں تو پھر کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صغیرہ پر اصرار کرنے یعنی بار بار ارتکاب کرنے سے بھی صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور جس عمل کی جو ممانعت قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے اس ممانعت کو کوئی حیثیت نہ دینا یہ کفر ہے۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ

اور تم کسی ایسی چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ذریعہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں نے جو اعمال کئے ان کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے، اور عورتوں نے

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْــَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

جو اعمال کئے ان کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، بلاشبہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور ہر ایک کے لئے ہم نے

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِيْبَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اس مال میں وارث مقرر کر دیئے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا، ان کو ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ کو

كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

ہر چیز کی اطلاع ہے

امور غیر اختیاریہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی آرزو مت کرو

تفسیر: معالم التنزیل صفحہ ۴۲۰: ج۱ میں حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا

یارسول اللہ! مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں اور ہم کو بھی میراث میں ان کے برابر حصہ ملتا ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ پھر بعض حضرات سے یوں نقل کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میراث کے حصے بیان فرماتے ہوئے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فرمایا تو عورتوں نے کہا کہ ہم زیادہ حصہ کی مستحق ہیں کیونکہ ہم ضعیف ہیں، اور مرد قوی ہیں اور انہیں روزی حاصل کرنے پر قدرت زیادہ ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جب لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ نازل ہوئی تو بعض مردوں نے کہا کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ نیکیوں کے اعتبار سے عورتوں سے بڑھ جائیں اور ہمارا ثواب عورتوں کے ثواب سے دوگنا ہوگا، جیسا کہ دنیا میں میراث کے حصہ میں زیادہ دیا گیا ہے، اس پر آیت لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے تشریعاً اور تکویناً اس کے سب کام اور سب فیصلے اور احکام حکمت کے مطابق ہیں، اس نے جس کو جس حال میں رکھا ہے اور جتنی قوت دی ہے اور جس کام کا اہل بنایا ہے۔ اور جس کام پر لگایا ہے یہ سب حکمت کے موافق ہے اگر سبھی کی ایک جنس ہوجاتی یا سب قوت میں برابر ہوتے تو دنیاوی معیشت و معاشرت میں بہت سارخنہ پڑ جاتا۔ رہا آخرت کا معاملہ اس کا تعلق اعمال اور اخلاص سے ہے۔ جو شخص مرد ہو یا عورت اپنی فطری قوت و توانائی کے اعتبار سے اخلاص کے ساتھ عمل کرے گا، اس کا وہ اجر و ثواب پائے گا، جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے صرف مرد ہونے کی وجہ سے یا عورت ہونے کی وجہ سے کسی کے ثواب میں اضافہ یا نقصان نہ ہوگا۔ یہ بات کہ اللہ نے جس کو جو فضیلت دی ہے دوسرا اس کی آرزو نہ کرے اس کا تعلق امور غیر اختیاریہ سے ہے اور جو امور اختیاریہ ہیں اس میں محنت کوشش کر کے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، البتہ حسد نہ ہو۔ ریاکاری نہ ہو، اعجاب نفس نہ ہو، اپنی تعریف کرانا مقصود نہ ہو۔

آپس میں نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اور سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فرمایا ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے شاکر صابر لکھ دیں گے۔ (۱) جس نے اپنے دین میں اپنے سے اوپر کو دیکھا اور اس نے اس کی اقتداء کی (۲) جس نے اپنی دنیا میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھا اور اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے مجھے اس سے زیادہ دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو شاکر صابر لکھ دیں گے اور جس نے اپنے دین میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھا اور دنیا میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھا اور اس پر رنج کیا (کہ مجھے تو اس قدر مال نہ ملا) تو اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر نہ لکھیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۸) آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک شخص کو اللہ نے مال و علم دیا۔ وہ مال کے بارے میں اللہ سے ڈرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور مال میں جو حقوق ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کرتا ہے تو (مالی اعتبار سے) یہ شخص سب سے افضل ہے اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے علم دیا اور مال نہیں دیا لیکن اس کی نیت سچی ہے وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں شخص کی طرح خرچ کرتا، تو ان دونوں شخصوں کا اجر برابر ہے (مشکوٰۃ المصابیح از ترمذی صفحہ ۴۵۱)

جن کمالات کے حاصل کرنے میں عملی کوشش کو دخل نہیں۔ان کی تمنا نہ کرے اور جو کام کر سکتا ہے ان میں محنت کوشش کر کے آگے بڑھے۔

پھر فرمایا لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا مردوں کے لئے ان کے عمل کا حصہ ہے جو انہوں نے کمایا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ اور عورتوں کے لئے ان کے عمل کا حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، مرد ہو یا عورت ہر ایک کو اپنے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ثواب ملے گا جیسے مردوں کو ایک نیکی کا کم از کم دس گنا ثواب ملے گا ایسے ہی عورتیں بھی اسی قدر ثواب کی مستحق ہوں گی۔

پھر اللہ تعالیٰ سے فضل کا سوال کرنے کا حکم فرمایا وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ لہٰذا عمل بھی کرتے رہیں اور اس کے فضل کا سوال بھی کرتے رہیں۔عمل کی توفیق، شکر کی توفیق، عمل کو قبول فرمانا، مزید توفیق دینا یہ سب اللہ کا فضل ہے۔

چونکہ بعض خواتین نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم ضعیف ہونے کی وجہ سے میراث کا دوگنا حصہ ملنے کے زیادہ مستحق ہیں، اس لئے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا، وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ (الآیہ) کہ ہم نے اس مال کے وارث مقرر کر دیئے جسے والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں حصوں کی یہ تقسیم حکمت پر مبنی ہے جس کا جو حصہ مقرر کیا گیا ہے اس کا حصہ دے دو، اللہ حکمت والا ہے اور ہر ایک کی مصلحت کو جانتا ہے۔

مولی الموالاۃ کی میراث: آیت کے ختم پر جو فرمایا: وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ (اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا ہو ان کو ان کا حصہ دے دو) اس میں عقد موالات کا تذکرہ ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ تھا کہ دو شخص آپس میں یوں اقرار کر لیتے تھے کہ ہماری تمہاری آپس میں دوستی ہے جب ہم میں سے کوئی جنایت کرے تو دوسرا اس کی دیت کا متحمل ہو اور جب دونوں میں سے کوئی مر جائے تو اس کے مال کا وارث ہو ان میں سے ہر شخص کو مولی الموالاۃ کہا جاتا تھا۔ کیا اس کا حکم اسلام میں باقی ہے؟ اس کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایسا معاقدہ اور معاہدہ دو آدمی آپس میں کر لیں پھر ان میں سے کوئی شخص مر جائے۔ اور مرنے والے کا کوئی بھی وارث اصحاب فرائض میں سے اور عصبات کے رشتہ داروں میں سے اور ذوی الارحام میں سے موجود نہ ہو تو مولی الموالاۃ کو میراث مل جائے گی اگر دو شخصوں نے آپس میں کوئی ایسا معاہدہ کیا ہو تو اسے آپس میں منسوخ بھی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کی طرف سے دیت ادا نہ کی ہو اگر ان میں سے کوئی شخص دوسرے کی دیت ادا کر چکا ہے تو اب یہ موالاۃ فسخ نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عقد موالات کی وجہ سے اب ایک کی دوسرے کو میراث نہیں ملے گی، بلکہ جس کسی شخص نے کسی سے موالاۃ کی ہو۔ اگر وہ مر جائے اور اس کا کوئی وارث رشتہ داروں میں سے نہ ہو تو اس کی میراث عامۃ المسلمین کو ملے گی۔ (یعنی اس کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا) علامہ ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ آیت بالا سے مولی الموالاۃ کی میراث ثابت ہو رہی ہے اور کوئی ایسی چیز کتاب و سنت میں نہیں ہے جس سے اس کو منسوخ کیا جا سکے۔ اور آیت کریمہ

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ سے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں ذوی الارحام کو مولی الموالاۃ سے اولیٰ بتایا ہے (امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے) پس اگر ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو تقاضائے آیت کریمہ مولی الموالاۃ کو میراث ملنی چاہیئے۔ (احکام القرآن صفحہ ۱۸۶: ج ۲)

علامہ نسفی مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں:

والمراد به عقد الموالاة و هی مشروعة والوراثة بها ثابتة عند عامة الصحابة رضی الله عنهم و هو قولنا (اس سے مراد عقد موالات ہے اور وہ شرعاً معتبر ہے اور اس کی وجہ سے وراثت کا ملنا عموماً صحابہ کے ہاں ثابت ہے رضی اللہ عنہم اجمعین)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے کوئی شخص اپنے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ

مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مالوں میں سے خرچ کیا۔

اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرنے والی ہیں۔ مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الٰہی نگہبانی کرنے والی ہیں، اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تمہیں ڈر ہو ان کو نصیحت کرو

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

اور انہیں لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو مارو، سو اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان پر زیادتی کرنے کے لئے بہانہ نہ ڈھونڈو بے شک اللہ تعالیٰ رفعت والا ہے بڑا ہے

زن و شوہر کے بارے میں چند ہدایات

تفسیر: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا شان نزول یوں بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طمانچہ مار دیا تھا، وہ عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی۔ اس کے گھر والے بھی ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قصاص (بدلہ) ہوگا۔ اس پر یہ آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ نازل ہوئی۔ آیت کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک بات کا ارادہ کیا (یعنی بدلہ دلانے کا) اور اللہ تعالیٰ نے دوسری بات کا ارادہ فرمایا (اسباب النزول للواحدی صفحہ ۱۴۵)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں: آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور ساتھ اس کے دو سبب بیان فرمائے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ عموماً مردوں کی سمجھ زیادہ ہوتی ہے اور ان کے فکر میں بہت کچھ نشیب و فراز آتا رہتا ہے وہ پیش آنے والے حالات کے پھیلاؤ اور گہراؤ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں ان کی نارسا فہم وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں تک مردوں کی رسائی ہوتی ہے) لہٰذا جن گھریلو معاملات میں اختلاف ہو جائے اور کوئی بھی قضیہ کھڑا ہو جائے اس میں مردوں کی رائے معتبر ہوگی اور مرد جو کہیں گے اس

کے مطابق عمل کرنا ہوگا، عورتیں محکوم ہیں وہ مردوں کی فرمانبرداری کریں، دوسرا سبب مردوں کے حاکم ہونے کا یہ بیان فرمایا کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں عورت کا نان ونفقہ، روٹی کپڑا مرد کے ذمہ ہے وہ چونکہ خرچ کرتا ہے اس لئے عورتوں کو پابند رہنا چاہیئے۔ یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے، عورت خرچہ تو لے مرد سے اور کرے اپنی من مانی یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں جن کے مزاج میں نیکی ہوتی ہے وہ شوہر کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اللہ کا حکم ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کریں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی گذاریں۔

صالحات کی تعریف: ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ کہ نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والی ہوتی ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور شوہروں کی فرمانبرداری بھی کرتی ہیں اور مرد گھر پر موجود نہ ہو تب بھی اپنی آبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حفاظت اور نگہداشت کی توفیق دی ہے اور انہیں برائیوں سے بچایا ہے (قال صاحب الروح صفحہ ۲۴: ج ۵)

فَالصّٰلِحٰتُ مِنهُنَّ مُطِيْعَاتٌ لِلّٰهِ تَعَالیٰ وَلِاَزْوَاجِهِنَّ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ اى يَحْفَظْنَ اَنْفُسَهُنَّ وَ فُرُوْجَهُنَّ فِى حَالِ غَيْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ اى بِمَا حَفِظَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِى مُهُوْرِهِنَّ وَاِلْزَام اَزْوَاجِهِنَّ النفقة. قال الزجاج و قيل بحفظ الله تعالیٰ لهن و عصمته اياهن ولو لا ان الله تعالیٰ حفظهن و عصمهن لَمَا حفظن انتهى بحذف.

حافظات للغیب کے عموم میں سب چیزیں داخل ہیں، مرد کے مال کی حفاظت کرنا، اس کی اولاد کی حفاظت کرنا۔ اور اپنی جان میں خیانت نہ کرنا یعنی دوسرے غیر مردں کو گھر میں نہ آنے دینا۔ غیر مردوں سے تعلقات پیدا نہ کرنا۔ یہ سب اس کے عموم میں داخل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں کون سی عورت بہتر ہے؟ فرمایا وہ عورت بہتر ہے کہ شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے اور حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی ایسے کام نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہوں) (رواہ النسائی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۲۸۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہیں (عرب عورتیں) ان میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں جو بچوں پر ان کی چھوٹی عمر میں بہت زیادہ شفقت کرنے والی ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی خوب زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۶۰: ج ۲)

معلوم ہوا کہ مومن عورت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی ہر طرح سے حفاظت کرے، اور شوہر کے مال کی بھی حفاظت کرے اس کے مال کو بے جا خرچ نہ کرے، اس کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے۔ اور اپنی عفت وعصمت محفوظ رکھے۔ شوہر ہر وقت گھر میں نہیں رہتا۔ وہ بیوی کی اور اپنے مال کی اور اپنے بچوں کی ہر وقت دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ وہ کسب معاش اور دیگر ضروریات کے لئے گھر سے باہر چلا جاتا ہے اب عورت ہی کی ذمہ داری ہے کہ اپنی آبرو اور شوہر کی آبرو اور اپنے شوہر کے مال اور اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی اولاد کی نگہداشت کرے۔ بچوں کی حفاظت اور نگہداشت میں یہ بھی شامل ہے

کہ ان کی اچھی تربیت کرے دیندار اور خوش اخلاق بنائے اگر وہ بے علم، بے دین، بداخلاق ہو گئے تو اس میں ان کی سراپا بربادی اور ہلاکت ہے۔

نافرمان عورتوں کے بارے میں ہدایات: اس کے بعد ان عورتوں کے بارے میں کچھ ہدایات دیں جن کے مزاج میں نافرمانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ کہ جن عورتوں کی نافرمانی کا خوف ہو (یعنی احتمال قوی ہو) ان کو ناصحانہ طور پر سمجھاؤ تاکہ وہ نافرمانی سے باز رہیں اگر وہ نہ مانیں نافرمانی پر ہی اتر آئیں تو ان کے بستروں میں لیٹنا چھوڑ دو، جو ایک سمجھدار وفادار دیندار عورت کے لئے اچھی خاصی سزا ہے۔ اگر یہ طریق کار کامیاب نہ ہو تو پھر مار پیٹ اختیار کر سکتے ہو۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات میں جو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اس میں یہ بھی تھا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَآءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُوْشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ.

(کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے ان کو ایسے عہد کے ذریعہ لیا ہے جو تمہارے اور اللہ کے درمیان ہے اور تم نے ان کی شرم گاہوں کو اللہ کی شریعت کے مطابق حلال کیا ہے ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے بستروں پر کسی کو نہ آنے دیں، جسے تم (غیرت ایمانی کی وجہ سے) ناگوار سمجھتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسا مارنا مارو کہ جس سے ہڈی پسلی نہ ٹوٹے، اور تم پر ان کی خوراک اور پوشاک واجب ہے جسے اچھے طریقہ پر ادا کرو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۹۷: ج ۱)

معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں مارنے کی اجازت ہے اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سخت مار نہ مارے جس سے ہڈی پسلی ٹوٹ جائے یا اس طرح کی کوئی اور تکلیف پہنچ جائے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۲۵: ج ۵) لکھتے ہیں کہ اول نصیحت کرنا پھر ساتھ لیٹنا چھوڑ دینا پھر مارنا ترتیب کے ساتھ ہے۔

قال والذی یدل علیه السیاق والقرینة العقلیة ان هذه الامور الثلاثة مرتبة فاذا خیف نشوز المراة تنصح ثم تهجر ثم تضرب اذا لوعکس استغنیٰ بالاشد عن الاضعف. (فرمایا سیاق اور عقلی قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تینوں کا حکم ترتیب کے ساتھ ہے پس جب بیوی کی نافرمانی کا خدشہ ہو تو پہلے اسے نصیحت کرے پھر بستر الگ کرے پھر مارے اگر اس ترتیب کے الٹ کیا تو زیادہ سخت عمل کرنے کی وجہ سے اس سے کمزور کی ضرورت نہیں رہے گی)

پھر فرمایا فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا یعنی اگر عورتیں تمہاری فرمانبرداری کریں تو انہیں تکلیف دینے کا راستہ تلاش نہ کرو ان پر کوئی زیادتی نہ کرو ظلم سے پیش نہ آؤ زبانی ڈانٹ ڈپٹ سے بھی پرہیز کرو اور عملی طور پر کوئی تکلیف نہ دو۔

قال صاحب الروح فَلَا تَظْلِمُوْا سَبِيْلًا وَ طَرِيْقًا اِلَى التَّعَدِّیْ عَلَيْهِنَّ اَوْ تَظْلِمُوْهُنَّ بِطَرِيْقٍ مِّنَ الطُّرُقِ بِالتَّوْبِيْخِ اللِّسَانِیْ وَالْاَذَی الْفِعْلِیْ وغیرہ

اس میں ان لوگوں کو نصیحت ہے جو بیویوں کو خوامخواہ ساس نند کے اکسانے پر چھوٹی شکایتوں پر یا ان کاموں کے نہ کرنے پر سزا دیتے ہیں جو شرعاً ان کے ذمہ نہیں ہیں جو لوگ ضعیفوں پر ظلم کرتے ہیں انہیں یہ بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ روز محشر میں پیشی ہوگی، اور ضعیف کو قوی سے بدلہ دلایا جائے گا۔ آیت کے ختم پر جو اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا فرمایا اس میں اس بات کو واضح طور پر بتادیا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے بڑا ہے اس کو سب پر قدرت ہے تمہیں جو اپنے ماتحتوں پر قدرت ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔

قال صاحب الروح فاحذروا فان قدرته سبحانه عليكم اعظم من قدرتكم على من تحت ايديكم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پس تم ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تم پر جو قدرت ہے وہ اپنے ماتحتوں پر تمہاری قدرت سے کہیں زیادہ ہے)

عورتوں کو مارنے کے بارے میں تنبیہ:

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ان کو نصیحت کرو اور ان کے بستروں میں ساتھ لیٹنا چھوڑ دو اس سے معلوم ہوا کہ ناراضگی میں گھر چھوڑ کر نہ نکل جائیں خود بھی گھر میں رہیں۔ بیوی بھی گھر میں رہے اور نافرمانی کی سزا کے طور پر ساتھ لیٹنا چھوڑ دیں۔ اگر گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس میں اور بہت سے خطرات ہیں حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب تو پہنے اسے بھی پہنا، اور چہرہ پر نہ مار۔ اور برے الفاظ زبان سے نہ نکال اور اس سے تعلق مت چھوڑ مگر گھر میں رہتے ہوئے (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۱: ج۱)

حجۃ الوداع کی حدیث کا ٹکڑا جو اوپر نقل کیا ہے اس میں ارشاد ہے کہ سخت مارنا نہ مارو اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مارنا ہو تو چہرہ پر نہ مارو بیوی کو مارنا درجہ مجبوری میں ہے جب کسی بھی طرح کام نہ چلے تو بقدر ضرورت اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے، حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو نہ مارو (چند دن کے بعد) حضرت عمرؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں تو دلیر ہوگئیں (یعنی جب انہیں پتہ چل گیا کہ مارنے کی ممانعت ہے تو سر چڑھ گئیں) اس پر رسول اللہ ﷺ نے مارنے کی اجازت دے دی۔ اب تو عورتیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کے گھروں میں پہنچیں اور شوہروں کے مارنے کی شکایتیں کرنے لگیں، لہٰذا آپ نے فرمایا کہ محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس بہت سی عورتیں آئی ہیں جو اپنے شوہروں کی شکایتیں کررہی ہیں، یہ لوگ تم میں اچھے لوگ نہیں۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۲: ج۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (صفحہ ۲۵: ج ۵) کہ عورتوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کریں اور صبر سے کام لینا مارنے سے افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی مجبوری پیش آجائے تو مار پیٹ سے کام چلالو۔ اور مارنے میں اعتدال ملحوظ رہے۔ سخت مار نہ دی جائے جیسا کہ اوپر گذرا۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی بیویوں کو ایسے نہ مارو جیسے غلام کی پٹائی کی جاتی ہے کیونکہ اس کے بعد دن کے آخر حصہ میں اس سے جماع کرنے لگو گے (رواہ البخاری صفحہ ۷۸۴: ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ مرد کو عورت کی حاجت ہے اس سے مطلب نکلتا ہے ابھی تو مار بجائی پھر چند گھنٹے بعد ساتھ لیٹنے لگیں

گے۔ اس وقت شریف الطبع آدمی کو لحاظ آئے گا ابھی تو اس کو مارا تھا اور اب اسے محبوبہ بنا کر ساتھ لٹا لیا۔ ایسا کام کیوں کرے جس سے خفت ہو، اپنے نفس کو بھی خفت محسوس ہوگی اور عورت کے دل میں عزت کم ہوگی، وہ کہے گی کہ یہ کیسا مرد مواہے ذرا سے میں کچھ ہے اور ذرا میں کچھ، صاحب روح المعانی صفحہ ۲۵: ج ۵ پر لکھتے ہیں کہ مرد چار باتوں پر عورت کو مار سکتا ہے۔

۱۔ بناؤ سنگھار چھوڑنے پر جبکہ شوہر اس کو چاہتا ہو۔

۲۔ شوہر کے پاس آنے سے انکار کرنے پر جبکہ وہ اپنے بستر پر بلائے۔

۳۔ فرض نماز اور فرض غسل چھوڑنے پر۔

۴۔ گھر سے نکلنے پر جبکہ نکلنے کے لئے کوئی شرعی مجبوری نہ ہو۔

ان چار چیزوں جیسی کوئی اور بات ہو تو اس پر بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ

اور اگر تم کو شوہر اور بیوی کے آپس کے اختلاف کا ڈر ہو تو بھیج دو ایک آدمی فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان میں سے، اگر دونوں

اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرمادے گا، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

میاں بیوی کے درمیان مخالفت ہوجائے تو دو آدمی موافقت کرانے کے لئے بھیجے جائیں

تفسیر: جب دو آدمی ساتھ رہتے ہیں تو کبھی کبھی کوئی ناگواری کی بات پیش آہی جاتی ہے اور میاں بیوی کا تو روزانہ رات دن کا ساتھ ہے اس میں ناگواری پیش آجانا کوئی بعید بات نہیں۔ سمجھ دار میاں بیوی تو بات کو آئی گئی کردیتے ہیں، گویا کہ کچھ تھا ہی نہیں۔ لیکن کبھی بات بڑھ جاتی ہے اور زیادہ ناچاقی ہوجاتی ہے اس لئے اللہ جل شانہ نے صلح کرانے کے بارے میں ایک طریق کار تجویز فرمایا ہے اور وہ یہ کہ جب میاں بیوی کے درمیان آپس میں اختلاف ہوجائے (ان خفتم بمعنی علمتم علی ما قال بعض المفسرین) تو ایک آدمی مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک آدمی عورت کے گھر والوں میں سے بھیج دیں جو حکم (فیصلہ کرنیوالے) ہوں گے، یہ دونوں طرف کی شکایتیں سنیں اور مصالحت کی کوشش کریں۔ جوڑ بٹھائیں جس کی بھی زیادتی ہو اس کو سمجھائیں اگر ان دونوں فیصلہ کرنے والوں میں نیک جذبات ہوں گے اور اخلاص کے ساتھ کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت پیدا فرمادے گا انشاء اللہ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرنا اور ایک دوسرے کے بارے میں غلط بیان دینا جائز نہیں۔ اور جو لوگ فیصلہ کرنے کے لئے گئے ہیں ان کو بھی اختلاف بڑھانے کی باتیں کرنا اور مخالفت کی خلیج وسیع کرنا جائز نہیں۔ جو کوئی شخص غلط عمل کرے گا غلط بات کہے گا اس کا مواخذہ ہوگا، اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے آیت کے آخیر میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا (بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا باخبر ہے) اللہ تعالیٰ کو سب کے ظاہر اور باطن کا علم ہے، جو شخص ظلم اور زیادتی کرے گا مستحق سزا ہوگا۔

میاں بیوی میں جو جھگڑے ہوتے ہیں اور طول پکڑ جاتے ہیں جس میں بعض مرتبہ جدائی کی نوبت آ جاتی ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر زیادتی کرتے چلے جاتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کے جذبات ختم کر دیتے ہیں۔ پھر اوپر سے اس لاوے پر دونوں فریق کے خاندانوں کا عمل آگ کا کام دیتا ہے دونوں خاندان صلح جوئی اور آپس میں موافقت کی فضا بنانے کی بجائے مزید مخالفت کو شہ دیتے ہیں جوڑ بٹھانے کے لئے حکم بٹھانے کی بجائے آپس میں اتنا بعد پیدا کر دیتے ہیں کہ مل بیٹھنے اور صلح صفائی کا موقع ہی نہیں رہتا۔ اللہ جل شانہ نے جو طریقہ اصلاح کا بیان فرمایا اس کی خلاف ورزی کے باعث میاں بیوی میں افتراق ہو جاتا ہے اور دونوں خاندانوں میں بغض و عناد اور دشمنی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ بغض و عناد اور دشمنی کی فضا بنانا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور یہ دنیا و آخرت میں گرفت کا باعث ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور قرابت داروں اور یتیموں

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مالکانہ طور پر تمہارے قبضہ میں ہیں

اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

اچھا سلوک کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے، شیخی کی باتیں کرے جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو کنجوسی کا حکم دیتے ہیں

بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنیوالا عذاب تیار کیا ہے

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَ

اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت کے دن پر، اور

مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

شیطان جس کا ساتھی ہو سو وہ بہت برا ساتھی ہے، اور کیا نقصان ہے ان کا اگر وہ ایمان لائیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِــيْمًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ

اور خرچ کریں اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے، اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے، بے شک اللہ ظلم نہیں فرمائے گا، ذرہ برابر بھی، اور اگر نیکی

حَسَنَةً يُّضٰعِفْھَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ہوگی تو اس کو چند در چند کردے گا، اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا

والدین، اقرباء پڑوسی، یتامیٰ مساکین، اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے اس لئے بار بار قرآن میں اس کی یاددہانی فرمائی ہے سب سے بڑی عبادت توحید ہے اور شرک سے توحید ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے بار بار شرک سے بیزار ہونے کا بھی حکم فرمایا ہے، عبادت اللہ کا حق ہے، حقوق اللہ کو ذکر فرمانے کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ فرمایا جن میں سب سے پہلے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، چونکہ ماں باپ اس دنیا میں اولاد کے وجود میں آنے کا سبب ہیں اس لئے ان کا حق بہت بڑا ہے۔ حق اللہ بیان فرمانے کے ساتھ ہی حکم فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ لفظ حسن سلوک میں سب باتیں آ جاتی ہیں۔ جس کو سورہ بقرہ میں اور یہاں سورہ نساء میں اور سورہ انعام میں اور سورہ اسراء میں وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا سے تعبیر فرمایا ہے۔ ماں باپ کی فرماں برداری راحت رسانی اور ہر طرح کی خدمت ان لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ مزید تشریح سورہ بقرہ کے دسویں رکوع کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ وَبِذِي الْقُرْبٰى فرما کر دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے اور انہیں لینے دینے کو صلہ رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صلہ رحمی کی دینِ اسلام میں بہت بڑی فضیلت ہے اور اس کے برخلاف قطع رحمی کی بہت زیادہ مذمت آئی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا کچھ بیان اور اس کی تفصیلات سورۃ بقرہ (ع ۲۲) کے ذیل میں گذر چکی ہیں، نیز یتامیٰ اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں بھی وہیں لکھا جا چکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے (انوار البیان صفحہ ۲۹۷) قطع رحمی کے بارے میں اسی سورہ نساء کے پہلے رکوع کی تفسیر دوبارہ دیکھ لیں۔

پھر وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى اور وَالْجَارِ الْجُنُبِ اور الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ اور اِبْنِ السَّبِيْلِ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے اَلْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى کا ترجمہ پاس والا پڑوسی اور الجار الجنب کا ترجمہ دور والا پڑوسی کیا گیا ہے اور اَلصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ سے مفسرین نے ہم مجلس مراد لیا ہے۔

یوں تو تمام مسلمانوں بلکہ سارے انسانوں کے ساتھ خوش اخلاقی والی زندگی گذارنا اور ہر ایک کے حقوق پہچاننا اور ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن عام طور سے چونکہ والدین اور عزیز قریب اور پڑوسی سے اور ہم مجلس سے واسطہ زیادہ پڑتا ہے اس لئے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی خصوصیت سے نصیحت فرمائی۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہو گیا کہ وہ پڑوسی کو وارث ہی بنا دیں گے (رواہ البخاری صفحہ ۸۸۹) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسیوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات میں اور حسن سلوک میں سب سے بہتر ہو (رواہ الترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں نے اچھا عمل کیا یا برا عمل کیا آپ نے فرمایا کہ جب تو اپنے پڑوسیوں سے سنے کہ تیرے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تو نے اچھا کیا تو سمجھ لے کہ واقعی تو نے اچھا کیا اور جب تو اپنے

پڑوسیوں سے سنے کہ وہ تیرے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تو نے برا کیا تو سمجھ لے کہ تو نے برا کیا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۴)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں۔عرض کیا گیا کون یارسول اللہ؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے فکر نہیں (رواہ البخاری صفحہ ۸۸۹: ج۲)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ ہو (رواہ مسلم صفحہ ۵۰: ج۱) بہت سے لوگوں کو نفلیں پڑھنے اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنے کا تو خیال ہوتا ہے لیکن پڑوسیوں کو ان سے تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔حالانکہ حقوق العباد کا خیال رکھنا نفل عبادت سے زیادہ ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ نمازیں بہت پڑھتی ہے روزے بہت رکھتی ہے اور صدقہ بہت دیتی ہے لیکن وہ پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا بھی پہنچاتی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے، اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ فلاں عورت کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ نفلی روزے کم رکھتی ہے اور صدقہ بھی کم دیتی ہے اور نفلی نماز بھی کم پڑھتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑوں کا صدقہ دیتی ہے اور اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۴)

حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کی بغل میں بھوکا رہ جائے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۲۴) تمام ہی پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا دھیان رکھا جائے، اگر کچھ لینا دینا ہو (اور زیادہ نہ ہو) تو اس میں قریب ترین پڑوسی کا خیال رکھے۔حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو شوربا پکائے تو اس کا پانی زیادہ کر دینا اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۹)

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اس کو دے دو۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۹۰: ج۲)

اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی کا مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی نزدیک والا پڑوسی اور دوسرا مطلب وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی اس طرح سے اس کے دو حق ہو جائیں گے، ایک پڑوسی ہونے کا اور دوسرا قرابت دار ہونے کا اور اَلْجَارِ الْجُنُبِ سے صرف وہ پڑوسی مراد ہوگا، جو رشتہ دار نہ ہو۔

اَلصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ کا ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی پہلو کا ساتھی اور مفسرین نے اس سے ہمنشین یعنی مجلس میں ساتھ بیٹھنے والا مراد لیا ہے، پاس بیٹھنے والوں کے بھی حقوق ہیں، ان کو تکلیف نہ پہنچائے، اپنی ایسی حالت نہ رکھے جس سے انہیں تکلیف ہو اور مجلس کی بات کو امانت سمجھے دوسری جگہ نہ پہنچائے، چغل خوری نہ کرے، ادھر کی ادھر نہ لگائے اور عموم لفظ کی وجہ سے بعض مفسرین نے سفر کے ساتھی کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

لہٰذا ہر رفیق سفر، رشتہ دار، غیر رشتہ دار سب کے ساتھ حسن سلوک کرے نہ قول سے تکلیف دے، اور نہ عمل سے، اور نہ کسی اور طرح سے۔ جگہ تنگ ہو تو فراخ کرنے کی کوشش کرے تاکہ اپنا اور سب کا سفر اچھی طرح سے گذرے جو لوگ کسی جگہ ایک ساتھ کام کرتے ہیں وہ بھی الصاحب بالجنب کے عموم میں شامل ہیں (من روح المعانی) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے خیر الاصحاب عنداللہ خیرھم لصاحبہ یعنی ساتھیوں میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہو (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۴)

حضرت سہیل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفر میں جماعت کا سردار وہی ہے جو ان کا خدمت گذار ہو، سو جو شخص اپنے ساتھیوں سے خدمت میں بڑھ گیا وہ شہید ہونے کے علاوہ کسی عمل کے ذریعہ اس سے آگے نہ بڑھیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۴۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الصاحب بالجنب (پہلو کا ساتھی) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ھو المراۃ تکون معہ الی جنبہ یعنی اس سے بیوی مراد ہے جو پہلو میں ساتھ رہتی ہے (ذکرہ فی معالم التنزیل) یہ تفسیر بھی الفاظ قرآنیہ سے قریب ہے بلکہ قریب تر ہے۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ یعنی مسافر، صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۴۳۵: ج ۱) لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات نے اس کو مہمان پر محمول کیا ہے۔ درحقیقت مسافر کے عموم میں مہمان بھی آ جاتا ہے، مسافر مہمان ہو یا غیر مہمان اس کی دلداری کی مدد اور اعانت ضروری ہوتی ہے۔ پردیس میں وہ ذرا ذرا سی میٹھی بات کو ترستا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا بہت بڑے اجر و ثواب کی چیز ہے۔

غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: پھر فرمایا وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کہ جو تمہارے باندی اور غلام ہیں اور وہ تمہارے تصرف میں ہیں ان کے ساتھ بھی خوبی کا برتاؤ کرو۔ اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آؤ۔ ان کی خوراک پوشاک کا خیال کرو۔ ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ یہ باندی غلام تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے خادم ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارے تصرف میں دے دیا ہے۔ سو جس کے تصرف میں کوئی غلام ہو وہ اسے اسی میں سے کھلائے جس میں سے خود کھاتا ہے۔ اور اسی میں سے پہنائے جس میں سے خود پہنتا ہے اور ان سے وہ کام نہ لو جس کی ان کو طاقت نہ ہو۔ اگر طاقت سے زیادہ کام لو تو ان کی مدد کر دو۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۴۶)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو ایسے عمل پر سزا دی جو عمل اس نے نہیں کیا تھا۔ یا اس کو طمانچہ مار دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے (رواہ مسلم صفحہ ۵۱: ج ۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جو اپنے مملوک کے ساتھ بری طرح پیش آتا ہو (رواہ الترمذی باب ماجاء فی الاحسان الی الخادم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے مرض الوفاۃ میں یہ وصیت فرماتے رہے کہ نمازوں کا اہتمام کرنا اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۲۹۱) مسلمانوں میں شرعی جہاد نہیں رہا تو غلاموں اور باندیوں کی نعمت سے بھی محروم ہو گئے اللہ وہ دن لائے کہ شرعی جہاد ہوں اور کافر قیدی آئیں اور غلام اور باندیاں بنیں۔

تکبر کی مذمت: پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (کہ بلاشک اللہ دوست نہیں رکھتا اس شخص کو جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور شیخی کی باتیں کریں) آیت کے اس جزو میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں فخر کبر اور نخوت کے نشے میں بھرے رہتے ہیں یہ مضمون سورۃ لقمان میں اور سورۃ الحدید میں بھی بیان فرمایا ہے لفظ مختال خیلا سے ماخوذ ہے اور باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، یہ لفظ اپنے کو بڑا سمجھنے، اترانے، آپے میں پھولے نہ سمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دل کا بہت بڑا روگ ہے اور اکثر گناہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ شہرت کا طالب ہونا، اعمال میں ریاکاری کرنا، بیاہ شادی میں دنیاداری کی رسمیں برتنا اور یہ خیال کرنا کہ ایسا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے، یہ سب تکبر کے شعبے ہیں۔

ٹخنے سے نیچے کپڑا پہننا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص تکبر کرتے ہوئے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا (رواہ البخاری صفحہ ۸۶۱)

حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مومن کا تہمد آدھی پنڈلیوں تک ہونا چاہیئے (اور) اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں کہ آدھی پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو، اور جو اس کے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جانے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا، جس نے اپنا تہمد اتراتے ہوئے گھسیٹا (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۰: ج ۲) کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا گناہ صرف تہمد ہی میں نہیں۔ بلکہ دوسرے کپڑوں میں بھی ہے، کرتا، عمامہ، پائجامہ کو اگر کوئی ٹخنوں سے نیچے لٹکائے تو یہ بھی اسی ممانعت میں شامل ہیں۔

قال النبی ﷺ الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جر منها شيئا خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۰: ج ۲) (نبی اکرم ﷺ نے تہمد قمیص اور پگڑی کو لٹکانے کے بارے میں فرمایا جس نے ان میں سے کسی کو تکبر کے طور پر لٹکایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا)

حضرت جابر بن سلیمؓ کو آنحضرت ﷺ نے جو نصیحتیں فرمائیں ان میں سے یہ بھی ہے اِيَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ (کہ تہمد کو لٹکانے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور بیشک اللہ تکبر پسند نہیں کرتا (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۰: ج ۲)

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ فرما کر ان لوگوں کی بات کی تردید فرما دی ہے جو ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکبر کی وجہ سے نہیں پہنتے جو لوگ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں اگر اونچا پہن لیں تو اس میں اپنی

اہانت سمجھتے ہیں اور جو لوگ اونچا کپڑا پہنتے ہیں ان کو حقیر جانتے ہیں یہی تو تکبر ہے یہ لوگ کسی بھی طرح آدھی پنڈلی تک تہمد باندھ کر بازار میں جا کر دکھا دیں دیکھو نفس گوارا کرتا ہے یا نہیں؟ اس سے پتہ چل جائے گا کہ ٹخنوں سے نیچا پہننا تکبر کے لئے ہے یا نہیں؟ سابقہ امتوں میں سے ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تکبر سے اپنے تہمد کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا لہٰذا اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا، وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا (رواہ البخاری صفحہ ۸۶۱: ج ۲)

تکبر کے چند شعبے: ناحق پر اصرار کرنا، حق کو ٹھکرانا، غلط بات کہہ کر غلطی واضح ہو جانے پر حق قبول نہ کرنا، شریعت پر چلنے میں خفت محسوس کرنا، گناہوں کو اس لئے نہ چھوڑنا کہ معاشرہ والے کیا کہیں گے، یہ سب تکبر سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں، ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتا اچھا ہو (کیا یہ تکبر ہے؟) فرمایا۔ اللہ جل شانہ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر جانے (رواہ مسلم صفحہ ۶۵: ج ۱)

مختال کی مذمت کے ساتھ فخور کی مذمت بھی فرمائی ہے، لفظ فخور فخر سے ماخوذ ہے شیخی بگھارنا اپنی جھوٹی سچی تعریفیں کرنا، ان سب کو فخر شامل ہے بہت سے لوگوں میں یہ مرض ہوتا ہے کہ مال یا علم یا عہدہ کی وجہ سے نشہ میں چور رہتے ہیں، شیخی بگھارتے ہیں اور فخر کرتے ہیں ان کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے، اور وہ اللہ کے عاجز بندے ہیں، جو کچھ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہیں اس انداز میں لوگوں کے سامنے ان کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسے ان کے حاصل ہونے میں ان کا کمال شامل ہے اور جن کے پاس وہ چیزیں نہیں ان سے اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اور اپنے خالق و مالک کو بھول جاتے ہیں، اس نے جس کو دیا ہے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور جس کو نہیں دیا اس میں اس کی حکمت ہے بندہ کا مقام یہ ہے کہ اپنے کو عاجز سمجھے اور شکر گذار رہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو حقیر نہ سمجھے۔

صاحب روح المعانی نے مذکورہ بالا احکام ذکر کرنے کے بعد متصلاً تکبر فخر و مباہات کی مذمت بیان کرنے کا ارتباط ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے ای ذا خیلا ؤ کبر یا نف من جیرانه مثلاً واقاربه ولا یلتفت الیهم یعد مناقبه علیهم تطاولا وتعاظماً والجملة تعلیل للامر السابق مطلب یہ ہے کہ تکبر و غرور اور شیخی والا اپنے عزیزوں پڑوسیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور ان کے مقابلہ میں اپنی فضیلتیں شمار کرتا ہے اور اس تکبر و فخر کی وجہ سے حسن سلوک سے متعلق جو احکام ہیں ان پر عمل نہیں کرتا، صاحب روح المعانی نے ٹھیک فرمایا جن لوگوں میں اپنی بڑائی اور برتری کا دھیان ہوتا ہے، وہ اعزہ و اقربا پڑوسیوں کی مدد تو کیا کرتے ان کی تو خواہش یہی رہتی ہے کہ یہ لوگ حاجت مند غریب اور فقیر ہی رہیں تاکہ ہماری برابری نہ کر سکیں۔ اگر ایک بھائی پیسے والا ہے تو غریب بھائی کے گھر آنا جانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اور اس میں خفت و بے آبروئی محسوس کرتا ہے۔ یہ جذبہ تکبر صلہ رحمی سے مانع رہتا ہے۔

بخل کی مذمت: پھر فرمایا اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (یعنی یہ لوگ ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے

عطا فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں) اس میں بھی ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا ہے، یعنی یہ لوگ متکبر ہیں فخر کرنے والے ہیں اور کنجوس بھی ہیں، اور صرف خود ہی کنجوس نہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی کنجوسی کا حکم دیتے ہیں۔ خود تو اعزہ و اقرباء ضعفاء یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں پر خرچ ہی نہیں کرتے دوسروں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے، جن لوگوں کا مزاج اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نہیں ہوتا۔ انہیں دوسروں کا خرچ کرنا بھی کھلتا ہے، مال کی محبت اس درجہ دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ دوسروں کا خرچ کرنا بھی ان کے نفسوں کو ناگوار اور شاق ہوتا ہے۔

سورۃ الفجر میں فرمایا کَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (کہ تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو)۔

کنجوسی کرنے والے مال کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ نہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں نہ اس کی مخلوق پر خرچ کرتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ یہ مال کس نے دیا ہے؟ مال صرف اللہ نے دیا ہے اور وہ بھی اپنے فضل سے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ خوب بڑھ چڑھ کر اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

پھر فرمایا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (کہ ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں کفر سے کفران نعمت یعنی ناشکری کے معنیٰ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں، اور کافر بمعنی معروف بھی مراد ہوسکتا ہے۔ پھر آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہودی انصار کے پاس آتے تھے اور ان سے خیر خواہانہ طور پر کہتے تھے کہ تم لوگ اپنے مال کو خرچ نہ کرو ہمیں ڈر ہے کہ تمہارے مال ختم ہو جائیں۔ اگر اخراجات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوگے تو نہ جانے آگے کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ سے وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا تک آیت نازل فرمائی۔ اگر سبب نزول کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو کافروں سے کفر کا معنی معروف ہی مراد ہوگا۔

ریاکاری کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت:

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اور جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور آخرت کے دن پر) یہ بھی مختالاً فخوراً کی صفت ہے۔ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کافروں کے لئے عذاب مہین کا تذکرہ فرما دیا اس میں یہ بتایا کہ یہ تکبر اور فخر کے متوالے اللہ کی رضا کے کاموں میں تو خرچ نہیں کرتے البتہ لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ دنیا دار کو جاہ و شہرت مطلوب ہوتی ہے وہ چاہتا ہے کہ میری تعریف ہو اور لوگوں پر میری مالداری ظاہر ہو۔ اسی لئے اہل دنیا اللہ کی رضا کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اللہ پر ایمان لاتے تو اس سے ثواب لینے کی امید رکھتے اور عذاب سے ڈرتے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے (جہاں اعمال کی جزا ملتی ہے) تو اپنی

زندگی کو درست کرتے۔

آخیر میں فرمایا وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا (یعنی اور شیطان جس کا ساتھی ہو سو وہ برا ساتھی ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں الشیطان سے ابلیس اور اس کے مددگار جو اس کے قبیلہ سے ہیں اور وہ لوگ جو اس کی باتوں پر چلتے ہیں۔ یہ سب مراد ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ نفسانی قوتیں اور خواہشیں اور شیاطین الانس والجن بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ شیطان کو برا ساتھی اس لئے بتایا کہ ہمیشہ گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور گناہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور گناہ دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

پھر فرمایا وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الآیۃ (یعنی یہ لوگ جو کفر میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے منکر ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ نہیں کرتے ان پر کیا وبال آجائے اور کیا ضرر لاحق ہو جائے اگر ایمان لائیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کریں) یہ سوال بطور استفہام انکاری کے ہے۔ بطور زجر و توبیخ یہ سوال کیا ہے اور ان کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے طرز زندگی کے بارے میں فکر مند ہوں اور نفع و نقصان کے بارے میں سوچیں۔ اگر غور کریں گے تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ ان کا طریقہ غلط ہے اور جو اہل ایمان کا طریقہ ہے اسی کو اختیار کرنا لازم ہے اسی میں ان کا بھلا ہے اور اس کی مخالفت میں ضرر ہے اور وبال ہے۔

قال صاحب الروح صفحه ۳۱: ج۵ بل المراد تَوْبِيْخُهُمْ عَلَى الْجَهْلِ بِمَكَانِ المنفعةِ وَالْاِعْتِقَادِ فِي الشَيْءِ عَلَى خِلَافِ مَا هُوَ عَلَيْهِ وَ تَحْرِيْضهم عَلىٰ صَرْفِ الفِكْر لتحصيل الجَوَابِ لَعَلَّهُ يُؤَدِّي بِهِمْ اِلَى الْعِلْمِ الخ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس سے مراد انہیں مفید چیز سے جاہل رہنے اور ایک شی میں حقیقت کے خلاف عقیدہ رکھنے پر ڈانٹ ہے اور انہیں اس کے جواب کو حاصل کرنے میں غور و فکر کرنے پر ابھارنا مقصود ہے)

اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ کرے گا:

پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نافرمانی کے بغیر عذاب نہیں دے گا اور کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں فرمائے گا۔ اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہوگی۔ اس کا ثواب بھی عطا فرمائے گا بلکہ وہ اس نیکی کو چند در چند بڑھا دے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ایک نیکی کم از کم دس نیکی کے برابر تو کر دی ہی جاتی ہے جیسا کہ سورہ انعام وغیرہ میں فرمایا مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ اور اس کے بعد سات سو تک اور سات لاکھ تک اور اس سے بھی بڑھ کر جہاں تک اللہ چاہے ایک نیکی کا ثواب عطا کر دیا جاتا ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھ کر دیکھے اور گناہ چھوڑے نیکیوں میں لگے پھر دیکھے کیسا مالا مال ہوتا ہے۔ حقیر دنیا چونکہ نظر کے سامنے ہے اس لئے اس کے لئے گناہ بھی کر لیتے ہیں۔ اور نیکیوں سے بھی محروم رہتے ہیں۔ جعلنا الله من السابقين الى الخيرات و المبادرين الى الحسنات۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾

پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے

قیامت کے دن ہر امت کے ساتھ ایک گواہ ہوگا

تفسیر: اس آیت میں میدان آخرت کا ایک منظر بتایا ہے کہ قیامت کے دن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے ساتھ آئیں گے اور ہر نبی اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دے گا کہ یہ لوگ عقائد و اعمال کے لحاظ سے ایسے ایسے تھے ان لوگوں کی گواہیوں پر حضرت خاتم الانبیاء سرور عالم ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ حضرات سچ فرمار ہے ہیں اور ان کی گواہی صحیح ہے۔ سورہ بقرہ میں لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیں جب منکر ہو جائیں گی کہ کسی نے ہم کو تبلیغ نہیں کی تو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں گواہی دے گی کہ واقعی ان حضرات نے تبلیغ کی تھی۔ پھر آنحضرت ﷺ گواہی دیں گے کہ میری امت کی گواہی صحیح ہے اور یہ گواہی دینے کے لائق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کیا کیا آپ کے سامنے تلاوت کروں حالانکہ آپ پر تو نازل ہی ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے سنوں اس پر میں نے سورہ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ تو آپ نے فرمایا کہ بس کرو میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۶۵۹: ج ۲)

یہ حدیث نقل کر کے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب شاہد کا یہ حال ہے کہ اس شہادت کے استحضار سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو مشہود علیہ یعنی اس کا کیا حال ہوگا جس کے خلاف یہ گواہی ہوگی اور جسے یوم قیامت کے مصائب نے گھیر رکھا ہوگا۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

جس دن وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور یہ لوگ اللہ سے کوئی بات بھی نہ چھپائیں گے

قیامت کے دن کافروں کی آرزو کہ کاش زمین کا پیوند ہو جاتے

تفسیر: گذشتہ آیت میں جس دن کی گواہی کا ذکر ہے اس دن کی مصیبت اور شدت اور بدحالی اس آیت میں بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ جس دن یہ گواہیاں ہوں گی اس دن کفار اور وہ لوگ جنہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی (علی ارادۃ الجنس) اس بات کی تمنا کریں گے کہ ہائے کاش! ہم آج کے دن دفن کر دیئے جاتے اور زمین کا پیوند بنا دیئے جاتے اور جس عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہیں اس سے رہائی ہو جاتی۔ اور اس دن اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے خود اپنے اقرار اور اپنے اعضاء و جوارح کے اقرار سے دوزخ میں داخل ہوں گے اس دن حالات مختلف ہوں گے کبھی تو پوشیدہ رکھیں گے اور کہیں

گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (کہ قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے) لیکن پھر اعضاء اور جوارح کی گواہیوں کے بعد اپنی نافرمانیوں کا اقرار کرلیں گے اس وقت یہ کہیں گے کہ ہائے کاش! ہم زمین کا پیوند بنا دیئے جاتے (من روح المعانی صفحہ ۳۵: ج ۵)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا

اے ایمان والو! اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو، اور نہ اس حالت میں نماز کے پاس جاؤ جبکہ تم پر غسل فرض ہو

عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

مگر یہ کہ راستہ گذرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کرلو، اگر تم مریض ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ

یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرو پاک مٹی کا، سو مسح کرلو اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مغفرت فرمانے والا ہے۔

حالت نشہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اولاً تو یہ فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ اگر کوئی حالت نشہ میں ہو تو اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ ہوش نہ آ جائے اور یہ نہ جان لے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ابتداء اسلام میں جب تک شراب پینا حرام قرار نہیں دیا گیا تھا اس عرصہ میں ایک واقعہ پیش آیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کھانا تیار کیا اور ہم لوگوں کو کھانے پر بلایا، کھانا کھلایا اور شراب پلا دی۔ شراب نے اپنا اثر دکھایا پینے والوں کو نشہ آ گیا اور اسی وقت نماز کا وقت ہو گیا۔ حاضرین نے مجھے امامت کے لئے آگے بڑھا دیا میں نے قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھی جس میں وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دیا (جس سے مفہوم بدل گیا اور معنی الٹ گیا) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو جب تک یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو (اخرجہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النسآء وقال حسن غریب صحیح) اس کے بعد قطعی طور پر شراب بالکل حرام کر دی گئی جس کا ذکر سورہ مائدہ کی اس آیت میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

لباب النقول میں دوسرا سبب نزول یوں نقل کیا ہے کہ حضرت اسلع بن شریک ؓ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کا کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھ پر غسل فرض ہو گیا۔ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے موت یا مرض کا اندیشہ ہو گیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (آخر

تک) نازل فرمائی (جس میں تیمّم کرنے کی اجازت دی گئی)۔

تیمّم کے مسائل: یہ پہلی آیت ہے جس میں تیمّم کرنے کی اجازت مذکور ہے۔ دوسری آیت تیمم سورہ مائدہ میں ہے جو دوسرے رکوع کی ابتداء میں ہے اس آیت میں وضو کا طریقہ بھی بتایا ہے اور تیمّم کا طریقہ بھی۔ دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں یا مریض یا مسافر ہونے کی حالت میں حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہونے کے لئے تیمّم کرنا درست ہے، غسل فرض ہو جائے تو اس کو حدث اکبر اور وضو ٹوٹ جائے تو اسے حدثِ اصغر کہا جاتا ہے اور دونوں آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدث اکبر ہو یا حدث اصغر ان کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا ممنوع ہے اور چونکہ تیمّم کی اجازت دے دی گئی ہے اس لئے پانی نہ ہونے کا عذر بنا کر نماز چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، جیسے حدث اکبر یا حدث اصغر ہوتے ہوئے نماز پڑھنا حرام ہے اس طرح سے نماز کو قصداً و عمداً اس کے وقت سے مؤخر کر دینا بھی حرام ہے۔ لفظ و لا جنباً میں غسل فرض ہونے کی حالت بیان فرمائی۔ اور اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ میں حدث اصغر کی حالت بیان فرمائی۔ اَلْغَائِط نشیبی زمین کو کہتے ہیں جس میں قضائے حاجت کے لئے جاتے ہیں۔ لفظ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ سے حضرت علی وحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک حدث اکبر کی حالت بیان کرنا مقصود ہے لٰمَسْتُم کا اصل معنی چھونے کا ہے لیکن ان حضرات نے اس کو بطور کنایہ جَامَعْتُم کے معنی میں لیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عورت کو بغیر حائل کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور بعض دیگر حضرات کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور لٰمَسْتُم جَامَعْتُم کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ رات کو نماز پڑھتے رہتے تھے۔ اور میں آپ کے سامنے جنازہ کی طرح لیٹی رہتی تھی یہاں تک کہ آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے تھے (رواہ النسائی صفحہ ۳۸)

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا تو آیت شریفہ میں جو اَوْ لٰمَسْتُمُ وارد ہوا ہے اس کا معنی جَامَعْتُم متعین ہو گیا۔

تین صورتوں میں تیمم کرنے کی اجازت معلوم ہوئی اول یہ کہ پانی موجود نہ ہو دوم یہ کہ مریض ہو، سوم یہ کہ مسافر ہو، ان سب کی تفصیلات اور توضیحات کتب فقہ میں مذکور ہیں مختصر طریقہ پر یہ جان لینا چاہیئے کہ پانی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازی جہاں بیٹھا یا لیٹا ہے اسی جگہ پانی موجود ہو۔ قریب میں اگر پانی ہو تو پانی کا طلب کرنا اور وضو کرنا لازم ہے، گھر میں یا بستی میں عموماً پانی ہوتا ہے۔ کنوئیں ہوتے ہیں نل ہوتے ہیں۔ عام طور سے قیمۃً یا بلا قیمت پانی مل جاتا ہے۔ ان صورتوں میں پانی تک پہنچ کر وضو کرے یہ سمجھ کر کہ میرے گھر میں پانی نہیں ہے غسل یا وضو کی جگہ تیمّم کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کنوئیں پر کھڑا ہے لیکن ڈول رسی نہیں ہے تو تیمم کر سکتا ہے۔ اگر پانی کہیں بھی نہیں ہے تو مجبوراً تیمم کرنا ہی لازم ہوگا،

مریض کو بھی تیمم کرنے کی اجازت ہے لیکن ہر مریض کو نہیں، بعضے امراض تو ایسے ہوتے ہیں جن میں پانی کا استعمال مضر ہوتا ہی نہیں۔ بلکہ مفید ہوتا ہے، سخت سردی ہو یا پانی بہت ٹھنڈا ہو گرم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو، سخت مریض ہو جانے کا یا مرض بڑھ جانے یا کسی عضو یا جان کے تلف ہو جانے کا غالب اندیشہ ہو تو تیمم کرے، اسی طرح کوئی شخص سفر میں ہے اور پانی موجود نہیں ہے تو وہ بھی تیمم کرے۔ اس میں کچھ تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔ مثلاً آس پاس قریب میں پانی ہو تو تلاش کرے اپنے ساتھیوں سے طلب کرے اگر پانی قیمتاً مل جاتا ہو اور مناسب قیمت پر یا کچھ زیادہ قیمت میں ملتا ہو تو حسب ضرورت پانی خرید کر غسل یا وضو کرے۔ تیمم امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی خصوصیات میں سے ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔ اول مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے۔ دوم رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا ہے، جس کی وجہ سے حملہ آور ہونے سے ڈرتے ہیں) سوم میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا (جو کافروں سے جنگ کے موقعہ پر ہاتھ لگتا ہے) چہارم ساری زمین میرے لئے سجدہ گاہ یعنی نماز پڑھنے کی جگہ بنادی گئی ہے اور ساری زمین میرے لئے پاک کرنے والی بنادی گئی ہے۔ (کیونکہ اگر پاک مٹی سے تیمم کر لیا جائے، جبکہ شرائط تیمم متحقق ہوں تو اس سے وہی پاکی حاصل ہوتی ہے جو وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے) پنجم میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام خاص اپنی قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے) ششم انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد میری آمد پر ختم کر دی گئی، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۱۲)

اس حدیث میں چھ فضیلت والی چھ چیزوں کا ذکر ہے دوسری احادیث میں اور بہت سے فضائل مذکور ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے، اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔ پس جب پانی مل جائے تو اسے استعمال کرے (رواہ الترمذی)

تیمم کا طریقہ: پھر تیمم کرنے کا طریقہ بتایا اور فرمایا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ (پس مسح کرو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا) سورہ مائدہ میں اس کے آگے لفظ مِنْهُ بھی ہے یعنی مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر ایک مرتبہ پورے چہرہ کا مسح کیا جائے اور پھر دوسری دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک کر لیا جائے یعنی جہاں تک وضو میں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے۔ وہاں تک دونوں ہاتھوں کا مسح کیا جائے۔ تیمم میں نیت بھی شرط ہے اگر کسی نے کوئی عمارت گرائی اس سے چہرہ اور ہاتھ مٹی میں بھر گئے تو اس سے تیمم نہ ہوگا۔

پھر آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے) وہ بخشتا اور معاف کرتا ہے اس نے احکام میں آسانی بھی دی ہے پانی نہ ہونے یا مسافر و مریض ہونے کی حالت میں تیمم کو مطہر بنادیا اور حدث اکبر و حدث اصغر دونوں کے لئے تیمم کا طریقہ مشروع فرما دیا جو ایک ہی طریقہ ہے دونوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا

کیا تونے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم راہ سے بھٹک جاؤ،

السَّبِیْلَ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآىِٕكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِیًّا ۫ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِیْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِیْنَ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو جاننے والا ہے اور اللہ کافی ہے، ولی ہونے کے اعتبار سے اور اللہ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے، جو لوگ

هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ

یہودی ہیں ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کلمات کی تحریف کرتے ہیں ان کی جگہوں سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانیں گے اور کہتے ہیں کہ سن لے اس حال میں کہ تو سننے والا نہ ہو،

وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا

اور اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین میں طعن کرتے ہوئے لفظ راعنا کہتے ہیں اور اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور آپ سن لیجئے اور ہم پر نظر فرمائیے تو

لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۴۶﴾

ان کے لئے بہتر ہوتا اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے سے آدمی۔

یہودیوں کی شرارت اور شقاوت

تفسیر: تفسیر در منثور صفحہ ۱۶۸: ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رفاعہ بن زید یہودیوں کا ایک چودھری تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتا تو اپنی زبان موڑ کر بات کرتا پھر اس نے اسلام میں طعنہ زنی شروع کردی اور احکام اسلام میں عیب نکالنے لگا اس پر یہ آیت شریفہ اِلَّا قَلِیْلًا تک نازل ہوئی۔ یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے توراۃ کا علم دیا تھا باوجودیکہ اس میں تحریف کرلی تھی۔ پھر بھی اس میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی بعثت اور نبوت و رسالت کا ذکر موجود تھا۔ ہر قوم کے چھوٹے اپنے بڑوں کے پیچھے لگتے ہیں۔ یہودیوں کے علماء اور زعماء حق جانتے ہوئے نہ اسلام کی طرف آتے تھے اور نہ عوام کو اس کی طرف آنے دیتے تھے۔ ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کی، اپنی قوم کو بھی کفر پر جمایا اور مسلمانوں کو بھی اسلام سے ہٹانا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ اللہ کو تمہارے دشمنوں کا خوب علم ہے اور تمہاری مدد کے لئے کافی ہے۔

یہودی آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو زبان موڑ کر بات کرتے تھے۔ ایسے الفاظ بولتے تھے جن کا ظاہری معنی کچھ اور ہوتا تھا اور دل سے دوسرے معنی لیتے تھے۔ ان الفاظ میں سے لفظ رَاعِنَا بھی تھا۔ جس کا معنی عربی میں تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمائیں اور ان کی زبان میں یہ لفظ موت کی بددعا کے لئے بولا جاتا تھا۔ جس کی تشریح سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۱۳ میں آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ اس آیت شریفہ میں بھی ان لوگوں کی اس حرکت بد کا تذکرہ فرمایا ہے وہ بات سنتے تھے ساتھ ہی عَصَیْنَا بھی کہتے تھے کہ ہم فرمانبرداری نہیں کریں گے، اور اس بات کو نہیں مانیں گے (یہ تو ان کا مطلب دل میں تھا، اور ظاہری مطلب یہ تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں گے) اور جب آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اِسْمَعْ کہتے تھے تو ساتھ ہی غَیْرَ مُسْمَعٍ

بھی لگا دیتے تھے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۴۷: ج ۵) لکھتے ہیں کہ اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی شر کا ہے اور وہ یہ کہ تم سننے والے نہ رہو جس کا مقصد قوت سامعہ ختم ہو جانے کی بددعا دینا تھا۔ اور یہی ان لوگوں کا مقصود تھا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کو کوئی مکروہ بات سننا نہ پڑے۔ یہودی ملعون قوم ہے وہ بطور استہزاء یہ لفظ بولتے تھے تا کہ ظاہر میں کچھ اور سمجھا جائے۔ اور اپنے دلوں میں وہ اپنی نیت کے مطابق معنی لیتے رہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا) کہتے اور اِسْمَعْ (سن لیجئے) کہتے اور ساتھ ہی غَیْرَ مُسْمَعٍ کا لفظ نہ ملاتے اور اُنْظُرْنَا (ہماری طرف توجہ فرمایئے) کہتے اور رَاعِنَا نہ کہتے) تو ان کے لئے اچھا تھا اور ٹھیک تھا انہوں نے بیہودگی اختیار کی۔ اللہ پاک نے ان کے کفر کے سبب ان کو ملعون قرار دے دیا۔ اب یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ہاں ان میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائیں گے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا

اے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں پھر

عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ان کو الٹی جانب کی طرح بنا دیں یا ان پر لعنت کر دیں، جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

یہود کا ملعون ہونا

تفسیر: درمنثور صفحہ ۱۶۸: ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے رؤساء یہود سے بات کی جن میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسد بھی تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اے یہود یو اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ جو دین میں لے کر آیا ہوں وہ حق ہے، کہنے لگے کہ اے محمد کہ ہم اس کو نہیں پہچانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے اہل کتاب جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ جو کتاب تمہیں دی گئی تھی یعنی توریت شریف یہ کتاب اس کی بھی تصدیق کرتی ہے اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم (سزا کے طور پر) چہروں کو بالکل مٹا دیں اور ان کو الٹی جانب یعنی گدی کی طرح بالکل صفاچٹ بنا دیں، ناک آنکھ منہ کچھ بھی نہ رہے۔ یا ہم ان لوگوں پر لعنت کر دیں، جیسا کہ ہم نے سنیچر کے دن زیادتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی، یہودیوں کو سنیچر کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔ جس میں یہ بھی تھا کہ اس دن شکار نہ کریں، وہ لوگ نہ مانے نافرمانی کی تو ان کو بندر بنا دیا گیا، جیسا کہ سورہ بقرہ رکوع ۸ میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ یہودیوں کا تھا ان ہی میں پیش آیا تھا اور باپ دادوں سے سنتے چلے آئے تھے، اس لئے انکو یاد دلایا اور بتایا کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ آخر میں فرمایا

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کسی امر کا ہو جائے تو وہ ہو کر ہی رہے گا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔

آیت بالا میں جو طمس الوجوہ (یعنی چہروں کے مسخ) فرمانے کا ذکر ہے اس کے بارے میں مفسرین نے بڑی لمبی بحث کی ہے۔ اور یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ مسخ دنیا میں یہودیوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ یا آئندہ کبھی ہوگا؟ صاحب روح

المعانی نے اس کے بارے میں دو صفحے خرچ کئے ہیں اور مفسرین کے متعدد اقوال نقل فرمائے ہیں، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ واقعہ پیش نہیں ہوا کیونکہ اس کے بعد بعض یہود مسلمان ہو گئے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے پہلے یہ واقعہ پیش آئے گا، اور یہودیوں میں مسخ ہو گا۔ بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ دو چیزوں کا ذکر تھا، مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ اس میں حرف عطف اَوْ استعمال فرمایا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ چہرے مسخ کر دینا یا لعنت کر دینا دونوں میں سے ایک ہو گا جب یہود پر لعنت ہو گئی تو دونوں میں سے ایک چیز وجود میں آ گئی اور وعید پوری ہو گئی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آخرت میں مسخ کرنا مراد ہے۔

لیکن حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ قرآن میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ایمان نہ لاؤ گے تو مسخ ضرور ہو گا۔ بلکہ بطور احتمال ایک سزا کا ذکر فرمایا ہے اس کے وہ مستحق تو ہیں اللہ کو اختیار ہے کہ عذاب دے نہ دے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخش دے گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے

فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

تو اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔

شرک بہت بڑا گناہ ہے اور مشرک کی بخشش نہیں ہو گی

تفسیر: اس آیت میں اس بات کا واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ شرک کرنے والا جو بغیر ایمان لائے مر جائے اس کی بخشش کبھی نہ ہو گی۔ اور شرک کے علاوہ دوسرے جو گناہ ہیں اللہ جن کو چاہے گا معاف فرما دے گا اور جس گناہ پر چاہے گا عذاب دے گا، شرک بہت ہی بڑا جرم ہے۔ پیدا کیا اللہ نے زندہ وہ رکھے کھانے پینے کو وہ دے حاجتیں وہ پوری کرے اور عبادت میں یا استعانت میں یا ایسی تعظیم میں جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے زیبا ہے دوسروں کو شریک کر لیا جائے عقلی طور پر بھی یہ بہت بڑی حماقت ہے اور سفاہت ہے اور نا انصافی ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ توحید کا حکم فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رب سمجھیں اور صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کریں، شرک کی جگہ جگہ مختلف عنوانات سے تردید فرمائی ہے اور مشرکین کی بے عقلی پر تنبیہ فرمائی۔ دنیا میں کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہو اور دوسرے لوگ کسی شخص کے بارے میں کہنے لگیں کہ وہ بھی اس میں شریک ہے تو مالک کو کتنا ناگوار ہوتا ہے حالانکہ وہ صرف مالک مجازی ہے، نہ مالک حقیقی ہے نہ خالق ہے، پھر بھی اسے دوسرے کی شرکت کا تصور ناگوار ہوتا ہے جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں ان کو موت بھی آتی ہے ٹوٹتے پھوٹتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں۔ عاجز محض ہیں ان کو خدائی کا درجہ

دینا نہایت ہی حماقت کی بات ہے اور خالق کائنات جل مجدہ کی ناراضگی کا باعث ہے جو بھی کوئی شخص حالت شرک میں مرے گا، ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں داخل ہوگا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں اور جیسے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب شرک ہے۔

مشرکوں کے علاوہ دوسرے کافروں کی بھی بخشش نہ ہوگی: مشرک کے علاوہ اور جو کفر کی دوسری صورتیں ہیں جو شخص ان کا مرتکب ہوگا وہ بھی ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں داخل ہوگا، جس کی تصریح قرآن مجید کی دوسری آیات میں وارد ہوئی ہے۔ سورہ احزاب میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (بے شک اللہ نے لعنت کی کافروں پر اور ان کے لئے تیار کی ہے دہکتی ہوئی آگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، نہیں پائیں گے کوئی دوست اور مددگار) سورہ نساء میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا ہرگز اللہ ان کو بخشنے والا نہیں اور نہ دکھلائے گا ان کو کوئی راہ مگر دوزخ کی راہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے)

خدا تعالیٰ شانہ کے وجود کے منکر دہریے اور اسلام کے منکرین اور خدا تعالیٰ پر اعتراض کرنے والے قرآن کے منکر اور ارکان اسلام کے منکر قرآن و سنت کا مذاق بنانے والے ختم نبوت کے منکر اور ہر اس بات کے منکر جو قطعی الثبوت ہو یہ سب کافر ہیں مشرک اور کافر بھی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کو پاکیزہ بتاتے ہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے پاکیزہ بناتا ہے اور لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کا یہ افتراء صریح گناہ ہونے کے لئے کافی ہے۔

یہودیوں کی مذمت جو اپنے کو پاکیزہ بتاتے تھے

تفسیر: گذشتہ آیت میں یہودیوں کی بعض بدحرکتوں کا ذکر تھا اس میں بھی ان کے ایک فعل بد کا ذکر ہے۔ صاحب روح المعانی بحوالہ ابن جریر حضرت حسن سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں فریق کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ ان لوگوں نے یہ کہا تھا کہ نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب بندے ہیں) اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا مگر جو یہودی ہو یا نصرانی ہو) اس طرح انہوں نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کیا یعنی اپنے کو نیک اور صالح اور مستحق جنت بتایا اور

اللہ کا محبوب ہونے کا دعویٰ کیا، باوجود کفر میں مبتلا ہونے کے اپنے نفسوں کی تعریف کی اور اپنے کو اچھا بتایا، اور اپنے بارے میں عقیدہ بھی اچھا رکھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی اپنے کو پاک بتاتے ہیں، حالانکہ وہ پاک نہیں ہیں، خود اپنی تعریف کرنے سے انسان نہ پاک ہوتا ہے اور نہ مستحق نجات ہوتا ہے خود اپنا تزکیہ حماقت ہے بلکہ وبال ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کے عقائد اور اعمال کی خبر ہے اور انجام کی بھی خبر ہے وہ جس کا تزکیہ فرمادے وہی پاک ہے جو لوگ کفر میں مبتلا ہوتے ہیں اپنے کو پاکباز بتارہے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ ان کی بدکرداری کی سزا دے گا، اور ان کو جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کے اعمال بد کے اعتبار سے مناسب اور موافق ہوگا ان پر ذرا بھر بھی ظلم نہ کیا جائیگا، ایسا نہ ہوگا کہ جتنا جرم کیا ہے اس سے زیادہ سزا دے دی جائے۔

حقیر اور صغیر چیز کی مثال دینے کے لئے اہل عرب لفظ نقیر اور فتیل اور قطمیر استعمال کیا کرتے تھے۔ کھجور کی گٹھلی میں جو گڑھا ہے اسے نقیر اور اس گڑھے میں جو تاگا ہوتا ہے اسے فتیل اور گٹھلی پر جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اسے قطمیر کہا جاتا ہے۔ یہ بتاتے ہوئے کہ ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا، یہاں لفظ فتیل استعمال فرمایا ہے اسی سورت کے آئندہ رکوع میں اور چند رکوع کے بعد لفظ نَقِیْرًا آیا ہے اور سورۂ فاطر میں فرمایا ہے مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ (کہ وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں)

پھر فرمایا اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ کہ دیکھ لو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ العیاذ باللہ اللہ کے نزدیک کفر پسندیدہ چیز ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر بڑی تہمت ہے۔

پھر فرمایا وَ کَفٰی بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا کہ ان کا یہ قول سراسر صریح بہتان ہونے کے لئے کافی ہے، اپنے جھوٹے دعووں اور آرزوؤں کو لئے بیٹھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں کہ ہم اس کے نزدیک محبوب اور مقبول ہیں۔

تزکیہ نفس کی ضرورت اور اہمیت:

اپنے نفس کو رذائل سے اور برے اخلاق سے پاک صاف کرنا چاہئے اور یہ بہت مبارک عمل ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے کارہائے نبوت میں یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ یُزَکِّیْهِمْ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے موافق جو شخص اپنے نفس کو رذائل سے اور برے اخلاق اور برے اعمال سے پاک کرے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف میں فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (کہ بے شک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہوا) جو لوگ رذائل اور بداخلاقی میں مبتلا ہیں ان کا اپنے کو پاکباز بتانا یہ تو دہرا جرم ہے، ہیں برے اور بنتے ہیں اچھے۔ لیکن جو لوگ سچ مچ نیک اور صالح ہیں رذائل سے پاک ہیں اخلاق حسنہ سے متصف ہیں، ان کو بھی اپنی تعریف اور تزکیہ کرنا زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ اس کا باعث عموماً تکبر ہوتا ہے۔ سورہ والنجم میں ارشاد فرمایا فَلَا تُزَکُّوْۤا اَنْفُسَکُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (سو تم اپنے نفسوں کی پاکیزگی بیان مت کرو اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے)۔

اپنی تعریف کرنے کی ممانعت:

اگر کوئی شخص عمومی طور پر گناہوں سے اور رذائل اور بداخلاقی سے بچتا

ہو تب بھی کچھ نہ کچھ خرابی کوتاہی تو باقی رہ ہی جاتی ہے۔ پھر انجام کا پتہ نہیں کہ خاتمہ کس حالت پر ہوگا اس لئے اپنے تزکیہ سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ایسا نام رکھنا بھی پسند نہیں فرمایا جس سے اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہو۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ میرا نام بَرّہ (نیک عورت) رکھ دیا گیا تھا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں کو پاکیزہ نہ بتاؤ۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم میں نیک کون ہے اس کا نام زینب رکھ دو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۰۸: ج ۲)

تحدیث بالنعمۃ کی اجازت: اللہ نے اگر کسی کو اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی نعمت سے نوازا ہو اور بطور تحدیث بالنعمۃ اپنی اچھی حالت بیان کردے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن بیان کرتے وقت اپنے باطن کا جائزہ لے لے کہ نفس کہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا ہے، تحدیث بالنعمۃ کے پردہ میں اپنی تعریف اور تزکیہ کا کام تو نہیں ہو رہا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَٰبِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّٰغُوتِ وَيَقُولُونَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ

لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰٓؤُلَآءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ ءَامَنُوا سَبِيلًا ﴿۵۱﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

جو لوگ ایمان لائے ان کے بنسبت یہ کافر زیادہ راہ راست پر ہیں ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ نَصِيرًا ﴿۵۲﴾

اور جس پر اللہ لعنت کردے تو اس کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔

یہودیوں کی جسارت جنہوں نے شرک کو توحید سے افضل بتادیا

تفسیر: لباب النقول صفحہ ۷۱ میں اس آیت کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں کے علماء اور رؤساء جو قبیلہ بنی نضیر میں سے تھے مکہ معظمہ پہنچے۔ قریش مکہ نے آپس میں کہا کہ یہ لوگ علماء یہود ہیں پہلی کتابوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ ان سے دریافت کرو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا دین بہتر ہے؟ چنانچہ انہوں نے علماء یہود سے دریافت کیا۔ ان لوگوں نے (یہ جانتے ہوئے کہ قریش مکہ مشرک ہیں اور دین ابراہیمی کو چھوڑ چکے ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ حق پر ہیں واقعی اللہ کے نبی ہیں) جواب میں کہہ دیا کہ تم لوگ محمد سے اور ان کا اتباع کرنے والوں کی نسبت زیادہ ہدایت پر ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْباً مِنَ الْکِتَابِ سے لے کر مُلْکاً عَظِیْماً تک آیات نازل فرمائیں۔

یہودی یہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ آپ کی آمد کے انتظار میں بھی تھے۔ اور جو علامات پہلے سے انہیں معلوم تھیں ان کے اعتبار سے آپ کو پہچان بھی لیا لیکن چند افراد کے علاوہ یہود کے علماء اور عوام نے اسلام قبول نہ کیا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الْکَافِرِیْنَ اور مشرکین کو بھی انہوں نے یہ بتادیا کہ تم بنسبت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب اور اتباع کے زیادہ ہدایت والے ہو۔ نفسانیت اور عناد کا ناس

ہو جب یہ دونوں چیزیں کسی کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہیں تو حق اور حقیقت کو دیکھنے ہی نہیں دیتیں، آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہیں دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس توریت شریف کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام توحید کی دعوت دینے کے لئے تشریف لاتے رہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ شرک بدترین چیز ہے اس بات کو جانتے ہوئے علماء یہود نے مشرکین مکہ کو ضد اور عناد میں داعی توحید سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب واتباع سے زیادہ ہدایت پر بتا دیا۔ جو کچھ علم ان کے پاس تھا اس کی کچھ لاج نہ رکھی اور جبت اور طاغوت پر ایمان لے آئے۔

جبت اور طاغوت کا معنیٰ: لفظ جبت اور طاغوت کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جبت ایک بت کا نام تھا۔ اس کے بعد وہ ہر معبود باطل کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اور طاغوت ہر باطل چیز کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جبت جادوگر کے لئے اور طاغوت شیطان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں ہم نے بعض اقوال کے مطابق آیت شریفہ کا ترجمہ کر دیا ہے یہودیوں کی شرارتِ نفس دیکھو کہ علم کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور جہالت اختیار کر لی اور اہل شرک کو ہدایت پر بتا دیا، اور اس طرح وہ بتوں پر اور شیطان پر ایمان لے آئے۔

ایسی جاہلانہ باتیں عصبیت جاہلیہ کی وجہ سے دور حاضر کے بعض فرقوں اور بعض جماعتوں سے بھی صادر ہوتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان پر لعنت کی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ اس لعنت نے ان کو کہیں کا نہ رکھا۔ ملعون ہونے کی وجہ سے نڈر اور بے باک ہو کر کفر اور شرک کی حمایت کر رہے ہیں اور مشرکین کو اصحابِ توحید کی نسبت زیادہ ہدایت پر بتا رہے ہیں۔

پھر فرمایا وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا (کہ اللہ نے جس کو ملعون قرار دے دیا تو اس کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا) دنیا وآخرت میں جب اسے سزا ملنے لگے گی تو کوئی مددگار اور بچانے والا نہ ملے گا۔

مشرکوں اور کافروں پر تو لعنت ہے ہی بہت سے گناہگاروں پر بھی حدیثوں میں لعنت آئی ہے۔ گناہ تو سبھی چھوڑنے لازم ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ ان گناہوں سے پرہیز کریں جن کے کرنے والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ ذیل میں چند وہ احادیث لکھی جاتی ہیں جن میں گناہوں پر لعنت کا ذکر ہے۔

شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت بھیجی۔

۱۔ شراب بنانے والے پر
۲۔ شراب بنوانے والے پر
۳۔ اس کے پینے والے پر۔
۴۔ اس کے اٹھانے والے پر

۵۔ جس کی طرف اٹھا کرلے جائی جائے اس پر ۶۔ اس کے پلانے والے پر

۷۔ اس کے بیچنے والے پر ۸۔ اس کی قیمت کھانے والے پر

۹۔ اس کے خریدنے والے پر ۱۰۔ جس کے لئے خریدی جائے اس پر

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۲ از ترمذی وابن ماجہ)

مسلمان کو نقصان پہنچانا یا اس کے ساتھ مکاری کرنا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۸ از ترمذی)

تقدیر کو جھٹلانا اور کتاب اللہ میں کچھ بڑھا دینا: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھ اشخاص ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ (وہ چھ اشخاص یہ ہیں)۔

۱۔ اللہ کی کتاب میں بڑھانے والا ۲۔ تقدیر کو جھٹلانے والا

۳۔ اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ان کو حلال کرنے والا

۴۔ میری عترت یعنی اولاد کی بے حرمتی کرنے والا۔ ۵۔ اور سنت کو چھوڑنے والا۔

(مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۵: ج ۷ عن الطبرانی فی الاوسط ور جالہ ثقات)

اس حدیث میں ابتداءً چھ افراد کا ذکر کیا لیکن شمار میں پانچ ہیں۔ ممکن ہے کسی کاتب سے کچھ رہ گیا ہو۔ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲ میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں چھٹا آدمی اس شخص کو ذکر کیا ہے۔ جو زبردستی اقتدار حاصل کرلے تاکہ اس کو عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اور اس کو ذلت دے جس کو اللہ نے عزت دی۔ صاحب المشکوٰۃ نے یہ حدیث امام بیہقی کی کتاب المدخل سے نقل کی ہے اس حدیث میں تارک سنت کو جو ملعون قرار دیا ہے اس سے وہ شخص مراد ہے جو بالکل ہی آنحضرت سرور عالم ﷺ کے طریقے سے روگردانی کرلے یا کسی بھی سنت کا مذاق اڑائے۔ (کما ذکرہ علی القاری فی المرقاۃ)

عورتوں کا قبروں پر جانا اور وہاں چراغ جلانا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کے لئے جانے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں اور جو قبروں پر چراغ جلائیں (ابوداؤد ترمذی) اس حدیث میں قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں اور وہاں چراغ جلائیں۔ آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے نوحہ کرنے والی عورت اور (اس کا نوحہ) سننے والی پر لعنت کی ہے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۵۱ از ابوداؤد)

شوہر کی نافرمانی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے جس کی وجہ سے شوہر غصہ کی حالت میں رات گذارے تو اس عورت پر صبح ہونے تک فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔ (مشکوۃ صفحہ ۲۸۰ از بخاری و مسلم)

حضرات صحابہ کرامؓ کو برا کہنا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہہ رہے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۵۵۴ از ترمذی)

سود کھانا اور سود کا کاتب اور گواہ بننا: حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۴۴ از مسلم) اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ نے لعنت کی ہے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور گودنے والی اور گدوانے والی پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت بھیجی ہے (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۴۱ از بخاری)

رشوت کا لینا دینا اور اس کا واسطہ بننا: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۲۶ از ابوداؤد و ابن ماجہ)

اور حضرت ثوبانؓ کی روایت میں یہ بھی ہے جو شخص رشوت لینے والے اور دینے والے کے درمیان واسطہ بنے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ (مشکوۃ از شعب الایمان)

ضرورت کے وقت غلہ روکنا: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص دوسری جگہ سے (شہر یا بستی میں) غلہ لے کر آئے (جس سے لوگوں کو خوراک ملتی ہے) ایسا شخص مرزوق ہے (یعنی اللہ اس کو رزق دے گا) اور جو شخص (ضرورت کے وقت) غلہ روک کر رکھے (مہنگائی کا انتظار کرتا ہے) ایسا شخص ملعون ہے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۲۵۱ از ابن ماجہ)

جاندار چیز کو تیراندازی کا نشانہ بنانا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کی جو کسی جاندار چیز کو نشانہ بنائے۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۵۷ از بخاری و مسلم) زندہ مچھلی کو کانٹے میں لگا کر مچھلیاں پکڑنا بھی حرام ہے۔

مردوں کو زنانہ پن اور عورتوں کو مردانہ وضع اختیار کرنا: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۸۰ از بخاری)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہیجڑہ بننے والے مردوں پر اور مردوں کی طرح (وضع

قطع بنا کر یا لباس پہن کر) مردانہ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ (ایضاً)

اس حدیث پاک میں ان مردوں اور عورتوں پر لعنت بھیجنے کا ذکر ہے جو فطرت خداوندی کو چھوڑ کر دوسری جنس کی وضع قطع شکل وصورت لباس وپوشاک اختیار کریں۔ البتہ جو پیدائشی ہیجڑہ ہو چونکہ وہ اپنے اختیار سے نہیں بنا ہے اس لئے اسے ملعون نہ کہا جائے گا۔ لیکن جو مرد قصداً ترکیب اور تدبیر کر کے عورت پن اختیار کرتے ہیں یعنی اپنے اعضائے مردمی کو ختم کر دیتے ہیں یا عورتوں کی طرح بال بڑھا کر چوٹی بناتے ہیں یا زنانہ لباس پہنتے ہیں۔ حدیث بالا کی رو سے بلاشبہ وہ ملعون ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے گھروں میں آنے کی اجازت دینا سخت گناہ ہے۔

مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا لباس پہننا: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ لعنت بھیجی رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۸۳ از ابوداؤد)

کسی مرد یا عورت سے اغلام کرنا سبب لعنت ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کے پیچھے والے حصہ میں شہوت پوری کرے (مشکوٰۃ ص ۲۷۶ از احمد وابوداؤد) اور (مسند احمد ص ۳۰۹ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو لوط علیہ السلام کی قوم جیسا عمل کرے تین بار یوں ہی فرمایا اور مسند احمد ص ۲۱۷ ج ۱ میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی چوپائے سے اپنی شہوت پوری کرے۔

عورتوں کا بالوں میں بال ملانا اور جسم گودوانا: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی بالوں میں بال ملانے والی پر اور بالوں میں بال ملوانے والی پر اور گودنے والی پر اور گدوانے والی پر۔

(الترغیب والترہیب صفحہ ۱۲۰: ج ۲ از بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر اور چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں پر اور لعنت بھیجی ان عورتوں پر جو حسن کے لئے دانتوں کو گھس کر باریک بناتی ہیں جو اللہ کی تخلیق کو بدلنے والے ہیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۲۰: ج ۲ از بخاری ومسلم)

عیب چھپا کر بیچ دینا: حضرت واثلہؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی (چیز کو) عیب (کے ساتھ) فروخت کر دیا جس سے خریدار کو آگاہ نہیں کیا تو برابر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا یا (فرمایا کہ) اس پر فرشتے لعنت کرتے رہیں گے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۹ از ابن ماجہ)

غیر اللہ کیلئے ذبح کرنا اور زمین کی حد بندی کی نشانی چرانا: حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو زمین کی نشانی چرائے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اللہ کی لعنت ہو اس پر جو کسی ایسے شخص کو ٹھکانہ دے جس نے (دین اسلام میں عمل یا عقیدہ کے اعتبار سے) کوئی نئی چیز نکالی ہو۔

(صحیح مسلم صفحہ ۱۶۰: ج ۲)

اس حدیث میں کئی شخصوں پر لعنت کی ہے ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو زمین کی حد بندی کی نشانی کو چرا لے یعنی کھیتوں کے درمیان جو نشانیاں مقرر کر دیتے ہیں ان کو ہٹا دے یا چرا کر پھینک دے یا مینڈھ کو کاٹ دے اور اس طرح دوسرے کی زمین اپنی زمین میں ملا لے، بہت سے لوگ پٹواری سے مل کر اور کچھ لے دے کر نقشہ بدلوا کر یا کسی بھی طرح دوسرے کی زمین اپنے نام کرا لیتے ہیں یہ سب حرام ہے اور سبب لعنت ہے۔ جو کسان ایسی حرکتیں کرتے ہیں اس حدیث سے عبرت حاصل کریں۔

نامحرم مرد و عورت کا دیکھنا اور دکھانا موجب لعنت ہے: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی (مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۰ از شعب الایمان) یہ حدیث بہت سے جزئیات پر حاوی ہے جس میں بطور قاعدہ کلیہ کے ہر نظر حرام کو مستحق لعنت بتایا ہے اور نہ صرف دیکھنے والے پر لعنت بھیجی بلکہ اپنی خوشی اور اختیار سے جو کوئی مرد یا عورت کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں اس پر نظر بد ڈالی جا سکے اس پر بھی لعنت بھیجی۔

نیز اگر کوئی بھی مرد و عورت کسی بھی مرد و عورت کے سامنے وہ حصہ کھول دے یا کھلا رہنے دے جس کا دیکھنا اس کے لئے حلال نہ ہو جس کے سامنے کھولا ہے تو یہ دکھلانے والا بھی مستحق لعنت ہے۔

نسب بدلنا: حضرت عمرو بن خارجہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا باپ بنایا یا اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس پر فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

(مسند احمد صفحہ ۱۸۷: ج ۴)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے تنبیہ ہے جو اپنا نسب بدلتے ہیں اونچے خاندان کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں اور ناموں کے ساتھ انہیں نسبتوں کو لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ جس نے اپنے موالی کے علاوہ دوسرے کسی شخص کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی تو اس پر لعنت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس باندی اور غلام تھے اس وقت وہ غلام اور باندیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ آزاد کرنے والے ان کے موالی تھے اور ان کے درمیان جو نسبت قائم ہوتی تھی۔

اس کو ولاء کہا جاتا تھا۔ اس نسبت کے بدلنے پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔

مُحَلِّل اور مُحَلَّل لَهُ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ لعنت بھیجی رسول اللہ ﷺ نے محلل پر اور اس شخص پر جس کے لئے حلال کی جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن الدارمی صفحہ ۲۸۴ ورواہ ابن ماجہ عن علی وابن عباسؓ وعقبۃ بن عامرؓ)

شریعت مطہرہ میں اول تو طلاق دینا ہی مبغوض ہے پھر اگر طلاق دے تو طلاق رجعی سے کام چلائے جس میں عدت میں رجوع ہو جاتا ہے اگر تین طلاقیں دے دیں (چاہے ایک ساتھ دی ہوں یا متفرق کر کے) تو پھر طلاق دینے والے شوہر کے نکاح میں دوبارہ اس طرح آ سکتی ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح ہو جائے جس سے نکاح جائز ہو پھر وہ مرد جماع کرے پھر وہ مرے یا طلاق دے پھر اس کی عدت گذرے۔ بعضے لوگ تین طلاق دے کر کسی دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح کر دیتے ہیں کہ تو جماع کر کے طلاق دے دینا ایسی صورت میں جو شخص حلال کر کے دے یعنی نکاح کر کے جماع کر کے طلاق دے اس کو مُحَلِّل اور شوہر اول کو مُحَلَّل لَهُ کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دونوں پر لعنت فرمائی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح اس لئے ہے کہ دونوں میاں بیوی بن کر رہیں اس لئے نہیں ہے کہ جدا ہو جائیں اور جدائی بھی ایسی جس کا نکاح سے پہلے ہی ارادہ کرلیا گیا تھا۔ یہ مقاصد شریعت کے خلاف ہے اس لئے یہ تحلیل کا کام موجب لعنت ہے۔

نابینا کو غلط راستہ پر ڈال دینا اور والدین کو تکلیف دینا: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اس پر لعنت کی جو زمین کی نشانیوں کو بدل دے، اللہ نے لعنت کی اس شخص پر جو نابینا کو راستہ سے بھٹکا دے، اللہ نے اس پر لعنت کی جو اپنے ماں باپ کو دکھ دے۔ (مسند احمد صفحہ ۳۱۷: ج۱)

پیسے کا غلام بننا: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دینار کا غلام اور درہم کا غلام لعنت کیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۱ از ترمذی)

اس حدیث میں اصلی دنیادار کا نقشہ کھینچا ہے یوں دنیا میں پیسہ تو سبھی کماتے ہیں اور کمانا پڑتا بھی ہے۔ حلال کمائیں، حلال کھائیں، اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اپنی ضرورتوں کے لئے حلال کمانے میں ثواب بھی ہے۔ لیکن یہ بات کہ پیسے ہی کا غلام ہو کر رہ جائے پیسے ہی کے لئے کمائے اور نہ حلال دیکھے نہ حرام دیکھے۔ سوئے بھی پیسہ کے لئے جاگے بھی پیسے کے لئے کسی سے ملے تو بھی پیسے کے لئے نہ تن کا ہوش نہ پیٹ کا خیال، نہ ماں باپ اور اولاد کا فکر، نہ اللہ کے فرائض واجبات کا دھیان، بس کمانا ہی کمانا ہے ایسا شخص دینار اور درہم کا غلام ہے، اس پر لعنت کی گئی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہلاک ہو دینار کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام (اگر ان چیزوں میں سے) کچھ دے دیا گیا تو راضی ہو گیا اور اگر نہ دیا گیا تو ناراض ہو گیا ایسا شخص ہلاک ہو اور اوندھے منہ ہو کر گرے، اور جب اس کو کانٹا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کانٹا بھی نہ نکلے (رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۳۹) غور کیا جائے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے دنیادار کو، پیسے کے غلام کو کیسی بد دعا دی۔

ان اوراق کے لکھتے وقت یہ چند احادیث ذہن میں آ گئیں مزید تتبع اور تلاش سے انشاء اللہ مزید احادیث بھی مل سکتی ہیں جن میں لعنت کے اسباب مذکور ہوں۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ

کیا ان لوگوں کا ملک میں کچھ حصہ ہے، سو ایسی صورت میں لوگوں کو وہ ذرا سی چیز بھی نہ دیتے کیا وہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں

مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾

جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے سو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے ان کو بڑا ملک عطا کیا،

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۵﴾

سو ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور بعض نے اس سے روگردانی کی اور کافی ہے دوزخ کا دہکتی ہوئی آگ ہونا

یہودیوں کو بغض اور حسد کھا گیا

تفسیر: لباب النقول صفحہ ۷۱ میں ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ محمد ﷺ یوں کہتے ہیں کہ ان کو جو کچھ دیا گیا تواضع کی وجہ سے دیا گیا اور ان کی نو بیویاں ہیں اور ان کا مقصد بس نکاح کرنا ہی ہے اور اس سے بڑھ کر کون سا بادشاہ ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ آخر تک نازل فرمائی۔

یہود حق کو تو قبول کرتے نہ تھے۔ البتہ اعتراضات اور جھوٹے بہانے تلاش کرتے رہتے تھے اور کچھ نہ ملا تو رسول اللہ ﷺ کے کثرت ازواج پر ہی اعتراض کر دیا جب دلائل سے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت ثابت ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف نہ خود چلتے ہیں نہ دوسروں کو چلاتے ہیں تو اب یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوا کہ اس نے ایسے شخص کو کیوں نبی بنایا جس کی بیویوں کی تعداد زیادہ ہے، اعتراض کرنا یہودیوں کی جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اگر ملک کا کچھ حصہ ان کے پاس ہوتا تو کسی کو نقیر کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ (نقیر کھجور کی گٹھلی کے اندر کے گڑھے کو کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہم نے یوں کیا ہے کہ کسی کو ذرا بھی کچھ نہ دیتے) خود تو کسی کو پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ کسی کو عطا فرمایا ہے اس پر حسد کرتے ہیں۔ حسد کرنے والا بہت بڑا بیوقوف ہوتا ہے اس کے حسد سے کسی کی نعمت چھن نہیں جاتی اور وہ خواہ مخواہ ان نعمتوں کو دیکھ دیکھ کر جو اللہ نے کسی کو دی ہیں اندر اندر کڑھتا رہتا ہے اور حسد کی آگ میں جلتا بھنتا ہے حسد کی یہ سب سے بڑی شناعت اور قباحت ہے کہ حاسد اللہ کی قضاء و قدر پر راضی نہیں۔ اللہ نے تو اپنی مہربانی سے نعمت عطا فرما دی۔ لیکن حاسد اللہ کے اس انعام سے راضی نہیں۔

آل ابراہیم کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور ملک عظیم عطا فرمایا: چونکہ یہودی بنی اسرائیل کی تاریخ سے واقف تھے اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب بھی دی اور حکمت بھی دی اور ان کو بڑا ملک

بھی عطا کیا۔ آلِ ابراہیم سے حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے اپنی کتاب زبور عطا فرمائی تھی اور داؤد و سلیمان علیہما السلام کو حکومت اور سلطنت بھی عطاء کی تھی اور ان حضرات کی بیویاں بھی بہت زیادہ تھی۔ معالم التنزیل صفحہ ۴۴۲: ج ۱ میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار تین سو بیویاں تھیں۔ اور داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، جیسے وہ حضرات آل ابراہیم میں سے تھے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی آل ابراہیم میں سے ہیں ان کی بیویاں متعدد ہو گئیں تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَھُمْ اَزْوَاجاً وَّذُرِّیَّةً (اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول اور ہم نے ان کو بیویاں دیں اور ذریت بھی دی)۔

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جس کو جو نعمت چاہے عطا فرمائے اس میں کسی کو کیا اعتراض ہے اللہ کی عطا اور بخشش پر اعتراض کرنا اور اس سے راضی نہ ہونا کفر ہے پھر جس طرح تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے جس کو جو چاہے عطا فرمائے اسی طرح تشریعی طور پر اسے اختیار ہے کہ جس کے لئے جو چاہے حلال قرار دے۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے لئے بہت سی بیویاں حلال فرما دیں اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے نو بیویوں کی اجازت دے کر ارشاد فرمایا لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ (الآیہ) اور امت محمدیہ کو صرف چار بیویوں تک کی اجازت دے دی وہ مالک تکوین و تشریع ہے اس پر اعتراض کرنا جہالت اور ضلالت ہے۔

پھر فرمایا فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ (الآیة) یعنی ان لوگوں میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض نے اعراض کیا۔ صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے لئے تسلی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آل ابراہیم کو جو کچھ کتاب و حکمت دی گئی بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض منکر ہوئے اسی طرح آپ کے زمانہ کے لوگ بعض ایسے ہیں جو ایمان لے آئے اور بعض ایسے ہیں جو اعراض کر رہے ہیں۔ یہ پہلے سے ہوتا آیا ہے آپ رنجیدہ نہ ہوں جو لوگ منکر ہیں ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ ہے جو ان کے لئے کافی ہے۔ ان کی ساری شرارتوں اور حرکتوں پر انہیں سخت ترین عذاب مل جائے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا

بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم ان کی کھالوں کے علاوہ

غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ان کی دوسری کھالیں پلٹ دیں گے تاکہ عذاب چکھیں، بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے

سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ لَھُمْ فِیْھَآ اَزْوَاجٌ

عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان میں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی

مُّطَھَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ۝

اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے۔

کافروں کو دوزخ میں سخت عذاب، کھالوں کا بار بار جلنا اور بار بار نئی کھال پیدا ہونا اور اہل ایمان کا جنتوں میں عیش کرنا

تفسیر: اوپر مومنین اور منکرین کا ذکر تھا۔ اب یہاں کافروں کا عتاب اور مومنین کا ثواب ذکر کیا جاتا ہے پہلی آیت میں کافروں کے سخت عذاب کا اور دوسری آیت میں اہل ایمان کے اجر و ثواب اور انعامات کا ذکر ہے۔

کافروں کے بارے میں فرمایا کہ بلاشبہ ہم ان کو آگ میں داخل کر دیں گے یہ آگ معمولی نہ ہوگی بہت بڑی آگ ہوگی جس پر لفظ نَاراً کی تنوین دلالت کرتی ہے اور سورہ اعلیٰ میں اس آگ کے بارے میں فرمایا یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى. حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ (انسانوں کے عذاب کے لئے) تو یہی کافی تھی آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دوزخ کی آگ دنیاوی آگ پر ۶۹ درجہ زیادہ بڑھادی گئی ہے ہر درجہ کی حرارت اسی قدر ہے جس قدر دنیا کی آگ میں حرارت ہے (صحیح بخاری صفحہ ۴۶۲: ۱)

اہل دوزخ کے عذاب کی کچھ تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں پلٹ دیں گے اور بار بار ایسا ہی ہوتا رہے گا دنیا میں جس طرح ہوتا ہے کہ آگ نے جلا دیا اور جل کر ختم اور بھسم ہو گئے۔ وہاں ایسا نہ ہوگا، وہاں تو ہمیشہ ہی عذاب ہوگا، اور وہ عذاب والی زندگی ایسی ہوگی جس کے لئے لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى فرمایا کہ نہ تو زندگی ہی ہوگی جس میں آرام ہو اور اسے زندگی کہا جائے اور نہ موت آئے گی تا کہ عذاب ختم ہو جائے۔ اسی لئے فرمایا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ یعنی ہم کھالوں کو پلٹتے رہیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں۔

پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزاً حَكِيْماً کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور غالب ہے اس کے ارادہ سے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور وہ حکیم بھی ہے اس کا ہر فیصلہ اور ہر فعل حکمت کے موافق ہے۔

اہل کفر کی سزا بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان کے انعامات کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الآیہ) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی وہ ظاہری الائش حیض و نفاس اور بلغم اور میل کچیل سے پاک ہوں گی اور بد اخلاقی اور بد مزاجی اور ہر اس چیز سے پاک ہوں گی جو نفرت اور وحشت کا سبب ہو۔

آخر میں فرمایا وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلاً (اور ہم ان کو گھنے گنجان سایہ میں داخل کریں گے) مطلب یہ ہے کہ وہ جن باغوں میں داخل ہوں گے ان میں گنجان اور گھنا سایہ ہوگا۔ گھنا سایہ خوب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سایہ

بھی ہوتا ہے لیکن پتوں کے درمیان سے دھوپ بھی چھن کر آتی رہتی ہے وہاں ایسا نہ ہوگا۔ سارا سایہ متصل ہوگا اور گنجان ہوگا۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا

بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانت والوں کو امانتیں دے دیا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو انصاف کے

بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

ساتھ فیصلے کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

امانت کی ادائیگی اور فیصلوں میں انصاف کا حکم

تفسیر: اس آیت کے سبب نزول میں حضرات مفسرین کرام نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت سرور عالم ﷺ نے عثمان بن طلحہ حجبی سے کعبہ شریف کی چابی لے لی تھی۔ (ان کے خاندان میں عرصہ دراز سے کعبہ شریف کے کھولنے اور بند کرنے کی خدمت آ رہی تھی جس کو اہل عرب سدانۃ البیت کے نام سے تعبیر کرتے تھے) آپ کعبہ شریف میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی جب باہر نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ چابی ہمیں دے دیجئے تا کہ بنی ہاشم میں سقایۃ الحاج (حاجیوں کو پانی پلانا) اور سدانۃ البیت دونوں جمع ہو جائیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے یہ سوال کیا تھا۔ آپ نے ان دونوں میں سے کسی کو چابی نہ دی۔

جب آپ کعبہ شریف سے باہر تشریف لائے تو آیت بالا إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا تلاوت فرما رہے تھے۔ رب العالمین جل مجدہ کے فرمان کے مطابق آپ نے چابی اسی کو دے دی جس سے لی تھی۔ جب آپ نے ان کو چابی عطا فرمائی تو فرمایا خذوھا یا بنی ابی طلحة بامانة اللّٰہ لا ینزعھا منکم الا ظالم (اے بنی طلحہ اس چابی کو اللہ کی امانت کے طور پر لے لو اس چابی کو تم سے ظالم کے علاوہ کوئی نہیں چھینے گا)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا خذوھا یا بنی ابی طلحة خالدةً قالدةً (اے بنی ابی طلحہ اس کو ہمیشہ کے لئے لے لو یہ تمہارے لئے خاندانی میراث ہے) اس کے بعد سے آج تک یہ چابی انہیں کے خاندان میں ہے جس کے پاس چابی ہوتی ہے۔ اہل مکہ اس کو شیبی کہتے ہیں۔ عثمان بن طلحہ کے والد ابو طلحہ تھے جن کا نام عبداللہ بن عبدالعزیٰ تھا اور عثمان شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے چچازاد بھائی تھے۔ یہی شیبہ بن عثمان ابن ابی طلحہ ہیں۔ جن کے خاندان میں اب تک کعبہ شریف کی کلید برداری چلی آ رہی ہے اور اسی لئے اس خاندان کو شیبی خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے ہی چابی لی تھی اور درمیان میں حضرت علی حضرت عباس رضی اللہ عنہما اس کے طالب بن گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ امانت کو امانت والوں کے پاس پہنچاؤ (تفسیر درمنثور صفحہ ۱۷۴: ج۲) (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۱۵: ج۱) (اسباب النزول للواحدی صفحہ ۱۵۱)

قرآن مجید کی متعدد آیات میں ادائے امانت کا حکم فرمایا ہے اور خیانت کرنے والوں کی مذمت کی ہے، سورۃ الانفال میں ارشاد یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اے ایمان

۵/۸

والو! تم اللہ اور اس کے رسول کے حقوق میں خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

سورہ یوسف میں فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَائِنِیْنَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو راہ نہیں دیتا۔

سورہ انفال میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَائِنِیْنَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

سورہ حج میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔

سورہ معارج میں اچھے لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

امانتوں کی تفصیل: سورہ نساء کی آیت بالا اور دیگر آیات جو ہم نے نقل کی ہیں ان سب سے عمومی طور پر ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم اور ہر قسم کی خیانت کی مذمت معلوم ہوئی۔ اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں نماز، زکوٰۃ، روزے کفارات نذر اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں یہ سب امانتیں ہیں۔ جن کی ادائیگی یا اضاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور کس حکم کی حکم عدولی کی، دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے آپس میں حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے، کسی نے مال امانت رکھ دیا قرض دے دیا یا کسی سے مال غصب کر لیا یا کسی کے مال میں خیانت کر لی یا چوری کر لی یہ سب اموال امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے حکام کو بلکہ صاحبِ مال کو معلوم ہو یا نہ ہو ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں امانتدار ہے چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤسا اور وزراء امانتدار ہیں انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی اور میاں بیوی اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گناہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا وہ دوسرے کی امانت کو ادا کردے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

امانتداری ایمانی تقاضوں میں سے ہے: حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهد له (اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح عن البیہقی فی شعب الایمان صفحہ ۱۵)

صحیح مسلم صفحہ ۵۶: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگر چہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور وہ یہ خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔

۱۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے

۲۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے

۳۔ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

۱۔ اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے

۲۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے

۳۔ جب عہد کرے تو دھوکہ دے

۴۔ جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے (صحیح بخاری صفحہ ۱۰: ج۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو تجھے اس بات کا ضرر نہیں کہ دنیا کی باقی چیزیں تیرے پاس نہیں ہیں۔ (۱) امانت کی حفاظت (۲) بات کی سچائی (۳) اخلاق کی خوبی (۴) لقمے کی پاکیزگی (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ علم وفضل کے اس مرتبے پر کیسے پہنچے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بات کی سچائی، امانت کی ادائیگی اور لایعنی سے پرہیز ان تینوں کی وجہ سے میں اس مرتبہ پر پہنچا۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۵)

اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانتداری:

جن لوگوں کے ہاتھوں میں دوسروں کے اموال ہیں ان میں ملوک اور حکام بھی ہیں۔ اور یتیموں کے اولیاء بھی۔ مسجدوں کے متولی بھی اور مدارس کے مہتمم بھی۔ اور بیت المال کے نگران بھی۔ اور کہیں پر پڑا ہوا مال اٹھانے والے بھی۔ اور بہت سے عہدیدار ہیں جن پر دوسروں کے مالوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہ سب لوگ اس بات کے مامور ہیں کہ مالوں کی حفاظت کریں اور ذرا سی بھی خیانت نہ کریں۔ امانت کی حفاظت اور اس کی ادائیگی بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ سارے عہدے جنہیں دنیا میں خوشی خوشی قبول کر لیا جاتا ہے۔ پھر ان سے متعلقہ ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا جاتا۔ قیامت کے دن وبال بن جائیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے کسی عمل پر نہیں لگاتے؟ (یعنی مجھے کوئی عہدہ نہیں عنایت فرماتے؟) اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا اے ابوذر تو ضعیف ہے اور بلاشبہ یہ عہدہ امانت ہے

اوراس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا ذریعہ ہوگا۔ سوائے اس شخص کے جس نے حق کے ساتھ لیا اور متعلقہ ذمہ داری کو پورا کیا۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابوذر میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں دو آدمیوں کا امیر مت بننا اور یتیم کے مال کا متولی نہ ہونا۔ (رواہ مسلم)

نا اہلوں کو عہدے دینا خیانت ہے: بہت سے لوگ نا اہلوں کو اپنی کوشش سے یا اپنے اقتدار سے چھوٹے بڑے عہدے دے دیتے ہیں یا دلا دیتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ جس کو عہدہ دیا جارہا ہے۔ یہ اس عہدہ کا اہل نہیں ہے یہ عہدہ ایک امانت ہے اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے لیکن دنیاوی تعلقات اور دنیاوی منافع کے پیش نظر جو فاسقوں، فاجروں ظالموں بے نمازیوں کو عہدے دیئے اور دلا دیئے جاتے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جسے اقتدار سپرد کیا جارہا ہے یہ شریعت اسلامیہ سے واقف ہے یا ناواقف ہے، اس کے عقائد اسلامی ہیں یا غیر اسلامی، جسے اقتدار اعلیٰ سپرد کر دیا جاتا ہے، جب وہ عہدے تقسیم کرنے لگتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ جس کو عہدہ دیا جارہا ہے اس میں خدا ترسی کی شان ہے بھی یا نہیں اور یہ دین پر چلے گا یا نہیں اور عوام کے ساتھ اس کا سلوک اچھا ہوگا یا برا۔ عہدہ سپرد کرنے میں رشتہ داریا اپنی پارٹی کا آدمی دیکھا جاتا ہے یا وطنی عصبیتوں کی رعایت کی جاتی ہے، یعنی صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا آدمی ہے۔ اپنوں کو نوازنا مقصود ہوتا ہے دین خداوندی پر چلنے اور چلانے اور امت مسلمہ کے ساتھ عدل و انصاف اور خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کا کہیں سے کہیں تک بھی دھیان نہیں ہوتا۔ اسی لئے سارے فیصلے غیر شرعی ہوتے ہیں اور عوام عہدہ داروں کے ظالمانہ فیصلوں کو بھگتتے رہتے ہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے متعلقہ امور سے جو شخص کسی امر کا والی بنا۔ پھر اس نے ان پر کسی شخص کو (ذاتی) مروت اور تعلقات کی بنا پر امیر بنا دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اس سے کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو دوزخ میں داخل فرما دے گا۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۷۹)

پھر جن لوگوں کے سیاسی وعدے ہوتے ہیں جب عہدہ مل جاتا ہے تو عوام پر ظلم بھی کرتے ہیں اور وعدہ فراموشی بھی کرتے ہیں اور عذر بھی کرتے ہیں، اس بارے میں جو ارشادات نبویہ ﷺ ہیں ان سب کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مامن وال یلی رعیة من المسلمین فیموت و هو غاش لهم الا حرم الله علیه الجنة (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۲: ج ۲) جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرما دے گا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ما من عبد یسترعیه رعیة فلم یحطها بنصیحة الا لم یجد رائحة الجنة (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۹۔۱۰۵۸: ج ۲)

ترجمہ: جس کسی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کی اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔

رعیت کو دھوکہ دینے کے بارے میں حدیث ذیل پڑھیئے۔

عن سعید رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لکل غادر لواء عند استہ یوم القیامۃ و فی روایۃ لکل غادر لواء یوم القیامۃ یرفع لہ بقدر غدرہ الا ولا غادر اعظم غدراً من امیر عامۃ. (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴)

ترجمہ: حضرت سعیدؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پاخانہ کے مقام پر نصب کیا جائے گا وہ اس کے دھوکہ کے بقدر بلند کیا جائے گا (پھر فرمایا) خبردار جو شخص عوام کا امیر ہو اس کے غدر یعنی دھوکے سے بڑھ کر کسی کا غدر نہیں۔

کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے: جو لوگ تنخواہ پوری لیتے ہیں اور کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے یہ سب لوگ خیانت کرنے والے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ رشوت لیتے ہیں اور رشوت لینے کی وجہ سے کار مفوضہ انجام دینے کی بجائے رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق اس کا کام کر دیتے ہیں، یہ لوگ بھی خیانت کرنے والے ہیں، رشوت تو حرام ہے ہی ملازمت کی تنخواہ بھی پوری حلال نہیں ہوتی کیونکہ جس کام کی تنخواہ دیجاتی ہے اس کے خلاف کام کرتے ہیں۔ درحقیقت امانتداری کی صفت بہت بڑی صفت ہے اور اس کو پورا کرنا ایمان کا بہت بڑا مطالبہ ہے۔ یہ ایسی عظیم صفت ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہ صفت صرف مالیات ہی سے متعلق نہیں۔

مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں: دیگر امور میں بھی آنحضرت ﷺ نے امانتداری پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ المجالس بالامانۃ کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب) یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ امانت ہوتی ہیں ان کو مجلس سے باہر لے جانا اور تجھ مجھ سے بیان کر دینا امانتداری کے خلاف ہے اور اہل مجلس کی خیانت ہے ہاں اگر مجلس میں کسی کا خون کرنے کا یا زنا کاری کا یا کسی کا ناحق مال حاصل کرنے کا مشورہ کیا گیا ہو تو اس کو دوسروں سے بیان کر سکتے ہیں تاکہ اس گناہ پر عمل نہ ہو و قد زاد فی الحدیث الا ثلثۃ مجالس سفک دم حرام و فرج حرام او اقتطاع مال بغیر حق ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی آدمی نے کوئی بات کہی پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا (کہ کوئی سن تو نہیں رہا) تو یہ بات امانت ہے (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

مشورہ دینا امانت ہے: اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان المستشار موتمن کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد) مطلب یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس پر واجب ہے کہ صحیح مشورہ دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے کے حق میں بہتر ہو۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ دیا جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ مشورہ مصلحت کے خلاف ہے تو اس نے مشورہ لینے والے کی خیانت کی (اخرجہ ابوداؤد فی کتاب العلم)

بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے: آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ

تین کام ایسے ہیں کہ جن کا کرنا کسی کے لئے حلال نہیں (۱) جو شخص کسی جماعت کا امام بنے پھر ان کو چھوڑ کر صرف اپنے لئے ہی دعا کرے اگر ایسا کیا تو اس نے خیانت کی۔

۲۔ جو شخص اجازت لئے بغیر کسی گھر میں نظر ڈالے، اگر اس نے ایسا کیا تو گھر والوں کی خیانت کی۔

۳۔ کوئی شخص پیشاب پاخانہ روکے ہوئے نماز نہ پڑھے جب تک ہلکا نہ ہو جائے (یعنی ان سے فارغ نہ ہو جائے) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۹۶)

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ اموال کے علاوہ دیگر امور میں بھی امانت داری کی صفت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

عدل وانصاف کا حکم: ادائیگی امانت کا حکم فرمانے کے بعد فیصلوں میں عدل وانصاف کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرو) شریعت اسلامیہ میں جن امور کا بہت زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے ان میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا بھی ہے۔ عدل وانصاف کرنے والوں کو بلند مراتب کی خوشخبری دی گئی ہے اور ظالمانہ فیصلے کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے لئے بڑی بڑی وعیدیں ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے جو فیصلوں کے قوانین اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ بھیجے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرنے ہی سے انصاف ہوگا، نیز اللہ کے قانون میں جس کی جو چیز ہو اور جس کا جو حق ہو وہ حق اور وہ چیز مستحق کو دلانے سے انصاف قائم ہوگا۔

قرآن وحدیث کے خلاف فیصلے ظالمانہ ہیں: انسانوں نے اپنی طرف سے جو دساتیر اور قوانین بنائے ہیں عموماً وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہیں۔ قرآن وحدیث کے خلاف فیصلے کرنا ظلم ہے۔ اگرچہ اہل دنیا اسے انصاف ہی کہتے ہوں۔ میراث اور وصیت دیت اور قصاص حدود اور جنایات کے شرعی قوانین، تجارت زراعت سے متعلقہ احکام نکاح وطلاق کے مسائل، حکومت سپرد کرنے اور حکومت چلانے کے قوانین اور انسانی زندگی میں جو کچھ پیش آتا ہے اس کے اصول وقواعد جو شریعتِ اسلامیہ نے بتائے ہیں ان کے خلاف فیصلے دینا ظلم ہے۔

سورہ مائدہ میں فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو شخص اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) جن ملکوں میں کافروں کی عملداری ہے وہاں تو اللہ کی شریعت کے خلاف فیصلے ہوتے ہی ہیں لیکن جن ملکوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اقتدار دیا ہے وہاں کے ذمہ دار بھی اسلامی احکام کو قبول کرنے اور ان کے مطابق فیصلے کرنے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ اسلامی قوانین نافذ کرو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ عوام جو مغربی قوانین کے مطابق فیصلوں کے باعث ظلم سہتے ہیں وہ بھی اسلامی نظام نافذ کرنے کے حق میں نہیں۔ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرتے ہیں اور قوانین اور احکام دشمنان دین کے نافذ کرتے ہیں۔

سورہ مائدہ میں فرمایا اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (کیا پھر یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے اچھا کون ہوگا، یقین رکھنے والوں کے لئے۔

ظالمانہ فیصلوں کی وجہ سے مصائب کی کثرت: اب جو غیر اسلامی فیصلے ہو رہے ہیں ان کی وجہ سے آفات اور مصائب کا طوفان آیا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے اندر پانچ چیزیں موجود ہو جائیں اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ چیزیں تمہارے اندر موجود ہوں:

۱۔ جس قوم میں زنا کاری کھلم کھلا ہونے لگے گی ان میں طاعون پھیل جائے گا اور ایسے ایسے مرض ظاہر ہو جائیں گے جو ان کے آباؤ اجداد میں نہیں تھے۔

۲۔ اور جو لوگ زکوٰۃ دینا روک دیں گے ان کو آسمان کے قطروں سے یعنی بارش سے محروم کر دیا جائے گا۔ اگر چوپائے نہ ہوں تو (بالکل بھی) بارش نہ ہو۔

۳۔ اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کو قحط بھیج کر سزا دی جائے گی اور ان کو سخت محنت میں اور صاحب اقتدار کے ظلم میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

۴۔ اور جس قوم کے امراء اس فیصلے کے علاوہ کوئی فیصلہ کریں گے جو اللہ نے نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن مسلط فرما دے گا پھر یہ دشمن ان کے قبضے کی بعض چیزوں پر قبضہ کرلیں گے۔

۵۔ اور جو لوگ اللہ کی کتاب کو اور اس کے نبی کی سنت کو معطل کر دیں گے (یعنی اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے) اللہ تعالیٰ ان کے درمیان جنگ وجدال کی صورت پیدا فرما دیں گے۔

(ذکرہ المنذری فی الترغیب والترھیب صفحہ ۱۴۰: ج۳ وعزاہ الی البیھقی و قال فی آخرہ رواہ الحاکم بنحوہ من حدیث بریدۃ وقال صحیح علی شرط مسلم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس کسی قوم میں خیانت ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگتے ہیں ان کا رزق کاٹ دیا جاتا ہے اور جو لوگ ظلم کے فیصلے کرتے ہیں ان میں خونریزی پھیل جاتی ہے اور جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ان پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (رواہ مالک فی المؤطا وھو موقوف فی حکم المرفوع)

تقویٰ کے بغیر انصاف نہیں ہوسکتا: انصاف جبھی ہوسکتا ہے جبکہ اللہ کا خوف ہو، تقویٰ ہو، حق کا اتباع مقصود ہو قرآن وحدیث کا علم ہو قضا کے احکام اور مسائل سے واقفیت ہو۔ امیر وغریب اپنے پرائے، چھوٹے بڑے کی کوئی رعایت نہ ہو، عادلانہ فیصلے کا معیار ایک حدیث میں یوں بتایا وحکموا للناس کحکمھم لانفسھم کہ لوگوں کے

درمیان وہی فیصلے کرتے ہیں جو اپنی جانوں کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۲۲) مطلب یہ ہے کہ جیسے اپنے لئے حق وانصاف چاہتے ہیں اسی طرح جب دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرنے لگیں تب بھی حق وانصاف اختیار کریں۔ آجکل فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے جو ہم وطن ہو یا ہم پیشہ ہو یا ہم زبان ہو ایسے حاکم کے لئے آخرت میں سخت عذاب ہے جو ظلم کا فیصلہ دے اور ظالم کا ساتھی بنے اور اس کی رعایت کرے جس سے کسی قوم کا تعلق ہو اور جس کا واقعی شرعی حق بنتا ہو اسے حق سے محروم کردے، رشوتیں لے کر بھی فیصلے دیئے جاتے ہیں جس نے رشوت دے دی موٹی رقم پکڑادی اس کے حق میں فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ یہ رشوتیں اور موٹی رقمیں نوٹوں کے گڈے دنیا میں اچھے لگتے ہیں لیکن آخرت میں جو ان کا وبال ہوگا اس کی طرف سے بے خبر ہیں۔

انصاف کے فیصلے کرنے والوں کیلئے بشارت اور ظالموں کی ہلاکت:

جیسے ظلم کرنے والوں کے لئے وعیدیں ہیں ایسے ہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کرنے والوں کے لئے بشارتیں ہیں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی (فیصلہ دینے والے) تین قسم کے ہیں ان میں سے ایک جنت میں ہے اور دو دوزخ میں ہیں، جنت والا تو وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور ظلم کا فیصلہ کیا سو یہ شخص دوزخ میں ہوگا اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو جہالت کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے (اس کو حق ناحق کا کچھ پتہ نہیں) سو یہ بھی دوزخ میں ہوگا۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ کمافی الترغیب صفحہ ۱۵۶: ج ۳)

جن سات آدمیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن وہ اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں سب سے پہلے امام عادل کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کا وہ اعلیٰ اقتدار والا شخص جو انصاف کرنے والا ہو (رواہ البخاری صفحہ ۱۹۱: ج ۱)

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اہل جنت تین قسم کے لوگ ہوں گے:۔

۱۔ وہ صاحب اقتدار جو انصاف والا ہے اور اسے خیر کی توفیق دی گئی ہے۔

۲۔ وہ شخص جو رحم کرنے والا ہے نرم دل ہے، ہر قرابت دار کے لئے جو مسلمان ہو۔

۳۔ وہ شخص جو صاحب اہل وعیال ہوتے ہوئے (حرام سے اور سوال سے) پرہیز کرنیوالا ہو اور پرہیز کرنے کا اہتمام کرتا ہو (رواہ مسلم کمافی الترغیب صفحہ ۱۶۷: ج ۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ پیارا اور اللہ سے سب سے زیادہ قریب مجلس کے اعتبار سے امام عادل ہوگا اور اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور مجلس کے اعتبار

سے اللہ سے سب سے زیادہ دور امام جائر ہوگا (الترغیب صفحہ ۱۶۷: ج ۳ عن الترمذی والطبرانی)

امام جائر سے مراد ہے ظلم کرنے والا شخص جسے اقتدار اعلیٰ حاصل ہو۔

حاکم بننا اور فیصلے کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لینا یہ معمولی چیز نہیں یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے اور آخرت میں اس کا حساب بہت بڑا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے والا مقرر کر دیا گیا تو وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴)

مطلب یہ ہے کہ اس عہدے کا انجام بہت برا ہے عام طور سے لوگ عدل وانصاف پر قائم نہیں رہتے قیامت کے دن یہ عہدہ وبال بنے گا اور اس عہدے کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنے پر جو عذاب ہوگا اس کو اس دنیا میں اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کسی کو چھری کی بجائے (دھار دار آلے کے علاوہ) کسی چیز سے ذبح کر دیا جائے چھری سے ذبح کرنے کی تکلیف ذرا دیر سے ہوتی ہے لیکن اگر بغیر چھری کے ذبح کیا جائے تو اس کی تکلیف بہت ہی زیادہ ہوتی ہے۔

حاکموں کو ضروری تنبیہ: اس حدیث پر ہر وہ شخص غور کرے جو حاکم و قاضی و مجسٹریٹ بنا ہوا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بھی کوئی حاکم لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے قیامت کے دن اسے لایا جائے گا پھر جہنم کے کنارے پر اسے کھڑا کر دیا جائے گا پھر اگر حکم ہوگا کہ اسے دھکا دے دیا جائے تو اس کو دھکیل دیا جائے گا جس کے نتیجے میں وہ ستر سال تک گہرائی تک گرتا چلا جائے گا (رواہ البزار کما فی الترغیب صفحہ ۱۷۳: ج ۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انصاف کرنے والے قاضی پر قیامت کے دن ضرور ایک ایسی گھڑی آئے گی کہ وہ حساب کی سختی کی وجہ سے یہ تمنا کرے گا کہ میں کبھی کسی ایک کھجور کے بارے میں بھی فیصلہ نہ کرتا تو اچھا تھا۔ (الترغیب صفحہ ۱۵۷: ج ۳)

حاکم کیسے شخص کو بنایا جائے؟ شاید کسی کو یہ خیال گزرے کہ جب یہ وعیدیں ہیں تو لوگوں کے درمیان جو جھگڑے ہوں ان کے فیصلے کون کرے گا؟ جواب یہ ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق اگر کسی کو حاکم بنا دیا جائے اور پھر وہ شریعت کے مطابق فیصلے کرے حق وانصاف کو سامنے رکھے قرآن وحدیث کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور دوسروں کو بھی اسی پر ڈالے تو ایسا قاضی انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔ وہ اصول کون سا ہے جس کے موافق قاضی بنایا جائے؟ وہ یہ ہے کہ جو شخص قاضی بننے کی تمنا نہ کرے نہ اس کا طلب گار ہو نہ اس کے لئے کوشش کرے نہ سفارشیں کروائے نہ رشوتیں دے اور عہدہ قضا سے بچتا رہے اس کو قاضی بنا دیا جائے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عہدہ قضا کا طلب گار ہو اور اس سلسلے میں سفارش کرنے والوں سے سوال کرے (جس پر اسے عہدہ دے دیا جائے) تو وہ اپنے نفس کے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہ ہوگی وہ جانے اس کا نفس جانے جب ایسا ہوگا تو ظاہر ہے کہ نفس کے موافق فیصلے ہوں گے) اور جس کو

قاضی بننے پر مجبور کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اسے ٹھیک راستے پر چلاتا رہتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی کمافی الترغیب صفحہ ۱۶۳: ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عہدہ قضا کا طلب گار ہو اسے تو عہدہ سپرد کیا ہی نہ جائے جس کے دل میں خواہش ہے کہ میں فیصلے کرنیوالا بنوں وہ حق پر قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس کی رغبت اور خواہش بتا رہی ہے کہ وہ اس سے دنیاوی منافع حاصل کرے گا اسے جاہ اور مال کی رغبت ہے اسی لئے وہ اس عہدے کا طالب ہوا۔ اسے عہدہ مل جائے گا تو فیصلے اپنی مرضی کے مطابق کرے گا اور جہالت کے ساتھ کرے گا، رشوتیں بھی لے گا اور اپنے پرائے کا خیال بھی کرے گا اور جس پر زبردستی کر کے عہدہ قضا ڈال دیا گیا وہ اس کی ذمہ داریوں سے جیسا پہلے ڈرتا تھا ایسے ہی اب اپنے نفس کو ذمہ داریاں پورا کرنے کا پابند بنائے گا، یہ ایک ایسا سنہری اصول ہے کہ اسے اختیار کر لیا جائے تو فیصلوں میں جو ظلم ہوتے ہیں ان کی روک تھام ہو جائے گی۔ اب تو ہوتا یہ ہے کہ جن کو جج اور مجسٹریٹ بننا ہے وہ پڑھتے ہی اس لئے ہیں کہ ڈگری لے کر اس کام میں لگیں گے پھر درخواستیں دیتے ہیں۔ سفارشیں لاتے ہیں رشوتیں دیتے ہیں پھر جن لوگوں کے ہاتھ میں تقرر ہوتا ہے وہ بھی رشوتوں اور سفارشوں اور ڈگریوں کی بنیاد پر جج اور مجسٹریٹ بنا دیتے ہیں۔ اور اوپر جسٹس تک یہی سلسلہ چلتا ہے یہ جس کا تقرر کرتے ہیں اس کے بارے میں یہ تو دیکھا ہی نہیں جاتا کہ اسے قرآن و حدیث کا کچھ علم ہے یا نہیں اور اس میں تقویٰ کتنا ہے خداترسی کتنی ہے۔ اس سے انصاف کی امید کتنی ہے۔

حاکم تک کوئی شخص خود نہیں پہنچ سکتا وکیل کے بغیر حاکم کے ہاں کسی مظلوم کا کیس پیش نہیں ہو سکتا اول وہ وکیل کی فیس فراہم کرے پھر اس کا استغاثہ دائر ہو پھر تاریخوں پر تاریخیں پڑتی رہتی ہیں جس سے اس کے وقت اور پیسے کا خون ہوتا رہتا ہے یہ دشمنان اسلام کا طریق کار ہے مجسٹریٹ اسی سے مانوس ہیں اور اسی پر چلتے ہیں اور اسی کی تنخواہ لیتے ہیں مظلوم کی دادرسی کا ذرا دھیان نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نصیحت قبول کرنے میں خیر ہے: آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے جو حکم دیا ہے اس میں تمہارے لئے بہتری ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور ہدایت تمہارے لئے سراپا بہتر ہے اس میں دنیا و آخرت کی خیر ہے اس کو خوشی سے قبول کرو اور عمل کرو۔ اور جو شخص نصیحت نہ مانے گا خیر کو قبول نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اس کی جزا دے دے گا وہ سمیع یعنی سننے والا ہے اور بصیر یعنی دیکھنے والا ہے کسی کا کوئی عمل اس کے علم سے خارج نہیں درحقیقت یہ بہت بڑی تنبیہ ہے جو لوگ خلاف شرع فیصلے کرنے اور نااہلوں اور ظالموں کو اور رشوت خوروں کو عہدہ قضا دینے کے خوگر ہو گئے ہیں وہ سب لوگ اس کا مراقبہ کریں اور غور کریں کہ آخر بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور ان لوگوں کی فرمانبرداری جو اولوالامر ہیں تم میں سے، پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے

شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے

اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم اور امور متنازعہ میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کا فرمان

تفسیر آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے علامہ واحدی نے اسباب النزول صفحہ ۱۵۲ میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی صفحہ ۶۵: ج ۵ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستہ کا امیر بنا کر بھیجا ان کی زیر امارت حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے اجازت لئے بغیر ایک شخص کو امان دے دی حضرت خالدؓ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور ان سے کہا کہ میری بغیر اجازت تم نے کیوں امان دی۔ اس سے دونوں میں تلخی پیدا ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو آپ نے عمار کی امان کو نافذ فرما دیا اور ان سے فرمایا کہ آئندہ امیر سے رائے لئے بغیر امان نہ دیا کریں پھر آپس میں دونوں میں رضامندی ہوگئی۔

سبب نزول جو بھی ہو آیت کا مفہوم عام ہے جس میں اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور اولوالامر کی فرمانبرداری کا بھی حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تم میں کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، جو حکم اور فیصلہ وہاں سے ملے اسے قبول کرلو اور اس پر راضی ہو جاؤ اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہے اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے احکم الحاکمین ہے اس نے اپنا رسول ﷺ کو بھیجا ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور ان کے ذریعہ احکام نازل فرمائے۔

ان کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہے اور نافرمانی باعث مواخذہ اور سبب عتاب وعذاب ہے۔

اس آیت میں اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کرنے کا بھی حکم دیا ہے بات یہ ہے جب کسی کو امیر بنا لیا جسے امام اور خلیفہ کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس کا حکم ماننے ہی سے امت کا شیرازہ مجتمع رہ سکتا ہے امیر کی فرمانبرداری نہ کرنے سے شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے اور ہر ایک اپنی اپنی راہ پکڑتا ہے۔ جب انتشار ہوتا ہے تو وحدت قائم نہیں رہتی اور دشمن حاوی ہو جاتا ہے پھر امیر اعلیٰ جن لوگوں کو مختلف جماعتوں کا امیر بنائے یا چند مسلمان مل کر کسی کو امیر بنائیں تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے اس کی اطاعت نہ کرنے سے بھی پھوٹ پڑے گی اور آپس میں نزاع اور جدال کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امیر کی اطاعت کرو اس لئے امیر کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس اطاعت میں ثواب بھی ہے اور امت مسلمہ کا اتحاد بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۴۴۴: ج ۱)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں ہے:

حضرت ام الحصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم پر ایسا شخص امیر بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے کر چلتا ہو تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۲۵: ج ۲)

جو لوگ امیر ہوں ان کی اطاعت واجب ہے لیکن انہی امور میں اطاعت واجب ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی پر بات سننا اور فرمانبرداری کرنا واجب ہے دل چاہے یا نہ چاہے جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ سو جب گناہ کا حکم دیا گیا تو کوئی بات سننا نہیں اور کوئی فرمانبرداری نہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۵۷: ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گناہ گاری میں کوئی فرمانبرداری نہیں۔ فرمانبرداری صرف اچھے کام میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۱۹)

آج کل جو لوگ عہدے لے لیتے ہیں امارت سنبھال لیتے ہیں ان کو یہ تو خیال ہو جاتا ہے کہ ہم اولوالامر ہیں اور اس خیال کے مطابق وہ چاہتے ہیں کہ عام اور خواص ہماری اطاعت کریں لیکن خود یہ نہیں سوچتے کہ ہم جو حکم دے رہے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو نہیں ہے؟ خود بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہیں اور ماتحتوں سے بھی اللہ کی نافرمانی کراتے ہیں اور جب کوئی بات منوانی ہو اور جاہلی قانون کیمطابق کوئی فیصلہ کرنا ہو یا آرڈی ننس جاری کرنا ہو تو آیت مذکورہ بالا ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرا دیتے ہیں اور لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا فرمان واجب العمل ہے حضور اقدس ﷺ نے صاف طور پر فرما دیا کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں۔ جن لوگوں کو اقتدار حاصل ہو جائے وہ لوگ خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند رہیں اور دوسروں کو بھی شرعی احکام پر چلائیں۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلے کرے اور امانت ادا کرے، وہ جب ایسا کرے گا تو رعیت پر واجب ہوگا کہ اس کی بات سنیں اور فرمانبرداری کریں (معالم التنزیل صفحہ ۴۴۴: ج ۱)

اولوالامر سے کون مراد ہیں؟

اولوالامر سے امراء مراد ہیں حضرت ابو ہریرہؓ نے یہی فرمایا، اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابرؓ نے فرمایا ہے کہ اولوالامر سے فقہا اور علماء مراد ہیں جو لوگوں کو دینی احکام سکھاتے ہیں حضرت حسن اور حضرت مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ اولوالامر سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے مہاجرین و انصار اور تابعین بالاحسان مراد ہیں۔ (ذکرہ البغوی فی تفسیرہ صفحہ ۴۴۴، ۴۴۵: ج ۱)

مفسر ابن کثیر صفحہ ۵۱۸: ج ۱ فرماتے ہیں: والظاهر والله اعلم انها عامة فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء

(یعنی بظاہر آیت شریفہ کا عموم تمام اولی الامر کو شامل ہے امراء اور علماء بھی اولی الامر ہیں) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ میں نظام دین ہے ان کی فرمانبرداری بھی ضروری ہے اور امرا کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے دونوں فریق کی فرمانبرداری سے

دین کے تمام شعبوں پر عمل ہو سکتا ہے اور اتحاد باقی رہ سکتا ہے۔

رفع تنازع کیلئے کیا کیا جائے؟ پھر فرمایا فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ (پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو) آپس کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے اس آیت میں سب سے بڑا سنہری اصول بتایا ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ پر ایمان لے آئے اور آخرت کے دن کی پیشی اور وہاں کے حساب کتاب کو بھی جزو ایمان بنا لیا تو مومن کی شان یہ ہے کہ ہر معاملے میں اور ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرے آپس میں جب کوئی نزاع ہو جائے اس کو نبٹانے کے لئے ہر فریق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرے اور جو کتاب وسنت کا فیصلہ ہے اس پر راضی ہو جائے اور اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشاد کے سامنے ختم کر دے بہت سے لوگ جن میں رؤسا و وزراء امراء عوام وخواص سب ہی شامل ہیں اپنی رائے پر ضد کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جن کا کوئی دنیاوی نفع قرآن وحدیث کے فیصلے پر چلنے کی وجہ سے مارا جاتا ہے وہ بھی بس اپنے ہی دعوے کو دیکھتے ہیں مومن بندہ کا یہ طریقہ نہیں۔ مومن بندہ کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی رہے۔

مسلم حکومتوں کا غلط طریق کار: مسلمانوں کی حکومتیں ہیں صاحب اقتدار اسلام کے دعویدار ہیں اسمبلی میں قانون بناتے ہیں تو یورپ کے طرز حکومت کو سامنے رکھتے ہیں قرآن وحدیث کو سامنے نہیں رکھا جاتا، یورپین حکومتوں نے جو قوانین بنا رکھے ہیں انہیں میں کچھ رد وبدل کر کے قوانین نافذ کر دیتے ہیں۔ حدود اور جنایات کے احکام شریعت کے مطابق نافذ کرنے کو کہا جاتا ہے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں دیت اور قصاص کا قانون نافذ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو بات سننے کو تیار نہیں۔ کسی ملک میں اقتدار مل جاتا ہے تو دشمنوں کو خوش کرنے کے لئے اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا طریقہ کار نیشنل ازم ہوگا کوئی ملک اعلان کرتا ہے کہ ہم کمیونزم اور سوشلزم جاری کریں گے کچھ لوگ مغربی جمہوریت کے دلدادہ ہیں اور کچھ لوگ لادینی حکومت بنانے کا اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور اسلامی نظام نافذ کرنے سے شرماتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ طور طریق کہاں تک زیب دیتا ہے۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر چلیں اور عوام کو بھی چلائیں۔ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فرما کر اسی پر تنبیہ فرمائی ہے۔

یہ صورت حال مسلمانوں کے تقریباً تمام ہی طبقات میں ہے کہ جو حکم قرآنی اپنے فائدہ کے مطابق ہو دنیاوی رواج کے خلاف ہو اسے نہیں مانتے حاکم محکوم سرمایہ دار فیکٹری کے مالک مستاجر اور اجیر کسان اور مزدور سبھی اختلافات کے مواقع میں اپنے ذاتی منافع کو اور اپنی اپنی رایوں کو اور قبیلوں کے رواج کو سرداروں کے فیصلوں کو دیکھتے ہیں قرآن کی طرف دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔

بدعت اور سنت ہونے کا معیار: بہت سے امور ہیں جن کو ایک جماعت بدعت کہتی ہے اور دوسری جماعت ان کو امور دین بتاتی ہے ان اختلافات کا حل بالکل آسان ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع ہوں جو فیصلہ

قرآن وحدیث سے ملے اسی پر راضی ہو جائیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ بدعتوں کے جاری کرنیوالے ہیں۔ اور ان کے خوگر ہو چکے ہیں وہ آیات اور حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے اور اپنی جاری کردہ بدعت ہی کی پاسداری کرتے ہیں۔

فالی اللہ المشتکی و ھو المستعان

آخر میں فرمایا ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے) اس میں تنبیہ فرمائی کہ اپنی اپنی رایوں پر چلنے میں خیر نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میری رائے یا میری جماعت کی رائے بہتر ہے بہتر وہی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا انجام بہتر ہوگا خیر اور بہتری اللہ ہی کا قانون ماننے میں ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی فرمانبرداری میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا اور اس پر بھی ایمان لائے جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا

اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ شیطان کی طرف اپنا قضیہ لے جائیں حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے منکر ہوں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے دور

ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ

کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا گیا کہ آ جاؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور آ جاؤ رسول کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے

يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

کہ وہ آپ سے ہٹتے ہیں، پس کیا حال ہوگا جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے ان کے ہاتھوں کے کئے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے

ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا

پھر وہ آئے آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی کی صورت نکل آئے اور آپس میں موافقت ہو جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کچھ

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

ان کے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے۔ سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان کی ذاتوں کے متعلق ان سے ایسی باتیں کہہ دیجئے جو ان کے حق میں خوب زیادہ فائدہ مند ہوں اور ہم

رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

نے پیغمبر نہیں بھیجے مگر اسی لئے کہ بحکم خداوندی ان کی فرمانبرداری کی جائے اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت مانگتے

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

اور رسول ان کے لئے استغفار کرتا تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا پاتے۔

ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا

تفسیر: صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۴۴۶۷: ج۱) سبب نزول بتاتے ہوئے یہی ! ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور وہ یہ کہ بشر نامی ایک منافق تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ فیصلہ کرانے کے لئے کہیں جانا تھا۔ یہودی نے کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں ان سے فیصلہ کرالیں لیکن بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا۔ یہودی نے کہا کہ نہیں میں تو محمد علیہ السلام ہی کے پاس لے چلوں گا، جب منافق نے یہ دیکھا کہ یہ اور کسی جگہ جانے کو تیار نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دونوں حاضر ہوگئے آنحضرت ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا جب باہر آئے تو بشر منافق نے یہودی سے کہا کہ عمرؓ کے پاس چلیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے یہودی نے پورا واقعہ سنایا اور بتادیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ فرمادیا ہے اور اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ اندر تشریف لے گئے اور اندر سے تلوار لے کر نکلے جس سے بشر منافق کو انہوں نے قتل کردیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے اور اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہو ہمارے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمرؓ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کرکے دکھادیا اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔

غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت: واقعہ مذکورہ کے علاوہ کتب تفسیر میں سبب نزول بتاتے ہوئے بعض دیگر واقعات بھی لکھے ہیں۔ سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت مذکورہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر بھی ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی کتب سابقہ پر بھی ایمان لائے۔ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب کوئی قضیہ درپیش ہوجائے اور فیصلہ کرانا پڑے تو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے موافق فیصلہ کرانے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ مقدمہ ایسے لوگوں کے پاس لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن سے امید ہو کہ غیر اسلامی قانون کو سامنے رکھ کر یا رشوت لے کر ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ کردیں یوں تو بڑے زور شور سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب معاملات اور خصومات کا موقعہ سامنے آتا ہے تو طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ لفظ طاغوت شیطان کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں قرآن مجید میں یہ لفظ کعب بن اشرف یہودی کے لئے استعمال فرمایا ہے جو بہت بڑا یہودی شیطان تھا۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی بھی شیطان کی بات نہ مانیں اور ہر غیر اسلامی قانون سے پرہیز کریں جس کو وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ میں بیان فرمایا، لیکن دنیا کے غلام اور مادی منافع کے طالب اسلام کے مدعی ہونے کے باوجود ان لوگوں سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں جو اسلامی قوانین کے خلاف ان کے حق میں فیصلہ کردیں جب کوئی شخص یہ راہ اختیار کرے گا تو شیطان اس کو راہ حق سے ہٹادے گا، اور اسے دور پھینک دے گا اور اسی کو فرمایا وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا.

بشر منافق کا جو واقعہ پیش آیا اس کو الفاظ کے عموم میں اس طرح بیان فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْداً کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آ ؤ جو اللہ نے نازل کیا اور اللہ کے رسول کی طرف آ ؤ تو منافقین رسول کے پاس آنے سے بچتے ہیں اور کٹتے ہیں، مسلمان ہونے کے دعوے تو بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں لیکن فیصلے کرانے کے لئے کسی دوسرے کا منہ دیکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو حَکم بنانے کی بجائے دوسروں سے فیصلہ چاہتے ہیں، اس طرح کے لوگ بشر کے علاوہ بھی پائے جاتے ہیں اس لئے آیت شریفہ میں عام الفاظ استعمال فرمائے تا کہ سب کو تنبیہ ہو جائے۔

منافق مذکور کے قبیلہ والوں کی غلط تاویلیں: صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کو حضرت عمرؓ نے قتل کر دیا تھا اس کے ورثاء خون کا بدلہ طلب کرنے کے لئے حاضر ہو گئے اور جب ان کے سامنے یہ بات لائی گئی کہ تمہارا آدمی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سن کر دوبارہ فیصلہ کرانے کے لئے اپنے ساتھی یعنی یہودی کو حضرت عمرؓ کے پاس کیوں لے گیا اور حضور اقدس ﷺ کے فیصلے سے کیوں ناراض ہوا جو سراسر کفر ہے تو وہ اپنے آدمی کے اس عمل کی تاویلیں کرنے لگے۔ ان کی ان باتوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (الآیہ) کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچ جائے تو آپ کے پاس (مدد طلب کرنے کے لئے) آئیں اور قسمیں کھا کھا کر کہیں کہ بشر والے معاملے میں ہم لوگوں کا مقصد اچھی صورت نکالنا اور باہمی رضامندی کے ذریعہ موافقت پیدا کرنا تھا۔ دل سے ہم کسی غیر کے فیصلے پر راضی نہ تھے۔ جو کچھ تھا اوپر اوپر سے تھا اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے لیکن عذر کوئی فائدہ نہ دے گا۔ ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا لہٰذا کوئی معذرت قابل قبول نہ ہوگی۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (الآیۃ) کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کا حال معلوم ہے وہ ان کو سزا دے گا، آپ ان سے اعراض کریں زجر و توبیخ نہ کریں ہاں ان کو نصیحت کرتے رہیں جو ان کی ذاتوں کے بارے میں ہو اور انتہائی وضاحت کے ساتھ ان سے ایسی باتیں فرمائیں جو مؤثر ہوں راہ حق پر لانے والی ہوں۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ کا ایک مطلب تو مفسرین نے یہی بتایا ہے جو ابھی اوپر بیان ہوا کہ ان سے اعراض کریں اور زجر و توبیخ سے کام نہ لیں اور دوسرا مطلب یہ بتایا ہے کہ ان کا عذر قبول کرنے سے اعراض فرمائیں اور انہوں نے جو بشر مقتول کے خون کا دعویٰ کیا ہے اس طرف توجہ نہ فرمائیں کیونکہ اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں نیز وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ان کی ذاتوں کے بارے میں انہیں نصیحت فرماتے رہیں اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کو تنہائی میں نصیحت فرمائیں کیونکہ تنہائی میں سمجھانا نصیحت قبول کرنے کے لئے زیادہ قریب تر ہوتا ہے۔

(از ابن کثیر صفحہ ۵۱۹: ج ۱، روح المعانی صفحہ ۶۹: ج ۵)

رسول کی رسالت اطاعت ہی کے لئے ہے: جن لوگوں نے اپنے عمل کی تاویلیں پیش کیں اور جھوٹے عذر سامنے لاکر رسول اللہ ﷺ کو خوش کرنے لگے، ان کے لئے مزید تنبیہ فرمائی اور توبہ و استغفار کی طرف متوجہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا اسی لئے بھیجا کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے رسول کا کام اللہ کے احکام پہنچانا ہے اور رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔ جن لوگوں نے طاغوت کی طرف مقدمہ لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمادیا اس سے راضی نہ ہوئے اور حضرت عمرؓ کے پاس پھر سے مقدمہ پیش کرنے کی ضد کی اس میں سراسر اللہ کے رسول کی اور اللہ کی نافرمانی ہے، نافرمانی کے باعث بشر منافق تو مقتول ہوگیا لیکن اس کے متعلقین نے جو اس کے عمل کی تاویل کی اور عمل شر کو عمل خیر بنانے کی کوشش کی ان لوگوں نے بھی اللہ کی نافرمانی کی۔ ان کو چاہئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور آپ بھی ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا فرماتے تو اس طرح ان کی مغفرت اور بخشش کی صورت بن جاتی۔ توبہ صحیح کے بعد اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتا ہے۔ خواہ تنہائی میں توبہ کی جائے یا مجمع میں، لیکن خاص طور سے ان لوگوں کے لئے یہ فرمانا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور آپ بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو اللہ کو تواب اور رحیم پالیتے۔

اس سے جو خدمت عالی میں حاضر ہونے کی شرط مفہوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ انہوں نے آپ کے منصب نبوت پر حملہ کیا اور آپ کے فیصلے کو نظر انداز کرنے کا تاویلوں کے ذریعہ جواز نکالا اور آپ کو دکھ پہنچایا اس لئے ان کے جرم کی توبہ کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے توبہ کریں اور یہ بھی کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں۔ پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ طریقے پر اور اعلانیہ گناہ کی توبہ اعلانیہ طور پر ہو یہ توبہ کا اصول ہے۔ ان کی حرکت معروف و مشہور ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کو ان سے دکھ پہنچ گیا۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر اللہ کے حضور میں توبہ کریں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ جو ان کے آپس کے جھگڑے ہوں ان میں آپ کو فیصلہ کرنے والا بنا کر آپ کے فیصلہ سے

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

اپنے دلوں میں کسی بھی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں اور پورا پورا تسلیم کرلیں۔

رسول اللہ کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کئے بغیر مومن نہ ہوں گے

تفسیر: صحیح بخاری کتاب التفسیر صفحہ ۶۶۰: ج ۱ میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ حضرت زبیر بن العوامؓ کا ایک انصاری سے کاشت کے سیراب کرنے کے سلسلے میں جھگڑا ہوگیا۔ دونوں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے (پانی کا بہاؤ کچھ اس طرح سے تھا کہ پہلے حضرت زبیرؓ کی زمین پڑتی تھی) آپ نے فرمایا کہ اے زبیر تم اپنی کھیتی کو سیراب کرلو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ اس انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس لئے آپ نے اس کے حق میں فیصلہ دیا اور اس کو ترجیح دیدی، رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا اے زبیر تم اپنی زمین کو سیراب کرو اور پانی کو یہاں تک روک لو کہ تمہاری کیاریوں کے اوپر تک آ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو، آنحضرت ﷺ نے اس انصاری کے غصہ دلانے والے کلمات کی وجہ سے زبیر کو ان کا صاف صاف پورا حق دلا دیا، حالانکہ آپ نے پہلے ایسی بات فرمائی تھی جس میں دونوں کے لئے گنجائش تھی۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ آیت فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ میرے ہی بارے میں نازل ہوئی (مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر جب فریق مقابل راضی نہیں ہوا بلکہ اعتراض بھی کر دیا کہ آپ نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کو ترجیح دے دی تو اس پر تنبیہ فرمانے کے لئے آیت شریفہ نازل ہوئی) حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر کو اپنی زمین کو سیراب کرنے کا حق پہلے اس لئے دیا کہ ان کی زمین پہلے پڑ رہی تھی اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ پہلے اپنی کیاریوں میں اوپر تک پورا پانی بھر لینا بلکہ صرف اتنا فرما دیا تھا کہ تم اپنی زمین سیراب کر کے اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دینا۔ لیکن انصاری نے جب ایسی بات کہہ دی جو اوپر مذکور ہوئی تو آپ نے زبیر کو ان کا پورا پورا حق دے دیا کہ پہلے تم اچھی طرح سیراب کرلو پھر پانی چھوڑ دو۔ پہلا فیصلہ انصاری کے حق میں بہتر تھا اس نے یہ تو نہ دیکھا کہ زبیر کو پوری کیاریاں پر کرنے کو نہیں فرمایا ہے بلکہ یہ دیکھ لیا کہ ان کو پہلے اپنی زمین سیراب کرنے کا حق دے دیا۔

آیت بالا میں مستقل یہ قانون بتا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر دل و جان سے راضی ہونا یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کا کوئی فیصلہ سامنے آ جائے تو اس کے خلاف اپنے نفس میں ذرا بھی کچھ تنگی محسوس نہ کرے۔ سبب نزول خواہ وہی ہو۔ جو حضرت زبیرؓ نے بیان فرمایا لیکن آیت کے عموم نے بتا دیا کہ جب کبھی بھی کوئی واقعہ پیش آ جائے جہاں ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کرتا ہو اور ان کے جھگڑے مٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ موجود ہو تو ہر فریق دل و جان سے اسی پر راضی ہو جائے۔ ذرا سا بھی کوئی تکدر اور میل اپنے دل میں نہ لائے۔ بہت سے لوگ جو اپنے معاملات اور مخاصمات میں غیر اسلامی قوانین کی طرف دوڑتے ہیں اور ان کے سامنے قرآن و حدیث کا فیصلہ لایا جاتا ہے تو اس سے راضی نہیں ہوتے ایسے لوگ اپنے ایمان کے بارے میں غور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا میں قسم کھا کر خوب واضح طریقے پر بتا دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کو اپنے جھگڑوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں اور فیصلہ کرا کر آپ کے فیصلے پر دل و جان سے راضی نہ ہوں اور پوری طرح فیصلے کو تسلیم نہ کرلیں تو ایسے لوگ مومن نہ ہوں گے، جب تک آنحضرت سرور عالم ﷺ اس دنیا میں تھے اس وقت تک آپ کی ذات اطہر سامنے تھی اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد قرآن مجید اور آپ کی احادیث موجود ہیں۔ اب ان کو سامنے رکھ کر اپنے فیصلے چکائیں اور جو مسلمان قاضی اور حاکم ہیں انہیں کے مطابق فیصلے کریں۔ اگر ایسا نہ کریں گے قرآن مجید کی تصریح کے مطابق لَا یُؤْمِنُوْنَ کا مصداق ہوں گے۔

دور حاضر کے لوگوں کی بدحالی: لوگوں کے ذہن مغرب کے بنائے ہوئے ظالمانہ قوانین سے اس قدر مغلوب اور مانوس ہو چکے ہیں کہ ان کے مطابق ظالم بننے اور مظلوم بننے کو تیار ہیں لیکن اسلام کے عادلانہ قوانین پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ زنا کاری کے عام ہو جانے پر خوش ہیں چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں جنہیں بھگتتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ان قوانین کو نہ صرف دل سے برا جانتے ہیں بلکہ صاف الفاظ میں ظالمانہ کہہ کر کفر اختیار کر لیتے ہیں اگر چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اور زانیوں کو سنگسار کرنے اور کوڑے لگانے کی حد جاری کی جائے اور شراب پینے والوں کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈاکوؤں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سورہ مائدہ میں مذکورہ ہے کہ ان کو (حسب واردات) قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا جیل میں ڈالا جائے اور قاتلوں سے قصاص دلایا جائے اور دیت کے احکام نافذ ہوں تو یہ جھگڑے فسادات چوریاں، ڈکیتیاں اور زنا کاری کا وجود ختم ہو جائے۔ کہنے کو مسلمان ہیں لیکن احکام قرآنیہ پر راضی نہیں، کافروں کے قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور فیصلے کراتے ہیں ایسے لوگ غور کر لیں ان کا کیا دین و ایمان ہے، آیت بالا میں فرمایا کہ مومن ہونے کے لئے صرف یہی شرط نہیں ہے کہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے رسول اللہ ﷺ سے کرائیں بلکہ یہ بھی شرط ہے کہ آپ کے فیصلے پر دل میں ذرا سی بھی تنگی محسوس نہ کریں۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرو یا یہ کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر عمل نہ کرتے

قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۟ۙ﴿۶۶﴾

مگر تھوڑے سے لوگ، اور اگر وہ لوگ ان کاموں کو کرتے جن کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ ان کے ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا عمل ہوتا

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۟ۙ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

اور اس وقت ان کو ہم اپنے پاس سے ضرور اجر عظیم عطا کرتے اور ہم ان کو سیدھے راستے پر چلاتے

جانوں کے قتل کرنے اور گھروں سے نکلنے کا حکم ہوتا تو تھوڑے افراد عمل کرتے

تفسیر: اوپر کی آیات میں یہ بتایا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر فیصلے پر بلا چون و چرا اچھے دل سے راضی ہو اور دل میں ذرا سی بھی تنگی محسوس نہ کرے۔ اور اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کو جو حکم دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کریں اور آپ کے حکم کو تسلیم کریں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں یہ کوئی ایسی مشکل چیز نہیں ہے جس پر عمل نہ ہو سکے۔ اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرو (جیسا کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے بطور توبہ جانوں کے قتل کرنے کا حکم ہوا تھا) یا یہ حکم دیتے کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ (جیسا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کا حکم ہوا تھا) تو اس پر عمل نہ کرتے مگر تھوڑے سے افراد۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ

یا رسول اللہ اگر مجھے حکم دیں کہ اپنی جان کو قتل کروں تو میں ضرور ایسا کر گذروں گا۔ آپ نے فرمایا اے ابوبکرتم نے سچ کہا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اگر یہ چیز فرض کی جاتی تو یہ بھی انہیں قلیل افراد میں سے ہوتے جو اس پر عمل کر لیتے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں بھی آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا، حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ میں سے چند حضرات نے کہا کہ اگر یہ ہمیں حکم ہوگا تو ہم ضرور عمل کر لیں گے۔ ان لوگوں کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچ گئی آپ نے فرمایا کہ ایمان ان کے قلوب میں مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ جما ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہمیں عافیت سے رکھا اگر ہمیں حکم ہوتا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں تو ہم ضرور ایسا کر لیتے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ میری امت میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان جمے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں۔ (روح المعانی صفحہ ۷۲: ج ۵ معالم التنزیل)

بعض آثار میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت زبیرؓ زمین کی سیرابی والے قضیہ کا فیصلہ کرا کر واپس ہو رہے تھے تو حضرت مقدادؓ پر ان کا گذر ہوا حضرت مقدادؓ نے پوچھا کہ کس کے لئے فیصلہ ہوا۔ انصاری نے اپنا منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا کہ اپنی پھوپھی کے بیٹے کے لئے فیصلہ کر دیا وہاں ایک یہودی بھی موجود تھا اس نے بات کو سمجھ لیا اور کہنے لگا کہ اللہ ان لوگوں کا برا کرے یہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے باوجود اگر آپ کوئی فیصلہ کر دیں اس میں آپ کو (جانبداری کی) تہمت لگاتے ہیں قسم اللہ کی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا انہوں نے توبہ کی دعوت دی اور توبہ کے سلسلہ میں جانوں کے قتل کرنے کا حکم دیا، تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر عمل کرتے ہوئے ہم لوگوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ مقتولین کی تعداد ۷۰ ہزار کو پہنچ گئی۔ اور اس سے ہمارا رب راضی ہو گیا۔ واقعہ مذکورہ ایک ہی انصاری کا تھا لیکن یہودی نے تمام انصار و مہاجرین پر طعن کر دیا اس پر ثابت بن قیسؓ اور ابن مسعود اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہمیں جان کے قتل کا حکم ہوگا تو ہم ضرور عمل کریں گے۔ یہودی کا یہ کہنا اور حضرات صحابہؓ کی طرف سے اس کا جواب دینا اس کی سند تو بیان نہیں کی گئی لیکن بشرط ثبوت آیت شریفہ کا ربط آیت سابقہ سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ (از روح المعانی صفحہ ۷۲: ج ۵)

جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ منافق تھا انصار کے کسی قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے اسے انصاری کہہ دیا گیا تھا۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (الآیہ) کہ اگر یہ لوگ اس پر عمل کرتے جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو دنیا و آخرت میں ان کے لئے بہتر ہوتا اور ان کو سختی کے ساتھ حق پر جمانے کا ذریعہ ہوتا، اور جب یہ اس پر عمل کر لیتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ہم ان کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کر دیتے اور ان کو سیدھے راستہ پر چلاتے (روح المعانی صفحہ ۷۴: ج ۵)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ

اور جو لوگ اللہ کی اور رسول کی فرمانبرداری کریں سو یہ ان اشخاص کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین

وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنیوالوں کیلئے بشارتِ عظیمہ

تفسیر: اوپر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہے یہاں بطور قاعدہ کلیہ فرمانبرداروں کا عظیم مرتبہ ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت حاصل ہو۔

صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۴۵۰: ج ۱) لکھتے ہیں کہ حضرت ثوبانؓ جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کو رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ محبت تھی اور آپ کی زیارت کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو ان کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا جس کی وجہ سے رنج وغم کا اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا رنگ کس چیز نے بدل دیا عرض کیا یا رسول اللہ نہ مجھے کوئی مرض ہے نہ کوئی تکلیف ہے صرف اتنی بات ہے کہ مجھے آپ کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہوا اور اس کے بغیر مجھے چین نہ آیا اور اپنے اندر بہت سخت وحشت محسوس کرتا رہا پھر مجھے آخرت یاد آ گئی اس پر یہ خیال آیا کہ میں وہاں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا کیونکہ آپ نبیوں کے درجات میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہو گیا تو آپ کے درجے سے نیچے کے درجے میں ہوں گا۔ اور اگر جنت میں داخلہ نہ ملا تو کبھی بھی آپ کو نہ دیکھ سکوں گا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معلوم ہوا کہ باوجود درجات مختلف ہونے کے اہل جنت کی آپس میں معیت اور ملاقات ہوگی۔

جس سے محبت ہو اسی کے ساتھ ہوں گے: حضرت ابن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے کسی قوم سے محبت کی اور (علم وعمل) کے اعتبار سے ان (کے مقام) کو نہ پہنچا اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **المرء مع من احب**، یعنی انسان اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے۔ (رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قیامت کب قائم ہوگی آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے (قیامت کے بارے میں سوال کر رہا ہے) یہ تو بتا کہ تو نے قیامت کے دن کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اس کے سوا کوئی تیاری نہیں کی کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، فرمایا تو اس کے ساتھ ہے جس سے تو نے محبت کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نعمت اسلام کے بعد کسی اور چیز سے مسلمانوں کو اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس بات سے خوشی ہوئی (کہ جو شخص جس سے محبت کرے گا اسی کے ساتھ ہوگا)۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶ عن البخاری)

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ **المرء مع من احب** (انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی) اس کے عموم میں دونوں باتیں داخل ہیں اچھوں سے محبت کی تو اچھوں کے ساتھ ہوگا، اور بروں سے محبت کی تو بروں کے

ساتھ ہوگا، نیز اس کا عموم دنیا و آخرت دونوں کے لئے شامل ہے۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بروں کے ساتھ برے لوگ ہوتے ہیں اور اچھوں کے ساتھ اچھے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح سے آخرت میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ہر ایک اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل**۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

(یعنی انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے)۔

جس نے نماز کی پابندی نہ کی قارون فرعون کے ساتھ ہوگا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا جس نے نماز کی پابندی کی وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی اور (اس کے ایمان کی) دلیل ہوگی اور اس کی نجات (کا سامان) ہوگی۔ اور جس نے اس کی پابندی نہ کی اس کے لئے نہ نور ہوگی نہ دلیل ہوگی اور نہ نجات کا سامان ہوگی، اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۵۹)

علماء حدیث نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز کی پابندی نہ کرنے والے کئی قسم کے ہیں کچھ لوگ مال کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے۔ یہ لوگ قارون کے ساتھی ہوں گے اور کچھ لوگ حکومت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ فرعون کے ساتھ ہوں گے اور کچھ لوگ ملازمت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ ہامان کے ساتھ ہوں گے (یہ شخص فرعون کا وزیر تھا) اور جو لوگ تجارت کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے وہ ابی بن خلف کے ساتھ ہونگے۔ یہ ایک مشرک تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قتل کیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح اچھے لوگ اچھے لوگوں کے ساتھ ہوں گے اسی طرح بدعمل برے لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

صاحب روح المعانی صفحہ ۷۸: ج ۵ پر لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی معیت کا جو آیت میں ذکر ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ درجات میں اختلاف نہ ہوگا اور یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ صرف دخول جنت کے اشتراک کو معیت سے تعبیر فرما دیا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ نیچے کے درجات والے اوپر کے درجات والوں کو بُعد مسافت کے باوجود دیکھ بھی سکیں گے اور زیارت بھی کر سکیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نیچے درجے والوں کو زیارت کے لئے اوپر جانے کی اجازت دی جائے اور بلند درجات والوں کو نیچے آنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنے بھائیوں کی زیارت کر لیں جو بھی صورت ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو مذکورہ بالا حضرات کی معیت نصیب ہوگی۔ ان حضرات سے جو قلبی محبت ہے وہ ان کی معیت کا ذریعہ بن جائے گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو بندوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کی اگرچہ ان میں سے ایک شخص مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں کو جمع فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ شخص جس سے تو میرے لئے محبت

کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۷)

حضرت ربیعہ بن کعب کا واقعہ:

حضرت ربیعہ بن کعبؓ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس رات گذارا کرتا تھا (یہ بعض احوال اور بعض اوقات کا بیان ہے) اور (رات کو جب آپ بیدار ہوتے تو) آپ کی خدمت میں وضو کا پانی اور دوسری چیزیں حاضر کر دیتا تھا (ایک دن آپ نے فرمایا کہ سوال کرلو (جو تم چاہتے ہو) میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اس کے سوا اور کچھ چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا میرا مقصود تو یہی ہے، آپ نے فرمایا اگر ایسی ہی بات ہے تو اپنے نفس کے خلاف میری اس طرح مدد کرو کہ سجدے زیادہ کرتے رہو (یعنی نفل نمازیں خوب زیادہ پڑھو)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۹۳: ج ۱)

معلوم ہوا کہ بلند درجات والوں کی معیت حاصل ہونے کے لئے اعمال صالحہ میں لگا رہنا چاہیئے اور نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی چیز ہے جتنی زیادہ نمازیں پڑھیں گے اتنے زیادہ سجدے ہوں گے اور سجدوں کی یہ کثرت معیت کا ذریعہ بنے گی۔ آرزو کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس انسان کو آگے نہیں بڑھنے دیتا اعمال صالحہ کرنے میں ہمت کرنی پڑتی ہے اور نفس سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اعمال صالحہ ایسے ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ان اعمال پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہدا کی معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانتدار تاجر نبیوں وصدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الترمذی فی البیوع)

جنت کے بالاخانے:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمایا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے زیادہ بہتر اور بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں (رواہ البخاری صفحہ ۱۱۰۴: ج ۲)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ (عام) جنتی بالا خانوں کے رہنے والوں کو اپنے اوپر اس طرح دیکھیں گے جیسے تم (دنیا میں) چمکدار ستارہ کو دیکھتے ہو جو آسمان کے کناروں میں مشرق یا مغرب کی جانب دور نظر آرہا ہو اور یہ ان کے آپس کے فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے رہنے کی جگہیں ہوں گی۔ جہاں اور کوئی نہ پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ وہ لوگ ان میں رہیں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔

(رواہ البخاری صفحہ ۴۶۱: ج ۱)

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان حضرات کو چار جماعتوں میں ذکر فرمایا اول حضرات انبیاء علیہم السلام، دوم

حضرات صدیقین یعنی وہ حضرات جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ جب نبی کی دعوت سامنے آئی فوراً لبیک کہا اور پھر آخر تک نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے جان و مال اور ہر طرح کی خدمات سے حاضر رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اسی لئے صدیق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت سنتے ہی فوراً تصدیق کی۔ ہر منصب کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اس وقت اپنے بعض غلاموں پر لعنت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا لَعَّانِيْنَ وَ صِدِّيْقِيْنَ (یعنی کیا لعنت کرنے والے صدیق ہو سکتے ہیں؟) پھر فرمایا كلا ورب الكعبه یعنی رب کعبہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں (یعنی لعنت کرنے کی صفت اور صدیقیت دونوں جمع نہیں ہو سکتے)۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سن کر اس دن اپنے بعض غلاموں کو آزاد کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب ایسا نہیں کروں گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵)

سوم شہداء یعنی وہ حضرات جنہوں نے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے دشمنان اسلام سے جنگ لڑی اور کافروں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے یہ بھی مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور ان کے بڑے درجات ہیں۔

چہارم صالحین یعنی وہ حضرات جن کے قلوب برائیوں سے دور ہیں اور نیکیوں کی طرف راغب ہیں۔ اخلاص کے ساتھ نیکیوں ہی میں لگے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ کوئی شخص صالح ہو اس کی طبیعت اور مزاج میں نیکی کرنا۔ پوری طرح اثر انداز ہو چکا ہو صالح ہونا بہت بڑا وصف ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اس صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ فرمایا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا میں عرض کیا تَوَفَّنِيْ مُسْلِماً وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (اے اللہ مجھے اس حال میں موت دے کہ میں مسلم ہوں اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دے)۔ چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس لئے یہاں وہ صالحین مراد ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہیں آیت کے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پر انعام فرمایا ہے وہ چار ہی قسم کے حضرات ہیں، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان ہی حضرات کی راہ پر چلنے کی دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اس میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔ کافر اور فاسق بھی ان سے منتفع متمتع ہوتے ہیں۔ لیکن اصل انعام وہی ہے جو مذکورہ اشخاص پر ہوا۔ کیونکہ ہدایت اور تعلق مع اللہ اور صلاح فلاح کا جو انعام ہے وہی حقیقی انعام ہے آخرت میں اس کی وجہ سے بلند درجات نصیب ہوں گے۔ دوسرے انعامات اور ان کے فوائد اسی دنیا میں رہ جائیں گے۔

آخر میں فرمایا وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا کہ مذکورہ بالا حضرات کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے۔ کیونکہ جنتوں میں ان کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ پھر فرمایا ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ کہ یہ مہربانی اللہ کی طرف سے ہے کہ اس نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کی توفیق دے دی اور اسی میں لگائے رکھا۔ یہاں تک کہ آخرت میں ان حضرات کا ساتھ نصیب ہوا جو اللہ کے مقرب بندے ہیں۔

آخر میں فرمایا وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا یعنی اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے، اسے ہر عمل کا پتہ ہے اور وہ عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ
اے ایمان والو! تم اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر نکل کھڑے ہو چھوٹی جماعتیں یا بڑی جماعتیں بنا کر، اور بلاشبہ تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو دیر لگاتے ہیں،
فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَھُمْ شَھِیْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ
سو اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر انعام فرمایا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ تھا اور اگر
اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ لَیَقُوْلَنَّ کَاَنْ لَّمْ تَکُنْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ مَوَدَّۃٌ یّٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ
تم کو اللہ کا فضل حاصل ہوجائے تو کہنے لگتے ہیں گویا کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی دوستی ہی نہیں اے کاش میں
مَعَھُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَۃِ
ان کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بڑی کامیابی حاصل ہوتی سو جو لوگ آخرت کے بدلہ دنیا والی زندگی کو اختیار کرتے ہیں
وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾
اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کردیا جائے یا غالب ہوجائے سو عنقریب ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے

دشمنوں سے ہوشیار رہنے اور قتال کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمنوں کی جانب سے چوکنے رہیں ہتھیار تیار رکھیں اور موقع کے مطابق نکل کھڑے ہوں، جہاں چھوٹی جماعتوں سے ضرورت پوری ہوتی ہو وہاں چھوٹی جماعتیں چلی جائیں اور جہاں بڑی جماعت کی ضرورت ہو وہاں بڑی جماعت چلی جائے۔

منافقوں کا طرز عمل: اس کے بعد منافقوں کے طرز عمل کا تذکرہ فرمایا، چونکہ منافقین مسلمانوں میں مل جل کر رہتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم میں بعض وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے جہاد میں جانے کی بات آتی ہے تو چونکہ اندر ایمان نہیں ہے، اس لئے ان پر جہاد شاق گذرتا ہے دل سے شرکت کرنا نہیں چاہتے اس لئے بددلی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ لَیُبَطِّئَنَّ باب تفعیل سے ہے اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنی جانوں کو روکتے ہیں اور جہاد کی شرکت سے پیچھے رہ جانے اور نکلنے میں

دیر لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دوسروں کو جہاد کی شرکت سے روکتے ہیں جیسا کہ غزوہ احد میں منافقین نے ایسا کیا تھا۔ چونکہ یہ لوگ صرف صاحب دنیا ہیں باہر سے مسلمانوں میں شریک ہیں اور اندر سے ان کے دشمن ہیں اس لئے ان کی زبانوں پر وہ باتیں آجاتی ہیں جو ان کے نفاق اور دل کی مرض کو ظاہر کر دیتی ہیں۔ جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے مجھے گھر میں بیٹھنے کے انعام سے نوازا اور میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ ہوا۔ جہاں ان لوگوں کو مصیبت پہنچی۔ اور جب مسلمانوں کو اللہ کا فضل شامل حال ہو جائے فتح یابی نصیب ہو جائے یا مالِ غنیمت مل جائے تو ایسے طور پر خود غرضی کے ساتھ کہ گویا مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ یوں کہتا ہے کہ ہائے کیا خوب ہوتا جو میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی مجھے بھی مال و دولت مل جاتا۔ چونکہ منافق دل سے مسلمانوں کا ساتھی نہیں اس لئے ان پر جو اللہ کا فضل ہوا اس فضل پر اسے خوشی نہیں۔ بلکہ اسے اس کا افسوس ہے کہ میں ساتھ نہ ہوا اور مال غنیمت سے محروم رہ گیا جو لوگ دل سے مسلمان ہیں وہ اگر کسی وجہ سے جہاد میں نہ گئے اور مسلمانوں کو کامیابی ہوگئی تو وہ اس پر ایسی ہی خوشی مناتے ہیں جیسا کہ ان کے ساتھ جاتے اور فتح یابی میں شریک ہوتے، منافق دنیا دار مال کا لالچی اس غم میں ڈوب رہا ہے کہ ہائے میں ان کے ساتھ نہ ہوا، اور اس کے نزدیک مال ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے نزدیک اعلائے کلمۃ اللہ اور کفر اور اہل کفر کی شکست سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس کے بعد فرمایا فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ یعنی جو لوگ طالب دنیا ہیں اپنی دنیا بنانے کے لئے آخرت کو چھوڑ رہے ہیں اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بھی مسلمانوں کی طرح سے اللہ کی راہ میں جنگ لڑیں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے گھروں سے نکلیں کفر کو دبائیں اور کافروں کو شکست دیں۔

هذا اذا كان شرى بمعنى اشترى يعنى الذين يختارون الدنيا على الاخرة وجاز ان يكون بمعنى يبيعون فيكون المراد من المصرصول المومنون و يكون المعنى ان صدهم المنافقون فليقاتلوا فى سبيل الله ولا يبالوا بالمنافقين الذين يصدونهم (یہ تب ہے جبکہ شریٰ اشتری کے معنی میں ہو یعنی وہ لوگ جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو پسند کرتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یشرون یبیعون کے معنی میں ہو اور موصول سے مراد مومن ہوں اور معنی یہ ہو کہ اگر منافق انہیں روکتے ہیں تو یہ اللہ کے راستہ میں لڑیں اور ان روکنے والے منافقوں کی پروا نہ کریں)

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت: اس کے بعد اللہ کی راہ میں قتال کرنے والوں کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے گا وہ خواہ مقتول ہو جائے خواہ غالب ہو جائے ہر حال میں اس کے لئے اجر عظیم کا وعدہ ہے اصل تو آخرت ہی کا اجر ہے اور دنیا میں جو مال غنیمت مل جائے وہ مومن کا مقصود نہیں وہ الگ سے اللہ کا فضل ہے اس میں منافقوں کو تنبیہ ہے کہ جب مسلمانوں کو مال غنیمت مل جاتا ہے تو افسوس کرتے ہیں کہ ہائے ہم ساتھ نہ ہوئے ہم کو بڑی کامیابی حاصل ہوتی حالانکہ مال بڑی کامیابی نہیں ہے آخرت کا اجر بڑی کامیابی ہے سچے دل سے ایمان قبول کر کے اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے دشمنوں سے لڑیں۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت مل جانے سے اجر ضائع نہیں ہوتا کیونکہ مومن مخلص کی نیت مال حاصل کرنے کی نہیں ہوتی وہ تو صرف اللہ کی رضا کے لئے لڑتا ہے۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ

اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ضعیفوں کی خاطر جن میں مرد اور عورتیں اور بچے ہیں

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ

جنگ نہ کرو جو یوں کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب نکال ہم کو اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور بنادے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایت کرنے والا

وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝۷۵ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنادے، جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝۷۶

وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، سو تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو بلاشبہ شیطان کی تدبیر ضعیف ہے

قتال کے دواعی ہوتے ہوئے قتال کیوں نہیں کرتے؟

تفسیر: اس آیت میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہ کرو۔ قتال نہ کرنے کا تو کوئی عذر ہے ہی نہیں قتال کرنے کا ایک بہت بڑا داعیہ موجود ہے اور وہ یہ کہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں جو لوگ ضعیف ہیں اور اپنے ضعف کی وجہ سے ہجرت کرنے سے عاجز ہیں اور...... مکہ معظمہ میں گھرے ہوئے ہیں اور مشرکین کے ظلم سے تنگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کررہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں جو شرک کی وجہ سے ظلم عظیم کے مرتکب ہیں اور اہل ایمان کو بھی تکلیفیں دے رہے ہیں، یہ ضعفاء مظلومین یہ دعا بھی کررہے ہیں کہ ہمارے رب ہمارا کوئی حمایتی بنادے اور ہمارا کوئی مددگار بنادے صاحب روح المعانی (صفحہ۸۲: ج۵) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی دعا قبول فرمائی۔ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا اور آپ نے ان سب ضعفاء کی مدد فرمائی۔ پھر آپ نے اپنے صحابی عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا والی بنادیا انہوں نے ان ضعفاء کی حمایت اور مدد کی یہاں تک کہ یہ لوگ سب سے زیادہ عزت والے ہوگئے۔

صحیح بخاری صفحہ۶۶۰: ج۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جن کا وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ میں ذکر ہے۔

جو حضرات ضعفاء تھے ہجرت نہ کرسکتے تھے اور مکہ معظمہ میں مشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے ان میں ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے نماز میں رکوع کے بعد کھڑے ہوکر (آخری رکعت میں) دعا فرمایا کرتے تھے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ۱۱۳) پھر یہ حضرات کافروں کی بندش سے آزاد ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوگئے تھے۔

مومن اور کافر کی جنگ میں نیتوں کا فرق: پھر مومن کافر کی جنگ کے مقاصد کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد

فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الآیۃ) یعنی جولوگ مومن ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ لڑتے ہیں ان کا مقصد صرف اللہ کو راضی کرنا اور اس کے دین کو بلند کرنا ہوتا ہے اور کافر جو جنگ لڑتے ہیں وہ طاغوت یعنی شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفر کو رواج دیں اور کفر کا غلبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ کہ شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ شیطان اپنے دوستوں کی مدد تو کرتے ہیں لیکن ان کی مدد اللہ کی مدد کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی جب مومن بندے اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے میدان میں نکلتے ہیں اور ان کو اللہ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے تو شیطان اور اس کے اولیاء راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کے مقابلہ میں عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور شیطان اور اس کی ساری تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں۔ بس اہل ایمان میں ایمان کی قوت اور اخلاص یعنی جہاد فی سبیل اللہ ہونا چاہیئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ

جنگ کرنا فرض کیا گیا تو اس وقت ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسا اللہ سے ڈرتے ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے

وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ

اور کہنے لگے کہ اے رب آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی ہم کو تھوڑی مدت کے لئے مہلت کیوں نہ دی آپ فرمادیجئے کہ دنیا کا نفع

الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

تھوڑا سا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو پرہیز گاری اختیار کرے اور تم لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا

قتال سے پہلو تہی کرنے والوں کا تذکرہ

تفسیر: لباب النقول ۷۴ میں بحوالہ نسائی اور مستدرک حاکم حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ان کے بعض ساتھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے) اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ہم جب مشرک تھے تو عزت میں تھے پھر جب ہم ایمان لے آئے تو ذلت والے ہو گئے۔ (لہٰذا ہمیں دشمنان دین سے جنگ کرنا چاہیئے) آپ نے فرمایا کہ مجھے معاف اور درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا جنگ نہ کرو پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ پہنچا دیا تو قتال کا حکم دیا اس وقت لوگ جنگ کرنے سے بچنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو جہاد اور قتال کا شوق رکھتے تھے اور اس کی اجازت چاہتے تھے۔ اس وقت ان سے کہا گیا تھا کہ ابھی قتال نہ کرو نمازیں پڑھتے رہو اور زکوتیں دیتے رہو لیکن جب قتال کا حکم آ گیا اور قتال فرض قرار دے دیا گیا تو وہی

لوگ جو قتال کی خواہش کرتے تھے ان پر بزدلی سوار ہوگئی اور بزدلی بھی معمولی نہیں۔ ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے خوف کھانے لگی جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے ہمارے رب آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ ہمیں تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو اچھا ہوتا۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ پہلے سے جہاد کا مطالبہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، ہر حال میں یہ الفاظ تو اعتراض کے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مومن کی شان نہیں عام مومنین بھی ایسی بات نہیں کہتے چہ جائیکہ حضرات صحابہؓ ایسا کہیں۔ اس کے جواب میں علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۴۵۲: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ منافقین نے کہے تھے (یہ بات جب صحیح ہوسکتی ہے جبکہ مدینہ منورہ میں بھی فرضیت جہاد سے پہلے جہاد کی اجازت طلب کی گئی ہو اور ایسا ممکن ہے کہ ہجرت سے پہلے بھی جہاد کا مطالبہ کیا گیا ہو اور ہجرت کے بعد بھی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ ان کے جواب میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ادائے زکوٰۃ کا بھی حکم ہے اور یہ معلوم ہے کہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی) علامہ بغوی نے دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ یہ قول ایسے مسلمانوں سے سرزد ہوا جو علم میں راسخ نہ تھے خوف اور بزدلی کی وجہ سے ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے بطور اعتقاد ایسا نہ تھا پھر بعد میں انہوں نے توبہ بھی کر لی، اور تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ جن لوگوں نے یہ بات کہی پہلے مومن تھے جب قتال فرض ہوا تو بزدلی کی وجہ سے منافق ہوگئے اور جہاد سے پیچھے رہ گئے۔

حبّ دنیا بزدلی کا سبب ہے: بہر حال جو بھی صورت ہو (اعتراض ہو یا صورت اعتراض) اس کا باعث بزدلی تھا اور بزدلی انسان پر حب دنیا کی وجہ سے طاری ہو جاتی ہے اگر آخرت کی محبت ہو (جو باقی رہنے والی ہے) اور حقیر دنیا سے بے رغبتی ہو تو لڑنا مرنا اور اللہ کے لئے جان دینا سب آسان ہو جاتا ہے اسی لئے ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ کہ آپ فرما دیجئے دنیا کا فائدہ ذرا سا ہے دنیا اول تو پہلے ہی تھوڑی ہے پھر اس تھوڑی میں سے بھی جس کو ملی ہے تھوڑی سی ملی ہے۔ اس ذرا سی دنیا کی وجہ سے آخرت کی رغبت نہ کرنا ناسمجھی ہے مزید فرمایا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (آخرت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو تقویٰ اختیار کرے) تقویٰ اختیار کرنے میں کفر و شرک سے بچنا اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچنا سب کچھ داخل ہے۔ اہل تقویٰ کے لئے آخرت ہی بہتر ہے اور دنیا (خواہ کتنی ہی زیادہ ہو) آخرت کی ذرا سی نعمت کے سامنے ہیچ ہے۔ پھر دنیا فانی ہے اسے ختم ہونا ہی ہے اور اس کے ختم ہونے سے پہلے دنیا والے ختم ہو جائیں گے اور آخرت ابد الآباد تک ہے۔ باقی کا فانی سے اعلیٰ اور افضل ہونا ظاہر ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا کہ تم لوگوں پر (فتیل کے برابر یعنی) ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا ہر عمل خیر پر پورا پورا بدلہ ملے گا بلکہ جس قدر عمل کیا چند در چند کر کے اس پر اجر عظیم عطا کیا جائے گا، پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ فتیل کھجور کی گٹھلی کے گڑھے میں جو تاگا ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے اور اہل عرب اسے حقیر چیز کے لئے بطور مثال پیش کیا کرتے ہیں۔

أَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ

تم جہاں بھی ہو تم کو موت پکڑ لے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں کے اندر ہو، اور اگر ان کو کوئی اچھی حالت پیش آجاتی ہے

يَقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ
تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری وجہ سے ہے،
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ
آپ فرما دیجئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، سوان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے، تجھے جو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے
مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ
سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو کوئی بری حالت پہنچ جائے سو وہ تیری طرف سے ہے اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾
اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا۔

تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت پکڑ لے گی

تفسیر: جو لوگ بزدلی اختیار کرتے ہیں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے سے کتراتے ہیں موت کے ڈر سے ایسا کرتے ہیں موت کا وقت مقرر ہے جب موت آئے گی مرنا ہی پڑے گا اور جہاں کہیں بھی ہوں موت پہنچ جائے گی۔

اس آیت میں فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہیں موت پکڑ لے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں کے اندر ہو، موت سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۴۵۳: ج ۱) لکھتے ہیں کہ آیت اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب غزوہ احد میں مسلمان شہید ہو گئے تو منافقین نے کہا کہ لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا (اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ وہ مرتے اور نہ مقتول ہوتے) اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی بات کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پکڑ ہی لے گی اگر مضبوط قلعے میں ہو تب بھی موت سے مفر نہیں۔

منافقوں اور یہودیوں کی احمقانہ باتیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ لوگ کہنے لگے کہ جب سے ان کی آمد ہوئی ہے ہمارے پھل کم ہوتے جا رہے ہیں اور کھیتوں کی پیداوار بھی گھٹتی جا رہی ہے انہیں جو کوئی تکلیف پہنچی یا پیداوار میں کمی ہوئی یا مہنگائی ہو گئی تو اسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کی طرف منسوب کر دیا ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ سب محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے آنے کی نحوست ہے، اچھی حالت کو تو انہوں نے اللہ کی طرف منسوب کیا اور جو کوئی چیزوں کی کمی یا مہنگائی کی زیادتی ہو گئی اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہ آپ فرما دیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ان سے فرما دیں کہ سب کچھ نعمت اور نقمت، خوشحالی اور بدحالی اللہ ہی کی طرف سے ہے، میرا اس میں کوئی دخل نہیں، نعمت تو محض اللہ کے فضل سے ہے اور نقمت و مصیبت کے آنے میں تمہاری بداعمالیوں کو بھی دخل ہے، لیکن ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہے۔

پھر فرمایا فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس نہیں پھٹکتے) باتوں کو سمجھتے تو کیا سمجھنے کے پاس بھی نہیں گذرتے ان کا جہل ان پر غالب ہے (روح المعانی صفحہ ۸۸: ج ۵)

پھر فرمایا مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (جو کچھ تجھے اچھی حالت پہنچ جائے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھے بدحالی پہنچ جائے وہ تیری طرف سے ہے) یہ خطاب ہر انسان کو ہے اور اس میں اچھی حالت بری حالت پیش آنے کا قانون بتا دیا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں جو بھی نعمت اور اچھی حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نیک اعمال کرنے سے بھی اللہ پر کسی کا کچھ حق واجب نہیں ہوتا۔ نیک اعمال پر جو نعمتوں اور برکتوں کے وعدے ہیں وہ سب اس کا فضل ہے اور جو کوئی نعمت یا مصیبت بدحالی انسان کو پہنچ جائے وہ انسان کے اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہے۔

سورہ شوریٰ میں فرمایا وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (جو کچھ تم کو دکھ تکلیف پہنچ جائے سو وہ تمہارے اپنے کئے ہوئے اعمال کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سے اعمال بد سے درگذر فرما دیتے ہیں) مصیبتیں آتی ہیں تو انسانوں کے اعمال کی وجہ سے لیکن اس میں مومن بندوں کو یہ فائدہ ہو جاتا ہے کہ ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

آخر میں فرمایا وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اس میں رسول اللہ ﷺ کے منصب عظیم یعنی رسالت کا بیان ہے، لفظ لِلنَّاسِ میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ تمام انسانوں کے لئے رسول ہیں اور وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا یہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ کی رسالت کا منکر ہو تو اس کے انکار سے آپ کے منصب رسالت میں کوئی فرق نہیں آتا، منکرین کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، آپ کی رسالت پر اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر گواہ ہے سب کے اعمال خیر و شر سے باخبر ہے وہ سب کا بدلہ دے دیگا۔ (روح المعانی صفحہ ۹۰۔۹۱: ج ۵)

یہ مطلب لینا بھی مضمون سابق کے مناسب ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۸۰

جو شخص فرمانبرداری کرے رسول کی تو اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے روگردانی کی سو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا

رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اللہ ہی کی فرمانبرداری ہے۔ معالم التنزیل (صفحہ ۴۵۵ ج ۱) میں اس کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ مَنْ اَطَاعَنِي

20 فقد اطاع اللّٰہ و من احبنی فقد احب اللّٰہ (جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی) تو بعض منافقین نے کہا کہ بس جی یہ آدمی تو یہی چاہتا ہے کہ ہم اسے رب ہی بنالیں۔ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو رب بنایا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ جس میں یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی ہی فرمانبرداری ہے کیونکہ آپ جو کچھ دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پیغام پہنچانے والے واسطہ سے جو پیغام پہنچے اور اس پر عمل کیا جائے وہ پیغام بھیجنے والے کے ہی کے حکم پر عمل کرنا ہوتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیغام لانے والا رب ہو جائے۔ نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے درجہ سے آگے بڑھادیا ان کو خدا کا بیٹا بتادیا اور ان کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔ کہاں نصاریٰ کی جہالت اور حماقت اور کہاں رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

فتنۂ انکارِ حدیث پر ایک نظر: دورِ حاضر میں جن لوگوں نے انکارِ حدیث کا فتنہ اٹھار کھا ہے آیت شریفہ میں ان کا بھی جواب ہے یہ لوگ عوام کو طرح طرح کی باتیں کر کے بہکاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قول رسول اللہ ﷺ حجت نہیں (العیاذ باللہ) قرآن مجید میں جگہ جگہ اطاعت رسول اور اتباع رسول کا حکم دیا ہے۔ اور آپ کو مقتدیٰ بتایا ہے اور فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (اور آپ کے بارے میں فرمایا ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (وہ حلال قرار دیتے ہیں ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں) قرآن مجید مجمل ہے تفصیلی احکام رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کو شرعی حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے۔ منکرین حدیث نے اہل قرآن ہونے کا لیبل تو لگالیا اور حقیقت میں قرآن و حدیث دونوں کے منکر ہیں جو قرآن ماننے کا دعویدار ہے وہ قرآن کی اس بات کو کیوں نہیں مانتا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع اور اقتداء فرض ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

آپ کا کام صرف ابلاغ ہے: پھر فرمایا کہ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (جو شخص روگردانی کرے آپ کی ہدایت قبول نہ کرے راہ حق اختیار نہ کرے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے ذمہ پہنچادینا ہے زبردستی عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں ہے) اگر کوئی شخص ایمان قبول نہ کرے تو آپ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وکما قال تعالیٰ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۔

صاحب معالم التنزیل اور صاحب درمنثور نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ یہ جہاد فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے جب کہ آپ کی بعثت کا ابتدائی زمانہ تھا بعد میں جہاد کا اور سختی کرنے کا حکم نازل ہوا۔ اور جن آیات میں قتال کا حکم ہے وہ اس مضمون کے لئے ناسخ ہو گئیں۔

نسخ کی بات اسی صورت میں صحیح ہے جبکہ آیت کا مضمون یہ ہو کہ ابھی جہاد و قتال نہ کرو اور اگر آنحضرت

ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہو کہ آپ ہدایت قبول نہ کرنے والوں کی طرف سے فکرمند نہ ہوں کیونکہ آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے قبول کرانا نہیں ہے تو منسوخ کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۖ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام بات ماننا ہے پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ اس بات کے خلاف کہتے ہیں جو وہ کہہ چکے تھے۔

وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا

اور اللہ لکھتا ہے جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں اور اللہ کافی ہے کارساز۔ کیا

يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر وہ اللہ کے سوا کسی غیر کے پاس سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے

منافقین کی ایک عادتِ بد کا تذکرہ

تفسیر: اس آیت میں منافقین کی ایک عادتِ بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے حکم سے کیسے باہر ہو سکتے ہیں ہمارا کام تو بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا ہے (ای امرنا و شاننا طاعة) علی انه خبر مبتداء محذوف پھر جب آپ کی مجلس سے باہر نکل جاتے ہیں ان میں سے ایک جماعت (یعنی ان کے رؤسا) راتوں کو اس بات کے علاوہ مشورے کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کی مجلس میں کہا تھا یعنی آپ کے ارشاد کے خلاف چلتے ہیں اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خلاف ورزی کے منصوبے بناتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ (اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں) وہ دنیا اور آخرت میں ان کے عمل کا بدلہ دے دے گا۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (ان سے اعراض کیجئے) اور ان سے بدلہ لینے کا فکر نہ کیجئے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور اللہ پر بھروسہ کیجئے) تمام امور اللہ کے سپرد کیجئے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا) وہی آپ کے سب کام بنائے گا، ان کے شر اور ضرر سے بھی محفوظ فرمائے گا (روح المعانی صفحہ ۹۲: ج ۵)

قرآن میں تدبر کرنے کی ترغیب: پھر فرمایا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (الآیہ) کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر قرآن میں غور و فکر کریں تو ان کو یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں جن کے رسول ہونے کی گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دی ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا اور اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ اور کہیں سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔ اس کی خبروں میں بھی تعارض ہوتا، اس کی نظم و بلاغت میں تفاوت ہوتا، بعض خبریں صحیح ہوتیں اور بعض غلط ہوتیں، کہیں معنیٰ فاسد ہوتا کہیں صحیح ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہے اس کے الفاظ، معانی اور اخبار میں کہیں کچھ کہنے اور انگلی رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ قرآن نے مقابلے میں ایک آیت لانے کا چیلنج کیا جواب تک قرآن میں موجود ہے اور اب بھی

سارے انسانوں کو چیلنج ہے، کوئی بھی اس کے مقابل نہ لا سکا اور نہ اس پر کوئی اعتراض کر سکا، اور اپنی بدفہمی سے جس کسی نے کوئی اعتراض کیا اس کا جواب اس کو قرآن ہی میں مل گیا۔ یا اہل دانش نے اس کا جواب دے دیا (روح المعانی صفحہ ۹۲۔۹۳: ج ۵)

قرآن میں تدبر کرنے کے اہل کون ہیں؟

آیت بالا میں تدبر قرآن کی دعوت دی گئی ہے جن لوگوں کو اللہ نے علم و فہم دیا ہے وہ قرآن میں تدبر کریں، ہر شخص اپنی اپنی فہم اور استعداد کے مطابق تدبر کر سکتا ہے اور جہاں کہیں کچھ سمجھ میں نہ آئے یا کوئی اشکال ہو تو اہل علم سے رجوع کرے۔ اہل فہم کے درجات مختلف ہیں اور تدبر کی صورتیں بھی مختلف ہیں معانی میں تدبر، حقائق و معارف کی تلاش، احکام و مسائل کا استنباط فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں اترنا اسلوب و بیان کو دیکھنا یہ سب تدبر میں آتا ہے حضرات ائمہ مجتہدینؒ نے خوب تدبر کیا مسائل کا استنباط کیا معارف و حقائق کو سمجھا۔ ان کے بعد دوسرے علماء بھی تدبر کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی قرآن سے مسائل کا استنباط اور اثبات کیا ہے۔

تدبر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذرا بہت عربی اور اردو پڑھے ہوئے لوگ جنہیں نہ صیغوں کی پہچان نہ علم الصرف کا علم نہ وجوہ اعراب کا پتہ نہ مشتق و مشتق منہ کی خبر نہ حروف اصلیہ اور زائدہ کا علم ان جیسے لوگ تدبر کرنے لگیں اور اپنے آپ کو علماء راسخین کے برابر سمجھ کر جو اپنی سمجھ میں آئی کو قرآن کا مطلب بتانے لگیں یہ تو ان کی جہالت ہوگی۔

تفسیر بالرائے کی قباحت:

لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن پر مولویوں کی ہی اجارہ داری کیوں ہے ہم اہل فہم ہیں اور اہل علم ہیں ہم بھی قرآن کا مطلب بتا دیتے ہیں، ان میں سے بعض جاہلوں نے رسول اللہ ﷺ ہی کو درمیان سے نکال دیا اور کہنے لگے کہ قرآن اللہ نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ہم خود سمجھ لیں گے رسول اللہ ﷺ کے بیان کی ضرورت نہیں (العیاذ باللہ) جو شخص قرآن لانے والے سے قرآن نہ سمجھے گا اور قرآن لانے والے کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کو درمیان سے نکال دے گا وہ تفسیر بالرائے کرے گا، تفسیر بالرائے گمراہی ہے بہت سے لوگ علم کے بغیر قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھے تو گمراہ ہو گئے اور اپنے اتباع و اذناب کو گمراہی میں ڈال گئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النار (کہ جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لے) اور حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا من قال فی القران برایه فاصاب فقد اخطاء کہ جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور ٹھیک کہا تب بھی اس نے غلط کام کیا۔ (رواہما الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵)

معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا ممنوع ہے، اگر کوئی بات ٹھیک بھی کہہ دی تب بھی خطا کی کیونکہ جو منصب اس کا نہیں تھا اس نے اس کو اختیار کر لیا، قرآن میں تدبر کریں تو تدبر کے قابل بنیں۔

رہی یہ بات کہ قرآن پر مولویوں کی اجارہ داری کیوں ہے تو یہ جاہلانہ سوال ہے جب علاج پر ڈاکٹروں کا قبضہ ہے اور قانون سازی پر قانون دانوں کا قبضہ ہے اور انجینئرنگ کے کاموں پر انجینئروں کا قبضہ ہے تو قرآن کے معانی اور مفاہیم

بتانے کے لئے قرآن کے عالم کا قبضہ کیوں نہ ہوگا؟ شاید کسی کے دل میں یہ خطرہ بھی گذرے کہ قرآن حکیم میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان کر دیا پھر اس کا تدبر اور سمجھنا سب کے لئے آسان کیوں نہیں؟ اس وسوسے کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن آسان ہے مگر اصول وقواعد کے ساتھ آسان ہے کوئی بھی آسان چیز اپنے قاعدوں اور اصولوں کے بغیر آسان نہیں ہوتی، مثلاً سب سے آسان کام حلوہ کا لقمہ نگل لینا ہے اور اسے آسانی کی مثالوں میں بیان کیا جاتا ہے مگر نگلنے سے پہلے چینی، سوجی، گھی وغیرہ کا انتظام کرنا بنانے اور پکانے کا طریقہ جاننا پھر قاعدے کے مطابق اسے تیار کرنا پھر لقمہ اٹھا کر منہ تک لے جانا تو بہرحال ضروری ہے، قرآن آسان تو ہے مگر عربی میں ہے، عربی سمجھنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے ان کے بغیر قرآن سمجھنے کا ارادہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نہ حلوہ بنانے کی چیزوں سے واقف ہو نہ حلوہ بنائے نہ منہ تک لے جائے مگر حلوہ کا لقمہ نگلنے کی مجنونانہ حرکت کرنے لگے، قرآن مجید کے اوامر ونواہی کا سمجھ لینا اور حرام وحلال جان لینا تو اس قدر آسان ہے کہ جس نے قرآن نہ پڑھا اس کے سامنے بیان کر دیئے جائیں تو وہ بھی سمجھ لے گا لیکن اول سے آخر تک پورے قرآن مجید کی تفسیر جاننا اور معارف ودقائق کا نکالنا، مجمل ومبہم کی تعیین کرنا، مشترک الفاظ کے معانی میں سے کسی ایک کو سیاق و سباق دیکھ کر طے کرنا اس کے لئے بہرحال عربیت کا بھرپور علم ہونا ضروری ہے۔

اس زمانہ کے جہلاء اپنی طرف سے قرآن کا مطلب بتانے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے اور جن کی عمریں قرآن فہمی میں ختم ہوگئیں، وہ لب کھولتے ہوئے لرزتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی احتیاط: حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ قرآن سے واقفیت رکھنے والا آنحضرت ﷺ کے بعد کون ہوسکتا ہے جب ان سے سورہ عبس کی آیت وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ اَوْ اَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِنْ قُلْتُ فِی کِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ (تاریخ الخلفاء) مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں اللہ کی کتاب کے بارے میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں۔

مفسر کی ذمہ داریاں: مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اولاً قرآن کی تفسیر خود قرآن شریف ہی میں تلاش کرے کیونکہ قرآن شریف میں اکثر ایسا ہے کہ ایک آیت کی توضیح وتفسیر دوسری آیات میں مل جاتی ہے، اگر کسی جگہ کی تفسیر قرآن شریف میں نہ ملے تو آنحضرت ﷺ کے ارشادات میں تلاش کرے کیونکہ سنت نبوی علی صاحبها الصلوٰة والتحیه) قرآن شریف کی مستند اور معتمد مفسر اور بہترین شارح ہے، ظاہر ہے کہ جس ذات گرامی پر قرآن کا نزول ہوا اس نے جو قرآن کی تفسیر کی ہو وہ سراسر حق ہوگی اور اس کے خلاف جو بھی شخص تشریح کرے گا وہ اور اس کی تفسیر مردود ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰهُ

اگر کسی آیت کی تفسیر حدیث شریف میں بھی نہ ملے تو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کرے کیونکہ یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے بعد قرآن شریف کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ حضرات صحابہؓ نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور ان قرائن واحوال سے باخبر تھے جو نزول قرآن کے وقت سامنے آتے رہتے تھے۔ پھر

آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے فہم کامل، علم صحیح اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضور اقدس ﷺ جیسا کہ اپنے صحابہ کو قرآن شریف کے الفاظ سکھاتے تھے۔ اسی طرح قرآن شریف کے معانی بھی بیان فرماتے تھے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم نے فرمایا کہ جب ہم آنحضرت ﷺ سے دس آیات سیکھتے تھے تو جب تک ان سے متعلقہ علم وعمل کو نہ جان لیتے تھے (دوسرے سبق کے لئے) آگے نہ بڑھتے تھے، قرآن اور قرآن کا علم وعمل ہم نے سب ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔

بے پڑھے مفسرین کو تنبیہ: یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو بھی آدمی کسی فن کی کتاب پڑھتا ہے (مثلاً حساب یا طب کی کتاب) تو ضرور بالضرور اس کے معانی اور مطالب کو اچھی طرح سمجھنے اور جاننے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے، کیا یہ ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کی مقدس کتاب کے معانی اور مطالب نبی اکرم ﷺ سے معلوم نہ کئے ہوں، حالانکہ قرآن کو نجات کا ذریعہ اور دونوں عالم کی صلاح وفلاح کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

قرآن وحدیث اور تفسیر صحابہ پر جسے عبور نہ ہوا ایسا شخص محض عربی دانی کے زور پر جو قرآن کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے گا ضرور گمراہ ہوگا، اور امت کو گمراہ کرے گا، قرآن کے صحیح مطالب واضح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عقیدہ اور عمل درست ہو، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو جن عقائد واعمال پر ڈالا تھا ان کا پابند ہو، فسق وفجور اور الحاد وزندقہ سے پاک ہو، قرآن پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کی نیت قرآن کو اپنے نظریہ اور خود ساختہ معنی پر چپکانے کی نہ ہو۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آجاتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر اس خبر کو پہنچا دیتے رسول کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو

الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

ان میں سے فہم رکھنے والے ہیں تو ان میں جو ایسے حضرات ہیں جو اس سے استخراج کر لیتے ہیں وہ اس کو جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور

رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے چند آدمیوں کے۔

غیر محقق بات کو پھیلانے کی مذمت اور خبروں کو اہل علم تک پہنچانے کی اہمیت

تفسیر: صحیح مسلم صفحہ ۴۸۰: ج ۱ میں ایک تفصیلی واقعہ ذکر کیا ہے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے طلاق دیئے بغیر کچھ عرصہ کے لئے) ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی تھی اس بات کی خبر لوگوں کو پہنچی تو اس کو طلاق پر محمول کر کے آگے بڑھانا شروع کر دیا اور یہ مشہور ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بارگاہ رسالت میں حاضری کی اجازت چاہی اجازت مل جانے پر خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور سوال کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! عرض کیا کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں

لوگ جمع تھے وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی آپ کی اجازت ہو تو میں ان کو بتادوں کہ آپ نے طلاق نہیں دی آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بتادو میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی (جس کا اوپر ترجمہ کیا گیا) لہٰذا میں ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس امر کا کھوج لگایا اور تحقیق کی کہ آپ نے واقعی طلاق دی ہے یا طلاق کی بات غلط مشہور ہوگئی۔

منافقین کی عادتِ بد کا تذکرہ:

علامہ بغویؒ معالم التنزیل صفحہ ۴۵۶: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مختلف علاقوں میں فوجی دستے بھیجا کرتے تھے۔ جب وہاں سے واپس ہوتے تو منافقین جلدی سے آگے بڑھ کر ان سے پوچھتے تھے کہ نتیجہ کیا ہوا آپ لوگ غالب ہوئے یا مغلوب ہوئے وہ حضرات باخبر کر دیتے تھے تو یہ لوگ رسول اللہ ﷺ تک بات پہنچنے سے پہلے اس خبر کو پھیلا دیتے تھے (اگر شکست و ہزیمت کی خبر ہوتی تو اس سے نقصان پہنچتا تھا کیونکہ) اس سے مومنین کے قلوب میں ضعف پیدا ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ جب ان کے پاس کوئی خبر امن کی (یعنی فتح اور غنیمت کی) یا کوئی خبر خوف کی (یعنی قتل اور شکست کی) پہنچ جاتی ہے تو اسے شہرت دے دیتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاتے اور ان لوگوں کے پاس لے جاتے جو صحابہؓ میں صاحب رائے حضرات ہیں تو ان میں جو اہل علم ہیں جو بات کو سمجھتے ہیں اونچ نیچ کو جانتے ہیں اس کی گہرائی میں اترتے ہیں وہ اس کو سمجھتے اور اپنے علم کے مطابق عمل کرتے جو چیز چھپانے کی تھی پھیلانے کی نہ تھی اسے آگے نہ بڑھاتے اور جو چیز آگے بڑھانے کی تھی اس کو آگے بڑھاتے اور پھیلا دیتے۔ رسول اللہ ﷺ اور اصحاب علم اور اصحاب رائے صحابہؓ تک پہنچانے سے پہلے ہی خبر کو اڑا دینے سے مسلمانوں کو نقصان ہونے کا اندیشہ تھا لیکن چونکہ منافقین کو مسلمانوں کی خیریت مطلوب ہی نہ تھی۔ اس لئے ذرا احتیاط نہ کرتے تھے ادھر بات کو سنا ادھر اس کو پھیلا دیا۔ بات کا نشیب و فراز کیا ہے اس طرف ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ لفظ یَسْتَنْبِطُوْنَ استنباط سے مضارع کا صیغہ ہے استنباط لغت میں زمین کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہاں بات کی تحقیق کرنے اور اس کی اونچ نیچ کو سمجھنے اور اس کی گہرائی میں اترنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ کا فضل اور رحمت:

پھر فرمایا وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَا تَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا (اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے چند آدمیوں کے) اللہ تعالیٰ نے دین اسلام بھیجا جو اس کا فضل ہے اور قرآن نازل فرمایا جو اس کی رحمت ہے ارشاد ہے کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب لوگ شیطان کے پیچھے لگ لیتے بجز چند افراد کے یہ چند افراد وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور نزول قرآن سے پہلے دین فطرت پر تھے اور توحید اختیار کئے ہوئے تھے شرک سے متنفر تھے جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہما مشرکین کے ماحول میں رہتے ہوئے عقل کی راہنمائی سے توحید اختیار کرنا بھی اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے لیکن چونکہ رسول کا بھیجنا اور کتاب کا نازل فرمانا خاص فضل اور خاص رحمت ہے اس لئے یوں فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب شیطان کا اتباع کر لیتے بجز چند لوگوں کے۔ (از معالم التنزیل صفحہ ۴۵۶: ج ۱)

فائدہ: (۱) آیت شریفہ کے ترجمہ اور سبب نزول سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بات سننے میں آئے تو اس کی تحقیق کی جائے۔ سنتے ہی اس کو آگے بڑھانا شروع نہ کردے کیونکہ غلط ہونے کا امکان ہے، ہر سنی ہوئی بات صحیح نہیں ہوتی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِباً اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سنے اسے آگے بیان کردے) (رواہ المسلم فی مقدمۃ) آج کل نہ صرف یہ کہ سنی ہوئی باتوں کے نقل کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں بلکہ خود خبریں گھڑی جاتی ہیں اور ان کو شائع کیا جاتا ہے اور جھوٹی خبروں کے ذریعہ پیسے کمائے جاتے ہیں۔ جماعتیں اور حکومتیں ایسے افراد مہیا کرتی ہیں جنہیں پیسے دے کر جھوٹی خبریں بنانے اور پھیلانے کے کام پر لگایا جاتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے جو قرآن مجید سے بالتصریح معلوم ہوئی کہ جو خبر سچی بھی ہو اس کے پھیلانے اور آگے بڑھانے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ سچی خبر کے پھیلانے سے بھی بعض مرتبہ نقصان پہنچ جاتا ہے۔ منافقین جنگ سے واپس آنے والے حضرات سے فتح اور شکست کی صورتحال معلوم کر کے پھیلا دیتے تھے۔ اس پر ان کو عتاب ہوا اور فرمایا کہ اگر اس کو رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رائے تک پہنچا دیتے تو وہ اس کی اونچ نیچ اور نشیب و فراز کو سمجھ لیتے پھر اس کو پھیلانا مناسب ہوتا تو پھیلا دیتے اور اس میں جو سمجھنے کی بات ہوتی تو اس کی تہہ تک پہنچ جاتے، بہرحال سننے میں پھر تحقیق کرنے میں پھر بات کے آگے بڑھانے میں احتیاط کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

فائدہ: (۲) علامہ بغویؒ معالم التنزیل صفحہ ۴۵۶: ج ۱ میں لکھتے ہیں:

وفی الآیۃ دلیل علی جواز القیاس فان من العلم ما یدرک بالتلاوۃ والروایۃ وھو النص ومنہ ما یدرک بالاستنباط وھو القیاس علی المعانی المودعۃ فی النصوص،

یعنی آیت بالا میں قیاس (فقہی) کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ علم کا ایک حصہ وہ ہے جو تلاوت اور روایت کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو نص (صریح) سے معلوم ہوتی ہیں اور علم کا ایک حصہ وہ ہے جو استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ استنباط ہی قیاس ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جو معانی نصوص میں موجود ہیں ان معانی پر غیر منصوص چیزوں کو قیاس کر لیا جائے، جو امور منصوصہ ہیں ان کے بارے میں اجتہاد و استنباط کی ضرورت نہیں اور نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس جائز بھی نہیں۔ البتہ جو حکم نصوص شریعہ میں نہ ملے اور امت کو ان کا حکم جاننے کی ضرورت ہو اس کے بارے میں اجتہاد، استنباط اور قیاس سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ حضرات ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم استنباط فرماتے تھے اور مقیس مقیس علیہ میں جو کوئی چیز جامع ہوتی تھی اس کو دیکھ کر قیاس کر لیتے تھے۔ جن لوگوں کو قرآن وحدیث کا بھرپور علم ہے اور اجتہاد کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے ان سے بھی مالا مال ہیں ایسے حضرات حوادث اور نوازل میں آج بھی اجتہاد کر لیتے ہیں لیکن ان کو یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے اس قسم کے معاملات اور حالات میں کیا رخ اختیار کیا۔ اگر ائمہ سلف کو نہ دیکھیں گے تو بے راہ ہو جائیں گے جیسا کہ بہت سے گروہ اجتہاد کے مدعی ہو کر راہ صواب سے ہٹ چکے ہیں ان لوگوں کا یہ عالم ہے کہ ان کے اندر نہ تقویٰ ہے نہ انہیں پورے قرآن مجید پر عبور ہے نہ صرف، نحو اور علم اشتقاق سے واقف ہیں نہ احادیث شریفہ کا ذخیرہ ان کے پیش نظر ہے مگر دعویٰ اجتہاد ہے ایسے لوگوں کے اجتہاد سے دور رہنا لازم ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن

سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ مکلف نہیں ہیں مگر اپنی جان کے، اور ایمان والوں کو ترغیب دیجئے، عنقریب اللہ

يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿٨٤﴾

کافروں کے زور کو روک دے گا اور اللہ بہت سخت ہے زور کے اعتبار سے اور بہت سخت ہے سزا دینے کے اعتبار سے۔

اللہ کی راہ میں قتال کیجئے، اہل ایمان کو ترغیب دیجئے

تفسیر: علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۴۵۷: ج ا میں لکھتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ابوسفیان سے (جو مشرکین مکہ کا سپہ سالار تھا) وعدہ فرمالیا تھا کہ ذیقعدہ میں بدر کے موقعہ پر پھر جنگ ہوگی، وعدہ کے مطابق جنگ کے لئے پیش قدمی کرنے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے لوگوں کو چلنے کے لئے دعوت دی اس پر بعض لوگوں کو ناگوار ہوا۔ لہٰذا اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اگر کوئی ساتھ نہ دے تب بھی جہاد نہ چھوڑیں آپ صرف اپنی جان کے مکلف ہیں اپنی جان کے ساتھ میدان میں حاضر ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا آپ سے نصرت کا وعدہ ہے اور مومنین کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں اور اس کا ثواب بتاتے رہیں۔ جو ساتھ ہوگا وہ ثواب پائے گا اس پر رسول اللہ ﷺ ستر سواروں کو لے کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی قتال کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے وعدہ فرمایا کہ عنقریب اللہ کافروں کے زور کو روک دے گا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ زور والا ہے دنیا میں جب اہل ایمان کی مدد فرمائے تو ان پر کوئی غالب ہونے والا نہیں اور دنیا و آخرت میں وہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔ (کافروں کے لئے سخت عذاب ہے)

مَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ

جو کوئی شخص اچھی سفارش کرے، اسے اس میں سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے اس کو

مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾

اس میں سے حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اچھی سفارش کا ثواب اور بری سفارش کا گناہ

تفسیر: اس آیت شریفہ میں شفاعت یعنی سفارش کرنے کی ترغیب دی ہے جبکہ سفارش اچھی ہو۔ اور سفارش کرنے پر وعید بھی بتائی ہے جبکہ سفارش بری ہو۔ جبکہ کسی کا مطلوب اچھا ہو تو اس کی سفارش کر دینا ثواب کا کام ہے سفارش سے صاحب ضرورت کا کام بن جائے گا اور سفارش کرنے والے کو ثواب مل جائے گا بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی بات پوری طرح نہیں پہنچا سکتے اور بات کو صحیح طریقے پر نہیں کہہ سکتے اور بہت سے لوگ اپنے علم و فہم او

رلسان و بیان کے اعتبار سے اپنا مقصد ادا کرنے پر قادر تو ہوتے ہیں لیکن جن لوگوں سے کام ہے ان لوگوں تک پہنچ نہیں پاتے دونوں قسم کے لوگوں کے لئے سفارش کردی جائے تو یہ بہت مبارک ہے اور ثواب کا کام ہے، ضروری نہیں کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا کام ہو ہی جائے البتہ سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اِشْفَعُوْا فَلْتُوْجَرُوْا وَیَقْضِی اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِ رَسُوْلِهٖ مَا شَاءَ (رواہ البخاری صفحہ ۸۹۱: ج ۲) یعنی تم سفارش کر دیا کرو تم کو ثواب دیا جائے گا اور اللہ اپنے رسول کی زبانی جو چاہے فیصلہ فرمائے گا، مطلب یہ ہے کہ تم سفارش کر کے ثواب لے لو جس کی سفارش میرے پاس لاؤ گے اس کا پورا ہونا نہ ہونا یہ دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو میرے ذریعہ سے کام ہو جائے گا اگر اس کا کام نہ ہوا تب بھی تمہارا ثواب تو کہیں نہیں گیا۔ شمائل ترمذی میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَاَبْلِغُوْنِیْ حَاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

یعنی تم اس شخص کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو جو خود اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا کیونکہ جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچا دے جو خود اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو ثابت قدم رکھے گا۔

جس طرح اچھی سفارش کرنے پر ثواب ہے اسی طرح بری سفارش کرنے پر گرفت ہے اور بری سفارش کرنا گناہ ہے کوئی شخص کسی گناہ کے کام میں لگنا چاہتا ہے کسی ایسے محکمہ میں ملازمت چاہتا ہے جو شرعاً حرام ہے سود یا قمار کا کاروبار کرنا چاہتا ہے حرام چیزیں بیچنے کے لئے دکان کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لئے سفارش کرنا حرام ہے اور یہ شفاعت سیئہ یعنی بری سفارش ہے بہت سے لوگ یہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارا عزیز قریب ہے یا کسی دوست کا لڑکا ہے اس کے لئے سفارش کر دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ کس مقصد اور کس عمل کے لئے سفارش کر رہا ہوں یہ عمل اور یہ مقصد حرام ہے یا حلال گناہ ہے یا ثواب؟ گناہ کی سفارش کر کے گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں جس کے لئے سفارش کی ہے وہ جب تک گناہ کا کام کرتا رہے گا اور اس کے زیر اثر جو لوگ گناہ کریں گے ان سب کے گناہ میں سفارش کرنے والے کی شرکت رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں جس کسی کی شفاعت حائل ہوگئی تو اس نے اللہ کا مقابلہ کیا اور جس نے باطل کے بارے میں جھگڑا کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ باطل ہے تو وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہے گا جب تک کہ باز نہ آجائے اور جس کسی نے کسی مومن کے بارے میں ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخیوں کے جسموں سے نکلنے والے خون پیپ میں ٹھہرا دے گا یہاں تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نکل جائے۔ (رواہ احمد وابوداؤد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۱۵)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے جرائم کی جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان کے رکوانے کے لئے سفارش کرنا حرام ہے، بنی مخزوم کی

ایک عورت نے چوری کرلی تھی قریش نے چاہا کہ اس کا ہاتھ نہ کٹے انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لئے آمادہ کیا جب وہ سفارش کرنے لگے تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا اتشفع فی حد من حدود اللہ (کیا تم اللہ کی مقرر فرمودہ حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو) پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ کوئی اونچے خاندان کا شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی (اعاذہا اللہ تعالیٰ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۰۳: ج ۲)

جس طرح گناہ کے کاموں کے لئے سفارش حرام ہے اسی طرح سے نااہل کے لئے بھی سفارش نہ کرے، کیونکہ جس شخص کو جو کوئی چھوٹا بڑا منصب یا عہدہ یا ملازمت دلائی جائے اگر وہ اس کا اہل نہ ہو تو اس میں حکومت کی اور عوام کی خیانت ہے اور نااہل کے لئے سفارش کر دینا غدر ہے اور فریب ہے، سفارش کرنے میں صرف اپنے اور پرائے ہی کو نہ دیکھے بلکہ حلال و حرام کو بھی دیکھے اور اہل اور نااہل کو بھی دیکھ لیا کرے۔

فائدہ: سفارش کی حقیقت اتنی سی ہے کہ جس شخص سے کام بن سکتا ہو اس سے کہہ دیا جائے کہ فلاں شخص کا کام کر دے یہ اچھا آدمی ہے صاحب ضرورت ہے لیکن جس سے سفارش کی جائے اس پر واجب نہیں ہو جاتا ہے جس کام کی سفارش کی گئی اسے کر ہی دے، سفارش کر کے ثواب لے لیں لیکن اگر وہ شخص کام نہ کرے تو اس کی طرف سے رنجیدہ ہونا صحیح نہیں۔ اور اسی سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ کسی طرح کا زور ڈال کر سفارش کرنا صحیح نہیں۔ جس شخص پر کوئی کام کرنا واجب نہیں وہ کرے یا نہ کرے خوشی کا سودا ہے، دباؤ ڈال کر کام کروانا سفارش کے اصول کے خلاف ہے۔

مسئلہ: کسی بھی طرح کی سفارش پر کسی طرح کی کوئی رقم یا ہدیہ لینا حلال نہیں اگر کچھ لے لیا تو وہ رشوت کے حکم میں ہوگا اور حرام ہوگا۔

اخیر میں فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے) اسے ہر چیز پر قدرت ہے وہ نیکی پر ثواب دے اور برائی پر عذاب دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ لفظ مقیتا کے بارے میں امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں: قیل مقتدرا و قیل حافظا و قیل شاهدا یعنی مقیت کا ترجمہ تینوں طرح کیا گیا، قدرت رکھنے والا، محافظت کرنے والا اور ہر چیز کی اطلاع رکھنے والا، مفردات القرآن میں تو اتنا ہی لکھا ہے لیکن معالم التنزیل میں اس کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہے کہ یوصل القوت الی کل حیوان یعنی وہ ہر حیوان کی طرف اس کی خوراک کو پہنچاتا ہے کہ یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ روزی تقسیم فرمانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اگر کسی کی سفارش نہ مانی گئی تو جس کے لئے سفارش ہے اس کی روزی میں کچھ فرق نہ پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو روزی جس کے لئے تقسیم فرما دی ہے وہ اسے ملنی ضرور ہے۔

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ۝۸۶

اور جب تمہیں کسی تحیہ کے ذریعہ دعا دی جائے تو تم اس سے اچھی دعا دے دو یا اسی کو لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

سلام اور جوابِ سلام کے احکام و مسائل

تفسیر: لفظ حُيِّيْتُم باب تفعیل سے بروزن سُمِّيْتُم صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور فَحَيُّوْا اسی سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مصدر تَحِيَّةٌ ہے اس کا اصل معنی ہے حیاکَ اللہ کہنا یعنی یہ دعا دینا کہ اللہ تجھے زندہ رکھے۔ یہ تو اس کا اصل لغوی معنی ہوا۔ پھر لفظ تحیۃ ملاقات کے وقت سلام کرنے کے لئے استعمال ہونے لگا کیونکہ سلام میں زندگی کے ساتھ سلامتی کی بھی دعا ہے۔ سورہ نور میں ارشاد فرمایا: فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً پھر جب تم گھر میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو دعا کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔

اس لئے بعض اکابر نے اِذَا حُيِّيْتُم کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے۔

سلام کی ابتداء: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کے اندر روح پھونک دی تو ان کو چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا ان کے رب نے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ فرمایا (اور فرمایا) کہ اے آدم ان فرشتوں کی طرف جاؤ جو (وہاں) بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو جا کر السلام علیکم کہو، حضرت آدم علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر السلام کہا تو فرشتوں نے اس کے جواب میں علیک السلام ورحمۃ اللہ کہا پھر وہ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ تحیہ ہے تمہارا اور آپس میں تمہارے بیٹوں کا (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۰۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں سلام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرشتوں کو جا کر سلام کہو، انہوں نے السلام علیکم کہا فرشتوں نے اس کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سلام تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو اس طرح ایک دوسرے کو دعا دیا کریں، اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی سلامتی ہے جب آپس میں ملاقات کریں تو ملاقات کرنے والا بھی سلامتی کی دعا دے یعنی السلام علیکم کہے اور جس کو سلام کیا وہ بھی اس کے جواب میں سلامتی کی دعا دے اور وعلیکم السلام کہے دونوں طرف سے لفظ سلام کے ذریعہ ہر وقت باسلامت رہنے کی دعا دی جائے یہ سلامتی کسی وقت اور کسی حال کے ساتھ مخصوص نہیں۔

ان کلمات کا تذکرہ جو غیر اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں: یہ جو بعض قوموں میں گڈ مورننگ اور گڈ ایوننگ اور گڈ نائٹ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ان میں اول تو سلامتی کے معنی کو پوری طرح ادا کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ ان میں انسانوں کے بارے میں کوئی دعا ہے ہی نہیں وقت کو اچھا بتایا جاتا ہے پھر اس سے بطور استعارہ انسانوں کی اچھی حالت مراد لی جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں دائمی سلامتی کی دعا نہیں ہے بلکہ اوقات مخصوصہ کے ساتھ دعا مقید ہے۔ اسلام نے جو ملاقات کا تحیہ بتایا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں (ملاقات کے وقت) یوں کہا کرتے تھے اَنْعَمَ اللّٰہُ بِکَ عَیْنًا (اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھے) اور اَنْعِمْ صَبَاحًا (تو صبح کے وقت میں اچھے حال میں رہے) اس کے بعد جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (رواہ ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے علاوہ ملاقات کے وقت دوسروں کے طریقے اختیار کرنا اور ان کے رواج کے مطابق کلمات منہ سے نکالنا ممنوع ہے جو لوگ انگریزوں کے طریقے پر گڈ مورننگ وغیرہ کہتے ہیں یا عربوں کے رواج کے مطابق صباح الخیر یامساء الخیر کہتے ہیں اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

دنیا کی مختلف اقوام میں ملاقات کے وقت مختلف الفاظ کہنے کا رواج ہے لیکن اسلام میں جو سلام کے الفاظ مشروع کئے گئے ہیں ان سے بڑھ کر کسی کے یہاں بھی کوئی ایسا کلمہ مروج نہیں جس میں اظہار محبت بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی اور ہر طرح کی آفات اور مصائب سے محفوظ رکھے لفظ السلام جہاں اپنا مصدری معنی رکھتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ شراح حدیث نے فرمایا ہے اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سلامتی دینے والا ہے تمہیں اس کے حفظ وامان میں دیتا ہوں وہ تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

سلام کی کثرت محبوب ہے: اسلام میں سلام کی کثرت بہت زیادہ مرغوب اور محبوب ہے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تک تم مومن نہ ہو گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور مومن نہ ہو گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو گے (پھر فرمایا) کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت پیدا ہو گی؟ پھر فرمایا آپس میں خوب سلام کو پھیلاؤ (رواہ مسلم صفحہ ۵۴: ج ۱) یہ سلام کا پھیلانا اور ایک دوسرے کو سلام کرنا ایمان کی بنیاد پر ہے جان پہچان کی بنیاد پر نہیں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان کو بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اِذَا لَقِیْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ کہ جب تو مسلمان سے ملاقات کرے اس کو سلام کر (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۳۳)

پھر جس طرح سلام کرنا حقوق مسلم میں سے ہے اسی طرح سلام کا جواب دینا بھی مسلم کے حقوق میں سے ہے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازوں کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا (یعنی جب وہ الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا) (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ج ۲)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے بہتر کون سا عمل ہے آپ نے فرمایا یہ کہ کھانا کھلایا کرے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان ہے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان نہیں ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶: ج ۱)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو سلام کرے اس کے بعد اگر درمیان میں کوئی درخت یا دیوار یا پتھر کے آڑ ہو جائے اور پھر ملاقات ہو جائے تو پھر سلام کرے (رواہ ابوداؤد)

راستہ کے حقوق: گھروں سے باہر اگر راستوں میں بیٹھیں تو راستے کے حقوق ادا کریں، رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ راستوں میں نہ بیٹھو اور اگر تمہیں راستوں میں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو عرض کیا یا رسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نظریں نیچی رکھنا (تا کہ کسی ایسی جگہ نظر نہ پڑے جہاں نظر ڈالنا جائز نہیں) اور تکلیف دینے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا، اور بھلی بات کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ج ۲)

کسی مجلس یا کسی گھر میں جائیں تو سلام کریں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مجلس میں پہنچو تو سلام کرو اور اگر موقعہ مناسب جانو تو بیٹھ جاؤ، پھر جب (روانہ ہونے کے لئے) کھڑے ہو تو دوبارہ سلام کرو چونکہ جس طرح پہلی مرتبہ سلام کرنے کی اہمیت تھی اسی طرح دوسری مرتبہ سلام کرنا اہم ہے۔ (ترمذی وابوداؤد)

حضرت قتادہؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے چلنے لگو تو انہیں سلام کے ساتھ رخصت کرو (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۹۹)

اپنے گھر والوں کو سلام:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے بیٹا! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو سلام کر، یہ چیز تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت کا ذریعہ بنے گی۔ (رواہ الترمذی)

ابتداء بالسلام کی فضیلت:

سلام ابتداءً خود کرنے کی کوشش کی جائے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **البادی بالسلام بریٔ من الکبر** یعنی جو شخص خود سے ابتداءً سلام کرے وہ تکبر سے بری ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۰)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے قریب تر وہ شخص ہے جو ابتداءً خود سلام کرے (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۵۰: ج ۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کثرتِ سلام محبوب اور مرغوب ہے اور سلام اور سلام کا جواب دینا مسلم کے حقوق میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کے گھر جائے تو گھر والوں کو سلام کرے اور جب وہاں سے چلنے لگے تب بھی سلام کرے کسی مجلس میں پہنچے تو اس وقت سلام کرے چلنے لگے تب بھی سلام کرے، کسی مجلس میں پہنچے تو اس وقت سلام کرے، چلنے لگے تب بھی سلام کرے، اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے۔

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص تمہیں سلام کرے تو تم اس کے سلام کا اس سے اچھا جواب دو یا (کم از کم) جواب میں اسی قدر الفاظ کہہ دو جتنے الفاظ سلام کرنے والے نے کہے ہیں اگر کسی نے السلام علیکم کہا ہے تو اس کے جواب میں کم از کم وعلیکم السلام کہہ دیا جائے تا کہ واجب ادا ہو جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے الفاظ پر اضافہ کر دیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب فرشتوں کو خطاب کر کے السلام علیکم فرمایا تو انہوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اگر سلام کرنے والا ورحمۃ اللہ بھی کہہ دے تو جواب دینے والا وبرکاتہ کا اضافہ کر دے۔

حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم آپ نے اس کا جواب دے دیا پھر وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو بیس نیکیاں ملیں۔ پھر تیسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو تیس نیکیاں ملیں ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ، آپ نے فرمایا اس کو چالیس نیکیاں ملیں اور یہ بھی فرمایا کہ اسی طرح فضائل بڑھتے جاتے ہیں۔

یہ حدیث سنن ابوداؤد میں ہے نیز سنن ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں ومغفرتہ کا ذکر نہیں ہے امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن بتایا ہے پھر فرمایا ہے وفی الباب عن ابی سعید وعلی و سہیل بن حنیف ؓ اور مفسر ابن کثیر نے (صفحہ ۵۳۱: ج۱) بحوالہ ابن جریر ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ جب ایک شخص نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا وَعَلَیْکَ اور فرمایا کہ تو نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ لہٰذا ہم نے اسی قدر واپس کر دیا جتنا تم نے کہا۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وبرکاتہ سے آگے سلام میں اضافہ نہیں ہے۔ مفسر قرطبی نے صفحہ ۲۹۹: ج۵ بھی یہی لکھا ہے کہ **فان قال سلام علیک ورحمة الله زدت فی ردک وبر کاته و هذا هو النهاية فلا مزيد** (اگر کوئی کہے اسلام علیک ورحمۃ اللہ تو تم اس کے جواب میں وبرکاتہ زیادہ کرو اور یہ انتہا ہے اس پر آگے کوئی زیادتی نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ برکاتہ سے آگے اضافہ نہیں ہے۔ صاحب درمختار نے کتاب الحظر والاباحہ میں لکھا ہے **ولا يزيد الراد على وبر كاته** یعنی جواب میں برکاتہ سے زیادہ نہ کہا جائے۔ سنن ابوداؤد میں جو سلام کرنے والے کی طرف سے ومغفرتہ کا اضافہ ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ برکاتہ سے آگے بھی اضافہ درست ہے لیکن جس روایت میں **و مغفرته** کا اضافہ آیا ہے سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اسی لئے فقہاء نے اس کو نہیں لیا۔ حضرت ابن عباس ؓ کے عمل سے بھی حضرات فقہاء کی تائید ہوتی ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ یمن کے ایک شخص نے ان کو سلام کیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ تک کہنے کے بعد کچھ اور اضافہ کر دیا تو حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا **ان السلام انتهى الى البر كة** (یعنی سلام برکت تک ختم ہو گیا) امام محمد ؒ نے بھی اپنے مؤطا میں حضرت ابن عباس والی روایت کو لکھا ہے پھر فرمایا ہے **وبهذا ناخذ اذا قال و بر كاته فليكفف فان اتباع السنة افضل** (یعنی ہم بھی اس کو اختیار کرتے ہیں کہ جب وہ برکاتہ تک کہہ دے تو ختم کر دے۔ کیونکہ سنت کا اتباع افضل ہے)۔

حافظ ابن حجر ؒ نے فتح الباری میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن سے وبرکاتہ پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن سب کے مجموعے سے ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے حافظ کی بات سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ وبرکاتہ پر اضافہ کرنا اگر مسنون نہیں تو بہر حال جائز تو ہے ہی واللہ تعالیٰ اعلم۔

چند مسائل

مسئلہ: سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے اور یہ ان چند چیزوں میں سے ہے جن میں سنت کا ثواب واجب سے بڑھا ہوا ہے۔

مسئلہ: جب کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے سلام کرے پھر اندر آنے کی اجازت مانگے۔ جس کے الفاظ حدیث شریف میں یوں آئے ہیں۔ السلام علیکم أأدْخُلُ (تم پر سلام ہو کیا میں داخل ہو جاؤں؟) تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت طلب کرے اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے۔ بغیر اجازت نہ کسی کے گھر میں داخل ہو نہ اندر نظر ڈالے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے لا تاذنوا لمن لم یبداء بالسلام (کہ اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو جو شروع میں سلام نہ کرے یعنی سلام کر کے اجازت نہ مانگے) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۰۔۴۰۱)

مسئلہ: جب کوئی شخص کسی کے ذریعہ سلام بھیجے تو سلام کے جواب میں سلام لانے والے کو بھی شریک کرے مثلاً یوں کہ عَلَیْکَ وَعَلَیْهِ السَّلَامُ ایک صحابی نے اپنے لڑکے کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سلام بھیجا تو آپ نے جواب میں فرمایا علیک و علی ابیک السلام (تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام) (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۵۴)

مسئلہ: جب دو آدمیوں میں رنجش ہو قطع تعلق ہو اور سلام کلام بند ہو تو دونوں کو چاہیئے کہ جلد سے جلد رنجش دور کریں تین دن سے زیادہ سلام کلام بند رکھنا حرام ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لئے یہ حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ ملاقات کر رہے ہیں تو یہ ادھر کو اعراض کر رہا ہے اور وہ دوسری طرف کو اعراض کر رہا ہے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے (رواہ البخاری صفحہ ۸۹۷: ج ۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ کسی مومن کیلئے حلال نہیں کسی مومن سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے جب تین دن گذر جائیں تو ملاقات کرے اور سلام کرے جس کو سلام کیا تھا اگر اس نے سلام کا جواب دے دیا تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو وہ گنہگار ہوا اور سلام کرنے والا قطع تعلق کے گناہ سے نکل گیا۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱۷: ج ۲)

تین دن تک قطع تعلق کی اجازت یہ آخری حد ہے اس سے پہلے ہی تعلق صحیح کرنے کی کوشش کر لیں اور نفس کو آمادہ کر لیں چونکہ نفس متکبر ہوتا ہے اور جھکنا نہیں چاہتا اس لئے جو شخص سلام میں پہل کرے اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے و خیر ھما الذی یبدا بالسلام یعنی ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (کما فی حدیث ابی ایوب)

مسئلہ: جو شخص سواری پر جا رہا ہو وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے اور تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۲: ج ۲)

مسئلہ: اگر بیٹھی ہوئی جماعت کو کسی نے سلام کیا تو ایک شخص کا جواب دے دینا کافی ہے اور گذرنے والوں میں سے اگر ایک شخص سلام کرے تو یہ بھی سب کی طرف سے کافی ہے۔ (سنن ابوداؤد۔ صفحہ ۳۵۲: ج ۲)

مسئلہ: نماز پڑھنے میں اگر کسی کو زبان سے سلام کرے یا کسی کے سلام کا زبان سے جواب دے اگر چہ بھول کر ہو

اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اور اگر نماز میں ہاتھ سے سلام کیا یا ہاتھ سے سلام کا جواب دیا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: نماز پڑھنے والے اور تلاوت کرنے والے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونے والے اور حدیث بیان کرنے والے اور خطبہ دینے والے اور خطبہ سننے والے اور علم دین پڑھنے پڑھانے میں جو شخص مشغول ہو اور جو شخص تلبیہ پڑھ رہا ہو اسی طرح جو قاضی قضا کے کام میں مشغول ہو ان سب کو سلام کرنا مکروہ ہے۔اسی طرح اذان دینے والے اور اقامت کہنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ان لوگوں کو کوئی شخص سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔

مسئلہ: جو لوگ شطرنج کھیل رہے ہوں یا اور کسی گناہ میں مشغول ہوں ان کو بھی سلام نہ کیا جائے جو شخص قضائے حاجت کے لئے بیٹھا ہو اس کو بھی سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ: کافر کو سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ: جوان عورتیں جو اجنبی ہیں یعنی محرم نہیں ہیں ان کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ: سونے والے کو اور جو شخص نشہ پئے ہوئے ہے ان کو بھی سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ: گانے بجانے والے اور کبوتر اڑانے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: فاسق معلن جو علانیہ گناہ کرتا ہو کو بھی سلام کرنا ممنوع ہے۔ (یہ مسائل در المختار اور رد المحتار صفحہ ۴۱۴۔۴۱۵: ج ۱ میں مذکور ہیں)

اس کے بعد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے) ہر شخص کو اس کا استحضار رہنا چاہیئے تا کہ ادائیگی حقوق میں کوتاہی نہ کرے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد (جس میں سلام کا جواب بھی داخل ہے) سب کی ادائیگی کرتا رہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ ضرور بالضرور قیامت کے دن تمہیں جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائے گا

تفسیر: اس آیت میں عقیدہ توحید اور عقیدہ حشر و نشر اور قیام قیامت کو بیان فرمایا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے دن میں کوئی شک نہیں وہ روز جزا ہے جس میں خیر و شر کا بدلہ دیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کی خبر دی ہے اور اس کی بات سے بڑھ کر کسی کی بات سچی نہیں لہٰذا یقین مانو اور عمل کرو۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ

سو منافقین کے بارے میں تم کو کیا ہوا کہ دو گروہ بن گئے اور اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں الٹا پھیر دیا کیا تم چاہتے ہو کہ اسے ہدایت پر لے آ ؤ جسے

أَضَلَّ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ 21

اللہ نے گمراہ کردیا اور جسے اللہ گمراہ کردے سو تو اس کے لئے کوئی راستہ نہ پائے گا ان کی خواہش ہے کہ کاش تم کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا پھر تم

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

سب برابر ہو جاؤ سو تم ان میں سے دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کے راستے میں، سو اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑو

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

اور ان کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ۔ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار مگر جو لوگ ایسے ہیں جو ان لوگوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں۔

اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

جن کے اور تمہارے درمیان عہد ہے یا تمہارے پاس اس حال میں آجائیں کہ ان کے دل تمہارے ساتھ اور اپنی قوم کے ساتھ جنگ کرنے سے رک

قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ

رہے ہوں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط فرما دیتا سو وہ ضرور تم سے لڑتے پس اگر وہ تم سے الگ رہیں سو تم سے قتال نہ کریں اور

اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

تمہارے ساتھ سلامت روی کا معاملہ رکھیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ نہیں دی، عنقریب تم دوسرے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہیں گے کہ

يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا

تمہاری طرف سے بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں۔ جب کبھی لوٹائے جائیں فتنے کی طرف تو اس کی طرف واپس لوٹ جائیں سو اگر وہ تم سے یکسو نہ ہوں اور

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا

تمہاری طرف سے سلامت روی کا معاملہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں سو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

تمہارے لئے ایسی حجت دے دی ہے جو واضح ہے۔

منافقوں اور دشمنوں کیساتھ کیا معاملہ کیا جائے

تفسیر: روح المعانی صفحہ ۱۰۷: ج ۵ میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہاں ان لوگوں کا بیان ہے جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم مہاجر ہیں پھر وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ ہم مکہ معظمہ جا کر اپنا تجارتی سامان لے آئیں تاکہ تجارت کیا کریں، مسلمانوں کا آپس میں ان کے بارے میں اختلاف ہوا ایک جماعت نے کہا کہ یہ منافق ہیں دوسری جماعت نے کہا کہ یہ مومن ہیں۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا نفاق کھول کر بیان فرما دیا۔ اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور ضحاک سے نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ

معظمہ ہی میں رہ گئے تھے انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان تو کیا لیکن ہجرت نہیں کی ان کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوا کچھ لوگوں نے ان سے میل محبت باقی رکھی اور کچھ لوگوں نے ان سے بیزاری ظاہر کر دی اور کہنے لگے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ آئے اور ہجرت نہیں کی لہٰذا ان سے ہماری بیزاری ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اس آیت میں بتا دیا کہ وہ لوگ منافق ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تک وہ ہجرت کر کے نہ آئیں ان سے دوستی کا تعلق نہ رکھیں۔

ان دو روایتوں کے بعد صاحب روح المعانی نے بحوالہ بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و احمد یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوہ احد کے موقعہ پر جب احد کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں سے کچھ لوگ واپس ہو گئے ان واپس ہونے والوں کے بارے میں حضرات صحابہؓ میں اختلاف ہوا ایک جماعت کہتی تھی کہ ان کو قتل کر دیں اور دوسری جماعت کہتی تھی کہ قتل نہ کئے جائیں اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث صفحہ ۶۶۰: ج ۲ پر ہے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں دو جماعتیں بن گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے واپس لوٹا دیا، اور ان کو گمراہ فرما دیا جسے اللہ نے گمراہ کر دیا کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ اس کو ہدایت دو؟ اور فرمایا کہ جسے اللہ گمراہ فرما دے اس کے لئے تم کوئی صحیح راستہ پا ہی نہیں سکتے اس کے بعد ان منافقین کے عزائم اور ارادوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور اس طرح سے وہ اور تم برابر ہو جاؤ ایسے نالائقوں کو دوست نہ بناؤ ہاں اگر فی سبیل اللہ ہجرت کر لیں جس سے ان کا ایمان متحقق ہو جائے تو ان سے دوستی کی جا سکتی ہے۔ ہجرت کو لفظ فی سبیل اللہ کے ساتھ مقید فرمایا کیونکہ جو ہجرت اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو دنیاوی اغراض کے لئے ہو وہ ہجرت معتبر نہیں ہے۔ (آیات کا پورا مضمون سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات تینوں قسم کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن تمام احکام سب کے بارے میں نہیں ہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں جو منافق تھے ان کو قتل نہیں کیا گیا۔

مزید فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا کہ یہ لوگ اگر ہجرت فی سبیل اللہ سے اعراض کریں تو جب بھی تمہیں ان پر قدرت حاصل ہو جائے ان کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو بھی دوست اور مددگار نہ بناؤ ان سے بالکل ہی کلی طریقے پر اجتناب کرو۔ قال صاحب الروح ای جانبوھم مجانبۃ کلیۃ و لا تقبلوا منھم ولایۃً و نصرۃً ابداً۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ اس میں ان لوگوں کو قتل سے مستثنیٰ فرما دیا جو ان لوگوں سے مل جائیں جن سے مسلمانوں کا عہد ہے یعنی صلح ہے اور ان لوگوں کو بھی مستثنیٰ فرمایا جو مسلمانوں کے پاس اس حالت میں آ جائیں کہ ان کا دل جنگ کرنے سے منقبض ہو وہ نہ مسلمانوں سے لڑنا گوارہ کریں اور نہ اپنی قوم سے جنگ کریں۔ (یعنی دونوں جماعتوں سے صلح رکھیں ایسے لوگ بھی پکڑنے اور قتل کرنے سے مستثنیٰ ہیں۔)

پھر اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط فرما دیتا اور وہ تم سے قتال کرتے اب جب وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے اور تم سے جنگ نہ کی اور تمہارے سامنے صلح کی پیش کش کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے اور پکڑنے کا کوئی راستہ نہیں بنایا یعنی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

یہاں تک دو جماعتوں کا ذکر ہوا اول وہ جماعت جو اسلام تو قبول کر لیں مگر ہجرت نہ کریں یا ہجرت کرنے کے بعد واپس دارالحرب میں چلے جائیں۔ دوسری وہ جماعت جو مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیں یا معاہدہ کرنے والوں سے جا کر مل جائیں۔ اس کے بعد تیسری جماعت کا تذکرہ فرمایا جو دفع الوقتی کے طور پر صلح کر لیں جن کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی طرف سے بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی، لیکن جب کبھی ان کو شرارت اور فتنہ گری کی طرف متوجہ کیا جائے تو فوراً اس کو قبول کر لیں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور اپنا عہد توڑ دیں، اس جماعت کا ذکر سَتَجِدُوْنَ آخَرِیْنَ میں فرمایا ہے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور سلامت روی کے ساتھ نہ رہیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کرو ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دے دی ہے یعنی ان کے قتل کی واضح طور پر اجازت عنایت فرمائی ہے واضح رہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں پر فرض تھا کہ دارالاسلام یعنی مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ جائیں اور ہجرت کو ایمان کی شرط قرار دے دیا گیا تھا جو لوگ ہجرت کر کے نہ آئیں ان سے مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا ممنوع تھا جیسا کہ اوپر آیت سے معلوم ہوا اس کے بعد جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض نہ رہا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّ نِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا (بخاری و مسلم از مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۳۱) یعنی فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض نہیں رہا جو ترک وطن کی صورت میں تھا اب جہاد ہے اور نیت ہے جیسی ضرورت پڑے گی ہجرت کی یا جہاد کی اس پر عمل کرنا ہو گا اور جب جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہونا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

اور کسی مومن کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر۔ اور جو شخص کسی مومن کو بطور خطا قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک مومن غلام آزاد

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

کرے اور اس کے خاندان والوں کو دیت ادا کرے الا یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک

مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ

مومن غلام آزاد کرنا واجب ہے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو دیت بھی واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کو سپرد کر دی جائے اور

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَ

ایک مومن غلام آزاد کرنا بھی واجب ہے پھر جس شخص کو غلام نہ ملے تو وہ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور

كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۝

اللہ علم والا اور حکمت والا ہے

قتل خطا کے مسائل

تفسیر: گذشتہ آیات میں قتل وقتال کا ذکر تھا یہاں قتل کے کچھ دنیوی اور اخروی احکام بیان فرمائے ہیں، قتل عمد میں تو قصاص ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ کے رکوع ۲۱ میں گذر چکا ہے اور قتل خطا میں دیت اور ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے، مومن غلام نہ ملے تو دو ماہ کے لگا تار روزے رکھنا فرض ہے، اولاً تو یہ فرمایا کہ کسی مومن کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو قتل کردے، قتل کرنا ہر اس جان کا گناہ کبیرہ ہے جس کی حفاظت شرعاً واجب ہو اس میں ذمی اور معاہد کا قتل بھی داخل ہے جب ذمی اور معاہد کا قتل بھی حرام ہے تو مومن کا قتل کرنا بطور اولیٰ حرام ہوا۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کہ کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہو مگر حق کے ساتھ قتل کر سکتے ہو، کافر حربی کو جو کسی معاہدہ میں شامل نہیں ہے اور جو مستامن بھی نہیں ہے اس کا قتل کرنا جائز ہے، اور جو شخص محصن ہوتے ہوئے زنا کرلے وہ بھی قتل کیا جائے گا۔ (یعنی اسے سنگساری کی سزا دی جائے گی) اور جو شخص کسی کو عمداً قتل کردے جس کا شرعاً قتل کرنا حلال نہیں ہے اس کے قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا۔

مومن کو قتل کرنے کا بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر بہت سخت وعید قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہے لہٰذا کسی مومن سے یہ تصور ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنے مومن بھائی کو قصداً قتل کردے ہاں خطا یعنی غلطی سے کوئی قتل ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ غلطی سے قتل ہو جانے کو قتل خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے، قتل خطا کی دو صورتیں ہیں خطافی القصد اور خطافی الفعل، خطافی القصد یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کو دیکھا اسے شکار سمجھ کر تیر مار دیا اور وہ شکار نہ تھا بلکہ کوئی آدمی تھا یا اس نے یہ سمجھا کہ سامنے کافر حربی کھڑا ہے اس کو مار دیا بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مسلمان تھا اور خطافی الفعل یہ ہے کہ کسی نشانہ پر تیر پھینکے اور وہ تیر کسی آدمی کو لگ جائے ان دونوں صورتوں میں کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور دیت بھی واجب ہوتی ہے، دیت خون بہا کو کہتے ہیں یعنی جان کے بدلہ جو مال دیا جائے وہ دیت ہے یہ لفظ اصل میں وَدْیٌ تھا۔ وَزْنٌ زِنَةٌ اور وَعْدٌ عِدَةٌ کی طرح اس کا فاکلمہ یعنی واو حذف کر دیا گیا اور آخر میں اس کے عوض تا لگا دی گئی۔ وَدٰی یَدِیْ لفیف مفروق ہے جس کا معنی بہنے کا ہے۔ چونکہ خون بہانے کا عوض دیا جاتا ہے اس لئے اسے دیت کہتے ہیں شریعت مطہرہ کے قانون میں دیت اور قصاص جانوں کی حفاظت کے لئے مشروع کئے گئے ہیں افسوس ہے کہ حکومتوں کے ذمہ دار جو اسلام سے انتساب رکھتے ہیں وہ دیگر احکام شریعت کی طرح ان احکام کو بھی عمل میں نہیں لاتے لہٰذا جانیں بے قیمت ہو کر رہ گئی ہیں۔ بعض ممالک میں جہاں دیت کی ادائیگی کرانے کا اہتمام ہے وہاں بڑی حد تک جانوں کی حفاظت ہے۔

دیت اور کفارہ ادا کرنے کا حکم: آیت شریفہ میں یہ بتانے کے بعد کہ کسی مومن کے شایانِ شان نہیں

ہے کہ کسی مومن کو قتل کرے، اولاً دیت قتل خطا کا عمومی حکم بیان فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ یعنی جو شخص کسی مومن کو خطأً قتل کردے تو اس پر یہ فرض ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا ایک باندی آزاد کرے اور ان کا مومن ہونا شرط ہے اور دیت بھی ادا کرے جو مقتول کے وارثوں کے سپرد کردی جائے پھر فرمایا إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا کہ اگر یہ لوگ (یعنی وارثین) اس قاتل پر دیت کو صدقہ کردیں یعنی معاف کردیں تو یہ دیت معاف ہوجائے گی اگر سب معاف نہ کریں تو جو شخص معاف کردے گا اس کا حصہ معاف ہوجائے گا۔

اس کے بعد فرمایا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ یعنی اگر مقتول ایسی جماعت سے ہو جن سے تمہاری دشمنی ہے یعنی وہ حربی کافروں میں رہتا ہے خود تو وہ مومن ہے لیکن اس کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور ان لوگوں سے صلح بھی نہیں ہے تو بطور کفارہ ایک رقبہ مومنہ یعنی مومن غلام یا باندی آزاد کرنا ہوگا۔ رہی دیت تو وہ اس لئے واجب نہ ہوگی کہ اس کے متعلقین کافر ہیں اور دیت میراث کے اصول پر تقسیم ہوتی ہے اور چونکہ کافر اور مومن کے درمیان میراث نہیں چلتی اس لئے دیت واجب نہ ہوگی، کسی کو بھی نہ دی جائے گی۔

غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے:

پھر فرمایا وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ یعنی مومن مقتول اگر کسی ایسی قوم سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو تو اگرچہ وہ قوم کافر ہے لیکن یہ مقتول چونکہ مومن ہے اس لئے اس کے قاتل پر دیت واجب ہوگی جو اس کے خاندان کی طرف سپرد کردی جائیگی بشرطیکہ اس کے خاندان میں اہل اسلام موجود ہوں اور اگر ان میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے تو دیت واجب نہ ہوگی، البتہ رقبہ مومنہ آزاد کرنا پھر بھی واجب ہوگا۔ (مزید تشریح آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

واضح رہے کہ قتل مومن میں دیت کا اور تحریر رقبہ یعنی غلام آزاد کرنے کا جو حکم ہے یہ صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو بلکہ دارالاسلام میں مسلمانوں کے درمیان ہوتے ہوئے کوئی مومن کسی مومن کو خطأً قتل کردے تب بھی دیت اور تحریر رقبہ واجب ہے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۱۴: ج ۵)

اس کے بعد فرمایا فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ کہ جو رقبہ یعنی غلام باندی نہ پائے (مثلاً غلام باندی ملتے ہی نہ ہوں کما فی هٰذا الزمان یا ملتے تو ہوں لیکن خریداری کی طاقت نہ ہو، تو دو مہینے کے روزے لگاتار رکھے ان روزوں میں رمضان المبارک کا مہینہ نہ ہو۔ رمضان کے علاوہ پورے دو مہینوں کے روزے ہوں یہ غلام آزاد کرنے کی جگہ روزے رکھنا بطور کفارہ ہے۔ دیت بہرحال واجب رہے گی۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اسے قاتل کا بھی علم ہے اور مقتول کا بھی اگر کسی نے قتل کردیا اور بندوں کو حال معلوم نہ ہوا قاضی تک بات نہ پہنچی تو یہ نہ سمجھے کہ دونوں جہاں میں میرا چھٹکارا ہوگیا جس کی شریعت ہے وہ دیکھنے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ آخرت کے دن احکام کے خلاف ورزی کی سزا

دیدے گا، نیز وہ حکیم بھی ہے اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں، دیت اور تحریر رقبہ وغیرہ جو بھی کچھ احکام بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں ان سب میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔

تنبیہ: وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ میں چونکہ لفظ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ مذکور نہیں ہے اس لئے بعض فقہاء نے اس کو ذمی اور معاہد کے قتل پر محمول کیا ہے علامہ قرطبی اپنی کتاب احکام القرآن صفحہ ۳۲۵: ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ اور شعبی اور نخعی کے اور شافعی کا قول ہے اور طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، پھر بحث کے ختم پر بعض علماء کا قول نقل کیا یہ مضمون عرب کے ان مشرکوں کے بارے میں تھا جنہوں نے حضور اقدس ﷺ سے اس بات کا معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے یا ان کو جنگ کا اعلان کردیا جائے گا یہ معاہدہ ایک مخصوص میعاد کے لئے تھا اس زمانہ میں ان میں سے کوئی شخص مقتول ہو جاتا تو دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوئے تھے پھر جب آیت کریمہ بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ نازل ہوئی تو یہ معاہدہ بھی ختم اور اس کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے جو کچھ التزام کیا گیا تھا وہ بھی ختم اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔

مسائل متعلقہ دیت: مسئلہ:۔ قتل خطا میں ایک جان کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں سے بیس بنت مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس ابن مخاض اور بیس حقے اور بیس جذعے ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اسی طرح مروی ہے۔ (اونٹوں کے یہ القاب ان کی عمروں کے اعتبار سے ہیں اہل عرب نے اونٹوں کے نام اس طرح رکھ رکھے تھے)۔

مسئلہ:۔ اگر اونٹوں کے علاوہ دوسرے مال سے دیت دی جائے تو ہزار دینار سونے کے اور دس ہزار درہم چاندی کے دیئے جائیں۔

مسئلہ:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیت صرف انہی تین چیزوں سے ادا کی جائے گی یعنی اونٹوں سے اور دینار سے اور درہم سے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ گایوں اور بکریوں اور کپڑوں سے بھی ادا کی جاسکتی ہے اگر گایوں سے دیت ادا کی جائے تو سو گائیں دی جائیں اور بکریوں سے دی جائے تو ہزار بکریاں دی جائیں اور کپڑوں سے ادا کی جائے تو دو سو جوڑے ادا کئے جائیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس طرح مقرر فرمادیا تھا۔

مسئلہ:۔ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

مسئلہ:۔ مسلم اور ذمی کی دیت برابر ہے (ذمی وہ کافر لوگ ہیں جو مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں)۔

مسئلہ:۔ دیت میراث کے حکم میں ہے جو مقتول کے شرعی ورثاء میں حسب حصص شرعیہ مقررہ فی الارث تقسیم کی جائے گی۔ اگر سب وارث معاف کردیں تو سب معاف ہو جائے گی اور بعض ورثاء معاف کریں تو ان کے حصے کے بقدر معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ قتل خطاء کی دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے، اور کفارہ (تحریر رقبہ یا صیام شهرین متتابعین)

بہر حال قاتل ہی پر واجب ہوتا ہے۔ عاقلہ سے اہل نصرت مراد ہیں جن میں قاتل رہتا سہتا ہو اور جو آپس میں مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں اہل نصرت نہ ہوں تو پھر قاتل کا قبیلہ ہی عاقلہ ہوگا، اس اجمال کی تفسیر کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دیت صرف قاتل کے کنبے اور قبیلے پر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قتل تو صرف ایک شخص نے کیا ہے اس کی دیت اہل قرابت یا اہل نصرت پر کیوں پڑے؟ اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ احادیث اور آثار سے ایسا ہی ثابت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بے احتیاطی قاتل سے اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل نصرت اور اہل قرابت پر بھروسہ کرتا ہے اور ان کی نصرت اور حمیت کے پیش نظر وہ اپنے اندر ایک قوت محسوس کرتا ہے جن لوگوں پر اسے اعتماد ہے ان لوگوں کو بھی دیت کی ادائیگی میں شریک کر لیا جائے تو وہ بھی اپنے قبیلے کے ہر فرد کو اور متعلقین کو جن سے نصرت اور حمیت کا تعلق ہے بہت زیادہ احتیاط کی تاکید کریں گے اور اس طرح سے قتل خطا کا وجود بہت کم ہوگا، دیت کی ادائیگی کے خوف سے وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برابر منع کرتے رہیں گے کہ دیکھو قتل کا کوئی واقعہ نہ ہو جائے ورنہ سب کو بھگتنا پڑے گا۔

مسئلہ:۔ عاقلہ سے تین سال میں تھوڑی تھوڑی کر کے دیت وصول کی جائے گی۔ قاتل کا اپنا قبیلہ اس لائق نہ ہو کہ دیت ادا کر سکے تو اس کے قبیلے سے جو قریب ترین قبیلہ نسب کے اعتبار سے ملتا ہو اس کو بھی ادائیگی دیت میں شامل کر لیا جائے گا، خود قاتل بھی عاقلہ کا ایک فرد ہوگا اور اس سے بھی حصہ مقررہ وصول کیا جائے گا، تفصیلات فقہ میں مذکورہ ہیں۔

قتل شبہ عمد: مسئلہ:۔ قتل خطا کے علاوہ ایک قسم قتل عمد ہے اور قتل شبہ عمد ہے قتل عمد کا ذکر آئندہ آیت میں انشاء اللہ تعالیٰ آ رہا ہے اور قتل شبہ عمد وہ ہے جس میں قصداً مارنے کا ارادہ کیا ہو لیکن دھار والے ہتھیار سے یا ہتھیار جیسی چیز سے (جس سے تفریق اعضاء ہو) نہ مارا ہو۔ مثلاً کوڑوں سے یا لاٹھی سے مارا ہو قتل شبہ عمد میں بھی دیت ہے اور کفارہ ہے اس کی دیت بھی عاقلہ پر ہوگی۔ دینار اور درہم سے دیت ادا کی جائے تو وہ تو اسی قدر ہے جتنی قتل خطا میں ہے۔ اور اگر اونٹوں کے ذریعہ ادا کی جائے۔ تو اس میں کچھ فرق ہے اور وہ یہ کہ اونٹ تو سو ہی ہوں گے لیکن اونٹوں کی پانچ قسموں کی بجائے چار قسمیں کی جائیں گی یعنی پچیس بنت مخاض اور پچیس بنت لبون اور پچیس حقے اور پچیس جذعے دینے ہوں گے، یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے منقول اور مروی ہے۔

مسئلہ:۔ کفارہ قتل میں آزاد کرنے کے لئے لفظ رقبہ وارد ہوا ہے یہ لفظ لونڈی اور غلام دونوں کو شامل ہے جسے بھی آزاد کر دے گا کفارہ ادا ہو جائے بشرطیکہ مومن ہو اور اعضاء صحیح سالم ہوں۔

مسئلہ:۔ اگر غلام نہ ملے تو دو ماہ کے روزے رکھنا لازم ہوگا۔ اگر مرض کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ جائے تو دوبارہ روزے رکھنے ہوں گے۔ البتہ عورت کو اگر درمیان میں حیض آ جائے تو اس کی وجہ سے تسلسل باطل نہ ہوگا، اور رمضان کے روزے کفارہ کے حساب میں نہیں لگ سکتے (کما ذکرناہ من قبل)

قتل کی کچھ اور صورتیں: قتل خطا کے ساتھ فقہاء نے دو چیزیں اور لکھی ہیں ایک مَا اُجرِیَ مَجرَی الخطا

اور دوسری القتل بسبب پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص سوتے ہوئے کسی پر پلٹ پڑے جس سے وہ قتل ہو جائے، اس میں کفارہ اور دیت دونوں واجب ہوتے ہیں اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کی مِلک میں کنواں کھود دے یا کوئی پتھر رکھ دے جو کسی کی جان جانے کا سبب بن جائے۔ اس صورت میں بھی عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے لیکن اس میں کفارہ نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی حاملہ عورت کے پیٹ میں مار دیا جس کی وجہ سے مرا ہوا بچہ گر گیا تو اس میں ایک غلام یا پانچ سو درہم واجب ہوں گے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو غرّہ کہتے ہیں، اور اگر زندہ بچہ گر کر مر گیا تو اس کی پوری دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مردہ بچہ گرنے کے بعد ماں مر گئی تو ماں کی پوری دیت دینی ہوگی اور بچے کا غرّہ دینا ہوگا اور اگر چوٹ لگنے سے ماں مر گئی پھر بچہ زندہ نکل کر مر گیا تو ماں کی اور بچے کی علیٰحدہ علیٰحدہ دو دیتیں دینی ہوں گی اور حمل ساقط ہونے کی وجہ سے جو کچھ واجب ہوگا وہ اس بچے کے وارثوں پر تقسیم ہوگا۔

مسئلہ:۔ جو شخص جانور پر سوار ہو کر جا رہا ہو اس کے ذمہ لازم ہے کہ سلامت روی کے ساتھ چلے اگر اس کی سواری نے کسی کو روند دیا یا ٹکر مار دی یا دانتوں سے کاٹ لیا تو ان سب صورتوں میں ضمان لازم آئے گا۔

مسئلہ:۔ اگر دو گھوڑے سوار جا رہے تھے جو آپس میں ٹکرا کر مر گئے تو ہر ایک کی عاقلہ پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی۔

فائدہ: قصاص اور دیت کا نظام درحقیقت جانوں کی حفاظت کے لئے ہے اللہ کا قانون جاری نہ کرنے کی وجہ سے پورے عالم میں قتل وخون کا بازار گرم ہے قوانین شرعیہ کو نافذ نہ کرنے والے ظالم ہیں جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا وہ لوگ ظالم ہیں)۔

وزراحکومت زعمائے سیاست میں جو لوگ احکام خداوندیہ کو ظالمانہ کہتے ہیں وہ کافر ہیں اگرچہ وہ مسلمان ہونے کے مدعی ہوں۔ قصاص اور قتل کا قانونِ خداوندی نافذ نہ ہونے کی وجہ سے قاتلین کسی بھی جان کے قتل کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے وہ بڑی بے باکی کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں اگر کسی کو قتل کر دیا تو اول تو بغیر رشوت کے مقدمہ درج نہیں ہوتا اور درج ہوتا ہے تو قاتل کو سزا سے بچانے یا ہلکی سزا دلانے کے لئے قاتل سے رشوت لے کر رپورٹ کے الفاظ ہلکے کر دیئے جاتے ہیں۔ جو قانون کی گرفت میں نہیں آتے پھر جب مقدمہ چلتا ہے تو وکیل قانونی موشگافی کے ذریعہ قاتل کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور حاکم بھی رشوت کھانے کو تیار بیٹھے رہتے ہیں اور اگر سارے مرحلوں سے گذر کر حاکم نے کسی قاتل کو سزا دے ہی دی تو وہ سزا قید و بند کی صورت میں ہوتی ہے۔ مقتول کے وارثوں کو ذرا بھی دیت نہیں ملتی، ان سب چیزوں نے امن عام کو برباد کر رکھا ہے، قصداً و ارادۃً قتل کرنے کی واردات ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ قصاص جاری نہیں کیا جاتا اس لئے قاتل بے فکر ہو کر گھومتے پھرتے ہیں۔ حاکم بہت سے بہت عمر قید کا فیصلہ دے دیتا ہے (بشرطیکہ حاکم تک معاملہ پہنچا ہو اور اس نے ہمت کر کے فیصلہ دے دیا ہو) پھر یہ سزا اقتدار اعلیٰ کو رحم کی درخواست دینے سے یا حکومت کے بدل جانے سے (اقتدار

جدید کی خوشی میں) معاف کردی جاتی ہے مقتول کے ورثاء دیت اور قصاص سے محروم پھرتے ہیں حالانکہ اولیاء مقتول کا حق کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جو لوگ قانون الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے نافذ نہیں کرتے اس کی بجائے دوسرے قانون نافذ کر رکھے ہیں اور ان کو موجودہ دور کے لئے مناسب سمجھتے ہیں (العیاذ باللہ) ان سب کا جواب اللہ تعالیٰ شانہ نے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماً فرما کر دے دیا اللہ جل شانہ نے اپنے علم اور حکمت کے مطابق قوانین عطا فرمائے ہیں ان کے خلاف لکھنا یا بولنا اللہ کے علم اور حکمت پر اعتراض ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ

اور جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کردے تو اس کی جزاء جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی

وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔

کسی مومن کو قصداً قتل کرنے کا گناہ عظیم

تفسیر: قتل خطا کے احکام بتانے کے بعد اس آیت میں قصداً عمداً قتل کرنے والے کی اخروی سزا کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کردے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو غضب ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔ کسی مومن کا قتل درحقیقت بہت ہی بڑا گناہ ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے قتل کے مقابلے میں معمولی چیز ہے۔

(رواہ الترمذی والنسائی ووقفہ بعضہم وھو اصح ورواہ ابن ماجہ عن البراء بن عازب کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۰۰)

حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین والے کسی مومن کے خون میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔

(رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۰۰)

حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امید ہے اللہ ہر گناہ کو معاف فرما دے گا مگر جو شخص مشرک ہوتے ہوئے مر گیا اور جس نے کسی مومن کو قتل کر دیا ان کی مغفرت نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد ورواہ النسائی عن معاویہ کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۰۱)

اتنی سخت وعیدیں ہوتے ہوئے دنیا میں قتل وخون کی گرم بازاری ہے اسلام کا نام لینے والے اور اپنے کو مسلمان سمجھنے والے آپس میں لسانی، قومی، قبائلی وطنی اور صوبائی عصبیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں قوم اور برادری اور ملک و وطن سب یہیں دھرے رہ جائیں گے۔ قتل مومن کا گناہ کبیرہ ساتھ لے کر قبر میں جانے والوں کو اپنی آخرت کا فکر نہیں دوزخ

میں داخل ہونا اور اس میں سزا پانا، آگ میں جلنا معمولی سی بات سمجھ رکھا ہے۔ جاہلی عصبیتیں پھر ابھر آئی ہیں، دشمنوں کے ورغلانے اور بھڑکانے سے آپس میں کٹا چھنی ہے۔ دشمنوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اپنا اتحاد پاش پاش کر رہے ہیں۔ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج حضور اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے پر متحد ہو گئے تھے۔ پرانی لڑائیاں جو صدیوں سے جاری تھیں بند ہو گئی تھیں۔ اسلام نے سب کو متحد کر دیا تھا ایک مرتبہ بعض یہودیوں کے ابھارنے سے پھر لڑائی کی فضا بن گئی تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس کو رفع دفع کیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت شریفہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعاً وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَاناً وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا نازل فرمائی جس کی تفسیر اور واقعہ کا تذکرہ اسی آیت کے ذیل میں گذر چکا ہے دشمن تو ہمیشہ مسلمانوں کو لڑانا ہی چاہتے ہیں ان کا اتحاد و اتفاق انہیں گوارا نہیں مسلمان ہیں کہ آپس میں قتل و قتال کر کے اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کرتے ہیں اور ایک جماعت کے آدمی دوسری جماعت کے لوگوں کو محض اس وجہ سے قتل کرتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے دسویں ذوالحجہ کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی گردن مارو) (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۴۸: ج ۲)

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا من حمل علینا السلاح فلیس منا (جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے) رواہ البخاری صفحہ ۱۰۴۷: ج ۲ کسی مسلمان کا قتل کرنا تو بڑی بات ہے کسی ہتھیار سے اس کی طرف اشارہ کرنا بھی حرام ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرے وہ نہیں جانتا کہ ممکن ہے شیطان اس کے ہاتھ سے چھڑا دے (جس کی وجہ سے قتل کا حادثہ ہو جائے) پھر دوزخ کے گڑھے میں گر پڑے۔ (صحیح البخاری صفحہ ۱۰۴۷: ج ۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم ہونے سے پہلے ایسا دن ضرور آئے گا کہ قاتل کو بھی پتہ نہ ہوگا کہ میں نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو بھی پتہ نہ ہوگا کہ میں کیوں قتل ہوا کسی نے عرض کیا ایسا کیوں ہوگا فرمایا فتنہ کی وجہ سے ایسا ہوگا قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر آمنے سامنے آجائیں تو وہ دونوں دوزخ والوں میں سے ہیں ایک شخص نے عرض کیا کہ ان میں سے جو قتل کر دے اس کا دوزخ میں جانا سمجھ میں آتا ہے جو قتل ہو گیا وہ دوزخ میں کیوں جائے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا انه قد اراد قتل صاحبه کہ مقتول بھی تو یہی ارادہ کئے ہوئے تھا کہ میں اس شخص کو قتل کر دوں لہٰذا وہ اپنی نیت کی وجہ سے دوزخ میں گیا۔ نیت تو دونوں ہی کی ایک دوسرے کو

قتل کرنے کی تھی یہ بات اور ہے کہ ایک کا داؤ لگ گیا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۴۹: ج۲)

فائدہ: جمہور اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ قاتل مومن عمداً کی بالآخر بخشش ہو جائے گی جیسے دوسرے گناہوں کا حکم ہے۔ البتہ حضرت ابن عباسؓ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی مغفرت نہ ہوگی اور ان سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔

قال سعید بن جبیر اختلف فیھا (ای فی الایة) اھل الکوفة فرحلت فیھا الی ابن عباس فسالته عنھا فقال نزلت ھذہ الایة و من یقتل مؤمنا فجزاء ہ جھنم خالداً فیھا ھی آخر ما نزل و ما نسخھا شیء (رواہ البخاری صفحه ٦٦٠) قال البیضاوی قال ابن عباس رضی الله عنھما لا تقبل توبة قاتل المومن عمدا ولعله اراده به التشدید اذ روی عنه خلافه والجمھور علی انه مخصوص بمن لم یتب بقوله تعالیٰ وانی لغفار لمن تاب و نحوہ او المراد بالخلود المکث الطویل فان الدلائل متظاھرة علی ان عصاة المسلمین لا یدوم عذا بھم او ھو محمول علی المستحلّ (اھ بحذف) (حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں اہل کوفہ نے اختلاف کیا تو میں اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا یہ آیت اس بارے میں آخر میں نازل ہوئی اسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ شاید آپ کا مقصد تشدید ہے کیونکہ اس کے برعکس بھی آپ سے مروی ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت اس کے بارے میں ہے جس نے توبہ نہ کی ہو اس ارشاد کی وجہ سے کہ اِنّی لَغَفّارٌ لِمَن تَابَ اور دوسری آیات کی وجہ سے۔ یا اس آیت میں خلود سے مراد لمبا عرصہ کا قیام ہے کیونکہ اس بات کے دلائل راجح ہیں کہ گناہگار مومن ہمیشہ عذاب میں نہیں رہیں گے یا یہ آیت اس آدمی کے بارے میں ہے جو مومن کو عمداً قتل کرنا جائز سمجھتا ہو۔)

مسئلہ: جو شخص قصداً و ارادۃً قتل کر دے اس میں اول تو بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ اوپر آیت میں گذرا اور قصاص بھی ہے جس کی کچھ تفصیل سورۃ بقرہ رکوع ۲۲ میں گذر چکی ہے اور کچھ انشاء اللہ سورہ مائدہ کے رکوع ۷ کی تفسیر میں آئے گی۔ قصاص وارثوں کا حق ہے وہ چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو قصاص میں قتل کر دیں کسی بھی بادشاہ یا صدر یا وزیر یا کسی بھی چھوٹے بڑے حاکم کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے (کما ذکرنا من قبل)

مسئلہ: جو شخص اپنے کسی مورث کو قتل کر دے (جس سے میراث پانے والا تھا) تو قاتل میراث سے محروم کر دیا جائے گا (اس نے چاہا کہ اپنے مورث کو قتل کر کے جلدی میراث پالے۔ لہٰذا شریعت نے اسے میراث سے بالکل محروم کر دیا)۔

مسئلہ: شبہ عمد میں بھی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو شخص تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے

لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

اسے یوں نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے تم دنیا والی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو، سو اللہ کے پاس غنیمت کے بہت مال ہیں اس سے پہلے تم ایسے ہی تھے،

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

سو اللہ نے تم پر احسان فرمایا، سو خوب تحقیق کیا کرو، بے شک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مومن نہیں

تفسیر: تفسیر درمنثور صفحہ ۱۹۹: ج۲ میں بحوالہ بخاری و نسائی وغیرہما حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ

مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جارہے تھے۔ان سے کسی ایسے شخص کی ملاقات ہوگئی جو اپنا مال لئے ہوئے جارہا تھا۔اس نے کہا السلام علیکم ان لوگوں نے اس کو قتل کردیا اور اس کا مال لے لیا۔اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔(راجع صحیح البخاری صفحہ ۶۰۶: ج ۲) پھر حضرت ابن عباسؓ ہی سے بحوالہ ترمذی وغیرہ نقل کیا ہے کہ بنی سلیم میں کا ایک شخص اپنی بکریاں چراتے ہوئے چند صحابہ پر گذرا اس نے انہیں سلام کیا۔آپس میں کہنے لگے کہ اس نے ہمیں جان بچانے کے لئے سلام کیا (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے ہمیں دیکھ کر ڈر گیا کہ یہ قتل کردیں گے اس لئے سلام کرلیا تاکہ مسلمان سمجھ کر چھوڑ دیں۔) ان حضرات نے اس کو قتل کردیا اور اس کی بکریاں لے لیں، بکریاں لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

آیت شریفہ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ جو شخص اسلامی فرمانبرداری کا اظہار کرے مثلاً سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھ لے یا کسی بھی طرح اپنا مسلمان ہونا ظاہر کردے تو تم یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے چونکہ ان حضرات نے اس کا سامان بھی لے لیا تھا اس لئے یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ اللہ کے پاس جو غنیمتیں ہیں ان کی طرف رغبت کرو اللہ تم کو بہت دے گا کسی شخص کو بلا تحقیق کافر قرار دے کر اس کا مال لینے کی جسارت نہ کرو۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ آج تم سلام کرنے والے کو یہ کہتے ہو کہ مومن نہیں ہے تم اپنا زمانہ یاد کرو کہ تم بھی کبھی ایسے ہی تھے، تمہارا اسلام کا ظاہری دعویٰ کرنا ہی جانوں کی حفاظت کے لئے کافی تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور تم اسلامی کاموں میں آگے بڑھ گئے، تمہاری جماعت ہوگئی اور تمہارے بارے میں سب نے جان لیا کہ تم مسلمان ہو اسلام والے ہو اور یہاں تک کہ تم اپنی اس معرفت اسلامیہ کی وجہ سے دوسروں کو یہ کہنے لگے کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

آیتِ بالا سے بالتصریح معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا یوں کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کے ظاہری قول اور ظاہری دعوے پر اعتماد کرنا چاہئے خواہ مخواہ اس کے ایمان میں شک کرنا یا اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔حقیقی ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور قلب کی تصدیق یا تکذیب کو بندے نہیں جانتے وہ ظاہر کے مکلف ہیں ان کو جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے پابند ہیں۔ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے دیں اور ساتھ یہ گواہی بھی دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، سو جب وہ ایسا کرلیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو میری طرف سے محفوظ کرلیں گے ہاں اگر اسلام کے حق کی وجہ سے قتل کرنے کی صورت پیش آجائے تو یہ اور بات ہے (مثلاً قصاص میں قتل کرنا پڑے) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے (رواہ البخاری و مسلم الا ان مسلما لم یذکر الا بحق الاسلام کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۲)

جو شخص اسلام کو ظاہر کرتا ہو ہم اس کو مسلمان سمجھیں گے اگر وہ دل سے مسلمان نہیں تو اللہ تعالیٰ کو چونکہ دلوں کے احوال بھی معلوم ہیں اس لئے وہ اس سے اس کے عقیدہ کے مطابق معاملہ فرمائے گا۔منافق ہے تو کافروں میں شمار ہوگا، سخت سے سخت عذاب میں جائے گا، دل سے مسلمان ہوگا تو اپنے ایمان اور اعمال صالح کا ثواب پائے گا۔

فائدہ نمبر۱: آیت بالا میں فَتَبَيَّنُوْا دو بار مذکور ہے پہلی جگہ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا ہے اور دوسری جگہ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا فرمایا ہے۔ دوسری جگہ سفر کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کہ سفر ہو یا حضر ہو مسلمانوں کو ایک عام ہدایت دی گئی ہے کہ بلا تحقیق محض گمان پر عمل نہ کریں۔ تحقیق کے ساتھ کام کریں خصوصاً لوگوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے بارے میں تو بہت زیادہ سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے اسلام سلامتی والا دین ہے ظلم والا دین نہیں ہے محض گمان پر کسی کو کچھ کہہ دینا یا کسی کی ذات کو مطعون کرنا درست نہیں ہے۔ بدگمانی کی وجہ سے تہمتوں اور غیبتوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور ظلم و زیادتی کے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں۔

فائدہ نمبر۲: احتیاط میں بے احتیاطی کرنا درست نہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اور ساتھ ہی کفریہ عقیدوں کا اعلان بھی کرتا ہو جیسے بہت سے لوگ ختم نبوت کے منکر ہیں یا جیسے بعض لوگ اسلامی حدود اور قصاص کو ظلم کہتے ہیں یا جیسے کچھ لوگ حدیث شریف کی حجیت کے منکر ہیں یا جیسے بعض فرقے تحریف قرآن کے قائل ہیں ایسے لوگوں کو کافر کہنے میں احتیاط کرنا مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنا ہے جس کا کفر ظاہر ہو جائے اس کا کفر ظاہر کرنا واجب ہے عام لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہو اس سے وہ کلمہ گو مراد ہے جس سے دعوئ ایمان کے ساتھ کفر کی کوئی نشانی ظاہر نہ ہو رہی ہو۔

بہت سے لوگ فقہاء کی عبارت (لا نكفر احدا من اهل القبلة) کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ سب کلمہ گو مسلمان ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ اہل قبلہ سب مسلمان ہیں یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے جو جہالت پر مبنی ہے۔ ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر کے تکملہ میں فرماتے ہیں:

وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر مالم يوجد شئ من امارات الكفر و علاماته ولم يصدر عنه شئ من موجباته.

(ترجمہ) جاننا ضروری ہے کہ حضرات اہل سنت نے یہ جو فرمایا ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے یہ اس وقت ہے جب اہل قبلہ سے کوئی چیز کفر کی علامت میں سے ظاہر نہ ہو اور کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جس سے اس پر کفر عائد ہوتا ہو۔

فائدہ نمبر۳: کسی گناہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے کسی کو کافر نہ کہا جائے گا جب تک کہ گناہ کو حلال نہ سمجھتا ہو، اگر کسی گناہ کو حلال سمجھ کر کرتا ہو یا کسی فرض کے فرض ہونے کا انکار کرتا ہو تو اسے کافر کہا جائے گا۔ ورنہ محض گناہ کرنے سے کسی مدعی اسلام کو کافر نہ کہیں گے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تین چیزیں ایمان کے تقاضوں میں سے ہیں، ایک یہ کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ لے اسکی طرف سے (زبان اور ہاتھ کو) روک لیا جائے، دوم یہ کہ کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہو یعنی کسی عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج نہ کرو، سوم یہ کہ جہاد باقی رہے گا جب سے اللہ نے مجھے بھیجا ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے حکم جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل باطل نہیں کر سکتا (پھر فرمایا کہ) تقدیروں پر ایمان لانا (بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ہے)۔ (رواہ ابوداؤد)

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ

جو مسلمان عذر والے نہیں ہیں، ان میں جو بیٹھ رہنے والے ہیں اور جو اپنے جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں برابر نہیں ہیں،

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ

جو لوگ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں ان کو بیٹھے رہ جانے والوں پر اللہ نے بڑے درجہ کی فضیلت دی ہے

وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ

اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے فضیلت دی ہے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہ جانے والوں پر اجر عظیم عطا فرما کر جو اس کی طرف سے درجات

مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٩٦﴾

اور بخشش اور مہربانی کی صورت میں ملے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں

تفسیر: جیسا کہ اوپر حدیث میں گذرا جہاد قیامت تک جاری ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے جان اور مال سے جہاد کیا جائے، بس اللہ کے دین کو بلند کرنا مقصود ہے، اس آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ جہاد میں شریک نہیں گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو عذر بھی کچھ نہیں تو یہ لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کسی قسم کا بھی جہاد ہو بہر حال مجاہد گھر میں بیٹھ رہنے والے سے افضل ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوں و مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے درجہ کی فضیلت دی ہے۔ لفظ درجہ نکرہ ہے اس کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں لا یقادر قدرھا ولا یبلغ کنھھا. ابتدائے آیت میں فرمایا کہ مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں ہیں۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ مجاہدین کو قاعدین پر بڑے درجہ کی فضیلت حاصل ہے اس میں یہ واضح فرمادیا کہ قاعدین یہ سمجھ کر بیٹھے نہ رہ جائیں کہ ہمارا تھوڑا سا نقصان ہوا، بلکہ وہ بڑے درجے کی فضیلت سے محروم ہوں گے البتہ اولی الضرر کی اور بات ہے کیونکہ وہ معذوری کی وجہ سے مجبور ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (کاتب وحی) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ آیت کریمہ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لکھ دیں۔ وہ دوات اور لوح لے کر آئے آپ نے فرمایا لکھو لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ آپ کے پیچھے ابن ام مکتوم موجود تھے جو نابینا تھے، انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بینائی سے محروم ہوں، مجھے یہ فضیلت کیسے ملے گی۔ اس پر لفظ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا۔ اور اب آیت اس طرح ہوگئی لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ جس میں یہ بتادیا کہ جو لوگ صاحب عذر ہیں آیت کا عموم ان کو شامل نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے ۔ یعنی جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی وہ اور جو شریک نہ ہوئے برابر نہیں ہوں گے، یہ روایات صحیح بخاری صفحہ ۶۶۰۔۶۶۱: ج ۲ میں مذکور ہیں ۔ بات یہ تھی کہ غزوہ بدر میں عام طور سے سب کو نکلنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے بہت سے حضرات شریک نہ ہوئے تھے شرکت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ تو نہ ہوا لیکن شرکت کرنے والوں کو جو فضیلت ملی بہر حال وہ انہیں کو ملی حضرت ابن عباسؓ نے جو اس کو اصحاب غزوہ بدر پر محمول فرمایا یہ اس اعتبار سے ہے کہ اسی زمانے میں نازل ہوئی تھی جب غزوہ بدر ہو چکا تھا ورنہ آیت کا مفہوم ہمیشہ کے لئے عام ہے۔

وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى: پھر فرمایا وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى کہ اللہ نے مجاہدین اور قاعدین سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ بھلائی سے جنت مراد ہے جیسا کہ روح المعانی میں قتادہؒ سے نقل کیا ہے، چونکہ ایمان اور فرائض کی ادائیگی میں سبھی برابر ہیں اس لئے سب کے جنت میں داخل ہونے کا وعدہ فرمایا۔ یوں مراتب دوسری بات ہے اور جہاد فرض عین ہونے کی صورت میں جو اسے ترک کرے گا گنہگار ہوگا، پھر مجاہدین کی فضیلت دوبارہ بیان فرمائی اور فرمایا کہ اللہ نے مجاہدین کو قاعدین پر اجر عظیم عطا فرما کر فضیلت دی ہے۔ اللہ پاک کی طرف سے مجاہدین کو درجات ملیں گے مغفرت اور رحمت سے نوازے جائیں گے۔

آخر میں فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے اس میں اجمالاً مضمون سابق کو دہرا دیا ہے۔

فائدہ: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں جو لوگ اپنے فرائض واجبات میں مشغول رہتے ہوئے جہاد میں شریک نہ ہوں خصوصاً جو حضرات جہاد بالسیف کے علاوہ دوسری دینی خدمات میں مشغول ہوں ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا درست نہیں ہے۔ قرآن و حدیث اور ان دونوں سے متعلقہ علوم کی تعلیم اور تدریس بھی تو دینی مشغلہ ہے اور اس میں بھی بڑا مجاہدہ ہے جو حضرات اس میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا کام کرتے ہیں اور ان کی محنت سے بھی دین بلند ہوتا ہے اور اس کی اشاعت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں نیتوں پر بھی ثواب ملتا ہے جو لوگ خروج فی سبیل اللہ سے معذور ہوں اگر ان کی نیت یہ ہوگی کہ ہم معذور نہ ہوتے تو ضرور جہاد میں شریک ہوتے تو ان کو بھی شرکت کا ثواب ملتا۔

حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو ہم نے مدینہ میں پیچھے چھوڑا تھا۔ ہم جس گھاٹی اور وادی میں چلے وہ ہمارے ساتھ ہی رہے (یعنی ثواب میں وہ بھی شریک تھے) ان کو عذر نے روک دیا تھا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۶۳۷: ج ۲)

جن حضرات کو عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دے دی گئی ہو ان میں جو صاحب ذوق وشوق ہوتے ہیں وہ پھر بھی کسی طرح شریک ہو جاتے ہیں آیت بالا میں لفظ غیر اولی الضرر حضرت ابن ام مکتومؓ کی اس بات پر

نازل ہوئی تھی کہ میں معذور ہوں شریک نہیں ہوسکتا پھر بھی وہ جہادوں میں شریک ہوتے تھے جنگ تو نہیں کرسکتے تھے لیکن جھنڈا اٹھانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لیتے تھے۔ (کماذکرہ فی روح المعانی صفحہ ۱۲۴: ج ۵)۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي

بے شک فرشتے جن لوگوں کی جان ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جان پر ظلم کر رکھا تھا ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم بے بس تھے

الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

زمین میں، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ترک وطن کر کے دوسری جگہ چلے جاتے، سو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ کوئی تدبیر کر سکیں اور نہ راستے سے واقف ہوں

فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

کافروں کے درمیان رہنے والوں کو تنبیہ

تفسیر: صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا (انہوں نے ہجرت نہ کی تھی) وہ مشرکین ہی کے ساتھ رہتے تھے مشرکین کی جماعت کی تکثیر کرتے تھے۔ (مشرکین کہیں جنگ کرنے جاتے تو یہ بھی ساتھ چلے جاتے تھے جس سے مشرکین کی جماعت میں اضافہ ہوجاتا تھا) نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو بعض مرتبہ تیر لگ جاتا تھا جس سے قتل ہوجاتے تھے یا تلوار وغیرہ سے مقتول ہوجاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

لباب النقول صفحہ ۷۹ میں نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں مسلمان ہوگئے تھے جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت کی تو ان لوگوں کو ہجرت کرنا گوارا نہ ہوا (اور اپنے جان و مال پر) خوف کھانے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ دونوں باتیں سبب نزول ہوسکتی ہیں۔ آیت شریفہ میں اس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہجرت کے مواقع میسر ہونے کے باوجود ہجرت نہ کرے اپنے دین وایمان اور اعمال اسلام کے لئے فکرمند نہ ہو اور کافروں ہی میں گھسا رہے۔ اول تو ایسے لوگوں کو ظَالِمِيْ أَنْفُسِهِمْ فرمایا کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے۔ دین کے ضروری کام کیوں نہیں بجالاتے تھے۔ وہ جواب دیتے ہیں ہمارا رہنا سہنا ایسی سرزمین میں تھا جہاں ہم مغلوب تھے اس لئے بہت سی ضروریات دین پر عمل نہ کرسکتے تھے۔ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع اور کشادہ نہ تھی، تم ترک وطن کر کے کسی دوسری جگہ چلے جاتے وہاں فرائض ادا کرتے۔

ابتدائے اسلام میں مدینہ کے لئے ہجرت واجب تھی جن لوگوں نے بطور نفاق اسلام قبول کیا وہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے اور جن لوگوں نے اسلام تو دل سے قبول کیا لیکن قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کی تو وہ ترک فرض کی وجہ سے

اور اس لئے کہ ان کی وجہ سے دین کے دشمنوں کی مدد ہوتی تھی مستحق عذاب ہوئے، ہجرت کوئی سفر تجارت نہیں ہے کہ مال کے ساتھ اور آسانیوں کے ساتھ گھر سے نکل جائیں اور پھر واپس آ جائیں یہ تو ایک مشکل چیز ہے دین ایمان کو بچانے کے لئے گھر بار زمین و جائیداد چھوڑنا پڑتا ہے وطن کو مستقل طور پر خیر باد کر دیا جاتا ہے۔ پھر دشمن بھی نکلنے نہیں دیتے۔ موقعہ لگ گیا تو آل اولاد کو ساتھ لے لیا ورنہ ان کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے ابتدائے اسلام میں جو ہجرتیں کی ہیں ان کے دردناک واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔ اولاً چند حضرات حبشہ چلے گئے تھے ان کے بعد مدینہ منورہ کے لئے ہجرت شروع ہوئی پھر حبشہ والے بھی مدینہ منورہ آ گئے۔ حضور اقدس ﷺ اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ آل و اولاد کو چھوڑ کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے دونوں کے متعلقین مکہ ہی میں رہے بعد میں وہ حضرات بھی آ گئے لیکن آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مکہ معظمہ ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پڑا جب ہجرت کرنے کے ارادہ سے تشریف لانے لگیں تو ایک کافر نے بطن مبارک پر لات ماردی جس سے حمل ساقط ہو گیا۔

حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہؓ ہجرت کے ارادہ سے حضرت ام سلمہ کو اور اپنے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر بٹھا کر نکلے مکہ والے آڑے آ گئے حضرت ام سلمہ کے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ کو روک لیا پھر ابو سلمہ کے گھر والے آئے اور ان کے بیٹے سلمہ کو لے کر چلے گئے اس طرح تینوں میں جدائی ہو گئی۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں صبح سے شام تک روتی رہتی تھی اور اس پر ایک عرصہ گذر گیا بعد میں ایک آدمی نے میرے خاندان والوں سے کہا کہ تم نے اس عورت کو اس کے شوہر اور اس کے بچے سے جدا کر دیا اس مسکینہ کو کیوں جانے کی اجازت نہیں دیتے اس پر انہوں نے مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی اور ابو سلمہ کے خاندان والے بچہ بھی دے گئے وہ فرماتی ہیں کہ میں اس حالت میں نکل کھڑی ہوئی کہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ تھا تنعیم میں پہنچی تو عثمان بن طلحہ مل گئے انہوں نے کہا کہاں جاتی ہو میں نے کہا میں مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں پوچھا تمہارے ساتھ کوئی ہے میں نے کہا اللہ کے اور اس بچے کے سوا کوئی ساتھ نہیں ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ (ذکرہ الحافظ فی الاصابہ)

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو ہجرت کے مواقع پر حضرات صحابہ کے ساتھ پیش آئے ان میں ایک واقعہ حضرت صہیب رومی کا بھی ہے جو آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کی تفسیر میں گذر چکا ابتدائے اسلام میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اس کی فرضیت فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ **لاھجرۃ بعد الفتح** لیکن حسب حالات دین و ایمان بچانے کے لئے ہمیشہ ہجرت کی فرضیت مشروع ہے۔

اس زمانے میں بھی مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن میں ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ انقلابات کے مواقع میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان کافروں کے علاقے میں رہ جاتے ہیں باوجود موقعہ پانے کے گھر اور مال جائیداد یا رشتہ داریوں کی محبت میں اپنے جائے پیدائش ہی میں جمے رہتے ہیں اذان بھی نہیں دے سکتے لیکن حب دنیا ان کو وطن نہیں چھوڑنے دیتی۔ ایسے لوگ ترک ہجرت سے گنہگار ہوتے ہیں ان پر ہجرت فرض ہوتی ہے۔ جس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوتے ہیں اور یہ اس خطاب کے ذیل میں آتے ہیں۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۔

۱۳۶۶ھ میں مشرقی پنجاب میں اس طرح کے واقعات پیش آگئے تھے اور اب بھی یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے علاقوں میں ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کرے گا تو اس کے لئے اللہ ضرور کوئی صورت پیدا فرما دے گا، جیسا کہ آئندہ آیت میں وعدہ فرمایا ہے۔ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَةً شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ کے لئے ہو۔

یورپ اور امریکہ جا کر بسنے والے اپنے دین و ایمان اور اعمال کی فکر کریں: آجکل تو لوگ الٹی راہ پر چل رہے ہیں اچھے خاصے دینی ماحول سے نکل کر دنیا کمانے کے لئے یورپ امریکہ، کینیڈا آسٹریلیا جا جا کر بس رہے ہیں اور وہاں اپنے دین و ایمان کا خون کر رہے ہیں، اور اپنی نسلوں کے لئے دین و ایمان سے محرومی کا انتظام کر رہے ہیں، وہاں پہنچ کر خود بھی دین میں کمزور ہو جاتے ہیں اور اولادیں بے دینی میں ان سے بھی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ **اعاذنا اللہ من جمیع البلایا والمحن وسائر الفتن ما ظھر منھا وما بطن۔**

پھر فرمایا اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ اس میں یہ بتایا کہ جو مرد اور عورتیں اور بچے کافروں میں پھنس جائیں وہاں مغلوب ہوں ہجرت سے عاجز ہوں کوئی تدبیر سامنے نہ ہو اور راستہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں جائیں اور کیا کریں تو ایسے لوگ مواخذے سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۶۰) ان کے علاوہ اور متعدد صحابہ تھے جو مکہ مکرمہ میں پھنسے ہوئے تھے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اور کافروں کے ماحول میں مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے لئے آنحضرت ﷺ قنوت نازلہ میں دعا کیا کرتے تھے ان میں سے عیاش بن ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کے اسماء گرامی روایات میں آتے ہیں۔

آخر میں فرمایا فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَکَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا کہ اللہ جل شانہ ان مستضعفین مغلوبین پھنسے ہوئے لوگوں کو معاف فرما دے گا وہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۲۷: ج ۵ میں لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ ہجرت کا چھوڑ دینا بڑے خطرہ کی چیز ہے یہاں تک کہ مجبور حال جس پر ہجرت فرض نہیں اس کا ہجرت چھوڑ دینا بھی اس درجے میں ہے کہ اس کو گناہ شمار کر لیا جائے کیونکہ معافی گناہ سے متعلق ہوتی ہے۔ ایسے مجبور حال کو بھی چاہئے کہ موقعہ کی تلاش میں رہے اور اس کا دل ہجرت کے خیال میں لگا رہے۔ جیسے ہی موقعہ ملے روانہ ہو جائے۔

وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ

اور جو شخص اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اسے بہت کشادگی ملے گی، اور جو شخص اپنے گھر سے

مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِکْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾

اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہو پھر اس کو موت آ پکڑے تو یقینی طور پر اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کے لئے وعدے

تفسیر: لباب النقول صفحہ ۷۹ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب نے ہجرت کی نیت سے نکلنے کا ارادہ کیا اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے سواری پر سوار کردو اور مشرکین کی سرزمین سے نکال دو میں رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جاؤں جب وہ روانہ ہو گئے تو راستہ میں موت آگئی آنحضرت سرور عالم ﷺ تک نہیں پہنچ سکے آپ پر وحی کا نزول ہوا اور آیت بالا نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ ابوضمرہ زرقی کا نقل کیا ہے وہ مکہ معظمہ میں مشرکین میں پھنسے ہوئے تھے جب آیت کریمہ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں میں نکلنے کی تدبیر کرسکتا ہوں لہٰذا انہوں نے ہجرت کا سامان تیار کیا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ تک پہنچنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ان کو مقام تنعیم میں موت آگئی (جو حرم سے قریب تر جگہ ہے) اس پر آیت بالا وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نازل ہوئی اور ایک واقعہ خالد بن حرامؓ کا لکھا ہے، وہ حبشہ سے (مدینہ منورہ آنے کے لئے) روانہ ہوئے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس کی وجہ سے موت ہوگئی اس پر آیت بالا نازل ہوئی، صاحب لباب النقول نے اسی طرح کا ایک واقعہ اکثم بن صیفی کا بھی نقل کیا ہے کسی آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ سبب نزول اگرچہ وہ واقعات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے لیکن آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس میں واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لئے نکل کھڑا ہوا اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو دین ایمان کو بچانا چاہتا ہو تو اس کا یہ سچی نیت سے نکل کھڑا ہونا ہی باعث اجر و ثواب بن گیا اگرچہ وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اس کو پہنچنا تھا۔ راستے میں موت ہو جانے کی وجہ سے مقصد ظاہری تک تو نہ پہنچ پایا لیکن حقیقی مقصد حاصل ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب لکھ دیا گیا اور اس کی ہجرت منظور ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مغفرت والے اور بہت بڑے رحیم ہیں اچھی نیت پر بھی ثواب عطا فرما دیتے ہیں اگرچہ عمل ابھی پورا نہ بھی ہوا ہو۔

لفظ ہجرت عربی زبان میں چھوڑ دینے کو کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر کوئی دوسرا وطن اختیار کرنے کو ہجرت کہا جاتا ہے بعض مرتبہ مومن بندے کفر کے ماحول سے جان چھڑانے کے لئے خود سے وطن چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بعض مرتبہ اہل کفران کو وطن سے نکال دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں پر ہجرت صادق آتی ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابہ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور بھی مختلف علاقوں سے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اس کے بعد بھی مختلف ادوار اور مختلف ازمان میں ہجرت کے واقعات پیش آتے رہے ہیں، چونکہ ہجرت میں بہت سخت تکلیف ہوتی ہے آبائی وطن چھوڑنا پڑتا ہے۔ جائیدادوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اعزہ و اقربا جدا ہو جاتے ہیں۔

ہجرت کا ثواب: اس لئے اس بڑے عمل کا ثواب بھی بہت بڑا ہے۔ سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں فرمایا:

فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انہیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انہوں نے قتال کیا اور مقتول ہوئے میں ضرور ان کی خطاؤں کا کفارہ کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ انہیں بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے)

اور سورہ بقرہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

سورہ توبہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب بامراد ہیں)۔

اور سورہ نحل میں فرمایا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (جن لوگوں نے اللہ کے لئے ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے۔ اور آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ لیتے)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہجرت اور جہاد دونوں کی شریعت اسلامیہ میں بڑی اہمیت ہے ان دونوں کی برکات بھی بہت ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے لئے ہجرت کرے گا اس کو ضرور ہی کسی نہ کسی جگہ ٹھکانہ مل جائے گا اور اس کو مالی کشائش بھی نصیب ہوگی۔ پردیس میں نیا نیا پہنچنے کی وجہ سے ابتداءً کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ اور بات ہے لیکن جلد ہی رحمت اور برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی منافع ملنے لگتے ہیں اور معاش میں بھی فراوانی ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہؓ نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی چند سال بعد مکہ معظمہ بھی فتح ہو گیا۔ خیبر فتح ہوا بہت سے علاقے قبضے میں آئے بڑی بڑی جائیدادیں ملیں، اموال غنیمت ہاتھ آئے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد مصر شام عراق فتح ہوئے جو حضرات مکہ میں مجبور اور بے کس تھے ان کو بڑے بڑے اموال ملے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہجرت اور جہاد سے کایا پلٹ جاتی ہے اور مسلمان نہ صرف یہ کہ ثواب آخرت کے اعتبار سے (جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی) بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی ہجرت اور جہاد کی وجہ سے عزت اور شرف اور کافروں پر غلبہ اور مالداری اور غلام اور باندیوں کی ملکیت کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام ہو جاتے ہیں۔

اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں: ہجرت کس لئے کی جائے، اس لئے کہ اللہ کے دین پر چل سکیں احکام اسلام بجالانے میں جو دشمن رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ رکاوٹ دور ہو جائے اور اہل ایمان میں پہنچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ دینی کاموں میں لگ سکیں صرف وطن چھوڑ دینا ہی ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کو شعار بنایا جائے۔ صحیح بخاری صفحہ ۶ :ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **المهاجر من هجر ما نهى الله عنه** (حقیقی مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے) ایک اور حدیث میں ہے **المهاجر من هجر الخطايا والذنوب** (واقعی مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے) مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵، حضرت عمرو بن عبسہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ **اى الهجرة افضل** (کون سی ہجرت افضل ہے) آپ نے فرمایا **اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ** کہ تو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناگوار ہوں (رواہ الترمذی وابن ماجہ)۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صرف وطن چھوڑ دینے ہی کا نام ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے لوازم کو بھی اختیار کرنا لازم ہے۔

آج کل لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وطن تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن جہاں آکر آباد ہوتے ہیں وہاں نہ صرف یہ کہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ سابق وطن میں جو دینی زندگی تھی اس کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ شرعی پردہ بھی انہیں ناگوار ہونے لگتا ہے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حقوق ادا نہیں کرتے زکوٰتیں حساب سے نہیں دیتے۔ بائن یا مغلظہ طلاق دے کر بھی جاہلی قانون کا سہارا لے کر عورت کو گھر میں رکھے رہتے ہیں اور عناد و فساد اور جنگ و جدال کو اپنا وطیرہ بنالیتے ہیں۔ کوئی دین کی طرف متوجہ کرے تو اس کے گلے پڑتے ہیں۔ کفریہ کلمات تک بک جاتے ہیں ان سب باتوں کے باوجود اپنے کو مہاجر ہی کہتے ہیں۔ جو شخص ہجرت کر کے آئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مہاجر کی مدد کریں۔

انصار مدینہ کا بے مثال عمل: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہر طرح سے ان کی مدد کی۔ اسی لئے ان کو انصار (مدد کرنے والے) کا لقب دیا گیا۔ سورہ حشر میں فرمایا **وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.**

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے دار الاسلام کو پہلے سے اپنا ٹھکانا بنایا اور ایمان کو مضبوطی سے پکڑا ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی اور جو کچھ ان کو دیا گیا اس سے اپنے سینوں میں کوئی شک محسوس نہیں کرتے اور اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو حاجت ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا دیا گیا سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ لینے دینے کا اور نصرت و خدمت کا برتاؤ کیا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آجکل تو مہاجرین ہی مہاجرین ہیں انصار کا وجود نہیں ہے اس کی ایک وجہ تو وہی ہے کہ دینی تقاضوں کے مطابق زندگی گذارنے کا مزاج نہیں رہا مہاجرین کی خدمت کو اپنا کام سمجھنے کی بجائے دارالہجرت کے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ قوم ہمارے لئے بوجھ بن گئی اور ہمارے علاقے میں آکر ہمارے حقوق چھیننے لگی حضرات انصار کو یہ بھی گوارا نہیں کہ مہاجرین اپنے دست و بازو سے اور تجارت و زراعت سے مال حاصل کر کے کمائیں اور کھائیں، دونوں فریق کو عصبیت کھائے جاتی ہے، ہر شخص اپنی نیت کا جائزہ لے کہ اس نے کیوں ہجرت کی۔ ہجرت اللہ کے لئے ہوتی ہے تو اس کے برکات ہی اور ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاجرین صاحبان دین پر قائم نہیں رہتے اعمال صالحہ سے بچتے ہیں بڑھ چڑھ کر گناہوں میں حصہ لیتے ہیں اور دشمنان دین کی شہ پر مقامی لوگوں کو دشمن بنا لیتے ہیں اور قتل و قتال میں حصہ لیتے ہیں، دینی تقاضے تو چھوڑ دیئے۔ خالص دنیاداری اور گناہ گاری میں لگ گئے اس کے باوجود یہ امید کرتے ہیں کہ انصار ہماری مدد کریں مدد تو دین داری کی وجہ سے ہوتی ہے دین داری کو پس پشت ڈال دیا، دنیا ہی دنیا رہ گئی اس کے لئے مرتے ہیں اس کے لئے جیتے ہیں، اہل دنیا سے تو اسی طرح صلح ہو سکتی ہے کہ ان کی ذاتی اشیاء سے گریز کیا جائے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **ازهد فی الدنیا یحبک الله و ازهد فیما عند الناس یحبک الناس** (رواہ الترمذی وابن ماجہ) (کہ تو دنیا سے بے رغبت ہو جا لوگ تجھ سے محبت کریں گے) اگر اس پر عمل نہ کیا تو وہی ہو گا جو ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا:

فان تجتنبها کنت سلماً لاهلها وان تجتذبها نازعتک کلا بُها

ترجمہ: سو اگر تو دنیا سے پرہیز کرے گا تو دنیا والوں سے تیری صلح رہے گی اور اگر تو اس کو اپنی طرف کھینچے گا تو دنیا کے کتے تجھ سے جھگڑا کریں گے۔

بہت سے ملکوں سے مسلمان نکالے گئے جن کو نکالا گیا ہے یہ خود دینی زندگی پر نہیں آتے۔ لامحالہ مقامی لوگ بھی ان سے محبت نہیں کرتے۔ جیسے ہر عمل میں اخلاص یعنی اللہ کی رضا کی نیت شرط ہے اسی طرح ہجرت میں بھی اخلاص ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ سو جس شخص کی ہجرت اس کی نیت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی تو ثواب کے اعتبار سے بھی اس کی نیت اللہ اور اس کے رسول کی طرف مانی جائے گی اور جس کی ہجرت کسی دنیا کے حاصل ہونے کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی ہو تو جزا کے اعتبار سے بھی اس کی نیت اسی کے لئے مانی جائے گی جس کے لئے اس نے ہجرت کی یہ حدیث بہت مشہور ہے اور حدیث کی تقریباً سبھی کتابوں میں ہے ایک آدمی نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا اس عورت کو ام قیس کہتے تھے جب نکاح کا پیغام آیا تو اس نے اس مرد سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرنے کی شرط لگائی، وہ ہجرت کر کے آ گیا، حضرات صحابہ اسے مہاجر ام قیس کہا کرتے تھے۔ کما ذکرہ محشی البخاری ص۲ ج ا عن الطبرانی فی الکبیر باسناد رجالہ ثقات۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نمازمیں قصر کرلو اگرتم کو اس بات کا خوف ہے

اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

کہ کافرلوگ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں

سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان

تفسیر: جہاد اور ہجرت میں چونکہ سفر درپیش ہوتا ہے اس لئے ہجرت کے ساتھ سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم بھی بیان فرمادیا۔ بموجب احکام کتاب وسنت مسلمان ہمیشہ نماز قصر پڑھتے آئے ہیں۔ قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہے یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز مغرب اور نماز فجر میں قصر نہیں ہے ان کو سفر میں بھی پورا ہی پڑھنا فرض ہے۔ اگر مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے بھی امام کی اقتداء میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنی فرض ہے۔ مقیم اگر مسافر کے پیچھے اقتداء کرلے تو جب امام دو رکعت پر سلام پھیرے تو مقیم مقتدی کھڑے ہوکر اپنی چار رکعت پوری کرنے کے لئے باقی رکعات پڑھے۔

ہر سفر میں قصر پڑھنا درست نہیں ہے اگر تین منزل کا سفر ہو تو قصر کرنا درست ہے ایک منزل سولہ میل کی لینے سے مسافت قصر ۴۸ میل ہے اور کلومیٹر کے حساب سے ۸۸ کلومیٹر ہے یہ مسافت قصر ہے، اتنی مسافت کے لئے جب اپنی بستی کی حدود سے نکل جائے تو نماز سفر شروع کردے اگرچہ ذرا دور ہی پہنچا ہو اور جب تک کسی بستی یا شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے۔ نماز قصر ہی پڑھتا رہے۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی تو وہاں سے چلنے تک ہر نماز پوری پڑھے قصر نہ کرے۔

سفر میں سنتیں پڑھنے کا حکم: سنتوں میں قصر نہیں ہے البتہ اگر جلدی ہو سواری چھوٹ جانے کا ڈر ہو تو سنتیں بالکل ہی چھوڑی جاسکتی ہیں، اطمینان ہو اور جلدی کا تقاضا نہ ہو تو سنتیں بھی پڑھ لے البتہ وتر ہرگز نہ چھوڑے اور فجر کی سنتیں بھی اہتمام سے پڑھ لے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں دو رکعت نماز ظہر پڑھی اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی دو رکعتیں آپ کے ساتھ پڑھیں اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی اور مغرب کی سفر اور حضر میں تین رکعت نماز پڑھی ان میں سفر اور حضر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی تھی اور یہ دن کے وتر ہیں اور ان کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ (رواہ الترمذی صفحہ ۱۰۵)

حضرت براء بن عازبؓ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹھارہ دن سفر میں رہا، میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔ معلوم ہوا کہ سفر میں سنتیں پڑھنا بھی مشروع ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

ثم اختلف اهل العلم بعد النبی ﷺ فرای بعض اصحاب النبی ﷺ ان یتطوع الرجل فی السفر به یقول

احمد و اسحٰق و لم یر طائفة من اهل العلم ان یصلی قبلها ولا بعدها و معنی من لم یتطوع فی السفر قبول الرخصة و من تطوع فله فی ذلک فضل کثیر و هو قول اکثر اهل العلم یختارون التطوع فی السفر.

(حضور ﷺ کے بعد اہل علم صحابہؓ کا اس میں اختلاف ہوا۔ بعض صحابہؓ کی رائے یہ ہے کہ آدمی سفر میں نوافل پڑھے اور امام اور اسحٰق کا قول بھی یہی ہے۔ اور ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ سفر میں نہ فرض نماز سے پہلے نفل پڑھے اور نہ بعد میں۔ اور سفر میں جس نے سنن ونوافل نہ پڑھیں اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے رخصت کو قبول کیا ہے اور جس نے سفر میں سنن ونوافل پڑھیں اس کے لئے بہت بڑی فضیلت ہے۔ اکثر اہل علم کا قول بھی یہی ہے وہ سفر میں بھی سنن ونوافل کے پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں)

مسافر اگر پوری چار رکعت پڑھ لے؟

قرآن مجید کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا کہ اگر کافروں کے فتنے میں ڈالنے یعنی تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو تو نماز قصر کرنے کی اجازت ہے اسی لئے حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امن وامان ہو تو قصر نہ ہو) اب تو امن وامان ہو گیا (لہٰذا پوری پڑھنی چاہئے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تمہیں تعجب ہو رہا ہے (کہ اب تو امن وامان ہے۔ لہٰذا پوری نماز پڑھا کریں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے لہٰذا اللہ کا صدقہ قبول کرو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۴۱: ج ۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ کافروں کی طرف سے فتنے میں ڈالنے کی شرط جو الفاظ قرآن سے مفہوم ہو رہی ہے یہ شرط ابتداءً تھی بعد میں یہ شرط نہیں رہی اور نماز قصر مستقل ایک حکم بن گئی اور مسافت قصر کے سفر پر ہی قصر کا مدار رہ گیا۔ کسی قسم کا کوئی خوف اور کافروں کی فتنہ گری نہ ہو تب بھی چار رکعت والی نماز قصر ہی پڑھی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کا سفر فرمایا اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ تھا۔ آپ دو، دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۶: ج ۲)

حضرت حارثہ بن وہب نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگ خوب زیادہ امن وامان میں تھے (رواہ مسلم صفحہ ۲۴۳: ج ۱)۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ نے بصیغہ امر ارشاد فرمایا فاقبلوا صدقته کہ اللہ کے صدقے کو قبول کرو، اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قصر کرنا واجب ہے۔ مسافر پوری نماز پڑھ لے گا تو اچھا نہ کرے گا۔ اور چونکہ اس پر دو رکعتیں فرض ہیں اسی لئے دو رکعتوں پر ہی اس کا قعدہ اخیرہ ہے اگر دوسری رکعت پر بیٹھے بغیر کھڑا ہو گیا اور اس طرح چار رکعتیں پڑھ لیں تو دوبارہ نماز پڑھے کیونکہ ترک فرض ہو گیا اور ترک فرض ہو جائے تو سجدہ سہو سے بھی اس کی تلافی نہیں ہوتی۔ اور عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہا ہوں۔ آپ نے دو رکعتوں سے زیادہ (چار رکعت والی فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی اور حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا ہوں، انہوں نے بھی سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھا لیا اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (البتہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات شریفہ میں اسوہ حسنہ یعنی اچھی اقتداء ہے) صحیح مسلم صفحہ ۲۴۲: ج ۱

حضرت عثمانؓ اپنے آخری زمانہ خلافت میں چار رکعتیں پڑھنے لگے تھے (صحیح مسلم صفحہ ۲۴۳: ج ۱) اس پر لوگوں کو اشکال ہوا تو جواب میں کہا گیا کہ انہوں نے تاویل کر لی ہے۔ یہ تاویل خود حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۶: ج ۲ میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی ذباب نے بتایا کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس کو اچھا نہیں جانا حضرت عثمانؓ نے جب لوگوں کی طرف سے انکار دیکھا تو فرمایا کہ میں نے مکہ میں وطن بنالیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں وطن بنالے تو وہاں مقیم والی نماز پڑھے، حضرت عثمانؓ کا تاویل کرنا اور وطن بنانے کی نیت کر کے چار رکعت پڑھنا اور حاضرین کا پوری نماز پڑھنے پر تعجب کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسافر کو قصر ہی پڑھنا لازم ہے اگر سفر میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنا جائز ہوتا یا افضل ہوتا تو حاضرین کو حضرت عثمانؓ کے پوری نماز پڑھنے پر تعجب نہ ہوتا (جبکہ یہ حضرات صحابہؓ اور تابعین تھے) اور حضرت عثمانؓ کو بھی تاویل نہ کرنی پڑتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ

اور جب آپ ان میں موجود ہوں پھر ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور یہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں

فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

پھر جب سجدہ کر چکیں تو یہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ سو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنے بچاؤ کا سامان اور

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ

اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں۔ کافروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یک بارگی

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

حملہ کر بیٹھیں اور تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اگر بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو

اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ

اپنے ہتھیار رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان لے لو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے، سو جب تم نماز ادا

الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ

کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز قائم کرو، بے شک نماز

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

مومنین پر فرض ہے جس کا وقت مقرر ہے

صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام

تفسیر: اس آیت شریفہ میں صلوٰۃ الخوف (خوف کی نماز) کا ذکر ہے لباب النقول صفحہ ۸۱ میں حضرت ابوعیاش زرقیؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آ گئے جو خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھی، آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ہم کو نماز ظہر پڑھائی تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نے غلطی کی جب یہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے (یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ نماز خوف کئی طرح سے ثابت ہے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقے نقل کئے، آیت بالا میں صلوٰۃ خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے ان میں سے ایک جماعت دشمن کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہو جائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اور دشمن کی طرف چلے جائیں اور وہ دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ان کے آنے تک امام ان کی انتظار میں بیٹھا رہے، اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہو گئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ دوسری جماعت سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلی جائے اور پہلی جماعت آ جائے جس کی ایک رکعت جاتی ہے یہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کی طرف چلی جائے پھر دوسری جماعت آ جائے ان کی بھی اب تک ایک رکعت باقی ہے وہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ لیں۔

یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھانا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کر لیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے نماز میں آنا جانا چونکہ حالت اضطرار کی وجہ سے ہے اور شرعی اجازت سے ہے اس لئے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت سے نہ صرف نماز کی بلکہ نماز با جماعت کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے جبکہ دشمن سر پر سوار ہے اس وقت بھی نماز چھوڑنے کا ذکر تو کیا ہوتا بلا جماعت نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر دشمن کا ہجوم اس انداز سے ہو جائے کہ ان کے حملے کی حفاظت کی کوئی صورت نہ بن رہی ہو تو پھر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیں اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو نماز بالکل بھی چھوڑی جا سکتی ہے۔ جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے جب دشمن کا ہجوم نہ رہے تو چھوٹی ہوئی سب نمازیں قضا پڑھ لیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقعہ پر کیا تھا۔

مسئلہ: اگر دو امام بنالیں اور یکے بعد دیگرے ہر جماعت الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل ہے۔ اگر سب ایک ہی کے پیچھے پڑھنے پر اصرار کریں تو اس کا وہ طریقہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

مسئلہ: اگر جنگ کرنے کی حالت میں نماز پڑھیں گے، تو عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس سلسلہ کے بعض مسائل سورہ بقرہ کے رکوع ۳۱ میں گذر چکے ہیں آیت فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُکْبَانًا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَلْیَاْخُذُوْآ اَسْلِحَتَهُمْ میں یہ بتایا کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو ہتھیار ساتھ رکھ لیں اگر مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے اگرچہ قتال کرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی لیکن دشمن کا دفاع کرنے کی وجہ سے نماز توڑنے کا گناہ نہ ہوگا۔

پھر فرمایا وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ کَانَ بِکُمْ اَذًی مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَنْ تَضَعُوْا اَسْلِحَتَکُمْ وَخُذُوْا حِذْرَکُمْ (اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ اپنے ہتھیاروں کو رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو) مطلب یہ ہے کہ بارش یا بیماری کی مجبوری سے ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو اتار کر رکھ سکتے ہیں لیکن دشمنوں سے حفاظت کا دھیان پھر بھی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ہتھیار باندھے نہیں تو قریب میں رکھے رہے یا دشمن کی نگرانی کے لئے کسی کو مقرر کر دیں پھر نماز پڑھیں، پھر فرمایا فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ نماز خود ذکر ہے اور ذکر ہی کے لئے مشروع ہوئی ہے جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ (کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو) نماز اول سے آخر تک ذکر ہے ذکر قلبی بھی ہے اور ذکر لسانی بھی اور ہر عبادت کی روح ذکر ہی ہے۔ ہر حالت میں ذکر کرتے رہنا چاہیئے کھڑے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے ہر حال میں ذکر کریں۔ جب اس دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت آ جائے گی۔ (کما رواہ مسلم صفحہ ۸۴: ج ۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے کہ جو چند لوگ کسی جگہ بیٹھے انہوں نے اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر اگر اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو ان کی مغفرت فرما دے، اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اس نے اس لیٹنے میں اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے اللہ کی طرف سے نقصان کا سبب ہوگا اور جو شخص کسی جگہ چلا اور اس چلنے میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اس کا یہ چلنا نقصان کا باعث ہوگا آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن ان کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا۔ اگرچہ ثواب کے لئے جنت میں داخل ہو جائیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۴۱۰۔۴۰۹: ۲)

جہاد بہت بڑی عبادت ہے اس عبادت کو بھی ذکر سے معمور رکھنا چاہیئے۔ ہر عبادت میں اللہ کے ذکر سے خوب زیادہ

نورانیت آ جاتی ہے یوں نہ سمجھیں کہ جہاد میں تو لگ ہی رہے ہیں ذکر سے غافل ہو گئے کوئی بات نہیں، ذکر ہر حال میں ہر مومن کی جان کا ساتھی ہے۔

فی سبیل اللہ نماز روزہ اور ذکر کا ثواب: حضرت سہل بن معاذؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ فی سبیل اللہ جو مال خرچ کیا جائے، نماز، روزہ اور ذکر کا ثواب اس پر سات سو گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے (الترغیب والترہیب صفحہ ۲۶۷: ج ۲)

پھر فرمایا فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قائم کرو) مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس کا تعلق وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب سفر سے واپس ہو کر مقیم ہو جاؤ تو پوری نماز پڑھو نیز اس کا تعلق نماز خوف سے بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب حالتِ خوف ختم ہو جائے تو نماز کو ٹھیک طرح سے اس کے قواعد مقررہ کے مطابق پڑھو۔

آخر میں فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا بے شک نماز مومنین پر فرض ہے جس کے اوقات مقرر ہیں۔ سفر میں حضر میں، امن میں خوف میں، مرض میں صحت میں، ہر حال میں قواعد شریعہ کے مطابق نماز کو اس کے اوقات میں پڑھو۔ چونکہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اس لئے کسی نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں اور ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں پڑھنے کے لئے مؤخر کرنا جائز نہیں، قصداً وارادۃً نماز کو قضا کر دینا سخت گناہ ہے۔ اگر سوتا رہ جائے یا بھول جائے یا ایسی کوئی مجبوری ہو جائے جس میں دشمن کا ہر طرف سے ہجوم ہو اور نماز پڑھنے کا موقعہ نہ ہو تو بعد میں قضا پڑھ لے۔ سفر میں جمع صوری کی جا سکتی ہے جمع صوری کے طریقے پر نماز ظہر اخیر وقت میں اور نماز عصر اول وقت میں اسی طرح نماز مغرب اخیر وقت میں اور نماز عشاء اول وقت میں پڑھ لے، دیکھنے میں تو جمع کر کے پڑھیں تو حقیقت میں اپنے اپنے وقت میں پڑھیں۔ آیت بالا میں چونکہ نماز کے بارے میں کِتَابًا مَّوْقُوْتًا فرمایا ہے یعنی اس کے اوقات معین اور محدود فرما دیئے ہیں۔ اس لئے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سفر میں بھی جمع حقیقی نہیں ہے معنی یہ کہ دو نمازیں ایک ہی نماز کے وقت میں پڑھی جائیں یہ جائز نہیں ہے۔ مسئلہ: اگر کوئی شخص قصداً نماز ترک کر دے تو جلد اس کی قضا پڑھے اور بہت زیادہ توبہ واستغفار کرے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ

اور دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو، اگر تم کو تکلیف ہوتی ہے تو ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ امید

اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۰۴﴾

رکھتے ہو جو وہ امید نہیں رکھتے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے

دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ دکھاؤ

تفسیر: جب دشمنوں کا پیچھا نہ کیا جائے تو وہ شیر ہو جاتے ہیں اور اہل ایمان کو ضعیف اور کمزور سمجھنے لگتے ہیں اور

حملے کرنے کے ارادے کرتے رہتے ہیں اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو کمزور نہ ہو جاؤ۔ سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔ پھر چونکہ دشمنوں کا پیچھا کرنے سے قتال کے مواقع بھی آجاتے ہیں اور اس میں قتل بھی ہوتے ہیں زخم بھی آتے ہیں اور بھی تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اس لئے ان تکلیفوں کا احساس کم کرنے کے لئے اور طبعی طور پر جو دکھ ہو اس کا ازالہ کرنے کے لئے۔

اگر تم دکھ پاتے ہو تو دشمن بھی تو تکلیف اٹھاتے ہیں: ارشاد فرمایا کہ اگر تم دکھ پاتے ہو اور بے آرام ہوتے ہو تو یہ بات کوئی تمہارے ہی ساتھ خاص نہیں تمہارے دشمن بھی تو دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں تکلیفیں سہتے ہیں مقتول اور مجروح ہوتے ہیں، تم دیکھ لو انہیں کیا ملتا ہے اور تمہیں کیا ملتا ہے؟ تم تو اللہ سے آخرت کے ثواب کی امید رکھتے ہو بڑے بڑے درجات کی امید میں تکلیف اٹھاتے ہو جنت کے آرزومند ہو اتنی بڑی نعمتوں کے سامنے یہ ذرا سی تکلیف کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی اور کافر جو دکھ اٹھاتے ہیں اور تکلیف سہتے ہیں ان میں بہت سے تو موت کے بعد جزا سزا کے قائل ہی نہیں اور جو لوگ موت کے بعد حشر و نشر کے قائل ہیں وہ بھی قتل و قتال کی تکلیفوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے موت کے بعد کسی خیر کے آرزومند نہیں ہیں وہ تو باطل دینوں کے لئے لڑتے ہیں اور آخرت میں ثواب لینے کا کہیں سے کہیں تک بھی انہیں تصور نہیں۔ جب وہ جنگ کرتے ہیں اور جان و مال خرچ کرتے ہیں (حالانکہ وہ باطل پر ہیں اور موت کے بعد انہیں امید بھی خیر کی نہیں) تو تمہیں تو ان سے زیادہ بڑھ چڑھ کر خوب جم کر قتل و قتال کرنا چاہیئے۔ جنگ میں تو تکلیف ہی ہے لیکن تم جنت کی آرزو لئے ہوئے ہو اور کافر کے سامنے اس کے دین باطل کے سوا کچھ بھی نہیں لہٰذا تمہارے لئے کمزوری کا کوئی پہلو نہیں ہمیشہ ہمت سے رہو اور شجاعت دلیری اور بہادری سے کام لو۔ جئے تو غازی مرے تو شہید تمہیں تو کوئی نقصان ہی نہیں۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کچھ علم ہے تمہاری سبھی مصلحتوں کو جانتا ہے تمہارے اعمال سے بھی باخبر ہے۔ حکمت والا بھی ہے اس کے اوامر اور نواہی حکمت کے مطابق ہیں۔ ان کے مطابق عمل کرو گے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ قال صاحب الروح صفحہ ۱۳۸: ج ۵ **فجدوا في الامتثال فان فيه عواقب حميدة و فوزاً بالمطلوب** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں کوشش کرو کیونکہ اس کے نتائج بہت عمدہ ہیں اور اسی میں مقصد کی کامیابی ہے)

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ

بلا شبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ دیں جو اللہ نے آپ کو سمجھایا۔ اور نہ ہو جائیے

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ

خیانت کرنے والوں کے طرف دار، اور اللہ سے استغفار کیجئے بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جواب دہی نہ کیجئے

يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ

جو اپنی جانوں کی خیانت کر رہے ہیں بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا اس شخص کو جو خیانت کرنے والا گنہگار ہو جو شرماتے ہیں لوگوں سے اور

لَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جس سے اللہ راضی نہیں ہے، اور اللہ

بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

ان کے سب کاموں کو جاننے والا ہے، خبردار تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا والی زندگی میں سو کون جھگڑے گا ان کی طرف سے

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ يَّكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ

قیامت کے دن یا کون ہوگا ان کا کارساز، اور جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے

اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا

وہ اللہ کو پائے گا بخشنے والا مہربان اور جو شخص کوئی گناہ کرے تو یہ گناہ کرنا اسی پر پڑے گا، اور اللہ علیم ہے

حَكِيمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيٓئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۱۱۲﴾

حکیم ہے، اور جو کوئی شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے پھر کسی بری آدمی کو اس کی تہمت لگادے تو اس نے بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادلیا،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوكَ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کرہی لیا تھا کہ آپ کو بہکادیں اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنی ہی جانوں کو

وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ

اور آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچائیں گے اور اللہ نے نازل فرمائی ہے آپ پر کتاب اور حکمت اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ

آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے، نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا

أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۱۴﴾

یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے گا، سو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کو وہ

مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ

کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے، بے شک اللہ اس بات کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا ﴿۱۱۶﴾

جس کے لئے اسے منظور ہوگا بخش دے گا، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو وہ دور کی بڑی گمراہی میں جا پڑا۔

ایک منافق کا چوری کرنا اور اس کی طرف سے دفاع کرنے پر چند تنبیہات

تفسیر: آیت بالا کا سبب نزول ایک واقعہ ہے جسے امام ترمذی نے اپنی کتاب میں حضرت قتادہ بن نعمانؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے میں تین آدمی تھے، بِشر، بُشیر اور مُبَشِّر، ان کو بنی اُبَیرِق کہا جاتا تھا، ان میں بشیر منافق آدمی تھا وہ ایسے شعر کہتا تھا جن میں انبیاء کرام علیہ السلام کے صحابہ کی ہجو ہوتی تھی پھر ان اشعار کو بعض اہل عرب کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ فلاں نے یوں کہا فلاں نے یوں کہا آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (جب ان اشعار کو سنتے تھے تو سمجھ لیتے تھے کہ یہ اسی کی حرکت ہے اور) کہتے تھے کہ اللہ کی قسم یہ شعر تو اسی خبیث نے کہے ہیں اور کہتے تھے کہ یہ ابن الابیرق کے اشعار ہیں، یہ تینوں آدمی حاجت مند تھے ان کو فاقے رہتے تھے جاہلیت میں بھی ان کا یہ حال تھا اور زمانہ اسلام میں بھی ان کی یہ حالت تھی۔ اہل مدینہ کا گذارہ اس وقت کھجوروں اور جو پر تھا۔ جب ملک شام سے مال برآمد کرنے والے تاجر آتے تو میدہ فروخت کرنے کے لئے لے آتے تھے یہ میدہ ایسے لوگ خاص کر اپنے لئے خرید لیتے تھے جو پیسے والے ہوتے تھے جبکہ ان کے اہل وعیال کھجوروں اور جو پر ہی گذارہ کرتے تھے۔

حضرت قتادہ بن نعمان نے مزید بیان فرمایا کہ شام سے کچھ تاجر آئے ان سے میرے چچا رفاعہ بن زید نے میدہ خرید لیا اور اسے اوپر کی منزل کے ایک کمرہ میں رکھ دیا اس کمرہ میں ہتھیار بھی تھے زرہ تھی اور تلوار بھی نیچے سے کسی نے اس کمرے میں نقاب ڈال کر کھانے کی چیز (یعنی میدہ) اور ہتھیار چرا لئے۔ جب صبح ہوئی تو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اس رات میں ہمارے اوپر زیادتی کی گئی ہے کمرہ میں نقب لگایا گیا ہے اور ہمارا کھانے کا سامان اور ہتھیار کوئی شخص لے گیا۔ اس پر ہم نے تجسس کیا اور پتہ چلانے کی کوشش کی (محلے میں) پوچھ گچھ کی تو ہمیں لوگوں نے بتایا کہ بنی ابیرق نے اس رات میں آگ جلائی ہے (یعنی کھانے پکائے ہیں) اور ہمارا اندازہ یہی ہے کہ انہوں نے آپ ہی لوگوں کا مال چرا کر کھانے پکانے میں رات گذاری ہے جب ہم پوچھ گچھ کر رہے تھے اس وقت بنو ابیرق بھی موجود تھے وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کا یہ مال لبید بن سہل نے چرایا ہے۔ لبید بن سہل نیک آدمی تھے سچے مسلمان تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو اپنی تلوار نکالی اور کہنے لگے کیا میں چراؤں گا؟ اللہ کی قسم یا تو یہ چوری پوری طرح ظاہر ہو جائے گی ورنہ میں اسی تلوار سے تمہاری خبر لے لوں گا، میرے خاندان والوں نے کہا کہ آپ اس فکر میں نہ پڑیں، ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ کام کرنے والے نہیں ہیں، ہم برابر پوچھ گچھ کرتے رہے، یہاں تک کہ اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اس کام کے کرنے والے بنو ابیرق ہی ہیں میرے چچا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کر دو۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا میں نے عرض کیا کہ ہمارے قبیلے میں ایک خاندان ہے جن سے دوسروں سے تعلقات اچھے نہیں ہے انہوں نے میرے چچا رفاعہ کے گھر میں نقب لگا کر ہتھیار اور کھانے کا سامان چرا لیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہتھیار واپس کر دیں اب رہا کھانے کا سامان ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس بارے میں مشورہ کروں گا جب بنو اُبیرق کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے اُسیر بن عروہ نامی ایک شخص سے بات کی اور کچھ لوگ جمع ہو کر

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے قبیلے کے ایک خاندان پر جو مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے، حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا کہ ایک خاندان جس کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں تم بغیر کسی دلیل اور گواہوں کے ان کو چوری کی تہمت لگا رہے ہو۔ میں واپس ہوا اور مجھے یہ تمنا ہوئی کہ میرا کچھ مال جاتا رہتا اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے میں بات نہ کرتا تو اچھا ہوتا میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے ان کو وہ بات بتادی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اس پر چچا نے کہا اللّٰہ المستعان کہ اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اس کے بعد تھوڑا سا ہی وقت گذرا تھا کہ قرآن مجید میں آیات بالا نازل ہوئیں۔ ان آیات میں خَائِنِیْنَ سے بنو اُبیرق مراد ہیں۔ ارشاد ہوا: وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا (یعنی آپ خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنیے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ (کہ قتادہ سے جو آپ نے بات کہی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے)۔

جب قرآن مجید کی آیات بالا نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہتھیار حاضر کر دیئے گئے، آپ نے ہتھیار رفاعہ کو واپس فرما دیئے اس کے بعد بُشیر مشرکین کے ساتھ جا کر مل گیا اور سلافہ بن سعد کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ اس پر یہ آیت شریفہ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ (الی قوله) فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا نازل ہوئی۔ جب بشیر سلافہ کے پاس جا کر مقیم ہو گیا تو حسان بن ثابت نے کچھ شعر کہے۔ جن میں سلافہ کو متہم کیا سلافہ نے بُشیر کی اونٹنی کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر سے باہر سنگ ریزوں والی زمین پر جا کر پھینک دیا اور کہنے لگا تو میرے بارے میں حسان کے اشعار کا ذریعہ بن گیا مجھے تجھ سے کسی خیر کی امید نہیں۔

منکرین حدیث کی تردید: اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اولاً تو اپنے نبی مکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اپنی اس سمجھ کے ذریعہ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور قرآن کے معانی اور مفاہیم بھی آپ کو بتائے ہیں۔ دور حاضر میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جو یہ کہتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے۔ اس نے قرآن لا کر دے دیا آگے ہم اپنی سمجھ سے سمجھ لیں گے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت بالا سے ان لوگوں کی کھلی تردید ہو رہی ہے، سورۂ نحل میں فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا اور تا کہ وہ فکر کریں) معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف کتاب کا پہنچانا ہی نہ تھا بلکہ کتاب کا سمجھانا اور اس کے معانی اور مفاہیم کا بیان کرنا بھی منصب نبوت میں شامل تھا۔

خیانت کرنے والوں کی طرفداری کی ممانعت: اس کے بعد ارشاد فرمایا وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا کہ آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔ اور اللہ سے استغفار کریں۔ چونکہ آپ نے حضرت قتادہ جیسے مخلص صحابی کی بات پر زیادہ توجہ دینے کی بجائے یہ فرمادیا کہ میں مشورہ کروں گا جس سے اصلی چوروں کو اپنی بات کو آگے

چلانے کا اور اپنے آپ کو بری کرانے کا کچھ موقعہ مل گیا اور اس طرح سے غیر شعوری طور پر ان کی کچھ حمایت سی ہو گئی جس کا ارادہ نہ تھا اور جو صورت حال سامنے آئی تھی اس میں جہاں یہ پہلو تھا کہ بغیر گواہ اور دلیل کے کسی پر یقین نہ کیا جائے وہاں یہ پہلو بھی سامنے ہونا مناسب تھا کہ جو خاندان مسلمانوں سے مل جل کر نہیں رہتا تھا اور ان میں ایک فرد بدترین منافق بھی تھا اس وجہ سے تحقیق حال میں جلدی کی جاتی اور حضرت قتادہؓ کو تسلی بخش جواب دیا جاتا اس لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں اور استغفار کا بھی حکم فرمایا بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں پھر مزید تاکید فرمائی کہ جو لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہیں آپ ان کی طرف سے جواب دہی نہ کیجئے ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ دوسروں کا مال چرا کر تو خیانت کی ہی ہے اپنے نفسوں کی بھی خیانت کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مال چرا کر اپنے کھانے پینے کا کام چلا کر بڑی ہوشیاری کا کام کیا اور اپنے خیال میں اس سے زیادہ ہوشیاری یہ کی کہ اپنا کیا ہوا عمل دوسرے کے سر ڈال دیا اس میں خود اپنے نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ اس کا وبال آخرت میں خود ان پر پڑے گا، اور جب دنیا میں حقیقت ظاہر ہو گئی تو یہاں بھی ذلیل ہوئے۔ ان خیانت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں سے چھپتے ہیں تاکہ ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور اللہ سے تو چھپ ہی نہیں سکتے۔ لوگوں سے شرماتے ہیں اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو بیٹھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے وہ راضی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ تم دنیا والی زندگی میں ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہو یہاں کی جوابدہی کرنے سے اگر کوئی شخص اپنے کالے کرتوت سے بری ہو بھی جائے تو قیامت میں جب مواخذہ ہوگا اس وقت کون اللہ کے سامنے پیشی کے وقت ان کی طرف سے جوابدہی کرے گا، اور وہاں ان کا کون وکیل ہوگا۔ وہاں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ وکیل ہوگا، اپنا کیا ہر ایک کو خود بھگتنا ہوگا اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال چرا کر یا خیانت کر کے یا ڈاکہ ڈال کر یا فائلوں میں ردو بدل کر کے یا کسی صاحبِ اقتدار سے مل جل کر اپنا کیس دبا دیتے ہیں اور دوسروں کا مال کھا جاتے ہیں یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں ہم نے کاغذات ٹھیک کر کے یا کسی صاحبِ اقتدار کی پناہ لے کر اپنی جان کو دنیا میں بچا لیا تو آخرت میں بچ گئے۔ آخرت کا حساب ہر گھڑی سامنے رکھنا لازم ہے وہاں کوئی مددگار اور وکیل نہ ہوگا۔

پھر فرمایا وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا) جو بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے توبہ استغفار کرے اور اسی توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس کسی کا کوئی مال لیا ہے وہ واپس کرے وہ چرانے والا شخص جو چوری ظاہر ہونے کے بعد مدینہ منورہ سے فرار ہو گیا اور دین اسلام کو بھی چھوڑ دیا اسے اور اس طرح کے تمام لوگوں کو تنبیہ ہے کہ گناہ ہو جانے پر اللہ سے دور نہ ہوتے چلے جائیں بلکہ قریب آئیں اور توبہ استغفار میں مشغول ہوں۔

پھر فرمایا وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (اور جو شخص کوئی

گناہ کر لے تو اپنی ذات ہی کے لئے گناہ کرتا ہے اپنے کئے کی سزا بھگتے گا اور اللہ علم والا ہے جسے سب کچھ پتہ ہے اور حکمت والا ہے، حکمت کے مطابق سزا دے گا)۔

اپنا جرم کسی دوسرے پر ڈالنے کی مذمت اور اس پر وعید: پھر فرمایا وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا (کہ جس شخص نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کیا پھر اس کو کسی دوسرے پر پھینک مارا جو اس سے بری ہے تو اس نے بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لاد دیا)۔ چونکہ اس میں دوہرا گناہ ہے ایک تو وہ گناہ جس کا ارتکاب کیا اور اوپر سے دوسرا گناہ یہ کہ کسی ایسے شخص پر ڈال دیا جو اس سے بری ہے، اس کو صریح گناہ بتایا جو ظاہر ہے اور بڑا بہتان اس لئے فرمایا کہ اس نے جانتے بوجھتے ہوئے خود گھڑا ہے کسی غلط فہمی کی بنیاد پر یا کسی دوسرے سے سن کر نہیں کہا۔ لہٰذا یہ بہتان عظیم ہے اس کی سزا ظاہر ہے خوب زیادہ ہوگی جو لوگ ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں وہ غور فکر کریں۔

پھر فرمایا وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْکَ اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے ساتھ نہ ہوتی جس نے بذریعہ وحی آپ کو حقیقت حال سے باخبر فرما دیا تو کچھ لوگ یہ ارادہ کر ہی چکے تھے کہ آپ کو غلطی میں مبتلا کر دیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا اس کے ذریعہ خود ہی راہ حق سے ہٹے، یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور آپ کو وہ چیزیں بتائیں جنہیں آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ بعض مرتبہ اپنے اجتہاد سے فیصلے فرماتے تھے یہ فیصلے اسی فہم پر مبنی تھے جو آپ اصولی طور پر قرآن مجید سے سمجھتے تھے۔ ان میں غلطی کا امکان نہ تھا اور اگر کبھی کوئی لغزش ہوگئی جو آپ کے بلند مرتبہ کے شایان شان نہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرما دیتے تھے۔

آپ کے علاوہ دیگر قضاۃ اور ائمہ جو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کریں یا امور غیر منصوصہ میں کوئی اجتہاد کریں تو ان کو بھی لازم ہے کہ قرآن وحدیث کے اصول وفروع کو سامنے رکھ کر اجتہاد کریں خالص اپنی ذاتی رائے اور ذاتی خیال معتبر نہیں۔ پھر ان کے اجتہاد پر غلطیوں کا بھی امکان ہے۔ اسی لئے آپس میں مجتہدین کا اختلاف ہوا۔ باوجود غلطیاں ہو جانے کے ثواب پھر بھی ملتا ہے کیونکہ اجتہاد کا کام یہ حضرات دینی ضرورت سے اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ امور منصوصہ میں اجتہاد جائز نہیں۔ خوب سمجھ لیں۔

کون سے مشوروں میں خیر ہے؟ پھر فرمایا لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ یعنی جو لوگ آپس میں مشورے کرتے ہیں ان کے بہت سے مشوروں میں کوئی خیر نہیں کیونکہ یہ مشورے اللہ کی رضا کے خلاف بھی ہوتے ہیں اور ان مشوروں میں احکام اسلامیہ کے خلاف بھی باتیں سوچی جاتی ہیں۔ ہاں ان مشوروں میں اگر کوئی ایسی بات ہو کہ ایک دوسرے کو آپس میں صدقہ دینے کے لئے کہا جائے یا کسی نیک کام کے کرنے کا حکم ہو یا لوگوں کے درمیان صلح کرا دینے کی بات ہو تو یہ

مشورے خیر کے مشورے ہوں گے۔ اللہ کی رضا کے لئے جو شخص یہ کام کرے گا اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ اس کا تعلق اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ سے ہے جن لوگوں نے چوری کی تھی وہ رات کو ایسے مشورے کرتے رہے کہ ہم چوری کے الزام سے کیسے بچیں اور اس چوری کو کسی کے سر دھریں، سبب نزول تو ان چوری کرنے والوں کا عمل ہے لیکن قرآن مجید میں ایک عام طریقہ پر مشوروں کا حکم بیان فرما دیا کہ لوگوں کے مشوروں میں عام طور سے خیر نہیں ہوتی۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے کوئی مشورہ کرتے ہیں اور خیر کے کام کے لئے فکر کرتے ہیں اور اس فکر کے لئے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں یہ لوگ بڑے اجر کے مستحق ہیں۔ سورہ مجادلہ میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ (کہ اے ایمان والو جب تم آپس میں خفیہ طریقے پر مشورے کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے مشورے نہ کرو۔ اور بھلائی کے اور تقویٰ کے مشورے کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے) مومن کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سب اللہ کی رضا کے لئے ہونی چاہیئے، ہر عمل میں تقویٰ اور آخرت کی پیشی سامنے رہے۔

صلح کرا دینے کی فضیلت: آیت میں فرمایا کہ صدقہ کا حکم اور امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دینا) اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا ان کاموں کا مشورہ ہونا چاہیئے اصلاح بین الناس یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا ان کی رنجشیں دور کر دینا اور ان کے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کرنا روٹھے ہوئے دوستوں کو منا دینا میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کرا دینا بہت بڑی ثواب کی چیزیں ہیں حضرت ابو درداءؓ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو نفلی روزوں اور صدقہ دینے اور نفلی نماز پڑھنے کے درجے سے بھی افضل چیز نہ بتا دوں، ہم نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے آپ نے فرمایا کہ یہ چیز آپس میں صلح کرا دینا ہے (پھر فرمایا کہ) آپس کا بگاڑ مونڈ دینے والا ہے (رواہ ابوداؤد والترمذی وقال ھٰذا حدیث صحیح)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بغض مونڈ دینے والی صفت ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ ﷺ کیخلاف راہ اختیار کرنا داخلۂ دوزخ کا سبب ہے

پھر فرمایا وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی (الآیۃ) کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ کا اتباع کرے ہم اسے وہ کرنے دیں گے جو کرتا ہے (یعنی اپنے اختیار سے جس برائی میں لگا ہوا ہے دنیا میں ہم اسے کرنے دیں گے اس کا اختیار سلب نہیں کریں گے) اور اسے جہنم میں داخل کریں گے (یہ اس کو آخرت میں سزا ملے گی) اور دوزخ بری جگہ ہے اس آیت میں دو باتوں میں دوزخ کے داخلہ کی خبر دی گئی اول یہ کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا، وہ تمام لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا علم ہوا اور پھر اسلام قبول نہ کیا اور ہر وہ شخص جس نے اسلام قبول کر لیا اور پھر

اسلام قبول کر کے اسلام سے پھر گیا وہ سب لوگ اس آیت کی وعید میں شامل ہیں۔ چوری کرنے والا وہ شخص جس کا واقعہ ان آیات کا سبب نزول بنا۔ مرتد ہو کر چلا گیا تھا اس لئے اس بات کو یہاں ذکر کیا گیا لیکن مفہوم اس کا عام ہے ہمیشہ جب کبھی کوئی شخص اسلام کو قبول کرے پھر مرتد ہو جائے اس آیت کا مضمون اس پر صادق آئے گا یعنی وہ دوزخ میں جائے گا۔

اجماع امت بھی حجت ہے: دوسری بات یہ بتائی کہ جو شخص مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ اختیار کرے گا، وہ دوزخ میں داخل ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ جیسا کہ دین اسلام میں قرآن وحدیث حجت ہیں۔

اسی طرح اجماع امت بھی حجت ہے کیونکہ قرآن مجید کا مطلب اور عقائد واعمال کی تفصیلات جو حضرات صحابہؓ سے لے کر ہر زمانے کے علماء صلحا اور مشائخ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا ہی ذریعہ نجات ہے۔ ان ہی کے ذریعہ قرآن مجید کی تفسیر ہم تک پہنچی جو رسول اللہ ﷺ نے بتائی آپ سے سمجھ کر حضرات صحابہؓ نے تابعین کو بتائی پھر انہوں نے آگے اس کی روایت کی۔ عقائد بھی انہی حضرات کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور فرائض وواجبات کا بھی انہی کے ذریعہ پتہ چلا اب جو کوئی شخص ان حضرات کو بیچ میں سے نکال کر خود اپنے پاس سے قرآن کی تفسیر کرے گا اور آیات کے معانی ومفاہیم اپنے پاس سے تجویز کرے گا، اور احکام اسلام کی اپنے طور پر تشریح کرے گا یا حجیت حدیث کا منکر ہوگا یا امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا دوزخی ہوگا جو لوگ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں یا جو لوگ پانچ نمازوں کے منکر ہیں یا جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں یا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے یا انکی طبعی موت واقع ہونے کے قائل ہیں یہ سب لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام سے لے کر اب تک پوری امت کے جو عقائد ہیں یہ لوگ ان کے منکر ہیں اپنے تراشیدہ عقیدہ کے حامل ہیں۔ (اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ طبعی موت سے دنیا سے تشریف لے گئے وہ قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لا کر امن وامان اور عدل وانصاف قائم کریں گے)

روح المعانی صفحہ ۱۴۶: ج ۵ میں ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے ایک شخص نے کہا کہ اجماع کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے تین دن تک روزانہ رات اور دن میں تین تین بار پورا قرآن مجید پڑھا ان کو یہ آیت مل گئی جس سے انہوں نے اجماع امت کے حجت ہونے پر استدلال کیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ نے مجھ سے میری امت کے بارے میں تین وعدے فرمائے، اور ان کو تین چیزوں سے امان دی۔

اول یہ کہ کبھی پوری امت قحط کے ذریعہ ہلاک نہ ہوگی۔

دوم یہ کہ ان کا کوئی دشمن ان کو بالکل ہی ایک ایک فرد کر کے ختم نہ کر سکے گا۔

سوم یہ کہ اللہ ان کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا (رواہ الدارمی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۵۱۴)

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تین چیزوں سے امان دی۔

اول یہ کہ تمہارا نبی تم پر بددعا نہ کرے گا، جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ۔

دوم یہ کہ اہل باطل اہل حق پر غلبہ نہ پائیں گے (جس سے حق مٹ جائے اور نور حق ختم ہو جائے)

سوم یہ کہ تم لوگ گمراہی پر جمع نہ ہو گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۳: ج ۲)

گمراہوں کی ایک جاہلانہ بات کی تردید: گمراہی کی دعوت دینے والے بعض لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم گمراہ ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہلاک کیوں نہیں فرما دیتا؟ آیت بالا میں اس کا بھی جواب دے دیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ نے نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰی فرما کر یہ بتایا ہے کہ جو شخص گمراہی کے راستہ پر چلتا ہے ہم اسے اس راہ پر چلنے دیتے ہیں کیونکہ یہ دنیا ابتلاء اور امتحان کی جگہ ہے، دنیا میں ایمان بھی ہے اور کفر بھی ہے اگر کسی پر جبر کیا جائے تو اختیار باقی نہ رہنے کی وجہ سے دنیا دارالامتحان نہ رہے گی۔ جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے اور تنبیہ کرنے والوں کی تنبیہ پر بھی واپس نہیں آتا۔ اللہ جل شانہٗ اس کے دل میں مزید زیغ اور گمراہی ڈال دیتے ہیں جیسا کہ سورہ صف میں ارشاد فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور زیادہ ٹیڑھا کر دیا)۔

دنیا میں جو شخص اپنے لئے ہدایت کو اختیار کرے گا، اس کی اسی پر مدد کی جائے گی اور اسی کے مطابق اس کے لئے اللہ کی طرف سے آسانی فراہم ہوتی رہے گی۔ اور جو شخص اپنے لئے گمراہی کو اختیار کرے گا، اس کے لئے گمراہی کے راستے کھلتے رہیں گے۔ اور آخرت میں ہر شخص اپنے عقائد و اعمال کے اعتبار سے جنت یا دوزخ میں لایا جائے گا۔ آیت بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنا دوزخ میں لے جانے والا ہے۔

مشرکین کی بخشش نہیں وہ دور کی گمراہی میں ہیں

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (الآیۃ) یہ آیت شریفہ چند رکوع پہلے سورہ نساء ہی میں گذر چکی ہے البتہ آخر کے الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ آیت کی تفسیر اور تشریح ہم وہاں لکھ چکے ہیں۔ یہاں اس مناسبت سے سابقہ مضمون کا اعادہ فرمایا ہے کہ چوری کرنے والا منافق ظاہراً بھی کافر ہو گیا تھا اور مشرکوں میں جا کر مل گیا تھا۔

فائدہ: صاحب روح المعانی صفحہ ۱۴۸: ج ۵ فرماتے ہیں کہ چند رکوع پہلے اس آیت کے ختم پر فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا فرمایا اور یہاں فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا فرمایا۔

اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہاں یہودیوں کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ انہوں نے جو کچھ اپنی کتاب میں پڑھا تھا اس کی وجہ سے اس بات میں انہیں بالکل شک نہیں تھا کہ سیدنا محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور ان کی شریعت کا اتباع فرض ہے اور وہ جو کچھ ایمان کی دعوت دیتے ہیں اس کا ماننا لازم ہے اس سب کے باوجود انہوں نے شرک کی راہ اختیار کی اور کفر پر جمے رہے لہٰذا ان کا یہ عمل افترا ہو گا اور اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے رہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم جس دین پر ہیں وہی اللہ تعالیٰ کا محبوب دین ہے اور یہاں خالص مشرکین سے بات ہو رہی ہے جو اس سے پہلے نہ کتاب کو جانتے تھے نہ وحی سے واقف تھے ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہدایت اور دین حق لے

کرکوئی شخص نہیں آیا تھا۔لیکن حجت کے ساتھ حق واضح ہونے کے بعد اپنی سابقہ گمراہی پر ہی برقرار رہے اور شرک ہی کو اختیار کئے رہے اس لئے ان کے حق میں فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا فرمایا اور یہ بتایا کہ یہ لوگ گمراہ تو تھے ہی اور زیادہ گمراہ ہوتے چلے گئے اور دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

ملت ابراہیمیہ میں جو توحید کا حکم تھا یہ اس کو پشت پیچھے ڈال کر مشرک ہو گئے تھے اور سمجھانے پر بھی شرک سے باز نہ آئے گمراہی میں ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ

یہ لوگ اللہ کے سوا صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور نہیں پکارتے مگر شیطان کو جو سرکش ہے جس پر اللہ نے لعنت کی اور شیطان نے کہا

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ

میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا، اور امیدیں دلاؤں گا اور ان کو تعلیم دوں گا سو وہ

اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ

جانوروں کے کانوں کو کاٹیں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا سو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلا کریں گے اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنالے

اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

سو وہ صریح نقصان میں پڑ گیا، شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف فریب والے وعدے کرتا ہے

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

مشرکین مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان کے فرمانبردار ہیں

تفسیر: اوپر شرک کا ذکر تھا ان آیات میں شرک کی بعض صورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔شرک اور کفر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ہر کام یہ سب شیطان کے سمجھانے سے اور اس کے راہ بتانے سے وجود میں آتا ہے شیطان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جو مجھے گمراہ قرار دیا ہے تو میں بنی آدم سے اس کا بدلہ لے لوں گا۔ بنی آدم کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی طرف لگا لوں گا تھوڑے بہت ہی لوگ بچیں گے۔ اکثر لوگوں کو اپنی اطاعت پر ڈال دوں گا، جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے اور ان کی ذریت پھیلنی شروع ہوئی اور شیطان مردود بھی دنیا میں آ گیا جو اپنی سرکشی کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہو چکا تھا تو اس نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈالنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید چھڑا کر کفر اور شرک پر لگا دیا۔ بتوں کی پوجا کرنے کی تعلیم دی اور بتوں کے نام بتائے اور ان کے زنانے نام رکھوائے۔

اہل عرب نے جو بت تراش رکھے تھے ان میں لات اور منات اور عزیٰ کے نام معروف و مشہور ہیں یہ سب نام نسوانی ہیں یعنی ان کے لفظوں میں تانیث ہے۔ ہندوستان کے مشرکین میں جیسے کالی دیوی اور درگی وغیرہ مشہور ہیں ایسے ہی

عربوں میں بتوں کے زنانے نام تھے۔ یہ سب شیاطین کے بنائے ہوئے اور بتائے ہوئے بت ہیں۔ ان بتوں کو سجدے بھی کرتے ہیں ان کی نذریں بھی مانتے ہیں اور ان کے نام پر جانور بھی چھوڑتے ہیں اور نشانی کے لئے ان کے کان چیر دیتے ہیں یا کانوں میں سوراخ کر دیتے ہیں تا کہ یہ نشانی رہے کہ یہ بت کے نام پر چھوٹا ہوا ہے۔ جو کچھ شیطان نے کہا تھا اس نے بنی آدم سے وہ سب کچھ کروالیا۔ اکثر بنی آدم نے دشمن کی بات مان لی اور خالق و مالک جل مجدہٗ کی ہدایت پر عمل نہ کیا۔ شرک اختیار کر لیا اور توحید سے منہ موڑ لیا۔ کانوں کا چیرنا اور سوراخ کرنا بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی ہے بچوں کے کانوں کو چھید دیتے ہیں، ان میں کوئی بُندہ وغیرہ ڈال دیتے ہیں اور اس کا نام بُندو رکھ دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے بچہ زندہ رہے گا۔ جو قومیں ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہوئیں اور اسلام کو پڑھا اور سمجھا نہیں ان لوگوں میں دین سابق کے شرک کے اثرات باقی رہ گئے۔ قبروں کی پرستش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بتوں کو چھوڑ کر قبروں پر شرک کرنے لگے۔ یہی قبر پرست اگر ان سے بت کو سجدہ کرنے کے لئے کہا جائے تو کبھی نہ کریں گے، اور قبروں کو سجدہ کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے حالانکہ غیر اللہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

تغییر خلق اللہ: ابلیس نے یہ بھی کہا وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کہ میں بنی آدم کو سکھاؤں گا کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو بدل ڈالیں شیطان اس کی بھی تعلیم دیتا ہے اور لوگ اس کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں جو بنی آدم میں رواج پائے ہوئے ہیں۔ مشہور ترین تو یہی ہے کہ ڈاڑھیاں مونڈی جاتی ہیں آج کی دنیا میں شاید ہی کوئی گھر ایسا خالی ہو جس میں ڈاڑھی نہ مونڈی جاتی ہو اس کے علاوہ گودنا بھی رواج پذیر ہے سوئی سے گود کر رنگ بھر دیتے ہیں۔ اس سے جسم پر کئی طرح کی تصویریں بنا لیتے ہیں۔ ہندوؤں میں تو گودنے کا بہت زیادہ رواج ہے مگر مسلمان بھی گودنے کا کام کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ:

لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ (یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اور ان عورتوں پر جو (ابرو یعنی بھوؤں کے بال) چننے والی ہیں (تا کہ بھویں باریک ہو جائیں) اور خدا کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو حسن کے لئے دانتوں کے درمیان کشادگی کراتی ہیں جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ بات سن کر ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں؟ فرمایا کہ میں ان لوگوں پر کیوں لعنت نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی، اور جن پر اللہ کی کتاب میں لعنت آئی ہے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ میں نے سارا قرآن پڑھ لیا مجھے تو یہ بات کہیں نہ ملی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تجھے ضرور یہ بات مل جاتی کیا تو نے یہ نہیں پڑھا۔ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اور رسول تم کو جو (ہدایت) دے اسے قبول کر لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ)۔

یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں یہ تو قرآن میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے جن کاموں

کے کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا قرآن کی رو سے بھی ان کاموں کی ممانعت ثابت ہوئی کیونکہ قرآن نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جن باتوں کا حکم دیں ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکیں ان سے رک جاؤ۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۱)

کسی انسان کو خصی کرنا یا خود خصی ہونا یہ بھی تغییر خلق اللہ میں شامل ہے جو شرعاً ممنوع ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لیس منا من خصی ولا اختصیٰ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خصی کرے اور جو خود خصی ہو (رواہ فی شرح السنۃ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۶۹)

ختنہ کرنا اور ناخن کاٹنا اور جن بالوں کو صاف کرنے کا شرعاً حکم دیا گیا، جیسے بغلوں کے بال وہ حکم شرعی ہونے کی وجہ سے اس تغیر میں داخل نہیں جس کا شیطان نے حکم دیا ہے بلکہ بعض قوموں کو تو اس نے ان جگہوں کے بالوں کو بڑھانے کا بھی حکم دے رکھا ہے جیسے کہ سکھ کرتے ہیں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے حکم پر چلے۔

شیطان مردود سے دوستی کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ صریح نقصان میں چلا گیا اور یہ نقصان آخرت کا عذاب ہے جو شیطان کی دوستی کے نتیجے میں ہمیشہ بھگتنا پڑے گا۔

شیطان جھوٹے وعدے کرتا ہے اور آرزوؤں پر ڈالتا ہے:

پھر فرمایا یَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ کہ شیطان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور آرزئیں دلاتا ہے۔ اللہ کی رضا مندی کے جو کام ہیں ان کے خلاف ابھارتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا کرو گے تو اس تکلیف میں پڑ جاؤ گے اور ایسی ایسی لذت سے محروم ہو جاؤ گے سورہ بقرہ میں فرمایا۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (شیطان تم سے تنگدستی کے وعدے کرتا ہے یعنی یہ ظاہر کرتا ہے کہ نیک کاموں میں خرچ کرو گے تو تنگدست ہو جاؤ گے اور تمہیں برائیوں کا حکم دیتا ہے) آرزوئیں دلانے کا مطلب یہ ہے کہ جوانوں کو کہتا ہے کہ دل کھول کر گناہ کر لو بڑی زندگی پڑی ہے۔ توبہ کر لینا، کوئی بوڑھا شخص توبہ کرنا چاہے تو اس سے کہتا ہے ابھی تو تمہاری عمر اچھی خاصی ہے، ابھی تھوڑا ہی مر رہے ہو اسی طرح سے کوئی حلال کمائی میں لگے تو اس سے کہتا ہے کہ میاں اتنے ذرا سے پیسوں میں کیا ہوگا، دنیا کما کھا رہی ہے تم ہی کو تقویٰ سوار ہے، ایسی باتیں سجھا کر حرام آمدنی اور حرام کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور اس میں بڑے بڑے فائدے بتاتا ہے اور اس طرح سے شیطان کے بہت سے وعدے ہوتے رہتے ہیں اور وہ آرزوئیں دلاتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ محض دھوکہ اور فریب ہوتا ہے اس کی باتوں میں آ کر خدا پاک کا نافرمان بن جانا اپنے کو عذاب دوزخ میں دھکیلنا ہے جب دوزخ میں داخل ہونے لگیں تو کوئی راہ بچنے کی اور فرار کی نہ پائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝۱۲۲ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور کون ہے جس کا کہنا اللہ سے زیادہ سچا ہو۔ نہ تمہاری آرزوؤں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

جو شخص برا عمل کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا اور نہ پائے گا اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار اور جو شخص نیک عمل کرے

مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں، اور ان پر اتنا ظلم بھی نہ ہوگا جتنا گڑھا کھجور کی گٹھلی میں ہے

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ

اور اس سے بڑھ کر دین کے اعتبار سے کون اچھا ہوگا جس نے اپنی ذات کو اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ اچھے کام کرنے والا ہے اور اس نے ابراہیم کی ملت کا اتباع کیا جو سارے دینوں کو چھوڑ کر اللہ

اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ہی کی طرف مائل ہونے والے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو دوست بنا لیا اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

اہل ایمان کے لئے بشارت اور آرزوؤں پر بھروسہ کرنے کی ممانعت

تفسیر: ان آیات میں اول تو ان حضرات کے لئے جو اہل ایمان ہوں اور اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہوں ایسے باغوں میں داخلے کی خوشخبری دی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور فرمایا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو بالکل سچا پکا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہو سکتا ہے۔ جب اللہ نے وعدہ فرمالیا تو اب ایمان اور اعمال صالحہ کو اپنانا اور اس کے مطابق زندگی گذارنا بندوں کا سب سے بڑا اہم فریضہ ہوا۔

اس کے بعد فرمایا لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ لباب النقول صفحہ ۸۳ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے کہا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی داخل نہ ہوگا اور قریش نے کہا کہ ہم موت کے بعد اٹھائے ہی نہ جائیں گے (تاکہ کوئی عذاب کی صورت سامنے آئے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر حضرت مسروق تابعی سے نقل کیا کہ نصاریٰ اور مسلمان جمع ہوئے اور آپس میں فخر کرنے لگے ہر فریق نے یہ کہا ہم تم سے افضل ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی بات زیادہ اقرب وانسب معلوم ہوتی ہے۔ جس میں قریش کو خطاب ہے کہ تم خود ہی سارے فیصلے کر رہے ہو، تمہارا عجیب حال ہے، شرک بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں لگے رہو اور جب موت کے بعد کے مواخذہ کا ذکر آئے تو یوں کہہ کر مطمئن ہو جاؤ کہ ہمیں تو موت کے بعد اٹھنا ہی نہیں ہے نہ جزا نہ سزا نہ ثواب نہ عقاب، یہ جو تمہارا خیال ہے محض ایک جھوٹی آرزو ہے۔ فیصلے کا حق خالق اور مالک جل مجدہ کو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور زندگی دی اور زندگی کے بعد موت دے گا اس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بتایا کہ موت کے بعد جی اٹھنا ہے اور کفر اور شرک پر دوزخ کا داخلہ ہوگا جس میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہوگا خالق و مالک جل مجدہ نے کافر و مشرک کے لئے جو کچھ طے کیا ہے اور جو خبر دی ہے اسی کے مطابق ہوگا اپنے خیال سے یہ طے کر کے مطمئن ہو جانا کہ موت کے بعد کچھ نہیں اور ہم جو کچھ کرتے ہیں اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ یہ سب جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ آرزوؤں پر مدار نہیں ہے۔

مدار اس فیصلے پر ہے جو خالق مالک نے اپنے بندوں کے لئے طے فرمادیا اور پھر بتا بھی دیا اسی طرح سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا یہ ایک اپنا خود ساختہ خیال ہے۔ محض ایک آرزو ہے جو خود سے تجویز کر لی ہے، آرزو سے کچھ نہیں ہوتا۔ نجات کا دارومدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنا آخری نبی بھیج دیا (ﷺ) جس کی نبوت کے بارے میں یہود و نصاریٰ پہلے سے جانتے تھے۔ اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے تھے۔ علامات سے پہچان لیا کہ واقعی یہ اللہ کے وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ معجزات سے پرکھ لیا۔ اس کے باوجود اللہ کے آخری نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ کفر پر جمے ہوئے ہیں اور آرزو یہ لئے بیٹھے ہیں کہ جنت میں بس ہم ہی ہم ہوں گے اور کسی کا داخلہ نہ ہوگا۔ آرزوؤں سے کام چلنے والا نہیں ہے حقائق کو سامنے رکھو۔ دلائل کو دیکھو، جھوٹی آرزوئیں برباد کردیں گی۔

حضرت مسروق نے جو آیت کا سبب نزول بتایا کہ نصاریٰ نے اور مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے پر فخر کیا تھا اور ہر ایک نے اپنے کو افضل بتایا تھا اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی اس کے اعتبار سے لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم بھی آرزوئیں لئے بیٹھے ہو آرزوؤں سے کام نہیں چلتا۔ ایمان تو تم نے قبول کرلیا۔ اب اس پر استقامت بھی ضروری ہے اور ایمان پر مرنا بھی لازم ہے عملِ صالح کی وجہ سے بلند درجات بھی نصیب ہوں گے اس معنی کی تشریح کرتے ہوئے صاحب روح المعانی صفحہ ۱۵۲: ج ۵۔ حضرت حسن کا قول نقل کرتے ہیں:

لیس الایمان بالتمنی ولکن ماوقر فی القلب و صدقه العمل، اِنَّ قوماالهتهم امانی المغفرة حتی خرجوا من الدنیا ولا حسنة لهم و قالوا نحسن الظن باللّٰه تعالیٰ و کذبوا لو احسنوا الظن لا حسنوا العمل.

یعنی ایمان صرف آرزو کا نام نہیں ہے ایمان وہ ہے جو دل میں جم جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے بہت سے لوگوں کو مغفرت کی امیدوں نے غفلت میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ دنیا سے اس حال میں چلے گئے کہ ان کے پاس ایک نیکی بھی نہ تھی انہوں نے کہا کہ ہم اللہ سے اچھا گمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے اس خیال میں جھوٹے تھے۔ اگر اللہ سے اچھا گمان رکھتے تو عمل بھی اچھے کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی آرزوؤں پر بھروسہ کر کے ہلاک ہوئے تم آرزوؤں پر بھروسہ نہ کرو۔ ایمان پر استقامت رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے رہو۔

برے اعمال کا بدلہ ملے گا: پھر فرمایا مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَ بِهٖ جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ ان الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ قانونی اعتبار سے ہر برائی پر مواخذہ ہے اس کی جزا مل جائے گی یہ قانون ہے ضروری نہیں کہ واقعی طور پر ہر گناہ پر سزا مل ہی جائے۔ کیونکہ توبہ و استغفار سے بھی گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور اعمال صالحہ سے بھی برائیوں کا کفارہ ہوجاتا ہے اور دنیا میں جو کچھ سزا ملتی ہے وہ چھوٹی موٹی تکلیف اور مصیبتوں کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنائی انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے

ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے گناہ نہیں کیے اور ہمیں ہر گناہ کی سزا بھی ملنی ہے (تو ہمارا کیا بنے گا) اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو بکر تم اور تمہارے ساتھی اہل ایمان کا گناہوں پر گرفت کر کے دنیا ہی میں معاملہ صاف کر دیا جائے گا یہاں تک کہ جب اللہ سے ملو گے تو تم پر گناہ نہ ہوں گے اور دوسرے لوگ (جو اہل ایمان نہیں ہیں) ان کے گناہ جمع کیے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کی سزا پائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو سخت پریشانی ہوئی لہٰذا انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی پریشانی پیش کی آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھیک چلتے رہو اور کام کرتے رہو کیونکہ مسلمان کو جو بھی کچھ تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا لگ جاتا ہے یا جو کوئی چوٹ لگ جاتی ہے ان سب کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۱۹: ج ۲)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو جو بھی کوئی تھکن، دکھ، فکر، رنج، تکلیف، غم پہنچ جائے یہاں تک کہ کانٹا بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں (رواہ البخاری و مسلم)۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کو جو ذرا بہت کوئی بھی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ ہی کی وجہ سے پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ معاف فرما دیتے ہیں وہ تو اس سے بہت زیادہ ہوتا ہے جتنے پر مواخذہ ہوتا ہے پھر آپ نے سورہ شوریٰ کی یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورت کو برابر اس کی جان میں، اس کے مال میں اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ (اور اس سے گناہوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے) یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس پر کوئی گناہ بھی نہ ہو گا (رواہ الترمذی) اللہ پاک کا کتنا بڑا انعام ہے کہ مومن بندوں کو دنیا میں تکلیفیں دے کر ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔ اور آخرت کے عذاب سے بچا دیتے ہیں۔

مومنین مومنات کے لئے بھرپور ثواب:

پھر فرمایا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (الآیۃ) اس آیت کے بارے میں لباب النقول میں حضرت مسروق تابعی سے نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ نازل ہوئی تو اہل کتاب نے مسلمانوں سے کہا کہ پھر ہم اور تم برابر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتا دیا کہ جو بھی کوئی شخص مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس میں لفظ مومن بڑھا کر یہ بتا دیا کہ اہل کتاب جب تک مومن نہ ہوں گے انہیں کسی عمل کا کوئی ثواب نہ ملے گا۔ اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ لہٰذا مومن کافر میں برابری کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اہل ایمان سے جو یہ فرمایا کہ آرزوؤں پر مدار نہ رکھو۔ اس میں ایمان پر استقامت اور اعمال صالحہ میں مشغول رہنے کی تاکید فرمائی یہ مطلب نہیں ہے کہ ان

کا ایمان کام نہ دے گا۔ اہل کتاب کافر ہیں اگر کفر پر مر گئے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اہل ایمان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ پھر برابری کہاں ہوئی؟

جو بندہ ایمان کے ساتھ کوئی بھی نیک عمل لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا اس کو اپنے عمل کا پورا پورا ثواب ملے گا جو بہت زیادہ ہوگا۔ اس کو فرمایا وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْراً کھجور کی گٹھلی کے اندر جو ذرا سا گڑھا ہوتا ہے اسے نقیر کہتے ہیں۔ اہل عرب جب کسی چیز کی کمی ظاہر کرتے تھے تو اسے نقیر سے تشبیہ دیتے تھے۔ **و قد ذکرناہ من قبل۔**

محسنین کی تعریف: پھر فرمایا وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً اس میں لفظ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

ای اخلص نفسه له تعالیٰ لا یعرف لها ربا سواہ و قیل اخلص توجهه له سبحانه و قیل بذل وجهه له عزوجل فی السجود.

مطلب یہ ہے کہ اسلم وجهه لله کا مصداق وہ شخص ہے جس نے اپنی جان کو خالص اللہ کے لئے مخصوص اور متعین کر دیا وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں پہچانتا، اور بعض حضرات نے اس کا معنی یہ بتایا ہے کہ اس نے اپنی توجہ خالص اللہ کے لئے کر دی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اپنے چہرے کو اللہ جل شانہٗ کے لئے سجدہ میں ڈال دیا پھر وَهُوَ مُحْسِنٌ فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ کو اس طریقے پر ادا کرتا رہا جو ان کے ادا کرنے کا حق ہے یہ لفظ احسان سے مشتق ہے۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے احسان کا معنی ہے کسی چیز کو خوب اچھی طرح سے ادا کر دینا۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا: **الاحسان ان تعبداللّٰه کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک** (کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے سو اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے) اس میں عبادت کا احسان بیان فرمایا ہے۔ اب پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ دین کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہوگا جس نے اپنی ذات کو اللہ ہی کے لئے خالص کر دیا۔ اس کی توجہ ظاہر سے اور باطن سے جسم سے اور جان سے صرف اللہ ہی کی طرف ہے۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرتا ہے وہ ابراہیم جو حنیف تھے جنہوں نے تمام ادیان کی طرف سے پرہیز کیا اور اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی دین ابراہیمی ہے جس کے اتباع کا خاتم الانبیاء ﷺ کو اور آپ کی امت کو حکم ہوا۔

جو کوئی ان مذکورہ بالا صفات سے متصف ہو وہی دینی اعتبار سے سب سے اچھا ہے۔ کیونکہ دوسرے سب دین جو اس کے سوا ہیں وہ سب کفر ہیں جن پر اللہ کے قانون میں عذاب دائمی مقرر ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ نے ابراہیم کو دوست بنا لیا۔ اللہ نے جسے دوست بنایا اس کے دین پر چلنے والا ظاہر ہے کہ اللہ

کا محبوب ہوگا اور آخرت میں نجات اور ثواب دائمی کا مستحق ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ علاقے کے لوگ بت پرست تھے خود ان کا باپ بھی بت پوجتا تھا۔ ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی بڑے بڑے مقابلے ہوئے ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ اللہ نے آگ ٹھنڈی کردی پھر اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ کو مکہ معظمہ کی چٹیل سرزمین میں جہاں آب و گیاہ کچھ بھی نہ تھا چھوڑ کر چلے گئے جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو دونوں نے مل کر کعبہ شریف بنایا اور اس وقت امت محمدیہ کے وجود میں آنے کی دعا کی جس کا ذکر سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۱۵ میں گذر چکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت قربانیاں دیں جو بھی کوئی شخص اللہ کے لئے قربانیاں دے گا اللہ کا محبوب ہوگا۔ مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے اور ظاہر و باطن سے اللہ کے لئے جھک جائے اور صفت احسان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے اور قربانی کے موقعہ پر قربانی بھی دے۔ یہ صفات صرف مومنین ہی کو حاصل ہیں اہل کفران کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں اگرچہ اہل کتاب ہی ہوں۔

آخر میں فرمایا وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور سب اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں۔ اسے اختیار ہے کہ تکوینی طور پر ان کو جس حال میں رکھے اور تشریعی طور پر جو حکم دے۔ جس کام کا چاہے حکم دے اور جس سے چاہے منع کرے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا اور ہر چیز اللہ کے علم اور قدرت کے احاطہ میں ہے اسے تمام اعمال کا اور عمل کرنے والوں کا علم ہے اور حکمت کے مطابق ہر ایک کو جزا و سزا دینے پر اسے قدرت ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى
اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو کتاب میں تم پر تلاوت کیا جاتا ہے ان یتیم
النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ
عورتوں کے بارے میں جن کو تم وہ حق نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور تم رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کرو۔ اور ضعیف بچوں کے بارے
مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾
میں بھی تم پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور یہ کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ اور جو کوئی خیر کا کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔

یتیم بچوں اور بچیوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا حکم

تفسیر: صحیح بخاری صفحہ ۶۶۱: ج ۲ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ کسی شخص کے پاس کوئی یتیم بچی ہوتی تھی وہ اس کا ولی بھی ہوتا تھا۔ (اور شریک میراث بھی کیونکہ اس یتیم بچی کو اور اس کے ولی کو کسی وفات پانے والے سے میراث ملی) اب یہ ولی نہ تو اسے اپنے نکاح میں لیتا تھا اور نہ کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح کرتا تھا کیونکہ یہ ڈر تھا کہ دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو وہ بحق زوجیت اس کا مال لے جائے گا۔ لہٰذا یتیم بچی کو تنگ کرتا تھا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

صاحب فتح الباری صفحہ ۲۶۵: ۸ نے ابن ابی حاتم سے روایت نقل کی ہے کہ جابرؓ کی ایک چچازاد بہن تھی اس کا مال تھا جو اسے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا جابر کو اس سے اپنا نکاح کرنا منظور نہ تھا لیکن کسی دوسرے سے بھی اس ڈر سے کہ اس کا شوہر مال لے جائے گا۔ نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا اس پر یہ آیت بالا نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ وہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان کو فتویٰ دیتا ہے اور اس سے پہلے جو قرآن میں آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی ان کو فتویٰ دے رہی ہیں جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ فتویٰ یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جس کو تم ان کا مقررہ حق نہیں دیتے (یعنی میراث میں جو مال انہیں ملا ہے وہ دینا نہیں چاہتے اور تم ان سے نکاح کرنے سے بے رغبت ہو۔ اس طرح سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرو جس سے ان کو تکلیف ہو۔ اسی طرح ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تمہارے اوپر آیات تلاوت کی جارہی ہیں ان میں ان کے حقوق کی نگہداشت کی تعلیم دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم لڑکیوں اور ضعیف بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لئے احکام موجود ہیں ان پر عمل کرو جن کو تم آپس میں پڑھتے اور سنتے رہتے ہو۔ اس آیت میں جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورہ نساء کے شروع میں گذر چکی ہیں۔

وھو قولہ تعالیٰ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی اور وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَھُمْ.

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فتویٰ دیتا ہے کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف کے ساتھ قائم رہو (صاحب روح المعانی صفحہ ۱۶۱: ج ۵ لکھتے ہیں وھو خطاب للائمة ان ینظر والھم ولیتوفوا حقوقھم واللاولیاء والاوصیاء بالنصفة فی حقھم یعنی یہ حکام کو حکم ہے کہ یتیموں کی دیکھ بھال کریں اور ان کا جو کسی پر حق ہو پورا پورا وصول کریں یا اولیاء اور اوصیاء کو حکم ہے کہ یتیم بچوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں اوصیاء وصی کی جمع ہے، وصی اسے کہتے ہیں جسے خود مرنے والا یا حاکم بچوں کے اموال کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کرتا ہے۔

آخر میں فرمایا وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِهٖ عَلِیْمًا کہ جو کچھ تم خیر کا کام کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے اپنے عمل خیر کا ثواب پاؤ گے، یتیم بچی کے ساتھ جو انصاف اور حسن سلوک سے پیش آؤ گے اللہ تعالیٰ اس کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے بدمزاجی کا یا بے رخی کا اندیشہ کرے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی خاص طریقہ پر صلح کرلیں۔

بَیْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور صلح اچھی چیز ہے۔ اور انسانوں کے نفسوں میں کنجوسی حاضر کردی گئی ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہو کہ عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھو اگرچہ تم حرص کرو۔ لہٰذا تم

تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾

بالکل ہی نہ ڈھل جاؤ۔ جس کی وجہ سے ایک عورت کو ادھر میں لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾

اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی عطا کی ہوئی وسعت کے ذریعہ بے نیاز کر دے گا

میاں بیوی کا آپس میں صلح کر لینا اور بیویوں میں انصاف کرنا

تفسیر: سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت سودہؓ کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ مجھ سے جدائی اختیار نہ فرمالیں یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ بوڑھی ہو گئی تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی باری کا دن عائشہؓ کو دیتی ہوں اس پر آیت وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ نازل ہوئی۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ آیت وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کی ایک بیوی تھی جس سے کئی بچے پیدا ہو چکے تھے اس مرد کو خواہش ہوئی کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کسی عورت سے نکاح کرے لہٰذا اس عورت نے اس سے یہ صلح کر لی کہ وہ اسی کے نکاح میں رہے اور راتوں کی تقسیم میں اسے شامل نہ کیا جائے۔ نکاح بھی انسان کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے، مردوں کو بھی اس کی ضرورت ہے اور عورتوں کو بھی، اور اس میں مرد اور عورت کی بہت ساری دینی اور دنیاوی مصلحتیں ہیں اور نکاح اسی لئے کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر دونوں ساتھ رہیں اور حسن معاشرت کے ساتھ دونوں میاں بیوی خیر و خوبی اور محبت و الفت کے ساتھ زندگی گذاریں لیکن کبھی بعض امور ایسے پیش آ جاتے ہیں کہ کچھ ناگواری کی صورتیں سامنے آ جاتی ہیں اور بعض مرتبہ نباہ مشکل ہو جاتا ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کے لئے طلاق اور خلع کی صورتیں بھی جائز رکھی ہیں۔ بعض مرتبہ مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی ضروت پیش آ جاتی ہے۔ امت کی اجتماعی ضرورت سے بھی ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات جہاد کے موقعہ پر مجاہدین شہید ہو جاتے ہیں ان کی بیواؤں اور بچوں کو سنبھالنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ ان بیواؤں سے مسلمان نکاح کر لیں۔ جب ایک سے زیادہ نکاح کر لیا تو اس میں تمام بیویوں کے ساتھ عدل کو سامنے رکھ کر زندگی گذارنا فرض ہے۔ اخراجات اور خوراک و پوشاک تو سبھی کے لئے ضروری ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر بیوی کے پاس راتوں کو قیام کرنے میں برابری کرے یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس رہے دوسری کے پاس بھی اسی قدر راتیں گذارے یہ وہ عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے جو انسان کے اختیار میں ہے اور جو چیز اختیار میں نہیں ہے یعنی یہ کہ قلبی میلان کسی کی طرف زیادہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس کی وجہ سے عدل اختیاری کو نہ چھوڑے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں میں عدل فرماتے تھے یعنی انصاف کے ساتھ راتیں

تقسیم کرتے تھے لیکن بعض بیویوں کی طرف قلبی رجحان زیادہ تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اللھم ان ھذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے سو آپ اس میں مجھے ملامت نہ فرمائیے جو چیز میرے اختیار میں نہیں (رواہ الترمذی)۔

اگر کوئی شخص امر اختیاری میں عدل وانصاف نہ کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔ (رواہ الترمذی) اگر اپنے اختیار سے عدل کرنے میں کامیابی ہوتی نظر نہیں آتی اور اسے خیال ہوتا ہے یا عزم پختہ کر لیتا ہے کہ میں اس عورت کو طلاق دیتا ہوں جس کے ساتھ برابری کا معاملہ نہیں کر سکتا یا اس لئے طلاق دینا چاہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہوگئی اور وہ عورت صورتحال کو سمجھ کر یوں صلح کر لے کہ چلو راتیں تقسیم کرنے والا میرا حق فلاں بیوی کو دے دیا کریں یا یہ کہ نان نفقہ معاف کرتی ہوں یا مقدار کم کرتی ہوں تو ایسی صلح کر لینے میں کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اور صلح اچھی ہی چیز ہے۔ جب اتنی بڑی زندگی ساتھ گذاری ہے تو طلاق دے کر رنج پہنچانا اچھی بات نہیں، خصوصاً جب کہ وہ اپنا حق چھوڑنے پر بھی راضی ہے تو طلاق دینا بہت ہی نامناسب ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والصلح خیر ای من الفرقة وسوء العشرة او من الخصومة یعنی صلح کرنا جدا ہونے سے اور برے طریقے پر زندگی گذارنے سے یا لڑتے جھگڑتے رہنے سے بہتر ہے۔ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ لفظ الشُّحّ کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ ھو البخل مع الحرص۔ یعنی شح اس بخل کو کہتے ہیں جس میں حرص بھی ہو اور درحقیقت بات یہ ہے کہ بخل اور حرص آپس میں ایک دوسرے کو لازم ہوتے ہیں، کیونکہ ان دونوں بری خصلتوں کا سبب حب دنیا ہے اس لئے سورہ تغابن اور سورہ حشر میں فرمایا وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ (جو شخص شح نفس سے بچا لیا گیا سو یہ لوگ کامیاب ہیں) حدیث شریف میں فرمایا شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَ جُبْنٌ خَالِعٌ کہ انسان کے اندر سب سے زیادہ بری چیز حرص اور بخل ہے جو خوب زیادہ گھبراہٹ میں ڈالنے والا ہے اور دوسری چیز بزدلی ہے جو جان نکالنے والی ہے۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۶۵۔ وھو فی السنن فی کتاب الجہاد صفحہ ۳۴۴: ج ۱)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ جملہ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ میں یہ بتایا ہے کہ چونکہ نفوس انسانیہ میں ایک طرح کی حرص ہے اور خرچ نہ کرنے کے جذبات بھی ہیں اس لئے صلح میں آسانی ہوگی۔ جب شوہر یہ دیکھے گا کہ عورت پورا یا آدھا اپنا مالی حق چھوڑ رہی ہے یا یہ کہ دوسری عورت کو اپنی باری کا حق سپرد کر رہی ہے تو اس طرح سے میری طبعی حرص میں کچھ خلل نہیں آتا اور عورت بھی مفت میں میرے نکاح میں رہ جاتی ہے تو وہ نکاح میں رکھنے پر راضی ہو جائے گا اور عورت کو جو حرص ہے کہ وہ پرانے شوہر ہی کے نکاح میں رہے اس کی یہ حرص بھی پوری ہو جائے گی اور اس طرح سے صلح آسان ہوگی اگر بچے ہیں تو کسی فریق کو بچوں سے جدا ہونا بھی نہ پڑے گا اور مل جل کر سب کی خوشگوار زندگی گذرے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمایا وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا کہ اگر تم بھلائی کرو اور پرہیزگاری

اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے وہ تمہیں نیکی اور تقویٰ کا اچھا بدلہ دے گا۔ اس میں مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے اور پرہیزگاری کرنے کی ترغیب دی ہے۔

صلح کا ذکر فرمانے کے بعد ایک بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ کہ تم سے ہرگز یہ نہ ہوسکے گا کہ سب بیبیوں میں ہر طرح کی برابری کرو کیونکہ رغبت قلبی غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس میں برابری نہ کرسکو گے۔ پس اگر کسی بیوی کی طرف قلبی میلان زیادہ ہو تو اس کی وجہ سے کسی دوسری بیوی کے حقوق تلف نہ کریں۔ جس سے وہ دوسری بیوی مظلوم ہو جائے اور وہ درمیان میں لٹک کے رہ جائے نہ اس کے حقوق ادا ہوں تاکہ وہ خاوند والی سمجھی جائے اور نہ اس کو طلاق دی جائے تاکہ وہ بے خاوند والی ہو کر کسی اور جگہ اپنا نکاح کرسکے۔ اسے رکھنا ہے تو اچھی طرح سے رکھو۔ اور اگر اصلاح کرو گے اور پرہیزگاری اختیار کرو گے (جس میں گذشتہ حق تلفی کی تلافی بھی ہو) تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے وہ سب کچھ بخش دے گا۔

پھر فرمایا وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی اگر دونوں میاں بیوی میں کسی طرح موافقت نہ ہونے پائے اور خلع یا طلاق کے ذریعہ آپس میں جدائی ہو ہی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو ایک دوسرے سے بے نیاز فرما دے گا۔ کوئی فریق یہ نہ سمجھے کہ میرے بغیر اس کا کام چلے گا ہی نہیں اللہ تعالیٰ سب کا کارساز ہے ہر ایک کے لئے جو مقدر فرمایا ہے وہ اس کے لئے میسر فرمائے گا اس میں فریقین کو تسلی دی ہے کہ آپس میں صلح نہ کرسکیں اور جدا ہو ہی جائیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لئے خیر فرمائے گا۔ مرد کو کوئی دوسری بیوی مل جائے گی اور عورت کا بھی کوئی ٹھکانہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے وہ اپنی وسعت اور قدرت سے دونوں کا کام بنا دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جو لوگ دوسری شادی کر لیتے ہیں اور پہلی بیوی کے ساتھ نہ برابری کا برتاؤ کرتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں اور اس پر ظلم کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تو ایسے ہی پڑی پڑی سڑتی رہے گی۔ ایسے ظالموں کو ان آیات کے مضامین پر خاص توجہ دینا لازم ہے۔ دنیا میں وہ مظلوم اگر کچھ نہیں کرسکتی تو آخرت تو سامنے ہے اگر انصاف نہیں کرسکتے اور برابری کے ساتھ دونوں کو نہیں رکھ سکتے تو ایک ہی بیوی کے ساتھ گذارہ کریں جیسا کہ سورہ نساء کے شروع میں فرمایا: فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔

دشمنان اسلام نے تعدد ازواج کے بارے میں جو اسلام پر اعتراض کیا ہے۔ ان کا جواب دینے کے لئے نام نہاد اسلام کے جھوٹے ہمدردوں نے آیت وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا کو پیش کر کے یوں کہا ہے کہ تعدد ازواج ممنوع ہے کیونکہ برابری کر ہی نہیں سکتے اس لئے ایک ہی پر بس کرنا لازم ہے۔ ان جاہل خیر خواہوں نے دشمنوں کو جواب دینے کے لئے مسئلہ شرعیہ میں تحریف کر دی۔ ولن تستطیعوا ان تعدلوا میں فرمایا ہے کہ تم قلبی محبت میں برابری نہیں کرسکتے، جن امور میں اپنے اختیار سے برابری کرسکتے ہیں اس کے لئے ولن تستطیعوا نہیں فرمایا اور اسی اختیاری برابری کی بنیاد پر چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے جس کا ذکر سورۃ نساء کے شروع میں گذر چکا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور البتہ ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی

وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ

اور تم کو بھی وصیت کی کہ اللہ سے ڈرو، اور اگر کفر کرو گے تو بلاشبہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ

غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ

بے نیاز ہے لائق حمد وستائش ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے، اور کارساز ہونے کے لئے اللہ کافی ہے اے لوگو اگر اللہ چاہے تو تم سب

اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا

کو ختم کردے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ کو اس پر قدرت ہے۔ جو شخص ارادہ کرے دنیا کے ثواب کا تو

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾

اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ غنی اور حمید ہے سمیع اور بصیر ہے

تفسیر: ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے سب اس کی مخلوق ہیں مملوک ہیں اور اس کے بندے ہیں۔ اسے سب اختیار ہے تکوینی طور پر جس حال میں رکھے۔ اور تشریعی طور پر جو چاہے حکم دے۔ کسی کو کچھ ذرا بھی اعتراض کا حق نہیں، اور فرمایا کہ جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان کو اور تم کو اللہ نے یہ وصیت فرمائی ہے یعنی تاکیدی طور پر حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرنے ہی میں سارے دین پر عمل کرنے کا حکم آجاتا ہے، فرائض وواجبات کی پابندی اور گناہوں کا چھوڑنا یہ سب تقویٰ ہے۔ مزید فرمایا کہ اگر تم کفر اختیار کرو گے تو اللہ کا اس میں کچھ بھی ضرر نہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور وہ غنی ہے بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں۔ کسی کی اطاعت سے اس کا کوئی نفع نہیں۔ اور ترک اطاعت اور عبادت سے اس کا کوئی ضرر نہیں۔ وہ حمید ہے کسی کی مخالفت سے اس کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اور کسی کی اطاعت سے اس کے کمال ذاتی میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ ساری مخلوق اس کی ملک ہے وہ سب کا کارساز ہے۔

پھر فرمایا اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ختم کردے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا اور اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری پوری قدرت ہے باوجود قدرت ہونے کے اس نے تم کو باقی رکھا ہے تم اس کی اطاعت وعبادت کو غنیمت جانو۔

آخر میں فرمایا مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اللہ سے آخرت کا ثواب مانگے اور اس کی آرزو بھی رکھے جو شخص دنیا کا طالب ہے اسے بتادو کہ اللہ کے پاس دونوں جہان کا ثواب ہے۔ اشرف ترین چیز یعنی

چیز یعنی ثوابِ آخرت کا طالب ہونا چاہیئے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۶۶: ج ۵)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مقصد آخرت ہی بن جائے اللہ تعالیٰ اس کے منتشر امور کو جمع فرمادے گا اور اس کے دل کو غنی کر دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جس کی نیت حصول دنیا ہو اس کے کاموں کو منتشر فرمادے گا اور اس کی آنکھوں کے سامنے تنگی کر دے گا۔ اور دنیا اسے اتنی ہی ملے گی جتنی اس کے لئے لکھ دی گئی۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۲۱: ج ۴)۔

آخر میں فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ تمام اقوال کو سنتا ہے اور تمام احوال کو دیکھتا ہے۔ جو لوگ طالب دنیا ہیں صرف دنیا کے لئے عمل کرتے ہیں۔ آخرت کی طرف نہیں بڑھتے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے جو لوگ ریا کاری کے طور پر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

قال صاحب الروح صفحہ ١٦٧ : ج ٥ ای کیف یرائی المرائی وان اللّٰہ تعالیٰ سمیع بما یھجس فی خاطرہ وما تامرہ بہ دواعیہ بصیر باحوالہ کلھا ظاھرھا وباطنھا ویجازیہ علیٰ ذٰلک. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ریا کار ریا کاری کیسے کرتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں آنے والے وسوسے کو بھی سنتا ہے اور اس وسوسے کے تقاضوں کو بھی جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام حالات کو بخوبی جاننے والا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور اس پر پھر اسے بدلہ دے گا۔)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ

اے ایمان والو! انصاف پر قائم ہونے والے اللہ ہی کے لئے گواہی دینے والے بن کر رہو۔ اگرچہ تمہاری جانوں یا تمہارے ماں باپ

وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے۔ اگر غنی ہے یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ تعلق ہے سو تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کا اتباع نہ کرو

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اور اگر تم کج بیانی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے

سچی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم

تفسیر: لباب النقول صفحہ ۸۵ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن ابی حاتم مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ دو شخصوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کیا ان میں ایک غنی تھا۔ اور ایک فقیر تھا۔ آپ کا رجحان فقیر کی طرف ہوا کیونکہ خیال مبارک میں یہ آیا کہ فقیر غنی پر کیا ظلم کرے گا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انصاف کو قائم رکھا جائے۔

اصل چیز انصاف ہے وہی مطلوب ہے کسی کی بھی طرفداری کرنے سے انصاف باقی نہیں رہتا انصاف کرنے کے جو اصول ہیں یعنی گواہی اور قسم اسی کے مطابق فیصلے کئے جائیں البتہ گواہ سچے ہوں اسی لئے جہاں یہ حکم دیا کہ انصاف پر قائم رہو وہاں یہ حکم بھی دیا کہ اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو۔ گواہ بھی جھوٹی گواہی نہ دیں اور کسی کی طرفداری نہ کریں۔ حق کو

خوب اچھی طرح واضح کریں گواہی دینے میں غلط بیانی نہ کریں۔ جیسے زبان موڑ کر یا الفاظ کی ہیرا پھیری کر کے بعضے گواہ گواہی دے جاتے ہیں۔ اس میں ظالم کی طرفداری ہو جاتی ہے یا حق واضح نہ ہونے سے حاکم فیصلہ دینے سے عاجز رہ جاتا ہے جس سے مظلوم کا حق مارا جاتا ہے اور گواہی دینے سے اعراض بھی نہ کرے کیونکہ جہاں کسی کا حق مارا جاتا ہو وہاں حق گواہی دینا واجب ہے اس واجب کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ اسی کو فرمایا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْتُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا اور سورہ بقرہ کے آخری رکوع میں فرمایا وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَامَادُعُوْا اور فرمایا وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۔

مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ کے لئے گواہی دو اور گواہی میں یہ نہ دیکھو کہ یہ کس کے خلاف جائے گی اگر حق کہے گواہی تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے خلاف ہو یا رشتہ داروں کے خلاف ہو تب بھی صحیح اور حق گواہی دے دو۔ اگر تمہارا یا تمہارے عزیزوں کا کچھ نقصان ہوگا تو حقیر دنیا کا نقصان ہوگا حق قائم کرنے اور حق دلانے کے سامنے حقیر دنیا کے نقصان کی کوئی حیثیت نہیں وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کا کوئی حق اپنے ذمہ نکلتا ہو تو واضح طور پر اس کا اقرار کرنا لازم ہے گویہ نفس کے خلاف گواہی ہے۔ نفس حق دینا نہیں چاہتا لیکن آخرت کی پیشی کو سامنے رکھ کر حقدار کا حق دے دینا لازم ہے۔

یہ جو فرمایا اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْفَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا اس میں یہ بتایا کہ تم یہ نہ دیکھو کہ جس کے خلاف گواہی پڑ رہی ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے۔ یہ غنی ہے یا فقیر ہے۔ امیری غریبی اللہ کی دی ہوئی ہے اور امیر اور غریب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے کیونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں وہ ان کا حاجت روا ہے تمہیں کسی امیر غریب سے اتنا تعلق نہیں ہے جتنا اللہ تعالیٰ کو تعلق ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سب کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ صحیح گواہی دی جائے حق بات کہی جائے تو تم اسی حکم پر عمل کرو۔ یہ نہ دیکھو کہ مالدار کے پاس مال جا رہا ہے یا اسے دینا پڑ رہا ہے یا غریب کو نہیں مل رہا ہے یا غریب کو دینا پڑ رہا ہے بلکہ ہمیشہ حق ہی کو اختیار کرو اور صحیح گواہی دو۔

جس طرح رشتہ داری سامنے آجاتی ہے اور گواہی میں اور فیصلے میں حق کو اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس کے خلاف فیصلہ جا رہا ہے وہ ہمارا رشتہ دار ہے اسی طرح یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم جس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں یا فیصلہ لکھ رہے ہیں۔ وہ ہمارا دوست ہے یا ہم وطن ہے یا ہم پیشہ ہے یا ہم زبان ہے ایسے گواہ اور حاکم کے لئے سخت وبال اور گناہ کی بات ہے کہ ظلم کا ساتھ دے اور اس کی رعایت کرے جس سے کسی قسم کا تعلق ہے اور جس کا واقعی حق بنتا ہو اسے محروم کر دے، لسانی اور وطنی عصبیتوں کی وجہ سے متعصب عوام سے دب کر بہت سے اہل علم بھی عصبیت کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں۔ زمانہ قریب کی تاریخ شاہد ہے کہ تقسیم ہند کے بعد کافروں کے مظالم سے بچ کر بہت سے مسلمانوں کے بعض علاقوں میں ہجرت کر کے پہنچ گئے اور پھر وہاں گھر در بنا لئے اور زمینیں خرید لیں اور پیسے کما لئے جب علاقے کے لوگوں کو علاقائی عصبیت کا خیال آیا تو ان پناہ گزین مسلمانوں کو اپنے علاقے سے نکالنے پر تل گئے۔ پناہ گزینوں کو بے تحاشہ ختم کیا اور ان کے مالوں اور

جائیدادوں پر قبضہ بھی کرلیا اس وقت حکام اور عوام بلکہ اہل علم تک اس جہالت پر آمادہ ہوگئے کہ یہ ہماری زمین ہے۔ یہ رقم ہماری یہاں رہتے ہوئے کمائی ہے۔ لہٰذا یہ سب کچھ ہمارا ہے اس عصبیت جاہلیت کی وجہ سے پناہ گزینوں پر بڑے بڑے مظالم ہوئے اور حکام اور عوام سب نے کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ کی خلاف ورزی کی۔ اگر کسی کے دل میں انصاف کی بات تھی تو عوام کے خوف سے وہ زبان پر نہ لا سکا۔ انصاف پر قائم رہنے میں یہ سب داخل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ ظالم کی حمایت نہ کی جائے مظلوم کا حق دیا جائے اور دلایا جائے گواہی دینے میں کسی اپنے پرائے کا خیال نہ رکھا جائے۔ گواہی حق ہو، خواہ کسی کے بھی خلاف پڑے۔

اپنے نفس پر اور مظلوموں پر ظلم کرنے والے وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کے لئے گواہی نہیں دیتے جبکہ قرآن مجید میں شُهَدَآءَ لِلّٰهِ فرمایا اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو روزانہ کچہری میں حاضر ہوجاتے ہیں اور جس کے خلاف گواہی دلوائی جائے تھوڑے سے پیسے لے کر گواہی دے دیتے ہیں۔ جھوٹی گواہی دینا بہت سے لوگوں کا کاروبار ہے۔ ایسی گواہی دینا حرام ہے اور اس پر جو اجرت لیتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو قیامت کے دن اللہ کے سائے کی طرف سب سے پہلے پہنچنے والے کون ہیں، عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جب انہیں حق دیا جاتا ہے تو قبول کرلیتے ہیں اور اگر ان پر کسی کا حق ہو تو جب مانگا جائے دیدیتے ہیں اور لوگوں کے بارے میں وہی فیصلے کرتے ہیں جو فیصلے اپنے لئے کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے اپنے لئے حق اور انصاف چاہتے ہیں ایسے ہی جب دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا موقعہ آجائے اس وقت بھی انصاف کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۲۲)

شروع آیت میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرما کر یہ بتادیا کہ انصاف قائم کرنا اور سچی صحیح گواہی دینا یہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے جو لوگ حکام ہیں ان کو پوری امت انصاف کا پابند کرے تاکہ دنیا میں انصاف کی فضا بنے۔ جو لوگ حاکم بناتے ہیں ان پر فرض ہے کہ ایسے شخصوں کو حاکم بنائیں جو علم اور تقویٰ والے ہوں۔ ظالمانہ فیصلے نہ کریں قرآن وحدیث کے موافق فیصلے کریں۔ کافرانہ قانون کو سامنے رکھ کر فیصلے نہ کریں۔

اس آیت میں کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ فرمایا اور سورہ مائدہ میں قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ فرمایا۔ دونوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ انصاف قائم کرنا اور صحیح گواہی دینا یہ دونوں کام اللہ کی رضا کے لئے کریں۔ لفظ للہ میں یہ بتایا کہ انصاف اور گواہی اللہ کی رضا کے لئے ہو اور آیت کے ختم پر اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا فرما کر یہ بتایا کہ اللہ سے ڈرو قیامت کی پیشی کا دھیان رکھو۔ جب اللہ کی رضا بھی مقصود ہوگی اور اللہ کا خوف بھی ہوگا تو انصاف بھی قائم ہوسکے گا اور گواہ سچی گواہی دیں گے۔

اتباع ہویٰ سے پرہیز: آیت میں جو یہ فرمایا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا۔ اس میں اجمالی طور پر مضمون بالا کی تاکید فرمادی کہ خواہش نفس کا اتباع نہ کرو۔ ظلم اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ حق کو اختیار کرنے کی بجائے خواہش نفس کا

اتباع کیا جاتا ہے اور اللہ کی رضا کو سامنے نہیں رکھا جاتا اسی وجہ سے ظالمانہ فیصلے ہوتے ہیں اور جھوٹی گواہیاں دی جاتی ہیں۔

لفظ اَنْ تَعْدِلُوْا میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ عدول سے مشتق ہو جس کا معنی یہ ہوگا کہ اتباع ہویٰ نہ کرنا جس کی وجہ سے حق سے ہٹ جاؤ گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ عدل سے مشتق ہو۔ جس کا معنی یہ ہوگا کہ اتباع ہویٰ نہ کرو کیونکہ اتباع ہویٰ کی وجہ سے عدل نہ کرسکو گے۔ وفیہ حذف مضاف ای کراھیۃ ان تعدلوا۔

گواہیوں اور فیصلوں میں رشتہ داریوں کو نہ دیکھا جائے:

بے انصافی اختیار کرنے اور ظلم پر آمادہ ہونے کے لئے جس طرح رشتہ داروں کی یا دوستوں کی یا کسی بھی قسم کے تعلقات کی رعایت آڑے آجاتی ہے اسی طرح سے کسی قوم کی دشمنی اور بغض اور عناد بھی انصاف سے روکنے والے بن جاتے ہیں۔ اس پر سورہ مائدہ میں تنبیہ فرمائی اور فرمایا وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (کہ کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا ہے اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم زیادتی کرجاؤ) اور فرمایا

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا (اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو)۔

اسلام ظلم کا ساتھی نہیں:

دین اسلام میں حق اور انصاف کی قدر و قیمت ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے اور انصاف کے اصول مقرر فرمادیئے ہیں۔ صاحب حق امیر ہو یا غریب ہو اس کا حق دلانا فرض ہے۔ کسی سے اس لئے عناد کرنا کہ وہ امیر ہے یا غریب ہے یہ اسلام میں نہیں ہے اسلام حق کا ساتھی ہے ظلم کا ساتھی نہیں ہے، جب سے دنیا میں کیمونزم کا نظریہ چلا ہے اس وقت سے لوگوں کا کچھ مزاج ایسا ہوگیا کہ جس طرح سے ممکن ہو مالدار کو دباؤ۔ اگرچہ ظلم غریب کی طرف سے ہو جہاں کہیں کسی امیر اور غریب میں کوئی جھگڑا ہوجائے تو دیکھا جاتا ہے کہ عام لوگ غریب ہی کے ساتھی ہوجاتے ہیں حالانکہ حق کا ساتھی ہونا چاہئے اگر کسی امیر نے مزدور رکھا اور کام لے کر اس کی مزدوری نہ دی یا کم دی تو اس صورت میں غریب کا ساتھی ہونا چاہئے اور اس کا جو حق ہے وہ دلائیں اور اگر کسی غریب نے کسی امیر کا پیسہ مار لیا تو اس غریب سے اس امیر کا پیسہ دلائیں اسلام حرام کا مخالف ہے اگر امیر کے پاس حرام ہے تو وہ گناہگار فاسق فاجر ہے جس کا مال مارا ہے اس کا حق ادا کرے اور اگر کسی غریب نے کسی امیر کا ناجائز طور پر مال لے لیا ہے تو وہ بھی فاسق فاجر ہے اس کے ذمہ بھی واجب ہے کہ جس کا مال مارا ہے اس کا مال واپس کرے۔ امیری یا غریبی حق ہونے کا اور حق دار ہونے کا معیار نہیں ہے اب مزدور یہ کرتے ہیں کہ جتنا معاملہ کے اعتبار سے ان کا حق بنتا ہے اس سے زیادہ مانگتے ہیں اگر کارخانہ دار نہ دے تو ہڑتال کردیتے ہیں پھر ہڑتال کے زمانے کے بھی پیسے مانگتے ہیں اور اس کو مزدور کا حق سمجھا جاتا ہے، اور لوگ عموماً مزدور کے طرفدار ہوجاتے ہیں یہ مزدوروں کی ناجائز حمایت ہے اور انصاف کے خلاف ہے اگر کسی حکومت کے غلط قانون کی وجہ سے مالدار کارخانہ چلانے کی مجبوری سے اس زمانے کے پیسے دے دے جس زمانے میں مزدوروں نے کام نہیں کیا تو مزدوروں کو وہ پیسہ لینا حلال نہ ہوگا۔ مزدور آٹھ گھنٹے روزانہ کا معاملہ کرتے ہیں پھر وقت کم دیتے ہیں اور تنخواہ پوری لیتے ہیں یا وقت پورا دیتے ہیں تو کام پورے وقت میں نہیں کرتے کچھ

کام کیا پھر بیٹھ گئے۔ باتوں میں وقت لگایا جو کام سپرد نہیں ان کاموں میں لگ گئے اور تنخواہ پوری لے لی۔ ایسا کرنے سے پوری تنخواہ لینا حلال نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسے حق مارنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں وہ ظلم کے ساتھی ہیں۔ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا کے بعد جو فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا فرمایا ہے اس میں وہ لوگ غور کریں جو ظلم کے مواقع میں امیر یا غریب کا ساتھ دیتے ہیں اور اتباع ہویٰ کی وجہ سے حق کے ساتھی نہیں بنتے۔ واللّٰہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور رسولوں پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں پر جو

الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

اس سے پہلے نازل فرمائیں۔ اور جو شخص منکر ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو

ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا

وہ گمراہ ہو کر دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے

كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ؕ

تو اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ ان کو راہ دکھائے گا۔

اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور کتابوں، فرشتوں اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اولاً مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے کہ اپنے ایمان پر جمے رہو اور اس کے رسولوں پر اس کی موجودہ کتاب پر اور اس کی ان کتابوں پر جو پہلے نازل فرمائی ہیں ان سب پر ایمان لاؤ۔ مزید یہ فرمایا کہ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اس میں اصول ایمان بتائے ہیں ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں۔

حدیث جبرئیل میں تقدیر پر ایمان لانے کو بھی اصول ایمان میں شامل فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا تو آگے سارے دین پر ایمان لانا لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ سارا دین اللہ نے اپنی کتاب میں خود بتایا ہے یا اپنے رسول کے ذریعہ بتایا ہے۔ جو بھی کسی چیز کا اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی چیزوں میں منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔ اور ان چیزوں کا انکار بہت بڑی گمراہی ہے جس کو ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا فرمایا۔

اس کے بعد منافقوں کا ذکر فرمایا، سورہ بقرہ کے شروع میں ہم نے بتایا تھا کہ منافقوں کا ظہور کیوں ہوا۔ اور منافقت اختیار کرنے والے کون لوگ تھے اور انہوں نے اس کی ضرورت کیوں محسوس کی وہاں دیکھ لیا جائے۔ ان لوگوں کے سامنے دنیا تھی۔ طلب دنیا کی وجہ سے مفاد ظاہری کے پیش نظر ظاہری طور پر ایمان قبول کر لیتے تھے اور اندر سے کافر ہی رہتے تھے۔

ان میں سے بعض کو تو ایمان کی توفیق ہوگئی۔اور بعض کفر ہی میں بڑھتے چلے گئے۔جب انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تو پیچھے پلٹ کر دیکھنے اور آخرت کا نفع نقصان سمجھنے کا موقعہ ہی ختم کر دیا۔جو شخص کفر اور شرک پر مرجائے اس کی بخشش کبھی نہیں ہے اور جب کفر پر مر گیا تو اب موت کے بعد جنت کی راہ دکھانے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا۔

آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں ہے کہ وہ اول ایمان لائے پھر گائے کے بچھڑے کی عبادت کر کے کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مومن ہوئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہوئے پھر انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ جانتے بوجھتے نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت اور رسالت کے بھی منکر ہو گئے۔(ذکرہ فی الروح)

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا اس کا ایک مطلب تو وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہشت کا راستہ نہ دکھائے گا۔کیونکہ وہ کفر پر مر چکے ہوں گے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے بار بار کفر کی طرف لوٹنے کی وجہ سے قبول حق کی توفیق ہی سلب ہو جائے گی۔اور آئندہ توبہ کرنے اور ایمان لانے کا موقع ہی نصیب نہ ہوگا۔یہ ایسا ہی ہے جیسے سورہ صف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد فرمایا

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ. قال صاحب الروح صفحه ۱۷۱:ج۵ فان من تكررمنهم ارتدادوا زدياد الكفر والاصرار عليه صار وابحيث قد ضربت قلوبهم بالكفر وتمرنت على الردة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں جو لوگ بار بار مرتد ہوئے اور کافر ہوئے تو وہ اس طرح ہو گئے جیسے ان کے دلوں میں کفر جم گیا اور ارتداد پر قابو ہو گئے)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں

الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾

کیا ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔بلاشبہ ساری عزت اللہ کے لئے ہے۔

عزت اللہ ہی کیلئے ہے

تفسیر: اس آیت میں بھی منافقین کی بدحالی کا تذکرہ ہے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے خوشخبری تو اچھی حالت کی دی جاتی ہے لیکن عذاب الیم کی خبر کو بھی خوشخبری سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ لوگ اپنی حرکتوں کے نتیجے میں اچھی حالت کے منتظر ہیں ان کی بے وقوفی ظاہر کرنے کے لئے اس خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا۔منافقین نے جو نفاق اختیار کیا تھا۔اس میں انہیں کافروں سے دوستی رکھنی پڑتی تھی۔مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لائے اور کافروں سے کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔حالانکہ حقیقت میں کسی بھی فریق کے ساتھ نہ تھے۔جیسا کہ آئندہ رکوع میں ہے لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ فرمایا ہے کوئی فریق ان کو اپنا نہیں سمجھتا تھا۔لیکن وہ یہی سمجھتے تھے کہ ہم بڑے کامیاب ہیں دونوں فریق کو اپنے تعلق میں الجھا رکھا ہے اس فریق سے بھی نفع حاصل کرتے ہیں اور دوسرے فریق سے بھی۔ان کی یہ چالاکی انہیں

لے ڈوبی ایمان سے محروم رکھا۔ اخلاص کے ساتھ ظاہراً و باطناً اسلام قبول کر کے سچے پکے مسلمان اس لئے نہیں بنتے تھے کہ انہیں یہ خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کا غلبہ نہ ہوا تو ہم اسلام قبول کر کے اس عزت سے محروم ہو جائیں گے جو کافروں سے دوستی کرنے میں حاصل ہے اسی کو فرمایا اَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا (کیا کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں عزت تو ساری اللہ ہی کے لئے ہے) اللہ خود عزیز ہے وہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ کافروں کی ذرا سی مال و جائیداد اور جتھہ کی جو عزت نظر آ رہی ہے اس کی کچھ حیثیت نہیں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جو عزت دے گا اس کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عزت دی وہ سب کافر ذلیل ہوئے جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اور منافقین نے بھی ان کے ساتھ ذلت اٹھائی۔ کافر زیر ہوتے چلے گئے اور اہلِ اسلام کا غلبہ ہوتا گیا۔ اور ممالک فتح ہوتے چلے گئے یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے عذاب ِ مهین (ذلیل کرنے والا عذاب) مقرر ہے ہی۔ دنیا میں جواب مسلمانوں کی بدحالی ہے وہ اس لئے ہے کہ عمومی طور پر مسلمانوں نے ایمان کے تقاضوں کو اور ایمان کے مطالبات کو چھوڑ دیا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اسلام کو سب سے بڑی عزت سمجھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے عزت مانگے اور مسلمانوں کی دوستی ہی میں عزت سمجھے مسلمان ہوتے ہوئے کافروں سے دوستی کرنے میں یا ان کے افعال و اخلاق اختیار کرنے میں یا ان کی شکل و صورت اور وضع قطع اختیار کرنے میں عزت نہ سمجھے، جو لوگ اللہ کے ہاں ذلیل ہیں ان کے ساتھ یا ان جیسا ہونے میں عزت نہیں ہے۔ طارق بن شہاب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ (اپنے زمانہ خلافت میں) شام کی طرف روانہ ہوئے اور اس وقت ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی تھے۔ چلتے چلتے حضرت عمرؓ اپنی اونٹنی سے اتر گئے اور اپنے موزے اپنے کاندھے پر ڈال لئے اور اونٹنی کی باگ پکڑ کر چلنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ ایسا کرتے ہیں کہ موزے نکال کر کاندھے پر ڈال کر اونٹنی کی باگ پکڑ کر چل رہے ہیں؟ مجھے تو یہ اچھا نہیں لگتا کہ یہاں کہ شہر والے اور لشکر اور نصاریٰ کے بڑے لوگ آپ کو اس حال میں دیکھیں حضرت عمرؓ نے فرمایا افسوس ہے تیری بات پر، اے ابو عبیدہؓ تیرے علاوہ کوئی شخص یہ بات کہتا تو اسے عبرتناک سزا دیتا جو امت محمدیہ کے لئے عبرتناک ہوتی پھر فرمایا کہ بلاشبہ ہم لوگ (یعنی عرب) ذلیل قوم تھے اللہ نے ہم کو اسلام کے ذریعہ عزت دی اس کے بعد جب کبھی بھی ہم اس چیز کے علاوہ عزت طلب کریں گے جس سے اللہ نے ہمیں عزت دی ہے تو اللہ ہمیں ذلیل فرما دے گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک صفحہ ۶۲: ج ۱)

آج دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے دعویدار نصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرنے میں داڑھی مونڈنے میں افرنجی لباس پہننے میں کھانے پینے میں اور معیشت میں اور معاشرت میں حکومت میں اور سیاست میں دشمنان دین کی تقلید کرنے کو عزت کی چیز سمجھتے ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے میں، اسلامی لباس پہننے میں، بیاہ شادی میں، سنت کا طریقہ اختیار کرنے میں، اسلامی قوانین اختیار کرنے میں خفت اور ذلت محسوس کرتے ہیں جس طرح منافقین کافروں سے دوستی کر کے ان کے یہاں عزت چاہتے تھے آج کے مسلمان بھی انہیں کے طرز کو اپنا رہے ہیں اسلام اور اعمال اسلام میں عزت نہ سمجھنا اور کافروں سے دوستی کرنے اور ان کی طرف جھکنے اور ان کی تقلید میں عزت سمجھنا بہت بڑی محرومی

ہے۔ حضرات صحابہؓ سچے مسلمان تھے کافر ان سے ڈرتے تھے اب جبکہ مسلمان ہی کافروں کی طرف جھک رہے ہیں اور ان کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں تو عزت کہاں رہی؟ یہود و نصاریٰ اور ہنود کا اتباع کرنے والے غور کر لیں۔

سورہ منافقون میں فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے لیکن منافقین نہیں جانتے) ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے جو ذلت دیکھ رہے ہیں۔ اسی سے سمجھ لیں کہ ایمان کے تقاضوں کے خلاف جا رہے ہیں جس کی وجہ سے عزت سے محروم ہیں۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ

اور اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق کیا

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ بلاشبہ تم اس حالت میں ان جیسے ہو جاؤ گے۔ بلاشبہ اللہ

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ

منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع فرمادے گا جو اس بات کے انتظار میں رہتے ہیں کہ تمہارے اوپر کوئی مصیبت آپڑے سو اگر تمہارے لئے اللہ کی طرف سے فتح یابی حاصل ہو جائے

قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ

تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آگئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا،

الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

سو اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلے فرمائے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائے گا۔

کافروں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت اور منافقین کی دوغلی باتوں کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو ایک اہم حکم قرآنی یاد دلایا جو اس آیت سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور وہ یہ ہے:- وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یعنی جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں (لہو و لعب کے طور پر) مشغول ہوتے ہیں تو تم ان سے اعراض کر لو (یعنی ان کو چھوڑ دو) یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم کے ساتھ نہ بیٹھو) یہ آیت سورۃ انعام کی ہے جو مکی سورت ہے۔ کافر اور مشرک بطور لہو و لعب قرآنی آیات کا تذکرہ کرتے اور بطور مجلسی مشغلہ کے باتیں کرتے تھے۔ اور آیات قرآنیہ پر طعن کرتے تھے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ جب ایسا موقعہ ہو تو ان کو چھوڑ کر چلے جائیں ان کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ جب تک وہ اس مشغلے کو چھوڑ کر کسی اور مشغلے میں نہ لگیں ان سے دور ہی رہیں۔

سورۃ انعام کی آیت کے مضمون کو یہاں سورۃ نساء میں یاد دلایا اور فرمایا کہ تمہیں پہلے یہ حکم دیا جاچکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق بنایا جارہا ہے تو اس عمل میں جو لوگ مشغول ہوں ان کے ساتھ نہ بیٹھو اگر تم ایسے موقعہ پر وہاں سے نہ ہٹے تو تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ کھلے کافر بھی آیت قرآنیہ پر اعتراض کرتے تھے اور منافقین بھی اس مشغلہ کو اختیار کرتے تھے۔ مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم ایسے موقعہ پر ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ اگر اعتقاد میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ گے تو ان ہی جیسے کافر ہو جاؤ گے اور اگر اعتقاد میں شریک نہ ہوئے تو گناہ کی شرکت تو بہرحال ہو ہی جائے گی۔

قال صاحب الروح والمراد من المماثلة فی الجزاء المماثلة فی الاثم لانهم قادرون علی الاعراض و الانکار لا عاجزون کما فی مکة او فی الکفر علی معنی ان رضیتم بذلک و هومبنی علی ان الرضی بکفر الغیر کفر من غیر تفصیل الخ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں جزاء میں ہم مثل ہونے سے مراد گناہ میں برابری ہے کیونکہ وہ ان سے اعراض اور انکار پر قادر تھے جیسا کہ مکہ میں تھے یا اگر ساتھ بیٹھنے والے ان کے کفر پر راضی تھے تو پھر کفر میں ان کے مثل ہیں اور یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ غیر کے کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے تفصیلات (کی تفتیش) کے بغیر)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ فاسقوں اور اہل بدعت کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا حرام ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور ابراہیم نخعی نے اسی کو اختیار کیا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ایک روزے دار شخص شراب پینے والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی پٹائی کی اور یہی آیت تلاوت کی۔

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کفریہ کاموں میں لگے ہوئے ہوں ان کی مخالفت اس طرح سے فرض ہے کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے محض قلب یا چہرہ سے اعراض کرنا کافی نہیں ہے۔ (صفحہ ۱۷۴: ج ۵)

اگر کافر کسی جگہ جمع ہوں اور ان کی باتوں اور اعتراضوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے کوئی شخص وہاں چلا جائے تو یہ ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتا کیونکہ اہل کفر اور اہل بدعت سے مناظرہ و مجادلہ کرنا مشروع ہے۔ البتہ بہت سے وہ لوگ جو ہندوؤں یا نصرانیوں کی مجلسوں میں ہوتے ہیں اور ان سے اسلام کے خلاف باتیں سنتے ہیں اور اسلام کی باتوں کا وہ لوگ جو مذاق اڑاتے ہیں اسے بیٹھے ہوئے سنتے رہتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے یا کافروں کی قوت ظاہرہ کی وجہ سے ان باتوں کا جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں ایسے لوگوں پر فرض ہے کہ وہاں سے اٹھ جائیں آج کل بہت سے ممالک مثلاً انگلینڈ وغیرہ میں ایسا پیش آجاتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا (کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے) پھر مسلمان ان کی طرف کیوں مائل ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو اہل جنت کے پاس رہنا چاہیئے انہیں کی مجلس میں بیٹھنا چاہیئے۔ پھر منافقوں کا طریقہ کار اور کردار بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ لوگ بظاہر تو یہ کہتے

ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں ہیں اس لئے وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آپڑے (یہ مصیبت بعض مرتبہ کھلے کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں رونما ہوجاتی ہے) جب مسلمان کافروں سے لڑنے لگے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگئی تو یہ منافق مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لہٰذا جو کچھ غنیمت تمہیں ملی ہے اس میں سے ہم کو بھی حصہ دو، اور اگر کافروں کو کوئی حصہ مل گیا۔ یعنی لڑائی میں انہیں غلبہ حاصل ہوگیا تو یہ منافق کافروں سے کہتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوکر ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے؟ پھر کیا ہم نے تمہیں غالب کرنے کے راستے نہیں بتائے اور محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کے بھید تم تک نہیں پہنچائے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا؟ ہماری کارکردگی ہی سے تو تم کو غلبہ ہوا ہے ہم نے مسلمانوں کو تمہارے خلاف اٹھنے سے روکا اور وہ جب لڑائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو ہم ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ تمہاری فتح یابی میں ہمارا دخل ہے۔ لہٰذا اپنے منافع میں ہم کو بھی شریک کرو چونکہ منافق نفاق کو اسی لئے اختیار کرتا ہے کہ دونوں جماعتوں سے فائدہ اٹھائے اور چت اور پٹ دونوں اسی کی رہیں اسی لئے اس زمانہ کے منافقین یہ چال چلتے تھے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ ایسے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلے فرمادے گا۔ اہل ایمان کو جنت عطا فرمائے گا اور منافقوں اور کافروں کو دوزخ کی سزا دے گا۔ یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اگر نفاق اور مکر وفریب اور دغا بازی کے ساتھ بظاہر کچھ اچھی گذار لی تو یہ کوئی خوش ہونے کی چیز نہیں ہے۔ اس کے بعد منافقوں اور کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب دھرا ہوا ہے۔

آخر میں ارشاد فرمایا وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب فیصلے ہوں گے تو اللہ کافروں کو ایمان والوں پر غلبہ نہ دے گا دنیا میں تو مسلمانوں کے ابتلاء کے لئے اور کافروں کے استدراج کے لئے کبھی کافروں کا غلبہ ہوجاتا ہے لیکن آخرت میں ہر حیثیت سے مسلمانوں ہی کا غلبہ ہوگا۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس آیت کا یہی مطلب مروی ہے۔ صاحب روح المعانی اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں مسلمانوں پر غلبہ تام نہیں دے گا کہ جس سے سب مسلمان ایک ایک کر ختم ہوجائیں اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ کافروں کو کبھی بھی مومنین کے مقابلے میں کوئی ایسی حجت اور دلیل نہیں مل سکتی جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں سے جیت جائیں دلائل کے اعتبار سے اہل ایمان ہی ہمیشہ غالب رہیں گے (صفحہ ۱۷۵: ج ۵)۔

اور صاحب ہدایہ نے اس آیت کو اس امر کے استدلال میں پیش کیا ہے کہ کسی کافر کی ولایت کسی مسلمان پر نہیں ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی کافر اپنی مسلمان اولاد کا ولی نہیں ہوسکتا۔ کافر اپنی کافر اولاد کا نکاح کرسکتا ہے اپنی مسلمان اولاد کے نکاح کی ولایت اسے حاصل نہیں ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ

بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ ان کی دھوکہ بازی کی ان کو سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں

النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى

لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں اس کے درمیان، نہ ان لوگوں کی طرف نہ ان لوگوں

هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ

کی طرف، اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے تو ہرگز کوئی راستہ نہ پائے گا، اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

کو دوست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کرلو، بے شک منافق

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ

دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اور اللہ پر مضبوط

وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ مَا

بھروسہ رکھا اور اپنا دین اللہ کے لئے خالص کردیا۔ تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لاؤ اور اللہ قدر دان ہے جاننے والا ہے۔

منافقوں کی چالبازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ

اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں

تفسیر: ان آیات میں منافقین کے کردار پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان کا طور طریق بتایا ہے۔ پھر ان کا وہ مقام بتایا ہے جہاں انہیں دوزخ میں جانا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح حال کرلیں اور اللہ پر پختہ بھروسہ کرلیں اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کرلیں تو یہ مومنین کے ساتھ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی راہ ہر وقت کھلی ہوئی ہے۔ شروع میں ارشاد فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں فرمایا يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ وہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (مسلمانوں سے) جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اندر سے مومن نہیں ہیں اور پھر انہیں نعمتوں اور برکتوں کے آرزو مند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ گویا ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان سے منحرف ہونا اللہ کو معلوم ہی نہیں۔

پھر فرمایا وَهُوَ خَادِعُهُمْ (اللہ ان کے دھوکے کی ان کو سزا دینے والا ہے لفظ وَهُوَ خَادِعُهُمْ علی سبیل المشاکلہ فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے وھو خادعھم کو اس صورت حال پر محمول کیا ہے جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی اور وہ یہ کہ روشنی میں مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ پھر وہ روشنی سلب کرلی

جائے گی اور منافقین کے اور اہل ایمان کے درمیان دیوار لگادی جائے گی۔ جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے۔ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَ كُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ.

چونکہ منافقین کی حرکت بد کا وبال انہیں پر پڑنے والا ہے اس لئے سورہ بقرہ میں فرمایا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور وہ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں)۔ منافقین کی دھوکہ دہی کے تذکرہ کے بعد ان کی نماز کا حال بیان فرمایا۔ اور فرمایا وَاِذَا قَامُوْآ اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) جس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے۔ پھر نماز کی کیا اہمیت ہوتی۔ لیکن چونکہ ظاہراً یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے ظاہر داری کے طور پر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور چونکہ نماز کی اہمیت اور ضرورت ان کے دلوں میں اتری ہوئی نہیں ہے۔ اس لئے سستی کے ساتھ اکساتے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مومن ہوتے تو اچھی نماز پڑھتے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے لیکن وہاں تو مسلمانوں کو دکھانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری طرح سے نمازی ہیں تاکہ اسلام سے جو ظاہری دنیاوی منافع ہیں ان سے محروم نہ ہوں۔ اللہ سے ثواب لینا مقصود ہوتا تو اچھی نماز پڑھیں۔ دکھاوے کے لئے جو عمل کیا جائے وہ اور طرح کا ہوتا ہے۔ اس میں خوبی اور عمدگی اختیار نہیں کی جاتی۔

ان کی اسی ریاکاری کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (کہ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جائے اور عجب نہیں کہ اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو۔ کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بداعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ہلتی ہو۔

منافقوں کی دوسری حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ کہ وہ اس کے درمیان ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ **ذلک مجموعہ ایمان و کفر** کی طرف اشارہ ہے جس پر مومنین اور کافرین کے ذکر سے دلالت ہو رہی ہے پھر فرماتے ہیں کہ مومنین اور کافرین کی طرف اشارہ مانا جائے تو یہ بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عالم حیرانی میں تردد میں پڑے ہوئے ہیں شیطان نے ان کو حیرت میں ڈال دیا ہے پھر امام راغب سے التذبذب کا معنی نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں **صوت الحركة للشئ المعلق ثم استعير لكل اضطراب وحركة او تردد بين الشيئين** یعنی ذبذبہ اس آواز کو کہا جاتا ہے جو کسی لٹکی ہوئی چیز سے نکل رہی ہو۔ پھر بطور استعارہ ہر اضطراب اور ہر حرکت کے لئے یا دو چیزوں کے درمیان متردد ہونے کے لئے استعمال کر لیا گیا۔ منافقین کفر و ایمان کے درمیان اپنی حالت ظاہرہ کے اعتبار سے متردد ہیں ورنہ حقیقت میں تو کافر ہی ہیں۔

مزید فرمایا لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ یعنی منافقین بظاہر دونوں طرف ہیں مسلمانوں سے بھی ملتے ہیں اور

کافروں سے بھی اور ہر ایک کے ساتھ اپنی محبت اور دوستی ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں نہ ان کی طرف ہیں نہ ان کی طرف۔ جو لوگ منافق ہوتے ہیں اپنے خیال میں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے چالاک ہیں دیکھو دونوں جماعتوں کو اپنا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو کوئی جماعت بھی اپنا نہیں سمجھتی۔ منافق کا کردار خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائے کسی فریق کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے کہ مثل المنافق کالشاۃ العائرۃ بین الغنمین نعیر الی ھذہ مرۃ والیٰ ھذہ مرۃ (رواہ مسلم عن ابن عمرؓ) یعنی منافق کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بکری دو ریوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے وہ بکری مراد ہے۔ جو گابھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ میں اپنے لئے نر تلاش کرتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ میں۔ (ذکرہ القاری فی المرقاۃ)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز میں سستی کرنا کسلاتے ہوئے نماز کے لئے اٹھنا بد دلی سے نماز کے افعال ادا کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ اہل ایمان کو چاہیئے کہ خوب خوشی اور بشاشت اور نشاط کے ساتھ نماز پڑھیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زردی آ جاتی ہے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔ ان میں اللہ کو نہیں یاد کرتا مگر تھوڑا سا (رواہ مسلم)

چار ٹھونگیں مارنے کا مطلب یہ ہے کہ لپ جھپ سجدہ کرتا ہے، سر رکھا بھی نہیں کہ اٹھا لیا جیسا کہ مرغا جلدی جلدی ٹھونگیں مار کر دانہ اٹھاتا ہے۔ اور شیطان ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جو سورج کے اور اس کے دیکھنے والوں کے درمیان ہو وہاں کھڑے ہو کر سر ہلاتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو سورج کی شعاعوں کی جگمگاہٹ معلوم ہوتی ہے وہ یہ حرکت اس لئے کرتا ہے کہ سورج کی پرستش کرنے والے اس وقت اس کی عبادت کریں۔

چونکہ منافقین مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے تھے نماز کی فرضیت اور فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کا یقین نہیں تھا اس لئے برے دل سے نمازوں میں حاضر ہو جاتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں، پھر فرمایا کہ فلاں حاضر ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا بلاشبہ یہ دو نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ ان میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان نمازوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۹۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے (یعنی جماعت میں غیر حاضر ہونیوالوں میں سے کسی) کو پتہ چل جائے کہ اسے ایک چکنی ہڈی مل جائے گی یا بکری کے دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز کے لئے حاضر ہو جائے (رواہ البخاری صفحہ ۸۹: ج ۱) طالب دنیا کو ذرا سی دنیا بھی مل جائے تو تکلیف اٹھانے اور نیند قربان کرنے کو حاضر ہو جاتا ہے اور جسے اعمال صالحہ پر اجر و ثواب ملنے کا یقین نہیں وہ اپنے

نفس کو اجر والے عمل کے لئے آمادہ نہیں کر سکتا اس بات کو آنحضرت ﷺ نے بکری کے کھر کی مثال دے کر واضح فرمایا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کے عہد مبارک میں نماز اور جماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ منافقوں کو بھی اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے نماز پڑھنی پڑتی تھی جب دینی فضا بن جاتی ہے تو جو اپنے دل سے دین دار نہ ہو اسے بھی مجبوراً دینداروں کے ساتھ گھسنا پڑتا ہے۔ اور یہی حال بدعملی اور بے دینی کا ہے جب بدعملی اور بے دینی کی فضا ہوتی ہے تو اچھے جذبات والا بھی بے عملوں اور بے دینوں کے طور طریق اختیار کر لیتا ہے۔ آج بے دینی اور بے عملی کی فضا ہے۔ بے نمازی بغیر کسی شرم وحیا کے دینداروں میں گھل مل کر رہتے ہیں اور اپنا کوئی قصور محسوس نہیں کرتے، انہیں ایک نماز چھوٹنے کا ذرا بھی ملال نہیں ہوتا۔ اگر دوبارہ دینی فضا بن جائے تو پھر وہی عمل کی فضا لوٹ آئے جو زمانہ نبوت میں تھی۔

پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ) کافر منافق ہوں یا دوسرے عام کافر ہوں ان کو دوست بنانا اور اہل ایمان کو چھوڑ دینا منافقوں کا طریقہ ہے تم اسے اختیار نہ کرو۔ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَیۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریحہ قائم کر لو) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے اس چیز کو اختیار کر کے اپنے کو مجرم اور مستحق عذاب بنانے کے لئے اپنے عمل سے اپنے اوپر کیوں حجت قائم کرتے ہو۔

اس کے بعد منافقین کا عذاب ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافق دوزخ میں سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۷۷: ج ۵ میں لکھتے ہیں کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں پہلے طبقے کا نام جھنم اور دوسرے کا لظی اور تیسرے کا حطمه اور چوتھے کا سعیر اور پانچویں کا سقر اور چھٹے کا جحیم اور ساتویں کا هاویه ہے اور کبھی کبھی ان سب کے مجموعے کو النار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان طبقات کو درجات اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ متدارکہ ہیں یعنی ایک دوسرے کے نیچے ہیں۔ درک اور درج میں یہ فرق ہے کہ اوپر سے نیچے آئیں تو ہر طبقے کو درک سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے سے اوپر کو جائیں تو ہر طبقے کو درج سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ منافق کو بنسبت دوسرے کافروں کے سخت عذاب اس لئے ہوگا کہ اس نے کفر کے ساتھ مزید اس بات کو اختیار کر لیا کہ اسلام کا مذاق اڑایا اور اہل اسلام کو دھوکہ دیا۔

پھر فرمایا وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِیۡرًا (کہ اے مخاطب منافقوں کے لئے تو کوئی مددگار نہ پائے گا جو انہیں عذاب سے نکال دے یا ان کا عذاب ہلکا کر دے۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا کہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے نفاق سے توبہ کی وَ اَصۡلَحُوۡا اور اپنی نیتوں کو درست کر لیا اور نفاق کی حالت میں جو بگاڑ کیا تھا اس کو درست کر دیا وَاعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰهِ اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا (یعنی اپنی

تدبیروں پر اور کافروں سے تعلق رکھنے پر جو بھروسہ تھا اس کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور توکل اختیار کیا) وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا (یعنی اسلام کو سچے دل سے قبول کیا جس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو لوگوں کو دکھانا مقصود نہ ہو اور یہ غرض سامنے نہ ہو کہ مسلمانوں کے سامنے اظہار اسلام کر کے مسلمانوں سے منافع حاصل کرتے رہیں گے اور ان سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے بچتے رہیں گے) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہ یہ لوگ مخلص مومنین کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں ہوں گے۔ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا (عنقریب اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا)۔

آخر میں فرمایا مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے سزا دینے سے کوئی نفع نہیں پہنچتا اس کا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں ہے جو تم کو سزا دینے سے پورا ہو جائے۔ وہ حکمت کے مطابق کافروں کو سزا دیتا ہے اور کفر بہت بڑا کفران نعمت ہے اگر شکر گذار بندے بنو جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان قبول کرو تو عذاب نہ ہوگا۔

وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا (اور اللہ تعالیٰ قدردان ہے) اصحاب ایمان کے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی قدردانی فرماتا ہے (اسے ہر چیز کا علم بھی ہے) سب کا ثواب عطا فرمائے گا۔

قال صاحب الروح صفحہ۱۷۹:ج۵ ای ای شیء یفعل اللّٰہ سبحانہ بسبب تعذیبکم ایتشفی بہ من الغیظ؟ ام یدرک بہ الثار ام یستجلب نفعاً؟ اویستدفع بہ ضرراً کما ھو شان الملوک و ھو الغنی المطلق المتعالی عن امثال ذالک وانما ھوا مریقتضیہ مرض کفرکم ونفاقکم فاذااحتمیتم عن النفاق ونقیتم نفوسکم بشریۃ الایمان والشکر فی الدنیا برئتم و سلمتم والاھلکتم ھلاکا محیص عنہ بالخلود فی النار. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: تمہیں عذاب دیکر اللہ تعالیٰ کیا کرے گا، کیا اس سے اس کے غضب کو تسکین مل جائے گی یا اس سے اسے بدلہ ملیگا، یا کوئی اور نفع ملے گا، یا اس سے اس کی کوئی تکلیف دور ہوگی؟ جیسا کہ بادشاہوں کی حالت ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو غنی مطلق ہے اس طرح کی چیزوں سے بلند ہے عذاب کا معاملہ تو تمہارے کفر و نفاق کا تقاضا ہے جب تم اپنے آپ کو نفاق سے آزاد کرلو اور اپنے نفسوں کو پاک کر کے دنیا میں ایمان و شکر اختیار کرو تو تم آزاد ہو گئے اور سلامتی والے ہو گئے ورنہ تو ایسی ہلاکت تم پر آئے گی کہ پھر ہمیشہ کے جہنم کے عذاب کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہوگا)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو، اور اللہ سننے والا

عَلِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

جاننے والا ہے، اگر تم خیر کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا

تفسیر: بری بات کا بیان کرنا۔ پھیلانا اور تجھ مجھ سے کہتے ہوئے پھرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو تو وہ اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کے لئے ظالم کا ظلم اور زیادتی بتائے تو یہ جائز ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور خود ظالم کو بھی اپنی زیادتی اور بدنامی کا احساس ہوگا جس کی وجہ سے وہ ظلم سے باز آجائے گا، مفسر ابن کثیرؒ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دے چنانچہ اس شخص نے ایسا کیا اب ہر جو شخص وہاں سے گذرتا تھا پوچھتا تھا کہ کیا بات ہے (تم نے سامان یہاں کیوں ڈالا) وہ کہتا تھا میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے اس پر گذرنے والے اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کی رسوائی کے لئے بددعا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا کہ تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ اللہ کی قسم میں تمہیں کبھی تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔

آیت کے عموم میں یہ سب باتیں شامل ہیں کہ کسی کی غیبت کی جائے کسی پر بہتان باندھا جائے کسی کے عیب اور گناہ کو تجھ مجھ سے بیان کیا جائے۔ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اگر کسی کا عیب اور گناہ معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے نہ یہ کہ اسے اڑائے اور ادھر ادھر پہنچائے۔ بہت سے لوگوں کو غیبت کرنے اور دوسروں کی پردہ دری کرنے اور گناہوں کو مشہور کرنے اور اِدھر اُدھر لئے پھرنے کا ذوق ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی بربادی کرتے ہیں اور آخرت میں اپنے لئے عذاب تیار کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی زیادتی ہو جائے اول تو بہتر یہ ہے کہ اسے معاف کر دے اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہیں ہے تو بدلہ لے سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مظلومیت کا بدلہ بقدر مظلومیت ہی لیا جا سکتا ہے۔ اگر بدلہ لینے والے نے زیادتی کر دی تو اب وہ ظالم ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں ان سب کا گناہ اس پر ہے، جس نے گالی گلوچ شروع کی تھی جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۱: ج ۲) جب مظلوم نے زیادتی کر دی تو وہ بھی گناہ گار ہوگا کیونکہ جتنے بدلے کی اجازت تھی وہ اس سے آگے بڑھ گیا۔

پہلی آیت کے ختم پر فرمایا وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًا عَلِیۡمًا (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) جو بھی کوئی شخص بری بات کو پھیلائے گا اچھے برے کلمات کہے گا اس کی باتیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو بھی کوئی شخص کسی پر ابتداءً یا جواباً ظلم اور زیادتی کردے اللہ تعالیٰ شانہ کو اس کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کے درمیان فیصلے فرمادے گا۔ ظالم کو سزا دے گا اگر مظلوم نے معاف نہ کیا۔

دوسری آیت میں فرمایا اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا (اگر تم خیر کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا قدرت رکھنے والا ہے) اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ جو بھی خیر کا کام کرو گے ظاہراً ہو یا پوشیدہ (عبادت بدنی ہو یا مالی ہو) یا کسی ظلم وزیادتی کو معاف کردو گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ قدرت والا ہے وہ تمہارے اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے اور وہ معاف کرنے والا بھی ہے ،معاف کرنا بھی بہت بڑا نیک عمل ہے۔

سورہ نور میں فرمایا وَلۡیَعۡفُوۡا وَلۡیَصۡفَحُوۡا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَکُمۡ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ غفور رحیم ہے) جو شخص معاف کردیتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ یہ دنیا و آخرت میں اسکی عزت بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے، حضرت ابو کبشہ انماریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جنہیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور وہ تین یہ ہیں کہ صدقہ کی وجہ سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا اور جس کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا جس پر اس نے صبر کرلیا تو اللہ اس کی عزت بڑھادے گا۔ اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ اس پر تنگدستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا) (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے رب تیرے نزدیک بندوں میں سب سے بڑا عزت والا کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَنۡ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ یعنی جو شخص قدرت ہوتے ہوئے معاف کردے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا ہے۔ اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان کو محفوظ رکھے اللہ اس کی پوشیدہ چیزوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور جو شخص اپنے غصہ کو روک لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا۔ اور جو شخص اللہ کی بارگاہ میں عذر پیش کرے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمالیتا ہے۔

(ذکر الروایتین صاحب المشکوٰۃ صفحہ ۴۳۴ عن شعب الایمان)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ

بلاشبہ جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾

تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ تجویز کرلیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ

یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے

وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ اُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾

رسولوں پر اور ان میں کسی کے درمیان میں فرق نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ ان کو ان کے اجور عطا فرمائے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے

تفسیر: صاحب معالم التنزیل صفحہ۴۹۴: ج۱ لکھتے ہیں کہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور توریت پر ایمان لائے اور عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لائے ان کے ساتھ کفر کیا اور انجیل اور قرآن کے بھی منکر ہوئے۔ ان لوگوں نے ایسا راستہ نکالا کہ اللہ پر تو ایمان لائیں اور اس کے رسولوں میں سے بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں۔

جو شخص صرف اللہ پر ایمان لائے اور کسی رسول پر ایمان نہ لائے یہ بھی کفر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا ہے اور بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرے یہ بھی تفریق ہے۔ کیونکہ کسی ایک رسول کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ۴: ج٦ نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور یہود و نصاریٰ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا جو دین ہے اسے دونوں جماعتیں چھوڑ بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے جن لوگوں نے کسی بھی نبی کا انکار کیا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پکے کافر ہیں ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ اور فرمایا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا کہ ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اہل کفر کا کفر ذکر فرمانے کے بعد اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور کسی بھی رسول کا انکار کر کے تفریق کرنے والے نہ بنے (یعنی خاتم النبیین ﷺ کے امتی) یہ لوگ بڑے بڑے ثوابوں کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ثواب عطا فرمادے گا۔ مسلمانوں کے بارے میں سورہ بقرہ کے ختم کے قریب ارشاد فرمایا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (ایمان لائے رسول اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا ان کے رب کی طرف سے اور مومنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں

پر (انہوں نے کہا) کہ ہم تفریق نہیں کرتے اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان بھی)۔

درحقیقت ایمان جبھی متحقق ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک معتبر ہوتا ہے جبکہ تمام ایمانیات پر ایمان لایا جائے۔ کوئی شخص فرشتوں کا منکر ہو، یوم آخرت کا منکر ہو۔ قرآن کی کسی آیت کا منکر ہو کسی شعائر اسلامی کا منکر ہو۔ کسی بھی رسول کی رسالت اور کسی بھی نبی کی نبوت کا منکر ہو تو وہ اللہ کے نزدیک کافر ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو۔ اللہ پر ایمان لانے میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جن پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ حکم فرمایا۔

یہ اہل اسلام ہی کی امتیازی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توقیر کرتے ہیں جس طرح انہیں یہ گوارا نہیں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی شان اقدس میں کوئی نازیبا کلمہ کہا جائے اسی طرح انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ سیدنا موسیٰ یا سیدنا عیسیٰ علیہما السلام یا کسی بھی رسول یا نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہی جائے۔ نصاریٰ کے پاس جو موجودہ انجیلیں ہیں ان میں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یا ان سے پہلے کسی بھی نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات آ گئی ہے اس پر مسلمانوں ہی نے انہیں متنبہ کیا اور انہیں بتایا کہ یہ رسول اور نبی کی شان کے خلاف ہے اور دنیا میں جب کبھی بھی کسی فرد یا جماعت کی طرف سے کوئی ایسی بات اٹھتی ہے جس سے کسی بھی نبی کی شان میں کوئی حرف آتا ہو تو الحمد للہ مسلمان ہی خدائی فوج دار بن کر اس کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوْا مُوْسٰٓى أَكْبَرَ

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں۔ سو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کر چکے

مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

ہیں انہوں نے یوں کہا کہ تو ہمیں آمنے سامنے اللہ کو دکھا دے، سو ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا۔ پھر انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اس کے بعد

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ

کہ ان کے پاس دلائل آ چکے تھے پھر ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ دے دیا اور ہم نے لوگوں پر طور کو اٹھا دیا۔

بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا

ان سے مضبوط عہد لینے کی وجہ سے اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازہ میں داخل ہو جاؤ جھکے ہوئے اور ہم نے ان سے کہا کہ زیادتی نہ کرو سنیچر کے دن

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

میں اور ہم نے ان سے لے لیا تھا بہت مضبوط عہد۔

یہود کے بیجا سوالات اور بری حرکتوں کا تذکرہ اور ان سے میثاق لینا

تفسیر: یہودیوں کی شرارتوں اور ان کی ضد اور عناد کا تذکرہ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان فرمایا

ہے۔ ان کو ایمان تو نہ لانا تھا لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتوں سے تکلیف ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہاں بھی یہودیوں کے ایک مطالبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ آسمان سے ایک کتاب اتار دیں وہ کتاب ہم اترتی ہوئی دیکھ لیں۔ ہمارے ہاتھوں میں آ جائے ہم اسے پڑھ لیں تو ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کتاب اترنے پر ہم ایمان لا سکتے ہیں۔ اسی قسم کی بات مشرکین مکہ نے بھی کہی تھی۔ ان کا حال سورہ بنی اسرائیل میں بیان فرمایا ہے، انہوں نے کہا تھا۔ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهٗ (اور ہم نہیں مانیں گے تیرے آسمان پر چڑھنے کو یہاں تک کہ تو اتار دے ہمارے اوپر ایک کتاب جسے ہم خود پڑھ لیں) نہ مشرکین مکہ کو ایمان لانا تھا اور نہ یہودیوں کو، خوامخواہ کی آڑ پکڑتے تھے۔ اور ایمان نہ لانے کے لئے بہانے ڈھونڈتے تھے۔ سورہ انعام میں فرمایا وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کتاب کاغذ میں پھر وہ اسے چھولیں اپنے ہاتھوں سے تو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ضرور یوں کہیں گے کہ یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے) منکرین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات ہو جائے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بہت سے معجزات ظاہر فرمائے، جو ایک عقلمند منصف طالب حق آدمی کے لئے کافی تھے پھر بھی کہتے تھے کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو مطالبے کے مطابق معجزہ بھیج دے لیکن پھر بھی بعض معجزات ان لوگوں کے کہنے کے مطابق ظاہر ہوئے جن میں معجزہ شق القمر بھی ہے لیکن چونکہ ماننا مقصود نہیں تھا اس لئے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ ان لوگوں کے عناد اور ضد اور مطالبات سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی اور آپ فکر مند ہوتے تھے کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ آپ کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور انہوں نے جو سوال کیا ہے کہ آسمان سے کتاب اتار دو اس سے بڑا سوال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں اور وہ سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے آمنے سامنے دکھا دو۔

سورہ بقرہ میں ان کی یہ بات اس طرح ذکر فرمائی ہے وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہاری بات نہ مانیں گے یہاں تک کہ اللہ کو آمنے سامنے نہ دیکھ لیں)۔ یہ دنیا اس قابل نہیں ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت ہی میں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدار الٰہی کا سوال کیا تھا جب رب تعالیٰ شانہٗ کی پہاڑ پر تجلی ہوئی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ایک مقرب نبی کا یہ حال ہے تو عوام کو دیدار الٰہی کی کہاں تاب ہو سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لینے کے لئے طور پر تشریف لے گئے تھے وہاں ان کو چالیس دن لگ گئے۔ یہاں پیچھے ان کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ جب آپ تشریف لائے تو ان لوگوں کی سرزنش کی اور سمجھایا اور ستر آدمیوں کو ساتھ لیا تاکہ بارگاہ خداوندی میں معذرت پیش کریں اور توبہ قبول کرنے کی درخواست کریں جب طور پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کا کلام سن لیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کو خطاب تھا اور ان لوگوں کو بھی خطاب فرمایا کہ تم میری عبادت کرو۔ میرے سوا کسی کی

عبادت نہ کرو تو اس پر کہنے لگے کہ ہم تو جب مانیں گے جب اللہ کو آمنے سامنے دیکھ لیں اس پر ان کو بجلی نے پکڑ لیا جس سے وہ سب مر گئے۔ بجلی کے پکڑنے کا تذکرہ سورہ بقرہ میں بھی ہے۔ اور آیت بالا میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ کہ ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا انہوں نے جو بے جابات کا سوال کیا اور ایسی بات کا مطالبہ کیا جو اس دنیا میں ہونے والی نہیں ہے اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا۔ (معالم التنزیل)

یہ جو فرمایا ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بینات سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے جن کا ظہور فرعون کے سامنے ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا جس میں آل فرعون غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو نجات ہوئی بنی اسرائیل نے یہ سب چیزیں دیکھیں پھر بھی بچھڑے کو خدا بنا بیٹھے پھر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بینات سے وہ واضح دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ کے معبود ہونے اور واحد لاشریک لہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور یہ چیزیں ہر عقل مند کے سامنے ہیں اس کے باوجود ان لوگوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی اور فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِکَ جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے اس جرم کو معاف کر دیا) اس کی تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں کو قتل کرو یہ تمہاری توبہ ہے (چنانچہ انہوں نے اس پر اس طرح عمل کیا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کیا۔ ہزاروں آدمی قتل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کی توبہ قبول فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

پھر فرمایا وَاٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (اور ہم نے موسیٰ کو سلطان مبین عطا کیا) سلطان مبین کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کیا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ای تسلطاً ظاھرا علیھم حین امرھم ان یقتلوا انفسھم توبة عن اتخاذھم یعنی ہم نے موسیٰ کو بنی اسرائیل پر ایسا غلبہ عطا کیا کہ جب انہوں نے ان کو توبہ کرنے کے لئے اپنی جانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے اس پر عمل کر لیا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو کھلے کھلے معجزات عطا کئے جو ان کی نبوت و رسالت پر واضح دلائل تھے۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی معنی کو لیا ہے۔

پھر فرمایا وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ اس کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اور سورۃ اعراف میں بھی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر توریت شریف پیش کی اور فرمایا کہ اس کو قبول کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو تو یہ لوگ انکاری ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا جو ان کے سروں پر آ کر ٹھہر گیا اور ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس کو قبول کرو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ اس وقت کہنے لگے کہ ہم مانتے ہیں اور عہد کر لیا کہ ہم اس پر عمل کریں گے لیکن پھر اپنے عہد سے پھر گئے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ یہاں اس واقعہ کا اختصار کے ساتھ تذکرہ فرمایا۔

پھر فرمایا وَّقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (اور ہم نے کہا داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے) اس کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے اور سورہ اعراف میں بھی ہے۔ جب میدان تیہ سے نکلے تو ان کو ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم ہوا یہ بستی کون سی تھی اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ اس بستی میں جھکے ہوئے تواضع کے ساتھ داخل ہوں۔ لیکن ان لوگوں نے اس کی نافرمانی کی اور بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بیٹھ کر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تفصیل کے لئے سورہ بقرہ رکوع ٦ کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ (انوار البیان صفحہ ۹۷: ج ۱)

پھر فرمایا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ اور ہم نے ان سے کہا کہ سنیچر کے دن میں زیادتی نہ کرو۔ اس کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے اور سورہ اعراف میں بھی ہے۔ یہودیوں کو حکم تھا کہ سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کریں۔ اور ان کی آزمائش کے لئے سنیچر کے دن مچھلیاں دریا کے کنارے پر خوب ابھرا بھر کر آتی تھیں اور دوسرے دنوں میں مچھلیاں غائب ہو جاتی تھیں۔ چونکہ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ممنوع تھا اس لئے ان لوگوں نے یہ حرکت کی کہ دریا کے کنارے حوض بنا دیئے اور ان حوضوں کو بڑی بڑی نالیوں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا۔ جمعہ کے دن بند توڑ دیتے تھے تا کہ سنیچر کے دن پانی کے بہاؤ کے ساتھ مچھلیاں ان حوضوں میں داخل ہو جائیں جب مچھلیاں ان حوضوں میں آ جاتیں تو بند لگا دیتے تھے تا کہ سمندر میں واپس نہ جائیں پھر اتوار کے دن پکڑ لیتے تھے اس حیلے کو انہوں نے استعمال کیا اور اس طرح سے سنیچر کے دن میں زیادتی اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

پھر فرمایا وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یعنی ان سے ہم نے بہت مضبوط عہد لیا تھا کہ اللہ کے اوامر پر چلیں گے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچیں گے لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر ابھی اگلی آیت میں آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا

سو ہم نے اس وجہ سے (ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ ہمارے دلوں

غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۞ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى

پر غلاف ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ سو وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑے سے لوگ۔ اور (اس وجہ سے بھی ان پر لعنت کی)

مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۞ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا

کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ بلاشبہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا جو اللہ کے رسول ہیں

قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ

حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بلاشبہ جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے بارے میں شک

مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۞ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ

میں ہیں اٹکل پر چلنے کے سوا ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اور یقیناً انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ

اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ ۚ

اور قیامت کے دن وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں بہت سے مضامین مذکور ہیں۔ یہودیوں کا عہد توڑنا اور اللہ کی آیات کا منکر ہونا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے دین پر بہت مضبوط ہیں ہم پر کسی کی بات اثر انداز نہیں ہو سکتی) اور حضرت مریم پر بہتان لگانا، ان کی یہ باتیں یہاں مذکور ہیں ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ سورہ بقرہ میں بھی گذر چکا ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ ففعلنا بھم ما فعلنا بنقضھم یعنی ہم نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کو جو سزائیں دیں وہ ان کے ان اعمال کی وجہ سے ہیں جن میں عہد کا توڑنا بھی ہے اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا بھی اور حضرات انبیاء کرام کا قتل کرنا اور یہ کہنا بھی ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور مریم علیہا السلام پر بہتان باندھنا اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا ان سب کی وجہ سے انہیں سزائیں دی گئیں۔

مفسر ابوحیان نے فرمایا ہے کہ ان سب کے آخیر میں لفظ لَعَنّٰهُمْ مقدر ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایک جگہ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وارد ہوا ہے (یہ آیت سورۃ مائدہ ع ۳ میں ہے) مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا۔ سورۃ بقرہ میں یہودیوں کا قول کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ذکر فرما کر ارشاد فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی ہے اور یہاں یوں فرمایا بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ان کے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ماردی ہے جس کی وجہ سے وہ دولت ایمان سے محروم کر دیئے گئے۔ وہ اس کو کمال سمجھ رہے ہیں کہ اسلام قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے ہمارے دل محفوظ ہیں ہم ان کو قبول نہیں کریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ایمان سے محروم کر دیئے گئے انہوں نے جو قصداً و ارادۃً اور عناداً کفر اختیار کیا اور اسی پر جمے رہے تو ان کا یہ عمل دلوں پر چھاپ لگنے کا سبب بن گیا پھر فرمایا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (سو ان میں تھوڑے ہی سے افراد مسلمان ہوں گے) جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ۔

اس کے بعد ان کے مزید کفر کا تذکرہ فرمایا اور وہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ انہوں نے نہ

صرف یہ کہ ان کے ساتھ کفر کیا بلکہ ان کی ماں پر بھی بری بات کی تہمت باندھی باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں ہی اپنی ماں کی برأت ظاہر کردی، جب حضرت مریم کی گود میں بچہ دیکھ کر بنی اسرائیل نے بری بات کی تہمت لگادی تو حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کردیا بچے نے کہا اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (الآیۃ) اور قرآن نے بھی حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی بیان فرمادی۔

نیز سورہ تحریم میں فرمایا وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا (الآیۃ) لیکن یہودی اسی پر اڑے رہے کہ حضرت مریم سے برائی کا صدور ہوا۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو یہودیوں نے ان کی دشمنی میں اور زیادہ اضافہ کردیا۔ حتیٰ کی اپنے خیال میں ان کو قتل ہی کردیا۔ اسی کو وَقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰہِ میں بیان فرمایا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وہ ان کو رسول اللہ تو مانتے نہ تھے۔ پھر بھی ان کو رسول اللہ کہا ان کا یہ کہنا بطور مذاق بنانے کے تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس کی جگہ کوئی اور لفظ کہا ہو اللہ جل شانہ نے ان کی شان رفیع ظاہر فرمانے کے لئے لفظ رسول اللہ بڑھا کر ان کی صفت بیان فرمادی۔

اس کے بعد فرمایا وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا یہ اشتباہ کس طرح سے ہوا اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ایک جگہ قید کردیا تھا آپ نے ان کے لئے بددعا کی لہٰذا وہ بندر اور خنزیر بنادیئے گئے جب یہ بات یہودیوں کے سردار کو پہنچی جس کا نام یہودا تھا اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور سب اس بات پر متفق ہوگئے کہ ان کو قتل کردیا جائے۔ قتل کرنے کے لئے چلے تو اللہ تعالیٰ شانہ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ یہودیوں میں کا ایک شخص قتل کرنے کے لئے اندر داخل ہوا جس کا نام طیطانوس تھا وہاں ان کو موجود نہ پایا اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کے مشابہ بنادی جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسے قتل کردیا اور سولی پر چڑھادیا۔

اور وہب بن منبہ سے یوں منقول ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر حواری تھے جو ایک گھر میں جمع تھے قتل کرنے والے جب آئے اور گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہر شخص عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر ہے یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کردیا تم میں عیسیٰ کون ہے وہ سامنے آجائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کردیں گے یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں ایسا کون شخص ہے جو آج اپنی جان جنت کے بدلے میں بیچ دے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ لہٰذا وہ شخص باہر نکلا اور اس نے حاضرین سے کہا کہ میں عیسیٰ ہوں لہٰذا انہوں نے اس کو قتل کردیا اور سولی پر چڑھادیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اوپر اٹھالیا۔ قتادہ اور مجاہد وغیرہما کا بھی یہی قول ہے۔

ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں ایک شخص منافق تھا جب یہودیوں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس منافق نے کہا کہ میں تمہیں بتادیتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں اور اس نے تیس درہم اس کی اجرت بھی

لے لی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو آپ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے، منافق کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیسی صورت بنادی گئی۔ لہٰذا ان لوگوں نے اندر داخل ہو کر اسی کو قتل کر دیا اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ (روح المعانی صفحہ ۱۰: ج ٦)

علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۴۹٦: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا تھا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا تھا جب قتل کرنے کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت عیسیٰ السلام کی صورت بنادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا۔

دور حاضر میں یورپ کے ریسرچ کرنے والوں نے ایک اور بات کا کھوج لگایا ہے اور وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل نے طے کر ہی لیا کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر ہی دینا ہے تو حکومت وقت کے پاس شکایت لے کر گئے۔

اس زمانہ میں دمشق اور اس کے آس پاس علاقوں میں رومیوں کی حکومت تھی یہودی رومی حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ یہاں ایسا ایسا ایک شخص ہے جو ہمارے دین سے نکل گیا اور ہمارے جوانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس نے ہماری جماعت میں تفریق کر دی اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں وہ تمہاری حکومت کے لئے خطرہ ہے کسی نظام اور قانون کے پابند نہیں اگر اس کے شر کو نہ روکا گیا تو ممکن ہے اس کی طاقت بڑھتے بڑھتے تمہارے لئے اور ہمارے لئے ایک بڑا فتنہ بن جائے اور تمہاری حکومت ہی ختم ہو جائے۔ چونکہ حکومت یہودیوں کے دین میں دخل نہیں دیتی تھی اس لئے دینی اعتبار سے حکومت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ابھارنا اور چڑھانا مشکل تھا لہٰذا انہوں نے سیاسی امور کو سامنے رکھ کر حکومت کو بھڑکایا اور سمجھایا کہ اس شخص کی وجہ سے تمہاری حکومت کو شدید خطرہ ہے۔ جب یہودیوں نے بار بار شکایتیں پہنچائیں اور حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے معاملہ کے سنگین ہونے کا اظہار کرتے رہے تو حکومت کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طلب کیا گیا۔ یہ جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کا وقت تھا اور تھوڑی دیر میں سنیچر کی رات شروع ہونے والی تھی۔ یہودی چاہتے تھے کہ سنیچر کی رات شروع ہونے سے پہلے قصہ تمام ہو جائے۔ حاکم کے پاس بھاری تعداد میں جمع ہو گئے کہ کیا حکم دیتا ہے۔ آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا کہ حاکم نے فیصلہ دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور صلیب پر چڑھا دیا۔ مجرم کو پھانسی کا پھندا خود لے کر جانا پڑتا تھا۔ اور پھانسی گھر شہر سے دور تھا۔ یہودی قتل کے فیصلے سے بہت خوش ہوئے اور جو پولیس والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے کر جا رہے تھے ان کے ساتھ کثیر تعداد میں یہودی بھی ساتھ گئے جن میں بہت سے بے وقوف نوجوان بھی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سخت دشمنی رکھنے والے بھی تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتے ہوئے اور تکلیف دیتے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ قانون یہ تھا کہ جس شخص کو کسی جرم کے تحت پھانسی دی جاتی تھی صلیب کی لکڑی اس سے اٹھوا کر پھانسی گھر تک لے جایا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف الجثہ تھے، اسفار کرتے ہوئے لاغر ہو چکے تھے کچہری میں کھڑے کھڑے زیادہ وقت گذر گیا تھا اور صلیب بھاری تھی ان سے اٹھ نہ رہی تھی جو پولیس والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے جا رہا تھا اس نے ایک یہودی نوجوان سے کہا کہ صلیب کی اس لکڑی کو تو اٹھا کر لے چل۔ وہ شخص بہت زیادہ دشمنی میں آگے تھا اس نے صلیب کو اٹھالیا اور

جلدی جلدی آگے لے کر چلنے لگا تا کہ معاملہ نبٹ جائے۔ اور سورج چھپنے سے پہلے قتل کا قصہ تمام ہو جائے۔ اسی طرح چلتے چلتے جب پھانسی گھر پہنچے تو پھانسی گھر کے پولیس والوں نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ پولیس والے فارغ ہوئے جو ہمراہ آ رہے تھے۔ پھانسی گھر کے پولیس والوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان صلیب کو اٹھائے ہوئے ہے قانون کے مطابق انہوں نے اس نوجوان کو پکڑ لیا اور اسے پھانسی دینے لگے وہ چیختا چلاتا رہا اور اپنی برأت ظاہر کرتا رہا اور پکار پکار کر کہتا رہا کہ مجرم دوسرا شخص ہے میں نے تو دل لگی کے طور پر صلیب کو اٹھا لیا تھا اور پولیس والوں نے جلدی کرنے کی وجہ سے مجھے اٹھانے کا حکم دیا تھا یہ اپنی زبان میں چیختا رہا رومیوں کی پولیس کے سامنے اول قانون کے مطابق یہی شخص مستحق سزا تھا دوسرے وہ اس کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ وہ سمجھے کہ جس مجرم کو پھانسی دی جاتی ہے وہ چیخ پکار تو کرتا ہی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے خیال میں حاکم کے حکم کے مطابق اسی نوجوان کو پھانسی دے دی کیونکہ وہ اسی کو مجرم سمجھتے تھے۔ یہودی دور کھڑے ہوئے خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروا دیا۔ قتل تو ہوا ان میں کا ایک نوجوان اور سمجھ رہے تھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھا لیا اور کافروں کے ارادوں اور شرارتوں سے انہیں بچا لیا۔ بہر حال جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا۔ ان کا اپنا آدمی قتل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور ان کی مکاری دھری رہی۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۔

پھر فرمایا وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ان کی جانب سے شک میں ہیں ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اٹکل پر چلنے کے) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قتل کے دعویدار ہیں انہیں قتل کا یقین نہیں یہ تردد تھا کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کر دیا ہے تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور ہمارا آدمی مقتول ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔

پھر فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا) عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ انہیں ابھی تک طبعی موت آئی ہے۔ معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ سے انہوں نے آسمان دوم میں ملاقات کی پھر وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ قرآن و حدیث کے موافق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے جن لوگوں کو قرآن و حدیث کو ماننا نہیں ہے وہ اس کے خلاف باتیں کر کے اپنا ایمان کھو چکے ہیں اس بارے میں سورۃ آل عمران کی آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔ وہاں ہم ضروری معلومات سپرد قلم کر آئے ہیں۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ غلبہ والا حکمت والا ہے) وہ کسی کی صورت دوسرے کی طرح بنا دے۔ اس پر پوری طرح قادر ہے اس کے فیصلوں سے کوئی اسے روکنے والا نہیں وہ جسے چاہے زمین پر رکھے جسے چاہے آسمان پر بلا لے۔ سب کچھ اسے اختیار ہے اور اس کا ہر فعل حکمت کے مطابق ہے۔

آخر میں فرمایا وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ (اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر اپنے مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے۔) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرح راجع ہو۔ مفسرین نے یہ احتمال بھی بتایا ہے کہ موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے۔

پہلی صورت اختیار کی جائے تو مطلب یہ ہے کہ یہودی تو عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور نبوت کے منکر ہی ہیں اور نصرانی اپنے خیال میں ان کو مانتے تو ہیں لیکن ان کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتے ہیں ان کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور یہ ماننا بھی کفر ہے یہودی بھی کافر ہیں اور نصرانی بھی، ان میں سے جو شخص مرنے لگتا ہے جان نکلنے سے پہلے جب اسے برزخ کے احوال نظر آنے لگتے ہیں یہ ایمان لے آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ لیکن یہ ایمان اللہ کے ہاں معتبر نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایمان برزخ کے حالات سامنے آنے کے بعد ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۷: ج ۶ فرماتے ہیں:

فمفاد الاية ان كل يهودى ونصرانى يومن بعيسى عليه السلام قبل ان تزهق روحه بانه عبدالله تعالىٰ و رسوله ولا ينفعه ايمانه حينئذ لان ذلک الوقت لكونه ملحقا بالبرزخ لما انه ينكشف عنده لكل الحق ينقطع فيه التكليف.

(آیت کا مفہوم یہ ہے ہر یہودی اور نصرانی اپنی روح نکلنے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں لیکن اس وقت کا ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ اس وقت وہ اس کا تعلق برزخ سے ہو چکا ہوتا ہے کہ اس وقت سب حقیقت ظاہر ہو چکی ہوتی ہے تب آدمی ایمان کا مکلف نہیں رہتا)

صاحب معالم التنزیل نے موتہ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دونوں قول لکھے ہیں عکرمہ مجاہد اور ضحاک اور ابن عباس کا یہی قول بتایا ہے کہ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور لکھا ہے:

ومعناه وما من اهل الكتاب احد الا ليؤمنن بعيسى عليه السلام قبل موته اذا وقع فى الياس حين لا ينفعه ايمانه سواء احترق او غرق او تردى فى بئر او سقط عليه جدار او اكله سبع او مات فجاة. (اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک اہل کتاب اپنی وفات سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ضرور ایمان لائے گا جب کہ وہ حالت یاس میں ہوگا اس وقت اس کا ایمان مفید نہیں ہوتا۔ خواہ جل کر مرا ہو یا ڈوب کر، کنوئیں میں گر کر یا اس پر دیوار گر پڑی ہو یا اسے درندے نے کھایا ہو یا اچانک مر گیا ہو) (صفحہ ۴۹۷: ج ۱)

موتہ کی ضمیر اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تمہارے اندر ابن مریم نازل ہوں گے جو فیصلے کرنے والے ہوں گے انصاف کرنے والے ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے جسے نصرانی پوجتے ہیں اور یہ توڑنا نصرانی دین سے بیزاری ظاہر کرنے اور اس کے باطل ہونے کا اعلان ہوگا اور خنزیر کو قتل کریں گے (اس کا مقصد بھی نصرانیوں سے بیزاری ظاہر کرنا ہوگا کیونکہ نصاریٰ کو خنزیر کا گوشت بہت محبوب ہے) اور جزیہ ختم کر دیں گے (یعنی کافروں سے جزیہ قبول نہ فرمائیں گے اور اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہ کریں گے) اور مال کو بہا دیں گے (اور اس قدر بخشش کریں گے) کہ کوئی شخص قبول کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ اس وقت سجدہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بہتر ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہؓ نے

فرمایا کہ تم چاہو تو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کو پڑھ لو (رواہ البخاری صفحہ ۴۹۰: ج ۱)

حضرت ابو ہریرۃؓ نے ارشاد نبوی بیان کرنے کے بعد جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے مذکورہ آیت پڑھنے کے لئے جو فرمایا اس سے ان کا مقصد یہی ہے کہ اس زمانہ کے جو اہل کتاب یہودی اور نصرانی ہوں گے سب ان پر ایمان لے آئیں گے معالم التنزیل میں اس کی تصریح ہے کہ قَبْلَ مَوْتِهٖ تک پڑھ کر حضرت ابو ہریرۃؓ نے قَبْلَ مَوْتِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ کہا اور اسے تین مرتبہ دہرایا۔ اس طرح سے انہوں نے مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع واضح طور پر بیان فرما دیا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ موتہ کی ضمیر کے بارے میں یہ دوسرا قول بھی ابن عباس سے مروی ہے اور حسن اور قتادہ سے بھی منقول ہے۔ والمعنى انه لا يبقى احدٌ من اهل الكتاب الموجودين عند نزول عيسىٰ عليه السلام اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قبل ان يموت و تكون الاديان كلها دينا واحداً۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اس وقت جتنے بھی اہل کتاب موجود ہوں گے بس ان کی موت سے پہلے باقی رہے گا یعنی دین اسلام۔

آخر میں فرمایا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب پر گواہ ہوں گے)۔ یہودیوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ میں نے ان کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے تھے اور میں اللہ کا بندہ ہوں اور یہ کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ میری تبلیغ کے باوجود ان لوگوں نے شرک کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی (معالم التنزیل بشرح)

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ

سو جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں اور اس وجہ سے کہ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

وہ اللہ کے راستہ سے روکنے میں زیادہ مشغول رہے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

باطل طریقے پر کھاتے رہے، اور ہم نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے

حرام خوری اور سود لینے کی وجہ سے یہودی پاکیزہ چیزوں سے محروم کر دیئے گئے

تفسیر: ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہودیوں پر وہ حلال اور طیب چیزیں حرام کر دی گئیں جو ان کے لئے پہلے حلال تھیں۔ اور یہ اس وجہ سے حرام کی گئیں کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا جس میں نقض عہد اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا قتل بھی شامل ہے، نیز وہ کثرت کے ساتھ یہ کام بھی کرتے رہے کہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکا۔ اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنے نفسوں کو اور دوسروں کو ان کے اتباع سے روکا، اور اس وجہ سے بھی پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کی گئیں کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ توریت شریف میں ان کو اس کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال

باطل کے ساتھ کھاتے تھے۔ ان کے حکام اور علماء و احبار رشوت لیتے تھے۔ اور حرام طریقوں سے عوام کا مال کھا جاتے تھے۔ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۴۹۸: ج ۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں **اعقبنا هم بان حرمنا عليهم طيبات و كانوا كلما ارتكبوا كبيرة حرم عليهم شيء من الطيبات التي كانت حلالا لهم** مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے برے کرتوتوں کی وجہ سے یہ سزا دی کہ ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں۔ جب کبھی بھی کوئی کبیرہ گناہ کرتے تھے ان چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز حرام کر دی جاتی تھی جو ان کے لئے حلال تھی، سورہ انعام میں بعض ان چیزوں کا ذکر ہے جو ان پر حرام کر دی گئی تھیں، وہاں ان کے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے ذٰلِکَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ (کہ ہم نے ان کو یہ بدلہ دیا ان کی بغاوت کی وجہ سے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ان میں سے بعض چیزیں حلال کر دی گئیں۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۔

تحریم طیبات کے اسباب میں اللہ کی راہ سے روکنا اور سود کھانا اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کھانا بھی مذکور ہے جب کسی نبی کی بعثت ہوتی تھی تو یہ لوگ دین حق کو نہ قبول کرتے تھے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیتے ہوں ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی راہ پر نہ خود چلیں گے نہ اللہ کی راہ کسی کو اختیار کرنے دیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی ان کے پیچھے پڑ گئے۔ ان کو بہت تکلیف دی ان کے قتل کے در پے ہو گئے۔ سود کھانا یہودیوں کی بہت پرانی عادت ہے۔ توریت شریف میں ان کو اس سے منع کر دیا تھا لیکن پھر بھی برابر سود لیتے رہے دنیا میں مہاجن اور سیٹھ بننے کا جو طریقہ رائج ہے ان میں سب سے بڑا کامیاب طریقہ سود خوری ہی کا ہے۔ حتیٰ کہ اصل سرمایہ کم رہ جاتا ہے اور سود کا مال زیادہ ہو جاتا ہے اس میں حاجت مندوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک ہے۔ اور ان کی حاجت مندی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ایک صورت ہے جو خون چوسنے کے برابر ہے اس بیدردی اور بے رحمی والے عمل سے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بنی اسرائیل کو بھی منع فرمایا تھا اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی منع فرمایا ہے۔ یہودیوں نے اس عمل کو نہیں چھوڑا اور بہت سے مسلمان ہونے کے دعویدار آجکل بھی اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بینکاری کا سارا کام سود پر ہی ہے جو لوگ یہودی ہیں ان کے بڑے بڑے ذاتی بنک ہیں اور بنکوں میں انکے شیئرز ہیں اور جو لوگ دنیا پر دل دیئے ہوئے ہیں مال کی کثرت کے متوالے ہیں اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اس ملعونیت کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ممانعت کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے بلکہ الٹا اسے جائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کا نام پیسے کی تجارت رکھتے ہیں کچھ لوگ مولویوں کو نشانہ بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دوسری قومیں (یہودی، نصرانی، ہندو) سود لے کر بام عروج پر پہنچ گئے ہیں اور مولویوں نے سود حرام کر کے قوم کو گہرے غار میں ڈال دیا ہے۔ بھلا مولوی کی کیا طاقت ہے کہ کسی چیز کو حرام کرے وہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ہے اسے حلال بتاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام ہے اسے حرام بتاتا ہے علماء کو برا کہنے سے لعنت سے نہیں بچیں گے اور حرام حلال نہیں ہو جائے گا، افسوس ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے حب مال میں یہودی صفت بنے ہوئے ہیں، یہودیوں سے اپنا بغض بھی ظاہر کرتے ہیں اور

صفات ان کی اختیار کرتے ہیں، مال آتا ہوا دیکھتے ہیں تجوری بھری ہوئی دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں آخرت کے عذاب کا کوئی احساس نہیں۔ اگر سچ پوچھیں تو جس طرح یہودیوں پر تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کردی گئی تھیں اسی طرح اب تکوینی طور پر پاکیزہ چیزوں سے بنی آدم محروم ہو رہے ہیں۔ پچاس سال پہلے جو چیزوں میں لذت تھی وہ اب نہیں رہی اور جانوروں کا گوشت یورپ امریکہ وغیرہ میں اور ایشیاء کے بہت سے علاقوں میں بسم اللہ کے بغیر ذبح کئے ہوئے جانوروں کا کھایا جارہا ہے۔ حلال چیز کو حرام کر کے کھا رہے ہیں۔ اور خوش ہو رہے ہیں، حلال ذبیحے کا جو مزا اور کیف تھا اس سے یکسر محروم ہیں اور حرام کھانے کا جو گناہ ہے وہ اپنی جگہ ہے۔

سود کے بارے میں جو قرآن و حدیث میں وعیدیں وارد ہیں ان کے لئے سورۃ بقرہ کا رکوع ۳۸ اور اس کی تفسیر کی مراجعت کرلی جائے (دیکھو انوار البیان صفحہ ۵۰۷: ج۱)۔

یہودیوں کے اعمال شنیعہ اور اقوال قبیحہ بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ باطل کے ساتھ لوگوں کے مال کھاتے رہے ہیں۔ حرام مال کھانا یہودیوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اور اب بھی اسی پر چل رہے ہیں۔ ان کے حکام رشوتیں لیتے تھے اور علماء بھی علماء کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی مرضی کے مطابق توریت شریف کا حکم بدل دیتے تھے اور اس پر پیسے لیتے تھے، سورۃ بقرہ کی آیت ٦٩ رکوع ۹ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ میں ان کی اس حرکت کو بیان فرمایا ہے۔

آخر میں فرمایا وَاَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔ دنیا کی سزا تحریم طیبات بیان فرمانے کے بعد ان کی آخرت کی سزا بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان میں سے جو لوگ کفر پر برقرار رہیں گے اور اسی حالت میں مر جائیں گے تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جو ان کے لئے تیار فرمایا ہے۔

لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْھُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ

لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور جو ایمان لانے والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پر اور جو اتارا گیا

مِنْ قَبْلِکَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

آپ سے پہلے اور جو لوگ قائم کرنے والے ہیں نماز کو اور دینے والے ہیں زکوٰۃ کو اور جو ایمان لانے والے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر

اُولٰٓئِکَ سَنُؤْتِیْھِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿١٦٢﴾

ایسے لوگوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب عطا کریں گے۔

اہل کتاب میں جو راسخ فی العلم ہیں وہ ایمان لے آئے ہیں

تفسیر: اس آیت میں یہ بتایا کہ سارے اہل کتاب ان صفات سے متصف نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو علم میں پختہ ہیں اصحاب بصیرت ہیں وہ سابقہ کتب الٰہیہ اور موجودہ کتاب الٰہی یعنی قرآن مجید پر ایمان

لاتے ہیں نمازیں قائم کرتے ہیں۔ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے مقرر اور موعود ہے گو ایسے لوگ یہودیوں میں کم ہیں چند ہی افراد ایمان لائے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم جس طرح کفر پر جمے رہنے والوں کے لئے عذاب الیم تیار فرمایا ہے اسی طرح ایمان قبول کرنے والوں اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ

بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو ان کے بعد آئے اور ہم نے وحی بھیجی

إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَ

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب کی طرف اور یعقوب کی اولاد کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور

هَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ

ہارون اور سلیمان کی طرف، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی اور ہم نے بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا ہم نے آپ سے اس سے پہلے حال بیان کیا

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ

اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام کیا۔ ہم نے رسول بھیجے جو خوشخبری سنانے والے تھے اور ڈرانے

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ لَّـٰكِنِ ٱللَّهُ

والے تھے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے، لیکن اللہ

يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۖ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

گواہی دیتا ہے اس چیز کی جو آپ کی طرف اتاری اس کو اپنے علم کے ساتھ اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت ہی کافی ہے۔

ارسال رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو سید المرسلین ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی تھی۔ اس سے ان لوگوں کا استعجاب دور فرمایا جو آپ کی نبوت کو نئی چیز سمجھتے تھے، یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ دعویٰ نبوت کر کے نئی بات فرما رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو لوگ کہتے تھے کہ انسان نبی بن کر کیوں آیا۔ جو لوگ سلسلہ نبوت سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ہیں وہ بھی انسان ہی تھے۔ لہٰذا تکذیب کے لئے یہ شوشہ چھوڑنا کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ پہلے نبی آئے ہوں اور یہ اعتراض اٹھانا کہ نبی آیا تو بشر کیوں آیا بالکل غلط ہے۔ اگر کسی کو نبیوں کی تشریف آوری کا بالفرض علم نہ تھا تو اب جان لے اور مان لے کہ پہلے بھی نبی آئے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی نبی ہیں۔ مخلوق کو راہ ہدایت بتانے کے لئے نبیوں کی تشریف

آوری ضروری ہے کیونکہ محض اپنی عقل سے پوری طرح ایمانیات تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد چند حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی کا خصوصی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ ہیں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون، حضرت سلیمان، حضرت داؤد علیہم السلام، ان سب حضرات کی نبوت اور رسالت یہود میں معروف و مشہور تھی اور حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کو تو قریش مکہ بھی جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان دونوں حضرات نے کعبہ شریف بنایا تھا۔ زمانہ شرک میں جو حج کرتے تھے اس کے بارے میں جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے اور ان کے دین کی بہت سی باتیں اہل مکہ میں رواج پذیر تھیں لیکن شرک دلوں میں اس قدر جاں گزیں ہو گیا تھا کہ توحید کی بات بری لگتی تھی۔ سورہ انعام (رکوع ۹) میں بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

یہاں جن حضرات کا ذکر ہے ان کے علاوہ سورۃ انعام میں حضرت یوسف، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت لوط علیہم السلام کا تذکرہ بھی ہے، سورۃ مریم اور سورۃ انبیاء میں حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے۔ سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں حضرت ذوالکفل کا بھی تذکرہ ہے۔ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام کا بھی ذکر ہے۔ سورہ بقرہ میں اور یہاں سورہ نساء میں لفظ الاسباط بھی وارد ہوا ہے، اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے جتنے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں تشریف لائے وہ سب یعقوب علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء تشریف لائے۔ ان کے اسمائے گرامی بجز زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے قرآن مجید میں اور احادیث شریف میں مذکور نہیں ہیں۔ بعض حضرات کے اسماء گرامی یہود سے سنے گئے ہیں اور انہیں سے سن کر یہ نام تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں آ گئے ہیں جیسے حضرت شمعون، حضرت شمویل، حضرت حزقیل علیہم السلام۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبور عطا فرمائی جو مشہور چار کتابوں میں سے ہے۔ زبور عطا فرمانے کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶ میں بھی مذکور ہے۔

قرآن مجید میں چوبیس حضرات کا نام لے کر ان کے نبی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ تیئس نام تو اوپر مذکور ہوئے اور چوبیسویں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی تھے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۳) (کہ قیامت کے دن کوئی بھی نبی ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو آدم ہوں یا کوئی نبی ہو) ان پچیس حضرات کو تو تعیین کے ساتھ نام لے کر نبی جاننا اور ان کی نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے بارے میں یوں اجمالی عقیدہ رکھا جائے کہ میں اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کو

مانتا ہوں۔ اور ان سب کے بارے میں بغیر کسی تفریق کے میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب حضرات اللہ کے نبی تھے۔ بعض روایات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ جن میں سے تین سو پندرہ کو رسول بتایا ہے یہ روایت مسند احمد سے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۵۱۱ پر نقل کی ہے لیکن چونکہ حدیث خبر واحد ہے اور عقائد کا مدار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ پر ہے اس لئے حضرات اکابر اہل سنت نے فرمایا ہے کہ تعداد مقرر کر کے ایمان نہ لائے بلکہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء ورسل پر ایمان لاتا ہوں تاکہ تعداد ذکر کرنے سے کوئی نبی اور رسول رہ نہ جائے اور جو نبی اور رسول نہ ہو وہ ان میں داخل نہ ہو جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے۔ وَ رُسُلاً قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ کہ ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور بہت سے رسول ہم نے ایسے بھیجے ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

سورہ مومن میں بھی اس امر کی تصریح ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ شرح عقائد میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

و قد روی بیان عددهم فی بعض الاحادیث علی ما روی ان النبی ﷺ سئل عن عددالانبیاء فقال مائة الف و اربعة و عشرون الفا و فی روایة مائتا الف و اربع و عشرون الفا و الاولی ان لا یقتصر علی عدد فی التسمیة فقد قال الله تعالیٰ منهم من قصصنا علیک و منهم من لم نقصص علیک ولا یومن فی ذکر العدد ان یدخل فیهم من لیس منهم ان ذکر عدد اکثر من عددهم او یخرج منهم من هو فیهم ان ذکر اقل من عددهم یعنی ان خبر الواحد علیٰ تقدیر اشتماله علی جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لا یفید الا الظن ولا عبرة بالظن فی باب الاعتقادیات خصوصاً اذا اشتمل علی اختلاف روایة وکان القول بموجبه مما یفضی الیٰ مخالفة ظاهر الکتاب و هو ان بعض الانبیاء لم یذکر للنبی علیه السلام و یحتمل مخالفة الواقع و هو عدالنبی من غیز الانبیاء أو غیر النبی من الانبیاء بناءً علی ان اسم العدد اسم خاص فی مدلوله لا یحتمل الزیادة والنقصان اھ (بعض احادیث میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد مروی ہے یہ روایت کہ رسول اکرم ﷺ سے انبیائے کرام کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں ہے دو لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور اَولیٰ یہ ہے کہ کسی معین تعداد پر ہی مقید نہ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (اے نبی) بعض انبیاء کا تذکرہ تو ہم نے آپ سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا ہے اور کسی معین عدد کے ذکر کرنے میں اگر انبیاء کی اصل تعداد سے زیادہ کہے گا تو اس سے بچاؤ نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ نبی نہیں ہیں انہیں انبیاء میں شمار کر لے یا اگر اصل تعداد سے کم کہے گا تو جو انبیاء ہیں انہیں انبیاء سے نکال دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اصول فقہ میں مذکور شرائط پائے جانے کے باوجود بھی خبر واحد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے اور اعتقادات کے بارے میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں ہے خصوصاً جبکہ ظن میں اختلاف روایات بھی ہو اور اس ظن کے مطابق قول کتاب اللہ کے ظاہر کے بھی خلاف ہو اور کتاب اللہ کا ظاہر تو یہ ہے کہ بعض انبیاء کا ذکر حضور ﷺ سے نہیں کیا گیا اور یہ ظن خلاف واقعہ کا احتمال بھی رکھتا ہے کہ جو نبی نہیں ہے اسے نبی شمار کر لیا جائے یا جو نبی ہے اسے انبیاء میں شمار نہ کیا جائے کیونکہ عدد اپنے مدلول میں خاص اسم ہوتا جو کمی اور زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا)

اجمالی طور پر تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لانے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا عبد صالح تھے (راجع معالم التنزیل صفحہ ۲۶۵: ج ۳) اس اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا اقرار ہو جائے گا اور اجمالاً سب پر ایمان ہو جائے گا۔

آیت بالا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کلام کیا۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ میں صفت کلام بھی ہے اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کی کیفیت سمجھنے

سے بندے عاجز ہیں کیفیت کا ذکر کتاب وسنت میں نہیں ہے اس لئے یہ ایمان لانا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا صحیح ہے حق ہے گو ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہے۔ اس نے اس طرح کلام فرمایا جو اس کی شان کے لائق ہے۔

پھر فرمایا رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (ہم نے رسول بھیجے خوشخبری دینے والے ڈرانے والے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر حجت باقی نہ رہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا ان کے واسطہ سے اپنے بندوں کو توحید کا اور عبادت کا حکم دیا۔ رسولوں نے اہل ایمان کو اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو اجر وثواب اور آخرت کی نعمتوں کی بشارت دی۔ اور منکرین کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور بتایا کہ ایمان قبول نہ کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ اس سے بندوں پر حجت قائم ہوگئی تاکہ وہ یوں نہ کہیں لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلاً فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی (کیوں نہیں بھیجا آپ نے کوئی رسول ہماری طرف سو ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے) اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول بھیج دیئے کتابیں بھیج دیں بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت قائم نہیں رہی بلکہ بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہے۔

پھر فرمایا وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزاً حَکِیْماً اور اللہ زبردست ہے (وہ جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے) اور وہ حکمت والا بھی ہے (اس نے اپنی حکمت کے مطابق رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور جسے ہلاک ہونا ہو وہ اپنے عقیدہ اور عمل کی وجہ سے ہلاک ہو)

آخر میں فرمایا لٰکِنِ اللّٰہُ یَشْھَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَیْکَ اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَشْھَدُوْنَ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْداً (لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف اپنے علمی کمال کے ساتھ اتاری اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہے)۔

معالم التنزیل صفحہ ۱۰۵: ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ روساء مکہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ ہم نے آپ کے بارے میں یہودیوں سے دریافت کیا کہ تمہاری کتابوں میں محمد (ﷺ) کی صفات بیان کی گئی ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کو نہیں جانتے۔ تھوڑی دیر میں یہودیوں کی ایک جماعت آگئی ان سے آپ نے فرمایا کہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم جانتے ہو میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم تو نہیں جانتے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ آپ کی نبوت اور رسالت کی حقانیت ان کے ماننے پر موقوف نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کتاب اپنے علمی کمال کے ساتھ نازل فرمائی ہے (جو ایک عظیم معجزہ ہے) وہ اس کتاب کے ذریعہ آپ کی نبوت ورسالت کی گواہی دیتا ہے اور فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں اگر بیوقوفوں نے اور معاندوں نے نہ مانا تو اس سے حقیقت واقعیہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے کسی اور کی تصدیق اور تسلیم کی آپ کو حاجت نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا بے شک وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے، بے شک جن لوگوں نے کفر کیا

وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ

اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ جہنم کی راہ کے علاوہ انہیں اور کوئی راہ بتائے گا۔

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾

وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

کافروں اور راہِ حق سے روکنے والوں کے لئے صرف دوزخ کا راستہ ہے

تفسیر: ان آیتوں میں ان لوگوں کے لئے وعید شدید ہے جنہوں نے خود بھی کفر اختیار کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا۔ یہ لوگ نہ خود اسلام قبول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں اس کی وجہ سے بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے، چونکہ جو شخص خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر کمر باندھ لے اس سے واپس آنے کی امید نہیں رہی۔ کفر اختیار کرنے والوں کو ظالم بھی بتایا کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور دوسرے انسانوں پر بھی ظلم کیا کیونکہ انہیں حق قبول کرنے سے روکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی مغفرت نہیں ہوگی اور جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان کو صرف دوزخ ہی کا راستہ بتایا جائے گا تاکہ اس میں داخل ہو جائیں اور اس میں انہیں داخل ہونا پڑے گا فرشتے ان کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ طریق جنت کی طرف دنیا میں راہ یاب نہ ہوئے تو آخرت میں بھی وہ جنت کے راستے پر چلنے سے محروم رہیں گے دوزخ میں ان کو ہمیشہ ہمیش رہنا پڑے گا۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا (کافروں کی مغفرت نہ فرمانا اور ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دینا اللہ کے لئے آسان ہے) اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے رسول آ گیا سو تم ایمان لاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم کفر

تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يَا أَهْلَ

اختیار کرو۔ سو بلاشبہ اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے حکیم ہے اے اہل کتاب

الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى

غلو نہ کرو اپنے دین میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر حق بات مسیح جو عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

بن مریم ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں، سو اللہ پر اور

رُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ

اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور مت کہو کہ تین خدا ہیں اس سے باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ معبود صرف اللہ ہی ہے جو اکیلا ہے وہ اس سے پاک ہے

لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

کہ اس کی اولاد ہو اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ور جو زمین میں ہے اور اللہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے۔

نصاریٰ کی گمراہی کا بیان اور ان کے عقیدہ تثلیث کی تردید

تفسیر: اول تو تمام عالم کے انسانوں کو خطاب فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا رسول حق لے کر پہنچا ہے ان کا تشریف لانا اللہ کی طرف سے ہے ان پر ایمان لاؤ۔ ایمان لاؤ گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا (کیونکہ حق قبول کرنا مستقل خیر ہے اور پھر اس کے سبب سے دائمی عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کے لئے جنت اور جنت کی نعمتوں کا مل جانا یہ سب خیر ہی خیر ہے) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے تمہارے مومن ہونے کی کوئی حاجت نہیں ہے تم کفر اختیار نہ کرو کیونکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے تم بھی اسی کے ہو وہ خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے اسے اختیار ہے اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کرے۔ کفر کی پاداش میں اسے عذاب دینے کی بھی پوری طرح قدرت حاصل ہے۔ قال صاحب الروح وان تکفروا فھو سبحانہ و تعالیٰ قادر علی تعذیبکم بکفرکم لان لہ جل شانہ ما فی السموات والارض اوفھو غنی عنکم لا یتضرر بکفرکم کما لا ینتفع بایمانکم اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اگر تم کافر ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے کفر کے سبب تمہیں عذاب دینے پر قادر ہے۔ کیونکہ آسمان و زمین میں بس اسی ذات پاک ہی کی حکومت ہے۔ یا یہ کہ وہ ذات تم سے بے پرواہ ہے تمہارے کفر سے اسے کوئی نقصان نہیں ہے جیسا کہ تمہارے ایمان سے اسے کوئی نفع نہیں ہے) وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور اللہ تعالیٰ علیم ہے اسے سب کے احوال معلوم ہیں اس پر کسی کا کفر اور ایمان پوشیدہ نہیں وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق جزا سزا عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد اہل کتاب کو خصوصی خطاب فرمایا اور فرمایا یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو وہ باتیں نہ کہو جو تمہارے دین میں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف وہی کہو جو حق ہے ناحق باتیں کر کے اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنے والے نہ بنو۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تجویز کر دیا تھا۔ تین خدا مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتایا نیز انہوں نے اول تو حضرت مریم پر تہمت دھری اور پھر حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کے منکر ہوئے اور ان کے قتل کے درپے ہوئے حتیٰ کہ اپنے خیال باطل میں ان کو قتل کر ہی دیا۔ اور آج تک ان کو اس پر اصرار ہے قرآن مجید نے ان کی تردید فرمائی۔ نصاریٰ نے عقیدہ تکفیر بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا اور یہ کہنے اور ماننے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کروا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر دیا (العیاذ باللہ) دونوں فریق کو تنبیہ فرمانے کے بعد (کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى

مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (مسیح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہی ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں) اس میں حرف اِنَّمَا سے مضمون کو شروع فرمایا اِنَّما عربی زبان میں حصر کے لئے آتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مسیح جو عیسیٰ ابن مریم ہیں ان کے بارے میں جو عقیدے تم نے اپنی طرف سے تجویز کر لئے ہیں وہ سب غلط ہیں وہ نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ معبود ہیں ان کو جو سب سے بڑی فضیلت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح وہ بھی اللہ کے رسول ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ بتایا ہے اس کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے بہت سے اقوال لکھے ہیں۔ جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ کلمہ سے لفظ کن مراد ہے۔ سورۃ یٰسین میں فرمایا اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ (اللہ کا امر یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو کن فرما دیتے ہیں سو وہ چیز ہو جاتی ہے) سورۃ آل عمران میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی کہ تمہارا بیٹا پیدا ہوگا تو انہوں نے کہا میری اولاد کہاں سے ہوگی مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ایسے ہی ہوگا اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس اس کو کن فرما دیتا ہے لہٰذا وہ ہو جاتا ہے اولاد کے پیدا ہونے کا جو ظاہری سبب ہوتا ہے چونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں موجود نہیں ہوا اس لئے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا کہ وہ صرف لفظ کن سے پیدا ہو گئے۔ کن عربی زبان میں کان یکون سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہو جا۔ یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر چیز کُنْ سے پیدا ہوتی ہے تو ہر چیز کو اللہ کا کلمہ کہنا چاہیئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے؟ صاحب روح المعانی نے امام غزالیؒ سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے دو سبب ہوتے ہیں ایک سبب قریب جسے سب جانتے ہیں (یعنی نطفہ کا رحم مادہ میں داخل ہونا پھر نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا) اور دوسرا سبب بعید ہوتا ہے اور وہ لفظ کن کے ساتھ اللہ کا خطاب فرمانا ہے چونکہ سبب قریب وہاں معدوم تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی اضافت سبب بعید یعنی کلمہ کن کی طرف فرما دی۔

اگر کلمہ کا یہی مطلب لیا جائے تو اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم علیہا السلام کو پہنچایا جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوگئی صاحب معالم التنزیل صفحہ ۵۰۲: ج ا میں اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اعلمها و اخبرها بها کما یقال القیت الیک کلمة حسنة یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو پہلے سے بتا دیا اور خبر دے دی تھی یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی سے کہتے ہیں کہ میں نے تیری طرف ایک اچھی بات ڈال دی۔

وَرُوْحٌ مِّنْهُ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی جانب سے ایک روح ہیں) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام روح ہیں جیسی دوسری ارواح ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف تشریفاً منسوب فرمایا جیسا کہ مسجد کو بیت اللہ کہا جاتا

ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ روح سے مراد وہ نفخ (پھونکنا) ہے جو جبرئیل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے کرتے میں پھونک دیا تھا جس کی وجہ سے بحکم خداوندی حمل قرار پا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اس کی نسبت اس لئے فرمائی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر (خصوصی) سے تھا۔ بعض حضرات نے روح کے معنی رحمت کے لئے ہیں چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے متبعین کے لئے رحمت ہیں اور یہ رحمت اللہ کی طرف سے ہے (روح بمعنی رحمت آیت شریفہ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وارد ہوا ہے) اس لئے ان کو روح فرمایا۔

بعض حضرات نے روح بمعنی وحی بھی لیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے مریم کو بشارت دی تھی اور بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ روح سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ مریم تک جبرائیل نے بامر خداوندی پہنچایا۔

پھر فرمایا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ نصاریٰ کے کئی فرقے تھے اور اب بھی ان میں بہت سے فرقے ہیں ان میں سے ایک فرقہ تو یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح بن مریم ہیں اور یہ لوگ حلول کے قائل تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح بن مریم میں حلول کر لیا العیاذ باللہ اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ اللہ اور عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ یہ تینوں معبود ہیں۔ سورۂ مائدہ میں نصاریٰ کے یہ اقوال نقل فرمائے ہیں۔ (آیت نمبر ۷۱ اور آیت نمبر ۷۲، ۷۳) یہاں پر بھی ان کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تین خدامت مانو۔ معبود ایک ہی ہے تم اپنے شرکیہ عقیدہ اور قول سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بھی مانتے تھے اور اللہ کا بیٹا بھی مانتے تھے ان کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ معبود صرف اللہ ہے جو ایک ہے اور فرمایا سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو مطلب یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اس کی اولاد نہیں بلکہ اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اولاد ہونا اس کے لئے عیب ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور اس عیب سے بھی پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود ماننا بھی شرک اور کفر ہے اور اس کے لئے اولاد تجویز کرنا بھی شرک اور کفر ہے۔

پھر فرمایا لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے۔ پھر کوئی کیسے اس کا شریک اور اس کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے لئے) جس نے سب کو پیدا فرمایا وہی سب کا کارساز ہے۔ اسے اپنی مخلوق کے کام بنانے اور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے کسی شریک یا اولاد کی ضرورت نہیں۔ تم اللہ کو وحدہ لاشریک مانو اور اس کے بھیجے ہوئے دین پر مت چلو اور اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔

دین میں غلو کرنے کی ممانعت: جیسا کہ اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا ایسے ہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی دین میں غلو کرنے سے ممانعت فرمائی ہے امت محمدیہ بھی طرح طرح کے غلو میں مبتلا ہے۔

لئے علم غیب کلی تجویز کرتے ہیں اور اللہ کے برابر آپ کا علم بتاتے ہیں اور آپ کو خدائی اختیارات سونپتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی سے اس کی بندش فرمادی اور فرمایا تھا لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبدالله و رسوله (رواہ البخاری مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۱۷) کہ تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا بس میں تو اللہ کا بندہ ہوں تم میرے بارے میں یوں کہو کہ اللہ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔

ملا علی قاری الموضوعات الکبیر صفحہ ۹۹ طبع مجتبائی فرماتے ہیں و من اعتقد تسویة علم الله و رسوله یکفر اجماعاً کمالا یخفی (کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کا اور رسول اللہ کا علم برابر ہے اس کو کافر کہا جائے گا) پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

ولا ریب ان لهولاء علیٰ هذا الغلو اعتقاداهو انه یکفر عنهم سیاتهم و یدخلهم الجنة و کلما غلوا کانوا اقرب الیه واخص به فهم اعصی الناس لامره واشدهم مخالفة لسنته وهؤلا فیهم شبه ظاهر من النصاری غلوا علی المسیح اعظم الغلو و خالفوا شرعه و دینه اعظم المخالفة. اھ (اور اس میں شک نہیں کہ ان کا اس غلو پر اعتقاد ہے کہ ولی ان کے گناہ مٹا دیتا ہے اور انہیں جنت میں داخل کرتا ہے جب یہ غلو کرتے ہیں تو ولی ان کے قریب ہوتا ہے اور انہیں سے مخصوص ہوتا ہے' پس یہ لوگ دین کے سب سے زیادہ نافرمان اور حضور ﷺ کی سنت کے سب سے زیادہ مخالف ہیں اور یہ لوگ عیسائیوں کے مشابہ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور ان کی شریعت و دین کی شدید مخالفت کی)

پھر یہ غلو اولیاء تک چلا گیا کہ اولیاء کو بھی مخلوق میں تصرف کرنے والا اور غیب کا جاننے والا مان لیا۔ اولیاء اللہ سے حاجتیں مانگتے ہیں ان کے نام کی نذریں مانتے ہیں۔ اور ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدے کرتے ہیں۔ حالانکہ طواف صرف بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کے ساتھ خاص ہے اور نذریں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہر قسم کا سجدہ بھی اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حدود سے آگے بڑھنے سے منع فرمایا۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (اے ایمان والو اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بلاشبہ اللہ حد سے آگے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حدود سے آگے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں جو اعتقاداً و عملاً اس امت میں رواج پذیر ہیں، مثلاً ذیقعدہ کے مہینے میں اور محرم اور صفر میں شادی کرنا شریعت میں خوب حلال ہے اور درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس حد سے بہت سے لوگ آگے نکلے ہوئے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے حلال و حرام مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسی ممانعت میں اللہ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کی اجازت ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اسے تقرب کا باعث

سمجھ لیں مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ شرعاً جو چیز مستحب ہو اسے واجب کا درجہ دے دیا جائے یا مستحب عمومی کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر لیا جائے جیسے نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن دوگانہ پڑھ کر گلے ملنا مصافحہ کرنا مصافحہ اور معانقہ ملاقات کی سنت ہے عید کی سنت نہیں ہے ایک تو اس کی جگہ بدل دی اور دوسرے اس کو واجب قرار دے دیا اس میں دو طرح سے غلو ہے۔

حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک یہ شکل ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن و حدیث میں نہیں۔ یا کسی گناہ پر خاص عذاب اپنی طرف سے تجویز کر کے بتا دیا جائے، واعظ لوگ ایسا بہت کرتے ہیں۔

اور ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب و ترتیب تجویز کر دی جائے مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لیا جائے (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) اور اس پر مزید یہ کہ اپنی تجویز اور ترتیب کا فرض و واجب کی طرح اہتمام کیا جائے۔

بعض کتابوں میں مہینوں اور دنوں کی نمازیں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور مخصوص ترکیبیں غیر ذمہ دار مصنفین نے لکھی ہیں یہ سب لوگوں کی اپنی تجویز کردہ ہیں۔ ملا علی قاریؒ الموضوعات الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

ومنها احادیث صلوٰة الایام واللیالی کصلوٰة یوم الاحد ولیلة الاحد و یوم الاثنین و لیلة الاثنین الی آخر الاسبوع کل احادیثها کذب (اور انہیں میں راتوں اور دنوں کی مخصوص نمازوں کی احادیث ہیں جیسے اتوار کے دن کی نماز اور اتوار کی رات کی نماز اور پیر کے دن کی نماز اور پیر کی رات کی نماز اسی طرح آخر ہفتہ تک کی نمازیں یہ سب احادیث جھوٹ ہیں) (۱۰۱) دین اسلام کامل اور مکمل ہے اس میں غلو کرنا کسی بدعت کا جاری کرنی یعنی اپنی طرف سے کسی ایسے کام کو دین میں داخل کرنا جو دین میں نہیں ہے سراسر گمراہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا **من اتی بدعة ظن ان محمدا اخطا الاسالة** (جس نے بدعت کا کام کیا گویا اس نے یہ سمجھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے احکام پہنچانے میں غلطی کی ہے اور پورا دین نہیں پہنچایا) العیاذ باللہ بدعت جاری کرنے والا گویا اپنے عمل سے دین کی تکمیل کرتا ہے اور خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے دین میں کمی سمجھتا ہے اور اسے اپنے خیال میں ناقص جانتا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ

مسیح ہرگز اس کو عار نہیں سمجھے گا کہ اللہ کا بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتے اور جو کوئی شخص عار کرے اللہ کی

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عبادت سے اور تکبر کرے تو وہ ان کو عنقریب اپنے پاس جمع فرمائے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا

ان کو پورے پورے بدلے عطا فرمائے گا۔ اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا۔ اور جن لوگوں نے عار کی اور تکبر کیا

فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

سو ان کو دردناک عذاب دے گا اور یہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہ پائیں گے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٤﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور سو جو لوگ

آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ

اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو عنقریب ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائیگا اور ان کو

إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٥﴾

اپنی طرف سے سیدھے راستہ پر پہنچادے گا۔

اہل ایمان کی جزاء اور اہل کفر کی سزا کا ذکر

تفسیر: اسباب النزول صفحہ ۱۸۰ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ آپ ہمارے صاحب کو عیب لگاتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام ہیں آپ نے فرمایا وہ کون سی بات ہے جو میں ان کے بارے میں کہتا ہوں جسے تم ان کے بارے میں عیب سمجھتے ہو انہوں نے کہا آپ کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ کے لئے یہ عار نہیں ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بنیں وہ کہنے لگے (ہمارے خیال میں تو) یہ ان کے لئے عار ہے اس پر آیت شریفہ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ نازل ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں تھے انہوں نے اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دی اور اللہ ہی کو اپنا اور سب کا رب بتایا اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد نقل فرمایا ہے جو انہوں نے بنی اسرائیل سے خطاب کر کے فرمایا تھا۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) سورہ مریم میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام نے (جبکہ وہ نومولد ہی تھے) حاضرین سے فرمایا اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ (میں اللہ کا بندہ ہوں) پہلا کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہی تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔

اور سورۃ مائدہ میں ہے وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ (اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اللہ نے اس پر جنت حرام فرمادی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) جس کسی

بھی بندہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہو وہ اللہ کی ربوبیت اور اپنی عبدیت کا اعتراف کرتا ہے، اور جیسے جیسے معرفت بڑھتی جاتی ہے، عبدیت کا اقرار بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اور ہر عارف کو اس بات پر فخر ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں تمام انبیاء کرام اور تمام فرشتے ساری مخلوق سے بڑھ کر معرفت الٰہیہ کی نعمت سے مشرف ہیں اور ان سب کو اس بات کا اعتراف ہے اور اس بات پر فخر ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں سید المخلوقات خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ اپنا بندہ بتایا اور اپنی طرف نسبت فرما کر آپ کو مشرف فرمایا۔ ارشاد ہے

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور ارشاد ہے تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ اور فرمایا فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی درحقیقت کسی مخلوق کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں کہ اسے بندگی کی نعمت حاصل ہو اور وہ اللہ کا بندہ بن جائے۔ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اللہ جل شانہ نے وصف عبدیت کے ساتھ یاد فرمایا

سورہ ص میں ہے وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَاالْاَیْدِ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ اور فرمایا وَاذْکُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ اور فرمایا وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ جبکہ اللہ کا بندہ ہونا سب سے زیادہ فخر اور شرف کی بات ہے کوئی نبی اور فرشتہ اس کو اپنے لئے کیسے عار سمجھ سکتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار کرے، کوئی شخص اللہ کا بندہ بن جائے اور اللہ اسے اپنا بندہ فرما کر خطاب فرمائے اس سے بڑھ کر کوئی شخص اللہ کا بندہ بن جائے اور اللہ ایسے اپنا بندہ فرما کر خطاب فرمائے اس سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔

وما احسن قول القائل

و مما زادنی عجبا و تیھا — و کدت باخمصی اطاالثریا
دخولی تحت قولک یا عبادی — واَن صیرت احمد لی نبیا

(کسی نے کیا خوب کہا: اور جس چیز نے میرے فخر اور خوشی کو اتنا بڑھایا کہ میں ثریا کی چوٹی کو اپنے پاؤں سے روندنے لگا وہ میرا تیرے قول یا عبادی (اے میرے بندو!) کے تحت داخل ہونا ہے اور یہ کہ تو نے میرے لئے حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کو میرے لئے نبی بنایا ہے)

مخلوق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے تو سبھی اللہ کے بندے ہیں لیکن اپنے علم و معرفت اور اقرار و اعتراف کے ساتھ جو اپنے بندہ ہونے کا اقرار کرے اور اس کو فخر جانے اور اپنے عمل سے عبدیت کا مظاہرہ کرے یہ سب سے بڑا شرف ہے اور کسی مخلوق کی ذات اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ غیر اللہ کی بندگی کرے اور اللہ کے سوا کسی کا بندہ بنے جو لوگ اللہ کا بندہ نہیں بنتے وہ مخلوق کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور تراشیدہ بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

نصاریٰ کی یہ جہالت کی بات تھی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کو عار سمجھا اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ مسیح اور تمام فرشتے ان کو ہرگز اس بات سے عار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں انہیں اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار ہے۔ اور فرمایا وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًا (الآیات) جو شخص اللہ کی بندے سے استنکاف کرے یعنی اسے اپنے لئے عار سمجھے اور تکبر کرے تو وہ ان سب کو اپنی طرف جمع فرمائے گا) بندگی کا اقرار کرنے والوں اور خالق و مالک کی عبادت میں مشغول ہونے والوں کو پورے پورے اجر دے گا۔ اور مزید اپنے فضل سے

بہت زیادہ عطا فرمائے گا اور جن لوگوں نے اللہ کا بندہ بننے کو اپنے لئے عار سمجھا اور تکبر کیا ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہاں کوئی حمایتی و مددگار نہ ملے گا۔

نصاریٰ کی تردید فرمانے کے بعد پھر تمام انسانوں کو خطاب فرمایا کہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور) برہان دلیل کو کہتے ہیں یہاں دلیل سے اور نور مبین سے کیا مراد ہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ دلیل سے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے قرآن مراد ہے۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریج کا اور صاحب درمنثور نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ نور مبین سے قرآن مجید مراد ہے۔ درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قرآن حجت بھی ہے اور نور مبین بھی اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی حجت ہے اور نور مبین بھی ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے خاتم النبیین ﷺ کو معجزات کثیرہ کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ کی ذات گرامی ساری مخلوق کے لئے اللہ کی طرف سے ایک حجت ہے۔ اور آپ کے اوصاف اور کمالات اخلاق اور صفات اور نعوت اور آپ کی دعوت توحید اور دلائل توحید اس قدر واضح ہیں کہ کسی بھی شخص کے لئے جو اپنی عقل کو ذرا بھی استعمال کرے ان سے منحرف ہونے اور کفر اختیار کرنے کا کوئی بھی جواز نہیں ہے آپ کی ذات گرامی حجت ہے اور نور مبین ہے کہ آپ نے کھول کر ہدایت کے راستے بتائے اور خیر و شر کا امتیاز واضح فرمایا پھر جس طرح آپ کی ذات گرامی لوگوں پر حجت ہے اور نور مبین ہے اسی طرح قرآن کریم بھی عظیم معجزہ ہونے کے اعتبار سے لوگوں پر حجت ہے جس نے واضح طور پر توحید کے دلائل بیان کئے اور کافروں اور مشرکوں کی گمراہی بیان کی اور صالحین اور طالحین کا انجام بتایا اور حجت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نور مبین بھی ہے۔ جس نے خالق و مالک کو راضی کرنے کے طریقے سکھائے احکام شرعیہ واضح فرمائے اور صلاح و فلاح کے راستے بتائے۔

پھر ایمان قبول کرنے والوں اور اس پر مضبوطی سے جمنے والوں کی جزا بتائی اور فرمایا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَفَضْلٍ وَّیَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو وہ عنقریب ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف سیدھے راستہ پر پہنچادے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سیدھے راستے پر پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو فرمانبرداری اور ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں جنت میں پہنچادے گا۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّ لَہٗٓ اُخْتٌ

لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ فرمادیجئے اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص مرجائے اس کے کوئی اولاد نہیں اور

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

اس کی ایک بہن ہے تو اس کے لئے اس مال میں کا آدھا ہے جو مرنے والے نے چھوڑا۔ اور وہ بہن کے پورے مال کا وارث ہوگا اگر اس بہن کے کوئی

الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۗ

اولاد نہ ہو۔ پس اگر دو بہنیں ہیں تو ان کے لئے اس مال میں سے دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا۔ اور اگر یہ لوگ بہن بھائی ہوں تو ایک مرد

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے اللہ تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حقیقی اور علاتی بہن بھائی کی میراث کے مسائل

تفسیر: اس آیت پر سورہ نساء ختم ہوگئی سورہ نساء کے پہلے رکوع میں یتیموں کے حقوق اور اموال کی نگہداشت کا حکم فرمایا تھا۔ اور اجمالی طور پر مرنے والوں کی میراث جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور دوسرے رکوع میں اولاد اور ماں باپ اور شوہر بیوی کے حصے بیان فرمائے جو انہیں میراث میں پہنچتے ہیں پھر وہیں کلالہ کی میراث کا ذکر فرمایا۔ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں۔ یعنی نہ ماں ہو نہ باپ ہو، نہ دادا اور نہ اولاد ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔ ایسا شخص اگر مرجائے اور اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان کو جو میراث ملے گی اس کا کچھ بیان سورہ نساء کے رکوع ۲ میں بیان فرمایا اور کچھ یہاں سورہ نساء کے آخر میں بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی (یعنی سگے بہن بھائی) علاتی (یعنی وہ بہن بھائی جو باپ شریک ہوں) اخیافی یعنی وہ بہن بھائی جو صرف ماں شریک ہوں۔ ان میں سے آخر الذکر یعنی اخیافی بہن بھائی کا حصہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں بتا دیا اور وہ یہ کہ جب کسی کلالہ مرد یا عورت کی وفات ہو جائے اور اس نے ماں شریک ایک بھائی یا ایک بہن چھوڑی ہو تو ہر ایک کو مرنے والے کے مال سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو مثلاً دو بہنیں ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا دو بھائی ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا ایک بھائی ہو اور بہنیں ایک سے زیادہ ہوں۔ اور یا ایک بہن ہو اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو یہ سب لوگ مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور ان میں مرد عورت کا حصہ برابر ہوگا لڑکے کو لڑکی سے دگنا نہ ملے گا۔ اور باقی مال دوسرے وارثوں کو پہنچ جائے گا۔

اور یہاں سورہ نساء کے آخر میں عینی اور علاتی یعنی سگے بہن بھائی اور باپ شریک بہن بھائی کا حصہ بتایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جو کلالہ ہو اور اس نے ایک بہن چھوڑی ہو جو عینی ہو یا علاتی ہو تو اس بہن کو (**بعد اداء ماهو مقدم علی المیراث و نفاذ وصیت در تهائی مال**) کل مال کا آدھا ملے گا اور اگر کسی ایسی عورت کی وفات ہوگئی جو کلالہ تھی اور اس نے ایک بھائی عینی یا علاتی چھوڑا تو وہ (**بعد اداء حقوق متقدمه علی المیراث و انفاذ وصیة در تہائی مال**) اپنی مذکورہ بہن کے کل مال کا وارث ہوگا۔ اگر کسی مرد کلالہ نے دو عینی یا علاتی بہنیں چھوڑیں تو ان کو مرنے والے کے مال سے دو تہائی ملے گا۔

اوراگر عینی یا علاتی متعدد بہن بھائی چھوڑے تو مرنے والے کا مال ان بہن بھائیوں پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دے دیا جائے گا۔ البتہ عینی بھائی کی وجہ سے علاتی بہن بھائی سب ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور عینی بہن کی وجہ سے علاتی بہن بھائی کا حصہ کبھی ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے جس کی تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

آخر میں فرمایا یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اسے اپنی مخلوق کا سب حال معلوم ہے سب کے لئے احکام بیان فرماتا ہے اور ان سب احکام میں حکمت ہے اور مخلوق کی رعایت ہے وہ احکام و مسائل بیان فرما کر تمہیں گمراہی سے بچاتا ہے ایسے مہربان علیم و خبیر کے احکام پر دل و جان سے عمل کرنا چاہیئے۔

وقد تم تفسیر سورہ النساء لعاشر صفر الخیر ۱۴۱۱ھ

من شهورا السنة الحادية عشر بعد الفٍ واربع

مائة من هجرة سيد المرسلين ﷺ

والحمدلله اولاً و آخراً والصلوٰة

والسلام على من ارسل

طيباً و طاهراً.

سورۃ المائدۃ مدنیۃ وھی مائۃ وعشرون آیۃ وستۃ عشر رکوعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ

اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو، حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے انعام میں سے، مگر وہ جن کے بارے میں تمہیں بتادیا جائے گا اس حال میں کہ

مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا

جس وقت تم احرام میں ہو شکار کو حلال کرنے والے نہ ہو۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اے ایمان والو! مت حلال کرو اللہ کے

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَاۗىِٕدَ وَلَآ اٰۗمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ

شعائر کو اور نہ شہر حرام کو اور نہ ہدی کو اور نہ پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو اور نہ اُن لوگوں کو جو بیت حرام کا قصد کر کے جارہے ہوں! وہ اپنے رب کا فضل

وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور رضا مندی تلاش کرتے ہیں۔ اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرلو اور ہرگز کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد

الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠

حرام سے روکا ہے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو اور آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر آپس میں مدد نہ کرو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ایفائے عہود کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام

تفسیر: سورۂ مائدہ کی ابتداء ایفائے عقود یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم سے ہے ارشاد فرمایا یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ عہدوں کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بدعہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے اللہ سے کیا ہے، جب کسی نے اسلام قبول کرلیا تو اس نے یہ عہد کرلیا کہ میں اللہ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہونگے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر و نواہی ہوں اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بھیجے ہوں۔

دُرِّ منثور ص ۲۵۳ ج ۲ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اوفوا بالعقود ای بالعھود

ما أحل الله وما حرم وما فرض وما حد في القرآن كله لا تغدروا ولا تنكثوا (یعنی عہد پورے کرو اللہ نے جو حلال قرار دیا ہے اور جو حرام قرار دیا ہے اور جن چیزوں کو فرض کیا اور جو قرآن میں حدود بیان کیں ان سب احکام پر عمل کرو۔ان کی ادائیگی میں کوئی غدر نہ کرو اور عہد شکنی نہ کرو)۔

سورۂ نحل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (اور تم اللہ کا عہد پورا کرو جب تم عہد کرو، اور مت توڑو قسموں کو ان کو پکا کرنے کے بعد حالانکہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنا لیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (اور تم عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا)،سورۂ رعد میں فرمایا اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ (وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور عہد کو نہیں توڑتے)۔

سورۂ نحل میں وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ فرمایا اور سورۂ مائدہ میں اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ فرمایا عقود، عقد کی جمع ہے عقد عربی زبان میں باندھنے کو کہتے ہیں آپس میں جو معاملات طے کئے جاتے ہیں ان کو عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے عہد ہوا ہے وہ بھی عقد ہے جس میں نذر بھی داخل ہے اور جو بندوں سے معاملات طے کئے جائیں وہ بھی عقد ہے۔

عقود کی قسمیں: حضرت زید بن اسلم تابعی نے سورۂ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عقود پانچ ہیں (۱) عقد نکاح (۲) عقد شرکت (۳) عقد یمین (یعنی قسم) (۴) عقد حلف (حلف سے یہ مراد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا حلیف ہو جائے اور آپس میں یہ طے کرے کہ فلاں فلاں امور میں ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے) (۵) عقد عہد، وہ وعدہ یعنی جو آپس میں کر لیا جائے۔ اگرچہ دونوں جانب سے نہ ہو۔ جماعتوں یا حکومتوں کے جو باہمی معاہدات ہیں یا دو انسانوں کے آپس میں جو معاملات ہیں نکاح اور شرکت اور مضاربت اجارہ وغیرہ ان سب معاہدات میں ان سب شرطوں کی پابندی لازم ہے جو آپس میں طے ہو جائیں بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں اگر کوئی شخص نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے لیکن گناہ کی نذر ماننا جائز نہیں اگر کوئی شخص گناہ کی نذر مان لے تو اس پر عمل نہ کرے اور خلاف ورزی کا کفارہ دیدے اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا کفارہ ہے وفي الحديث ومن نذر نذرًا في معصية فكفارته كفارة يمين' وفي حديث اخر انه لا وفاء لنذر في معصية الله ولا فيما لا يملكه ابن ادم رواهما ابو داؤد۔ (اور حدیث میں ہے جس آدمی نے کسی گناہ کی منت مانی تو اس کا کفارہ قسم والا کفارہ ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے جس منت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اسے پورا کرنا ضروری نہیں اور نہ ہی اس منت کا پورا کرنا ضروری ہے جو آدمی کی طاقت سے باہر ہو) عقود کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد بعض احکام ذکر فرمائے۔

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال کر دیئے گئے: پہلا حکم بیان فرمایا کہ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (کہ تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے جو انعام کے مشابہ ہیں) بہیمہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے چار

پاؤں ہوں اور انعام عموماً اونٹ گائے بکری کے لئے بولا جاتا ہے۔ اَنعام کا حلال ہونا پہلے سے مخاطبین کو معلوم تھا۔ جن جانوروں پر اَنعام کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ شکل وصورت میں انعام کی طرح سے ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، شتر مرغ ان کا حلال ہونا مشروع فرمادیا۔ لفظ بَهِيمَة کی اضافت جو لفظ اَنعام کی طرف ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا یہ قول لکھا ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مشابہت بیان فرمانے کے لئے اضافت کو اختیار فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ وہ بہائم جو اَنعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کئے گئے اور مشابہت اس بات میں ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے۔

پھر جب بَهِيمَةُ الْاَنْعَام کی حلت ذکر فرمادی (اور اس میں وحشی جانور بھی داخل ہوگئے جن کا شکار کیا جاتا ہے) تو اس سے شکار کی اجازت بھی معلوم ہوگئی لیکن چونکہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اس لئے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ" کہ تمہارے لئے یہ جانور حلال کئے گئے اس حال میں کہ حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے کو عملاً واعتقاداً احلال نہ سمجھو۔

بہیمۃ الانعام کی حلت بیان فرماتے ہوئے بطور استثناء اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو جانور تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں ان میں سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کا تذکرہ ایک آیت کے بعد حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (الآیۃ) میں فرمایا ہے سورۂ بقرہ اور سورۂ انعام اور سورۂ نحل میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ: (بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اس کی مشیت حکمتوں کے مطابق ہے۔ قال صاحب الروح من الاحکام حسب ما تقتضیه مشیته المبنیة علی الحکم البالغة التی تقف دونها الافکار فیدخل فیها ما ذکره من التحلیل والتحریم دخولا اولیا۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے حکمتِ کاملہ کے مطابق احکام دیتا ہے کہ جس حکمت تک رسائی سے پہلے ہی ہمارے افکار کی انتہاء ہو جاتی ہے پس ان احکام میں چیزوں کی حلت وحرمت کا حکم سب سے پہلے داخل ہے)

لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ کا سبب نزول: اس کے بعد فرمایا يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (الآیۃ) اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ شریح بن ضبیعہ کندی یمامہ سے مدینہ منورہ آیا (یمامہ ایک علاقہ کا نام ہے) اس نے اپنے ساتھیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے مدینہ منورہ کے باہر چھوڑ دیا اور تنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں، کہنے لگا کہ یہ تو اچھی بات ہے مگر میرے چند امراء ہیں میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو بھی ساتھ لے آؤں گا اس کے آنے سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمادیا تھا کہ ایک آدمی آرہا ہے جو شیطان کی زبان سے بات کریگا جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کافر کا چہرہ لے کر داخل ہوا اور دھوکہ باز کے پاؤں کے ذریعہ باہر چلا گیا اور یہ

شخص مسلم نہیں ہے جب یہ شخص مدینہ سے باہر نکلا تو وہاں جو جانور (اونٹ وغیرہ) چر رہے تھے انہیں لے کر چلا گیا حضرات صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے موقع پر تشریف لے جا رہے تھے تو یمامہ کے حجاج کے تلبیہ کی آواز سنی آپ نے فرمایا یہ حُطم ہے اور اس کے ساتھی ہیں (حُطم شریح بن ضبیعہ کا لقب ہے) ان لوگوں نے ان جانوروں کے گلے میں قلادے یعنی پٹے ڈال رکھے تھے جو مدینہ کے باہر چرنے والے جانوروں میں سے لوٹ کر لے گئے تھے اور ان جانوروں کو بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف لے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ بہت سا تجارت کا سامان بھی تھا مسلمانوں نے عرض کیا یَا رَسُو لَ اللّٰہ ! یہ حُطم جا رہا ہے حج کے لئے نکلا ہے آپ اجازت دیجئے ہم اس کو لوٹ لیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ھدی کے جانوروں کو قلادہ ڈال رکھا ہے (لہٰذا ان کا لوٹنا صحیح نہیں) مسلمانوں نے کہا (یہ تو کوئی رکاوٹ کی چیز معلوم نہیں ہوتی) یہ کام تو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شعائر اللہ سے مناسک حج مراد ہیں مشرکین حج بھی کرتے تھے اور کعبے شریف کی طرف جانوروں کو بھی لے جایا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ شعائر سے اللہ تعالیٰ کے حدود اور اوامر اور نواہی اور فرائض مراد ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے صفا مروہ اور وہ جانور مراد ہیں جو کعبہ شریف کی طرف بطور ھدی لے جائے جاتے ہیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم: اللہ تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم کے بارے میں سورۂ حج میں ارشاد فرمایا وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے)۔

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد الشھر الحرام کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا کہ اس میں کافروں سے جنگ نہ کی جائے، اور ھدی کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ھدی وہ جانور ہے جو کعبہ شریف کی طرف لے جایا جائے اور حدود حرم میں اللہ کی رضا کے لئے ذبح کر دیا جائے، اور قلائد کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا، یہ قلادہ کی جمع ہے ھدی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال دیا کرتے تھے تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ ھدی ہے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔

قلائد کی بے حرمتی کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے پڑے ہوں ان کی بے حرمتی نہ کی جائے اُن کو لوٹا نہ جائے۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے اصحاب قلائد مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ مکہ معظمہ کے درختوں کی چھال لے کر اپنے گلوں میں ڈال لیا کرتے تھے۔

جب اشہر الحرم گزر جاتے اور گھروں کو واپس جانا چاہتے تو اپنے گلوں میں اور جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے ڈالے

رکھتے تھے تاکہ اپنے گھروں میں امن سے پہنچ جائیں۔

پھر فرمایا وَلَا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ یعنی جو لوگ بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو اور ان سے تعرض نہ کرو۔ لفظ "آمِّيْن" أَمَّ يَأمُّ بمعنی قَصَدَ يَقْصُدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے عموم میں حج کی نیت سے جانے والے اور عمرہ کی نیت سے جانے والے سب داخل ہو گئے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (کہ یہ لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں) فضل سے مال تجارت کا نفع مراد ہے اور رضوان سے اللہ کی رضا مندی مراد ہے مشرکین جو حج کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اللہ کو راضی کرنے کیلئے حج کرتے تھے جس وقت آیت نازل ہوئی اس وقت تک مشرکین کو حج کرنے سے منع نہیں کیا گیا تھا اور مکہ معظمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ہوا تو یہ اعلان فرما دیا کہ اَلَا لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَ لَا يَطُوْفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ! کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے (مشرکین ایسا کیا کرتے تھے) اور سورۂ براءۃ میں فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (کہ اے ایمان والو! مشرکین نجس ہیں سو مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اس سال کے بعد) لہٰذا اب کسی کافر کو حج کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ ھدی اور قلائد لے کر آئے گا تو مامون نہ ہو گا مسلمانوں کے حق میں بدستور آیت کا سب مضمون باقی ہے حجاج بیت اللہ کو اور عمرہ کی نیت سے جانے والوں کو اور ھدی کو تعرض کرنا ممنوع ہے اشہر حرم میں جو کافروں سے قتال کی ممانعت تھی وہ منسوخ ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

احرام سے نکل کر شکار کرنے کی اجازت: پھر فرمایا وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (کہ جب تم حلال ہو جاؤ یعنی قاعدہ شرعیہ کے مطابق احرام سے نکل جاؤ تو شکار کر لو) یہ امر اباحت ہے مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں جو خشکی کا شکار کرنے کی ممانعت تھی اب احرام سے نکلنے کے بعد ختم ہو گئی۔ البتہ حرم کا شکار کرنا حالت غیر احرام میں بھی ممنوع ہے جس کی تصریح احادیث شریفہ میں آئی ہے۔

کسی قوم کی دشمنی زیادتی پر آمادہ نہ کرے: پھر فرمایا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو) ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ نہیں کرنے دیا اور حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا لہٰذا آپ اور آپ کے صحابہؓ محصر ہونے کی وجہ سے جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے اور مشرکین سے چند شرطوں پر صلح ہو گئی۔ آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اگلے سال عمرہ کی قضا کی مشرکین مکہ نے صلح کی بعض شرطوں کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے آپ

اپنا لشکر لے کر ۸ھ میں تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اب جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار آ گیا تو یہ صحابہ مشرکین مکہ سے بدلہ لے سکتے تھے۔ لہٰذا ان کو منع فرمایا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں ظلم وزیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔

جب مسجد حرام سے روکنے والوں کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ اس کی دشمنی تمہیں ظلم وزیادتی پر آمادہ نہ کرے تو دنیاوی اعتبار سے جو رنجشیں اور دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کی وجہ سے کسی پر ظلم وزیادتی کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اگر کوئی شخص ظلم کرے تو بہت سے بہت اس کے ظلم کے بقدر بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے۔ ظلم کے بدلے ظلم کرنا یعنی جس سے کوئی تکلیف پہنچی ہے اس سے زیادہ تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہمیشہ عدل وانصاف پر قائم رہیں اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں۔

اسی سورت کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے)۔

نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنے کا حکم: اس کے بعد ارشاد فرمایا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (کہ آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو) اس عمومی حکم میں سینکڑوں مسائل داخل ہیں۔ تعاون یعنی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بہت سی صورتیں تو ایسی ہیں جو لوگوں نے اپنی دنیاوی ضروریات کیلئے اختیار کر رکھی ہیں کسی نے کپڑے کا کارخانہ جاری کر رکھا ہے اور کوئی شخص اپنی فیکٹری میں جوتے بناتا ہے کسی نے پھلوں کے باغ لگائے ہیں کسی نے کھیتی پر توجہ دی ہے۔ کسی نے انجینئر نگ کو اختیار کیا ہے اور تعمیرات کے نقشے بنانے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے اور کسی نے نقشوں کے مطابق مکانات تعمیر کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اسی طرح سے مل ملا کر دنیاوی حاجات اور ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

جو بھی کوئی شخص کوئی بھی نیکی کرنے کا ارادہ کرے کسی بھی گناہ سے بچنا چاہے ہر شخص بقدر اپنی قوت وطاقت کے اس کی مدد کرے، جو لوگ علم دین حاصل کرنا چاہیں انکی سب مدد کریں۔ مدرسے بنانے والوں کی، مسجد تعمیر کرنے والوں کی، مبلغین کی، مصنفین کی، مجاہدین کی اور ہر نیک کام کرنے والوں کی مدد کی جائے یہ مومن کی زندگی کا بہت بڑا اصول ہے۔

یہ جو آجکل فضا بنی ہوئی ہے کہ جو شخص خیر کی دعوت لے کر کھڑا ہو خیر کے کام کرنے کے لئے فکر مند ہو اس کی مدد کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ یہ اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جتنی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہے سب ایک ہی حکومت ہوتی ایک امیر المومنین ہوتا سب مل کر آپس میں تعاون کی زندگی گزارتے۔ امیر اور مامور مل کر باہمی ایک دوسرے کی مدد کرتے لیکن اب جب بہت سی حکومتیں بنالیں اور ایک ہونے کو تیار نہیں تو کم از کم آپس میں تعاون تو رکھیں نہ ایک دوسرے سے لڑیں نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں اور ہر کار خیر میں اور دینی امور میں ہر حکومت دوسری حکومت کے ساتھ تعاون کرے افراد ہوں یا جماعت سب باہمی تعاون کی زندگی اختیار کریں۔

مسلمانوں کی عجیب حالت: اگر مسلمانوں کا کوئی سربراہ اسلام کے مطابق حکومت چلانے کا اعلان کردے یا اعلان کرنا چاہے تو عوام بھی مخالفت کرتے ہیں اور مغربی ذہن رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ بھی، اور کافروں کی حکومتیں بھی رخنہ ڈال دیتی ہیں اور مسلمانوں کی حکومتیں تعاون نہیں کرتیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے اجتماعی اور انفرادی اعمال خیر میں جو تعاون ہوسکتا تھا اس کی صورتیں بنتی ہوئی بھی بگڑ جاتی ہیں۔

گناہ اور ظلم پر مدد کرنے کی ممانعت: پھر فرمایا وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور نہ مدد کرو گناہ پر اور ظلم پر اور اللہ سے ڈرو! بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے) ان الفاظ میں دوسرے رخ پر تنبیہ فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بر اور تقویٰ پر تو آپس میں تعاون کرو لیکن گناہ، ظلم اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔ قرآن کریم کی یہ نصیحت بھی بہت اہم ہے۔ آجکل جہاں بر اور تقویٰ پر مدد کرنے کے جذبات سے مسلمان خالی ہیں وہاں دوسرے رُخ کے جذبات ان میں موجود ہیں گناہ اور ظلم وزیادتی پر کھلے دل سے مدد کی جاتی ہے۔

تعصب کی تباہ کاری: آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معیار دنیاداری کے اصول پر رہ گیا ہے عموماً اپنوں کی مدد کی جاتی ہے اپنوں میں اپنے رشتہ دار اپنے ہم زبان اپنے ہم وطن اپنی جماعت کا فرد اپنی پارٹی کا ممبر دیکھا جاتا ہے حق اور ناحق کو نہیں دیکھا جاتا۔ اگر دو آدمیوں میں کسی قسم کا جھگڑا ہو تو جو بھی (کوئی شخص اپنا ہو جس کی قدرے تفصیل ابھی بیان ہوئی) بس اس کی مدد کی جاتی ہے اس کا دعویٰ ناحق ہو اور فریق ثانی پر ظلم کررہا ہو تب بھی اس کا ساتھ دیں گے اور اسی کی طرف سے بولیں گے یہ نہ دیکھیں گے کہ اس شخص کی زیادتی ہے جسے ہم اپنا سمجھ رہے ہیں، ہم ظالم کے ساتھ کیوں ہوں۔ یہ ایک ایسی وباء ہے جس میں بہت سے دینداری کے دعویدار بھی ملوث ہوجاتے ہیں۔ گناہ اور ظلم پر مدد کرنا حرام ہے۔ ظالم اپنا ہو یا پرایا اس کی مدد کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔ حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس لئے گیا کہ اسے تقویت پہنچائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶ از شعب الایمان)۔

گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں جو رواج پذیر ہیں: جس نوکری یا جس عہدہ کی وجہ سے گناہ کرنا پڑتا ہو ایسی نوکری اور ایسا عہدہ قبول کرنا حرام ہے گناہ کا قانون بنانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سب میں گناہ کی مدد ہے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص شراب کے کارخانے میں کام کرے یا بنک میں کام کرے (کوئی بھی چھوٹا بڑا کام ہو) سٹے بازوں کے ہاں ملازم ہو یا کسی بھی طرح ان کا تعاون کرتا ہو، پولیس میں ملازم ہو جو غیر شرعی امور میں دوسروں کی مدد کرتا ہو یا رشوت لیتا ہو یا رشوت دینے دلانے کا واسطہ بنتا ہو یا جو شخص کسی ایسے محکمے کا ملازم ہو جس میں ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہو تو یہ ملازمتیں حرام ہیں اور ان کی تنخواہیں بھی حرام ہیں۔ چوروں کی مدد، ڈاکوؤں کی مدد، لوٹنے والوں کی

مدد، غصب کرنے والوں کی مدد، ظالمانہ مار پیٹ کرنے والوں کی مدد یہ سب حرام ہے۔ کسی بھی گناہ کے ذریعہ جو پیسہ کمایا جائے وہ بھی حرام ہے۔

بہت سے لوگ دوسروں کی دنیا بنانے کیلئے اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں یعنی ظلم اور گناہ پر مدد کرتے ہیں تاکہ کسی دوسرے کو نوکری یا عہدہ مل جائے یا قومی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہو جائے الیکشن ہوتے ہیں ووٹر اور سپوٹر یہ جانتے ہوئے کہ جس امیدوار کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں یا جسے ہم ووٹ دے رہے ہیں یہ فاسق فاجر ہے ممبر ہو کر اس کا فسق و فجور اور زیادہ بڑھ جائے گا پھر بھی اس کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اس کو کامیاب کرنے کیلئے اس کے مقابل کی غیبتیں بھی کرتے ہیں اور اس پر تہمتیں بھی دھرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی جماعت کے لوگوں کو قتل تک بھی کر دیتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ دنیا دوسرے کی بنے اور آخرت کی بربادی اپنے سر تھوپ لیں۔ اسی کو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا من شر الناس منزلة یوم القیامة عبد اذھب اخرته بدنیا غیرہ (قیامت کے دن بدترین لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہوگا جس نے دوسرے کی دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کر دی)۔ (رواہ ابن ماجہ باب اذا التقی المسلمان بسیفیھما)

دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص سنت کے مطابق کپڑے پہننا چاہے شکل و صورت وضع قطع اسلامی رکھنا چاہے اس کے گھر والے، دفتر والے، بازار والے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام چھوڑ دے اور گناہ والی زندگی اختیار کرے اور ہمارے جیسا فاسق فاجر ہو جائے۔ خیر کے کاموں میں مدد دینے کو تیار نہیں لیکن اگر کوئی شخص گناہگاری کے کام کرنے لگے تو اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ حرام کمائے، رشوت لے، ڈاڑھی مونڈے بیوی بھی خوش، ماں باپ بھی خوش اور اپنے ماحول اور سوسائٹی کے لوگ بھی خوش۔ اور اگر حلال پر گزارہ کرنے کا خیال کرے تو سب ناراض۔ اپنے پاس سے ٹکٹ کے پیسے خرچ کر کے دوستوں کو سینماؤں میں، رقص و سرود کی مجلسوں میں لے جاتے ہیں دھوکہ دے کر بال بُر کی دکان میں لے جا کر اپنے دوست کی ڈاڑھی منڈوا دیتے ہیں اور پیسے بھی اپنے پاس سے دیدیتے ہیں، موجودہ...... معاشرہ کا یہ جاہلانہ مزاج بنا ہوا ہے کہ نیکی کی مدد سے جان چراتے ہیں اور گناہوں کی مدد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں وقنا اللہ من شرھم.

سب کو معلوم ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ نہیں ہے اور دنیا ختم ہو جائے گی اس کے ختم ہونے سے پہلے موجودہ دور کے افراد اپنی موت مر جائیں گے اس ذرا سی زندگی کو گناہوں میں پڑ کر اور گناہوں کی مدد کر کے برباد کرنا جس کے نتیجہ میں آخرت برباد ہو کوئی سمجھ داری کی بات نہیں ہے، ہر معاملہ میں آخرت کے لئے فکر مند ہونا لازم ہے ہمیشہ اللہ سے ڈریں اور بار بار اس کا مراقبہ کریں کہ اللہ جل شانہٗ سخت عذاب دینے والا ہے۔ آیت کے ختم پر اسی کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر جائے اور وہ جانور جو کسی ضرب سے مر جائے

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ

اور وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جائے اور وہ جانور جو کسی سے ٹکرا کر مر جائے اور وہ جانور جسے کسی درندہ نے کھالیا مگر وہ جسے تم ذبح کرلو اور حرام کیا گیا وہ جانور جو ذبح کیا گیا پرستش گاہوں پر، اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ

تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ

تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات

تفسیر: گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا "إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ" کہ ان حلال جانوروں میں جو جانور حرام ہیں وہ تمہیں بتا دیئے جائیں گے، چنانچہ اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو زندہ ہونے کی صورت میں شرعی طریقے پر ذبح کر لئے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ان میں بعض صفات ایسی پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے حرمت آگئی تو ان کا کھانا حلال نہ رہا۔

مَيْتَة (مردار): ان میں اول مَیتہ کی حرمت کا ذکر فرمایا، میتہ ہر وہ جانور ہے جو شرعی طریقے پر ذبح کئے بغیر مر جائے خواہ یوں ہی اس کی جان نکل جائے خواہ کسی کے مار دینے سے مر جائے، گائے، بیل، بھینس اونٹ اونٹنی بکرا بکری ہرن نیل گائے اور تمام وہ جانور جن کا کھانا حلال ہے اگر وہ ذبح شرعی کے بغیر مر جائیں تو ان کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھلی چونکہ ذبح کئے بغیر ہی حلال ہے اس لئے اگر خشکی میں آنے کے بعد اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور خشکی کے جانوروں میں سے ٹڈی بھی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال ہے اگر وہ اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی میتہ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ حضرت ابو واقدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیتے تھے اور ان کو کھا جاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ میتہ ہے یعنی مُردار ہے۔
(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

جس طرح مردار جانور کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب اور میتہ (مردہ جانور) اور خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ مردہ جانور کی

چربیوں کے بارے میں ارشاد فرمائیے (کیا ان کا بیچنا بھی حرام ہے؟) ان سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور چمڑوں میں بطور تیل کے استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ چراغ جلاتے ہیں آپؐ نے فرمایا چربی بھی حلال نہیں ہے وہ بھی حرام ہے پھر فرمایا اللہ لعنت فرمائے یہودیوں پر بلاشبہ اللہ نے ان پر مردہ جانور کی چربی حرام فرمائی تھی انہوں نے اسے خوب صورت چیز بنادی (یعنی اسے پگھلا کر اس میں کچھ اور چیز ملا کر اپنے خیال میں اسے اچھی شکل دیدی) پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے (رواہ البخاری ومسلم)۔

معلوم ہوا کہ مردار جانور کا گوشت اور چربی دونوں حرام ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے اور ان کا بیچنا بھی حرام ہے حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیز کو خوب صورت بنادینے سے اس میں کچھ ملا دینے سے اس کا نام بدل دینے سے اسے خوب صورت پیکٹوں میں پیک کردینے سے حلال نہیں ہو جاتی اس کا بیچنا اس کی قیمت کھانا حسب سابق حرام ہی رہتا ہے۔

مُردار کی کھال کا حکم: جو جانور بغیر ذبح شرعی کے مر جائے اس کی کھال بھی ناپاک ہے اور اس کھال کا بیچنا بھی حرام ہے لیکن اگر اس کی دباغت کردی جائے یعنی کوئی مصالحہ لگا کر یا دھوپ میں ڈال کر اسے سڑنے سے محفوظ کردیا جائے تو یہ کھال پاک ہو جاتی ہے پھر اس سے نفع اٹھانا اور بیچنا اور اس کی قیمت لینا حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کچے چمڑے کی دباغت کردی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے (رواہ مسلم)۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ ایک باندی کو ایک بکری بطور صدقہ دے دی گئی تھی وہ بکری مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کا چمڑہ لیکر اس کی دباغت کیوں نہ کرلی۔ دباغت کر کے اس سے نفع حاصل کرتے عرض کیا کہ یہ میتۃ یعنی مُردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے (یعنی چمڑا دباغت کے بعد ناپاک نہیں رہتا اس سے انتفاع جائز ہے البتہ اس کا گوشت حلال نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲)

خون کھانے کی حرمت: دوسرے نمبر پر الدّم یعنی خون کا ذکر ہے اس سے دم مسفوح (بہتا ہوا خون) مراد ہے۔ جس کی تصریح سورۂ انعام کی آیت میں کردی گئی ہے۔ اور فرمایا ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (الآیۃ) مَّسْفُوْحًا کی قید لگانے سے تلی اور جگر کھانے کی حلت معلوم ہوگئی تو وہ دونوں بھی خون ہیں لیکن جمے ہوئے خون ہیں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو ایسے جانور ہمارے لئے حلال کردیئے گئے ہیں جو اپنی موت مر جائیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور دو خون ہمارے لئے حلال کردیئے گئے ہیں جگر اور تلی۔

(رواہ احمد، ابن ماجہ و دار قطنی مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۱)

مسئلہ: شرعی ذبح کے بعد گلے کی رگوں سے دم مسفوح نکل جاتا ہے اس کے بعد جو خون بوٹیوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ دم مسفوح نہیں ہے البتہ ذبح کے وقت جو خون نکلا ہے وہ کھال یا گوشت یا پَروں میں لگ جائے وہ ناپاک ہے۔

ہمارے دیار میں خون کھانے کا رواج نہیں ہے قرآن کریم سارے عالم کے لئے ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لیکر قیامت قائم ہونے تک جس علاقے میں جہاں بھی جس طرح سے بھی لوگ خون کھائیں ان سب کے لئے قرآن نے حرمت کی تصریح کردی۔

بعض اکابر سے سنا ہے کہ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔

مسئلہ: خون کا کھانا پینا بھی حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے اس کے ذریعے جو آمدنی ہو وہ بھی حرام ہے ۔بعض لوگ ہسپتالوں میں خون فروخت کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

خنزیر کا گوشت: تیسرے نمبر پر لحم الخنزیر یعنی سؤر کو گوشت حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ سور کا ہر جزو ناپاک اور نجس العین ہے اس کا گوشت ہو یا چربی یا کوئی بھی جزو ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور بیچنا خریدنا بھی حرام ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (بلاشبہ وہ ناپاک ہے) نجس العین ہونے کی وجہ سے اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوسکتی۔ اس جانور کے کھانے سے انسانوں میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے۔ جو قومیں اسے کھاتی ہیں ان کی بے حیائی کا جو حال ہے ساری دنیا کو معلوم ہے۔ یورپ امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں بعض مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے محلوں میں دکانیں کھول رکھی ہیں وہ سور کا گوشت اور دوسرا حرام گوشت بھی فروخت کرتے ہیں یہ سب حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے جو لوگ ان کی دکانوں میں کام کرتے ہیں وہ چونکہ گناہ کے مددگار ہیں اس لئے ان کا سیل مین بننا اور خریداروں کو یہ چیزیں اٹھا کر دینا بھی حرام ہے۔

مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ: چوتھے نمبر پر جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ہے لفظ اُهِلَّ اَهَلَّ يُهِلُّ اِهْلَالًا سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اہلال کا معنی ہے آواز بلند کرنا۔ یہاں جانورں کو ذبح کرتے وقت جو کسی کا نام پکارا جاتا ہے اس کیلئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو جانور حلال ہو اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کردیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے لیا جائے تو وہ حرام ہوجاتا ہے جو میتۃ یعنی مردار کے حکم میں ہے۔

مشرکین بتوں کا اور دیوی دیوتا کا نام لے کر جانور کو ذبح کرتے ہیں ایسے جانور کا کھانا حرام ہے۔ جو لوگ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہیں ہیں (جیسے ہندوستان کے ہندو) وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تب بھی جانور مردار کے حکم میں ہوگا،

جس جانور کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا جائے لیکن ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر اس کے بارے میں چند صفحات کے بعد وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز!

مُنْخَنِقَه: پانچویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے وہ اَلْمُنْخَنِقَۃُ ہے انخناق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خنق یخنق گلا گھونٹنا اور انخنق ینخنق گلا گھٹ جانا۔ اگر کسی جانور کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا جانور گلا گھٹنے سے مر جائے (مثلاً جانور کے گلوں میں جو رسی بندھی ہوتی ہے وہ کس جائے جس سے جانور مر جائے) تو یہ جانور حرام ہے۔

مَوْقُوْذَةٌ: چھٹی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ موقوذہ ہے یہ وَقَذَ یَقِذُ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جس جانور کو لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے وہ موقوذہ ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہے جس کو شکاری نے تیر مارا لیکن اس کے تیر کی دھار جانور کے نہ لگی بلکہ لمباؤ میں تیر جا کر لگا اور اس کی ضرب سے جانور مر گیا۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے اگرچہ شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔

حضرت عدی بن حاتم ﷺ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں جس میں پر نہیں ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کر دے اس کو کھا لے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیر کا چوڑائی والا حصہ قتل کر دے تو وہ موقوذہ ہے اس کو مت کھا (رواہ البخاری و مسلم)

بندوق کا شکار: بندوق کی گولی سے جو شکار ہلاک ہو جائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر گولی ماری گئی ہو ہاں اگر گولی لگنے کے بعد میں اتنی جان باقی ہے جس کا ذبح کے وقت ہونا شرط ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا جائے تو حلال ہو جائیگا۔

مُتَرَدِّیه: ساتویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ مُتَرَدِّیه ہے یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا کسی بھی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اس جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔

نطیحه: آٹھویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ نطیحہ ہے یہ لفظ فعیلۃ کے وزن پر ہے جو نطح ینطح سے ماخوذ ہے جو جانور کسی تصادم سے مر گیا مثلاً دو جانوروں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو مار دیا کسی جانور کو دیوار میں ٹکر لگی اس سے مر گیا۔ ریل گاڑی کی زد میں آ کر مر گیا یا کسی گاڑی سے اکسیڈنٹ ہو گیا جس سے موت واقع ہو گئی یہ سب نطیحہ کی صورتیں ہیں اگر ان سب صورتوں میں جانور کی موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

درندہ کا کھایا ہوا جانور: نویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ جانور ہے جس کو کوئی درندہ کھا جائے شیر بھیڑیئے نے کسی جانور کو پکڑا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہو گیا وہ بھی مردار ہے کیونکہ ذبح شرعی سے اس کو موت نہیں آئی۔

حرام چیزوں کی مذکورہ نو قسمیں بیان فرمانے کے بعد اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ فرمایا یہ استثناء منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ اور ما اکل السبع سب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جس جانور کا گلا گھٹ گیا یا اوپر سے گر پڑا یا کسی کے لاٹھی مارنے سے مرنے لگا

یا ٹکر لگنے سے مرنے لگا یا کسی درندہ سے چھڑا لیا اور اس میں ابھی تک اتنی زندگی باقی ہے جو ذبح کے وقت ہوتی ہے تو یہ جانور ذبح شرعی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری کو اپنے دانت سے پکڑ لیا (پھر وہ کسی طرح سے چھوٹ گئی جسے) اس کے مالکوں نے دھار دار پتھر سے ذبح کر دیا پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے پوچھا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی (رواہ النسائی ص ۲۰ ج ۲)

بتوں کے استھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور: پھر فرمایا وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (اور جو نصب پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے) اصنام وہ مورتیاں جن کی اہل عرب عبادت کیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ جن دوسرے پتھروں کی عبادت کرتے تھے ان کو نصب اور انصاب کہا جاتا تھا ان کو کہیں کھڑا کر کے عبادت گاہ اور استھان بنا لیتے تھے اگر مطلق کھڑی کی ہوئی چیز کے معنی لیے جائیں تو بت بھی نصب کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی پتھر ہوتے ہیں اور ان کو مختلف جگہوں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔ اصنام و انصاب کے پاس جو کچھ ذبح کیا جاتا ہے چونکہ وہ ذبح لغیر اللہ ہے اس لئے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

تیروں کے ذریعہ جوا کھیلنے کی حرمت: پھر فرمایا وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ (اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ تیروں کے ذریعہ اونٹ کا گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ ان کا ایک قسم کا قمار یعنی جوا تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اونٹ میں دس آدمی برابر کے شریک ہوتے تھے پھر اس اونٹ کو تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے یہ دس تیر ہوتے تھے سات تیروں پر حصے لکھے رہتے تھے اور تین تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ پھر ان دس تیروں کو کسی تھیلہ میں ڈالتے تھے اور شرکاء کے نام سے ایک ایک تیر نکالتے تھے جن تین تیروں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا جس کے نام پر ان تیروں میں سے کوئی تیر نکل آتا تھا اسے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حالانکہ اونٹ کی قیمت میں وہ بھی شریک تھا اس کا حصہ دوسروں کو مل جاتا تھا اور اس طرح سے یہ شخص جوئے میں ہار جاتا تھا اور دوسرے لوگ جیت جاتے تھے۔

پھر ان میں بعض لوگ جوئے میں جیتے ہوئے گوشت کے ان حصوں کو غرباء مساکین اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قصیدہ میں ہے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)۔

وجزور ایسار دعوت لحتفها بمغالق متشابه اجسامها

باؤوا بهن لعاقرا و مطفل بذلت لجيران الجميع لحامها

(اور تیروں کے ذریعہ تقسیم ہونے والے اونٹ جن کے ذبح کی میں نے دعوت دی ایسے جن کے جسم مشابہ تھے، ان کے ذریعہ بانجھ یا بچوں والی کو دیا میں نے تو سب کے ہمسایوں میں ان کے گوشت تقسیم کئے)

علامہ حضرت قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ازلام کی تین قسمیں بتائی ہیں ان میں سے تیسری قسم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں

هو الميسر وهي عشرة. سبعة منهما حظوظ وثلثة اغفال و كانوا يضربون بها مقامرة لهوا والعبا و كان عقلائهم

یقصدون بھا طعام المساکین والمعدم فی زمن الشتاء و کلب البرد وتعذر المتحرف. (یہ جواء ہے اور وہ دس تیر ہیں ان میں سے سات کے حصے ہیں اور تین خالی ہیں انہیں تیروں کا لہو ولعب کے طور پر جواء کرتے تھے۔ ان میں سے جو عقل مند ہوتے وہ اس سے مسکینوں کے کھلانے اور سردیوں کے موسم میں سردی کی شدت سے بچانے کے لئے بے سروسامانوں کی مدد کرنے اور پیشہ ور محتاجوں کو دینے کا ارادہ کرتے تھے)
اس کے بعد لکھتے ہیں وھو من اکل المال بالباطل وھو حرام و کل مقامرة بحمام او بنرد او شطرنج او بغیر ذالک من ھذا الباب فھو استقسام بما ھو فی معنی الازلام حراما کلہ۔ (استقسام بالازلام والا بیراور اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ اس کا ذکر کھانے کی حرام چیزوں کے ساتھ مناسب تھا)

یعنی اس طرح سے مال لے لینا باطل طریقے پر لینا ہے حرام ہے اور ہر جوا حرام ہے خواہ کبوتر اڑانے کے ذریعہ ہو خواہ نرد کے ذریعے ہو خواہ شطرنج کے ذریعہ ہو خواہ کسی بھی کھیل کے ذریعہ ہو۔ (تفسیر القرطبی ص ۵۹ جلد ۶)

سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے منافع ہیں) سورۂ مائدہ میں فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور انصاب اور ازلام سب گندی چیزیں ہیں شیطان کے کام ہیں سو تم اس سے بچ کر رہو۔ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ)۔

شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی احکام ان شاء اللہ العزیز ہم سورۂ مائدہ کی اسی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ الآیۃ کے ذیل میں...... بیان کریں گے۔ یہاں بالاجمال یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جوئے کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ سب حرام ہیں اور ان سے جو مال حاصل کر لیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

استقسام بالازلام کا دوسرا معنی: استقسام بالازلام کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی تیروں کے ذریعہ بطور جوا مال تقسیم کرنا، اس تفسیر کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۶۹ ج ۴) ورجح انہ یناسب ذکرہ مع محرمات الطعام.

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تیروں کے ذریعے جو غیب کی خبریں معلوم کرتے تھے اس کی حرمت بیان فرمائی ہے۔
اہل عرب میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ تین تیر اپنے پاس رکھتے تھے ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا تھا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے مجھے حکم دیا) اور دوسرے تیر پر لکھا رہتا تھا نَهَانِیْ رَبِّیْ (میرے رب نے مجھے منع کیا) اور تیسرے تیر پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا۔ جب کسی کام میں یا سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تھے تو تھیلے میں تیروں کو گھما کر ایک تیر کو نکال لیتے تھے اگر پہلے نمبر کا تیر نکل آیا تو کام کر گزرتے تھے اور سفر میں چلے جاتے تھے اور دوسرا تیر نکل آتا تو اس کام کے کرنے اور سفر میں کرنے سے رک جاتے تھے اور اگر تیسرا تیر نکل آتا جس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا تو پھر تینوں تیروں کو گھماتے تھے اور برابر گھماتے اور دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ پہلے دو تیروں میں سے کوئی تیر نکل آئے اور کچھ تیر ایسے تھے جو ''ہبل'' بت کے پاس کعبے شریف کے اندر رکھ رکھے تھے وہاں کے مجاور کے پاس جاتے تھے۔ اور اس سے کہتے تھے کہ تیروں کو گھمائے اور تھیلے میں

سے نکالے اس سے آئندہ کے حوادث اور نوازل معلوم کرتے تھے اور جس کسی کے نسب میں شریک ہوتا تھا اس کے نسب کا فیصلہ بھی ان تیروں سے کروا لیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ج٦ص ۵۸)

روح المعانی ج٦ ص ۵۸ میں لکھا ہے کہ اس صورت کو استقسام بالازلام سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ گھر سے باہر جانے اور سفر کیلئے نکلنے میں طلب معاش کا مقصد سامنے ہوتا تھا اور تیروں سے یہ پوچھتے تھے کہ جو رزق میری قسمت میں ہے وہ اس وقت باہر جانے سے ملے گا یا نہیں۔

وقال القرطبی وانما قیل لھٰذا الفعل استقسام لا نھم کانوا یستقسمون الرزق وما یریدون کما یقال الاستسقاء فی الاستدعاء بالسقی اھ۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس عمل کو استقسام اس لئے کہا گیا ہے کہ اسی طریقہ سے وہ کھانے کی چیزیں اور دوسرے مقاصد میں تقسیم کرتے تھے جیسا کہ سیرابی کی دعاء کو استسقاء کہا جاتا ہے)

کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت: عرب میں زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی تو تھی ہی کاہنوں کا بھی بہت زور تھا جو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے اور اس کے مختلف طریقے نکال رکھے تھے کچھ لوگ ستاروں کے ذریعہ غیب کی خبریں بتاتے تھے (جنہیں مُنَجِّم کہا جاتا تھا) شریعت اسلامیہ نے سب کو باطل قرار دیدیا جو بھی کوئی غیب کی خبریں بتائے اس کے پاس جا کر آئندہ کی خبریں پوچھنا حرام ہے اور اس بارے میں جو کچھ مال لیا دیا جائے وہ بھی حرام ہے۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عراف (غیب کی خبریں بتانے والے) کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی (رواہ مسلم)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا (جو غیب کی خبریں بتاتا ہے) اور اس کی بات کو سچا بتایا یا حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا یا اپنی عورت کے پچھلے حصے میں اپنی حاجت پوری کی تو وہ اس چیز سے بیزار ہو گیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ (رواہ احمد وابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳)

حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کیلئے پیدا فرمایا آسمان کی زینت بنایا ہے، شیاطین کے مارنے...... کا ذریعہ بنایا، راستہ دکھانے کیلئے علامتیں بنائیں جس نے اس کے سوا اور کوئی کام تجویز کیا تو اس نے غلط بات کہی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس چیز کو نہیں جانتا خواہ مخواہ اس کے جاننے کا دعویٰ کیا (رواہ البخاری تعلیقا)

غیب کی خبریں بتانے کے جتنے بھی طریقے جاری ہیں شرعاً ان پر اعتماد کرنا حرام ہے نجومی، رمل والے، جفر والے جو خبریں بتاتے ہیں ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ بعض لوگ چڑیاں پال کر رکھتے ہیں چڑیا کے منہ میں دانے دیدیتے ہیں وہ بہت سے لفافوں میں سے ایک لفافہ کھینچ لیتی ہے وہ لفافہ پڑھ کر سناتے ہیں پوچھنے والا اس کو اپنا حال سمجھتا ہے اور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں یہ یقین کرتا ہے کہ اس کے مطابق ہوگا یہ بھی حرام ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو جو مال لیا دیا جاتا ہے اس کا لینا دینا بھی حرام ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور زنا کاری کی اجرت سے اور غیب کی خبریں بتانے والے کو جو کچھ بطور منہ میٹھا کرنے کے دیا جاتا ہے اس سے منع فرمایا۔ (رواہ مسلم)

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ: پھر فرمایا ذٰلِكُمْ فِسْقٌ یہ جو چیزیں بیان ہوئیں ان کو خالق و مالک جل مجدہٗ نے حرام قرار دیا ہے اس کی خلاف ورزی فسق ہے یعنی فرمانبرداری سے باہر نکل جانا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

محرمات کی تصریح فرما کر اخیر میں تنبیہ فرما دی کہ ان کے ارتکاب کو معمولی نہ سمجھا جائے ان سب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نافرمانی ہے اور بڑی نافرمانی ہے۔ قال صاحب الروح فسق ای ذنب عظیم خروج عن طاعة الله تعالیٰ الی معصیته۔ (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں فسق کا معنی مطلب یہ ہے کہ بڑا گناہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر اس کی نافرمانی کی طرف جانا ہے۔)

مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں

ہم نے چند صفحات پہلے لکھا ہے کہ اہلال کا معنی یہ ہے کہ ذبح کے وقت کسی کا نام پکارا جائے، اب سمجھنا چاہیے کہ جس جانور کا کھانا حلال ہو اللہ کا نام لے کر اس کو ذبح کیا جائے اور اس کا ذبح کرنے والا مسلم غیر مُحرِم ہو یا کتابی ہو اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جو جانور حلال ہو لیکن اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے خواہ کوئی مدعی اسلام ذبح کرے خواہ کوئی دوسرا شخص ذبح کرنیوالا ہو، اور خواہ اس پر کسی بت کا نام لیا جائے یا کسی نبی یا ولی یا پیر فقیر کا اور اس کی حرمت نص صریح سے ثابت ہے اور باجماع الامۃ حرام ہے۔ اور یہ جانور میتہ کے حکم میں ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے غیر اللہ کی خوشنودی مقصود ہو اور بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے جیسا کہ قبروں پر اس طرح کے ذبیحے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی وہ جانور حرام ہے اور مذبوحہ میتہ کے حکم میں ہے اس کی حرمت کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے عموم میں داخل ہو جاتا ہے دوسرے اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے ساتھ ملحق ہے۔

درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوه کواحد من العظام یحرم لانه اهل به لغیر الله ولو ذکر اسم الله (درمختار ص ۱۹٦ ج ۵ برحاشیہ شامی)

قبروں پر جو چیزیں لیجاتے ہیں ان کا حکم: اب رہی وہ مٹھائی اور دوسری چیزیں جو لوگ قبروں پر یا تعزیوں پر چڑھاتے ہیں اور اس کی نذریں مانتے ہیں۔ سو یہ ما اُهلّ به لغیر الله کے مفہوم صریح میں داخل نہیں لیکن چونکہ قبروں پر یہ چیزیں لے جانے والوں کا مقصد صرف فقراء کو بانٹنا نہیں ہوتا بلکہ اول صاحب قبر یا تعزیہ کی خوشنودی کیلئے نذریں مانتے ہیں پھر یہ چیزیں وہاں لے جاتے ہیں اس لئے ان کا لینا اور کھانا مجاوروں اور سجادہ نشینوں کو اور ان کے مہمانوں کو اور ہر مسلمان کیلئے حرام ہے۔ صاحب درمختار قبیل باب الاعتکاف تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی ھذہ الاعصار انتھی قال الشامی فی حاشیتہ قولہ مالم یقصد والخ ای بان تکون صیغۃ النذر للہ تعالٰی للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مرادا بہ فقراء ہ کما مر. (جان لو کہ اکثر عوام جو مُردوں کے لئے نذر مانتے ہیں۔اور اسی طرح دراہم بتیاں، تیل وغیرہ جو اولیائے کرام کے مزارات کی طرف ان کے قرب حاصل کرنے کیلئے جائے جاتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔جب تک کہ ان کو فقیر لوگوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کریں۔لوگ اسی میں مبتلاء ہیں خصوصاً آج کے زمانہ میں۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ان کے قول مالم یقصد والخ کا مطلب یہ ہے کہ نذر اللہ تعالٰی کے لئے اسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہو اور بزرگ کے ذکر سے مراد وہاں کے فقیر ہوں جیسا کہ گذر چکا۔)

صاحب بحرالرائق تحریر فرماتے ہیں: وقد قدمنا ان المنذر لا یصح بالمعصیۃ للحدیث لا نذر فی معصیۃ اللہ تعالٰی فقال الشیخ قاسم فی شرح الدر واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد کان یکون لانسان غائب او مریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فیأتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ فیقول یاسیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا اومن الفضۃ کذا أومن الطعام کذا أومن الماء کذا اومن الشمع کذا او من الزیت کذا فھذا النذر باطل بالاجماع لو جوہ منھا انہ نذر مخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا انہ ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالٰی واعتقادہ ذلک کفر اللّٰھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی اورددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب الامام الشافعی او الامام اللیث او اشتری حصیرا لمساجدھم اوزیتا لوقودھا اودراھم لمن یقوم بشعائرھا الٰی غیر ذالک مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر للہ عزوجل (الٰی ان قال) ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ الا ان یکون فقیرا اولہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون فیا خذونہ علی سبیل الصدقۃ المبتدأۃ فأخذہ ایضا مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ تعالٰی وصرفہ الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ فاذا علمت ھذا فما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت وغیرھا وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصد وابصرفھا للفقراء الاحیاء قولا واحدا اھ (یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ گناہ کی نذر صحیح نہیں ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ اللہ تعالٰی کی نافرمانی کے کاموں کی کوئی نذر نہیں ہے۔چنانچہ شیخ قاسم دُرّ کی شرح میں فرماتے ہیں وہ نذر جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کسی انسان کا کوئی (عزیز) غائب ہو یا کوئی مریض ہو، یا اس کی کوئی اہم ضرورت ہو، تو وہ کسی بزرگ کے مزار کے پاس جا کر اپنا ہاتھ تو اس کی قبر کے سر پر رکھتا ہے اور کہتا ہے اے فلاں میرے سردار اور اگر میرا آدمی غائب سے واپس لوٹا دیا گیا یا میرا مریض درست کر دیا گیا یا میری ضرورت پوری کر دی گئی تو اتنا سونا، یا اتنی چاندی یا اتنا کھانا، یا اتنا پانی یا اتنے چراغ یا اتنا تیل دوں گا تو یہ نذر بالاجماع باطل ہے کئی وجوہ سے، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کے لئے منت ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کے لئے عبادت نہیں ہوتی اور ایک وجہ یہ ہے کہ جس کے لئے منت مانی گئی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کی مالک نہیں ہوسکتی اور ایک وجہ یہ ہے کہ اگر اس کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے علاوہ یہ میت بھی ان امور میں متصرف ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔ہاں اگر اس طرح کہے کہ اے اللہ! میں نے تیرے لئے یہ منت مانی ہے کہ اگر تو نے میرے مریض کو شفاء دیدی یا تو نے میرے گمشدہ کو لوٹا دیا یا اگر تو نے میری ضرورت پوری کر دی تو میں ان فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا جو امام شافعیؒ کے دروازے پر ہیں یا امام لیث کے دروازے پر ہیں یا میں ان حضرات کی مساجد کے لئے گارڈر خریدوں گا یا ان کے چراغوں کے لئے تیل خریدوں گا یا جو ان مساجد میں نماز واذان وغیرہ شعائر کی خدمت سرانجام دے گا اسے درہم دوں گا وغیرہ ذلک ایسی تمام صورتیں جن میں کہ فقراء کو نفع ہو اور نذر اللہ تعالٰی کے لئے ہو......اور فرمایا کہ بزرگ کے خادم کے لئے ان کا لینا اور ان کا کھانا اور کسی بھی طرح کا تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ فقیر ہو یا اس کا عیال فقیر ہو جو کمانے سے عاجز ہو حالتِ مجبوری میں ہوں اور اس کو بطور ابتدائی صدقہ کے لے لیں تو بھی ان چیزوں کا لینا ان کے لئے مکروہ ہے جب تک نذر ماننے والا اللہ تعالٰی کے تقرب حاصل کرنے اور فقراء پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرے اور اس بزرگ کے لئے منت کا خیال ختم نہ کر دے، جب یہ تفصیل آپ نے جان لی تو اب جو بھی دراہم، چراغ اور تیل وغیرہ بزرگوں کے مزارات پر ان کے تقرب کے لئے لے جایا جاتا ہے وہ مسلمانوں کے اجماع سے حرام ہے۔ جب تک کہ لے جانے والے وہاں کے زندہ فقراء کے لئے خرچ کرنے کا پختہ ارادہ نہ کر لیں)

نذر لغیر اللہ حرام اور کفر ہے: درمختار اور البحر الرائق کی مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اموات کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اس نذر کی وجہ سے عوام الناس روپیہ پیسہ موم بتی تیل وغیرہ جو اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں تا کہ ان کا تقرب حاصل ہو تو یہ بھی بالاجماع باطل ہے اور حرام ہے۔اسی طرح جو مٹھائی وغیرہ لے جاتے ہیں تا کہ قبروں پر چڑھائیں

اور قبروالوں کا تقرب حاصل کریں یہ مٹھائی بھی حرام ہے۔ اس مٹھائی کا لینا اور کھانا اسی طرح سے نقدی اور تیل وغیرہ اور وہ چادر جو قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں ان سب کا لینا اور خرچ کرنا اور کھانا اور کھلانا سب حرام ہیں جس میں قبروں کے خدام سجادہ نشین اور ان کے پاس قیام کرنے والے اور آنے جانیوالے مہمان سب مبتلا ہیں ہاں اگر کسی نے یوں نذر مانی کہ اے اللہ! میرا فلاں کام ہو جائے تو فلاں بزرگ کے پاس جو فقراء ہوں ان کو اتنے پیسے دوں گا یا فلاں مسجد میں تیل دوں گا اور اس نذر کے مطابق عمل کرلیا تو ان چیزوں کا خرچ کرنا اور لینا جائز ہے لیکن مالداروں کو ان کا لینا اور خرچ کرنا پھر بھی حلال نہ ہوگا۔ نذر لغیر اللہ کی صورت میں جو چیزیں قبروں پر لے کر گئے پھر اس سے توبہ کرلی اور اس مال کو فقراء پر خرچ کردیا تو فقراء کو اس کا لینا جائز ہوگا۔

نذر لغیر اللہ کفر ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ اموات اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں اور اس تصرف میں مختار ہیں اور بغیر اذن اللہ تصرف کرتے ہیں یہ بھی کفر ہے اور جو جانور غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے چونکہ اس کے ذبح سے تقرب لغیر اللہ مقصود ہے اس لئے یہ بھی کفر ہے ہاں! اگر کوئی جانور مہمانوں کے کھلانے کیلئے ذبح کیا جائے اور خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو وہ حلال ہے جیسے ولیمہ اور عقیقہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
آج کافر تمہارے دین سے نا امید ہو گئے سو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے پورا کر دیا تمہارا دین
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ
اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر اختیار کرنے کے لئے پسند کرلیا سو جو کوئی شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
سو یقیناً اللہ غفور رحیم ہے

کافروں کی نا اُمیدی اور دین اسلام کا کمال

تفسیر: یہ بھی آیت بالا کا ایک حصہ ہے۔ مَیْتَة وغیرہ کی حُرمت بیان فرمانے کے بعد بطور جملہ معترضہ ارشاد فرمایا کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے نا امید ہو گئے سو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا' اس کے بعد پھر مضمون متعلقہ حیوانات بیان فرمایا اور بھوک کی مجبوری میں ان میں سے کچھ کھانے کی اجازت فرمادی۔

آیت بالا حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی رسول ﷺ اور آپ کے صحابہؓ جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اُس وقت عرفات میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوا یہ ذوالحجہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ حج کا احرام، میدان عرفات جبل رحمت کا قُرب جمعہ کا دن ایسے متبرک زمان، مکان اور حال میں اس آیت کا نزول ہوا۔ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے اُسے دیکھ کر اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد مُسلمان ہو گئے مختلف قبائل جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف سے وفود کی صورت میں آتے رہے، اور مسلمان ہوتے رہے۔

یہ وفود اپنے قوموں کے نمائندے بن کر آتے تھے اور پھر اسلام کے نمائندے بن کر جاتے تھے۔ جزیرہ عرب میں جو اہل شرک اور اہل کفر کی مخالفت تھی وہ ختم ہو گئی۔ یہ کافروں نے سمجھ رکھا تھا کہ دین اسلام کو دَبا دیں گے۔ صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے جس کے لئے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور بہت سی تدبیریں کیں جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے لوگوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام بنایا۔ الحمد للہ ان کے یہ ارادے خاک میں مل گئے اور ساری تدبیریں ملیامیٹ ہو گئیں اور اب وہ اس سے نا امید ہو گئے کہ دین اسلام کو ختم کریں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے نا امید ہو گئے اب انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ کا جو وعدہ تھا کہ دین اسلام کو غالب کرے گا وہ اس نے پورا فرما دیا اور کافروں نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے غلبہ عطا فرما دیا تو کافروں سے جو ظاہری ڈر تھا وہ ختم ہوا اب تو بس ظاہراً و باطناً اللہ ہی سے ڈرنا ہے اُسی کی فرمانبرداری کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو اسکو فرمایا فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (پس تم اُن سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو)

دین اسلام کا کامل ہونا: اس کے بعد فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک جو بھی انبیاء و رُسل علیہم السلام تشریف لائے اور جو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ان میں جو احکام اور مسائل نازل ہوتے رہے آج ان سب کی تکمیل کر دی گئی۔ احکام کی بھی تکمیل ہو گئی اور اخلاق کی بھی، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بعثنی لتمام مكارم الاخلاق و كمال محاسن الافعال (اللہ نے مجھے برگزیدہ اخلاق اور اچھے افعال کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے) (رواہ فی شرح السنۃ کمافی المشکوٰۃ ص ۵۱۴)

اس سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بعض منسوخ بھی ہوئے جن کے عوض ان سے بہتر یا انہی جیسے احکام نازل فرما دیئے گئے اب دین کامل ہے کوئی حکم اب منسوخ نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ یہ (نزول

احکام) کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام کے متعلق نازل نہیں ہوئی جو چند آیات اس کے بعد نازل ہوئیں وہ ترغیب وترہیب کے متعلق تھیں اس پر بعض مفسرین نے آیت کلالہ سے متعلق اشکال پیش کیا ہے کہ بعض حضرات نے اُسے آخری آیت بتایا ہے لیکن اگر اُسے آخری آیت ر______ بحیثیت احکام کے مان لیا جائے تب بھی اس اعتبار سے..... اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ اس میں نسخ واقع نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے: دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اجتماعی اور انفرادی اعمال واحوال سب کے بارے میں احکام موجود ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کیا کیا ہیں عزیز و اقارب آپس میں مل کر کس طرح رہیں۔ میاں بیوی دونوں مل کر کس طرح زندگی گزاریں' اولاد کی پرورش کن اصولوں پر اور کس طرح کی جائے پڑوسی کے ساتھ کیسے برتاؤ ہو۔ مہمان اور میزبان کس طرح ایک دوسرے کا خیال رکھیں دشمنوں سے صلح اور جنگ کیسے ہو' معاہدہ کس طرح ہو مردوں اور عورتوں کا لباس کیسا ہو' کھانے پینے اور پہننے میں کن امور کی رعایت رکھی جائے۔ بیع وشرا کے احکام رہن واجارہ کے احکام اور اُن کی تفصیلات۔ حدود وقصاص جاری کرنے کے احکام خلیفہ اور امیر کی ذمہ داریاں۔ عوام الناس کا اُمراء اور خلفاء کے ساتھ سلوک' اور اسی طرح سینکڑوں عنوانات کے جوابات شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ اسلام صرف عبادات ہی کا مجموعہ نہیں اعتقادیات' عبادات' معاملات' اخلاق وآداب۔۔۔ یہ سب اسلام میں موجود ہیں اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین ایسا نہیں ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو۔ بجز چند تصورات اور خیالات کے دوسرے ادیان میں کچھ بھی نہیں۔ اگر اسلام میں کسی آنکھیں بند کرنے والے کو کچھ بھی نظر نہ آئے تو یہ دین کا جامع اور کامل ہونا ہی ایک منصف مزاج سمجھدار انسان کے لئے اسلام کے دین حق ہونے کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

اس اعتبار سے انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین بھی کامل تھا کہ اسکو اختیار کرنے پر ان کے اپنے اپنے زمانے میں آخرت کی نجات کا مدار تھا اور اسکو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کافی تھا۔ سیدنا محمد ﷺ جو دین لائے وہ تمام انسانوں تمام جہانوں اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے اور کوئی دین اس کے بعد آنے والا نہیں جو اسکو منسوخ کردے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے احکام پر حاوی ہے دنیا کتنی بھی ترقی کر جائے اور کیسے ہی حوادث ونوازل کا ظہور ہو جائے اُن سب کا حکم شرعی موجود ہے اور مدار نجات تو بہر حال ہے ہی' ان سب وجوہ سے اس کو کامل فرمایا۔

اتمام نعمت: پھر فرمایا وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ (اور پوری کردی میں نے تم پر اپنی نعمت) صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۶۰ لکھتے ہیں کہ مخاطبین پر نعمت کا پورا فرمانا اس طرح ہُوا کہ اُن کے لئے مکہ معظمہ فتح ہوا اور وہ مکہ معظمہ میں امن وامان کے ساتھ غلبہ اسلام کے ساتھ داخل ہوئے اور جاہلیت کی چیزیں ختم کردی گئیں اور مشرکین کو حج کرنے سے روک دیا گیا۔

اتمام نعمت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی لئے مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت پوری فرمادی اور اس کے اسباب مکمل فرمادیئے اور بعض حضرات نے فرمایا اتمام نعمت سے اکمال دین ہی مُراد ہے (گویا پہلے جملے کی تاکید ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو جو علم وحکمت سے نوازا جو اور کسی کو عطا نہیں فرمایا اتمام نعمت سے وہ مراد ہے۔ صاحب معالم التنزیل اسکی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا فرمادیا جو وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ میں فرمایا تھا۔ ج۲ص۱۱

دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے: پھر فرمایا وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔ دین اسلام ہی امن وامان اور آخرت کی نجات کا ضامن ہے جس کا دین اسلام نہ ہوگا وہ اصحابِ نار میں سے ہوگا یعنی اس کے لئے ہمیشہ ہمیش دوزخ ہی ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں کوئی کیسی ہی عبادتیں اور۔۔ ریاضتیں کرے تارک دُنیا ہو راہب ہو وہ دوزخی ہی ہوگا اگر دین اسلام قبول کئے بغیر مرگیا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول ﷺ نے کہ (قیامت کے دن اعمال آئیں گے) نماز آئے گی وہ کہے گی کہ اے رب! میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے پھر صدقہ آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! میں صدقہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تو خیر پر ہے۔ پھر روزے آئیں گے وہ کہیں گے کہ اے رب! ہم صیام ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو خیر پر ہے۔ پھر دوسرے اعمال اسی طرح آتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم خیر پر ہو پھر اسلام آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! آپ سلام ہیں میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو خیر پر ہے۔ تیری ہی وجہ سے میں آج مواخذہ کروں (جس نے تجھے قبول نہ کیا تھا وہ خیر سے محروم ہوگا اور عذاب میں جائے گا) اور تیری وجہ سے عطا کروں گا۔ (آج جو انعامات ملنے ہیں تیری وجہ سے ملیں گے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کا طلب گار ہوگا۔ تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۵)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو تین خصوصی انعام عطا فرمائے (۱) اکمالِ دین (۲) اتمام نعمت (۳) نعمت اسلام۔ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور جس کے بغیر کسی کے لئے آخرت میں کسی نعمت کا کوئی حصہ نہیں۔ امت محمدیہ افضل الامم ہے اس کا نبی (ﷺ) افضل الانبیاء ہے اس کے پاس افضل الکتب ہے۔ اس کا دین اکمل

الادیان ہے، جو رہتی دنیا تک کے لئے ہے اس میں جامعیت ہے اور نسخ تبدیل نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اے امیر المومنین! تمہاری کتاب میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر ہم پر یعنی یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کونسی آیت ہے اس شخص نے کہا وہ آیت یہ ہے اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ دن اور وہ جگہ جس میں یہ آیت نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی آپ عرفات میں وقوف کئے ہوئے تھے (اور) جمعہ کا دن تھا۔ (صحیح بخاری ص ۱۱ ج ۱) فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۵ میں طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نزلت یوم جمعۃ ویوم عرفۃ وکلاھما باللہ لنا عید (کہ یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کے روز نازل ہوئی اور الحمدللہ یہ دونوں ہمارے لئے عید ہیں) سنن ترمذی میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اور اس کے بعد دوسرا واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اُس دن کو عید منا لیتے جس دن اس کا نزول ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے دن نازل ہوئی ہے جس دن میں ہمارے لئے دو عیدیں ہیں یہ یوم جمعہ تھا اور یوم عرفہ تھا (قال الترمذی حدیث حسنٌ)

حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کوئی نئی عید منانے کی ضرورت نہیں۔ جس دن یہ آیت نازل ہوئی وہ ہمارے لئے پہلے ہی سے عید کا دن تھا۔ ایک نہیں اس دن ہماری دو عیدیں تھیں اُن میں سے ایک عید تو ہر ہفتہ ہوتی ہے یعنی جمعہ کے دن اور دوسری عید ہر سال حج کے موقعہ پر حجاج کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ ہمیں عید میں لعب ولہو نہیں ہے یہ ہماری عید اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت اور اُس کے ذکر کی مشغولیت ہے چنانچہ ہم ہمیشہ وہ عید مناتے ہیں جو ہمارے لئے رب العزت ذوالجلال کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست: جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور انہوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ اب نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف نہیں رکھیں گے چونکہ جس مقصد کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ حقیقت میں انہوں نے ٹھیک سمجھا اور نزول آیت کے اکیاسی دن کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی۔

(من روح المعانی ومعالم التنزیل)

مجبوری میں حرام چیز کھانا: آخر میں فرمایا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سو جو شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سو یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے)

اوپر جو حرام جانور کی تفصیل مذکور ہوئی ان کے بارے میں اب یہاں ارشاد ہے کہ جو شخص سخت بھوک سے ایسا مجبور ہو کہ

جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھالے کہ جس سے جان بچ جائے اور صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ مجبوری کو گناہگاری کا ذریعہ نہ بنائے یعنی اس سے زیادہ نہ کھائے جتنی کہ اس وقت حاجت ہے اسکو یہاں غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ سے تعبیر فرمایا اور سوہ بقرہ (ع ۲۱) اور سورہ نحل (ع ۱۵) میں غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ سے تعبیر فرمایا کہ حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو اور لذّت کا طالب نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب اور سور کھالے اور حرام گوشت کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر جان بچانے والی ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

آخر میں جو یہ فرمایا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جان بچانے کے لئے جو تھوڑا سا کھانے کی اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرما دے گا یوں کہیں گے کہ اس موقعہ پر ذرا سا کھانا حلال ہو گیا البتہ حرام اپنی جگہ حرام ہی ہے اس کے بارے میں مزید تنبیہ اور توضیح سورہ بقرہ کی آیت فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ
وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے جو اُن کے لئے حلال کیا گیا ہے؟ آپ فرما دیجئے حلال کی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور جن شکاری جانوروں کو تم نے تعلیم دی
مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اس حال میں کہ تم ان کو سدھانے والے ہو اُن کو سکھاتے ہو اُس طریقہ سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا سو اس میں سے کھالو جو انہوں نے تمہارے لئے روک لیا اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ
سَرِیْعُ الْحِسَابِ ④
جلد حساب لینے والا ہے۔''

پاکیزہ چیزوں اور جوارح معلّمہ کے شکار کی حِلّت

تفسیر: اس آیت میں اول تو یہ بتایا کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔

پاکیزہ چیزیں اور خبیث چیزیں کیا ہیں؟ صاحب روح المعانی الطیبات کا مطلب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای مالم تستخبثه الطباع السلیم ولم تنفر عنه یعنی پاکیزہ چیزیں وہ ہیں جن کو طبائع سلیمہ خبیث نہیں سمجھتیں اور جن سے نفرت نہیں کرتیں۔ اس کے عموم میں ہر پاکیزہ چیز کا حلال ہونا اور ہر خبیث چیز کا حرام ہونا داخل ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس کی طبیعت پاکیزہ ہو گی۔ وہی پاکیزہ چیزوں میں رغبت کرے گا اور خبیث چیزوں سے اُسے نفرت ہو گی۔ بہت سے مُلکوں میں ایسے انسان بستے ہیں جو ہر چیز کو کھا جاتے ہیں خنزیر کھانے والے تو معلوم ہی ہیں اُسے عموماً نصرانی

لوگ کھاتے ہیں لیکن بندر، کتا، سانپ، گرگٹ، چھپکلی اور ہر طرح کے کیڑے مکوڑے کھانے والے لوگ کروڑوں کی تعداد میں مشرقی ایشیا کے مُلکوں میں موجود ہیں چونکہ ان لوگوں کے طبائع سلیمہ اور طیبہ نہیں ہیں اسلئے ان کی طبعی رغبت اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں وہ طیّب ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے محروم ہونے کی وجہ سے کُفر میں بھی غرق ہیں اور ان کی روحوں پر تہہ بہ تہہ ظلمت اور گندگی چڑھ گئی ہے اسلئے ہر جانور کھانے کے لیئے تیار ہیں۔

طیبات کی تخصیص سے تمام ناپاکیوں اور غلاظتوں کے کھانے کی حُرمت بھی معلوم ہوگئی۔ حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کھانا بھی حرام ہیں کیونکہ طبائع سلیمہ کے نزدیک یہ طیبات سے خارج ہیں۔ پاکیزہ طبیعتیں ان سے نفرت کرتی ہیں۔

حلال اور حرام کی تفصیل: حلال جانوروں کی تفصیل تو عموماً سب ہی کو معلوم ہی ہے گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکرا، بکری، بھیڑ، بھیڑا، دُنبہ، دُنبی پالتوں جانوروں میں اور ہرن نیل گائے خرگوش جنگلی جانوروں میں حلال ہیں اور پرندوں میں کبوتر، فاختہ، مُرغی، بطخ، بُلبل، مور، تیتر، بٹیر، مرغابی، چڑیا، طوطا، مینا بھی حلال ہیں اور جو شکار کرکے کھاتا ہو ناخنوں والا ہو یا پروں والا اس کا کھانا حرام ہے۔

غذا کھانے والے کے اخلاق پر غذا کا اثر پڑتا ہے، پھاڑ چیر کر کھانے والے جانوروں کو کھایا جائے تو انسان میں بھی اسی طرح کے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے کھانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر ایسے جانور کے کھانے سے منع فرمایا جو اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھاتا ہے (جیسے شیر۔ بھیڑیا۔ چیتا۔ بلی۔ کتا وغیرہ) اور ہر ایسے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا جو پنجے والا ہو۔ یعنی پنجے سے دوسرے جانور کو شکار کرکے کھاتا ہو (رواہ مُسلم) گِدھ، چیل مُردار کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں اور شکرہ۔ باز جو دوسرے پرندوں کو شکار کر کے کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ حضرت خزیمہ بن جزء ؓ نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے بجو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا بجو کو بھی کوئی کھائے گا اور آپ سے بھیڑیئے کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھیڑیئے ایسا شخص کھائے گا جس میں کوئی خیر ہو؟ یہ سُنن ترمذی کی روایت ہے اور سُنن ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس میں بجو کی جگہ لومڑی کا ذکر ہے۔ سُنن ابوداوٗد میں ہے کہ رسول ﷺ کے پاس بیٹھنے والوں نے قُنفذ۔ (یعنی سیہ) کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا خبیثۃ من الخبائث کہ یہ خبیث چیزوں میں سے ایک خبیث ہے۔ خیبر کی جنگ کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے کھانے سے بھی منع فرما دیا (بُخاری و مسلم) اور چونکہ خچر گھوڑے اور گدھے کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

علامہ دمیری کتاب الحیوان ج ۲ ص ۲۴۶ میں علامہ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ میرے علم میں علماء مسلمین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بندر کا گوشت نہ کھایا جائے اور کتا اور ہاتھی اور دوسرے نوکیلے دانتوں والے جانور سب کا

ایک ہی حکم ہے (یعنی ان کا کھانا حلال نہیں) پھر لکھتے ہیں کہ بندر اور اُس جیسی چیزوں کے کھانے کی حُرمت کے لئے مُستقل نہی کی ضرورت نہیں کیونکہ ذاتی طور پر وہ ایسی چیز ہے جس سے طبیعتیں بچتی ہیں۔ پھر حضرت شعبی (تابعی) سے ایک حدیث مرسلاً نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بندر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

شکاری جانوروں کے احکام: اس کے بعد شکاری کا ذکر فرمایا جو شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا جائے۔ عام طور سے کتوں کو سکھانے اور سدھانے کا رواج ہے ان کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے۔ کُتے پر منحصر نہیں ہے اگر کسی دوسرے جانور کو سدھالیا اور اس کے ذریعہ شکار کیا جائے تو شرائط کے ساتھ اس کا کھانا بھی حلال ہے۔ جانور کا سدھانا یہ ہے کہ اس کو اس بات کی تربیت دی جائے کہ جب اُسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ اُسے پکڑ کر لے آئے یا قتل کر دے لیکن اس میں سے خود نہ کھائے اگر کسی جانور کو سدھایا اور تربیت دی اور اس نے تین مرتبہ ایسا کیا کہ شکار کو مارا اور اس میں سے نہ کھایا تو یہ جانور تربیت یافتہ کہلائے گا اگر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر اس کو کسی ایسے جانور پر چھوڑا جس کا کھانا حلال ہے اور وہ اس جانور کو زندہ پکڑ کر لے آیا تو شکاری آدمی بسم اللہ پڑھ کر اپنے اختیار سے خود ذبح کرے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر شکاری جانور نے اسکو زخمی کر دیا پھر وہ مر گیا تو وہ بھی حلال ہے۔ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کتے کو جو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا اس کے زخمی کرنے کے بعد مر جانے ہی سے اس جانور کا کھانا حلال ہو گیا۔ اگر جانور تربیت یافتہ نہ ہو یا اُسے بسم اللہ پڑھ کر نہ چھوڑا جائے اور وہ زخمی کر دے جس سے وہ جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ ہاں اگر کسی جانور کو کتے یا شیر نے پکڑ لیا اور وہ ابھی زندہ ہے تو اسکو ذبح کر کے کھالینا جائز ہے اس کا ذکر وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے ذیل میں آچکا ہے اگر سدھائے ہوئے شکاری کُتّے کو کسی جانور پر چھوڑا اور اس نے اُسے گلا گھونٹ کر مار دیا اور کسی جگہ سے زخمی نہ کیا تو اُس جانور کا کھانا حلال نہیں اگرچہ شکاری کُتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا۔ آیت شریفہ میں شکاری جانور کو سدھانے اور تعلیم دینے کی شرط وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ سے معلوم ہوئی اور بسم اللہ کی شرط وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ سے معلوم ہوئی اور زخمی کرنے کی شرط لفظ الجوارح سے مفہوم ہوئی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے پھر وہ اگر شکار کو پکڑے اور تو اُسے زندہ پالے تو ذبح کر لینا۔ اور اگر تو نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ اُسے قتل کر چکا ہے اور اُس میں سے اُس نے نہیں کھایا تو اس کو کھالینا اور اگر کُتے نے اس میں سے کھالیا تو اس میں سے نہ کھانا کیوں کہ اُس نے وہ اپنے لئے روک کر رکھا ہے (جس سے معلوم ہوا کہ وہ کتا مُعَلَّم نہیں ہے) اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پالے اور جس جانور پر حملہ کیا ہے وہ مقتول ہو چکا ہے تو اس میں سے مت کھانا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ دونوں کتوں میں سے کس نے قتل کیا۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۴۶)

شکاری جانوروں کا سدھانا اور تعلیم دینا جو اوپر بتایا گیا (کہ وہ شکار کو پکڑ لیں اور خود نہ کھائیں) یہ اُن جانوروں سے متعلق ہے جو چوپائے ہیں کتا، شیر چیتا وغیرہ۔

شکاری پرندہ کی تعلیم: لیکن اگر کسی شکاری پرندہ کو سدھایا جائے تو اس کا تعلیم دینا اور سدھانا یہ ہے کہ جب اُسے شکار پر چھوڑنے کے بعد بُلایا جائے تو وہ آ جائے جب تین مرتبہ ایسا ہو جائے تو اسکو مُعَلَّم (یعنی تعلیم دیا ہوا) مانا جائے گا۔ اور پھر اس کے شکار کا وہی حکم ہے جو شکاری کتے کے شکار کا حکم ہے۔ یعنی سدھائے ہوئے شکاری پرندہ باز، شکرہ وغیرہ کو اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی جانور پر چھوڑا پھر وہ زندہ پکڑ کر لے آیا تو ذبح کر دینے سے حلال ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا وہ بھی حلال ہو گیا اور اگر زخمی نہ کیا۔ بغیر زخم کے مار دیا تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ البتہ کتے اور باز میں یہ فرق ہے کہ کتے نے اگر اس میں سے کھا لیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں مُعَلَّم نہ رہا۔ اور اگر باز نے کھا لیا تو وہ تب بھی حلال رہے گا کیونکہ شکار میں سے نہ کھانا پرندہ کی تعلیم میں مشروط نہیں، اس کی تعلیم یہ ہے کہ اسکو بُلایا جائے تو آ جائے۔

پرندہ شکار سے متعلقہ احکام: اگر بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر کسی حلال جانور کو تیر مارا اور اُسے زندہ پالیا تو اس کے حلال ہونے کے لئے ذبح اختیاری ضروری ہے اور اگر تیر مارنے سے وہ جانور زخمی ہو گیا تھا اور زخمی ہو کر مر گیا تو اس کا کھانا بغیر ذبح کئے حلال ہے۔

مسئلہ: اگر کسی پرندہ کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا پھر وہ پانی میں گر گیا یا کسی مکان کی چھت پر گرا پھر وہاں سے تڑپ کر زمین پر گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ متردیہ کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: شکار حلال ہونے کی جو صورتیں بیان ہوئی ہیں اس میں یہ شرط ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور یا شکاری پرندہ شکار پر چھوڑا ہو یا بسم اللّٰہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔ لیکن اگر بسم اللّٰہ پڑھنا بھول گیا ہو تب بھی شرائط مذکورہ کے ساتھ اُس کا کھانا حلال ہے۔

مسئلہ: ان مسائل میں جو مُسلمان کے شکار کا حکم ہے وہی کتابی یعنی یہودی و نصرانی کے شکار کا حکم ہے۔

مسئلہ: بُت پرست، آتش پرست، مُرتد اور ہر وہ کافر جو یہودی یا نصرانی نہیں ہے اُن کا شکار کیا ہوا جانور حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ پر شکار کیا ہو۔

مسئلہ: جن جانوروں کا کھانا حلال نہیں ان کا شکار کرنا جائز ہے اُن کی کھال دباغت کر کے کام میں لائی جا سکتی ہے۔

آخر میں فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَاب (کہ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے) جیسے

دیگر آیات میں احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ سے ڈرنے اور آخرت کا فکر مند ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے یہاں بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور اصول شریعت کے مطابق حلال نہ ہو اُسے نہ کھائیں اور شکار کرنے میں جو انہماک ہو جاتا ہے جس سے نماز تک چلی جاتی ہے اور حقوق العباد تلف ہو جاتے ہیں' شکار کا ایسا کھیل نہ کھیلیں' جو لوگ شکاری ہیں وہ جانتے ہیں کہ عموماً شکاری حدود شرعیہ کے پابند نہیں رہتے شکار کے پیچھے لگے تو سب کچھ بھول گئے۔

سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت دل ہو گیا۔ اور جو شخص بادشاہ کے پاس گیا وہ فتنہ میں پڑا' اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا۔ (صدق رسول اللہ ﷺ)

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۚ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ
آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اُن کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے
مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
اور پاک دامن عورتیں جو مسلمان ہیں اور وہ پاک دامن عورتیں جو اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ
تم اُن کو اُن کے مہر دیدو اس طریقہ پر کہ تم پاک دامنی اختیار کرنے والے ہو، خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے نہ ہو۔ اور جو کوئی شخص ایمان کا انکار کر دے تو اس کے اعمال
فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
اکارت ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

اہل کتاب کا کھانا حلال ہے

تفسیر: اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے۔ اوّل تو پاکیزہ چیزوں کے حلال کئے جانے کا دوبارہ تذکرہ فرمایا اور لفظ الیوم کا اضافہ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ طیبات جو پہلے حلال تھیں اب بھی حلال ہیں اُن میں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی اُن کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے' جن لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اُن سے یہود و نصاریٰ مُراد ہیں اور اُن کے کھانے کی چیزوں سے ان کا ذبیحہ مراد ہے۔ یہود و نصاریٰ اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی ایسے جانور کو ذبح کریں جس کا کھانا اسلام میں حلال ہے اور پھر اس گوشت میں سے مسلمانوں کو کھلائیں تو مسلمان کو اس میں سے کھانا حلال ہے آیت شریفہ میں جو وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ فرمایا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مُراد ہے مطلق کھانا مُراد نہیں کیونکہ روٹی سبزی پھل چاول اور دوسری چیزیں ہر کافر مشرک کی دی ہوئی اور بیچی ہوئی

حلال ہیں اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں' اہل کتاب کا ذبیحہ اسی لئے حلال قرار دیا کہ مسلمانوں کی طرح ان کے نزدیک بھی اس جانور کا کھانا حلال نہیں ہے جو ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اور جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اگر اہل کتاب قصداً وارادۃً کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھیں تو اس کا کھانا مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے' سورۃ انعام میں فرمایا ہے وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (اور ان جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بڑا گناہ ہے)

اس آیت کے عموم سے ہر اُس جانور کے کھانے کی حُرمت معلوم ہوگئی جس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی ہاں! اگر مسلم یا کتابی ذبح کرتے وقت بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس جانور کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس جانور کا کھانا حلال ہو' مسلم اور یہودی اور نصرانی کے علاوہ کسی کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگر چہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

مصنف عبدالرزاق (ص ۴۸۱ ج ۴) میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے ان فی المسلم اسم اللہ فان ذبح ونسی اسم اللہ فلیاکل وان ذبح المجوسیُّ وذکر اسم اللہ فلا تاکلہٗ (مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس لئے اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول گیا تو وہ کھائے اور کوئی مجوسی اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کرے تو اسے نہ کھاؤ) اس میں صاف بتا دیا کہ اگر مجوسی اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تب بھی اس کا ذبح حلال نہیں ہے۔ مجوسی (آتش پرست) اور بت پرست بدھ مت وغیرہ کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ یہ لوگ کتابی نہیں ہیں بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں بھی غور کر لینا چاہئے جو یہودی نصرانی اپنے اس دین پر ہیں جو ان کا دین نزول قرآن کے وقت تھا ان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اللہ کا نام لے کے ذبح کریں لیکن جو لوگ محض مردم شماری کے لحاظ سے یہودی اور نصرانی کہلاتے ہیں لیکن کسی مذہب کے قائل نہیں نہ خدا تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں نہ توریت' انجیل کو خدا تعالیٰ کی کتابیں مانتے ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگر چہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ' نے نصاریٰ بنی تغلب کے بارے میں فرمایا لا تاکلوا من ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا من النصرانیة بشئی الاشو بھم الخمر (یعنی بنی تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔ کیونکہ انہوں نے دین نصرانیت میں سے شراب پینے کے سوا کسی چیز کو نہیں پکڑا)

مسئلہ: مرتد (جو اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے دین میں داخل ہو جائے) اس کا ذبیحہ حلال نہیں اگر چہ نصرانی یا یہودی ہو گیا ہو۔

مسئلہ: جو لوگ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانتے ہیں ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

مسئلہ: جو لوگ نام کے مسلمان ہیں عقیدۃً ملحد اور زندیق ہیں ضروریات دین کے منکر ہیں یا دین کی کسی چیز کا مذاق اُڑاتے ہیں قرآن کی کسی آیت میں تحریف کرتے ہیں یا تحریف کے قائل ہیں یہ لوگ بھی کافر ہیں ان میں سے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

جس جانور پر ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا حلال نہیں

یہود و نصاریٰ اگر قصداً و ارادۃً اللہ کا نام ذکر کیئے بغیر جانور ذبح کر دیں تو اس جانور کا کھانا مُسلمان کے لئے حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کے اس ذبیحہ کا بھی یہی حکم ہے جس کے ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا ہو۔ اور اگر غیر اللہ کا نام ذکر کر کے کسی جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں۔

نئے مجتہدین کی گمراہی: بعض لوگوں نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ خود جو کچھ کھاتے ہوں اُس سب کا کھانا مسلمانوں کے لئے حلال ہے خواہ انہوں نے ذبح کیا ہو یا بلا ذبح کے مار دیا ہو خواہ بسم اللہ پڑھی ہو خواہ نہ پڑھی ہو۔ یہ ان مجتہدین کی گمراہی ہے یورپ امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں ایسے گوشت ملتے ہیں جن کے بارے میں یقین ہوتا ہے کہ ان پر نصرانیوں نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی پھر بھی وہاں کے رہنے والے یہ کہہ کر کھا جاتے ہیں کہ یہ نصرانیوں کا کھانا ہے اسلیئے ہمارے لئے حلال ہے یہ ان کی جہالت اور ضلالت ہے۔ یہ ان لوگوں کی بڑی ناسمجھی ہے کہ میتۃ موقوذہ نطیحہ متردیہ اس صورت میں مسلمان کے لئے حرام ہو جب اس کے گھر میں مر جائے اور نصرانی یا یہودی کے ہاتھ سے مر جائے تو حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ جاہل مُفتیوں سے اُمت کو محفوظ رکھے۔ اگر اہل کتاب کا ہر کھانا بغیر کسی شرط یا بغیر کسی قید حلال مان لیا جائے تو خنزیر اور ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو وہ کھاتے ہیں العیاذ باللہ! یہ جو فرمایا وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنین اگر اپنا کھانا اہل کتاب کو کھلائیں تو یہ درست ہے ان کو اپنا کھانا کھلا سکتے ہیں۔

پاکدامن مؤمنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا: اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ یعنی پاک دامن مومن عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں اُن سے نکاح کرنا درست ہے اس کے بعد فرمایا وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں جو پاکدامن عورتیں ہیں وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں ان سے بھی نکاح کر سکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ مسلمان کو پاک دامن یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اجازت تو ہے لیکن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت ہی میں اس سے روک دیا تھا۔ امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تھا حضرت عمرؓ کو خبر ملی تو انہوں نے خط لکھا کہ اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط ملا تو انہوں نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ اے امیر المومنین! کیا یہودیہ سے نکاح کرنا حرام ہے حضرت عمر نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں مضبوطی کے ساتھ پختہ طور پر حکم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط پڑھ کر اس وقت تک نیچے نہ

رکھنا جب تک کہ تم اس عورت کو چھوڑ نہ دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہارا اقتداء کر لیں گے اور اس طرح سے ذمی عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان میں حسن و جمال ہے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے اور یہ مسلمان عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ روایت ختم کرنے کے بعد امام محمد لکھتے ہیں۔ وبہ نا خذ لانراہ حراما ولکنا نریٰ ان یختار علیھن نساء المسلمین وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ (یعنی حضرت عمرؓ نے جو فرمایا ہمارا بھی وہی مذہب ہے ہم اس کو حرام تو نہیں قرار دیتے لیکن اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے نکاح کیا جائے اور انہیں یہودی اور نصرانی عورتوں پر ترجیح دی جائے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے)

حضرت عمرؓ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو چونکہ ان میں حسن و جمال نظر آتا ہے (اگرچہ حسین و جمیل نہ ہوں) اسلئے عموماً لوگ انہی کی طرف مائل ہونگے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں بے بیاہی رہ جائیں گی ان کا یہ اندیشہ بالکل صحیح تھا آج امریکہ اور یورپ اور آسٹریلیا وغیرہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔

احقر سے ایک امام صاحب کی ملاقات ہوئی جو کینیڈا میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسلمان لڑکے میرے پاس نکاح پڑھوانے کے لئے آتے ہیں اور سو میں سے تقریباً نوے نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ نصرانی لڑکیوں ہی کو نکاح پڑھوانے کے لئے لے آتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اس سے بڑھ کر آجکل ایک بڑا فتنہ اور ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ اپنے مذہب کے پھیلانے کے لئے جو طریقے سوچتے رہتے ہیں ان میں جہاں مال تقسیم کرنا ہے اور ہسپتال بنانا ہے اور اسکول اور کالج کھولنا ہے وہاں ان کے مشن میں یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں کو لڑکیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمان لڑکے یہ کہہ کر کہ ہمارے مذہب میں یہود و نصاریٰ سے نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر لیتے ہیں یہ لڑکیاں چونکہ سکھائی پڑھائی ہوتی ہیں اور نکاح کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو اور پیدا ہونے والی اولاد کو نصرانیت پر ڈال دیں اسلئے وہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شوہر اور اولاد کو نصرانی بنا کر چھوڑتی ہیں ان حالات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے نکاح کے لئے مسلمان عورتیں تلاش کریں اور ان کو ترجیح دیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی حلال کی ہوئی چیز سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ امت کی مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے وہ خلفاء راشدین میں سے تھے جن کا اقتداء کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔

پھر فرمایا اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ (یعنی پاک دامن عورتیں اور پاک دامن کتابی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر انکو دیدو) معلوم ہوا کہ کتابی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے بھی مہر مقرر کئے جائیں۔ اور ادا بھی کئے جائیں۔

اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی اہمیت اسلئے بھی ہے کہ جو یہود و نصاریٰ ذمّی ہیں یعنی مسلمانوں کی عمل داری میں رہتے ہیں اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے مہر ادا کرنے کی بھی فکر کی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دباؤ میں رہنے کی وجہ سے مہر طلب نہ کریں اس لئے مقررہ مہر کی ادائیگی کی خود فکر کرو۔

پھر فرمایا غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ یعنی تم نکاح کر کے پاک دامنی اختیار کرو نہ کھلم کھلا زنا کرنے والے بنو نہ خفیہ طریقے پر دوستی کرنیوالے بنو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کو غیر شرعی طریقہ پر پورا نہ کرو۔ نہ کھلے ہوئے زانی بنو اور نہ چھپ چھپا کر عورتوں سے دوستی اور آشنائی پیدا کرو۔ کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کا جواز بتانے کے بعد خاص طور سے اس بات کا ذکر فرما دینا کہ علانیہ یا خفیہ زنا نہ کرو اس بات پر تنبیہ ہے کہ ذمّی عورتیں خفیہ آشنائی کی راہیں نکال سکتی ہیں تم ہر طرح کے زنا سے بچو اعلانیہ بھی زنا نہ کرو اور خفیہ بھی۔ اللہ جلّ شانہٗ علام الغیوب ہے اسے ہمیشہ سے سب کچھ معلوم ہے آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے اسے اس سب کا علم ہے۔

دور حاضر میں یورپ اور امریکہ وغیرہ میں جو مردوں اور عورتوں میں دوستی کا سلسلہ چلا ہوا ہے کہ آپس میں فرینڈز بن جاتے ہیں اور برسوں نیچر ملاتے رہتے ہیں حرام کی اولاد پیدا ہوتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پہلے سے اس کی پیش بندی فرما دی کہ پاک دامن کتابی عورتوں سے نکاح تو کر سکتے ہیں لیکن علانیہ زنا یا خفیہ دوستی سے باز رہیں خود بھی پاک دامن رہیں اور بیویاں بھی پاک دامن تلاش کریں۔

مرتد کے اعمال اکارت ہوجاتے ہیں: آخر میں فرمایا وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ٥ (اور جو شخص ایمان کا انکار کردے تو اس کا عمل اکارت ہو گیا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) آخرت کی بربادی ظاہر ہے کیونکہ مرتد ہو یا اصلی کافر اس کے لئے آخرت میں نجات نہیں ہے دائمی عذاب ہے جس کی تفصیلات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

مرتد کے احکام سورہ بقرہ کی آیت وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ (الآیۃ) کے ذیل میں بیان کردیئے گئے ہیں وہاں مراجعت کرلی جائے۔ (دیکھو انوار البیان ص ۴۰۱ جلد ۱)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ
اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف اُٹھو تو اپنے مونہوں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرلو
وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
اور دھولو اپنے پیروں کو ٹخنوں تک، اور اگر حالت جنابت میں ہو تو اچھی طرح سے پاک ہو جاؤ، اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں
اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ
ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو۔ یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو پھر تم پانی کو نہ پاؤ تو ارادہ کرلو پاک مٹی کا۔

وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ

سواس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔ اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے تاکہ تم کو پاک کرے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ

پوری کرے تاکہ تم شکر کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اللہ سے مضبوطی کے ساتھ کیا ہے جبکہ تم نے کہا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جاننے والا ہے ان باتوں کو جو سینوں میں ہیں۔"

وُضو اور غسل کا حکم اور تیمّم کی مشروعیت

تفسیر: ان آیات میں وُضو کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے اول تو وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور سروں کا مسح کرلو اور پاؤں کے ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

اِذَا قُمْتُمْ کا مطلب: چونکہ عام طور پر بیٹھے ہوئے اور کام کاج میں لگے ہوئے باوضو نہیں رہتے اسلئے یہ فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو منہ اور ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کا مسح کرنے کا عمل کرلیا کرو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے سے وضو ہو تب بھی وضو کرو۔ غالب احوال کے پیش نظر یوں فرمایا ہے کہ جب نماز کی طرف کھڑے ہو تو یہ عمل کرو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر ایک وُضو سے چار نمازیں پڑھی تھی۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نیند سے اُٹھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو کیونکہ اس وقت تو بالیقین بے وضو ہی ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو اگر پہلے سے وضو ہے تب بھی وضو کرلینا افضل ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وُضو پر وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

فقہاء نے لکھا ہے کہ جب پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ لے گا یا ایسا کوئی عمل کرے گا جو بلا وُضو جائز نہیں تب یہ فضیلت حاصل ہوگی، یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو پر وضو کرتا رہے اور ان اعمال میں سے کوئی عمل نہ کرے جو باوضو ادا کئے جاتے ہیں۔

وضو کا طریقہ: آیت شریفہ میں وضو کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہروں کو دھولو۔ چہرہ کی لمبائی پیشانی کے بالوں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ اگر ڈاڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا کھال کا دھونا ضروری ہے اور اگر گھنی ڈاڑھی ہو جس میں اندر کی کھال نظر نہ آرہی ہو تو ڈاڑھی کا اوپر سے دھو دینا کافی ہے۔ بہت سے لوگ ایسا وضو کرتے ہیں کہ کانوں اور رخساروں کے درمیان جگہ سوکھی رہ جاتی ہے ان

لوگوں کا وضو نہیں ہوتا۔

بے وضو ہونے کو حدثِ اصغر اور غسل فرض ہونے کو حدث اکبر کہا جاتا ہے دونوں حالتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اگر کوئی شخص حدث اکبر یا حدثِ اصغر کی حالت ہوتے ہوئے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی دوبارہ پڑھنا لازمی ہوگا۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ خوب احتیاط کے ساتھ اعضاءِ وضو پر ہر جگہ پانی پہنچانے کا فکر کرنا لازم ہے۔

چہرہ کی حد تو اوپر بیان ہوئی اور ہاتھوں کو انگلیوں سے لیکر کہنیوں سمیت اور پاؤں کو انگلیوں سے لے کر ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔ ذرا سی جگہ بھی پانی پہنچے بغیر رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ عموماً پورے سر کا مسح فرماتے تھے حدیث شریف میں ہے۔

فاقبل بهما وادبر. بدء بمقدم رأسه حتّٰی ذهب بهما الى قفاه ثم ردّهما حتى رجع الى المكان الذى بدأ منه ثم غسل رجليه

(پس آپ ﷺ دونوں ہاتھوں کو آگے لے آئے پھر پیچھے لے گئے۔ سر کے اگلے حصہ سے مسح کا آغاز کیا یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو اپنی گدی تک لے گئے پھر انہیں لوٹایا یہاں تک وہاں لوٹ آئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے پاؤں دھوئے) (رواہ البخاری ص ۳۱ جلد نمبر ۱)

اور بعض مرتبہ آپ نے صرف اپنی پیشانی پر یعنی سر کے سامنے کے حصہ پر مسح فرمایا (کمارواہ مسلم عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ) اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

قرآن مجید میں جن چار چیزوں کا ذکر ہے۔ (۱) یعنی چہرہ کا دھونا (۲) ہاتھوں کو دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کو دھونا۔ وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں۔ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے البتہ چہرہ کا اور ہاتھوں کا پاؤں کا تین تین مرتبہ دھونا سُنت ہے اور ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا تین بار کلی کرنا مسواک کرنا تین بار ناک میں نرم جگہ تک پانی پہنچانا جس کو استنشاق کہتے ہیں اور تین بار ناک کو جھاڑنا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا اور ڈاڑھی کا خلال کرنا۔ مسنون ہے۔ کانوں کا مسح کرنا بھی سُنت ہے کانوں کے اندر کا اور باہر کا مسح کرنا اور کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرنا اور کانوں میں مسح کرتے وقت انگلیاں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ: جب سو کر اُٹھے تو بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ نہ ڈالے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو جب تک اپنا ہاتھ تین بار نہ دھولے اُسے پانی میں نہ گھسائے کیونکہ اُسے معلوم نہیں کہ رات بھر اُس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ: استنشاق کے ساتھ استنثار (یعنی ناک جھاڑنے کا) بھی اہتمام کرنا چاہئے خاص کر جب سو کر اُٹھے تو اس کا اہتمام زیادہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنی ناک کو جھاڑ لے کیونکہ شیطان رات کو اس کے ناک کے بانسے میں رہتا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ: وضو میں خوب اچھی طرح پانی پہنچائے چپڑ اچپڑی نہ کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔ چلتے چلتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ راستہ میں ایک جگہ پانی ملا۔ تو کچھ لوگ جلدی سے آگے بڑھ گئے اور جلدی جلدی وضو کر لیا ہم جب ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ انکی ایڑھیاں ظاہر ہو رہی ہیں جن کو پانی نہ پہنچا آنحضرت ﷺ نے انکو دیکھ کر فرمایا کہ ایڑھیوں کے لئے ہلاکت ہے جو دوزخ کی آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ اچھی طرح پانی پہنچایا کرو (رواہ مسلم ص ۱۲۵ - واختصرہ البخاری ج ۱ ص ۲۸)

وضو میں پانی خوب اچھی طرح پہنچائے لیکن اسراف کرنا اور ضرورت سے زیادہ بہانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سعدؓ پر گذر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیا اسراف (فضول خرچی) ہے انہوں نے عرض کیا۔ کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وضو میں بھی اسراف ہے اگر چہ تم جاری نہر پر ہو۔ (رواہ احمد وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۷)

امت محمدیہ کی امتیازی شان: وضو پہلی اُمتوں میں بھی تھا اور اس امت میں بھی ہے لیکن ایک بات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو امتیازی شان حاصل ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں روشن ہونگے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے قیامت کے دن سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے (سجدہ سے) سر اُٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ سر اُٹھا کر میں اپنے آگے دیکھوں گا تو ساری اُمتوں کے درمیان سے اپنی اُمت کو پہچان لوں گا اور پیچھے دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور داہنی طرف دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا اور بائیں طرف دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تمام اُمتوں کے درمیان سے اپنی اُمت کو کیسے پہچان لیں گے۔ جبکہ نوح علیہ السلام کی اُمت سے لیکر آپ کی امت تک سب اُمتیں موجود ہونگی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے روشن ہوں گے۔ ان کے علاوہ کسی کو بھی یہ بات حاصل نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۰)

غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ: وضو کا طریقہ بیان فرمانے کے بعد غسل کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اور اگر تم جُنب ہو تو خوب اچھی طرح سے پاکی اختیار کرو) جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو جائے (خواہ میاں بیوی کے ملاپ سے خواہ احتلام ہو جانے سے خواہ اور کسی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج ہونے سے) اس پر فرض ہے کہ سر سے پاؤں تک پورے بدن پر ایک بار پانی پہنچائے۔

چونکہ فَاطَّهَّرُوْا مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اسلئے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ غسل فرضی میں مضمضہ یعنی ایک

بار کُلی کرنا بھی فرض ہے جب کُلی کرلے تو پورے منہ میں خوب پانی بھر کر حلق تک پہنچائے نیز غُسل فرضی میں استنشاق بھی فرض ہے یعنی ناک میں جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک کم از کم ایک بار پانی پہنچائے' جب غسل کرنے لگے تو پہلے چھوٹا بڑا استنجاء کرے اور بڑا استنجاء خوب کھل کر کرے تاکہ جہاں تک پانی پہنچ سکے وہاں تک پہنچ جائے اس کے بعد نجاست کو دُور کرے جو بدن پر لگی ہوئی ہے اس کے بعد وضو کرے جیسا کہ وضو کا مسنون طریقہ ہے اور مضمضہ و استنشاق میں مبالغہ کرے اگر روزہ نہ ہو پھر تین بار سارے بدن پر پانی پہنچائے غسل فرض ہے ایک بار ہر جگہ پانی پہنچانا فرض ہے اور تین بار سُنّت ہے۔ (غیر فرض غسل کرے تو اس میں بھی تین بار پانی بہانا سُنّت ہے) ناف میں بغلوں اور جس جگہ بغیر دھیان کئے پانی نہ پہنچے کا اندیشہ ہو وہاں خوب دھیان سے پانی پہنچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا بالوں کو دھوؤ اور جس جگہ پر بال نہیں ہیں اس کو صاف کرو (یعنی اچھی طرح پانی پہنچاؤ تاکہ میل کچیل بھی دُور ہو جائے)

رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غسل جنابت میں جس نے ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی تو اُسے دوزخ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ڈر سے سر پر بال ہی نہیں رکھتے تھے ایسا نہ ہو کہ غسل فرض میں کسی جگہ پانی پہنچنے سے رَہ جائے اور جَنابت دُور نہ ہو حدیث بالا بیان فرما کر اُنہوں نے تین بار فرمایا کہ میں نے اسی لئے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے (بال بڑھنے نہیں دیتا مُنڈا تا رہتا ہوں)

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸)

مسئلہ: غسل فرض ہونے کے لئے میاں بیوی کے ملاپ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ منی خارج ہو صرف حشفہ (یعنی سپاری) غائب ہونے سے مرد عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ احتلام ہونے کی حالت میں منی خارج ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔

فائدہ: جس طرح جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے اسی طرح حیض اور نفاس کے ختم ہونے سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے اور اس غسل کا طریقہ بھی وہ ہی ہے جو اوپر غسل جنابت میں بیان ہوا۔

تیمّم کا بیان: غسل جنابت کا حکم دینے اور اجمالاً اس کا طریقہ بتانے کے بعد تیمم کی اجازت ذکر فرمائی اور ارشاد فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ (آخر تک) اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا آئے تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے یا تم نے عورتوں سے قُربت کی ہو اور پھر تم پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرلو پاک مٹی کا سو اُس سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو۔ تیمم کا طریقہ اور اس کے ضروری مسائل آیت سورۂ نساء يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (ع ۷) کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں اس کی مراجعت کر لی جائے۔

پھر فرمایا مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ (اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تا کہ تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو جو تم پر ہے)۔ اوپر جو وضو اور غسل کا حکم ہوا اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی جو اجازت مذکور ہوئی اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تم پر حدثِ اصغر ہو جانے پر وضو اور حدثِ اکبر ہو جانے پر غسل فرض فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ تمہیں تنگی میں ڈالے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں پاک کرے۔ لِیُطَھِّرَکُمْ سے دونوں قسم کی طہارت مراد لی جاسکتی ہے طہارت ظاہری بھی اور طہارت باطنی بھی۔ طہارت ظاہری یہ ہے کہ نجاست حکمیہ (حدثِ اکبر و حدثِ اصغر) دور ہو جائے اور طہارت باطنی یہ ہے کہ گناہ معاف ہو جائیں۔

وضو اور تیمّم حکم تطہیر میں برابر ہیں: اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کو بھی وضو اور غسل کے قائم مقام قرار دے دیا۔ نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل سے دُور ہو جاتی ہے تیمّم سے بھی دُور ہو جاتی ہے اور جو کام پانی سے وضو غسل کرنے والے کے لئے جائز ہو جاتے ہیں (مثلاً نماز پڑھنا، طواف کرنا، قرآن مجید کا چھونا) تیمّم کے ذریعہ بھی جائز ہو جاتے ہیں جب تک پانی نہ ملے اور کوئی ناقض وضو اور موجب غسل پیش نہ آجائے تیمم سے وہ سب کام جائز رہتے ہیں جو وضو اور غسل کرنے سے جائز ہوتے ہیں جب تیمم کر لیا تو اس سے جتنی چاہئے فرض نفل نمازیں پڑھنے کا اختیار ہے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کی اجازت ہونا مستقل ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

پھر جیسے نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی طرح وضو کرنے سے بھی معاف ہوتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اس کے جسم سے اس کے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جائیں گے۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۱۲۵)

وضو غسل اور تیمم کا حکم فرمانے میں جہاں ظاہری اور باطنی طہارت کا فائدہ ہے وہاں اتمام نعمت کا فائدہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے نماز، وضو غسل اور تیمّم کا حکم دے کر اپنی نعمت کامل فرمادی۔ یہ نعمت عزیمت کو بھی شامل ہے اور رخصت کو بھی، جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری فرمادی تو شکر لازم ہوا اسلئے اخیر میں لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ فرمایا۔

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو: پھر فرمایا وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جن سے اس نے تمہیں نوازا ہے یہ نعمتیں ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی، جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، مزید فرمایا وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِہٖ کہ اللہ کے اس عہد کو یاد کرو جو تم نے مضبوطی کے ساتھ عہد کیا جب تم سے عہد لیا تو تم نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

کہہ کر پکا اور مضبوط عہد کر لیا۔ صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۸ لکھتے ہیں کہ اس سے وہ عہد مُراد ہے جو ۱۳ نبوی میں لیلۃ العقبہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لیا تھا جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور فرماں برداری کریں گے۔ آسانی میں بھی اور سختی میں بھی خوشی میں بھی اور ناگواری میں بھی (یعنی اگر کوئی حکم نفسوں کو ناگوار ہوگا تب بھی عمل کریں گے) (اخرجہ مسلم ج ۲ ص ۱۲۵)

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ میثاق مذکور سے بیعت رضوان بھی مُراد ہو سکتی ہے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی (جس کا ذکر سورۂ فتح کے تیسرے رکوع کے شروع میں ہے) پھر لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ بیعت اللہ کی طرف سے تھی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر تھی اسلیئے اس میثاق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کما به نطق قوله تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ چونکہ ہر مسلمان جب توحید اور رسالت پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے تو ہر بات کے ماننے اور ہر حکم کے تسلیم کرنے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اسلئے میثاق مذکور سے تمام مسلمانوں کا توحید و رسالت کا اقرار اور اعلان مراد لینا مناسب ہے اور یہ اقرار ہی پختہ عہد ہے لہٰذا لیلة العقبة یا حُدَیبیه کے موقع کی بیعت مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا کہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کہ (اللہ سے ڈرو) اس کی نعمتوں کو نہ بھول جاؤ اور اس سے جو پختہ عہد کیا ہے اسے نہ توڑو۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کی اندر کی چیزوں کو جانتا ہے) اسے ظاہری اعمال کا بھی علم ہے اور دلوں کے ارادوں اور نیتوں کی بھی اسے خبر ہے وہ حساب لے گا اور بدلہ دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى
اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ
اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جنہیں تم کرتے ہو
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝
آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں

انصاف پر قائم ہونے کا حکم

تفسیر: سورہ نساء میں فرمایا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ کہ اللہ کے لئے خوب انصاف کے ساتھ قائم رہنے والے بنو اگرچہ انصاف تمہارے اپنی جانوں یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے اور یہاں فرمایا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا (یعنی ہو جاؤ اچھی طرح سے کھڑے ہو جانے والے اللہ کے لئے' گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ' اور تمہیں کسی قوم کا بغض ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو) بات یہ ہے کہ انسان کو عدل و انصاف سے اور سچی گواہی دینے سے روکنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو اپنا نفس اور اپنے قرابت والوں اور دوستوں کی طرف داری' دوسرے کسی قوم کی دشمنی۔ سورہ نساء میں جس بات کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی جانوں اور رشتہ داروں کی رعایت کر کے سچی گواہی سے نہ رُکنا اور عدل و انصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا' اور سورہ مائدہ کی اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ کسی قوم کا بُغض اور دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو' مسلمان کے خاص اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دے حق کی گواہی دے کبھی کسی حالت میں بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑے مزید تشریح و توضیح کے لئے سورہ نساء کی آیت مذکورہ کی تفسیر اور سورہ مائدہ کی آیت وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے) جب کوئی شخص عدل و انصاف کی صفت سے متصف ہوگا تو تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوگا۔ عدل تقویٰ کی طرف اور تقویٰ عدل کی طرف کھینچتا ہے پھر فرمایا۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥ اس میں یہ بتایا کہ قیامت کی پیشی کا دھیان رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے جب اللہ کا خوف ہوگا اور یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہے' روز جزا میں پیشی ہوگی اور اعمال کے بدلے ملیں گے تو جھوٹی گواہی سے بچنا سچی گواہی دینا اور انصاف کرنا آسان ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں سے اجر عظیم اور مغفرت کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کئے' اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیات الٰہیہ کو جھٹلایا اُن کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخ والے ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ

اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اُسے یاد کرو' جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا سو اس نے ان کے

اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا' اور اللہ سے ڈرو اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ کی نعمت کی یاد دہانی

تفسیر: اسباب النزول ص ۱۸٦ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص جس کا نام غورث تھا اس نے اپنی قوم بنی غطفان اور بنی محارب سے کہا کہ کیا میں محمد (ﷺ) کو قتل نہ کر دوں؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تو کیسے قتل کرے گا اس نے کہا کہ اچانک ایسی صورت بنا کر قتل کر دوں گا کہ اس کی طرف دھیان بھی نہ جائے گا۔ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت آپ کی گود میں آپکی تلوار تھی۔ یہ شخص کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ! کیا میں آپ کی تلوار کو دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھ لے! اُس نے تلوار لے لی اور نیام سے باہر نکال لی وہ ہاتھ میں تلوار لے کر ہلاتا رہا۔ اور ارادہ کرتا رہا کہ آپ پر حملہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادہ میں ناکامی ہوتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا کہ آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ میری حفاظت فرمائے گا اُس کے بعد اُس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور آنحضرت ﷺ کو واپس کر دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بالا نازل فرمائی۔

اللہ جل شانہٗ نے امت محمدیہ ﷺ کو اپنی نعمت یاد دلائی کہ اس نے ان کے نبی کی حفاظت فرمائی جس میں اُمت پر بھی انعام واحسان ہے۔

تقویٰ اور توکّل کا حکم: آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ ہی توکل کا حکم فرمایا کہ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے تقویٰ اور توکل بہت بڑی چیزیں ہیں۔ اہل ایمان کے سب کام ان دونوں سے چلتے ہیں جسے اللہ پر توکل ہو وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

سورہ طلاق میں فرمایا وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلوں سے نکلنے کا راستہ بنا دیگا اور اللہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے)

وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۚ وَبَعَثۡنَا مِنۡھُمُ اثۡنَیۡ عَشَرَ نَقِیۡبًا ؕ وَقَالَ اللّٰہُ

اور بلا شبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے اُن میں سے بارہ نمائندے بھیجے اور اللہ نے فرمایا

إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَوٰةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَوٰةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ

کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اُن کی مدد کرو اور

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو میں ضرور تمہارے گناہوں کا کفارہ کردوں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے

الْأَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ

نہریں جاری ہوں گی۔ سو اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے وہ راہ راست سے دور جا پڑا' سو اُن کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قٰسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا

اُن کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا وہ کلمات کو اُن کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور وہ اس نصیحت کا بہت بڑا حصہ

ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ

بھول گئے جو انہیں کی گئی تھیں' اور آپ برابر ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے باستثناء تھوڑے سے لوگوں کے' سو آپ انہیں معاف فرمائیے اور درگزر کیجئے

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾

بلاشبہ اللہ خوبی کا معاملہ کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر اُن کا عہد کو توڑ دینا

تفسیر: اس سے پہلے مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ سے عہد کیا ہے اور سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہہ کر جو فرمانبرداری کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اس کو پورا کرو۔ ان آیات میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس عہد کو پورا کرنے پر جس انعام کا وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر ہے پھر اس عہد شکنی پر جو انہیں سزا ملی اس کا تذکرہ فرمایا' اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ عہد پورا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو جاتی ہے ایسا نہ کرو کہ عہد شکنی کر کے اپنے اوپر وبال آنے کا ذریعہ بن جاؤ۔

اول یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جو اُن کے نبی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے لیا گیا تھا) پھر فرمایا کہ ہم نے اُن میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے (بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر ہر قبیلہ کا ایک سردار مقرر فرما دیا جو اُن کو اللہ کے عہد یاد دلاتا رہے اور عہد پر چلنے کی تلقین کرتا رہے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے تمہارے ہر عمل کی خبر ہے نیکی اور گناہ ہر چیز کا علم ہے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اُسے لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَوٰةَ سے قَرْضًا حَسَنًا تک بیان فرمایا پھر لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

سے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ تک عہد پورا کرنے کا اجر بتایا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض اچھا دیتے رہے تو تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلی اُمتوں کو بھی تھا' رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد اسلئے لیا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا آجاتا۔ جیسا کہ عنقریب ہی آیت کریمہ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا میں اس کا بیان آرہا ہے ان شاء اللہ العزیز!

جب کوئی نبی آجاتا تو اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا اُن پر فرض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کے بعد خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی لیکن بنی اسرائیل عموماً ان دونوں رسولوں کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

یہ جو فرمایا وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مصارف الخیر میں بھی خرچ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو قرض حَسن سے تعبیر فرمایا قرض اسلئے فرمایا کہ اس کا بدلہ اُدھار ہے جو آخرت میں ملے گا اور حَسن اسلئے فرمایا کہ وہ بدلہ بہت بڑا ہے ذرا سا خرچ کرنے پر آخرت میں بڑے بڑے اجور ملیں گے۔

سورۂ حدید میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (کون ہے جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض سو اللہ بڑھا دے اُسے چند در چند اور اس کے لئے اجر ہے بہت عمدہ) یہ اللہ پاک کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مال اسی کا دیا ہوا ہے جب کوئی اسے خرچ کرتا ہے (اور خرچ بھی اپنوں پر یا اپنے ہم جنس دوسرے افراد پر) تو اللہ تعالیٰ اسکو اپنے ذمہ قرض شمار فرمالیتا ہے جس نے دیا اُسے تو پورا اختیار ہے کہ سارے مال کو خرچ کرنے کا حکم فرمادے اور ذرا سا بھی اجر نہ دے لیکن یہ محض اس کا کرم ہے کہ جو کچھ اسکی رضا کے لئے خرچ کیا جائے اُسے اپنے ذمہ قرض شمار فرمالیا اور اس کا اجر خوب بڑھا چڑھا کر دینے کا وعدہ فرمایا۔

پھر فرمایا فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (کہ اس کے بعد جو شخص تم میں سے کفر اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا) عہد لیتے وقت یہ تنبیہ فرمادی تھی لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں ہے۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال: پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا تذکرہ فرمایا فَبِمَا نَقْضِھِمْ مِّیْثَاقَھُمْ لَعَنّٰھُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَھُمْ قٰسِیَةً یعنی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اسلئے ہم نے ان پر لعنت کردی یعنی اپنی رحمت سے دُور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ جن میں حق ماننے اور حق کی طرف متوجہ ہونے اور حق قبول

کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی' اس ملعونیت اور قساوت قلب کی وجہ سے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب بھی کرتے تھے اور اُنہیں قتل بھی کرتے تھے' اپنی اسی عادت کے مطابق انہوں نے خاتم النبیین ﷺ کی بھی تکذیب کی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضرت کے منکر ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ٥ (بلکہ اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی سو ان میں کم ہیں جو مومن ہوں گے) اُن کی قساوت قلبی کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (اور پھر تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں) جب انسان بار بار گناہ پر گناہ کرتا ہے تو اس میں سرکشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس سرکشی سے دل میں قساوت اور سختی آجاتی ہے جس کی وجہ سے توبہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور موعظت اور نصیحت کی بات بھی بُری لگتی ہے اللہ پاک نے اہل ایمان کو توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گذر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں سے فاسق ہیں)

یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا: مزید یہود کی شناعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (یہ لوگ کلمات کو بدلتے ہیں اُن کے مواقع سے اور انہوں نے ایک بڑا حصہ چھوڑ دیا جس کے ذریعہ انہیں نصیحت کی گئی) اس میں یہودیوں کی قساوت قلبی اور سخت دلی کا بیان فرمایا کہ ان کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیا۔ ان کے علماء توریت شریف کو بدلتے تھے اور جو کچھ اپنے پاس سے بناتے اور لکھتے تھے اپنی عوام سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عوام کو راضی رکھ کر اُن سے پیسے لینا اور علم کی بجائے ان کو جہل میں مبتلا کر دینا اور ہدایت کی بجائے انہیں گمراہی پر ڈالنا اور اللہ سے نہ ڈرنا آخرت کے حساب و کتاب سے بے پرواہ ہو جانا کتنی بڑی قساوت ہے لیکن انہیں اس کا کچھ احساس نہیں۔

جب تحریف کرلی تو توریت شریف کا بہت بڑا حصہ ان کے حافظہ سے نکل گیا جو شخص اپنی تحریف کو اصل میں ملانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اصل کتاب کے الفاظ و معانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہودیوں کی خیانتیں: پھر فرمایا وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ سوائے تھوڑے سے لوگوں کے) اس میں یہود کی خیانت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ برابر یہ خیانتیں کرتے رہیں گے اور آپ کو ان کی خیانتوں کا علم ہوتا رہے گا خیانت ان کے مزاج میں

داخل ہوگئی ہے ان کے اسلاف نے خیانتیں کیں۔ حد یہ کے اللہ کی کتاب میں بھی تحریف کر بیٹھے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ ان کے اخلاف (موجودہ یہودی) اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں ہاں ان میں سے چند لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) یہ حضرات خیانت سے دُور ہو گئے اور صفت ایمان نے ان کو امانت دار بنا دیا۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (آپ انکو معاف کیجئے اور ان سے درگذر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۹۰ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَیْ اِذَا تَابُوْا اَوْ بذلوا الجزية۔ یعنی جب وہ توبہ کرلیں (اسلام قبول کرلیں اور خیانت سے باز آجائیں) یا جزیہ دیکر عہد کی پابندی کرتے رہیں تو ان کو معاف کیجئے درگذر کیجئے اگر یہ معنی لئے جائیں تو آیت میں کوئی نسخ نہیں ہے اس کے بعد صاحب روح المعانی نے علامہ طبری سے یہ نقل کیا ہے کہ معافی اور درگذر کرنے کا حکم پہلے تھا۔ جب کافروں سے جنگ کرنے کا حکم آ گیا تو منسوخ ہوگیا۔ صاحب بیان القرآن رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے یہ معنی اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ سے قریب تر ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا سو وہ اس چیز کا بڑا حصہ بھول گئے جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

سو ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں جتلا دیگا جو کام وہ کیا کرتے تھے اے اہل کتاب تحقیق آیا

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

تمہارے پاس ہمارا رسول جو تم سے بہت سی ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم اللہ کی کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں سے درگذر کرتا ہے بے شک

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک ایسی کتاب آئی ہے جو واضح بیان کرنے والی ہے اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

جو اُس کی رضا مندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ

راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ البتہ تحقیق انہوں نے کفر کیا جنہوں نے یوں کہا کہ بیشک اللہ مسیح ابن مریم ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر

اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ

اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ان سب کو ہلاک فرمانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو انہیں اللہ سے بچا سکے اور اللہ ہی کے لئے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

ملک آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

نصاریٰ سے عہد لینا اور اُن کا اسکو بھول جانا

تفسیر: ان آیات میں نصاریٰ کی طرف روئے سُخن ہے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا وہ لوگ بھی عہد پر قائم نہ رہے جو کچھ ان کو نصیحتیں کی گئی تھیں ان میں سے ایک بہت بڑا حصہ بھول گئے ان کے اس عہد کو توڑنے اور جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کے بھولنے کی وجہ سے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا وہ قیامت تک آپس میں دشمن رہیں گے اور ایک دوسرے سے بُغض رکھیں گے نصاریٰ میں متعدد فرقے تھے اور اب بھی ہیں ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے' اس طرح سے اتحادِ ذاتی کے قائل تھے اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ تین معبود ہیں اللہ اور مریم اور عیسیٰ ابن مریم' یہود کی طرح نصاریٰ بھی نصیحت کا بہت بڑا حصہ چھوڑ بیٹھے اور اُسے بھول بھلیاں کر دیا۔ اسی نصیحت میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی تھا جن کے بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور جن کی نبوت اور رسالت کی خبر توریت اور انجیل میں دی گئی تھی (اَلَّذِيْنَ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ) اس عہد شکنی اور خلاف ورزی کی انہیں سزا مل گئی اور ملتی رہے گی۔ پھر ارشاد فرمایا وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ یعنی عنقریب اللہ انہیں جتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ دونوں) کو خطاب فرمایا کہ اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول ﷺ آیا ہے وہ بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں سے تم چھپاتے تھے۔ اور بہت سی چیزوں سے درگذر کرتا ہے' اس رسول کا اتباع فرض ہے۔ مزید فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور واضح بیان کرنے والی کتاب آئی ہے' نور سے مُراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مُبین سے قرآن کریم مراد ہے دونوں کے ذریعہ اللہ سلامتی کے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے یہ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو رضاءِ الٰہی کے طالب ہوں' اللہ تعالیٰ انکو ہدایت بھی دیتا ہے اور طرح طرح کی اندھیریوں سے نکال کر (جو شرک و کفر کی صورت میں باطل افکار اور اہواء کی وجہ سے انسان کو گھیر لیتی ہیں) نور کی طرف لے آتا ہے۔ کفر کے راستے چونکہ بہت سے ہیں اسلئے لفظ ظُلُمَات بصیغۂ جمع استعمال فرمایا اور نور چونکہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اسلئے لفظ نور کو واحد لایا گیا۔

نصاریٰ کا کفر جنہوں نے مسیح ابن مریم کو معبود بنایا: اس کے بعد نصاریٰ کی گمراہی بیان فرمائی ان میں سے ایک فریق کہتا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور روئے زمین کے تمام افراد کو ہلاک کرنا چاہے تو انہیں کون بچا سکتا ہے چونکہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام کی موت کے قائل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کو اللہ نے موت دی ہے اسلئے ان سے سوال کر کے خود ان ہی پر حجت قائم کی گئی جسے موت آ جائے وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ (اور لفظ "ان اراد" اس لئے فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں (اگرچہ یہود و نصاریٰ ان کی موت سے قائل ہیں)

پھر فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، جو مملوک ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے اور اپنے خالق کے ساتھ اُلوہیت میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ جو چاہے پیدا فرمائے اس نے مریم کو بھی پیدا فرمایا اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھی پیدا فرمایا چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادت معروفہ کے مطابق نہ تھی اسلئے وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ مخلوق معبود نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا وجود اس کے خالق کا دیا ہوا ہے۔ خالق جل مجدہٗ نے جس طرح بھی وجود دیا ہو بہر حال مخلوق مخلوق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما کر اپنی قدرت دکھا دی اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خُدا یا مستقل معبود ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نور بھی تھے اور بشر بھی: آیت بالا میں جو قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ فرمایا ہے اس میں نور سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مُراد ہے۔ نور روشنی کو کہتے ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی تاریکیوں سے بھرا ہوا تھا توحید کے ماننے والے خال خال ہی دنیا کے کسی گوشہ میں اکا دُکا پائے جاتے تھے، خاتم النبیین شمس الرسالۃ سیدنا محمد رسول ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ نے توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت زیادہ محنت کی اور بڑی بڑی مشقتیں اُٹھائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارا عالم جگمگا اُٹھا کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور ایمان و یقین کے نور سے قلوب منور ہو گئے۔

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

آپ ﷺ اپنے کمال سے بلندیوں پر پہنچ گئے آپ ﷺ کے حُسن سے اندھیرے چھٹ گئے آپ کی تمام ادائیں حسین ہیں تم سب آپ ﷺ اور آپ کی آل پر درود پڑھو۔

بہت سے لوگ نور ہونے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں تھے ان کی اس جاہلانہ بات سے قرآن کریم کی یہ آیت قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں میں نہیں ہوں مگر بشر رسول) کا انکار لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ آپ فرما دیں کہ بشر ہوں رسول ہوں۔ لیکن محبت کے دعوے دار کہتے ہیں کہ بشر نہیں تھے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلاتے ہیں پھر بھی اسلام کے دعوے دار ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا طالب ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا جو لوگ اسلام کے مخالف ہیں اور جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں (لیکن ضروریات دین کے منکر ہیں) انہیں علماء اسلام متنبہ کرتے ہیں کہ تمہارے عقائد کفریہ ہیں لیکن انہوں نے ضد اور عناد پر کمر باندھ رکھی ہے ہداھم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: جنت میں لے جانے والے اعتقادیات اور اعمال کو سُبُلَ السَّلٰمِ فرمایا اور جنت کو دارالسلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام السلام بھی ہے اور جب مسلمانوں میں آپس میں ملاقات ہو اس کے لئے سلام کو مشروع فرمایا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ (اخیر تک) تعلیم فرمائی درحقیقت اللہ کے دین میں سلامتی ہی سلامتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ
اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُسکے پیارے ہیں آپ فرما دیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا؟
اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
بلکہ تم اُسکی مخلوق میں سے بشر ہو وہ بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے، اور اللہ ہی کا ملک ہے آسمان اور زمین
وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ
اور جو کچھ انکے درمیان ہے اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لئے بیان کرتا ہے جبکہ
مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ
رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

یہود و نصاریٰ کی گمراہی جنہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہود و نصاریٰ کا ایک دعویٰ باطلہ نقل فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب اور پیارے ہیں (والعیاذ باللہ) یہ بھی انکے اپنے تراشیدہ باطل دعوں میں سے ایک دعویٰ ہے۔ شیطان

انسان کے پیچھے پڑا رہتا ہے ایمان اور اعمال صالحہ سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے طرح طرح کی باتیں سمجھاتا ہے انہی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے یہود و نصاریٰ کو یہ سمجھایا کہ تم تو اللہ کی اولاد ہو اور اسکے محبوب ہو' تم محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ کیسے ہی اعمال کرو تمہارا سب کچھ معاف ہے۔ ان لوگوں نے شیطان کی اس بات کو مان لیا اور اپنے بارے میں یہ عقیدہ رکھ لیا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اسکے پیارے ہیں اسی لئے ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ ''دروغ گورا حافظہ نہ باشد''۔

تفسیر قرطبی ص ۲۰ ج ۶ میں لکھا ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ یہود کے پاس تشریف لائے اور ان کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی طرح مانیں اور اس کے عذاب سے ڈریں۔ یہ سنکر کہنے لگے کہ اے محمد! ہمیں کیا ڈراتے ہو ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ نصاریٰ نے یہ بات کہی تھی یہود بھی کہنے لگے' اس پر اللہ جل شانہ نے آیت وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرما کر ان کی تردید فرمائی جو الزامی جواب کے پیرایہ میں ہے اور وہ یہ کہ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ (آپ ان سے فرما دیجئے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دیگا) جب تم اس کے بیٹے اور محبوب ہو تو عذاب سے کیوں ڈرتے ہو۔ عذاب کے اقراری بھی ہو کیونکہ تم لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً بھی کہتے ہو۔ کوئی شخص اپنے بیٹے یا محبوب کو ایک منٹ کیلئے بھی دنیا والی آگ میں ڈالنے کو تیار نہیں اور تم کہتے ہو کہ ہم چند دن کے لئے آخرت کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ جھوٹے کو کچھ خیال نہیں رہتا کہ میں نے پہلے کیا کہا تھا۔ نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی تھی کہ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ (بلاشبہ جو شخص شرک کرے اللہ کے ساتھ تو اللہ اس پر جنت کو حرام فرمادیگا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے) شرک بھی کر لیا اللہ کی اولاد بھی تجویز کر دی جو حسب تصریح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دوزخ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور محبوب ہیں' ہمیں عذاب نہیں ہوگا اللہ کے نبی نے یہ فرمایا کہ مشرک دوزخ میں داخل ہوگا' اور نبی کا فرمانا برحق ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا نبی کی تکذیب کفر ہے اور باعث دخول نار ہے۔ [1]

اس کے بعد فرمایا بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ کہ تم بھی اللہ کی مخلوق میں سے ہو۔

بشر ہو آدمی ہو جیسے دوسرے انسان ہیں ایسے ہی تم ہو جیسے دوسروں سے اللہ کا کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہے تم سے بھی نہیں' اس کا بیٹا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ رہا محبوب ہونا تو محبوبیت کا تعلق ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے اللہ کے رسول کی تکذیب کر کے کافر بنے ہوئے ہو۔ پھر بھی محبوب ہونے کا دعویٰ ہے یہ بہت بڑی گمراہی ہے يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

[1] علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے يُعَذِّبُكُمْ کو عَذَّبَكُمْ کے معنی میں لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے دعوی کے اعتبار سے اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو تو تمہیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر کیوں بنا دیا اور تم سے پہلے جو یہود و نصاریٰ گزرے ہیں تمہارے ہی جیسے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذابوں میں کیوں مبتلا فرمایا۔ (تفسیر القرطبی ص ۱۲۱ جلد ۲)

(اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور جسے چاہے عذاب دے) کوئی شخص بھی اس سے زبردستی بخشش نہیں کرواسکتا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس کا قانون ہے کہ مشرک اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں جھوٹے دعوے جھوٹی باتیں سب سامنے آجائیں گی اور ان پر عذاب ہوگا۔ یوم الحساب کو سامنے رکھو اور جھوٹ اور افتراء پردازی سے باز آجاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ کئی سو سال سے منقطع تھا

اس کے بعد فرمایا یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو واضح طور پر تمہیں بتاتا ہے اور اس کی آمد ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ رسولوں کے آنے کا سلسلہ (مدت دراز سے) موقوف تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبیوں کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی وفات پاجاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی مبعوث ہوجاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سلسلہ نبوت منقطع ہوگیا تھا انہوں نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ احمد سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے۔

حضرت عیسیٰ رسول اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا' سورہ مائدہ کی آیت میں جو عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ہے اس سے اور سورہ صف میں جو مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا۔ بلکہ صحیح بخاری ص ۴۸۹ ج ۲ میں اسکی تصریح ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا لَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ کہ ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

بعض علماء نے بعض ایسے اشخاص کے بارے میں نبی ہونے کا احتمال ظاہر کیا ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ عرصہ پہلے گذرے تھے جن میں سے خالد بن سنان ایک نام ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور بعض حضرات نے ان کی شخصیت کے موجود ہونے ہی میں شک کیا ہے۔ بہر حال اگر وہ نبی تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔

فترۃ من الرسل کا زمانہ کتنا تھا: زمانہ فترۃ جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آنے کا

سلسلہ منقطع رہا اس کی کتنی مدت تھی اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔(بخاری ص۵۶۲ ج۲)

بعض حضرات نے پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ بتایا ہے۔ان دونوں میں اسی طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ کے رفع سماء کے بعد سے آنحضرت ﷺ کی بعثت تک چھ سو سال مراد لئے ہوں اور جس نے پانچ سو سال والی بات کہی ہے اس نے آپ کی ولادت تک کا زمانہ مراد لیا ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مفسر ابن کثیر نے ص۳۵ ج۲ میں ایک قول چھ سو بیس سال کا بھی نقل کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ چھ سو اور چھ سو بیس میں کوئی منافات نہیں جس نے چھ سو سال کہا اس نے چھ سو سال شمسی مراد لئے ہیں اور جس نے چھ سو بیس کہا اس نے چھ سو بیس قمری مراد لئے ہیں کیونکہ سو سال شمسی میں (تقریباً) تین سال قمری زائد ہو جاتے ہیں۔یہ جو فترۃ کا زمانہ تھا اس میں جہالت کفر و شرک اور گمراہی کا جو حال تھا اس کے بارے میں جامع الفاظ میں مفسر ابن کثیر نے کیسی اچھی تعبیر کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

وَالمقصودان الله بعث محمدا ﷺ علىٰ فترة من الرسل وطموس من السبل وتغيّر الاديان وكثرة عبادة الاوثان والنيران والصّلبان فكانت النعمة به اتم النعم والحاجة امر عمم فان الفساد كان قد عم جميع البلاد' والطغيان والجهل قد ظهر فى سائر العباد الاقليلا من المتمسكين ببقايا من دين الانبياء الاقدمين من بعض احبار اليهود و عباد النصارىٰ و الصّابئين اھ (ص۳۵ ج۲)

(یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا اور ہدایت کے راستے مٹ گئے تھے اور دین بدل گئے تھے اور بُت پرستی اور آتش پرستی اور صلیب پرستی کی کثرت ہوگئی تھی لہٰذا آپ کو مبعوث فرمانا اللہ تعالیٰ کی کامل ترین نعمت ہے اور آپ کی تشریف لانے کی سب کو ضرورت تھی تمام شہروں میں فساد عام تھا' سرکشی اور جہالت تمام بندوں میں پھیل گئی تھی بجز چند ایسے لوگوں کے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کو پکڑے ہوئے تھے جن میں بعض احبار یہود تھے اور بعض وہ لوگ تھے جو نصاریٰ اور صائبین میں سے اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے تھے)

حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں ان چیزوں میں سے بتا دوں جو چیزیں آج اللہ نے مجھے تعلیم دی ہیں اور وہ تم نہیں جانتے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ اس کے لئے حلال ہے(لوگوں کے اپنے طور پر حرام قرار دینے

سے اللہ کا دیا ہوا مال حرام نہ ہوگا۔ مشرکین بعض چیزوں کو حرام قرار دیتے تھے جو اللہ کے قانون میں حلال تھیں ان کی تردید فرمائی) اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو دین حق پر پیدا کیا اور ان کے پاس شیاطین آ گئے جنہوں نے اُن کو اُن کے دین سے ہٹا دیا۔ اور شیاطین نے ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں اور شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شرک کریں جس کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ اللہ نے زمین والوں کو دیکھا تو عرب اور عجم سب کو بہت زیادہ مبغوض قرار دیا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول بنا کر بھیجتا ہوں تا کہ تم کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہارے ذریعہ دوسروں کو آزماؤں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھوئے گا (کیونکہ وہ سینوں میں محفوظ ہوگی) آپ اُسے سوتے ہوئے بھی پڑھیں گے اور جاگتے ہوئے بھی، پھر فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں میں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! ایسا کرنے سے تو وہ میرا سر پھوڑ دیں گے اور اسے کچل کر روٹی کی طرح بنا دیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں (جنگ کے لئے) نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خرچ کرو ہم تم پر خرچ کریں گے اور تم اپنا لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گنا زیادہ لشکر بھیجیں گے۔ (الحدیث رواہ مسلم ص ۳۸۵ جلد ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ فترۃ میں چند ہی لوگ تھے جو توحید پر قائم تھے اور ان کے علاوہ عرب اور عجم کے لوگ مشرک اور گمراہ تھے اللہ جل شانہ نے کرم فرمایا نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی مشقتوں اور محنتوں اور آپ کے صحابہؓ کی قربانیوں اور مجاہدوں سے کفر کی فضائیں چھٹ گئیں شرک کی جگہ توحید پھیل گئی لوگوں پر ایمان اور کفر پوری طرح واضح ہو گیا۔ حق اور ہدایت کے راستے کھل گئے عرب وعجم کے شہروں میں اور دیہاتوں میں اور دور افتادہ قبیلوں میں ایمان کی لہریں دوڑ گئیں اور قلوب ہدایت کے نور سے جگمگا اٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے سب پر اپنی حجت پوری فرمادی کسی کو یہ بات کہنے کا موقع اور بہانہ نہ رہا کہ ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر نہیں آیا تھا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ (سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ گیا) کسی بھی حجت اور حیلے سازی کا بہانہ نہ رہا جو نبی آخر الزمان ﷺ کو نہ مانے وہ عذاب دائمی کا مستحق ہوگا۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) اُسے پوری قدرت ہے کہ اپنے نافرمانوں کو سزا دے اور فرمانبرداروں کو انعامات سے نوازے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اُس نے تمہیں عطا فرمائی جبکہ اُس نے تم میں انبیاء بنائے

مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا، اے میری قوم! مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ

الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ

جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیچھے واپس مت لوٹو ورنہ نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے' وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! یہ واقعی

فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

بات ہے کہ اس سرزمین میں بڑے زبردست لوگ ہیں اور بیشک ہم اس بستی میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک لوگ نہ نکل جائیں۔ سو اگر وہ اس

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ

سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ دو آدمیوں نے کہا جو ڈرنے والے تھے اللہ نے اُن پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ اُن پر دروازے سے داخل ہو جاؤ۔

فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ

سو جب تم اس میں داخل ہو گے تو بلا شبہ تم غلبہ پانے والے ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو' وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم ہرگز

نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ

کبھی بھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ اس میں موجود ہیں لہٰذا تو اور تیرا رب دونوں جائیں پھر دونوں جنگ کر لیں

رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا

بے شک ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! بے شک میرے بس میں صرف میری جان اور میرا بھائی لہٰذا ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے'

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام رہے گی۔ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے سو آپ نافرمان قوم پر رنج نہ کیجئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور اُن کا اس سے انکاری ہونا

تفسیر: ان آیات میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے' اس واقعہ میں عبرت ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بلا شبہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں سورۂ مائدہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہاں یہود موجود تھے اُنہیں اپنے آباؤ اجداد کے قصے معلوم تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے واقعات کو بتانا (جن کے جاننے کا آپ کے لئے وحی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا) اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آپ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں' یہودیوں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے مگر حجت سب پر پوری ہوگئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون کا لشکر سمندر میں ڈوب کر ختم ہو گیا اور فرعون بھی ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر شام کے علاقہ میں داخل ہو گئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین میں جانا تھا یہ لوگ کئی سو سال کے بعد مصر سے واپس لوٹے

تھے ''جائے خالی راد یوی گیرد'' ان کے پیچھے عمالقہ نے ان کے وطن پر قبضہ کرلیا تھا یہ لوگ قوم عاد کا بقیہ تھے اور بڑے قد وقامت اور بڑے ڈیل ڈول والے اور قوت و طاقت والے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مقدر فرما دیا تھا کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو ملے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو ان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آئندہ زمانہ میں تم میں کثرت کے ساتھ نبی ہوں گے اور تم میں بہت سے بادشاہ ہوں گے اس نعمت کے رکھ رکھاؤ کے لئے اپنی جگہ ہونی چاہئے جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آزادی کے ساتھ تبلیغ کرسکیں اور احکام الٰہیہ پہنچاسکیں اور جس میں تمہارے بادشاہ اپنے اقتدار کو کام میں لاسکیں اور معاملات کو نمٹا سکیں۔ اب تک تم قبط (مصری قوم) کے ماتحت تھے۔ جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا تھا اب تم اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ یہ مقدس سرزمین تمہارے لئے اللہ نے مقدر فرما دی ہے، تم پشت پھیر کر واپس نہ ہو آگے بڑھو۔ جنگ کرو، جن لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے وہ وہاں سے نکل جائیں گے ہمت کرو اور حوصلہ سے کام لو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ اس موقع پر چند آدمی بطور نقیب قوم عمالقہ کی خیر خبر لینے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے جو عمالقہ کا ڈیل ڈول اور قد وقامت دیکھا تو واپس آکر موسیٰ علیہ السلام سے آکر بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اُن کا حال پوشیدہ رکھو لشکر والوں میں سے کسی کو نہ بتانا ورنہ بُزدلی اختیار کرلیں گے اور لڑنے سے گریز کریں گے، لیکن وہ نہ مانے انہوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتا دیا البتہ ان میں سے دو حضرات یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر عمل کیا اور نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل سے عمالقہ کا حال پوشیدہ رکھا بلکہ بنی اسرائیل کو ہمت اور حوصلہ دلایا کہ چلو آگے بڑھو دروازہ میں داخل ہو! دیکھو اللہ کی کیسی مدد ہوتی ہے تم داخل ہوگے تو وہ نکل بھاگیں گے اور تم کو غلبہ حاصل ہوگا اگر مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ مومن کا کام اللہ پر توکل کرنا ہے۔ پیچھے ہٹنا نہیں ہے خصوصاً جبکہ تمہیں بشارت دی جارہی ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے تو پھر کیوں پشت پھیرتے ہو۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا اور یوشع بن نون اور کالب نے بھی زور دیا کہ چلو آگے بڑھو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آپس میں کہنے لگے کہ کاش! ہم مصر سے نہ آتے وہیں رہ جاتے (جب غلامی کا ذہن بن جاتا ہے اور ذلت اور پستی دلوں میں رچ اور بس جاتی ہے تو انسان تھوڑی سی تکلیف سے جو عزت ملے اسکی بجائے ذلت ہی کو گوارا کرلیتا ہے) دھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم مصر ہی میں ہوتے تو اچھا تھا کبھی کہتے تھے کہ کاش! ہم اسی جنگل میں مرجاتے اور ہمیں عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہونے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہوسکتے ہیں (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ جب تک وہ لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہوسکتے۔ (لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور اُن کے ایسے بے تکے جواب سنے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا' مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں لہٰذا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام ہے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس وقت داخلہ سے محروم کئے جا رہے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت میں زمین میں حیران پھرتے رہیں گے' چنانچہ چالیس سال تک چھ فرسخ یعنی اٹھارہ میل جگہ میں گھومتے رہے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں کھڑے ہوئے ہوتے تھے اس وقت انکی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات بھی ہوگئی اور اس وقت جتنے بنی اسرائیلی موجود تھے تقریباً سب کو اسی میدان میں اس چالیس سالہ مُدت کے اندر اپنے اپنے وقت پر موت آ گئی' البتہ حضرت یوشع اور حضرت کالب زندہ تھے اور جب چالیس سال پورے ہو گئے اور نئی نسل تیار ہوگئی تو حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں وہ مقدس سرزمین فتح ہوئی اور بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے۔ (من ابن کثیر و معالم التنزیل)

فوائد متعلقہ واقعہ بنی اسرائیل: (۱) یہ جو فرمایا کہ وَاٰتٰـكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (اور تم کو وہ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا) بظاہر اس سے جو یہ ایہام ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو باقی تمام اُمتوں پر فضیلت دیدی گئی (حالانکہ امت محمدیہ سب سے افضل ہے) اس ایہام کا دفعیہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ تک جو امتیں تھیں اُن کو جو عطا فرمایا تھا ان میں سے سب سے زیادہ بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ اگلی پچھلی تمام امتیں اس سے مراد نہیں ہیں اسی لئے مفسرین کرام اَلْعٰلَمِیْن کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی عالمی زمانهم۔ اور صاحب معالم التنزیل نے مجاہد سے یوں نقل کیا ہے یعنی المن والسلوٰی والحجر و تظلیل الغمام۔ یعنی آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ تمہیں وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا اس سے من و سلویٰ نازل فرمانا اور پتھر سے پانی کے چشمے نکالنا اور بادلوں کا سایہ کرنا مراد ہے۔ یہ چیزیں بحیثیت امت کے بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۲) چھ فرسخ جگہ جس میں چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اس کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہاں جانا چاہ رہے تھے جس بستی میں جانے کا حکم ہوا تھا وہاں تو جانا گوارہ نہ تھا پھر صبح سے شام تک کا سفر جو کرتے تھے وہ کس مقصد سے تھا؟ اس کے بارے میں علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ مصر جانا چاہتے تھے کیونکہ وہاں کئی سو سال رہے تھے وہاں کی سرزمین سے مانوس ہو گئے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بظاہر مقصد کچھ بھی نہ تھا یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم ہرگز اس بستی میں داخل نہ ہونگے جبکہ جبر و قوت والی قوم وہاں سے نہ نکل جائے اس کی سزا انہیں یہ ملی کہ جب حکم کے مطابق ایک جگہ قیام پذیر ہونا نہیں چاہتے تو اب چلتے ہی رہو۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ (کہ ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے) اس کا یہ مطلب تھا کہ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان میں فیصلہ فرما دیجئے۔ یہ لوگ جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دیدیجئے اور جس انعام کی ہمیں ضرورت ہے اس انعام سے ہمیں نواز دیجئے قال صاحب الروح بان تحكم لنا بما نستحقه عليهم بما يستحقونه كما هو المروي عن ابن عباس والضحاك رضي الله عنهم.

(۴) بنی اسرائیل کے قول قبیح کے برخلاف حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کے موقع پر کیا ہی اچھا جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ آپ چلیے (جنگ کیجئے) ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ کریں گے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی چہرۂ انور چمکنے لگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴ اور ج ۲ ص ۶۶۳)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

اور آپ اُن کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے جب کہ اُن دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی سو اُن میں سے ایک کی نیاز قبول کر لی گئی اور دوسرے کی نیاز قبول نہ کی

مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ

گئی اُس نے کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور قتل کر دوں گا دوسرے نے کہا کہ اللہ صرف تقویٰ والوں سے قبول فرماتا ہے یقینی بات ہے کہ اگر تو نے میرے قتل کرنے کے لئے

لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں گا۔ بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے

اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

بلاشبہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر دھر لے پھر تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا

سو اس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا سو اس نے اُسے قتل کر دیا، جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ

پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کرید رہا تھا تا کہ وہ اُسے دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ کہنے لگا افسوس میری حالت پر! کیا میں اس سے عاجز

مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۛۚ

ہو گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں سو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا“۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ
ایک کا دوسرے کو قتل کرنا، پھر اس کی لاش کو لئے ہوئے پھرنا

تفسیر: یہاں قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ نقل فرمایا ہے مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے اور آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ حقیقی معنی صحیح ہو سکتے ہوں تو مجازی معنی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی' اگرچہ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں بھائی (قاتل ومقتول) بنی اسرائیل میں سے تھے اور مجازاً دور دراز پوتوں کو اِبْنَیْ اٰدَمَ (آدم کے دو بیٹوں) سے تعبیر فرمایا ہے۔

قصہ کیوں پیش آیا اور اس کے اسباب ومحرکات کیا تھے اس کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے وہ سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے قرآن کریم میں اجمالی قصہ ذکر فرمایا ہے اور پھر آخر میں بطور عبرت من اجل ذلک کتبنا (الیٰ اخرہ) فرما دیا۔ تفصیل کے ساتھ قصہ معلوم نہ ہو تب بھی مضمون عبرت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۱ نے بحوالہ سُدّی حضرت ابن عباسؓ وابن مسعودؓ وغیرھم سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد ہوئی تھی اس میں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی جڑواں پیدا ہوتے تھے (اس زمانہ میں نسل بڑھانیکی ضرورت تھی اور اولاد کا آپس میں نکاح کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ایک ہی شخص کی صُلبی اولاد کا آپس میں نکاح کر دیا جائے تاہم اتنا فرق ضرور کرتے تھے کہ ایک ہی بطن سے ایک ساتھ جو جڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے بلکہ) ایک بطن کے لڑکے کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح دوسرے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے سے کیا جاتا تھا' حتیٰ کہ دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام قابیل تھا جو کھیتی کرنے والا تھا اور دوسرے کا نام ہابیل تھا جس کے پاس دودھ دینے والے مویشی تھے' قابیل بڑا تھا اس کے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی تھی وہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی ہابیل نے چاہا کہ قابیل کی بہن سے نکاح ہو جائے اور ضابطہ کے مطابق اس کا نکاح ہابیل سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ قابیل اس بات پر نہ مانا اور اس نے کہا کہ یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے جو تیرے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوب صورت ہے اور میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میرا نکاح اس سے ہو (قانون شرعی کے خلاف نفس کی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا)

حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے کہا کہ یہ لڑکی جو تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس کا نکاح ہابیل سے کر دیں لیکن قابیل نہیں مانا پھر جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے دونوں نے الگ الگ اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی کہ جس کی نیاز قبول ہو جائے وہی اس لڑکی سے نکاح کرنے کا حق دار ہوگا۔ دونوں نے جب نیاز پیش کی تو ہابیل کی نیاز قبول ہوگئی' آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا قابیل کی نیاز رکھی رہ گئی۔ جب اسکی نیاز قبول نہ ہوئی اور آسمانی فیصلہ بھی اس کے خلاف ہو گیا تو

کٹ حجتی کرنے والوں کی طرح ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کردونگا اس میں ہابیل کا کچھ قصور نہ تھا اس کی نیاز قبول ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لیکن قابیل غصہ ہونے لگا جیسا کہ ہٹ دھرموں کا طریقہ ہے۔ ضدی آدمی جب دلیل سے عاجز ہو جاتا ہے تو فریق مخالف سے کہتا ہے کہ میں تجھے ماروں گا یا قتل کردوں گا۔ ہابیل نے متانت کے ساتھ جواب میں کہا کہ انما یتقبل اللہُ من المتقین (اللہ تعالیٰ متقی بندوں سے ہی قبول فرماتا ہے) بات کہنے کا کیسا اچھا اسلوب اختیار کیا نہ تو اپنی تعریف کی کہ میں مخلص ہوں اور نہ قابیل سے یوں کہا کہ تو مخلص نہیں ہے اور ایک قانونی بات بتادی اور اچھے پیرایہ میں یہ سمجھا دیا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہو جاتی۔

ہابیل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیری طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے' مفسرین نے لکھا ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت اور طاقت میں زیادہ تھا لیکن اس نے مقتول ہو جانا گوارہ کرلیا۔ اور اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانا گوارہ نہ کیا۔ دفاع کے لئے جوابی طور پر ہتھیار اٹھانا مشروع تو ہے لیکن ہابیل نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ مظلوم ہو کر مقتول ہو جانا قاتل ہونے سے بہتر ہے صبر کرلیا (یہاں بعض چیزوں میں ہماری شریعت کے اعتبار سے بعض اشکلات بھی سامنے آسکتے ہیں لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء کی شرائع احکام کے اعتبار سے متفق ہوں اسلئے یہ اشکال رفع ہو جاتے ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ فتنوں کے زمانہ میں کیا کریں: اخیر زمانہ میں فتنہ بہت زیادہ ہوں گے۔ اس وقت قتل و خون بہت ہوگا اس وقت بھی ہابیل کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنہ ہوں گے ان فتنوں میں انسان صبح مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا بیٹھے والا کھڑے ہونے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اس وقت تم اپنی کمانوں کو توڑ دینا اور ان کی تانتوں کو کاٹ دینا' اور اپنی تلواروں کو پتھروں سے کچل دینا' اور اپنے گھروں میں اندر بیٹھ جانا پھر بھی تم میں سے کسی کے پاس کوئی شخص قتل کرنے کے لئے پہنچ جائے تو آدم کے دو بیٹوں میں جو اچھا بیٹا تھا اس کی طرح ہو جانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۶۴)

یعنی ہابیل کی طرح ہو جانا قتل ہو جانا منظور کر لینا اور خود قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اُٹھانا۔ حضرت ایوب سختیانی نے فرمایا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے مَا اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ پر عمل کیا وہ حضرت عثمان بن عفانؓ تھے وہ امیر المومنین تھے قتال اور دفاع سب کچھ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے مقتول ہونا پسند کرلیا اور قتال کرنا منظور نہ کیا رضی اللہ عنہ۔

ہابیل نے مزید سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ یہ قابیل کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ بھی لے اور میرے گناہ بھی لے ان سب کو

اپنے اوپر اُٹھالے اور دوزخ والوں میں سے ہوجائے' وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ اور یہ ظالموں کی جزا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے جو گناہ ہیں ان کا بوجھ تو تیرے اوپر ہے ہی اور ان میں میرے قتل کا گناہ بھی اپنے سر دھرنے کو تیار ہے۔ یہ سب گناہ مل کر تیرے دوزخ میں جانے کا سبب بن جائیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مومن کو اپنے بھائی کا خیر خواہ ہونا چاہیے ہابیل نے جو یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا اور میرا گناہ اپنے سر رکھ لے اور دوزخیوں میں سے ہوجائے یہ تو خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہر طرح سے اپنے بھائی کو سمجھالیا تھا جب اس نے نصیحت قبول نہ کی اور کسی طرح تفہیم فائدہ مند نہ ہوئی تو پھر ہابیل نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بتادیا کہ جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ برا ہے جو دوزخ میں جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ میرا ہاتھ نہ اُٹھانا تیرے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ممکن ہے کہ ہابیل کی نصیحت سے اور کچھ اپنی سمجھ میں قابیل کو تردد ہوا ہو کہ قتل کرے یا نہ کرے لیکن بالآخر اس کے نفس نے اس پر آمادہ کر ہی دیا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دے' چنانچہ اس نے قتل کر ہی ڈالا' قتل کر کے زبردست نقصان میں پڑ گیا' دنیا میں بھی نقصان ہوا کہ ایک بھائی سے محروم ہوا اور والدین بھی ناراض ہوئے اور خالق کائنات جل مجدہٗ کو بھی ناراض کر دیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔

قتل کا طریقہ ابلیس نے بتایا: قابیل نے قتل کا ارادہ تو کرلیا لیکن قتل کیسے کرے یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ اس سے قبل دنیا میں کوئی مقتول نہ ہوا تھا۔ قتل کرنا چاہا تو گردن مروڑنے لگا لیکن اس سے کچھ حال نہ ہوا اس موقعہ پر ابلیس ملعون پہنچ گیا اور اس نے ایک جانور لیا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے مار دیا۔ قابیل دیکھتا رہا اور پھر اُس نے اپنے بھائی کے ساتھ بھی ایسا کیا اور قتل کر دیا اس بارے میں مفسرین نے دوسری صورتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیفیتِ قتل کی تعیین پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے اسلئے کسی صورت کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس نے قتل کر دیا جس کی تصریح لفظ فقتلهٗ میں موجود ہے۔

قابیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟ قتل تو کر دیا لیکن اس سے پہلے کوئی میت دیکھی نہ تھی کوئی مر جائے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اب قابیل حیران تھا کہ بھائی کی اس لاش کو کیا کرے اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے دونوں آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار دیا پھر اسی مارنے والے کوّے نے زمین کو کریدا اور مردہ کوّے کی لاش کو دفن کر دیا فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ کَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ۔ (سو اللہ نے بھیج دیا ایک کوا جو کرید رہا تھا زمین کو تاکہ وہ اُسے دکھائے کہ کیسے چھپائے

اپنے بھائی کی لاش کو) جب قابیل نے یہ منظر دیکھ لیا تو زمین کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور یہ بھی کہا یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ (ہائے افسوس! میری حالت پر! کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ خسران یعنی نقصان عظیم کا تو مستحق ہوا ہی تھا! اپنی ناسمجھی پر نادم بھی ہوا کہ میں کوے جیسا بھی نہ ہو سکا جو اپنے بھائی کی لاش کو اپنی سمجھ سے کہیں ٹھکانہ لگا دیتا)

فوائد متعلقہ واقعہ ہابیل وقابیل

(۱) واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد میں شروع ہی سے توحید پھیلائی تھی اور جو احکام ان کے لئے مشروع کئے گئے تھے ان احکام پر عمل کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی ان کے مطابق چلاتے تھے اسی لئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ فلاں بطن کی لڑکی فلاں بطن کے لئے حلال ہے اور فلاں بطن کے لئے حرام ہے، پھر جب اختلاف ہوا تو دونوں لڑکوں نے بارگاہ خداوندی میں قربانی پیش کی اور قربانی کے ذریعہ اختلاف کا فیصلہ کرنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ جس کی قربانی قبول کرے گا وہ صحیح راہ پر ہوگا۔

انسان اپنے عہد اوّل سے توحید کا عقیدہ رکھنے کا پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے جو اُسے اس کے نبی کے ذریعہ پہنچے ہوں، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی وقد جاء تصریح ذلک فی الحدیث کما فی المشکوٰۃ (ص ۵۱۱ و ص ۵۱۲)

(۲) جب دونوں بھائیوں نے اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی (ہابیل نے ایک مینڈھا پیش کیا اور قابیل نے کچھ بالیں پیش کیں) تو اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی نیاز کو قبول فرما لیا، آسمان سے آگ آئی اور اُس کو جلا دیا، قابیل نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ یوں ہی رکھا رہ گیا اس پر اُسے غصہ آیا اوّل تو پہلے ہی سے ناراض تھا۔ اب مزید نفسانیت میں اُبھار آیا۔ اس اُبھار کا باعث یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اسکی نیاز قبول نہیں ہوئی تو اُن کی نظروں میں خفیف ہوں گا، قابیل ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا، جس لڑکی کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا اس بارے میں ہابیل کی بات قانون خداوندی کے مطابق تھی اور جب نیاز قبول نہ ہوئی تو اس میں بھی ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا، قابیل کو حسد ہوا کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس پر ہابیل نے اچھے انداز میں اسکو سمجھایا اور یہ کہہ دیا کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (کہ اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے) مطلب یہ تھا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہوتی، اوّل تو پہلے ہی حکم شرعی کی خلاف ورزی پر اصرار ہے اور اب مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے ان سب باتوں کو چھوڑ کر تقوے اختیار کرنا چاہیئے تا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال قبول ہوں۔

تقویٰ کے عموم میں کفر شرک سے بچنا اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنا سب آ جاتا ہے اور کافر کا تو کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے، کسی عمل کا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے، عمل تو بہت کئے جاتے ہیں لیکن ثواب اُسی عمل پر ملے گا جو اللہ کے یہاں قبول ہو جائے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، نے فرمایا۔

لان استیقن ان اللّٰہ تقبل لی صلوٰۃ واحدۃ احب الیَّ من الدنیا ومافیھا، ان اللّٰہ یقول انما یتقبل اللّٰہ منَ المتقین (ابن کثیر)

(اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری ایک نماز مقبول ہوگئی تو یہ میرے لیے ساری دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہوگا) تو گویا ایک اچھے پیرائے میں ہابیل نے قابیل کو سمجھا دیا کہ تقویٰ اختیار کر چونکہ اس میں حسد کی آمیزش بھی تھی وہ بھی گناہ ہے اسلئے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت میں حسد سے باز رہنے اور بچنے کی تنبیہ ہوگئی، حاسد یہ دیکھتا ہے کہ فلاں شخص کو ایسی ایسی نعمت مل گئی ہے اور خواہ مخواہ صاحب نعمت سے جلتا ہے حالانکہ صاحب نعمت کا اس میں کچھ بھی قصور نہیں ہوتا اس میں تو اللہ تعالیٰ سے ناراضگی ہے کہ فلاں کو کیوں دیا مجھے کیوں نہیں دیا، ہابیل نے جو قابیل کو نصیحت کی اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صاحب نعمت کی نعمت کے زوال کی فکر میں پڑنے کی بجائے حاسد کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ در حقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **اوصیک بتقوی اللّٰہ فانہ ازین لامرک کُلّہ** (کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے ہر کام کو زینت دینے والا ہے) مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵۔

(۳) مفسرین لکھتے ہیں کہ ہابیل سب سے پہلا مقتول بھی تھا اور سب سے پہلا میت بھی تھا اس سے پہلے کسی انسان کی موت نہ ہوئی تھی لہٰذا قتل کرنے کے بعد قابیل کو پریشانی تھی کہ نعش کو کیا کرے لہٰذا بوری وغیرہ میں بھر کر نعش کو کمر پر اُٹھائے ہوئے پھرتا رہا، اوّل تو بوجھ اُٹھا کر لیے پھرنے کی مُصیبت! دوسرے اس کے اردگرد مُردہ خور جانوروں کی بھیڑ کہ یہ اسے پھینکے تو کھائیں دونوں باتیں وبال جان بنی ہوئی تھیں، جب ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو قتل کر کے اور دفن کر کے دِکھا دیا تو اپنے بھائی کی لاش کو دفن کیا، لاش کو ختم کرنے کے اور بھی طریقے تھے مثلاً آگ میں جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا جو ایک طبعی اور فطری طریقہ ہے انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے مٹی ہی میں مل جاتا ہے۔ گلے سڑے جو کچھ ہو مٹی کے اندر ہو اس کے بعد سے عموماً تمام انسان نعشوں کو دفن ہی کرتے ہیں سوائے ہندوستان کے مشرکوں کے کہ وہ جلاتے ہیں اور سوائے پارسیوں کے کہ وہ اپنی نعشوں کو گِدھوں کو کھلا دیتے ہیں انسان کا اکرام اسی میں ہے کہ موت کے بعد اُسے دفن کر دیا جائے، اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو بلا عوض جان کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دے جو زمین میں ہو تو گویا قتل

فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا

کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کردیا' اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کردیا' اور یہ واقعی بات ہے کہ

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿۳۲﴾

ان کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں

جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا تمام انسانوں کو قتل کیا

تفسیر: یعنی اس وجہ سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے قتل کردیا ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھدی یعنی ان کے لئے شریعت بنادی اور اس کا اعلان کردیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو قتل کر دے اور یہ قتل کرنا کسی جان کے عوض نہ ہو اور زمین میں جو فساد ہوا اُسے روکنے کے لئے نہ ہو تو گویا کہ اس قاتل نے تمام انسانوں کو قتل کردیا اور جس نے کسی جان کو زندہ کردیا یعنی کسی جان کو ہلاکت سے بچالیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندہ کردیا۔

علامہ قرطبی ج ۶ ص ۱۴۶ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جو تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں پھر حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک قول حضرت مجاہد تابعی کا بھی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی بھی ایک جان کو بلا وجہ شرعی قصداً قتل کردے تو اسکی سزا جہنم کا داخلہ ہے اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا اور اللہ کی اس پر لعنت ہو گی اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے جیسا کہ سورہ نساء میں اسکی تصریح ہے اگر کوئی شخص تمام لوگوں کو قتل کردے تو اسکی سزا اس سے زیادہ نہیں ہے لہٰذا ایک جان کا قتل کرنا اور سب جانوں کا قتل کرنا برابر ہوا لہٰذا کوئی شخص کسی ایک جان کو بھی قتل نہ کرے' اسی طرح سے جو شخص قتل کر رہا تھا اور وہ قتل سے رُک گیا تو گویا اس نے سب آدمیوں کو بچالیا۔

اور ایک قول علامہ قُرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ ایک جان کو قتل کرنے والے کو ایسا گناہ ہوتا ہے جیسا کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا گناہ' یہ قول آیت کے ظاہری الفاظ سے قریب تر ہے اور حدیث شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (کہ جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا آدم کے پہلے بیٹے پر بھی اس کے قتل کی شرکت رہے گی کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی۔ رواہ البخاری و مسلم) اس حدیث سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے' علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے ان پر عذاب میں تغلیظ اور تشدید فرمائی' اس تغلیظ کی وجہ بعض مفسرین نے لکھی ہے کہ بنی اسرائیل پر سب سے پہلے کتاب اللہ یعنی توریت شریف میں قتل نفس کا ممنوع ہونا نازل ہوا تھا اگرچہ اس سے پہلے بھی قتل نفس ممنوع تھا لیکن کسی کتاب الٰہی میں ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی۔ اور ان لوگوں میں سرکشی اور طغیانی بھی بہت تھی حتیٰ کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی انہوں نے قتل کردیا

اس کے بعد کسی جان کو بچانے کی فضیلت بیان فرمائی۔ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (اور جس کسی نے جان کو زندہ رکھا یعنی کسی کی زندگی کے بچنے کا ظاہری سبب بن گیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا)

اس کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ذکر فرمایا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (اوران کے پاس ہمارے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں اسراف کرنے والے یعنی حد سے بڑھنے والے ہیں)

فائدہ: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی شخص دنیا میں ظلماً قتل کریگا اس کے گناہ میں آدم کے اس بیٹے کا حصہ بھی ہوگا جس نے دنیا میں سب سے پہلے قتل کیا تھا' عذاب وثواب کا ایک یہ بھی قانون ہے کہ جو شخص کسی خیر کی ابتداء کرے گا اسے اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور جو لوگ اسکی دیکھا دیکھی یا اس کی تعلیم وتبلیغ سے اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس ابتداء کرنے والے شخص کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی' اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے عمل سے یا قول سے کسی برائی کی بنیاد ڈال دی تو اس برائی کو جو لوگ اختیار کریں گے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس بنیاد ڈالنے پر ہوگا اور عمل کرنے والوں کو گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (کما جاء مصرحاً فی حدیث ابی مسعودؓ عند مسلم مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۳)

مومن بندوں کو خیر کا داعی اور خیر کا رواج دینے والا اور خیر کا پھیلانے والا بننا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بندہ کے لیے خوش خبری ہو جسے اللہ نے خیر کی چابی بنایا ہو اور خیر کا تالا بنایا ہو، اور خرابی ہے اس شخص کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے شر کی چابی بنایا ہو اور شر کا تالا بنایا ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴) بدعتوں کو رواج دینے والے اپنے بارے میں غور کرلیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا
جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ اُن کو قتل کیا جائے
اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ
یا اُنکو سولی پر چڑھایا جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یہ دنیا میں اُن کی
لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ
رسوائی اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کرلی اس سے پہلے کہ
تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾
تم ان پر قدرت پاؤ' سو جان لو کہ بلا شبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے

دُنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے ڈاکوؤں اور راہزنوں کی سزا بیان فرمائی ہے جو دنیاوی احکام سے متعلق ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ آیت شریف میں چار سزاؤں کا ذکر ہے ایک قتل دوسرے سولی پر چڑھانا تیسرے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دینا۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں، چوتھے زمین سے دور کرنا۔ ڈکیتی اور رہزنی کو اللہ اور رسول سے لڑنے سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ لوگ اللہ کی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ بندوں تک پہنچی ہے اور زمین میں جو امن وامان ہے اُسے تباہ کرتے ہیں۔

آیت کریمہ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ کا سببِ نزول: زمانہ نبوت میں ایک واقعہ پیش آیا جو آیت بالا کے نازل ہونے کا سبب بن گیا اور ڈکیتی کرنے والوں کے بارے میں مستقل ایک قانون نازل ہوگیا۔ علامہ واحدی نے اسباب النزول میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے۔

کہ بنی عکل اور بنی عرینہ کے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو آٹھ افراد تھے ان لوگوں نے (ظاہری طور پر) اسلام قبول کرلیا اور آپ سے بیعت اسلام بھی کرلی پھر ان کو مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی بیمار ہوگئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کے مرض کی کیفیت بیان کی گئی آپ نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو صدقہ کے اونٹوں کی طرف نکل جاؤ جہاں وہ چرتے ہیں جانوروں کو جو چرانے والا ہے اسی کے ساتھ رہو ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیتے رہو۔ ان لوگوں نے اسے منظور کیا وہاں جنگل میں رہنے لگے۔ اُنہوں نے اونٹوں کا پیشاب بھی پیا اور دودھ بھی، جب تندرست ہوگئے تو چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹوں کو ہانک کرلے گئے جب آنحضرت ﷺ کو ان کی اطلاع ہوئی تو ان کے پیچھے آدمی بھیجے ان کو پکڑ کر لایا گیا اور خدمت عالی میں پیش کیا گیا پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کے آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی گئی (جس سے وہ اندھے ہوگئے) پھر دھوپ میں ڈالدیئے گئے یہاں تک کہ وہ مرگئے۔

یہ واقعہ امام مسلم نے ج۲ص۵۷ مختلف اسانید سے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری ج۲ص۶۰۲ میں بھی مذکور ہے اسباب النزول میں ہے کہ حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ آیت اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ (آخر تک) کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ پیشاب پینے کی جو اجازت ان لوگوں کو دی گئی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیدی گئی تھی کہ وہ مرتد ہوجائیں گے وفیہ توجیھات اخر مذکورۃ فی شروح الحدیث۔

ڈاکوؤں کی چار سزائیں: آیت بالا میں چار سزاؤں کا ذکر ہے (۱) قتل کرنا (۲) سولی پر چڑھانا (۳) جانب

مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹنا (۴) زمین سے دُور کر دینا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ چار سزائیں مختلف جرائم کے اعتبار سے ہیں اگر ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو مال بھی لیا ہو تو وہ قتل کئے جائیں گے اور سولی پر چڑھائے جائیں گے اور اگر قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو قتل کئے جائیں گے اور اگر مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیے جائیں گے، اور اگر کہیں رہزنی کے لئے بیٹھ گئے ہوں جس سے لوگ خوف زدہ ہوں تو ان کو زمین سے دُور کر دیا جائے۔ زمین سے دور کرنے کا مطلب کیا ہے اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلاوطن کر دیا جائے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیل میں ڈال دیا جائے جب تک کہ توبہ نہ کرے جیل ہی میں رکھا جائے۔ محمد ابن جریر طبری نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اسے اپنے شہر سے دور کسی دوسرے شہر کی جیل میں ڈالدیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے۔ حضرت مکحول تابعی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے جیل میں رکھنے کا سلسلہ جاری کیا اور فرمایا کہ میں بند رکھوں گا جب تک مجھے اس کی توبہ کا علم نہ ہو جائے اور میں جلاوطن نہ کروں گا تا کہ یہ وہاں کے لوگوں کو تکلیف نہ دے۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امیر المومنین کو اختیار ہے کہ چاروں سزاؤں میں سے جو بھی سزا جس ڈاکو کے لئے اختیار کرے کر سکتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ چاروں سزائیں مختلف احوال کے اعتبار سے نہیں ہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما نے اُسی تفسیر کو اختیار کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے اوپر منقول ہوئی ہے۔

سولی دینے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ زندہ سولی پر لٹکا کر نیچے سے پیٹ میں نیزہ گھونپ دیا جائے اور وہ اسی حالت میں مر جائے بعض حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ تین دن تک زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے اور پھر اسے اُتار کر قتل کر دیا جائے (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۳) مال لینے کی صورت میں جو یہ فرمایا ہے جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اس کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

فائدہ: یہ قتل کرنا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا شرعی سزا کے طور پر ہے جس کو قتل کرنا ہو اس کے اولیاء اگر معاف کر دیں تب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔ ان کے معاف کرنے کے باوجود اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر اس نے مال معاف کر دیا جس کا مال لیا ہے تب بھی سزا معاف نہ ہوگی۔ ڈکیتی کے طور پر مال لوٹنے میں چونکہ چوری سے بڑھ کر جُرم ہے جس کی وجہ سے امن عام فوت ہو جاتا ہے اسلئے ڈکیتی کی سزا دوہری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چوری کرنے کی وجہ سے پہلی بار داہنا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جاتا ہے لیکن ڈکیتی میں پہلی ہی مرتبہ دونوں سزائیں مشروع کی گئی ہیں۔

اسی طرح سے قتل کرنے کی صورت میں تمام ڈاکوؤں کو قتل کر دیا جائیگا جنہوں نے کسی جگہ جماعتی طور پر بیٹھ کر کسی کو قتل کیا

ہو۔ اگر ان میں سے ایک ہی شخص نے قتل کیا ہو اور ایک ہی شخص کو قتل کیا ہو۔ تب بھی سب کو قتل کیا جائیگا کیونکہ یہ قتل قصاص کے اصولوں پر نہیں ہے بلکہ عامۃ الناس کا امن فوت کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے نکلنے کی سزا کے طور پر ہے۔

ڈاکوؤں کی سزائیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ کہ یہ ان لوگوں کی اس دنیا میں رسوائی ہے۔ مقتول ہوں گے اور سولی پر چڑھیں گے اور ہاتھ پاؤں کٹے پھریں گے اور آخرت میں بھی انکے لئے بڑا عذاب ہے۔

ایک پانچویں صورت رہ گئی اسے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ نہ تو انہوں نے مال لیا اور نہ ہی قتل کیا بلکہ کسی شخص کو زخمی کر دیا اس کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جن زخموں میں قصاص لیا جاتا ہے ان میں قصاص لیا جائے گا اور جن میں دیت لی جاتی ہے ان میں دیت لی جائے گی۔

پھر فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (مگر وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کر لی کہ ان پر قائم قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) اس کے بارے میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ حکومت کے گھراؤ میں آنے اور قابو پانے سے پہلے ڈاکو توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی توبہ قبول ہے لیکن اس توبہ سے صرف حد شرعی ساقط ہو جائے گی۔ حق العبد معاف نہ ہوگا۔ اگر عمداً کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کے اختیار ہے کہ قتل کر دیں یا معاف کر دیں اور جو مال لیا ہے اس کا واپس کرنا بھی واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ سے حد شرعی معاف ہوگئی حق العبد معاف نہیں ہوا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہوتا کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ

سے جان چھڑانے کے لئے دیدیں تو یہ اُن سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ ارادہ کریں گے کہ دوزخ سے نکلیں حالانکہ وہ اس میں سے

بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾

نکلنے والے نہیں اور ان کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور اُسکی راہ میں جہاد کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنے کا حکم دیا ہے تمام طاعات فرائض واجبات سنن ونوافل یہ سب اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔

قال النبی ﷺ ان اللہ قال من اذی لی ولیًا فقد اذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضتہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہٗ (الحدیث) (صحیح بخاری ص۹۶۳) (حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میرے ولی کو تکلیف پہنچائی تو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور بندہ جن اعمال کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ اعمال ہیں جنہیں میں نے فرض کیا ہے اور میرا بندہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے پسند کرنے لگتا ہوں)

پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا اور اس سب کو ذریعہ کامیابی بتایا۔

قیامت کے دن اہل کفر کو عذاب کا سامنا اور جان چھڑانے کیلئے سب کچھ دینے پر راضی ہونا

اس کے بعد اہل کفر کے بارے میں فرمایا کہ جب قیامت کے دن عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے تو ان کی یہ آرزو اور تمنا ہوگی کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اور اس کے ساتھ اس کے بقدر اور بھی ہو اور یہ سب دے کر خلاصی پالیں اور جان چھڑا لیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اول تو وہاں کچھ ہونے کا ہی نہیں تاکہ اس کو جان کے بدلہ میں دیا جاسکے اور بالفرض ہو بھی اور اس کو دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی بدلہ اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جو دردناک عذاب ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بہر حال اس عذاب میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہی ہوگا۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ (یعنی بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے تو اُن سے ہرگز بھی زمین بھر کر سونا قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کو جان کے بدلہ میں دینا چاہیں' یہ لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب ہوگا اور کوئی بھی اُن کا مددگار نہ ہوگا)

اور سورۂ رعد میں فرمایا وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَہٗ لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ (اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اگر اُن کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی قدر اس کے ساتھ اور ہو تو یہ لوگ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کو دے ڈالیں' ان لوگوں کے لئے حساب کی سختی ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے)

اور سورۂ زُمر میں فرمایا وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (اور ظلم کرنے والوں کے پاس اگر دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور اُن کے ساتھ اُسی قدر اور بھی ہو تو

یہ لوگ قیامت کے دن بُرے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنی جان کے بدلہ میں دینے کو تیار ہوں گے) قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو نہ صرف مال بلکہ آل اولاد اعزہ واقرباء سب کو اپنی جان پر قربان کرنے اور اپنے جان کو عذاب سے چھڑانے کی آرزو کریں گے۔ سورہ معارج میں فرمایا یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ كَلَّا یعنی گنہگار تمنا کرے گا کہ کاش اس دن عذاب سے چھوٹنے کے عوض میں ایک بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی اور اپنے کنبہ کو جس میں رہا کرتا تھا و نیز جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کو دیدے پھر یہ معاوضہ اس کو بچالے نہیں۔

کافر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر کبھی نہ نکل سکیں گے:

پھر فرمایا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَاهُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا کہ وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں سورۂ الٓمّٓ سجدہ میں فرمایا كُلَّمَآ اَرَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِیْدُوْا فِیْهَا (کہ جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے)

پھر فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ اور ان کے لئے عذاب ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ اوپر ڈاکہ زنی کی دُنیا میں سزا بیان فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے پھر چند آیات کے بعد چوروں کی سزا بیان فرمائی (جو آیت ذیل میں آرہی ہے) ان دنوں کے درمیان ایک تو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا دوسرے اللہ کی نزدیکی تلاش کرنے کا حکم دیا تیسرے جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا چوتھے کافروں کا عذاب بیان کیا اور یہ بتایا کہ جب وہ عذاب میں داخل ہونگے تو اگر یہ دنیا اور اس قدر اور بھی کچھ ان کے پاس ہو تو یہ سب جان چھڑانے کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہو جائیں گے پہلے جو دو حکم ہیں یعنی تقویٰ اختیار کرنا اور اللہ کا قرب تلاش کرنا ان دونوں میں چوری ڈاکہ زنی سے بچنا پھر داخل ہے اور یہ حکم تمام فرائض واجبات اور مستحبات کی ادائیگی کو بھی شامل ہے تیسرا حکم یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا جو حکم دیا اس میں یہ بتادیا کہ فساد فی الارض اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ دوسری چیز ہے جہاد فساد فی الارض کو دبانے کے لئے ہے اگر اس سلسلہ میں قتل و خون ہو جائے کافر و مشرک مارے جائیں ڈاکوؤں کا خون ہو جائے تو یہ فساد فی الارض نہیں ہے اس سے تو اللہ کی رضا اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے جو لوگ ڈاکہ زنی یا چوری کرتے ہیں وہ مال جمع کرنے کے لئے یہ کام کرتے ہیں ان کو بتادیا کہ جو مال اور دولت لوٹ مار کر کے اور چوری اور ڈکیتی کے ذریعہ جمع کرو گے وہ آل اولاد اور دنیا کی مثل اور کچھ بھی مل جائے تو اس سب کو جان چھڑانے کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہو جاؤ گے مگر وہاں مال موجود نہ ہوگا عذاب بھگتنا ہی ہوگا اپنی ذات کو عذاب میں داخل کرنا اور لوگوں کو تکلیف دیکر حرام مال جمع کرنا اور اولاد کے لئے چھوڑ جانا اور آخرت میں عذاب میں گرفتار ہونا یہ تو اپنے اوپر سراپا ظلم ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

جو چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ہو سو ان کے کردار کے عوض ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ بطور سزا کے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ غالب ہے

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ

حکمت والا ہے، سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے سو بلا شبہ اللہ اسکی توبہ قبول فرما لے گا، بے شک اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ

غفور ہے رحیم ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ بلا شبہ اللہ کے لئے ہے مُلک آسمانوں کا اور زمینوں کا، وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہے

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾

اور بخشتا ہے جسے چاہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

چوروں کی سزا کا بیان

تفسیر : چند آیات پہلے ڈاکوؤں کی سزائیں ذکر فرمائیں اب چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزا بیان کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کرتوت کی سزا ہے جس میں دوسرے کے لئے عبرت بھی ہے۔ احادیث شریفہ میں اسکی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ گٹہ سے کاٹ دیا جائیگا اس کے بارے میں علماء اُمت کے مختلف اقوال ہیں کہ کم از کم کتنی مالیت کے چرانے پر قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ ۱/۴ دینار کی مالیت کا سامان چرا لے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ تین درہم یا اتنی مالیت کا مال چُرائے تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ دس درہم یا انکی مالیت کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس سے کم میں نہیں (اگر اس سے کم کی چوری کا ثبوت ہو جائے تو دوسری کوئی سزا دے دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے)

شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں

جو بھی شخص چوری کرلے مرد ہو یا عورت اور چوری بقدر نصاب ہو (جس کا اوپر بیان ہوا) تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس میں کوئی رُو رعایت نہ ہوگی، اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، مکہ معظمہ میں ایک عورت بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کر لی تھی۔ بنی مخزوم قریش کا ایک قبیلہ تھا اور یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے اونچے سمجھے جاتے تھے قریش چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ سرور دو عالم ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرما دیا تو قریش اس کے لئے فکر مند ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کسی سے سفارش کرائی جائے؟

پھر آپس میں کہنے لگے کہ اُسامہؓ بن زید کے علاوہ کون جُرأت کرسکتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے پیارے ہیں اُن سے عرض کیا گیا تو اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی آپ نے فرمایا کہ تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ آپ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے شریف آدمی چوری کرتا تھا (جسے حسب نسب اور دنیاوی اعتبار سے شریف سمجھا جاتا تھا) تو اسکو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کردیتے تھے (پھر فرمایا) اللہ کی قسم! محمد کی بیٹی فاطمہ (اعاذہا اللہ تعالیٰ) اگر چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

جب کوئی مرد یا عورت پہلی بار چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ گٹے سے کاٹ دیا جائے اس کے بعد دوبارہ چوری کرے تو ٹخنہ سے بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے یہاں تک کہ تمام ائمہ کا اتفاق ہے اسکے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے کہ اب کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ کاٹا جائے بلکہ اسکو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرلے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام اوزاعیؒ کا یہی قول ہے اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اگر اس کے بعد بھی چوری کرے تو اسے دوسری کوئی سزا دی جائے یہاں تک کہ توبہ کرلے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا مروی ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت پر مبنی ہے اسکی مخالفت کرنیوالے بے دین ہیں

چور اور چورنی کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا کہ یہ سزا ہے اس فعل کو جو انہوں نے کیا اور ساتھ ہی نَكَالاً مِّنَ اللهِ بھی فرمایا نکال اُس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لئے عبرت ہو اللہ جل شانہٗ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ چوری کی سزا جو ہاتھ کاٹنے کی صورت میں کی جارہی ہے اس پر اعتراض کرکے ایمان کھو بیٹھنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ایسے احمقوں کے اعتراض کا جواب جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ میں دیدیا اللہ جل شانہٗ خالق و مالک ہے احکم الحاکمین ہے اسے اختیار ہے کہ بندوں کو جو چاہے حکم دے اور جو قانون چاہے تشریعی طور پر نافذ فرمائے پھر وہ عزیز بھی ہے وہ سب پر غالب ہے اور حکیم بھی ہے اس کا ہر فعل ہر فیصلہ اور ہر قانون حکمت کے مطابق ہے وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے انسانوں میں کیسے کیسے جذبات ہیں ان میں مصلحین بھی اور مفسدین بھی چور بھی ہیں اور ڈاکو بھی اور ان فسادیوں کا فساد کون سے قانون کے نافذ کرنے سے روکا جاسکتا ہے اور کونسی ایسی عبرت ناک سزا ہے جو مفسدین کو فساد سے باز رکھ سکتی ہے اور عامۃ الناس کے جان و مال کی حفاظت کسی قانون کے نافذ کرنے سے ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے سورۂ ملک میں فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین ہے باخبر

ہے) جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی مجرمین کی سزاؤں کو وحشیانہ یا ظالمانہ کہتے ہیں ان میں سب سے آگے آگے تو یہود و نصاریٰ ہیں جن میں مستشرقین بھی ہیں یہ تو کھلے کافر ہیں ان کا اسلام کی حقانیت ایمان ہی نہیں ہے یہ اعتراض کریں تو چنداں تعجب نہیں کیونکہ انہیں نہ حق قبول کرنا ہے نہ حق ماننا ہے اپنے اپنے دین کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اسی پر جمے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے خوش ہیں دوزخ میں جانے کو تیار ہیں۔

حیرت اُن لوگوں پر ہے جو اسلام کے بھی دعویدار ہیں اور قرآن کریم کی مقررہ سزاؤں کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں' یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مسلمانوں کے درمیان رہنے اور مسلمانوں سے دُنیاوی منافع وابستہ ہونے کی وجہ سے یوں نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں وہ کیا مسلمان ہے جو اللہ پر' اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے قانون پر اعتراض کرے اور اللہ کے قانون کو وحشیانہ اور ظالمانہ بتائے' یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ عزیز ہے علیم ہے خبیر ہے اُسے یہ معلوم ہے کہ امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے اور شر و فساد کے خوگر کس قانون کے نافذ کرنے سے دب سکتے ہیں' پہلے آپ یورپین حکومتوں کے جاری کردہ قوانین کو لے لیں (جنہیں ایشیاء وغیرہ کے ممالک نے بھی قبول کر لیا) ان لوگوں کے یہاں چور اور ڈاکو کی یہ سزا ہے کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جو لوگ جرائم کے عادی ہوتے ہیں ان کے نزدیک جیل میں رہنا معمولی سی بات ہے جیلوں میں جاتے ہیں واپس آتے ہیں پھر چوری ڈکیتی کر لیتے ہیں پھر پکڑے جاتے ہیں پھر جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ کر جیل سے باہر جاتے ہیں کہ میرا چولہا ایسے ہی رہنے دینا چند دنوں بعد میں پھر واپس آؤں گا۔

اگر جیل کی سزا دینے سے امن و امان قائم ہو سکتا ہے اور چوری ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو سکتی تھیں تو اب تک ختم ہو جاتیں لیکن وہ تو روز افزوں ہیں چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں مال داروں پر ان کی نظریں رہتی ہیں کبھی کسی کو قتل کیا کبھی پستول دکھا کر کسی شہری کو لوٹ لیا کبھی کسی بس کو روک کر کھڑے ہو گئے۔ کبھی ریل میں چڑھ گئے اور مسافروں کے پاس جو کچھ مال تھا وہیں دھروالیا کبھی کسی کے گھر میں گھس گئے کبھی سونے کی دوکان لُوٹ لی' اوّل تو انکو پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑ بھی لیا گیا تو بعض مرتبہ رشوت چھڑوا دیتی ہے اور بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کو پکڑنے پر مامور ہیں اس ڈر سے کہ کہیں موقع دیکھ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں انہیں چھوڑ بھاگتے ہیں اور اگر پکڑ ہی لیا او حاکم کے سامنے پیش کر ہی دیا اور اس نے رشوت لیکر نہ چھوڑا بلکہ سزا تجویز کر ہی دی تو وہ جیل کی سزا ہوتی ہے جیل میں سزا کے مقررہ دن گذار کر اور کبھی اس سے پہلے ہی نکل آتے ہیں اور پھر انہیں مشاغل میں لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے جیل میں گئے تھے۔

اب اسلام کے قانون کو دیکھئے ڈاکوؤں کی سزا اوپر بیان کر دی گئیں ہے جس کی چار صورتیں بیان کی گئیں ہیں یہاں چور اور چورنی کی سزا بیان فرمائی کہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ان سزاؤں کو نافذ کر دیں چند کو ڈکیتی کی سزا مل جائے اور چند

چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں تو دیکھیں کیسے امن وامان قائم ہوتا ہے اور کیسے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔

جولوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں چوروں کے حامی ہیں: اصل بات یہ ہے کہ جولوگ اسلامی سزا کے نافذ کرنے کے مخالف ہیں ان کو چوروں اور ڈاکوؤں پر تو رحم آتا ہے کہ ہائے ہائے اس کا ہاتھ کٹ جائے گا اور ڈاکوؤں پر ترس آتا ہے کہ یہ مقتول ہوں گے سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے لیکن عامۃ الناس پر رحم نہیں آتا جو بدامنی اور شروفساد کا شکار رہتے ہیں' کیسی بھونڈی سمجھ ہے کہ عام مخلوق کو چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم سے محفوظ و مامون کرنے کے لئے چند افراد کو سخت سزا دینے کے روادار نہیں ہیں اور چوروں اور ڈاکوؤں کو چوری اور لوٹ مار کے مواقع فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

جَزَآءً ۢبِمَا کَسَبَا کے ساتھ جو نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ چور اور چوری کرنے کے لئے جو سزا تجویز فرمائی ہے وہ صرف ان ہی کے کرتوت کا بدلہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی اس میں عبرت ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ فرمادیا کہ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کہ (اللہ تعالیٰ غلبہ والا بھی ہے اور حکمت والا بھی) اس کا قانون حکمت کے مطابق ہے اس کے خلاف کوئی بھی قانون بنی نوع انسان کے حق میں بہتر نہیں ہے' جن ممالک میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں کے بازاروں میں اب بھی یہ حال ہے کہ دکانوں پر معمولی سا پردہ ڈال کر نمازوں کے لئے چلے جاتے ہیں اور بعض دکانوں کے باہر رات بھر سامان پڑا رہتا ہے پھر بھی چوری نہیں ہوتی۔ چور کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِہٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کر لے تو بلاشبہ اللہ اسکی توبہ قبول فرماتا ہے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے)

یہ تو اللہ تعالیٰ شانہ' کا عام قانون ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ظلم کرلے اور اس کے بعد نادم ہوکر سچے دل سے توبہ کرکے اور یہ توبہ اصول شریعت پر پوری اترتی ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ' معاف فرمادیں گے' یہاں چونکہ چور کی سزا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا ہے اسلئے مفسرین کرام نے آیت کا معنی یہ لکھا ہے کہ یہ بھی کوئی چور اپنے ظلم یعنی چوری کرنے کے بعد توبہ کرلے اور پھر اصلاح حال کرلے یعنی جو مال اس نے چرایا ہے وہ واپس کردے یا مالک سے معاف کرالے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کی اس توبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ چوری کرکے جو اللہ کی نافرمانی کی ہے آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا۔ رہا ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ تو یہ معاف نہ ہوگا یعنی قاضی کے سامنے اگر چور توبہ کرلے تو قاضی ہاتھ کاٹنے کی سزا کو رفع دفع نہیں کرسکتا توبہ کا تعلق آخرت کی معافی سے ہے۔ جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور ہاتھ کاٹنے کا قانون جو فیما بین العباد ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو ڈکیتی کی سزا ان پر جاری نہ ہوگی البتہ لوگوں کی جو حق تلفی کی ہے اس کا بھگتان کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے یا اس کے بعد توبہ کر

لے تو چوری کی شرعی دنیاوی سزا معاف نہ ہوگی یعنی حاکم توبہ کے بعد بھی ہاتھ کاٹ دیگا' آخر میں فرمایا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ٥ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کردے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے)

اس آیت میں بتادیا کہ آسمان اور زمین سب اللہ کی ہی ملکیت ہے اسے ہر چیز کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے جسے چاہے عذاب دے جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تین آیات ہیں ایک آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ فرمایا دوسری آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمایا اور تیسری آیت کے ختم پر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ فرمایا۔ یعنی وہ عزیز ہے غلبہ والا ہے کسی کو اس کے کسی فعل یا قانون پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں وہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے بخش دے اس کا بھی اُسے پورا پورا اختیار ہے۔ اس کے سب افعال اور سب فیصلے حکمت کے مطابق ہیں کسی کو چوں چرا کرنے کی جُراَت نہیں ہے۔ نیز ہر چیز اس کے تصرف میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ مغفرت کا ذکر پہلے ہے اور عذاب کا ذکر بعد میں اور یہاں عذاب کا ذکر پہلے ہے کیونکہ چور کی سزا پہلے بیان ہوئی ہے اور توبہ پر مغفرت ہونے کا ذکر بعد میں آیا ہے لہٰذا ترتیب سابق کے موافق تعذیب و مغفرت کو بیان فرمادیا۔

تنبیہ: چوری کا ثبوت کس طرح ہوتا ہے اور مال لینے کی کون کون سی صورتیں اس چوری میں داخل ہیں جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور وہ کون کون سے مقامات ہیں جہاں سے چوری کرنے سے، ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور پھر ہاتھ کاٹ کر کیا کیا جائے جو خون بند ہو جائے یہ سب تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا

اے رسول! آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ

اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں جو لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے ہیں'

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا

جو لوگ تمہارے پاس نہیں آئے ان کو باتیں پہنچانے کے لئے خوب دھیان سے سُنتے ہیں' یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے

فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ

تو اس کو لے لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے پرہیز کرنا' اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اے مخاطب اس کے لئے

اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚۖ

اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چل سکتا یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے

وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ

اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے یہ لوگ جھوٹ کو خوب زیادہ سُننے والے ہیں خوب حرام کھانے والے ہیں، سو اگر وہ

جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ

آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا اُن سے اعراض فرما لیجئے، اور اگر آپ اعراض کریں تو یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ

اور اگر آپ فیصلہ دیں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے،

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ

اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توارت ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ روگردانی کرتے ہیں

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں

یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ

تفسیر: جیسا کہ ہم نے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِیْٓ (آخر تک) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہودی زمانہ قدیم سے آ کر آباد ہو گئے تھے جب خاتم النبیین ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں نے باوجودیکہ آپ کو جان لیا اور آپ کی جو صفات توارت شریف میں پڑھی تھیں ان کے مطابق آپ کو پالیا تب بھی باستثناء معدودے؟ چند افراد کے یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے اور طرح طرح سے مخالفت کرنے لگے اور تکلیفیں دینے لگے انہیں لوگوں میں سے منافق لوگ بھی تھے جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ بھی مصیبت بنے ہوئے تھے۔

توریت میں زانی کی سزا رجم تھی: شادی شدہ مرد و عورت کی سزا کے بارے میں توریت شریف میں وہی حکم تھا جو شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں ہے اور وہ یہ کہ زانی مرد و عورت شادی شدہ ہو تو اسکو رجم کر دیا جائے یعنی پتھروں

سے مار دیا جائے جسے سنگسار کرنا کہتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت شریف کے حکم کو بدل لیا تھا' ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک عورت سے زنا کر لیا تھا۔ آپس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جو نبی آئے ہیں ان کے پاس چلو ان کے دین میں تخفیف ہے اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور فتویٰ دیا تو ہم قبول کر لیں گے اور اللہ کے یہاں حجت میں پیش کر دیں گے کہ ہم نے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کے فتوے پر عمل کیا (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۵)

معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۶ میں ہے کہ خیبر میں جو یہودی رہتے تھے ان میں سے جو سردار قسم کے لوگ تھے ان میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا تھا اور یہ دونوں شادی شدہ تھے توریت شریف کے قانون کے مطابق انکو رجم کرنا تھا یہودیوں نے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا۔ رجم کو اچھا نہ جانا کیونکہ وہ ان کے بڑے لوگوں میں سے تھے پھر آپس میں کہنے لگے کہ یثرب یعنی مدینہ میں جو یہ صاحب ہیں (یعنی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم) ان کی کتاب میں رجم نہیں ہے کوڑے مارنا ہے لہٰذا ان کے پاس چلو اور ان سے سوال کرو۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا خیبر کے یہودیوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) سے دریافت کرو کہ اگر مرد اور عورت زنا کریں اور وہ شادی شدہ ہوں تو ان کی کیا سزا ہے اگر وہ یہ حکم دیں کہ کوڑے مار کر چھوڑ دو تو قبول کر لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور گریز کرنا' جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور بنی قریظہ کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ پہلے سے سمجھ لو وہ اس بات کا حکم دیں گے جس سے تم ڈرتے ہو اس کے بعد یہودیوں کے سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے تو انہوں نے کہا کہ ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہو گا آپ نے ان کو رجم کا فیصلہ سنا دیا اس پر وہ فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ابن صوریا کو درمیان میں ڈالیں یہ شخص ان کے علماء میں سے تھا اور کانا تھا آپ نے یہود سے فرمایا کہ تم ابن صوریا کو جانتے ہو؟ کہنے لگے کہ ہاں! فرمایا وہ تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟ کہنے لگے کہ یہودیوں میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے جو توریت شریف کے احکام سے واقف ہو' ابن صوریا کو لایا گیا آپ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اسے فیصلہ کرنے والا منظور کرتے ہو' کہنے لگے کہ ہاں! ہمیں منظور ہے آپ نے ابن صوریا سے فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لئے سمندر پھاڑا اور تمہیں نجات دی اور جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور جس نے تم پر من وسلویٰ نازل فرمایا۔ کیا تم اپنی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے بارے میں رجم کرنے کا قانون پاتے ہو؟ ابن صوریا نے کہا کہ ہاں! قسم اس ذات کی جس کی مجھے آپ نے قسم دلائی ہے توریت شریف میں رجم کا حکم ہے اگر مجھے اس کا ڈر نہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے یا توریت کا حکم بدلنے کی وجہ سے میں جل جاؤں گا تو میں اقرار نہ کرتا' آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے

سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کب رخصت نکالی؟ ابن صوریا نے کہا کہ ہم یہ کرتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کرتا تو اُسے سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی زنا کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے اس طرح سے ہمارے بڑے لوگوں میں زنا کاری زیادہ ہوگئی۔ اور ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کرلیا ہم نے اس پر رجم کی سزا جاری نہ کی پھر ایک اور شخص نے زنا کرلیا جو عام لوگوں میں سے تھا بادشاہ نے چاہا کہ اسے سنگسار کرے اس پر اس کی قوم کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ بادشاہ کے چچا کے بیٹے پر زنا کی سزا جاری نہ ہو۔ جب یہ بات سامنے آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ رجم کی سزا کے علاوہ کوئی صورت تجویز کرلیں جو بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں پر جاری کی جاسکے لہٰذا ہم نے یہ طے کرلیا کہ جو شخص بھی زنا کرلے اس کو ایسی رسی سے چالیس کوڑے مارے جائیں جس پر روغن قار (تار کول) لگا ہوا ہو۔ کوڑے مار کر چہروں کو کالا کر دیتے تھے اور گدھوں پر بٹھا کر بازاروں میں گھما دیتے تھے گدھوں پر الٹا سوار کرتے تھے یعنی منہ گدھوں کی پچھلی ٹانگوں کی طرف ہوتا تھا جب ابن صوریا نے یہ کہا تو یہود کو صحیح بات بتانا ناگوار ہوا۔ اب صوریا نے کہا کہ اگر مجھے توریت کی مار پڑنے کا ڈر نہ ہوتا تو میں نہ بتاتا۔

جب ابن صوریا نے توریت شریف کا قانون سُنا دیا اور یہودی پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں یہودیوں یعنی زنا کرنے والے مرد عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا جن کو آپ کی مسجد کے قریب رجم کر دیا گیا اور آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جسے یہودیوں نے مُردہ کر دیا تھا اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ (آخر تک) نازل فرمائی، ارشاد فرمایا کہ اے رسول ﷺ تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو جلدی جلدی کفر کی طرف دوڑتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ وہ مومن ہیں حالانکہ وہ دل سے مومن نہیں ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے کے لیے آگے بڑھ بڑھ کر سُنتے ہیں یعنی وہ آپ سے باتیں سنتے ہیں تاکہ آپ کے ذمہ وہ باتیں لگائیں جو آپ نے نہیں کہیں سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْکَ یہ اُن لوگوں کے لیے سُنتے ہیں اور کان دھرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی یہ دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں' بنی قریظہ جو اہلِ خیبر کے جاسوس بن کر آئے تھے اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ توریت میں رجم کے بارے میں کیا لکھا ہوا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ اُن کو رُسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے (یہ علماء یہود میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا) انہوں نے کہا کہ تم جھوٹے ہو بلاشبہ

توریت میں رجم کی آیت موجود ہے۔ توریت لے آؤ' وہ توریت لے آئے اسے کھولا لیکن ان میں سے ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد میں جو مضمون تھا اسے پڑھ دیا حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اُٹھا! ہاتھ اُٹھایا تو اس میں رجم کی آیت موجود تھی کہنے لگے کہ ہاں اس میں رجم کی آیت ہے اس کے بعد زنا کرنے والے مرد وعورت دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔

یہودیوں کا کتاب اللہ میں تحریف کرنا: یہود کی حالت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کہ یہ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹادیتے ہیں' توریت کے حکم کو انہوں نے بدل دیا تھا اور آپس میں مل کر رجم کے حکم کو منسوخ کر بیٹھے تھے' جب رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھی اللہ کا حکم نافذ کرنے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ رخصت اور آسانی تلاش کرنے کے لئے آئے تھے۔ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۔ اسی وجہ سے کہ انہیں قانون خداوندی پر چلنا مقصود نہ تھا بلکہ آسانی تلاش کرنا چاہتے تھے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھنا اگر مطلب کے موافق حکم ملے تو اسے مان لینا اور اگر مطلب کے خلاف ہو تو گریز کرنا جن کو حق پر چلنا مقصود نہیں ہوتا ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں' حق پر چلنا مقصود ہوتا تو توریت شریف میں کیوں تحریف کرتے اور توریت شریف میں بیان کردہ صفات کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ کو دیکھ کر کفر پر کیوں جمے رہتے۔

بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص گمراہی پر کمر باندھ ہی لے اور کفر در کفر اختیار کرتا چلا جائے اور تیزی سے کفر میں گرتا چلا جائے تو اللہ کی طرف سے اسے ہدایت نہیں ہوتی وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ (اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چلتا) اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا) لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (جو سب کے سامنے آئے گی) اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے یعنی وہ جہنم میں داخل ہوں گے)

یہودیوں کی حرام خوری: اس کے بعد فرمایا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ کہ یہ لوگ جھوٹ سننے والے ہیں اور خوب کان لگانے والے ہیں اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ خوب زیادہ حرام کھانے والے ہیں۔ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ یہود حکام کے بارے میں فرمایا یہ لوگ رشوت لیتے تھے اور جو شخص رشوت دینے کا اشارہ کر دیتا تھا اس کی بات پر کان دھرتے تھے اور پھر اُسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے' اور جس نے رشوت نہ دی خواہ وہ کیسا ہی مظلوم ہو نہ اُس کی بات سُنی جاتی تھی نہ اُس کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا' لفظ سُحت عربی زبان میں کسی چیز کو بالکل جڑ سے ختم کرنے کے لئے موضوع ہے اسکو رشوت کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جہاں حاکموں میں رشوت کا لین دین ہو جائے وہاں حق اور

انصاف بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے رشوت گناہ کبیرہ ہے اور جو مال رشوت میں لیا جائے وہ حرام ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے لَعَنَ اللّٰہُ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ وَالرَّائِشَ کہ اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اور اس شخص پر جو ان کے درمیان میں واسطہ بنے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۶)

یوں تو ہر رشوت کا لین دین حرام ہے لیکن خاص کر حاکم اور قاضی مجسٹریٹ اگر رشوت لے تو یہ اور زیادہ بڑا گناہ ہو جاتا ہے کیونکہ جس سے رشوت لے لی جائے اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے اور عموماً ایسے فیصلے ظالمانہ ہی ہوتے ہیں۔ ظالمانہ فیصلوں کا نتیجہ دنیا میں بھی بہت بُرا ہے اور آخرت میں بھی اسکی بڑی سزا ہے۔

چند ایسے امور کا تذکرہ جنکی وجہ سے دُنیا میں عذاب آ جاتا ہے: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں بھی زنا کاری پھیل جائے تو قحط کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی اور جس کسی قوم میں رشوتوں کا لین دین رواج پا جائے تو رعب کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی (یعنی ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا جائے گا) (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۳۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کسی قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جس کسی قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موتیں زیادہ ہوں گی۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں قتل و خون زیادہ ہوگا اور جو لوگ بدعہدی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا (رواہ مالک کما فی المشکوٰۃ ص ۴۰۹)

ان سب چیزوں کی تباہ کاری پہلی امتیں بھگت چکی ہیں اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہ اعمال ہیں اور ان کے نتائج دیکھنے میں آ رہے ہیں جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ غور کریں اور اپنے حالات کو سامنے رکھیں اور سوچ لیں کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔

رشوت کی بعض صورتیں: رشوت صرف یہی نہیں ہے کہ حاکم کو کچھ دیکر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے بلکہ ہر وہ کام جو کسی کے ذمہ شرعاً فرض یا واجب ہو اور ہر وہ کام جو تنخواہ لینے کی وجہ سے کسی نے اپنے ذمہ کر لیا ہو اس کام پر نقد رقم یا کچھ بھی لینا رشوت ہے۔ رشوت کی بہت صورتیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں جو شخص کسی محکمہ میں ملازم ہو اگر اس محکمہ میں کام کرنا شرعاً جائز ہو (اور اگر وہ محکمہ ہی حرام ہو تو اس کی تو نوکری ہی حرام ہے) تو جو کام بحیثیت ملازم کے اس کے ذمہ واجب ہے اگر وہ عوام سے پیسہ لے کر کرے تو یہ پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ اس کام کی تنخواہ اُسے مل رہی ہے حاکم اگر صحیح فیصلہ کرے تب بھی اسکو کسی فریق سے بھی پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ وہ صحیح فیصلہ کرنے کا پابند ہے اور اگر رشوت بھی لی اور فیصلہ بھی غلط کیا تو رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حرام ہوگی کیونکہ جس کام پر مامور ہے اور جس کی تنخواہ لے رہا ہے اس نے وہ کام نہیں کیا۔

جو لوگ کسی عہدہ پر پہنچ جاتے ہیں لوگ دوڑ دوڑ کران کے پاس مال لاتے ہیں اور ہدیہ بنا کر دیتے ہیں اور حقیقت میں یہ ہدیہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے کسی وقت کام لینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں رشوت اور ظاہراً ہدیہ ہوتا ہے اسی لئے حضرات فقہانے لکھا ہے کہ وہ شخص حاکم بنا اس کا ہدیہ لینے دینے کا جن لوگوں سے پہلے سے تعلق تھا وہ اب بھی ہدیہ سمجھا جائے گا لیکن جو لوگ اب دینا شروع کریں گے وہ رشوت میں شمار ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ خلافت میں ان کے ایک قریبی عزیز نے بطور ہدیہ کچھ پیش کر دیا انہوں نے اُسے واپس کر دیا جو غلام لے کر آیا تھا اس نے کہا کہ آپ ہدیہ نہیں لیتے ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ نے بھی لیا ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہدیہ تھا اور آج ہمارے لئے رشوت ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

فائدہ: کسی سے بیٹی کا نکاح کرنے پر جو رقم لی جائے وہ رشوت ہے (جو مہر کے علاوہ ہو) اسی طرح اپنے بیٹے کے لئے لڑکی قبول کرنے پر جو مال لیا جائے وہ بھی رشوت ہے (بنگال بہار آسام میں اس کا رواج ہے) کسی کی سفارش کر دینے پر رقم یا جو بھی کچھ مال لیا جائے وہ رشوت ہے کوئی آفیسر کسی کو اپنے محکمہ میں ملازم رکھے اور اس پر رقم لے تو یہ بھی رشوت ہے بنی اسرائیل کو بُرا کہہ کر دل ٹھنڈا نہ کرلیں بلکہ اپنے ماحول کو بھی دیکھیں کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (سو اگر وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض کریں) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا (اور اگر آپ ان سے اعراض فرمائیں تو وہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے) اس آیت میں اختیار دیا ہے کہ آپ اگر چاہیں ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں چاہیں فیصلہ نہ فرمائیں یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب یہود مدینہ پر اہل ذمہ کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے اور یہودیوں سے صرف اس بات کا معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ منورہ پر کوئی قوم حملہ کرے گی تو مل کر دفاع کریں گے جو لوگ ذمی ہوں وہ لوگ اگر کوئی فیصلہ لے کر آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دینا واجب ہے جیسا کہ آئندہ رکوع میں ارشاد ہے وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم: پھر فرمایا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ٥ اور جس صورت میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس صورت میں اگر فیصلہ کرنے کی جانب رجحان ہو تو انصاف ہی کا فیصلہ کریں بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے پھر فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ کہ یہ لوگ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت شریف موجود ہے اس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے ان کو اس کتاب کے ماننے کا دعویٰ بھی ہے (اسے چھوڑ کر آپ سے فیصلہ کرانا تعجب کی بات ہے) ان کو حق کا فیصلہ منظور نہیں ہے دلوں میں چور دوسرا ہے مقصد ان کا یہ ہے کہ ہماری موافق فیصلہ ہو تو مانیں گے ورنہ نہیں اصل بات یہ ہے کہ انہیں حق پر چلنا مطلوب ہی نہیں ہے وَمَا

أُولَٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ اور نہ یہ ایمان لانے والے ہیں۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ

بے شک ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے' اس کے ذریعہ انبیاء فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو اللہ کے فرمانبردار تھے

هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ

یہ فیصلے ان لوگوں کو دیتے تھے جو یہود تھے اور اللہ والے اور علم والے بھی فیصلہ دیتے تھے بوجہ اس کے کہ ان کو اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا'

فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ

اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت مت خریدو اور جو شخص اس کے موافق

يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ

حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سو یہی لوگ کافر ہیں اور ہم نے ان پر توریت میں لکھ دیا کہ

ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ وَٱلْأَنفَ بِٱلْأَنفِ وَٱلْأُذُنَ بِٱلْأُذُنِ وَ

جان جان کے بدلہ' اور آنکھ آنکھ کے بدلہ اور ناک ناک کے بدلہ اور کان کان کے بدلہ اور دانت دانت کے بدلہ' اور

ٱلسِّنَّ بِٱلسِّنِّ وَٱلْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ

زخموں کا بدلہ ہے۔ سو جو شخص معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اس کے موافق

يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى

حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا سو یہی لوگ ظالم ہیں اور ہم نے ان کے پیچھے عیسٰی

ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى

ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے جو اُن کے سامنے تھی یعنی توریت اور ہم نے اُن کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی

وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾

اور روشنی تھی اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کو جو اُن کے سامنے تھی یعنی توریت اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے ہدایت تھی

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ

اور نصیحت! اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ

فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾

نے نازل فرمایا سو وہی لوگ نافرمان ہیں

توریت شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو توریت شریف کی صفت بیان فرمائی کہ ہم نے توریت کو نازل کیا اس میں ہدایت تھی اور نور یعنی روشنی تھی جو حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرتی تھی۔

پھر فرمایا کہ حضرت انبیاء علیہم السلام اللہ کے فرماں بردار بندے تھے توریت شریف کے ذریعے فیصلے فرماتے تھے ان کے یہ فیصلے یہودیوں کے حالات اور معاملات سے متعلق تھے پھر اَلنَّبِيُّوْنَ پر عطف فرمایا وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ کہ ربانی اور احبار بھی توریت شریف کے ذریعہ حکم فرماتے تھے۔ ربانی رب کی طرف منسوب ہے یعنی رب والے لوگ جنہیں ہماری اصطلاح میں اللہ والے کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ انہیں کی شریعت پر چلتے تھے اور اسی پر بنی اسرائیل کو چلاتے تھے توریت شریف کی تعلیم تبلیغ اور ترویج کی ذمہ داری سنبھالتے تھے' ان حضرات کے علاوہ جو اللہ کے نیک بندے تھے اللہ والے تھے۔ اصحاب علم تھے وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر توریت شریف کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے ربانیوں اور احبار دو جماعتیں علیحدہ علیحدہ رہی ہیں جو لوگ عبادت میں زیادہ مشغول ہوئے ان کو ربانی اور جو لوگ علم کا مشغلہ زیادہ رکھتے تھے ان کو احبار فرمایا محض عالم جس میں عبادت نہ ہو چونکہ اس کا اپنا علم خود اس کے لئے مفید نہیں ہوتا اسلئے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے نفع نہیں پہنچتا عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص صرف علم کا حامل ہو اس کی طرف لوگ رجوع نہیں کرتے اور نہ اس کا علمی فیض پھیلتا ہے۔

اور جو شخص محض عبادت گذار ہو علم نہ ہو وہ جہالت میں مبتلا ہو جاتا ہے ضروری علم تو ہر عامی سے عامی شخص کے لئے بھی ضروری ہے پھر جو شخص عبادت میں زیادہ منہمک ہو اس کے لئے علم کیوں ضروری نہ ہوگا؟ بس غالب اشتغال کے اعتبار سے عالم اور درویش دو جماعتیں سمجھی جاتی رہی ہیں اور اب بھی سمجھی جاتی ہیں جس کا علمی اشتغال زیادہ ہے اسے عالم کہتے ہیں اور جس کا اشتغال عبادت میں زیادہ ہے اسے درویش کہتے ہیں اور بعض حضرات میں دونوں صفات زیادہ ہوتی ہیں ایسے حضرات بہت مبارک ہوتے ہیں جیسے امت محمدیہ علی الصلوٰۃ والتحیۃ میں دونوں جماعتیں ہیں اسی طرح حاملین توریت میں بھی دونوں جماعتیں تھیں جب تک توریت منسوخ نہیں ہوئی اسی پر عمل کرنا فرض تھا' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور انجیل شریف نازل ہوئی تو اس کے احکام پر چلنا فرض ہوگیا انجیل شریف نے توریت کے بعض احکام کو باقی رکھا اور بعض کو منسوخ کردیا (وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ)

حضرات انبیاء کرام اور انکے نائبین توریت کی حفاظت کرنے پر مامور تھے:

پھر فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے نائبین ربانیین اور احبار

توریت کے احکام جاری کرنے کے اس لئے پابند تھے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت شریف کو محفوظ رکھنا ان کے ذمہ لگا دیا تھا وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ اور اس بات پر وہ گواہ بھی تھے کہ ہاں ہمارے ذمہ حفاظت کی ذمہ داری کی گئی ہے اور ہم اس کے نگران اور محافظ ہیں اس ذمہ داری کو جب تک علماء یہود نے پورا کیا توریت شریف کو تحریف سے محفوظ رکھا جب اس ذمہ داری کا احساس ختم کر دیا تو توریت شریف میں خود ہی تحریف کر بیٹھے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی علماء یہود نے توریت شریف میں تحریف کر لی تھی اور آپ کے زمانہ کے علماء یہود بھی تحریف کرتے تھے اور اسی پر پیسے کھاتے تھے جس نے پیسے دیے اس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اپنے عوام کو سمجھا دیا تھا کہ توریت شریف میں نبی آخر الزمان ﷺ کی جو صفات آئی ہیں وہ آپ میں پوری نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اسی لئے متصلاً ہی فرمایا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (کہ تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلہ دنیا کا متاع قلیل حاصل نہ کرو) نہ مالی رشوت لو اور نہ اپنی ریاست و چودھراہٹ باقی رکھنے کے لئے میری آیات کو بدلو اللہ کا خوف سب سے زیادہ ضروری ہے جو ہر گناہ سے بچاتا ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں

پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہ لوگ کافر ہیں، یہودیوں نے توریت کے حکم رجم کو جانتے ہوئے بدل دیا زانیوں کے بارے میں وہ فیصلہ نہ کرتے تھے جو توریت شریف میں تھا، تحریف کے باوجود رجم کا حکم رسول اللہ ﷺ کے عہد تک توریت شریف میں موجود تھا۔ اسی حکم کے خلاف دوسرا فیصلہ کرانے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ ﷺ نے وہی فیصلہ فرمایا جو توریت میں تھا اور آپ ﷺ کی اپنی شریعت بھی اس کے مطابق تھی۔ آپ ﷺ نے اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا اور ان لوگوں نے حق کو چھپایا اور اللہ کے قانون کی تصدیق نہ کی بلکہ اس کے انکاری ہو گئے یہاں تک کہ جب ابن صوریا نے حق بات بتا دی تو یہودیوں کو اس کا بتانا ناگوار ہوا یہودی توریت شریف سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کے حکم کی تصدیق نہیں کرتے تھے کفر در کفر کے مرتکب بنے ہوئے تھے۔

قصاص کے احکام: اس کے بعد قصاص فی النفس اور قصاص فی الاعضاء کا حکم بیان فرمایا، توریت شریف میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل رکھا تھا، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے موجود تھے، ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظہ تھا ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے اور مار کاٹ کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں، بنی نضیر اپنے کو

اشرف اور اعلیٰ سمجھتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اُسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی دیت میں ستر وسق کھجوریں بھی دے دیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کرتے تھے اور دیت بھی ایک سو چالیس وسق کھجوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ سے قتل ہو جاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کرتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہو جاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے دوگنا لیتے تھے (معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۸ وبعضہ فی سنن ابی داؤد۔ اول کتاب الدیات) (جراحات سے وہ زخم مراد ہیں جس سے مضروب مقتول نہ ہوتا تھا)

اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت ﷺ پر آیت بالا نازل فرمائی جس میں قصاص کے احکام بیان فرمائے۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جوزورآور قبیلہ نے کمزور قبیلہ کے ساتھ معاملہ کر رکھا ہے یہ معاملہ توریت شریف کے خلاف ہے۔ احکام توریت کے احکام کے خلاف ہیں اور ظالمانہ ہیں اور ان کے تجویز کردہ اسی لئے اخیر میں فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں)

قصاص کا یہ قانون ہمارے لئے بھی اس طرح مشروع ہے کہ جان کو جان کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا بشرطیکہ قاتل نے قصداً قتل کیا ہو۔ اس میں چھوٹا بڑا مرد عورت بینا اور نابینا تندرست اور اپاہج سب برابر ہیں، کسی مال دار کو کسی غریب پر اور کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر کوئی فوقیت اور فضیلت حاصل نہیں البتہ یہ معاملہ مقتول کے اولیاء کے سپرد ہو گا وہ اگر چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں کما قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ۔ قصاص کے بدلہ دیت لینے کی اجازت شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہی میں ہے۔ یہودیوں کے حق میں صرف قصاص ہی مشروع تھا جیسا کہ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ کے ذیل میں مفسرین نے یہ بات لکھی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کی آنکھ میں مار دے جس سے روشنی چلی جائے تو اس پر بھی قصاص ہے مارنے والے کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی جائے اور اگر کوئی شخص کسی کا دانت توڑ یا اکھاڑ دے تو اس کا بدلہ بھی دلایا جائے گا اسی طرح کوئی شخص کسی کی ناک کاٹ دے تو کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی اور اگر کوئی شخص کسی کا کان کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے یعنی کاٹنے والے کا کان کاٹا جائے گا۔

قرآن مجید میں قصاص فی النفس کے بعد آنکھ ناک کان اور دانت میں قصاص بتایا ہے دوسرے اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا

فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ دیگر اعضاء واطراف کے قصاص کے مسائل بھی لکھے ہیں اگر کوئی شخص کلائی سے قصداً کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو کاٹنے والے کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اگرچہ اس کا ہاتھ بڑا ہو اسی طرح انگلیوں میں بھی قصاص ہے اگر کوئی شخص کسی کی پوری انگلی جڑ سے کاٹ دے بیچ کے جوڑوں میں سے کسی جوڑ سے کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے اسی طرح پاؤں کاٹنے میں بھی قصاص ہے اگر کوئی شخص ٹخنے کے جوڑ سے کسی کا پاؤں کاٹ دے تو اس کے بدلہ اسی جوڑ سے کاٹنے والے کا پاؤں کاٹ دیا جائے گا اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں جو فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھی ہیں۔

آخر میں فرمایا وَالْجُرُوْحُ قِصَاصٌ (اور زخموں میں قصاص ہے) زخموں کی فقہاء نے دس قسمیں لکھی ہیں اور ان کے احکام میں بڑی تفصیلات ہیں جس زخم میں مساوات یعنی برابر ہو سکے اس میں قصاص ہے اور جس میں برابری نہ ہو سکے اس میں مال دیا جائے گا ہدایہ میں (کتاب الجنایات) فصل فی الشجاج کا مطالعہ کر لیا جائے۔

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ کے معنی: پھر فرمایا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ۔ حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں اصل سوال یہ ہے کہ لَهٗ کی ضمیر کس طرف راجع ہے اگر جریح (زخمی) اور قتیل کے ولی کی طرف راجع ہے تو آیت کا یہ مطلب ہے کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے اگر جارح اور قاتل کو معاف کر دیا اور اپنے حق کا صدقہ کر دیا یعنی جارح اور قاتل کو معاف کر دیا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حسن اور شعبی اور قتادہ سے ایسا ہی مروی ہے۔

اور اگر لَهٗ کی ضمیر جارح اور قاتل (یعنی زخم کرنیوالے اور قتل کرنیوالے) کی طرف راجع ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے جب معاف کر دیا تو یہ زخمی کرنے والے اور قتل کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہو گیا اب اس پر آخرت میں مؤاخذہ نہ ہوگا[1] رہا معاف کرنے کا اجر و ثواب تو وہ اپنی جگہ ہے جو دوسری آیت فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ میں بیان فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی منقول ہے اور بعض تابعین ابراہیم نخعی مجاہد اور زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے (معالم التنزیل ج۲ ص ۴۱ و ۴۲)

قصاص کا شرعی قانون نافذ نہ کرنے کا وبال: قصاص کا قانون سورۂ بقرہ میں بھی بیان فرمایا ہے اور یہاں سورہ مائدہ میں بھی، جو لوگ مسلمان نہیں ہیں انہوں نے اپنے جاہلانہ قانون بنا رکھے ہیں اوّل تو قتل عمد ثابت ہی نہیں ہوتا۔ وکیلوں اور بیرسٹوں کی دنیا ہے ”قاتل“ کی حمایت کرنے والا وکیل اور بیرسٹر ایسی قانونی موشگافی کرتا ہے کہ وہ قاتل کے خلاف فیصلہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ اور اگر دوسری جانب کے وکیل نے اُسے پچھاڑ ہی دیا اور حاکم کی رائے سزا دینے کی ہو ہی گئی تو وہ لمبی جیل کر دیتا ہے اور یہ جیل بھی ایسی کہ بیس سال کی جیل ہو تو دس سال ہی میں پوری ہو جائے کیونکہ رات اور دن

---

[1] وقد ذکر ابن عباس القولین وعلی الول اکثر الصحابة والتابعین ومن بعدهم (قرطبی ص ۲۰۸ ج ۶)

کا سال علیحدہ علیحدہ شمار ہوتا ہے اس میں اول تو قاتلوں کو عبرت نہیں ہوتی انکو جیلیں کاٹنے کی عادت ہوتی ہے دوسرے اولیاء مقتول کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی نہ انہیں حق قصاص دلایا جاتا ہے نہ دیت دلائی جائے اور عجیب بات یہ ہے کہ رؤسا مملکت کو جان بخشی کی درخواست دی جائے تو وہ بالکل ہی معاف کر دیتے ہیں حالانکہ انکو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کافروں نے جو قانون بنا رکھے ہیں انہیں کو ان حکومتوں نے اپنا رکھا ہے جو ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ یہ لوگ بھی قصاص اور دیت کا قرآنی قانون نافذ نہیں کرتے اور اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ بعضے جاہل قصاص کو وحشیانہ سزا بھی کہہ دیتے ہیں اللہ کے قانون پر اعتراض کر کے کافر ہونے کو تیار ہیں لیکن دنیا میں امن وامان قائم کرنے اور قتل وخون کی وارداتیں ختم کرنے کو تیار نہیں' ان کو رحم بھی آتا ہے تو قاتلوں پر ہی آتا ہے کیسی بھونڈی سمجھ ہے۔

انجیل شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا: توریت شریف اور اس کے بعض احکام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور انجیل شریف کا تذکرہ فرمایا جو حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ارشاد فرمایا وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ کہ ان انبیاء کے بعد (جو توریت شریف کے مطابق حکم کرتے تھے) ہم نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیجا وہ توریت شریف کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور جو توریت کی تصدیق کرنے والی تھی جو پہلے سے موجود تھی انجیل میں متقیوں کے لئے ہدایت تھی اور نصیحت تھی' اسمیں یہ بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور جو کتاب اُن پر نازل ہوئی یعنی انجیل وہ بھی توریت شریف کی تصدیق کرنے والی تھی سارے ہی انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے اور انجیل میں توریت شریف کی تصدیق موجود تھی بعد میں گروہ بندیاں ہو گئیں اور بنی اسرائیل نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا اور ان کی کتاب کو نہ مانا بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے قتل تو نہ کر سکے لیکن اپنی کرنی میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی عیسائیوں میں برابر باہمی مخالفت رہی اور نصرانی یہودیوں کا یہ الزام دیتے رہے کہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ چند سال پہلے سیاسی گٹھ جوڑ کے تقاضے پر نصرانیوں نے اپنا الزام واپس لے لیا۔

گٹھ جوڑ مسلمانوں کی مخالفت میں متحد ہونے کے لئے کیا گیا ہے۔ یہودیوں کے مقاصد نصرانیوں سے متعلق ہیں اسلئے باہمی مخالفت کو دور کرنے کے لئے یہ راستہ نکالا گیا جو اوپر مذکور ہوا۔

اللہ کے نبی اور اللہ کی کتابیں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرنیوالی ہیں: بہر حال یہ سیاسی گروہ بندی اور مخالفت اور موافقت لوگوں کے اپنے معاملات کی وجہ سے ہے اللہ کے نبیوں میں آپس میں کوئی مخالفت نہیں اور اللہ کی کوئی کتاب دوسری کتاب کی تکذیب کرنیوالی نہیں توریت اور انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق موجود تھی جسے

یہود و نصاریٰ نے محرف کر دیا اور تحریف کے باوجود اب بھی تصریحات ملتی ہیں جن میں آپ کی تصدیق اور تشریف آوری کی تبشیر موجود ہے انجیل کے بارے میں فرمایا وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ کہ وہ ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے' یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ نافرمان ہیں) جن لوگوں کو انجیل شریف ان کے نبی کے ذریعہ پہنچی وہ اس کے مطابق نہ چلے اور اس کے موافق فیصلے نہ کئے اور اس میں تحریف بھی کر دی اور توحید کے عقائد کی بجائے اپنے دین میں شرکیہ عقائد داخل کر لئے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور تین خدا مان لئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا اعتقاد کر کے کفارہ کا عقیدہ نکال لیا' پھر جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور انجیل کی تصریح کے مطابق آپ کی نبوت و رسالت کا یقین ہو جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اور گمراہی میں ہی رہ گئے ان کو حکم ہو رہا ہے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں فرمایا ہے اسکے مطابق حکم کریں باطل عقائد کو چھوڑیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں' اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کے مطابق فیصلہ نہ کرنا فاسقوں ہی کا کام ہے لفظ فاسق ''فسق'' سے لیا گیا ہے فسق طاعت اور فرماں برداری سے نکل جانے کو کہتے ہیں کفر و شرک کامل فسق ہے اسلئے شیطان کے بارے میں فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا

اور ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب اُتاری وہ اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور وہ ان کتابوں کی

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ

محافظ ہے اور آپ انکے درمیان اسکے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا اور جو حق آپکے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے شریعت اور خاص راہ مقرر کر دی ہے' اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو اس کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا' سو تم خیر کے کاموں کی طرف دوڑو' اللہ ہی کی طرف تم

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ

سب کا لوٹنا ہے' سو وہ اُن باتوں کے بارے میں تم کو باخبر فرمائے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اُتارا اور

احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ

اُن کے خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور اس بات سے پرہیز کریں کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے دیئے ہوئے احکام میں سے کسی حکم سے ہٹادیں۔ سو وہ اگر وہ روگردانی کریں تو آپ جان

اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ

لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے اُن کو سزا دیدے اور بے شک لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو نافرمان ہیں' کیا

الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لئے کون ہے جو یقین کرتے ہیں

قرآن مجید دوسری کتب سماویہ کے مضامین کا محافظ ہے

تفسیر: توریت وانجیل کا تذکرہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ یہ دونوں اللہ کی کتابیں ہیں اور ان میں ہدایت ہے اور نور ہے۔ اور یہ کہ جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ کافر ہے' اور ظالم ہے اور فاسق ہے آیات بالا میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرنے والی ہے (کسی یہودی یا نصرانی کو اس سے منحرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اپنے سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے) اور نہ صرف یہ کہ وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بلکہ ان کے مضامین کی نگران بھی ہے' اللہ تعالیٰ نے اسکی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اور اس سے پہلی کتابیں جو یہود ونصاریٰ کے پاس تھیں ان کو انہوں نے گم کر دیا اور ان کے مضامین بھی ادل بدل کر دیئے اب یہ قرآن خود بھی محفوظ ہے (بحفاظت الٰہیہ) اور ان مضامین کا بھی محافظ ہے جو سابقہ کتابوں میں بیان ہوئے تھے۔ ان کتابوں میں جو مضامین عقائد صحیحہ کے خلاف لوگوں نے شامل کر دیے تھے اور ان کے احکام کو بدل دیا تھا۔ قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے۔ اور جو صحیح عقائد ان میں بیان کئے گئے تھے اور جو احکام بتائے گئے تھے ان میں سے جن احکام کی اس امت کو ضرورت ہے ان کو بیان کرتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر قصاص کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا کہ یہ توریت شریف میں مذکور تھے (جو امت محمدیہ کے لیے بھی مشروع ہیں) اسی طرح یہود ونصاریٰ کے عقائد شرکیہ کی تردید فرمائی اور بتایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے توحید کی دعوت دی تھی اور شرک سے بیزاری کا حکم دیا تھا۔

قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم: پھر فرمایا: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اللہ

فرمان کے مطابق فیصلے کریں اور لوگوں کی خواہشوں کے مطابق فیصلے نہ کریں۔

یہودیوں کا ایک مکر: بظاہر یہ خطاب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس کا عموم تمام قضاۃ و حکام کو شامل ہے آپ ﷺ کو جو خاص کر کے مخاطب فرمایا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ علماء یہود نے باہمی مشورہ سے ایک پروگرام بنایا تھا جو شرارت پر مبنی تھا' کعب بن اسد اور عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے آپس میں کہا کہ محمد (ﷺ) کے پاس چلو ہم نے انہیں ان کے دین سے ہٹانے کا کوئی راستہ نکالیں' یہ لوگ آئے اور انہوں نے آ کر کہا کہ اے محمد ﷺ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے علماء میں اور سردار ہیں اور ان میں ہمارا بڑا مرتبہ ہے اگر ہم آپ کا اتباع کر لیں گے تو تمام یہود آپ کا اتباع کر لیں گے وہ ہمارے خلاف نہ جائیں گے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان کچھ خصومت ہے ہم آپ کے پاس فیصلہ لے کر آئیں گے سو آپ ہمارے حق میں فیصلہ دینا۔ ایسا کرنے سے ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کر لیں گے آپ ﷺ نے اس سے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو فرمایا۔ کہ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور ان سے ڈرتے رہیں اور ہوشیار رہیں کہ وہ اللہ کے بعض احکام سے ہٹا نہ دیں۔

(البیہقی فی دلائل النبوۃ در منثور ج ۲ ص ۲۹۰)

اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق چھوڑنے کی اجازت نہیں: کہ اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق کے چھوڑنے اور غلط فیصلہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں جسے اسلام قبول کرنا ہو وہ حق کے لئے قبول کرے جسے شروع ہی سے حق پر چلنا منظور نہیں وہ بعد میں کیا حق پر چلے گا' جھوٹے مسلمانوں کو اپنا بنا کر اپنی اکثریت ظاہر کرنا یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے' دوسری قومیں جنھیں حق مقصود نہیں سیاسی دنیا میں اپنی اکثریت دکھانے کے لئے غیروں کو بھی اپنوں کی فہرست میں شمار کر لیتی ہیں لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور کافروں کو اپنے قریب لانے کے لئے اور دنیا میں اپنی اکثریت بنانے کے لئے باہمی مشورہ کر کے اسلام کے فلاں حکم کو بدل دو یہ جہالت اور گمراہی کی بات ہے اسی طرح بعض جاہل کہتے ہیں کہ گمراہ فرقے جو اپنے عقائد کی وجہ سے حدود کفر میں جا پڑے ہیں انہیں کافر مت کہو تا کہ اسلام کے ماننے والوں کی نفری کم نہ ہو یہ بھی احمقانہ بات ہے اسلام کو ایسے لوگوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں' اسلام حق بتاتا ہے حق ظاہر کرتا ہے مداہنت کی اجازت نہیں دیتا۔

ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص شریعت مقرر فرمائی: پھر فرمایا لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا کہ ہم نے تم میں سے ہر امت کے لئے ایک خاص شریعت اور ایک خاص طریقۂ عمل مقرر کر دیا ہے' عقائد تو تمام

انبیاء کرام علیہم السلام کے مشترک ہیں اور بہت سے احکام اور امر ونواہی میں بھی اتفاق ہے البتہ بعض فروعی احکام میں اختلاف پایا جاتا ہے اور چونکہ یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ ہی کے اوامر ونواہی کے تحت ہیں اسلئے جس امت نے اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول (ﷺ) کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اس نے اللہ ہی کی فرماں برداری کی پچھلی امتوں کو جو بعض احکام دیئے گئے تھے وہ منسوخ ہوگئے توریت شریف کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ فرما دیئے (وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ)

اور توریت وانجیل کے بعض احکام شریعت محمدیہ میں منسوخ ہوگئے جب ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ مقرر ہے تو اس پر عمل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے اور اللہ کی فرمانبرداری میں اللہ کی رضامندی ہے دین اور شریعت پر چلنے سے مقصد صرف اللہ کی رضا ہے اور کچھ نہیں جب اللہ راضی ہے تو اختلاف شرائع میں کچھ حرج نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور سب سے آخری شریعت یعنی شریعت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا وسلم ہی کو مدار نجات قرار دیدیا تو اب دوسری شریعتوں پر چلنے کی اجازت ختم ہوگئی۔

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا: پھر فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا) وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ لیکن اللہ نے ایک ہی ملت بنانا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ مختلف امتوں کو مختلف شریعتیں عطا فرمائیں تا کہ وہ تمہیں اس دین اور اس شریعت کے بارے میں آزمائے جو تمہیں عطا فرمائی' آزمائش یہ تھی کہ دین پر عمل کرنے والے اللہ کے حکم کے فرمانبردار ہیں یا جس شریعت پر پہلے سے عمل ہو رہا ہے اس شریعت پر جامد ہونا مقصود ہے کیونکہ وہ آباؤ اجداد کی شریعت بن چکی تھی' احکام میں صرف اللہ کی رضا کو دیکھنا ہے نہ کہ باپ دادوں کی نسبتوں کو' جو شخص اللہ تعالیٰ شانہٗ کا فرمانبردار ہے اس کے نفس پر شریعت سابقہ کا چھوڑنا کیسا ہی شاق ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم مانے گا۔

اختلاف شرائع میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے جو عالم میں تغیر احوال ہے اس کے اعتبار سے احکام کا بدلنا مناسب ہوا تا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے زمانوں کے احوال کے اعتبار سے احکام الٰہیہ پر عمل کریں لیکن اپنے طور پر کسی حکم کو بدلنے کی اجازت نہیں ورنہ وہ شریعت الٰہیہ نہ رہے گی اور شریعت اسلامیہ کو بدلنے یا منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں رہا جو آخر الانبیاء ﷺ کو عطا کی گئی کیونکہ اس میں قیامت تک آنے والے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لئے احکام ومسائل موجود ہیں۔

پھر فرمایا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (کہ نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو) اور نیک کام وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیک عمل قرار دیا اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے

پھر وہ ان چیزوں کے بارے میں خبر دے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے)
جزا سزا کے اعتبار سے پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون تھا قال صاحب الروح "فالانباء ھنا مجاز عن المجازاة لما فیھا من تحقق الامر"۔ یہاں خبر دینا بدلہ دینے سے مجاز ہے کیونکہ اسی خبر دینے میں معاملہ واضح ہو جائے گا۔

پھر فرمایا وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (اور آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں) اس میں مکرر حکم دیا کہ اللہ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلہ دیں اور فیصلہ طلب کرنے والوں کے درمیان ان کی خواہشوں کے مطابق فیصلہ نہ کریں، اس حکم کو دوبارہ بطور تاکید بیان فرمایا۔

احکام الٰہیہ سے اعراض کرنا مصیبت نازل ہونیکا سبب ہے

پھر فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ کہ اگر یہ لوگ اس فیصلہ سے اعراض کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو آپ جان لیں کہ یہ (چونکہ اللہ کی تشریع کو قبول نہیں کرتے اس لئے) ان پر تکوینی طور پر عذاب آنے والا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو عذاب دے، ان کے جرم تو بہت سے ہیں۔ بعض جرموں کی سزا بھی ان کی بربادی اور ہلاکت کے لئے کافی ہے قال صاحب الروح ج ۲ ص ۱۰۰ "وھو ذنب التولی والاعراض فھو بعض مخصوص والتعبیر عنه بذلک للایذان بان لھم ذنوبا کثیرة وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو فرماں برداری سے خارج ہیں) ان میں سرکشی بڑھی ہوئی ہے کفر پر مصر ہیں ایسے سرکش سزا ہی کے مستحق ہیں۔

آخر میں فرمایا: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے کے اعتبار سے ان لوگوں کے لئے اللہ سے اچھا کون ہے جو یقین رکھتے ہیں)

جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف دوسرا حکم تلاش کرتے ہیں اور ان کی توبیخ کے لیے سوال کے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے کو چاہتے ہیں؟ اللہ کا فیصلہ سامنے ہوتے ہوئے جو اللہ کی کتاب بتا رہی ہے اور جو اللہ کے نبی نے سنایا ہے (ﷺ) اس سے اعراض کر رہے ہیں اور ہٹ رہے ہیں جب اللہ کا فیصلہ ماننے سے انکار ہے تو اب کونسا فیصلہ چاہتے ہیں اللہ کے فیصلے کے خلاف تو جاہلیت کا ہی فیصلہ ہے اللہ کے فیصلے کو چھوڑنا اور جاہلیت کے فیصلے کو اختیار کرنا کس لیے ہے؟ کیا جاہلیت کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے اچھا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں! اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ دینے والا کوئی نہیں لیکن اس بات کو یقین والے بندے جانتے اور مانتے ہیں، جن کو کفر ہی پر جمے رہنے کی نیت ہے وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں، جاہلیت کا

فیصلہ ہی انہیں مطلوب اور محبوب ہے یہ عجیب احمقانہ بات ہے اور نہایت درجہ منکر قبیح اور شنیع ہے۔

دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہیں: گذشتہ آیات میں یہودیوں کی حکم عدولی اور گمراہی کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رجم کے سلسلہ میں توریت کے حکم کو چھوڑ کر زانی اور زانیہ کی سزا اپنے طور پر تجویز کر لی تھی اور قصاص کے حکم کو بھی بدل دیا تھا اللہ کے فیصلے کے بجائے اپنے تجویز کردہ فیصلوں کو بطور قانون کے نافذ کر دیا تھا۔ جب رسول ﷺ کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے اپنے نمائندے بھیجے تو اُن سے کہہ دیا کہ تمہارے موافق ہو تو فیصلہ قبول کر لینا اور تمہارے موافق نہ ہو تو اس سے گریز کرنا۔

آج بھی حال ان لوگوں کا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور حکومتیں لیے بیٹھے ہیں اور نہ صرف وہ لوگ جنہیں حکومت مل جاتی ہے بلکہ عوام بھی قرآن کریم کے فیصلوں سے راضی نہیں ہیں اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے فیصلوں کو ماننے سے انکاری ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآنی نظام نافذ کرو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ نمازی بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے محبت کے دعویدار بھی ہیں لیکن یہ لوگ بھی قرآنی نظام نافذ کرنے اور نافذ کروانے کے حق میں نہیں ہیں۔

یورپین اقوام نے جو قوانین بتائے ہیں ان ہی کے باقی رکھنے کے حق میں ہیں ان پر آیت شریفہ کا مضمون اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ پوری طرح صادق آ رہا ہے۔ مقدمہ لڑاتے ہیں برسوں کیس چلتا ہے۔ دونوں طرف کے وکیل فیس کھاتے رہتے ہیں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور وقت بھی ضائع، معمولی سا حق حاصل کرنے کے لیے کئی کئی گنا مال خرچ کرنا پڑتا ہے پھر بھی جاہلانہ نظام پر راضی ہیں اور اس بات پر راضی نہیں کہ قاضئ اسلام کے پاس جائیں گواہ یا قسم کی بنیاد پر قرآن وحدیث کے موافق فیصلہ ہو جائے۔

جاہلانہ قانون کا سہارا لے کر دوسروں کی جائیدادیں دبا لیتے ہیں مرحوم باپ کی میراث سے ماں اور بہنوں کو محروم کر دیتے ہیں اور طرح طرح سے ضعفاء اور فقراء کے حقوق مار لیتے ہیں یہی ظالمانہ منافع تو قانون اسلام کے نافذ کرنے کی حمایت نہیں کرنے دیتے۔ کافرانہ نظام کا سہارا لیکر اگر دنیا میں کسی کا حق مار لیا تو جب مالک یوم الدین جل جلالہ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس وقت چھٹکارہ کیسے ہوگا؟

نام کے مسلمان لوگوں نے کیا طریقہ نکالا ہے کہ مسلمان بھی ہیں اور اسلام گوارا بھی نہیں، اور عجیب بات ہے کہ جو لوگ قرآن کو مانتے ہی نہیں ان کو راضی رکھنا بھی مقصود ہے چونکہ ان کی رائے اسلامی نظام کے حق میں نہیں اسلیئے قرآن ماننے والے بھی نظام قرآن نافذ کرنے کے حق میں نہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

اور جو کوئی شخص تم میں سے ان سے دوستی کرے بلاشبہ وہ ان میں سے ہے' بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا' سو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى

جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ کر ان میں گھسے جاتے ہیں' کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آ جائے' سو قریب

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ

ہے کہ اللہ فتح کو لے آئے یا اپنے پاس سے کسی اور چیز کو پھر اس بات پر نادم ہونگے جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی' اور اہل ایمان یوں کہیں گے کیا

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے

لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اعمال اکارت ہو گئے جس کی وجہ سے نقصان میں پڑنے والے ہو گئے

یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنیکی ممانعت

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۴ اور تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸ میں لکھا ہے کہ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ہی کی دوستی کو پسند کرتا ہوا اس پر عبداللہ بن اُبی نے کہا (جو رئیس المنافقین تھا) کہ مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا خوف ہے جن لوگوں سے میری دوستی ہے (یعنی یہود سے) میں ان سے بیزار نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ سے لیکر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

ترکِ موالات کی اہمیت اور ضرورت: درحقیقت کافروں سے ترک موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے' اپنے دین پر مضبوطی سے جمتے ہوئے سب انسان کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا ان کو کھلانا پلانا اور حاجتیں پوری کر دینا یہ اور بات ہے لیکن کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز نہیں ہے جب دوستی ہوتی ہے تو اس میں دوستی کے تقاضے پورے کرنے

پڑتے ہیں جن میں بعض باتیں ایسی بھی بتانی پڑ جاتی ہیں جن کے بتانے میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی حکومت میں رخنہ پڑتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی جماعت میں ضعف آتا ہو' جو سچے پکے مسلمان ہوتے ہیں وہ کافروں سے دوستی کرتے ہی نہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں صرف زبانی طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے کافر ہیں وہ لوگ کافروں سے دوستی کرتے ہیں' یہ لوگ اسلام کے نام لیوا بھی بنتے ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں اسلیے کافروں کی دوستی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں یہ خوف بھی کھائے جاتا ہے کہ ممکن ہے مسلمان کو غلبہ نہ ہو اگر کھل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں تو کافروں سے جو دنیاوی فوائد وابستہ ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے۔

اگر قحط پڑ جائے یا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچ جائے یا اور کوئی گردش آ جائے تو کافروں سے کوئی بھی مدد نہ ملے گی' اس خیال خام میں مبتلا ہو کر نہ سچے دل سے مؤمن ہوتے ہیں نہ کافروں سے بیزاری کا اعلان کرنے کی ہمت رکھتے ہیں' زمانہ نبوت میں بھی ایسے لوگ تھے جن کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا اس کا قول اوپر نقل فرمایا۔

اور آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی مل کر رہتے ہیں اور کافروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں' کافروں کے لئے جاسوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات انہیں بتاتے ہیں اور خفیہ آلات کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کو مسلمانوں کے مشوروں اور ان کی طاقت اور عساکر و افواج کی خبریں پہنچاتے ہیں' چونکہ یہ لوگ خالص دُنیادار ہوتے ہیں اسلیئے نہ اپنی آخرت کے لیے سوچتے ہیں نہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے فکر کرتے ہیں صرف اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں مُسلمان کیا نفع پہنچائیں گے آڑے وقت اور نازک حالات میں یہود و نصاریٰ سے ہی پناہ مل سکتی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو شخص ان سے دوستی کریگا وہ انہیں میں سے ہے (دوستی کے درجات مختلف ہیں بعض مرتبہ دوستی ایسی ہوتی ہے کہ اسے نباہنے کے لیے ایمان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ تو سراپا کفر ہے اور فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ کا حقیقی مصداق ہے اور اگر کسی نے ایمان کو چھوڑے بغیر کافروں سے دوستی کی تو اپنی دوستی کے بقدر درجہ بدرجہ انہیں میں سے شمار ہوگا اور یہ کیا کم ہے کہ دیکھنے والے اس دوستی کرنے والے کو کافروں کا ہی ایک فرد سمجھیں گے) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا) کافروں سے دوستی کرنا اپنے اوپر اور دوسرے تمام مسلمانوں پر ظلم ہے اور یہ ظلم کرنے والے اپنے خیال میں ہوشیار بن رہے ہیں راہ ہدایت سے منہ موڑے ہوئے ہیں انہیں ہدایت مطلوب ہی نہیں ہے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیگا۔

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ: منافقوں نے عہد نبوت میں جو یوں کہا تھا کہ اگر ہم یہودیوں سے تعلق نہ رکھیں اور ان سے دوستی ختم کر دیں تو ہمیں ڈر ہے کہ آڑے وقت پر کوئی کام آنیوالا نہ ملے گا' اگر

اسلام کا غلبہ نہ ہوا اور یہودیوں سے بگاڑ کر بیٹھیں تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے یا اگر کسی قسم کی کوئی گردش آ گئی قحط پڑ گیا مہنگائی ہوگئی تو ساہوکار یہودیوں سے جو امداد مل سکتی ہے اس سے محروم ہو جائیں گے' یہ خالص دنیاداری کا جذبہ ہے ایمانی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر دنیاوی منافع حاصل ہونے کے احتمال پر ایسی بات کہہ گئے۔

اللہ جل شانہٗ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ (سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کی صورت پیدا فرما دے یا اور کوئی صورتحال اپنے پاس سے ظاہر فرما دے) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فتح سے فتح مکہ مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے یہودیوں کی بستیاں خیبر اور فدک کا فتح ہونا مُراد لیا ہے اور اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اسلام کا غلبہ مراد ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر کی جلاوطنی مُراد ہے جنہیں ۴ھ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا مکہ معظمہ بھی فتح ہُوا خیبر اور فدک کی بستیاں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں بنی نضیر کی جلاوطنی بھی ہوئی جن سے منافقوں کو آڑے وقت میں امداد کی امید تھی فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ یعنی جب اسلام کا غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کو فتحیابی حاصل ہوگی تو یہ منافقین اپنے نفسوں میں چھپائی ہوئی بات پر نادم ہوں گے کہ ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا؟ ہم سمجھتے تھے کہ کافروں کی دوستی کچھ کام دیگی لیکن وہ تو کچھ بھی کام نہ آئی' نیز بعد میں ان کا نفاق بھی کھل کر سامنے آگیا' کافر تو مغلوب ہوئے اور یہ لوگ مسلمانوں کے بھی معتمد نہ رہے یہ بھی ندامت کا سبب ہُوا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (الآیۃ) یعنی جب منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آئے گا تو اہل ایمان تعجب سے کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' ان کا باطن تو کچھ اور ہی نکلا' جھوٹے کو جب اپنی بات کو باور کرانا ہوتا ہے تو بار بار تاکید کے ساتھ قسمیں کھاتا ہے' منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے' سچے کو قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے اعمال اور اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سچا ہے قسموں کے بغیر ہی اس پر اعتماد ہو جاتا ہے منافقوں نے جو نفاق کی چالیں چلیں اور دکھانے کو بظاہر جو نیک اعمال کئے وہ سب اکارت چلے گئے ان سے کچھ فائدہ نہ ہُوا اور بھرپور نقصان میں پڑ گئے۔ اسی کو فرمایا حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے سو عنقریب اللہ ایسی قوم کو پیدا فرمادیگا جن سے اللہ کو محبت ہوگی

وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

اور وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے' وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست ہوں گے' وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور

يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے

وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

تمہارا ولی بس اللہ اور اُس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ

رٰكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿۵۶﴾

رکوع کرنے والے ہیں اور جو کوئی شخص دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے سو اس میں شک نہیں کہ اللہ کا جو گروہ ہے وہی غالب ہونے والا ہے

مسلمان اگر دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو مُسلمان بنادیگا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اول تو مسلمانوں کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ دین اسلام کا چلنا چمکنا اور آگے بڑھنا کوئی تم پر موقوف نہیں ہے اگر تم مرتد ہو جاؤ یعنی دین اسلام سے پھر جاؤ (العیاذ باللہ) تو اسلام پھر بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو ایمان قبول کریں گے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

یہ لوگ اہل ایمان سے تواضع اور نرمی اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں گے اور کافروں کے مقابلہ میں قوت اور طاقت اور عزت اور غلبہ کی شان دکھائیں گے یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے جان و مال کی قربانیاں دیں گے کافروں سے لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

ان لوگوں کی صفات مذکورہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس میں ہر دور کے مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ ایمان اور ایمان کے تقاضوں پر چلنے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھیں اور مغرور نہ ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے جسے چاہے ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے نواز دے۔

منت مَنِہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی — شکر خدا کُن کہ موفق شُدی بخیر
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت — زفضل وانعامش معطل نہ گذاشت

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (اور اللہ بڑی وسعت والا ہے اور بڑے علم والا ہے) وہ جسے چاہے دے اور جتنا دے اُسے اختیار ہے

اور جسے نعمت ملے وہ شکر گذار ہو یا ناشکرا بنے اسے سب کا علم ہے۔

اہل ایمان کی صفت خاصہ کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں: اہل ایمان کی جو صفات بیان فرمائیں اس میں ایک یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت فرمائے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے، درحقیقت یہی مومن بندوں کی اصل صفت ہے، سورۂ بقرہ میں فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے وہ اللہ کی محبت کے اعتبار سے بہت زیادہ سخت ہیں) نیز ارشاد فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ آپ فرما دیجئے (کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیگا)

جب اللہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو جو اللہ رسولؐ سے بھی محبت ہوگی جن کے اتباع کو محبت کا معیار قرار دیا ہے، اللہ کے رسول سے محبت ہوگی تو اللہ کی کتاب سے بھی محبت ہوگی اور ہر اُس بندہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو جو اللہ رسول ﷺ کا فرماں بردار ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں وہ جس کسی شخص میں ہونگی ایمان کی مٹھاس محسوس کریگا ایک خصلت تو یہ ہے کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ اُسکو سب سے زیادہ محبوب ہوں (اللہ رسول سے جو محبت ہو اس جیسی اور کسی سے محبت نہ ہو) دوسرے یہ کہ جس کسی بندہ سے محبت کرے تو یہ محبت صرف اللہ ہی کے لیے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کُفر سے بچا دیا تو اب کفر میں واپس جانے کو ایسا ہی بُرا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو بُرا جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

اہل ایمان کی دوسری صفت کہ وہ مومنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہیں

اہل ایمان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (کہ یہ لوگ ایمان والوں کے لیے نرم اور رحم دل ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں غلبہ اور دبدبہ والے ہوں گے) اسکو سورۂ فتح میں یوں بیان فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر اور رحم دل ہیں آپس میں) یہ صفت بھی بہت بڑی ہے اس کے بغیر ایمان برداری کا اجتماعی مزاج نہیں بنتا اور جاندار وحدت وجود میں نہیں آتی، کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پر ظلم کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر یہ محسوس کرتے رہیں کہ یہ لوگ قوی ہیں عزت اور شوکت والے ہیں ان سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے اپنا اجتماعی اور انفرادی طور طریقہ ایسا رکھیں کہ کافر یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہم سے برتر ہیں قوت میں زیادہ ہیں اسکو سورۂ توبہ میں فرمایا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً (اے ایمان والو! ان لوگوں سے

جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں)

کفر و ایمان کی جنگ تو ہمیشہ رہی ہے اور کافروں سے بیزاری ظاہر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ

(تمہارے لیے نیک پیروی موجود ہے ابراہیم میں اور اُن لوگوں میں جو ابراہیم کے ساتھ تھے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم بے تعلق ہیں تم سے اور اُن چیزوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم میں اور تم میں ظاہر ہوگئی دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لیے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اللہ پر جو تنہا ہے)

درحقیقت جب تک کافروں سے براءت اور بیزاری نہ ہو اور ان سے بُغض اور دشمنی نہ ہو اُس وقت تک کافروں کی مُوالات یعنی دوستی کا جذبہ ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ گذشتہ آیت میں جو کافروں کو دوست نہ بنانے کا حکم فرمایا ہے اس پر عمل ہونے کا یہی راستہ ہے کہ اُن کو دشمن سمجھا جائے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جن کو شریعت کی اصطلاح میں ذِمّی کہا جاتا ہے اصول شریعت کے مطابق ان سے رَواداری رکھی جائے اس طرح جو مسلمان کافروں کے مُلک میں رہتے ہیں وہ وہاں کے کافروں سے خرید و فروخت کی حد تک اور امور انتظامیہ میں (جو شرعاً درست ہوں) میل جول رکھیں لیکن دوستی نہ کریں، آج مسلم ممالک کے حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ کافروں سے ان کا جوڑ زیادہ ہے جو لوگ کافر ملکوں کے سربراہ ہیں ان کے سامنے بچھے جاتے ہیں اور جو مسلمان ہیں ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں مسلمانوں کے ایک ملک کے ذمہ دار دوسرے مسلم ممالک کے مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکلاتے ہیں اور ان پر قید و بند کی سختیاں کرتے ہیں اور جو کافر اپنے پاس رہتے ہیں انکو عُہدے بھی دیتے ہیں اور اُن کی امداد بھی کرتے ہیں بلکہ اُن کو راضی کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے قوانین جاری کرنے کو راضی نہیں، یہ سب دنیاداری کے تقاضے ہیں قرآن حدیث کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

اہل ایمان کی تیسری صفت کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں:

اہل ایمان کی ایک اور صفت بیان فرمائی يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں لفظ جہاد جہد سے لیا گیا ہے، عربی زبان میں محنت اور کوشش اور تکلیف اٹھانے کو جہد کہا جاتا ہے اللہ کا دین پھیلانے کے لئے اس کا بول بالا کرنے کے لئے جو بھی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب جہاد ہے اور کافروں سے جو جنگ کی جائے وہ بھی جہاد کی ایک صورت ہے اور چونکہ اس میں جان و مال کی قربانی دی جاتی ہے اسلئے اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اسلام میں جو قتال مشروع ہوا ہے کفر اور شرک کو مٹانے اور نیچا دکھانے کے لئے ہے۔

خالق کائنات جل مجدہٗ کی سب سے بڑی بغاوت اور نافرمانی یہ ہے کہ اس پر ایمان نہ لائیں اُسے وحدہٗ لاشریک نہ

جانیں اس کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اسکی خالقیت اور مالکیت کو سامنے رکھا جائے اور پھر اہل کفر کی بغاوت کو دیکھا جائے تو جہاد کی مشروعیت بالکل سمجھ میں آجاتی ہے اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے اس کے بندے قتال کریں تو اس پر کیوں طعن کیا جاتا ہے جب ایمان اور کفر کی دشمنی ہی ہے تو اہل ایمان دشمن کے خلاف جو بھی کارروائی کریں جو شریعت اسلامیہ کے موافق ہو اُسے ظلم نہیں کہا جائے گا۔

آخر کافر بھی تو مسلمان پر حملہ کرتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں ان کی دکانیں جلاتے ہیں ان کے ملکوں پر قبضہ کرتے ہیں اور سالہا سال انہوں نے صلیبی جنگیں لڑیں ہیں، مسلمان دشمنی کا جواب دشمنی سے دیتے ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا موقعہ ہے؟ مسلمانوں کو دبنگ ہو کر رہنا چاہئے ورنہ اہل کفر دبالیں گے۔ (جہاد کے بارے میں انوار البیان ج۱ص۲۹۵) کا مضمون بھی دیکھ لیا جائے۔ ۱۲منہ سورہ توبہ اور سورۂ تحریم میں فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ (اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور اُن پر سختی کرو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے)

بعض ملکوں میں مسلمانوں نے کافروں سے اس حد تک دوستی کر رکھی ہے (اور اس کا نام رواداری اور یک جہتی رکھا ہوا ہے) کہ اُن کے ساتھ بیٹھ کر حرام چیزیں بھی کھا پی لیتے ہیں اور اُن کے مذہبی تہواروں میں بھی شریک ہو جاتے ہیں حد یہ ہے کہ ان کی عبادت خانوں کو بنانے میں ان کی مدد بھی کر دیتے ہیں ایسی رواداری کرنے کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایسی رواداری کرنیوالوں کو اور ان کی نسلوں کو یہ رواداری کافر نہ بنا دے۔ (والعیاذ باللہ)

اہل ایمان کی چوتھی صفت کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے: اہل ایمان کی ایک صفت یوں بیان فرمائی کہ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے) یہ بھی اہل ایمان کی ایک عظیم صفت ہے جب اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ سے محبت کرتے ہیں تو مخلوق کی کیا حیثیت رہ گئی اللہ کے بارے کسی کے بُرا بھلا کہنے کا خیال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے حکم کی برتری ابھی تک دل میں نہیں بیٹھی۔

یہ سوچنا کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں گے، سفر حضر میں نماز پڑھیں گے تو کافر بُرا مانیں گے اذان دیں گے تو کافر کیا کہیں گے اگر ڈاڑھی رکھ لی تو لوگ بری نظروں سے دیکھیں گے کافروں فاسقوں کا لباس نہ پہنا تو سوسائٹی میں برے بنیں گے۔ یہ سب ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے مومن کو اس سے کیا مطلب کہ لوگ کیا کہیں گے۔؟

اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنا ہے مومن تو اللہ کا بندہ ہے اسی کا فرمانبردار ہے مخلوق راضی ہو یا ناراض، اچھا کہے یا بُرا اسے اپنے رب کے پسند فرمودہ راستہ پر چلنا ہے۔

اللہ رسول اہل ایمان کے ولی ہیں: مومنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (تمہارا ولی تو بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنیوالے ہیں)

اہل ایمان کی دوستی کو صرف اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی دوستی میں منحصر فرما دیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام اور مومنین کے علاوہ اہل ایمان کا کوئی دوست نہیں ہے، اگر کسی دوسرے کو دوست بنایا تو خطا کریں گے دھوکہ کھائیں گے دنیا و آخرت کا نقصان اٹھائیں گے ساتھ ہی اہل ایمان کی دو اہم صفات بھی بیان فرمائیں اور وہ یہ کہ نماز قائم کرتے ہیں (جو جانی عبادت ہے اور ایمان کی سب سے بڑی دلیل ہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو مالی عبادت ہے وَهُمْ رٰكِعُوْنَ اس کے مفسرین نے کئی معنی نقل کئے ہیں ایک یہ کہ اُن میں خشوع اور تواضع کی صفت ہے ان کے دل اللہ کی فرماں برداری کے لئے جھکے ہوئے ہیں۔

اور بعض حضرات رٰكِعُوْنَ کا معروف معنی مرادلیا ہے اور وہ یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۷ میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے رکوع میں جا چکے تھے وہاں سے ایک سائل گذرا اُس نے سوال کیا تو آپ نے رکوع ہی میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اُتار دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیر کے کام میں سبقت فرمائی اور نماز ختم کرنے کا بھی انتظار نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی تعریف فرمائی آیت کا سبب نزول خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہی ہو لیکن الفاظ کو عموم راکعین اور خاشعین اور متواضعین اور تمام زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو شامل ہے۔

احکام القرآن میں علامہ ابوبکر جصاص نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں تھوڑی سی حرکت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ کے لئے بھی لفظ زکوٰۃ استعمال کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورہ روم میں فرمایا وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۞ (جو بھی زکوٰۃ تم ادا کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو، سو یہی لوگ ہیں ثواب کو چند در چند کرنے والے)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام سے دوستی کرنیوالے ہی غالب ہوں گے

پھر فرمایا وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۞ (اور جو شخص دوستی کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کے گروہ کے لوگ ہی غالب ہونے والے ہیں)

اس میں اُن لوگوں کو تنبیہ ہے جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں اور اس تردد میں رہیں کہ نہ جانے کون غالب ہوتا ہے، اگر کافروں سے دوستی رکھی اور وہ غالب ہو گئے تو یہ دوستی کام دیگی جیسا کہ عبداللہ بن اُبی نے کہہ دیا تھا کہ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ (ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے) اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اللہ کا

گروہ ہی غالب ہوگا' جو اللہ کے دین کو زندہ کرنے اور پھیلانے اور بڑھانے کے لئے محنت کرتے ہیں اللہ کے لئے جیتے اور مرتے ہیں یہ لوگ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں۔

اللہ پاک کی طرف سے ان کی مدد ہوتی ہے اور ان کو غلبہ حاصل ہوتا ہے سورہ مُجادلہ میں فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ اللہ لکھ چکا ہے کہ ضرور غالب رہوں گا میں اور میرے رسول' بے شک اللہ زور والا ہے زبردست ہے۔

سورہ الصّٰفّٰت میں فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ہ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ہ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ہ (اور پہلے ہی ہمارا حکم ہو چکا اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے بے شک پیغمبروں ہی کی مدد ہوگی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہے)

مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب: اہل ایمان جب ایمان پر جمے رہیں نافرمانیوں سے بچتے رہیں اللہ پر بھروسہ رکھیں احکام الٰہیہ کے مطابق زندگی گذاریں اور اخلاص کے ساتھ کافروں سے جنگ کریں تو ضرور یہی لوگ غالب ہوں گے کسی بے تدبیری یا معصیت کیوجہ سے کبھی کوئی زک پہنچ جائے تو یہ دوسری بات ہے' آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کوئی مسلمان کافروں کے ہاتھ سے نہ مارا جائیگا اور شہید نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ انجام کار کے طور پر فتح نُصرت اور غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل ایمان جب تک ایمان پر قائم رہے اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑتے رہے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے جذبہ سے سرشار رہے عالم میں فتحیابی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کے جہاد کی وجہ سے پاش پاش ہوئیں بڑے بڑے ممالک ان کے زیرنگیں آ گئے اور کفار پیچھے ہٹتے لے گئے لیکن جب سے اعمال شرعیہ کی پابندی چھوڑی اللہ کی نافرمانیوں پر اُتر آئے دنیا کو مقصود بنالیا۔ کافروں کی دوستی کا دم بھرنے لگے تو اُن کے قبضہ میں جو ممالک تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور کافروں نے عالمی ادارے بنا کر مسلمانوں کو ان کا ممبر بنالیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی اور پس پردہ کٹھ پتلی کی طرح انہیں نچادیا' مسلمان اب بھی صحیح طریقہ پر حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت بنیں تو اب بھی غلبہ پا سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے ایمان والو! ان کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا ہے' یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تم سے پہلے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ

کتاب دی گئی اور اُن کے علاوہ جو دوسرے کافر ہیں ان کو بھی دوست نہ بناؤ اگر تم مومن ہو' اور جب

إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ

تم نماز کے لئے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں، یہ اسلئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ آپ فرما دیجئے! کہ اے اہل کتاب

هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ

تم ہم سے صرف اس لئے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ہم سے پہلے اتارا گیا اور ایک یہ بات ہے کہ تم میں اکثر

فٰسِقُونَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ

نافرمان ہیں آپ فرما دیجئے کیا میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں جو اللہ کے نزدیک سزا کے اعتبار سے اس سے زیادہ برا ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن پر اللہ نے لعنت کر دی اور جن پر اللہ غصہ ہوا

عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۭ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ

اور ان میں سے بعض کو اللہ نے بندر بنا دیا۔ جنہوں نے شیطان کی عبادت کی یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں اور سیدھے راستہ سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں اور

سَوَآءِ السَّبِيلِ ﴿۶۰﴾ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر کی ہی حالت میں نکل گئے اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسٰرِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ

جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم میں اور حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔

السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ

یہ واقعی بات ہے کہ وہ اعمال برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں، کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے

الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۶۳﴾

اور حرام کھانے سے، واقعی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں

اہل کتاب اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ
جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے

تفسیر: ان آیات میں اوّلاً تو اس مضمون کا اعادہ فرمایا جو گذشتہ رکوع کے شروع میں تھا کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ وہاں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کو منع فرمایا اور یہاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ لفظ وَالْكُفَّارَ کا بھی اضافہ فرما دیا تاکہ دوستی نہ کرنے کی ممانعت تمام کافروں کے بارے میں عام ہو جائے، یہود اور نصاریٰ اور دوسرے تمام کافر جن میں مشرکین ملحدین منافقین، مرتدین سب داخل ہیں ان سب سے دوستی کرنے کی ممانعت فرما دی، اوّل تو ان کا کفر ہی دوستی نہ

کرنے کا بہت بڑا سبب ہے لیکن ساتھ ہی ان کی ایک اور بدترین حرکت کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے دین اسلام کو ہنسی اور مذاق اور کھیل بنالیا ہے۔ خاص کر جب نماز کے بُلاوے یعنی اذان کی آواز سنتے ہیں تو اُس کا مذاق بناتے ہیں۔

ظاہر ہے جب کوئی شخص مسلمانوں کے دین کا مذاق بنائے گا مُسلمان کو اس سے دوستی کرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے کافروں کی یہ حرکت ناسمجھی اور بے عقلی پر مبنی تھی اس لیے فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ (یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے) اس کے بعد فرمایا قُلْ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّا (الآیۃ) آپ اہل کتاب سے فرمادیجئے کہ تم ہم سے کیوں ناراض ہو؟ اور ہم میں کون سا عیب پاتے ہو؟ تمہاری ناگواری کی صرف یہ بات ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ نے جو کتاب ہماری طرف نازل کی اس پر ایمان لائے اور اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان لائے' یہ باتیں ناگواری اور ناراضگی اور عیب کی نہیں ہیں اچھی باتوں کو تم نے ناراضگی کا سبب بنالیا یہ تمہاری حماقت ہے اور دوسرا سبب تمہاری ناراضگی کا یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں (چونکہ ان میں سے معدودے؟ چند افراد ہی نے اسلام قبول کیا تھا اسلئے فرمایا کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں یعنی کفر پر مُصر ہیں۔) مسلمان قرآن پر اور اس سے پہلی کتابوں پر ایمان لائے یہ تو ناراضگی کا سبب نہیں ہوسکتا۔

ہاں! اہل کتاب کا نافرمان ہونا اور اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹنا اور بچنا یہ مسلمانوں سے ناراضگی کا سبب ہوسکتا ہے اور حقیقت میں کافروں کی ناراضگی کا یہی سبب تھا اور اب بھی ہے' اہل کتاب کو اس میں تنبیہ ہے اور ہدایت ہے کہ تم سرکشی سے باز آؤ اور مسلمان ہوکر مسلمانوں میں گھل مل جاؤ۔

اہل کتاب کی شقاوت اور ہلاکت: پھر فرمایا قُلْ هَلْ اُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ (الآیۃ) اے اہلِ کتاب تم ہم سے اسلئے ناراض ہو کہ ہم لوگ اللہ پر اور اُسکی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں یہ تو کوئی ناراضگی کی بات نہیں ہے لیکن تم اپنی حماقت و شرارت اور سرکشی کیوجہ سے اُسے بُرا سمجھتے ہو۔

بالفرض اگر یہ اچھی چیز نہیں ہے تو میں تمہیں اُس سے بڑھ کر بری چیز بتاتا ہوں جسمیں تمہاری شقاوت اور ہلاکت ہے اور وہ سزا کے اعتبار سے بہت بُری ہے غور کرو گے تو تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ جس راہ پر تم ہو وہ راہ بہت بری ہے اور اللہ کے نزدیک اس کا بدلہ بہت بُرا ہے یہ بری چیز کیا ہے؟ اُن لوگوں کے اعمال ہیں جن میں اللہ نے لعنت کردی اور اپنی رحمت سے محروم کرکے مردود قرار دیدیا اور ان پر غصہ فرمایا اور ان کو بندر اور سور بنادیا' اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی' ان لوگوں کا یہ طریقہ اس طریقہ سے بُرا ہے جو ہمارا طریقہ ہے۔ ہمارے طریقہ میں توحید ہے ایمان ہے اللہ کی کتابوں پر ایمان ہے اور اس کے نبیوں کی تصدیق ہے جو سراسر خیر اور حق ہے اور تمہارے اندر کفر ہے نبیوں کا انکار ہے اللہ کی کتابوں کی تکذیب ہے اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کا نتیجہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد میں سے جنہوں نے نافرمانی کی ان کو بندر اور

سور بنا دیا گیا جس کا تمہیں اقرار ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے یہاں بہت برا بدلہ پائیں گے یہ آخرت میں بدترین لوگ ہوں گے ان کی جگہ دوزخ ہے جو بہت بُری جگہ ہے اور یہ لوگ دنیا میں سیدھے راستہ سے بہت دور ہیں اس میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ تم مسلمانوں پر ہنستے ہو اور ان کی اذان کا مذاق بناتے ہو۔ ہمارے طریقہ میں تو کوئی بات استہزاء اور مذاق اور گمراہی کی نہیں ہے ہاں تمہارا طریقہ نافرمانی کفر وفسوق کا ہے تمہارے آباؤ اجداد بھی ایسے ہی تھے جنہوں نے کفریہ عقائد اختیار کئے۔

گائے کے بچھڑے کو پوجا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتایا' سنیچر کے دن کی جو تعظیم لازم کی گئی تھی اسکی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے' بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے سنیچر کے دن کے بارے میں حکم عدولی کی تھی ان میں جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

منافقوں کی حالت: پھر منافقوں کا ذکر فرمایا کہ اے مسلمانو! جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان کا یہ کہنا جھوٹ ہوتا ہے وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ (وہ داخل ہی ہوئے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی کفر کے ساتھ) نہ پہلے مومن تھے نہ تمہاری مجلس میں باایمان ہو کر بیٹھے' جیسے حالت کفر میں آئے ویسے ہی چلے گئے۔

یہ ظاہر میں ایمان والے بنتے ہیں اور دلوں کے اندر کفر چھپا رکھے ہیں اللہ کو اس بات کا پورا پورا علم ہے جسے وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی حرام خوری اور گناہگاری: یہودیوں کے ہاں حرام کھانے کا بہت رواج تھا اور گناہ بھی بڑھ چڑھ کر کرتے تھے ظلم اور زیادتی میں بھی خوب آگے بڑھے ہوئے تھے سُود کا لین دین بھی خوب تھا اور رشوتوں کا بھی خوب چرچا تھا اسکو فرمایا۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ (آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ کرنے میں اور ظلم وزیادتی میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں اور حرام کھانے میں خوب تیز ہیں) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (البتہ وہ کام بُرے ہیں جو وہ کرتے ہیں)

جھوٹے درویشوں کی بدحالی: اُمت محمدیہ میں جو جھوٹے درویش بنے ہوئے ہیں انہوں نے دنیا حاصل کرنے کے لئے پیری مریدی اختیار کرلی ہے۔ مال داروں میں گھل مل کر رہتے ہیں' جن سے اغراض وابستہ ہیں یا وہ حکومتوں کے ملازم ہیں' ان کے ذریعہ کام نکلتا ہے' انکی اصلاح کی کوئی فکر نہیں' اپنی ذات کا نفع سامنے رہتا ہے' ایسے درویش اور بعض علماء بھی اسی مصیبت میں مُبتلا ہیں کہ حرام کھانے سے اور حرام کمانے سے اور گناہوں میں مال لگانے سے نہیں روک سکتے۔

جو لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں طرح طرح سے لوگوں سے مال وصول کرتے ہیں بے نمازی ہیں اور بزرگ بنے ہوئے ہیں ڈاڑھیاں مُنڈی ہوئی ہیں اور درویشی کے دعویدار ہیں حلال حرام کی تمیز کے بغیر لوگوں سے سب کچھ

وصول کر لیتے ہیں بھلا ایسے لوگ کیا حق بات کہہ سکتے ہیں اور کیا گناہوں سے روک سکتے ہیں؟

ان لوگوں کے ہم مشرب اور ہم مسلک علماء ہیں ان کے موہنوں پر لگامیں ہیں۔ قبروں پر جو عرس ہوتے ہیں اُن میں خود شریک ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں فلاں اعمال جو کر رہے ہو یہ شرک اور بدعت ہیں' بلکہ یہ دنیادار علماء اپنے عمل سے اپنے علم کو مشرکانہ مبتدعانہ اعمال کی تائید میں خرچ کرتے ہیں (لا جعلنا اللہ منہم)

حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآن کریم میں (درویشوں اور عالموں کی) توبیخ کے لیے اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں ہے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن خطبہ دیا اور حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اسلئے ہلاک ہوئے کہ وہ گناہ کرتے تھے اور درویش اور اہل علم انہیں نہیں روکتے تھے جب گناہوں میں بڑھتے چلے گئے تو اُن پر عذاب نازل ہو گیا لہٰذا تم امر بالمروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اس سے پہلے کہ تم پر وہ عذاب آئے جو اُن لوگوں پر آیا تھا' اور یہ بات جان لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوجہ سے نہ رزق منقطع ہوتا اور نہ موت وقت سے پہلے آتی ہے۔ (ذکرہ ابن کثیر ج۲ ص ۷۴)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے' بند ہوئے ان کے ہاتھ' اور ان کے قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی' بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ

وہ خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے' اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا' وہ ان میں سے بہت سوں کو سرکشی اور کفر کے

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ

زیادہ ہونے کا سبب بن جائے گا' اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک' انہوں نے جب کبھی لڑائی کی

أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ أَنَّ

آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا۔ اور یہ لوگ فساد کے لئے دوڑتے ہیں' اور اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا' اور اگر

أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ

اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے' اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے' اور اگر

أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ

وہ قائم کرتے توریت کو اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل ہوا ہے ان پر ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے

وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۶۶﴾

پاؤں کے نیچے سے' ان میں ایک جماعت سیدھی راہ اختیار کرنے والی ہے اور ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بُرے کرتوت کرتے ہیں

یہودیوں کی گستاخی اور سرکشی

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰ میں حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو بہت مال دیا تھا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو اللہ پاک نے جو مال و دولت دیا تھا اور بڑی مقدار میں جو پیداوار ہوتی تھی اسکو روک دیا' اس پر فنحاص نامی ایک یہودی نے یہ بات کہی کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہوگیا' کہا تو تھا ایک ہی شخص نے لیکن دوسرے یہودیوں نے چونکہ اسے اس کلمہ سے نہیں روکا اور اس کی بات کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس میں شامل کر دیا اور اس بات کو یہود کا قول قرار دیدیا۔

ان کی تردید فرماتے ہوئے اوّل تو یہ فرمایا کہ غُلَّتْ اَيْدِيهِمْ کہ خود یہودیوں کے ہاتھ خیر خیرات سے رُکے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

پھر فرمایا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کُھلے ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہے خرچ کرے) یہودی بڑی بے ہودہ قوم تھی انہوں نے ایسی بے ہودگی پر کمر باندھی کہ اللہ تعالیٰ کی شان عالی اور ذات مقدس کے بارے میں بھی نازیبا کلمات کہہ دیئے۔ جب کسی قوم میں ایمان نہ رہے ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں وہ اللہ کو مانتے بھی ہیں اور اللہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اُسے کوئی خرچہ کم نہیں کرتا وہ رات دن خرچ کرتا ہے تم ہی بتاؤ اس نے کتنا خرچ فرمادیا جب سے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس میں ذرا بھی کم نہیں ہوا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

کمی ہونے کے ڈر سے اسے ہاتھ روکنا پڑتا ہے جس کے پاس مال محدود ہو اور ختم ہو جانے کا ڈر ہو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ خالق ہے اور مالک ہے اس کے خزانے بے انتہاء ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

عطائی کلام وعذابی کلام انما امری لشئی اَرَدتُّ ان اقول له کن فیکون.

میرا عطا کر دینا کلام ہے اور عذاب دینا بھی کلام ہے جب میں کسی چیز کا ارادہ کروں تو کُن کہہ دیتا ہوں پس وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۵)

رسول ﷺ نے کیسے سمجھانے کے انداز میں بیان فرمایا کہ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اس نے اپنی مخلوق پر کتنا خرچ کر دیا اس کو سوچو اور غور کرو۔ اتنا خرچ کرنے پر اس کے خزانوں میں کچھ بھی کم نہیں ہوا اور خرچ برابر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور ابدالآباد تک اہل جنت پر خرچ ہوگا ایسے خالق و مالک اور داتا کو یہودیوں نے فقیر کہہ دیا

جیسا کہ سورہ آل عمران میں ذکر فرمایا لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَآءُ (البتہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں) انہوں نے جو یہ کہا کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے رُک گیا' یہ ان کی ضلالت اور سفاہت اور دیدہ دلیری ہے جس کی وجہ سے ملعون قرار دیئے گئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ جل شانہٗ مخلوق کی طرح نہیں ہے وہ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے حدیث وقرآن میں جو لفظ ید وغیرہ آیا ہے اس پر ایمان لائیں کہ اس کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے مانتے ہیں۔ اور سمجھنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہے۔

پھر فرمایا وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا (اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائیگا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی وہ تو ہدایت کے لیے ہے لیکن یہودی اس سے ہدایت حاصل نہیں کر رہے ان میں سے چند لوگ ایمان لائے جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے وہی لوگ زیادہ ہیں جو اللہ کی کتاب سے ہدایت لینے کی بجائے اسکو اپنے لیے زیادہ سرکشی اور کفر میں بڑھنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔

حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ یہودیوں کو حسد کھا گیا انہوں نے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور عرب سے حسد کیا اور اس وجہ سے قرآن چھوڑا اور محمد رسول اللہ علیہ کی رسالت کے منکر ہوئے اور آپ کے دین کو نہ مانا۔ حالانکہ وہ آپ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں (درمنثور ج۲ ص ۲۹۷)

پھر فرمایا وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (اور ہم نے قیامت تک ان میں دشمنی کو اور بغض کو ڈال دیا) ان میں مختلف فرقے ہیں اور ایک فرقہ دوسرے کا دشمن ہے اور قیامت تک ان کی عداوت اور بغض کا یہی حال رہے گا۔

یہودیوں کا جنگ کی آگ کو جلانا: پھر فرمایا کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (کہ جب کبھی انہوں نے لڑائی کی آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا) یعنی مسلمانوں کے خلاف تحریک چلاتے رہتے ہیں اور ان سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی تیاریوں میں کامیاب نہیں ہوتے یا تو مرعوب ہو کر رہ جاتے یا مغلوب ہو جاتے ہیں اور شکست کا منہ دیکھتے ہیں۔ یہودیوں نے ہر موقعہ پر شکست کھائی' بنو قریظہ مقتول ہوئے اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے خیبر کو جلا وطن کیے گئے پھر خیبر میں بھی ان پر چڑھائی کی گئی اور وہ وہاں مغلوب اور مقہور ہوئے۔

پھر فرمایا وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا (اور یہ لوگ زمین میں فساد کرنے کے لیے دوڑتے ہیں) وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو) لہٰذا یہ اللہ کے محبوب بندے نہیں ہیں' ان الفاظ میں ہمیشہ کے لیے فسادیوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو فساد فی الارض کے لیے منصوبہ بناتے رہتے ہیں اور فساد کرنے کا مشغلہ رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے اور انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے)

اس میں اہل کتاب کو ترغیب دی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور کفر سے بچیں، ایسا کرینگے تو ہم ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور ایمان لانے اور کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے آرام اور چین والی جنتوں سے محروم ہوں گے۔

اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے خوش عیش زندگی نصیب ہوتی ہے: پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (اور اگر وہ قائم کرتے توریت کو اور انجیل کو اور جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا ہے ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اگر توریت اور انجیل کے احکام پر عمل کرتے اور اب جو کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم پر نازل ہوا اس پر عمل کرتے تو ان کو دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نواز دیا جاتا۔

پہلی آیت میں یہ بتایا کہ ایمان لائیں گے تو جنت میں داخل ہوں گے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اگر ایمان لاتے اور احکام الٰہیہ پر عمل کرتے تو اس کی وجہ سے دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نوازے جاتے، اوپر سے بھی کھاتے اور پاؤں کے نیچے بھی نعمتیں پاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ ان پر خوب بارشیں برستیں اور زمین سے خوب کھانے پینے کی چیزیں اگائی جاتیں۔

معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۱ میں فرّاء سے نقل کیا ہے کہ اس سے رزق میں وسعت کر دینا مراد ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلان فی الخیر من قرنه الیٰ قدمه (فلاں شخص سر سے پاؤں تک خیر ہی میں ہے) اس آیت سے اور اعراف کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (الآیۃ) سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں لگنے اور گناہوں سے بچنے کی صورت میں (آخرت کی خیر کے ساتھ) بندگانِ خدا دنیا میں بھی بھرپور نعمتوں سے نواز دیئے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (ان میں ایک جماعت ہے سیدھی راہ اختیار کرنیوالی) چند اہل کتاب جو ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم اس میں ان حضرات کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (اور ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو بُرے کرتوت کرتے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عملوا بالقبیح مع التکذیب بالنبی ﷺ کہ ان لوگوں نے اعمال قبیح کئے اور ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
اے رسول! آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا' اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا
يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾
تو آپ نے اللہ کا پیغام نہ پہنچایا' اور لوگوں سے اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا' بے شک اللہ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھائے گا

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے سب کچھ پہنچادو' اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائیگا

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا اس کو پہنچادیں' حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کے دل میں کچھ گھبراہٹ سی ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ لوگ تکذیب کرینگے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۵۱ ج اور الباب النقول ص ۹۴ میں حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ جب يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے رب! میں یہ کام کیسے کروں گا میں تنہا ہوں لوگ میرے خلاف جمع ہوجائیں گے' اس پر فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ نازل ہوئی مزید فرمایا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو جو حضرات صحابہؓ آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے اُن سے آپ نے فرمادیا کہ آپ لوگ چلے جائیں اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

حفاظت کرنے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جب آیت نازل ہوئی تو انہوں نے پہرہ دینا چھوڑ دیا (لباب النقول ص ۹۴)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو اس کی راہ نہ دکھائے گا کہ وہ قتل کرنے کے لئے آپ تک پہنچیں۔ قال صاحب الروح وفیہ اقامۃ الظاہر مقام المضمر ای لانّ اللّٰہ تعالٰی لا یھدیھم الی امنیتھم فیک (ج ۳) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ انہیں آپ کے بارے میں اپنی خواہشوں کی تکمیل کی راہ نہیں دکھائے گا)

رسول اللہ ﷺ نے ذرا سی بھی کوئی بات نہیں چھپائی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ سب امت تک پہنچایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تم میں سے یہ بیان کرے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے نازل فرمودہ امور میں سے کچھ بھی چھپایا تو وہ جھوٹا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۱)

منیٰ اور عرفات میں رسول ﷺ کا حاضرین سے سوال: آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو عرفات میں خطبہ دیا اس میں بہت سی باتیں بیان فرمائیں اور حاضرین سے فرمایا وانتم تسئلون عنی فما انتم قائلون (تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا سو تم کیا جواب دو گے) حاضرین نے عرض کیا۔ نَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ (کہ ہم گواہی دیں گے کہ بلاشبہ آپ نے پہنچایا اور اپنی ذمہ داری کو پورا فرمایا اور امت کی خیر خواہی کی) آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر لوگوں کی طرف جھکائی اور تین بار اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (کہ اے اللہ! تو گواہ ہو جا!) (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۷)

پھر دسویں تاریخ کو منیٰ میں آپ نے خطبہ دیا اور حاضرین سے پھر وہی سوال فرمایا اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ خبردار! ٹھیک بتاؤ کیا میں نے پہنچا دیا؟ حاضرین نے کہا کہ نَعَمْ (ہاں آپ نے پہنچایا) پھر آپ نے اللہ پاک کی حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ! تو گواہ ہو جا) پھر ساتھ ہی فرمایا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (جو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچا دے) (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۳۵)

قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ اللہ نے جو بھی کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا ہے وہ سب پہنچا دیجئے۔

سورہ حجر میں ارشاد ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کہ آپ خوب کھول کر واضح طور پر بیان فرما دیجئے' آپ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا اور حج کے موقعہ پر صحابہؓ سے دریافت فرمایا کیا میں نے پہنچا دیا سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہاں آپ نے پہنچایا اور سب نے وعدہ کیا کہ اللہ کے حضور میں ہم گواہی دینگے اور عرض کر دیں گے کہ آپ نے سب کچھ پہنچا دیا۔

روافض کا رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگانا: یہ تو قرآن وحدیث کی تصریحات ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا یہ جاہلانہ اور کافرانہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرما دیں لیکن آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے اعلان نہیں فرمایا' ان لوگوں کو جھوٹا دعویٰ ہے کہ انہیں حضرات اہل بیت سے محبت ہے۔

جھوٹا اسلئے ہے کہ اہل بیت سے تو محبت کا دعویٰ ہے اور صاحب اہل بیت ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کا حکم نہیں پہنچایا یہ لوگ باستثناء تین چار پانچ حضرات کے تمام صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین کو کافر کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی تحریف کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو بھی علم چھپانے کا مجرم بتاتے ہیں' یہ محبت کی عجیب قسم ہے کہ اہل بیت سے محبت ہو اور جس ذات والا صفات کی وجہ سے اہل بیت سے محبت ہوئی۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ منصب رسالت کی ذمہ داری پوری نہیں کی (العیاذ باللہ من ہذہ الخرافات والھفوات)

جب اللہ کا نبی ہی مخلوق سے ڈر جائے اور احکام الٰہیہ کو چھپائے اور فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی خلاف ورزی کرے تو پھر کون حق قائم کرے گا؟ حیرت ہے ان لوگوں پر کہ جس رسول کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا اور وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ فرمایا کہ حفاظت کی ضمانت دے دی اس رسول کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے ڈر سے اللہ کا حکم چھپا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اس وعدہ پر آپ کو بھروسہ نہیں تھا (والعیاذ باللہ) ایک ادنیٰ مومن بھی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے کیا یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول کو اللہ پر بھروسہ نہ ہوا اور اللہ کے وعدہ کو سچ نہ سمجھا ہو؟ پھر یہ عجیب بات ہے کہ جس کی خلافت بلافصل کے یہ لوگ مدعی ہیں جب چھبیس سال کے بعد انہیں خلافت ملی تو انہوں نے تو یہ نہ کہا کہ میں خلیفہ بلافصل تھا مجھ سے خلافت چھین لی گئی یہ ان کے خواہ مخواہ کے حمایتی ان کو بھی مطعون کرتے ہیں کہ باوجود شجاع اور بہادر ہونے کے حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم سے ڈرتے رہے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ان کے مشوروں میں شریک ہوتے رہے۔ اللہ جل شانہٗ ان جھوٹے حمایتیوں کے عقائد اور مکائد اور خیالات اور خرافات سے محفوظ رکھے۔ ولقد صدق اللہ تعالیٰ حیث قال اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو یہاں تک کہ توریت کو اور انجیل کو اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہارے

رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ

رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی' اور ضرور ضرور ان میں سے بہت سوں کی سرکشی کو اور کفر کو وہ مضمون زیادہ کردے گا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا' سو آپ کافر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

قوم پر افسوس نہ کیجئے' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور فرقہ صائبین اور نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْۤ

اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو اُن پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے' بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا

اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا

اور ان کی طرف ہم نے رسول بھیجے جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو اُن کی خواہشوں کے موافق نہیں تھا تو انہوں نے نبیوں کی ایک جماعت کو

وَفَرِيقًا يَّقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوٓا اَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ

جھٹلا دیا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا' اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی پھر ان

عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾

میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جن کو وہ کرتے ہیں

یہودیوں کی سرکشی اور کج روی کا مزید تذکرہ

تفسیر: تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ دین ابراہیمی پر ہیں اور توریت پر بھی آپ کا ایمان ہے آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے (اور لوگوں کا یہ مطلب تھا کہ ہم بھی دین ابراہیمی پر ہیں اور آپ کی گواہی کے مطابق توریت شریف بھی اللہ کی کتاب ہے لہٰذا ہم حق پر ہوئے) آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تم نے دین ابراہیمی میں اپنے پاس سے بہت سی نئی چیزیں نکال لی ہیں اور توریت میں جو تم سے عہد لیا گیا تھا تم اس کے منکر ہو گئے ہو اور تمہیں جس چیز کا بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا اُسے تم چھپا رہے ہو اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے ہم اُسے مانتے ہیں اور ہم ہدایت پر ہیں اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا اتباع نہیں کرتے۔

اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ (اخیر تک) نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ تم کسی ایسے دین پر نہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو جب تک کہ تم توریت اور انجیل کے احکام اور ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور جب تک کہ اس پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے رب کی طرف سے بواسطۂ محمد رسول اللہ ﷺ تم پر نازل کیا گیا' سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانا توریت اور انجیل کے فرمان کے مطابق ہے۔ يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيلِ مگر تم نے توریت اور انجیل کے بعض احکام کو مانا اور بعض کو نہ مانا تو اس طرح سے توریت اور انجیل پر بھی تمہارا ایمان نہیں ہے' اور جو تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ دعویٰ غلط ہے اور تم جس دین پر ہو وہ آخر نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے' اس کے بعد فرمایا۔

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا کہ یہ لوگ قرآن سے ہدایت لینے والے نہیں بلکہ قرآن کا نازل ہونا ان کے لئے اور زیادہ سرکشی کرنے اور کفر میں ترقی کرنے کا باعث بنے گا' ان میں سے بہت سے لوگوں کا یہی حال ہے بجز چند افراد کے جو ایمان لے آئے تھے۔

فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ○ (آپ کافر قوم پر رنج نہ کریں) جس کو ایمان قبول کرنا نہیں ہے وہ قبول نہ کرے گا رنج کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

صرف ایمان اور عملِ صالح ہی مدارِ نجات ہے: پھر فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی (الآیۃ) (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہیں اور جو فرقہ صابئین ہے اور جو نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو اُن پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے) اس طرح کی آیت سورۂ بقرہ میں بھی گذر چکی ہے (دیکھو آیت نمبر ۶۲) وہاں آیت کی پوری تفسیر لکھ دی گئی ہے وہاں یہود و نصاریٰ اور صائبین کا تعارف بھی کرا دیا گیا ہے سورۂ بقرہ میں اور یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص اعتقادیات اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ طریقہ کی اتباع کرے گا خواہ وہ شخص پہلے سے کیسا بھی ہو وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا' نزول قرآن کے بعد اللہ کی پوری اطاعت قرآن کے ماننے میں اور دین اسلام کے قبول کرنے ہی میں منحصر ہے اسلئے مسلمان ہی وہ قوم ہے جنہیں کوئی خوف نہیں اور وہ غمگین نہ ہوں گے بحیثیت اعتقاد تو یہ لوگ صحیح راہ پر ہیں ہی گناہوں کی وجہ سے کوئی گرفت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے بظاہر قانون بیان کرنے میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے اضافہ کرنے سے ایک خاص بلاغت پیدا ہو گئی اور یہ بتا دیا کہ کسی پر ہماری عنایت ذاتی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صفت موافقت کی وجہ سے ہے اسکو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی حاکم وقت یوں اعلان کرے کہ ہمارا قانون سب کے لئے عام ہے مخالف ہو یا موافق جو موافق ہے وہ موافقت کی وجہ سے مورد عنایت ہے اور مخالف بھی اگر مطیع ہو جائے تو وہ بھی موردِ عنایت ہو جائے گا۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی: اس کے بعد فرمایا لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (الآیۃ) کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے' ان کا یہ طریقہ رہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو دین پیش کرتے تھے اس دین میں سے جو حصہ نفس کو نہیں بھاتا تھا اور اچھا نہیں لگتا تھا اس سے اعراض کرتے تھے' اور اس ناگواری کے باعث بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلا دیا اور بہت سوں کو قتل کر دیا یہ مضمون سورہ بقرہ کی آیت اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ میں بھی گذر چکا ہے' ایمان کی شان یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم دیا جائے اور جو قانون نافذ کیا جائے اس کو بشاشت کے ساتھ قبول کیا جائے' نفسوں کو گوارا ہو یا ناگوار ہو' نفس کے مطابق ہوا تو مانا ورنہ ماننے سے انکار کر دیا اور داعیوں کے دشمن ہو گئے یہ ایمان کی شان نہیں' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم بات سُنیں گے اور حکم مانیں گے تنگ دستی میں اور خوشحالی میں اور نفسوں کی خوشی میں اور ناگواری میں۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۰۴۵)

پھر کسی حکم میں اگر نفس کو تکلیف ہوتی ہے تو اس پر اجر بھی تو زیادہ ملتا ہے' سردیوں میں اچھی طرح وضو کرنا نیند قربان کر کے نماز کے لئے اُٹھنا نفس کی ناگواری کے باوجود زکوٰۃ دینا روزہ رکھنا دشمنانِ دین سے لڑنا گناہوں سے بچنا یہ سب چیزیں نفسوں کے لئے ناگوار ہیں لیکن ان میں اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ نفس کے مطابق ہوا تو مانا اور اگر خلاف نفس ہوا تو نہ مانا یہ تو نفس کی بندگی ہوئی' اللہ کے نیک بندے تو اللہ کی رضا تلاش کرتے ہیں نفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا سورۂ بقرہ میں اس کے بارے میں ارشاد ہے وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ یہ عہد اُن سے توریت شریف پر عمل کرنے کے لئے لیا گیا تھا نیز سورۂ بقرہ ہی میں آیت ۸۳ اور آیت ۸۴ میں بھی بعض عہدوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا (الآیۃ) (اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' دوبارہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے' اور اللہ دیکھتا ہے جن کاموں کو کرتے ہیں) بنی اسرائیل کی طغیانی اور سرکشی بیان فرمانے کے بعد ان کے اس گمان بد کا تذکرہ فرمایا کہ نہ کوئی ہماری گرفت ہوگی نہ کوئی عذاب ہوگا انہیں یہ خیال یا تو اسلئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں دیر ہوگئی اور یا اسلئے کہ اپنے کو اللہ کا محبوب سمجھتے تھے جب یہ خیال ہو گیا تو اور زیادہ شرارت اور معصیت پر اُتر آئے اور اندھے بہرے بن گئے نہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات و دلائل کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور نہ حق سُنا اور نہ حق کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس سرکشی میں چلتے رہے پھر اللہ پاک نے ان پر توجہ فرمائی بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا لیکن وہ پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے ان میں سے بہت سوں کا یہی حال رہا وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مفاد اور اُتار چڑھاؤ کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ

جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے' بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے'

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں' بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ

اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور ان لوگوں کو جو اُن میں کفر ہی پر جمے رہیں دردناک عذاب پہنچ جائے گا'

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ
کیا وہ اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اُس سے مغفرت نہیں چاہتے' اور اللہ غفور ہے رحیم ہے' نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول' اُن
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ
سے پہلے رسول گذر چکے ہیں اور ان کی ماں سچی ہے' وہ دونوں کھانا کھاتے تھے' دیکھ لیجئے! ہم کیسے ان کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں
ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ
پھر دیکھو کہ وہ لوگ کہاں الٹے جا رہے ہیں' آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے
وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا
اور اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے' آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو
اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝
جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بہک گئے

نصاریٰ کے کفر وشرک اور غلو کا بیان

تفسیر: ان آیات میں نصاریٰ کی گمراہی اور ان کا کفر وشرک اور غلو بیان فرمایا ہے' نصاریٰ کے کئی فرقے تھے ان میں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ اللہ اور مسیح ابن مریم ایک ہی ہیں یعنی وہ حلول کے قائل تھے یہ بھی سراسر کفر ہے خالق کا مخلوق میں حلول ماننا اور اتحاد کا قائل ہونا بہت بڑی گمراہی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اسی شخصیت کو خدا بتا رہے ہیں جس نے واضح طریقہ پر بنی اسرائیل سے فرما دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے وہ تو فرما رہے ہیں کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اور ان سے عقیدت کا اظہار کرنے والے ان کو عین خدا بتا رہے ہیں' نیز حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام نے یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کے ساتھ شرک کریگا اللہ اس پر جنت کو حرام فرما دیگا' نصاریٰ نے شرک اختیار کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو عین خدا بتا کر ان کے لیے خدائی خصوصیات تجویز کر دیں اور ان کو معبود بھی ماننے لگے۔ شرک ظلم عظیم ہے ظالموں کے لیے قیامت کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا۔

نصاریٰ کی ایک جماعت کا یہ کہنا تھا کہ تین معبود ہیں ان میں سے ایک معبود اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم بنت عمران علیہا الرحمۃ بھی معبود ہیں' اللہ جل شانہٗ نے ان کا قول نقل فرما کر اول تو ان کی تردید فرمائی وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (اور ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے) اور پھر فرمایا وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اگر یہ لوگ اپنے قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے جو لوگ کفر

پر جمے رہیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے (جو لوگ توبہ کرلیں گے ایمان لے آئیں گے وہ عذاب سے مستثنیٰ ہیں)

پھر فرمایا اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ (کیا یہ اپنے عقائد باطلہ کو چھوڑ کر اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے) یعنی انہیں کفریہ عقائد پر برابر اصرار ہے ان عقائد کو چھوڑیں اور اللہ کے حضور میں توبہ کریں اور مغفرت طلب کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ مغفرت فرما دے گا اللہ غفور ہے رحیم ہے کافر و مشرک توبہ کرے اور ایمان قبول کرے جو اللہ کے یہاں معتبر ہے تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ: اس کے بعد حضرت عیسیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کا عہدہ بتایا کہ مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ کہ مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں، رسول وہ ہوتا ہے جو پیغام لیکر آئے، اللہ کے رسول مخلوق کی طرف اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور یہ اُن کا بہت بڑا منصب اور عہدہ تھا جو اُن کے لیے بہت بڑی فضیلت کا باعث اللہ تعالیٰ نے جو پیغام بھیجے وہ پیغام لے کر آئے اور مخلوق تک پہنچا دیئے۔

ظاہر ہے کہ اُن میں ایک دوسرے کا عین نہیں ہو سکتا یعنی دونوں ایک ہی ذات نہیں ہو سکتے پیغام بھیجنے والا وحدہٗ لاشریک ہے جس کو اس نے پیغام دیکر بھیجا وہ پیغام بھیجنے والے کی خدائی میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ جیسے دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی الوہیت میں شریک نہیں تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے، ہر نبی اللہ کے بندہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کا بندہ ہونے ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت مریمؑ صدیقہ تھیں: اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ اور ان کی والدہ خوب زیادہ سچی تھیں، انہوں نے اللہ کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی (وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ) صدق اور تصدیق اور زُہد و عبادت کی وجہ سے کوئی مرد و عورت معبود نہیں ہو جاتا نہ کوئی شخص بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے عبادت کا مستحق ہو جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستحق عبادت نہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام مستحق عبادت نہیں وہ تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے، معجزات کی وجہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں ہو سکتے ان کے علاوہ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوئے تھے ان سے یا کسی نبی سے جو معجزہ صادر ہوا وہ صرف اللہ کے حکم سے تھا جس کو بِاِذْنِ اللّٰهِ بتا کر سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا ہے۔ ان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں شریک ماننا اور عبادت کا مستحق سمجھنا سراسر حماقت اور ضلالت اور جہالت ہے۔

حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ مریمؑ دونوں کھانا کھاتے تھے: پھر فرمایا كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (عیسیٰ اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے) مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے جو حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام کو معبود مانا ان کی بے وقوفی اور جہالت اور ضلالت اسی سے ظاہر ہے کہ جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لیے کھانا کھانے کی ضرورت ہو

اسے معبود بنا بیٹھے، معبود تو وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو دوسرے کا محتاج ہو اور جسے روٹی پانی کی ضرورت ہے وہ معبود نہیں ہوسکتا۔ پھر فرمایا اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ (آپ دیکھ لیجئے ہم ان کے لیے کس طرح آیات بیان کرتے ہیں) طرح طرح سے سمجھاتے ہیں دلائل پیش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے عقائد شرکیہ سے باز نہیں آتے ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (پھر دیکھ لیجئے! وہ کس طرح ہٹائے جارہے ہیں) حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاتے ہیں دلائل اور حقائق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

جو شخص نفع وضرر کا مالک نہ ہو اسکی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اس کے بعد فرمایا قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (آپ فرمادیجئے! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اسکی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں) یہ نصاریٰ کو خطاب ہے لیکن الفاظ کا عموم تمام مشرکین کو شامل ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ ہوں یا ان کے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی شخصیت ہو نبی ہو یا ولی ہو کوئی بھی کسی کیلئے نفع نقصان کا مالک نہیں۔ نفع ضرر اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اور قدرت میں ہے جب تمام انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام اور دیگر تمام انسان و جنات اور فرشتے بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو بُت نفع ضرر کے کیسے مالک ہونگے؟ جو ضرر اور نفع کا مالک ہے اُسے چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرنا سراسر کُفر ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔

سورہ یونسؑ میں فرمایا وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ (اور مت پکار اس کو جو تجھے نہ نفع دے نہ ضرر دے سو اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں ہوجائے گا)

پھر فرمایا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) وہ ہر زور کی اور آہستہ والی آواز کو سنتا ہے سب کے اعمال کو جانتا ہے ہر ایک کے احوال سے باخبر ہے، وہ سب کو اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت: اس کے بعد اہل کتاب کو غلو فی الدین سے بچنے کا حکم فرمایا، ارشاد ہے قُلْ یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ (آپ فرمادیجئے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو) اہل کتاب نے اپنے دین میں غلو کر رکھا تھا، حد سے زیادہ بڑھ جانے کو غلو کہتے ہیں اور یہ غلو ناحق ہوتا ہے کیونکہ حق کی حد کے اندر رہنا ہی حق ہے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنا آگے بڑھایا کہ خدا اور خدا کا بیٹا بنادیا اور انکی والدہ کو بھی معبود مان لیا۔ اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنادیا حالانکہ خالق اور مخلوق میں رشتہ نہیں ہوسکتا اور کوئی مخلوق معبود بھی نہیں ہوسکتی، ان لوگوں نے دین میں غلو کردیا۔ اور وہ باتیں دین میں داخل کردیں جو اس دین میں نہ تھیں، جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ سے ان کے پاس آیا تھا چونکہ دین میں غلو اپنی ذاتی خواہشوں سے ہوتا ہے اسلئے فرمایا وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ (اور اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے

سے گمراہ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنی خواہشات کو سامنے رکھا اور دین میں غلو کیا تم انکی پیروی نہ کرو اور دین میں غلو نہ کرو۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود و نصاریٰ کے اکابر نے اپنی ذاتی خواہشوں اور رائیوں کے مطابق اپنے دین کو بدل دیا تھا اور اس میں عقائد باطلہ تک شامل کر دیئے تھے خود بھی گمراہ ہوئے وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا (اور بہت سوں کو گمراہ کیا) پھر خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد بھی حق واضح ہوتے ہوئے گمراہی پر جمے رہے وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے)

امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت: دین میں غلو کرنا امتوں کا پرانا مرض ہے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی اس مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو جائے، آپ نے فرمایا **لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبداللہ ورسولہ۔**

یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، میرے بارے میں یوں کہو عبداللہ ورسولہ (کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں) (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۹۰)

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی تنبیہ کو دیکھیں اور پھر ان لوگوں کو دیکھ لیں جو رسول اللہ ﷺ کو تمام خدائی اختیارات سونپ دیئے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور قرآن کی تصریحات کے باوجود آپ کی بشریت کے منکر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس عقیدہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے بہت بڑی محبت کرنے والے بن گئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول) ایک عالم نما جاہل نے تو غضب ہی کر دیا سورۂ کہف کی آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے بارے میں کہہ دیا کہ اس میں مَا نافیہ ہے اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی لائے لیکن انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ اِنَّ جملہ مثبتہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے جملہ منفیہ کے لئے نہیں آتا۔

صحیح بخاری ص ۱۰۶۵ میں ہے کہ آپ نے فرمایا انما انا بشر کہ میں ایک بشر ہی ہوں، اللہ جل شانہ تو آپ سے فرمائیں کہ اپنے بارے میں اعلان کر دیں کہ تمہارا جیسا بشر ہوں لیکن محبت کے دعویدار کہتے ہیں کہ نہیں آپ بشر نہیں تھے یہ عجیب قسم کی محبت ہے ان میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ میں ظاہر میں بشر ہوں یہ لفظ ظاہراً اپنی طرف سے بڑھایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک قرآن میں تحریف ہو جائے تو کچھ حرج نہیں مگر ان کی بات کی پچ باقی رہے (العیاذ باللہ)

قرآن مجید میں فرمایا ہے يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں کہہ دیجئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس

ہے اس کا وقت وہی اُسے ظاہر فرمائے گا) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے آنے کا وقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ لیکن حُبِّ نبی (ﷺ) کے دعویدار کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو متعین طریقہ پر قیامت کے وقت کا بھی علم تھا۔ یہ عجیب محبت ہے جو قرآن کی تصریحات کے خلاف عقیدہ رکھنے پر آمادہ کردے ملا علی قاریؒ اپنی کتاب الموضوعات الکبیر میں لکھتے ہیں وقد جاھر بالکذب بعض من یدعی فی زماننا العلم وھو متشبع بما لم یعط ان رسول اللہ ﷺ کان یعلم متیٰ تقوم الساعة (یعنی ہمارے زمانے میں بعض ایسے لوگ ہیں جو علم کے دعویدار ہیں حالانکہ ان کے پاس علم نہیں ہے انہوں نے صاف صریح جھوٹ بولا اور یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی)

جس طرح عقائد میں محبت کے دعویداروں نے غلو کیا ہے اسی طرح سے مرنے جینے سے متعلق بہت سی رسمیں اپنی طرف سے تجویز کر کے دین میں داخل کر دیں اپنی رسموں اور بدعتوں کو جاری رکھنے کے لئے اپنی طرف سے حدیثیں بھی تراش لیتے ہیں اور خالص شرکیہ افعال کو دین کا جزو بنائے ہوئے ہیں (اَعَاذَنَا اللّٰہُ من خرافاتِھم)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے وہ ملعون ہوئے داؤدؑ کی زبان پر اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی زبان پر یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرتے تھے

يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو بُرے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا' واقعۃً بُرے تھے وہ افعال جو وہ کرتے تھے' تو ان میں سے بہت سوں کو دیکھے گا

يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ

کہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا' واقعۃً بُرے ہیں وہ افعال جو اُن کی جانوں نے آگے بھیجے یہ کہ اللہ اُن پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب

هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ

میں رہنے والے ہیں' اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پر اور اُس پر جو اتارا گیا ہے نبی کی طرف تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۱

بہت سے لوگ اُن میں سے فرمانبرداری سے خارج ہیں

معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت

تفسیر: ان آیات میں بنی اسرائیل کی ملعونیت اور مغضوبیت بیان فرمائی ہے اور ان کی بداعمالیوں کا تذکرہ فرمایا ہے'

ان بداعمالیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو گناہ کے کام سے نہیں روکتے تھے' تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو اُن کے علماء نے ان کو منع کیا وہ لوگ گناہوں سے باز نہ آئے پھر یہ منع کرنے والے ان کے ساتھ مجلسوں میں اُٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (اور اس میل جول اور تعلق کی وجہ سے انہوں نے گناہوں سے روکنا چھوڑ دیا) لہٰذا اللہ نے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دیا یعنی یکساں کر دیا اور انکو داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی زبانی ملعون کر دیا۔

پھر آیت بالا کا یہ حصہ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ پڑھا اس موقع پر رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ ﷺ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے (اپنی ذمہ داری سے اسوقت تک سبکدوش نہ ہوگے) جب تک گناہ کرنے والوں کو منع کر کے حق پر نہ لاؤ گے (ج ۲ ص ۸۲)

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۴۰ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے پہلے جو بنی اسرائیل میں نقص وارد ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تھا (اور اسے گناہ پر دیکھتا تھا) تو کہتا تھا کہ اللہ سے ڈر اور یہ کام چھوڑ دے کیونکہ وہ تیرے لئے حلال نہیں ہے' پھر کل کو ملاقات کرتا اور گناہ میں مشغول پاتا تو منع نہ کرتا تھا کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کھانے پینے اور اُٹھنے بیٹھنے میں شرکت کرنے والا آدمی ہوتا تھا سو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے اُن کے قلوب کو آپس میں ایک دوسرے پر مار دیا یعنی یکساں بنا دیا پھر آپ ﷺ نے آیت بالا لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے فَاسِقُوْنَ تک تلاوت فرمائی' پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو اللہ کی قسم! (تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ) امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اُسے حق پر جماتے رہو (برائی سے) اس سے بُرائی چھڑا دو۔

نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ عام عذاب لے آئے جس میں سب مبتلا ہوں گے نیز سُنن ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

اُمت محمدیہ میں نہی عن المنکر کا فقدان: یہ نقص جو بنی اسرائیل میں تھا دور حاضر کے مسلمانوں میں بھی ہے گناہوں سے روکنے کی قدرت ہوتے ہوئے گناہوں پر نہیں ٹوکتے' گناہگاروں سے ملتے جلتے ہیں' ان سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلقات کشیدہ ہونے کے ڈر سے ان کو گناہ سے نہیں روکتے' خالق مالک جل مجدہٗ کی ناراضگی کا خیال نہیں کرتے مخلوق کی ناراضگی کا خیال کرتے ہیں کہ اسے گناہ سے روک دیا تو یہ ناراض ہو جائیگا۔

بنی اسرائیل کے اسی طرز کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ کہ بُرا ہے وہ عمل جو وہ کرتے تھے۔ بنی

اسرائیل والے طریقے بدعیانِ اسلام نے بھی اپنا لئے اسی لئے دنیا میں عام عذاب اور عقاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔

مشرکین مکہ سے یہودیوں کی دوستی: پھر فرمایا تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (تو ان میں بہت سوں کو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ج ۳ کہ اس سے کعب بن اشرف اور دوسرے یہودی مُراد ہیں جنہوں نے مشرکین مکہ سے دوستی کی تھی (جن کو خود بھی کافر کہتے تھے) یہودیوں کی جماعت مکہ معظمہ پہنچی اور انہوں نے مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا (رسول اللہ ﷺ کو حق پر جانتے ہوئے آپ پر ایمان نہ لائے مشرکوں سے دوستی کرنے کو پسند کیا)

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ (البتہ وہ عمل بُرے ہیں جو انہوں نے اپنے آگے بھیجے) اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ (اور وہ اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا) وَفِی الْعَذَابِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ (اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) پھر فرمایا وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ (الآیۃ) (اور اگر یہ لوگ نبی اکرم ﷺ پر اور اس چیز پر ایمان لاتے جو آپ پر نازل کی گئی تو کافروں کو دوست نہ بناتے) اس میں منافقوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں ان کا دعوائے ایمان غلط تھا' اگر آپ پر ایمان لاتے تو آپ کے دشمنوں سے کیوں دوستی کرتے وَلٰکِنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ (لیکن ان میں بہت سے وہ ہیں جو نافرمان ہیں) ان میں سے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا اور باقی اشخاص نے سرکشی اور نافرمانی ہی کو اختیار کیا اور برابر کفر پر اڑے رہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً
تو اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکین کو پائے گا' اور ضرور بالضرور اہل ایمان سے محبت میں سب
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًا وَّاَنَّھُمْ
سے زیادہ قریب تر تو اُن لوگوں کو پائے گا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں' یہ اس وجہ سے کہ ان میں علماء ہیں اور درویش ہیں اور وہ
لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾
تکبر نہیں کرتے

اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے سب سے زیادہ سخت ترین دشمن یہودیوں کو اور ان

لوگوں کو پائیں گے جو مشرک ہیں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے' مشرکین مکہ نے جو حضرات صحابہؓ پر ظلم وستم ڈھائے وہ معروف ومشہور ہیں اور جہاں کہیں بھی مشرکین ہیں وہ اب بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں' اور تاریخ کے ہر دور میں ان کی دشمنی بڑھ چڑھ کر رہی ہے' جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہودیوں نے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا یہ لوگ بہت سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی نعوت اور صفات جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں اور توریت شریف میں پڑھیں تھیں ان کے موافق آپ ﷺ کو پالیا اور پہچان لیا تب بھی آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور بہت زیادہ دشمنی پر کمر باندھ لی' آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے بعد مشورہ کیا آپ کو زہر بھی دیا اور آپ پر جادو بھی کیا مشرکین مکہ کو جا کر جنگ کے لئے آمادہ کیا اس پر وہ لوگ متعدد قبیلوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے' اور یہود برابر اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں مکاری اور دسیسہ کاری کرتے رہے۔ اور آج تک بھی ان کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰ میں بحوالہ حافظ ابوبکر بن مردویہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مَا خَلَا یَهُوْدِیٌّ بِمُسْلِمٍ قَطُّ اِلَّاهَمَّ بِقَتْلِهٖ یعنی جب کبھی بھی کوئی یہودی کسی مسلمان کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو ضرور مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ کرے گا' مسلمان اور اسلام کے خلاف یہودیوں کی چال بازیاں اور شرارتیں برابر جاری ہیں اور وہ اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں' نصاریٰ کو بھی وہ مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے ہیں اور ان کو ایسی ایسی اسکیمیں سُجھاتے ہیں اور ایسی ایسی تدبیریں سکھاتے ہیں جن سے دنیا میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا پڑتا رہتا ہے' خفیہ تنظیمیں کرنے میں ماہر ہیں ان کی خفیہ تنظیم فری میسن تو اب آشکارا ہو چکی ہے۔

نصاریٰ کی مودّت اور اس کا مصداق: یہود اور مشرکین کی دشمنی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی کہ آپ ایمان والوں کے لئے محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب تر اُن لوگوں کو پائیں گے جن لوگوں نے اپنے بارے میں یوں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

نصاریٰ معروف جماعت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَیِ الَّذِیْنَ زَعَمُوْا اَنَّهُمْ نَصَارٰی مِنْ اَتْبَاعِ الْمَسِیحِ وَعَلٰی منهاج انجیله فیهم مودّة للاسلام واهله فی الجملة وما ذاک الالما فی قلوبهم اذ کانوا علی دین المسیح من الرقة والرافة کما قالَ تعالی وجَعَلْنا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وفی کتابهم من ضربک علی خدک الایمن فَادِرْلَهٗ خدک الا یسر ولیس القتال مشروعًا فِیْ مِلَّتِهِمْ اه.

یعنی اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے ہیں اور انجیل میں جو راہ بتائی تھی اس کی متبع ہیں فی الجملہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے مودّت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں اور نرمی اور مہربانی کی شان تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے عیسٰے کا اتباع کیا ان کے دلوں میں ہم نے مہربانی اور رحم کرنے کی صفت رکھ دی۔ ان کی کتاب میں یہ بھی تھا کہ جو شخص تیرے داہنے رُخسار پر مارے تو بایاں رخسار بھی اس کی طرف کر دے' اور اُن کے مذہب میں جنگ کرنا بھی مشروع نہیں تھا۔

مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ہر نصرانی اور مدعی عیسائیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نصرانیوں کا ذکر ہے جو اپنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا پابند سمجھتے تھے اور دین مسیح کے مدعی ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی تھی ان لوگوں کے سامنے جب دین اسلام آیا اور اہل اسلام کو دیکھا تو اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں سے محبت اور تعلق رکھتے تھے۔

ان کے دین میں جنگ تو مشروع ہی نہ تھی لہٰذا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا سوال ہی نہ تھا پھر ان میں قسیسین تھے یعنی علماء تھے (جن کے پاس تھوڑا بہت انجیل کا علم رہ گیا تھا وہ اس کے ذریعہ نصیحت کرتے رہتے تھے) نیز ان میں راہب بھی تھے جن کو عبادت کا ذوق تھا وہ عبادت میں لگے رہتے تھے جب انہوں نے اہل اسلام کی عبادت کو دیکھا تو محبت اور مودّت میں بنسبت دوسری قوموں کے ان سے زیادہ قریب ہو گئے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا کہ ان کی محبت اسلیئے ہے کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور فرمایا وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ اور تکبر نہیں کرتے' چونکہ ان میں تکبر نہیں ہے اسلیئے حق اور اہل حق سے عناد نہیں اور یہ عناد نہ ہونا قُربِ مودّت کا ذریعہ ہے صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۶ تحریر فرماتے ہیں۔

لم يرد به جميع النصارىٰ لانهم في عداوتهم المسلمين كا ليهود في قتلهم المسلمين واسرهم وتخريب بلادهم وهدم مساجدهم واحراق مصاحفهم 'لا ولا كرامة لهم' بل الأية فيمن اسلم منهم مثل النجاشي واصحابه.

یعنی آیۂ کریمہ میں جو نصاریٰ کو اہل ایمان کی محبت کے اعتبار سے قریب تر بتایا ہے اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ اہل اسلام سے دشمنی رکھنے میں یہود اور مشرکین ہی کی طرح ہیں' مسلمانوں کو قتل کرنا اور قید کرنا اور ان کے شہروں کو برباد کرنا اور ان کی مسجدوں کو گرا دینا ان کے مصاحف کو جلا دینا یہ سب نصاریٰ کے کرتوت ہیں (لہٰذا تمام نصاریٰ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً کا مصداق نہیں ہو سکتے) بلکہ آیتِ کریمہ میں وہ نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا مثلاً نجاشی (شاہ حبشہ) اور اُس کے ساتھی۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ
اور جب انہوں نے اُس چیز کو سُنا جو نازل کی گئی رسول کی طرف تو تو دیکھے گا کہ اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے
الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا
حق کو پہچان لیا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں اُن لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنیوالے ہیں اور ہمیں کیا ہوا کہ
مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا
ہم اللہ پر اور حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آ گیا اور ہم اس بات کی کہ اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل فرمائیگا سو اللہ نے ان کے قول کی
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ
وجہ سے ایسے باغ ثواب میں دیدیئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اچھے کام کرنیوالوں کا بدلہ ہے اور جنہوں نے
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾
کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں

کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا

تفسیر : جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا (جس کے اولین مخاطبین اہلِ مکہ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے) تو اہلِ مکہ دشمنی پر اُتر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے ستاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے اُنہیں بہت زیادہ دُکھ دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے اِس وجہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین (جن میں مرد عورت سبھی تھے) حبشہ کیلئے ہجرت کر گئے حبشہ اس وقت قریب ترین ملک تھا جہاں ایمان محفوظ رکھتے ہوئے عافیت کے ساتھ رہنے کا امکان تھا جب یہ حضرات وہاں پہنچ گئے تو اہلِ مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور شاہ حبشہ کے پاس شکایت لیکر گئے لیکن اُس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور حضرات صحابہ رضی اللہ علیہ عنہم کو امن و امان کے ساتھ ٹھکانہ دیا ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفر ابی طالب تھے یہ حضرات رسول کریم ﷺ وہاں کئی سال امن و امان کے ساتھ رہے پھر جب حضرت جعفرؓ وہاں سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضری کے لیے واپس ہوئے تو نجاشی (اصحمہ شاہِ حبشہ) نے وفد کے ساتھ اپنے بیٹے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ان کا یہ وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی خدمت میں تحریر کیا کہ یا رَسُوْلَ اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت قبول

کرلی۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اور اگر آپ کا فرمان ہو تو میں خود آپکی خدمت میں حاضر ہو جاؤں والسلام علیک یارسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہُوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی پر سوار ہوئے تھے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوّل سے آخر تک سورۂ یٰسٓ سنائی۔ قرآن مجید سنکر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سُنا ہے یہ بالکل اس کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ،، نازل فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالا نجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ج۲ص ۵۶-۵۷)

بعض حضرات نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے اور شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے یہ بیان دیا تھا اور سورہ مریم سنائی تھی اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے اس آیت میں ان کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورہ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی لہٰذا جو واقعہ ہجرت سے پیش آیا وہ اس آیت میں مذکور نہیں (اللهم الا ان یقال ان هذه الایات مکیة وَالله اعلم بالصواب) (مگر یہ کہا جائے کہ یہ آیات مکی ہیں)

نصاریٰ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ مودّت اور محبت کے اعتبار بہ نسبت دوسرے لوگوں کے ایمان والوں سے قریب تر ہیں اس کا سبب یہ بتایا کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے قسیس رومی زبان میں عالم کو کہتے ہیں اور رُہبان راہب کی جمع ہے جو لوگ تارک دنیا ہو کر جنگلوں میں گرجے بنا لیتے تھے اور وہیں زندگی گزارتے تھے انہیں راہب کہا جاتا تھا۔ اب نصاریٰ میں نہ قسیس ہیں نہ راہب ہیں اور نہ ان میں تواضع کی شان ہے۔ جو لوگ پادری بنے ہوئے ہیں وہ بھی نصرانی حکومتوں کے پابند ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ نصرانی حکومتیں اور ان کے پادری اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے لہٰذا آیت کریمہ میں ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جن نصاریٰ نے قرآن مجید سُنا اور حق کے پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ اور کھلے دل سے کہنے لگے وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ ٥ (ہمیں کیا ہُوا جو ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اس پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس حق آیا۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالحین کے ساتھ داخل فرما دیگا یعنی محمد رسول اللہ صلی علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی امت

میں شامل فرمادے اوران کو جوانعامات ملیں ہمیں بھی ان میں شریک فرمادے)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے اپنے مومن ہونے کا اعلان کر دیا تو یہودیوں نے انکو عار دلائی اور ان سے کہا کہ تم کیوں ایمان لائے؟ اس پر انہوں نے وُہ جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا درحقیقت جب قلوب میں ایمان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ایمان دل میں رچ بچ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ایمان کے خلاف آمادہ نہیں کر سکتی' اور کسی جاہل کا عار دلانا ایمان سے واپس نہیں کر سکتا آخر میں اللہ جل شانہٗ نے اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی سزا بیان فرمائی چنانچہ ارشاد ہے فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (سو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ سے ان کو ایسے باغیچے عنایت فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے) وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ (اور یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا) وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
اے ایمان والو! اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں' اور حد سے آگے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے
الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
بڑھ جانیوالے کو پسند نہیں فرماتا اور کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تم کو حلال پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو

حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں تم ان کو حرام قرار نہ دو۔ حلال کو حرام قرار دینے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ عقیدۃً حلال کو حرام قرار دیدیا جائے۔ اگر کوئی شخص حلال قطعی کو حرام قرار دے گا تو مِلتِ اسلامیہ سے نکل جائے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ عقیدہ سے تو کسی حلال کو حرام قرار نہ دے لیکن حلال کے ساتھ معاملہ ایسا کرے جو حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بغیر کسی عذر کے خواہ مخواہ کسی حلال چیز سے اجتناب کرے۔ یہ بھی ممنوع ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ قسم کھا کر یا نذر مان کر کسی حلال چیز کو حرام قرار دیدے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں چیز نہ کھاؤں گا یا یوں کہے کہ فلاں چیز میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے۔؟ حاضرین نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں اور سایہ میں نہ جائے گا اور یہ کہ بولے گا نہیں اور روزہ دار رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے۔ اور روزہ پورا کرے۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۹۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کی نذر ماننا درست نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۱)

بعض لوگ نذر یا قسم کے ذریعہ تو کسی حلال کو حرام نہیں کرتے لیکن راہبوں کے طریقہ پر حلال چیزوں کے چھوڑنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اسلام میں راہبانیت نہیں ہے اور اس میں ثواب سمجھنا بدعت ہے اگر کسی کو کوئی چیز مُضر ہے اور وہ ضرر کیوجہ سے حلال سمجھتے ہوئے اس سے پرہیز کرے تو یہ جائز ہے۔

دوسرا حکم یہ فرمایا کہ حدود سے آگے نہ بڑھو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے حد سے بڑھنے کی ممانعت سورۂ بقرہ میں بھی مذکور ہے جو گذر چکی ہے۔ اور سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھنے کی کئی صورتیں ہیں جن کی کچھ تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

حدود سے بڑھ جانے کی مثالیں: حدود سے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

حلال کو حرام کر لینا: (۱) اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسکو اپنے اوپر حرام کر لینا جیسے کچھ لوگ بعض پھلوں کے متعلق طے کر لیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کھائیں گے یا اور کسی طرح سے حرام کر لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ شہد پینے کے متعلق فرمادیا تھا کہ اب ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے آیت ذیل نازل فرمائی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (اے نبی! تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے)

ایسی بہت رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ (جسے عورتیں خالی کا مہینہ کہتی ہیں) اور محرم وصفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے۔ لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔ بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا منع ہے حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار اللہ ہی کو

ہے سورۂ نحل میں ارشاد ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارے زبانی جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے)

اسی ممانعت میں اللہ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کرنا مشروع ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

جو چیز ثواب کی نہ ہو اُسے باعث ثواب سمجھ لینا: حدود سے آگے بڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اُسے تقرب کا باعث سمجھ لینا مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

غیر ضروری کو ضروری کا درجہ دیدینا: (۳) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز شریعت میں ضروری نہیں ہے اسے فرض کا درجہ دیدیں اور جو اسے نہ کرے اس پر لعن طعن کریں مثلاً شب برات کا حلوا اور عید الفطر کی سویاں کہ شرعاً ان دونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے نہ ان کا کوئی ثبوت ہے مگر لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور جو نہ پکاوے اس کو نکّو بننا پڑتا ہے جب شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں تو ان کا اہتمام کرنا سراپا بدعت ہے۔

مطلق مستحب کو وقت کے ساتھ مقید کرلینا: (۴) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ عمومی چیز کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کرلیں مثلاً نماز فجر اور نماز عصر کے بعد امام سے مصافحہ کرنا اور اسے واجب کا درجہ دینا۔

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ مؤذن اذان شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھتا ہے، درود شریف بڑی فضیلت کی چیز ہے مگر ان کو کسی ایسے وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جس کے متعلق شریعت میں خصوصیت نہیں ہے حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

حدیث شریف میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور پھر اس کے بعد دُعا (اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الخ) پڑھنا آیا ہے۔

کسی عمل کا ثواب خود تجویز کرلینا: (۵) حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کرلی جائے جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جیسے دعا گنج العرش اور عہد نامہ اور درود لکھی کی فضیلت گھڑ رکھی ہے۔

کسی عمل کی ترکیب خود وضع کرلینا: (۶) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب و ترتیب تجویز کرلی جاوے مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کرلینا (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) پھر اس کا التزام کرنا یا سورتوں کی تعداد مقرر کرلینا (جیسے تہجد کی نماز کے متعلق مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں ۱۲ مرتبہ قُل ہو اللہ پڑھی جاوے) اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ گھٹاتا جاوے یہ لوگوں نے خود تجویز کرلیا ہے، مہینوں اور دنوں کی نماز میں اور انکی خاص خاص فضیلتیں اور ان کی مخصوص ترکیبیں لوگوں نے بنائی ہیں یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

کسی ثواب کے کام کے لئے جگہ کی پابندی لگالینا: (۷) کسی ثواب کے کام کو کسی خاص جگہ کے ساتھ

مخصوص کر لینا (جس کی تخصیص شریعت سے ثابت نہ ہو) یہ بھی حد سے بڑھ جانا ہے۔ جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ قبر پر غلہ یا روٹی تقسیم کرتے ہیں یا قبر پر قرآن پڑھواتے ہیں ثواب ہر جگہ سے پہنچ سکتا ہے پھر اس میں اپنی طرف سے قبر پر ہونے کو طے کر لینا حدود اللہ سے آگے بڑھنا ہے۔

بعض چیزوں کے بارے میں طے کر لینا کہ فلاں نہ کھائے گا: (۸) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ بعض کھانے کی چیزوں کے متعلق اپنی طرف سے یہ تجویز کر لیا جائے کہ فلاں شخص کھا سکتا ہے اور فلاں نہیں کھا سکتا جیسے مشرکین مکہ کیا کرتے تھے سورۂ انعام میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے وَقَالُوْا مَافِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ جو ان مواشی کے پیٹ میں ہے خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اُس میں وہ سب (مرد وعورت) ساجھی ہیں۔ اللہ ان کو عنقریب غلط بیانی کی سزا دے گا بلاشبہ وہ حکمت والا ہے علم والا ہے)

اسی قسم کی شکلیں آجکل فاتحہ و نیاز والے لوگوں نے بنا رکھی ہیں۔ مثلاً حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایصال ثواب کے لئے بی بی جی کی صحنک کے نام سے کچھ رسم کی جاتی ہے اس رسم میں جو کھانا پکتا ہے اس میں یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اس کھانے کو مرد اور لڑکے نہیں کھا سکتے صرف لڑکیاں کھائیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ اس کھانے کے لئے کورے برتن ہوں، جگہ لیپی ہوئی ہو۔ یہ سب خرافات اپنی ایجادات ہیں۔

کسی گناہ پر مخصوص عذاب خود سے تجویز کر لینا: (۹) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی گناہ کا مخصوص عذاب تجویز کر لیا جائے جیسا کہ بہت سے واعظ بیان کرتے پھرتے ہیں۔

(۱۰) یہ صورت بھی حد سے بڑھ جانے کی ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ طے کر لیا جائے کہ اس کا حساب نہ ہو گا حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو جیسے مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو نیا کپڑا یا نیا جوتا پہن لیا جائے تو وہ بے حساب ہو جاتا ہے اسی لئے بعض لوگ بہت سے جوڑے اس روز پہن لیتے ہیں یہ سب غلط اور لغو ہے (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)

یہ چند صورتیں حد سے آگے بڑھ جانے کی لکھ دی گئی ہیں غور کرنے سے اور بھی نکل سکتی ہیں اللہ کی حدود سے آگے بڑھنا زبردست جرم ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا (بقرہ)

اور فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہ اللہ کی حدود ہیں سو ان سے آگے مت نکلنا اور جو اللہ کی حدود سے باہر نکل جائے سو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں (بقرہ)

اور فرمایا وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (النساء)
(اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری نہ کرے اور اس کی حدود سے آگے بڑھ جائے اللہ اسکو آگ میں داخل فرمائیگا جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا اور اس کے لئے ذلیل کرنے والی سزا ہے)

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ جو کچھ حلال وطیب اللہ نے تم کو عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو معلوم ہوا حلال اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا دینداری کے خلاف نہیں ہے ہاں! پرہیز گاری اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کی جائے اگر کوئی چیز فی نفسہ حلال و پاکیزہ ہو لیکن دوسرے کی ملکیت ہو تو جب تک اس سے حلال پیسوں کے ذریعہ خرید نہ لے یا وہ بطور ہبہ نہ دیدے یا نفس کی خوشی سے استعمال کرنے کی اجازت نہ دیدے اس وقت اس کا کھانا، استعمال کرنا حلال نہیں ہوگا آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو)

اس کے عموم میں ایسی سب صورتیں ہو گئیں جن میں ظلم کر کے یا حقیقت تلف کر کے یا خیانت کر کے کوئی چیز کھالی جائے یا استعمال کر لی جائے۔ نیز اس سے تمام اشیاء محرمہ سے بچنے کی تاکید بھی ہو گئی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ
اللہ ایسی قسموں پر تمہارا مؤاخذہ نہیں فرماتا جو لغو ہوں، لیکن وہ ایسی قسموں پر مواخذہ فرماتا ہے جن کو تم باندھ دو سو اس کا کفارہ
اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ
دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے جو اس کھانے کا درمیانہ ہو جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان کو کپڑا پہنا دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ
سو جو شخص نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ، اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو

قسموں کے اقسام اور قسم توڑنے کا کفارہ

تفسیر: اوپر کی آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں انکو حرام قرار نہ دو چونکہ حلال و حرام کرنے کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ کسی حلال چیز کے کھانے یا استعمال نہ کرنے کی قسم کھالی جائے اسلئے اب قسم کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

قَسَمْ کی کئی قسمیں ہیں اول یمین لغو دوسری یمین غموس، تیسری یمین منعقدہ (عربی میں قسم کو یمین کہتے ہیں) یمین لغو کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص قسم کی نیت کئے بغیر بات کرتے ہوئے لَا وَاللّٰہِ یا بَلٰی وَاللّٰہِ کہہ دے تو یمین لغو ہے۔ (رواہ البخاری)

(اہل عرب کی یہ عادت تھی اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے محاورات میں باتیں کرتے کرتے اس طرح کے الفاظ بول جاتے تھے) اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی گذشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا جان کر قسم کھائے حالانکہ واقعۃً وہ غلط ہو تو یہ یمین لغو ہے۔ بہر حال یمین لغو کی یہ بھی تفسیر ہے اس پر مؤاخذہ نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں اسکی تصریح ہے اور اس میں کوئی کفارہ بھی نہیں ہے قَسم کی دوسری قسم یمین غموس ہے یعنی کسی گذشتہ واقعہ پر جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھالینا۔ مثلاً کوئی کام نہیں کیا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے یا کوئی کام کیا ہے پھر جانتے بوجھتے قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ یمین غموس ہے اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں۔

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) ماں باپ کو دُکھ دینا (۳) کسی جان کو قتل کرنا (۴) یمین غموس یعنی کسی خلاف واقعہ بات پر جھوٹی قسم کھانا (رواہ البخاری ج۲ص ۹۸۷)

لفظ غموس غمس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے گھسا دینا، چونکہ جھوٹی قسم یہاں اس دنیا میں گناہ پر گھسا دیتی ہے پھر آخرت میں پہنچ کر دوزخ میں گھسا دینے کا سبب بنے گی اسلئے اس کا نام یمین غموس رکھا گیا۔

قَسم کی تیسری قسم یمین منعقدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آنے والے زمانہ میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام ضرور کروں گا یا فلاں چیز ضرور کھاؤں گا یا یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کرونگا یا فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا فلاں سے بات نہیں کروں گا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو کفارہ دینا فرض ہو جاتا ہے۔ کفارہ کیا ہے؟ اسکی تفصیل آیت بالا میں بتائی ہے۔ اور وہ یہ کہ دس مسکینوں کا کھانا کھلائیں یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنا دیں یا ایک غلام آزاد کر دیں اگر ان میں سے کسی چیز کو بھی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لئے جائیں (غلام تو آجکل ہیں نہیں کیونکہ مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا جس کے ذریعہ غلام اور باندیاں حاصل ہوتے تھے) لہٰذا اب اسی پر عمل ہو سکتا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا یا کپڑے پہنا دیئے اگر ان میں سے کسی کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے لگاتار رکھ لئے۔

کفارۂ قسم کے مسائل

مسئلہ: یمین منعقدہ کی خلاف ورزی جسے ہمارے ماحول میں قسم کا توڑنا کہتے ہیں اس کا کفارہ حانث ہونے یعنی قسم ٹوٹنے سے پہلے ادا کر دینا معتبر نہیں یعنی اگر پیشگی کفارہ ادا کر دیا تو وہ نفلی صدقہ ہو جائے گا کفارہ میں نہیں لگے گا۔

مسئلہ: اگر دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت اختیار کرے تو صبح شام پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے ان دس مسکینوں میں کوئی بچہ نہ ہو اور ایسا کوئی شخص نہ ہو جس کا پہلے سے پیٹ بھرا ہوا ہو۔

مسئلہ: اگر کھانا کھلانے کے بدلہ مال دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گیہوں یا اس کے دوگنے جو یا اُن دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت دیدے۔

مسئلہ: دس ہی مسکینوں کو دینا لازم ہے۔ اگر ایک ہی مسکین کو دس مسکینوں کا غلہ دیدیا تو اس سے پوری ادائیگی نہ ہوگی نو مسکینوں کو پھر دینا ہوگا۔

مسئلہ: اور اگر کپڑا دینے کی صورت اختیار کرے تو ہر مسکین کو اتنا کپڑا دے جس سے ستر ڈھک جائے اور اس میں نماز ادا ہو سکے اور اگر عورت کو کپڑا دے تو اتنا بڑا کپڑا دے جس سے اس کا سارا بدن ڈھک جائے جس میں وہ نماز پڑھ سکے۔

مسئلہ: مسکینوں کو جو کھانا کھلائے تو گھٹیا کھانا نہ کھلائے اپنے اہل وعیال کو جو کھانا کھلاتا ہو اسکی درمیانی حیثیت کا کھانا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ: اگر کھانا دینے یا کپڑا پہنانے کی مالی استطاعت نہ ہو تو لگاتار تین روزے رکھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ ہے جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی اسی لئے انہوں نے تتابع یعنی لگاتار روزے رکھنا مشروط قرار دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے کہ قسم کے کفارہ کی ادائیگی کے لئے تین دن لگاتار روزے رکھنا ضروری ہیں (بشرطیکہ کفارہ بالصیام متعین ہو جائے)

فائدہ: کسی بھی گناہ کی قسم کھانا گناہ ہے اگر کسی گناہ کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے کہ نماز نہ پڑھوں گا یا یوں کہہ دے کہ اللہ کی قسم! ماں باپ یا بھائی بہن سے یا کسی بھی عزیز قریب سے بے تعلق رہوں گا' ان سے بول چال نہ رکھوں گا یا قطع رحمی کرونگا تو ایسی قسم کا توڑ دینا واجب ہے' قسم توڑ دے اور کفارہ دیدے۔

آخر میں فرمایا وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ صاحب روح المعانی ص۱۰ اجلد۷ اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای راعوھا لکی تؤدوا الکفارة عنها اذا حنثتم واحفظوا انفسکم من الحنث

فیھا۔ یعنی اپنی قسموں کا خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ قسم ٹوٹ جائے اور کفارہ ادا کرنے میں غفلت کر جاؤ یا یہ مطلب ہے کہ قسم کھا لو تو اسے پوری ہی کر دو۔ (جب اللہ کا نام لے کر کسی قول یا عمل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اب اسے پورا ہی کر دو۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ جب گناہ کی قسم نہ کھائی ہو جیسا کہ احادیث میں اسکی تصریح ہے)۔

تنبیہ: غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ "مَنْ حَلَفَ بغیر اللہ فقد اشرک" یعنی جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا (رواہ الترمذی) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپوں کی اور اپنی ماؤں کی قسم نہ کھاؤ اور اللہ کی قسم (بھی) جب ہی کھاؤ جبکہ تم سچے ہو (مشکوٰۃ ص ۲۹۶)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ
اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بُت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں' شیطان کے کاموں
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ
میں سے ہیں لہٰذا تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض واقع کر دے
فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا
اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے' سو کیا تم باز آنے والے ہو؟ اور فرماں برداری کرو اللہ کی' اور فرمانبرداری کرو
الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾
رسول کی' اور ڈرتے رہو۔ سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے

خمر اور میسر اور انصاب و ازلام ناپاک ہیں

تفسیر: ان آیات میں شراب اور جوئے اور بُت اور جُوا کھیلنے کے تیروں کو گندی چیزیں بتایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ چیزیں شیطان کے کاموں میں سے ہیں۔ عرب کے لوگ بُت پوجا کرتے تھے' اور بتوں کے پجاریوں کے پاس تیر رکھ دیتے تھے ان تیروں کے ذریعہ جُوا کھیلتے تھے جس کی تشریح سورہ مائدہ کی آیت نمبر۳ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (اور آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں! آپ فرما دیجئے! کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں' اور ان کا گناہ ان کے منافع سے زیادہ بڑا ہے) اس سے واضح ہوا کہ شراب اور جوئے میں اگر چہ کچھ نفع بھی ہے مگر ان کا جو گناہ ہے وہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لیے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ نفع مند ہو بہت سے لوگ جوئے اور شراب اور سود وغیرہ کے صرف منافع کو دیکھتے ہیں اور شریعتِ اسلامیہ میں جو

اُن کی حرمت بیان کی گئی ہے اسکی طرف دھیان نہیں کرتے اور نفع کی شق کو دیکھ کر حلال قرار دیدینے کی بے جا جسارت کرتے ہیں۔ یہ ملحدوں اور زندیقوں کا طریقہ ہے۔

شراب کی حُرمت: ایک صاحب نے اپنے ایک ملنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ دھڑلے سے شراب پیتا ہے اور کہتا ہے کہ بتاؤ قرآن میں شراب کو کہاں حرام فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جن چیزوں کی ممانعت صریح قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ احادیث شریفہ میں آئی ہے یا جس چیز کی ممانعت فرماتے ہوئے لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی ہے۔

ایسے ہی قرآن کے ماننے والے ہیں تو قرآن ہی سے یہ ثابت کر دیں کہ قرآن نے جس چیز کی ممانعت کے لیے لفظ حرام استعمال کیا ہے بس وہی حرام ہے قرآن مجید میں بہت سی چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے لیکن ان کے ساتھ لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی فرماں برداری اور آپ کے اتباع کا بھی حکم دیا ہے اور آپ کی صفت بیان کرتے ہوئے سورہ اعراف میں یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی علیہ وصحبہ وآلہ وسلم کا کسی چیز کو حرام قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

سات وجوہ سے شراب اور جوئے کی حُرمت: سورۂ مائدہ کی آیت بالا میں شراب اور جوئے کو ''رِجس'' یعنی گندی چیز بتایا ہے اور پھر سورۂ اعراف میں ''یُحَرِّمُ علیهمُ الْخَبَآئِث'' فرمایا ہے اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص شراب اور جوئے کو حرام نہ سمجھے تو اس کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے ایسا شخص ملحد اور بے دین اور کافر ہے پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اگرچہ قرآن مجید میں شراب کے لیے لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا لیکن اس کی حُرمت کی وُجوہ بتا دی ہیں اور سات باتیں ذکر فرمائی ہیں۔ جن کے ذکر سے واضح طور پر حُرمت کا اعلان بار بار فرمادیا۔

(۱) اوّل تو یہ فرمایا کہ شراب اور جوا ''رِجس'' یعنی گندی چیزیں ہیں (۲) پھر یہ فرمایا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ' کہ یہ شیطانی کاموں میں سے ہیں۔ (۳) پھر فرمایا فَاجْتَنِبُوْهُ کہ اس سے بچو (۴) فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جوئے اور شراب میں مشغول ہونا ناکامی کا سبب ہے۔ جو دُنیا اور آخرت میں سامنے آئے گی۔

(۵) فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے اندر دشمنی اور بُغض ڈالدے (۶) فرمایا وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے (۷) آخر میں فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ کیا تم باز آنے والے ہو؟

غور کر لیں کہ کتنی وجوہ سے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے ایسے صاف واضح بیان ہوتے ہوئے جو شخص شراب اور

جوئے کو حلال کہے گا اس کی بدبختی اور بے دینی میں کیا شک ہے؟ اللہ جل شانہٗ نے شراب کی حرمت تدریجاً نازل فرمائی سورۂ بقرہ میں فرمایا قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ اسکو سن کر بعض صحابہؓ نے شراب پینا چھوڑ دیا اور بعض پیتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ نماز مغرب میں ایک مہاجر صحابی نے امامت کرتے ہوئے قراءت میں غلطی کر دی اس پر آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (سورۃ النساء آیت ۴۳) نازل ہوگئی۔ اس کے بعد ایسے اندازہ سے شراب پیتے تھے کہ نماز کا وقت آنے تک ہوش میں آجائیں اسکے بعد سختی سے شراب پینے کی ممانعت فرمادی اور فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ (الیٰ قولہٖ تعالیٰ) فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ.

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا "اِنْتَهَیْنَا رَبَّنَا" (اے محمد ہمارے رب! ہم باز آگئے) (دُرِّمنثور ص ۳۱۴ جلد نمبر ۲ از مسند احمد بروایتِ ابی ہریرۃؓ)

پھر فرمایا وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو) یعنی اللہ و رسول کی مخالفت نہ کرو فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ہ (سو اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوب اچھی طرح کھول کر بیان فرمادیا اللہ تعالیٰ کی بات پہنچادی پھر بھی اگر کوئی خلاف ورزی کریگا تو اپنا انجام دیکھے گا۔

سات وجوہ سے جوئے اور شراب کی ممانعت فرمانے کے بعد گویا اس آخری آیت میں مزید تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت سے ڈرو۔ جو لوگ قرآن ہی میں ممانعت اور حرمت دیکھنا چاہتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کو حجت نہیں سمجھتے ان کو تنبیہ فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی اطاعت ضروری ہے اور دونوں کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔

احادیث شریفہ میں شراب کی حُرمت اور اسکے پینے پلانے والے پر لعنت اور آخرت کی سزا

رسول اللہ ﷺ نے شراب کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز خمر یعنی شراب ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور اس حال میں مرگیا کہ شراب پیتا رہا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں شراب نہیں پئے گا (جنت کی شراب سے محروم ہوگا اگر جنت کا داخلہ نصیب ہوگیا)۔ (رواہ مسلم ص ۱۶۸ جلد نمبر ۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص یمن سے آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سے

دریافت کیا کہ ہمارے علاقے میں ایک شراب ہے جو جوار سے بنائی جاتی ہے لوگ اسے پیتے ہیں' آپ نے دریافت فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ سوال کرنے والے نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ لاتی ہے! آپ نے فرمایا "کل مُسکِرٍ حرام" کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ عہد فرمالیا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پئے گا اللہ اُسے "طِینَة الخَبال" سے پلائیگا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ "طِینَة الخَبال" کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ ہے (رواہ مسلم ص ۱۶۲ جلد نمبر ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی شراب پر اور اسکے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے پر اور شراب بنانے والے پر اور بنوانے والے پر۔ اور جو شراب کو کسی کے پاس لے جائے اس پر اور جس کے پاس لیجائے اس پر بھی۔ (رواہ ابو داؤد ص ۱۶۱ جلد نمبر ۲)

جو لوگ اپنی دکانوں میں شراب بیچتے ہیں اپنے ہوٹلوں میں شراب پلاتے ہیں اور ایسی دکانوں پر ملازمت کرتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کرلیں کہ روزانہ کتنی لعنتوں کے مستحق ہوتے ہیں' شراب کا بنانے والا تو مستحق لعنت ہے ہی' اس کا بیچنے والا پینے والا' پلانے والا اور اس کو اٹھا کر لے جانے والا اور جس کی طرف شراب لے جائی جائے ان سب پر اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو (رواہ البیہقی)

جو لوگ یورپ امریکہ وغیرہ میں رہتے ہیں اور نصرانیوں کے میل ملاپ کیوجہ سے شراب پی لیتے ہیں غور کریں کہ ان کا ایمان باقی ہے یا نہیں؟ ایک حدیث میں ارشاد ہے اَلْخَمْرُ جُمَّاعُ الْاِثْمِ کہ شراب تمام گناہوں کو جمع کئے ہوئے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۴)

اگر اس بات کا مصداق دیکھنا ہو تو یورپ امریکہ کے شراب خوروں کو دیکھ لیا جائے کیا کوئی بُرائی ان سے چھوٹی ہوئی ہے؟ شراب خوری نے انہیں ہر گناہ پر آمادہ کر دیا ہے۔

شراب ہر بُرائی کی کنجی ہے: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے میرے دوست سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ کسی بھی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا اگرچہ تیرے ٹکڑے کر دے جائیں اور تجھے جلا دیا جائے اور قصداً نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصداً نماز چھوڑ دی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہوگیا اور شراب مت پینا کیونکہ وہ ہر بُرائی کی کنجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۱)

جو لوگ شراب نہ چھوڑیں اُن سے قِتال کیا جائے: حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کہ ہم ٹھنڈی سرزمین میں رہتے ہیں اور سخت محنت کرتے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ ہم گیہوں کی شراب بنالیتے ہیں جسے استعمال کر کے ہم محنت کے کاموں پر اپنے شہروں کی ٹھنڈک پر قوت حاصل کرتے ہیں آپ نے سوال فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ نشہ لاتی ہے! آپ ﷺ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اگر اسے نہ چھوڑیں تو تم ان سے قتال کرو یعنی جنگ کرو۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الاشربتہ)

اللہ کے خوف سے شراب چھوڑنے پر انعام: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے سامان کو اور بتوں کو صلیب کو (جس کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں اور میرے رب عزوجل نے قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ کوئی گھونٹ شراب کا پئے گا تو میں اسے اسی قدر پیپ پلاؤں گا۔ اور جو بھی کوئی شخص میرے ڈر سے شراب کو چھوڑ دے گا میں اسے ضرور مقدس حوضوں میں سے پلاؤں گا۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۳۱۸)

جواری اور شرابی کی جنت سے محرومی: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو تکلیف دینے والا اور جوا کھیلنے والا اور احسان جتانے والا اور جو شخص شراب پیا کرتا ہے یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ (رواہ الدارمی ص ۳۱ جلد نمبر ۲)

شراب اور خنزیر اور بتوں کی بیع کی حُرمت: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے موقع پر یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۹۸)

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

نیک عمل کئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ اچھے عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

حُرمت کی خبر سنکر صحابہؓ نے راستوں میں شراب بہادی

تفسیر: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ میں اُبوطلحہؓ کے گھر میں حاضرین کو شراب پلا رہا تھا (یہ حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ تھے) اسی اثناء میں یہ حکم نازل ہو گیا کہ شراب حرام ہے باہر سے آنے والی ایک آواز سُنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی شخص اعلان کر رہا ہے' ابوطلحہؓ نے کہا کہ باہر نکلو دیکھو یہ کیا آواز ہے؟ میں باہر نکلا تو میں نے واپس ہو کر بتایا کہ یہ پکارنے والا یوں پکار رہا ہے کہ خبردار شراب حرام کر دی گئی ہے' یہ سن کر ابوطلحہؓ نے کہا جاؤ یہ جتنی شراب ہے سب کو گرادو۔ چنانچہ شراب پھینک دی گئی جو مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

بعض صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ مقتول ہو چکے ہیں جن کے پیٹوں میں شراب تھی۔ (یعنی جو لوگ اب تک شراب پیتے رہے اور دُنیا میں موجود نہیں ان کا کیا بنے گا وہ تو اپنے پیٹوں میں شراب لیکر چلے گئے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا نازل فرمائی۔ (رواہ البخاری ج۲ ص ۶۶۴)

تفسیر درمنثور میں اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یوں بیان کیا ہے کہ میں ابوطلحہ اور ابوعبیدۃ بن الجراح اور معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء اور ابودجانہ رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہا تھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا جسے میں بھر بھر کر ایک دوسرے کو دے رہا تھا۔ اسی حال میں ہم نے آواز سُنی کہ کوئی شخص پکار کر آواز دے رہا ہے "الا ان الخمر قد حرمت" (خبردار! شراب حرام کر دی گئی ہے) آواز کا سُننا تھا کہ نہ کوئی اندر آنے پایا تھا نہ باہر نکلنے پایا تھا کہ ہم نے شراب کو گرادیا اور مٹکے توڑ دیئے۔ جس کی وجہ سے مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب (پانی کی طرح) بہنے لگی (درمنثور ص ۳۲۱ ج ۲ و رواہ مسلم بحذف بعض الاسماء ج ۲ ص ۱۶۳)

صحابہؓ کی بھی کیا شان تھی' شراب گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس کے بڑے دلدادہ تھے پھر اس کے حرام ہونے کی خبر سُنی تو بغیر کسی پس و پیش کے اسی وقت گرادی'

شراب کی حُرمت نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پی چکے اور دنیا سے جا چکے ان کے بارے میں سوال اور اس کا جواب

جب شراب کی حرمت نازل ہو گئی تو اُن کو اپنے بھائیوں کا فکر ہوا جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں وفات پا گئے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آخر تک نازل فرمائی۔

جس میں یہ بتایا کہ جولوگ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرتے تھے وہ حرمت کا قانون نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے انہوں نے اس زمانہ میں جو شراب پی تھی اس کا کوئی گناہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جب تک تشریف فرما تھے احکام میں نسخ ہونے کا احتمال رہتا تھا شراب حلال تھی پھر حرام قرار دیدی گئی اسکے علاوہ اور بھی بعض دیگر احکامات میں نسخ ہُوا۔

آیت بالا میں فرمایا لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (ان لوگوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہوں۔ یعنی شراب کے علاوہ دوسری حرام چیزوں سے بچتے ہوں، شراب پینے پر تو مؤاخذہ اسلئے نہیں کہ وہ اس وقت حرام نہیں تھی اور جب دوسری ممنوعات سے بچتے رہے تو ظاہر ہے کہ دنیا سے بے گناہ چلے گئے۔ اور انہوں نے نہ صرف ممنوعات سے پرہیز کیا بلکہ دوسرے اعمال صالحہ بھی انجام دیتے رہے ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّ اٰمَنُوۡا (پھر تقویٰ اختیار کئے رہے اور ایمان پر باقی رہے) یعنی اسکے بعد جب بھی کسی چیز کی حرمت نازل ہوگئی ایمان پر رہے اور حرام چیز سے بچے "ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّاَحۡسَنُوۡا" (پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کام کرتے رہے) (یعنی جب حُرمت آگئی اسکی خلاف ورزی نہ کی اور جن نیک کاموں میں لگے ہوئے تھے بدستور ان کے انجام دینے میں لگے رہے)

اس میں تقویٰ کا ذکر تین بار ہے پہلی بار جو تقویٰ مذکور ہے اس کا تعلق تمام ممنوعات سے بچنے سے ہے پھر دوسری بار کسی حلال چیز کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے۔ پھر تیسری بار یا تو سابقہ حالت پر استقامت کے ساتھ تمام ممنوعات سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی چیز حرام ہوئی اس سے پرہیز کرتے رہے۔

حضرات صحابہؓ نے اپنے وفات پا جانے والے بھائیوں کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن آیت کے عموم میں زندوں کے بارے میں بھی حکم بتا دیا کہ حرمت کا قانون آنے سے پہلے نہ شراب پینے میں کوئی گرفت تھی اور نہ آئندہ کسی عمل پر گرفت ہوگی جو حُرمت کا قانون آنے سے پہلے کرلیا جائے آخر میں فرمایا "وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ" (اللہ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

فائدہ: شراب پینے کی دنیاوی سزا اسی کوڑے ہے جس کی تفصیلات کُتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ شراب پینے والے کو دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ یعنی ان کی پیپ پلائی جائے گی۔ جس کا ذکر روایات حدیث میں گذر چکا ہے۔

شراب اور جُوا دشمنی کا سبب ہیں اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکتے ہیں: شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا کہ شیطان اس کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور دشمنی ڈالنا چاہتا ہے اور ذکر و نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

بُغض اور دشمنی تو ظاہر ہی ہے جو کوئی شخص جوئے میں ہار جاتا ہے حالانکہ اپنی خوشی سے ہارتا ہے تو جلد سے جلد جیتنے والے سے بدلہ لینے کی فکر کرتا ہے اور شراب پی کر جب آدمی بدمست ہو جاتا ہے تو اول فول بکتا ہے دوسروں کو بُرا بھی کہتا ہے اور گالی گلوچ کرتا ہے اور کبھی کسی کو مار بھی دیتا ہے۔ جس سے جڑے دل ٹوٹتے ہیں اور دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اور اللہ کی یاد اور نماز سے غافل ہونا تو یہ ایسی ظاہر بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے جب کسی نے شراب پی لی تو نشہ میں بدمست ہو گیا۔ اب نماز اور اللہ کے ذکر کا موقع کہاں رہا' جن کو شراب کی عادت ہو جاتی ہے وہ تو اسی دھن میں رہتے ہیں کہ نشہ کم ہو تو اور پئیں پھر کم ہو تو پھر پئیں۔ اور جب کوئی شخص جُوا کھیلنے میں لگ جاتا ہے تو گھنٹوں گذر جاتے ہیں جیتنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کے ذکر کا اور نماز کا اس کے ہاں کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔

حتیٰ کہ جو لوگ بغیر ہار جیت کے شطرنج کھیلتے رہتے ہیں وہ بھی گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں انہیں ذرا بھی اللہ کے ذکر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ نماز کا پورا وقت اول سے اخیر تک گذر جاتا ہے لیکن نماز اور ذکر اللہ کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں ہوتا نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے لیکن اسکو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ عام ذکر سے اس کی اہمیت زیادہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرض ہے اور عام طور پر ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے اگرچہ اس عام ذکر کے بھی بڑے بڑے اجور و ثمرات ہیں۔

جوئے کی تمام صورتیں حرام ہیں: آیت بالا میں شراب اور جوا دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور دونوں کو ناپاک بتایا اور سورہ بقرہ میں فرمایا ہے وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے جوئے کے لیے سورہ بقرہ میں اور یہاں سورۂ مائدہ میں لفظ الْمَيْسِرُ استعمال فرمایا ہے عربی میں اس کا دوسرا نام قمار ہے۔

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو شریعت میں اُسے قمار کہا جاتا ہے مثلاً دو آدمی آپس میں بازی لگائیں کہ ہم دونوں دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ تو آگے بڑھ گیا تو میں ایک ہزار روپیہ دوں گا اور اگر میں بڑھ گیا تو مجھے ایک ہزار روپے دینا ہوں گے۔ یا مثلاً بند ڈبے ہیں وہ فی ڈبہ ایک روپے کے حساب سے فروخت ہوں گے لیکن کسی ڈبہ میں پانچ روپے کی چیزیں نکلیں گی اور کسی ڈبہ میں ۲۵ پیسے کا مال نکلے گا تو ان ڈبوں کی خرید و فروخت قمار یعنی جوے میں داخل ہے اور ہر وہ معاملہ جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو وہ معاملہ قمار ہی کی صورت ہے۔

اخباری مُعمّوں کے ذریعہ بھی قمار یعنی جُوا کا سلسلہ جاری ہے بطور اشتہار اخباروں اور ماہوار رسالوں اور ہفت روزہ جریدوں میں معمہ کی مختلف صورتوں کا اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً پانچ روپے بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان لوگوں میں سے جس کا قرعہ اندازی میں نام نکل آئے گا اُسے انعام کے عنوان سے مقررہ رقم یا کوئی بھاری قیمت کی چیز مل جائے گی۔ یہ سراسر قمار ہے یعنی جُوا ہے اور حرام ہے کیونکہ جو شخص فیس کے نام سے کچھ پیسے بھیجتا ہے وہ اس موہوم نفع کے خیال سے بھیجتا ہے کہ یا تو یہ روپے گئے یا ہزاروں مل گئے فیس کے نام

روپیہ بھیجنا اور اگر اس روپے پر کچھ زائد مل جائے اس کا لینا اور معمہ شائع کر کے لوگوں کی رقمیں لے لینا یہ سب حرام ہے۔ اور ہر قسم کی لاٹری جس میں کچھ دے کر زائد ملنے کی امید پر مال جمع کیا جاتا ہے پھر اُس پر مال ملے یا نہ ملے یہ سب حرام ہے۔ گھوڑ دوڑ کے ذریعہ بھی جوا کھیلا جاتا ہے جس کا گھوڑا آگے نکل گیا اُسے ہارنے والے کی جمع کی ہوئی رقم مل جاتی ہے یہ طریقہ کار حرام ہے اور جو اس طریقہ سے رقم حاصل کی وہ بھی حرام ہے۔

پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے ذریعہ بھی جُوا کھیلا جاتا ہے۔ یہ دونوں کام خود اپنی جگہ ممنوع ہیں پھر ان پر ہار جیت کے طور پر جو رقم لگاتے ہیں وہ مستقل گناہ ہے اور صریح حرام ہے کیونکہ قمار یعنی جُوا ہے۔ سٹے کا کاروبار بھی سراپا قمار ہے اور حرام ہے۔ انشورنس یعنی بیمہ پالیسی کی بھی وہ سب صورتیں حرام ہیں جن میں رقمیں جمع کی جاتی ہیں اور حادثہ ہو جانے پر جمع کردہ رقم سے زیادہ مال مل جاتا ہے۔ زندگی کا بیمہ ہو یا گاڑیوں کا یا دوکانوں کا یہ سب حرام ہے اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے جو مال زائد ملے وہ سب حرام ہے۔

قمار کے جتنے بھی طریقے ہیں (گھوڑ دوڑ وغیرہ) ان سب کی آمدنی حرام ہے۔ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا لازم ہے۔ دنیا چند روزہ ہے اُس لئے حرام کا ارتکاب کرنا حماقت ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ
اے ایمان والو! اللہ تم کو قدرے شکار سے ضرور آزمائے گا تمہارے نیزے شکار کو پہنچیں گے اور ہاتھ۔ تاکہ
لِيَعْلَمَ ٱللَّهُ مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ ۚ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۴﴾
اللہ جان لے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے

حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش

تفسیر: حج یا عمرہ کا اگر کوئی شخص احرام باندھ لے تو احرام سے نکلنے تک بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں ان ممنوع کاموں میں خشکی کا شکار کرنا بھی ہے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس طرح آزمایا کہ احرام کی حالت میں تھے اور شکاری جانور خوب بڑھ چڑھ کر آرہے تھے یہ ایسی آزمائش تھی جیسے بنی اسرائیل کو آزمایا گیا تھا' ان کے لئے سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ممنوع تھا لیکن سنیچر کے دن مچھلیاں خوب اُبھر اُبھر کر پانی کے اوپر آجاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر سورہ اعراف کی آیت وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلَّتِى كَانَتْ حَاضِرَةَ ٱلْبَحْرِ میں فرمایا ہے۔

تفسیر درمنثور ص ۳۲۷ جلد نمبر۲ میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا حدیبیہ والے عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وحشی جانور اور پرندے ان کے ٹھہرنے کی جگہوں میں چلے آ رہے تھے اس سے پہلے ایسے منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے ان کو ہاتھوں سے پکڑنا اور نیزوں سے مارنا بہت ہی زیادہ آسان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار قطعاً نہ کرنا جو شکار کرنے سے پرہیز کرے گا وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے کون ڈرتا ہے (اور جو شخص شکار کرلے گا وہ گناہ کا ارتکاب کرلیگا اور آزمائش میں ناکام ہوگا)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ
اے ایمان والو! شکار قتل نہ کرو اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو اور تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً قتل کردے تو اس کا بدلہ اس جانور کا جیسا ہوگا
مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
جس کو قتل کیا۔ تم میں دو انصاف والے آدمی اس کا فیصلہ کریں گے اس طرح سے کہ وہ بدلہ والا جانور بطور ھدی کے کعبہ تک پہنچنے والا ہو۔
مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ
یا مسکینوں کو کفارہ کے طور پر کھانا دیدیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھ لے تاکہ اپنے کئے کی سزا چکھ لے۔ اللہ نے معاف فرمایا جو پہلے گذر چکا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا
اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ
تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ اور اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کردیا گیا ہے جو تمہارے نفع کے لئے اور مسافروں
عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾
کے واسطے ہے۔ اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ

تفسیر: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حالت احرام میں (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) خشکی کا کوئی جانور شکار کرے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) تو اسکی سزا آیت بالا میں ذکر فرمائی ہے' یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں' انسانوں سے مانوس نہ ہوں اُن سے دُور بھاگتے ہوں جیسے شیر' گیدڑ' ہرن' خرگوش' نیل گائے' کبوتر' فاختہ' وغیرہ اور جو جانور انسانوں سے مانوس ہیں اور ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے اونٹ' بھیڑ بکری مرغی یہ شکار میں داخل نہ ہیں اور جو وحشی جانور ہوں اُن میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے ان میں کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کردے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان جانوروں میں سے نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جو جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کردے کہ جانور خرید کر بطور ھدی کعبہ شریف کی طرف یعنی حدود حرم میں بھیج دے جسے وہاں ذبح کر دیا جائے اور اگر ھدی نہ بھیجے تو اسکی قیمت مسکینوں کو دیدے یا اس کے بدلے روزے رکھ لے۔

"مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" (یعنی جو جانور قتل کیا ہے اس جانور کا مثل بطور جزا کے واجب ہوگا) اس کے بارے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جسامت میں اتنا بڑا جانور ہو جتنا بڑا جانور اس نے قتل کیا ہے مثلاً شتر مرغ قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ اسی جیسا اونٹ ذبح کیا جائے۔ اور جس جانور کا مثل جسامت کے طور نہ ہو اس کی قیمت لگادی جائے اس کی مذہب کی تفصیلات کُتبِ شافعیہ میں مذکور ہیں۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جسامت میں مثلیت کا اعتبار نہیں یعنی "مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ" سے مثل صوری (یعنی جسمانیت والی برابری) مراد نہیں ہے ان کے نزدیک ابتداءً وانتہاءً مثل معنوی ہی مراد ہے مثل معنوی سے مراد یہ ہے کہ مقتول جانور کی قیمت لگادی جائے پھر اس قیمت سے جانور خرید کر بطور ھدی حدود حرم میں ذبح کر دیا جائے۔

جس مُحرم نے شکار کیا ہے اسے اختیار ہے کہ قیمت کے عوض ھدی کا جانور حدود حرم میں ذبح کردے یا کسی دوسرے شخص سے ذبح کرادے اور اگر ھدی کا جانور ذبح کرانے کی بجائے اس قیمت کو مسکینوں پر صدقہ کرنا چاہے تو یہ بھی کر سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ فی مسکین بقدر صدقۂ فطر غلہ یا اسکی قیمت صدقہ کردے۔ اور اگر غلہ یا اسکی قیمت دینا نہ چاہے تو بحساب فی مسکین نصف صاع گندم کے حساب سے اتنی شمار کے برابر روزے رکھ لے اگر فی مسکین بقدر صدقہ فطر حساب کر کے دینے کے بعد اتنے پیسے بچ گئے جن میں ایک صدقہ فطر کے برابر غلہ نہیں خریدا جا سکتا تو اختیار ہے کہ یہ پیسے ایک مسکین کو دے دے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

جس جانور کو قتل کیا ہے اسکی قیمت کون تجویز کرے اس کے بارے میں ارشاد ہے "یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ" یعنی مسلمانوں میں سے دو انصاف والے آدمی اسکی قیت کا تخمینہ لگائیں۔ یہ تخمینہ اس جگہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں وہ جانور قتل کیا ہے۔ اگر جنگل میں قتل کیا تو جو آبادی وہاں سے قریب تر ہو اس کے اعتبار سے قیمت کا تخمینہ لگایا جائے۔

احرام میں جو شکار کیا گیا ہے اس کے متعلق چند مسائل: مسئلہ: اگر جانور کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ بڑا جانور خریدا جا سکتا ہے تو اونٹ اور گائے حدود حرم میں ذبح کردے، بکری ذبح کرے یا گائے یا اونٹ ان میں قربانی کے جانور کے شرائط اور قربانی کے جانوروں کی عمروں کا لحاظ رکھے۔

مسئلہ: اگر مقتول جانور کی قیمت کے برابر ھدی کا جانور تجویز کیا اور جانور خریدنے کے بعد کچھ قیمت بچ گئی تو اس بقیہ قیمت کے بارے میں اختیار ہے کہ خواہ دوسرا جانور خرید کر حدود حرم میں ذبح کردے یا اس کا غلہ خرید کر دے دے یا غلہ کے

حساب سے فی نصف صاع گیہوں ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: مسکینوں کو غلہ دینے اور روزہ رکھنے میں حرم کی قید نہیں ہے البتہ ھدی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کرنا لازمی ہے ذبح کر کے فُقراءِ حَرم میں صدقہ کر دے۔

مسئلہ: محرم کو جن جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے اگر اس نے ان میں سے کسی جانور کو قتل کر دیا تو وہ جانور میتہ یعنی مردار کے حکم میں ہوگا۔ اور کسی کو بھی اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: محرم کو جس جانور کا قتل کرنا حرام ہے اسکو زخمی کر دینا یا پَر اُکھاڑ دینا ٹانگ توڑ دینا بھی حرام ہے اگر ان میں سے کوئی صورت پیش آ جائے تو تخمینہ کرایا جائے اور اس جانور کی کتنی قیمت ہوگی پھر اس قیمت کے بارے میں انہیں تین قولوں میں سے کوئی صورت اختیار کر لی جائے جو قتل کی سزا میں مذکور ہوئیں۔

مسئلہ: مذکورہ جانوروں کا انڈا توڑنا ممنوع ہے اگر مُحرِم نے کسی جانور کا انڈا توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی اگر انڈے میں سے مرہوا بچہ نکل آیا تو اسکی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر دو محرموں نے مل کر شکار کیا تو دونوں پر جزا کامل واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی نے حاملہ ہرنی کے پیٹ میں مار دیا اور اس میں سے زندہ بچہ نکلا اور وہ بھی مر گیا تو دونوں کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی نے غیر محرم نے شکار کیا پھر احرام باندھ لیا اس پر واجب ہے کہ شکار کو چھوڑ دے اگر نہ چھوڑا اور اس کے ہاتھ میں مر گیا تو اسکی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: مچھر کے قتل کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: احرام میں چیونٹی کا مارنا جائز ہے جو ایذا دیتی ہو اور جو ایذا نہ دے اسے مارنا جائز نہیں لیکن اگر مار دیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی محرم نے جوں ماردی تو کچھ صدقہ کر دے۔

مسئلہ: اگر کوئی محرم ٹڈی مار دے تو جتنا جی چاہے تھوڑا بہت صدقہ کر دے حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا تو فرمایا ایک کھجور ٹڈی سے بہت ہے۔

مسئلہ: اگر بھولے سے یا خطاً شکار کو قتل کر دے تو اس پر جزاء ہے جمہور کا یہی مذہب ہے۔

ابو بکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی اور فقہاء امصار کا یہی مذہب ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ "متعمداً" آیا ہے یہ ان حضرات کے نزدیک خطا و نسیان سے احتراز کے لئے نہیں بلکہ یہ لفظ اسلئے بڑھایا گیا ہے کہ ومن عاد فینتقم اللہ منه جو آگے آ رہا ہے وہ اس پر متفرع ہو سکے کیونکہ خطاء و نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہوتا بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خطا و نسیان میں قتل صید کی جزا واجب نہیں شیخ ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں۔ فالقول الاول هو الصحيح یعنی پہلا قول ہی صحیح ہے پھر اس کی دلیل میں فرماتے ہیں۔

لانہ قد ثبت ان جنایات الاحرام لا یختلف فیھا المعذور وغیر المعذور فی باب وجوب الفدیة الاتریٰ اَنَّ اللہ تعالٰی قد عذّر المریض ومن بہ أذی من رأسہ ولم یخلھما من ایجاب الکفارة (اس لئے کہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے احرام کی جنایات میں فدیہ کے واجب ہونے میں معذور اور غیر معذور کا کوئی فرق نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالٰی نے مریض اور جس کے سر میں تکلیف ہو اسے معذور قرار دیا ہے لیکن اسے کفارہ واجب کرنے سے آزاد نہیں رکھا)

مسئلہ: شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکاری کو بتانا کہ وہ شکار جا رہا ہے محرم کے لئے یہ بھی حرام ہے، اگر محرم نے شکار کی طرف اشارہ کردیا اور شکاری نے اُسے قتل کردیا۔ تو بتانے والے پر بھی جزاء واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی غیر مُحرم نے شکار کیا اور مُحرم کو اس کا گوشت پیش کردیا تو اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ محرم نے شکاری کو نہ اشارہ سے بتایا ہو نہ زبان سے۔

مسئلہ: اگر ایسے محرم نے شکار کیا جس نے قران کا احرام باندھا ہوا تھا تو اس پر دوہری جزا واجب ہوگی کیونکہ اس کے دو احرام ہیں۔

مسئلہ: مُحرم کا شکار کو بیچنا خریدنا حرام ہے۔ اگر کسی مُحرم نے ایسا کرلیا تو بیع باطل ہوگی۔

مسئلہ: مُحرم کے لئے حرم اور غیر حرم دونوں میں شکار کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: حرم کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اس کے قتل کردینے سے محرم پر اور غیر مُحرم پر ایک ہی جزا واجب ہوگی۔

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف سرزمین حرم ہے جس کی مسافتیں مختلف ہیں۔ جدہ کی طرف تقریباً ۱۵ کلومیٹر ہے اور عرفات کی طرف تقریباً ۱۴ کلومیٹر ہے۔ منیٰ اور مزدلفہ دونوں حرم میں داخل ہیں اور تنعیم جو مدینہ منورہ کے راستہ میں آتا ہے یہ حرم سے خارج ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل ہے لیکن اب مکہ معظمہ کی آبادی تنعیم بلکہ اس سے بہت آگے تک چلی گئی ہے۔

حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل: مکہ معظمہ کے حرم کی گھاس کاٹنا اور ایسی درخت کو کاٹنا جو کسی کی مملوک نہیں جسے لوگ بوتے نہیں یہ بھی ممنوع ہے۔

اگر کوئی شخص محرم یا غیر محرم حرم کا شکار مارے تو اسکی جزا دینا واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر گھاس کاٹ دی یا غیر مملوک درخت کاٹ لیا تو اسکی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی درخت حدود حرم میں کسی شخص کی ملکیت میں اُگ آیا تو اس کے کاٹنے پر اسکی قیمت حرمت حرم کی وجہ سے واجب ہوگی جس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ اور ایک قیمت بطور ضمان اس کے مالک کو دینی ہوگی۔ اور اگر حرم کے کسی ایسے درخت کو کاٹ دیا جسے لوگ اُگاتے ہیں۔ تو اس صورت میں صرف مالک کو قیمت دینا واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر دو غیر محرموں نے مل کر حرم کا شکار قتل کیا تو اتنی ہی جزاء واجب ہو گی۔

احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت: آخر میں فرمایا اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے اس میں مُحرم اور غیر مُحرم دونوں برابر ہیں پہلے سے دریائی شکار کر کے سفر میں جاتے وقت ساتھ لے گئے یا سفر میں دریائی شکار کر لیں یہ مسافروں کے لئے درست ہے محرم ہوں یا غیر محرم۔ اور خشکی کا شکار محرم کے لئے حرام قرار دیا گیا خواہ کسی قسم کے احرام میں ہو (احرام عمرہ ہو یا احرام حج یا احرام قران)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ یعنی جملہ احکام کی پابندی کرو اللہ سے ڈرو اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کرو۔ اسکی طرف سب کو جمع ہونا ہے۔ وہاں پیشی ہے حساب ہے لہٰذا وہاں کے لئے فکر مند رہو۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ
کعبہ جو احترام والا گھر ہے اللہ نے اُسے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور حرمت والے مہینہ کو اور ھدی کے جانوروں کو اور اُن
لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۹۷ اِعْلَمُوْۤا
کے گلے میں جو پٹے پڑے ہوں ان سب کو لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے یہ اسلئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۸ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، تم جان لو! کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بلاشبہ بخشنے والا مہربان ہے رسول کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے
مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۹۹
جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے

تفسیر: کعبہ (جس کے حروف اصلی ک، ع، ب ہیں) عربی زبان میں اوپر کو اُٹھے ہوئے چوکور گھر کو کہتے ہیں۔ کعبہ شریف کی جگہ نشیب میں ہے اور کعبہ شریف دُور سے اُٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جب کعبہ شریف بنایا گیا تھا اس وقت اس کے چاروں طرف مسجد حرام بنی ہوئی نہیں تھی اسلئے دور سے اٹھا ہوا اور زمین سے اُبھرا ہوا نظر آتا تھا اس ارتفاع کی وجہ سے اس کا نام "کعبہ" رکھا گیا۔ لفظ "الکعبہ" کے بعد "البیت الحرام" بھی فرمایا یعنی بہت محترم گھر، اللہ تعالیٰ نے اس کو محترم قرار دیا۔ اسکی حرمت ہمیشہ سے ہے اس کا طواف بھی حرمت کیوجہ سے کیا جاتا ہے۔

مکہ معظمہ کے چاروں طرف جو حرم ہے وہ بھی اسی کعبہ شریف کی وجہ سے محترم ہے اور اسی احترام کی وجہ سے حرم میں شکار کرنا اور اسکی گھاس اور درخت کاٹنا ممنوع ہے حرم میں قتل وقتال بھی ممنوع ہے قتل وقتال کی ممانعت کا عقیدہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔

تفسیر دُرّ منثور میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص جُرم کر کے حرم میں پناہ لے لیتا تھا تو اُسے قتل نہیں کرتے تھے۔

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ کعبہ جو بیت محترم ہے اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے اور امن وامان کا ذریعہ بنایا جو بہت سے لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بنا ہُوا ہے زمین کے دور دراز گوشوں سے لوگ حج وعمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ معظمہ آتے ہیں شہر مکہ میں رہتے ہیں منیٰ میں قیام کرتے ہیں عرفات مُزدلفہ میں وقوف کرتے ہیں ان سب کے آنے اور رہنے اور ضرورت کی اشیاء خریدنے کے باعث اہل عرب اور خاص کر اہل مکہ کی معیشت بنی رہتی ہے۔ اور اس خریداری کے اثرات پورے عالم کی فیکٹریوں اور کمپنیوں پر پڑتے ہیں۔ اہل مکہ کے لئے تو کعبۃ اللہ ذریعہ قیام اور بقاء ہی ہے بعض اعتبار سے پورے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے، بحری جہازوں سے لوگوں کی آمد ہوائی جہازوں کی اُڑان کروڑوں روپے کے کرائے اور بسوں اور کاروں کے سفران سب کے ذریعہ جو عرب وعجم میں مالی آمدنی ہے پورے عالم کو اس کا اقتصادی فائدہ پہنچتا ہے۔

سورہ قصص میں فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا ہم نے ان کو امن وامان والے گھر میں جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے جو ہمارے پاس سے بطور رزق انکو ملتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) پھر چونکہ حج ایک عظیم عبادت ہے جو سراپا اللہ کے ذکر سے معمور ہے۔ اور اللہ کا ذکر ہی اس عالم کی روح ہے اس لیے بھی کعبہ شریف سارے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم ص۸۴ جلد نمبر۱) جب دُنیا میں کوئی بھی ایمان والا نہ رہے گا تو کعبہ شریف کا حج بھی ختم ہوگا۔ کعبہ شریف کا حج ختم ہو جانا بھی دنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

بعض حضرات نے قِیٰمًا کا ترجمہ "اٰمِنًا" سے بھی کیا۔ بلاشبہ حرم مکہ زمانہ قدیم سے مَاْمَن یعنی امن کی جگہ ہے سورۂ بقرہ میں فرمایا وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا) اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور ان کے گرد وپیش لوگوں کو اُچک لیا جاتا ہے) بلاشبہ عبادات اور مالیات اور امن وامان یہ سب انسانوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ ہیں۔

ھدی کے جانور: ھدی وہ جانور جو بطور نیاز کعبہ شریف کی طرف بھیجا جائے' ہدی واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی' اور دم جنایات جو واجب ہیں حرم ہی میں ان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ دم تمتع اور دم قران بھی حرم ہی کے اندر ذبح کرنا لازم

ہے اور شکار کے بدلے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے بارے میں بھی "هَـدْيًـا بَـالِـغَ الْكَعْبَةِ" فرمایا ہے ھدی کے جانوروں کا حدود حرم میں ذبح کرنا لازم ہے آجکل تو ھدی کے جانور منیٰ میں ہی مل جاتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں ھدی کے جانور اپنے وطن سے ساتھ لایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عمرہ حدیبیہ کے موقع پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر ھدی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔ اور عام طور سے ھدی کے جانور ساتھ لانے کا دستور تھا۔

القلائد: صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۳۶ لکھا ہے کہ 'القلائد' سے ذوات القلائد مراد ہیں۔ اونٹوں کے گلوں میں قلائد یعنی پٹے ڈال دیا کرتے تھے ھدی کے ذکر کے بعد اونٹوں کا ذکر مستقل طریقہ پر کیا کیونکہ ان کے ذبح کرنے میں ثواب زیادہ ہے اھ۔

خلاصہ یہ ہے کہ کعبہ شریف اور اس سے متعلقہ چیزیں جن میں شہر حرام اور ھدی کے چھوٹے بڑے جانور بھی ہیں ان کو لوگوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ بنایا۔ اہل عرب شہر حرام میں امن و امان سے رہتے تھے بے تکلف حج بھی کرتے تھے اور دوسری اغراضِ دنیویہ کے لیے بھی نکلتے تھے اور قبیلوں میں آپس میں دشمنی ہوتی تھی وہ بھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے تھے اور ھدی کے جانوروں کا گوشت کھانا بھی معمول تھا۔ پھر ان جانوروں کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے ان سب وجوہ سے کعبہ اور شہر حرام اور ھدی کے جانور یہ سب لوگوں کے قیام یعنی بقاء کا ذریعہ ہیں۔

قال الجصاص فی احکام القران ص ۴۸۲ ج ۲ وھذا الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ من قوام الناس بمناسک الحج والحرام والاشھر الحرم والھدی والقلائد معلوم مشاھد فلا نری شیئًا من امر الدین والدنیا تعلق بہ من صلاح المعاش والمعاد بعد الایمان ما تعلق بالحج الاتری الیٰ کثرۃ منافع الحاج فی المواسم التی یردون علیھا من سائر البلدان التی یجتازون بمنی وبمکۃ الیٰ ان یرجعوا الی اھالیھم وانتفاع الناس بھم وکثرۃ معایشھم وتجاراتھم معھم (الیٰ اخر ما قال) (علامہ جصاصؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں اور یہ بات جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہے کہ مناسکِ حج، احرام، محترم مہینے، ہدی کے جانور اور ان جانوروں کے پٹے لوگوں کے لئے قیام کا ذریعہ ہیں یہ معروف اور مشاہدہ میں ہے کہ دین و دنیا کی کوئی شی ایمان کے بعد ایسی نہیں ہے کہ جس کے ساتھ دنیا و آخرت کی اصلاح اس طرح متعلق ہو جس طرح حج کے ساتھ ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں حج کے موسموں میں مختلف ملکوں سے جو حاجی حج پر جاتے ہیں اور منی و مکہ سے گذرتے ہیں تو کتنے معاشی و تجارتی منافع لیکر اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹتے ہیں)

پھر فرمایا: ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)

شیخ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اس نے دین و دنیا کے منافع حج میں رکھ دیئے یہ تدبیر ایسی عجیب ہے کہ جس میں امت کے لیے اول سے لیکر آخر تک یعنی قیامت کا دن آنے تک سب کی صلاح کا انتظام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہ ہوتا اور تمام اشیاء کو ان کے وجود سے پہلے نہ جانتا تو ایسی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی جس میں بندوں کی دین و دنیا کی صلاح ہے۔

پھر فرمایا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بلاشبہ تم جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرو اور احیاناً کہیں خلاف ورزی ہو جائے تو جلدی سے توبہ کرو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو وہ غفور ہے رحیم ہے۔

پھر فرمایا مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ (رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچانا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو) اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ تمام احکام کی پابندی کرو رسول ﷺ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے آگے عمل کرنا تمہارا اپنا کام ہے۔

ہر طرح کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقہ پر انجام دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام ارادوں سے اور تمام اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ سے باخبر ہے وہ ہی حساب لے گا اور جزا دے گا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
آپ فرما دیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں اگرچہ اے مخاطب! تجھے خبیث کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو۔ سو اے عقل والو! اللہ سے ڈرو
تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
تاکہ کامیاب ہو جاؤ

خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں

تفسیر: لباب النقول ص ۹۸ میں اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے شراب کی حرمت بیان فرمائی تو ایک دیہات کا رہنے والا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ میں شراب کی تجارت کرتا تھا اسکے ذریعہ میں نے مال حاصل کیا اگر یہ مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کروں تو کیا یہ مال مجھے نفع دے گا؟

نبی اکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یقبل الا الطیب (کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ مگر پاکیزہ مال کو) اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی تصدیق فرماتے ہوئے آیت قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ نازل فرمائی۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت سے جو مال پہلے کمایا ہوا تھا وہ تو حلال ہونا چاہئے اسکو خبیث کیوں فرمایا؟

بصورت صحت حدیث اس اشکال کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ چونکہ شراب کی حرمت نئی نئی نازل ہوئی تھی اس لئے کلی طور پر اس کے منافع سابقہ اور لاحقہ سب سے منع فرما دیا۔ یہ تشدید اس لیے کی گئی کہ شراب کے منافع سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں۔ اور دلوں میں اس سے کسی قسم کا لگاؤ نہ رہے آیت کا سبب نزول جو کچھ بھی ہو بہر حال اس میں ایک اصولی بات

بتا دی اور وہ یہ کہ خبیث اور طیب برابر نہیں۔

خبیث بُری چیز کو اور طیب اچھی چیز کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے خبیث کا ترجمہ ناپاک اور طیب کا ترجمہ پاک کیا ہے۔ آیت کا مفہوم عام ہے اچھے برے اعمال اور اچھے برے اموال اور اچھے بُرے افراد سب کو شامل ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ خبیث سے حرام مال اور طیب سے حلال مال مُراد ہے اور بعض حضرات نے خبیث سے کافر اور طیب سے مومن مراد لیا۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں الفاظ قرآنیہ کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ کسب مال میں بھی حلال کا دھیان رکھا جائے۔ اور جب اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے لگیں تو حلال اور عمدہ مال خرچ کریں اور مومن کو کافر پر ترجیح دیں البتہ ظلم کسی پر نہ کریں۔

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی بندہ حرام مال کمائے گا پھر اس میں سے صدقہ کریگا تو قبول نہ کیا جائے گا اور اس میں سے خرچ کریگا تو اس میں برکت نہ ہوگی اور اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا تو یہ اس کے لیے دوزخ میں جانے کا توشہ ہوگا۔ بے شک اللہ برائی کو بُرائی سے نہیں ہٹاتا (یعنی مال خبیث کما کر اس میں سے صدقہ کردے تو اس صدقہ سے حرام مال پاک نہ ہوجائیگا اور حرام کمانے کا گناہ معاف نہ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۲) وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ میں یہ ارشاد فرمادیا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اچھی بھی ہو۔ دنیا میں کافر زیادہ ہیں اس کثرت کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک اچھے نہیں ہوگئے جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں ان میں بھی اکثر وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ ان کی کثرت دیکھ کر گناہوں کی راہ اختیار کرتے ہیں جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ گناہ چھوڑ دو تو کہہ دیتے ہیں کہ لاکھوں آدمی گناہ کررہے ہیں یہ بھی اللہ کے بندے ہیں' یہ جاہلانہ جواب ہے۔ اللہ کے بندے تو ہیں مگر گناہگار بندے ہیں۔ تمہیں پرہیزگار بندوں کی راہ اختیار کرنی چاہیے گناہگار بندوں کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

الیکشن کی قباحت: آیت کریمہ سے الیکشن کی قباحت بھی معلوم ہوگئی چونکہ الیکشن کی بنیاد اکثریت پر رکھی گئی ہے اس لئے الیکشن میں وہ آدمی جیت جاتا ہے جس کو ووٹ زیادہ مل جائیں بلکہ جس کے حق میں ووٹوں کی گنتی زیادہ ہوجائے وہ جیتتا ہے خواہ کسی طرح بھی ہو۔ دھاندلی بھی کی جاتی ہے ووٹ خریدے بھی جاتے ہیں فریق مخالف کے ووٹوں کے بکس بھی غائب کیئے جاتے ہیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اکثریت پر کامیابی کی بنیاد رکھنا یہ مستقل وبال ہے اور غیر کے دین پر نہ خود چلنا ہے نہ دوسروں کو چلنے دینا ہے ایسے لوگوں کی رائے کا شرعاً کچھ وزن نہیں دنیا میں جب سے جمہوریت کا سلسلہ چلا ہے۔ بہت سے لوگ جنہیں علم کا گمان بھی ہے وہ بھی جمہوریت کے لیے اپنی کوششیں خرچ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری کوششوں سے

فلاں ملک میں جمہوریت گئی ہے گویا انہوں نے دین کا بہت بڑا کام کر دیا۔ یہ لوگ جمہوریت کے دینی نقصانات جانتے ہوئے اس کے لیئے اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں پھر جمہوریت کے اصول پر جو بھی کوئی بد سے بدتر ملحد زندیق منکر اسلام منتخب ہو جائے اسے مبارکباد دیتے ہیں کسی حلقے میں سو ووٹ ہوں اور اکیاون ووٹ کسی ملحد بے دین کو مل جائیں (جو اسی جیسے بے دینوں سے ملتے ہیں) تو فاسق فاجر الیکشن جیت لیتا ہے اور کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ حالاں کہ مسلمانوں کے کسی ملک کے چھوٹے بڑے عہدہ کے لیے کسی بھی فاسق فاجر کی رائے پر اعتماد کرنا درست نہیں جو لوگ اکثریت کے فیصلہ پر ایمان لاتے ہیں (اور اکثریت کا بے دین فاسق فاجر ہونا معلوم ہے) وہ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ پر بار بار دھیان کریں۔ پھر فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کہ (اے عقل والو! اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ج ۷ ص ۳۷۔

"ان مدار لا اعتبار هو الخيرية والرداءة لا الكثرة والقلة" ج۴ (اچھائی اور برائی کا مدار اچھائی اور برائی ہے نہ کہ کثرت وقلت) یعنی خبیث کے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر چہ زیادہ ہو اور طیب کو ترجیح دو اگر چہ کم ہو کیونکہ اچھا یا بُرا ہونے کا مدار اچھائی اور بُرائی اختیار کرنے پر ہے قلت یا کثرت پر نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ
اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو نا گوار ہوں اور اگر تم اُن کے بارے میں اُس وقت سوال کرو گے
يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تمہارے لئے ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے اُن کے بارے میں معافی دیدی اور اللہ بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔ ایسی باتیں
ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر اُن باتوں کا حق نہ بجا لائے

بے ضرورت سوالات کرنیکی ممانعت

تفسیر: مفسر ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۰۵ بحوالہ ابن جریر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اس وقت غصے کی حالت میں تھے چہرہ انور سُرخ ہو رہا تھا' آپ منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اُس نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حُذافہ ہے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور آپکو راضی کرنے کے لیے) یہ

پڑھنے لگے "رضینا باللہ ربًّا وبالاسلام دینًا وبمحمد صلی اللہ علیہ نبیًا وبالقراٰن امامًا" (ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ماننے پر اور محمد ﷺ کے نبی ماننے پر اور قرآن کو امام ماننے پر) اس کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم لوگ جاہلیت اور شرک میں تھے نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ہمارے باپ کون ہیں۔ یہ سنکر آپ ﷺ کا غصہ ٹھہر گیا اور آیت "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ" نازل ہوئی۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵ میں ہے کہ کچھ لوگ رسول ﷺ سے بطور تمسخر واستہزاء پوچھا کرتے تھے' کوئی کہتا تھا میرا باپ کون ہے؟ اور کوئی کہتا تھا میری اونٹنی کہاں ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

مفسر ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب آیت وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً نازل ہوئی۔ تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے خاموشی اختیار فرمائی' حاضرین نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا نہیں! (ہر سال فرض نہیں ہے) اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔ اور اگر ہر سال واجب ہو جاتا تو تم اسکی طاقت نہ رکھتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ مذکورہ بالا "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا" نازل فرمائی۔

اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جن کی ضرورت نہیں ہے' اور جن کے ظاہر کرنے سے سوال کرنے والے کو ناگواری ہوگی اور جواب اچھا نہ لگے گا ایک آدمی نے پوچھ لیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے آپ نے جواب دیدیا کہ دوزخ میں ہے بات معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی پھر جو جواب ملا وہ گوارا نہ تھا یوں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل واحکام تو دریافت کیا ہی کرتے تھے اور سوال کرنے کا حکم بھی ہے جیسا کہ سورہ نحل اور سورہ انبیاء میں ارشاد ہے فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سو سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے) معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت نہ ہو۔

صاحب روح المعانی ص ۳۹ ج ۷ لکھتے ہیں۔

والمراد بھا مالا خیرلھم فیہ من نحو التکالیف الصعبۃ التی لا یطیقونھا والاسرار الخفیۃ التی قد یفتضحون بھا فکما ان السئوال عن الامور الواقعۃ مستتبع لا بداء ھا کذلک السئوال عن تلک التکالیف مستتبع لا یجا بھا علیھم بطریق التشدید لا ساء تھم الأدب وترکھم ما ھو الاولیٰ بھم من الاستسلام لا مر اللہ تعالیٰ من غیر بحث فیہ ولا تعرض عن الکیفیۃ والکمیۃ اھ (اُن آیات میں اشیاء سے وہ معاملات مراد ہیں جن کے پوچھنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے جیسا کہ وہ مشکل ذمہ داریاں جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ خفیہ بھید جن کے اظہار سے وہ رسوا ہوتے ہوں پس ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنا ان کے ظاہر کرنے کا سبب ہے اسی طرح ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کرنا بے ادبی اور بغیر کسی بحث وتمحیص اور کیفیت وکمیت کے بارے میں قیل قال کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے جھکنے کو چھوڑنے کی وجہ سے ان پر تنگی کے طور پر ان احکام کے واجب ہونے کا سبب ہیں)

یعنی آیت بالا میں جن اشیاء کے بارے میں سوال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے ان سے وہ سخت احکام مراد ہیں جن کی طاقت نہیں اور وہ پوشیدہ بھید کی چیزیں مراد ہیں جن کے ظاہر کرنے میں بعض لوگوں کی رسوائی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح گذشتہ امور کے بارے میں سوال کرنے پر نتیجہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اسکو ظاہر کیا جائے اسی طرح تکالیف شاقہ یعنی سخت احکام کے بارے میں سوال کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ حکمًا ان احکام کو بطور سزا سوء ادبی کی پاداش میں واجب کر دیا جائے' اور جو طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لینا اور کیفیت اور کمیت کی بحث میں نہ پڑنا اس کے ترک کرنے کی وجہ سے حکم میں تشدید کر دیجاتی ہے۔

پھر فرمایا:۔ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ یعنی نزول قرآن کے وقت سوال کرو گے تو تمہارے سوالوں کا جواب بذریعہ وحی دیدیا جائیگا) اور سوال کا جواب ملے گا تو ضروری نہیں کہ سائل کی مرضی کے مطابق ہو۔ لہٰذا سوال نہ کرنا ہی صحیح ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۸۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جن کے جاننے کی حاجت نہیں تھی مثلاً عبد اللہ بن حذافہؓ نے پوچھ لیا میرا باپ کون ہے؟ اس سوال کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ حسب قاعدہ شرعیہ الولد للفراش حذافہ ہی سے ثابت النسب تھے پھر اگر واقعۃً حذافہ کے نطفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوتے اور آپ ﷺ اسکو ظاہر فرما دیتے تو کس قدر رُسوائی ہوتی۔

اسی طرح وہ جو ایک صحابی نے دریافت کر لیا ''کیا ہر سال حج فرض ہے؟'' اسکی کوئی ضرورت نہ تھی اگر رسالت مآب ﷺ فرما دیتے کہ ہاں! ہر سال فرض ہے تو ساری امت کس قدر تکلیف میں مبتلا ہو جاتی۔

پھر فرمایا ''عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا'' اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ اب تک جو تم نے مناسب سوال کئے ہیں یہ سوال کرنا اللہ نے معاف کر دیا۔ اور بعض حضرات نے اسکی یہ تفسیر کی ہے کہ جو احکام تمہیں نہیں دیئے گئے وہ معاف ہیں' یعنی جو حکم نہیں دیے گئے ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔ ہوسکتا ہے سوال کرنے سے ان کے بارے میں حکم نازل ہو جائے' اور جب تک کسی چیز کے بارے میں نفیًا یا اثباتًا کوئی حکم نہیں ہے اس کے بارے میں تمہیں اختیار ہے اسے کرو یا نہ کرو۔ سوال کر کے اور کرید کر اپنے اوپر کوئی چیز واجب کیوں کراتے ہو؟

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو۔ اور کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں تم ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تم ان کا ارتکاب نہ کرو۔ اور تم پر مہربانی فرماتے ہوئے بہت سی چیزوں سے خاموشی اختیار فرمائی اور یہ خاموشی بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے لہٰذا تم ان کے

بارے میں سوال نہ کرو۔ (رواہ الدارقطنی وغیرہ کما قال النووی فی اربعینہ وقال حدیث حسن)

گذشتہ قوموں نے سوالات کئے پھر منکر ہو گئے: پھر فرمایا قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ کہ تم سے پہلے۔ لوگوں نے سوال کئے تھے پھر ان کے منکر ہو گئے یعنی جب ان سوالات کا جواب دیدیا گیا تو ان جوابوں سے منتفع نہ ہوئے اور جو حکم ملا اس پر عمل نہ کیا۔ یہود و نصاریٰ کی ایسی عادت تھی پوچھتے تھے پھر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا یہ سوال کرنا کہ آسمان سے مائدہ نازل ہو۔ یہ تو مشہور ہی ہے مائدہ نازل ہوا تو اُن لوگوں سے کہا گیا تھا کہ جو کھا سکتے ہو کھالو۔ اس سے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن وہ لوگ نہ مانے اور گنہگار ہوئے۔ اسی طرح قوم ثمود نے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے کا سوال کیا پھر جب اونٹنی نکل آئی تب بھی ایمان نہ لائے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔

جو کوئی ضرورت پیش آ گئی ہو اس کے بارے میں سوال کرنا درست ہے اور خواہ مخواہ بلا ضرورت سوال کرنے میں اضاعت وقت بھی ہے اور لایعنی کا ارتکاب بھی، رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (ترمذی)

یعنی انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ فرائض و واجبات تک نہیں جانتے نماز تک یاد نہیں لیکن ادھر اُدھر کے سوالات کرتے رہتے ہیں۔

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کا ارشاد: علامہ ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ حوادث اور نوازل کے بارے میں جواب و سوال نہ کیا جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائے تو ہمیں ان کی حاجت نہیں لہٰذا جو احکام غیر منصوص ہیں ان کے بارے میں غور فکر کی ضرورت نہیں ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں احکام غیر منصوصہ کے بارے سوال کرنا آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور اسکی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو ھدی کے اونٹ حرم مکہ لے جانے کی ذمہ داری پیش کی تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: اگر ان میں سے اگر کوئی جانور ہلاک ہونے لگے تو اس کا میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اسکو ذبح کر دینا اور اس کے جوتے کو (جو بطور نشانی کے اسکی گردن میں پڑا ہو کہ یہ ھدی کا جانور ہے) خون سے رنگ دینا۔ حضرت ناجیہؓ نے ایک صورت حال کے بارے سوال کیا جو پیش آ سکتی تھی۔ آپ کو اس سوال سے بھی ناگواری نہ ہوئی اور جواب عنایت فرما دیا۔

شیخ ابوبکر جصاصؒ نے اور دو تین روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں پیش آ سکنے والے واقعات کے بارے میں سوال پیش کرنے پر آنحضرت ﷺ کے جواب دینے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس طرح کی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا ممنوع نہیں پھر لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہوتے اور نئے نئے مسائل کے بارے میں آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور یہی حضرات تابعین کا معمول رہا اور ان کے بعد

فقہاء نے اپنا معمول بنایا اور آج تک ایسا ہو رہا ہے اس کے بعد شیخ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ امور غیر منصوص کے بارے میں بولنے سے اور ان کا فقہ مستنبط کرنے سے عاجز رہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هوا فقه منه"

(بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو خود فقیہ نہیں اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں)

علامہ جصاص اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ یہ جماعت جو احکام غیر منصوصہ میں غور فکر کرنے کا انکار کرتی ہے یہ لوگ اس آیت کا مصداق ہیں۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ
اللہ نے مقرر نہیں فرمایا نہ کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اُن میں اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے

مشرکین عرب کی تردید جنہوں نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا اور ان کے نام تجویز رکھے تھے اور اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے

تفسیر: دنیا میں جو گمراہیاں پھیلیں ان میں سب سے بڑی گمراہی شرک ہے اور شرک کی بہت سی انواع و اقسام ہیں جن میں سے بعض اقسام ایسے ہیں کہ ان میں جانوروں کو ذریعہ شرک بنایا گیا۔ جیسا کہ سورۂ نساء (۲۰) میں گذرا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ کہا تھا۔

"لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ"۔ (میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ لوں گا اور میں انکو گمراہ کروں گا اور میں ان کو آرزوؤں میں پھنساؤں گا' اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے وہ چارپایوں کے کانوں کو کاٹیں گے اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے)

شیطان نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بہت سے لوگوں کو اپنی طرف لگالیا شرک و کفر میں ڈال دیا اور مشرکوں نے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان بھی کاٹے اور کئی طریقہ سے جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا جس طرح بتوں کے نام تجویز

کرلیتے تھے۔اسی طرح جانوروں کے نام بھی مقرر کرلیتے تھے۔

آیت بالا میں اس طرح کے چار ناموں کا تذکرہ فرمایا ہے۔اول بحیرہ۔دوم سائبہ۔سوم وصیلہ۔چہارم حام۔صاحب روح المعانی نے ج ۷ص ۴۲

بحیرہ: کی کئی تفسیریں لکھی ہیں ان میں سے ایک قول زجاج نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ اہل جاہلیت یہ کرتے تھے کہ جب کسی اونٹنی سے پانچ مرتبہ بچے پیدا ہو جاتے اور پانچویں مرتبہ مذکر ہوتا تو اس کے کان کو چیر کر دیتے اور پھر اُسے نہ ذبح کرتے تھے اور نہ اس پر سواری کرتے۔اور پھر اسے نہ پانی سے روکا جاتا اور نہ کسی جگہ چرنے سے منع کیا جاتا تھا۔

اور حضرت قتادہ تابعی سے یوں نقل کیا ہے۔کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو پانچویں بچے کو دیکھتے اگر نر ہوتا تو ذبح کر کے کھا جاتے اور مادہ ہوتا تو کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے وہ چرتا پھرتا تھا اور اس سے سواری وغیرہ کا کوئی کام نہیں لیتے تھے اور بھی بعض اقوال نقل کئے ہیں۔

سائبہ: کے بارے میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کے دس بچے پیدا ہو جاتے اسے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ اس کے بال کاٹتے تھے اور نہ اس کا دودھ دوہتے تھے۔ ہاں اگر کوئی مہمان اس کا دودھ لیتا تو اسکی اجازت تھی۔

اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ جانور تھا جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور بُت خانوں میں جو پجاری رہتے تھے ان کے حوالے کر دیتے تھے اور اس کا گوشت صرف مسافر اور انہی کی طرح کے لوگ کھاتے تھے۔

یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے'

وصیلہ: کے بارے میں بھی کئی قول نقل کئے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ''وصیلہ''اس بکری کو کہتے تھے جس کے سات مرتبہ بچے پیدا ہو جائیں۔ساتویں نمبر پر اگر بچی پیدا ہوئی تو اس سے عورتیں ذرا بھی منتفع نہیں ہو سکتی تھیں۔ہاں اگر وہ مر جاتی تو مرد اور عورت سب اسے کھا سکتے تھے۔اور اگر ساتویں مرتبہ کے حمل سے ایک بچہ اور ایک بچی (نر و مادہ) پیدا ہو گئے تو کہتے تھے کہ''وصلت اخاھا''(کہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی ہے) پھر ان دونوں کو چھوڑ دیتے تھے اور اس سے صرف مرد منتفع ہوتے تھے۔عورتیں منتفع نہیں ہوتی تھی۔اگر یہ مادہ مر جاتی تو عورتیں مرد سب منتفع ہوتے تھے۔

اور محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ''وصیلہ''وہ بکری تھی جس کے پانچ بطن سے متواتر دس مادہ پیدا ہو جائیں۔پھر جب نر اور مادہ دونوں ایک ہی حمل سے پیدا ہو جاتے تو کہتے تھے کہ یہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی۔لہٰذا اسے ذبح نہیں کرتے تھے۔

حام: کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ یہ حمیٰ یحمی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی بچانے اور محفوظ رکھنے کا ہے۔ فراء کا قول ہے کہ جس سانڈ کے بیٹے کا بیٹا اونٹنی کو حاملہ کر دیتا تھا اس اونٹ کو حامی کہتے تھے اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اسے کسی کی جگہ پانی سے یا چراگاہ سے ہٹایا نہیں جاتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ جس سانڈ کی پشت سے دس مرتبہ حاملہ ہو کر اونٹنی بچے جن لیتی تھی اسے حامی کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اب اس پر نہ بوجھ لادا جائے گا اور نہ کسی پانی اور گھاس کی جگہ سے ہٹایا جائیگا۔ یہ سب تحریم اور تحلیل اہل جاہلیت کی اپنی خود تراشیدہ تھی اور اس کے احکام و مسائل سب ان لوگوں نے خود تراش رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت سے ان باتوں کا کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم یوں کرتے ہیں شرک بھی کرتے تھے اور پھر اللہ کی طرف اسکی نسبت بھی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اللہ نے ان جانوروں کے بارے میں یہ احکام نازل نہیں فرمائے بلکہ ان لوگوں نے خود تجویز کئے اور اللہ پاک پر تہمت رکھ دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا۔

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) تحلیل، تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کسی مخلوق کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے طریقہ سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیدے۔ اوّل تو جانوروں کو خود حرام قرار دیدینا بہت بڑا گناہ ہے پھر اس تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جبکہ اس نے ان کے حرام ہونے کی کوئی تصریح نہیں فرمائی یہ گناہ در گناہ ہے۔ شیطان کا یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگوں سے شرک کرواتا ہے اور پھر اپنے ماننے والوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ مجھے اس مقام میں وہ سب چیزیں دکھائی گئیں جن کی تم کو خبر دی گئی ہے میں نے یہاں جنت کو دیکھا اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میں نے دوزخ میں عمر بن لحی کو دیکھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے "سائبہ" جانوروں کا طریقہ جاری کیا۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۲۹۶)

عمرو بن لحی نے سوائب کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ اور عرب کے لوگ اسی کی راہ کو اختیار کئے ہوئے تھے اور اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے۔ آیت کریمہ میں اسکی تردید فرمائی اور یہ بھی فرمایا وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ کہ ان میں سے اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔

كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

کیا باپ دادوں کے پیچھے چلیں گے اگرچہ ان کے باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں

اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے وہ ہمیں کافی ہے

تفسیر: اہل جاہلیت نے جو شرک اور کفر کے کام اختیار کر رکھے تھے اور جو تحلیل و تحریم کے احکام جاری کر رکھے تھے ان کے بارے میں ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند نہ تھی۔ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ کام تم کیوں کرتے ہو تو یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور ہمیں اور کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ انہیں دعوت حق دیتا تھا تو وہ اسکی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے تھے اور یہ جاہلانہ جواب دیدیتے کہ ہمیں باپ دادوں کا اقتداء کافی ہے اللہ جل شانہ نے ان کی جاہلیت کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَاؤُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ (کیا اپنے باپ دادوں کے طریقہ پر رہیں گے اگرچہ باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور راہ ہدایت پر نہ ہوں) معلوم ہوا کہ جو باپ دادے ہدایت پر ہوں ان کے راستہ پر چلنا درست ہے۔

اسی کو سورہ انعام میں فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ جاہل و کافر اور مشرک آباؤ اجداد و اسلاف کا اقتداء درست نہیں وہ خود بھی برباد ہیں اور جو اُن کا اتباع اور اقتداء کرے گا وہ بھی برباد ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کے نزدیک حق کا معیار "مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ" (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب) اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم ہے۔ جو لوگ ان دونوں کا اتباع کرتے ہیں وہ لوگ قابل اتباع ہیں اور جو لوگ کتاب اللہ اور طریقۂ رسول اللہ ﷺ کے خلاف چلتے ہیں ان کے اتباع میں سراپا بربادی اور ہلاکت ہے مدعیان اسلام میں بہت سی بدعتیں اور شرکیہ رسمیں جاری ہیں اور جو لوگ ان میں لگے ہوئے ہیں ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جاتی ہے تو آباؤ اجداد کے اتباع کا سہارا لیتے ہیں۔ اور مزید گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بدعتوں اور شرکیہ رسموں کا ایسا چسکا لگا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف آنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ

اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو جو شخص گمراہ ہو گا وہ تمہیں ضرر نہ دیگا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے، بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر

جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جانا ہے پھر وہ تم کو ان سب کاموں سے باخبر کر دیگا جو تم کیا کرتے تھے

اپنے نفسوں کی اصلاح کرو

تفسیر: اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کی فکر کریں اعمال صالحہ میں لگے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ اگر خود ہدایت پر رہوں گے تو دوسرا کوئی شخص جو گمراہ ہو گا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

الفاظ کے عموم سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وہم کو دور فرما دیا اور فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ پڑھتے ہو (اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو کہ نہی عن المنکر ضروری نہیں تمہارا یہ سمجھنا صحیح نہیں) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس کی تغیر نہ کریں (یعنی اُسے دُور نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۹ از مسند احمد)

مفسر ابن کثیرؒ نے بحوالہ عبد الرزاق نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آیہ شریفہ عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ وہ زمانہ نہیں ہے (جس میں اپنی ذات کو لیکر بیٹھ جاؤ اور نہی عن المنکر نہ کرو) آج تو بات مانی جاتی ہے۔ (یعنی تبلیغ کا اثر لیا جاتا ہے) ہاں عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے تو تمہارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا جائے گا۔ یا یوں فرمایا کہ اس وقت تمہاری بات قبول نہ کی جائے گی۔ اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع ہو گا۔

سُنن ترمذی میں ابو امیہ شعبانی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا اس آیت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ یہاں تک جب تم دیکھو کہ کنجوسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور ہر رائے والا اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے تو اس وقت اپنی جان کی حفاظت کر لینا اور عوام کو چھوڑ دینا۔ کیونکہ تمہارے پیچھے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں دین پر جمنے والا ایسا ہو گا جیسے اس نے ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑ لئے ہوں۔ ان دنوں میں عمل کرنے والے کو ایسے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا جو تمہارا جیسا عمل کرے۔ (قال الترمذی ہٰذا حدیث حسنؒ)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ ہر شخص ابھی سے اپنی اپنی جان کو لیکر بیٹھ جائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ اپنی جان کو صلاح واصلاح کے ساتھ لے کر بیٹھنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ دینے کا وقت اس وقت آئیگا جب کوئی کسی کی نہ سنے گا۔ اور جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دیگا اسکو لوگوں کی طرف

سے ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ میں چنگاری لے لے۔ البتہ اپنے اعمال ذاتیہ اور اپنی اصلاح کی خبر رکھنا ہمیشہ اور ہر حال میں ضروری ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جبکہ وصیت کا وقت ہو تو دو وصی ہوں جو دیندار ہوں

مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ

تم میں سے ہوں یا تمہارے علاوہ دوسری قوم سے ہوں اگر تم سفر میں گئے ہوئے ہو پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے

تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ

اگر تمہیں شک ہو تو اُن دونوں کو نماز کے بعد روک لو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی قیمت نہیں لیتے اگرچہ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ

قرابت دار ہو۔ اور ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپاتے بلاشبہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم گناہگاروں میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر اگر اسکی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ

اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ

کے مرتکب ہو گئے تو اُن کی جگہ ایسے دو آدمی کھڑے ہوں جو اُن لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں پہلے دو شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ یہ بعد والے دو شخص وہ ہوں جو قریب تر ہوں سو یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں

لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ

کہ واقعی ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی کے مقابلہ میں زیادہ درست ہے۔ اور ہم نے تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہونگے۔ یہ قریب تر ہے کہ

يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

وہ گواہی کو صحیح طریقے پر ادا کریں۔ یا اس بات سے ڈر جائیں کہ اُن کی قسموں کے بعد اُن پر پھر قسمیں لوٹا دی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو

وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور سُنو اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا

حالت سفر میں اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا

تفسیر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص جو قبیلہ بنی سہم میں سے تھا اسکو موت نے آ گھیرا اسوقت وہاں کوئی مسلمان نہیں تھا لہٰذا اس نے اپنے دونوں ساتھیوں یعنی تمیم داری اور عدی بن بداء کو اپنے مال کی حفاظت اور ورثاء تک پہنچانے کے لئے وصی بنا دیا (اس وقت یہ دونوں ساتھی نصرانی تھے) اس نے اپنے مال کی فہرست بنا

کر سامان میں رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ میرا یہ مال میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ ان دونوں نے مال تو پہنچا دیا لیکن میت کے وارثوں نے جب فہرست سے سامان کا میلان کیا تو اس میں ایک چاندی کا جام غائب پایا اس جام پر زر سونے کا کام بھی تھا' انہوں نے اس جام کا تقاضا کیا اور معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے تمیم اور عدی کو قسم دلائی ان دونوں نے قسم کھالی کہ اس جام کا نہ ہمیں پتہ ہے اور نہ ہم نے چھپایا ہے اس کے بعد وہ جام مکہ معظمہ میں کسی تاجر کے پاس مل گیا' تاجر سے پوچھا گیا کہ یہ جام تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تاجر نے بتایا کہ ہم نے تو تمیم اور عدی سے خریدا ہے' اس کے بعد قبیلہ بنی سہم والے آدمی کے دو اولیاء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کی بنسبت درست ہے۔ اور یہ جام ہمارے آدمی کا ہے۔ آیت بالا ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ المائدہ)

بعض روایات میں یوں ہے کہ تمیم داری نے خود بیان کیا کہ وہ جام ہم دونوں نے ایک ہزار درہم میں بیچ دیا تھا۔ پھر ہم نے دونوں (تمیم اور عدی) نے رقم تقسیم کر لی۔ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو مجھے گناہگاری کا احساس ہوا' لہٰذا میں مرنے والے کے گھر والوں کے پاس گیا اور پوری صورت حال بیان کی اور پانچ سو درہم ان کو ادا کر دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ پانچ سو درہم میرے ساتھی (عدی) کے پاس ہیں۔ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شخص کو بھی ساتھ لائے جو تمیم داری کے ساتھ تھا (یعنی عدی بن بداء) رسول اللہ ﷺ نے مرنے والے کے ورثاء سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہ تھے لہٰذا آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص سے قسم لے لو۔ اس سے قسم لی گئی تو قسم کھا گیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (دُرِّ منثور ص ۳۴۱ ج ۲)

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سفر میں ہو اور اس کو موت کے آثار دکھائی دینے لگیں تو وہ دو آدمیوں کو وصی بنا دے یہ دونوں مسلمان دیانت دار ہونے چاہئیں۔ اگر مسلمان نہ ملیں تو دوسری قوم میں سے دو آدمیوں کو وصی بنا دے اور یہ دونوں جب واپس آئیں تو مرنے والے کے وارثوں کو اُس کا مال پہنچا دیں۔ اگر میت کے وارثوں کو شک ہو کہ ان دونوں نے کچھ مال چھپا لیا ہے تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لیں تاکہ وہ قسم کھالیں۔ قسم دلائی جائے کہ ہمارے پاس اور کوئی مال نہیں ہے۔ نماز کے بعد روک کر قسم کھلانا تغلیظ یمین (یعنی قسم میں مضبوطی اور تاکید کے لئے ہے نماز کے بعد روکنا کوئی واجب نہیں)

یہ لوگ اپنی قسم میں کہیں کہ ہمیں اپنی قسم کے ذریعے کوئی دنیاوی نفع مطلوب نہیں اگر ہماری قسم سے کسی قریبی رشتہ دار کو دنیاوی نفع پہنچ سکتا ہو تب بھی جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہم گناہگاروں میں ہوں گے' پھر اگر بعد میں یہ پتہ چل جائے کہ مرنے والے کا مال اور بھی تھا جو وارثوں تک نہیں پہنچا تو وارثوں میں سے دو شخص اس بات پر قسم کھائیں کہ ہمارا مال ابھی باقی ہے وہ مال ہمیں ملنا چاہئے اور یہ بیان دیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی بہ نسبت صحیح ہے۔ ہم

نے اپنے بیان میں کوئی زیادتی نہیں کی اگر ہم زیادتی کریں گے اور حد سے آگے نکلیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے، یہ دو شخص جو مرنے والے کے اولیاء میں ہوں میت سے رشتہ کے اعتبار سے قریب تر ہوں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر ان سے سوال فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ بلاشبہ آپ غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ

جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ بن مریم یاد کر میری نعمت جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر، جب کہ میں نے روح القدس کے ذریعہ تیری تائید کی

الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

تو بات کرتا تھا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں، اور جبکہ میں نے تجھے تعلیم دی کتاب کی اور حکمت کی اور توریت کی

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــــَٔــةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ

اور انجیل کی، اور جبکہ تو بناتا تھا مٹی سے پرندہ جیسی صورت میرے حکم سے پھر تو اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ صورت پرندہ بن جاتی تھی میرے حکم سے

وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

اور تو اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو میرے حکم سے، اور جبکہ تو نکالتا تھا مُردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو

عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

تجھ سے روکے رکھا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لے کر آیا اُن لوگوں نے کہا جو کافر تھے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو

قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال

تفسیر: ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن اپنے رسولوں سے سوال فرمائے گا۔ (جنہیں مختلف امتوں کی طرف دنیا میں مبعوث فرمایا تھا) کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ حضرات جواب میں عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں بے شک آپ غیبوں کے خوب جاننے والے ہیں بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ لہٰذا ان کا یہ جواب دینا کہ ''ہمیں کچھ خبر نہیں'' کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس کے کئی جواب ہیں جن کو مفسرین کرام نے اکابر سلف سے نقل کیا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن بالکل ابتداء میں ہوگا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ یوں کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۵۵ یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے

پھراس پر ایک اشکال کیا اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے بظاہر یہ جواب ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لَا عِلْمَ لَنَا سے علم تحقیقی اور واقعی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ علم تھا وہ ظاہری تھا اور وہ درجہ گمان میں تھا ہم اسے حقیقی علم نہیں سمجھتے باطن میں کسی کا کیا عقیدہ تھا اور کیا نیت تھی اس کا ہمیں کچھ علم نہیں حقائق کا آپ ہی کو علم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب' اور نعمتوں کی یاد دہانی' اور ان کے معجزات کا تذکرہ

اس کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ تم اور تمہاری والدہ کو جو میں نے نعمتیں دیں انہیں یاد کرو۔ جو نعمتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ان کی والدہ پر یہ انعام فرمایا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو غیب سے ان کے پاس پھل آتے تھے (۲) انکو پاک دامن رکھا (۳) انکو بغیر باپ کے فرزند عطا فرمایا۔ (۴) اس فرزند نے گہوارہ میں ہوتے ہوئے بات کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اوّل تو یہ نعمت فرمائی کہ انہیں حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا فرمایا جو اللہ کی برگزیدہ بندی تھیں۔ اور بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو گود کی حالت میں بولنے کی قوت عطا فرمائی نیز نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو توریت وانجیل کا بھی علم فرمایا بنی اسرائیل آپ کے دشمن تھے اس لیئے حضرت روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی اور آپکو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ مٹی کے گارے سے پرندہ کی شکل کی ایک چیز بنا لیتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مار دیتے تو وہ مٹی کی بنائی ہوئی تصویر سچ مچ کا پرندہ ہو کر اُڑ جاتی تھی۔

اور ایک معجزہ یہ تھا کہ جو مادر زاد اندھے ہوتے تھے یا جو برص کے مریض ہوتے تھے اُن پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ برص و مرض کا اثر چلا جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ تھا کہ قبروں پر جا کر مُردہ کو آواز دیتے تو مُردے زندہ ہو کر نکل آتے تھے اور نابینا بینا ہو جاتا تھا اور ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ جو گھروں میں کھاتے پیتے تھے یا ذخیرہ کر دیتے تھے آپ اس سے بھی باخبر کر دیتے تھے آپ بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دیتے۔ اور مذکورہ بالا معجزات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ باوجود ان معجزات کے بنی اسرائیل آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنا لیا۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھا۔ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی عادت تھی کہ وہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو دیکھ کر جادو کہہ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُمتی بھی پیش آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزات کو صریح اور کھلا جادو بتادیا بنی اسرائیل نے معجزات کو نہ مانا اور آپ کی تکذیب کی اور چند افراد نے آپ کے دین کو قبول کیا جن کو حواری کہا جاتا تھا حواریوں کا ذکر اور ان کا مائدہ کا سوال ابھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہے) جنہیں نہ ماننا تھا انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور کچھ اتنے آگے بڑھے کہ آپ کو اللہ کا بیٹا بتادیا اور معبود بنالیا حالانکہ آپ نے خوب واضح طور پر فرمادیا تھا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے) جگہ جگہ قرآن مجید میں نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر اور لائق فکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ جل شانہٗ نے ''بِاِذْنِیْ'' فرمایا ہے اس سے یہ بتادیا کہ مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا اور پھر پھونک مارنے سے اس کا اصلی پرندہ بن کر اڑ جانا اور نابینا اور برص والے کا اچھا ہو جانا اور قبروں سے مُردوں کا نکلنا یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔

کوئی شخص ظاہر کو دیکھ کر مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ نہ بنالے کہ یہ پرندہ کا بنانا' اُڑانا' نابینا کا اچھا ہونا' مُردہ کا زندہ ہونا بندہ کا حقیقی تصرف ہے۔ خالق اور قادر اور مصور اور شافی اور مُحی (زندہ کرنیوالا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کی نبوت کی دلیل کے طور پر خلاف عادت جو چیزیں ظاہر فرمائیں حقیقت میں ان کے وجود کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اگر وہ نہ چاہتا تو کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

اور جب میں نے وحی کے ذریعے حواریین کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ بلاشبہ ہم

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ

فرماں بردار ہیں۔ اور جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے

عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ

کہ ہمارے اوپر آسمان سے خوان نازل فرمادے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں

مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ

اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اس بات کو جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔

عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا

عیسیٰ بن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ! جو ہمارا رب ہے ہم پر آسمان سے خوان نازل فرمادے جو ہمارے موجودہ لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشانی

وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ

ہو جائے اور آپ ہمیں عطا فرمائیے! اور آپ تمام عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بے شک تم پر خوان نازل کرنے والا ہوں۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

سو تم سے جو شخص اس کے بعد ناشکری کریگا تو بیشک میں اسکو ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا

حواریوں کا سوال کرنا کہ مائدہ نازل ہو

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے ایک آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے بذریعہ وحی عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ اللہ پاک پر ایمان لائیں اور اس کے رسول پر۔ اُن لوگوں نے کہا ہم ایمان لائے اور آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ ہو جائیں لفظ ''اَوْحَیْتُ'' سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وحی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر آتی تھی پھر حواریوں پر کیسے وحی آئی جو نبی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحی کا اصل معنی ہے دل میں ڈال دینا جیسا کہ شہد کی مکھی کے لئے بھی لفظ ''اَوْحٰی'' وارد ہوا ہے۔ اَوْحَیْتُ کا معنی اگر یہ لیا جائے تو بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ایمان قبول کریں ایمان پر جمے رہیں تو یہ درست ہے اس بات میں کوئی استبعاد نہیں۔ اور ''اَوْحَیْتُ'' کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پیغام بھیجا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اس کے بعد چار آیات میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں کا ''مائدہ'' یعنی خوان اُترنے کا سوال کرنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان کو جواب دینا اور پھر اللہ جل شانہٗ سے مائدہ کا سوال کرنا مذکور ہے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جو معجزے دکھاتے تھے (جن کا ذکر عنقریب ہی گذرا ہے) وہ معجزے ایک سمجھدار آدمی کے لئے کافی تھے لیکن حواریوں نے مزید سوال کئے اور سوال بھی عجیب کیا اور وہ یہ کہ آسمان سے خوان نازل ہو جائے جس میں پکا پکایا کھانا ہو طرز سوال بھی مناسب نہ تھا۔ انہوں نے یوں نہیں کہا کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ مائدہ نازل فرما دے بلکہ یوں کہا کہ کیا تمہارا رب یوں کر سکتا ہے کہ آسمان سے خوان نازل فرما دے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا سوال اور طرز سوال ناگوار ہوا اور فرمایا کہ کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔ ''هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ'' کہنے سے ان کا مقصد اللہ کی قدرت میں شک کرنا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ اگر سوال کریں تو آپ کا یہ سوال پورا فرما دے گا یا نہیں لیکن ان کے الفاظ نامناسب تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مؤاخذہ میں شدت نہیں فرمائی۔ بلکہ ''اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' فرما کر ناگواری کی طرف اشارہ فرما دیا اور اس میں یہ بھی بتا دیا کہ اپنی طرف سے معجزات کی فرمائشیں کرنا مومنین کا کام نہیں بعض سابقہ امتوں نے ایسی فرمائشیں کیں پھر ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزہ ظاہر ہوا تب بھی ایمان نہ لائے قوم ثمود نے سوال کیا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے اونٹنی پہاڑ سے نمودار ہوگئی تب بھی اسلام قبول نہ کیا بالآخر عذاب میں گرفتار ہوئے اور برباد ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو یہ مقصد ہے کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عین الیقین کے طریقہ پر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے فرمایا وہ سب سچ ہے اور یہ اطمینان قلبی حاصل ہونے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے "رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" کی دعا کر کے "لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ" کہا تھا۔

حواریین نے یہ بھی کہا کہ اس مائدہ کے نازل ہونے کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہوگا ہم ان کے لئے گواہی دینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مائدہ کے لئے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا

الحاصل حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک کے حضور میں آسمان سے مائدہ اتارے جانے کی درخواست پیش کر دی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آسمان سے مائدہ نازل فرما دیجئے جو ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے عید ہو اور ہمارے بعد والے لوگوں کے لئے بھی۔

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم پر دستر خوان اتارنے والا ہوں اس کے اُتر جانے کے بعد تم میں سے جو شخص ناشکری کرے گا اس کو وہ عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق یہی بتاتا ہے کہ مائدہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی مائدہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر دُرِّ منثور ج ۲ ص ۳۴۸ میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان سے مائدہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا ان کو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہٰذا وہ بندروں اور سوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیئے گئے (حدیث مرفوع لکن قال الترمذی الوقف اصح)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بُری چیز ہے اس کا بڑا وبال ہے ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جن کا ذکر جگہ جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

سورۂ ابراہیم میں فرمایا "لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ" (اور جب تیرے رب نے اعلان فرما دیا کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے) قوم سبا کی بربادی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا "ذٰلِکَ جَزَیْنٰاھُمْ بِمَا کَفَرُوْا وَھَلْ نُجَازِیْٓ اِلَّا الْکَفُوْرَ" (کہ ہم نے ان کو بدلہ دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے ناشکری کی اور ناشکری کرنے والوں ہی کو بدلہ دیا کرتے ہیں)

سورۂ نحل میں ایک بستی کا ذکر فرمایا جسے خوب زیادہ نعمتیں مل رہی تھیں۔ وَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ

گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی: جن لوگوں نے نزول مائدہ کی فرمائش کی تھی ان لوگوں نے بھی نافرمانی کی یعنی باوجود ممانعت کے کل کے لئے اُٹھا کر رکھ دیا۔ اور نافرمانی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ان لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایسی حرکت کر چکے تھے ان سے فرمایا تھا کہ من وسلویٰ جو نازل ہوتا ہے اسکو بعد کے لئے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا لہٰذا وہ گوشت سڑ گیا اور ہلاک ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے گوشت کے سڑنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ لولا بنو اسرائیل لم یخبث الطعام ولم یخنز اللحم ولولا حواء لم تخن انثیٰ زوجها الدهر. (رواہ مسلم ج ۱ ص ۴۷۵)

یعنی اگر بنو اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا خراب نہ ہوتا اور گوشت نہ سڑتا۔ اور اگر حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔

بنی اسرائیل سے گوشت سڑنے کی ابتداء ہوئی اور حضرت حواء سے شوہر کی خیانت کی ابتداء ہوئی شُراح حدیث نے لکھا ہے کہ ان کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی شوہر حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ

اور جب اللہ کا فرمانا ہوگا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ

وہ عرض کریں گے میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ میرے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ آپ کو معلوم ہوتا۔

مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ

آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے۔ بے شک آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے ان سے سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھے حکم فرمایا

بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ

کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور میں ان کے بارے میں باخبر تھا جب تک میں ان میں موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اُٹھا لیا

كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ

تو آپ ہی ان کے نگراں تھے۔ اور آپ ہر چیز پر مطلع ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بے شک وہ

عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ

آپ کے بندے ہیں۔ اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

ان کی سچائی نفع دے گی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا

وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور اللہ کے لئے ہے مُلک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے اور وہ ہر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۰﴾

چیز پر قادر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہٗ کا دوسرا خطاب

تفسیر: قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ جل شانہٗ کا سوال ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہے کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ یہ سوال قیامت کے دن اس وقت ہوگا جبکہ میدان قیامت میں اوّلین و آخرین سب جمع ہوں گے۔

نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں ان کے سامنے سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اپنے کو اور اپنی والدہ کو معبود بنانے کی دعوت دی تھی اور تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ وہ برملا سب کے سامنے جواب دیں گے کہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ آپ ہر طرح کے شریک سے منزہ ہیں میرے لئے یہ شایانِ شان نہیں کہ میں شرک کی دعوت دوں اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا چونکہ آپ کے علم میں نہیں لہٰذا میں نے کہا بھی نہیں۔ میرے نفس میں جو کچھ ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ اور میں آپ کی تمام معلومات کو نہیں جانتا۔ آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ میں نے وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھ کو حکم فرمایا۔ اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو۔ میرا اور تمہارا رب وہی ہے۔ میں نے ان کو شرک کی دعوت نہیں دی توحید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اور شرک کی گمراہی میں کیسے پڑے۔ اور عقیدہ تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) ان میں کیسے آیا اس کا آپ ہی کو علم ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوال جواب ان لوگوں کے سامنے ہوگا جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں اس سوال و جواب سے واضح طور پر ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے عقیدۂ تثلیث کا باطل ہونا ظاہر فرمادیں گے اور اتمام حجت کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ ہی معلوم ہے۔ لیکن نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش کے لئے اور اتمام حجت کے واسطے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں یہ بھی عرض کریں گے کہ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ (اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں) وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو آپ عزیز و حکیم ہیں) مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ عدل و حکمت پر مبنی ہے یہ آپ کے بندے ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو آپ کو اس کا بھی اختیار ہے۔ اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو یہ بھی حکمت کے موافق ہوگا۔ آپ عزیز ہیں غالب ہیں جسے عذاب دینا چاہیں وہ کہیں بچ کر نہیں جا سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عرض کرنا اللہ کی قدرت اور عزت و حکمت اور شان غفاریت بیان کرنے کے لئے ہوگا۔

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مشرکین کی مغفرت بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ میں بالتصریح صاف اور واضح طور پر بیان فرمادیا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی۔

گمراہوں کی تردید: بعض گمراہ لوگ ایسے نکلے ہیں جو لفظ "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ" سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ اور یہ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ آیت قرآنیہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے اور بیسیوں حدیثوں کے منکر ہیں۔ جس میں سیدنا عیسیٰ کا قیامت سے پہلے آسمانوں سے اُترنا اور اس دُنیا میں رہنا اور طبعی وفات پانا مذکور ہے اوّل تو لفظ توفی ضروری نہیں کہ موت ہی کے لئے استعمال ہو۔ قرآن مجید میں نیند کے لئے استعمال ہوا ہے۔

سورۂ انعام میں ہے وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور سورۂ زُمر میں ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا

ان دونوں آیتوں میں توفی کو منام یعنی نیند کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ درحقیقت توفی کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ یہ مفہوم زندہ اُٹھا لینے اور سُلا دینے اور موت دیدینے تینوں کو شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیامت کے میدان میں ہو رہی ہے اور اس وقت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر زمین میں رہ کر طبعی موت پا کر دنیا سے رُخصت ہو چکے ہوں گے۔ لہٰذا "تَوَفَّيْتَنِيْ" کو موت کے معنی میں لیا جائے تب بھی ان

ملحدوں کا استدلال صحیح نہیں۔ جو اپنے تراشیدہ عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم تجویز کرتے ہیں پھر فرمایا۔

قیامت کے دن سچائی نفع دے گی: "قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی جو حضرات صادق فی الایمان، صادق فی الاعمال، صادق فی الاخبار تھے جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور اُن میں سے ہر ایک کی اُمتِ اجابت ہوگی۔ ان کا سچ ان کو نفع دیگا۔ جس کی وجہ سے وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ "لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا" (ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگے ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے) رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (یہ بڑی کامیابی ہے) خالق مالک بھی راضی اور ہمیشہ ہمیش باغوں میں رہنا اور ان نعمتوں کیوجہ سے دل سے خوش اور مست اور مگن ہوں گے۔

واقعی اس سے بڑی کیا کامیابی ہوگی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور خیر تمام تر آپ ہی کے قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیوں کر راضی نہ ہوں۔ حالانکہ آپ نے ہمیں وہ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کیا میں تمہیں اس سب سے افضل چیز عطا نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے۔ اے رب! اس سے افضل کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضا مندی نازل کرتا ہوں۔ سو اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا (رواہ البخاری ص ۱۱۲۱ ج ۲)

فائدہ: آیت بالا میں صدق یعنی سچائی کی تعریف فرمائی۔ درحقیقت سچائی بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر نجات اور رفع درجات کا مدار ہے۔

ایمان میں سچائی نہ ہو تو منافقت ہوتی ہے۔ اعمال میں سچائی نہ ہو تو ریاکاری آجاتی ہے اور اقوال میں سچائی نہ ہو تو جھوٹ صادر ہوتا رہتا ہے۔ مومن کو ہر حال اور ہر قال میں سچائی اختیار کرنا لازمی ہے۔ اللہ سے جو وعدے ہیں وہ بھی پورے کئے جائیں۔

ایسے حضرات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۳) (کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا۔ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا) مخلوق سے جو وعدہ ہو اور جو وعدہ ہو اسکو بھی پورا کیا جائے، ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم میرے لئے اپنی طرف سے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ۔ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں۔

(۱) سچ بولو جب بات کرو (۲) پورا کرو جب وعدہ کرو (۳) ادائیگی کرو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی نظروں کو پست رکھو (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم و زیادتی کرنے سے) روکے رکھو (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۱۵ از احمد و بیہقی فی شعب الایمان)

تاجروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین و الشھداء (سچائی اختیار کرنے والا امانتدار تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۴۳ از ترمذی و دارمی و دار قطنی)

آخر میں فرمایا لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ ہی کے لئے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے اندر ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت میں پوری سورۃ کے مضامین کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے چونکہ ساری مخلوق اللہ ہی کی ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس لئے اسی کو اختیار ہے، جس کو چاہے جو حکم دے۔ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے جس چیز کو چاہے حرام قرار دے اور مجرموں کے لئے دنیا و آخرت میں جو سزا چاہے تجویز فرمائے، جس کو چاہے بخش دے جس کو چاہے سزا دے اسکو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ٥

تم تفسیر سورۃ المائدۃ الحمد للہ اوّلاً و اٰخراً ظاهراً و باطناً

سُورَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ انعام مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو پینسٹھ آیات اور بیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں کو اور روشنیوں کو پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ

کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا کیچڑ سے پھر اجل مقرر فرمائی اور اُس کے پاس ایک اجل

مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

مقرر ہے پھر تم شک کرتے اور وہ اللہ ہے آسمانوں اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہارے باطنی حالات کو اور ظاہر حالات کو

وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا

اور وہ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ اور جب اُن کے رب کی نشانیوں میں سے انکے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو اس سے

عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ

اعراض کرتے ہیں۔ سو بلاشبہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب اُنکے پاس آیا۔ سو عنقریب آجائیں گے اُنکے پاس اس چیز کی خبریں جس کا

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾

مذاق بنایا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی

تفسیر: یہاں سے سورۂ انعام شروع ہے یہ سورت مکی ہے البتہ بعض مفسرین نے تین چار آیات کو مستثنیٰ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ مدنی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا کہ اس سورت کو اتنے فرشتوں نے رخصت کیا جنہوں نے اُفق یعنی آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر ہزار فرشتوں نے اسکو رخصت کیا۔ (من روح المعانی ج ۷ ص ۷۶)

اس سورت میں انعام یعنی چوپاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں اسلئے سورۃ الانعام کے نام سے موسوم ہے۔ اس سورت میں احکام کم ہیں۔ زیادہ تر توحید کے اصول اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی طرح اسکی ابتداء بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ ہر تعریف کا مستحق ہے اس کو کسی حمد اور تعریف کی حاجت نہیں۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات وصفات کاملہ کے اعتبار سے محمود ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی۔

اور فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ اس کی وہ عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ آسمان وزمین سب کی نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے اُن کی تخلیق فرمائی ظاہر ہے کہ وہ مستحق حمد وثنا ہے۔

پھر فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ کہ اُس نے تاریکیوں کو بنایا اور نُور کو بنایا۔ روشنی اور اندھیریاں بھی آسمان وزمین کی طرح نظروں کے سامنے ہیں ان میں بھی انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روشنی ہے اور کبھی اندھیرا۔ یہ انقلاب اور الٹ پھیر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آئیں۔ ان کو وجود دینے والی کوئی ذات ہے اس بات کے ماننے کے لیے کسی خاص غور وفکر کی ضرورت نہیں سب پر عیاں ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے ساتھ خلقَ اور ظلمات اور نور کے ساتھ لفظ جَعَلَ لانے کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بتایا ہے کہ آسمان وزمین اجسام واجرام ہیں اپنے وجود میں کسی دوسری مخلوق کے محتاج نہیں اور اندھیرا اور اُجالا عوارض ہیں قائم بالذات نہیں ہیں ان کو محل ومکان یعنی جگہ کی ضرورت ہے' جو لوگ آسمانوں کے وجود کو نہیں مانتے ان کے وجود میں متردّد ہیں۔ اس آیت شریفہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی۔

اور جو لوگ دو خدا مانتے ہیں یعنی یزداں اور اَھرمن (اور یزداں کو خالق خیر اور اَھرمن کو خلق شر بتاتے ہیں پھر ان دونوں کو نور اور ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں) آیت شریفہ سے ان کی بھی تردید ہوگئی اس کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں) یعنی خالق جل مجدہٗ جس نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا فرمایا اس کے لیے شرکاء تجویز کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں جو بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے۔ پھر فرمایا هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ (اللہ ہی ہے جس نے تم کو کیچڑ سے پیدا فرمایا) انسان کی ابتدائی تخلیق چونکہ مٹی سے ہے اسلئے سبھی کی اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا ہوئے اور اُن کی نسل اپنے باپ کے توسط سے مٹی سے پیدا ہوئی قرآن مجید میں خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ بھی فرمایا (سورۃ مومن) تم یعنی تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ بھی فرمایا (سورۂ انعام) یعنی تم کو کیچڑ سے پیدا کیا اور اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ بھی فرمایا (سورۂ صافات) یعنی ہم نے اُن کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ اور خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ بھی فرمایا

(سورۂ رحمٰن) اس نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکری جیسی تھی اور یہ بھی فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے۔ سورۂ حجر)

بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو زمین کے مختلف حصّوں سے مٹی جمع فرمائی۔ اس مٹی میں پانی ڈال دیا گیا تو طین (کیچڑ) ہو گئی۔ پھر وہ کیچڑ پڑی رہی تو سڑ گئی پھر اس سے آدم علیہ السلام کا پُتلا بنایا گیا۔ وہ پُتلا سوکھ گیا تو بجنے والی مٹی ہو گئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ چونکہ یہ مختلف ادوار اس مٹی پر گذرے اس لیے انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے کبھی تُرَابٍ کبھی طِیْنٍ کبھی صَلْصَالٍ اور کبھی حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فرمایا۔

تخلیق انسانی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا (پھر اَجل مُقرّر فرما دی) اس سے موت کا وقت مراد ہے جو ہر فرد کے لیے مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ منافقون میں فرمایا وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا (اور اللہ تعالیٰ ہرگز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جبکہ اس کی اَجل مقرر آ جائے)

اس کے بعد فرمایا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ (اور ایک اَجل اس کے پاس مقرر ہے) اس سے قیامت کے دن صور پھونکے جانے اور قبروں سے اُٹھنے کی اَجل مراد ہے۔ فرد کی اَجل جو مقرر ہے وہ اسکی موت کے وقت پوری ہو جاتی ہے اور ساری دنیا کی جو اجل مقرر ہے وہ قیامت کے دن پوری ہو جائیگی۔ پہلی اجل کا علم فرشتوں کو ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں روح قبض کرنا ہوتا ہے اور دوسری اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے علم کے مطابق جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا تو اچانک آ جائیگی۔

پھر فرمایا ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ (پھر تم شک کرتے ہو) پہلی آیت میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور دوسری آیت میں بعث و نشور یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل بیان فرمائی۔

پھر فرمایا وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ (یعنی وہ اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں معبود ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ معنیٔ وصفی سے متعلق صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور عبادت کے لائق ہے۔

بعض حضرات نے جار مجرور کو المالک اور المتصرف سے بھی متعلق بتایا ہے جو محذوف ہے اور مطلب یہ ہے وَهُوَ الْمَالِكُ وَالْمُتَصَرِّفُ الْمُدَبِّرُ فِيْهِمَا حَسْبَ مَا يَقْتَضِيْهِ مَشِيْئَةُ الْمَبْنِيَّةُ على الحكم البالغة۔ (اور وہی آسمان و زمین کا مالک اور اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق آسمان و زمین میں تصرف کرنے والا ہے) (من روح المعانی ص ۸۹ ج ۷)

اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کا علم ہے: پھر فرمایا يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ کہ جو اقوال و اعمال ہیں اور جو جو نیتیں اور ارادے ہیں جو تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سب کو جانتا ہے۔ تمہارے اعمال کو بھی جانتا ہے خواہ یہ اعمال قلب کے ہوں یا جوارح کے' اس کے بعد تکذیب کرنے والوں کی عادت بیان

فرمائی۔ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ٥ (جو بھی کوئی آیت اللہ کی آیات میں سے اُن کے سامنے آتی ہے تو اس سے اعراض کرتے ہیں) اس آیاتِ قرآنیہ مراد ہو سکتی ہیں۔ اور آیات تکوینیہ بھی مراد لی جاسکتی ہیں۔ یعنی قرآنی آیات کو جھٹلاتے ہیں اور جو آیاتِ تکوینیہ سامنے آتی ہیں جن میں دلائل توحید ہیں ان سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

مکذّبین کے لیے وعید: پھر فرمایا فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس حق آیا تو اس کو جھٹلا دیا' حق کو جھٹلاتے بھی ہیں اور مذاق بھی بناتے ہیں۔ اس مذاق بنانے اور جھٹلانے کا انجام عنقریب حاضر ہو جائیگا اور اپنے اعمال کے نتائج دیکھ لیں گے اور بطور توبیخ اُن سے کہا جائیگا کہ یہ ہے تمہارے اعمال کا نتیجہ کمافی سورۃ الدخان اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (بیشک یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے ہو) و سورۂ یٰسین اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ. (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)

اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا' ان کو ہم نے زمین میں ایسا اقتدار دیا تھا جو تم کو نہیں دیا' اور ہم نے اُن پر زوردار

عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

بارشیں برسائیں اور ہم نے نہریں بنادیں جو اُن کے نیچے جاری تھیں پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔ اور اُن کے بعد ہم نے پیدا کر

قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۞ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ

دیں دوسری اُمتیں' اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کاغذ میں لکھا ہوا کوئی نوشتہ پھر وہ اسکو اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی کافر لوگ یوں کہیں گے

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۞ وَ

کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر صریح جادو ہے' اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ' اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو فیصلہ کر دیا جاتا پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۞ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

اور اگر ہم اُس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑ رہے ہیں' اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے

فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَیْفَ

ساتھ استہزاء کیا گیا۔ پھر جب لوگوں نے استہزاء کیا اُن کو اُس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ چلو زمین میں پھر

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۞

دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا

قرونِ ماضیہ ہالکہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

تفسیر: نزول قرآن کے وقت عرب کے مشرکین اوّلین مخاطب تھے۔ وہ قرآن مجید کی بھی تکذیب کرتے تھے اور رسول ﷺ کے ساتھ بھی بُری طرح پیش آتے تھے ایذائیں بھی دیتے تھے اور مذاق بھی بناتے تھے' پڑھے لکھے تو تھے نہیں جو پُرانی امتوں کے واقعات کتابوں میں پڑھ لیتے اور تالیف وتصنیف کا ایسا دور بھی نہ تھا کہ کتابیں مدوّن ہوتیں لیکن یہ لوگ تجارت کے لیے ملک شام جایا کرتے تھے۔

اس سفر میں مدینہ منورہ کے یہودیوں پر گذر ہوتا تھا۔ شام میں نصاریٰ آباد تھے۔ ان قوموں سے مل کر پرانی امتوں کے واقعات اور قصے سنتے تھے اور خود بھی سابقہ امتوں کی بربادی کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے پہاڑوں سے تراشے ہوئے گھر اُن کے سامنے آتے تھے جو تبوک جاتے ہوئے راستے میں پڑتے تھے۔ کہاں گئے ان گھروں کے بنانے والے اور کہاں گیا انکا کروفر ساری تمکنت اور سارا اقتدار خاک میں مل گیا۔ اصحاب فیل کی بربادی کا واقعہ تو اہل مکہ کے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔ یہ چیزیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلائیں اور فرمایا کہ تم جو ہمارے رسول اور ہماری کتاب کی تکذیب کرتے ہو کیا تمہیں اس سے کچھ بھی عبرت نہیں کہ جن لوگوں نے یہ حرکتیں کیں ان کو ہم نے برباد کر دیا اور جو اقتدار ہم نے اُن کو دیا تھا تمہیں تو وہ بھی حاصل نہیں پھر تم کیسے عذاب سے بچ سکتے ہو؟ ان کی زبردست حکومت بھی تھی اور مالی اعتبار سے بھی ہم نے خوب نوازا تھا۔ ان پر موسلا دھار بارشیں برسائیں ان کے لیے نہریں جاری کیں جو اُن کے باغوں اور کھیتوں میں جاری تھیں یہ لوگ اوپر بیٹھ کر ان سب کا نظارہ کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے نعمتوں کی بے قدری کی۔ بغاوت اور سرکشی پر اُتر آئے کُفر سے باز نہ آئے۔ برابر گناہوں میں رہے لہٰذا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ایک قوم ہلاک ہوئی تو ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں سورۂ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِىْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (ترجمہ) اور جھٹلایا اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے اور یہ لوگ نہیں پہنچے اس کے دسویں حصے کو بھی جو ہم نے اُن کو دے رکھا تھا۔ سو جھٹلایا میرے پیغمبروں کو تو کیسا ہوا میرا عذاب؟

مشرکین کو تنبیہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ تم سے پہلے بہت سی اُمتیں آئیں اور وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے برباد ہوئیں۔ ان کے ایک معاندانہ سوال کا ذکر فرمایا پھر اسکی تردید فرمائی معالم التنزیل ص۸۵ ج۲ میں لکھا ہے کہ نضر بن الحارث' عبداللہ بن اُبی اُمیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا اے محمد! (ﷺ) ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ اللہ کے پاس سے ایسی کتاب نہ لائیں جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں وہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ الخ نازل فرمائی یعنی اگر ہم ان پر کاغذ میں لکھی ہوئی کتاب نازل کر دیں پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں کتاب کو دیکھ کر ہاتھ لگا کر بھی منکر ہی رہیں گے اور یوں کہہ دیں گے کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے یہ جو کہہ رہے ہیں کہ کتاب آجائے اور فرشتے آجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے یہ ضد اور عناد ہے ایمان لانا مقصود نہیں ہے۔

مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا گیا: اس کے بعد مشرکین کے ایک مطالبہ کا تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ (اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ نازل ہوا فرشتہ) مشرکین مکہ یہ بھی مطالبہ کیا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے پاس فرشتہ آتا اور ان کی تصدیق کرتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ (کہ اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو فیصلہ ہو جاتا اور پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طرف سے کوئی معجزہ تجویز کر کے طلب کرتے ہیں اور پھر وہ معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اُس کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کو ڈھیل نہیں دی جاتی اور بغیر مہلت کے عذاب دیا جاتا ہے۔ قال صاحب معالم التنزیل قال قتادة لو انزلنا ملكا ثم لا يومنوا لعجل لهم العذاب ولم يوخروا طرفة عين (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں قتادہؒ فرماتے ہیں اگر ہم فرشتہ اتارتے پھر یہ ایمان نہ لاتے تو فوراً ان پر عذاب آجاتا اور پلک جھپکنے کی دیر بھی انہیں مہلت نہ دی جاتی) اور بعض مفسرین نے لَقُضِيَ الْاَمْرُ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اگر ہم فرشتے بھیج دیتے اور وہ اپنی صورت میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اور اُسے دیکھ کر مر جاتے نقله فی معالم التنزیل عن الضحاک۔

پھر فرمایا وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور ہم ان پر شبہ ڈال دیتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو آدمی ہی کی صورت میں آتا کیونکہ انسانوں کو اتنی طاقت اور تاب نہیں ہے کہ وہ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔ جب اسکی صورت انسانی صورت ہی ہوتی تو یہ لوگ پھر معاندانہ باتیں کرتے اور کہتے کہ ہمیں کیا معلوم یہ فرشتہ ہے' جو باتیں اب کہہ رہے ہیں کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں ہمارے ہی جیسے آدمی ہیں فرشتہ کو انسانی صورت میں دیکھ کر ایسی باتیں کرتے اور یہی کہہ دیتے کہ یہ تو ہمارا جیسا ہے اس میں کون سی خصوصیت ہے جو نبی بنا دیا گیا۔ لہٰذا فرشتہ کے رسول بن کر آنے کی صورت میں بھی لوگوں کو جو شبہ ہو رہا ہے وہ شبہ پھر بھی باقی رہتا' اور حقیقت میں ان لوگوں کے یہ بہانے ہیں کہ ایسا ہوتا تو ہم مان لیتے' یہ حق کے طالب نہیں ہیں اگر حق کے طالب ہوتے تو نبی اکرم ﷺ کے معجزات دیکھ کر جو بشر ہیں اور انہیں میں سے ہیں ایمان لے آتے۔

استہزاء کرنیوالوں کے لئے وعید: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ

بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے استہزاء کیا ان کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے)

اس میں اوّل تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے۔ کہ تکذیب کرنے والے جو کچھ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں مذاق بناتے ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے لہٰذا آپ بھی صبر کریں جیسا اُن حضرات نے صبر کیا پھر انجام یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ایسی حرکتیں کی تھیں وہ ان کے وبال میں مبتلا ہوئے اور استہزاء اور مسخرہ پن کی سزا میں ان کو عذاب نے گھیر لیا۔ ان معاندین و مستہزئین کا بھی ایسا ہی انجام ہونے والا ہے۔ قال صاحب الروح فکانه سبحانه وتعالٰی وعده صلی الله علیه وسلم بعقوبة من استهزأ به علیه السلام ان اصر علی ذلک (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو حضور ﷺ کا مذاق اڑاتا ہے اگر وہ اسی پر اصرار کرتا رہا تو اسے ضرور سزا دی جائے گی۔) ج ۷ ص ۱۰۱

اس کے بعد مکذّبین اور معاندین کو مزید تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿ کہ زمین میں چلو پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔ دنیا میں چلیں پھریں دنیا والوں کے کھنڈروں سے اور ان کی ہلاکت و بربادی کے واقعات سے عبرت حاصل کریں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

آپ فرما دیجئے! کس کی ملکیت ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے۔ فرما دیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کے لئے ہے اس نے اپنے اُوپر رحمت کرنا لازم فرما لیا ہے۔ وہ ضرور تم کو قیامت کے

لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ

دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے اور اُسی کے لئے ہے جو ساکن ہے رات میں اور دن میں اور وہ

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ ؕ

سُننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! کیا میں اللہ کے سوا کسی کو مددگار بنا لوں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور وہ کھلاتا ہے اور اُسے کھلایا نہیں جاتا۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ

آپ فرمائیے! بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہو جاؤں جو فرمانبردار ہوا اور آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیے۔ آپ فرما دیجئے! کہ بے شک! میں

عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾

اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اس دن جس سے عذاب ہٹا دیا گیا سو میرے رب نے اس پر رحم فرمایا اور یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس تکلیف کا دُور کرنے والا اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ حکمت والا ہے باخبر ہے

آسمانوں اور زمین میں سب اللہ ہی کا ہے
وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائیگا

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ آپ ان سے پوچھ لیں کہ بتاؤ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ کس کا ہے؟ یہ سب کس کی مخلوق ہے؟ اور کس کی ملکیت ہے؟ اور ان سب میں کس کا تصرف ہے؟ پھر فرمایا کہ آپ خود ہی جواب دیدیں کہ یہ سب چیزیں اللہ ہی کی ہیں سب اس کے زیر تصرف ہیں جو بھی کوئی ذرا بہت اختیار اور اقتدار رکھتا ہے وہ سب اُسی کا دیا ہوا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اس نے ان سب کو پیدا فرمایا وہ سب پر مہربان بھی ہے۔ اس نے اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ وہ رحمت فرمائے گا۔

مومنین پر تو اسکی رحمت دنیا اور آخرت دونوں میں ہے' اور اہل کفر کے ساتھ بھی دُنیا میں مہربانی کا معاملہ ہے۔ اور اگر وہ بغاوت چھوڑ دیں اور ایمان قبول کرلیں اللہ کے رسولوں علیہم السلام اور اسکی کتابوں کی تکذیب سے باز آجائیں تو آخرت میں بھی ان پر رحم ہوگا۔ سورۂ اعراف میں فرمایا قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ میرا عذاب ہے میں جسے چاہوں پہنچادوں' اور میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے۔ سو میں اپنی رحمت کو لکھ دوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ لکھا جو اُس کے پاس عرش پر ہے اس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سو رحمتیں ہیں اُن میں سے ایک رحمت نازل فرمائی جو جنّ اور انسان اور چوپائے اور زہریلے جانوروں میں بٹی ہوئی ہے اس ایک رحمت کے ذریعہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں اور رحم کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ وحشی جانور تک اپنی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں اللہ نے رکھ لی ہیں جن کے ذریعہ قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری)

پھر فرمایا لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہ لائیں گے) اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی مہربانی سے پیدا فرمایا وہ سب کی پرورش فرماتا ہے وہاں کے حساب و کتاب سے

باخبر فرمایا لیکن جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال لیا فطرت اصلیہ کو کھودیا عقل سلیم سے کام نہیں لیا وہ اپنی جانوں کو ضائع کر چکے۔ اب اُن کو ایمان لانا نہیں کوئی تو اپنے مال کو ضائع کرتا ہے ان لوگوں نے اپنی جانوں کو ضائع کر دیا اور ایمان جیسی پونجی کو ہاتھ نہ لگنے دیا اَلَا ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ

رات اور دن میں جو کچھ سکونت پذیر ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے:

پھر فرمایا وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِ (اور اللہ ہی کے لیے ہے جو ساکن ہے رات اور دن میں) سَکَنَ ٹھہرنے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جو کچھ رات اور دن میں ٹھہرا ہوا ہے وہ اللہ ہی کی مخلوق ہے ساکن غیر متحرک ہونے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی جو چیزیں رات اور دن میں غیر متحرک ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں یہ چیزیں بھی مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں داخل ہیں لیکن پھر بھی الگ سے ان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں ہر وقت مخاطبین کے سامنے ہیں اور خود مخاطبین بھی اس میں شامل ہیں جو کچھ نظر کے سامنے ہو اُس کو دیکھ کر زیادہ بصیرت اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا۔

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ سب اپنے اقوال اور اعمال کی طرف غور کریں کہ رضا کے خلاف تو نہیں چل رہے ہیں۔

آپ یہ اعلان کر دیں کہ میں غیر اللہ کو ولی نہیں بنا سکتا:

پھر فرمایا قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا (الایة) جو لوگ مشرک تھے وہ اپنے شرک کو چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ دعوت توحید چھوڑ دیں اور ہمارے دین میں شامل ہو جائیں، اور یہ بات نئی نہیں تھی آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے ان کی امتوں نے بھی یہی بات کہی تھی۔ (کمافی سورة ابراهیم وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرمادیں کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا ولی بنالوں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کھلایا نہیں جاتا اس میں مشرکین کی بے وقوفی پر تنبیہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہیں انہوں نے تو کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو خود مخلوق ہیں یہ کیسی ناسمجھی کی بات ہے کہ خالق تعالیٰ شانہٗ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کی جائے، تم خود بے وقوفی میں مبتلا ہو مجھے بھی اس کی دعوت دیتے ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ خالق بھی ہے رازق بھی ہے۔

تم بھی اس کا دیا ہوا کھاتے ہو اور اس کے علاوہ جن کی پرستش کرتے ہو ان کی حاجتیں بھی وہی پوری فرماتا ہے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو کیونکر معبود بنایا جاسکتا ہے، وہ کھلاتا ہے اسکو کھلایا نہیں جاتا اسے کھانے کی حاجت نہیں جو لوگ کھاتے ہیں وہ حاجت مند ہیں جو خود حاجت مند ہو اس میں معبود ہونے کی صلاحیت کہاں ہے؟

پھر فرمایا اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (آپ فرمادیجئے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کا سب

سے پہلا فرمانبردار اور دل وجان سے اس کے احکام کو ماننے والا اور تعمیل کرنے والا بن جاؤں میرے رب نے مجھ سے یہ بھی فرمایا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آپ ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیں) لہٰذا میں توحید ہی پر رہوں گا اور شرک اختیار نہیں کرسکتا تم بھی شرک چھوڑ دو اور توحید پر آ جاؤ۔

أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ جو فرمایا یہ اس اعتبار سے ہے کہ آخر الامم کے اوّلین مسلم اور فرمانبردار آپ ہی ہیں نیز شریعت پر عمل کرنے میں بھی آپ اوّل ہیں

قال صاحب الروح لان النبی علیه السلام مامور بما شرعه الاماکان من خصائصه علیه الصلوٰة والسلام وهو امام امته ومقتداهم وینبغی لکل آمران یکون هو العامل اوّلا بما امر به لیکون ادعی الا متثال (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی شریعت کے مامور ہیں مگر وہ امور جو کہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہیں۔ حضور ﷺ اپنی امت کے امام اور مقتداء ہیں اور ہر حکم دینے والے کے شایان شان ہے کہ جن امور کا حکم کیا جائے سب سے پہلے وہ ان کو عملی جامہ پہنائے تا کہ وہ ان پر عمل کی دعوت دے) (ج ۷ ص ۱۱۰)

اس کے بعد فرمایا قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (آپ فرما دیجئے! کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے) بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے اس دن کا عذاب بہت بڑا ہے مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ جس سے اس دن عذاب ٹل گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما دیا وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ اور اس دن عذاب کا ٹل جانا واضح اور کھلی کامیابی ہے۔

ضرر اور خیر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچا سکتا ہے: اس کے بعد فرمایا وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ (الآیۃ) کہ اے مخاطب! اگر اللہ تجھے کوئی ضرر دُکھ یا تکلیف پہنچا دے تو اُسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی دُور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ کوئی خیر (صحت وغناء وغیرہ) پہنچا دے تو اُسے کوئی روکنے والا نہیں (فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ) اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے چھوڑ کر جو غیروں کی عبادت کرتے ہو۔ انہیں تو خیر وشر پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اُٹھا کر جو اللہ کی حمد ثنا بیان کرتے تھے اس میں یہ بھی تھا۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۸۲)

(اے اللہ! جو کچھ آپ عطا فرمائیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ آپ روک لیں اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی مالدار کو اسکی مالداری آپ کے مقابلہ میں نفع نہیں دے سکتی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے! تو اللہ کا دھیان رکھ اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اللہ کا دھیان رکھ تو اُسے اپنے آگے پائے گا۔ اور جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر! اور جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مدد مانگ اور اس کا یقین رکھ کہ اگر ساری امت اس مقصد سے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچا دے تو اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری

اُمت اس مقصد کے لئے جمع ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر پہنچادے تو اس کے سوا کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔ (رواہ الترمذی قبیل ابواب صفۃ الجنۃ۔۱۲)

نفع اور ضرر مقدر ہے اور سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جسے محروم کردے اُسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا اور وہ جسے دکھ تکلیف اور نقصان پہنچائے اسے اس کے علاوہ کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

پھر فرمایا وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور حکمت والا ہے باخبر ہے وہ جسے جس حال میں رکھے اُسے اختیار ہے وہ حکیم ہے سب کچھ اسکی حکمت کے موافق ہے اور وہ خبیر بھی ہے سب کے احوال و اعمال کا اُسے علم ہے جس کے ساتھ جو بھی معاملہ ہے حکمت کے موافق ہے اور علم کے مطابق ہے۔)

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ
آپ فرمادیجئے کہ گواہی کے لئے سب سے بڑھ کر کونسی چیز ہے؟ آپ فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ
بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۚ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۚ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اسے ڈراؤں کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دیتا آپ فرمادیجئے کہ صرف وہی ایک معبود ہے
وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ
اور بلاشبہ میں اُن سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
اپنی جانوں کو ضائع کر دیا سو وہ ایمان نہیں لائیں گے

اللہ کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے

تفسیر: تفسیر لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نحام بن زید، قردم بن کعب اور بحری بن عمرو (مشرکین) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے اے محمد! کیا تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) میں اسی کو لے کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً نازل فرمائی۔ کہ آپ فرمادیجئے کونسی چیز شہادت کے اعتبار سے بڑی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اس سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں اس نے مجھے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور لا الہ الا اللہ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا ہے۔ میں اسکی دعوت پر قائم ہوں اور اسی کا پابند ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو معجزات اور آیات عطا فرمائے تھے ان سے آپ کے رسول برحق ہونے کی

تصدیق ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعثت اور رسول ہونے کی گواہی ہے مزید فرمایا وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (اور میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعہ اُتارا گیا۔ تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعہ ڈراؤں کہ اللہ کی توحید کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو عذاب میں مبتلا ہو گے تمہارے علاوہ اور جس جس کے پاس یہ قرآن پہنچے ان سب کو میں توحید کی دعوت دیتا ہوں) اس میں اس بات کا بھی اعلان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ صرف اپنے زمانہ کے مخالفین ہی کی طرف مبعوث ہی نہیں تھے۔ بلکہ تا قیامت جس جس شخص کو آپ کی بعثت کا علم ہوتا رہے۔ اور قرآن پہنچتا رہے وہ سب آپ کی دعوت کے مخاطب ہیں اور سب پر آپ کی رسالت کا اقرار کرنا فرض ہے۔

سورۂ سبا میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوش خبری سُنانے والا اور ڈرانے والا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

والذی نفس محمد بیده لا یسمع بی احد من هذه الامّة یهودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یومن بالذی ارسلت به الاکان من اصحاب النّار (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی کو میرے نبی ہونے کی خبر پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لیکر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔ وہ یہودی ہو یا نصرانی)

پھر فرمایا اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى (کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟) پھر فرمایا قُلْ لَّآ اَشْهَدُ (آپ فرما دیجئے! میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا) قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ معبود تو صرف ایک ہی ہے اور بلاشبہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں)

یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی: اس کے بعد یہود و نصاریٰ کی ضد اور ہٹ دھرمی بیان فرمائی اور فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اُن کو پہچانتے ہیں کہ وہ واقعی اللہ کے نبی ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) کیونکہ توریت اور انجیل میں آپ کی آمد کی خبر اور بشارت پڑھ چکے ہیں اور جو صفات و علامات آپ کے بارے میں بتائے گئے تھے انہیں دیکھ چکے ہیں۔ پہچاننے کے باوجود منکر ہو رہے ہیں اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ٥ (جن لوگوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق کا انکار کیا اور آپ کی نبوت کو نہ مانا یہ لوگ اپنی جانوں ہی کو تباہ کر بیٹھے یہ ایمان نہ لائیں گے)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٢١ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے اسکی آیتوں کو جھٹلائے بے شک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اور جس دن ہم اُن سب کو

جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ
جمع کریں گے پھر ان لوگوں سے ہم کہیں گے جنہوں نے شرک کیا۔ کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے بارے میں تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ پھر نہ ہوگا ان کا فریب
إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا
اس کے سوا کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ دیکھو کیسا جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا
يَفْتَرُونَ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ
کرتے تھے اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اسکو سمجھیں اور اُن کے کانوں میں
وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ
بھاری پن کردیا ہے۔ اور اگر یہ لوگ ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا
هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ
وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور وہ لوگ اس سے منع کرتے ہیں اور اس سے دور ہوتے ہیں اور وہ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنی ہی جانوں
وَمَا يَشْعُرُونَ ۝
کو اور سمجھتے نہیں ہیں۔

قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور اُن کا مشرک ہونے سے انکار کرنا

تفسیر: مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ شرک بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کے باغی مت بنو۔ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار نہ کرو تو کہہ دیتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جو آیات بیّنات نبیوں کے واسطہ سے ان تک پہنچی تھیں انہیں جھٹلا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اُسکی آیات کو جھٹلائے۔ یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ ہم منہ زوری کر کے جو گمراہی پر جمے ہوئے ہیں اور نبی کی بات کو قبول نہیں کرتے یہ کامیابی کی بات ہے۔ ان کا یہ سمجھنا جہالت اور سفاہت پر مبنی ہے۔

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہ ہوں گے) یہ منہ زوری اور ہٹ دھرمی کام نہ آئے گی۔ آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ظالموں کی ناکامی اور بربادی کا تذکرہ فرما کر آخرت کا ایک منظر بیان فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ (اور

جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ بھی معبود ہیں) یہ سن کر وہ کہیں گے وہ شرک سے منکر ہو جائیں گے اور وہاں بھی فریب کاری سے کام لیں گے۔ ان کا فریب یہی ہوگا کہ وہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (کہ اللہ کی قسم ہم تو شرک کرنے والے نہ تھے) وہاں کا عذاب دیکھیں گے تو جھوٹ بول کر عذاب سے بچنے کی کوشش کریں گے جیسا کہ دنیا میں بعض مرتبہ اپنے افعال و اعمال کا انکار کر کے دنیاوی حاکموں کے سامنے چھٹکارا پا لیتے تھے۔ آخرت کے دن اللہ تعالیٰ قاضی ہوگا وہ علیم وخبیر سمیع بصیر ہے اس کے سامنے جھوٹ نہ چل سکے گا لیکن یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے اپنے قصور کا انکار ہی کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (دیکھو اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولا اور وہ سب کچھ غائب ہوا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے) قیامت کے دن مشرکین کے اقوال مختلف اوقات میں مختلف ہوں گے۔ اوّلاً تو صاف صریح جھوٹ بول دیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے کہ شاید اسی جھوٹ سے کام چل جائے اور عذاب میں داخل ہونے سے چھٹکارا ہو جائے، پھر جب اُن کے خلاف گواہیاں ہوں گی اور خود ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اپنے جرم کا اقرار کرلیں گے۔ (فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ)

مشرکین کا قرآن سے منتفع نہ ہونا اور یوں کہنا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں

اس کے بعد فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ (اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں) وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ (اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے کر دیئے کہ وہ اس کو سمجھیں یعنی یہ پردے انہیں قرآن سمجھنے نہ دیں گے) وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور اُن کے کانوں میں بھاری پن کر دیا) (جس کی وجہ سے ٹھیک طرح سے سُن بھی نہیں سکتے) اور اس محرمی کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کان لگاتے ہیں تو سُننے اور سمجھنے کے لئے نہیں لگاتے بلکہ بطور تمسخر اور استہزاء کے کان لگاتے ہیں۔

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (اور اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے) کیونکہ ضد پر اُترے ہوئے ہیں اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں قرآن مجید جو کتاب مبین ہے دلائل سے بھری ہوئی ہے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہے اس کے بارے میں کافر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پُرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) دلائل کے سامنے عاجز ہیں لیکن ماننے کا ارادہ نہیں ہے بات نہیں بن پڑتی تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں بتا دیتے ہیں۔

پھر فرمایا وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ (وہ لوگ آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں اور خود بھی دور ہوتے ہیں) دوہرے جرم کے مرتکب ہیں بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ ایذاء پہنچانے والوں کو روکتے ہیں اور آپ تک پہنچنے نہیں دیتے اور خود آپ کی دعوت توحید سے دُور رہتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد ہوں تو اس سے آپ کے چچا ابو طالب اور دوسرے اقرباء مُراد ہیں ان کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچائیں لیکن آپ کے دین کو بھی قبول نہ کرتے تھے۔

قال صاحب معالم التنزیل ج۲ص۹۱ نزلت فی ابی طالب کان ینھی الناس عن اذی النبی ﷺ ویمنعھم وینئی عن الایمان بہ وفی تفسیر ابن کثیر ج۲ص۱۲۷ قال سعید بن ابی ھلال نزلت فی عمومۃ النبی ﷺ کانوا عشرۃ وکانوا اشد الناس فی العلانیۃ واشد الناس علیہ فی السرّ. (تفسیر معالم التنزیل کے مصنف فرماتے ہیں یہ آیت ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ دوسروں کو حضور ﷺ کی ایذاء رسانی سے منع کرتا تھا اور خود آپ ﷺ پر ایمان لانے سے گریزاں تھا اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت سعید بن ابی ہلال فرماتے ہیں یہ آیت حضور ﷺ کے چچاؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ دس تھے وہ اعلانیہ طور پر تو لوگوں پر شدید تھے مگر اندرونِ حال حضور ﷺ پر شدید تھے)

آخر میں فرمایا۔ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (یہ لوگ اپنی گمراہی اور افتراء اور کذب بیانی کی وجہ سے اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں کہ اس طریق کار کا کیا انجام ہوگا)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾

اور آپ اگر اس وقت دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے دوزخ پر تو کہیں گے ہائے ہماری بربادی کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جاتے!

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۲۸﴾

بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے وہ ظاہر ہو گئی اور اگر وہ واپس کر دیئے جائیں تب بھی وہ کام کریں گے جس سے وہ منع کئے گئے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ

اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہے ہماری دنیا والی زندگی اور ہم نہیں ہیں اٹھائے جانے والے اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے حضور

قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۰﴾

رب تعالیٰ شانہٗ کا سوال ہوگا کیا یہ حق نہیں ہے؟ جواب میں کہیں گے کہ ہاں ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے، رب تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے کہ چکھو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے

کافروں کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے کافروں کا حال بیان فرمایا ہے اور روز محشر کا ایک منظر بتایا ہے فرمایا کہ اگر آپ ان لوگوں کا وہ حال دیکھیں جب وہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے تاکہ اس میں داخل کئے جائیں اور اپنی آنکھوں سے وہاں کا عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ کاش! ہم دنیا میں واپس کر دیئے جاتے اور اب وہاں جا کر اپنے رب کی

آیتوں کو نہ جھٹلاتے۔ آپ یہ دیکھیں گے تو عجیب منظر ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ یہ بات نہیں ہے کہ ایمان کی رغبت اور محبت کی وجہ سے دنیا میں واپس جانے کی آرزو کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جو کچھ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ یعنی کفر اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔ دنیا میں جانے کی آرزو اس لئے کر رہے ہیں کہ عذاب نار سے خلاصی ہو جائے۔

اگر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو پھر بغاوت کریں گے: مزید ارشاد ہوگا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اور اگر اُن کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے منع کیا گیا ہے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (بلاشبہ وہ اپنی اسی بات میں جھوٹے ہیں کہ ہم آیات کی تکذیب نہ کریں گے۔ اور مومن بن جائیں گے)

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اجی اور کوئی زندگی نہیں ہے بس یہی دنیا والی زندگی ہے) انہوں نے رسولوں کی بات کو نہ اب مانا نہ جب مانیں گے۔ پھر فرمایا وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا (اگر آپ اُس منظر کو دیکھیں جبکہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اُس وقت اللہ جل شانہٗ وعَمَّ نوالُہٗ کا سوال ہوگا کہ کیا یہ حق نہیں ہے؟ اس پر وہ جواب میں کہیں گے ہاں! ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے) لیکن اس وقت کی تصدیق کچھ کام نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا
اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب اُن کے پاس اچانک قیامت آ جائیگی تو کہیں گے کہ ہائے ہماری حسرت اس پر جو ہم نے دنیا میں کوتاہی کی
فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ
اور وہ اپنے بوجھوں کو اپنی کمروں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے خبردار! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اٹھا رہے ہوں گے اور نہیں ہے دنیا والی زندگی مگر ایک لعب
وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
اور لہو اور البتہ آخرت والا گھر اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے یہ فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا اور اس دن کے آنے کو نہ مانا وہ خسارہ میں پڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنا نقصان کیا' اور نقصان بھی کیا؟ دنیا میں تو کچھ مال ہی کا نقصان ہو جاتا ہے آخرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنی جانوں ہی کا نقصان کر دیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالنے کا ذریعہ بن کر بالکل ہی جانوں کو کھو بیٹھے روز قیامت کا انکار کر دیا۔ اور انکار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک

کہ جب اچانک قیامت آ جائیگی تو کہیں گے کہ کتنی بڑی حسرت کی چیز ہے جو ہم نے دنیا میں تقصیر کی' دنیا میں لگے رہے اسی کو سب کچھ سمجھا اور آخرت کی حاضری کو نہ مانا۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے۔ اور کفر اور دیگر اعمال کی سزا و پاداش سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ موت کے وقت توبہ کے سب دروازے بند ہو گئے اور گناہوں کا بوجھ اتار کر پھینکنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اب تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

خبردار! خوب سمجھ لیں کہ جو بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں وہ بہت بُرا بوجھ ہے جو ان کے دائمی عذاب کا ذریعہ بن رہا ہے۔

پھر فرمایا کہ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ (دنیا والی زندگی بس لعب و لہو ہے) یعنی باطل ہے اور غرور ہے نہ اس کو دوام ہے نہ اُس کے منافع اور لذتوں کو بقا ہے' اس کے ذریعہ حقیقی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ حقیقی حاجت آخرت کی حاجت ہے' دنیا میں جس طرح بچے آپس میں مل کر کھیلتے ہیں کھانے کی دکان بھی کھولتے ہیں اور جھوٹ موٹ کو کھاتے بھی ہیں پھر تھوڑی دیر میں ماں باپ سے کھانا مانگنے لگتے ہیں' اگر اُن سے کہا جائے کہ تمہارا تو ہوٹل کھلا ہوا تھا اس میں سے کیوں نہیں کھاتے اُس کا کیا ہوا؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ تو ایک کھیل تھا حقیقت نہیں تھی۔ پیٹ تو حقیقی کھانے سے بھرتا ہے' پیاس حقیقی پینے سے بجھتی ہے دنیا چونکہ لہو و لعب ہے اسلئے اس سے آخرت کی حاجتیں پوری نہ ہوں گی۔ وہاں تو مجرم شخص یہ کہے گا۔ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ (مجھے فائدہ نہ دیا میرے مال نے برباد ہو گیا میرا اقتدار) ہاں اسی دنیا میں جو حصہ اللہ کی رضا میں لگا دیا وہ حدود دنیا داری سے نکل گیا وہ آخرت میں کام دیگا۔ بشرطیکہ ایمان پر موت آئی ہو۔

پھر فرمایا وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ (اور البتہ دارِ آخرت بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو شرک اور کفر سے بچتے ہیں) لہٰذا دارِ آخرت ہی کے لئے کوشش کرنا لازم ہے یہاں فنا ہے وہاں بقا ہے یہاں ذرا سا مزہ ہے وہاں اہل تقویٰ کے لئے مستقل دائمی لذت اور آرام ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم نہیں سمجھتے) کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان اور اعمال صالح کیوں اختیار نہیں کرتے؟ سمجھ سے کام لیں تو کفر و شرک کی قباحت واضح ہو جائے اور ایمان اور اعمال صالح کا اُخروی نفع سمجھ میں آ جائے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝
ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں۔ سو یہ یقینی بات ہے وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے اور لیکن ظلم کرنیوالے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔
وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا
اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا سو انہوں نے جھٹلائے جانے پر اور ایذائیں پہنچنے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور
مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ
اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور البتہ پیغمبروں کی بعض خبریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گذر رہا ہے

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی زینہ تلاش کر لیں پھر آپ اُن کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو

لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰی

ان سب کو ہدایات پر جمع کر دیتا لہٰذا آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے بات کو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو

یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ

اللہ زندہ فرمائے گا پھر اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی آپ فرما دیجئے! کہ بلاشبہ اللہ اس پر قادر ہے

عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

کہ نشانی نازل فرمائے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے

مشرکین مکہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۳ میں لکھا ہے کہ اخنس بن شریق کی ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ اخنس نے ابوجہل سے کہا کہ اس وقت یہاں تیرے اور میرے سوا کوئی نہیں تو مجھے سچی بات بتادے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد (ﷺ) سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا لیکن ہماری جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب بنو قصی (جو قریش کا ایک قبیلہ تھا جس میں سے رسول اللہ ﷺ تھے) کے پاس علمبرداری بھی چلی جائے اور سقایہ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت) بھی چلی جائے اور کعبہ شریف کی کلید برادری بھی چلی جائے اور مجلس شوریٰ کے سردار بھی انہی کو پہنچ جائے اور نبی بھی انہیں میں سے ہو جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا؟

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر تہمت نہیں دھرتے اور نہ آپ کو جھٹلاتے ہیں ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جس کی دعوت لے کر آپ تشریف لائے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ان کو آپ کی نبوت و رسالت میں اور آپ کے دعوے کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں یہ آپ کو سچا سمجھتے ہیں لیکن انکو اللہ کی آیات سے ضد ہے۔ اللہ کی آیت ان کے اعتقادات اور ان کے شرک کے خلاف کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں اسلئے ان کے مخالف ہیں اور ان کو جھٹلاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا (اور آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا جاچکا ہے انہوں نے مخالفین کی تکذیب و ایذاء رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی) اس میں دو باتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ ان لوگوں کا جھٹلانا اور دُکھ اور تکلیف دینا کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے اُن کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے پاس ہماری مدد آ گئی۔ ان شاء اللہ آپ کے پاس بھی ہماری مدد آ جائے گی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اسکی تفسیر اور ربط بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (بے شک ہم ضرور ضرور اپنے رسول کی مدد کریں گے) اور فرمایا کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (اللہ نے لکھ دیا کہ میں ضرور بالضرور غالب ہوں گا اور میرے رسول) اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ سارے رسولوں کے بارے میں ہے جیسے انبیاء سابقین کی مدد ہوئی آپ کی بھی مدد ہو گی۔ اللہ کے کلمات کو یعنی اس کے فیصلوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ اور البتہ آپ کے پاس پیغمبروں کی بعض خبریں آ چکی ہیں یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات آپ کو معلوم ہیں اُن کی اُمتوں نے اُن کے ساتھ دشمنی اور ایذاء رسانی کا معاملہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ظالمین اور معاندین ہلاک اور برباد ہوئے آپ بھی صبر کریں اور مدد کا انتظار کریں۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ (الآیۃ) رسول اللہ ﷺ کو اسکی بہت زیادہ حرص تھی کہ میری قوم اسلام قبول کر لے وہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ اور یہ کام کر کے بتاؤ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی۔ خود قرآن کریم ان کے پاس بہت بڑا معجزہ موجود تھا اور دوسرے بھی معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن وہ کہتے رہے کہ ایسا ہو جائے تو ہم مان لیں گے جب فرمائشی معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کبیدہ خاطر ہوتے تھے یعنی طبعی طور پر آپ کو ملال ہوتا تھا' اللہ جل شانہٗ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گذر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا کوئی زینہ آسمان میں جانے کو تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین میں نیچے اُتر کر یا آسمان کے اوپر جا کر ان کا فرمائشی معجزہ لا سکتے ہیں تو آپ ایسا کر لیجئے۔ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا کرنا لازم نہیں ہے آپ کو اگر اصرار ہے تو آپ خود ہی فرمائشی معجزہ دکھا دیجئے لیکن اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلئے آپ صبر ہی سے کام لیں اور تکوینی طور پر سب کو مسلمان ہونا بھی نہیں

اس لیے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سب مسلمان ہو جائیں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا) فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ (تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے) جو کچھ ہے اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ آپ اللہ کی حکمت اور قضاو قدر پر راضی رہیں۔

پھر فرمایا اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ (حق کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو قبول کرنے کے ارادہ سے سنتے ہیں) وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ (اور مُردہ لوگ یعنی کافر جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن اُٹھائے گا) ثُمَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اور اپنے عقیدہ اور عمل کی سزا پالیں گے۔

پھر فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ (اور اُن لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں اتاری گئی نشانی ان کے رب کی طرف سے) نشانیاں تو بہت تھیں لیکن جو اپنی تجویز کردہ نشانی چاہتے تھے اس کے بارے میں انہوں نے یہ بات کہی' اس کے جواب میں فرمایا۔ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ نشانی نازل فرمائے) وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (لیکن اُن میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ ان کا پابند نہیں کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات پیدا فرمائے' فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا نہ فرمانا اس بات کی دلیل نہیں کہ اُسے اس بات پر قدرت نہیں ہے۔ اسے قدرت سب کچھ ہے لیکن اس کی تخلیق اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ فرمائش کے مطابق اگر معجزہ ظاہر ہو جائے اور پھر بھی نہ مانیں تو پھر ڈھیل نہیں دی جاتی۔ ان کو صرف عناد ہے قبول کرنا ہی نہیں اور اپنا بھلا برا نہیں جانتے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ

اور جو بھی کوئی جانور زمین میں چلنے والا ہے اور جو بھی کوئی پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے یہ سب تمہاری ہی طرح کی اُمتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں

مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ

کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھیروں میں ہیں۔

یَّشَاِ اللّٰہُ یُضْلِلْہُ ؕ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰکُمْ عَذَابُ

اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے سیدھے راستے پر ڈال دے۔ آپ فرمائیے کہ تم بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے

اللّٰہِ اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ

یا تمہارے پاس قیامت آ جائے کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ تم اسی کو پکارتے ہو پھر وہ اگر چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے

مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴿۴۱﴾

جس کی طرف تم اُسے پکارتے ہو۔ اور تم جو شرک کرتے ہو اُسے بھول جاتے ہو

چوپائے اور پرندے تمہاری طرح امتیں ہیں اللہ سب کو محشور فرمائے گا

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ بتایا کہ زمین پر جو بھی چلنے والے چلتے ہیں اور جو پرندے اپنے بازوؤں سے اُڑتے ہیں سب تمہاری طرح کی امتیں یعنی مختلف جماعتیں ہیں۔ ان کے احوال محفوظ ہیں۔ ان سے متعلقہ امور مقرر ہیں ان کی جو مصلحتیں ہیں ان کے مطابق زندگیاں گذار رہے ہیں سب کو اللہ کی تقدیر اور تدبیر شامل ہے۔

قال صاحب الروح امم امثالكم فی ان احوالها محفوظة وامورها معينة ومصالحها مرعية جارية علی سنن السداد منتظمة فی سلک التقديرات الالٰهية والتدبيرات الربانية. (ج ۷ ص ۱۴۳) (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری طرح کی امتیں اس طرح ہیں کہ ان کے حالات محفوظ ہیں اور ان کے معاملات معین ہیں اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کی جارہی ہے جو صحیح طریقہ سے چل رہی ہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیرات اور تدبیرات کے نظام میں پابند ہیں)

پھر فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) لوح محفوظ میں ساری کائنات اور اس کے احوال لکھے ہوئے ہیں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو نہ لکھی گئی ہو جو جانور اور پرندے موجود ہیں اور آئندہ ہونگے تقدیر ان سب کو بھی شامل ہے۔ انسانات اور جنات جو مکلف ہیں تقدیر صرف انہی پر مشتمل نہیں۔ بلکہ دوسری مخلوق کو بھی شامل ہے۔

پھر فرمایا ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (پھر اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے) یعنی موت کے بعد قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اور پھر اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے' معاندین ایسے معجزات کی فرمائش کرتے تھے جن کو اپنے پاس سے تجویز کرتے تھے اور موت کے بعد زندہ ہونے کے بھی منکر تھے اور اُن کو یہ اشکال ہوتا تھا کہ اتنی مخلوق ہے اور اتنے انسان ہیں یہ سب مریں گے پھر جئیں گے ان کی یادداشت کیسے رہے گی۔

اس کا استبعاد رفع فرمادیا کہ نہ صرف سارے بنی آدم بلکہ جتنی بھی مخلوق ہے چرند پرند تمام چوپائے حیوانات سب تمہاری طرح سے اُمتیں اور جماعتیں ہیں اور سب لوح محفوظ میں مندرج ہیں، اور اس کی تعداد بنی آدم سے بہت زیادہ ہے۔

لوح محفوظ میں اندراج سے کوئی چیز چھوٹی ہوئی نہیں ہے۔ تمہارا اور اُن سب کا زندہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ خالق تعالیٰ شانہٗ کے علم سے کوئی چیز نکل نہیں سکتی ایک ایک فرد کا اُسے علم ہے وہ ساری مخلوق سے پوری طرح باخبر ہے۔ یاد رکھنے کے لئے اُسے لکھنے کی ضرورت نہیں پھر بھی سب کچھ کتاب میں لکھ دیا ہے۔

جو قومیں مکلف ہیں انسان اور جنات ان کا تو حساب ہونا ہی ہے۔ جانوروں کو بھی آپس میں بدلے دلائے جائیں گے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم ضرور بالضرور اہل حقوق کے حقوق ادا کرو گے۔ یہاں تک کہ بے سینگوں والی بکری کو سینگوں والی بکری سے بدلہ دلایا جائیگا۔ (اگر سینگ والی نے اُسے دنیا میں مارا ہوگا) (رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۲۰)

تکذیب کرنیوالے بہرے اور گونگے ہیں: پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا گونگے اور بہرے ہیں اندھیریوں میں ہیں) کفر کی تمام انواع کے اعتبار سے الظلمٰت (اندھیریاں) جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہل کی ظلمت اور عناد کی ظلمت اور تقلید باطل کی ظلمت مراد ہو۔ کما قال صاحب الروح مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ (جسے اللہ چاہے گمراہ کرے) وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور جسے چاہے صراط مستقیم پر ڈال دے) اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کے ذمہ جو کام ہے کرتے رہیں یعنی حق کی دعوت دیتے رہیں۔ ہدایت دینا اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں ہے آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔

مصیبت میں صرف اللہ کو پکارتے ہو: اس کے بعد ارشاد فرمایا قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (کہ آپ ان سے دریافت فرمائیے کہ تم لوگ جو توحید سے ہٹ رہے ہو اور شرک پر جمے ہوئے ہو۔ اگر تمہارے پاس عذاب دنیاوی پہنچ جائے یا قیامت آ جائے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟)

ایسا نہیں ہے بلکہ جب مصیبت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہو اور صرف اسی سے دفع مصائب کا سوال کرتے ہو۔ اس وقت معبودان باطلہ کو بھول جاتے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ معبودانِ باطل کی عبادت سے نفع پہنچتا ہے تو اُن کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آڑے وقت میں کیوں متوجہ ہوتے ہو؟ معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے معبود جو تم نے بنا رکھے ہیں کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر ان کو پکارنا اور ان کی عبادت محض حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ پھر فرمایا بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ بلکہ تم اللہ ہی کو پکارتے ہو پھر وہ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے جس کے دور کرنے کیلئے اسے پکارا، اور مصیبت کے وقت ان کو بھول جاتے ہو جن کو شریک ٹھہراتے ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲ فَلَوْلَآ اِذْ

اور ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے سو ہم نے اس کو سختی کے ذریعہ اور تکلیف کے ذریعہ پکڑا تاکہ وہ عاجزی کریں۔ سو کیوں

جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۴۳ فَلَمَّا

انہوں نے عاجزی نہ کی جب اُن پر ہمارا عذاب آیا لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے اُن کے اعمال کو مزین کر کے دکھلایا۔ سو جب

نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ

وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس چیز پر اترائے جو اُن کو عطا کی گئی تو ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا۔

بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

سو اُس وقت نا امید ہو کر رہ گئے سو اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں

تفسیر: ان آیات میں پچھلی امتوں کا حال بتایا اور نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ہم نے اُن کے پاس بھی اپنے رسول بھیجے انہوں نے اُن کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے ان کو سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا لفظ اَلْبَاْسَآء وَالضَّرَّاء کے عموم میں وہ سب تکلیفیں داخل ہیں جو عام طور پر اہل دنیا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں۔

قحط، بھوک، مہنگائی، وبائی امراض جانوں اور مالوں کا نقصان یہ سب چیزیں ان دونوں لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہیں۔

جب ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی تاکہ عاجزی کریں اور گڑگڑائیں اور اپنے کفر سے توبہ کریں تو وہ الٹی چال چلے اور بجائے تضرع وزاری کے اور توبہ اور عاجزی کے اپنی گمراہی اور معصیت میں ہی لگے رہے ان کے دل سخت ہوگئے۔ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا اور بتایا کہ تم جس طریقہ پر ہو یہ خوب اور بہتر ہے۔ جب مصائب اور تکالیف کے باوجود حق کو اختیار نہ کیا اور کفر سے باز نہ آئے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور تبلیغ کو بھول بھلیاں کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی بہت زیادہ نعمتیں دیدیں اور مال و متاع سے نواز دیا۔ خوب آرام و راحت سے عیش و عشرت کی زندگی گذارنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے نعمتوں پر اترانے لگے اور ایسے اترائے کہ نعمتیں دینے والے کو بھول ہی گئے۔

یعنی یہ خیال ہی نہ رہا کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کے حضور میں جھکیں جب یہ حال ہوگیا تو اللہ پاک نے اچانک ان کو گرفت فرمائی اور عذاب میں مبتلا فرما دیا۔ اور اب بالکل ہی رحمت سے ناامید ہوگئے۔ اور اس طرح سے ظالموں کی جڑ کٹ گئی اور ان کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیئے ہے جو سب جہانوں کا رب ہے) اس نے دُکھ تکلیف میں مبتلا کر کے رجوع کرنے کا موقع دیا پھر نعمتوں سے نوازا لیکن وہ کسی طرح باز نہ آئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسری اُمت پیدا فرمادی۔ ایک امت ہلاک ہوئی تو دوسری امت نے وہی طرز اختیار کیا جو اُن سے پہلی امت کا تھا۔

شکر کا مطلب اور شکر کی اہمیت: کسی فرد یا جماعت کے پاس جو بھی کوئی نعمت ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور اس کا شکر گذار ہو۔ دل سے بھی شکر گذار ہو اور اپنے اعضاء و جوارح کو بھی فرماں برداری میں لگائے اور نافرمانی سے بچائے تاکہ صحیح معنوں میں شکر گذار بن جائے۔ اگر کسی فرد یا قوم یا جماعت کے پاس کوئی نعمت ہو تو نہ اس پر اترائے اور نہ نعمت دینے والے کو بھولے۔ اور نہ نافرمانی اختیار کرے' اصل نعمت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ساتھ ہو۔ اگر نعمتیں ہوں اور گنہگاری بھی ہو تو وہ نعمتیں' نعمتیں نہیں رہتیں کیونکہ ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ وہ گرفت اور عقاب و عذاب کا سبب بن جاتی ہیں۔

نعمتیں ہوں اور ان کے ساتھ اعمال صالحہ ہوں تو یہ اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل ہے اگر نعمتیں ہوں اور نافرمانی ہو اور یہ سمجھے کہ میں اللہ کا مقرب بندہ نہ ہوتا تو یہ نعمتیں مجھے کیوں ملتیں۔ یہ حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی سے بے خبری پر مبنی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو یہ استدراج ہے (جس کا معنی یہ ہے کہ ڈھیل دیکر نعمتیں عطا فرما کر اُسے گناہوں میں ترقی کا اور زیادہ موقع دیا جارہا ہے تاکہ زیادہ وہ عذاب میں مبتلا ہو) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ آخر تک تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳)

یہ انسان کی کیسی ناسمجھی ہے کہ نہ نعمت سے صحیح راہ پر آتا ہے اور نہ نعمت اور عذاب سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ سورۃ اعراف میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف کے ذریعہ ضرور پکڑا تاکہ وہ لوگ گڑگڑائیں۔ پھر ہم نے بدل دیا سختی کو آسانی سے یہاں تک کہ وہ زیادہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پہنچی ہے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ بے خبر تھے)

مصائب اور آفات سے عبرت لینے کی بجائے گناہوں پر اصرار کرتے رہنا اور عبرت لینے کی بجائے یہ کہہ کر خود فریبی میں مبتلا ہونا یہ تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے ہمارے آباؤ اجداد بھی دُکھ تکلیف میں مبتلا ہوئے اسی طرح ہم پر بھی مصیبت آ گئی ہے یہ اور زیادہ حماقت کی بات ہے مصائب کا سبب گناہوں کو نہ سمجھنا اور گناہوں پر اڑے رہنا اور یہ کہنا کہ یہ تو دنیا

میں ہوتا ہی آیا ہے بڑی بدبختی ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ

فرح محمود اور مذموم: فرح عربی میں خوش ہونے کو کہتے ہیں اور اسکی دو صورتیں ہیں ایک اس بات کی خوشی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نعمت عطا فرمائی کرم فرمایا مہربانی فرمائی اور پھر زبان اور قلب کے اقرار اور شکر کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کے کاموں میں لگے رہیں۔ یہ فرح اور خوشی محمود ہے۔

سورۂ یونس میں فرمایا قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوش ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں)

اور فرح کی دوسری صورت یہ ہے کہ نعمتوں پر اترانے لگے۔ خالق کو یاد نہ کرے نعمتوں میں مست ہو جائے اور یہ سمجھے کہ یہ سب چیزیں میرے ہنر سے حاصل ہوئیں۔ اوپر جو فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا فرمایا اس سے یہی اترانے والا نعمتیں دینے والے کو بھلا دینے والا فرح مراد ہے قارون کی قوم نے اس سے کہا لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (کہ تو مت اترا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) اس پر قارون نے جواب میں کہا اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (کہ مجھے جو کچھ ملا ہے میرے علم ہی کی وجہ سے ملا ہے) دینے والے کو بھولا اپنے کمال کا مدعی ہوا۔ لامحالہ اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا مالداری اور تنگدستی کے ذریعہ آزمائش ہوتی ہے تنگ دستی میں راہ حق پر اور اعمال صالحہ پر باقی رہنا اور گناہوں سے بچنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ مالداری میں حق پر جمنا اور دین پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۲)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے بارے میں تنگ دستی کا خوف نہیں لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا خوف ہے کہ دنیا خوب دے دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں کو دے دی گئی تھی پھر تم اسکی رغبت میں آپس میں مقابلہ کرنے لگو جیسے ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے جیسے انہیں ہلاک کر دیا۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۹۵۱ و مسلم ج ۲ ص ۴۰۷)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے

يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

جو تم کو یہ چیزیں دیدے۔ دیکھ لیجئے! ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر وہ اعراض کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے! اگر تم پر اللہ کا

عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

عذاب آجائے بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا ظالموں کے علاوہ اور کوئی ہلاک کیا جائیگا۔ اور ہم پیغمبروں کو

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بھیجتے رہے ہیں۔ سو جو شخص ایمان لایا اور اصلاح کر لی سو اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان کو اس سبب سے عذاب پہنچ جائے گا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ آپ فرما دیجئے! کہ میں یہ نہیں کہتا

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ

کہ میں غیب کو جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ آپ فرما دیجئے

يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾

کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا کیا تم غور نہیں کرتے

اگر اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے کی قوت سلب فرمالیں تو کون دینے والا ہے

تفسیر: ان آیات میں انذار اور تبشیر ہے۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت کو ختم کر دے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے جس سے نہ دیکھ سکو نہ سُن سکو نہ سمجھ سکو تو بتاؤ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دیدے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں۔ پھر اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک بے خبری میں بھی آ سکتا ہے اور خبرداری میں بھی۔ اگر عذاب آ جائے تو ظالم ہی ہلاک ہوں گے لہٰذا ظلم کرنے والے ظلم سے باز آ جائیں۔ سب سے بڑا ظلم شرک اور کفر ہے اسکو بھی چھوڑ دیں اور دوسرے مظالم سے بھی رُک جائیں پھر فرمایا کہ پیغمبروں کو خوش خبری کے لئے اور ڈرانے کے لئے بھیجا جاتا رہا ہے ان کی بشارت کو جس نے قبول کیا اور اُن کی بتائی ہوئی وعیدوں پر یقین کر کے جس نے نافرمانیوں کو چھوڑا ایمان قبول کیا اور اپنے احوال و اعمال کو درست کیا سو ایسی لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا اور جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور نبیوں کی دعوت پر ایمان نہ لائے ان کو نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

نبوت کے لوازم میں مالدار یا غیب دان ہونا نہیں ہے: لوگ یہ سمجھتے تھے کہ نبی مال و دولت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ چونکہ اہل دنیا کے نزدیک دنیا ہی بڑی چیز ہے اسلئے نبوت اور رسالت کا مدار بھی مال زیادہ

ہونے پر سمجھتے تھے ایسے لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ (آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں) خزانے پاس ہونا نبوت و رسالت اور مقبولیت عنداللہ کی دلیل نہیں ہے۔ جس بات کی دعوت دی جارہی ہے اس میں غور کرو اور اُن دلائل کو سمجھو جو اثبات رسالت کے لئے پیش کئے جارہے ہیں۔ مالدار ہونے کو نبوت کا معیار بنانا جاہلانہ بات ہے۔

کچھ لوگ یوں کہتے تھے کہ غیب کی باتیں بتاؤں تو ہم آپ کو سچا جانیں ان کو بھی جواب دیدیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے اعلان کرادیا کہ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (میں غیب نہیں جانتا ہوں) غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ وہ جس کو جتنا چاہے عطا فرمادے اور غیب دانی نبوت و رسالت کی یا مقبولیت عنداللہ کی شرط نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کو آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ مرشدین صالحین اور مصلحین سے رجوع نہیں کرتے کیونکہ وہ لوگ غیب کی خبریں نہیں بتاتے' اور جو شعبدے باز گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اٹکل پچو' کاہنوں کی طرح کچھ باتیں بتاتے رہتے ہیں۔ اُن باتوں میں سے کوئی بات ٹھیک نکل جاتی ہے تو اُن ہی لوگوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں' اور اُن کو اللہ کا مقبول بندہ سمجھ لیتے ہیں ان میں بعض لوگ صاحب کشف بھی ہوتے ہیں۔ کشف شرعاً بالکل معتبر نہیں اور نہ یہ بزرگی کی دلیل ہے کشف بعض مرتبہ فاسقوں بلکہ جانوروں اور دیوانوں کو بھی ہوتا ہے اسکو مقبولیت عنداللہ کی دلیل سمجھنا غلط ہے ایمان اور اعمال صالحہ پر اور تقویٰ مدار مقبولیت ہے جو لوگ دنیادار ہیں' بے نمازی ہیں' فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان کو مُرشد بنانا اور اُن کا معتقد ہونا بہت بڑی گمراہی ہے۔

پھر فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ (آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) لہٰذا میرے اندر فرشتوں والی صفات تلاش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہے کہ انسانوں کا نبی انسان ہی ہو۔ انسانوں میں گھل مل کر ان کی حاجات کو اور صفات کو جان کر احکام سکھائے۔ قول سے بھی تربیت کرے اور عمل سے بھی۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (اس رسول کا کیا حال ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے) یہ ان لوگوں کا جاہلانہ اعتراض تھا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کھانا کھانے کا طریقہ اور بازار کے احکام سکھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر نبی کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو متعلقہ احکام کون بتائے۔ منصب نبوت کے متعلق جو اُن کے غلط اشکالات یا معاندانہ اعتراضات تھے۔ مذکورہ بالا آیت میں ان سب کی تردید فرمائی۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ (آپ فرمادیں کہ میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے) میں وحی الٰہی کا پابند ہوں جو حکم الٰہی ہوتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہوں اور تمہیں وہی بتاتا ہوں آخر میں فرمایا قُلْ هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ (آپ فرما دیجئے کیا برابر ہوسکتا ہے نابینا اور بینا) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ تمہارے پاس اللہ کی

آیات آگئیں، کلام اللہ سنایا جاتا ہے جس کی بلاغت تمہارے نزدیک مسلّم ہے اور جس کے مقابلہ میں تم چھوٹی سی سورت بھی نہیں لا سکتے، اور بھی معجزات ہیں جنہیں دیکھتے رہتے ہو۔ ضد اور عناد کو چھوڑو۔ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھو اور غور و فکر کرو۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ (کیا تم غور نہیں کرتے) اگر غور کریں تو حق قبول کرنے کا راستہ نکل آئے اور سب اعتراضات دفع ہو جائیں۔

علم غیب کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ: اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ علم دیا اور علومِ غیبیہ کا آپ کے برابر کسی مخلوق کو علم نہیں ہے آپ کا علم تمام اوّلین و آخرین سے زیادہ ہے۔ اور یہ علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ جس کو سورہ آل عمران میں فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اور سورہ آل عمران میں فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔

لیکن تمام کائنات اور غیر کائنات کو علم محیط ہونا یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس لئے عالم الغیب علی الاطلاق صرف اللہ ہی ہے وہ عالم الغیب بھی ہے اور عالم الشہادۃ بھی۔

جیسا کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ اور سورۂ حشر میں فرمایا ہے، اور سورۂ نمل میں فرمایا قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ بعض لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ موت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو تمام علوم غیبی عطا کر دیئے گئے تھے۔ یہ ان لوگوں کا دعویٰ بے دلیل ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ایسی باتیں بتائیں کہ قیامت کے دن ایسا ایسا ہوگا اور مجھے اس کا علم اس وقت دیا جائے گا۔ مثلاً فرمایا کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس بہت سے لوگ آئیں گے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو ہٹا دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں فرشتے کہیں گے کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

ان نئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کے خلاف اپنے عقیدے بنالئے اور رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے برابر بتا دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی عالم الغیب کہنے لگے۔

حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا میں جو شفاعت کے لئے سجدہ میں سر رکھوں گا تو اللہ کی وہ حمدیں بیان کروں گا جو اُسی وقت اللہ میرے دل میں ڈالیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۸)

اس سے بھی صاف واضح ہے کہ موت کے وقت سے پہلے بھی سب علوم نہیں دیئے گئے۔ محبت کے دعویدار قرآن و حدیث کی تصریحات بھی نہیں مانتے۔ ھٰذا من العجائب۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ

اور آپ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ نہ اُن کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝٥١ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ ؕ

تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں اور اُن لوگوں کو دور مت کیجئے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، جو چاہتے ہیں اُس کی رضا کو،

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ

ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کریں پھر آپ

الظّٰلِمِينَ ۝٥٢ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ أَلَيْسَ

ظالموں میں سے ہوجائیں اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تا کہ وہ کہیں کیا ہمارے درمیان سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ کیا

اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِينَ ۝٥٣ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ

اللہ شکر گذاروں کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ اور جب آجائیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو ان سے کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے

عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ أَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهٗ

اپنی ذمہ رحمت کو مقرر کرلیا ہے۔ کہ جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ کوئی گناہ کرلے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنا حال درست کرلے تو بلاشبہ وہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥٤ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ۝٥٥

غفور ہے، رحیم ہے، اور اسی طرح ہم تفصیل سے آیات کو بیان کرتے ہیں، تا کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہوجائے

صبح و شام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجئے

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے جب اس وقت وہاں ان کا کوئی مددگار اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ آپ اُن کو تبلیغ کریں حق پہنچائیں اس امید پر کہ کفر سے اور معاصی سے بچ جائیں۔

قال صاحب الروح و جوّزان یکون حالا عن ضمیر الامرای انذرھم راجیا تقوٰھم (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اَمر کی ضمیر سے حال ہو یعنی انہیں ڈرایئے اس حال میں کہ آپ ان کے پرہیزگار بن جانے کے بارے میں پُر امید ہوں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں ان کو دور نہ کیجئے۔

فقراءِ صحابہؓ کی فضیلت اور انکی دلداری کا حکم: معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۹ میں ہے کہ حضرت سلیمان فارسی اور خباب بن الارتّ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن یابس تمیمی اور عُیینہ بن حِصن فزاری اور دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسا تھے) جب یہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بلال، صہیب، عمار، خباب اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ

عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤسا نے جب اُن کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں میں بُو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اُس وقت اُونی کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤسا نے کہا کہ اگر ان کو ہٹا دیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں اور کچھ حاصل کریں آپ نے فرمایا میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجئے کہ ہمارے لئے کوئی مجلس خاص مقرر فرما دیجئے تا کہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں۔ جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں۔ پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لئے ہمیں کچھ لکھ کر دیجئے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علیؓ کو لکھنے کے لئے بلوایا۔ حضرت سلیمان اور خباب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آیت کریم وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ لے کر نازل ہوئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا۔ اور ہم لوگوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرما لیا) اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورۂ کہف کی) یہ آیت نازل فرمائی وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (اور آپ اُن کے ساتھ جم کر بیٹھے رہیے جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے اور اسکی رضا کو چاہتے ہیں) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اب یہ ہوتا تھا کہ اٹھنے کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے۔ تا کہ آپ بلا تکلف اُٹھ کر جا سکیں۔

جب یہ ماجرا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا الحمد لله الذی لم یمتنی حتٰی امرنی ان اصبر نفسی مع قوم من امتی (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک کہ مجھے یہ حکم نہ فرمایا کہ میں اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ جم کر بیٹھوں) پھر ہم لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ معكم المحيا ومعكم الممات۔ (تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ میرا مرنا ہے)

اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کی رعایت و دلداری کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے رب سے لو لگائے

رہتے تھے۔ ان کی رعایت و دلداری منظور فرمائی اور مکہ کے رؤسا نے جو یہ کہا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے ان کی درخواست رد فرمادی اور حضور اقدس ﷺ نے جو ان کی دلداری کا خیال فرمایا تھا (جو اس مشفقانہ جذبہ پر مبنی تھا کہ جو لوگ اپنے ہو گئے ہیں۔ اگر اُن کو مجلس میں بعض مرتبہ ساتھ نہ بٹھایا تو محبت اور تعلق میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ رؤسا جو علیحدہ مجلس کے لئے درخواست کر رہے ہیں ان کی بات مان لی جائے تو ان کا بہانہ بھی ختم ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہدایت قبول کرلیں) اس خیال کی بھی اللہ تعالیٰ نے تائید نہیں فرمائی۔

اس سے جہاں ان حضرات صحابہؓ کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤسائِ عرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کی رعایت اور دلداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکرین اسلام ہیں۔

یہ جو فرمایا مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (ان کا حساب آپ کے ذمہ کچھ بھی نہیں اور آپ کا حساب اُن کے ذمہ کچھ بھی نہیں کہ آپ ان کو دور کردیں پھر آپ ظالموں میں سے ہو جائیں) اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ یہ فقراء صحابہؓ جو آپ کے پاس آتے ہیں اور ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہیں ان کا باطن ٹٹولنا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ آپ ان کے اخلاص کی تفتیش نہ کریں۔ ظاہر حال کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کریں اور ان کو اپنے پاس بٹھائیں اور فیض یاب کریں اور اپنے سے دور نہ کریں اور ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کو ترجیح نہ دیں جنہوں نے ایمان قبول کیا ہی نہیں۔

دور کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ ان میں اخلاص نہ ہوتا جب آپ کے ذمہ ان کے اخلاص کی تفتیش نہیں تو آپ ان کو کیوں دور کرتے ہیں۔ اور آپ کا حساب بھی ان کے متعلق نہیں کہ وہ آپ کی تفتیش کریں۔ بلکہ اس کا تو احتمال بھی نہیں ہے کہ امت اپنے پیغمبر کے باطن کے احوال معلوم کرلے کیونکہ ایمان کے ساتھ یہ بات جمع نہیں ہو سکتی۔ محتمل کو متیقن کیساتھ برابر قرار دے کر امت کے تفتیش حال باطنی کی نفی فرمادی۔

جو لوگ یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہیں ان کے غیر مخلص ہونے کی کوئی ظاہری وجہ نہیں۔ تو ان کو کیوں دور کیا جائے۔ اسی صورت میں ان کو دور کیا جائے گا تو یہ ظلم کی بات ہوگی۔ صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۶۰ میں لکھتے ہیں۔

وانما وظیفتک حسب ما ھو شان منصب الرسالۃ النظر الی ظواھر الامور واجراء الاحکام علی موجبھا وتفویض البواطن وحسابھا الی اللطیف الخبیر' وظواھر ھؤلاء دعاء ربھم بالغدٰوۃ والعشی اہ الٰی ان قال (وما من حسابک علیھم من شیٔ عطف علی ما قبلہٗ وجیٔ بہ مع ان الجواب قدتم بذلک مبالغۃ فی بیان کون انتفاء حسابھم علیہ السلام بنظمہ فی سلک ما لا شبھۃ فیہ اصلاً وھو انتفاء کون حسابہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اہ) (جیسا کہ منصب رسالت کے شایانِ شان ہے آپ کا وظیفہ تو ظاہر حال کو دیکھنا اور اسی کے مطابق احکام جاری کرنا ہے اور باطنی معاملات کو اور ان کے حساب کو لطیف وخبیر کے سپرد کرنا ہے اور ان حضرات کے ظاہری حالات یہ ہیں کہ صبح شام اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں...... فرمایا وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ کا عطف ماقبل پر ہے اور جواب ماقبل پر مکمل ہو جانے کے باوجود اسے اس بات میں مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کا حساب حضور ﷺ کے ذمہ نہیں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے)

یہ تقدیر اس صورت میں ہے جبکہ حِسَابِهِم اور عَلَيْهِم کی ضمیریں اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ کی طرف راجع ہوں اور بعض مفسرین نے ان ضمیروں کو رؤسائے مشرکین کی طرف راجع کیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ غرباء مسلمین کے مقابلہ میں ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے حساب کی ذمہ داری آپ پر نہیں جیسا کہ آپ کے حساب کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ اگر یہ ذمہ داری آپ پر ہوتی یعنی ان کے مسلمان نہ ہونے پر آپ سے مواخذہ ہوتا تو اس صورت میں آپ ان کی وجہ سے غرباء مسلمین کو مجلس سے ہٹا سکتے تھے اور جب ایسا نہیں تو ان غرباء کو مجلس سے ہٹانا بے انصافی ہے۔ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ میں اسی بے انصافی کو بیان فرمایا۔

متکبرین کی سزا اور مال و دولت پر گھمنڈ کرنیوالوں کو تنبیہ: جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہو۔ یا کسی قسم کا چھوٹا بڑا اقتدار حاصل ہو۔ ان میں ایک یہ بہت بڑا مرض بھی ہوتا ہے کہ وہ غریبوں مسکینوں کو حقیر سمجھتے ہیں انہیں اس لائق بھی نہیں سمجھتے کہ وہ پاس بیٹھیں حتیٰ کہ وہ سلام بھی کریں تو سلام کا جواب دینے میں خفت و ذلت محسوس کرتے ہیں یہ تکبر ہے اور تکبر انسان میں بدترین خصلت ہے۔ یہ صفت انسان کو حق قبول کرنے سے اور کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔ اور آخرت میں اس کا بڑا عذاب ہے۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ متکبروں کو قیامت کے دن انسانوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا ان کے جسم اتنے چھوٹے ہوں گے جیسے چیونٹیاں ہوتی ہیں ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوگی۔ ان کو دوزخ کے جیل خانے کی طرف چلایا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔ ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی۔ ان کو دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

مال و دولت پر گھمنڈ کرنا اور اسکی وجہ سے تکبر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا بہت بڑی حماقت ہے۔ مالدار ہونا انسان کا کوئی کمال نہیں۔ یہ تو انسان کے وجود سے علیحدہ خارجی چیز ہے۔ انسان کے اپنے ذاتی جو عمدہ اخلاق ہیں جن میں تواضع بھی ہے ان سے انسان میں فضیلت آتی ہے۔ اگر مال ہو اور مال کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرے اور اللہ کا شکر گذار بندہ بنے تو یہ بھی بلند اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔ فی نفسہٖ مالدار ہونا کوئی انسان کی فضیلت اور کمال کی چیز نہیں۔ اہل دنیا میں جو یہ رواج ہے کہ مالدار اور صاحب اقتدار ہی کو بڑا سمجھا جاتا ہے خواہ کافر اور ملحد اور زندیق اور ظالم اور فاسق و فاجر ہی ہو یہ دنیا والوں کی حماقت اور جہالت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان محبوب ہے۔ ایمان والے محبوب ہیں۔ تقویٰ محبوب ہے اعمال صالحہ محبوب ہیں اس کے ہاں انہیں چیزوں سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور افضلیت کی شان انہی بندوں کو حاصل ہے جن میں تقویٰ ہے۔ (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ) جو غریب صحابہ تھے ان کی اللہ تعالیٰ نے قدر دانی فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ ان کو اپنے پاس سے مت ہٹاؤ۔ اور خود ان کے پاس جم کر بیٹھے رہا کرو۔ اور جن دنیاداروں کو آنحضرت ﷺ

اپنے پاس بٹھا کر تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ اُنکی شرط کیطرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ آپکا جزبہ شفقت پر مبنی تھا کہ یہ لوگ کسی طرح ایمان قبول کرلیں۔

غنی اور فقیر کا فرق آزمائش کے لئے ہے

پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا (اور ہم نے اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے بعض کو بعض کے ذریعہ تاکہ وہ کہیں کیا یہ لوگ ہیں جن پر ہمیں چھوڑ کر اللہ نے احسان فرمایا) اس میں یہ بتایا ہے کہ اس دنیا میں غنی اور فقیر کا جو فرق رکھا گیا ہے اور دوسری حیثیتوں سے جو امتیاز ہے اس میں حکمت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے جو غنی ہیں وہ فقیر کو حقیر سمجھتے ہیں۔

اسی طرح دوسری طرح کی جو چھوٹائی بڑائی پائی جاتی ہے اسکی وجہ سے بڑے بننے والے چھوٹوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ یہ ایک آزمائش ہے جن لوگوں کو کسی طرح کی برتری حاصل ہے وہ بجائے نعمت دینے والے کا شکر ادا کرنے کے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں اگر چھوٹے لوگ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ نعمت دینے والے کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کا شکر ادا کرتے۔ لیکن مال و دولت اور اختیار اقتدار کے نشہ میں دوسروں کو حقیر جاننے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور اسی طرح سے امتحان میں فیل ہوجاتے ہیں اگر سب ہی برابر ہوتے تو کوئی کسی کو حقیر نہ جانتا۔

جو لوگ مال و دولت اور اقتدار والے ہیں ان کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کو ہر خیر کا مستحق سمجھتے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کو دینی برتری ملنے کا بھی اہل نہیں سمجھتے اور وہ کہتے ہیں کہ کیا یہ پھٹیچر جن کے پاس ایک وقت کا کھانے کو نہیں اس لائق ہیں کہ ان کو ہدایت مل جائے اور ہم ہدایت سے محروم رہ جائیں۔ جس دین کو انہوں نے اختیار کیا ہے اگر یہ ہمارے دین سے بہتر ہوتا تو یہ لوگ اسے کیوں اختیار کرتے۔

سورۂ احقاف میں فرمایا وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ (اور کافروں نے مومنین کے بارے میں کہا کہ اگر یہ چیز بہتر ہوتی جو انہوں نے اختیار کی ہے تو یہ ہم سے آگے نہ بڑھ جاتے) دولت مند ہر طرح کی دینی و دنیاوی برتری کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے دین کے خلاف دوسرا دین اختیار کیا اگر چہ دلائل واضحہ کے اعتبار سے وہ حق ہے لیکن چونکہ ہم نے اختیار نہیں کیا اسلئے وہ قابل قبول نہیں اس طبقہ کے لوگوں نے اپنا یہ حق خود سے تجویز کرلیا ہے اپنے خالق اور مالک کے قانون تکوینی اور تشریعی کو نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ جس نے ہمیں مال دیا وہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما سکتا ہے۔ مالدار ہی دین حق پر ہوں اور غریب ہی باطل پر ہوں یہ کوئی قانون تکوینی نہیں ہے۔ جسے اللہ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے وہ غریبوں کو حقیر جاننے کی بجائے منعم حقیقی کی طرف

رجوع کرے۔ اور وہ طریقہ تلاش کرے جو اس کے رب کو پسند ہے اور ناشکری و نافرمانی سے پرہیز کرے اور جب حق بات پہنچ جائے تو اُسے فوراً قبول کرے۔ چونکہ غریبوں نے حق قبول کر لیا ہے اسلئے ہم اسے قبول نہیں کرتے بلکہ ہم اُسے حق سمجھتے ہی نہیں مالداروں کا یہ خیال سراپا تکبر ہے۔ جو حماقت پر مبنی ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (کیا اللہ شکر گذاروں کو خوب نہیں جانتا) یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ شکر گذار بندے کون ہیں۔ غریبوں کے پاس مال نہیں پھر بھی شکر گذار ہیں اور اس شکر گذاری کی صفت ان کے لئے حق بات کے اختیار کرنے اور حق پر جمنے کا ذریعہ بن گئی۔ جن لوگوں کے پاس مال و دولت ہے وہ ناشکرے ہیں۔ اپنے کبر اور کفران نعمت کو نہیں دیکھتے۔ ان غریبوں کو دیکھ کر نفرت کر رہے ہیں۔ جن پر اللہ نے فضل فرمادیا اور ہدایت کی نعمت سے نواز دیا۔

زمانۂ نبوت میں ایسے متکبر تھے جن کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں دین سے وابستہ رہنے والوں کو حقیر سمجھتے ہیں یہ لوگ اسلام کے دعویدار بھی ہیں لیکن اسلام پر چلنے والوں اور اسلامی اعمال اختیار کرنے والوں کو اور اسلامی امور سے نسبت رکھنے والوں کو حقیر جانتے ہیں۔ کہ ان کے کپڑے پھٹے ہیں، رہنے کا گھر کچا ہے، بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔

مسجد و مدرسہ سے تعلق رکھنے والے مالداروں کی نظروں میں حقیر ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اسلام کے سب سے پہلے مؤذن حضرت بلالؓ کے نام پر اپنے بچوں کا نام رکھنے کو تیار ہیں لیکن اپنے بچے کو مؤذن تو کیا بناتے اذان دینے والے کو حقیر جانتے ہیں۔ اور مسجد کی روٹیاں کھانے والے کہہ کر اسکی آبرو گھٹاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ مسجد کی روٹیاں کھانا حرام کھانے سے کہیں برتر اور بہتر ہیں یہ جو رشوت اور سود لے کر دولت جمع کی ہے اور حرام محکموں میں ملازمت کر کے جو کیش جمع کیا ہے جب آخرت میں وبال بنے گا اور مسجد کا مؤذّن بخشا ہوا جنت میں جائے گا اس وقت اس تکبر اور مالداری کا اور نفرت کرنے کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

مالداری اور غریبی مقبولیت عند اللہ کا سبب نہیں ہے: جیسے مالدار ہونا فضیلت کا اور اللہ کی نزدیکی کا سبب نہیں اسی طرح غریب مسکین ہونا بھی اللہ کی نزدیکی یا فضیلت یا برتری کا سبب نہیں ہے۔ اللہ کی نزدیکی اور اللہ کے ہاں فضیلت او برتری ایمان اور اعمال صالحہ سے اور فرائض کی پابندی سے اور گناہوں کو چھوڑنے سے ہے۔ جس طرح بہت سے مالداروں میں تکبر ہے اور اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔ فرائض و واجبات کی تارک ہیں اسی طرح بہت سے غریب اور مسکینوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ خواہ مخواہ مالداروں پر حسد کر کے مرے جا رہے ہیں اور بہت سے اُن میں سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور کفر کے کلمات کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کو دیا اور ہم کو نہ دیا۔ ایسی غریبی بھی وبال ہے اور باعث مواخذہ اور باعث عذاب ہے امیر ہو یا غریب سب پر لازم ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کرے بلند اخلاق اختیار

کرے گناہوں سے بچے متقی بنے۔

رسول اللہ ﷺ نے سب کو زندگی گذارنے کا ایک طریقہ بتایا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال میں اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اپنے سے نیچے والے کو بھی دیکھ لے۔ (صحیح مسلم ج ۲ص ۴۰۷)

دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تاکہ عبرت ہو اور یہ سمجھ میں آئے کہ اللہ نے ہمیں ہزاروں لاکھوں افراد سے بہتر بنایا ہے اور بہت زیادہ دیا ہے اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو جو اپنے سے زیادہ دیندار ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں ان کے برابر ہونے بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی حرص کرے۔

مساکین صالحین کی فضیلت: آیت شریفہ میں جن مسکینوں کی فضیلت بتائی ان کی تعریف میں فرمایا یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (کہ یہ لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا مندی کے طالب ہیں) جو غریب اس صفت سے متصف ہیں ان کو بلاشبہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے لیکن اعمال کی وجہ سے ہے غریبی کی وجہ سے نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہوں اور غریبی بھی ہو تو قیامت میں اس کا یہ فائدہ پہنچ جائے گا کہ مالداروں سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ضُعفاء مہاجرین کے پاس بیٹھ گیا (جن کے پاس مال نہ تھا اور کپڑوں کی اس قدر کمی تھی کہ) ان میں سے بعض بعض کے ذریعہ آپس میں پردہ کرتے تھے (یعنی اس ترتیب سے بیٹھتے تھے کہ ایک کی نظر دوسرے کی ران وغیرہ پر نہ پڑے) ایک شخص اُن میں سے قرآن مجید پڑھ رہا تھا وہ اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے آپ قریب میں تشریف لا کر کھڑے ہو گئے آپ کے تشریف لانے پر قرآن پڑھنے والا خاموش ہو گیا۔ آپ نے سلام کیا۔ پھر فرمایا تم کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا کہ ہم کان لگا کر اللہ کی کتاب کو سُن رہے تھے آپ نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی جعل من اُمّتی من امرت ان اصبر نفسی معھم

(کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے میری اُمت میں ایسے افراد بنا دیئے جن کے ساتھ مجھے جم کر بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے)

اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا جس پر حاضرین نے حلقہ بنا لیا اور سب کے چہرے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ اے مہاجرین کے مسکینو! تم اس بات کی خوشخبری قبول کر لو کہ تمہیں قیامت کے دن نور تمام (پورا نور) عطا کیا جائے گا تم مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کا ہو گا۔ (رواہ ابوداؤد ج ۲ص ۱۶۰)

پھر فرمایا وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (اور

جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات پر تو آپ سلام علیکم کہیں، اور یہ بھی کہیں کَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دیا ہے)

جن حضرات کا اوپر ذکر تھا کہ انہیں اپنے سے دُور نہ کرو اس میں ان کی دلداری کا حکم فرمایا کہ آپ ان کے لئے سلامتی کی دعا کریں اور ان کو بتادیں کہ تمہارا رب رحیم ہے اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر دیا۔ تمہارے ایمان اور عمل صالح کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (کہ تم میں سے جس نے کوئی گناہ کر لیا نادانی کے ساتھ پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی سو وہ بخشنے والا رحیم ہے)

لفظ جہالت جس کا ترجمہ ہم نے نادانی سے کیا ہے اس سے علمی جہالت مراد نہیں۔ عملی جہالت مراد ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کرنے والا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ جو بھی گناہ ہوتا ہے وہ عملی جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کرنا اور اس کے مواخذہ پر نظر نہ رکھنا یہ ایک طرح سے جہالت نادانی اور حماقت ہے۔

پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ (اور اسی طرح ہم آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ای ولتستبین سبیلهم نفعل ما نفعل من التفصیل یعنی آیات کے بیان کرنے کے متعدد فوائد ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مجرمین کا راستہ کیا ہے (یعنی ان کا کیا انجام ہونے والا ہے)

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ

آپ فرما دیجئے! بیشک میں اس بات سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ آپ فرما دیجئے! میں تمہارے خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا۔

اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِىْ

ایسا کروں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا۔ آپ فرما دیجئے کہ بے شک میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور تم نے اُسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ

جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ کسی کا حکم نہیں ہے سوائے اللہ کے وہ حق کو بیان فرماتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے! اگر میرے پاس

عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِىَ الْاَمْرُ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے

گمراہوں کا اتباع کرنیکی ممانعت

تفسیر: ان آیات میں چند امور مذکور ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا اعلان کروایا ہے اوّلاً تو یہ فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کر سکتا جنہیں تم پکارتے ہو، مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں کبھی تمہارے باطل کا ساتھ دے دوں اور تمہاری خواہشوں کا اتباع کروں (العیاذ باللہ) خدانخواستہ میں ایسا کروں تو تمہاری طرح میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا یہ وہی مضمون ہے جس کا سورۂ کافرون میں اعلان فرمایا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں رسول ہوں اور میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح ہے دلائل واضحہ میرے دعویٰ کی سچائی پر قائم ہیں جس پر مجھے مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔ میں تمہاری باتوں کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ مجھے تو اپنے دعوے کی صحت پر دلیل کے ساتھ یقین ہے اور تم اسکی تکذیب کر رہے ہو۔ تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لا کر دکھاؤ۔ ہمارے انکار وتکذیب کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

عذاب بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ میرے اختیار میں نہیں۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ تکوینی اور تشریعی حکم کا صرف وہی مالک ہے۔ وہ عذاب بھیجے نہ بھیجے میرے اختیار میں کچھ نہیں، اور یہ ضد کرنا کہ عذاب آ جائے تب ہی آپ کے دعوے کو سچا مانا جائے جہالت وحماقت کی بات ہے حق دلائل سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کو بیان فرما دیا۔ دلائل سے واضح کر دیا۔ دلائل ہوتے ہوئے حق کو نہ ماننا اور عذاب آ جانے ہی کو ثبوت حق کا ذریعہ سمجھنا یہ تمہاری اپنی اُپج ہے۔ اور تمہارا خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہوا وہوس کا پابند نہیں کہ تم جو کہو وہ کرے، جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لیے واضح طور پر حق کا بیان ہو جانا کافی ہے (یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ)

ثالثاً یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرما دیں کہ جس چیز کی تم جلدی مچاتے ہو یعنی عذاب لانے کی تو یہ میرے پاس نہیں اگر میرے پاس ہوتا تو میرے تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یعنی عذاب آ گیا ہوتا۔ وہ تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تم واضح حق کو نہیں جانتے عذاب چاہتے ہو اور ظلم کر رہے ہو حق قبول نہ کرنا ظلم ہے اور اللہ کو ظالموں کا پتہ ہے اور وہ دنیا میں عذاب نہیں بھیجتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ ان کو اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور تری میں ہے، اور نہیں گرتا ہے کوئی

اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ
پتا مگر وہ اسکو جانتا ہے اور نہیں گرتا ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر چیز اور خشک مگر وہ کتاب مبین میں ہے۔ اور وہی ہے
الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ
جو تمہیں قبضہ میں لیتا ہے رات کو۔ اور جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو دن میں، پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے۔ تاکہ پوری کر دی جائے معیاد مقرر۔
ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾
پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تمہیں ان کاموں کی خبر دیگا جو تم کیا کرتے تھے

اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، بر و بحر میں جو کچھ ہے وہ سب اُسکے علم میں ہے

تفسیر: پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ کے علم کی وسعت قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اجمالی طور پر علم الٰہی کو بہت سی جگہ بیان فرمایا ہے اور وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ کا عموم ہر چیز کے علم کو شامل ہے۔ اس کا عموم موجودات، معدومات، ممکنات ممتنعات سب کے علم کو شامل ہے۔ اور سورۂ تغابن میں فرمایا یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ اور سورہ یونس میں فرمایا وَلَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اور سورہ مائدہ میں فرمایا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور سوہ طلاق میں ہے وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ سورہ نمل میں فرمایا قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ آیت بالا میں یہ بیان فرمایا کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں انہیں صرف وہی جانتا ہے۔ خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے۔ ہزاروں قسم کی مخلوق ان کی اجناس اور انواع واصناف اور اُن کے افراد اسے ان سب کا علم ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو بھی کوئی پتہ گرتا ہے اسے اس کا علم ہے اور زمین کی اندھیریوں میں (زمین کے اندر ساتویں زمین کی منتہیٰ تک) اور زمین کے اوپر جو بھی کوئی چیز ہے تر ہو یا خشک ہو اور جہاں بھی ہو وہ سب کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رطب سے مراد وہ ہے جو اگتا ہے اور یابس سے مراد وہ ہے جو اگتا نہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رطب ویابس سے تمام اجسام مراد ہیں اسلئے کہ اجسام کی دو ہی قسمیں ہیں یعنی رطب اور یابس، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ رطب سے حی یعنی زندہ اور یابس سے بے جان چیزیں مراد ہیں۔

مفسرین کی ایک جماعت نے کتاب مبین سے لوحِ محفوظ کو مراد لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور ابدی ہے اسے جاننے یاد رکھنے کے لیے کسی کتاب کی ضرورت نہیں لوحِ محفوظ میں لکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو کچھ وجود میں آتا رہے فرشتوں کو اس کا علم ہوتا رہے کہ یہ سب معلومات الٰہیہ میں سے ہے اور مخلوقات الٰہیہ میں سے ہے اور ایک یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ مکلف ہیں وہ یہ یقین کر لیں کہ ہمارے اعمال میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لکھنے سے رہ گئی ہو۔ اس کتاب کو لوحِ محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف سے اور شیاطین کے وہاں تک پہنچنے سے محفوظ ہے کوئی اُسے بدل نہیں سکتا۔ (روح المعانی ج ۷ ص ۱۷۲)

علم غیب صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے وہ جس مخلوق کو جتنا علم عطا فرمادے اسی قدر علم حاصل ہو جاتا ہے آلات کے ذریعہ جو علم ہو وہ علم غیب نہیں بعض بے علم لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ بارش آنے کا علم پہلے سے ہو جاتا ہے یا رحمِ مادر میں جو ہے اس کے نر مادہ ہونے کا علم ماہروں کو ہو جاتا ہے اسلئے یہ بھی علم غیب ہوا۔ یہ جاہلانہ بات ہے۔ بارش کا جو پتہ چل جاتا ہے وہ آلات کے ذریعہ ہواؤں کا رخ دیکھ کر پتہ چلاتے ہیں اور وہ بھی حتمی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ سے ہے اور آلات کے بغیر ہے جب آلات نہیں تھے جب بھی سب کچھ جانتا تھا اسی طرح مادہ منویہ کے تجربات سے اور ایکسرے وغیرہ سے نر و مادہ کا معلوم ہو جانا ہی بھی علم غیب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علم کے لیے نہ آلات کی ضرورت ہے اور نہ تجربات کی اسے تو ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے معلوم ہے کہ ان کی کتنی نسل ہوگی اور ان کی نسل میں کس کس مرد اور کس کس عورت سے کون کون پیدا ہوگا۔

پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ ۔ (اللہ وہی ہے۔ جو تمہیں اٹھالیتا ہے رات کو) اس سے سُلا دینا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نیند کو طاری فرما دیتا ہے جو ایک گونہ روح قبض کرنے کا ذریعہ ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا اَلنَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۰) کہ نیند موت کا بھائی ہے۔ یہ سُلانا اور پھر جگا دینا سب اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہے جو دوبارہ زندہ ہونے کا نمونہ ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور وہ جانتا ہے جو دن میں تم اعمال کرتے ہو چونکہ عام طور پر رات ہی کو سوتے ہیں اور دن کو کام کرتے ہیں اسلئے نیند کو رات کی طرف اور کسب عمل کو دن کی طرف منسوب فرما دیا۔ ورنہ جو لوگ دن کو سوتے ہیں رات کو کام کرتے ہیں انکا بھی ہر عمل اللہ کی مشیت و ارادہ سے ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ سونا اور جاگنا انفرادی موت و حیات ہے اور وقوعِ قیامت اجتماعی موت ہے۔ اور اس کے بعد زندہ ہو جانے کا نام بعث و نشور ہے۔ دنیاوی زندگی گذر رہی ہے کبھی خواب ہے کبھی بیداری۔ خواب عارضی موت ہے اور ہر شخص کو حقیقی موت بھی آنی ہے اس حیات دنیوی کے لیے باری تعالیٰ شانہٗ کے علم میں ایک مُدّت مقرر ہے جب یہ مُدّت پوری ہو جائے گی تو مقرر اجل آئے گی۔

ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيۡهِ لِيُقۡضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى پھر وہ تمہیں دن میں اٹھاتا ہے یعنی بیدار کرتا ہے تا کہ وقت مقررہ پورا کر دیا جائے، دنیا کی بیداری اور خواب اور موت وحیات اور اکتساب اعمال کو بیان فرمانے کے بعد قیامت کی حاضری کا ذکر فرمایا ثُمَّ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (پھر اس کی جانب تم کو لوٹ کر جانا ہے پھر تم کو بتا دیگا جو تم کرتے تھے) مطلب یہ ہے کہ دنیاوی زندگی کا گذرنا یونہی نہیں ہے، اس میں جو اعمال کرتے ہو قیامت کے دن وہ سامنے آئیں گے اور اُن کا نتیجہ بھی سامنے آئیگا۔ ہر شخص کو وہاں کی فوز وفلاح اور کامیابی کے لیے فکر مند ہونا چاہیے۔

وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اُسکو ہمارے فرشتے قبض کر لیتے ہیں

رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ ؕ اَلَا لَـهُ الۡحُكۡمُ وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِيۡنَ ﴿۶۲﴾

اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے جو اُن کا مالک حقیقی ہے خبردار! اسی کے لئے حکم ہے اور وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے۔

قُلۡ مَنۡ يُّنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ۚ لَـئِنۡ اَنۡجٰٮنَا مِنۡ هٰذِهٖ

آپ فرمائیے کہ کون تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی اندھیروں سے، تم اُسے چپکے عاجزی کے ساتھ پکارتے ہو بلاشبہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدی

لَـنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ‏ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡهَا وَمِنۡ كُلِّ كَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ‏ ﴿۶۴﴾

تو ہم ضرور ضرور شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر بے چینی سے، پھر تم شرک کرتے ہو

اللہ غالب ہے وہ نگرانی کرنیوالے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اسے کوئی عاجز نہیں کرسکتا وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو کچھ ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر فرمایا: وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً اور وہ تم پر اپنے نگران بھیجتا ہے۔ اس سے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانفطار میں فرمایا وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ ٥ كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ ٥ يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ٥ (اور تمہارے اوپر نگران ہیں جو عزت والے کاتب ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے کاتبین کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں جو آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورہ رعد میں فرمایا لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ۔ اگر عموم لفظ سے دونوں قسم کے فرشتے مراد لیے جائیں تو

اس میں بھی کوئی بُعد نہیں۔ اعمال لکھنے والے فرشتے حسنات اور سیّئت لکھتے ہیں۔ جس میں اقوال واعمال سب آجاتے ہیں۔

سورہ ق میں فرمایا مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (انسان جو بھی کسی بات کا تلفظ کرتا ہے تو اس کے پاس نگران موجود ہے تیار)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس رہے تھے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اُن سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے اُن کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے تو اُس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۶۲ از بخاری و مُسلم)

پھر فرمایا حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے قاصد اُسکو اُٹھا لیتے ہیں) یعنی زندگی پھر جو فرشتے بندوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں وہ کار مفوضہ انجام دیتے رہتے ہیں پھر جب زندگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور مقرر اجل آپہنچتی ہے تو وہ فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۱۱۶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں رُسُلُنَا سے ملک الموت کے اعوان یعنی مددگار مراد ہیں۔ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (اور یہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتے)

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (پھر وہ واپس کئے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو اُن کا حقیقی اور واقعی مالک ہے)

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (خبردار! اُسی کے لیے حکم ہے وہی فیصلے فرمائے گا۔ وہ حساب لینے والوں میں سب سے جلدی حساب لینے والا ہے) جن لوگوں کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے مختلف احوال اور مختلف اعمال ہوں گے۔ کسی کا حساب جلدی اور کسی کا دیر میں ختم ہوگا لیکن اگر اللہ تعالیٰ سب ہی کا حساب ذرا سی دیر میں فرمانا چاہیں تو فرما سکتے ہیں فانه لا يشغله حساب عن حساب ولا شان عن شان.

پھر فرمایا قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (آپ فرما دیجئے کون ہے جو تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "ظلمات البر والبحر" سے شدائد یعنی سختیاں اور مشکلات ومصائب مراد ہیں۔ جب انسان سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ لوگ بھی مصیبت کے وقت سب کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً میں بیان فرمایا کہ تم آڑے وقت میں عاجزی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ اور یوں کہتے ہو لَئِنْ

اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور بالضرور شکر گذاروں میں سے ہو جائیں گے) یعنی آئندہ ہمیشہ شکر میں لگے رہیں گے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ (اللہ تمہیں اس مصیبت سے اور ہر بے چینی سے نجات دیتا ہے) ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ (پھر تم شرک کرنے لگتے ہو) مصیبت میں خالص اللہ کو پکارتے ہو۔ اور شکر گذاری کے وعدے کرتے ہو پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت دور فرما دیتا ہے تو سب وعدے بھول جاتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

سورہ یونس میں فرمایا فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سو جب اُن کو اللہ نے نجات دیدی تو وہ اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں) سورہ عنکبوت میں فرمایا۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ه لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (پھر جب کشتی میں سوار ہو جاتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اسی کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دیدیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمتوں کو اور تاکہ وہ فائدہ اٹھائیں سو وہ عنقریب وہ جان لیں گے) یہ مشرک انسان کا مزاج ہے کہ مصیبت میں اللہ کی طرف اور آرام میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف جماعتیں کر

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

کے اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی سختی۔ آپ دیکھ لیجئے کہ ہم کیسی مختلف پہلوؤں سے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں اور آپ کی قوم

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم پر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے

اللہ اس پر قادر ہے کہ اُوپر سے یا نیچے سے عذاب بھیج دے یا آپس میں جنگ کرا دے

تفسیر: انسانوں کو بحر و بر میں جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور جن مصائب میں مُبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کے دفعیہ کے لیے اخلاص کے ساتھ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں۔ پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو ساری دعائیں بھول

جاتے ہیں یہ تو ان مُصیبتوں کا حال ہے جن میں مُبتلا ہو جاتے ہیں اور بے شمار مصیبتیں ایسی ہیں جو پہنچتی ہی نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اوپر سے عذاب بھیج دے۔ پتھر برسا کر ہلاک کر دے۔ بہت زیادہ بارش بھیج دے یا سخت چیخوں کی آوازیں آ جائیں' اور اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بندوں پر نیچے سے عذاب بھیج دے۔ سیلاب آ جانا۔ زمین میں دھنس جانا یا نیچے سے عذاب بھیج دے۔ سیلاب آ جانا۔ زمین میں دھنس جانا۔ یہ نیچے سے عذاب آنے کی صورتیں ہیں اوپر اور نیچے دونوں جہتیں بیان فرما دیں جن سے عام طور پر عذاب آنے کا تصور ہو سکتا ہے ورنہ اللہ کو ہر چھ جہت سے عذاب بھیجنے کی قدرت ہے۔ رسول ﷺ کی دعاؤں میں یہ بھی منقول ہے۔

اللّٰھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن فوقی وَاعوذبک بعظمتک ان اغتال من تحتی یعنی الخسف.

(اے اللہ! میری حفاظت فرما! میرے سامنے سے اور میرے پیچھے سے اور میرے دائیں سے اور میرے بائیں سے اور میرے اوپر سے اور میں آپ کی عظمت سے اسکی پناہ لیتا ہوں کہ اپنے نیچے سے ہلاک کر دیا جاؤں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۰) اس روایت میں ان اغتال من تحتی کی تفسیر حسف یعنی زمین میں دھنسا دیے جانے سے کی ہے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

سورۂ مُلک میں فرمایا۔ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ (کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ تم پر بھیج دے پتھر برسانے والی ہوا عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کیسا ہے میرا ڈرانا)

اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (یا بھڑا دے تم کو گروہ گروہ کر کے اور چکھا دے بعض کو بعض کی سختی) یہ حاصل ترجمہ ہے' مفسر ابوالبرکات نسفی اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں ج ۲ ص ۱۷ لکھتے ہیں۔

او یخلطکم فرقا مختلفین علی اھواء شتی کل فرقة منکم مشایعة لامام ومعنی خلطھم ان ینشب القتال بینھم فیختلطوا ویشتبکوا فی ملاحم القتال.

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تمہارے مختلف فرقے بنا دے جن کے اھواء افکار مختلف ہوں۔ ہر فرقہ اپنے اپنے پیشوا کے پیچھے چلتا ہو۔ اور خلط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان جنگ کھڑی ہو جائے اور قتل و قتال کے معرکہ میں خلط ملط ہو جائیں اور ایک فریق دوسرے فریق میں گھس جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ تمہارے بہت سے فرقے بنا کر آپس میں جنگ کرا دے اور بعض کو بعض کی قدرت و طاقت اور دشمنی کا مزہ چکھا دے۔ یہ بھی ایک سزا ہے نہ تو آسمان سے آتی ہے اور نہ زمین سے نکلتی ہے۔ انسانوں کے اپنے افکار و تصورات اور معتقدات کی بناء پر فرقے بن جاتے ہیں اور آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں ہے اور یہ

عذاب بہت بڑا عذاب ہے۔ پہلی امتوں پر بھی آتا رہا ہے اور اس امت میں بھی اس کے مظاہرے رہتے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم (تابعی) نے بیان کیا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض بالسیوف (تم لوگ میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو تلوار سے قتل کیا کرو گے حضرت حسن (تابعی) نے فرمایا کہ عَذَاباً مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ مشرکین کے لئے ہے اَوْيَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ مسلمانوں کے لئے ہے (دُرِّ منثور ج۳ ص۲۰)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنی معاویہ کی مسجد پر گذرے۔ وہاں آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے لمبی دعا کی اور اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ مجھے دو چیزیں عطا فرمادیں اور ایک کو قبولیت سے منع فرمادیا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ فرمانا دعا قبول ہوگئی۔

اور میں نے یہ سوال کی کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ فرمانا۔ میری یہ دعا قبول ہوگئی۔ اور میں نے سوال کیا کہ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو تو اس بات کو قبول نہیں فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۵۱۲ ج۲)

کبھی کبھار کہیں سیلاب آجائے کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا قحط سے کچھ لوگ مر جائیں یہ دوسری بات ہے قحط سے یا غرق سے پوری اُمت ہلاک نہ ہوگی۔ اس کی دُعا اللہ جل شانہ نے قبول فرمالی ہے پھر فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (آپ دیکھ لیجئے ہم کیسے آیات کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ سمجھیں) اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مختلف طریقوں سے تفصیل کے ساتھ دلائل بیان فرمائے تاکہ سمجھنے والے غور و فکر کریں اور سمجھنے کا ارادہ کریں تو سمجھ لیں۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ (اور آپ کی قوم نے اس عذاب کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے) قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ یعنی اگر وہ یوں کہیں کہ عذاب کب آئیگا تو آپ جواب دیدیں کہ میں تمہارے اوپر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا۔ عذاب کا لانا میرے بس میں نہیں ہے اللہ جب چاہے گا لے آئیگا۔

پھر فرمایا لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے) مطلب یہ ہے کہ جو خبریں دی گئی ہیں یہ محض خبریں ہی نہیں ہیں ان کے وقوع اور حصول کا وقت مقرر ہے جو اللہ کے علم میں ہے مقرر وقت آجائے گا تو اس کا ظہور ہو جائیگا اور تمہیں عنقریب تکذیب کی سزا معلوم ہو جائے گی۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ

اور اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ ہو جا! یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ

اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ اور جو لوگ

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ

احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تا کہ وہ ڈرنے لگیں' اور چھوڑ دے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو

لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ

کھیل اور تماشا بنالیا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ اور قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کیجئے تا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے نہ پھنس جائے جس کے لئے

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ

اللہ کے علاوہ کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ اور اگر نفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھنس گئے۔ ان کے لئے پینا ہے گرم پانی سے' اور دردناک عذاب ہے' کفر کرنے کی وجہ سے

ان مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت جن میں اسلام کا مذاق بنایا جارہا ہو

تفسیر: بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ مسلمین اور مشرکین ایک جگہ بیٹھتے تھے۔ مشرکین کو قرآن مجید کا احترام نہ تھا۔ بیٹھے بیٹھے اہل ایمان کے سامنے قرآن مجید کا مذاق بنانے لگتے تھے اور امور دین پر طعن کرنے لگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ان ظالموں کو دیکھو تو ان سے اعراض کرو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔ ہاں جب اپنی اس حرکت بد کو چھوڑ دیں اور دوسرے کسی کام میں عمل میں مشغول ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھ سکتے ہو۔ اگر وہ استہزاء اور تمسخر کر رہے ہوں۔ اور تم بھولے سے ان کے پاس بیٹھے رہو تو جب یاد آ جائے اُٹھ جاؤ۔ اور ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گذرا ہے۔ وہاں اس آیت کا حوالہ دیکر فرمایا ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (سورۂ نساء آیت ۱۴۰) اہل کفر سے اگر بالکل ہی دور رہیں تو ان کو حق بات کیسے پہنچائی جائے۔ اور نصیحت اور موعظت کا راستہ کیسے نکالا جائے۔ اس کے لئے ملنے کی ضرورت ہوتی ہے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (اور جو لوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں ہے لیکن نصیحت ہے تا کہ وہ ڈرنے لگیں)

اگر دینی یا دنیاوی ضرورت سے ان کے پاس جانا ہو جائے تو جو لوگ ایمان میں مضبوط ہیں اور منکر کو منکر جانتے ہوئے اپنی ذات کو محفوظ رکھ سکتے ہوں ان پر ان لوگوں کے حساب یعنی باز پرس اور طعن کرنے کے گناہ کا کوئی اثر نہ ہوگا جو تمسخر و استہزاء میں مشغول ہوں' یہ لوگ ان کے پاس جائیں ان کو نصیحت کریں۔ ممکن ہے نصیحت ان لوگوں کے حق میں کارگر

ہو جائے اور وہ طعن و تشنیع اور عیب جوئی سے پرہیز کریں۔ جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر لیں۔

صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۸۴ نے ابوجعفر سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے کہا کہ مشرکین جب قرآن کریم کا استہزاء کرنے لگیں اور ہم اُسی وقت وہاں سے اُٹھ جائیں۔ پھر تو ہم مسجد حرام میں نہیں بیٹھ سکتے۔ اور بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے (کیونکہ مشرکین تو اپنی حرکت سے باز آنے والے نہیں) اس پر آیت وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتا دیا گیا کہ جب تم اپنے اعمال میں لگے ہوئے ہو اُن کی مجلس میں شریک نہیں ہو تو تم پر ان کے اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور جب اختلاط ہو جائے تو ان کی نصیحت اور خیر خواہی سے بھی غافل نہ ہونا۔ ممکن ہے نصیحت اثر کر جائے۔

لہو ولعب والوں کو چھوڑ دیجئے جنہیں دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا: اس کے بعد فرمایا وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا (الآیۃ) پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ جو لوگ آیات کا تمسخر و استہزاء کر رہے ہیں ان سے اعراض کرو اور ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان سے اعراض کرنا کوئی مجلسوں کی شرکت کرنے پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ مستقل یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو (یعنی ترک کرنے اس دین اسلام کو جو اُن کے لئے اللہ پاک نے بھیجا ہے) لہو لعب بنا لیا ہے۔ ان کو چھوڑے رکھو ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اسی کو لذتوں میں مشغول ہیں اور آخرت سے غافل نہیں لیکن اس اعراض اور ترک تعلقات کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو تبلیغ نہ کی جائے۔ اس قرآن کے ذریعہ ان کو تبلیغ کرتے رہو۔ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کی وجہ سے عذاب میں نہ پھنس جائے اور ہلاک نہ ہو جائے۔

دنیا میں جو لوگ ہدایت سے دور ہیں حق قبول نہیں کرتے آخرت میں اُن کے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست و سفارش کرنے والا نہ ہوگا۔ رسول کا کام تو دعوت دینا اور واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ تاکہ اسکی دعوت کو قبول کر کے آخرت کی پکڑ اور عذاب سے محفوظ ہو جائیں لیکن اگر کوئی شخص اس ہدایت کو نہیں مانتا تو وہ اسکی اپنی حماقت ہے۔

میدان قیامت میں نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا ہوگا۔ اور اس وقت جو لوگ عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ وہ چاہیں گے کہ کچھ دے دلا کر چھوٹ جائیں اول تو وہاں فدیہ یعنی جان کا بدلہ دینے کے لئے کچھ نہ ہوگا اور بالفرض ہو بھی اور ہر طرح کا عوض دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی عوض اور بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں اس مضمون کو بالتصریح بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے عذاب میں پھنس

گئے) لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ (ان کے لئے پینا ہے گرم پانی سے) جو بہت گرم ہوگا۔ سورہ محمد میں فرمایا وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اوراُن کو گرم پانی پلایا جائے گا جو ٹکڑے ٹکڑے کردیگا ان کی آنتوں کو) وَعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (اوران کے لئے دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کرنے کی وجہ سے)

فائدہ: مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو ایسی مجلسوں اور محفلوں میں جانا اور شریک ہونا ممنوع ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی یا رسول اللہ ﷺ کی یا کتاب اللہ کی یا دین خداوندی کی یعنی اسلام کی تکذیب کی جاتی ہو یا ان کا مذاق اڑایا جارہا ہو۔ جن ملکوں میں مسلمان رہتے اور بستے ہیں ان میں ایسے ممالک بھی ہیں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور دشمنان اسلام اپنی اسلام دشمنی میں دین اسلام کا مذاق اڑانے اور رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ کا تمسخر کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس کے لئے مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ ڈرامے تیار کرتے ہیں، مسلمانوں کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔

مسلمان، جہالت اور حماقت سے ان میں شریک ہوجاتے ہیں اور ملنساری سمجھ کر گوارا کرلیتے ہیں اسی طرح بعض دشمنان اسلام ایسے مضامین اور ایسی کتابیں شائع کردیتے ہیں جن میں اسلام اور قرآن کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے بے علم سٹوڈنٹس ریسرچ وغیرہ کے عنوان سے ان کو پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ایسے اجتماعات میں شرکت اور ایسے رسائل کا پڑھنا حرام ہے۔ اپنے دین کا مذاق اپنے کانوں سے سُنتا یا اپنی آنکھوں سے ایسے رسائل پڑھنا نہایت بے غیرتی کی بات ہے اگر کہیں غلطی سے کسی ایسے اجتماع میں شرکت کرلی جس میں دین اسلام کی کسی بھی چیز کا استہزاء کیا جارہا ہو تو علم ہوجانے پر اُسی وقت وہاں سے اُٹھ کر چلے جائیں اور فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ پر عمل کریں۔

البتہ بعض ایسی صورتیں سامنے آجاتی ہیں کہ دشمنوں کی باتوں کا توڑ کرنا ضروری ہوتا ہے اور ان کو منہ توڑ جواب دینا لازم ہوتا ہے ایسی نیت سے وہاں پہنچنا جائز ہے مگر اسی شخص کیلئے جو اُن کا جواب دے سکے۔

آج کل مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو تو پڑھتے ہی نہیں۔ بیس بیس سال دنیاوی علوم کی ڈگریاں حاصل کرنے میں لگادیتے ہیں لیکن اسلام کے عقائد اور ارکان سے اور قرآن و حدیث اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اسلئے دشمن کے اعتراضوں کو پیتے چلے جاتے ہیں ان کے جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں۔ اور بعض تو ان کی باتوں سے متاثر ہوجاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات جگہ پکڑ لیتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احساس کمتری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے اعتراض سنتے رہتے ہیں۔ اور کافروں پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔

ایسے لوگوں کے لئے بالکل اختلاط اور میل ملاپ حرام ہے۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے مستشرقین کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان کے سامنے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور اعتراضات ہی کا سبق دیتے ہیں اور انہوں نے جو کچھ پڑھایا ہے اس کے مطابق جواب ملنے سے ڈگری ملتی ہے پھر مسلمان طلباء میں آکر اپنی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں جو

دشمنانِ دین سے سیکھ کر آئے ہیں۔ ایسی یونیورسٹیوں میں داخل ہونا بالکل حرام ہے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا جو ہمیں نفع نہیں دیتا اور جو ہمیں ضرر نہیں دیتا، اور کیا ہم اسکے بعد اُلٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں جبکہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی،

كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِی الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا

کیا ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اس حال میں کہ حیران ہو کر بھٹکتا پھر رہا ہو۔ اس کے ساتھی ہیں جو اُسے بُلاتے ہیں کہ ہدایت کی طرف آ جا ہمارے پاس۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ

آپ فرما دیجئے بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ

اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا

فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

سو وہ ہو جائے گا، اور اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لئے ساری حکومت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کو اور ظاہر چیزوں کو۔ اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے

صرف اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے

تفسیر: تفسیر دُرّ منثور ج ۳ ص میں نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اہل ایمان سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کر لو اور محمد ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ اس پر آیت کریمہ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا۔ نازل ہوئی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بطور مثال ایک شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جو کہ راستہ سے بھٹک گیا۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے اُسے صحیح راستہ کی طرف بُلا رہے ہیں اور جنگل میں جہاں وہ راہ گم کر چکا تھا وہاں شیاطین بھی موجود ہیں انہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے وہ اسے اپنی خواہشوں پر چلانا چاہتے ہیں۔ اس حالت میں وہ حیران کھڑا ہے۔ اگر وہ شیاطین کی طرف جاتا ہے تو وہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔ اور اگر اپنے ساتھیوں کی آواز پر جاتا ہے تو ہدایت پا جاتا ہے اور شیاطین سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کو کافروں نے واپس گمراہی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دی اور بُت پرستی کی ترغیب دی۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم ان کو جواب دیدو کیا اللہ کو چھوڑ کر جو پوری طرح نفع و ضرر کا مالک ہے ہم ان کو پکاریں جو کچھ بھی نفع و ضرر نہیں دے سکتے اور کیا اللہ کی طرف سے ہدایت مل جانے کے بعد اُلٹے پاؤں واپس ہو جائیں؟ ایسا نہیں ہوگا۔ خدا نخواستہ العیاذ باللہ! اگر ہم ایسا کر لیں تو ہماری وہی مثال ہو جائیگی جیسے کوئی شخص جنگل میں راہ بھٹکا ہوا کھڑا ہوا سے شیاطین

نے حیران ہلکان کر رکھا ہو وہ اسے اپنی گمراہی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھی اُسے ہدایت کی طرف بُلا رہے ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہم کافروں کی بات مان لیں تو ہماری وہی حالت ہو جائے گی جو اُس حیران پریشان شخص کی حالت ہوتی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے) جب ہمیں اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نواز دیا تو اب ہم کفر و شرک کی طرف کیوں جائیں؟ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین ہی کے فرماں بردار رہیں) وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ (اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو) وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (اور وہی رب العٰلمین ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) جب اسکی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اس وقت سب کے فیصلے ہو جائیں گے۔ ہم اس کی عبادت کو کیسے چھوڑ دیں اور اسکی توحید سے کیسے منہ موڑیں۔

پھر فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (اور ہمارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ یعنی بالکل ٹھیک طریقے پر پیدا فرمایا) وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ (اور جس دن اللہ تعالیٰ فرما دے گا کہ ہو جا بس ہو جائے گا) یعنی قیامت کے دن کا حشر و نشر کچھ بھی مستبعد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کُنْ فرما دینا ہی اس کے وجود میں آ جانے کے لئے کافی ہے۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ (اس کا فرما دینا حق ہے) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ (اور جس دن صور پھونکا جائے گا ساری حکومت اسی کی ہوگی) کوئی بھی مجازی با اختیار باقی نہ رہے گا۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہری چیزوں کا) وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ (اور وہ حکمت والا خبر رکھنے والا ہے) وہ حکمت کے مطابق اور اپنے علم کے مطابق جزا سزا دیگا۔ اور صور پھونکے جانے میں تاخیر ہونا اسکی حکمت کے مطابق ہے۔ جب اُس کی حکمت کا تقاضا ہو گا صور پھونکنے کا حکم فرما دیگا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟ بلاشبہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں،

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات دکھائیں۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب اُس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو

رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

ایک ستارہ دیکھا کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ستارہ غروب ہو گیا تو یوں کہا کہ میں غائب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً

پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہوتا، پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا

قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب سورج غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں۔ جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔ بے شک میں نے اپنا رُخ

لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ

اُس ذات کی طرف موڑا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں۔ اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۗ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ

اور اس کی قوم نے حجت بازی کی تو اس نے جواب میں کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمادی،

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر ہاں جو کچھ میرا رب چاہے میرے پروردگار کا علم ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں

عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

کرتے؟ اور میں کیونکر ان سے ڈروں جنھیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا ہے جس کی کوئی دلیل

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

تم پر اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ سو دونوں فریقوں میں کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو

چاند سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ

تفسیر: حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بعد آنیوالے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں ان کی قوم بابل کے آس پاس رہتی تھی جو آجکل عراق کا ایک شہر ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نمرود نامی ایک شخص تھا وہ خدائی کا دعویدار تھا۔ ساری قوم بُت پرست تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد جس کا نام آزر تھا وہ بھی بُت پرست تھا اور ساری دنیا کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ ایسے موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی وہ خالص مُوَحِّد تھے۔ اللہ پاک کی توحید کی طرف انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی اور اس بارے میں انہوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ (جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖ میں گذر چکا ہے) اپنی قوم کو انہوں نے طرح طرح سے سمجھایا اور قائل کیا لیکن قوم نے ایک نہ مانا بُت پرستی پر جمے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ جس کا واقعہ سورہ انبیاء (رکوع ۵) میں اور سورہ صافات (رکوع نمبر ۳) میں مذکور ہے۔

اپنے والد سے جو ابراہیم علیہ السلام نے خطاب فرمایا یہاں اس کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَتَتَّخِذُ

اَصْنَامًا اٰلِهَةً (کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے) اِنِّیْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں) سورۂ مریم میں ہے اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْئًا (جبکہ ابراہیم نے کہا اے میرے باپ تم کیوں ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور تمہیں کوئی فائدہ نہ دے)

اپنے باپ کو صراطِ مستقیم کی دعوت دی اور بتایا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو اور یہ بھی فرمایا تم جس دین پر ہو اس پر قائم رہنے سے اللہ پاک کی طرف سے عذاب پہنچ جائے گا۔ ان کے باپ نے ساری سُنی ان سُنی کر دی۔ اور کوئی بات نہ مانی اور سختی کے ساتھ جواب دیا۔ کہ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا (اگر تو باز نہ آیا تو تجھے ضرور بالضرور سنگسار کر دوں گا۔ یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا اور تو مجھے چھوڑ کر بالکل ہی علیحدہ ہو جا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مختلف عنوانات سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اس کے ذیل میں ستارہ پرستوں سے بھی خطاب فرمایا علامہ ابن کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ ج۱ ص ۱۴۰ میں لکھتے ہیں کہ دمشق اور اُس کے آس پاس کے لوگ کواکب سبعہ (سات ستاروں) کی عبادت کیا کرتے تھے۔ دمشق کے سات دروازے تھے اور وہاں میلے لگاتے تھے۔ اور بھینٹ اور نذرانے چڑھاتے تھے۔ (کواکب سبعہ سے شمس۔ قمر۔ زحل۔ عطارد۔ مریخ۔ مشتری۔ اور زُہرہ مراد ہیں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جو یہاں قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اپنے علاقے سے ہجرت کرنے کے بعد دمشق کے آس پاس کہیں پیش آیا واقعہ یہ ہے کہ ان کو ایک چمکدار ستارہ نظر آیا صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۸ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ ستارہ مشتری تھا۔ اور حضرت قتادہؓ کی طرف یوں منسوب کیا ہے کہ یہ ستارہ زُہرہ تھا۔ بہرحال جو بھی ستارہ ہو خوب چمکدار اور روشن تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا تو اُس وقت جو ستارہ پرست موجود تھے ان سے بطور فرض بحیثیت ایک الزام دینے والے مناظر کے یوں فرمادیا کہ یہ میرا رب ہے خود تو موحد تھے۔ غیر اللہ کو رب نہیں مانتے تھے لیکن ان کو آخر میں قائل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا' وہ ستارہ کچھ دیر کے بعد چھپ گیا تو آپ نے فرمایا کہ چھپ جانے والوں اور غروب ہونے والوں سے میں محبت نہیں کر سکتا' جو چھپ گیا وہ کہاں اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

ابھی صاف بات نہ کہی حقیقت کی طرف اشارہ فرمادیا۔ اس کے بعد چاند نظر آیا جو بہ نسبت ستاروں کے بڑا تھا اور خوب زیادہ روشنی والا تھا۔ اس کو دیکھ کر اُسی پہلے انداز کے مطابق فرمادیا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر وہ بھی غروب ہو گیا تو اس مرتبہ فرمایا کہ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہوں میں سے ہو جاتا۔ جب ستارہ غروب ہوا تھا تو فرمایا تھا کہ میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی جو غائب ہو جائے اور ذاتی طور پر ایک حال پر باقی نہ رہ سکے میں اسے معبود نہیں مان سکتا' بات کو اپنے اوپر رکھ کر کہا جو گمراہوں کو دعوت دینے کا تبلیغ طریقہ ہے اس میں ان لوگوں پر تعریض تھی کہ تم لوگ عدیب ہو۔ جسے اپنے اوپر اختیار نہیں اسکو معبود بنائے ہوئے ہو' چونکہ پہلی مرتبہ ستارہ کے غروب ہونے پر وہ لوگ

کسی درجہ میں قائل ہو چکے تھے اسلئے چاند کے غروب ہو جانے پر بات کا رُخ بدل دیا۔

اس مرتبہ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ اس میں بھی بات کو اپنے اوپر رکھا اور فرمایا میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہوں میں سے ہوتا۔ اس میں اشارۃً یہ بیان فرما دیا کہ تم لوگ ستارہ پرستی کی وجہ سے گمراہ ہو پھر جب سورج نکلا وہ اپنی چمک اور روشنی میں ستاروں سے اور چاند سے بڑھ کر تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ میرا رب ہے یہ پہلے دونوں چمک دار ستاروں سے بڑا ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دنیا میں رہتے تھے۔ اور روزانہ آفتاب کو بھی دیکھتے تھے۔ اور انہیں معلوم تھا کہ آفتاب سے بڑا دوسرا کوئی ستارہ اپنے وجود مادّی اور چمک دمک کے اعتبار سے نہیں ہے' اور اس کے بعد کوئی بڑا ستارہ طلوع ہونے والا نہیں لہٰذا اُنہوں نے تیسری مرتبہ ستارہ پرستوں کو قائل کرنے کا موقع تھا اسلئے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرمایا' جب سورج بھی غروب ہو گیا تو بہت زوردار طریقہ پر فرما دیا۔

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (کہ اے میری قوم! جن چیزوں کو تم شریک بناتے ہو میں اُن چیزوں سے بری ہوں بیزار ہوں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حاضرین کو بتایا کہ جن چیزوں کو تم معبود بناتے ہو ان کو تم نے معبود حقیقی کی خدائی میں شریک کر رکھا ہے۔ تمہارا یہ طریقہ غلط ہے جن چیزوں کو تم پوجتے ہو یہ تو اسی خدا وحدہٗ لاشریک کی مخلوق ہیں جس کی مشیت اور ارادہ سے ان کا وجود ہے۔ اور جس کی مشیت وارادہ سے یہ آتے جاتے ہیں نکلتے ہیں اور چھپتے ہیں۔

نیز یہ بھی بتا دیا کہ میں شرک سے بری ہوں جس میں تم لگے ہوئے ہو تمہیں بھی شرک سے بیزار ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ خالق جَلَّ مجدہٗ کے علاوہ کسی کو پوجنا راہِ ہدایت کے خلاف ہے۔ اس بات کی طرف لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ فرما کر اشارہ کر چکے تھے۔ کنایہ اور اشارہ کے بعد تصریح کا راستہ اختیار فرمایا اور واضح طور پر فرما دیا۔ کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ میں نے اپنا رُخ پھیر دیا اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ میں باطل معبودوں کی طرف متوجہ نہیں ہوں میں اُن سے منہ موڑے ہوئے ہوں اور شرک کرنے والا نہیں ہوں۔

قوم کی حُجت بازی کا جواب: باوجود یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو دلیل سے عاجز کر دیا۔ اور بتا دیا کہ جس کے قبضہ قدرت میں ان چھوٹے بڑے ستاروں کا تصرف ہے' جس کے حکم سے یہ طلوع غروب ہوتے ہیں صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے اور کسی بھی مخلوق کی عبادت کرنا یہ خالق ومالک کے ساتھ شرک کرنا ہے جو عقلی طور پر بھی بدترین چیز ہے' اور اپنے بارے میں موحّد ہونے اور شرک سے بیزار ہونے کا اعلان فرما دیا تب بھی ان کی قوم نے

حجت بازی جاری رکھی۔ وہ کہنے لگے کہ تم یہ کیسے کہتے ہو یہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں۔ ہم تو اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں تم ہم سے ہمارا دین چھڑوانا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم کو بھی ہمارے دین میں آجانا چاہیئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اَتُحَآجُّوْنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ (کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ اُس نے مجھے ہدایت دی) جب مجھے ہدایت مل گئی جس کو میں پوری طرح بصیرت سے ہدایت سمجھتا ہوں تو اب معبود حقیقی کو کیسے چھوڑوں اسی نے مجھے ہدایت دی ہے اور اسی سے میں ہر طرح کی خیر کی امید رکھتا ہوں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبود سے ڈرایا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ (کہ جن چیزوں سے مجھ کو ڈراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا) یہ تو خود بے جان ہیں۔ نفع وضرر کے مالک نہیں۔

مزید فرمایا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا۔ تمہارے یہ معبودان باطلہ تو کچھ بھی ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہاں میرا رب ہی اگر چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی نقصان یا تکلیف پہنچ جائے۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) دلیل سے عاجز ہو جانے کے بعد اور یہ جاننے کے بعد کہ تمہارے اور معبودان باطلہ کچھ نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے شرک پر اَڑے ہوئے ہو تمہاری سمجھ میں آجانا چاہیئے اور تمہیں نصیحت قبول کرنی چاہیئے۔

قال صاحب الروح ج۷ ص ۲۰۵ ای اتعرضون بعد ما اوضحته لکم عن التامل فی ان الھتکم بمعزل عن القدرة علی شی ما من النفع او الضرر فلاتتذکرون انھا غیر قادرة علٰی اضراری (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی کیا تم میرے واضح کردینے کے بعد بھی اس بات میں غور کرنے سے بھاگتے ہو کہ تمہارے معبود کسی قسم کا کچھ بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں رکھتے' کیا اب بھی تم نہیں سمجھتے کہ وہ مجھے نقصان دینے پر قادر نہیں ہیں)

پھر فرمایا وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا (حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا جن کے شریک ہونے کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی) تمہارے معبود تو بے قدرت ہیں۔ میں ان کی طرف سے بے خوف ہوں اور پُر امن ہوں۔ میں ان سے کیوں ڈروں۔ تم پر لازم ہے کہ معبود حقیقی سے ڈرو جسے نفع وضرر پہنچانے کی پوری قدرت ہے۔ اور تم نے اس کے جو شریک تجویز کر لیے ہیں یہ سب اپنے پاس سے تجویز کئے ہیں جس کی کوئی سند اور دلیل اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اپنی اس حرکت بد کیوجہ سے تمہیں معبود حقیقی سے ڈرنا لازم ہے۔

قال صاحب الروح ج۷ ص ۲۰۲ ای کیف اخاف انا ما لیس فی حیز الخوف اصلًا وانتم لا تخافون غائلة ما ھو اعظم المخوفات واھولھا وھو اشراکم باللّٰه تعالٰی الذی فطر السمٰوٰت والارض ماھو من جملة مخلوقاته. (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں یعنی میں اس چیز سے کیسے ڈروں جو کہ بالکل ڈرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اس شر سے نہیں ڈرتے جو کہ سب سے زیادہ ڈرنے کی چیز ہے اور سب سے زیادہ اندوہناک ہے اور وہ ہے تمہارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بنایا جو اس کی مخلوقات میں سے ہیں)

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سو دونوں فریقوں میں کون سا فریق امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو)۔

مطلب یہ ہے کہ میں تو معبود حقیقی کا پرستار اور عبادت گذار ہوں اور تم نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں تم غور کرلو کہ لائق امن وامان کون ہے میں ہوں یا تم ہو؟ مجرم تو تم ہو شرک کرتے ہو اور معبود حقیقی سے نہیں ڈرتے اور مجھے باطل معبودوں سے ڈراتے ہو اپنی صحیح سمجھ سے کام لیتے تو تمہارا علم تمہیں صحیح راہ پر ڈال دیتا۔

پھر فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کے ساتھ ان کا مکالمہ اور مباحثہ بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل قانون بتادیا اور وہ ایک ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم یعنی شرک کی ملاوٹ نہ کی تو ان کے لیے امن کی ذمہ داری ہے اور ان کے لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ امن سے رہیں گے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ اہل ایمان کے بارے میں باامن ہونے کی بشارت دیدی جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے اس کے علاوہ جو عقائد و اعمال ہوں ان کے بارے میں کوئی کیسا ہی ہدایت پر ہونے کا دعوے دار ہو وہ ہدایت پر نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو خدا کو مانتے ہیں لہٰذا ہم بھی عذاب سے بے خوف ہونے کے مستحق ہیں۔ اور ہدایت پر ہیں اس آیت میں جواب دیدیا کہ ان لوگوں کا اللہ کو ماننا اور اللہ کے نزدیک مقبول و معتبر نہیں ہے جو اپنے ایمان میں شرک کو ملاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے تجویز کرتے ہیں اللہ کے ہیں ایمان معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور آخرت کے دن پر اور اُن تمام چیزوں پر ایمان لائے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تو آپ پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

اور یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کو چاہیں مرتبوں کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ

اور ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی اور ان کی ذریت سے داؤد کو

وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى

اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو۔ اور ہم اسی طرح نیک کاروں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا کو اور یحییٰ کو

وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

اور عیسیٰ کو اور الیاس کو۔ سب صالحین میں سے ہیں اور اسماعیل کو اور الیسع کو اور یونس کو اور لوط کو۔ اور سب کو ہم نے فضیلت دی

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

جہانوں پر اور اُن کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے اُن کو چن لیا۔ اور اُن کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور اگر یہ حضرات شرک اختیار کر لیتے تو جو اعمال کیا کرتے تھے وہ سب حبط ہو جاتے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا

یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ سو اگر زمانہ موجودہ کے لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے بہت سے لوگ ایسے مقرر کر دیے ہیں

لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ

جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اقتداء کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے

اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا یہ تو صرف نصیحت ہے جہانوں کے لئے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ اور اُن کا اقتداء کرنیکا حکم

تفسیر: اوپر حجت بیان کی جو ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں کو پیش کی اور انہیں بتایا کہ غروب ہونے والا معبود نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے نہیں ڈرتا یہ دلیل اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بتا دی اور ان کے دل میں ڈال دی۔ جس سے انہوں نے قوم کو سمجھایا اور قائل کر دیا اور جواب سے عاجز کر دیا وَتِلْكَ حُجَّتُنَا میں اسی کو بیان فرمایا ہے اس کے بعد فرمایا۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (ہم درجات کے اعتبار سے جس کو چاہیں بلند کر دیتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب ہی درجات عالیہ والے تھے اور اُن میں اللہ پاک نے بعض کو بعض پر رفعت و فضیلت دی ہے جیسا کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ میں بیان فرمایا ہے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بلند درجات والے تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں اور اپنی قوم سے بڑے بڑے مقابلے کئے اور نمرود کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا جس سے وہ لاجواب ہو کر رہ گیا۔ اور ان کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے سب ان کی نسل میں سے ہیں آپ ابوالانبیاء ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد اُن کے بیٹے اسحٰق اور اُن کے بیٹے یعقوب علیہما السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا كُلًّا هَدَيْنَا کہ ہم نے ان سب کو ہدایت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنی اولاد کو تعلیم دی۔ ان حضرات نے اس کو اپنایا اور باقی رکھا اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔

پھر فرمایا وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ۔ اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی' حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ اُن کے زمانہ کے طوفان میں ہلاک ہونے کے بعد زمین پر جو دوبارہ آبادی ہوئی وہ اُن کی اولاد سے پھیلی' روح المعانی ج ۷ ص ۲۱۱ بحوالہ معجم طبرانی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کرام میں سب سے پہلے کون تھے؟ تو فرمایا نوح علیہ السلام تھے اُن کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دس قرن کا فاصلہ تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جو سب سے پہلا نبی بتایا۔ یہ اولیت اضافیہ پر محمول ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصریح حدیث میں موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا نام جو نوح مشہور ہے اس کو بعض حضرات نے عجمی یعنی غیر عربی بتایا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ سریانی زبان میں اس کا معنیٰ ساکن کا ہے لیکن حاکم نے مستدرک میں فرمایا ہے کہ اُن کا نام عبدالغفار تھا۔ اور اُن کا نام نوح اسلیئے مشہور ہوا کہ وہ خوف وخشیت کی وجہ سے اپنے نفس کے بارے میں زیادہ رونے والے تھے۔

اگر نوح لفظ عجمی ہو تو اس لیئے غیر منصرف نہ ہوا کہ متحرک الاوسط نہیں ہے۔ پھر فرمایا وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ۔ اور ابراہیم کی ذُرّیت سے ہم نے داؤد' سلیمان' ایوب' یوسف' موسیٰ اور ہارون کو طریق حق کی ہدایت کی حضرت داؤد علیہ السلام وہی ہیں جنہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا اور اللہ نے ان کو نبوّت اور حکومت عطا فرمائی تھی' اُن کے بعد اُن کے بیٹے سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور نبی بھی۔ انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی' اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ابن جریر نے کہا ہے کہ وہ ابن موص ابن روم ابن عیص ابن اسحاق تھے۔

اس اعتبار سے حضرت اسحاق علیہ السلام اُن کے جدّ رابع ہوئے۔ مورخ ابن عساکر سے منقول ہے کہ اُن کی والدہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو مشہور ہی ہیں۔ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے تھے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۹۷)

پھر حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا ذکر فرمایا ان دونوں کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ہارُونَ علیہ السلام موسےٰ علیہ السلام کے بھائی تھے اس کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے (هٰرُوۡنَ اَخِى اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِىۡ) لیکن حقیقی بھائی تھے یا ماں شریک اِس میں دونوں قول ہیں۔ موسےٰ اور ہارون دونوں غیر عربی لفظ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اُن کو بچپن میں درختوں کے درمیان ڈال دیا گیا تھا جہاں پر پانی بھی تھا۔ قبطی زبان میں پانی کو مُوۡ اور درخت کو شَا کہا جاتا ہے اسلئے اُن کو مُوۡشَا کہا جانے لگا پھر عربی میں ش' س سے بدل گیا چونکہ الف مقصورہ کی صورت میں لکھا اور پڑھا جاتا ہے اس لئے اس پر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ قانون نحوی کے اعتبار سے غیر منصرف

ہونا چاہیے۔ لفظِ ہارون کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عبرانی زبان میں اس کا معنی مُحَبَّب کا ہے یعنی جو سب کو محبوب ہو۔

اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (اور اسی طرح ہم اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور اُن کے بعد والے حضرات کو نوازا اور اُن کے اعمال پر اُن کو اچھا بدلہ عطا کیا ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہماری یہی عادت ہے۔ (روح المعانی بزیادۃ)

اس کے بعد فرمایا وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ۔ یہ بھی وَوَهَبْنَا کے ماتحت ہے یعنی یہ حضرات بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذُرّیت سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد تھے۔ اور انہوں نے اللہ پاک سے دعا کی تھی کہ مجھے ذریتِ طیبہ عطا فرمائیں۔ باوجود ان کی بیوی کے بانجھ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام یحییٰ رکھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام ہی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم بتول بھی اُن کی والدہ کے دُعا مانگنے پر پیدا ہوئیں۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ میرے لڑکا پیدا ہوا تو میں بیت المقدس کی خدمت میں لگا دوں گی لیکن وہاں لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا اور یہ لڑکی جلدی جلدی بڑی ہوتی چلی گئی۔ اور پھر اس کے بطن سے بغیر کسی مرد کے واسطہ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ سارا واقعہ سورۂ ال عمران کے چوتھے پانچویں رکوع میں گذر چکا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے اور اُن کا یہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صرف والدہ کے توسط سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ کے عموم میں وہ بھی شامل ہے۔ اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ ذرّیت کا لفظ بیٹیوں کی اولاد کو شامل ہے۔ وفیہ خلاف بین العلماء (راجع روح المعانی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر فرمایا ان کو بعض حضرات نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بتایا ہے۔

پھر فرمایا كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ (یہ حضرات صالحین میں سے تھے) یعنی صالحیت میں کامل تھے۔ ہر وہ کام جس کا کرنا مستحسن ہو اور ہر اس کام سے بچنا جس سے بچنے کا حکم ہو یہ سب صالحیت کے مضمون میں شامل ہیں۔

سب سے بڑے صالحین حضرت انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر فرمایا وَإِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا۔ اگر اس کو وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ کے بعد ذکر کئے جانے والے حضرات پر معطوف کیا جائے تو یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت میں سے نہیں تھے۔ نیز حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہیں تھے۔

اس اشکال کے رفع کرنے کے یہاں أَرْسَلْنَا یا بَعَثْنَا یا هَدَيْنَا محذوف مان لینے سے اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت

اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور اُن کی نسل سے سیدنا محمد ﷺ تھے۔ جن کے لیے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام دونوں نے یوں دعا کی تھی رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ الاٰية ۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد الیسع کا تذکرہ فرمایا۔ ان کو ابن اخطوب بن العجوز بتایا گیا ہے۔ مفسّرین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ عجمی ہے اس پر الف لام خلاف قیاس داخل ہوا۔ وقرء حمزة والكسائى اللَّيۡسَعُ علىٰ وزنة ضَيۡغَم' اور ایک قول یہ ہے کہ یوشع کا معرب ہے وَاللّٰهُ تعالىٰ اَعلم:۔

حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام مَتّٰی تھا یہ نینویٰ علاقہ کے رہنے والے تھے اور وہاں کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کا تذکرہ سورہ انبیاء (ع ۶) میں اور سورۂ صافات (ع ۵) میں اور سورۂ نون والقلم (ع ۲) میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ہم اس کو انشاء اللہ سورہ صافات کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا آپ لوط بن ہاران بن آزر ہیں حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی کے بیٹے تھے ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر انہوں نے بھی لبیک کہا اور اُن کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھی نبوّت سے سرفراز فرمایا اور چند بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا جن کا تذکرہ سورہ اعراف (رکوع نمبر ۹) میں اور سورۂ شعراء وغیرہ میں فرمایا ہے تفصیل جاننے کے لیے سورہ اعراف کا مطالعہ فرمائیں۔

پھر فرمایا وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ اور ہم نے ان سب کو جہانوں پر فضیلت دی۔ چونکہ خاتم النبیین ﷺ ان سب سے افضل ہیں اسلیئے مفسرین لکھتے ہیں علی عالمی عصر ھم یعنی اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر ان کو فضیلت دی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔

پھر فرمایا وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ یعنی اوپر جن حضرات کا ذکر ہوا اُن کے آباء اور ان کی ذرّیتوں اور اُن کے بھائیوں میں سے بھی بہت سوں کو ہدایت ہوئی۔ یہ معنی اس صورت میں ہے جبکہ هَدَيۡنَا محذوف مانا جائے اور فَضَّلۡنَا سے بھی متعلق ہو سکتا ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ ان حضرات کے آباء اور ذرّیات اور اخوان میں سے بھی بہت سوں کو فضیلت دی۔

قال صاحب الروح ومن ابتدائية والمفعول محذوف اى وهدينا من اٰبائهم واٰبناء هم واخوانهم جماعات كثيرة اور معطوف على كلافضّلنا ومن تبعيضية أى فضلنا بعض اٰباءِ هم الخ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور من ابتدائیہ ہے اور مفعول محذوف ہے یعنی ہم نے ان آباء واجداد اور ان کے بیٹوں اور ان کے بھائیوں میں سے بہت سی جماعتوں کو ہدایت دی۔ اور عطف کلا فضلنا پر ہے اور من تبعیضیہ ہے یعنی ان کے بعض آباء کو)

پھر فرمایا وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (اور ہم نے ان کو چُن لیا اور اُن کو ہدایت دی) اس میں مضمون سابق کی تقریر اور تاکید ہے۔ پھر فرمایا ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ یہ صراط مستقیم کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسکی ہدایت فرمادے اس میں یہ بتایا کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے کسی کو گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے کہ میں صاحب ہدایت ہوں۔ حضرات انبیاء ہوں یا اولیاء سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور صراط مستقیم پر باقی رکھا۔

پھر فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور گر یہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل کیا کرتے تھے وہ سب ثواب کے اعتبار سے باطل ہو جاتے) کیونکہ شرک اور کفر تمام اعمال کو باطل کر دیتا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک اور کفر کا صدور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُن سے گناہ بھی سرزد نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم ہیں' بطور فرض یہ بات فرمائی اور اس سے دوسروں کو سبق مل گیا کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ حال ہے تو دوسرا کوئی شخص جو مشرک ہوگا اُس کے اعمال صالحہ (جو بظاہر دیکھنے میں اعمال صالحہ ہیں) کا ثواب کیسے مل سکتا ہے کافر اور مشرک کے اعمال باطل ہیں اور اگر کسی نے اسلام کے زمانہ میں اعمال کئے اور پھر مُرتد ہو گیا تھا اس کے اعمال بھی باطل ہیں۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکم دیا اور نبوت عطا کی) اس میں جو لفظ کتاب ہے اس سے جنس مراد ہے جس جس نبی کو جو کتاب ملی عموم جنس میں اُن سب کا ذکر آ گیا۔ اور الحکم جو فرمایا اس سے حکمت یعنی حقائق الاشیاء کی معرفت مراد ہے اور لوگوں کے درمیان صحیح صحیح فیصلے کرنا بھی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے درمیان فیصلے بھی فرماتے تھے۔ ان حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ لفظ نبوت وارد ہوا ہے لفظ رسالت نہیں ہے نبی تو ہر پیغمبر ہے لیکن رسول کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ رسول وہ ہے جسے نئی شریعت اور نئی کتاب دی گئی ہو۔

لفظ نبوۃ لا کر سب کو مضمون بالا میں شریک فرمالیا۔ پھر فرمایا فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ سو اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ ان حضرات کی نبوت کا انکار کریں (جس میں سیدنا محمد رسول ﷺ اور قرآن کا انکار بھی ہے کیونکہ ان حضرات کی نبوت کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اور قرآن مجید نے دی ہے) سو ہم نے اس کے لئے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کے منکر نہیں۔ یعنی انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانے والے اور خاتم الانبیاء ﷺ اور آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان لانے والے لوگوں کو کثیر تعداد میں ہم نے مقرر کر دیا ہے ایمان لانے والے کثیر تعداد میں ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے بھی اہل ایمان ہیں وہ سب مراد ہیں اس قول میں جامعیت ہے جو اولین اور آخرین تمام اہل ایمان کو شامل ہے۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کریں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اصولِ ایمان یعنی توحید اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بکتب اللہ و رسلہ اور ایمان بالیوم الآخر میں ان حضرات کی اقتداء کا حکم ہے۔

نیز حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی جو صفات تھیں (عبادت' زُہد' شکر' تواضع اور تضرع) ان چیزوں میں ان کا اقتداء کرنا مراد ہے۔ ان حضرات نے اپنی قوموں کے انکار اور ایذاء رسانی پر صبر کیا۔ حلم سے کام لیا آپ بھی اسکو اختیار کریں

سورہ صٓ کے سجدہ کے بارے اختلاف ہے۔ حضرات شوافع کے نزدیک سورہ صٓ میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۹ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سورہ صٓ کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ پر سجدہ کیا تو حضرت مجاہد تابعی جو اُن کے شاگرد ہیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے کس دلیل سے یہاں سجدہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم یہ آیت نہیں پڑھتے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ الیٰ قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ حضرت داوٗد علیہ السلام ان حضرات میں تھے جن کی اقتداء کا تمہارے نبی کو حکم دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں سجدہ کیا (لہٰذا ہم بھی سجدہ کرتے ہیں) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورہ ص کا سجدہ واجب ہے۔

پھر فرمایا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کہ میں اس پر تم سے کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا۔ (یہ جو تبلیغ اور دعوت کا کام ہے یہ سب اللہ کی رضا کے لئے ہے اس کا ثواب مجھے اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے) سورہ سبا میں فرمایا قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (آپ فرما دیجئے کہ میں نے تم سے جو معاوضہ طلب کیا ہو وہ تمہارے ہی لئے ہے بس میرا اَجر صرف اللہ پر ہے اور وہ ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے) مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہوں۔ بالفرض میں نے تم سے کبھی طلب کیا تو مجھے نہیں چاہیئے وہ تم خود ہی رکھ لو۔

آخر میں فرمایا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (یہ قرآن جو میں تمہیں سُناتا ہوں یہ جہانوں کے لئے محض ایک نصیحت ہے) اس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی کا ذکر ہے۔ جب قرآن سارے جہانوں' سارے جنات اور سارے انسانوں کے لئے ہے اور کسی خاص قوم کے لئے مخصوص نہیں ہے تو قرآن لانے والا بھی ان سب کے لئے اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

قال صاحب الروح واستدل بالاية على عموم بعثته ﷺ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور اس آیت سے حضور ﷺ کی بعثت کے عام ہونے پر استدلال کیا گیا ہے)۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسے پہچانی تھی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نازل نہیں فرمائی آپ فرما دیجئے کہ کس نے اتاری وہ کتاب

الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ

جسے موسیٰ لے کر آئے جو نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت تھی۔ تم نے اُسے الگ الگ ورقوں میں کر رکھا ہے جنہیں تم ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ چھپاتے ہو

كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور تم کو وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں جانا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمایا۔ پھر اُن کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے

یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا بہت سے لوگ تو ذات باری تعالیٰ کے منکر ہی رہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا ان میں سے بہت سوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیئے اور اللہ کی صفات کمالیہ علم وقدرت وغیرہ کو ماننے کی طرح نہ مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں بہت سے لوگ ان کے منکر ہو گئے۔

اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ (جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا اس سے مشرکین مکہ مُراد ہیں جنہوں نے یہ بات کہی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔ دُرِّ منثور ج ۳ ص ۲۹ میں ہے کہ مالک بن صیف ایک یہودی تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے لگا۔ یہ علماء یہود میں سے تھا اور بھاری بدن والا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی کیا تو توریت میں یہ مضمون پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھاری جسم والے عالم سے بُغض رکھتا ہے یہ سن کر وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ وہ ضد میں آ کر یہ بات کہہ گیا۔ اور الفاظ کے عموم سے توریت شریف کے نازل ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ اس کے ساتھی جو موجود تھے انہوں نے احساس بھی دلایا اور کہا کہ افسوس ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟ اس نے پھر وہی اپنی بات دُہرائی کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ یہ عناد کی حد ہے کہ ضد میں آ کر انسان اپنے مسلمہ عقائد کا بھی انکار کر بیٹھے اور اپنے دین و ایمان کا بھی منکر ہو جائے۔

بعض لوگ بہت ہی نڈر ہوتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی بطش شدید اور مواخذہ سے نہیں ڈرتے۔ جوشِ غضب میں کُفریہ باتیں کہہ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (کہ انہوں نے اللہ کی ذات وصفات کو ایسا نہیں مانا جس طرح ماننا تھا) اللہ کی ناراضگی اور گرفت کا اندیشہ انہیں بالکل نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر بھی جرأت جاہلانہ کر کے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ان لوگوں کی تردید میں فرمایا۔ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ (آپ فرما دیجئے کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لائے جو نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت تھی) اس میں بطور استفہام تقریری اُن ہی لوگوں سے سوال فرمایا جو منکر ہو رہے تھے اور عناد میں یوں کہہ گئے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ ان سے سوال فرمایا کہ اب تک تو تم یہ کہتے اور مانتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت شریف نازل فرمائی

اور اب کہہ رہے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا کیا یہ حق اور حقیقت کا انکار نہیں ہے؟

ساتھ ہی علماء یہود کے ایک بدترین کردار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۔ (کہ تم نے توریت کو بجائے) اکٹھی مجموعی یکجا کتاب بنانے کے مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو) جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لئے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور سائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز توریت شریف میں جو حضور اقدس ﷺ کی نعت وصفت بیان کی گئی تھی جسے وہ جانتے تھے اپنے عوام سے اسکو چھپاتے تھے۔ توریت شریف کے احکام جو اس وقت تک ان کے پاس موجود تھے ان کو بھی چھپاتے تھے۔ اور ان کی بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔ جیسا کہ زانیوں کے رجم کے بیان میں اسکی تفصیل گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ص۹۰ ج۳)

پھر فرمایا وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَآؤُكُمْ (اور تم کو وہ باتیں بتائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) قُلِ اللّٰهُ آپ فرما دیجئے اللہ نے نازل فرمائی) اس کی تفسیر میں اور ترکیب نحوی میں متعدد اقوال ہیں جو صاحب روح المعانی نے ذکر کئے ہیں اقرب ترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو صاحب بیان القرآن نے اختیار کی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اوّلاً تو تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور اور ہدی ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گو استعمال شرم ناک ہے لیکن اسکی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے۔ اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار کی نہیں۔ یہ بتلاؤ کہ اسکو کس نے نازل کیا ہے اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے اسلئے خود ہی جواب دینے کے لئے حضور کو حکم ہے کہ (قُلِ اللّٰهُ) کہ آپ ہی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مذکور کو نازل فرمایا ہے۔

پھر فرمایا ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (پھر ان کو چھوڑ دیجئے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ لوگ اسے مانتے بھی ہیں اور پھر عناد میں یوں بھی کہہ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ اُن سے یہ سوال فرمانے کے بعد کہ توریت کس نے نازل فرمائی خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ نے نازل فرمائی۔ پھر یہ جواب سنا کر ان کو چھوڑ دیجئے یعنی ان کے پیچھے نہ لگیئے آپ کا فرض منصبی بتا دینا ہے منوانا نہیں ہے وہ اپنی خرافات میں لگے رہیں گے۔ اپنا انجام دیکھ لیں گے اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ حسن عاقبت مؤمنین متقین کے لئے ہے۔

قال ابن کثیر ای ثم دعهم فی جهلهم وضلالهم یلعبون حتی یاتیهم من الله الیقین فسوف یعلمون الهم العاقبة اَم لعباد الله المتقین۔ (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی پھر ان کو ان کی جہالت اور گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یقین آئے گا تو عنقریب جان لیں گے کہ حُسنِ انجام ان کے لئے ہے یا اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کے لئے ہے)

فائدہ: رسول ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری امت پر وہ دَور آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جو بنی اسرائیل نے کیا۔ یہ لوگ بھی وہ سب کچھ کریں گے (حذو النعل بالنعل) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) آپ کی اس پیشین گوئی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مسلمان بنی اسرائیل کے طور طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جو مذہب کی طرف منسوب ہیں پیری مریدی کی گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اُن کا وہی کسب دنیا والا ڈھنگ ہے جو بنی اسرائیل کے لوگوں کا تھا۔ خود ہدایت سے دُور' اتباعِ سُنت سے بعد۔ مُریدوں کو کیا ہدایت دیں؟ صرف جلب زر کے لیے گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں اور قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں۔

جو دنیا کے طلب گاروں پیروں کا حال ہے وہی جھوٹے مدعیان علم کا طریقہ ہے جنہیں جاہ و مال کی طلب ہے۔ ایسے لوگ جانتے بوجھتے ہوئے صحیح مسئلہ بتانے سے گریز کرتے ہیں تاکہ عوام ہم سے نہ کٹ جائیں۔ اہل حق سے مناظرہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اپنے باطل دعوے کو باطل سمجھتے ہوئے حجت بازی کرتے رہتے ہیں اور قرآن و حدیث سے اپنے مطلب کے موافق تحریف کر کے استدلال کر لیتے ہیں۔ جیسے ایک مدعی علم نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ قرآن مجید میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہیں ہے۔

اس پر ایک حافظ صاحب اُٹھ کر چل دیئے تو اسٹیج سے کہنے لگا کہ دیکھو وہ چلا وہابی! حافظ صاحب موصوف نے کہا کہ میں اسلئے جارہا ہوں کہ تو نے غلط بیانی کی ہے کہ قرآن مجید میں لا الہٰ الا اللہ نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

مقرر کہنے لگا کہ قرآن میں لا الہ الا اللہ کہاں ہے؟ حافظ صاحب نے کہا قرآن مجید لاؤ تو میں نکال کر بتاؤں۔ قرآن مجید لایا گیا۔ حافظ صاحب نے نکال کر دکھا دیا (سورۂ صافات رکوع ۲) اور سورہ محمد رکوع ۲ میں لا الہ الا اللہ موجود ہے جب قرآن مجید میں نکال کر دکھا دیا تو مقرر کہنے لگا کہ یہ وہابیوں کا قرآن ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاس سے لکھ دیا ہوگا۔

اپنی بات کی پچ میں ایسی جسارت کرنا بالکل اسی طرح کی بے باکی ہے جیسے مالک بن صیف یہودی نے نفسانیت کی وجہ سے یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔

روافض میں تو یہ بات بہت ہی زیادہ رواج پذیر ہے کہ خود سے جو اپنا دین تراش لیا ہے اس کے مقابلے میں احادیث شریفہ کی تصریحات کو تو کیا مانتے۔ قرآن مجید کے صریح اعلانات کے منکر ہیں۔ اپنی بات رکھنے کے لیے قرآن کی تحریف کے قائل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ توبہ میں سابقین مہاجرین اوّلین اور اُن کے متبعین بالاحسان کے لیے جو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا اعلان فرما دیا۔ یہ لوگ اس سے راضی نہیں اور مہاجرین و انصار کو کافر کہتے ہیں جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح و ستائش ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بدا ہو گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کو پتہ

نہ تھا کہ یہ لوگ بعد میں کافر ہو جائیں گے (العیاذ باللہ)

کیسی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اپنی خود تراشیدہ بات کو غلط کہنے کو تیار نہیں۔ جتنے بھی گمراہ فرقے گذرے ہیں یا اب موجود ہیں سب کا یہی حال ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ

اور یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے بڑی برکت والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ

یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں

قرآن مجید مبارک کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے

تفسیر: یہود نے یہ جو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اس سے قرآن مجید کا انکار بھی لازم آگیا۔ لہٰذا قرآن مجید کے نازل فرمانے کا متصلاً ہی تذکرہ فرمایا۔ اور قرآن مجید کی دو صفات بیان فرمائیں اوّل یہ کہ مبارک ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی دوسری کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۲۲۱ مُبَارَکٌ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای کثیر الفائدة والنفع لا شتماله علی منافع الدارین وعلوم الاوّلین والأخرین یعنی یہ کتاب بہت زیادہ فائدہ والی ہے اسلئے کہ اس میں دونوں جہان کے منافع ہیں اور اوّلین اور آخرین کے علوم ہیں۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں اُن سب کی تصدیق کرنے والا ہے' اس میں یہودیوں کو تنبیہ ہے کہ اس کتاب سے منحرف نہ ہوں جو کتاب تمہارے پاس ہے یہ کتاب اس کے معارض نہیں ہے بلکہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔

توریت شریف پر بھی ایمان لاؤ اور اس کتاب پر بھی۔ پھر فرمایا وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا اور تا کہ آپ ڈرائیں اُمّ القریٰ کے رہنے والوں کو اور جو اس کے آس پاس کے رہنے والے ہیں۔ اُمّ القریٰ مکہ معظمہ کا ایک نام ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں چونکہ آس پاس کی بستیوں میں یہ بڑی بستی تھی اور اپنی ضرورتوں کے لئے لوگ یہاں آتے جاتے تھے۔ اس لئے اس کو ام القریٰ (بستیوں کی ماں) کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس میں قرآن مجید کا مقصد نزول بیان فرمایا اور وہ یہ کہ اس کے ذریعہ اہل مکہ اور وہاں کی آس پاس کی بستیوں کو حق کی دعوت دی جائے اور مخالفت حق سے ڈرایا جائے۔

لفظ وَمَنْ حَوْلَهَا کا مصداق مکہ مکرمہ کے آس پاس کی بستیاں ہیں۔ اور بعض حضرات نے پوری دنیا مراد لی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام جنات اور انسانوں کے لئے ہے۔ اسی لئے دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (سورہ انعام ع ۲) آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ یعنی جولوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں انہیں آخرت کی نجات کا فکر ہے اور وہاں کے عذاب کا ڈر ہے۔ اسلئے ان کا غور وفکر انہیں قرآن پر ایمان لانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور یہ لوگ ایمان لاکر نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز میں بار بار ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے کا مظاہرہ ہوتا ہے اور نماز ایمان کی سب سے بڑی علامت ہے اور دین کا ستون ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ
اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا یوں کہے کہ میری طرف وحی کی گئی۔ حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی۔ اور اس سے بڑھ کر زیادہ ظالم کون ہوگا جو یوں کہے
سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا
کہ میں ایسا کلام نازل کرونگا جیسا اللہ نے نازل کیا اور اگر تو اس منظر کو دیکھے جبکہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے
اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ
ہونگے کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے
وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا
اور اس کی آیتوں کو ماننے سے تکبر کرتے تھے اور البتہ تم ہمارے پاس آؤ گے الگ الگ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور تم نے اپنے پیٹھ پیچھے وہ چھوڑ دیا جو ہم نے
خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ
تمہیں عطا کیا تھا اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کے بارے میں تم نے خیال کیا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں شریک ہیں اس میں کوئی شک نہیں
تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝
کہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہوگیا اور تمہارے وہ دعوے گئے گزرے ہوگئے جو تم کیا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنیوالوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں بعض یہودیوں کا ذکر تھا جنہوں نے ضد اور عناد کے جوش میں کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اب اُس شخص کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور اللہ کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ اُس نے مجھے نبی بنایا یا کسی اور طرح سے اللہ پر افتراء کرے مثلاً یوں کہے کہ اللہ نے اپنے شریک بنالئے ہیں یا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے یا یوں کہے کہ میں بھی ایسا کلام نازل کروں گا جیسا اللہ نے نازل کیا۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص

۱۵۷ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای من ادعی انه یعارض ما جاء من عند الله من الوحی یعنی اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو یہ دعوے کرے کہ اللہ نے جو کچھ وحی بھیجی ہے میں اس کا معارضہ کروں گا اور اُس جیسی عبارت بنالوں گا۔

علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت مسیلمہ کذّاب کے بارے میں نازل ہوئی جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ یہ شخص تک بندی کے طور پر کچھ جملے بنالیتا تھا اور کچھ شعبدہ بازی بھی کرلیتا تھا جب لوگوں کے سامنے قرآن مجید کا چیلنج آیا کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو اس پر بعض لوگوں نے اپنی جہالت سے کچھ جملے بنائے تھے لیکن خود ہی آپس میں ان کو ناقابل معارضہ تسلیم کرلیا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے بھی کچھ جملے بنائے تھے وہ بھی ایسے ہی جاہلانہ اور احمقانہ تھے۔ قرآن مجید کے مقابلہ میں نہ کوئی لاسکا ہے اور نہ لاسکے گا بعض لوگوں کو قائد بننے اور مشہور ہونے اور عوام الناس کو اپنا معتقد بنانے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں نے خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبوت کے دعوے کئے۔ آپ کے بعد جتنے بھی مدعیان نبوت گذرے ہیں سب ذلیل وخوار ہوئے بعض لوگوں نے مسیح موعود ہونے کا اور کسی نے مہدی بننے کا دعویٰ کیا۔ جھوٹ کا سہارا کہاں تک لیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے سب لوگ ذلیل ہو کر ناپید ہوگئے۔

کافروں کی ذلت موت کے وقت: جھوٹے مدعیان نبوت کو سب سے بڑا ظالم بتانے کے بعد ظالموں کی ذلت اور بدحالی اور موت کے وقت کی تکلیف کا تذکرہ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (اور اگر تو دیکھے اس موقعہ کو جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج تم کو اس کے بدلہ ذلت کا عذاب دیا جائے گا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگاتے تھے جو ناحق تھی اور تم اسکی آیات کے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے)

یعنی آیات قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور تمہارے نفسوں کو آیات کے قبول کرنے میں عار اور ذلت محسوس ہوتی تھی اور تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی آیات کے سامنے جھکنا ہماری خودداری کے خلاف ہے۔ جس نے اللہ کے ذمہ جھوٹ لگایا اور یہ کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی اور جس نے اللہ کے کلام کا معارضہ اور مقابلہ کرنے کی بات کہی اور جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ان لوگوں کا یہ سب عمل دنیاوی بڑائی اور جاہ واقتدار حاصل کرنے اور حاصل شدہ قیادت اور پیشوائی اور بڑائی کی حفاظت کے لئے تھا ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے جو موت کے وقت سے شروع ہوگا۔

کافروں کو موت کے وقت جو عذاب ہوتا ہے اس کا ذکر سورۂ محمد میں بھی فرمایا ہے ارشاد فرمایا فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (پس کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے ہوں گے مار رہے

ہوں گے ان کے چہروں اور پشتوں کو)

موت کے وقت جو کافروں کو عذاب ہوتا ہے اس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب کافر کے دنیا سے جانے کا اور آخرت کی طرف پہنچنے کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ وہ اس کے پاس آ کر وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! تو نکل اللہ کی ناراضگی کی طرف، وہ روح اس کے جسم میں متفرق ہو جاتی ہے (یعنی جسم میں ادھر اُدھر پھرتی ہے کیونکہ نکلنا نہیں چاہتی) حضرت ملک الموت (زبردستی) اُس کی جان کو اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اُون سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور طاقت کے ذریعہ اُس اُون سے نکالا جائے۔ جب اس کی روح کو ملک الموت نکال لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے جو وہاں موجود ہوتے ہیں وہ پلک جھپکنے کے برابر ذرا سی دیر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے ان کے ہاتھ سے لیکر ان ٹاٹوں میں رکھ دیتے ہیں جو ساتھ لیکر آئے تھے اور اس روح سے ایسی بدبو نکلتی ہے جیسے زمین پر سب سے زیادہ سڑی ہوئی نعش سے کبھی بدبو آئی ہو۔ اس روح کو لیکر وہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گذرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا بُرے سے بُرا نام لیکر جس سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک لے جاتے ہیں وہاں پہنچ کر دروازہ کھلواتے ہیں تو وہ دروازہ نہیں کھولا جاتا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ اعراف کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۔ (نہیں کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہیں داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے) اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا کافر بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث طویل ہے جس میں اس کے بعد عذاب قبر کا ذکر ہے۔ جو مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ پر بحوالہ مسند احمد مذکور ہے۔ پوری حدیث ان شاء اللہ تعالیٰ ہم سورۂ اعراف کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھیں گے معلوم ہو گیا کہ کافر کا عذاب موت کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور پھر قبر میں بھی عذاب ہے۔ حشر میں بھی ہے اور اس کے بعد دوزخ میں بھی ہے جو دائمی ہے، کافر کے عذاب کی ابتداء تو موت کے وقت سے ہی ہو گی اور اس کی انتہا نہیں ہے۔ ابد الآباد ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا۔ ثبتنا اللہ علی الایمان و اماتنا عَلَی الْهُدٰی۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ہدایت پر موت دے)

قیامت کے دن ہر ایک علیحدہ علیحدہ آئیگا: اسکے بعد فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى . اس میں قیامت کے دن کی حاضری کی حالت بتائی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا (کہ تم ہمارے پاس تنہا آئے ہو) اور ہر ایک اپنے قبیلے سے اور احباب و

اصحاب سے اور ہر جماعت سے علیحدہ ہو کر بالکل تنہا حاضر ہوگا۔ سورۂ مریم میں فرمایا لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَّكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (بیشک اُس نے سب کو شمار کر رکھا ہے اور ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا) دنیا میں جو اپنے قبیلوں جماعتوں لشکروں اور قوموں اور برادریوں پر بھروسہ کر کے زندگیاں گزارتے ہیں اور کفر و شرک و معاصی پر آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ان کے آپس کے یہ تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ اور وہاں کوئی کسی کا نہ ہوگا۔ (اَلَّا الْمُتَّقُوْنَ)

پھر فرمایا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یعنی جیسے ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی حالت میں قیامت کے دن آؤ گے۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن تم اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ تن پر کپڑے نہ ہوں گے اور سب بے ختنہ ہوں گے اس کے بعد آپ نے سورۂ انبیاء کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (جیسے کہ ہم نے ابتداء میں پیدا کیا تھا اسی طرح ہم لوٹائیں گے۔ ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے بے شک ہم اس کے مطابق کرنے والے ہیں) پھر فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۶۹۳)

سب مال و دولت دنیا ہی میں چھوڑ گئے: پھر فرمایا وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (اور تم نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا) اور یہ بتایا کہ دنیا میں جو جماعت اور قبیلوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور جو جماعتیں اپنی مدد کے لئے بنائی جاتی ہیں اور جاہ و اقتدار کے لئے اپنے ماننے والے بنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ آخرت میں کام دینے والے نہیں کیونکہ وہاں ہر ایک فرداً فرداً آئے گا۔

اب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے دنیا میں تمہیں جو کچھ (مال و دولت آل و اولاد حشم و خدم) عنایت فرمایا تھا تم وہ سب دُنیا ہی میں چھوڑ کر آ گئے۔ دنیا میں لوگ مال کماتے ہیں ایک کے دس بناتے ہیں۔ تھوڑے مال کو بہت زیادہ کر لیتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال میں آخرت کا حصہ رکھتے ہوں۔ اور مال کے شرعی حقوق ادا کرتے ہوں۔ عموماً مال ہی کو مقصود بنا لیتے ہیں۔ اسی کے لیے مرتے ہیں اور اُسی کے لیے جیتے ہیں کماتے ہیں کھانے کے لیے اور کھاتے ہیں کمانے کے لیے۔ ایسے لوگوں کا مال آخرت میں وبال ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔ اور دنیا کے لیے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مرنے والا مر جاتا ہے تو فرشتے آپس میں پوچھتے ہیں (کہ اپنے مال اور اعمال سے) کیا لیکر آیا جو اُس نے آگے بھیجا تھا اور دُنیا کے لوگ یہ پوچھتے

ہیں کیا چھوڑ کر گیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ ص ۴۴۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کو اس حالت میں لایا جائیگا کہ گویا وہ بھیڑ کا بچہ ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائیگا اس سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے مال عطا کیا۔ اور تجھ پر انعام کیا سو تو نے کیا کیا؟ وہ جواب دیگا کہ اے رب! میں نے اسے جمع کیا اور خوب بڑھایا اور جتنا تھا اس سے خوب زیادہ کر کے چھوڑ آیا۔ مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لیکر آتا ہوں۔

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے سے یہاں بھیجا تھا پھر وہی عرض کریگا کہ میں نے جمع کیا اور اُسے بڑھایا اور جتنا تھا اس سے زیادہ کر کے چھوڑ آیا لہٰذا مجھے واپس بھیج دیجئے میں سب آپ کے پاس لیکر آجاؤں گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ایسا شخص نکلے گا جس نے کوئی بھی خیر نہیں بھیجی ہوگی لہٰذا اس کو دوزخ کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۴)

پھر فرمایا وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا (ہم نہیں دیکھ رہے ہیں تمہارے ان سفارشیوں کو جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں) لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ (البتہ تمہارا آپس کا تعلق منقطع ہو گیا اور جو تم دعوے کیا کرتے تھے وہ آئے گئے ہو گئے)

قیامت کے دن اہل دنیا کے آپس کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور جن لوگوں کے بارے میں جھوٹا خیال تھا کہ یہ ہماری سفارش کریں گے ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا وہ سب ایک دوسرے سے بیزاری ظاہر کرینگے اور اسوقت علانیہ طور پر واضح ہو جائیگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف جو عقائد تھے اور خود ساختہ خیالات سب باطل تھے۔

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ۝

بے شک اللہ دانوں اور گٹھلیوں کا پھاڑنے والا ہے، اور نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے، اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے، یہ اللہ ہے پھر تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَھُوَ الَّذِیْ

وہ پھاڑنے والا ہے صبح کا اور اس نے بنایا رات کو آرام کی چیز، اور اس نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے رکھا ہے، یہ مقرر کرنا ہے اس کا جو غالب ہے علم والا ہے، اور وہ ایسا ہے

جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ وَھُوَ الَّذِیْٓ

جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ہدایت پاؤ۔ ہم نے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے

اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَھُوْنَ ۝ وَھُوَ الَّذِیْٓ

جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا سو ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ تھوڑے سے وقت رہنے کی ہے ہم نے ان لوگوں کے لئے آیات کو کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْہُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْہُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَ

جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ ہر قسم کی اُگنے والی چیزیں نکالیں پھر ہم نے نکالا اس سے سبزہ والی چیزوں کو۔ ہم نکالتے ہیں اس سے دانے جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اور

مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ

کھجور کے درخت یعنی اس کے گپھوں سے خوشے نکالے جو جھکے ہوئے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون کے باغ نکالے اور انار جو آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ایسی بھی ہیں

مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

جو ملتے جلتے نہیں ہیں اسکے پھلوں کیطرف دیکھ لو اور اس کے پکنے کی طرف۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں

مَظاہرِ قدرتِ الٰہیہ اور دلائلِ توحید

تفسیر : اس عالم میں اللہ شانہٗ کے جو تصرفات ہیں ان آیات میں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو بندوں پر نعمتیں ہیں ان میں سے بعض یاددلائی ہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں بھی ہیں' اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ دیتا ہے ذرا سا دانہ اور چھوٹی سی گٹھلی ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کوئی دانہ تخم بن جائے جس سے کھیتی کے پودے نکل آئیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ دانہ پھٹ جاتا ہے اس سے پودا نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب گٹھلی سے کوئی درخت نکالنا منظور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ گٹھلی پھٹ جاتی ہے اور اس سے بڑے بڑے درخت نکل آتے ہیں۔ جن کے پھلوں سے زمین پر بسنے والے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ کہ وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ اور وہ مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ ان دونوں باتوں کی تشریح میں جو مختلف اقوال ہیں ان کا ذکر سورہ آل عمران کے رکوع نمبر ۳ میں گذر چکا ہے۔ (۱) اس کی ایک بہت زیادہ معروف مثال یہ ہے کہ زندہ جانور سے انڈا نکلتا ہے جو بے جان ہوتا ہے پھر اس بے جان انڈے سے بچہ نکلتا ہے جو زندہ ہوتا ہے۔ درختوں سے خشک دانے نکلنا اور دانوں سے ہرے بھرے درختوں کا وجود میں آجانا یہ بھی زندہ کو میت سے اور میت کو زندہ سے نکالنے کا مصداق ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (یہ قادر مطلق اللہ ہے سو تم کہاں اُلٹے پھرے جا رہے ہو) اس کی عبادت کو چھوڑ کر شرک میں کیوں مُبتلا ہو۔

پھر فرمایا فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (اللہ صُبح کا پھاڑنے والا ہے) اس کی مشیت اور ارادہ سے رات کی تاریکی چلی جاتی ہے روشنی پھٹتی ہے جس سے صبح نمودار ہو جاتی ہے وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا (اور اس نے رات کو آرام کی چیز بنایا) دن میں کام کاج کرنے والے محنت کوشنے والے تھکے ماندے رات کو آرام کرتے ہیں۔ نیند تو دن کو آجاتی ہے لیکن رات کی نیند میں جو آرام ہے اور تھکن اُترنے کا جو فطری انتظام ہے وہ دن کی نیند میں نہیں ہے' دن بھر میں زیادہ سو بھی نہیں سکتے۔ کام کاج اور

کاروبار کے تقاضے بعض مرتبہ آنکھ لگنے بھی نہیں دیتے آنکھ لگ بھی گئی تو کاروبار کا ہجوم جو دماغ پر سوار ہوتا ہے وہ بار بار جگا دیتا ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا (اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج کو ایک خاص حساب سے مسخر فرما دیا) ان کی گردش سے رات دن اور ہفتے اور مہینے بنتے چلے جاتے ہیں۔ جن سے عبادات کے اوقات اور معاملات کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں۔ جمعہ کا دن کب ہے رمضان المبارک کب آئیگا حج کی تاریخ میں کیا دیر ہے۔ جو کچھ کسی سے قرض لیا ہے اس کی ادائیگی میں کتنی مدّت ہے ان سب امور کا جواب چاند اور سورج کی گردش سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔

ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ مقرر فرمانا ہے ایسی ذات پاک کا جو عزیز یعنی غالب ہے اور علیم یعنی پوری طرح سے جاننے والا ہے) پر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا تا کہ تم ان کے ذریعہ راہ پاؤ۔ خشکی کی تاریکیوں میں اور سمندر کی تاریکیوں میں) رات کو جب سفر میں ہوتے ہو اور راستہ بھول جاتے ہو۔ یا سمندر میں ہو اور راستہ بھول جاؤ تو ستاروں کی طرف دیکھ کر پتہ چلا لیتے ہو۔ کہ مشرق کدھر ہے اور مغرب کدھر ہے پھر اپنے اسی علم کی روشنی میں آگے بڑھتے ہو اور صحیح راستہ پا کر منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہو۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (بے شک ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں) جو آیات مذکورہ کو سمجھتے ہیں اور آیات تکوینیہ میں غور کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا) یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے انسان کی ابتداء ہوئی اور نسلاً بعد نسلٍ ان کی اولاد بڑھتی ہوئی چلی آئی ہے جس کا سلسلہ تو الد اس طرح سے ہے کہ اول نطفہ باپ کی پُشت میں ہوتا ہے پھر ماں کے رحم میں آجاتا ہے پھر وہاں سے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے جیتی جاگتی تصویر باہر آجاتی ہے۔

مُسْتَقَرٌّ سے باپ کی پُشت اور مُسْتَوْدَعٌ سے ماں کا رحم مراد ہے باپوں کی پُشتیں تو اصل مُستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہیں ہیں کیونکہ مادۂ منویہ وہاں اور کہیں سے نہیں آیا۔ اور ماؤں کے رحموں کو مُسْتَوْدَع فرمایا کیونکہ ان میں نطفہ مرد کی طرف سے آتا ہے اور کچھ مدت کے لیے بطور ودیعت وہاں رکھ دیا جاتا ہے۔

بعض مفسرین مُستقر اور مستودع کے وہ معنی لکھے ہیں جیسا ہم نے ابھی بیان کیے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مُستودع سے باپ کی پُشت اور مستقر سے ماں کا رحم مراد ہے۔ رحمِ مادر کو مستقر کہنا تو اس اعتبار سے سمجھ آتا ہے کہ رحم میں نطفہ داخل ہونے کے بعد وہاں ٹھہر جاتا ہے اور مختلف اَدوار سے گذر کر

انسانی صورت میں باہر آجاتا ہے لیکن باپ کی پشت کو جو مستودع فرمایا یعنی ودیعت رکھنے کی جگہ۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی ج ۷ ص ۲۳۶ فرماتے ہیں کہ اس کی تقریر اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری ذرّیت کو نکالا تھا اور پھر عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے بعد ان کو واپس کر دیا تھا تو گویا ان کا واپس کرنا ایک طرح ودیعت رکھنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس ودیعت کو واپس نکال لے گا۔

مُستقر و مُستودع کی تیسری تفسیر یوں کی گئی ہے کہ مُستقر سے زمین پر ٹھہرنا اور رہنا مراد ہے اور مستودع سے قبر مراد ہے یہ تفسیر بھی الفاظ قرآن سے بعید نہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ (کہ تحقیق ہم نے آیات بیان کی ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں نجوم کے تذکرہ میں یَعْلَمُوْنَ فرمایا اور اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا تذکرہ فرما کر آخر میں لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ فرمایا۔ کیونکہ نفس واحدہ سے پیدا فرمانا اور پیدا ہونے والوں کے احوال مختلفہ میں تصرف فرمانا زیادہ لطیف اور دقیق ہے۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اللہ وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا) فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا پھر ہم نے نکالا اس کے ذریعہ ہر چیز کے پودوں کو پھر ہم نے نکالا ان سے ہرے بھرے درختوں کو نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ہم اس سے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گپھوں سے خوشے نکالے جو قریب قریب ہیں وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ (اور ہم نے انگوروں کے باغیچے نکالے) وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ط اور زیتون اور انار نکالے جو آپس میں دیکھنے میں متشابہ ہیں اور غیر متشابہ۔ یہ زیتون اور رُمّان دونوں سے متعلق ہے یعنی ان میں سے ایسے پھل ہیں جو دیکھنے میں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کے متشابہ نہیں ہیں اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ دیکھو ان کے پھلوں کی طرف یعنی اور ان کے پکنے کی طرف اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے درختوں کے پیدا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے جن میں دلائل توحید ہیں اور بندوں پر انعام بھی۔ آسمان سے پانی کا نازل فرمانا پھر اس کے ذریعہ بیل والے اور تنے والے پودے نکالنا اور بالوں میں دانوں کا ایک دوسرے پر چڑھا ہوا ہونا اور کھجوروں کے خوشوں کا جھکا ہوا ہونا اور انگور اور زیتون اور انار کے درخت پیدا فرمانا اور کچے پھلوں کے بعد ان کا پک جانا یہ سب توحید کے دلائل ہیں اور ان میں بندوں کا انتفاع بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو بندے مومن ہیں اور جو دلائل آنے کے بعد حق سے منہ نہیں موڑتے ایمان کو قبول کر لیتے ہیں ان سب کے لئے مذکورہ بالا چیزوں میں دلائل توحید ہیں۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے انکو پیدا فرمایا ہے اور اس کے لئے انہوں نے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے تراش رکھے ہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور برتر ہے

يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے کہاں ہو سکتی ہے اس کی اولاد حالانکہ اس کی بیوی نہیں ہے اور اس نے پیدا فرمایا ہر چیز کو

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى

اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانیوالا ہے اور وہ

كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

ہر چیز کا نگہبان ہے نگاہیں اُسے محیط نہیں ہو سکتیں اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ بڑا باریک بین خبردار ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا وہ معبود برحق ہے اولاد ہونا اس کے لئے عیب ہے

تفسیر: اوپر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی الوہیت اور خالقیت پر دلائل قائم کئے ہیں اب ان آیات میں مشرکین کی بداعتقادی کی تردید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو یعنی شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے جنات کے اور شیاطین کے توجہ دلانے سے بتوں کی عبادت کرنے لگے اور شیاطین کی ایسی اطاعت کرنے لگے جیسی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے نیز شیاطین مشرکین کے پاس بری بری صورتوں میں آتے ہیں اور ان کو خواب اور بیداری میں ڈراتے ہیں لہٰذا وہ ان کے شر اور ضرر کے بچنے کے خیال سے انکی تصویریں اور مجسمے بنالیتے ہیں اور پھر ان کی پوجا کرتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ یہ ان زندیقوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں کو پیدا کیا اور ابلیس نے درندے اور سانپ بچھو اور شرور پیدا کئے۔ لہٰذا جن سے ابلیس اور اس کے اتباع مراد ہیں یہ قول اختیار کیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے لیکن احقر کے نزدیک جنات کی عبادت بالمعنی المعروف مراد لی جائے تو یہ زیادہ اقرب ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

سورۂ جن میں فرمایا وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا مشرکین کی یہ کیسی جہالت اور حماقت ہے کہ پیدا تو کیا اللہ نے اور الوہیت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کرنا چاہئے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ خَلَقَهُمْ کی ضمیر منصوب جن کی طرف راجع ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے جنات کو کیسے اللہ کا شریک ٹھہرایا حالانکہ ان جنات کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا

وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ کہ ان لوگوں نے اللہ کے لئے گھڑ لئے بیٹے اور بیٹیاں نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا' ان لوگوں نے جہالت کے سبب یہ سب کچھ تجویز کیا۔ اور انہوں نے یہ نہ جانا کہ ہم جس ذات کی طرف اولاد منسوب کر رہے ہیں اس کے لئے اولاد کا ہونا عیب اور نقص ہے اور اسکی شان اس سے بہت برتر بلند اور بالا ہے کہ اسکی اولاد ہو۔ اسی کو فرمایا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے اور بلند اور بالا ہے جو یہ لوگ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں)

مشرکین کے عقائد شرکیہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید فرماتے ہوئے مزید فرمایا بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا بے مثال پیدا فرمانے والا ہے اس نے عالم سفلی اور عالم علوی کو پیدا فرمایا۔ آسمان وزمین کا مادہ پیدا فرمایا اور آسمان کو سات طبق بنا دیا اور زمین کو پھیلا دیا۔ ایسے خالق اور بے مثال صانع اور مُبدع کو اولاد کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اولاد کی ضرورت مدد کے لئے ہوتی ہے۔ آسمان وزمین کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ سورہ سبا میں فرمایا۔

مَا لَهٗ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۔ مزید فرمایا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ یعنی اس کی اولاد کیسے ہوگی حالانکہ اس کے ساتھ والی یعنی بیوی نہیں ہے۔ اولاد بیوی سے پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی نہیں اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ اس میں احتیاج الی الغیر ہے جب اسکی بیوی نہیں اور نہ ہوسکتی ہے تو اولاد کیسے ہوسکتی ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں وہ مخلوق بھی ہے جسے اللہ کی اولاد بتاتے ہیں۔ خالق مخلوق کے درمیان رشتہ ولادت کہاں ہوسکتا ہے اور مخلوق اپنے خالق کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے لوگوں نے جو اولاد تجویز کی ہے انہوں نے خالق کا مرتبہ نہیں پہچانا اور اپنی جہالت سے اللہ پاک کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اسے مشرکین کے عقائد شرکیہ کا علم ہے' اور وہ ان کے اعمال شرکیہ سے بھی باخبر ہے وہ ان سب کا مواخذہ فرمائے گا اور سزا دیگا۔

پھر فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (یہ اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے لہٰذا تم اسکی عبادت کرو) ان صفاتِ جلیلہ سے جو ذات متصف ہو وہی لائق عبادت ہے۔ مخلوق میں نہ شانِ ربوبیت ہے نہ شانِ خالقیت ہے پھر وہ کیسے شریک الوہیت ہوسکتے ہیں۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے) تمام چیزوں میں جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اُسے تصرف فرمانے کا اسکو پورا پورا اختیار ہے۔ پھر یہ مخلوق کیسے عبادت کی مستحق ہوسکتی ہے؟ جو ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز میں تصرف فرمانے والا ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی ان صفات سے متصف نہیں اور لائق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں وہ سب نگاہوں کو محیط ہے اور وہ لطیف ہے باخبر ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ایک خاص صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ فرماتا ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں دنیا میں اسکو نہیں دیکھا جاسکتا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے لَنْ تَرَانِیْ فرمادیا۔ (کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے) وہ نگاہوں کو بھی دیکھتا ہے اور نگاہیں جس چیز کو دیکھتی ہیں وہ ان کو بھی دیکھتا ہے۔ اور جو چیزیں مَرْئِی (دکھائی دینے والی) نہیں ہیں ان کو بھی اس کا علم محیط ہے۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا جیسا کہ سورۂ قیامہ میں فرمایا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے پھر بھی اسے دیکھیں گے اور جب دیکھیں گے تو وہ کسی جگہ میں نہیں ہوگا اور یہ بات وہیں سمجھ میں آئے گی۔ خالق کی رؤیت کو مخلوق کی رؤیت پر قیاس نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ اور وہ لطیف ہے (جسے حواس کے ذریعہ مشاہدہ میں لایا جاسکتا ہے) (اور وہ باریک بین ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے) اور وہ خبیر ہے (جو ہر چیز سے باخبر ہے)

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت والی چیزیں آچکی ہیں سو جو شخص دیکھے گا سو وہ اپنے ہی لئے اور جو اندھا بنے گا اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ اور میں تم پر

بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ

نگران نہیں ہوں اور ہم اسی طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں اور تاکہ یہ لوگ یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے بیان کریں جو جانتے ہیں آپ اس کا اتباع

مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی، کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی اور آپ مشرکین سے رُوگردانی کیجئے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ

اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

لوگ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا اور آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں

تفسیر: توحید کے دلائل اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمانے کے بعد اب دلائل میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ اوّلاً ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس بصیرت کی چیزیں آچکی ہیں اگر اپنی عقل کو متوجہ کرو گے اور ان بصیرت کی چیزوں میں غور وفکر کرو گے تو حقائق کو پہنچ جاؤ گے۔ دلائل توحید بھی سمجھ میں آجائیں گے اور توحید بھی سمجھ میں آجائے گی۔

جو شخص غور و فکر کرے گا بینا بنے گا تو اس کا نفع اسی کی جان کو ہوگا۔ اور جو شخص اندھا بنا رہے گا دلائل و بصائر میں غور کرنے سے گریز کریگا تو اس کا نقصان اسی کو ہوگا' پھر رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانے کی ہے عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں' آپ اُن سے فرما دیں کہ میں تم پر نگران نہیں ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر حجت پوری ہو جائے اور تاکہ وہ یوں کہیں کہ اے محمد (ﷺ) تم نے پڑھ لیا۔ یعنی جو کچھ تم بیان کرتے ہو دوسروں سے سیکھ لیا (اور کہتے ہو کہ اللہ کی طرف سے ہے) اور تاکہ ہم اس کو بیان کریں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ آپ اُن کو پہنچا دیں اور تاکہ منکرین ضد و عناد کی وجہ سے یوں کہیں کہ آپ نے ان مضامین کو کسی سے پڑھ لیا ہے اور تم دوسروں سے سیکھ کر ہم سے خطاب کرتے ہو (کمافی سورۃ النحل اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ) اس طرح سے وہ لوگ اور زیادہ مجرم بنتے ہیں اور ان دلائل کے بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ہم علم والوں کے لئے اچھی طرح کھول کر بیان کر دیں (کیونکہ جو اہل علم ہیں وہ ہی منتفع ہوتے ہیں)

پھر فرمایا "اِتَّبِعْ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" کہ آپ اس کا اتباع کیجئے جس کی آپ کے رب کی طرف سے آپکو وحی کی گئی۔ اس کا آپ فکر نہ کیجئے کہ کون راہِ راست پر آتا ہے اور کون نہیں آتا۔ تکوینی طور پر کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہیں مانیں گے اور کچھ ایسے ہیں جو مان لیں گے یہ تکوینی فیصلے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہیں اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے لیکن سب کچھ اسکی مشیّت اور ارادہ حکمت کے موافق ہے آپ اپنا کام کریں یعنی پہنچا دیں وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ اور ہم نے آپکو ان کا نگران نہیں بنایا عمل کریں یا نہ کریں یہ جانیں وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلّط نہیں کئے گئے۔ لہٰذا آپ کو اس فکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ منکرین بات نہیں مانتے اور حق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ

اور ان کو برا مت کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں سو وہ اللہ کو برا کہیں گے براہ جہالت حد سے گزر کر' ہم نے ایسے ہی مزیّن کر دیا ہر

اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

امت کے لئے اُن کے عمل کو۔ پھر اپنے رب کی طرف ان کو لوٹنا ہے۔ سو وہ انہیں ان کاموں کو جتلا دے گا جو وہ کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قسموں میں خوب زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ

کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائیگی تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور تمہیں

أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ

اس کی کیا خبر کہ جب وہ نشانی آ جائیگی تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسا کہ وہ اس پر پہلی بار ایمان نہ لائے

أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

اور ہم ان کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں

مشرکین کے معبودوں کو بُرا مت کہو

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے معبودوں کو بُرے الفاظ میں یاد مت کرو، چونکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور انہیں تم سے دشمنی ہے اسلئے ضد میں آ کر اپنی جہالت سے اللہ پاک کو برے الفاظ سے یاد کریں گے، ضد و عناد والے کو یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی، یوں تو مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتے اور اس کے بارے میں خالق کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن جب ضد میں آئیں گے تو صرف یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے معبودوں کو بُرا کہا ہے لہٰذا ہمیں بھی اُن کے معبود کو بُرا کہنا چاہئے' یہ لوگ ضد اور عناد کے سبب حدِّ ادب کو پھاند جائیں گے۔ اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں گے' چونکہ یہ حرکت بد اُن کی تمہارے عمل کے جواب میں ہوگی۔ اس لئے ان کے معبودان باطلہ کو بُرے الفاظ میں یاد کر کے اس کا سبب نہ بنو کہ وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ سبحانہٗ وتقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

لباب النقول ص ۱۰۳ میں مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ کافروں کے بتوں کو اہل ایمان بُرے الفاظ میں یاد کرتے تھے تو وہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ نازل فرمائی۔ حضرات علماء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب بننا بھی جائز نہیں' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دیگا اور کسی کی ماں کو دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دیگا (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائیگا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری و مسلم)

پھر فرمایا كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (ہم نے اسی طرح ہر اُمت کے لئے اُن کے عمل کو مزیّن کر دیا) جو لوگ کافر ہیں کفر ہی سے چپکے ہوئے ہیں کفر کو اچھا سمجھتے ہیں دنیاوی زندگی ختم ہوگئی تو میدانِ قیامت میں سب پروردگار عالم جل مجدہٗ کی طرف لوٹیں گے سو وہ انہیں جتا دیگا کہ وہ کیا کام کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کی جزا بھی دے دیگا' یہ مزیّن کرنا تکوینی

طور پر ہے اس سے تشریعی اوامر پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جو لوگ کافر ہیں اپنے اختیار سے کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

جب حقانیت اسلام کے دلائل ان کے سامنے آتے ہیں تو اپنے اختیار سے اسلام سے دور بھاگتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔

کافروں کی جھوٹی قسمیں کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے

اس کے بعد فرمایا وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ (اور انہوں نے بہت زوردار طریقہ پر اللہ کی قسم کھائی کہ ہمارے کہنے کے مطابق فرمائشی معجزہ ظاہر ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے) ان لوگوں کی یہ تاکیدی قسمیں سن کر مسلمانوں کو خیال ہوا کہ جن معجزات کی فرمائش کر رہے ہیں وہ ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تاکہ یہ لوگ ایمان لے آتے لیکن انہیں تو ایمان لانا نہیں ہے معجزات کی فرمائش ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ ہے۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۶۴ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے ایمان لانے کے بارے میں بات کی تو کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ) آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰؑ کے پاس ایک لاٹھی تھی جسے پتھر میں مارتے تھے تو بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے اور آپ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی بتایا ہے کہ قوم ثمود کے لئے بطور معجزہ ایک اونٹنی ظاہر کی گئی تھی، آپ ہمارے لئے بھی کوئی ایسی ہی نشانی ظاہر کریں آپ نے فرمایا کہ تم کون سی نشانی چاہتے ہو؟ کہنے لگے کہ صفا پہاڑ سونا بن جائے آپ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جائے تو میری تصدیق کرو گے کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو ہم سب آپکا اتباع کرلیں گے آپ اللہ جل شانہٗ سے دعا کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آپ غور فرمالیجئے دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمالیں آپ چاہیں کہ پہاڑ صفا کا سونا بن جائے تو ایسا ہو جائیگا لیکن اگر ان لوگوں نے تصدیق نہ کی تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دیدے گا۔ اور اگر آپ چاہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تاکہ کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئیں (گو اس میں دیر لگے گی) آپ نے فرمایا کہ میں ان کو اسی حال میں چھوڑ دیتا ہوں (جنہیں توبہ کرنا ہو توبہ کر کے ایمان لے آئیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ سے وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْنَ ۝ تک نازل فرمائی۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ط (آپ فرما دیجئے کہ معجزات سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں) وہ چاہے تو ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے اور اگر اس کی مشیت نہ ہو تو کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہو وَمَا یُشْعِرُکُمْ اَنَّھَآ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یہ اہل ایمان کو خطاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ اُن کی مطلوبہ نشانی آجائے گی جب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے اُن کی قسمیں جھوٹی ہیں خواہ کیسی ہی زوردار ہوں۔ آخر میں فرمایا۔

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ اور ہم اُن کے دلوں کو اور اُن کی نگاہوں کو پلٹ دیں گے نہ حق کے طالب ہوں گے نہ

حق پر نظر کریں گے کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسا کہ یہ لوگ اس قرآن پر پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ اور ہم اُن کو اس حال میں چھوڑے رہیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے رہیں۔

قال القرطبی فی تفسیرہ ج۷ ص ۶۵ هذه اٰیة مشکلة' ولا سیما وفیها "وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝" قیل المعنی ونُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَنظَارَهُمْ یوم القیمة علی لهب النار وحرّ الجمر' کما لم یومنوا فی الدّنیا وَنَذَرُهُمْ فی الدّنیا' ای نمهلهم ولا نعاقبهم' فبعض الاب فی الاٰخرة' وبعضها فی الدنیا ونظیرها "وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ" فهٰذا فی الاٰخِرة "عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ" فی الدّنیا'

وقیل: ونُقَلِّبُ فی الدّنیا: ای نحول بینهم وبین الایمان لو جآء تهم تلک الاٰیة' کما حُلنا بینهم وبین الایمان اوّل مرّة لما دعوتهم واُظهرت المعجزة' وفی التنزیل "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" والمعنیٰ کان ینبغی ان یؤمنوا اذا جَآئتهم الاٰیة فرأوها بابصارهم وعرفوها بقلوبهم' فاذا الم یؤمنوا کان ذٰلک بتقلیب الله قلوبهم وابصارهم کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ' ودخلت الکاف علی محذوف ای فلا یؤمنون کما لم یؤمنوا به اوّل مرة' ای اول مرّة اتتهم الایات التی عجزوا عن معارضتها مثل القراٰن وغیرہ۔

علامہ قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت مشکل ہے اور خصوصاً یہ حصہ کہ وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ ہم قیامت کے دن ان کے دل اور ان کی آنکھیں آگ کے شعلوں اور انگاروں کی تپش پر بدلتے رہیں گے جیسا کہ یہ دنیا میں ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں دنیا میں چھوڑ رہے ہیں یعنی ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں اور دنیا میں پوری سزا نہیں دے رہے پس کچھ عذاب آخرت میں ہوگا اور کچھ دنیا میں ہے اس کی مثال یہ آیت ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ کہ ("کئی چہرے اس دن جھکے ہوئے ہوں گے") تو یہ آخرت میں ہوگا عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (کام کرنے والے تھکے ہوئے) یہ دنیا میں ہے۔

اور بعض نے کہا اس کا مطلب ہے ہم انہیں دنیا میں بدلتے رہتے ہیں یعنی ان کے پاس نشانی آتی ہے تو ہم ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جیسا کہ پہلی دفعہ جب آپ نے انہیں دعوت دی اور معجزہ دکھلایا تو ہم ان کے اور ان کے ایمان میں حائل ہو گئے' اور قرآن کریم میں ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے دِل کے درمیان حائل ہوتا ہے) مطلب یہ ہے کہ جب ان کے پاس نشانی آئی تو انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے دلوں سے پہچانا تو انہیں ایمان لانا چاہئے تھا۔ جب یہ ایمان نہیں لائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دینے کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ یہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے۔ اور کاف محذوف پر داخل ہے یعنی پس وہ ایمان نہیں لائیں گے جس طرح پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے یعنی پہلی مرتبہ جب ان کے پاس نشانیاں آئیں جن کے مقابلے سے وہ عاجز تھے جیسا کہ قرآن کریم اور دیگر نشانیاں۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیں اور ان سے مُردے بات کرلیں اور ہم جمع کر دیں ان پر ہر چیز ان کے آمنے سامنے

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ

تب بھی وہ ایسے نہیں ہیں کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور لیکن ان میں اکثر وہ ہیں جو جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے

نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا

ہر نبی کے لئے دشمن مقرر کر دیئے ہیں جو شیاطین ہیں انسانوں میں سے اور جنات میں سے ان میں بعض بعض کو ایسی باتوں کا وسوسہ ڈالتے ہیں جو بظاہر اچھی لگتی ہیں وہ یہ کام دھوکہ دینے کے لئے کرتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ

اور اگر تیرا رب چاہے تو یہ لوگ یہ کام نہ کریں، سو چھوڑ دیجئے ان کو اور ان باتوں کو جو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔ اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور تا کہ وہ اسے پسند کریں اور تا کہ وہ مرتکب ہو جائیں ان کاموں کے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں

معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں

تفسیر: ان آیات میں معاندین کا مزید عناد بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ فرمائشی معجزے طلب کرنا حق قبول کرنے کے لئے نہیں۔ محض باتیں بنانے اور بہانے تراشنے کے لئے ہے۔ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مُردے ان سے باتیں کرلیں اور ہم ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی غیب کی چیزیں ان کے سامنے ظاہر کر دیں مثلاً دوزخ دکھا دیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ایمان لانا مقصود نہیں ہے پھر بھی فرمائشیں کرتے ہیں جو سراپا جہالت ہے پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الآیۃ) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ یہ لوگ جو دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے ہم نے ان کے لئے انسانوں میں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے تھے۔

یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سمجھاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی مزیّن معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے کسی بدصورت چیز پر ملمع کر کے بظاہر خوب صورت بنا دی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لا کر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تا کہ ایمان قبول نہ کریں۔ جو حال انبیاء سابقین علیہم السلام کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ غم نہ کیجئے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ (اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے) ان لوگوں کا وجود اور ان کی مخالفت حکمتوں

پر مبنی ہے فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (سو جب اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں تو آپ فکرمند نہ ہوں ان کو اور یہ جو کچھ افتراء کر رہے ہیں اس کو چھوڑ یے) یعنی اس غم میں نہ پڑیئے کہ یہ لوگ مخالفت میں لگے ہوئے ہیں۔

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور وہ لوگ فریب دینے والی باتوں کے وسوسے اسلئے ڈالتے ہیں کہ ان کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وَلِيَرْضَوْهُ تاکہ وہ اسے پسند کر لیں۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ٥ اور تاکہ ان کاموں کے مرتکب ہوتے رہیں جن کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے فیصلہ کرنے والوں کو تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ

وہ جانتے ہیں کہ بلا شبہ آپ کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں اور

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ

آپ کے رب کے کلمات سچائی اور عدل کے اعتبار سے پورے ہو گئے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے اور اگر آپ بات مان لیں ان میں سے اکثر لوگوں کی

مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

جو زمین میں ہیں تو آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ نہیں اتباع کرتے مگر گمان کا اور وہ صرف

يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور اللہ ہدایت پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے

اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں

تفسیر: رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات سُناتے تھے اور اس کے احکام بتاتے تھے۔ اس کی ذات وصفات کے متعلق عقائد کی تلقین فرماتے تھے' وہ خالق ہے مالک ہے قادر مطلق ہے سمیع بصیر ہے۔ علیم خبیر ہے اس کا ہر فیصلہ حق ہے لیکن مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ان باتوں کو چھوڑ دیں اور وہ خود اپنے باطل معبودوں کی چھوڑنے کو تیار نہ تھے اور آپ کو بھی اپنی گمراہی کی طرف کھینچنا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان سے یوں فرمائیں کہ میں اللہ کو چھوڑ کر اور کس کو فیصلہ کرنے والا مان لوں۔ اس کی ذات تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے جب اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں تو میں اسے چھوڑ کر اور کس کو حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بناؤں' میں تو اسی کو مانتا ہوں اور اسی کے فیصلہ پر راضی ہوں اور کوئی نہیں جس کے فیصلہ

پر راضی ہونے کا فیصلہ کروں اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تفصیل کے ساتھ ہدایت بیان فرما دی ہے۔ جن لوگوں کو اس کتاب سے پہلے اللہ نے کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ واقعی آپ کے رب کی طرف سے ہے لیکن جو معاند ہیں وہ عناد کی وجہ سے شک کرتے ہیں سو آپ شک کرنے والوں سے نہ ہوں۔ چونکہ کسی نبی کو اپنی نبوت میں شک ہونے کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا اسلئے یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن دوسروں کو سنانا مقصود ہے کہ کتاب اللہ کی حقانیت میں شک نہ کرو۔

پھر فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط (اور آپ کے رب کے کلمات کامل ہوگئے صدق اور عدل کے اعتبار سے) اسمیں رب تعالیٰ شانہٗ کے کلمات یعنی کلمات قرآن کے کامل ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

کلمات سے وہ مضامین مراد ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام ہیں جو تفصیل سے بتا دیئے ہیں اور بہت سے احکام رسول اللہ ﷺ کو مفوض کر دیئے ہیں۔ آپ کا بتانا اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے' آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ یہ سب احکام سچے ہیں اور عدل پر مبنی ہیں ان میں انصاف ہے' کسی پر ظلم و زیادتی اور کسی کی حق تلفی ان احکام میں روا نہیں رکھی گئی اور بعض حضرات نے عدل کو اعتدال کے معنی میں لیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے احکام میں اعتدال ہے نہ ہر چیز مُباح ہے اور نہ ہر چیز حرام اور ممنوع ہے۔ کچھ مکروہات بھی ہیں ایسا بھی نہیں کہ سارا دین لوگوں کی خواہش کے مطابق ہو۔ اور ایسا بھی نہیں کہ انسانوں کی خواہشوں اور نفس کے تقاضوں کا بالکل ہی لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ اللہ کے دین میں بنی آدم کے نفسوں کے تقاضوں کی بھی رعایت ہے اور کچھ بندشیں بھی ہیں۔ ان بندشوں میں بنی آدم کی خیر مضمر ہے۔ اگر کوئی بھی چیز ممنوع نہ ہو تو انسانوں میں اور چوپاؤں میں کوئی فرق نہ رہے' پھر جو احکام ہیں ان میں استطاعت کی قید ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بھی فرمایا اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا بتا کر یہ فرمادیا کہ کسی جان کی وسعت اور طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہ عَدْلًا کی تفسیر ہوئی۔

اور "صِدْقًا" جو فرمایا یہ قرآن کریم کے بیان فرمودہ واقعات اور قصص اور وعدہ اور وعید سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرمایا بالکل سچ ہے اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

پھر فرمایا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں) اس کا کلام لفظی اور معنوی تحریف سے محفوظ ہے اس نے خود اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو اُسے کون بدل سکتا ہے اور کس میں طاقت ہے کہ اس میں تحریف کر دے؟ دشمن تک یہ جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا اس وقت سے لیکر اب تک چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور وہ ہو بہو اسی طرح موجود ہے جس طرح نازل ہوا تھا۔

پھر فرمایا وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے وہ سب کی باتیں سنتا ہے اسے مخالفوں اور معاندوں کی باتوں کی خبر ہے اور سب باتوں کا علم ہے۔ قرآن کے موافق اور مخالفت جو بھی ہیں وہ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سبحانہ اپنے علم کے مطابق سب کے فیصلے فرمائیں گے۔

زمین کے اکثر رہنے والے گمراہ کرنیوالے ہیں: اس کے بعد فرمایا وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ (الآیۃ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو لوگ بستے ہیں ان میں اکثر گمراہ ہیں۔ ان اکثریت والوں کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہیں راہ حق سے ہٹا دیں گے۔

معلوم ہوا کہ اکثریت دلیل حقانیت نہیں ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ دنیا میں اکثریت گمراہوں کی ہے جو اللہ کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں ان کی بات مانو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ حق والوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور ان سے حق سیکھو۔

سورۂ توبہ میں فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اللہ کے یہاں محبوبیت کا مدار ایمان اور تقویٰ پر ہے اکثریت پر نہیں ہے۔

پھر فرمایا اِنْ يَّتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ اکثر لوگ محض اپنے گمان کے پیچھے چلتے ہیں وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ اور محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ لہٰذا اکثریت والوں کی اطاعت اور ان کا اتباع تباہ و برباد کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيلِهٖ (بلاشبہ آپ کا رب اچھی طرح جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پر چلنے والوں کو۔ وہ قیامت کے دن اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا۔ اہل ضلال کو ضلال کی سزا اور اہل ہدایت کو ہدایت کی جزا ملے گی)۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوا مِمَّا

سو اس میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان لائے ہو اور تمہارے لئے اس کا کیا باعث ہو سکتا ہے کہ اس میں سے نہ کھاؤ

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۗ وَاِنَّ

جس پر اللہ کا نام لیا گیا حالانکہ اس نے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے جو تم پر حرام کیا گیا۔ مگر اس صورت میں کہ تمہیں سخت مجبوری ہو۔ بلاشبہ

كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوا

بہت سے لوگ اپنی خواہشوں کے ذریعہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے آگے بڑھنے والوں کو اور چھوڑ دو

ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۗ اِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿۱۲۰﴾

ظاہری گناہ اور باطنی گناہ بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلٰى

اور مت کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ اور بے شک وہ گناہ ہے۔ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں

أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾

تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے

حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو

تفسیر: دُرِّ منثور ج ۳ ص ۴۱ میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور اعتراض یوں کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں (یعنی ذبح کر دیں) اسے تو آپ کھا لیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کر دے (یعنی اُسے موت دیدے اور وہ بغیر ذبح کے مر جائے) آپ اس کو نہیں کھاتے۔

ایک روایت یوں بھی ہے جسے ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۶۹ نقل کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے قریش مکہ کو آدمی بھیج کر یہ سمجھایا کہ تم محمد ﷺ سے یوں بحث کرو کہ آپ اپنے ہاتھ چھری لے کر جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ تو آپ کے نزدیک حلال ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے ذبح کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حرام ہے۔

امام ترمذی نے تفسیر سورۃ الانعام میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جسے خود قتل کرتے ہیں اُسے کھا لیتے ہیں اور جسے اللہ قتل کرتا ہے اُسے نہیں کھاتے (یہ انہوں نے بطور اعتراض کے کہا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِينَ نازل فرمائی (قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریبٌ)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض یہود نے کیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا ہے کہ اہل فارس کے سمجھانے اور سُجھانے پر قریش مکہ نے کیا تھا۔ مفسر ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں سے اس اعتراض کا صادر ہونا بعید ہے کیونکہ وہ خود میتہ یعنی غیر ذبیحہ کو نہیں کھاتے تھے اھ لیکن اس بات کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے جسے اعتراض کرنا ہو وہ کہاں سوچتا ہے کہ یہ بات مجھ پر بھی آ سکتی ہے۔ اعتراض کرنے والے جاہلوں نے صرف موت کو دیکھ لیا اور ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو نہیں دیکھا لہٰذا اعتراض کر بیٹھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر جانور کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ قرآن مجید میں اجمالاً ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ جانور حلال ہیں اور خبیث جانور حرام ہیں۔

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے۔ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ کہ رسول اللہ ﷺ پاکیزہ چیزوں

کوحلال اور خبیث چیزوں کوحرام قرار دیتے ہیں نیز بَھِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ کے کھانے کی اجازت دیدی سوائے ان جانوروں کے جن کا استثناء فرمادیا (اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَھِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ) اور مزید تفسیر کا بیان رسول اللہ ﷺ کی طرف سپرد فرمادیا۔ آپ نے حلال اور حرام جانوروں کی تفسیر بتادی لیکن جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کو ذبح کردیا جائے۔

ذبح کا مطلب یہ ہے کہ گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں جن سے جانور سانس لیتا ہے اور کھاتا پیتا ہے۔ اور جن میں خون گذرتا ہے۔ ذبح کرنے سے بھی کسی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہوگا جبکہ ذبح کے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھی گئی ہو۔ (یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو) ذبح کرنیوالا جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے مسلمان یا کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ذبح کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جانور کے اندر جو خون ہے وہ رگیں کٹنے سے نکل جاتا ہے خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ جب خون نکل گیا تو اب گوشت بغیر خون کے رہ گیا لہٰذا ذبیحہ کا کھانا حلال ہوگیا۔

اعتراض کرنے والے نے فرق کو تو دیکھا نہیں اور اس بات کو سمجھا نہیں کہ ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے اور ذبح کرنے سے جانور کیوں حلال ہوتا ہے اور اپنی موت مرجانے سے کیوں حرام ہوتا ہے یہ خون نکلنے والی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی جو ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں فرق کرنے والی چیز ہے۔

اگر کوئی مسلم یا کتابی کسی جانور کو لاٹھی مار مار کر ہلاک کردے اگرچہ بسم اللہ پڑھ لے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ لاٹھیوں سے مارنے سے خون نہیں نکلا جو گلے کی رگوں سے نکل جاتا ہے ایسے جانور کا نام ''موقوذہ'' ہے جس کا ذکر سورۂ مائدہ کے شروع میں گذر چکا۔

جب معترضین نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا کہ جس حلال جانور پر اللہ کا نام لیا گیا یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا اسے کھاؤ۔ اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے مت کھاؤ' دشمنوں کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کے اعتراض کو کوئی وزن نہ دو اللہ نے تمہیں حلال حرام کی تفصیل بتادی' اللہ کے حلال کئے ہوئے جانور کو نہ کھانا اور دشمنوں کی باتوں میں آجانا اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

اسی کو فرمایا وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡھُمۡ اِنَّکُمۡ لَمُشۡرِکُوۡنَ اور اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو شرک کرنے والے ہوجاؤ گے۔ یعنی اللہ کی بات ماننے کے بجائے دوسروں کی بات مان کر مشرکوں کے زُمرہ میں آجاؤ گے۔

جس جانور کو اللہ کا نام لے کر مسلم یا کتابی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ وہ جانور حلال ہو اس کے کھانے کی اجازت دیدی اور جو جانور میتۃ ہو (یعنی اپنی موت مرگیا ہو یا جسے اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کیا گیا ہو) اس کے کھانے کو حرام قرار دیدیا گیا اور اسے فسق یعنی حکم عدولی بتایا۔ ہاں حالت مجبوری میں غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے ساتھ مشروط کرکے مردار کھانے کی اجازت دیدی۔

وَاِنَّ كَثِیْرًا لَّیُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ اور بلاشبہ بہت سے لوگ بغیر علم کے اپنی خواہشات کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی جو بھی کوئی بغیر سند بات ان کے خواب وخیال میں آ جاتی ہے اس کے ذریعہ لوگوں کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اللہ کے حکم کے پابند نہیں ہوتے۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ (بیشک تیرا رب حد سے نکلنے والوں کو خوب جانتا ہے) وہ ان کو سزا دے گا۔

ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہوں سے بچنے کا حکم:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی گناہ) اس میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے گناہ چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے۔ جو گناہ ظاہری طور پر علانیہ ہے وہ بھی چھوڑو اور جو پوشیدہ ہو اُسے بھی چھوڑو اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو جانتا ہے اور وہ گناہوں کی سزا دینے پر پوری طرح قادر ہے گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ تنہائی میں جو گناہ کر لیا اللہ تعالیٰ کو اسکی خبر نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۝ بلاشبہ جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں عنقریب ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اہل فارس مشرک تھے اور قریش مکہ بھی مشرک تھے انہوں نے مشرکین مکہ کو یہ بات سمجھائی کہ تم محمد علیہ السلام پر یہ اعتراض کرو۔ اور یہودیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو سمجھایا کہ تم یہ اعتراض لے کر جاؤ اور مسلمانوں سے جھگڑا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے یعنی مشرکوں والا کام کر لو گے۔ یعنی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور غیروں کی اطاعت کر کے شرک کرنے والے بن جاؤ گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم کی ماننا اور ان کو تحلیل وتحریم کا مختار سمجھنا مشرکوں کا کام ہے

(فی معالم التنزیل قال الزجاج فیه دلیل علی من احل شیئاً مما حرم الله او حرم ما احل الله فهو مشرک) (معالم التنزیل میں ہے کہ زجاج فرماتے ہیں اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کہے یا اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کہے تو وہ مشرک ہے)

مسئلہ: اگر ذبح کرتے وقت قصداً اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگرچہ ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہو۔ اور جس جانور پر ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اس کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ ذبح کرنیوالا مسلم یا کتابی ہو مذبوحہ اور میتہ جانوروں کے بارے میں متعدد مسائل سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (انوار البیان ج۳ ص۱۳)

اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی

جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ

الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

اندھیریوں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں۔ کافر جو عمل کرتے ہیں وہ ان کے لئے اسی طرح مزین کر دیئے گئے اور اسی طرح ہم نے

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا۔ تاکہ وہ اس میں مکر کریں اور وہ صرف اپنی ہی جانوں کے ساتھ مکر کرتے ہیں اور شعور نہیں رکھتے

مومن زندہ ہے اس کے لئے نور ہے اور کافر اندھیریوں میں گھرا ہوا ہے

تفسیر: علامہ بغویؒ معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت دو خاص آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر ان دو آدمیوں کے تعین میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب (رسول ﷺ کے چچا) مراد ہیں اور مَثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ سے ابو جہل مراد ہے واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر گھوڑے کی لید پھینک دی تھی۔ حضرت حمزہؓ کو اس کا پتہ چلا جو شکار کر کے ہاتھ میں کمان لئے ہوئے آ رہے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابو جہل کی حرکت کا علم ہوا تو غصہ میں بھر گئے اور ابو جہل کے پاس آ کر اس کے سر پر کمان ماری وہ عاجزی کرنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کیسا دین لے کر آئے ہمیں بے وقوف بناتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کے مخالف ہیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہو گا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ پھر انہوں نے اسی وقت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آیت کریم اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ط نازل ہوئی۔ سبب نزول جو بھی ہو۔ آیت کا عموم ہر کافر اور ہر مومن کو شامل ہے۔

جو لوگ پہلے کافر تھے وہ کفر کی وجہ سے مُردہ تھے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا وہ زندوں میں شمار ہو گیا اور اسے نور ایمان مل گیا۔ وہ اسی نور ایمان کو لے کر لوگوں میں پھرتا ہے اور یہ نور ایمان اسے خیر کا راستہ بتاتا ہے اور اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا جو مُردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا ایمان کا نور دیدیا وہ اس جیسا کہاں ہو سکتا ہے جو اندھیریوں میں ہے۔ برابر انہیں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جس طرح اہل ایمان کے لئے ایمان مزین کر دیا گیا ہے

اسی طرح کافروں کے لئے ان کے اعمال کفریہ مزیّن کر دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنی حرکت بد کو اچھا؟ سمجھ رہے ہیں۔

ہر بستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں: اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا (اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا) مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل مکہ میں دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ مجرم بنے ہوئے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی میں آپ سے پہلے ایسے لوگ مقرر کئے جو ان لوگوں کے سردار تھے اور گناہوں میں پیش پیش تھے۔

لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا تاکہ یہ لوگ مکر کریں یعنی اللہ کی ہدایت نہ پھیلنے دیں اور اس کے خلاف شرارتیں کریں۔ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اور ان کا مکر ان کی جانوں ہی کے ساتھ ہے۔ اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اسلام کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف و جوانب میں ہر راستہ پر چار چار آدمی بٹھا دیے تھے۔ تاکہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔ جو شخص باہر سے آتا اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔

درحقیقت ہر بستی اور ہر علاقہ کے رئیس اور چودھری اور اہل اقتدار اور اہل مال ہی عوام الناس کو ہدایت پر نہیں آنے دیتے۔ نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔ جیسا کہ پورے عالم میں اس کا مظاہرہ ہے۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ
اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو ایسی چیز نہ دی جائے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی اللہ
اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ
جانتا ہے جہاں اپنے پیغام کو بھیجے۔ عنقریب ان لوگوں کو اللہ کے یہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا
شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴
اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے

ولید بن مغیرہ کی اس جہالت کی تردید کہ ہمیں رسالت ملنی چاہئے

تفسیر: معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ

سے کہا کہ اگر نبوت واقعی کوئی چیز ہے تو میں تم سے زیادہ اس کا اہل ہوں کیونکہ میری عمر بھی تم سے زیادہ ہے اور میرا مال بھی کثیر ہے اور دوسرا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ بنو عبد مناف نے شرافت کے سلسلے میں ہم سے مقابلہ بازی کی یہاں تک کہ ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑے بن کر رہ گئے اب وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم ہم اس مدعی نبوت پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی نہ آ جائے جیسی اس کے پاس آتی ہے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی جسمیں ولید بن مغیرہ کا بھی جواب ہو گیا اور ابو جہل کا بھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسالت و نبوت سے سرفراز کرنا یہ اللہ جل شانہ کے انتخاب اور اختیار سے متعلق ہے وہ جسے چاہتا ہے اس عہدہ سے سرفراز فرماتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ رسالت اور نبوت کا اہل کون ہے اور اس عہدہ جلیلہ کا تحمل کس میں ہے یہ کہنا کہ میں مستحق رسالت ہوں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جہل کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جنہوں نے یہ اعتراض کیا ہے انہیں اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی اور انہیں سخت سزا ملے گی۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ
سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے اس کے سینہ کو ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کے بارے میں یہ ارادہ فرمائے کہ اسکو گمراہ فرمائے
صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ
اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ آسمان میں چڑھ رہا ہے ایسے ہی ان لوگوں پر اللہ عذاب بھیج دیتا ہے
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
جو ایمان نہیں لاتے

صاحب ہدایت کا سینہ کشادہ اور گمراہ کا سینہ تنگ ہوتا ہے

تفسیر: آیت قرآنیہ سن کر اور آیات تکوینیہ دیکھ کر بہت سے لوگ مسلمان ہو جاتے تھے اور اکثر کفر سے چمٹے رہتے تھے اس آیت میں اللہ رب العزت تعالیٰ شانہ نے یہ بتایا کہ اللہ جل شانہ جس شخص کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس کے دل میں اسلام کی طرف سے کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہتا۔ اور بلا پس و پیش سچے دل سے پورے اخلاص کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جسے گمراہی میں باقی رکھنا چاہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے اسلام کی دعوت سنکر اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اسلام قبول کرنے کی بات سامنے آتی ہے تو یہ اسے ایسا دوبھر اور دشوار معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ بڑی مصیبت

کے ساتھ آسمان پر چڑھ رہا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ایسی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اسکو پہچان لیا جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی یہ ہے کہ دار الغرور (دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (ہمیشہ رہنے کی جگہ) کی طرف رجوع کرے اور موت سے پہلے اس کی تیاری کرلے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۶)

سینہ کی تنگی کا مطلب بتاتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو دل میں انقباض ہونے لگے اور گھبراہٹ محسوس ہو اور اگر بتوں کی عبادت کا ذکر آئے تو دل میں خوشی کی کیفیت طاری ہو (ذکرہ فی معالم التنزیل)

معلوم ہوا کہ مومن کو اپنے ایمان پر شاداں فرحاں خوب خوش رہنا چاہئے ایمان اور ایمانیات کی وجہ سے دل میں خوشی کی لہریں دوڑتی رہیں۔

پھر فرمایا کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اللہ ایسے ہی عذاب بھیج دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

علماء تفسیر نے رجس کے کئی معنی کئے ہیں۔ روح المعانی میں اولاً عذاب اور خذلان کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے، کہ " الرجس مالا خیر فیہ" یعنی جس میں کوئی خیر نہ ہو وہ رجس ہے۔ پھر علامہ راغب اصفہانی سے نقل کیا ہے کہ الرجس الشئ القذر یعنی گھناؤنی چیز۔ اور زجاج سے نقل کیا ہے ھو اللعنۃ فی الدنیا والعذاب فی الاٰخرۃ۔ یہاں یہ سب معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ پاک گمراہ شخص کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان لوگوں پر رجس ڈال دیتا ہے جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے بے شک ہم نے واضح طور پر ان لوگوں کے لئے آیات بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ

ان کے رب کے پاس اور وہ جو اعمال کرتے ہیں ان کے سبب اللہ ان کا مددگار ہے، اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا۔

الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا

اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں میں سے کثیر تعداد کو اپنا تابع کر لیا۔ اور انسانوں میں جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض نے

بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ

بعض سے نفع حاصل کیا۔ اور ہم پہنچ گئے اس مقررہ میعاد کو جو آپ نے ہمارے لئے مقرر فرمائی۔ فرمانِ خداوندی ہوگا کہ دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہو گے سوائے اس کے

اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا

جسے اللہ چاہے۔ بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔ اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بہ سبب ان کے اعمال کے

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

جو وہ کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا راستہ سیدھا ہے

تفسیر: مومن اور کافر کا فرق بیان فرمانے کے بعد اب صراطِ مستقیم کی دعوت دی جارہی ہے۔ (دین اسلام) تیرے رب کا راستہ ہے جو سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے اس کی دعوت بھی واضح ہے' جو لوگ نصیحت حاصل کرنے والے ہیں ان کے لئے واضح طور پر آیات بیان کردیں۔ پھر صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لئے دو انعام ذکر فرمائے اوّل یہ کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس دارالسلام ہے۔

اہل ایمان کے لئے دارالسلام کا وعدہ: دارالسلام کا معنی ہے سلامتی کا گھر۔ اور اس سے جنت مراد ہے جنت میں ہر طرح کے مصائب اور تکالیف سے سلامتی ہوگی۔ نہ جسمانی کوئی تکلیف ہوگی نہ روحانی۔ نہ آپس میں بُغض ہوگا نہ کینہ ہوگا نہ حسد ہوگا نہ دشمنی ہوگی' اور نہ نعمتوں کے ختم ہونے کا چھیننے کا اندیشہ ہوگا۔ جب جنت میں داخل ہوں گے تو فرمایا جائے گا اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ کہ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ امن وامان کی حالت میں۔ اہل جنت کو اللہ کی طرف سے سلام آئے گا۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے سورہ یٰسین میں فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ فرمایا ہے۔ الحاصل! جنت دارالسلام ہے وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے جعلنا اللہ من اھلھا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے۔ دوسرے انعام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی اللہ ان کا ولی ہے بسبب ان کے عمل کے جو وہ کرتے تھے۔

صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۰ لکھتے ہیں یتولاھم فی الدنیا بالتوفیق وفی الاٰخرۃ بالجزاء یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کا ولی یعنی دوست ہے اور مددگار ہے جس نے ایمان کی توفیق دیدی اور آخرت میں بھی ان کا دوست ہوگا وہ انہیں ایمان کا بدلہ دے گا۔

قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے سوال: اس کے بعد قیامت کے دن جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال کا ذکر فرمایا وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو یعنی جنات اور انسانوں کو محشر میں جمع فرمائے گا اور جنات سے اللہ تعالیٰ کا یوں خطاب ہوگا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ کہ اے جنات کے گروہ تم نے کثیر تعداد میں انسانوں کو اپنے تابع کر لیا۔ جنات سے شیاطین مُراد ہیں۔

جب ابلیس مردود ہوا تھا اس نے کہا تھا لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (کہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقررہ اپنا بنالوں گا) اور یہ بھی کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ م بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے)

ابلیس نے جو کہا تھا وہ برابر اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ذرّیت بھی اسکی کوششوں میں اس کی معاون و مددگار ہے۔ اور انسانوں کی غفلت کی وجہ سے شیاطین اپنی محنت میں کامیاب ہیں انہوں نے اکثر انسانوں کو اپنا بنالیا ہے اور صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کر دیا شیاطین الجن سے اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے کثیر تعداد کو تم نے اپنا بنالیا۔ اور ان کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کا یہ خطاب توبیخ کے طور پر ہوگا یعنی بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے یہ خطاب ہوگا۔

انسانوں کا جواب اور اقرار جرم: وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا (اور شیاطین کے دوست جو انسانوں میں سے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض سے بعض نے انتفاع کیا) یعنی انسان جنات سے اور جنات انسانوں سے متمتع ہوئے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن اور ابن جریج وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اترنا ہوتا تو یوں کہتے کہ اَعُوْذُ بِسَيِّدِ هٰذَا الْوَادِي (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) اللہ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اعوذ بسید هذا الوادی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہم کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سے مانگنی چاہئے تھی ہم سے مانگی۔ انسانوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع حاصل کرنے کا اقرار کرنے کے بعد یوں کہے گا۔ کہ وَبَلَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ط

(اور ہم پہنچ گئے اس مقرر میعاد کو جو ہمارے لئے آپ نے مقرر فرمائی تھی) اس اَجل یعنی مقررہ میعاد سے بعض حضرات نے موت اور بعض نے قیامت کا دن مراد لیا ہے انسانوں کا گروہ یہ بات بطور اقرار جرم کہے گا۔ جس میں اظہار ندامت بھی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا! حسرت بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ دوزخ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ابلیس کو خطاب کر کے بتادیا تھا۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥ (کہ میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیرا اتباع کریں گے) یہ اعلان اسی وقت فرمادیا تھا جب ابلیس نے تکبر کیا اور اس نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھا کر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے پر اسے اور اس کے ماننے والوں کو دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی کے مطابق آج دوزخ میں شیطان کے ماننے والوں میں ٹھکانا ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ (مگر یہ کہ جو اللہ چاہے) یعنی وہ چاہے تو دوزخ سے نکال سکتا ہے۔ مگر کافروں کو نہیں نکالے گا جیسا کہ دوسری آیت میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ٥ (بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا ولی بناتے ہیں بسبب ان کے اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر:

نُوَلِّيْ کا یہ ترجمہ جو بھی لکھا گیا حضرت قتادہ سے منقول ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے ان سے نقل کیا ہے نَجْعَلُ بَعْضَهُمْ اَوْلِيَآءَ بَعْضٍ کہ ہم ظالموں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست بناتے ہیں۔ یہ معنی بھی صحیح ہے دنیا میں ہر وقت اس کا مظاہرہ ہے اور اسی دوستی کی وجہ سے آپس میں مل کر اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے کی معاونت کرتے رہتے ہیں۔

اور بعض حضرات نے نُوَلِّيْ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ظالموں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیں گے۔ یعنی قیامت کے دن ایک ہی قسم کے لوگوں کی جماعتیں بنادی جائیں گی۔ پھر یہ جماعتیں دوزخ میں چلی جائیں گی۔ جیسا کہ سورۂ صافات میں فرمایا۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ٥ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ٥ ظالموں کو اور ان کے ہم مشربوں کو اور اُن معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے جمع کرو پھر انکو دوزخ کا راستہ دکھاؤ اور سورۂ زُمر میں فرمایا وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا (اور جن لوگوں نے کفر کیا اُنہیں گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا)

آیت کا ایک اور معنی بھی بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے ای نسلط بعض الظالمین علیٰ بعض کہ ہم بعض ظالموں کو بعض دوسرے ظالموں پر مسلّط کر دیتے ہیں اور ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ہاتھ سے سزا دلوا دیتے ہیں۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے وہ میرے احکام بیان کرتے تھے

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور تم کو اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے وہ جواب دیں گے کہ ہم اپنے جانوں پر گواہی دیتے ہیں' اور ان کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا۔

وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ

اور وہ اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ وہ کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں ہے

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں' اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب درجات ہیں' اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ

جو کام وہ کرتے ہیں۔ اور تیرا رب غنی ہے رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور تمہارے بعد تمہارے پیچھے

مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ

جس کو چاہے آباد کر دے جیسا کہ اس نے تمہیں دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرمایا۔ بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والی چیز ہے اور تم

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ فرما دیجئے اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بلاشبہ میں عمل کر رہا ہوں' سو عنقریب جان لو گے کہ کس

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کے لئے ہے اس عالم کا انجام کار' بے شک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ

جن و انس سے سوال!

کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے؟ اور ان کا اقرار جرم

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے اس خطاب کا ذکر فرمایا جو جنات کی جماعت سے اور انسانوں سے قیامت کے دن ہوگا۔ دونوں جماعتوں کے مجرمین کافرین جو میدان حشر میں موجود ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے جنات اور اے انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام بتاتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی حاضری سے اور اعمال کے نتائج سامنے آنے سے باخبر کرتے تھے اور تمہیں ڈراتے تھے کہ دیکھو ایک دن

ایسا آنے والا ہے تم اس کے لئے فکر مند ہو جاؤ اور ایمان لاؤ۔

اوّل تو مجرمین اقرار جرم سے گریز ہی کریں گے۔ اور اپنے کفر و شرک کا انکار ہی کر بیٹھیں گے جیسا کہ دوسری آیت میں ان کا قول وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ذکر فرمایا ہے۔ پھر بعد میں اپنے ہاتھ پیروں کی گواہی سے اور اپنے نبیوں کی گواہی کی وجہ سے مجبور ہو کر اقرار کر لیں گے۔ جس کا تذکرہ اوپر آیت بالا میں فرمایا۔

"قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا" وہ کہیں گے کہ اپنی جانوں کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں کہ واقعی ہم مجرم تھے اور واقعی ہم کافر تھے۔ درمیان کلام ان لوگوں کی گمراہی کا اور کفر و شرک پر جمنے کا سبب بھی ذکر فرمادیا۔

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۔ یعنی دنیا والی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ دنیاوی زندگی کو انہوں نے اصل سمجھا اور اس کے منافع اور ثمرات اور شہوات و لذات ہی کے پیچھے پڑے رہے۔ ایمان کی دعوت دینے والوں اور یوم آخرت کی یاددہانی کرانے والوں کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے ظلم کے سبب اس طرح ہلاک نہیں فرماتا کہ وہ لوگ اپنے ظلم کے انجام سے بے خبر ہوں۔

اللہ جل شانہٗ پیغمبر بھیجتا ہے جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ توحید اختیار کرنے والوں کا اچھا انجام اور مشرکوں و کافروں کا برا انجام بتاتے ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ سب کچھ بتا دینے کے بعد جب لوگ باز نہیں آتے تو اللہ پاک کی طرف سے ان لوگوں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ہلاکت کا سبب بھی بتا دیا کہ وہ ظلم ہے ہر گناہ ظلم ہے اور کفر بھی ظلم ہے اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

اعمال کے اعتبار سے لوگوں کے درجات مختلف ہیں: پھر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں) ثواب والوں کے بھی مختلف درجات ہیں اور عقاب والوں کے بھی' اور جس نے جو کچھ کیا اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے جزا اور سزا پالے گا۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (اور تیرا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہیں جو وہ کرتے ہیں) اس میں یہ بات بتا دی کہ حساب لینے والا اور جزا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میرے سارے اعمال کا بدلہ کیسے ملے گا۔ کسے خبر ہے کہ میں نے کیا کیا ؟ خوب سمجھ لیں کہ جسے جزا دینا ہے اُسے سب کچھ معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے رحمت والا ہے: پھر فرمایا وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ (تیرا رب غنی ہے بے نیاز ہے' رحمت والا ہے) اُسے کسی چیز کی اور کسی کے عمل کی حاجت نہیں۔ ہاں! ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ اپنی مخلوق پر رحم کرتا ہے اس نے

مخلوق کو وجود بھی بخشا' ان کو رزق بھی بخشا ہے اور انکی حاجتیں بھی پوری فرماتا ہے' دنیا میں تو سب ہی پر اس کی رحمت ہے اور آخرت میں اہل طاعت کے لئے مخصوص ہے۔

اللہ چاہے تو تمہیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آئے: اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ (اگر پروردگار عالم جل مجدہ چاہے تو تمہیں ختم کردے اور تمہارے بعد دوسروں کو اپنی زمین پر آباد فرما دے)۔

كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ (جیسا کہ اس نے تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا فرمادیا) آج وہ تمہارے دادے پردادے کہاں ہیں جن کی نسل سے تم ہو۔ جس طرح تدریجی طور پر پرانی ایک نسل کے بعد دوسری نسل لانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اس طرح سے وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ دفعۃً سب کو ختم کردے پھر اس کی جگہ دوسروں کو آباد کردے وہ تو بے نیاز ہے تم تو بے نیاز نہیں ہو تم اپنی بقا میں اس کے محتاج ہو اور حاجات پوری کرنے کے لئے تمہیں اس کی رحمت کی ضرورت ہے۔

دنیا میں بھی تم اس کے محتاج ہو اور موت کے بعد بھی۔ لہٰذا اپنی ضرورت سے ایمان قبول کرو اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔

قیامت ضرور آنے والی ہے: پھر فرمایا: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ (بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ ضرور آنیوالی چیز ہے) یعنی قیامت اور حساب و کتاب اور عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی جو خبریں تمہیں دی جارہی ہیں اور تمہیں جو یہ بتایا جارہا ہے کہ مومنین کی یہ جزا ہے اور کافروں کی یہ سزا ہے یہ سب کچھ ہونے والا ہے سامنے آجانے والا ہے۔ دیر لگنے کی وجہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ یونہی باتیں ہیں۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے) اور موت سے اور قیامت کے دن پیش آنے والے حالات سے جان چھڑا کر کہیں جا نہیں سکتے۔ سورۂ مریم میں فرمایا۔ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ (اللہ تعالیٰ نے سب کو خوب اچھی طرح شمار میں رکھا ہے اور سب اس کے پاس ایک ایک ہو کر حاضر ہوں گے) بہت سے جاہل قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہزاروں سال ہوگئے اب تک تو قیامت آئی نہیں یہ احمقانہ بات ہے خالق و مالک جل مجدہٗ کا وعدہ سچا ہے اس کے علم میں اس کا وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت مقررہ پر آئے گی۔ کسی چیز کے وجود میں آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود نہ ہوگا۔

اپنی اپنی جگہ عمل کرتے رہو انجام کا پتہ چل جائے گا: پھر فرمایا قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ (آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں بھی اپنے طور پر عمل کرتا ہوں)

میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ کفر و شرک کا انجام برا ہے اس وقت تم نہیں مانتے۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (سو عنقریب تم جان لو گے کہ اس عالم میں انجام کار کس کے لئے نفع مند ہوا) جب آنکھیں میچیں گی اُس وقت آنکھیں کھلیں گی کہ نفع والا ہم اپنے کو سمجھ رہے تھے لیکن اب پتہ چلا کہ نفع والے ایمان اور اعمال صالحہ والے تھے لیکن وہاں سمجھ میں آنا

بے فائدہ ہوگا اسی دنیا میں سمجھ لیں اور ایمان لے آئیں تو نفع والے ہو جائیں اور آخرت کے خسارہ سے بچ جائیں گے۔

ظالم کامیاب نہیں ہوتے: اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ بات یہ کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) اس میں قاعدہ کلیہ کے طور پر بتادیا کہ ظالمین یعنی کافر و مشرک کامیاب نہ ہوں گے۔ کفر و شرک والے سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے فائدہ میں ہیں لیکن وہ حقیقت میں نقصان میں جارہے ہیں اور خسارہ میں پڑ رہے ہیں قیامت کے دن جب تباہ حال ہوں گے اس وقت حقیقت حال کا پتہ چلے گا۔

کیا جنات میں سے رسول آئے ہیں؟ فائدہ: آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول انہی میں سے آتے رہے ہیں کیونکہ یہ خطاب انسانوں اور جنوں دونوں جماعتوں کو فرمایا ہے۔

حضرات مفسرین نے اس بارے میں علماءِ سلف کے مختلف اقوال نقل کئے۔ مفسر ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۷۷ بحوالہ ابن جریر ضحاک بن مزاحم سے نقل کیا ہے کہ جنات میں بھی رسول گذرے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کا استدلال اسی آیتِ کریمہ سے ہے پھر لکھا ہے کہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے ہاں محتمل ہے۔ کیونکہ مِنْکُمْ کا معنی من جملتکم بھی ہوسکتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ مجموعہ انس و جن سے رسول بھیجے گئے جیسا کہ سورہ رحمٰن میں فرمایا ہے یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ اس میں مِنْهُمَا کی ضمیر بحرین کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ لؤلؤ اور مرجان صرف شور سمندر سے نکلتے ہیں۔ اس اعتبار سے مِنْهُمَا بمعنی مِنْ جملتهما ہوا اور رُسُلٌ مِّنْکُمْ سے بھی یہ معنی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

مفسر ابن کثیر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جنات میں رسول نہیں آئے اور اس قول کی مجاہد اور ابن جریج وغیر واحد من السلف والخلف کی طرف منسوب کیا ہے اور روح المعانی میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ رُسُلٌ مِّنْکُمْ میں جو لفظ رُسل آیا ہے یہ لفظ عام ہے یعنی حقیقی رسولوں کو اور رسولوں کے رسولوں کو شامل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اللہ کے رسول تھے وہ اپنے طور پر دین حق کے پہنچانے کے لئے جن افراد کو امتوں کے پاس بھیجا کرتے تھے انکو بھی وصول فرمایا یعنی جنات کی طرف جنات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبلغ بھیجا کرتے تھے ان پر یہ لفظ رسولوں کا فرستادہ ہونے کے اعتبار سے صادق آتا ہے' رسول تو بنی آدم ہی میں سے تھے لیکن رسولوں کے ارسال فرمودہ نمائندے جنات میں سے بھی تھے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بنی آدم سے پہلے اس دنیا میں جنات رہتے اور بستے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ قوم بھی احکامِ خداوندی کی مکلف ہے۔ جب یہ قوم مکلف ہے تو تبلیغ احکام کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے پاس رسول نہ بھیجے ہوں سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ کا عموم اس بات کو بتاتا ہے کہ بنی آدم سے پہلے جنات میں انہیں میں سے

رسول آتے ہوں گے۔

بنی آدم کے زمین پر آباد ہو جانے کے بعد جنات کو انہیں انبیاء و رُسل کے تابع فرمادیا ہو جو بنی آدم میں سے آتے رہے تو یہ ممکن تو ہے لیکن قطعی ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

بہر حال جو بھی صورت ہو اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین سرور دو عالم ﷺ رسول الثقلین ہیں اور رہتی دنیا تک جس طرح انسانوں کی طرف مبعوث ہیں جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں۔

سورۂ احقاف کے آخری رکوع میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں جنات کی حاضری کا تذکرہ پھر ان کا اپنی قوم کی طرف جانا اور انکو اسلام کی دعوت دینا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ مذکور ہے۔

اور سورۃ الرحمٰن میں جنات سے بار بار خطاب ہونا اور آنحضرت ﷺ کا جنات کو سورۃ الرحمٰن سُنانا اور ان کی دعوت پر ان کی جائے سکونت پر تشریف لے جا کر تعلیم دینا۔ اور تبلیغ فرمانا (جس کا احادیث شریف میں ذکر ہے) اس سے یہ بات خوب ظاہر اور بہت ہی واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ جنات کی طرف بھی مبعوث ہیں جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ بنی آدم کے دنیا میں آباد ہو جانے کے بعد جنات کی ہدایت کے لیے بھی وہی رسول مبعوث تھے جو بنی آدم کی طرف بھیجے گئے ان کے اس قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جب جنات کی جماعت رسول ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر واپس ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم سے جو باتیں کیں ان میں یہ بھی تھا۔ یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ان کا اپنی قوم سے یہ کہنا کہ ہم نے ایسی کتاب سُنی جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے۔

اس سے معلوم ہُوا کے جنات توریت شریف پر عمل کرتے تھے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں خود ان میں سے کوئی رسول ہوتا تو وہ اسی کا اتباع کرتے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے ایک حصہ کھیتوں اور مویشیوں میں سے مقرر کر دیا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں سو انہوں نے اپنے خیال

وَهٰذَا لِشُرَکَآئِنَا ۚ فَمَا کَانَ لِشُرَکَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَی اللّٰهِ ۚ وَمَا کَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ

سے یوں کہا کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے سو جو ان کے معبودوں کے لئے ہے وہ اللہ کیطرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لئے

یَصِلُ اِلٰی شُرَکَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ہے سو وہ انکے شرکاء کیطرف پہنچ جاتا ہے یہ لوگ بُرا فیصلہ کرتے ہیں

مشرکین نے کھیتیوں اور جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا

تفسیر: مشرکین جو طرح طرح سے شرک پھیلا ہوا ہے جس کی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے شرکاء یعنی اپنے باطل معبودوں کے نام پر کچھ مال نامزد کر دیتے تھے۔ اور بہت سا مال ان پر بھینٹ کے طور پر چڑھاتے تھے ان کے ناموں پر جانوروں کے کان کاٹ دیتے تھے اور ان کے نام سے بہت سے جانوروں کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ مشرکین میں اب بھی ایسے طریقے رائج ہیں۔

آیت بالا میں مالیاتی سلسلہ کے ایک شرک کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے کھیتیاں اور مویشی پیدا فرمائے ہیں اور یہ سب اسی کی ملکیت ہے۔ مشرکین یہ کرتے تھے کہ ان میں سے کچھ حصہ اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے مقرر کر دیتے تھے۔ اس کے مصارف بھی انہوں نے تجویز کر رکھے تھے۔

اب ہوتا یہ تھا کہ جو حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا تھا اس میں کچھ حصہ اگر معبودانِ باطلہ کے حصہ میں مل گیا تو اُسے تو ملا ہی رہنے دیتے تھے۔ اور اگر معبودانِ باطلہ والے حصہ میں کچھ حصہ اس حصہ میں مل جاتا جو اللہ کے لیے مقرر کیا تھا تو اسے جھٹ الگ کر لیتے تھے۔ پہلی حماقت اور ضلالت تو یہ کہ اللہ کے علاوہ معبود تجویز کر لئے پھر دوسری گمراہی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ چیزوں میں بہت سا مال معبودان باطلہ کے لیے نامزد کر دیا۔ پھر تیسری گمراہی یہ کہ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کو خالق و مالک جل مجدہ کے مقابلہ میں فضیلت دیدی کہ اللہ تعالیٰ کا حصہ اگر اُن کے حصہ میں مل جائے تو ملا ہی رہے اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کر لیا تھا اس میں سے اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کچھ مل جائے تو فوراً جدا کر لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ کہ یہ لوگ بُرا فیصلہ کرتے ہیں بعض اکابر نے فرمایا کہ امتِ حاضرہ کا بھی کچھ ایسا ہی طریق کار ہے کہ جو وقت عبادت ذکر و تلاوت کے لیے مقرر کرتے ہو اس وقت میں دنیوی کام تو کر لیتے ہو اور جو وقت دنیا کے لیے مقرر کیا ہے اس میں سے ذکر و تلاوت میں لگانے کو تیار نہیں ہوتے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا

اور اسی طرح مشرکین کے لئے ان کے شرکاء نے اولاد کا قتل کرنا مزیّن کر دیا تا کہ وہ اُن کو ہلاک کر دیں اور تا کہ وہ ان پر ان کے دین کو

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا

رَلا ملا دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور جو کچھ وہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ یئے۔ اور ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق

هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

یوں کہا کہ یہ مویشی ہیں اور کھیتی ہے جس پر پابندی ہے اس کو بس وہی لوگ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں۔ اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کی پشتیں حرام کی گئی ہیں۔

ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم بِمَا

اور کچھ جانور ایسے ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے، عنقریب وہ انہیں سزا دیگا بسبب اس کے کہ

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ

وہ افتراء کرتے ہیں، اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری بیویوں پر حرام

عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ

قرار دیدیا گیا ہے۔ اور اگر وہ مردار ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ سو وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دیگا جو وہ بیان کرتے ہیں، بے شک وہ

حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا

حکمت والا ہے علم والا ہے، بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا اور اللہ نے انہیں

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤٠﴾

جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اُسے حرام قرار دیدیا بے شک وہ لوگ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں

مشرکین کا اپنی اولاد کو قتل کرنا اور کھیتیوں اور جانوروں کے بارے میں اپنی طرف سے تحریم اور تحلیل کے قواعد بنانا

تفسیر: اس دنیا میں ہادیٔ عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے پوری دنیا جہالت، ضلالت، سفاہت کفر و شرک سے بھری ہوئی تھی۔ عرب کے لوگ مشرک بھی تھے اور جاہل بھی، ان میں جہالت اور جاہلیت دونوں پوری طرح جگہ پکڑے ہوئی تھی طرح طرح کی شرکیہ رسمیں نکال رکھی تھیں۔

جانوروں اور ان کے بچوں اور کھیتیوں کے بارے میں طرح طرح کے افعال قبیحہ میں مُبتلا تھے اور یہ افعال اور رسوم انہیں شیاطین الجن اور شیاطین الانس نے سمجھا رکھی تھیں جن میں بعض کا ذکر فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ میں اور بعض کا ذکر مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں اور بعض کا ذکر مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ (الآیۃ) میں اور بعض کا ذکر آیت وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا میں گذر چکا ہے ان آیات میں بھی ان کے چند افعال قبیحہ اور رسوم ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ بہت سے مشرکین کو اُن کے شرکاء یعنی شیاطین نے اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور ان کے اس عمل کو اُن کی نظر میں مزین اور مستحسن کر دیا۔ اہل عرب بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رزق کی تنگی کے ڈر سے بھی اولاد کو قتل کر دیتے تھے جیسا کہ دو رکوع کے بعد یہ مضمون آ رہا ہے۔

شیاطین نے ان کی نظروں میں اولاد کے قتل کرنے کو ایسا مزین کر دیا تھا کہ وہ اس عمل میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے اور ذراسی بھی مامتا ان کے دل میں نہیں آتی تھی جو قتل اولاد سے مانع ہو۔ شیاطین نے ان کو اس کام پر ڈالا تا کہ ان کو برباد کریں اس میں سب سے بڑی بربادی یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کے مستحق ہوئے اور ایک طرح سے دنیاوی بربادی بھی ہے کیونکہ جب اولاد زندہ نہ چھوڑی جائے گی تو آئندہ نسلیں بھی نہ چلیں گی اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے اس میں نسل انسانی کی بربادی بھی ہے۔

لِیُرْدُوْهُمْ (تا کہ انہیں برباد کریں) کے ساتھ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ بھی فرمایا (تا کہ وہ ان پر ان کے دین کو رلا ملا دیں) معالم التنزیل ج۲ ص۱۲۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسکی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ لیدخلوا علیهم الشک فی دینهم و کانوا علیٰ دین اسماعیل علیه السلام فرجعوا عنه بلبس الشیاطین (تا کہ وہ انہیں اپنے دین کے بارے شک میں ڈالیں چنانچہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے شیطان کی تلبیس کی وجہ سے اس سے ہٹ گئے)

مطلب یہ ہے کہ ان کو شیاطین نے ان کے دین کے بارے میں شک میں ڈال دیا یہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ شیاطین کی تلبیس کی وجہ سے اس دین کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کے بعد مشرکین عرب کی ایک اور مشرکانہ حرکت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے مویشیوں اور کھیتیوں کے بارے میں پابندیاں لگا رکھی تھیں وہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فلاں فلاں مویشی اور فلاں کھیتی کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں، وہ کہتے تھے کہ ان کو صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جن کو ہم چاہیں۔ اپنے خیال باطل کے موافق انہوں نے حرام حلال کے کچھ قوانین بنا رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو چیز سب کے لئے حلال فرمائی اسکو بعض کے لئے حرام قرار دے دینا ظلم اور تعدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قوانین میں دخل دینا ہے اس لئے اس کی قباحت بیان فرمائی مشرکین عرب نے یہ بھی کر رکھا تھا کہ بعض جانوروں کو سواری کے لئے استعمال کرنا حرام قرار دے رکھا تھا جس کی کچھ تفسیر آیت کریمہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ ۭ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ یہ لوگ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان پر سوار ہونے اور بار برداری کرنے کو حرام سمجھتے تھے اسی کو وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا میں بیان فرمایا۔

وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ پھر ان کی سزا کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب سزا دیگا اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں)

مشرکین عرب نے جو حرام حلال کے خود ساختہ قوانین بنا رکھے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ بعض جانوروں کے پیٹوں میں جو حمل ہوتا تھا اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو جائے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہو جاتا تو کہتے کہ اسکو مرد و عورت سب کھا سکتے ہیں۔

یعنی دونوں فریق کو اس کے کھانے کی اجازت ہے اس تحلیل اور تحریم کا قانون بھی انہوں نے خود ہی تجویز کر رکھا تھا جسے وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوْرِنَا ط میں بیان فرمایا۔ ان کے ان باطل خیالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا سَیَجْزِیْھِمْ وَصْفَھُمْ اِنَّہٗ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (وہ انہیں عنقریب اس بات کی سزا دیگا جو وہ بیان کرتے ہیں بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے)

آخر میں فرمایا:- قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَھُمْ سَفَھًا ۢبِغَیْرِ عِلْمٍ ط (بے شک خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بغیر علم کے قتل کیا) وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَھُمُ اللّٰہُ افْتِرَآءً عَلَی اللّٰہِ (اور انہیں اللہ نے جو رزق عطا فرمایا اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے اسے حرام قرار دیدیا) قَدْ ضَلُّوْا وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ (بے شک یہ لوگ گمراہ ہوئے اور ہدایت پر چلنے والے نہیں ہیں) اوپر جو مشرکین کے شرکیہ خیالات اور رسوم و اعمال اور خرافات مذکور ہوئے آخر میں ان کی گمراہی اور اُخروی سزا کا اجمالی تذکرہ فرما دیا۔ کہ یہ لوگ بالکل خسارہ میں پڑ گئے دنیا میں گمراہ ہوئے اور آخرت کے عذاب کے مستوجب ہوئے ان کا کوئی حق نہیں تھا کہ اپنی اولاد کو قتل کریں۔ گو یہ باپ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے قتل کرنے والے اور مقتول بچے سب اسی کی ملکیت ہیں۔ قاتلین نے اللہ کی مخلوق کو ناحق قتل کرنے کا پاپ اپنے ذمہ لیا۔

نیز انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حرام قرار دیا اور اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ سب عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کی باتیں ہیں۔

فائدہ: لفظ شرکاء مشرکین کے معبودانِ باطلہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ مشرکین نے ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور عبادت میں شریک کیا (العیاذ باللہ) اور شیاطین الجن اور شیاطین الانس کو بھی شرکاء فرمایا ہے۔ جن کے کہنے پر مشرکین چلتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

سورۂ انعام میں ایک خطاب کا ذکر فرمایا جو مشرکین سے کیا جائے گا۔ وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَ کُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ اور سورۂ یونس میں فرمایا وَقَالَ شُرَکَآؤُھُمْ مَّا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ (قال البغوی فی معالم التنزیل سمیت الشیاطین شرکاء بانھم اطاعوھم فی معصیۃ اللہ واضیف الشرکاء الیھم لانھم اتخذوھا) (تفسیر معالم التنزیل میں علامہ بغویؒ فرماتے ہیں شیاطین کو شرکاء کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے میں مشرکین نے انہیں شیاطین کی اطاعت کی ہے اور شرکاء کا ان کی طرف اضافہ کیا گیا کیونکہ انہوں نے ان کو اختیار کر لیا ہے)

فائدہ: آیت بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ تمام اشیاء و اجناس کی تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا اور ان کے لئے استمتاع اور انتفاع کے لئے مختلف اشیاء پیدا فرمائیں اسے اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے جس کے لئے حلال قرار دے اور جس کے لئے چاہے حرام قرار دے۔ بندوں کو کسی چیز کے حرام یا حلال قرار دینے کا اختیار نہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خدائی اختیارات کو اپنے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس لئے اسے

مشرکانہ افعال میں شمار فرمایا اسمبلیوں میں قانون خداوندی کے خلاف جو لوگ قانون پاس کرتے ہیں وہ بھی مجرم ہیں۔

اہل بدعت مُشرکین کی راہ پر: مشرکین نے جو یہ تجویز کر رکھا تھا کہ فلاں چیز مردوں کے لئے حلال ہے اور عورتوں کے لئے حرام ہے اس طرح کا رسم و رواج آج بھی بہت سے اہل بدعت میں پایا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے جو نیاز دی جاتی ہے اس سے آپ منع کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ (قطع نظر اس بات کے کہ یہ بہت سی بدعات پر مشتمل ہے اور دوسری نیازوں کا بھی یہی حال ہے) اس میں جو یہ قانون ہے کہ اس میں سے لڑکے نہیں کھا سکتے صرف عورتیں ہی کھا سکتی ہیں یہ وہی پابندی ہے جو مشرکین عرب نے جانوروں کے بارے میں تجویز کر رکھی تھی جو چیز اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے حلال کی اس کو بعض کے لئے حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کے قانون کی سخت خلاف ورزی ہے اور شرک ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا
اور وہی ہے جس نے باغیچے پیدا فرمائے جو چڑھائے جاتے ہیں چھپریوں پر اور ایسے بھی ہیں جو چھپریوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور پیدا فرمائے کھجور کے درخت
اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
اور کھیتی جس میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہیں اور پیدا فرمایا زیتون کو اور انار کو جو ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے پھلوں سے
وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ
جبکہ پھل لائیں اور کٹائی کے دن اس کا حق دیدو اور فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا اور اس نے چوپاؤں میں سے ایسے جانور
الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ
پیدا فرمائے جو بوجھ اٹھانے والے ہیں، اور ایسے جانور بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے جو تمہیں عطا فرمایا اس میں سے کھاؤ، شیطان کے قدموں کا
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾
اتباع نہ کرو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے

باغات اور کھیتیاں اور چوپائے انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے ان انعامات کا تذکرہ بیان فرمایا جو اپنی مخلوق پر پھلوں اور کھیتیوں

کے ذریعے فرمائے ہیں۔

اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دوطرح کے باغ پیدا فرمائے کچھ باغ ایسے ہیں جو معروشات ہیں یعنی ان کی بیلیں جو چھپریوں پر چڑھایا جاتی ہیں جیسے انگوروں کی اور بعض سبزیوں کی بیلیں' اور بہت سے باغ ایسے ہیں جن کی شاخیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں۔ اس دوسری قسم میں کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تنا ہوتا ہے اس کی بیل ہی نہیں ہوتی جیسے زیتون' انار' انجیر' کھجور' آم اور جیسے گیہوں وغیرہ جو اپنے مختصر سے تنے پر کھڑے رہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی بیلیں تو ہوتی ہیں لیکن انہیں چھپریوں پر چڑھایا نہیں جاتا جیسے کدّو' خربوزہ' تربوز وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کسی درخت کو تنے والا بنایا اور کسی کو بیل والا اس سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

جو سبزیاں بیل والی ہیں عموماً وہ بھاری بھاری ہوتی ہیں جیسے تربوز' خربوزہ۔ کھیتی کے بارے میں فرمایا۔

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی پیدا فرمائی جس میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی آب وہوا اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے غلّوں میں کئی قسم کا تفاوت ہوتا ہے پھر ان کے فوائد اور خواص اور ذائقے بھی مختلف ہیں۔ صاحب معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۳۵ پر لکھتے ہیں۔

ثمرہ و طعمہ منھا الحلو وا لحامض والجید والردی

یعنی کھیتیوں کے پھل مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا ہے کوئی بڑھیا ہے کوئی ردی ہے پھر فرمایا وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے ان میں سے ایک جنس کے پھل دیکھنے میں دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن مزے میں متشابہ نہیں ہوتے رنگ ایک اور مزہ مختلف ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ الخ کہ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھل لائے۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حق سے پیداوار کی زکوٰۃ مُراد ہے جو بعض صورتوں میں عُشر یعنی ۱/۱۰ اور بعض صورتوں میں نصف العُشر ۱/۲۰ واجب ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ آیتِ کریمہ مکیہ ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اسلئے اس سے زکوٰۃ کے علاوہ محتاجوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ شروع میں کھیتی کاٹنے کے وقت غیر معین مقدار غریبوں کو دینا واجب تھا۔ پھر یہ وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہوگیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت مدنیہ ہے (اگرچہ سورۃ مکیہ ہے) اس صورت میں پیداوار کی زکوٰۃ مراد

لینا بھی درست ہے (من روح المعانی)

پیداوار کی زکوٰۃ کے مسائل سورۂ بقرہ کی آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمالیں (انوار البیان ص ۴۹۲ جلد نمبر ۱)

پھر فرمایا وَلَا تُسْرِفُوْا (اور حد سے آگے مت بڑھو) بے شک حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ عربی میں اسراف حد سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے اس لفظ کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے اس لئے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

اور فضول خرچی کے علاوہ جن افعال اور اعمال میں حد سے آگے بڑھا جائے ان سب کے بارے لفظ اسراف مستعمل ہوتا ہے۔ اگر سارا ہی مال فقراء کو دیدے اور تنگ دستی کی تاب نہ ہو تو یہ بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے ج ۸ ص ۳۸ پر حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس ؓ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے ایک دن کھجوروں کے باغ کے پھل توڑے اور کہنے لگے کہ آج جو بھی شخص آئے گا اسے ضرور دے دوں گا' لوگ آتے رہے اور یہ دیتے رہے حتیٰ کہ شام کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابو مسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کٹائی سے پہلے پیداوار میں سے مت کھاؤ کیونکہ اس سے فقراء کے حق میں کمی آئے گی۔ حضرت ابن شہاب زُہری نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ پیداوار کو گناہوں میں خرچ نہ کرو۔ پھر اس انعام کو ذکر فرمایا جو انسانوں پر مویشیوں کے ذریعہ فرمایا ہے اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جانور ایسے پیدا فرمائے جو حمولہ ہیں یعنی بار برداری کا کام کرتے ہیں اور ان کے قد بھی بڑے ہیں۔

اور دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن کے قد چھوٹے ہیں گویا کہ وہ زمین پر بچھے ہوئے ہیں ان پر بوجھ نہیں لادا جا سکتا۔ جیسے کہ بھیڑ بکری اور دُنبہ' ان چھوٹے قسم کے جانوروں پر سامان تو نہیں لادا جا سکتا لیکن ان کے دوسرے فائدے ہیں۔ ان کا دودھ پیا جا سکتا ہے گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور بڑے جانوروں کی نسبت ان کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور ان کے بالوں سے اوڑھنے پہننے اور بچھانے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا۔

کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (اللہ نے جو رزق دیا ہے اسے کھاؤ) اور اللہ کے قانون میں دخل نہ دو۔ جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اسے حلال رہنے دو۔ اور جو حرام ہے اسے حرام رہنے دو۔ اور اپنے باپ دادوں کی طرح (شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو) جانوروں اور کھیتوں کے سلسلہ میں جو انہوں نے رسوم قبیحہ شرکیہ نکال رکھی تھی انہیں اختیار مت کرو۔ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

آٹھ طرح کے نر اور مادہ پیدا فرمائے، کیا بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو، آپ فرمائیے کہ اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّــُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو۔ یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں، تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

سچے ہو اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پیدا فرمائے آپ فرمائیے! کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ

حرام قرار دیا ہے یا دونوں مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ کیا تم

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ

حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اس کی وصیت فرمائی۔ سو اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا،

النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں بتاتا

جانوروں کی آٹھ قسمیں ہیں ان میں مشرکین نے اپنے طور پر تحریم اور تحلیل کر دی

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ان جانوروں کی آٹھ قسمیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو جن کا دودھ پیتے ہو گوشت کھاتے ہو۔ ان میں سے دو قسمیں بھیڑ سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں بکری سے پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں اونٹ کی پیدا فرمائیں یعنی نر اور مادہ، اور دو قسمیں گائے کی پیدا فرمائیں۔ یعنی نر اور مادہ۔

اب ان جانوروں کی تحلیل وتحریم تم نے اپنے پاس سے کر لی تم نے کوئی شرط اور قید لگا کر نروں کو حرام قرار دے دیا۔ کبھی ان کے جوڑوں یعنی مادہ جانوروں کو حرام قرار دے دیا۔ پھر اپنی اس حرکت کو اللہ جل شانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہو اور کہتے ہوں کہ یہ تحلیل اور تحریم اللہ کی طرف سے ہے۔ بتاؤ اللہ نے ان کے نروں کو حرام قرار دیا ہے یا ان کے مادوں کو یا اس چیز کو جس پر مادوں کے رحم مشتمل ہوتے ہیں یعنی نر اور مادہ دونوں۔ اس تحریم کو نسبت تم نے اللہ کی طرف کیسے کی؟ اگر تم سچے

ہوتو اسکی دلیل لاؤ' کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کے مطابق ان کو حرام قرار دیا اور تم سے فرمایا کہ یہ چیزیں حرام ہیں؟

ظاہر ہے کہ نہ اللہ نے ان کو حرام قرار دیا اور نہ تمہارے پاس اس کی دلیل ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بتایا ہے کہ یہ چیز تم پر حرام ہے۔ تم نے خود ہی شرطیں اور قیدیں لگا کر بعض جانوروں کو بعض صورتوں میں بعض افراد کے لئے حرام قرار دیا اور ساتھ ہی اسکو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے۔؟

یہ جھوٹا شخص بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو صریح ظلم ہے' اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں جنت کی راہ نہیں دکھائیگا کیونکہ دنیا میں کفر اختیار کر کے دوزخ کے مستحق ہو گئے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً

آپ فرما دیجئے جو کچھ میری طرف وحی بھیجی گئی میں اس میں کھانے والے کو کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ مردار ہو یا

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو۔ کیونکہ بلاشبہ وہ ناپاک ہے۔ یا ایسی چیز کو حرام پاتا ہوں۔ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو سو

اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

جو شخص حالت اضطراری میں ہو اس حال میں کہ باغی اور حد سے آگے بڑھنے والا نہیں سو تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے اور یہودیوں پر

كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ

ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کر دیں۔ سوائے اس کے جو اُن کی پشت

ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

پر یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ مل جائے یہ ہم نے ان کی بغاوت کی وجہ سے ان کو جزا دی۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے' اور اس کا عذاب مجرموں سے نہیں ٹالا جائے گا

کیا کیا چیزیں حرام ہیں

تفسیر: مشرکین عرب نے جانوروں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے میں جو اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کا معاملہ کر لیا تھا جس کا اوپر کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے میری طرف

جو وحی بھیجی ہے میں اُس میں صرف ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں۔

اول: مردار (جو جانور خود اپنی موت سے مرجائے)

دوم: دم مسفوح یعنی بہنے والا خون (یہ قید اسلئے لگائی کہ ذبح شرعی کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ نیز تلی اور جگر کا کھانا جائز ہے یہ دونوں اگرچہ خون ہیں لیکن منجمد ہونے کیوجہ سے دم مسفوح نہیں رہے)

سوم: خنزیر کا گوشت۔ اس کے بارے میں فَاِنَّهٗ رِجْسٌ فرمایا کہ وہ پورا کا پورا بجمیع اجزاء ناپاک ہے۔ اس کا گوشت چربی ہڈی بال کوئی چیز بھی پاک نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نجس العین ہے اسلئے ذبح کردینے سے بھی اس کی کوئی چیز پاک نہ ہوگی۔ برخلاف دوسرے جانوروں کے اگر وہ بلا ذبح بھی مرجائیں تب بھی ان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

چہارم: وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ چار چیزوں کی حرمت بیان فرما کر حالت اضطراری میں ذرا سا کھالینے کی اجازت دیدی جس سے دو چار لقمے کھا کر وقتی طور پر جان بچ جائے اور وہاں سے اٹھ کر حلال کھانے کی جگہ تک پہنچ سکے۔

ان چیزوں کی توضیح اور تشریح سورۂ بقرہ کی آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ (رکوع ۲۱) اور سورۂ مائدہ کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ (رکوع اوّل) کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

آیت بالا میں یہ بتایا ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے اور وحی صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر ہی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ آخر الانبیاء تھے۔ اسلئے اللہ کی وحی کا انحصار صرف آپ پر ہوگیا۔ اور آپ پر اس وقت تک جو وحی آئی تھی اس کے موافق صرف مذکورہ بالا چیزیں حرام تھیں بعد میں دوسری چیزوں کی حُرمت بھی نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں مذکورہ ہیں۔

حِلّت اور حُرمت کا اصول اجمالی طور پر سورۂ اعراف میں يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ فرما کر بیان فرمادیا ہے۔ لہٰذا کوئی شخص آیت بالا سے یہ استدلال نہیں کرسکتا۔ کہ مذکورہ بالا چار چیزوں کے علاوہ باقی سب حلال ہیں کیونکہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہورہا تھا اور اس کے بعد بہت سے احکام نازل ہوئے۔

یہودیوں پر انکی بغاوت کیوجہ سے بعض چیزیں حرام کردی گئی تھیں: پھر بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جو یہودیوں پر حرام کردی گئی تھی جو امت محمدیہ کے لئے حلال ہیں۔ ان حرام کردہ چیزوں میں اول تو وہ جانور تھے جو ناخن والے ہیں۔ ناخن والے جانوروں سے وہ جانور مراد ہیں جن کا پنجہ یا کُھر پھٹا ہوا نہ ہو۔ جیسے اونٹ اور شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت سعیدؒ بن جُبیر، حضرت قتادہؒ اور حضرت مجاہد نے اسکی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ اونٹ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمیہ میں یہ حلال تھا پھر حضرت اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسکو اپنے نفس پر حرام قرار دیدیا تھا۔ پھر روایتی طور پر ان کی اولاد میں اونٹ کی حرمت چلی آئی۔

پھر شریعت موسویہ میں بھی بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا قال النسفی فی المدارک فلما نزلت التورة علی موسٰی حرم علیھم فیھا لحوم الابل والبانھا لتحریم اسرائیل ذلک علی نفسه (راجع تفسیری قوله تعالٰی كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الآیة) (تفسیر مدارک میں علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل ہوئی تو اس میں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام کیا گیا تھا کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر یہ چیزیں حرام کی تھیں) پھر فرمایا وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ[1] اَوْمَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ گایوں اور بکریوں کا گوشت تو یہودیوں کے لئے حلال تھا البتہ ان کی چربیاں حلال نہ تھیں صرف وہ چربی حلال تھی جو ان کی پشت پر ہو یا ان کی آنتوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۔کہ ہم نے انکو یہ سزا ان کے ظلم و زیادتی کیوجہ سے دی۔ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ اور بلاشبہ ہم سچے ہیں۔

یہ مضمون سورۂ نساء میں بھی گذر چکا ہے (انوار البیان ج۲ص۵۲) وہاں ارشاد ہے۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ۔ (سو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دیں پاکیزہ چیزیں جو اُن کے لئے حلال تھیں) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کرنا اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنا پاکیزہ چیزوں سے محرومی کا سبب ہے یہودیوں پر تو تشریعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کردی تھیں لیکن خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہو جانے کی وجہ سے اب تشریعی طور پر کوئی حلال چیز حرام نہیں ہو سکتی۔ لعدم احتمال النسخ البتہ تکوینی طور پر طیبات سے محرومی ہو سکتی ہے۔ اور ہوتی رہتی ہے جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس کے اسباب مختلف بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ یعنی اگر وہ آپ کی تکذیب کریں اور تکذیب کے لئے بہانہ بنائیں کہ اگر آپ سچے ہیں اور ہم مجرم ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آتا' تو آپ ان کو جواب دے دیں کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے اس کی طرف سے سزا دینے میں ڈھیل دیا جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ تمہارا مواخذہ نہ ہوگا۔ جب اس کا عذاب آتا ہے تو وہ ٹالا نہیں جا سکتا۔ مجرمین جب گرفتار عذاب ہوتے ہیں تو ان کو چھٹکارہ نہیں ہوتا۔

[1] قیل جمع حاویة کزاویة وزوایا ووزنه فواعل. واصله حواوی فقلبت الواو التی ھی عین الكلمة همزة لانها ثانی حرفی لین. اکتفا مدة مفاعل ثم قلبت الهمزة المکسورة یاء ثم فتحت لثقل الکسرة علی الیاء فقلبت الیاء الاخیرة الفًا لتحرکها بعد فتحة فصارت حوایا او قلبت الواو همزة مفتوحة ثم الیاء الاخیرة الفاثم الهمزة یاء لو قوعها بین الفین کما فعل بخطایا (بعض نے کہا حَوایا ۔ حاویة کی جمع ہے جیسے زَوایا' زَاوِیَة کی جمع ہے بروزن فواعل اور اصل میں حواوی تھا پھر واو جو عین کلمہ ہے اسے ہمزہ سے تبدیل کیا گیا کیونکہ وہ لین کا دوسرا حرف ہے تو اس طرح وہ مدّة بن گیا۔ پھر ہمزہ مکسورہ کو یاء سے تبدیل کیا پھر آخری یاء کو متحرک ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کیا تو وہ حوایا بن گیا یا واو کو ہمزہ مفتوحہ سے تبدیل کیا پھر آخری یاء کو الف سے تبدیل کیا پھر دو الفوں کے درمیان ہونے کی وجہ سے یاء کیا گیا جیسا کہ خطایا کے ساتھ کیا گیا) (ذکرہ صاحب الروح ص۴۸ ج۸)

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ

جن لوگوں نے شرک کیا وہ عنقریب یوں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم

شَيْءٍ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ

کسی چیز کو حرام قرار دیتے' اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ آپ فرما دیجئے

مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۴۸﴾

کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ سو تم اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہو۔

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ

آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے لئے ہے حجت بالغہ۔ سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ لے آؤ اپنے گواہوں کو جو اس بات کی

يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ

گواہی دیتے ہوں کہ بے شک اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا۔ سو اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں' اور آپ ان لوگوں کی خواہش کا اتباع

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵۰﴾

نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں

مشرکین کی کٹ حجتی

تفسیر: انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ گناہ بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ حجت بازی بھی' اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی رائے اور اپنی طبیعت کے مطابق کام بھی کرتا رہوں اور جو شخص گنہگاری پر تنبیہ کرے جواب دے کر اس کا منہ بھی بند کر دوں' اور اس کے لئے طرح طرح کی دلیلیں تراشتا ہے اور حجتیں نکالتا ہے۔ مشرکین کو جب بتایا گیا کہ تم خالق مالک جل مجدہٗ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ حالانکہ وہی خالق و مالک اور رازق ہے اور تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تحریم کی رسمیں جاری کرتے ہو اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہو تو اس کے جواب میں مشرکین نے یہ حجت نکالی کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ہم نے اور ہمارے باپ دادوں نے جو شرک کیا اور جو حلال چیزوں کو حرام قرار دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوا' اگر وہ ہمارے اس عقیدہ و عمل سے ناراض ہوتا تو ہمیں کیوں کرنے دیتا۔

ان کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ان عقائد اور اعمال سے ناراض ہے تو ہمیں ان کاموں کو کرنے ہی نہ دیتا۔ اس کے جواب میں فرمایا۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے حجت نکالی اور رسولوں کی تکذیب کی یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھ لیا اسی طرح یہ لوگ بھی تکذیب کر رہے ہیں ان کو بھی عذاب کا منتظر رہنا چاہئے۔

ان لوگوں نے جو اپنے عمل اور عقیدہ کے بارے میں دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں شرک پہ کیوں قائم رہنے دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (آپ فرما دیجئے کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لئے ظاہر کرو) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے جس پر تمہاری حجت کی بنیاد ہو۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ اور اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ تم اٹکل سے بات کرتے ہو۔

یہ جو تم نے دلیل دی ہے کہ اللہ راضی نہ ہوتا تو ہمیں دین شرک پر کیوں قائم رہنے دیتا اور ہم اپنی طرف سے چیزوں کو کیوں حرام قرار دیتے یہ دلیل جاہلانہ ہے محض تمہارا ایک خیال ہے اور محض ایک اٹکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا میں ابتلاء اور امتحان کے لئے بھیجا اور امتحان اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ عمل کرنے والوں کو احکام دے دیئے جائیں اور اوامر و نواہی پہنچا دیئے جائیں انکو عمل کرنے کا اختیار بھی ہو اور نہ کرنے کا بھی۔ اگر انسان کو تکوینی طور پر مجبور کر دیا جاتا کہ خواہی نخواہی فلاں عمل ضرور ہی کرے اور عمل کرنے نہ کرنے کا اختیار نہ ہوتا۔ بلکہ عمل کرنے پر مجبور ہوتا تو ابتلاء اور امتحان کیسے ہوتا؟

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس نے عقل اور ہوش دیدیا عمل کرنے کی قوت دیدی اور کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی دیدیا۔ اب جو شخص شرک اختیار کرتا ہے اور اپنے پاس سے تحلیل و تحریم کرتا ہے وہ اپنے اختیار سے کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ کی مشیت و ارادہ سے ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ وجود میں آئے اللہ اس سے راضی بھی ہے۔ راضی ان اعمال سے ہے جن کے بارے میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ صاف صاف بتا دیا کہ یہ عقائد اور اعمال میری رضا کے ہیں جو عقائد غلط ہیں اور جو افعال ممنوع ہیں وہ ان سے راضی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حجت بالغہ ہے: پھر فرمایا قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (آپ فرما دیجئے! کہ اللہ ہی کے لئے حجت بالغہ ہے) یعنی اللہ ہی کی حجت پوری ہے اور تمہاری کٹ حجتی غلط ہے۔

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا) لیکن چونکہ حق اور باطل دونوں کے وجود میں آنے اور باہمی ایک دوسرے کے مقابل چلنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اسلئے اس نے ایصال الی المطلوب والی ہدایت سے سب کو نہیں نوازا' البتہ راہِ حق بتانے والی ہدایت سب کے لئے عام ہے۔

پھر فرمایا قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۔ (آپ فرما دیجئے کہ اپنے گواہوں کو لے آؤ

جن کا تم اتباع کرتے ہو اور جن کی باتوں پر چلتے ہو اور ان سے کہو کہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ چیزیں جو تم نے حرام قرار دے رکھی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لیکن وہ گواہی نہیں دے سکتے)

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ سو بالفرض اگر یہ لوگ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے۔ یعنی ان کی تصدیق نہ کیجئے کیونکہ ان کی گواہی محض جھوٹ ہوگی وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ (آپ ان لوگوں کے خواہش کا اتباع نہ کریں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں) اس میں اپنی خواہشوں کا اتباع کرنے والوں کا یعنی کافروں اور مشرکوں کے اتباع سے منع فرمایا۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ

آپ فرما دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر بتاؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ

اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تم کو رزق دیں گے اور ان کو بھی اور مت قریب جاؤ بے حیائی کے کاموں کے

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ

جو اُن میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں۔ اور مت قتل کرو اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا مگر حق کے ساتھ۔ یہ وہ چیزیں ہیں

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اسی طریقہ سے جو اچھا ہو۔

حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ ناپ اور تول کو انصاف کیساتھ پورا کرو ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور جب تم بات کرو تو انصاف کو اختیار کرو اگرچہ وہ تمہارا قرابت دار ہی ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا تاکہ تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

حاصل کرو۔ اور بلاشبہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور مت اتباع کرو دوسرے راستوں کا سو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے

سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

ہٹا دیں گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو

دس ضروری احکام

تفسیر: معالم التنزیل ج۲ص۱۴۰ میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ بتائیے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں **قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا الاٰية۔**

ان آیات میں دس چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں جن چیزوں کو بصورت امر بیان فرمایا چونکہ اُن کے مقابل چیزیں حرام ہیں اس لیئے یوں فرمایا کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔

(۱) اوّل یہ فرمایا کہ اپنے رب کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو عرب کے بے رحم جاہل اپنی اولاد کو دو وجہ سے قتل کر دیتے تھے۔ اوّل اس لیے کہ یہ بچے کہاں سے کھائیں گے؟ ان کو ساتھ کھلانے سے تنگ دستی آجائے گی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے اس نے پیدا کیا تو رزق بھی دیگا اسی کو فرمایا **نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ** کہ ہم تمہیں رزق دیں گے اور انہیں بھی۔

اولاد کو قتل کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا عرب کے بعض علاقوں اور بعض خاندانوں میں جس کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو وہ مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہیں آتا تھا چھپا چھپا پھرتا تھا۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں فرمایا **يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ** جب بچی پیدا ہوتی تھی تو اس وقت اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسی کی سورۃ التکویر میں فرمایا **وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ** (اور جبکہ زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کیوجہ سے قتل کی گئی)

بے حیائی کے کاموں سے بچو: (۴) بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ جو ظاہر ہیں اور جو باطن ہیں اس میں ہر طرح کی بے حیائی کے کاموں کی ممانعت آگئی زنا اور اس کے لوازم اور ننگا رہنا ستر دکھانا لوگوں کے سامنے ننگے نہانا۔ ان چیزوں کی ممانعت الفاظ قرآنیہ سے ثابت ہوگئی۔

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ زندگی والی ہیں۔ اوّل حیاء دوسرے عطر لگانا تیسرے مسواک کرنا چوتھے نکاح کرنا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے چھپا ہوا ہے۔ شرم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ سو تم سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ کرے۔

حضرات ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ حیاء و ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں سو جب ان میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت: (۵) کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا۔ ہاں اگر حق کے ساتھ قتل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ [۱]

آج کل قتل کی گرم بازاری ہے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان دنیاوی دشمنی کیوجہ سے یا دنیا کے حقیر نفع کے لئے قتل کر دیتا ہے۔ قتل مسلم کا وبال بہت زیادہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آسمان زمین والے سب مل کر اگر کسی مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کرکے دوزخ میں ڈال دیگا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

مسلمان کی تو بہت بڑی شان ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جنہیں ذمّی کہا جاتا ہے اور جن کافروں سے حفاظت جان کا معاہدہ ہو جائے انکو بھی قتل کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری اُمت پر تلوار لے کر نکلا جو نیک اور بد کو مارتا چلا جاتا ہے اور ان کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا اور جو معاہدہ والے کا عہد پورا نہیں کرتا تو ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میں اُس سے ہوں۔

(رواہ المسلم کمافی المشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ: (۶) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس صورت کے جو اچھی ہو۔ یعنی جس میں یتیم کی خیر خواہی اور بھلائی ہو۔ یتیم کے مال کو ناحق نہ اڑاؤ۔ اور ظلماً نہ کھاؤ جس کا ذکر سورۂ بقرہ (رکوع نمبر ۲۶) اور سورۂ نساء (رکوع نمبر ۱) میں ہو چکا ہے۔

---

[۱] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی مسلمان آدمی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے اس کا خون کرنا حلال نہیں ہے ہاں اگر تین کاموں میں سے کوئی ایک کام کر لے تو اُسے قتل کیا جائیگا۔ (۱) شادی شدہ ہونیکے بعد زنا کر لے (تو اُسے سنگسار کر دیا جائیگا) (۲) جو کسی کو (عمداً) قتل کر دے (جس کا قتل کرنا جائز نہ ہو) اسے قصاص میں قتل کر دیا جائیگا (۳) جو شخص دین اسلام کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جائے (رواہ مسلم ج ۲ ص ۵۹)

ناپ تول میں انصاف کرو: (۷) انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو۔ بہت سے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ: اپنے لئے ناپ تول کریں تو ناپ تول پوری کر کے لیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیں تو کم ناپیں اور کم تولیں۔ اسی کو فرمایا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لئے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں)

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (کیا یہ لوگ یہ یقین نہیں رکھتے کہ اُٹھائے جائیں گے بڑے دن کے لئے جس میں لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) کم ناپنے اور کم تولنے کا رواج حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں تھا انہوں نے انہیں بہت سمجھایا نہ مانے اور اُلٹا حضرت شعیب علیہ السلام پر اعتراضات کرنے لگے اور کٹ حجتی پر اُتر آئے پھر اسکی وجہ سے عذاب میں مُبتلا ہوئے اور ایک چیخ کے ذریعے سے سب ہلاک ہو گئے۔ جیسا کہ سورۂ ھود میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت اکرم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم لوگ ایسی دو چیزوں میں مبتلا کئے گئے ہو جن کے بارے میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۰ از ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس حرکت بد کی وجہ سے گذشتہ امتوں پر عذاب آ چکا ہے مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ ان کے دلوں میں رُعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موت زیادہ ہو گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں قتل و خون عام ہو جائے گا۔ اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیئے جائیں گے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حق نہیں دیتے۔ لہٰذا ان احکام کے بجالانے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۲ مفسرًا الهم یکلف المعطی اکثر ممّا اوجب علیه ولم یکلف صاحب الحق الرضا باقل من حقه حتی لا تضیق نفسه عنه بل امر کل واحدٍ منهما بما یسعه مما لا حرج علیه فیه اهـ (علامہ بغویؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دینے والے پر جو واجب ہے اس کو اس سے زیادہ کا مکلّف نہیں بنایا اور حقدار کو اپنے حق سے کم پر راضی ہونے کا مکلّف نہیں بنایا تا کہ اس سے اسے دل تنگی نہ ہو بلکہ ان میں سے ہر ایک کو اسی کا حکم دیا ہے جو اس کی وسعت میں ہے کہ جس میں اس پر کوئی حرج بھی نہیں ہے)

فائدہ: جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح وقت کم دینا تنخواہ پوری لینا یا کام کئے بغیر جھوٹی خانہ پُری

کردینا یا رشوت کی وجہ سے اس کام کو نہ کرنا جس کی ملازمت کی ہے۔ یہ سب حرام ہے اور جن محکموں میں ملازمت کرنا حرام ہے ان کی تنخواہ بھی حرام ہے اگرچہ ڈیوٹی پوری دیتا ہو۔

انصاف کی بات کرو: جب تم بات کہو تو انصاف کی بات کہو۔ اور یہ نہ دیکھو کہ ہماری انصاف کی بات کس کے مخالف پڑے گی۔ گواہی دینا ہو تو حق کے موافق گواہی دو۔ انصاف کرنا ہو تو حق کے موافق فیصلہ کرو اگر تمہارا قریبی عزیز ہو۔ اور اس کے مخالف سچی گواہی دینی پڑے اور اس کے خلاف حق کا فیصلہ کرنا پڑے تو کر ڈالو اس کی تشریح اور توضیح سورۂ نساء کی آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ج۲ ص۴۸۰)

اللہ کے عہد کو پورا کرو: (۹) اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع اور سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گذر چکا ہے، جو بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں گے۔ اور امر کے مطابق چلیں گے۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں گے لہٰذا ہر مومن بندہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا جو عہد لیا تھا وہ تو سارے ہی انسانوں سے لیا گیا تھا اور سب ہی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس اقرار کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے یاد دلایا لہٰذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اس عہد کی پاسداری کرے۔ اور اپنے عقیدہ اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور اس دین کو قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

صراطِ مستقیم کا اتباع کرو: (۱۰) بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو کیونکہ یہ راستے تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قرآن نازل فرمایا اور آنحضرت ﷺ کو قرآن کا مبلّغ اور مُعلّم اور مُبیّن (بیان کرنے والا) بنایا۔ اور آپ کی اطاعت فرض کی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع یہ سیدھا راستہ ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لیکر ہم تک پہنچا ہے جو لوگ دین اسلام کے متبع نہیں جیسے یہود ونصاریٰ اور جو لوگ دین اسلام کے مدعی ہیں لیکن اصحابِ اَہواء ہیں اپنی خواہشوں کے مطابق دین بناتے ہیں اور الحاد وزندقہ کی باتیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر نہیں ہیں۔

ان لوگوں کے راستے پر جو شخص چلے گا وہ صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی راہ پر نہ رہے گا، آخرت میں اسی کی نجات ہے جو آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر ہو۔

صراطِ مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ الآیۃ (رواہ احمد والنسائی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۳۰) پھر ارشاد فرمایا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کی یہ وہ چیزیں ہیں جن کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو تقویٰ اختیار کرنے میں ہر بات آ گئی اور اوامر کی بھی پابندی کی جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے بھی اجتناب کیا جائے۔ بُرے اعمال، عقائد باطلہ، افکار باطلہ، کفر، شرک سب سے بچنا تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔

فائدہ: آیات بالا میں دس باتوں کا حکم دیا ہے۔ یہ دس باتیں بہت اہم ہیں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے اور آخر میں صراط مستقیم سے ہٹنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو دیکھنا چاہے۔ جس پر آپ کی مہر ہے تو یہ آیات قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ سے لے کر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تک پڑھ لے (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الانعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سورہ انعام میں یہ آیات محکمات ہیں جو اُمّ الکتاب ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آیاتِ بالا تلاوت کیں۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۸۷)

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھے عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہوگئی۔ اور جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور جو ہدایت ہے

وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ

اور رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب ہم نے نازل کی جو بابرکت ہے۔ سو اس کا اتباع کرو اور ڈرتے رہو تاکہ

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ

تم پر رحمت ہو۔ اس واسطے کہ کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو انہیں دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم ان کے

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ

پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے یا تم یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم اُن لوگوں سے بڑھ کر زیادہ ہدایت پر چلنے والے ہوتے۔

جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ

سو تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور اُن سے روکے

عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ہم عنقریب ان کو بڑے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیات سے روکتے ہیں اس سبب سے کہ وہ روکا کرتے تھے

توریت شریف کامل کتاب تھی رحمت اور ہدایت تھی

تفسیر: ثُمَّ تربیت ذکری کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کے بعد یہ بات جان لو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب عطا کی تھی اور اس میں ان لوگوں کے لئے نعمت کی تکمیل ہے جو نیکوکار ہیں جو اس کتاب پر اچھی طرح عمل کریں۔ اور یہ کتاب ایسی تھی جس پر ہر چیز تفصیل سے بیان کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے متعلق تھی۔ اور وہ کتاب ہدایت بھی تھی اور رحمت بھی۔ اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تاکہ بنی اسرائیل اس کتاب پر ایمان لائیں اور آخرت کی تصدیق کریں۔

قرآن مبارک کتاب ہے: اس کے بعد قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب نازل کی جو مبارک ہے یعنی دین و دنیا کے اعتبار سے اس میں خیر ہی خیر ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اہل عرب کی کٹ حجتی کا جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو یہ کتاب نازل کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہٰذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی۔ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی عمل کرنے میں ان سے بڑھ چڑھ کر ثابت ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے یعنی قرآن کریم اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی (اب اس پر عمل کرنا اور ہدایت پر چلنا تمہارا کام ہے)

اس کے بعد فرمایا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا۔ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے اسکو عمل سے روکے اور باز رکھے اللہ کی کتاب نازل ہونے کے بعد اس پر عمل کرنے کی بجائے تکذیب کرنا خود بھی عمل نہ کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ خود کو ہلاکت اور عذاب میں ڈالنے کا سبب ہے۔

سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ جو لوگ ہماری آیات سے روکتے ہیں ہم ان کے اس عمل کی وجہ سے انہیں بُرا عذاب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل عرب کی اس کٹ حجتی کو ختم فرما دیا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کو کتاب دی گئی تھی ہم ان کی لغت کو نہیں جانتے تھے۔ اب جب اہل عرب کی لغت میں کتاب نازل ہوگئی تو یہ عذر ختم ہوگیا۔

اسی طرح یہ بات کہ ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ایسا ایسا کرتے اور یوں عمل کر کے جو ہر دکھاتے اور خوب بڑھ چڑھ کر ہدایت میں آگے بڑھتے اس بارے میں بھی ان پر حجت پوری ہوگئی' شاید کوئی شخص یہ اشکال پیش کرے کہ قرآن تو عربی زبان میں نازل ہوا جو قومیں عربی زبان نہیں جانتیں ان کی حجت کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی زبان میں نازل فرمانا یہ ان کے ساتھ خصوصی انعام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور زبان میں نازل فرما دیتا اور سارے انسانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیتا جن میں اہل عرب بھی تھے تو یہ بھی صحیح ہوتا' ساری مخلوق اسکی مملوک ہے وہ کسی کا پابند نہیں اس نے عربی میں قرآن مجید نازل فرمایا اور خاتم النبیین ﷺ کو عرب سے مبعوث فرمایا اور سارے عالم کے انسانوں کو اپنے آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان لانے کا مکلف فرمایا۔

قرآن مجید کو ھُدًی لِّلنَّاسِ (سب لوگوں کیلئے ہدایت) فرمایا' اور سید المرسلین ﷺ کے بارے میں فرمایا ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ''(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر) اس سے آپ کی عمومی بعثت کا اعلان فرما دیا۔ سارے انسانوں کو آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ایمان نہ لائے اپنا برا خود کرے گا۔ اسلئے کہ تم یوں کہنے لگتے کہ ہم سے پہلے دو فرقوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور ہم اگر اللہ تعالیٰ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اپنی آخری کتاب نازل فرماتا اور عربوں کو حکم دیتا کہ تم اس کا اتباع کرو تو اس پر بھی کسی کو کچھ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ جب اللہ جل شانہٗ نے سارے انسانوں کو قرآن کے اتباع کا حکم دیدیا تو سب پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں۔

قرآن مجید کو پڑھیں اور پڑھائیں پورے عالم میں بیسیوں زبانیں ہیں جس جس نے اسلام قبول کر لیا وہ سب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیریں زیادہ تر غیر عرب ہی نے لکھی ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ

یہ لوگ بس اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کا رب آجائے یا آپ کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی آجائے جس دن

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ

آپ کے رب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آجائے گی تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دیگا جو پہلے سے ایمان نہیں لایا تھا جس نے

فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۵۸

اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرو۔ ہم انتظار کر رہے ہیں

جب مغرب سے سورج طلوع ہوگا کسی کا ایمان اورتوبہ قبول نہ ہونگے

تفسیر: پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس جو واضح حجت آ چکی ہے قرآن نازل ہو چکا ہے جو ہدایت ہے اور رحمت ہے' اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ حق واضح ہونے کے بعد اور ہدایت سامنے آ جانے کے بعد اب کسی انتظار کی ضرورت نہیں حق قبول کرو اور ہدایت پر آؤ۔ اب بھی حق قبول نہیں کرتے تو کیا انتظار ہے (ان کا ڈھنگ ایسا ہے) جیسے اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتے ان کے پاس آ جائیں یا اللہ تعالیٰ ہی ان کے پاس پہنچ جائے۔ یا اللہ تعالیٰ کی کسی بڑی نشانی کے انتظار میں ہیں' لیکن جس دن اس کی ایک نشانی ظاہر ہو جائے گی تو کسی کافر کو اس وقت اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا' اور جو کوئی صاحب ایمان بداعمالیوں میں مبتلا ہو جس نے اپنے ایمان میں کوئی عمل خیر نہ کیا ہو اس کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان بالغیب معتبر ہے جب آنکھوں سے دیکھ لیا تو اس کے بعد ایمان معتبر نہ ہوگا جب قیامت ہوگی تو اس وقت سب مؤمن ہو جائیں گے مگر اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دیگا۔ پچھم سے سورج نکلنا بہت بڑی نشانی ہے۔ اس وقت جو شخص ایمان لائے گا قبول نہ ہوگا۔ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اس وقت کی توبہ قبول نہیں اس سے پہلے جو توبہ کی جائے وہ مقبول ہے پچھم سے سورج نکل آنے کے بعد جس طرح کسی کا ایمان قبول نہیں اسی طرح توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۷ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ پچھم سے سورج طلوع نہ ہو۔ سو جب سورج (پچھم سے) نکلے گا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے اور اس وقت کسی شخص کو ایمان نفع نہ دیگا اس کے بعد آپ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک دروازہ بنایا ہے جو اتنا چوڑا ہے کہ اس کی دونوں جانبوں کے درمیان ستر سال تک چل سکتے ہیں یہ دروازہ توبہ کا دروازہ ہے۔ جب تک اس کی جانب سے سورج نہیں نکلے گا اس وقت تک بند نہ کیا جائے گا۔ (اور اس وقت تک توبہ قبول ہوتی رہے گی) اللہ عزوجل نے یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُہَا لَمۡ تَکُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی۔ اور توبہ منقطع نہ ہوگی جب تک پچھم سے سورج نہ نکلے گا (رواہ ابوداؤد والدارمی) پچھم سے سورج کا نکلنا

قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر ہونے کے اعتبار سے سب سے پہلی نشانی پچھم سے سورج کا نکلنا اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا ہے جو چاشت کے وقت لوگوں پر ظاہر ہوگا ان دونوں میں سے جو بھی ظاہر ہوگی دوسری نشانی اس کے بعد قریب ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۴ جلد ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جب ان کا ظہور ہوگا تو کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دیگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو۔ اور جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کام نہ کیا ہوگا (۱) پچھم سے سورج کا نکلنا (۲) دجال کا ظاہر ہونا (۳) دابۃ الارض کا نکلنا (رواہ مسلم ص ۸۸ جلد ۱)

دابۃ الارض کے بارے میں انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ نمل کی آیت وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ (الایۃ) کے ذیل میں احادیث نقل کی جائیں گی۔ آخر میں فرمایا قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ اس میں تہدید ہے کہ وضوحِ حق کے بعد ایمان نہیں لاتے تو کب ایمان لائیں گے؟ جب پچھم کی طرف سے سورج نکلنے والی نشانی ظاہر ہو گی کیا اس وقت ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مقبول نہ ہوگا لہٰذا اس سے پہلے ابھی آ جائے گا کہ کفر کی وجہ سے اہل کفر عذاب نار میں گرفتار ہوں گے اور مومن جنت میں جائیں گے۔

فائدہ: ہیئت و ریاضی پر ایمان رکھنے والے بعض لوگ مغرب سے سورج نکلنے کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ انکی جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل شانہٗ ہر چیز کا خالق و مالک ہے سورج کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس کو مسخر فرمایا ہے اور اسی نے سورج کا نظام مقرر فرمایا ہے کہ وہ اس طرف سے نکلے اور اس طرف سے چھپ جائے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ سورج کو غروب والی جہت پر پہنچا کر واپس اسی جانب لے آئے جدھر سے وہ گیا ہے اس حقیقت کو فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ میں بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں چھپا دیتا ہے۔ بلکہ دونوں جہات کا نام مشرق مغرب اسی طلوع و غروب کی وجہ سے رکھا گیا اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ آفتاب کی گردش کا نظام ایسا مقرر فرماتے کہ جس جانب میں غروب ہوتا اسی جانب سے نکلا کرتا تو طلوع ہونے والی جانب کو مشرق اور اس کی مقابل جانب کو مغرب کہا جاتا۔

فائدہ: مفسر ابن کثیر ص (۱۹۴ جلد نمبر ۲) نے بحوالہ ابن مردویہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ پچھم سے سورج نکلنے سے پہلے ایک رات تین راتوں کے برابر ہو جائے گی۔ لوگ گھبرا اٹھیں گے کہ صبح ہوتی ہی نہیں۔ اور چیخنے لگیں گے۔ گھبرا کر مسجدوں کی طرف چلے جائیں گے۔ اچانک پچھم کی جانب سے سورج نکل آئے گا اور آسمان کے درمیان تک پہنچ کر واپس ہو جائے گا اور اس کے بعد اپنے اسی مطلع سے نکلے گا جہاں سے نکلا کرتا تھا۔

مفسر ابن کثیر نے روایت نقل کر کے کوئی کلام نہیں کیا صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور صحاح ستہ میں

نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ
بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق کر دی اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں' بس
اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾
ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر ان کے وہ کام ان کو جتا دے گا جو وہ کیا کرتے تھے

دین میں تفریق کرنے والوں سے آپ بَری ہیں

تفسیر: انسان میں سب سے بڑی بیماری تو یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو نہ مانے یا مانے لیکن اس کے ساتھ شرک کرے اور اس نے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنا دین بھیجا اس کی تکذیب کرے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اس کے دین کو جھٹلائے۔ اور دوسری گمراہی یہ ہے کہ وہ اللہ کو بھی مانے اس کے بھیجے ہوئے دین کو ماننے کا دعویدار بھی ہو لیکن اللہ کے دین میں اپنی طرف سے ایسی باتیں داخل کر دے جو اللہ تعالیٰ کے دین میں نہیں ہیں۔ شیطان کی یہ بہت بڑی چالاکی ہے۔ بہت سے وہ لوگ جو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے دین کو قبول کیا جو اُس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بھیجا۔ ان میں بعض لوگوں پر شیطان اپنا یہ داؤ چلاتا ہے اور انکو ایسے افکار و آراء اور اوہام و اہواء پر ڈال دیتا ہے جن کی وجہ سے وہ خداوند قدوس کے بھیجے ہوئے دین کے دائرہ سے باہر ہو جاتے ہیں' وہ اپنے خیال میں دین کے دائرہ میں ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں دین سے خارج ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں لیکن وہ بارگاہ خداوندی سے مردود ہوتے ہیں' اس امت سے پہلے جو امتیں گذری ہیں انہوں نے ایسی حرکتیں کیں۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہی معروف ہی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے کہ ہم اللہ کے مقرب بندے ہیں لیکن اللہ کے دین کو چھوڑ کر جس کی بنیاد ہی توحید پر ہے مشرک ہو گئے اور حضرت عُزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ پھر سیدنا حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے نیز نصاریٰ بھی دین حق سے ہٹ گئے اور انہوں نے اپنے دین میں شریک ملا دیا۔ انہیں میں سے کسی نے حضرت مسیح بن مریم کے بارے میں یہ عقیدہ بنا لیا کہ ابن مریم اور اللہ ایک ذات کا نام ہے اور بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا بیٹا بتایا۔ اور بعض لوگوں نے یوں کہا معبود تین ہیں یعنی اللہ کے ساتھ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی معبود ہیں۔ پھر بعض یہود نے انہیں عقیدۂ تکفیر پر ڈال دیا اب وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل (العیاذ باللہ) ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا' ان کے نزدیک اتوار کے دن چرچ میں جانے سے بعض گناہ پوپ کے سامنے بیان کر دینے سے اور بعض یوں ہی عام طور پر معاف ہو جاتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کے مدعی تھے سب کو معلوم ہے ان کا دین توحید خالص پر مبنی تھا۔ انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں آگ میں ڈالے جانے تک منظور کیا مگر توحید کی دعوت نہ چھوڑی۔ لیکن ان کے دین کے ماننے والوں نے (جن میں مشرکین عرب بھی تھے) بُت پرستی شروع کر دی اور عین کعبہ شریف میں بُت رکھ دیئے۔ جب ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی گئی تو ان کو اچنبا معلوم ہوا اور کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ

اور جب ان پر بت پرستی کی نکیر کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ شرک ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے تو کہنے لگے کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی (کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرتے ہیں)

کبھی کہتے تھے هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (ہم نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں گے) یہ ساری باتیں خود تراشیں شرک کیا گمراہ ہوئے اور پھر بھی اسی خیال میں غرق کہ اللہ ہم سے راضی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں یعنی اس کے وجود کا یقین رکھتے ہیں ان میں بہت سے لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانا اور جنہوں نے مانا انہوں نے اللہ کے دین میں اللہ کی ناراضگی کی باتوں کو شامل کر دیا اور دین حقیقی میں تفریق کی صورتیں نکال دیں اور بہت سی جماعتوں میں بٹ گئے۔

(صاحب روح المعانی ج۸ ص ۶۸) نے سُنن ترمذی اور حلیہ ابو نعیم اور شعب الایمان للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہؓ جن لوگوں نے اپنے دین سے جدائی اختیار کی اور فرقے فرقے بن گئے یہ بدعتوں والے لوگ ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور جو اس امت کے گمراہ لوگ ہیں ان کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ اے عائشہ! ہر گناہ والے کے لئے توبہ ہے سوائے اہل بدعت اور اصحاب اھواء کے۔ ان کے لیئے توبہ نہیں۔ لہٰذا میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس روایت کے پیش نظر اب یوں کہا جائے گا کہ مشرکین کا حال بیان کرنے کے بعد اہل بدعت کا حال بیان فرمایا کہ اہل بدعت کا حال اہل شرک سے بعید نہیں ہے۔

گمراہ فرقوں کا تذکرہ: شیطان اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کو کیسے گمراہی پر لگاؤں اول تو ایمان قبول کرنے نہیں دیگا۔ دوم جو لوگ مومن ہیں ان کے دلوں میں ایمان کی طرف سے شکوک ڈالتا ہے۔

پھر جو لوگ استقامت کے ساتھ ایمان پر رہیں اور شکوک وشبہات سے متاثر نہ ہوں ان کو ایسی ایسی باتیں سجھا دیتا ہے جو ایمان کے خلاف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں کے ساتھ جو اس نے حرکتیں کیں۔ اس امت کے ساتھ اس کا وہی طرز عمل

ہے۔ اہل ایمان کے دلوں میں ایسی چیزیں ڈالتا ہے جو گمراہی کی چیزیں ہیں اور ان چیزوں کے اختیار کرنے سے ایمان جاتا رہتا ہے جتنے ملحد اور زندیق اس امت میں گذرے ہیں اور اب جو موجود ہیں ایمان کا نام لیتے ہوئے بھی کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھتے ہیں۔ اسلئے توبہ بھی نہیں کرتے' جو لوگ اپنے امام کے اندر اللہ تعالیٰ کا حلول مانتے ہیں اور جو لوگ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اور جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بتاتے رہے۔ اور جو لوگ خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں اور جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کو حجت نہیں مانتے اور جو لوگ عقیدۂ بدا کے قائل یہ سب لوگ سیدنا محمد ﷺ کے دین سے بری ہیں۔ اسلام سے خارج ہیں اور آنحضرت ﷺ ان سے بیزار ہیں۔

پھر اگر کوئی شخص ایسی بدعت اعتقادیہ میں مبتلا نہ ہوا جو اسلام سے نکال کر کفر میں داخل کر دے تو شیاطن اسے اعمال بدعت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اہل بدعت نے طرح طرح کی بدعتیں نکال رکھی ہیں۔ اور ان بدعات کی وجہ سے بہت سے فرقے بنے ہوئے ہیں جو لوگ بدعت کے اعمال میں مبتلا ہیں ان کو بھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ اعمال بدعت کے ثواب سمجھ کرتے ہیں اور جس عمل کو نیکی سمجھتے ہیں اس سے توبہ کیوں کرنے لگے۔

بدعت اعتقادی ہو یا عملی اس کے ایجاد کرنے والوں کو اور اس پر عمل کرنے والوں کو اصحاب الاہواء کہا جاتا ہے۔ اَھْوَاء ھَـوٰی کی جمع ہے ہر خواہش نفس کو عربی میں ہوٰی کہتے ہیں جو لوگ بدعتیں نکالتے ہیں وہ قرآن حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے جو اپنی سمجھ میں آتا ہے اور جو اپنا نفس چاہتا ہے اُسے دین میں داخل کر لیتے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ کہ یہ عمل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں لیکن وہ برابر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ سنتوں پر چلنے سے ان کے دل خوش نہیں ہوتے۔ بدعتیں ان کے اندر رچ بس جاتی ہیں۔ ان بدعتوں کی وجہ سے بہت سے فرقے وجود میں آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا (پوری طرح ان کے مطابق عمل کریں گے) جیسا کہ ایک جوتا دوسرے جوتا کے موافق بنایا ہوا ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا تھا تو میری امت میں سے بھی ایسے لوگ ہوں جو ایسا کریں گے۔ (پھر فرمایا) کہ بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہو گئے تھے۔ اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سب فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ سوائے ایک ملت کے! صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ملت کون سی ہے جو جنت والی ہے؟ آپ نے فرمایا "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" (کہ جس ملت اور دین پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ جنت والی ہے) (رواہ الترمذی)

اب سارے فرقے غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کس دین پر تھے؟ اور جو لوگ اس طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اور خاص طور پر وہ لوگ غور کریں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہی نہیں مانتے۔ اور جو لوگ

ان میں کیڑے ڈالتے ہیں اور ان کی بشری کمزوریوں کو تاریخ کی کتابوں سے نکال کر اُچھالتے ہیں (جبکہ تاریخی روایات بے سند ہوتی ہیں)

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (ان کا معاملہ بس اللہ ہی کے حوالہ ہے وہ انہیں جتادے گا جو کام وہ کرتے تھے)

فائدہ: بعض لوگ جنہیں قرآن وحدیث کا علم نہیں۔ اور اجتہاد واستنباط کی شرعی ضرورت سے ناواقف ہیں وہ لوگ ائمہ اربعہ کے چاروں مذہبوں کو چار فرقے بتاتے ہیں اور اپنی جہالت سے ان مذاہب کے ماننے والوں کو انہیں بہتر (۷۲) فرقوں میں شمار کرتے ہیں جو گمراہ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کے مقلدین سب ایک ہی فرقہ ہیں اور ایک ہی جماعت ہیں اور اسی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے امام کا ادب سے نام لیتے ہیں۔ اور ایک مذہب کے مقلدین دوسرے مذہب کے علماء کو رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان میں اعتقادیات میں اختلاف نہیں فروعی مسائل میں اختلاف ہے چونکہ یہ اختلاف حضراتِ صحابہ میں بھی تھا اسلئے نجات پانے والی جماعت (جس کے بارے میں **ما انا علیہ و اصحابی** فرمایا اس) سے خارج نہیں ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے طریق کو اپنانے والے عموماً مذاہب اربعہ ہی کے متبعین رہے ہیں اور ہیں۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا
جو شخص نیک کام کرے سو اُسے اس جیسے دس حصے ملیں گے اور جو شخص بُرائی کا کام کرے تو اسے صرف اس کے برابر ہی سزا ملے گی۔
مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا

ایک نیکی پر کم از کم دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

تفسیر: اس آیت میں نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا کا قانون بتایا ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے اُس نے اپنے بندوں پر یہ کرم فرمایا کہ ایک نیکی کرنے پر اس جیسی کم از کم دس نیکیاں کرنے کا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کا اعلان عام فرما دیا۔ اور جو شخص کوئی گناہ کرلے تو اس میں اضافہ نہیں ہے بلکہ ایک گناہ پر ایک ہی گناہ کی سزا ملے گی۔

پھر یہ کوئی ضروری نہیں کہ گناہ پر سزا مل ہی جائے۔ توبہ واستغفار سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں۔ اور نیکی کا جو دس گنا ثواب بتایا ہے یہ کم سے کم ہے اس سے زیادہ بھی ثواب ملتا ہے۔

سورۂ بقرہ میں (رکوع ۳۶) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک دانہ ہو اس دانہ سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں پھر اخیر میں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے چند در چند اضافہ فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سات سو پر بھی منحصر نہیں، اس سے زیادہ بھی اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے متعدد صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچہ بھیج دیا اور وہ اپنے گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس نے اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کیا اس کے لیے ہر درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کا ثواب ہوگا پھر آپ نے آیت کریمہ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ تلاوت فرمائی (رواہ ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں (کے قانون) کو لکھ دیا ہے سو جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے پھر اسے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر ارادہ کرنے کے بعد اس نیکی کو کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس جیسی دس نیکیاں سات سو گنا تک (بلکہ) اس سے بھی زیادہ چند در چند کر کے لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے پھر وہ (اللہ کے ڈر سے اسے چھوڑ دیتا ہے) اور اپنے ارادہ پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک گناہ لکھ دیتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۶۱ و مسلم ج ۱ ص ۷۸)

دوسری روایت میں ہے کہ جب گناہ کا ارادہ کر کے چھوڑ دیتا ہے اور گناہ کو نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا تَرَكَهٗ مِنْ جَرَّآئِىْ یعنی اس کے لئے گناہ چھوڑنے کی وجہ سے اسلئے نیکی لکھی گئی کیونکہ اس نے گناہ میری وجہ سے چھوڑا ہے۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۷۸)

قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دی ہے یہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم کی ملت ہے

حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ

جو حق کی راہ اختیار کرنے والا تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا

وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ

اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں ماننے والوں میں سب سے پہلا

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

فرماں بردار ہوں

میری سب عبادتیں اور مرنا جینا سب اللہ ہی کے لئے ہے

تفسیر: مشرکین کی تردید فرمانے کے بعد اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اپنے بارے میں ان لوگوں کو بتادیں کہ میرے رب نے مجھے ہدایت دی ہے سیدھا راستہ بتادیا ہے اور مجھے اسی پر چلا دیا ہے۔ یہ سیدھا راستہ ہے مضبوط دین ہے مستحکم ملت ہے اور اسی ملت پر ابراہیم علیہ السلام بھی تھے وہ تمام دینوں سے کٹ کر توحید ہی کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ اور توحید ہی کی دعوت دیتے تھے (اس میں مشرکین پر تعریض ہے کیونکہ وہ بھی ملت ابراہیم کے دعویدار تھے لیکن شرک میں غرق تھے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام موحِد تھے مشرک نہیں تھے)

اس کے بعد اُس ہدایت کی تفصیل بیان فرمائی۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو نوازا ہے اور فرمایا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ لَا شَرِیْکَ لَهٗ۔ کہ آپ یہ بھی فرمادیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری دوسری تمام عبادتیں اور میرا جینا میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس میں دو باتیں بتائی گئیں۔ اوّل یہ کہ ہر کام اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے دوّم یہ کہ مومن کی زندگی بھی قیمتی ہے اور موت بھی قیمتی ہے۔ اللہ ہی کے لئے جئے اور اللہ ہی کے لئے مرے پوری زندگی اللہ کے احکام کی پابندی میں گذارے اور فرائض وواجبات کے علاوہ بھی انہیں کاموں میں لگائے جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جب مرنے لگے تو ایمان ہی پر مرے اسکی یہ موت قیمتی ہو جائے گی کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کے درمیان حائل ہے۔ جب مومن بندہ موت کی پُل سے پار ہو جائے اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ اگر عام مومنانہ زندگی گذارتے ہوئے کسی جہاد شرعی میں شریک ہو گیا اور دشمنان دین کے ہاتھوں شہید ہو گیا تو شہادت کی وجہ سے اس کی موت اور زیادہ قیمتی ہو جائے گی۔

ہر مومن بندہ اپنی موت اور زندگی کو قیمتی سمجھے اور اپنے مقام کو پہچانے۔ اور قیمتی زندگی کو ضائع نہ کرے۔ مومن اپنا سب کچھ جان اور مال اوقاتِ حیات اور اپنی موت اللہ ہی کی رضا کے لئے خرچ کرے کیونکہ (اللہ رب العالمین ہے پروردگار ہے اس کا حق اس سے بہت زیادہ ہے کہ تھوڑی سی زندگی اس کی راہ میں خرچ ہو جائے۔)

وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں) یہ اوّلیت اس امت کے اعتبار سے ہے یعنی میں اُمت موجودہ میں جو آخر الامم ہے سب سے پہلا مسلم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوں۔

دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی اپنی امتوں میں سب سے پہلے مسلم اور فرمانبردار تھے۔ وھٰذا شان کل نبی بالنسبة الٰی اُمتــہ (اور ہر نبی کی اپنی اُمت کی نسبت سے یہی شان ہے) (روح المعانی) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میں صرف دعوت دینے والا

ہی نہیں عمل کرنے والا بھی ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا تھا سُبْحَانَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر نبی ایمان لانے کا اور اپنی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے کا مکلف ہوتا تھا۔ اور امت کی نسبت ایمان اور اعمال میں اسے اولیت حاصل ہوتی تھی قربانی کی دعا میں بھی آیت بالا کے الفاظ اِنَّ صَلٰوتِیْ سے لیکر اَلْمُسْلِمِیْنَ تک وارد ہوئے ہیں لیکن اس میں اوّلُ المُسلمین نہیں بلکہ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ہے۔ چونکہ امت کو دعا کی تعلیم دینا تھا اور قربانی کے وقت پڑھوانا تھا اس لئے اوّلُ المُسلمین کی بجائے خود بھی وانا من المسلمین پڑھا۔ (کما روی ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰)

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا
آپ فرما دیجئے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو بھی کوئی شخص کوئی گناہ کرے اس کا وبال
عَلَیْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ
اسی پر ہے۔ اور نہ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ، پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں وہ
بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾
چیزیں جتا دیگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے

میں اللہ کے سوا کوئی رب تلاش نہیں کرسکتا

تفسیر: یہاں پھر مشرکین سے خطاب کرنے کا حکم فرمایا اور یہ نہ صرف مشرکین بلکہ وہ تمام لوگ اس کے مخاطب ہیں جو اعتقادی یا عملی طور پر غیر اللہ کو رب بناتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جو رب جل شانہٗ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ارشاد فرمایا۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ (آپ فرما دیجئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے)

یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تو ایسا نہیں کرسکتا اور کرہی کیسے سکتا ہوں جبکہ اللہ سب کا رب ہے، اپنی بے وقوفی سے تم جن چیزوں کو رب بنائے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رب ہے۔ اپنی جیسی مخلوق کو بلکہ اپنے سے بھی کمتر چیزوں کو معبود بنانا حماقت اور سفاہت ہے۔ میں تمہاری حماقت کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ پھر فرمایا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى یعنی جو شخص کوئی بھی عقیدہ رکھے گا یا کوئی بھی گناہ کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ کوئی دوسرا کسی کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ جو لوگ دنیا میں کہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ ہمارے گناہوں میں شریک ہو جاؤ اور ہمارے غیر اسلامی رسم و رواج میں شریک ہو جاؤ اس کا وبال ہم پر ہوگا۔

یہ اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی وعیدوں پر یقین نہیں ہے۔ قیامت کے دن کوئی کسی کا وبال اپنے سر نہیں لے گا۔ اور کوئی جان کسی کی طرف سے کچھ بدلہ نہیں دے گی' پھر آخرت کی حضوری یاد دلائی اور فرمایا۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ پھر تم کو اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے سو وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو۔ وہاں ان لوگوں کی نجات ہو جائے گی جو اللہ کے دین پر تھے اور سب پر عیاں ہو جائے گا کہ حق بات کون سی تھی اور کس کی تھی۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور درجات کے اعتبار سے تم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دی تا کہ وہ تمہیں ان چیزوں کے بارے میں آزمائے

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

جو تم کو عطا فرمائیں' بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بلا شبہ وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے

اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کو دوسرے پر فوقیت دی

تفسیر: سورۂ انعام ختم ہو رہی ہے اس میں بار بار دین حق کی دعوت دی' توحید کی طرف بلایا' مشرکین کی بے وقوفی بیان فرمائی' اور ان کے عقائد باطلہ اور شرکیہ رسم و رواج کی تردید فرمائی اور توحید پر دلائل قائم کئے۔ اب آخر میں اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کی تذکیر فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا پہلی امتیں چلی گئیں ایک دوسرے کے بعد آتی رہیں۔ اب تم ان کے بعد زمین میں آئے ہو۔

زمین میں تمہیں اقتدار سونپ دیا اور سب کو ایک حالت میں نہیں رکھا غنی بھی ہیں فقیر بھی ہیں' قوی بھی ہیں ضعیف بھی ہیں' حاکم بھی ہیں محکوم بھی ہیں یہ اقتدار سپرد کرنا اور فرق مراتب رکھنا اسلیئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے کہ جو کوئی فوقیت کسی کو مال کے اعتبار سے یا منصب و مرتبہ یا کسی بھی حیثیت سے دی ہے وہ اس کو کس کام میں لگاتا ہے انصاف کرتا ہے یا ظلم کرتا ہے' بیکسوں پر رحم کھاتا ہے یا انہیں ستاتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے یا نہیں۔

یہ سب چھوٹے بڑے طبقات قیامت کے دن حاضر ہوں گے' ظالم مظلوم کے درمیان انصاف ہوگا۔ ظالموں کو سزا ملے گی۔ حقوق العباد کی ادائیگی نیکیوں کے ذریعہ ہوگی' جو حقوق اللہ ضائع کئے اللہ جل شانہ' چاہے ان کی اضاعت پر عذاب دے چاہے معاف فرما دے وہ سریع العقاب ہے' اور بلاشبہ وہ غفور ہے۔

قال القرطبی (ص۱۵۸ج۷) فی تفسیرہٖ قال اللہ تعالٰی! (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) "خَلَائِف" جمع خلیفةٍ' کَکَرائم جمع کریمة' و کل من جاء بعد من مضی فهو خلیفه ای جعلکم خلفا للأمم الماضیة و القرون السالفة. (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الخلق و الرزق و القوة و البسطة و الفضل و العلم. (درجٰتٍ) نصب باسقاط الخافض' ای الی درجات (لِيَبْلُوَكُمْ) نصب بلام کَیْ. و الابتلاء الاختبار' ای لیظهر منکم ما یکون غایتهٗ الثواب و العقاب' ولم یزل بعلمهٖ غنیًّا' فابتلی الموسر بالغنی وطلب منه الشکر' وابتلی المعسر بالفقر و طلب منه ابصرو یقال: (لِيَبْلُوَكُمْ) ای بعضکم ببعض' ثمه خوفهم فقال: (اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ) لمن عصاه (وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ) لمَنْ اطاعهٗ. وقال "سَرِیْعُ الْعِقَاب" مع وصفه سبحانه بالا مهال دفع أن عقاب النّار فی الأخرة' لان کل اٰت قریب فهو سریع علٰی هذا' کم قال تعالٰی! (وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ) وقال! "وَيَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَنَرٰهُ قَرِيْبًا"

ویکون ایضًا سریع العقاب لمن استحقه فی دار الدنیا فیکون تحذیرًا لمواقع الخطیئة علٰی هذه الجهة و اللہ اعلم.

وقال صاحب الروح (وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ) ای یخلف بعضکم بعضا کلما مضی قرن جاء قرن حتی تقوم الساعة ولا یکون ذٰلک إلا من عالم مدبر' والی هذا ذهب الحسن أو جعلکم خلفاء اللہ تعالٰی فی ارضه تتصّرفون فیها. کما قیل. و الخطاب علیهما عام' وقیل: الخطاب لهذه الأمّة' وروی ذٰلک عن السدی ای جعلکم خلفاء الأمم السالفة (وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ) فی الفضل و الغنی کما روی عن مقاتل (دَرَجَات) کثیرة متفاوتة (لِيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ) ایْ لیعملکم معاملة من یبتلیکم لینظر ماذا تعلملون مما یرضیه وما لا یرضیه (وَاِنَّ رَبَّکَ) تجرید الخطاب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اضافة اسم الربّ الیه علیه الصلوٰة و السلام لا براز مزید اللطف بهٖ صلی اللہ علیہ وسلم (سَرِیْعُ الْعِقَابِ) ای عقابه سبحانه الاخروی سریع الاتیان لمن لم یراع حقوق ما آتاه لان کل اٰتٍ قریب' او سریع التمام عند ارادته لتعالیه سبحانه عن استعمال المبادئ و الأٰلاتِ اهـ

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اس میں خلائف' جمع ہے خلیفة کی جیسا کہ کَرَائِم جمع ہے کَرِیمَة کی اور ہر وہ جوایک کے گذر جانے کے بعد آئے وہ خلیفہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں پچھلی امتوں کا خلیفہ اور سابقہ زمانوں کا پیش رو بنایا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ اور تم میں سے بعض کو بعض پر بلند کیا یعنی خلق میں' رزق میں' قوۃ و صلاحیت میں اور علم و فضل میں "دَرَجٰتٍ" حرف جر کے حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اِلٰی درجات "لِيَبْلُوَكُمْ" یہ لام کی وجہ سے منصوب اور ابتلاء کا معنی امتحان ہے یعنی تا کہ تم سے وہ اعمال ظاہر کر دے جن کا انجام انعام یا سزا ہے اور اللہ تعالٰی تو اس طرح آزمائش کر کے علم حاصل کرنے سے غنی ہے۔ پس اللہ تعالٰی نے خوشحال کا امتحان خوشحالی سے لیا اور اس سے شکر کا تقاضا کیا اور تنگدست کا امتحان بے سروسامانی سے کیا اور اس سے صبر مطلوب ہے' اور بعض نے کہا لِيَبْلُوَكُم کا مطلب یہ ہے تمہیں ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائیں۔ پھر اللہ تعالٰی نے ڈرایا کہ بے شک تیرا رب جلدی سزا دینے والا ہے' نافرمانی کرنے والے کو' اور وہ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہے اس کیلئے جس نے اس کی اطاعت کی' اور باوجود یکہ حق تعالٰی کی صفت مہلت دینا بھی ہے اور سزا آخرت میں ہوگی فرمایا جلد سزا دینے والا' اس لئے کہ ہر آنے والی قریب ہوتی ہے اور وہ اس طرح پر جلدی آنے والی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور فرمایا يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا۔ کہ وہ اسے دور سمجھتے ہیں حالانکہ ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

اور جو دنیا میں سزا کا مستحق ہے اس کے لئے بھی جلد سزا دینے والا ہے۔ اس لحاظ سے گناہ کے مواقع کے لئے یہ جملہ دھمکی ہے۔

صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ یعنی تم میں سے بعض بعض کو خلیفہ بناتے ہیں۔ جب ایک دور گذرتا ہے تو دوسرا آ جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی' اور یہ سب ایک صاحبِ علم اور صاحبِ تدبیر کی طرف سے ہی ہو رہا ہے۔ حضرت حسنؒ کی یہی رائے ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے جس میں تصرف کرتے ہو۔ جیسا کہ بعض نے کہا کہ دونوں پر خطاب عام ہے۔ بعض نے کہا خطاب اس امت سے ہے اور یہ حضرت سُدّی سے مروی ہے یعنی تمہیں گذشتہ امتوں کا خلیفہ بنایا اور بعض کو بعض پر فضیلت و خوشحالی میں بلندی عطا فرمائی ہے جیسا کہ حضرت مقاتلؒ سے مروی ہے "درجات" بہت سارے مختلف درجوں میں "لِيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ" یعنی تمہارے ساتھ آزمائش کا معاملہ کرے کہ دیکھے تم اس کو راضی کرنے والے کام کرتے ہو یا ناراض کرنے والے "وَاِنَّ رَبَّكَ" رب کی اضافت کر کے خالص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید الطافات سے نوازنے کی طرف اشارہ ہے "سَرِیْعُ الْعِقَابِ" یعنی اللہ تعالٰی کی اُخروی گرفت اس کے لئے جلدی آنے والی ہے جس نے اس کی طرف سے ملنے والے احکام کے حقوق ادا نہ کئے۔ کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے' یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالٰی جب ارادہ فرماتے ہیں تو وہ بہت جلدی سے تمام ہونے والا ہے کیونکہ اللہ تعالٰی اسباب و آلات کے استعمال کی محتاجی سے پاک ہیں۔

فائدہ: دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے فرق مراتب رکھا ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی نعمت ہے وہ اس نعمت پر شکر ادا کرے اور جو اس سے کم حیثیت کے لوگ ہیں ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور بار بار یہ مراقبہ کرے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مجھے تنگدست بے اختیار اپاہج لُولا لنگڑا نابینا بنا دیتا۔ اگر اس طرح غور کرے گا تو نہ دوسروں کو حقیر جانے گا اور نہ اللہ کی ناشکری کریگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور شکل صورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس کو بھی دیکھ لے جو اس سے کم ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۴۷) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم اس کو دیکھو جو تم سے کم ہے اور اسکو نہ دیکھو جو تم سے زیادہ ہے ایسا کرو گے تو تم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو حقیر نہ جانو گے۔ (رواہ مسلم ص ۴۰۷ ج ۲) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس شخص میں دو باتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھ دے گا۔ دین میں اسے دیکھے جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اس کا اقتداء کرے اور دنیا میں اُسے دیکھے جو اس سے کمتر ہو پھر اللہ کی حمد بیان کرے کہ اللہ نے اُسے اس شخص پر فضیلت دی ہے ایسے شخص کو اللہ شاکر اور صابر لکھ دیگا۔ اور جس نے اپنے دین میں ایسے شخص کو دیکھا جو اس سے کم ہے اور دنیا میں اُسے دیکھا جو اس سے بڑھ کر ہے پھر اُسے اس بات پر رنج ہوا کہ دنیا میں مجھے اتنا اتنا نہیں ملا تو اللہ اُسے نہ شاکر لکھے گا اور نہ صابر لکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ولقد تم تفسير سورة الانعام

والحمد الله اولًا واٰخرًا وباطنا وظاهراً

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتُّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتٍ اَرْبَعٌ وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اور ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس کی ۲۰۶ آیتیں اور ۲۶ رکوع ہیں

الٓمّٓصٓ ۞ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

الٓمّٓصٓ یہ کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی سو آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو' تا کہ آپ اس کے ذریعہ ڈرائیں' اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا

ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے' اس چیز کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف اتاری گئی' اور اس کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کا اتباع نہ کرو'

مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۞ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۞ فَمَا كَانَ

تم کم نصیحت حاصل کرتے ہو' اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ سو ان پر ایسے وقت میں ہمارا عذاب آیا جب کہ وہ رات گذار رہے تھے یا ایسی حالت میں عذاب آیا کہ وہ دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے

دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۞

سو جب اُن پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ بلاشبہ ہم ظالم تھے

یہ کتاب مؤمنین کے لئے نصیحت ہے

تفسیر: ان آیات میں اوّلاً تو یہ فرمایا کہ آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی گئی ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں' ایمان کی دعوت دیں' اور جو لوگ نہ مانیں ان کو بتائیں کہ اس کتاب پر ایمان نہ لانے سے عذاب میں مبتلا ہوں گے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ کہ آپ کے سینہ میں ذرا بھی تنگی نہ ہو۔ مخاطبین آپ کی دعوت کا جو تکذیب سے مقابلہ کریں اسکی آپ ذرا پرواہ نہ کریں آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے خطاب فرمایا کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کا اتباع کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو ولی نہ بناؤ۔ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں آتی ہیں مگر تمہارا حال یہ ہے کہ نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا جن پر ہمارا عذاب رات کے وقت میں آیا۔ اور بعض کے پاس ایسے وقت میں آیا۔ اور بعض کے پاس ایسے وقت عذاب پہنچا جب کہ وہ قیلولہ کر رہے تھے یعنی دوپہر کے وقت سو رہے تھے' جو لوگ ہدایت سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے ان پر دنیا میں بھی عذاب آتا ہے اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گے اور عذاب دائمی میں مبتلا ہوں گے' ان لوگوں پر جب عذاب آیا تو بس یہی کہنے لگے کہ ہم ظالم تھے' عذاب آ جانے کے بعد اپنے ظلم کا اعتراف اور اقرار کرنے سے عذاب واپس نہیں ہوتا لہٰذا باوجود اقرار ظلم کے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ

سو جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے ہم ان سے ضرور سوال کریں گے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے' سو ہم ان کے روبرو علم کے مطابق

وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾

بیان کر دیں گے اور ہم غائب نہ تھے اور اس دن وزن واقع ہونے والا ہے۔ سو جن کے وزن بھاری ہوئے ایسے لوگ کامیاب ہوں گے اور جن

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾

کے وزن ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کر لیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔

قیامت کے دن رسولوں سے اور ان کی اُمتوں سے سوال اور اعمال کا وزن

تفسیر : ان آیات میں آخرت کے سوال و جواب اور عقائد و اعمال کے تولے جانے کا پھر اوزان کے ہلکا بھاری ہونے کا اور اس کے مطابق کامیاب اور ناکام ہونے کا ذکر فرمایا۔ قیامت کے دن امتوں سے سوال ہوگا کہ تمہارے پاس رسول آئے تھے تو تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا کما فی سورۃ القصص وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ○

اور حضرات رُسُلِ عظام و انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا آپ حضرات نے ہمارا پیغام پہنچایا اور یہ بھی سوال ہوگا کہ اُمتوں نے اس کا کیا جواب دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا (اور متعدد نصیحتیں فرمائیں) اور آخر میں فرمایا کہ میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے (اللہ کا پیغام) پہنچایا اور اپنی ذمہ داری پوری کی اور (امت کی) خیر خواہی کی' آپ نے اپنی انگوٹھے کے پاس والی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکایا اور تین بار اللہ تعالیٰ کی دربار میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔ اے اللہ تو گواہ ہو جا۔ اے اللہ تو گواہ ہو جا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ' سے روایت ہے کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب! میں نے واقعۃً تبلیغ کی تھی' ان کی امت سے سوال ہوگا کہ انہوں نے تمہیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے نہیں ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا تمہارے دعویٰ کی تصدیق کے گواہ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے امتی ہیں۔ یہاں تک واقعہ نقل کرنے کے بعد آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو

لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا یہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۵ کی روایت ہے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے تبلیغ کی تھی ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت سیدنا محمد رسول ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کر دیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان سے سوال ہوگا کہ تمہیں اس معاملے کی کیا خبر؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کی۔ لہٰذا ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ (درمنثور ص ۱۴۴ ج ۱)

پھر فرمایا۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ سو ہم ان کے روبرو ضرور بیان کر دیں گے علم کے مطابق اور ہم غائب نہ تھے)۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یوضع الکتٰب یوم القیامۃ فیتکلم بما کانوا یعملون

کہ اعمال نامے رکھ دیے جائیں گے وہ تمام اعمال کو ظاہر کر دیں گے پھر وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی

انہ تعالیٰ یخبر عبادہ یوم القیامۃ بما قالوا او بما عملوا من

قلیل و کثیر وجلیل وحقیر، لا نہ تعالیٰ شھید علیٰ کل شئ الخ

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اقوال اور اعمال سب بتا دے گا چھوٹے اعمال ہوں یا بڑے اعمال ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اعمال کا وزن، بھاری اوزان والوں کی کامیابی: اللہ رب العزت ہمیشہ سے ساری مخلوق کے اعمال سے واقف ہے اگر قیامت کے میدان میں صرف اپنی معلومات کی بناء پر اعمال کی جزاء وسزا دے تو ان کو اس کا بھی حق ہے، لیکن میدانِ حشر میں ایسا نہ کیا جائے گا بلکہ بندوں کے سامنے اُن کے اعمال نامے پیش کئے جائیں گے وزن ہوگا۔ گواہیاں ہوں گی، اور مجرمین انکاری بھی ہوں گے اور دلیل سے جرم کا اثبات بھی کیا جائیگا تاکہ سزا بھگتنے والے یوں نہ کہہ سکیں کہ ہم کو ظلمًا بلاوجہ عذاب میں ڈالا گیا۔ اسی کو فرمایا وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ اور اس دن وزن کرنا حق ہے سو جن کی تولیں بھاری پڑیں وہی لوگ بامراد ہوں گے، اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا،

اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے وزن اعمال کا ذکر یہاں اعراف میں بھی ہے اور سورۂ مومنون رکوع (۲) میں بھی ہے اور سورۃ القارعہ میں بھی ہے وہاں فرمایا ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ سو جس کے وزن بھاری ہوئے وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ یعنی دوزخ ہے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز (اعمال تولنے کی) ترازو رکھ دی جائیگی (اور وہ اس قدر لمبی چوڑی ہوگی کہ) اگر اس میں سارے آسمان و زمین رکھ کر وزن کئے جائیں تو سب اس میں آ جائیں۔ اس کو دیکھ کر فرشتے بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ یہ کس کے لئے تولے گی؟ اللہ جل شانہٗ فرمائیں گے کہ میں اپنی مخلوق میں سے جس کے لئے (حساب کرنے کے واسطے) تول قائم کروں (اس کے لئے یہ تولے گی) یہ سن کر فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ! آپ پاک ہیں جیسا عبادت کا حق ہے ہم نے ایسی عبادت آپ کی نہیں کی۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ ج ۴ رواہ الحاکم وقال صحیح علیٰ شرط مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت سید عالم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا (قیامت کے روز) ترازو پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا (اعمال کو وزن کرنے کے لئے) انسان اس ترازو کے پاس لائے جاتے رہیں گے، جو آئے گا ترازو کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کر دیا جائیگا۔ پس اگر اس کے تول بھاری ہوئے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دیگا جسے ساری مخلوق سُنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لئے سعادت مند ہو گیا، اب اس کے بعد بدنصیب نہ ہو گا۔ اور اگر اس کے تول ہلکے رہے تو وہ فرشتہ ایسی بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دے گا جسے ساری مخلوق سُنے گی کہ فلاں ہمیشہ کے لئے نامراد ہو گیا۔ اب کبھی اس کے بعد خوش نصیب نہ ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۴۲۵ از بزار و بیہقی) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب "موضح القرآن" میں لکھتے ہیں کہ ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں ایک ہی کام ہے اگر اخلاص و محبت سے حکم شرعی کے موافق کیا اور برمحل کیا تو اس کا وزن بڑھ گیا اور دکھاوے یا ریس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگذر ہوا اور (جس کے نیک کام) ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال کو جسم دیکر حاضر کیا جائے گا اور یہ جسم تلیں گے اور ان جسموں کے وزنوں کے ہلکا یا بھاری ہونے پر فیصلے ہوں گے۔ کاغذوں کا تُلنا یا اعمال کو جسم دیکر تولا جانا بعید نہیں ہے۔ اور اعمال کو بغیر وزن دیئے یونہی تول دینا بھی قادر مطلق کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

آج جبکہ سائنس کا دور ہے اور ایجادات روز افزوں ترقی پر ہیں اعمال کا تول میں آ جانا بالکل سمجھ میں آ جاتا ہے۔ یہ عاجز بندے جن کو اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے تھوڑی سی سمجھ دی ہے تھرمامیٹر کے ذریعے جسم کی حرارت کی مقدار بتا دیتے ہیں

اور اسی طرح کے بہت سے آلات ہیں جو اجسام کے علاوہ دوسری چیزوں کی مقدار معلوم کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں تو اس وحدہٗ لاشریک کی قدرت سے یہ کیسے باہر مانا جائے کہ عمل تول میں نہ آ سکیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اعمال تو حسی وجود نہیں رکھتے اور وجود میں آنے کے ساتھ ہی فنا ہوتے رہتے ہیں پھر آخرت میں کیونکر جمع شدہ ملیں گے؟ اس شبہ کی موجودہ دور میں کوئی حیثیت نہیں رہی کیونکہ اب تو ٹیلی ویژن اور وی سی آر نے بتا دیا کہ حرکات سکنات اور آواز کو ریکارڈ کیا جا سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو الفاظ وکلمات اور حرکات وسکنات کو گرفت میں لا کر اکٹھا کرنے اور ریکارڈ میں لانے کی طاقت دی ہے تو وہ خود اس پر ضرور قادر ہے کہ اپنی مخلوق کے اعمال وافعال کا مکمل ریکارڈ تیار رکھے۔ جس میں سے ایک ذرّہ اور شوشہ بھی غائب نہ ہو۔ اور حسی طور پر قیامت کے روز ان کا وزن سب کے سامنے عیاں اور ظاہر ہو جائے لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ

صاحب تفسیر مظہری علامہ سیوطیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مومنین کے اعمال کا صرف وزن ہوگا' یا کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے؟ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ صرف مومنین کے اعمال تولے جائیں گے (کیونکہ) کافروں کی نیکیاں تو اکارت جائیں گی۔ پھر جب نیکی کے پلڑہ میں رکھنے کے لئے کچھ نہ رہا تو ایک پلڑا سے کیا تولا جائے گا اس جماعت نے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا سے استدلال کیا ہے۔

دوسری جماعت کہتی ہے کہ کفار کے اعمال بھی تولے جائیں گے' لیکن وہ بے وزن نکلیں گے ان کا استدلال آیت وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ سے ہے اور جن کی تول ہلکی نکلی سو یہ وہ لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان' یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے استدلال هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ سے ہے (یہ سورۂ مومنون کی آیت ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہلکی تول نکلنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے اعمال بھی تولے جائیں گے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مومن کوئی بھی دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

اس کے بعد صاحب تفسیر مظہری علامہ قرطبیؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ہر ایک کے اعمال نہیں تولے جائیں گے (بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ) جو لوگ بغیر حساب جنت میں جائیں گے یا جن کو دوزخ میں بغیر حساب میدانِ حشر قائم ہوتے ہی جانا ہوگا۔ ان دونوں جماعتوں کے اعمال نہ تولے جائیں گے اور ان کے علاوہ باقی مومنین وکفار کے اعمال کا وزن ہوگا۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ علامہ قرطبی کا یہ اشارہ دونوں جماعتوں کے مسلکوں اور دونوں آیتوں (آیت سورۂ کہف اور آیت سورۂ مومنون) کے مطالب کو جمع کر دیتا ہے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ (بیان القرآن میں) سورۂ

اعراف کے شروع میں ایک تمہید مفید کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ ''پس اس میزان میں ایمان و کفر بھی وزن کیا جائیگا اور اس وزن میں ایک پلہ خالی رہے گا۔ اور ایک پلہ میں اگر وہ مومن ہے تو ایمان اور اگر کافر ہے تو کفر رکھا جائے گا۔ جب اُس تول سے مومن و کافر متمیز ہو جائیں گے (تو) پھر خاص مومنین کے لئے ایک پلہ میں ان کے حسنات اور دوسرے پلہ میں اُن کے سیئات رکھ کر ان اعمال کا وزن ہوگا اور جیسا کہ دُرّ منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اگر (مومن کے) حسنات غالب ہوئے تو جنت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف تجویز ہوگی پھر خواہ شفاعت سے قبل سزا خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائیگی (اور سیئات غالب ہونے والے مومن بندے اور اعراف والے جنت میں داخل ہو جائیں گے)

کفار کی نیکیاں بے وزن ہونگی: سورۂ کہف کے آخری رکوع میں ارشاد ہے کہ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ہ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ہ

آپ فرما دیجئے کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوشش اکارت گئی دنیاوی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ اچھے کام کر رہے ہیں (یہ) وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی آیتوں کے اور اس کی ملاقات کے سو اکارت گئے ان کے عمل پس ہم قیامت کے دن ان کے لئے تول قائم نہ کریں گے۔

یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے اور خسارہ والے حقیقت ہیں وہ لوگ ہیں جنہوں نے برسہا برس دنیا میں گذارے اور محنت و کوشش کر کے نفع کماتے رہے اور دنیا جوڑ کر خوش ہوئے اور یہ یقین کرتے رہے کہ ہم بڑے کامیاب اور بامراد ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ضرور ایسا ہوگا کہ بعض بھاری بھرکم موٹے بدن والے آدمی اس حال میں آئیں گے کہ اللہ کے نزدیک اُن کا وزن مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر فرمایا کہ تم لوگ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ہ کو پڑھ لو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۴ از بخاری و مسلم)

صاحب تفسیر مظہری فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافروں کے اعمال کا کوئی اعتبار یا قدر و منزلت نہ ہوگی۔ پھر حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی بروایت حضرت ابو ہریرہؓ نقل فرمایا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

یہود نصاریٰ اور مشرکین و کفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی مدد کر گزرتے ہیں یا اللہ کے ناموں کا ورد رکھتے ہیں الیٰ غیر ذٰلک۔ اس قسم کے کام بھی آخرت میں ان کو نجات نہ دلائیں گے۔

سادھو اور سنیاسی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے اُن کے اس قسم کے تمام افعال بے سود ہیں آخرت میں کُفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردہ ہیں۔ وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔

پھر صاحب تفسیر مظہری آیت کے ان الفاظ کی دوسری تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یا یہ معنی ہیں کہ ان (کافروں) کے لئے ترازو نصیب ہی نہ کی جائے گی اور تولنے کا معاملہ ان کے ساتھ ہونا ہی نہیں کیونکہ ان کے عمل وہاں اکارت ہو جائیں گے لہٰذا سیدھے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

آیت کے الفاظ مذکورہ کے تیسرے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ کفار اپنے جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں قیامت کے ترازو میں ان کا کچھ وزن نہ نکلے گا (کیونکہ وہاں اسی نیک کام کا وزن ہوگا جو ایمان کی دولت سے مشرف ہوتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے) دنیا میں کیا گیا تھا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں زندگی کا سامان پیدا کیا تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور بلاشبہ

خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ

ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے،

يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ

وہ سجدہ کرنے والوں میں نہیں تھا۔ اللہ کا فرمان ہوا کہ تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم کیا اس نے کہا کہ میں

نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ

اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اُسکو پیدا کیا کیچڑ سے فرمایا پس تو یہاں سے اُتر جا سو تجھے کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو تو نکل جا!

اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے وہ کہنے لگا کہ مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے فرمایا بے شک تو اُن لوگوں میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی،

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ

وہ کہنے لگا سو اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ضرور ان لوگوں کے لئے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا پھر ضرور آؤں گا ان کے پاس ان کے سامنے سے

وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا

اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے فرمایا تو یہاں سے نکل جا ذلیل اور خوار ہو کر،

مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا

بنی آدمؑ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور شیطان کی ملعونیت کا تذکرہ

تفسیر: یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں (جو بعد میں آنیوالی آیات کی تمہید ہے) فرمایا کہ ہم نے تمہیں زمین میں جگہ دی اور نہ صرف جگہ دی بلکہ تمہارے لئے معیشت کا سامان بھی پیدا کیا کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائیں۔ پہننے اور اوڑھنے بچھانے کے لئے کپڑے پیدا کئے۔ زمین کو نرم پیدا کیا اس کو کھودو' بنیادیں ڈالو' عمارتیں بناؤ درخت لگاؤ' کھیتیاں بوؤ جانوروں کو چارہ کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔ طرح طرح کا سامان تمہارے لئے پیدا کر دیا۔ ان سب نعمتوں کو استعمال کرو اور خالق کائنات جل شانہ' کا شکر ادا کرو' لیکن تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اس تمہید کے بعد جس میں یہ بتا دیا کہ پیدا کرنے والے کا شکر کرنا لازم ہے مزید دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں (تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی (اوّلاً) مٹی کا وہ مادہ جمع کیا جس سے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمانا تھا۔ پھر اس مادہ سے انکی صورت بنائی جو آدم کی صورت بنی وہی صورت ان کی ذریت کی بھی ہو گئی۔

یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں سورۃ التین میں فرمایا "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" اور حدیث میں فرمایا "إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ" پھر اس صورت میں روح پھونک دی۔ کیا تو وہ ایک مجسمہ کی شکل تھی پھر جیسے ہی اس میں روح پھونک دی وہ جیتی جاگتی دیکھتی بھالتی عقل اور سمجھ رکھنے والی ایک جاندار چیز بن گئی اس جاندار کو چیزوں کے نام سکھا دیئے پھر فرشتوں پر پیش کیا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ وہ نہ بتا سکے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت ظاہر ہو گئی۔

ابلیس کا آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کرنا اور اللہ رب العزت پر اعتراض: پھر فرشتوں سے فرمایا ان کو سجدہ کرو (جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا) سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا (یہ سجدہ تعظیمی تھا سجدۂ عبادت نہیں تھا) وہیں ابلیس بھی تھا۔ یہ تھا تو جنات میں سے لیکن زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے وہیں فرشتوں کے ساتھ آسمان میں رہتا تھا۔ اسکو بھی حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کر' اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ حکم عدولی کی بلکہ باری تعالیٰ شانہ' نے جب سوال فرمایا کہ میں نے تجھے ان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر وہ کٹ حجتی کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا وہ کہنے لگا کہ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (کہ میں اس سے بہتر ہوں) جو بہتر ہے اسے حکم دینا کہ اپنے سے کمتر کو سجدہ کرے یہ تو حکمت کے خلاف ہے۔ پھر بہتر ہونے کی یہ دلیل بیان کی کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا

کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہے لہٰذا میں اس سے افضل ہوں اس نے غلط دلیل دی کیونکہ آگ کی طبیعت میں فساد ہے اور اس کا زیادہ تر کام یہی ہے اور مٹی کی طبیعت میں تعمیر ہے اس میں آبادکاری کی طبیعت ہے تواضع ہے اس کے اندر غذائیں ہیں مَعادِن ہیں اَشجار ہیں اور بہت سی خوبی کی صفات ہیں۔

ابلیس کا نکالا جانا: ابلیس کو اس کی اَنَا (مَیں) لے ڈوبی۔ اگر وہ واقعۃً آدم علیہ السلام سے افضل ہوتا تب بھی احکم الحاکمین کا حکم بجالانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ کے حکم کو غلط قرار دیا اور حجت بازی پر اُتر آیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا (تو یہاں سے اُتر جا تیرے لئے یہ درست نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرے) فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (تو نکل جا بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے) مِنْهَا اور فِيْهَا کی ضمیر کس طرف راجع ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ج ۸ ص ۹۰) لکھتے ہیں۔ کہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور ابلیس پہلے سے وہاں رہتا تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کا ایک باغیچہ ہے جو عدن میں تھا حضرت آدم علیہ السلام وہیں پیدا کئے گئے تھے (ابلیس کو وہیں سجدہ کرنے کا حکم ہوا) اس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا تو وہاں سے نکل جانے کا حکم فرمادیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے سماء یعنی آسمان کی طرف ضمیر راجع کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک جماعت کا قول ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ابلیس کے مردود اور ملعون ہونے کے بعد حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کو جنت عالیہ میں ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکایا۔ اگر وہ اس سے پہلے ہی آسمان سے اُتار دیا گیا تھا تو پھر اُس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ اور یہ اشکال اس صورت میں بھی ہوتا ہے جبکہ سجدہ کا واقعہ عدن والے باغ میں مانا جائے' سجدہ کا انکار کرنے کے بعد عدن والے باغ سے نکال دینے کے بعد اس نے کیسے وسوسہ ڈالا؟ سیدھی اور صاف بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس عالم بالا میں یعنی اوپر ہی رہتا تھا اور سجدہ کا حکم جو ہوا وہ بھی وہیں عالم بالا ہی میں ہوا تھا۔ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ابلیس وہاں سے نکال دیا گیا اور آدم و حوا علیہما السلام کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ ابلیس عالم بالا سے نکالا تو گیا لیکن ابھی زمین پر نہیں آیا تھا کہ اس نے دونوں میاں بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کھلانے پر آمادہ کر دیا وسوسہ کس طرح ڈالا اس کا کوئی جواب یقینی طور پر نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دور سے آواز دیدی تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بہر حال ابلیس ذلت کے ساتھ نکالا گیا ملعون ہوا۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اس پر پھٹکار پڑی' دھتکارا گیا۔

ابلیس کا زندہ رہنے کیلئے مہلت طلب کرنا: چونکہ اسے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں آباد کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انہیں خلافت ارضی سونپی جائیگی اور اسے جو ملعونیت کا داغ لگا وہ بھی نئی مخلوق کی وجہ سے لگا

اسلئے اس نے اول تو اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے یعنی میری عمر اتنی لمبی کر دی جائے کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تک جیتا رہوں اللہ تعالیٰ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ قبروں سے اُٹھنے کے دن تک تجھے مہلت ہے البتہ یوں فرمایا فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ہ اِلیٰ یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ہ کہ تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ (سورۂ حجر اور صٓ میں یہی الفاظ ہیں)

ابلیس کا قسم کھانا کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا: جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے لمبی عمر دینے کا وعدہ فرمالیا تو ابلیس نے اپنے کینہ اور دشمنی کا اظہار کیا۔ بنی آدم سے اپنی ملعونیت کا بدلہ لینے کا اعلان کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں آپ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ان سب کو ضرور ضرور گمراہ کروں گا۔ (یہ الفاظ سورۂ صٓ میں ہیں) اور یہاں سورۂ اعراف میں اس کا قول ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ فَبِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ کہ اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا اور انکی راہ ماروں گا اس نے مزید کہا ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ مِّنْ ۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِھِمْ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شٰکِرِیْنَ (ان کے پاس ضرور آؤں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائیں گے) ابلیس نے بنی آدم کو بہکانے کے لئے چار جہات کا ذکر کیا کیونکہ ان چار جہات سے کوئی کسی کے پاس آسکتا ہے۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ بقدر امکان جہاں تک ہو سکے گا میں انکو بہکانے کی کوشش کروں گا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جہت فوق (اوپر کی جانب) سے رحمت مانع ہوتی ہے اسلئے ادھر سے شیطان کے آنے کا راستہ نہیں اور نیچے کی جانب سے بھی نہیں آسکتا اس لئے ان دونوں جہتوں کو چھوڑ دیا یہ ابلیس کی دوسری ڈھٹائی ہے کہ گمراہی کی نسبت اب بھی اس نے اپنی طرف نہیں کی بلکہ اس نے یوں کہا کہ اے اللہ! آپ نے مجھے گمراہ کیا میں ان کی راہ ماروں گا۔

سورۂ نحل میں ہے کہ اس نے انسانوں کو بہکانے کے لئے قسم کھاتے ہوئے یوں کہا لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اور سورۂ بنی اسرائیل میں کہا اَھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ (کیا یہ ہے جسے آپ نے میرے مقابلہ میں عزت دیدی) لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا (اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدی تو بجز قدر قلیل کے میں اسکی ساری ذرّیت کو اپنے قابو میں کرلونگا۔)

ابلیس تو اپنی قسم کو نہیں بھولا اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہے۔ بنی آدم کو بہکانے ورغلانے اور گمراہ کرنے میں اس نے اور اس کی ذرّیت نے کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی بنی آدم کو کفر پر شرک پر اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتا ہی رہتا ہے۔ گمراہ زیادہ ہیں اہل ہدایت کم ہیں۔ صالحین مخلصین بہت کم ہیں اس نے پہلے ہی اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کہہ کر مخلصین کا استثناء کر دیا تھا اور جو اُس نے وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شَاکِرِیْنَ کہا تھا اس کے قول کو بنی آدم نے اس کا اتباع کر کے سچ کر دکھایا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا ذلیل وخوار ہو کر (یہ حکم دوسری بار ہے اس سے پہلے بھی یہ حکم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سجدہ نہ کرنے اور تکبر کرنے کی بنیاد پر تھا۔ اور یہ دوبارہ اس کی اس بات پر ہے کہ اس نے بنی آدم کو ورغلانے کی قسم کھائی) اللہ جل شانہ نے یہ بھی فرمایا۔

ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والوں کے لئے دوزخ کے داخلہ کا اعلان: لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ (بنی آدم میں جو تیرا اتباع کریں گے تم سب سے میں دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس نے قسم کھا کر اپنی بات بتادی کہ میں ان سب کا ناس ماروں گا راہ حق سے ہٹاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ شانہ نے اعلان فرمادیا کہ تجھے اور تیرے ماننے والوں سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ ابلیس کی بات اور احکم الحاکمین جل شانہ کا اعلان لوگوں کے سامنے ہے لیکن پھر بھی شیطان ہی کا اتباع کرتے ہیں لا جعلنا اللہ منہم۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ

پھر ہو جاؤ گے گنہگار پھر بہکایا ان کو شیطان نے تا کہ ان دنوں کے جسم کا وہ حصہ ظاہر کر دے جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا یعنی وہ حصہ جو

سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا

ڈھانک کر رکھنے کا تھا۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت سے تمہارے رب نے تمہیں اسی لئے روکا ہے کہ تم دونوں اسے کھا کر فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ اسی میں

مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا

رہنے والے ہو جاؤ گے۔ اور اس نے ان کے سامنے قسم کھائی کہ بلاشبہ میں تمہاری خیر خواہی کرنے والوں میں سے ہوں۔ سو فریب دیکر ان دونوں کو نیچے لے آیا۔ سو جب ان دونوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا

اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور ان دونوں کو ان کے

رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا۔ اور کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے وہ دونوں

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ

کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو ضرور ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ

فرمایا تم اُتر جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک فرمایا

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

تم اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

حضرت آدم اوران کی بیوی کا جنت میں رہنا اور شیطان کے ورغلانے سے شجرۂ ممنوعہ کو کھانا پھر وہاں سے دُنیا میں اُتارا جانا

تفسیر: شیطان تو مردود اور ذلیل ہو کر نکالا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور خوب بلا روک ٹوک اس میں سے کھاؤ بس اتنی پابندی ہے کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا اس میں نہی کو مؤکد فرمایا کہ کھانا تو کیا اس کے پاس بھی نہ جانا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سے پہلے فرمایا تھا کہ یٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى شیطان اس فکر میں تھا کہ خود تو جنت سے نکلا ہی ہے ان کو بھی وہاں سے نکلوائے چنانچہ وہ تاک میں لگا رہا اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو تمہیں اس درخت کے کھانے سے جو منع فرمایا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس درخت میں سے جو شخص کھالے گا وہ فرشتہ بن جائیگا اور اسے یہاں ہمیشہ رہنے کی دولت مل جائے گی۔ اور اس نے قسم کھائی کہ میں تمہاری خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں جھوٹی قسم کھائی اور فرشتہ بن جانے کی اور ہمیشہ رہنے کی بات ان کے سامنے رکھی وہ اس کی باتوں میں آ گئے اور فریب خوردہ ہو کر اس درخت میں سے کھا بیٹھے ابھی ٹھیک طرح سے کھانے بھی نہ پائے تھے اس درخت کو چکھا ہی تھا کہ ان کے جسم سے کپڑے گر گئے اور ایک دوسرے کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اپنی شرم کی جگہوں کو ڈھکنے کے لئے جنت کے پتے لے کر اپنے جسموں پر جوڑنے لگے (جس سے اسی وقت ظاہر ہو گیا کہ یہاں ہمیشہ رہنا تو کجا اس درخت کو کھا کر یہاں کے کپڑے تک جسم پر نہیں رہ سکتے)

حضرت آدم وحواء کا گناہ پر نادم ہونا اور توبہ کرنا: اللہ جل شانہٗ نے دونوں کو پکارا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا بلاشبہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے' دونوں حضرات سچے مومن تھے بغیر کسی حیل وحجت کے اپنا قصور مان لیا اور گناہ کا اقرار کر لیا۔ اور مغفرت طلب کی اور رحمت کی درخواست پیش کر دی اور کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری بخشش نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے) اللہ جل شانہٗ نے انکی توبہ قبول فرمائی' جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی

خطا تو معاف ہوگئی لیکن چونکہ انسان کی تخلیق اسی لئے تھی کہ اسے زمین کی خلافت سونپی جائے گی اور زمین پر اُسے آنا ہی تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے جنت سے اُتار کر دنیا میں بھیج دیا قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ تم یہاں سے اُتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک نفع حاصل کرنا ہے چنانچہ زمین میں آگئے اور بود و باش شروع ہوگئی۔

ہر شخص آتا ہے اور مدت مقررہ تک رہتا ہے اور کچھ نفع حاصل کرتا ہے پھر مر جاتا ہے اور زمین کے اندر چلا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو اسی زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور حساب و کتاب کے لئے جمع ہوں گے اسی کو فرمایا۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کے قصہ اور ابلیس کی شرارت اور شقاوت کے واقعات کے متعلق بہت سی چیزیں سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہیں اور وہاں فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام لکھ دیئے گئے ہیں (انوار البیان ج ۱ ص ۵۴ تا ۶۸) من شاء فلیراجع

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ

اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہارے لئے لباس اُتارا جو تمہاری شرم کی جگہوں کو چھپاتا ہے اور وہ سبب زینت ہے اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر ہے

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اے آدم کی اولاد! تمہیں شیطان ہرگز فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اُس نے تمہارے ماں باپ کو

مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ

جنت سے ایسی حالت میں نکالا کہ وہ ان کا لباس اتروا رہا تھا۔ تاکہ دکھا دے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں۔ بیشک وہ اور اس کی قوم تمہیں ایسے طور دیکھتے ہیں

لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے بنا دیا شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے

لباس اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس سے پردہ پوشی بھی ہے اور زینت بھی

تفسیر: گذشتہ رکوع میں شیطان کی انسان دشمنی کا ذکر ہے اس نے بہت جم کر یہ اعلان کیا تھا کہ میں اولادِ آدم کو بہکاؤں گا اور ورغلاؤں گا اور ان میں سے بہت تھوڑے ہی بندے خدائے پاک کے شکر گذار ہوں گے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ اس نے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو جنت سے نکلوا دیا۔ اب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے خطاب ہو رہا ہے

جس میں انعامات خداوندیہ کا بھی ذکر ہے اور اولاد آدم کو تنبیہ بھی ہے کہ شیطان کی طرف سے چوکنے رہیں۔

اوّل تو اولادِ آدم کو اللہ جل شانہٗ نے اپنی ایک بہت بڑی نعمت یاد دلائی اور وہ نعمت لباس ہے' اس کو لفظ اَنْزَلْنَا سے تعبیر فرمایا' لباس کا مادہ روئی وغیرہ محض اللہ کا عطیہ ہے جیسے بحکم خداوندی آسمان سے بارش اترتی ہے ایسے ہی لباس کا مادہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے اگر وہ پیدا نہ فرمائے تو بندے کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر لباس کے دو فائدے بتائے اوّل یہ کہ وہ شرم کی جگہوں کو ڈھانکتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ لباس سے انسان کی زینت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ذریعے انسان حسین اور جمیل بن جاتا ہے۔

سورۂ نحل میں لباس کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسے کُرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ (علماء نے فرمایا ہے کہ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ جو فرمایا یہ بر سبیل کفایت ہے یعنی گرمی کا ذکر فرمادیا چونکہ سردی اس کی مقابل ہے اس لیئے ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کا تذکرہ بھی ہوگیا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سردی سے بچنے کا ذکر سورۂ نحل کے شروع میں فرمادیا ہے وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ٥ اسی لئے دوسری جگہ ذکر نہیں فرمایا۔ بہر حال لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس سے ستر بھی چھپتا ہے سردی گرمی سے بھی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ انسان حسین وجمیل بھی نظر آتا ہے۔ یہ لباس پہلے تو روئی اور اُون تک ہی منحصر تھا لیکن اب تو بہت سی چیزوں سے بنایا جاتا ہے۔ یہ سب اشیاء واجناس اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن سے لباس بھی بنایا جاتا ہے اور دوسرے کاموں میں بھی آتی ہیں۔ جسم چھپانے والے لباس کی نعمت کا ذکر فرمانے کے بعد ایک عظیم لباس کی طرف توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ اور تقویٰ کا لباس یہ بہتر چیز ہے۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے جو شخص گناہوں سے بچے اور اعمالِ صالحہ فرائض وواجبات کی بجا آوری کرے منکرات سے بچے۔ وہ شخص تقویٰ والا ہے انسان میں جتنے عیوب ہیں ان سے تقویٰ بچاتا ہے فواحش و منکرات سے دُور رکھتا ہے بے حیائی سے باز رکھتا ہے۔ جس میں تقویٰ ہوگا وہ ستر ڈھانکنے کی بھی کوشش کریگا اور جس میں تقویٰ نہیں وہ زینت کے لیے لباس پہنے گا لیکن سترِ عورت کا اس میں کوئی جذبہ نہ ہوگا اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن قوموں میں ایمان نہیں ان میں تقویٰ بھی نہیں تقویٰ نہیں تو ستر پوشی کا بھی اہتمام نہیں۔

حیاء انسان کا فطری تقاضا ہے: چونکہ تقویٰ ہی ستر پوشی کرواتا ہے اسلئے تقویٰ کے لباس کی اہمیت بیان فرمادی پہلے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ستر ڈھانکنا انسانیت کا فطری تقاضا ہے اسلیے تو حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے جب شجرہ ممنوعہ کھالیا اور ان کے جسم سے کپڑے گر گئے تو فوراً جنت کے پتے جوڑ کر ستر ڈھانکنے لگے حالانکہ دونوں آپس میں میاں

بیوی تھے شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ انسانوں کو فواحش ومنکرات میں مبتلا کرے اور ننگا پہناوا پہننے کی ترغیب دے اس نے ننگوں کے کلب کھلوا ہی دیے اور ایسے لباس رواج پا گئے جس میں عُریانی ہے اور جن اعضاء کو چھپانا چاہیے تھا ان کا اُبھار ہے۔ اگر کسی کی کسی ہوئی پتلون نہ ہو تو اس بات سے شرماتا ہے کہ اپنی سوسائٹی میں جاؤں گا تو لوگ یہ سوچیں گے کہ دیکھو یہ کیسا دقیانوسی ہے اس کا دھڑ ابھی ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ عورتوں کا عریاں لباس، چُست لباس اور باریک لباس اسی بے حیائی کا نتیجہ ہے جسے شیطان اور اس کے اہل کا رواج دینے پر کمر باندھے ہوئے ہیں۔

باریک لباس جس سے جسم نظر آئے اُس کا پہننا نہ پہننا برابر ہے جو مرد، عورت ایسا لباس پہنے وہ شرعاً ننگوں میں شمار ہے اور خاص کر عورتوں کے لئے اس بارے میں وعیدِ شدید وارد ہوئی ہے۔

ان عورتوں کے لئے وعید جو کپڑا پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں کی دو جماعتیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ میرے بعد ظاہر ہونگے) اول تو وہ لوگ جن کے پاس بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے اُن سے لوگوں کو مارا کریں گے۔ اور دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہونگی، مردوں کو مائل کرنے والی اور خود اُن کی طرف مائل ہونے والی ہونگی۔ ان کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ہوں گے جو جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اسکی خوشبو سونگھیں گی۔ (رواہ مسلم ص ۲۰۵)

اس حدیث میں ایسی عورتوں کے بارے میں پیش گوئی فرمائی جو کپڑے پہنے ہوئے ہونگی پھر بھی ننگی ہوں گی یعنی ایسے باریک کپڑے پہنے ہوئے ہونگی جس سے کپڑے پہننے کا فائدہ نہ ہو۔ اور ایسا چُست کپڑا جو بدن کی ساخت پر کس جائے یہ بھی ایک طرح سے ننگا پن ہے۔

عُریاں لباس کی مذمت: نیز بدن پر کپڑا ہوتے ہوئے ننگے ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور بدن کا بیشتر حصہ خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیاء عورتیں چھپاتی ہیں۔ بہت سی عورتیں یورپ اور امریکہ کی بے دین لیڈیوں کی تقلید میں ایسے لباس میں باہر آ جاتی ہیں جو عُریانی والا لباس ہوتا ہے۔ گھٹنوں تک فراک جس میں آستین بھی نہیں پنڈلیاں ننگی سر پر ڈوپٹہ نہیں اور فراک کا ایسا کاٹ کہ نصف کمر اور نصف سینہ کھلا ہوا ہوتا ہے یہ سب عُریانی ہے۔

قرآن مجید میں تو لباس کی صفت بتاتے ہوئے یوں فرمایا لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا یعنی ایسا لباس جو شرم کی جگہوں کو ڈھانک دے اور زینت ہو۔ اب تو ننگا ہونے کو زینت سمجھا جاتا ہے اور ننگے پہناوے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

قرآن پر ایمان لانے والے مرد اور عورتیں غور کریں کہ قرآن کیا بتاتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔

اسلام میں ستر کے ڈھانکنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ تنہائی میں بھی ننگا رہنے کی اجازت نہیں سُنن ترمذی میں

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ننگے ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ ایسے افراد ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی فرشتے) لہٰذا تم ان سے شرم کرو ان کا اکرام کرو۔ البتہ بیت الخلاء میں جانے کے وقت اور جب انسان اپنی بیوی کے پاس جائے اس وقت (بقدر ضرورت) برہنہ ہونے کی اجازت ہے۔ سُنن ترمذی میں یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی شرم کی جگہ کی حفاظت کر۔ اِلَّا یہ کہ اپنی بیوی یا مملوکہ (یعنی حلال باندی) سے استمتاع کے لئے استعمال کرے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص تنہائی میں ہو تو شرم کی جگہ کھولنے میں کیا حرج ہے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ کہ اس سے شرم کی جائے۔

مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے کتنا پردہ ہے اور عورت کا اپنے محرموں سے کتنا پردہ ہے۔ اور مرد کا اپنی محرم عورتوں سے کتنا پردہ ہے۔ یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکورہ ہیں۔ اور عورت کا نامحرموں سے پردہ ہے وہ تو سب کو معلوم ہی ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ کہ یہ لباس کا پیدا فرمانا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور کرم عمیم کا پتہ چلتا ہے لوگ اگر اس میں غور کریں تو اللہ کی نعمتوں کو پہچان سکتے ہیں اور نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اس کے بعد بنی آدم کو متنبہ فرمایا کہ شیطان کے بہکانے میں نہ آجانا ارشاد ہے۔

بنی آدم کو تنبیہ کہ شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے: یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ (اے بنی آدم! ہرگز شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے) کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ (جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا) یعنی ان سے ایسا کام کروادیا جو اُن کے جنت سے نکالے جانے کا سبب بن گیا۔ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا (وہ اتروار ہا تھا ان کا لباس تا کہ انہیں دکھادے ان کی شرم کی جگہیں) اس میں بنی آدم (اولاد آدم) کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ ہوشیار رہیں شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

شیاطین کی حرکتیں: پھر فرمایا اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ بے شک وہ اور اس کی جماعت تمہیں ایسے طور سے دیکھتی ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ شیاطین عموماً انسانوں کو نظر نہیں آتے وسوسے ڈالتے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں جو دشمن نظر نہ آئے اس سے بچاؤ مشکل ہوتا ہے اس لئے تنبیہ فرمائی کہ تم انہیں نہیں دیکھتے وہ تمہیں دیکھتے ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔

قال صاحب الروح ج۸ص۱۰۵ لان العدو اذا اتی من حیث لا یُریٰ کان اشد و اخوف (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں: اس لئے کہ دشمن جب اُن دیکھے میں آئے تو زیادہ شدید اور زیادہ خوفناک ہوتا ہے) شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور گناہ کراتا ہے اور کفر و شرک پر ڈالتا ہے اور اس کے علاوہ بھی اسکی بہت سی حرکتیں ہیں جن کا ذکر احادیث شریفہ میں آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اولاد آدم میں جو بچہ بھی پیدا

ہوتا ہے تولّد کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے اور وہ شیطان کے ہاتھ لگانے سے چیخ اٹھتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کے کہ وہ دونوں اس سے محفوظ رہے (رواہ البخاری ص ۴۸۸ ج ۱)

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قضاءِ حاجت کی جگہیں (شیاطین کے) حاضر ہونے کی جگہیں ہیں۔ اسلئے جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے جائے تو (اللہ تعالیٰ سے ان کلمات کے ساتھ) یوں دُعا مانگے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے ان کے مردوں سے اور عورتوں سے) (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۲)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان بیت الخلاء میں داخل ہو تو اس کی شرمگاہ اور شیاطین کی آنکھوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ (داخل ہونے سے پہلے) بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لے۔ (رواہ الترمذی وقال ہٰذا حدیث غریب واسنادُہٗ لیس بقوی)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضوء کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے اسلئے تم پانی کے (متعلق) وسوسہ ڈالنے والے سے بچو (سُنن ابن ماجہ ص ۳۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص سونے لگتا ہے تو شیطان اس کی گدّی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ لگاتے ہوئے لوری دیتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے سوجا۔ پس اگر وہ بیدار رہا اور بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر اس نے وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ خوش طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتا ہے ورنہ وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کی طبیعت گندی ہوتی ہے اور اس پر سستی چھائی ہوتی ہے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۱۵۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکر ہوا کہ وہ صبح تک سوتا رہا اور نماز کے لئے نہ اٹھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص ایسا ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۶۳)

شیطان کس پر قابو پاتا ہے: پھر فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے) اگر ایمان بالکل نہیں تو دوستی پکی ہے اور اگر ایمان ہے لیکن ساتھ ساتھ عصیان بھی ہے تو اسی حد تک شیطان کی دوستی بھی ہے رہے کامل مومن تو اُن سے شیطان کی دوستی نہیں ہے ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

سورۂ نحل میں فرمایا اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ (یقیناً ان لوگوں پر اس کا قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ

کرتے ہیں۔ اس کا قابو بس انہیں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرتے ہیں۔

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ

اور جب کوئی کام فحش کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس پر پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے آپ فرما دیجئے! کہ بے شک اللہ

بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۞ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ

فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔ آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور یہ

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۞ فَرِيقًا

کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ اور اس طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ اس عبادت کو اللہ ہی کے لئے خالص کرنے والے ہو۔ جیسا اس نے تمہیں شروع میں پیدا فرمایا اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے ایک جماعت

هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ

کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔ بلا شبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو

اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۞

دوست بنایا اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ بے شک وہ راہ راست پر ہیں

جاہلوں کی جہالت جو فحش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا ہے

تفسیر: شیطان کی تعلیم و تلبیس کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ حال تھا جو اوپر بیان فرمایا اور جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے پیرو نہیں ہیں ان کا اب بھی یہی حال ہے کہ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں، جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کام برا ہے تو وہ اپنی بدعملی اور بے حیائی کے جواز کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ اجی! ہمارے باپ دادے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کیا ہمارے باپ دادوں کو اچھے برے کی تمیز نہ تھی (اس کا جواب سورۂ مائدہ میں دیدیا گیا اور وہ یہ کہ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ کیا اپنے باپ دادوں کی اقتداء کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) اور ایسے منچلے بھی ہیں جو فحش کام کرتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے یہ کتنی بڑی ڈھٹائی ہے کہ برے کام کریں اور اللہ کے ذمہ لگا دیں کہ اس نے ان کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ (بے شک اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا) أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (کیا

تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) بلاسند اٹکل پچو باتیں کرتے ہو۔

پھر فرمایا قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھو) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے اپنی جہالت سے یوں کہا کہ اللہ نے ہمیں فحش کاموں کا حکم دیا پہلے تو سلبی طور پر ان کی تردید فرمائی کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا' پھر ایجابی طور پر ان کی تردید کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کو تو نہیں کرتے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کو کرتے ہو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بھی کرتے ہو۔ یہ سراپا گمراہی ہے۔ اب تم سُن لو کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کا حکم دیا ہے اوّل تو یوں فرمایا اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے ہر معاملہ میں انصاف کو سامنے رکھو۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو کیونکہ یہ بہت بڑی بے انصافی ہے کہ خالق و مالک قادر و رازق کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کر دیا جائے۔

انصاف میں سب احکام شرعیہ یعنی اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی دونوں باتیں داخل ہو گئیں لفظ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ہر طرح کے اخلاص کو شامل ہے غیر اللہ کی عبادت اخلاص فی العبادۃ کے خلاف ہے اور عبادت میں ریاکاری کرنا اخلاص فی رضا اللہ کے خلاف ہے غیر اللہ کی عبادت شرک جلی اور ریاکاری شرک خفی ہے۔

پھر فرمایا وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھو یعنی صرف معبود برحق ہی کی عبادت کرو۔ اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ مزید فرمایا وَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ یعنی اللہ کی اس طور پر عبادت کرو کہ عبادت کو اللہ ہی کے لیے خالص کرنے والے ہو اس میں بھی مضمون سابق مذکور ہے اور توحید فی العبادت کی تاکید ہے۔

پھر فرمایا كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۔ یعنی اس نے جس طرح تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تھا۔ اسی طرح تم دوبارہ لوٹ جاؤ گے۔ اس سے مشرکین کا یہ وسوسہ دور فرما دیا کہ اس دنیا میں رہیں گے اور مر جائیں گے آباؤ اجداد کے طریقے پر رہے تو کیا حرج ہے؟ انہیں بتا دیا کہ یہاں گ ہمیشہ رہنا نہیں ہے مرو گے پھر جیو گے اور کفر و شرک پر عذاب ہو گا۔

پھر فرمایا فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ کہ اللہ نے ایک جماعت کو ہدایت دی اور ایک جماعت ایسی ہے جس پر گمراہی مقرر ہو چکی ہے۔

پھر فرمایا اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (بلاشبہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنا لیا اور یہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں) اوّل تو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے پھر شیاطین کو دوست بنایا جن کا کام ہی گمراہ کرنے کا ہے پھر اپنے بارے میں یہ خیال کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ سب گمراہی در گمراہی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اے اولاد آدم! تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنی آرائش لے لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے مت بڑھو' بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ

آپ فرمادیجئے! اللہ نے اپنے بندوں کے لئے جو زینت نکالی ہے اور جو کھانے پینے کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں انہیں کس نے حرام قرار دیا آپ فرمادیجئے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

کہ یہ چیزیں دنیاوی زندگی میں اہل ایمان کے لئے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے لئے خالص ہوں گی۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کے لئے آیات بیان کرتے ہیں

يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

جو جانتے ہیں

بے حیائی کی مذمّت' اور طواف ونماز کے وقت سترِ عورت کا خصوصی حکم

تفسیر: مشرکین عرب طرح طرح کے شرکیہ عقائد وافعال اور بے شرمی کے اعمال میں مبتلا تھے اُن کی یہ بے شرمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ کعبہ شریف کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے مرد بھی ننگے اور عورتیں بھی ننگی۔ البتہ عورتیں یہ کرتی تھیں کہ اپنی شرم کی جگہ پر چھوٹا سا چیتھڑا لپیٹ لیتی تھیں اور طواف کرتے یوں کہتی ہوئی جاتی تھیں۔ **الیوم یبدو بعضه او کله وما بدا منه لا احله**

ان کی اس حرکت سے منع کرنے کے لئے آیت کریمہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور اس کے بعد والی آیت قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ نازل ہوئی۔ (رواہ مسلم عن ابن عباس)

علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن ص ۲۱ ج ۳ میں لکھا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس خیال خام میں مبتلا تھے کہ جن کپڑوں میں گناہ کئے ہیں اُن میں طواف کرنا صحیح نہیں اور بعض حضرات نے بتایا کہ یہ لوگ تفاؤلاً ایسا کرتے تھے کہ جیسے ہم کپڑوں سے ننگے ہو گئے اسی طرح سے ہمارے اوپر کوئی گناہ بھی باقی نہیں رہا۔ (شیطان اپنے لوگوں کو کیسی پٹی پڑھاتا ہے)

اسباب النزول للواحدی ص ۲۲۲ میں ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب نے اپنے دین میں یہ بات نکال رکھی تھی کہ منیٰ سے واپس ہو کر جب طواف کرتے تھے تو دونوں کپڑے اُتار کر رکھ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت شریفہ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ سے لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ تک آیت نازل فرمائی۔

لفظ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ کا عموم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طواف کے لئے مسجد میں جائیں (جو صرف مسجد حرام میں ہوتا ہے) یا نماز کے لئے جائیں (خواہ کسی بھی مسجد میں پڑھیں) تو لباس پہن کر جائیں۔ ستر عورت جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں اس کا اہتمام کرنا تو فرض ہی ہے (خواہ گھر میں نماز پڑھے) لیکن ستر عورت سے زیادہ جو لباس زینت کے لئے پہنا جاتا ہے اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

لباس زینت کا حکم: میلے کچیلے بدبودار کپڑے پہن کر نماز پڑھنے لگے تو یہ نماز کی شان کے خلاف ہے اسلئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو کپڑے پہن کر بازار میں اور احباب واصحاب میں جانے سے دل منقبض ہوتا ہو اور نفس اپنی بے آبروئی محسوس کرتا ہو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ستر عورت بھی ہو اور نظافت بھی ہو مرغوب لباس ہو (جو خلاف شرع نہ ہو) ایسے لباس میں نماز پڑھیں۔ لفظ زِيْنَتَكُمْ میں ان سب امور کی طرف اشارہ ہے۔

فضول خرچی کی ممانعت: پھر فرمایا وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اور کھاؤ اور پیو اور حد سے آگے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حد سے آگے بڑھنے میں فضول خرچی، خلاف شرع لباس پہننا، حرام چیزیں کھانا اور استعمال کرنا سب داخل ہے چونکہ مشرکین طواف کرتے وقت ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور اس وقت کپڑے پہننے کو گناہ سمجھتے تھے نیز انہوں نے اور بھی بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں جن کی کچھ تفصیل سورۂ انعام میں گذر چکی ہے اسلئے ان کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی (جس میں لباس بھی شامل ہے) اور اس کے علاوہ کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں پیدا فرمائیں ان کو کس نے حرام قرار دیا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کو تحلیل وتحریم کا اختیار ہے تم نے اپنی طرف سے تحریم کر کے اللہ کے قانون میں جو دخل دیا ہے یہ گمراہی کا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اہل ایمان کے لئے ہیں: پھر فرمایا قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ آپ فرما دیجئے کہ یہ طیبات اور پاکیزہ چیزیں جو اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہیں دنیاوی زندگی میں اصالۃً مومنین کے لئے ہیں گو کافر بھی ان کو استعمال کر لیتے ہیں اور قیامت کے دن خالص مومنین کے لئے ہوں گی۔ آخرت میں کافروں کے لئے اُنکا ذرا سا حصہ بھی نہیں ہے دنیا میں بھی نعمتوں کے حقدار اہل ایمان ہی ہیں ان کے طفیل میں کافر بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای ھی لھم بالاصالة لمزید کرامتھم علی اللہ تعالیٰ والکفرة وان شارکوھم فیھا فبالتبع فلا اشکال فی الاختصاص المستفاد من اللام وانتصاب

(خالصة) على الحال من الضمير المستتر في الجار و المجرور و العامل فيه متعلقه وقرأ نافع بالرفع على انه خبر بعد خبر اوهو الخبر وللذين متعلق به قدم لتاكيد الخلوص والاختصاص. (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں: یعنی ان کے لئے نعمتیں ہیں اصل کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مرتبہ کی وجہ سے اور کافر اگرچہ نعمتوں میں ان کے شریک ہیں مگر مومنوں کے تابع ہو کر لہٰذا لام سے مومنین کی جو خصوصیت معلوم ہوتی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور خالصۃً جار مجرور میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل اس کا متعلق ہے امام نافعؒ نے خالصۃٌ کو مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ دوسری خبر ہے یا یہ کہ خالصۃٌ خبر ہے)

اور بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی بتلایا ہے کہ دنیا میں جو نعمتیں ہیں اہل ایمان ان سے منتفع ہوتے ہیں لیکن ان میں کدورتیں ملی ہوئی ہیں دُکھ تکلیف اور رنج و غم بھی ساتھ لگا ہوا ہے آخرت میں ان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ خالص نعمتیں ہوں گی ان میں کسی قسم کی کدورت نہ ہوگی۔

قال صاحب معالم التنزيل ج۲ ص۱۵۷ فيه حذف تقديره هي للذين امنوا وللمشركين في الحيوة الدنيا فان اهل الشرك يشاركون المومنين في طيبٰت الدنيا وهي في الأخرة خالصة للمؤمنين لاحظ للمشركين فيها وقيل هي خالصة يوم القيامة من التنغيض والغم للمؤمنين فانها لهم في الدنيا مع التنغيض والغم. (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں حذف ہے تقدیر اس طرح ہے هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وللمُشركينَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ یہ نعمتیں دنیا کی زندگی میں مومنوں کے لئے بھی ہیں اور کافروں کے لئے بھی۔ کیونکہ دنیا میں تو مشرک بھی مومنوں کے ساتھ ان پاکیزہ نعمتوں میں شریک ہیں۔ اور وهي في الآخرة خالصة للمومنين اور وہ آخرت میں خالص مُومنین کیلئے مشرکین کا ان میں وہاں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا قیامت کے دن مومنین کے لئے یہ نعمتیں دکھ اور رنج سے خالی ہوں گی کیونکہ دنیا میں تو یہ نعمتیں دکھ اور رنج کے ساتھ ملتی ہیں)

درحقیقت کافر اس لائق نہیں ہے کہ کوئی بھی نعمت اُسے دی جائے اور کسی بھی نعمت سے منتفع ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بے حیثیت ہے اسلئے کافروں کو بھی دیدیتا ہے۔ حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی حیثیت رکھتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص۴۴۱)

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے فحش کاموں کو جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوئے ہوں۔ اور گناہ کو اور ظلم کو جو ناحق ہوتا ہے حرام قرار دیا ہے

وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اس بات کو حرام قرار دیا کہ اللہ کے ساتھ شرک کریں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی اور یہ بھی حرام قرار دیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

اور ہر اُمت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ سو جب انکی اَجل آ گئی تو اس سے ذرا دیر بھی پیچھے نہ ہٹیں گے اور مقدم بھی نہ ہونگے' اے اولادِ آدم!

اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں سو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی سو اُن پر کوئی خوف نہیں

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ

اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ

فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾
اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

اللہ تعالیٰ نے فحش کاموں اور ظاہری باطنی گناہوں کو حرام قرار دیا ہے

تفسیر: اوپر ارشاد فرمایا کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا پھر فرمایا کہ میرے رب نے انصاف کا حکم فرمایا ہے اس نے فواحش سے بچنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

یہاں بطور تاکید پھر اس مضمون کا اعادہ فرمایا جس میں قدرے تفصیل بھی آ رہی ہے ارشاد فرمایا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے فحش چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تمام فحش باتیں اور فحش کام حرام ہیں خواہ ظاہری طور ہوں خواہ پوشیدہ طور پر۔ ننگے ہو کر طواف کرنا' لوگوں کے سامنے ستر کھول کر آ جانا' عورتوں کو بے پردہ پھرانا' علانیہ طور پر فحش کام کرنا سب اسی مَا ظَهَرَ میں داخل ہے اور وَمَا بَطَنَ (خفیہ طور) میں وہ سب فحش کام اور فحش کلام داخل ہیں جو در پردہ پوشیدہ طور پر کئے جاتے ہیں۔ زنا اور اس کے دواعی جو چھپ کر ہوتے ہیں ان سب کے حرام ہونے کی تصریح ان لفظوں میں ہوگئی۔ (میاں بیوی والے تعلقات چونکہ حلال ہیں اسلئے فحش ممنوع میں داخل نہیں ہیں)

پھر فرمایا وَالْاِثْمَ اور اللہ نے گناہ کو بھی حرام قرار دیا اس میں ہر گناہ کی ممانعت آ گئی وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ اور اللہ نے ظلم و زیادتی کرنے کو حرام قرار دیا جو ناحق ہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ اور اللہ نے یہ بھی حرام قرر دیا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرو۔ جو لوگ شرک کرتے تھے وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کو حجت بناتے تھے اور بعض جہالت کے مارے یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک پہنچا دینگے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کہ یہ تمہارا شرک کرنا وہ چیز ہے جس کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی تمہارے پاس کوئی دلیل اور حجت اور سند نہیں۔ نیز فرمایا وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ اور اللہ نے یہ بھی حرام کیا کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے۔ چونکہ اپنے بُرے کاموں کے بارے میں یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ اللہ نے ہمیں ان کا حکم دیا اسلئے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنی جہالت سے جو باتیں اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب کرتے ہو یہ بھی اللہ نے حرام قرار دیا۔

ہر اُمت کے لئے ایک اجل مقرر ہے: پھر فرمایا وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (کہ ہر امت کے لئے ایک اجل مقرر ہے) سب ایک مُدّت مقررہ تک کھاتے پیتے رہیں گے اور جس امت پر عذاب آتا ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے۔

قال فی معالم التنزیل ج۲ ص ۱۸۵ مدة اکل وشرب وقال ابن عباس وعطاء والحسن یعنی وقتا لنزول العذاب بھم فاذا جاء اجلھم وانقطع اکلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون ای لا یقلعون (معالم التنزیل میں ہے یعنی ان کے کھانے پینے کی مدت مقرر ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں ان پر عذاب کے نازل ہونے کا وقت مراد ہے پس جب ان کا مقررہ وقت آئے گا اور ان کا رزق ختم ہو جائے گا تو نہ ایک گھڑی مؤخر ہوں گے نہ مقدم)

جب ان کی اَجَل آ پہنچے گی تو ذرا بھی دیر مؤخر نہ ہونگے اور مقدم ہونے کا تو موقع رہا ہی نہیں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب لوگوں نے عذاب کا سوال کیا یعنی یوں کہا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیجتا اور ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

بنی آدم کو خطاب کہ رسولوں کا اتباع کرنا: اس کے بعد پھر بنی آدم سے خطاب فرمایا اور مومنین اور کافرین کے انجام سے باخبر فرمایا' ارشاد ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو تمہارے سامنے میری آیات بیان کریں یعنی میرے فرائض اور احکام بتائیں (کما فسرہ ابن عباس) تو جن لوگوں کے پاس میرے رسول آئے اور انہوں نے ان کی بات مانی اور شرک اور کُفر سے بچے اور اپنے اعمال کو درست کیا تو (آخرت) میں ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے۔

کافروں' متکبروں کے لئے عذاب: وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے اعراض کیا اور ان کے قبول کرنے میں اپنی ہتک سمجھی اور اپنے کو بڑا سمجھا تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا جو فرمایا اس میں اُن کافروں کی شرارت نفس کا بیان ہے جو اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے اور اس کے احکام ماننے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور نہ ماننے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔

سورۂ والصافات میں فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (بلاشبہ ان کا یہ حال تھا کہ جب ان کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دی جاتی تھی تو تکبر کرتے تھے) اور سورۂ قیامہ میں فرمایا فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰى ۝ سو نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور منہ پھیر کر چل دیا پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا۔ بڑا بننے والوں کا تکبر نے ناس کھویا اور اُن کے متبعین کو بھی لے ڈوبا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ

سو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا لکھا ہوا حصہ مل جائے گا۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستادہ ان کی جان قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جواب میں کہیں گے کہ وہ سب

عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

ہم سے غائب ہو گئے اور اس وقت یہ لوگ اپنے بارے میں اقرار کرلیں گے کہ ہم کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ دوزخ میں ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو

مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا

جاؤ جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے تم سے پہلے ہو گذریں۔ جب ایک جماعت داخل ہوگی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ

جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ

میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں خوب زیادہ بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا

لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ

کہ سب ہی کا دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو اور جو پہلے لوگ تھے وہ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾

سو چکھ لو عذاب اپنے اعمال کے بدلہ میں

موت کے وقت کافروں کی بدحالی
اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ طرز تو سوال کا ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ ایسی لوگ ظلم میں سب ظالموں سے بڑھ کر ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ جو ان کا رزق مقدر ہے اور جو ان کی عمر مقرر ہے وہ تو اس دنیا میں ان کو مل جائیگی۔ ہاں موت کے وقت اور موت کے بعد ان کا بُرا حال ہوگا اور بُرا انجام ہوگا۔ موت کے وقت جو فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگیں گے ان سے سوال کریں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم اپنی حاجتوں کے لئے پکارتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس موقع پر مذکورہ سوال کا باعث یہ ہوسکتا ہے کہ اب تم دنیا سے جا رہے ہو موت آ رہی ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا کرتے تھے اس وقت تم انہیں کیوں نہیں پکارتے اگر وہ مدد کر سکتے ہیں تو تمہیں موت سے بچالیں۔ یہ سوال سرزنش کے لئے ہوگا۔ تاکہ موت کے وقت انہیں اپنے شرک اور کفر کی قباحت اور شناعت معلوم ہو جائے۔ وہ بے بسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ جن لوگوں کو ہم پکارا کرتے تھے۔ وہ سب غائب ہو گئے۔ اور ساتھ ہی وہ اقرار کریں گے۔ کہ واقعی ہم کافر تھے۔ اس طرح کا سوال قیامت کے دن بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ انعام (رکوع ۳) میں گذر چکا ہے برزخ کے عذاب میں مبتلا رہ کر

جب قیامت کے دن اٹھیں گے‘ اور سوال جواب و حساب و کتاب کے بعد کافروں کے بارے میں دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہوگا تو جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جاتے رہیں گے کچھ جماعتیں پہلے داخل ہوں گی اور کچھ بعد میں‘ جو لوگ بعد میں داخل ہوں گے ان سے اللہ کا فرمان ہوگا کہ تم سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی دوزخ کے عذاب میں ان کے ساتھی ہو جاؤ۔

اسی کو فرمایا قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ط پھر فرمایا كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا کہ جب ایک جماعت دوزخ میں جائے گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ دُنیا میں جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلق تھا۔ اور باہمی تعاون تھا وہ سب ختم ہو جائیگا۔ اور ہر بعد والی جماعت اپنی جیسی پہلی جماعت پر لعنت کریگی اور وہاں بُغض کی شان پیدا ہوگی۔

اور بعد میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہٰذا انہیں بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجئے۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ اُخْرٰهُمْ سے اتباع مراد لیے جائیں اور اُوْلٰهُمْ سے ان کے سردار مراد لیے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی مانا جائے کہ سرداران قوم دوزخ میں اپنی قوم سے پہلے جائیں گے۔ جیسا کہ معالم التنزیل اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور بعض حضرات نے اُخْرٰهُمْ سے نیچے درجے کے لوگ اور اُوْلٰهُمْ سے سردارانِ قوم مراد لیے ہیں۔ اور اس میں دخولِ نار کی اوّلیت اور اخرویت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ قول روح المعانی میں لکھا ہے۔

دنیا میں تو اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے پر چلتے تھے اللہ کی طرف سے جو ہدایت پہنچانے والے ہدایت کی طرف بلاتے تھے تو اُلٹا ان کو بُرا کہتے تھے اور اپنے بڑوں ہی کی باتوں پر چلتے تھے اور انہیں سے چپکے رہتے تھے اور جب آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو گمراہ کرنے والوں پر لعنت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کو ہمارے عذاب سے بڑھ کر خوب زیادہ ہونا چاہئیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ہر ایک کے لئے خوب زیادہ عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو جس قدر عذاب ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے کہا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر یہ عذاب ایک حالت پر نہیں رہیگا۔ بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ سورۂ نَحل میں فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ٥ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ فساد کرتے تھے)

فسر صاحب الجلالین الضعف بمعنی المضعف قال الشیخ الجمل فی حاشیتہ اشاریہ الیٰ ان

المراد بالضعف هنا تضعيف الشئ وزيادته الى ما ينتهي لا الضعف بمعنى مثل الشئى مرة واحدة (صاحب جلالین نے ضِعف کی تفسیر مُضعَف سے کی ہے شیخ جمل نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں ضِعف سے مراد کسی چیز کو بے انتہاء بڑھانا ہے صرف کسی چیز کا دوگنا مراد نہیں ہے)

اس میں یہ بات بھی آ گئی کہ جب دونوں ہی فریق کا عذاب بہت زیادہ ہے تو دوسروں کا عذاب دیکھ کر کیا تسلی ہو سکتی ہے جب خود بھی سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر فرمایا وَقَالَتْ اُولٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ کہ پہلے لوگ بعد والوں سے کہیں گے کہ جب سب کی سزا کا یہ حال ہے تو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہ ہوئی نہ عذاب کی تخفیف ہمارے لئے ہے نہ تمہارے لئے۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (سو تم اپنے اعمال کے بدلہ عذاب چکھ لو)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ

الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ

جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے۔ اور ہم ایسے ہی مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ کا

مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنے کا سامان ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں

مکذبین و متکبرین جنت میں نہ جا سکیں گے اُن کا اوڑھنا، بچھونا آگ کا ہوگا

تفسیر: پہلی آیت میں مکذبین یعنی آیات کے جھٹلانے والوں اور متکبرین یعنی آیات الٰہیہ کے ماننے سے تکبر کرنے والوں کے مردود ہونے کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

حدیث شریف میں مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مومن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آ جاتا ہے جب وہ اس روح کو لے لیتے ہیں تو ان کے پاس جو دوسرے فرشتے جنتی کفن اور جنتی خوشبو لئے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں اس کی روح کو نہیں چھوڑتے پھر وہ اسے جنتی کفن اور جنت کی خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف لے کر چل دیتے ہیں جب اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر ان کا گذر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا

جاتا تھا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔

اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے (اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو۔ اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے ان کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں اسکو لوٹا دوں گا۔ اور اسی سے اسکو دوبارہ نکالوں گا۔

چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے (اس کے بعد قبر میں جو سوال و جواب ہوگا اور صحیح جواب کے بعد قبر میں جو اس کا اکرام ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا) پھر کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رُخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل۔ ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کی جسم میں ادھر اُدھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اُون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اسکو زور سے کھینچا جائے) پھر اسکی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پل جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے۔ اور ان سے فوراً لے کر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو' وہ فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا بُرے سے بُرا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے لیکر قریب والے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ (ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے)

اس حدیث سے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ کا مطلب واضح ہوگیا کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے اور ان کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے۔

(مفصل حدیث مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ و ۱۴۳ پر مذکور ہے۔ ۱۲ منہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ کافروں کے اعمال اوپر نہیں اٹھائے جاتے اور نہ ان کی دعا اوپر اٹھائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۳ ج ۱)

پھر فرمایا وَلَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ (اور یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہوجائے)

یہ تعلیق بالمحال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہوسکتا ہے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوسکتے ہیں۔ حضرت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ ذلک مما لا یکون و کذامایتوقف علیه

مِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ (اوران کے ڈھانپنے والی چیزیں بھی دوزخ سے ہوں گی) یعنی ان کا اوڑھنا بچھونا سب آگ ہی آگ ہوگا۔

پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ (اور اس طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں) ظالموں سے کافر مراد ہیں کیونکہ کفر سب سے بڑا ظلم ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم کسی جان کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق' یہ لوگ جنت والے ہیں وہ
فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ۚ
اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ اُن کے سینوں میں کدورت ہو گی ہم اُسے نکال دیں گے۔
وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدۡ
اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں یہاں پہنچادیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا بلاشبہ ہمارے پاس
جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ الۡجَنَّةُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾
ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت ہے جو تمہیں دی گئی اُن اعمال کا بدلہ جو تم کیا کرتے تھے

اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری اور جنت میں داخل ہوکر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کی جزا کا ذکر فرمایا جو اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ درمیان میں بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ ہم کسی شخص کو ایسا حکم نہیں دیتے جو

اس کی قوت وطاقت سے باہر ہو جس شخص کو جو حکم دیا گیا وہ اسکو کرسکتا ہے۔

یہ مضمون پہلے بھی لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔ اہل جنت جن نعمتوں میں ہوں گے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ انکا ذکر ہے۔

یہاں ایک خاص نعمت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ دنیا میں اُن کے دِلوں میں جو تھوڑا بہت کینہ تھا اور جو کچھ کدورت تھی ان کے سینوں سے اسے باہر نکال دیا جائیگا۔ جنت کا ماحول بُغض، کینہ کپٹ لڑائی بھڑائی کو برداشت کرنے والا نہیں۔ جنت میں جانے والے سب میل محبت سے آمنے سامنے مسہریوں پر ہوں گے (کما قال تعالیٰ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ)

(صحیح بخاری ج۱ ص۴۶۰) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جو پہلی جماعت داخل ہوگی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔ پھر جو لوگ اُن کے بعد داخل ہوں گے ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی بہت روشن ستارہ ہو۔ ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے نہ ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوگا اور نہ آپس میں کچھ بغض ہوگا (یہ جو فرمایا کہ ان کے دل ایک ہی شخص کے دل پر ہوں گے اسی کا مطلب یہ ہے کہ انکے قلوب میں ایسی یگانگت ہوگی کہ گویا سب شخص واحد ہیں۔ ان کے درمیان باہمی کسی طرح کی کوئی رنجش نہ پائی جائیگی)

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مومنین دوزخ سے چھوٹ جائیں گے (یعنی پل صراط سے پار ہو جائیں گے) تو ان کو جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیا جائیگا اور آپس میں ایک دوسرے پر دنیا میں جو کوئی ظلم اور زیادتی ہوگئی تھی اس کا بدلہ دلا دیا جائے گا (تاکہ جنت میں رنجش اور کدورت کے ساتھ داخل نہ ہوں) یہاں تک کہ جب (حقوق کی ادائیگی سے) صاف ستھرے ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ہو جائے گی (یہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا) قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے یہ لوگ اپنے جنت والے گھر کو اس سے زیادہ پہچاننے والے ہوں گے جو ان کا گھر دنیا میں تھا۔ (رواہ البخاری ص۹۶۷)

اہل جنت کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ فرمانے کے بعد ان کے تشکر کا تذکرہ فرمایا کہ جنت میں جنتی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا)

دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی یہ اس کا فضل ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو کسی کو بھی ہدایت نہ ملتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی ہدایت کو دُخول جنت کا ذریعہ بنا دیا۔ اللہ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ پر جو اس کی دنیاوی واخروی عطائیں اور بخششیں ہیں یہ سب اُس کا فضل ہے۔ اہل جنت اسی فضل کا مذاکرہ کریں گے اور یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی

کہیں گے لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر ہمارے پاس آئے) ہم نے دُنیا میں ان کی تصدیق کی اور اب ان کی باتوں کا سچ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرمایا وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ندا دی جائے گی کہ یہ جنت تم کو ان اعمال کے بدلہ دی گئی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کی قدر دانی فرمائی اور تم کو جنت میں داخل فرمایا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ
اور جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ ہم نے حق پایا سو کیا تم نے بھی اسے حق پایا
مَّا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا ۖ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾
جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ فرمایا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں! پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کریگا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر
الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ کٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾
جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے تھے اور وہ لوگ آخرت کے منکر تھے

اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونیکا اعلان ہونا

تفسیر: اہل جنت دوزخیوں کو آواز دیں گے اور ان کو خطاب کرتے ہوئے یوں پکاریں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ایمان اور اعمال صالحہ پر جو عنایات اور مہربانی اور بخششوں کا وعدہ فرمایا تھا دنیا میں ہم نے بغیر دیکھے اس سب کی تصدیق کر دی تھی۔ آج ہم نے یہاں ان سب وعدوں کے مطابق انعامات پالئے جو وعدے ہم سے فرمائیں گئے تھے ان سب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب تم کہو کہ کفر پر جو تمہارے رب نے تم کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ وعیدوں سے آگاہ فرمایا تھا کیا وہ وعیدیں سچی نکلیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کفر کی سزا سے دنیا ہی میں باخبر فرما دیا تھا ان خبروں کو تم نے صحیح پایا؟

اس پر وہ لوگ جواب دیں گے "نَعَمْ" کہ ہاں! ہم نے ان سب باتوں کو صحیح پایا۔ واقعی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبریں دی تھیں وہ سب ٹھیک نکلیں۔ جب وہ لوگ اس کا اقرار کرلیں گے کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ سب سچ تھا ہم نے نہ مانا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس پر ایک پکارنے والا دونوں فریق کے درمیان کھڑے ہو کر یوں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے یعنی دین حق سے روکتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے

بھیجا تھا نہ خود قبول کرتے تھے۔ نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اور اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ بزعم خود اس میں کجی تلاش کرتے تھے یعنی ایسی باتیں ڈھونڈتے تھے جن کے ذریعہ دین حق میں عیب نکالیں اور اعتراض کریں۔

یہ لوگ نہ دین حق کو مانتے تھے نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گئے اُن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار پڑ گئی اور دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

یہ جو فرمایا کہ "وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا" کہ اللہ کے دین میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ انکی انتہائی ضد اور عناد کی ایک صورت بیان فرمائی۔ مشرکین مکہ ایسا ہی کرتے تھے دین اسلام پر طرح طرح کے اعتراض اٹھاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں سے واسطہ پڑا وہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سیدنا محمد رسول ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے اور ایسی ایسی باتیں نکالتے تھے جو حقیقت میں قابل اعتراض نہ تھیں لیکن انہیں بطور اعتراض عوام کے سامنے لاتے تھے تا کہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔

آج تک یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس کام میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام میں عیب نکالیں حتیٰ کہ وہ مشرک جو گائے کا پیشاب پیتے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو پوتر اور مسلمانوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ انہیں مسلمانوں کی پاکیزہ شریعت پاکیزہ زندگی پر اعتراض ہے اور اپنے پیشاب پینے سے ذرا بھی نفرت نہیں جن قوموں میں غسل جنابت نہیں وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان سے اچھا سمجھتی ہیں۔ اور جن قوموں میں زنا کاری عام ہے اور نکاح کرنا عیب ہے انہیں اسلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس میں تعدّد ازواج کی اجازت ہے یہ کیسی اُلٹی سمجھ ہے کہ دوستیاں تو جتنی چاہے رکھ لے لیکن ایک سے زیادہ بیویاں جو اللہ کی شریعت میں حلال ہے اس پر اعتراض ہے۔

یہود و نصاریٰ نے آجکل مستشرقین تیار کر رکھے ہیں یہ لوگ بظاہر اسلام علوم میں اپنا اشتغال رکھتے ہیں اور نادان مسلمان خوش ہیں کہ کافر ہمارا دین پڑھ رہے ہیں وہ لوگ قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ خود کافر ہیں بلکہ اہل اسلام جو اُن کے یہاں اسلامیات کی ڈگری لینے جاتے ہیں ان کو اسلامی عقائد میں مُذبذب کر کے مُرتد بنا دیتے ہیں ان سادہ لوح طلباء کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم دین اسلام سے خارج ہو گئے۔ مُستشرقین ان کو اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وسلم پر اعتراضات سُجھاتے اور سمجھاتے ہیں ان لوگوں کے پاس چونکہ علم نہیں ہوتا' علماء اسلام کی کتابوں اور صحبتوں سے محروم ہوتے ہیں اسلئے جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں اور خود بھی اسلام کے بارے میں بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ مستشرقین ایسے ایسے اعتراضات سجھاتے ہیں جن کے منہ توڑ جوابات دیئے جا چکے ہیں اور علمائے اسلام ان کو مناظروں میں شکست دیکر بارہا ذلیل کر چکے ہیں یہ لوگ اپنے دین کو باطل جانتے ہوئے اسی پر جمے ہوتے ہیں اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا .

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ

اور دونوں کے درمیان پردہ ہوگا اور اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو اس کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے اور وہ جنت والوں

الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ

کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اُمید کر رہے ہوں گے اور جب ان کی نظریں

تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ

دوزخ والوں کی طرف پھیر دی جائیں گی تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ساتھ شامل نہ فرمائیے۔ اور اعراف والے

رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ أَهَٰؤُلَاءِ

بہت سے آدمیوں کو پکاریں گے جنہیں وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارے کام نہ آئی تمہاری جماعت اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔ کیا وہ وہی لوگ ہیں

الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾

جن کے بارے میں تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائیگا انکو یوں حکم ہوگیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہوگے

اصحاب اعراف کا اہل جنت کو سلام
پیش کرنا اور اہل دوزخ کی سرزنش کرنا

تفسیر: اہل جنت اور اہل دوزخ دو جماعتیں ہوں گی اور ہر جماعت اپنے اپنے مقام اور مستقر پر ہوگی۔ ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ یہ پردہ ایک دیوار کی صورت میں ہوگا جس کو "وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ" سے تعبیر فرمایا۔ اس پردہ کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرنے کا موقع دیا جائیگا جس کا ذکر اوپر وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ میں ہوا۔ اور عنقریب ہی دوسری آیت میں دوزخیوں کا جنتیوں سے خطاب کرنے کا اور اُن سے پانی طلب کرنے کا ذکر آرہا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان کچھ جھروکے ہوں گے جن سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور بات کر سکیں گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ پردہ ایسا ہوگا جو جنت کا اثر اہل دوزخ کی طرف اور دوزخ کا اثر اہل جنت کی طرف نہیں پہنچنے دیگا۔ البتہ آپس میں ایک دوسرے کی آواز پہنچے گی۔

پھر اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ دیوار درمیان میں حائل ہوتے ہوئے آواز کیسے پہنچے گی تحریر فرماتے ہیں کہ "امور الأخرة لا تُقَاسُ بِامور الدنيا

(یعنی آخرت کی چیزیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کی جاتیں) یہ تو صاحب روح المعانی نے درست فرمایا لیکن اب تو دنیا میں بھی لاسلکی نظام نے یہ ثابت کر دیا کہ آواز پہنچے اور باتیں کرنے کے لئے درمیان میں کسی چیز کا حائل ہونا اور ایک دوسرے سے بعید ہونا مانع نہیں۔

ایک شخص ایشیاء میں بیٹھے ہوئے بے تکلف امریکہ کے کسی بھی فرد سے بات کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اعراف پر بہت سے لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو یعنی اہل جنت واہل نار کو ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ لفظ اَعْرَاف عُرف کی جمع ہے ہر چیز کی بلند حصے کو عرف کہا جاتا ہے۔

آیت بالا میں جس اعراف کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان جو دیوار ہو گی جسے حجاب سے تعبیر فرمایا ہے وہ اعراف ہو گی۔ آیت بالا میں اسکی تصریح ہے کہ اعراف میں بہت سے لوگ ہوں گے جو اہل جنت کو پہچانتے ہوں گے اور اہل دوزخ کو بھی۔ اور یہ پہچاننا ہر ایک کی علامتوں سے ہو گا۔ میدانِ حشر میں بھی اہل جنت اہل دوزخ سے ممتاز ہوں گے۔

اہل جنت کے چہرے سفید و روشن ہوں گے اور اہل دوزخ کے چہرے سیاہ ہونگے اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور جنت و دوزخ کے داخلہ کے بعد ہر فریق کی صورتوں کا ممتاز ہونا تو ظاہر ہی ہے اعراف والے اہل جنت کو اور اہل دوزخ کو ان کی نشانیوں سے پہچان لیں گے خود تو ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے البتہ اس کے امیدوار ہو رہے ہوں گے۔ کہ انہیں بھی جنت میں داخلہ نصیب ہو جائیگا۔

اسی طمع اور آرزو کے حال میں وہ جنت والوں سے خطاب کریں گے کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (تم پر سلام ہو) ان کا یہ کہنا بطور تحیہ یا بطور اخبار کے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تکلیفوں سے بچا دیا اور آئندہ بھی تکلیفوں سے محفوظ رہو گے۔

یہ اصحاب اعراف کون ہوں گے؟ اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے حضرات سلف سے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو نیکیوں کی وجہ سے پُل صراط سے گذر کر دوزخ سے تو بچ گئے لیکن ان کی نیکیاں اس قدر نہ تھیں کہ جنت میں داخلہ کا ذریعہ بن جائیں ان کو اعراف پر لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت و فضل سے انکو جنت میں داخل فرما دیں گے۔

اعراف والے حضرات اہل جنت سے بھی خطاب کریں گے (جس کا ذکر ابھی ہوا) اور اہل دوزخ سے بھی خطاب کریں گے، جب اہل دوزخ پر نظریں پڑیں گی تو ان کی بدحالی دیکھ کر اللہ پاک سے عرض کریں گے کہ اے اللہ! ہمیں ظالموں سے شمار نہ فرمانا یعنی دوزخ میں داخل نہ فرما۔ نیز یہ حضرات دوزخیوں میں ان لوگوں کو بھی دیکھیں گے جنہیں ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اہل کفر کے سردار تھے جنہیں اپنی جماعت پر گھمنڈ تھا اور تکبر کرتے تھے نہ دین حق

قبول کرتے تھے اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ اور اہل ایمان کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ ان کو اپنے طور پر حقیر جانتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہو ہی نہیں سکتی۔

اصحاب اعراف ان متکبروں سے کہیں گے کہ تمہاری جماعت نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا جن کے تم چودھری بنے ہوئے تھے اور جو کچھ تم تکبر کرتے تھے اس نے بھی تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا یہ لوگ (یعنی اہل ایمان) کیا وہی نہیں ہیں؟ جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں شامل نہ فرمائے گا۔ دیکھو! وہ کیسے کامیاب ہوئے انکو جنت میں داخلہ دیدیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی اور فرمایا۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ (جنت میں داخل ہو جاؤ) لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ (نہ تم پر اب کچھ خوف ہے نہ آئندہ تم کبھی رنجیدہ ہو گے) وہ تو اپنے ایمان کی وجہ سے کامیاب ہو گئے اور تمہارا تکبر تمہیں کھا گیا تم کفر پر اڑے رہے لہٰذا تمہیں دوزخ میں داخل ہونا پڑا۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ
اور دوزخ والے جنت والوں کو آوازیں دیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو یا ان نعمتوں میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہیں،
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ
وہ جواب میں کہیں گے کہ بلا شبہ اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے، جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنایا اور انہیں
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱
دنیا والی زندگی نے دھوکہ دیا، سو آج ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے،
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ هَلْ
اور ان میں شک نہیں کہ ہم نے انہیں ایسی کتاب دی ہے جسے علم کے مطابق کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔
يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ
یہ لوگ بس اس انتظار میں ہیں کہ اس کا انجام اُن کے سامنے آجائے۔ جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ کہیں گے جو اس کو پہلے بھول گئے تھے کہ ہمارے
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ
رب کے پیغمبر حق لے کر آئے سو کیا ہمارے لئے سفارش کرنے والے ہیں جو ہمارے لئے سفارش کریں یا ہم واپس لوٹا دیئے جائیں سو ہم اس عمل کے علاوہ عمل کریں
كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۵۳ ع
جو کیا کرتے تھے ان لوگوں نے اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا اور جو کچھ افتراء پردازی کیا کرتے تھے وہ سب بیکار چلی گئی

دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا

تفسیر: اہل جنت اور اہل اعراف جو دوزخیوں سے خطاب کریں گے گذشتہ آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس آیت میں اہل دوزخ کے خطاب کا ذکر ہے وہ اہلِ جنت سے اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے سوال کریں گے اور اُن سے اپنے لیے کچھ مانگیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہادو۔ یا دوسری چیزیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان میں سے کچھ ہماری طرف بھی بھیج دو۔ اہل جنت جواب دیں گے کہ جنت کا پانی اور جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ ہم تمہارا سوال کیسے پورا کر سکتے ہیں۔

کافروں نے اپنے دین کو (جو اللہ نے اُن کے لیے بھیجا تھا) لہو ولعب کھیل تماشا بنا دیا تھا اسکو قبول نہیں کرتے تھے اور اُلٹا اس کا مذاق بناتے تھے۔ دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا اسی کے لیے عمل کرتے رہے اور سب کچھ اسی کو سمجھتے رہے آخرت کیلئے فکرمند نہ ہوئے اور جس دین کے ذریعے آخرت میں نجات ہوتی اسے قبول کرنے سے دُور رہے۔

فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے یعنی ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے جو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جنکی طرف رحمت کے ساتھ بالکل توجہ نہ کی جائے اور جنہیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے چونکہ انہوں نے آج کے دن یعنی یومِ قیامت کو بھلا دیا تھا اور ہماری آیات کا انکار کرتے تھے اسلئے ان پر بالکل رحم نہ کیا جائے گا اور ان کی کوئی درخواست قبول نہ کی جائیگی اور ان کو دوزخ ہی میں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا جائیگا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اور ہم نے انہیں کتاب پہنچادی ہے یعنی قرآن مجید جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے خوب واضح طور پر بیان کر دیا۔ (سب ہی کے لیے ہے۔ لیکن) ہدایت و رحمت انہیں لوگوں کے لیے ہے جو اس کو سنکر ایمان لے آتے ہیں)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ (الآیۃ) قرآن مجید میں مومن بندوں کا ثواب بتایا ہے ان کو بشارتیں دی ہیں اور اہلِ کُفر کو عذاب سے ڈرایا ہے اور یومِ قیامت میں جو ان کو عذاب ہوگا اسکی وعیدیں سنائی ہیں۔ مومنین کے حق میں قرآن مجید کے بتائے ہوئے اعمالِ خیر کا نتیجہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن نجات پائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور کافروں کو جو قرآن مجید نے وعیدیں سنائی ہیں وہ ان وعیدوں کے مطابق اپنا انجام دیکھ لیں گے۔

اسی عاقبت اور انجام کو لفظ تَـاْوِیْـل سے تعبیر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور دعوتِ حق کو قبول نہیں کرتے ان کی حالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بس یہی انتظار ہے کہ قرآن نے کافروں کے بارے میں جو وعیدیں بتائی ہیں یعنی عذاب کی خبریں دی ہیں ان کے مطابق ان پر عذاب آ جائے۔ جب عذاب میں مُبتلا ہوں گے تو وہ لوگ جو قرآن کی دعوت کو بھولے ہوئے تھے اور ایمان سے منحرف تھے یوں کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر ہمارے پاس حق لے کر آئے تھے دنیا میں ہم نے حق قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے یہاں عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اب عذاب سے نکلنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہماری کوئی سفارش کر دے جس کی سفارش قبول ہو جائے اور ہم عذاب سے بچ جائیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں اور اب وہاں جا کر ان کاموں کے علاوہ دوسرے کام کریں جو گذشتہ زندگی میں کیا کرتے تھے۔ یعنی کُفر اور شرک کے عقائد اور اعمال سے پرہیز کریں۔ اور ایمان و ایمانیات میں مشغول ہوں۔

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (انہوں نے اپنی جانوں کو تباہ کر ڈالا) وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اور جو جھوٹی باتیں جھوٹے وعدے لئے پھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرتے تھے اور ان شرکاء کو بارگاہِ خداوندی میں شُفَعَاء یعنی سفارشی سمجھتے تھے۔ یہ سب غائب ہو جائیگا اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا۔

سورۂ فاطر میں ہے کہ جب دوزخ میں یہ درخواست کریں گے کہ اے رب! ہمیں دوزخ سے نکال دیجئے اب ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کریں گے جو اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں ارشاد ہوگا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے لہٰذا تم چکھ لو سو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں) چونکہ موت کے بعد برزخ سے اور میدانِ حشر سے دنیا میں واپس آنے کا قانون نہیں ہے اس لئے واپس نہیں ہو سکتے اور کافروں کو ابدالآباد تک عذاب چکھنا ہی ہوگا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ پھر عرش پر استواء فرمایا،

يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ

ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو رات اسے طلب کر لیتی ہے جلدی سے اور پیدا فرمایا چاند کو اور سورج کو اور ستاروں کو اس حال میں کہ اس کے حکم سے وہ مسخر ہیں خبردار!

الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

پیدا فرمانا اور حکم دینا اللہ ہی کے لئے خاص ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے

آسمان وزمین کی پیدائش، شمس وقمر اور ستاوروں کی تسخیر کا تذکرہ

تفسیر : یہاں سے پھر توحید کا بیان شروع ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو بندوں کے سامنے بڑی بڑی مخلوقات ہیں ان کی تخلیق اور تسخیر کا تذکرہ فرمایا۔ یہ چیزیں توحید کی نشانیاں ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

اللہ جل شانہٗ آنِ واحد میں ساری کائنات کو پیدا فرمانے پر قادر ہے پھر آسمان وزمین کو چھ دن میں کیوں پیدا فرمایا؟ ہمیں اسکی حکمت معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق کو تعلیم دینے کے لیے دفعتہً پیدا فرمانے کی بجائے چھ دن میں فرمایا تا کہ وہ سمجھ لیں کہ جب قادر مطلق نے چھ دن میں آسمان وزمین پیدا فرمائے حالانکہ وہ آنِ واحد میں دفعتہً پیدا فرما سکتا ہے تو مخلوق کے اپنے کام میں ضرور تدریج اور ترتیب کی ضرورت ہوگی۔

قال صاحب الروح وقال غير واحد ان فی خلقها مدرجًا مع قدرته سبحانه علٰی ابداعها دفعة دليل علی الاختيار واعتبار لِنُظّار (ج۸ص۱۳۳) وفيه ايضًا ان التعجيل فی الخلق ابلغ فی القدرة والتثبت ابلغ فی الحكمة فاراد الله تعالٰی اظهار حكمته فی خلق الاشياء بالتثبت كما اظهر قدرته فی خلق الاشياء بكُن (ج۸ص۱۳۴)
وفی معالم التنزيل (ج۲ص۱۶۴) قال سعيد بن جبير كان الله عزوجل قادرًا علی خلق السموٰت والارض فی لمحة ولحظة فخلقهن فی ستّة ايّام تعليما لخلقه التثبت وَالتأنی فی الامور وقد جاء فی الحديث: التأنی من الرحمٰن والعجلة من الشيطان.
(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: کئی حضرات نے کہا ہے اللہ کو ایک ہی دفعہ میں زمین وآسمان کو پیدا کرنے کی قدرت ہونے کے باوجود اس کا تدبیر سے پیدا کرنے میں کسی کام کو غور سے کرنے کی دلیل اور عقل والوں کے لئے عبرت ہے اور یہ بات بھی ہے کہ پیدائش میں جلدی وہ کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور تدبیر سے پیدا کرنا کمالِ حکمت کی دلیل ہے تو تدبیر سے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا مقصود اپنی حکمت کا اظہار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کُن کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کر کے اپنی قدرت ظاہر فرمائی۔ اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو ایک لمحہ اور ایک لحظہ میں پیدا کرنے پر قادر تھا۔ لیکن انہیں چھ دنوں میں پیدا کر کے اپنی مخلوق کو تدبیر کی تعلیم دی ہے اور معاملات میں غور وفکر کی تعلیم دی ہے اور حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ غور وتدبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے)

سورۂ فرقان (ع ۵) اور سورۂ حٰمٓ سجدہ (ع ۱) اور سورۂ قٓ (ع ۳) میں سَمٰوٰتِ اور ارض کے ساتھ وَمَا بَيْنَهُمَا بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اس کی تفصیل سورۂ حٰمٓ سجدہ (ع ۲) میں بیان فرمائی ہے وہاں ان شاء اللہ تعالیٰ اس بارے میں تفصیل سے لکھا جائیگا۔

یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دن تو سورج کی حرکت سے وجود میں آتا ہے اُس وقت نہ آسمان تھے نہ زمین تھی نہ سورج تھا تو چھ دن کا وجود کیسے ہُوا؟ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ سِتَّةِ اَيَّام سے مقدار ستہ ایام مراد ہے یعنی

چھ دن کی مقدار میں تخلیق فرمائی۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر عرش پر استواء فرمایا۔ اِستواء قائم ہونے کو اور عرش تختِ شاہی کو کہا جاتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو اپنے بارے میں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ فرمایا اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی فرمایا اس کو سمجھنے کے لئے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلفِ صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہٗ کی ذات و صفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا جو کچھ فرمایا ہے اس پر سب ایمان لائیں اور سمجھنے کے لئے کھوج کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف و صحیح ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے کسی نے اسْتَواءِ عَلَی العرش کا معنی پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استواء کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے باہر ہے اور ایمان اس پر لانا واجب ہے۔ اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اُسے اپنی مجلس سے نکلوا دیا۔ (معالم التنزیل ج۲ ص۱۶۵)

اس بارے میں سوال کرنے کو بدعت اسلئے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی آیات متشابہات تھیں لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں کیفیت اور حقیقت سمجھنے کے لئے کوئی سوال نہیں کیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے بھی ان امور کو واضح نہیں فرمایا۔ جس طرح وہ حضرات آیات متشابہات پر اجمالاً ایمان لے آئے اسی طرح بعد والوں کے لئے بھی اسی میں خیر ہے کہ بغیر سمجھے ہوئے ایمان لے آئیں۔

سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں گذر چکا ہے کہ جن کے دلوں میں زَیْغ یعنی کجی ہے وہ فتنہ تلاش کرنے کے لئے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ اور ان کا مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ط (الآیۃ)

پھر فرمایا یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ (اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر) یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ اسکو سورۂ زُمر میں یوں فرمایا یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ ط (وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے) اور یہ سب کے سامنے ہے اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ رات اور دن کے نظام کو بدل دے نیز فرمایا یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا (یعنی کہ رات جلدی جلدی چل کر دن کو طلب کر لیتی ہے) دن آناً فاناً گذرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ رات آ جاتی ہے اور دن غائب ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ط (یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند اور تمام ستاروں کو پیدا فرمایا اس حالت پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں اور اس کی مشیت و ارادہ کے مطابق چل رہے ہیں۔ ہزاروں سال

گذر گئے جو اُن کی رفتاریں مقرر فرمادیں اور جو کام ان کے ذمہ لگائے ہیں ان میں لگے ہوئے ہیں صرف خداوند قدوس کے حکم سے چلتے ہیں کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الٰہی ہی کی وجہ سے رواں اور دواں ہیں)

آسمان و زمین و شمس و قمر اور ستاروں کی تخلیق بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط (خبردار اللہ ہی کے لئے ہے پیدا فرمانا اور حکم دینا)

قال صاحب الروح (ج۸ص۱۳۸) وفسر بعضهم الامرهنا بالا رادة ایضًا وفسر اٰخرون الامر بما هو مقابل النهی والخلق بالمخلوق ای له تعالٰی المخلوقون لانهٗ خلقهم وله أن یامرهم بما اداد اهـ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں بعض نے تو اَمر کی تفسیر ارادہ سے بھی کی ہے اور دوسرے بعض نے نہی کے مقابلہ میں جو امر ہوتا ہے وہ مراد لیا ہے اور خلق کو مخلوق کے معنی میں لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی کی مخلوقات ہے کہ اسی نے انہیں پیدا کیا ہے اور اسی کو اپنے ارادہ کے مطابق انہیں حکم کرنے کا اختیار ہے) خالق ہونا اور حاکم ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے اس کے علاوہ کوئی نہ ادنیٰ چیز کو پیدا کرسکتا ہے اور نہ تکوینی اور تشریعی طور پر اس کے علاوہ کسی کو حکم دینے کا اختیار ہے

آخر میں فرمایا تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۵ (بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے)

صاحب معالم التنزیل ج۲ص۱۶۵ نے اولاً تو تبارک کا معنی تعالٰی اللہ وتعظم لکھا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت ہے) اور ایک قول یوں بھی لکھا کہ تَبٰرَكَ بمعنی تقدس ہے۔ پھر محققین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

معنی هذه الصفة ثبت و دَامَ بما لم یزل ولا یزال

(یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا) تمام اقوال کو سامنے رکھ کر لفظ تَبٰرَكَ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے باعظمت ہے ہر عیب سے پاک ہے وہ اپنی صفات عالیہ سے ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ اس کی ذات وصفات کو کبھی بھی زوال نہیں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ

تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور چپکے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو ناپسند فرماتا ہے جو حد سے آگے بڑھنے والے ہیں اور فساد نہ کرو زمین میں

اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾

اس کی اصلاح کے بعد اور پکارو اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور اُمید رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنیوالوں سے قریب ہے

دعا کرنے کے آداب

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور حاکمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرمایا کہ اسی کی طرف متوجہ رہو اسی کو پکارو اسی سے مانگو اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔ ساتھ ہی دُعا کا ادب بھی بتادیا اور وہ یہ کہ تضرع یعنی عاجزی کے ساتھ دعا کیا کرو دعا میں اپنی عاجزی اختیار کرو اور دل سے مانو کہ واقعی ہم عاجز ہیں نیز یہ بھی بتایا کہ چپکے چپکے دعا کرو۔ بعض مواقع میں زور

سے دعا کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ استسقاء اور قنوتِ نازلہ وغیرہ میں زور سے دعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن عام حالت میں چپکے چپکے ہی دعا کرنا چاہئے۔

سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا پوشیدہ طریقہ پر) بات یہ ہے کہ خفیہ دعا کرنے میں حضوری قلب کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ اگر زور سے دعا کی جائے تو اُونچی آواز کرنے کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اس میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا تھا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا ہمارا رب قریب ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس سے مُناجات کریں یعنی خفیہ طریقہ پر مانگیں۔ یا وہ دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں اس پر آیت کریمہ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (الآیۃ) نازل ہوئی (دُرِّ منثور ج ۱ ص ۱۹۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶) (میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے بارے میں جو گمان کرلے اور میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انا مع عبدی اذا ذکرنی و تحرکت بی شفتاه (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹) (میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور جب اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے ہوں)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہارا رب تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی تمہاری سواری والی اونٹنی کی گردن تم سے قریب ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری و مسلم)

پس جب اللہ جل شانہٗ بندوں سے اس قدر قریب ہے تو دعا میں چیخنے اور پکارنے کی ضرورت نہیں آہستہ دعا کریں اور دل لگا کر مانگیں۔

پھر ارشاد فرمایا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس میں عمومی طور پر تمام اعمال میں اعتداء اور اسراف اور حد سے آگے بڑھ جانے کی ممانعت فرمادی۔ یہ اعتداء حد سے بڑھ جانا دعا میں بھی ہوتا ہے۔

حضرات مفسرین نے بطور مثال کے لکھا ہے کہ دعا میں ایک اعتداء یہ ہے کہ (مثلاً) اپنے لئے یہ سوال کرے کہ مجھے جنت میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی منازل عطا کی جائیں۔ اگر گناہ کرنے یا قطع رحمی کی دعا کی جائے تو یہ بھی اعتداء کی ایک صورت ہے سُنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا اللّٰھُمَّ انی اسئلک القصر الابیض عن یمین الجنة (اے اللہ! میں آپ سے جنت کی

دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں) یہ سُن کر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ سے جنت کا سوال کر اور دوزخ سے پناہ مانگ (اپنی طرف سے سفید محل تجویز نہ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہور (وضو غسل وغیرہ میں) اور دعاء میں اعتداء یعنی زیادتی کریں گے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حدود شرعیہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی ممانعت بھی آیت کریمہ کے عموم الفاظ میں داخل ہے۔ نیکی تو بہت بڑی چیز ہے لیکن شرعاً اس کی بھی حدود مقرر ہیں کوئی شخص راتوں رات نماز پڑھے اپنی بیوی اور مہمانوں کی خبر نہ لے یا رات دن ذکر و تلاوت میں لگا رہے اور بیوی بچوں کی معاش کے لئے فکر مند نہ ہو اور ان کے لئے اتنی روزی نہ کمائے جس سے واجبات ادا ہوں یہ بھی اعتداء اور زیادتی ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اور زمین کی اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو) اس سے زمین کی ظاہری اصلاح اور باطنی اصلاح دونوں مراد ہوسکتی ہے۔ کھیتی اُگا دی اور اس میں طرح طرح کے فوائد رکھ دیئے اس کو خراب نہ کرو۔ اللہ کی پیدا فرمودہ چیزوں کو نہ اُجاڑ دو۔ اور ان سے انتفاع کی جو جائز صورتیں ہیں ان میں رخنہ پیدا نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان سے منتفع ہونے دو۔ اور باطنی اصلاح کے مُراد لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں دلائل سے حق کو واضح فرمایا اعمال صالحہ کا حکم دیا۔ اور بُرے کاموں سے منع فرمایا کثیر تعداد میں انسانوں نے ایمان قبول کیا اب اس سُدھار کو خراب نہ کرو ہدایت کی راہ اختیار کرو اسی پر خود رہو اور دوسری کو اسی پر رہنے دو مذکورہ بالا آیات سے چند آداب معلوم ہوئے۔

اوّل یہ کہ دعا میں زیادتی نہ کرو۔ دوم یہ کہ خفیہ طریقہ پر دعا کرو۔ اور سوم یہ کہ ڈرتے ہوئے دعا مانگو کہ ممکن ہے قبول نہ ہو۔ چہارم خوب للچاتے اور امید کرتے ہوئے دعا مانگو اور پانچواں ادب وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا سے معلوم ہوا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ فساد فی الارض جو تمام معاصی پر صادق آتا ہے اس سے بھی پرہیز کرو۔ کیونکہ فساد فی الارض بھی دعاؤں کی قبولیت کے روکنے کا ذریعہ ہے۔

صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۶ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جس کا سفر لمبا ہو بال بکھرے ہوئے ہوں۔ غبار سے اٹا ہوا ہو وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر یَا رَبِّ یَا رَبِّ کہتا ہے اور حال ہے کہ اس کا کھانا حرام ہو پینا حرام ہو اور لباس حرام ہو اور اسے حرام سے غذا دی گئی ہو۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔

پھر فرمایا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (بلاشبہ اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں سے قریب ہے) اس میں مطلقاً ہر اچھے کام کی فضیلت بتادی جتنے بھی اچھے کام ہیں وہ سب اللہ کی رحمت شامل حال ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اسی عموم میں دعا کا احسان بھی ہے۔ دُعا کے جو آداب بتائے ہوئے ہیں ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے اگر دعا کی جائے تو

اللہ کی رحمت نازل ہوگی اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ بن جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ

اور اللہ وہ ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس کو

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ

مردہ زمین کے لئے روانہ کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ پانی نازل کرتے ہیں۔ پھر ہم اس کے ذریعہ نکالتے ہیں ہر طرح کے پھلوں سے۔ اسی طرح ہم زندہ کریں گے مردوں کو تا کہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ

نصیحت حاصل کرو۔ اور جو اچھی زمین ہے اُس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو زمین خراب ہے اس کا سبزہ نہیں نکلتا مگر ناقص، ہم اس طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اُن لوگوں کے لئے طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں جو شکر گذار ہوتے ہیں

بارش اور اس کے ذریعہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں

تفسیر: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت یعنی بارش اور اس کے فوائد کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اسکی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں۔ جن میں پانی بھرا ہوا ہوتا ہے جو زمین بے آب و گیاہ ہوتی ہے اور سبزی کے اعتبار سے مردہ ہو چکی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو ایسی زمین کی طرف بھیج دیتا ہے وہاں بارش برستی ہے جس سے پانی جمع ہو جاتا ہے سبزہ نکل آتا ہے' کھیتوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں پھر اُن سے انسان اور جانور غذا پاتے ہیں اور منتفع ہوتے ہیں۔

بارش بنجر زمین پر بھی ہوتی ہے اور پہاڑوں پر بھی برستی ہے لیکن ایسی زمین کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا جس میں پانی برسنے کے بعد کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں' اور سبزیوں ترکاریوں کی پیداوار ہوتی ہے کیونکہ یہ انسان اور اس کے پالتو جانوروں کی معاش کا سبب ہے اور مومن' کافر سب ہی اس سے منتفع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب کو اپنا انعام یاد دلایا۔

زمین سے پھلوں کے نکالنے کا انعام ذکر فرمانے کے بعد كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى فرمایا'' کہ ہم اسی طرح مردوں کو نکالیں گے'' مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس سے درخت اور پھل پھول نکالے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کو زندہ کر کے زمین سے نکالیں گے۔

سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ ط اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب! تو زمین کو دیکھتا ہے کہ وہ دبی ہوئی ہے پھر جب ہم اُتارتے ہیں اس پر پانی تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور بڑھنے لگتی ہے بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہ مُردوں کو زندہ کردیگا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)

قیامت کے دن جب پہلا صُور پھونکا جائیگا اور لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بارش بھیج دیگا وہ شبنم کی طرح ہو گی اس سے لوگوں کے جسم اُگ جائیں گے پھر دوبارہ پھونکا جائیگا تو وہ سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۱ از مسلم)

آیت کے ختم پر لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ فرمایا جس میں نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہوائیں بھیجتا ہے جو بارش آنے کی خوش خبری دیتی ہے پھر یہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بھاری بادلوں کو مردہ زمین کی طرف لے جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں بارش برستی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو تو پانی سے بھرے ہوئے بادل گذرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور ضرورت کی جگہ ایک قطرہ بھی نہ برسے جب پانی برس جاتا ہے تو وہاں زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ سبزیاں کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ پھل اور میوے پیدا ہو جاتے ہیں انسان پر لازم ہے کہ اس سب کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے اور اس ذات پاک کی طرف متوجہ ہو جس کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی منکرین بعث کو بھی سمجھنے کی دعوت دی کہ وہ زمین سے مردوں کے نکلنے کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ نظروں کے سامنے دیکھ لیں کہ زمین بارہا مردہ ہوتی رہتی ہے اور زندہ ہوتی رہتی ہے۔ پھر فرمایا۔

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا (اور اچھی زمین کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب زمین ہے اس میں سے نہیں نکلتا مگر ناقص) نَکِدْ اس چیز کو کہتے ہیں جو بے فائدہ بھی ہو اور مقدار میں بھی کم ہو۔ بارش تو جگہ جگہ ہوتی ہے اچھی زمین پر بھی برستی ہے اور بنجر شور زمین پر بھی اس کا فیضان ہوتا ہے لیکن اچھی زمین بارش کی وجہ سے باغ و بہار بن جاتی ہے اور خراب زمین میں جو کوئی چیز پیدا ہو جاتی ہے بے فائدہ ہوتی ہے اور تھوڑی بھی ہوتی ہے (بے فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غذا کے کام نہیں آتی)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مومن کا دل طیب ہے پاکیزہ ہے اس کے سامنے جو اللہ کی ہدایتیں آتی ہیں اور جو قرآن کی آیات سنتا ہے وہ اس کے دل پر اثر کر جاتی ہے اور ان سے منتفع ہوتا ہے

اور اس کے دل میں خوبیوں اور خوشیوں کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

اور کافر کے پاس جب ہدایت پہنچتی ہے اور قرآن کی آیات سنتا ہے تو قبول نہیں کرتا اس کا دل خبیث ہے۔ ہدایت سے منتفع نہیں ہوتا ذرا بہت ہدایت کا خیال آتا ہے تو اسکو آگے نہیں بڑھنے دیتا۔

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ (یعنی ہم طرح طرح سے آیات بیان کرتے ہیں یہ ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو شکر گزار ہیں ارقدر شناس ہیں) بیان تو سب کے لئے ہوتا ہے لیکن نفع وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جنہیں اپنے خالق کی نعمتوں کی قدر دانی ہے۔ ان کے قلوب پاکیزہ ہیں خیر کو قبول کرتے ہیں۔ اور ظاہری باطنی نعمتوں کے لئے شکر گزار ہوتے ہیں۔

قال صاحب الروح (ج۸ص۱۴۸) لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ نعم الله تعالىٰ ومنها تصريف الأيات وشكر ذالك بالتفكر فيها والاعتبار بها وخص الشاكرين لانهم المنتفعون بذٰلك، وقال الطيبى ذكر لقوم يشكرون بعد لعلكم تذكرون من باب الترقى لان من تذكر الآء الله تعالىٰ عرف حق النعمة فشكرا ھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ان میں غور و فکر اور سبق آموزی سے کرتے ہیں اور شکر کرنے والوں کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ نفع اٹھانے والے وہی ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں تَذَكَّرُوْنَ کے بعد يَشْكُرُوْنَ فرمانا ترقی کے باب سے ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے گا تو وہی نعمت کا حق پہچان کر اس کا شکر بھی ادا کرے گا)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بے شک میں تم پر ایک

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ

بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم تجھے کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم!

لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ

میرے ساتھ کوئی گمراہی نہیں ہے لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارے خیر خواہی کرتا ہوں اور

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ

اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تم ہی میں سے ایک شخص کے پاس نصیحت کی باتیں آ گئیں تاکہ وہ تمہیں ڈرائے

وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ

اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ سو ہم نے اُسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دے دی اور ہم نے اُن لوگوں کو غرق کر دیا

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا

تفسیر : امت حاضرہ کی یاددہانی اور عبرت دلانے کے لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے اور ان کی امتوں کے واقعات ذکر فرمائے ہیں کہیں ایک ہی نبی کا تذکرہ فرمایا اور کہیں متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا۔ کہیں تذکرے مختصر ہیں کہیں مفصل ہیں۔

یہاں سورۂ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ و تذکیر اور ان کی امتوں کے انکار و تکذیب پھر اس پر ان کی سزا و تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے دشمن فرعون کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا۔

سورۂ ھود میں بھی اسی ترتیب سے ان حضرات کے واقعات ذکر فرمایا ہے پھر اسی ترتیب سے سورۂ شعراء میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے چونکہ عبرت دلانا مقصود ہے اسلئے یہ تکرار نہایت ہی مفید ہے منکرین کی یہ نادانی ہے کہ ان واقعات سے عبرت لینے کی بجائے یوں سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے جسے شفقت ہوتی ہے بار بار تنبیہ و تذکیر کرتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے غافل بندوں کی بار بار تذکیر فرمائی تو اس پر اعتراض کرنا جہالت وحماقت نہیں ہے تو کیا ہے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تذکیر و تبلیغ کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا واقعی اور حقیقی معبود کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے نام سورۂ نوح میں مذکورہ ہیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو آپس میں کہنے لگے لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور مت چھوڑو وَدّ کو اور سُواع کو اور یَغُوث کو اور یعُوق کو اور نسر کو) حضرت نوح علیہ السلام ان کے اندر ساڑھے نو سو سال رہے (جیسا کہ سورۂ عنکبوت کے دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے) اور ان لوگوں کی تفہیم و تذکیر میں کوئی کسر اُٹھا کر نہ رکھی۔ وہ لوگ بہت بُری طرح پیش آتے تھے طرح طرح کے طنز کرتے تھے اور اُن کے سردار اور چودھری ان باتوں میں پیش پیش تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو اور جو تمہارے ساتھ لگے ہیں وہ تو ہماری نظر میں گھٹیا قسم کے لوگ ہیں (سورۂ ھودؑ)

کبھی آپس میں یوں کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسا آدمی ہے یہ تم پر سرداری کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے

مقابلہ میں بڑا بن کر رہے (جیسا کہ سورۂ مومنون میں ہے یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ) نیز حضرت نوح علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو یہ لوگ کپڑے اوڑھ کر لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے (جیسے کہ سورۂ نوح میں مذکور ہے) اور نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے دُور بھاگتے تھے بلکہ اُلٹا انہیں گمراہ بتاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ میں گمراہ نہیں ہوں میں ربُّ العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے ان باتوں کا پتہ ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں تمہیں اس بات سے تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آ گئی اور اس کا واسطہ تم میں کا ایک شخص بن گیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس شخص کے واسطہ سے تمہارے پاس یہ نصیحت آئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پروردگار کے عذاب سے ڈرائے جو تکذیب کرنے والوں اور نافرمانوں کے لئے مقرر ہے۔ تم ڈرو اور کفر سے بچو اس میں تمہارے بھلائی ہے رب العالمین جل مجدہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں نے جو عذاب آنے کی بات سنی تو اُس کے ماننے کی بجائے یوں ہی ایک دھمکی سمجھی اور کہنے لگے کہ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو) ان کی تکذیب ضد اور عناد کے باعث پانی کا زبردست طوفان آیا' حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھی جو اہل ایمان تھے اور تعداد میں تھوڑے تھے اور کشتی میں سوار ہو گئے تھے وہ نجات پا گئے اور سب کافر غرق کر دیئے گئے۔

ان لوگوں نے ہدایت کو نہ مانا۔ نصیحت پر کان نہ دھرا۔ گمراہی کو ہی اختیار کیا اندھے بنے رہے۔ عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ کر ضد اور عناد پر تلے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا مفصل قصہ اِنْ شَآءَ اللہُ العزیز سورۂ ھود (ع۴) میں آئے گا۔

فائدہ: تفسیر دُرِّ منثور ج ۱ ص ۲۱۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرنیں تھیں (ہر قرن سو سال کی ہوتی ہے) اور یہ قرونِ سابقہ سب ملت اسلام پر تھیں بعد میں اختلاف ہوا۔ اور کفر و شرک کی راہیں لوگوں نے اختیار کر لیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت پہلی امت ہے جس نے کفر اختیار کیا اور بُت پرستی شروع کی۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا جواب میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تجھے بے قوفی میں دیکھ رہے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ

ہود نے کہا اے میری قوم! مجھ میں بے وقوفی نہیں ہے لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے

وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ

اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں امانت دار ہوں کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی تم ہی میں سے ایک شخص کے واسطہ سے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً

اور یاد کرو جبکہ اُس نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنا دیا۔ اور جسمانی طور پر تمہارے ڈیل ڈول میں پھیلاؤ زیادہ کر دیا

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ

لہٰذا تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اسلئے آیا ہے کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور

مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ

ہمارے باپ دادا جس کی عبادت کرتے تھے اُسے چھوڑ دیں۔ سو ہمارے پاس وہ چیز لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا

عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود سے تجویز کر لئے ہیں۔

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی سو تم انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم نے ہود کو اور اُن لوگوں کو

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دیدی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ لوگ ایمان والے نہ تھے

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے قوم عاد بڑی قوت وطاقت والی تھی۔ یہ لوگ بڑے قد آور تھے ان کا ڈیل ڈول بھی بڑا تھا۔ ان کے بارے میں سورۂ فجر میں فرمایا اَلَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (ان جیسی قوم شہریوں میں پیدا نہیں کی گئی) عاد ایک شخص تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں پشت میں سے تھا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل قوم عاد کے نام سے مشہور ہوگئی۔ حضرت ہود علیہ السلام جو اسی نسل میں سے تھے وہ ان کی طرف مبعوث ہوئے قوم عاد کو اپنی قوت بازو اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ہود علیہ السلام نے اُن کو توحید کی دعوت دی

اور عذاب سے ڈرایا تو وہ اپنی قوت اور طاقت جتلانے لگے اور کہنے لگے کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط (کہ ہم سے طاقت کے اعتبار سے زیادہ سخت کون ہے) ان کو خالق کائنات جَلّ مجدہٗ کی طاقت پر نظر نہ تھی اسی لئے ایسے بے ہودہ الفاظ کہہ گئے ان کے جواب میں فرمایا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے) (سورۂ حٰمٓ سجدہ ع ۲) ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ نے تمہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اس دنیا میں بسا دیا۔ اور تمہیں بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرمادیا اس نے تمہیں چوپائے دیئے بیٹے عطا فرمائے باغات دیئے چشمے دیئے۔ (اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ) تم کفر سے باز آؤ ورنہ تم پر بڑا عذاب آجائے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے انکو یہ بھی سمجھایا کہ تم نے جو معبود تجویز کر رکھے ہیں اور ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں یہ سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں تم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو' خود ہی معبود تجویز کرتے ہو۔ خود ہی ان کے نام رکھتے ہو اور خود ہی ان کی طرف تصرفات کی نسبت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی دین اور عقیدہ قابل قبول ہے جو اُس کی طرف سے اس کے رسولوں نے بتایا ہو۔ چونکہ ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام کی باتوں پر اعتماد نہ تھا اور اُن کو سچا نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہا کہ تم بے وقوف ہو اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں ہمارے معبودوں نے تم پر کچھ کر دیا ہے اسی لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو (اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ط) اور کہنے لگے کہ تمہارے وعظ سے ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں (سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ) جب انہوں نے تکذیب کی اور یوں بھی کہا کہ عذاب لاکر دکھاؤ۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تو تم پر اللہ کا عذاب اور غصہ نازل ہو ہی چکا۔ یعنی اس کے آنے میں دیر نہیں ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں پھر جب اللہ کا عذاب آیا تو حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھ (جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا) سب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور باقی پوری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا سورہ حٰمٓ سجدہ' سورۂ احقاف' سورۂ ذاریات' سورۂ حاقّہ اور سورۂ قمر میں اس کا ذکر ہے۔

سورہ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ اور سورۂ قمر میں فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۙ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ

اور سورۂ حاقّہ میں فرمایا وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ

حُسُوۡمًا فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيۡهَا صَرۡعٰى كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ (اور لیکن عاد سو وہ ہلاک کئے گئے ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ، اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگاتار مسخر فرما دیا۔ اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے، کیا تو اُن میں دیکھتا ہے کہ کوئی باقی رہا)

سورۂ ذاریات میں فرمایا وَفِىۡ عَادٍ اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الرِّيۡحَ الۡعَقِيۡمَ ۚ مَا تَذَرُ مِنۡ شَىۡءٍ اَتَتۡ عَلَيۡهِ اِلَّا جَعَلَتۡهُ كَالرَّمِيۡمِ ؕ (اور قوم عاد میں عبرت ہے جبکہ ہم نے بھیجی ان پر ایسی ہوا جو بانجھ تھی یعنی خیر سے بالکل خالی تھی وہ جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چُورا ہو)

سورۂ احقاف میں ہے کہ جب ان لوگوں پر عذاب آنا شروع ہُوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف بادل آرہا ہے (وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (برسنے والا بادل کہاں تھا) بلکہ وہ تو عذاب ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے۔ وہ تو ہَوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو سزا دیتے ہیں۔ (یہ سورۂ احقاف کی آیات کا ترجمہ ہے ۱۲)

عناصر اربعہ آگ، خاک، آب و ہوا سب اللہ کے مامور ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کے لئے نفع یا ضرر کا ذریعہ بن جاتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نُصِرۡتُ بِالصَّبَا وَ اُهۡلِكَتۡ عَادٌ بِالدُّبُوۡرِ (کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد دبور کے ذریعے ہلاک کی گئی) (رواہ البخاری ص ۱۴۱ ج ۱) صَبا وہ ہوا ہے جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور دَبُور وہ ہوا ہے جو مغرب سے مشرق کو چلتی ہے۔

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر جب مختلف قبائل اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ آئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا بھیجی جس نے دشمن کے خیمے اُکھاڑ دیئے اور ان کے چولہے اُلٹ دیئے اور انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

حدیث بالا میں اسی کا تذکرہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو اُن کی وادیوں کی طرف آرہا تھا کہ یہ بادل بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانیوالا بادل نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو اُن پر نازل ہوا (رواہ مسلم ج ۱ ص ۲۹۴، ۲۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی چیز ہے وہ رحمت لاتی ہے اور عذاب بھی لاتی ہے لہٰذا تم اسے بُرا نہ کہو۔ اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ مانگو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۰ از ابی داؤد و ابن ماجہ)

وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے نشانی ہے سو تم اُسے اللہ کی زمین میں چھوڑے رکھو کھاتی پھرا کرے۔ اور اسکو

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٧٣ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ

بُرائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگاؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا' اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد زمین میں رہنے کا ٹھکانہ دے دیا۔

فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ

تم اس زمین کے نرم حصہ میں محلات بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝٧٤ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ

اور زمین میں فساد مت کرو۔ ان کی قوم کے جو متکبر سردار تھے انہوں نے

اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ

ضعیفوں سے کہا جو اُن میں سے ایمان لائے تھے کیا تم اس بات کا یقین کرتے ہو کہ صالح اس کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا بیشک جو کچھ

اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝٧٥ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝٧٦ فَعَقَرُوا

اُن کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ متکبر سرداروں نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔ سو انہوں نے اونٹنی کو

النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٧٧

کاٹ ڈالا اور اپنے رب کا حکم ماننے سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ لے آؤ۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝٧٨ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

سو اُن کو پکڑ لیا زلزلہ نے۔ سو وہ اوندھے منہ ہو کر اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے۔ پھر صالح نے اُن سے منہ موڑا۔ اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝٧٩

میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور تمہارے خیر خواہی کی۔ لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت صالح علیہ السلام جس قوم کی طرف وہ مبعوث ہوئے وہ قوم ثمود تھی۔ عاد اور ثمود دونوں ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں دو شخصوں کے نام تھے۔ بنو عاد قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود قوم ثمود کے نام سے معروف و موسوم

ہوئے۔قوم ثمود عرب کے شمال مغرب میں رہتے تھے ان کے مرکزی شہر کا نام حجر تھا۔جس کو سورۂ حجر کے چھٹے رکوع میں بیان فرمایا ہے۔قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بسے اور پھلے پھولے۔یہ لوگ بھی قوت اور طاقت والے تھے زمین پر بڑے بڑے مکانات بناتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر اپنے لئے گھر بنا لیتے تھے جس کو تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُھُوْلِھَا قُصُوْرًا وَتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ط میں بیان فرمایا ہے۔ان لوگوں کے تراشے ہوئے پہاڑ اور پہاڑوں کے اندر بنائے ہوئے گھر آج تک موجود ہیں۔جو مدائن صالح کے نام سے معروف و مشہور ہیں اور شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے (جو انہی کی قوم میں سے تھے) ان کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی۔اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو بے تکے جواب دیئے سورۂ قمر میں ہے کہ وہ یوں کہنے لگے اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُہٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ءَ اُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْہِمْ مِنْ بَیْنِنَا ط بَلْ ھُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ ط (کیا ایسے ایک شخص کا ہم اتباع کرلیں جو ہمیں میں سے ہے اگر ہم ایسا کرلیں تو کھلی گمراہی میں اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے کیا ہم سب کے درمیان سے اس پر نصیحت نازل کی گئی؟ ایسا نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی بگھارتا ہے)

سورۂ ہود میں فرمایا کہ جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو توحید کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ (اے صالح اس سے پہلے تم ہمارے اندر بڑے ہونہار تھے) تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اَتَنْھٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ مُرِیْبٍ (کیا تو ہم کو اس سے منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو اس میں شبہ ہے جس کی طرف تو ہمیں بُلاتا ہے یہ شُبہ تردد میں ڈالنے والا ہے)

حضرت صالح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ زیادہ تر دُنیاوی اعتبار سے کمزور تھے۔(عام طور پر یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت پر اوّلاً وہی لوگ لبیک کہتے ہیں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے کے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں) ان کی قوم میں جو بڑے لوگ تھے یعنی دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے اُنہوں نے غریب مسلمانوں سے کہا کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں انہوں نے جواب میں کہا۔

اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ (کہ بلاشبہ ہم تو اس پر ایمان لائے جو وہ لیکر بھیجے گئے) متکبرین نے کہا کہ ہم تو اس کو نہیں مانتے اور جس پر تم ایمان لے آئے ہم اس کے منکر ہیں یہ تکبر اور دنیا کی چودھراہٹ اور بڑائی ہمیشہ بڑا بننے والوں کا ناس کھودیتی ہے۔اور حق کو قبول کرنے سے باز رکھتی ہے۔

قوم ثمود کے لوگ بھی بڑے ضدی تھے کہنے لگے کہ ہم تو جب جانیں جب تم پہاڑ میں سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔اگر پہاڑ میں سے اونٹنی نکل آئی تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے نبی ہو۔ان کو ہر چند سمجھایا کہ دیکھو اپنے مُنہ سے مانگا ہوا معجزہ فیصلہ کُن ہوتا ہے اگر اونٹنی تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے نکل آئی اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ پھر جلدی ہی عذاب آجائے گا۔

وہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور یہی مطالبہ کرتے رہے کہ اونٹنی پہاڑ سے نکال کر دکھاؤ۔ اگر اونٹنی پہاڑ سے نکل آئی تو ہم ایمان لے آئیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسی وقت ایک پہاڑی پھٹ گئی اور اُس کے اندر سے اونٹنی نکل آئی۔

یہ ماجرا دیکھ کر جندع بن عمرو (جو ثمود کا سردار تھا) اور اس کے ساتھ تھوڑے سے اور لوگ مسلمان ہو گئے۔ قوم کے جو بڑے لوگ تھے انہوں نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن اُن کے بتوں کے جو پجاری تھے انہوں نے ایمان نہ لانے دیا۔ اب تو منہ مانگا معجزہ سامنے آ گیا یہ معجزہ کیا تھا نَاقَةُ اللّٰهِ یعنی اللہ کی اُونٹنی تھی اُسے ''ناقۃ اللہ'' فرمایا جیسے کعبۃ اللہ کو ''بیت اللہ'' کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ مالک حقیقی سبھی کا اللہ تعالیٰ ہے اور بعض چیزوں کے مجازی مالک بھی ہیں اور اس اونٹنی کا کوئی مالک مجازی نہ تھا اسلئے ناقۃ اللہ فرمایا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اسکو ناقۃ اللہ اسلئے فرمایا کہ وہ قوم صالح پر اللہ کی حجت تھی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اونٹنی جب پہاڑ سے نکلی اس کے ساتھ ہی اس کا بچہ بھی نمودار ہوا تھا جب اونٹنی کو قتل کر دیا گیا (جس کا ذکر آگے آتا ہے) تو اس بچہ نے تین بار آواز نکالی پھر ایک اُونچے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ چونکہ یہ اونٹنی دیگر اونٹنیوں جیسی نہ تھی اسلئے اس کا کھانا اور پینا بھی دوسری اونٹنیوں سے مختلف تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: نَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ (اسے چھوڑے رکھو تا کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پیتی رہے) وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اور اُسے بُرے خیال سے مت چھوؤ ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا) نیز انہوں نے ان سے یہ بھی فرمایا لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اس لئے پانی پینے کا حصہ مقرر ہے اور تمہارے لئے ایک مقررہ دن کا پینا ہے) یہ اونٹنی جنگلوں میں چلتی پھرتی تھی ایک دن چھوڑ کر پانی پیتی تھی جب یہ پانی پینے لگتی تھی تو کنویں میں سر لٹکا کر سارا پانی پی جاتی تھی۔

ان لوگوں کو یہ بات کھلی اور چونکہ اس اونٹنی کی وجہ سے ان کے مویشی خوف زدہ ہو کر دور دور بھاگ جاتے تھے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو اونٹنی کا وجود ناگوار ہوا ان میں دو عورتیں زیادہ مالدار تھیں جن کے بہت مویشی تھے انہوں نے قوم میں سے دو آدمیوں کو اونٹنی کے قتل کر دینے پر آمادہ کیا۔ یہ دونوں آدمی جن میں ایک کا نام مصدع اور دوسرے کا نام قدار تھا چھپ کر بیٹھ گئے جب اونٹنی ادھر سے گذری تو مصدع نے اس کی پنڈلی میں تیر مارا پھر قدار نے اسکو ذبح کر دیا بستی کے لوگ نکلے اور اُس کا گوشت تقسیم کر لیا جب وہ ایسی حرکت کرنے کو نکلے تھے تو حضرت صالح علیہ السلام نے انکو متنبہ کر دیا تھا کہ ایسا نہ کرو۔

سورۂ والشمس میں فرمایا اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا (جب اُٹھ کھڑا ہوا اُن کا سب سے بڑا بد بخت سو اُن سے اللہ کے رسول نے کہا کہ خبردار اللہ کی اونٹنی! اور اُس کے پانی پینے کے بارے میں اپنی جانوں کو بچا کر رکھو) ان لوگوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اونٹنی کو مار ہی ڈالا' جب انہوں نے ایسا کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (کہ تم لوگ اپنے گھروں میں

تین دن فائدہ اٹھالو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں) جب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا تین دن کے بعد عذاب آ جائیگا تو اُن کا مذاق بنانے لگے۔

وہ کہتے تھے کہ یٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ (کہ اے صالح وہ عذاب لے آ ؤ جس کا تم وعدہ کرتے ہو اگر تم پیغمبروں میں سے ہو) وہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے درپے بھی ہوئے جس کا ذکر سورۂ نمل میں فرمایا ہے۔ قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهۡلَهٗ (الآیۃ)

عذاب تو آنا ہی تھا پہلے دن ان کے چہرے پیلے ہوگئے دوسرے دن سُرخ ہوگئے تیسرے دن سیاہ ہوگئے۔ اور چوتھے دن ان پر عذاب آ گیا۔ (از تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۷ تا ص ۲۲۹ ج ۲۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۳۴ تا ص ۱۳۷ جلد نمبر ۱)

سورۂ اعراف میں فرمایا فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ (اُن کو پکڑ لیا سخت زلزلہ نے لہٰذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے)

اور سورۂ ھود میں فرمایا وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۝ كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَا۟ كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّـثَمُوۡدَ (اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اُوندھے پڑے ہوئے رہ گئے جیسے ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ خبردار ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی خبردار دوری ہے ثمود کے لئے)۔

دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود پر دونوں طرح کا عذاب آیا زلزلہ بھی آیا اور چیخ بھی حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ زلزلہ نیچے سے آیا اور چیخ کی آواز انہوں نے اُوپر سے سنی اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ زلزلہ سے جب زمین پھٹتی ہے تو اس سے آواز ہے اور یہ آواز بھیانک ہوتی ہے جس کی وجہ سے سننے والوں کے دل لرز جاتے ہیں اور ہوش کھو بیٹھتے ہیں اسلئے زلزلہ کو صَيۡحَةٌ (یعنی چیخ) سے تعبیر کیا۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بھی قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا ذکر ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝ (اور جو ثمود تھے ہم نے اُن کو راستہ بتلایا سو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ گمراہی کو پسند کیا پس ان کو عذاب نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا)

اس آیت میں ثمود کے عذاب کو صٰعِقَةُ الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ سے تعبیر فرمایا۔ لفظ صاعقہ ایسی سخت آواز کے لئے بولا جاتا ہے جو اوپر سے سُنائی دے۔

امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ اس سے کبھی آگ پیدا ہوتی ہے۔ کبھی یہ عذاب بن کر آتی ہے اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا اس کو تینوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اھ چونکہ قوم ثمود کی ہلاکت رجفہ یعنی زلزلہ اور چیخ کے ذریعہ ہوئی تھی اسلئے سورہ حٰم سجدہ میں جو لفظ صاعقہ وارد ہوا ہے بعض حضرات نے اسے مطلق عذاب کے معنی

میں لیا ہے لیکن اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے کہ رجفہ، صیحہ، صاعقہ (اوپر سے سنائی دینے والی سخت آواز) تینوں طرح کا عذاب آیا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج۲ ص ۱۳۶ میں لکھا ہے کہ قوم ثمود پوری قوم عذاب میں ہلاک ہو گئی۔ البتہ ان میں ایک عورت تھی جس کا نام کلبہ تھا وہ حضرت صالح علیہ السلام سے بہت زیادہ عداوت رکھتی تھی اس نے جب عذاب دیکھا تو وہاں سے تیزی سے دوڑی اور عرب کے ایک قبیلہ کو جا کر خبر دی اور ان لوگوں سے پانی طلب کیا پھر پانی پی کر مر گئی۔ پھر ص ۱۳۷ پر بحوالہ مصنف عبدالرزاق 'ابو رغال' کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ابو رغال کی قبر پر گذرے اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا یہ ابو رغال کی قبر ہے یہ شخص قوم ثمود میں تھا جب ان لوگوں پر عذاب آیا تو یہ شخص حرم مکہ میں تھا حرم میں ہونے کی وجہ سے اس پر عذاب نہ آیا جب حرم سے باہر آیا تو یہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو کر مر گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا اور اسے یہاں دفن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ سونے کی ایک ٹہنی بھی دفن کی گئی۔ حضرات صحابہؓ سواریوں سے اُترے اور جلدی سے آگے بڑھے قبر کھودی اور اُس میں سے سونے کی ٹہنی نکل آئی۔ یہ واقعہ طائف کو جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔ یہ قصہ حضرت امام ابوداؤد نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ (راجع آخر حدیث من کتاب الخراج)

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ الآیۃ (سو صالح (علیہ السلام) نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہاں سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمایا کہ اے میری قوم! بلاشبہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے) یہ خطاب حضرت صالح علیہ السلام نے کب فرمایا؟ بعض مفسرین نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ جب قوم پر عذاب آنے کے آثار دیکھ لئے اور محسوس فرما لیا کہ عذاب آنے ہی کو ہے تو حضرت صالح علیہ السلام ان کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے اور ان سے یہ آخری خطاب فرمایا جو حسرت بھرے انداز میں ہے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جب ان کی قوم ہلاک اور برباد کی گئی تو ان سے یہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسا بدر میں مقتول ہونے والے کافروں سے حضور اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا تھا جن کی نعشیں ایک کنویں میں پڑی ہوئی تھیں، یہ فرما کر حضرت صالح علیہ السلام اہل ایمان کو لے کر فلسطین کی طرف چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہوئے، چونکہ قوم ثمود کی بستیوں پر عذاب آچکا تھا اسلئے یہاں رہنا گوارا نہ فرمایا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ جب تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو اس وادی سے گذرے اس وقت آپ چہرۂ انور پر کپڑا ڈالے ہوئے تھے۔ آپ تیزی سے گذرے اور اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ یہاں سے تم روتے ہوئے گذرو ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی وہ عذاب پہنچ جائے جو اُن لوگوں کو پہنچا تھا۔ نیز آپ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ عذاب کی جگہ پر کوئی نہ جائے اور نہ وہاں کے کنویں کا پانی استعمال کرے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ہم نے تو یہاں کے کنوؤں کے پانی کو استعمال کیا ہے اور اس پانی سے آٹا گوندھا ہے آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو اور جو آٹا گوندھا ہے اُسے اونٹوں کو کھلا دو۔ (صحیح البخاری ص ۴۷۸ و ص ۶۳۷ ج اوص ۷۰۴ جلد نمبر ۲)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا، بے شک تم

لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ

عورتوں کو چھوڑ کر شہوت رانی کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم لوگ حد سے گذر جانے والے ہو' اور اُن کی قوم کا جواب

قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو پاکباز بنتے ہیں' سو ہم نے نجات دی لوط کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور اُس کے گھر والوں کے سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے ان پر ایک بڑی بارش برسا دی۔ سو دیکھ! کیسا

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

انجام ہے مُجرمین کا

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو احکام پہنچانا اور قوم کا اپنے افعال سے باز نہ آنا اور انجام کے طور پر ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بدکرداری کا اور تھوڑا سا اس سوال و جواب کا ذکر ہے جو حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہوا نیز جو اُن پر عذاب آیا اس کا بھی ذکر ہے۔ مفصل قصہ سورہ ہود اور سورۂ حجر اور سورۂ شعراء اور سورۂ عنکبوت میں مذکورہ ہے اور تھوڑا تھوڑا دیگر مواقع میں بھی ہے۔

یہ لوگ ایمان بھی نہ لائے اور جن بُرے کاموں میں مبتلا تھے ان سے حضرت لوط علیہ السلام نے روکا تو اُلٹے اُلٹے جواب دیتے رہے۔ یہاں سورۂ اعراف میں ان کی صرف ایک بدکرداری کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مرد' مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے۔ سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ بے حیائی کا ایسا کام ہے جسے تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ اسی بدکرداری اور بدفعلی کی تم نے بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خالق و مالک کی شریعت کے خلاف ہے اور فطرت انسانی کے بھی۔ ان کی دوسری بدکرداری یہ تھی کہ راہزنی کرتے تھے جسے سورۂ عنکبوت میں وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ سے تعبیر فرمایا ہے۔

سورہ شعراء میں فرمایا اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (کیا تم سارے جہانوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو اور وہ جو اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا یعنی تمہاری بیویاں ان کو چھوڑتے ہو۔ بلکہ تم حد سے گذر جانے والے لوگ ہو) سیدنا حضرت لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا بُرے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے۔ کہنے لگے کہ اجی! ان لوگوں کو بستی سے نکالو۔ یہ لوگ پاکباز بنتے ہیں۔ مطلب

یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاکباز بنتے ہیں اور ہمیں گندا بتاتے ہیں گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے از راہ تمسخر کہی تھی۔

سورۂ شعراء میں ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور اُن لوگوں میں سے ہو جائیگا جنہیں نکال دیا جاتا ہے) قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ آخر اُن پر عذاب آ گیا اور انہیں منہ مانگی مراد مل گئی۔ سورۂ انعام میں فرمایا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا۔ اور سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں بھی ایسا ہی فرمایا یعنی ہم نے ان پر بڑی بارش برسادی اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (کہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس سبب سے کہ وہ بدکاری کرتے تھے) یہ کیا عذاب تھا اور کیسی بارش تھی اس کے بارے میں سورۂ ہود میں فرمایا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (سو جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے زمین کے اُوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھروں کی بارش برسادی جو لگا تار گر رہے تھے جو آپ کے رب کے پاس سے نشان لگے ہوئے تھے)

سورۂ حجر میں بھی یہ مضمون ہے وہاں فرمایا ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ (سو پکڑ لیا اُن کو چیخ نے سورج نکلتے نکلتے سو کر دیا ہم نے اُس کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ اور برسا دیئے ہم نے اُن پر کنکر کے پتھر)

اِن سب آیات کو ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا ان کی سرزمین کا تختہ بھی اُلٹ دیا گیا اور اُن پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورۂ براءت (ع ۹) میں الْمُؤْتَفِكٰتِ سے تعبیر کیا ہے یعنی اُلٹی ہوئی بستیاں سورۂ ہود اور سورۂ ذاریات اور سورۂ عنکبوت میں ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے ان کی مہمانی کا انتظام کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا آپ حضرات کیوں بھیجے گئے۔ سورۂ ذاریات میں ہے۔

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿﴾ (انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم اُن پر مٹی کے پتھر برسائیں جن پر نشان لگے ہوئے ہیں تیرے

رب کے پاس حد سے تجاوز کرنے والوں کے لئے' سو نکال دیا ہم نے جو اُن میں ایمان والے تھے پس ہم نے اُس میں ایک گھر کے سوا کوئی گھر مسلمانوں کا نہیں پایا)۔

حضرت لوط علیہ السلام نے بہت محنت کی' حق کی طرف بلایا اور ایمان لانے کی دعوت دی لیکن قوم میں سے کوئی شخص بھی مُسلمان نہ ہوا اور اپنی بیہودہ حرکتوں میں لگے رہے البتہ ان کے گھر کے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ مسلمان ہونے والی اُن کی لڑکیاں تھیں اسی کو فرمایا کہ ایک گھر کے سوا کسی کو مسلمان نہ پایا۔ ان کی بیوی بھی چونکہ مسلمان نہ ہوئی تھی اسلئے وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل کر لی گئی۔

اسی کو فرمایا فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ (سو ہم نے نجات دی لوط کو اور اس کے گھر کے لوگوں کو سوائے اسکی بیوی کے۔ یہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی) یعنی جو اہل ایمان بستیوں سے نکال دیئے گئے تھے تا کہ عذاب میں مبتلا نہ ہوں ان کے علاوہ جو لوگ تھے وہ انہی میں رہ گئے۔

سورۂ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (سو تم رات کے ایک حصہ میں نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی بھی مُڑ کر نہ دیکھے سوائے تمہاری بیوی کے' بے شک اُسے عذاب پہنچنے والا ہے جو اُن لوگوں کو پہنچے گا۔ ان کی ہلاکت کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے)

مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کی بیوی اُن کے گھر والوں کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ نکلی لیکن پیچھے مُڑ کر دیکھ کر اپنی قوم کی ہلاکت پر افسوس ظاہر کرنے لگی۔ ایک پتھر آیا اور اُسے وہیں قتل کر دیا۔ سورۂ ہود اور سورہ حجر میں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا اور سورۂ ذاریات میں حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ فرمایا۔

دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جو پتھر اُن لوگوں پر برسائے گئے وہ یہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑوں میں سے نہ تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے گئے ہوں جس کا ترجمہ کنکر سے کیا گیا اور مُسَوَّمَةً بھی فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر پتھر پر نشان لگا ہوا تھا کہ یہ فلاں شخص پر ہی گرے گا۔ اور سورۂ ہود میں جو مَنْضُوْدٍ ہے اس کے معنی ہے کہ لگا تار پتھر برسائے گئے مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس خطّہ کو اوپر اٹھا کر لے گئے اور وہاں سے الٹا کر کے زمین کی طرف پھینک دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ چار بستیاں تھیں جن کے نام مؤرخین ومفسرین نے سدوم، امورا، عاموراء اور صبویر بتائے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے۔ یہ بستیاں نہر اُردن کے قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان کے جگہ بحر میت جاری کر دیا گیا جو آج بھی موجود ہے پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا ہے صرف ان بستیوں کی حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے کسی قسم کا

انتفاع انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتیوں کو نہیں ہوتا۔

سورۂ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گذرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل عرب تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں پڑتی تھیں جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گذر ہوتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں بدکاروں کا کیا انجام ہوا۔ تم وہاں سے گذرتے ہو اور نظروں سے دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔

فائدہ: قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جس فاحشہ کام یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کا عمل کرنے میں لگی ہوئی تھی یہ عمل اُن سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا۔ یہ عمل عقلاً و شرعاً و فطرۃً نہایت ہی شنیع اور قبیح ہے اور کبائر میں سے ہے۔ اس کی سزا کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرات صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا زنا ہے اس کی سزا بھی وہی ہے جو زنا کی سزا ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں سو کوڑے مارنا۔ اور بعض صورتوں میں سنگسار کر دینا (یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) ان دونوں سزاؤں کی تفصیلات کتب فقہ کی کتاب الحدود میں لکھی ہیں حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔

حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی ایک قول ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی ایسی سزا مقرر نہیں کہ ہمیشہ اسی کو اختیار کیا جائے بلکہ امیر المومنین اسکو مناسب جانے تو دونوں کو قتل کر دے۔ اور مناسب جانے تو سخت سزا دیکر جیل میں ڈالدے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی موت ہو جائے یا توبہ کر لیں۔ اور اگر اس عمل کو دوبارہ کر لیں تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ یہاں ایک ایسا آدمی ہے جس سے لوگ اسی طرح شہوت پوری کرتے ہیں جس طرح عورت سے شہوت پوری کی جاتی ہے اس بارے میں حکم شرعی بتایا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کو جمع فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایسا گناہ ہے جسے صرف ایک ہی امت نے کیا ہے ان کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ اس فعل بد کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آبادی میں جو سب سے اونچی عمارت ہو وہاں سے اوندھے منہ کر کے پھینک دیا جائے پھر پیچھے سے پتھر مارے جائیں۔ یہ تفصیل فتح القدیر اور بحر الرائق میں لکھی ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاعل اور مفعول کو جلا دیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں پر دیوار گروا کر ہلاک کر دیا تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ گئی ہے۔ سو ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ

اور زمین میں اسکی اصلاح کے بعد فساد مت کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور

لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ

مت بیٹھ جاؤ ہر راستہ میں کہ تم لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہو۔ اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔

وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور اس میں کجی تلاش کرتے ہو۔ اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے سو اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا۔ اور دیکھو فساد کرنے والوں کو کیا انجام ہوا۔

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِىْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

اور اگر تم میں سے ایک جماعت اس حکم پر ایمان لائی جسے دیکر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک جماعت ایمان نہ لائی

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ سب حاکموں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی اُمت کو تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا ہلاک ہونا

تفسیر: جو امتیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت قبول نہ کرنے اور ضد و عناد پر کمر باندھنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ان میں سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام کی اُمت بھی تھی۔ ان لوگوں میں کفر و عناد تو تھا ہی کیل اور وزن میں کمی کرنا بھی ان میں رواج پذیر تھا بیچتے تھے تو کیل میں یعنی ناپ کر دینے میں اور وزن میں کمی کر دیتے تھے۔ اور راستوں میں بیٹھ جاتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے بھی تھے یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے اور ایمان لانے سے منع کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے رب سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے لہٰذا تم ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اور لوگوں کو ان کی

چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد نہ کرو اس کے بعد کہ اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اور راستوں میں مت بیٹھو جہاں تم لوگوں کو دھکمیاں دیتے ہو۔ اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو۔

یہ لوگ راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور جو لوگ بستی میں آنے والے ہوتے انکو ڈراتے اور دھمکاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو شعیب کی بات مانو گے تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے اور ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام کے بتائے ہوئے دین میں کجی تلاش کرتے تھے اور سوچ سوچ کر اعتراض نکالتے تھے۔ جس کو وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا سے تعبیر فرمایا۔ "کجی تلاش کرنے" کا مطلب سورۂ اعراف کے پانچویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ کی نعمت یاد دلائی اور فرمایا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ (اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں کثرت دیدی نیز فرمایا) وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (اور دیکھو فساد کرنیوالوں کا کیا انجام ہوا)

چونکہ اس سے پہلے دیگر امتیں ہلاک ہو چکی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔ اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں توجہ دلائی کہ گذشتہ ہلاک شدہ امتوں سے عبرت لے لو۔

سورۂ ھود میں ہے وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ (اے میری قوم! مجھ سے ضد کرنا تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آ پڑیں۔ جیسے قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں۔ اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہے)

یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے ہودہ اور بے تکے جواب دیتے رہے جن کا تذکرہ آئندہ آیات میں ہے انہوں نے یوں بھی کہا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اِلَّا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ جس کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

ان لوگوں کو جب یہ بتایا گیا کفر پر جمے رہو گے تو اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے گا۔ اس پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ ایک جماعت ایمان لے آئی ہے اور ہم لوگ ایمان نہیں لے آئے جو ایمان نہیں لائے ان پر تو کوئی عذاب نہیں آیا۔ اور وہ سب عیش و آرام میں ہیں۔ لہٰذا یہ عذاب کی باتیں بے اصل معلوم ہوتی ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کا فوراً اور جلدی آنا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جب چاہتا ہے عذاب بھیجتا ہے تم ذرا ٹھہرو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے چنانچہ کافروں پر عذاب آیا اور ان کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس رکوع کے آخر میں آ رہا ہے اور اہل ایمان کو بچا دیا گیا جیسا کہ سورۂ ھود میں مذکور ہے۔

الحمد للہ

الحمد للہ ثم الحمد للہ انوار البیان کی جلد سوم ختم ہوئی

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ان کی قوم کے سردار جو تکبر کرنے والے تھے کہنے لگے کہ اے شعیب ضرور ضرور ہم تجھے اور اُن لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے

مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا

اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ انہوں نے جواب دیا (ہم تمہارے دین میں واپس آجائیں گے) اگرچہ دل سے بُرا جانتے ہوں، اگر ہم تمہارے دین میں

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ

واپس ہوجائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے بن جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے اس سے ہم کو نجات دلائی اور ہم سے یہ نہیں ہوسکتا

لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ

کہ ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں اِلّا یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو مُحیط ہے۔

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ

ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا' اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ اور تو فیصلہ کرنیوالوں میں سب سے بہتر

الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ

فیصلہ کرنیوالا ہے' اور کہا ان کی قوم کے سرداروں نے جو کفر پر تھے کہ اگر تم شُعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بلا شبہ

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ سو پکڑ لیا اُن کو زلزلہ نے سو وہ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے تھے

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ

جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے' جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ

نقصان میں پڑنے والے ہیں' سو پشت پھیری انکی طرف سے اور کہا کہ اے میری قوم بے شک میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچادیئے اور تمہاری خیر خواہی

لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰي قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾

کی سو پھر میں کفر اختیار کرنے والی قوم پر کیوں رنج کروں؟

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا

تفسیر: جو قوم کے سردار ہوتے ہیں وہ متکبر بھی ہوتے ان متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے دین میں کیسے آ سکتے ہیں جبکہ ہم اسے بُرا جانتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی یعنی اگر ہم پھر تمہارا دین اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا یہ اعتقاد غلط ہے کہ شعیب اللہ کے نبی ہیں اور جو دین اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں یہ حق ہے۔ اس طرح سے تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔ کفر کا عقیدہ رکھنا اور کفر کو دین حق سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے العیاذ باللہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دے دی اور ہم نے سوچ سمجھ کر قبول کر لیا تو اس کو چھوڑ دینا اور زیادہ تہمت کی چیز ہوگی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تمہارے دین میں واپس ہو جائیں ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو اور بات ہے (اس میں یہ بتایا کہ ہدایت پانا اور گمراہ ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور قضاء و قدر سے ہوتا ہے اور ایمان پر جمنا ہمارا کوئی کمال نہیں، جو استقامت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطاء کی ہوئی ہے)۔

ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ سے ہمیں اُمید ہے کہ وہ تمہارے مکر و فریب سے ہمیں بچا دے گا اور ہمیں اپنے محبوب دین پر استقامت سے رکھے گا) بستی والوں کو یہ جواب دے کر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما دیجئے اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

قوم کے سرداروں نے اپنی عوام سے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم ضرور خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (اس میں انہوں نے اپنے ان عوام کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اتباع سے روکا جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اہل ایمان پر بھی تعریض کی کہ تم نقصان میں پڑ چکے ہو) فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (سو ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے) اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ جیسے قوم ثمود کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے اور وہیں کے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی حال ہوا۔ سورہ ہود میں ہے۔ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ۔ (خبردار مدین کے لئے رحمت سے دُوری ہے جیسا کہ قوم رحمت سے دور ہوئی)

پھر فرمایا اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۔ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں رہے ہی

نہ تھے) اَلَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَيۡبًا كَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِيۡنَ (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ میں پڑنے والے ہوئے) کہ اپنی جانوں کو تباہی میں ڈالا، نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ملی۔ اہل ایمان کو وہ خسارہ میں بتا رہے تھے اور حقیقت میں خود خسارہ میں پڑ گئے۔

فوائد

فائدہ نمبرا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحب زادہ کا نام مدین تھا۔ ان ہی کے نام پر اس بستی کا یہ نام مشہور ہوگیا جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کا قیام تھا۔ سورۂ اعراف، سورہ ھُود اور سُورہ عنکبوت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی اُمت کو اصحاب مدین بتایا ہے جنکی طرف وہ مبعوث ہوئے اور سورہ شعراء میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اُصحاب الایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں بھی یہ فرمایا کہ ان کو حضرت شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا۔ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ دونوں ہی قوموں کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے۔ البتہ بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہو لیکن قرآن کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قومیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل مدین کے بارے میں لفظ اَخاھم کا اضافہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل مدین ہی کی قوم کے فرد تھے۔ اور اَصحاب الأیکہ کے بارے میں لفظ اَخاھم استعمال نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب الأیکہ کی طرف مبعوث تو ہوئے لیکن وہ خود ان میں سے نہ تھے، اور دونوں ہی قوموں میں ناپ تول میں کم کرکے دینے کا رواج تھا۔

اصحاب مدین پر کون سا عذاب آیا؟ یہاں سورۂ اعراف میں اہل مدین کے بارے میں بتایا کہ وہ رجفہ یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور سورہ عنکبوت میں بھی ایسا ہی فرمایا ہے اور سورہ ھود میں فرمایا ہے کہ وہ صیحہ یعنی چیخ سے ہلاک ہوئے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا۔ اور اصحاب الأیکہ کے بارے میں سورۂ شعراء میں فرمایا فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ (کہ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا لہٰذا اُن کو سایہ والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا) انکی بربادی اس طرح ہوئی کہ ان کی پوری بستی میں سخت گرمی پڑی جس سے سب بلبلا اُٹھے پھر قریب ہی میں انہیں گہرا بادل نظر آیا۔ گرمی سے گھبرائے ہوئے تو تھے ہی اس بادل کے سایہ میں جمع ہوگئے۔ جب سب وہاں پہنچ گئے تو بادل سے آگ برسی اور یہ لوگ ہلاک ہوگئے۔ اَیۡکہ جنگل کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ جنگل نما بستیوں میں رہتے تھے اس لئے ان کو اَصۡحَابُ الۡاَیۡکہ کہا جاتا ہے۔ اصحاب الایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب فرمانا اور ان کا اُلٹے اُلٹے جواب دینا ان پر عذاب آنا سُورۂ شعراء (رکوع ۱۰) میں مذکور ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال

فائدہ نمبر۲: حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دیتے ہوئے ان سے یہ بھی فرمایا کہ اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ کہ ناپ تول میں کمی نہ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ کہ لوگوں کو انکی چیزیں گھٹا کر

مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بیچتے وقت گاہک کو مال کم دینا صرف یہی منع نہیں ہے بلکہ کسی بھی طرح سے کسی کا مال رکھ لینا' حق مارنا حلال نہیں۔ جو لوگ ملازمتیں کرتے ہیں ان میں جو لوگ تنخواہ پوری لے لیتے ہیں کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے۔ آیت کا عمومی مضمون ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ ناپ تول کی کمی کو سورۂ مطففین میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ۔ (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جب یہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیتے ہیں)۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ناپ تول کا کام کرنے والوں سے فرمایا کہ ایسے دو کام تمہارے سپرد کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے تم سے پہلی اُمتیں ہلاک ہو چکی ہیں (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۲۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج پا گیا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جن لوگوں میں زنا کی کثرت ہو جائے گی ان میں موت کی کثرت ہو جائے گی' اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے اُن کا رزق کاٹ دیا جائے گا۔ اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں خوں ریزی پھیل جائے گی' اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی المؤطا)

ہر گناہ سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ آخرت کی فکر دامن گیر ہو۔ اور وہاں کے مواخذہ اور محاسبہ اور عذاب کا استحضار ہو۔ ناپ تول میں کمی کرنے کا جو گناہ ہے اسکے بارے میں سورۂ مطففین میں فرمایا۔ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) ناپ تول میں کمی کر کے دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی بھی ہے اور بندوں کے حقوق مارنے کا گناہ بھی ہے۔ قیامت کے دن دونوں باتوں کا مواخذہ ہوگا' اور بندوں کے جو حقوق مارے ہیں ان کے عوض نیکیاں دینی ہوں گی اور نیکی نہ ہوئی تو اصحاب حقوق کے گناہ اپنے سر لینے ہوں گے جیسا کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے۔

عبادت میں کمی اور کوتاہی: جس طرح حقوق العباد میں تطفیف کی جاتی ہے عبادات میں بھی لوگ ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اس کا احساس نہیں ہوتا۔ دنیاوی کوئی نقصان ہو جائے تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور عبادات میں کوئی نقصان ہو جائے تو دل پر اثر نہیں ہوتا۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو عصر کی نماز میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ تمہیں نماز سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے کوئی عذر بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "طَفَّفْتَ" کہ تُو نے نقصان کا کام کیا۔ اس کے بعد امام مالکؒ نے فرمایا۔ "لکل شیٔ وفاء و تطفیف"۔ یعنی ہر چیز کے لئے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی۔ (موطا جامع الوقت)

مطلب یہ کہ کسی بھی چیز کو قاعدہ کے مطابق مکمل کرو تو یہ وفاء ہے یعنی پوری اَدائیگی ہے اور اگر کمی کر دی جائے تو یہ تطفیف ہے یعنی نقصان کی بات ہے۔ نمازوں کو صحیح طریقہ پر نہ پڑھنا رکوع و سجدہ میں سے کٹوتی کرنا یہ سب تطفیف ہے۔

قوم کی بربادی کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب: فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (پھر ان لوگوں سے منہ پھیرا اور کہنے لگے کہ اے میری قوم میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا۔ سو اب کافروں پر کیسے افسوس کروں) جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بربادی ہوگئی تو انہوں نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ لیکن تم نے سب سنی ان سنی کر دی۔ برابر کفر پر جمے رہے تو اب میں کافر لوگوں پر کیسے رنج کروں، تم نے خود ہی اپنی بربادی کا سامان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی بربادی کے بعد بطور حسرت فرضی خطاب فرمایا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب عذاب آنے کے آثار نمودار ہوئے ہوں اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام نے زندوں ہی کو خطاب فرمایا ہو اور یہ خطاب فرما کر وہاں سے روانہ ہو گئے ہوں۔

قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے اہل ایمان کے ساتھ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور وہیں وفات ہوئی حضرت ابن عباسؓ سے ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ مسجد حرام میں صرف دو قبریں ہیں۔ ایک قبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جو حطیم میں ہے اور ایک قبر شعیب علیہ السلام کی جو حجر اسود کے مقابل کسی جگہ پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (روح المعانی ص ۸ ج ۹)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ اُس کے رہنے والوں کو ہم نے سختی اور تکلیف کے ساتھ نہ پکڑا ہو

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ

تاکہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے بد حالی کی جگہ خوش حالی بدل دی یہاں تک کہ وہ بڑھتے چلے گئے۔ اور کہنے لگے

مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ

ہمارے باپ دادوں کو تکلیف اور خوشی پہنچ چکی ہے۔ سو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ تھی۔ اگر

اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ

ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان کی اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن

كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا

انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے انکے اعمال کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب ان کے پاس

بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ

رات کے وقت اس حال میں آجائے کہ وہ سو رہے ہوں، یا بستیوں والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جبکہ وہ

يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾

کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہو گئے۔ سو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جن کا برباد ہونا ہی طے پا چکا ہو

جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا

تفسیر: گزشتہ چند رکوع میں متعدد قوموں کی تکذیب اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا۔ ان بستیوں کا حال بنی اسرائیل کو معلوم تھا اور قریش بھی تجارت کے لئے ملک شام کی طرف جاتے تھے وہ بھی ان میں سے بعض بستیوں پر گزرتے تھے۔ اور اگر کسی کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ سابقہ اقوام کی بربادی کا سبب ان کا کفر تھا اور ان کے اعمال بد تھے۔ اس رکوع میں اول تو یہ فرمایا کہ جس کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لئے پکڑا۔ یہ گرفت سختی اور دکھ و تکلیف کے ذریعہ تھی بأساء سے سختی اور عام مصائب اور ضرّاء سے جسم و جان کی تکلیفیں مراد ہیں۔ ان کو یہ گرفت اس لئے تھی کہ یہ لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی کو چھوڑ دیں اور اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر سے اور نافرمانیوں سے توبہ کریں۔ لیکن یہ لوگ برابر طغیانی اور سرکشی پر تلے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انکی بدحالی کو اچھے حال سے بدل دیا۔ نعمتوں سے نوازا۔ خوشحالی عطا فرمائی۔ تندرستی دی۔ مال دیا' یہاں تک کہ جان و مال میں کثرت ہوگئی' پہلے تو تنگدستی و بدحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تھے اب انہیں نعمتیں دے کر آزمایا گیا۔ پہلے امتحان میں تو فیل ہوئے ہی تھے دوسرے امتحان میں بھی فیل ہو گئے۔ نہ بدحالی میں مبتلا ہو کر راہ راست پر آئے نہ خوشحالی سے عبرت حاصل کی بلکہ اُلٹا یہ نتیجہ نکالا کہ اجی! یہ خوشحالی کچھ ایمان اور کفر اور اچھے کاموں اور بُرے کاموں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ دنیا کا اُلٹ پھیر ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی بدحالی' ہمارے باپ دادوں پر بھی یہ دونوں حالتیں گزری ہیں۔ لہٰذا ہم اپنا دین کیوں چھوڑ دیں۔ ہمارے باپ دادے بھی اپنے دین پر جمے رہے ہم بھی مضبوط ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ تنگ دستی اور سختی سے عبرت لی اور نہ خوشحالی اور نعمتوں سے نوازے جانے پر شکر گزار ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اچانک انکی گرفت فرمالی۔ نزول عذاب کا پتہ بھی نہ چلا' اور مُبتلائے عذاب ہو کر ہلاک ہو گئے۔

اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے تو انکے لئے آسمان و زمین کی برکات کھول دی جاتیں

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (اور اگر ان بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (اور

لیکن انہوں نے جھٹلایا لہٰذا ہم نے انکے اعمال کی وجہ سے انکی گرفت کرلی) اس آیت میں ایک عمومی تکوینی قانون بتایا ہے اور وہ یہ کہ جب لوگوں میں ایمان ہوگا اعمال صالحہ ہوں گے کفر و شرک اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہوں گے تو انکے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں کھول دی جائیں گی۔ آسمان سے بھی برکتیں نازل ہونگی اور زمین سے بھی نکلیں گی بہت ہی زیادہ خوشحال زندگی گزاریں گے، اور اگر ایمان نہ ہوگا اور اعمال صالحہ نہ ہوں گے تو گرفت ہوگی نعمتیں چھن جائیں گی اور عذاب آئیں گے۔ شاید کسی کو یہ وسوسہ آئے گا ہم تو دیکھتے ہیں کہ کافر خوشحال رہتے ہیں نعمت و دولت انکے پاس وافر مقدار میں ہوتی ہے نزولِ عذاب کے ذریعہ انکی گرفت نہیں ہوتی' یہ وسوسہ غلط ہے کیونکہ آیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ سارے عالم کے کافروں اور نافرمانوں پر ایک ہی وقت میں عذاب آئے گا' اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق دنیا کے مختلف علاقوں میں عذاب آتے رہتے ہیں جنہیں جاننے والے جانتے ہیں۔ پھر عذابوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ زلزلے آنا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا۔ سیلابوں سے برباد ہونا۔ ٹڈی کا آجانا اور کھیتیاں صاف کردینا۔ نئے نئے امراض پیدا ہونا۔ یہ سب عذاب کی صورتیں ہیں' اور اللہ تعالیٰ کا ایک قانون استدراج کا بھی ہے اور وہ یہ کہ کافروں کو ڈھیل دے دی جاتی ہے وہ نعمتوں میں پڑ کر اور زیادہ بغاوت پر اُتر آتے ہیں۔ پھر اچانک پکڑ لئے جاتے ہیں۔ اور موت کے بعد جو مؤاخذہ اور عذاب ہے وہ اس کے علاوہ ہے جو کافروں کے لئے دائمی ہے۔

اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں: اس کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ کے زمانے کے کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پرانی قوموں پر عذاب بھیجا ان پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ انکے پاس ہمارا عذاب رات کے وقت آجائے جب کہ یہ سوتے ہوں یا اس بات سے بے خوف ہیں کہ ہمارا عذاب دن کے شروع حصہ میں آجائے جبکہ یہ لوگ کھیل رہے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے عذاب سے نڈر نہ ہوں۔ پہلی اُمتوں سے عبرت حاصل کریں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب سے باز آئیں۔ پھر فرمایا اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ (کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے نڈر بنے ہوئے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے' مطلب یہ ہے کہ نڈر نہ بنیں اللہ کا عذاب آنے سے ڈریں اور ایمان قبول کریں فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (کیونکہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہو جاتے ہیں جن کو تباہ ہی ہونا ہے) عذاب کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ عذاب نہیں آئے گا' جب عذاب آئے گا تو دیکھتے ہی رہ جائیں گے اور عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۱۸۴ ج ۲) فرماتے ہیں۔ **ومكر الله استدراجه إياهم بما أنعم عليهم في دنياهم** یعنی مکر اللہ (اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر) سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرماتا ہے اور عذاب بھیجنے میں اسکی طرف سے تاخیر ہوتی ہے۔ اس ڈھیل سے لوگ دھوکہ میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اور زیادہ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ

جو لوگ زمین کے وارث ہوتے ہیں کیا انہیں مذکورہ اقوام کے واقعات نے یہ نہیں بتایا کہ ہم چاہیں تو انکے

بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ

گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیں، اور اُن کے دلوں پر ہم مہر لگائے ہوئے ہیں سو وہ نہیں سُنتے۔ یہ بستیاں ہیں انکی بعض

عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا

خبریں ہم آپ کو سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تو جس چیز کو وہ پہلے

بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا

جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اللہ ایسے ہی مہر لگا دیتا ہے کافروں کے دلوں پر، اور ہم نے ان میں سے

لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا اور ہم نے اُن میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا

زمین کے وارث ہونے والے سابقہ اُمتوں سے عبرت حاصل کریں

تفسیر: ہلاک ہونے والی چند امتوں کے جو واقعات گذشتہ چند رکوع میں بیان کئے گئے ان سے عبرت دلانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ جو اُمتیں ہلاک کی گئیں ان کی جگہ جو لوگ زمین پر آباد ہوئے کیا ان بعد میں آنے والوں کو ان واقعات سے عبرت حاصل نہ ہوئی اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیں۔ اور بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ لہٰذا وہ سنتے ہی نہیں۔ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن قبول کرنے کی نیت سے نہیں سنتے۔ لہٰذا سُنا بے سُنا برابر ہو جاتا ہے۔ اور یہ مہر لگانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا۔ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے) اور اسی کو سورۂ صف میں فرمایا فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (سو جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) جب انسان کفر کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی پر جما رہتا ہے اور دلائل واضحہ کے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی دی جاتی ہے کہ دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کا موقعہ ختم ہو جاتا ہے۔ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا (یہ بستیاں ہیں جن کے قصے ہم آپ کو سُناتے ہیں) وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ (اور اُن کے پاس ان کے پیغمبر واضح معجزات لے کر آئے) فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ (اور وہ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے) ان کے پاس حق آیا تو اسکی تکذیب جو پہلے کر دی تھی اسی تکذیب پر جمے رہے لہٰذا ایمان نہ لائے۔ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ (ایسے ہی اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے) اس مہر لگانے کا سبب اوپر بیان ہوا ہے۔ اس مہر کے سبب اپنے کفر پر اڑے رہتے ہیں۔

کافر اقوام کا یہی طریقہ ہے کہ جب پہلی بار منکر ہو گئے تو ضد' عناد اور ہٹ دھرمی کے باعث حق کو ہرگز قبول نہیں کرتے۔ اگرچہ دلائل عقلیہ سعیہ آیات تکوینیہ کھل کر سامنے آ جائیں۔

پھر فرمایا: وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ (اور ہم نے اُن میں سے اکثر لوگوں میں عہد کا پورا کرنا نہ پایا) انسان کا یہ عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اور بہت پکا مشرک بھی اپنے باطل معبودوں کو بھول جاتا ہے۔ اور یہ وعدے کرنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت دُور ہوگئی تو ایمان قبول کرلوں گا اور شرک سے پرہیز کروں گا لیکن مصیبت دُور کرنے کے بعد وہ اپنے عہد کو بھول جاتا ہے اور پھر شرک اور کفر پر ہی جما رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔

پھر فرمایا وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِينَ (اور بے شک ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق پایا) جو اطاعت و فرمانبرداری سے دور ہی رہے۔ لفظ "اکثـر" سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے عہد کو پورا کیا۔

عہد کو پورا نہ کرنا اور بار بار توڑ دینا' اس کا کچھ بیان فرعون اور اسکی قوم کی بدعہدیوں کے ذیل میں دو رکوع کے بعد مذکور ہے۔ وَهو قوله تعالیٰ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ اِلیٰ قوله إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ.

جو لوگ مصیبتوں کو اللہ کی طرف سے سمجھتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں ایسا ہی ہوتا رہتا ہے ہمارے باپ دادا بھی تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کا بیان اس رکوع سے پہلے رکوع میں تھا۔ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مصائب کو سمجھتے تو وعدے کرتے' اس رکوع میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو مصائب کے وقت وعدے کرتے ہیں پھر مُصیبت ٹل جانے کے بعد وعدہ فراموش ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ

پھر ہم نے ان کے بعد اپنی آیات کے ساتھ موسیٰ کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو انہوں نے ان آیات کے ساتھ ظلم والا معاملہ کیا سو تو دیکھ لے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ اور کہا موسیٰ نے کہ اے فرعون بیشک میں رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ

العالمین کی طرف سے رسول ہوں' میرے لئے یہی شایانِ شان ہے کہ سچ کے علاوہ اللہ کی طرف کسی بات کو منسوب نہ کروں' میں تمہارے پاس

رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ

تمہارے رب کی طرف سے دلیل لایا ہوں' سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون کہنے لگا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسے پیش کر دے

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّنَزَعَ

اگر تو سچا ہے۔ موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو اچانک وہ بالکل واضح طور پر ایک اژدھا بن گئی اور اپنا ہاتھ

يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿١٠٨﴾

نکالا تو یکا یک وہ دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس تشریف لے جانا اور اسکو معجزے دکھانا

تفسیر : سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور ان کو معجزات دے کر فرعون اور اسکی قوم کی طرف بھیجا جن میں اُس کی قوم کے سردار بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو توحید کی دعوت دی اور فرعون سے یہ بھی فرمایا تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے تکی جاہلانہ باتیں کیں اور مختلف قسم کے سوالات کئے اس مکالمہ کا ذکر سورہ طٰہٰ ع ۲ اور سورہ شعراء ع ۲ میں ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خطاب کیا اور اپنا نبی ہونا ظاہر کیا تو فرمایا: يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (اے فرعون بیشک میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں) حَقِيۡقٌ عَلٰٓى اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ (میرے لئے یہی شایان شان ہے کہ سچ کے علاوہ کسی چیز کی نسبت اللہ کی طرف نہ کروں) قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِبَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں)۔ اس دلیل یعنی معجزہ کو سمجھ لو دیکھ لو میری نبوت کا اقرار کرو۔ فَاَرۡسِلۡ مَعِىَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ (اے فرعون بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے) تاکہ یہ قوم قبط کے مظالم سے چھوٹ جائیں اور اپنے وطن سابق میں جا کر آباد ہو جائیں قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۔ (فرعون نے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو اس کو پیش کر دے اگر تو سچا ہے) فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ (سو انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی سو وہ اچانک بالکل واضح طور پر اژدھا بن گئی) یہ ایک معجزہ ہوا۔ وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ (اور انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا تو یکا یک دیکھنے والوں کو سفید نظر آ رہا ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ پہلے گریبان میں ڈالا پھر گریبان سے نکالا تو خوب روشن اور چمکدار ہو کر نکلا۔

روح المعانی (ص ۲۱ ج ۹) میں لکھا ہے: أی بیضاء بیاضا نورانیا ...... غلب شعاعه شعاع الشمس کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرعون کو اپنا ہاتھ دکھایا وہ اس وقت اتنا زیادہ روشن ہو گیا تھا کہ اسکی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غالب آ گئیں۔ دونوں معجزے دیکھ کر فرعون اور اسکی قوم کے سردار ایمان نہ لائے اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بتانے لگے اور جادوگروں کو بُلا کر مقابلہ کرایا جس کے نتیجہ میں جادوگر ہار مان گئے اور مسلمان ہو گئے۔ جس کا تذکرہ ابھی آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

سرداروں نے کہا جو فرعون کی قوم میں سے تھے کہ بلاشبہ یہ ایک جادوگر ہے جو بڑا ماہر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دے

اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ کہنے لگے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دیدے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دے

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

جو تیرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں، اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب ہوئے تو کیا ہم کو

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ

کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں اور بیشک تم لوگ مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ ان جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا

اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ

ہم ڈالنے والے ہو جائیں، موسیٰ نے کہا کہ تمہی ڈالو سو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ

اور بڑا جادو لے کر آئے، اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈالدو سو وہ اچانک

مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

ان کی بنائی ہوئی جھوٹی چیزوں کو نگلنے لگی۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور وہ باطل ہو گیا جو انہوں نے بنایا تھا سو وہ اس جگہ

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

مغلوب ہو گئے۔ اور جادوگر سجدہ میں ڈالدیئے گئے، کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ کا اور ہارون کا رب ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى

فرعون نے کہا کیا تم اس سے پہلے اس پر ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ایک بڑا مکر ہے جو تم سب نے ملکر اس شہر میں کیا ہے

الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

تاکہ تم اس کے ذریعہ شہر والوں کو نکال دو سو عنقریب تم جان لو گے، ضرور بالضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دوں

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا

گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں،

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور تو جو ہم سے انتقام لے رہا ہے اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہمارے پاس پہنچ گئیں۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں اس حال میں موت دے کہ ہم اسلام پر ہوں

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کے لئے جادوگروں کو بلانا' اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا

تفسیر: جب فرعون اور اسکی جماعت نے ید بیضا دیکھا اور لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اژدھا بن گئی تو انہوں نے ان دونوں معجزوں کو جادو پر محمول کیا' سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے۔ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (اسی طرح سے ان سے (یعنی امت محمدیہ) پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ابھی تو یہاں شاہی دربار میں یہ دونوں باتیں سامنے آئی ہیں کہ یکا یک ان کا ایک ہاتھ بہت زیادہ روشن اور چمکدار ہو گیا اور ان کی لاٹھی اژدھا بن گئی اگر انہوں نے اسی طرح کا کوئی مظاہرہ عوام کے سامنے کر دیا تو لوگ انہی کے معتقد ہو جائیں گے' اور ہماری ساری حکومت جاتی رہے گی اور اس سرزمین میں انہیں دونوں بھائیوں (موسیٰ اور ہارون) کا راج ہو جائے گا۔ (فرعون کا دعویٰ تو خدائی کا بھی تھا۔ لیکن دنیاوی حکومت ہی کے باقی رہنے کے لالے پڑ گئے خدائی تو بہت دور کی چیز ہے) لہٰذا اس سے پہلے کہ عوام پر ان کا کوئی اثر ہو ان کا علاج کر دینا چاہئے۔ لہٰذا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ جادو کا کاٹ جادو سے ہوگا۔ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اپنی حدود مملکت سے تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرا دیا جائے۔ جب لوگوں نے یہ رائے دی تو یہ بات فرعون کی سمجھ میں آ گئی کہ ہاں یہ بڑا ماہر جادوگر ہے' جیسا کہ سورۂ شعراء میں ہے۔ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۔ درباریوں نے کہا کہ ابھی اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیدی جائے اور جادوگروں کے فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے اور انکو بھی نبوت دی گئی تھی اور فرعون کی طرف وہ بھی مبعوث تھے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى اس لئے مشورہ میں ان کا نام بھی شامل کر لیا گیا (کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دو) چنانچہ اول تو مقابلہ کا وقت مقرر کیا گیا جس کا ذکر سورہ طٰہٰ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں نے کہا فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۔ (کہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے۔ نہ تم کرنا' کوئی ہموار میدان مقرر کر لو) قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے میلہ کا دن مقرر ہے اور یہ بات بھی کہ چاشت کے وقت لوگ جمع کئے جائیں) مقابلہ کے لئے دن اور وقت مقرر ہو گیا اور فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اپنے اہلکاروں کو شہروں میں بھیجے جو بڑے

بڑے ماہر جادوگروں کو لے کر آئیں سورہ شعراء میں ہے۔ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ (سو جمع کئے گئے جادوگر مقررہ دن میں جو معلوم تھا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہو گے تاکہ ہم جادوگروں کا اتباع کریں اگر وہ غالب ہو جائیں) چنانچہ شہروں میں اہل کار بھیجے گئے اور فرعون کی قلم رو سے جادوگر جمع کئے گئے اہل دنیا' دنیا ہی کے لئے سوچا کرتے ہیں ان کو اپنی حکومت کی فکر پڑ گئی۔ اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعوت توحید اور اس کی محنت کو حکومت چھیننے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے پر محمول کیا۔ (کما فی سورۃ یونس وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ) جادوگروں نے بھی (جو اس وقت دنیا کے طالب تھے) اپنی دنیا بنانے کی بات سوچی اور فرعون سے کہا کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی بڑا انعام دیا جائے گا اور کیا ہمارے عمل پر کوئی صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور صرف انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے!

مقابلہ کے لئے جادوگر میدان میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں یا پہلے آپ ڈالیں گے (کما فی سورۃ طٰہٰ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا أَلْقُوا (پہلے تم ہی ڈالو) چنانچہ ان لوگوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم ضرور غالب ہوں گے (کما فی سورۃ الشعراء) ان کی لاٹھیاں اور رسیاں لوگوں کی نظروں کے سامنے سانپ بن کر دوڑنے لگیں' یہ رسیاں کثیر تعداد میں تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاٹھی ڈالو انہوں نے لاٹھی ڈالی تو اژدھا بن گئی۔ ان لوگوں نے نظر بندی کی تھی جس کی وجہ سے ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اژدھا ان سب کو نگلنے لگا۔ اور ساحروں نے جو کھیل بنایا تھا جس کے ذریعہ لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ سب کھیل بنا بنایا ختم ہو گیا۔ اسی کو فرمایا فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے' سب باطل ہو گیا) فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانقَلَبُوا صَاغِرِينَ (سو وہ لوگ وہاں پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے)۔

اب آگے ہوا یہ کہ جادوگروں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے جس سے مقابلہ کیا یہ جادوگر نہیں ہے' یہ واقعی اللہ کا رسول ہے اور اس کے ساتھ واقعی اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ جب حق واضح ہو گیا تو ان سے نہ رہا گیا اور فوراً سجدہ میں گر گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے چونکہ ایمانیات کا تفصیلی علم نہ تھا اس لئے انہوں نے اجمالی ایمان کا اعلان کر دیا۔ قرآن مجید میں لفظ سجدوا یا خروا سجدا کے بجائے وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ انکے دل میں حق نے اس قدر گھر کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے فرعون سے انعام لینے کے متمنی تھے اور ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غلامی کے گن گانے لگے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنتُم بِهِ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ۔ (فرعون نے کہا تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے آئے) بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور پختہ وفاداری اسی کو سمجھتے ہیں کہ عوام اسی دین پر رہیں جو شاہان مملکت ان کے لئے تجویز کریں۔ اسی بنیاد پر فرعون نے یہ کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے مسلمان ہو گئے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ عوام کو اپنی خدائی اور حکومت کا وفادار رکھنے اور موسیٰؑ سے دور رکھنے کے لئے جو جادوگروں

سے مقابلہ کا مظاہرہ کرایا تھا اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اور جادوگر ہی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اُب تو لینے کے دینے پڑ گئے اور عوام کو اپنی طرف کرنے کے لئے اس نے جادوگروں کو خطاب کیا کہ تم میری اجازت سے پہلے اس شخص پر ایمان لے آئے اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ (بلاشبہ یہ ایک مکر ہے جو تم سب نے ملکر اس شہر میں کیا ہے) اور میری سمجھ میں آ گیا کہ یہی شخص ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ استاد اور شاگردوں کی ملی بھگت ہے لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا (تا کہ تم اس شہر سے اسکے رہنے والوں کو نکال دو) فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (سو تم سب عنقریب جان لو گے) پھر انکی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرعون نے کہا لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (میں ضرور ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا) ظالموں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب دلیل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماروں گا اور قتل کر ڈالوں گا۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (جادوگروں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمیں تیری دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں۔ قتل کریا کچھ کر اب تو ہم اپنے رب کے ہو گئے اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ہمارا رب ہمیں ایمان لانے پر جو انعامات عطا فرمائے گا ان کے مقابلہ میں یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اور تیری رضامندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب دلوں میں ایمان جگہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر مصیبت ہیچ ہو جاتی ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرنا اور دلیری کے ساتھ جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں جادوگروں کا ایک اور جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (وہ کہنے لگے کہ ہم ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تو فیصلہ کر دے جو بھی تجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تو اسی دنیا والی زندگی ہی میں تو فیصلہ کرے گا' بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تا کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرما دے اور جو کچھ تو نے جادو کروانے کے بارے میں ہم پر زبردستی کی وہ بھی ہمیں معاف فرما دے اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے)۔

جادوگروں نے فرعون سے مزید کہا وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا کہ یہ جو تو ہم سے ناراض ہو رہا ہے اور ہم سے انتقام لینے کا اعلان کر رہا ہے اس کا سبب کچھ نہیں ہے نہ ہم نے چوری کی نہ ڈاکہ ڈالا نہ کسی کو قتل کیا بس یہی بات تو ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی دلیلیں آ گئیں تو ہم ایمان لے آئے۔ یہ بات نہ کوئی عیب کی ہے نہ جرم کی ہے۔ نہ اس پر ہم سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی طرف سے اعراض کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا میں عرض کیا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے) اگر یہ واقعی اپنے قول کے مطابق عمل کرنے لگے تو ہمیں صبر عطا فرما دیجئے اور اتنا زیادہ صبر دیجئے جیسا کہ کوئی چیز انڈیل دی جاتی ہے اور ہمیں اس حال میں وفات دیجئے کہ ہم مسلمان ہوں۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ فرعون کی طرف سے قتل کے فیصلہ پر عمل ہونے لگے تو ہم اپنے ایمان والے فیصلہ میں ڈھیلے پڑ جائیں (والعیاذ باللہ من ذلک)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے جو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی یہ اُس نے کر دیا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہو سکا۔ تفسیر درمنثور (ص ۱۰۷ ج ۳) میں

3

حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ذکر لنا انھم کانو اول النھار سحرۃ و آخرہ شھداء (کہ جادوگر دن کے اول حصہ میں جادوگر تھے اور آخر حصہ میں شہید تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی چھوڑے رہے گا تا کہ وہ زمین میں فساد کریں اور تجھے اور

يَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

تیرے معبودوں کو چھوڑے رہیں۔ اُس نے کہا کہ ابھی ہم ایسا کریں گے کہ انکے بیٹوں کو مار ڈالیں گے اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم کو ان پر پوری طرح غلبہ حاصل ہے

قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون کو بھڑکایا کہ تو موسیٰ اور انکی قوم کو کب تک یوں ہی چھوڑے رہے گا

تفسیر: فرعون نے جو جادوگروں کو دھمکی دی تھی اس کا علم تو درباریوں کو ہو ہی گیا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے بطور خوشامد اور چاپلوسی کے فرعون کو اُبھارا اور اس سے کہا کیا تو موسیٰ اور اسکی قوم کو (جو اس کے ماننے والے ہیں خواہ بنی اسرائیل میں سے ہوں خواہ جادوگر ہوں خواہ وہ لوگ ہوں جو قوم فرعون میں سے مسلمان ہو گئے تھے) اسی طرح چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین میں فساد کرتے رہیں اور تجھ سے اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں سے علیحدہ رہیں؟ مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ اس کا کچھ انتظام کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کے ساتھی بڑھتے رہیں گے اور انکی جماعت زور پکڑ جائے گی جب سر سے پانی اونچا ہو جائے گا' بغاوت کو دبانا دُشوار ہو جائے گا لہٰذا ابھی سے کچھ کرنا چاہئے۔ فرعون کی سمجھ میں اور تو کچھ نہ آیا اس نے وہی قتل کی سزا تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہم سردست یہ کریں گے کہ انکے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے اور انکی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیں گے تا کہ ہماری خدمت میں لگی رہیں اور انکے زندہ رہنے سے کچھ بغاوت کا کوئی ڈر نہیں۔ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جب جادوگر مسلمان ہو گئے تو انہیں دیکھ کر قوم قبط سے بھی چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے تھے جو فرعون کی قوم تھی۔ اس سے فرعون کو اور اس کے درباریوں کو فرعون کی حکومت کے بالکل ختم ہو جانے کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لئے آپس میں مذکورہ بالا سوال جواب ہوا۔ اخیر میں فرعون کی یہ جو بات ذکر فرمائی۔ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کی کچھ بات آگے بڑھی ہے لیکن ابھی ہم کو طاقت اور قوت کی برتری حاصل ہے ہم نے جو اُن کے بیٹوں کے قتل کا فیصلہ کیا ہے واقعی ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ فرعون کے درباریوں نے جو یہ کہا: وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے اگرچہ انا ربکم الاعلی کا دعویٰ کیا تھا اور لوگوں سے اس نے یہ کہا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (کما فی سورۃ القصص) لیکن خود اُس نے اپنے لئے معبود تجویز کر رکھے تھے جنکی عبادت کرتا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اسکا یہ اعتقاد تھا کہ ستارے عالم سفلی کے مربی ہیں اور وہ خود نوع انسانی کا رب ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے لئے بُت تجویز کئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ ان بتوں کی عبادت کرو ممکن ہے کہ یہ اس کی اپنی ہی مورتیاں ہوں۔ رُوح المعانی میں ہے کہ اس نے ستاروں کی ان مورتیوں کو اٰلِهَتَكَ سے تعبیر کیا کیونکہ یہ اس کے تجویز کردہ معبود تھے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بلا شبہ یہ اللہ کی زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا

چاہے اس کا وارث بنائے اور عاقبت متقیوں کے لئے ہی ہوتی ہے وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں

وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ

اور آپ کے آنے کے بعد بھی، انہوں نے جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں

فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

زمین میں خلیفہ بنا دے، پھر وہ دیکھے گا کیسے عمل کرتے ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دُعاء کی تلقین کرنا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر بس گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے اور پرائے کا معاملہ شروع کر دیا، بنی اسرائیل غیر ملکی تھے ان کو فرعون کی قوم نے خوب دبا کر رکھا، ان کو خوب ستاتے تھے بیگاریں لیتے تھے اور طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ ان کے مجبور و مقہور ہونے کا یہ عالم تھا کہ مصری لوگ ان کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ اُف نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے تو قوم فرعون کی دُشمنی اور زیادہ بڑھ گئی خصوصاً جب فرعون کے بُلائے ہوئے جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگر مسلمان ہو گئے تو فرعونیوں کی طرف سے ظلم و ستم کا مظاہرہ اور بڑھ چڑھ کر ہونے لگا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم تو مصیبت ہی مصیبت میں ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی دُکھ ہی دُکھ میں مبتلا تھے اور آپکی تشریف آوری کے بعد بھی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ سے مدد مانگو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے مظالم سے کوئی چھٹکارا دینے والا نہیں صبر کے ساتھ دعائیں بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتے رہو۔ یہ نہ سوچو کہ فرعون کی اتنی بڑی حکومت ہے اور اس کا مضبوط تسلط ہے ہم اس کے چنگل سے کہاں چھوٹ سکتے ہیں، بظاہر تم تو عاجز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ وہ زمین کا مالک ہے۔ اسے اختیار و قدرت ہے وہ جس سے چاہے اپنی زمین کو چھین لے اور جسے چاہے اس پر تسلط عطا فرما دے۔ دنیا میں حق و باطل کی جنگ رہتی ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اچھا انجام انہیں کا ہوتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو تقویٰ اختیار کرو تا کہ حسن عاقبت کے انعام سے نوازے جاؤ۔ تم اپنے رب سے دُعا مانگتے رہو۔ اسی سے لو

لگاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرمادے گا اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمادے گا۔ لیکن خلافت ملنے کے بعد تم دوسرے امتحان میں پڑ جاؤ گے۔ اب تو صبر کا امتحان ہے۔ اُس وقت شکر کا امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ زمین پر تسلط ہو جانے کے بعد تم کیا طریقہ اختیار کرتے ہو اور کیسے اعمال میں لگتے ہو۔ اس خلافت ارضی کو شکر کا ذریعہ بناتے ہو یا گناہوں میں پڑ کر ناشکری میں مبتلا ہوتے ہو۔ طاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دینے کیلئے اور گناہوں سے بچنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو پیشگی آگاہ فرمادیا کہ دیکھو تمہیں ابھی اقتدار نہیں ملا جب اقتدار ملے گا تو زمین میں فساد نہ کرنا اور اللہ کے نیک بندے بن کر رہنا سورۂ یونس میں ہے: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور نماز قائم رکھو اور اہل ایمان کو بشارت دو) چونکہ بنی اسرائیل بہت زیادہ مقہور تھے۔ کھلے طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اس لئے حکم فرمایا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھتے رہو۔ اس کے بعد سورہ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مذکور ہے جو فرعون اور فرعونیوں کے حق میں بد دعا تھی اور ان کی دعا مقبول ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس سے تمام اہل ایمان کو سبق مل گیا کہ اگر کسی جگہ کافروں کے ماحول میں ہوں اور مغلوبیت کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں اور دشمن کے سامنے عبادت کرنے میں مشکلات ہوں تو اپنے گھروں میں عبادت کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی کے ذریعہ اور پھلوں میں کمی کے ذریعہ پکڑ لیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا

پھر جب آجاتی ان کے پاس خوشحالی تو کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونی ہی چاہئے اور اگر انہیں کوئی بدحالی پہنچ جاتی تو

بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے تھے۔ خبردار اُن کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور وہ کہنے لگے کہ جب بھی کوئی نشانی ہمارے سامنے لائے گا تا کہ تو اس کے ذریعہ ہم پر جادو کرے سو ہم تیری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

قوم فرعون کی قحط سالی وغیرہ کے ذریعہ گرفت ہونا اور ان کا اُلٹی چال چلنا

تفسیر: مصر میں فرعونیوں کی حکومت تھی خوب عیش و عشرت اور تنعم میں تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام

نے اُنہیں ایمان کی دعوت دی تو اُنہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور ساتھ ہی بنی اسرائیل پر مزید ظلم وستم ڈھانے کا فیصلہ کرلیا' اور اللہ تعالیٰ کی بھرپور نعمتیں ہوتے ہوئے شکر ادا کرنے کے بجائے کفر ہی پر جمے رہے۔ لہٰذا بطور تنبیہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اُن پر قحط سالی بھیج دی۔ اہل مصر کو دریائے نیل کے پانی پر بھروسہ رہا ہے وہ سمجھتے رہے ہیں کہ ہمارے کھیتوں کی آب پاشی کے لئے یہ میٹھا اور عمدہ پانی خوب زیادہ کافی اور وافی ہے۔ لیکن وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ پیداوار پانی سے نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے سارے کام کرلئے جائیں' زمین کو سینچ دیا جائے اس میں بیج ڈال دیا جائے اور خوب آبپاشی کردی جائے لیکن ضروری نہیں کہ کھیتی اُگ جائے اور اگر اُگ جائے تو ضروری نہیں کہ آفات سے محفوظ رہے اور دانے پیدا ہونے تک قائم رہے۔ اور پھر اگر محفوظ ہو جائے اور غلہ بھی پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ غلہ ضائع ہونے سے محفوظ رہ جائے اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس غلہ کو کیڑے مکوڑوں کے ذریعہ ختم فرمادے اور کاشت کرنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں۔

سورہ واقعہ میں فرمایا: اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطٰمًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَ اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ (بتاؤ تم جو کچھ بوتے ہو کیا تم اس کو اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چوراچورا بنادیں۔ پھر تم تعجب کرتے ہوئے رہ جاؤ کہ بلاشبہ ہم پر تاوان پڑ گیا' بلکہ ہم محروم رہ گئے) کیا دھرا سب ضائع ہوا جو بیج ڈالا تھا وہ بھی گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لیست السنة بان لا تمطروا ولكن السنة ان تمطروا ولا تنبت الارض شيئا۔ (قحط یہ نہیں ہے کہ بارش نہ ہو لیکن قحط یہ ہے کہ بارش خوب ہو اور زمین کچھ بھی نہ اُگائے) (رواہ مسلم ص ۳۹۳ ج ۲)

اللہ جل شانہٗ نے مصریوں پر قحط بھیج دیا جو کھیتیاں نہ اُگنے کی صورت میں ظاہر ہوا اور پھلوں میں بھی کمی فرمادی جسے وَنَقۡصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ سے تعبیر فرمایا۔ ان کی کھیتیوں کی پیداوار بھی گئی اور باغوں میں جو پھل پیدا ہوتے تھے ان میں بھی خوب کمی آگئی۔ ان کو اس میں اس لئے مبتلا فرمایا کہ نصیحت حاصل کرلیں اور عبرت لیں۔ سختی کی بجائے قلب نرم ہونے چاہئیں۔ انہیں کفر سے توبہ کرنا اور ایمان قبول کرنا تھا لیکن وہ اُلٹی ہی چال چلے اور وہ یہ کہ جب خوشحالی ہوتی تو کہتے تھے کہ ہم تو اسی کے مستحق ہیں۔ ہم اس لائق ہیں کہ ہمارا یہی حال ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام سمجھ کر شکر گزار ہونے کے بجائے اپنا ہی کمال سمجھتے تھے اور جب کسی طرح کوئی مصیبت پہنچتی جیسے قحط میں مبتلا ہو گئے یا اور کسی طرح کی آفات وبلیات سے دوچار ہوئے تو کہتے تھے کہ ہم تو خوشحالی کے اور آرام وراحت کے مستحق ہیں اور اسی کے لائق ہیں۔ اب یہ جو مصیبت آئی ہے یہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔ ان کی نحوست کی وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس گئے اپنے کفر اور ناشکری کو مصیبتوں کا سبب سمجھنے کے بجائے صالحین اور شاکرین اور ذاکرین کے وجود کو اور ان کی دعوت توحید کو اور ان کے اعمال صالحہ کو مصیبت آنے کا سبب بتاتے تھے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ (خبردار ان کی نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے) یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔ اسے اسباب اور مسببات کا علم ہے اور جو کچھ مخلوق کو پیش آتا ہے۔ اللہ کی قضاء وقدر سے ہے اور اسی کی طرف سے ہے اسباب کے اعتبار سے یہ نحوست ان کو اس لئے درپیش ہوئی کہ وہ کفر پر جمے ہوئے ہیں وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم فرعون کے بعض افراد سمجھتے تو تھے کہ یہ مصیبت کفر کی وجہ سے ہے لیکن اکثریت سے مغلوب تھے۔ نہ حق بات کہہ سکتے تھے اور نہ حق قبول کرتے تھے۔

قوم فرعون کا یہ طریقہ تھا کہ نہ صرف آیات اور معجزات کو دیکھ کر ایمان قبول نہیں کرتے تھے بلکہ جو بھی کوئی معجزہ سامنے آتا تھا موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ یہ تمہارا دھندہ جادو ہے تمہارے جادو کے ذریعہ ایسی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ تم کچھ بھی کرلو ہم تمہاری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد مزید عذابوں کا تذکرہ فرمایا جن کے ذریعہ قوم فرعون کی گرفت ہوئی۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ

سو ہم نے ان پر طوفان بھیج دیا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون' یہ نشانیاں تھیں

مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ

کھلی ہوئی۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ اور ان پر جو عذاب واقع ہوتا

قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

تو کہتے تھے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے عذاب کو ہٹا دیا

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ

تو ہم ضرور تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ ضرور بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے' پھر جب ہم ان سے

الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

عذاب کو ایک مدت تک ہٹا دیتے جس مدت تک ان کو پہنچنا تھا تو وہ اس وقت عہد شکنی کر دیتے تھے۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لے لیا

فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

سو ان کو اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا سمندر میں غرق کر دیا' اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور ہم نے

الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ

ان لوگوں کو زمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جو ضعیف شمار کئے جاتے تھے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا

اور آپ کے رب کی نیک بات بنی اسرائیل پر پوری ہو گئی۔ اس سبب سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہم نے برباد کر دیا

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جو کچھ وہ اونچی عمارتیں بنایا کرتے تھے

قوم فرعون پر طرح طرح کے عذاب آنا اور ایمان کے وعدے کر کے پھر جانا

تفسیر: فرعون اور قوم فرعون جب برابر بغاوت اور سرکشی پر جمے رہے بلکہ عناد اور طغیانی میں ترقی کرتے چلے گئے اور ان پر قحط بھیج کر جو تنبیہ کے لئے اور سرکشی کی سزا کے طور پر ایسی چیزیں بھیج دیں جو ان کے لئے وبالِ جان بن گئیں۔ اَلطُّوْفَانَ اور اَلْجَرَادَ اور اَلْقُمَّلَ اور الضَّفَادِعَ اور اَلدَّمَ فرما کر ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا' لفظ اَلطُّوْفَانَ فُعلان کے وزن پر ہے اور یہ عام طور سے پانی کے سیلاب کے لئے مستعمل ہوتا ہے اگر یہی معنی لئے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ قوم فرعون کی کھیتیوں اور رہنے کی جگہوں میں سیلاب بھیجے جس کی وجہ سے وہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہو گئے۔

طوفان سے کیا مراد ہے؟: صاحب روح المعانی (ص ۳۴ ج ۸) لکھتے ہیں کہ لفظ طوفان پانی کے طوفان کے لئے مشہور ہے اور جس طوفان کا یہاں ذکر ہے اس کی تفسیر متعدد روایات میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہیں پانی کے طوفان ہی سے کی گئی ہے اور حضرت عطا اور مجاہد نے فرمایا کہ اس سے موت مراد ہے' مفسر ابن جریر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوعاً اسکی روایات کی ہے۔ اگر یہی روایت لی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں میں وباء کے طور پر موت کی کثرت ہو گئی۔ وھب بن منبہ سے منقول ہے کہ اہل یمن کی لغت میں طوفان بمعنی طاعون آتا ہے۔ اور حضرت ابو قلابہ نے فرمایا کہ اس سے چیچک مراد ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ چیچک کا عذاب سب سے پہلے انہی لوگوں پر آیا تھا' یہ دونوں قول بھی کثرت موت ہی کی طرف راجع ہیں جسے حضرت عطا اور مجاہد نے اختیار فرمایا۔

ٹڈی اللہ کا لشکر ہے: والجراد یہ جرادۃ کی جمع ہے جو عربی زبان میں ٹڈی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ٹڈی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اکثر جنود اللہ تعالیٰ لا اکلہ ولا احرمہ یعنی یہ اللہ کے لشکروں میں تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہے میں نہ اسے کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں' اخرجہ ابو داؤد فی کتاب الاطعمۃ (باب فی اکل الجراد) و ابن ماجہ فی کتاب الصید (باب صید الحیتان والجراد) مطلب یہ ہے کہ (اللہ کے لشکروں) میں تعداد کے اعتبار سے زیادہ ٹڈی والا لشکر ہے میں اسے نہ کھاتا ہوں نہ حرام قرار دیتا ہوں۔ اس کے کھانے سے چونکہ لشکر میں کمی آتی ہے اس لئے خود کھانا پسند نہیں کرتا دوسروں کو منع نہیں کرتا۔ واقعی ٹڈی بہت بڑا لشکر ہے۔ بظاہر زمین پر نظر نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اس لشکر کو بھیج دیتا ہے تو میلوں تک یہ لشکر کھیتوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اور کسی فوج اور لشکر کے قابو میں نہیں آتا۔ بھگانے سے بھاگتا نہیں اور ختم کرنے سے ختم ہوتا نہیں' سڑکوں اور گھروں میں پہنچ جائے تو سب کے لئے آفت جان بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس لشکر کے ذریعہ فرعونیوں کی سرکوبی فرمائی۔ اور انکو بہت بڑی مصیبت میں مبتلا فرمایا۔

قمل کی تفسیر: وَالْقُمَّلَ' یہ لفظ عام طور سے جوؤں کے معنی میں معروف ہے (کما ذکر المنجد فی القاموس) لیکن

صاحب روح المعانی نے مفسرین سے اس کے مصداق میں چند قول لکھے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے چھوٹی ٹڈی مراد ہے جس کے ابھی پر نہ آئے ہوں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو اُونٹ اور دیگر جانوروں کے جسم میں ہو جاتے ہیں۔ یہ کیڑے فرعونیوں کے جسموں میں ہو گئے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے چھوٹی چھوٹی چونٹیاں مراد ہیں' اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مراد ہیں جو گیہوں کے دانوں میں پڑ جاتے ہیں۔ (اوپر ترجمہ میں جو گھن کا کیڑا مذکور ہے یہ ترجمہ اس قول کے موافق ہے)۔

مینڈکوں کا عذاب: وَالضَّفَادِعَ۔ یہ ضفدع کی جمع ہے۔ عربی میں ضِفدع مینڈک کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی سزا کے لئے کثیر تعداد میں مینڈک بھیج دیئے تھے۔ ان کے برتنوں میں اور گھروں کے سامانوں میں اور گھر کے باہر میدانوں میں مینڈک بھر گئے۔ جو بھی برتن کھولتے اس میں مینڈک پاتے۔ انکی ہانڈیوں میں بھی مینڈک بھر گئے تھے۔ جب بھی کھانا کھانے لگتے تو مینڈک موجود ہو جاتے۔ آٹا گوندھنے بیٹھتے تو اس میں مینڈک بھر جاتے۔

خون کا عذاب: وَالدَّمَ۔ دم عربی زبان میں خون کو کہا جاتا ہے قوم فرعون پر خون کا عذاب بھی آیا تھا۔ نیل خون سے بھرا ہوا دریا ہو گیا۔ اور ان کے پینے کھانے پکانے کے جو پانی تھے وہ بھی سب خون ہی خون ہو گئے۔ جب کسی برتن سے فرعونی قوم کا آدمی پانی لیتا تو خون نکلتا اور اسی برتن سے اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا کوئی فرد پانی لیتا تو پانی ہی نکلتا۔

اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (یہ کھلی کھلی نشانیاں تھیں) جن سے صاف ظاہر تھا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے جادو نہیں ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ یہ نو نشانیاں تھیں جو نو سال میں ظاہر ہوئیں ہر سال میں ایک نشانی ظاہر ہوتی تھی (آیت مذکورہ بالا میں پانچ عذاب مذکور ہیں) بعض روایات میں ہے کہ جادوگروں کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کے پاس ۲۰ سال رہے اور برابر اس قسم کی چیزیں پیش آتی رہتی تھیں جو قوم فرعون کے لئے عذاب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے معجزہ ہوتی تھیں۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (سواُن لوگوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور ایمان قبول نہ کیا) ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کی اور کفر پر جمے رہے۔ یہ لوگ مجرمین تھے۔ ان کو ایمان قبول کرنا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ (الآیۃ)۔ اور جب ان پر عذاب واقع ہوا تو کہنے لگے کہ اے موسیٰ اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور مصیبت کو دور فرمائے گا۔

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم تیری تصدیق کریں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن' قتادہ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس میں انہی عذابوں کا تذکرہ ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عذابوں میں سے جو بھی عذاب ان پر آتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے کہتے تھے کہ تم اپنے رب سے دُعا کر کے اسے ہٹا دو اگر تم نے ایسا کر دیا تو ہم تمہاری تصدیق کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیں گے لیکن جب ایک عذاب ہٹ جاتا اور مطمئن ہو جاتے تو کہتے ہم تو ایمان نہیں لاتے اور ہر عذاب کو جادو بتادیتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ الرجز سے مستقل عذاب مراد ہے جو طاعون کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ بہر حال قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر اسلام لانے کا وعدہ کیا کہ عذاب رفع ہو جائے لیکن رفع ہو جانے کے بعد ایمان نہ لائے۔ قال تعالیٰ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ۔ (پھر جب ہم نے عذاب کو اس مدت تک ہٹا دیا جس مدت تک وہ پہنچنے والے تھے تو اچانک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ الٰی اجل سے انکے غرق کرنے کا وقت مراد ہے جو اللہ کے علم میں متعین تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے موت کا وقت مراد ہے۔ قوم فرعون نے کسی عہد کو پورا نہ کیا اور کفر پر جمے رہے۔

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۔ (پھر ہم نے اُن سے انتقام لیا سو ہم نے ان کو سمندر میں ڈبو دیا)۔ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (اور وہ لوگ ان سے غافل تھے) یعنی جو نشانیاں ان کے پاس آتی تھیں ان سے غفلت برتتے تھے اور ان کے ساتھ بے پرواہی کا معاملہ کرتے تھے نہ فکر مند ہوتے نہ نصیحت حاصل کرتے۔ بنی اسرائیل کے نجات پانے اور قوم فرعون کے غرق ہونے کا تذکرہ (سورہ بقرہ رکوع ۶) میں گزر چکا ہے نیز سورۂ شعراء (رکوع ۴) اور سورۂ قصص (رکوع ۱) اور سورۂ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے اور سورۂ شعراء میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہونا: قوم فرعون کی ہلاکت کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۔ کہ جن لوگوں کے ساتھ ضعف اور کمزوروں کا معاملہ کیا جاتا تھا (یعنی بنی اسرائیل جنہیں قوم فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور وہ اس حد تک مقہور تھے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا) ان کو اس سرزمین کے مشارق اور مغارب کا وارث بنا دیا جن میں ہم نے برکت دی۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے۔ فرعون کی گرفت سے نجات پا کر سمندر پار کرنے کے بعد وہ ملک شام آ گئے اگرچہ میدان تیہ میں چالیس سال گم گشتہ راہ ہو کر پھرتے رہے۔ لیکن پھر چالیس سال کے بعد انہیں اس سرزمین میں تمکن اور اقتدار حاصل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اللہ پاک نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ ۔ وہ پورا فرما دیا۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ (اور تیرے رب کی نیک بات پوری ہو گئی) یعنی جو انکی نصرت کا وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا جس میں تمکین فی الارض بھی داخل ہے جس کا ذکر سورہ قصص کے پہلے رکوع میں ہے۔ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ مزید فرمایا بِمَا صَبَرُوا یعنی بنی اسرائیل کو جو سرزمین عطا کی گئی اور نصرت اور تمکین کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہوا یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے مصیبتوں پر صبر کیا اور تکلیفوں کو جھیلا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بے صبری کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ

تعالیٰ اسے بے صبری ہی کی طرف سپرد فرما دیتا ہے اور جو شخص صبر کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرے اللہ تعالیٰ اُسے چھٹکارہ دینے کا ضامن بن جاتا ہے۔)

یَعْرِشُوْنَ کی تفسیر: وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔ (اور ہم نے برباد کر دیا ان کارروائیوں کو جو فرعون اور اسکی قوم کیا کرتے تھے اور جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے تھے) مَا كَانَ يَصْنَعُ اور وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ سے عمارات اور محلات وقصور مراد ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مَا كَانَ يَصْنَعُ سے فرعون اور اسکی قوم کے اعمالِ بد مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو زک دینے کے لئے اختیار کرتے تھے اور وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ سے بلند عمارات مراد ہوں۔ بلند عمارات میں وہ قصر بھی شامل ہے جس کے بنانے کا فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا پتہ چلاؤنگا۔ (کماذکر تعالیٰ شانہٗ من قول فرعون)

يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ الاية (سورۃ غافر)

فائدہ: اَلَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ سرزمین شام کے لئے فرمایا اس سرزمین کو برکتوں سے نوازنے کا تذکرہ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں مسجد اقصیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اَلَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ۔ اور سورۃ الانبیاء میں فرمایا۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا سو وہ ایک ایسی قوم پر آئے جو اپنے بتوں پر دھرنا دیئے ہوئے تھے۔

قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۗ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے معبود تجویز کر دیجئے جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔ انہوں نے کہا بیشک تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت کی باتیں کرتے ہو

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ

بلاشبہ یہ لوگ جس شغل میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اور یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کسی کو

اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی، اور جب ہم نے تمہیں نجات دی آل فرعون سے

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۗ وَفِيْ

جو تمہیں بری تکلیفیں دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں

ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے

سمندر سے پار ہو کر بنی اسرائیل کا بُت پرست بننے کی خواہش کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کو جھڑکنا

تفسیر: گزشتہ آیات میں فرعونیوں کے دنیاوی عذابوں اور انکی ضد و عناد اور بالآخران کے غرق ہونے کا تذکرہ تھا' اُن آیات میں بنی اسرائیل کی ناشکری اور کج روی کا اور اس مظلومیت کا ذکر ہے جس میں یہ لوگ مصر کے زمانہ قیام میں مبتلا تھے۔ جب یہ لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکروں کو اپنی نظر سے ڈوبتا ہوا دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور زیادہ پختگی کے ساتھ جمتے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت میں مشغول رہتے اور توحید کی دعوت جو برسہا برس سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کانوں میں پڑ رہی تھی اس کو دل میں جماتے اور پورے رسوخ کے ساتھ موحد بنتے۔ لیکن اُنہوں نے عجیب رویہ اختیار کیا۔ جب سمندر سے پار ہو کر آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بتوں کی پرستش میں مشغول ہیں۔ اور وہیں دھرنا دیئے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کر دو جو ہمارے سامنے مجسمہ کی صورت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا کہ تم لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہو ان کے یہ معبود باطل ہیں ان کا شغل تباہ ہونے والا ہے اور جو عمل کر رہے ہیں وہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ شرک ہے شرک کو تو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا۔ مشرکوں کی کیوں ریس کرتے ہو' تم توحید پر جمے رہو' تمہیں معبود حقیقی کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے جو مجسم ہو کر سامنے نہیں آ سکتا۔ کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود تجویز کر دوں جس نے تمہیں تمہارے زمانہ کے جہانوں پر فضیلت دی؟ تم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نبی بھیجا جس کے ذریعہ تم نے فرعون سے نجات پائی۔ اب تم ایسی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو کہ اُسی رب العالمین جل مجدہ کے ساتھ پتھروں کو شریک بنانے کو تیار ہو۔

فرعون سے نجات دینا بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے: وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب فرما کر ان بدترین تکلیفوں کو یاد دہانی فرمائی جو فرعونیوں کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہنچا کرتی تھیں۔ یہ آیت تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ سورۂ بقرہ (رکوع ۷) میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱) وہاں اسکی تفصیل اور تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ وہاں يُذَبِّحُوْنَ فرمایا اور یہاں يُقَتِّلُوْنَ فرمایا ہے یہ لفظ کثرت قتل پر دلالت کرتا ہے اسی لئے ترجمہ یوں لکھا ہے کہ تمہارے بیٹوں کو کثرت کے ساتھ قتل کرتے تھے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں کے ذریعہ ان کی تکمیل

لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ

کر دی' اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میرے بعد میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤٢﴾

مفسدین کی راہ کا اتباع نہ کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا

تفسیر: مصر میں بنی اسرائیل بہت ہی زیادہ مقہور اور مجبور تھے وہاں انکو حکم تھا کہ ایمان لائیں اور گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔ جب فرعونیوں سے نجات پا گئے تو اب عمل کرنے اور احکامِ خداوندیہ کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے شریعت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف دینے کے لئے طور پہاڑ پر بُلایا اور وہاں تیس دن اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا لیکن تیس راتیں گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی مہک جاتی رہی جو روزہ دار کے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مزید دس راتیں وہیں گزارنے کا حکم دیا۔ جب چالیس راتیں پوری ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت شریف عطا فرمادی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر جانے کے لئے روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرنا اور انکی اصلاح کرتے رہنا اور ان میں جو مفسد ہیں ان کا اتباع نہ کرنا یعنی انکی رائے پر مت چلنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود بھی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کو پورا کرنے والے تھے لیکن قوم کے مزاج اور طبیعت کی کجروی کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید تاکید فرمائی۔ جب دریا پار ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایسا معبود بنا دو۔ اب خطرہ تھا کہ اس طرح کی کوئی اور حرکت نہ کر بیٹھیں اس لئے انکی نگرانی کے لئے تاکید فرمائی۔ آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ ان میں ایک شخص سامری تھا اس نے زیورات کا ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل نے اُسے معبود بنالیا' جیسا کہ چند آیات کے بعد یہاں سورۂ اعراف میں آرہا ہے۔ اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۱) نیز سورہ طٰہٰ میں بھی مذکور ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ

لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو سو اگر پہاڑ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے' پھر جب ان کے رب نے

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ

پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ کو چورا کر دیا۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہنے لگے آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ

اور میں ایمان لانے والوں میں پہلا شخص ہوں۔ فرمایا اے موسیٰ بلاشبہ میں نے اپنی پیغمبری اور اپنی ہمکلامی کے ساتھ لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں چن لیا

وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ

سو میں نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔ اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت

مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا

اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی سو آپ قوت کے ساتھ اسے پکڑیں اور اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کے

بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى

اچھے اچھے اعمال کو پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھا دونگا۔ میں عنقریب اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ

زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھ لیں تو اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ

الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ

دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے اپنا طریقہ بنا لیں۔ یہ

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل تھے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔ ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لئے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے طور پر جانے کا جو وقت مقرر ہوا تھا وہ اس کے مطابق وہاں پہنچے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان راتوں کی ابتداء ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے تھی پھر مزید دس راتیں ماہ ذی الحجہ کے شروع

کی بڑھا دی گئیں اور دس ذی الحجہ کو توریت شریف عطا کی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر پہنچے تو اللہ رب العزت جل مجدہٗ سے ہمکلامی ہوئی اور اس کے بعد ان کو اشتیاق ہوا کہ اپنے رب کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھیں' لہٰذا درخواست پیش کردی کہ اے رب مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے' میں آپ کی ذات پر یقین بھی رکھتا ہوں اور ہمکلام بھی ہوا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ دیدار بھی کرلوں' اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اہل جنت دیکھیں گے۔ جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور انکی امتیں بھی ہوں گی۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوسکتا۔ جنت میں جو قوت اور طاقت برداشت دی جائے گی۔ وہ دنیا میں نہیں دی گئی۔ اسی لئے سورۂ انعام میں فرمایا لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن پانچ باتیں بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

۱- بیشک اللہ نہیں سوتا اور اُسکی شایانِ شان نہیں کہ وہ سوئے۔

۲- وہ ترازو کو بلند کرتا ہے اور پست کرتا ہے (یعنی اعمال کا وزن فرماتا ہے۔ جن کا وزن کمال اور نقص اور اخلاص کے اعتبار سے کم و بیش ہوتا ہے)

۳- اس کی طرف دن کے اعمال سے پہلے رات کے اعمال اُٹھائے جاتے ہیں۔

۴- اور رات کے اعمال سے پہلے دن کے اعمال اُٹھائے جاتے ہیں۔

۵- اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اسکی ذاتِ گرامی کے انوار اس سب کو جلا دیں۔ جہاں تک مخلوق پر اسکی نظر پہنچتی ہے (یعنی ساری مخلوق جل کر ختم ہوجائے) (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے چھپنے چھپانے کے لئے مادی پردے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا پردہ نہیں' اس کا پردہ عزت و جلال کا پردہ ہے اگر اسکی ذات عالی کی تجلی ہوجائے تو ساری مخلوق جل کر رہ جائے (قال النووی و التقدیر لو ازال المانع من رؤیته وهو الحجاب المسمی نورا او نارا و تجلی لخلقه لا حرق جلال ذاته جمیع مخلوقاته و الله تعالٰی اعلم. اھ) (علامہ نوویؒ فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے رکاوٹ سٹ جائے اور وہ پردہ ہے جیسے نور یا نار کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر تجلی فرمائے تو اس کی ذات کا جلال تمام مخلوقات کو جلا دے)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن تم ایسا کرو کہ پہاڑ کی طرف دیکھو' اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے' انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا۔ جب پہاڑ پر اللہ جل شانہ کی تجلی ہوئی جو اسکی شایانِ شان تھی تو پہاڑ چورا چورا ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ہوش آیا (بیہوشی میں کتنا وقت گزرا اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے واقعی تو اس دُنیا میں دیکھے جانے سے منزہ اور برتر و بالا ہے۔ میں نے جو دیدار کی درخواست کی تھی اس سے توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے اس بات کا یقین کرنے والا ہوں کہ واقعی آپ کا دیدار نہیں ہوسکتا۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلہ میں پیغمبری اور ہمکلامی کے ساتھ چُن لیا (یعنی جو لوگ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں ان کے مقابلہ میں تمہیں یہ شرف عطا فرمایا) لہٰذا جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا اس کو لے لو اور شکر گزاروں میں سے ہوجاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتیں گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی جو تختیوں میں لکھی ہوئی تھی اس میں احکامِ شرعیہ تفصیل سے لکھے ہوئے تھے اور ہر طرح کی نصیحتیں بھی تھیں۔ حلال وحرام کو واضح طریقہ پر بیان فرمادیا تھا۔ اور محاسن ومساوی (اچھے برے کاموں) کو تفصیل سے بتادیا تھا۔ اسی کو فرمایا: وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ تاب عطا فرمانے کے ساتھ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ بھی فرمایا کہ اسے قوت اور مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا کہ اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے احکام کو پکڑے رہیں جو اچھے اچھے کام ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۵۹ ج ۹) ومعنی احسنیتها اشتما لها علی الاحسن فانه احسن کالصبر بالاضافة الی الانتصار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام کے احسن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی پر مشتمل ہوں پھر وہ اپنے کرنے والے کے انتصار کی بناء پر احسن بنتے ہیں)

سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ (میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کا گھر دکھادوں گا) نافرمانوں کے گھر سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مصر مراد ہے جہاں بنی اسرائیل کو (ایک قول کی بناء پر) فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد جانا نصیب ہوا تھا۔ اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے جبابرہ عمالقہ کی سرزمین مراد ہے جس کے بارے میں سورۂ مائدہ میں فرمایا: يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (الایہ)

حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہوگئے اور وہاں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔ یہ علاقہ فلسطین کا تھا جو شام میں ہے۔ صاحب روح المعانی نے دار الفاسقین کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ اس سے عاد وثمود کے منازل اور ان قوموں کے مساکن مراد ہیں جو اُن سے پہلے ہلاک ہوچکے تھے۔ اور چوتھا قول حضرت حسن اور حضرت عطا سے یوں نقل کیا ہے کہ دار الفاسقین سے جہنم مراد ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ توریت کے احکام پر عمل کرو۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

جب توریت شریف تختیوں پر لکھی ہوئی یکجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گئی تو آپ ان تختیوں کو لے کر اپنی قوم میں تشریف لائے۔ قوم کا مزاج عجیب تھا۔ اطاعت اور فرمانبرداری سے دُور تھے اس لئے سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ کے بعد مزید یوں فرمایا کہ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (کہ میں اپنی آیات سے ایسے لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو دنیا میں شرعی احکام پر عمل کرنے سے تکبر کرتے ہیں اور ان کا یہ تکبر ناحق ہے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیات سے برگشتہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگادی جائے گی وہ آیات میں تفکر نہ کریں گے اور تکبر وتجبر کی وجہ سے کوئی عبرت حاصل نہ کریں گے ان کے برگشتہ ہونے اور برگشتہ رہنے کا سبب ان کا تکبر ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے آیات الٰہیہ سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وهذا كقوله تعالٰی فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ۔ اسکے بعد متکبرین کی مزید بدحالی بیان فرمائی۔ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا (اور اگر ہر نشانی کو دیکھ لیں خواہ انبیاء کے معجزات ہوں یا آیاتِ تکوینیہ ہوں۔ وہ ایمان نہیں لاتے)

وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا۔ (اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اس راستے کو اختیار نہیں کرتے)

وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار کرلیتے ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔

اس میں متکبرین کو نصیحت ہے کہ وہ تکبر پر رہتے ہوئے آیاتِ الٰہیہ سے منتفع نہ ہو سکیں گے اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی میں لگے رہیں گے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (کہ ان لوگوں کا تکبر کرنا اور آیات پر ایمان نہ لانا اور راہِ ہدایت سے اعراض کرنا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان آیات کی طرف سے غافل رہے) لا پرواہی اختیار کی اور ان آیات میں تفکر نہ کیا اور تدبر سے کام نہ لیا۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۔ (جن لوگوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کے دن کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یعنی آخرت پر ایمان نہ لائے ان کے اعمال اکارت ہو گئے)۔

دنیا میں جو کام کیے آخرت میں بالکل کام نہ آئیں گے اگرچہ بظاہر نیک کام تھے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی دنیا بنانے اور دنیاوی ترقی کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ سب برباد ہو گیا کیونکہ آخرت میں یہ چیزیں بالکل کام نہ آئیں گی۔

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کو انکے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا) کفر پر جو اڑے رہے اس کا بدلہ دائمی عذاب کی صورت میں مل جائے گا۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا جو ایک ایسا جسم تھا کہ اس میں سے گائے کی آواز آرہی تھی۔ کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا

اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا

کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی راستہ بتلاتا ہے۔ انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔ اور جب

سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا

وہ پچھتائے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ بلاشبہ وہ گمراہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں بخش نہ دے

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ

تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف اس حال میں واپس ہوئے کہ وہ غصہ میں اور رنج میں تھے تو انہوں نے کہا

بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ

کہ تم لوگوں نے میرے بعد میری بری نیابت کی۔ کیا اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے تم نے جلدی کر لی؟ اور موسیٰ نے تختیوں کو ڈال دیا اور بھائی کے

بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ

سر کو پکڑ لیا جسے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے میرے ماں جائے بلاشبہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں

فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ

لہٰذا مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کرو۔ موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے

وَلِاَخِیۡ وَاَدۡخِلۡنَا فِیۡ رَحۡمَتِكَ ۖۚ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۵۱﴾

اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ ارحم الرّاحمین ہیں

بنی اسرائیل کا زیوروں سے بچھڑا بنا کر اسکی عبادت کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضبناک ہونا

تفسیر: بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی اور گاؤ پرستی دیکھتے آئے تھے اسی لئے جب سمندر پار کر کے مصر کے علاوہ دوسرے علاقہ میں آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کا معبود بنا دیجئے جو مجسم ہو صورت و شکل ہمارے سامنے ہو۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لئے طور تشریف لے گئے تو ان کے پیچھے گؤ سالہ پرستی شروع کر دی جس کا واقعہ یہ ہوا کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے اس وقت انہوں نے قبطی قوم سے (جو مصر کے اصلی باشندہ تھے) زیور مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے۔ ان میں ایک آدمی سامری تھا جو سُنار کا کام کرتا تھا۔ اس نے اُن زیوروں کو جمع کر کے بچھڑے کی شکل بنالی اور اس کے منہ میں مٹی ڈال دی (یہ مٹی وہ مٹی تھی جو اُس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے نکالی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اُس مجسمہ سے گائے کے بچے کی آواز آنے لگی۔ یہ لوگ شرک سے مانوس تو تھے ہی۔ کہنے لگے ھٰذَآ اِلٰـھُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى فَنَسِىَ (کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طور پر معبود سے ہم کلام ہونے کے لئے گئے ہیں) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے ان کو سمجھایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمٰن ہے تم میرا اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس بچھڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے اور سامری سے سوال و جواب فرمانا سورۂ طٰہٰ رکوع ۴، ۵ میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے پہلے ہی مطلع فرما دیا تھا۔ تمہاری قوم تمہارے بعد گمراہی میں پڑ گئی ہے اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے اور گاؤ سالہ پرستی کا منظر دیکھا تو بہت سخت غضبناک اور رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ (کہ میرے بعد تم نے میری بُری نیابت کی) اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی۔

وَاَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيۡهِ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی مواخذہ فرمایا توحید کے خلاف جو منظر دیکھا تو غیرت دینی کے جوش میں توریت شریف کی تختیاں ایک طرف کو ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لئے۔ اُنہیں یہ گمان ہوا کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم میں کوتاہی کی، سورۂ طٰہٰ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا بھی ذکر ہے۔ توریت شریف کی تختیوں

کا ڈالنا اور بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑنا شدت غضب کی وجہ سے پیش آیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے آپ میرے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا آپ مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (میں انکے کام میں انکے ساتھ نہیں ہوں' لہٰذا میرے ساتھ برتاؤ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو ظالموں کے ساتھ کیا جاتا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی (اگرچہ خطا اجتہادی تھی) لہٰذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میری مغفرت فرمادے اور میرے بھائی کی بھی' اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمادے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گاؤ سالہ پرستی دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اور غضب و تأسف میں تھے اس لئے اپنے بھائی سے دارو گیر کرتے ہوئے انکی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے تھے پھر جب احساس ہوا تو اپنے لئے اور بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے۔

ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر زیادتی ہو جائے تو جہاں اس کی تلافی کا یہ طریقہ ہے کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ یہ طریقہ بھی ہے کہ اُس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ لیکن ہر حال میں اس کو راضی کرنا ضروری ہے' بعض مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ پہلے ہی دل سے معاف کر چکا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تعلقات کی وجہ سے ناگواری ہوتی ہی نہیں' لیکن جس کی طرف سے زیادتی ہوگئی ہو اُسے پھر بھی اپنے لئے اور اس کے لئے دُعائے مغفرت کر دینی چاہئے۔

لیس الخبر کالمعاینة: امام احمد نے اپنی مسند میں (ص ۲۷۱ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے (دیکھنے سے انسان جتنا متاثر ہوتا ہے خبر سے اتنا متاثر نہیں ہوتا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو (پہلے ہی) خبر دے دی تھی کہ تمہارے قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ہے۔ اس وقت تو توریت کی تختیوں کو نہ پھینکا پھر جب اپنی آنکھ سے انکی حرکت کو دیکھا تو تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔

القاء الواح پر سوال و جواب: یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا بھی احترام کرنا چاہئے تھا۔ توریت شریف کی تختیوں کو ڈال دینا ایک طرح کی سوءادبی ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے دو باتیں لکھیں ہیں۔

اوّل: یہ کہ ان تختیوں کو جلدی میں اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ڈال دے۔

دوم: یہ کہ دینی حمیت اور شدت غضب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے بے اختیار ہوئے کہ وہ تختیاں انکے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اگرچہ گری تھیں بلا اختیار لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو القاءِ اختیاری کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لئے القی الالواح سے تعبیر فرمایا۔ فان حسنات الابرار سیئات المقربین۔ (کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے برائیاں ہیں)(من روح المعانی ص ۶۷ ج ۹)

بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا: وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا (الآیۃ) جن لوگوں نے گئو سالہ پرستی کر لی تھی انہیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں سب سے بڑا دخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داروگیر اور سختی کا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو انکے تشریف لانے سے ہی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہو۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ فرمائے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے اللہ پاک کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (رکوع ٦) کی آیت وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ۔ کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے (انوار البیان جلد ۱) ان کی توبہ کی صورت یہ تجویز ہوئی تھی کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت کی تھی چنانچہ ایسا کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ

بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا انہیں ان کے رب کی طرف سے ضرور غصہ پہنچے گا اور ذلت پہنچے گی دنیا والی زندگی میں،

وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا

اور اسی طرح ہم افتراء کرنیوالوں کو سزا دیا کرتے ہیں اور جن لوگوں نے گناہ کئے پھر ان کے بعد توبہ کر لی

وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ

اور ایمان لے آئے تو بلاشبہ آپ کا رب اس توبہ کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے۔ مہربان ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا

اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

تو انہوں نے ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

بچھڑے کی پرستش کرنیوالوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلّت

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور بارگاہ الٰہی سے اپنے اور اپنے بھائی کے لئے مغفرت کا سوال پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی کہ انہیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غصہ پہنچے گا اور دنیا والی زندگی میں ذلت پہنچے گی اس غضب اور ذلت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ غضب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس میں قبولیت توبہ کے لئے ان لوگوں کے قتل کا حکم ہوا اور ذلت سے مراد ہے ان لوگوں کا یہ اقرار کر لینا کہ واقعی ہم نے گمراہی کا کام کیا اور پھر اپنی جانوں کو قتل کے لئے پیش کر دیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلت سے وہ

حالت اور کیفیت مراد ہے جو اُن لوگوں کو اس وقت پیش آئی جبکہ اس بچھڑے کو جلایا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا جس کی وجہ سے انہوں نے عبادت کی تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ ذلت سے وہ مسکنت مراد ہے جو انہیں اور انکی اولاد کو دنیا میں پیش آتی رہی اور بحالت سفر برسوں زمین میں گھومتے رہے۔

اور عطیہ عوفی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے اور آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ غضب اور ذلت سے بنی نضیر کا جلاوطن کر دینا اور بنی قریظہ کا قتل کیا جانا یہودیوں پر جزیہ مقرر کرنا مراد ہے اور یہ بات اس بنیاد پر کہی جاسکتی ہے کہ عہد رسالت میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء و اجداد کے اعمال سے بیزاری ظاہر نہیں کرتے تھے

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ (اور ہم اسی طرح افتراء کرنیوالوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں)

اس سے افتراء علی اللہ مراد ہے۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے بچھڑے کے بارے میں جو یہ کہا تھا کہ هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰـهُ مُوْسٰى (یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے) یہ بہت بڑا افتراء ہے اس کی سزا سامری کو بھی دی گئی اور ان لوگوں کو بھی دی گئی جو اس کے ساتھی تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی میں جو شخص بدعت نکالے گا وہ دیر سویر ذلیل ہوگا۔ دنیا میں اس کا ظہور نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ذلیل ہوگا)۔

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے:

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ (الآیہ) (اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے (جن میں گؤ سالہ پرستی بھی ہے) پھر اُن گناہوں کے بعد توبہ کر لی اور کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آئے تو آپ کا رب اس توبہ کے بعد ان کو معاف فرمانے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے)

واقعی پختہ توبہ کرنے کے بعد ان کی مغفرت ہوگئی۔ کفر و شرک کے بعد اسلام قبول کرنے سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ (بے شک اسلام لانا پہلے کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) (رواہ مسلم عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) اُوپر سے گو بنی اسرائیل کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن آیت کے عمومی الفاظ میں ہمیشہ کے لئے توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا اور یہ بتا دیا کہ اللہ غفور اور رحیم ہے۔

توریت شریف ہدایت اور رحمت تھی:

پھر فرمایا وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ (جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہو گیا تو انہوں نے توریت شریف کی تختیوں کو لے لیا) جنہیں غصہ میں ڈال دیا تھا۔ کیوں کہ مقصود تو انہیں پر عمل کرنا اور عمل کرانا تھا درمیان میں مشرکین کی حالت دیکھ کر جو غصہ آ گیا تھا اس کی وجہ سے تختیوں کو ڈال دیا تھا پھر ان کو اُٹھا لیا تا کہ تعلیم و تبلیغ کا کام شروع کیا جائے۔

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ (اور اس توریت میں جو لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت تھی اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں)

اور ڈرنے والے وہی ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ وذلک مثل قولہ تعالیٰ فی التنزیل العزیز هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (الآیة)

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وقت معین کے لئے چن لئے پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب

لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا

اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہمارے چند بیوقوفوں کی حرکت کے سبب ہمیں ہلاک فرماتے ہیں۔ یہ محض

فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

آپ کی طرف سے آزمائش ہے آپ اس کے ذریعہ جس کو چاہیں گمراہی میں ڈالیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر رکھیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ لہٰذا ہماری مغفرت فرما

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ

اور ہم پر رحم فرما اور بخش دینے والوں میں تو سب سے بہتر ہے اور لکھ دیجئے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی؛

اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

بیشک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ۚ

سو میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت کا واقع ہو جانا

تفسیر: بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ بے تکی باتیں کیا کرتے تھے اور شبہات نکالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ توریت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ جو عمل کرنے کے لئے نازل فرمائے ہیں۔ تم ان پر عمل کرو تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے فرمادے کہ یہ میری کتاب ہے اور میرے احکام ہیں تو ہم مان لیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب فرمائے تا کہ ان کو ہمراہ لے جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سنوائیں۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے اور کلام الٰہی کو سنا تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم کون بول رہا ہے ہم تو جب یقین کریں گے جبکہ بالکل اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں۔ یہ ان کی گستاخی کی بات تھی۔ ان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہیں دھرے رہ گئے۔ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بیہودگی کا اور بدگمانی کا خیال آیا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے بدگمان ہیں اب تو اور زیادہ بری بدگمانی کریں گے اور یوں کہیں گے کہ ہمارے آدمیوں کو لے جا کر وہیں ہلاک کر دیا۔ لہٰذا بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب

اگر آپ چاہتے تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھے ہلاک فرما دیتے جب آپ نے ایسا نہیں کیا (اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اس وقت ہلاک کرنا آپ کو منظور نہیں کیونکہ اس میں میری بدنامی ہے) تو آپ ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائیں تا کہ میں بنی اسرائیل میں مطعون اور بدنام نہ ہو جاؤں۔

"اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں معروض پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا آپ چند بیوقوفوں کی حرکت سے جو ہم ہی میں سے ہیں ہمیں ہلاک فرما دیں گے۔ یعنی اُمید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ مزید عرض کیا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ کہ یہ جو واقعہ پیش آیا کہ ان لوگوں کو رجفہ یعنی زلزلہ نے اور صاعقہ یعنی بجلی کی کڑک نے (کمافی سورۃ البقرۃ) پکڑ لیا۔ یہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہی ہے۔ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ آپ اس کے ذریعہ گمراہی میں ڈالیں جسے چاہیں اور جس کو چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر وہ لوگ صحیح سالم اُٹھ کھڑے ہوئے جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ شانہٗ سے مزید مغفرت اور رحمت طلب کرتے ہوئے عرض کیا اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا (اے رب آپ ہمارے ولی ہیں لہٰذا ہماری مغفرت فرما دیجئے) وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرمائیے وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ اور آپ معاف کرنیوالوں میں سب سے بہتر ہیں وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ (اور ہمارے لئے اس دنیا میں نیک حالت پر ہونا) لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (بلاشبہ ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں)

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میرا عذاب ہے جسے چاہوں پہنچادوں۔ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ سو عنقریب میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اللہ کی رحمت اگرچہ ہر چیز کو شامل ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت فرما سکتے ہیں اور رحمت فرماتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی رحمت جو آخرت کی نجات ہے اور عذاب دائمی سے بچا دینا ہے وہ ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی کفر و شرک اور ہر قسم کے گناہ سے بچتے ہیں (اس میں قلب اور جوارح کے سب اعمال داخل ہیں) اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (اس میں احکام متعلقہ اموال داخل ہو گئے)

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ ادائے زکوٰۃ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ بنی اسرائیل پر زکوٰۃ کی ادائیگی بہت شاق تھی یہ لوگ حب دنیا میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے اس لئے مال خرچ کرنا ان کے نفسوں کے لئے بہت دُشوار تھا۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں اور رحمت دائمہ اہل ایمان ہی کے لئے مخصوص ہے اور اس میں بنی اسرائیل پر تعریض بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور جانتے پہچانتے ہوئے آخر الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے

منکر ہوئے۔ اس لئے حصلاً ہی وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ فرمایا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہودی جو اپنے کو مومن سمجھتے ہیں اور نبی اُمّی علیہ کا اتباع نہیں کرتے وہ اللہ کے نزدیک مؤمن نہیں ہیں اور رحمت دائمہ کے مستحق نہیں جو آخرت میں مومنین کو نصیب ہوگی۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنوانے کے لئے ساتھ لے گئے۔ یہ کتنی مرتبہ ہوا؟ علمائے تفسیر نے اس کے بارے میں تین مرتبہ جانا لکھا ہے۔

اول یہ کہ جب توریت شریف لینے کے لئے طور پر جا رہے تھے اس وقت ایک جماعت کو ہمراہ لے گئے تھے اور اس کا ثبوت سورہ طٰهٰ کی آیت وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰى. سے ہوتا ہے **دوسرے** جب بنی اسرائیل نے ان کے پیچھے بچھڑے کی عبادت کر لی تو اس وقت بارگاہِ الٰہی میں معذرت پیش کرنے اور قبولیت توبہ کی درخواست کرنے کے لئے ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ **تیسرے** جب ان پر توریت شریف پیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہم کیسے مانیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ اللہ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے تو ہم تسلیم کر لیں گے۔ لہٰذا ان کو تسلیم کرانے کے لئے اپنی قوم کے منتخب افراد کو ساتھ لے گئے۔ صاحب روح المعانی ص ۲۷ ج ۹ نے اس میں لمبی بحث کی ہے اس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے سورہ بقرہ کی آیت فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور سورۂ اعراف کی یہ آیت فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کا محمل ایک ہی قرار دیا ہے۔ یعنی دونوں جگہ اسی ایک واقعہ کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہم اس کتاب کو اللہ کی کتاب اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ کو نہ دیکھ لیں۔ ہم نے بھی انہیں کی اقتداء میں تفسیر لکھ دی ہے والعلم عند اللہ الکریم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے: آیت بالا میں اللہ کی رحمت کے وسیع ہونے کا ذکر ہے اسکی رحمت سب کو شامل ہے۔ دنیا میں جو مخلوق ایک دوسرے پر رحم کھاتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی عطا فرمودہ رحمت کا اثر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کی رحمت سو حصے ہے۔ اُس میں سے ایک رحمت دنیا میں اتاری ہے جو جن و انس اور چوپایوں میں اور زہریلے جانوروں میں تقسیم فرما دی۔ اسی کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتوں کو قیامت کے دن کے لئے مؤخر فرما دیا ہے۔ اس دن وہ اپنی ان رحمتوں کے ذریعہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۲۰۷)

اللہ کی رحمت بڑی ہے دنیا میں ہر نیک و بد کو شامل ہے یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ مؤمن اور کافر نیک اور بد بلکہ خدائے تعالیٰ کے منکر اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہیں آرام کی زندگی گزارتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور پہنتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے، یہ اسکی مشیت سے متعلق ہے۔ وہ کسی پر رحم کرنے یا کسی کو عذاب دینے پر مجبور نہیں ہے یعنی اسکی رحمت ماں باپ کی مامتا کی طرح نہیں ہے کہ وہ طبعی طور پر اولاد پر رحم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص ۷۶ ج ۹) لکھتے ہیں ای شانها انها واسعة کل شئ ما من مسلم ولا کافر ولا مطیع ولا عاص الاوهو منقلب فی الدنیا بنعمتی ......والمشیة معتبرة فی جانب الرحمة ایضا و

عدم التصرح بها قيل تعظيما لامر الرحمة وقيل للاشعار بغاية الظهور. اھ (یعنی رحمت الٰہی کی شان یہ ہے کہ وہ ہر ایک کو شامل ہے خواہ کوئی مسلمان ہو یا کافر فرمانبردار ہو یا نافرمان البتہ دنیا میں رحمت نعمتوں کی شکل میں ہے اور رحمت کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اعتبار ہے اور یہاں پر اس بات کی تصریح نہ کرنا رحمت الٰہی کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے، بعض نے کہا رحمت الٰہی کے بے انتہاء ظہور کی وجہ سے رحمت نہیں کی)

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی
جو لوگ رسول نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے پاس
التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ
توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ اُنہیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں اور ان کے لئے
الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ
پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں، اور وہ طوق ہٹاتے ہیں جو ان پر تھے

نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر یہود ونصاریٰ توریت وانجیل میں پاتے ہیں

تفسیر: یہ آیت سابقہ کے آخری جملہ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دائمی رحمت کے مستحق متقی اور اہل ایمان ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں جو اہل ایمان تھے اور اب جو اہل ایمان ہیں ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ رحمت دائمہ لکھ دے گا، اب اہل ایمان وہ لوگ ہیں جو نبی اُمی آخر الانبیاء علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ اُن کی رسالت اور نبوت کے منکر ہیں وہ کیسا ہی ایمان کا دعویٰ کریں اللہ کے نزدیک ان کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ علیہ السلام کی صفات بیان فرمائیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور نبی ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اُمّی ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ علیہ السلام اللہ کے رسول بھی ہیں اور اللہ کے نبی بھی ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ رسول وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مستقل کتاب اور شریعت لے کر آیا ہو۔ اور نبی کا کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر پر ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ مستقل کتاب یا شریعت نہ ہو۔

جس نبی کے ساتھ مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ تھی وہ اپنے سے سابق رسول کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کرتا تھا۔ یہ فرق اگر تسلیم کرلیا جائے تو بعض انبیاء کے تذکرہ میں جو رسول اور نبی ایک ساتھ فرمایا ہے اور مشہور ہے کہ وہ مستقل کتاب اور مستقل شریعت والے نہیں تھے (جیسا حضرت اسماعیل علیہ السلام) تو اس میں رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہوگا۔ الامی اور الرسول اور النبی سے آیت بالا میں سیدنا محمد رسول اللہ علیہ السلام مراد ہیں۔ آپ کو الامی سے ملقب فرمایا۔ عرب کے محاورہ میں اُمّی اسے کہتے ہیں جس نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا (نہ سیکھا ہو اور آپ علیہ السلام نے بھی

کسی سے لکھنا پڑھنا) نہیں سیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وقدرت سے آپ کو وہ علوم عطاء فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔ مخلوق میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی صاحب علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علوم دیئے تھے ان ہی میں سے وہ سب خبریں ہیں جو آپ نے عالم کی ابتدا آفرینش سے لے کر جنت میں سب سے آخر تک داخل ہونے والے شخص کے داخلہ تک بتا دیں اور اہل دوزخ کے احوال بتا دیئے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے احوال اور واقعات بیان کئے جن میں سے کسی ایک کی بھی یہودی تکذیب نہ کر سکے ایسے اُمی پر کروڑوں اہل علم قربان اس کو فرمایا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتبخانہ چند ملت بشست

اس سب تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اُمی ہونا آپ کی ذات گرامی کے لئے عیب کی بات نہیں بلکہ سراپا مدح اور خیر و خوبی کی چیز ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ (نبی اُمی ﷺ کو وہ لوگ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور خاص کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کی بعثت کی بشارت دینا یہود و نصاریٰ میں معروف و مشہور تھا۔ سورۂ صف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں میرے سامنے جو توریت ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے) احمدؐ محمد دونوں رسول اللہ ﷺ کے اسماء گرامی ہیں۔

توریت شریف میں آپ ﷺ کی صفات: حضرت عطا بن یسار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو میں نے کہا کہ توریت میں جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے وہ مجھے بتایئے' انہوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جو آپ کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت شریف میں بھی ہیں۔ یعنی یہ کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اُمیین (یعنی عرب) کی حفاظت کرنیوالا بنا کر بھیجا تو میرا بندہ ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتا۔ لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اُٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعے کجی والی ملت کو سیدھا نہ کر دے۔ اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان صحیح بخاری سے مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۲ میں نقل کیا ہے سنن دارمی ص ۱۴ ج ۱ میں بھی یہ مضمون ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مذکورہ بالا مضمون کی روایت کی۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی حق شناسی: حضرت عبداللہ بن سلام پہلے یہودی تھے اور ان کے علماء میں سے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا اور آپ کی نبوت کی وہ علامات دیکھ کر جو

انہیں پہلے سے معلوم تھیں آپ کو پہچان لیا اور اسلام قبول کرلیا۔ ان کے علاوہ عموماً یہودیوں نے آپ کو پہچان کر اور آپ کی نبوت کو حق جان کر ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی اور چند افراد کے علاوہ وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ انکی جہالت وضلالت نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ساتھ نہ دیا۔ یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کے ذریعہ کجی والی ملت کو سیدھا فرمائے گا۔ اس سے ملت ابراہیمی مراد ہے جسے مشرکین عرب نے بگاڑ دیا تھا۔

یہودیوں نے آپ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر مشرکین سے جنگ کریں گے۔ لیکن جب آپ تشریف لے آئے اور آپ کو پہچان بھی لیا کہ واقعی یہ وہی نبی ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے تو اس کے باوجود منکر ہو گئے۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔

نصاریٰ بھی انجیل شریف میں آنحضرت ﷺ کی علامات پڑھتے چلے آرہے تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا۔ لیکن عام طور سے وہ بھی منکر ہو گئے۔ نصاریٰ نجران کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اور آپ نے جو انہیں مباہلہ کی دعوت دی اور وہ مباہلہ سے منحرف ہوئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں ایمان نہ لائے۔

قیصر روم کا اقرار: ہرقل (قیصر روم) نے بھی یہ مان لیا کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا ذکر صحیح بخاری (ص ۴ ج ۱) باب بدء الوحی میں موجود ہے۔ جانتے پہچانتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار یہود ونصاریٰ دونوں قوموں نے کیا۔ دورِ حاضر کے نصاریٰ کی ڈھٹائی دیکھو کہ موجودہ بائبل میں (جو پہلے سے بھی محرف ہے) بھی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی پائی تو اسکی تحریف پر اُتر آئے۔

توریت شریف کی پیشین گوئی اور اس میں بائبل شائع کرنے والوں کی تحریف

کتاب استثناء باب ۳۳ میں اس طرح پیشین گوئی موجود ہے۔ خداوند سیناء[۱] سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اور اس کے سارے مُقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیری باتوں کو مانیں گے۔

چونکہ اس پیشین گوئی میں لفظ فاران موجود ہے جو مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران پر جلوہ گر ہونے کا تذکرہ ہے اور یہ دس ہزار وہ صحابہؓ تھے جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے فتح مکہ کے موقع پر گئے تھے۔ لہٰذا تحریف کے مجرمین کو یہ دونوں باتیں بھاری پڑیں۔ اس لئے انہوں نے سابقہ تحریفات میں اضافہ کردیا (جب تحریف پر ہی دین اور دیانت کی بنیاد رکھ لی تو اب آگے تحریف کرنے میں خوف خدا لاحق نہ ہوا تو اس میں تعجب کی کیا

---

[۱] خداوند تعالیٰ کے سینا سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی اور کوہِ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی (شعیر شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے) اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ (فاران مکہ معظمہ کے پہاڑ کا نام ہے)

بات ہے) اوّل تو فاران کا مصداق بدلنے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیت المقدس کا نام ہے۔ حالانکہ قدیم و جدید جغرافیہ نویسوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ بیت المقدس کا نام فاران ہے۔ خود توریت سامری کے عربی ترجمہ میں لفظ فاران کے سامنے بریکٹ میں لفظ الحجاز موجود ہے (یہ ترجمہ آرکوئیٹسن نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا) دوسری تحریف ان مجرموں نے یہ کی کہ دس ہزار کی جگہ کسی ترجمہ میں ہزاروں لکھ دیا اور کسی میں لاکھوں لکھ دیا اور بعض ترجموں میں پورا جملہ ہی ختم کر دیا۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ جو کنگ جیمس ورجن نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا تھا اس میں بھی دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنے کا ذکر ہے۔ لیکن بعد میں تحریف کے دلیروں نے اس کو بدل کر رکھ دیا۔ تفصیلات کے لئے اظہار الحق عربی اور اس کے تراجم اور سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) از سید سلیمان ندویؒ کا مطالعہ کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ کا عجیب طرزِ فکر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ تحریف کر کے جو لفظ اور معنی ہم اپنی طرف سے مقرر کر دیں گے۔ وہی روزِ قیامت ہمارے لئے حجت بن جائے گا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے کے لئے جو تدبیریں سوچی جائیں گی وہ بارگاہِ خداوندی میں کام دے دیں گی اور دوزخ سے بچا دیں گے۔

یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مسئلہ مسلمانوں کو جواب دینے کا نہیں ہے۔ آخرت میں نجات پانے کا ہے۔ یہود نے یقین کر لیا تھا کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کی رسول ہیں۔

توریت شریف میں آپ کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپس میں اس کا ذکر بھی کرتے تھے۔ اور جب ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے اقراری ہو جاتا تو اسے بُرا کہتے اور یوں کہتے تھے اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ (کیا تم اس سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دیں تا کہ یہ لوگ تمہارے رب کے پاس تم پر حجت قائم کر لیں)

ایک یہودی کا اپنے لڑکے کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دینا: صحیح بخاری ص ۱۸۱ ج ۱ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا تو آپ اسکی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا (جو وہیں موجود تھا اس کا مقصد مشورہ لینا تھا) اس کے باپ نے کہا کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو لہٰذا اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ **الحمد لله الذی انقذه من النار** (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اُسے آتش دوزخ سے بچا لیا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۷)

جو یہودی عہد نبوت میں مسلمان ہو گئے تھے اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے وہ تو توریت شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا ہی کرتے تھے ان کے بعد علماء یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہوئے جن کو تابعیت کا شرف نصیب ہوا وہ بھی توریت سے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اور صفات بیان کیا کرتے تھے۔

کعب احبار کا بیان: کعب احبار پہلے یہودی تھے۔ پھر حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں اسلام قبول کیا وہ بیان کرتے تھے کہ ہم توریت میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میرے برگزیدہ بندے ہیں نہ درشت خو ہیں نہ سخت مزاج ہیں وہ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف کرتے

ہیں اور بخش دیتے ہیں ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور انکی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ منورہ) ہے۔ اور ان کا ملک شام میں ہوگا (ملک شام اولین وہ سرزمین ہوگی جہاں ان کے اصحاب کی حکومت ہوگی) اور انکی امت کے لوگ خوب زیادہ حمد بیان کرنے والے ہوں گے یہ لوگ اللہ کی حمد بیان کریں گے خوشحالی میں بھی اور سختی میں بھی۔ وہ ہر منزل میں اللہ کی تعریف کریں گے۔ اور ہر بلندی پر اللہ کی بڑائی بیان کریں گے۔ یہ لوگ آفتاب کی نگرانی کریں گے۔ جب نماز کا وقت ہو جائے گا نماز ادا کریں گے آدھی پنڈلیوں پر تہبند باندھیں گے۔ وہ وضو میں اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں دھوئیں گے۔

ان کا مؤذن فضاء آسمانی میں اذان دے گا اور ان کی ایک صف قتال میں اور ایک صف نماز میں ہوگی۔ دونوں صفیں (اخلاص اور عزیمت میں) برابر ہوں گی۔ رات کو ان (کے ذکر) کی آواز ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت بحوالہ مصابیح السنہ نقل کی ہے' پھر لکھا ہے کہ دارمی نے بھی تھوڑی سی تعبیر کے ساتھ روایت کی ہے۔

مصابیح میں یہ روایت ص ۱۷۰ پر اور سنن دارمی میں (ص ۱۵ ج ۱) پر موجود ہے اس کے بعد صاحب مصابیح نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توریت میں محمد اور عیسیٰ علیہما السلام کی صفت بیان کی ہے۔ (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان سنن ترمذی میں بھی ہے۔

بعض یہود کا اقرار کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں لیکن قتل کے ڈر سے اسلام نہیں لاتے

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہود حاضر ہوتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں پوچھا کرتے تھے (جن کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا) اس میں اپنے سوالوں کا صحیح جواب پاتے اور بار بار ان کے یقین میں پختگی آتی جاتی تھی' اور آپ ﷺ کا ہر جواب ان کو چیلنج کرتا تھا لیکن حق جانتے ہوئے مانتے نہیں تھے اور قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آیات بینات کے بارے میں سوال کیا آپ نے جواب دے دیا تو انہوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے؟ کہنے لگے کہ ہمیں خوف ہے کہ اگر آپ کا اتباع کرلیں تو ہمیں یہودی قتل کردیں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷) (یہ جان اور مال کا خوف انہیں اسلام قبول کرنے سے باز رکھتا تھا) جن یہودیوں نے آپ کو آزمایا اور آپ کی نشانیوں کو دیکھا اور دنیوی مفاد کو ٹھوکر ماری انہوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن یہ معدودے چند ہی تھے۔

ایک یہودی کا آپ ﷺ کو آزمانا پھر مسلمان ہونا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم کے چند دینار آنحضرت ﷺ پر قرض تھے وہ تقاضے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میرے پاس اس وقت انتظام نہیں ہے جو تیرا قرض ادا کروں' اس پر اس یہودی نے کہا کہ اے محمد میں آپ ﷺ سے جدا نہ ہوں گا جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہ کریں آپ ﷺ نے فرمایا تو میں بھی تیرے ساتھ بیٹھا رہوں گا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ بیٹھے رہے اور اسی دوران آپ ﷺ نے ظہر سے لے کر سب نمازیں ادا کرلیں۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اسے دھمکی دیتے

تھے اور ڈراتے تھے آپ نے اس کو محسوس فرمالیا اور استفہام انکاری کے طریقہ پر فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ایک یہودی نے آپ ﷺ کو روک رکھا ہے (جو ہم سے نہیں دیکھا جاتا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی معاہد (ذمی یا مستامن) پر ظلم کروں۔ دوسرے دن جب دن چڑھ گیا تو اس یہودی نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میں اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اور میں نے یہ جو کچھ کیا اسی لئے کیا کہ میں آپ ﷺ کو ان اوصاف کے موافق دیکھ لوں جو توریت میں بیان کئے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی پیدائش مکہ میں ہوگی اور انکی ہجرت کی جگہ طیبہ ہے اور ان کا ملک شام میں ہوگا۔ وہ درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے وہ فحش کلامی اختیار نہ کریں گے اور بُرے الفاظ سے بھی بچیں گے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بیشک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ میرا مال ہے آپ ﷺ اس میں جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ کمافی المشکوٰۃ ص ۵۲۰)

حضرت سلمان فارسیؓ کے اسلام قبول کرنے کا عجیب واقعہ: حضرت سلمان فارسیؓ بھی جانچ پڑتال کے بعد مسلمان ہوئے یہ فارس کے رہنے والے تھے ان کا گھرانہ مشرک کا تھا اُن کا باپ انہیں کھیت کیاری دیکھنے کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ مشغلہ کاشت کاری اور زمینداری تھا۔ اس کا نام بودخشان بن مورسلان تھا اور اپنے گاؤں کا چودھری تھا۔ حضرت سلمانؓ اس کو سب سے زیادہ پیارے تھے حتیٰ کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر میں رکھتا تھا اور قدم باہر نہ نکالنے دیتا تھا۔ حضرت سلمانؓ کی پیدائش ہوئی تو ان کا نام مابہ رکھا اور ہوش سنبھالنے پر ان کو بھی آتش پرستی میں لگا دیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلمانؓ آتش کدہ کی خدمت میں اس انہماک سے لگے کہ ہر وقت آگ روشن رکھتے تھے اور آتش کدہ کے پجاری اور مندر کے نگراں بن گئے تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے تھے کہ ایک روز میرا باپ مکان بنوانے میں مشغول ہوگیا اور فرصت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے کاشت کی خیر خبر لینے کے لئے بھیج دیا اور ساتھ ہی جلد آنے کی بھی وصیت کردی اور یہ بھی کہا کہ اگر تو نے واپس ہونے میں دیر کی تو تیرے جدائی کی فکر میرے لئے سارے فکروں سے بڑھ جائے گی۔ والد کے کہنے پر میں گھر سے نکلا راستہ میں عیسائیوں کے گرجا پر میرا گزر ہوا اور اس کو دیکھنے کے لئے اندر چلا گیا۔ وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کی نماز پسند آ گئی اور دل میں کہا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے میں نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ملک شام میں ہے' میں شام تک وہیں رہا اور سورج چھپنے پر گھر واپس آیا تو باپ نے سوال کیا' اب تک کہاں تھا؟ میں نے باپ کو اپنا پورا حال سنا دیا۔ اور یہ بتا دیا کہ مجھے نصاریٰ کا دین پسند ہے اور ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے کہا بیٹا! یہ تم نے غلط سمجھا' ان کا دین ٹھیک نہیں ہے۔ سچا دین وہی ہے جو تیرا اور تیرے باپ دادوں کا دین ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلا شبہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔

جب باپ نے میری گفتگو سنی تو اسے کھٹکا ہوا اور اس ڈر سے کہ کہیں میں اُن سے نہ جا ملوں مجھے گھر میں بند کر دیا اور پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ میں نے اس قید و بند کی حالت میں عیسائیوں کو خبر بھیج دی کہ جب شام سے سوداگر آئیں تو مجھے خبر کر دینا میں ان کے ساتھ تمہارے دین کے مرکز میں پہنچ جاؤں گا' چنانچہ کچھ دن کے بعد کچھ شامی تاجر آ گئے انہوں نے مجھے خبر کر دی' جب وہ تاجر واپس جانے لگے تو میں نے بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور ان کے ساتھ ہو گیا۔ جب میں ان کے ساتھ شام پہنچ گیا تو وہاں کے لوگوں سے کہا کہ بتاؤ تمہارے یہاں عیسائیوں میں سب سے افضل کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ گرجا میں جاؤ وہاں کا جو پاپائے اعظم ہے وہی سب سے افضل ہے۔ میں گرجا میں جا پہنچا اور اس سے کہا کہ میں تمہارے دین کو پسند کر چکا ہوں' اور چاہتا ہوں کہ تمہاری خدمت میں رہوں' اور تعلیم حاصل کروں۔ اُس نے کہا بہتر ہے رہنے لگو۔ میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور رہتے رہتے اس کے کچے چٹھے سے خوب واقف ہو گیا۔ یوں تو بڑا بزرگ بنا ہوا تھا۔ مگر تھا بڑا خراب آدمی لوگوں کو صدقہ خیرات کا حکم دیتا اور جب اس کے کہنے سے لوگ صدقات و خیرات لے کر آتے تو ان سب کو اپنے پاس جمع کر لیتا اور مسکینوں کو کچھ بھی نہ دیتا' جب وہ مر گیا تو اس کے معتقد دفن کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ میں نے ان سے کہا کہ (اسے دفن نہ کرو) یہ تو بڑا خراب آدمی تھا تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا تھا اور جب تم اس کے پاس صدقات و خیرات کی رقم جمع کر دیتے تھے تو نہ کسی فقیر کو دیتا تھا نہ کسی مسکین کو' بلکہ اپنے ہی خزانہ میں بھر دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا تمہیں کیا پتہ؟ میں نے کہا آؤ تمہیں اس کا خزانہ بتا دوں! یہ سن کر وہ میرے ساتھ ہو لئے' میں نے ان کو اس کا خزانہ دکھایا تو انہوں نے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے رکھے ہوئے دیکھے۔ مٹکے دیکھ کر ان کو میری بات کا یقین آ گیا تو بڑے برہم ہوئے اور ان کے دلوں میں اس پادری کی ذرا بھی وقعت نہ رہی اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم ہم اسے ہرگز دفن نہ کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس کی نعش کو سولی پر چڑھا کر پتھر مارتے مارتے چورا بنا دیا۔

اس کے بعد وہ لوگ اس کی جگہ دوسرے شخص کو لائے جسے انہوں نے گرجا کا پادری بنا دیا یہ دوسرا شخص اس پہلے شخص سے بہت افضل تھا اور دنیا سے بہت بے رغبت تھا مجھے اس سے محبت ہو گئی اور ایک عرصہ تک اس کے ساتھ گرجا میں رہا۔ جب اسکی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے کہا کہ اب آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اور کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے علم میں تو اب کوئی شخص اصل دین مسیحی پر نہیں ہے سوائے فلاں صاحب کے جو شہر موصل میں رہتے ہیں تم ان ہی کے پاس چلے جاؤ' چنانچہ میں موصل پہنچا اور اس شخص کو تلاش کیا جس کا نام اور پتہ مجھے بتایا گیا تھا' جب اس سے ملاقات ہو گئی تو میں نے اس کو اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی اس نے درخواست منظور کر لی اور میں اس کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا۔ جب اسکی موت آ پہنچی تو میں نے کہا کہ آپ کا میرے متعلق کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کس کے پاس جاؤں؟ اس نے کہا کہ شہر نصیبین میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ' میں نے نصیبین کا سفر کیا اور اس شخص کو ڈھونڈ لیا جس کے پاس بھیجا گیا تھا اس کو میں نے اپنا قصہ سنایا اور ساتھ رکھ لینے کی درخواست کی' اس نے مجھے ساتھ رکھ لیا۔ یہ بھی اچھا آدمی تھا مگر دنیا والی زندگی ہمیشہ کے لئے کسی کو بھی نہیں ملی۔ وہ شخص بھی مرنے لگا تو میں نے کہا اب میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ بتائیے اب کہاں جاؤں؟ اس نے جواب دیا کہ اب تم عموریا

میں فلاں شخص کے پاس جاؤ' چنانچہ میں اس کے پاس پہنچا اور ساتھ رہنے کی درخواست کی' اس نے مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا' یہ بھی اچھا شخص تھا۔ عموریا کے دوران قیام میں نے کمانے کا دھندہ کر لیا اور میرے پاس گائے اور بکریاں بھی جمع ہو گئیں۔ جب اس عموریا والے پادری کو موت نے آ گھیرا تو میں نے اس سے کہا کہ بتایئے میں اب کہاں جاؤں؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ اے بیٹا! اللہ کی قسم اب تو میرے علم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمارے دین پر پوری طرح پابند ہو' اب تمہیں کس کے پاس بھیجوں؟ بس اب تو تم نبی آخر الزماں (ﷺ) کا انتظار کرو' ان کے تشریف لانے کا زمانہ قریب ہے۔ وہ دین ابراہیمؑ لے کر آئیں گے۔ عرب سے ظاہر ہوں گے وہ ایسے شہر کو ہجرت کریں گے جس کے دونوں طرف کنکریلی زمین ہو گی اور جہاں کھجوروں کے باغ ہوں گے۔ ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ نہ کھائیں گے اور یہ نشانی بھی ہے کہ ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی' اب اگر تم سے ہو سکے تو عرب چلے جاؤ' یہ کہہ کر یہ پادری بھی دنیا سے سدھارا۔ میں عرب پہنچنے کی تدبیر سوچنے میں لگا رہا۔ حتیٰ کہ قبیلہ بنی کلب کے کچھ لوگ عموریا پہنچ گئے جو عرب سے تجارت کے لئے آئے تھے' ان سے میں نے کہا کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ مجھے اپنے ساتھ عرب لے چلو اور اس احسان کے بدلہ میں میری یہ بکریاں اور گائیں لے لو' اس بات کو انہوں نے منظور کیا اور مجھے ساتھ لے کر چل دیئے۔ میں نے اپنی بکریاں اور گائیں ان کو دے دیں' وہ مجھے وادی القریٰ لے گئے (جو عرب ہی کا علاقہ ہے) مگر انہوں نے میرے ساتھ غداری کی اور مجھے اپنا غلام ظاہر کر کے فروخت کر دیا' جس شخص کے ہاتھ مجھے بیچا تھا اس نے مجھے مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا جو قبیلہ بنی قریظہ میں سے تھا' وہ مجھے مدینہ لے گیا' مدینہ کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ بس یہی وہ شہر ہے جہاں میری مراد حاصل ہو گی۔ کیونکہ یہاں کھجوروں کے باغ بھی ہیں۔ اور شہر کے دونوں طرف کنکریلی زمین بھی ہے۔

میں مدینہ میں اپنے آقا کے کام میں لگا رہا اور اسی اثناء میں سید عالم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ ایک روز میں ایک درخت پر اپنے آقا کے باغ میں کام کر رہا تھا کہ اس کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا کہ خدا بنی قیلہ کو غارت کرے (بنی قیلہ سے انصار مراد ہیں) ابھی ابھی میں ان کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے۔ یہ سنتے ہی مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور بے ہوشی کا سا عالم ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں درخت سے گرنے کے قریب ہو گیا۔ بڑی عجلت کے ساتھ میں درخت سے اُتر کر اپنے آقا کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور اس سے پوچھا کیا معاملہ ہے اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہنے لگا چل تو اپنا کام کر تجھے ان باتوں سے کیا غرض؟ چنانچہ میں واپس ہوا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ میرے دل میں بے چینی اور بے قراری تھی جس نے مجھے مجبور کر دیا کہ صبح جو بات سنی تھی اس کی حقیقت معلوم کروں اور جس شخص کو میرے آقا کے چچا زاد بھائی نے مُدعی نبوت بتایا ہے اس کو چل کر دیکھوں اور اس کی نبوت کو ان نشانیوں کے ذریعہ جانچوں جو عموریا والے پادری نے بتائی تھیں چنانچہ جب شام ہو گئی اور مجھے کام سے فرصت ملی تو میں ایک خوان میں تازہ کھجوریں لے کر سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ قبا میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یہ صدقہ ہے جو آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے لایا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میرے سامنے سے اٹھا لو کیونکہ ہم (یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) صدقہ نہیں کھاتے۔ یہ فرما کر آپ

نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا' (جن کے لئے صدقہ حلال تھا) کہ تم کھالو۔ چنانچہ صحابہؓ نے کھالیا اور آپ ہاتھ روکے ہوئے بیٹھے رہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک نشانی تو میں نے دیکھ لی' اس کے بعد میں چلا گیا' اور پھر موقعہ پا کر کچھ کھجوریں جمع کر کے لایا اس وقت آپ قبا سے روانہ ہو کر مدینہ شہر میں تشریف لے جا چکے تھے' میں نے عرض کیا یہ ہدیہ ہے جو آپ کی خدمت پیش کرتا ہوں' یہ سن کر آپ نے اس میں سے کھالیا' میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری نشانی ہے۔ اب میں نے خاتم النبوۃ کے دیکھنے کا ارادہ کیا تو تیسری بار پھر حاضر خدمت ہوا اس وقت آپ بقیع میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ بھی تھے' میں نے آپ کو سلام کیا۔ اور خاتم النبوۃ دیکھنے کے لئے گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچ گیا۔ جب آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا ہوا دیکھا تو میرا مقصد سمجھ لیا اور خود بخود اپنی مبارک چادر اٹھا کر مجھے خاتم النبوۃ دکھلا دی میں اس پر جھک گیا اور اسے چومنا شروع کر دیا اور (چونکہ تینوں نشانیاں دیکھ کر آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور اپنی مراد پالی تو فرطِ خوشی میں) رونے لگا۔ آپ نے فرمایا سامنے آ ؤ' میں سامنے آیا اور اپنا پورا قصہ سنایا تو آپ کو ایسا عجیب معلوم ہوا کہ صحابہؓ کو بھی سنوایا۔

اس کے بعد میں غلامی کے مشغلوں میں پھنسا رہا۔ حتیٰ کہ جنگ بدر میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ (اس دوران میں بارگاہِ رسالت میں آجاتا رہا) ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے کتابت کرلو (یعنی اس سے اپنی جان کو خرید لو) چنانچہ میں نے اس کی کوشش شروع کر دی اور اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لیا کہ جب میں کھجور کے ۳۰۰ درخت لگا دوں اور انکی پرورش کر دوں حتیٰ کہ ان میں کھجوریں آجائیں جو کھانے کے قابل ہو جائیں اور اس کے ساتھ چالیس اوقیہ نقد سونا بھی ادا کر دوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) معاملہ کر کے سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہ نے ۳۰۰ پودے چندہ کر کے میرے لئے جمع کر دیئے جب پورے جمع ہو گئے تو سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے درخت ہم لگا دیں گے تم ایک پودا بھی مت لگانا۔ لہٰذا میں نے ۳۰۰ کیاریاں بنا دیں اور آپ میرے ساتھ اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور ان کیاریوں میں وہ پودے لگا دیئے۔ ہم آپ کو پودے دیتے جاتے تھے اور آپ اپنے دست مبارک سے کیاریوں میں رکھ رکھ کر مٹی بھرتے جاتے تھے۔ آپ نے جتنے بھی درخت لگائے تھے (جو کہ ۲۹۹ تھے) ان میں سے ایک بھی خراب نہ ہوا اور مزید برآں آپ کا یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ اسی سال سب درخت پھل لے آئے' مگر ایک درخت نہ پھلا جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگا دیا تھا۔ آپ نے اُسے اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگا دیا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ وہ درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

یہ تو درختوں کا معاملہ ہوا۔ اس کے بعد سونے کی ادائیگی کی مشکل اس طرح حل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک کان میں سے تھوڑا سا سونا لایا گیا۔ جو مرغی کے انڈے کے برابر تھا۔ اسے لے کر آپ نے فرمایا کہ وہ فارسی غلام کہاں ہے جس نے اپنے آقا سے کتابت کی ہے؟ بلاؤ اُسے۔ چنانچہ میں بلایا گیا' جب میں حاضر خدمت ہوا تو آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) جتنا سونا مجھ پر واجب ہے اس کے سامنے اس ڈلی کی کیا حقیقت ہے۔ اس میں اتنا وزن کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا یقین رکھو۔ اللہ اسی سے تمہیں سبکدوش کر دے گا' چنانچہ میں اسے لے کر اپنے آقا کے

پاس پہنچا اور اس ڈلی کو تلوایا تو اسی سے چالیس اوقیہ سونا ادا ہو گیا اور مجھے آزادی مل گئی' اب میں آزاد ہو گیا تو اسلام کے کاموں میں حصہ لینے لگا۔ اور آزادی کے بعد سب سے پہلے جو معرکہ پیش آیا یعنی غزوۂ خندق اس میں شریک ہوا اور اس کے بعد رسول خدا ﷺ کے ساتھ برابر ہر غزوہ میں شریک رہا۔ غزوہ خندق میں خندق بھی انہیں کے مشورہ سے کھودی گئی تھی۔ (از جمع الفوائد وشمائل الترمذی وطبقات ابن سعد ۱۲)

اللہ رب العزت جس کو ہدایت سے نوازتے ہیں تو ہر حال اور فضا میں نواز دیتے ہیں' خدا کی شان حضرت سلمانؓ کیا تو آگ کے پجاری تھے اور کیا پکے موحد اور نبی آخر الزماں ﷺ کے اُونچے درجہ کے صحابی بن گئے۔ ٹھوکریں تو بہت کھائیں مگر اللہ کے پیارے بن گئے۔ اور صحابہ میں ان کو ممتاز درجہ نصیب ہوا۔ آج تک ان کو اُمت کی طرف سے کروڑوں مرتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُعائیں پہنچ چکی ہیں اور خدا ہی جانے کہ قیامت تک اور کتنی پہنچیں گی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلامی کے زمانہ میں دس سے کچھ اُوپر آقاؤں کے مملوک بن کر رہے اور ہدایت کی طلب اور تلاش میں یہ سب مصیبت اور تکلیف برداشت کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان ﷺ کی ظل عاطفت میں پہنچا ہی دیا۔

مجموعی طور پر ان سب واقعات وحالات سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ دونوں قومیں نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کی منتظر تھیں اور آپ کی علامات اور نشانیاں ان لوگوں میں معروف ومشہور تھیں۔

موجودہ انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئی: بہت سی تحریفات وتغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں بعض بشارتیں موجود ہیں۔ باب نمبر ۱۴ میں ہے کہ "میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وہ مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا"۔

پھر باب نمبر ۱۶ میں ہے۔ "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (پھر چند سطر کے بعد ہے)

"لیکن جب وہ یعنی رُوحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا"۔ پھر چند سطر کے بعد انکے رفع الی السماء کی پیشین گوئی ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ ہیں "اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لو گے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں"۔ (یہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی طرف اشارہ ہے)

پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ' دنیا میں مصیبتیں اُٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو' میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔ [1]

---

[1] ہم نے یہ حوالے نصرانیوں ہی کی مرتب کردہ اور شائع کردہ انجیل سے نقل کئے ہیں جو "عہد نامہ جدید" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا پبلشر بائبلس فور دی ورلڈ ۱۴۱۵ اھل ایونیو وائی ٹن (امریکہ) ہے' یہ ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع کیا گیا ہے

چونکہ عہد قدیم اور عہد جدید سب انہیں لوگوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے تحریف کرتے رہتے ہیں اور ترجموں میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ اور اصل کتاب پاس نہیں جس سے میلان کیا جائے۔ اس لئے تحریف کرنے میں آزاد ہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا باپ کہہ کر پکارا اور اسی عنوان سے ذکر کیا۔ یہ سب باتیں ان کی اپنی تراشیدہ عقیدۂ تثلیث اور تکفیر کا نتیجہ ہیں۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں۔ تم مجھے دوسرا معبود مانو (العیاذ باللہ) انہوں نے تو یہ فرمایا تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۔ (بلا شبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) ہم نے جو بائبل سے عبارتیں نقل کی ہیں ان پر حجت قائم کرنے کے لئے لکھ دی ہیں، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ہم نے انکی تحریف کردہ کتاب کی تصدیق کر دی۔ ہاں ہم اسکی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو کتاب ہے۔ تحریفات سے پُر ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ہیں

نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (وہ اچھائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فریضہ کو بھی پوری طرح انجام دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء، علماء، صلحاء، مُبلّغ، وداعی حضرات نے تحریر و تقریر سے اور بڑی بڑی محنتیں کر کے اسفار کی مشقتیں اُٹھا کر اس فریضہ کی ادائیگی میں آپ کی نیابت کی ذمہ داری کو پورا کیا۔ احادیث شریفہ کا مطالعہ کیا جائے تو معروف اور منکر کی تفصیلات پوری طرح معلوم ہو جائیں گی معروفات پر عمل کرنے کے فضائل اور اجر و ثواب اور منکرات کی وعیدیں اور برے کاموں کی سزاؤں کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

منکرات کی تفصیل کسی قدر ہم نے آیت کریمہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ کے ذیل میں لکھ دی ہے۔ (انوار البیان ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محلل طیبات اور محرم خبائث ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صفت یوں بیان فرمائی وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ۔ (کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں) اس میں اجمالی طور پر حلال و حرام چیزوں کو بیان فرما دیا پاکیزہ چیزیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں حلال ہیں اور خبیث و گندی چیزیں حرام ان کی تفصیلات بہت ہیں۔ جس شخص کا ذوق صحیح ہو وہ طبعی طور پر ان چیزوں کو پاکیزہ سمجھتا ہے جو حلال قرار دی گئی ہیں اور ان چیزوں کو گندی اور خبیث سمجھتا ہے جو شریعت اسلامیہ میں حرام قرار دی گئی ہیں۔ لَهُمْ کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے۔ اس میں یہ بتایا کہ بعض پاکیزہ چیزیں جو ان کی شریعت میں حرام تھیں جن کا بیان سورۂ مائدہ کی آیت فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اور سورۂ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ میں فرما دیا ہے انکے لئے حلال ہو جائیں گی اسلام قبول کر لیں گے تو

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ اختیار کرنے کی وجہ سے ان پاکیزہ چیزوں کو بھی استعمال کرلیں گے جو انکی شریعت میں حرام قرار دے دی گئی تھیں۔ نبی اُمّی علیہ السلام کا اتباع کرنے سے جہاں راہِ ہدایت پر آنا نصیب ہوگا وہاں پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ شریعت اسلامیہ میں جن جانوروں کا کھانا حلال بتلایا ہے سب جانتے ہیں کہ وہ پاکیزہ چیزیں ہیں پھر ان میں بھی یہ شرط لگادی ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں۔ خون نکل گیا ہو، جانور اپنی موت نہ مرا ہو۔ یہ سب شرطیں اسی لئے لگائی گئی ہیں کہ پاکیزہ چیز کھائیں۔ خنزیر، مردہ جانور، خون، شراب اور ان جانوروں کو حرام قرار دیا گیا جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کئے گئے ہوں کیونکہ یہ سب خبیث اور ناپاک ہیں نیز وہ جانور جو درندے ہیں ان کے کھانے سے بھی منع فرمایا جیسے شیر۔ چیتا۔ کتا۔ بلی۔ شکرہ۔ بھیڑیا کیوں کہ ان کے کھانے سے انسانوں میں درندگی کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں اُن کا ذکر نہیں جن کی طبیعتیں اصل انسانی فطری طبائع کو چھوڑ چکی ہیں۔ اور وہ الا بلا ہر چیز کھاتے ہیں اور کوئی بھی چیز ان کے نزدیک خبیث نہیں ہے۔ جیسے چائنا کے لوگ کہ وہ کسی بھی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

منکرین حدیث کی تردید: دورِ حاضر میں انکارِ حدیث کا فتنہ بھی اُٹھا ہوا ہے یہ لوگ نبی اکرم علیہ السلام کی وہ حیثیت ماننے کو تیار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دی ہے، اس آیت میں آنحضرت علیہ السلام کو حلال قرار دینے والا اور حرام قرار دینے والا بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو یہ عہدہ دیا کہ آپ کی زبان مبارک سے جس چیز کی حلت کا اعلان ہو گیا وہ حلال اور جس کو آپ نے حرام فرمایا وہ حرام ہے لیکن منکرین حدیث کو یہ گوارا نہیں۔ ان کو خداوند قدوس پر یہ اعتراض ہے کہ رسول کو صرف چٹھی رساں (ڈاکیا) کا عہدہ کیوں نہیں دیا؟ اس سے بڑھ کر اسکی حیثیت کیوں بڑھائی؟ آپ کے ذمہ قرآن کی تفہیم وتشریح کیوں کی؟ آپ کو تحریم وتحلیل کا اختیار کیوں دیا گیا؟ یہ ہیں اپنے خیال میں قرآن کے ماننے اور جاننے والے، اللہ تعالیٰ ان ملحدوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں وہ احکام نہیں جو بوجھ ہوں

سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام کی چوتھی صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔ کہ وہ ان سے یعنی اہل کتاب سے وہ احکام ہٹاتے ہیں جو ان کے لئے بوجھ تھے اور طوق بنے ہوئے تھے چونکہ آپ آخر الانبیاء ہیں (علیہ السلام) اس لئے سابقہ تمام شریعتیں آپ کے تشریف لانے پر منسوخ ہو گئیں۔ جو بھی کوئی شخص آپ کے دین کو قبول کرے گا وہ ان سب سہولتوں اور آسانیوں سے منتفع ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری شریعت میں اپنے آخری نبی کے ذریعہ آخر الامم کے لئے بھیجی ہیں اور اس اُمت کو تلقین فرمائی ہے کہ یوں دعا کریں۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دعا قبول فرمائی اور آسان شریعت عطا فرمادی، یہودیوں کے لئے جو سخت احکام مقرر فرمائے گئے تھے وہ اس شریعت میں نہیں ہیں اور نصاریٰ نے رہبانیت اختیار کرلی تھی جنگلوں میں رہتے تھے اپنے نفسوں کو تکلیف دیتے

تھے۔ کھانے پہننے میں عمدہ چیزوں سے بچتے تھے۔ وہ سب ہماری شریعت میں نہیں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے اپنے نفسوں پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن پر سختی فرمائی۔ یہ ان لوگوں کی بقایا ہیں جو نصاریٰ کے گرجا گھروں میں اور یہودیوں کے عبادت خانوں میں باقی رہ گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۱ از ابوداؤد)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں ایسا دین دے کر بھیجا گیا ہوں جو گمراہی سے ہٹا ہوا ہے اور اس پر عمل کرنا آسان ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۴ ج ۲ از بخاری)

اور ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ (کہ دین آسان ہے) اس کے احکام پر ہر شخص چل سکتا ہے اور اس میں معذوروں کی رعایت رکھی گئی ہے اور کوئی حکم ایسا نہیں جو طاقت سے باہر ہو، اسی آسانی کی وجہ سے عبادت میں مشقت اٹھانا جو برداشت نہ ہو مثلاً راتوں رات عبادت کرنا یا روزانہ روزہ رکھنا اس سے منع فرمایا۔

تین صحابیوں کا ایک واقعہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے پاس حاضر ہوئے یہ لوگ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کی عبادت کا خانگی حال دریافت کر رہے تھے جب انہیں بتا دیا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں اور رسول اللہ ﷺ کہاں؟ آپ کو تو اللہ نے سب کچھ بخش دیا (ہمیں تو زیادہ محنت کی ضرورت ہے)

لہٰذا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ راتوں رات نماز پڑھوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا، خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے بڑھ کر پرہیز گار ہوں۔ لیکن میں (نفلی) روزے رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی رہتا ہوں اور (رات کو) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جس شخص نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو، میری اُمت کا خصی ہونا (یعنی نکاح نہ کر سکنے کی مجبوری میں شہوت کو دبانا) یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ عرض کیا ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے، فرمایا میری اُمت کی سیاحت فی سبیل اللہ جہاد کرنا ہے۔ عرض کیا ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا میری اُمت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور اُن کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اُن کے ساتھ اتارا گیا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور اتباع کرنیوالے کامیاب ہیں

تفسیر: پہلے تو نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور منکرات سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور پہلے لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں اس کے بعد یہ فرمایا کہ جو لوگ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کی تکریم کی اور انکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا یہ لوگ پوری طرح فلاح پانیوالے ہیں۔ جب شرائع سابقہ منسوخ ہو گئیں اور سیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت ختم کر دی گئی تو اب فلاح اور نجاح اور ہر طرف کی کامیابی کا واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے کوئی شخص کیسا ہی عبادت گزار ہو، ریاضت کرتا ہو تارک دُنیا ہو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگا رہتا ہو بارگاہِ الٰہی میں مقبول بندہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضرت خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے بغیر اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بن جائے اور آخرت کی نعمتیں مل جائیں تو اس کا یہ خیال باطل ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ (رواہ احمد فی مسندہ ص ۱۴۵ ج ۵) (کہ میں ہر گورے اور ہر کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں) پس جب خالق کائنات جل مجدہٗ نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا دیا اور آپ پر ایمان لانے کو نجات کی شرط قرار دے دیا تو تمام انسانوں پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں۔ جب کوئی شخص آپ پر ایمان لے آئے آپ کو اللہ کا رسول مان لے تو عقلاً و نقلاً اس کے ذمہ یہ بات فرض ہو گئی کہ آپ کی تعظیم و تکریم بھی کرے اور آپ کی مدد بھی کرے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن مجید کا اتباع بھی کرے۔ جو شخص ان اوصاف سے متصف ہوگا وہ پوری طرح کامیاب ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کی تعظیم و تکریم کے مظاہرے

عقلی اور طبعی طور پر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرپور محبت کرنا آپ کا اسم گرامی ادب سے لینا' آپ کے احکام کو خوش دلی سے قبول کر کے عمل پیرا ہونا اور آپ کے ساتھ بات کرنے میں ادب کے ساتھ پیش آنا یہ سب تعزیر و توقیر اور تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔ بہت سے لوگ یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل میں ہے لیکن انہیں آپ کی صورت مبارک اور آپ کے لباس سے عملاً نفرت ہے۔ نصرانیوں کی صورت اور ان کا لباس اختیار کرتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت والے ہیں ان لوگوں کا دعویٰ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اسکی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں)

(رواہ البخاری و مسلم)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ (تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ اسکی خواہش اس کے مطابق نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں) (رواہ فی شرح السنۃ)

جب رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف رکھتے تھے اس وقت مجلس میں بیٹھنے اور بات کرنے میں بھی حاضرین کو ادب اور تعظیم کا لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (کہ اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (اور آپ سے بات کرنے میں اونچی آواز نہ نکالو جیسا کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے بات کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ ہو)۔

آیت بالا سورہ حجرات میں ہے۔ اور سورہ نور میں ارشاد فرمایا: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا (تم اپنے درمیان رسول کا بلانا اس طرح نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت سرور عالم ﷺ کا بہت زیادہ اکرام کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح بیٹھتے تھے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے تھے اور آپ سے کچھ دریافت کرتے تو ادب کے ساتھ معلوم کرتے تھے۔ آپ وضو فرماتے تھے تو صحابہ کرامؓ پانی نیچے نہیں گرنے دیتے تھے، جلدی سے جھپٹ کر اپنے اعضاء پر لے لیتے تھے اور بہت زیادہ ادب سے پیش آتے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب قریش نے عروہ بن مسعود کو بطور نمائندہ گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تو اس نے قریش کو واپس جا کر بتایا کہ دیکھو میں شاہ فارس کسریٰ کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہِ روم قیصر کے پاس بھی گیا ہوں اور شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں قسم بخدا میں نے کسی بھی بادشاہ کو اپنے لوگوں میں ایسا معظم و مکرم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ کو اپنے اصحاب میں معظم و مکرم دیکھا ہے۔ اگر جنگ کا موقعہ آ گیا تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں نہیں چھوڑیں گے۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۱۲)

دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد: آنحضرت سرور عالم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی تعظیم و تکریم کا برتاؤ واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی حدیث کو ادب سے سنے، آپ کے طریقہ کا اتباع کرے آپ کا اسم گرامی ادب سے لے آپ کا ذکر خود کرے یا دوسرے سے سنے تو درود پڑھے۔ آپ کے اہل بیت اولاد و ازواج اور حضراتِ صحابہؓ کی عزت کرے ان کے نام اَدب سے لے اور انہیں رضی اللہ عنہ کی دعا سے یاد کرے۔ آپ ﷺ نے جو احکام دیئے ہیں ان پر رضا و رغبت کے ساتھ عمل پیرا ہو۔

نَصَرُوْہُ کا مطلب: آیت شریفہ میں وَعَزَّرُوْہُ کے بعد وَنَصَرُوْہُ فرمایا جس میں اہل ایمان کی ایک یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہیں اور آپ کے دین کو تقویت پہنچاتے ہیں اور اپنی کوششوں سے ابقاءِ دین و احیاءِ دین میں لگے رہتے ہیں۔ یہ صفت بھی صفاتِ ایمانیہ میں سے ہے جو بھی کوئی مومن ہو جہاں کہیں بھی ہو وہ دین اسلام کو بڑھانے اور پھیلانے اور زندہ رکھنے کے لئے فکر مند رہے اور عملی طور پر اس کام میں لگے۔

آپ ﷺ کے ساتھ جو نور نازل ہوا اس کا اتباع کرنا لازم ہے

پھر فرمایا: وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ (اور اس نور کا اتباع کیا جو اُن کے ساتھ اُتارا گیا) اس نور سے قرآن مجید مراد ہے جس کا نور ہونا سب پر عیاں ہے۔ پہلے تو یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ فرمایا پھر یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ فرما کر آپ کا مرتبہ بیان فرمایا۔ پھر اہل ایمان کی صفات میں وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ فرما کر قرآن حکیم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا۔

حدیث نبوی ﷺ حجت شرعیہ ہے: آیت شریفہ کے پورے مضمون کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں کا اتباع لازم ہے اور جس طرح قرآن کریم حجت شرعیہ ہے حدیث نبوی بھی حجت شرعیہ ہے۔ مستشرقین یہود و نصاریٰ سے متاثر ہو کر بعض پڑھے لکھے جاہل بھی یوں کہنے لگے ہیں کہ حدیث حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے۔

اگر حدیث کو نہ مانیں تو دین اسلام پر نہیں چل سکتے: اگر حدیث نبوی ﷺ کو حجت نہ مانیں تو نماز پڑھنے اور وضو کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہ ہوگا قرآن مجید میں نہ نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا ہے نہ بالتصریح پنج وقتہ اوقات بتائے ہیں نہ رکعات کی تعداد بتائی ہے، نہ یہ بتایا ہے کہ زکوٰۃ میں کتنا مال دینا فرض ہے، نہ یہ بتایا ہے کہ مال پر کتنا وقت گزر جانے سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل حجت شرعی نہیں وہ کفریہ بات کہتے ہیں۔ دعویٰ ان کا قرآن دانی کا ہے لیکن اگر واقعی قرآن کو جانتے اور سمجھتے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ پہچان لیتے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ واللّٰہ الھادی الی سبیل الرشاد

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلا شبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے لئے بادشاہت ہے آسمانوں کی
وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ
اور زمین کی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی اُمی ہے۔
یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر اور اس کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان

تفسیر: اس آیت کریمہ میں نبی اُمی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرما دیں کہ بلاشبہ مجھے اللہ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں اللہ وہ ہے

جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے ان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو۔ اس کے مُلک سے اور اُسکی ملکیت سے خارج نہیں ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی' لہٰذا اس پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ یہ رسول اللہ کا نبی ہے جو اُمی ہے' یعنی اس نے کسی انسان سے نہیں پڑھا' وہ خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے کلمات پر یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم اس کا اتباع کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قران مجید میں تذکرہ فرمایا ہے سورۂ سبا میں فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر' لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

۱- رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

۲- پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہو جاتی ہے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدیث اصغر اور حدثِ اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری اُمت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

۳- میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے۔

۴- اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لئے ہوگی)۔

۵- اور مجھ سے پہلے نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اور میں عامۃً تمام انسانوں کی طرف سے مبعوث ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۴۸ ج ۱)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: **والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار.** (رواہ مسلم فی کتاب الایمان)

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہوا خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی پھر وہ اس حالت میں مر جائے کہ میں جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں اس کو نہ مانا وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا)

چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے اس لئے ہر فرد و بشر کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتا۔ خواہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو اس کو "وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ" میں بیان فرمایا۔ (اس نبی کا اتباع کرو انکا اتباع کرو گے تو ہدایت پر رہو گے) جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول الانس والجانّ کے اتباع میں مرکوز ہے اور منحصر ہے۔ اس سے وحدت ادیان کے نظریہ کی بھی تردید ہو گئی۔ جو لوگ اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اور کسی بھی طریقہ اور دین کے مطابق اللہ کی عبادت کر لے اسکی نجات ہو جائے گی (العیاذ باللہ) یہ ان لوگوں کی گمراہی کی بات ہے۔ شیطان انسان کو خدا کا منکر رکھنا چاہتا ہے اور

اگر کوئی شخص اللہ کو مان لے اور اللہ کے دین پر آنا چاہے تو اسے ایسی باتیں سمجھاتا ہے جن کی وجہ سے وہ اس دین پر نہ آسکے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ وہ اپنے خیال میں دھرمی بھی رہے اور مذہبی بھی رہے اور پھر بھی آخرت میں نجات نہ پائے اور جہنم میں جائے' یہ شیطان کی خواہش رہتی ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک ایسی جماعت ہے جو حق کی ہدایت دیتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں' اور ہم نے ان کو بارہ

اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

خاندانوں میں تقسیم کر کے الگ الگ جماعتیں بنا دیں' اور ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی جب ان کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر میں مارو

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ

سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلہ نے اپنے پانی پینے کی جگہ جان لی۔ اور ہم نے ان پر

الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا

بادلوں کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ اُتارا کھاؤ پاکیزہ چیزیں اس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا' اور

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا

انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا لیکن اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور جب اُن سے کہا گیا کہ سکونت کرو اس بستی میں اور کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ

اس میں سے جہاں سے چاہو اور کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اور دروازہ میں جھکے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو ہم عنقریب

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اچھے کام کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے سو اُن میں سے جنہوں نے ظلم کیا اس قول کو بدل دیا۔ اس قول کے علاوہ جو اُن سے کہا گیا۔ سو ہم نے ان پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾

عذاب بھیج دیا اس سبب سے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل میں اچھے لوگ بھی تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ کیا اور من وسلویٰ نازل فرمایا

تفسیر: اُوپر چار آیات کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی قوم میں اچھے لوگ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اُس زمانے میں توریت اور انجیل پر عمل کیا جب ان کتابوں پر عمل کرنے کا حکم تھا اور منسوخ نہیں کی گئی تھیں۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ کو انہوں نے توریت وانجیل میں بیان فرمودہ علامات سے پہچان لیا تو آپ پر ایمان لے آئے اور عامل بالقرآن ہو گئے۔ پھر دوسروں کو بھی اسکی دعوت دیتے رہے اور اسی کے موافق فیصلے کرتے رہے۔ کج بحثی اور کج روی اختیار نہ کی۔ قرآن مجید میں بعض دیگر مواقع میں بھی ان لوگوں کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا ہے۔

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے سیدھی راہ پر۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کے وقت پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں)۔ سورہ قصص میں فرمایا وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (اور جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے رب کا بھیجا ہوا، ہم اس سے پہلے حکم بردار ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی قوم میں مسلم اور کافر سب ہوں تو اہل ایمان کے ایمان اور صلاح ونیکی کا معترف ہونا چاہئے اور یکسر کسی قوم کو یوں کہہ دینا کہ سب کافر ہیں فاسق ہیں جبکہ ان میں ایمان والے اور صالحین موجود ہوں۔ اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ مومن بندے اعتدال پر قائم رہیں۔

دوسری آیت میں بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد بتائی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے بارہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ قبیلے بنا دیئے تھے۔ اسباط۔ سبط کی جمع ہے۔ سبط لڑکے کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ ہر ہر لڑکے کی اولاد ایک ایک قبیلہ تھی اس کے بعد ان انعامات کا ذکر فرمایا جو بنی اسرائیل پر میدان تیہ میں ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ مصر سے نکلے اور سمندر پار کیا تو انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا لیکن اپنی شرارتوں اور احکام کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے چالیس سال تک میدان تیہ میں ہی گھومتے رہے اس صحرا نوردی اور گردش کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ جب کوئی تکلیف آتی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اس مصیبت کو رفع کیجئے، اسی میدان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پانی کی ضرورت ہوئی۔ پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمیں پانی چاہئے۔ اللہ جل شانہٗ کا حکم ہوا کہ اے موسیٰؑ پتھر میں اپنی لاٹھی مارو۔ انہوں نے لاٹھی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر ہر قبیلہ نے اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا اور پانی لے لیا ضرورتیں پوری کر لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خاص قسم کا پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی تھی اس میں لاٹھی مارتے تھے جس میں سے پانی نکلنے لگتا تھا۔

انہی انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ انعام عطا فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے گرمی سے محفوظ ہونے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیج دیئے۔ اسی کو فرمایا: وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ اور تیسرا انعام یہ ہوا کہ ان کے کھانے کے لئے من اور سلویٰ (بٹیروں جیسے جانور) بڑی تعداد میں بھیج دیئے یہ لوگ ان میں سے کھاتے تھے۔ اس کو وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ، انہوں نے حکم عدولی اور نعمتوں کی ناشکری کی۔ حکم تھا کہ آئندہ وقت کے لئے اٹھا کر نہ رکھیں۔ لیکن نہ مانے اور خلاف ورزی کی اور ناشکری یوں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ایک ہی کھانے پر ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہمیں

سبزیاں، کھیرے، پیاز، لہسن اور دال چاہئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کیا تم اچھی چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ واقعات سورۂ بقرہ (رکوع چھ اور سات) میں بیان ہو چکے ہیں (انوار البیان ج ۱) ان لوگوں نے جو جو حرکتیں کیں ان کی سزا پائی۔ اسی کو فرمایا وَمَا ظَلَمُوْنَا (اوران لوگوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا) یعنی ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی ان کی حرکتوں سے ان کا اپنا ہی نقصان ہوتا تھا۔

ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی نافرمانی: تیسری اور چوتھی آیت میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک بستی میں رہنے کا حکم فرمایا تھا ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس بستی میں خشوع کے ساتھ جھکے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔ ان ظالموں نے قولاً و عملاً دونوں طرح سے نافرمانی کی اور اس بات کو بدل دیا جس کا حکم فرمایا گیا تھا۔ عملاً تو یہ کیا کہ بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بچوں کی طرح گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے اور معافی مانگنے کا جو حکم ہوا تھا اسکی خلاف ورزی یوں کی حِطَّةٌ کی جگہ حَبَّةٌ فِىْ شَعِيْرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس بستی سے بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اریحا مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے کہا ہے کہ پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ مصر سے آکر اپنے علاقہ ارض مقدس میں جا رہے تھے۔ اور اریحا ان کے راستہ میں نہیں پڑتا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ چالیس سال میدان تیہ میں حیران و سرگردان پھرنے کے بعد جب حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس جانا نصیب ہوا اس وقت کی بات ہے جب ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ جل شانہٗ نے ان پر عذاب بھیج دیا، جسے رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ سے تعبیر فرمایا۔ سورہ بقرہ میں بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ فرمایا اور سورہ اعراف میں بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ فرمایا یعنی یہ عذاب انکی نافرمانیوں اور انکے ظلم کی وجہ سے بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نتیجہ کے اعتبار سے اپنی جانوں پر ظلم ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے گرفت ہو جاتی ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے ان لوگوں پر جو عذاب بھیجا گیا تھا طاعون تھا۔ مفسر ابن کثیر نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ **الطاعون رجزٌ عذابٌ عذب به من کان قبلکم** (یعنی طاعون رجز ہے جو عذاب ہے اس کے ذریعہ تم سے پہلی اُمتوں کو عذاب دیا گیا)

من و سلویٰ اُترنے اور پتھر سے چشمے پھوٹنے اور ایک بستی میں جھکے ہوئے داخل ہونے اور معافی مانگنے کا حکم پھر بنی اسرائیل کی قولاً و فعلاً خلاف ورزی پر عذاب نازل ہونا سورہ بقرہ (رکوع ۶، ۷) میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے کچھ زیادہ تفصیل لکھ دی ہے اسکی مراجعت کر لی جائے۔ (انوار البیان ج ۱)

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ

اور آپ اس بستی کے بارے میں ان سے پوچھ لیں جو دریا کے قریب آباد تھی جبکہ وہ لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے۔ جبکہ ان کے پاس انکی مچھلیاں سنیچر کے

حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا

دن اُوپر کو ظاہر ہو کر آتی تھیں اور جس دن سنیچر کا دن نہ ہوتا اس دن ان کے پاس نہ آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے اس سبب سے کہ وہ

يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ

نافرمانی کرتے تھے اور جب اُن میں سے ایک جماعت نے کہا کہ ایسی قوم کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک فرمانے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے

عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا

سخت عذاب انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید یہ لوگ گناہ سے بچ جائیں۔ سو جب وہ لوگ بھول گئے اس بات کو جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے

الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

ان لوگوں کو نجات دے دی جو بُرائی سے روکتے تھے اور ہم نے سخت عذاب کے ذریعہ ان لوگوں کو پکڑ لیا' جنہوں نے ظلم کیا اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ

پھر جب اس کام کے بارے میں وہ حد سے نکل گئے جس سے منع کئے گئے تھے تو ہم نے ان سے کہا کہ تم ہو جاؤ بندر ذلیل' اور آپ کے رب نے یہ بات بتادی

لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ

کہ وہ قیامت کے دن تک ضرور اُن پر ایسے اشخاص کو بھیجتا رہے گا جو انہیں برا عذاب چکھائیں گے' بے شک تیرا رب جلد

الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے

سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا

تفسیر: بنی اسرائیل کی حرکتیں بھی بہت ہی بُری تھیں ان کا نافرمانی کا مزاج تھا۔ ان پر آزمائش بھی طرح طرح سے آتی رہتی تھی' حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں اس دن سے متعلق جو احکام تھے ان میں یہ بھی تھا کہ اس دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ لیکن یہ لوگ باز نہ آئے سنیچر کے دن ان کی آزمائش اس طرح ہوتی تھی کہ مچھلیاں خوب اُبھر اُبھر کر سامنے آجاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں اس طرح نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کے حیلے نکالے اور یہ کیا کہ سنیچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ مچھلیاں ان میں پھنس کر رہ جاتی تھیں۔ جب سنیچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفسوں کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنیچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی' وہ تو خود بخود جالوں میں اور کانٹوں میں آگئیں' اور جال اور کانٹے تو ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے۔ لہٰذا ہم سنیچر کے دن پکڑنے والوں کی فہرست میں نہیں آتے' اسی طرح کا ایک حیلہ انہوں نے مردار کی چربی کے ساتھ بھی کیا حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ لعنت کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام قرار دیدی تو اس کو انہوں نے اچھی شکل دے دی (مثلاً اس کو پگھلا کر اس میں کچھ خوشبو وغیرہ ملا کر کیمیکل کے طور پر کچھ اور بنا دیا) پھر اس کو بیچ دیا اور اسکی قیمت کھا گئے (رواہ البخاری ص ۲۹۸ ج ۱)

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں کچھ لوگ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے اور ایک جماعت ایسی تھی جو خاموش تھی' جو لوگ خاموش تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو منع کرتے تھے کہ آپ لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہیں ان کا بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔ نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہونے والی ہے یا تو اللہ تعالیٰ انکو بالکل ہی ہلاک فرما دے گا یا سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ جو لوگ منع کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کے وقت ہم معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تھا ان لوگوں نے نہ مانا' اور ممکن ہے کہ یہ لوگ مان ہی جائیں اپنے رب سے ڈرنے لگیں اور اپنے گناہوں سے بچنے لگیں' لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بالآخر اللہ تعالیٰ نے انکی گرفت فرمائی۔ ان پر اس طرح عذاب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنا دیا' جو لوگ سنیچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے وہ تو بندر بنا دیئے گئے اور جو لوگ انہیں منع کیا کرتے تھے انہیں نجات دے دی گئی جن کو اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ میں بیان فرمایا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ خاموش تھے ان کا کیا ہوا؟ ان کے شاگرد حضرت عکرمہ نے عرض کیا میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ وہ بھی عذاب سے بچا لئے گئے۔ کیونکہ انہیں بھی شکار کرنے والوں کا عمل ناگوار تھا اور اسی ناگواری کو انہوں نے اپنے ان الفاظ میں یوں ظاہر کیا تھا۔ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا اِۨللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا تذکرہ نہیں فرمایا اور ہلاک کرنے کا ذکر بھی نہیں فرمایا' عکرمہ کی یہ بات حضرت ابن عباسؓ کو بہت پسند آئی اور بہت خوش ہوئے اور انہیں دو چادریں انعام میں عطا کیں۔ (معالم التنزیل ص ۲۰۹ ج ۲)

سنیچر کے دن زیادتی کرنے والوں کو بندر بنا دیا گیا تھا جس کا ذکر یہاں سورۂ اعراف میں بھی ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۱)

جس بستی کے رہنے والے حیلہ باز یہودیوں کا قصہ اوپر مذکور ہوا ہے اس کے بارے میں علماء تفسیر نے کئی قول نقل کئے ہیں ۱۔ ایلہ ۲۔ طبریہ ۳۔ مدین ۴۔ مقنا' متعین طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ عبرت حاصل کرنے کے لئے تعیین کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا: بنی اسرائیل اپنی حرکتوں کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے یہ تو اس وقت ہوا اور اس کے بعد اُن پر برابر ایسے لوگوں کا تسلط رہا جو ان کو تکلیفیں دیتے رہے اور یہودی بُری بُری تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے اس کو وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ (الآیۃ) میں بیان فرمایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ جو اُن کی بربادی ہوئی ہے۔ اور پھر نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور پھر فاروق اعظم حضرت عمر فاروق بن الخطابؓ کے ہاتھوں جو انکی ذلت ہوئی تاریخ دان اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد بھی دنیا میں مقہور ہی رہے ذلت اور خواری کے ساتھ ادھر ادھر دنیا میں کبھی آباد اور کبھی برباد ہوتے رہے۔ پچاس سال پہلے نازیوں نے جو اُن کا قتل عام کیا

تھا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے واقف ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بھی یہودی مارے جائیں گے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے اور اس وقت دجال کے ساتھیوں کی بربادی ہوگی۔ دنیا کی قومیں ظاہری اقتدار دیکھ کر دجال کے ساتھ ہو جائیں گی جن میں یہودی بھی ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کا اتباع کریں گے جو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم ص ۴۰۵ ج ۲)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرزمین شام میں دجال کو قتل کریں گے اور اس کے ساتھیوں سے وہیں معرکہ ہوگا اس لئے تکوینی طور پر دنیا بھر سے اپنے رہنے کے علاقے چھوڑ چھوڑ کر یہودی شام کے علاقے میں جمع ہو رہے ہیں اور انکی جھوٹی حکومت جو نصاریٰ کے بل بوتے پر قائم ہے وہ ان کے ایک جگہ جمع ہونے کا سبب بن گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کرلیں مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی یہودی کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کر دے البتہ غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے۔ (رواہ مسلم ص ۳۹۶ ج ۲)

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنٰهُمْ

اور ہم نے زمین میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں۔ ان میں نیک لوگ تھے اور ان میں دوسری طرح کے بھی تھے۔ اور ہم نے ان کو

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ

خوشحالیوں اور بدحالیوں کے ذریعہ آزمایا تاکہ باز آجائیں، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آگئے جو کتاب کے وارث بنے

یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَیَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ

جو اس گھٹیا چیز کے سامان کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عنقریب ہماری مغفرت کر دی جائے گی اور اگر ان کے پاس اُسی جیسا اور سامان آجائے

مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ

تو اسے لے لیتے ہیں، کیا ان سے کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف

اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

حق کے سوا کسی بات کی نسبت نہ کرو۔ اور انہوں نے اس کو پڑھ لیا جو کتاب میں ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جو لوگ مضبوطی سے کتاب کو پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بیشک اصلاح کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں فرماتا،

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ

اور جب ہم نے ان پر اکھاڑ دیا پہاڑ گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے یقین کرلیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے، جو ہم نے

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑلو اور اس میں جو کچھ ہے یاد کرو تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حُبِّ دنیا کا حال

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہودیوں کے اس حال کا تذکرہ فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں منتشر فرمادیا۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے کچھ یہاں کچھ وہاں سکونت اختیار کرتے گئے۔ انکی جمعیت اور جماعت منتشر رہی۔ اجتماعیت جو اللہ کا انعام ہے اس سے محروم رہے۔ پھر فرمایا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ (ان میں کچھ لوگ نیک تھے) وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ (اور کچھ لوگ دوسری طرح کے یعنی بُرے لوگ تھے) اچھے لوگ توریت اور انجیل پر قائم رہے اور پھر اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر ایمان لائے اور برے لوگ شر پسند کفر پر جمے رہے اور اپنے اس شر پسندی کے مزاج کی وجہ سے آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان نہ لائے۔

وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (اور ہم نے انکی آزمائش کی انہیں خوشحالیوں میں بھی رکھا اور بدحالیوں میں بھی، تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی کے ذریعے بھی امتحان ہوتا ہے اور بدحالی کے ذریعے بھی، سمجھدار لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتے ہیں۔ اور آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کچھ اثر نہ لیا ہر طرح کے امتحان میں فیل ہوئے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (الآیۃ) پھر ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو ناخلف تھے۔ ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اللہ کی کتاب کے وارث تو بن گئے یعنی جو لوگ ان سے پہلے تھے اُن سے کتاب تو پڑھ لی لیکن اس کتاب کو انہوں نے حقیر دنیا کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا اور وہ بھی اس طرح سے کہ اللہ کی کتاب میں اُدل بدل کرتے تھے اور سوال کرنے والے کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتادیتے تھے۔ اس طرح سے اس سے کچھ مال مل جاتا تھا۔ جب دل میں کچھ احساس ہوتا اور اس بات کی ٹیس ہوتی کہ حرام طریقہ پر دنیا حاصل کرلی تو یوں کہہ کر اپنے ضمیر کو مطمئن کرلیتے تھے کہ سَيُغْفَرُ لَنَا (اللہ ہماری مغفرت فرمادے گا) اور چونکہ یہ واقعی اور اصلی توبہ نہیں ہوتی تھی اس لئے اپنی حرکت سے باز نہیں آتے تھے سَيُغْفَرُ لَنَا بھی کہہ دیا جس میں گناہ کا اقرار ہے اور اس کے بعد پھر اس جیسا مال آگیا تو اُسے بھی لے لیا۔ جن لوگوں کا نافرمانی کا مزاج ہوتا ہے وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں کہتے رہتے ہیں کہ اللہ معاف فرمانے والا ہے۔ ؎

جاہل کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر سو بوتلیں چڑھا کر بھی ہوشیار ہی رہا

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی ایسے افراد کثیر تعداد میں ہیں جو برابر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ خاص کر وہ لوگ جنہیں حرام کمانے اور حرام کھانے کی عادت ہے۔ کبھی ذرا سا گناہ کا خیال آتا ہے تو بخشش کا سہارا لے کر برابر گناہ میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔ اہل ایمان تو اللہ کے حضور میں سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اور گناہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر توبہ کے بعد پھر گناہ ہو جائے تو پھر سچی توبہ کر لیتے ہیں۔ توبہ کا جزو اعظم یہ ہے کہ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد ہو۔ جب یہ نہیں تو توبہ بھی نہیں' مومن کا طریقہ یہ ہے کہ ڈرتا بھی رہے اور اُمید بھی رکھے۔ خالی اُمید ہو' خوف و خشیت نہ ہو۔ گناہوں کی بہتات ہو' یہ طریقہ صحیح نہیں۔ اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے کہ جیسے کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے۔ اور اُس بات سے ڈر رہا ہے کہ اس کے اُوپر نہ گر پڑے اور فاجر آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے اسکی ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور اس نے اُسے ہاتھ کے اشارہ سے دفع کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۶)

اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ (الآیۃ)

کیا ان سے توریت شریف میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب نہ کریں گے جو حق نہ ہو؟ انہیں اس عہد کا علم بھی ہے اور توریت شریف کو پڑھتے بھی رہے ہیں۔ جانتے بوجھتے اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور حقیر دنیا لینے کے لئے اپنی طرف سے مسئلہ بتا کر یوں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۔ (پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں) وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ (اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو عقائد باطلہ اور اعمال قبیحہ سے پرہیز کرتے ہیں) پتہ انہیں اس بات کا بھی ہے لیکن ناسمجھوں والے کام کرتے ہیں۔ ایمان قبول نہیں کرتے اور گناہوں کو نہیں چھوڑتے۔

مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا: پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ (اور جب لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)۔

اس آیت میں عام قانون بیان فرما دیا کہ جو شخص اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے گا یعنی اس پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔ البتہ طرز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے جس میں اَجْرَهُمْ کے بجائے اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ فرمایا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ کتاب اللہ کا مضبوطی سے پکڑنا جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ایمان کی بھی اصلاح ہو یعنی ایمان خالص ہو نفاق سے بری ہو اور وہ ایمان ہو جو اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے۔ اگر بعض انبیاء علیہم السلام پر ایمان ہو اور بعض پر نہ ہو تو وہ ایمان اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے اور ایسا شخص مصلح بھی نہیں لہٰذا مستحق اجر بھی نہیں' کتاب کو مضبوط پکڑنے کے ساتھ نماز کو قائم کرنے کا بھی تذکرہ فرمایا کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ معلوم ہوا کہ تمسک بالکتاب کے ساتھ بالخصوص نماز کو قائم کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ نماز کو شرائط اور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے پابندی سے پڑھیں۔ اگر نماز کی اصلاح ہو گئی تو زندگی کے دوسرے اعمال کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ کما قال تعالیٰ: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔

بنی اسرائیل کے اُوپر پہاڑ کا ٹھہر جانا اور ان کا یہ سمجھنا کہ یہ گرنے والا ہے

اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک اور واقعہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اسے قبول کرو اور اس پر عمل کرو، یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو احکام بھاری ہیں ان پر عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں، اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور کو اسکی جگہ سے اُٹھا کر ان لوگوں پر معلق کر دیا اور فرمایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو انہوں نے پہاڑ کو دیکھا کہ سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق ہے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ ہم پر گرنے والا ہے یہ منظر دیکھ کر اس بات کا عہد کر لیا کہ ہم توریت کے احکام کی پابندی کریں گے لیکن بعد میں پھر روگردانی کی اور اپنے عہد سے منحرف ہو گئے۔ سورہ بقرہ (رکوع ۸) میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ وہاں واقعہ ذکر فرمانے کے بعد فرمایا۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ (پھر تم نے اس کے بعد روگردانی کی) یعنی اس وقت جو پہاڑ گرنے کے ڈر سے عہد کر لیا تھا اس سے پھر گئے اور پھر وہی حرکتیں کرنے لگے جو نافرمانوں اور گناہ گاروں کی ہوتی ہیں نیز یہ واقعہ سورہ بقرہ کے رکوع گیارہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں: خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا (جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ لے لو اور سن لو) اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں)

تینوں جگہ قرآن مجید کے الفاظ کو ملا کر معلوم ہوا کہ انہوں نے پہاڑ گرنے کی وجہ سے اس وقت تو عمل کرنے کا عہد کر لیا تھا لیکن بعد میں قول و قرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر اُتر آئے اور کہنے لگے کہ سن تو لیا ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں ہے۔ کوہِ طور کو سائبان کی طرح معلق کر کے عہد لینے اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ہم نے اس کو سورۂ بقرہ رکوع آٹھ (دیکھو انوار البیان ج ۱) میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے رفع کر دیا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ

اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور انہیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں، ہم نے اقرار کر لیا، کبھی تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ بیشک ہم

هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ

اس سے غافل تھے یا یوں کہو کہ پہلے سے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد میں آنے والی اولاد تھے

بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ

کیا آپ ہم کو باطل عمل والوں کے فعل کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں اور ہم ایسے ہی واضح طور پر آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

رجوع ہو جائیں

6

عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا تذکرہ

تفسیر: احادیث شریفہ میں اسکی تفصیل یوں وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وادی نعمان میں (جو عرفات کے قریب ہے) حضرت آدم علیہ السلام کی پُشت سے ان کی اولاد کو نکالا جو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی صورتوں میں تھے۔ اور پشت در پشت انکی نسل سے جو بھی مخلوق پیدا ہونے والی تھی سب کو پیدا فرمایا اور ان کی وہی صورتیں بنا دیں جو بعد میں عالمِ ظہور میں پیدا ہونے والی تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بولنے کی قوت دی اس کے بعد اس سے عہد لیا اور انہیں انکے نفسوں پر گواہ بنایا۔ ان سے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) ان سب نے کہا "بَلٰی" ہم گواہی دیتے ہیں کہ واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے یہ عہد اس لئے لیا گیا کہ قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس توحید سے بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ اصل شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد انکی نسل میں تھے ان کے تابع ہو کر ہم نے بھی انکے اعمال اختیار کر لئے۔ سو کیا ان گمراہوں کے فعل پر آپ ہمیں ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تمام بنی آدم سے اس بات کا اقرار لے لیا کہ واقعی اللہ ہی ہمارا رب ہے اُنہوں نے اقرار کر لیا اور اپنی جانوں پر گواہ بن گئے اس لئے قیامت کے دن کسی کے لئے کوئی عذر نہیں رہا اور اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ کوئی شخص توحید سے منہ موڑ کر اور شرک کے اعمال اختیار کر کے یوں کہنے لگے کہ مجھے تو کوئی پتہ نہ تھا' مسندِ احمد میں ہے کہ جب سب نے "بَلٰی" کہہ کر اقرار کر لیا تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ میں تمہارے اوپر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو تم پر گواہ بناتا ہوں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم یوں کہنے لگو کہ ہمیں اس کا پتہ نہ تھا تم جان لو کہ بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا میں تمہاری طرف رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد اور میثاق یاد دلائیں گے اور تمہارے اوپر کتابیں نازل کروں گا۔ اس پر سب نے کہا کہ بیشک ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں اس موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی عہد لیا گیا (جو سورہ احزاب کی آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ میں مذکور ہے)

مذکورہ بالا حدیث مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ ج ۱ میں مسند احمد سے نقل کی ہے اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ جو عہد کیا تھا وہ ہمیں یاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عہد لیا تھا اس وقت فرما دیا تھا کہ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔

جب سے انسان دنیا میں آیا ہے سلسلۂ نبوت بھی اس وقت سے جاری ہے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر بھی تھے۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے جب ایک نبی جاتا تو دوسرا نبی آ جاتا تھا۔

سورۂ فاطر میں فرمایا: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ (اور کوئی جماعت ایسی نہیں جن میں کوئی نذیر نہ گزرا ہو)۔

آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی آپ کی بعثت سارے انسانوں کے لئے سارے

زمانوں کے لئے اور سارے جہانوں کے لئے ہے۔

آپ کی دعوت ہر شخص کو پہنچی ہوئی ہے۔ آپ کے دین کی خدمت کرنے والے علماء، مبلغ اور داعی سارے عالم میں تحریر و تقریر اور دیگر ذرائع سے توحید کی دعوت دے چکے ہیں اور دیتے رہتے ہیں اور عہد اَلَسْتُ کی تذکیر پوری طرح ہوتی رہی ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص دور دراز پہاڑوں کے غاروں میں رہتا ہو اور اسے دعوت نہ پہنچی ہو تب بھی عقل و فہم خالق و مالک نے اس کو عطا فرمائی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کو وَحدہٗ لا شریک مانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

عقل و فہم بھی ہے اور اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں بَلٰی بھی کہا تھا اس واقعہ کی کیفیت یاد ہو یا نہ ہو اس کا اثر یہ ضرور ہے کہ ہر انسان یہ ضرور سمجھتا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے مجھے اسکی عبادت ضرور کرنی چاہئے اسی وجہ سے فطری طور پر انسان عبادت کے لئے کسی ایسی ذات کو تلاش کرتا ہے جس کی وہ عبادت کرے۔ شیطان کے ورغلانے سے بہت سے لوگوں نے شرک اختیار کرلیا اور اصحاب توحید جب انہیں ملامت کرتے ہیں اور شرک کی قباحت ظاہر کرتے ہیں تو وہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ غیر اللہ کی عبادت بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ہے' یہ جواب وہ اس لئے دیتے ہیں کہ وہ خود بھی شرک کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ عقیدہ ہے کہ ہمیں اپنے خالق کی عبادت کرنی چاہئے۔ اسکی عبادت میں کسی کو شریک کرنے کو بُرا جاننا یہ اسی عہد اَلَسْتُ کا نتیجہ ہے۔ جس کا آیت کریمہ میں اور احادیث شریفہ میں ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرت (اسلامیہ) پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں' جیسے تم چوپائے کو دیکھتے ہو کہ اس کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی عضو کٹا ہوا پاتے ہو (نہیں اس کا کوئی عضو ناقص نہیں ہوتا۔ لیکن جب لوگوں کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ اس کا کان یا اور کوئی عضو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح فطرت اسلامیہ پر پیدا ہونے والے بچہ کو اس کے ماں باپ یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)

اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱ از بخاری و مسلم ۱۲) وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ (اور ہم اسی طرح اپنے آیات واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ رجوع ہو جائیں)

فائدہ: انسانوں کو ترتیب وار انکے باپوں کی پشتوں سے نکال کر چیونٹیوں کے جثہ میں جو ظاہر فرمایا تھا' آج کل جدید آلات اور ایٹمی توانائی کے ذریعہ جو چیزیں ذرّات کی صورت میں بن رہی ہیں اور کمپیوٹر میں بڑی ہو کر سامنے آ رہی ہیں۔ انہوں نے بتا دیا ہے کہ بڑی سے بڑی چیز کو ایک چھوٹے نقطہ کی شکل دی جا سکتی ہے اور اس میں اس کے سب اعضاء موجود ہو سکتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا فَاَتْبَعَہُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ

اور آپ ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جسے ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ اُن سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ

الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

گمراہوں میں سے ہوگیا اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں کی بدولت اس کو بلند کر دیتے لیکن وہ بالکل ہی زمین کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ

سو اسکی ایسی حالت ہے جیسے کتے کی حالت ہوتی ہے۔ اگر تو اس پر بوجھ لاد دے تب بھی ہانپے اور اگر اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ہے

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ

ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ سو آپ قصوں کو بیان کیجئے تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔ بُری

مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو اتباعِ ھویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھوڑ کر بیٹھا

تفسیر: جس شخص کا ان آیات میں ذکر ہے یہ کون شخص تھا اس کے بارے میں تفسیر درمنثور (ص ۱۴۵ ج ۳) میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی ہیں اور انکے علاوہ تابعین میں سے سعید بن میسب اور مجاہد اور قتادہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ حضرت قتادہ نے تو یہ فرمایا کہ جس شخص پر ہدایت پیش کی جائے اور وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کر دے اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ ایک واقعہ بھی ہے۔ واقعہ بیان فرما کر عبرت حاصل کرنے کے لئے فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شخص کا واقعی قصہ ہے محض مثال ہی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس شخص کا اس آیت کریمہ میں واقعہ بیان فرمایا ہے اس کا نام بلعم بن باعوراء ہے۔ یہ شخص جبارین یعنی عمالقہ میں سے تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور ان کے شہروں میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو بلعم کے چچا کے بیٹے اور قوم کے دوسرے افراد اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ موسیٰ قوت و شوکت والے آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں وہ لشکروں کے ذریعہ ہم پر غلبہ پانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کر کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ کو اور اس کے ساتھیوں کو ہم سے دفع کر دے۔ بلعم نے جواب دیا کہ میں تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر میں اللہ سے یہ دعاء کروں کہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو تم سے ہٹا دے تو میری دنیا و آخرت دونوں ہی برباد ہو جائیں گی۔ لیکن وہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے۔ لہٰذا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے بددعا کر دی اس طرح اللہ کی آیات سے نکل گیا۔ آیات الٰہیہ کے جاننے پر جو اسکی ذمہ داری تھی اس کو

پس پشت ڈال دیا اور ان آیات سے بے تعلق ہو گیا اور شیطان اس کے پیچھے لگ گیا جس کی وجہ سے وہ بالکل ہی گمراہ ہو گیا اور بعض روایات میں یہ ہے کہ جب بلعم نے بددعا کرنے سے انکار کر دیا اور لوگ برابر اصرار کرتے ہی رہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددُعا کرنی شروع کی لیکن زبان سے اپنی قوم کے لئے بددُعا نکل رہی تھی۔ اسکی قوم نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا میں کیا کروں میری زبان سے تمہارے ہی لئے بددُعا نکلتی ہے اور اگر میں موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے بددعا کروں تو وہ قبول نہیں ہوگی، بلعم اپنی قوم سے ہدیہ کے عنوان سے رشوت لے چکا تھا۔ اب اس نے اپنی قوم کو یہ رائے دی کہ تم اپنی عورتوں کو سنگھار کے ساتھ بنی اسرائیل میں بھیج دو۔ وہ لوگ ان سے زنا کریں گے تو ان پر اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے گا چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ بنی اسرائیل زنا میں مبتلا ہو گئے۔ لہٰذا اللہ نے ان پر طاعون بھیج دیا، جس میں ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۴۷ ج ۳)

اس روایت میں یہ اشکال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں تو بنی اسرائیل نے عمالقہ پر حملہ کرنے اور ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ ہی نہیں کیا پھر یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟ عمالقہ پر حملہ کرنے کا واقعہ تو حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یوں بھی ہے کہ بلعم اہل یمن سے تھا۔ اللہ نے اس کو اپنی آیات عطا فرمائیں اور اس نے ان کو چھوڑ دیا، اور حضرت ابنِ عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا، بہر حال یہ سب باتیں اسرائیلیات ہیں کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اُمیہ بن ابی الصلت کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ پڑھ کر سنایا تو اس کا ارادہ ہوا کہ اسلام قبول کرے۔ لیکن جب اسے بدر کے واقعات کی خبر ملی تو اسلام کا ارادہ چھوڑ دیا اور طائف میں جا کر مر گیا۔

یہ روایت درمنثور (ص ۱۴۶ ج ۳) میں نسائی، ابن جریر، ابن المنذر اور طبرانی وغیرہم کے حوالہ سے نقل کی ہے نیز صاحب درمنثور نے مجاہد سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بلعم کو نبوت عطا کی گئی تھی اس نے اپنی قوم سے رشوت لے لی اور ان لوگوں نے یہ شرط کر کے رشوت دی کہ وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خاموش رہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

یہ بات تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام سے اس قسم کے اُمور کا صادر ہونا شرعی اصول کے مطابق ناممکن ہے۔

بہر حال صاحب قصہ جو بھی ہو۔ اس کی تعیین پر آیت کی تفسیر موقوف نہیں ہے، جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ اللہ پاک کی طرف سے آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ ناکام ہوا، اس نے دنیاوی زندگی ہی کو ترجیح دی اور اللہ کی آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گیا لہٰذا گمراہ ہوا اسی کو فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ جب بلعم بن باعوراء نے رشوت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لئے بددعا کر دی تو اسکی زبان باہر نکل کر سینے پر آ گئی اور اس کا حال ایسا ہو گیا جیسے کتے کا حال ہے کتے پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان کو نکال کر ہلاتا ہے اور اس کو چھوڑے رہو یعنی حملہ نہ کرو جب بھی وہ اپنی زبان کو ہلاتا رہتا ہے۔ بلعم کا بھی ایسا ہی حال ہو گیا۔ زبان نکلنے کی وجہ سے کتے کی طرح زبان ہلاتا رہتا تھا۔ اور بعض مفسرین نے بلعم کی زبان باہر نکلنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ یوں فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں اُسے کتے کی ذلت سے تشبیہ دی ہے۔

کتے کو جھڑکو مارو بھگاؤ۔ تب بھی زبان نکالے ہوئے ہلاتا رہتا ہے اور اگر اس سے کچھ نہ کہو تب بھی اسکی زبان باہر ہے اور ہل رہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خواہش کا اتباع اور طلب دنیا کی وجہ سے شخص مذکور جس کا آیت میں ذکر ہے کتے کی طرح سے ہو گیا کہ ہر حال میں ذلیل ہی ذلیل ہے خست اور ذلت میں کتے کی مثال دی گئی ہے۔

آیت شریفہ میں ہر اس شخص کی مذمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات عطا فرمائے اور انہیں چھوڑ کر دنیا کا طلب گار ہو جائے اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے اور کفر کو اختیار کرے اسی لئے فرمایا: ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پھر فرمایا۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (کہ قصہ بیان کیجئے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں)

مذکورہ واقعات میں عبرت اور موعظت تو سب ہی کے لئے ہے لیکن خاص کر یہودیوں کے لئے اس اعتبار سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کا موقعہ زیادہ ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کے پرانے واقعات معلوم تھے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو یہ واقعات کسی انسان نے نہیں بتائے تھے وہ واقعات آپ نے بتا دیئے تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے گئے ہیں۔ یہودیوں کو یہ بات سوچنا چاہئے اگر واقعی سوچیں اور ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو ان کا ضمیر انہیں ایمان لانے پر مجبور کر دے گا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ

جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو یہ لوگ ہیں نقصان میں پڑنے والے، اور تحقیق

ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ

ہم نے پیدا کیا جہنم کے لئے بہت سے جنات کو اور بہت سے انسانوں کو ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اور ان کی

اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ

آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ

اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ان سے بڑھ کر بے راہ ہیں، ایسے لوگ غفلت والے ہی ہیں

انسانوں اور جنوں میں ایسے لوگ ہیں جو چوپایوں سے زیادہ گمراہ ہیں

تفسیر: اس سے پہلی آیات میں ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جسے اللہ نے اپنی آیات دی تھیں اس نے عالم ہوتے ہوئے دنیا کی محبت میں ان آیات کو چھوڑ دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گیا، اس آیت میں عمومی طور پر ہدایت اور گمراہی کے بارے میں حقیقت واضح فرما دی (دیگر آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے)، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے ہدایت اور گمراہی اور ہر خیر و شر کا خالق وہی ہے۔ اس نے بندوں کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہدایت اور ضلالت

دونوں کے راستے واضح فرما دیئے ہیں اور بندوں کو اختیار بھی دیا وہ اپنے اس اختیار کو خیر میں بھی لگا سکتے ہیں اور شر میں بھی' جو اپنے اختیار کو غلط استعمال کرتے ہیں اور گمراہی کے راستے پر چل دیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں عذاب شدید ہے' جو لوگ اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں ان کو جتنا بھی سمجھایا جائے بات سمجھنے کا ارادہ نہیں کرتے اس لئے ہدایت کی بات کو سمجھتے ہی نہیں اور جو ہدایت کی باتیں کان میں پڑتی ہیں ان کو سننے کے طریقے پر نہیں سنتے' اگر ہدایت اور رشد وحق کی کوئی بات کان میں پڑ جائے تو ساری سُنی اَن سنی کر دیتے ہیں اور ہدایت قبول کرنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے' سننے کی قوت تو برباد کر ہی دی دیکھنے کی قوت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب دلائل تکوینیہ سامنے آتے ہیں اور معجزات کو نظروں سے دیکھتے ہیں تو قصداً و ارادۃً اندھے بن جاتے ہیں اور ہدایت سے دور بھاگتے ہیں۔ گو خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بندے اپنے اختیار سے خیر وشر اور ہدایت وضلالت والے بنتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ جن لوگوں کا اُوپر ذکر ہوا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بصیرت و بصارت اور فہم وادراک سے کام نہیں لیتے' ہدایت سامنے ہوتے ہوئے قبول نہیں کرتے اسی لئے یہ لوگ چوپایوں کی طرح سے ہیں' بلکہ گمراہی میں چوپایوں سے بھی بڑھ کر ہیں' جانور اپنی ضرورت کو تو سمجھتا ہے کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے لئے آوازیں نکالتا ہے اور اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ جانوروں کی حاجت اتنی ہی سی ہے۔ ان کے لئے جنت اور دوزخ نہیں ہے اگر جانوروں نے جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کی فکر نہ کی تو اُن سے کوئی ملامت نہیں' لیکن انسان اور جنات جن کے سامنے اصلی اور واقعی ضرورت درپیش ہے۔ یعنی انہیں دوزخ کے دائمی عذاب سے بچنے اور جنت کی دائمی نعمتوں میں رہنے کی حاجت ہے اپنی اس ضرورت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ پیدا کرنے والے نے نبی بھیجے کتابیں نازل فرمائیں' جنات اور انسانوں کو ان کی واقعی اور اصلی ضرورت بتائی' اور یہ بھی بتایا کہ تمہاری حاجت روائی اور کامیابی ایمان میں اور اعمال صالحہ میں ہے اور بربادی اور ناکامی کفر اور معصیت میں ہے۔ اس سب کو جانتے ہوئے بھی دھیان نہ دینا اور کفر پر جمے رہنا بہت بڑی گمراہی ہے ایسے لوگ گمراہی میں جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (یہ لوگ غفلت والے ہی ہیں) آخرت سے بھی غافل ہیں اور آخرت کی ضرورتوں سے بھی۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ
اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں سو تم اُسے ان ناموں سے پکارو' اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں۔
سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾
عنقریب اُن کو اُن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں انکے ذریعہ اس کو پکارو

تفسیر: علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں (ص ۳۲۵ ج ۷) آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں

میں سے ایک شخص نماز میں یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ کہہ رہا تھا۔ مکہ مکرمہ کے ایک مشرک نے سن لیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی یوں کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی رب کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ شخص ایسے الفاظ کہہ رہا ہے جن سے دو رب کا پکارنا سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اسے پکارو' پکارو لفظ فَادْعُوْهُ کا ترجمہ ہے' اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ کو ان ناموں سے موسوم کرو۔ دونوں طرح ترجمہ کرنا دُرست ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل کے ختم پر اور سورۂ حشر کے ختم پر بھی مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ پکارنا۔ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور ان اسماء کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگنا یہ سب فَادْعُوْهُ بِهَا کے عموم میں آ جاتا ہے۔ صحیح بخاری (ص ۹۴۹ ج ۲) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لِلّٰه تسعة وتسعون اِسمًا مائة اِلّا وَاحدًا لا يحفظها احدٌ اِلَّا دَخَلَ الجَنَّةَ (یعنی اللہ کے ایک کم سو یعنی ننانوے نام ہیں جو شخص انہیں یاد کرے گا ضرور جنت میں داخل ہوگا)۔ اور صحیح مسلم (ص ۳۴۲ ج ۲) میں ہے۔ مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ (یعنی جس نے ان ناموں کو شمار کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ من احصاها' من حفظها کے معنیٰ میں ہے۔ سنن ترمذی میں ننانوے نام مذکور ہیں اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہیں لیکن ان میں بعض اسماء وہ ہیں جو ترمذی کی روایت میں نہیں ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی بعض اسماء مذکور ہیں' جو ترمذی کی روایت کے علاوہ ہیں۔ اسی لئے حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ اللہ کے صرف ننانوے نام ہیں بلکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص کوئی سے بھی ننانوے اسمائے حسنیٰ کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قال الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالىٰ في فتح الباری فالمراد الاخبار ان دخول الجنة باحصاء ها لا الا خبار بحصر الاسماء۔ (حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جنت کا داخلہ اسمائے مبارکہ کے یاد کرنے پر ہے یہ مطلب نہیں کہ صرف شمار کر لینے سے جنت میں داخلہ کی فضیلت ہے) حضرات محدثین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ اسمائے حسنیٰ جو کتب حدیث میں یکجا ہیں خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں یا بعض رواۃ حدیث کے ساتھ ملا کر روایت کر دیا ہے اگر ایسا ہے تو ان اسماء عالیہ کا ذکر حدیث میں مدرج ہوگا لیکن چونکہ ان اسماء میں اکثر ایسے ہیں جو قرآن اور حدیث میں بالتصریح موجود ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آیات اور احادیث کے مضامین سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے ان کو یاد کرنا اور دعاء سے پہلے حمد و ثناء کے طور پر ان کو پڑھ لینا قبولیت دعاء کا وسیلہ ضرور ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔

اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْماً مَائة غير وَاحِدة اِنَّهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الوِتْرَ وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدْعُوابِهَا اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ اس میں بھی يدعوبها کا ایک مطلب تو وہی ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان اسماء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے یعنی ان اسماء کو پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے دُعاء کرے۔

علامہ جزریؒ نے الحصن الحصین میں اس طرح کی احادیث نقل کی ہیں جن سے اسماء الٰہیہ کا ذکر کرنے کے بعد دُعا کی

جائے تو دُعا قبول ہونے کا وعدہ ہے بحوالہ سنن ترمذی علامہ جزری نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کہتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا کہ تیری دعا قبول ہوگی تو سوال کر لے پھر بحوالہ مستدرک حاکم نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک شخص پر گزر ہوا جو یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ سوال کر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تیری طرف (رحمت کی) نظر فرمائی اور ایک شخص یہ پڑھ رہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ آپ ﷺ نے اس کے یہ الفاظ سن کر فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعاء کی ہے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دُعاء کی جاتی ہے تو قبول فرمالیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹ از ترمذی)

درمنثور ص ۱۴۹ ج ۳ میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو رکعت نماز پڑھ کر دُعا کرنے لگیں تو اُنہوں نے یوں کہا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِجَمِیْعِ اَسْمَاءِکَ الْحُسْنٰی کُلِّھَا مَا عَلِمْنَا مِنْھَا وَمَا لَمْ نَعْلَمْ وَاَسْاَلُکَ بِاسْمِکَ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمِ الْکَبِیْرِ الْاَکْبَرِ الَّذِیْ مَنْ دَعَاکَ بِہٖ اَجَبْتَہٗ وَمَنْ سَاَلَکَ بِہٖ اَعْطَیْتَہٗ.

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا دوبار ایسا ہی فرمایا۔ علامہ قرطبی نے فادعوہُ بھا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ای اطلبوا منہ باسمائہ فیطلب بکل اسم ما یلیق بہ تقول یا رحیم ارحمنی یا حکیم اُحکم بی یا رازق ارزقنی یاھادی اھدنی یافتاح افتح لی یا تواب تب علی ھکذا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے ناموں کے وسیلہ سے مانگو اور ہر نام کے مطابق طلب کیا جائے مثلاً کہو اے رحیم مجھ پر رحم فرما' اے حکیم میرے لئے حکمت کا فیصلہ فرما' اے رازق مجھے رزق دے' اے ہادی مجھے ہدایت دے' اے فتاح میرے لئے فتوحات کے دروازے کھول' اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما)

اسمائے حسنٰی کے ذریعہ اللہ کو یاد کرنے اور اللہ سے مانگنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ان کاموں کا بدلہ پالیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)

اسماء الٰہیہ میں کج روی اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشتق کر کے اپنے بتوں کے نام رکھ دیئے تھے مثلاً لفظ اللہ سے اللّات نکالا اور لفظ العزیز سے العُزّیٰ نکالا اور المنّان سے منات نکالا اور ان ناموں سے اپنے بتوں کو موسوم کر دیا' اور درمنثور میں حضرت اعمش سے اسکی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ یُدخلون فیھا ما لیس منھا یعنی اللہ کے ناموں میں ان ناموں کا اضافہ کر دیتے ہیں جو اس کے نام نہیں ہیں علماء اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔ قرآن وحدیث میں جو اسماء وارد ہوئے ہیں ان کے سوا دوسرے ناموں سے اللہ کو موصوف نہ کیا جائے' بہت سے لوگ اللہ کے نام مخلوق کے لئے استعمال کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح سے لفظ عبد کو چھوڑ کر مُسمّٰی کا نام لیتے ہیں مثلاً عبدالرحمٰن کو رحمٰن صاحب اور عبدالغفار کو غفار صاحب اور عبدالغفور کو غفور صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم اُن کو اس طرح ڈھیل دیں گے

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتۃ

کہ ان کو خبر بھی نہ ہو اور میں انہیں ڈھیل دونگا بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ

کہ ان کے صاحب کو کوئی جنون نہیں ہے۔ وہ تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہے۔ کیا ان لوگوں نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور دوسری چیزوں میں غور نہیں کیا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں اور اس بات میں کہ ان کی اجل قریب

اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ

آ پہنچی ہو سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اللہ جسے گمراہ کرے سو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

انہیں گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے

مکذّبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ہے اُن میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کی ہدایت دینے والی ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الفاظ کا عموم جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں دوزخ کے لئے پیدا فرمایا ان کا ذکر قریب ہی گزر چکا ہے اور یہاں بالتصریح یہ بیان فرمایا کہ ان میں حق کی راہ بتانے والے اور حق کے موافق انصاف کرنے والے بھی ہیں۔

پھر آیات کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی جو فوری پکڑ نہیں ہوتی اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور مسلمان بھی ان کے ظاہری حال دیکھ کر ان پر رشک نہ کریں۔ دنیا میں اچھے حال میں ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ایک تکوینی قانون استدراج بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے کفر اور بد اعمالی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور اُسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ڈھیل اُس کے لئے مزید سرکشی کا باعث بنتی ہے اور پھر کبھی دُنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو اہل کفر

کی سخت گرفت ہے ہی جس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام کے دعویداروں میں جو معاصی میں غرق ہیں ان کے ساتھ بھی استدراج ہو جاتا ہے۔ وہ اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو بُرا فائدہ ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے سخت گرفت آنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں یہ گرفت فرمانے کے لئے ایک تدبیر ہے۔ اسی کو فرمایا: وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (اور میں انہیں ڈھیل دوں گا' بے شک میری تدبیر مضبوط ہے)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو وہ استدراج ہے' پھر رسول اللہ ﷺ نے (سورۃ انعام کی آیت) فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (آخر تک) تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳) لفظ استدراج کا مادہ درج ہے (جو اُوپر چڑھنے کے معنی میں آتا ہے) نافرمان آدمی کو نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اچانک پکڑ لیا جاتا ہے' چونکہ ڈھیل ملتی رہتی ہے۔ اور درجہ بدرجہ معصیتوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو استدراج سے تعبیر فرمایا' اس کے بعد فرمایا أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ کہ دعوتِ توحید دینے والے شخص جو اُن کے اندر موجود ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کیا اس کے بارے میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ یہ جو محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس عمل پر لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس محنت پر انہیں دنیا کا کچھ نفع حاصل نہیں یہ غور کرنے کی بات ہے جسے اس کی محنت کا دُنیا میں کچھ پھل نہیں ملتا اور اُلٹا لوگوں کا معتوب بھی رہتا ہے اُسے کیا ضرورت ہے کہ ایسی محنت کرے' وہ کوئی دیوانہ نہیں اس کی سب باتیں حکمت کی ہیں اس کے افعال و اعمال سب دُرست ہیں' اس کے اخلاق و آداب کی خوبی کے سب معترف ہیں پھر اس کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے' بعض لوگ ضد میں آکر دیوانہ بھی کہہ دیتے تھے ارشاد فرمایا کہ غور تو کرو کیا یہ شخص دیوانہ ہو سکتا ہے؟ چونکہ آپ ان ہی میں سے تھے ان کے ساتھ رہتے تھے اس لئے آپ کے بارے میں صاحبھم (ان کا ساتھی) فرمایا۔

إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (بس وہ تو واضح طور پر ڈرانے والا ہے) حق کی دعوت دیتا ہے اور آخرت کی یاددہانی کراتا ہے۔

یہ باتیں مشرکوں کو ناگوار ہیں حق کو مانتے نہیں اور داعی حق کو دیوانہ کہتے ہیں یہ اُن کی اپنی دیوانگی ہے۔ داعی حق دیوانہ نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں غور نہیں کیا) وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ (اور آسمان و زمین کے علاوہ دوسری چیزیں جو پیدا فرمائیں ہیں ان میں غور نہیں کیا) وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ (اور کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ممکن ہے اجل قریب ہی آپہنچی ہو) اگر زمین کے بارے میں غور کرتے اور اللہ کی بادشاہت کے مظاہرے دیکھتے اور دوسری مصنوعات و مخلوقات میں تدبر اور تفکر کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان چیزوں کا خالق و مالک وحدہٗ لاشریک ہے حکیم ہے اور مدبر ہے اور اگر یہ غور کرتے کہ ممکن ہے ہماری موت کا وقت قریب ہو تو موت کے بعد کے حالات کے لئے فکر مند ہوتے اور مابعد الموت کی زندگی کے لئے عمل کرتے لیکن بے فکری نے انہیں توحید کے ماننے سے غافل رکھا نہ اقراری ہوئے اور نہ اس کے لئے فکر مند ہوئے۔

آخر میں فرمایا: فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ۔

ان کو قرآن صاف صاف باتیں بتاتا ہے حق کا اعلان کرتا ہے اس کی دعوت میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اسکی فصاحت و بلاغت مسلم ہے اس سب کے باوجود جو لوگ اسے نہیں مانتے آگے انہیں کیا انتظار ہے۔ اب اس کے بعد کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے۔ اگر ماننا چاہتے تو ہٹ دھرمی نہ کرتے اور اب تک مان گئے ہوتے' چونکہ ماننے کا ارادہ نہیں ہے اس لئے برابر حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ (جسے اللہ گمراہ کرے سوا اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (اور اللہ نے انہیں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی گمراہی میں بھٹک رہے ہیں) گمراہی میں پڑے ہیں اگر اسی پر مریں گے تو دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

یَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ
وہ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اسے اس کے وقت پر
اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْــَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ
وہی ظاہر فرمائے گا وہ آسمانوں میں اور زمین میں بھاری پڑ جائیگی۔ تمہارے پاس اچانک ہی آجائے گی وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکے ہیں
عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے

قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ اچانک آجائیگی

تفسیر: چونکہ نبی اکرم ﷺ توحید کی دعوت کے ساتھ قیامت کے بارے میں بھی خبر دیتے تھے اور اس کے احوال و اھوال بتاتے تھے اس لئے مشرکین قیامت کے بارے میں بھی طرح طرح کی باتیں نکالتے تھے وہ کہتے تھے کہ جب گل سڑ کر ہماری ہڈیوں کا چورا چورا ہو جائے گا تو کیا ہم دوبارہ زندہ ہوں گے؟ اور اس کی تکذیب کے لئے یوں بھی کہتے تھے: مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (کہ قیامت آنے کا جو وعدہ ہے کب پورا ہوگا) اس کا مطلب وقت کا پوچھنا نہ تھا۔ بلکہ وقوع کا انکار کرنا تھا۔ امتدادِ اجل سے عدم وقوع اور عدم امکان پر استدلال کرتے تھے یہ ان کی حماقت تھی کسی چیز کا دیر میں آنا عدم امکان اور عدم وقوع کی دلیل نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ بتایئے قیامت کب واقع ہوگی؟ اور اس طرح سوال کرتے تھے کہ جیسے آپ کو اس کے بارے میں پورا علم ہے ان کے جواب میں فرمایا

اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ (کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے)

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم صرف اپنے ہی لئے رکھا ہے کسی نبی یا فرشتہ کو نہیں دیا۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام انسانی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند

سوال کئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ (جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اُس سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے جس نے سوال کیا) (رواہ البخاری ومسلم)

یعنی اس بارے میں میں اور تم برابر ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سوال کرنیوالوں کے سوال کا یہ مقصد ہوسکتا ہے کہ اگر آپ واقعی رسول ہیں تو متعین طور پر آپ بتادیں کہ قیامت کب آئے گی۔ کیونکہ ان کے خیال میں نبوت کے لوازم میں سے یہ بات بھی تھی کہ رسول کو قیامت کا علم ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور بتادیا کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے رسول کا نہ جاننا منصب رسالت کے خلاف نہیں ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ وَبَعْضُهُمْ يَزْعَمُ اَنَّ الْعِلْمَ بِذٰلِكَ مِنْ مُقْتَضَيَاتِ الرِّسَالَةِ فَيَتَّخِذُ السُّؤَالَ ذَرِيْعَةً اِلَى الْقَدْحِ فِيْهَا (اور بعض کا گمان یہ تھا کہ قیامت کا علم ہونا رسالت کے لوازمات میں سے ہے اس لئے وہ قیامِ قیامت کے متعلق سوال کر کے رسالت کی صداقت جانچنا چاہتے تھے) (ص ۱۲۴ ج ۹)

یہ جو فرمایا کہ قیامت اچانک آجائے گی اس کی تفصیل حدیث شریف میں اسطرح وارد ہوئی ہے کہ قیامت اس حال میں آجائے گی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان میں کپڑا کھول رکھا ہوگا اور ابھی خرید و فروخت کرنے نہ پائیں گے اور کپڑا لپیٹنے نہ پائیں گے کہ قیامت آجائے گی اور قیامت اس حال میں آجائے گی کہ کوئی شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا اور وہ ابھی پینے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی اور کوئی شخص اپنا حوض لیپ رہا ہوگا کہ قیامت آجائے گی اور وہ اس میں (اپنے جانوروں کو پانی بھی) نہ پلانے پائے گا۔ اور کسی شخص نے اپنے منہ کی طرف لقمہ اُٹھا رکھا ہوگا وہ اسے کھانے بھی نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔ (صحیح بخاری ص ۹۶۳ ج ۲)

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے چاہا، اور اگر میں غیب کو جانتا ہوتا
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ
تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز نہ پہنچتی میں تو ان لوگوں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾
جو ایمان رکھتے ہیں

آپ فرمادیجئے کہ میں اپنے لئے کسی نفع وضرر کا مالک نہیں ہوں اور نہ غیب جانتا ہوں

تفسیر: اس آیت میں اوّل تو نبی اکرم ﷺ کو خطاب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ میں اپنے لئے ذرا بھی کسی نفع یا کسی ضرر کا مالک نہیں ہوں اللہ کی مشیت اور اسکی قضاء وقدر کے موافق ہی مجھے نفع وضرر پہنچتا ہے۔ مجھے اپنے

نفع اور ضرر کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ اعلان کرا دیا تا کہ لوگ آپ کو اللہ کا بندہ سمجھیں اور یہ بھی یقین کریں کہ آپ کو جو نفع و نقصان پہنچتا ہے وہ صرف اللہ کی مشیت سے پہنچتا ہے نفع اور نقصان کے بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں۔

بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جو علم و فہم اور تدبیر، محنت اور کوشش کا اختیار دیا ہے جس کے ذریعہ کچھ فائدہ ہو جاتا ہے یا کسی ضرر سے بچ جاتے ہیں اس طرح کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو بھی تھا ان تدابیر اور اسباب کے اختیار کرنے اور اعضاء جوارح کو حرکت دینے سے جو کچھ نفع حاصل ہو جاتا ہے یا بعض مرتبہ کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو یہ سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے خود مختار نہیں ہے لفظ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ استثناء متصل ہو۔ قال فی الروح۔ اَیْ اِلَّا وَقْتَ مَشِیَّتِہٖ سُبْحَانَہٗ بِاَنْ یُّمَکِّنَنِیْ مِنْ ذٰلِکَ فَاِنَّنِیْ حِیْنَئِذٍ اَمْلِکُہٗ بِمَشِیْئَتِہٖ۔

اور اگر استثناء منقطع لیا جائے تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے بس وہی ہوگا میرا اختیار کچھ بھی نہیں۔ (راجع روح المعانی ص ۱۳۶ ج ۹)

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (یعنی آپ یہ بھی فرما دیں کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا تو میں بہت سی خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی ناگوار چیز پیش نہ آتی) نفع یا ضرر پہنچنے سے پہلے ہی اگر علم ہو جائے کہ ان میں سے کوئی امر پیش آنے والا ہے تو پہلے ہی سے ایسی صورتیں اختیار کر لی جائیں کہ نفع زیادہ سے زیادہ ہو اور کثرت منافع کے موانع میں رکاوٹ ڈال دی جائے اور آنے والے ضرر کے دفعیہ کے لئے پوری کوشش کام میں لائی جائے لیکن حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچ جاتی تھیں جس کا پہلے سے علم نہ ہوتا تھا جس کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (یعنی آپ یہ بھی فرما دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں)

انذار و تبشیر کا کام امر شرعی ہے دنیا میں نفع و ضرر پہنچنے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اور تشریعی اوامر و نواہی اور تبلیغی احکام کا تعلق منصب نبوت سے ہے، جو شخص نبی اور رسول ہو اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچے یہ کوئی شرعی یا تکوینی قانون نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب کلی ثابت کرنیوالوں کی تردید

آیات بالا میں واضح طور پر تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا۔ اور قیامت کا علم بھی نہ تھا کہ کب آئے گی اور سورۂ انعام میں بھی اسکی تصریح گزر چکی ہے وہاں فرمایا قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ (آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کو جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) اس میں شک نہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے آپ کو علوم غیبیہ عطا فرمائے تھے۔ اور آپ کو ساری مخلوق سے زیادہ علم عطا فرمایا لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ تمام غیبوں کو جانتے تھے اور قیامت کب آئے گی۔ اس کا بھی آپ کو علم تھا یہ دعویٰ باطل ہے اور قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

الموضوعات الکبیر میں حافظ جلال الدین سیوطی سے نقل کرتے ہیں۔

وقد جاهر بالكذب بعض من يدعى فى زماننا العلم وهو متشبع بما لم يعط أن رسول الله ﷺ كان يعلم متى تقوم الساعة قيل له فقد قال فى حديث جبرئيل ما المسئول عنها بأعلم من السائل فحرفه عن موضعه وقال معناه انا وانت تعلمها وهذا من اعظم الجهل واقبح التحريف (الى ان قال) ثم قولهٗ فى الحديث ما المسؤل عنها بأعلم من السائل يعم كل سائل ومسئول عن الساعة هذا شانهما ولكن هؤلاء الغلاة عنهم انّ علم رسول الله منطبق على علم الله سواء بسواء فكل ما يعلمه الله يعلم رسوله والله تعالىٰ يقول: وممن حَوْلكم من الأعْرَاب مُنَافِقُوْن وَمِنْ اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم وهذا فى براءة وهى من اواخر ما نزل من القرآن هذا والمنافقون جيرانه فى المدينة انتهى بحذف.

ترجمہ: ہمارے زمانہ میں بعض ایسے لوگ جو عالم نہیں ہیں علم کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہیں انہوں نے بَرملا یہ جھوٹی بات کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کا وقت معلوم تھا ان سے کہا گیا کہ حدیث میں تو یوں ہے۔ ''ما المسئول عنها بأعلم من السائل''۔ تو اس شخص نے اس کا معنی پلٹ دیا اور یہ مطلب بتادیا کہ میں اور تو دونوں قیامت کے وقت کو جانتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جہل ہے اور بدترین تحریف ہے حدیث ما المسئول عنها بأعلم من السائل ہر سائل اور ہر مسئول کو شامل ہے قیامت کے بارے میں جو بھی کوئی سائل ہوگا یا جس سے سوال کیا جائے گا سب کے بارے میں یہی بات ہے کہ وہ قیامت کے آنے کا وقت نہیں جانتے لیکن یہ غلو کرنے والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم پوری طرح اللہ تعالیٰ کے علم پر منطبق ہے انکے نزدیک ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا رسول بھی جانتا ہے ان لوگوں کی اس بات کی تردید سورۂ براءت کی آیت سے واضح طور پر ظاہر ہو رہی ہے اور سورۂ برأت اُن سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں وہ آیت یہ ہے۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۚ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔

یعنی تمہارے گرداگرد دیہاتیوں میں سے منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں سے وہ لوگ ہیں جو نفاق میں خوب زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے' ہم انہیں جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے پڑوسی تھے۔ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ آیت کی اس واضح تصریح کے بعد پھر بھی یوں کہنا کہ رسول کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے سراسر قرآن مجید کا انکار ہے اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں: ومن اعتقد تسوية علم الله ورسوله يكفر اجماعًا كما لا يخفى یعنی جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا علم برابر ہے تو بالاجماع اسے کافر کہا جائے گا۔

آج کل ایک ایسی جماعت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر ہے صرف عطائی اور غیر عطائی کا فرق ہے یہ اُن لوگوں کی گمراہی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الموضوعات الکبیر میں بعض ایسی آیات و احادیث درج کرنے کے بعد جن سے رسول اللہ ﷺ کے علم کلی کی نفی ہوتی ہے تحریر فرماتے ہیں: ولا ريب ان الحامل

لھٰؤلاء علی ھذا الغلو اعتقادھم انہ یکفر عنھم سیئاتھم ویدخلھم الجنۃ و کلما غلوا کانوا اقرب الیہ واخص بہ فھم اعصی الناس لامرہ واشدھم مخالفۃ لسنتہ وھٰؤلآء فیھم شبہ ظاھر من النصاری غلو علی المسیح اعظم الغلو وخالفوا شرعہ ودینہ اعظم المخالفۃ والمقصود أن ھٰؤلاء یصدقون بالاحادیث المکذوبۃ الصریحۃ ویحرفون الاحادیث الصریحۃ واللہ ولّی دینہ فیقیم من یقوم لہ بحق النصیحۃ۔

ترجمہ: اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کے اعتقاد میں جو غلو ہے اس کی وجہ سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ غلو ان کے گناہ کو معاف کرا دے گا اور انہیں جنت میں داخل کرا دے گا اور جتنا بھی زیادہ غلو کریں گے آنحضرت ﷺ سے قریب تر ہونگے اور آپ کے مخصوصین میں شمار ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ سب لوگوں سے بڑھ کر آپ کی نافرمانی کرنے والے ہیں اور آپکی سنت کی مخالفت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت ہیں۔ اور ان لوگوں میں نصاریٰ سے مشابہت ہے جنہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ غلو کیا۔ اور انکے دین اور شریعت کے بارے میں بہت زیادہ مخالفت کی یہ لوگ صریح جھوٹی بنائی ہوئی حدیثوں کی تصدیق کرتے ہیں اور صحیح احادیث میں تحریف کرتے ہیں۔ اللہ اپنے دین کا ولی ہے وہ ایسے شخص کو مقرر فرماتا ہے جو خیر خواہی کے لئے قائم ہو۔ اھ

بعض جاہل یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ آیات و احادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر چیز کا علم نہیں دیا گیا ہے لیکن وفات سے تھوڑی دیر پہلے ہر چیز کا علم دے دیا گیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ نہ صرف یہ کہ بے دلیل ہے بلکہ احادیث شریفہ کی تصریحات کے خلاف ہے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں پانی پلانے کے لئے پہلے سے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو پی لے گا کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ ضرور ایسا ہوگا کہ کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور اُنکے درمیان آڑ لگا دی جائے گی میں کہوں گا کہ یہ میرے لوگ ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ بلاشبہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں نکالی تھیں اس پر میں کہوں گا کہ دور ہوں دور ہوں جنہوں نے میرے بعد اَدل بَدل کر دیا (اس ادل بدل کرنے میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر قرار دے دیا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۸ از بخاری و مسلم)

نیز شفاعت کے بیان میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں سجدہ میں پڑ جاؤں گا اور اپنے رب کی وہ ثناء و تحمید بیان کروں گا جو اللہ مجھے سکھا دے گا جنہیں میں اس وقت نہیں جانتا (ایضاً)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اس دنیا میں آپ کے علم میں نہیں لائی گئیں وہ وہاں آخرت میں ظاہر ہوں گی اہل بدعت پر تعجب ہے کہ وہ عقیدت کے غلو میں آیات و احادیث کو نہیں جانتے اور دعویٰ اُن کا یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہے بلکہ اپنے بارے میں یوں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علاوہ کوئی مسلمان ہی نہیں۔ ھداھم اللہ تعالٰی اِلَی الصراط المستقیم صراط الذین أنعم علیھم من النبییّن و الصدیقین والشھداء والصالحین۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا تاکہ وہ اس کے پاس ٹھکانہ پکڑے۔

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا

پھر جب اس نے جوڑے کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہ گیا۔ پھر وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے جو اُن کا رب ہے

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ

کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم بچہ عطا فرمادیا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرمادیا تو جو چیز ان کو عطا فرمائی اس میں اللہ کے لئے شریک

فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

قرار دینے لگے سو اللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے

بیوی قلبی سکون کے لئے ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے اولاد آدم کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر جب انہوں نے تنہائی محسوس کی اور طبعی طور پر اُنس واُلفت کی ضرورت محسوس کرنے لگے تو ان کی بائیں پسلی سے اُن کا جوڑا پیدا فرمادیا۔ جس کا نام حواء تھا۔ اس جوڑے کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا تاکہ وہ اپنے جوڑے کے پاس قرار پکڑے۔ تھکا ماندہ اپنے گھر میں آئے تو اپنے گھر کو آرام کی جگہ پائے۔

سورۂ روم میں فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (اور اسکی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے پیدا فرمائے تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمادی۔ بلاشبہ اس میں فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

سورہ اعراف میں لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فرمایا۔ اور سورۂ روم میں لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی ازدواجی زندگی کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ایک دوسرے سے مانوس ہو اور زندگی پرسکون ہو۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات ہوں۔ بہت سے مرد عورتوں کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں اور بہت عورتیں مرد کے لئے سوہانِ رُوح بن جاتی ہیں۔ یہ ازدواجی مقصد کے خلاف ہے۔ جن میاں بیویوں میں تلخی ہو وہاں سکون کہاں اور یہ سکون وہیں ہوسکتا ہے جبکہ خلاف طبع امور میں فریقین تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ نکاح کرتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر نکاح کریں۔ مال اور حسن و جمال ہی کو نہ دیکھیں۔ فریقین کی دین داری اور خوش خلقی کو بھی دیکھیں۔ اور یہ بھی دیکھیں کہ آپس میں جوڑ بیٹھے گا یا نہیں؟ دونوں محبت والفت کی راہ پر چل سکیں گے یا نہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دینا

7

اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور (لمبا) چوڑا فساد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت والی ہو جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد)

دونوں میاں بیوی محبت کے ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور ایک دوسرے کی رعایت کریں' ناگواریوں سے درگزر کرتے رہیں۔ یہی اسلم طریقہ ہے اور اس میں سکون ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ (اپنی) مومن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی بھی طریقہ پر تیرے لئے سیدھی نہیں ہوسکتی اگر تجھے اس سے نفع حاصل کرنا ہے تو اس صورت میں حاصل کرسکتا ہے کہ اس کا ٹیڑھا پن باقی رہے۔ اور اگر تو اسے سیدھی کرنے لگے گا تو توڑ دے گا' اور اس کا توڑ دینا طلاق دینا ہے۔ (رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان میں سے سب سے زیادہ کامل لوگ وہ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے سب سے بہتر ہیں (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں دے دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔

۱- شکر گزار دل ۲- ذکر کرنے والی زبان ۳- تکلیف پر صبر کرنے والا بدن

۴- اور ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت کرنا نہ چاہتی ہو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱)

یہ چند احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں ان میں آپس کی محبت اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے اُصول بتا دیئے ہیں ان پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی سکھ سے رہیں گے اور میاں بیوی بننے کا جو کیف اور سرور ہے اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور زندگی بھر محبت کے ساتھ نباہ ہوتا رہے گا۔

میاں بیوی میں جو بھی بد اخلاق ہوتا ہے۔ دوسرے کے لئے مصیبت بن جاتا ہے جو مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا سے کون مُراد ہیں؟ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے

انسان کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا مشرکین کا حال بیان فرمایا جو اولاد کی وجہ سے شرک کی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں، ارشاد فرمایا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ۔ جب مرد نے عورت کو ڈھانکا یعنی قربت اور مباشرت کی تو حمل رہ گیا، ابتداءً یہ حمل خفیف اور ہلکا ہوتا ہے جسے پیٹ میں لے کر عورت آسانی سے چلتی پھرتی ہے۔ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (جب حمل کی وجہ سے عورت بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دُعاء کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے) فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا (پھر جب ان کے رب نے انہیں صحیح سالم بھلا چنگا بچہ عطا فرما دیا تو اللہ کی اس بخشی ہوئی چیز میں اللہ کے لئے شریک بنانے لگے) فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سو اللہ ان کے شرک سے برتر ہے) اس میں کن لوگوں کے شرک کا بیان ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں یوں ملتا ہے کہ جیسے شروع آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا ذِکر ہے اس طرح فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا سے لے کر فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ تک بھی انہیں میاں بیوی کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ شیطان کے بتانے سے حضرت حواء نے اپنے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا اس سے پہلے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ ابلیس نے کہا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا۔ اس طرح وہ زندہ رہے گا۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول تو اس قصہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے پھر ابن جریر کے حوالہ سے اس کو حدیث موقوف بتایا ہے۔ اور موقوف ہونے کے بعض شواہد پیش کئے ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے صحابی کا قول ہے ممکن ہے کہ صحابی (سمرہ بن جندب) نے بعض اہل کتاب سے یہ بات حاصل کی ہو جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب احبار اور وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی کچھ اس طرح منقول ہے کہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام نے اپنے بچہ کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اہل کتاب کے آثار سے لیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کیونکہ آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک خفی یا جلی کا صدور نہیں ہو سکتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کیا ہے اور اس میں کن لوگوں کا حال بیان کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے منقول ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنا دیا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: **وهو من أحسن التفاسير وأولى ما حملت عليه الآية** (کہ یہ سب سے اچھی تفسیر ہے اور آیت کو اس پر محلول کرنا اَولیٰ ہے)

تفسیر درمنثور ص ۱۵۴ ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ شرک کرنے والی بات حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: **عن ابن عباس قال ما اشرک آدم ان اولها شکر و آخرها مثل ضربه لمن بعده**۔ یعنی حضرت آدم نے شرک نہیں کیا ان کے بارے میں آیت کا اول حصہ ہے جس میں شکر کا بیان ہے اور بعد کے حصہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ان کے بعد آئے (اور شرک اختیار کیا)

اولاد کو شرک کا ذریعہ بنانے کی تردید: مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں اولاد کی پرورش اور انکے زندہ رہنے کی اُمید اور انکی موت کے ڈر سے ماں باپ افعالِ شرکیہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں شرک کی ابتداء بچے کے پیدا ہونے کی امید ہی سے شروع ہو جاتی ہے اس کے صحیح سالم پیدا ہونے کے لئے نذریں ماننے لگتے ہیں۔ یہ نذریں غیر اللہ کے لئے بھی ہوتی ہیں، پھر جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو شرکیہ نام رکھتے اور شرکیہ کام کرتے ہیں۔

بعض علاقوں میں اسے چھاج میں رکھ کر گھسیٹتے ہیں اور اس کا نام گھسیٹا رکھ دیتے ہیں۔ یا کسی پیر فقیر کے نام پر کان چھید کر بُندا ڈال دیتے ہیں اور لڑکے کا نام بندو رکھ دیتے ہیں اور بعض لوگ قصداً بچوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جو بُرے معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے کوڑا کڑوا بھینگا۔

ان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے بُرا نام رکھیں گے تو لڑکا جیتا رہے گا، اور یہ شرکیہ افعال شیطان کے سمجھانے سے اور ہندوؤں کے پاس پڑوس اور ماحول میں رہنے کی وجہ سے اختیار کرتے، مشرکین عرب شرکیہ نام رکھا کرتے تھے۔ عبداللات، عبدالعزیٰ، عبد مناف، عبد شمس ان جیسے نام ان لوگوں میں رائج تھے۔ نصاریٰ میں اب تک عبدالمسیح رکھنے کا رواج ہے۔ یہ سب شرک ہے۔ مسلمانوں کے نام ایسے ہونے چاہئیں جن سے عبدیت کا مظاہرہ ہو اور نام سے یہ ٹپکتا ہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **تسموا باسماء الانبیاء واحب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمٰن واصدقھا حارث وھمام واقبحھا حرب ومرۃ** (رواہ ابوداؤد)

یعنی نبیوں کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عبداللہ و عبدالرحمٰن ہے اور سب سے زیادہ سچا نام حارث (کسب کرنے والا) اور ہمام (ارادہ کرنے والا) ہے اور سب سے برا نام حرب (جنگ) اور مرہ (کڑوا) ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنٰی سے پہلے لفظ عبد لگا کر اپنے بچوں کے نام رکھیں اور بُرے ناموں سے پرہیز کریں۔

حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں مسروق بن الاجدع ہوں حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اجدع شیطان کا نام ہے (رواہ ابوداؤد) اور اس کا معنی بھی خراب ہے کیونکہ جس کے ناک، کان کٹے ہوں عربی میں اس کو اجدع کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے باپ دادوں کے ناموں سے بُلائے جاؤ گے لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ (رواہ ابوداؤد)

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا

کیا وہ لوگ ان کو شریک بناتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، اور وہ انکی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ

أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۲﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ سَوَاءٌ

وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں، اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں گے تمہارے اعتبار سے برابر ہے

عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿۱۹۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو، بیشک تم جن کو اللہ کے

عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ

سوا پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو پھر وہ تمہاری پکار کو قبول کر لیں اگر تم سچے ہو؟ کیا انکے پاؤں ہیں

يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ

جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں

اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

یا اُن کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ فرما دیجئے کہ اپنے شریکوں کو بلا لو پھر میرے بارے میں ضرر پہنچانے کی جو تدبیر کر سکتے ہو کر لو اور پھر مجھے مہلت نہ دو'

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

بیشک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے' اور جن لوگوں کو

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى

اس کے سوا تم پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں' اور اے مخاطب اگر تو ان کو ہدایت کی طرف پکارے

لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

تو وہ نہ سنیں گے اور تو سمجھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں' حالانکہ وہ نہیں دیکھ رہے ہیں

معبودان باطلہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں

تفسیر : اوپر کی آیت میں اولاد کے سلسلہ میں شرک اختیار کرنے کا ذکر تھا ان آیات میں بھی مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے اور شرک اختیار کرنے میں جو اُنہوں نے حماقت کی ہے اسے بیان فرمایا ہے' اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اسی نے سب کچھ پیدا فرمایا جس نے سب کچھ پیدا فرمایا وہی عبادت کے لائق ہے۔ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود اپنے خالق جل مجدہ کی مخلوق ہیں وہ کیسے عبادت کے مستحق ہو گئے؟ مشرکین کا یہ طریقہ ہے کہ جب غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ آڑے وقت میں ہماری مدد کریں گے یہ بھی حماقت کی بات ہے جن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں وہ ان شرک کرنے والوں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے' انکی مدد کرنا تو در کنار وہ تو اپنی ہی مدد کرنے سے عاجز ہیں اگر کوئی شخص انہیں توڑ دے پھوڑ دے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے جو مورتیاں بنا رکھی ہیں وہ بے جان صورتیں ہیں نہ اپنے پاؤں سے چل سکتے ہیں نہ اپنے ہاتھوں سے پکڑ سکتے ہیں نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے کانوں سے سن سکتے ہیں ان عاجزوں کو اللہ کا شریک بنانا اور ان سے مدد کی اُمید کرنا سراپا حماقت اور بے عقلی ہے ان کو پکارو تو بات نہ سنیں اور ہدایت کا

راستہ بتاؤ تو اسے اختیار نہ کریں اور حال اُن کا یہ ہے کہ وہ بظاہر اپنی مصنوعی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور حقیقت میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ ان کی آنکھیں اصلی نہیں ہیں جن سے وہ دیکھیں' اور کان اصلی نہیں ہیں جن سے وہ سنیں' ان بتوں کو خود ہی تراشتے اور خود ہی اُٹھاتے اور رکھتے ہیں' اور انہیں پوجتے ہیں۔ یہ بڑی حماقت اور شقاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودوں کا عجز ظاہر فرمایا' اور ساتھ ہی اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے معبودوں کو بُلا لو اور تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی جو بھی تدبیر کر سکتے ہو کر لو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو' مطلب یہ ہے کہ یہ معبودان باطلہ اور ان کی پرستش کرنے والے آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مشرکین چونکہ اپنے معبودوں کے شر اور ضرر سے ڈراتے تھے (کما فی سورۃ الزمر وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ) اس لئے نبی اکرم ﷺ سے ان کو چیلنج دلوا دیا کہ تم اور تمہارے معبود جو کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ ان لوگوں کا عجز ظاہر فرما کر ساتھ ہی معبود حقیقی کا مددگار ہونا بیان فرمایا کہ اللہ میرا ولی ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ اپنے نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کی حفاظت اور حمایت فرماتا ہے۔ جو اُس کا ہو گا دنیا و آخرت میں اسکی حفاظت فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ.

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ
معاف کرنے کو اختیار کیجئے' اور نیک کاموں کا حکم دیجئے' اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے' اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۰۰﴾
کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے

اخلاق عالیہ کی تلقین اور شیطان کے وسوسے آنے پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کا حکم

تفسیر: پہلی آیت میں تین باتوں کا حکم دیا اول یہ کہ معاف کیا کیجئے۔ دوسرا یہ کہ بھلائی کا حکم کیجئے اور تیسرا یہ کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ اس آیت شریفہ میں مکارم اخلاق بیان فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری ص ۶۶۹ ج ۲ میں حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں معافی کا اختیار فرمائیں۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۷ ج ۲ میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں' حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجئے آپ نے فرمایا اے عقبہ جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اُس سے اعراض

کرتے رہو۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۴۲ ج ۳)

معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت: چونکہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی اس کا مزاج میل جول والا ہے اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور پرایوں سے رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی۔ چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے۔ لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جا سکتا ہے۔ اگر زیادتی کر دی تو اب یہ خود ظالم ہو جائے گا۔ سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ.

(ترجمہ) اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی برائی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے۔ یہ البتہ یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو وہ دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں جو بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن جس نے نفس پر قابو پا لیا اور معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لئے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے اسی لئے تو فرمایا ہے۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اور فرمایا وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو معاف کر دینا اس کے لئے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران (رسول بنی اسرائیل) علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جواب دیا کہ جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ص ۳۱۹ ج ۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو معاف فرمانا: حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ بھائیوں نے انہیں کنوئیں میں ڈال دیا پھر چند ٹکوں کے عوض انہیں بیچ دیا پھر جب برسوں کے بعد مصر میں ان کے

پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم خطا کار تھے تو انہوں نے جواب میں فرما دیا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (یوسفؑ نے فرمایا کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے)

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کا اہل مکہ سے برتاؤ: سید الاولین والآخرین ﷺ کے ساتھ مکہ والوں نے کیا کچھ نہ کیا، کیسی کیسی تکلیفیں دیں آپ کو مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ پھر جب آپ فتح مکہ کے موقع پر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا خیال کرتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرونگا، اہل مکہ نے کہا: اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ کہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے ان کو وہی جواب دیا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا تھا، اور فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔

درحقیقت اخلاق عالیہ ہی سے اہل حق جیتتے ہیں اور انہی کے ذریعہ اسلام کی دعوت عام ہوئی ہے۔ اخلاق عالیہ میں معاف اور درگزر کرنے کا بڑا دخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جان کے لئے کبھی کسی بارے میں کوئی انتقام نہیں لیا ہاں جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے ان کی بے حرمتی ہوتی تھی تو آپ انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ رسول ﷺ نہ فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش گوئی اختیار کرتے تھے نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے، اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے تھے اور درگزر کرتے تھے (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے آٹھ سال کی عمر سے لے کر دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ نے مجھے کسی ایسے نقصان کے بارے میں کبھی ملامت نہیں فرمائی جو میرے ہاتھوں ہو گیا ہو، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی شخص ملامت کرنے لگتا تو فرماتے تھے اسے چھوڑو کیونکہ جو چیز مقدر ہو چکی وہ ہونی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم خادم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے پھر اپنی بات دُہرائی آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار پھر سوال کیا آپ نے فرمایا روزانہ ستر بار معاف کرو۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۲۹۲)

فائدہ: معاف کرنے کی فضیلت اور ضرورت جو اوپر بیان کی گئی اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ بچوں اور خادموں کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائے اور ان کی تربیت نہ کی جائے، بلکہ تربیت بھی کی جائے اور درگزر بھی کیا جائے۔ اگر کوئی سزا دی جائے تو اپنا غصہ اُتارنے اور انتقام کے لئے نہ ہو بلکہ انکی خیر خواہی مقصود ہو۔ سوچ سمجھ کر بقدرِ ضرورت سزا دی جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ سزا مفید ہوگی یا مضر، اگر بچوں پر قابو نہ کیا جائے تو یہ بھی کوئی نیکی نہیں ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وانفق علی عيالك من طولك ولا ترفع عنهم عصاك ادبا واخفهم في الله (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۱۸ ج ۱) اور اپنے عیال پر اپنا

اچھا مال خرچ کرو اور ان سے لاٹھی اُٹھا کر مت رکھو جس کی وجہ سے وہ تمہاری گرفت سے مطمئن ہو جائیں اور احکامِ خداوندی کو فراموش کر دیں اور انہیں اللہ کے احکام وقوانین کے بارے میں ڈراتے رہو۔

امر بالمعروف: آیت بالا میں دوسری نصیحت یوں فرمائی وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ یعنی بھلائیوں کا حکم دیا کرو بھلائیوں کا حکم دینا بھی مکارم اخلاق اور فضائل اعمال اور محاسنِ افعال میں سے ہے اور دین اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت بڑی فضیلت ہے جس کے بارے میں ہم تفصیل سے سورۂ آلِ عمران کی آیت: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔ (انوار البیان ج ۲)

جاہلوں سے اعراض کرنا: تیسری نصیحت یوں فرمائی وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔ (اور جاہلوں سے اعراض کرو) یہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اور اس پر عمل کرنے سے مؤمن بندہ اپنے نفس کے شر سے اور جاہلوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ سوال جواب اہل علم تک محدود رہے تو مناسب رہتا ہے۔ اور جاہلوں سے سوال جواب اور بحث کی جائے تو وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور جاہل اپنی جہالت کی وجہ سے صاحب علم کو خاموش کر کے یہ سمجھتا ہے کہ میں جیت گیا۔ صاحبِ علم کے اخلاق فاضلہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جاہلوں سے نہ اُلجھے اور ان سے دور رہے اور جاہل کی طرف سے کوئی زیادتی ہو تو اسے برداشت کرے اور درگزر کر دے۔ عالم اگر جاہل کے جاہلانہ افعال واقوال اور اطوار وعادات کا مقابلہ کرے گا تو علم کا کام چھوڑ بیٹھے گا اور جاہلوں ہی سے بھڑتا رہے گا۔ اگر کوئی جاہل شخص شرعی مسئلہ پوچھے تو اسے بتا دے لیکن اس سے بحث نہ کرے نہ اسے بحث کرنے دے۔ جاہل کو منہ لگانے میں اپنی آبرو کا بھی نقصان ہے۔ اور علمی کاموں سے بھی حرمان ہے۔

شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ لینے کا حکم: دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیجئے بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)

درمنثور ص ۱۵۴ ج ۳ میں بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کہ اے رب غصہ کی حالت میں کیا کیا جائے (غصہ انتقام پر اُبھارتا ہے اور معاف کرنے سے روکتا ہے) اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ (آخر تک) نازل فرمائی۔

لفظ نزغ کچوکہ دینے اور اُبھارنے اور وسوسہ ڈالنے اور کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ شیطان انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ غصہ اور انتقام پر اُبھارتا رہتا ہے اور ایسے وسوسے دل میں ڈالتا ہے کہ انسان معاف کرنے یا درگزر کرنے پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ شیطان کا شر اور وسوسہ دفع کرنے کا یہ علاج بتایا کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگی جائے اس سے شیطان ذلیل ہوگا اور وسوسہ ڈالنے سے پیچھے ہٹے گا۔

سورۂ مومنون میں فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَّحْضُرُوْنِ (اور آپ یوں کہیے کہ اے رب میں آپ کی پناہ لیتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور اے رب اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں)

ایمانیات میں وسوسہ آنے پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آئے گا سو وہ کہے گا کہ یہ کس نے پیدا کیا' یہ کس نے پیدا کیا۔ یہاں تک کہ یوں کہے گا کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ سو جب وہ اس سوال پر پہنچ جائے تو یوں کہے۔ اَللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ پھر بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (رواہ ابوداؤد)

غصہ کا علاج: حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ دو آدمیوں نے آپس میں گالی گلوچ شروع کر دی ان میں سے ایک شخص کا چہرہ غصہ کی وجہ سے سُرخ ہو رہا تھا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے کہہ لے تو یہ جو کیفیت اپنے اندر محسوس کر رہا ہے (یعنی غصہ) وہ ختم ہو جائے اور وہ کلمہ یہ ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے)

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات اس شخص سے کہہ دی تو اس نے کہا کہ بے شک میں دیوانہ ہوں۔ (رواہ البخاری ص ۹۰۳ ج ۲)

(علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ غصہ میں بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے بے ادبی کا کلمہ بول دیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ شخص منافق ہو یا دیہات کا رہنے والا اکھڑ آدمی ہو)

وسوسہ اور غصہ کے دفعیہ کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنا مجرب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾
بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ سو اچانک انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔
وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾
اور جو لوگ شیاطین کے بھائی ہیں شیاطین ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں' سو وہ کمی نہیں کرتے

شیطان سے بچنے والوں اور شیطان کے دوستوں کا طریقہ

تفسیر: آیت بالا وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ میں حکم فرمایا کہ جب شیطان کا وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگئے' ان دو آیتوں میں شیطان سے بچنے والوں اور شیطان سے دوستی کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا' اور وہ یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان ان کے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور بہکانے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ اس کے عموم میں مطلقاً اللہ کا ذکر کرنا بھی شامل ہے اور اللہ کے عقاب و ثواب کو ذہن میں لا کر شیطان کے وسوسوں سے بچنا اور اُن پر عمل نہ کرنا بھی شامل ہے۔ اللہ کا ذکر شیطان کو دور کرنے کے لئے بہت بڑا ہتھیار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے دل پر مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے۔ سو جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو

شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹)
سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں جو "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ". فرمایا ہے اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور (اللہ کا ذکر کرنے پر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے جب شیطان کا وسوسہ آنے پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے استعاذہ کرتے ہیں تو اس سے فوراً چونک جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ شیطان کی شرارت فوراً واضح ہو جاتی ہے اور خطا و صواب کا پتہ چل جاتا ہے۔

متقین کا ذکر فرمانے کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی ان کے ساتھ ان کا خاص تعلق ہے وہ شیطان کے وسوسوں سے نہیں بچتے۔ بلکہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو شیاطین ان کو گمراہی میں برابر کھینچے لئے جاتے ہیں اور ان کو گمراہ کرنے پر گمراہی میں آگے بڑھانے کے بارے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جس نے شیطان کا تھوڑا سا ساتھ دیا اسکی بات کو مانا تو وہ اس کو برابر گمراہی کے راستہ پر چلاتا رہتا ہے اور اسے دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ
اور جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہ لائیں تو کہتے ہیں کہ آپ نے یہ معجزہ کیوں نہ اختیار کیا آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے
رَّبِّيْ ۭ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ہدایت ہیں اور رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں

فرمائشی معجزات طلب کرنے والوں کا جواب

تفسیر: آنحضرت سرور عالم ﷺ دلائل واضحہ کے ساتھ دعوت حق دیتے تھے حق پہچاننے کے لئے سب سے بڑی چیز دلائل عقلیہ ہی ہیں اس کے باوجود اللہ جل شانہٗ کی طرف سے معجزات کا ظہور بھی ہوتا رہتا تھا لیکن معاندین کہتے تھے کہ جو معجزہ ہم چاہیں ایسا معجزہ ظاہر ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں معجزہ ظاہر کرنا نہ تھا۔ اللہ جل شانہٗ کی جب مشیت ہوتی تھی تو معجزے ظاہر ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ چاہتا تو لوگوں کے فرمائشی معجزے بھی ظاہر فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کے کہنے کے مطابق معجزہ ظاہر فرمائے پھر ان لوگوں کا فرمائشی معجزہ طلب کرنا بھی عناد اور تعنت کے طور پر تھا۔ حق قبول کرنا مقصود نہ تھا اسی لئے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ معجزہ ظاہر ہونے میں دیر ہوئی یا اُن کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ ہوا تو بطور عناد اعتراض کرنے لگے۔ آیت کریمہ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا میں معاندین کا شر پسندانہ اعتراض نقل فرمایا ہے کہ آپ نبوت کے دعویدار ہیں۔ آپ نے اپنے پاس سے کوئی معجزہ کیوں ظاہر نہ کر دیا یا یہ مطلب تھا کہ اللہ سے کیوں یہ بات نہ منوالی تاکہ وہ ہمارا فرمائشی معجزہ ظاہر کر دیتا اس کے جواب میں فرمایا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ میرا کام تو بس یہ ہے کہ وحی کا اتباع کروں۔ میرے ہاتھ میں معجزوں کا ظاہر کرنا نہیں ہے اور فرمائشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان قبول کرنے کو موقوف رکھنا حماقت ہے اور ضد و عناد ہے۔ بہت سے معجزات ظاہر ہو چکے ہیں لیکن تم ایمان نہیں لاتے۔

قرآن میں بصیرت کی باتیں ہیں اور رحمت اور ہدایت ہے

جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لئے قرآن کریم ہی بہت بڑا معجزہ ہے۔ لفظی معجزہ بھی ہے اور معنوی بھی' جو حقائق اور معارف پر مشتمل ہے۔ اسکے ہوتے ہوئے طالب حق کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہیں' اسی کو فرمایا هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ (یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ۔ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں)

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

قرآن مجید پڑھنے اور سُننے کے احکام و آداب

تفسیر: ان آیات میں قرآن مجید سننے کا حکم فرمایا ہے اور بعض احکام و آداب ارشاد فرمائے ہیں۔ پہلے تو یہ فرمایا کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے دھیان سے سنو اور خاموش رہو' اول تو قرآن پڑھنے والے کو چاہئے کہ قرآن پڑھنے میں اسکا خیال رکھے کہ جن کانوں میں آواز پہنچ رہی ہے وہ لوگ کام کاج اور نیند میں تو مشغول نہیں ہیں۔ اگر لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوں یا سو رہے ہوں تو اونچی آواز سے تلاوت نہ کرے کیونکہ کام میں لگے ہوئے لوگ قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں کر سکتے۔ پڑھنے والے پر لازم ہے کہ ایسی صورت حال پیدا نہ کرے کہ حاضرین کے کانوں میں قرآن مجید کی آواز آ رہی ہو اور کام کاج میں مشغولیت کی وجہ سے قرآن مجید سننے کی طرف توجہ نہ کر سکیں۔ قاری جب یہ دیکھے کہ توجہ سے سُننے والے موجود ہیں تو زور کی آواز سے تلاوت کرے' جو لوگ مشغول نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور دھیان لگا کر سنیں اگرچہ سمجھتے بھی نہ ہوں۔ قرآن پڑھا جا رہا ہو اور باتیں کر رہے ہیں یہ قرآن مجید کی بے اَدبی ہے یہ حکم کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش رہو اور دھیان سے سنو نماز اور خارج نماز دونوں کو شامل ہے جو لوگ امام کے پیچھے نماز میں کھڑے ہوں ان کے لئے تو غافل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے۔ کاروبار اور دکان چھوڑ کر آتے ہیں مسجد میں موجود ہیں اور جب تک نماز میں ہیں دنیا کا کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ پھر بھی امام کی قرأت کی طرف متوجہ نہ ہوں تو یہ سخت محرومی کی بات ہے۔

امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی سورت پڑھنا ممنوع ہے۔

آیت بالا میں قرآن مجید کی تلاوت کے سننے اور تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا جو حکم فرمایا ہے یہ حکم نماز کی مشغولیت کے وقت کو اور خارج نماز کو عام ہے' نیز صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا **واذا قرأ فانصتوا** (کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو) امام مسلم نے نہ صرف اس حدیث کی تخریج کی بلکہ بالتصریح یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے الفاظ بھی عام ہیں جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہیں۔

امام کے پیچھے قراءت نہ پڑھنے کے بارے میں حضرات صحابہؓ کے ارشادات

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اثار و اقوال سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضرت عطاء بن یسار تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام کے ساتھ قرأت پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا۔ **لا قرأة مع الإمام فی شیٔ** (صحیح مسلم ص ۲۱۰ ج ۱) یعنی امام کے ساتھ نماز میں کوئی بھی قرأت نہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **من صلّٰی رکعةً لم یقرأ فیھا بأم القرآن فلم یصل الّا ان یکون وراء الامام**[1] یعنی جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی جس میں ام القرآن (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو (اگر امام کے پیچھے ہو تو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ **لا صلوٰة لمن لم یقراء بفاتحة الکتاب** تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے (**قال احمد وھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تاول قول النبی ﷺ لا صلوٰة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ**)۔

شرح معانی الآ ثار للامام الطحاوی' (باب القراءۃ خلف الامام) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ **من قرأ خلف الامام فلیس علَی الفطرة** (کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت پڑھے وہ فطرت پر نہیں ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا **انصت للقرأة فإن فی الصلوٰة شغلاً فسیکفیک ذلک الامام** (قرأت کے لئے خاموش ہو جاؤ کیونکہ نماز میں مشغولیت ہے اور اس بارے میں امام تمہاری طرف سے کافی ہے) نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: **لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئی فمہ ترابا** (کاش اس کے منہ میں مٹی بھر دی جاتی جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے) حضرت ابن عباسؓ سے ابو جمرہ نے دریافت کیا میں امام کے پیچھے پڑھوں؟ تو جواب میں فرمایا کہ نہیں' اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے' جب ان سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے پڑھا جائے تو فرمایا: **اذا صلّی احدکم خلف الامام فحسبه قراءة الامام** ۔(جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قراءۃ کافی ہے) یہ سب آثار شرح معانی الآ ثار میں مروی ہیں۔

امام مالک اور امام احمدؒ کا مذہب: اب دیگر ائمہؒ کے مذاہب کی طرف رجوع فرمائیے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت پڑھنا واجب نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ

[1] (سنن ترمذی۔ باب ماجاء فی ترک قراءۃ خلف الامام اذا جھر بالقراءۃ)

اللہ علیہ کا قول قدیم یہ تھا کہ امام کے پیچھے جہری میں قرأت واجب نہیں ہے اور قراءت سری میں واجب ہے اور ان کا قول جدید یہ ہے کہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب آیت قرآنیہ اور حدیث صحیح اور آثار صحابہ سے مؤید ہے اور حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل بھی امام کے پیچھے پڑھنے کی فرضیت کے منکر ہیں ان کے نزدیک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور نہ کوئی دوسری سورت البتہ بعض احوال میں ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ (کما ذکر فی کتب مذہبھم)

قال ابن قدامة الحنبلي في المغني ص٦٠٠ ج١ والمأموم إذا سمع قراءة الامام فلا يقرء بالحمد ولا بغيرها لقول الله تعالىٰ وَإِذَا قُرِئَ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون ط ولما روى ابوهريرة رضي الله عنه انّ النبي ﷺ قال: مالي أنازع القران قال: فانتهى الناس أن يقرؤا فيما جهر فيه النبي ﷺ. وجملة ذلك ان المأموم إذا كان يسمع قرائة الامام لم تجب عليه القراءة ولا تستحب عند امامنا والزهري والثوري ومالك وابن عيينة وابن المبارك واسحاق واحد قولي الشافعي ونحوه عن سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير وأبي سلمة بن عبد الرحمٰن و سعيد بن جبير وجماعة من السلف' والقول الأخر للشافعي يقراء فيما جهر فيه الامام ونحوه عن الليث والأوزاعي وابن عون و مكحول وأبي ثور لعموم قوله عليه السلام "لا صلوٰة لمن لم يقراء بفاتحة الكتاب" متفق عليه ولنا قول الله تعالىٰ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْانُ فاستَمِعُوا لَهُ وأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ط وقال احمد فالناس على أن هذا في الصّلوٰة. وعن سعيد بن المسيب والحسن و ابراهيم و محمد بن كعب والزهري أنها نزلت في شأن الصّلوٰة. وقال زيد بن أسلم وابو العالية كانوا يقرءون خلف الامام فنزلت وإذا قُرئ القران فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون وقال احمد في رواية ابي داود أجمع الناس على أن هذه الأية في الصلوٰة ولأنهٗ عام فيتناول بعمومه الصلوٰة' وروى ابوهريرة قال: قال رسول الله ﷺ إنما جعل الامام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا' وإذاقرأ فانصتوا" رواه مسلم (الى ان قال) قال أحمد ما سمعنا احدًا من اهل الاسلام يقول إن الإمام إذا جهر بالقرأة لا تجزئ صلوٰة من خلفه اذا لم يقرأ' وقال هذا النبي ﷺ وأصحابه والتابعون وهذا مالك في اهل الحجاز وهذا الثوري في أهل العراق وهذا الاوزاعي في أهل الشام وهذا الليث في أهل مصر ما قالوا لرجل صلى وقرأ امامهٗ ولم يقرأ هو صلوٰته باطلة ولأنها قراءة لا تجب على المسبوق فلم تجب على غيره كالسورة' فأما حديث عبادة الصحيح فهو محمول على غير المأموم' وكذلك حديث أبي هريره قد جاء مصرحا به رواه الخلال بإسناده عن جابر أن النبي ﷺ قال كل صلوٰة لا يقرأ فيها بأم القران فهي خداج إلا أن تكون ورآء الإمام' وقد روى ايضًا موقوفاً عن جابر' وقول ابي هريرة إقرأ بها في نفسك من كلامه وقد خالفه جابر وابن الزبير وغيرهما' ثم يحتمل انه اراد اقرأ بها في سكتات الإمام أوفي حال اسراره فإنهٗ

یروی أن النبی ﷺ قال: اِذا قرأ الإمام فانصتوا' والحدیث الأخر وحدیث عبادة الأخر فلم یروه غیر ابن اسحاق کذلک قاله الامام أحمد وقد رواه ابو داود عن مکحولٍ عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری وهوأ دنی حالا من ابن اسحاق فإنه غیر معروف من اهل الحدیث وقیاسهم یبطل بالمسبوق (ثم قال بعد سطور) الاستحباب ان یقرأفی سکتات الامام وفی مالا یجهر فیه (الی ان قال) فان لم یفعل فصلوٰته تامة لان من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة' وجملة ذلک ان القراء ة غیر واجبة علی الماموم فیما جهربه الامام ولا فیما اسربه نص علیه احمد فی روایة الجماعة' وبذالک قال الزهری والثوری وابن عینیة وما لک و ابن حنفیة واسحاق اھ (علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے المغنی میں کہا ہے مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہوتو یہ فاتحہ پڑھے اور نہ کوئی اور سورۃ وغیرہ پڑھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو اور حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت کی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا...... کیا یہ کہ میرے ساتھ قرآن کریم میں جھگڑا کیا جاتا ہے..... حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اس کے بعد لوگ ان نمازوں میں فاتحہ پڑھنے سے رُک گئے جن میں حضور ﷺ جہر سے تلاوت فرماتے تھے۔ اور اسی کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی جب امام کی قراءت سنے تو اس پر قراءت واجب نہیں ہے اور نہ مستحب ہے ہمارے امام کے نزدیک اور زہری' ثوری' مالک' ابن عیینہ' ابن المبارک' اسحٰق اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اسی طرح ہے اور حضرت سعید بن المسیب' عروۃ ابن الزبیر' ابوسلمہ' اور سعید بن جبیر اور سلف کی ایک جماعت سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرے اس میں بھی مقتدی پڑھے اور اسی طرح منقول ہے حدیث' اوزاعی' ابن عون' مکحول اور ابوثور سے حضور ﷺ کے ارشاد لاصلوٰة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب (اس آدمی کی نماز نہیں ہے جو فاتحہ نہ پڑھے) کے عام ہونے کی وجہ سے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَاذا قرئ القرآن فاستمعوا له وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ امام احمد فرماتے ہیں عام اہل علم اسی پر ہیں کہ یہ حکم نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت سعید بن المسیب' حسن' ابراہیم' محمد بن کعب' زہری سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور زید بن اسلم اور ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابوداؤد کی روایت کے مطابق سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ آیت عام ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قراءت کرے تو تم خاموش رہو (رواہ مسلم) یہ بھی کہا ہے کہ امام احمد کہتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے یہ نہیں سنا ہے کہ امام جب جہر سے قراءت کرے تو قراءت نہ کرنے والے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور کہا کہ یہ حضور ﷺ ہیں اور یہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین ہیں یہ امام مالک ہیں حجاز میں' اور اہل عراق میں امام ثوری ہیں اور اہل شام میں اوزاعی ہیں اور اہل مصر میں لیث ہیں کہ انہوں نے امام کی قراءت کے پیچھے قراءت نہ کرنے والے کسی آدمی کو یہ نہیں کہا کہ تیری نماز باطل ہے۔ اور اس لئے بھی مقتدی پر واجب نہیں کہ

مسبوق پرواجب نہیں ہے تو سورۃ کی طرح دوسروں پر بھی واجب نہیں ہے۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ والی حدیث صحیح وہ منفرد کیلئے ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو اس کی صراحت ہے خلال نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو یہ ہے کہ اسے اپنے دل میں پڑھ یہ ان کا اپنا قول ہے۔ کیونکہ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے پھر یہ احتمال ہے کہ آپ کا مقصد یہ ہو کہ امام جب سکتہ کرے تو اس میں پڑھ لو یا اس کی خاموشی کے وقت پڑھ لے کیونکہ انہوں نے ہی روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور دوسری حدیث اور حضرت عبادۃ کی دوسری حدیث اسے ابن اسحٰق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ امام احمد نے بھی یہی کہا ہے اور ابو داؤد عن مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع الانصاری والی جو روایت ہے وہ ابن اسحٰق سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ کیونکہ وہ محدثین میں غیر معروف ہے اور ان کا مسبوق پر قیاس باطل ہے (کچھ سطروں کے بعد ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ امام کے سکتوں میں پڑھے اور غیر جہری میں پڑھے...... اگر ایسا نہ کرے تو بھی نماز تمام ہو جائے گی کیونکہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مقتدی پر قراءتِ واجب نہیں ہے نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں ایک پوری جماعت کی روایت کے مطابق امام احمد نے اسی کی صراحت کی ہے اور قول ہے زہری، ثوری، ابن عیینہ، مالک اور ابو حنیفہ اور اسحٰق کا)۔

حضرت امام شافعی کا قول جدید بعض جماعتوں نے اختیار کر لیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا اسکی نماز ہوتی ہی نہیں۔ دیگر مسائل اختلافیہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا دونوں طرف دلائل ہیں پھر اس میں اتنا غلو ہونا کہ جو حضرات فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کے قائل نہ ہوں (جن میں حضرت امام احمد بن حنبل بھی ہیں جو جماعت مذکورہ کے نزدیک امام الحدیث اور امام السنہ ہیں) ان کو خطا کار بتانا اور جو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کے بارے میں قسمیں کھا کھا کر یہ کہنا کہ ان کی نماز ہوتی ہی نہیں سراسر تعدّی ہے۔ قیامت کے دن جب نمازوں کا اجر و ثواب ملے گا تو اُن سے پوچھا بھی نہ جائے گا کہ بتاؤ جس نے تمہاری رائے کے مطابق نماز نہ پڑھی اسے جنت میں بھیجا جائے یا نہیں؟

فائدہ: جب قرآن مجید پڑھا جائے نماز کے اندر ہو یا نماز سے باہر اس کے بارے میں حاضرین کو حکم دیا کہ قرآن کو سنیں اور خاموش رہیں یہ قرآن کا ادب ہے اور احترام ہے جس طرح سامعین کو حکم ہے کہ قرآن سنیں اور کان دھریں اور خاموش رہیں اس طرح حضرات فقہاء کرام نے قرآن پڑھنے والے کو بھی ہدایت دی ہے جہاں لوگ کام کاج اور کاروبار میں لگے ہوئے ہوں وہاں زور سے قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے یہ جو لوگوں نے طریقہ نکال رکھا ہے کہ ایسے مواقع میں کیسٹ یا ریڈیو کھول دیتے ہیں جہاں لوگ قرآن سننے کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے یا شہوں میں لاؤڈ سپیکر لگا کر محلوں میں بازاروں میں قرآن مجید کی آواز پہنچاتے ہیں اس میں قرآن مجید کی بے ادبی ہے، جہاں لوگ سو رہے ہوں وہاں بھی زور سے تلاوت نہ کریں۔

آیت کے ختم پر جو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن کے آداب بجالائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اس سے بات کا دوسرا رُخ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کی بے حرمتی اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کی گرفت کا سبب ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ

اور اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے اپنے رب کو یاد کیجئے جو زور کی بات سے کچھ کم ہو صبح کے وقت

وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

اور شام کے اوقات میں اور غفلت والوں میں سے مت ہو جانا بے شک جو لوگ آپ کے رب کے نزدیک ہیں وہ اسکی عبادت سے تکبر نہیں کرتے

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اور اس کو سجدہ کرتے ہیں

ذکر اللہ کا حکم اور اس کے آداب

تفسیر: اس سے پہلی آیات میں قرآن مجید کو بصائر اور ہدایت و رحمت بتایا اور قرآن کا ادب سمجھایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اور چپ رہو اب یہاں مطلق ذکر کا حکم فرمایا ہے اور اس کے بعض آداب بتائے ہیں۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اسی کی وجہ سے ساری دنیا آباد ہے۔ صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے کما قال تعالیٰ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ۔

سورہ عنکبوت میں فرمایا: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے) سورہ بقرہ میں فرمایا فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

صحیح مسلم ص ۱۲۶ ج ۱ میں ہے۔ کان النبی ﷺ یذکر اللہ علی کل احیانہ (کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے) مومن بندے دل کو بھی اللہ کے ذکر سے معمور رکھیں اور زبان سے بھی اللہ کی یاد میں مشغول رہیں۔ تسبیح تحمید تکبیر تہلیل یہ سب اللہ کا ذکر ہے ان کی فضیلتیں بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر زندگی کے مختلف اوقات میں متعلقہ مسنون دُعائیں پڑھیں اور ان دُعاؤں کا اہتمام کریں تو زندگی کے عام حالات میں اور مختلف اوقات میں اللہ کی یاد ہوتی رہے گی' سوتے جاگتے کھاتے پیتے وقت' گھر سے نکل کر اور گھر میں داخل ہو کر اور کپڑا پہنتے وقت سواری پر سوار ہوتے وقت' سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت' کسی منزل پر اترنے کے بعد' جہاد کرتے وقت ابتلاء مصائب کے مواقع میں' بازار میں پہنچ کر اور ہر مجلس میں وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں۔ اور صبح شام کے اوقات کو خاص طور سے ذکر میں مشغول رکھا جائے۔ ان اوقات کی مسنون دعائیں بھی اہتمام سے پڑھی جائیں' علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے حصن حصین میں مختلف احوال و اوقات کی دعائیں لکھ دی ہیں اور راقم الحروف نے بھی اپنی کتاب فضائل دُعاء میں جمع کر دی ہیں۔ تلاوت بھی ذکر ہے اور دعاء بھی' تہلیل تسبیح تحمید تکبیر بھی ذکر ہے اور درود شریف بھی ذکر میں شامل ہے کیونکہ اس میں اللہ

8

سے سوال کیا جاتا ہے کہ اپنے رسول (علیہ السلام) پر رحمت بھیجئے استغفار بھی ذکر ہے ان سب چیزوں میں مشغول رہنا چاہئے۔

ذکر خفی کی فضیلت: اللہ کا ذکر آہستہ آہستہ کرنا افضل ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ خیر الذکر الخفی (رواہ احمد فی مسندہ ص ۱۷۲ ج اعن سعد بن مالک مرفوعا) (کہ بہتر ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو) اور صرف دل دل میں بلا حرکت زیادہ اللہ کی ذات وصفات کا دھیان کرنا جس کو تفکر ومراقبہ کہا جاتا ہے یہ بھی ذکر خفی ہے۔ ذکر پوشیدہ ہو اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ہو اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور زور سے ذکر کرنا بھی درست ہے لیکن ایسا نہ چیخے کہ جان کو تھکا ڈالے بلند آواز بھی ہو تو ہلکی آواز ہو اسی کو فرمایا وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم رسول اللہ علیہ السلام کے ساتھ تھے لوگوں نے زور زور سے اللہ اکبر کہنا شروع کیا' آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم ایسے معبود کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرا ہو اور غائب ہو' تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع ہے اور بصیر ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ قسم اس ذات کی جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی قریب تمہاری اُونٹنی کی گردن ہے' یہ بیان فرما کر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں آپ کے پیچھے تھا اور دل میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ ابو موسیٰؓ کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ پھر فرمایا کہ وہ خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ ہے۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ از بخاری ومسلم)

ذکر جہر کرنے میں یہ بھی دھیان رہے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو اور سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر نیک کام اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے جو بھی کوئی کام دکھاوے کے لئے یا مخلوق کو معتقد بنانے کے لئے یا اپنی بزرگی جمانے کے لئے ہو گو بظاہر نیک ہی ہو وہ حقیقت میں نیک نہیں ہوتا اور نہ صرف یہ کہ اس کا ثواب نہیں ملتا بلکہ وبال اور عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص (احکام وآداب کی رعایت کرتے ہوئے) زور سے ذکر کرے لیکن مقصود اللہ کی رضا ہو تو اس کا ثواب ملے گا' اور اگر کوئی شخص ذکر خفی کرے اور پھر ترکیب سے لوگوں کو ظاہر کر دے تا کہ لوگ اس کے معتقد ہوں تو ایسا ذکر خفی بھی مقبول نہیں ہوگا اور یہ عمل باعث مؤاخذہ ہوگا' ریاکاری کا تعلق اندر کے جذبہ سے ہے لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام ریا نہیں ہے بلکہ لوگوں میں عقیدت جمانے کے جذبہ کا نام ریا ہے۔ آیت شریفہ میں اوّل تو یہ فرمایا کہ اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اپنے دل میں اور ڈرتے ہوئے یاد کرو پھر یہ فرمایا کہ ایسی آواز سے یاد کرو جو زور کی آواز کی بہ نسبت کم آواز ہو۔

صبح شام اللہ کا ذکر کرنا: پھر فرمایا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ کہ صبح شام اپنے رب کو یاد کرو' صاحب روح المعانی (ص ۱۰۰ ج ۹) لکھتے ہیں کہ صبح شام کا خصوصی ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ فراغت کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں دل کی توجہ ذکر کی طرف زیادہ ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان اوقات میں فرشتوں کا آنا جانا ہوتا ہے ایک جماعت آتی ہے دوسری جاتی ہے اس لئے ان اوقات کو خاص طور سے ذکر فرمایا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دوام ذکر مراد ہے کہ ہر وقت ذکر کرو۔

غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ: پھر فرمایا: وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (غفلت والوں میں سے نہ ہو جانا) یعنی

اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہنا اور اسکی یاد سے غافل نہ ہونا۔

فرشتوں کی تسبیح اور عبادت: اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کی تسبیح اور عبادت کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جو تیرے رب کے مقرب بندے ہیں وہ اپنے رب کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے یعنی اپنی ذات کو بڑی نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے روگردانی کریں، وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ جانتے اور مانتے ہیں اور بندگی کے آداب بجالاتے ہیں اور اپنی مملوکیت اور عاجزی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اسی کو سورۂ نساء میں یوں بیان فرمایا: لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۔ (مسیح نے اور مقرب فرشتوں نے ہرگز اس سے استنکاف نہیں کیا کہ اللہ کے بندے بنیں، اور جو شخص اس کی عبادت سے استنکاف کرے گا تو وہ انہیں عنقریب دوزخ میں جمع فرمادے گا (استنکاف کا معنی یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھے اور کسی کام کو اپنی شان کے خلاف جانے)

سجدۂ تلاوت کا بیان: اس آیت پر سورۂ اعراف ختم ہو رہی ہے اور یہ پہلی جگہ ہے جہاں قرآن مجید میں سجدۂ تلاوت آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضراتِ ملائکہ علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے اندر بڑائی نہیں کرتے جسکی وجہ سے اپنے رب کی عبادت سے منہ موڑیں بلکہ وہ اسکی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور مومن بندوں کے لئے سجدۂ تلاوت مشروع فرمایا تاکہ وہ بھی ملاء اعلیٰ کے رہنے والوں کی موافقت میں سجدہ ریز ہو جائیں، یہ سجدۂ تلاوت شیطان کے لئے بہت بڑی مار ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا وہاں سے ہٹ جاتا ہے کہتا ہے کہ ہائے میری بربادی ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کرلیا لہٰذا اس کے لئے جنت ہے، اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا اور میں نے انکار کیا لہٰذا میرے لئے دوزخ ہے۔ (رواہ مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۸۴ ج ۱)

مسئلہ: سجدۂ تلاوت کرنے لگے تو اس میں تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اُٹھانا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور ایک سجدہ کرے تکبیر کہتے ہوئے سر اُٹھائے اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے۔

مسئلہ: جیسے آیت سجدہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے ایسی ہی سننے والے پر بھی واجب ہوتا ہے اگرچہ اس نے ارادہ کر کے نہ سنا ہو، البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ حاضرین کے سامنے زور سے نہ پڑھے، ہاں اگر حاضرین سننے ہی کے لئے بیٹھے ہیں تو سجدۂ تلاوت زور سے پڑھ دے۔

سجدۂ تلاوت کی دُعاء

سجدۂ تلاوت میں اگر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تین مرتبہ کہے تو یہ بھی دُرست ہے اور اگر دُعاء ماثور پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ دعاء ماثور یہ ہے۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی کمافی المشکوٰۃ ص ۹۴)

(میرے چہرہ نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس میں سے کان اور آنکھ نکال دیئے اپنی قدرت سے)

تم تفسیر سُورۃ الاعراف بحمد اللہ تعالیٰ

وحولہ وقوتہ وتوفیقہ وتیسیرہ ولہ الحمد اوّلاً وآخرا

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ انفال مدینہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم والا ہے﴾ اس میں پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ

یہ لوگ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ انفال اللہ اور اسکے رسول کے لئے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور

بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱

آپس میں تعلقات کو درست کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو

انفال یعنی مال غنیمت کا بیان

تفسیر: لفظ انفال نفل کی جمع ہے نفل لغت میں شئ زائد کو کہتے ہیں اسی لئے فرائض کے علاوہ جو نمازیں پڑھی جائیں اور روزے رکھے جائیں انہیں نفل کہا جاتا ہے کیونکہ نوافل اس عمل سے زائد چیز ہے جس کا لازمی طور پر حکم دیا گیا ہے۔ جہاد کے موقعہ پر جو دشمنوں کے اموال ہاتھ آجائیں جنہیں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ یہاں انفال سے وہ مراد ہیں اور امیر لشکر جو غازی کے لئے اس کے مقررہ حصہ سے زائد دینے کا اعلان کردے۔ اس کو بھی نفل کہا جاتا ہے' مسلمان کی جنگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہوتی ہے وہ مال کے لئے نہیں لڑتا' اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو مال غنیمت سے حصہ مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کا مزید انعام ہے (اس لئے اس کو انفال کہا جاتا ہے)۔

گزشتہ اُمتوں میں اموالِ غنیمت کا حکم: پہلی امتوں میں جب کافروں سے جنگ ہوتی تھی اور انکے مال ہاتھ آتے تھے انہیں آپس میں بانٹنے اور استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ آسمان سے آگ آتی تھی اور اسے جلا دیتی تھی' اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجاہدین کا جہاد قبول ہوگیا۔ اگر مال غنیمت جمع کرکے رکھ دیا جاتا اور آگ نازل نہ ہوتی تو سمجھا جاتا تھا کہ اس مال میں سے کسی نے کچھ غلول کیا ہے' یعنی چھپا کر کچھ مال لے لیا۔

ایک نبی کے جہاد کا واقعہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک نبی نے جہاد فرمایا اور فتح کے بعد اموال غنیمت جمع کئے گئے۔ اس کے بعد آگ آئی تا کہ ان کو کھا جائے مگر آگ نے اس کو نہ کھایا یعنی نہیں جلایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم میں سے کسی نے خیانت کی ہے لہٰذا ہر قبیلہ کا ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے' بیعت کرتے کرتے ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک کر رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہی لوگوں میں سے کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگ بیل کے سر کے برابر سونا لے کر آئے اور اس کو مال غنیمت میں ملا کر رکھ دیا تو آگ آئی اور اس نے تمام مال غنیمت کو جلا دیا۔ (رواہ البخاری ص ۴۴۰ ج ۱)

اموال غنیمت کا حلال ہونا اُمت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں

کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔ ایک یہ کہ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے (جو الفاظ مختصر ہوں اور بہت سے معانی پر دلالت کرتے ہوں انہیں جوامع الکلم کہا جاتا ہے) دوسرے رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ دور دور تک دشمن ہیبت کھاتے ہیں اور مرعوب ہوتے ہیں) تیسرے اموال غنیمت میرے لئے حلال کر دیئے گئے۔ (جو دوسری امتوں کے لئے حلال نہ تھے) چوتھے پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ بنادی گئی اور طہارت کی جگہ بنادی گئی (جہاں وقت ہو جائے نماز پڑھ لیں مسجد کی کوئی قید نہیں، اور پانی نہ ملے تو تیمم کر لیں) پانچویں میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے چھٹے میرے آنے پر نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی (رواہ مسلم)

اموال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

تفسیر روح المعانی ص ۱۶۰ ج ۹ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بدر میں جو اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے اس کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یہ کس طرح تقسیم کئے جائیں؟ ان کے بارے میں مہاجرین کا فیصلہ معتبر ہوگا یا انصار کا یا دونوں جماعتوں کا؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی ان حضرات کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (آپ فرما دیجئے کہ اموال غنیمت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہیں) جس کا مطلب یہ ہے کہ غنائم کا فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے صادر ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسول اللہ ﷺ تقسیم فرمائیں گے اس بارے میں کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں چنانچہ بعد میں انکی تقسیم کا طریقہ بیان فرما دیا جو آیت کریمہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ میں مذکور ہے۔

اللہ سے ڈرنے اور آپس کے تعلقات درست رکھنے کا حکم

یہ ارشاد فرما کر کہ ''انفال اللہ اور اس کے رسول ہی کے لئے ہیں''۔ تین باتوں کا حکم فرمایا اوّل یہ کہ اللہ سے ڈرو اور دوم یہ کہ اپنے آپس کے تعلقات کو درست رکھو اور سوم یہ کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ یہ تینوں نصیحتیں ایسی ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے آخرت میں بھی کامیابی ہوگی کیونکہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں گناہوں سے پرہیز رہے گا اور آپس کی اصلاح کرنے سے حسد اور بغض اور نزاع و جدال سے سلامتی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جو حکم فرمایا یہ تعمیم بعد التخصیص ہے جو تمام اوامر و نواہی کو شامل ہے۔ یہ اطاعت ہی تو ایمانیات کی روح ہے۔ اس میں ہر برائی کی کاٹ ہے۔

انفال کے دوسرے معنی: بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں انفال کے دوسرے معنی مراد ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب امیر لشکر یوں اعلان کر دے کہ جو شخص کسی کافر کو مار دے تو اس کافر کا سامان قاتل ہی کو دیا جائے گا اور کسی چھوٹے سے فوجی دستہ کو بڑے لشکر سے انتخاب کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیج دے اور یہ اعلان کر دے کہ وہاں سے جو مال غنیمت ملے گا وہ تم ہی لوگوں کا ہوگا یعنی اس میں سے خمس یعنی ۱/۵ حصہ نکال کے سب تم ہی کو دے دیا جائے گا یہ جو علیحدہ سے مخصوص کرنے کا اعلان ہے۔ یہ تنفیل ہے اور جو مال ان لوگوں کو دینے کا اعلان کر دیا جائے وہ نفل ہے بعض روایات

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے بعض واقعات انفال کے بارے میں پیش آئے تھے اور صحابہ میں اختلاف ہو گیا تھا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی (راجع تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۳ ج ۲) جن حضرات نے اس قول کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ میں لفظ عَنْ زائد ہے اور یَسْئَلُوْنَ بمعنی یطلبون ہے لیکن عَنْ کو زائد کہنے والی بات دل کو نہیں لگتی. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ
ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جاتی ہیں
اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ
تو انکے ایمان کو زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے
یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ
خرچ کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے
وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝
اور رزق کریم ہے

اہل ایمان کے اوصاف کا بیان

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کے چند اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں: اوّل یہ فرمایا کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں، ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت ایسی چھائی ہوئی ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ہیبت اور خوف کی وجہ سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، مومن بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہتا ہے تو اللہ کی یاد سے اس کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے اس کے دل میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ہی خوف تو ہے کہ جب وہ کسی ظلم یا گناہ کا ارادہ کرے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ سے ڈر تو وہیں ٹھٹھک کر رہ جاتا ہے اور گناہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا، برخلاف اہل کفر اور اہل نفاق کے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں، اللہ کی عظمت بھی نہیں، ہیبت بھی نہیں، لہٰذا وہ بغیر کسی پس و پیش کے گناہ کر لیتے ہیں۔

اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو اہل ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں یعنی ان کو سنائی جاتی ہیں تو ان کے سننے سے ان کا

ایمان بڑھ جاتا ہے یعنی نور ایمان میں ترقی ہو جاتی ہے اور اعمال صالحہ کی طرف اور زیادہ توجہ ہو جاتی ہے اور ایمان و یقین کی وجہ سے اعمالِ صالحہ کی طرف طبیعت خود بخود چلنے لگتی ہے اور گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، توکل اہل ایمان کی بہت بڑی صفت ہے اور بہت بڑی منقبت ہے، اپنے سب کاموں میں اللہ پر بھروسہ کرنا اور اسباب ظاہرہ اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے اور قاضی الحاجات ہے اور ہم اس کے ہر فیصلے پر اس کے قضاء و قدر پر راضی ہیں یہ اہل ایمان کی عظیم صفت ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ توکل کا حکم دیا ہے اور اصحاب توکل کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (بلاشبہ اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) سورۂ قلم میں فرمایا قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آپ فرما دیجئے کہ وہ رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اس پر توکل کیا سو عنقریب جان لو گے کہ کون ہے کھلی گمراہی میں) سورہ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لئے کافی ہے)۔

وہ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں، اور پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ بدنی عبادات میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ مالی عبادات کا بھی بار بار تذکرہ فرمایا ہے۔ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو اچھی طرح ادا کیا جائے جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا ہے۔ اور مَارَزَقْنٰهُمْ کے عموم میں سب کچھ داخل ہے۔ یہ لفظ زکوٰۃ مفروضہ اور صدقات واجبہ اور نافلہ سب کو شامل ہے۔

مذکورہ صفات والے سچے مؤمن ہیں: آخر میں فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (یہ لوگ سچے مؤمن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رزق کریم ہے) اس میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جن حضرات کا اُوپر ذکر ہوا یہ سچے مؤمن ہیں پھر ان کے لئے درجات اور مغفرت اور رزق کریم کی بشارت دی، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ تین انعام مذکورہ بالا تین قسم کے اوصاف کے مقابل ہیں ایمان باللہ اور اللہ کے ذکر کے وقت ہیبت سے سہم جانا اور اس کی آیات سُن کر ایمان کا بڑھ جانا اور اس کی ذات پر بھروسہ کرنا، یہ امور قلب یعنی دل سے متعلق ہیں اس کا انعام درجاتِ عالیہ رفیعہ کی صورت میں ملے گا، اور اقامۃ الصلاۃ میں تمام بدنی عبادات آگئیں۔ ان کے مقابلہ میں مغفرت کا انعام ہے (عموماً عبادات بدنیہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے) اور وجوہ خیر میں مال خرچ کرنے کے مقابلہ میں رزق کا وعدہ فرمایا، قال صاحب الروح (ص ۱۶۹ ج ۹) وربما یقال فی وجه ذکر هذه الاشیاء الثلاثة علی هذا الوجه ان الدرجات فی مقابلة الاوصاف الثلاثة اعنی الوجل والاخلاص والتوکل ویستأنس له بالجمع والمغفرة فی مقابلة اقامة الصلوة ویستأنس له بما ورد فی غیر ما خبران الصلوٰة مکفرات لما بینها من الخطایا وانها تنقی الشخص من الذنوب کما ینقی الماء من الدنس، والرزق الکریم بمقابلة الانفاق۔ اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس

ترتیب سے ان تین چیزوں کے ذکر کی وجہ بعض دفعہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جنت کے درجات تو تین اوصاف یعنی خوف، اخلاص اور توکل کے بدلہ میں اور اطمینان و مغفرت نماز قائم کرنے کے بدلے اور کئی احادیث میں ہے کہ نمازیں ایک دوسرے کے درمیانی وقت کی کوتاہیوں کے لئے کفارہ ہیں اور یہ آدمی کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دیتی ہیں جیسے پانی میل کو صاف کر دیتا ہے اور رزق کریم انفاق کے بدلہ میں ملے گا)

درجات جنت کی وسعت: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اور ان درجات کے درمیان آپس میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے ان میں فردوس سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہیں اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ ص ۴۹۶)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت میں سو درجات ہیں اگر سارے جہان ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو اس ایک درجہ میں سب سما جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۷)

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵

جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو نکالا اور بلاشبہ مؤمنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا'

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ ظہور ہو چکا تھا' گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں'

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

اور جب اللہ تم سے وعدہ فرما رہا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے لئے ہے اور تم خواہش کر رہے تھے کہ جو جماعت شوکت والی نہیں ہے

تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ

وہ تمہارے لئے ہو جائے' اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کا حق ہونا ثابت فرما دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کو

الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

سچا کر دے اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو

غزوۂ بدر کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں غزوۂ بدر کا ذکر ہے اور رکوع کے ختم تک بلکہ اس کے بعد بھی متعدد آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر مزید تفصیل اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں بیان فرمائی ہے' غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ سورۂ آل عمران کے رکوع دوم (انوار البیان ج ۲) میں اور کچھ آل عمران کے رکوع نمبر ۱۲ (انوار البیان ج ۲) میں گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا

ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (اور یہ بات واقعی اور حقیقی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام بدر میں تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم کمزور تھے)

آگے بڑھنے سے پہلے پورا واقعہ ذہن نشین کر لینا چاہئے تا کہ آیات کریمہ میں جو اجمال ہے اس کی تشریح سمجھ میں آ جائے۔ قریش مکہ ہر سال تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے مکہ معظمہ سے شام کو جائیں تو راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ شہر مدینہ میں داخل نہ ہوں تو دور سے یا قریب سے اس کی محاذات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے' اب آگے یہ سمجھیں کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے شام گیا ہوا تھا بہت سے لوگوں نے اس تجارت میں شرکت کی تھی اور اپنے اموال لگائے تھے۔ قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے جو (اسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جب ابوسفیان کا قافلہ شام سے واپس ہو رہا تھا جس میں تیس یا چالیس افراد تھے اور ایک ہزار اُونٹ تھے تو سرور عالم ﷺ کو اس قافلہ کے گزرنے کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ قریش کا قافلہ ادھر سے گزر رہا ہے چلو اس قافلہ کو پکڑیں گے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اموال تم کو عطا فرما دے' آپ نے تاکیدی حکم نہیں فرمایا تھا اور یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ جنگ کرنے نکل رہے ہیں اس لئے بعض صحابہ آپ کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور بعض مدینہ منورہ ہی میں رہ گئے' ابو سفیان کو خطرہ تھا کہ راہ میں مسلمانوں سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے اس لئے وہ راستہ میں راہ گیروں سے اس بات کا کھوج لگاتا ہوا جا رہا تھا کہ کہیں مسلمان ہمارے قافلہ کے درپے تو نہیں ہیں۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے سفر فرمایا تو ابوسفیان کو اسکی خبر مل گئی اس نے اپنا راستہ بدل دیا اور ضمضم بن عمرو غفاری کو اہل مکہ تک خبر پہنچانے کے لئے جلدی جلدی آگے روانہ کر دیا' اس کو اس کام کا محنتانہ دینا بھی طے کر دیا۔ ضمضم جلدی سے مکہ پہنچا اور اس نے خبر دے دی کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارے قافلے کے درپے ہیں اور مدینہ منورہ سے روانہ ہو چکے ہیں اپنے قافلہ کی حفاظت کر سکتے ہو تو کر لو' یہ خبر سنتے ہی اہل مکہ میں ہل چل مچ گئی اور مقابلہ کے لئے ایک ہزار آدمی جن کا سردار ابوجہل تھا بڑے کرّ وفر اور اسباب عیش و طرب کے ساتھ اکڑتے اور اتراتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے بدر ایک آبادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے براستہ رابغ مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے یہاں سے مدینہ منورہ سو میل سے کچھ کم رہ جاتا ہے' بدر نامی ایک شخص تھا جس نے اس بستی کو آباد کیا تھا اس کے نام پر اس بستی کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مقام بدر میں ایک کنواں تھا اس کا نام بدر تھا اسی کنویں کے نام سے یہ آبادی مشہور تھی' قریش مکہ اپنے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں لے کر نکلے تھے تا کہ وہ گانا گائیں اور لڑائی کے لئے اُبھاریں' اس لشکر میں تقریباً تمام سرداران قریش شامل تھے' صرف ابولہب نہ جا سکا تھا اس نے اپنی جگہ ابوجہل کے بھائی عاصم بن ھشام کو بھیج دیا تھا' ان لوگوں کے ساتھ دیگر سامان حرب کے علاوہ ساٹھ گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں اور سواری کے اونٹوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ذبح کرنے اور کھانے کھلانے کے لئے بھی اونٹ ساتھ لے کر چلے تھے' سب سے پہلے ابوجہل نے مکہ سے باہر آ کر دس اُونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلائے پھر مقام عسفان میں اُمیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے' پھر مقام قُدید میں سہیل بن عمرو نے سو اونٹ ذبح کئے پھر اگلی منزل میں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کئے پھر اس سے اگلی منزل میں (جو مقام جحفہ میں تھی) عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کئے۔ اسی طرح ہر منزل میں دس دس اُونٹ ذبح کرتے رہے اور کھاتے

کھلاتے رہے اور ابوالبختری نے بدر پہنچ کر دس اُونٹ ذبح کئے۔

قریش مکہ تو مکہ معظمہ سے چلے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا وہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں حضرت اُبولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے انہیں مقام روحاء سے واپس کر دیا اور امیر مدینہ بنا کر بھیج دیا۔ آپ کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور آپ کے ساتھ ستر اونٹ تھے جن پر نمبروار سوار ہوتے تھے۔ ہر تین افراد کو ایک اُونٹ دیا گیا تھا۔ خود آپ ﷺ بھی حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک تھے۔ نوبت کے اعتبار سے آپ بھی پیدل چلتے تھے۔ مقام روحاء تک یہی سلسلہ رہا جب روحاء سے حضرت اُبولبابہؓ کو واپس فرما دیا تو آپ حضرت علیؓ اور حضرت مرثدؓ کے ساتھ ایک اونٹ میں شریک رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب آپ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تھی تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ برابر سوار رہیں ہم آپ کی طرف سے پیدل چل لیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا ما انتما باقوی منی ولا انا باغنی عن الاجر منکما (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۰) (تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور ثواب کے اعتبار سے بھی میں تمہاری بہ نسبت بے نیاز نہیں ہوں۔ یعنی جیسے تمہیں ثواب کی ضرورت ہے مجھے بھی ثواب کی ضرورت ہے) جب آنحضرت ﷺ وادی ذفران میں پہنچے تو وہاں قیام فرمایا۔ اب تک تو ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کی نیت سے سفر ہو رہا تھا یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کی نوبت آ گئی۔ آپ ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ قریش ہمارے مقابلہ کے لئے نکل چکے ہیں اب کیا کیا جائے۔ حضرت اُبوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا پھر حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنی رائے کے مطابق تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (تو اور تیرا رب چلے جائیں دونوں قتال کر لیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ قتال کرنے والے ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد[1] تک ساتھ لے چلیں گے تو ہم ساتھ رہیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا اشیروا علی ایھا الناس (اے لوگو! مشورہ دو) آپ کا مقصد یہ تھا کہ انصاری حضرات اپنی رائے پیش کریں۔ آپ کی بات سن کر حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا (جو انصار میں سے تھے) کہ یا رسول اللہ ﷺ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے جواب لینا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تصدیق کی ہم نے گواہی دی کہ جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اور ہم نے آپ سے عہد کیا ہے کہ ہم آپ کی بات مانیں گے اور فرمانبرداری کریں گے آپ اپنے ارادہ کے موافق عمل کریں اور تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر راہ میں سمندر آ گیا اور آپ اس میں داخل ہونے لگیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا ہم جنگ میں

[1] "برک الغماد" یہ یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے پانچ رات کی مسافت پر ہے (نہایہ ابن کثیر)

ڈٹ جانے والے ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو ایسی بات دکھادے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ اللہ کی برکت کے ساتھ چلئے۔

حضرت سعد بن معاذؓ کی بات سن کر آپ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا کہ چلو خوش خبری قبول کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو جماعتوں میں سے تم کو ایک جماعت پر غلبہ عطاء فرمائیں گے (ایک جماعت ابوسفیان کا قافلہ اور دوسری جماعت قریش مکہ کا لشکر) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ جس جماعت سے مقابلہ ہوگا ان کے مقتولین کہاں کہاں پڑے ہیں۔

اس کے بعد آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک غلام سے ملاقات ہوئی حضرات صحابہؓ نے اُس سے پوچھا کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس کا تو مجھے کوئی پتہ نہیں۔ یہ ابوجہل عتبہ اور اُمیہ بن خلف آرہے ہیں۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ جب ابوسفیان کے قافلے سے تعرض کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے تو ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا تھا کہ ابوسفیان کو پتہ چل گیا کہ ہم اس سے تعرض کرنے نکلے ہیں (وہ قافلہ تو نکل چکا ہے) اب قریش مکہ کے آنے کی خبر سنی گئی ہے۔ اُن سے مقابلہ ہونے کی بات بن رہی ہے اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس پر بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہمیں تو قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں آپ تو ابوسفیان کے قافلہ کے لئے نکلے تھے آپ نے پھر وہی سوال فرمایا کہ قریش مکہ سے جنگ کرنے کے بارے میں کیا رائے ہے اس پر حضرت مقدادؓ نے وہ جواب دیا جو عنقریب گزر چکا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ سوال جواب مقامِ روحاء میں ہوئے، بعض صحابہؓ نے جو یہ کہا تھا کہ ہمیں قریش مکہ سے جنگ کی طاقت نہیں۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ (اور بلاشبہ مومنین کی ایک جماعت کو گراں گزر رہا تھا وہ آپ سے حق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ حق ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے ہیں) جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریش مکہ کے پاس خبر بھیجی کہ تم ہماری حفاظت کے لئے نکلے تھے اب جبکہ ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تمہیں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا واپس چلے جاؤ اس پر ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک کہ ہم بدر نہ پہنچ جائیں وہاں تین دن قیام کریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے۔ شرابیں پئیں گے اور گانے والیاں گانے سنائیں گی اور عرب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم مقابلہ کے لئے نکلے تھے ہمارے اس عمل سے ایک دھاک بیٹھ جائے گی اور لوگ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ لہٰذا چلو آگے بڑھو۔

اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا کہ دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ جب آپ نے حضرات صحابہ سے مشورہ فرمایا تو اُن میں سے بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ اُبوسفیان کے قافلے ہی کا پیچھا کرنا چاہئے کیونکہ وہ لوگ تجارت سے واپس ہو رہے ہیں، جنگ کرنے کے لئے نہیں نکلے اُن میں لڑنے کی قوت اور شوکت نہیں ہے لہٰذا اُن پر غلبہ پانا آسان ہے اور قریش کا جو لشکر مکہ مکرمہ سے چلا ہے وہ لوگ تو لڑنے ہی کے لئے چلے ہیں اور تیاری کر کے نکلے ہیں۔ لہٰذا اُن سے مقابلہ مشکل ہوگا۔ ان لوگوں کی اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا: وَتَوَدُّوْنَ

اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ (اورتم چاہتے تھے کہ وہ جماعت تمہارے قابو میں آجائے جو قوت وطاقت والی نہیں تھی)

قریش مکہ نے آنحضرت سید عالم ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور مکہ مکرمہ کو چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا۔ حق نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ غیر متوقع طور پر بدر میں پہنچے اور معرکہ پیش آنے کی صورت بن گئی۔ اس میں گو بعض اہل ایمان کو طبعاً کراہت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر سب پر غالب ہے۔ جنگ ہوئی اور اہل مکہ نے زبردست شکست کھائی اور ان کا فخر اور طمطراق سب دھرارہ گیا۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان ہوگی۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو ثابت فرمادے) وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (اور کافروں کی بنیاد کو کاٹ دے) لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ (تاکہ اللہ تعالیٰ حق کا حق ہونا ثابت فرمادے اور باطل کا باطل ہونا ثابت فرمادے) وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو)

اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ مشرکین مکہ ذلیل ہوئے، اسلام کا حق ہونا علی العیان ثابت ہوا اور باطل کا باطل ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔ دوست اور دشمن سب نے دیکھ لیا۔ اسی لئے یوم بدر کو یوم الفرقان فرمایا۔ جیسا کہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آرہا ہے۔ (پوری تفصیل کے لئے البدایہ والنہایہ ص ۲۵۶ ج ۳) کا مطالعہ فرمائیں)

فائدہ: كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ میں جو کاف تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اختلاف المغانم سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کما انکم لما اختلفتم فی المغانم انتزعه الله منكم كذلك لما كرهتم الخروج الى الاعداء كان عاقبة كراهتكم أن قدره لكم وجمع به بينكم وبين عدوكم على غير ميعاد رشدا وهدىً. (جیسا کہ تم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تم سے چھین لیا اسی طرح جب تم نے دشمن کی طرف نکلنے کو ناپسند کیا تو اس کے دشمنوں سے لڑائی مقدر کردی اور تمہاری اور دشمن کی مڈبھیڑ کرادی بغیر کسی وعدہ و میعاد کے) اور بعض حضرات نے اس تشبیہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ مجادلة كما جادلوك يوم بدر فقالوا اخرجتنا للعير ولم تعلمنا قتاله فنستعد له ذكرهما (وہ آپ سے مال غنیمت ایسے مانگتے ہیں جیسے وہ آپ سے بدر والے دن جھگڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ نے ہمیں قافلہ کے لئے نکالا تھا لڑائی کی خبر تو نہیں دی تھی کہ ہم اس کی تیاری کرتے) (ابن کثیر ص ۲۸۴، ۲۸۵ ج ۲) صاحب روح المعانی نے متعدد وجوہ نقل کی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ حالهم هذه في كراهة ماوقع في امر الانفال كحال اخراجك من بيتك في كراهتهم له (غنیمت کے معاملہ میں واقع ہونے والی صورتحال میں ان کی ناپسندیدگی ایسی ہے جیسے آپ کا ان کو گھر سے نکالنا انہیں ناپسند تھا) (یعنی یہ لوگ آپ سے اموال غنیمت کے بارے میں ایسے سوال کررہے ہیں جیسا کہ اس وقت جھگڑ رہے تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے لئے مکہ معظمہ سے نکالا تھا۔ اُس وقت یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے سے نہیں بتایا تھا کہ جنگ کرنی ہوگی۔ اگر آپ پہلے سے بتادیتے تو ہم اُس کے لئے تیاری کرلیتے) (هذا راجع الى ما ذكره ابن كثير اولا) پھر صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ تقديره واصلحوا ذات بينكم كما اخرجك وقد التفت من خطاب جماعة إلى خطاب واحد (اصل عبارت یہ ہے کہ اور تم آپس میں اصلاح کرلو جیسا کہ آپ

کو نکالا ہے۔ اس میں پہلے جماعت کو خطاب ہے پھر روئے سخن ایک کی طرف ہو گیا) پھر لکھا ہے۔ وقیل المراد واطیعوا اللہ والرسول کما اخرجک اخراجاً لا مریۃ فیہ وقیل التقدیر یتو کلون تو کلاً کما اخرجک. وفیہ اقوال اخر (بعض نے کہا ہے مراد یہ ہے کہ اور اللہ ورسول کی اطاعت کرو جیسا کہ اس نے تجھے نکالا کہ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا تقدیر یہ ہے کہ وہ بھروسہ رکھیں جیسا کہ اللہ نے تجھے نکالا) (راجع روح المعانی ص ۱۶۹ ج ۹)

فائدہ نمبر ۲: اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ سے مقابلہ کرنے کا مشورہ کہاں فرمایا۔ بعض روایات میں ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک دو دن کی مسافت پر پہنچنے کے بعد مشورہ فرمایا اور بعض روایات میں کہ مقام روحاء میں اور بعض روایات میں ہے کہ وادی ذفران میں مشورہ کیا، ممکن ہے تینوں جگہ مشورہ فرمایا ہو اور بار بار انصار سے اُن کی رائے کا اظہار مطلوب ہوتا کہ ان کی رضا اور رغبت کا خوب یقین ہو جائے اور ممکن ہے کہ راویوں سے جگہ کی تعیین میں بھول ہوئی ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾
جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے سو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہارے مدد کروں گا جو مسلسل آتے رہیں گے
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ
اور اللہ نے اس امداد کو نہیں بنایا مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾
بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے

غزوۂ بدر کے موقعہ پر رسول ﷺ کا دُعاء میں مشغول رہنا اور آپ کی دعا قبول ہونا

تفسیر: قریش مکہ اپنے لشکر اور ساز وسامان اور گانے والی عورتیں لے کر بدر پہنچ گئے۔ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند دن میں بدر پہنچ گئے۔ راستہ میں متعدد مراحل میں قیام فرمایا اور حضرات صحابہؓ سے مشوہ کیا جس کی تفصیل اُوپر گزر چکی ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۷۲ ج ۹ میں بحوالہ مسلم وابو داؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۵۶۴ میں ذکر ہے) اور مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زور دار دُعا کرتے رہے دُعاء کے الفاظ یہ ہیں

اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ (اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے پورا فرمایئے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی)۔

مطلب یہ تھا کہ یہ اہل اسلام کی مختصری جماعت ہے اگر یہ ہلاک ہوگئے تو جو اُن کے پیچھے مدینہ منورہ میں رہ گئے ہیں ان میں بھی کمزوری آ جائے گی اور ایمان و اسلام کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپ نے یہ بات ناز کے انداز میں بارگاہِ الٰہی میں عرض کردی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدہٗ لاشریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دُعاء میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ ﷺ کے کاندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ سے چمٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زور دار دُعا کی ہے یہ کافی ہوگئی۔ بے شک آپ کا رب اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر یہ آیت فَاسْتَجَابَ لَکُمْ نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے مدد کرنے کا وعدہ فرمایا جو مسلسل آتے رہیں گے' لفظ مردفین کا ایک معنی تو وہی ہے جو ہم نے ابھی لکھا (کہ مسلسل آتے رہیں گے) اور اس لفظ کے دوسرے معانی بھی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔ (وھو قریب من الاوّل)

فرشتوں کا نازل ہونا اور مؤمنین کے قلوب کو اطمینان ہونا

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے داہنی طرف تھے۔ اور اسی جانب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔

سورۂ آلِ عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اوّلاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی' پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ پھر فرمایا وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ (فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو امداد فرمائی یہ محض اس لئے ہے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان ہو) فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہوگیا' طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے) وہ جس کی چاہے مدد فرمائے اور جیسے چاہے مدد فرمائے اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے اور حکمت والا ہے) وہ بغیر فرشتوں کے بھی غلبہ دے سکتا ہے لیکن اسکی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ فرشتوں کو بھیجا جائے۔ کسی قوم کو فتح، نصرت اور غلبہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اپنی حکمت کے مطابق اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اسباب کے ذریعہ جو نفع پہنچانا

مقصود ہو وہ نفع پہنچا دیتا ہے۔ جو فرشتے آئے تھے انہوں نے تھوڑا بہت قتال بھی کیا جس کا بعض احادیث میں ذکر ہے لیکن پوری طرح قتال میں حصہ نہیں لیا۔ اُن کا اصل کام اہل ایمان کو جمانا اور ثابت قدم رکھنا تھا جیسا کہ آئندہ آیت میں فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ذکر آرہا ہے اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ ہزار آدمیوں کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ
جب چین دینے کے لئے اللہ اپنی طرف سے تم پر اُونگھ طاری فرما رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرما رہا تھا تا کہ تمہیں
بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾
پاک کر دے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دور فرما دے اور تا کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ذریعہ قدموں کو جما دے

بدر میں مسلمانوں پر اُونگھ کا طاری ہونا

تفسیر: اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں پر یہ بھی انعام فرمایا کہ پریشانی دور فرمانے کے لئے ان پر اُونگھ بھیج دی۔ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر بھی اُونگھ بھیجی تھی۔ جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے۔ اس اُونگھ کا نفع یہ ہوا کہ وہ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا احساس ختم ہو گیا کیونکہ نیند ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے خوشی سے بھی اور رنج سے بھی۔ ان کی پریشانی جاتی رہی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہو گیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ صبح تک برابر نماز میں مشغول رہے (کمافی الدر المنثور) نیز اللہ تعالیٰ نے بارش بھی نازل فرمائی۔ اس بارش کے دو فائدے ہوئے ایک تو نہانے دھونے اور پانی پینے کا فائدہ ہوا' دوسرے شیطان نے قلوب میں جو ناپاک وسوسے ڈال دیئے تھے یہ بارش ان وسوسوں کے ازالہ کا سبب بن گئی نیز یہ بھی فائدہ ہوا کہ مسلمان جس جگہ قیام پذیر تھے وہاں ریت تھی وہ پانی پڑنے کی وجہ سے جم گئی اور جہاں مشرکین ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر تشریف لے گئے اور وہاں آپ اور مشرکین کے درمیان بہت زیادہ ریت تھا۔ اس ریت میں جنگ کرنا بھی مشکل تھا اور ادھر مسلمانوں کو پانی کی بھی ضرورت تھی لہٰذا شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر خدا کا رسولؐ ہے۔ اور حال یہ ہے کہ پانی پر مشرکین نے قبضہ کر رکھا ہے اور تم حالتِ جنابت میں نمازیں پڑھ رہے ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوب زیادہ بارش برسائی۔ لہٰذا مسلمانوں نے پانی پیا اور پاکی حاصل کی (جس سے ظاہری نجاست دور ہو گئی) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کو دور فرما دیا (جس سے باطنی نجاست بھی دور ہو گئی) اور ریت سیمنٹ کی طرح جام ہو گئی جس پر مسلمانوں کا اور ان کے جانوروں کا چلنا پھرنا اور دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرنا آسان ہو گیا اور اسؐ سے دلوں کو اطمینان ہو گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایک منظر جنگ سے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي

جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ بلا شبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان والوں کو جماؤ

قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا

میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ سو تم گردنوں پر مارو اور

مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

اُن کے ہر پورے پر مارو۔

فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کو جمانا

تفسیر: اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو۔ جب تمہارے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مومنین کے قلوب کو جماؤ اور اُن کو معرکہ میں ثابت رکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور قیدی بنے۔ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ (اور مارو گردنوں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ کی اور بعض کافروں کو مارا' جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنا دیا۔ اس میں یہ بتا دیا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے کا اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہئے۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سِیَر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ اُنہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے اپنی کمروں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبرائیلؑ کا عمامہ زَرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر فرشتوں نے قتال نہیں کیا (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۲) حضرت ابن عباسؓ نے غزوۂ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑے سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہا تھا اقدم حیزوم کہ اے حیزوم آگے بڑھ (حیزوم اس فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا ہوا ہے اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اسکی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لئے آئے ہیں (صحیح مسلم ص ۹۳ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی بیان فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اُوپر مارا تھا اور اُن کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلا دیا ہو۔ حضرت اُبو بردہؓ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ میں نے آپکے سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم نے قتل کیا ہے اور تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے۔ میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں' آپ نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا' سائب بن اُبی جیش نے بیان کیا جو (بدر کے دن قید کر لئے گئے تھے پھر بعد میں مسلمان ہوئے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز قد آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا' عبدالرحمٰن بن عوف نے مجھے بندھا ہوا دیکھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا یہ بات میں نے اس لئے کہی کہ میں اصل صورت حال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا) آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے۔ بعض صحابہؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جُدا ہو کر گر جاتا تھا (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۳)

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ سے سروں میں مارنا مُراد ہے اور **كُلَّ بَنَانٍ** سے انگلیوں کے پورے مراد ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے پورا جسم مراد ہے۔ (کمافی روح المعانی)

فَاضْرِبُوْا کا خطاب کس کو ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فرشتوں کو خطاب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتوں کو اور حضرات صحابہؓ سب کو خطاب ہے۔ اعناق اور بنان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمانے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ سروں کے کٹ جانے سے آدمی ضرور مر جاتا ہے اور انگلیوں کے پوروں پر مارا جائے تو اگر چہ مرتا نہیں مگر ہتھیار اُٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جنگ کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ

یہ اس وجہ سے کہ بلاشبہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی' اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے سو اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

سخت سزا دینے والا ہے سو یہ سزا تم چکھو اور بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

مشرکین کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی سزا ملی

تفسیر: ذٰلِکَ کا مشار الیہ ضرب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو مارنے کا یہ حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ پھر اس کو بطور قاعدہ کلیہ کا ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ یہ خطاب اہل کفر کو ہے جو بدر میں شریک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اس عذاب کو چکھ لو اور مزید فرمایا

وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ (بلاشبہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے) دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کے عذاب کا بھی تذکرہ فرما دیا اور یہ بتا دیا کہ عذاب یہیں ختم نہیں ہو گیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرو۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ

اور اس دن بجز اس شخص کے جو لڑائی کے لئے رُخ بدلنے والا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے والا ہو جو شخص پشت پھیرے گا سو

بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

وہ اللہ کے غصہ کو لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر قتال کرو

تفسیر: اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر لڑیں پشت پھیر کر نہ بھاگیں۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو' عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا (۲) جادو کرنا (۳) کسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا الا یہ کہ حق کے ساتھ ہو (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جنگ کے موقعہ پر پشت پھیر کر چلا جانا (۷) مومن پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا ہے جن کو برائی کا دھیان تک نہیں ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷)

آیت بالا میں فرمایا کہ جو شخص جنگ کے موقعہ پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں پشت پھیر کر چلا جانا جائز ہے ایک تو یہ کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ اُسے بطور ایک تدبیر کے اختیار کر رہا ہو۔ بظاہر جا رہا ہو (جس سے دشمن یہ سمجھے کہ یہ شکست کھا گیا) اور حقیقت میں واپس ہو کر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہو' جس کو اردو کے محاورہ میں پینترا بدلنا کہتے ہیں۔ اس کو مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ سے تعبیر فرمایا یا کہ جس جگہ جنگ کر رہا ہو اُسے چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جو قتال کے لئے زیادہ مناسب ہو یا کافروں کی ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کی طرف چلا جائے آیت کے الفاظ اس سب کو شامل ہیں۔ دوسری صورت جس پر پشت پھیر کر جانے کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی جنگ کرنے والا مسلمان' مسلمانوں کی کسی جماعت کے پاس چلا جائے تا کہ اُن کو ساتھ ملائے اور اُن کو ساتھ لے کر جنگ کرے اس کو مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ سے تعبیر فرمایا۔

صحابہؓ کا ایک واقعہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ کافروں سے لڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ہمارا ایک چھوٹا سا دستہ بنا کر بھیجا اس موقعہ پر کافروں نے حملہ کیا اسکی وجہ سے ہم لوگ محاذ چھوڑ آئے' اور مدینہ منورہ آ

گئے۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہم ہلاک ہو گئے روپوش ہو گئے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم تو راہِ فرار اختیار کرنے والوں میں سے ہیں آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم لوگ جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑنے والے ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں (آپ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید میں جو دو صورتوں میں بھاگنے کی اجازت دی ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی جماعت کی طرف ٹھکانہ پکڑے۔ لہٰذا تم ان لوگوں میں شمار ہو جو اپنے لشکر اور جماعت کی طرف پناہ لینے کے لئے آئے' مدینہ میں آنا میرے پاس آنا ہے اور میرے ساتھ مسلمانوں کی جماعت ہے۔ تم اپنی جماعت کی طرف آئے ہو اپنے کو ہلاک نہ سمجھو) (رواہ الترمذی فی اواخر ابواب الجہاد)

فائدہ: حدیث کی تصریح سے (جس میں سات کبائر بیان کئے گئے ہیں) اور آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دو صورتوں کے علاوہ میدان جہاد سے چھوڑ کر بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ فرمایا ہے البتہ دیگر معاصی کبیرہ کی طرح توبہ کرنے سے یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوہ حنین کے شرکاء کے بارے میں فرمایا ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔

بارہ ہزار کا لشکر کبھی مغلوب نہ ہوگا: فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ میدان چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے کی حرمت اس صورت میں ہے جبکہ کافروں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کم ہو یا برابر یا دُگنی ہو یا زائد تو ہو لیکن دوگنی سے کم ہو۔ اگر کافروں کی تعداد دوگنی سے زیادہ ہو تو راہ فرار اختیار کرنا جائز ہے ان حضرات کا استدلال آیت شریفہ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ سے ہے۔ اور صاحب روح المعانی نے حضرت امام محمد بن الحسن سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار ہو تو میدان چھوڑ کر بھاگنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ **لن یغلب اثنا عشر الفا من قلة** یعنی بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہوگا (رواہ الترمذی) جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے تو بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر ہونے کی صورت میں میدان چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت نہیں ہے خواہ دشمنوں کا لشکر کتنا بھی زیادہ ہو۔ اور یہ بات بارہا آزمائی جا چکی ہے۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا۔ اخلاص نہ ہونے یا اعجاب نفس کی وجہ سے مغلوبیت ہو جائے یہ دوسری بات ہے (کما وقع فی غزوۃ حنین) غزوۂ بدر میں کافروں کی تعداد تین گنا تھی پھر بھی فرار کی اجازت نہ تھی کیونکہ اس وقت تک آیت کریمہ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ نازل نہیں ہوئی تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

سو تم نے انہیں قتل نہیں کیا اور لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا' اور جب آپ نے پھینکا آپ نے نہیں پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا'

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۷ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ

اور تاکہ اللہ مومنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے' بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ بات ہے اور بلا شبہ

اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸

اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے مشرکین مقتول ہوئے

تفسیر: غزوہ بدر میں بظاہر مسلمانوں نے جنگ کی اُن کے ساتھ فرشتوں نے بھی شرکت کی۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہی مؤثر حقیقی ہے اور سب کچھ اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اسی لئے یہ فرمایا کہ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ لیکن اللہ نے انہیں قتل کیا۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مٹی کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیجئے' آپ نے ایسا ہی کیا اور وہ مٹی مشرکین میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں اور ناک کے نتھنوں اور منہ میں پہنچ گئی جس کی وجہ سے وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے' اب مسلمان ان پر پل پڑے' اُن کو قتل بھی کرتے رہے اور قید بھی کرتے رہے۔ آپ نے جب اُن کی طرف مٹی پھینکی تو ان کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا: شاهت الوجوه (دشمنوں کے چہرے بدصورت ہو گئے) اس پر وہ لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے' اسی کو فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور یہ جو آپ نے مٹی پھینکی آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کے چہروں تک پہنچا دی اور اس کو شکست کا سبب بنا دیا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۵ ج ۲) یہ مٹی پھینکنے کا واقعہ غزوہ حنین کے موقعہ پر بھی پیش آیا تھا (کما ذکرہ صاحب الروح وغیرہ)

پھر فرمایا وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا (اور تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے) لفظ بلا انعام کے معنی میں بھی آتا ہے اور آزمائش کے معنی میں بھی' مفسرین نے یہاں انعام کا معنی لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایسا اچھا انعام عطا فرمائے جس میں تکلیفیں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کافروں کو قتل کیا اور مٹھی بھر مٹی ان کی آنکھوں کو پہنچائی اور اُن کو شکست دی جس کی وجہ سے اہل ایمان فتح یاب اور ظفریاب ہوئے یہ اللہ کا انعام عظیم ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا دوسرا ترجمہ بھی کیا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ واختار بعضهم تفسيره بالابلاء في الحروب یعنی بعض حضرات نے آیت کا یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو جنگ میں اچھی طرح سے آزمائے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ (بلاشبہ اللہ سننے والا ہے) جس نے مسلمانوں کی دعا سنی اور فریاد رسی کی اور مدد فرمائی عليمٌ (جاننے والا ہے) سب کی نیتوں کو اور ظاہر کو اور باطن کو بھی جانتا ہے' اس کے بعد فرمایا ذٰلِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام تو یہ ہے کہ جو بھی مذکور ہوا وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ (اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا ہے) یہ دوسرا انعام ہے بدر کے موقعہ پر دشمن بہت زیادہ تھے اُن کے پاس ساز و سامان بھی بہت تھا۔ اپنے خیال خام میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے آئے تھے لیکن اُن کی ساری تدبیر دھری رہ گئی اور بھاری تعداد میں مقتول ہوئے اور قیدی بنا لئے گئے۔ سیاق کلام تو غزوۂ بدر سے متعلق ہے لیکن جملہ اسمیہ اختیار فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آئندہ بھی کافروں کی تدبیریں کمزور ہوتی رہیں گی۔ جملہ اسمیہ پر حرف اَنَّ بھی داخل ہے جو تحقیق کے لئے آتا ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد آج تک اس کا تجربہ ہوتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے مقابلہ میں بارہا کافروں کی تدبیریں کمزور فرما دیں۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے سامنے آ چکا ہے اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی کام کریں گے

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

اور تمہاری جماعت ہرگز تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ اگرچہ کثیر تعداد میں ہو اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

تفسیر: مفسرین نے لکھا ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن لڑائی ہونے سے پہلے یوں دعا کی تھی کہ اے اللہ! یہ جو دو جماعتیں ہیں (ایک مومنین دوسرے مشرکین) ان میں سے جو بھی قطع رحمی میں بڑھ کر ہو اور جو ایسی چیز لے کر آیا ہو جسے ہم نہیں جانتے آج کی صبح اُسے شکست دے دینا۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو کعبہ شریف کے پردے پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور یوں کہا کہ اے اللہ دونوں لشکروں میں سے جو لشکر آپ کے نزدیک اعلیٰ، اکرم اور بہتر ہو اس کی مدد فرمائیے (ابن کثیر ص ۲۹۶ ج ۲)

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بدر کے دن دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو ابوجہل نے کہا اے اللہ ہمارا دین قدیم ہے اور محمد کا دین نیا ہے۔ دونوں دینوں میں جو دین آپ کو محبوب ہو اور آپ اس سے راضی ہوں اسی دین کے اصحاب کی مدد کیجئے (روح المعانی ص ۱۸۷ ج ۹) مشرکین نے یہ دعا کی تھی جن میں ابوجہل پیش پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دُعاء قبول فرمائی اور جو دین اللہ کے نزدیک محبوب تھا اسی دین (یعنی اسلام) کے ماننے والوں کی مدد فرمائی اور اُن کو فتح یاب فرمایا، آیت بالا میں اسی کا ذکر ہے کہ تم نے جو دعا کی تھی اور حق و باطل کا فیصلہ چاہا تھا وہ فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا اہل حق کی اللہ نے مدد فرمائی، اب تمہیں اپنی دعاء کے مطابق بھی کفر پر باقی رہنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔

وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (اور اگر تم رسول اللہ ﷺ کی دشمنی سے اور آپ کے مقابلہ میں جنگ کے لئے آمادہ ہونے سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) یہ خطاب اُن کافروں کو ہے جو قید کر لئے گئے تھے اور جو کافر مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے جنگ میں شرکت نہیں کی تھی ان سے فرمایا وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے، جو پہلے کیا تھا یعنی اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے منصوبے بنائے اور جنگ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو پھر ہم وہی کریں گے جو مذکورہ جنگ یعنی غزوۂ بدر کے موقع پر کیا یعنی اہل ایمان کی مدد کریں گے اُن کو فتح یابی دیں گے اور پھر تم ذلیل و خوار ہو گے وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ اور یہ جو تم اپنی جماعت کو بڑی دیکھ رہے ہو اور اس کی جمعیت پر بھروسہ کر رہے ہو یہ کتنی بھی زیادہ ہو جائے تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی، وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (اور اللہ مومنین کے ساتھ ہے) اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مشرکین عرب اور خاص کر مشرکین مکہ کے لئے اس بات کے سوچنے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف پھر جنگ کرنے کا ارادہ کریں اور ہمیشہ کے لئے مستقل اعلان فرما دیا کہ

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ لیکن مشرکین کی پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں اور غزوہ احزاب میں پھر قبیلوں اور جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اُنکی بہت بڑی بھاری جمعیت تتر بتر ہو کر بھاگ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو کفار تھوڑے سے مسلمانوں کو جو ابتدائے اسلام میں تھے۔ بالکل ہی ختم کر دیتے اور دین اسلام بالکل ہی آگے نہ بڑھتا۔ لیکن کافروں کی ہزاروں تدبیریں فیل ہوئیں۔ میدان جہاد میں اُن کی بڑی بڑی بھاری جماعتیں مغلوب ہوئیں' اُن میں سے لاکھوں مقتول ہوئے اور الحمد للہ ایمان ہمیشہ بڑھتا چڑھتا رہا۔ اور آج بھی کافروں کی تدبیریں فیل ہیں ان کے دلوں میں ان کے گھروں میں اُن کی موجودہ نسلوں میں اسلام داخل ہو رہا ہے۔ یورپ امریکہ میں روزانہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ولقد صدق اللّٰہ وان اللّٰہ مع المؤمنین (یقیناً اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنین کے ساتھ ہے) دنیا میں جو کہیں مسلمانوں کی شکست ہے وہ اُن کے فسق کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے اعمال پر مستقیم نہیں ہیں۔ اخلاص سے بھی خالی ہیں۔ لہٰذا دشمنوں کے نرغے میں آ جاتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو' اور اس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو'

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ

اور اُن میں سے مت ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں سنتے' بیشک زمین پر چلنے پھرنے

عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا

والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بُرے وہ لوگ ہیں جو گونگے ہیں' بہرے ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے' اور اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بھلائی ہے

لَّاَسْمَعَهُمْ ۗ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

تو ان کو ضرور سنا دیتا' اور اگر ان کو سنا دے تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رُخی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو!

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ

تم حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے' اور جان لو کہ بیشک اللہ حائل ہو جاتا ہے

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان' اور بیشک تم اللہ ہی کی طرف جمع کئے جاؤ گے

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا اور حکم کی تعمیل کرنے کا اور حکم بجا لانے کا حکم فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے رُوگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو' یعنی

جب تم بات سن رہے ہو قرآن کا حکم تمہارے سامنے ہے رسول اللہ ﷺ حکم دے رہے ہیں تو عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور کوئی عذر نہیں جو عمل سے روکے مزید فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (اوران لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) ان سے کافر اور منافق مراد ہیں۔ ان کے کانوں میں تو بات جاتی ہے لیکن چونکہ دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ماننا اور سمجھنا نہیں ہے اس لئے کانوں کا سننا نہ سننے کے برابر ہو جاتا ہے اور اس سننے سے بالکل منتفع نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ (الآیۃ) یعنی بیشک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرے وہ لوگ ہیں جو گونگے اور بہرے ہیں سمجھ نہیں رکھتے دواب جمع ہے دابۃ کی عربی لغت کے اعتبار سے دابہ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ زمین پر چلنے والی مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ برے وہ لوگ ہیں جو نہ تو حق کو سنتے ہیں اور نہ حق بولتے ہیں اور انکی انتہائی بری حالت یہ ہے کہ سمجھتے بھی نہیں۔ بہرا شخص بعض دفعہ کچھ اشارہ سے سمجھ تو لیتا ہے لیکن جس میں عقل ہی نہ ہو وہ تو کسی طرح سمجھتا ہی نہیں۔ یہ کافروں کی بدحالی ہے۔

اور اگر دابہ بمعنی چوپایہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل کفر چوپایوں کی طرح سے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ سورۂ فرقان میں فرمایا: اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں) پھر فرمایا: وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ (اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر ہے یعنی حق کی طلب ہے تو انہیں سنا دیتا) یعنی ایسے سننے کی توفیق دیتا جو سننا اعتقاد کے ساتھ ہو۔ اور یہ سننا ان کے لئے فائدہ مند بن جاتا اور چونکہ ان کو طلب حق نہیں ہے اسلئے اگر اللہ تعالیٰ ان کو سنائے تو روگردانی کریں گے اور دوسری طرف رُخ کر کے چل دیں گے۔ بات یہ ہے کہ جب طلب نہیں ہوتی تو کان میں پڑنے والی بات اثر نہیں کرتی اور ساری سُنی ان سنی کے برابر ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا: يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو بجا لاؤ جب اللہ کا رسول تمہیں اس چیز کی طرف بُلائے جو تمہیں زندہ کرتی ہے) اس میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے اور فرمانبرداری کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں فرمایا کہ وہ تمہیں ایک ایسی چیز کی طرف بُلاتے ہیں جس میں تمہاری زندگی ہے اس سے حقیقی زندگی مراد ہے اور وہ ایمان و اعمال صالحہ والی زندگی ہے جس سے دنیاوی زندگی بھی زندگی بن جاتی ہے اور آخرت میں بھی ابدالآباد کی زندگی نصیب ہوگی، کفر کے ساتھ زندگی کوئی زندگی نہیں، زندگی اپنے آقا و خالق و مالک کی وفاداری کا نام ہے جو اپنے رب سے غافل ہے وہ زندہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶ از بخاری) (مثال اس شخص کی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا مردہ اور زندہ کی سی مثال ہے) جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے وہ مردہ ہے اور جو اسکی یاد میں لگے ہوئے ہیں وہ زندہ ہیں۔ حیات ابدی کے لئے ایمان ضروری ہے۔ اور اعمال صالحہ سے

ایمان میں نورانیت آجاتی ہے اور اس میں ترقی ہوتی ہے۔ آخرت میں جو طرح طرح کی ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی اُن میں اعمالِ صالحہ کو دخل ہوگا۔ اہل ایمان کی جنت والی زندگی کے بارے میں سورہ عنکبوت میں فرمایا۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور بیشک دار آخرت ہی زندگی ہے) اور اہل کفر کے بارے میں فرمایا لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى کہ وہ اس میں نہ زندہ رہے گا اور نہ مرے گا۔ درحقیقت عذابِ عظیم کے ساتھ جینا کوئی زندگی نہیں ہے۔ پھر فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ حائل ہوجاتا ہے آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان) صاحب روح المعانی (ص ۱۹۱ ج ۹) نے اس کا ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اس سے قرب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب سے بھی زیادہ بندہ سے قریب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور یہ آیت دونوں ہم معنی ہیں۔ پھر بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ اس کے تصرف سے دلوں کے عزائم اور مقاصد بدل جاتے ہیں وہ کسی کو رشد و ہدایت سے نوازتا ہے اور کسی کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دیتا ہے۔ کسی کے امن کو خوف سے بدل دیتا ہے اور جو چیزیں یاد ہوں انکو بھلا دیتا ہے۔ اس بارے میں انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دُعا فرماتے تھے يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ (اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ) یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کثرت سے یہ دُعا فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا اے ام سلمہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا دل اللہ کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو، جسے چاہے ہدایت پر قائم رکھے اور جسے چاہے ہٹا دے' صاحب روح المعانی نے اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ البتہ مفسر ابن کثیر ص ۲۹۸ ج ۲ نے بحوالہ مسند احمد یہ حدیث نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے ہم معنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۲۰ پر صحیح مسلم سے نقل کیا ہے۔ آخر میں فرمایا: وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور بلاشبہ تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے اس میں یوم آخرت کے استحضار کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ آخرت کا استحضار تمام اُمور دینیہ اور دُنیویہ کے درست ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آخرت سے غفلت ہی عموماً گناہوں اور خرابیوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
اور تم ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے گناہوں کے مرتکب ہوئے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت
الْعِقَابِ ۝۲۵
عذاب والا ہے

ایسے فتنہ سے بچو جو خاص کر گناہگاروں پر واقع نہ ہوگا

تفسیر: اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جو فتنہ یعنی عذاب اور وبال آتا ہے

وہ صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے گناہ کئے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب گناہ گاروں پر عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو اُن گناہوں کے مرتکب نہیں جن کی وجہ سے عذاب آیا لیکن چونکہ ان لوگوں نے گناہوں سے روکنے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اپنی نیکیوں میں لگے رہے اور گناہگاروں کو گناہوں سے نہیں روکا اس لئے یہ لوگ بھی مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کے کام کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے اُسے نہ روکتے ہوں تو اُن لوگوں کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں میں پڑنے والوں اور گناہ ہوتے ہوئے دیکھنے والوں کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک کشتی ہے اس میں دو طبقے ہیں، قرعہ ڈال کر آپس میں طے کر لیا کہ کون لوگ اوپر کے حصہ میں جگہ لیں اور کون لوگ نیچے والے طبقہ میں بیٹھیں، جب اپنے اپنے حصوں میں بیٹھ گئے تو جو لوگ نیچے ہیں وہ پانی لینے کے لئے اُوپر جاتے ہیں، اُوپر والے لوگ اُن کے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں (جب نیچے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں تو) انہوں نے ایک کلہاڑا لیا اور کشتی میں نیچے سوراخ کرنے لگے اوپر والے آئے اور اُنہوں نے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اوپر جاتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے (لہٰذا ہم یہیں سے پانی لے لیں گے) تو اب اگر اُوپر والے لوگ نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے (تاکہ سوراخ نہ کریں) تو ان کو بھی بچالیں گے اور اپنی جان کو بھی بچالیں گے۔ اور اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کر دیں گے (رواہ البخاری ص ۳۳۹ ج ۱ - ۳۶۹ ج ۲)

معلوم ہوا کہ جہاں خود نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کرنے سے روکتے رہیں، اگر ایسا نہ کیا تو عذاب آنے کی صورت میں سبھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں سمیت اُلٹ دو۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب بلاشبہ ان لوگوں میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شامل کر دیا جائے؟) اللہ کا ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس شخص پر اور بستی والوں پر الٹ دو، کیونکہ میرے بارے میں اس کے چہرہ میں کبھی تغیر[1] نہیں آیا یعنی یہ شخص زبان سے اور ہاتھ سے تو لوگوں کو گناہوں سے کیا روکتا اس کے چہرہ پر گناہوں کو دیکھ کر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب عذاب آتا ہے تو اس وقت دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸

جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر اس سے دعا مانگو گے اور وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام وخواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ دین اور شعائر دین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگر چہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر وہ حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں۔ جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لئے فکر مند ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلوتہی نہ کریں ورنہ عوام وخواص مصیبت میں گھر جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی قوم جہاد چھوڑ دے گی اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دے گا۔ (مجمع الزوائد ص ۲۸۴ ج ۵ عن الطبرانی فی الاوسط)

آخر میں فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے) اس کا مراقبہ کریں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

لوگ تمہیں اُچک لیں، سو اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت دی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو

مسلمانوں کو ایک بڑے انعام کی یاددہانی

تفسیر: بدر میں جو اللہ جل شانہٗ نے اہل ایمان کی مدد فرمائی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ واقعہ بدر کی وجہ سے مسلمانوں کو شوکت اور عزت مزید حاصل ہوگئی اور پورے عرب پر دھاک بیٹھ گئی اور قریش مکہ (جو تجارت کے لئے ملک شام آیا جایا کرتے تھے) کے واسطہ سے قیصر وکسریٰ کو بھی مسلمانوں کی اس فتح یابی کا علم ہوا اور انہیں بھی مسلمانوں کی اُبھرتی ہوئی طاقت کا پتہ چل گیا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی اور مشرکین نے جو بُری طرح شکست کھائی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے اس انعام کا احسان جتایا اور انکی سابقہ کمزوری کو یاد دلایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اپنا وہ وقت یاد کرو جبکہ تم تھوڑے سے تھے ضعیف بھی تھے۔ مکہ کی سرزمین میں تمہاری کچھ بھی حیثیت نہیں تھی۔ تمہیں اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لیں گے اور کفار مکہ تمہیں ختم کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا کہ تمہیں مدینہ منورہ میں ٹھکانہ دیا جہاں رہنے کی جگہ بھی مل گئی اور دشمنوں سے حفاظت بھی ہوگئی۔ پھر جب مقام بدر میں دشمنوں سے مڈ بھیڑ ہوئی

تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی اور مدد فرمائی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں نصیب فرمائیں۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے تمام حلال اور لذیذ چیزیں مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جو اموال بدر میں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے تھے وہ مراد ہیں۔ آخر میں فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (تاکہ تم شکر گزار بندے بنو)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ
اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ کی اور رسول کی اور نہ خیانت کرو اپنی آپس کی امانتوں میں حالانکہ تم
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾
جانتے ہو

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور آپس میں بھی خیانت کرنے سے باز رہو

تفسیر: درمنثور (ص ۱۷۸ ج ۳) میں حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان کی مکہ سے روانگی ہوئی تو حضرت جرائیل علیہ السلام نے آپ کو بتا دیا کہ ابوسفیان فلاں فلاں جگہ پر ہے لہٰذا اس کی طرف نکل کھڑے ہوں اور اس بات کو پوشیدہ رکھیں لیکن بعض منافقین نے ابوسفیان کو بذریعہ خط اطلاع دے دی کہ حضرت محمد ﷺ تمہارے قافلے پر حملہ آور ہونے کے لئے ارادہ کر رہے ہیں لہٰذا تم اپنی حفاظت کی فکر کرو۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور ایک روایت یوں ہے جو حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ بنو قریظہ (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) انہوں نے جب معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا انہوں نے کہا کہ سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ دیا کہ ان میں جو بالغ مرد ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ ان کے اس فیصلہ کا علم حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہو گیا جو یہودیوں کے حلیف تھے انہوں نے یہودیوں کو اپنے گلے پر ہاتھ کے اشارہ کرتے ہوئے یہ بتا دیا کہ تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ حضرت ابولبابہؓ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سمجھ گئے کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے لہٰذا انہوں نے مسجد نبوی کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہنے لگے کہ میں نہ کچھ چکھوں گا اور نہ پیوں گا حتیٰ کہ مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لئے استغفار کر دیتا۔ اب جو اُس نے خود ایسا کر لیا ہے تو میں اس وقت چھوڑ سکتا ہوں جب اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ سات دن تک انہوں نے کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ یہاں تک کہ بیہوش ہو کر گر گئے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور ان کو کھول دیا (روح المعانی ص ۱۹۰ ج ۹)

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور اس کا عموم ہر

طرح کی خیانت کوشامل ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: **لا تخونوا اللہ بترک فرائضہ والرسول بترک سنتہ** یعنی فرائض کو چھوڑ کر اللہ کی خیانت نہ کرو اور سنتوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرو (درمنثور ص ۱۷۸ ج ۳)

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت ہے اور جن چیزوں کو پوشیدہ رکھنے کا حکم فرمایا ہو ان کو ظاہر کر دینا بھی خیانت میں شمار ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت کے بعد فرمایا: **وَتَخُونُوٓا اَمٰنٰتِكُمْ** اور آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو چونکہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر طرح کی امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے اس لئے ہر خیانت سے نہایت اہتمام کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔ مالی خیانت کو تو سبھی جانتے ہیں مثلاً کوئی شخص امانت رکھ دے تو اس کو کھا جائے یا استعمال کرے یا کم کر دے یا دو شریک آپس میں خیانت کرلیں جو شخص قرض دے کر یا کسی بھی طرح اپنا مال دے کر بھول جائے اس کا حق رکھ لیں وغیرہ وغیرہ یہ سب خیانتیں ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کس کا حق مارا ہے اور کس کی خیانت کی، فکر آخرت اور اللہ کا ڈر ہو تو انسان خیانت سے بچ سکتا ہے ورنہ دنیاوی نفع کو دیکھ کر بڑے بڑے دیانت داری کے دعویدار اس مسئلہ میں کچے پڑ جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں دیانت دار ہے۔ چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانت دار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی، پڑوسی، میاں بیوی، ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانت دار ہیں۔ جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔ مالیات کے علاوہ دیگر امور میں خیانت ہوتی ہے جن کا ذکر احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا **وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** یعنی تم امانتوں میں خیانت نہ کرو جبکہ تم خیانت کا برا انجام جانتے ہو اور تمہیں اس کے معصیت ہونے کا علم ہے۔

امانت اور خیانت کے بارے میں تفصیلی نصائح اور احکام ہم سورۂ نساء کی آیت **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا** کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں اور ہم نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔[1]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور تم جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلا شبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ تمہیں فیصلہ والی چیز دے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور تمہاری بخشش فرما دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

[1] انوار البیان ج ۲ احقر کا رسالہ "امانت وخیانت" ملاحظہ کریں۔

اموال اور اولاد فتنہ ہیں

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ امتحان کی چیز کو کہا جاتا ہے۔ مال اور اولاد کا فتنہ ہونا کئی وجوہ سے ہے۔ مال و اولاد کی مشغولیت اور محبوبیت صحیح طریقہ پر کام نہیں کرنے دیتی' جہاد کی شرکت سے باز رکھتی ہے۔ نماز بھی صحیح طریقہ سے پڑھنے نہیں دیتی' پوری زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی نفس انکار کرتا ہے حج فرض ہو جاتا ہے تو برسوں تاخیر کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حج فرض ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مر جاتے ہیں' اور دیگر فرائض و واجبات میں بھی دنیاوی مشاغل رکاوٹیں ڈالتے ہیں اللہ جل شانہ' نے تنبیہ فرمائی کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں یہ آزمائش کی چیزیں ہیں' آزمائش میں پورے اترو' مال اور اولاد تمہارے امتحان میں فیل ہونے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ آیت میں لفظ اموال کو اولاد سے پہلے لایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مال کا فتنہ اولاد کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔ حضرت کعب بن عیاض نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ان لکل امة فتنةً وفتنة امتی المال (بلاشبہ ہر اُمت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری اُمت کا فتنہ مال ہے)۔[۱]

اول تو مال کمانے میں یہ دھیان کرنے کی ضرورت ہے کہ مال حلال ہو' حلال کمائی کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور اس کے کمانے میں فرائض و واجبات کو ضائع نہ کیا ہو کمانے کے بعد اس کے خرچ کرنے کا مسئلہ ہے۔ خرچ کرنے کے بارے میں بھی شریعت کے احکام ہیں اور خلاف شرع خرچ کرنے پر مؤاخذہ ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بندہ کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے۔ ۱-عمر کہاں فنا کی ۲-جوانی کہاں گنوائی ۳-مال کہاں سے کمایا ۴-اور کہاں خرچ کیا ۵-علم پر کیا عمل کیا۔[۲]

معلوم ہوا کہ مال کے بارے میں دوہرا سوال ہوگا' دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اول تو کمانے ہی میں حلال حرام کا خیال نہیں ہوتا اور پھر خرچ کرنے میں بھی شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی' اولاد کی محبت میں اور بیویوں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے بہت سے حلال پیسے حرام راستے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر زیادہ مال کی طلب تو اور بھی زیادہ ناس کھو دیتی ہے' سود' جوئے' اور سٹہ بازی کے ذریعہ نیز رشوتیں دے کر اور رشوتیں لے کر' اور حرام چیزوں کا کاروبار کر کے اور اپنے شرکاء تجارت کی خیانت کر کے مزدوروں کا حق مار کر نمازیں برباد کر کے' اصحاب حقوق کے حقوق روک کر' مال جمع کیا جاتا ہے' ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اسے تو دنیا سے چلا جانا ہے یہ مال تو دوسروں کے قبضہ میں آئے گا میں دوسروں کے لئے اپنی آخرت کیوں خراب کروں؟ لیکن بینک بیلنس کی فکر' نوٹوں کی گڈیوں کی محبت' اس چیز کو سوچنے نہیں دیتی۔ اولاد بھی فتنہ ہے' اولاد کی فرمائش پوری کرنے اور اُن پر عمدہ مال خرچ کرنے اور انکی شادیوں میں مال لگانے اور موت کے بعد انکے لئے مال چھوڑنے اور ان کے لئے گھر در بنانے میں بہت سے گناہ ہوتے ہیں اور خلاف شرع بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔

جو چیز امتحان کے لئے دی گئی تھی اسکی مشغولیت اور محبوبیت میں بہت سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ مومن بندوں کو ہمیشہ

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۲ از ترمذی [۲] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۳ از ترمذی

فکر مند رہنا چاہئے کہ کہیں اموال واولاد کی محبت میں پڑ کر امتحان میں فیل نہ ہو جائیں۔ فیل ہونے پر جہاں عذاب کی وعید یں ہیں وہاں امتحان میں کامیاب ہونے پر اجر عظیم کا وعدہ بھی ہے آیت کے اخیر میں اسی کو فرمایا: وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (اور بلاشبہ اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے)۔

تقویٰ پر انعام: دوسری آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فیصلہ والی چیز عطا فرمادے گا' اور گناہوں کا کفارہ فرمادیگا۔ اور تمہاری بخشش فرمادے گا۔ ''فیصلہ والی چیز'' سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ہدایت اور دلوں کا وہ نور مراد ہے جس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرسکیں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی ایسی مدد فرمائے گا جس کی وجہ سے مومنین کو عزت دے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا۔ اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمائے گا جس سے تمہارے دین کی شہرت ہوگی اور دنیا میں تمہاری کامیابی کے تذکرے ہوں گے (راجع رُوح المعانی ص ۱۹۶ ج ۹) پھر کفارہ سیئات اور مغفرت ذنوب کا وعدہ فرمایا اور اخیر میں فرمایا: وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ
اور جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کردیں یا آپ کو قتل کردیں یا آپ کو جلا وطن کردیں' اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور
اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾
اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا۔ اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت سے پہلے مُشرکین مکہ کے مشورے

تفسیر: اس آیت میں سفر ہجرت کا سبب اور ابتدائی واقعہ مذکور ہے معالم التنزیل (ص ۲۴۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں حضرات انصار نے اسلام قبول کرلیا تو قریش مکہ خائف ہوئے اور مشورے کے لئے دارالندوہ (پنچائیت گھر) میں جمع ہوئے' تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غور کریں کہ اب آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس موقعہ پر ابلیس ملعون بھی ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے کہنے لگا کہ میں شیخ نجدی ہوں۔ مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں۔ اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم لوگوں کو محروم نہ کروں' ان لوگوں نے اسے اپنے مشورے میں شریک کرلیا۔ مکہ والوں میں سے جو لوگ حاضر تھے ان میں سے ایک شخص ابوالبختری ابن ہشام بھی تھا۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی اور کہنے لگا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی گھر میں محبوس کر کے دروازہ بند کردو صرف تھوڑا سا روشن دان کھلا رہے جس میں سے دانہ پانی ڈالتے رہو اور اسکی موت کا انتظار کرو' جیسے اس سے پہلے دوسرے شعراء ہلاک ہو

گئے یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سنتے ہی شیخ نجدی ابلیس چیخ اٹھا اور اس نے کہا یہ تو بُری رائے ہے۔ اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے میدان میں آ جائیں گے اور تم سے جنگ کر کے تمہارے ہاتھوں سے چھڑا لیں گے۔ یہ سن کر سب کہنے لگے شیخ نجدی نے صحیح کہا یہ رائے مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ہشام بن عمرو نے رائے دی اور کہنے لگا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس شخص کو کسی اونٹ پر بٹھا کر اپنے درمیان سے نکال دو آگے کہاں جائے کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ جب تمہارے یہاں سے چلا گیا تو تمہیں تو آرام مل ہی جائے گا' یہ سن کر ابلیس ملعون بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں تم اس شخص کو جانتے ہو تمہیں پتہ ہے کہ اس شخص کی گفتگو کتنی شیریں ہے اور زبان میں کتنی مٹھاس ہے۔ یہ بھی جانتے ہو کہ اسکی باتیں سن کر لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر اہل مجلس کہنے لگے کہ شیخ نجدی نے ٹھیک کہا۔

ابو جہل کا مشورہ اور شیطان کی تائید: اس کے بعد ابو جہل بولا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم میں تمہیں ایک ایسی رائے دوں گا کہ اس کے علاوہ کوئی رائے ہے ہی نہیں۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ قریش کے جتنے قبیلے ہیں ہر قبیلے میں سے ایک ایک خوب تگڑا نوجوان لیا جائے' اور ہر ایک کو تلوار دیدی جائے۔ پھر یہ نوجوانوں کی جماعت یکبارگی ملکر حملہ کر کے قتل کر دے۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر اُن کے خون کی ذمہ داری آ جائے گی۔ اور میرے خیال میں بنی ہاشم قصاص لینے کے لئے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا دیت قبول کر لیں گے اور سارے قریش ملکر دیت ادا کر دیں گے۔ یہ سن کر ابلیس بولا' اس جوان آدمی نے صحیح رائے دی ہے اور یہ شخص تم میں سب سے اچھی رائے رکھنے والا ہے۔ اس نے جو رائے دی ہے میرے خیال میں بھی اس کے علاوہ کوئی دوسری رائے درست نہیں ہے۔ سب نے اسی پر اتفاق کر لیا اور مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد' اور آپ کا صحیح سالم سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو جانا

ادھر تو یہ لوگ متفرق ہوئے اور اُدھر حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہو گئے' اور رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے مشورہ سے باخبر کر دیا اور عرض کیا کہ آپ جس گھر میں رات گزارا کرتے ہیں اس میں اس رات کو نہ رہیں ساتھ ہی انہوں نے مشرکین کے مشوروں سے آپ کو باخبر کر دیا۔ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ رات گزارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد آپ سفر ہجرت کے لئے روانہ ہو گئے' اور ایک مٹھی میں مٹی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دی جو اُن کے سروں میں بھر گئی اور آپ اِنَّا جَعَلْنَا فِیۡۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ پڑھتے ہوئے رَوانہ ہو گئے' آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ دونوں حضرات راتوں رات غارِ ثور میں پہنچ گئے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ امانتیں ادا کر دیں جو آپ کے پاس رکھی رہتی تھیں (سچائی اور امانتداری ایسی ہی چیز ہے جو سچے اور امانتدار شخص کا لوہا خود منوا دیتی ہے' اہل مکہ آپ سے دشمنی بھی کرتے تھے' لیکن ساتھ ہی اپنی امانتیں رکھنے کے لئے آپ ہی کو منتخب کر رکھا تھا)۔

مشرکین کی ناکامی: جب آپ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے' تو مشرکین مکہ اس خیال

سے کہ صبح اُٹھ کر باہر تشریف لائیں گے، صبح ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے، ارادہ تھا کہ حملہ کریں لیکن جب دیکھا کہ جسے قتل کرنا تھا وہ موجود نہیں۔ لہٰذا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں۔ لہٰذا قدموں کے نشانوں پر چلتے رہے یہاں تک کہ غار ثور تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا بُن رکھا ہے یہ دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر اس کے اندر گئے ہوتے تو مکڑی کا جالا غار کے دروازہ پر کیسے ہوتا؟ آپ اس غار میں تین دن تک تشریف فرما رہے اس کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے آیت بالا میں جو وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فرمایا ہے اس میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔ دُشمن اپنی تدبیر میں فیل ہوئے اور اللہ کی تدبیر غالب آئی۔ (البدایہ والنہایہ از ص ۱۷۵ تا ص ۱۸۱)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ

اور جب اُن پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ یہ کچھ بھی

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

نہیں ہے مگر وہ باتیں ہیں جو اگلے وقتوں کے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں۔ اور جب اُن لوگوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ آپ کی طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دیجئے۔ اور اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے گا

وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس حال میں عذاب نہیں دے گا کہ وہ استغفار کرتے ہوں۔

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں

تفسیر: قبیلہ بنی عبدالدار میں سے ایک شخص نضر بن الحارث تھا یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ مشرکین مکہ قرآن مجید سنتے تھے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت لانے سے بھی عاجز تھے۔ اس کی فصاحت بلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے۔ لیکن نضر بن الحارث نے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے طریقہ پر خفت مٹانے کے لئے یوں کہا کہ ''لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ'' (اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ دیں) مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہیں کہ ہم عاجز ہیں کہہ تو سکتے ہیں۔ لیکن کہتے نہیں، ہمیں کوئی مجبوری نہیں ہے کہ مقابلہ کے لئے ہم اس جیسا کلام بنا کر لائیں، اور مزید اُس نے یہ بھی کہا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (کہ یہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو اُن کی لکھی ہوئی ملتی ہیں) اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلام نہیں ہے پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد کر لی ہیں، انہیں کو سُناتے

رہتے ہیں۔ نضر بن الحارث کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی ایسی بات کہی تھیں۔ جیسا کہ سورۃ انعام میں فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ ان لوگوں کی یہ بات شرارت اور عناد کی وجہ سے تھی' یہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ امی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ پہلے لوگوں کی کتابیں ان تک پہنچی ہیں۔ پھر بھی ایمان سے دور اور کفر پر جمے رہتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔

نضر بن حارث کا عذاب کے لئے دعا کرنا: نضر بن حارث نے جب یوں کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے ڈر! محمد ﷺ حق فرماتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ میں بھی حق کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ محمد ﷺ تو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں وہ کہنے لگا میں بھی لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوں' لیکن یہ بُت اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہم انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اس لئے ہم بھی لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں وہ لا الٰہ الا اللہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ: "اے اللہ اگر یہ دین جس کی دعوت محمد ﷺ دیتے ہیں حق ہے تیری طرف سے ہے تو اسے قبول نہ کرنے کی سزا میں ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے" اپنے خیال میں اُس نے یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہی تھی کہ اگر دین محمد ﷺ حق ہوتا تو ہم پر پتھر برس جاتے اور عذاب نازل ہو جاتا جب یہ بات نہیں ہے کہ تو ہم حق پر ہیں۔ اس طرح کی بات یہود نے بھی کہی تھی۔ سورہ مجادلہ میں ان کا قول نقل فرمایا ہے۔ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (جو باتیں ہم کرتے ہیں انکی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا) اور اس زمانہ میں بھی بہت سے فتنہ گر ایسی باتیں کرتے ہیں اہل حق کے مقابلہ میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ عذاب آنا نہ آنا حق اور ناحق واضح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلائل قرآنیہ اور دلائل عقلیہ سے حق واضح ہوتا ہے اور انہیں میں تفکر اور تدبّر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ جو عذاب بھیج کر فیصلہ فرمائے گو کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب مانگنے والوں کی دعاء قبول فرما لیتا ہے۔ کبھی جلدی اور کبھی دیر سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ نضر بن حارث کے سوال پر نازل ہوئی۔ حضرت عطا نے فرمایا کہ نضر بن الحارث کی دُعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور غزوۂ بدر میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (کذا فی تفسیر الجلالین وحاشیہ ص ۱۴۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آیت بالا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ (الآیہ) میں جو عذاب آنے کا سوال مذکور ہے یہ سوال ابوجہل نے کیا تھا۔ (چونکہ یہ سوال عمومی عذاب کا تھا اسی لئے عمومی عذاب نہیں آیا) اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اگلی آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۶۷۰ ج ۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا کوئی نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے۔ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں پر جب ہی عذاب آیا جبکہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے۔ خاتم

الانبیاء جو رحمۃ للعالمین ﷺ تھے۔ آپ کسی بستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آجائے یہ نہیں ہوسکتا تھا' مکہ مکرمہ میں آپ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس کے دوسرے سال غزوۂ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور نضر بن الحارث بھی۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لئے دو چیزیں امان کی تھیں۔ ایک نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اور دوسرے استغفار۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی۔ یعنی استغفار' لہٰذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیئے گئے۔ جو بہت زیادہ شری تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا' اور آئندہ کے لئے عذاب سے محفوظ ہوگئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے لئے دو امانیں رکھی ہیں جب تک یہ دونوں ان کے درمیان میں رہیں گے (دونوں یا ایک) تو عذاب نہیں آئے گا۔ ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اُٹھالی یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی' اور دوسری امان ان کے اندر موجود ہے یعنی استغفار کرتے رہنا۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (معلوم ہوا کہ مختلف علاقوں میں جو عذاب آتے رہتے ہیں۔ وہاں استغفار نہ کرنے کو بھی دخل ہے) آیت بالا کی تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے تفسیر ابن کثیر ص ۳۰۴ تا ۳۰۵ ج ۲ سے ماخوذ ہے۔

وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ

اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حالانکہ وہ اس کے اولیاء نہیں ہیں'

إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ

اس کے اولیاء صرف متقی لوگ ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے' اور بیت اللہ کے نزدیک ان کی نماز

الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾

بس یہی تھی کہ سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے۔ سو عذاب چکھ لو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے

مشرکین کی عبادت یہ تھی کہ بیت اللہ کے قریب سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے تھے

تفسیر: گزشتہ آیت میں یہ بتایا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے اور اہل مکہ کے استغفار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں نہ دے حالانکہ ان کی حرکتیں ایسی

ہیں جو سزا کی مقتضی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور وہاں عبادت و طواف کرنے سے روک دیا پھر جب ۶ھ ہجری میں آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا اور عمرہ نہ کرنے دیا' انکی یہ حرکت اس قابل ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جائے کفر اور کافرانہ حرکتوں کی وجہ سے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں' مکہ معظمہ میں تو عمومی عذاب نہ آیا لیکن بدر میں سرداران قریش مقتول ہوئے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل (ص ۲۴۶ ج ۲) میں بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ سے عمومی عذاب مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سب ہی ایک ایک کر کے ہلاک نہ کئے جائیں گے اور وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ میں عذاب بالسیف مراد ہے یعنی انکی حرکتوں کی وجہ سے وہ اہل ایمان کی تلوار کی زد میں آئیں گے اور مقتول ہوں گے' اور ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلی آیت میں دنیوی عذاب کا ذکر ہے۔ اور دوسری آیت میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔ دوسرے قول کے مطابق تفسیر کرنے سے فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ کا ارتباط زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ کہ یہ لوگ مسجد کے اولیاء یعنی اس کے متولی نہیں ہیں۔ کعبہ شریف داعی توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے کعبہ اور مسجد حرام پر اہل شرک کو تسلط رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے پھر فرمایا: اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کہ مسجد حرام کے متولی وہی ہیں جو اہل تقویٰ ہیں (جو کفر اور شرک سے بچتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ اس کی تولیت کا استحقاق اہل ایمان کو ہے جو بعد میں فتح مکہ کے دن متولی ہو گئے۔ اس دن کافروں کا تسلط ختم ہوا' اور مشرکین کچھ مارے گئے اور بہت سے مسلمان ہو گئے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اور لیکن اُن میں سے اکثر یہ بات نہیں جانتے کہ انہیں مسجد حرام کے متولی ہونے کا استحقاق نہیں ہے اور بعض جو اس بات کو جانتے ہیں وہ عناد پر تلے ہوئے ہیں۔ (کما فی الروح ص ۲۰۳ ج ۹)

اس کے بعد اہل مکہ کی عبادت کا تذکرہ فرمایا جس کو وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اختیار کئے ہوئے تھے۔ اپنے خیال میں مسجد کے متولی بھی تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہم عبادت کر کے تولیت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اور انکی عبادت یہ تھی کہ مسجد حرام میں سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے (جتنے بھی شیطانی دھندے ہوتے ہیں ان میں سیٹیاں' تالیاں' ڈھول' باجے ضرور ہی ہوتے ہیں) اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے' آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے' دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اہل مکہ بھی اسلام قبول نہ کرنے سے عذاب میں مبتلا ہوئے جن میں ایک واقعہ بدر کی شکست اور ہزیمت کا بھی ہے۔ اہل مکہ کو زمانہ شرک میں جو یہ خیال تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور بحق تولیت ہمیں مسجد حرام سے روکنے کا اختیار ہے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اہل کفر مسجد حرام کے متولی نہیں ہو سکتے۔ نیز وہ یوں سمجھتے تھے کہ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں اس میں عبادت کرتے ہیں اگر مسلمانوں کو اسمیں عبادت کرنے سے روک دیا تو کیا ہوا؟ ہم خود عبادت گزار ہیں۔ انکی اس بات کی بھی تردید فرما دی کہ تمہاری عبادت شیطانی دھندہ ہے۔ تالیں پیٹنا' سیٹیاں بجانا یہ کہاں کی عبادت ہے؟ اس سے تو مسجد حرام کی بے حرمتی ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا
بیشک جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں۔ سو یہ لوگ ابھی اپنے مالوں کو خرچ کریں گے
ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ﴿۳۶﴾
پھر یہ مال ان کے حق میں حسرت کا سبب بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے
لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ
تاکہ ناپاک کو اللہ پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے۔ پھر اس کو اکٹھا ڈھیر بنا دے
جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾
پھر اس کو دوزخ میں داخل فرما دے۔ یہ لوگ تباہ کار ہیں

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور انکے اخراجات حسرت کا باعث ہونگے

تفسیر: مفسر ابن کثیر (ص ۳۰۷ ج ۲) تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی اور جو زندہ رہ گئے وہ مکہ مکرمہ واپس پہنچے تو ابوسفیان کے گلے پڑ گئے کہ ہم لوگ تیرے قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلے تھے تم لوگ تو صحیح سالم آ گئے اور ہمارے آباء اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بدر میں مقتول ہو گئے۔ لہٰذا تم لوگ مال سے ہماری مدد کرو تا کہ ہم دوبارہ جنگ کریں۔ اور محمد ﷺ سے اپنا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں چندے دیئے اور مال خرچ کئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت بالا انکے اسی مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی۔

اور معالم التنزیل (ص ۲۴۷ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ آیت اُن مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جاتے ہوئے اپنی جماعت پر منزل بہ منزل خرچ کرتے رہے اور اُونٹ ذبح کر کے کھلاتے رہے۔ پھر حکم بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جس نے احد کے موقعہ پر مشرکین پر چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تھی (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا)

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہونگے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا پھیلے گا پورا ہوگا۔ کافر اس کے بجھانے کے لئے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ مقصودہ حاصل نہ ہوا یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ یہ يُحْشَرُوْنَ سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں اہل کفر کا داخلہ اس لئے

ہوگا کہ پاک اور ناپاک یعنی مؤمن اور کافر میں اللہ تعالیٰ تمیز فرمادیں۔ اہل ایمان اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں اور اہل کفر اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ (تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث کو بعض کو بعض کے ساتھ ملادے اور اس کو اکٹھا کر کے دوزخ میں داخل فرمادے) دنیا میں تمام اہل کفر آپس میں ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ اسلام کے خلاف اموال خرچ کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے تھے آخرت میں بھی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ دنیا میں جو اسلام کی دشمنی کے لئے سوچتے اور خرچ کرتے تھے۔ اسکی وجہ سے دار العذاب میں اکٹھے ہو کر اسکی سزا بھگتیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا

جن لوگوں نے کفر کیا آپ ان سے فرما دیجئے اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ اُن کے لئے معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ پھر بھی وہی کریں جو کرتے رہے ہیں

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔

کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جمے رہنے کی وعید

تفسیر: اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کافروں سے فرمادیں کہ اب تک جو تم کفر پر جمے رہے اور اسلام کی دعوت کو روکنے کے لئے تدبیریں کرتے رہے اور اس بارے میں جنگ کرتے رہے ان سب سے اگر تائب ہو جاؤ یعنی اسلام قبول کرلو تو وہ سب کچھ معاف کر دیا جائے گا جو اب تک گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں اور بلاشبہ ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بلاشبہ حج ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ (رواہ مسلم ص ۷۶ ج۱)

شراح حدیث نے لکھا ہے کہ ہجرت اور حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور حقوق العباد مراد نہیں ہوتے' یہ بات دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ کرم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دشمن اسلام ہو جب بھی اسلام قبول کرے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ اور اگر کافر اپنے کفر پر جمے رہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کو انکار اور عناد کی وجہ سے جو سزائیں ملی ہیں مقتول اور مغلوب ہوئے ہیں وہی سزائیں ان کو بھی ملیں گی اور آخرت کا عذاب دائمی تو ہر کافر کے لئے بہر حال ہے ہی صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں: فقد مضت سنة الاولين فی نصر الله

انبیاء ہ و اولیاء ہ و اھلاک اعداءہ (ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اصول واضح ہو چکا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ تکوینی قانون چلا آ رہا ہے کہ اپنے انبیاء و اولیاء کی مدد فرمائی اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرمایا۔ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو اسی تکوینی قانون کے مطابق تمہارا بھی انجام ہوگا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا
اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ کے لئے ہو جائے سو اگر وہ باز آ جائیں
فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ
تو بیشک اللہ اُن کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو یقین جانو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے۔
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝
وہ اچھا مولیٰ ہے اور اچھا مددگار ہے۔

کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ کافروں سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ یعنی کفر و شرک باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ یعنی اہل کفر اسلام قبول کر لیں اور موحد ہو جائیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے کفار عرب مراد ہیں۔ چونکہ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ کفارِ عرب سے یہاں تک جنگ کرو کہ جزیرۃ العرب میں کفر نہ رہے۔ پورا جزیرہ اسلام کا گہوارہ ہو جائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ برابر کافروں سے لڑتے رہو وہ جہاں کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اسلام کا غلبہ ہو جائے۔ غلبہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسلام قبول کر لیں اور دوم یہ کہ جزیہ دینا منظور کر لیں۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم تو برابر جہاد کرتے رہے۔ ان کے بعد بھی بہت سے اُمراء اور ملوک نے جہاد جاری رکھا۔ دورِ حاضر کے مسلمانوں نے جہادِ شرعی چھوڑ دیا تو اب خود مقہور اور مغلوب ہو رہے ہیں آیت کے ختم پر فرمایا فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اگر کافر لوگ اپنے کفر سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں) تمہیں شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے اُنہوں نے دھوکہ دینے کے لئے اسلام قبول کیا ہو پھر بھی قتل کرتے چلے جاؤ ایسا نہ کرنا' تم ظاہر کے مکلف ہو قلوب کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر وہ دھوکہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ ان سے تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی جہینہ کی طرف ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ جنگ کے موقعہ پر جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کافروں میں سے ایک آدمی کو قتل کرنے لگے تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ اس کے باوجود اُنہوں نے اُسے قتل کر دیا جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا اقتلته وقد شهد ان لا اله الا الله کیا تو نے

اس کے باوجود اسے قتل کردیا کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا انما فعل ذلک تعوذاً کہ اس نے جان بچانے کے لئے ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا: فھلا شققت عن قلبه سوتو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب کسی نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تو ہمیں اُسے مسلمان مان لینا چاہئے۔ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے۔ دلوں کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے پھر کسی کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے سچے دل سے کلمہ نہیں پڑھا۔ ہمارا کام ظاہر سے متعلق ہے دلوں کا حال اللہ جانتا ہے۔ اگر کافر لوگ دھوکہ دے کر کوئی شر یا ضرر پہنچانا چاہیں گے تو ان سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے گا۔ وہ تو ظاہر اور باطن سب ہی کو جانتا ہے (قال ابن کثیر ص ۳۰۹ ج ۲) قوله فان انتهوا بقتالكم عما هم فيه من الكفر فكفوا عنهم فان لم تعلموا بواطنهم فان الله بما يعملون بصير' ثم ذكر قصة اسامة بن زيد الذى ذكرناها فى هذه الصفحة وهى مروية فى الصحيحين وغيرهما (علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَإِنِ انْتَهَوْا کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کافر ہونے کے باوجود تم سے قتال کرنے سے رُک جائیں تو تم بھی ان سے قتال سے باز آؤ۔ اگر تم ان کے باطن کو نہیں جانتے پس اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں۔ پھر علامہ ابن کثیر نے حضرت اسامۃ بن زید والا یہ قصہ ذکر کیا جو ہم نے ابھی اس صفحہ میں بیان کیا ہے اور یہ قصہ صحیحین وغیرہ میں مروی ہے)

دوسری آیت میں فرمایا: وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلَاكُمْ کہ کافر اگر روگردانی کریں اسلام قبول نہ کریں اور تمہاری مخالفت اور محاربت پر کمر باندھے رہیں تو ان سے لڑتے رہو اور بُزدل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے تمہاری مدد فرمائے گا۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ وہ اچھا مولیٰ اور اچھا مددگار ہے۔ جب اس کی مدد شامل حال ہوگی تو تمہارے لئے بزدل بننے اور جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنے کا کوئی موقع نہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

اور تم جان لو کہ جو کوئی چیز تمہیں مال غنیمت سے ملے سو بلاشبہ اللہ کے لئے اس کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کے لئے اور قرابت والوں کے لئے

وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا

اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے' اگر تم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی

عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز بھڑ گئی تھیں دونوں جماعتیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان

تفسیر: کافروں سے جب جہاد کیا جاتا ہے تو اُن کے اموال بھی قبضہ میں آ جاتے ہیں ان اموال کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کے مسلمان جب کافروں سے جہاد کرتے تھے اور ان کے اموال قابو میں آ جاتے تھے تو ان اموال کو آپس میں تقسیم کر لینے کا شرعی قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اُمت محمدیہ پر کرم فرمایا اور رحم فرمایا کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ قال النبی ﷺ **فلم یحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلک بان اللہ رای ضعفنا و عجزنا فطیبھالنا** ۔ (رواہ مسلم ص ۸۵ ج ۲) (حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا (ہمارے لئے حلال) اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ہماری درماندگی کو دیکھا تو ہمارے لئے مال غنیمت حلال کر دیا)

کافروں کا جو مال جنگ میں حاصل کر لیا جائے۔ اس کی تقسیم کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جو احکام ہیں ان میں سے ایک حکم اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کل مال غنیمت میں سے اوّلاً پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ یہ پانچواں حصہ کس پر خرچ ہوگا اس کے بارے میں فرمایا۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر تبرکاً ہے۔ اس خمس کے مستحقین وہ لوگ ہیں جو بعد میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں لیکن چونکہ اس کے قانون کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اسلئے فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ سے شروع فرمایا۔ اس کے بعد اس پانچویں حصہ کے مستحقین بیان فرمائے۔ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔

یعنی مال غنیمت کے اس پانچویں حصہ کا مصرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ کے رشتہ دار اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اب رہے آپ کے ذوی القربیٰ یعنی رشتہ دار تو ان کا حصہ بھی صرف آپ ہی کی موجودگی تک تھا۔

آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کا حصہ مستقل نہیں رہا۔ اس لئے آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کو کچھ نہیں ملے گا البتہ بعد میں جو تین مصرف ذکر کئے گئے ہیں یعنی یتامیٰ اور مساکین اور ابن السبیل ان کے ذیل میں ان حضرات کو بھی مل جائے گا بلکہ ان کو دوسرے یتامیٰ اور مساکین پر ترجیح دی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب مال غنیمت سے جو خمس نکالا جائے گا وہ امیر المومنین اپنی صوابدید کے مطابق یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین پر خرچ کرے گا۔ اغنیاء ذوی القربیٰ کو نہیں دیا جائے گا۔ ان میں جو فقراء یا یتامیٰ یا ابن السبیل ہوں گے ان پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہر یتیم اور ہر ہر مسکین اور ہر ہر مسافر کو میراث کی طرح حصہ پہنچایا جائے بلکہ امیر المومنین اپنی صوابدید سے ان مصارف میں خرچ کرے۔ ذوی القربیٰ کے بارے میں یہاں جو مسئلہ لکھا گیا یہ فقہاء حنفیہ کی تحقیق کے مطابق ہے۔

خمس کے مصارف بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ. یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس پر بھی ایمان ہے کہ فیصلہ کے دن جو تمہاری جیت ہوئی وہ ہماری امدادِ غیبی کی وجہ سے ہوئی تو بلاتردد اور بلا تأمل مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو مصارف مذکورہ میں خرچ کرو۔ تمہیں اس پانچویں حصہ کا نکالنا ناگوار نہ ہونا چاہئے۔ یہ ساری غنیمت اللہ کی امدادِ غیبی سے حاصل ہوئی۔ لہٰذا خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو۔ یہ خمس نکالنا نفسوں پر شاق نہ ہونا چاہئے۔

یوم الفرقان: یوم بدر کو یوم الفرقان یعنی فیصلہ کا دن فرمایا اور یہ اس لئے کہ بدر میں اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوا تو مومنین کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے باوجود کافروں کو شکست فاش ہوئی اور کھل کر یہ بات سامنے آ گئی کہ دین اسلام حق ہے اور کفر باطل ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

بہت سے عرب قبائل اس سے پہلے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ اور یہ مشورے کیا کرتے تھے کہ دیکھو مکہ والوں کے ساتھ اہل اسلام کا کیا معاملہ ہوتا ہے اور انجام کار کس کی طرف ہو گا اہل اسلام غالب ہوتے ہیں یا مشرکین مکہ ہی غالب رہتے ہیں۔ غزوۂ بدر کی فتح یابی دیکھ کر ایسے لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ واقعی مشرکین کا عناد اور کفر و شرک پر جمنا باطل چیز ہے فسبحان من اعلی کلمته ونصر حزبه وهزم الاحزاب وحده. (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنی جماعت کی مدد کی اور اسی اکیلے نے لشکروں کو شکست دیدی)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جس میں یہ بتا دیا کہ تمہیں جو کچھ فتح حاصل ہوئی اور مال غنیمت حاصل ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا اگر تمہیں کچھ بھی نہ دیا جاتا تب بھی راضی رہنا تھا اب جبکہ زیادہ تمہیں دے دیا یعنی ۴/۵ حصے تمہیں مل گئے اور ۱/۵ دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم دیا تب تو بطریق اولیٰ نفسوں کی خوشی کے ساتھ راضی ہونا چاہئے۔ پھر یہ مصارف کون ہیں اپنے ہی اندر کے لوگ ہیں۔ یتامیٰ، مساکین اور مسافرین تمہاری اپنی جماعت کے ہیں۔ یہ مال اور کہیں نہیں گیا تمہارے اپنوں ہی میں خرچ ہوا اس اعتبار سے بھی یہ اموال تم ہی کو مل گئے۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ

جب کہ تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ لوگ دور والے کنارے پر اور قافلے والے تم سے نیچے کی طرف تھے

وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا

اور اگر تم آپس میں وعدہ کر لیتے تو تم میعاد کے بارے میں اختلاف کر لیتے اور لیکن تا کہ اللہ تعالیٰ اس امر کا فیصلہ فرمائے جو ہو جانے والا تھا'

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ

تا کہ جو شخص ہلاک ہو حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو شخص زندہ رہے وہ حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا

عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ

جاننے والا ہے' جبکہ اللہ ان کو آپ کے خواب میں کم دکھارہا تھا اور اگر وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور

فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ

اس امر میں باہمی تم میں نزاع ہو جاتا لیکن اللہ نے بچالیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے' اور جبکہ تم باہم مقابل ہوئے

إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ

وہ ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھارہا تھا اور تمہیں اُن کی آنکھوں میں کم کر کے دکھارہا تھا۔ تا کہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے جس کا وجود میں آنا

مَفْعُولًا وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۴۴﴾

مقرر ہو چکا تھا' اور تمام اُمور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد

تفسیر: ان آیات میں اول تو غزوۂ بدر کے محاذ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذ جنگ کے لئے زیادہ مناسب تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے والی جگہ ملی یہ جگہ ریتلی تھی۔ اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ساحل سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دور تھا۔ پہلے سے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان آپس میں جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لئے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور اہل ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کافر

نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ سرور دو عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے۔ جب یہ بات حضرات صحابہؓ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہو گیا اور جنگ کرنے کے لئے دل سے آمادہ ہو گئے۔ اگر انکی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بُزدلی آ جاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لئے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرما دئے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچا لیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔

اسی کو فرمایا۔ وَلَوْ اَرٰکَهُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور مڈبھیڑ ہو گئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگری سے لڑے اور کافر بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدر تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔ معالم التنزیل (ص ۲۵۳ ج ۲) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہو گئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہارے کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفری ہے۔

یہ جو فرمایا: لِّیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ۔ اس میں یہ بیان کیا کہ واقعہ بدر میں دین اسلام کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہو گئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہو گیا۔ اب بھی جو شخص ہلاک ہو گا یعنی کفر پر جما رہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرے گا۔ اور جو شخص ایمان پر پختگی کے ساتھ جما رہے گا۔ وہ بھی حجت کے ساتھ دین حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جما رہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلط فہمی کا احتمال ختم ہو گیا' اب کافر دیکھتی آنکھوں دہکتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا' اور جو شخص اسلام پر جمے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دین حق پر مستقیم ہو گا۔

فائدہ: سُورۂ آل عمران کے دوسرے رکوع میں بھی غزوۂ بدر کا ذکر ہے۔ وہاں یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ۔ فرمایا ہے اس کا ترجمہ اور تفسیر وہیں دیکھ لیں۔ (انوار البیان ص ۱۶ ج ۲)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ'

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کرو بلاشبہ

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ

اللہ صابروں کے ساتھ ہے، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے

النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے

دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر مقابلہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب کبھی کسی جماعت سے تمہارے مڈ بھیڑ ہو جائے یعنی جنگ اور لڑائی کی نوبت آ جائے تو ثابت قدمی کے ساتھ جم کر مقابلہ کرو حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مڈ بھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو پھر جب مڈ بھیڑ ہو جائے تو جم کر لڑو۔ اتنا مضمون صحیح بخاری ص ۴۲۴ ج ۲ میں ہے۔ مسند دارمی ص ۱۳۵ ج ۲ میں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی ہے اس میں یوں ہے کہ دشمن سے مقابلہ ہونے کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو، سو جب تمہاری مڈ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ سو اگر دشمن چیخیں چلائیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سوال تو عافیت ہی کا کرتے رہیں اور جب دشمنان دین سے لڑنے کا موقعہ آ جائے تو کمزوری نہ دکھائیں ثابت قدم رہیں جم کر لڑیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کریں۔ اور قتال کے آداب میں سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خاموشی سے لڑیں۔ شور و شغب سے بچیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین مواقع میں اللہ تعالیٰ کو خاموشی محبوب ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت اور قتال کے وقت اور جس وقت جنازہ حاضر ہو۔ (ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ ص ۳۱۶ ج ۲)

خوب مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو۔ یوں تو اللہ کا ذکر ہر وقت ہونا چاہئے لیکن خاص کر جنگ کے موقعہ میں اسکی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا، مدد مانگنا، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا یہ سب اللہ کا ذکر ہے۔ مومن بندہ لڑتا ہی اللہ کے لئے ہے۔ اس کا مرنا اور جینا اللہ کے لئے ہے۔ پھر جنگ کے وقت اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کا تو کوئی موقعہ ہی نہیں۔ اس موقعہ پر ذکر کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بظاہر جنگ کی طرف پوری مشغولیت ہو اور باطن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو یہ مؤمن کی خاص شان ہے۔ حضرت سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ نماز، روزے اور ذکر ان سب کا ثواب فی سبیل اللہ (عز وجل) مال خرچ کرنے کی بہ نسبت سات سو گنا بڑھا دیا جاتا ہے (رواہ ابوداؤد ص ۳۳۸ ج ۱) اور خود فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ اس کا ثواب (کم از کم) سات سو گنا ملتا ہے (الترغیب ص ۲۵۳ ج ۲) اور ذکر کا ثواب اس سے بھی سات سو گنا زیادہ ہے۔ نیز سہل بن معاذ اپنے والد سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک ہزار آیات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اسے انبیاء اور صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ لکھ دے گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد کما فی الترغیب ص ۲۶۷ ج ۲)

پھر فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ جم کر لڑیں گے ثابت قدم رہیں گے۔ اللہ کا ذکر کریں گے تو کامیاب ہوں گے۔ دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔

آپس میں جھگڑنے سے ہوا خیزی ہو جاتی ہے: پھر فرمایا: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ (اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی) وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی)

اور آپس میں جھگڑنے کی وجہ سے ساکھ ختم ہو جاتی ہے، اور مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور انتشار کو دیکھ کر دشمن بے خوف ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت جاتی رہتی ہے۔ باہمی اختلاف ضعف کا سبب ہے۔ قلوب مجتمع نہ رہیں تو اجسام بھی اتحاد اور اعتماد کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ کافروں کو شکست دینے کی بہت سی تدبیریں ہیں (مثلاً جنگی مشقیں اور اسلحہ کی فراہمی وغیرہ) اُن سب سے بڑھ کر باہمی اتحاد اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ ثابت قدمی بھی جب ہی حاصل ہوتی ہے جب آپس میں انتشار نہ ہو۔ آخر میں فرمایا: وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (اور صبر کرو بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے)۔

اہل ایمان کے لئے صبر بہت بڑی چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، خانگی حالات ہوں یا دوسرے معاملات ہر حال میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے بڑے بڑے مسائل حل ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ناگوار چیزوں کو برداشت کر لینا بڑے اجر و ثواب کا اور دُنیاوی حالات میں اور اپنوں اور پرایوں کے معاملات میں کامیابی کیساتھ گزرتے ہوئے چلے جانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، آپس کے نزاع سے بچنے کا حکم دینے کے بعد ساتھ ہی صبر کا حکم دینے میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ آپس کا اتحاد صبر اختیار کرنے سے باقی رہ سکتا ہے۔ جب کچھ آدمی آپس میں مل کر رہتے ہوں خواہ ایک ہی گھر کے افراد ہوں۔ آپس میں کچھ نہ کچھ ایک دوسرے کی جانب سے قول یا فعل کے اعتبار سے ناگواری پیش آجاتی ہے ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے یا نکلنے کا ارادہ کرے تو باہمی مشوروں میں اختلاف رائے ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ طبائع بھی مختلف ہوتی ہیں۔ جب تک برداشت نہ ہو اتحاد قائم نہیں رہ سکتا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ کرنے بیٹھیں تو اپنی اپنی رائے دے کر فارغ ہو جائیں۔ کوئی شخص اپنی رائے پر اصرار نہ کرے، اگر اصرار کرنے لگیں تو وہیں

لڑائی ہو جائے گی اور مشورے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ ایک کی رائے دوسرے کے خلاف ہو تو صبر کرے اور پھر جو امیر کسی کی رائے یا اپنی رائے کو ترجیح دیدے تو اپنی رائے کے مخالف ہونے کی وجہ سے دلگیر نہ ہو بلکہ صبر کرے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کی رائے کے خلاف اختیار کر لینے سے کوئی نقصان پہنچ جائے تب بھی امیر کو طعنہ نہ دے کہ دیکھا ہم نے کیا کہا تھا؟ اتحاد کے لئے بڑے صبر اور ثبات کی ضرورت ہوتی ہے ناگواریوں کو بشاشت کے ساتھ برداشت کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو انکے عہدہ سے معزول کر دیا انہوں نے بشاشت سے قبول کر لیا اور کوئی محاذ آرائی نہیں کی۔ لہٰذا مسلمانوں کا شیرازہ بندھا رہا' اگر وہ چاہتے محاذ بنا لیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور حسب سابق جہاد کے کاموں میں مشغول رہے۔

درحقیقت اصل اطاعت وہی ہے جو طبعی ناگواری کے ساتھ ہو۔ اگر ہر شخص یوں چاہے کہ ہمیشہ میری چلے تو کبھی بھی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ انتشار ہی رہے گا اور اس سے ہوا خیزی ہو گی۔

اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اکڑتے مکڑتے ریاکاری کے لئے نکلے

پھر فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (یعنی تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے) جو لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان میں اکڑ مکڑ اور اترانے اور فخر کرنے کا مرض ہوتا ہے۔ پھر وہ اسکی وجہ سے نیچا دیکھتے ہیں۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ معالم التنزیل ص ۲۵۴ ج ۲ میں لکھتے ہیں: کہ آیت بالا مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو فخر اور تکبر کے انداز میں چلے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! یہ لوگ اپنے تکبر اور فخر کے ساتھ آئے ہیں۔ آپ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ آپ نے جو مدد کا وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق مدد فرمایئے۔ ابوسفیان تو اپنا قافلہ لے کر بچ نکلا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے قریش کو رائے دی کہ اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں واپس ہونا چاہئے اس پر ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم ہم جب تک بدر نہ پہنچ جائیں واپس نہ ہوں گے وہاں تین دن قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانے کھلائیں گے۔ شرابیں پلائیں گے اور گانے والیاں ہمارے پاس گانے گائیں گی اور عرب میں ہماری شہرت ہو جائے گی پھر وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ بات تو بڑی کہی تھی لیکن قریش کے تکبر اور فخر کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرابوں کی جگہ موت کے پیالے پئے اور گانے والی عورتوں کی بجائے نوحہ کرنے والی عورتوں نے اُن پر نوحہ کیا' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرمایا کہ تم اُن لوگوں کی طرح مت ہو جانا۔ اور مومن کو حکم دیا کہ نیت خالص اللہ کی رضا رکھیں اور دین کی مدد اور نبی اکرم ﷺ کی تائید میں لگے رہیں۔ اھ

اگر لشکر زیادہ ہو تب بھی اترانا اور شہرت کے لئے جنگ کرنا اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کرنا لے بیٹھتا ہے اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ غزوۂ حنین میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کو اولاً شکست ہو گئی کیونکہ انہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا تھا۔ کما قال تعالیٰ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا (الآیۃ) نماز ہو یا جہاد یا انفاق مال یا کوئی بھی نیک عمل ہو اس کا ثواب

اُسی وقت ملتا ہے جبکہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ مال غنیمت ملے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اسکی شہرت ہو اور ایک شخص اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اسکی بہادری کا چرچا ہو تو ارشاد فرمائیے ان میں اللہ کی راہ میں کون ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۱ از بخاری و مسلم)

اکڑ مکڑ اپنی ذات اور جماعت پر بھروسہ یہ سب اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اس سے اخلاص جاتا رہتا ہے جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں اُن میں تواضع ہوتا ہے اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے اللہ ہی کے لئے لڑتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں عین قتال کے موقع پر کافروں کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے ظاہری طور پر اکڑ مکڑ دکھانا بھی اللہ کو محبوب ہے۔ دل میں تواضع اور اللہ پر بھروسہ اور ظاہر میں کافروں کو جلانے کے لئے اتراتے ہوئے کافروں کے مقابلہ میں آنا یہ محبوب و مرغوب ہے۔ فی الحدیث فاما الخلاء التی یحب اللہ فاختیال الرجل عند القتال و اختیاله عند الصدقة (کما فی المشکوٰۃ ص ۲۸۷) حدیث میں ہے وہ اترانے والے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ قتال کے وقت کا اترانا ہے اور صدقہ کے وقت کا اترانا (یعنی صدقہ دل کی خوشی سے اور استغفار سے دے)۔

مشرکین کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ کہ وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، قریش مکہ خود بھی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے۔ اگر اسلام قبول کر لیتے تو جنگ کا موقعہ ہی نہ آتا لیکن ان کی شرارت نفس نے ان کو یہاں پہنچایا کہ بدر میں آ کر مقتول ہوئے۔

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (اور اللہ انکے تمام اعمال سے باخبر ہے لہٰذا وہ ان کو انکی سزا دے گا)

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور جب شیطان نے اُن کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور اُس نے یوں کہا کہ لوگوں میں سے آج تم پر کوئی بھی غلبہ پانے والا نہیں ہے

وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ

اور میں تمہاری حمایت کرنے والا ہوں پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگ نکلا اور اُس نے کہا کہ بلاشبہ میں تم سے بری ہوں

مِّنكُمْ إِنِّي أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

بے شک میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت عذاب والا ہے

مشرکین کو شیطان کا جنگ کے لئے پھسلانا پھر بدر کے میدان کارزار سے بھاگ جانا

تفسیر: شیطان ملعون ہمیشہ سے انسان کا دشمن ہے وہ چاہتا ہے کہ کافر کفر پر جمے رہیں اور اہل اسلام سے جنگ کرتے

رہیں اسکی خواہش ہے کہ کفر پھیلے اور اسلام کی اشاعت نہ ہو جیسے وہ قریش مکہ کے اُس مشورے میں شیخ نجدی کی صورت بنا کر شریک ہو گیا تھا جس میں رسول اللہ ﷺ کے قتل کرنے یا شہر بدر کرنے کے مشورے کر رہے تھے اسی طرح سے وہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی آ موجود ہوا۔ اول تو وہ مکہ معظمہ ہی میں اُس وقت مشرکین کے پاس پہنچا جب وہ بدر کے لئے روانہ ہونے کا مشورہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی انہیں بنی بکر کی دشمنی کا بھی خیال ہو رہا تھا کہ ممکن ہے وہ حملہ کر دیں اس لئے روانہ ہونے میں کچھ جھجک رہے تھے۔ اس موقعہ پر ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں پہنچ گیا (یہ سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ابلیس نے قریش مکہ سے کہا کہ تم لوگ ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آؤ بلکہ چلے چلو میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں۔ آج تم پر کوئی غلبہ پانے والا نہیں ہے۔ یہ تو مکہ میں ہوا پھر وہ بدر میں بھی موجود ہو گیا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کی صفیں مقابلے کے لئے ترتیب دی گئیں تو یہاں بھی وہ مشرکین کی صف میں اسی سراقہ والی صورت میں موجود تھا اور حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے موجود ہیں تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگا حارث نے کہا کہ تو تو جنگ سے پہلے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس پر اس نے حارث کے سینہ میں دھپ مارا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا اور اس نے یوں کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہوئی پھر جب قریش شکست کھا کر مکہ معظمہ پہنچے تو یوں کہنا شروع کیا کہ ہمیں سراقہ نے شکست دی۔ سراقہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ تم لوگ میرے بارے میں ایسا کہتے ہو اللہ کی قسم مجھے تو تمہارے جانے ہی کی خبر نہیں ہوئی مجھے تو تمہاری شکست کی خبر پہنچی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کیا تو فلاں دن ہمارے پاس نہیں آیا تھا؟ اس نے قسم کھا کر کہا مجھے تو اسکی بالکل خبر نہیں پھر سراقہ اور دوسرے لوگ مسلمان ہو گئے تو پتہ چلا کہ یہ شیطان کی حرکت تھی۔ (معالم التنزیل ص ۲۵۵ ج ۲ روح المعانی ص ۱۵ ج ۱۰)

شیطان نے یہ جو کہا کہ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ (میں اللہ سے ڈرتا ہوں) اس کا مطلب حضرت عطاء نے یہ بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگر ہلاک ہونے والوں کے ساتھ مجھے ہلاک نہ کر دے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاک نہ فرما دے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اللہ سخت عقاب والا ہے۔ تم لوگوں پر عذاب آنے ہی والا ہے۔ میں کیوں تمہارے ساتھ شریک رہوں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ابلیس کا کلام إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ پر ختم ہو گیا اور وَٱللَّهُ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ جملہ مستانفہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے یہاں بھی سخت عذاب ہے اور آخرت میں بھی۔ ابلیس اس موقعہ پر جو بھاگ گیا تو وہ اور اس کے ساتھی یہ نہ سمجھیں کہ عذاب سے بچ گئے آخرت کا عذاب تو لازمی ہی ہے جو شدید ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ لَأَمۡلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ أَجۡمَعِينَ۔

إِذۡ يَقُولُ ٱلۡمُنَٰفِقُونَ وَٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمۡۗ

جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال دیا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اور جو کوئی شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلا شبہ اللہ عزت والا ہے غلبہ والا ہے

منافقین کی بداعتقادی اور بدزبانی

تفسیر: منافقین آستین کا خنجر تھے مسلمانوں میں بھی اپنے کو شمار کراتے تھے اور کافر تو تھے ہی۔ ان کا کام یہ تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور مسلمانوں پر طنز کریں۔ ان کی انہیں طنزیہ باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب صحابہؓ تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنے سے تین گنا تعداد سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنے دین پر بڑا غرور ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ حق پر ہیں اس لئے غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ اپنے اس گھمنڈ کی وجہ سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس سے بھڑ رہے ہیں اور کس سے مقابلہ ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غالب ہے وہ توکل کرنے والوں کو ضرور غلبہ دے گا جو اس سے مدد طلب کرے گا خواہ اسکی تعداد تھوڑی ہو وہ اسکی مدد فرمائے گا' وہ حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مدد اور نصرت فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (جن کے دلوں میں مرض ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بھی منافقین مراد ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو قریش مکہ کے ساتھ آ گئے تھے ان کے قلوب میں اسلام کے بارے میں تذبذب تھا' اسی تذبذب کو مرض سے تعبیر فرمایا۔

معلومات ضروریہ متعلقہ غزوۂ بدر

قرآن مجید میں غزوۂ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دو رکوع کے بعد آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱- سترہ رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا۔

۲- مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے اوس میں سے بھی اور خزرج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۶۹ ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۳- قریش مکہ جو بدر میں پہنچے تھے اُن کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ تک کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

۴- جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا اور فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا' پھر ایسا ہی ہوا۔

۵- اس موقعہ پر ستر مشرکین مقتول ہوئے اور ستر افراد قید کر لئے گئے جن کی مشکیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

۶- انہیں مقتول ہونے والوں میں ابوجہل بھی تھا جو مشرکین مکہ کو آمادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دولڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رمق باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعودؓ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہوگئی۔ اس کا کٹا ہوا سر لے کر حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے الحمدللہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں اُمیہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلال کو اسلام قبول کرنے پر مارا پیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سرغنہ بچ کر نہ نکل جائے چنانچہ حضرات انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

۷- جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے انکی نعشوں کو وہیں ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اسے زرہ میں سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اُوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔

۸- جب ان لوگوں کو کنویں میں ڈال دیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اُسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پالیا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بات میں کہہ رہا ہوں، اُن سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (یعنی جیسے تم سن رہے ہو ایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا تھا تا کہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

۹- بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں سے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔

۱۰- فتح یابی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے سے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو فتح یابی کی خوشخبری دینے کے لئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (رقیہ رضی اللہ عنہا) کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کو مریضہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

۱۱- غزوۂ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ حلقے سے نکل کر اُن کے رخسار پر آ پڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو بُلا کر اپنے دست مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا اُن کی یہ آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اُس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہوگئی۔

بعض دیگر صحابہ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تیر آ کر لگا تو اُن کی آنکھ جاتی رہی، رسول اللہ ﷺ نے اُن کی آنکھ پر اپنا لعاب مبارک ڈال دیا وہ بالکل درست ہوگئی۔ [1]

[1] ان مذکورہ امور کے حوالہ کے لئے صحیح بخاری کتاب المغازی اور البدایہ والنہایہ کی مراجعت کی جائے۔

۱۲- جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا۔ جو بدر میں یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔ (قال فی النہایہ ص ۳۲۹ ج ۳) تفرد به احمد وهو علی شرط مسلم۔ (اسے صرف امام احمد ہی نے ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے) صحیح بخاری ص ۵۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ اُن کی والدہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سو اگر وہ جنت میں چلا گیا۔ تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی اُمید رکھتی ہوں اور اگر دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا) تو آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں یعنی رو رو کر ڈھیر کر دوں گی۔ (کمافی روایۃ) آپ نے جواب میں فرمایا۔ افسوس کی بات ہے تم کیا کہہ رہی ہوں۔ وہ کوئی ایک جنت تھوڑی ہی ہے۔ وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ (ص ۳۲۹ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے۔ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آیا جو اُن کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا درجہ ملا کہ فردوس میں داخل کر دیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا دشمن سے مقابلہ کیا اُن کے درجات کا کیا عالم ہوگا۔

۱۳- جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ دوسرے فرشتوں پر اُن کو بھی فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آپ حضرات کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۹ ج ۲)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْۚ

اور اگر آپ دیکھیں جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور اُن کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

اور یوں کہتے ہیں کہ جلنے کا عذاب چکھ لو۔ یہ اُن اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلا شبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے

لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ

والا نہیں ہے۔ جیسا کہ آل فرعون کی حالت تھی اور ان لوگوں کی جو اُن سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا سو

اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ

اللہ نے اُن کے گناہوں کے سبب اُن کو پکڑ لیا۔ بے شک اللہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ بلا شبہ اللہ کسی

مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

نعمت کا بدلنے والا نہیں جو کسی قوم کو دی ہو یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدل دیں اور بلاشبہ اللہ سننے والا

عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

جاننے والا ہے جیسا کہ آلِ فرعون کی اور اُن لوگوں کی حالت تھی جو اُن سے پہلے تھے انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا۔

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ

سو ہم نے اُن کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ہم نے آلِ فرعون کو ڈبو دیا۔ اور یہ سب ظالم تھے، بیشک

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

زمین پر چلنے پھرنے والوں میں اللہ کے نزدیک بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ ایمان نہ لائیں گے

موت کے وقت کافروں کی پٹائی

تفسیر: ان آیات میں اول تو کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جو انہیں موت کے وقت ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ معرکہ بدر میں جو کفارِ قریش مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تھے اور پھر جنگ میں مارے گئے جب وہ مقتول ہو رہے تھے تو فرشتے ان کو ان کے مونہوں پر اور پشتوں پر مار رہے تھے اور موت کے بعد جہنم کے عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر انہیں دے رہے تھے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت مجاہدؒ سے یہی نقل کیا ہے اور دیگر مفسرین نے اس مضمون کو عام بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کا کافروں کے چہروں اور پشتوں پر مارنا مقتولین بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کافروں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ سورہ محمد کی آیت میں ارشاد ہے: فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (سو کیا حال ہو گا جب فرشتے اُن کی روح قبض کر رہے ہوں گے اور ان کے چہروں اور پشتوں پر مار رہے ہوں گے) دوسرا قول راجح معلوم ہوتا ہے اس کے عموم میں مقتولین بدر بھی آ جاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ کہ یہ جو کچھ موت کے وقت اور موت کے بعد سزا ہے تمہارے اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے اور انہیں آگے بھیجتے رہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے) کیونکہ جو سزا اللہ کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے۔ وہ بندوں کے اعمال کا بدلہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ان مجرموں پر جو اللہ کی طرف سے عذاب آیا یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنی آیات بھیجتا ہے۔ یہ آیات آفاقیہ بھی ہوتی ہیں اور آیاتِ انفسیہ بھی ہوتی ہیں اور آیاتِ صحیفہ بھی جو اللہ کی کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہوتی ہیں۔ بندے اگر غور و فکر سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کو پہچانیں اور اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں اور احکامِ الٰہیہ کو بجا لائیں تو ایمان قبول کرنے کی طرف ذہن چلے، مجرمین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اللہ کی آیات کے منکر ہوئے اس کے نبیوں کو جھٹلایا اور

توحید سے انحراف کیا شرک میں مبتلا ہوئے لہٰذا دنیا میں بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے سزایاب ہوئے اور آخرت میں بھی کافروں کے لئے سخت عذاب ہے۔

سابقہ اُمتوں نے آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلایا جس کی وجہ سے ہلاک ہوئیں: پھر بطور مثال کے فرمایا: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الآیۃ) (جیسا کہ فرعون اور اُن لوگوں کی حالت تھی جو ان سے پہلے تھے) اس میں یہ بتایا ہے کہ جیسے آلِ فرعون اور اُن سے پہلے لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوا اسی طرح اس زمانہ کے مجرمین کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ کے دین پر نہ آئیں گے اللہ کے نبیوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلائیں گے تو یہ بھی مستحق عذاب ہوں گے پھر ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (کسی قوم کو اللہ نے جو نعمت عطا فرمائی اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہ بدلیں) جب لوگ خود بدل جاتے ہیں۔ کفر و شرک اختیار کرتے ہیں نافرمانیوں پر تل جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ جب لوگ ایمان کو چھوڑ دیں اچھے اعمال کو ترک کر دیں برے اعمال میں لگ جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت میں بھی تغیر آ جاتا ہے۔ یہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور بندے نقمت اور عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے) سب کے اقوال کو سنتا ہے سب کے احوال کو جانتا ہے۔ کسی میں کیسا ہی کوئی تغیر فعلی یا قولی ہو جائے وہ سب سے باخبر ہے۔

اس کے بعد مکرر آلِ فرعون اور اُن سے پہلے لوگوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔

پہلے كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فرمایا اور دوسری جگہ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا بھی انہوں نے خیال نہ کیا جس نے پیدا فرمایا، پرورش فرمائی، پرورش کے سامان پیدا فرمائے۔ حاجات پوری کیں، اُسکی آیات کو جھٹلانا سراسر ناشکری اور بے عقلی ہے لہٰذا اُن کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا گیا۔ پھر آلِ فرعون کے غرق کئے جانے کی تصریح فرمائی۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ (اور ہم نے فرعون والوں کو ہلاک کر دیا)

آخر میں فرمایا: وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ اور یہ سب آل فرعون اور اس سے پہلے تکذیب کرنے والی امتیں تھیں (جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد اور ثمود) یہ سب ظالم تھے انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کفر اختیار کیا اور معاصی میں بڑھتے چلے گئے۔ ان کی حرکتیں اُن کی بربادی کا باعث بنیں۔

اہل کفر جانوروں سے بدتر ہیں: پھر فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیۃ) (بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ بُرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا) الدواب، دَابَّة کی جمع ہے، ہر وہ چیز جو زمین پر چلے پھرے لغوی اعتبار سے یہ لفظ سب کو شامل ہے۔ لیکن محاورات میں دابة چوپائیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۲۱ ج ۱۰ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شَرُّ النَّاس نہیں فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ گویا یہ لوگ جنس انسانی سے نہیں ہیں جنس دواب میں سے ہیں اور اس جنس کے بدترین افراد میں سے ہیں فَهُم

لَا يُؤْمِنُوْنَ (سو یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے) ان کی سرکشی بہت آگے بڑھ گئی ہے اور کفر میں راسخ اور مضبوط ہو چکے ہیں لہٰذا یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک نہ کریں۔ آپ کے کرنے کا جو کام تھا (یعنی دعوتِ حق اور بلاغ مبین) وہ آپ کر چکے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا
یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں۔ اور وہ نہیں ڈرتے۔ سو اگر
تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا
آپ ان کو جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعہ ان لوگوں کو منتشر کر دیجئے جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ اُن کو عبرت حاصل ہو اور اگر
تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اُن سے جو عہد آپ نے کیا ہے وہ انکی طرف پھینک دیجئے تاکہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو
الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾
دوست نہیں رکھتا

کافر لوگ معاہدہ کے بعد غدر کرتے ہیں انہیں عبرت ناک سزا دو

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلی آیت اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ میں یہود بنی قریظہ کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کریں گے۔ پھر انہوں نے ہتھیار دے کر مشرکین کی مدد کی جب ان سے سوال کیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ اس کے بعد پھر معاہدہ کیا تو اسے بھی توڑ دیا اور غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے مددگار بن گئے۔ ان کا سردار (کعب بن اشرف) مکہ معظمہ گیا اور اس نے مشرکین مکہ سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کریں گے۔

اسی کو فرمایا ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ (پھر ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں) وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ اور وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور عہد شکنی کی بدنامی سے بھی نہیں بچتے۔

پھر فرمایا: فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ (سو اگر آپ انہیں جنگ میں پالیں تو ان کے ذریعے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے پیچھے ہیں) یعنی لڑائی کے موقعہ آپ اُن پر ایسا حملہ کریں کہ یہ ناکام ہو جائیں۔ ان کی ناکامی اور آپ کی کامیابی کا جب شہرہ ہو گا تو ان کے پیچھے یعنی ان کے علاوہ جو بہت سے قبائل ہیں وہ بھی منتشر ہو جائیں گے اور آپ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کریں گے لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو اور وہ جان لیں کہ نقض عہد کرنے والوں کا اور کفر سے چمٹنے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اہل ایمان کو غدر اور خیانت کی اجازت نہیں: اہل ایمان کو کبھی نقضِ عہد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب دشمن سے خطرہ ہو کہ وہ اپنا عہد توڑنے والا ہے اگر ہم نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور اچانک غفلت میں انہوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ ایسے موقعہ پر طریق کار یہ ہے کہ خود ان پر غفلت میں حملہ نہ کریں۔ ہاں ایسا کریں کہ پہلے اعلان کر دیں اور ان کو بتا دیں کہ ہمارا تمہارا جو معاہدہ تھا ہم اُسے ختم کر رہے ہیں۔ اسی کو فرمایا۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو جو عہد آپ نے اُن سے کیا ہے وہ انکی طرف پھینک دیجئے تاکہ آپ اور وہ اس بات کے جاننے میں برابر ہو جائیں کہ اَب معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر معاہدہ کیا اور ان کا معاہدہ واپس نہ کیا اور معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع کے بغیر اُن پر حملہ کر دیا تو یہ غدر ہوگا اور خیانت ہوگی جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اسی کو فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) ہو سکتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آ جاتی کہ چونکہ دشمن دشمن ہے کچھ بھروسہ نہیں کہ اپنا عہد توڑ دے۔ اس لئے ہم اپنی حفاظت کے لئے پہلے حملہ کر دیں تو ہماری حفاظت ہو جائے گی۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے یہ نصیحت فرمائی کہ گو کافر تمہارے دشمن ہیں لیکن جب معاہدہ ہو گیا تو اب تمہارے لئے معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر اُن سے عہد کی خلاف ورزی کا ڈر ہے تو تم پہلے انہیں بتا دو کہ ہمارا عہد ختم ہے اس کے بعد تمہیں حملہ کرنا جائز ہو گیا۔ سبحان اللہ عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ اور ان چار میں سے جس میں ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا۔ جب تک اُسے چھوڑ نہ دے۔

۱- جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

۲- اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳- اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔

۴- اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (رواہ البخاری ص ۴۵۱ ج ۱)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اُس نے غدر کیا۔ اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اسکی قیمت کھا گیا' اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے پورا لے لیا اور اسکی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری ص ۳۰۲ ج ۱)

نیز رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ۔ جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو (بھی) نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۴۴۸ ج ۱)

فائدہ: اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر دے اور پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ مثلاً وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں یا اور کوئی ایسی خلاف ورزی کر دیں جس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہو تو پھر اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو اور اُن کو اس کی اطلاع دینی ہو تو اُن کے ہر ہر فرد کو اطلاع دینا ضروری نہیں جب اُن کے صاحبِ اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے۔ (ذکر صاحب الھدایۃ باب الموادعۃ ومن یجوز امانہ)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ

اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ آگے بڑھ کر بچ نکلے۔ وہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے' اور ان کے مقابلہ کے لئے تیاری کرو

مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ

جو کچھ تم سے ہو سکے قوت سے بھی اور پلے ہوئے گھوڑوں سے بھی' اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور اُن لوگوں کو

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ

جو ان کے علاوہ ہیں ڈراتے رہو' تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔ اور جو بھی کوئی چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا

دشمنوں سے مقابلہ کے لئے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کفار جو جنگ کے موقعہ پر بچ کر نکل گئے مقتول بھی نہ ہوئے اور قید میں بھی نہ آئے یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے اور بچ نکلے تو کامیاب ہو گئے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقتی طور پر بچ جانا مستقل بچاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے' وہ چاہے گا تو دنیا میں بھی انہیں عقوبت میں مبتلا فرمائے گا اور آخرت میں تو بہر حال ہر کافر کے لئے سخت سزا ہے جس کا بیان قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے کے لئے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ لفظ مَا اسْتَطَعْتُمْ بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیاری کرنے کو شامل ہے اور مِنْ قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے' جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو ان سب کا بنانا فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد و اتفاق اور باہمی مشورہ۔ یہ سب لفظ مِنْ قُوَّةٍ میں داخل ہیں۔ نیز مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم فرمایا آیت بالا میں جو مِنْ قُوَّةٍ فرمایا

کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اسکی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلَآ اِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ.
اَلَآ اِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ. اَلَآ اِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ. یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا (رواہ مسلم ص ۱۴۲ ج ۱)
اور تیر پھینکنے کی قوت اس لئے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ دو بدو سامنے آ جائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑیگا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جاسکتا ہے اسی لئے غزوۂ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آ جائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا۔ (رواہ البخاری ص ۵۶۷)

مطلب یہ ہے کہ جب دشمن دُور ہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین میں گر جائیں گے۔ جب دشمن اتنا قریب آ جائے کہ ان کو تیر لگ سکے تو اُن پر تیروں کی بوچھاڑ کر دو رہا مسئلہ تلوار سے قتال کرنے کا تو جب بالکل سامنے آ جائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعہ جنگ کی جائے۔

اَلَا اِنَّ الْقُوَّۃَ الرَّمْیُ کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے جو الا اِن القوۃ الرمی فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب بھی کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی عموم میں داخل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کرلیں اور خود بنائیں۔ ضرورت پڑے تو دوسروں سے بھی خرید سکتے ہیں لیکن صرف خریداری ہی پر موقوف نہ رکھیں آجکل تو جدید اسلحہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں۔ اور کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے، وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں اپنا راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ۔ (اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو) جب طاقت ہوگی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے۔

وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ جو فرمایا اس کے بارے میں حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے یہود کا قبیلہ بنو قریظہ مراد ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں میں مل جل کر رہتے ہیں اور اندر سے دشمن ہیں ان کو تمہاری طاقت کا پتہ ہوگا تو خود بھی ڈریں گے اور دوسروں کو بھی حملہ کرنے کی دعوت نہ دیں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فارس اور روم کے کافر مراد ہیں۔ جن سے نزول قرآن کے وقت تک مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں حضرات صحابہ نے ان کو شکست دی اور اُن کے ممالک فتح کئے۔ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ میں اس طرف اشارہ ہے،

پھر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔ (اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ثواب ضائع کر دیا جائے۔ چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کے لئے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو بھی کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۱﴾

اور اگر وہ لوگ صلح کے لئے مائل ہو جائیں تو آپ بھی اس کے لئے مائل ہو جائیں۔ اور اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے

وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بیشک اللہ آپ کو کافی ہے اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ

وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

اور اہل ایمان کے ساتھ آپ کو قوت دی اور اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا فرمائی۔ اگر آپ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے

مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۳﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ

تب بھی آپ اُن کے دلوں میں اُلفت پیدا نہیں کر سکتے تھے اور لیکن اللہ نے اُن کے درمیان الفت پیدا فرمائی بے شک وہ غلبہ والا ہے اے نبی!

حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کو اللہ کافی ہے اور وہ مومن بندے جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔

دشمن صلح پر آمادہ ہوں تو صلح کی جا سکتی ہے

تفسیر: اس سے پہلی آیات میں جہاد کے لئے سامان تیار کرنے کا حکم تھا اور نقض عہد کے سلسلہ میں بعض ہدایات دی تھیں۔ ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ دشمن اگر صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیں۔ یہ امر وجوبی نہیں ہے موقع مصلحت سے متعلق ہے۔ اگر اس میں دار الاسلام اور اہل اسلام کی مصلحت ہو تو صلح کی جا سکتی ہے۔ جنگ کرنا مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اگر صلح سے کام چلتا ہو تو صلح کر لیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ان سے جزیہ لینا قبول کر لیں۔ صلح کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ وہ لوگ اس کی بنیاد پر ملیں جلیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کے ملک میں آنا جانا ہوگا۔ اس سے اہل کفر مسلمانوں کے اخلاق و اعمال سے اذان اور نماز سے متاثر ہوں گے اور اسلام کی طرف راغب ہوں گے۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ لفظ وَاِنْ جَنَحُوْا میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان خود سے صلح کی پیش کش نہ کریں۔

اور وہ لوگ پیش کش کریں تو صلح کر لیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

واذا رای الأمام أن یصالح أهل الحرب أو فریقاً منه و کان فی ذلک مصلحة للمسلمین فلا بأس به لقوله تعالٰی وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ لأن الموادعة جهاد معنیً اذا کان خیرا للمسلمین لأن المقصود هو دفع الشر حاصل به بخلاف ما اذا لم تکن خیرا لأنه ترک الجهاد صورةً و معنی ص۵۶۳ ج۱)۔ (اور جب امام تو اہل حرب سے یا ان کے کسی فریق سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس میں مسلمانوں کے حق میں بھلائی ہو تو صلح میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور اگر کافر صلح پر آمادہ ہوں تو آپ بھی تیار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں) اور اس لئے بھی کہ لڑائی کا چھوڑنا بھی معنیً جہاد ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو کیونکہ مقصود شر کا دفع کرنا ہے جو اس سے حاصل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ صلح میں مسلمانوں کی بھلائی نہ ہو تو پھر یہ جہاد کو چھوڑنا ہے صورۃً بھی اور معنیً بھی) وان جنحوا سے بعض اکابر نے جو یہ استنباط کیا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی پیش کش نہ ہو اسکی تائید سورۂ محمد کی آیت فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ سے بھی ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی ایسی مجبوری ہو جائے کہ مسلمان کسی جگہ نرغے میں آ جائیں اور صلح کے بغیر کوئی صورت چھٹکارے کی نہ ہو تو اپنی طرف سے بھی صلح کی پیش کش کی گنجائش ہے رہی یہ بات کہ ہو سکتا ہے کہ کافر صلح کر کے بدعہدی کر دیں اور حملہ آور ہو جائیں۔ اس کے لئے فرمایا: وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ (اور آپ اللہ پر بھروسہ کریں بلا شبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے) اگر صلح میں مصلحت دیکھیں تو آپ صلح کریں ایسے احتمالات کو بنیاد بنا کر صلح کی پیش کش کو نہ ٹھکرائیں۔

پھر فرمایا: وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۔ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینے کا ذریعہ بنائیں تو اللہ آپ کی مدد کے لئے کافی ہے ان کا مکر و فریب اور چالبازی سب خاک میں مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب فرمائے گا۔

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ اللہ وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعہ آپ کو قوت عطا فرمائی۔ (جس میں فرشتوں کا غیبی امداد کرنا بھی شامل ہے) اور اس نے مسلمانوں کے ذریعہ بھی آپ کو قوت دی اور مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ رہا جنہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی۔

مزید فرمایا: وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (اور اللہ نے مومنین کے دلوں میں اُلفت پیدا فرمائی) یہ آپس کی الفت و محبت ایسی چیز ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں جمنے اور اُن کو زک دینے اور زیر کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ جو لوگ زمانہ کفر میں آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق دی پھر ان کے قلوب میں الفت محبت پیدا کر دی۔ جس کو آل عمران میں فرمایا: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ۔ (اور یاد کرو اللہ کے اس انعام کو جو اس نے تم پر فرمایا جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی) یہ الفت پیدا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے یہ محبت پیدا ہوئی۔ اسی کو فرمایا: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۔ (اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر دیتے جو زمین میں ہے۔ تب بھی اُن کے درمیان الفت پیدا نہیں

کر سکتے تھے لیکن اللہ نے انکے درمیان اُلفت پیدا فرمائی) پھر فرمایا: اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۔ (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے)۔

اس کے بعد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ (اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور مومنین کافی ہیں جنہوں نے آپ کا اتباع کیا۔ اصل مدد تو اللہ ہی کی ہے۔ جو حقیقی مدد ہے اور ظاہری اسباب کے طور پر مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت بھی آپ کے ساتھ ہے۔ یہ حضرات آپ کا اتباع کرنے والے ہیں جہاں دیگر مسائل معاد اور اسباب معاش میں آپ کا حکم بجالاتے ہیں وہاں جہاد میں بھی وہ دل سے اور جان و مال سے آپ کا اتباع کرنے والے ہیں' اہل ایمان کی جماعت مخلص ہو رسول کی متبع ہو متحد اور مجتمع ہو تو پھر دشمن ان پر غالب نہیں آسکتا۔ صاحب روح المعانی ص ۳۰ ج ۱۰ نے حضرت ابن المسیبؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس دن نازل ہوئی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی تھی (اس کے بعد برابر تعداد بھی بڑھتی رہی اور قوت و شوکت میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ والحمد للہ علی ذٰلک۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِؕ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ
اے نبی آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں سے بیس افراد ثابت قدم رہنے والے ہوں گے
یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ
تو دو سو پر غالب ہو جائیں گے' اور اگر تم میں سے سو افراد ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے کہ
قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًاؕ فَاِنْ یَّكُنْ
یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے جان لیا کہ بے شک تمہارے اندر کمزوری ہے۔ سو اگر تم میں سے
مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ
ثابت قدم رہنے والے سو افراد ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے' اور اگر تم میں سے ایک ہزار افراد ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر
بِاِذْنِ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۶۶﴾
غالب ہوں گے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے

دشمن کی دوگنی تعداد ہو تب بھی راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مومنین کو جہاد کی ترغیب دیں۔ آپ جہاد کی ترغیب دیتے تھے اور اس کے منافع بتاتے تھے جس میں سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے آپ کی ترغیب اور تحریض پر حضراتِ صحابہؓ خوب ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے تھے اور جانیں دیتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں میں سے اگر بیس آدمیوں کی تعداد ہوگی اور وہ ثابت قدمی کے ساتھ جم کر لڑیں گے تو

اپنے مقابل کافروں کے دوسو افراد پر غالب آئیں گے اور اگر سو مسلمان ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی تھا اور اس وعدہ میں یہ حکم بھی مضمر ہے کہ مسلمان اپنے سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں راہِ فرار اختیار نہ کریں اور جم کر لڑیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس گنا تعداد کے مقابلہ میں غلبہ پانے کا وعدہ ہو گیا تو اب راہِ فرار اختیار کرنے کا کوئی موقع نہ رہا۔

صاحب روح المعانی ص ۱۳۱ ج ۱۰ میں لکھتے ہیں۔ **شرط فی معنی الامر بمصابرة الواحد العشرة والوعد بأنهم إن صبروا غلبوا بعون الله و تائیده فالجملة خبریة لفظاً انشائیة معنیً** ۔ (یہاں سے دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مومن کے غلبہ کے معاملہ میں صبر کی شرط لگائی گئی ہے اور وعدہ اس طرح ہے کہ اگر یہ صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید سے غالب آئیں گے پس جملہ لفظی طور پر تو خبریہ ہے مگر معنیً انشائیہ ہے)

یہ جو فرمایا: بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ اس میں یہ بتایا کہ کافر اس وجہ سے مغلوب ہوں گے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے' اللہ کو اور آخرت کے دن کو نہیں جانتے' وہ ثواب کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے نہیں لڑتے اُن کا لڑنا حمیت جاہلیہ اور شیطان کے اتباع کی وجہ سے ہے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ اللہ کی رضا کے لئے اور اس کا بول بالا کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ لامحالہ وہ غالب ہوں گے اور کافر مغلوب ہوں گے۔ **(کذافسره صاحب الروح)**

اس کے بعد فرمایا: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۔ اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت امام بخاریؒ نے ص ۶۷۷ ج ۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب پہلی آیت اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ بات بھاری معلوم ہوئی کہ دشمن کے افراد دس گنے ہوں تب بھی ان کے مقابلہ سے راہ فرار کرنے کی اجازت نہیں' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گنے افراد سے مقابلہ کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اسکے بجائے یہ حکم دے دیا کہ سو افراد دوسو کے مقابلے میں راہ فرار اختیار نہ کریں (یعنی دوگنی جماعت کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنا ممنوع ہو گیا) حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور دس گنا افراد کے مقابلہ میں لڑنے کا جو حکم تھا اس کے بجائے اپنے سے دوگنی جماعت سے لڑنے کا حکم دے دیا اور راہ فرار اختیار کرنے سے منع فرما دیا تو اسی قدر ان کے صبر میں سے کمی فرمادی۔

بعض حضرات نے عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عہد اول میں حضرات صحابہؓ اگرچہ عدد میں تھوڑے تھے لیکن توکل علی اللہ ان میں بہت زیادہ تھا۔ لہٰذا دس گنی جماعت سے بھی ثبات قدمی کے ساتھ لڑ سکتے تھے بعد میں مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو ان بعد کے آنے والے مسلمانوں میں صبر و استقامت کی وہ شان نہیں تھی جو اُن سے پہلے والوں میں تھی اور کچھ کثرت پر بھی اعتماد ہو گیا۔ لہٰذا ضعف کی شان پیدا ہو گئی۔ اللہ جل شانہٗ نے دس گنا افراد کے مقابلہ کے بجائے دوگنا افراد سے مقابلہ کا حکم دے دیا اور ان کے مقابلہ سے راہِ فرار اختیار کرنے کی ممانعت فرمادی۔ یہ تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ اسی سورت کے دوسرے رکوع میں اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ جو گزرا ہے۔ (اسکی تفسیر دوبارہ دیکھ لی جائے) قانون تو یہ بنادیا کہ دُگنی تعداد کے مقابلہ میں راہِ فرار اختیار نہ کریں۔ لیکن اللہ جل شانہٗ نے ہمیشہ مسلمانوں

کی مدد فرمائی۔ فارس اور روم کے جہادوں میں بھاری تعداد میں دشمن سامنے آئے اور مسلمانوں کی تعداد کم ہونے پر بھی دشمنان دین کو شکست ہوئی جس کے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اس میں یہ بتا دیا کہ طاعت پر جمنے والوں اور معصیت ترک کرنے والوں کا اللہ ساتھی ہے یعنی وہ ان کی مدد فرمائے گا۔ لہٰذا مومن بندوں کو طاعات کی پابندی اور معاصی سے ہمیشہ اجتناب لازم ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو اور میدان جنگ میں بھی ثبات قدمی کی ضرورت ہے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد دلانے کا ذریعہ ہیں۔ ثبات قدمی کا آیت میں دو جگہ تذکرہ فرمایا ہے عِشرون کے ساتھ صابرون فرمایا اور مائة کے ساتھ صابرة فرمایا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ
نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے پاس قیدی موجود رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے، تم
الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ
دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا
سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ
تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا، سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں،
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾
اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب

تفسیر: پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کیساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجئے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور اس وقت ان سے فدیہ لے لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے، اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اجازت دیجئے کہ ہم انکی گردنیں مار دیں، اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسی جگہ دیکھئے۔ جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو اختیار فرما لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ جو اُوپر پہلی

دو آیتوں میں مذکور ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا کر آپ کی موافقت کرلوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اُس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت سے وَرے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کر لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند تھی۔ اس لئے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انہیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہئے تاکہ کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی ان کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ اُمید ہے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ اور دوسری مصلحت یہ تھی اس وقت مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے مال مل جائیگا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ کہ تم دنیا کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو، تمہیں آخرت میں اُجور اور ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو اور زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے موافق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اُتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ (اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تم کو بڑا عذاب پہنچ جاتا) اس نوشتہ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضراتِ مفسرین نے حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اُم الکتاب میں چونکہ یہ لکھ دیا تھا کہ مالِ غنیمت امت مسلمہ کے لئے حلال ہوں گے (جس میں قیدیوں سے فدیہ لینا بھی شامل ہے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب روک لیا۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عطاءؒ اور حضرت حسن بصریؒ اور حضرت قتادہؒ اور حضرت اعمشؒ سے یہ بات نقل کی ہے اور لکھا ہے مفسر ابن جریج نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ص ۳۴ ج ۶ ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی کہ جب تک کسی قوم کے لئے بطور امر و نہی واضح طور پر حکم بیان نہ ہو جائے اس وقت تک عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نہ ہوگا تو عذاب آ جاتا۔ چونکہ واضح طور پر فدیہ لینے کی ممانعت بیان نہیں ہوئی تھی اس لئے عذاب روک دیا گیا۔ صاحب رُوح المعانی نے

اس قول کو بھی حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے' پھر ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر اور مقدر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا۔ جیسا کہ اس سورہ کے رکوع نمبر ۴ میں گزر چکا ہے۔ اس لئے عذاب نہیں آیا اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی زبانی یہ اعلان ہو چکا تھا کہ جو لوگ بدر میں شریک ہوئے تھے انکی مغفرت کر دی گئی (اور رائے دینے والوں میں مشورہ دینے والے بھی تھے) اسلئے عذاب نہیں آیا۔ پھر صاحب روح المعانی نے ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے چونکہ یہ مقرر تھا کہ جو فدیہ تم نے لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ اس لئے عذاب نہیں بھیجا۔ پھر اس پر کچھ سوال و جواب بھی کیا ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر یہ تمام چیزیں مراد ہوں جو مختلف اقوال کی صورت میں بیان ہوئیں تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں ہے۔ **وبھذا یُجمع بین الروایات المختلفة عن الحبر فی بیان ھذا الکتاب و ذلک بان یکون فی کل مرة ذکر امرا واحدا من تلک الامور' والتنصیص علی الشیٔ بالذکر لا یدل علی نفی ماعداہ ولیس فی شیٔ من الروایات ما یدل علی الحصر فافھم.** اھ (اور اسی سے ان مختلف روایات میں تطبیق ہوتی ہے جو اہل علم سے اس نوشتۂ الٰہی کا ذکر کر دیا گیا۔ اور کسی ایک چیز کے ذکر کی صراحت دوسری چیزوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور روایات میں کوئی ایسی بھی نہیں ہے جو کسی ایک کے حصہ پر دلالت کرے)

قیدیوں کے احکام: اگر کافر قید میں آ جائیں تو امیر المؤمنین کو ان کے بارے میں کن باتوں کا اختیار ہے۔ اس میں چار چیزوں کا ذکر آتا ہے۔ یہاں سورۂ انفال میں قتل کرنے اور فدیہ لینے کا ذکر ہے اور سورۂ محمد میں مزید دو باتوں کا ذکر ہے (فَاِمَّا مَنًّا ۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً)

احسان کر کے چھوڑ دینا یا اپنے قیدیوں سے مبادلہ کر لینا یعنی اپنے قیدی لے کر ان کے قیدی چھوڑ دینا۔ ان چار چیزوں میں سے اب کس کس چیز کو اختیار کرنے کی اجازت ہے اس میں حضرات فقہاء کرام نے کچھ تفصیل لکھی ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے۔ چاہے تو کافر قیدیوں کو قتل کر دے اور چاہے تو انہیں ذمی بنا کر دارالاسلام میں رکھ لے۔ البتہ مشرکین میں جو اہل عرب ہوں اور جو مرتد ہوں ان کو ذمی بنا کر نہیں رکھا جا سکتا۔

اب رہی یہ بات کہ آیا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور مبادلہ کے کافر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے؟ تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا' اور حضرات صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے۔ اور کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

البتہ امام محمدؒ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ اور بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا نہ قیدیوں کا مبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اس کو بھی جائز کہتے ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن ص ۳۹۲ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ براءۃ سورۂ محمد (ﷺ) کے بعد نازل ہوئی۔ سورۂ محمد میں جو مَنّ اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۂ براءۃ کی آیات فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ نے منسوخ کر دیا۔ لہٰذا اب فداء

اور مَن کی اجازت نہیں رہی۔ فوجب ان یکون الحکم المذکور فیھا ناسخا للفداء المذکور فی غیرھا اھ۔

اس کے بعد فرمایا فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا (سو کھاؤ اس میں سے جو تمہیں بطور غنیمت کے مل گیا حلال پاکیزہ ہونے کی حالت میں) بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیکر جو اُن کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اس پر عتاب تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مہربانی سے اس مال کو حلال اور طیب قرار دے کر کھانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ (کہ اللہ سے ڈرو) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے احتراز کرو اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ (بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اس نے تمہارے گناہ معاف فرمائے) رَّحِيْمٌ (رحم فرمانے والا) جو کچھ تم نے کافروں سے لیا اس کے بارے میں تم پر رحم فرما دیا۔ اور تمہارے لئے حلال قرار دے دیا۔

مفسر ابن کثیر ص ۳۲۶ ج ۲ نے لکھا ہے۔ فعند ذلک اخذوا من الاساری الفداء جس کا مطلب یہ ہے کہ مال لینے کے فیصلے پر عتاب ہوا تھا پھر جب مال لینے کی اجازت دے دی گئی تو قیدیوں سے مال وصول کر لیا گیا۔

اور معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ

جب پہلی آیت نازل ہوئی تو جو کچھ بطور فدیہ مال لے چکے تھے۔ اس سے پرہیز کرتے رہے جب آیت فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ نازل ہوئی تو اس مال کو استعمال کر لیا' ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں سے پہلے مال لے لیا گیا ہو۔ اور اقرب یہی ہے کیونکہ سب کے پاس اُس وقت اموال موجود نہیں تھے۔ قیدیوں میں حضور اقدس ﷺ کے داماد ابو العاص بن الربیع اور آپ کے چچا عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔

آپ نے صحابہ سے اجازت لے کر ابو العاص کو فدیہ لئے بغیر چھوڑ دیا اور ان سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ پہنچ کر زینب کو بھیج دینا۔ (زینب آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں) آپ نے جب ہجرت فرمائی تھی تو وہ وہیں رہ گئی تھیں۔ اس لئے ان سے فرمایا کہ زینب کو بھیج دینا' انہوں نے وعدہ کو پورا کیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیا۔ اور پھر بعد میں خود بھی اسلام قبول کر لیا۔ کما ذکرہ الحافظ ابن حجر فی الاصابة فی حرف العین. (جیسا کہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں حرف عین کے باب میں ذکر کیا ہے)

حضرت عباس مشرکین کے لشکر میں آئے تھے اور بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تاکہ اپنے ساتھیوں کو کھلاتے پلاتے رہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا) اب ان کے پاس بیس اوقیے رہ گئے تھے۔ وہ بیس اوقیے صحابہؓ نے اُن سے مقام بدر میں لے لئے تھے۔ جب قید کر کے لائے گئے اور اُن سے سوال ہوا کہ فدیہ دو تو انہوں نے کہا کہ وہ جو بیس اوقیے لے لئے ہیں انہیں کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیں' آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تم ہمارے مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے لے کر آئے تھے وہ تمہارے حساب میں نہیں لگ سکتی۔ عباس نے یوں بھی کہا کہ یا رسول اللہ میں تو مسلمان تھا آپ نے فرمایا اگر تم مسلمان تھے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے دے گا۔ ہمارے نزدیک بظاہر تم مقابلہ کرنے کے لئے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ لہٰذا تم اپنی جان کا بھی فدیہ دو اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابی طالب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا بھی فدیہ دو۔ عباس نے کہا کہ اے محمدؐ تم مجھے اس حال میں چھوڑنا چاہتے ہو کہ زندگی بھر قریش سے بھیک مانگا کروں۔ میرے پاس

12

اتنا مال نہیں ہے کہ اس قدر فدیہ دے سکوں۔ آپ نے فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے مل کر دفن کیا ہے۔ تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اگر میں اس سفر میں مقتول ہو گیا تو یہ مال میرے بیٹوں عبداللہ اور عبید اللہ اور فضل اور قثم کے کام آئے گا۔ عباس نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ اس بات کا علم میرے اور اُم الفضل کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب تعالیٰ شانہٗ نے بتایا۔ اس پر عباس کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں اور وہ بات پھر دہرائی کہ وہ جو بیس اوقیہ میدان جنگ میں مجھ سے لے لیا گیا ہے۔ وہ میرے فدیہ کے حساب میں لگا لیا جائے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ وہ حساب میں نہیں لگ سکتا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں (بطور مال غنیمت کے) عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا عباس نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دونوں بھتیجوں کا بھی اور اپنے حلیف کا بھی۔ (من معالم التنزیل ص ۲۶۳ ج ۲ و ابن کثیر ص ۳۶۷ ج ۲)

حضرت عباس نے اپنا اسلام تو فدیہ کے دن ہی ظاہر کر دیا تھا لیکن اس وقت مکہ معظمہ چلے گئے تھے پھر مکہ معظمہ فتح ہونے سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ (کما فی الاصابہ حرف العین)

فائدہ: معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ہر قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ہر اوقیہ چالیس درھم کا ہوتا تھا اس طرح سے ہر قیدی کا فدیہ سولہ سو درہم ہوا۔ اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ سو اوقیہ تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بعض اقوال ہیں۔

فائدہ: چونکہ صحابہ کے مشورے سے یہ طے ہو گیا تھا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اور جو مال ان سے لے لیا گیا اس میں صحابہ کا بھی حصہ ہو گیا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس میں کسی اپنے پرائے کی رعایت نہیں فرمائی اپنے چچا عباس سے بھی فدیہ لیا اور اپنے دو چچا زاد بھائیوں کا فدیہ بھی چچا سے وصول فرمایا۔ انہوں نے جو یہ کہا کہ میں مسلمان تھا (زبردستی جنگ میں شریک کر لیا گیا) تو اس کے جواب میں آپ نے صاف طور پر فرما دیا کہ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے ہم تو ظاہر پر قانون نافذ کرنے والے ہیں۔ تم مخالفین کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہو کر آئے تھے۔ قیدی ہو گئے ہم تو فدیہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ لہٰذا اُن سے فدیہ لیا۔ صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۱ میں ہے کہ انصار میں سے بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اجازت دیجئے کہ ہم عباس کی جان کا بدلہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی نہ چھوڑو اور اپنے داماد ابو العاص ابن الربیع کا جو فدیہ چھوڑا وہ بھی حضرات صحابہؓ سے اجازت لے کر چھوڑا تھا۔ یہ قانون میں مساوات اختیار کرنے کا ایک نمونہ ہے لوگ مساوات کا نام تو لیتے ہیں لیکن جب اپنے پرائے کا سوال آتا ہے تو قانون بھول جاتے ہیں قانون غیروں کے لئے ہوتا ہے اور اپنی جان اور اپنے لوگ قانون سے بالا تر ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کے طریقے کے خلاف ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّمَن فِىٓ أَيْدِيكُم مِّنَ ٱلْأَسْرَىٰٓ إِن يَعْلَمِ ٱللَّهُ فِى قُلُوبِكُمْ

اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں اُن سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں

خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾

ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو عطا فرما دے گا، اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ ؕ وَاللّٰہُ

اور اگر وہ لوگ آپ کی خیانت کا ارادہ کریں سو وہ اس سے پہلے اللہ کی خیانت کر چکے ہیں پھر اللہ نے ان پر قابو دے دیا۔ اور اللہ

عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۷۱﴾

جاننے والا ہے حکمت والا ہے

بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ

تفسیر: مفسر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب عباس بن عبدالمطلب نے یہ کہا کہ میں تو مسلمان تھا اور میرا مال جو غزوۂ بدر میں لے لیا گیا ہے اسی کو میری جان کے فدیہ میں لگا لیا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے انکار فرما دیا جس پر انہوں نے اپنا اور مزید تین آدمیوں کا فدیہ دیا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی نازل فرمائی جس میں یہ فرمایا کہ اے نبی جو قیدی آپ کے قبضہ میں ہیں ان کو فرما دیں اگر تمہارے دل میں ایمان ہے جس کا علم اللہ کو ہے تو اللہ تم کو اس سے بہتر عطا فرما دے گا جو تم سے لیا گیا اور اللہ تمہیں بخش دے گا۔ حضرت عباس جب پوری طرح اسلام میں داخل ہو گئے تو انہوں نے اس وعدہ کو سچا پایا۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس اوقیہ کی جگہ بیس غلام عطا فرمائے ہیں جو مال کما کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی اُمید بھی رکھتا ہوں کیونکہ آیت شریفہ میں اس کا بھی وعدہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو مال مجھ سے لیا گیا تھا اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے چالیس غلام عنایت فرمائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو گنا مال عطا فرما دیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ سبب نزول خواہ حضرت عباسؓ ہی کا واقعہ ہو لیکن الفاظ آیت کا عموم تمام قیدیوں کو شامل ہے لما قالوا من أن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب اھ۔ (اس وجہ سے کہ علماء نے کہا ہے کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے سبب کی خصوصیت کا نہیں ہوتا)

پھر فرمایا: وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ کہ یہ قیدی اگر آپ کی خیانت کا ارادہ کریں۔ واپس جا کر جنگ کرنے کی نیت سے لوٹ آئیں یا آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد کرنے لگیں تو آپ فکر مند نہ ہوں۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خیانت کر چکے ہیں اللہ نے جو ہر عاقل سے توحید کے بارے میں عہد لیا تھا اسے توڑا اور کفر اختیار کیا پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو اُن پر قدرت دے دی اور انہیں بدر میں مقتول کروا دیا اور قیدی بنا کر مدینہ میں حاضر کروا دیا۔ اگر پھر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ پھر آپ کی مدد فرمائے گا وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ اور اللہ کو سب کچھ معلوم ہے وہ سب کی نیتوں کا حال جانتا ہے۔ حَکِیْمٌ وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے جس کو جب چاہے سزا دیتا ہے اور جس کو جب چاہے انعام دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا

وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ

اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں' اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ

ہجرت نہیں کی تمہارا اُن سے میراث کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے

فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا

دین میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی مدد لازم ہے۔ سوائے اس قوم کے مقابلہ میں کہ اُن میں اور تم میں کوئی معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن

ان کاموں کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اگر تم ایسا نہ کرو گے تو

فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد ہو گا' اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں

سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ

جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی یہ وہ لوگ ہیں جو واقعی ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ

اور رزق کریم ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ تم میں سے ہیں'

مِنكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز کا

عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾

جاننے والا ہے۔

مجاہدین' مہاجرین' اور انصار سے متعلق بعض احکام

تفسیر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ان آیات میں میراث کے احکام بتائے ہیں۔ ان

کے نزدیک أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ سے ایک دوسرے کا وارث ہونا مراد ہے۔ نیز وَلَايَتِهِم سے بھی میراث پانا ہی مراد ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ اس اعتبار سے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے وطنوں کو چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یعنی انصاری حضرات یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ صاحب روح المعانی نے حضرت حسنؒ حضرت مجاہدؒ حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان سلسلہ توارث جاری فرمایا یعنی ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ایک مہاجر، غیر مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا اگرچہ آپس میں رشتہ داری ہو یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا اس کے بعد میراث نسبی رشتہ داری کی بنیاد پر ملنے لگی۔ اگرچہ ایک شخص مہاجر ہو اور دوسرا مہاجر نہ ہو بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں۔ رشتہ داری کے اصول پر جو میراث کے احکام ہیں۔ سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں بیان ہو چکے ہیں۔ (انوار البیان ج ۲)

اس کے بعد ان لوگوں کا حکم بتایا جنہوں نے ایمان تو قبول کیا لیکن ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں آئے اور فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا اُن کی میراث سے کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔ چونکہ سلسلہ توارث کے لئے ایمان اور ہجرت دونوں کو ضروری قرار دیا تھا اس لئے واضح طور پر فرما دیا گیا کہ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ اسلام قبول کر لیا اس کے اور مہاجرین کے درمیان سلسلۂ توارث جاری نہیں ہوگا۔ یہ سابقہ مضمون کا تتمہ ہے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ اور قرابت داری کے اصول پر میراث کے احکام بتا دیئے گئے۔

پھر فرمایا: وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ الآیۃ یعنی جن لوگوں نے ایمان تو قبول کر لیا اور ابھی ہجرت نہیں کی اور مشرکین کے درمیان محبوس ہیں اگر وہ تم سے مدد چاہیں تو دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو۔ آپس میں میراث کا جاری ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور کافروں کے مقابلہ میں مدد کرنا یہ دوسری چیز ہے۔ اس ضروری کام کو ہاتھ سے نہ جانے دو، مومن بھائیوں کی مدد کرو اگرچہ انہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ہاں اتنی بات کا دھیان رہے کہ جس کسی قوم سے تمہارا کوئی معاہدہ ہے اور آپس میں یہ طے ہے کہ مثلاً اتنے عرصہ تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے تو پھر ان کے درمیان رہنے والے اہل ایمان کی مدد طلب کرنے کے باوجود ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ تاکہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہو۔ معاہدہ کی پابندی کا اہتمام اسلام میں کس درجہ ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا، اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمان سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں مدد طلب کریں جس سے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لئے بھی ان کافروں پر حملہ کرنا جائز نہیں جن سے معاہدہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے ہیں۔ کافروں کے درمیان آپس میں میراث جاری ہو گی کوئی مومن کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پہلا حکم یعنی یہ کہ مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہ ہو منسوخ کر دیا گیا اور ہجرت کے بجائے رشتہ داری کے اصول پر میراث کے احکام نازل ہو گئے لیکن یہ دوسرا حکم کہ مومن اور کافر کے درمیان توارث نہیں، دائمی ہے اور قیامت تک کے لئے یہی قانون ہے ہاں کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اگر وہ لوگ

مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہوں گے تو قاضی اسلام ان کے درمیان میراث تقسیم کردے گا اگر کوئی مسلمان کسی کافر کا بیٹا ہو یا کوئی کافر کسی مسلمان کا بیٹا ہو تو ان کے درمیان میراث جاری نہ ہوگی۔ اگرچہ دارالاسلام میں رہتے ہوں۔

پھر فرمایا: اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۔ کہ جو احکام اوپر بیان کئے گئے اگر ان پر عمل نہ کرو گے اور ان کی خلاف ورزی کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہوگا۔ اگر اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے جوش میں معاہدہ کی خلاف ورزی کر بیٹھے یا کافروں کو اپنا ولی یا وارث سمجھ لیا تو اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے اور زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا (الآیۃ) جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور انکی مدد کی یہ دونوں جماعتیں یعنی مہاجرین اور انصار سچے پکے مسلمان ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کے لئے بڑی مغفرت کا وعدہ ہے اور انکے لئے عزت والی روزی مقرر ہے جو جنت میں ان کو نصیب ہوگی۔ اس آیت میں جہاں مہاجرین کی مدح ہے وہاں حضرات انصار کی بھی تعریف ہے اور دونوں جماعتوں کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے آخری آیت میں تین مضمون بیان فرمائے۔

اوّلاً تو یہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ۔ اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور تمہیں میں شمار ہیں۔ یعنی تم کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور ان کو گو یہ فضیلت حاصل نہیں لیکن جب ایمان کے تقاضے پورے کر دیئے تو تمہیں میں شمار ہیں۔ ایمان کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔ البتہ مراتب میں تفاوت ہے۔ اور احکام میراث میں تو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔

ثانیاً یوں فرمایا: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔

اور جو لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں لہٰذا رشتہ داریوں کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جس کی تفصیل سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اس سے میراث کا وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جو اوائل ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے بعد جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ حکم ذوی الفروض اور عصبات سب کو شامل ہے بلکہ علماء فرائض کی اصطلاح میں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے ان کو بھی شامل ہے البتہ ان سب کے درمیان ترتیب ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ثالثاً فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)

اس میں تنبیہ ہے کہ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اعمال کا علم ہے وہ سب کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے گا اور فرمانبرداری کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائیگا۔

تمّ سورة الانفال فی اواخر ذی الحجة ۱۴۱۲ھ

والحمدلله اولا واخرا وباطنا وظاهرا

سُورَۃُ التَّوبَۃِ

اس کا دوسرا نام سورہ برأت بھی ہے اس میں کافروں سے برأت کا اعلان ہے اس لئے اس کو سورۂ برأت کہا جاتا ہے اور غزوہ تبوک کے موقعہ پر جو صحابی پیچھے رہ گئے تھے انکی توبہ کا بھی اس میں ذکر ہے اس لئے دوسرا نام بھی معروف ہوگیا۔ یہ سورت مصحف عثمانی کی ترتیب میں سورہ انفال اور سورہ یونس کے درمیان ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہ لکھنے کی وجہ: دیگر تمام سورتوں کے شروع میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھی ہے لیکن سورۂ برأت کے شروع میں نہیں ہے۔ جامع القرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے آپ نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے (یعنی جس کی آیات سو سے کم ہیں) سورۂ برأت سے پہلے رکھ دیا حالانکہ برأت اُن سورتوں میں سے ہے جن کی آیات سو سے زیادہ ہیں۔ اور آپ نے ان دونوں کو ملا بھی دیا اور مزید یہ کیا کہ ان کے درمیان بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں لکھی۔

اور ان دونوں کو ملا کر سبع طوال (یعنی لمبی سات سورتوں) میں شامل کر دیا۔ ایسا کرنے کا کیا باعث ہے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کاتبوں میں سے کسی کو بلا کر فرماتے تھے کہ اس آیت کو اس سورت میں شامل کر دو جس میں فلاں فلاں مضمون ہے۔ اور سورۂ انفال اُن سورتوں میں سے ہے جو مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد شروع میں نازل ہوئیں اور سورۂ برأت ان سورتوں میں سے ہے جو آخر میں نازل ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ سورۂ برأت سورہ انفال کا حصہ ہے اور چونکہ دونوں کا مضمون ایک دوسرے کے مضمون سے ملتا جلتا تھا۔ اس لئے میں نے دونوں کو ملا دیا۔ اور ان کے درمیان بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہیں لکھی (کیونکہ نہ اس بات کا علم تھا کہ دونوں سورتیں مستقل ہیں اور نہ اس بات کی توضیح تھی کہ دونوں ایک ہی ہیں) اور میں نے ان کو ملا کر سبع طوال (یعنی سات لمبی سورتوں) میں شامل کر دیا۔ (مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد چھ سورتیں تعدادِ آیات کے اعتبار سے خوب لمبی لمبی ہیں اور ان دونوں کا مجموعہ مل کر سات لمبی سورتیں ہوگئیں جن کو سبع طوال کہا جاتا ہے) (رواہ الترمذی فی ابواب التفسیر اوائل سورۃ التوبۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوگیا کہ سورۂ انفال اور سورۂ برأت کو اس لئے ملایا گیا ہے کہ دونوں کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے اور درمیان میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اس لئے نہیں لکھی کہ واضح طور پر ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمودہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے دونوں کا علیحدہ علیحدہ سورت ہونا معلوم ہوتا۔

قرآن مجید کی ترتیب یوں ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد اول سبع طوال یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران اور سورہ نساء اور سورہ مائدہ اور سورہ انعام اور سورہ اعراف اور سورہ انفال اور سورہ توبہ کا مجموعہ ہے (ان کو سات لمبی سورتیں کہا جاتا ہے) ان کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مئین کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ پھر وہ سورتیں ہیں جنہیں مثانی کہا جاتا ہے۔ یہ سورتیں، سورۂ یونس سے شروع ہیں، اور سورۂ حجرات سے لے کر ختم قرآن شریف تک جو

سورتیں ہیں انہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ پھر ان میں بھی تفصیل ہے سورہ حجرات سے سورہ بروج تک طوال مفصل اور سورہ الطارق سے سورہ بیّنہ تک اوساط مفصل اور سورہ زلزال سے لے کر سورۂ والناس تک قصار مفصل ہیں۔ ؎

سورۂ توبہ کی ابتدا میں بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نہ پڑھی جائے

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب کوئی تلاوت کرنے والا سورۂ انفال پڑھے اور اُسے ختم کر کے متصلاً ہی سورۂ برأت شروع کرے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھے۔ کیونکہ سورۂ برأت کا مستقل سورہ ہونا یقینی نہیں ہے۔

اگر سورۂ براءت ہی سے تلاوت کی ابتداء کرنا ہو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے یا نہ پڑھے اس میں دو قول ہیں راجح قول یہی ہے کہ اس صورت میں بھی بسم اللہ نہ پڑھے۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ وقال ؎

وَمَهۡمَا تَصِلۡهَا اَوۡ بَدَاۡتَ بَرَاۡةً ۔۔۔ لِتَنۡزِيۡلِهَا بِالسَّيۡفِ لَسۡتَ مُبَسۡمِلَا

(اور جب براءت کی تلاوت کو انفال کے ساتھ ملاتے یا سورۂ براءت ہی سے تلاوت شروع کرتے تو بسم اللہ نہ پڑھ کیونکہ یہ سورۃ تو تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے)

محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ النشر میں لکھتے ہیں۔ لا خلاف فی حذف البسملة بين الانفال وبرأة عن كل من بسمل بين السورتين و كذا فی الابتداءبراءة علی الصحيح عند أهل الاداء۔ (اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انفال اور براءت کے درمیان بسم اللہ نہیں ہے اور اسی طرح قراء کے نزدیک سورۂ براءۃ سے تلاوت کی ابتداء کی صورت میں بھی بسم اللہ نہیں ہے)

؎ علامہ سیوطی نے الاتقان ص ۶۵ میں قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب اس طرح لکھی ہے کہ پہلے سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں ہیں جو سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو ملا کر (گویا یا دونوں کو ایک قرار دے کر) سورۂ توبہ پر ختم ہو رہی ہیں (ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ سورت مانا جائے تو سبع طوال میں نہیں آتی ہیں) سبع طوال کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مئین کہا جاتا ہے (یہ مائۃ کی جمع ہے) یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو کے قریب یا سو سے زیادہ ہیں پھر ان کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں مفصل کہا جاتا ہے۔ مفصل کی ابتداء کہاں سے ہے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ سورۃ حجرات سے شروع ہو کر آخر قرآن تک جو سورتیں ہیں ان سب کا مجموعہ مفصل ہے یہی قول ہم نے اوپر تفسیر میں لکھ دیا ہے۔ مثانی کی انتہاء تو مفصل کی ابتداء سے معلوم ہو گئی۔ لیکن مثانی کی ابتداء کہاں سے ہے۔ اس کے بارے میں اکابر کے اقوال میں کوئی تصریح نہیں دیکھی۔

سورتوں کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ مثانی کی ابتداء بظاہر سورۂ قصص سے ہونی چاہئے کیونکہ اس سے پہلی سورۃ میں ترانوے آیات اور اس میں اٹھاسی آیات ہیں (گو اس سے پہلے سورۂ حج میں اٹھتر اور سورۂ نور میں چونسٹھ آیات گزر چکی ہیں) سورۂ قصص کے بعد عموماً وہ سورتیں ہیں جن کی آیات مئین والی سورتوں کی آیات سے کم ہی ہیں۔ البتہ درمیان میں سورۂ شعراء میں دو سو ستائیس اور سورۂ صافات میں ایک سو بیالیس آیات ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آیات کی تعداد کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ یعنی یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ ہر اگلی سورت پچھلی سورت کی آیات کے اعتبار سے چھوٹی ہو۔ پھر یہ طول اور قصر بھی تقریبی ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھا جائے تو ان حضرات کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے جنہوں نے فرمایا ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ یہ جو ہم نے عرض کیا کہ ترتیب سورت میں آیات کی تعداد کی بجائے طول اور قصر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسکی ایک دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ چھوٹی سورت میں آیات زیادہ ہوتی ہیں۔ (کما فی الصافات) اور بڑی سورت میں آیات کی تعداد کم ہوتی ہے (کما فی سورۃ الاحزاب فانها اطول من الصافات وعدد ایاتها اقل منها)

اس کے بعد برأت سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں بعض قراء سے بسم اللہ پڑھنے کا جواز نقل کیا ہے لیکن اس کو تسلیم نہیں کیا اور آخر میں لکھا ہے والصحیح عند الائمۃ اولی بالاتباع و نعوذ باللہ من شر الابتداء۔ (جو صحیح ہے وہی ائمہ کے نزدیک اتباع کے لائق ہے اور ابتداء کی شرارت سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں) حضرت امام شاطبیؒ نے جو یہ فرمایا لِتَنْزِیْلِهَا بِالسَّیْفِ لَسْتَ مُبَسْمِلًا۔ یہ حضرت علیؓ سے منقول ہے علامہ ابن القاصح سراج القاری شرح شاطبیہ میں لکھتے ہیں: قال ابن عباس سالت علیاً رضی اللہ عنہ لما لم تکتب فی براۃ بسم اللہ الرحیم فقال لأن بسم اللہ أمان و براۃ لیس فیھا امان نزلت بالسیف. اھ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی تو انہوں نے فرمایا اس لئے کہ بسم اللہ تو امن کا پیغام ہے اور سورۂ براءت میں امان نہیں ہے وہ تو تلوار کے ساتھ نازل ہوئی ہے)

اب ایک شق اور رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے سورۂ براۃ کے درمیان سے کسی جگہ سے تلاوت کی ابتداء کرے تو جس طرح دوسری سورتوں کے درمیان سے تلاوت کی صورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں درست ہیں۔ اسی طرح سورۂ براۃ کے درمیان سے ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ محقق ابن الجزری ''النشر'' میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بارے میں متقدمین کی کوئی نص نہیں دیکھی اور علی الاطلاق بہت سے اہل اداء نے سورتوں کے درمیان سے تلاوت شروع کرنے کی صورت میں جو دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ برأت کے درمیان سے شروع کرنے کی صورت میں بھی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ ابوالحسن سخاوی نے اپنی کتاب جمال القراء میں سورہ برأت کے درمیان سے تلاوت کی ابتداء کرنے کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے کا جواز لکھا ہے اور ابواسحاق جعبری کا رجحان نہ پڑھنے کی طرف ہے۔ پھر آخر میں محقق ابن الجزری نے دونوں باتوں کی تائید کی ہے۔ اور کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ گویا وہ بھی تخییر کے قائل ہیں۔ یعنی پڑھنا نہ پڑھنا دونوں کی گنجائش دی ہے۔

فائدہ: یہ جو بعض مصاحف میں سورۂ براءت کی ابتدا میں حاشیہ پر اعوذ باللہ من النار و من غضب الجبار و من شر الکفار لکھا ہوا ہے۔ اور بہت سے حفاظ اس کے پڑھنے کو مستحب یا سنت سمجھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (کما ذکرہ فی الفتاوی الرشیدیۃ)

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّهِیَ مِائَۃٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتَّۃَ عَشَرَ رُکُوْعًا

سورۂ برأت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ① فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کی طرف برأت ہے جن سے تم نے عہد کیا۔ سو تم چلو پھرو زمین میں

اَرْبَعَۃَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ ②

چار مہینے اور جان لو کہ بیشک تم اللہ کو عاجز کرنیوالے نہیں ہو اور یہ بات کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنیوالا ہے۔

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ

اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا

مشرکین سے بری ہے۔ سو اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم اعراض کرو تو یہ جان لو

أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم

کہ بلاشبہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ سوائے اُن مشرک لوگوں کے

مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا

جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی۔ سو تم

إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ

ان کے معاہدہ کو ان کی مدت مقررہ تک پورا کر دو۔ بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پھر جب اشہر

الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ

الحرم گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پا لو۔ اور اُن کو پکڑو اور گھیرو اور انکی تاک میں گھات کے

كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ

ہر موقعہ پر بیٹھو۔ سو اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ

كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

اللہ کا کلام سن لے پھر اُسے امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں

تفسیر: آیات بالا کی تفسیر سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ جس وقت سورۂ برأت نازل ہوئی ہے اس وقت کفار کی چار قسمیں تھیں۔ پہلی قسم کے تو وہ لوگ تھے جن سے مقام حدیبیہ میں ۶ھ میں معاہدہ ہوا تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر مشرکین نے آپ کو مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا

اور بڑی رد وکد کے بعد دس سال کے لئے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس صلح میں یہ تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ نہیں کرے گا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ آور ہوگا۔ پھر یہ واقعہ پیش آیا کہ قبیلہ بنی بکر نے (جو قریش کا حلیف تھا) رات کے وقت قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش مکہ نے بنی بکر کو ہتھیار دیئے اور اپنے جوان اُنکی امداد کے لئے بھیجے۔ اس طرح سے قریش نے عہد شکنی کی کیونکہ بنی خزاعہ پر حملہ کرنے والوں کے مددگار بن گئے جو مسلمانوں کے حلیف تھے جب آنحضرت ﷺ کو قریش کی عہد شکنی کی خبر ملی تو آپ نے جنگ کی تیاری کی اور ۸ ھ میں اپنے صحابہؓ کو لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ کافروں کا دوسرا فریق وہ تھا جن سے صلح کا معاہدہ ایک خاص میعاد کے لئے کیا گیا تھا وہ لوگ اپنے معاہدہ پر قائم تھے۔ نقضِ عہد نہیں کیا تھا جیسے قبیلہ بنی ضمرہ اور قبیلہ بنی مدلج (یہ دونوں قبیلے بنی کنانہ میں سے تھے) ان سے جتنی مدت کے لئے صلح ہوئی تھی سورۂ برأت کے نزول کے وقت اس کے اختتام میں چند ماہ باقی تھے۔

مشرکین کا تیسرا فریق وہ تھا جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا اور چوتھا فریق وہ تھا جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

پہلا فریق یعنی قریش مکہ جنہوں نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا وہ تو کسی رعایت اور مہلت کے مستحق نہ تھے ان کو تو بلا مہلت ہی جزیرہ عرب سے نکال دینا یا قتل کر دینا درست تھا لیکن پھر بھی اشہر الحرم کا زمانہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ اشہر الحرام میں اُن سے تعرض نہ کیا جائے اور اشہر الحرام گزر جانے کے بعد ان کے قتل کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ کفر سے توبہ کر لیں اور اسلام کے کام کرنے لگیں (جس میں نمازیں پڑھنا اور زکوٰتیں ادا کرنا سب سے زیادہ اہم ہے) تو نہ انہیں قتل کریں نہ قید کریں کیونکہ وہ اب اپنے ہو گئے۔

دوسرا فریق وہ تھا جن سے کسی خاص میعاد کے لئے صلح کا معاہدہ کیا گیا تھا وہ اس پر قائم رہے نقضِ عہد نہ کیا تو ان کے بارے میں یہ حکم دیا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ کہ اُن کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو کیونکہ عہد کی خلاف ورزی اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔ جب مقابل فریق اپنا عہد پورا کر رہا ہے تو اہل ایمان تو بطور اولیٰ عہد پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ حکم قبیلہ بنی ضمرہ اور بنی مدلج کے متعلق تھا۔ اگر اہل ایمان نقضِ عہد کریں گے تو تقویٰ کے خلاف ہوگا۔ مومن کا کام ہے کہ تقویٰ اختیار کرے اسی لئے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (بلاشبہ اللہ تقویٰ والوں کو پسند فرماتا ہے)

تیسرا فریق (جن سے کسی مدت کے تعین کے بغیر معاہدہ ہوا تھا) اور **چوتھا فریق** (جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا) ان کے بارے میں سورۂ براءت کے شروع سے لیکر وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ تک تین آیات میں اعلان فرمایا اور ان کو چار مہینے کی مدت دی گئی اور کافروں سے فرمایا کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ سر زمین عرب میں چار مہینے چلو پھرو اور چار ماہ کے بعد بھی یہ نہ سمجھنا کہ جزیرۃ العرب سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آزاد ہو جاؤ گے تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے وہ کافروں کو ضرور ذلیل کرے گا۔ الفاظ کا رخ تو ان لوگوں کی طرف ہے جن سے کوئی عہد تھا اور اسکی میعاد مقرر نہ تھی لیکن اس میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے جن سے کچھ بھی معاہدہ نہ تھا۔

۹ ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے زیر امارت حج کی ادائیگی اور مشرکین سے برأت کا اعلان

برأت کے مفہوم کو دوبارہ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ فرما کر دُہرا دیا اور ۹ ھ میں جو حج ہوا (جو فتح مکہ کے بعد پہلا حج

تھا) اس میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ مواقف حج میں اعلان کروا دیا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض امور کا اعلان کروایا گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اعلان کرنے پر مامور فرمایا۔

صحیح بخاری (ص ۶۷۱ ج ۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ جس حج میں رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو امیر بنا کر بھیجا تھا اُس میں انہوں نے یوم النحر (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو) جن لوگوں کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا اُن میں میں بھی تھا تاکہ یہ لوگ منیٰ میں اعلان کر دیں **الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عُریان۔** (خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف نہ کرے) مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ اعلان کروایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر حج بنا کر بھیج دیا تھا پھر پیچھے سے حضرت علیؓ کو بھی بھیجا تاکہ اُن کے ذریعہ اعلان کروایا جائے اور وجہ اسکی یہ تھی کہ آپ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی گئی تھی کہ اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ عہد اور نقضِ عہد کے بارے میں اسی شخص کے اعلان کو معتبر سمجھتے تھے جو خاص اُسی قبیلے کا ہو جس سے معاہدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ قبیلے کی حیثیت سے تو نہ تھا مسلمانوں کی جماعت کا امام ہونے کی حیثیت سے تھا اور دین اسلام کی طرف سے تھا لیکن احتمال تھا کہ لوگ اسے بنی ہاشم کا معاہدہ سمجھیں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جانا مناسب سمجھا جو بنی ہاشم ہی کے ایک فرد تھے۔ حضرت علی سورۂ براءت کے مطابق اعلان کرتے تھے اور مشرکین کو پوری طرح اعلان سناتے تھے چونکہ اتنے بڑے اجتماع میں شخص واحد کافی نہ تھا اس لئے حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر حضرات کو بھی حضرت ابو بکرؓ نے اس کام پر لگایا۔

معالم التنزیل (ص ۲۶۷ ج ۲) میں زید بن تبیع سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ آپ کو اس حج میں کیا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا (جس میں آپ اعلان کرنے پر مامور ہوئے تھے) انہوں نے فرمایا کہ مجھے چار چیزوں کا اعلان کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اول یہ کہ آئندہ بیت اللہ کا طواف کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں نہ کرے۔ دوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا جس قبیلے سے کوئی معاہدہ ہے تو یہ معاہدہ صرف اپنی مدت تک ہے اور جس سے کوئی معاہدہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت دی جا رہی ہے (چار ماہ تک زمین میں چلیں پھریں) مسلمان ان سے کوئی تعرض نہ کریں گے یہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ان کے خون کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوم یہ جنت میں مومن کے سوا کوئی شخص داخل نہ ہوگا۔ چہارم یہ کہ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمین (حج میں) جمع نہ ہوں گے یعنی کسی مشرک کو اس سال کے بعد حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی نیز صاحب معالم التنزیل (ص ۲۶۶ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی جو مدت مقرر کی گئی کہ اس کے بعد امان نہ ہوگی اسکی ابتداء حج کے دن سے ہے جس میں برأت کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ مدت دس ذوالحجہ سے لے کر دس ربیع الآخر تک تھی چونکہ مدت کا شمار اعلان کے بعد ہی سے معتبر ہو سکتا ہے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ (الآیۃ) حضرت مجاہد اور ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں جن اَشہر الحرام کا ذکر ہے اُن سے وہی مہینے مراد ہیں جن کا شروع سورت میں ذکر آیا ہے جن لوگوں کے ساتھ کوئی معاہدہ بلا تعیین مدت کا تھا اور جن سے کوئی عہد نہ تھا ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ اور جنہوں نے نقض عہد کیا تھا یعنی قریش مکہ ان کو چار ماہ کی مدت میں

سے بیس دن ذی الحجہ کے اور پورا مہینہ محرم کا گزر جانے تک کی مہلت دی گئی۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ بات لکھی ہے اور علامہ نسفی نے بھی مدارک التنزیل میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بھی یوں ہی لکھا ہے کہ اشہر الحرام سے وہ مہینے مراد نہیں ہیں جو عرب میں معروف و مشہور تھے (یعنی ذیقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب[1]) اور یہ اسلئے فرمایا کہ جس وقت براءت کا اعلان ہوا تھا ان میں سے صرف بیس دن ذی الحجہ کے اور ایک مہینہ محرم کا باقی رہ گیا تھا۔ اور رجب تک پہنچنے کے لئے بیچ میں پانچ مہینے کا فصل تھا اگر ان پانچ مہینوں کو بھی حساب میں لگا دیا جائے تو معیاد لمبی ہو جاتی حالانکہ چار مہینوں سے زیادہ کسی کو مہلت نہیں دی گئی۔ آیت کریمہ میں یہ فرمایا کہ جب اشہر الحرام نکل جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ انکو پکڑو، اور انہیں روک لو۔ روکنے کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کو قلعہ بند کردو، باہر نکلنے سے روک دو اور ان کے لئے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھ جاؤ یعنی مکہ کے راستوں میں بیٹھو، مشرکین کو اس میں داخل نہ ہونے دو۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ یعنی اگر وہ گروہ شرک سے توبہ کرلیں اور اسلام قبول کرلیں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ان پر چلنے پھرنے کی اور مکہ معظمہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جب اسلام قبول کرلیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا تھا سب ختم ہے اس پر دارو گیر نہیں۔

وَاحْصُرُوْهُمْ سے دشمنوں کا محاصرہ کرنے کا جواز معلوم ہوا اور وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ سے معلوم ہوا کہ دشمنوں سے حفاظت کے لئے اُن سے چوکنا رہنے کے لئے اپنے ملکوں اور شہروں میں چوکیاں مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن (ص ۸۳ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص شرک و کفر سے توبہ کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ البتہ حصر اور حبس کا حکم باقی رہے گا۔ جو شخص قصداً نماز چھوڑے اور اس پر اصرار کرے اور زکوٰۃ نہ دے امام المسلمین کے لئے جائز ہے کہ اُسے محبوس رکھے۔ اس کا چھوڑ دینا اس وقت تک واجب نہیں جب تک کہ وہ نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے۔

پھر فرمایا: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیجئے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے)

علامہ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔ وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے، اللہ کا کلام سنے، توحید کو سمجھے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لئے ایسا موقعہ فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل توحید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہوگا کہ پوری طرح حجت قائم کریں اور توحید و رسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے توحید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی کافر حربی امان لے کر آئے اسکی حفاظت کرے تاکہ کوئی شخص اسے قتل نہ کردے اور کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچائے نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ ہیں امام المسلمین کے ذمہ انکی

[1] اہل عرب ان مہینوں میں قتال نہیں کرتے تھے اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی ان میں قتال کرنا ممنوع تھا۔ ۱۲

حفاظت واجب ہے۔ تا کہ کوئی مسلمان ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔

کافر حربی کو واپس ان کی جائے امن پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ مستنبط ہوا کہ کافر حربی کو دارالاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے دیا جائے۔ اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سال دارالسلام میں رہ گیا تو ذمی ہو جائے گا اور اہل ذمہ کے احکام اس پر نافذ ہوں گے جزیہ بھی مقرر کر دیا جائے گا۔ (احکام القرآن ص ۸۴-۸۳ ج ۳)

پھر فرمایا: ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے (کہ اسلام کیا ہے اور دعوت اسلام کی کیا حقیقت ہے اور اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟) فلا بدمن اعطائهم الامان حتى يسمعوا أو يفهموا الحق (پس انہیں امان دینا ضروری ہے تا کہ وہ سن لیں یا حق کو سمجھ لیں) (مدارک التنزیل ص ۱۱۷ ج ۲)

فائدہ: یوم الحج الأکبر جو فرمایا ہے اس سے ایام حج مراد ہیں۔ خاص کر وہ ایام جن میں منیٰ میں قیام ہوتا ہے۔ لفظ یوم کو بطور جنس لایا گیا ہے۔ اور الحج الأکبر سے کیا مراد ہے؟ حضرت زہری، شعبی اور عطا نے فرمایا کہ اس سے حج مراد ہے کیونکہ عمرہ حج اصغر ہے اور حج، حج اکبر ہے حج اکبر کا وہ معنی جو مشہور ہے کہ یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو یہاں وہ معنی مراد نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ جمعہ کے دن حج ہو تو اسکی فضیلت دوسرے حجوں سے زیادہ ہے یا نہیں؟ بعض روایات سے اسکی فضیلت عام حجوں سے ستر گنا زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ''الحظ الاوفر فی الحج الاکبر'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُولِهٖٓ إِلَّا الَّذِينَ

اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیسے رہے گا مگر جن لوگوں سے

عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ

تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا' سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی اُن سے سیدھی طرح رہو۔ بلاشبہ

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾ كَيْفَ وَإِنْ يَّظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا

اللہ تقویٰ اختیار کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے ان کا عہد کیسے رہے گا اور حال ان کا یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت کی پاسداری کریں

وَّلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبٰى قُلُوبُهُمْ ۚ وَأَكْثَرُهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٨﴾

اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا خیال کریں۔ یہ لوگ تمہیں اپنے مونہوں سے راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهٖ ۚ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوا

انہوں نے اللہ کی آیات کا بدلہ تھوڑی قیمت کو خرید لیا' سو انہوں نے اللہ کے راستہ سے روک دیا۔ بلاشبہ وہ جو کام کرتے ہیں

يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾

بُرے کام ہیں' وہ کسی مومن کے بارے میں کسی قرابت داری کا اور کسی ذمہ داری کا پاس نہیں رکھتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۗ وَنُفَصِّلُ

سو اگر یہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے، اور ہم تفصیل کے ساتھ

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱

احکام بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کی بدعہدی کے مزاج کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ان کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے پہلے بھی عہد توڑا ہے اور آئندہ بھی توڑتے رہیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں زبانوں سے عہد ہے اور دلوں میں بغض کی آگ ہے اگر مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ بس یہ مسلمانوں کو اپنی زبانی باتوں سے راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ (وفائے عہد اور اطاعت کا زبانی وعدہ کرتے ہیں) اور اُن کے دل ان کی اپنی زبانی باتوں سے راضی نہیں ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ یعنی شرارت سے بھرے ہوئے ہیں کہ کسی بھی عہد کی پاسداری کرنے کو تیار نہیں۔ اکا دُکا کوئی شخص عہد کی پاسداری کرنا چاہے تو اس کی بات چلنے والی نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے احکام کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے سامنے حقیر دنیا ہے۔ انہوں نے حقیر دنیا کو لے لیا اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی حقیر دنیا کے جانے کا جو وہم تھا اسکی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ کے راستہ پر نہیں چل سکتا ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے۔ جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (کسی مومن کے بارے میں ان کے پاس نہ قرابت داری کی رعایت ہے۔ نہ معاہدہ کی پاسداری ہے) وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ فرمانے کے بعد متصلاً ہی یوں فرمایا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ استثناء میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے مسجد حرام کے قریب عہد ہوا تھا اور جو اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور انکی مدت معاہدہ باقی تھی جیسے بنی کنانہ اور بنی ضمرہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا کہ انکے عہد کی رعایت کرو۔ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ (جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں یعنی مدت معاہدہ میں نقض عہد نہ کریں) فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ (تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) یعنی وفاءِ عہد کرو عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں اَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ کے مضمون کا اعادہ ہے اور اتنی بات زائد ہے کہ جب تک وہ مستقیم رہیں تم بھی مستقیم رہو اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم پر عہد پورا کرنے کی پابندی نہیں۔ صاحب روح المعانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں۔

وایاً ما کان فحکم الامر بالاستقامة ینتهی بانتهاء مدة العهد فیرجع هذا الی الامر بالاتمام المار الخ (ص ۵۵ ج ۱۰) (اور جو بھی ہو عہد پر استقامت کا حکم معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ حکم گزشتہ عہد کی تکمیل کی طرف لوٹتا ہے)

آخر میں فرمایا فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۔ کہ یہ لوگ اگر کفر سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر تمہارے دینی بھائی ہوں گے (ان سے لڑنے کا کوئی موقع نہیں) وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (اور ہم ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اپنی آیات تفصیل سے بیان کرتے ہیں) تاکہ فکر سے کام لیں اور ہر بات کو سمجھیں اور احکام خداوندی کے پابند رہیں۔

فائدہ: آیات بالا میں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ''اگر تم پر غالب ہو جائیں تو کسی رشتہ داری کا معاہدہ کا لحاظ نہ کریں گے وہ تمہیں زبانی باتوں سے راضی رکھتے ہیں اور ان کے دل انکاری ہیں''۔ ہمیشہ سے کافروں اور مشرکوں کا یہی حال رہا ہے اور اب بھی ہے کہ مسلمانوں کے قتل وقتال سے بچنے کے لئے اور ان کے جذبۂ جہاد کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قومیت، وطنیت اور یک جہتی کی بنیاد پر اتحاد اور اتفاق کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اور معاہدات بھی کر لیتے ہیں لیکن اگر کبھی ان کا اپنا موقعہ لگ جائے تو ہر طرح کے تعلقات توڑ کر سارے معاہدوں کی پاسداری چھوڑ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال اُن فرقوں کا ہے جو فرقے اسلام کے نام لیوا ہیں لیکن اسلامی عقائد سے منحرف ہونے کی وجہ سے مسلمان نہیں بلکہ ان فرقوں کی بنیاد ہی اسلام اور مسلمان کی کمر میں خنجر گھونپنے پر ہے یہ لوگ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور اتحاد واتفاق کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ لیکن اندر سے دشمنان اسلام ہونے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں کوئی کسر نہیں رکھتے۔ جب بھی موقعہ لگتا ہے مسلمانوں کے قتل وخون سے باز نہیں آتے۔ صدہا سال سے یہی ہو رہا ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ

اور اگر وہ لوگ اپنے معاہدہ کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو

اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا

بلاشبہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے یہاں قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں تاکہ وہ باز آجائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور

بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ

رسول کو نکالنے کا پختہ ارادہ کیا۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے پہلے خود چھیڑ چھاڑ کی ابتداء کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ سو اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ

اگر تم مومن ہو۔ اس سے جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور

يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى

مسلمانوں کے سینوں کو شفاء دے گا اور ان کے دلوں کی جلن کو دور فرما دے گا۔ اور اللہ جس کو

مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ

چاہے توبہ نصیب فرمائے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا تم کو یہ گمان ہے کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور حالانکہ اللہ نے

الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

ابھی تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا، جنہوں نے جہاد کیا اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے علاوہ

وَلِيْجَةً ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

کسی کو دوست نہیں بنایا اور اللہ اُن کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو

کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں

تفسیر: ان آیات میں قریش مکہ کی بدعہدی اور عہد شکنی کا تذکرہ ہے اور اُن سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے۔ ان لوگوں سے ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی دس شرطوں میں سے ایک یہ شرط بھی تھی کہ دس سال تک ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ آور نہ ہوگا اور نہ کوئی فریق کسی فریق کے حلیف پر حملہ کرے گا اور نہ کسی حملہ آور کی مدد کرے گا لیکن قریش مکہ نے معاہدہ توڑ دیا اور قبیلہ بنی خزاعہ (جو رسول اللہ ﷺ کا حلیف تھا) کے خلاف قریش مکہ نے قبیلہ بنی بکر کی ہتھیاروں سے اور جوانوں سے مدد کی۔ اب جبکہ انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا اور نہ صرف یہ کہ عہد توڑا بلکہ تمہارے دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ تو ان سے جنگ کرو۔

فَقَاتِلُوْهُمْ کی بجائے فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ فرمایا۔ اس سے تمام مشرکین قریش مراد ہیں جو پورے عرب کے مشرکوں کے سرغنے بنے ہوئے تھے نہ ایمان قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے۔ اور قبائل عرب نے انہیں اپنا مقتدیٰ بنا رکھا تھا جو اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے یا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ سے قریش کے سردار مراد ہیں جیسے ابو جہل اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان بن حرب وغیرہم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی کو اختیار فرمایا۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ آیت قریش مکہ کے سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نقض عہد بھی کیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے جلا وطن کرنے کا مشورہ بھی دیا جبکہ دار الندوہ میں جمع ہوئے تھے اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ (ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں) لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ تم ان سے جنگ کرو تاکہ یہ تمہارے دین پر طعن کرنے اور مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑے ہونے سے باز آ جائیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے باز آ جائیں۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۲ ج ۲ ببعض زیادۃ)

13

قریش مکہ تو عہد توڑ چکے تھے پھر حرف شرط کے ساتھ انکے عہد کو توڑنے کو کیوں ذکر فرمایا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نقضِ عہد پر قائم رہیں اور ایمان نہ لائیں تو ان سے قتال کرو۔ احقر کے ذہن پر یہ وارد ہوا ہے کہ جملہ شرطیہ لاکر آئندہ آنے والوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ تو عہد توڑ ہی چکے ہیں ان کے علاوہ آئندہ بھی کافروں کی جو جماعت نقضِ عہد کرے اور تمہارے دین میں طعن کرے ان سے جنگ کرنا۔ اور خاص کر کفر کے سرغنوں کو قتل کرنے کا اہتمام کرنا۔ ان لوگوں کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں' ایسے لوگوں سے قتال کرتے رہو گے تو وہ تمہارے دین میں طعن کرنے اور جنگ کرنے کی ہمت سے باز رہیں گے۔

علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں لکھا ہے کہ جب کوئی ذمی دین اسلام میں علانیہ طور پر طعن کرے اس کا قتل جائز ہے کیونکہ عہد ذمہ میں یہ بات بھی ہے کہ اسلام پر طعن نہ کریں گے سو جب طعن کردیا تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور عہد ذمہ سے نکل گیا۔ اھ

پھر فرمایا: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (کیا تم ان لوگوں سے قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا اور پھر خود ہی قتال کی ابتدا کی) یعنی بنی خزاعہ کے مقابلہ میں (جو تمہارے حلیف تھے) بنی بکر کی مدد کی۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور ترک قتال کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم ان سے ڈرو (اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو) اگر تم مومن ہو (تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو جس میں حکم قتال کی تعمیل بھی ہے)

اس کے بعد فرمایا قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ اس آیت میں قتال کا حکم بھی ہے اور مدد کا وعدہ بھی فرمایا کہ تم ان سے جنگ کرو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کی طرف سے جو عہد شکنی ہوئی اور جو انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے حرکتیں کیں اس سے جو مسلمانوں کے دلوں میں رنج و غم ہے اس جنگ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرما دے گا۔ اہل ایمان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ شفا دے گا ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کیونکہ جنگ کے نتیجہ میں کافر مقتول اور ذلیل و خوار ہوں گے اور مسلمان اپنی آنکھوں سے کافروں کا برا انجام دیکھ لیں گے۔ مزید فرمایا: وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ۔ اور اللہ ان کے دلوں کی جلن کو دور فرما دے گا۔ یہ جملہ اولیٰ پر عطف ہے اور اس کے مفہوم کی تاکید ہے اور اس میں اہل ایمان کی خوشی کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ جس سے مبالغہ مقصود ہے' مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان خوب زیادہ خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی یہ بات لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اذہاب الغیظ شفاء صدور سے زیادہ ابلغ ہے اور یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے یوں بھی فرمایا ہے کہ شفاء الصدور فتح مکہ کے وعدہ سے ہو گیا اذھاب الغیظ فتح مکہ سے ہو گیا لیکن صاحب روح المعانی اس قول سے راضی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا: وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے توبہ نصیب فرمائے) تمہیں جو حکم ہوا ہے وہ کرو۔ تمہارا کام قتال ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں جو کچھ ہے وہ بھی واقع ہو گا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اسلام کی توفیق دے گا اور کفر چھوڑنے پر جو ان کی توبہ قبول فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے۔ وہ جس پر چاہے اپنا فضل فرما دے جسے

اسلام کی نعمت سے نوازنا ہوگا وہ تمہارے مقابل صف آرا ہو کر بھی بچ کر نکل جائے گا اور اسلام قبول کرلے گا۔ جیسا کہ ابو سفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو جو مشرکین کے رؤساء تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ جاننے والا ہے اُسے معلوم ہے کہ کون اسلام قبول کرے گا اور کون کفر پر مرے گا' اور وہ حکیم بھی ہے' وہ اپنی حکمت کے موافق جس کو چاہے نواز دے۔ کسی کا اس میں دخل نہیں ہے۔

فائدہ: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکہ تو ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا۔ اور سورہ براۃ ۹ھ میں نازل ہوئی۔ پھر ان آیات میں کون سے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی ص ۶۲ ج ۱۰ لکھتے ہیں کہ سورۂ براءت کی ابتدائی آیات فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اور یہ آیات اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اھ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کی خوشخبری دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل کفر سے جو تمہیں تکلیف پہنچے گی اور اُن کی شرارتوں کی وجہ سے جو تمہارے دل میں غیظ و غضب ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو دُور کر دے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا۔ اور تمہارے دلوں کو کافروں کی ذلت دکھا کر شفا عطا فرمائے گا۔ جس طرح اہل مکہ میں قتال کے لئے بعض چیزیں جمع ہو گئی تھیں کہ اُنہوں نے اپنا عہد توڑا اور تمہارے دین میں طعن کیا اور رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے کا مشورہ کیا اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی پہل کی اس طرح کی بہت سی باتیں آئندہ بھی کافروں کی طرف سے پیش آسکتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو تمہارے درمیان نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے۔ اور اُن کے بعد کوئی نبی اور رسول بھی نہیں لیکن اس طرح کے واقعات پیش آسکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ان سے لڑو تا کہ کافر ذلیل و خوار ہوں اور تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ خطاب کا رُخ حضرات صحابہؓ کو ہے لیکن عموم خطاب میں سب مسلمان داخل ہیں۔ اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا (الآیہ)

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو۔ امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چھڑائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو راز دار بنایا۔ یہ امتحان والا مضمون دیگر آیات میں بھی ہے۔ سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ پاک کو ناپاک سے متمیز نہ فرمادے)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ صرف یوں کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کی جانچ نہ کی جائے گی)۔ آخر میں فرمایا۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ

مشرکین اسکے اہل نہیں ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ اپنے بارے میں کافر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خَٰلِدُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ اللَّهِ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہو گئے۔ اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں' اللہ کی مسجدوں کو

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَوٰةَ وَآتَى الزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا

وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے

اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰٓ أُولَٰٓئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ

نہ ڈرے۔ سو توقع ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ کیا تم نے حج کرنے والوں کو پانی پلانے اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَٰهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا

مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے برابر بنا دیا جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر' اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا'

يَسْتَوُۥنَ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّٰلِمِينَ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ آمَنُوا

اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوا وَجَٰهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً

اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے کے

عِندَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَٰنٍ

اعتبار سے بڑے ہیں' اور یہ لوگ کامیاب ہیں۔ اُن کا رب اپنی طرف سے انہیں رحمت کی اور رضامندی کی

وَجَنَّٰتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾

اور ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے جن میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوۂ بدر کے موقع پر عباس کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباس کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کئے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اور اس بارے میں حضرت علیؓ نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباس نے کہا کہ آپ لوگ ہماری بُرائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے کہ ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا مَسَٰجِدَ اللَّهِ

(آخر تک) نازل فرمائی۔ اور یہ بتادیا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں۔ مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادی کا کوئی معنی نہیں۔ کعبہ شریف تو شرک کے دشمن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد توحید پر ہے جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ شرک کرتے ہیں اگر ظاہری کوئی آبادی کردی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درو دیوار کی دیکھ بھال کرلی تو کفر اور شرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ بے حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے تو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے (جیسا کہ سورۂ انفال کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے) ایسا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے، صاحب معالم التنزیل ص ۲۷۳ ج ۲ لکھتے ہیں: **ای ما ینبغی للمشرکین أن یعمروا مساجد اللّٰہ، اوجب علی المسلمین منعھم من ذلک لأن المساجد إنما تُعمر لعبادۃ اللہ وحدہ فمن کان کافرا باللہ فلیس من شانہ ان یعمرھا** (یعنی اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آباد ہوئی جو اللہ کا منکر ہے مسجدوں کو آباد کرنا اس کا کام نہیں ہے) پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ کہ ان کے سب اعمال اکارت چلے گئے (کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی بھی عمل اگرچہ بظاہر عبادت ہو آخرت میں کوئی نفع دینے والا نہیں) وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں)

مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے: اس کے بعد فرمایا: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے)، اس میں بتایا کہ مسجدوں کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے مقرر فرمودہ فرائض کو انجام دیتے ہیں (اس میں دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا) اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ہیں ان پر عمل کرنے میں قوم یا قبیلہ اور اہل وطن کے اعتراض کو نہیں دیکھتے کہ کوئی کیا کہے گا اللہ کے دین پر کسی کا خیال کئے بغیر عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان لوگوں کا اُخروی انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتا دے گا۔ دنیا میں اللہ کی طاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ طاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گی۔ مسجد بنانا اور اس کا نظم و نسق سنبھالنا، مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آبادکاری میں داخل ہے۔ لیکن مسجد کی آبادکاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازوں سے ذکر سے تلاوت سے تعلیمی حلقوں سے تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی اُمور کے لئے ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دے دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹ عن الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں؟: جیسے اعمال صالحہ نماز ذکر تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آباد کاری کے خلاف ہے۔ مساجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو دینی اعتبار سے اچھے نہ ہوں اور خرید وفروخت کرنا اور بدبودار چیزیں کھا پی کر مسجد میں جانا (جس میں بیڑی سگریٹ تمباکو والے پان کی بدبو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ مساجد میں تھوک بلغم ڈالنا گم شدہ چیز تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا۔ یہ سب اُمور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں کسی گمشدہ چیز کے تلاش کرنے والے کی آواز سنے تو یوں کہہ دے **لا ردھا اللہ علیک** (کہ اللہ تجھے یہ چیز واپس نہ دے) کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۰ ج ۱ ابوداؤد ص ۶۸ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں بیچتا ہے یا خریدتا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۰)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ مسجدوں میں ان کی باتیں دنیاوی امور کے بارے میں ہوں گی۔ سو تم ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اللہ کو انکی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱ عن البیہقی فی شعب الایمان)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل مبغوض ہے ان کے پاس بیٹھ کر اپنا بُرا نہ کرو۔ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد میں حدود وقصاص جاری کرنے سے اور (غیر دینی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا (رواہ ابوداؤد ص ۲۶۱ ج ۲)

حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ۔ جس سے ان کی بدبو چلی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۷۹ ج ۲ وفی مسلم عدۃ روایات فی ہذا المعنی ص ۲۰۹ ج ۱)

ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہنا مسجدوں میں اعتکاف کرنا اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھا رہنا یہ بھی مسجد کی آباد کاری ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں خصّی ہونے کی یعنی قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت دے دیجئے آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو جائے بے شک میری اُمت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھا کرے۔ (اس سے شہوت دب جائے گی) پھر عرض کیا کہ ہمیں سیر وسیاحت کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا میری اُمت کی سیر وسیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ پھر عرض کیا کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیجئے (جیسا کہ نصرانی لوگ تارک دنیا ہو کر الگ غاروں میں اور جنگلوں میں بیٹھ گئے تھے) آپ نے فرمایا میری اُمت کی رہبانیت یہ ہے کہ نمازوں کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھا کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹)

مسجد کی صفائی کا اجر وثواب: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر

میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیز نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگرچہ معمولی سا کوڑا کچرا تنکا ہو) تو وہ بھی مجھے اُمت کے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا اور مجھ پر میری اُمت کے گناہ پیش کئے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی۔ پھر وہ اُسے بھول گیا۔ (ابوداؤد ص ۶۶ ج ۱)

آجکل مسجدوں کی ظاہری آبادی ہی رہ گئی ہے۔ خوبصورت قالین' جھاڑ' فانوس' در و دیوار پر پھول دار نقشے' چمکدار فرش وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں میں بڑھ چڑھ کر مقابلہ میں حصہ لیا جاتا ہے اور نمازوں میں حاضری اور تلاوت اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اور یہ ظاہری زیب و زینت کی چیزیں شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے نمازوں کے خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنا بنا کر آپس میں فخر کریں گے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۵ ج ۱)

ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب و زینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: مساجدھم عامرة وھی خراب من الھدیٰ (اُن کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸)

حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں

پھر فرمایا: اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الآیۃ) اس کے بارے میں دو سبب نزول نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ جب بدر میں مشرکین کو قید کیا جن میں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور عباس کو کفر اختیار کرنے پر عار دلائی گئی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے اسلام میں اور ہجرت میں اور جہاد میں آگے بڑھ گئے تو ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے در و دیوار کی دیکھ بھال کرنے کو تم نے اس شخص کے عمل کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا۔ اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایمان اور جہاد والوں کے مقابلہ میں حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال جبکہ ایمان نہ ہو اسکی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کفر و شرک کے ساتھ کوئی بھی نیک عمل مقبول اور معتبر نہیں۔

اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں حجاج کو پانی پلاؤں اور اس کے بعد دوسرا کوئی نیک عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے دوسرے اعمال کے چھوٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں' تیسرے شخص نے کہا کہ تم نے جو اپنے اعمال کے بارے میں کہا ان اعمال سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے' ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر کے قریب آوازیں بلند نہ کرو' یہ جمعہ کا دن تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نماز سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کروں گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو' چنانچہ انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر سوال کیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور تولیت سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (ظالموں سے مشرک مراد ہیں وہ شرک پر قائم ہوتے ہوئے حق اور صحیح بات کو نہیں مانتے)

مومن مہاجرین اور مجاہدین کو بشارت: اس کے بعد ایمان اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ (جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا درجہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یہ لوگ بہت بڑے ہیں اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں) مزید فرمایا۔ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ (ان کا رب انہیں بشارت دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی) خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ

الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ

میں پسند کرتے ہوں اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا تو یہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ

اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ

اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور وہ اموال

اِقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ

جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نہ چلنے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو

اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ

تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾

اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا

اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے باپ' بھائی' بیوی' کنبہ' قبیلہ' مکان' دوکان' آل اولاد کی کوئی حقیقت نہیں

تفسیر: گزشتہ آیات میں جہاد اور ہجرت کی فضیلت بیان فرمائی۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تھا اس وقت ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن ہجرت کرنے میں پس و پیش کرتے تھے اور ہجرت کی ہمت کرنے سے عاجز بنے ہوئے تھے۔ یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ معالم التنزیل (ص ۲۷۶ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا حکم فرمایا (اور یہ وہ وقت تھا جبکہ مدینہ منورہ ہی دار الاسلام تھا اور مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض تھا) تو بعض لوگوں نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اہل و عیال نے ان کو ہجرت کرنے سے روکا اور اُنہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ضائع نہ کریں اُنکی یہ بات سن کر اُن پر ترس آ گیا اور ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا (الایۃ) نازل فرمائی۔

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارے باپ اور بھائی اگر کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور ایمان کے مقابلہ میں انہیں کفر محبوب ہے تو انہیں دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ محبت اور دوستی کے لائق نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ بھی ایمان قبول کر لیتے اور تمہارے ساتھ ہجرت کرتے اب وہ کافر ہیں اور تم مومن ہو' تمہارا دین تو قبول کرتے نہیں اور یوں کہتے ہیں کہ تم ہجرت کر کے جاؤ گے تو ہم ضائع ہو جائیں گے' جو لوگ اللہ کے فرمانبردار نہیں بنتے حق کو قبول نہیں کرتے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے دوستی کی جائے۔ وہ تو ایمان قبول کرنے کو تیار نہیں اور تم ان پر اتنے مہربان ہو رہے ہو کہ انکی وجہ سے ہجرت (جو فرض ہے اور ایمان کا جزو ہے) نہیں کرتے وہ تو ایمان پر نہیں آتے اور تم ان کے لئے اپنا ایمان ضائع کر رہے ہو! یہ تو تمہاری اپنی جانوں پر ظلم ہوا۔ اس آخری بات کو یوں بیان فرمایا وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور تم میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں) یعنی ان سے دوستی رکھنا جبکہ ان کو کفر محبوب ہے ظلم کی بات ہے اور یہ اپنی جانوں پر ظلم ہے۔ جب ایمان لے آئے اللہ کے ہو گئے تو اللہ کے حکموں کے سامنے کوئی تعلق اور کوئی رشتہ داری لائق توجہ نہیں جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے روکے' مومن کا اپنا وہی ہے تو اللہ کا فرمانبردار ہو جو اللہ کا نہیں ہے وہ ہمارا بھی نہیں ہے۔

بزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کو آشنا باشد

جب آیت بالا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا نازل ہوئی تو بعض وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت نہیں کی تھی کہنے لگے کہ اگر ہم ہجرت کرتے ہیں تو ہمارے مال ضائع ہو جائیں گے اور تجارتیں ختم ہو جائیں گی اور گھر ویران ہو جائیں گے اور رشتہ داریاں کٹ جائیں گی اس پر دوسری آیت قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ (الایۃ) نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ص ۲۷۷ ج ۲) جس میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی زبانی یہ اعلان کروا دیا کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور تمہارے مال جو تم نے کما رکھے ہیں اور وہ تجارت جس میں تم مشغول ہو اور ہجرت کرنے

کی وجہ سے اس کے ناکام ہونے کا تمہیں ڈر ہے اور رہنے کے گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ تو تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ دنیاوی چیزیں تمہیں ہجرت سے روک رہی ہیں یہ تمہارے لئے عذاب کا باعث ہیں یہ جو عذاب دنیا میں بھی آ سکتا ہے اور آخرت میں تو بہر حال ترک ہجرت کرنے پر عذاب ہے ہی۔ اگر اس حالت میں مرگئے کہ ہجرت نہ کی جبکہ اسکے بغیر ایمان مقبول نہیں۔

قال صاحب الروح ای بعقوبته سبحانه لکم عاجلا او اجلا علی ماروی عن الحسن (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اپنے اوپر اللہ کے غضب سے ڈرو جلدی آئے یا دیر سے۔ حضرت حسنؓ سے جو مروی ہے اس کے مطابق یہی مطلب ہے)(ص ۷۱ ج ۱)

سورۂ نساء (آیت ۵۸) میں ہجرت پر قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا فرمایا ہے اللہ کی وعید پر نظر نہ رکھنا اور رشتہ داریوں اور تجارتوں اور گھروں کا دھیان رکھنا اور ان کی محبت میں جہاد اور ہجرت کو چھوڑ دینا یہ ایمان سے بھی دور ہے اور عقل سے بھی۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ اور جو لوگ فاسق ہیں اللہ کی فرمانبرداری نہیں کرتے کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں اور اپنے نفع اور ضرر کو سمجھیں۔ دنیا کو اللہ کی رضا کے مقابلہ میں جو ترجیح دی اُس کی سزا میں ان کا یہ حال ہوا۔

فائدہ: ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان کے تقاضے انسان کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرعی اُحکام میں بہت سی ایسی چیزیں آ جاتی ہیں۔ جو نفس پر گراں ہوتی ہیں ان میں سے ہجرت بھی ہے جہاد بھی ہے حرام مال کا چھوڑنا بھی ہے۔ شریعت کے مطابق اپنوں سے قطع تعلق کرنا بھی ہے اور بہت سے اُمور ہیں جو نفس کو ناگوار ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور اس کا حق سب سے زیادہ ہے اور مال بھی اس نے دیا ہے اور رشتہ داریاں بھی اسی نے پیدا فرمائی ہیں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کچھ بھی دُشواری نہیں ہوتی وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر تین چیزیں ہوں گی ان کی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

پہلا وہ شخص جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت کرے۔

تیسرا وہ شخص جسے اللہ نے کفر سے بچادیا وہ واپس کفر میں جانے کو ایسا ہی برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو بُرا سمجھتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

نیز حضرت اَنس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اسکے نزدیک اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

ایمان کی مٹھاس سے یہ مراد ہے کہ طاعات اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

فائدہ: محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک محبت طبعی جس میں اختیار نہیں ہوتا۔ اور دوسری محبت اختیاری یہ محبت عقلی ہوتی ہے اُوپر جس محبت کا تذکرہ ہوا اس سے محبت اختیاری مراد ہے چونکہ غیر اختیاری اُمور کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف نہیں بنایا (اور طبعی محبت اختیاری نہیں ہے) اس لئے اوامر شرعیہ میں محبت عقلی اور اختیاری ہی مراد ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں طبعی طور پر آل اولاد اور رشتہ داروں کی اور مال کی محبت ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ طبعی محبت عقلی اور اختیاری محبت پر غالب نہ آ جائے۔ یعنی طبعی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی پر آمادہ نہ کر دے۔ ایمانی تقاضوں کا پورا کرنا بعض مرتبہ آل اولاد مال اور دکانداری کی محبت کی وجہ سے دشوار ہو جاتا ہے اور غیر اللہ کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر لگ جاتے ہیں۔ بچوں کو خوش کرنے کے لئے تصویریں خرید دیں۔ گھر میں ٹی وی لے آئے انہیں غیر شرعی لباس پہنا دیا ان کی رواجی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے رشوت لے لی۔ ان کے لئے زیادہ مال فراہم کرنے کی نیت سے سود لے لیا۔ حرام محکموں میں ملازمت کر لی یا اور کسی طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے۔ دوستوں کو خوش کرنے کے لئے داڑھی مونڈ لی نصرانی لباس پہن لیا حرام کمائی والے کی دعوت کھالی یہ ہوتا رہتا ہے۔ اور ایسے مواقع میں عقلی ایمانی محبت اور طبعی محبت میں مقابلہ کی صورت بن جاتی ہے۔ عموماً لوگ طبعی محبت سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور ایمانی تقاضوں کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ کے عموم میں اس طرح کی سب باتیں آ جاتی ہیں۔ بہت سے نیک بندوں کو ایمانیات کی محنتیں کرتے ہوئے اور جنت کا یقین رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے ہوئے یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے کہ طبعی محبت بھی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ ہی سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ مقام بہت مبارک ہے اور برتر و بالا ہے۔ زہے نصیب جسے حاصل ہو جائے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔ اور حنین کے دن بھی جب تمہیں اپنی کثرت پہ گھمنڈ ہو گیا۔ پھر

تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾

اس کثرت نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے

ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اُتار دیئے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے

وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ

اور اللہ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی پھر اس کے بعد اللہ

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کثرت پر گھمنڈ ہونا اور اس کی وجہ سے اولاً شکست کھا کر بھاگنا پھر اللہ تعالیٰ کا مدد فرمانا

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کرکے یہ فرمایا کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔ پھر خصوصیت کے ساتھ غزوۂ حنین میں مدد فرمانے کا واقعہ یاد دلایا۔ حنین (ح ن ی ن) مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی، بعض صحابہ کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج ہم کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور بہت زیادہ پریشانی ہوئی۔ اور چند افراد کے علاوہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

غزوۂ حنین کا مفصل واقعہ: اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جو اُن کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا ان کے ساتھ بنو ثقیف بنو نصر بنو جشم بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہو گئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کریں، ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپ نے انکی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لینے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے اندر جا کر رہو اور صحیح حال معلوم کرکے انکی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ اور ان میں داخل ہو کر ان کی خبریں لیں اور حالات معلوم کئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپ نے مکہ معظمہ سے جب ان کے مقابلہ کے لئے سفر شروع فرمایا تھا تو آپ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت سہل بن حنظلیہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اس وقت ایک گھوڑا سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے آگے چلا گیا تھا میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتوں اور اپنے اموال اور اپنے بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہو گئے ہیں آپ نے مسکرا کر فرمایا ان شاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس بن ابی مرثدؓ چوکیداری کرتے رہے اور ادھر ادھر مختلف گھاٹیوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے آج شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ اُنہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لئے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ آپ برابر پکارتے رہے۔

اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوْآ اِلَيَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ (اے لوگو! میری طرف آ جاؤ۔ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں) اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار تھے اور بطور رجز یہ پڑھ رہے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں...... میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

اس موقعہ پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگی اور عرض کیا: اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ (اے اللہ اپنی مدد نازل فرما) آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے اصحاب شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ یہ حضرات آواز سن کر لبیک لبیک کہتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاهت الوجوه[1]۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں سے ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہوگئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمت عالی میں حاضر کئے گئے جن کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال ان شاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوں گے)

جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یوں ہی ساتھ چلے آئے تھے اُنہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقعہ پر اسلام قبول کر لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپ نے مال غنیمت کو جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں بھی تھے۔ مقام جعرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاریؓ کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنا دیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست: اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے انکے مقابلہ کیلئے حضرت اُبو عامر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت اُبو عامر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہوگئے انکے بعد ان کے چچازاد بھائی حضرت اُبو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتح یابی

[1] ان کی صورتیں بگڑ جائیں ۱۲۔

نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامرؓ کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقعہ پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی: غزوہ حنین سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہ آئے۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکنے کا ایک آلہ تھا' دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے) واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے منجنیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کل کو واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت یوں دُعا کی۔

(اے اللہ! ان کو ہدایت دے اور ہمارے لئے تو ہی کافی ہو جا (تاکہ ہمیں ان سے نبٹنا نہ پڑے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اور اسلام قبول کیا۔ اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا (یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپ انہیں ہدایت کی دُعا دے کر تشریف لے آئے)

جعرانہ میں تقسیم غنائم: آپ طائف سے واپس ہوئے تو مقام جعرانہ میں پہنچے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے سے غنیمت کے اموال بھیج دیئے تھے۔ جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے۔ اُن قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ اور بہت بڑی بھاری تعداد میں اُونٹ بھی تھے' اور بکریاں بھی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی درخواست پر غانمین سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آ جائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دے دوں گا جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سو اُونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا۔ اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔ (من البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر ص ۳۲۲ تا ص ۳۶۸ مختصراً وملتقطاً)

حنین میں فرشتوں کا نزول: مسلمانوں کو اول شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین اُن کے لئے تنگ ہو گئی اور سبب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ

تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ ﷺ پر سکینہ نازل فرمائی اور سکون واطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوۂ حنین کا ذکر کرتے ہوئے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اُتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التنزیل (ص ۲۸۱ ج ۲) میں فرماتے ہیں یعنی: الملائكة قيل لا للقتال ولكن لتجبين الكفار وتشجيع المسلمين لأنه يُروى أن الملائكة لم يقاتلوا الا يوم بدر (فرشتوں کا نزول بعض نے کہا قتال کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ کفار کو بزدل بنائیں اور مسلمانوں کو بہادر' کیونکہ مروی ہے کہ فرشتوں نے قتال صرف بدر میں کیا تھا) یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل بنانے کے لئے اور مسلمانوں کو دلیر کرنے کے لئے نازل کئے گئے تھے۔ کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقعہ کے علاوہ اور کسی موقعہ پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔ صاحب روح المعانی ص ۷۵ ج ۱۰ نے بھی جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقعہ پر قتال نہیں کیا وہ مومنین کے قلوب کی تقویت کے لئے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن آخر میں لکھا ہے وليس له سند يعول عليه یعنی اسکی کوئی سند معتمد نہیں۔

فرشتوں کے اُتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا (جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے) وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔ (جو دنیا میں ہے) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ آخر میں فرمایا۔ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

جو کافر مقتول ہو جائیں وہ تو دنیا کا عذاب یہیں چکھ لیتے ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ قتل سے بچ جائیں اللہ تعالیٰ اُن میں سے جس کو چاہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے جو کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ انہیں میں سے مالک بن عوف بھی تھا جو بہت بڑی جمعیت کو لے کر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا۔ جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور عالم ﷺ کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا آپ نے اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنا دیا۔ نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جو جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ طائف میں جا کر آپ نے محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحق جنت ہوئے۔ زمانۂ کفر میں جو کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب معاف فرما دیا۔

مالک بن عوف نے اسلام قبول کر کے جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے اہل علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

ما إن رأيت ولا سمعت بمثله   في الناس كلهم بمثل محمد

أوفى وأعطى للجزيل اذا اجتدى ومتى تشأ يخبرک عما فی غد
واذا الكتيبة عردت أنيا بها بالسمهری وضرب كل مهند
فكأنه ليث على أشباله وسط الهباءة خادر فی مرضد

جن کا ترجمہ یہ ہے:

ا-میں نے تمام لوگوں میں محمد (ﷺ) جیسا نہ دیکھا اور نہ سنا۔

۲-خوب زیادہ مال کثیر کا دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے اور جب تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دیدے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ نے فرمادیا تھا کہ بنی ہوازن کے مال کل ان شاءاللہ مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوں گے اسکی طرف اشارہ ہے)

۳-۴۔ اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پیسنے لگے نیزوں کے ساتھ، اور ہر تلوار استعمال کر لی جائے، تو گویا وہ شیر ہے اپنے بچوں (کی نگرانی) پر غبار کے درمیان ہرگھات کی جگہ میں۔

ذكرها الحافظ ابن كثير فی البداية ص۳۶۱ ج۴ والخادر (بالخاء) الاسد الذی اختفى فی اجمته كما فی القاموس (اسے حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے۔ الخادر اس شیر کو کہتے ہیں جو اپنی کچھار میں چھپا ہوا ہو)

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ
اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد
عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ
مسجد حرام کے پاس نہ آئیں اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے،
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾
بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

تفسیر: یہ آیت بھی سورة براءت کی شروع کی اُن چالیس آیات میں سے ہے، جن کا اعلان ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کرایا گیا تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ امیر الحج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا۔ اُن میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ''مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں''۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم دیا ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے

نزدیک یہ جائز ہے۔اور پلید ہونے سے مراداُن کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرکیہ اور کفر یہ مراد ہیں۔ہاں اگران میں کوئی مردعورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو یا جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مومن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے۔دیگر ائمہ کا مذہب اس سے مختلف ہے۔صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کوخواہ ذمی ہو یا ویزہ لے کر آیا ہو کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعیؒ دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں کافروں کے مسجد حرم میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے درمنثور (ص۲۲۶ ج۳) میں مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ **فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا الّا أن یکون عبدًا او أحدا من أهل الذمة** (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی غلام ہو یا کوئی شخص ذمی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام باندی اور ذمی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔جب غلام اور ذمی کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ انکو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔حدیث بالا درمنثور میں موقوفاً ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن (ص۸۹ ج۳) میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔حضرت جابرؓ نے بعض اوقات ارشادِ نبوی کے طور پر نقل کردیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

مراسیل اَبوداؤد میں ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کے لئے مسجد کے آخری حصہ میں ایک قبہ لگوادیا تا کہ وہ مسلمانوں کی نمازیں اوراُن کا رکوع سجود دیکھیں۔عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ انہیں مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔آپ نے فرمایا بلاشبہ زمین ناپاک نہیں ہوتی ابن آدم ناپاک ہوتا ہے۔

امام طحاوی نے اس واقعہ کو شرح معانی الآثار کے سب سے پہلے باب میں نقل کیا ہے۔انکی روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انه لیس علی الارض من انجاس الناس شیٔ انما انجاس الناس علی أنفسهم (لوگوں کی نجاستوں میں سے زمین پر کچھ بھی نہیں انکی نجاستیں انکی اپنی جانوں پر ہیں)۔

ثمامہ بن اثال کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ثمامہ ایک شخص تھے جنہیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم گرفتار کر کے لے آئے تھے اوران کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔بعد میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔(صحیح بخاری ص۶۶ ج۱)

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (الآیۃ) (مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں) اس کی تصریح فرمانے کے بعد

ارشاد فرمایا: وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ (اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا اگر چاہے)۔

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا ہے کہ مشرکین جب حج کے لئے آتے تھے تو اپنے ساتھ غلّہ (گیہوں، جو وغیرہ) بھی لے آتے تھے اور ان کو فروخت کرتے تھے۔ جب حج کے لئے ان کا آنا روک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمیں کفار کی چیزیں کہاں سے ملیں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان سے وعدہ فرمایا کہ اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے غنی کردیگا۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد سے بھی یہ بات منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمان کافروں سے اور اُن اموال تجارت سے بے نیاز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رزق کے دوسرے دروازے کھول دیئے اور انہیں جو معاشی مشکلات کا اندیشہ تھا انہیں دور فرمادیا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ
ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے
اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا
اسے حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کتاب دی گئی، ان سے یہاں تک جنگ کرو
الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۲۹﴾
کہ وہ ماتحت ہو کر ذلت کی حالت میں اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں

اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم

تفسیر: سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کا قانون ہے کہ کافروں سے جب جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو آگے کوئی جنگ نہیں۔ اب وہ اپنے ہو گئے ان سے جنگ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ اب تو انہیں دین سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام بتائیں گے اور نئے پرانے مسلمان سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر چلیں گے۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی ملک ہمارا ہو گا تم اس ملک میں رہو اور تمہاری جانوں کی ہم حفاظت کریں گے۔ اس حفاظت کے بدلہ تمہیں مال دینا ہو گا۔ اگر ملک پر کوئی حملہ آور ہو گا تو تمہیں ساتھ مل کر لڑنا ہو گا۔ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو بھی آگے لڑائی کا کوئی موقعہ نہیں یہ جو جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہو گا اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ جزیٰ یجزی کا مصدر ہے، جو فعلۃ کے وزن پر ہے جزیہ کفر کی سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا اور سب سے برابر بھی نہیں لیا جاتا۔ جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ ابھی لکھی جائے گی۔

اگر کافر جزیہ دینے سے بھی انکاری ہوں تو پھر قتال یعنی جنگ کی صورت اختیار کی جائے گی اس بارے میں فرمایا ہے

کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ اس میں اہل کتاب کی قید احترازی نہیں ہے۔ دوسرے کافروں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مشرکوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

آیت میں قتال اور جزیہ کا ذکر ہے۔ دعوت اسلام پیش کرنے کا ذکر نہیں اس لئے کہ جن لوگوں کو پہلے سے دعوت اسلام پہنچی ہوئی ہو انہیں قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اسلام سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح پہچان گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سب کے باوجود منکر تھے۔ رسالت کے تو منکر تھے ہی' اللہ کی توحید کو بھی چھوڑ چکے تھے۔ اور آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے' اگر کسی درجے میں آخرت کا تصور تھا تو وہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں تھا کیونکہ جانتے بوجھتے کفر اختیار کرنا اور آخرت میں جو کفر کی سزا ہے یعنی عذاب دائمی' اسے بھگتنے کے لئے تیار رہنا یہ آخرت کو نہ ماننے کے درجہ میں ہے۔ نیز وہ حشر اجساد یعنی مادی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کوئی خاص مقام نہیں ہے روح کی خوشی کا نام جنت اور غم کا نام جہنم رکھا ہوا تھا۔ اسی لئے فرمایا۔ **قال صاحب الروح وایمانهم الذی یزعمونه لیس علی ما ینبغی فهو کلا ایمان** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان کا ایمان جسے وہ ایمان خیال کرتے تھے وہ درحقیقت ایمان نہیں وہ تو ایمان کا نہ ہونا ہے) (ص ۷۸ ج ۱۰)

اہل کتاب کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ جب دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تو حرام و حلال کی تفصیلات کو بھی نہیں مانتے۔ صاحب روح المعانی نے اسکی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کا جس رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے اس نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا خواہشات نفس کے اتباع کی وجہ سے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ان کی شریعت کو بھی بدل دیا اور عمل سے بھی دور ہو گئے مثلاً رشوت اور سود کا لینا دینا ان کے ہاں عام تھا۔ جن کی حرمت انکی کتابوں میں تھی۔

اہل کتاب کا مزید حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ کہ وہ دین حق یعنی اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی یہ صفات اور ان کے یہ حالات اس بات کو مقتضی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے۔ اگر اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان سے قتال روک دیا جائے گا اور جنگ نہیں کی جائے گی۔

پھر فرمایا: حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ اس میں لفظ عَنْ يَّدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص پر جزیہ دینا مقرر کر دیا گیا وہ خود آ کر ادا کرے کسی دوسرے کے ذریعہ نہ بھیجے کیونکہ جزیہ لینے سے ان کی تحقیر بھی مقصود ہے۔ خود گھر میں بیٹھے رہے اور کسی کو وکیل بنا کر جزیہ بھیج دیا تو اس میں ان کا اعزاز ہے۔ اس لئے وکیل کے واسطہ سے بھیجنا منظور نہ کیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ خود آ کر ادا کریں۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ منقاد اور فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں۔ بعض اکابر

نے اس قول کے مطابق یوں ترجمہ کیا ہے کہ ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں۔

پھر آخر میں فرمایا وَهُمْ صَاغِرُوْنَ کہ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہو وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ اعط الجزیة یا ذمی (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وصول یابی کرنے والا یوں کہے ادِّ حقّ اللہ تعالٰی یا عدو اللہ (اے اللہ کے دشمن، اللہ کا حق ادا کر) اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو احکام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے۔ یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (ص ۹۷ ج ۱۰) نقل کئے ہیں پھر آخیر میں لکھا ہے کہ آجکل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی عمل نہیں۔ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی جزیہ بھیج دیتے ہیں۔ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں۔ پیدل آئیں۔ سوار نہ ہوں اور اسکی خلاف ورزی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ اھ صاحب روح المعانی نے اپنے زمانہ کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ قبول کر لیتے ہیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں۔ یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں۔ ان کو اسمبلی کا ممبر بھی بناتے ہیں۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحت اور شناعت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ذمی کافروں کو دارالاسلام میں کوئی عبادت خانہ نیا بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام کے غلبہ ہونے سے پہلے جو اُن کا کوئی عبادت خانہ ہو اور وہ منہدم ہو جائے تو اُسے دوبارہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لباس میں اور سواریوں میں اور ٹوپیوں میں اور مسلمانوں کے لباس اور سواریوں وغیرہ میں امتیاز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے اور ہتھیار بند ہو کر نہیں چل پھر سکتے۔ مسلمان ان سب احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں کیونکہ کفر اور کافر سے بغض نہیں ہے (العیاذ باللہ) مسلمانوں کے ملکوں میں کافروں کی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ جاہل اور غریب مسلمانوں کو اپنے دین میں داخل کر رہی ہیں لیکن مسلمانوں کے اصحاب اقتدار ذرا بھی توجہ نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری ہے اور کافر اقوام سے ڈرتے بھی ہیں اور جھینپتے بھی ہیں، ملک مسلمانوں کا ہو اور کفر کی کھلی تبلیغ ہو یہ احکام اسلامیہ کی کتنی بڑی خلاف ورزی ہے؟ اس کو اصحاب اقتدار نہیں سوچتے۔ فاللہ یهدیهم۔

جزیہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جزیہ تو وہ ہے جو آپس کی رضامندی اور صلح سے مقرر کر لیا جائے۔ جتنی مقدار پر اتفاق ہو جائے اُسی قدر لے لیا جائے اس میں ہر فرد سے وصول کرنے کی ضرورت نہیں انکے جو ذمہ دار ہوں وہ جس طرح چاہیں آپس میں وصولیابی کر کے امیر المومنین کو پہنچا دیں۔ سالانہ ماہانہ جتنے جتنے وقفہ کے بعد

لینا دینا طے ہو اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ نجران سے یوں معاملہ فرمایا تھا کہ پوری جماعت سالانہ دو ہزار حلہ ادا کیا کرے حلہ دو چادروں کو کہتے ہیں یعنی ایک تہبند اور ایک چادر اور ہر حلے کی قیمت کا اندازہ بھی طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ (چاندی) کی قیمت کا ہوگا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا۔ اور ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی ہوتا تھا۔

ایک دوسری صورت یہ ہے کہ امیر المومنین اُن کے ملک پر قابض ہو کر انہیں ان کی املاک پر باقی رکھے اور ان پر فی کس مخصوص رقم مقرر کر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مالدار آدمی پر سالانہ اڑتالیس درہم مقرر کئے تھے جن میں سے ہر ماہ چار درہم ادا کرنا لازم تھا۔ اور جو شخص متوسط درجے کا مالدار ہو اس پر چوبیس درہم مقرر کئے تھے۔ ہر ماہ اس سے دو درہم لئے جاتے تھے اور جو شخص مالدار نہ ہو۔ مزدوری کر کے کھاتا کماتا ہو اس پر بارہ درہم کی ادائیگی لازم کی تھی جس میں سے ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔

مسئلہ: عورت، بچہ اپاہج اور وہ نادار جو محنت کر کے کمانے کے لائق نہیں اور وہ لوگ جو اپنے عبادت خانوں میں رہتے ہوں لوگوں سے ان کا میل ملاپ نہ ہو ان لوگوں پر کوئی جزیہ نہیں۔

مسئلہ: اہل کتاب بت پرست، آتش پرست ان سب سے جزیہ لیا جائے گا۔ البتہ اہل عرب جو بت پرست ہیں ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

مسئلہ: مسلمانوں میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) ان پر جزیہ نہیں لگایا جائے گا۔ ان سے بھی یہ کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذٰلِكَ
اور یہودیوں نے کہا کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ
قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ
ان کی باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا۔ اللہ انہیں غارت کرے۔
أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ
کدھر اُلٹے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں کو اور درویشوں کو رب بنا لیا اور مسیح
ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا ۖ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا
ابن مریم کو بھی۔ اور حالانکہ ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس چیز سے پاک ہے جو
يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾
وہ شریک بناتے ہیں

یہود و نصاریٰ کی تردید جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بتایا

تفسیر: پہلی آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا عقیدہ شرکیہ بیان فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جیسے دوسرے مشرک اپنے شرک میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح یہود و نصاریٰ بھی مشرک ہیں۔ جن انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنا تعلق جوڑتے ہیں انہوں نے توحید کی دعوت دی تھی اور اسی دعوت کو لے کر اللہ پاک کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے بعد میں ان کے ماننے والوں نے (جو ماننے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں) توحید کو چھوڑ دیا اور عقائد شرکیہ اختیار کر لئے اور زبانوں سے بھی شرکیہ باتیں کرنے لگے۔ یہودیوں نے تو یوں کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے یوں کہا کہ مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کا قول ذکر کرنے کے بعد فرمایا ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ کہ یہ ان کی باتیں ہیں جو اُن کے مونہوں سے نکل رہی ہیں یہ اپنی باتوں میں جھوٹے ہیں۔ ان کی باتوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی باتوں کی کوئی دلیل اور کوئی سند نہیں۔

پھر فرمایا: يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (ان سے پہلے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کی باتیں ان کی باتوں کے مشابہ ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (جنہوں نے ان سے پہلے کفر اختیار کیا) سے مشرکین مراد ہیں۔ جنہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتایا اور اس عقیدہ کے جو لوگ ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وہ اپنے اسلاف کی بات پر جمے ہوئے ہیں (روح المعانی ص ۸۳ ج ۱)

پھر فرمایا قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کے مجازی معنی لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس سے لعنت کرنا مراد ہے۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (وہ کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں) ان کو توحید کی دعوت دی گئی ہے اسے چھوڑ کر شرک اختیار کئے ہوئے ہیں اور حق کو چھوڑ کر باطل میں لگے ہوئے ہیں۔

تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: پھر فرمایا: اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ کہ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار (یعنی علماء یہود) کو اور راہبوں (یعنی نصاریٰ کے درویشوں) کو اپنا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی) رب بنا لیا۔ نصاریٰ کے راہب تارک دنیا ہو کر اپنے اُن گھروں میں رہتے تھے جو جنگلوں میں بنا لیتے تھے اس لئے رہبان کا ترجمہ درویش کیا گیا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے (بعد میں مسلمان ہوئے) انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اُس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا' اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال کر پھینک دو میں نے اس کو پھینک دیا واپس آیا تو آپ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کرتے پھر یہ کیوں فرمایا کہ احبار اور رھبان کو رب بنالیا۔ آپ نے فرمایا کیا یہ بات نہیں کہ یہ لوگ جو چیز تمہارے لئے حرام کردیں تو اسے حرام کر لیتے ہو اور جو چیز حلال کردیں تم اسے حلال کر لیتے ہو میں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے آپ نے فرمایا یہ ان کی عبادت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۸۵ ج ۲)

اور سنن ترمذی وغیرہ میں اس طرح سے ہے کہ عدی بن حاتم نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سورہ برأت کی آیت پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ حلال کہتے تھے انہیں حلال سمجھتے تھے اور جن چیزوں کو وہ حرام کردیتے تھے انکو حرام مان لیتے تھے (درمنثور ص ۲۳۰ ج ۳)

تحلیل وتحریم میں غیر اللہ کی فرمانبرداری شرک ہے: دراصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے جن چیزوں سے نفع حاصل کرتے ہیں وہ بھی اسی نے پیدا کیں اور جو لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں اُن کو بھی اسی نے پیدا فرمایا' اُسے اختیار ہے کہ جس چیز کو جس کے لئے حلال قرار دے اور جس کے لئے حرام قرار دے اس نے سابقہ اُمتوں کے لئے بعض چیزیں حرام قرار دیں اور اس اُمت کے لئے حلال کردیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے پاس سے تحلیل اور تحریم کے قانون بنائے۔ جو شخص اپنے طور پر کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دے چاہے اپنے لئے خواہ دوسروں پر

اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (آپ فرمادیجئے کہ یہ تو بتاؤ جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے رزق نازل فرمایا سو اس میں سے تم نے حرام اور حلال تجویز کرلیا۔ کیا اللہ نے تمہیں اسکی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر تہمت باندھتے ہو)

جب تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے جو خالق اور مالک ہے تو اس کے سوا جو کوئی شخص تحلیل وتحریم کے قانون بنائے اور اپنے پاس سے حلال وحرام قرار دے اس کی بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک بنانا ہوا جیسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اس کی عبادت ہے اس طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ اُن کی عبادت ہے اسی طرح ان امور میں غیر اللہ کی فرمانبرداری کرنا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہیں یہ اُن کی عبادت ہے چاہے ان کو سجدہ نہ کریں چونکہ ان جاری کئے ہوئے احکام کے ساتھ فرمانبرداری کا وہی معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ ہونا چاہئے اس لئے انکے اتباع اور اطاعت کو عبادت قرار دیا۔

پھر فرمایا: (اور انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کریں)

یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (کوئی معبود نہیں اس کے سوا) وہی معبود حقیقی ہے اسکی عبادت کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے۔ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے)

فائدہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو جو حضور اقدس ﷺ نے جواب دیا کہ وہ لوگ اپنے علماء کو اور درویشوں کو اس طرح اپنا رب بنالیتے تھے کہ ان کی تحلیل وتحریم پر عمل کرتے تھے اس میں عبادت بالمعنی المعروف کی نفی نہیں

ہے۔ عام طور پر جو اُن کا طریقہ تھا اسے بیان فرمادیا' اُن میں وہ لوگ بھی تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقاعدہ عبادت کرتے تھے۔ اور اُن کو ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ یعنی تیسرا معبود مانتے تھے بلکہ صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ آیت بالا میں جو وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فرمایا ہے (اور اس لفظ کو جو احبار اور رہبان پر معطوف کر کے علیحدہ سے ذکر فرمایا ہے) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باقاعدہ معبود مانتے تھے وہ تو اللہ کے پیغمبر تھے اپنی طرف سے تحلیل وتحریم کرنے والے نہ تھے ان کا بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔

فائدہ: اُوپر جو سورۂ نحل کی آیت نقل کی گئی ہے اس کا مضمون دوسری آیات میں بھی ہے جن میں صاف صاف بتایا ہے کہ تحلیل وتحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اسلام کے دعویداروں میں بعض فرقے ایسے ہیں جو تحلیل وتحریم میں اور احکام کو منسوخ کرنے اور بدلنے میں اور عبادت کے طریقے تجویز کرنے میں اپنے امام اور مجتہد کو بااختیار سمجھتے ہیں۔ اور اپنے امام کو قرآن وحدیث کا پابند نہیں سمجھتے۔ ان کا امام اور مجتہد جو کچھ کہتا ہے اسی کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کی تصریحات اور تعلیمات اُن کے نزدیک بے حیثیت ہیں۔ ایسے فرقوں کے کفر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ تصریحات قرآنیہ کو کوئی وزن نہیں دیتے انکے نزدیک امام کو سب کچھ اختیار ہے جن لوگوں نے انکار مذہب ایجاد کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں تحلیل وتحریم کے اختیارات رکھنے کے لئے اپنے عوام کو یہ عقیدہ بتایا اور سمجھایا ہے کہ امام ہی سب کچھ ہے۔ روافض کا امام جب چاہے نماز جمعہ جاری کردے اور جب چاہے منسوخ کردے۔ اور اسی طرح دیگر اُمور میں بھی ان کے یہاں یہی صورت حال ہے۔ ایک بہائیہ فرقہ ہے۔ ان کے ہاں بھی دین اسلام سے ہٹ کر فرائض اور محرمات کی تفصیلات ہیں۔ اور بعض معاصی کی تعزیرات اُنہوں نے خود سے مقرر کی ہیں جو اُن کے بعض رسالوں کو دیکھ کر مطالعہ میں آئیں' منکرین حدیث میں ایک شخص چکڑالوی تھا۔ اُس نے نماز کی ترتیب اور ترکیب اور طریقۂ عبادت اپنے پاس سے تجویز کیا تھا۔ یہ سب ان لوگوں کی گمراہی ہے جو سراپا کفر ہے۔

فائدہ: اب دورِ حاضر میں جبکہ آزاد منش لوگ اسلامی احکام پر چلنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور دشمنان اسلام سے متاثر ہیں' کہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام جمع ہو کر میٹنگ کریں' اور اسلامی احکام کے بارے میں غور وفکر کریں اور فلاں فلاں احکام کو بدل دیں یا ہلکا کردیں۔ اور فلاں فلاں حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیں۔ یہ اُن لوگوں کی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔ اگر علماء ایسا کرنے بیٹھیں گے تو کافر ہو جائیں گے۔ اور اگر کسی حرام چیز کو حلال قرار دے دیں گے تو ان کے حلال کر دینے سے حلال نہ ہوگی۔ اباحی (یعنی حرام چیزوں کو مباح قرار دینے والے) قسم کے لوگ جو نام نہاد عالم کہلاتے ہیں انہوں نے سود' بیمہ اور تصویروں کو اور بعض دیگر محرمات کو حلال کہہ دیا ہے ان کے کہنے اور لکھنے سے وہ چیزیں حلال نہیں ہوگئیں۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ کو اس کے علاوہ کوئی بات منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے۔

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اُسے

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾

تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو

پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھایا نہ جائے گا

تفسیر: ان دونوں آیات میں دشمنان اسلام کے عزائم باطلہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، یعنی اسلام پر اعتراض کر کے مہمل باتیں کر کے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔ ان کی باتوں سے اسلام کا نور بجھنے والا نہیں اور انکی شرارتوں سے اسلام کو ٹھیس لگنے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس کا نور پورا ہو کر رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اور بُرا لگے۔

اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔ پہلی آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ فرمایا۔ جو لوگ شرک کی وجہ سے مشرک ہیں اور جو لوگ مشرک نہیں کسی دوسری وجہ سے کافر ہیں مثلاً خدائے تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے یا اس کی ذات پر اعتراض کرتے ہیں یا اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں کو جھٹلاتے ہیں ان دونوں قسم کے دشمنوں کی ناگواری کا تذکرہ فرما دیا کہ کافر اور مشرک یہ جو چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین نہ پھیلے اور اس کا غلبہ نہ ہو ان کے ارادوں سے کچھ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب فرمائے گا۔ یہ جلتے رہیں۔ حسد کرتے رہیں۔ ان کی نیتوں اور ارادوں پر خاک پڑے گی اور دین اسلام بلند اور غالب ہو کر رہے گا۔

غالب ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ دلیل اور حجت کے ساتھ غلبہ ہو۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی بھی شخص خواہ دین آسمانی کا مدعی ہو، خواہ بُت پرست ہو، خواہ آتش پرست ہو خواہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو، خواہ مُلحد اور زندیق ہو وہ اپنے دعویٰ اور اپنے دین کو لے کر دلیل کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نہیں آ سکتا اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ اسلام کے دلائل سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین، زنادقہ اور ملحدین سب پر حجت قائم ہے۔ اس اعتبار سے دین اسلام ہمیشہ سے غالب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اُسے کامل بھی فرما دیا اور قرآن مجید میں اعلان فرما دیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی) اسلام دین کامل ہے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ دیگر تمام ادیان کے ماننے والے صرف چند تصورات اور خود تراشیدہ معتقدات کو لئے بیٹھے ہیں۔ عبادات، معاملات، مناکحات، معیشت اور مُعاشرت، سیاست اور حکومت، اخلاق اور آداب کا کوئی مذہبی نظام ان کے پاس نہیں ہے۔ خود سے قوانین بنا لیتے ہیں اور پھر انہیں توڑ دیتے

ہیں (بلکہ یوں کہتے ہی نہیں کہ یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) خود ساختہ قانون کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کریں۔ اسلام نے انسانوں کو ہر شعبۂ زندگی کے احکام دیئے ہیں اور اخلاقِ عالیہ کی تعلیم دی ہے جن کی تصریحات اور تفصیلات قرآن مجید میں اور احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

دوسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو اور اس کا راج ہو۔ ایسا قیامت سے پہلے ضرور ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی علیہما السلام کے زمانے میں اسلام خوب اچھی طرح پھیل جائے گا۔ اور زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کی تصریح آئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ رات اور دن ختم ہونے سے پہلے ایسا ضرور ہوگا کہ لات اور عزّیٰ کی پرستش کی جائے گی (یہ زمانہ جاہلیت میں دو بت تھے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ نازل فرمائی تو یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (یعنی دین حق تمام دینوں پر غالب ہوگا) آپ نے فرمایا کہ جب تک اللہ چاہے گا ایسا ہوگا (جو آیت شریفہ میں مذکور ہے) پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیج دے گا۔ جس کی وجہ سے ہر اس شخص کو موت آ جائے گی جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اس کے بعد صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی لہٰذا وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (رواہ مسلم ص ۳۹۴ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ تشریف آوری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ **ویبطل الملل حتی یھلک اللہ فی زمانہ الملل کلھا غیر الاسلام** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام ملتوں کو باطل کر دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے علاوہ ساری ملتوں کو ختم فرما دیں گے۔ (مسند احمد ص ۴۳۷ ج ۲)

تیسری صورت اسلام کے غالب ہونے کی یہ ہے کہ مسلمان اقتدار کے اعتبار سے دوسری اقوام پر غالب ہو جاتا ہے اور یہ ہو چکا ہے جب مسلمان جہاد کرتے تھے اللہ کے دین کو لے کر آگے بڑھتے تھے اور اللہ کی رضا پیش نظر تھی اس وقت بڑی بڑی حکومتیں پاش پاش ہو گئیں۔ قیصر و کسریٰ کے ملکوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ان میں سے جو قیدی پکڑے گئے وہ غلام باندی بنائے گئے اور مشرکین اور اہل کتاب میں بہت سے لوگوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مسلمانوں کے ماتحت رہے۔ صدیوں یورپ اور ایشیا' افریقہ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ رہا۔ (اور اس وقت یہی تین برّ اعظم دنیا میں معروف تھے) اور اب بھی مسلمانوں کی حکومتیں زمین کے بہت بڑے حصے پر قائم ہیں۔ اگر اب بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور آپس میں اتفاق و اتحاد کر لیں کافروں سے بغض رکھیں۔ کافروں کی حکومتوں کو اپنا سہارا نہ بنائیں تو اب بھی وہی شان واپس آ سکتی ہے جو پہلے تھی۔

اقتدار والے غلبہ کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور آئندہ پھر اس کا وقوع ہوگا ان شاء اللہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر مٹی سے بنا ہوا کوئی گھر یا بالوں سے تیار کیا ہوا کوئی خیمہ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کا کلمہ داخل نہ فرما دے۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ اور

ذلت والے کی ذلت کے ساتھ۔ حدیث کی روایت کرنے کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تو پھر سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶ از مسند احمد)

جن کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا۔ انہیں کلمۂ اسلام کا قبول کرنے والا بنادے گا اور جن کو اللہ ذلیل کرے گا وہ مقتول ہوگا یا مجبور ہو کر جزیہ ادا کرے گا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
اے ایمان والو! بلا شبہ بہت سے علماء اور راہب ایسے ہیں جو لوگوں کے مال
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ
باطل طریقہ پر کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى
اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔
عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا
پھر ان کی پیشانیوں اور کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو
مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾
تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا سو اب اسے تم چکھ لو جسے تم جمع کرتے تھے

یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں

تفسیر: اس آیت میں اول تو اہل کتاب کے علماء اور مشائخ یعنی درویشی اختیار کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ یہ لوگ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ پرہیز بھی کرتے ہوں گے اس لئے لفظ کثیرا کا اضافہ فرمادیا۔ ان کا باطل طریقہ پر مال کھانا اس طرح سے تھا کہ توریت شریف میں تحریف کرتے تھے اور اپنے پاس سے احکام بنا دیتے تھے اور اس پر اپنے عوام سے پیسے لے کر کھا جاتے تھے۔ اہل ایمان کو خطاب فرما کر اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی حرام خوری کا تذکرہ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اندر بھی اس طرح کے علماء اور مشائخ ہو سکتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جھوٹے پیر جو گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا یہی حال ہے۔ نہ صاحب شریعت، نہ صاحب طریقت اندر سے خالی ہیں۔ تصوف سے عاری ہیں طالب دنیا ہیں فکر آخرت نہیں خوف وخشیت نہیں تقویٰ نہیں۔ لوگوں سے مال وصول کرنے کے لئے طرح طرح کے ڈھنگ بنا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جو کچھ کسی شخص کو اس کے دیندار اور صالح ہونے کے خیال سے دیا جائے اس کا لینا اس شخص کے لئے حلال نہیں ہے جو اندر

سے فاسق ہوا گر دینے والے کو اس کا اندرونی حال معلوم ہوتا تو ہر گز نہ دیتا۔

اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں جن کے تشریف لانے کا انتظار تھا لیکن ان لوگوں نے آپ کی صفات کو بدل دیا۔ اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا کہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا جو طریقہ اسلام کے عہد اول میں تھا۔ ابھی تک وہی ہے یہودیت اور نصرانیت کے ذمہ دار یہ جانتے ہوئے کہ اسلام دین حق ہے۔ نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری جماعتیں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے تیار کر رکھی ہیں۔ مختلف طریقوں سے یہ لوگ مسلمان نوجوانوں کو اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مال کا لالچ بھی دیتے ہیں۔ عورتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان نوجوان ان کے قابو میں نہیں آتے جب اسلام دل میں رَچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے قلوب کی گہرائی سے نہیں نکال سکتی۔ جتنے اموال کفر اور شرک کو پھیلانے کے لئے خرچ کئے جاتے ہیں اور اسلام کو پھیلنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ صفر کے درجہ میں ہی رہتا ہے۔

اسلام کے عہد اول سے جو دشمنان اسلام کی کوششیں رہی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ ان کو دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت مکہ مکرمہ کے ایک گھر سے بھی آگے نہ بڑھتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو آگے بڑھایا اور کروڑوں افراد اُس وقت سے آج تک اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور برابر داخل ہو رہے ہیں۔ دشمنوں کی کوششیں فیل ہیں۔ اسلام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ پھیل رہا ہے۔ یورپ۔ امریکہ۔ کینیڈا۔ افریقہ۔ آسٹریلیا اور ایشیاء کے بہت سے ممالک کے غیر مسلم اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اسلام قبول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب ان شاء اللہ تعالیٰ رکنے والا نہیں ہے دلیل و حجت سے اسلام ہمیشہ غالب ہے اور اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بھی اب پورے عالم میں گھر گھر داخل ہو رہا ہے۔

دشمنان اسلام ہمیشہ سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل اسلام کے ساتھ ہے۔ اور یہ بھی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری کوششیں اسلام کے خلاف کامیاب نہیں ہیں پھر بھی اپنی ناسمجھی سے اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا پھر بھی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ یورپ امریکہ میں لاکھوں مسلمان رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کی اذانیں سُنتے ہیں۔ نمازیں دیکھتے ہیں۔ اسلام پھیل رہا ہے۔ چرچ بک رہے ہیں۔ ان کی جگہ مسجدیں بن رہی ہیں پھر بھی ہوش کی آنکھیں نہیں کھولتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کی مخالفت سے اسلام کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جو لوگ کفر اور شرک والے ادیان کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے عوام کو اسلام پر آنے نہیں دیتے۔ اور ان کو کفر ہی پر مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنتوں کے باوجود ان کے عوام کے دل اپنے دین سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرکاری کاغذات میں پیدائشی طور پر ان کا جو دین لکھ دیا گیا تھا وہ دل سے اس سے منحرف ہیں گو زبان سے اظہار نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان کے عوام کا اپنے دینوں سے قلوب کے اعتبار سے منحرف ہونا ان شاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گا۔ اور وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔

جو لوگ ادیان باطلہ کے داعی اور قائد ہیں وہ اپنی جانوں اور اپنی عوام کی جانوں پر رحم کھائیں اور اسلام قبول کریں اور اپنے عوام کو بھی اس کی دعوت دیں اگر یہ لوگ اسلام کی طرف آگے نہ بڑھے تو انہیں میں سے آگے بڑھنے والے آگے

بڑھ جائیں گے اور اسلام قبول کر کے اُن پر لعنت کریں گے جو اسلام سے روکتے رہے۔ لہٰذا دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے اپنے کو اور اپنے عوام کو بچائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیں۔ ہم بالکل علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے لئے وعید ذکر فرمائی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یَکْنِزُوْنَ کو ماقبل پر معطوف نہیں فرمایا بلکہ اسم موصول لا کر مستقل جملہ کے ذریعہ چاندی سونا جمع کرنے والوں کے لئے وعید بیان فرمائی الفاظ کے عموم میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ بھی داخل ہیں جو مال جمع کرنے کی وجہ سے توریت شریف کے احکام میں تحریف کرتے تھے۔ اور اس اُمت کے وہ افراد بھی مراد ہیں جو سونا چاندی جمع کریں اور اس میں سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض واجبات میں خرچ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔ اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے) بشارت خوش کرنے والی چیز کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہ مال جمع کرنے کو اپنے لئے اچھا سمجھتے تھے۔ ان کے گمان کے برخلاف ارشاد تعبیر فرمایا کہ تمہیں اسکی وجہ سے عذاب ہوگا۔ عذاب کو اچھا سمجھتے ہو تو خوش ہو جاؤ۔

یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ (جس روز ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا کہ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ سو اب تم چکھو لو جسے جمع کرتے تھے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاندی سونے کا مالک تھا جس میں سے اس کا حق ادا نہیں کرتا تھا۔ (یعنی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا) تو جب قیامت کا دن ہوگا اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر ان تختیوں کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اُن کے ذریعہ اس کے پہلو اور اسکی پیشانی اور اسکی کمر کو داغ دیا جائے گا۔ جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو اُن کو (پھر سے گرم کر کے) واپس لوٹا دیا جائے گا۔ یہ اُس دن میں ہوتا رہے گا جو پچاس ہزار سال کا ہوگا پھر نتیجہ میں وہ اپنا راستہ جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف دیکھ لے گا۔ (اس کے بعد) ان لوگوں کی وعید کا تذکرہ فرمایا جو مویشیوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ (رواہ مسلم ص ۳۱۸ ج ۱)

اول تو آگ کی تختیاں پھر ان کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے پھر ان سے پہلوؤں پیشانیوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے اور جب ٹھنڈی ہو جائیں تو دوبارہ گرم کر لی جائیں اور پچاس ہزار سال تک یہی عذاب کا سلسلہ جاری رہے اور پھر بھی دونوں احتمال ہیں کہ جنت میں جائے یا دوزخ میں۔ اس کا ہر وہ شخص تصور کرے جو مال جمع کرتا ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا۔ پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دینے میں علماء نے یہ حکمت بتائی ہے کہ جب ایسے لوگوں کے پاس کوئی سائل (مال زکوٰۃ کا طلب گار) سامنے سے آتا ہے تو اسے دیکھ کر پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں پھر اس سے نظر بچانے کے لئے دائیں طرف یا بائیں طرف مڑتے ہیں اور سوال کرنے والا اس طرح سے بھی پیچھا نہ چھوڑے تو پھر اس کی طرف پشت کر لیتے ہیں اس لئے پیشانی اور پہلو اور پشت کو عذاب کے لئے مخصوص کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فائدہ: سونا اور چاندی کو چونکہ بین الاقوامی طور پر اصل ثمن ہونے کی حیثیت حاصل ہے اور اسلام میں انہیں اثمان قرار دیا ہے اس لئے جس قسم کا بھی مال ہو اس کو سونا چاندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب سے دنیا میں نوٹ آئے ہیں تو چونکہ ان کے ذریعہ چاندی سونا خریدا جاسکتا ہے۔ اسلئے وہ چاندی سونے ہی کے حکم میں ہیں' اور مال تجارت بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ سونا چاندی ہو یا مال تجارت یا نقد کیش ان سب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ جتنی بھی زکوٰۃ قاعدہ شرعیہ کے مطابق فرض ہو وہ حساب سے ادا کی جاتی رہے تو باقی مال کو کنز نہیں کہا جائے گا جس پر حدیث بالا میں وعید آئی ہے۔ اسی لئے بعض احادیث میں فرمایا ہے: ما بلغ أن تؤدی زکوته فزکی فلیس بکنز۔ یعنی جو مال اس مقدار کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا کردی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۱۸ ج ۱)

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض فرمائی ہے اور قرآن مجید میں دسیوں جگہ زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے: وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ (سو خرابی ہے مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں اور اُن لوگوں کا کام ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ زکوٰۃ کے علاوہ قواعد شرعیہ کے مطابق دوسرے اخراجات بھی واجب ہیں قربانی کرنا صدقۂ فطر ادا کرنا عند الضرورۃ ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں پر قواعد شرعیہ کے مطابق خرچ کرنا۔ یہ سب حقوق ہیں جو مال سے متعلق ہیں اور حقوق واجبہ کے علاوہ جو کوئی شخص جتنا بھی اللہ کی رضا کے لئے خرچ کردے گا اس کا ثواب پائے گا جس کو نفلی صدقات کہا جاتا ہے لیکن فرائض اور واجبات میں خرچ کرنے کا خاص دھیان رکھے تاکہ آخرت میں مؤاخذہ نہ ہو۔

فائدہ: آیت کریمہ میں اولاً سونا چاندی دونوں کے جمع کرنے کا تذکرہ فرمایا پھر وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فرمایا پھر تثنیہ کی ضمیر کے بجائے واحد کی ضمیر لائی گئی جو فضہ (چاندی) کی طرف راجع ہے۔ بعض علماء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ سونا چاندی ایک ہی چیز ہے لہٰذا اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور علیحدہ علیحدہ ان میں سے ایک بھی نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگادی جائے گی مطلب یہ ہے کہ دونوں کے مجموعہ کی قیمت اگر نصاب چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

چاندی سونے کا کیا نصاب ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے دو رکوع کے بعد آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ کی تفسیر دیکھئے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
بلا شبہ اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان
وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ
اور زمین پیدا فرمائے مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ دین مستقیم ہے سو ان مہینوں میں
اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ

الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا

متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کی حرمت کو آگے بڑھا دینا کفر میں ترقی کرنا ہے جس سے کافر لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں کہ وہ اس مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں

وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ

اور کسی سال حرام قرار دے دیتے ہیں تاکہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں

سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

ان کے برے اعمال ان کے لئے مُزین کر دیئے گئے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مہینوں کی حلت وحرمت میں ہیرا پھیری اور تقدیم وتاخیر کرنا کفر میں ترقی کرنا ہے

تفسیر: اُوپر دو آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا تھا اسی دن سے اس نے مہینوں کی تعداد بارہ عدد مقرر فرمائی ہے۔ ان میں سے چار مہینوں کو حرام قرار دے دیا جن میں قتال کرنے کی ممانعت فرما دی (یہ چار مہینے ذی القعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب تھے) جمہور علماء کا فرمانا ہے کہ ان کی حرمت منسوخ ہے اور اب ان مہینوں میں بھی قتال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ. کی تفسیر میں بیان کر آئے۔ (دیکھو انوار البیان ج ۱)

پھر فرمایا کہ یہ دین مستقیم ہے یعنی سال کے مہینوں کا بارہ عدد ہونا اور چار مہینوں کا بالتخصیص اُشہر الحرام ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ چیز ہے۔ اور یہ دین صحیح ہے۔ جاہلیت کے لوگ کبھی سال کے مہینوں کا عدد بڑھا دیتے تھے اور کبھی اُشہر الحرام کی تخصیص کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی طرف سے بعض مہینوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیتے تھے۔

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ۔ سو تم ان سب مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ یعنی گناہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو مت چھوڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے معالم التنزیل (ص ۲۸۶ ج ۲) میں محمد بن اسحٰق سے اس کا مطلب یوں نقل کیا ہے کہ حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال نہ بناؤ۔ لا تجعلوا حلالها حرامًا وحرامها حلالًا كفعل أهل الشرك وهو النسيئ. (حلال مہینوں کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ جیسا کہ اہل شرک کرتے تھے یعنی نسئ کا عمل)

پھر فرمایا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً کہ تمام کافروں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ تم سب سے جنگ کرتے ہیں وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

دوسری آیت میں جاہلیت والوں کے ایک طریقۂ کار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ حرام مہینے کو مؤخر کر دینا کفر میں زیادتی ہے، مشرکین عرب مشرک تو تھے ہی اپنے اس طریقہ کار سے بھی مزید کفر میں ترقی کر گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تحریم کو بدل کر

اَشہر الحرام کوحلال کر لیتے تھے۔آگے بڑھنے سے پہلے اَلنَّسِیْٓءُ یعنی حرام مہینوں کو مؤخر کرنے کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے چار مہینوں کو حرام قرار دیا تھا یعنی ان میں قتل وقتال کی اجازت نہ تھی۔قریش مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی تھے اور کعبہ شریف کے متولی بھی تھے جو اُن کے جدِ امجد حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا' ان لوگوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو باتیں باقی رہ گئی تھیں' ان میں حج کرنا بھی تھا۔اور چار مہینوں کو محترم بھی سمجھتے تھے اور ان میں قتل وقتال کو حرام مانتے تھے۔لیکن ان میں اور عرب کے دیگر قبائل میں جاہلیت کی وجہ سے شر وفساد اور قتل وقتال ایک پیشہ بن کر رہ گیا تھا اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے لُوٹ مار کے ذریعہ مال حاصل کر کے اپنی معیشت بناتا تھا۔کبھی لڑائی ٹھن جاتی تھی اور لوٹ مار اور جنگ کرنے کی ضرورت ان چار مہینوں میں سے کسی مہینے میں محسوس کرتے تھے تو یوں کر لیتے تھے کہ کسی مہینے کو مؤخر کر دیتے تھے۔مثلاً ماہِ محرم میں انہیں جنگ کرنا ہوتا تو یوں کہتے تھے کہ یہ ماہِ محرم نہیں ہے بلکہ ماہِ صفر ہے۔محرم اس سے آئندہ مہینہ ہوگا۔اس طرح سے محرم کو صفر قرار دے کر جنگ کر لیتے تھے۔اور ماہِ صفر کو شہر حرام قرار دے دیتے تھے' اللہ کی طرف سے جو مہینہ حرمت والا تھا اس کو اپنی طرف سے حلال اور جو مہینہ حلال تھا اُسے حرام قرار دے دیتے تھے۔اس طرح اللہ کی تحلیل اور تحریم کو بدل دیتے تھے اور اپنے نفسوں کو یوں سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ جو قتال کیا ہے وہ شہر حرام میں نہیں کیا (حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ مہینہ حرمت والا تھا) ان لوگوں کے آگے پیچھے کر دینے سے نہ حقیقت میں کوئی مہینہ بدلا اور نہ تحلیل وتحریم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا حکم بدلا۔اوپر ماہِ محرم وماہِ صفر کے آگے پیچھے کرنے کی ایک مثال پیش کی گئی ہے۔اس طرح سے وہ سال کے بارہ مہینوں کو اپنی اپنی جگہ سے ہٹا چکے تھے۔اور یہ جانتے ہوئے کہ حج کا مہینہ ماہِ ذوالحجہ ہی ہے آگے بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ حج بھی ذوالحجہ کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہونے لگا۔ ۱۰ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔تو وہ ٹھیک نو ذی الحجہ کو واقع ہوا تھا۔آپ نے یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو جو خطبہ دیا اس میں فرمایا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہ بلاشبہ زمانہ گھوم کر اپنی اسی جگہ پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔یعنی مشرکین کے آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے کی تغییر اور تبدیل جو تھی اس کا کوئی دخل اور اثر مہینوں کی ترتیب میں نہیں رہا۔اگر یہ لوگ تغییر اور تبدیل نہ کرتے تب بھی یہ مہینہ اپنی اصل کے اعتبار سے ذی الحجہ ہی ہوتا لہٰذا بارہ مہینے اب اپنی جگہ پر آ گئے ہیں۔

مشرکین عرب کی اس اَلنَّسِیْٓءُ والی رسم جاہلی کے بارے میں فرمایا يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ اس کے ذریعہ کفار گمراہ کئے جاتے ہیں يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا کسی مہینے کو ایک سال حلال قرار دیتے تھے اور ایک سال حرام قرار دے دیتے تھے۔ لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ تاکہ وہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جو اللہ نے حرام قرار دیئے تھے یعنی سال میں گنتی کے اعتبار سے چار مہینوں کی حرمت اپنے خیال میں اس طرح برقرار رکھتے تھے کہ کوئی سے چار مہینے اپنی اغراض کے مطابق حرام مان لیتے تھے۔چاہے وہ وہی مہینے ہوں جو اللہ کی طرف سے حلال ہیں اسی طرح اللہ کے حرام قرار دیئے ہوئے مہینوں کو حلال قرار دے دیتے تھے۔ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ اور صرف یہ دیکھتے تھے کہ گنتی کے اعتبار سے آٹھ مہینے

ہم نے حلال قرار دیئے حالانکہ ان حلال قرار دیئے ہوئے مہینوں میں وہ مہینے بھی آ جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام قرار دیئے گئے تھے۔ کبھی تو مہینوں کو آگے پیچھے کر کے تحریم اور تحلیل کی رسم کا طریقہ اختیار کر لیتے تھے اور کبھی یوں کہتے تھے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں ہے اس کی جگہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا پھر اپنی اغراضِ نفسانیہ کے لئے ضرورت محسوس کرتے تو صفر کا مہینہ آنے پر کہہ دیتے تھے کہ یہ مہینہ حرام نہیں ہے۔ آئندہ مہینہ یعنی ربیع الاوّل حرام ہوگا۔

شیطان نے انہیں اس قسم کا سبق پڑھایا تھا اور ان کے اعمال کو اچھا کر کے پیش کر دیا تھا۔ اسی کو فرمایا زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ کہ ان کے لئے ان کے بُرے اعمال مزین کر دیئے گئے جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں۔ پھر فرمایا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے)

فائدہ: احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے[1] عبادات، حج، زکوٰۃ، عدت کا اعتبار چاند کے مہینوں سے ہے۔ اسی لئے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور ان کی ابتداء انتہاء جاننا فرض کفایہ ہے۔ بعض قوموں میں ہر تیسرا سال تیرہ مہینے کا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی وضع کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ دنیاوی معاملات کے لئے بطور یادداشت اگر قمری مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں کو استعمال کیا جائے تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ لیکن پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہجری مہینوں کے سوا جو دوسرے مہینے رائج ہیں انہیں دُشمنانِ دین نے اختیار کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے ہجری مہینوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تو ہمیں ان کی طرف مائل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو زمین پر

أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا

بوجھل بن جاتے ہو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے۔ سو دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں

قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ

بہت تھوڑی سی ہے اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے علاوہ دوسری قوم کو تمہارے بدلہ پیدا فرما دے گا اور تم اس کو کچھ بھی ضرر نہیں

شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ

پہنچا سکتے ہو اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے جبکہ ان کو کافروں نے نکال دیا تھا۔

كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ

جبکہ وہ دو آدمیوں میں سے ایک تھے۔ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو بلا شبہ اللہ

مَعَنَا ۖ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے آپ پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے

[1] ملاحظہ ہو انوار البیان ج ۱

15

الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

ان لوگوں کی بات نیچی کردی جو کفر اختیار کیے ہوئے تھے اور اللہ کی بات اُونچی ہی ہے اور اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے

خروج فی سبیل اللہ کے لئے کہا جائے تو نکل کھڑے ہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا!

تفسیر: معالم التنزیل (ص۲۹۲ ج۲) میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا (الایۃ) غزوہ تبوک میں شرکت کرنے کی ترغیب دینے کے لئے نازل ہوئی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے حصار کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے حکم دیا کہ اب رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے چلو (خبر ملی تھی کہ رومی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے شام کی سرحد پر جمع ہو گئے ہیں) صوبہ شام اس وقت رومیوں کے زیر نگین تھا اور وہاں ہرقل کی حکومت تھی جو رومیوں کا بادشاہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے وہیں چل کر مقابلہ کر لیا جائے اور دفاع کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب جہاد کے لئے جانا ہوتا تھا تو توریہ سے کام لیتے تھے (یعنی نام لیکر واضح طور پر نہیں بتاتے تھے کہ فلاں مقام پر جانا ہے اور فلاں قوم سے جنگ کرنا ہے) یہ موقعہ ایسا تھا کہ پھل پک رہے تھے کھیتیاں تیار تھیں ان کے کاٹنے کا زمانہ تھا اور تنگدستی بھی چل رہی تھی۔ گرمی سخت تھی اور سفر دور کا تھا اور درمیان میں خوفناک میدان تھے اور دشمن بھی تعداد میں زیادہ تھا۔ آپ نے واضح طور پر مسلمانوں کو بتا دیا کہ تبوک جانا ہے تا کہ دشمن سے مقابل ہونے کے لئے تیاری کر لیں۔ اس موقعہ پر آپکا جہاد کے لئے حکم فرمانا بھاری پڑ گیا اور مسلمانوں میں سستی اپنا اثر کرنے لگی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اہل ایمان کو خطاب فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین پر بوجھل بن گئے کیا آخرت کے بدلہ میں دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے حالانکہ دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑی سی ہے۔ مزید فرمایا اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (الآیۃ) اگر تم اللہ کی راہ میں نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلہ دوسری قوم کو پیدا فرما دے گا۔ اور تم اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) وہ عذاب دے سکتا ہے اور تمہارے بدلہ دوسری قوم بھی پیدا فرما سکتا ہے (جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو) اور دشمنوں کو تمہارے سفر اور تمہارے جنگ کئے بغیر بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم جہاد میں نہ گئے تو اللہ کو یا اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جو جائے گا اپنا ثواب پائے گا آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا۔

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس سے دنیا میں بارش کو روک لینا مراد ہے۔ (معالم التنزیل)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مقام کے اعتبار سے مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ کھیتوں اور باغوں کی پیداوار جمع کرنے کا موقعہ آ گیا تھا اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتا دیا گیا کہ اگر تم جہاد کیلئے نہ نکلے تو

بارش روک دی جائے گی۔ اگر اس سال غلّے اور پھل حاصل کر بھی لئے تو آئندہ آنے والوں برسوں میں بارش رک جانے کی وجہ سے ان چیزوں سے محروم ہو گئے۔

جن لوگوں نے سستی دکھائی انکی تعداد زیادہ نہ تھی کیونکہ اس سورت میں دوسری جگہ ان کے بارے میں مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ فرمایا ہے سستی کے بعد یہ حضرات غزوہ میں شریک ہو گئے تھے گو سستی چند افراد سے ظاہر ہوئی لیکن خطاب تمام مومنین سے فرمایا تا کہ ہمیشہ رہتی دنیا تک تمام مسلمانوں کو سبق مل جائے اور اللہ کی راہ میں خوشی خوشی نکل کھڑے ہوں اور حقیر دنیا کے لئے آخرت کی ابدی نعمتوں سے محروم نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمانے پر مسلمانوں کی بہت بڑی جمعیت تبوک جانے کے لئے نکل کھڑی ہوئی جس میں تیس ہزار مسلمان تھے اور اس سے پہلے کبھی بھی مسلمانوں کی تعداد اس قدر کسی جنگ میں بھی شریک نہ ہوئی تھی اور ہوا بھی صرف آنا جانا اور چند روز قیام کرنا' کیونکہ ان حضرات کے تبوک پہنچنے سے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب اپنے ساتھی کیساتھ غار میں تھے

اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اوّل تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غارِ ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو ناکام واپس کر دینا اور پھر غارِ ثور سے نکال کر پیچھا کرنے والے دشمنوں کو محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سفر ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر لٹا دیا اور آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صبح ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں اس پر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی' وہ لوگ آپ کو تلاش کرنے کے لئے چل دیئے۔ اور غارِ ثور کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ) آپ نے تین دن غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہؓ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتا تھا۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکڑی نے غار کے دروازہ پر جالا پور دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جالا ٹوٹا ہوا ہوتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول اللہ ﷺ پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی نازل فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو تسلی دی کہ غمگین نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

غار ثور کے ذکر کے ساتھ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا بھی فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کو ایسے لشکروں کے ذریعہ سے مدد فرمائی جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔ ان لشکروں سے کیا مراد ہے صاحب معالم التنزیل نے اس بارے میں تین قول لکھے ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجے گئے تھے کہ کافروں کی آنکھوں کو پھیر دیں۔ اور انکی نظریں آپ پر نہ پڑیں۔ دوم یہ کہ فرشتوں نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا اس کی وجہ سے واپس ہوگئے سوم یہ کہ خاص اسی موقعہ پر فرشتے نازل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بدر میں مدد کے لئے جو فرشتے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ گویا وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا جملہ مستانفہ ہے جس میں بدر کے موقعہ پر جو مدد ہوئی تھی وہ یاد دلائی' پھر فرمایا وَجَعَلَ کَلِمَةَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی (اور اللہ نے کافروں کے کلمہ کو نیچا کر دیا) اس سے کلمۂ شرک مراد ہے۔ جو قیامت تک کے لئے نیچا ہوگیا۔ شرک والے اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی سر اُٹھا کر بات نہیں کر سکتے' وَکَلِمَةُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا (اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کلمۃ اللہ سے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ یہ ہمیشہ سے بلند ہے اور بلند رہے گا۔ بعض حضرات کا ایک قول ہے کہ کافروں کے کلمہ سے ان کا وہ مشورہ مراد ہے جس میں اُنہوں نے طے کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت مراد ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۹۶ ج ۲)

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسی کا ارادہ غالب ہے وہ حکیم بھی ہے اس کی طرف سے کبھی ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان مشکلات میں پھنس جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات دے دیتا ہے۔ اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ اہل ایمان کا ایمان مضبوط تر ہو جائے اور پھر مشکلات و مصائب سے نہیں گھبراتے' اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے اہل ایمان کو بڑی بڑی مشکلات سے نجات دی ہے۔

فائدہ: اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ سفر ہجرت میں اور غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے خادم خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ۔ جو فرمایا اس سے حضرت ابوبکر ہی مراد ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں انکے صاحب ہونے کی تصریح ہے اس لئے حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی صحابیت کا منکر کافر ہوگا۔ روافض (قبحهم الله) جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بغض ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت اُبوبکرؓ ہی تھے اور لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کا خطاب انہیں کو تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لیا' یار غار بنایا۔ انہوں نے پورے سفر میں خدمت کی تکلیفیں اُٹھائیں' سواری کا انتظام کیا اپنے غلام کو روزانہ دودھ بھیجنے پر مامور کیا' ان کا بیٹا عبدالرحمٰن بن ابی بکر روزانہ رات کو حاضر ہوتا تھا اور مشرکین کے مشوروں سے مطلع کرتا تھا۔ یہ ساری محنت اور قربانی روافض کے نزدیک کوئی چیز نہیں (دشمن کو تو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے) ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر تھے۔ انکی بات سے رسول اللہ ﷺ پر حرف آتا ہے کہ آپ نے ایک کافر کو ساتھ لیا اور اپنا رفیق سفر اور راز دار بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لیا جبکہ وہ مخلص مسلمان تھے۔ ان

بغض رکھنے والوں کو اور کوئی بات نہ ملی تو یہ نکتہ نکالا کہ حضرت ابوبکرؓ غار ثور پر کافروں کے پہنچنے سے گھبرا گئے۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے یہ اُمور طبعیہ میں سے ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے۔ جب ان کے سامنے جادوگروں نے لاٹھیاں ڈالیں اور وہ سانپ بن گئیں تو ان کے جی میں خوف کا احساس ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس سے پہلے ان کی لاٹھی کو سانپ بنا کر پھر سانپ کو لاٹھی بنا کر دکھا دیا تھا اور جب فرعون کو تبلیغ کرنے کے لئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی۔ اس سب کے باوجود جب جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی صورت میں نظر آئیں تو طبعی طور پر خوف محسوس کرنے لگے۔ یہ خوف طبعی تھا حضرت اَبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی غار ثور کے منہ پر دشمنوں کے پہنچنے سے طبعی طور پر فکر لاحق ہو گیا تو اس میں کون سے اشکال و اعتراض کی بات ہے؟ روافض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انزال سکینہ کا ذکر فرماتے ہوئے فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ فرمایا علیہما نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سکینہ نازل نہیں ہوئی۔ یہ بھی ان لوگوں کی ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بلاواسطہ سکینہ نازل فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کو نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے تسلی دی آپ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا مَعَنَا میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) روافض اس کو نہیں دیکھتے اور عَلَیْہِ کی ضمیر کو دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ عَلَیْہِ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہو۔ اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ضمیر راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ یہ بھی درست ہے بلکہ اقرب ہے کیونکہ قریب ترین مرجع صاحبہ ہے اور یہ احتمال اسلئے بھی اقرب ہے کہ حضرت صدیق اکبر ہی کو فکر لاحق ہوئی تھی جسے فکر لاحق ہو انزال سکینہ اسی پر ہونا چاہئے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو بہت ہی مطمئن تھے۔ اور آپ کو پہلے ہی سے سکینہ حاصل تھا۔ ورنہ گھبراہٹ کا الزام رسول اللہ ﷺ پر آ جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت اَبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکر مند ہونا بُزدلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات مُبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا ان اقتل فانا رجل واحد وان قتلتَ هلكت الامة (اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک ہی آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذاتِ مُبارک پر حملہ کر دیا تو پوری اُمت ہلاک ہو جائے گی)۔

درمنثور (ص ۲۴۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت اَبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں پہنچنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف، اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت ﷺ کو اپنے اوپر اُٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ اُن کی انگلیاں چھل گئیں۔

پھر جب غار ثور میں پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف دہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا پھاڑ پھاڑ کر انہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ملا لہٰذا انہوں

نے اس پر ایڑھی لگادی اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر بلا لیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی آنکھ نہ کھل جائے سوراخ کے منہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذرا سی حرکت کی۔ تکلیف کی وجہ سے انکے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپکی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے تو کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک ڈال دیا جس کی وجہ سے اُن کی تکلیف جاتی رہی۔ (درمنثور ص ۲۴۱ ج ۲ و مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۶)

اس جاں نثاری اور فدا کاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ)

روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ لِصَاحِبِهٖ سے ساتھی ہونا مراد ہے صحابی ہونا نہیں۔ یہ بھی ان کی جہالت کی بات ہے۔ صحابی اسی کو تو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت ایمان دیکھ لے اور ایمان پر اسکی موت ہو جائے۔ سورۃ الفتح میں شرکاء حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے جو فرمایا ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ ۔

اس میں حضرت ابوبکرؓ کے مومن ہونے کی بھی شہادت ہے اور سکینہ نازل ہونے کی بھی' بیعت حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی تھی اگر انزال سکینہ ایمان کے لئے شرط ہے تو حدیبیہ کے تمام حاضرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمانے کی خبر دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لیکن روافض نہ اللہ سے راضی ہیں نہ اللہ کے رسولؐ سے' حضرت ابوبکرؓ کے کفر کے قائل ہیں اور انہیں یہ فکر نہیں کہ ہمیں خود مسلمان ہونا چاہئے۔ قرآن کا منکر اپنے ایمان کی فکر تو کرے۔ جسے شقاوت گھیر لے اور جس پر گمراہی مسلط ہو جائے اسے کہاں سے ہدایت نصیب ہوگی۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۔ (پس بیشک ان آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنیئے۔ اُن کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ آپ ابوبکرؓ سے افضل ہیں تو وہ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم ابوبکرؓ کی ایک رات اور ایک دن عمرؓ کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ رات تو یہی غار ثور والی جس کا ذکر اُوپر ہوا اور دن وہ جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب کے بعض قبائل مُرتد ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ نہ دیں گے اور بعض نے کہا نہ نماز پڑھیں گے نہ زکوٰۃ دیں گے۔ حضرت ابوبکر نے ان سے جہاد کا اعلان فرما دیا۔ میں خیر خواہ بن کر اُن کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں کو مانوس رکھئے اور نرمی اختیار فرمایئے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم جاہلیت کے زمانہ میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بُزدل بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ وحی آنا ختم ہو گیا۔ اللہ کی قسم اگر ایک رسی بھی رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ کی مد میں دیتے تھے اور اسے روک لیں گے۔ تب بھی ان سے جنگ کروں گا' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اللہ کی قسم ان کی رائے صحیح تھی ان کا یہ دن بھی ایسا ہے کہ میرے سارے

اعمال اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (درمنثور ص ۲۴۲ ج ۳)

روافض نے یہ طریقہ نکالا ہے کہ جب ان سے کوئی مسلمان حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو فوراً کہہ دیتے ہیں ہم تو انہیں مسلم مانتے ہیں یہ بھی تقیۃً کہتے ہیں اور تقیہ میں بھی تقیہ کرتے ہیں کیونکہ مسلم کہہ دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے انہوں نے اسلام کے اعمال قبول کر لئے تھے۔ یہ لوگ انہیں مومن کہنے کے لئے تیار نہیں۔ مومن کا لفظ اپنے لئے ہی الاٹ کر رکھا ہے۔ روافض اپنی اہواء نفسانیہ کے پابند ہیں جو یہود کے سکھانے سے ان میں رچ بچ گئی ہیں۔ اعاذ اللہ تعالٰی الامة من خرافاتهم۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ
نکل کھڑے ہو ہلکے ہونے کی حالت میں اور بھاری ہونے کی حالت میں اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ
اگر تم جانتے ہو۔ اگر قریب ہی میں سامان ملنے والا ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن
بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ
ان کو مسافت دور دراز نظر آئی۔ اور وہ عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکلتے
يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝
وہ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں

غزوۂ تبوک میں مومنین مخلصین کی شرکت اور منافقین کی بے ایمانی اور بدحالی کا مظاہرہ

تفسیر: جب تبوک چلنے کے لئے حکم ہوا تو مسلمان بھاری تعداد میں آپ کے ہمراہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے اور جن کو کچھ تردد ہوا تھا۔ بعد میں وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ کچھ لوگ مریض تھے وہ اپنی مجبوری کی وجہ سے نہ جا سکے اور کچھ لوگ منافق تھے جن کے دو فریق تھے۔ ایک فریق تو وہ تھا جس نے جھوٹے عذر پیش کر کے آپ سے اس بات کی اجازت لے لی کہ آپ کے ساتھ نہ جائیں۔ اور اس وقت ان کا نفاق بالکل کھل کر سامنے آ گیا اور منافقین کا دوسرا فریق وہ تھا جو جاسوسی کے لئے اور شرارت کرنے کے لئے ساتھ ہو لیا تھا۔ ان کی باتوں کا تذکرہ اسی سورت میں آ رہا ہے (ان شاء اللہ تعالیٰ) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا۔ میں اول تو مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ہلکے ہو یا بھاری ہو اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔ خِفَافًا اور ثِقَالًا۔ کا ترجمہ تو یہی ہے جو اُوپر مذکور ہوا (یعنی ہلکے اور پھلکے) لیکن اس کا مصداق بتاتے ہوئے مفسرین نے متعدد اقوال لکھے

ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صحیح اور مریض ہونا مراد ہے اور بعض حضرات نے مالدار اور تنگدست ہونا مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے بوڑھا اور نو عمر ہونا اور بعض حضرات نے موٹاپا اور دُبلا پن مراد لیا ہے' چونکہ الفاظ میں ان سب باتوں کی گنجائش ہے اس لئے سبھی کو مراد لیا جا سکتا ہے لیکن ثِقَالًا۔ سے مریض مراد لینا محل نظر ہے کیونکہ مریض عذر شرعی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے خروج کا حکم کیسے ہوا؟

چونکہ اس آیت کا حکم ہوا ہے کہ ہر حالت میں فی سبیل اللہ نکل کھڑے ہوں اور جہاد ہمیشہ بطور فرضِ عین' فرض نہیں ہوتا اور دوسری آیت میں وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فرمایا ہے۔ اس لئے بعض مفسرین نے اس آیت کے عموم کو منسوخ مانا ہے۔ اگر آیت کو غزوۂ تبوک ہی سے متعلق مانا جائے اور امراض والوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔ جیسا کہ آیت شریفہ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى میں مذکور ہے تو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ معذور نہیں ہیں وہ نکل کھڑے ہوں۔ مالدار بھی نکلے اور تندرست بھی نکلے' بوڑھا بھی اور جوان بھی' موٹا بھی دُبلا بھی۔ اس کے بعد ان منافقین کا حال بیان فرمایا جنہوں نے مجاہدین کے ساتھ جانا منظور نہیں کیا تھا۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ طالب دنیا ہیں اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ جلدی ہی سے کوئی دنیاوی سامان مل جائے گا یا سفر ہی ایسا ہوتا کہ اُسے مشقت کے بغیر برداشت کر لیتے تو آپ کے ساتھ ہو لیتے۔ اس ساتھ لگنے میں ان کے اسلام کے ظاہری دعویٰ کا بھرم رہ جاتا اور جن دنیاوی منافع کے لئے اُنہوں نے ظاہراً اسلام قبول کیا ہے ان منافع کی اُمید بدستور قائم رہتی لیکن سفر کے بارے میں جو انہوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو سفر بہت لمبا ہے اور سخت تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا' اور انہوں نے ہمراہ نہ جانے ہی کو اپنے لئے پسند کیا اور ساتھ نہ گئے۔ منافقین تھوڑی بہت تکلیف تو جھیل جاتے تھے لیکن جب زیادہ تکلیف کا موقعہ آتا تھا تو ان کا نفاق کھل جاتا تھا۔

جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم میں جانے کی قوت اور طاقت نہ تھی اگر ہم میں سکت ہوتی اور ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے اسکے بارے میں پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تھی وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ منافقین کے عذر پیش کرنے کا تذکرہ چند رکوع کے بعد آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

پھر يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (یہ لوگ اپنے نفسوں کو ہلاک کر رہے ہیں) کیونکہ نفاق کی وجہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ جانے کو اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو دوزخ میں داخل کرنے کا ڈھنگ بنا چکے ہیں۔ پھر فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم میں سکت ہوتی یا ہمارے بس میں ہوتا تو ساتھ چلے چلتے یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ قوت اور طاقت ہوتے ہوئے ساتھ نہ گئے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ

اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جب تک آپ جھوٹوں کو

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا

معلوم نہ کر لیتے۔ آپ سے وہ لوگ اجازت نہیں مانگتے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔ اور اللہ متقیوں کو جانتا ہے۔ آپ سے وہی لوگ اجازت مانگتے ہیں جو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ

اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں حیران ہیں۔ اور اگر

اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ

وہ لوگ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لئے ضرور تیاری کرتے لیکن اللہ نے ان کے جانے کو پسند نہیں فرمایا سو ان کو روک دیا اور کہا گیا

اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکل جاتے تو زیادہ فساد کرنے کے سوا کچھ کام نہ کرتے اور تمہارے درمیان

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ

فتنہ پردازی کی فکر میں تیزی کے ساتھ دوڑے پھرتے، اور تمہارے اندر وہ لوگ ہیں جو ان کے لئے جاسوسی کرنے والے ہیں اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔ وہ

ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ

پہلے سے فتنہ پردازی کی فکر میں لگے رہے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کا الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہوا حالانکہ ان کو

كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ

ناگوار ہو رہا تھا۔ اور ان میں ایسا شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ آپ مجھے اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے خبردار وہ فتنے میں پڑ چکے ہیں

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوۂ تبوک کی شرکت سے رہ گئے

تفسیر: منافقین نے تبوک نہ جانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر پیش کر کے شریک نہ ہونے کی اجازت لیتے رہے آپ نے اجازت دے دی۔ اس اجازت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا۔ لیکن عتاب میں بھی ایک لطف ہے، اول یوں فرمایا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ (یعنی اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا) اس کے بعد

عتاب فرمایا' اور یوں فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو اجازت کیوں دی' یہ موقعہ سچوں اور جھوٹوں کے جاننے کا تھا آپ اجازت دینے میں جلدی نہ فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ سچا عذر پیش کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔

حضرت عمرو بن میمون نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو کام ایسے کئے جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ تھا۔ اول یہ کہ آپ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کے اعذار سن کر شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی اور دوسرے یہ کہ آپ نے بدر کے قیدیوں کے بدلہ فدیہ لینے والی رائے کو اختیار فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں پر عتاب فرمایا (معالم التنزیل ص ۲۹۷ ج ۲) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عتاب ترک اولیٰ پر ہے۔ آپ اجازت دینے میں توقف فرماتے تو اچھا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاً اہل ایمان کا حال بیان فرمایا ہے لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں لیتے کہ اپنے جانوں اور مالوں کو جہاد میں لگائیں) کیونکہ وہ تو حکم سنتے ہی تیار ہو جاتے ہیں وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے اور پھر منافقین کا ذکر فرمایا) اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ (جہاد میں نہ جانے کی وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دلوں میں شک ہے) فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ (سو وہ اپنے شک میں حیران ہو رہے ہیں) کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہے تا کہ منافقت کا بھرم نہ کھلے اور کبھی سوچتے ہیں کہ سفر اور دھوپ کی مصیبت بہت بڑی ہے اس لئے نہ جائیں تو اچھا رہے گا۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لی تھی کہ ہم جہاد میں نہ جائیں اور ان کو کوئی عذر نہ تھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ ۳۹ آدمی تھے۔

پھر فرمایا کہ منافقین تمہارے ساتھ نہیں گئے۔ ان کے جانے کا ارادہ ہی نہ تھا۔ اگر جانے کا ارادہ ہوتا تو کچھ سامان کرتے۔ سامان کا بھی انتظام نہیں کیا اور آپ سے اجازت لے کر اپنے لئے ایک بہانہ بھی بنا لیا کہ ہمیں اجازت مل گئی۔ اجازت نہ دی جاتی تب بھی ان کو جانا ہی نہ تھا۔ اگر واقعی جانے کا ارادہ ہوتا اور جانے کے لئے تیاری کرتے پھر کچھ عذر واقعی پیش آ جاتا اور اجازت لیتے تو اجازت لینے کا کچھ معنی بھی ہوتا' بات یہ ہے کہ ان کا جانے کا اپنا ارادہ ہی نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ فیصلہ ہوا کہ یہ لوگ نہ جائیں' تکوینی طور پر اللہ نے ان کو روک دیا اور ان کو تمہارے ساتھ جانے کی توفیق نہیں دی اور تکوینی طور پر انہیں بیٹھنے والوں یعنی اپاہج اور واقعی معذورین کے ساتھ رہ جانے کا جو فیصلہ ہوا تھا اسی کی وجہ سے بیٹھے رہ گئے اور جانے سے رُک گئے۔

پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! ان کے نہ جانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ فائدہ ہی ہوا۔ کیونکہ اگر یہ تمہارے ساتھ نکل جاتے تو تمہارے بارے میں شر اور فساد کو بڑھانے ہی کا کام کرتے۔ اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ مثلاً لگائی بجھائی کرتے تمہارے درمیان تفرقہ ڈلواتے اور جھوٹی خبریں اُڑا کر تمہارے دلوں میں انتشار پیدا کرتے۔ دشمن کی تعداد زیادہ بتا کر تمہارے دلوں کو مرعوب کرنے کی دوڑ دھوپ میں لگتے۔ مزید

فرمایا وَفِيكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ (اور تمہارے اندر ایسے لوگ ہیں جو اُن کے لئے جاسوسی کرتے ہیں) گو ساتھ چل کر آ گئے ہیں لیکن ان کی نیت جہاد فی سبیل اللہ کی نہیں ہے۔ تمہارے اندر گھل مل کر تمہاری خبریں لینا اور ان لوگوں کو پہنچانا جو تمہارے ساتھ نہیں آئے' یہ اُن کا مشغلہ ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ کو ظالموں کا پوری طرح علم ہے) وہ ان کے ظلم کا بدلہ دے گا۔ اس کے بعد منافقین کی جماعت کی پرانی شرارتوں کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ کہ (اس غزوہ سے پہلے بھی وہ فتنہ کی راہ تلاش کر چکے ہیں) یہ لوگ غزوۂ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ اور آپ کو تکلیف دینے کی کارروائیوں میں اُلٹ پھیر اور طرح طرح کی مکاریاں اور ایذاء پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (یہاں تک کہ سچا وعدہ آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا اگرچہ انہیں ناگوار ہو رہا تھا) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ ان کی تدبیریں اور شرارتیں پہلے سے جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ کے لئے بھی ان کی مفسدانہ کارروائیوں کا خیال نہ لانا اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لئے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کی راہ میں جہاد نہ کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمر بستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔

اس کے بعد ایک منافق کے بیان کردہ عذر کا تذکرہ کیا اور فرمایا' وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اور اُن میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے معالم التنزیل (ص ۲۹۹ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جد بن قیس ایک منافق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے غزوۂ تبوک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کیا تجھے رومیوں سے جنگ کرنے میں رغبت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا حال یہ ہے کہ عورتوں سے مجھے عشق ہے اور عورتوں کو دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا رومیوں کی گورے رنگ کی لڑکیاں دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہو گا آپ مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ میں مال سے امداد کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے یہ بہانہ تلاش کیا تھا اور منافقت کے سوا اس کو کوئی معذوری نہ تھی۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کو اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔ (خبردار وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا اور منافقت اختیار کرنا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (اور بلاشبہ جہنم کافروں کو اپنے گھیرے میں لینے والی ہے) یہ ان کے اس فتنہ کی سزا ہے جس میں وہ پڑ چکے ہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ

اگر آپ کو اچھی حالت پیش آ جائے تو انہیں بُری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام

قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ

سنبھال لیا تھا اور پشت پھیر کر خوش ہوتے ہوئے چل دیتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کے علاوہ ہمیں تکلیف نہ پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہ ہمارا کارساز ہے

وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ

اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم ہمارے بارے میں یہی انتظار کرتے ہو کہ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی مل جائے اور ہم تمہارے بارے

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ أَوْ بِأَيْدِينَا فَتَرَبَّصُوٓا

میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے دے سو تم انتظار کرو۔

إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں

منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی مزید بد باطنی کا اظہار فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ یہ لوگ ایمان کے مدعی ہیں کہنے کو آپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے اُن کا یہ حال ہے کہ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے مثلاً دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بری لگتی ہے وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں کہ آپ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر مل جائے۔ اور اگر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے، یہ باتیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں، مومن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر حال میں رہے، خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی (ص ۱۱۴ ج ۱۰) میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو منافقین غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا۔ اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ صحیح سالم اپنے صحابہؓ کے ساتھ واپس تشریف لا رہے ہیں تو انہیں یہ بُرا لگا۔ اس پر آیت شریفہ إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ نازل ہوئی۔

اس کے بعد فرمایا قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا ۚ یعنی آپ ان سے فرما دیجئے کہ ہمیں وہی حالت پیش آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرما دی ہے۔ خوشحالی خوبی اور بہتری ہو یا کسی قسم کا کوئی حادثہ ہو جائے یا دُکھ تکلیف سے دوچار ہو جائیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے مقرر اور مقدر ہے هُوَ مَوْلَانَا اللہ تمہارا مددگار ہے ہمارا ولی ہے، ہم اسکی قضاء اور قدر پر راضی ہیں۔ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اور ہماری ہر حالت میں اس نے خیر رکھی ہے۔ فتح ظفر ہو جائے۔ مال غنیمت مل جائے تو یہ بھی خیر ہے اگر تکلیف پہنچ جائے تو اجر و ثواب کے اعتبار سے وہ بھی خیر ہے اور ہم میں سے

جولوگ جام شہادت نوش کرتے ہیں یہ بھی خیر ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اور مومنین ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں اپنے سارے اُمور اللہ ہی کے سپرد کریں اور اسی سے خیر وخوبی اور خوشحالی کی اُمید رکھیں۔ مومنین کا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ وہ اسباب بھی اختیار کر لیتے ہیں لیکن بھروسہ اسباب پر اور ہتھیاروں پر اور اپنی قوت اور طاقت پر نہیں کرتے۔ اسباب کو اختیار کرنا تقدیر اور توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ کے نبی علیہ ﷺ نے توکل بھی سکھایا اور اسباب بھی اختیار فرمائے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی دیا آپ نے جو فرمایا اور جو کر کے دکھایا اہل ایمان اسی کو اختیار کرتے ہیں نہ ترک اسباب کریں اور نہ اسباب پر بھروسہ رکھیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں بأن یفوضوا الامر الیه سُبحانه ولا ینافي ذلک التشبث بالاسباب العادیة اذالم یعتمد علیها (اس طرح کہ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیں اور معروف اسباب اختیار کرنا اس کے منافی نہیں ہے جب کہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو) (ص ۱۱۵ ج ۱۰)

پھر فرمایا قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (الآیۃ) کہ اے منافقو! دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں جو انسانوں کو پیش آتی رہتی ہیں ایک اچھی صورت حال دوسری تکلیف دہ حالت، تم ہمارے بارے میں انہیں دونوں حالتوں کے منتظر رہتے ہو کہ دیکھو آگے ان کو بہتر حالت پیش آتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے لئے تو دونوں ہی حالتیں فائدہ کی ہیں۔ فتح ظفر نصیب ہو جائے مال غنیمت مل جائے یا اور کسی بھی طرح کی بہتری سے اللہ تعالیٰ ہمیں نواز دے تو یہ بھی ہمارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر کوئی تکلیف دہ صورت پیش آ جائے تو ہمارے لئے وہ بھی خیر ہے۔ ہمارے افراد مقتول ہوتے ہیں تو شہادت کا درجہ پاتے ہیں اور ہمیں ہر حال میں ہر مصیبت پر اجر ملتا ہے۔ ہمارے لئے ہر صورتحال بہتر ہے اور ہم ہر حال میں نفع میں ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جیسے تم ہمارے بارے میں حالات کے ساز گار یا ناساز گار ہونے کے منتظر رہتے ہو ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں لیکن ہمارے اور تمہارے انتظار میں فرق ہے۔ تم تو ہمارے بارے میں دو بہتر صورتوں میں سے کسی ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو (جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا) لیکن ہم تمہارے بارے میں اسی کے منتظر ہیں کہ ہمیں استعمال کئے بغیر اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے یا ہمارے ہاتھوں تم کو عذاب دے۔ اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں اور سمجھ لو کہ انجام کے طور پر تمہاری ہی بربادی ہوگی۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا

آپ فرما دیجئے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے ہرگز تم سے قبول نہ کیا جائے گا بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو۔ اور ان کے صدقات قبول کئے جانے سے

مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ

کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ لوگ

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

نماز نہیں پڑھتے مگر سستی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ سو آپ کو ان کے مال

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

اور اُن کی اولاد تعجب میں نہ ڈالیں' اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں دنیا والی زندگی میں ان چیزوں کے ذریعہ عذاب دے اور یہ کہ ان کی جانیں

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ

اس حال میں نکل جائیں کہ کفر کی حالت میں ہوں۔ وہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ بلاشبہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں' لیکن وہ ایسے لوگ ہیں

قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ

جو ڈرتے ہیں' اگر انہیں کوئی پناہ کی جگہ یا کوئی غار مل جائے یا گھس بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ حاصل ہو جائے تو پیٹھ پھیر کر جلدی سے اسی کی طرف

يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

دوڑے چلے جائیں۔

منافقین کا مال مقبول نہیں' جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم سے ہیں

تفسیر: صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ میں رومیوں کی عورتیں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں گا۔ اس لئے مجھے ساتھ نہ لے جایئے لیکن مال کے ذریعہ آپ کی مدد کر دوں گا۔ اسکے جواب میں فرمایا کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ قبول نہ ہونے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ مال لے کر آؤ گے تو اللہ کے رسول ﷺ قبول نہ فرمائیں گے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب نہ دے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔ آیت کا سبب نزول خواہ جد بن قیس ہی کا واقعہ ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو شامل ہیں۔

اس کے بعد منافقین کے کفر اور نماز میں سستی اور خرچ کرنے میں بددلی کا تذکرہ فرمایا وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ (انکے صدقات کو قبول ہونے سے منع کرنے والی کوئی چیز اس کے علاوہ نہیں ہے کہ اُنہوں نے اللہ کے ساتھ اور رسول کے ساتھ کفر کیا) اور کفر کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں۔ اور گو وہ اسلام کے مدعی ہیں اور کفر کو چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا کفران کے ڈھنگ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ نماز جو ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے اور جو ایمان کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی علامت ہے اس کے لئے آتے ہیں تو سستی کے ساتھ ہارے جی آتے ہیں۔ گویا کہ اُن پر بہت بری مصیبت آ گئی۔ چونکہ دل سے نماز پڑھتے نہیں۔ دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں اس لئے بددلی کا اثر اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نمازوں میں دیر سے آتے ہیں اور اس طرح سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع سجدہ ٹھیک طرح ادا نہیں کرتے' جلدی جلدی نمٹانے کی دُھن میں رہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زردی آ

جاتی ہے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔ یعنی جلدی جلدی سجدہ کر لیتا ہے اس میں بس اللہ کو ذرا یاد کرتا ہے۔ (رواہ مسلم) (ملاحظہ فرمائیے انوار البیان ص ۴۲۳ ج ۲ یا ص ۴۹۵ ج ۲)

یہ تو ان کی نماز کا حال ہے اور جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقعہ آتا ہے تو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے بددلی کے ساتھ خرچ کرتے۔ جب ایمان نہیں تو آخرت کا یقین بھی نہیں لہٰذا مال خرچ کرنے پر ثواب کی اُمید بھی نہیں۔ جب ثواب کی اُمید نہیں تو خوش دلی سے خرچ کرنے کی کوئی وجہ نہیں' لامحالہ بددلی سے خرچ کرتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ (الآیۃ) (کہ ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں) کیونکہ یہ چیزیں مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مردود ہوتے تو ان کے اموال اور اولاد میں کثرت کیوں ہوتی۔ یہ کثرت بطور استدراج ہے جو اُن کے لئے باعث عذاب ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کے ذریعہ انہیں عذاب دے) پہلا عذاب تو یہ ہے کہ مال جمع کرنے میں تکلیفیں اُٹھاتے ہیں' مصیبت جھیلتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کا ذرا دھیان نہیں کرتے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جو تکلیف اٹھائی جائے وہ ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ نیز یہ مال اُن کے لئے اس لئے بھی دنیا میں عذاب بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے شرما کر حضوری زکوٰۃ بھی دے دیتے ہیں اور جہاد میں بھی خرچ کرتے ہیں جس سے ان کا دل دُکھتا ہے۔ یہ دل کا دکھنا بھی عذاب ہے۔ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتے تو یہ خرچ کرنا خوشی کا باعث بن جاتا۔ اور اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اولاد کی پرورش اور پرداخت میں بہت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور اس تکلیف پر کسی ثواب کی اُمید نہیں پھر بعض مرتبہ ان کے بیٹے جہاد میں مقتول ہو جاتے ہیں اور اس قتل پر بھی رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے شہادت کے ثواب کا یقین نہیں رکھتے۔

پھر فرمایا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کی جانیں ۔ اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔ (تاکہ آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں) اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کے ساتھ رہتے ہیں اسکی کتاب سنتے ہیں معجزات دیکھتے ہیں' پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اب کفر پر ہی مریں گے۔

پھر منافقین کی قسموں کا ذکر فرمایا وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ (اور ان کا یہ طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں) سچے مؤمن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مومن سمجھتے ہیں اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں اس لئے اہل ایمان ان سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہٰذا بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ (اور تم میں سے نہیں ہیں)۔

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ (لیکن بات ہے کہ وہ ڈرنے والے لوگ ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ایمان کا دعویٰ نہ کریں تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین اور یہود کے ساتھ ہوا۔ اب جبکہ مدینہ دار الاسلام بن گیا اور کافر ہو کر جینے کا موقعہ نہ رہا۔ تو جھوٹ موٹ ایمان کا دعویٰ کر دیا تاکہ جان مال محفوظ رہے اور جو منافع مسلمانوں سے حاصل ہوتے

ہیں وہ حاصل ہوتے رہیں۔ ڈرپوک آدمی کھل کر سامنے نہیں آ سکتا۔ اس لئے ان لوگوں نے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور قسموں کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں تاکہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں۔

پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں' اس لئے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں' اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کیلئے کوئی دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے۔ اور پوری طرح طوطا چشمی اختیار کر لیں گے۔ تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں ہے۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور قسمیں کھا کے تمہیں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں' سو اگر ان میں سے ان کو دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو اس

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا

میں نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں' اور ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ اس پر راضی ہوں جو اللہ نے اور اس کے رسول نے انہیں دیا اور وہ یوں کہیں کہ

حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اللہ ہمیں کافی ہے۔ عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول' بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں

منافقین کا صدقات کے بارے میں طعن کرنا اور اللہ اور اسکے رسول کی تقسیم پر راضی ہونا

تفسیر: درمنثور (ص ۲۵۰ ج ۳) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقعہ پر غنیمت کے اموال تقسیم فرمائے تو میں نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا (العیاذ باللہ) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر انہوں نے صبر کیا' اور آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ نازل ہوئی۔

جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت رچی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ مال ہی سے خوش ہوتے ہیں دین و ایمان اور اعمال صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے خوش نہیں ہوتے انہیں اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ ہمیں نعمت اسلام مل گئی اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہو گئی بلکہ حب دنیا کی وجہ سے وہ دنیا ملنے ہی کے منتظر رہتے ہیں دُنیا مل گئی تو خوش' اور نہ ملی تو ناخوش۔ منافقوں کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اور دنیا کے منافع ہی کے لئے جھوٹے منہ سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر دیا

تھا اس لئے مال نہ ملنے پر ان کا موڈ خراب ہو جاتا تھا۔ اسی کو فرمایا فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا (سو اگر ان کو صدقات میں سے مال دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں) وَاِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ (اور اگر ان کو ان میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت ناراض ہو جاتے ہیں) طالب دنیا کو بس مال چاہئے جو فانی ہے اور ایمان اور اعمال صالحہ کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہلاک ہو دینار کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام اگر کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے۔ یہ شخص ہلاک ہوا اور اوندھے منہ گرے اور جب اُسے کانٹا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کانٹا نہ نکلے۔ (رواہ البخاری)

غور کرو رحمۃ للعالمین ﷺ نے طالب دنیا کو کیسی بددُعا دی منافقوں کا حال بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ (اور ان کے لئے بہتر تھا کہ جو کچھ اللہ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے انہیں دیا اس پر راضی ہوتے اور یوں کہتے کہ عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا اور اس کا رسول دے گا۔ اور یوں بھی کہنا چاہئے تھا کہ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں) بات یہ ہے کہ مومن آدمی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے اُمیدیں باندھے رکھتا ہے تھوڑا مال جو اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر بھی راضی رہتا ہے۔ اور منافق تھوڑے پر راضی نہیں ہوتا۔ برکتوں سے واقف نہیں ہوتا اللہ سے لو نہیں لگاتا، ہر وقت مال ہی کی طلب اور حرص میں لگا رہتا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ
صدقات صرف فقراء کے لئے اور مساکین کے لئے اور اُن کارکنوں کے لئے ہیں جو صدقات پر متعین ہیں اور اُن لوگوں کے لئے ہیں جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو
وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ
اور گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضہ میں اور اللہ کے راستہ میں اور مسافروں کے لئے ہیں۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ
عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿٦٠﴾
علیم ہے اور حکیم ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف کا بیان

تفسیر: صدقات سے یہاں زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے اور اس کو جمع اس لئے لایا گیا کہ زکوٰۃ متعدد اموال پر واجب ہوتی ہے۔ چاندی، سونا، مال تجارت، اُونٹ، گائے بکریاں، ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ بشرطیکہ نصاب پورا ہو۔ آیت شریفہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ اور لفظ اِنَّمَا سے آیت کو شروع فرمایا ہے جو حصر پر دلالت کرتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مستحق زکوٰۃ ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مال زکوٰۃ میں سے عطا فرمانے کا سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے اموال کے

1 بارے میں نبی یا غیر نبی کسی کا فیصلہ بھی منظور نہیں فرمایا' بلکہ خود ہی فیصلہ فرمایا اور آٹھ مصارف متعین فرما دیئے۔ اگر تو ان آٹھ مصارف میں سے ہے تو میں دے سکتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۱)

اول تو فقراء کو زکوٰۃ کا مستحق بتایا اور اس کے بعد مساکین کا مستحق ہونا بیان فرمایا۔ فقراء فقیر کی جمع ہے اور مساکن' مسکین کی جمع ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ موجود ہو مگر نصاب زکوٰۃ سے کم ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ مال زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں فقیر اور مسکین دونوں ہی مال زکوٰۃ کے مستحق ہیں البتہ بعض دیگر مسائل میں فرق کا اعتبار کیا گیا ہے مثلاً کسی نے وصیت کی کہ میرا اتنا مال مسکینوں کو دے دیا جائے تو یہ مال مساکین کو ملے گا فقراء کو نہیں ملے گا۔ اور ایک فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ فقیر کو سوال کرنے کی اجازت نہیں جبکہ اس کے پاس کھانے کو ایک دن کی خوراک موجود ہو اور تن ڈھکنے کو کپڑا بھی ہو اور مسکین کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ مال کی وہ کتنی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا جائز نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ایک دن کے صبح و شام کے کھانے کی ضرورت پورا کرنے کے لئے کچھ موجود ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں ہے (رواہ ابوداؤد ص ۲۳۰ ج ۱) اور مسکین بھی ضرورت پوری کرنے کے لئے وقتی طور پر سوال کرلے اس کو عادت نہ بنائے جب مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو مسکین' مسکین نہیں رہتا۔ وہ بہت سے مالداروں سے بھی مال میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور فقر و مسکنت کی حدود سے نکل کر بھی زکوٰۃ اور دیگر صدقات لیتا رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ پیسے والے کے لئے اور قوت والے تندرست آدمی کے لئے حلال نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات میں مالدار کا اور تندرست کا جو کمائی کرسکتا ہو کوئی حصہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۱)

جو لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں ان میں تیسرے نمبر پر اَلْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا کا ذکر فرمایا۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں امیر المومنین صدقات اور عشر وصول کرنے پر مقرر کردے۔ ان لوگوں کو ان کی مشغولیت کی وجہ سے صدقات میں سے اتنا مال دے دے جو اُن کی محنت اور عمل کی حیثیت کے مطابق ہو نیز جو لوگ اُن کے ماتحت کام کرنے والے ہوں انکی تنخواہیں بھی ان کی محنت کے انداز سے دیدی جائیں۔ البتہ فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ جو مال وصول ہو۔ اس کے نصف تک عاملین اور اُن کے معاونین کی تنخواہیں دی جاسکتی ہیں۔ نصف سے زائد مال نہ دیا جائے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے۔ چوتھے نمبر تک مُؤَلَّفَةِ الْقُلُوْبِ کو ذکر فرمایا ان کے بارے میں ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں کلام کریں گے۔

مصارف زکوٰۃ بتاتے ہوئے پانچویں نمبر پر وَفِی الرِّقَابِ فرمایا۔ رقاب' رقبہ کی جمع ہے۔ یہ لفظ مملوک کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس کسی شخص کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور وہ اس غلام کو مکاتب بنا دے یعنی یوں کہہ دے کہ تو اتنا مال دیدے تو آزاد ہے۔ اسے مکاتب کہتے ہیں جب کسی آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنا دیا اور اب اُسے اپنی آزادی کے لئے مال کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے آقا کو مال دے کر آزاد ہو جائے تو اس مکاتب کو زکوٰۃ کے مال سے دینا جائز ہے۔

چھٹے نمبر پر اَلْغَارِمِیْنَ فرمایا۔ یہ غارم کی جمع ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جن کے ذمہ قرض ہو اور ادائیگی کا انتظام نہ

ہو۔ اگر چہ خود لوگوں پر ان کے قرضے ہوں لیکن ان کو وصول کرنے سے عاجز ہوں ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ عالم گیری (ص ۱۸۸ ج ۱) میں لکھا ہے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینا تاکہ اس کا قرضہ ادا ہو جائے عام فقراء کو دینے سے اُولیٰ ہے' البحر الرائق میں لکھا ہے کہ جس آدمی پر قرضہ ہو اسکی ملکیت میں اتنا مال نہ ہو جس سے قرضہ ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب مال بچ جائے۔ اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اھ۔ بہت سے لوگوں پر قرضے ہوتے ہیں لیکن مال بھی پاس ہوتا ہے۔ اس مال سے قرضے ادا کر دیں تو قرضے ادا ہو کر بھی بقدر نصاب بلکہ اس سے بھی زیادہ مال بچ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ لوگوں کو یہ بتا کر کہ ہم مقروض ہیں زکوٰۃ لیتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال لینا حلال نہیں ہے اور نہ ان کو دینا جائز ہے مستحقین زکوٰۃ کو بیان فرماتے ہوئے ساتویں نمبر پر وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فرمایا۔ فی سبیل اللہ سے کیا مُراد ہے؟ اس کے بارے میں امام اَبو یوسف نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو جہاد کرنے کے لئے نکلے تھے۔ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس خرچہ نہیں ہے۔ کھانا پینا بھی ہے اور وطن بھی پہنچنا ہے۔ ان کو زکوٰۃ کا مال دے دیا جائے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے حجاج مراد ہیں جو قافلہ سے بچھڑ گئے اور ان کے پاس مال نہیں ہے اور انہیں خرچ کرنے کے لئے اور گھر پہنچنے کے لئے پیسہ کی ضرورت ہے۔ اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس سے طالب علم مراد ہیں جو دینی علوم کے حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور صاحب بدائع نے فرمایا ہے کہ اس سے وہ سب لوگ مراد ہیں جو کسی بھی صورت میں اللہ کی اطاعت میں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ وہ محتاج ہوں۔ (بحرالرائق ص ۲۶۰ ج ۲)

مستحقین زکوٰۃ بتاتے ہوئے آٹھویں نمبر پر وَابْنِ السَّبِيْلِ فرمایا۔ ابن السبیل عربی زبان میں مسافر کو کہتے ہیں جو مسافر ضرورت مند ہے اس کے پاس سفر میں مال موجود نہیں ہے۔ اسے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے اگر چہ اس کے گھر میں کتنا ہی مال ہو۔ جو لوگ غازیوں کی جماعت سے بچھڑ گئے یا حجاج کے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے۔ حاجت مندی کی وجہ سے ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ ان کے احتیاج کو دیکھا جائے گا۔ ان کے گھروں میں اگر چہ خوب زیادہ مال ہو۔ البتہ یہ لوگ وقتی ضرورت سے زیادہ نہ لیں۔

مُؤَلَّفَةِ الْقُلُوْبِ وہ لوگ تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ تالیف قلب کے لئے اموال زکوٰۃ میں سے عطا فرمایا کرتے تھے' یہ لوگ اپنے قبائل کے سردار اور ذمہ دار تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے ان کے قبیلوں کے اسلام قبول کرنے کی اُمید تھی۔ اور ان میں ایک قسم وہ تھی جنہیں دفع شر کے لئے مال عنایت فرماتے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان میں پختگی نہیں تھی آنحضرت ﷺ انہیں اموال صدقات میں سے عنایت فرما دیتے تھے تاکہ وہ دین اسلام پر جمے رہیں اور پختہ ہو جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں مؤلفۃ القلوب کی یہ تین قسمیں لکھی ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ کسی غیر مسلم کو آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کے لئے مال زکوٰۃ سے کچھ نہیں دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کی تینوں قسموں کو اب اموال زکوٰۃ میں سے نہ دیا جائے ان کا حصہ ختم ہو گیا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ **وقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لأن الله تعالىٰ اعز الاسلام واغنى عنهم** کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دے دیا اور اُن کی طرف سے بے نیاز فرما دیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک بعض شرائط سے اب بھی ان کو مال

زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے امیر المومنین مناسب جانے تو اب بھی ان کو اموال زکوٰۃ میں سے دے سکتا ہے۔

مسئلہ: جو شخص غنی ہو یعنی اس کی ملکیت میں اموال زکوٰۃ میں سے کسی بھی قسم کا کوئی نصاب ہو جس کا وہ مالک ہو یا ضرورت سے زیادہ اتنا سامان اسکی ملکیت میں ہو جو فروخت کردے تو بقدر نصاب قیمت مل جائے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

سادات کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ: بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اگرچہ وہ فقراء اور مساکین ہوں بنی ہاشم سے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی اولاد اور اولاد الاولاد مراد ہے[1]۔

اگر بنی ہاشم تنگدست حاجتمند ہوں تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ دیگر اموال سے اُن کی مدد کردی جائے بہت سے لوگوں کو سادات کی غریبی دیکھ کر رحم تو آتا ہے لیکن زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مال سے دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ مال میں زکوٰۃ تو ۴۰/۱ ہی فرض ہے۔ باقی ۴۰/۳۹ میں سے خرچ کرنا بھی تو ثواب ہے۔ لیکن اس کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالنے کو تیار نہیں ہوتے اور سادات کو اپنے اموال کا میل یعنی زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں اس میں ان کی بے ادبی بھی ہے اور اس سے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔ بعض سادات بھی اس مسئلہ کو سن کر دل میں کچھ تکدر لے آتے ہیں۔ اور بنی ہاشم کے لئے مال زکوٰۃ نا جائز ہونے کے قانون شرعی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں سمجھنا چاہئے کہ ہمارے جدِ اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اکرم و احترام کے لئے یہ قانون بنایا ہے کہ بنی ہاشم کو اموال کا میل کچیل نہ دیا جائے۔ جد امجد نے تو انکی توقیع کی اور وہ رنجیدہ ہو رہے ہیں کہ ہمیں لوگوں کے اموال کا میل نہ ملا۔ دنیا حقیر ہے فانی ہے تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں اپنے شرف کو باقی رکھیں اور میل کچیل سے گریز کریں۔ اور یوں تکلیفیں تو سبھی کو آتی ہیں۔ صبر و شکر کے ساتھ زندگی گزاریں، اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ بڑھانے کو اور اپنے نسب کو اچھالنے کو تو تیار ہیں۔ لیکن اس نسب کی وجہ سے جو شرف دیا گیا ہے اسے اپنانے کو تیار نہیں۔

مسئلہ: اپنے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دہرا ثواب ہے ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ جب انہیں زکوٰۃ دے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے بلکہ ہدیہ کہہ کر پیش کردے اور اپنے دل میں زکوٰۃ کی نیت کرلے اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بشرطیکہ وہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین ہوں۔ لیکن اتنی بات یاد رہے کہ جن رشتہ داروں سے رشتہ ولاد ہے۔ اُن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یعنی والدین کو، دادا دادی کو۔ نانا نانی کو، اور پڑدادا اور پڑدادی کو اور پرنانا

---

[1] ولا يدفع إلى بني هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبدالمطلب كذافي الهداية وفي المشكوٰة ص۱۶۱ عن عبدالمطلب بن ربيعة قال قال رسول الله ﷺ ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لاتحل لمحمد ولا لآل محمد رواه مسلم وفي حاشية المشكوٰة انماسماها او ساخاً لانها تطهر اموالهم ونفوسهم قال تعالىٰ خذمن اموالهم صدقة تطهرهم بها فهي كغسالة الاوساخ ففي الكلام تشبيه بليغ ۱۲ من المرقاة

(اور زکوٰۃ بنی ہاشم کو نہ دی جائے اور بنی ہاشم حضرت علی، حضرت عباس، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہے۔ عبدالمطلب بن ربیعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ صدقات تو لوگوں کی میل ہے اور یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اور مشکوٰۃ کے حاشیہ میں مرقاۃ سے نقل کیا ہے کہ زکوٰۃ کو میل اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگوں کے مالوں اور ان کے دلوں کو پاک کرتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو جس سے تو انہیں پاک کردے۔ تو زکوٰۃ میل کے دھوون کی طرح ہوگئی پس اس کلام میں بڑی بلیغ تشبیہ ہے)

پر نانی کو اور اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی' ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بھائیوں کو' بہنوں کو چچاؤں کو پھوپھیوں کو ماموؤں خالاؤں کو اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

مسئلہ: شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے دے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ: جو شخص اموال زکوٰۃ میں سے کسی نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور یہ شخص شریعت کی اصطلاح میں غنی ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جس غنی کو زکوٰۃ کا مال لینا اور دینا جائز نہیں۔ ضروری نہیں کہ اموال زکوٰۃ ہی میں سے کوئی چیز بقدر نصاب اسکی ملکیت میں ہو۔ بلکہ اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ضروری حاجات سے فاضل سامان پڑا ہوا ہے۔ اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور ایسے شخص پر اگرچہ زکوٰۃ فرض نہیں لیکن صدقہ' فطر اور قربانی لازم ہے۔ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض مرتبہ زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لیکن زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوتا جس کی مثال اُوپر گزری۔

نصابِ زکوٰۃ: سونے چاندی پر اور اُن کی قیمت پر اور مال تجارت پر اور مویشیوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کسی شخص کی ملکیت میں ۵۹۵ گرام چاندی ہو یا ۸۵ گرام سونا ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت ہو تو جب سے مالک ہوا ہے اس وقت سے لے کر چاندی کے حساب سے ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ۴۰/ ۱ مستحقین کو دے دینا فرض ہے۔ پھر اگر کچھ مال تجارت ہو اور کچھ سونا چاندی ہو یا کچھ سونا اور ساتھ ہی کچھ چاندی ہو تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ مجموعے کی قیمت ۵۹۵ گرام چاندی کو پہنچ جائے۔ اس صورت میں بھی چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا واضح رہے کہ نوٹ بھی چاندی کے حکم میں ہے کسی بھی ملک کے نوٹ اگر کسی کی ملکیت میں ہوں جن کے عوض ۵۹۵ گرام چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اگر کسی کی ملکیت میں نہ چاندی ہو اور نہ نقد رقم (ایک دو روپیہ بھی ملکیت میں نہ ہو) تو ۸۵ گرام سونا ملکیت میں ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی۔ احادیث شریفہ میں دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے کو نصاب زکوٰۃ بتایا ہے' علمائے ہند نے ڈیڑھ سو سال پہلے اپنے ملک کے سکہ کے اعتبار سے حساب کیا تھا تو دو سو درہم چاندی کے ساڑھے باون تولہ اور بیس مثقال سونے کے ساڑھے سات تولے بنتے تھے۔ اب نئے اوزان سے حساب کیا تو چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام اور سونے کا نصاب ۸۵ گرام ہوا۔

تنبیہ: یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ سونا ہو تو اس زائد پر زکوٰۃ فرض ہوگی یہ غلط ہے' جب نصاب پورا ہو جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو پورے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے (چاندی ہو یا سونا ہو یا مال تجارت ہو یا ان کا مجموعہ ہو)

زکوٰۃ کے ضروری مسائل

مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ ہے خواہ سکہ کی صورت میں ہو' خواہ انکی اینٹیں رکھی ہوں۔ خواہ زیور ہو' استعمال میں ہو یا غیر استعمالی ہو' خواہ برتن ہوں۔ بہر صورت ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ: زمین کی پیداوار، باغ کی پیداوار اور مویشیوں میں بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں لکھی ہیں۔ اور پیداوار کی زکوٰۃ کے بارے میں ضروری مسائل سورۃ بقرہ کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ (انوار البیان ج ۱)

مسئلہ: زکوٰۃ کی رقم کسی کافر کو نہیں دی جا سکتی۔

مسئلہ: مدرسوں میں اگر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں سے مستحقین طلباء کو وظیفہ دے دیا جائے یا ان کو کھانا دے کر مالک بنا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اباحت کے طور پر کھانا کھلا دیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اسی طرح مال زکوٰۃ سے مدارس کے کتب خانوں میں مال زکوٰۃ سے کتابیں جمع کر دینا یا طلباء کے لئے لحاف، بستر ے اور چارپائیاں جمع کر دینا اور اُن کو عاریۃً دے دینا اور جاتے وقت واپس لے لینا اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیک نہیں ہوئی۔ ان چیزوں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اصحاب اموال سے مستقل چندہ کر لیا جائے۔

مسئلہ: کسی مریض کے علاج کی فیس یا ایکسرے وغیرہ کی اُجرت بالا بالا مال زکوٰۃ سے ادائیگی کر دی جائے اور مریض کو قبضہ نہ کرایا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ تملیک نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر مال زکوٰۃ سے دوائیں خرید کر ہسپتال میں رکھ دی جائیں اور مستحقین زکوٰۃ کو دے دی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہ خیال رکھا جائے کہ یہ دوائیں صاحب نصاب کو اور بنی ہاشم کو اور کافر کو نہ دی جائیں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مقروض ہے اور صاحب نصاب نہیں ہے اور اس کے کہنے سے (کہ مجھ پر جو قرض ہے وہ ادا کر دو) کوئی شخص اسکی طرف سے قرض خواہ کو مال زکوٰۃ دے دے۔ تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور اگر قرضدار کے کہے بغیر اسکی طرف سے مال زکوٰۃ سے قرضے کی ادائیگی کے طور پر دیدیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں صاحبِ مال متبرع ہو گیا۔

مسئلہ: اگر دکاندار کا یا کسی بھی شخص کا کوئی شخص مقروض ہو اور اس کے پاس ادائیگی کے لئے مال نہ ہو تو جس کا قرضہ ہے وہ اپنے قرضہ کو زکوٰۃ میں منہا نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ کر سکتا ہے کہ قرضدار کو بلا کر زکوٰۃ کی رقم اس کے ہاتھ میں دیدے۔ پھر اس سے اُسی وقت اپنے قرضہ میں وصول کر لے جب اسکی ملکیت میں مال پہنچ گیا تو اب زبردستی بھی وصول کر سکتے ہیں کیونکہ قرض خواہ کو اپنا قرضہ وصول کرنے کا حق ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو ثواب کے طور پر مال دے دیا اور ادائیگی زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کرے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال ادائیگی زکوٰۃ کی نیت سے دوسرے مال سے الگ کر کے کسی بکس وغیرہ میں رکھ لے اور یہ نیت کرے کہ فقراء آتے رہیں گے تو اس میں سے دیتا رہوں گا اس صورت میں فقراء کو دیتے وقت نیت کا استحضار نہ ہوا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مال علیحدہ کرتے وقت جو نیت کی تھی وہی کافی ہوگی۔

مسئلہ: جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے کسی عمل کے عوض میں نہ ہو لہٰذا امام مؤذن اور مدرس اور کسی بھی ملازم کی تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ البتہ اَلْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اسکی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ: جنہیں امیر المومنین نے زکوٰۃ کے اموال وصول کرنے پر مامور کر دیا انکے علاوہ جتنے بھی مصارف ہیں اُن

سب میں اس شخص کا غیر صاحب نصاب ہونا ضروری ہے جس کو زکوٰۃ دی جائے۔ فی البحر الرائق (ص ۲۵۹ ج ۲)
وانما حلت للغنی (العامل) مع حرمة الصدقة علیه لانه فرّغ نفسه لهذا العمل فیحتاج الی الکفایة
وفیه ایضاً بعد صفحة ولا یخفیٰ ان قید الفقیر لا بدمنه علی الوجوه کلها۔ (بحرالرائق میں ہے مالدار پر زکوٰۃ کے حرام ہونے کے باوجود مالدار عامل کے لئے زکوٰۃ میں سے لینا جائز ہے اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے فارغ کیا ہے لہٰذا وہ ضرورت کی کفالت کا محتاج ہے اور ایک صفحہ کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مصارف میں فقیر والی قید کا ہونا ضروری ہے)

تنبیہ: لفظ "وفی سَبِیْلِ اللہِ" لغوی ترجمہ کے اعتبار سے تو بہت عام ہے لیکن حضرات ائمہ تفسیر اور فقہاء کرام نے اس کو عام نہیں لیا اسی لئے بعض حضرات نے اس سے وہ مجاہدین مراد لئے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے رہ جائیں اور پیسہ پاس نہ ہو اور بعض حضرات نے وہ لوگ مراد لئے ہیں جو سفر حج میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جائیں بعض اہل علم نے یہ اشکال کیا ہے کہ اگر انکی ملکیت میں مال نہ ہو تو فقراء میں شمار ہونگے اور اگر وطن میں مال ہو اور یہاں موجود نہ ہو تو ابن السبیل میں داخل ہو گئے لہٰذا کل اقسام ساتھ بنتے ہیں (اور ان کو یعنی منقطع الغزاۃ منقطع الحاج کو مختلف قسم بنا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی) پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ واقعی یہ لوگ فقیر کی تعریف میں داخل ہیں لیکن علیحدہ ان کو اس لئے بیان فرمایا کہ مطلق فقیر کی بہ نسبت ان کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ مجاہد اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے نکلا ہوا ہے اور حاجی بیت اللہ کے زائرین میں سے ہے۔ ان کی طرف زیادہ دھیان دینا چاہئے۔

آج کل ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو تفسیر قرآن اور احکام و مسائل کے بارے میں سلف کا دامن چھوڑ کر جو چاہتے ہیں اپنے پاس سے کہہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ کے عموم میں مسجدیں مدرسے شفاخانے۔ مسافر خانے کنوئیں سڑکیں اور پل بنانا اور رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں دینا۔ دفتروں کے مصارف میں خرچ کرنا میت کو قبرستان پہنچانے کے لئے ایمبولینس کا انتظام کرنا اور غریب میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا یہ سب جائز ہے۔ یہ اُن لوگوں کی جہالت کی باتیں ہیں۔ مفسرین اور محدثین اور فقہاء نے جو کچھ قرآن مجید کو سامنے رکھ کر مسائل اخذ کئے ہیں ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے قول کی کوئی حیثیت نہیں جو عربی زبان کا ایک صیغہ بھی نہیں بتا سکتے اور جو قرآن مجید کی ایک سورت صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے کہتے ہیں' زکوٰۃ کا مال جہاں چاہو خرچ کر دو۔ تملیک فقیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ بات چاروں مذہبوں کے خلاف ہے۔ اگر ہر کام میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کی اجازت ہوتی تو قرآن مجید میں آٹھ قسمیں بتانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا تھا۔ ان اللہ قد فرض علیهم صدقة تؤخذ من اغنیائهم فترد علی فقراء هم۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو اُن کے مالداروں سے لے کر ان کے فقیروں کو دے دی جائے۔ (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۱۵۵)

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہوگی جب فقراء کو دے دی جائے۔ جو لوگ تملیک کی شرط کو مولویانہ اُپج قرار دیتے ہیں اُن کے سامنے احادیث نہیں ہیں۔ آراء اور اھواء کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔

مسئلہ: چاندی۔ سونا۔ نقدی اور مال تجارت میں جو زکوٰۃ فرض ہے اسکی ادائیگی کا یہ طریقہ ہے کہ ہر سال چاند کے حساب سے جب سال گزر جائے پورے مال سے چالیسواں حصہ دے دے اگر اصل مال نہ دے اور اسکی قیمت دیدے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۴۰/۱ سے کم نہ ہو۔ سو روپے میں ڈھائی روپے اور ایک ہزار میں ۲۵ روپے اور ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار روپے کے موافق حساب لگا لیا جائے۔

مسئلہ: جس شہر میں رہتے ہوئے زکوٰۃ فرض ہوئی ہے۔ وہاں کی زکوٰۃ وہیں کے فقراء پر خرچ کی جائے۔ ہاں اگر دوسری جگہ کے لوگ زیادہ محتاج ہوں یا اعزہ و اقرباء ہوں تو ان کے لئے بھیج دینا مناسب ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ حج کرنے کے لئے چندہ مانگتے پھرتے ہیں اور بعض صاحب حیثیت انہیں زکوٰۃ کی رقم سے دے دیتے ہیں جب ایک دو آدمی کے دیدینے سے سوال کرنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اُسے زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں۔ لوگ اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ جس کسی پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض نہیں کیا وہ حج کے نام پر سوال کرتا پھرے اولاً تو یہ طریقہ ہی غلط ہے دوسرے جب مانگنے والا صاحب نصاب ہو گیا تو اب اُس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں رہا۔

مسئلہ: بہت سے لوگ لڑکیوں کی شادیوں کے لئے زکوٰۃ کی رقم دے دیتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی سادی کیوں نہیں کی جاتی؟ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں اور اسی پر دونوں فریق راضی رہیں۔ اصل نکاح تو ایجاب و قبول کا نام ہے جو دو گواہوں کے سامنے ہو اس میں ذرا سا خرچہ بھی نہیں ہوتا پھر ایجاب و قبول کے بعد جو بیٹی والے کو میسر ہو وہ بطور جہیز لڑکی کی سسرال میں روانہ کر دے اس میں خیر ہی خیر ہے۔ ریاکاری کی گناہگاری میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر لڑکی کا باپ صاحب نصاب ہو تو اُسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر لڑکی صاحب نصاب ہو تو اُسے بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں پھر اگر صاحب نصاب نہ ہونے اور غیر بنی ہاشم ہونے کی بنیاد پر زکوٰۃ دی جائے تو ایک دو آدمی کے دینے سے بقدر نصاب ملکیت میں مال آجاتا ہے۔ جب تک وہ مال ملکیت میں رہے گا اس وقت تک زکوٰۃ لینا دینا جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ: بعضی قوموں میں رواج ہے کہ اپنی قوم کی زکوٰتیں وصول کر کے بینک میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اس مسئلہ کا بالکل دھیان نہیں رکھتے کہ جب تک یہ مال فقراء اور مساکین کی ملکیت میں نہیں جائے گا اس وقت تک ان سب لوگوں کی زکوٰتیں ادا نہ ہوں گی جنہوں نے یہ رقمیں دی ہیں لہٰذا جلد سے جلد مصارف زکوٰۃ میں ان کو خرچ کر دینا لازم ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بینک کا دیوالیہ ہو گیا یا بنک پر کسی حکومت نے قبضہ کر لیا۔ یا ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا تو ان سب صورتوں میں ان سب لوگوں کی زکوٰتوں کی ادائیگی رہ جاتی ہے جن کے اموال لے کر بینک میں جمع کر دیئے گئے تھے۔

مسئلہ: جو لوگ سوال کرنے کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں عموماً صاحب نصاب ہوتے ہیں۔ چھوٹے موٹے دکانداروں سے انکی ملکیت میں زیادہ پیسہ ہوتا ہے۔ لہٰذا سوال کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر کسی سائل کو زکوٰۃ دیں تو پہلے یقین کر لیں کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔ صحیح بخاری (ص ۲۰۰ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے۔ اُسے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور یا دو کھجوریں واپس کرتی ہیں لیکن مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جس سے اسکی ضرورت پوری ہو اور اس کے حاجت مند ہونے کا پتہ نہیں چلتا تاکہ

اس کو صدقہ دے دیا جائے۔ وہ کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واقعی حاجتمند کو تلاش کر کے زکوٰۃ کا مال دیا جائے۔ بہت سے لوگ بہت زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں آبرو کی وجہ سے سوال نہیں کرتے اور ننگے بھوکے گھروں میں اپنی زندگیاں گزارتے ہیں ایسے لوگوں کا خاص خیال کیا جائے یہ واضح رہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح سے فرض ہے۔ جس طرح نماز کے احکام و مسائل کا جاننا اور نماز کو شرعی قواعد کے مطابق پڑھنا طہارت کے لئے پاک پانی کا دیکھنا استنجا ٹھیک کرنا' کپڑوں کا پاک رکھنا' قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ اور جو چیزیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں صحیح طریقے پر اُن کو یاد کرنا لازم ہے اسی طرح سے زکوٰۃ کے مسائل اور احکام کا جاننا بھی ضروری ہے' زکوٰۃ کا مال جس کو چاہا دے دیا جس مصرف میں چاہا خرچ کر دیا جس انجمن میں چاہا جمع کر دیا۔ زکوٰۃ ادا ہو یا نہ ہو۔ یہ فرض کی ادائیگی کا طریقہ نہیں۔ مال حلال کماؤ' حلال مواقع میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ فرض ہو جائے تو ٹھیک حساب سے ادا کرو اور جس کو دو اس کے بارے میں پہلے یقین کر لو کہ یہ مستحق زکوٰۃ ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ

اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس وہ تو کان ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ تمہارے لئے خیر کا کان ہیں۔ وہ ایمان لاتے ہیں

بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ

اللہ پر اور یقین کرتے ہیں۔ مومنین کی بات کا' اور وہ ان لوگوں کے لئے رحمت ہیں جو تم میں سے مومن ہیں' اور جو لوگ اللہ کے رسول کو

اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ

تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں اور اللہ اور اس کا رسول

أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ

اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں راضی کریں اگر یہ لوگ مومن ہیں' کیا ان لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ جو شخص اللہ کی

وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے

منافقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں اور مؤمنین کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں

تفسیر: منافقین چونکہ دل سے مؤمن نہیں تھے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازیبا کلمات بھی کہتے رہتے تھے۔ سامنے آتے تو قسمیں کھا کر کہتے کہ ہم مسلمان ہیں۔ آیت بالا ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو پیچھے بدگوئی

کرتے تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ یہ تو تکلیف دینے والی باتیں ہیں رسول اللہ ﷺ کو پہنچ جائیں گی تو ان کو تکلیف ہو گی تو اس پر ان میں سے بعض لوگوں نے یوں جواب دیا کہ کوئی بات نہیں ہے اُن کو راضی کرنا اور سمجھانا آسان ہے وہ تو بس ''کان'' ہیں۔ یعنی جو کچھ سُن لیتے ہیں اور باور کر لیتے ہیں اگر کوئی ہماری بات پہنچے گی تو ہم دوسری بات کہہ دیں گے۔ اور وہ اس کو سن کر یقین کر لیں گے۔ روح المعانی میں محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ایک منافق نبتل بن حارث تھا۔ جو بدصورت بھی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں سن کر منافقین کے پاس لے جاتا تھا۔ اس کا مقصد خیر نہیں تھا بلکہ چغل خوری مقصود تھی اور منافقین کو یہ بتاتا تھا کہ دیکھو تمہارے بارے میں ایسے ایسے مشورے ہو رہے ہیں جب اس سے کہا گیا کہ ایسا نہ کر تیرے طرزِ عمل سے آپ ﷺ کو تکلیف ہو گی تو اس پر اس نے کہا کہ ان کو سمجھانا آسان ہے وہ تو ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں انکی شخصیت تو بس کان ہی کان ہے۔ یعنی وہ نہ تکذیب کرتے ہیں نہ غور و فکر کرتے ہیں۔ اول تو آپ کی مجلس کی باتیں بطور چغل خوری کے نقل کرنا اور پھر اُوپر سے آپ کے بارے میں یہ کہنا کہ العیاذ باللہ وہ کچھ غور و فکر نہیں کرتے ہر بات سن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور یہ الزام دینا کہ انہیں اونچ نیچ کی کچھ خبر نہیں اس میں کئی طرح سے تکلیف دینا ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ ۔ وہ خیر کی بات سنتے ہیں اور جس چیز کے سننے میں اور قبول کرنے میں خیر ہے وہ اسی پر کان دھرتے ہیں تم نے یہ جو سمجھا ہے کہ ہم جو بھی بات کہیں گے آپ اس پر یقین لے آئیں گے اور ہماری شرارت کا احساس نہ ہو گا۔ یہ تمہاری سفاہت اور حماقت ہے۔ مزید فرمایا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور ایمان والوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، جو مخلص مؤمن ہیں وہ ان کو جانتے ہیں اور ان کی باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں (اور منافقین کے طور طریق سے بے خبر نہیں ہیں) ارے منافقو! تم جو یہ سمجھتے ہو کہ ہماری ہر بات سُن لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں اور آپ کو حقیقت حال کا پتہ نہیں چلتا یہ تمہارا جھوٹا خیال ہے۔

پھر فرمایا وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کہ آپ کی ذات گرامی تم میں سے ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو ایمان لائیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے منافقین مراد ہیں۔ مؤمنین مخلصین مُراد نہیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ ظاہر کر دیا کہ ہم مؤمن ہیں ان کی بات سن لیتے ہیں انکی تصدیق کی وجہ سے نہیں بلکہ بطور شفقت سُن لیتے ہیں پھر ان کے بھید نہیں کھولتے اور پردہ دری نہیں کرتے (لہٰذا منافقوں کو اس دھوکہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ چونکہ آپ سب کچھ سن لیتے ہیں اس لئے ہم جو چاہیں گے کہہ دیں گے ہماری شرارت کا پتہ نہ چلے گا)

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اس میں عذاب دنیوی یا عذاب اُخروی کی قید نہیں ہے دونوں جہان میں عذاب ہونے کی وعید ہے۔ دنیا میں بھی یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہوئے دربارِ نبویؐ سے ذلت کے ساتھ نکالے گئے اور آخرت کا جو عذاب ہے وہ تو ہر کافر کے لئے مقرر ہی ہے۔

پھر منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ (وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں) منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ طرح طرح کی باتیں کرتے اور اپنی باتوں سے منحرف ہو جاتے تھے۔ پھر چونکہ زیادہ تر واسطہ عامۃ المسلمین سے پڑتا تھا اس لئے انہیں راضی رکھنے کیلئے بار بار قسمیں کھا کر ان سے

اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے تا کہ یہ لوگ انہیں اپنے سے جدا نہ سمجھیں۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ (اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے) ظاہری طور پر بندوں کو راضی کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اگر واقعی مومن ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرتے اُن کی نافرمانی سے بچتے۔ ایسا کرنے سے اہل ایمان بھی راضی ہو جاتے۔ لیکن چونکہ دنیا کے طالب ہیں اس لئے مسلمانوں سے ظاہری میل ملاپ اور رکھ رکھاؤ کے لئے قسمیں کھاتے ہیں اور اندر جو کفر اور نفاق بھرا ہوا ہے اسے نہیں چھوڑتے پھر بطور زجر اور توبیخ کے فرمایا اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الآیۃ) (کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب بڑی رُسوائی ہے) یہ لوگ دنیاوی رسوائی سے بچتے ہیں اور اُنہیں آخرت کی رسوائی سے بچنے کا دھیان نہیں ہے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلِ
منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو اُن باتوں کو بتادے جو ان کے دلوں میں ہیں۔ آپ فرما دیجئے
اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا
کہ تم مذاق بنالو۔ بلاشبہ اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بس یونہی باتوں میں مشغول تھے
نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا
اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ اور اسکی آیات اور اسکے رسول کے ساتھ ہنسی کرتے تھے۔ عذر بیان نہ کرو۔ تم اپنے ایمان کے
قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً
بعد کافر ہو گئے اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں گے تو دوسری جماعت کو ہم عذاب دیں گے
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾
اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔

منافقین کی مزید شرارتوں کا تذکرہ

تفسیر: منافقوں کی شرارتیں جاری رہتی تھیں۔ ان میں سے جو لوگ غزوۂ تبوک کے لئے جانے والے مسلمانوں کے ساتھ سفر میں چلے گئے تھے (جن میں اہل نفاق کے لئے جاسوسی کرنے والے بھی تھے) انہوں نے طرح طرح سے تکلیفیں دیں اور بُرے منصوبے بنائے۔ منافقین کی عادت تھی کہ آپس میں مل کر اسلام اور داعی اسلام ﷺ اور اہل اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی انہیں یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے

جو ہمارے دلوں کی باتوں کو کھول دے۔ ان کی نیتوں' باتوں اور ارادوں کو سورہ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اس سورت کا ایک نام سوۃ الفاضحہ بھی ہے کیونکہ اس میں منافقوں کے بھیدوں اور حالوں کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ منافقین آپس میں چپکے چپکے اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے تھے اور رسوائی سے ڈرتے بھی رہتے تھے لیکن اپنی بے ہودگیوں سے باز نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلِ اسْتَهْزِءُوْا تم مذاق بنالو یہ لوگ ایک[1] دن آپس میں یوں کہہ رہے تھے کہ یہ شخص اس بات کی امید رکھتا ہے کہ ملک شام کے محلات اور قلعے اس کے لئے فتح ہو جائیں گے یہ تو کبھی بھی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہ' نے ان کی ان باتوں کی رسول اللہ ﷺ کو خبر دیدی۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا ان لوگوں کو روک لو۔ جب آپ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان سے فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا ہے اس پر انہوں نے اقرار تو کر لیا لیکن بات بناتے ہوئے اور عذر پیش کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی زبانی باتیں تھی۔ جو آپس میں دل لگی کے طور پر ہو رہی تھیں۔ سفر کی مسافت طے کرنے کے لئے کچھ باتیں ہونی چاہئیں لہٰذا یوں ہی وقت گزاری کے طور پر ہم ایسی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ جل شانہ' نے فرمایا قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (آپ فرما دیجئے کیا اللہ کے ساتھ اور اسکی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کر رہے تھے) یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ دل لگی اور وقت گزارنے کے لئے کیا اور کوئی بات نہ تھی۔ اس کے لئے اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول کا مذاق ہی رہ گیا تھا۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ تم عذر پیش نہ کرو کیونکہ جو عذر پیش کیا ہے وہ عذر نہیں ہے۔ وقت گزاری کی ضرورت کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا جائز نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا مذاق بنانا تو کفر ہے تم ظاہری طور پر کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں۔ اول تو یہ بھی جھوٹ تھا۔ لیکن اب تو اپنے اقرار سے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے اندر سے تو پہلے ہی کافر تھے' زبانی طور پر جو ایمان کا دعویٰ تھا اس کے بارے میں فرمایا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ پھر فرمایا اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ اگر ہم تم میں سے بعض کو اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مالا مال کر کے معاف کر دیں گے اور کفریہ باتوں سے درگزر کر دیں گے نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (تو ایک جماعت کو عذاب دیں گے' کیونکہ وہ مجرم تھے) یہ لوگ مجرم ہی رہیں گے اور آخر دم تک اسلام قبول نہ کریں گے۔

منافقین میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور پکے مسلمان ہوئے ان میں مخشی بن حمیر کا نام لیا جاتا ہے انہوں نے اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دُعاء کی تھی کہ شہادت نصیب ہو اور قتل کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ غزوہ یمامہ میں اُن کی شہادت ہو گئی نہ قاتل کا پتہ چلا نہ مقتول کا' اور ان کی کوئی خیر و خبر نہ ملی۔ (درمنثور ص ۲۵۴ ج ۳)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ

اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے سو اللہ انہیں بھول گیا' بے شک

[1] تبوک کے سفر میں ۱۲

الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

منافقین نافرمان ہی ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں سے اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ کافی ہے اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیدیا اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ تمہاری حالت

مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

انہیں لوگوں کی طرح سے ہے جو تم سے پہلے تھے وہ لوگ قوت میں تم سے زیادہ سخت اور مال و اولاد میں تم سے زیادہ تھے۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ

سو انہوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا جو تم سے پہلے تھے۔ اور تم بھی ایسے ہی

كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

گھستے چلے گئے جیسا کہ وہ لوگ گھسے تھے۔ انکے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو گئے اور وہ لوگ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ

نقصان میں پڑنے والے ہیں کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو اُن سے پہلے تھے یعنی قوم نوحؑ اور عاد اور ثمود

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور قوم ابراہیم اور مدین والے لوگ اور اُلٹی ہوئی بستیاں۔ ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

کھلی کھلی دلیلیں لیکر آئے سو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

منافق مرد و عورت نیکیوں سے روکتے ہیں، بخیل ہیں، اللہ تعالیٰ کو بھول گئے ہیں

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی مزید بدحالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یوں فرمایا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہی طرح کے ہیں۔ نفاق کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں، اس میں سے یہ بھی ہے کہ برائی کا حکم دیتے ہیں جس میں سے سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تکذیب پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں۔ اور نیکیوں سے روکتے ہیں جن میں سب سے بڑی نیکی کلمۂ توحید کی گواہی ہے وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں اور

کنجوس ہیں مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ نہیں کرتے۔

پھر فرمایا نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ کہ یہ لوگ اللہ کو بھول گئے یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کی طرف سے بالکل پشت پھیرلی۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکے ساتھ وہ معاملہ کیا جو بھولنے والا کیا کرتا ہے انہیں اپنے لطف اور مہربانی سے محروم فرما دیا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (بلاشبہ منافق فاسق ہی ہیں جو سرکشی میں اور نافرمانی میں کمال رکھتے ہیں)۔

منافقین کو دنیا سے محبت ہے اور ان کے لئے عذاب دوزخ ہے

اس کے بعد منافقین اور دیگر عام کفار کے لئے وعید کا تذکرہ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے ھِیَ حَسْبُهُمْ یہ آگ اُن کے لئے کافی ہوگی۔ یہ کلمہ بطور توبیخ ہے۔ وہ چونکہ دنیا ہی کو اپنے لئے سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے فرمایا کہ دنیا تو ختم ہو جائے گی اب دوزخ کی آگ ہی ان کے لئے سب کچھ ہوگی وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ اور اللہ نے ان کو ملعون قرار دیا۔ ان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ اور ان کے لئے عذاب ہے جو برقرار رہے گا یعنی دائمی ہوگا ہمیشہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآیہ) اس میں منافقوں سے خطاب ہے کہ تم لوگ انہیں لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے تھے۔ وہ لوگ تم سے بڑھ کر قوت اور طاقت والے اور تم سے زیادہ اموال اور اولاد والے تھے۔ وہ لوگ اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے اور تم بھی اپنے دنیاوی حصہ سے مستفید ہوئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اپنے حصہ سے مستفید ہوئے وہ لوگ بھی دنیا ہی میں لگے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا تم لوگ بھی انہیں کی راہ پر ہو۔ تم لوگ بھی باطل میں اور برائیوں میں اسی طرح گھس گئے جس طرح تم سے پہلے لوگ گھسے تھے۔ ان کا جو انجام ہوا تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔ پھر انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کہ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں بیکار چلے گئے۔ دنیا تھوڑی سی تھی۔ فانی تھی جو ختم ہوگئی اور جو کچھ ملا تھا وہ بطریق استدراج تھا۔ انعام و اکرام کے طور پر نہ تھا۔ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کسی کافر کے لئے کوئی نعمت ہے ہی نہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (یہ لوگ پوری طرح خسارے میں ہیں) دنیا بھی گئی اور آخرت کی نعمتوں سے بھی محروم ہوئے تم بھی انہیں کے طریقے پر چل رہے خسارہ میں ہو۔

اقوام سابقہ کی بربادی سے عبرت لیں: اسکے بعد پرانی قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ کیا ان لوگوں کے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آئیں جو اُن سے پہلے تھے کیا نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا حال اور عاد و ثمود کی ہلاکت کے واقعات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین والوں کی ہلاکت کے قصے انہیں معلوم نہیں ہیں؟ اور جو بستیاں برے کرتوتوں کی وجہ سے اُلٹ دی گئی تھیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن بستیوں میں رہتی تھی کیا اُن کے واقعات معلوم نہیں ہیں؟ انہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں پر عذاب اس لئے آیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو اور واضح دلائل کو جھٹلا دیا۔ پھر بھی کفر سے باز نہیں آتے۔

اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں بعض بعض کے مددگار ہیں۔ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ

برائیوں سے روکتے ہیں۔اور نمازیں قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی

وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے۔ اللہ نے مومن مردوں

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً

اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور ایسے عمدہ مکانوں کا

فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

وعدہ فرمایا جو ہمیشگی والے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے یہ بڑی کامیابی ہے۔

مؤمنین کی خاص صفات' اور ان کے لئے رحمت اور جنت کا وعدہ

تفسیر: منافقین کی صفات اور ان کے بارے میں وعیدیں بیان فرمانے اور اُن کو پہلی اُمتوں کے واقعات یاد دلانے کے بعد مومنین کی صفات بیان فرمائیں۔ اولاً تو یوں فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں اولیاء ہیں یعنی ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ دینی کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں پھر فرمایا يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ یہ لوگ بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں' برعکس منافقین کے کہ وہ برائیوں کا حکم کرتے ہیں اور بھلائیوں سے روکتے ہیں پھر مزید صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور صرف نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ ہر موقعہ پر اور ہر معاملہ میں اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان سے اپنی مہربانی کا وعدہ فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (اللہ عنقریب ان پر رحم فرمائے گا) دنیا میں ان پر رحم فرمادیا کہ ان کو ایمان کی توفیق دے دی اور آخرت میں ان پر رحم فرمائے گا اور نعمتوں سے نوازے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا ہے حکمت والا ہے) وہ غالب ہے ہر چیز پر قادر ہے جس چیز کا ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اس کے سب کام اور فیصلے حکمت کے موافق ہیں۔

پھر اہل ایمان کی آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (منافقین سے نار جہنم کا وعدہ فرمایا اور اہل ایمان سے باغوں کا وعدہ فرمایا اور دونوں جماعتوں کے بارے میں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فرمایا کہ اپنی اپنی جزا اور سزا کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)

اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے مزید فرمایا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ یعنی ان حضرات کے لئے عمدہ مکان ہوں گے جن میں وہ رہیں گے۔ اور یہ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے اولاً باغوں کا ذکر فرمایا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ پھر عمدہ مکانوں کا تذکرہ فرمایا جو ان باغوں میں ہوں گے اور عدن کی طرف ان باغوں کی اضافت فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ باغ واقعی رہنے کی جگہیں ہیں۔ جہاں سے نہ کبھی منتقل ہونا چاہیں گے اور نہ انہیں وہاں سے منتقل کیا جائے گا۔ صاحب روح المعانی ص ۱۳۶ ج ۱۰ نے لفظ عدن کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ اور بعض روایات بھی نقل کی ہیں۔ پھر اخیر میں لکھا ہے۔ وقیل العدن فی الاصل الاستقرار والثبات ویقال عدن بالمکان اذا اقام والمراد به هنا الاقامة علی وجه الخلود لانه الفرد الکامل المناسب لمقام المدح ای فی جنات اقامة وخلود، وعلی هذا الجنّات کلها جنات عدن لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا إلی آخر مَا قَالَ۔ (کہا گیا ہے کہ عدن کا معنی ہے ثبات واستقرار اور عَدَنَ بِالْمَكَانِ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کوئی کہیں اقامت پذیر ہو جائے یہاں دائمی طور پر رہنا مراد ہے کیونکہ یہی مقام تعریف کے مناسب رہائش کا فرد کامل ہے یعنی رہائش کے اور ہمیشہ کے باغات میں اس بنیاد پر تمام جنتیں، جنات عدن ہیں جنتی اس سے نکلنا نہیں چاہیں گے۔ الی آخرہ)

سورۂ صف میں اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے جو وعدہ فرمایا ہے اس میں بھی وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ فرمایا ہے اس سے بھی یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ عدن سے کوئی مخصوص جنت یا جنت کا کوئی مخصوص مقام مراد نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ہر جنتی کا جنت میں مستقل قیام ہوگا۔ جنت کے علاوہ دوسری جگہ جانا نہ ہوگا سورہ حجر میں فرمایا لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ. (وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے) اور سورہ کہف میں فرمایا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ کہ وہ وہاں سے کہیں منتقل ہونا پسند نہ کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت اپنے باغوں اور اپنے مکانوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ جگہ واقعی رہنے کی جگہ ہوگی وہاں سے نہ نکالے جانے کا احتمال ہوگا اور نہ وہاں رہتے رہتے جی بھرے گا۔

پھر فرمایا وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ (اور اللہ کی رضامندی تمام نعمتوں سے بڑی ہے) یعنی اہل ایمان جن نعمتوں میں ہوں گے وہ اپنی جگہ بڑی بڑی بے مثال نعمتیں ہوں گی۔ لیکن ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے اے جنت والو! وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں۔ اور ساری خیر آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ عرض کریں گے ہم کیوں راضی نہ ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ کیا میں

تمہیں اس سے افضل چیز عطا نہ کردوں؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب اس سے افضل اور کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (صحیح بخاری)

پھر آخر میں فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (یہ جو کچھ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی نعمتوں کا تذکرہ ہوا یہ بڑی کامیابی ہے) اس میں منافقین سے تعریض ہے کہ دنیا جو تھوڑی سی ہے اور حقیر ہے اس کے لئے کفر اختیار کر کے ایسی ایسی نعمتوں سے گریز کر رہے ہیں اور تھوڑی بہت دنیا مل جانے کو جو کامیابی سمجھ رہے ہیں جس کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کرتے یہ ان کی بے وقوفی ہے اور بڑی کامیابی کی طرف سے غفلت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ

اے نبی کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کیجئے۔ اور ان پر سختی کیجئے اور اُن کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ

دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ

الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ

کہا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوگئے اور اُنہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہ ملی اور صرف انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے

أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا

کہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کردیا، سو اگر وہ توبہ کرلیں تو یہ اُن کے لئے بہتر ہوگا اور اگر

يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ

رُوگردانی کریں تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ اور اُن کے لئے روئے زمین میں نہ کوئی

وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٧٤﴾

یار ہو گا اور نہ کوئی مددگار

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم

تفسیر: عام کافروں سے اور منافقوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً صبر اور درگزر کا حکم فرمایا تھا پھر جہاد کی اجازت دے دی جیسا کہ سورۂ حج میں أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا فرمایا۔ پھر کفار سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم فرما دیا جو اس سورت میں مذکور ہے۔

اُوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ان میں پہلی آیت میں کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لفظ جہاد ہر طرح کی کوششوں کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اختیار کی جائیں۔ اس کی ایک صورت قتال کرنا بھی جنگ کرنا بھی ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافروں سے جہاد بالسیف یعنی قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقین سے ان کے حال کے مطابق جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی اُن سے جہاد باللسان کا حکم فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت کی جاتی رہے اور ان پر حجت قائم کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے منافقین کو قتل نہیں فرمایا کیونکہ یہ ظاہری طور پر اسلام کے دعویدار تھے۔

مزید فرمایا وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجئے کافروں سے تو جنگ میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔ منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو عامۃ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کئے جائیں اور قوانین اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔ اگر کوئی کام ایسا کر بیٹھیں جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو تو اسکے نافذ کرنے میں مسامحت نہ کی جائے۔ (راجع روح المعانی ومعالم التنزیل)

پھر فرمایا وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (انکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے) دنیا میں وہ ایمان سے بچ رہے ہیں اور آخرت میں اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہونگے۔ دوزخ کو معمولی چیز نہ سمجھیں وہ برا ٹھکانہ ہے۔

منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں: آگے بڑھنے سے پہلے آیت يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا کا سبب نزول جان لینا چاہئے۔ سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے متعدد روایات لکھی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۱۳۱ ج ۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے وہ تمہیں شیطانی آنکھوں سے دیکھے گا جب وہ آجائے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔ ذرا سی دیر بھی نہ گزری تھی کہ نیلی آنکھوں والا ایک شخص آگیا اُسے رسول اکرم ﷺ نے بلایا اور فرمایا' تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں بُرا کہتے ہیں۔ وہ فوراً گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا' اور وہ سب لوگ قسم کھا گئے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا اور دوسرا واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ فرمایا اور اُن کو رجس یعنی ناپاک بتایا اور ان کی برائیاں بیان کیں اس پر جلاس بن سوید نامی ایک شخص نے کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ سچ ہو تو ہم تو گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس کی اس بات کو عامر بن قیس (صحابیؓ) نے سن لیا تھا۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیسؓ نے آپ کو جلاس کی بات بتادی۔ جلاس نے کہا کہ یارسول اللہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ دونوں منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ جلاس نے نماز عصر کے بعد منبر کے پاس قسم کھالی کہ میں نے نہیں کہا اور مجھ پر عامر نے تہمت باندھی ہے۔ اس کے بعد عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس نے ضرور کہا ہے۔ اور میں نے اس پر جھوٹ نہیں باندھا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو سچا ہے اس کی سچائی کو ظاہر فرمانے کے لئے اپنے نبی ﷺ پر کوئی آیت نازل فرمایئے' اس پر رسول

اللہ علیہ نے اور جو مومنین حاضر تھے سب نے آمین کہا ابھی مجلس سے متفرق ہونے نہ پائے تھے کہ آیت شریفہ نازل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا۔ کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ اُنہوں نے نہیں کہا حالانکہ یہ واقعی بات ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے (دل سے تو پہلے بھی کافر تھے ظاہر میں جو اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس دعویٰ کا جھوٹ ہونا علی الاعلان ثابت ہو گیا)

اب وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا سے متعلقہ سبب نزول معلوم کیجئے اور وہ یہ ہے کہ منافقین میں سے بارہ آدمی تبوک کے راستہ میں ایک گھاٹی پر ٹھہر گئے۔ انہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ علیہ ہمارے پاس سے گزریں گے تو اچانک رات کی اندھیری میں آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور اُنہوں نے آپ کو ان کی نیتوں کا حال بتا دیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے پاس کسی شخص کو بھیج دیں جو اُن کا رخ دوسری طرف کو موڑ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہؓ کو اس کام کے لئے بھیج دیا۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۲ ج ۲) نے بالا جمال یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی (ص ۱۳۹ ج ۱۰) نے بیہقی کی دلائل النبوۃ سے قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت سرور عالم علیہ غزوہ تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو میں آپ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا اور عمار پیچھے پیچھے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی آ گئی تو وہاں بارہ آدمیوں کو پایا جو سواریوں پر سوار تھے اور اُنہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے رسول اللہ علیہ کو یہ بات بتا دی آپ نے جو زور سے آواز دی تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ یہ لوگ چہروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ البتہ ہم نے اُن کی سواریوں کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ منافق تھے جو قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول (علیہ) کو گھاٹی میں نیچے گرا دیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ان کے قبیلوں کے پاس یہ حکم نہیں بھیجتے کہ ان میں سے ہر ایک کا سر کاٹ کر بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ اہل عرب یوں باتیں کریں کہ محمد علیہ نے ایک قوم کو ساتھ لے کر قتال کیا یہاں تک کہ جب اللہ نے آپ کو غلبہ دے دیا تو ان لوگوں کو قتل کرنے لگے جو جہادوں میں ساتھ تھے اھ منافقین کی نیتوں اور حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا (انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جس میں کامیاب نہ ہوئے)

منافقین نے احسان کا بدلہ بُرائی سے دیا: پھر فرمایا: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ کہ ان لوگوں نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا کوئی سبب نہیں ہے ان کو کسی نے تکلیف نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی نے منصوبہ بنایا اگر کوئی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں فضل خداوندی سے مالا مال کر دیا پہلے تنگدست تھے فقیر تھے اسلام آیا تو اسکی برکتیں بھی ساتھ آئیں وہ برکتیں ان کو بھی شامل حال ہو گئیں۔ اللہ کے اس فضل وکرم کا اُنہوں نے یہ بدلہ دیا کہ داعیٔ اسلام علیہ کے خلاف منصوبہ بنایا۔ اُلٹی ہی چال چلے۔ احسان کا بدلہ احسان سے دینے اور شکر گزار ہونے کی بجائے بُرے منصوبے بنانے میں مشغول ہو گئے۔ عام طور سے تو اسلام کی برکات سب کو شامل تھیں لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں کہ خاص جلاس نامی شخص کو اس کا ایک غلام کے مقتول ہو جانے پر آنحضرت

سرور عالم ﷺ نے بارہ ہزار درہم کی دیت دلا دی تھی۔ یہ معالم التنزیل میں لکھا ہے اور روح المعانی بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت عروہؓ سے نقل کیا ہے کہ جلاس کے ذمہ قرضہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے ادا فرما دیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ (پس اگر یہ توبہ کر لیں تو یہ اُن کے لئے بہتر ہوگا) معالم التنزیل میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو جلاس وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر توبہ پیش فرمائی ہے میں اقرار کرتا ہوں کہ عامر بن قیس نے جو بیان کیا وہ سچ تھا واقعی میں نے وہ بات کہی تھی جو عامر نے میری طرف منسوب کی اور اب میں استغفار کرتا ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات مان لی اور صحیح معنیٰ میں اس نے توبہ کر لی رضی اللہ عنہ۔

مزید فرمایا وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں۔ ایمان خالص پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا)

وَمَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (یعنی پوری دنیا میں کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچا لے) آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی منافقوں کو دُنیا میں جس عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بار بار رسوائی ہونا۔ اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا، سب کی نظروں سے گر جانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروت کا معاملہ کیا جاتا رہا اس لئے مفسرین نے عذاب دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ہم ضرور ضرور خیرات کریں گے اور ضرور ضرور

مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

ہم نیک آدمیوں میں شمار ہو جائیں گے سو جب اللہ نے انکو اپنے فضل سے عطا فرما دیا تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور وہ اعراض کرتے ہوئے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا

روگردانی کر گئے سو اللہ نے اس دن تک جو اللہ کی ملاقات کا دن ہوگا ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے

وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ

جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو جانتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۷۸﴾

اور یہ کہ اللہ غیب کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے

بعض ایسے منافقین کا تذکرہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ ہمیں مال دیا جائیگا تو صدقہ کریں گے پھر اُنہوں نے اس عہد کی پاسداری نہ کی

تفسیر: آیت بالا کے سبب نزول سے متعلق صاحب معالم التنزیل (ص ۳۱۲ ج ۲) نے اور حافظ ابن کثیر (ص ۳۷۴ ج ۲) نے ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب ایک شخص تھا اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ سے دعا فرمایئے مجھے مال عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی تجھے برداشت نہ ہو۔ اس نے پھر اسی دُعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے اس کے لئے دعا فرمادی اس نے بکریاں پالنا شروع کردیا ان میں بہت زیادہ ترقی ہوئی تو وہ مدینہ منورہ سے باہر کسی وادی میں چلا گیا۔ صرف ظہر اور عصر کی نماز میں حاضر ہوتا تھا پھر وہ وقت آیا کہ اُسے مدینہ منورہ شہر میں حاضر ہونے کی فرصت ہی نہیں رہی۔ جمعہ کی حاضری بھی ختم ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمی مویشیوں کے صدقات وصول فرمانے کے لئے بھیجے۔ جب یہ دونوں ثعلبہ بن حاطب کے پاس پہنچے تو اس نے کہا یہ تو جزیہ ہے یا جزیہ کی بہن ہے۔ اور یوں بھی کہا کہ ذرا میں غور کرلوں کہ مجھے کیا دینا ہے۔ اور کتنا دینا ہے۔ جب یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کو دیکھ کر صورت حال کے بیان کرنے سے پہلے ہی فرمادیا کہ ثعلبہ پر افسوس ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اپنے فضل سے ہمیں مال دیدے تو ہم ضرور ضرور صدقہ کریں گے اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجائیں گے) اس موقعہ پر ثعلبہ کے رشتہ دار بھی خدمت عالی میں موجود تھے اُنہوں نے جاکر خبر دی کہ تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے۔ اس پر وہ صدقہ لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے منع فرمادیا ہے کہ تیرا صدقہ قبول کروں۔ اس پر وہ سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تجھ سے کہا تھا (کہ تھوڑا مال شکر کے ساتھ زیادہ مال سے بہتر ہے جس کی برداشت نہ ہو) تو نے میری بات پر عمل نہ کیا۔ جب آپ نے اس کا صدقہ قبول فرمانے سے انکار کردیا تو وہ اپنا مال لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اور اُن کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور اُن کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ لے کر آیا تو ان حضرات میں سے کسی نے قبول نہ کیا۔ اور خلافت عثمانی میں ثعلبہ کی موت ہوگئی۔ مال میں مشغول ہوکر اس نے جماعتوں اور جمعہ کی حاضری چھوڑ دی اور آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کو صدقہ نہیں دیا اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا کہ مال ملے گا تو صدقہ دوں گا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجاؤں گا اسکی خلاف ورزی کی۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے مال عطا فرمادیا تو کنجوسی اختیار کرلی اور اعراض کرتے ہوئے رُوگردانی کر گئے) فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (سو اللہ نے اپنی ملاقات کے دن تک انکے دلوں میں نفاق ڈال دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسکی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے) پھر فرمایا اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ

وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے راز کو اور خفیہ مشورے کو جانتا ہے اور بے شک اللہ غیبوں کا جاننے والا ہے) اس آخری آیت میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو خلاف ورزی کی نیت سے وعدہ کرے یا وعدہ کر کے خلاف ورزی کرے، ہر شخص کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے جو جیسی نیت رکھے گا اور جیسا عمل کرے گا اللہ جل شانہٗ کو اس کا علم ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔

فائدہ: جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا کہ مال طلب کرنے اور پھر صدقہ نہ دینے کا واقعہ ابن کثیر اور معالم التنزیل نے ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں لکھا ہے۔ ثعلبہ بن حاطب کو حافظ ابن حجر نے شرکاء بدر میں شمار کیا ہے۔ اور ابن الکلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ اُحد میں شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد ثعلبہ بن حاطب اور ابن اُبی حاطب کے نام سے ایک شخص کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ صدقہ نہ دینے کا جو واقعہ منقول ہے وہ ثعلبہ بن حاطب مدنی کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شرکاءِ بدر کے لئے مغفرت کی خوشخبری ہے۔ لہٰذا صاحبِ واقعہ دوسرا کوئی شخص ہوگا (خواہ ثعلبہ نامی ہو یا اور کسی نام کا کوئی شخص) واللہ اعلم۔

واقعہ جس کسی کا بھی ہو بہر حال پیش ضرور آیا ہے کیونکہ نص قطعی سے ثابت ہوا کہ کسی نے مال ملنے پر صدقہ دینے کا وعدہ کیا تھا پھر جب مال مل گیا تو نہیں دیا۔

یہاں حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ جب وہ مال لے کر آیا اور توبہ کی تو اس کی توبہ کیوں قبول نہیں کی گئی؟ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا بلکہ دفع عار اور بدنامی کے لئے تھا کیونکہ اَعْقَبَهُمْ سے اس کا دائما کافر ہونا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے؟ إلی آخر ما قال

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا

یہ ایسے لوگ ہیں جو اُن مومنین پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں جو اپنی خوشی سے صدقات دیتے ہیں اور ان لوگوں پر

يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

جن کو اپنی محنت کے علاوہ کچھ میسر نہیں آتا سو یہ اُن سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر آپ انکے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں تب بھی

اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

اللہ انہیں نہ بخشے گا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا۔ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا

تفسیر: منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اس لئے اہل ایمان کو طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے ان تکلیفوں میں یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کو طعن اور طنز اور مسخرہ بازی کا نشانہ بناتے تھے۔ صحیح بخاری (ص ۶۷۳ ج ۲)

میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا تھا تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنی کمروں پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ علیہ السلام نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے اور عاصم بن عدی نے سو وسق کھجوریں حاضر کر دیں' اس پر منافقین نے طنز کیا کہنے لگے اجی کچھ نہیں' یہ تو ریا کاری ہے' ایک صحابی حضرت ابو عقیلؓ بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صاع کی کیا ضرورت تھی؟ (چونکہ یہ صدقہ تھوڑا سا تھا اس لئے ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو عقیلؓ نے خوب زیادہ محنت کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں (ایک صاع ۳/۱ ۲ سیر کا ہوتا ہے) ان میں سے ایک صاع گھر والوں کو دے دیا اور ایک صاع لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کر دی' آپ نے فرمایا۔ اس کو مال صدقہ میں ڈال دو۔ منافق اس کا تمسخر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تمسخر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس تمسخر پر سزا دے گا اور اُن کے لئے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۵ ج ۲، ص ۳۷۶ ج ۲)

حضرت ابو عقیلؓ جو محنت مشقت کر کے تھوڑی سی کھجوریں کسب کر کے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ إِلَّا جُهْدَهُمْ (جو لوگ اپنی محنت مشقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں) اس میں صدقہ کرنے کے لئے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں' محنت و مشقت سے کچھ مال حاصل کر کے اللہ کی رضامندی کے لئے پیش کر دیتے ہیں' معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی و مالی عبادت کا ذوق ہو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ حضرات صحابہؓ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لئے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں۔ منافقین چونکہ کافر ہیں (اگرچہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) اس لئے ان کے ساتھ آخرت میں کافروں والا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کی مغفرت کا کوئی راستہ نہیں اس کو واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ علیہ السلام سے خطاب فرمایا اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۔ یعنی آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں (یہ اُن کے لئے برابر ہے) کمافی سورۃ المنافقین سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (یہ اس وجہ سے کہ اُنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ رسول اللہ کے بعد پیچھے ڈالے گئے۔ وہ اپنے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوئے اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ

اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلو۔ آپ فرما دیجئے کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

کیا اچھا ہوتا کہ یہ لوگ سمجھتے۔ سو یہ لوگ تھوڑا سا ہنس لیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلہ جو وہ کیا کرتے تھے

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

سو اگر اللہ آپ کو ان کی کسی جماعت کی طرف واپس لے جائے پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ فرما دیجئے کہ تم ہرگز کبھی

مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ

میرے ساتھ نہ نکلو گے۔ اور ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے جنگ نہ کرو گے۔ بے شک تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہو گئے۔

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

سو تم پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے

تفسیر: ان آیات میں بھی منافقین کی مذمت ہے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ تشریف لے گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کو پیچھے رہ جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اچھا ہوا ہم نہ گئے۔ اُنہوں نے آپ کے ہمراہ نہ جانے پر خوشی منائی اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنے جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جانے پر افسوس تو کیا ہوتا دوسروں کو بھی جانے سے روک رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ گرمی میں مت نکلو۔ ایسی سخت گرمی میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ اُنہوں نے دنیا کی گرمی کا تو خیال کیا۔ دوزخ کی آگ کی گرمی سے بچنے کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ وہ دنیا والی گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اور اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی جائے' دنیا کی گرمی تو قابل برداشت ہے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تھے کوئی پگھل تو نہیں گئے' تکلیف تو ہوئی مگر خیریت کے ساتھ واپس آ گئے دوزخ کی آگ کی کس کو سہار ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا جلانے کو (تو) یہی بہت ہے آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دنیا کی آگ کی بہ نسبت دوزخ کی آگ میں ۶۹ درجہ زیادہ گرمی بڑھا دی گئی ہے۔ ہر درجہ کی گرمی اسی قدر ہے جتنی دنیا کی آگ کی گرمی ہے (بخاری ص ۴۶۲ ج ۱) دنیا کی گرمی سے گھبرا کر فرائض اور واجبات چھوڑنے والے اس پر غور کر لیں۔ ان لوگوں کا خود جانے کا ارادہ نہ تھا اور تکوینی طور پر بھی ان کے بارے میں یہی فیصلہ تھا کہ یہ لوگ نہ جائیں جیسا کہ وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ

فَثَبَّطَهُمْ میں فرمایا ہے اس لئے اَلْمُخَلَّفُوْنَ فرمایا کہ یہ لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے۔

پھر فرمایا فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا کہ یہ دنیا میں تھوڑا سا ہنس لیں اور آخرت میں زیادہ روئیں گے۔ یہاں تھوڑی سی خوشی ہے جس میں ہنسی بھی ہے اور دوسروں کا مذاق بنانا بھی ہے جس کو خوش طبعی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آخرت میں کافروں کی جو بدحالی ہوگی اس پر جو وہ روئیں گے اس رونے کا تصور کریں تو یہاں کی ذرا سی ہنسی خوشی کو بھول جائیں۔ وہاں تو ان کو رونا ہی رونا ہے حضرت عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دوزخی اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہوں گے بلکہ) وہ آنسوؤں کی جگہ خون سے روئیں گے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک (ص ۶۰۵ ج ۴) وقال هذا حديث صحيح الاسناد و أقرّه الذهبي) (حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے اس حدیث کا اسناد صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اسے یہی مقام دیا ہے)

جو لوگ دنیا میں اللہ کے خوف سے روتے ہیں اُن کا یہ رونا رحمت اور نعمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور ایک وہ آنکھ جس نے فی سبیل اللہ (جہاد میں) چوکیداری کرتے ہوئے رات گزاری۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھ تاکہ تجھے نقصان نہ پہنچا دے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے۔ (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکل کیونکہ باہر فتنے ہیں اور گناہوں کے کام ہیں اور اپنے گناہوں پر روتا رہ) (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

جو لوگ آخرت کے فکرمند نہیں ہیں وہ یہاں نہیں روتے انہیں وہاں رونا ہوگا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (ان کاموں کے بدلے جو یہ کیا کرتے تھے) یعنی اُن کا یہ بہت زیادہ رونا کفر و نفاق اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوگا۔

پھر فرمایا فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ (الآیۃ) یعنی اگر اللہ آپ کو غزوۂ تبوک کے سفر سے ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے جو آپ کے واپس پہنچنے تک مدینہ میں موجود ہوں اور پھر آپ کو کسی دوسرے موقعہ پر جہاد کے لئے جانا ہو اور یہ لوگ ہمراہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ اُن سے فرما دیں کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ یعنی میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا۔ چونکہ تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا لہٰذا اب بھی اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں (یعنی بوڑھے بچے اور عورتیں) تم انہیں میں رہو۔ وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تم بغیر معذوری ہی کے ان لوگوں کے ساتھ رہ جاؤ میں تمہیں ساتھ نہیں لیتا۔ قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهي للمبالغة۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ خبر دینا ہے نہی کے معنی میں مبالغہ کی وجہ سے)

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دُنیا سازی کے طور پر ہے۔ جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے۔

لہٰذا تم پیچھے رہ جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کر لو جھوٹی اجازت لے کر اہل ایمان کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔ فهو خبر بمعنى الخبر وهو المتبادر من لفظ التنزيل العزيز۔ (پس وہ خبر ہے اور خبر ہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اور ان میں سے جو کوئی شخص مر جائے آپ اُس پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور اسکی قبر پر کھڑے نہ ہوں بے شک ان لوگوں نے اللہ

وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ

اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ نافرمان تھے۔ اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالیں

اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں

منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور اُن میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوجئے

تفسیر: صحیح بخاری (ص ۶۷۳، ص ۶۷۴ ج ۲) میں ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہو گئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت فرما دیں جو اُسے بطور کفن پہنا دیا جائے آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرما دیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے۔ آپ نے پھر بھی اسکی نماز پڑھا دی اس پر آیت بالا وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (آخر تک) نازل ہوئی۔ فتح الباری (ص ۳۳۶ ج ۸) میں ہے کہ آپ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ کی خوشی کے لئے اور قبیلہ خزرج کی قوم کی تالیف قلب کے لئے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا۔ میں نے تو یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں اھ روح المعانی (ص ۱۵۴ ج ۱۰) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ بنی خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ افراد مسلمان ہو جائیں گے پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن اُبی کو جو آپ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ سے تفسیر و حدیث کی کتابوں میں لکھی ہے کہ آپ کے چچا عباس کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا تو اُس وقت اُن کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور اور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا اُن کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن اُبی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا۔ لہٰذا آپ

نے اس کی مکافات کے لئے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے کے لئے عنایت فرمادیا۔ (روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰)

اس کے بعد فرمایا وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ (الآیۃ) یہ آیت تھوڑے سے لفظی اختلافات کے ساتھ چند صفحات پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں اسکی تفسیر دیکھ لی جائے۔

وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں

مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ

اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ ہم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔ یہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ گھروں میں پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ نہیں سمجھتے۔

وسعت ہوتے ہوئے منافقین کا اجازت طلب کرنا کہ غزوہ میں نہ جائیں

تفسیر: منافقین کا حال بتاتے ہوئے فرمایا کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے جس میں اللہ پر ایمان لانے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم ہوتا ہے تو ان میں سے پیسے والے اور مالی وسعت والے اجازت لینے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ گھروں میں بیٹھے رہ جانیوالوں میں ہمیں بھی شمار فرما لیجئے۔ اس میں ان کی بے غیرتی کی طرف اشارہ ہے۔ بہادر مردوں میں شمار ہونے کو تیار نہیں۔ ضعیفوں اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ رہنے کو تیار ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی (جنہیں اپنے نفع و نقصان کی بھی سمجھ نہیں)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

لیکن رسول اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

جن کے لئے خوبیاں ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بشارت

تفسیر: منافقین کا حال بدبیان فرمانے کے بعد اہل ایمان کو خوشخبری دی اور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور جو لوگ

آپ پر ایمان لائے ان کے لئے خیرات یعنی خوبیاں ہیں یعنی وہ دنیوی اور اُخری منافع ہیں جو محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ دنیا میں اللہ کی طرف سے اُن کے لئے نُصرت ہے اور مال غنیمت ہے اور آخرت میں جنت ہے اور اسکی نعمتیں ہیں۔ بعض مفسرین نے الخیرات سے جنت کی حوریں مراد لی ہیں۔ کیونکہ سورۃ رحمٰن میں یہ کلمہ جنت کی حوروں کے لئے آیا ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ۔

پھر فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں) دنیا میں بھی خوب رہے اور آخرت میں بھی ابدی نعمتوں سے مالا مال ہوئے' اس میں منافقین پر تعریض ہے جو یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جو غزوہ میں ساتھ نہ گئے اور گرمی سے بچ گئے اس میں کامیابی ہے۔ درحقیقت یہ ان کی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ کامیابی جہاد فی سبیل اللہ میں ہے جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانے میں نہیں ہے۔ پھر ان حضرات کی اُخروی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (یہ بڑی کامیابی ہے)

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ

اور دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو اجازت دے دی جائے' اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾ لَّيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى

جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہ گئے' جو لوگ ان میں سے کفر ہی پر رہیں گے انہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔ ضعیفوں اور مریضوں اور اُن

الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ

لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو خرچ کرنے کے لئے نہیں پاتے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے خلوص دل سے حاضر ہوں'

مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا

محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے' اور اُن لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس اس لئے حاضر ہوئے کہ آپ

مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ

ان کو سواری دے دیں۔ آپ نے کہہ دیا کہ میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کردوں' وہ اس حال میں واپس ہو گئے کہ اس رنج میں انکی

الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ

آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کیلئے نہیں پاتے۔ الزام تو انہی لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتے ہیں'

وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی سو وہ نہیں جانتے

جن حضرات کے پاس سواری نہ تھی وہ غزوہ تبوک کی شرکت سے محرومی پر رو رہے تھے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ نے جب غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے کے لئے اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دی تو یہ دعوت اہل مدینہ کو اور آس پاس کے دیہات کے رہنے والے جو لوگ تھے ان سب کو عام تھی بہت سے منافقین ایسے تھے جنہوں نے عذر بھی پیش نہ کیا اور دیدہ دلیری کے ساتھ اپنے گھروں ہی میں رہ گئے اور بہت سے دیہات کے رہنے والے عذر پیش کرنے کے لئے آئے وہ عذر پیش کر کے پیچھے رہ گئے پہلی آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (ان میں سے جو لوگ کفر ہی پر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا) منافقین کے بارے میں جو الَّذِينَ كَذَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ۔ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے دعوائے ایمان میں اللہ سے اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا' دیہات کے جو لوگ عذر کرنے کے لئے آئے تھے ان کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ تھے اور بعض حضرات نے قبیلہ بنی غفار کا ذکر بھی کیا ہے۔

اس کے بعد اُن مخلصین مسلمانوں کا ذکر فرمایا جن کو واقعی عذر تھا اور ساتھ ہی اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جو معذور ہوتے ہوئے بھی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور اُنہوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی سواری دے دیجئے ہم بھی ساتھ چلیں گے۔

ارشاد ربانی ہے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ کہ وہ لوگ ضعیف ہیں اور جو لوگ مریض ہیں اور جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے ان پر غزوہ میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے سچے دل سے اور خلوص کے ساتھ حاضر ہوں' ان کا ایمان بھی سچا' اقرار بھی سچا' شرکت جہاد کے جذبات بھی سچے ہیں' مجبوری سے رہ گئے۔ انکے دلوں میں پوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو غزوہ میں ضرور ہی شریک ہوتے۔ اُنہوں نے عذر بنایا نہیں تھا۔ واقعی معذور تھے۔

مزید فرمایا مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ کہ جو لوگ نیکوکار ہیں ان پر کوئی الزام نہیں اور کوئی گرفت بھی نہیں وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اور اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔ مخلصین اور محسنین کی کوتاہی کو معاف فرمادے گا۔

پھر فرمایا وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ (اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دے دیں) ان کے جواب میں آپ نے فرمادیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کرادوں۔ البدایہ والنہایۃ (ص ۵ ج ۵) میں لکھا ہے کہ سات افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے' ان میں سے ایک سالم بن عمیر' دوسرے ثعلبہ بن زید' تیسرے ابو لیلی عبدالرحمٰن بن کعب چوتھے عمرو بن الحمام' پانچویں عبداللہ بن معقل چھٹے حرمی بن عبداللہ اور ساتویں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم تھے

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے دل سے پوری طرح تیار ہیں آپ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں۔ لیکن سواری نہ ہونے سے مجبور ہیں۔ آپ ہمیں سواری عنایت فرما دیں قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تا کہ تمہارے لئے سواری کا انتظام کر دوں۔

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ (وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کیلئے نہیں پاتے) اول تو یہ حضرات معذور تھے واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا۔ اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرما دیں۔ جب آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا کہ اب تو ہم نے اپنی آخری کوشش کر لی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا حرج ہے؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اور رنج بھی معمولی نہیں۔ ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں گھلے جا رہے تھے کہ ہائے ہمارے پاس انتظام نہیں ہے انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔ اس موقعہ پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنا بنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لئے تڑپ رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُمت کے لئے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بعض حضرات کے لئے سواری کا انتظام فرما دیا۔ اور بعض حضرات کے لئے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما کی راستہ میں یامین بن عمیر نضری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ دونوں روتے ہوئے جا رہے تھے۔ یامین نے دریافت کیا تم کیوں رو رہے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تا کہ آپ کے ساتھ سفر میں جائیں۔ آپ ہمارے لئے سواری کا انتظام فرما دیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو عنایت فرما دیتے ہمارا رونا اسی وجہ سے ہے کہ شرکت جہاد سے رہے جا رہے ہیں۔ اس پر یامینؓ نے اپنی ایک اونٹنی پیش کر دی اور اپنے پاس سے بطور توشہ کھجوریں بھی دے دیں اور ثعلبہ بن زید کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے اور یوں دعا کی کہ اے اللہ آپ نے جہاد کا حکم فرمایا اور اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لئے قوت حاصل کر لیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول کو (اس وقت) مال عطا فرمایا تا کہ میرے لئے سواری کا انتظام فرما دیتے۔ اب میں جہاد سے محرومی کے بدلہ میں یہ کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اُسے معاف کرتا ہوں۔ جب صبح ہوئی رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا۔ کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا آج رات جس نے صدقہ دیا ہو وہ کھڑا ہو جائے اس پر ثعلبہ بن زید

کھڑے ہوئے اور اپنا حال بتایا، رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لئے مقبول زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا۔

غزوۂ تبوک کی تیاری کے لئے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے قبیلے کے چند افراد نے بھی حضرت ابوموسیٰؓ کے واسطہ سے رسول اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لئے سواری کا انتظام کیا جائے اس وقت آپ نے اُن کے لئے چھ اُونٹوں کا انتظام فرما دیا (ایضاً ص ٦ ج ۵)

اس کے بعد فرمایا اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ الزام انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت لیتے ہیں رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے غزوہ میں جا سکتے ہیں اور ان کو ضعف اور مرض بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں جاتے اپنے آپ کو عورتوں کے زمرہ میں شمار کر لیا نہ وہ گئیں اور نہ یہ لوگ جانے پر راضی ہوئے۔ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہٰذا وہ نہیں جانتے کہ دنیاوی تکلیف اُٹھا کر آخرت کے بہت بڑے ثواب اور بلند درجات کا مستحق ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ

وہ لوگ آپ کے پاس عذر پیش کریں گے جب آپ انکی طرف واپس ہوں گے آپ فرما دیجئے عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کو سچی نہ

قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى

مانیں گے۔ اللہ نے تمہاری خبریں ہمیں بتادی ہیں اور عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی۔ پھر تم اس ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ

جو چھپی ہوئی اور ظاہری باتوں کا جاننے والا ہے۔ سو وہ تمہیں ان کاموں سے باخبر فرما دے گا جو تم کیا کرتے تھے، وہ عنقریب تمہارے سامنے اللہ کی

اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ

قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو آپ ان سے اعراض کریں بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ

دوزخ ہے۔ ان کو ان کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

سو اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

تبوک سے واپسی پر عذر پیش کرنے والوں کو جواب

تفسیر: جن لوگوں نے تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کئے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ جل شانہٗ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ آپ کی واپسی پر لوگ عذر پیش کریں گے۔ آپ ان سے فرما دیں کہ ہم تمہاری بات سچی نہیں مانیں گے تمہارے حالات کی اللہ نے ہمیں پہلے سے خبر دے دی ہے۔ اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لے گا۔ اور تمہاری پول کھلتی رہے گی۔ یہ ذلت تو دنیا میں ہوگی پھر اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو غیب اور شہادہ سب کا جاننے والا ہے جو چیزیں ظاہر ہیں وہ انہیں بھی جانتا ہے اور جو چیزیں مخلوق سے پوشیدہ ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے جب قیامت کے دن حاضری ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر فرما دے گا۔ تم جو برے عمل کرتے تھے وہ سب تمہارے سامنے آجائیں گے۔ مسلمانوں سے مزید خطاب فرمایا کہ جب تم سفر سے واپس ہو کر ان کے پاس پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کرو اور درگزر کرنے کا معاملہ کرو۔ اعراض تو تم کر لینا لیکن رضامندی کے طور پر نہیں بلکہ ناراضگی والا اعراض کرنا کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں (ان کے عقائد اور اعمال گندے ہیں) اور انجام کار ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ دوزخ ان کے اعمال کے بدلہ ہے جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔

مزید فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے سامنے تمہیں راضی کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ (تم ان سے راضی مت ہونا

بالفرض) اگر تم ان سے راضی ہو گئے تو (اس رضا مندی سے) انہیں کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ آیت جد بن قیس اور معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اسّی ۸۰ آدمی تھے جو اپنے نفاق کی وجہ سے تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ اُٹھیں بیٹھیں اور نہ ان سے بات کریں۔ (یہ حکم اَعْرِضُوْا عَنْهُمْ پر عمل کرنے کے لئے تھا)

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں۔

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِكُمُ

اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور دیہاتیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے

الدَّوَآىِٕرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ

مصیبتوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ ان پر بُری گردش ہے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور دیہاتیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو

بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ خبردار

اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَیُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾

یہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے۔ اللہ عنقریب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی

تفسیر: ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے۔ اوّل تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔ اور علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہئے کہ اللہ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے ایمان و یقین اور علم و عمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بھی بچیں اور نفاق سے بھی اور اللہ کے احکام کو بھی جانیں' لیکن مرکز علم و عمل سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر بھی شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۳ ج ۱۱) أشد كفراً ونفاقاً من اهل الحضر الكفار والمنافقين لتوحشهم وقساوة قلوبهم وعدم مخالطتهم اهل الحكمة وحرمانهم استماع الكتاب والسنة وهم أشبه شيء بالبهائم اهـ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دیہاتوں کے کفار و منافقین اپنے کفر و نفاق میں سخت اس لئے ہیں کہ ان کی طبیعت نامانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے

اور کتاب وسنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے اور وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)

دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصید) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من سکن البادیة جفا ومن اتبع الصید غفل و من اتی السلطان اُفتتن۔ (جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہوا اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جاتا رہا وہ فتنے میں پڑ گیا) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آجاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے عمل سے بھی محروم رہتے ہیں اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کر دیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار نہیں اس لئے یہ خرچ ان کے نفسوں پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تاوان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے گردشوں کے منتظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ ممالک فتح ہوئے منافق اور کافر ذلیل ہوئے۔ اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف تھی دل ہی دل میں رہ گئیں وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر و نفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احوال اور اعمال کے مطابق سزا دے گا۔ دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (الآیۃ) اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنا لیتے ہیں ان کا مقصد اجر و ثواب حاصل کرنا اور اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول ﷺ سے دعائیں لینا ہے۔ لہٰذا جو مال خرچ کرتے ہیں اور جو مال خرچ کیا ہے بطور تاوان بددلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ کی نزدیکی کا سبب ہیں اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں

اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے

سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کا اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہے

تفسیر: اس آیت میں حضرات مہاجرین اور انصار میں جو سابقین اولین تھے انکی تعریف فرمائی۔ اور جنہوں نے احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان کی بھی تعریف فرمائی' اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کی اُخروی نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا کہ اُن کے لئے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ اُن میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جن حضرات نے اسلام کی طرف سبقت کی مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے اور جن حضرات نے ان کا اتباع کیا اور یہ اتباع اخلاص کے ساتھ تھا ان سب کی فضیلت اور منقبت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے۔ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ اُن کا اتباع کیا اُن میں وہ صحابہ بھی ہیں جو اُن کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ لوگ بھی ہیں جو صحابیت کے عظیم مرتبہ سے مشرف نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سابقین اولین مہاجرین و انصار کی راہ پر چلے۔ جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے بارے میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ یہ حضرات جنتی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں' سابقین اولین میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

روافض کی گمراہی: روافض کا جو یہ کہنا ہے کہ حضرت اُبوبکر و عمرؓ مسلمان ہی نہیں تھے اور یہ کہ تین چار صحابہؓ کے علاوہ باقی سب مُرتد ہو گئے تھے (العیاذ باللہ) ان کی یہ بات آیت بالا کی تکذیب کر رہی ہے۔ جو شخص کسی آیت کی تکذیب کرے وہ خود کافر ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو مہاجرین و انصار سابقین اولین اور ان کے متبعین سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان صحیح نہیں ان کے عقیدہ میں تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب دوزخ میں ہیں اور خاص کر حضرت اُبوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا اور ہمیشہ ہمیش ان کے جنت میں رہنے کی خوشخبری دے دی تو اس پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بدا ہو گیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس وقت معلوم نہیں تھا جب رضا مندی کا اعلان فرمایا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ) اپنی بات کی پچ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلان کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ملحدوں اور زندیقوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑا ہے) آیت بالا میں مہاجرین و انصار میں جو سابقین اولین تھے وہ اور ان کا اتباع کرنے والوں کی منقبت بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد والے رکوع میں مطلق مہاجرین و انصار کی تعریف فرمائی۔ اور سورۃ الفتح کی آیت لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ

قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ میں اُن سب حضرات سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ پھر سورۃ الفتح کے ختم پر تمام صحابہ کی تعریف بیان فرمائی۔ اور فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الآیۃ) اور آخر میں ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان سب آیات کی تصریحات کے خلاف روافض کہتے ہیں کہ بجز تین چار صحابہ کے کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔ انہیں حضرات صحابہ پر کفر چپکانے پر تو اصرار ہے لیکن اپنے مومن ہونے کی طرف ذرا دھیان نہیں۔ اپنی طرف بھی تو دیکھو قرآنی آیات کے منکر ہو کر تم کیسے مومن ہو؟ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہہ دینے سے آخرت میں نجات ہو جائے گی۔ یوم آخرت میں خود مومن ہو کر پیش ہونے کو کیوں ضروری نہیں سمجھتے۔ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ۔

حضرات مہاجرین وانصار اور اُن کا اتباع کرنے والے جنتی ہیں

فائدہ: وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ۔ جو فرمایا ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اعلان ہو گیا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ بہت سے فرقے اسلام کے دعویدار ہیں لیکن ان میں جو بھی کوئی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دین پر نہیں ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔ قرآن مجید بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے ملا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی انہی حضرات کے ذریعہ پہنچے ہیں جو ہر مسلمان کے لئے مشعل راہ ہیں۔ جو لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان نہیں مانتے ان کے پاس خود ان کے دعویٰ کے مطابق نہ تو وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور نہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ اور اسی لئے ان کی زندگی میں اسلامی اعمال نہیں ہیں آیت بالا میں اور سورۂ نساء کی آیت وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ میں حضرات صحابہ اور اُن کے متبعین کو اور اہل ایمان کو معیارِ حق قرار دیا ہے آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (تمہارے لئے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا ضروری ہے اس کو تھامے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) پھر جب تہتر فرقوں کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا تو اس پر حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کونسا ہے اس پر آپ نے فرمایا: ما انا علیه واصحابی کہ جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو جماعت اس طریقہ پر ہو گی وہ نجات والی ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) اس میں بھی حضرات صحابہ کو معیارِ حق بتایا۔ اب ہر مدعی اسلام سوچ لے کہ وہ خلفاء راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے راستہ پر ہے یا نہیں' اپنے افکار عقائد و اعمال کا جائزہ لے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُونَ ۛ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۛ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ

اور تمہارے گرد و پیش جو دیہاتی ہیں اُن میں مُنافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منافقت پر اڑ گئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم

لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

انہیں جانتے ہیں' ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے' پھر وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے

مدینہ منورہ اور آس پاس کے دیہات میں رہنے والے منافقین کا تذکرہ

تفسیر: اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مدینہ منورہ کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں میں منافقین ہیں صاحب معالم التنزیل نے اس سلسلہ میں بنی مُزینہ و بنی جُھَینۃ وغیرہم کے نام لکھے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ اہل مدینہ میں سے بھی بعض لوگ منافق ہیں اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اوس اور خزرج میں منافق تھے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ منافقت پر مصر ہیں۔ مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں (جو لوگ مدینہ منورہ میں رہتے ہیں وہ صرف مدینہ منورہ ہی میں رہنے کو سب کچھ نہ سمجھیں اپنے ایمان اور اعمال کی بھی خبر لیں۔ اب بھی مدینہ منورہ میں خاصی تعداد میں روافض ہیں۔ اور دجال کے تذکرہ میں احادیث شریفہ میں بتایا ہے کہ جب دجال مدینہ منورہ کا رُخ کرے گا تو شہر میں داخل نہ ہو سکے گا (احد پہاڑ کے پیچھے) شور زمین میں ٹھہر جائے گا اس وقت مدینہ منورہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے ہر منافق مدینہ منورہ سے نکل کر اس کے پاس پہنچ جائے گا) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ محض اقامۃ مدینہ منورہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ خواہ عقائد و اعمال کیسے ہی ہوں۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے پھر فرمایا لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ (آپ انہیں نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ (عنقریب ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے) ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (پھر وہ بڑے عذاب (یعنی دوزخ) کی طرف لوٹائے جائیں گے) سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بار بار عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے اور بعض اکابر نے اس کا ترجمہ دوہری سزا کا کیا ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کو ایک دن جمعہ کے روز جب آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا۔ اور فرمایا اے فلاں تو منافق ہے نکل جا' پہلا عذاب تو یہ رسوائی کا عذاب ہوا اور دوسرے عذاب سے عذاب قبر مراد ہے۔ یہ اقوال علامہ بغوی نے معالم التنزیل (ص ۲۲۳ ج ۲) میں نقل کئے ہیں۔ جن حضرات نے دوسرا عذاب' عذاب آخرت بتایا ہے۔ بظاہر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ دوزخ کا عذاب بعد میں مذکور ہے۔ وهو قوله تعالى " ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا ۚ عَسَى اللَّهُ أَنْ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا انہوں نے ملے جلے عمل کئے جن میں نیک عمل بھی ہیں اور برے اعمال بھی۔ عنقریب اللہ

يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم

ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔ بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ لے لیجئے جو انہیں پاک کرے گا۔

بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ

اور ان کو دعا دیجئے۔ بے شک آپ کی دُعا اُن کے لئے باعث تسکین ہے کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بلا شبہ

اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ

اور آپ فرمادیجئے کہ عمل کرتے رہو سو عنقریب اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور اہل ایمان بھی اور عنقریب تم اس ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ

جسے چھپی ہوئی چیزوں کا اور کھلی ہوئی چیزوں کا علم ہے پھر وہ تمہیں جتادے گا جو عمل تم کیا کرتے تھے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے سے مؤخر کیا ہوا ہے۔

وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے

مومنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے

تفسیر: جو منافقین غزوہ تبوک میں شرکت کے لئے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد اُن چند مومنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تو رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادم ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سایوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لئے پیچھے رہ جانا کسی طرح دُرست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے ہمیں نہ کھولیں' آپکا جب ان کی طرف گزر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ ان کو نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے' آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہٰذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کرونگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا (الآیۃ) نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلصین مومن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کرلیا جو توبہ کا جزو اعظم ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ بھی کرلی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی ادائے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لئے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ

کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور نیک عمل کو بُرے عمل کے ساتھ ملا دیا۔
اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوش خبری دی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہو گئی) اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)
جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں انہیں نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہٰذا ہم ان کا صدقہ کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر آیت کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں۔ [1]
وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے) وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال ظاہرہ باطنہ جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ کن لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کئے۔ اور جن مخلصین نے سچے دل سے توبہ کی اور اخلاص کے ساتھ اپنے اموال پیش کئے اللہ تعالیٰ کو ان کا بھی علم ہے، جن حضرات نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا یہ کتنے حضرات تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ دس افراد تھے اور سعید بن جبیرؒ اور زید بن اسلمؒ نے فرمایا کہ آٹھ افراد تھے۔ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ یہ سات آدمی تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچ آدمی تھے اور ان سب میں حضرت اَبولبابہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگرچہ مشہور یہ ہے کہ ان کا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دینا قتل بنی قریظہ کے سلسلہ میں تھا (کہ انہوں نے انہیں پہلے سے اشارہ کر کے بتا دیا تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے) معالم التنزیل (ص ۳۲۳-۳۲۴ ج ۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اگرچہ چند خاص افراد کے بارے میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں کے لئے عام ہے۔ جو گناہوں میں بھی ملوث رہتے ہیں اور نیک اعمال بھی کرتے ہیں اھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہوں میں لگا رہتا ہو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو گناہ گار ہوں۔ نیک کاموں میں کیا لگوں، اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاں تک ممکن ہو نیک کاموں کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ نیک کام سیئات کا کفارہ بھی بنتے رہیں گے اور توبہ کی توفیق ہونے کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی بشرطِ اخلاص نیک اعمال نیکیوں ہی میں شمار ہوتے ہیں (الا ما کان حابطا للاعمال)۔
پھر فرمایا اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (الآیۃ) اس کا شانِ نزول بتاتے ہوئے (در منثور ص ۲۷۵ ج ۳) میں لکھا ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول ہو گئی جنھوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا تو وہ پھر بے تکلف مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے اس پر منافقین نے کہا کہ کل تک تو یہ لوگ اسی حال میں تھے جس میں ہم ہیں نہ

---

[1] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آلہ تطہیر و تزکیہ ہونے کا کیا معنی؟ حکیم الامت قدس سرہٗ نے بیان القرآن میں اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے لیکن گاہے اس کی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقۃ تطفی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے عموماً یہ ظلمت اور کدورت مندفع ہو جاتی ہے۔

ان سے کوئی بات کرتا تھا اور نہ انکے پاس کوئی شخص بیٹھتا تھا آج کیا ہوا (کہ سب مسلمان ان سے خوش ہیں اور ہم سے بدستور ناراض ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ نازل فرمائی (کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے) اس میں منافقوں کو جواب دے دیا کہ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ کل تک یہ لوگ ہماری ہی طرح سے تھے آج ان کی شان ہی اور ہے اور ہم سے مختلف ہیں اس میں تعجب اور اعتراض کی کوئی بات نہیں ہے یہ پہلے سے مومن تھے اور اپنی بے عذر والی غیر حاضری پر نادم بھی ہوئے اور توبہ بھی کی اور صدقہ بھی دیا' اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے طالب ہوئے اور تم وہی اپنے نفاق پر جمے ہوئے ہو تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اپنے کیے پر ندامت نہیں تو ان کے جیسے کس طرح ہو سکتے ہو۔

پھر فرمایا وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ (اور آپ ان سے فرما دیجئے کہ عمل کئے جاؤ' اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی اور مومنین بھی دیکھ لیں گے) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا ہے کہ یہ وعید کے طور پر فرمایا ہے دنیا میں جو بھی کوئی شخص کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ کو تو بہر حال اس کا علم ہی ہے وہ ازل سے سب کچھ جانتا ہے۔ اور جب کوئی عمل کسی سے صادر ہو اس کے وقوع کی بھی جان لیتا ہے۔ نیز لوگوں کے اعمال مخلوق سے بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ جب جیسا کوئی عمل کرے گا اگر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوگا تو آپ بھی اسے جان لیں گے اور مومنین کے سامنے جس کا جو عمل سامنے آئے گا وہ بھی اس سے واقف ہو جائیں گے اگر کوئی شخص برا عمل کرے تو بعض مرتبہ دنیا میں بھی اسکی ذلت اور خواری سامنے آ جاتی ہے۔ اور اس عمل پر دنیا کے عذاب میں بھی مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔

وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اور عنقریب ایسی ذات پاک کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر اور پوشیدہ تمام اعمال واقوال اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ بتا دے گا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا کے بعد آخرت کی پیشی بھی ہے وہاں محاسبہ اور مواخذہ ہے۔ منافق اپنے نفاق سے باز آ جائیں اور مومنین جن سے گناہ سرزد ہوئے ہیں وہ بھی آئندہ احتیاط رکھیں اور گناہوں سے پرہیز کریں۔

پھر فرمایا وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے) اس آیت میں ان تین صحابیوں کا ذکر ہے جو بلا عذر تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے۔ انہیں اس پر ندامت بھی تھی اور سچائی کے ساتھ اُنہوں نے عرض کر دیا تھا کہ ہم واقعی بلا عذر رہ گئے۔ لیکن ان لوگوں کی طرح سے توبہ کے لئے پیش بھی نہ ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ یہ تین آدمی تھے کعب بن مالک' بلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بول چال کرنے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے سے صحابہؓ کو منع فرما دیا تھا۔ جب ان کو یہ تکلیف بہت بھاری پڑی اور زمین ان پر تنگ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کا تفصیلی واقعہ آئندہ رکوع کی آیت وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا۔ کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ

اور جن لوگوں نے اس لئے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائیں اور کفر اختیار کئے رہیں اور مومنین کے درمیان پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا انتظام کریں جس نے اس سے

حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ

جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے

تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ

تقویٰ پر رکھی گئی ہو وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی ہیں کہ

بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جس کی بنیاد کسی

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ

گھاٹی کے کنارے پر رکھی گئی ہو جو گرنے والی ہے پھر وہ اُسے لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

انہوں نے جو عمارت بنائی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ الا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے

منافقوں کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی بناء

تفسیر: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (ص ۳۸۷ ج ۲) میں ان آیات کا شان نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے قبیلہ بنو خزرج میں سے ایک شخص (جسے ابو عامر کہا جاتا تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی بن گیا تھا۔ وہ راہب تھا اور عبادت گزار تھا۔ اس نے اہل کتاب سے علم بھی حاصل کر لیا تھا۔ قبیلہ بنی خزرج میں اسکی بڑی اہمیت تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اور اسلام کا کلمہ بلند ہو گیا۔ تو اس ملعون کو بہت ہی ناگوار ہوا (جیسا کہ منافقین نے دشمنی کا مظاہرہ کیا) یہ مدینہ منورہ سے فرار ہو کر مکہ معظمہ پہنچ گیا۔

وہاں اس نے مشرکین کو رسول اللہ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ دیگر قبائل کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ گئے اور اس کے نتیجے میں اُحد کا معرکہ پیش آیا کہتے ہیں کہ اسی لعین نے وہاں چند گڑھے کھود دیئے تھے جس میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے تھے جو آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہونے اور دندان مبارک

شہید ہونے کا سبب بنا۔ (جس کا ذکر سورۂ آل عمران کی تفسیر میں گذر چکا ہے) (انوار البیان ج ۲) جب اُحد میں مومنین اور کافرین کا مقابلہ شروع ہوا تو ابوعامر اپنی قوم (یعنی انصار) کی طرف بڑھا اور ان کو اپنی مدد کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان حضرات نے اسے بہت بُرا کہا اور اس سے کہا کہ تو اللہ کا دشمن ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اس کا ساتھ نہیں دیا تفسیر ابن کثیر اور معالم التنزیل (ص ۳۲۶ ج ۲) میں لکھا ہے کہ اَبوعامر (جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کا باپ تھا) زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ ٹاٹ کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کون سا دین لے کر آئے ہیں آپ نے فرمایا میں ملت حنیفیہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت لیکر آیا ہوں۔ اَبوعامر نے کہا ہم دونوں میں سے جو بھی جھوٹا ہو اللہ اسے ایسی جگہ موت دے جہاں وہ تنہا ہو، پردیسی ہو، دور پھینکا ہوا ہو اس پر آپ نے آمین فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شخص اپنی بددعا کے مطابق شام میں جا کر مر گیا۔ جہاں کوئی اس کی خبر لینے والا نہ تھا۔ معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اَبوعامر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ جو لوگ بھی آپ سے جنگ کریں گے میں ان کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا۔ اس کے بعد وہ آپ کے دشمنوں کے ساتھ مل کر برابر آپ کے مقابلہ میں آتا رہا۔ اور غزوۂ حُنین تک اس نے اس پر عمل کیا۔ جب حنین میں بنی ہوازن کو شکست ہو گئی تو یہ نا اُمید ہو گیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا، وہاں سے اس نے منافقین کو پیغام بھیجا کہ جہاں تک ممکن ہو قوت اور ہتھیار جمع کر لو اور میرے لئے ایک مسجد بنا لو، میں قیصر کے پاس جا رہا ہوں جو روم کا بادشاہ ہے میں رومیوں کا لشکر لے کر آؤں گا اور محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دونگا۔ اس کا یہ پیغام آنے پر مسجد قباء کے قریب ہی مسجد ضرار بنائی گئی۔ انتہی

چونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا تھا جس کی وجہ سے منافقین نے ظاہر میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کھل کر اسلام کے خلاف کوئی مشورہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ کوئی مرکز بنایا جا سکتا تھا اس لئے ان لوگوں نے اسلام ہی کے نام سے اپنا مرکز بنایا۔ یعنی مسجد کے عنوان سے ایک جگہ بنالی جو مسجد قبا کے قریب تھی۔ تفسیر ابن کثیرؒ میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے مسجد بنائی ہے۔ آپ اس میں نماز ادا فرمالیں، اور مقصد ان کا یہ تھا کہ جب آپ اس میں نماز پڑھ لیں گے تو مسلمانوں کو اس کے مسجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس طرح کا کوئی شک و شبہ نہ کر سکیں گے کہ یہ مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ مسجد ہم نے ضعیف اور بیمار لوگوں کے لئے بنائی ہے تا کہ سردی اور بارش کی راتوں میں یہ لوگ قریب ہی نماز پڑھ سکیں، دور جانا نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو ہم سفر میں جا رہے ہیں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری فرمائش پوری کر دی جائے گی۔ آپ تبوک کے سفر میں تشریف لے گئے جب وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچنے میں ابھی ایک دن یا اس سے کم مسافت باقی تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے خبر دے دی کہ یہ مسجد، مسجد ضرار ہے جس کا مقصد اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفر پر جمار ہنا اور مومنین کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے کہ جو لوگ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس مسجد ضرار میں آنے لگیں۔ اور انہیں اپنے ڈھنگ پر ڈالا جا سکے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ ابھی مدینہ منورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ راستہ ہی سے آپ نے بعض صحابہؓ کو بھیج دیا جنہوں نے

مسجد ضرار کو آگ لگا دی اور اُسے گرا دیا جن حضرات نے یہ کام کیا وہ مالک بن خثعم اور معن بن عدیؓ تھے۔ بعض حضرات نے معن کے بھائی عامر بن عدی کا بھی نام لیا ہے۔ معالم التنزیل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلانے کا حکم دے کر یہ بھی حکم دیا تھا کہ اس کو کوڑا ڈالنے کی جگہ بنا لیا جائے جس میں مردہ جانور اور بدبودار چیزیں ڈالی جایا کریں۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد ضرار کے بنانے والے بارہ آدمی تھے اور ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جب ان لوگوں کا راز کھل گیا تو اپنی عادت کے مطابق وہی جھوٹی قسمیں کھانے لگے اور انہوں نے کہا اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی (کہ ہم نے تو صرف خیر ہی کا ارادہ کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے انکی تکذیب فرمائی' اور فرمایا وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اسلام اور مسلمان اور مسجد قباء کو ضرر دینا اور کفر پر جمے رہنا اور اہل ایمان میں تفریق ڈالنا اور اس شخص کے لئے سامان فراہم کرنا جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی یہ ان کے مقاصد ہیں جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کی اس سے اُبو عامر مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا (آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں) خطاب تو آپ کو ہے لیکن مسلمان آپ کے تابع تھے اس لئے سب مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ پھر فرمایا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ (البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر ڈالی گئی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں) اس سے مسجد قباء مراد ہے' جسے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر بنائی تھی۔ سفر ہجرت کے بعد جب آپ نے چند دن قباء میں قیام فرمایا اُنہی دنوں میں یہ مسجد تعمیر فرمائی اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے آپ سوار ہو کر اور کبھی پیدل اس مسجد میں شہر مدینہ سے تشریف لایا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(اس وقت قباء شہر سے دور تھا راستہ میں جنگل پڑتا تھا آج کل مسلسل قباء تک اور اس کے بعد تک آبادی ہو گئی ہے) آپ نے جب یہ مسجد بنائی تھی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کا کعبہ متعین کر کے بتایا تھا۔ اس مسجد کی یہ بھی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں نماز پڑھنا عمرہ کرنے کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی ص ۴۷ ج ۱)

پھر فرمایا: فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (اس میں ایسے آدمی ہیں جو یہ پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ بہت پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت اُبو ایوب' حضرت جابر' حضرت انس رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ جب آیت شریفہ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت بے شک اللہ نے پاکی اختیار کرنے کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ تمہاری کیا پاکیزگی ہے انہوں نے عرض کیا ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت ہو جائے تو غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہی بات ہے لہٰذا تم اس کے پابند رہو۔ (رواہ ابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴ رواہ ابوداؤد ایضا باب الاستنجاء بالماء)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت مسند بزار میں بھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم پہلے پتھروں سے استنجاء کرتے ہیں پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف پتھروں سے بڑا یا چھوٹا استنجا کرے اور نجاست پھیلی ہوئی نہ ہو (یعنی جتنی مقدار صحت صلوٰۃ کے لئے معاف ہے اس سے زیادہ نہ ہو) تو صرف پتھروں کے استنجاء پر اکتفا کر لینا درست

ہے۔ عام طور سے اہل عرب پتھروں ہی پر اکتفا کرتے تھے۔ قباء کے نمازیوں نے پتھروں سے استنجاء کرنے کے بعد پانی استعمال کرنے کا طریقہ بھی اختیار کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے پابند رہو۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے یہ قانون ہو گیا کہ پتھر یا ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی سے بھی دھویا کریں۔ اہل قباء کی پاکیزگی کی تعریف فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ کہ اللہ خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اس میں یہ بتادیا کہ جو شخص بھی ناپاکیوں سے بچنے اور ان سے دور رہنے اور ناپاکی لگ جائے تو اس کے دھونے کا اہتمام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ جب ظاہری ناپاکی سے بچنے پر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے تو گناہوں سے بچنا تو اور زیادہ محبوبیت کا ذریعہ بنے گا کیونکہ باطنی ناپاکی زیادہ گندی ہے اس پر غور کر لیا جائے۔ اس بات کے پیش نظر حضرت ابو العالیہؒ نے فرمایا کہ پانی سے طہارت حاصل کرنا تو بلاشبہ اچھی بات ہے لیکن آیت میں گناہوں سے پاک ہونے والوں کو اللہ کا محبوب بتایا ہے۔ درحقیقت الفاظ کا عموم ہر طرح کی تطہیر کو شامل ہے گناہوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے اور ظاہری ناپاکیوں سے پاک ہونا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

پھر فرمایا أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى (الآیۃ) کیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے پر اور اللہ کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی کو ہو رہی ہو۔ پھر وہ عمارت اس بنانے والے کو دوزخ کی آگ میں لے کر گر پڑے۔ جس جگہ پانی بہتا ہو وہاں پانی زمین کو کاٹتا رہتا ہے اور جس کنارے سے کاٹتا ہے اس میں اندر کی جگہ کھوکھلی رہ جاتی ہے۔ اور اوپر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہ کی طرح یہ جگہ بھی مضبوط ہوگی لیکن چونکہ وہ اندر سے خالی ہو چکی ہوتی ہے اس لئے وہ تھوڑی دیر میں گر جاتی ہے اسی کو عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فرمایا یعنی جن لوگوں نے اغراض باطلہ کفریہ کے لئے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اس کے لئے بقا نہیں ہے۔ جیسا کہ پانی کی کاٹی ہوئی زمین اندر سے خالی ہونے کی وجہ سے جلدی گر جاتی ہے اور صرف یہی نہیں کہ انکی یہ عمارت گرنے والی ہے وہ خود بھی گرے گی اور اس کے بنانے والے بھی گریں گے اور ان لوگوں کا گرنا دوزخ میں ہوگا۔ کیونکہ اعمال کفریہ دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا انہوں نے مسجد کے نام سے عمارت بنائی اور اس میں اپنی اغراض کفریہ داخل کر دیں۔ مسجد شعائر دین میں سے ہے انہوں نے اسے کفر کا مرکز بنایا ہدایت قبول کرنے کی بجائے گمراہی سے چپکے رہے۔

پھر فرمایا لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ کہ انہوں نے جو یہ عمارت بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی کیونکہ جس غرض سے مسجد بنائی تھی پوری نہ ہوئی پھر وہ منہدم کر دی گئی اور جلا دی گئی اور بنانے والوں کی رسوائی بھی ہوئی۔ یہ ان کے دلوں کا کانٹا ہے جو ہمیشہ چبھتا رہے گا۔ إِلَّآ أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ہو جائیں یعنی وہ مر جائیں گے تو یہ دلوں کی کھٹک ختم ہوگی نہ خود رہیں گے نہ کھٹک رہے گی۔ (البتہ آخرت میں جو عذاب ہوگا وہ اپنی جگہ مستقل ہے) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ اور اللہ علم والا ہے اور حکمت والا ہے۔

فائدہ: جو مسجد تقویٰ کی بنیاد پر بنائی گئی اس سے کونسی مسجد مراد ہے؟ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مسجد قباء مراد ہے۔ لیکن بعض روایات میں ہے کہ اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔ صحیح مسلم (ص ۴۴۷ ج ۱) میں ہے کہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دونوں مسجدوں میں سے وہ کون سی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ آپ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور ان کو زمین پر مار دیا اور فرمایا کہ مسجد تقویٰ یہ میری مسجد ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے مسجد نبوی مراد ہے۔ محققین نے فرمایا ہے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں دونوں مسجدیں (مسجد قباء اور مسجد نبویؐ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور دونوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ اس سے میری مسجد مراد ہے۔ اس میں اسکی نفی نہیں ہے کہ مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص دورِ حاضر میں تفریق بین المسلمین یا ریا و نمود کے لئے اور ضد اور عناد کی وجہ سے کوئی مسجد بنا دے تو چونکہ اسکی نیت خیر نہیں اس لئے اُسے مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ وہ اپنی بُری نیت کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔ لیکن چونکہ یقینی طور پر دلوں کا حال بندوں کو معلوم نہیں اس لئے اس کو گرانا اور جلانا جائز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق مسجد بنانے والے سے معاملہ فرمائے گا۔ اور اس مسجد کے آداب و احکام وہی ہوں گے۔ جو دیگر مساجد کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ریا و نمود اور ضد و عناد کے لئے مسجد بنائے تو بہتر ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے تا کہ اُسے رسوائی کی سزا مل جائے لیکن اگر کسی نے اس میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

فائدہ: شیطان بہت چالاک ہے۔ وہ اپنے لوگوں کو متعدد طریقوں سے استعمال کرتا ہے۔ دین اور اہل دین کے خلاف کسی کو کھڑا کرنا ہو تو دین سے متعلقہ چیزوں ہی کو سامنے لاتا ہے اور اسی کو ذریعہ بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسلام کے نقصان پہنچانے کی تدبیر کرتا ہے۔ منافقین نے جو کفر اور نفاق اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی اور جنگی تیاری کے لئے مرکز بنایا اس کا نام اُنہوں نے مسجد تجویز کر دیا۔ اور سید عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تا کہ اس کے مسجد ہونے میں عامۃ المسلمین کو شبہ نہ رہے۔ اور جیسے خوشی کے ساتھ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اسی طرح انکی اس مسجد ضرار میں نماز پڑھتے رہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اس تدبیر سے ہماری دشمنی پوشیدہ رہے گی اور ہماری نیتوں پر پردہ پڑا رہے گا اور اپنے مقصد بد میں چپکے چپکے آگے بڑھتے رہیں گے۔ یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ایسی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اور بہت سے نام نہاد مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر لیتے ہیں اس کی سب سے پہلی کڑی شیعیت کی بنیاد ہے۔ جب یہود کو اسلام کی ترقی بہت زیادہ کھلنے لگی تو انہوں نے اسکی پیش رفت کو روکنے کے لئے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور خاص کر حضرات شیخین حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے کاٹنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑا۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے والد ماجد کی میراث نہیں دی گئی (ﷺ) چونکہ اس میں حضرت سیدہ فاطمہؓ کی ہمدردی سامنے رکھی گئی اس لئے بہت سے سیدھے سادے لوگ ان کے جال میں پھنس گئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مخالف ہو گئے کہ انہوں نے میراث نہیں دی۔ جیسے مسجد ضرار والوں نے اپنے مرکز فساد کو مسجد کے نام سے موسوم کیا جو اسلامی شعائر میں سے ہے اسی طرح یہود نے اس موقع پر حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مظلومیت کو سامنے رکھ کر شیعیت کا آغاز کیا۔ ہر مسلمان کو آنحضرت سید عالم ﷺ کی آل اولاد سے قلبی تعلق ہے اس لئے اہل بیت کی ہمدردی اور غم خواری کا دم بھرنا سیدھے سادے مسلمانوں کو راہ حق سے

ہٹانے کے لئے کارگر ہو گیا۔

اس کے بعد شیعیت کے علم برداروں نے یہ نکتہ نکالا کہ حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ خلافت کے مستحق تھے انہیں خلافت نہیں دی گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تمام مومنین کو محبت ہے اس لئے انکی ذات کو سامنے رکھ کر یہودیوں نے اپنا کام اور آگے بڑھایا۔ پھر استاد یعنی یہودی خواہ الگ ہو گئے ہوں لیکن جن لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا ان کے اتنے زیادہ فرقے بنے کہ انکا شمار بھی دشوار ہے۔ حتیٰ کہ ایک فرقہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا بھی قائل ہو گیا اور پھر طرح طرح کے فتنے اُٹھے اور ہر جماعت کے قائد نے اپنے پیش نظر کوئی دینی بات ہی رکھی اور اپنے اُوپر ایسا لیبل لگایا جس کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں (نام دین کا ہو اور کام کفر کا) دورِ حاضر میں ایسی بہت سی جماعتیں ہیں جن میں سے ایک جماعت نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہے۔ یہ لوگ اپنے خیال میں قرآن کو اکابر اہل علم سے زیادہ جانتے ہیں۔ حالانکہ عربی کے صیغے بھی نہیں بتا سکتے اور کسی آیت کی ترکیب نحوی سے بھی واقف نہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے خدمت قرآن کا لیبل لگا کر سامنے آئے ہیں جس کی وجہ سے احادیث شریفہ کی حجیت کے بھی منکر ہیں اور نمازوں کی فرضیت کے بھی اور ضروریات دین کو نہیں مانتے ہیں کافر لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور سادہ مسلمانوں کو (جن کا علماء سے ربط نہیں ہے) قرآن کے نام پر اپنی گمراہی کے جال میں پھانس لیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ آپ کی محبت ہر مومن کے دل میں ہے اس لئے جب نبی کا نام سن کر بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کی جھوٹی محبت کا یہ عالم ہے کہ قران کو بھی جھٹلا دیتے ہیں اور رسول ﷺ کے ارشادات کو بھی نہیں مانتے۔ محبِ نبیؐ کا عنوان ان لوگوں کا ظاہری لیبل ہے جس سے عامۃ الناس کو متاثر کرتے ہیں اور اپنے ایجاد کردہ عقائد اور اعمال پر جمنے کے لئے قرآن و حدیث کی تصریحات تک کو جھٹلا دیتے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک یہ بات ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بشر نہیں تھے۔ حالانکہ قرآن کریم میں آپ کو بشر فرمایا ہے آپ نے خود فرمایا کہ میں بشر ہوں لیکن یہ لوگ آیات اور احادیث کو نہیں مانتے اور عجیب بات یہ ہے کہ محبت کے دعویدار بھی ہیں۔ یہ عجیب محبت ہے کہ جس سے محبت ہے اس کے ارشادات سے انحراف ہے اسی طرح کی بہت سی باتیں مستشرقین نے ریسرچ کے نام پر پھیلا رکھی ہیں اور اُن کے لئے نام نہاد مسلمانوں کو استعمال کرتے ہیں نام تحقیق کا اور کام اسلامیات سے منحرف ہونے کا اور دوسروں کو منحرف کرنے کا۔ **اعاذنا الله تعالىٰ من جميع أهل الفتن۔**

انگریزوں کو اپنے اقتدار میں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مسلمان جہاد کے لئے کھڑے نہ ہو جائیں اس لئے انہیں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام ہی کی راہ سے جہاد کو منسوخ کرائیں۔ جہاد اسلام کا بہت بڑا عمل ہے۔ اپنے وفادار نام نہاد علماء سے منسوخ کراتے تو کون مانتا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا پھر اس سے جہاد منسوخ ہونے کا اعلان کرادیا وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمان جہاد کو منسوخ مان لیں گے۔ انہیں یہ پتہ نہ تھا کہ مسلمان انگریزوں کے بنائے ہوئے نبی کو کافر قرار دیدیں گے۔ اور اسکی جھوٹی نبوت کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ بہر حال انہوں نے اپنا یہ حربہ استعمال کیا یعنی ایک شخص سے نبوت کا اعلان کرا کے جہاد کو منسوخ کرانے کی سعی لا حاصل کی۔

بہت سے لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں شرک اور بدعات میں مبتلا ہیں، عوام کو قبروں پر بلاتے ہیں، چڑھاوے

چڑھواتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے اس طریقۂ کار کو غیر شرعی بتاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے' ان لوگوں نے اولیاء اللہ کے ناموں کو جعل سازی اور کسب دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور اس طرح کے بہت سے نعرے ہیں جو دشمنان دین' دین کے نام پر لگاتے رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہم

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بے شک اللہ نے مومنین سے اس بات کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے۔

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ

وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کر دیئے جاتے ہیں اس پر اللہ کا وعدہ ہے جو توریت'

وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم

انجیل اور قرآن میں ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے۔ سو تم لوگ اپنی اس بیع پر خوش ہو جاؤ جس کا تم نے معاملہ کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی

بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ

ہے۔ یہ لوگ توبہ کرنے والے ہیں۔ عبادت کرنے والے ہیں' حمد کرنے والے ہیں۔ روزہ رکھنے والے ہیں' رکوع کرنے والے ہیں۔

السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ

سجدہ کرنے والے ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دینے والے ہیں' اور بُری باتوں سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے

اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

والے ہیں' اور آپ مومنین کو خوشخبری سُنا دیجئے

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض انکی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۳۲۹ ج ۲) اور ابن کثیر (ص ۳۹۱ ج ۲) میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرات انصار لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے رب کے لئے اور اپنے لئے جو چاہیں مشروط فرمالیں آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لئے اس بات کو مشروط کرتا ہوں کہ اسکی عبادت کرو گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لئے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے

ہم اس معاملہ کو فسخ نہیں کریں گے اس پر آیت شریفہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی آخر تک نازل ہوئی۔ اس آیت میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے پھر بھی اس نے اس کا نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اسکی راہ میں مقتول ہو جانے پر کچھ بھی عطا نہ فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمالیا اور ذرا سی قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا اعلان فرمادیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔ توریت' انجیل اور قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا وعدہ سچا بھی ہے اور اسے ہر طرح کی قدرت بھی حاصل ہے۔ دنیا والے بعض مرتبہ وعدہ کر لیتے ہیں اور وعدہ سچا بھی ہوتا ہے لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا بندے اس پر خوشی منائیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطاء فرمایا تھا یعنی جان اور مال وہ اس کو اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں اپنا ذاتی کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ خرچ کریں گے اس کے عوض انہیں جنت ملے گی۔ جنت کے سامنے اس معمولی سی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیا تھوڑا سا اور ملا بے حساب وہ بھی دائمی ابدالآباد کے لئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا **ثامنهم الله عزوجل فاغلى لهم** کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لین دین کا معاملہ کیا اور بہت زیادہ قیمتی چیز عطا فرمائی' حضرت حسن نے فرمایا کہ **اسعوا الى بيعةٍ ربيحةٍ** یعنی نفع والی بیع کی طرف دوڑو جس کا معاملہ اللہ نے ہر مومن سے کیا ہے۔

آیت کریمہ میں فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ فرمایا کہ مومنین اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کافروں کو قتل کرتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتیں مومن کے لئے خیر ہیں اور بعض مجاہدین کو دونوں ہی باتیں نصیب ہو جاتی ہیں اوّلاً کافروں کو قتل کرتے ہیں پھر خود مقتول ہو جاتے ہیں۔ سورہ نساء میں فرمایا: وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا (اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب ہو جائے تو ہم اسے عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے) مومن کا قاتل ہونے میں بھی فائدہ ہے اور مقتول ہونے میں بھی۔ اگر مال غنیمت مل گیا تو وہ بھی خیر اس سے ثواب باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ مقصود نہ ہو۔ مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے گھر سے نکلا اور اس کا یہ نکلنا (کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں ہے) صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے نکلا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ اُسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اس کو ثواب اور غنیمت کے مال کے ساتھ اس کے گھر واپس لوٹا دے گا جہاں سے وہ گیا تھا۔ (رواہ مالک فی المؤطا اول کتاب الجہاد)

مطلب یہ ہے کہ اگر شہید ہو گیا تو اس شہادت کی وجہ سے مستحق جنت ہو گیا اور اگر زندہ واپس آ گیا تب بھی نقصان میں نہیں۔ آخرت کا ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔ اور بعض مرتبہ اس ثواب کے ساتھ مال غنیمت بھی مل جاتا ہے۔ **وهو في صحيح البخاري** (ص۳۹۱ ج۱) **تو كل الله للمجاهد في سبيله بأن يتوفاه أن يدخله الجنة أو يرجعه سالماً مع أجر وغنيمة**۔ (صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ضمانت دی ہے کہ یا تو اسے

شہادت دے کر جنت میں داخل کرے گا یا وہ صحیح سالم واپس لوٹے گا تو اجر اور مالِ غنیمت کے ساتھ ہیں)

فائدہ: جہاد کی فضیلت بتاتے ہوئے جو وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے لئے بھی جہاد مشروع تھا۔ یہ جو مشہور ہے کہ شریعت عیسویہؑ میں جہاد نہیں تھا یہ اُن لوگوں کی تحریف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں۔ **وفيه دليل على أن أهل الملل كلهم أمروا بالجهاد على ثواب الجنة۔**

مومنین کی صفات: اس کے بعد مومنین کی صفات بتائیں اور یہ نو صفات ہیں۔ اَلتَّـائِبُوْنَ (توبہ کرنے والے) اَلْعَابِدُوْنَ (عبادت کرنے والا) اَلْحَامِدُوْنَ (حمد بیان کرنے والے) اَلسَّائِحُوْنَ (روزہ رکھنے والے) اَلرَّاكِعُوْنَ (رکوع کرنے والے) اَلسَّاجِدُوْنَ (سجدہ کرنے والے) اَلْـآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (بھلائیوں کا حکم دینے والے) وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور برائیوں سے روکنے والے) وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے)۔

آخر میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ایمان والوں کو بشارت دے دو)

اَلتَّآئِبُوْنَ کی ترکیب نحوی بتاتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی **التائبون ومن ذكر معهم هم اهل الجنة ايضاً** یعنی جس طرح مجاہدین کے لئے جنت کا وعدہ ہے اسی طرح سے دوسرے اہل ایمان کے لئے بھی جنت کا وعدہ ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جہاد عام احوال میں فرض عین نہیں ہوتا۔ جب فرض عین نہیں ہے تو جو لوگ اس میں مشغول نہ ہوں گے دوسرے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہوں گے۔ ان کے لئے بھی اللہ کی رضا ہے اور جنت ہے۔ اس جنت کی خوشخبری دینے کے لئے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اپنی اسی زمین میں بیٹھا رہے جس میں پیدا ہوا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اسکی خوشخبری نہ سنا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار فرمایا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہے۔ جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے اور اس کے اُوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۱ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ جنت تو اپنے وطن میں بیٹھ کر اعمال صالحہ کرنے سے بھی ملے گی لیکن مجاہدین کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے سو درجات تیار فرمائے ہیں ان کی بھی طلب رہنی چاہئے اور جہاد میں شریک ہونے کے مواقع نکالنے چاہئیں۔

فائدہ: مومنین کی صفات بتاتے ہوئے جو اَلسَّائِحُوْنَ فرمایا ہے۔ اس کا معنی ایک تو وہی ہے جو اُوپر ترجمہ میں بیان کیا گیا یعنی روزہ رکھنے والے۔ یہ معنی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مراد ہیں کیونکہ یہ سَاحَ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے

19

سیاحت کرنا یعنی سفر کرنا اور حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس سے طلبة العلم مراد ہیں جو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے وطن کو چھوڑتے ہیں اور سفر میں جاتے ہیں۔

حدود اللہ کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے: مومنین کے اوصاف میں وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ بھی فرمایا ہے یہ بہت بڑی صفت ہے اس میں اہل ایمان کی بہت بڑی ذمہ داری بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ عمل کرنے میں اور دوسروں سے عمل کرانے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت کریں ان حدود سے تجاوز نہ کریں۔ نہ حلال کو حرام قرار دیں نہ حرام کو حلال بتائیں نہ بدعتیں نکالیں نہ مستحبات کے ساتھ فرائض اور واجبات جیسا معاملہ کریں۔ اور نہ فرائض واجبات کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو سورۂ بقرہ میں فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان سے آگے نہ بڑھو اور جو شخص اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں) تمام اعمال میں حدود کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

فائدہ: آیت کریمہ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ (الآیۃ) کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آیت وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ کی تفسیر کی بھی مراجعت کر لی جائے۔ (ملاحظہ ہو انوار البیان ص ۱۸۹ ج ۱)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى
نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
ہوں۔ اس بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں
اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ
نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب ابراہیم پر یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ بیشک ابراہیم
لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
بڑے رحم دل برداشت کرنے والے تھے

مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت

تفسیر: صحیح البخاری (ص ۱۸۱ ج ۱) اور (ص ۶۷۴ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جب (آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا) ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی اُمیہ تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو میں اس کو (تمہاری سفارش کے لئے) اللہ کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ آپ برابر یہ بات فرماتے رہے لیکن وہ دونوں شخص جو موجود تھے یعنی ابو جہل اور عبد اللہ بن اُمیہ ابو طالب سے کہتے رہے کیا تم عبد المطلب کے دین سے ہٹ رہے ہو؟ بالآخر ابو طالب نے یہ کہہ دیا کہ میں عبد المطلب کے دین پر

ہوں اور لا الـٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر اسی پر ابو طالب کو موت آ گئی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری بخشش کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ آیت کریمہ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا۔ آخر تک نازل فرمائی۔

سنن الترمذی ابواب التفسیر (سورۃ القصص) میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دو' میں قیامت کے دن تمہارے لئے گواہی دوں گا تو اس پر ابو طالب نے کہا کہ اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ میں اس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو میں اسے پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ (بالآخر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور دین شرک پر ہی اس کی موت ہوگئی) چونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے قلب میں اُنکے ایمان لانے کا بہت بڑا داعیہ تھا (اس لئے) اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَـآءُ۔ (سورۃ قصص رکوع ۶) نازل فرمائی۔ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کیلئے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے اُن کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت فرما دی۔ سو تم قبروں کی زیارت کرو۔ وہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لئے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا

مشرکین کے لئے استغفار کرنے کی ممانعت بیان فرمانے کے بعد فرمایا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ (الآیۃ) (اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا صرف اس لئے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو ایمان کی دعوت دی' توحید کی طرف بلایا۔ بت پرستی چھوڑنے کے لئے کہا اس نے نہ مانا۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تو اپنی بات سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا۔ (سورۃ مریم رکوع ۳) (اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) اس وعدہ کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ سورہ شعراء میں مذکور ہے۔ وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ (اور میرے باپ کو بخش دیجئے' بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا) سورہ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ کہ جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کی طرف سے بیزار ہو گئے۔ صاحب روح المعانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ ان کے باپ کی موت کفر پر ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے بیزاری کا اظہار کر دیا اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ اگر تَبَیَّنَ لَهٗ کا مطلب یہ لیا جائے جو حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے تو سورہ شعراء میں جو كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باپ کو بخش دیجئے جو گمراہوں میں سے ہے كَانَ اپنے معروف معنی میں نہ ہوگا۔ اور چونکہ کافروں کی مغفرت نہیں ہو سکتی اس لئے دُعائے مغفرت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس کو بخش دے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ دُعا باپ کی موت سے پہلے کی تھی۔ بعض حضرات نے فَلَمَّا تَبَیَّنَ کا

مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ واضح ہوگیا کہ میرا باپ اللہ کی دشمنی پر اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا موت آنے تک برابر مصر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس بات کی وحی آ گئی تو اُنہوں نے بیزاری اختیار کر لی (کما ذکرہ فی الروح) اس صورت میں سورۃ شعراء میں جو اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ہے۔ اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ جب میں اپنا وطن چھوڑ کر چلا ہوں اس وقت میرا باپ گمراہوں میں سے تھا اب مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ ایمان کی توفیق دے کر اُسے بخش دیا جائے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہوگیا کہ وہ کفر ہی پر مرے گا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بہرحال اب کسی کافر کے لئے مغفرت کی دُعا جائز نہیں ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں جو اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور اُن کے ساتھی جو توحید اور اعمال صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں اُن کا اسوہ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ کہ بلاشبہ ابراہیم بڑے رحم دل تھے بردبار تھے' ان کے باپ نے بڑی سخت باتیں کہیں انہوں نے حلم سے کام لیا اور شفقت کی وجہ سے استغفار کا وعدہ بھی فرمالیا۔ جب تک استغفار کے نفع کی اُمید تھی اس کے لئے استغفار کیا پھر جب یہ واضح ہوگیا کہ استغفار کرنا اس لئے فائدہ مند نہیں ہوسکتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

مضمون بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں ہے کسی کافر سے کیسا ہی تعلق ہو خواہ اپنا رشتہ دار ہی ہو اور خواہ کیسا ہی محسن ہو اس کے لئے استغفار کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرما دیا کہ کافر اور مشرک کی کبھی بھی بخشش نہ ہوگی تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا یوں بھی بے سود ہے۔ اُبوطالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے آپ کی بہت مدد کی۔ دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان کا بڑا کردار ہے۔ جب اُن کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت فرما دی گئی تو آگے اور کسی کے لئے اس کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے؟ اگر کسی کے والدین یا دونوں میں ایک کافر یا مشرک ہو تو مغفرت کی دعا کرنا ممنوع ہے۔

بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں وہ مر جاتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا عقیدہ کفریہ تھا بعض لیڈر اور رؤساء وزراء ایسے شخص کی نماز جنازہ میں حاضر ہو جاتے ہیں بلکہ نماز پڑھا دیتے ہیں اور اسے رواداری کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اول تو قرآنی ممانعت کی واضح خلاف ورزی ہے دوسرے حاضرین کو اور جس فرقہ کا یہ شخص تھا اس فرقہ کو اس دھوکہ میں ڈالتے ہیں کہ کفریہ عقیدہ والے کی بھی مغفرت ہوسکتی ہے (العیاذ باللہ) قرآن کے خلاف کیسی جسارت ہے؟ بہت سے لیڈر اور صحافی کفریہ عقیدہ والوں کو موت کے بعد ''مرحوم'' لکھ دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگئی یا اس پر رحمت ہو جائے یہ رواداری شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے جب تک کہ ان چیزوں کو واضح طور پر بیان نہ فرمادے جن سے وہ بچتے رہیں۔ بے شک اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ

ہر چیز کا جاننے والا ہے بے شک اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا' وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور تمہارے لئے

مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾

اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہیں

کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ گمراہ نہیں کرتا

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے جنہوں نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے مشرکین کے لئے استغفار کیا تھا۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اہل ایمان کی مذمت اور مواخذہ فرمائے کہ تم نے مشرکین کے لئے استغفار کیوں کیا جبکہ یہ استغفار کرنا ممانعت نازل فرمانے سے پہلے تھا' جن لوگوں نے استغفار کیا ہے اللہ تعالیٰ انکے اس عمل کو گمراہی قرار نہیں دے گا۔ ہاں جب بات واضح طور پر بیان کر دی گئی تو اس کی خلاف ورزی باعث مذمت اور سبب مواخذہ ہوگی إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے) وہ جانتا ہے کہ کس نے ممانعت نازل ہونے سے پہلے کوئی عمل کیا اور کس نے ممانعت نازل ہونے کے بعد خلاف ورزی کی۔

جن کاموں پر گرفت ہو سکتی ہے وہ کام وہی ہیں جن کی پہلے اللہ جل شانہٗ کی طرف سے واضح طور پر ممانعت کر دی جاتی ہے۔ اس کو حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ میں بیان فرمایا ہے۔ ممانعت کے بعد جب بندے خلاف ورزی کرتے ہیں تو مذمت اور مواخذہ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (الآیۃ) (بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے۔ اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں (ص ۳۹۶ ج ۲) ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں۔ اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ مشرکین اور رؤساء کفر سے قتال کرو اور اللہ کی مدد کا یقین رکھو اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈرو۔ اللہ تمہارا ولی اور مددگار ہے۔

لَقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ

بلاشبہ اللہ نے نبی پر اور مہاجرین پر اور انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے اس کے بعد تنگی کے وقت نبی کا ساتھ دیا

الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ

جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا' پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ ان پر مہربان ہے

رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

رحم فرمانے والا ہے اور اللہ نے اُن تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے یقین کرلیا کہ اللہ سے بچ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اسکی طرف رجوع کیا جائے۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر

لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۸﴾

توجہ فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں بے شک اللہ خوب توبہ قبول فرمانے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی جب کہ انہوں نے مصیبت کی گھڑی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا

تفسیر: تاب یتوب کا اصل معنی رجوع کرنے کا ہے بندہ اللہ کی طرف گناہ کے بعد رجوع کرتا ہے اس لئے اسے تائب اور تواب کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربانی کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔ مہربانی فرماتا ہے اسی لئے لفظ تواب اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل فرمانا' توبہ کی توفیق دینا۔ توبہ کو قبول فرمانا۔ معاملہ میں آسانی فرمادینا' تاب اللہ علیہ اس سب کو شامل ہے۔ قال صاحب القاموس تاب اللہ علیه وفقه للتوبة ورجع به من التشديد إلى التخفيف أو رجع عليه بفضله وقبوله وهو توّاب على عباده۔ (صاحب قاموس کہتے ہیں تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق دی اور اس سے سختی کو ہٹا کر آسانی کردی یا اپنے فضل وقبولیت کے ساتھ اس پر توجہ فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے لئے تواب ہے)

لفظ تَابَ کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے اس میں اس مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اب یہ اشکال نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اُن مہاجرین وانصار سے کون سا گناہ ہوا تھا جنہوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی اور گناہ کی وجہ سے توبہ کی اور وہ توبہ قبول ہوئی' تَابَ کے مفہوم میں فضل فرمانا۔ معاملہ میں آسانی دینا' توبہ کی توفیق فرمانا یہ سب کچھ آتا ہے۔ اس لئے تَابَ کا ایک عام ترجمہ کردیا گیا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کی جو تعریف فرمائی (کہ ان لوگوں نے سختی کی گھڑی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا) یہ کونسی سختی تھی اور کیا مصیبت تھی اس کے بارے میں تفسیر و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اس میں سے ایک بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سختی کی وہ کیا گھڑی تھی جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے سخت گرمی کا زمانہ تھا ایک منزل پر اُترے تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ پیاس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری گردنیں ابھی کٹ کر گر پڑیں گی۔ اگر کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بھی جاتا تھا تو واپس آنے میں پیاس کی شدت کی وجہ سے یہ سمجھ لیتا تھا کہ میری گردن کٹ کر گر جانے والی ہے۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے بعض اشخاص نے یہاں تک کیا کہ اُونٹ کو ذبح کر کے اسکی اوجھری کو نچوڑ کر پیا اور ترائی حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے پیٹ پر رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کرنے کا عمل عطا فرمایا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے۔ آپ نے مُبارک ہاتھ اُٹھائے اور دُعاء کی۔ ابھی آپ نے ہاتھ نیچے نہیں کئے تھے کہ بارش ہونی شروع ہوگئی اور خوب بارش ہوئی۔ جس سے حاضرین نے اپنے سارے برتن بھر لئے۔ پھر ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ بارش کہاں تک ہے تو معلوم ہوا کہ وہ لشکر کے حدود سے آگے نہیں بڑھی۔ (ذکرہ الهيثمي في مجمع الزوائد ص۱۹۴ ج۲ وقال رواه البزار والطبراني في الأوسط ورجال البزار ثقات)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک میں جو حضرات شرکت کرنے کے لئے گئے تھے ان کے پاس سواریاں بھی بہت کم تھیں ایک اُونٹ پر دس افراد نمبر وار سوار ہوتے تھے اور ان کے پاس توشہ یعنی سفر کا جو سامان تھا وہ ایسی کھجوریں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جو پرانی کھجوروں میں پڑ جاتے ہیں اور کچھ جو تھے جن میں بدبو پیدا ہو گئی تھی جو تھوڑی بہت کھجوریں تھیں وہ بھی ختم ہوگئیں تو کھجور کی گٹھلی کو چوس کر اُوپر سے پانی پی لیتے تھے۔ سات سو کلومیٹر کا یک طرفہ سفر، سخت گرمی اور سفر کی تکلیف کا یہ عالم! انہیں حالات میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ تمام مخلصین صحابہ حکم سنتے ہی تیار ہوگئے البتہ بعض لوگوں کو جو تھوڑا سا کچھ تردد ہوا بعد میں وہ بھی ساتھ ہوگئے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانثاری اور فدا کاری کو دیکھئے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ اور روافض کو دیکھئے جو انہیں کافر کہتے ہیں۔ ھداھم اللہ تعالیٰ

تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے

اس کے بعد ان تین حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو مخلص بھی تھے۔ اور غزوہ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں صاف صاف عرض کردیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے یہ حضرات کعب بن مالک۔ ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہو چکا ہے یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور اپنے نفسوں میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی انکا جینا بہت زیادہ دُشوار اور دوبھر ہوگیا۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور اُوپر سے مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جس کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالکؓ کی زبانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی (ص۶۳۴ ج۲) میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے بہت زیادہ فکر لاحق ہوگئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے عذر پیش کردوں گا۔ اور اپنے گھروں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا۔ جب آپ بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال آتا تھا وہ بالکل ختم ہوگیا اور میں نے یہ طے کرلیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے ہی آئے۔ آپ کی

عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ جب آپ اپنے اس عمل سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ آ گئے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسی سے کچھ اوپر تھے۔ آپ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور اُن کے لئے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرما دیا۔

حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ مسکرائے جیسے کوئی غصہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آ جا' میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کیا واقعہ میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کر لوں تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی اُمید رکھتا ہوں' اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقعہ پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اُٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لئے انہوں نے کہا اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کر سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کر دیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کئے اور پھر رسول اللہ ﷺ کا استغفار فرمانا تمہارے لئے کافی ہو جاتا' اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کر دوں) پھر میں نے اُن لوگوں سے کہا یہ تو بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں اُنہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا اور اُن کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا' میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مُرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں۔ جو اُن کا حال ہوگا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعبؓ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لہٰذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اُس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی' آپ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لئے آپ نے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرما لیتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا۔ لیکن میرے جو دو ساتھی تھے وہ تو بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچازاد بھائی اُبوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بہ نسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی' میں نے سلام کیا تو اُنہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دُہرائی اور اُن کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور اُن کو قسم دلائی تو اُنہوں نے اتنا کہہ دیا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والا ہے) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لئے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہٰذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آ گئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ ہلال بن اُمیہ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر یہ عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گیا اور زمین بھی میرے لئے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بلند آواز سنی جبل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ یہ آواز سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آئی ہے رسول اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرما لی۔ یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا۔ اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر

توبہ کی خوشخبری سنادی۔ اس شخص کی آواز گھوڑے سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اُسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اُتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگرچہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لئے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ صحابہ کرام مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارکبادی دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی۔ میں اُن کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اُٹھ کر نہیں آیا۔ (وجہ اسکی یہ تھی کہ اگر سبھی اُٹھتے تو مسجد نبوی جو سکون واطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی' سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہوگیا)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے (کمافی حاشیۃ البخاری عن القسطلانی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوشی کا موقعہ آتا تھا تو آپ کا چہرہ انور ایسا روشن ہوجاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کرلیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے خرچ کردوں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیبر کے مال غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کرلیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مبتلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں' جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لیکر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ باقی زندگی بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے آیت شریفہ **لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ** سے لے کر **وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** تک آیات نازل فرمائیں۔ حضرت کعبؓ نے یہ بھی فرمایا کہ نعمت اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہوجاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کرکے ہلاک ہوگئے۔

فوائد ضروریہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ مومن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں' سچی بات کہیں' سچ ہی میں نجات ہے۔ اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔

منافقین نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں اپنی جانیں چھڑا لیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مومنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا اعلان فرما دیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کی پول کھل ہی جاتا ہے۔ اور ذلت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

۲- امیر المومنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آ جائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

۳- بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہٗ رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے ہی اُوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری قدر دانی کریں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور اُنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچے پڑ جاتے اور شاہِ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دُعا کرے اور استقامت پر رہے۔

۴- حضرت کعب رضی اللہ عنہٗ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

۵- جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آ جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہؓ جو حضرت کعب بن مالک کے چچازاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سلام کلام کی ممانعت تھی۔

۶- جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا تو حضرات صحابہؓ نے حضرت کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلد سے جلد بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اُسے علم نہ ہو تو اُسے بشارت دینی چاہئے اور اس میں جلدی کرنی چاہئے۔

۷- پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جوق در جوق اُن سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیاں دیتے رہے یہ مبارکبادی توبہ قبول ہونے پر تھی، معلوم ہوا کہ دینی اُمور میں اگر کسی کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اُسے مبارکبادی دینا چاہئے۔

۸- جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت کعبؓ پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر اُن سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارکبادی کے ساتھ عملی طور پر بھی مبارکباد دینا بھی مستحب ہے۔

۹- آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اُقرب اِلی القبول بنانے کے لئے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔ اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطور شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلاۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جائے اور قبول کرانے کے لئے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے حضرت کعب نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لئے بطور صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلوٰۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔

۱۰- حضرت کعبؓ نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کر دوں' اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑ جائے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آ جائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کر دینا تا کہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعبؓ کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیت تھی' اس لئے جتنا مال روک لیا تھا۔ اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

۱۱- جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اُسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعبؓ نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لئے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سچوں کے ساتھ ہو جانے کا حکم

تفسیر: اُوپر کی دو آیتوں میں حضرت کعب بن مالک اور اُن کے دونوں ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت بھی انہی آیات کے ساتھ نازل ہوئی۔ حضرت کعب اور اُن کے ساتھیوں نے سچ بولا اور سچ ہی کی وجہ سے نجات ہوئی (جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے) اس آیت میں سچائی کی اہمیت اور ضرورت بتانے کے لئے عامۃ

المسلمین کو حکم فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے۔ اس آیت میں تقویٰ حاصل ہونے کا ایک طریقہ بتا دیا اور وہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ عربی میں صادق سچے کو کہتے ہیں اور سچائی کو صدق کہتے ہیں۔ دین اسلام میں صدق کی بہت بڑی اہمیت اور فضیلت ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی ایمان' اقوال اور اعمال سب میں ضرورت ہے۔ اسکی ضد کذب یعنی جھوٹ ہے۔ جھوٹ سے دین اسلام کو بہت سخت نفرت ہے۔ اور اسکی شدید ممانعت ہے۔

مومن بندہ پر لازم ہے کہ ان وعدوں میں سچا ہو جو وہ مخلوق سے کرتا ہے۔ بندوں کے ساتھ جو رہنا سہنا ہو اس میں بھی سچائی کو سامنے رکھے۔ اگر سچائی پیش نظر نہ رہی تو جھوٹ بولے گا اور دھوکہ دے گا۔ سورۂ زمر میں فرمایا وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی سو یہ لوگ تقویٰ والے ہیں) اس میں سچائی اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں صفت تقویٰ سے متصف بتایا ہے سورۃ حجرات میں فرمایا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (بلاشبہ مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا' یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں) اس میں یہ بتا دیا کہ ایمان میں سچائی ہونا لازم ہے۔ اگر دین کی کسی بات کو نہ مانا یا عقائد دینیہ کے کسی عقیدہ میں شک کیا تو گو وہ لوگوں کے سامنے بظاہر مسلمان ہونے کی وجہ سے مومن سمجھا جائیگا لیکن اللہ کے ہاں مومن نہ ہوگا کیونکہ اسکے ایمان میں سچائی نہیں ہے پھر عملی طور پر بھی ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے دکھانا لازم ہے۔ اللہ کی راہ میں مالوں سے' جانوں سے جہاد کریں اور یہ سب کچھ دل کی گہرائیوں سے پوری سچائی کے ساتھ ہو۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے نہ جان جانے کی پرواہ ہو نہ مال خرچ ہونے سے نفس میں کوئی خلش اور چبھن محسوس ہوتی ہو۔

جو بھی عمل کریں اس میں نیت کی سچائی ہو یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ بندوں کو معتقد بنانا ان سے تعریف کروانا اعمال صالحہ کے ذریعہ دنیا طلب کرنا اور شہرت کے لئے علم حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسی عبادت مخلوق کے سامنے کرے جو خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو' ایسی ہی عبادت تنہائی میں کرے۔ ایسا نہ کرے کہ لوگوں کے سامنے لمبی نماز اور اچھی نماز پڑھے اور تنہائی میں نماز پڑھے تو جلدی جلدی نمٹا دے نہ رکوع سجدہ ٹھیک ہو نہ تلاوت صحیح ہو نہ خشوع و خضوع ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندہ ظاہر میں نماز پڑھتا ہے اور اچھی نماز پڑھتا ہے پھر لوگوں سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں نماز پڑھتا ہے۔ تب بھی اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں هٰذَا عَبْدِیْ حَقًّا کہ سچ مچ یہ میرا بندہ ہے (رواہ ابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۵۵)

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو بزرگ سمجھے جاتے تھے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ بادشاہ کے مہمان ہوئے وہاں اُنہوں نے نماز لمبی پڑھی اور کھانا کم کھایا' جب واپس گھر آئے تو اہل خانہ سے کھانا طلب کیا۔ لڑکے نے کہا کہ ابا جان نماز بھی دوبارہ پڑھیۓ' کیونکہ جیسے وہاں کھانا کم کھانا اللہ تعالیٰ کے لئے نہ تھا ایسے ہی آپ کی نماز بھی اللہ کے لئے نہ تھی۔

جب بندہ کہتا ہے کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تو اسے ظاہر سے اور باطن سے اللہ ہی کا بندہ بننا لازم ہے۔ زبان سے اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ اور عملی طور پر دنیا کا بندہ خواہشوں کا بندہ۔ دینار اور درہم کا بندہ۔ یہ شان عبدیت کو زیب نہیں دیتا' دعوائے بندگی میں سچا ہونا لازم ہے۔

جب دعا کرے تو دعا میں بھی سچائی ہونی چاہئے یعنی جب یوں کہے کہ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں تو پوری طرح متوجہ ہو کر حقیقی سوالی بن کر سوال کرے۔ زبان سے دعاء کے الفاظ جاری ہیں لیکن دل غافل ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں؟ یہ سچ اور سچائی کے خلاف ہے۔ جب اللہ سے مغفرت کی دعا مانگے تو سچے دل سے حضور قلب کے ساتھ مغفرت طلب کرے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے تو یوں کہہ رہا ہے کہ میں مغفرت چاہتا ہوں لیکن دل اور کہیں لگا ہوا ہے۔ یہ صدق اور سچائی کے خلاف ہے۔ اسی لئے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا **استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر** ۔ کہ ہمارا استغفار کرنا بھی صحیح استغفار نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن) اگر قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے اور سچی قسم کھائے آئندہ کسی عمل کے کرنے پر قسم کھائے تو قسم پورا کرے (بشرطیکہ گناہ کرنے کی قسم نہ کھائی ہو) اسی طرح سے اگر کوئی نذر مانے تو وہ بھی پورا کرے (شرط اس میں بھی وہی ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو) جب کسی نیک کام کرنے کا ارادہ اور وعدہ کرے تو سچا کر دکھائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا انس بن نضر غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس کا انہیں بہت رنج ہوا' کہنے لگے کہ افسوس ہے رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار مشرکین سے جنگ کی اور اس میں شریک نہ ہوا۔ اگر اللہ نے مجھے مشرکین سے قتال کرنے کا موقعہ دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھادوں گا۔ آئندہ سال جب غزوۂ اُحد پیش آیا اور اس میں مسلمان شکست کھا گئے تو انہوں نے کہا کہ اے اللہ میں مشرکین کے عمل سے براءت ظاہر کرتا ہوں اور یہ جو مسلمانوں نے شکست کھائی ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے اُحد سے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور مسرکین سے بھڑ گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو انکے جسم میں تلواروں اور نیزوں کے اسّی سے کچھ اوپر زخم تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ (مومنین میں ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ یہ آیت حضرت انس بن نضر اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (**ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور ص۱۹۱ ج۵ وعزاہ إلی الترمذی والنسائی والبیهقی فی الدلائل — ورواہ البخاری مختصراً ص۷۰۵ ج۲**)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ احد سے فارغ ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر آپ کا گزر ہوا۔ آپ نے اُن کو مقتول پڑا ہوا دیکھا اور آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ تلاوت فرمائی (درمنثور ص۱۹۱ ج۱ عن الحاکم والبیہقی فی الدلائل)

جو شخص عالم نہ ہو وہ طرز گفتگو سے یہ ظاہر نہ کرے کہ میں عالم ہوں۔ اگر کوئی شخص عالم بھی ہو اور مسئلہ معلوم نہ ہو تو اٹکل سے مسئلہ نہ بتائے کیونکہ ان میں اس کا دعویٰ ہے کہ میں جانتا ہوں اور یہ دعویٰ جھوٹا ہے پھر اٹکل سے بتانے میں غلطی ہو جاتی ہے اس میں اپنا بھی نقصان ہے اور سوال کرنے والے کو بھی دھوکہ دینا ہے اور گمراہ کرنا ہے۔

اگر کسی کے پاس مال یا علم وعمل کا کمال نہ ہو تو اپنی حقیقی حالت کے خلاف ظاہر نہ کرے کیونکہ یہ صدق وسچائی کے خلاف ہے۔ حضرت اسماء بنت اُبی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک سوتن ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اُسے جلانے کیلئے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ یُعْطَ کَلَابِسِ ثَوْبَیْ زُوْرٍ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱ از بخاری ومسلم) کہ جس شخص نے جھوٹ یہ ظاہر کیا کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ اُسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لئے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہے) اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے۔ ہر قسم کے جھوٹے دعویداروں کو شامل ہے۔ سچ اور جھوٹ اقوال میں منحصر نہیں، اعمال واحوال اور لباس اور دُعاوی اور عزائم ان سب میں سچ اور جھوٹ کی شان پیدا ہو جاتی ہے ہر مومن بندہ اپنی نگرانی کرے اور سچ ہی کو اختیار کرے اور ہر طرح کے جھوٹ سے بچے۔ اصلاح بین الناس یا بعض دیگر مواقع میں جو جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے وہ مستثنیٰ ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کی طرف سے مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۱- جب بولو تو سچ بولو ۲- وعدوں کو پورا کرو ۳- جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو۔
۴- اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرو ۵- اپنی نظروں کو نیچا رکھو
۶- اپنے ہاتھوں کو (ظلم اور زیادتی سے) بچائے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے میری والدہ نے کہا آ میں تجھے دے رہی ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا آپ نے فرمایا اگر تو اسے کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو راضی کرنے کے لئے بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ان سے جو وعدہ کریں وہ بھی سچا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور انسان برابر سچ اختیار کرتا ہے اور سچ ہی پر عمل کرنے کی فکر کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہگاری کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ میں لیجاتی ہے اور انسان جھوٹ کو اختیار کرتا ہے اور جھوٹ ہی کے لئے فکرمند رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی رہے تو کوئی ڈر نہیں۔ ۱- امانت کی حفاظت ۲- بات کی سچائی ۳- اخلاق کی خوبی ۴- لقمہ کی پاکیزگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

صادقین کی مُصاحبت

ابھی صدق کی فضیلت اور اہمیت اور اس کے مقابل جو صفت کذب ہے اسکی مذمت اور شناعت وقباحت معلوم ہوئی۔ حضرات مفسرین کرام نے وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ کا ایک مطلب تو یہ بھی لکھا ہے کہ کونوا مثلھم فی صدقھم جو لوگ صادقین ہیں انہیں کی طرح ہو جاؤ یعنی صدق ہی کو اختیار کرو اور ایمان اعمال واقوال میں صادقین کی راہ پر چلو اور جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اسکی مناسبت سے یہی معنی زیادہ اظہر ہیں۔ کیونکہ حضرت کعب اور اُن کے دونوں ساتھی جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ بکیساتھ جانے سے رہ گئے تھے وہ ان کے ساتھ عمل صدق میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اچھی صحبت اور بری صحبت دونوں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں جو اچھوں کی صحبت اُٹھائے گا اس میں خوبی پیدا ہوگی اور جو بروں کی صحبت میں رہے گا اس میں برائیاں آتی چلی جائیں گی اور اس کا نفس برائیوں سے مانوس ہو جائے گا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ۔ صرف مومن کی صحبت اختیار کر اور تیرا کھانا (یعنی طعامِ ضیافت) متقی کے سوا کوئی نہ کھائے (رواہ الترمذی) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ اسکی دوستی کس سے ہے (رواہ الترمذی) (اگر اچھے لوگوں سے دوستی ہے تو تُو اچھا آدمی ہے، اور بُرے لوگوں سے دوستی ہے تو سمجھ لے کہ تو بُرا آدمی ہے)

پس ہر شخص کو معاشرت کے لئے اُٹھنے بیٹھنے کے لئے مسافرت کے لئے اور مصاحبت کے لئے صادقین کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے جیسے ساتھی ہوں گے ویسا ہی خود ہو جائے گا اور یہ ایسی چیز ہے جس کا عموماً مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سچوں کے ساتھ ہونے میں تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوں گے تقویٰ کا حکم دینے کے بعد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے اپنے لئے بھی صادقین اور صالحین کی مصاحبت کا فکر کریں اور اپنی اولاد کے لئے بھی اسی کو سوچیں، صادقین کے ساتھ بھی رہیں ان کی کتابیں بھی پڑھیں۔ کتاب بھی بہترین ساتھی ہے مگر کتاب اچھی ہو۔ اچھائی سکھاتی ہو اور اچھے لوگوں کی لکھی ہوئی ہو۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ

مدینے والے اور انکے آس پاس کے رہنے والے دیہات کے لوگوں کے لئے یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول

اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا

اللہ (ﷺ) کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات کہ وہ رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنی جانوں کو لے کر بیٹھ جائیں، یہ اس وجہ سے کہ

نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ

انہیں جو بھی کوئی پیاس یا تھکن یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور وہ کسی جگہ جو قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو جلن ہوتی ہے اور دشمن سے

مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

جو بھی کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سب کی وجہ سے ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنیوالوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ

اور وہ لوگ جو بھی کوئی چھوٹا بڑا خرچہ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو قطع کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے

لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

تاکہ اللہ ان کو انکے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے

فی سبیل اللہ سفر اور خرچ کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ

تفسیر: رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیارے ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں۔ غزوات میں خود تشریف لے جاتے تھے تمام تکلیفوں میں بنفسِ نفیس شریک ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے لئے کوئی آرام کی صورت نکالی ہو اور اپنے صحابہؓ کو تکلیف میں چھوڑ دیا ہو ایسا ہرگز کبھی نہیں ہوا آپ ہر تکلیف میں شریک تھے بلکہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ محنت کرتے تھے' تکلیف اُٹھاتے تھے۔ ان حالات میں کوئی شخص خواہ اہل مدینہ میں سے ہو خواہ آس پاس کے رہنے والے دیہاتیوں میں سے ہو کسی کے لئے یہ کہاں روا ہو سکتا تھا کہ آپ تو غزوہ میں چلے جائیں اور خود اپنی جان کو عیش آرام اور حفاظت کے ساتھ اپنے گھر میں لئے ہوئے بیٹھا رہے۔ ایمانی محبت کا تقاضا یہی تھا کہ سب آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں البتہ جو معذور تھے وہ ساتھ نہ جائیں تو یہ دوسری بات ہے جو لوگ غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ جانے سے بچھڑ گئے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ انہیں اور تمام صحابہؓ کو متنبہ فرما دیا کہ اللہ کے نبی کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہ جانا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے ہاں جسے رسول اللہ ﷺ نے خود ہی اپنی جانب سے مدینہ طیبہ کا امیر بنا دیا تاکہ آپ کے پیچھے انتظام سنبھالے (یہ محمد بن مسلمہ اور ایک قول کے مطابق سباع بن عرفطہ تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر اپنا خلیفہ بنا دیا تھا) یا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لئے اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا (یہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے) یا جو حضرات معذورین تھے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آیت شریفہ کا سیاق اور طرز بیان اس بات کا مقتضی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد میں جائیں تو کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ آپ کے پیچھے رہ جائے اسی لئے بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جہاد کرنا فرض عین تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمان کم تھے۔ جب مسلمان تعداد میں زیادہ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (کما ذکرہ فی الروح)

جو تین حضرات مومنین مخلصین میں سے پیچھے رہ گئے تھے ان کا واقعہ تفصیل سے چند صفحات پہلے گزر چکا ہے پیچھے رہ جانے والے مخلصین میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کو لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین بھی بُرے دل سے ساتھ لگ لئے تھے' پھر وہ راستہ سے واپس ہوتے رہے۔ راستہ سے واپس ہونے والوں

میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے۔ سخت گرمی اور دھوپ کی وجہ سے یہ بھی راستہ سے واپس آ گئے تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ واپس آئے تو دیکھا کہ باغ میں دو چھپروں کے نیچے ان کی بیووں نے پانی چھڑک رکھا ہے اور کھانا تیار کر رکھا ہے۔ ابھی دروازہ ہی میں کھڑے تھے کہ اپنی دونوں بیویوں اور انہوں نے جو کچھ تیار کر رکھا تھا اس سب پر نظر پڑی اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ تو سخت گرمی میں ہیں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں ہے اس کے لئے کھانا حاضر ہے اور اسکی خوبصورت بیوی سامنے موجود ہے یہ انصاف کی بات نہیں۔ اللہ کی قسم میں ان میں سے کسی ایک چھپر میں بھی داخل نہ ہوں گا۔ میں روانہ ہوتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہوں۔ دونوں بیویوں نے سفر کا سامان تیار کیا انہوں نے اپنا اونٹ لیا اور روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تبوک میں پہنچ چکے تھے انہوں نے آپ کو وہیں جا کر پایا ابھی یہ دور ہی تھے کہ حاضرین نے کہا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ابوخیثمہ ہے۔ چنانچہ یہ تھوڑی دیر میں پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوخیثمہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس کے بعد انہوں نے اپنا قصہ سنایا اور آپ نے اُن کے لئے خیر کی دعا فرمائی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو ساتھ ہی چلے تھے لیکن اُن کا اُونٹ رفتار میں کمزور تھا۔ وہ پیچھے رہ گیا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا سامان اپنی کمر پر لادا پھر پیدل ہی چل دیئے اور راستہ ہی میں ایک منزل پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۷، ۸ ج ۵)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کا ایمانی تقاضا تو تھا ہی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اجر و ثواب کا بھی وعدہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ (الآیتین) یہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو جو بھی پیاس، تھکن اور بھوک اللہ کے راستہ میں پہنچتی ہے اور جہاں بھی قدم رکھتے ہیں جس سے دشمنوں کو جلن ہوتی ہے اور دشمنوں کو جو کچھ تکلیف پہنچاتے ہیں۔ یہ سب ان کے اعمال صالحہ کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

نیز جو بھی کوئی خرچہ کریں چھوٹا ہو یا بڑا اور جس میدان کو بھی قطعہ کریں تو یہ سب لکھا جاتا ہے۔ اور یہ لکھنا صرف لکھنے کے لئے نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر اچھے سے اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ صرف جنگ کرنا اور ہتھیار چلانا ہی جہاد نہیں ہے اس راہ میں جو تکلیفیں آنے جانے میں پیش آئیں بھوک، پیاس، دُکھن، قدم اُٹھانا، خرچ کرنا وادیوں کو قطع کرنا ان سب میں ثواب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کے دل جلانے کی بھی نیت رکھنی چاہئے۔ ان کے دل جلانے میں بھی ثواب ہے۔ غزوۂ تبوک میں تو قتال ہوا ہی نہیں، آنا جانا اور تکلیف اُٹھانا ہی تھا۔ اس پر بھی اجر و ثواب کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو پورے سفر میں تمہارے ساتھی تھے تم جو بھی راستہ چلے اور جس میدان کو بھی تم نے قطع کیا وہ لوگ تمہارے ساتھ ہی رہے۔ (یعنی اجر و ثواب میں وہ بھی تمہارے برابر کے شریک ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ

مدینہ میں ہوتے ہوئے بھی تمہارے ساتھی تھے، وہ عذر کی وجہ سے رُک گئے تھے (صحیح بخاری ص ۶۳۷ ج ۲)
اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے عمل پر بھی ثواب اور نیت کرنے پر بھی ثواب عطا فرماتا ہے۔ جو شخص معذور ہو اور عمل کرنے کی خواہش رکھتا ہو اس کو بھی ثواب سے نواز دیا جاتا ہے۔ فالحمد للّٰہ العلی الکبیر

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ

اور مومنین کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، کیوں نہ نکلی چھوٹی جماعت ہر بڑی جماعت میں سے

لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو ڈرائیں۔ جبکہ وہ انکے پاس واپس آ جائیں

جہاد اور تفقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت

تفسیر: دین اسلام کامل ہے، مکمل ہے، جامع ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس میں اعتقادیات بھی ہیں اور عبادات بھی، اخلاق بھی ہیں اور آداب بھی، معاشرت کے طریقے بھی ہیں اور معاملات کے احکام بھی، بیاہ شادی بھی ہے اور اولاد کی پرورش بھی، مال کمانے کے جتنے طریقے ہیں ان کے احکام بھی بتائے ہیں۔ کفر کو مٹانے اور اہل کفر کو نیچا دکھانے اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد اور قتال بھی مشروع ہے اور یہ بھی دین کا ایک ضروری اور بہت اہم کام ہے۔ جسے حدیث شریف میں چوٹی کا عمل بتلایا ہے (ذروۃ سنامہ الجہاد) لیکن اگر سارے ہی افراد جہاد میں لگ جاویں تو تعلیم و تعلم کا کام کون کرے جس کے ذریعہ علوم و اعمال زندہ رہتے ہیں۔ اور فضائل و مسائل کا پتہ چلتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

جہاد کی قسمیں: اس لئے عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں ہے۔ فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دشمن کسی علاقہ پر دھاوہ بول دیں۔ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ پس جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے اور دین کی دوسری ضروریات بھی ہیں۔ خصوصاً جبکہ علوم اسلامیہ کا جاننا، اور پہنچانا اور پھیلانا بھی لازم ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر وقت جہاد کیلئے ہر ہر فرد نکل کھڑا ہو۔ اسی کو فرمایا وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً (الآیۃ) کہ اہل ایمان کو یہ نہ چاہئے کہ سب ہی نکل کھڑے ہوں ہاں ایسا ہو کہ جہاد میں بھی جاتے رہیں ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت جایا کرے۔ اور علوم میں مشغول رہنے والے بھی ہوں۔ جہاد میں جانے والے جہاد کو قائم رکھیں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا رہے۔

تفقیہ اور تفقہ کی ضرورت: جو لوگ جہاد میں نہ نکلیں وہ دینی سمجھ حاصل کریں۔ یعنی ایک جماعت علوم دینیہ پڑھانے والوں کی بھی رہے۔ جن کے ساتھ علوم دینیہ حاصل کرنے والے لگے رہیں اور سرسری علوم پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ تفقہ فی الدین حاصل ہونا ضروری ہے۔ علوم کی وسعت بھی حاصل ہو اور علوم کی گہرائی میں اُتریں، تاکہ اس قابل ہو جائیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ کس آیت کو اور کس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ سے تعبیر فرمایا جو لوگ جہاد میں نہیں گئے وہ وطن میں رہ کر علم دین حاصل کریں اور جو لوگ جہاد میں گئے وہ بھی واپس آ کر علم حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ

وہ علم دین سے نابلد رہیں۔ اگر جاہل محض رہیں گے تو جہاد سے متعلقہ اعمال شرعیہ کی تعمیل نہ کر سکیں گے۔ جب یہ لوگ جہاد سے واپس آ جائیں تو وہ حضرات جو علم کی تحصیل میں مشغول تھے ان واپس آنے والوں کو اللہ سے ڈرائیں یعنی دینی احکام سکھائیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے رہیں۔ اسی کو فرمایا لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ جہاد میں جانے والے نوبت بہ نوبت جایا کریں۔ ایک جماعت جہاد میں چلی گئی (جن کے پاس ضروری علم پہلے سے ہے) اور جب یہ جماعت واپس آ جائے تو یہ علوم دینیہ میں مشغول ہو جائے اور دوسری جماعت چلی جائے۔ جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لئے ایک جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور انکی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لئے روانہ ہو جایا کرے۔ جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آ جائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں، قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

بطور فرض کفایہ امت مسلمہ کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ علوم شرعیہ کو محفوظ رکھیں اور ان کو پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ قرآن مجید کا محفوظ رکھنا (مطبوعہ مصاحف پر بھروسہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ دیا جائے) قرآن کی تفاسیر کو محفوظ رکھنا احادیث شریفہ اور ان سے متعلقہ علوم کو محفوظ رکھنا، قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے جو احکام و مسائل مجتہدین نے مستنبط کئے ہیں ان کو محفوظ رکھنا بلکہ علوم عربیہ صرف و نحو معانی بیان اور عربی لغات کا باقی رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ ان چیزوں پر قرآن و حدیث کا فہم موقوف ہے۔ اگر یہ چیزیں محفوظ نہ ہوں گی تو ملحدین اور زنادقہ اپنے پاس سے غلط ترجمے کریں گے اور قرآن و حدیث کے مفاہیم اور معانی بدل دیں گے۔ ہر شخص پر عقائد اسلامیہ کا جاننا اور ان کا عقیدہ رکھنا، نماز کے احکام و مسائل جاننا اور نماز کو سیکھنا اور یاد رکھنا، طہارت و نجاست کے مسائل جاننا، اور ان تمام احکام کا جاننا جن سے ہر شخص کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے یہ فرض عین ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کو تجارت کے مسائل جاننا فرض عین ہے اسی طرح جو لوگ زراعت میں صنعت و حرفت میں ملازمت میں لگے ہوئے ہیں اپنے اپنے مشاغل اور مکاسب کے بارے میں احکام و مسائل سیکھیں جو اُن پر فرض عین ہے تا کہ خلاف شرع طریقوں سے مال نہ کمائیں۔ محنت بھی کریں اور مال حرام ملے اور مال کمانے میں خلاف شرع اُمور کا ارتکاب کر کے گناہ گار ہوں اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کریں۔ جن کے پاس مال ہے وہ خصوصیت کے ساتھ وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے مسائل معلوم کریں۔

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی طرح اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں زندگی گزار لیتے ہیں نہ میاں بیوی کے حقوق کا پتہ نہ اولاد کی تعلیم و تادیب کی خبر، نہ ماں باپ اور دیگر اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا فکر، نہ حلال کمانے کا دھیان۔ یہ طریقہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔

فقہ دینی سمجھ کا نام ہے عہد اول میں اس کا مفہوم بہت زیادہ عام تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا معرفة النفس مالها وما عليها کہ ہر شخص کا یہ پہچان لینا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ میں دنیا اور آخرت میں کن کن چیزوں کا مسئول ہوں اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں جن کا انجام دینا میرے ذمے لازم ہے۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق

العباد ان سب کو جانے اور جاننے کے مطابق عمل کرے۔ اس میں پورے دین کا سمجھنا اور اپنی جان پر نافذ کرنا آ گیا۔ درحقیقت یہ فقہ کی بہت جامع تعریف ہے۔ اور لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کے مفہوم میں یہ سب احکام و مسائل آ جاتے ہیں اُحکام و مسائل کا جو علم ہے اور جو اُمور روح قلب اور تزکیۂ نفس سے متعلق ہیں اور فقہ ان سب کو شامل ہے۔ حضرت حسنؒ سے کسی نے کچھ دریافت کیا انہوں نے کچھ جواب دے دیا' سائل نے کہا دوسرے فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ اس کے بعد فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا انما الفقيه الزاهد في الدنيا' الراغب في الاخرة' البصير بدينه المداوم على عبادة ربّه الورع الكاف عن اعراض المسلمين العفيف عن اموالهم الناصح لجماعتهم ۔ یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو' آخرت کی طرف راغب ہو اپنے دین میں بصیرت رکھتا ہو اپنے رب کی عبادت میں لگا رہتا ہو۔ پرہیز گار ہو' مسلمانوں کی بے آبروئی کے درپے نہ رہتا ہو (یعنی انکی غیبتیں نہ کرتا ہو۔ اُن پر تہمت نہ دھرتا ہو) اُن کے مالوں سے دور رہتا ہو' اور مسلمانوں کی جماعت کا خیر خواہ ہو (روح المعانی ص ۴۸ ج ۱۱)

فقہ فی الدین بہت بڑی دولت ہے جس کو بھی حاصل ہو جائے وہ بڑا سعادت مند ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ من يُرد الله به خيرا يفقهه في الدين کہ اللہ تعالیٰ جس کو خیر سے نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں اسے فقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. کہ اے اللہ اسے فقہ فی الدین نصیب فرما' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تفقهوا قبل انَ تُسودوا ۔ یعنی اس سے پہلے فقیہ بن جاؤ کہ تم کو سرداری سپرد کی جائے یعنی نوعمری ہی سے فقہ میں لگنا چاہئے (صحیح بخاری ص ۱۷ ج ۱)

جو حضرات آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ نے کیا یہ بھی فقہ فی الدین ہے اور جو لوگ اصلاحِ قلوب اور تزکیہ نفوس کے شغل میں لگے ہوئے ہیں اور اُمت کی اصلاح کی اجتماعی اور انفرادی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں وہ بھی فقہ فی الدین میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فقہ کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور گویا اس کو بدعت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے اور حدیث شریف میں اسکے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہیں اسے فقہ فی الدین سے نواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کیا ضرورت؟ حدیث دیکھ کر عمل کرلیں گے۔ حالانکہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ناسخ منسوخ دیکھنا پڑتا ہے ظاہری طور پر جو تعارض ہو اسکے رفع کرنے کیلئے تطبیق بین الاحادیث کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قال صاحب الدر المختار واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره ومندوبا وهو التبحر في الفقه وعلم القلب' وحرام وهو علم الفلسفة والشعبدة والتنجيم والرمل وعلوم الطبعيين والسحر والكهانة اهـ قال الشامي في حاشية قوله علم القلب أي علم الاخلاق وهو علم يعرف به انواع الفضائل و كيفية اكتسابها وأنواع الرذائل و كيفية اجتنابها ۔ (صاحب درمختار نے فرمایا

ہے کہ جان لے! ایک علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور وہ علم کی اتنی مقدار ہے جو دین پر عمل کیلئے ضروری ہو اور ایک علم فرض کفایہ ہے اور یہ وہ ہے جو اپنے عمل سے زائد ہو دوسرے کے نفع کے لئے ہو اور ایک مندوب ہے اور یہ فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور دلوں کا علم ہے۔ اور ایک علم حرام ہے اور یہ فلسفہ، شعبدہ بازی، نجوم، رمل، مادہ پرستی کا علم اور جادو و کہانت کا علم ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں کہا ہے علم دل سے مراد ہے علم اخلاق اور یہ وہ علم ہے جس سے فضائل کی اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور برائیوں کی اقسام اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے) (ردالمختار ص ۳۰ ج ۱)

فائدہ: لفظ لِيَتَفَقَّهُوْا باب تفعل سے ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقہ تفقہ سے حاصل ہوگا یعنی اس میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہ ہوگا۔ نیز صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ لِيُنْذِرُوْا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین پڑھانے والے کی غرض ارشاد اور انذار ہونی چاہئے یعنی اُمور خیر کی تعلیم دے اور گناہوں کی تفصیل بتائے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے۔ اور متعلم کا مقصود بھی خوف و خشیت ہو، وہ علم حاصل کر کے شریعت پر چلنے کی نیت کرے اور خوف و خشیت کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے۔ دنیا حاصل کرنے اور بڑا بننے کی نیت سے علم نہ پڑھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آ گئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم طلب کرنے کے لئے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔ (رواہ الدارمی فی سننہ ص ۸۵ ج ۱)

چونکہ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کے بعد وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ بھی فرمایا اس لئے اصحاب علم پر ضروری ہے کہ جو لوگ بھی علم دین حاصل کرنے کیلئے انکے پاس پہنچیں ان کی خیر خواہی، ہمدردی اور دلداری کریں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہونگے۔ (یہ حضرات صحابہؓ کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے۔ تاکہ وہ فقہ فی الدین حاصل کریں۔ سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو اُن سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اسکی وصیت کرتا ہوں راوی حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے مَرْحَباً بوصية رسول الله ﷺ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤ گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے۔ جبکہ وہ فقیہ ہو جائیں (رواہ مسلم ص ۳۰۷) جب اسلام میں داخل ہو کر فقیہ ہوں گے تو اپنی استعداد کو دینی سمجھ کے مطابق خرچ کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

فقیہ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہزار عابدوں سے بہتر ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص صرف عبادت گزار ہو شیطان

کے مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا شیطان اُسے آسانی سے ورغلا دیتا ہے اور جو شخص فقیہ ہو وہ شیطان کے داؤ گھات مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ وہ اپنے علم و فقہ کے ذریعہ خود بھی شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اُسے دوسروں تک پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث شریفہ کے ظاہری الفاظ سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان میں وہ مسائل بھی ہیں جن کی طرف ہر شخص کا ذہن نہیں پہنچتا' جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کی دولت سے نوازا ہے وہ اُن مسائل اور احکام کو سمجھتے ہیں' احادیث کی عبارات اور سیاق کلام' طرز بیان' وجوہ دلالت سے انہیں وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو اُن کو نہیں ملتیں جو فقہ سے عاری ہیں۔ اسی فقہ یعنی دینی سمجھ کو کام میں لانے کا نام استنباط ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام میں فقہ فی الدین کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے لیکن اس میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے ایک جماعت تو ایسی ہے جسے فقہ کے نام سے ہی چڑ ہے اور ساتھ ہی ان میں یہ غفلت ہے کہ احادیث شریفہ کی پوری کتابیں بھی نہیں پڑھتے پڑھاتے چند منتخب احادیث یاد کر کے فتوے دینے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امام بخاری اور امام شافعی اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے جس نے اساتذہ سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی خود رو عالم ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنی سمجھ سے دینی احکام بتانے اور فتوے دینے کا حق ہے ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں یہ لوگ نہ عربی جانتے ہیں نہ صرف و نحو سے واقف ہیں۔ نہ وجوہ استنباط سے باخبر ہیں نہ فصاحت و بلاغت کی کتابیں پڑھیں نہ لغات پر حاوی ہیں۔ حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کو بھی نہیں جانتے لیکن اپنی جاہلانہ سمجھ سے فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد ختم نہیں ہوا اور اس بات کی لپیٹ میں وہ اپنے کو مجتہد قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اجتہاد کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ میں نے ان لوگوں کے لئے چند سوال رکھے ہیں۔ عزیز طلبہ سے ان لوگوں کا واسطہ پڑ جائے تو ان سے دریافت کر لیں کہ لُمُتْنُنِيُّ کیا صیغہ ہے؟ اس کے حروف اصلی کیا ہیں؟ کوئی حرف کم ہوا ہے تو کس اصول سے؟ نیز یَفْتَرُوْنَ اور یَفْتُرُوْنَ میں لفظی اور معنوی کیا فرق ہے؟ دونوں کے حروف اصلی بتائیں؟ اور حروف محذوفہ اور زائدہ بیان فرمائیں؟ اور یہ بتائیں کہ یَخِصِّمُوْنَ' اور اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْ اور وَادَّکَرَ کیا صیغہ ہے کس باب سے ہے اور یہ بھی واضح کریں کہ فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ اور فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ میں کتنے کلمات ہیں؟ ان میں اسم' فعل حرف کیا کیا ہیں اور ساتھ ہی معرب و مبنی کی تعیین بھی کرتے چلیں؟

اجتہاد' استنباط اور تفقہ کوئی حلوہ کا لقمہ نہیں ہے' جس کا جی چاہے مجتہد اور فقیہ بن جائے۔ یہ ضروری باتیں دور حاضر کے بے پڑھے مجتہدوں سے اُمت کو محفوظ رکھنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر جو اوپر لکھی گئی یہ اس بنیاد پر ہے کہ لِیَتَفَقَّهُوْا اور وَلِیُنْذِرُوْا کی ضمیر اس جماعت کی طرف راجع

ہو جو جہاد کے لئے نکلنے والوں کے ساتھ نہ گئے اور گھروں میں رہ گئے اور اُن کا یہ رہنا اس لئے ہے کہ علم دین حاصل کریں اور مجاہدین واپس ہوں تو ان کو علم سکھائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بہت سے حضرات نے لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کی ضمیر اُن لوگوں کی طرف راجع کی ہے جو گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے اس صورت میں باہر نکلنے والوں سے علم کے لئے سفر کرنیوالے مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کے لئے جماعتیں جاتی ہیں اسی طرح طلب علم کے لئے بھی اہل ایمان باہر نکلیں اور باہر نکل کر علم حاصل کریں۔ پھر واپس ہو کر ان لوگوں کو دین سکھائیں اور اللہ سے ڈرائیں جو طلب علم کے لئے باہر نہ گئے تھے۔ یہ تفسیر سیاق کلام سے قریب تر ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر لکھ کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب دیہاتوں میں چلے گئے تھے۔ وہ وہاں کی چیزوں سے منتفع ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کی ہدایت کے کام میں مشغول رہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے پاس آ کر بس گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے یہ بات سن کر انہیں رنج ہوا اور دیہات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ان کی پریشانی دور ہو گئی کیونکہ جو علم حاصل کیا ہے دیہات میں رہ کر اس کا پھیلانا اور ہدایت دینے کی کوشش کرنا بھی ایمانی تقاضوں میں شامل ہے لِيَتَفَقَّهُوْا اور وَلِيُنْذِرُوْا کا مرجع جو بھی ہو اور ترجمہ اور تفسیر میں جو رُخ بھی اختیار کیا جائے ہر حال میں آیت شریفہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک جماعت کا تفقہ فی الدین میں مشغول ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ خود علم دین حاصل کریں اور پھر اپنی قوم کو علمی باتیں بتائیں، اوامر و نواہی سے آگاہ کریں تاکہ قوم کے افراد گناہگاری سے بچ سکیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا دین اسلام میں بہت پھیلاؤ ہے۔ انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اسلام کے تمام علوم کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ علوم قرآن کریم میں اور احادیث شریف میں کتب تفسیر میں شروح حدیث میں۔ فقہ کی کتابوں میں مدوّن ہیں۔ پوری اُمت کی ذمہ داری ہے کہ پورے دین کو علماً و عملاً محفوظ رکھے۔ ان علوم کی تعلیم و تدریس ہوتی رہے۔ خود بھی پڑھیں۔ اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں۔ اور تمام مسلمانوں کے لئے یہ مواقع فراہم کریں کہ ان علوم میں مشغول ہو سکیں۔ اس میں کتابیں لکھنا بھی ہے مدارس کا قیام بھی ہے اور مدارس کی امداد بھی ہے۔ بعض علاقوں میں کچھ لوگوں نے ایسے مدارس قائم کئے جن کے نصاب سے کتاب الجہاد اور کتاب العتاق وغیرہ کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان پر عمل تو نہیں رہا لہٰذا ان کے پڑھانے کی ضرورت نہیں، یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ عمل ہو یا نہ ہو ہر حال میں پورے دین کو باقی رکھنا اور محفوظ رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر بعض علوم کو چھوڑ دیا اور بعض علوم کو نصاب سے خارج کر دیا تو جب کبھی حالات پلٹا کھائیں گے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کا موقعہ آ جائے گا جن پر آج عمل کرنے کا موقعہ نہیں ہے تو اس وقت بھولے ہوئے احکام پر کیسے عمل ہو گا؟ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بھی تو اُمت ہی کا قصور ہے (نہ جہاد چھوڑتے جو فرض کفایہ ہے) نہ یہ دن دیکھنے میں آتے کہ احکام جہاد و احکام استرقاق و نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ کرتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا

اے ایمان والو! اُن کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں، اور جان لو کہ

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ

بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے

اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ایمان کو بڑھایا' سو جو لوگ اہل ایمان ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھا دیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا

دلوں میں مرض ہے سو اس سورت نے انکی گندگی پر گندگی بڑھا دی۔ اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہیں' کیا وہ نہیں

يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو بار کسی نہ کسی مصیبت میں ڈالے جاتے ہیں پھر وہ رجوع نہیں کرتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں'

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ تمہیں کوئی شخص دیکھ تو نہیں رہا' پھر چل دیتے ہیں'

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا۔ اس وجہ سے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں۔

اُن کافروں سے قتال کرو جو تمہارے آس پاس ہیں

تفسیر: ان آیات میں اولاً اہل ایمان کو یہ حکم دیا کہ جو کفار تمہارے آس پاس رہتے ہیں ان سے قتال کرو۔ اور اس انداز سے اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی گزارو (جن میں جنگ کی تیاری کرتے رہنے اور جنگ کا سامان فراہم کرنا بھی داخل ہے) کہ وہ لوگ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔ وہ تمہیں اپنی طرف سے غافل نہ سمجھیں۔ صاحب معالم التنزیل حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (جو لوگ تم سے قریب ہیں) سے بنو قریظہ' بنو نضیر اور خیبر میں بسنے والے یہودی مراد ہیں اور جو لوگ انکے آس پاس تھے' اور بعض جن حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے روم کے لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ وہ شام میں تھے اور وہاں قیصر روم کی حکومت قائم تھی اور شام بہ نسبت عراق کے مدینہ منورہ سے قریب تر ہے۔ آیت کی تفسیر میں یہ دونوں قول اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر تھے۔ جیسے جیسے مسلمان مختلف علاقوں میں بڑھتے گئے اُن کے حالات کے اعتبار سے آیت شریفہ کا حکم شامل ہوتا چلا گیا۔ جس زمانہ میں جہاں کہیں بھی مسلمان ہوں ان کافروں سے قتال کریں جو اُن سے قریب تر ہیں۔ قریب والے دبے رہیں گے تو اس کا دور والے کافروں پر بھی اثر پڑے گا۔ پھر فرمایا۔ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں شدۃ وحمیۃ کہ کافر لوگ تمہارے اندر شدت اور حمیت اور قوت محسوس کریں' پھر حضرت حسنؒ سے غِلْظَةً کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ صبراً علی جھادھم یعنی جب کافروں سے مقابلہ و مقاتلہ ہونے لگے تو جم کر مقابلہ کرو' وہ تمہارے اندر نرمی اور کمزوری محسوس نہ کریں۔ بلکہ انہیں یہ محسوس ہو کہ تم لوگ قوت اور شوکت والے ہو۔ دبنے والے اور راہِ فرار اختیار کرنیوالے نہیں ہو پھر فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (کہ اس بات کو جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے) وہ دشمنوں کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے گا۔ تقویٰ اختیار کرو۔ گناہوں سے بچو' شریعت کے خلاف کام نہ کرو۔ ظلم و زیادتی سے پرہیز کرو۔

منافقوں کی کافرانہ باتیں: اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکتِ بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی۔ اور کیا اضافہ ہوا؟ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں انکے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزول سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کے دل کی ناپاکی میں اس سے اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہو چکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے اب جو نئی سورت نازل ہوگئی اس کے بھی منکر ہو گئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا لہٰذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور یہ کفر پر جمنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا انکے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا یہ منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ اور اسکی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریق کار ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لئے ایک دوسرے کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہیں، اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی کھسکتے ہوئے دیکھ نہ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہوتا تو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے اور جب دیکھا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑ رہی ہے تو چپکے سے چل دیتے تھے۔ اپنے خیال میں اُنہوں نے بڑی ہوشیاری کی، لیکن اسکی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ اس موقعہ میں ہوتا تھا۔ جب کوئی ایسی آیت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں زجر و توبیخ کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے۔

آخر میں فرمایا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔ کہ ان لوگوں کی یہ حرکتیں اور ان حرکتوں کا انجام بد اس وجہ سے سامنے آیا کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ اگر حق اور حقیقت کو سمجھتے تو نہ منافقت اختیار کرتے نہ اُن سے مُنافقانہ حرکتیں صادر ہوتیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے، جو تم میں سے ہے۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اُس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ

مومنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔ سو اگر لوگ رُوگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ کا بیان

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں جن پر سورۂ توبہ ختم ہو رہی ہے۔ پہلی آیت میں سیدنا خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعض صفات بیان فرمائیں۔ اوّل تو یہ فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول آیا جو بڑے مرتبہ والا رسول ہے (اس پر رَسُوْلٌ کی تنکیر دلالت کرتی ہے) اور یہ رسول تمہیں میں سے ہے اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وہ بشر ہے تمہاری جنس میں سے ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب سے ہے، جو مخاطبین اوّلین ہیں اُن کا ہم زبان ہے وہ اسکی باتوں کو سمجھتے ہیں اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے اعتبار سے اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے تمہیں میں سے ہے اس کے نسب کو' اسکی ذات کو اور اسکی صفات کو اچھی طرح سے جانتے ہو۔ مفسر ابن کثیر (ص ۴۰۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے نجاشی کے سامنے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے کسریٰ کے سامنے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا **ان اللہ بعث فینا رسولا منا نعرفہ نسبہ وصفتہ ومدخلہ ومخرجہ وصدقہ وامانتہ۔** (اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا ہے جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب کو اور اس کے حالات کو جانتے ہیں ہم ہر طرح سے اس کی سچائی و امانت کو جانتے ہیں) آپ جن لوگوں میں پیدا ہوئے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی انہیں میں رہے' آپ انہیں کی زبان میں بات کرتے تھے جس کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے آپ سے استفادہ کرنے اور آپ کی باتیں سننے اور سمجھنے کا خوب موقعہ تھا۔ اگر ان کا نبی ان کی جنس سے نہ ہوتا مثلاً فرشتہ ہوتا یا اُن کی ہم زبان نہ ہوتا یا اپنے رہنے سہنے میں کسی ایسی جگہ رہتا جہاں آنا جانا اور ملنا جلنا دشوار ہوتا تو استفادہ کرنے اور بات سمجھنے میں دشواری ہوتی یہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ انہیں میں سے رسول بھیج دیا۔ **کما قال تعالیٰ (فی سورۃ آل عمران)** لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں سے ایک رسول بھیج دیا) آپ کی دیگر صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کہ اُمت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ کو شاق گزرتی ہے۔ اور آپ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور آپ اُمت کے نفع کے لئے حریص ہیں آپ کو یہ بھی حرص ہے کہ جملہ مخاطبین ایمان لے آئیں اور یہ بھی حرص ہے کہ اہل ایمان کے تمام حالات درست ہو جائیں اور آپ کو مؤمنین کے ساتھ بڑی شفقت ہے' آپ انکے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ آپ کا تعلق صرف ایسا نہیں ہے کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو گئے بلکہ آپ کا اپنی اُمت سے قلبی تعلق ہے۔ ظاہراً بھی آپ ان کے ہمدرد ہیں اور باطناً بھی' اُمت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ بھی شریک ہوتے تھے اور اُن میں سے کسی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کو کڑھن ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (یعنی مؤمنین کے ساتھ آپ نرمی کا برتاؤ کیجئے) ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی' اہل مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا چند آدمی جب اسکی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے ادھر روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو آپ آ رہے تھے آپ نے فرمایا لَمْ تُرَاعُوْا۔ ڈرو نہیں' کوئی فکر کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۴۱۷ ج ۱)

حضرات صحابہ ؓ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے۔ عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ دوا بتاتے تھے۔ مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لئے اُن اُمور کی تعلیم دیتے تھے۔

جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسانوں کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے۔ اسی لئے آپ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۴۰۴) اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اس کو کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ ۳۶۶)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ گھسا دے کیونکہ اُسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اُس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ البخاری و مسلم)

جوتے پہننے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہوا جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ (رواہ مسلم)
نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے تمہارے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے جب تک کہ دوسرے چپل کو درست نہ کرے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا (رواہ مسلم) آپ اُمت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاءِ حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا' اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو۔ اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲)

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اُڑیں اور ہوا کا رُخ نہ ہو وغیرہ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲) نیز آپ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں) اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراپا شفقت پر مبنی ہیں۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور زبردستی گرتے ہیں' یہی میرا حال ہے کہ میں تمہیں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

پھر فرمایا کہ اگر لوگ روگردانی کریں حق کو قبول نہ کریں۔ محبت' شفقت اور رأفت و رحمت والے رسول کی تصدیق نہ کریں تو آپ انکی طرف سے ایذاء پہنچنے کے بارے میں متفکر نہ ہوں آپ یوں اعلان کر دیں حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (کہ اللہ مجھے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے) توکل علی اللہ نبیوں کا اور انکے اُمتیوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اس سے مشکل ترین کام آسان ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص صبح شام سات مرتبہ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ کہہ لے تو اللہ تعالیٰ اسکی تمام فکرمندیوں کی کفایت فرمائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۵ ج ۵)

تم تفسیر سورة التوبة والحمد لله اولاً و آخراً و ظاهراً و باطناً

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعُ آيَاتٍ وَإِحْدَى عَشْرَةَ رُكُوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ یونس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ۱۰۹ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ

الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب حکیم کی، کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی

مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

کہ لوگوں کو ڈرایئے اور ان لوگوں کو بشارت دیجئے جو ایمان لائے یہ کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۞٢ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کافروں نے کہا کہ بے شک یہ کھلا جادو گر ہے، بلا شبہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ

اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ ہر کام کا تدبیر فرماتا ہے اس کی اجازت کے

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞٣ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ

بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں، وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اسکی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، اسی کی طرف تم سب کو لوٹ

جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

جانا ہے اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے بلاشبہ وہی مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ لوٹا دے گا تا کہ وہ اُن لوگوں کو انصاف کیساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

نیک عمل کئے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۞٤

عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

توحید و رسالت اور معاد کا اثبات

تفسیر: یہ سورۂ یونس کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس کی ابتدا الٓرٰ سے ہے۔ جو حروف مقطعات میں سے ہے یہ بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد فرمایا تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں) مفسرین کرام نے حکیم کے دو معنی لکھے ہیں اول ذو حکمة یعنی حکمت والی کتاب دوم بمعنی محکم، پھر محکم کے دو معنی ہیں اول بمعنی مضبوط کہ اس کے الفاظ اور کلمات اور طریقۂ بیان اور اسلوب کلام نہایت ہی درجہ پختہ ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ

غیر منسوخ ہے۔ جن مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں ان کی بات کی بنیاد یہ ہے کہ سورۂ یونس میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے لیکن چونکہ صفت مضاف الیہ یعنی الکتاب کی ہے اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے جو اُن سورتوں پر بھی مشتمل ہے جن میں آیات منسوخۃ الحکم بھی موجود ہیں اس لئے یہاں یہ معنی لینا مناسب نہیں۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۳۴۲ ج ۲) نے لکھا ہے کہ حکیم حاکم کے معنی میں ہے یعنی یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو فیصلہ دینے والی ہیں۔ اس کے بعد لوگوں کے ایک تعجب کا تذکرہ فرمایا اور بطور استفہام انکاری یوں فرمایا اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا (الآیۃ) کیا لوگوں کے لئے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی جو انہیں میں سے ہے؟ یہاں النَّاس سے کفارِ عرب اور خاص کر اہل مکہ مراد ہیں انہوں نے اول تو اس بات پر تعجب کیا کہ آدمی کو رسول بنایا گیا اور دوسرے انہیں اس پر تعجب ہوا کہ ابوطالب کے یتیم کو رسول بنا دیا گیا' ان کے تعجب کی استفہام انکاری کی صورت میں تردید فرمائی کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ انسانوں کی طرف انہیں کی جنس میں سے کسی انسان کو مبعوث فرمانا عقل اور سمجھ کے بالکل موافق ہے تا کہ اپنے جنس کے فرد اس سے مانوس ہوں اس سے قولی اور عملی طور پر احکام سیکھیں اور عمل کریں اس بارے میں مزید توضیح کے لئے سورہ انعام کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ (انوار البیان ج ۳)

اور دوسرا جو تعجب تھا وہ بھی بے وقوفی پر مبنی تھا' یہ لوگ سمجھتے تھے کہ کوئی بڑا مالدار رئیس اور چودھری نبی ہونا چاہئے تھا۔ چونکہ اہل دنیا کو دنیا والوں ہی میں بڑائی نظر آتی ہے اور دنیا والوں ہی کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے ایسی جاہلانہ بات کی۔ مال و دولت کو اللہ کا محبوب بندہ ہونے میں کوئی بھی دخل نہیں' اور خصوصاً نبوت جو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور خاص عطیہ ہے اس میں یہ دیکھنا کہ جسے نبوت ملی ہے اس کے پاس دنیاوی مال و متاع ہے یا نہیں سراپا حماقت اور جہالت ہے۔

نبی میں اخلاق عالیہ کا ہونا ضروری ہے جن کی دعوت الی الحق کے لئے ضرورت ہے' اہل دنیا اخلاق عالیہ سے خالی اور عاری ہوتے ہیں ان کو کیسے نبوت دی جائے' پھر جس کو اللہ نے نواز دیا اس سے کون آگے بڑھنے والا ہے۔ اللہ نے جس کو چاہا نبوت و رسالت کے مرتبہ سے سرفراز فرما دیا اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہی ابوطالب کا یتیم جس کی نبوت و رسالت پر عرب کے جاہل معترض ہو رہے تھے اللہ نے اسے اتنی بلندی دی کہ جس کے سامنے فرشتوں کی بلندی بھی نیچے رہ گئی۔ اس یتیم ابوطالب کی دعوت پورے عالم میں پھیلی' اس کی اُمت کے قبضہ میں بڑے ممالک آئے عرب اور عجم نے اس کا دین قبول کیا' قیصر و کسریٰ کے خزانے امت کے قدموں میں حاضر ہو گئے پرانی تمام آسمان کی کتابوں کو اس کتاب نے منسوخ کر دیا جو ابوطالب کے یتیم پر نازل ہوئی اور تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔ ؎

یتیمی کہ ناکردہ قرآن درست ۔۔۔ کتب خانۂ چند ملت بشست

پھر نبی اکرم ﷺ کو ایسا کام بتایا جو بحیثیت نبی اور رسول ہونے کے آپ کے سپرد کیا گیا تھا اور فرمایا اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ کہ جس شخص کی رسالت اور نبوت پر تعجب کر رہے ہیں اسے ہم نے اس بات پر مأمور کیا کہ لوگوں کو ڈرائیے (کہ جو نافرمان ہوں گے وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے) اور یہ کہ جو لوگ ایمان قبول کریں انہیں اس بات کی بشارت دیں کہ ان کے رب کے پاس ان کے لئے بڑا مرتبہ ہے' لفظ قدم تو پاؤں کے لئے بولا

جاتا ہے چونکہ انسان کی مسلسل سعی اور عمل پیہم میں قدم کو استعمال کیا جاتا ہے اس لئے بلند مرتبہ بتانے کیلئے لفظ قدم صدق استعمال فرمایا' صدق سچائی کو کہتے ہیں "قدم صدق" سے سچائی کا قدم یعنی وہ مرتبہ مراد ہے جس کے ملنے میں کوئی شک نہیں۔ سورۂ قمر میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ - کہ بلاشبہ متقی لوگ باغیچوں اور نہروں میں ہوں گے سچائی کے مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے وہاں اہل تقویٰ کے مقام کو مقعد صدق سے تعبیر فرمایا ہے۔ سچے ایمان اور سچے اقوال والوں کے لئے قدم صدق اور مقعد صدق ہی ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (جس نبی کو انذار اور تبشیر کا کام سپرد کیا اس کے بارے میں منکرین نے کہہ دیا کہ یہ کھلا ہوا جادوگر ہے) یہ بات ان لوگوں نے قرآن کریم کے اعجاز سے متاثر ہو کر کہی جب قرآن کی فصاحت اور بلاغت سامنے آئی تو اس جیسا بنا کر تو نہ لا سکے لیکن اس کو جادو بتا دیا اور نبی اکرم ﷺ کو جادوگر کہنے لگے قال صاحب الروح (ص ۶۳ ج ۱۱) ان هذا ای ما اُوحی الیه ﷺ من الكتاب المنطوی علی الانذار و التبشیر (إلی أن قال) وفی هذا اعتراف بان ماعا ینوه خارج عن طوق البشر نازل من حضرة خلاق القوی والقدر الخ.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بے شک یہ یعنی حضور اکرم ﷺ کی طرف ڈرانے اور خوشخبری پر مشتمل جو کتاب نازل کی گئی ہے...... اور اس میں اس بات کا اعتراف ہے کہ جو کتاب وہ دیکھ رہے ہیں یہ انسان کی طاقت سے خارج ہے یہ تو اللہ تعالیٰ قوی اور قادر کی طرف سے نازل ہو رہی ہے)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ انکی قوموں کا یہ ہی معاملہ رہا ہے۔ سورۂ ذاریات میں فرمایا كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (اسی طرح سے بات ہے' ان سے پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے اس کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا تذکرہ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا' سورۂ فرقان رکوع (۴) میں اور سورۂ الم سجدہ رکوع (۱) میں اور سورۂ ق رکوع (۳) میں لفظ وما بینهما کا اضافہ بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ شانہ کو ذرا سی دیر میں پلک جھپکنے سے کم مدت میں سارے آسمانوں اور زمینوں اور انکے درمیان کی چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے احوال و اطوار میں جلدی سے کام نہ لیں بلکہ تدریجی طور پر کام کریں۔ قال صاحب الروح (ص ۶۴ ج ۱۱) وفی خلقها مع القدرة التامة علی ابداعها فی طرفة عین اعتبار للنظار وحث لهم علی التأنی فی الاحوال والاطوار. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پلک جھپکنے کی دیر میں آسمان و زمین کو پیدا کرنے کی کامل قدرت رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا انہیں تدریجاً پیدا کرنے میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے اور ان کے لئے احوال و اطوار میں غور و تدبر کی ترغیب ہے)

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر عرش پر مستوی ہوا) استواء علی العرش کے بارے میں سورۂ اعراف کی آیت اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ (رکوع ۷) میں ضروری مضمون لکھ دیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ (انوار البیان ص ۴۴۰ ج ۳)

پھر فرمایا یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (اللہ تعالیٰ تمام اُمور کی تدبیر فرماتا ہے) سورۂ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ (وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) یعنی تمام اُمور اس کی تدبیر کے مطابق اور حکمت کے موافق اور اسی کی قضاء وقدر کے مطابق وجود میں آتے ہیں۔ قال صاحب الروح والمراد بہ ھاھنا التقدیر الجاری علٰی وفق الحکمۃ والوجہ الاتم الاکمل' اخرج ابو الشیخ وغیرہ عن مجاھد ان المعنیٰ یقضی الامر والمراد بالامر امر الکائنات علویھا وسفلیھا حتّٰی العرش الٰی آخر قال (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں مراد وہ تقدیر الٰہی ہے جو کہ حکمت الٰہی کے موافق تمام وکامل طور پر جاری ہے۔ ابوالشیخ وغیرہ نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ امور کا فیصلہ فرماتے ہیں اور امر سے مراد کائنات کا معاملہ خواہ آسمانوں کے یا زمینوں کے معاملات حتیٰ کہ عرش بھی) (ص ۶۵ ج ۱۱)

مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِہٖ (اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی سفارش کرنے والا نہیں ہے) اس کے حضور میں کسی کو سفارش کرنے کی جرأت وہمت نہیں' ہاں وہ جسے اجازت دیدے وہی سفارش کر سکے گا اور یہ سفارش صرف اہل ایمان کے لئے ہوگی۔ سوۂ مومن میں فرمایا مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے)

پھر فرمایا ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اسکی عبادت کرو۔ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا (اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے) وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اس کا وعدہ حق ہے) اس کے علم میں قیامت کا جو وقت مقرر ہے اس وقت آ جائے گی سب زندہ ہو جائیں گے پھر پیشیاں ہوں گی۔ حساب دینا ہوگا۔ قیامت کے آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس دیر کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ نہیں آئے گی اللہ کا وعدہ سچا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان الآخرۃ وعد صادق یحکم فیھا ملک عادل قادر (بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا وعدہ ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو عادل بھی ہے اور قادر بھی ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

اِنَّہٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ یعنی بلاشبہ وہ ابتداءً مخلوق کو پیدا فرماتا ہے۔ پھر (موت دے کر) دوبارہ زندہ فرمادے گا۔ اس میں منکرین قیامت کے اس اشکال کا جواب ہے کہ قبروں میں جا کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد کیسے زندہ ہوں گے۔ ان لوگوں کو بتا دیا کہ جس نے ابتداءً پیدا فرمایا وہی دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا سورۂ روم میں فرمایا وَھُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ (اور وہی اوّل بار پیدا فرماتا ہے پھر دوبارہ زندگی دے گا اور وہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے)۔ یہ اعتراض کرنیوالوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس نے پہلی بار پیدا فرمایا ہے اسے تو تمہاری سمجھ کے مطابق دوبارہ پیدا کرنا آسان ہونا چاہئے حالانکہ اس کے لئے ابتداء اور اعادہ قدرت کاملہ کی وجہ سے دونوں برابر ہیں۔

اس کے بعد اہل ایمان واہل کفر کی جزا کا تذکرہ فرمایا: لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ (تا کہ اللہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ (اور جن لوگوں نے کفر کیا انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پینے کے لئے ملے گا اور ان کے لئے دردناک

عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے تھے) سورۂ محمد میں اس کھولتے ہوئے گرم پانی کے بارے میں فرمایا ہے وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا۔ جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی بنایا اور چاند کو نور بنایا' اور اس کے لئے منزلیں مقرر فرما دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی

السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

جان لو اور حساب کو معلوم کرلو یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں وہ جاننے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان

يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

فرماتا ہے بے شک رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا فرمایا ہے

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶

ان میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو روشن بنایا' منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو

تفسیر: ان آیات میں مزید مظاہر قدرت بیان فرمائے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اوّل آفتاب کی روشنی کا اور پھر چاند کی روشنی کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو سراپا روشنی بنایا۔ ان کی روشنی کا تذکرہ فرماتے ہوئے آفتاب کے لئے لفظ ضِيَآءً اور چاند کے لئے لفظ نُوْرًا استعمال فرمایا۔ علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ضیاء بڑی اور قوی روشنی کو کہتے ہیں اور نور قوی اور ضعیف ہر روشنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا آفتاب کے لئے لفظ ضیاء استعمال میں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آفتاب کو زیادہ قوی روشنی دی جب وہ طلوع ہوتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے دن میں چونکہ چلنے پھرنے اور کاروبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دن کو بہت زیادہ روشن بنایا اور رات کو سکون اور آرام کے لئے بنایا ہے۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (اور اس کی ایک یہ رحمت ہے کہ اس نے دن بنایا اور رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اللہ کے رزق کو تلاش کرو) چونکہ آرام و سکون کے لئے دھیمی روشنی کی ضرورت ہے اس لئے چاند کو ضعیف روشنی عطا فرمائی جس کے لئے لفظ نُور استعمال فرمایا۔

پھر فرمایا: وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۔ (اور اس کے لئے منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لو) اس میں واحد کی ضمیر استعمال فرمائی ہے بظاہر قَدَّرَهٗ کی ضمیر مفرد قمر کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قَدَّرَهٗ میں مفعول کی ضمیر لفظوں میں تو مفرد ہی ہے لیکن شمس و قمر دونوں کی

21

طرف راجع ہے۔ اور عربی محاورات بتاویل کل واحد اس طرح ضمیریں لوٹانا دُرست ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر دونوں کی رفتار کے لئے منزلیں مقرر فرمائی ہیں انہیں منزلوں کو وہ طے کرتے ہیں اور ان کے لئے جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے آگے نہیں نکل سکتے چاند اپنی منزلیں انتیس یا تیس دنوں میں قطع کرتا ہے اور جب وہ مغرب کی طرف سے بصورت ہلال طلوع ہوتا ہے تو مہینہ شروع ہوتا ہے۔ آفتاب کی بھی منزلیں مقرر ہیں۔ وہ مقررہ حدود کے اندر ہی سفر کر سکتا ہے۔ سورۂ یٰسین میں فرمایا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُونَ (اور آفتاب اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے یہ مقرر کر دینا ہے اس کا جو زبردست ہے علم والا ہے اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر کو پیدا فرمایا ان کو روشنی دی ان کے لئے منزلیں مقرر فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وحدانیت کے دلائل میں سے ہے، پھر جو منزلیں مقرر فرمائیں اس سے بندوں کا یہ نفع بھی متعلق فرما دیا کہ وہ ان کے ذریعہ یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں معاملہ یا معاہدہ کو کتنے برس گزر گئے اور میعاد پورا ہونے میں کتنے برس باقی ہیں۔ آفتاب کی منازل کا پتہ تو اہل رصد کو ہی ہو سکتا ہے لیکن چاند کے طلوع اور غروب اور گھٹنے بڑھنے سے عام طور سے تاریخ کا پتہ چل جاتا ہے، پڑھا لکھا شہری دیہاتی ہر شخص آسانی سے مہینہ کی ابتداء اور انتہا سمجھ لیتا ہے اور شرعاً احکام شرعیہ میں چاند کے مہینوں ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی چاند ہی کے اعتبار سے بارہ مہینے گزرنے پر فرض ہوتی ہے، اور رمضان کا مہینہ بھی چاند ہی کے حساب سے پہچانا جاتا ہے جو قمری سال کا نواں مہینہ ہے، اور حج بھی چاند ہی کے حساب سے ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے عدت کے مہینوں میں بھی چاند کا اعتبار ہوتا ہے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ چاند کا حساب باقی رکھنا فرض کفایہ ہے۔ (گو دنیاوی معاملات میں شمسی سال سے حساب رکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے)

پھر فرمایا مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں یوں ہی بے فائدہ پیدا نہیں فرمائی ہیں) ان کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ (اللہ تعالیٰ دانش مندوں کے لئے خوب واضح طریقہ پر دلائل بیان فرماتا ہے) کیونکہ جو بے علم ہیں یا بے علموں کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں وہ ان دلائل سے مستفید نہیں ہوتے پھر فرمایا:

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُونَ (بلاشبہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور ان سب چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا فرمائی ہیں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو ڈرتے ہیں) رات کے بعد دن کا آنا دن کے بعد رات کا آنا اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی واضح دلیل موجود ہے۔ اُن کا اُلٹ پھیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اور اس کے اختیار سے ہے وہ چاہے تو دن سرمدی ہو جائے یعنی ہمیشہ دن ہی دن رہے اور وہ چاہے تو ہمیشہ رات ہی رات رہے۔ لیکن اس نے بندوں کی مصلحت کے لئے ایسا نہیں کیا، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے اس کا ایک ایک ذرہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اسکی وحدانیت کی اور تدبیر محکم کی گواہی دیتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر وہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں جو خالق مالک جل مجدہ سے ڈرتے ہیں

جو منکرین ہیں نہ ان میں تقویٰ ہے، ایمان ہے نہ یقین ہے یہ لوگ دلائل سے متاثر اور مستفید نہیں ہوتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ
بلاشبہ جو لوگ ہمارے پاس آنے کی اُمید نہیں رکھتے اور وہ دنیا والی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ
هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ
جو ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے، بے شک جو لوگ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ
ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب انکے ایمان کی وجہ سے انہیں راہ بتا دے گا، ان کے نیچے
الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا
نہریں جاری ہوں گی۔ نعمت کے باغوں میں ہوں گے، ان میں انکی یہ بات ہوگی کہ اے اللہ! تو پاک ہے، اور اس میں ان کا تحیہ
سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ ع
سلام ہو گا اور ان کی آخری بات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہو گی۔

اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو ان لوگوں کے لئے وعید ذکر فرمائی جنہیں قیامت کا اور وہاں کی پیشی کا کوئی کھٹکا نہیں وہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور پوری طرح دنیا ہی میں جی لگا رکھا ہے۔ اور اس دنیا والی زندگی سے خوش ہیں ایسے لوگ اور وہ لوگ جو اللہ کی آیات سے غافل ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ اپنے اعمال کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، دوزخ انکا ٹھکانہ ہے انہوں نے اعمال ہی ایسے کئے جو انہیں دوزخ میں لے جائیں۔ پھر اہل ایمان کو بشارت دی اور فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں جنت کی راہ بتائے گا، یعنی جس طرح انہیں دنیا میں ہدایت دی ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا اسی طرح آخرت میں ان کو جنت میں جانے کا راستہ بتا دے گا وہ اپنی اپنی راہ پر چل کر اپنے اپنے منازل و مساکن میں پہنچ جائیں گے۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جنتی وہاں اپنے اپنے گھروں کا راستہ اس سے زیادہ پہچاننے والے ہونگے جیسا کہ دنیا میں اپنے اپنے گھروں کا راستہ پہچانتے تھے۔ یہ حضرات باغوں میں ہوں گے جو چین اور آرام کے باغ ہوں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا اور آخری بات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہوگی ملاقات کے وقت جو دعائیہ کلمات ادا کئے جاتے ہیں انہیں تحیہ کہا جاتا ہے۔ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہیں گے اور اللہ کی پاکی بیان کریں گے یعنی سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہتے رہیں گے اور آخر میں ایک دوسرے سے رُخصت ہوں گے تو یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں

جو تمام جہاں کا پروردگار ہے) اہل جنت اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید میں ہمیشہ اور ہر وقت مشغول رہیں گے اور وہاں کی زندگی کی بقاء کا ذریعہ تسبیح اور تحمید ہی ہوگا۔

صحیح مسلم (ص ۳۷۹ ج ۲) میں ہے۔ **یلھمون التسبیح والتحمید کما تلھمون النفس** انکی تسبیح اور تحمید ایسے جاری ہوگی جیسے (دنیا میں) تمہارا سانس جاری رہتا ہے' یعنی تسبیح و تحمید سے نہ تھکیں گے نہ اُکتائیں گے' نہ نعمتوں کی مشغولیت انہیں تسبیح اور تحمید سے غافل کرے گی' جیسے فرشتے تسبیح و تحمید میں لگے ہوئے تمام کام انجام دیتے ہیں جن کا انہیں حکم ہوتا ہے اسی طرح اہل جنت ہر وقت ہی اللہ کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہوں گے۔ وہاں کی نعمتیں اور عجیب چیزیں معائنہ کریں گے تو ان کے منہ سے سبحان اللہ نکلے گا۔

تفسیر ابن کثیر (ص ۴۰۸ ج ۲) میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی پرندہ گزر رہا ہوگا اور اہل جنت کو اس کے کھانے کی خواہش ہوگی تو وہ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کہہ دیں گے ان کی خواہش کے مطابق فرشتہ اسے حاضر کردے گا اور جب فرشتہ آئے گا تو سلام کے الفاظ ادا کرے گا جس کا وہ حضرات جواب دیں گے' جب وہ اپنی خواہش کی چیزیں کھا لیں گے تو آخیر میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے۔

لفظ دعویٰ کا ترجمہ مطلق کلام بھی کیا گیا ہے' اور بعض مفسرین نے کسی چیز کے طلب کرنے کا معنی بھی لیا ہے اور بعض حضرات نے دعاء کا ترجمہ بھی کیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے تو اللہ کی تسبیح بیان کریں گے اور دعاء کے ختم پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے یہ تینوں معنی لغت عربی کے اعتبار سے دُرست ہیں اگر دعاء کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے لئے کسی چیز کی کمی تو نہ ہوگی جو اپنی ضرورت کے لئے دعاء مانگیں لیکن تلذذ کے طور پر اور آداب بندگی بجالانے کے لئے وہ حضرات دعاء مانگا کریں گے۔

یہ جو فرمایا وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ اس کے عموم الفاظ میں ہر سلام آ گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا جیسا کہ سورہ یٰسین میں فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ۔ اور فرشتے بھی ان پر سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے جیسا کہ سورۂ رعد میں فرمایا: وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ ۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے' جنت دار السلام ہے وہاں سلام ہی سلام ہے سورہ واقعہ میں فرمایا لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے وہ سلام ہی سلام سنیں گے)۔

جب جنت میں داخل ہوں گے تو یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرُ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَۃِ مِنْ فَضْلِہٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْھَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْھَا لُغُوْبٌ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے' جس نے سختی کو ہم سے دور فرمادیا' بے شک ہمارا رب مغفرت فرمانے والا ہے قدردان ہے' جس نے ہمیں رہنے کی جگہ میں اُتارا ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ تھکن) (سورۂ فاطر)

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَھُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْھِمْ اَجَلُھُمْ ط فَنَذَرُ الَّذِیْنَ

اور اگر اللہ لوگوں پر نقصان واقع کرنے میں جلدی کرتا جیسے کہ وہ بھلائی کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا' سو جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید

لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ

نہیں رکھتے ہم انکی سرکشی میں انہیں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں' اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۚ كَذٰلِكَ

اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے' پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو وہ اس حال میں گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ

ہمیں کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر پکارا ہی نہ تھا' اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے انکے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں

وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس انکے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے' اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں' پھر ہم نے تمہیں زمین میں ان کے بعد خلیفہ بنا دیا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

انسان جلد باز ہے' مصیبت میں اللہ کو پکارتا ہے اور عافیت کے وقت بھول جاتا ہے

تفسیر: انسان کے مزاج میں جلد بازی ہے سورہ انبیاء میں فرمایا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) اس کی جلد بازی کا مزاج ہر جگہ کام کرتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے منکرین کو عذاب کی وعیدیں سنائیں تو بجائے ایمان قبول کرنے کے یوں کہتے تھے کہ عذاب آ کیوں نہیں جاتا' سورہ رعد میں فرمایا وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے واقعات عقوبت گزر چکے ہیں) ان لوگوں کا عذاب آنے کے لئے جلدی کرنا تکذیب اور استہزاء کے طور پر تھا وعدۂ عذاب کو سچا نہیں جانتے تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ حکیم ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے عذاب بھیجے۔ لوگوں کے جلدی مچانے سے وہ عذاب جلدی نہیں بھیجتا' ارشاد فرمایا: وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۔ اور اگر ان لوگوں پر ان کے جلدی مچانے کے موافق اللہ تعالیٰ جلدی عذاب بھیج دیتا جیسا کہ وہ خیر کے لئے جلدی مچاتے ہیں (اور ان کے جلدی مچانے پر اللہ تعالیٰ خیر بھیج دیتا ہے) تو عذاب کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ ان کے جلدی کرنے پر اسی وقت عذاب نہیں بھیجتا اسی وقت عذاب نہ بھیجنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ سرکشوں کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے تا کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں اور یہ بطور استدراج ہوتا ہے تا کہ سرکشی میں بڑھتے جائیں' اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں۔ اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ عذاب کا مؤخر ہونا اور

عذاب کی جلدی مچانے کے باوجود جلدی نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عذاب کی وعید سچی نہیں' بلکہ وعید سچی ہے لیکن عذاب اس وقت واقع ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی حکمت متقاضی ہوگی۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا: وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَآ أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (اور وہ آپ سے جلد عذاب آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میعاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا اور البتہ وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی) اور سورہ صٓ میں فرمایا: وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (اور انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہم کو دیدے) ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر قیامت آنی ہی ہے تو اس کے آنے کے انتظار کی ضرورت نہیں اس وقت جو عذاب دیا جائے گا وہ ہمیں ابھی مطلوب ہے۔ جنہیں ایمان لانا نہیں ہوتا وہ ایسی ہی جاہلانہ باتیں کرتے ہیں۔

اس کے بعد انسان کی ایک اور بے راہی بیان فرمائی جو اسکی طبیعت بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے ہوئے' بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَآ إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف پہنچ جانے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورۂ زمر میں فرمایا وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے' پھر جب وہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس سے پہلے جس کے لئے پکار رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لئے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرے) پھر انسان کا یہ بھی مزاج ہے کہ حدود سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے گناہ کے کام کرتا ہے اور گناہ کے کاموں کو اچھا بھی سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے وہ کام مزین کر دیئے گئے جو وہ کرتے ہیں)

فائدہ: آیت شریفہ کے مضمون سے دو باتیں معلوم ہوئیں اوّل یہ کہ شر کی دعا نہیں مانگنی چاہئے' انسان شر کی بھی دُعا کرتا ہے اور خیر کی بھی دعا کرتا ہے۔ اور دونوں کی قبولیت کے لئے جلدی مچاتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دعائیں قبول فرماتا ہے' شر کی دعا جلد قبولیت نہیں پاتی' اور خیر کی دعاء عموماً جلدی قبول فرمالیتا ہے مؤمن بندوں کو چاہئے کہ

۱؎ قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۳۴۵ ج ۲) معناہ لو یعجل اللہ الناس اجابۃ دعائھم فی الشر والمکروہ استعجالھم بالخیر ای کما یحبون استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم ای لا ھلک من دعا علیہ واماتہ اھ' وفی روح المعانی (ص ۷۸ ج ۱۱) والاصل علی ما قال ابو البقاء تعجیلا مثل تعجیلھم فحذف تعجیلا وصفتہ المضافۃ واقیم المضاف الیہ مقامھا۔ اھ (علامہ بغوی معالم میں لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر اور تکلیف دہ معاملہ میں بھی ان کی دعاء اسی طرح قبول کرتا جیسا کہ یہ بھلائی میں جلدی کرتے ہیں یعنی جیسے یہ بھلائی کے جلدی ملنے کو یہ پسند کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی یعنی جس کے خلاف یہ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا اور موت دیدیتا۔ اور روح المعانی میں ہے اور ابوالبقا کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبارت تھی تعجیلاً مثل یَعْجِیْلِھِمْ پھر تعجیلاً اور اس کی صفت جو کہ مضاف ہے اسے حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھا گیا)

شر یعنی نقصان مرض و تکلیف کی دعا نہ کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے اموال کے لئے بدُعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بد دعا قبولیت کی گھڑی میں کر بیٹھو اور تمہاری یہ بدُعا قبول ہو جائے۔ (رواہ مسلم) دعا ہمیشہ خیر کی کرے اور جلدی نہ مچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعاء قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ کی یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ مچائے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی مچانا کیا ہے؟ فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے تو دعا کی پھر دعا کی مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی پھر دُعا سے تنگ دل ہو جائے اور دُعا کرنا چھوڑ دے (رواہ مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ دعاءِ خیر میں برابر لگا رہے تنگ دل ہو کر دُعا نہ چھوڑے۔

آیت شریفہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دُکھ تکلیف میں مبتلا ہو یا کوئی مصیبت آئی ہوئی ہو یا آرام راحت اور خیر و خوبی سے مالا مال ہو ہر حال میں دُعا کرتے رہنا چاہئے' یہ جو بندوں کا طریقہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑی بڑی دُعائیں کرتے ہیں وظیفے پڑھتے ہیں' تسبیحیں گھس دیتے ہیں اور پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دُعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں اور بالکل ہی بھول جاتے ہیں گویا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا ہی نہ تھا' مصیبت آئی تو اللہ کے سامنے گڑ گڑائے اور جب اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرما دی تو اب سارا بھروسہ اسباب پر کر لیا اور ساری خیر و خوبی کو اپنی ہنر مندی اور سمجھداری کی طرف منسوب کر دیا یہ سب آداب عبودیت کے خلاف ہے سورۂ زمر میں فرمایا فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دُعا قبول فرمائے اسے چاہئے کہ آسائش کے زمانہ میں زیادہ دعا کیا کرے۔ (رواہ الترمذی)

اس کے بعد فرمایا وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآیتین) یعنی ہم نے تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا۔ جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان لوگوں کے پاس ان کے رسول کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے۔ وہ ایمان لانے والے نہ تھے لہٰذا وہ ایمان نہ لائے (جب وہ ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک فرما دیا) ہم مجرمین کو اس طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں منکرین کو تنبیہ ہے کہ ہمارے ڈھیل دینے سے یہ نہ سمجھ لو کہ عذاب نہ آئے گا گزشتہ اقوام کی تاریخ اور انکی سرکشی اور نافرمانی اور پھر ان پر عذاب آنے کے واقعات سے عبرت حاصل کر لو۔ عذاب الٰہی سے بے فکر ہو جانا بہت بڑی ناسمجھی ہے مختلف ممالک میں وقفہ وقفہ سے عذاب آتا رہتا ہے پھر بھی آنکھ نہیں کھولتے۔

پھر فرمایا ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ (پھر ہم نے تمہیں ان لوگوں کے بعد زمین میں خلیفہ بنایا)

گزشتہ قومیں ہلاک ہو گئیں ان لوگوں کی حکومتیں' سلطنتیں خاک میں مل گئیں تعمیرات برباد ہوئیں' منصوبے خاک میں ملے جو دنیاوی ترقیاں کی تھیں وہ سب ختم ہوئیں ان کی جگہ اب موجودہ اقوام دنیا میں آباد ہیں۔ حکومتیں ہیں دولتیں ہیں

یہ لوگ پرانی قوموں کے خلیفہ ہیں یعنی ان کے بعد زمین میں بسے ہیں اور زمین میں انہیں اقتدار ملا ہے۔ یہ خلافت اس لئے نہیں ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھیں اور دنیا ہی کے لئے مریں اور جئیں اور دُنیا میں فساد کریں' یہ خلافت آزمائش کے لئے دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ اگر گزشتہ امتوں کی طرح فساد کیا اللہ کی کتاب کو اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلایا کفر میں اور بداعمالیوں میں لگے تو آزمائش میں فیل ہوں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ ہری بھری ہے' اور بلاشبہ اللہ اس میں تمہیں پہلے لوگوں کے بعد بسانے والا ہے سو وہ دیکھے گا کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے ہو سو تم دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو' کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو ظاہر ہوا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔ (رواہ مسلم)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آیئے

اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

یا اس کو بدل دیجئے' آپ فرما دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں' میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی

اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٥ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ

جاتی ہے' بے شک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم لوگوں پر اسکی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں اللہ

عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٦ فَمَنْ

اسکی اطلاع دیتا' سو میں تمہارے درمیان اس سے پہلے عمر کے ایک بڑے حصہ تک رہ چکا ہوں' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے' سو اس سے

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝١٧

بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اسکی آیات کو جھٹلائے' بے شک بات یہ ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہوتے

منکرین کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے

تفسیر: معالم التنزیل (ص ۳۴۷ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ سے مشرکین مکہ مراد ہیں اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے یوں کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیں جس میں لات اور عزیٰ اور منات کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر بھی نہ ہو' اگر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل نہیں کی

ہیں تو آپ اپنے پاس سے بنا دیں یا اس قرآن کو بدل ہی دیں۔ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت لکھ دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جن پانچ آدمیوں نے یہ بات کہی تھی ان کے نام یہ ہیں (۱) عبداللہ بن اُمیہ (۲) ولید بن مغیرہ (۳) مکرز بن حفص (۴) عمرو بن عبداللہ بن ابی قیس (۵) عاص بن عامر بن ہشام' ان لوگوں کی اس بات پر آیت بالا نازل ہوئی کہ جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے (یعنی آخرت کو نہیں مانتے) یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اسکو بدل دیجئے' آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کرسکتا کہ اپنے پاس سے بدل دوں' میں تو صرف وحی کا پابند ہوں' میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں نہ اپنے پاس سے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اسے بدل سکتا ہوں۔ وحی کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے میں تمہیں جیسے اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ایسے ہی اپنے بارے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بڑے دن کا عذاب پہنچ جائے گا۔ میرا کام صرف پہنچانے کا ہے اپنے پاس سے قرآن بنانے کا نہیں ہے' میں تو اللہ کا بندہ ہوں' نافرمانی کروں تو عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہوں میں اللہ کا مامور ہوں اللہ کے حکم دینے پر تم کو اسکی کتاب سناتا ہوں وہ نہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں بتاتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

مخاطبین کو یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ میں عرصہ دراز تک تمہارے اندر رہا ہوں یعنی اسی سرزمین پر چالیس سال تک زندگی گزاری ہے اس دوران میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھ پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ اگر میں اپنے پاس سے بنا کر کوئی بات کہتا اور اپنی بات کو اللہ کی طرف منسوب کر کے تمہارے اندر اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا تو اس سے بہت پہلے ایسا کر چکا ہوتا' جب یہ میرا کلام نہیں ہے تو اس میں کیسے ترمیم کر دوں؟ تم مجھ سے کیسے کہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے بنا کر لے آؤں' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

آخر میں فرمایا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے یا اسکی آیات کو جھٹلائے' اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بول سکتا اور اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتا۔ ہاں تم لوگ جو اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو یہ ظلم تمہاری اپنی جانوں پر ہے اور سراپا جرم ہے إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ (بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے)

فائدہ: یہ جو فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (کہ میں اپنی عمر کے بڑے حصہ تک تمہارے اندر رہا ہوں) اس میں تحدّی ہے یعنی مخاطبین کو چیلنج ہے کہ میں نے عمر کا بہت بڑا حصہ تمہارے اندر گزارا ہے اس حصہ میں میں نے تم میں سے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس کے تم گواہ ہو تو پھر میں اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہوں سوال جواب تو قرآن مجید کو بدلنے یا اپنے پاس سے بنانے سے متعلق تھا لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے اخلاق عالیہ اور افعالِ جمیلہ اور اعمال صالحہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور بتا دیا کہ مجھے دیکھ چکے ہو ہر طرح سے پرکھ چکے ہو۔ ہمیشہ سے صادق اور امین کہتے آئے ہو اب جب اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں تو کیوں دور بھاگتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی عہدہ سپرد کیا جائے تو اس کا ماضی دیکھ لیا جائے اب تک اس کا کیا کردار تھا اس کے اعمال کیا تھے' اس میں تقویٰ اور رجوع الی اللہ کتنا تھا ان چیزوں کو سامنے رکھ کر کسی عہدہ کا اہل ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو اُن کو نہ نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں' اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں'

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ

آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمینوں میں' وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے' اور برتر ہے

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا

اور لوگ پہلے ایک ہی اُمت تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ

اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں' اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں

اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾

نازل کی گئی' سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں

مشرکین کی گمراہی' اور ان کے قول و عمل کی تردید

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کی گمراہی کا تذکرہ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی توحید کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کرتے ہیں ان میں بعض جاندار بھی ہیں جیسے بعض حیوانات اور بے جان بھی ہیں جیسے اصنام و اوثان یعنی بت اور یہ انکے معبودان باطل نفع اور ضرر پہنچانے سے بالکل ہی عاجز ہیں' جو نفع ضرر کچھ بھی نہ پہنچا سکے اس کی عبادت کرنا اور اپنے خالق کو چھوڑنا بہت بڑی حماقت ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔ جب مشرکین کو انکی گمراہی پر متنبہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی جہالت سے یہ نکتہ نکالا کہ ہمارا اصل مقصود تو اللہ ہی کی عبادت کرنا ہے۔ ہم ان چیزوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر دیں گے' گمراہی پر جمنے اور شرک پر باقی رہنے کے لئے شیطان نے مشرکین کو یہ نکتہ سمجھایا تاکہ مشرکین یوں سمجھتے رہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور شرک کرنے سے اس لئے گناہ گار نہیں کہ ان معبودانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے ہی پوجتے ہیں۔ حالانکہ سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ جسے راضی کیا جائے اسے ان اعمال کے ذریعہ راضی کریں جن سے وہ راضی ہوتا ہو اور جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہو' اللہ تعالیٰ شانہٗ شرک سے بیزار ہے اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ شرک سے منع فرمایا ہے اور اسے سب سے بڑی نافرمانی قرار دیا ہے اور جن لوگوں کے بارے میں مشرکین نے سفارشی ہونے کا عقیدہ بنایا ہے یہ عقیدہ انہوں نے اپنے پاس سے تجویز کیا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر عقیدہ اور ہر عمل اسی سے معلوم کرے جو اسکی کتابوں اور رسولوں کے واسطہ سے معلوم ہو گا' اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسکی مخلوق کو شریک بھی کر دیا پھر انکے بارے میں سفارشی ہونے کا عقیدہ بھی تراشا' یہ سب سراسر گمراہی ہے۔ جن لوگوں نے باطل معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش

کرنے والا مانا اور اپنے پاس سے اس عقیدہ کو تجویز کیا ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جسے وہ آسمانوں میں اور زمین میں نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے تجویز کردہ معبودوں کو سفارشی نہیں بنایا اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے اس سب کا علم ہے اس کے علم میں تو ان چیزوں کا سفارشی ہونا نہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ یہ سفارشی ہیں۔ جو چیز اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں ہے اور جس کا وجود اس کے علم میں نہیں ہے تم اس کے وجود کے کیسے قائل ہوئے۔ کوئی چیز وجود میں ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو یہ تو محال ہے تم محال کے پیچھے لگے ہو۔ مطلب یہ کہ تم جن لوگوں کو اللہ کے یہاں سفارشی مانتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو ان کو سفارشی نہیں بنایا ان کے سفارشی ہونے کا عقیدہ تمہاری اپنی اُپج اور اپنی تجویز ہے کسی عقیدہ کسی عمل کو خود سے تجویز کر لینا اور اسے اللہ کی رضامندی کا سبب سمجھ لینا یہ جرم ہے اور گناہ ہے جو عذاب کا سبب ہے یہ چیز نجات دینے والی نہیں دوزخ میں داخل کرانے والی ہے۔

پھر فرمایا: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (وہ ذات پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں)

پھر فرمایا: وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا یعنی سب لوگ ایک ہی جماعت تھے سو انہوں نے اختلاف کر لیا یعنی بنی آدم کا ایک ہی دین تھا سب موحد تھے دین اسلام پر تھے پھر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور بہت سے لوگ ایمان کو چھوڑ کر کافر ہو گئے اور بہت سے لوگ کافر ہی نہیں مشرک بھی ہو گئے۔

حضرت قتادہ سے تفسیر درمنثور (ص ۳۴۳ ج ۱) میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان جو قرنیں تھیں یہ سب ہدایت پر حق شریعت پر تھیں، پھر لوگوں نے اختلاف کی راہیں نکالیں۔ بہت سے لوگوں نے دین حق کو چھوڑ دیا اور مؤمن و کافر دو جماعتیں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا وہ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے اُن کی بت پرستی اور بتوں کے ناموں کا تذکرہ سورہ نوح (علیہ السلام) میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تشریف لانے سے کچھ عرصہ پہلے لوگ مشرک ہو گئے تھے مشرک عذاب کے مستحق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ اجل سے پہلے مشرکین پر عذاب نہیں بھیجا جاتا اس کے بارے میں فرمایا: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز میں فیصلہ ہو چکا ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں) وہ کون سی بات ہے جو پہلے سے طے ہو چکی ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اُمت کے لئے جو ایک اجل مقرر فرما دی ہے اس اجل سے پہلے ہلاک نہیں فرمائے گا اور مطلب یہ ہے کہ اگر اجل مقرر نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتا اور مکذبین (جھٹلانے والوں) پر عذاب بھیج دیتا اور یہی حق اور باطل کا فیصلہ ہوتا یعنی اہل کفر ہلاک ہو جاتے اور اہل ایمان باقی رہ جاتے اور حضرت حسن نے آیت کا مطلب بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ بات طے فرما دی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے ثواب اور عقاب کا فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ یہ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اس لئے دنیا میں ایسا فیصلہ نہیں کیا جاتا کہ ثواب والوں کو یہیں بدلہ مل جائے اور مستحقین عذاب پر یہیں عذاب آ جائے، تیسرا قول مفسر کلبی سے نقل کیا گیا ہے جو دل کو نہیں لگا لہٰذا ہم نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ کی آیت كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے ذیل میں بھی گزر چکا ہے

مراجعت کرلی جائے۔(دیکھوانوارالبیان ج۱)

پھر فرمایا وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِ (اور وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہ ہوئی) یعنی ہم جو معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں اس کا ظہور کیوں نہیں ہوا؟ چونکہ ایمان لانا نہیں چاہتے تھے۔اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے، طالب حق کے لئے ایک ہی معجزہ کافی ہے۔

معجزے بہت دیکھے لیکن فرمائشی معجزہ چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کی مرضی کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے، پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سابقہ اُمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ رہا ہے کہ فرمائشی معجزہ ظاہر ہونے پر ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے گئے۔لہٰذا فرمائش کے مطابق معجزہ نہ بھیجنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، پھر فرمایا: فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ (آپ فرما دیجئے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے سو تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں) اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تمہاری فرمائش پوری ہوتی ہے یا نہیں؟

اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے موجودہ معجزات کی قدر نہ کی اور ایمان نہ لائے بلکہ عناد اور ضد کی وجہ سے فرمائشی معجزات کے درپے ہوگئے۔تمہارا یہ کفر اور عناد نزول عذاب کا باعث ہے غیب کا علم اللہ ہی کو ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ تم پر کب عذاب آ جائے لہٰذا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ

اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد جب ہم انہیں اپنی رحمت چکھا دیں تو اچانک ہماری آیتوں کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ

اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ

بلاشبہ اللہ مکر کی سزا جلد ہی دینے والا ہے، بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہارے مکر کے کاموں کو لکھ لیتے ہیں، اللہ وہ ہے جو تمہیں سمندر اور خشکی میں چلاتا ہے

حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ

یہاں تک کہ جب تم کشتی میں موجود ہو اور وہ کشتی اچھی ہوا کے ساتھ چلنے لگے اور جو لوگ اس میں سوار ہوں وہ اس پر خوش ہو جائیں تو اس کشتی پر ایک سخت ہوا آ جائے

وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ اللَّهَ مُخْلِصِينَ

اور ہر جگہ سے ان پر موجیں آنے لگیں اور وہ یقین کرلیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اس کے لئے خالص اعتقاد کر کے،

لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّٰكِرِينَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ

اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے، پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک

فِى الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا

وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں، اے لوگو تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہو

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر ہماری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے، سو ہم تمہیں بتادیں گے جو تم کرتے تھے

تفسیر: صاحب روح المعانی (ص ۹۳ ج ۱۱) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال تک قحط بھیج دیا تھا، قریب تھا کہ اسکی وجہ سے ہلاک ہو جائیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ خوشحالی کے لئے دعا فرمائیں اگر یہ قحط کی مصیبت دور ہو جائے اور ہمیں خوشحالی مل جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور اہل مکہ پر رحم فرمایا تو ایمان لانے کی بجائے وہی پرانا ڈھنگ اختیار کر لیا اور اللہ کی آیات میں طعن کرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سے وہی معاندانہ سلوک کرنے لگے جو پہلے کرتے تھے اور ایسی شرارتیں اور حیلہ بازیاں کرنے لگے جن کو انہوں نے قرآن پر ایمان نہ لانے کا بہانہ بنالیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں۔ یعنی آیات کو نہ ماننے کے بہانے تراش لیتے ہیں اور طعن و تشنیع سے پیش آتے ہیں قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا آپ فرما دیجئے کہ مکر کی سزا اللہ تعالیٰ جلد ہی دینے والا ہے، جب شرارت و بغاوت پر اتر آئے تو اطمینان سے نہ بیٹھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد ہی اس کا بدلہ مل جائے گا۔ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ (بے شک ہمارے فرشتے لکھ لیتے ہیں جو تم حیلہ سازیاں کرتے ہو) اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہوئے تمہاری حرکتیں اور شرارتیں اور حیلہ سازیاں دفتروں میں بھی محفوظ ہیں، آیت کریمہ کا سبب نزول خواہ وہی ہو جو صاحب روح نے لکھا ہے لیکن قرآن کریم میں انسانوں کا ایک عام طریقہ کار بیان فرمادیا کہ جب انسان کو دکھ تکلیف کے بعد کوئی نعمت مل جاتی ہے تو وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے لگتا ہے اور حیلہ سازی اور کٹ حجتی پر اتراتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ پھر بھی مجھے تکلیف پہنچ سکتی ہے، بعض مرتبہ دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور موت بھی تو جلدی ہی آنی ہے ہر کافر کا موت کے وقت سے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے پھر آخرت میں پیشی ہوگی، اعمال نامے سامنے آئیں گے جن میں فرشتوں نے ان لوگوں کی کجروی اور حیلہ سازی کو لکھ لیا تھا، یہ اعمال نامے ان پر حجت ہوں گے اور دوزخ میں دائمی آگ میں جلنے کی سزا پائیں گے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے اپنے بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الآیۃ) (اللہ تعالیٰ تمہیں خشکی میں اور سمندر میں چلاتا ہے) خشکی میں تو پاؤں سے اور جانوروں پر اور دوسری سواریوں پر سوار ہو کر چلتے پھرتے ہیں۔ دور دراز کا سفر کر کے اپنی حاجت کی چیزیں فراہم کرتے ہیں اور سمندر کا سفر چھوٹی بڑی کشتیوں میں کرتے ہیں یہ کشتیاں بھی انسان کی حاجت پوری کرنے کا ذریعہ ہیں اس کنارہ سے اس کنارہ، اس شہر سے دوسرے شہر اور اس براعظم سے دوسرے براعظم تک پانی کے جہاز آتے جاتے ہیں اور انسان کی ضروریات فراہم کرتے ہیں۔ زمانۂ نزول قرآن میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں۔ ہوا موافق ہوئی تو کشتیاں چلنے لگیں۔ ہوا بند ہوگئی تو کھڑی ہوگئیں (فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ) ہوا موافق ہے اور نرم ہے خوشگوار ہے تو خوش ہو رہے ہیں اور اگر تیز ہوا چلنے لگی اور ہر طرف سے موجیں اٹھ اٹھ کر آنے لگیں تو میاں ڈرنے لگے اور یقین کر لیا کہ اب تو گھیرے میں آگئے اس وقت سوچتے ہیں کہ جان کیسے بچے؟

ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی جو اس مصیبت سے بچائے اور بھنور کو ہٹائے' لہٰذا اللہ کے حضور میں خالص اعتقاد کے ساتھ دُعا کرنے لگتے ہیں کہ اے اللہ اگر آپ نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ضرور ضرور آپ کے شکر گزار بندوں میں ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے بچا دیتا ہے تو پھر وہی اللہ کی زمین میں بغاوت' شرارت اور سرکشی کرنے لگتے ہیں جس کا انہیں کوئی حق نہیں۔ اوّل تو خالق و مالک کی بغاوت ہی ناحق ہے پھر اُوپر سے وعدہ کر کے بھول بھلیاں کر دینا اور شکر کے بجائے کفران نعمت میں لگ جانا اور توحید کی بجائے شرک کو اپنا لینا یہ سب بغاوت در بغاوت ہے اور کفر ہی کفر ہے۔ اسی کو فرمایا: فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سو جب اللہ نے انہیں نجات دے دی تو اچانک زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں)۔

پھر فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ (اے لوگو تمہاری بغاوت اپنی ہی جانوں پر ہے' کیونکہ اس کا وبال تمہارے ہی اوپر پڑنے والا ہے) مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ (تم دنیا والی زندگی میں نفع حاصل کر رہے ہو) یہ تھوڑا سا نفع ہے اور تھوڑے دن کا نفع ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورة النساء قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ' پھر فرمایا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ پھر ہماری طرف تمہارا لوٹنا ہوگا تو ہم تمہیں بتا دیں گے جو کام تم کیا کرتے تھے (تمہارے اعمال تمہارے سامنے آئیں گے' محاسبہ اور مؤاخذہ ہوگا۔ لہٰذا اسی دنیا میں اپنے اعمال درست کرلو)۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا
دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا' پھر اس پانی کی وجہ سے زمین سے نکلنے والی ہری بھری چیزیں جنہیں
يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ
انسان اور مویشی کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلیں' یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا اور اسکی خوب زیبائش ہوگئی اور زمین والوں
اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ
نے خیال کرلیا کہ ہم اس پر صاحب قدرت ہو چکے ہیں تو رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ گیا۔ سو ہم نے اسے ایسا بنا دیا جیسے کٹا ہوا ڈھیر ہو' گویا کہ کل اس کا وجود ہی
بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾
نہ تھا' ہم اس طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں

دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال

تفسیر: اس آیت میں دنیا کی حالت بیان فرمائی ہے۔ دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور ٹیپ ٹاپ پر جو لوگ ریجھے جاتے ہیں اور آخرت سے غافل رہتے ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اس تھوڑی سی حقیر دُنیا کی وجہ سے آخرت سے غافل نہ ہوں' ارشاد فرمایا کہ دنیا کی ایسی مثال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کی وجہ سے طرح طرح کے پودے اُگے' سبزیاں نکلیں' گھاس برآمد ہوئی' اور ان چیزوں کی وجہ سے زمین ہری بھری اور دیکھنے میں خوب خوشنما ہو

گئی' سبزہ لہلہانے لگا' نظروں کو بھانے لگا' جن لوگوں کی زمینیں تھیں وہ بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ بس اب تو یہ سب کچھ ہمارے قبضہ میں ہے اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کریں گے اسی سوچ بچار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رات میں یا دن میں کوئی مصیبت آگئی اور اس نے اسے ڈھیر کر دیا۔

اب جب دیکھنے والے نظر ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہاں کل کچھ بھی نہ تھا اس دنیا میں جو ہری بھری گھاس اور کھیتی کی حالت ہے کہ ابھی تو ہری بھری تھی اور ابھی کچھ بھی نہیں یہ ہی مثال پوری دنیا کی ہے' افراد کی بھی یہ ہی مثال ہے اور قوموں کی بھی' حکومتوں کی بھی اور مال وجائیداد کی بھی' کچھ دن لوگ منتفع ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں اچھی زندگی گزارتے ہیں پھر افراد کو موت آجاتی ہے۔ جماعتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ حکومتیں مٹ جاتی ہیں۔ تجارتیں تباہ ہو جاتی ہیں' باغ اُجڑ جاتے ہیں اور اس سب کے بعد قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور وہاں ابدالآباد کے فیصلے ہونے ہیں' وہاں کی ابدی زندگی کے سامنے جتنی بھی بڑی زندگی ہو ہیچ ہے اور جنت کی نعمتوں کے سامنے یہ معمولی سی نعمتیں کچھ بھی نہیں' اگر کوئی شخص دوزخ میں چلا گیا (العیاذ باللہ) تو دنیا کے سارے مال اور زینت اور سجاوٹ (جو تھوڑے دن کی تھی) کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ آخرت کے میدان میں پہنچیں گے تو کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ کا مظاہرہ ہوگا اور سمجھ میں آجائے گا کہ دنیا میں جو کچھ تھا وہ کچھ بھی نہ تھا۔

آخر میں فرمایا كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں) جو فکر کرتے ہیں وہی منتفع اور مُستفید ہوتے ہیں جو فکر نہیں کرتے وہ اپنی مستیوں ہی میں لگے رہتے ہیں' اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٢٥ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے' جن لوگوں نے اچھائی

الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا

کے کام کئے ان کے لئے خوبی ہے اور اس سے زائد بھی ہے' اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت' یہ لوگ جنت والے ہیں

خٰلِدُوْنَ ۝٢٦ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور جن لوگوں نے بُرے کام کئے ان کی برائی کی سزا برائی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھا جائے گی'

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ

انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا' گویا کہ انکے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٢٧

دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

اہل جنت کی نعمتوں اور اہل دوزخ کی بدصورتی اور عذاب دائمی کا تذکرہ

تفسیر: یہ تین آیات ہیں ان میں پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دار السلام (سلامتی کے گھر) یعنی جنت کی طرف بلاتا ہے جو دین اسلام اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور بندوں کے لئے منتخب فرمایا ہے سراپا سلامتی کا راستہ ہے اس میں دنیا میں بھی سلامتی ہے اور آخرت میں بھی چونکہ جنت میں جانے والے ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے وہاں نہ موت آئے گی نہ وہاں سے کہیں جانا ہوگا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اس لئے اس کا ایک نام دار السلام بھی ہے یعنی ''سلامتی کا گھر'' جنت میں لے جانے والے عقائد اور اعمال کو سُبُلَ السَّلٰمِ فرمایا ہے (کمافی سورۃ المائدہ رکوع ۳) اور اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ آپس میں ملاقات کریں تو السلام علیکم کہیں اور جواب دینے والے وعلیکم السلام کہیں اس طرح آپس میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دُعادیں۔ جنت میں بھی آپس کی ملاقات میں ایک دوسرے کو سلامتی کی دُعادیں گے کما قال تعالیٰ تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان کے لئے سلامتی کی خوشخبریاں آتی رہیں گی (کما فی سورۃ یٰسٓ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ) فرشتے اہل جنت والوں کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام پیش کریں گے (کما فی سورۃ الرعد) وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کے لئے خط لکھا تو تحریر فرمایا اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ۔ تو اسلام لے آ سلامت رہے گا اللہ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری ص ۵ ج ۱)

الحاصل اسلام میں سلامتی ہی سلامتی ہے پھر فرمایا: وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دے دیتا ہے) سیدھا راستہ جنت کا راستہ ہے جو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کا جامع ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کے لئے حسنیٰ ہے اور زیادہ انعام ہے حُسْنٰی فُعْلٰی کے وزن پر ہے جس کا لغوی ترجمہ ''خوبی'' سے کیا گیا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حسنیٰ سے جنت مراد ہے اور زیادہ سے دیدار الٰہی مراد ہے۔ جنت میں ہر طرح کی نعمتیں ہوں گی کسی کی کمی نہ ہوگی۔ وہ خود بہت بڑی جگہ ہے لیکن اس نعمت پر مزید نعمت یہ ہوگی کہ اہل جنت اپنے رب جل مجدہ کا دیدار بھی کریں گے۔ تفسیر درمنثور (ص ۳۰۵) میں حضرت صہیب حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت اُبی بن کعب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے متعدد کتب حدیث کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زِیَادَۃٌ کی تفسیر فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ زِیَادَۃٌ سے اللہ جل شانہٗ کا دیدار مراد ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کیا تم کچھ اور چاہتے ہو جو تمہیں عطا کر دوں وہ عرض کریں گے (ہمیں اور کیا چاہئے) کیا آپ نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیئے اور کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا اور کیا آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (یہ بہت بڑا انعام ہے) اس کے بعد پردہ اُٹھا دیا جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے

انہیں کوئی بھی ایسی چیز نہ دی جائے گی جو انہیں اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر محبوب ہو اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (رواہ مسلم ص ۱۰۰ ج ۱)

پھر اہل جنت کے ایک مزید انعام کا تذکرہ فرمایا: وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ (ان کے چہروں پر کدورت چھائی ہوئی نہ ہوگی اور نہ ذلت) یعنی ان کے چہرے بدصورت نہ ہوں گے ان پر ذلت کا کوئی اثر نہ ہوگا سورۃ القیامہ میں فرمایا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے) سورۃ المطففین میں فرمایا تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ (اے مخاطب تو ان کے چہروں میں نعمت کی تروتازگی کو پہچانے گا) جو شخص دار السلام میں ہو اپنے رب کا دیدار کرتا ہو اس کا چہرہ کیوں حسین وجمیل اور پُر رونق نہ ہوگا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ساری امتوں کے درمیان سے میں اپنی اُمت کو اس طرح پہچان لوں گا کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور انکے ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰)

پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (یہ لوگ جنت والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) تیسری آیت میں دوزخیوں کا تذکرہ فرمایا وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا۔ اور جن لوگوں نے بُرے کام کئے (جن میں سب سے زیادہ بُرا عمل کفر وشرک ہے) ان کی سزا ان کے اعمال جیسی ہوگی ان پر نہ کوئی ظلم ہوگا نہ زیادتی ہوگی۔ برابر سرابر کا بدلہ ہوگا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی) مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ قیامت کے دن انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ان کی بدصورتی کا یہ حال ہوگا کہ گویا ان کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیا گیا ہے۔ کافر دنیا میں کتنا ہی خوبصورت ہو قیامت کے دن نہایت ہی بدترین صورت میں ہوگا' جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا ہے' سورہ زمر میں فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن ان لوگوں کو دیکھے گا۔ جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں کیا دوزخ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے) سورہ عبس میں فرمایا: وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ۔ (اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر بدرونقی ہو گی ان پر بدصورتی چھائی ہوئی ہوگی۔ وہ لوگ کافر اور فاجر ہوں گے)

پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم اُن لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو پھر ہم ان

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ

کے آپس میں جدائی کر دیں گے اور اُن کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو اللہ ہمارے تمہارے درمیان گواہ کافی ہے

كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

بے شک بات یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے اس موقعہ پر ہر شخص اپنے اُن کاموں کو جانچ لے گا جو اس نے پہلے کئے تھے اور وہ اپنے

22

مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹ تراش رکھا تھا وہ سب غائب ہو جائے گا

باطل معبود اپنے پرستاروں سے کہیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے

تفسیر: ان آیات میں روز قیامت کا ایک منظر بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ وہ دن قابل ذکر ہے جبکہ ہم سب کو جمع کریں گے۔ جمع ہونے والوں میں موحدین بھی ہوں گے اور مشرکین بھی، مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ بھی حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ شرک کرنے والو! تم اور تمہارے وہ معبود جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے تھے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یعنی انتظار کرو اور دیکھو تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی۔ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے وہ اپنی پرستش کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہاں ضرور ہم تمہارے پرستار تھے۔ اس پر ان کے معبود کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ ہم تو تمہاری عبادت سے غافل تھے۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ اشکال کیا ہے کہ وہ دن سچ بولنے کا ہے وہاں اُن سے جھوٹ کیسے صادر ہو گا؟ یہ اشکال بے وزن ہے کیونکہ مشرکین کے جھوٹ بولنے کی تصریح سورۂ انعام میں موجود ہے پھر اسی ذیل میں یہ بات بھی آ گئی کہ وہ جو اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ بنائیں گے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے ان کا اللہ تعالیٰ کو گواہی کے طور پر پیش کرنا بھی جھوٹ ہو گا بہر صورت مشرکوں اور ان کے معبودوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ تعلقات منقطع ہو جائیں گے (خواہ ایک ہی طرف سے ہوں جیسا کہ بتوں سے ان کا تعلق تھا اور بت جامد اور ناسمجھ تھے) اور یہ واضح ہو جائے گا کہ مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہے جن لوگوں کو سفارشی بنا کر عبادت کی تھی وہ خود دوزخ میں ہوں گے اور اپنے عبادت گزاروں سے بیزار ہو چکے ہوں گے کما فی سورۃ الانعام وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔ واقعی تمہارا آپس کا تعلق ختم ہو گیا اور تمہارا دعویٰ سب گیا گزرا ہو گیا)

آخر میں فرمایا: هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ (الآیۃ) وہاں یعنی روز قیامت ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کو جانچ لے گا۔ یعنی ہر ایک کے اپنے اپنے عمل کا نتیجہ سامنے آ جائے گا جس میں مشرکین کے شرک کی حقیقت کھل جائے گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم جن کی عبادت کرتے تھے ان سے ہمیں جو نفع کی اُمید تھی وہ غلط تھی وہ تو آج ہمارے خلاف بول رہے ہیں ان لوگوں کی ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو حقیقی مولا اور مالک ہے اور جو کچھ باتیں تراشتے تھے غیر اللہ کو معبود جانتے تھے وہ سب کچھ غائب ہو جائے گا۔ اور کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کا مولیٰ یعنی مالک حقیقی ہے۔ اور سورۂ محمد میں جو وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ فرمایا ہے وہاں مولا مددگار کے

معنی میں ہے یعنی کافروں کا وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ

آپ فرما دیجئے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور وہ کون ہے

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتا ہے سو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ ہی ہے تو

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

آپ فرما دیجئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے ہو سو وہ اللہ تمہارا حقیقی رب ہے سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر کہاں پھرے جا رہے ہو

مشرکین سے سوال کہ تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے کانوں اور آنکھوں کا کون مالک ہے اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟

تفسیر: دنیا میں جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان سے دریافت فرمائیے کہ آسمان سے اور زمین سے تمہیں کون رزق دیتا ہے اور تمہارے سننے کی قوت اور دیکھنے کی قوت کا کون مالک ہے یعنی تمہارے کانوں اور آنکھوں پر کسے پورا اختیار ہے کون ہے جس نے یہ چیزیں تمہیں دی ہیں اور جو اُن کی حفاظت فرماتا ہے۔ وہ چاہتا ہے تو ان کو سلب کر لیتا ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ مردہ سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ عالم میں جو تصرفات ہیں ان کی تدبیر کون فرماتا ہے جب ان لوگوں سے یہ سوالات کرو گے تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہ ہوگا کہ ان افعال کا مالک و مختار اور ان صفات سے متصف صرف اللہ ہی ہے۔ جب وہ یہ جواب دیں تو آپ فرما دیجئے کہ پھر تم اس رازق، خالق اور مالک سے کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کو چھوڑ کر جو دوسروں کی عبادت کرتے ہو وہ تمہارے نزدیک بھی بے اختیار ہیں۔ ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ وہ ذات پاک جس کی یہ صفات ہیں جو اوپر ذکر کی گئیں وہی واقعی اور حقیقی رب ہے۔ اس کے مالک اور رب حقیقی ہونے کا اقرار بھی کرتے ہو اور پھر دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو سراپا گمراہی ہے اور حق کے بعد گمراہی کے سوا رہ ہی کیا گیا؟ جانتے بوجھتے گمراہی میں پڑنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ حق کو چھوڑ کر کہاں پھرے جا رہے ہو (باطل کو چھوڑ و حق کی طرف واپس آؤ) حق اور ضلال یعنی حق اور گمراہی کے درمیان کوئی اور چیز نہیں ہے جو حق نہ ہو وہ گمراہی ہے۔ دونوں میں تضاد ہے۔ حق اور گمراہی دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کیا

مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى

تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پیدا فرمائے پھر اُسے دوبارہ زندہ کرے؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ مخلوق کو ابتداءً

تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ حق کی راہ بتاتا ہے' سو جو حق کی

اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟

راہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اُسے راہ بتائی جائے' سو تمہیں کیا ہوا

كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــًٔا ؕ

تم کیسی تجویزیں کرتے ہو! اور اُن میں سے اکثر لوگ صرف اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں' بلاشبہ اٹکل حق کے بارے میں ذرا بھی مفید نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُن کاموں کو جاننے والا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔

مشرکین سے مزید سوالات اور توحید پر آنے کی دعوت

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ مشرکین نے جو شرک کو اپنا رکھا ہے اور سمجھانے کے باوجود توحید پر نہیں آئے اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے بارے میں مغموم نہ ہوں ان کو ایمان لانا نہیں ہے' اس کے بعد فرمایا کہ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کون ہے جو ابتداءً مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر موت دے کر دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ اس بات کو جان لو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے اور موت دے کر وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد تم کہاں اُلٹے پھرے جا رہے ہو۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے سوال فرمایئے کہ بتاؤ تمہارے شرکاء میں وہ کون ہے جو حق کا راستہ بتاتا ہے آپ خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے جو حق کا راستہ بتائے وہ زیادہ لائق اتباع ہے یا وہ شخص جو خود ہدایت نہیں پاتا مگر یہ کہ اُسے ہدایت دی جائے؟ مطلب یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کی پوجا کرتے ہو وہ تو خود ہی بے راہ ہیں اور اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں راہ بتائی جائے۔ سو تمہیں کیا ہو گیا؟ اللہ کو چھوڑ کر انکی عبادت کرتے ہو۔ اور تم کیسی جاہلانہ تجویزیں کرتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرتے ہو؟

پھر مشرکین کا حال بیان فرمایا کہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو محض اٹکل' گمان اور خیال کے پیچھے چلتے ہیں اپنے انہی خیالات کی وجہ سے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہیں۔ گمان اور اٹکل سے حق واضح اور ثابت نہیں ہوتا اس کے لئے دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے بغیر علم اور بلا دلیل انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے باطل معبود بنا رکھے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ نجم میں فرمایا: اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ

(یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کر لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں بھیجی۔ یہ لوگ صرف گمان اور اپنے نفسوں کی خواہشوں پر چل رہے ہیں)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ کہ بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اپنے علم کے مطابق وہ انہیں سزا دے گا۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افتراء کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے ہیں،

بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ

اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے، کیا وہ لوگ

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

یوں کہتے ہیں کہ اس کو آپ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

سچے ہو۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اُسے جھٹلایا جسے اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ابھی اس کا نتیجہ اُن کے سامنے نہیں آیا، ایسے ہی جھٹلایا اُن

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ

لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے سو دیکھ لیجئے ظالموں کا کیسا انجام ہوا اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ

لائیں گے۔ اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے

عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

تمہارا عمل ہے، تم اس سے بری ہو جو میں کام کرتا ہوں، اور جن کاموں کو تم کرتے ہو میں اُن سے بری ہوں

قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل، اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج

تفسیر: توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب کتاب اللہ کی حقانیت بیان فرمائی جس کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی مزید تصدیق ہوگئی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے اوّل تو ان کی تردید فرمائی کہ یہ ایسی کتاب نہیں ہے کہ جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اس سے پہلے آسمانی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھیجے ہیں اس میں اُن کی بھی تفصیل ہے۔ پھر ان لوگوں کو چیلنج کیا اور فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ قرآن اپنے پاس سے بنا لیا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا ساری مخلوق میں

سے اس مقصد کے لئے جس جس سے مدد لے سکتے ہوان سب سے مدد لے لو۔ سورۂ بقرہ کی آیت (رکوع ۳) وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱) سورۂ ھود (رکوع ۲) میں فرمایا ہے کہ تم اس جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ' پہلے قرآن کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا پھر ایک سورت تک بات آ گئی' آج تک کوئی بھی قرآن کا مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہیں لا سکا' اور نہ کبھی لا سکیں گے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (آپ فرما دیجئے کہ اگر سارے انسان اور سارے جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا بنا کر لے آئیں تو نہیں لا سکیں گے اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں)

جب قرآن کی سچائی ثابت ہو گئی تو قرآن لانے والے یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی بھی ثابت ہو گئی اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علمی میں نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ غور کرتے تو اس کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں آ جاتی اب جبکہ جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں تو اس جھٹلانے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ یعنی ان کی اس تکذیب کا برا انجام سامنے آئے گا۔ دنیا میں ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور کفر پر مرنے کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے' ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر عذاب آ چکا ہے۔ دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا؟ پھر فرمایا اس میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ اپنا کام کئے جائیں۔ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں ایمان لانا نہیں ہے آپ کو دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو ایمان نہ لائے گا اسکی سزا بھگت لے گا۔ اللہ تعالیٰ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے کفر کی سزا دے دے گا۔

مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں حجت قائم ہونے پر بھی حق کو نہیں مانتے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ اُن سے فرما دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے تمہارا عمل تمہارے لئے ہے۔ تم میرے عمل سے بری ہو میں تمہارے عمل سے بری ہوں مجھے میرے عمل کا ثواب ملے گا تم اپنی بدعملی کی سزا بھگتو گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ

اور اُن میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں' کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے اگرچہ وہ سمجھ بھی نہ رکھتے ہوں' اور اُن میں سے بعض وہ ہیں

مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ

جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں' کیا آپ اندھوں کو راہ بتا دیں گے اگرچہ وہ دیکھتے بھی نہ ہوں' بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا

النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا

لیکن لوگ اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں' اور جس دن اللہ انہیں جمع فرمائے گا گویا کہ وہ دن کے حصہ میں سے صرف

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا

ایک گھڑی ٹھہرے ہیں' وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے' بے شک وہ لوگ خسارہ میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور

كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔ اور اگر ہم اُس میں سے کچھ حصہ آپ کو دکھادیں جس کا ہم اُن سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف ان سب کو لوٹنا ہے

ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ

پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو کام وہ لوگ کرتے ہیں' اور ہر اُمت کے لئے ایک رسول ہے سو جب اُن کے پاس اُن کا رسول آ جاتا ہے

بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ

تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم

صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ

سچے ہو' آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے کسی بھی ضرر یا نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر اُمت کے لئے ایک وقت مقرر ہے

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ

جب اُن کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں آپ فرما دیجئے۔ کہ تم بتاؤ اگر

أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ

اللہ کا عذاب رات کے وقت آ جائے یا دن کے وقت آ جائے تو اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی مجرمین جلدی مچا رہے ہیں' کیا پھر جب وہ واقع ہو

آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا

ہی جائے تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے تھے' پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی کا

عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ

عذاب چکھ لو تمہیں انہیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جن کی تم کمائی کرتے تھے۔ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ فرما دیجئے

إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾

ہاں میرے رب کی قسم بلاشبہ وہ حق ہے! اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو

تکذیب کرنے والوں کی بے حسی'
قیامت کا منظر' دنیا میں عذاب آنے کی وعید

تفسیر: گزشتہ آیات میں مکذبین اور معاندین کا ذکر تھا' ان آیات میں اُن کے مزید عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔

اَوّلاً ، تو یہ فرمایا کہ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں لیکن ان میں نہ حق طلبی ہے نہ

ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ ان کا سُننا اور نہ سننا برابر ہے۔ لہٰذا ان کی حالت بہرے انسانوں کی طرح ہوگئی۔ جیسے بہروں کو سنانا فائدہ مند نہیں ہوسکتا اسی طرح ان کو سنانا اور نہ سنانا برابر ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ بہروں کی مانند ہیں بلکہ سمجھ سے بھی محروم ہیں۔ انہیں کان لگانے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ان کا ارادہ بھی حق کے قبول کرنے کا نہیں۔ لہٰذا دیکھا اَن دیکھا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اندھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں آپ اندھوں کو کیسے ہدایت دیں گے۔ حالانکہ وہ دیکھ ہی نہیں رہے۔ اس مضمون کو سورۂ انفال میں یوں بیان فرمایا: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (اور تم لوگ اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے) پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (بلاشبہ اللہ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں) اسی ظلم میں سے یہ ہے کہ فکر ونظر سے کام نہیں لیتے اور اپنے حواس کو استعمال نہیں کرتے اور اگر حق سمجھ میں آ جائے تو عناداً اس کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں یہ سب ان کی جانوں پر ظلم ہے اور وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے دن کا ایک منظر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ (اور انہیں وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ ان کو جمع فرمائے گا گویا وہ دن کے ایک حصہ میں سے صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے) یعنی جب وہاں حاضر ہونگے تو جو دنیا میں لمبی عمر گزری تھی اور برزخ میں جو عرصہ دراز تک رہے تھے اس سارے وقت کو یوں سمجھیں گے کہ گویا ہم صرف ذرا سی ہی دیر دنیا میں اور برزخ میں رہے قیامت کے دن کی سختی کو دیکھ کر دنیا اور برزخ کی مُدت دراز کو بھول کر یوں سمجھیں گے کہ گویا دن میں سے صرف ایک گھڑی ہی وہاں گزاری ہے۔

سورۂ روم میں فرمایا: وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ مجرمین قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے) یہ جو فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ یہ صرف پہچاننے ہی کی حد تک ہوگا آپس میں ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کرسکیں گے۔ مدد تو کُجا ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چھوٹے بڑوں پر اور بڑے چھوٹوں پر پھٹکار ڈالیں گے۔ اور سارے تعلقات وہاں ٹوٹ جائیں گے۔ پھر فرمایا: قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔ جن لوگوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن کا اور حساب اور جزا سزا کا انکار کیا یہ لوگ نقصان میں پڑ گئے اور اپنی جانوں کو ہلاک کر دیا۔ دنیا میں ہدایت یافتہ نہ ہوئے آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا: وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ (اور جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے ہی پاس ان سب کو آنا ہے) رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر جو عذاب میں مبتلا کئے جانے کی وعیدیں نازل ہوتی رہتی تھیں ان کے بارے میں فرمایا کہ جس عذاب کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا عذاب اگر ہم آپ کو دکھا دیں یعنی آپ کی حیات ہی میں اس کا نزول ہو جائے یا ہم آپ کو اس سے پہلے وفات دے دیں سو یہ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کے سامنے ہی

عذاب آ جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ کے بعد ان پر عذاب آ جائے یعنی دنیا میں عذاب آنا لازم نہیں، ہمارے پاس ان کو آنا ہی ہے جو بڑا عذاب ہے (یعنی آخرت کا عذاب) اس میں تو ہر منکر اور کافر کو مبتلا ہونا ہی ہے ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُونَ پھر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے سب کاموں کا علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

پھر فرمایا: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔ کہ قیامت کے دن ہر اُمت کا رسول موجود ہوگا۔ جو دنیا میں انکی طرف مبعوث ہوا تھا امتیں موجود ہوں گی اور اُن کے رسول بھی موجود ہوں گے جو اہل کفر کے کفر اور اہل ایمان کے ایمان پر گواہی دیں گے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ اس آیت کا یہ مفہوم سورۂ نساء کی یہ آیت فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ۔ اور سورۂ زمر کی آیت وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔ کے موافق ہے۔ اور بعض مفسرین نے آیت بالا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ دنیا میں جو رسول اُمتوں کے پاس آئے اُن کی انہوں نے جو تکذیب کی اور اس تکذیب پر جو اُن پر عذاب آیا اس آیت میں اُسی کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر اُمت کے لئے ایک پیغمبر ہے۔ وہ پیغمبر جب ان کے پاس آ جاتا ہے اور احکام پہنچا دیتا ہے پھر اس کے بعد کچھ لوگ مانتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں مانتے تو اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اہل ایمان کی نجات ہو جاتی ہے اور کافر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اتمام حجت کے بعد ہوتا رہا ہے[1] ۔ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ جب بار بار عذاب کی وعید سنتے تھے تو منکرین کہتے تھے کہ عذاب کی وعید کہاں تک سُنیں، کب ہوگا یہ عذاب؟ ایک مرتبہ آ ہی جائے تو ہم بھی دیکھ لیں کیسا عذاب ہوتا ہے، عذاب آنے میں جو دیر محسوس کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ڈھیل تھی اس سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے مزید تکذیب میں آگے بڑھ جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو اُسے پورا کر کے دکھاؤ اور عذاب بھی لے آؤ۔ ان کا یہ قول استفہام انکاری کے طور پر تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا: قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذاتِ خاص کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو کچھ اللہ چاہے) جب اپنے بارے میں میرا یہ حال ہے تو تم پر عذاب لانا یہ میرے اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھ سے تقاضا کرنا جاہلانہ بات ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (ہر اُمت کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب ان کا مقررہ وقت آ پہنچے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں)

عذاب کا وقت آ جانے پر عذاب واقع ہو جائے گا جن اُمتوں کے لئے دُنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کا وقت مقرر ہے وہ دونوں میں مبتلائے عذاب ہوں گے اور جن کے لئے دُنیا میں عمومی عذاب دینے کا فیصلہ نہیں کیا گیا آخرت میں تو ان کے کفر کی وجہ سے اُن کو عذاب ہونا ہی ہے۔ اَجلِ مقرر پر عذاب سامنے آ ہی جائے گا۔ یہ جو جلدی مچاتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ عذاب کب آئے گا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی مقرر کردہ اجل سے پہلے عذاب نہیں لائے گا۔ ان لوگوں کے قول مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کا پہلا جواب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ اعلان کرا دیا کہ میرے بس میں عذاب لانا نہیں، اور دوسرا جواب یہ دے دیا کہ عذاب اپنے وقت مقرر پر آئے گا۔ تمہارے جلدی مچانے سے اجل مقرر سے پہلے نہیں آئے گا۔

[1] خاتم النبیین ﷺ سے پہلے جو امتوں کے احوال گزرے ان کا ذکر ہے۔ ۱۲

پھر فرمایا: قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ (الآیۃ) آپ ان سے فرما دیجئے یعنی سوال کیجئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو آ جائے تو عذاب میں ایسی کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے مجرمین عذاب کے جلدی لانے کا تقاضا کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ عذاب تو رات یا دن میں کسی وقت بھی نازل ہو سکتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ عذاب سخت چیز ہے اس کے آنے کی جلدی کیوں مچاتے ہیں' عذاب میں ایسی کون سی چیز مرغوب ہے جسے جلد بلانا چاہتے ہیں۔ جب حقیقۃً عذاب مطلوب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ عذاب لانے کی جلدی مچانے سے وعدہ عذاب کی تکذیب مقصود ہے۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کیا جب عذاب واقع ہو جائے گا اس وقت ایمان لاؤ گے؟ (اس وقت ایمان لانا بے فائدہ ہوگا اور اس وقت تصدیق نافع نہ ہوگی) آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ جب عذاب آ جائے گا تو سوال ہوگا کیا اب تصدیق کرتے ہو حالانکہ تم (بقصدِ تکذیب) اسکی جلدی مچایا کرتے تھے۔ اس وقت کا ایمان لانا اور تصدیق کرنا فائدہ مند نہ ہوگا ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی والا عذاب چکھو هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (تمہیں انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کسب کرتے تھے) یعنی دنیا میں جن کاموں کو کیا کرتے تھے ان ہی کی جزا ملے گی۔

پھر فرمایا: وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا عذاب واقعی چیز ہے؟ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ۔ آپ فرما دیجئے کہ ہاں میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ حق ہے واقع ہو جانے والی چیز ہے۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو) یعنی جب عذاب آ جائے گا تو تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے' یہ نہ سمجھو کہ جب عذاب آئے گا تو ہم بھاگ نکلیں گے اور کہیں پناہ لے لیں گے۔ سارا ملک اللہ ہی کا ہے کہیں بھی فرار ہو کر نہیں جا سکتے۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا: وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (اور تم آسمان میں اور زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے جو اس کے عذاب سے بچا دے)۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

ہر وہ شخص جس نے ظلم کیا اگر اس کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کیلئے اُس سب کو خرچ کر ڈالے گا۔ اور جب

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

وہ عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔ خبردار بے شک اللہ ہی کے لئے ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے خبردار بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے' وہی زندہ فرماتا ہے

وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہی موت دیتا ہے اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ظالم لوگ جان چھڑانے کے لئے زمین بھر کر فدیہ دینے کو تیار ہوں گے اور اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا

تفسیر: منکرین اور معاندین دنیا میں حق کو جھٹلاتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کر کے اور راہِ کفر اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اسکی آخرت میں سزا ملے گی۔ اور جب وہاں عذاب سامنے آئے گا تو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے بچنے کے لئے سب کچھ خرچ کر دینے کو راضی ہوں گے۔ اگر بالفرض انہیں پوری زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اور اس جیسا اور بھی ان کو مل جائے وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ وہاں کچھ بھی پاس نہ ہوگا اور اگر بالفرض کچھ پاس ہو اور جان کے بدلہ دینے لگیں تو قبول نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تفسیر سورۂ آل عمران کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّ لَوِافْتَدٰی بِہٖ اور سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۲-ج ۳)

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ. قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت اور پشیمانی کو پوشیدہ رکھیں گے اور دل ہی دل میں پشیمان ہوتے رہیں گے کہ کاش مومن ہوتے تو آج مبتلائے عذاب نہ ہوتے۔ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (اور اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا)

اَلَآ اِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (خبردار اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب کچھ اس کی ملکیت ہے' یہ مجرمین بھی اس کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ اُسے ہر طرح تصرف کرنے کا حق ہے۔ مجرمین کو عذاب دینا اس کے لئے آسان ہے۔ اس کی قدرت اور تصرف سے کوئی باہر نہیں۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ (خبردار اللہ کا وعدہ سچا ہے) قیامت ضرور آنی ہے۔ انکار کرنے سے اور شک کرنے سے وہ رُک نہ جائے گی۔

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے جو قیامت کے آنے میں شک کرتے ہیں ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اس میں منکرین بعث کے استبعاد کی تردید ہے جو یوں کہتے تھے کہ موت کے بعد کیسے زندہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور یہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے' اسی سے سمجھ لو کہ وہ موت کے بعد بھی زندہ فرما دے گا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جس میں سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت ہے

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا

اور رحمت ہے مومنین کے لئے' آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے خوش ہو جاؤ۔ سو وہ اس پر خوش ہوں' یہ اس سے بہتر ہے

يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾
جو وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن موعظت ہے، سینوں کے لئے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے

تفسیر: مشرکین سے خطاب کرنے کے بعد مومنین کو خطاب فرمایا لیکن اُسے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب بھیجی ہے اور ہدایت نازل فرمائی ہے وہ تمام انسانوں کے لئے ہے سب انسان اُسے قبول کریں۔ جن لوگوں نے اسے قبول کرلیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور رحمت و اکرام پر خوش ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ نے وہ کچھ عطا فرمایا جس کے مقابلہ میں ساری دنیا ہیچ ہے، دنیا میں لوگ جو کچھ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کو موعظت (نصیحت) اور سینوں کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت بتایا۔ موعظت، نصیحت کو کہتے ہیں جس میں برائیوں کو چھوڑنے اور احکام پر عمل کرنے اور مکارم اخلاق اور محاسنِ اعمال اختیار کرنے کی تلقین اور تعلیم ہے اور آخرت کے احوال اور اہوال کی تذکیر ہو۔ قرآن مجید میں بار بار ان سب اُمور کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

قرآن مجید کو شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ بھی فرمایا یعنی اس کے ذریعہ دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایات پر عمل کرے اس کا دل رُوحانی بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ حسد، کینہ، تکبر، بخل، خود پسندی اور حبّ دنیا اور وہ سب اُمور جو انسان کے دل کو تباہ کرتے ہیں قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے اس علاج کو اختیار کرے تو شفا حاصل ہوگی۔ نیز قرآن مجید کو ہدایت اور رحمت بھی فرمایا اس میں لفظ لِلْمُؤْمِنِیْنَ کا اضافہ فرما دیا۔ قرآن مجید ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لئے ہے لیکن چونکہ اس سے اہل ایمان ہی مستفید ہوتے ہیں اور اسے اپنے لئے ذریعہ ہدایت اور رحمت بنا لیتے ہیں اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں قرآن کے لئے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے مزید فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہو جائیں۔ صاحب مدارک التنزیل لکھتے ہیں کہ فضل اور رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فضل فرمایا کہ قرآن مجید نازل فرمایا اور دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جو رحمت عظیمہ ہے اور انعام برانعام ہے۔ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ ان پر جتنی بھی خوشی کی جائے اور مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دنیا میں ہدایت پر ہونا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال ہونا اس پر خوش ہونا اور چیز ہے اور دُنیاوی نعمتوں پر اترانا دوسری چیز ہے پہلی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری چیز سے منع فرمایا ہے۔ دنیاوی مال اور جاہ پر اترانا مست ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیتا ہے اور اس میں دوسروں کی تحقیر بھی ہوتی ہے۔ اس لئے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً اور سورہ قصص میں فرمایا اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ آخرت سے متعلقہ اعمال اور نعمتوں پر خوش ہونے میں چونکہ حبّ دنیا کا دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا ذریعہ ہے اس لئے محمود ہے آیت بالا میں اسی کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اہل دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں نعمت اسلام اور نعمت قرآن

کے سامنے اسکی کچھ بھی حیثیت نہیں کیونکہ دنیا تھوڑی ہے اور فانی ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ

آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا تم نے اس میں سے خود ہی بعض کو حرام اور بعض کو حلال تجویز کر لیا۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے

اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یَوْمَ

تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا اللہ پر افتراء کرتے ہو؟ اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر جھوٹ

الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

باندھتے ہیں۔ بلا شبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے بہت لوگ شکر ادا نہیں کرتے

اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے

تفسیر: اللہ جل شانہٗ نے بندوں کو پیدا فرمایا ان کو رزق بھی عطا فرمایا۔ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کے رسولوں اور اللہ کی کتابوں نے احکام بتائے اور حلال و حرام کی وہ تفصیلات بتائیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر دین کو کامل فرما دیا اور آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا قرآن و حدیث میں حرام و حلال کی تفصیلات موجود ہیں۔ مشرکین نے جو اپنی طرف سے حرام و حلال تجویز کر رکھا ہے۔ اس کی بھی تردید فرمائی اور اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتحیہ کے لئے بھی پیش بندی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے ہٹ کر اپنے طور پر حرام و حلال قرار نہ دیں اور واضح طور پر بتا دیا کہ تحلیل و تحریم یعنی حلال و حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بندوں کو اس میں دخل دینا حرام ہے اور اصول بندگی کے خلاف ہے۔

اللہ نے جو رزق نازل فرمایا ہے تم نے اس میں سے بطور خود بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیوں قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا حق تم نے کیسے استعمال کر لیا۔ کیا اللہ نے تمہیں تحلیل و تحریم کی اجازت دی ہے۔ یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال قرار دے اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حرام قرار دے۔ تمہارا اپنے پاس سے یوں کہنا کہ فلاں چیز حلال اور فلاں چیز حرام ہے یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھنا اور افتراء کرنا ہے۔ جو کچھ اس نے حلال و حرام قرار دیا ہے اس کے خلاف جو تم کہتے ہو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ تحلیل و تحریم اللہ نے کی ہے کیونکہ تحلیل و تحریم کا حق اسی کو ہے۔ مخلوق کے حرام کہنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی اور مخلوق کے حلال کہنے سے حرام چیز حلال نہیں ہو جاتی۔ مشرکین عرب نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ جس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ کی تفسیر میں اور سورۂ انعام کی آیت وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ (الآیۃ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے[1]۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے تحلیل و تحریم کو دانستہ یا نادانستہ طور اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو عقیدۃً تو حلال کو حرام نہیں سمجھتے لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے۔ بعض چیزوں کو اپنے اُوپر حرام کر لیتے ہیں اور اُن

[1] انوار البیان ج ۳

سے اسی طرح بچتے ہیں جیسے حرام سے بچا جاتا ہے۔ نیاز فاتحہ کا جن لوگوں میں رواج ہے وہ لوگ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ایصال ثواب کے عنوان سے جو کھانا پکاتے ہیں وہ اوّل تو بدعت ہے پھر اس کے بارے میں یہ قانون بنا رکھا ہے کہ اس سے صرف لڑکیاں کھائیں گی لڑکے نہیں کھائیں گے۔ اللہ کی شریعت میں جو چیز سب کے لئے حلال ہے اسے لڑکوں کے لئے حرام قرار دینا وہی مشرکین والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں تغییر اور تبدیل کر دی اور حلال کو اپنے پاس سے حرام قرار دے دیا' اس طرح کی بہت سی چیزیں پیروں' فقیروں اور اہل بدعت میں مروج ہیں۔

دوسری آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اللہ کے قوانین میں تصرف کرتے ہیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کے بارے میں انکا کیا گمان ہے۔ کیا انہیں روز قیامت کا یقین نہیں ہے؟ اسی یقین کے نہ ہونے کی بنیاد پر اللہ کے نازل فرمودہ رزق میں اپنی طرف سے حلت وحرمت تجویز کرتے ہیں ایسے نڈر ہو گئے کہ انہیں آخرت کے مؤاخذہ کا کچھ بھی دھیان نہیں۔

آخر میں فرمایا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرماتا ہے رزق حلال عطا فرماتا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں) حلال کو حرام قرار دیتے ہیں۔

اللہ کا یہ فضل بھی ہے کہ اس نے لوگوں کو دولت عقل سے نوازا پیغمبر بھیجے کتابیں نازل فرمائیں جنہوں نے حق اور ناحق واضح کر کے بتایا جس میں حرام وحلال کی تفصیلات بھی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے فضل کی قدردانی نہیں کرتے اور شکر کے بجائے کفران نعمت کی راہ اختیار کرتے ہیں اس کفرانِ نعمت میں معصیت اور کفر وشرک کا اختیار کرنا سب داخل ہے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا

اور آپ جس کسی حال میں بھی ہوں اور قرآن مجید کا جو بھی کوئی حصہ تلاوت کر رہے ہوں اور تم لوگ جو بھی کوئی عمل کرتے ہو

عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي

ہم ضرور اس سے باخبر ہوتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور زمین اور آسمان میں ذرّہ کے برابر

الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

کوئی چیز ایسی نہیں جو تیرے رب کے علم میں نہ ہو۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس سے چھوٹی ہو یا بڑی ہو جو کتاب مبین میں نہ ہو

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہے کوئی ذرّہ اور اس سے چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ کی صفت علم کو بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آپ جس حال میں بھی ہوں اور اسی حال میں سے یہ بھی ہے کہ آپ قرآن کے کسی حصہ کی تلاوت کر رہے ہوں اور آپ کے علاوہ دوسرے اشخاص اور افراد جو بھی کوئی

عمل کرتے ہوں یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں کسی کی کوئی حالت اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور آسمان میں اور زمین میں جو بھی ذرہ کے برابر کوئی چیز ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ کو اس کا علم ہے اور اس کے علم سے غائب نہیں ہے آسمان وزمین کے علاوہ بھی مخلوق ہے اور وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ آسمان وزمین کو چونکہ سبھی لوگ جانتے ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں اس لئے خصوصی طور پر ان کا ذکر فرما دیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ارض وسماء سے علوی اور سفلی دونوں جہتیں مراد لی گئی ہیں۔

مزید فرمایا کہ ذرہ سے کوئی چیز چھوٹی ہو یا کوئی چیز اس سے بڑی ہو کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے اور لوح محفوظ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس کو محیط ہے' جو چیزیں وجود میں آئیں یا بعد میں پیدا ہونگی ان سب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جو چیزیں پیدا نہ ہوں گی ان کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے' بلکہ اس کو ممتنعات کا بھی علم ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾
خبردار بلاشبہ جو اولیاء اللہ ہیں اُن پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ
اُن کے لئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں'
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾
یہ بڑی کامیابی ہے

اولیاء اللہ نہ خوف زدہ ہوں گے نہ غمگین

تفسیر: یہ تین آیات ہیں ان میں اولیاء اللہ کی فضیلت اور ولایت کی حقیقت بتائی اور یہ بتایا کہ اولیاء اللہ کے لئے دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے' ولی دوست اور قریب کو کہتے ہیں۔ اولیاء کون لوگ ہیں اس کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ کا کوئی دوست ہو ہی نہیں سکتا خواہ کیسی ہی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک اللہ کا مقرب اور مقبول بندہ اور اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اہل ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی صفات کے کم وبیش ہونے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے میں اور عبادت' تلاوت' ذکر کی کیفیات اور کمیات کے اختلاف سے فرق مراتب ہو جاتا ہے اور کون شخص کس درجہ کا ولی ہے بندے اس کے ظاہری حالات سے اندازہ لگا سکتے ہیں' چونکہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لئے فرق مراتب کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام اتباع سنت کا دھیان۔ نوافل کی کثرت۔ ذکر اللہ کی مشغولیت اور صفت احسان اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کا حصول۔ خشوع خضوع' اخلاص' مکارم اخلاق محاسن الافعال ان سب چیزوں کے ذریعہ حسب مراتب درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔ صحیح مسلم (ص ۲۷۴ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا الایمان بضع و سبعون شعبة و أفضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق والحیاء شعبة من الایمان ستر سے کچھ اُوپر ایمان کے شعبے ہیں ان میں سب سے افضل الا الٰہ الا اللہ کہہ لینا ہے (یعنی سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ طیبہ پر ایمان لانا ہے) اور ان میں سب سے کم درجہ کی بات یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے' اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اس میں ایمان کے ستر سے کچھ اُوپر شعبے بتائے ہیں جس میں ادنیٰ شعبہ یہ بتایا ہے کہ راستہ سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے' اور خصوصیت کے ساتھ حیاء کو ایمان کے شعبوں میں شمار فرمایا ہے ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے موافق ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو وہ سب قُربِ خداوندی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق اُن اعمال سے ہے جن کے ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ میں بیان فرما دیا۔ حرام سے لیکر مکروہ تنزیہی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں اُن سے بچنا بھی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی عبادت ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

اِتَّقِ المحارم تکن اعبد الناس کہ تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ' ایسا کرنے سے تو دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۰) جو شخص ماموراتِ پر عمل کرتا ہے اور منہیات سے بچتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا اتباع کا اہتمام کرتا ہے جسے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ میں بیان فرمایا ہے ایسے شخص کو اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے قرب الٰہی حاصل ہوگا اور اسی درجہ کی ولایت حاصل ہوگی۔ جس درجہ کے اعمال ہوں گے اور جس قدر دنیاوی اشغال وافکار سے ذہن فارغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگی ہوگی اسی قدر قربِ الٰہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان الله تعالیٰ قال من عادی لی وَلِیًّا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیئٌ أحب إلی مما افترضته علیه وما یزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتیٰ احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشیٰ بها۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس سے اعلان جنگ کیا اور میرے بندے کا میرے فرائض کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کا ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ بھی تقرب بڑھتا رہتا ہے اِن اُمور کو سامنے رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ولایت' فرائض' واجبات اور مستحبات اور مندوبات اور اتباع سنت کے اہتمام اور ترک منہیات کا نام ہے یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ولی وہ ہے جس سے کوئی کرامت صادر ہو یا صوفیہ کے کسی سلسلہ میں

داخل ہو یا کسی خانقاہ کا گدی نشین ہو یا نسب کے اعتبار سے سید ہو وہ ولی ہے خواہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور کیسا ہی دنیا دار ہو اور کیسا ہی تارک فرائض اور مرتکب محرمات ہو۔ یہ جہالت کی بات ہے، جو شخص متبع شریعت نہیں وہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اب تو گدیاں عموماً جلب زر ہی کے لئے رہ گئی ہیں۔

جہاں کہیں تھوڑا بہت ذکر و شغل اور ریاضت ہے وہ بھی منکرات کے ساتھ ہے۔ قلب جاری ہے لیکن اکل حلال کا اہتمام نہیں۔ بینک میں کام کرتے ہیں پھر بھی صوفی ہیں داڑھی کٹی ہوئی ہے پھر بھی بزرگ ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے اور مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں پڑھتا ہوں یہی بزرگی کے ڈھنگ رہ گئے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ ولایت اتباع شریعت کا نام ہے اور حضرات صوفیاء کرام اسی کے لئے محنت اور ریاضت کراتے تھے کہ شریعت طبیعت ثانیہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا آسان ہو جائے۔ اَب تو گدی نشینوں کے نزدیک ولایت اور بزرگی کا مفہوم ہی پلٹ گیا۔

یہاں تک تو ولایت کی حقیقت بیان کی گئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ اَولیاء اللہ کون ہیں، اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء اللہ کے لئے جس انعام کا وعدہ فرمایا ہے وہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی خوشخبری مؤمنین صالحین کے لئے ہے اور دونوں آیتوں کے ملانے سے ولایت کا مصداق بھی معلوم ہو گیا (جس کی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں بہت سے ایسے بندے ہوں گے جو نہ نبی ہیں نہ شہید ہیں قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان کے اس مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ کے نزدیک ہے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے قرآن کی وجہ سے محبت کریں گے ان کی آپس کی یہ محبت نہ آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ہو گی اور نہ اموال کے لین دین کی وجہ سے (یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہو گی) اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر بیٹھے ہوں گے جس دن لوگ خوف زدہ ہوں گے۔ یہ خوف زدہ نہ ہوں گے اور جس دن لوگ رنجیدہ ہوں گے اس دن یہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہی آیت أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے اس سے قیامت کے دن بے خوف اور با اطمینان ہونا مراد ہے لہٰذا یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خوف لاحق ہوا اور بعض احوال میں غمگین ہوئے اسی طرح بہت سے اولیاء اللہ پر بعض حالات میں خوف اور حزن یعنی غم طاری ہوا کیونکہ یہ دنیاوی احوال ہیں آخرت میں یہ حضرات خوف و حزن سے محفوظ ہوں گے۔ یہ جو فرمایا کہ حضرات انبیاء اور شہداء بھی ان کا مرتبہ دیکھ کر ان پر رشک کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرات انبیاء اور شہداء خوف زدہ اور غمگین ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اُمتوں کے مسائل حل کرنے اور ان کے بارے میں گواہی دینے اور ان کی سفارشیں کرنے میں مشغول ہوں گے اور حضرات شہداء کرام بھی سفارش میں لگے ہوئے ہوں گے اور دوسرے اولیاء اللہ بے فکر بے غم ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات اُن لوگوں کی تعریف کریں گے جنہوں نے اللہ کے لئے آپس میں محبت کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہر مومن کو کچھ نہ کچھ ولایت کا درجہ حاصل ہے اس درجہ کی وجہ سے جنت کا داخلہ مل جائے گا اور جنہوں نے گناہوں کے ذریعہ اس ولایت کو مکدر کر دیا ان میں سے جو شخص سزا پانے کے لئے دوزخ میں جائے گا وہ بھی سزا پا کر اسی حصہ ولایت کی وجہ سے جو اسے حاصل تھا جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی ولایت کی لاج رکھتا اور گناہوں سے بچتا جس سے اُونچے درجہ کی ولایت حاصل ہوتی تو دوزخ میں نہ بھیجا جاتا۔

اولیاء اللہ کے لئے مزید انعام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ کہ اولیاء کے لئے دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اس بشارت سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کی پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خوابیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لئے دیکھ لی جائے (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۵) مطلب یہ ہے کہ مومن بندے ایسے خواب دیکھ لیتے ہیں جن میں ان کے لئے خیر و خوبی کی اور حسن خاتمہ کی اور اعمال کے مقبول عند اللہ ہونے کی نیز جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ کو ایسی خوابیں دکھائی جاتی ہیں جن میں کسی مومن بندے کے لئے بشارت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت کا ایک مصداق بیان فرما دیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اسکی تعریف کرتے ہیں (اسکی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جبکہ اس نے وہ عمل اللہ کے لئے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مومن کے لئے ایک بشارت ہے جو اس دنیا میں اُسے مل گئی۔ (رواہ مسلم ص ۳۳۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح بندہ سے لوگوں کا محبت کرنا ان کی تعریف کرنا اور اُن کو اچھا سمجھنا اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کسی کو اچھا کہنا یہ اس کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دُنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خوشخبری سناتے ہیں اور آخرت میں بشارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی روح پرواز کرتی ہے تو اسے عالم بالا کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اللہ کی رضامندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث موت اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس میں موت کے وقت اللہ کی رضامندی کی بشارت کا ذکر ہے۔ نیز قبر میں بشارت دیئے جانے کا ذکر بھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲)

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا اور اُن کے اعمال کا بہت اچھا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ (ع ۳) میں فرمایا: وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور سورۂ بقرہ (ع ۱۹) میں وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ اور سورۂ بقرہ (ع ۲۸) میں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا ہے۔ یہ بشارتیں اس دنیا میں دے دی گئیں لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ اللہ کی باتوں یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں' اُن کے مطابق انعام دیا جائے گا۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ (یہ بشارت بڑی کامیابی ہے)

وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی

اور آپ کو ان کی بات رنجیدہ نہ کرے' بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔ خبردار اس میں شک نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہیں جو

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ

آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں' اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسرے شرکاء کو پکار رہے ہیں وہ کس چیز کا

یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا

اتباع کر رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور صرف اٹکل پچو گمان کرتے ہیں۔ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تاکہ

فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے کا ذریعہ بنایا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے

سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ

وہ اس سے پاک ہے وہ غنی ہے' اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

نہیں ہے کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ فرما دیجئے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ

وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اُٹھانا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب

بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

چکھائیں گے۔

مشرکین صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے اولاد تجویز کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ ان کی باتیں سن کر غمگین اور دلگیر نہ

ہوں ساری عزت اور ہر طرح کا غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ غالب ہے آپ کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (مجادلہ ع ۳) میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔ وہ انکے اقوال اور اعمال کی سزا دے گا۔ پھر فرمایا: اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (خبردار بلاشبہ جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور جو زمین میں رہتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں) اس کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ (اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کرتے ہیں وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں) اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ یہ لوگ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے گمان ہی گمان ہے۔ حالانکہ معبود بنانا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنیاد گمان اور اٹکل پر رکھ لی جائے۔ اس کے لئے واضح دلیل کی ضرورت ہے۔ اور دلیل وہی ہے جو خالق پر مالک جل مجدہ کی طرف سے ملے۔ اوّل تو اس نے عقل سلیم عطا فرمائی غور و فکر کی صلاحیت دی۔ یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے اگر کوئی شخص اس سے کام لے تو وہ سمجھ سکتا ہے اور یقین کے ساتھ جان سکتا ہے کہ پیدا کرنے والے کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ پھر اس نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا انہوں نے صرف خالق جل مجدہٗ کی عبادت کرنے کو راہِ مستقیم بتایا اور اسی کی دعوت دی اور بتایا کہ یہ خالق کائنات ہے صرف وہی معبود وحدہٗ لاشریک ہے۔ مشرکین نہ دلیل عقلی سے کام لیتے ہیں نہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے بتانے سے شرک چھوڑتے ہیں۔ صرف گمان کا اتباع کرتے ہیں اور اٹکل کے پیچھے چلتے ہیں۔

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں آرام کرو) وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (اور دن کو ایسی چیز بنایا جس میں دیکھ بھال کرتے ہو) اس میں چیزیں صاف واضح نظر آتی ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۔ بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سُنتے ہیں۔ (یعنی حق کو قبول کرنے کی نیت سے سُنتے ہیں اور سُنی کو اَن سُنی نہیں کر دیتے) رات اور دن دونوں ایسی چیزیں ہیں جو نظروں کے سامنے ہیں۔ پوری دنیا ان دونوں وقتوں سے خالی نہیں ہوتی کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے اور دنیا کے بسنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جو رات میں یا دن میں نہ ہو ہر علاقہ میں یہ دونوں یکے بعد دیگرے گزرتے ہیں۔ ان دونوں کا الٹ پھیر کرنے والا اور آگے پیچھے لانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے آرام کرنے کے لئے بنایا اور دن کو بھی بہت بڑا فائدہ ہے اس میں لوگ چلتے پھرتے ہیں دیکھتے بھالتے ہیں۔ کسب معاش کرتے ہیں یہ سب اوقات اور سب حالات اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں پھر بھی مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی نشانیاں سامنے ہیں وہ ان کے سامنے لائی جاتی ہیں تو انہیں سُنتا نہیں چاہتے اور سُن لیتے ہیں تو ان کے تقاضوں کے مطابق نہیں چلتے حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ (ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے) وہ اس سے پاک ہے۔ هُوَ الْغَنِیُّ (وہ بے نیاز ہے) لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اوّل تو وہ بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں کسی معاون و مددگار کی ضرورت نہیں پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جو بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی مملوک ہے خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ

کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اللہ جل شانہٗ کے لئے اولاد ہونا ہی محال ہے۔ اس کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے عیب کی بات تجویز کرنا ہے۔ اور اسکی ذات کو محتاج بتانا ہے' حالانکہ وہ ان سب باتوں سے پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲)

پھر فرمایا: اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ۚ (تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے) بے سند باتیں ہیں خود تراشیدہ خیالات ہیں اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تم علم نہیں رکھتے)

پھر فرمایا: قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے) مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ (دنیا میں تھوڑا سا نفع ہے پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھا دیں گے) اس میں اس شبہ کا جواب ہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ مشرک اور کاذب اور مفتری آرام و راحت میں ہیں۔ ان کے پاس مال بھی ہے حکومتیں بھی ہیں اس طرح تو وہ کامیاب نظر آتے ہیں۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تھوڑی سی دنیاوی زندگی ہے اسمیں تھوڑا سا عیش کر لیں گے۔ پھر ہمارے پاس آئیں گے وہاں کفر کا سخت عذاب چکھیں گے۔ اس عذاب کے سامنے یہ ذرا سا چند روزہ دنیا کا عیش کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا' جو دوزخ میں جائے (اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے) وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ
اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنایئے' جبکہ نوح نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا قیام کرنا
بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ
اور اللہ کی آیات کی یاد دہانی کرنا تم پر بھاری ہے تو میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا سو تم سب مل کر اپنے شرکاء کے ساتھ اپنی تدبیر کر لو پھر وہ تمہاری تدبیر ڈھکی چھپی نہ رہے
غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ
پھر تم میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو اور مجھے مہلت نہ دو۔ سو اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تم سے کسی معاوضہ کا سوال تو کیا نہیں ہے۔ میرا اجر تو
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ
صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔ سو انہوں نے اُن کو جھٹلایا پھر ہم نے اُن کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے
فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ
نجات دے دی اور ہم نے انہیں پہلے لوگوں کے بعد زمین کا آباد کرنے والا بنا دیا اور ہم نے اُن لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا سوائے مخاطب دیکھ لے
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾
جن کو ڈرایا گیا تھا اُن کا کیسا انجام ہوا

حضرت نوح علیہ السلام کا جرأت کے ساتھ اپنی قوم سے خطاب فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق ہو جانا!

تفسیر: ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورۂ ھود اور سورۂ نوح میں مذکور ہے۔ نیز سورۂ اعراف (رکوع ۸) میں بھی گزر چکا ہے۔ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیں[1] اور سورہ ھود (رکوع ۳) اور (رکوع ۴) کی تفسیر کا مطالعہ کر لیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال قیام فرمایا اُن کو طرح طرح سے سمجھایا توحید کی دعوت دی شرک کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی لیکن وہ لوگ برابر مخالفت کرتے رہے اور دشمنی پر اُتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ یٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ (کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تم سنگسار کیے جانے والے آدمیوں میں سے ہو جاؤ گے) حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شرکاء (جن کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو) سب مل کر میرے خلاف منصوبہ بنا لو اور ایسا منصوبہ ہو جو ڈھکا چھپا نہ ہو پھر تم اپنے اس منصوبہ کے موافق میری ایذا رسانی کے لئے جو چاہو فیصلہ کر لو۔ مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں۔ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا اور مجھے تم سے کوئی لالچ بھی نہیں۔ اگر مجھے تم سے کچھ لالچ ہوتا تو مجھے یہ خیال ہوتا کہ تم ناراض ہو جاؤ گے تو جس نفع کی اُمید ہے وہ حاصل نہ ہو گا تم اگر رُوگردانی کرو اور اپنے اعراض پر باقی رہو تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا اُجر تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ برابر جھٹلاتے رہے اور اُنہوں نے صاف کہہ دیا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ (کہ جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو تو اسے لے آؤ) حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی اور اپنے گھر والوں کو اور اہل ایمان کو اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لیا زبردست پانی کا طوفان آیا جس میں سارے کافر غرق ہو گئے (ان میں حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا) اور تمام اہل ایمان نے نجات پائی۔ کافروں کی ہلاکت کے بعد یہ نجات پانے والے اہل ایمان دنیا کے آباد کرنے والے بنے۔ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ اب دیکھنے والے دیکھ لیں اور غور کر لیں کہ جن لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا' وہ اپنے کفر پر جمے رہے اور ہلاک ہوئے۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا بِمَا

پھر ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی پیغمبر بھیجے جو اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے۔ سو وہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو وہ ایسے نہ تھے

كَذَّبُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ

کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان لے آئیں۔ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ پھر اُن کے بعد

[1] انوار البیان ج ۳

مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اُس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا' سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ

سو جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ جب تمہارے پاس حق آ گیا

لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا

تو کیا تم اس کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادو کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ کہنے لگے کہ تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ جس چیز پر

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ

ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے تو ہمیں اس سے ہٹا دے۔ اور زمین میں تم دونوں کو سرداری مل جائے اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور

فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا

فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر جادوگر کو لے آؤ جو خوب جاننے والا ہو۔ سو جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے ان سے کہا ڈال دو

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تم جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے بلاشبہ عنقریب اللہ

سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

اُسے باطل کر دے گا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا' اور اللہ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

مجرمین بُرا مانیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور اُن کے مقابلہ میں جادوگروں کا شکست کھانا

تفسیر: ان آیات میں اول تو اجمالی طور پر ان پیغمبروں کی آمد اور تبلیغ اور قوموں کی تکذیب کا حال بیان فرمایا جو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان تھے۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو پہلے سے جس کفر پر جمے ہوئے تھے اسی پر جمے رہے اور حق کو قبول نہ کیا ان لوگوں کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ لہٰذا حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے فرعون اور اسکی قوم کے

سرداروں کی طرف بھیجا جو ہماری آیات و معجزات لے کر پہنچے جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس ان دونوں حضرات نے حق پیش کیا اور توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑنے کا حکم فرمایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا' جیسا کہ سورۂ مومنون نے ان کا قول نقل فرمایا ہے۔ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ اُن کی قوم ہمارے زیر حکم ہے) یہ لوگ پہلے سے مجرم تھے کافر تھے اور کفر ہی پر جمے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کی اُن سے کہا کہ اپنے رسول ہونے کی نشانی پیش کرو انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو بہت زیادہ سفید تھا اور اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی تو وہ اژدھا بن گئی' اس پر وہ لوگ تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم حق کو جادو کہتے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا یہ جادو ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ تو دنیا میں بھی ذلیل رہتے ہیں اور آخرت میں بھی اُن کے لئے تباہی ہے اور خاص کر جو شخص جادو کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرے' وہ تو اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا' اس میں یہ بات بیان فرمائی کہ دیکھو میں تو کامیاب ہوں اور کامیاب رہوں گا اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے گا وہ ناکام ہوگا۔

فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے جی ہاں ہم نے سمجھ لیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے' اس سے تم ہمیں ہٹا دو اور جب ہم تم پر ایمان لے آئیں تو پھر زمین میں تمہارا ہی حکم چلے اور تمہیں ہی سرداری مل جائے اور تم ہی صاحب اقتدار ہو جاؤ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اہل دنیا' دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور جس طرح خود دُنیا کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی طالب دنیا ہے۔ اور اسکی ساری محنت کوشش اس لئے ہے کہ اسے ملک مل جائے۔ آخرت کی بڑائی اور بلندی ان کے سامنے ہوتی ہی نہیں۔ فرعون نے اور اس کی جماعت نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے یہی کہا کہ تم دنیا کے طالب ہو سرزمین مصر کی حکومت چاہتے ہو (والعیاذ باللہ)

چونکہ انکی لاٹھی والا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے یوں کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اس لئے جادو کا مقابلہ کرانے کے لئے جادوگروں کو طلب کرنے کی سوجھی۔ فرعون نے کہا میری قلمرو میں جتنے بھی ماہر جادوگر ہیں سب کو بلا لو۔ چنانچہ جادوگر بلائے گئے اور مقابلہ کی بات چلی جب وہ لوگ سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ بولئے آپ اپنی لاٹھی ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو' انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں جو اُن کے جادو کی وجہ سے دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اژدھا بن گئی۔ اور اُن کی ڈالی ہوئی چیزوں کو اس نے چٹ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ دیکھو تم جو کچھ لے کر آئے ہو جادو ہے اور میں جو کچھ لے کر آیا ہوں وہ جادو نہیں ہے۔ فرعون اسے جادو کہہ رہا ہے۔ بلاشبہ ابھی ابھی اللہ تمہارے جادو کو باطل قرار دے گا۔ چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ جادوگر اپنی جادوگری میں ناکام ہوئے پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں بننے دیتا) اللہ کے نبی کے مقابلہ میں جو شخص آئے گا وہ فسادی ہوگا وہ مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ

بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین کو یہ ناگوار ہو) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ کا وعدہ تھا اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وہ پورا ہوا۔ فرعون اور فرعونیوں کو اور جادوگروں کو شکست فاش ہوئی۔ فالحمد للہ علی ماقضٰی۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ
سو موسیٰ پر ان کی قوم میں تھوڑے سے لوگ ایمان لائے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں
يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ
فتنے میں نہ ڈالے اور بلاشبہ فرعون اُس زمین میں بلندی والا تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں سے تھا اور موسیٰ نے کہا
مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾
کہ اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو
فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ
انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے
مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا
ہمیں کافر قوم سے نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو
وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾
اور اپنے گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو اور نماز قائم کرو اور مومنین کو خوشخبری دو

مصر میں بنی اسرائیل کا بے بس ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا انہیں توکل کی تلقین فرمانا اور گھروں میں نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرنے کا حکم دینا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اپنی قوم کی طرف بھی مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ فرعون اور اُن کی طرف بھی انکی بعثت ہوئی تھی۔ فرعون کی قوم میں سے ایک شخص نے ایمان قبول کیا جس کا ذکر سورۂ مومن میں ہے اور فرعون کی بیوی بھی مسلمان ہوگئی تھی جس کا سورۂ تحریم میں ذکر ہے اور بعض لوگوں نے ماشطہ (فرعون کی لڑکی کی کنگھی کرنے والی) اور اس کے خزانچی اور اس کی بیوی کے مومن ہونے کا بھی ذکر کیا ہے بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا۔ مسلمان تو ہو گئے لیکن فرعون سے اور اس کی قوم کے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ کہیں انہیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ یعنی جو دین حق انہوں نے قبول کرلیا ہے اس سے ہٹا نہ دے۔ فرعون کو زمین میں اقتدار حاصل

تھا۔ متکبر بھی تھا اور ظالم بھی، جن لوگوں کو سزا دیتا تھا وہ بہت سخت سزا ہوتی تھی۔ ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اسی لئے اُسے سورۂ والفجر میں ذُو الْاَوْتَادِ فرمایا ہے۔

تکبر اور تجبر میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنے بارے میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا تھا جو لوگ مومن ہوئے وہ اس سے ڈرتے رہتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم واقعی اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم فرمانبردار ہو۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا پھر یوں دعا کی کہ اے اللہ ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا جو ہمیں تکلیف دیں اور تختۂ مشق بنائیں، اور ہم پر رحم فرما کافر قوم سے نجات دے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دُعا کرنے والے کو اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ توکل ہوگا تو دُعا کی قبولیت کی اُمید زیادہ بندھ جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل دُعاء کے منافی نہیں ہے۔ توکل کا معنی یہ ہے کہ اسباب عادیہ پر نظر نہ رہے اور صرف خالق الاسباب پر بھروسہ ہو جائے۔ اور دعا بھی اُسی ذات پاک سے مانگی جاتی ہے جس پر بھروسہ ہے اس لئے دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر ہی میں گھر بنائے رکھو اور گھروں ہی میں نمازیں پڑھتے رہو۔ یہ گھر ہی تمہارے لئے مسجدیں ہیں چونکہ فرعون کے ظلم کی وجہ سے باہر مسجدیں نہیں بنا سکتے تھے اور کھل کر نماز پڑھنے کا موقعہ نہ تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھیں۔ اور نماز قائم رکھیں۔ (اس سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ جہاں بھی ہوں مظلومیت کے جن حالات سے بھی گذر رہے ہوں نماز قائم کرنے میں سستی نہ کریں)۔

آخر میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اہل ایمان کو بشارت دے دو) اللہ تعالیٰ ان کی دُعا قبول فرمائے گا انہیں ظالموں سے نجات دے گا، اور دُشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائے گا۔ اور اُن کی مظلومیت کی جو حالت ہے اس سے نجات دے گا۔ (جس کا ذکر آگے آرہا ہے)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا والی زندگی میں زینت اور اموال دیئے ہیں
رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
اے ہمارے رب! یہ اس لئے ہیں کہ وہ آپ کے راستے سے ہٹایا کریں، اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیجئے۔
فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا
سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو
وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ
اور اُن لوگوں کے راستہ کا ہرگز اتباع نہ کرو جو نہیں جانتے، اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گزار دیا پھر

فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ

بغاوت اور زیادتی کرتے ہوئے فرعون اور اس کا لشکر اُن کے پیچھے ہولیا' یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں

اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ

کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں' کیا اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ اس سے

قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۹۱ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ

پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنیوالوں میں سے ہے سو آج ہم تیرے بدن کو بچائے دیتے ہیں تا کہ ہو وے تو اپنے پچھلوں کے واسطے

اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝۹۲

نشانی اور بیشک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے

فرعون اور آل فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا' فرعون کا غرق ہونا' اور عبرت کے لئے اس کی نعش کا باقی رکھا جانا

تفسیر: فرعون اور اس کی قوم مصر میں صاحب اقتدار تھے ان کے پاس اموال تھے زیب و زینت کے ساتھ رہتے تھے اور بنی اسرائیل جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر آباد ہو گئے تھے وہ وہاں پردیسی تھے اور چونکہ اہل مصر یعنی قبطیوں کی قوم میں سے نہ تھے اس لئے اُن سے محنت کے کام لئے جاتے تھے بلکہ ان سے بیگاریں لیتے تھے۔ بنی اسرائیل مال کے اعتبار سے بھی بہت کمزور تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! آپ نے ان لوگوں کو دنیاوی ساز و سامان دیا ہے جو اس بات کا ذریعہ بن رہا ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستہ سے ہٹائیں اور گمراہ کریں۔ آپ انکے مالوں کو ختم فرما دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے تا کہ یہ دردناک عذاب دیکھنے تک ایمان نہ لائیں اور کفر کی سزا دنیا میں اور آخرت میں چکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دُعا کرتے جاتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔ دُعا کرنے والے کی دُعا پر آمین کہنا بھی دُعا میں شریک ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دُعا قبول کر لی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور استقامت کے ساتھ کار مفوضہ انجام دیتے رہو یعنی تبلیغ حق کا کام کرتے رہو اور جو لوگ نادان ہیں انکی راہ کا اتباع نہ کرو (تمہاری مدد کا وعدہ تو ہے لیکن اس کے ظہور میں جو دیر لگے اس دیر سے مت گھبرانا جیسا کہ وہ لوگ گھبرا جاتے ہیں جو عادۃ اللہ کو نہیں جانتے اور جن کی اللہ کی حکمتوں پر نظر نہیں ہوتی) صاحب روح المعانی نے فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کی یہی تفسیر کی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن جریج اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کہ چالیس سال کے بعد اس دُعا کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہوا' اور بنی اسرائیل نے ان کے شر سے نجات پائی۔

جب دعاء کی قبولیت یعنی اس کا اثر ظاہر ہونے کا وقت آیا تو حسب فرمان باری تعالیٰ شانہٗ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے۔ سمندر پر لاٹھی ماری تو سمندر ٹھہر گیا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے یعنی اس میں راستے نکل آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر اس میں سے گزر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم کو یہ بھی گوارانہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو مصر چھوڑ کر صحیح سالم جانے دیں۔ یہ لوگ سینکڑوں سال سے بنی اسرائیل پر ظلم و زیادتی کرتے آ رہے تھے ان کے چلے جانے سے متفکر ہوتے تھے کہ اب ہماری خدمت کون کرے گا ان کا تعاقب کرنے کے لئے فرعون اپنا لشکر لے کر آیا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر کے راستوں میں گھس گئے (جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیئے تھے) اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سمندر کو ملا دیا سارے راستے ختم ہو گئے اور سارا سمندر ایک ہو گیا' لہٰذا فرعون اور اس کے لشکری سب اس میں ڈوب گئے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ شعراء اور سورۂ دخان میں بیان فرمایا ہے۔

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنا انعام یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا۔ سو ہم نے تمہیں نجات دے دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور حالت یہ تھی کہ تم دیکھ رہے تھے)

جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ بنی اسرائیل جس ذات کے معبود ہونے پر ایمان لائے میں اسی ذات پر ایمان لاتا ہوں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں' اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کے دین کو قبول کر کے میں بھی غرق ہونے سے بچ جاؤں جیسا کہ یہ لوگ بچ گئے' لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب موت کے احوال نظر آنے لگیں اس وقت کا ایمان معتبر نہیں لہٰذا اس وقت اس کا ایمان لانا اس کے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ خطاب کیا گیا آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (کیا اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت جبرائیل یا حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون کو یہ بھی کہا گیا: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔ سو آج ہم تیرے بدن کو نجات دے دیتے ہیں۔ یعنی تیری لاش کو پانی میں بہا دینے کی بجائے پانی کے اوپر تیرا دیتے ہیں تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانی بن جائے۔ بعد میں آنے والے تجھ سے عبرت لیں اور دیکھیں کہ اللہ کے باغی کا کیا انجام ہوا۔ اور یہ بھی سمجھ لیں کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا ہی سلطنت اور دبدبہ والا ہو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ کوئی شخص اپنی سلطنت پر گھمنڈ نہ کرے۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں) جو فکر نہیں کرتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس آیت سے اتنا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا اور اس کی نعش کو پانی میں بہنے سے اور دریائی جانوروں کے کھانے سے محفوظ فرما دیا۔ اس نعش کو لوگوں نے دیکھا اور اس سے لوگوں کو بھی عبرت ہوئی کہ جو شخص اپنے کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور جسے معبود سمجھا جاتا تھا اس کا یہ انجام ہوا۔ سارا اقتدار تخت و تاج محلات سب دھرے رہ گئے اور سمندر میں ڈوب کر نہ صرف وہ تنہا بلکہ اس کے لشکر بھی ہلاک ہو گئے۔ بنی اسرائیل کو بھی یقین آ گیا کہ ہمارا جو دشمن تھا وہ غرق ہو گیا اور جس کے ڈر سے بھاگے تھے اسکی ڈوبی ہوئی نعش کو نظروں کے سامنے دیکھ لیا اور حضرت موسیٰ

اور ہارون علیہما السلام نے جو دُعاء کی تھی اس کی قبولیت واضح طور پر نظروں کے سامنے آ گئی۔

لفظ خَلْفَكَ جو فرمایا (جس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ تیرے پیچھے ہیں تو ان کے لئے عبرت بن جائے) اس کا عموم اس وقت کے موجودہ لوگوں کو بھی شامل ہے اور بعد میں آنے والوں کو بھی۔ لیکن قرآن مجید میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کتنے عرصہ تک اس کی نعش کو محفوظ رکھا گیا۔ اُس زمانہ کے لوگوں کو عبرت حاصل ہونے کے بعد اسکی نعش محفوظ نہ رہی ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں اور اگر زمانہ دراز تک باقی رہی ہو تو یہ بھی ممکن ہے۔ اہل مصر کو نعشوں پر مصالحہ لگا کر باقی رکھنے کا شوق تھا اور اس کا مصالحہ لگا کر باقی رکھتے تھے اس مصالحہ کو ممی کہا جاتا تھا۔ تقریباً تین سو سال سے ممی لگائی ہوئی بہت سی نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور اُن میں فرعون کی نعش بھی بتائی جاتی ہے جو قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ یقینی طور پر ایسا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں فرعون کی نعش بھی ہے جو حضرت موسیٰؑ کا تعاقب کرتے ہوئے غرق ہوا تھا۔ کیونکہ شرعی سند سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے مگر بعض ریسرچ کرنے والوں کا بیان ہے کہ مذکورہ عجائب گھر میں جو نعشیں محفوظ ہیں اُن میں ایک نعش اس فرعون کی بھی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور آل فرعون کے لئے جو بد دُعاء کی کہ یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں۔

اس کے بارے میں یہ اشکال کیا جاسکتا ہے کہ وہ تو ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اپنے مخاطبین کے لئے گمراہی پر مرنے کی بددعاء کیسے فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرعون اور آل فرعون پر تبلیغ کی محنت کرنے اور اُن سے نا اُمید ہو جانے کے بعد کی بات ہے اور یہ بد دُعا ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے بد دُعا کی تھی۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (اے رب زمین پر ایک بھی کافر باشندہ مت چھوڑ)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کا اچھا ٹھکانہ دیا اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں' سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اُن چیزوں میں ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

يَخْتَلِفُوْنَ ۝۹۳ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ

سو اگر آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف اُتارا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کر لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۹۴ وَلَا

پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق آ گیا ہے۔ سو آپ ہرگز شک کرنیوالوں میں سے نہ ہوں' اور ان

تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۵ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ

لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جایئے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ آپ تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے' بے شک جن لوگوں پر

عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ انکے پاس تمام دلیلیں آ جائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو

الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

نہ دیکھ لیں

بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ اور پاکیزہ رزق ملنا

تفسیر: فرعون اور اس کے لشکر تو ڈبو دیئے گئے اور بنی اسرائیل سمندر پار کر کے اپنے علاقہ فلسطین کے لئے روانہ ہو گئے۔ اپنی شرارتوں کی وجہ سے چالیس سال میدان تیہ میں گھومتے رہے اس کے بعد انہیں اپنے وطن میں ٹھکانہ مل گیا اور یہ لوگ وہاں صاحب اقتدار ہو گئے۔ ٹھکانہ بھی اچھا ملا اور کھانے پینے کے لئے پاکیزہ چیزیں نصیب ہوئیں۔ اللہ کی ان عظیم نعمتوں پر انہیں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے دین میں اختلاف شروع کر دیا اور جہل کی وجہ سے نہیں بلکہ علم پہنچنے کے بعد آپس میں اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اُن اُمور میں فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے پہلے سے یہ لوگ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے اور قرآن مجید کو سن لیا اور آپ کے بارے میں یہ جان لیا کہ آپ ہی اللہ کے آخری نبی ہیں، ہم جن کے انتظار میں تھے تو اختلاف کر بیٹھے۔ اکثر نے تو تکذیب کی اور معدودے چند ہی مسلمان ہوئے' اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا۔ مکذبین آتش دوزخ میں داخل ہوں گے اور اہل ایمان نجات پائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ (الآیتین)۔ اس میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو آپ کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں شک کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں تھا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ اور يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ کہہ کر خطاب فرمایا ان میں صورت خطاب تو آپ کو ہے لیکن معنوی طور پر خطاب اہل ایمان کو ہے۔ اسی طرح آیت بالا میں ظاہری خطاب آپ کو ہے اور مقصود وہ لوگ ہیں جو شک کی دلدل میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک کرنے والے ان لوگوں سے پوچھ لیں جو پہلے سے کتاب پڑھتے تھے یعنی یہود و نصاریٰ سے معلوم کر لیں کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی خبر ہے یا نہیں۔ اور اس بارے میں جو تمہارے پاس علم ہے اس کے مطابق آپ پر وہ صفات منطبق ہوتی ہیں یا نہیں؟ جو تم پڑھتے آئے ہو۔ اگر وہ ضد اور عناد کو چھوڑ کر حقیقت واقعہ کے مطابق بتائیں گے۔ تو یہی بتائیں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی واقعی اللہ کی کتاب ہے۔ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ فَاِنْ كُنْتَ میں جو خطاب ہے اس سے عام انسان مراد ہیں اور مطلب یہ ہے

کہ اے انسان اگر تجھے اس وحی میں شک ہے جو بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تیری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے دریافت کر لے جو اس سے پہلے اللہ کی کتاب یعنی توریت انجیل پڑھتے آ رہے ہیں وہ تجھے بتا دیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام نے آپ کی بعثت کی بشارتیں دی ہیں۔ اور اُنکی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کی خبر موجود ہے۔ یہ بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (بلاشبہ تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آ گیا سو تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو) وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (اور ہرگز اُن لوگوں میں سے نہ ہو جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ تو تباہ کاروں میں سے ہو گا)

پھر فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بلاشبہ جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (اگرچہ اُن کے پاس تمام دلیلیں آ جائیں جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں) اُس وقت ایمان لانا معتبر نہ ہو گا اور اس وقت کا ایمان عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ جیسا کہ فرعون نے ڈوبتے وقت یوں کہا کہ میں اسی معبود پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے لیکن اس کا یہ ایمان اس کے لئے کچھ کام نہ آیا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا

سو کوئی بستی ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اُسے نفع دیتا مگر یونس کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رُسوائی

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

والا عذاب دنیا والی زندگی میں ان سے ہٹا دیا۔ اور انہیں ہم نے ایک وقت تک فائدہ پہنچایا

عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا

تفسیر: اس سے پہلے فرعون کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا لیکن اس کا ایمان لانا نامقبول ہوا۔ دوسری آیات میں واضح طور پر بتایا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ سورۂ ہود میں فرمایا: يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا اور انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا) اور سورۂ والنزعات میں فرمایا: فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى۔ (سو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا) اور سورۂ قصص میں فرمایا: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝ (ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے اُن لوگوں کو ایسا پیشوا بنایا تھا جو دوزخ کی

طرف بلاتے رہے۔ اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)

اور سورۂ والذاریات میں فرمایا: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ (سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا) اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب عذاب نظر آ جائے اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ سورۂ مومن میں فرمایا: فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب اُنہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اُس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے)

اس قانون سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا استثناء فرمایا۔ ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو ایمان قبول کرلیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی چیزوں کے ذریعہ فائدہ پہنچایا' ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی موت پر مرتا رہا اور عذاب کے ذریعہ اجتماعی طور پر جو ہلاکت کا معاملہ ہو۔ وہ ختم ہوگیا۔ آیت بالا میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینویٰ بستی کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو موصل کی سرزمین (عراق) میں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان پر محنت کرتے رہے ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا بالآخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تین دن کے اندر تم پر عذاب آ جائے گا وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ تو بولا نہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ تیسری رات کو یہ یہاں رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ رات کو رہ گئے تو ہم سمجھیں گے کہ عذاب کچھ نہیں صرف دھمکی ہے اور اگر انہوں نے ہمارے ساتھ رات نہ گزاری تو ہم سمجھ لیں گے کہ صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی رات میں وہاں سے نکل گئے جب صبح ہوئی تو انکی قوم نے اپنی آنکھوں سے عذاب کے آثار دیکھ لئے۔ آسمان پر سخت سیاہ بادل چھا گئے اور دُھواں نازل ہونے لگا جو انکی بستی اور ان کے گھروں کی چھتوں پر چھا گیا۔ جب ہلاکت کا یقین ہوگیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن کہیں نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توبہ کی طرف متوجہ فرمادیا۔ وہ اپنی جانوں' عورتوں' بچوں اور جانوروں کو لے کر میدان میں نکل گئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی اور ایمان قبول کیا اور خوب زیادہ چیخے چلائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یونس جو کچھ لے کر آئے تھے ہم اس پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب روک دیا' ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ عذاب سے قوم ہلاک نہ ہوئی تو قوم کے سامنے آنے میں حجاب محسوس ہوا۔ لہٰذا وہاں سے چلے گئے۔ دریا کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہوگئے۔ کشتی حرکت کرنے لگی۔ ملاحوں نے کہا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے لہٰذا ہم قرعہ ڈال لیتے ہیں جس کا نام نکلے گا اُسے دریا میں ڈال دیں گے۔ تین مرتبہ قرعہ ڈالا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا انہوں نے فرمایا کہ میں وہ غلام ہوں جو اپنے آقا کے فرمان کا انتظار کئے بغیر بھاگ آیا ہوں' لہٰذا اُنہوں نے اپنی جان کو سمندر میں ڈال دیا (چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبد آبق (بھاگنے والا غلام) میں ہی ہوں۔ کشتی کے سارے

سواروں کو بچانے کے لئے مجھے ہی اپنی جان کو سمندر میں ڈال دینا چاہیے۔ لہٰذا سمندر میں خود سے چھلانگ لگادی اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ وہیں اللہ کو یاد کرتے رہے اور تسبیح میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں آپ کی حفاظت فرمائی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں کسی جگہ ذُوالنُّوْنِ اور کسی جگہ صَاحِبُ الْحُوْتِ فرمایا ہے (دونوں کا ترجمہ ہے مچھلی والا) ان کا مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ سورۃ انبیاء (ع ۶) اور سورہ صافات (ع ۵) اور سورہ ن والقلم (ع ۲) میں مذکور ہے۔ سورہ صافات میں کشتی میں سوار ہونے اور قرعہ ڈالنے پھر سمندر سے باہر ڈال دیئے جانے اور اُن کے اوپر کدو کا درخت اُگا دینے کا تذکرہ ہے اور وہاں یوں فرمایا ہے فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ جیسا کہ یہاں ایمان لانے پر عذاب ٹل جانے اور بعد میں آئندہ کچھ زمانہ تک دُنیا سے نفع حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے تفصیل کے لئے سورہ انبیاء اور سورہ والصافات کی تفسیر دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آثار دیکھنے پر بھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول فرمالی اور انہیں عذاب سے ہلاک نہ فرمایا۔ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے اُسے پورا اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے تکوینی اور تشریعی قانون نافذ فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے نجات دے۔

قال صاحب الروح (ص ۱۹۳ ج ۱۱) وظاهر الآية يستدعى أن القوم شاهدوا العذاب لمكان (كشفنا) وهو الذى يقتضيه أكثر الاخبار وإليه ذهب كثير من المفسرين، ونفع الايمان لهم بعد المشاهدة من خصوصياتهم فان ايمان الكفار بعد مشاهدة ما وعدوا به ايمان بأس غير نافع لا رتفاع التكليف حينئذٍ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہوں نے عذاب دیکھا تھا لفظ ''کشفنا'' کی وجہ سے اور اکثر احادیث بھی اسی کا تقاضا کرتی ہیں اور اکثر مفسرین کی رائے بھی یہی ہے اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان کا نافع ہونا اسی قوم کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ عذاب موعود کے مشاہدہ کے بعد کافروں کا ایمان لانا ایمان یاس ہے جو کہ نفع مند نہیں ہے کہ اس وقت شرعی تکلیف ختم ہو جاتی ہے)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے ایمان لے آتے، کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے تاکہ وہ

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ

مومن ہو جائیں، اور کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے، اور اللہ ان لوگوں پر گندگی

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا

واقع فرماتا ہے جو سمجھ نہیں رکھتے[1] آپ فرما دیجئے دیکھ لو آسمانوں میں اور زمین میں

[1] اس میں یہ بتایا کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے کفر پر جمے رہنے ہی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت ان کے ایمان سے متعلق نہیں ہوتی کما قال تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ۔

تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلۡ یَنۡتَظِرُوۡنَ اِلَّا مِثۡلَ

کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں دلائل اور ڈرانے والی چیزیں نفع نہیں دیتیں، سو کیا وہ یہ انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کے پاس انہیں

اَیَّامِ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾

لوگوں کے واقعات آجائیں جو اُن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کر لو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں،

ثُمَّ نُنَجِّیۡ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾

پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور اسی طرح ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے

اگر اللہ چاہتا تو سب ایمان قبول کر لیتے!

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مومن بھی رہیں گے۔ کافر بھی رہیں گے۔ اللہ کی حکمت کا یہی تقاضا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو زمین کے بسنے والے سب لوگ ایمان لے آتے۔ جب اللہ کی حکمت اسی میں ہے کہ زمین پر کافر بھی بسیں اور مومن بھی رہیں تو آپ کو اس پر اصرار نہ ہونا چاہئے کہ سب لوگ مومن ہو جائیں۔ کیا آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مومن بنائیں گے؟ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ زبردستی کر کے لوگوں کو مومن بنا لیں۔ جو شخص مومن ہوتا ہے اللہ کے اذن یعنی اسکی مشیت سے مومن ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات بھی ہے کہ جو لوگ عقل کو کام میں نہیں لاتے ایمان کی خوبی اور برتری انہیں ناپسند ہے اللہ تعالیٰ ان پر کفر کی گندگی واقع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم غور کر لو اور دیکھ لو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں۔ دلیلیں بھی ہیں اور ڈرانے والی وعیدیں بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ پہنچی ہیں لیکن جو لوگ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اُن کو یہ چیزیں فائدہ نہیں دیتیں۔ اب جبکہ دلائل سامنے آ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو انہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ ایسے واقعات ان کے سامنے آجائیں جو اُن سے پہلی امتوں کے واقعات گذر چکے ہیں۔ اُنہوں نے تکذیب کی اور کفر کو اختیار کیا۔ پھر عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے فرمایا قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ (آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرتے رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں) تکذیب کرنے والوں کا جو بُرا حال بنے گا وہ سامنے آجائے گا۔

آخر میں فرمایا ثُمَّ نُنَجِّیۡ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ۔ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ہم مکذبین کو ہلاک کر دیتے ہیں پھر اپنے رسولوں کو نجات دے دیتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اسی طرح نجات دیتے ہیں حَقًّا عَلَیۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں) اس میں اہل ایمان کو خوشخبری ہے اور مواقع عذاب سے نجات پانے کی بشارت ہے۔

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ شَكٍّ مِّنۡ دِیۡنِیۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو سو میں اُن لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہو جاؤں،

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین کی طرف اس طرح سے متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں اور یہ کہ ہرگز مشرکوں میں سے مت ہو جانا،

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور تو اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر دے سکے، سو اگر تو نے ایسا کیا تو بلاشبہ تو ظالموں میں سے ہو جائیگا،

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو اللہ کے سوا اُسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمائے تو اُس کے فضل کو

یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾

کوئی بھی ہٹانے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔ اور وہ غفور ہے رحیم ہے

اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے وہی خیر اور ضرر کا مالک ہے اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرما دیں کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے تو یہ تمہاری جہالت اور گمراہی ہے، حق میں شک کرتے ہو اور شرک سے چپکے ہوئے ہو، تمہارے اس شک کا مجھ پر کوئی اثر کبھی بھی ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو میں کبھی بھی ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اگر تم اس بھول میں ہو کہ میں کبھی العیاذ باللہ تمہارا دین قبول کر لوں گا تو یہ تمہاری گمراہی اور خام خیالی ہے، میں تو اس ذات پاک کی عبادت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جو تمہیں موت دیتا ہے۔ تم اپنی جان کو عذاب سے بچانے کے لئے فکر کرو اگر تم نے دین توحید کو قبول نہ کیا اور دین شرک اور کفر پر تمہاری موت آ گئی تو تمہارا موت کے بعد کیا بنے گا؟ اس پر غور کر لو اور اس بارے میں بھی غور کر لو کہ خالق اور مالک کی عبادت چھوڑ کر مخلوق کو معبود بنانا بے سمجھی اور ناعقلی کی بات ہے۔ یَتَوَفّٰىكُمْ فرمایا اور یَتَوَفّٰانِیْ نہیں فرمایا کیونکہ جو لوگ مخاطب تھے انہیں احساس دلانا تھا کہ تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں ہے مرنا بھی ہے۔

ان کو بتانا یہ مقصود تھا کہ تم مرو گے اور موت کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور کفر کی سزا پاؤ گے۔ اس کے بعد فرمایا وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کیا گیا ہے کہ میں اللہ کے ان بندوں میں شامل

رہوں جو اہل ایمان ہیں۔ لہٰذا میں ایمان کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کفر کو چھوڑ دو۔ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اپنی ذات کو اس دین (یعنی دین توحید) کی طرف اس طرح متوجہ رکھوں کہ دوسرے سب طریقوں سے علیحدہ رہوں۔ لہٰذا میں تمہاری طرف نہ مائل ہو سکتا ہوں اور نہ تم سے کوئی اُونچ نیچ کر کے مصالحت اور مسامحت ہو سکتی ہے۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (اور میرے رب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہرگز مشرکین میں سے مت ہو جانا) لہٰذا میں تو ہمیشہ موحد ہی رہوں گا۔ وھٰذا کما فی سورۃ الانعام قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۔ (آپ فرما دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کا اتباع نہیں کرتا کیونکہ اس حال میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پر نہ رہوں گا)

اس کے بعد یوں فرمایا: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ (اور اے مخاطب اُسے مت پکار جو تجھے نفع نہ دے سکے اور نہ ضرر) جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس میں انکی بے وقوفی اور حماقت بیان فرمائی، نفع اور ضرر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو شخص غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے اس نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے جو ذرا بھی نفع یا ضرر نہیں دے سکتے۔ مزید فرمایا: فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سو اگر تو نے ایسا کیا یعنی غیر اللہ کی عبادت کی جو نفع اور ضرر کا مالک نہیں تو تو ظالموں میں سے ہو جائے گا) مشرک اپنی جان پر ظلم کرتا ہے جس کی سزا دوزخ کا عذاب ہے اور اپنی عقل و فہم پر بھی ظلم کرتا ہے۔ مشرکین کا اتباع کرتا ہے اور اپنی عقل سے نہیں سوچتا کہ میں کس کو پوجتا ہوں، مجھے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس کی عبادت نہ کروں تو مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ خالق اور مالک کو چھوڑ کر اپنے سے بھی کم حیثیت والی مخلوق کی عبادت کرنا جو نہ بولے اور نہ سُنے اور جو اپنی تراشی اور بنائی ہوئی ہے۔ یہ اپنی جان اور اپنی عقل و فہم پر ظلم کرنا نہیں ہے تو کیا ہے؟

پھر فرمایا وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ (اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی ضرر پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں)

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (اور اگر وہ تجھے کوئی خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اس کے فضل کو کوئی بھی رد کرنے والا نہیں ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ جسے اللہ کی طرف سے جو بھی کوئی خیر پہنچ جائے وہ محض اللہ کا فضل ہے۔ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچا دے) فضل کا عموم دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (اور وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)۔

مغفرت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اُس سے آخرت کی نجات ہوتی ہے۔ نیز حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں، اور وہ رحیم بھی ہے۔ رحمت کے عموم میں دنیاوی نعمتوں کا اور ہر دکھ تکلیف سے بچانے کا تذکرہ آ گیا۔ اس میں بھی مشرکین پر تعریض ہے کہ ایسے غفور اور رحیم کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو جن سے کچھ بھی ملنے والا نہیں نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق آ گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے سو جو شخص ہدایت پائے وہ اپنی ہی جان کے لئے ہدایت پاتا ہے

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

اور جو شخص گمراہی میں رہے تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑنے والی ہے۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا' اور آپ اس کا اتباع کیجئے' جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے'

وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

ہدایت کا نفع اور گمراہی کا نقصان انسان کو ذاتی طور پر خود پہنچتا ہے

تفسیر: یہ سورۂ یونس کی آخری دو آیات ہیں اس سے چار آیات پہلے تمام انسانوں کو خطاب تھا۔ اور اب سورت کے ختم پر آنحضرت سرور عالم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں سے فرما دیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ پہنچا ہے اُسے قبول کرو' اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں کہ تم سے قبول کروا کے چھوڑوں' جو شخص قبول کرے گا ہدایت کی طرف آئے گا اس کا نفع اس کی جان ہی کو ہوگا اور جو شخص گمراہی پر جما رہے اور حق کا اتباع نہ کرے اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ ہدایت پر آنا یا گمراہی پر جما رہنا یہ ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے ہدایت کا نفع ہدایت والے ہی کو پہنچے گا۔ وہ آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا' اور جو شخص گمراہ ہوگا اسکی گمراہی اسے دوزخ میں پہنچا دے گی' لہٰذا اپنا نفع نقصان ہر شخص خود ہی سمجھ لے' اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے۔ اس کا اتباع کیجئے اتباع وحی میں دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہے اس کام کے کرنے پر لوگوں سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ آپ ان تکلیفوں پر صبر کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کیجئے وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے' جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و عدل کے مطابق ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ دنیا میں اور آخرت میں یا صرف آخرت میں مبتلائے عذاب ہوں گے۔

قال صاحب الروح (ص ۲۰۴ ج ۱۱) ولا يخفى ما في هذه الآيات من الموعظة الحسنة وتسلية النبي ﷺ ووعد المؤمنين والوعيد للكافرين والحمد لله تعالىٰ رب العٰلمين' والصلوٰة والسّلام على سيد المرسلين' الذي يونس ذكره قلوب الموحدين' وعلىٰ اٰله وصحبه اجمعين. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان آیات میں جو عمدہ نصیحت ہے اور حضور اکرم ﷺ کے لئے تسلی ہے اور مومنوں کے لئے وعدہ اور کافروں کے لئے وعید ہے وہ واضح ہے)

سُورَةُ هُودٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ ہود مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ۱۲۳ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ

الٓرٰ یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئیں پھر واضح طور پر بیان کی گئی ہیں، حکمت والے باخبر کی طرف سے ہے یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

بیشک میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں اور یہ بات کہ تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو،

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ

وہ تمہیں مقرر کردہ اجل تک خوش عیش زندگی دے گا، اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا ثواب عنایت

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

فرمائے گا اور اگر تم اعراض کرو تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں، تم کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ

اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، خبردار وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپالیں خبردار جب وہ اپنے کپڑوں کو اوڑھ لیتے ہیں

اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ

وہ اس وقت سب باتیں جانتا ہے جو پوشیدہ طور پر کرتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں، بلاشبہ وہ سینوں کے اندر کی چیزوں کو

الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾

جانتا ہے

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اسکے حضور توبہ کرنے پر انعام کا وعدہ اور اعراض کرنیوالوں کے لئے وعید

تفسیر: یہاں سے سورۂ ہودؑ شروع ہے اس کا بیشتر حصہ (از رکوع ۳ تا رکوع ۸) متعدد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور انکی قوموں کے واقعات پر مشتمل ہے یہ قومیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، ان کے واقعات میں اُمت حاضرہ کے لئے بڑی عبرت ہے، ان واقعات کے شروع کرنے سے پہلے توحید کی دعوت دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق وایجاد کا اور منکرین کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ فرمایا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور اہل ایمان کو بشارت دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب ایسی ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں پھر ان

آیات کو واضح طریقے پر بیان کر دیا گیا ہے اور اس کتاب کی توضیح ایسی ذات پاک کی طرف کی گئی ہے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے اس کتاب میں خوب زیادہ واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور ساتھ ہی نبی ﷺ کا کام بھی بتا دیا جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے یعنی یہ کہ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ (بلاشبہ میں تمہیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں) مزید فرمایا وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ (اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو) یعنی کفر کو چھوڑو اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کے حضور میں اعمالِ صالحہ پیش کرتے رہو اور گناہوں سے بچتے رہو جب بھی کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کرو پھر توبہ و استغفار کا دُنیاوی اور اُخروی فائدہ بتایا۔ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (اللہ تمہیں خوش عیش اچھی زندگی عطا فرمائے گا) یہ خوش عیش زندگی ایک وقت مقررہ تک ہوگی جب تقدیر کے مطابق اجل آ جائے گی اور موت واقع ہوگی اس وقت تک یہ عمدہ زندگی ہی رہے گی اور آخرت میں تو اہل ایمان کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ پھر فرمایا وَیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (اور ہر فضیلت والے کو جو زیادہ عمل صالح کرے اُس کے اعمال فاضلہ کا بدلہ عطا فرما دے گا) اس میں آخرت کے اجر و ثواب کا ذکر ہے۔ ثواب تو تھوڑے سے عمل کا بھی ملے گا لیکن زیادہ عمل والے کا خصوصیت کے ساتھ جو ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے بہت نیک عمل کر لئے اب آگے کیا نیک عمل کروں جو جس قدر زیادہ عمل کرے گا اُسی قدر ثواب پائے گا۔ واضح رہے کہ خوش زندگی کے لئے پیسہ زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ اصل راحت دل کی راحت اور دل کا اطمینان ہے وہ اہل ایمان کو ہمیشہ نصیب ہوتا ہے اور یہ بہت بڑی زندگی ہے پھر اس زندگی میں اہل ایمان کو جو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں ان کا ثواب آخرت میں ملے گا۔ ان تکلیفوں کے پہنچنے سے بھی آیت کا مضمون پر اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اہل ایمان ان میں بھی لذت محسوس کرتے ہیں اور ان کا اجر و ثواب جو آخرت میں موعود ہے اس کا یقین رکھنے کی وجہ سے رُوحانی تکلیف ہوتی ہی نہیں البتہ کبھی کبھی جسمانی تکلیف ہو جاتی ہے نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یُمَتِّعْکُمْ فرمایا ہے۔

یمتع کُلَّکُمْ نہیں فرمایا اور فِیْ کُلِّ الْاَزْمَانِ وَالْاَحْوَالِ نہیں فرمایا۔ لہٰذا اگر کبھی کبھی کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو یہ آیت کے مفہوم کے معارض نہیں۔ برخلاف اس کے آخرت کے ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ۔ فرمایا یعنی ہر زیادہ علم کرنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا اس میں لفظ ''کل'' کا اضافہ ہے۔ پھر فرمایا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ اور اگر تم اس سے اعراض کرو جو میں نے تم کو بتایا نہ توحید کو مانو نہ بشارت کو قبول کرو۔ نہ ڈرانے کا اثر لو تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یَوْمٍ کَبِیْرٍ (بڑے دن) سے قیامت کا دن مراد ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے دنیاوی عذاب مراد ہے۔

اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اُسے سب کو لوٹانے پر بھی قدرت ہے اور ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دینے پر بھی قدرت ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ کا سبب نزول: پھر فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (الآیۃ) اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے معالم التنزیل (ص ۳۷۳ ج ۲) میں عبداللہ بن شداد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک

منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرتا تھا تو اپنا سینہ پھیر کر اور کمر کو خم دے کر اور سر کو جھکا کر اور چہرہ کو ڈھک کر جاتا تھا تا کہ آنحضرت ﷺ اُسے نہ دیکھ سکیں اور حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ منافقین اپنے سینوں کو پھیر کر بیٹھتے تھے تا کہ اللہ کی کتاب نہ سُن پائیں اور اللہ کا ذکر اُن کے کانوں میں نہ آ جائے اور بعض حضرات سے یوں بھی نقل کیا ہے کہ بعض کافر گھر میں داخل ہو کر پردہ ڈال کر اپنی کمر کو موڑ اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا اللہ کو اب بھی معلوم ہوگا جو کچھ میرے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خبردار وہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تا کہ اللہ سے چھپ جائیں۔ خوب سمجھ لیں کہ جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اقوال اور افعال جو ظاہری چیزیں ہیں وہ ان کو اور دلوں کے ارادوں اور وسوسوں کو اور سب کو جانتا ہے آخری الفاظ یعنی اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔ میں بتا دیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں بغض اور کینہ میں مرے جاتے ہیں اسلام کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اور تدبیریں سوچتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کے ٹھکانہ کو جانتا ہے وہ ٹھکانہ زیادہ عرصہ رہنے کا ہو یا چند دن رہنے کا ہو،

كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿۶﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ

سب کچھ کتاب مُبین میں ہے اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور اس کا

عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ مِنْ

عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے، اور اگر آپ ان سے کہیں کہ بیشک تم

بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ

موت کے بعد اُٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ ضرور یوں کہیں گے کہ بس یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، اور اگر ہم تھوڑی سی مُدت تک اُن سے

الْعَذَابَ إِلٰٓى أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ط أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

عذاب کو مؤخر کر دیں تو وہ ضرور یوں کہیں گے کہ عذاب کو کون سی چیز روک رہی ہے، خبردار جس دن اُنکے پاس عذاب آ جائے گا تو

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾

وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس کا وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔

زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

تفسیر: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بتایا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ان آیات میں رزاقیت اور خالقیت بیان فرمائی، ارشاد فرمایا کہ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں۔ انسان ہوں یا حیوان چھوٹے ہوں موٹے جانور ہوں، کیڑے مکوڑے ہوں، اُن سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے یعنی ان کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لگا لیا ہے یہ اس کا فضل و کرم ہے مہربانی ہے کیونکہ اس پر کسی کا کوئی حق اور رزق واجب نہیں ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والی ساری مخلوق کا رزق اپنے ذمہ بتا کر ارشاد فرمایا: وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ کہ جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں اُن سب کے جو ٹھکانے ہیں اُسے سب کا علم ہے اور اُسے سب کے رہنے کی جگہوں کا پتہ ہے ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو بھول گیا وہ اپنے علم کے موافق اپنی ساری مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ پہاڑوں کے اندر رہنے والے کیڑے اور زمین کے سوراخوں میں آباد ہونے والی چیونٹیاں اور دوسری مخلوق اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے جانور سب اُس کے علم میں ہیں وہ سب کو روزی پہنچاتا ہے۔

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کی تفسیر: مستقر و مستودع۔ کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ ہم نے جو ترجمہ میں ان دونوں کا معنی اختیار کیا ہے وہ شانِ رازقیت کی توضیح سے قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رہنے والوں کے ٹھکانے

دو طرح کے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن میں اُنکا مستقل قیام ہے اور کچھ عارضی ٹھکانے ہیں جہاں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں ٹھکانوں پر رزق پہنچاتا ہے۔ بعض چیزیں ایک براعظم میں پیدا ہو رہی ہیں اور دوسرے براعظم کے لوگ کھا رہے ہیں یہ سب کے سامنے ہے اور یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے صاحب روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم حضرت ابنِ مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ مُسْتَقَرٌّ سے ماں کا رحم اور مُسْتَوْدَعٌ سے موت آنے کے مواقع مراد ہیں اور مطلب اس کا یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر رزق پانے والے کی ابتدائی حالت کا علم ہے کہ اُسے کس وقت سے رزق کی حاجت ہوتی ہے اور اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ اُسکی حاجت کب ختم ہوگی یعنی موت کے وقت رزق کی حاجت ختم ہو جائے گی اور موت کب ہوگی، کہاں ہوگی اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ رزق پانے والے کی زندگی جس جگہ ختم ہوگی اس جگہ کا اسکو علم ہے وہ اس کے وہاں پہنچنے تک اس کو رزق دیتا رہے گا۔

رزق مقدر پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی: اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے جتنا رزق مقدر فرما دیا ہے اسکو پورا کئے بغیر وہ دنیا سے نہیں جا سکتا، جتنا رزق مقدر ہے وہ مل کر ہی رہے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میرے دل میں جبرئیل امین نے یہ بات ڈال دی ہے کہ اُس وقت تک کسی شخص کو موت نہ آئے گی۔ جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے، سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبی کا خیال رکھو اور رزق ملنے میں دیر ہو جائے تو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب نہ کرو کیونکہ اللہ کا فضل اسکی نافرمانی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ (رواہ الحاکم کما فی الترغیب ص ۵۳۵ ج ۲)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اسی طرح طلب کر لیتا ہے جس طرح سے موت طلب کر لیتی ہے۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والبزار کما فی الترغیب ص ۵۳۵ ج ۲)

اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگے تو وہ اسے پکڑ لے گا جیسا کہ اُسے موت پکڑ لے گی۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر باسناد حسن کما فی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی آپ نے اُسے لے لیا وہیں پر ایک سائل موجود تھا وہ کھجور آپ نے اُسے عطا فرما دی اور فرمایا کہ خبردار اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آ جاتی۔ (رواہ الطبرانی باسناد جید کما فی الترغیب ص ۵۳۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے وہ کافروں کو بھی رزق دیتا ہے اور فاسقوں کو بھی ممکن ہے کہ کسی کو یہ اشکال ہو کہ بہت سے لوگوں کو فاقے ہو جاتے ہیں اور بہت سے لوگ فاقہ کشی میں مر جاتے ہیں اُس وقت اُن کا رزق کیوں نہیں پہنچتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا رزق مقرر اور مقدر فرمایا ہے رزق کی جو مقدار مقرر ہے وہ ضرور پہنچے گی زندگی بھر میں ہر ایک کا رزق مقرر پورا پہنچ جائے گا۔ ہر وقت ملے اور ہمیشہ ملے اس کا وعدہ نہیں ہے اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مر جائے تو اس کا رزق مقرر اس سے پہلے ختم ہو چکا ہے اور موت کے وقت تک جس کسی کا رزق باقی ہے وہ اُسے پہنچ جاتا ہے بعض انسان کھاتے کھاتے مر جاتے ہیں اور بعض مرنے والوں کے منہ میں حاضرین پانی وغیرہ دے دیتے ہیں، پھر فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۔ (اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں پیدا فرمایا) یہ

مضمون سورۃ الاعراف کے ساتویں رکوع میں اور سورۂ یونس کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا: وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (اور اس کا عرش پانی پر تھا) یعنی جب اس نے آسمان وزمین پیدا فرمائے اس کا عرش پانی پر تھا۔ معلوم ہوا کہ پانی اور عرش دونوں آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے پیدا ہوئے۔

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا: پھر فرمایا لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ اچھا عمل کرنے والا کون ہے) آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا ان کا وجود ہی خالق کو پہچاننے کے لئے کافی ہے پھر ان میں طرح طرح کی دوسری جو مخلوق ہے جن میں انسان بھی ہیں انکے مختلف حالات اور حاجات پورا کرنے کا سامان یہ سب چیزیں خالق مالک اور مدبر الامر اور حکیم اور قادر مطلق کی ذاتِ عالی اور اسکی صفاتِ جلیلہ پر دلالت کرتی ہیں۔ جب کوئی شخص غور کرے گا تو خالق کی توحید پر ایمان لانے کے لئے اپنی عقل کے فیصلے کے مطابق مجبور ہوگا۔ اور جب خالق جل مجدہٗ پر ایمان لائے گا تو اسکی عبادت بھی کرے گا اور ایسے اخلاق اور اعمال اختیار کرے گا جو اس کے خالق اور مالک کو پسندیدہ ہوں، خالق جل مجدہٗ کی معرفت اُسے خالق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت پر متوجہ کرے گی پھر معرفت والوں کے بھی درجات مختلف ہیں اور عبادت کرنے والوں کے بھی، لہٰذا عمل کرنے والوں کے اعمال اچھائی اور خوبی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس تقریر سے لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ کا مطلب اور ماقبل سے ربط واضح ہوگیا۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان کو دیکھ کر توحید پر استدلال کرو اور اس نے جو تمہاری حاجات پورا کرنے کا سامان پیدا فرمایا ہے اس سے متمتع ہو کر اس کا شکر ادا کرو اور اعمالِ صالحہ میں لگو اور اچھے سے اچھے عمل کی کوشش کرو۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق تمہاری جانچ اور امتحان کے لئے ہے۔ (قال صاحب رُوح المعانی ص ۱۰اج ۱۲)

اَیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا فِیْهِمَا مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ الَّتِیْ مِنْ جُمْلَتِهَا اَنْتُمْ وَرَتَّبَ فِیْهِمَا جَمِیْعَ مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَیْهِ مِنْ مَبَادِیْ وُجُوْدِكُمْ وَاَسْبَابِ مَعَاشِكُمْ وَاَوْدَعَ فِیْ تَضَاعِیْفِهِمَا مَا تَسْتَدِلُّوْنَ بِهٖ مِنْ تَعَاجِیْبِ الصَّنَائِعِ وَالْعِبَرِ عَلٰی مُطَالِبِكُمُ الدِّیْنِیَّةِ لِیُعَامَلَكُمْ مُعَامَلَةَ مَنْ یَخْتَبِرُكُمْ (اَیُّكُمْ اَحْسَنَ عَمَلاً) فَیُجَازِیْكُمْ حَسْبَ اَعْمَالِكُمْ.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور ان میں بسنے والی مخلوقات پیدا فرمائی جس میں تم بھی ہو اور آسمان وزمین میں تمہارے وجود کی ضروریات اور تمہارے معاش وغیرہ اور تمہاری تمام ضروریات ترتیب سے رکھ دیں۔ اور ان دونوں میں چیزیں ایسے طریقہ سے رکھیں جن سے تم مختلف قسم کی کاریگریاں اخذ کرتے ہو اور دینی فرائض کی انجام دہی میں عبرت پکڑتے ہو تاکہ وہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو تم اس آدمی سے کرتے ہو جس کا امتحان مقصود ہوتا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔ پھر تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزاء دے)

کثرتِ عمل سے زیادہ حسنِ عمل کی کوشش کی جائے: اَحْسَنُ عَمَلًا فرمایا اور اَكْثَرُ عَمَلًا نہیں فرمایا بعض اکابر نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ عمل اچھے سے اچھا ہونا چاہئے اگرچہ مقدار میں کم ہو اور ہر عمل میں اچھائی

دو طرح سے آتی ہے اس میں اخلاص ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو دوم یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہو، بہت سے لوگ عمل زیادہ کرتے ہیں لیکن اخلاص نہیں ہوتا یا اپنے خیال میں مخلص ہوتے ہیں لیکن عمل اس طریقہ کے مطابق نہیں ہوتا جو شرعاً مطلوب ہو یہ دونوں چیزیں ثواب کو کھو دینے والی ہیں، حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا أَخْلِصْ دِيْنَكَ يَكْفِكَ الْعَمَلُ الْقَلِيْلُ[1] (تو اپنے دین میں اخلاص رکھ تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بُرا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے عرض کیا گیا۔ کہ اپنی نماز سے کیسے چراتا ہے؟ فرمایا اس کا رکوع سجدہ پورا نہیں کرتا (الترغیب والترہیب (ص ۳۳۸ ج ۱) عن الطبرانی وغیرہ)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کی نماز کی طرف توجہ نہیں فرماتا جو رکوع اور سجدے کے درمیان کمر کو سیدھی نہیں کرتا۔ (الترغیب ص ۳۳۸ ج ۱ عن احمد)

معلوم ہوا کہ نماز ٹھیک پڑھنا اچھی طرح پڑھنا یہ نماز کی خوبی ہے۔ لپ چھپ جلدی جلدی رکوع سجدہ کر کے نماز کو خراب نہ کرے فرائض میں بھی اس کا دھیان رکھے اور غیر فرض میں بھی نفلوں کی زیادہ رکعتیں جلدی جلدی رکوع اور سجدہ کر کے ناقص پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ رکعتیں کم ہوں۔ اور نماز سنت کے مطابق ہو۔ نماز کے بارے میں یہ ہدایات فرمائی ہیں کہ پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھے اور کھانا کھانے کا تقاضا ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے اور تہجد گزاروں کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ نیند کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھیں یہ ہدایات اس لئے ہیں کہ اچھی نماز ہو۔ جس طرح نماز میں عمدگی اختیار کرنا لازم ہے اسی طرح اسلام کے دیگر اعمال میں عمدگی اور خوبی کو اختیار کرے کثرت عمل کو نہ دیکھے حسن عمل کو دیکھے وضو بھی خوبی کے ساتھ کرے یعنی پانی اچھی طرح پہنچائے اور لپ چھپ نہ کرے غور کرنے سے حسن عمل کی بہت سی صورتیں سمجھ میں آجائیں گی۔

اس تشریح کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمل کم کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اچھا عمل کرے خوبی کے ساتھ انجام دے اچھا عمل اگر زیادہ ہو تو یہ اور اچھی بات ہے اور یہ کثرت حدود شریعت کے اندر ہو۔

اس کے بعد فرمایا وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (الآیۃ) اگر آپ اُن سے کہیں کہ تم موت کے بعد اُٹھائے جاؤ گے (اور اس بارے میں قرآنی آیات اُنکے کانوں میں پڑیں گی) تو کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے قرآن کے الفاظ اور معانی سے مخاطبین متاثر ہوتے تھے لیکن اُسے قبول کرنے کی بجائے یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ جادو ہے حق سے منہ موڑنے کے لئے اُنہوں نے یہ ایک بہانہ نکالا تھا۔

پھر کافروں کی مزید جسارت کا ذکر فرمایا وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ (اور اگر ہم مدت معلومہ تک عذاب کو ملتوی کر دیں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے) اس بات کے کہنے سے انکے دو مقصد تھے۔ ایک تو وعید کو جھٹلایا اور مطلب یہ تھا کہ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ عذاب آئے گا اور ہمیں مورد عذاب ٹھہراتے ہیں تو وہ آ کیوں نہیں رہا اُسے کس نے روک رکھا ہے۔ دوسرے آخرت کے بارے میں مطلب یہ تھا کہ جیسے دنیا میں عذاب کی وعیدیں سناتے ہیں اور عذاب نہیں آتا ایسے ہی موت کے بعد اُٹھایا جانا اور عذاب ہونا یہ بھی ایسی ہی بات

[1] الترغیب والترہیب ص ۵۴ ج ۱

ہے جو واقع ہونے والی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا۔ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ (خبردار جس دن اُنکے پاس عذاب آ جائے گا تو اسے ہٹایا نہ جائے گا) وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (اور وہ چیز انہیں گھیر لے گی جس کا مذاق بناتے تھے) اللہ تعالیٰ نے عذاب مؤخر کر رکھا ہے اس کا وقت معین ہے حکمت کے مطابق وقت معین پر اللہ تعالیٰ بھیج دے گا جب عذاب بھیج دے گا تو ٹلے گا نہیں اور یہ جو کچھ اس کا مذاق بناتے ہیں اس کا انجام دیکھ لیں گے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَیَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھادیں' پھر ہم اُسے اس سے چھین لیں تو وہ نا اُمید ناشکرا ہوجاتا ہے اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اُسے پہنچی تھی ہم اسے

نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ۗ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا

نعمت چکھادیں تو وہ کہتا ہے کہ میری ساری بدحالیاں دفع ہوگئیں بے شک وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارتا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر کو اختیار کیا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾

اور نیک کام کرتے رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے

نا اُمیدی' ناشکری اِترانا' شیخی بگھارنا انسان کا خاص مزاج ہے

تفسیر: ان دو آیتوں میں انسان کا مزاج اور اس کا طرزِ عمل بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت اور مہربانی کا مزہ چکھادیں اور پھر اس سے چھین لیں تو وہ نا اُمید بھی ہوجاتا ہے اور ناشکرا بھی' نعمت کے چلے جانے کی وجہ سے واویلا کرتا ہے صبر کر کے آئندہ بھلائی اور خیر کی جو اُمید ہونی چاہئے تھی اُسے بالکل ختم کر دیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لئے نا اُمید ہوجاتا ہے بلکہ اس سے پہلے جن نعمتوں میں تھا ان کا شکر بھی ادا نہیں کرتا اور جو موجودہ نعمتیں ہیں ان کے شکر سے بھی باز رہتا ہے' انسان کے طرزِ عمل کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ جب اُسے دکھ تکلیف کے بعد نعمت مل جائے تو اس نعمت کا مزہ چکھنے کے بعد کہتا ہے کہ میرا سب دُکھ درد رُخصت ہوا اب تو میں نعمتوں ہی میں رہوں گا اور اپنے وہم میں یہ بات بھی نہیں لاتا کہ یہ نعمتیں چھینی جاسکتی ہیں اور رخصت ہوسکتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ناشکری میں لگ جاتا ہے اور پھولا نہیں سماتا۔ اترانے لگتا ہے' شیخی بگھارتا ہے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے' یہ انسانوں کا عام مزاج ہے۔ البتہ کچھ لوگ مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں جنہیں اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں بیان فرمایا ہے یعنی انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو صبر کرتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں' یہ لوگ نعمت جانے پر اور مصیبت کے آنے پر صبر کرتے ہیں اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ہے' وہ نیک اعمال میں لگے رہتے ہیں خوشحالی اور دُکھ تکلیف کی حالت میں اعمالِ صالحہ کو نہیں چھوڑتے' نہ اللہ تعالیٰ سے نا اُمید ہوتے ہیں نہ نعمتوں پر اتراتے ہیں' نہ شیخی بگھارتے ہیں نہ دوسروں کو حقیر جانتے ہیں' صبر و توکل کی شان سے متصف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے خوشحالی کی امید رکھتے ہیں ایسے لوگوں کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ان کے لئے عظیم مغفرت ہے اور بڑا اَجر ہے جو اَبدی نعمتوں کی صورت میں انہیں ملے گا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

سو ایسا ہونے والا تو نہیں ہے کہ آپ اُن احکام میں سے بعض احکام کو چھوڑ دیں جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں اور اس بات سے آپ کا دل تنگ ہو رہا ہے

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ﴿۱۲﴾ اَمْ

کہ وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں کیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے کیا

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

وہ یوں کہتے ہیں کہ اس نے خود سے بنالیا ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے آؤ جو بنائی ہوئی ہوں اور اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ

جس کو بھی بُلا سکتے ہو بُلا لو اگر تم سچے ہو، سو اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو یقین کر لو کہ یہ اللہ کے علم کے مطابق اُتارا گیا ہے اور یہ کہ

اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم اسلام قبول کرنے والے ہو۔

منکرین کو چیلنج کہ قرآن جیسی دس سورتیں بنا کر لائیں

تفسیر: شروع سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اسکی صفت قدرت صفت رازقیت اور صفتِ خالقیت کو بیان فرمایا پھر بعث بعد الموت کے منکرین کی تردید فرمائی۔ پھر انسان کا مزاج بتایا کہ وہ نعمتوں کے چلے جانے پر نا اُمید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور نعمتیں ملنے پر شیخی بگھارتا ہے اور فخر وغرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کی یہ صفات آخرت پر ایمان نہیں لانے دیتی ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ توحید کی بھی دعوت دی اور آخرت پر ایمان لانے کا بھی حکم فرمایا لیکن یہ لوگ نہ اللہ کے رسول کو مانتے تھے اور نہ اللہ کی کتاب پر ایمان لاتے تھے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کے لئے اُنہوں نے یہ بات نکالی تھی کہ یہ کیسے رسول ہیں نہ کوئی خزانہ ان کو دیا گیا اور نہ انکے ساتھ کوئی فرشتہ آیا جو اُنکی تصدیق کرتا ان باتوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو دُکھ ہوتا تھا اور قلبی اذیت پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ تنگدلی کی وجہ سے بعض اُن چیزوں کو چھوڑ تو نہ بیٹھیں گے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہیں اور وہ کافروں کو ناگوار ہیں اور چونکہ آپ ایسا نہیں کر سکتے لہٰذا تنگ دل ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔

پھر فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ (آپ صرف ڈرانے والے ہیں) اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ آپ نے اللہ کی بات پہنچا دی، آپ کی ذمہ داری اتنی ہی ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ (اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا اختیار ہے) یہ لوگ جو معجزات کی فرمائش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ انکی مرضی کے مطابق معجزات ظاہر فرمائے یا ظاہر نہ فرمائے، جو معجزات سامنے ہیں وہ کیا کم ہیں جسے ماننا نہیں وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی نہ مانے گا، انکے سامنے جو معجزات موجود ہیں ان میں قرآن مجید بہت بڑا معجزہ ہے اس قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود سے بنالیا ہے،

آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں اپنی بنائی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بُلا لو اور اسکے مقابلہ میں پیش کرو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا ہے۔ محمد ﷺ تو تم ہی میں سے ایک فرد ہیں جنہوں نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا تم فصحاء بلغاء ہو قرآن جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور دو چار دس افراد نہیں جس جس کو بھی چاہو اس کام کے لئے بلا لو اور اپنے ساتھ لگا لو یہ بہت بڑا چیلنج ہے جسے آج تک کوئی بھی قبول نہیں کر سکا جسکے سامنے بات آئی ہر ایک اپنا سا منہ لے کر رہ گیا' پہلے دس سورتیں بنانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت بنا کر لانے کے لئے فرمایا گیا کسی سے کچھ نہ ہو سکا در حقیقت قرآن بہت بڑا معجزہ ہے اور دائمی معجزہ ہے۔ آخر میں فرمایا: فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ (الآیۃ) جن جن کو قرآن جیسی سورت بنانے کی دعوت دو۔ وہ جتنے بھی ہوں جہاں بھی ہوں اگر وہ تمہاری بات کو قبول نہ کریں اور اس بارے میں تمہاری مدد کے لئے کھڑے نہ ہوں (تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) نے بنا لیا ہے) فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سو تم جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ حقیقت ثابت اور واضح ہونے کے بعد اسلام میں داخل ہوتے ہو یا نہیں؟

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا

جو شخص دنیا کو اور اسکی زینت کو چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دے دیں گے۔ اور اس میں ان پر

يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

ظلم نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور دنیا میں اُنہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ سب برباد ہو گیا۔

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ

اور جو کچھ کرتے تھے وہ سب باطل ہو گیا جو شخص قرآن پر قائم ہے جو اس کے رب کے پاس سے آیا ہے اور اس کے ساتھ اسی میں سے گواہ بھی ہے اور

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ

اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی' کیا منکر آدمی اس کے برابر ہو سکتا ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جماعتوں میں سے جو شخص اس کا منکر ہو

الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

سو دوزخ اس کی جگہ ہے جس میں اس کے بھیجے جانے کا وعدہ ہے۔ سو اے مخاطب تو اس کے بارے میں شک میں نہ پڑ بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور لیکن بہت سے

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

لوگ ایمان نہیں لاتے۔

کافروں کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے آخرت میں کوئی ثواب نہ ملے گا

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اُن لوگوں کی مذمت فرمائی جو دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی ان کا مقصود ہے اور دنیا کو مقصود بنا لینے کی وجہ سے آخرت کے طلب گار نہیں وہ ایمان لانے کے روادار نہیں' دنیا اور دنیا کی زینت ہی اُن کے نزدیک سب سے بڑی چیز ہے ایسے لوگ جو کچھ ایسے اعمال کر لیتے ہیں جو نیکی کے دائرہ میں آسکتے ہیں مثلاً صلۂ رحمی یا فقراء و مساکین پر خرچ کرنا وغیرہ' دُنیا ہی میں ان کا بدلہ دے دیا جائے گا' اور جب یہ اعمال آخرت میں حبط ہو جائیں گے یعنی اُن کے عوض کچھ نہ ملے گا۔ اور دنیاداری کے اُصول پر جو کام کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان میں ہماری کامیابی ہے وہ بھی وہاں بے فائدہ اور ناکارہ ثابت ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کسی مؤمن کی ایک نیکی کے عوض میں بھی کمی نہ فرمائے گا اسکی وجہ سے دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا لیکن کافر نے جو نیکیاں کیں جن میں اللہ کی رضا کا دھیان رکھا ان نیکیوں کے عوض اللہ تعالیٰ اُسے دنیا ہی میں دے دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جب آخرت میں پہنچے گا اُس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی جس پر اُسے ثواب دیا جائے (رواہ مسلم)

کافر جو دنیا میں کچھ ایسے عمل کرتے ہیں جو نیکی کی فہرست میں آسکتے ہیں مثلاً مریضوں کا مفت علاج کر دیا۔ شفاخانے بنوا دیئے' سڑکیں تیار کر دیں پانی کی سبیلیں لگا دیں انکی وجہ سے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت میں ان چیزوں کا ثواب ملے گا بلکہ مسلمانوں کی زبان سے جو یہ سنتے ہیں کہ جو مسلمان نہیں اُسے آخرت میں دائمی عذاب ہوگا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے ایسے ایسے کام کرتے ہیں پھر ہمیں عذاب کیوں ہوگا؟ ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ دنیا میں جو نیک عمل ہیں اُن کا بدلہ تمہیں دنیا ہی میں دے دیا جائے گا اور کفر اور معصیت کی وجہ سے تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔

ایک جاہلانہ اعتراض کا جواب: اس سے بہت سے مسلمانوں کی اس غلط فہمی کا بھی جواب ہو گیا کہ کافر تو مزے اُڑاتے ہیں اور ہم تکلیف میں ہیں' اوّل تو نہ سارے مسلمان تکلیف میں ہیں اور نہ سارے کافر راحت میں ہیں دوسرے کافر کو آخرت میں آرام ملتا ہی نہیں اُسکے اعمال کا بدلہ یہیں دیا جا رہا ہے اور تمہارے اعمال کا بدلہ محفوظ کر لیا گیا ہے۔ پھر جو تکلیفیں ہیں اُن پر بھی ثواب ملے گا پھر کس چیز کا واویلا ہے' اللہ تعالیٰ کے قانون کو سمجھو' کافروں کو دیکھ کر کیوں رال ٹپکاتے ہو' بعض جاہل کہہ دیتے ہیں جو بجلی گرتی ہے وہ مسلمان ہی کے آشیانہ کو تلاش کرتی ہے اور بعض جاہل کہتے ہیں کہ غیروں کے لئے محلات اور قصور اور مسلمانوں سے صرف وعدۂ حور یہ گمراہی کی باتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے قانون پر اعتراض ہے' قصداً اعتراض کرے تو کفر عائد ہو جاتا ہے' ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے نیچے کوئی بچھونا نہیں تھا اور آپ کے جسم میں چٹائی کی بناوٹ کے نشان پڑ گئے تھے اور تکیہ بھی چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ دعا کیجئے تا کہ وہ آپ کی اُمت کو مالی وسعت عطا فرما دے۔ کیونکہ فارس وروم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے آپ ﷺ نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے تم ابھی تک ان ہی خیالات میں مبتلا ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مرغوب چیزیں اُنہیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ کیا تم لوگ اس پر راضی نہیں ہو کہ مرغوب چیزیں انکے لئے دنیا میں ہوں اور ہمارے لئے آخرت میں ہوں۔ (رواہ البخاری کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۷)

پھر فرمایا اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الآیۃ) اس کے شروع میں جو ہمزہ استفہام ہے یہ استفہام انکاری کے لئے ہے' مطلب یہ ہے کہ ایک وہ شخص ہے جو قرآن کو تھامے ہوئے ہے اسکی سچائی کا عقیدہ رکھتا ہے اور اس کے پاس قرآن کی سچائی کے دو گواہ موجود ہیں ایک تو خود قرآن کے اندر ہی ہے یعنی اس کا اعجاز اور اسکی فصاحت و بلاغت اور دوسرا گواہ دنیا میں قرآن کے آنے سے پہلے ہی موجود ہے' یعنی توراۃ شریف جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی' جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے وہ امام بھی ہے اور احکام قرآنیہ کی تصدیق کرتی ہے اور امتثال اوامر پر جو ثواب ملنے کے اللہ تعالیٰ نے وعدے فرمائے ہیں۔ وہ توراۃ میں بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہیں توراۃ انکی تصدیق کرتی ہے لہٰذا وہ سراپا رحمت ہے۔ توراۃ شریف کی گواہی بھی قرآن کی سچائی کے لئے کافی ہے۔ اب سمجھ لیا جائے کہ جو شخص قرآن کو تھامے ہوئے ہے اور دلیل اور حجت کے ساتھ اس پر قائم ہے۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو قرآن کا منکر ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہاں عبارت قرآنی میں حذف ہے مُفسرین کرام نے کئی طرح سے عبارت مقدر مانی ہے ہم نے مختصر الفاظ میں مفہوم لکھ دیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ ان ایمان لانے والوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ تمام افراد مسلمان مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (اور کافروں کی جماعتوں اور گروہوں میں سے جو شخص قرآن کا منکر ہو اس سے یہ وعدہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا) فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ (تو اے مخاطب تو قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ) اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ (بے شک وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ (لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے)

اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ اہل اسلام کے علاوہ جتنے بھی گروہ اور جماعتیں ہیں وہ سب دوزخ میں جانے والے ہیں خواہ بظاہر کیسے ہی اچھے عمل کرتے ہوں اور خواہ اپنے دین کو آسمانی دین بتاتے ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین میں لے کر بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا چاہے یہودی ہو یا نصرانی (رواہ مسلم) یہود اور نصاریٰ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے پاس دین سماوی کے مدعی ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا' یہ لوگ اپنے رب پر پیش کئے جائیں گے اور گواہی دینے

الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۸ الَّذِيْنَ

والے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی طرف نسبت کر کے جھوٹ بولا' خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۹ اُولٰۗىِٕكَ

جو اللہ کی راہ سے روکتے رہے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہے اور یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں

لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ

جو زمین میں عاجز کرنیوالے نہ تھے اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ان کو دوہرا

لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۰ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

عذاب کر دیا جائے گا' یہ لوگ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ دیکھتے تھے' یہ وہ لوگ ہیں

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي

جو اپنی جانوں کو برباد کر بیٹھے اور وہ جو کچھ انہوں نے جھوٹ بنایا تھا وہ سب غائب ہو گیا' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ

الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۲ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا

آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اپنے

اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۳ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى

رب کی طرف جھکے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسا اندھا ہو اور بہرا ہو'

وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۴

اور دیکھنے والا ہو اور سننے والا ہو' کیا دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہوں گے؟ کیا تم نہیں سمجھتے!

ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے' اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا انعام ہے

تفسیر: مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اس کے لئے شریک ٹھہراتے تھے اور جب انہیں اس بارے میں نصیحت کی جاتی تھی تو کہتے تھے۔ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے لئے سفارش کریں

گے) اور یوں بھی کہتے تھے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى (کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے) ظاہر ہے کہ یہ باتیں انہوں نے خود ہی تجویز کر لیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کی خبر نہ دی گئی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ افتراء ہے اور بہتان ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرنا پھر یہ کہنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر دیں گے یا یہ کہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے اس کا معنی یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ بات بتا دی گئی ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں بتائی گئی بلکہ اللہ کی کتابیں اور اللہ کے نبی اسکے خلاف بتاتے رہے لہٰذا اُن لوگوں کے یہ سب دعوے اللہ تعالیٰ پر بہتان ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر افتراء کرے اور اس ملک قدوس پر جھوٹ باندھے؟ ان لوگوں کی رُسوائی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ (کہ یہ لوگ اللہ پر پیش کئے جائیں گے اس وقت ان کے دعووں اور احوال واقوال کا حساب لیا جائے گا) وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ (اور وہاں جو گواہ ہوں گے وہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا) گواہوں سے حضرات انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مؤمنین مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اُن کے اعضاء اور جوارح مراد ہیں جو انکے خلاف گواہی دیں گے یہ گواہی دینے والے حضرات یہ اعلان بھی فرمائیں گے کہ: أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) پھر ان ظالموں کی بُری حرکتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستہ سے روکتے رہے) وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا (اور اللہ کے راستہ کے بارے میں کجی تلاش کرتے تھے) مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین میں عیب نکالتے تھے اُس سے خود بھی بچتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے ان کو بھی اس سے ہٹانا چاہتے تھے وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (اور وہ آخرت کے منکر ہیں) پھر فرمایا أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ (یہ لوگ زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والے نہ تھے) کہ کہیں جا کر چھپ جاتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو جاتے اور موت سے بچ جاتے جب دنیا میں اللہ کو عاجز کر کے کہیں نہیں جا سکتے تھے تو آخرت میں کیسے چھوٹ کر جا سکتے ہیں۔ جہاں حساب کے لئے جمع کئے جائیں گے۔

وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ (اور ان لوگوں کے لئے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا) جن لوگوں کو سفارشی سمجھا تھا وہ کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ (انکے لئے دوہرا عذاب کر دیا جائے گا) ایک عذاب اُنکے اپنے کفر کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو ایمان سے روکنے کا اور کفر پر جمائے رکھنے کا مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ۔ (یہ لوگ سن نہیں سکتے تھے) یعنی حق سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں سننے کو اس قدر مکروہ جانتے تھے کہ گویا اپنی قوت سامعہ ہی ختم کر چکے تھے۔ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (اور دیکھ نہیں پاتے تھے) یعنی اللہ کی معرفت کی نشانیاں جو خود ان کے اندر موجود ہیں اور جو دوسری مخلوق میں ہیں اُنسے قصداً وارادۃً اندھے بن جاتے تھے (انکی ضد اور عناد اور حق سے دور بھاگنے کی کوشش نے انہیں ایمان قبول نہ کرنے دیا)

پھر فرمایا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ (کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کا خسارہ کر بیٹھے) دنیاوی تجارت میں تو لوگوں کو اموال کا نقصان ہوتا ہے۔ لیکن انکی تجارت ایسی برباد ہوئی کہ انہیں اپنی جانوں ہی کا خسارہ ہو گیا' انہوں نے

ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور آخرت کے بدلے دنیا لے لی اور اس طرح اپنی جانوں ہی کو گنوا بیٹھے۔ اگر کسی کے دل میں یہ سوال اُٹھے کہ خسارہ تو جب ہوتا ہے جب جانیں ختم ہو جاتیں اور ان کا وجود ہی نہ رہتا لیکن کافر کی جان دنیا میں بھی موجود ہے اور آخرت میں بھی موجود رہے گی پھر بھی جان کا خسارہ کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کافر دوزخ میں جائے گا جو وہ موت سے بھی بدتر ہے جو جان برابر ہمیشہ کے لئے عذاب میں ہے وہ جان ہلاک بھی ہے اور برباد بھی ہے اور جان کہنے کے لائق بھی نہیں اسی لئے تو فرمایا ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی (پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ زندہ رہے گا) پھر فرمایا وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۔ (اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو گیا جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے) یعنی معبودان باطلہ کی سفارش کا جو گمان کر رکھا تھا۔ وہ جھوٹا خیال تھا اُس نے کچھ کام نہ دیا۔ پھر فرمایا: لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (یہ لازمی بات ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں خسارہ میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہیں) اہل کفر کا انجام بتانے کے بعد اہل ایمان کا انعام وثواب بتایا۔ ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے یہ لوگ اہل جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

اہل ایمان کا انعام اور اہل کفر کا انجام بیان فرمانے کے بعد دونوں فریق کی مثال بیان فرمائی: مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ (دونوں فریق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا شخص دیکھنے والا اور سننے والا ہو) پہلی مثال کافر کی ہے۔ جو حق کی طرف سے اندھا اور بہرا بنتا ہے اور دوسری مثال مؤمن کی ہے جو دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے اور حق کو قبول کرتا ہے اُس نے اپنی سننے اور دیکھنے کی قوت ضائع نہیں کی هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا کیا یہ دونوں فریق اپنی حالت کے اعتبار سے برابر ہیں یعنی برابر نہیں ہیں جس طرح اندھا اور بہرا دیکھنے اور سننے والے کے برابر نہیں اسی طرح سے کافر اور مؤمن برابر نہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) جس طرح دنیا میں دیکھنے والے اور سننے والے کو اچھے حال میں جانتے ہو اور اسے کامیاب سمجھتے ہو اور اندھے بہرے کو نامراد سمجھتے ہو اسی طرح کافر کو برباد اور مؤمن کو کامیاب سمجھو۔

فائدہ: قیامت کے دن کافروں کی رسوائی ہوگی اسی طرح اہل ایمان کا اعزاز واکرام ہوگا ان پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کرم فرمائے گا اور انکی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن اپنے رب سے قریب ہوگا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ اسکی پردہ پوشی فرمائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ کہ تجھے اپنا فلاں فلاں گناہ یاد ہے وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا۔ اور وہ اپنے دل میں یہ سمجھ لے گا کہ میں تو ہلاک ہو گیا (یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے درمیان ہوگا' گناہوں کا اعلان نہیں کیا جائے گا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج ان گناہوں کو بخشتا ہوں اس کے بعد اُسکی نیکیوں کا اعمالنامہ اُسے دیدیا جائے گا۔ (جو داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اسکے جنتی ہونے کی دلیل ہوگی) رہے کافر اور منافق تو انکے بارے میں گواہی دینے والے گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (رواہ البخاری ص ۳۳۰ ج ۱)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا کہ میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بلاشبہ میں تمہارے

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا

بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والا دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں' اس پر سرداروں نے کہا جو کافر تھے کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی

مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ

دیکھ رہے ہیں اور جو لوگ تمہارا اتباع کرنے والے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہم میں رذیل ترین لوگ ہیں جو سرسری رائے میں تمہارے ساتھ ہوئے ہیں۔ اور ہم اپنے اوپر

عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ

تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں' انہوں نے جواب میں کہا کہ اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں

مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو دکھائی نہ دیتی ہو تو کیا ہم اسے تم پر چپکا دیں گے حالانکہ تم اس سے نفرت کرنے والے ہو حالانکہ تم اسے

كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

برا جان رہے ہو' اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مال طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ ہی پر ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ

اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں میں ان کو ہٹانے والا نہیں ہوں۔ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں' لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کر رہے ہو اور اے میری قوم

يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ

اگر میں اُن کو ہٹا دوں تو مجھے اللہ کے مؤاخذہ سے کون بچائے گا۔ کیا تم نہیں سمجھتے ہو؟ اور میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب کو نہیں جانتا'

اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ

میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت کے ساتھ دیکھ رہی ہیں میں اُن کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز انہیں

يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

خیر عطا نہ فرمائے گا جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے۔ اللہ خوب جاننے والا ہے اگر میں ایسا کروں تو میں بیشک ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا
اور قوم کا ہٹ دھرمی کیساتھ معارضہ کرنا

تفسیر: سیدنا حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس قرنوں کے بعد تشریف لائے۔ ایک قرن سو سال کی ہوتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بُت پرستی آ چکی تھی انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور

بُت پرستی چھوڑنے کو فرمایا اُن لوگوں نے ضد وعناد پر کمر باندھ لی اور بُت پرستی سے باز نہ آئے اور طرح طرح کی بے تکی باتیں کرتے رہے اُن کا واقعہ سورہ اعراف (ع ۸) میں گزر چکا ہے وہاں ہم نے اُن کی قوم کی بہت سی باتیں متعدد آیات قرآنیہ کی روشنی میں نقل کردی ہیں[1] یہاں بعض مضامین زائد ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم میں تمہیں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہارے بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں' تم نے اگر توحید اختیار نہ کی اور خالص اللہ کی عبادت نہ کی تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے' اُن لوگوں نے حق قبول کرنے کی بجائے اُلٹے جواب دینے شروع کر دیئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مخاطبین میں بہت کم لوگ مسلمان ہوئے جو لوگ سرداران قوم تھے اُنہوں نے جاہلانہ جواب دیئے (کسی قوم کے سردار ہی عموماً شر میں آگے بڑھا کرتے ہیں اور قوم اُنکے پیچھے چلتی ہے اگر سردار راہِ حق پر آجائیں تو باقی قوم کا حق قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے) اُن سرداروں نے پہلی بات یہ کہی کہ اے (نوح علیہ السلام) تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو ہم تمہارے اندر کوئی ایسی خصوصیت نہیں دیکھتے جن کی وجہ سے تم نبوت سے سرفراز ہوئے ہو' تمہارا نبی ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور دوسری بات یہ کہی کہ جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ہے وہ ہم سے سب سے زیادہ بڑھ کر رذیل اور گھٹیا ہیں پھر وہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں وہ بھی کوئی سوچ سمجھ کر ساتھ نہیں لگے یوں ہی بے سوچے سمجھے ساتھ ہو لئے ہیں ان کا آپ کے ساتھ لگ لینا ہمارے لئے کوئی حجت نہیں اور تیسری بات انہوں نے یہ کہی کہ اے نوح تم اور تمہارے متبعین کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل ہو۔ ایسی کوئی بات ہمیں تو نظر نہیں آتی نہ پہلے تمہیں کوئی برتری حاصل تھی اور نہ اب حاصل ہے یہ باتیں کہتے ہوئے انہوں نے علی الاعلان تکذیب کردی اور یوں کہہ دیا بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (کہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں) انکی باتیں سن کر حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے میری قوم تم ہی بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے حجت پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے رحمت (نبوت) عطا فرمادی اور وہ تم سے پوشیدہ کر دی گئی۔ (جسے تم اپنی جاہلانہ سمجھ کی وجہ سے جھٹلا رہے ہو) تو میں کیا کرسکتا ہوں' میرا کام تو پہنچا دینا' بتا دینا اور واضح کر دینا ہے' میں تمہیں پہنچاتا ہوں اور تم دور بھاگتے ہو' کیا ہم تم پر اس کو چپکا دیں اور تمہارے سر منڈھ دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اے میری قوم میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں اور توحید کی جو دعوت دیتا ہوں اس سے میری کوئی دنیاوی منفعت مقصود نہیں ہے اپنی کسی دنیاوی لالچ کے لئے وہ تمہیں تبلیغ کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہوا یہ کام میں اللہ کے حکم سے کرتا ہوں مجھے اسی سے ثواب لینا ہے اور میرا اجر اسی کے ذمہ ہے' اگر میں تم سے کچھ مال طلب کرتا تو تم یہ کہہ سکتے تھے کہ اپنی دنیا بنانے اور مال جمع کرنے کے لئے ہمارے پیچھے پڑا ہے' اب جبکہ میں بے لوث ہوں تو تمہیں غور کرنا چاہئے کہ اس کو اتنی محنت کرنے اور مشقت کے کام میں لگنے کی کیا ضرورت ہے؟

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا جو ایمان لائے تھے اور دنیاوی اعتبار سے اونچے درجہ کے افراد نہ تھے (اور قوم کے بڑے لوگ چاہتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیں) وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (جو لوگ ایمان لائے میں انہیں نہیں ہٹا سکتا) اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (بے شک وہ اپنے رب

[1] انوار البیان ج ۳

سے ملاقات کرنے والے ہیں) یعنی وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں کامیاب ہیں اُن کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہے جس کی وہ انہیں جزا دے گا میں انہیں اپنے پاس سے ہٹا کر اللہ کو کیوں ناراض کروں۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کی باتیں کرتے ہو) اور ایمان قبول نہیں کرتے جو سب سے بڑا اشرف ہے اور اپنی حقیر دنیا کے پیش نظر اہل ایمان کو اارزل اور گھٹیا بتا رہے ہو۔ مزید فرمایا وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (اے میری قوم! میں مومنین کو اپنے پاس سے ہٹا دوں اور دور کر دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائے گا پھر اس کی ناراضگی کو کوئی دفع کرنے والا نہ ہوگا) تم اپنی جہالت پر مصر ہو سمجھتے کیوں نہیں صاحب روح المعانی (ص ۱۴۱ ج ۲) لکھتے ہیں۔ اُن لوگوں نے صاف تو نہ کہا تھا کہ ان لوگوں کو ہٹا دیں لیکن اُن کے کلام سے یہ مفہوم ہو رہا تھا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم ایمان لا سکتے ہیں اس لئے ان کی اس بات کی تردید فرما دی **فکان ذالک التماساً منهم بطردهم وتعليقاً لا يمانهم به عليه الصلوٰة والسلام بذالک انفةً من الانتظام معهم فی سلک واحد** (پس سرداروں کی طرف سے غریبوں کو دور کرنے کا مطالبہ حضور علیہ ﷺ پر سرداروں کے ایمان لانے کی شرط کے طور پر تھا اس لئے کہ وہ ان غریبوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے) (روح المعانی ص ۱۴۱ ج ۱۲)

ان لوگوں نے جو یہ کہا تھا کہ تم ہماری طرح کے آدمی ہو اور یہ کہ ہم تمہارے اندر کوئی اپنے سے زیادہ بات نہیں دیکھتے اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو تمہارے پاس مال بہت ہونا چاہئے تھا جو دنیا میں برتری کا ذریعہ ہے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں' دنیا زیادہ ہونا اللہ کے یہاں فضیلت کی کوئی چیز نہیں ہے جس کی بنیاد پر نبوت دی جائے وہ تو اللہ کا فضل اور عطیہ ہے جسے چاہے عطا فرما دے نبی کی نبوت ماننے کے لئے جو تم اسکے پاس مال تلاش کرتے ہو اللہ کے قانون میں اسکی کوئی حیثیت نہیں نبوت کا تعلق مالدار ہونے سے نہیں ہے۔

وہ لوگ نبی کے اندر غیب دانی کی صفت بھی دیکھنا چاہتے تھے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بھی صاف فرما دیا کہ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (میں غیب نہیں جانتا) اور غیب کا جاننا بھی اُن اُمور میں سے نہیں ہے جن کی بنیاد پر نبوت دی جاتی۔ یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم نبی ہوتے تو ہماری طرح سے کیوں ہوتے' بشری صفات سے خالی ہوتے تمہارے اندر فرشتوں جیسی صفات ہوتیں' حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا بھی جواب دے دیا اور فرمایا: وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (میں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) نبی ہونے کے لئے نہ فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ نہ بشریت موانع نبوت میں سے ہے' جو چیزیں آلوازم نبوت میں سے نہیں ہیں اُن کے ذریعے میرے دعوائے نبوت کو کیوں پرکھتے ہو؟

حضرت نوح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے منکرین اُن کو حقیر بھی جانتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے کہ یہ لوگ یوں ہی بے سمجھے سرسری طور پر تمہارے ساتھ لگ لئے ہیں دل سے آپ پر ایمان نہیں لائے' اس کے جواب میں فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا (کہ تمہاری نظریں جن بے سرمایہ مسکین لوگوں کو جو حقارت کی نظر سے دیکھ رہی ہیں اور انکے بارے میں تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ یہ دل سے ایمان نہیں لائے میں ان کے بارے میں تمہاری موافقت نہیں کر سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا) میں تو انہیں مؤمن سمجھتا ہوں اُن کا ظاہر اچھا ہے اللہ

سے اُن کے لئے خیر وثواب کی اُمید رکھتا ہوں۔ ایمان کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے بلکہ اخلاص کے ساتھ دل سے قبول کرنے سے ہے اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ (اللہ کو خوب معلوم ہے جو ان کے دلوں میں ہے) وہ اپنے علم کے مطابق جزا دے گا اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ (اگر میں انکے بارے میں ایسی بات کہہ دوں کہ اللہ انہیں ثواب عطا نہ فرمائے گا تو میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا) اس میں اُن پر بھی ظلم ہوگا کہ ان کا مرتبہ گھٹانے کی بات کر دی اور اپنی جان پر بھی ظلم ہوگا کہ جو بات کہنے کی نہ تھی وہ کہہ دی۔

دُنیاوی مال اور عہدہ عنداللہ مقبول ہونے کی دلیل نہیں: اہل دنیا کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جس کے پاس دنیا دیکھتے ہیں اسی کو بڑا سمجھتے ہیں، جس کے پاس دولت نہ ہو اُسے حقیر جانتے ہیں۔ خواہ وہ اپنے ایمان اور اخلاص اور اخلاق حسنہ اور علم و عمل کے اعتبار سے کتنا ہی بلند ہو، اصل بڑائی تو ایمان اور اخلاق کی ہے دنیا فانی ہے پیسہ آنے جانے والی چیز ہے اس سے کسی انسان میں شرافت اور بلندی نہیں آتی چونکہ مالداروں میں اپنی دنیا اور مال کا گھمنڈ ہوتا ہے اور باوجودیکہ ان کے اخلاق پست ہوتے ہیں تکبر میں بدمست ہوتے ہیں پھر بھی اپنے آپ کو اُونچا سمجھتے ہیں اُن کا یہ غرور اور مال، ملک انہیں حق نہیں قبول کرنے دیتا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تھے تو عموماً پہلے غریب لوگ ان پر ایمان لے آتے تھے۔ مالداروں کے غرور کا یہ حال تھا کہ ان کے نزدیک معیار حق خود انکی ذات تھی وہ کہتے تھے کہ جسے ہم قبول کرلیں۔ وہی حق ہے۔ کوئی غریب آدمی اگر حق قبول کر لیتا تو کہتے تھے کہ یہ اسلئے حق نہیں کہ ہم نے قبول نہیں کیا (کما ذکر اللہ تعالیٰ) (وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ كَانَ خَیۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ) (سورۃ الاحقاف رکوع ۲) جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے یوں کہا کہ تمہارے ساتھ گھٹیا لوگ لگ لئے ہیں دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتیں بھی یہ طعن کرتی رہی ہیں۔ جب حضرت خاتم النبیین سیدنا الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ایمان کی دعوت دی جس کی ابتداء مکہ معظمہ میں ہوئی تھی تو سرداران قریش نے اوّلاً اسلام قبول نہیں کیا اور برابر مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ ان میں سے ستر آدمی غزوۂ میں مقتول ہوگئے۔ جو لوگ غلام تھے پردیسی تھے۔ بے پیسہ والے تھے ابتداء میں وہی لوگ اسلام کی طرف بڑھے جن میں حضرت بلال حضرت عمار بن یاسر حضرت خباب اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب قیصر کو دعوت اسلام کا خط بھیجا تو وہ اُسے بیت المقدس میں ملا اُس نے دریافت کیا کہ یہاں عربوں میں سے کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس وقت وہاں کفار قریش کی ایک جماعت تجارت کے لئے پہنچی ہوئی تھی، قیصر نے ان لوگوں کو بلایا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بہت سی باتیں پوچھیں (اس وقت وہ مسلمان نہیں تھے) اُن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ جنہوں نے مجھے یہ خط لکھا ہے اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے بڑے بڑے لوگ اُن کا اتباع کرتے ہیں یا کم حیثیت کے لوگ؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ کم حیثیت کے لوگ اُن کا اتباع کرتے ہیں) اس پر قیصر نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کے پیچھے چلنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں (یعنی عموماً شروع میں یہی لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرتے ہیں) قیصر نے یہ بھی پوچھا کہ اُن کے دین کے قبول کرنے کے بعد کیا کوئی شخص مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ اس پر ابو سفیان نے کہا کہ ایسا نہیں! یہ سن کر قیصر نے کہا کہ جب ایمان کی بشاشت دلوں میں رچ جاتی ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے (یعنی بشاشتِ ایمانیہ حاصل ہونے کے بعد کوئی شخص اسلام سے نہیں پھرتا) یہ تو پرانی باتیں ہیں لیکن تاریخ اپنے کو دہراتی

ہے آج بھی امیروں وزیروں اور مالداروں میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن قرآن حدیث پڑھنے والوں کو اور مدرسوں کے طلباء کو اماموں کو اور مؤذنوں کو اور غریب نمازیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اپنے فسق و فجور پر نظر نہیں موت کی فکر نہیں اور صالحین پر پھبتیاں کستے ہیں۔ ھداھم اللہ تعالیٰ الی ما یُحب و یرضیٰ۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور تم نے ہم سے زیادہ جھگڑا کر لیا۔ لہٰذا ہمارے پاس وہ لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

تم سچے ہو۔ نوح نے جواب دیا کہ اُس چیز کو تمہارے پاس اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو،

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ

اور میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں، اگر اللہ کا یہ ارادہ ہو کہ

يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

وہ تمہیں گمراہ کرے وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قوم کا مزید عناد اور عذاب کا مطالبہ اور حضرت نوح علیہ السلام کا جواب

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں رہتے اور انہیں سمجھاتے رہے۔ خوب سمجھایا اور بہت سمجھایا آپ جیسے جیسے ان کو سمجھاتے تھے وہ ضد و عناد میں آگے بڑھتے چلے جاتے تھے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ کپڑے اوڑھ لیتے تھے تا کہ آپ کی آواز کانوں میں نہ پڑے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ تم ہم سے بہت جھگڑ لیئے اور بہت زیادہ جھگڑا کر چکے۔ جھگڑا بھی کرتے ہو اور یوں بھی کہتے ہو کہ تم نے توحید کو قبول نہ کیا اور شرک چھوڑ کر تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نہ لگے تو عذاب آجائے گا اب بات یہ ہے کہ جھگڑے چھوڑو عذاب ہی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں تو اللہ کی طرف سے مامور ہوں۔ عذاب کی وعید بھی میں نے اسی کی طرف سے سنائی ہے میں خود عذاب نہیں لا سکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے گا تو تم پر عذاب لے آئے گا اور جب عذاب آئے گا تو تم اُسے عاجز نہیں کر سکو گے یعنی نہ عذاب کو دفع کر سکو گے نہ بھاگ سکو گے، میں نے تمہیں بہت کچھ سمجھایا، تمہاری خیر خواہی کی لیکن میری خیر خواہی کا تم اثر نہیں لیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ تمہیں گمراہی پر ہی رکھے (جس کی وجہ تمہارا عناد و استکبار ہے) تو میری نصیحت تمہیں کوئی کارگر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے مالک ہے تم اس کے ساتھ شرک کر کے مجرم بنے ہوئے ہو اور پھر مرنے کے بعد بھی تمہیں اسی کی طرف جانا ہے، اپنے مالک کے حقوق ضائع کرنے والے ہو دنیا میں بھی عذاب آسکتا ہے اور آخرت میں تو بہر حال منکرین کے لئے عذاب ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کو جواب دیدیا کہ میں عذاب نہیں لاسکتا۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو عذاب لائے گا۔ پھر اُن کے لئے بددعا کردی اور پانی کے طوفان نے اُنہیں گھیر کر ہلاک کردیا جیسا کہ سورہ نوح علیہ السلام کے آخری رکوع میں مذکور ہے اور یہاں بھی آئندہ رکوع میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو اپنے پاس سے بنالیا آپ فرمادیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنے پاس سے بنالیا ہے تو مجھ ہی پر اس کا جرم ہے اور میں اس سے بری ہوں جو جرم تم کرتے ہو

قرآن کو افتراء بتانے والوں کا جواب

تفسیر: اس آیت کے بارے میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ نوح علیہ السلام اور انکی قوم کے سوال و جواب کا تتمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں نے یوں کہا تھا کہ نوح علیہ السلام نے جو دعویٰ نبوت کیا ہے یہ انکی بنائی ہوئی بات ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوح (علیہ السلام) کو ارشاد ہوا کہ آپ انہیں جواب دے دیں کہ اگر بالفرض میں نے اپنے پاس سے کوئی بات بنائی ہو تو یہ میرا جرم ہے جو مجھ پر عائد ہے اور تم میرے جرم سے بری ہو تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں نے اپنے پاس سے یہ بات کہی ہے مجھ پر بہتان لگا رہے ہو یہ تمہارا جرم ہے میں تمہارے جرم سے بری ہوں اس کی سزا تم خود بھگت لو گے۔

صاحب روح المعانی کا رجحان یہی ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے مکالمہ کا تتمہ ہے جو انکی قوم سے ہوا صاحب معالم التنزیل نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں مشرکین مکہ کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن انہوں نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ بالفرض اگر یہ قرآن میں نے اپنے پاس سے بنالیا ہے تو میرا یہ جرم مجھ پر ہوگا اور میں تمہارے جرم سے بری ہوں، مجھ پر اس کا کوئی وبال نہیں۔ تم جو ظلم کرتے ہو۔ شرک میں لگے ہوئے ہو حق کو قبول نہیں کرتے تم اس کے وبال سے ڈرو کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والوں پر عذاب آیا کرتا ہے۔ میں تمہارے جرم سے بری ہوں اور بیزار ہوں۔ مفسر ابن کثیر نے (ص ۴۴۴ ج ۲) اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بطور جملہ معترضہ کے فرمایا ہے جو حضرت نوح (علیہ السلام) کے قصہ کے درمیان ذکر کردیا گیا حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے بھی اسی کو اپنی تفسیر میں لیا ہے۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بلاشبہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لاچکے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی شخص ہرگز ایمان نہ لائے گا سو یہ لوگ

بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِيْنَ

جو کام کرتے تھے آپ انکی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں، اور ہمارے حکم سے کشتی بنا لیجئے اور ظالموں کے بارے میں مجھ

ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا

سے خطاب نہ کرنا' بلاشبہ یہ لوگ غرق کئے جانے والے ہیں اور وہ کشتی بنا رہے تھے اور جب انکی قوم کے سرداران پر گزرتے تھے تو اُن سے ہنسی

مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

کرتے تھے' وہ جواب دیتے تھے کہ اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو بلاشبہ ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہنسی کر رہے ہو' سو عنقریب تم جان لو گے

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اُس کو رُسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہو گا

حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم اور کشتی کی تیاری کے وقت سردارانِ قوم کا تمسخر

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے بہت زیادہ محنت کی اور طرح طرح سے اپنی قوم کو سمجھایا توحید کی دعوت دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی انکی محنت اور دعوت سے صرف چند افراد مسلمان ہوئے اور قوم کی طرف سے عذاب لانے کی فرمائش ہوتی رہی۔ بالآخر ظالموں پر عذاب آ گیا اور ایمان والے محفوظ رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے اب ان کے علاوہ کوئی شخص ایمان نہ لائے گا آپ انکے حال پر غمگین نہ ہوں کیونکہ توقع کی چیز کے واقع نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے۔ جب اُن سے ایمان لانے کی توقع ہی اُٹھ گئی تو کیوں غم کیا جائے۔ کافروں پر عذاب آنا تھا' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے نوح تم ہمارے سامنے ہمارے حکم سے ایک کشتی لو جس میں سوار ہو کر اہل ایمان ڈوبنے سے محفوظ ہو جائیں گے اور کافر سب غرق ہوں گے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ ظالموں (یعنی کافروں) کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا۔ ان کو ڈوبنا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانے کیلئے تختے لئے اُن میں کیلیں ٹھونکتے رہے جیسا کہ سورۃ القمر میں فرمایا۔ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا)۔

ادھر تو کشتی تیار ہو رہی تھی اور اُدھر انکی قوم کے سردار اور چودھری گزرتے تھے چونکہ انہیں عذاب آنے کا یقین نہیں تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام پر ہنستے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جی ہاں تم تو اس کشتی میں بیٹھ کر محفوظ ہو جاؤ گے' کبھی کہتے تھے کہ یہ کشتی خشکی میں کیسے چلے گی (کیونکہ وہ خشکی میں بنائی جا رہی تھی) کبھی کہتے تھے کہ اے نوح (علیہ السلام) ابھی تو تم نبی تھے اب تم بڑھئی ہو گئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اگر آج تم ہم پر ہنس رہے ہو تو سمجھ لو کہ وہ دن بھی آنے والا ہے کہ ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ آج تم ہم پر ہنس رہے ہو۔ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر رُسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور سے پانی اُبلنے لگا تو ہم نے کہا اس کشتی میں ایک ایک نر ایک ایک مادہ (یعنی ہر جنس سے دو عدد) سوار کر دو

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۞

اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر دو سوائے اس کے جس کے بارے میں پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اور اُن لوگوں کو بھی سوار کر لو جو ایمان لائے ہیں اور انکے ساتھ کم آدمی ایمان لائے

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ وَهِيَ

اور نوح نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا' بلاشبہ میرا رب بالیقین بخشنے والا ہے۔ مہربان ہے۔ اور وہ

تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ اِۨبْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ

کشتی اُن کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ اُن سے ہٹا ہوا تھا کہ اے میرے چھوٹے سے بیٹے

مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ

ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا۔ جو مجھے پانی سے بچا لے گا نوحؑ نے جواب دیا

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ

کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہی جس پر وہی رحم فرمائے اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی۔ سو وہ

الْمُغْرَقِيْنَ ۞

غرق کئے جانے والوں میں سے ہو گیا۔

پانی کا طوفان' کافروں کی غرقابی' اور اہل ایمان کی نجات

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنا کر تیار کر لی پانی کا طوفان آنا تھا اسکی ابتداء ہو گئی' اہل ایمان کو غرق ہونے سے بچانا تھا اور چوپائے اور درند پرند کی بھی نسلیں چلانی تھیں اور بعد میں دنیا بھی آباد ہونی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ جو لوگ اہل ایمان ہیں انہیں اور اپنے گھر والوں کو کشتی میں سوار کر دو' ہاں تمہارے گھر والوں میں جن کا ڈوبنا قضاء وقدر میں طے ہو چکا ہے ان کو سوار مت کرو' اُن میں اُن کا ایک لڑکا تھا جو ایمان نہیں لایا تھا اور ایک بیوی تھی وہ بھی ایمان نہیں لائی تھی ان دونوں کے کفر کی وجہ سے ان کے ڈوب جانے اور نجات نہ پانے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا تھا' جو حضرات ایمان لائے تھے اُنکی تعداد کم تھی یہ کتنے افراد تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں جو کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ اسی افراد تھے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں ان میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے اور اُن بیٹوں کی تینوں بیویاں تھیں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جو کافر تھا اُسے کشتی میں سوار نہیں کیا گیا۔ حضرت نوح کی بیوی کو سورۃ التحریم کے آخری رکوع میں کافروں میں شمار فرمایا۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگئی بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ اُن کی دو بیویاں تھیں ایک مؤمنہ تھی اور دوسری کافرہ۔ کافرہ غرق ہوئی اور مؤمنہ کشتی میں سوار کر لی گئی تھی، وہ بھی ڈوبنے سے محفوظ کر لی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ ظالموں (یعنی کافروں) کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا۔ لہٰذا کافروں کے لئے سفارش کرنے اور نجات کی دُعا کرنے کا موقع نہ تھا۔

بنی آدم اہل ایمان جو کشتی میں سوار ہوئے تھے اُن کے علاوہ بحکم خداوندی چرند اور پرند میں ایک ایک جوڑا بھی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ پانی آیا جو پہلے تنور سے اُبلنا شروع ہوا بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تنور سے پانی اُبلنا ابتدائے طوفان کی نشانی کے طور پر تھا حضرت نوح علیہ السلام کو بتا دیا گیا تھا کہ جب تنور سے پانی اُبلنے لگے تو سمجھ لو کہ اب طوفان کی ابتداء ہوگئی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ سارا پانی تنور ہی سے نکلا کیونکہ سُورہ قمر میں فرمایا فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ○ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ سو ہم نے خوب بہنے والے پانی سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر پانی اُس کام کے لئے مل گیا جو پہلے سے تجویز ہو چکا تھا۔ یعنی آسمان کا پانی اور زمین کا پانی دونوں مل گئے اور کافروں کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا تھا پانی کی طغیانی کے ذریعے وہ فیصلہ پورا ہو گیا۔ یہ پانی بہت زیادہ تھا جس سے محفوظ رہنے کا اہل کفر کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ سورۂ حاقہ میں فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ○ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ○ بیشک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے آباؤ اجداد کو تم جن کی پشتوں میں تھے) کشتی میں سوار کر دیا تاکہ اُسے ہم تمہارے لئے نصیحت بنا دیں اور تاکہ اُسے یاد کرنے والے کان یاد رکھیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے (یعنی اہل ایمان سے) فرمایا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا (یعنی اس کے چلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے ہے اور اس کا ٹھہر جانا بھی اللہ ہی کے نام سے ہوگا) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوران طوفان جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی کو روکنا چاہتے تھے تو بِسْمِ اللّٰهِ کہہ دیتے تھے اور جب چاہتے تھے کہ چل پڑے تو بِسْمِ اللّٰهِ کہہ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سو جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی) اور دُعا کی تلقین فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (کہ دعا میں یوں کہئے کہ اے رب مجھے برکت والی جگہ میں اُتار اور تو بہترین اُتارنے والوں میں سے ہے) کشتی سے اُترتے وقت کیا دعا کریں اس کے لئے یہ دُعا تلقین فرمائی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا موج کے لپیٹ میں: کشتی چل رہی ہے پہاڑوں کی طرح موجیں ہیں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا موجوں کے تھپیڑوں سے دوچار ہو رہا ہے قریب ہے کہ ڈوب جائے وہ اُن سے علیحدہ تھا، کشتی میں سوار نہ تھا اور ایمانی اعتبار سے بھی انکے ساتھ نہ تھا۔ آپ نے اُسے آواز دی، اے بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا کافروں کے ساتھ نہ ہو اُن کے دین کو چھوڑ دے لیکن اُس نے نہ مانا اور کہنے لگا میں کسی پہاڑ پر ٹھکانہ پکڑ لوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا اس کا خیال تھا کہ جیسے عام طور سے سیلاب آتے ہیں اسی طرح سے یہ بھی ایک سیلاب

ہے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا تو بچ جاؤں گا کیونکہ عام طور سے سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں جاتا وہ چونکہ ایمان نہیں لایا تھا اس لئے یہ بات مانتا ہی نہ تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے جب اللہ کی طرف سے عذاب آ جائے تو کہیں پر بھی نہیں بچ سکتا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں اُسے نجات نہیں دے سکتیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہاں جس پر اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے' وہی بچ سکتا ہے لیکن کافروں پر وہ رحم نہیں فرمائے گا ان سب کو ڈوبنا ہی ڈوبنا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک موج آئی جو دونوں باپ بیٹوں کے درمیان حائل ہوگئی سو وہ غرق کئے جانے والوں میں سے ہو گیا۔

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل لے اور اے آسمان تھم جا' اور پانی کم ہو گیا اور فیصلہ کر دیا گیا اور کشتی

عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ

جودی پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ کافروں کے لئے دوری ہے' اور (نوح علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا اے میرے رب بے شک

ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ

میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح بلا شبہ وہ تیرے

مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ

اہل میں سے نہیں ہے۔ بیشک اس کا عمل درست نہیں سو تو مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں' میں تجھے نصیحت کرتا ہوں

اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا

کہ نادانوں میں شامل نہ ہونا' نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بیشک میں اس بات کی آپ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں آپ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے

تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٤٧﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ

میری بخشش نہ فرمائی تو میں خسارہ والوں میں سے ہو جاؤں گا' حکم ہوا کہ اے نوح تم اُتر جاؤ سلامتی کے ساتھ جو ہماری طرف سے ہے اور برکتوں کے ساتھ

وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٨﴾

جو تم پر اور اُن جماعتوں پر ہیں جو تمہارے ساتھ ہیں' اور بہت سی جماعتیں ایسی ہیں جنہیں ہم نفع پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا

طوفان کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا

تفسیر: پانی کا طوفان آیا جو خوب زیادہ تھا' پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر پانی پہنچ گیا اور اسکی موجیں بھی پہاڑوں کی طرح تھیں اتنے کثیر پانی سے کون بچ سکتا تھا۔ سوائے ان مؤمن مخلص بندوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں

سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا یہ طوفان کتنے دن رہا اس کے بارے میں جو روایات ہیں اُن میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کشتی ایک سو پچاس دن تک پانی پر رہی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ چھ مہینے تیرتی رہی صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پھر جب اللہ تعالیٰ کو طوفان ختم کرنا منظور ہوا تو زمین کو حکم دے دیا کہ اپنے پانی کو نگل لے اور آسمان کو حکم دیا پانی برسانا بند کر دے لہٰذا پانی کم ہو گیا اور اہل کفر کی غرقابی کا جو اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا اس کے مطابق وہ سب ہلاک ہو گئے کشتی چلتے چلتے جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ اللہ پاک کی طرف سے ندا دیدی گئی کہ ظالموں کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے کشتی تو پہاڑ پر ٹھہر گئی لیکن اس سے اُترنا کب ہوا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک ماہ تک جودی پہاڑ پر رہے جب حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ پانی ختم ہو گیا ہے اور زمین اس لائق ہو گئی کہ اس پر قیام کیا جائے تو وہاں سے نیچے تشریف لے آئے اور پھر ان سے دنیا بسنی شروع ہوئی اور ان کے تینوں بیٹوں سے (جو کشتی میں ساتھ تھے) آگے دنیا میں نسل چلی جن کے یہ نام مشہور ہیں۔ سام، حام، یافث۔

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک لڑکا جو کافر ہونے کی وجہ سے غرق ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیا کہ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ کہ میرا بیٹا میرے راہل میں سے ہے وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ اور بیشک آپ کا وعدہ سچا ہے۔ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ۔ اور آپ اَحکم الحاکمین ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انکے اہل وعیال کو نجات دینے کا وعدہ فرما لیا تھا اس پر انہوں نے یہ دُعا کی دُعا میں اَدب کو ملحوظ رکھا یوں نہیں کہا کہ میرے لڑکے کو نجات دے دیجئے بلکہ یوں کہا میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے (جن کے نجات دینے کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے) یہاں مفسرین نے یہ سوال اُٹھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو اہل ایمان کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا تھا جن میں ان کے اہل وعیال بھی تھے پھر اُنہوں نے اپنے کافر بیٹے کو نجات کے وعدہ میں کیسے شامل سمجھا؟ اس کے متعدد جواب لکھے گئے ہیں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ گو یہ لڑکا سردست ایمان والا اور مستحق نجات نہیں ہے۔ لیکن یا اللہ اگر آپ چاہیں تو اس کو مؤمن بنا دیں تا کہ یہ بھی وعدۂ نجات کا محل بن جائے خلاصہ یہ معروض کا اس کے مؤمن ہونے کے لئے دُعا کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے انہیں جواب دیا گیا کہ اے نوح (علیہ السلام) تمہارا بیٹا ہمارے علم ازلی میں تمہارے اُن گھر والوں میں سے نہیں جو ایمان لا کر نجات پائیں گے۔ اس کے اعمال دُرست نہیں ہیں اور انہیں اعمال میں سے یہ ہے کہ اُسے کفر پر اصرار ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا نہیں تو اس کے لئے نجات کی دُعا کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں۔ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (سوائے نوح مجھ سے اس بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں) تم جو یہ سمجھ رہے ہو کہ اس کے ایمان لا کر نجات پانے کا احتمال ہے قضاء وقدر کے فیصلہ کے مطابق یہ سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (بے شک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور جاہلوں میں سے مت بنو) قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ (نوح علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے آپکی پناہ مانگتا ہوں کہ اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے) وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ (اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ کاروں میں سے ہو جاؤں گا)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیٹے کی نجات کی دُعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور عتاب غرق ہونے کے

بعد تھا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انہوں نے اس کے ایمان لانے کے لئے دُعا کی تھی تا کہ ایمان لانے والوں میں شمار ہو کر نجات پا جائے کیونکہ اسکا موقع رہا ہی نہ تھا اور اگر اسکے غرق ہونے سے پہلے یہ دُعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل گیا تھا کہ اسے کفر پر مرنا ہے تو بیٹے سے یہ کیوں فرمایا ایمان لا کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔

احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ دُعا اور سوال و جواب بیٹے کے جواب سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ اور اس کے غرق ہونے کے درمیانی وقفہ میں تھا کیونکہ ابھی موج ہی حائل ہوئی تھی اس کے غرق ہونے کا پتہ نہ چلا تھا بعد میں وہ غرق ہوا اور وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا جو فرمایا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ کسی کافر کے کفر پر رہتے ہوئے اسکی نجات کا سوال نہ کرنا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اہل ایمان کا با سلامت کشتی سے اُترنا: قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سلامتی کے ساتھ اتر جاؤ اور برکتوں کے ساتھ اُتر جاؤ جو تم پر ہوں گی اور ان جماعتوں پر ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی اُتر گیا جس کی وجہ سے زمین میں بسنے کی صورت حال پیدا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ پہاڑ سے اُترو تمہارے لئے ہماری طرف سے سلامتی ہے اور برکتیں ہیں اور جو جماعتیں تمہارے ساتھ ہیں ان پر بھی ہماری برکتیں ہیں۔ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جو آگے چل کر دائرہ ایمان سے نکل جائیں گی ان لوگوں کو ہم دنیا میں ایسی زندگی دیں گے جس سے فائدہ اُٹھالیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا۔ پہلے سے بتا دیا تھا اس وقت جو زمین پر تم اُتر رہے ہو سب مسلمان ہو لیکن ان اترنے والوں کی نسلوں میں سے پھر اہل کفر پیدا ہوں گے ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا آخرت میں تو ہر کافر کے لئے سخت عذاب ہے اور بعض اُمتوں کو دنیا میں بھی اجتماعی عذاب ہوگا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ ۚ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ
یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے۔ آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی،
فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾
سو آپ صبر کیجئے بلاشبہ انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور اُن کے ساتھ اہل ایمان کی نجات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کی قوم ان خبروں سے واقف نہیں تھے ان خبروں کا آپ کو علم ہونا جبکہ

آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں، پرانی قوموں کے واقعات کسی نے بتائے بھی نہیں یہ سمجھ دار انسان کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر آپ کو مطلع فرمایا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھ اہل ایمان کی نجات پانے سے آپ کو تسلی ہونی چاہئے آپ صبر کریں جیسے انبیاء سابقین علیہم السلام صبر کرتے رہے ہیں اور انجام کار یہی ہوا کہ جو لوگ متقی تھے یعنی کفر اور شرک سے بچتے تھے انہوں نے نجات پائی اور ان کے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح آپ کے لئے بھی حسن عاقبت ہے، اور آپ کے اصحاب کے لئے بھی۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگ جو آپ کے مخالف ہیں اُن کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ چند دن کا کھانا پینا اور عیش کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انجام اچھا ہونا چاہئے۔ جو متقین ہی کا حصہ ہے۔

فوائد ضروریہ

۱- حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ طوفان نے ساری زمین کو گھیر لیا تھا جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو دُعا کی تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ (اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری زمین کو طوفان نے گھیر لیا تھا لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے، کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا تھا جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہے جن علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک سورۃ نوح کی آیت میں جو اَلْاَرْض آیا ہے اور جو سورۃ قمر میں وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا۔ فرمایا ہے ان دونوں میں الف لام عہد کے لئے ہے یہ احتمال بعید نہیں ہے لہٰذا ان کے قول کی یقین کے ساتھ ان کے قول کی تغلیط بھی نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ اس کی تحقیق سے کوئی شرعی حکم متعلق نہیں لہٰذا کاوش میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں قصہ بیان کرنے کا مقصد ہر طرح حاصل ہے یعنی نصیحت اور عبرت وموعظت ہر طرح حاصل ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت ارض معمورہ ہی تھوڑی سی تھی جتنی زمین پر انسانوں کی آبادی تھی اُتنے ہی حصہ پر طوفان آیا اور چونکہ تھوڑے سے اہل ایمان کے علاوہ سب ہی بنی آدم ہلاک کردیئے گئے تھے اس لئے اسکو عالمی طوفان کہنا بھی صحیح ہے، منکرین کو ہلاک فرمانا تھا، وہ اتنی زمین پر طوفان آنے سے ہلاک ہوگئے جتنی زمین پر آباد تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲- حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مومن اور کافر میں کوئی رشتہ نہیں اگر نسبی اعتبار سے قرابت کا رشتہ ہو تو اسکی کوئی حیثیت نہیں، کسی نبی یا ولی کا بیٹا ہو اور اس کے عقائد کفریہ ہوں تو اس کا رشتہ اُسے کوئی کام نہیں دے سکتا اور اس کے رشتہ کا اعتبار بھی نہیں حضرات مہاجرین کرام کا یہی جذبہ تھا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں خونی رشتے کے لوگ سامنے آئے لیکن چونکہ وہ کافر تھے اس لئے انہیں قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا جیسا کہ کافروں نے بھی اُن رشتہ داروں پر تلوار کشی کی جو اہل ایمان میں سے تھے بلکہ غزوہ بدر میں تو یہ ہوا کہ بعض انصار مقابلہ کے لئے نکلے تو مشرکین مکہ میں سے بعض افراد نے کہا کہ **لا نرید ھؤلاء ولکن نبارز بنی عمنا من بنی عبدالمطلب** (کہ ہم ان کے مقابلہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہم تو بنی عبدالمطلب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے چچا کے بیٹے ہیں) اس پر حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم نکلے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید بن عتبہ کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

بعد تھا تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ اُنہوں نے اس کے ایمان لانے کے لئے دُعا کی تھی تا کہ ایمان لانے والوں میں شمار ہو کر نجات پا جائے کیونکہ اسکا موقع رہا ہی نہ تھا اور اگر اسکے غرق ہونے سے پہلے یہ دُعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب مل گیا تھا کہ اسے کفر پر مرنا ہے تو بیٹے سے یہ کیوں فرمایا ایمان لا کر ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔

احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ دُعا اور سوال و جواب بیٹے کے جواب سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ اور اس کے غرق ہونے کے درمیانی وقفہ میں تھا کیونکہ ابھی موج ہی حائل ہوئی تھی اس کے غرق ہونے کا پتہ نہ چلا تھا بعد میں وہ غرق ہوا اور وَلَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا جو فرمایا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ کسی کافر کے کفر پر رہتے ہوئے اسکی نجات کا سوال نہ کرنا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اہل ایمان کا باسلامت کشتی سے اُترنا: قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَعَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ سلامتی کے ساتھ اتر جاؤ اور برکتوں کے ساتھ اُتر جاؤ جو تم پر ہوں گی اور اِن جماعتوں پر ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔

جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور پانی اُتر گیا جس کی وجہ سے زمین میں بسنے کی صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ پہاڑ سے اُترو تمہارے لئے ہماری طرف سے سلامتی ہے اور برکتیں ہیں اور جو جماعتیں تمہارے ساتھ ہیں ان پر بھی ہماری برکتیں ہیں۔ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُہُمۡ ثُمَّ یَمَسُّہُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۔ اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جو آگے چل کر دائرہ ایمان سے نکل جائیں گی ان لوگوں کو ہم دنیا میں ایسی زندگی دیں گے جس سے فائدہ اُٹھالیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا۔ پہلے سے بتا دیا تھا اس وقت جو زمین پر تم اُتر رہے ہو سب مسلمان ہو لیکن ان اترنے والوں کی نسلوں میں سے پھر اہل کفر پیدا ہوں گے ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچ جائے گا آخرت میں تو ہر کافر کے لئے سخت عذاب ہے اور بعض اُمتوں کو دنیا میں بھی اجتماعی عذاب ہوگا۔

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَلَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ۚۛ
یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے۔ آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم مانتی تھی؛
فَاصۡبِرۡ ۚۛ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۹﴾
سو آپ صبر کیجئے بلاشبہ انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور اُن کے ساتھ اہل ایمان کی نجات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور آپ کی قوم ان خبروں سے واقف نہیں تھے ان خبروں کا آپ کو علم ہونا جبکہ

آپ نے کسی سے پڑھا بھی نہیں، پرانی قوموں کے واقعات کسی نے بتائے بھی نہیں یہ سمجھ دار انسان کے لئے اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر آپ کو مطلع فرمایا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھ اہل ایمان کی نجات پانے سے آپ کو تسلی ہونی چاہئے آپ صبر کریں جیسے انبیاء سابقین علیہم السلام صبر کرتے رہے ہیں اور انجام کار یہی ہوا کہ جو لوگ متقی تھے یعنی کفر اور شرک سے بچتے تھے انہوں نے نجات پائی اور ان کے دشمن ہلاک ہوئے اسی طرح آپ کے لئے بھی حسن عاقبت ہے، اور آپ کے اصحاب کے لئے بھی۔ اہل مکہ اور دوسرے لوگ جو آپ کے مخالف ہیں اُن کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ چند دن کا کھانا پینا اور عیش کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ انجام اچھا ہونا چاہئے۔ جو متقین ہی کا حصہ ہے۔

فوائد ضروریہ

۱- حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ طوفان نے ساری زمین کو گھیر لیا تھا جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جو دُعا کی تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ (اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری زمین کو طوفان نے گھیر لیا تھا لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے، کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا تھا جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہ ایک شاذ قول ہے۔ جو جمہور کے خلاف ہے جن علماء نے اسے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک سورۃ نوح کی آیت میں جو الْأَرْضِ آیا ہے اور جو سورۃ قمر میں وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُوْنًا۔ فرمایا ہے ان دونوں میں الف لام عہد کے لئے ہے یہ احتمال بعید نہیں ہے لہٰذا ان کے قول کی یقین کے ساتھ ان کے قول کی تغلیط بھی نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ اس کی تحقیق سے کوئی شرعی حکم متعلق نہیں لہٰذا کاوش میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں قصہ بیان کرنے کا مقصد ہر طرح حاصل ہے یعنی نصیحت اور عبرت و موعظت ہر طرح حاصل ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت ارض معمورہ ہی تھوڑی سی تھی جتنی زمین پر انسانوں کی آبادی تھی اُتنے ہی حصہ پر طوفان آیا اور چونکہ تھوڑے سے اہل ایمان کے علاوہ سب ہی بنی آدم ہلاک کر دیئے گئے تھے اس لئے اسکو عالمی طوفان کہنا بھی صحیح ہے، منکرین کو ہلاک فرمانا تھا، وہ اتنی زمین پر طوفان آنے سے ہلاک ہو گئے جتنی زمین پر آباد تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲- حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لئے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (کہ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مومن اور کافر میں کوئی رشتہ نہیں اگر نسبی اعتبار سے قرابت کا رشتہ ہو تو اسکی کوئی حیثیت نہیں، کسی نبی یا ولی کا بیٹا ہو اور اس کے عقائد کفریہ ہوں تو اس کا رشتہ اُسے کوئی کام نہیں دے سکتا اور اس کے رشتہ کا اعتبار بھی نہیں حضرات مہاجرین کرام کا یہی جذبہ تھا کہ غزوہ بدر وغیرہ میں خونی رشتے کے لوگ سامنے آئے لیکن چونکہ وہ کافر تھے اس لئے انہیں قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا جیسا کہ کافروں نے بھی اُن رشتہ داروں پر تلوار کشی کی جو اہل ایمان میں سے تھے بلکہ غزوہ بدر میں تو یہ ہوا کہ بعض انصار مقابلہ کے لئے نکلے تو مشرکین مکہ میں سے بعض افراد نے کہا کہ لا نريد هؤلاء ولكن نبارز بني عمنا من بني عبد المطلب (کہ ہم ان کے مقابلہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہم تو بنی عبد المطلب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے چچا کے بیٹے ہیں) اس پر حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہم نکلے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید بن عتبہ کو اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے (بدر میں زخمی ہوئے تھے پھر مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں وفات ہو گئی) لیکن انکے شہید کرنے والے کو (جس کا نام عتبہ تھا) بعد میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کر دیا۔ (البدایہ)

جب کافروں کے جذبۂ عداوت کا یہ حال ہے کہ قتل کرنے کے لئے اپنے عزیزوں کو خصوصیت کے ساتھ طلب کرتے ہیں تو اہل ایمان کیوں اہل کفر سے دشمنی نہ رکھیں اور کافروں کو اپنا کیوں سمجھیں۔ کوئی کافر اپنا نہیں خواہ کیسا ہی رشتہ دار ہو اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ میں اس کو واشگاف الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔ فرماتے ہیں ؎

پسر نوح بابداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد

سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

۳- جودی پہاڑ کہاں ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی اس کے بارے میں معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ ایک پہاڑ ہے جو دجلہ سے مشرقی جانب ہے جزیرہ ابن عمر پر محیط ہے اور یہ شہر موصل کے مضافات میں ہے (جو عراق کے شہروں میں سے ہے) یہ جزیرہ ابن عمر برقعبدی کی طرف منسوب ہے۔ محقق ابن جزری امام التجوید والقراءۃ کی نسبت بھی اسی کی طرف ہے۔

۴- آیت کریمہ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ میں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بہت سی وجوہ اعجاز ہیں جن کو علامہ سکاکی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے جمع کیا ہے پھر حافظ شمس الدین ابن الجزری صاحب مقدمہ الجزریۃ نے کفایۃ الالمعی فی اٰیۃ یا ارض ابلعی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں علامہ سکاکی کی بیان کردہ وجوہ اعجاز پر اضافہ کیا۔ (ذکرہ حاجی خلیفہ فی کشف الظنون)

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے اُنکے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں تم صرف

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ

جھوٹ بولتے ہو اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر صرف اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا کیا تم سمجھ نہیں رکھتے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

اور اے میری قوم تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور میں توبہ کرو وہ تم پر خوب بارشیں بھیج دے گا

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا

اور تمہیں جو قوت حاصل ہے اس سے زیادہ قوت عطا فرمائے گا اور تم مجرم بن کر روگردانی کرنے والے نہ بنو وہ کہنے لگے کہ اے ہود تم ہمارے پاس

بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

کوئی دلیل نہیں لائے اور ہم تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کوئی خرابی پہنچادی ہے۔ ہود نے کہا کہ بیشک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم گواہ ہو جاؤ کہ

اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ

بیشک میں اُن چیزوں سے بری ہوں جنہیں تم اللہ کے علاوہ شریک قرار دیتے ہو سو تم سب مل کر میرے بارے میں تدبیریں کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو بیشک

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ

میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اُسکی گرفت میں نہ ہو بیشک میرا رب

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ

صراط مستقیم پر ہے، سو اگر تم روگردانی کرو تو میں سب کچھ پہنچا چکا ہوں جو پیغام دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور

رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾

میرا رب تمہارے سوا کسی دوسری قوم کو تمہارے قائم مقام کر دے گا اور تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ

اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو اور اُن لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لا کر اُن کے ساتھ تھے اور ہم نے انہیں

عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ

سخت عذاب سے نجات دے دی اور یہ تھے قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور

كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ

ہر سرکش ضدی کی بات کا اتباع کیا اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی خبردار بلاشبہ

عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، خبردار عاد کے لئے دوری ہے جو ہود کی قوم ہے

قوم عاد کو حضرت ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی سرکشی اور ضد و عناد اور کفر و تکذیب کی سزا کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قوم عاد کی سرکشی و نافرمانی اور ضد و عناد کی تکذیب کا تذکرہ فرمایا یہ لوگ بڑی قوت والے اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے ان

کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ سورۃ الفجر میں ہے اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۝ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ۝ الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ۝ (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کی قد وقامت ستون جیسی تھی جن کے شہروں میں ان جیسا پیدا نہیں کیا گیا)

اور سورہ حٰمٓ سجدہ میں ان کے غرور اور گھمنڈ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً لیکن قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے کہا کہ زور آوری میں ہم سے زیادہ بڑھ کر کون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً (کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا فرمایا ان سے بڑھ کر قوت والا ہے) حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو انکی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی توحید کی دعوت دی شرک سے باز آنے کی تلقین فرمائی اور اُن سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کی عبادت کرو اور یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں ان کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو یہ تمہارا افتراء ہے اور جھوٹ ہے۔ سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی نعمتیں بھی یاد دلائیں اور ان سے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں بسایا ہے اُنکے بعد تم زمین میں رہتے سہتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ڈیل ڈول بھی خوب دیا ہے تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو لیکن انہوں نے کہا کہ تم تو بے وقوف آدمی ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (سورۂ اعراف رکوع ۹) اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل و حجت تو لائے نہیں ہو جسکی وجہ سے ہم تمہیں اللہ کا رسول مانیں (یہ انہوں نے عناداً کہا) اور ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کررہے ہو تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ یعنی آسیب وغیرہ پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور میں اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اب تو میرے اور تمہارے درمیان کھل کر دشمنی ہوگئی تم میرے دشمن ہو اپنی دشمنی میں کوئی کسر نہ اُٹھا کر رکھو مجھے دُکھ پہنچانے میں تم سے جو کچھ مکر حیلہ سازی ہو سکے تم سب مل کر اس پر عمل کرو پھر مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو دیکھو تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تم اتنے سارے ہو قوت و شوکت والے ہو میں اکیلا ہوں اللہ کا توکل وہ چیز ہے جسے یہ چیز حاصل ہو جائے اُس کے سامنے مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا میں تمہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کی پیشانی اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ مالک ہے قادر ہے قاہر ہے تم بھی زمین پر چلتے پھرتے تم بھی اسکی مخلوق ہو اور مقہور و مجبور ہو تمہیں اس سے ڈرنا چاہئے بیشک میرے رب کی رضا صراطِ مستقیم پر چلنے میں ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتیں بھی یاد دلائیں اور آئندہ نعمتیں ملتے رہنے کا عملی طریقہ بتایا اور وہ یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ تمہارا گزشتہ سب کچھ معاف ہو جائے گا اسکے حضور میں توبہ بھی کرو اللہ تعالیٰ تم پر خوب بارش بھیج دے گا جو ضرورت کے وقت خوب برستی رہے گی اور تمہاری جو موجودہ قوت و طاقت و زور آوری ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ تین سال تک بارشیں نہیں ہوئی تھیں اور عورتیں بانجھ ہوگئی تھیں اولاد پیدا نہ ہوتی تھی مال و اولاد نہ ہونے سے قوت میں کمی ہو رہی تھی حضرت

ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرو مال بھی ملے گا اور اولاد بھی ہوگی اور ان دونوں کے ذریعے تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ دیکھو اگر تم رُوگردانی کرو گے اور جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اسے نہ مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو زمین میں بسا دے گا اپنے زور وقوت پر جو تمہیں گھمنڈ ہے یہ بیجا ہے اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دے گا تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ جب عذاب آئے گا تو سب پر آئے گا' عذاب کافروں پر آئے گا اہل ایمان محفوظ رہیں گے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ (بے شک میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ وہ اہل ایمان کو بچالے گا) اُن کی قوم نے کہا کہ تم ہمیں یہ پیغام دے رہے ہو کہ ہم صرف تنہا اللہ کی عبادت کریں اور اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (یہ ہم سے نہیں ہوسکتا) تم جو یہ بار بار کہتے ہو کہ عذاب آئے گا' عذاب آئے گا اگر تم سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔ ایک تو انہوں نے کفر وشرک کو نہیں چھوڑا دوسرے اپنے منہ سے عذاب طلب کیا۔ لہٰذا حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا قَدْ وَقَعَ عَلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ (تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہونے کا فیصلہ ہو چکا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان پر عذاب آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں یعنی اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور باقی قوم کو سخت عذاب میں مبتلا فرمایا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیجی جو سات رات اور آٹھ دن تک برابر چلتی رہی اور وہ ایسے رہ گئے گویا خالی کھجوروں کے تنے ہوں جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے اور سورۃ احقاف میں فرمایا فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ (سو جب انہوں نے بادل کو دیکھا جو اُن کی وادیوں کے سامنے آ رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسانے والا ہے' یہ بات نہیں کہ وہ پانی برسائے گا بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔ سو وہ لوگ صبح کے وقت اس حال میں ہو گئے کہ اُن کے رہنے کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو بدلہ دیا کرتے ہیں) سورۂ حٰمٓ سجدہ اور سورۃ الذّٰریات اور سورۃ الحاقہ میں بھی قوم عاد پر سخت ہوا کا عذاب آنے کا ذکر ہے۔ واقعہ عذاب بتا کر ارشاد فرمایا وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ (اور اس دنیا میں اُنکے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی) یعنی وہ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ان پر لعنت ہوگی' اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ (خبردار عاد نے اپنے رَب کے ساتھ کفر کیا) اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۔ (خبردار اللہ کی رحمت سے قوم عاد کے لئے دوری ہے جو ہود کی قوم تھی) قوم ہود کی تکذیب اور ضد وعناد اور ہلاکت و بربادی کا واقعہ سورۃ اعراف رکوع نمبر ۹ میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو بھیجا' انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں'

اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ

اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں آباد فرمایا سو تم اس سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو۔ بیشک میرا رب

قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ

قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے صالح اس سے پہلے تو ہمیں تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں کیا تم ہمیں اُن چیزوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو

مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے اور بلاشبہ ہم اس بات کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو جو شک تردد میں ڈالنے والا ہے، صالح نے کہا کہ اے میری قوم

كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہے، پھر وہ کون ہے جو مجھے اللہ سے

عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا

بچالے گا اگر میں اسکی نافرمانی کروں؟ سو تم میرے لئے نقصان ہی کو بڑھا رہے ہو اور اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے یہ بطور نشانی کے ہے سو تم

تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا

اسے چھوڑے رکھو اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا پھر تمہیں جلد آنے والا عذاب پکڑ لے گا سو انہوں نے اس کو مار ڈالا

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ

اس پر صالح نے کہا کہ تم تین دن اپنے گھروں میں بسر کر لو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں ہے پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا

اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ

تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ اہل ایمان تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے نجات دی' بیشک

رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

تیرا رب قوت والا ہے اور زبردست ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں چیخ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے جیسا کہ ان گھروں میں

جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

کبھی بسے ہی نہ تھے' خبردار قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خبردار دوری ہے ثمود کے لئے

قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا

تفسیر: سورہ اعراف کے رکوع میں حضرت صالح (علیہ السلام) اور انکی قوم ثمود کا واقعہ تفصیل کیساتھ بیان کیا جاچکا

ہے وہاں مراجعت فرمالیں[۱] مختصر طریقے پر یہاں بھی لکھا جاتا ہے حضرت صالح (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ قوم عاد کے بعد تھی سورۂ اعراف میں ہے کہ حضرت صالح (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (اور تم یاد کرو جبکہ اللہ نے تمہیں قوم عاد کے بعد آباد کیا اور زمین میں تمہیں رہنے کو ٹھکانہ دیا تم نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بنالیتے ہو سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت مچاؤ)۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو استغفار کرنے کے لئے یعنی ایمان لانے کے لئے فرمایا اور آئندہ باقی زندگی میں اللہ کی طرف رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ میرا رب قریب ہے جو دعا کرو گے سُنے گا اور مجیب بھی ہے دعا کو قبول فرمائے گا اور انہیں بتادیا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اُن لوگوں نے ضد و عناد پر کمر باندھ لی اور حضرت صالح (علیہ السلام) سے کہنے لگے کہ میاں تم تو بڑے سمجھدار ہونہار تھے ہم تم کو اپنا سردار بناتے اور اپنے کاموں میں تمہیں آگے آگے رکھتے تم نے جو یہ باتیں نکالی ہیں کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور باپ دادے جنکی عبادت کرتے تھے انہیں یکسر چھوڑ بیٹھیں یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تم ہمیں جس بات کی دعوت دے رہے ہو ہمیں تو اسکے صحیح ہونے میں شک ہے شک بھی معمولی نہیں بڑا شک ہے جو بڑے تذبذب اور تردد میں ڈالنے والا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت دی ہے یعنی نبوت عطا فرمائی ہے اگر میں تمہاری جاہلانہ باتوں کا اتباع کروں تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو جاؤں گا اگر اللہ تعالیٰ نے اس نافرمانی میں میرا مؤاخذہ فرمالیا تو اللہ کے سوا کون میری مدد کرے گا۔ تمہارا اتباع کرنے سے برابر میرا نقصان ہی ہوتا رہے گا۔ ان لوگوں نے بڑی بیہودہ اور بے تکی باتیں کیں اور یوں بھی کہا کہ اچھا اگر تم پیغمبروں میں سے ہو تو عذاب لاکر دکھادو جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو (کمافی سورۃ الاعراف) نیز اُنہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ پہاڑ سے اگر اونٹنی نکل آئے تو ہم مان لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اونٹنی نکال دی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو نشانی کے طور پر ہے اس کو چھوڑ دو تا کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور یہ بھی فرمایا کہ اس اونٹنی کے پانی پینے اور تمہارے مویشیوں کے پانی پینے کے لئے باری مقرر کی جاتی ہے۔ (وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ تم اس اونٹنی کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا یعنی اس کے درپے آزار نہ ہونا اور اسے قتل مت کرنا اگر تم نے ایسا کیا تو جلد ہی عذاب آجائے گا۔

ان لوگوں نے اول تو خود اپنے منہ سے فرمائشی معجزہ طلب کیا پھر معجزہ ظاہر ہو گیا تو ایمان نہ لائے بلکہ اُوپر سے اس اونٹنی کے قتل کے مشورے کرنے لگے آپس میں مشورہ کر کے ایک آدمی کو تیار کیا کہ اس اونٹنی کو مار ڈالو چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا (فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ)۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ دیکھو تم تین دن اپنے گھروں میں رہ لو اس کے بعد عذاب آجائے گا یہ وعدہ جھوٹ نہیں ہے۔

تین دن گزرنے کے بعد عذاب آ گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھیوں کو جو اہل

[۱] انوار البیان ج ۳

ایمان تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے بھی نجات دے دی کیونکہ جس قوم پر اللہ کا عذاب آتا ہے۔ وہ ذلیل ورسوا بھی ہوتی ہے یہ اہل ایمان عذاب سے بھی محفوظ رہے اور ذلت سے بھی محفوظ رہے۔

قوم پر جو عذاب آیا اس کے لئے فرمایا: وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ جن لوگوں نے ظلم کیا انکو چیخ نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے گویا کہ ان میں رہے ہی نہ تھے اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَ کَفَرُوْا رَبَّهُمْ (خبردار قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (خبردار دوری ہے ثمود کے لئے) یہ قوم دنیا میں بھی اللہ کی رحمت سے دور ہوئی اور آخرت میں بھی۔

فائدہ: سورہ اعراف میں ہے کہ ان لوگوں پر رَجفہ یعنی زلزلے کا عذاب آیا تھا اور یہاں چیخ سے ہلاک ہونے کا ذکر ہے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے زلزلہ اور چیخ دونوں ہی جمع ہو گئے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اوپر سے چیخ آئی اور نیچے سے زلزلہ آیا دونوں اُنکی ہلاکت کا سبب بنے۔ مفسر بغوی معالم التنزیل (ص ۳۹۱ ج ۲) میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے انہوں نے سلام کے الفاظ بولے ابراہیم نے سلام کا جواب دیا پھر دیر نہ لگائی کہ ایک تلا ہوا

بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ

بچھڑا لے آئے۔ سو جب ابراہیم نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھ اسکی طرف نہیں پہنچ رہے ہیں تو اُن کی طرف سے خوفزدہ ہو گئے

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ

انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں بیشک ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور انکی بیوی کھڑی ہوئی تھی سو ہنس پڑی سو ہم نے اُسے اسحاق کی

وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ

اور اسحق کے پیچھے یعقوب کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی، وہ کہنے لگی ہائے خاک پڑے میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بڑے میاں ہیں،

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ

بیشک یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ وہ کہنے لگے کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے اے اہل بیت تم پر

عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ

اللہ کی رحمت ہو اور اسکی برکتیں ہوں، بلاشبہ اللہ مستحق حمد ہے بڑائی والا ہے، پھر جب ابراہیم کا خوف جاتا رہا اور اس کے پاس

الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ﴿۷۵﴾ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ

خوشخبری آ گئی تو ہم سے قوم لوط کے بارے میں جدال شروع کر دیا بیشک ابراہیم بردبار، رحمدل، رجوع کرنے والے تھے، اے ابراہیم

أَعۡرِضۡ عَنۡ هَٰذَآۖ إِنَّهُۥ قَدۡ جَآءَ أَمۡرُ رَبِّكَۖ وَإِنَّهُمۡ ءَاتِيهِمۡ عَذَابٌ غَيۡرُ مَرۡدُودٖ ﴿٧٦﴾

اس بات سے اعراض کرو، بیشک تمہارے رب کا حکم آ چکا ہے اور بیشک اُن پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہو گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا اور فرشتوں کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا

تفسیر: حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا وطن ایران اور عراق کے درمیان تھا انکی قوم بُت پرست تھی نمرود کی حکومت تھی وہاں انہوں نے توحید کی دعوت دی، قوم نے مخالفت کی دشمنی پر اتر آئے حتیٰ کہ آپ کے باپ نے بھی یوں کہہ دیا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِيۡ مَلِيًّا (اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے ماردوں گا اور تو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے) ان لوگوں نے آگ میں ڈال دیا اللہ نے آگ اُن پر ٹھنڈی کردی اور وہ اس میں سے صحیح سلامت باہر نکل آئے اور پھر اپنا وطن چھوڑ کر ملک شام کے علاقہ فلسطین میں آباد ہو گئے۔ حضرت لوط (علیہ السلام) اُنکے بھتیجے تھے وہ بھی ساتھ آ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی نیز حضرت لوط (علیہ السلام) کو بھی نبوت سے نوازا تھا۔ شام ہی کے علاقہ میں حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم آباد ہوئی تھی جہاں آجکل بحرمیت ہے اُنکی قوم نے بڑی سرکشی کی اور بیہودگی اور بدفعلی اور بدکاری کو اپنا مقصد زندگی بنا رکھا تھا جب اُن کی قوم پر عذاب بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا تو فرشتے اول حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے جو انسانی صورتوں میں تھے انہوں نے آکر سلام کیا، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جواب دیا اور جلدی سے اندر تشریف لے گئے اور بھنا ہوا بچھڑے کا گوشت اُن کے لئے مہمانی کے طور پر لے آئے یہ بچھڑا فربہ اور موٹا تازہ تھا جیسا کہ سورۃ الذّریات میں فرمایا ہے بِعِجۡلٍ سَمِينٍ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمانی کی (اول الناس ضیف الضیف کما فی المشکوۃ ص۳۸۵) آنے والے مہمان فرشتے تھے وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ گوشت سامنے رکھا ہوا ہے لیکن اُن کے ہاتھ اسکی طرف نہیں بڑھتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب یہ ماجرا دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے کہ یہ کون لوگ ہیں عجیب سے لوگ معلوم ہوتے ہیں کھانا سامنے رکھا ہے کھاتے نہیں ہیں، نہ صرف دل سے خوف زدہ ہوئے بلکہ زبان سے بھی کہہ دیا اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ (کہ ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے) فرشتوں نے کہا کہ ڈرو نہیں ہم تمہیں ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہو گا، بیٹا ہونے کی بشارت دی اور اس کے ساتھ ہی پوتا ہونے کی بھی بشارت دیدی یہ بیٹا اسحٰق اور پوتا یعقوب (علیہما السلام) تھے۔ بیٹے کی بشارت سُنی تو کہنے لگے۔ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِيۡ عَلٰۤى اَنۡ مَّسَّنِيَ الۡكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ (کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا آ چکا ہے سو کس چیز کی بشارت دے رہے ہو) قَالُوۡا بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ (اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بشارت دی ہے سو تم نا اُمید ہو جانے والوں میں سے مت بنو) نیز ان فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم قوم لوط (علیہ السلام) کی طرف بھیجے گئے ہیں (تاکہ ان پر عذاب لے کر آئیں) وہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ بھی کھڑی تھیں اُنہیں ہنسی آ گئی، ہنسی کس بات پر آئی اسکے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے کئی قول نقل کئے ہیں اس میں سے ایک قول یہ ہے کہ انہیں اس بات پر ہنسی آئی کہ ہم ان مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ان کو کھانا پیش کیا لیکن کھاتے ہی نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ چونکہ فرشتوں نے یوں بھی کہہ دیا تھا کہ ہم قوم لوط علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے ہیں اس لئے مومنہ خاتون کو اُن کی غفلت پر ہنسی آ گئی کہ دیکھو

وہ لوگ کیسے غافل ہیں عذاب قریب آچکا اور وہ اپنی مستیوں میں لگے ہوئے ہیں' فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو بھی بشارت دی اور کہا کہ تم سے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحٰق (علیہ السلام) ہوگا اور پھر اس لڑکے کا لڑکا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا وہ کہنے لگیں ہائے خاک پڑے (عورتیں تعجب کے وقت یہ لفظ بولا کرتی ہیں) کیا میں اب جنوں گی جب بڑھیا ہو چکی ہوں اور نہ صرف یہ کہ میں بُوھیا ہوں میرے یہ شوہر جو بیٹھے ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں' بوڑھے مرد بوڑھی عورت سے اولاد پیدا ہو یہ تو عجیب بات ہے' فرشتوں نے کہا ہم تو تمہیں اللہ کی طرف سے بشارت دے رہے ہیں تمہیں اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے وہ جس سے چاہے اور جب چاہے اولاد پیدا فرما سکتا ہے اس کے بعد فرشتوں نے اللہ کی رحمت اور اس کی برکتوں کی دعا دی اور کہا کہ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ (کہ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اسکی برکتیں ہوں) اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام تعریفوں کا مستحق ہے اور بزرگ ہے)۔

اس کے بعد اُسی بیوی سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اسحٰق (علیہ السلام) رکھا گیا اور بعد میں اس صاحبزادہ کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یعقوب (علیہ السلام) رکھا گیا۔ اس بیوی کا نام سارہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی لڑکی تھی اور ہجرت کر کے ہمراہ آئی تھی۔ دوسری بیوی کا نام ہاجرہ تھا اُس سے حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ ہاجرہ اور اسمٰعیل وہی دونوں ماں بیٹے ہیں جنہیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں چھوڑ گئے تھے جس کا واقعہ سورہ بقرہ کی آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۱)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف جاتا رہا تو اب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یہ دعا مانگنے لگے کہ ان کو ہلاک نہ کیا جائے کیونکہ ان کے اندر لوط علیہ السلام موجود ہیں' اس کو یُجَادِلُنَا ۔ سے تعبیر فرمایا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ جدال فرشتوں سے تھا کیونکہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے اس لئے یوں فرمایا کہ وہ ہم سے جدال کرنے لگے' سورہ عنکبوت میں ہے کہ جب فرشتے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس آئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا (اس بستی میں لوط موجود ہیں) اس پر فرشتوں نے جواب دیا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۔ ہمیں اُن سب کا خوب علم ہے جو اس بستی میں ہیں لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے بجز اسکی بیوی کے وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش تھی کہ عذاب نہ آئے اُنہوں نے عذاب رکوانے کے لئے وہاں لوط علیہ السلام کے موجود ہونے کو رحم لانے کے لئے پیش کیا اُن کے اسی جذبہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (کہ بلاشبہ ابراہیم (علیہ السلام) بُردبار رحم دل تھے اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے) اللہ کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو ہلاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور اسی لئے فرشتے آئے تھے انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) سے کہا کہ اس بات کو جانے دو تمہارے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے ان پر عذاب ضرور آئے گا جو ہٹنے اور واپس ہونے والا نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ انکی وجہ سے رنجیدہ ہوئے۔ اور ان کی وجہ سے تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے آج کا دن مصیبت کا دن ہے

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ

اور اُنکی قوم کے لوگ اُن کے پاس جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آگئے اور وہ اس سے پہلے بُرے کام کیا کرتے تھے لوط نے کہا اے میری قوم

بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ

یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رُسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا

رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

مانس نہیں ہے' کہنے لگے کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تم تو جانتے ہو ہمارا کیا مطلب ہے'

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

لوط نے کہا کاش میرا تم پر زور چلتا ہوتا یا میں کسی مضبوط پائے کی پناہ لے لیتا۔ فرشتوں نے کہا اے لوط بیشک ہم تیرے رب کے بھیجے

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ

ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے' سو تم رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جانا

اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا

بیشک اُسے وہی عذاب پہنچے گا' بیشک صبح کا وقت اُن کے عذاب کے لئے مقرر ہے کیا صبح قریب نہیں ہے۔

جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ۵ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً

سو جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے زمین کے اُوپر کے تختے کو نیچے کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھر برسا دیئے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر

عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع

آپ کے رب کے پاس سے نشان لگائے ہوئے تھے اور یہ بستیاں ان ظالموں سے دور نہیں

فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا انکی بدکار قوم کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے تھے وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو بشارت دے کر اور اُن کے مکالمہ اور مجادلہ سے فارغ ہو کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے جو انسانی شکلوں میں تھے حضرت لوط (علیہ السلام) کی قوم کو لڑکوں اور مردوں کے ساتھ بدفعلی کی عادت تھی' وہ منع کرتے تھے تو باز نہ آتے تھے اور اُلٹا حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کو طعنہ دیتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ بڑے

پاک باز بنتے ہیں (جیسا کہ سورہ اعراف کے رکوع ۱۰) میں گذر چکا ہے۔ فرشتے حسین اور خوبصورت مردوں کی صورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو رنج ہوا اور تنگ دل ہوئے۔ کیونکہ اُنہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ مہمانوں کے ساتھ حرکت بد کرنے کا ارادہ کریں گے جب وہ لوگ جلدی جلدی دوڑے ہوئے آئے تو حضرت لوط (علیہ السلام) نے اُن سے کہا کہ دیکھو یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی وہ عورتیں جو میری اُمت میں ہیں یہ تمہارے لئے بہتر ہیں ان سے نکاح کرو اور اپنا کام چلاؤ' ان پاکیزہ عورتوں کو چھوڑ کر ایسے کام کا ارادہ نہ کرو جو اللہ کی ناراضگی لانے والا کام ہے' پھر یہ بھی دیکھ لو کہ یہ میرے مہمان ہیں تم ان سے اپنے مطلب برآری کا ارادہ کر کے مجھے ان میں رُسوا نہ کرو کیا تم سبھی کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے کیا تم میں کوئی اچھا آدمی صحیح رائے والا نہیں ہے؟

ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب اور سروکار نہیں ہمارا جو مطلب ہے وہ تم جانتے ہو۔ حضرت لوط (علیہ السلام) نے جب انکی ضد دیکھی اور انکی طرف سے نصیحت قبول کرنے سے نا اُمید ہو گئے تو کہنے لگے کہ کاش تمہارے مقابلہ میں مجھے قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ لیتا یعنی میں کسی ایسی قوم کا فرد ہوتا جو کنبہ اور قبیلہ اور جتھہ والی ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت لوط (علیہ السلام) کے بعد اللہ نے جو بھی کوئی نبی بھیجا وہ عزت اور زور آور اور عزت والی قوم میں سے تھا۔ (درمنثور ص ۳۴۳ ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ لوط پر رحمت فرمائے وہ مضبوط پائے کی طرف ٹھکانہ پکڑ رہے تھے۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۸ ج ۱)

فرشتوں نے جب حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی دیکھی تو انہوں نے کہہ دیا کہ بیشک ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ تمہارا کچھ نہ کر سکیں گے۔ آپ تک انکی رسائی ہرگز نہ ہوگی اور یہ تو خود ہلاک ہونے والے ہیں ہم ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے گئے ہیں اور چونکہ اہل ایمان کو محفوظ رکھنا (اور اہل ایمان صرف حضرت لوط کے گھر والے ہی تھے) ضروری ہے اس لئے آپ رات کے وقت میں انہیں لے کر باہر چلے جایئے اور برابر چلتے جائیں تم میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے مگر آپ کی جو بیوی ہے وہ ساتھ نہ جائے گی (وہ کافرہ تھی) اس پر بھی وہی عذاب آنے والا ہے جو بستی کے دوسرے لوگوں پر آئے گا اور یہ عذاب صبح کے وقت میں نازل ہوگا' حضرت لوط علیہ السلام چونکہ بہت ہی زیادہ تنگ آ چکے تھے اس لئے انہوں نے صبح تک مہلت دینا گوارا نہ کیا اور فرمایا کہ ابھی عذاب آ جائے (کما ذکر فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ) فرشتوں نے کہا **اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ** (کیا صبح قریب نہیں ہے) جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آ گیا جو فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے اُن بستیوں کا تختہ اُٹھا کر پلٹ دیا۔ نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہو گئی وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُوپر سے پتھر بھی برسا دیئے جو کنکر کے پتھر تھے وہ لگاتار برس رہے تھے اور ان پر نشان بھی لگے ہوئے تھے بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اس کو **مُسَوَّمَةً** یعنی نشان زدہ فرمایا (کما ذکرہ فی معالم التنزیل وفیہ اقوالٌ آخر)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اُس علاقہ میں موجود تھے اُن پر زمین اُلٹنے کا عذاب آیا اور جو لوگ ادھر اُدھر نکلے ہوئے تھے ان پر پتھر برسے اور وہ پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ سے کسی نے پوچھا کیا قوم لوطؑ

میں سے کوئی رہ گیا تھا انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زندہ بچ گیا تھا جو مکہ معظمہ میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا وہ چالیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو اس کو بھی پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا ای علی شذاذھا و مسافریھا یعنی ان میں سے جو لوگ مسافر تھے ادھر اُدھر نکلے ہوئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی بارش بھیج دی جس سے وہ ہلاک ہو گئے پھر لکھا ہے۔ وقیل بعد ما قلبھا امطر علیھا (یعنی جب تختہ اُلٹ دیا تو اُوپر سے پتھر برسا دیئے گئے) یہ قول صحیح ہے جو قرآن کے سیاق کے مطابق ہے۔ اور یہ اس کے معارض نہیں کہ جو لوگ ادھر اُدھر گئے ہوئے تھے ان پر بھی پتھر آئے ہوں اور وہ پتھروں کے ذریعہ ہلاک کئے گئے ہوں' ان لوگوں پر جو پتھر آئے تھے اُن کے بارے میں مِنْ سِجِّيْلٍ فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ لفظ معرب ہے سنگ اور گل سے مرکب ہے فارسی میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ پتھر ایسے تھے جو مٹی سے بنائے ہوئے تھے اسی لئے اس کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے بیان القرآن میں فرمایا ہے کہ اس سے جھانوہ مراد ہے جو پک کر مثل پتھر کے ہو جاتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے چند بستیاں تھیں جن کے نام مفسرین نے میعہ' صعرہ' عصرہ' دوما' سدوم' بتائے ہیں ان کے ناموں کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں ان میں سب سے بڑی بستی سدوم تھی حضرت لوط علیہ السلام اسی میں رہتے تھے انکی قوم کے اعمال بد کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ یہ بستیاں نہر اُردن کے قریب تھیں۔ ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور ان کی جگہ بحر میت جاری کر دیا گیا۔ جو آج بھی موجود ہے یہ پانی کہیں دوسری جگہ سے نہیں آتا صرف ان بستیوں کے حدود میں رہتا ہے۔ یہ پانی بدبودار ہے جس سے انسانوں کو یا جانوروں کو یا کھیتیوں کو کسی قسم کا انتفاع نہیں ہوتا۔ سورۂ حجر میں زمین کا تختہ اُلٹنے کے تذکرہ سے پہلے یہ بھی فرمایا: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ (سورج نکلتے نکلتے انہیں چیخ نے پکڑ لیا) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا' چیخ نے بھی پکڑا اور اُن کی زمین کا تختہ بھی اُلٹ دیا گیا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی وہ بھی ہلاک کر دی گئی بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی جب پوری قوم پر عذاب آیا تو وہ بھی اُنہی میں ہلاک ہو گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ ساتھ تو نکلی تھی لیکن جب اُس نے عذاب آنے کی آہٹ سنی تو پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی اور اپنی قوم کی ہلاکت کا یقین کرتے ہوئے یوں کہا "ہائے میری قوم" اُس وقت اُسے ایک پتھر آ کر لگا جس سے وہ ہلاک ہو گئی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ ہم نے تفصیل سے سورۃ انعام (ع ۱۰) کی تفصیل کے ذیل میں بیان کیا ہے وہاں بھی ملاحظہ فرما لیں (انوار البیان ج ۳) وہاں یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والا عمل کرنے والوں کی اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے علماء نے کیا سزا بتائی ہے' قصہ کے ختم ہونے پر فرمایا وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (یہ بستیاں ظالموں سے دور نہیں ہیں) یعنی جو لوگ ایمان نہیں رکھتے کفر پر مُصر ہیں اُن لوگوں کو حضرت لوط والے واقعہ سے عبرت لینا چاہئے یہ بستیاں اُن سے دور نہیں ہیں سورہ حجر میں فرمایا وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ (یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ہیں) عرب کے لوگ جب تجارت کے لئے شام کو جاتے تھے تو ان تباہ شدہ بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے اُن کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنا لازم تھا' سورہ صٰفٰت میں فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اور تم اُن پر صبح کے

وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ وَلَا تَنْقُصُوا

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا اُنہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اُس کے سوا کوئی

الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو بیشک میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ آسودہ حال ہو بیشک میں تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں جو گھیر لینے والا ہوگا"

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي

اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو اور لوگوں کو چیزیں گھٹا کر نہ دو اور

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

زمین میں فساد مچانے والے نہ بنو۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تم پر

بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

پہرہ دینے والا نہیں ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ بتاتی ہے کہ ہم اُن چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں یا یہ کہ ہم

فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۗ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا چھوڑ دیں' بیشک تم تو بڑے بُردبار ہو نیک چلن ہو

مدین والوں کو حضرت شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور اُن لوگوں کا اُلٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث فرمایا تھا اصحاب ایکہ کا ذکر سورۃ الشعرا (ع ۱۰) میں ہے اور سورۂ اعراف (ع ۱۱) میں اور یہاں سورۂ ہود میں اور سورۃ عنکبوت (ع ۴) میں اصحاب مدین کا ذکر ہے۔

یہ لوگ بھی مشرک تھے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اور لوگوں کو جو مال بیچتے تھے تو ناپ تول میں کمی کرتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن کو تبلیغ کی اور اُن سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے' نیز یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو اُن کے مال پورے پورے انصاف کے ساتھ دو ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اللہ کا دیا ہوا جو حلال مال بچ جائے تمہارے لئے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کٹوتی کرتے ہو۔ حلال میں برکت ہوتی ہے اگرچہ کم ہو اور حرام اگرچہ زیادہ ہو بے برکت ہوتا ہے اور آخرت میں جہنم میں لے جانے والا ہے لہٰذا تم حلال پر اکتفا کرو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ

اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں تمہارا پہرہ دار نہیں ہوں کہ تم سے جبراً وہ عمل کروا کر ہی چھوڑوں جس کا میں حکم دے رہا ہوں۔ وہ لوگ بیہودگی پر اُتر آئے اور کہنے لگے کہ واہ میاں تم بڑے نمازی آئے کیا تمہاری نماز یہی بتاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے ہوئے آئے ہیں' نماز کا ذکر انہوں نے استہزاء اور تمسخر کے طور پر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تمہاری نماز عجیب ہے' ہم جو سامان بیچتے ہیں اس پر پابندی لگاتی ہے ہمارا مال ہے جیسے چاہیں بیچیں پورا ناپ تول کر دیں یا ناپ تول میں کمی کر کے دیں تمہیں اور تمہاری نماز کو اس سے کیا سروکار ہے تم تو بڑے بُردبار نیک چلن معلوم ہوتے ہو' یہ بھی انہوں نے بطور تمسخر کہا یہ جو اُن لوگوں نے کہا کہ ہمارا مال ہے' ہم اس میں جو چاہیں تصرف کریں۔ یہی بات اس زمانہ کے لوگ بھی کہہ دیتے ہیں جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ سود نہ لو اور سُود نہ دو۔ رشوت کا لین دین نہ کرو بیمہ کمپنی میں رقم جمع نہ کرو۔ گناہ کی چیزیں نہ خریدو اور نہ انہیں فروخت کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ مولویوں کا عجیب ڈھنگ ہے ہر شخص کا اپنا مال ہے جیسے چاہے تصرف کرے مولویوں کو لوگوں کے معاملات میں بولنے اور زیادہ مال کمانے کے سلسلہ میں روڑے اٹکانے کی کیا ضرورت ہے' یہ لوگ اوّل تو یہ بات غلط کہتے ہیں کہ مال ہمارا ہے' تمہارا مال کہاں سے ہوگا تم خود اپنے نہیں ہو تم اور تمہارے اموال سب اللہ کی مخلوق اور مملوک ہیں' ان پر تمہیں مجازی مالک بنا دیا تو تم اپنا مال کہنے لگے' جس نے تمہیں اور تمہارے اموال کو پیدا فرمایا اُسے اختیار ہے کہ جو چاہے احکام نافذ فرمائے اور جس چیز سے چاہے منع کرے اور جس چیز کی چاہے اجازت دے اور جس عمل سے چاہے روکے۔ مولوی اپنے پاس سے کچھ کہیں تو قصوروار ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

شعیب نے کہا کہ اے میری قوم تم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ایک بڑی دولت عطا فرما دی ہے تو میں تمہیں حق کی دعوت دینا

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ

کیسے چھوڑ دوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اسطرح تمہاری مخالفت کروں کہ جن کاموں سے روکتا ہوں انہیں خود کرنے لگوں میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے'

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ

اور جو کچھ مجھے توفیق ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور میں اُسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور اے میری قوم میری تمہیں مخالفت اس پر آمادہ نہ کر دے

اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ

کہ تمہیں اس طرح کا عذاب پہنچ جائے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچا' اور قوم

لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

لوط تم سے دور نہیں ہے اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اسکے حضور میں توبہ کرو بیشک میرا رب رحم فرمانے والا ہے بڑی محبت فرمانے والا ہے

حضرت شعیب کا قوم سے فرمانا کہ جہاں تک ہو سکے میں اصلاح چاہتا ہوں اور میری مخالفت تم پر عذاب آنے کا سبب نہ بن جائے

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام نے جب مدین والوں کو حق کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ زمین میں فساد مت مچاؤ تو ان لوگوں نے اُن کا مذاق بنایا اور بے تکے جواب دیئے اور توحید قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل پر ہوں حق بات کہتا ہوں اور حق کی طرف بُلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی رحمت یعنی نبوت سے نوازا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تبلیغ کرنا اور حق کی دعوت دینا چھوڑ دوں اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں خود اس کے خلاف نہیں کرتا' اگر میرا قول و فعل ایک دوسرے کے مخالف ہوتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ دیکھو دوسرے کو نصیحت اپنے کو فضیحت' لیکن میں تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں میرا مقصد تمہاری ہمدردی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ جہاں تک میرے امکان میں ہے اصلاح کرتا ہوں اور جو کچھ میں نیک کام کرتا ہوں (جس میں نماز پڑھنا بھی داخل ہے) اور جو کچھ تبلیغ کرتا ہوں یہ سب اللہ کی توفیق سے ہے میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے مزید فرمایا دیکھو تم ضد نہ کرو عناد پر کمربستہ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری یہ مخالفت تمہارے لئے عذاب آنے کا ذریعہ نہ بن جائے جیسے قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان پر عذاب آیا' ان ہلاک شدہ قوموں میں سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی تھی جسے زیادہ زمانہ نہیں گزرا ان کے عذاب کے واقعات تمہیں معلوم ہیں اُن سے عبرت حاصل کرو بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ سے دونوں مطلب لئے جا سکتے ہیں یعنی زمانے کے لحاظ سے بھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم دور نہیں اور خطۂ ارضی کے اعتبار سے بھی۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کا علاقہ اصحاب مدین کے علاقے سے دور نہیں تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ اپنے رب سے استغفار کرو۔ کفر کو چھوڑ و ایمان پر آؤ۔ پھر باقی زندگی بھی اسی طرح سے گزارو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہو اور اس کے حضور میں توبہ کیا کرو اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ (بیشک میرا رب بہت زیادہ رحمت اور بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے) جو شخص اس کے حضور میں توبہ کرے اُس پر رحم فرماتا ہے اور اسے دوست رکھتا ہے۔

فائدہ: وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا کی ایک تفسیر تو وہی ہے کہ میرے رب نے مجھے بڑی دولت یعنی نبوت عطا فرمائی ہے اور بعض مفسرین نے اس کا معنی متبادلہ لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حلال مال عطا فرمایا ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر بھی ہوں اور اللہ نے مجھے حلال مال بھی عطا فرمایا ہے اور یہ حلال مال کسی طرح کی خیانت کئے بغیر مجھے مل گیا ہے نہ میں ناپ تول میں کمی کرتا ہوں نہ کسی طرح سے

کسی کا حق مارتا ہوں تو اس صورت میں میرے لئے یہ کیسے دُرست ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کروں اور تمہارے کاموں کی موافقت کروں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے' اور بلاشبہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان

لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ

کمزور ہو اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور ہمارے نزدیک تم کچھ عزت والے نہیں ہو' شعیب نے کہا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک عزت میں بڑھ کر اللہ سے زیادہ ہے

وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ

اور تم نے اسے پس پشت ڈال دیا' بلاشبہ میرا رب اُن کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جنہیں تم کرتے ہو اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ

میں بھی عمل کر رہا ہوں' تم عنقریب جان لو گے کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کر دے گا' اور یہ بھی جان لو گے وہ کون شخص ہے جو

رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ

جھوٹا ہے۔ انتظار کرو بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں' اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب کو اور ان لوگوں کو

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ

نجات دیدی جو انکے ساتھ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے ہوئے رہ گئے گویا کہ وہ ان میں رہے ہی نہ تھے خبردار مدین کے لئے

كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

دوری ہے جیسا کہ ثمود دور ہوئے

اہل مدین کا بُری طرح جواب دینا اور ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت برابر جاری رہی' قوم کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ لوگ اپنے اپنے کفر و شرک پر جمے رہے انہوں نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیئے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہ بات انہوں نے استہزاءً یا تحقیراً کہی جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہاری باتیں سمجھنے کے قابل نہیں ہیں۔ اور ممکن ہے کہ بعض باتیں نہ سمجھتے ہوں کیونکہ توجہ کے ساتھ سنتے ہی نہ تھے۔ اپنی اس بیہودہ بات کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا تم ہماری جماعت کے سامنے کمزور آدمی ہو لیکن تمہارے خاندان کے لوگ جو ہمارے ہم مذہب ہیں انکی پاسداری ہے اگر ان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے گو کہ تمہاری کچھ عزت اور وقعت ہمارے نزدیک نہیں ہے تمہارے خاندان کا خیال ہے جس کی وجہ سے ہم حملہ کرنے سے رُکے ہوئے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جو تمہیں تبلیغ کرتا ہوں یہ اس بناء پر ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جو میری نسبت ہے (کہ میں اس کا نبی ہوں) اس کا تمہیں کچھ خیال نہیں اور میرے خاندان کا تمہیں خیال ہے اگر میرا خاندان نہ ہوتا تو تم مجھے ہلاک کر دیتے کیا تمہارے نزدیک میرا خاندان اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ عزت والا ہے تم نے میرے خاندان کا تو خیال کیا اور اللہ تعالیٰ کو تم نے پس پشت ڈال دیا اُسے راضی رکھنے کا تمہیں بالکل خیال نہ آیا' بلاشبہ میرا رب تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے تم عذاب کے مستحق ہو چکے ہو جب تم ایمان نہیں لاتے تو اب عذاب آنے ہی کو ہے وہ ایسا عذاب ہوگا جو رُسوا کر دے گا اور بتا دے گا کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا تم مجھے دعوائے نبوت میں جھوٹا بتا رہے ہو عذاب آنے سے واضح ہو جائے گا کہ میں جھوٹا نہیں ہوں تم جھوٹے ہو۔ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو میں اپنی جگہ اعمال میں مشغول ہوں تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں کہ دیکھیں عذاب کب آتا ہے اور کس پر آتا ہے؟

ان لوگوں کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو چکا تھا اللہ کا عذاب آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو انکے ہمراہ اہل ایمان تھے اپنی مہربانی سے بچا لیا اور ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا اس چیخ کی وجہ سے سب ہلاک ہو گئے یہ لوگ بھی اپنے گھروں میں اسطرح اوندھے منہ پڑے رہ گئے کہ گویا وہ ان میں رہے ہی نہ تھے یہ لوگ بھی اللہ کی رحمت سے دور ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمانا اور انہیں دیگر نصیحتیں فرمانا پھر اُن لوگوں کے سوال و جواب اور بالآخر ان کی ہلاکت اور بربادی کا مفصل واقعہ سورہ اعراف (ع ۱۱) میں گزر چکا ہے وہاں بعض باتیں زائد ہیں جو یہاں مذکور نہیں اسکو بھی ملاحظہ کر لیا جائے' ایک یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ وہاں فرمایا ہے اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا) اور یہاں فرمایا ہے وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (ظالموں کو چیخ نے پکڑ لیا) لیکن اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ اُن پر دونوں طرح کا عذاب آیا تھا زبردست چیخ آئی اور زلزلہ بھی آیا ناپ تول میں کمی کے بارے میں جو بعض احادیث مروی ہیں وہ سورۂ اعراف کی تفسیر میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو اُن لوگوں نے

اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ

فرعون کی بات کا اتباع کیا اور فرعون کی بات صحیح نہ تھی' قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر وہ ان کو

النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ

دوزخ میں اُتار دے گا اور وہ بری جگہ ہے جس میں ان لوگوں کا اترنا ہوگا اور اُن کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی اُن پر لعنت ہوگی۔

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

بُرا انعام ہے جو انہیں دیا گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت' فرعون اور آل فرعون کی بغاوت اور دنیا و آخرت میں آل فرعون پر لعنت

تفسیر: ان آیات میں فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی بربادی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انکی طرف بھیجا وہ ان لوگوں کے پاس معجزات اور روشن دلیل لیکر آئے اُن کے یہ معجزات سورۂ اعراف کے رکوع (۱۳،۱۴) میں مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث تو ہوئے تھے فرعون کی پوری ہی قوم کے لئے لیکن خاص طور سے فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ قوموں کے سردار ہی اصل ہوتے ہیں عامۃ الناس انہیں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حق قبول کر لیتے ہیں تو عوام بھی حق کو مان لیتے ہیں قوم کے سردار اگر حق کے منکر ہوں تو عوام دو وجہ سے حق قبول نہیں کرتے اول تو اس وجہ سے کہ سردار لوگ انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے اگر وہ حق قبول کریں تو یہ لوگ ان پر سختی کرتے ہیں اور انہیں اس سے باز رکھتے ہیں' اور دوسری وجہ یہ کہ عامۃ الناس یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بڑے جس راہ پر ہیں ہمیں بھی اس راہ پر ہونا چاہئے اگرچہ ہوتا یہ ہی رہا ہے کہ ضعفائے قوم ہی پہلے حق کی طرف بڑھتے ہیں لیکن یہ لوگ دوسروں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ سرداروں کو خطاب کریں تا کہ وہ ہدایت قبول کرلیں اور عوام بھی اُن کے ساتھ ہدایت پر آجائیں۔

فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون کی ہی بات مانی اور اسی کی رائے پر چلتے رہے اُن کے عوام بھی انہیں کے پیچھے رہے فرعون ہی سب کا قائد تھا' دنیا میں کفر و ضلال کا قائد بنا قیامت کے دن بھی اپنی قوم کا قائد بنے گا یعنی انہیں آگے لے کر چلے گا خود بھی دوزخ میں جائے گا اور اپنی قوم کو بھی دوزخ میں اُتار دے گا۔ یہ لوگ دنیا میں ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے یہ لعنت بُرا انعام ہے جو انہیں دیا گیا فرعون اور اہل فرعون کی ہلاکت کا واقعہ سورہ بقرہ ع ۴ اور سورہ اعراف ۱۶ میں اور سورہ یونس (ع ۹) میں گزر چکا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے معجزات اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ اس میں روشن دلیل سے بعض حضرات نے انکی عصا اور بعض حضرات نے ید بیضاء مراد لیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ

یہ بستیوں کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں اُن میں سے بعض بستیاں قائم ہیں اور بعض بالکل ختم ہو گئیں' اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن اُن لوگوں نے

ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

اپنی جانوں پر ظلم کیا' اُن کے معبودوں نے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ جب آپکے رب کا حکم آگیا اور انہوں نے ہلاکت کے علاوہ

شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ﴿۱۰۱﴾

کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا اور آپ کے رب کا پکڑنا اسی طرح ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جب کہ وہ ظالم ہوں بیشک اسکا پکڑنا دردناک ہے سخت ہے

اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اسکی گرفت دردناک اور سخت ہے

تفسیر: سورۂ ہود کے رکوع ۳ سے لیکر یہاں تک ۷ انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتوں کی بربادی کا حال بیان فرمانے کے بعد یہاں فرمایا کہ ہم آپ کو ان بستیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ ان ہلاک شدہ بستیوں سے بعض بستیاں دنیا میں موجود ہیں کچھ تو کھنڈروں کی صورت میں ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ اُن کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگ ان میں رہنے لگے وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور کچھ ایسی بستیاں ہیں جن کا بالکل خاتمہ ہو گیا جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں۔ ان قوموں کی ہلاکت کے واقعات مخاطبین نے پہلے بھی سن رکھے ہیں اور آپ نے بھی بتا دیئے اور صرف زبانی کہا سنا نہیں ہے ان میں سے بعض بستیوں کے آثار موجود ہیں اور یہ لوگ اُدھر کو گزرتے بھی ہیں انہیں اُن سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا۔ اُنہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور جب عذاب کا وقت آ گیا تو انکے معبودوں نے جسکی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا اور ذرا بھی انکے کام نہ آئے ان کی عقیدت اور تعظیم اور عبادت کی وجہ سے ان کے پرستاروں کو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ملا' انکی عبادت کی وجہ سے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہی ہوتا رہا بالآخر ہلاک اور برباد ہوئے۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ

اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں بیشک اُس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی بلاشبہ

فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ

اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ یہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور یہ

يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ

وہ دن ہوگا جو سب کی حاضری کا دن ہے اور ہم اسے مؤخر نہیں کر رہے ہیں مگر تھوڑی سی مدت کے لئے' جس وقت وہ دن آئے گا کوئی شخص اللہ کی

فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ ۙ

اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا سو اُن میں شقی ہوں گے اور سعید ہوں گے' سو جو لوگ شقی ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں انکی چیخ و پکار ہوگی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ

وہ اس میں ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں الا یہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہو' بے شک آپ کا رب جو کچھ

لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

چاہے پورے طور سے کر سکتا ہے اور لیکن وہ لوگ جو سعید ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ
وزمین قائم رہیں اِلّا یہ کہ آپ کے رب کی مشیت ہو' یہ بخشش بھی منقطع نہ ہوگی' سوائے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں تو اس کے بارے میں شک میں
مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ
نہ پڑنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسا کہ پہلے انکے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور ہم اُن کو اُن کا پورا پورا حصہ دے دیں گے جس میں کچھ بھی
مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾
کمی نہ ہوگی

قیامت کے دن سب جمع ہونگے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ گزشتہ اُمتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو' پھر یہ فرمایا کہ آخرت کے دن میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ حاضری کا دن ہے یہ جبری حاضری ہوگی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں حاضر نہ ہوں تو ایسا ہو نہیں سکتا' حاضر ہونا ہی پڑے گا مزید فرمایا کہ ہم اس دن کو تھوڑی مدت کے لئے مؤخر کر رہے ہیں جس وقت اس کا آنا اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے اس وقت آ جائے گی اس سے پہلے نہیں آئے گی لیکن فوری اور ابھی نہ آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ آنی ہی نہیں اس میں ان جاہلوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے سن رہے ہیں کہ قیامت ایک دن آئے گی۔ ابھی تک تو آئی نہیں' یہ بات کہہ کر جاہل لوگ قیامت کے دن کا انکار کرنا چاہتے ہیں یہ اُن لوگوں کی جہالت ہے کسی چیز کا اپنے مقرر وقت تک مؤخر ہو جانا اگرچہ تاخیر زیادہ ہو جائے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وقوع نہ ہوگا پھر فرمایا يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (جس وقت وہ دن آ جائے گا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا) یہ ابتدائی حالت کا بیان ہے جیسے ہی صور پھونکا جائیگا لوگ حیران پریشان اور بیہوش ہو جائیں گے اس وقت کی ہیبت ایسی ہوگی کہ کسی کو بھی بولنے کی تاب نہ ہوگی سورۂ ابراہیم میں فرمایا اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ (وہ انہیں اسی دن کے لئے مؤخر فرما رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے اپنے سروں کو اُوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے اُن کی نظر اُنکی طرف واپس نہ لوٹے گی اور اُنکے دل بالکل ہوا ہوں گے)

پھر جب حساب کتاب شروع ہوگا تو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ لہٰذا اس آیت میں اور اُن دیگر آیات میں کوئی تعارض نہیں جن میں انکار کرنے پھر اقرار کرنے اور معذرت پیش کرنے کا ذکر ہے' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء اور شہداء اجازت ملنے کے بعد سفارش کریں گے' اسکے بعد حاضرین محشر کی دو قسمیں بتائیں اور وہ یہ ہیں کہ

بہت سے لوگ شقی یعنی بد بخت ہوں گے اور بہت سے لوگ سعید یعنی نیک بخت ہوں گے پھر ہر فریق کا مقام بتایا جو لوگ بد بخت ہوں گے اُن کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیں گے جس میں وہ چیخ پکار کرتے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ''چیخ و پکار'' زفیر اور شہیق کا ترجمہ کیا گیا ہے زفیر گدھے کی ابتدائی آواز کو اور شہیق اسکی آخری آواز کو کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ انکا چیخنا پکارنا گدھوں کی آواز کی طرح ہوگا۔ اور نیک بختوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اہل جنت کو جو کچھ عطا فرمایا جائے گا وہ دائمی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا کہ اے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یعنی غیر اللہ کو پوجتے ہیں اُنکے اس عمل کے موجب سزا ہونے کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کرتے ہیں۔ جیسے انکے باپ دادے ان سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یہ جو کچھ دنیا میں کر رہے ہیں اُس کا بدلہ انہیں پورا پورا مل جائے گا جس میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔

فوائد ضروریہ

(۱) آیت بالا سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی دو ہی قسمیں ہوں گی کچھ لوگ شقی (بد بخت) اور کچھ لوگ سعید (نیک بخت) ہوں گے یعنی ایک جماعت اہل ایمان کی اور دوسری اہل کفر کی ہوگی۔ اہل ایمان سعید یعنی نیک بخت ہوں گے اور اہل کفر شقی یعنی بد بخت ہوں گے سورۂ شوریٰ میں فرمایا: فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت دوزخ میں ہے) اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہوں گے۔ اہل کفر تو کبھی دوزخ سے نہ نکلیں گے۔ البتہ جو اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے وہ اس میں سے نکال لئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے جس کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معاف نہ فرمایا ہوگا اور بہت سے گنہگار وہ ہوں گے جن کی معافی عذاب بھگتے بغیر ہی ہو جائے گی اللہ تعالیٰ بلا شفاعت ہی معاف فرمائیں گے۔ اور شفاعتیں بھی قبول فرمائیں گے' انجام کے اعتبار سے سارے مومن جنت میں اور سارے کافر دوزخ میں رہ جائیں گے۔ کافر کبھی بھی دوزخ سے نہ نکالے جائیں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا۔ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ اور اہل جنت شروع داخلہ سے لیکر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے نہ اس میں سے نکالے جائیں گے نہ اس میں سے کہیں جانا پسند کریں گے۔ سورۂ حجر میں فرمایا۔ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ اور سورہ کہف میں فرمایا: خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا جب سارے اہل ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائیگا اور یہ ندا دی جائے گی کہ **یا اهل الجنة خلودٌ لا موت ویا اهل النار خلودٌ لا موت.** کہ اے جنتیو! اب موت نہیں اور اے دوزخیو اب موت نہیں۔ (رواہ البخاری ص ۶۹۱ ج ۲ و مسلم ص ۳۸۲ ج ۲)

قرآن مجید میں جیسے اہل جنت کے بارے میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا فرمایا ہے اسی طرح سے اہل دوزخ کے بارے میں بھی فرمایا ہے (دیکھو سورۂ نساء رکوع ۲۳) اور سورۂ احزاب (رکوع ۸) اور سورۂ جن (رکوع ۲) بعض لوگوں کو اہل کفر سے ہمدردی پیدا ہوگئی اور اُنہوں نے خواہ مخواہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کا انکار کر کے اپنی جان کو گمراہی میں پھنسا دیا۔

بہت سے لوگ اس گمراہی کی تائید کے لئے لکیر پیٹ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر کبھی نہ کبھی دوزخ سے نجات پا

جائیں گے۔ اور دوزخ ختم ہو جائے گی۔ یہ لوگ قرآن مجید کو جھٹلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ دے۔ (آمین)

(۲) آیت بالا میں اہل شقاوت کی سزا اور اہل سعادت کی جزا بیان کرنے کے بعد دونوں جگہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا کے ساتھ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ بھی فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے یہ اہل عرب کے محاورہ کے مطابق ہے اہل عرب یہ الفاظ بول کر دوام اور ہمیشگی مراد لیا کرتے تھے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت دوزخ کے آسمان و زمین مراد ہیں جو چیز ان کے نیچے ہو گی اس سے زمین مراد لی ہے اور جو چیز اُن کے اُوپر سقف یعنی چھت کے طور پر ہو گی اس سے آسمان مراد لیا ہے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان میں داخل ہونے والے بھی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بات کسی درجہ میں سمجھ میں آتی تو ہے کیونکہ جنت کے لئے ارض کا لفظ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے۔ (کمافی سورۃ الزمر وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ اور سروں کے اُوپر جو کچھ ہو گا اُسے اُوپر ہونے کی وجہ سے سماء بھی کہا جا سکتا ہے لِاَنَّ کُلَّ مَا اَظَلَّکَ فھو سَمَآءٌ۔ لیکن چونکہ سَمٰوٰتٌ جمع کے صیغے کے ساتھ وارد ہوا ہے اس لئے جب تک وہاں تعدد سماء ثابت نہ ہو اس وقت تک اس بات کے سمجھنے میں تامل ہے)

(۳) مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کے ساتھ دونوں جگہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ بھی فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے یہاں بڑی بحث کی ہے مستثنیٰ منہ کون ہے استثناء متصل ہے یا منقطع؟ اور استثناء کا مطلب کیا ہے احقر کے نزدیک سب سے زیادہ راجح بات وہ ہے جو علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل (ص ۴۰۲ ج ۲) میں فرآء سے نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ ھٰذا استثناءُ استثناهُ اللّٰهُ وَلَا یَفْعَلُهُ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلود سے استثناء تو ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اہل دوزخ کو دوزخ سے اور اہل جنت کو جنت سے نکال لے لیکن وہ نکالے گا نہیں (کیونکہ ہر فریق کے خلود و دوام کا فیصلہ فرما دیا ہے' جس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے) فرآء کے اس قول کو صاحب روح المعانی نے بھی بحوالہ امام بغوی نقل کیا ہے پھر بعض افاضل سے نقل کیا ہے کہ اس استثناء کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ دوزخیوں کو عذاب دینا اور جنتیوں کو جنت میں نعمتیں دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے کرے نہ وہ عذاب دینے پر مجبور ہے اور نہ اکرام و انعام پر' اگر وہ کسی دوزخی کو دوزخ سے نکالے یا کسی جنتی کو جنت سے باہر لائے تو وہ یہ کر سکتا ہے اسکی مشیت اور ارادہ اور اختیار کبھی نہ سلب ہوا نہ سلب ہو گا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ۭ وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر اللہ کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی تو اس کے درمیان فیصلہ کر دیا

بَیْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ

گیا ہوتا اور بلاشبہ وہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔ اور بیشک جتنے لوگ ہیں آپ کا رب انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیدیگا بے شک

بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَکَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۲﴾

وہ انکے اعمال سے باخبر ہے سو آپ استقامت پر رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ کے ساتھی ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں'

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

اور حد سے آگے نہ بڑھو بیشک وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی اور تمہارے لئے اللہ

اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ

کے سوا کوئی مددگار نہیں، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے بیشک

الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے اور آپ صبر کیجئے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اللہ اچھے کام والوں کا

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اجر ضائع نہیں فرماتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف کا تذکرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو استقامت پر رہنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اولاً موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے انہیں کتاب دی تھی (یعنی توریت شریف) اس میں اختلاف کیا گیا کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی دی ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں اگر لوگ اختلاف کر رہے ہیں کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی ایسا ہوتا رہا موسیٰ علیہ السلام پر ہم نے کتاب نازل کی تو اُسے بھی کسی نے مانا کسی نے نہیں مانا۔

پھر فرمایا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ (آپ کے رب کی طرف سے اگر پہلے سے ایک بات طے کی ہوئی نہ ہوتی تو اس کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جو عذاب بھیجنے کی ایک اجل مقرر فرما رکھی ہے۔ اگر اس کا تعین نہ کر دیا گیا ہوتا تو جلدی عذاب بھیج کر ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور معذب اور ہلاک ہو چکے ہوتے۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (اور بلا شبہ یہ لوگ قرآن کی طرف سے بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے تذبذب اور تردد میں ڈال رکھا ہے) ان کا وہی حال ہے جو اُن لوگوں کا تھا جن کے لئے توریت شریف نازل کی گئی لہٰذا آپ رنج نہ کریں۔ پھر فرمایا۔ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۔ (اور بیشک آپ کا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دے گا) اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (بیشک وہ اُن کے اعمال سے باخبر ہے) طاعات اور معاصی کی سب تفصیلات اُسے معلوم ہیں۔ اُس کے علم سے کسی کا کوئی عمل باہر نہیں وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے مصاحبین کو خطاب فرمایا فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ (سو آپ استقامت پر رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ کے ساتھی ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں) صحیح طور پر قائم رہنے کو استقامت کہا

جاتا ہے اور سیدھے راستہ کو صِـرَاطِ مُّسْتَقِيْمٍ کہتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں کو اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے بتایا ہے۔ اور اس پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور انکے متبعین چلتے رہے ہیں صراطِ مستقیم کو پوری طرح پکڑ لینا اور تمام احکام الٰہیہ کو پوری طرح بجالانا ادھر اُدھر مائل نہ ہونا اور برابر آخر دم تک اس پر چلتے رہنا استقامت ہے اس آیت میں سید المرسلین علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے بالکل اسی طرح اہتمام اور پابندی کے ساتھ چلتے رہیں اور ساتھ ہی وَمَنْ تَابَ مَعَكَ بھی فرمایا کہ جن لوگوں نے شرک و کفر سے توبہ کی ہے اور ایمان کو قبول کیا ہے وہ لوگ بھی استقامت کے ساتھ چلتے رہیں رسول اللہ علیہ السلام تو با استقامت تھے ہی پھر بھی آپ کو اس کا تاکیدی حکم فرمادیا اور آپ کے ساتھیوں کو بھی مامور فرمایا کہ استقامت اختیار کریں ہمیشہ پابندی سے معمولات پر عمل کریں اور منہیات سے بچیں۔ قال صاحب الروح (ص ۱۵۳ ج ۱۲) وهي كلمة جامعة لكل ما يتعلق بالعلم والعمل وسائر الاخلاق فتشمل العقائد والاعمال المشتركة بينهٗ صلى الله عليه وسلم وبين سائر المومنين والامور الخاصة بهٖ عليه الصلوٰة والسلام من تبليغ الاحكام والقيام بوظائف النبوة وتحمل اعباءِ الرسالة وغير ذٰلك. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ استقامت کالفظ علم وعمل اور اخلاق کے تمام متعلقات کو جامع ہے پس یہ عقائد اور اعمال جو حضور علیہ السلام اور تمام مؤمنین میں مشترک ہیں ان کو بھی شامل ہے اور احکام کی تبلیغ اور نبوت کے وظائف اور رسالت کی ذمہ داریوں جیسے حضور علیہ السلام کے مخصوص امور کو بھی شامل ہے) در حقیقت استقامت بہت بڑی چیز ہے اور کام بھی سخت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف جو لوگ بڑھتے ہیں اور استقامت کو چاہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے ہر مؤمن بندہ کو اس کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول علیہ السلام مجھے دین اسلام سے متعلق کوئی ایسی بات بتادیجئے کہ مجھے آپ کے بعد کسی اور سے دریافت کرنا نہ پڑے آپ (علیہ السلام) نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تو آمنت باللہ کہہ دے (یعنی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردے) پھر اپنی اس بات پر استقامت رکھ یعنی اس پر مضبوطی کے ساتھ جمارہ اور اسلام کے تقاضوں کو پورا کرتا رہ (رواہ مسلم) سوال بھی مختصر تھا اور جواب بھی مختصر لیکن اختصار کے ساتھ اس میں سارا دین بیان فرمادیا۔ درمنثور (ص ۳۵۱ ج ۳) میں ہے کہ حضرت حسن نے بیان فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ شمرّ واشمّروا (تیار ہو جاؤ تیار ہو جاؤ) نیز حضرت حسن نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ علیہ السلام اس کے بعد ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے (یعنی آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو گئے) آپ نے فرمایا سورۂ ہود اور سورۂ واقعہ اور سورۂ والمرسلات اور سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کردیا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۸) ان سورتوں میں قیامت کے احوال اور اھوال مذکور ہیں۔ ان احوال کی فکرمندی نے آپ کو اتنا متاثر کیا۔

روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام پر اس آیت سے زیادہ شدید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ بعض اکابر سے اس سلسلہ میں ایک خواب بھی نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت علیہ السلام کو

خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود میں ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ سے آپ بوڑھے ہو گئے آپ نے فرمایا اس میں جو استقامت کا حکم ہے اس نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ (راجع حاشیۃ المشکوٰۃ) یہ خواب اس کے معارض نہیں ہے کہ سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں میں جو قیامت کے دن کے احوال اور اھوال مذکور ہیں اُنکی وجہ سے بڑھاپا آ گیا کیونکہ وہ سب امور اور امر بالاستقامت سب بڑھاپے کا سبب بن سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا استقامت کے باوجود آپ کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جیسی استقامت کا حکم دیا ہے۔ وہ پوری نہیں ہوئی اس فکرمندی نے آپ کی صحت کو متاثر کر دیا۔

حد سے آگے بڑھنے کی ممانعت: پھر فرمایا وَلَا تَطْغَوْا یا اس میں حد سے زیادہ جانے کی ممانعت فرمائی، استقامت کا حکم دے کر یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے بڑھ گئے تو اس سے استقامت میں فرق آئے گا۔ یہ حدود سے آگے بڑھ جانا ہی تو بدعات اعتقادیہ اور بدعات اعمالیہ میں مبتلا کرتا ہے اور اس حد سے نکلنے ہی کو غلو کہا جاتا ہے اسی غلو نے تو نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خدا اور خدا کا بیٹا ہونے کے اعتقاد پر آمادہ کر دیا' اور بہت سے مدعیان اسلام کو اس پر آمادہ کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کریں جبکہ قرآن کریم میں آپ کے بشر ہونے کی تصریح ہے۔ یہ بدعت اعتقادی کی مثال ہے اور بدعات اعمالیہ بھی لوگوں میں بہت زیادہ رائج ہے جو انہوں نے اپنی طبیعت سے وضع کی ہیں اور انہیں دین بنا کر اور دین سمجھ کر مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

آیت کے ختم پر فرمایا: اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے) وہ اہل استقامت کو پورا پورا بدلہ دے گا اور حد سے بڑھ جانے والے (اہل اعتداء اور اہل ابتداع) سزا کے مستحق ہیں اللہ کے احاطۂ علمی سے کوئی باہر نہیں۔

ظالموں کی طرف جھکنے کی ممانعت: پھر فرمایا: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (اور اُن لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی) اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو ایک بہت بڑی نصیحت فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ظالموں کی طرف نہ جھکو' یہ جھکنا تمہیں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا سبب بنے گا کسی کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کی جتنی بھی صورتیں تصور ہو سکتی ہیں آیت کا مفہوم اُن سب کو شامل ہے اگر کوئی شخص کافروں ملحدوں زندیقوں کی طرف مائل ہو جائے اور اُنکے کسی کفر والے اعتقاد کو اپنا لے تو یہ دوزخ کے دائمی عذاب کا سبب ہے (الا ان یتوب قبل موتہ۔ مگر یہ کہ موت سے پہلے توبہ کر لے) چونکہ انسان بُروں کی صحبت سے بُرا ہو جاتا ہے زندیقوں کی صحبت میں زندیق ہو جاتا ہے اسی لئے ایسے لوگوں کی صحبت سے سختی سے منع کیا جاتا ہے اعتقادیات کے علاوہ اعمال میں بھی کافروں اور فاسقوں کی طرف جھکنے اور مائل ہونے سے پرہیز کرنا لازم ہے ان لوگوں کی دوستی اور مصاحبت رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے فساق و فجار کی صحبت فاسق فاجر بنا کر چھوڑتی ہے فاسقوں کے ساتھ رہ کر اُن جیسا بننا پڑتا ہے اور اُن کی صحبت اختیار کرنے والے عموماً گناہوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ یہ مشابہت بھی دوزخ میں لے جانے والی ہے' کافروں فاسقوں جیسا لباس پہننا انکی طرح شکل و صورت بنانا انکی معاشرت اختیار کرنا سیاست میں اُن کے طور طریق اپنانا جمہوریت جاہلیہ کا معتقد ہونا کافروں کے وضع کردہ طور طریق

اور اُنکے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق چلنا اوران کے مطابق حکومت کرنا ان سب میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے آیت شریفہ کی خلاف ورزی ہے اس قسم کے سب لوگ اپنی آخرت کی فکر کریں۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی) اس میں تنبیہ اور تہدید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کی فکر کرو اللہ کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ (اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے) حضرات مفسرین کرام نے اس سے پانچوں نمازیں مُراد لی ہیں حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا کہ دن کے دونوں طرفوں سے صبح اور ظہر اور عصر مراد ہے اور رات کے حصوں سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فجر اور ظہر سے دن کے ایک طرف کی نمازیں مُراد ہیں اور عصر اور مغرب سے دن کی دوسری طرف کی نمازیں مراد ہیں اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے عشاء کی نماز مراد ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آیت شریفہ میں صرف فجر اور عصر کا ذکر ہو چونکہ فجر کو اُٹھنے میں دُشواری ہوتی ہے اور عصر کاروبار کا وقت ہوتا ہے اس لئے انکی پابندی کا خصوصی ذکر فرمایا اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے عشاء کی نماز بھی مراد ہوسکتی ہے اور اس کی تاکید اسلئے فرمائی کہ یہ سونے کا وقت ہے اور نماز تہجد بھی مُراد لی جاسکتی ہے کیونکہ وہ رات کے مختلف حصوں میں ادا کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ آیت میں پانچوں ہی نمازوں کا ذکر ہو بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں سورۂ روم کی آیت فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ طَرَفَيِ النَّهَارِ سے صبح اور عصر کی نماز اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے مغرب اور عشاء کی نماز مُراد ہے اور ظہر کی نماز سورۃ الاسراء کی آیت: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ میں مذکور ہے۔

نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں: پھر فرمایا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کہ میں نے مدینے کے دور والے حصہ میں ایک عورت سے چھیڑ چھاڑ کی ہے اور یہ چھیڑنا جماع کرنے کی حد تک نہیں پہنچا میں حاضر ہوں آپ میرے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمادیں۔ حضرت عمرو ہیں موجود تھے اُنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری پردہ پوشی فرمائی تو بھی اپنی پردہ پوشی کرلیتا تو اچھا تھا (لیکن) رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا' وہ شخص وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا' آنحضرت ﷺ نے اسکے پیچھے ایک آدمی بھیجا وہ اسے بلا کر لایا' آپ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سُنادی۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ (ترجمہ اوپر دیکھ لیں) حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اسی کے لئے خاص ہے؟ آپ نے فرمایا بلکہ یہ تمام لوگوں کے لئے ہیں (رواہ مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۵۸) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں تو ہر نیکی گناہوں کے معاف ہونے کا سبب ہے جو بھی کوئی نیکی کرسکتا ہو کرتا رہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر اور گناہوں کے بعد نیکی کر وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲) اگر کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو اس

کے بعد کوئی نہ کوئی نیکی بھی کرے اور توبہ بھی کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے ایک بڑا گناہ ہو گیا ہے کیا میرے لئے توبہ کا موقع ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟ عرض کیا ہاں ہے۔ فرمایا تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰) توبہ تو اصل اسی کا نام ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہو اور گزشتہ گناہوں میں پچھتاوا ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد اَدا کرنے کی پختہ نیت ہو لیکن نیکیاں توبہ کی قبولیت میں معاون ہو جاتی ہیں اسی لئے توبہ کے لئے نماز مشروع کی گئی ہے یوں تو ہر نیکی گناہوں کا کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اس بارے میں بعض نیکیوں کا خصوصی تذکرہ بھی احادیث شریفہ میں آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو جس میں وہ پانچ وقت غسل کرتا ہو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ جائے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اس صورت میں تو اس کے بدن پر ذرا بھی میل نہیں رہے گا آپ نے فرمایا یہی مثال ہے پانچوں نمازوں کی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۶ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین کرتے ہوئے شبِ قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے ساتھ ثواب کا یقین رکھتے ہوئے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے حج کیا سو اس میں فحش باتیں نہ کیں اور گناہ نہ کئے تو ایسا واپس ہو گیا جیسا اس دن (گناہوں سے پاک وصاف) تھا جس دن اسکی ماں نے جنا تھا۔ (صحیح البخاری ص ۲۰۶ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرے عمرہ تک جو گناہ ہو جائیں یہ دونوں عمرے اُن کا کفارہ ہو جاتے ہیں اور حج مبرور (جو مقبول ہو جائے) اسکی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (صحیح البخاری ص ۲۳۸ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اُن گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہو جائیں جبکہ گناہ کبیرہ نہ کئے جائیں۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح پانی پہنچایا پھر فرض نماز کے لئے چلا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی موجودگی میں نماز کا وقت ہو گیا پھر اُس نے اُس کا وضو اچھی طرح سے کیا اور اس کا رکوع سجدہ اچھی طرح کیا تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ جب تک کہ بڑے گناہوں سے بچتا رہے اور یہ ثواب ہمیشہ (یعنی ہر نماز کے موقع پر) ملتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص۱۲۱ ج۱)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا تو اس کے جسم سے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے تک سے نکل جائیں گے۔ (صحیح مسلم ص۱۲۵ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کر کے پھر مسجد میں آئے اور اس کا یہ عمل کرنا صرف نماز ہی کے لئے ہو تو جو بھی قدم رکھے گا اسکی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند ہو گا اور اس کا ایک گناہ ختم کر دیا جائے گا۔ مسجد میں داخل ہونے تک (اس کو یہی ثواب ملے گا) (صحیح مسلم ص۲۲۴ ج۱)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کر دیئے جائیں گے۔ (نسائی ص۱۹۱ ج۱)

فائدہ: جن حدیثوں میں گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے اس سے چھوٹے گناہ مُراد ہیں اور صحیح مسلم کی بعض روایات میں مَالَمْ يُؤْتَ كَبِيْرَةً کے الفاظ بھی آئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کا کفارہ نیکیوں سے نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ: علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے چھوٹے گناہ کم ہوں اور نیکیاں بہت زیادہ ہوں تو پھر چھوٹے گناہوں کے کفارہ کے بعد اسکے بڑے گناہ کی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ اگر بڑے گناہ نہ ہوں یا بہت تھوڑے ہوں کہ خفیف ہوتے ہوتے معاف ہو چکے ہوں تو پھر نیکیوں کے ذریعہ درجات بلند ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ (یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے) یعنی یہ قرآن اُن لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ذلک سے سورت کے مضامین کی طرف اشارہ ہے جن میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات بھی ہیں اور قیامت، جنت اور دوزخ کا تذکرہ بھی ہے اور نماز قائم کرنے کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں، جنہیں نصیحت ماننے کی طرف توجہ ہے وہی نصیحت مانتے ہیں اور جو لوگ کٹ حجتی کرتے ہیں اُن کے حق میں نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔

آخر میں فرمایا: وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ کہ آپ صبر کیجئے جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اُسے انجام دیتے رہیئے آپ کی دعوت کوئی قبول کرے یا نہ کرے آپ تو برابر اجر کے مستحق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي

سو جو اُمتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا

بجز چند آدمیوں کے جن کو ہم نے عذاب سے بچالیا' اور جن لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی وہ اس عیش و عشرت کے پیچھے پڑے رہے جس میں وہ تھے اور یہ

مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ

لوگ مجرم تھے اور آپ کا رب ایسا نہیں ہے جو بستیوں کو بطور ظلم کے ہلاک فرما دے حالانکہ ان کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں اور اگر

لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ

آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ برابر اختلاف میں رہیں گے مگر جس پر آپ کا رب

وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

رحم فرمائے اور اللہ نے انہیں اسی لئے پیدا فرمایا اور آپ کے رب کی بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں

أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾

جماعتوں سے بھر دوں گا۔

گزشتہ امتیں جو ہلاک ہوئیں ان میں اہل بصیرت نہ تھے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ فرمایا کہ جو گزشتہ اُمتیں گزری ہیں ان میں ایسے سمجھدار بصیرت والے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے' ہاں ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو فساد سے روکنے کے کام میں لگے انہیں ہم نے نجات دے دی یہ ترجمہ اُس صورت میں ہے جبکہ لَوْلَا اپنے اصلی معنی میں ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لَوْلَا نفی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ پچھلی اُمتوں میں ایسے اہل رائے اور اہل فہم نہ تھے جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکتے ان میں صرف تھوڑے سے لوگ تھے جنہوں نے یہ کام کیا ادھر تو نہی عن المنکر کرنے والوں کا فقدان اور اُدھر مال والوں کے پاس مال کی فراوانی ان لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی کفر اختیار کیا اور اپنی مستیوں اور لذتوں میں پڑے رہے اور جرم کا ارتکاب کرتے رہے لہٰذا ان کو ہلاک کر دیا گیا بس چند ہی آدمی بچے جنہیں ہم نے نجات دیدی یہ لوگ ایمان پر اور ایمانی تقاضوں پر قائم تھے منکرات سے بچتے تھے اور دوسروں کو بھی برائیوں سے روکتے تھے۔ اس میں اس اُمت حاضرہ کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنی سمجھ اور بصیرت کو کام میں لائیں اور لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے روکیں۔ علامہ قرطبی تفسیر (ص ۱۱۲ ج ۹) میں لکھتے ہیں: أُولُوا بَقِيَّةٍ ای اَصحاب طاعة ودين وعقل وبصرٍ ينهون قومهم عن الفساد فی الارض لِمَا اَعطاهم الله تعالٰی من المعقول واَراهم من الايات وهذا توبيخ لکفار وقيل لولا ههُنا للنفی ای ما کان من قبلکم۔ (أُولُوا بَقِيَّةٍ یعنی فرمانبردار' دیندار' عقلمند' بصیرت والے' جو قوم کو زمین میں فساد پھیلانے

سے روکتے تھے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھ عطا کی تھی اور انہیں نشانیاں دکھلائی تھیں اور یہ کافروں کے لئے تنبیہ ہے۔ بعض نے کہا لَوْلَا یہاں پر نفی کے لئے ہے یعنی تم سے پہلے نہیں تھے)

پھر فرمایا: وَمَاكَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ یعنی آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ لوگوں پر ظلم کرے وہ جو عذاب دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے اس کا سبب کفر اور شرک ہوتا ہے اور کبھی معاصی بھی ہوتے ہیں ان معاصی میں سے یہ بھی ہے کہ جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں قدرت ہوتے ہوئے انہیں نہ روکا جائے جب لوگ اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں آئے گا ورنہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کسی بھی قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو ان میں رہتے ہوئے گناہوں میں مبتلا ہو اور وہ قدرت ہوتے ہوئے اسکی حالت کو نہ بدلیں تو مرنے سے پہلے اللہ اُن پر عذاب بھیجے گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں گناہ کئے جاتے ہوں پھر وہ قدرت ہوتے ہوئے گناہگاروں کی حالت نہ بدلیں تو اللہ اُن سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۲)

آیت کا معنی اور مفہوم بتانے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ احقر نے جو مطلب ترجمہ و تفسیر میں اختیار کیا ہے وہ اقرب الی الفہم ہے اس آیت کا دوسرا مفہوم علامہ قرطبیؒ نے زجاجؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: **قال الزجاج یجوز ان یکون المعنی مَا کان ربک لیھلک احدًا وھو یظلمہ وان کان علی نھایۃ الصلاح لانہٗ تصرف فی ملکہ** اھ۔ (زجاج نے کہا ہے ہوسکتا ہے یہ معنی ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ہلاک کرتا ہے تو یہ ظلم نہیں ہے اگرچہ وہ آدمی انتہائی نیک ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے)

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا اور سب ایک ہی دین پر ہوتے، دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوتا اور سب تکوینی طور پر قہراً و جبراً مسلمان ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ حق اور باطل دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اور جسے ایمان قبول کرنا ہو وہ اپنے اختیار سے قبول کرے اور جسے کفر پر رہنا ہو وہ اپنے اختیار سے کفر پر رہے، جیسا کہ سورۂ کہف میں فرمایا وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا (اور آپ فرما دیجئے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے بیشک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کی ہے) پس جب حق قبول کرنے پر جبر نہیں کیا باختیار بنا دیا تو شیاطین کی کوششوں اور نفوس انسانیت کے تقاضوں پر چلنے والے کافر رہیں گے اور اسطرح سے اہل حق اور اہل باطل میں ہمیشہ اختلاف رہے گا، ہاں جس پر اللہ کی مہربانی ہو وہ حق ہی کو اختیار کرے گا اور حق ہی پر رہے گا وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (اور لوگوں کو اسی لئے پیدا فرمایا کہ وہ مختلف رہیں)

اور اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک فریق جنت میں ایک فریق دوزخ میں ہوگا جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا: فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (الآیۃ) (ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا)

27

آخر میں فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ (الآیۃ) اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھردوں گا جس میں سب دوزخی موجود ہوں گے۔

اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو سورہ الٓمّ سجدہ میں فرمایا ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو ہدایت دے دیتے لیکن میرا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھردوں گا جو اس میں اکٹھے موجود ہوں گے) جب یہ فیصلہ ہے تو اہل کفر کا وجود بھی تکوینی طور پر ضروری ہے کفر والے انسانوں میں سے بھی ہونگے اور جنات میں سے بھی ہوں گے دونوں جماعتوں کے کافروں سے جہنم بھر دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں اور سورۂ صٓ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو خطاب کر کے فرمایا کہ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (میں تجھ سے اور ان سب جنات اور انسانوں سے دوزخ کو بھردوں گا جو تیرا اتباع کریں گے)

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ
اور رسولوں کے قصوں میں سے یہ قصے ہم ایسے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى
آپ کے پاس حق آ گیا ہے اور اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے اور آپ اُن لوگوں سے فرما دیجئے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم

مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ۙ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمان کی اور زمین کی غیب کی چیزوں کا علم

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
اور اسی کی طرف تمام اُمور رجوع ہوں گے، سو آپ اسکی عبادت کریں اور اس پر توکل کریں اور آپ کا رب اُن کاموں سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات آپ کے لئے تقویت قلب کا باعث ہیں

تفسیر: سورۂ ہود کا اکثر حصہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتوں کے واقعات پر مشتمل ہے آیت کے ختم پر ارشاد ہے کہ اے رسول ﷺ ہم جب حضرات انبیاء سابقین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے آپ کو سناتے ہیں ان کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور یہ جو قصے آپ سے بیان کئے گئے ہیں ان میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب حق ہے سچ ہے اس میں اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے مطلب یہ ہے کہ قصوں کا بیان کرنا قصہ گوئی کے طور پر نہیں ہے ان قصوں سے آپ کے دل کو مضبوط کرنا اور اہل ایمان کو نصیحت اور یاد دہانی کرانا مقصود ہے، جو لوگ ان قصوں کو پڑھیں اور

سُنیں محض ایک قصہ پڑھ کر اور سن کر فارغ نہ ہو جائیں بلکہ ان سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں، پھر فرمایا کہ اے رسول ﷺ آپ اُن لوگوں سے کہہ دیں جو ایمان نہیں لائے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، ہم اپنی جگہ عمل کرتے ہیں اللہ کی بات میں نے پہنچا دی تم نہیں مانتے تو تم جانو، انکار اور کفر پر اصرار کے نتیجہ میں جو تمہیں سزا ملے گی اس کا انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ غیب کی چیزیں ہیں اُن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تمام اُمور اسی کی طرف راجع ہیں یہاں دُنیا میں تمہاری سمجھ میں حق بات نہیں آتی تو آخرت میں سمجھ لوگے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا لیکن اُس دن کا سمجھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ وہاں کہیں گے۔ یٰلَیۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (ہائے کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلاتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہوتے)

اخیر میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا فَاعۡبُدۡهُ وَتَوَکَّلۡ عَلَیۡهِ کہ آپ اُسی کی عبادت کریں اور اُسی پر بھروسہ کریں وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ۔ اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مؤمنین کو اور کافرین سب کو خطاب ہے اللہ کو سب کے اعمال کا علم ہے وہ اس کے مطابق اہل ایمان کو اُن کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا دے گا اور کافروں کو انکے کفر کی اور اُن کے اعمال بد کی سزا دے گا۔

جمعہ کے دن سورۃ ھود کی تلاوت کرنا

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن سورۃ ھود پڑھا کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۸۹ عن الدارمی)

وَهٰذَا آخِرُ تَفۡسِيۡرِ سُوۡرَةِ هُوۡدٍ عَلَيۡهِ السَّلَام. وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلَى التَّمَامِ وَحُسۡنِ الۡخِتَامِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الۡاَنَامِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصۡحَابِهِ الۡبَرَرَةِ الۡكِرَامِ وَمَنۡ يَّتۡبَعُهُمۡ بِاِحۡسَانٍ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامِ.

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّ إِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّ اثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ یوسف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ

الٓرٰ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں بیشک ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی تاکہ تم سمجھو ہم نے

نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ

جو یہ قرآن آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے ذریعہ سے ہم آپ سے سب سے اچھا قصہ بیان کرتے ہیں' اور اس سے

قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

پہلے آپ محض بے خبر تھے' جبکہ یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے ابا میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ

اور چاند اور سورج مجھے سجدہ کئے ہوئے ہیں ان کے والد نے کہا کہ اے میرے چھوٹے بیٹے تم اپنا خواب اپنے بھائیوں کو مت بتانا

فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۖ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ

ورنہ وہ تمہارے لئے کوئی تدبیر کریں گے' بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور تمہارا رب اسی طرح تمہیں منتخب فرمالے گا'

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ

اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا اور وہ تم پر اور یعقوب کی آل پر اپنی نعمت پوری فرما دے گا' جیسا کہ

اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع

اس نے اپنی نعمت اس سے پہلے تمہارے دونوں دادوں ابراہیم اور اسحٰق پر پوری فرمادی' بے شک آپ کا رب جاننے والا ہے حکمت والا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب
اور ان کے والد کی تعبیر اور ضروری تاکید

تفسیر: یہاں سے سورۂ یوسف شروع ہو رہی ہے اس سورت میں تفصیل کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ بیان فرمایا اور اس کو احسن القصص بتایا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے آپ اس قصہ کو نہیں جانتے تھے۔ آپ کو اس کا علم صرف وحی کے ذریعہ ہوا ہے لوگوں کو آپ کا بتانا آپ کی نبوت کی بھی دلیل ہے اور قرآن مجید کے حق اور

منزل من اللہ ہونے کی بھی تصدیق کرنے والے سنیں گے اور غور کریں گے تو یہ سمجھ لیں گے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل عرب ہی تھے۔ انہیں اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی اگر قرآن غیر عربی میں ہوتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ زبان ہماری سمجھ میں نہیں آتی جب قرآن عربی میں نازل ہوا تو اہل عرب پر لازم تھا کہ اس کی تصدیق کرتے لیکن جنہیں ایمان لانا نہ تھا وہ ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے اور کفر پر جمے رہے۔ یہودیوں کے لئے بھی عبرت تھی اور سمجھنے کی بات تھی انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ معلوم تھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کسی سے پڑھا نہیں آپ کا کوئی استاد نہیں تھا جس نے آپ کو انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات بتائے ہوں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود عموماً یہودی کافر ہی رہے، اور ان میں سے بعض نے سورۂ یوسف (علیہ السلام) سن کر اسلام قبول کر لیا۔

تفسیر در منثور میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت آپ سورۂ یوسف تلاوت فرما رہے تھے وہ کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ یہ سورت آپ کو کس نے سکھائی ہے فرمایا کہ یہ سورت مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا اور یہودیوں کے پاس واپس پہنچ کر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ اسی طرح قرآن پڑھتے ہیں جیسا کہ توریت میں، (بعض) چیزیں نازل ہوئی ہیں اس کے بعد وہ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ان صفات سے پہچان لیا جنہیں وہ جانتے تھے اور مہر نبوت کو بھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھ لیا پھر آپ کی قرأت سننے لگے آپ سورۂ یوسف تلاوت فرما رہے تھے۔ انہیں بھی تعجب ہوا اور پھر اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (در منثور ص ۲ ج ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے (یہ وہی یعقوب ہیں جن کا لقب اسرائیل تھا اور یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت اسحٰق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے)

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ دوسری بیوی سے تھے، ان کا ایک حقیقی بھائی بھی تھا جس کا نام بنیامین بتایا جاتا ہے پہلی بیوی سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی ان میں جو بیٹے تھے ان کی تعداد دس تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دن اپنے والد سے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ مجھے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں، ان کے والد کے ذہن میں اس کی یہ تعبیر آ گئی کہ یوسف عروج والا ہوگا اور اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ اسے سجدہ کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا وہ اس خواب کو سن کر گیارہ کے عدد پر غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ تم کو اللہ بلندی دے گا اور وہ لوگ تمہارے مقابلہ میں نیچے رہیں گے، خواب کی تعبیر سے متاثر ہو کر اندیشہ ہے کہ وہ کوئی ایسی تدبیر نہ کر بیٹھیں جس سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے،

(اللہ کی قضاوقدر کے سامنے کسی کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی کسی کو گوارا ہو یا نہ ہو بہر حال وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جسے بلندی عطا فرمائے وہ ضرور بلند ہوگا لیکن حسد کرنے والے اپنی جہالت اور حماقت سے اور شیطان کے سمجھانے بجھانے سے اس کے خلاف مخالفانہ تدبیریں کرتے ہیں۔ جس کی علمی، عملی اور مرتبہ کی بلندی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے بالآخر یہ مخالفین سب ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ آگے بڑھائیں وہ بڑھ کر ہی رہتا ہے۔ حسد بری بلا ہے حاسد اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر دے العیاذ باللہ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اول تو یہ نصیحت کی کہ تو اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان مت کرنا اور پھر فرمایا کہ میں سمجھ رہا ہوں اور یقین کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منتخب فرمالے گا اور تمہیں تعبیر خواب کا علم بھی عطا فرمائے گا اور تم پر اپنا انعام پورا فرمائے گا جس میں نبوت کا عطا فرمانا بھی ہے، اللہ تعالیٰ تم پر اور آل یعقوب پر اپنا انعام کامل فرمائے گا جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے پردادا ابراہیم علیہ السلام پر اور تمہارے دادا اسحٰق علیہ السلام پر انعام کامل فرمایا تھا اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ۔ (بے شک تیرا رب علم والا ہے حکمت والا ہے) اس کے فیصلے علم اور حکمت کے موافق ہیں۔

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ یُوۡسُفَ وَ اِخۡوَتِہٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ ﴿۷﴾ اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَ اَخُوۡہُ
بلاشبہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لئے دلائل ہیں، جبکہ ان کے بھائیوں نے یوں کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی
اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِۣ ﴿۸﴾ اقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ
ہمارے باپ کو زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم سب مل کر پوری ایک جماعت ہیں، بلاشبہ ہمارے والد کھلی غلطی پر ہیں، یوسف کو قتل کر دو
اَوِ اطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ ﴿۹﴾ قَالَ
یا اسے کسی زمین میں ڈال دو، ایسا کرنے سے تمہارے والد کا رخ تمہاری طرف ہو جائے گا اور اس کے بعد تم صلاح والے بن جاؤ گے،
قَآئِلٌ مِّنۡہُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡہُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡہُ بَعۡضُ السَّیَّارَۃِ اِنۡ
ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو تا کہ اس کو قافلہ والوں میں سے کوئی مسافر اٹھالے
کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾
اگر تم کو کرنا ہی ہے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا مشورہ کہ اسے قتل کردو یا کسی دور جگہ لے جاکر ڈال دو

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا جو واقعہ ہے اس میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے آزمائش کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسفؑ کا واقعہ معلوم کیا تھا قرآن کریم میں واقعہ بیان کردیا گیا جسے رسول اللہ ﷺ نے سنا دیا لہٰذا سوال کرنے والوں کیلئے لائے ہوں بات کے دلائل قائم ہوگئے کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں ممکن ہے کہ بعض یہود نے بطور امتحان سوال کیا ہو اور بعض نے آپ سے تلاوت کرتے ہوئے سنا ہو پھر دوسروں کو سنانے کے لئے لائے ہوں اس کے بعد یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے آپس میں یوں کہا کہ ہمارے والد کو یوسف اور اس کا حقیقی بھائی یعنی بنیامین زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہماری پوری جماعت ہے (اور اس جماعت کا ہمارے والد کو فائدہ بھی ہے کیونکہ ہم لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یہ دونوں چھوٹے بچے خدمت کے قابل بھی نہیں ہیں) ہمارے ابا جان کا جو محبت کا رخ ان دونوں کی طرف ہے یہ صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے والد اس بارے میں صریح غلطی پر ہیں، والد کا رخ ہماری طرف اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ہم یوسف کو ان کے سامنے سے ہٹا دیں اور اس کے دو طریقے ہیں یا تو اس کو قتل کردیں یا کہیں دور دراز جگہ پر پھینک دیں جہاں سے کوئی خیر خبر نہ پہنچے، جب یوسف ان کے سامنے سے دور ہو جائے گا تو سارا رخ ہماری ہی طرف ہوگا اور ہمیں اپنے والد کی طرف سے بہت کچھ مل سکے گا۔ جس کی وجہ سے ہم صلاح اور فلاح والے ہو جائیں گے۔ (چونکہ یوسف اور بنیامین میں یوسف ہی زیادہ محبوب تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ دونوں میں سے ایک بھائی کو جدا کردینا ہماری کامیابی کا ذریعہ بن جائے گا) مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ انہیں میں ایک بھائی نے کہا کہ اگر تمہیں ایسا کرنا ہی ہے تو یوسف کو قتل نہ کرو البتہ یوسف کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو قتل کے گناہ سے بچ جاؤ گے اور گذرنے والے تو گذرا ہی کرتے ہیں کنویں کے پاس سے کوئی قافلہ گزرے گا تو اس کی آواز سن لے گا یا پانی نکالنے کے لئے کنویں کے پاس پہنچ کر ڈول ڈالے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ یہاں کوئی بچہ ہے لہٰذا وہ اسے نکال لے گا اور اٹھا کر لے جائے گا اس طرح بچہ باپ سے بھی دور ہو جائے گا اور اس کی جان بھی نہ جائے گی۔ مفسر ابن کثیر نے قتادہ اور محمد بن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ یہ رائے سب سے بڑے بھائی نے دی تھی جس کا نام روبیل تھا اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا تھا اور مصر میں با اقتدار بنانا تھا لہٰذا قتل تو کر ہی نہیں سکتے تھے بڑے بھائی کا مشورہ قبول کرلیا اور اندھیرے کنویں میں ڈال دیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

مفسر ابن کثیر نے محمد ابن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے متعدد وجوہ سے بہت ہی بری بات کا فیصلہ کیا قطع رحمی،

والد کو تکلیف دینا، معصوم چھوٹے بچے پر شفقت نہ کرنا، بوڑھے باپ پر ترس نہ آنا، یہ سب ایسے کام ہیں جو مجموعی حیثیت سے متعدد گناہوں پر مشتمل ہیں۔

وَتَكُونُوا مِنۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ۔ ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر گزرو یہ ہے تو گناہ کا کام لیکن بعد میں توبہ کر کے نیک بن جانا، اس مضمون کی طرف مفسر ابن کثیر نے ص ۱۷۴ ج ۲ میں اشارہ فرمایا فاضمروا التوبة قبل الذنب۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا
کہنے لگے کہ اے ہمارے ابا کیا بات ہے آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اطمینان نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں آپ اس کو کل ہمارے
غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ
ساتھ بھیج دیجئے، تاکہ وہ ہمارے ساتھ کھائے اور کھیلے اور ہم اس کی پوری حفاظت کرنے والے ہیں یعقوب نے کہا کہ بیشک مجھے یہ بات رنجیدہ کرتی ہے
اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ
کہ تم اسے لے جاؤ اور میں اندیشہ کرتا ہوں کہ تم اس سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے کہنے لگے کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے اور ہماری
عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
پوری جماعت ہے تو ہم بالکل ہی خسارہ میں پڑنے والے ہو جائیں گے

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی والد سے درخواست کرنا اور ان کا اندیشہ کرنا کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے

تفسیر: ان لوگوں کا مشورہ تو ہو ہی چکا تھا کہ یوسف کو لے جانا ہے اور باپ کی نظروں سے اوجھل کرنا ہے لیکن اس کا طریقہ کیا ہو باپ تو اپنی نظروں سے دور کرنے کے لئے تیار نہیں ہمراہ لے جانے کے لئے کم از کم والد کی اجازت تو ہونی چاہئے، لہٰذا والد کی خدمت میں آ کر یوں کہنے لگے کہ ہم لوگ جنگل جاتے رہتے ہیں وہاں کھاتے بھی ہیں کھیلتے بھی ہیں، یوسف بھی ہمارا چھوٹا بھائی ہے ہم اس کے خیر خواہ بھی ہیں اور محافظ بھی ہیں آخر کیا بات ہے آپ اسے ایک دن بھی ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے اس کے بارے میں آپ کو ہم پر ذرا بھی اطمینان نہیں، کل کو آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہمارے ساتھ کھانے اور کھیلنے میں شریک ہوگا، ان کے والد نے کہا کہ دیکھو دو باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجتا ہوں۔ اول تو یہ کہ تمہارا اسے ساتھ لے جانا ہی مجھ پر شاق ہے اور میرے رنج و غم کا باعث ہے اگر تم اسے لے گئے جب تک اسے واپس لے کر نہ آؤ گے میرا دل کڑھتا ہی رہے گا اور میرے دل پر رنج و غم چھایا ہوا رہے گا، اور دوسری بات یہ

ہے کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ' تم تو بکریاں چراؤ اور تیر اندازی کرو اور کوئی بھیڑیا آ کر کھا جائے' پہلی بات کا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے کیونکہ ان کی نظر سے بیٹے کا غائب ہونا بہر حال ان کے نزدیک والد کے لئے رنج و غم کا باعث تھا اور ان کی قلبی تکلیف کا احساس ہوتے ہوئے ہی انہوں نے ان کے جدا کرنے کا فیصلہ کیا تھا البتہ دوسری بات کا انہوں نے یہ جواب دے دیا کہ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے اگر ہمارے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا گیا تو ہم بالکل ہی کسی بات کے نہ رہے اور ہم تو سب کچھ گنوا دینے والے اور ضائع کر دینے والے ہو جائیں گے مطلب یہ تھا کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور حفاظت کرنے پر قدرت بھی رکھتے ہیں ہماری اتنی بڑی جماعت کے ہوتے ہوئے اگر اسے بھیڑیا کھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنے لمبے تڑنگے قوت اور طاقت رکھنے والے جوانوں کی قوت اور جوانی کچھ بھی نہ ہوئی اور گویا بالکل ہی اپاہج بن کر رہ گئے۔ آپ ہمارے بارے میں ایسا خیال تو نہ فرمائیے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

پھر جب یوسف کو لے گئے اور اس پر متفق ہو گئے کہ اسے اندھیرے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کے پاس وحی بھیج دی کہ تم ضرور انہیں یہ بات جتلاؤ گے

بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۵﴾ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿۱۶﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا

اور وہ نہیں جانیں گے' اور وہ لوگ شام کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے' کہنے لگے اے ابا جی بلا شبہ بات یہ ہے کہ ہم سب

ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے دوڑ لگانے میں مشغول ہو گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا سو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے

لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اگر چہ ہم سچے ہوں' اور وہ اس کے کرتہ پر جھوٹا خون لے آئے' یعقوب نے کہا بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے نفسوں نے تمہیں ایک بات بنا کر دی ہے

لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾

سو میں صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا' اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں

بھائیوں کا حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈالنا اور کرتہ پر جھوٹا خون لگا کر واپس آنا اور ان کے والد کا فرمانا کہ یہ تمہارے نفسوں نے سمجھایا ہے

تفسیر: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد کو کسی طرح سمجھا بجھا کر یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور جنگل

میں لے جا کر ایک اندھیرے کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا اور انہیں اس میں ڈال بھی دیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کے پاس وحی بھیجی کہ تم ان لوگوں کو یہ بات بتلاؤ گے کہ تم نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا' اور وہ یہ جانیں گے بھی نہیں کہ یہ جو شخص ہمیں جتلا رہا ہے یہ وہی ہے جسے ہم نے کنویں میں ڈال دیا تھا' چنانچہ وہ وقت آیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَ (کیا تمہیں اس کا علم ہے جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جبکہ تم جاہل تھے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یوسف علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ تم انہیں ان کی یہ حرکت بتا دو گے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو تسلی بھی تھی اور یہ خبر بھی تھی کہ تم اس کنویں میں سے زندہ نکلو گے اور ایسے مقام پر پہنچو گے کہ ان سے خطاب کر سکو گے۔ برادران یوسف علیہ السلام شام کو روتے ہوئے اپنے والد کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ابا جی ہم سب تو آپس میں دوڑ لگانے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا ہمارا خیال تھا کہ اس جگہ بھیڑیا نہ آئے گا لیکن بھیڑیا آ گیا اور یوسف کو کھا گیا' ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہم کیسے ہی سچے ہوں آپ یقین کرنے والے نہیں ہیں' اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لئے انہوں نے یہ کیا کہ کنویں میں ڈالنے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ اتار لیا تھا اس میں کسی جانور کا خون لگا لیا تھا یہ کرتہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا کہ دیکھئے یہ یوسف کا کرتہ ہے اس میں ان کا خون لگا ہوا ہے بھیڑیئے نے پھاڑ چیر کر کے یوسف کو کھا لیا اور یوسف کے کرتہ میں یہ خون لگ گیا یہ کرتہ ہم اٹھا کر لے آئے ہیں' عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے کرتہ میں خون لگا لیا لیکن یہ دھیان نہ آیا کہ اسے پھاڑ ڈالیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا یہ کرتہ تو کہیں سے پھٹا ہوا نہیں ہے بھیڑیئے نے کھایا ہوتا تو کرتہ پھٹ جاتا میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ بھیڑیئے نے یوسف کو نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے ایک بات سجھادی ہے اور ایک بہانہ بنا کر لے آئے ہو اور میں اب کر بھی کیا سکتا ہوں' اب تو میں صبر جمیل ہی اختیار کروں گا (صبر جمیل وہ ہے جس میں کوئی حرف شکایت نہ ہو) اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو اس میں میں اللہ ہی سے مدد طلب کروں گا (معلوم ہوا کہ مومن بندہ مصیبت میں صبر بھی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا ہے)۔

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ
اور ایک قافلہ آ گیا انہوں نے اپنا آدمی پانی لانے والے کو بھیجا اس نے اپنا ڈول ڈالا وہ کہنے لگا کیا ہی خوشی کی بات ہے کہ یہ ایک لڑکا ہے' اور انہوں نے اسے
بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا
سامان تجارت بنا کر چھپا لیا اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں' اور انہوں نے اسے معمولی سی قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہم تھے اور یہ لوگ
فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾
اس سے بے رغبت تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکلنا اور فروخت کیا جانا

تفسیر: ادھر تو یہ ہوا کہ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے جا کر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ راہ گیروں کا ایک قافلہ وہاں پہنچا دیا یہ قافلہ اسی کنویں کے قریب آ کر ٹھہرا جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ڈالا تھا قافلہ والوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو پانی لانے کے لئے بھیجا وہ آدمی پانی لینے گیا تو کنویں میں اپنا ڈول ڈال دیا' ڈول کا اندر پہنچنا تھا کہ حضرت یوسفؑ نے اسے پکڑ لیا جب اس شخص نے ڈول کھینچا تو دیکھا کہ ڈول کے ساتھ ایک لڑکا کھینچا چلا آ رہا ہے اور لڑکا بھی خوبصورت ہے اسے دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی فوراً اس کے منہ سے نکلا کہ واہ واہ کیسی خوشی کی بات ہے یہ لڑکا نکل آیا' یہ پانی لے جانے والا شخص لڑکے کو ہمراہ لے گیا اسے دیکھ کر قافلہ کے دوسرے افراد حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ہوئے اور آپس میں انہوں نے یہ بھی طے کر لیا کہ اسے چھپا کر رکھو اور اپنی سوداگری کی پونجی میں شامل کر لو جب مصر پہنچیں گے تو اچھے داموں کے عوض بیچ دیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی خبر گیری کے لئے ادھر ادھر لگے ہوئے تھے انہیں پتہ چل گیا کہ یوسف کنویں میں نہیں ہے ادھر ادھر تلاش کرتے ہوئے قافلہ تک پہنچ گئے وہاں دیکھا کہ یوسف علیہ السلام موجود ہیں فوراً بات بنائی اور کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا غلام ہے' بھاگ کر آ گیا ہے اور اب ہم اسے رکھنا بھی نہیں چاہتے اب اسے تم ہی لوگ رکھ لو اور ہمیں اس کی قیمت دے دو ان لوگوں نے قیمت پوچھی تو معمولی سی قیمت بتائی اور گنتی کے چند درھم کے عوض یوسف علیہ السلام کو ان کے ہاتھ بیچ دیا۔ اگر وہ چاہتے تو بڑی قیمت مانگ لیتے لیکن چونکہ ان کو ٹالنا تھا اور اس علاقہ سے دور کرنا تھا اور ان کی طرف سے بے رغبت تھے اس لئے چند درھم پر ہی اکتفا کر لیا جیسے کوئی شخص کسی فالتو چیز کو بیچنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ تھوڑا بہت جو کچھ مل جائے وہی بہت ہے' مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیس (۲۰) درہم میں بیچا تھا اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بائیس درہم میں بیچا اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا چالیس (۴۰) درہم میں بیچا' ان اقوال میں کوئی چیز مسند نہیں ہے اور نہ ان دراہم کی تعداد جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف ہے البتہ یہاں دو حدیثیں ذکر کر دینا ضروری ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے خلاف قیامت کے دن میں مدعی ہوں گا۔

(۱) وہ شخص جس نے میرا نام لے کر کسی سے عہد کیا اور پھر دھوکہ دیا۔

(۲) جس شخص نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر اس کی قیمت کھا گیا۔

(۳) جس نے کسی شخص کو مزدوری پر لیا پھر اس سے کام لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۸ از بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن

کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

(۱) جو شخص کچھ لوگوں کا امام بنا اور وہ اسے پسند نہیں کرتے۔

(۲) جو آدمی ایسے وقت میں نماز پڑھے جب کہ اس کا وقت جا تا رہا ہو۔

(۳) جو شخص کسی کو غلام بنا لے (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بیچ دیا تھا اور انہیں غلام بنا کر بیچا (جیسا کہ کتب تفسیر میں مذکور ہے) لہٰذا انہوں نے اس موقع پر مزید دو بڑے گناہ کئے اول تو یہ جھوٹا بیان دیا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور دوسرا یہ کہ آزاد کو بیچ کر اس کی قیمت وصول کر لی رہی قطع رحمی تو اس پر وہ پہلے ہی سے تلے ہوئے تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ
اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اس نے اپنی عورت سے کہا اسے عزت کے ساتھ رکھنا ممکن ہے ہمارے کام آ جائے یا ہم اسے
وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ
بیٹا بنا لیں، اور اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس سرزمین میں قوت دے دی اور تاکہ اسے خوابوں کی تعبیر دینا بتلا دیں اور اللہ
غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا
اپنے کام پر غالب ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت
وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۲۲
اور علم عطا کیا اور ہم اسی طرح اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کا خریدنا اور اپنے گھر میں اکرام کے ساتھ رکھنا، اور نبوت سے سرفراز کیا جانا

تفسیر: جس قافلے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے خرید لیا تھا وہ انہیں مصر لے گئے اور وہاں لے جا کر فروخت کر دیا۔ خریدنے والا عزیز مصر تھا جو بادشاہ کا وزیر خزانہ تھا اس کے ذمہ مالیات کی دیکھ بھال تھی حضرت یوسفؑ کو بادشاہ تک پہنچنے میں چند سال لگے اولاً عزیز مصر ہی کے گھر میں رہے، عزیز مصر نے ان کو ہونہار دیکھ کر اپنی بیوی سے کہا کہ اس بچہ کو اچھی طرح اکرام کے ساتھ رکھنا، اس کے لیٹنے بیٹھنے کی جگہ اچھی ہو اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ممکن ہے کہ آئندہ چل کر یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں (بیان کیا جاتا ہے کہ عزیز مصر لاولد تھا اس لئے اس نے یہ بات کہی) عزیز مصر کا نام بعض مفسرین نے قطفیر بتایا ہے اور اس قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے

اس کی بیوی کا نام زلیخا مشہور ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام راعیل تھا جس شخص کو چند روز پہلے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا وہی شخص آج عزیز مصر کے گھر میں ہے اکرام وانعام وراحت وآرام کے ساتھ رہ رہا ہے اللہ جل شانہٗ جسے بلند کرنا چاہے اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ (اور اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین میں قوت عطا کی)۔

عزیز مصر کے دل اور گھر میں تو ان کا مقام اور مرتبہ بلند ہو ہی گیا تھا اس کے یہاں معزز ہونے کی وجہ سے مصر کے دوسرے لوگوں کے دل میں بھی ان کی بڑی حیثیت بن گئی تھی وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (اور تاکہ ہم اسے خوابوں کی تعبیر کا علم دیں) اللہ جل شانہٗ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا جو علم عطا فرمایا تھا وہی آگے بڑھ کر مصر کے خزانوں کا والی اور متصرف ہونے کا ذریعہ بنا وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ (اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے) اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے جس کو چاہے بلندی دے اس کے فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں' حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کا اللہ تعالیٰ نے یہ سبب بنایا کہ انہیں عزیز مصر کے گھر میں رکھا ظاہری پرورش کے ساتھ امور انتظامیہ کے بارے میں بھی ان کی تربیت ہوگئی عزیز مصر خزائن مصر کا منتظم تھا بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی خزائن مصر سپرد کر دیئے گئے عزیز مصر کے گھر میں رہنا ہوا تو مالیات کی حفاظت اور دیکھ بھال کا طریقہ اور سلیقہ بھی سمجھ میں آ گیا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کیا) حکمت اور علم سے نبوت مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بعد میں نبوت عطا کی گئی کنویں میں ہوتے ہوئے جو وحی بھیجی تھی وہ وحی نبوت نہیں تھی دل میں ڈالنے کو بھی وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں فرمایا کہ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (اور ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں) صفت احسان بہت بڑی چیز ہے حسن نیت اور حسن عمل سے جو شخص بھی متصف ہے وہ محسن ہے احسان والوں کو اللہ تعالیٰ بلند فرماتا ہے اور انہیں ان کے احسان کا اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھے اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ان کو پھسلایا اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ جاؤ میں تم ہی سے کہہ رہی ہوں'

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بیشک تیرا شوہر میرا مربی ہے اس نے میرا اچھا ٹھکانہ بنایا ہے' بیشک بات یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے مطلب براری کے لئے پیش ہونا اور آپ کا پاک دامن رہنا

تفسیر: سیدنا یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر میں رہتے رہے وہیں پلے بڑھے جوان ہوئے بہت زیادہ حسین تھے عزیز مصر کی بیوی ان پر فریفتہ ہوگئی اور اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو پھسلانے لگی اس نے نہ صرف اشاروں سے اپنا مطلب ظاہر کیا بلکہ گھر کے سارے دروازے بند کر لئے اور کہنے لگی کہ آجاؤ میں تمہارے لئے تیار ہوں حضرت یوسفؑ کے لئے بڑے ہی امتحان کا موقعہ تھا خود بھی نوجوان تھے اور عورت پھسلا بھی رہی تھی اور وہ کوئی گری پڑی عورت نہیں عزیز مصر کی بیوی ہے پھر وہ ایک طرح سے اس کے پروردہ بھی تھے وہ گھر کی بڑی تھی اور آپ چھٹ پنے سے اس کے ساتھ رہے تھے جو عورت گھر کی سردار تھی اس کا حکم رد کرنا بھی مشکل تھا ان سب امور کے ہوتے ہوئے حضرت یوسفؑ کے لئے گناہ سے بچنے کے لئے متعدد مشکلات تھیں اس موقع پر گناہ سے بچ جانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوسکتا ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے عورت کی درخواست پر معاذ اللہ کہہ دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں وہی مجھے گناہ سے بچا سکتا ہے پھر یہ فرمایا کہ تو میرے آقا اور مربی کی بیوی ہے اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے مجھے آرام کی جگہ دی ہے عزت سے رکھا ہے میری شرافت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ میں اس کے اہل خانہ پر دست درازی کروں (اس میں اس عورت کو بھی نصیحت فرما دی کہ تو بھی اللہ سے پناہ مانگ اور اپنے شوہر کی خیانت نہ کر مجھے تو اس گھر میں آئے ہوئے چند سال ہی ہوئے ہیں اور تو مجھ سے بہت پہلے سے عزیز مصر کے پاس رہتی ہے تجھے بھی عفت و عصمت اختیار کرنا لازمی ہے) سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) یہ ظلم کی بات ہے کہ میں اپنے آقا کا حق شناس نہ بنوں تو مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہے اس میں اللہ جل شانہ کی بھی نافرمانی ہے اور دنیاوی اعتبار سے جو میرا مربی ہے اس کی بھی خیانت ہے یہ دونوں ظلم کی باتیں ہیں ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس کامیابی کو چاہتے ہیں وہ گناہوں کے ذریعہ نہیں ملتی دنیا کی مطلوبہ کامیابی ہو یا آخرت کی یہ ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ میں جو ضمیر منصوب ہے یہ عزیز مصر کی طرف راجع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے میں کیسے اس کی نافرمانی کرسکتا ہوں یہ معنی لینے سے یہ اشکال ختم ہوجاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ کے لئے لفظ رَبِّیْ کیسے استعمال فرمایا لیکن اگر اِنَّهٗ کی ضمیر عزیز مصر کی طرف راجع ہو تب بھی اشکال یوں ختم ہوجاتا ہے کہ رب بمعنی مالک اور مستحق اور صاحب بھی آیا ہے

(کماذکرہ صاحب القاموس) اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ولا یقل العبد ربی یہ ممانعت اس اعتبار سے ہے کہ لفظ رب عام محاورات میں اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے لہٰذا سدًّا للباب ممانعت فرمادی گئی۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ
اور اس عورت نے ان کے ساتھ اپنا کام نکالنے کا مضبوط ارادہ کر لیا تھا اور وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے' اسی طرح تاکہ ہم ان سے برائی کو
وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ
اور بے حیائی کو دور رکھیں' بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے پیچھے سے اس کا کرتہ
دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ
چیر دیا اور دونوں نے اس عورت کے سردار کو دروازہ کے پاس پایا' وہ کہنے لگی جو شخص تیرے گھر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے یا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ
دردناک سزا دی جائے' یوسف نے کہا اسی نے مجھے اپنی مطلب براری کے لئے پھسلایا اور اس کے خاندان میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ
قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ
اگر اس کا کرتہ سامنے سے پھاڑا گیا ہے تو عورت نے سچ کہا اور یہ شخص جھوٹے لوگوں میں سے ہے اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے
مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ
پھاڑا گیا تو اس عورت نے جھوٹ کہا اور یہ سچوں میں سے ہے' پھر جب اس کے کرتے کو دیکھا گیا کہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو کہنے لگا کہ بے شک
مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ
یہ تم عورتوں کی فریب کاری میں سے ہے بے شک تمہارا فریب بڑا ہے' یوسف اس بات کو جانے دو اور اے عورت تو اپنے گناہ سے استغفار کر'
اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾
بلاشبہ تو ہی گناہگاروں میں سے ہے

دونوں کا دروازہ کی طرف دوڑنا اور اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کو بچانا اور عزیز کو دروازہ پر پانا' اور اس کا اپنی بیوی کو خطا کار بتانا اور استغفار کا حکم دینا

تفسیر: ان آیات میں عزیز مصر کی بیوی کی بدنیتی اور اس کے مطابق عزم مصمم کرنے کا ذکر ہے نیز یہ بھی فرمایا ہے

کہ یوسف علیہ السلام اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لئے ہوتے تو وہ بھی ارادہ کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا اور ان کو برائی سے اور بے حیائی کے کام سے دور رکھا عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کرنے کا مضبوط ارادہ کر لیا تھا جو اس کے عمل سے صاف ظاہر ہے اس نے دروازے بند کر لئے اور صاف لفظوں میں ھَیْتَ لَکَ (آ جا میں تیرے لئے حاضر ہوں) کہہ دیا' حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے نبی سے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا اور گناہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ ہے لیکن قرآن مجید میں وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ کے ساتھ وَهَمَّ بِهَا بھی مذکور ہے اس وَهَمَّ بِهَا کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یہ ایک جملہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ اپنی جوانی کا تقاضا پورا کرنے کا ارادہ کر لیتے لیکن چونکہ انہوں نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی اس لئے ارادہ نہیں کیا۔ ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ هَمَّ بِهَا سے گناہ کا ارادہ کرنا مراد نہیں ہے بلکہ بشری طور پر جو ایسے موقع پر میلان طبعی ہو جاتا ہے وہ مراد ہے انہوں نے اس درجہ کا ارادہ نہیں کیا تھا جو معصیت کے درجہ میں ہو یوں ہی وسوسہ کے درجے میں خیال آ گیا اس صورت میں لَوْلَا کا جواب محذوف مانا جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے رب کی طرف سے دلیل نہ دیکھ لیتے تو میلان طبعی کے مطابق کام کر گزرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دلیل دکھائی جو اقدام کرنے سے مانع ہو گئی۔

وہ کون سی دلیل تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں صاحب روح المعانی ص ۲۱۴ ج ۱۲ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ ظاہر ہو گئی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینہ پر ہاتھ مار دیا وذکرہ الحاکم ایضاً فی المستدرک ج ۲ ص ۳۴۶ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مثل له یعقوب فضرب صدرہ فخرجت شهوته من انامله (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں آپ کے سامنے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ ظاہر کی گئی انہوں نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مارا تو آپ کی شہوت انگلیوں سے خارج ہو گئی) اور بحوالہ حلیہ ابی نعیم حضرت علی ؓ سے نقل کیا ہے کہ جب اس عورت نے عمل بد کا ارادہ کیا تو اس نے بت کے اوپر کپڑا ڈال دیا جو گھر کے ایک کونے میں تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو یہ کیا کرتی ہے وہ کہنے لگی کہ میں اپنے معبود سے شرماتی ہوں کہ میں ایسا کام کروں اور یہ مجھے دیکھتا رہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایک بت سے شرما رہی ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے (یعنی بے جان ہے کچھ جانتا ہی نہیں) پھر بھلا میں اپنے رب سے کیوں نہ شرماؤں جو ہر شخص کے ہر عمل کو جانتا ہے تو مجھ سے اپنی مطلب براری نہیں کر سکتی' اس بارے میں اور بھی بہت اقوال ہیں لیکن کوئی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو علم و حکمت سے نوازا تھا اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا بُرْهَانَ رَبِّهٖ سے وہی مراد ہے' نبوت اور معرفت الٰہیہ ہی ایک ایسی دلیل تھی جس نے انہیں چونکا دیا اور گناہ سے بچا دیا' یہ بات دل کو لگتی تو ہے لیکن اس صورت میں رَاٰی بمعنی عرف لیا جائے گا یعنی رأی سے

رویت بصری نہیں بلکہ رویت قلبی بمعنی علم ومعرفت مراد ہوگی۔

حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے عام طور پر اہل ایمان کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ جب کوئی گناہ کی بات دل میں آئے تو دل کھٹک جاتا ہے اور ہر ایک مومن کے دل میں اللہ کا ایک واعظ بیٹھا ہوا ہے۔

حضرت نواس بن سمعان انصاری ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک سیدھا راستہ ہے اس کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں دروازے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں ان دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس راستے کے شروع میں ایک دروازہ ہے جس پر ایک پکارنے والا کھڑا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ اے لوگو تم سب راستے میں داخل ہو جاؤ اور ادھر ادھر توجہ نہ کرو اور راستے کے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے' جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی دروزہ کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھ پر افسوس ہے اسے مت کھول اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا (اور یہ تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا) اس کے بعد آپ نے اس مثال کی توضیح فرمائی' اور وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے' اور دونوں طرف جو دیواریں ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں' اور جو دروازے کھلے ہوئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں' اور راستے کے شروع میں جو پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے' اور اس کے اوپر جو پکارنے والا ہے وہ اللہ کا واعظ ہے جو ہر مسلم کے دل میں ہے (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ص ۴۴۵ ج ۵) جب ہر مومن کے دل میں واعظ موجود ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے صدیق کے دل میں ہونا تو ضروری ہی ہے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں عبارت محذوف ہے صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ جرت افعالنا و اقدارنا کذالک لنصرف یعنی ہماری قضاء وقدر کے مطابق ایسا ہوا تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں فال صاحب الروح وقدر ابو البقاء نراعیه کذلک والحوفی اریناہ البراھین کذلک وجوز الجمیع کونه فی موضع رفع فقیل ای الامر او عصمته مثل ذالک اھ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ابوالبقاء نے یہاں پر نراعیه مقدر مانا ہے اور حوفی نے کہا مقدر عبارت اس طرح ہے کہ اریناہ البراھین کذلک اور سب نے اس کا رفع کے مقام میں ہونا جائز رکھا ہے۔ لہٰذا بعض نے کہا اصل یوں ہے کہ الامر مثل ذلک یا عصمته مثل ذلک)

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بُرے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تو وہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے پیچھے سے عورت بھی دوڑی۔ بالآخر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کا پچھلا دامن پکڑ لیا چونکہ بھاگتے ہوئے آدمی کا دامن پکڑا تھا اس لئے کرتہ پھٹ گیا۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ قد یقد اکثر لمباؤ میں پھاڑ دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی لئے ہم نے چیرنے کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بڑھے تو دروازہ بند پایا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی' دروازے کھلتے چلے گئے اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا کرنے کے لئے مجبور کیا جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی کوشش وطاقت کے بقدر اس سے بچے جب سچ مچ اس سے نکلنے کا عزم کرے گا اور اپنی ہمت اور قدرت کے

بقدر کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شاء اللہ ضرور مدد کی جائے گی۔

بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ دروازے مختلف جہات میں تھے اس عورت نے بند تو سبھی کو کر دیا تھا لیکن کسی ایک دروازے میں کوئی ایسی کھڑکی تھی جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دھیان ہوا کہ میں اس سے نکل سکتا ہوں بہر حال انہوں نے گناہ سے بچنے کی انتہائی کوشش کی اور اس کوشش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی دی۔

آگے پیچھے دوڑتے ہوئے جب دروازے پر پہنچے تو ادھر سے مذکورہ عورت کا شوہر آ رہا تھا اس سے مڈبھیڑ ہوگئی عورتوں کی چالیں تو مشہور ہی ہیں ظاہری خفت مٹانے کے لئے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے عورت بول پڑی کہ اس نے مجھ پر بدنیتی سے مجرمانہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کو سزا دیا جانا ضروری ہے سزا بھی اس نے خود ہی تجویز کر دی کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا اس کو سخت سزا دی جائے، سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا اور فرمایا هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي کہ اس نے مجھے پھسلایا اور غلط کام کرنے کا ارادہ کیا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کا دفاع کرنا شان بزرگی کے خلاف نہیں ہے بلکہ دفاع کرنا ضروری ہے کیونکہ مجرم بن کر رہنا مومن کی شان نہیں ہے اپنا دفاع کرتے ہوئے صحیح صورت بیان کرنے میں اگر تہمت لگانے والے کی طرف تہمت کا انتساب کرنا پڑے تو یہ بھی جائز ہے)۔

صورت حال دیکھ کر عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجرم قرار نہیں دیا وہ ان کی نیک نفسی اور صالحیت سے واقف تھا وہ برسوں سے اس کے گھر میں رہتے تھے اس کے پیش نظر جوان کے احوال دیکھے تھے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کسی طرح بھی اس کا موقع نہ تھا کہ وہ ان کو مجرم سمجھے اور اپنی بیوی کی تصدیق کرے حضرت یوسف علیہ اسلام نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ اس عورت نے ہی مجھ سے اپنی خواہش ظاہر کی اس کے پیش نظر عورت ہی کو اول وہلہ میں مجرم سمجھنا چاہئے تھا اور ممکن ہے کہ اس نے مجرم سمجھ بھی لیا ہو لیکن وہ خاموشی اختیار کر گیا' البتہ غیب سے ایک گواہ نکل آیا اور وہ اسی عورت کے خاندان میں سے تھا یہ گواہ ایک بچہ تھا وہ بچہ بول پڑا اور اس نے یوں کہا کہ یوسف کے کرتہ کو دیکھو آگے سے پھاڑا گیا ہے یا پیچھے سے؟ اگر پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ یہ عورت اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے کہ یوسف نے مجھ پر حملہ کیا ہے اور یوسف سچے ہیں' اور اگر ان کا کرتہ آگے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے' عزیز مصر کو تو اصل صورت حال سمجھنے کی ضرورت ہی تھی اس نے فوراً حضرت یوسفؑ کے کرتے پر نظر ڈالی دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے بس اس کی سمجھ میں آ گیا اور فوراً اس کے منہ سے یہ بات نکلی کہ یہ عورتوں والی مکاری ہے کریں خود اور نام رکھیں دوسرے کا' یہ کہہ کر اس نے اپنی عورت کو جھٹلا دیا اور حضرت یوسفؑ کی تصدیق کر دی' گواہی دینے والے نے جو یوں کہا تھا کہ کرتہ دیکھا

جائے اس کا مطلب یہ تھا کہ جب عورت نے اپنی خواہش ظاہر کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جان گناہ سے بچانے کی کوشش کی اور راہ فرار اختیار فرمائی اور عورت نے ان کے کرتہ کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تبھی تو کرتہ پھٹا اس کے پھٹنے کا ظاہری سبب اور کوئی نہ تھا' یہ جو سوال ذہن میں آتا ہے کہ وہاں تو ایک ہی عورت تھی جمع کی ضمیر کیوں لائی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں عورتوں کا مزاج اور طبیعت اور خاصیت کی طرف اشارہ ہے اکیلی یہی عورت مکر اور فریب والی نہیں عموماً عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں اسی لئے آخر میں یوں کہا اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ (بلاشبہ تمہارا مکر بڑا ہے) اردو کے محاورہ میں اس مکر کو عورتوں کے چھل اور چالوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے بڑے بڑے چھل ہوتے ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ما رایت اذھب للب الرجل الحازم من احداکن (ہوشمند آدمی کی عقل کو ختم کرنے میں میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا) (رواہ البخاری ص ۱۹۷ ج ۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ما ترکت بعدی فتنة ھی اضر علی الرجال من النساء کہ میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو ضرر دینے میں عورتوں سے بڑھ کر ہو (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۲۶۷) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء کہ دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو (یعنی ان دونوں کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ان کے فریب میں نہ آ جانا) کیونکہ بنی اسرائیل کا جو سب سے پہلا فتنہ تھا اس کی ابتداء عورتوں ہی سے تھی۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۳ ج ۲) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا النساء حبائل الشیطان (کہ عورتیں شیطان کے جال ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴) شیطان ان کے ذریعہ بہکاتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اور گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔

جس گواہ نے گواہی دی اس نے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ عورت نے یوں کیا بلکہ اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جو عورت کے مجرم ہونے پر دلالت کرتی تھی یعنی کرتے کا پھٹا ہونا اس کو گواہی سے تعبیر فرمایا قال صاحب الروح و سمی شاھدا لانہ ادی تادیتہ فی ان ثبت بکلامہ قول یوسف و بطل قولھا وقیل سمی بذلک من حیث دل علی الشاھد وھو تخریق القمیص۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور اس کو شاہد اس لئے کہا گیا کہ اس نے اپنی گواہی اس طرح دی کہ اس کی بات سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بات ثابت ہوگئی اور زلیخا کا قول باطل ہو گیا اور بعض نے کہا اس کو شاہد اس لئے کہا گیا کہ اس نے ایک دلیل پر دلالت کی اور دلیل قمیص کا پھٹا ہوا ہونا ہے)

یہ گواہی دینے والا کون تھا اس کے بارے میں مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے پہلے تو صاحب مستدرک نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی تو مجھے ایک خوشبو محسوس ہوئی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسی خوشبو ہے بتانے والوں نے (یعنی فرشتوں) نے بتایا کہ جو عورت فرعون کی بیٹی اور اس کی اولاد کی کنگھی کیا کرتی تھی یہ اس کی خوشبو ہے' ایک دن کنگھی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی اس پر اس نے بِسْمِ اللہِ کہا فرعون کی بیٹی نے کہا یہ تو نے کس کا نام لیا' کیا تو نے میرے باپ کا نام نہیں لیا

اس نے کہا میں نے اس کا نام لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی رب ہے اور تیرے باپ کا بھی رب ہے کہنے لگی کہ میں یہ بات اپنے باپ کو بتادونگی اس عورت نے کہا ہاں بتادینا فرعون کی بیٹی نے اپنے باپ کو یہ بات بتادی' اس پر فرعون نے اس عورت کو اور اس کے بچوں کو بلایا تاکہ انہیں قتل کردے' اس عورت نے فرعون سے کہا کہ میری ایک حاجت ہے وہ پوری کردینا' فرعون نے کہا وہ کیا حاجت ہے؟ اس عورت نے کہا کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیوں کو دفن کردینا فرعون نے ان کا اقرار کر لیا پھر اس کے بچوں کو لایا گیا اور ایک ایک کر کے قتل کر کے گڑھے یا آگ میں ڈالا جاتا رہا' یہاں تک کہ جب آخری بچہ رہ گیا تو جو چھوٹا دودھ پیتا بچہ تھا تو اس نے کہا کہ اے میری ماں صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں اس کے بعد اس عورت کو اس چھوٹے بچہ کے ساتھ ڈال دیا گیا' یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چھوٹے بچے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے ہونے کے زمانہ میں بات کی ہے' ان میں سے ایک تو یہی بچہ تھا یعنی کنگھی کرنے والی کا بچہ' دوسرا یوسف علیہ السلام کے بارے میں گواہی دینے والا' تیسرا جریج (راہب کی برأت ظاہر کرنے) والا چوتھے عیسیٰ ابن مریمؑ (**قال الحاکم هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبی مستدرک حاکم** (امام حاکم نے کہا ہے یہ حدیث صحیح سند والی ہے اگر شیخین نے اسے ذکر نہیں کیا اور امام ذہبی نے بھی امام حاکم کی موافقت کی ہے) ص ۴۹۶- ج ۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی تھی وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جو بولنے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت دی اور اس نے گواہی دے دی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے اس گواہی دینے والے کے بارے میں **من اهلها** بھی فرمایا ہے کہ یہ گواہ اس عورت کے خاندان سے تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اس عورت کی خالہ کا بیٹا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے چچا کا بیٹا تھا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال'**

معاملہ کی صورت حال سمجھنے کے بعد عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور اس نے درخواست کی کہ **يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** اے یوسف اس بات سے اعراض کرنا یعنی اسے یہیں تک رہنے دینا اور آگے مت بڑھانا کسی سے نہ کہنا' پھر اپنی بیوی سے کہا **وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ** (کہ تو اپنے گناہ کے لئے استغفار کر) **إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ** (بلاشبہ تو خطا کرنے والوں میں سے ہے) معاملہ کی صورت حال سے اور گواہ کی گواہی سے ثابت ہو گیا کہ تو ہی گناہ گاروں میں سے ہے' اصل گناہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچنے اور پرہیز کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے نہ ہو سکا لیکن گناہ کے لئے جو اس نے پکا اور مضبوط ارادہ کر لیا تھا وہ بھی گناہ ہی تھا پھر وہ پیچھے پیچھے دوڑی بھی تھی اور پکڑنے کی کوشش بھی کی تھی لہٰذا اپنی نیت اور عمل دونوں کے اعتبار سے گناہ گار ہوئی' صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اسے سچا یا جھوٹا کر دیتی ہے یعنی گناہ کی آخری حد کا موقع لگ گیا تو شرمگاہ سے صادر ہو جاتا ہے مگر اس سے پہلے کوششیں گناہ میں شمار ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ تو مسلمان نہیں تھے پھر استغفار کرنے کے لئے کیوں کہا؟ صاحب روح المعانی

لکھتے ہیں کہ وہ لوگ اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے لیکن خالق کے وجود کا بھی عقیدہ رکھتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ بہت سی چیزیں گناہ ہیں اور ان گناہوں کی سزا بھی ملتی ہے صاحب روح المعانی کا یہ فرمانا درست ہے کہ مشرکین خالق کو بھی مانتے ہیں اور بہت سی چیزوں کا گناہ ہونا ان کے ہاں معروف و مشہور ہے ہندوستان کے مشرکین میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا

اور چند عورتوں نے کہا جو شہر میں رہتی تھیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو مطلب حاصل کرنے کے لئے پھسلاتی ہے اس غلام کے عشق نے اس کے دل میں پوری طرح جگہ پکڑ لی ہے۔ بے شک ہم

لَنَرٰىهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ

ہم تو اس عورت کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں پھر جب اس نے ان عورتوں کی مکر کی باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے ایک مجلس تیار کی جس میں

مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ

تکیہ لگا کر بیٹھیں اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے نکل آ' سو جب ان عورتوں نے انہیں دیکھا تو حیران رہ گئیں'

وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ

اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاش للہ یہ شخص بشر نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے وہ عورت کہنے لگی

فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَئِنْ

سو یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی سو وہ بچ گیا اگر

لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِينَ ﴿۳۲﴾

اس نے وہ بات نہ مانی جس کا میں اسے حکم دے رہی ہوں تو ضرور اس کو جیل میں بھیج دیا جائے گا اور یہ ضرور بے عزت ہوگا۔

شہر کی عورتوں کا عزیز مصر کی بیوی پر طعن کرنا اور ان کا جواب دینے کے لئے عورتوں کو بلانا' پھر ان کا اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا

تفسیر: عزیز مصر نے تو معاملہ کو وقتی طور پر رفع دفع کر دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہہ دیا کہ اس قصے کو یہیں تک رہنے دینا آگے مت بڑھانا لیکن خبر کسی طرح شہر کی عورتوں کو پہنچ گئی وہ آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ دیکھو عزیز مصر کی بیوی کو کیا ہوا بڑے گھر کی عورت ہے لیکن اپنے غلام کو اپنا مطلب نکالنے کے لئے پھسلا رہی ہے غلام اس لئے کہا کہ اس کا شوہر حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کر لایا تھا اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ اول تو یہ عورت شوہر والی ہے اسے اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف مائل ہونے کی ضرورت کیا ہے پھر مائل بھی ہوئی تو کس پر جو اس کے برابر کا نہیں نہ تو عمر میں

برابر نہ مرتبہ میں برابر دونوں میں سے کوئی ایک برابری بھی ہوتی تو ایک بات تھی' قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا بس جی اس غلام کی محبت تو بری طرح اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اسے اس محبت نے یہ بات سوچنے کا موقع ہی نہ دیا کہ میں کس سے لگ رہی ہوں اور کس کی طرف مائل ہو رہی ہوں اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گئی۔

عزیز مصر کی بیوی کو عورتوں کی باتیں پہنچ گئیں انہوں نے جو باتیں کہی تھیں وہ اس نے سن لیں ان کی باتوں کو مکر سے تعبیر کیا کیونکہ وہ ظاہر میں تو اسے بے وقوف بنا رہی تھیں اور اندر سے ان کا جذبہ یہ تھا کہ ہم اس پر لعن طعن کریں گے تو اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے ہمیں بھی غلام کا مشاہدہ کرا دے گی (ذکرہ صاحب الروح عن البعض) بہر حال جب عزیز مصر کی بیوی کو عورتوں کی باتوں کا علم ہوا تو اس نے ان عورتوں کو بلوا بھیجا کہ وہ میرے گھر آئیں اور کچھ کھا پی لیں ان عورتوں کے بیٹھنے کے لئے اس نے عمدہ قسم کے بستر بچھا دیئے اور تکیے لگا دیئے تا کہ وہ آئیں تو تکیہ لگا کر بیٹھ جائیں جب وہ آئیں تو انہیں بٹھا دیا اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک چھری دے دی چھری دینے کا کیا مطلب تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس نے چھریوں کے ساتھ کھانے کے لئے گوشت بھی دے دیا تھا کیونکہ گوشت کو دانتوں سے نوچ کر نہیں کھاتے تھے بلکہ چھری سے کاٹتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ سنترہ کی طرح کوئی چیز کھانے کو دے دی تھی تا کہ وہ اس چھری سے کاٹ کر کھائیں اس قول کی تائید مُتْكًا کی قرأت سے ہوتی ہے جس کا معنی ترنج یا سنترہ کیا گیا ہے یہ قرأت عشرہ میں سے تو نہیں ہے البتہ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہے قرأت شاذہ سے کسی ایک محتمل معنی کی تائید ہو سکتی ہے' عین اس وقت میں جبکہ ان عورتوں کے ہاتھ میں چھریاں تھیں اور جو کچھ ان کے سامنے تھا اسے کاٹنا ہی چاہتی تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو آواز دی کہ آؤ اندر سے نکلو اور ان عورتوں کے سامنے آ جاؤ جب حضرت یوسف علیہ السلام سامنے آئے تو ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر وہ عورتیں ششدر رہ گئیں اور ایسی مبہوت اور حیران ہوئیں کہ انہیں یہ بھی دھیان نہ رہا کہ ہم کیا کاٹ رہی ہیں سنترہ وغیرہ جو کچھ ان کے سامنے تھا اسے کاٹنے کی بجائے انہوں نے اپنے ہاتھ ہی کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں کہ حاشا للہ یہ شخص بشر نہیں ہے بلکہ یہ تو بڑے مرتبے کا فرشتہ ہی ہے' یہ ان عورتوں نے اس لئے کہا کہ فرشتے کا بے مثال حسین و جمیل ہونا ان کے یہاں معروف و مشہور تھا جیسے کہ شیطان کی بدصورتی کو سبھی جانتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ حسن و جمال عطا فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ جب معراج کی رات میں آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہوئیں حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اذا هو قد اعطی شطر الحسن (یعنی ان کو آدھا حسن دیا گیا ہے)

(رواہ مسلم ص ۹۱ ج)

جب عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مبہوت ہو گئیں اور ایسی حیران ہوئیں کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو عزیز مصر

کی بیوی ان عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے بول اٹھی کہ تم نے دیکھا یہ غلام کیسا ہے؟ تم مجھے اس کے بارے میں ملامت کر رہی تھیں اب اپنا حال دیکھ لو تم تو اسے دیکھ کر اپنے ہاتھ ہی کاٹ بیٹھیں' یہ بات کہہ کر اس عورت نے اپنی صفائی پیش کر دی بلکہ اپنی مجبوری ظاہر کر دی میں عاشق نہ ہوتی تو کیا کرتی وہ تو چیز ہی ایسی ہے جس پر فریفتہ ہوئے بغیر رہا نہیں جا سکتا۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عزیز مصر کی بیوی نے کہا کہ واقعی میں نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اسے پھسلایا تھا لیکن یہ بچ گیا اس طرح سے اس نے اس بات کا صاف اقرار کر لیا جس کا اپنے شوہر کے سامنے انکار کر چکی تھی' اور حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت بھی ظاہر کر دی اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیا کہ یہ ابھی میرے پھندہ سے نکلا نہیں ہے میرا تقاضا برابر جاری رہے گا اگر اس نے میری بات نہ مانی اور میرے حکم پر عمل نہ کیا تو اسے ضرور بالضرور جیل ہی میں بھیج دیا جائے گا اور اسے ضرور بالضرور ذلت اٹھانی پڑے گی۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ
یوسف نے کہا کہ اے میرے رب یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں اس کے مقابلہ میں مجھے جیل جانا محبوب ہے اور اگر آپ مجھ سے ان کی
اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
چال بازی کو دفع نہ کریں گے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی سو عورتوں کی چال بازی کو یوسف سے ہٹا دیا بلاشبہ وہ
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾
سننے والا ہے جاننے والا ہے پھر نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کی سمجھ میں یہ آیا کہ ایک وقت تک یوسف کو جیل میں رکھیں

حضرت یوسف علیہ السلام کا دعا کرنا کہ اے میرے رب ان عورتوں کے مطالبہ کے مطابق عمل کرنے کی بجائے میرے لئے جیل بہتر ہے اس کے بعد جیل میں تشریف لے جانا

تفسیر: پہلے معلوم ہو چکا کہ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے شوہر کو دروازہ کے قریب دیکھ کر یہ مشورہ دے دیا تھا کہ اسے جیل میں ڈالا جائے یا دردناک سزا دی جائے' پھر جب شہر کی دوسری عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر مبہوت رہ گئیں اور عزیز مصر کی بیوی نے ان سے کہا کہ دیکھو تم مجھ پر طعن و تشنیع کر رہی تھیں خود تمہارا کیا حال بنا اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اس کو جیل جانا پڑے گا تو اب حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بظاہر دو ہی راستے تھے اول یہ کہ حسب سابق اسی گھر میں رہتے رہیں جہاں اب تک تھے وہاں وہی عورت تھی جس نے

حضرت یوسف علیہ السلام کو بدکرداری کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کا ارادہ ختم نہیں ہوا تھا صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے میری بات نہ مانی تو اس کو جیل میں جانا پڑے گا وہ اپنے پھندہ میں پھنسانے کے لئے مُصر تھی اس کے گھر میں رہنے سے اندیشہ تھا کہ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ جیل میں چلے جائیں انہوں نے جیل میں جانے کو پسند کیا اور یہ مناسب جانا کہ عزیز مصر کا گھر چھوٹ جائے تا کہ خود عزیز کی بیوی اور دیگر عورتوں کی تدبیروں اور مکاریوں سے دور ہو جائیں، چونکہ دوسری عورتیں بھی حسن و جمال دیکھ کر قائل ہو گئی تھیں اس لئے یہ بھی خطرہ تھا کہ وہ بھی عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ میں استعمال کرنے کی تدبیر بتانے لگیں یا حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلانے لگیں، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی کہ اے اللہ یہ عورتیں مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہیں یا آئندہ دعوت دیں گی مجھے اس میں مبتلا ہونے کی بہ نسبت یہ محبوب اور مرغوب ہے کہ جیل میں چلا جاؤں اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ یا اللہ آپ میری مدد فرمایئے اور عورتوں کے مکروفریب کو دفع فرمایئے تا کہ میری حفاظت ہو اگر آپ نے ان کی چال بازیوں کو دفع نہ فرمایا اور مجھے ان سے نہ بچایا تو بتقاضائے بشریت میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں شمار ہو جاؤں گا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم تھے اور ان کو معصوم رکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا عہدہ نبوت پر سرفراز ہوتے ہوئے معصیت صادر ہونے کا احتمال تو نہ تھا لیکن پھر بھی انہوں نے گناہ سے بچنے کے لئے مزید دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ ہی کی حفاظت مجھے محفوظ رکھ سکتی ہے اگر آپ نے میری حفاظت نہ فرمائی تو عورتوں کے اتنے زیادہ پیچھے پڑنے پر نفسانی اور شہوانی ابھار کے باعث ان عورتوں کی طرف مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف مائل ہونا جاہلوں کا کام ہے جو گناہ کو گناہ جانتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

قال صاحب الروح ای الذین لا یعملون بما یعلمون لان من لا جدوی لعلمه فهو ومن لا یعلم سواء (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے کیونکہ جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا وہ اور جو نہیں جانتا دونوں برابر ہیں)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور انہیں عورتوں کے مکروفریب سے بچا دیا یعنی ایسی صورت پیدا فرما دی کہ انہیں جیل میں بھیج دیا گیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ عزیز مصر اور اس کے مشورہ دینے والے سوچ بچار کرتے رہے کہ اس مسئلے کا کیا حل ہو آیات (یعنی نشانیاں) اور حالات سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ یوسف بے گناہ ہے لیکن شہر میں جو چرچا ہو گیا اور باتیں عورتوں سے نکل کر مردوں تک پہنچ گئیں اس کے دبانے کے لئے یہی صورت سمجھ میں آتی ہے کہ ایک عرصہ تک یوسف کو جیل میں رکھا جائے چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھیج دیا۔

وہ کون سی آیات اور نشانیاں تھیں جنہیں دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت کا یقین کیا گیا تھا ان میں سے ایک تو یہی تھا کہ ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا اور دوسرے گود کے بچے کا بولنا یہ بہت بڑی نشانی تھی بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم میں بھاگنے کے وقت کوئی خراش بھی آ گئی تھی یہ بھی ایک نشانی تھی اور ممکن ہے اور بھی

نشانیاں ہوں جو تذکرہ میں نہیں آئیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو جیل میں جانے کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اگر وہ مطلق حفاظت کی دعا کرتے تو جیل میں گئے بغیر دوسری طرح بھی ان کی حفاظت ہوسکتی تھی اللہ جل شانہ کو اس پر قدرت تھی کہ کسی دوسری صورت سے ان کی حفاظت کا انتظام ہو جاتا لیکن وقتی پریشانی کی وجہ سے ان کا ذہن اس طرف نہ گیا اور اپنی حفاظت کے لئے جیل میں جانے کی دعا کرلی' تفسیر قرطبی (ص ۱۸۴ ج ۹) میں ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے اللہ جیل مجھے پسند ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے یوسف تم نے خود اپنی جان کو قید میں رکھوانے کی دعا کرلی اگر تم عافیت کی دعا کرتے تو تم کو عافیت دی جاتی' اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہمیشہ عافیت کی دعا کرے اور کسی بھی مصیبت سے بچنے کے لئے اپنی طرف سے کوئی صورت تجویز نہ کرے مطلقاً مصیبت سے بچنے کے لئے دعا کرلے پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے محفوظ فرمائے اس طرح کے متعدد واقعات سنے گئے ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنی طرف سے کوئی صورت تجویز کر کے دعا کرلی پھر جب اس دعا کا ظہور ہوا تو پشیمان ہوئے' حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو بہت زیادہ بیمار تھے ان کی آواز بہت زیادہ ضعیف تھی اور چوزہ کی طرح پتلے دبلے ہوگئے تھے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے تو اس کے بدلہ میں اسی دنیا میں تکلیف پہنچا دیجئے یہ سن کر آپ نے فرمایا سبحان اللہ تمہیں عذاب کی کہاں سہار ہے تم نے یہ دعا کیوں نہ کی اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی (رواہ مسلم ص ۳۴۳ ج ۲)

ایک اور صحابی نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے صبر دیجئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے مصیبت کا سوال کیا (کیونکہ صبر مصیبت پر ہوتا ہے) لہٰذا اب تو عافیت کا بھی سوال کرلے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۴ از ترمذی) مومن بندوں کو ہمیشہ عافیت ہی کا سوال کرنا چاہئے حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ سے معافی کا اور عافیت کا سوال کرو کیونکہ ایمان کی دولت کے بعد کسی کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی گئی جو عافیت سے بہتر ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۹ از ترمذی)

البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا سے یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ گناہ سے بچنے کا مضبوط پختہ عزم و ارادہ رکھنا چاہئے گناہ سے بچنے کے سلسلے میں اگر کوئی تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو بشاشت کے ساتھ قبول کرلے اور گناہ نہ کرے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ

اور یوسف کے ساتھ دو جوان جیل میں داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں اپنے کو دیکھ رہا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ

اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ

میں خواب میں اپنے کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں آپ ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجئے بلاشبہ ہم آپ کو

الْمُحْسِنِيْنَ ۝
نیک آدمیوں میں سے سمجھ رہے ہیں

جیل میں دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے تعبیر دینے کی درخواست کرنا

تفسیر: جیسا کہ اوپر معلوم ہوا عزیز مصر کے مشورہ دینے والوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جیل میں بھجوا دیا اسی موقع پر دو جوان بھی جیل میں داخل ہوئے تھے اور ان کے علاوہ پہلے سے بھی قیدی موجود تھے سیدنا حضرت یوسف اللہ تعالیٰ کے نبی تھے عبادت گزار تھے خوش اخلاق تھے قیدیوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے تھے صالحین کے چہرے پر تو نور ہوتا ہی ہے پھر یہاں تو نور نبوت بھی تھا اور ظاہری حسن و جمال بھی بے مثال تھا قیدی لوگ دلدادہ ہو گئے یہاں تک کہ جیلر بھی بہت زیادہ متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر میں خود مختار ہوتا تو آپ کو جیل سے رہا کر دیتا ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو اچھے طریقے پر رکھوں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دوں (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۴۲۶ ج ۲)

یہ دو جوان جو نئے نئے انہیں دنوں جیل میں داخل ہوئے تھے ان کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مصر کے کچھ لوگوں نے بادشاہ کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا تھا ان لوگوں نے ان دونوں کو استعمال کرنا چاہا ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا جو اسے پینے کی چیزیں پلایا کرتا تھا اور دوسرا خباز یعنی روٹی تیار کرنے والا تھا' منصوبہ بنانے والوں نے ان دونوں سے کہا کہ تم کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملا کر بادشاہ کو کھلا پلا دو' پہلے تو دونوں نے بات قبول کر لی کیونکہ رشوت کی پیش کش کی گئی تھی پھر ساقی تو منکر ہو گیا اور خباز نے رشوت قبول کر لی اور کھانے میں زہر ملا دیا' جب بادشاہ کھانے بیٹھا تو ساقی نے کہا کہ آپ کھانا نہ کھائیے کیونکہ اس میں زہر ہے اور خباز نے کہا آپ پینے کی کوئی چیز نہ پیجئے کیونکہ اس میں زہر ہے' بادشاہ نے ساقی سے کہا کہ تو یہ جو کچھ میرے پلانے کے لئے لایا ہے اس میں سے پی لے اس نے پی لیا تو کوئی نقصان نہ ہوا پھر بادشاہ نے خباز کو کہا کہ تو اس کھانے میں سے کھا لے وہ انکاری ہو گیا پھر وہ کھانا ایک جانور کو کھلایا گیا وہ جانور کھا کر ہلاک ہو گیا بادشاہ نے ساقی اور خباز دونوں کو جیل میں بھجوا دیا (بھیجنا تو چاہئے تھا صرف خباز کو لیکن تحقیق و تفتیش کی ضرورت سے ساقی کو بھی بھیج دیا) ان دونوں کو فکر پڑی ہوئی تھی کہ دیکھو کیا ہوتا ہے ہماری رہائی ہوتی ہے یا جان جاتی ہے اسی اثناء میں ان میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ وہ انگور سے شیرہ نچوڑ رہا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے (یہ خواب دیکھنے والا بادشاہ کا ساقی تھا) اور دوسرے یعنی (خباز) نے یہ خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہے اور ان روٹیوں میں سے پرندے کھاتے جا رہے ہیں' دونوں نے

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب پیش کیا اور تعبیر دینے کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ آپ ہمیں اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں اندازہ یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعبیر درست ہی ہوگی' حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی تعبیر بتانے کا اقرار فرمالیا لیکن پہلے توحید کی تبلیغ فرمائی (من معالم التنزیل)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا

یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتا دوں گا یہ اس علم میں سے ہے جو

عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۷﴾

میرے رب نے مجھے سکھایا ہے' بلا شبہ میں نے ان لوگوں کے دین کو چھوڑ رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ

اور میں نے اپنے باپ دادوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے دین کا اتباع کیا ہے' یہ ہمارے لئے کسی طرح بھی درست نہیں کہ اللہ کے ساتھ

مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں' یہ ہم پر اور دوسرے لوگوں پر اللہ کا فضل ہے اور لیکن بہت سے لوگ

يَشْكُرُونَ ﴿۳۸﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

شکر ادا نہیں کرتے' اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو کیا بہت سے معبود جدا جدا بہتر ہیں یا اللہ بہتر ہے جو تنہا ہے زبردست ہے'

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ

تم لوگ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہو وہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کر لئے ہیں

اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ

اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی' حکم بس اللہ ہی کا ہے' اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ

الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

سیدھا راستہ ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

تعبیر دینے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور توحید کی دعوت دینا

تفسیر: سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے جب دونوں جوانوں نے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو ان سے

فرمایا کہ میں کھانا آنے سے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتادوں گا لیکن اس سے پہلے تم مجھے پہچانو کہ میں کون ہوں' عالم مبلغ اور داعی کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے دعوت کے کام کے لئے طریقے سوچتا رہے اور راستہ نکالے اور ایسے مواقع پر تو خاص طور پر موقع نکل آتا ہے جب کسی بے راہ کو مبلغ اور داعی کی ضرورت پڑ جائے' جب وہ اپنی حاجت لے کر آئے تو اس کو غنیمت جانے اور پہلے اپنی دعوت حق والی بات کہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی پر عمل کیا اور موقع مناسب جان کر توحید کی تبلیغ فرمادی' بظاہر تو یہ خطاب ان دونوں شخصوں کے لئے تھا جنہوں نے تعبیر پوچھی تھی لیکن حقیقت میں جیل کے تمام افراد کو توحید کی دعوت دینے کا راستہ نکل آیا کیونکہ ان دو شخصوں سے جو بات فرمائی وہ دوسرے قیدیوں بلکہ جیل کے عملہ سے چھپنے والی نہیں تھی اسی لئے خطاب میں سمیتم بصیغہ جمع فرمایا سمیتما بصیغہ تثنیہ نہیں فرمایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اول تو اپنا تعارف کرایا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کو نہیں مانتے اور آخرت کے منکر ہیں بلکہ میں اپنے باپ یعقوب اور دادا اسحٰق وابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہوں جو موحد تھے اور توحید کے داعی تھے اور شرک سے بہت دور تھے اور ساتھ ہی شرک کی برائی عقلی طور پر بھی بیان فرمائی کہ ہمیں یہ کسی طرح سے زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو اللہ کا شریک بنائیں' جب اللہ نے پیدا کیا اور وہی رازق اور مالک ہے اور تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہیں تو پھر یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے' مزید فرمایا کہ یہ جو اللہ نے ہمیں عقیدہ توحید کی نعمت سے نوازا ہے اور جو کچھ علم عطا فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے اور ہم پر ہی نہیں ان سب لوگوں پر بھی اس کا فضل ہے جو ہماری بات مانیں اور ہماری طرح موحد ہو جائیں اور ہمارے ساتھ توحید کی دعوت دینے میں شریک ہو جائیں' ہر وہ شخص جسے اللہ نے کوئی بھی نعمت عطا فرمائی ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہو لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شرک کی مزید قباحت اور مذمت بیان کرتے ہوئے خود انہی پر ایک سوال ڈال دیا اور عقلی طور پر انہیں فکر مند بنادیا تا کہ وہ غور کریں کہ ہم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم نے بہت سے معبود جدا جدا تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبود حقیقی وحدہ لاشریک ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے؟ ایک ایک کے سامنے ماتھا ٹیکے پھر وسونے کے بت کو بھی سجدہ کرو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی ڈنڈوٹ کرو یہ کیا سمجھ داری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں پھر انکی عبادت سراپا بے وقوفی نہیں' تو کیا ہے صرف اللہ واحد قہار کی عبادت کرنا لازم ہے میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔

مزید فرمایا کہ تمہارے جو معبود ہیں یہ صرف نام ہی نام ہیں ان کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں ہے ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کئے ہیں اور خود ہی ان کو معبود بنالیا ہے انہیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہیں ہے' اللہ تعالیٰ

سب کا خالق اور مالک ہے ہر فیصلہ وہی معتبر ہے جو ان کی طرف سے ہو اس نے تو ان چیزوں کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یہ جو کچھ غیر اللہ کی عبادت ہے سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں اور باطل تخیلات ہیں اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے وہ اپنی جہالت سے شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ

اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی پر چڑھایا جائے گا

فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿۴۱﴾

اور اس کے سر میں سے پرندے کھائیں گے جس بات کے بارے میں تم معلوم کر رہے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر دینا

تفسیر: توحید کی دعوت دے کر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں جوانوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی فرمایا کہ دیکھو تم میں سے ایک شخص اپنے آقا کو شراب پلائے گا (یہ وہی شخص تھا جو بادشاہ کا ساقی تھا جو پہلے بھی بادشاہ کو شراب پلایا کرتا تھا) اور اس کے علاوہ جو دوسرا آدمی ہے اس کو سولی دی جائے گی۔

یعنی سولی پر لٹکا کر قتل کیا جائے اور سولی اتارے جانے سے پہلے (جو وہ لٹکا رہے گا) اس کے سر میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھاتے رہیں گے۔ تم نے جو خواب دریافت کیا ان کی یہ تعبیر ہے اور جو میں نے تعبیر دی اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

حضرت عبداللہ مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کی تعبیر دیدی تو وہ کہنے لگے کہ نہیں نہیں ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ ہم تو یوں ہی دل لگی کے طور پر سوال لیکر آئے تھے اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ جس کے بارے میں تم سوال کر رہے تھے اب تو وہی فیصلہ ہوگا جو تعبیر کے ذریعہ بتایا جا چکا ہے۔ (روح المعانی ص ۲۴۲ ج ۱۲)

اس بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹا خواب بنا کر کسی تعبیر کے جاننے والے سے تعبیر لے گا تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جائے گا اور جھوٹ بنانے کی اسے سزا مل جائے گی۔ (ابن کثیر ص ۴۸۹ ج ۲)

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ

اور جن دو جوانوں نے خواب کی تعبیر دریافت کی تھی ان میں سے جس شخص کے بارے میں یوسف نے گمان کیا کہ وہ رہا ہونے والا ہے اس سے کہا کہ تو اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کر دینا پھر اس شخص کو شیطان نے اپنے آقا سے تذکرہ

رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِیۡنَ ﴿۴۲﴾

کرنا بھلا دیا سو یوسف جیل میں چند سال رہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا نجات پانے والے قیدی سے یہ فرمانا کہ تم اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا اور آپ کا مزید چند سال جیل میں رہنا

تفسیر: سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں جوانوں کے خواب کی تعبیر دے دی جس میں ایک شخص کے سولی دیئے جانے کا اور ایک شخص کے جرم سے اور جیل سے خلاصی پا جانے کا ذکر تھا جس شخص کے بارے میں اپنی تعبیر کے مطابق انہیں یہ خیال ہوا کہ اسے نجات ہوگی اس سے فرمایا کہ رہائی پا کر جب تم اپنے آقا کے پاس جاؤ تو اس سے میرا تذکرہ کر دینا کہ جیل میں ایک ایسا شخص ہے۔

واقعہ مذکورہ میں قصوروار تو عزیز مصر کی بیوی تھی لیکن جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بند کر دیا گیا تھا جو بے قصور تھے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسے جزوی معاملات کی سربراہ مملکت یعنی بادشاہ کو بھی اطلاع ہو اور اگر اسے خبر بھی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ جسے جیل میں ڈالا گیا ہے اس کے بے قصور ہونے کا علم بھی ہو اس لئے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع مناسب جانا کہ بادشاہ کو اپنی شخصیت سے متعارف کرا دیں خواہ مخواہ جیل میں پڑا رہنا وہ بھی بغیر کسی قصور کے کوئی محبوب چیز نہیں ہے تکوینی طور پر جو کوئی مصیبت آ جائے اس پر صبر کرنا چاہئے لیکن اس مصیبت سے نکلنے کی کوشش کی جائے یہ بھی کوئی گناہ کی بات نہیں ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل کی مصیبت سے چھٹکارے کا ایک ذریعہ ملا اسے استعمال فرما لیا یعنی جس شخص کے بارے میں یہ گمان ہوا کہ جیل سے رہائی پا کر اپنے آقا کی خدمت میں پھر لگا دیا جائے گا اس سے فرمایا کہ تو اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا کہ جیل میں ایک ایسا شخص ہے وہ شخص جیل سے رہا تو ہو گیا اور آقا کی خدمت میں بھی لگ گیا لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے آقا سے ذکر کرے' لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام مزید جیل میں رہے قرآن مجید میں فَلَبِثَ فِی السِّجۡنِ بِضۡعَ سِنِیۡنَ فرمایا ہے کتنے سال جیل میں رہنا ہوا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں صاحب روح المعانی نے سات سال اور بارہ سال کے اقوال لکھے ہیں لفظ بضع تین سے لیکر نو تک کے عدد پر دلالت کرتا ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال قرآن کے بیان سے بہر حال یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خوابوں کی تعبیر دینے سے نجات پانے والے قیدی سے اپنی بات کہہ دینے کے بعد بھی چند سال جیل میں رہے۔

وَقَالَ الۡمَلِكُ اِنِّیۡۤ اَرٰی سَبۡعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعَ سُنۡۢبُلٰتٍ

اور بادشاہ نے کہا کہ بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات گائیں موٹی ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں' اور سات بالیں

خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِىْ فِىْ رُءْيَاىَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ہری ہیں اور ان کے علاوہ خشک بالیں ہیں اے دربار والو مجھے میری خواب کے بارے میں جواب دو اگر تم خواب کی تعبیر دیتے ہو‘

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِىْ نَجَا

وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو یوں ہی خیالی خواب ہیں‘ اور ہم خوابوں کی تعبیر دینا جانتے نہیں ہیں‘ اور وہ شخص بول اٹھا جو دو قیدیوں میں رہا ہوا تھا

مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ

اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آ گیا کہ میں تمہیں اس کی تعبیر سے باخبر کر دوں گا لہٰذا تم لوگ مجھے بھیج دو اے یوسف اے سچے

اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ

ہمیں ایسی سات موٹی گایوں کے بارے میں جواب دیجئے جنہیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات ہری بالوں اور

اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّىْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ

ان کے علاوہ خشک بالوں کے بارے میں بتائیے۔ تاکہ میں ان لوگوں کی طرف واپس ہو جاؤں امید ہے کہ وہ بھی جان لیں گے یوسف نے کہا کہ سات

سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِىْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِىْ

سال لگاتار متواتر کھیتی کرو گے پھر جو تم کھیتی کاٹ لو تو اسے اس کی بالوں ہی میں چھوڑے رکھنا مگر تھوڑا سا جس میں سے تم کھاتے رہو‘ پھر اس کے

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

بعد سخت سات سال آئیں گے جو اس سب کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے پہلے سے بچا کر رکھا ہو گا بجز اس کے جو تم چھوڑو گے‘

ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہو گی اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

مصر کے بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا تعبیر دینا

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر کے مطابق جب حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل سے رہا ہونے کے وقت آ گیا تو اس کا یہ بہانہ بنا کہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا‘ یہ ایک عجیب خواب تھا اور وہ یہ کہ سات موٹی موٹی گائیں ہیں انہیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں نیز سات ہری بالیں ہیں اور ان کے علاوہ سات ایسی بالیں جو خشک ہیں یہ خشک بالیں ہری بالوں پر لپٹ رہی ہیں ان کے لپٹنے سے وہ ہری بالیں بھی خشک ہو گئیں‘ بادشاہ نے اپنا خواب اپنے درباریوں سے بیان کیا اور ان سے کہا کہ میرے خواب کی تعبیر دو اگر تم تعبیر دینا جانتے ہو‘ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے خیال میں تو یہ

خواب تعبیر کے لائق ہی نہیں ہے ادھر ادھر کے خیالات ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے اور ہم تعبیر دینا جانتے بھی نہیں ہیں آپ کے خیالات پریشانی کی وجہ سے ہیں کیوں پریشان ہوتے ہیں یہ باتیں اس شخص کے کان میں پڑگئیں جو جیل سے رہا ہو کر دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں لگا لیا گیا تھا وہ کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسا شخص معلوم ہے جو اس خواب کی صحیح تعبیر دے دے گا آپ لوگ مجھے بھیج دیں میں اس خواب کی تعبیر لے کر آتا ہوں حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں جو خواب کی تعبیر دی تھی اس نے سمجھ لیا کہ اس خواب کی تعبیر وہی صاحب دے سکتے ہیں جنہوں نے ہمارے خواب کی تعبیر دی تھی اس شخص کو لوگوں نے روانہ کر دیا جیل میں جا کر اس سے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دے دی وہ شخص واپس آیا اور درباریوں کو خواب کی تعبیر بتائی جس سے بادشاہ بہت متاثر ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب فرما لیا جس کا آئندہ آیات میں ذکر آ رہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تعبیر دی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سات سال متواتر ایسے آئیں گے جن میں خوب پیداوار ہوگی اور پھر سات سال ایسے آئیں گے جن میں قحط ہوگا یہ قحط کے سات سال گذشتہ سالوں کی جمع شدہ پیداوار کو کھا جائیں گے سات موٹی گایوں اور سات ہری بالوں سے وہ سات سال مراد ہیں جو خوب ہرے بھرے ہونگے اور خوب پیداوار کا زمانہ ہوگا اور سات دبلی گایوں سے اور سوکھی ہوئی سات بالوں سے قحط کے سات سال مراد ہیں ان سات سالوں میں گذشتہ سات سالوں کا جمع کیا ہوا ذخیرہ سب ختم ہو جائے گا تھوڑا سا جو اگلی پیداوار کی تخم ریزی کے لئے چھوڑے رکھو گے وہی بچ جائے گا' حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف تعبیر دی بلکہ قحط کے سات سالوں کی معیشت پر قابو پانے کا طریقہ بھی بتا دیا اور فرمایا کہ پہلے سات سالوں میں جو لگ کر محنت اور کوشش کے ساتھ کھیتی کرو گے جب اس کھیتی کو کاٹو تو بس کھانے کی ضرورت کے بقدر ہی بالیوں میں سے دانے نکالنا باقی دانے بالوں میں ہی رہنے دینا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بالوں کے اندر جو غلہ رہتا ہے اسے گھن نہیں لگتا کیڑا نہیں کھاتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ قحط کے سات سال گزر جانے کے بعد ایک سال ایسا آئیگا جس میں خوب بارش ہوگی اور اس کی وجہ سے کھیتیاں بھی خوب ہونگی اور باغوں میں بھی خوب پھل آئیں گے ان پھلوں میں انگور بھی ہونگے جنہیں لوگ نچوڑ کر شراب بنائیں گے بعض حضرات نے لفظ يَعْصِرُوْنَ کا معنی عام لیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ انگور ہی کو نہیں نچوڑیں گے بلکہ دوسری چیزوں کو بھی نچوڑیں گے مثلاً زیتون کا تیل اور تل کا تیل نکالیں گے وغیرہ ذالک' مطلب یہ ہے کہ پیداوار ہوگی بافراغت زندگی گزاریں گے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ

اور بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے آؤ سو جب قاصد یوسف کے پاس آیا تو یوسف نے کہا کہ تو اپنے آقا کے پاس واپس جا پھر اس سے دریافت کر

مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ

کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بے شک میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے اس نے کہا

مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ

کہ اے عورتو! تمہارا کیا واقعہ ہے جبکہ تم نے یوسف سے اپنی مطلب براری کی خواہش کی انہوں نے جواب میں کہا حاش للّٰہ ہم اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہمارے علم میں ایسی کوئی بات نہیں کہ ہم یوسف کی طرف

مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ

کوئی برائی منسوب کر سکیں، عزیز کی بیوی نے کہا اس وقت حق ظاہر ہو گیا میں نے اپنی مطلب براری کے لئے اسے پھسلایا

نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ

اور بے شک وہ سچے لوگوں میں سے ہے یہ اس لئے کہ وہ جان لے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور بلا شبہ

اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ

اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو نہیں چلنے دیتا، اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا بلا شبہ نفس برائی کرنے کا خوب زیادہ حکم دیتا ہے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

بجز اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے بیشک میرا رب غفور ہے رحیم ہے۔

بادشاہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کو طلب کرنا اور آپ کا تحقیق حال کے بغیر جیل سے باہر آنے سے انکار فرمانا

تفسیر: جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر دے دی اور جو شخص تعبیر پوچھنے کے لئے آیا تھا اس نے واپس جا کر تعبیر بتا دی تو لوگوں کی سمجھ میں بات آ گئی اور بادشاہ نے سمجھ لیا کہ واقعی یہ تعبیر بتانے والا کوئی صاحب علم ہے جو تعبیر خواب کے فن میں ماہر ہے اس نے صرف تعبیر ہی نہیں دی بلکہ معیشت پر قابو پانے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ پہلے سات سال کی پیداوار کو محفوظ رکھنا اور دانوں کو بالوں کے اندر ہی رہنے دینا تا کہ اسے کیڑا نہ کھا جائے اس پر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا شوق ہوا اس نے آدمی بھیجا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کی خواہش کا اظہار کر دیا اور یوں کہا کہ بادشاہ نے آپ کو یاد کیا ہے اور طلب کیا ہے اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس وقت تک جیل سے نہ نکلوں گا جب تک یہ بات صاف نہ ہو جائے کہ مجھے جس واقعہ کی وجہ سے جیل میں ڈالا گیا ہے اس واقعہ میں کس کا قصور تھا قاصد سے کہا کہ تو واپس جا اور بادشاہ سے تحقیق کر کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ

ڈالے تھے ان سے دریافت کرے کہ اس موقعہ پر اصل صورت حال کیا تھی ان کا قصور تھا یا میرا قصور تھا (عزیز مصر کی بیوی نے تو خواہش ظاہر کی ہی تھی دوسری عورتیں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دیکھ کر ان پر ریجھ گئی تھیں) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تلقین کرنے لگی تھیں کہ اپنی سردار کی بات مان لے اور بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان میں سے ہر عورت حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلانے لگی اور دعوت دینے لگی (کما فی روح المعانی ص۲۳۵ ج ۱۲) جب حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات سن کر قاصد واپس آیا اور اس نے بادشاہ سے حضرت یوسف کی بات نقل کر دی تو اس نے عورتوں سے پوچھا کہ صحیح صورت حال بتاؤ وہ کیا واقعہ ہے جس میں تم یوسف کی طرف مائل ہو رہی تھیں اور انہیں پھسلا رہی تھیں' ان عورتوں نے جواب دیا ہم نے یوسف میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے ان کی طرف کوئی برائی منسوب کر سکیں' اگر ہم کوئی ایسی بات کہہ دیں جو حقیقت کے خلاف ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم اپنی بات کو سچا بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ یہ بات اللہ کے علم میں بھی ہے اللہ کا علم تو صحیح ہے ہم ایسی بات کہہ کر غلط بات اللہ کے علم کی طرف کیسے منسوب کریں؟ لفظ حَاشَ لِلّٰهِ میں اسی مضمون کو بتایا ہے' جب ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر کر دی تو عزیز مصر کی بیوی بول پڑی کہ اس وقت حق ظاہر ہو گیا یوسف بے قصور ہے میں قصوروار ہوں میں نے ہی اسے اپنی طرف بلایا اور پھسلایا تھا یوسف نے جو یہ کہا هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي (کہ اس عورت' نے مجھے پھسلایا) اس میں وہ سچا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اس بات کا علم ہو گیا کہ شاہی دربار میں میری برأت اور عفت و عصمت عورتوں کے اپنے اقرار سے ثابت ہو چکی ہے تو فرمایا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ کہ میں نے جو جیل سے نکلنے میں دیر لگائی اور صورت حال کی تحقیق کرنے کے لئے بادشاہ کو آمادہ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ عزیز مصر کو پتہ چل جائے کہ میں نے اس کے پیچھے اس کے گھر میں کوئی خیانت نہیں کی وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو نہیں چلنے دیتا (چنانچہ عزیز مصر کی بیوی نے جو خیانت کی تھی تحقیق کرنے پر خود اس کے اپنے اقرار سے اس کا خائن ہونا ثابت ہو گیا)۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتاتا نفس انسانی کا کام ہی یہ ہے کہ وہ بار بار برائی کا حکم دیتا ہے' ہاں جس پر اللہ رحم فرمائے وہ نفس امارہ کے شر سے بچ سکتا ہے بلکہ اس کا نفس ہی برائی کا حکم نہیں دیتا (وھو شان الانبیاء علیہم السلام) میرا کمال نہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اس نے مجھے بچا لیا چونکہ اپنی تعریف اور اپنا تزکیہ اچھی بات نہیں ہے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی برأت ظاہر ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا' سورۃ نجم میں ارشاد ہے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى اپنے نفسوں کی پاک بازی بیان نہ کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔

فائدہ: جب بادشاہ کا قاصد آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے میں جلدی نہیں کی بلکہ اس واقعہ کی تحقیق

کرنے کی فرمائش کی جو عزیز مصر کے گھر میں پیش آیا تھا اور اس کی بیوی نے اپنی خطا کو حضرت یوسف علیہ السلام کے سر منڈھنے کی کوشش کی تھی، اس میں دو حکمتیں تھیں اول تو یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تبلیغ و اصلاح کا تھا جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو جب تک وہ صاف نہ ہو جائے اور تہمت کا جھوٹا ہونا ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک لوگوں میں تبلیغ مؤثر نہیں ہو سکتی لوگ کہیں گے کہ واہ میاں تم ہمیں تبلیغ کرتے ہو اور تمہارا اپنا یہ حال ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو اپنی ذات کو گناہوں سے اور شکوک و شبہات سے دور رکھنا اور مواضع تہمت سے بچ کر رہنا چاہئے اور اگر کوئی تہمت لگ جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی صفائی کی کوشش کی جائے کیونکہ مطعون اور متہم ہو کر رہنا کوئی کمال کی چیز نہیں ہے اور نہ کوئی محمود چیز ہے خاص کر جو لوگ دین داری میں مشہور ہیں اور بالخصوص وہ لوگ جو دعوت کا کام کرتے ہیں تعلیم و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں انہیں اپنی پوزیشن صاف رکھنی چاہئے اگر کوئی شخص تہمت لگا دے تو اس کی تردید کرے اور ایسی تدبیر کرے کہ لوگوں کے سامنے اس کی ذات مطعون اور متہم نہ بنی رہے بہت سے لوگوں کو اس طرف توجہ نہیں رہتی وہ کہتے ہیں کہ اجی لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے جھوٹا اپنے جھوٹ کی سزا پا لے گا ہمیں تردید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کیونکہ اول تو عوام الناس کی خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے لوگوں کو غیبت اور تہمت میں مبتلا رکھنا یہ کوئی اچھی بات نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ مطعون اور متہم ہوتے ہوئے لوگوں کے پاس دینی بات لے کر جائیں گے تو وہ اثر نہ لیں گے اپنا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ اپنی حیثیت کو صاف ستھری رکھیں اور دوسروں کا بھی فائدہ اسی میں ہے تاکہ وہ غیبت سے محفوظ ہو جائیں اور انہیں داعی کی طرف سے جو بات پہنچے اسے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کریں حضرات معلمین، مصلحین، مرشدین، مبلغین حضرات کو اس طرف زیادہ توجہ کرنی چاہئے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اندازہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور بڑا مرتبہ عطا فرمائے گا خواب میں گیارہ ستاروں اور چاند سورج کا ان کو سجدہ کرنا اور بھائیوں نے جب انہیں کنویں میں ڈال دیا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ وحی آنا کہ یہ بات تم انہیں بتاؤ گے اس سے ظاہر تھا کہ انہیں دنیا میں بھی کوئی بڑا اعزاز ملے گا لیکن ساتھ ہی ان پر تہمت بھی لگ گئی تھی انہوں نے مناسب جانا کہ میری حیثیت کو جو دھبہ لگایا گیا ہے وہ دھبہ دور ہو جائے بادشاہ جو بلا رہا ہے یہ اعزاز ملنے کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے لہٰذا جب موقعہ مل رہا ہے تو اپنی حیثیت کو صاف کر دینا چاہئے تاکہ عہدہ ملنے کے بعد جن لوگوں کو واسطہ پڑے ان کے دلوں میں یہ تکدر نہ آئے کہ اچھا یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں ایسا ایسا مشہور ہے جب کسی عہدہ والے کے بارے عوام میں اس طرح کی بات پھیلی ہوئی ہو تو صاحب عہدہ کے دل میں بھی تکدر رہتا ہے اور مفوضہ کے ادا کرنے میں بشاشت نہیں ہوتی۔

یہاں ایک حدیث کا مضمون بھی سامنے رکھنا چاہئے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں جیل میں اتنی مدت رہا ہوتا جتنی مدت یوسف جیل میں رہے پھر میرے پاس قاصد آتا تو میں اس کی بات

مان لیتا (یعنی اس وقت جیل سے نکل کر اس کے ساتھ چلا جاتا) (رواہ البخاری ج ۱۔ص ۴۷۸)

رسول اللہ علیہ ﷺ نے ایسا کیوں فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ علی سبیل التواضع ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے حاشیہ بخاری (ج ۱ص ۴۷۹) میں شاہ اسحٰق صاحب سے نقل کیا ہے کہ آپ نے تبلیغ کے شوق شدید میں ایسا فرمایا یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ میں جیل سے جلدی نکل کر توحید کی دعوت میں اور احکام الٰہی کے پہنچانے میں لگ جاتا اور آگے پیچھے کچھ نہ دیکھتا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ
اور بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ میں اسے خالص اپنے لئے رکھوں گا پھر جب ان سے بات کی تو کہا بے شک آج تم ہمارے پاس باعزت، ہو
أَمِينٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا
معتبر آدمی ہو یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دو میں ان کی حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں، اور ہم نے اسی طرح
لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا
یوسف کو زمین میں بااختیار بنا دیا اس میں جہاں چاہے رہے ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں اور
نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾
ہم اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے، اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملہ کی صفائی کے بعد آپ کا بادشاہ کے پاس پہنچنا اور زمین کے خزانوں کا ذمہ دار بننا

تفسیر: مصر کے بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر سنتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلانے کی فرمائش کر دی تھی اور اس مقصد کے لئے قاصد کو ان کے پاس جیل میں بھیج دیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک جیل سے نکلنا گوارہ نہ فرمایا جب تک عزیز کی بیوی کی لگائی ہوئی تہمت سے برات نہ ہو جائے اس لئے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا سے کہو کہ معاملہ کی تحقیق کرے اور عورتوں سے پوچھے کہ صحیح صورت حال کیا ہے؟ بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی برات ظاہر کر دی عزیز کی بیوی بھی اقراری ہو گئی کہ میرا قصور تھا یوسف کا قصور نہیں تھا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی لہٰذا جب بادشاہ نے دوبارہ قاصد بھیجا تو اس کے ساتھ تشریف لے آئے بادشاہ نے اول تو خواب کی تعبیر مل جانے کی وجہ سے اور پھر تعبیر میں معیشت کے انتظام کی

طرف جو اشارہ فرمایا تھا اس کے جان لینے سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس حوصلے سے کہ میں بات کی صفائی ہونے تک جیل سے نہیں جاؤں گا یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم بھی ہے تعبیر خواب میں ماہر بھی ہے اور متقی اور صالح بھی ہے اور ہمت اور حوصلے والا بھی ہے لہٰذا اسے اپنے پاس بلانا چاہئے اور اپنے مشوروں اور انتظامی امور میں اس کو خاص درجہ دینا چاہئے' اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ میں اسے خالص اپنے ہی لئے مقرر کرلوں گا جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے اور بادشاہ مصر سے ملاقات ہوئی تو آپس میں گفتگو ہونے لگی اس گفتگو سے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اور زیادہ قیمت و وقعت بڑھ گئی اسے جو اپنے خواب کی تعبیر پہنچی تھی اس میں یہ بتایا تھا کہ اول کے سات سال سرسبزی اور شادابی کے ہوں گے اور اس کے بعد والے سات سال ایسے ہوں گے جن میں قحط پڑے گا اس کے لئے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا اول کے سات سالوں میں خوب زیادہ کاشت کرانے اور غلہ اگانے کی طرف توجہ دی جائے اور جو پیداوار ہو اس میں سے بقدر ضرورت ہی کھائیں پئیں اور جو باقی بچے اسے محفوظ رکھیں اور یہ پہلے بتا چکے تھے کہ غلے کو بالوں سے نہ نکالیں اسے انہیں میں رہنے دیں اور اسی طرح اس کو ذخیرہ بنایا جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قحط صرف تمہارے ہی ملک میں نہیں آس پاس کے دیگر ملکوں میں بھی ہوگا وہاں کے حاجت مند غلہ لینے کے لئے آپ کے پاس آئیں گے ذخیرہ شدہ غلہ سے ان کی مدد بھی کریں اور تھوڑی بہت قیمت بھی ان سے وصول کریں اس طرح سے سرکاری خزانہ میں بھی مال جمع ہو جائے گا اور لوگوں کی مدد بھی ہو جائے گی' شاہ مصر اس مشورہ سے بہت خوش اور مطمئن ہوا لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوال کیا کہ اس منصوبہ پر کیسے عمل ہوگا اور کون اس کے مطابق عمل کر سکے گا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ بلاشبہ میں حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں' چونکہ مالیات کا انتظام کرنے میں ایسی بیدار مغزی کی ضرورت ہے جس سے مال کی حفاظت ہو سکے چور بھی نہ لے سکیں اور نیچے کے لوگ بھی بےجا نہ اڑا سکیں اور بے وقت' بے محل اور بے ضرورت بھی خرچ نہ کیا جائے اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں علیم ہوں یعنی حفاظت کے طریقے بھی جانتا ہوں خرچ کرنے کے مواقع سے بھی باخبر ہوں حساب کتاب سے بھی واقف ہوں وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں (یعنی سرزمین مصر میں) بااختیار بنا دیا يَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَيۡثُ يَشَآءُ (ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں) اللہ تعالیٰ کی رحمت جسے شامل حال ہو جائے وہ کیسی ہی مصیبت میں ہو مصیبت سے نکل کر اچھے رتبہ پر پہنچ جاتا ہے جب اللہ کی طرف سے کسی کے بلند کرنے کا فیصلہ ہو تو کوئی چیز اسے آڑے نہیں آ سکتی اور مانع نہیں بن سکتی وَلَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (اور ہم اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے) محسنین کو دنیا میں بھی نواز دیتے ہیں اور آخرت میں بھی وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا

یَتَّقُوْنَ اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ محسنین کو جو کچھ انعام عطا فرما دے بلا شبہ وہ اپنی جگہ انعام ہے لیکن آخرت کا ثواب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے لئے بہتر ہے اسی کا طالب رہنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام منتظم مالیات اور منتظم معاشیات تو بنا ہی دیئے گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید کے سیاق سے معلوم ہوا مفسرین نے لکھا ہے کہ دیگر امور سلطنت بھی بادشاہ نے ان کے سپرد کر دیئے تھے اور خود گوشہ نشین ہو گیا تھا۔

یہاں مفسرین کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اصولی بات یہ ہے کہ خود سے عہدہ کا طالب نہ ہونا چاہئے اور جو شخص عہدہ کا طالب ہو اسے عہدہ نہ دیا جائے احادیث شریفہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امیر بننے کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تیرے سوال کرنے پر امارت تیرے سپرد کر دی گئی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو جانے اور وہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری مدد نہ ہوگی) اور اگر تجھے بغیر سوال کے امارت دے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔ (رواہ البخاری)

اور ایک حدیث میں ہے (جس کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا انا واللہ لا نولی علی ھذا العمل احدا ساله ولا احدا حرص علیه۔ اللہ کی قسم ہم اپنے کام پر ایسے شخص کو نہیں لگاتے جو اس کا سوال کرے یا اس کی حرص کرے (رواہ البخاری) جب مسئلہ اس طرح سے ہے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے لئے عہدہ کا مطالبہ کیوں فرمایا؟ حضرات علمائے کرام نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عامۃ الناس کی خیر خواہی کے لئے عہدہ کا سوال کیا انہیں معلوم تھا کہ سات سال تک ایک زبردست قحط آنے والا ہے جب عام قحط پڑتا ہے تو لوگوں کی بری حالت ہوتی ہے ایک دوسرے پر رحم نہیں کھاتے اپنے بچوں تک کو بیچ کر کھاتے ہیں' بادشاہ کافر ہے اس کا عملہ بھی کافر ہے قحط کا سامنا ہے اس میں بڑے انتظام کی ضرورت ہے کافروں سے امید نہیں جو غریبوں پر رحم کھائیں اور کوئی ایسا شخص سامنے نہیں جو معیشت کا انتظام سنبھال سکے لہٰذا انہوں نے اس خدمت کے لئے اپنی ذات کو پیش کر دیا یہ تو ٹھیک ہے کہ عام حالات میں خود سے عہدہ طلب نہ کیا جائے اور جو عہدہ طلب کرے اسے نہ دیا جائے لیکن جہاں کہیں ایسی صورت پیش آ جائے کہ مبتلیٰ یہ محسوس کرے کہ میرے علاوہ فرائض کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے علم کے ذریعہ میں اس کام کو انجام دے سکتا ہوں تو ایسے شخص کے لئے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ عہدہ کی ذمہ داری خود سنبھال لے اور آگے بڑھ کر لے لے' حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے علم دیا تھا اور انتظام کے لئے جس ہوشمندی کی ضرورت ہے وہ بدرجۂ اتم موجود تھی' اور ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے جس سے انہیں ہر وقت اللہ کی مدد کی امید تھی اور عہدہ پر فائز ہو کر توحید کی اشاعت اور تبلیغ حق کا راستہ کھلنے کا بھی بہت اچھا موقع تھا اس لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ عہدہ قبول فرما لیا بلکہ خود سے اس کا بار اٹھانے کی پیش کش کر دی اور بادشاہ کو مطمئن کرنے کے لئے

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ بھی فرمادیا اس سے معلوم ہوا کہ اپنا علم و فضل کسی ضرورت سے ظاہر کیا جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں حظ نفس نہ ہو اور تزکیہ نفس مقصود نہ ہو۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کافر کی طرف سے عہدہ قبول کرنا اور کافر کی حکومت کا جزو بننا حضرت یوسف علیہ السلام نے کیسے گوارہ فرمایا جبکہ کافر حکومت کا کارکن بننے میں قوانین کفریہ کو برداشت کرنا بلکہ ان کو نافذ کرنا پڑتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ذمہ مالیات کا انتظام لیا تھا اور انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی صوابدید کے مطابق انتظام کریں اور غلہ تقسیم کریں اپنے متعلقہ عہدے میں خود مختار ہونے کی صورت میں قانون کفریہ اور مظالم سلطانیہ کے نافذ کرنے کے لئے مجبور نہ ہوا اپنا مفوضہ کام انجام دیتا رہے ایسی صورت میں کافروں کی طرف سے عہدہ قبول کرنے میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔

(قال صاحب الروح ج ۱۳-ص ۵) وفیہ دلیل علی جواز مدح الانسان نفسه بالحق اذا جهل امرهٗ وجواز طلب الولایة اذا کان الطالب ممن یقدر علی اقامة العدل واجراء احکام الشریعة وان کان من ید الجائر و الکافر وربما یجب علیه الطلب اذا توقف علی ولا یته اقامة واجب مثلا و کان متعینا لذلک، وقال النسفی فی المدارک ج ۲ ص ۲۲۷ وانما قال ذلک لیتوصل الی امضاء احکام الله واقامة الحق وبسط العدل والتمکن مما لاجله بعث الانبیاء الی العباد و لعلمه ان احدا غیره لا یقوم مقامه فی ذلک فطلبه ابتغاء وجه الله لا لحب الملک والدنیا. قالوا وفیه دلیل علی انه یجوزان یتولی الانسان عمالة من یدسلطان جائر وقد کان السلف یولون القضاء من جهة الظلمة. وقیل کان الملک یصدر عن رایه ولا یعترض علیه فی کل مارای وکان فی حکم التابع له. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اپنی صحیح تعریف خود کر سکتا ہے جب اس کا معاملہ مجہول ہو اور عہدہ کا طلب کرنا بھی جائز ہے جبکہ عہدہ طلب کرنے والا قیام عدل اور احکام شرعیہ کے اجراء پر قادر ہو اگر وہ عہدہ ظالم یا کافر کے ہاتھ سے ہو اور بعض دفعہ عہدہ کا مانگنا واجب ہوتا ہے۔ مثلاً جب کہ کسی واجب کی اقامت اس کے عہدہ پر موقوف ہو اور اس کے یہی شخص متعین ہو۔ اور علامہ نسفیؒ نے تفسیر مدارک میں کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات اس لئے کہی تا کہ آپ احکام الٰہی کے اجراء حق کے قیام اور عدل کے فروغ کا کام سرانجام دے سکیں اور اس ذمہ داری کے ادائیگی پر قادر ہو سکیں جس کے لئے انبیاء کو انسانیت کی طرف بھیجا جاتا ہے اور آپ نے اس لئے کہا کہ آپ جانتے تھے کوئی اور اس بارے میں آپ کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔ پس آپ نے اللہ کی رضا کے لئے عہدہ طلب کیا حکومت و دولت کی معیت کی وجہ سے طلب نہیں کیا۔ علماء نے کہا ہے اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان ظالم بادشاہ کی طرف سے دیا ہوا عہدہ قبول کر سکتا ہے اور اسلاف ظالموں کی طرف سے دیئے گئے عہدہ قضا کو قبول کر لیتے تھے۔ اور بعض نے کہا بادشاہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ظاہر ہونے والی کسی رائے پر اعتراض نہیں کرتا تھا لہٰذا بادشاہ آپ کے تابع کے حکم میں تھا)

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

اور یوسف کے بھائی آئے سو وہ ان کے پاس اندر چلے گئے سو یوسف نے انہیں پہچان لیا اور وہ انہیں نہیں پہچان رہے تھے اور جب یوسف نے انہیں سامان تیار کر دیا

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْٓ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا

تو فرمایا کہ تمہارا جو ایک باپ شریک بھائی ہے اسے میرے پاس لے آنا کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں

خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا

سب سے زیادہ مہمان نوازی کرنے والا ہوں سو اگر تم اس بھائی کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے میرے پاس کوئی غلہ نہیں ہے جو میں تمہیں ناپ کر دوں اور میرے پاس مت آنا بھائیوں نے کہا

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ

کہ ہم اس کے باپ سے اس کے بارے میں درخواست کریں گے اور ہمیں یہ کام ضرور کرنا ہے اور یوسف نے اپنے خدمت گذاروں سے کہا کہ ان کی پونجی

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ

ان کے کجاووں میں رکھ دو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جائیں تو اسے پہچان لیں شاید وہ پھر واپس آ جائیں پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس آئے

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

تو کہنے لگے کہ اے ابا جان ہمیں غلہ دینے کی ممانعت کردی گئی ہے سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لا سکیں اور بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ

ان کے والد نے کہا کیا میں اس پر تمہارا اعتبار کروں مگر جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی پر تمہارا اعتبار کر چکا ہوں' سو اللہ سب سے بہتر

حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

نگہبان ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

برادرانِ یوسف کا غلہ لینے کے لئے مصر آنا اور سامان دیکر آپ کا یہ فرمانا کہ آئندہ اپنے علّاتی بھائی کو بھی لانا اور ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھوا دینا

تفسیر: سرسبزی وشادابی کے سات سال گذرنے کے بعد قحط آ گیا یہ قحط صرف مصر ہی میں نہ تھا آس پاس کے علاقوں میں بھی تھا ملک شام بھی مصر کے ساتھ ملتا ہے یہاں بھی قحط تھا اور غلے کی ضرورت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور بھائی سرزمین فلسطین میں رہتے تھے جو شام کا ایک حصہ ہے ان لوگوں کو بھی علم ہوا کہ مصر میں غلہ ملتا ہے اور حکومت کی طرف سے دیا جا رہا ہے لیکن حکومت کا یہ دینا مفت میں نہیں ہے غلہ حاصل کرنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی مصر کے لئے روانہ ہو گئے ساتھ ہی مال بھی لیا تاکہ اس کے ذریعہ غلہ حاصل کر سکیں وہ زمانہ اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کرنے کا تھا یہ لوگ سفر کر کے مصر پہنچے پتہ چلایا کہ غلہ کہاں ملتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام غلہ تقسیم کرنے کے ذمہ دار تھے یہ لوگ بھی غلہ حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں پہنچ گئے جہاں وہ اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے محکموں کے جو افسر اعلیٰ ہوتے ہیں وہ خود تو اشیاء واجناس اپنے ہاتھ سے تقسیم نہیں کرتے ان کے کارندے ہی تقسیم کرتے ہیں لیکن منظوری افسر اعلیٰ ہی سے لی جاتی ہے کہ کس کو مال دیا جائے اور کس قدر دیا جائے اس لئے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا پڑا' جب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے بھائی ہیں یہ دس بھائی تھے جو پہلی والدہ سے تھے (حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی بنیامین نامی ان کے ساتھ نہیں تھا) بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں

پہچانا انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ جسے ہم نے کنعان کے جنگل میں مصر کے قافلے کے کسی شخص کے ہاتھ بیچ دیا تھا وہ آج اتنے بڑے عہدہ پر ہوگا' حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی تدبیر سے ان سے یہ کہلوالیا کہ ہمارا ایک بھائی اور ہے جسے ہم اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے ہیں اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فی آدمی ایک ایک اونٹ غلہ بھر کران سب کو دے دیا تو انہوں نے کہا ہمارا ایک علاتی (باپ شریک) بھائی ہے اس کو ہمارے والد نے اس وجہ سے پاس رکھ لیا ہے اور ہمارے ساتھ نہیں بھیجا کہ ان کا ایک بیٹا گم ہو گیا تھا اس سے ان کی دل بستگی ہوتی ہے اور تسلی ہوتی ہے اس لئے اس کا حصہ بھی دیدیا جائے یعنی ایک اونٹ کا غلہ زیادہ مل جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ تو ہمارے قانون کے خلاف ہے جو شخص حاضر ہوتا ہے ہم اُسی کو دیتے ہیں۔

برادرانِ یوسف جب غلہ حاصل کر کے اپنے وطن کو واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آنا ہو تو اپنے علاتی بھائی کو بھی لے آنا دیکھو میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی بھی کرتا ہوں تمہارا وہ بھائی آئے گا تو ان شاء اللہ اس کو بھی پورا حصہ دونگا اور ساتھ یہ فرمادیا کہ اگر تم اسے نہ لائے تو میرے پاس تمہارے نام کا کوئی غلہ نہیں اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا' قحط کا زمانہ تو تھا ہی فی اونٹ جو غلہ ملا تھا اس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ کتنے دن کام دے سکتا ہے دوبارہ آنے کی بہر حال ضرورت پڑے گی اس لئے انہوں نے کہا کہ ہم اس کے والد سے عرض معروض کریں گے اور انہیں راضی کریں گے کہ اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ یہ لوگ جو پونجی لیکر آئے ہیں جس کے ذریعے غلہ خریدا ہے ان کی اطلاع کے بغیر ان کے کجاووں میں رکھ دیں امید ہے کہ جب یہ لوگ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں گے اور سامان کھولیں گے تو یہ انہیں نظر آجائے گی اور اسے پہچان لیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم غلے کی قیمت میں دیکر آئے ہیں جب اس پونجی کو دیکھیں گے تو امید ہے کہ پھر آئیں گے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر اس لئے کی کہ وہ کسی طرح پھر واپس آئیں اور اپنے بھائی کو بھی لیکر آئیں اول تو ان سے آنے کا وعدہ لیا کہ جس بھائی کو چھوڑ آئے ہو اسے آئندہ سفر میں لیکر آنا اور دوسرے یہ وعید بھی سنادی کہ اگر تم اس بھائی کو نہ لائے تو تم میں سے کسی کو اپنا حصہ بھی نہ ملے گا تیسرے یہ کیا جو پونجی انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر پیش کی تھی وہ انہیں کے سامان میں رکھوادی علماء تفسیر نے فرمایا کہ یہ انہوں نے اس لئے کیا کہ انہیں اس کا یقین نہ تھا کہ ان کے پاس اس پونجی کے علاوہ مزید مال بھی ہوگا ممکن ہے مزید مال نہ ہو اگر یہ مال واپس چلا جائے گا تو اسی کو لیکر دوبارہ واپس آسکیں گے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب انہیں یہ خیال ہوگا کہ جس شخص نے ہمیں غلہ دیا اور پونجی بھی واپس کردی وہ کریم النفس ہے محسن ہے ایسے شخص کے پاس تو پھر جانا چاہئے' اور بعض حضرات نے ایک نکتہ اور نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت والد صاحب کو یہ معلوم ہوگا کہ ہماری پونجی واپس آگئی ہے جو مصری خزانے میں داخل ہونی چاہئے تھی اور اغلب ہے کہ بھول کر آگئی ہو لہٰذا حق بہ حق دار رسید کے تقاضے کے مطابق وہیں پہنچانی چاہئے جہاں سے واپس آئی

حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ کہاں برداشت ہوسکتا تھا کہ کسی کا حق ان کی طرف رہ جائے لہٰذا ... بیٹوں کو دوبارہ ضرور بھیجیں گے اور اسی طرح سے اپنے حقیقی بھائی بنیامین سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام نے خود ہی مشورہ دیا تھا کہ قحط کے زمانے میں غلہ قیمۃً دیا جائے گا اور اس میں کوئی استثناء نہیں تھا تو پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کی پونجی کیسے واپس کر دی؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی پونجی انہوں نے اپنے پاس سے شاہی خزانے میں جمع فرما دی' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انہیں چونکہ اس بات کا یقین تھا کہ والد ماجد علیہ السلام اس پونجی کو ضرور واپس بھجوا دیں گے اس لئے ایک اعتبار سے ادھار دینا ہوا بالکل ہی بخش دینا نہ ہوا' بہر حال جو بھی صورت ہو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پاک تھے معصوم تھے خیانت سے دور تھے انہوں نے جو بھی کیا ٹھیک کیا ہم تک ہر بات پہنچنا ضروری نہیں۔

یہ لوگ غلہ لیکر واپس اپنے وطن پہنچ گئے اور اپنے والد سے کہا کہ ابا جی اس مرتبہ تو غلہ لے آئے ہیں لیکن جو شخص غلہ دینے کا مختار ہے اس نے ہمیں غلہ دینے کی پابندی لگا دی ہے اور بندش کر دی ہے ہاں صرف ایک صورت میں غلہ دینے کا وعدہ کیا ہے کہ ہمارا یہ بھائی بھی ہمارے ساتھ جائے لہٰذا آپ ہمارے اس بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ ہم غلہ لا سکیں اس کے حصے کا تو غلہ ملے ہی گا ہمارے حصہ پر جو پابندی لگا دی گئی ہے وہ بھی دور ہو جائے گی یہ بات ضرور ہے کہ آپ کو ہماری طرف سے اس کے بارے میں کوئی اندیشہ ہو سکتا ہے لیکن آپ بھروسہ رکھیں ہم اس کی حفاظت کریں گے' ان کے والد نے فرمایا کیا میں اس کے بارے میں تم پر ایسا ہی بھروسہ کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا؟ میں تم پر بھروسہ نہیں کروں گا اب تو بس یہ ہی کہتا ہوں کہ اللہ سب سے بہتر حفاظت فرمانے والا ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے تمہارے اوپر میں بھروسہ نہیں کرتا اب جاؤ تو اسے لے جانا میں اسے اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں۔

قال صاحب الروح استفهام انكارى الاكما امنتكم اى الا ائتمانا مثل ائتمانى اياكم على اخيه يوسف من قبل وقد قلتم ايضا فى حقه ما قلتم ثم فعلتم به ما فعلتم فلا اثق بكم ولا بحفظكم وانما افوض امرى الى الله ص ١١ ج ١٣ قلت وباعتبار ان لفظة هل جاء ت للاستفهام الانكارى الذى يدل على النفى جيئى بحرف الاستثناء اى لا امنكم عليه الاكما امنتكم على اخيه من قبل وذلك لم ينفعنى فكذلك لا ينفعنى الان وقد ترجمنا الاية بالحاصل فافهم. (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں یہ استفہام انکاری ہے۔ الا کما امنتکم کا مطلب ہے مگر وہی اطمینان جیسے کہ میں نے پہلے اس کے بھائی یوسف کے بارے میں تم پر کیا تھا اور تم نے اس کے بارے میں بھی جو کہا تھا سو کہا تھا۔ پھر تم نے اس کے ساتھ جو کیا سو کیا۔ لہٰذا میں تم پر اعتماد نہیں کرتا نہ تمہاری حفاظت پر اعتماد کرتا ہوں۔ میں تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں اس بات کا اعتبار کرتے ہوئے کہ لفظ ھل استفہام انکاری کے لئے آیا ہے جو کہ نفی پر دلالت کرتا ہے حرف استثناء لایا گیا ہے یعنی میں تم پر اعتماد نہیں کرتا ہوں۔ مگر جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر میں نے اعتماد کیا تھا اور اس اعتماد نے مجھے نفع نہیں دیا تھا اسی طرح اب بھی تم پر اعتماد مجھے نفع نہیں دے گا۔ اور ہم نے آیت کا ترجمہ ان اقوال کے حاصل مفہوم کے مطابق کیا غور کرو)

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ

اور جب انہوں نے سامان کو کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی کو پایا کہ ان کی طرف واپس کر دی گئی ہے کہنے لگے کہ ابا جی اور ہمیں کیا چاہئے

هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ

یہ ہماری پونجی ہے ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے لائیں گے اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لے آئیں گے

كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ

یہ غلہ تھوڑا سا ہے انہوں نے کہا کہ میں ہرگز اسے تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا یہاں تک کہ تم مجھے اللہ کی طرف سے مضبوط عہد نہ دے دو کہ تم اسے ضرور لیکر آؤ گے

اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

مگر یہ کہ تم کو گھیر لیا جائے سو جب انہوں نے اپنے والد کو اپنا عہد دے دیا تو والد نے کہا کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں اس پر اللہ نگہبان ہے۔

برادرانِ یوسف کا اپنی پونجی کو سامان میں پا کر اپنے والد سے دوبارہ مصر جانے کی درخواست کرنا اور چھوٹے بھائی کی حفاظت کا وعدہ کرنا

تفسیر: باپ بیٹوں کی باتیں ہو رہی تھیں کہ مصر میں غلہ لینے گئے تو وہاں سے غلہ تو لے آئے لیکن جو صاحب غلہ تقسیم کرتے ہیں انہوں نے آئندہ کے لئے یہ شرط لگادی ہے کہ اپنے بھائی کو بھی لاؤ گے تو غلہ ملے گا ورنہ نہیں پھر جب سامان کی طرف متوجہ ہوئے سامان کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ جو پونجی وہاں غلہ کے عوض دی تھی وہ تو اپنے ہی سامان میں موجود ہے پونجی کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ابا جان ہمیں اور کیا چاہئے ہم غلہ بھی لے آئے اور پونجی بھی واپس مل گئی ایسے کریم اور محسن آدمی کی طرف پھر جانا چاہئے لیکن شرط کے خلاف جانا بے فائدہ ہوگا لہٰذا بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ اس مرتبہ پھر جائیں اور غلہ لائیں اور جب بھائی کو ساتھ لے جانا ضروری ہے تو ہم بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور ایک فرد زیادہ ہونے کی وجہ سے مزید ایک اونٹ کا بوجھ بھی لے آئیں گے کیونکہ بنیامین کے حصے کا بھی غلہ ملے گا جو غلہ اب لائے ہیں یہ تو تھوڑا سا ہے یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا لامحالہ دوبارہ جانا ہی پڑے گا ان کے والد نے کہا کہ یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن تمہارا بھروسہ کیا ہے تم اس کی حفاظت کا وعدہ تو کر رہے ہو لیکن میں اسے جبھی تمہارے حوالہ کروں گا جبکہ اللہ کا نام لے کر خوب مضبوط عہد کرو یعنی قسم کھاؤ کہ اسے ضرور لاؤ گے اس پر انہوں نے قسم کھالی لہٰذا یعقوب علیہ السلام بنیامین کو بھیجنے پر راضی ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں پر نگہبان ہے وہ ہماری ان باتوں پر گواہ ہے لیکن ساتھ ہی اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ بھی کہہ دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو بھائی کی خوب حفاظت کرنا اور حفاظت میں کمی نہ کرنا لیکن اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تم سب گھیرے میں آ جاؤ (تم سب ہی ہلاک ہو جاؤ یا اس کی حفاظت سے واقعۃً عاجز ہو جاؤ تو اس پر میں کیا مواخذہ کرسکوں گا معذوری اور مجبوری پر تو مواخذہ نہیں ہو سکتا) اس میں یہ بات بتادی کہ مجبوری کی حالت مواخذہ سے مستثنیٰ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے فرمادیا تھا کہ اب تم پر بھروسہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے یوسف کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا اس بھروسہ کا انجام تو یہ ہوا کہ یوسف سے جدائی ہو گئی لیکن اب یوسف کے بھائی کو لیجانے کی ضرورت پڑی تو تمہارے وعدہ کا بھروسہ نہیں کرونگا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت میں دونگا پھر جب سامان سے پونجی نکل آئی اور دوبارہ غلہ

لانے کے لئے مصر جانا مشورہ سے طے ہو ہی گیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ کی مضبوط قسم کھاؤ کہ اس بھائی کی حفاظت کرو گے' اس سے معلوم ہوا کہ بھروسہ صرف اللہ ہی پر تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سے حفاظت کی امید تھی لیکن اسباب ظاہرہ کے طور پر بھائیوں سے بھی حفاظت کی قسم لے لی معلوم ہوا کہ اسباب ظاہرہ اختیار کرنا توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہے۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ

اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو' تم سب ایک ہی دروازے سے داخل مت ہونا اور مختلف دروازوں سے داخل ہونا' اور میں

اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اللہ کے حکم کو تم سے ذرا بھی ٹال نہیں سکتا' حکم صرف اللہ ہی کا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور چاہئے کہ بھروسہ کرنے والے

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اسی پر بھروسہ کریں اور جب وہ اسی طرح داخل ہوئے جیسے ان کے والد نے انہیں حکم دیا تھا تو اللہ کے حکم سے

مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ

ذرا بھی انہیں کوئی چیز بچانے والی نہ تھی مگر یعقوب کے جی میں ایک حاجت تھی جسے اس نے پورا کرلیا اور بلاشبہ وہ علم والے تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں سکھایا تھا اور لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو وصیت فرمانا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا اور یہ کہنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا

تفسیر: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی دوبارہ مصر کے لئے روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لے لیا چلنے لگے تو ان کے والد نے کہا کہ اے بیٹو! تم سب ایک دروازہ سے داخل مت ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا' مفسرین نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ وصیت اس لئے فرمائی کہ یہ لوگ خوبصورت تھے ان کو نظر لگ جانے کا خطرہ تھا نیز ایک ہی باپ کے گیارہ بیٹے بحیثیت ایک جماعت کے کسی جگہ پہنچیں تو اس میں حسد کا بھی اندیشہ تھا اس لئے انہوں نے متفرق دروازوں سے داخل ہونے کی نصیحت اور وصیت فرمائی نظر کا لگ جانا حق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے بدنظری سے بچنے کے لئے کوئی جائز تدبیر اختیار کرلی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی وصیت تو فرمادی لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا وَمَا

اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (اور میں اللہ کے حکم کو تم سے ذرا بھی ٹال نہیں سکتا) مطلب یہ تھا کہ یہ جو مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی فرمائش کی ہے یہ ایک محض ظاہری تدبیر ہے' ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا وہ اگر کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اسے کوئی رد نہیں کرسکتا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم تو بس اللہ ہی کا ہے) عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ نظر بد سے محفوظ رہنے کی ظاہری تدبیر تو میں نے بتادی جو سبب ظاہری کے طور پر ہے لیکن میرا بھروسہ اس تدبیر پر نہیں بلکہ میرا بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

یہ گیارہ بھائی جب ملک مصر پہنچے تو جس شہر میں ان کو جانا تھا اس میں اپنے والد کے فرمان کے مطابق مختلف دروازوں سے داخل ہوئے ان کا یہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اللہ کی کسی قضا اور قدر کو ٹالنے والا نہ تھا بس اتنی سی بات تھی کہ یعقوب کے دل میں جو ایک حاجت تھی وہ پوری ہوگئی یعنی انہوں نے نظر بد سے بچنے کا ایک نسخہ بتایا تھا اس پر عمل ہوگیا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا۔ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ (اور بلاشبہ وہ علم والے تھے اس وجہ سے کہ ہم نے انہیں علم عطا فرمایا تھا) وہ یہ سمجھتے تھے کہ تدبیر ایک ظاہری سبب ہے مؤثر حقیقی اور فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جہالت سے اپنی تدبیر کو مؤثر حقیقی سمجھ لیتے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا

سو جب وہ یوسف پر داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اس سے کہا کہ میں بے شک تیرا بھائی ہوں لہٰذا تو اس کا رنج مت کر جو کچھ

یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

یہ لوگ کرتے رہے ہیں پھر جب انہیں سامان دیکر تیار کردیا تو ایک پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوہ میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا

اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ

کہ اے قافلہ والو بلاشبہ تم چور ہو وہ لوگ کہنے لگے اور ان کی طرف آگے بڑھے کہ تم کس چیز کو گم پا رہے ہو انہوں نے کہا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا ہے

الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ

اور جو شخص اسے لیکر آئے اس کے لئے ایک اونٹ کا بوجھ ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں' وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم لوگ اس لئے نہیں آئے

فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ

کہ زمین میں فساد کریں اور نہ ہم چور ہیں' وہ کہنے لگے کہ پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے؟ کہنے لگے کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے

وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾

کجاوہ میں یہ پیمانہ پایا جائے سو خود اس کی ذات ہی اس کا بدلہ ہے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

برادرانِ یوسف کا مصر پہنچنا اور ان کا اپنے سگے بھائی کو یہ بتانا کہ رنج نہ کرنا میں تمہارا بھائی ہوں، پھر ان کو روکنے کے لئے کجاوہ میں پیمانہ رکھ دینا' یوسف علیہ السلام کے کارندوں کا چوری ہونے کا اعلان کرنا' اور برادرانِ یوسف کا یوں فیصلہ دینا کہ جس کے کجاوہ میں پیمانہ نکلے اسی کو رکھ لیا جائے

تفسیر: یہ گیارہ بھائی جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے جن میں بنیامین بھی تھے تو بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے بنیامین کو پیش کر دیا اور کہا کہ لیجئے آپ کی شرط کے مطابق ہم اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ساتھ لے آئے مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ہر دو آدمیوں کو ایک ایک کمرے میں ٹھہرا دیا دس آدمی پانچ کمروں میں ٹھہر گئے گیارہواں بھائی بنیامین بچ گیا اس کو انہوں نے اپنے پاس ٹھہرالیا' اور بنیامین سے فرمایا کہ میں تمہارا حقیقی بھائی ہوں' یہ لوگ اب تک جو عمل کرتے رہے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچی اس کے بارے میں رنجیدہ نہ ہونا انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے صرف نظر کرو اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہمیں اور تمہیں جمع فرما دیا بھائیوں کو اکرام کے ساتھ ٹھہرایا ان کو سامان دیا لیکن چپکے سے پانی پینے کا ایک برتن جس سے غلہ ناپ کر دیتے تھے اپنے بھائی کے کجاوہ میں رکھ دیا جو لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے کارندے تھے غلہ ماپ کر دیتے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ پیالہ غائب ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے انہیں پتہ نہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں قافلہ والوں میں سے کسی کے سامان میں رکھ دیا ہے ان لوگوں کو حیرانی ہوئی اور باز پرس کا بھی ڈر ہوا لہٰذا ان میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو تم تو چور ہو یہ سنتے ہی برادران یوسف حیران رہ گئے انہیں اپنی جماعت کے کسی فرد کے بارے میں بھی چوری کرنے کا گمان نہ تھا لہٰذا وہ کہنے لگے کہ آپ لوگوں کی کیا چیز گم ہے جس کے بارے میں یہ اعلان ہو رہا ہے اور ہمیں مطعون اور متہم کیا جا رہا ہے' ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا ہے جس کے ذریعہ غلہ ناپ کر دیا جاتا ہے اور جو شخص اس پیمانہ کو لیکر آئے ہم اسے ایک اونٹ بھر کر مزید غلہ دیں گے جو ہماری گم شدہ چیز کے لانے کا اکرامیہ ہوگا۔

جس شخص نے گمشدگی کا اعلان کیا تھا اس نے یہ بھی کہا کہ یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے جو بھی شخص یہ پیمانہ لیکر آئے گا اسے واقعی انعام دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن اور ذمہ دار ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ بھلا ہم اور چوری؟ آپ لوگ خود ہی جانتے ہیں ہمارے طور طریق اور اعمال اور اخلاق کو دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین پر فساد کرنے کے لئے نہیں آئے ہم بھلا چوری کہاں کر سکتے ہیں؟ نہ ہم پہلے سے چور ہیں اور نہ اب چوری کی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خدمت گزاروں نے کہا کہ اگر تفتیش اور تلاش کے بعد تم لوگ اپنی بات میں جھوٹے نکلے اور تمہارے پاس سے ہمارا گمشدہ پیمانہ برآمد ہو گیا تو بتاؤ اس کے چرانے والے کی کیا سزا ہو گی؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے بھی کجاوہ میں وہ پیمانہ آئے اسی کو اس کے بدلہ میں رکھ لیا جائے یعنی اسے غلام بنالیا جائے اور ساتھ ہی کَذٰلِکَ نَجۡزِی الظّٰلِمِیۡنَ کہہ کر یہ بھی بتادیا کہ ہمارے دین اور شریعت میں چور کو سزا دینے کا یہی طریقہ ہے (کہ چور کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے)۔

فَبَدَاَ بِاَوۡعِیَتِہِمۡ قَبۡلَ وِعَآءِ اَخِیۡہِ ثُمَّ اسۡتَخۡرَجَہَا مِنۡ وِّعَآءِ اَخِیۡہِ ؕ کَذٰلِکَ کِدۡنَا
پھر یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے کی تلاشی لینے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی لینے سے ابتداء کی پھر اس پیمانہ کو اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کرلیا ہم نے یوسف کو اسی طرح تدبیر بتادی'
لِیُوۡسُفَ ؕ مَا کَانَ لِیَاۡخُذَ اَخَاہُ فِیۡ دِیۡنِ الۡمَلِکِ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ
بادشاہ کے قانون میں اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے' ہم جسے چاہیں درجات
مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ ﴿۷۶﴾
کے اعتبار سے بلند کرتے ہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر زیادہ جاننے والا ہے۔

برادرانِ یوسف کے سامان کی تلاشی لینا اور بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکل آنا اور اس کو بہانہ بنا کر بنیامین کو روک لینا

تفسیر: جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے خود ہی یہ کہہ دیا کہ جس کے سامان میں آپ لوگوں کا گمشدہ پیمانہ نکل آئے اس کی ذات ہی کو اس کے بدلہ میں غلام بنالیا جائے اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اسی طرح چور کو سزا دیا کرتے ہیں یعنی یہ اس شریعت کے مطابق ہے جس پر ہم چلتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سامانوں کی تلاشی لینا شروع کر دیا' پہلے دوسرے بھائیوں کے کجاووں کو دیکھا پھر جب اپنے حقیقی بھائی کے کجاوہ کو ٹٹولا تو اس میں سے پیمانہ کو نکال لیا' رکھا تو خود ہی تھا اور معلوم تھا کہ اس کے کجاوہ میں ہے لیکن پہلے اس میں ہاتھ نہ ڈالا تاکہ وہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ان کی آپس کی سازش ہے بنیامین کے کجاوہ سے پیمانہ نکل آیا تو سب بھائی حیران رہ گئے یہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بتائی کیونکہ شاہ مصر کے قوانین میں کوئی ایسا قانون نہ تھا کہ چوری کرنے والے کو غلام بنا کر رکھ لیا جائے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دنیا اور آخرت میں درجات بلند فرمائے اور انہیں علوم عطا فرمائے انہیں علوم میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی جو ان کے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے ان کے دل میں ڈالی۔ وَفَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ (اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے) مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑے عالم کے مقابلہ میں کوئی ایسا ضرور ہے جو اس سے زیادہ علم

رکھنے والا ہے اور جسے ساری مخلوق سے زیادہ علم ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ علم ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کے رنج اور صدمہ کا کیوں احساس نہیں فرمایا وہ برس ہا برس سے خود حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم میں گھل رہے تھے تھوڑی بہت جو تسلی بنیامین سے تھی وہ بھی ختم ہوئی انہیں مزید تکلیف پہنچانے کی کیسے ہمت ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پروگرام اپنے والدین اور اپنے بھائیوں کو جلد ہی بلانے کا تھا اور بھائی کا روک لینا اس لئے تھا کہ والد ماجد ان دونوں کو تلاش کرنے کے لئے بھیجیں اور یہ لوگ تیسری بار پھر آئیں اگر بھائی کو نہ روکتے تو ممکن تھا کہ پھر والد کے بھیجنے پر بھی یہ لوگ نہ آتے کیونکہ یوسف علیہ السلام کو یہ لوگ مردہ کہہ ہی چکے تھے اب کم از کم ایک بھائی کی تلاش کرنا تو لازم ہی تھا لامحالہ انہیں اپنے والد کے فرمان پر تیسری بار آنا پڑا جیسا کہ آئندہ رکوع میں اس کا ذکر آرہا ہے' یہاں بعض حضرات نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ آزاد کو غلام بنانا کیسے درست ہوا؟ یہ سوال کوئی وزنی نہیں ہے کیونکہ حقیقی غلام نہیں بنایا تھا صرف روکنے کا بہانہ تھا پھر یہ استرقاق شریعت یعقوبی کے مطابق تھا جو اس زمانہ میں شریعت اسلامیہ تھی جسے ان کے بھائیوں نے کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ کہہ کر ظاہر کر دیا تھا' اور ممکن ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کی طرف سے جس شریعت پر تھے اس میں بھی چور کا استرقاق جائز ہو' واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض حضرات نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ اپنی ضرورت سے دوسرے کو چوری کا الزام لگانا کیسے درست ہوا؟ جو شخص بری ہو اسے الزام لگانا معاصی کبیرہ میں سے ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے الزام نہیں لگایا انہوں نے تو صرف کجاوہ میں پیمانہ رکھ دیا تھا البتہ کارندوں نے پیالہ نہ پا کر چوری ہونے کا اعلان کر دیا ان لوگوں نے بھی اپنے خیال میں الزام نہیں لگایا تھا بلکہ حالات کے اعتبار سے انہیں یقین تھا کہ انہیں میں سے کسی نہ کسی شخص نے پیمانہ رکھ لیا ہے' لیکن یہ اشکال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ یہ تو معلوم ہی تھا کہ پیمانہ رکھنے کے بعد جب برآمد ہوگا تو چھوٹے بھائی پر پوری طرح چوری کرنے والی بات لگ جائے گی اور اس طرح اس کی بے آبروئی ہوگی' بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بنیامین اپنے بھائیوں کے ساتھ رہنے سے ایسے تنگ ہو گئے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس رہ جانے کے لئے چوری کے الزام میں گرفتار ہونا تک گوارہ کر لیا اور دونوں بھائیوں کے مشورے سے ایسا ہوا۔

ایسا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس الزام کی حقیقت جلد ہی کھل جانے والی تھی اور آئندہ سب پر آشکارا ہو جانے والا تھا کہ انہوں نے چوری نہیں کی تھی بلکہ یہ ان کے روکنے کے لئے ایک تدبیر کی گئی تھی تو اس الزام کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے بھائی کو روکنے کا راستہ بھی نکل آیا اور پھر وہ الزام جلد ہی دفع بھی ہو گیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا

برادران یوسف کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے سو یوسف نے اس بات کو اپنے جی میں چھپا لیا اور اس کو ظاہر نہیں کیا'

لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا

کہا کہ تم زیادہ برے ہو اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو، وہ کہنے لگے کہ اے عزیز اس کے والد ہیں جو زیادہ

كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ

بوڑھے ہیں سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے بلاشبہ ہم آپ کو اچھا برتاؤ کرنے والوں میں سے دیکھ رہے ہیں یوسف نے کہا کہ اللہ ہمیں اس سے پناہ دے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہو اس کے سوا

وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

کسی دوسرے کو پکڑ لیں اگر ایسا کریں تو بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے ہو جائیں گے۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام کا درخواست کرنا کہ بنیامین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب دینا

تفسیر: جب بنیامین کے کجاوہ سے پیالہ برآمد ہو گیا تو بھائیوں کو سخت ندامت ہوئی کچھ تو غصہ اور کچھ خفت مٹانے کا جذبہ کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو کون سے تعجب کی بات ہے اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے اس بھائی سے حضرت یوسف علیہ السلام مراد ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے ان لوگوں کی بات سن تو لی جس میں ان کی ذات پر حملہ تھا لیکن ان کی بات کا جو جواب دینا تھا اسے زبان پر نہ لائے البتہ اپنے دل ہی میں کہا کہ تم اسے اور اس کے بھائی کو چور بتا رہے ہو حالانکہ تم چوری کے درجہ سے اور بھی زیادہ برے ہو، ہم دونوں بھائیوں نے تو چوری کی ہی نہیں لیکن تم نے اتنا بڑا برا کام کیا کہ آدمی غائب کر دیا۔ یعنی مجھے باپ سے چھڑا دیا اور بہانہ کر کے ان کے پاس سے لے آئے پھر ان کے پاس واپس نہ لے گئے اور چند درہم کے عوض آزاد کو غلام بنا کر بیچ دیا یہ تو دل میں کہا اور علانیہ طور پر فرمایا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف جو ان کے بھائیوں نے چوری کی نسبت کی اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے پانچ قول نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دستر خوان سے کھانا لیکر چھپا لیتے تھے اور فقراء کو دیدیتے تھے اسی کو بھائیوں نے چوری بنا لیا ممکن ہے ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو، اسرائیلی روایات ہیں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا علامہ قرطبی نے ص ۲۳۹ ج ۹ ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ چوری کا کوئی قصہ تھا ہی نہیں ان لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات بالکل ہی جھوٹ کہی تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں جو جواب دیا اور اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا فرمایا یہ سب دل ہی دل میں تھا لیکن برادرانِ یوسف پہلے ہی اپنے والد سے شرمندہ تھے اور ان کے ایک چہیتے لڑکے کو گم کر چکے تھے اور اب یہ دوسرا واقعہ پیش آ گیا کہ بڑے عہد

وپیمان کے ساتھ ان کے دوسرے پیارے کو لائے تھے اب وہ بھی گرفتار کر لیا گیا اور روک لیا گیا حیران تھے اور پریشان تھے کہ والد کو کیا جواب دیں گے کیا کریں اور کیا نہ کریں پھر ایک تدبیر سوچی اور وہ یہ کہ عزیز سے عرض کریں کہ یہ جو ہمارا سوتیلا بھائی چوری کی وجہ سے پکڑا گیا یہ اس کے بوڑھے باپ کے لئے بہت زیادہ مصیبت کی بات ہوگی ان کو اس سے بہت زیادہ محبت اور انس ہے اور ان کی عمر بھی بہت زیادہ ہے اس کے واپس نہ پہنچنے سے ان کا برا حال ہوگا لہٰذا آپ ہم میں سے کسی بھی ایک کو اس کی جگہ رکھ لیجئے ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ احسان کرنے والوں سے ہیں لہٰذا آپ کرم فرمایئے اور ہماری یہ تجویز منظور کر لیجئے (اپنے والد کے سامنے شرمندہ ہونا ان کو اتنا زیادہ کھل رہا تھا کہ غلام بن کر رہنے کو تیار تھے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں ہم اللہ سے اس بات کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم کسی غیر مجرم کو پکڑ لیں اگر ہم ایسا کریں گے تو ظالم ہو جاویں گے ہم تو صرف اسی کو پکڑیں گے جس کے پاس سامان پایا (حضرت یوسف علیہ السلام نے احتیاط سے کام لیا اور یوں نہیں فرمایا کہ جس نے ہمارا سامان چرایا ہم اسی کو رکھیں گے (کیونکہ چوری تھی ہی نہیں) بلکہ یوں فرمایا جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے اسی کو رکھ سکتے ہیں)۔

فَلَمَّا اسْتَايْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

پھر جب یوسف سے ناامید ہو گئے تو وہاں سے علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے

عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى

تم سے اللہ کی قسم لیکر پکا وعدہ لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو سو اب میں اس سرزمین سے نہیں ٹلوں گا جب تک

يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ

میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا اللہ میرے لئے فیصلہ نہ فرما دے اور وہ فیصلہ دینے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ دینے والا ہے، تم لوگ اپنے والد کے

اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ وَسْـَٔلِ

پاس چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ابا جان بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم اسی بات کی گواہی دے رہے ہیں جس کا ہمیں علم ہے اور ہم غیب کی باتوں کے حافظ نہیں تھے اور آپ اس بستی سے

الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل ہو کر آئے ہیں اور بلاشبہ ہم سچ کہہ رہے ہیں

برادران یوسف کا ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرنا اور بڑے بھائی کا یوں کہنا کہ میں تو یہاں سے نہیں جاتا تم لوگ جاؤ اور والد کو چوری والی بات بتا دو

تفسیر: جب حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ناامید ہو گئے کہ وہ کسی طرح سے بنیامین کو واپس کرنے کے لئے

تیار نہیں ہیں اور یہ جو پیشکش کی تھی کہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں اس کو بھی انہوں نے نہیں مانا بلکہ اسے ظلم قرار دے دیا تو وہاں سے ہٹ کر اب مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں' ان میں جو بڑا بھائی تھا جس کا نام کسی نے یہودا! اور کسی نے شمعون اور کسی نے روبیل بتایا ہے اس نے باقی بھائیوں سے خطاب کر کے کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب اپنے والد سے رخصت ہو رہے تھے تو مضبوط قسم لی تھی اور فرمایا تھا کہ اسے تم ضرور ساتھ لے کر آؤ گے (لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖ) اب یہاں یہ صورت حال پیش آ گئی کہ بنیامین کو عزیز مصر نے روک لیا اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو اب والد صاحب کے پاس کس منہ سے جائیں پہلے ہی ان کو یوسف کی جدائی سے بہت زیادہ رنج تھا اور اب یک نہ شد دو شد بنیامین کی جدائی کا مسئلہ سامنے آ گیا لہٰذا میں تو اب یہاں سے ٹلنے کا نہیں اگر والد صاحب کو پوری صورتحال معلوم ہو جائے اور وہ مجھے آنے کی اجازت دیدیں یا اللہ پاک کی طرف سے کوئی ایسا فیصلہ ہو جائے جس سے ہماری مشکل حل ہو جائے (مثلاً ہمارا بھائی واپس مل جائے) تب ہی میں یہاں سے جا سکتا ہوں اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

بڑے بھائی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بھائیوں سے یوں بھی کہا کہ تم لوگ اپنے والد کے پاس چلے جاؤ اور ان کی خدمت میں عرض کر دو کہ آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور چوری کی وجہ سے انہیں وہیں روک لیا گیا اور ہماری یہ گواہی ہمارے علم کے مطابق ہے (ہم نے خود دیکھا کہ اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا) وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ہم جو قسم کھا کر اس کی حفاظت کا وعدہ کر کے گئے تھے وہ ہماری قدرت اور اختیار تک محدود تھا ہمیں کیا معلوم تھا کہ چوری کا واقعہ پیش آ جائے گا اور ایسی صورت حال بن جائیگی کہ ہم آپ کے بیٹے کو واپس لانے سے عاجز ہو جائیں گے گویا کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کو یہ تلقین کی کہ ہم جو بنیامین کو اپنے ہمراہ نہ لا سکے یہ اسی استثناء والی صورت میں داخل ہے جو والد صاحب نے اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ کہہ کر خود ہی بیان کر دی تھی مفسرین نے ان کے کلام کا یہ مطلب بتایا کہ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ بنیامین کے سامان سے پیمانہ نکلا اس نے اسے خود رکھ لیا تھا یا مقامی لوگوں میں سے کسی نے رکھ دیا تھا اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

بڑے بھائی نے مزید کہا کہ اپنی بات والد صاحب کو باور کرانے کے لئے یہ بھی کہنا کہ ہمارے بیان پر آپ اعتماد نہ کریں تو مصر کی جس بستی میں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کے لوگوں سے دریافت کر لیجئے اور اس سے بھی آسان تر بات یہ ہے کہ یہاں سے غلہ لینے کے لئے صرف ہم ہی لوگ نہیں گئے تھے ہماری بستی کے رہنے والوں میں سے اور لوگ بھی گئے تھے ہم جس قافلہ کے ساتھ مصر سے واپس آئے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے وہ تو یہیں اسی بستی میں موجود ہیں وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ آپ مانیں یا نہ مانیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سچے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ

یعقوب نے کہا کہ بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہیں ایک بات سجھا دی ہے سو میں صبر جمیل کو ہی اختیار کروں گا امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا

بِهِمْ جَمِيْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ
بلا شبہ وہ علم والا ہے حکمت والا ہے' اور ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور کہا کہ یوسف پر افسوس ہے
وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ
اور غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں سو وہ گھٹتے رہتے تھے' بیٹے کہنے لگے اللہ کی قسم آپ تو برابر یوسف کو یاد کرتے رہیں گے
حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ
یہاں تک کہ گھل جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں' یعقوب نے کہا کہ میں اپنے رنج
وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ
اور غم کی اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے مجھے وہ علم عطا ہوا ہے جو تم نہیں جانتے' اے میرے بیٹو تم جاؤ اور
يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ
یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بلاشبہ اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں
الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾
جو کافر ہیں

برادرانِ یوسف کا اپنے والد کو چوری کا قصہ بتانا اور ان کا یقین نہ کرنا اور فرمانا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو

تفسیر: حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب سارا ماجرا سنایا اور بنیامین کے پکڑے جانے کا واقعہ بتایا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین نہ آیا انہوں نے وہی الفاظ دہرا دیئے جو حضرت یوسف کی گمشدگی کے موقع پر فرمائے تھے یعنی بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا کہ میرے نزدیک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ بنیامین نے چوری کی ہو اور اسے وہیں دھر لیا گیا ہو میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ تمہارے نفسوں نے اپنے پاس سے بات بنالی ہے جو مجھے سمجھا رہے ہو واقعہ کچھ اور ہے اور بیان کچھ اور فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ میں صبر ہی کروں گا جس میں شکایت نہ ہو (اور کر بھی کیا سکتا ہوں) میرے دل کی تو یہی آواز ہے کہ ان شاء اللہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یوسف اور اس کا بھائی بنیامین اور تیسرا بھائی (جو تمہارے ساتھ نہیں آیا) ان تینوں کو اللہ تعالیٰ میرے پاس پہنچا ہی دے گا اسے پورے حالات کا علم ہے اور ان سب واقعات کے پیش آنے میں حکمتیں ہیں یہ فرما کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور

کہنے لگے کہ یوسف کی جدائی پر افسوس ہے یوسف علیہ السلام کی جدائی پر روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں اور شدت غم کی وجہ سے اندر سے گھٹے ہوئے رہتے تھے' ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ کی قسم آپ یوسف کو بھولتے ہی نہیں اسے آپ برابر یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل کر رہ جائیں گے یا بالکل ہی ہلاک ہو جائیں گے' حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں میرے رونے سے کیا بحث ہے میں اپنے رنج و غم کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں مجھے اللہ کی طرف سے جو علم دیا گیا ہے وہ تمہیں نہیں دیا گیا' میں تو یہی جانتا ہوں کہ یوسف اور اس کے بھائی سے ضرور ملاقات ہوگی اب تم میری بات مانو اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو ان شاء اللہ ان سے ملاقات ہو جائے گی اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو' جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جیسے یوسف علیہ السلام کے بارے میں ان کے بھائیوں کی بات کی تصدیق نہ کی (جو انہوں نے کہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا) اسی طرح بنیامین کے بارے میں انہوں نے چوری اور چوری کی وجہ سے پکڑے جانے والی جو بات کہی تھی اس کو بھی سچا نہیں مانا۔ حالانکہ وہ بظاہر اس بیان میں سچے تھے' جب کوئی شخص ایک مرتبہ جھوٹا ثابت ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں رہتا' حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ اللہ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اس علم کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے چاند اور سورج سجدہ کر رہے ہیں اس کی تعبیر اب تک پوری نہیں ہوئی تھی وہ جانتے تھے کہ ایسا ہونا ضروری ہے کہ یوسف موجود ہو اور گیارہ ستارے یعنی سارے بھائی (جن میں بنیامین بھی تھے اور وہ بڑا بھائی بھی تھا جو مصر میں رہ گیا تھا) اور ماں باپ سجدہ کریں گے لہٰذا نہ یوسف کو موت آئی ہے نہ اس کی ملاقات سے پہلے مجھے دنیا سے جانا ہے' سب کو ایک دن جمع ہونا ہی ہے' اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ممکن کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہو گیا ہو یا بذریعہ وحی اطلاع دے دی گئی ہو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اسی علم و یقین کی بنیاد پر کہ یوسف دنیا میں زندہ ہے موجود ہے اور اس گمان پر کہ یوسف کے بھائی بنیامین کے بارے میں جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں وہ درست نہیں ہے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ (اس میں تیسرے بھائی کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ بھائیوں کے بیان کے مطابق مصر میں موجود تھا اور اپنے قصد و ارادہ سے وہاں رہ گیا تھا)۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

سو جب یہ لوگ یوسف پر داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہمارے اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم یہ ایسی پونجی لائے ہیں جو رد کیے جانے کی مستحق ہے

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ

سو آپ ہمیں پورا غلہ دے دیجئے اور ہم پر صدقہ کر دیجئے بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اس کی جزاء دیتا ہے' یوسف نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو

مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا

کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے کہنے لگے واقعی کیا آپ یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں

یُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِیْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان فرمایا بلا شبہ بات یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے

یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۱﴾

والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا' کہنے لگے اللہ کی قسم اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت دے دی اور بلا شبہ ہم خطا کرنے والوں میں سے تھے'

قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾

یوسف نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے

برادرانِ یوسف کا تیسری بار مصر پہنچنا اور غلہ طلب کرنا اور ان کا سوال فرمانا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا' پھر بھائیوں کا قصور معاف فرمانا اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنا

تفسیر : حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرمانے پر ان کے بیٹے پھر مصر کی طرف روانہ ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں تو اندازہ نہ تھا کہ کہاں ہوں گے البتہ بنیامین اور بڑے بھائی کو مصر ہی میں چھوڑ آئے تھے اس لئے اپنے والد کے فرمان کے مطابق کہ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو انہوں نے مصر ہی کی راہ لی نیز اس میں غلہ لانے کا فائدہ بھی پیش نظر تھا' جب مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام تک رسائی ہونے کے بعد پھر غلہ ملنے کا سوال اٹھایا اور ان سے کہا کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے ہمیں غلہ کی ضرورت ہے لیکن ہمارے پاس غلہ لینے کے لئے وہ قیمت بھی نہیں جو قیمت کہنے کے لائق ہو کچھ لائے تو ہیں جو نکمی چیز ہے اس لائق تو نہیں کہ اسے آپ قبول کریں لیکن پھر بھی ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں پورا غلہ دے دیجئے (مفسرین نے اس بارے میں کئی باتیں لکھی ہیں کہ وہ پونجی کیا تھی جسے وہ خود ہی نکمی چیز بتا رہے تھے صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ کھوٹے درھم تھے جن کی قیمت پوری نہیں ملتی تھی)۔

غلہ طلب کرنے کے ساتھ انہوں نے وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا بھی کہا مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری پونجی نکمی بھی ہے اور تھوڑی بھی ہے۔ آپ اسے قبول فرمائیں اور ایک معنی یہ ہے کہ ہمیں اپنی طرف سے کچھ

مزید بلا قیمت بطور صدقہ عطا فرما دیجئے اور بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ غلہ عطا فرمانے کے ساتھ یہ کرم فرمائیے کہ ہمارے بھائی بنیامین کو واپس کر دیجئے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس صورت میں تَصَدَّقْ بمعنی تفضل ہوگا یعنی مہربانی فرما کر ہمارے بھائی کو ساتھ بھیج دیجئے لیکن اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ سے معنی اول ہی کی تائید ہوتی ہے (کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزاء عطا فرماتا ہے)۔

وہ لوگ اپنی معروض پیش کر ہی رہے تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سوال فرمالیا هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ (کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے) بھائیوں نے تو غلہ طلب کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے یہ فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا بعض حضرات نے ان دونوں باتوں میں ربط بتاتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ قحط سالی کی وجہ سے ہمارے اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے یہ تو بہت بڑی تکلیف نہیں کسی نہ کسی طرح زندگی گزار ہی رہے ہو پھر یہ تکلیف ابھی قریب زمانہ ہی سے شروع ہوئی ہے لیکن تم نے برسہابرس سے جو اپنے والد کو یوسف سے جدا کر کے تکلیف پہنچائی ہے اور بنیامین کے ساتھ جو یوسف کے بعد بدسلوکی کرتے رہے ہو بتاؤ تمہارے والد کے لئے اور سارے گھر والوں کے لئے کونسی تکلیف زیادہ ہے یہ عارضی غلے کی کمی زیادہ تکلیف دہ ہے یا وہ تمہاری سابقہ حرکتیں زیادہ تکلیف دہ ہیں؟ اپنے اس سوال کو انہوں نے استفہام تقریری کی صورت میں ان پر ڈال دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟ یہ بات سن کر انہیں بڑا اچھنبا ہوا کہ عزیز مصر کو یوسف کا قصہ کہاں سے اور کیسے معلوم ہوا؟ اور مزید یہ کہ اسے اس کے بارے میں دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہیں اس کا ذرا احتمال نہ تھا کہ یہ سوال کرنے والا شخص یوسف ہوسکتا ہے اور یوسف ایسے بڑے مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے سوال کا جو انداز تھا اس سے انہوں نے بھانپ لیا کہ ہو نہ ہو یہ سوال کرنے والا شخص یوسف ہی ہے لہٰذا وہ کہنے لگے ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ (کیا واقعی تم یوسف ہو) حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِیْ (میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے) قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا (بلاشبہ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا) گویا اشارۃً یوں فرما دیا کہ تم نے تو ظلم و زیادتی میں کسر نہ چھوڑی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کا ذکر نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا' مومن کی یہی شان ہے کہ تکلیف میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتا ہے اور مصیبت کے ٹل جانے کے بعد بھی جو نعمتیں ملتی رہتی ہیں ان پر نظر رکھتا ہے اور برابر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہتا ہے پھر یہ شکر نعمتوں کے اور زیادہ بڑھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ (البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور ضرور اور زیادہ دوں گا)۔

مزید فرمایا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر

سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر ضائع نہیں فرماتا) حضرت یوسف علیہ السلام نے بطور قاعدہ کلیہ کے یہ بات بتا دی کہ تقویٰ اور صبر کرنے والوں کی اللہ مدد فرماتا ہے اور یہ دونوں چیزیں مصائب سے نجات دلانے والی ہیں' یہ نہیں فرمایا کہ میں نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا اس لئے اس مرتبہ کو پہنچا کیونکہ اس میں ایک طرح سے اپنی تعریف تھی' اور بھائیوں سے یوں نہیں کہا کہ تم متقی اور صابر نہیں ہو بلکہ عمومی قاعدہ بتا کر انہیں تنبیہ فرما دی کہ تمہیں متقی ہونا چاہئے تھا در حقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے آخرت میں تو اس کا نفع سامنے آ ہی جائے گا دنیا میں بھی مشکلات اور مصائب سے نکلنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے' سورہ نحل میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں) سورۂ طلاق میں فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو) نیز فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا (جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اسکے لئے بڑا اجر مقرر فرما دے گا)

صبر بھی بہت بڑی چیز ہے صابر آدمی کو وقتی طور پر تکلیف تو ہوتی ہے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد پہنچ جاتی ہے سورہ بقرہ میں فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (اے ایمان والو مدد طلب کرو نماز اور صبر کے ساتھ بلاشبہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے) سورہ زمر میں فرمایا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (صبر کرنے والوں کو بلا حساب پورا پورا اجر دیا جائے گا) جسے صبر کی نعمت مل گئی اسے بہت بڑی نعمت مل گئی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ومن یتصبر یصبرہ اللہ وما اعطی احد عطاء ھو خیر واوسع من الصبر (رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۱۶۳) جو شخص صبر کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے صبر دے دیتا ہے اور کسی شخص کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کسی چیز کی بخشش نہیں کی گئی) بعض اہل معرفت کا قول ہے الصبر امرّ من الصبر واحلی من الثمر (صبر ایلوے سے زیادہ کڑوا ہے اور پھلوں سے زیادہ میٹھا ہے) حضرت یوسف و یعقوب علیہما السلام نے صبر کیا اس کا پھل پایا اہل ایمان کو صبر اختیار کرنا چاہئے صبر میں اجر بھی ہے اور وہ دفع مصائب اور حل مشکلات کا ذریعہ بھی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو پتہ چل گیا کہ عزیز مصر جو ہمیں غلہ دیتا رہا ہے تو ہمارا بھائی یوسف ہے جسے ہم نے کنویں میں ڈالا تھا' پہلے دو بار جو غلہ لینے کے لئے آئے تھے یوسف علیہ السلام کو نہ انہوں نے پہچانا تھا اور نہ انہیں یہ گمان تھا کہ یہ شخص ہمارا بھائی یوسف ہو سکتا ہے لیکن تیسری مرتبہ کے چکر میں جب بات کھل کر سامنے آ گئی کہ یہ یوسف ہے تو آنکھیں نیچی ہو گئیں اور حضرت یوسف علیہ السلام پر جو اللہ نے احسان فرمایا اس کے اقرار کے ساتھ اپنے جرم کے

اعتراف کے بغیر چارہ نہ رہا لہٰذا ان کی زبان سے یہ نکلا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ (اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح دے دی اور فضیلت اور برتری سے نواز دیا اور بلا شبہ ہم خطا کار ہیں) یہاں صرف اقرار جرم کا ذکر ہے معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے لیکن بلند اخلاق کریم النفس لوگوں کا بڑا حوصلہ ہوتا ہے ان کے نزدیک جرم کا اقرار کر لینا ہی معافی مانگنے کے درجہ میں ہوتا ہے' حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف سے تو معاف کیا ہی تھا اللہ تعالیٰ سے بھی ان کے لئے مغفرت کی یوں دعا کر دی يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ (۱۳) سال جن مصیبتوں کے ساتھ گزارے اور قریش کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچیں حتیٰ کہ آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا یہ سب واقعات معروف و مشہور ہیں جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو اہل مکہ کو خوف تھا کہ دیکھئے ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے جب مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو قریش مکہ خوف زدہ ہوئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ آج تو تلوار ہمارا خاتمہ کر دے گی اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف کا طواف کیا اور دو رکعتیں پڑھیں پھر کعبہ شریف کی چوکھٹ کے درمیان کھڑے ہو کر قریش مکہ سے دریافت فرمایا تم کیا کہتے ہو اور تمہارا (میرے بارے میں) کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھائی کے بیٹے ہیں اور ہمارے چچا کے بیٹے ہیں حلیم ہیں اور رحیم ہیں تین بار یہ سوال جواب ہوا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں وہی کہتا ہوں جیسے یوسفؑ نے کہا تھا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اس کے بعد وہ خوشی خوشی اسلام میں داخل ہو گئے (دلائل النبوۃ للبیہقی ص ۸۵ ج ۵)۔

سیرت ابن ھشام میں یوں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں انہوں نے کہا کہ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ ہو گا آپ ہمارے کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے فرمایا اذھبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم سب آزاد ہو)۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ

میرا یہ کرتہ لے جاؤ سو اسے میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے' اور میرے پاس اپنے سارے

اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ

گھر والوں کو لے آؤ' اور جب قافلہ روانہ ہو گیا تو ان کے والد نے کہا کہ اگر تم یہ نہ کہو کہ میں بہکی ہوئی باتیں کرنے والا ہوں تو میں یوسف کی

تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى

خوشبو پا رہا ہوں' وہ لوگ کہنے لگے اللہ کی قسم آپ اپنی پرانی غلطی پر ہیں' پھر جب خوشخبری لانے والا آ پہنچا تو اس نے

وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾
وہ کرتہ ان کے منہ پر ڈال دیا لہٰذا وہ پھر سے آنکھوں والے ہو گئے اور (بیٹوں سے) فرمایا کیوں میں نے تم سے نہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے
قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ
ان کے بیٹے کہنے لگے کہ اے ابا جی ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ ہم خطا کرنے والے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا بلاشبہ
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾
وہ غفور ہے رحیم ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ بھیجنا اور والد کے چہرہ پر ڈالنے سے بینائی واپس آ جانا اور بیٹوں کا اقرار کرنا کہ ہم خطاوار ہیں اور استغفار کرنے کی درخواست کرنا

تفسیر: جب بھائیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مذکورہ بالا گفتگو ہو چکی تو واپسی کا موقع آ گیا (اور مقصد بھی حل ہو گیا کیونکہ اپنے والد کے حکم سے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کرنے کے لئے سفر کر کے آئے تھے دونوں بھائی مل گئے) جب چلنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ لو یہ میرا کرتہ لے جاؤ میرے غم میں روتے روتے والد کی آنکھیں چلی گئیں اب تم میرا یہ کرتہ ان کے چہرہ پر ڈال دینا ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی بینائی واپس آ جائے گی اور وہاں پہنچ کر اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے کر آ جاؤ۔

یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے رخصت ہوئے قافلہ روانہ ہو گیا ابھی سرزمین مصر ہی میں تھے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں سے کہا کہ جو ان کے پاس موجود تھے میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں بات تو میں نے کہہ دی لیکن تم لوگوں سے ڈر ہے کہ میری بات کو سچی نہیں مانو گے اگر تم مجھے بے وقوف نہ بناؤ اور یوں نہ کہو کہ بڑھاپے میں بہکی بہکی باتیں کر رہا ہوں تو تم میری تصدیق کر سکتے ہو (ای لولا تفنید کم ایای لصدقتمونی کذافی الروح) ان کے پاس رشتہ دار وغیرہ جو وہاں پر موجود تھے کہنے لگے کہ آپ تو اپنی اسی پرانی خام خیالی میں پڑے ہوئے ہیں یوسف کی محبت نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اب یوسف کی ملاقات کی کہاں امید ہے اور کہاں یوسف کا کرتہ ہے جس کی خوشبو آپ کو محسوس ہو گئی ہے یہ بہکی بہکی باتیں ہماری سمجھ میں تو آتی نہیں ہیں، جب قافلہ وطن واپس پہنچ گیا اور کنعان میں داخل ہو گیا تو بھائیوں میں سے جس نے وہ کرتہ لے کر اپنے والد کو بشارت دینے کا کام اپنے ذمہ لیا تھا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا اور یوسف علیہ السلام کا کرتہ یعقوب علیہ السلام کے چہرہ اقدس پر ڈال دیا چہرہ پر کرتہ کا پڑنا تھا کہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی واپس فرما دی اس پر انہوں نے حاضرین سے کہا (جن میں وہ بیٹے بھی تھے جو مصر سے واپس آ

گئے تھے) کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے' جب بیٹوں نے کہا تھا کہ آپ تو یوسف کی یاد میں گھل ہی جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات فرمائی تھی' اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ جاؤ یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جو یوں کہا تھا کہ ہم واقعی خطا کار تھے اپنے والد کے سامنے بھی انہوں نے اپنی یہ بات دہرا دی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں' حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت دعا کیوں نہیں کر دی اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رات کے آخری وقت میں دعا قبول ہوتی ہے اس لئے سَاَسْتَغْفِرُ فرمایا اور دعاء کو مؤخر کیا امام ترمذی نے دعا حفظ قرآن کی جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم شب جمعہ کے آخری تہائی حصہ میں چار رکعت نماز پڑھنا اور پھر یہ دعا کرنا (آگے حدیث میں نماز کی تلقین اور دعا کے الفاظ مذکور ہیں) کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا کہ عنقریب تمہارے لئے استغفار کروں گا اس سے یہی شب جمعہ آنے کا انتظار مقصود تھا (درمنثور ص ۳۶ ج ۴)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت شعبی تابعی سے یہ بات نقل کی ہے کہ تاخیر استغفار کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے بیٹوں نے اپنے بھائی یوسف کے ساتھ زیادتی کی تھی اور چونکہ حقوق العباد توبہ استغفار سے معاف نہیں ہوتے اس لئے انہوں نے چاہا کہ یوسف سے بھی دریافت کر لیں کہ انہوں نے معاف کر دیا ہے یا نہیں' ان کے معاف کرنے کا علم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معاف کروانے کے لئے دعا کی جائے۔

فائدہ: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات دیگر تمام امور کی طرح ان کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے' جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو اور اس کی حکمت کا تقاضا ہو تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات ظاہر ہو جاتے تھے اور ان کے بعد ان کے متبعین سے کرامات ظاہر ہوتی رہی ہیں اس میں ان حضرات کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں مشرکین مکہ طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کی خواہش بھی ہوتی تھی کہ ان کی طلب کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی جب حکمت اور مشیت ہوتی تھی تو اس وقت معجزہ کا ظہور ہوتا تھا' حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے چہیتے لخت جگر حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال پر مطلع نہ ہونا (کہ وہ وہیں اپنے علاقہ کے کنویں میں ڈالے گئے ہیں) اور مصر سے جب ان کا کرتہ لے کر قافلہ چلا تو کنعان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سونگھ لینا (جبکہ قافلہ کنعان سے بہت زیادہ دور تھا) اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے' شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے

ایک اچھے انداز میں اس کا یوں تذکرہ فرمایا ہے جو لطیف بھی ہے اور پرلطف بھی، فرماتے ہیں۔

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند
از مصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہان است — دمے پیدا دیگر دم نہان است
گہے برطارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور کہا کہ مصر میں ان شاء اللہ

اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا

امن وامان کے ساتھ داخل ہو جایئے، اور یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اوپر بٹھایا اور وہ لوگ اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور یوسف نے کہا کہ اے ابا جان یہ

تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ

میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا میرے رب نے اس کو سچا کر دیا اور میرے ساتھ احسان فرمایا جبکہ مجھے

السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ

جیل سے نکالا اور آپ لوگوں کو دیہاتی علاقہ سے لے آیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا،

اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ

بے شک میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر فرماتا ہے بے شک وہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے، اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت کا حصہ عطا فرمایا

وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا

اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے آپ ہی دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور آخرت میں میرے کارساز ہیں مجھے اس حالت میں موت دینا کہ میں فرماں بردار ہوں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرمایئے

پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچنا، ان کے والدین اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا، اور خواب کی تعبیر پوری ہونا

تفسیر: حضرت یوسف علیہ السلام نے تیسری بار جب اپنے بھائیوں کو مصر سے رخصت کیا تھا اور اپنا کرتہ دیا تھا کہ

اسے میرے والدین کے چہرہ پر ڈال دینا اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آنا' جب یہ لوگ واپس کنعان پہنچے اور اپنے والد ماجد کے چہرہ انور پر پیراہن یوسف کو ڈال دیا جس سے ان کی بینائی واپس آ گئی اور پھر اپنے والد سے دعائے مغفرت کی درخواست کی اور انہوں نے دعا کر دی تو اب مصر کی روانگی کا ارادہ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ اور گیارہ بیٹے اور ان کی ازواج و اولاد نے رخت سفر باندھا اور مصر کے لئے روانہ ہو گئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے پہنچنے کی خبر ملی' تو شہر سے باہر آ کر ایک خیمہ میں (جو پہلے سے لگایا ہوا تھا) ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے نزدیک جگہ دی اور پھر شہر میں داخل ہونے کے لئے فرمایا کہ اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ کہ مصر میں چلئے ان شاء اللہ تعالیٰ امن چین سے رہئے' جب شہر میں اندر پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کو اکرام اور احترام سے ٹھہرانے کا انتظام فرمایا اور جس تخت شاہی پر خود جلوہ افروز ہوتے تھے اس پر اپنے والدین کو بٹھایا جس سے ان کی رفعت شان کو ظاہر کرنا مقصود تھا اس وقت والدین اور گیارہ بھائی سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے یہ سجدہ بطور تعظیم کے تھا جو سابقہ امتوں میں مشروع تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ میں غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا حرام کر دیا گیا ہے سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لئے حرام ہے' اس کی کچھ تفصیل سورہ بقرہ رکوع نمبر ۴ میں گزر چکی ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کئے ہوئے ہیں ان کے اس خواب کی تعبیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت سمجھ لی تھی کہ اگر یہ خواب یوسف کے بھائیوں نے سن لیا تو اندیشہ ہے کہ وہ گیارہ ستاروں کا مصداق اپنے ہی کو سمجھ لیں گے اس لئے کچھ ایسی تدبیر کریں گے کہ یوسف کی ہلاکت ہو جائے یا وہاں سے دور ہو جائے بھائیوں کے کان میں ان کے خواب کی بھنک پڑی تھی یا یوں ہی دشمنی پر اتر آئے تھے بہر حال وہ تو یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر اور پھر چند درھم کے عوض فروخت کر کے اپنے خیال میں فارغ ہو چکے تھے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ اب یوسف کو نہ گھر واپس آنا ہے نہ اسے کوئی برتری اور بلندی حاصل ہونی ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو آخر وہ دن آ گیا کہ یہ لوگ ان کے سامنے شرمندہ بھی ہوئے اور ان کو تعظیمی سجدہ بھی کیا سجدہ کرنے والوں میں گیارہ ستارے تو بھائی ہوئے اور چاند اور سورج والدین ہوئے جب یہ منظر سامنے آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ اے ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی' میں نے جو خواب دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر سچی فرما دی قرآن مجید میں ورفع ابویہ علی العرش فرمایا ہے' معنی حقیقی کے اعتبار سے عربی زبان میں ابوین ماں باپ کے لئے بولا جاتا ہے ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام تو حقیقی طور پر والد کا مصداق تھے لیکن ان کے ساتھ جس خاتون کو تخت شاہی پر بٹھایا اور سب سجدہ ریز ہوئے ان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تھیں یا بطور مجاز خالہ کو والدہ فرمایا ہے جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں نکاح فرما لیا تھا تفسیر کی کتابوں میں دونوں باتیں لکھی ہیں حضرت حسن اور مورخ ابن اسحٰق سے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ

اس وقت تک ان کی حقیقی والدہ زندہ تھیں اگر ایسا ہو تو مجاز کی طرف جانے اور والدہ سے خالہ مراد لینے کی ضرورت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے مجھے جیل سے نکالا چونکہ جیل سے نکلنے کے بعد ہی بلند مرتبہ پر پہنچے تھے اس لئے مصر میں جن نعمتوں سے سرفراز ہوئے ان میں ابتدائی نعمت کا تذکرہ فرمادیا اور چونکہ حصول اقتدار ہی سارے خاندان کو مصر بلانے کا ذریعہ بنا اس لئے ساتھ ہی دوسری نعمت کا تذکرہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو دیہاتیوں والی آبادی سے لے آیا اور یہاں میرے پاس لاکر بسادیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ کہ یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا جبکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بگاڑ کی صورت بنادی تھی' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں سے نکالنے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ جیل سے نکالے جانے کا تذکرہ فرمایا اور مزید یہ کیا کہ بھائیوں نے جو کچھ کیا تھا اسے شیطان کی طرف منسوب کردیا ان دونوں باتوں میں حکمت یہ تھی کہ بھائی مزید شرمندہ نہ ہوں جب معاف کردیا اور ہر بات بھول بھلیاں کردی تو اب اس کا تذکرہ کرکے دل دکھانا مناسب نہ جانا کریموں کی یہی شان ہوتی ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر کردیتا ہے۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالنے کے لئے دو قیدیوں کے خواب کی تعبیر کو تدبیر بنادیا) اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ (بلاشبہ میرا رب جاننے والا ہے حکمت والا ہے) وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جانتا ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں' اس کے بعد غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرمایا (کمافی سورۃ الفاتحہ) اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت کا ایک حصہ عطا فرمایا) اس میں اللہ کے دو انعام کا تذکرہ فرمایا ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ملک عطا فرمایا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ملک کا بڑا حصہ عطا فرمایا چونکہ اس جگہ بڑی نعمتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لئے بڑا ملک مراد لینا مناسب ہے ای بعضا عظیما منه اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ لفظ مِنْ اس لئے زیادہ فرمایا ہے کہ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار تو حاصل تھا لیکن شاہی اقتدار دوسرے ہی شخص کا تھا جس نے اقتدار سپرد کیا تھا' دوسری نعمت جس کا تذکرہ فرمایا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم نصیب فرمایا' خوابوں کی تعبیر کا علم بہت بڑا علم ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اسی تعبیر دانی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے نکلے اور مصر میں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔

خواب کے بارے میں ضروری معلومات: خواب میں جو کچھ دیکھا جائے اس کے اشاروں کو سمجھ کر جو تعبیر دی جائے اس تعبیر کا صحیح ہونا ضروری نہیں لیکن جن کو اللہ تعالیٰ خوابوں کے اشاروں کی سمجھ اور بصیرت نصیب فرماتا ہے وہ ان کو عموماً سمجھ لیتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ مبشرات کے علاوہ نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مبشرات (بشارت دینے والی چیزیں) کیا ہیں آپ نے فرمایا وہ اچھے خواب ہیں جنہیں کوئی مسلمان خود دیکھ لے یا اس کے لئے دیکھے لئے جائیں' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۴ صحیح بخاری وموطا امام مالک)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے (بخاری ص ۱۰۳۰ ج ۲)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت بنا کر نہیں آ سکتا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۳۶ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آخری زمانہ ہوگا تو مومن کا خواب جھوٹا ہونے کے قریب ہی نہ ہوگا اور سب سے سچا اس شخص کا خواب ہوگا جو اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہوگا پھر فرمایا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جس میں اللہ کی طرف سے بشارت ہے اور دوسرا وہ ہے جو انسان کے اپنے خیالات ہوتے ہیں اپنے نفس سے جو باتیں کرتا ہے وہ خواب میں نظر آ جاتی ہیں اور تیسرا خواب وہ ہے جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ رنجیدہ کرنے کے لئے خواب میں آ جاتا ہے (پھر فرمایا) سو تم میں سے جو کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو ناگوار ہو تو کسی سے بیان نہ کرے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے (رواہ الترمذی فی ابواب الرؤیا)۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو ناگوار ہو تو بائیں طرف سے تین بار تھتکار دے اور تین بار اللہ کی پناہ مانگے' شیطان سے (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھے اور جس کروٹ پر لیٹا ہوا ہے اسے بدل دے) (مشکوٰۃ المصابیح ۳۹۴)۔

حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس (۴۶) حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور وہ پرندہ کی ٹانگ پر ہے جب تک خواب بیان کرنے والا بیان نہ کر دے سو جب وہ (کسی کے سامنے) بیان کر دے گا اور اس کی تعبیر دے دی جائے گی تو تعبیر کے مطابق ظاہر ہو جائے گا اور اپنا خواب صرف ایسے شخص سے بیان کرو جو تم سے محبت رکھنے والا ہے (جو نامناسب تعبیر نہ دے) یا عقلمند آدمی سے بیان کرو جو اچھی تعبیر دے یا کم از کم یہی کرے کہ بری تعبیر سمجھ میں آئے تو خاموش رہ جائے (رواہ الترمذی)۔

یہ جو فرمایا کہ خواب پرندہ کی ٹانگ پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے قرار نہیں ہے جیسے تعبیر دی جائے گی اس کے مطابق ہو جائے گا لہٰذا ایسے شخص سے ذکر نہ کرے جو محبت اور تعلق نہ رکھتا ہو اور ایسے دوست سے بھی بیان نہ کرے جو عقلمند نہ ہو۔

بعض خوابوں کی تعبیریں: رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خواب سنتے تھے اور ان کی تعبیر دیا کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا (جو ان کے چچازاد بھائی تھے) کہ ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ (کی دعوت) کا ظہور ہونے سے پہلے ان کو موت آ گئی ان کے بارے میں کیا سمجھا جائے؟ آپ نے فرمایا میں نے انہیں خواب میں اس طرح دیکھا ہے کہ ان کے اوپر سفید کپڑے ہیں اگر وہ دوزخیوں میں سے ہوتے تو اِن کے اوپر اس کے علاوہ دوسرا لباس ہوتا (رواہ الترمذی) آپ نے سفید کپڑوں سے اس پر استدلال کیا کہ انہوں نے جو تصدیق کی تھی وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان کے درجہ میں معتبر ہوگئی اور وہ دوزخ سے بچا دیئے گئے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس میں سے پیا اور اتنا پیا کہ یہ معلوم ہونے لگا کہ سیرابی ناخونوں سے ظاہر ہو رہی ہے پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دے دیا' حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے اس کی کیا تعبیر دے دی آپ نے فرمایا میں نے اس کی تعبیر علم سے دی یعنی مجھے اللہ نے بہت علم دیا اور اس علم میں سے عمر بن خطاب کو بھی عطا فرمایا (بخاری ص ۱۰۳۷ ج ۲)

اس حدیث میں دودھ سے علم مراد لیا ہے جیسا کہ دودھ اجسام کی پرورش کا ذریعہ ہے اسی طرح علم قلوب کی حیات کا سبب ہے۔

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان بن مظعون کے لئے ایک نہر جاری ہے میں نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا' آپ نے فرمایا کہ ان کا عمل جاری ہے (صحیح بخاری ص ۱۰۳۹ ج ۲) اس میں نہر جاری کی تعبیر آپ نے عمل جاری سے دی' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ ایک کالی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں مدینہ منورہ سے نکل کر جحفہ میں مقیم ہوگئی آپ نے اس کی تعبیر دی کہ مدینہ کی وباء نکل کر جحفہ میں چلی جائے گی۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۴۴ ج ۲)

آپ نے کالی عورت کو وباء کی تعبیر فرمایا اور آپ کی تعبیر کے مطابق ہی ہوا کیونکہ مدینہ منورہ کی آب وہوا درست ہوگئی اور جحفہ برباد ہو گیا وہاں اس وقت یہودی رہتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے دیگر خوابوں کی تعبیر بھی مروی ہے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں حضرت محمد بن سیرین تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں بڑی مہارت تھی جیسا کہ مشہور ہے' بعض مرتبہ خواب دیکھنے والا اپنے خواب کی وجہ سے حیرت اور استعجاب اور فکر و رنج میں پڑ جاتا ہے لیکن اس کی تعبیر بہت اچھی ہوتی ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کو کھود کر ہڈیاں نکال رہا ہوں خواب دیکھ کر گھبرا گئے حضرت محمد بن سیرینؒ کے پاس آدمی بھیج کر تعبیر پوچھی تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے علم کو پھیلائے گا۔

ضروری نہیں کہ خواب کی جو تعبیر دی جائے صحیح ہونے کے باوجود اس کا ظہور جلدی ہو جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں لیکن اس کا ظہور طویل عرصے کے بعد ہوا جب اس

کا ظہور ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا بھی شکر کا ایک شعبہ ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہیں، نعمتوں کا اقرار کرنا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا اور پھر ان نعمتوں کو اعمال صالحہ میں لگانا اور گناہوں میں خرچ نہ کرنا یہ سب شکر کے شعبے ہیں نعمتوں کا انکار کرنا ناشکری ہے سورۂ نحل میں ایک ناشکری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (کیا اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں) قارون کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مال کثیر عطا فرمایا تھا جب اس سے کہا گیا وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (اور تو زمین میں فساد کا خواہاں مت ہو بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) تو اس نے جواب میں کہا اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (کہ یہ مال جو مجھے ملا ہے صرف میرے ذاتی ہنر کی وجہ سے دیا گیا ہے) اس نے اسے اللہ کا دیا ہوا مال ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے ہی ہنر کی طرف نسبت کر دی پھر جو اس کا انجام ہوا سب کو معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو قولاً اور فعلاً اوقات مختلفہ کی دعائیں بتائی ہیں ان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار ہے صبح شام پڑھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو دعائیں بتائی ہیں ان میں سے سید الاستغفار بھی ہے اس دعا کے یہ الفاظ ہیں۔ اللھم انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ (اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا فرمایا اور جہاں تک ہو سکے تیرے عہد پر اور تیرے وعدہ پر قائم ہوں میں اپنے گناہوں کے شر سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور مجھ پر جو آپ کی نعمتیں ہیں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں لہٰذا میری مغفرت فرما دیجئے کیونکہ آپ کے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا)۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار ہے اور اپنے گناہوں کا بھی، اور مغفرت کی دعا بھی ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص اس کو دن میں یقین کے ساتھ پڑھ لے پھر شام ہونے سے پہلے اسی دن میں اسے موت آجائے تو اہل جنت میں سے ہوگا اور جو شخص اسے رات میں یقین کے ساتھ پڑھ لے پھر صبح ہونے سے پہلے اسی رات میں مر جائے تو اہل جنت میں سے ہوگا (رواہ البخاری ص ۹۳۳/ ج ۲)

اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل ہونے کی دعا: اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں دعا کی فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (اے زمین و آسمان کے پیدا فرمانے والے آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں) تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (مجھے اس حالت میں موت دیجئے کہ میں فرمانبردار ہوں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرما دیجئے) اس سے معلوم ہوا کہ با ایمان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتے ہوئے موت آجانا سب سے بڑی سعادت ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات مرتبہ کے اعتبار سے

اپنے سے زیادہ ہوں ان کے احوال اور اعمال میں اور ان کی طرح اجر و ثواب کے استحقاق میں شامل ہونے کی دعا کرنا چاہئے حضرت یوسف علیہ السلام خود نبی تھے پھر بھی دعا کی کہ اے اللہ مجھے صالحین میں شامل فرمادے یعنی باپ دادے حضرت یعقوب، اسحٰق اور ابراہیم علیہم السلام کے درجات میں پہنچادے۔

یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کیوں کی وہ تو اچھے حال میں تھے نعمتوں کی فراوانی تھی حالانکہ دکھ تکلیف کی وجہ سے بھی موت کی دعا کرنا ممنوع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں نہیں کہا کہ مجھے ابھی موت دیدی جائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ مقررہ وقت پر جب مجھے موت آئے تو یہ سعادت نصیب ہو جس کا سوال کر رہا ہوں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ
یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کرلیا تھا
وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ
اور وہ تدبیر کر رہے تھے، اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ حرص کریں، اور آپ اس پر
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾
ان سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتے یہ تو جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے

غیب کی خبریں بتانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے

تفسیر: یہ تو ہر دوست اور ہر دشمن کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نہیں پڑھا تھا اور نہ ایسے لوگوں کی صحبت اٹھائی تھی جو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کو بتاتے اور سناتے، تفصیل کے ساتھ یہ قصہ بتادینا یہ واضح طریقہ پر آپ کی نبوت کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو یہ قصہ بتایا اور آپ نے لوگوں کو سنایا یہودیوں نے جب یہ قصہ سنا جسے وہ اپنے آباؤ اجداد سے سنتے آئے تھے تو انہیں اسلام قبول کر لینا لازم تھا لیکن انہوں نے پھر بھی اسلام قبول نہیں کیا، صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے کفار مکہ سے کہا کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ وہ کیا سبب تھا جس کی وجہ سے بنی اسرائیل اپنے وطن کو چھوڑ کر مصر میں آ کر آباد ہوئے قریش نے آپ سے سوال کیا تو سورۃ یوسف علیہ السلام نازل ہوئی، یہودی اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی اٹھا کر لائے تھے اور انہوں نے سمجھا تھا کہ آپ کی طرف سے اس کا جواب نہ مل سکے گا اور قریش مکہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کو کسی طرح زچ کریں لیکن جب جواب مل گیا تو دونوں فریق وہیں رہے جہاں تھے یعنی اسلام قبول نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہم آپ کو وحی

کے ذریعہ بتاتے ہیں' جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں مل کر یہ طے کرلیا کہ ان کو کنویں میں ڈال دیں اور وہ طرح طرح کی تدبیریں سوچ رہے تھے اس وقت وہاں آپ موجود نہیں تھے' یہ بات یہودیوں کو معلوم تھی اور قریش مکہ کو بھی سمجھا دی تھی پھر یہ بات آپ کو کس نے بتادی' ظاہر ہے کہ وحی کے ذریعہ اس بات کا علم ہوا لہٰذا سوال کرنے والوں اور سوال کی تلقین کرنے والوں پر لازم ہوا کہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لائیں' آپ کا دل چاہتا تھا کہ یہ لوگ اسلام قبول کرلیں معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن اسلام قبول نہیں کرتے تھے' آپ کو امید تھی کہ یہ قصہ سن کر یہودی اور قریش مسلمان ہوجائیں گے لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا حالانکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بتادیں تو اسلام قبول کرلیں گے (کماذکرہ صاحب الروح عن بعضھم ص ۶۵ ج ۱۳) آپ کو حرص تھی کہ لوگ اسلام قبول کرلیں اور خصوصاً قصہ یوسفی سنانے کے بعد تو اور زیادہ امید ہوگئی تھی جب وہ لوگ ایمان نہ لائے تو آپ کو رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ اس بارے میں حرص کریں اس کے بعد فرمایا وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ آپ ان سے اس پر کسی معاوضے کا سوال نہیں کرتے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (یہ جہاں والوں کے لئے صرف نصیحت ہی ہے) ان کے ایمان نہ لانے میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ان کا اپنا خسارہ ہے کہ نصیحت کو نہیں مانتے اور حق کی طرف نہیں آتے۔

فوائد ومسائل

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ ختم ہوا قصہ بیان کرتے ہوئے تفسیر کے دوران ہم نے بہت سے فوائد اور ضروری امور لکھ دیئے ہیں لیکن بعض باتیں رہ گئی ہیں جنہیں مفسرین نے بیان کیا ہے ذیل میں وہ بھی لکھی جاتی ہیں جو کوئی بات مکرر آگئی ہے قند مکرر سمجھ کر لکھ دیا گیا ہے۔

(۱) اچھا خواب اللہ کی نعمت ہے مومن کے لئے بشارت ہے اور خواب کی تعبیر جاننا بھی اللہ کی نعمت ہے۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ تجھے تکلیف دینے کی تدبیر کریں' اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے بارے میں یہ گمان ہو کہ اسے فلاں شخص نقصان پہنچائے گا تو جسے تکلیف پہنچانے کا احتمال ہوا اسے یہ بات بتادینا کہ تم احتیاط سے رہو فلاں شخص کی طرف سے تمہیں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے یہ غیبت حرام میں شامل نہیں۔

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پیغمبر نہیں تھے ورنہ وہ یوسف علیہ السلام کو بوڑھے باپ سے جدا کرنے کی تدبیر نہ کرتے' باپ کو تکلیف پہنچانا اور باپ بھی وہ جو اللہ کا پیغمبر ہے اس کا صدور کسی پیغمبر سے نہیں ہوسکتا انہوں نے بہت بڑے فسق کا عمل کیا' معلوم ہوا کہ صالحین کی اولاد سے بھی گناہ کبیرہ ہوسکتا ہے' اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کے گناہوں

کی وجہ سے ماں باپ پر طعن و تشنیع کرنا یا انہیں گناہوں میں شامل سمجھنا صحیح نہیں جب کہ انہوں نے تعلیم اور تربیت میں کوتاہی نہ کی ہو جب انہوں نے نیکی کی راہ بتادی اور یہ بتادیا کہ یہ چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو گئے۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ بھائی تھے دس حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی سے تھے اور دوان کی دوسری بیوی سے تھے یعنی یوسف علیہ السلام اور بنیامین (یہ دونوں حقیقی بھائی تھے) ان بارہ بیٹوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل چلی حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اس لئے ان کے تمام بیٹوں کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام اور اس وقت جو آپ کی بیوی تھی اور بارہ بیٹے اپنی ازواج و اولاد کے ساتھ مصر میں جا کر آباد ہو گئے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کا مصر میں انتقال ہو گیا اور ان کی وصیت کے مطابق ان کو سابقہ وطن یعنی کنعان میں لا کر دفن کر دیا گیا جیسا کہ کتب تفسیر میں مرقوم ہے ان کے بیٹے مصر ہی میں رہتے رہے ان کی نسلیں آگے بڑھیں حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ان لوگوں کا اقتدار میں کچھ بھی حصہ نہ رہا اور وہاں سے واپس آ کر اپنے وطن کنعان میں بھی آباد نہ ہوئے مصر ہی میں رہتے رہے چونکہ مصریوں کے ہم قوم بھی نہ تھے ہم مذہب بھی نہ تھے اور پردیس سے آ کر آباد ہوئے تھے اس لئے مصریوں نے انہیں بری طرح غلام بنا رکھا تھا سورہ بقرہ اور سورہ اعراف میں گزر چکا ہے کہ مصری ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ ان کے سامنے اف بھی نہ کر سکتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو مصر سے لے کر نکلے جس کا واقعہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ پہنچ گئی تھی بارہ بھائیوں کو اولاد بارہ قبیلوں میں منقسم تھی یہی وہ بارہ قبیلے تھے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ میں پانی کے لئے پتھر میں لاٹھی مارتے تھے تو بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے تو ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے پانی پی لیتا تھا تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ لوگ چار سو سال (۴۰۰) کے بعد مصر سے نکلے تھے۔

(۵) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جو اپنے والد سے یوں کہا کہ یوسف کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے وہ کھائے گا اور کھیلے گا اس کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ کھیلنا ممنوع کام ہے میں اس کے لئے نہیں بھیجتا بلکہ یوں فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم اس لے جاؤ اور تمہاری غفلت میں اسے بھیڑیا کھا جائے، حضرات علمائے کرام نے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ سیر و تفریح اور کھیل کود جو حدود شرعیہ کے اندر ہو جائز اور مباح ہے بچوں کو اس کا کھیلنا کھلانا جائز ہے، اور بالغین بھی آپس میں دوڑ لگا سکتے ہیں بلکہ خیر کی نیت سے ہو تو اس میں ثواب بھی ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے ملک روم (یورپ کا علاقہ) فتح ہو گا اور اللہ ان کے شر کو تم سے دور رکھے گا تو تم میں سے کوئی ایک شخص اس سے عاجز نہ ہو جائے کہ اپنے تیروں سے کھیلا کرے (یعنی تیراندازی کی مشق ہمیشہ کرتے رہو) (رواہ مسلم) چونکہ تیروں کا پھینکنا جنگ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے (اور اب تو جدید آلات حرب کا پھینکنا جنگ کا معیار بن گیا ہے) اس لئے آپ نے تیراندازی کی مشق کا حکم دیا، رسول اللہ ﷺ گھوڑ

دوڑ بھی کراتے تھے جس میں گھوڑوں کا مقابلہ ہوتا تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۶) جو بھی کوئی کھیل ایسا ہو جس میں کشف عورت نہ ہو، نماز سے غفلت نہ ہو، جوا نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو، ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے۔

(۶) جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے ایک بھائی نے جو سب سے بڑا تھا یوں کہا کہ اسے قتل نہ کرو بلکہ کسی کنویں میں ڈال دو تا کہ اسے آنے جانے والے قافلے اٹھالیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب کوئی جماعت کسی شر کا ارادہ کر ہی لے تو جس سے ہو سکے انہیں منع کر دے اگر بالکل منع نہ کر سکے تو کم از کم ایسی بات کا مشورہ دے دے جو فساد اور قباحت اور شناعت کے اعتبار سے ہلکی ہو۔

(۷) جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں باخبر فرما دیا کہ ایسا وقت آئے گا جبکہ تم ان کا یہ عمل یاد دلاؤ گے اسے لفظ اَوْحَیْنَا سے تعبیر فرمایا، عام طور سے لفظ وحی اللہ تعالیٰ کے انہیں پیغامات کے لئے استعمال ہوتا تھا جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس فرشتے کے ذریعے آتے تھے لیکن بعض دیگر مواقع کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں فرمایا وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ اور شہد کی مکھی کے لئے وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ فرمایا ہے، چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے جانے کے وقت کمسن تھے اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کو تسلی دینا اور یہ ارشاد فرمانا کہ تم اس بات کو اپنے بھائیوں کو بتاؤ گے الہام کے طور پر تھا نبوت والی وحی سے اس وقت سرفراز نہیں ہوئے تھے روح المعانی میں اس قول کو حضرت مجاہد تابعی کی طرف منسوب کیا ہے ان کی اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ چند آیات کے بعد اللہ جل شانہٗ نے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکم کو نبوت کے معنی میں لیا ہے۔

(۸) برادرانِ یوسف جب حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ پر خون لگا کر لائے اور اپنے والد سے کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اپنی بات کی تصدیق کے لئے بطور سند خون آلود کرتہ پیش کیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اندازہ لگا لیا کہ یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا اور کرتہ کو صحیح سالم دیکھ کر انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کا بیان غلط ہے، بھیڑیا کھاتا تو کرتہ پھٹا ہوا ہوتا اور اپنی فہم و فراست پر انہیں اتنا اعتماد ہوا کہ ان سے فرما دیا کہ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا (بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارے نفسوں نے ایک بات بنالی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ قاضی اور حاکم فریقین کے بیانات کے ساتھ حق اور ناحق کی چھان بین کے لئے اصول کے مطابق فیصلہ تو گواہوں اور قسم ہی کے ذریعہ کرے لیکن احوال اور قرائن میں غور کرنے سے حق اور حقیقت تک پہنچنے میں مدد ملے گی۔

(۹) حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت بڑا صدمہ پہنچا کہ ان کا چہیتا بیٹا نظروں سے اوجھل ہو گیا انہوں نے بیٹوں کی غلط بیانی تو پکڑ لی لیکن آگے کچھ کر نہیں سکتے تھے صبر کے سوا چارہ بھی کیا تھا لہٰذا انہوں نے فرمایا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ اور ساتھ ہی یوں بھی کہا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ ہی سے اس پر مدد مانگتا ہوں جو تم بیان کرتے ہو) اس

سے معلوم ہوا کہ صبر جمیل بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف برابر توجہ بھی رہے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے اور مشکل حل ہونے کے لئے دعا کرتا رہے صبر جمیل وہ ہے جس میں شکوہ شکایت نہ ہو۔

(۱۰) قرآن مجید میں تصریح ہے کہ جس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا وہ عزیز تھا اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ وزیر خزانہ تھا اور نام اس کا قطفیر تھا اور مصر کا بادشاہ دوسرا شخص تھا کیونکہ بادشاہ کا ذکر قران مجید میں عزیز مصر کے واقعہ کے بعد موجود ہے مفسرین لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا نام ریان تھا جو قوم عمالقہ میں سے تھا یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے پہلے ہی بحالت اسلام انتقال کر گیا۔

(۱۱) عزیز مصر کی بیوی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برے کام کے لئے پھسلایا تھا اس کا نام عام طور سے زلیخا مشہور ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اس کا نکاح ہوا یہ باتیں اسرائیلیات سے لی گئی ہیں قرآن مجید میں یا احادیث شریف میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

(۱۲) عزیز مصر کی بیوی نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلایا اور لبھایا تو اس نے دروازے بند کر دیئے اور هَيْتَ لَكَ کہہ کر اپنا مقصد ظاہر کر دیا حضرت یوسف علیہ السلام نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں ایسے کام سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور یہ بھی کہا کہ تیرا شوہر میرا محسن ہے اس نے میری پرورش کی ہے مجھے اچھی طرح رکھا ہے اب میں یہ خیانت کیسے کر سکتا ہوں کہ اس کی بیوی کے ساتھ ایسا کام کروں اگر میں ایسا کروں تو یہ ظلم اور ناشکری کی بات ہوگی ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے وقتی طور پر ان کے نفس کی کوئی خواہش پوری ہو جائے لیکن آئندہ زندگی میں وہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوں گے۔

(۱۳) یہ تو انہوں نے زبانی طور پر اس عورت کو سمجھایا اور اپنی طرف سے اسے ناامید کرنے کی کوشش کی لیکن ساتھ ہی یہ ہوا کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے وہ عورت بھی پیچھے دوڑی حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم تھا کہ دروازے بند ہیں اس کے باوجود بھی انہوں نے دوڑ لگا دی اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی گناہ کے موقع میں پھنس جائے تو اس سے بچنے کی ہر طرح کی تدبیر کر لے اور اپنے بس میں جو کچھ ہو گناہ سے بچنے کے لئے اسے استعمال کرے جب اپنی طاقت کے بقدر محنت اور کوشش کر گزرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آ جائے گی۔

(۱۴) جیسے مختلف حیثیتوں کے اعتبار سے نیکی کا وزن بڑھ جاتا ہے اس طرح گناہوں سے بچنے کی لائن میں بھی بعض حیثیتوں سے ثواب بڑھ جاتا ہے کسی شخص سے کوئی بدصورت گری پڑی عورت بھنگن چمارن برے کام کے لئے کہے تو اس سے بچنا بھی بڑی ہمت کی بات ہے لیکن اگر کسی شخص سے کوئی دنیاوی اعتبار سے بڑے مرتبہ والی عورت اور وہ بھی جو حسین جمیل ہو بدکاری کی دعوت دے اس سے بچ جانا بہت بڑے درجہ کی بات ہے اور یہ تقویٰ پہلے شخص کے تقویٰ سے بہت زیادہ بلند ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے سات آدمیوں کا ذکر

فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان سات آدمیوں میں سے ایک شخص کا ذکر کرتے ہوئے یوں فرمایا ورجل دعتہ امراۃ ذات حسب وجمال فقال انی اخاف اللہ (اور ایک وہ شخص جسے مرتبہ اور حسن وجمال والی عورت نے برے کام کے لئے دعوت دی تو اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸)

حضرت یوسف علیہ السلام کو جس عورت نے برے کام کی دعوت دی تھی وہ وزیر کی بیوی تھی بظاہر وہ خوب صورت بھی ہوگی لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے صاف انکار کر دیا درحقیقت یہ بڑے دل گردہ کی بات ہے ایسے موقعہ پر گناہ سے بچ جانا بڑی ہمت اور قوی ایمان کی دلیل ہے اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے کوئی نشانی ظاہر فرما دی جو گناہ سے مانع بن گئی اور نشانی کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو دور رکھیں)۔

(۱۵) حسن اخلاق اور حسن معاشرت بڑی عمدہ چیز ہے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں پہنچے تو وہاں جو دوسرے قیدی تھے (عموماً جرائم کی وجہ سے محبوس اور مسجون ہوتے ہیں) ان کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے خوش خلقی کا ایسا عمدہ برتاؤ کیا کہ وہ لوگ آپ کے گرویدہ ہوگئے جب دو شخصوں نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر لینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ نکل گیا کہ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ خاص کر کے مبلغ، مصلح اور داعی کو تو اور زیادہ خوش اخلاق ہونا ضروری ہے اس کے بغیر اس کا کام آگے نہیں بڑھتا حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق صدق وسچائی اور حسن معاشرت نے قیدیوں کے دلوں میں اس قدر گھر کر لیا تھا کہ بادشاہ کے خواب کی کوئی شخص تعبیر نہ دے سکا تو اس ایک شخص نے کہا جو جیل سے رہا ہوا تھا کہ میں تمہیں خواب کی تعبیر بتاؤں گا وہ جیل میں آیا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ کہہ کر خطاب کیا اور اپنی عقیدت کی وجہ سے لفظ الصدیق کے بغیر بات کرنا گوارہ نہ کیا۔

(۱۶) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ واضح ہوا کہ جب کسی داعی مبلغ سے کسی کا کام پڑ جائے تو اسے ارشاد و اصلاح کا ذریعہ بنالے جب حضرت یوسف علیہ السلام سے دو جوانوں نے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے تعبیر بعد میں بتائی اور موقع مناسب جان کر پہلے توحید کی دعوت دے دی اور اپنا تعارف بھی کرا دیا کہ میں کافروں کی ملت پر نہیں ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم اسحق اور یعقوب علیہم السلام کے دین پر ہوں جو اللہ کے نبی تھے۔

(۱۷) جیل سے جس شخص کی رہائی ہوئی اس سے یوسف علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کر دینا اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت سے چھٹکارا کے لئے کوشش کرنا اور کسی کو واسطہ بنانا یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۸) کیسے بھی اسباب اختیار کر لئے جائیں ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر میں ہو جب اللہ کی مشیت ہو اور قضاء وقدر کے اعتبار سے مقرر وقت آ چکا ہو سبب بھی اسی وقت کام دیتا ہے اور دوا بھی اسی وقت فائدہ مند ہوتی ہے دوا بنانے والے طبیب سے بھی اسی وقت ملاقات ہوتی ہے بلکہ بعض مرتبہ دعا کی بھی توفیق اس وقت ہوتی ہے جب کام ہونے کا وقت مقرر آ پہنچا ہو وقد جرب ذلک کثیرا دعا' دوا اسباب اختیار کرتا رہے اللہ کے فضل کا امیدوار رہے جب اللہ چاہے گا فائدہ پہنچ جائے گا حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہا ہونے والے شخص سے فرمادیا تھا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کر دینا لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا لہٰذا چند سال جیل میں رہنا پڑا' پھر جب قضاء وقدر کے موافق جیل سے نکلنے کا وقت آیا تو بادشاہ کا خواب اور جیل سے نجات پانے والے کا یاد آ جانا حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا ظاہری سبب بن گیا۔

(۱۹) جیل سے رہا ہونے والا ساتھی برسوں کے بعد جب خواب کی تعبیر لینے کے لئے واپس لوٹا تو حضرت یوسفؑ نے بڑے حلم اور بردباری سے کام لیا آپ نے اسے کچھ ملامت نہ کی اور یوں نہ فرمایا کہ تجھ سے اتنا کہا تھا کہ اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا تو نے کچھ بھی نہ کیا۔

(۲۰) حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر بھی دی اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا کہ سات سال تک جو غلہ پیدا ہو گا اس کو بالوں ہی میں محفوظ رکھنا تا کہ غلہ میں کیڑا نہ لگ جائے یہ ایک تجربہ کی بات ہے کہ جب تک غلہ خوشہ کے اندر رہتا ہے اسے کیڑا نہیں لگتا اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور کے بارے میں مشورہ دینا اور اپنے تجربہ کے موافق انتظام کے طریقے سمجھانا یہ کوئی بزرگی اور نیکی کے خلاف نہیں ہے' اگر معاشی حالات درست کرنے کے لئے تجربات کو کام میں لایا جائے (جو شریعت کے خلاف نہ ہوں) تو یہ بات قابل نکیر نہیں ہے۔

(۲۱) عزیز مصر کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام کئی سال رہے اس نے اور اس کی بیوی نے اکرام سے رکھا کھلایا پلایا حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی احسان مندی کو سامنے رکھا اور جب بادشاہ کے سامنے اپنے معاملہ کی تحقیقات کا موقع آیا تو انہوں نے معاملہ کو ان عورتوں پر ڈال دیا جو عزیز مصر کی بیوی کی دعوت پر جمع ہوئی تھیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے' بات کو صاف کرنے کے لئے یوں فرمایا مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ اور یوں نہیں فرمایا کہ عزیز کی بیوی سے دریافت کیا جائے' حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی کا تو نام نہ لیا لیکن عزیز مصر کی بیوی خود بول اٹھی اور اپنے جرم کی اقراری ہو گئی اور اس نے برملا اقرار کیا اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ کہ اب حق ظاہر ہو گیا میں نے اس سے اپنے مطلب نکالنے کا ارادہ کیا بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے۔

(۲۲) جب شاہی دربار میں حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت ظاہر ہو گئی تو انہوں نے یوں فرمایا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے) اس میں یہ بات بتائی کہ جس موقع پر میں گناہ سے بچا ہوں یہ بچ جانا میرا ذاتی کوئی کمال نہ تھا نفس کا کام تو یہی ہے کہ گناہوں کا

حکم دیا کرے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (ہاں اللہ تعالیٰ رحمت فرمادے اور اللہ تعالیٰ دستگیری فرمالے تو انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے) اس میں متقیوں پرہیزگاروں کو تنبیہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کی جو توفیق ہوتی رہتی ہے اس پر نہ اترائیں اور نہ ناز کریں اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے)

(۲۳) قرآن حکیم میں نفس امارہ اور نفس لوامہ اور نفس مُّطْمَئِنَّة تینوں کا ذکر آیا ہے حضرت حکیم الامت قدس سرہ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ امارہ اگر توبہ کرلے تو اس کی مغفرت فرمائی جاتی ہے اور مرتبہ توبہ میں وہ لوامہ کہلاتا ہے اور جو مُّطْمَئِنَّة ہے وہ کمال اس کا لازم ذات نہیں بلکہ عنایت و رحمت کا اثر ہے پس امارہ کے لوامہ ہونے پر غفور کا ظہور ہوتا ہے اور مُّطْمَئِنَّة میں رحیم کا۔

(۲۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اپنے بارے میں اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ دینی ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کر دینا جائز ہے اور یہ اس تزکیہ نفس میں نہیں آتا جس کی ممانعت قرآن حدیث میں وارد ہوئی ہے بشرطیکہ اس کا ذکر کرنا غرور و تکبر اور فخر کے لئے نہ ہو۔

(۲۵) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی پہلی بار جب مصر سے غلہ لے کر واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تمہارا جو ایک باپ شریک بھائی ہے اب کی مرتبہ اس کو بھی لے آنا اگر تم اسے ساتھ نہ لائے تو پھر تمہیں غلہ نہیں ملے گا' جب ان لوگوں نے واپس ہو کر اپنے والد سے بیان کیا کہ عزیز مصر نے یہ بات کہی ہے کہ اپنے بھائی کو نہ لاؤ گے تو غلہ نہیں ملے گا۔ اور یہ بیان کر کے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں پھر جانا ہے لہٰذا چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ بھیج دیا جائے والد صاحب کو بھیجنے میں تردد تو ہوا لیکن انہوں نے فرمایا کہ جاؤ اللہ بہترین حافظ ہے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور حقیقی محافظ وہی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ حفاظت کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کر دی اور ان سے قسم بھی لی کہ اسے تم ضرور واپس اپنے ہمراہ لے کر آؤ گے جب انہیں قسم دی تو ساتھ ہی اِلَّا اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ بھی فرمادیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم واقعی اس کے لانے سے مجبور ہو جاؤ تو یہ دوسری بات ہے' اس میں اس بات کو بیان فرمایا کہ تم کیسا ہی وعدہ کرلو کیسی ہی قسم کھالو ہوگا وہی جو اللہ کی قضاء و قدر میں ہوگا اگر تم کسی ایسی مصیبت میں گھر گئے کہ اسے ساتھ نہ لا سکے اور اللہ کی قضاء و قدر غالب آگئی تو یہ صورت قسم میں شامل نہیں اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص قسم کھائے یا قسم کھلائے تو ساتھ یہ بھی کہہ دے کہ اللہ کی طرف سے کوئی مجبوری اور معذوری پیش آگئی تو وہ مستثنیٰ ہے اگر کسی نے کسی سے وعدہ لیا اور اس نے پختہ وعدہ کر لیا اور اپنی طاقت کے بقدر اس نے پورا کرنے کی کوشش کی اور پھر بے بس اور مجبور ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا نہ کر سکا تو اس کو سرزنش اور ملامت نہ کی جائے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر یہ لوگ گذرتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کئے ہوئے ہیں'

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ

اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حال میں کہ شرک کرنے والے ہیں' کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہیں

مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝

کہ ان پر اللہ کی طرف سے عذاب کی کوئی ایسی آفت آپڑے جوان کو گھیر لے یا اُن پر اچانک قیامت آجاوے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ لوگ بہت سی آیات تکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے

تفسیر: حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان فرمانے کے بعد (جو آپ کی نبوت پر واضح دلیل ہے) مخاطبین کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں کو توحید سے اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے سے عناد ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سے بہت سی تکوینی نشانیاں دیکھتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے آسمان میں نشانیاں ہیں مثلاً ستارے ہیں اور خود آسمانوں کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی صفت تخلیق پر دلالت کرتا ہے' جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں' اسی طرح زمین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' ان سب نشانیوں کو یہ لوگ دیکھتے ہیں سفر میں جاتے ہیں بہت ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف نہیں آتے' جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء بھی تجویز کرتے ہیں جنہیں معبود ہونے میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانتے ہیں یعنی ان باطل معبودوں کی بھی عبادت کرتے ہیں' شرک کے ساتھ ماننا کوئی ماننا نہیں ہے یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔ ان لوگوں کا نہ توحید پر ایمان ہے نہ آپ کی رسالت کا انہیں اقرار ہے' کفر وشرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور بالکل اطمینان سے زندگی گزار رہے ہیں' اللہ کے عذاب اور غضب سے نہیں ڈرتے کیا انہیں اس بات کا اطمینان ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آئے گا اور کیا اچانک قیامت نہیں آسکتی ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا عذاب آسکتا ہے جو انہیں ہر طرف سے گھیر لے یا اچانک قیامت آجائے' اور انہیں خبر بھی نہ ہو' **وھذا کقولہ تعالیٰ**

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْيَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (الآیتین) اور آخرت میں ہر کافر کے لئے دائمی عذاب ضروری ہے ہی۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں بصیرت پر ہوں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا' اور

اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝

اللہ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں

تفسیر: اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے نبی (ﷺ) کو حکم فرمایا ہے کہ آپ واضح طور پر لوگوں سے کہہ دیں اور کفار اور مشرکین کے سامنے اعلان فرما دیں کہ میں جس راہ پر ہوں یہ میرا راستہ ہے جو توحید کا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میری یہ دعوت پوری بصیرت کے ساتھ ہے اور نہ صرف یہ کہ میں بصیرت پر ہوں بلکہ جن لوگوں نے میرا اتباع کیا وہ بھی بصیرت پر ہیں اس میں یہ بتا دیا کہ یہ میری دعوت حق ہے صحیح ہے سمجھ کر ہوش گوش کے ساتھ ہے' میں اس کو چھوڑنے والا نہیں ہوں تم میری کیسی ہی مخالفت کر لو میں بہر حال اپنے عقیدہ اور عمل پر قائم ہوں' جو شخص بھی یوں کہے کہ میں مسلمان ہوں محمد رسول اللہ ﷺ کے دین پر ہوں اس پر لازم ہے کہ پوری طرح دین اسلام پر جمے کسی قسم کی کچائی کو نفس میں اور قلب میں جگہ نہ دے اور دشمنوں سے واضح طور پر ٹھوک بجا کر ڈنکے کی چوٹ پر بات کرے اور ان سے کہہ دے کہ میں حق پر ہوں پوری بصیرت کے ساتھ ہوں تم لوگ باطل ہو' جو کوئی شخص دین اسلام پر اعتراض کرے تو خوب بڑھ چڑھ کر اس کا منہ توڑ جواب دے اور دلائل سے بات کرے کسی دشمن سے ذرا بھی نہ دبے نہ لچک اختیار کرے وَسُبْحَانَ اللّٰهِ (اور میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں) ہر طرح کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرتا ہوں۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں) مشرکین جو بھی کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں میں اس سے بری ہوں بیزار ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۗ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا
اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب آدمی ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے کیا یہ لوگ
فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ
زمین میں نہیں چلے پھر سو وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گذرے اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے
لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾
ان لوگوں کے لئے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا کیا تم سمجھ نہیں رکھتے

آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے

تفسیر: مشرکین مکہ اور دوسرے کفار کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں تو ان لوگوں نے کٹ حجتی کی اور طرح طرح کے بے تکے سوالات کرتے تھے ان میں سے ایک یہ

بات بھی تھی کہ آپ تو ہمارے جیسے آدمی ہیں رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کا جواب دیا کہ ہم نے جتنے بھی رسول پہلے بھیجے ہیں وہ سب انسان ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والے تھے یہ حضرات اپنی اپنی امتوں کی طرف بھیجے گئے اور ان کو حق کی دعوت دی اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ ہم جنس ہی ہم جنس کو صحیح طریقہ پر ہدایت دے سکتا ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی، یعنی زبان سے بھی بتا سکتا ہے اور فعلاً عمل کر کے بھی دکھا سکتا ہے اور یہ بات فرشتوں کے ذریعے حاصل نہیں کیونکہ ان میں انسانی مزاج اور طبیعت نہیں ہے لہٰذا عمل کر کے نہیں دکھا سکتے آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بھی انسان ہی تھے، ان حضرات کی امتوں نے ایسے ہی بے تکے سوال کئے تھے جو آپ کے مخاطبین اٹھا رہے ہیں یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے جو آپ کو پیش آیا آپ سے پہلے رسولوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں کما فی سورۃ الرعد. قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الی آخر الآیتین)

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ اس میں مخاطبین کو تذکیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم توحید پر نہیں آتے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر کان نہیں دھرتے کیوں اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے، کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا جس کی وجہ سے ماخوذ ہوئے اور ہلاک ہوئے زمین پر چلیں پھریں تو ان کے مکانوں کے کھنڈر اینٹ پتھر اور بے کار پڑے ہوئے کنویں نظر آئیں گے، اگر عبرت حاصل کرنے کا مزاج ہو تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا یعنی جو بندے تقویٰ اختیار کرتے ہیں کفر و شرک سے بچتے ہیں گناہوں سے دور رہتے ہیں فرائض واجبات کا اہتمام کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے دار آخرت میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں اور دار آخرت ان کے لئے ان دنیاوی نفع کی چیزوں سے بہتر ہے جن سے اہل دنیا چپکے ہوئے ہیں اور یہ چیزیں انہیں ایمان سے روک رہی ہیں اور اعمال خیر سے دور رکھ رہی ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ گرفت میں دیر ہونا دلیل اس بات کی نہیں کہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ ہو گے۔

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا
یہاں تک کہ جب رسول نا امید ہو گئے اور انہیں یہ گمان ہو گیا کہ ہماری فہم نے غلطی کی تو ہماری مدد ان کے پاس آ گئی
فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾
پھر ہم نے جس کو چاہا اسے نجات دیدی گئی اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ہٹایا جاتا

ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا

تفسیر: پہلی آیت میں پرانی امتوں کی تکذیب اور ہلاکت کا ذکر تھا اس آیت میں ان کی تکذیب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی‘ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ یقین تو تھا کہ مکذبین ومنکرین کے مقابلہ میں ضرور ہماری مدد ہوگی‘ لیکن مدد میں دیر لگی‘ دشمن اپنی دنیا میں منہمک رہے عیش وآرام سے زندگی گزارتے رہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انہیں مہلت دی جاتی رہی اس کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے گمان کرلیا کہ ہم نے جو یہ سمجھا تھا کہ جلد ہی ہماری مدد ہوگی اور دشمن جلد ہلاک ہوں گے ہمارا یہ گمان صحیح نہیں تھا وجہ اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلق مدد کا وعدہ تھا اس کا کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا لہٰذا جلدی مدد آنے کا خیال کرنا یہ اپنی طرف سے ایک گمان تھا اور دشمنوں کو لمبی مہلت مل جانے کی وجہ سے کچھ ایسا وہم ہونے لگا کہ گویا دنیا میں ہماری مدد نہ ہوگی یہ اس کے قریب ہے جو سورۃ البقرہ میں ہے۔ حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ جب یہ حال ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا نجات دیدی‘ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اوران کے ساتھ اہل ایمان نجات پاگئے‘ قال صاحب الروح ج۱۳ص۷۹۔

والمعنی ان مدة التکذیب والعداوة من الکفار وانتظار النصر من اللہ تعالیٰ قد تطاولت وتمادت حتی استشعروا القنوط وتوهموا عنها ان لا نصرلهم فی الدنیا انتهی هذا علی قراة کذبوا بالتخفیف التی هی قراة الکوفیین وقراة الآخرین منهم عائشة رضی الله عنها بالتشدیدو فسرت الایة کما روی عنها البخاری فی تفسیر هذه الآیة ج۲ص۶۸۰ هم اتباع الرسل الذین آمنوا بربهم وصدقوهم فطال علیهم البلاء واستاخر عنهم النصر حتی اذا استیئس الرسل ممن کذبهم من قومهم وظنت الرسل ان اتباعهم قد کذبوهم جاء هم نصر اللہ عند ذلک وفی معنی الآیة وجه آخر ذکره ابن کثیر عن ابن عباس وهو انه لما ایست الرسل ان یستجیب لهم قومهم وظن قومهم ان الرسل قد کذبوهم جاء هم النصر علی ذلک (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار کی طرف سے جھٹلانے اور دشمنی کرنے کی مدت بہت لمبی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آنے کی انتظار لمبی ہوگئی یہاں تک کہ انہیں مایوسی سی محسوس ہونے لگی اور انہیں خیال آنے لگا کہ دنیا میں ان کی مدد نہ ہوگی۔ یہ مفہوم تخفیف والی قرأت (کذبوا پر ہے جو کہ کوفیوں کی قراءت ہے اور دوسرے حضرات کی قراءت جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بھی تشدید کے ساتھ کذبوا اور آیت کی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس طرح کی ہے جیسا کہ بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ وہ رسولوں کے متبعین تھے جو ان کے رب پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی اور ان پر آزمائش لمبی ہوگئی اور مدد موخر ہوگئی حتیٰ کہ رسول قوم میں سے جھٹلانے والوں سے مایوس ہوگئے اور رسولوں نے خیال کیا کہ ان کے متبعین نے انہیں جھٹلا دیا ہے اس وقت

ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی۔ اور آیت کے مفہوم میں ایک توجیہہ اور بھی ہے جو ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ جب رسول قوم کی طرف سے اطاعت اختیار کرنے سے مایوس ہو گئے اور قوم والوں نے خیال کیا کہ انہوں نے رسولوں کو جھوٹا کر دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی) (ج ۲ ص ۴۹۸)

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن

البتہ ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے یہ قرآن ایسی کوئی بات نہیں ہے جو تراشی ہوئی ہو

تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں یہ کتاب ان کی تصدیق کرنے والی ہے اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والی ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں

ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے

تفسیر: یہ سورۂ یوسف کی آخری آیت ہے اس میں چار باتیں بتائی ہیں اول یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے جو لوگ اپنی عقل کو کام میں لگاتے ہیں غور و فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کر لیتے ہیں دوسری بات یہ بتائی کہ یہ قرآن جو پڑھا جاتا ہے اور دوست و دشمن سب کے سامنے ان کی تلاوت کی جاتی ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے تراش لیا ہو اس میں جو امم سابقہ کے واقعات بیان کئے ہیں وہ بھی تراشے ہوئے نہیں ہیں پھر اس سے دور کیوں بھاگتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو توحید کی دعوت ان کتابوں میں تھی وہی قرآن مجید میں ہے پھر قرآن کی دعوت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے، خاص کر یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں ان کو تو قرآن سے دور بھاگنے کا کوئی موقعہ ہی نہیں جب قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور وہی بات بیان کرتا ہے جو ان کی کتابوں میں ہے تو سب سے پہلے ان کو قبول کرنا لازم ہے، کما قال تعالیٰ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ چوتھی بات یہ بتائی کہ قرآن میں ہر بات کی تفصیل ہے یعنی واضح طور پر تمام عقائد اور اصولی طور پر تمام احکام بتا دیئے۔

نیز یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت بھی ہے رحمت بھی، کیونکہ یہی حضرات اس کے احکام قبول کرتے ہیں اور اس کی آیات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

وقد تم تفسير سورة يوسف عليه السلام والحمد لله

على الاتمام والصلاة على رسوله البدر التمام وعلى آله وصحبه البررة الكرام

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سورہ رعد مدینہ میں نازل ہوئی ﴿شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

الٓمّٓرٰ یہ کتاب کی آیتیں ہیں، اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا حق ہے، لیکن بہت سے لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

ایمان نہیں لاتے، اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند فرمادیا تم ان آسمانوں کو دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر مستوی ہوا،

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمادیا ہر ایک مدت مقررہ کے مطابق چلتا ہے وہ کاموں کی تدبیر فرماتا ہے، نشانیوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے،

لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ

تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو، اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلادیا اور اس میں پہاڑ

وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ

اور نہریں پیدا فرمادیں اور ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسمیں پیدا فرمائیں اور رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ

"بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں" اور زمین میں ٹکڑے ہیں جو آپس میں پڑوسی ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں

اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَنُفَضِّلُ

اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض کی جڑ بعض سے ملی ہوئی ہے اور بعض ملی ہوئی نہیں ہیں انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم

بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں۔

آسمانوں کی بلندی، شمس وقمر کی تسخیر اور زمین کے پھیلاؤ، پھلوں کی انواع واقسام میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں ہیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ الرعد شروع ہو رہی ہے اس کی ابتداء الٓمّٓرٰ سے ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے ان

کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں' پہلے تو فرمایا تِلْکَ آیَاتُ الْکِتٰبِ یہ کتاب کی یعنی قرآن کی آیات ہیں' پھر فرمایا وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا وہ حق ہے' اس کا حق ہونا امر واقعی ہے کوئی مانے نہ مانے وہ بہرحال حق ہے وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ (لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے) چونکہ لوگ فکر و نظر سے کام نہیں لیتے اپنے رواج اور باپ دادوں کے اتباع ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے ایمان قبول نہیں کرتے۔ پھر فرمایا اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو اونچائی پر بغیر ستونوں کے بنا دیا) اتنے بڑے بڑے آسمان ہیں جو بغیر کسی ستون کے بلندی پر قائم ہیں اور یہ آسمان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا) استواء علی العرش کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا جو مسلک ہے ہم سورہ اعراف (رکوع ٦) کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اور چاند اور سورج کو مسخر فرما دیا) انہیں جس کام میں لگایا ہے اسی میں لگے ہوئے ہیں کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی (ان میں سے ہر ایک وقت مقرر کے مطابق چلتا ہے) اللہ تعالیٰ نے جو نظام ان کے لئے مقرر فرما دیا ہے اسی کے مطابق چلتے ہیں ہر ایک کا مدار مقرر ہے ان کی رفتار اسی مدار پر ہے۔

سورہ یٰس میں آفتاب کے بارے میں فرمایا وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے)۔

اور چاند کے بارے میں فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ (اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی)۔

پھر فرمایا۔ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں)

بعض حضرات نے لِاَجَلٍ مُّسَمًّی سے دنیا کا وجود مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ چاند سورج دونوں وقت معین تک چل رہے ہیں اور وقت معین قیامت کا قائم ہونا ہے جب قیامت قائم ہوگی تو یہ چاند اور سورج کا نظام ختم ہو جائے گا یُدَبِّرُ الْاَمْرَ اللہ تعالیٰ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے یعنی عالم سفلی اور عالم علوی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہے جس طرح چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے یُفَصِّلُ الْاٰیَاتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ (وہ آیات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو) اس سے بعض حضرات نے آیات قرآنیہ مراد لی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیات سے دلائل توحید مراد ہیں خواہ دلائل تشریعیہ ہوں (جو آیات قرآنیہ کو بھی شامل ہیں) اور خواہ دلائل تکوینیہ ہوں جن میں سے بعض کا ذکر اسی آیت میں گزر چکا ہے ان آیات کا بیان فرمانا اس لئے ہے کہ تم غور اور فکر سے کام لو اور یہ سمجھ لو کہ جب اللہ تعالیٰ ایسی ایسی عظیم چیزوں کے پیدا فرمانے پر قادر ہے تو بدرجہ اولیٰ اسے

مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت ہے اسی کے حکم سے قیامت قائم ہوگی وہ مردوں کو زندہ فرمائے گا جو حساب کے موقع پر حاضر ہوں گے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے فرمائے گا اسی کو بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ سے تعبیر فرمایا وَھُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ (اور اللہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں بوجھل پہاڑ پیدا فرما دیئے جو اپنی اپنی جگہوں پر جمے ہوئے ہیں) سورہ لقمان میں فرمایا وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ کہ اللہ نے زمین پر بھاری بوجھل پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ زمین تمہارے ساتھ حرکت نہ کرے' اس میں پہاڑوں کے پیدا فرمانے اور ان کو بوجھل بنانے اور زمین پر جما دینے کی حکمت بیان فرمائی وَاَنْھٰرًا (اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا فرمائیں) یہ نہریں انسانوں کے پانی پینے اور جانوروں کو پلانے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں' آیت شریفہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ زمین کو پھیلا دیا یہ پھیلانا زمین کے کرہ ہونے کے منافی نہیں ہے اگر زمین کروی ہو جیسا کہ اہل سائنس کہتے ہیں تو یہ زمین کے پھیلاؤ کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ پھیلاؤ کے لئے کسی چیز کا اول سے آخیر تک سطح واحد ہونا ضروری نہیں ہے' زمین چونکہ بہت بڑی ہے اس لئے انسانوں کا اس پر رہنا چلنا پھرنا اور سفر کرنا ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ سطح واحد پر ہی جا رہے ہیں' چیونٹی کے طول و عرض کو جو ایک بہت بڑی گیند سے نسبت ہے انسانوں کی آبادیوں کو زمین کے پھیلاؤ سے وہ نسبت بھی نہیں ہے۔

وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِیْھَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ (اور زمین میں ہر طرح کے پھلوں میں سے دو دو قسم کے پھل پیدا فرمائے) مثلاً بعض کھٹے ہیں' بعض میٹھے بعض چھوٹے ہیں اور بعض بڑے کسی کا رنگ مثلاً پیلا ہے اور کسی کا رنگ ہرا ہے' قال صاحب الروح ص ۱۰۱ ج ۱۳ **اجعل من کل نوع من انواع الثمرات الموجودة فی الدنیا ضربین وصنفین اما فی اللون کالا بیض والاسود اوفی الطعم کالحلو والحامض اوفی القدر کالصغیر والکبیر اوفی الکیفیة کالحار والبارد فما اشبہ ذالک**' (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دنیا میں موجود تمام پھلوں کی دو دو قسمیں بنائیں یا تو رنگ کے اعتبار سے جیسا کہ سفید اور سیاہ یا ذائقہ کے لحاظ سے جیسے میٹھا اور کھٹا یا مقدار کے لحاظ سے جیسے چھوٹا اور بڑا یا کیفیت کے اعتبار سے جیسے ٹھنڈا اور گرم۔ اور اسی طرح دیگر صورتیں) چونکہ رنگ اور مزے دو سے زیادہ بھی ہوتے ہیں اس لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ میں تعدد انواع بیان فرمانا مقصود ہے' تعدد کا سب سے پہلا مرتبہ دو ہے اس لئے زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ فرما دیا لہٰذا یہ اس کے معارض نہیں کہ کسی پھل کے انواع کثیرہ ہوں' یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ (اللہ تعالیٰ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے) یعنی دن کی روشنی کے بعد رات کو لے آتا ہے جس سے دن کی روشنی ختم ہو جاتی ہے' جس طرح کسی روشن چیز کو کسی پردہ سے ڈھانپ دیا جائے اس طرح رات ڈھانپ لیتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں) یہ جو کچھ باتیں بیان کی گئیں ان میں فکر کرنے والے فکر کریں اور یہ سوچیں کہ مذکورہ بالا چیزوں کی تخلیق اور ان کی ایجاد اور ان کا بقاء اور ان کی تسخیر اور ترتیب بغیر کسی متصرف کے نہیں ہے' ان کا پیدا کرنے والا بھی اور ان کو باقی رکھنے والا بھی ہے اور ان کو مسخر کرنے والا بھی ہے غور کریں گے تو خالق اور مالک کی الوہیت اور وحدانیت سمجھ میں آ جائے گی۔ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ

مُتَجٰوِرٰتٌ (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیداوار کا تذکرہ فرمایا اس پیداوار میں جو عجائب قدرت ہیں ان کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ زمین میں بہت سے قطعے ہیں جو آپس میں ملے ہوئے ہیں ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے متصل ہے ان میں انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن میں بعض درخت ایسے ہیں کہ اوپر جا کر ایک تنے کے دو تنے ہو جاتے ہیں اور عام درختوں میں ایسا ہی ہوتا ہے اور بعض درخت ایسے ہیں جن کا آخر تک ایک ہی تنا رہتا ہے جیسا کہ کھجور کے درخت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے' ان باغوں اور کھیتیوں کو ایک ہی طرح کا پانی پلایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مزوں میں مختلف ہوتے ہیں' بعض پھلوں کو بعض دوسرے پھلوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے ایک ہی زمین ہے ایک ہی جنس کے پھل ہیں لیکن مزہ میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ بات بھی دیکھی جاتی ہے کہ کھاری زمین اچھی زمین سے متصل ہے اور دونوں میں درخت ہیں لیکن کھاری زمین کا اثر میٹھی جنس کے پھلوں میں نہیں آتا بلکہ خود کھاری زمین کے پھل بھی میٹھے ہوتے ہیں' پھلوں کی میٹھی جنس کا مزاج زمین کے کھاری پن پر غالب آ جاتا ہے' اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بلاشبہ اس میں سمجھ داروں کے لئے نشانیاں ہیں) عقل والے غور کریں گے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے خالق و مالک کو پہچان سکتے ہیں جو ان چیزوں میں اپنی سمجھ کو خرچ نہیں کرتے وہ اہل عقل ہی نہیں۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ۗ اُولٰٓئِكَ

اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کا یہ قول لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا ہوں گے' یہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہونگے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ عافیت سے پہلے آپ سے مصیبت کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور حالانکہ ان سے پہلے عذاب کے واقعات گزر چکے ہیں

الْمَثُلٰتُ ۗ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ

اور بلا شبہ آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود انہیں بخش دینے والا ہے' اور یہ بات یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت

الْعِقَابِ ۝۶ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ

عذاب والا ہے' اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں' ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی۔ آپ صرف

مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ع

ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہدایت دینے والے ہوتے چلے آئے ہیں۔

منکرین بعث کا انکار لائق تعجب ہے ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اے نبی علیہ اگر آپ کو مخاطبین کے انکار قیامت سے تعجب ہے تو آپ کا تعجب واقعی برمحل ہے ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو کیا پھر نئے سرے سے ہماری پیدائش ہو گی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہرے ان کے سامنے ہیں ان کے ہوتے ہوئے پھر تعجب کر رہے ہیں کہ ہم کیسے زندہ ہوں گے وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم خود اور ہمارے آباء و اجداد موجود نہیں تھے سب کو خالق جل مجدہ نے پیدا فرمایا ہے نطفہ سے نطفہ بھی بے جان ہے جس نے نطفہ میں جان ڈال دی وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مٹی سے دوبارہ پیدا فرما دے اور مٹی کے اجزاء میں دوبارہ جان ڈال دے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا یہ تو دنیا میں ان کا حال ہے اور آخرت میں ان کو جو سزا دی جائے گی اس میں سے ایک سزا یہ ہے کہ ان کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہونگے وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

پھر فرمایا وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ (آپ سے یہ لوگ عافیت سے پہلے مصیبت کے جلدی آجانے کا تقاضا کرتے ہیں) یعنی ان سے جو کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ورنہ تمہیں دنیا آخرت میں عذاب بھگتنا ہوگا تو بطور استہزاء اور تمسخر کہتے ہیں کہ لاؤ عذاب لا کر دکھاؤ یہ لوگ عافیت سے اور سلامت والی حالت میں جی رہے ہیں اس کے بجائے عذاب طلب کر رہے ہیں چونکہ عذاب والی بات کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں اس لئے عافیت اور سلامتی کا جو وقت اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر میں مقرر ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے ہی عذاب آنے کی رٹ لگا رہے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ جب عذاب آ جائے گا تو ٹالا نہ جائے گا سورہ ھود میں فرمایا وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓی اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (اور اگر ہم ایک وقت مقرر تک ان سے عذاب موخر کر دیں تو کہتے ہیں کہ اسے کس نے روک رکھا ہے خبردار جس دن عذاب آ جائے گا تو وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے وہ ان پر نازل ہو جائے گا)

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (حالانکہ ان سے پہلے عذاب کے رسوا کن واقعات گذر چکے ہیں) یعنی ان سے پہلی قوموں پر عذاب آ چکا ہے عذاب کے واقعات کا ان کو علم ہے پھر بھی عذاب آنے کی خواہش کر رہے ہیں یہ ان کی بے ہودگی اور بدفہمی کی بات ہے قال صاحب الروح المثلث جمع مثلة کثمرة و ثمرات وھی العقوبة الفاضحة۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ مطلب یہ ہے کہ گناہ کر کے جو

لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمانے والا ہے (کبھی توبہ سے کبھی بلاتوبہ کبھی حسنات کے ذریعہ سیآت کا کفارہ فرما کر اور کبھی اموال و اولاد وغیرہ میں مصیبت بھیج کر) اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا بھی ہے (مغفرت والی بات سن کر سرکشی اور نافرمانی میں آگے بڑھتے ہوئے نہ چلے جائیں اگر گرفت ہوگی تو عذاب کی مصیبت سے بچ نہ سکیں گے) کافروں کی مغفرت کے لئے لازم ہے کہ کفر سے توبہ کریں اور اہل ایمان سے جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں ان کی مغفرت کی صورتیں متعدد ہیں جو ابھی اوپر بیان کی گئیں۔

فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد: پھر فرمایا وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ (یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی تصدیق اور تائید کے لئے وہ معجزہ ظاہر ہونا چاہیئے جو ہم چاہتے ہیں) جاہلوں نے ضد و عناد اور ایمان لانے سے انکار کرنے کے لئے جو حیلے تراشے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ظاہر ہونا چاہئے۔ درحقیقت معجزہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل ظاہر کیا جاتا تھا اصل چیز تو دلائل ہیں جب دلائل سے حق واضح ہو گیا اور نبی کی نبوت ثابت ہو گئی تو نبی پر ایمان لانا فرض ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا تھا معجزات ظاہر ہو جاتے تھے جن لوگوں کو ماننا نہ تھا وہ نہ دلائل سے مانتے تھے اور نہ معجزہ دیکھ کر ایمان لاتے تھے ان کے کہنے کے مطابق بھی بعض معجزات ظاہر ہوئے لیکن جنہیں عناد تھا اور ماننا نہ تھا انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے فرمائشی معجزوں کی بات کرنا قبول حق کے لئے نہیں تھا بلکہ اپنے ضد پر قائم رہنے کے لئے تھا۔

پھر فرمایا إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ کہ آپ ان کی باتوں سے دل گیر نہ ہوں آپ کا کام بس حق کا پہنچا دینا اور عذاب آخرت سے ڈرانا ہے لوگوں سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اگر یہ کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا اور اس کو وہ عدم قبول کا بہانہ بناتے ہیں تو آپ فکرمند نہ ہوں جب آپ نے انذار و تبلیغ کا کام کر دیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے پھر فرمایا وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اقوام عالم کو ہدایت دینے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ان کی بھی تکذیب کی گئی ان کی اقوام میں سے کسی نے حق قبول کیا اور کسی نے رد کر دیا جو ان کے ساتھ ہوا وہی آپ کے ساتھ ہو رہا ہے منکرین کے طرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں صبر کریں اور اپنا کام کرتے رہیں سورۂ احقاف میں فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ (سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے عذاب آنے کی جلدی نہ کیجئے)

فائدہ: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ فرمایا وَلِكُلِّ قَوْمٍ نَّبِيٌّ نہیں فرمایا ہادی کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں میں جو اہل علم تھے وہ اپنے اپنے نبی کی امتوں کو ہدایت دیتے رہے اگر دنیا کے کسی خطے میں کسی نبی کے تشریف لانے کا تحقیقی ثبوت نہ ملے تو اس سے آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا نبی نہ آئے تو ان کے نائب ہادی ضرور آئے گو ہمیں ان سب کی تفصیل معلوم نہ ہو نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے جس کسی کی نبوت کا ثبوت نہ

ہوا سے خواہ مخواہ اس لئے نبیوں کی فہرست میں شمار کر لینا کہ اقوام عالم میں سے کوئی نہ کوئی قوم اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور ان کے مذہب کا پیشوا اور بانی ہے یہ غلط ہے اور گمراہی ہے، بعض لوگ ہندوؤں، بدھسٹوں اور زرتشتوں کے بڑوں کو نبی ماننے کو تیار ہیں یہ ضلالت اور جہالت کی بات ہے، یہ لوگ آیت کریمہ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ سے استدلال کرتے ہیں اول تو آیت میں لفظ ھاد ہے لفظ نبی نہیں ہے دوسرے لفظ نبی بھی ہوتا تب بھی کسی کو بلا دلیل شرعی محض اٹکل سے نبی ماننا غلط ہے، پھر ان اقوام کے پیشواؤں کی تعلیمات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ان میں شرک ہے اور ان میں سے بعض لوگوں کی جو تصویریں سامنے آئی ہیں وہ ننگی تصویریں ہیں کوئی نبی ننگا نہیں رہ سکتا شرم اور حیاء تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی شعار ہے ننگا رہنے والا کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ ایک احتمال ہے کہ جو حضرات موحد تھے ان کے ماننے والوں نے ان کے دین میں شرک داخل کر دیا ہو اور ان کی ننگی تصویریں خود سے تجویز کر دی ہوں لیکن یقین کرنے کا کوئی راستہ نہیں اور بلا دلیل شرعی کسی کی نبوت کا اعتقاد رکھنا بھی باطل ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم فرمانے کا اعلان فرما دیا تو اس کے بعد کسی کا دعوائے نبوت کرنا اور اس کی تصدیق کرنا سراپا کفر ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ

اللہ جانتا ہے جو کوئی کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی اور بیشی ہوتی ہے، اور ہر چیز

عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ

اللہ کے نزدیک ایک خاص مقدار کے ساتھ ہے، وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے بڑا ہے برتر ہے، تم میں سے جو کوئی

مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝

شخص کوئی بات آہستہ سے کہے اور جو شخص پکار کر کہے اور جو شخص رات میں چھپا ہوا ہو اور جو شخص دن میں چلتا پھرتا ہو یہ سب برابر ہیں،

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

ہر ایک کے لئے آگے پیچھے آنے جانے والے فرشتے ہیں جو آگے سے اور پشت کے پیچھے سے آتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ

يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا

کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے، اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے

فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

تو اسے کوئی واپس کرنے والا نہیں، اور ان لوگوں کے لئے اس کے سوا کوئی مددگار نہیں

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عورتوں کے رحم میں کیا ہے وہ علانیہ اور پوشیدہ سب چیز کو جانتا ہے ہر اونچی اور آہستہ آواز اس کے نزدیک برابر ہے رات میں چھپا ہوا اور دن میں چلنے والا ہر ایک اس کے علم میں ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی صفات جلیلہ میں سے صفت علم کو بیان فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو جو حمل رہ جاتا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پوری طرح جانتا ہے کب استقرار ہوا اور کب وضع حمل ہوگا اور لڑکا وجود میں آئے گا یا لڑکی' ادھورا بچہ گرے گا یا پورا بچہ پیدا ہوگا اور اس کا رنگ و روپ کیسا ہوگا اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ رحم میں بچہ ہے یا یوں ہی ہوا کی وجہ سے پھولا ہوا ہے' رحموں میں سے جو چیز کم ہوتی ہے اور جو چیز رحموں میں زیادہ ہوتی ہے یعنی بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے بچہ کی ابتداء کتنے جسم اور کتنے وزن سے ہوتی ہے پھر اس میں کتنا اضافہ ہوا اور یہ بات کہ یہ بچہ تھوڑی مدت میں پیدا ہوگا یا دیر لگے گی اور یہ کہ رحم میں ایک بچہ ہے یا جڑواں بچے ہیں اور جڑواں بچوں میں سے ایک باہر آ گیا تو اندر باقی کتنے ہیں وغیرہ وغیرہ' ان سب باتوں کا اللہ تعالیٰ کو پوری طرح علم ہوتا ہے یہاں پہنچ کر بعض بے علم یہ اشکال کرتے ہیں کہ رحم میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی اس کے بارے میں ڈاکٹر پہلے سے بتا دیتے ہیں لہٰذا یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے محل نظر ہو گئی' ان لوگوں کا یہ سوال اور اشکال غلط ہے اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ آلات اور تجربات کی بنیاد پر نہیں ہے وہ علیم اور خبیر ہے اسے کسی آلہ اور کسی تجربہ کی ضرورت نہیں اور مخلوق کا جو علم ہے وہ تجربہ اور گمان اور آلات پر مبنی ہے' پھر ان کی بات غلط بھی نکل آتی ہے یہ علم جو مخلوق کا محتاج ہے یعنی آلات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے یہ علیم اور خبیر جل مجدہ کے علم کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ جسے تخلیق عالم سے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس مرد کے نطفہ سے اور کس عورت کے رحم سے کیا پیدا ہوگا اور کب پیدا ہوگا اور پورا ہوگا یا ادھورا ہوگا اس کے علم کی شان ہی اور ہے وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر ہے۔ اس عموم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بچہ کتنے دن شکم مادر میں رہے گا کتنے برس دنیا میں جئے گا اسے کتنا رزق ملے گا اور کیا کیا عمل کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

پھر فرمایا عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ اللہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کو اور تمام امور کو جانتا ہے وہ بڑا ہے (اور) برتر ہے پھر معلومات الٰہیہ کی مزید جزئیات ذکر فرمائیں اور فرمایا سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ (الآیۃ) کہ تم میں جو شخص آہستہ سے بات کرے اور جو زور سے بولے اور جو شخص رات میں کہیں چھپا ہوا ہو یا دن میں کہیں چل پھر رہا ہو اللہ تعالیٰ اس سب کو یکساں جانتا ہے کوئی شخص کسی حال میں اللہ سے پوشیدہ نہیں اور وہ ہر ایک کی ہر بات کو جانتا ہے'

پھر اپنی ایک نعمت کو بیان فرمایا۔

فرشتے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کہ انسان کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں جو آگے سے اور پشت کے پیچھے سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں اور ضرر دینے والی چیزوں سے بچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس کام پر لگایا ہے کہ وہ انسان کی حفاظت کریں صاحب روح المعانی بحوالہ ابن ابی الدنیا وغیرہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہر بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر فرما دیئے۔ جو اس کی حفاظت کرتے ہیں تا کہ اس پر کوئی دیوار نہ گر جائے یا وہ کسی کنویں میں نہ گر پڑے یہاں تک کہ جب اللہ کی قضاء و قدر کے مطابق کوئی تکلیف پہنچنے کا موقع آ جاتا ہے تو فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں لہٰذا جو تکلیف پہنچنی ہوتی ہے پہنچ جاتی ہے۔

جب تک لوگ نافرمانی اختیار کر کے مستحق عذاب نہیں ہوتے اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کی امن و عافیت والی حالت کو نہیں بدلتا

اس کے بعد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (بلا شبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی امن اور عافیت والی حالت کو مصائب اور آفات سے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود ہی تبدیلی نہ لے آئیں یعنی بد اعمالی اختیار کر کے وہ عذاب اور مصیبت کے مستحق نہ ہو جائیں جب وہ اپنے اچھے حالات کو سرکشی اور نافرمانی سے بدل دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی عافیت کو آفات اور بلیات سے بدل دیتا ہے اور ایسے موقع پر فرشتوں کا جو پہرہ ہے وہ بھی اٹھا لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب آ جاتا ہے آیت کا مضمون وہی ہے جو سورہ نحل کی آیت کریمہ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً (الآیۃ) میں بیان فرمایا ہے پھر فرمایا وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ (اور جب اللہ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو اسے کوئی واپس کرنے والا نہیں) یعنی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم پر کسی مصیبت کے بھیجنے کا فیصلہ ہو جائے تو وہ مصیبت آ کر رہے گی اسے کوئی ہٹانے والا اور دفع کرنے والا نہیں وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ اور ایسے وقت میں (جبکہ مصیبت آ پہنچے) اللہ کے سوا کوئی ان کا والی نہیں ہوتا جو ان کی مصیبت کو رفع کرے اس وقت حفاظت کے فرشتے ہٹ جاتے ہیں اور مصیبت آ کر رہتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَ یُسَبِّحُ

اللہ وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے تمہیں ڈر لگتا ہے اور امید بندھتی ہے اور وہ بھاری بادلوں کو پیدا فرماتا ہے اور رعد اس کی تسبیح

الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا
کے ساتھ اس کی تعریف بیان کرتا ہے' اور فرشتے بھی اس کے خوف سے' اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر
مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾
جسے چاہے پہنچا دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے

بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں بجلی اور بادل اور کڑک کا تذکرہ فرمایا' یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے اور اس کی تکوین اور تخلیق سے وجود میں آتی ہیں' اللہ تعالیٰ بجلی کو بھیج دیتا ہے لوگ اسے دیکھتے ہیں پھر دیکھنے والوں میں بعض تو اس سے ڈر جاتے ہیں مثلاً مسافر راستوں میں ہوتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ بارش ہونے لگی تو ہمارا کیا بنے گا' اور بعض لوگ اسے دیکھ کر نفع کی امید باندھتے ہیں کہ بارش ہوگی تو کھیت کی آبیاری ہوگی اور بارش اچھی ہوگی۔ وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (اور اللہ تعالیٰ بھاری بادلوں کو پیدا فرما دیتا ہے) یہ بادل ایسی جگہ جا کر برس پڑتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے سورہ اعراف میں فرمایا وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اور اللہ وہی ہے جو خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اس کی رحمت یعنی بارش کے آنے سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم کسی ایسی جگہ میں پانی اتار دیتے ہیں پھر اس پانی کے ذریعے ہر طرح کے پھل نکال دیتے ہیں۔

رعد کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ رعد اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس کی تعریف بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اللہ کے خوف سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں' سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الرعد) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے ایک یہودی حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابو القاسم ہمیں یہ بتایئے کہ رعد کیا ہے آپ نے فرمایا کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا ہوا ہے اس کے پاس پھاڑنے والی چیزیں ہیں جو آگ کی بنی ہوئی ہیں اور ان کے ذریعے بادلوں کو ہانکتا ہے اللہ جہاں چاہتا ہے وہاں لے جاتا ہے' یہودیوں نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا ہے جو سننے میں آتی ہے' آپ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے کی آواز ہے' رعد انہیں جھڑکتا ہے یہاں تک کہ بادلوں کو وہاں لے جاتا ہے جہاں لے جانے کا حکم ہوتا ہے (قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب)۔

پھر فرمایا وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے) وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے

میں جھگڑا کر رہے ہوتے ہیں وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ (اور وہ سخت قوت والا ہے)۔

آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ کا سبب نزول: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابیؓ کو رؤسائے جاہلیت میں سے ایک شخص کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کی دعوت دینے کے لئے بھیجا' اس نے کہا کہ تمہارا رب کون ہے جس کے ماننے کی دعوت دیتے ہو' وہ لوہے کا ہے یا تانبے کا چاندی کا ہے یا سونے کا' وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو اس کی باتوں کی خبر دی آپ نے دوبارہ انہیں بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی' یہ صحابیؓ پھر حاضر خدمت ہوئے اور اس کی بات نقل کر دی آپ نے تیسری بار ان کو پھر بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی اس مرتبہ جب یہ صحابیؓ واپس ہو کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس کے سوال سے باخبر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بجلی اس پر نازل فرما دی جس کی وجہ سے وہ جل گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ (آخر تک) نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تیسری بار جب وہ شخص بات کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ایک بادل بھیج دیا وہ بادل گرجا اور اس میں سے ایک بجلی گری جو اس سرکش کافر کی کھوپڑی کو لے کر چلی گئی (مجمع الزوائد ص۴۲ ج۷ عن ابی یعلی والبزار والطبرانی فی الاوسط ورجال البزار رجال الصحیح غیر دیلم بن غزوان وھو ثقة) (ابو یعلی سے اور بزار سے اور طبرانی سے اوسط میں اور بزار کی سند کے رجال صحیح ہیں سوائے دیلم بن غزوان کے اور وہ بھی ثقہ ہے)

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ

سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے اور جو لوگ اس کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ذرا بھی ان کی درخواست کو منظور نہیں کرتے مگر جیسے کوئی شخص

كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿١٤﴾ وَلِلَّهِ

پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہو تاکہ پانی اس تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار بس ضائع ہے اور اللہ ہی کے لئے

يَسْجُدُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۩ ﴿١٥﴾ قُلْ

سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں' آپ سوال کیجئے

مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُم مِّن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ

کہ آسمانوں کا اور زمینوں کا رب کون ہے؟ آپ جواب دے دیجئے کہ اللہ ہے آپ سوال کیجئے کیا تم لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار تجویز کر رکھے ہیں جو

لِأَنفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي

اپنی جانوں کے لئے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں؟ آپ سوال کیجئے کہ نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا

الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ ۗ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ

اندھیریاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں کیا یہ بات ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے لئے شریک تجویز کئے ہیں جنہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو جیسے کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے ان پر مخلوق میں اشتباہ پیدا ہو گیا ہو آپ فرما دیجئے

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

اللہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ تنہا ہے غالب ہے۔

غیر اللہ سے مانگنے والوں کی مثال، سب اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے وہ واحد ہے قہار ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس سے دعا کرنا ہی سچی پکار ہے اور صحیح پکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کی پکار سنتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے وہ سمیع الدعاء ہے قادر مطلق ہے قاضی الحاجات ہے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مشرک ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ خود عاجز محض ہیں کسی کی پکار پر کوئی بھی مدد نہیں کر سکتے ان لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہو اور پانی کو بلا رہا ہو کہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں ہے، جس طرح یہ پانی سے درخواست کرنے والا منہ میں پانی پہنچنے کی آرزو سے محروم رہے گا اور پانی خود اس کے منہ میں پہنچنے سے عاجز رہے گا اسی طرح مشرکین کے معبودانِ باطلہ عاجز محض ہیں وہ پکارنے والے کی کچھ بھی فریاد رسی نہیں کر سکتے سورہ اعراف میں فرمایا وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ اور اللہ کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ اور کافر لوگ جو اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں یہ سب ضائع ہے۔ پھر فرمایا وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) کہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں ان سجدہ کرنے والوں میں خوشی سے سجدہ کرنے والے بھی ہیں اور مجبوری سے بھی، اور ان کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ سجدے صبح و شام کے اوقات میں یعنی ہمیشہ ہر وقت ہوتے ہیں۔

يَسْجُدُ کا معنی بعض حضرات نے يَسْجُدُ کا معروف معنی لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو فرشتے ہیں اور مومنین ہیں یہ سب اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں فرشتے اور مومنین جنات اور انسان تو خوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور جو لوگ منکرین ہیں اور منافقین ہیں وہ بھی تلوار کے ڈر سے یا ماحول کے دباؤ سے سجدہ کرتے ہیں اس کو مجبوری کے سجدہ سے تعبیر فرمایا وَظِلٰلُهُمْ ان کے سائے بھی سجدہ کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں جس طرح چاہتا ہے وہ اس کو گھٹاتا اور بڑھاتا ہے، صبح و شام کے وقت ان کے گھٹنے اور بڑھنے کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان وقتوں کی تخصیص کی گئی بعض حضرات نے علیٰ سبیل عموم المجاز اس کا معنی لیا ہے کہ سجدہ کرنے والے جب سجدہ کرتے ہیں تو

دھوپ یا روشنی میں ان کا سایہ بھی ان کے تابع ہو کر سجدہ کرتا ہے یعنی سائے کی پشت دیکھنے میں آجاتی ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ خوشی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جن پر سجدہ کرنا شاق نہیں گزرتا اور زبردستی کا سجدہ ان لوگوں کا ہے جو سجدہ تو کرتے ہیں لیکن سجدہ کرنا ان کی طبیعتوں پر شاق گزرتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یَسْجُدُ کا معنی یخضع اور ینقاد کا لیا ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو مخلوق ہے وہ سب اللہ کے لئے سرخم کئے ہوئے ہے یعنی اللہ کی مشیت اور ارادے کے مطابق چلتے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو با اختیار خود اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو مجبور ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تکوینی طور پر تو سبھی اس کی قضاء اور قدر کے تابع ہیں، اور ان چیزوں کے جو سائے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں صبح ہو شام جو بھی سایہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے موافق ہی چلتا ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے۔ اس کو سورۂ فرقان میں یوں بیان فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا۔ (کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے سایہ کو کیونکر پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا)۔

طَوْعًا اَوْ کَرْهًا کے بارے میں سورۂ آل عمران کی آیت اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کر لی جائے، پھر فرمایا قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ) یعنی آپ مشرکین سے سوال کیجئے کہ بتاؤ آسمانوں کا اور زمین کا رب کون ہے پھر آپ خود ہی جواب دے دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے وہ جہل یا عناد کی وجہ سے جواب نہ دے سکیں تو آپ انہیں بتا دیں اور سمجھا دیں، اس کے بعد فرمایا کہ آپ زجر و توبیخ اور سرزنش کے طور پر ان سے سوال فرمائیں کہ یہ جو تم نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے اولیاء بنا رکھے ہیں اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ ہماری مدد کرنے والے ہیں یہ تو اپنی جانوں تک کے لئے کسی بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں نہ کوئی نفع اپنی طرف لا سکتے ہیں اور نہ اپنے سے کوئی ضرر رفع کر سکتے ہیں جبکہ ان کا اپنی جان کے بارے میں یہ حال ہے جسے تم جانتے ہو تو تمہیں کیا نفع دے سکتے ہیں اور کیا کسی ضرر کو رفع کر سکتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ جن کو تم نے اولیاء بنایا ہے عاجز محض ہیں پھر بھی تم نے ان کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے تف ہے اس سفاہت اور ضلالت پر۔

بینا اور نابینا اور نور اور اندھیرے برابر نہیں ہو سکتے: پھر فرمایا قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ (آپ ان سے سوال کیجئے کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں) نابینا سے مشرک مراد ہیں جو اس ذات پاک کی عبادت نہیں کرتا جو مستحق عبادت ہے، اور غیر اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور بینا سے موحد مراد ہے جو یہ جانتا ہے کہ

مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنا ہے اور پھر وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے جس طرح آنکھوں سے معذور اندھا دیکھنے والے کے برابر نہیں ہو سکتا اسی طرح مومن اور مشرک برابر نہیں ہو سکتے' پھر فرمایا اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (کیا اندھیریاں اور نور برابر ہو سکتے ہیں) اندھیریوں سے تمام انواع کفر مراد ہیں اور اسی لئے اسے جمع لایا گیا ہے اور نور سے ایمان اور توحید مراد ہے جس طرح حسیات میں اندھیریاں اور روشنی برابر نہیں اسی طرح دینیات میں ایمان اور کفر برابر نہیں' کافروں کے جتنے بھی دین ہیں وہ سب ملۃ واحدہ ہیں' ان کا دین اور اہل ایمان کا دین الگ ہے' ایمان اور کفر برابر نہیں' مومن اور کافر بھی برابر نہیں ایمان جنت میں لے جانے والا ہے اور کفر دوزخ میں پہنچانے والا ہے۔

سورۂ انعام میں فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایسا نور مقرر کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیریوں میں ہے اور ان سے نکلنے والا نہیں)۔

پھر فرمایا اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ (کیا ایسی بات ہے کہ ان لوگوں نے جنہیں اللہ کا شریک قرار دیا ہے' انہوں نے کچھ مخلوق پیدا کی ہے پھر انہیں مخلوق میں اشتباہ ہو گیا ہو کہ یہ مخلوق تو اللہ کی ہے اور یہ مخلوق شرکاء کی ہے اس اشتباہ اور التباس کی وجہ سے وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے) یہ سب استفہام انکاری کے طور پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے سب کو اسی نے وجود بخشا ہے اس کو سب ہی مانتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے' اگر کسی اور نے بھی کوئی مخلوق پیدا کی ہوتی تو اشتباہ ہونے کا موقع ہوتا کہ اس نے بھی بعض چیزوں کی تخلیق کی ہے لہٰذا یہ بھی مستحق عبادت ہونا چاہئے (العیاذ باللہ) لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود انہوں نے تجویز کئے ہیں وہ کسی چیز کی پیدائش پر قادر ہی نہیں اگر سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو پیدا نہیں کر سکتے اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا وہی سب کا معبود ہے اور وہی واحد حقیقی ہے اور وہ الوہیت میں اور ربوبیت میں منفرد اور متوحد ہے اور وہ سب پر غالب ہے ساری مخلوق مقہور اور مغلوب ہے جو مخلوق اور مقہور ہو وہ خالق وقہار جل جلالہ کا شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق بہنے لگے پھر بہتے ہوئے پانی نے اپنے اوپر جھاگ کو اٹھایا جو پانی پر بلند ہے اور جن چیزوں کو

يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ

آگ میں ڈال کراوپر سے جلاتے ہیں تا کہ زیور یا کوئی دوسری نفع کی چیز حاصل کریں اس میں بھی اسی طرح کی جھاگ ہے اسی طرح

اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ

اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے' سو جو جھاگ ہے وہ تو بے فائدہ ہو کر چلا جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے

فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ

وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے ہی مثالیں بیان فرماتا ہے جن لوگوں نے اپنے رب کی اطاعت کی ان کے لئے جنت ہے اور جن لوگوں نے

لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ

اللہ کی فرمانبرداری نہ کی اگر ان کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس جیسا اور بھی ہو تو وہ اس سب کو اپنی جان کے بدلہ دے دیں گے یہ وہ لوگ ہیں

لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

جن کے لئے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے۔

حق اور باطل کی مثال' قیامت کے دن نافرمان اپنی جان کے بدلہ دنیا اور اس جیسا جو کچھ اور مل جائے سب دینے کو تیار ہوں گے

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں حق اور باطل کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں پہلی مثال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے یہ بارش کا پانی وادیوں میں اور نالوں میں چل دیتا ہے جو پانی چلتا ہے خس وخاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے' پانی پر بہت سا کوڑا کرکٹ جمع ہو جاتا ہے جو پھولا ہوا نظر آتا ہے اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتا ہے پھر کوڑا کرکٹ تو یوں ہی بلا فائدہ رہ جاتا ہے اور ادھر ادھر کہیں ٹھہر جاتا ہے اور پانی یا تو کہیں جمع ہو جاتا ہے جس سے کھیتیاں سیراب کی جاتی ہیں اور انسان اس میں سے پیتے ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں یا زمین میں اندر چلا جاتا ہے جو اندر کے چشموں میں جا کر مل جاتا ہے' جو اصل چیز ہے یعنی نفع دینے والا پانی وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے اور خس وخاشاک جو بے حیثیت چیز ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ اسے کوئی سمیٹتا ہے نہ اس کی کوئی حفاظت کرتا ہے' اور دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ لوگ زیور یا کوئی دوسری کام کی چیز مثلاً برتن وغیرہ حاصل کرنے کے لئے چاندی سونے کو گلاتے ہیں اور گلانے کے لئے نیچے آگ جلاتے ہیں جب آگ جلتی ہے اور سونا چاندی کو تپایا جاتا ہے تو خالص چیز علیحدہ ہو جاتی ہے اور جھاگ علیحدہ ہو جاتی ہے یہ جھاگ بھی سیلاب کے پانی کی طرح اوپر اٹھے ہوئے نظر آتے ہیں پھر یہ جھاگ تو پھینک دیئے جاتے ہیں اور اصل چیز یعنی سونا چاندی باقی رہ جاتا ہے' دونوں مثالوں میں ایک چیز تو مفید اور نافع ہے جو باقی رہ جاتی ہے اور کام میں لائی جاتی ہے اور دوسری چیز

فضول اور بے حیثیت اور بے کار ہوتی ہے، پہلی مثال میں پانی نافع ہے اور خس و خاشاک بے کار چیز ہے اور دوسری مثال میں چاندی سونا یا دوسری دھاتیں نافع ہیں اور تپاتے وقت جو میل کچیل نکلتا ہے وہ بے کار ہے، اسی طرح سے حق اور باطل یعنی ایمان اور کفر کو سمجھ لیا جائے کہ ایمان نافع چیز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور کفر باطل چیز ہے، اس پر اللہ کی طرف سے کوئی اجر و ثواب نہیں بلکہ وہ دوزخ کی آگ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہے دنیا میں کفر اگرچہ پھولا پھولا نظر آتا ہے (جیسا کہ بہتے ہوئے پانی پر خس و خاشاک اور پگھلتے ہوئے سونے چاندی کے جھاگ) لیکن انجام کے اعتبار سے وہ بالکل بے وزن بے حقیقت اور بے فائدہ ہے۔

دوسری آیت میں اہل ایمان کے ثواب اور اہل کفر کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى (جو لوگ اللہ کی دعوت حق قبول کر کے اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کیا ان کے لئے اچھا ثواب ہے یعنی جنت ہے) اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہ کیا اس کی فرمان برداری نہ کی وہ لوگ سخت مصیبت میں ہوں گے، اول تو ان سے بری طرح یعنی سخت حساب لیا جائے گا اور پھر انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، جو بہت برا ٹھکانہ ہے جب حساب اور عذاب کی مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو اپنی جان کا بدلہ دینے کے لئے رضامند ہوں گے وہاں کوئی مال پاس نہ ہوگا لیکن اگر بالفرض پوری زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ان کے پاس ہو اور اسی قدر اور بھی ہو تو اس سب کو دے کر جان چھڑانے پر راضی ہوں گے، پارہ سوم کی آخری آیت اور پارہ ششم کی نصف پر آیت کریمہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ کی تفسیر دوبارہ ملاحظہ کر لی جائے۔ (انوار البیان جلد ۲-۳)

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا

جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے کیا یہ شخص اس شخص کی طرح سے ہو سکتا ہے جو اندھا ہو، نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو

الْاَلْبَابِ ۝۱۹ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝۲۰ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

عقل والے ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو نہیں توڑتے، اور جو اس چیز کو جوڑے رکھتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ ۝۲۱ وَالَّذِيْنَ

جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا، اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں، اور جنہوں نے

صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کیا اور نمازوں کو قائم کیا اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طریقے پر خرچ کیا

وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝۲۲ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

اور حسن سلوک کے ذریعے بدسلوکی کو دفع کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا اچھا انجام ہے ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ

اوران کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولاد میں جولائق ہوں گے وہ بھی ان میں داخل ہوں گے اوران پر ہر دروازہ سے فرشتے داخل ہوں گے

مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ

جو یوں کہیں گے کہ تم نے جو صبر کیا اس کے بدلہ تم پر سلام ہو سو اس جہاں میں اچھا انجام ہے اور جو لوگ مضبوط

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَ

کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا اسے کاٹتے ہیں اور

یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ

زمین میں فساد کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے لعنت ہے اور آخرت میں بدحالی ہے اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرمادیتا ہے

لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے اور وہ لوگ دنیاوی زندگی پر اترا رہے ہیں حالانکہ دنیاوالی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ایک ذرا سی کام آنے والی چیز ہے

اہل ایمان کے اوصاف اوران کے انعامات
اورنقض عہد کرنے والوں کی بدحالی کا تذکرہ

تفسیر: یہ متعدد آیات ہیں پہلی آیت میں فرمایا کہ جس شخص کو اس بات کا علم ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے کیا اس بات کا جاننے والا اندھے آدمی کے برابر ہوسکتا ہے جو علم کے اعتبار سے اندھا ہے اور آپ پر جو نازل کیا گیا ہے اسے نہیں جانتا (نہ جاننے میں یہ بھی داخل ہے کہ جانتے ہوئے مانتا نہیں) جاننے والا بینا ہے اور نہ جاننے والا نابینا ہے کیا بینا نابینا برابر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز برابر نہیں ہوسکتے! پھر فرمایا اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (بس عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) قرآن مجید تو سبھی کے سامنے ہے جو بہت بڑا معجزہ ہے اور اس کی دعوت بھی عام ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے جن کے پاس قرآن کے مضامین پہنچتے ہیں ان میں سے جنہوں نے اپنی عقل کو بےکار نہیں کر دیا اور اپنی فکر اور فہم کو قرآن کی دعوت حق کے سمجھنے سے معطل نہیں کر دیا وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں اگر کسی کے پاس عقل ہے لیکن وہ عقل خیر کی طرف نہیں آنے دیتی امور دنیا میں سیاسیات میں ریاضیات میں فلکیات میں کام کرتی ہے لیکن جس ذات پاک نے ان کو عقل اور فہم دی ہے اس کو وحدہٗ لاشریک ماننے پر تیار نہیں اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ان کی عقلیں چونکہ ان کے حق میں مضر ہیں اس لئے یہ لوگ بے عقل ہونے کے درجہ میں ہیں پھر اُولُوا الْاَلْبَابِ (عقل والوں) کی چند صفات بیان فرمائیں جن سے وہ ایمان قبول کرنے کے بعد متصف ہوئے پہلی

اور دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے نہیں ہیں' اللہ سے جو عہد کئے ان میں سے ایک عہد تو وہی ہے جس کا سورہ اعراف میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری ذریت کو ان کی پشت سے نکالا جو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھے پھر ان سے عہد لیا اور سوال فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) سب نے جواب میں عرض کیا بَلٰى ہاں آپ ہمارے رب ہیں یہ وعدہ وادی نعمان میں عرفات کے قریب لیا گیا تھا (کمافی المشکوٰۃ ص ۲۴ از مسند احمد) اس وقت سب نے یہ عہد کر لیا تھا پھر عہد کی یاد دہانی کے لئے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہے' ہر شخص کا اپنا عہد الگ الگ بھی ہے جس نے دین اسلام کو اپنا دین بنالیا اس نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر لیا کہ میں آپ کے حکموں پر چلوں گا اور آپ کی فرماں برداری کروں گا یہ عہد تمام احوال اور اعمال سے متعلق ہے اللہ کی شریعت کے مطابق سب پر لازم ہے سورہ نحل میں فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ (اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے عہد کر لیا) پھر اولوا الالباب کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ (اور وہ لوگ اس چیز کو جوڑتے ہیں جس کو جوڑ رکھنے کا اللہ نے حکم دیا) صلہ رحمی کرنا اور اہل ایمان سے دوستی رکھنا اور ایمان باللہ کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا اس میں یہ سب داخل ہے۔ (صلہ رحمی کی فضیلت اور قطع رحمی کی مذمت جاننے کے لئے سورہ نساء کے پہلے رکوع کی تفسیر کا مطالعہ کیجئے) (انوار البیان ج ۲)

اولوا الالباب کی چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) اور پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ (کہ یہ لوگ برے حساب سے ڈرتے ہیں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اس بات کا خوف لگا رہنا کہ قیامت کے دن حساب ہوگا اس سے ایمان میں جلا پیدا ہوتی ہے اور ایمانی تقاضوں کے مطابق عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے حساب دو قسم کا ہے حساب یسیر (آسان حساب) اور حساب عسیر (سخت عذاب) سخت حساب کو سوء الحساب سے تعبیر فرمایا سورہ انبیاء میں فرمایا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا (اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ حساب یسیر (آسان حساب) کیا ہے آپ نے فرمایا کہ آسان حساب یہ ہے کہ اعمالنامہ میں دیکھ کر درگزر کر دیا جائے' اے عائشہ جس سے مناقشہ کیا گیا یعنی چھان بین کی گئی (کہ یہ عمل کیوں کیا مثلاً) تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷۔ مسند احمد)

اُولُوا الْاَلْبَابِ کی چھٹی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کیا) پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صبر کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے

مصیبتوں پر صبر کرنا (یہی معنی زیادہ معروف ہے) نیکیوں اور فرماں برداریوں پر جمار ہنا اور ثابت قدم رہنا تیسرے اپنے نفس کو گناہوں سے بچائے رکھنا تینوں قسم کے صبر پر بڑا اجر وثواب ہے اس دنیا کا یہ مزاج ہے کہ تکلیفوں کے بغیر اس میں گزارہ ہو ہی نہیں سکتا مومن اور کافر سب کو تکلیف پہنچتی ہے اور سب کو صبر کرنا پڑتا ہے لیکن مومن چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کرتا ہے اس لئے اسے اس پر ثواب ملتا ہے سورہ زمر میں فرمایا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا)۔

وقت گزرنے پر تکلیف ہلکی ہو جاتی ہے اور صبر آ ہی جاتا ہے یہ ایک طبعی چیز ہے اس صبر پر کوئی ثواب نہیں ملتا صبر وہی معتبر ہے جو عین دکھ تکلیف اور مصیبت کے وقت ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو اور یہ خاص مومن ہی کی شان ہے صبر کی فضیلت اور اہمیت جاننے کے لئے آیت کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ کی تفسیر (انوار البیان ج ۱) ملاحظہ فرمائیے جس نے مصیبت اٹھائی اور صبر نہیں کیا یا صبر کیا مگر اللہ کے لئے نہ کیا وہ بڑے خسارہ میں ہے انما المصاب من حرم الثواب (واقعی مصیبت زدہ وہ ہے جسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا)۔

اُولُوا الْاَلْبَابِ کی ساتویں صفت بیان کرتے ہوئے اشاد فرمایا۔ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (ان لوگوں نے نماز کو اس کے حقوق اور شرائط و آداب کے ساتھ قائم کیا) اور آٹھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً (ان لوگوں نے ہمارے دیئے ہوئے مالوں میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کیا) اس میں فرض زکوٰۃ، صدقات واجبہ، تبرعات و تطوعات، سب داخل ہو گئے سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فرما کر یہ بتا دیا کہ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنے کی فضیلت ہوتی ہے اور کبھی ظاہری طور پر خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، حسب موقع اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا جائے جب اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو لوگوں کے سامنے خرچ کرنے میں بھی کچھ حرج نہ ہوگا کیونکہ ریاکاری لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام نہیں ہے وہ تو لوگوں کو اپنا معتقد بنانے اور شہرت و جاہ طلب کرنے کا نام ہے، ریاکاری اور اللہ کی رضا جوئی دونوں جمع نہیں ہو سکتے، جب اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو لوگوں کے سامنے عمل کرنا کچھ مضر نہیں ہوگا۔

اُولُوا الْاَلْبَابِ کی نویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (کہ یہ لوگ حسن سلوک کے ذریعہ بدسلوکی کو دفع کرتے ہیں) دنیا میں جب انسان آیا ہے تو اس کا اچھوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے اور برے لوگوں سے بھی، جن لوگوں کو اخلاق حسنہ نہیں سکھائے گئے اور جن کے مزاج میں کمینہ پن اور گناہ گاری اور ایذاء رسانی ہوتی ہے ان سے اہل خیر کو اور حسن اخلاق والوں کو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں، جس کسی نے کوئی تکلیف پہنچائی اس کا بدلہ لینا بس اسی قدر جائز ہے جتنی تکلیف پہنچائی ہے لیکن بدلہ نہ لینا، معاف کرنا، درگزر کرنا اور اس سے آگے بڑھ کر برائی سے پیش آنے والے کے ساتھ اچھائی سے پیش آنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا یہ بہت بڑی فضیلت اور ہمت کی بات ہے سورہ شوریٰ میں فرمایا وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ نیز

فرمایا وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا (اور فرمایا) اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے)۔

سورہ حٰم سجدہ میں فرمایا وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتی آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکا یک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے)

رسول اللہ ﷺ اسی پر عمل فرماتے تھے درگزر فرماتے تھے' معاف فرماتے تھے' بدسلوکیوں کا بدلہ خوش اخلاقی سے دیتے تھے جب مکہ معظمہ فتح فرمالیا تو وہاں کے رہنے والوں سے (جنہوں نے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں دے کر مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا) درگزر فرمایا اور فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

اُولُوا الْاَلْبَابِ کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کو خوشخبری دی اور ان کے لئے آخرت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا اول تو یوں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ان لوگوں کے لئے آخرت میں اچھا انجام ہے جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا ان کے اعمال کا یہ نتیجہ اور انجام کی خوبی اس طرح ظاہر ہوگی کہ یہ لوگ ایسے باغیچوں میں رہیں گے جن میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ نہ صرف یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے بلکہ ان کے باپ دادوں میں اور ان کی بیویوں میں اور ان کی اولاد میں جو بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے اپنے بڑوں اور چھوٹوں اور بیویوں کو جنت میں دیکھ کر خوشی دوبالا ہوگی اور فرحت پر فرحت حاصل ہوگی بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نیک بندوں کو جنت میں جو مقام اور مرتبہ ملے گا اللہ تعالیٰ وہی درجہ ان کی رعایت فرماتے ہوئے ان کے متعلقین کو بھی عطاء فرما دے گا جس کا آیت میں ذکر ہے' بعض حضرات نے اٰبَآئِهِمْ کے عموم میں ماؤں کو بھی داخل کیا ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے پھر فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ (فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے) سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور یوں کہیں گے کہ دنیا میں جو تم نے صبر کیا اس کے عوض تم ہر دکھ تکلیف اور مصیبت سے محفوظ رہو گے ہمیشہ تمہارے لئے سلامتی ہے فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ سو اس جہان میں اچھا انجام ہے' دنیا والے گھر میں ایمان اور اعمال صالحہ کو اختیار کیا تو اس کے عوض اس جہان میں بہترین عیش اور آرام نصیب ہوگا۔

یہاں تک چھ آیتوں کا مضمون بیان ہوا ساتویں آیت میں اہل ایمان کے مقابل دوسری جماعتوں کا حال اور انجام

بیان فرمایا ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ سے عہد کیا پھر اس پر قائم نہ رہے عہد کو توڑ دیا اللہ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا تھا انہیں توڑتے رہے اور زمین میں فساد کرتے رہے یہ لوگ پہلے گروہ کے برعکس ملعون ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے آخرت میں برا انجام ہے۔

دنیاوی ساز وسامان پر اترانا بے وقوفی ہے: آٹھویں آیت میں فرمایا اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اور اللہ رزق کو کشادہ فرماتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہے (دنیا میں رزق کی فراوانی اللہ کا مقبول بندہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اور رزق کی تنگی اس بات کی دلیل نہیں کہ جس کا رزق تنگ ہو وہ اللہ کا مقبول بندہ نہ ہو لہٰذا کافر لوگ وسعت رزق سے دھوکہ نہ کھائیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی نہ ہوتا تو زیادہ مال ہمیں کیوں ملتا) وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اور کافر لوگ دنیا والی زندگی پر اترا رہے ہیں اور اسی پر فریفتہ ہیں (اور اس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور آخرت کی فکر نہیں کرتے) وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ (اور دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ذرا سی چیز ہے جس سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں) اس حقیر اور ذرا سی دنیا کے لئے ایمان سے محروم رہنا پھر اس محرومیت کے نتیجہ میں آخرت کی نعمتوں سے محروم رہنا اور دوزخ میں جانا بہت بڑی تباہی ہے اور بہت بڑی کامیابی سے محرومی ہے سورہ آل عمران میں فرمایا۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (سو جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا والی زندگی دھوکہ کے سامان کے سوا کچھ نہیں)۔

دنیا جس قدر بھی زیادہ ہو جائے وہ بہر حال آخرت کے مقابلہ میں بے حقیقت ہے کم ہے ہیچ در ہیچ ہے۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہیں کی گئی آپ فرما دیجئے بلاشبہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو

یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ

چاہے اور جو اس کی طرف رجوع ہو اسے اپنی طرف راہ دکھاتا ہے جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں

اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ

خبردار اللہ کے ذکر سے یوں دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے خوشحالی ہے

وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ

اور اچھا ٹھکانہ ہے اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ انہیں وہ چیز پڑھ کر سنائیں

عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور وہ رحمٰن کے منکر ہو رہے ہیں، آپ فرما دیجئے وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰

میں نے اس پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع ہونا ہے

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے

تفسیر: جب سیدنا رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور وہ لوگ بار بار یوں کہتے تھے کہ ہمارے کہنے کے مطابق آپ کی نبوت کی نشانی ظاہر ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے قرآن مجید میں ان کی جاہلانہ بات کا جگہ جگہ تذکرہ فرمایا کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کی طرف کوئی نشانی کیوں نازل نہیں کی گئی، نشانیاں یعنی معجزات تو بہت تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن ہی ہے جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لئے یہی معجزات کافی تھے لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی بات کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اے رسول ﷺ آپ ان سے فرما دیں کہ فرمائشی معجزے ظاہر کرنا میرے قبضہ قدرت کی بات نہیں، اور اللہ تعالیٰ بھی اس بات کا پابند نہیں کہ تمہاری فرمائش کے مطابق معجزے بھیجے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمہیں حق قبول کرنا نہیں ہے لہٰذا معلوم ہو گیا کہ تم گمراہ ہی رہو گے اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ فرمائے۔

اور جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اللہ اسے اپنی طرف ہدایت دیتا ہے، تم اس کی طرف رجوع ہونا ہی نہیں چاہتے، جب تمہارا یہ حال ہے تو گمراہی کے گڑھے میں گرتے چلے جاؤ گے۔

پھر فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ (جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہو گئے) یہ مَنْ اَنَابَ کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف راہ دکھاتا ہے، یہ لوگ معجزوں کی فرمائش نہیں کرتے جو معجزات ظاہر ہوئے انہیں میں غور و فکر کر کے ایمان کی راہ پر آ جاتے ہیں ان کے دل میں اللہ کی یاد سے سکون ہوتا ہے اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اللہ کا ذکر سچے ایمان والوں کے قلوب کے مطمئن ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ایمان پر ان کا دل مطمئن ہے اور جب کبھی کسی سے اللہ کا ذکر سنتے ہیں یا خود ذکر کرتے ہیں (زبان سے یا دل سے) اس سب سے ان کے دلوں میں فرحت اور خوشی اور سکون و اطمینان کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو خوشخبری دی اور فرمایا طُوْبٰى لَهُمْ (ان کے لئے خوشحالی ہے اور عمدہ زندگی ہے)

وَحُسْنُ مَاٰبٍ (اور اچھا انجام ہے) دنیا میں بھی ان کو حیات طیبہ اور سکون و آرام کی زندگی حاصل ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے اچھا ٹھکانہ ہے۔

یہاں صاحب معالم التنزیل نے ایک سوال اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ اس آیت میں تو فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور سورہ انفال میں فرمایا کہ مومنین کے دل اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جاتے ہیں اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (بیک وقت اطمینان اور خوف کیسے حاصل ہوگا؟) پھر جواب دیا ہے کہ ہر حالت کا موقع الگ الگ ہے وعید اور عذاب کا تذکرہ ہو تو ڈر جاتے ہیں اور ثواب کا تذکرہ ہو تو اطمینان حاصل ہوتا ہے' احقر کے نزدیک سوال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ خوفزدہ ہونا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے اور ایمان ہی اصل سکون ہے جسے ایمانیات کے سچا ہونے پر اطمینان نہ ہوگا وہ مومن ہی نہ ہوگا اور جب مومن نہ ہوگا تو عقاب اور وعیدوں سے ڈرے گا کیوں؟ فافهم واغتنم اس کے بعد نبی اکرم ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں' ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ان پر ہماری کتاب تلاوت فرمائیں یعنی پڑھ کر سنائیں' اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ رحمٰن کی ناشکری کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اپنی رحمت سے ان پر قرآن نازل فرمایا لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری پر اتر آئے اور ناشکری کی وجہ سے کافر ہی رہے اور جانتے بوجھتے کفر اختیار کیا یہ سخت گمراہی کی بات ہے۔

پھر فرمایا قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) تم نے اگر میری بات نہ مانی تو میرا کچھ بگڑنے والا نہیں عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ (میں نے صرف اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع کرنا ہے) جو اس کی حفاظت میں ہے بس وہی محفوظ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ

اور اگر قرآن ایسا ہوتا جس کی وجہ سے پہاڑ چلا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ مردوں سے بات کرا دی جاتی تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں' بلکہ

الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

تمام امور اللہ ہی کے لئے ہیں' کیا اہل ایمان ناامید نہیں ہوئے حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا'

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال بد کی وجہ سے انہیں برابر کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہو جائے گی

حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے بلا شبہ اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا

معاندین فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں

تفسیر: صاحب معالم التنزیل (ص ۱۹ ج ۳) لکھتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے ایک سوال پر نازل ہوئی' عبداللہ بن اُمیہ اور ابو جہل ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ اگر آپ کی خوشی اس میں ہے کہ ہم آپ کا اتباع کر لیں تو اس قرآن کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر اور کہیں بھجوا دیجئے تا کہ مکہ کی سرزمین کشادہ ہو جائے اور مکہ کی سرزمین پھٹ جائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں تا کہ ہم اس میں درخت لگائیں اور کھیتیاں بوئیں اور ہمیں باغات مل جائیں' آپ کا کہنا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑ مسخر کر دئے گئے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی گئی تھی لہٰذا ہمارے لئے بھی ہوا کی تسخیر ہو جائے ہم ملک شام تجارت کے لئے جاتے ہیں تجارت کر کے واپس ہوتے ہیں اس آنے جانے میں بہت سا وقت خرچ ہوتا ہے اگر ہوا ہمارے لئے مسخر ہو جائے تو دن کے دن چلے جائیں اور واپس آ جائیں آپ کا یہ بھی فرمانا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے لہٰذا آپ اپنے پردادا کو یا جس کو آپ مناسب جانیں زندہ کر دیں ہم اس سے آپ کے بارے میں دریافت کریں گے کہ آپ کا دین حق ہے یا باطل؟ آپ کی حیثیت حضرت داؤد' سلیمان' اور عیسیٰ علیہم السلام سے کم نہیں ہے آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ ان چیزوں کو ظاہر فرمائے اگر یہ چیزیں وجود میں آ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ان کی یہ سب باتیں عناد کے طور پر ہیں جیسا کہ سورہ انعام میں فرمایا کہ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔

مفسرین کرام نے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا کی جزاء محذوف بتائی ہے اور وہ کفروا بالرحمٰن ولم یومنوا ہے یعنی اگر ان کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر کر دیئے جائیں تب بھی کفر اختیار کئے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا (بلکہ تمام امور اللہ ہی کے لئے ہیں) یعنی ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ کرنا سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب مشرکین کے مطالبات سنے کہ فلاں فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو انہوں نے

خواہش ظاہر کی کہ یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تا کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے ان کے جواب میں فرمایا کیا اہل ایمان ان لوگوں کی ضد و عناد دیکھ کر ان لوگوں کے ایمان لانے سے نا امید نہیں ہوئے اگر نا امید ہو جاتے تو ایسی آرزو نہ کرتے' ظہور معجزات پر ہدایت موقوف نہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ چاہے تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دے وفی الکلام حذف ای اَفَلَمْ یَیْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عن ایمانھم عالمین مستیقنین اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَھَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِھِمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا برابر ان کے اعمال بد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہو جائے گی)

مشرکین مکہ کے مطالبات منظور نہیں کئے گئے اور ان کے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں ہوئے کیونکہ اول تو ان کو ایمان لانا ہی نہیں صرف ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں دوسرے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو لوگوں کی مرضی کے مطابق تخلیق فرمائے ہاں ان پر ان کی حرکتوں کی وجہ سے آفات اور مصائب آتی رہیں گی' اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے پھر غزوہ بدر میں ان کے بڑے بڑے سردار مقتول ہوئے ان پر اس طرح کی آفات آتی ہی رہیں گی' خاص ان پر مصیبت نہ آئی تو ان کی قریب والی بستیوں میں مصیبتیں آتی رہیں گی تا کہ عبرت حاصل ہو اور اپنے انجام کے بارے میں غور و فکر کریں حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آ جائے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے' اور بعض حضرات نے اس سے موت اور بعض حضرات نے روزِ قیامت مراد لیا ہے یعنی یہ سلسلہ عذابوں اور مصیبتوں کا جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ جائے یعنی مکہ فتح ہو جائے جس میں مشرکین مغلوب اور مقہور ہوں گے یا ان میں سے ہر شخص کو موت آ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا)

معلوم ہوا کہ اپنے اوپر جو مصیبت آئے اسے بھی عبرت کی نظر سے دیکھیں اور اپنے کئے کا نتیجہ سمجھ کر اپنی حالت کو بدلیں اور اگر آس پاس کی بستیوں اور شہروں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس سے بھی عبرت حاصل کریں کیونکہ اس میں بھی سب کے لئے تنبیہ ہوتی ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُھُمْ فَکَیْفَ
اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں بلاشبہ ان کا مذاق بنایا گیا پھر میں نے ان لوگوں کو مہلت دی جنہوں نے کفر کیا' پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو
کَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ ھُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ
میرا عذاب دینا کیسا تھا؟ سو جو ذات ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو کیا اس کے برابر وہ ہو سکتا ہے جس کی یہ صفت نہ ہو' اور لوگوں نے اللہ کے لئے شریک تجویز کر لئے

قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـــُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ

آپ فرما دیجئے کہ تم ان کے نام لو کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے' بلکہ

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

کافروں کے لئے ان کا مکر مزین کر دیا گیا اور وہ لوگ راستہ سے روک دیئے گئے' اور اللہ جسے گمراہ کرے سو اسے

مِنْ هَادٍ ۝۳۳ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ

کوئی ہدایت دینے والا نہیں' ان کے لئے دنیا والی زندگی میں عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ سخت ہے' اور انہیں کوئی

اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ

اللہ سے بچانے والا نہیں' متقیوں سے جس جنت کا وعدہ کیا گیا اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ

ان کے پھل اور ان کا سایہ دائمہ ہوگا یہ انجام ہے لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا' اور کافروں کا انجام دوزخ ہے' اور جن لوگوں کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ

ہم نے کتاب دی وہ اس کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا' اور گروہوں میں بعض ایسے ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں'

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝۳۶ وَكَذٰلِكَ

آپ فرما دیجئے مجھے تو بس یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں' میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے'

اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

اور اسی طرح ہم نے اس کو اس طور پر نازل کیا کہ عربی زبان میں خاص حکم ہے' اور اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا اگر آپ نے ان کی خواہش کا اتباع کیا

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝۳۷ۧ

تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والا اور بچانے والا ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی' کافروں کی بدحالی' متقیوں سے جنت کا وعدہ

تفسیر: یہ متعدد آیات ہیں' پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے گئے

اوران کا بھی مذاق بنایا گیا اس میں آپ کو تسلی دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہو رہا ہے یہ نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کی امتوں نے ان کے ساتھ تکذیب استہزاء اور مذاق بنانے کا وہی طریقہ اختیار کیا جو یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں' ان لوگوں نے جب تکذیب کی اور رسولوں کا مذاق بنایا تو میں نے عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کی بلکہ ان کو مہلت دی' اس مہلت سے وہ اور زیادہ بغاوت پر اتر آئے پھر میں نے ان کی گرفت کر لی اور اچھی طرح گرفت کی ان پر عذاب آیا' اب تم خود خیال کر لو کہ میرا عذاب کیسا تھا؟ (ان عذابوں کی تفصیلات قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں مذکور ہیں) جب عذاب آیا تو ان کے بچنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا اور بھاگنے کی کوئی جگہ نہ تھی' آپ بھی صبر کریں اور مذاق بنانے والوں کے بارے میں انتظار فرمائیں جب گرفت ہو گی تو یہ بھی اپنی جانوں کو بچا نہ سکیں گے۔

پھر فرمایا اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰی کُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا کَسَبَتْ (کیا جو ذات ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو) اس میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے اور مبتداء کی خبر محذوف ہے (قال صاحب الروح من مبتدأ و الخبر محذوف' ای کمن لیس کذلک) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں من مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے یعنی کمن لیس لیس کذلک (اس آدمی کی طرح ہے جو ایسا نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ جو ذات علیم اور خبیر ہے جسے سب کے احوال اور اعمال کا علم ہے کیا اس کے برابر وہ ہو سکتے ہیں جنہیں کچھ بھی علم نہیں اور جو اپنے عبادت کرنے والوں کے حال سے واقف نہیں' جب ان کا یہ حال ہے تو وہ نفع ضرر کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں' پھر ان کو خالق تعالیٰ شانہ کا شریک بنانا کہاں درست ہے؟ خود ہی ہر شخص کو سوچنا چاہئے' غور و فکر کریں گے تو اپنی جہالت اور ضلالت کا فیصلہ خود کر لیں گے قُلْ سَمُّوْهُمْ یعنی جنہیں تم نے شریک بنایا ہے ان کا ذرا نام تو لو اور بتاؤ وہ کون ہیں ان کی حیثیت کیا ہے ان کے شرکاء کی تحقیر کے لئے ایسا فرمایا قال فی الروح ناقلا عن البحر ان المعنی انهم لیسوا ممن یذکر ویسمی انما یذکر و یسمی من ینفع ویضر (الی ان قال) والمعنی سوآء سمیتموهم بذلک ام لم تسموهم به فانهم فی الحقارة بحیث لا یستحقون ان یلتفت الیهم عاقل' (صاحب روح المعانی بحر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے وہ ان چیزوں میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر کیا جائے اور نام لیا جائے۔ تذکرہ اور نام تو ان کا لیا جاتا ہے جو نفع یا نقصان دیں مطلب یہ ہے کہ خواہ تم ان کا نام لو یا نہ لو وہ تو اس قدر حقیر ہیں کہ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی عقل مند ان کی طرف متوجہ ہو) مطلب یہ ہے کہ جن کو تم نے اللہ کا شریک بنایا ہے وہ ایسے حقیر ہیں کہ قابل ذکر ہی نہیں۔

اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ (کیا تم اللہ کو وہ بات بتا رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوق کا علم ہے تم زمین میں ہو اور اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی زمین میں ہیں اللہ کے علم میں تو اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اب جب تم شرک کر رہے ہو اور غیر اللہ کو معبود بنا رہے ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کو یہ بتا رہے ہو کہ آپ کے لئے شریک بھی ہیں' آپ کو ان کا پتہ نہیں ہم آپ کو بتا رہے ہیں (العیاذ باللہ) اس میں مشرکین کی جہالت اور ضلالت کو واضح فرمایا ہے۔

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ یعنی تم جن لوگوں کو اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو اس بارے میں تمہارے پاس کوئی حقیقت

ہے یا یوں ہی محض ظاہری الفاظ میں ان کو شریک ٹھہراتے ہو؟ غیر اللہ کے معبود ہونے کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں ہے صرف باتیں ہی باتیں اور دعوے ہی دعوے ہیں اور یہ سب کچھ زبانی ہے معبود بنانے کے لئے تو بہت بڑی تحقیق کی ضرورت ہے یوں ہی زبانی باتوں سے کسی کا معبود ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ (بلکہ کافروں کے لئے ان کا مکر مزین کردیا گیا اور راہ حق سے روک دیئے گئے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مکر سے ان کا شرک اور گمراہی میں آگے بڑھتے چلے جانا اور باطل چیزوں کو اچھا سمجھنا مراد ہے' ان کا یہ مکرانہیں راہ حق سے روکنے کا ذریعہ بن گیا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (اور اللہ جسے گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا والی زندگی میں ان کے لئے عذاب ہے وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ (اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے) وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ اس میں کافروں کو تنبیہ ہے کہ دنیا میں تمہارے لئے طرح طرح کے عذاب ہیں اور صرف دنیا ہی میں عذاب نہیں بلکہ تمہارے لئے آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے اور اللہ تعالیٰ جسے عذاب میں مبتلا فرمانے کا ارادہ فرمائے دنیاوی عذاب ہو یا اخروی عذاب اس سے کوئی بچانے والا نہیں۔

اس کے بعد جنت کا تذکرہ فرمایا مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جس جنت کا اہل تقویٰ سے وعدہ کیا گیا (جو کفر و شرک اور معاصی سے بچتے ہیں) اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا (اس کے پھل ہمیشہ رہیں گے اور اس کا سایہ بھی) یعنی جنت میں جو پھل ملیں گے برابر ملتے رہیں گے پھل بھی ہمیشہ رہیں گے اور سایہ بھی ہمیشہ رہے گا وہاں چونکہ سورج کا طلوع غروب نہیں اس لئے یہ سایہ جو ہوگا ہمیشہ ہی رہے گا' سورہ نساء میں فرمایا وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا اور سورہ واقعہ میں فرمایا وَفَاكِهَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ۔

پھر فرمایا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ۔ (یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور کافروں کا انجام دوزخ ہے)

اس کے بعد اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جنہیں قبول حق سے عناد نہیں ہے وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے وہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اس میں چالیس اشخاص نصاریٰ نجران میں سے تھے اور آٹھ یمن کے نصرانی تھے اور بتیس حبشہ کے لوگ تھے اسی طرح کچھ لوگ یہود میں سے بھی مسلمان ہوگئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ وعن جمیع الصحابہ۔

پھر فرمایا وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ (اور اہل کتاب کی بعض جماعتیں وہ ہیں جو قرآن کے بعض حصہ کے

منکر ہو رہے ہیں) اس سے اہل کتاب کے معاندین مراد ہیں جو قرآن کریم کی ان چیزوں کو مان لیتے تھے جنہیں اپنے موافق سمجھتے تھے اور ان چیزوں کے منکر ہو جاتے تھے جو ان کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہوتی تھیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ (آپ فرما دیجئے کہ مجھے تو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروں) یہ میرا دین ہے تم راضی ہو نہ ہو میں اللہ کی توحید پر اور اللہ کی عبادت پر قائم ہوں اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ (میں اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں اور صرف اس کی طرف میرا لوٹنا ہے) وہی مجھے جزا دے گا جب اسی کی طرف جانا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے تو میں تمہیں راضی رکھنے کی فکر کیوں کروں۔

یہ قرآن کریم خاص ہے عربی زبان میں ہے: پھر فرمایا وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا (اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اس طور پر نازل کیا ہے کہ وہ خاص حکم عربی زبان میں ہے) اہل کتاب جو فروعی مسائل میں احکام اسلامیہ کو ان مسائل کے خلاف پاتے تھے جو انہیں شرائع سابقہ سے یاد تھے اور ان کی وجہ سے احکام قرآنیہ کا انکار کرتے تھے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے' مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے کتابیں نازل کیں اور ان میں ازمنہ سابقہ کے مخاطبین کے اعتبار سے احکام بھیجے پھر ان میں سے بہت سے احکام کو بعد میں آنے والی امتوں کے لئے منسوخ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے احکام نازل کر دیئے اسی طرح سے ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں قرآن کے مخاطبین کی رعایت کی گئی ہے اور ایسے احکام دئے گئے ہیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں اگر قرآن میں ایسے احکام پاتے ہو جو سابقہ شرائع کے موافق نہیں اور ان کی وجہ سے قرآن کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ عادۃ اللہ سے اور شرائع سابقہ کے اصول سے جاہل ہونے پر بلکہ تجاہل پر مبنی ہے' اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ پہلی کتابوں میں شرائع کا اختلاف تھا اور وہ کتابیں مختلف زبانوں میں تھیں جس طرح ان کا فروعی اختلاف اور کئی زبانوں میں نازل ہونا ایک دوسرے کی تکذیب کا سبب نہ بنا تو اب قرآن جو عربی زبان میں نازل ہو گیا اور شرائع سابقہ کی بعض چیزیں اس نے منسوخ کر دیں تو اس کو قرآن کی تکذیب کا ذریعہ کیوں بناتے ہو قرآن مجید کی تکذیب کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا منکر ہونا سراپا ضلالت اور سفاہت ہے۔

قال صاحب الروح ج ۱۳ص ۱۲۷ شروع فی ردانکارھم لفروع الشرائع الواردة ابتداء اوبدلا من الشرائع المنسوخة ببیان الحکمة فی ذلک وان الضمیر راجع لما انزل الیک والاشارة الی مصدر (اَنْزَلْنَاهُ) او (انزل الیک) ای مثل ذلک الا نزال البدیع الجامع لا صول مجمع علیها وفروع متشعبة الی موافقة و مخالفة حسبما یقتضیه قضیة الحکمة انزلناه حاکمایحکم فی القضایا والواقعات بالحق ویحکم به کذلک" (الی ان قال) وقیل ان الاشارة الی انزال الکتاب السالفة علی الانبیاء علیهم السلام' والمعنی کما انزلنا الکتب علی من قبل انزلنا هذا الکتاب علیک لان قوله تعالیٰ (وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ) یتضمن انزاله تعالیٰ ذالک وهذ الذی انزلنا بلسان العرب کما ان الکتب السابقة بلسان من انزلت علیه (وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ) والی هذا ذهب الامام وابو حیان۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ نئے فروعی مسائل منسوخ شدہ مسائل کی جگہ نئے احکام دینے کی وجہ سے انکار کرنے والوں پر اس نسخ وتبدیل کی حکمت بیان کر کے رد کا آغاز ہو رہا ہے۔ اور ضمیر ما انزل الیک کی طرف لوٹتی ہے اور اشارہ انزلناہ یا انزل الیک کے مصدر کی طرف ہے۔ یا اس مسلمہ وجامع اصول اور موافق ومخالف کی ضرورتیں پوری کرنے والے فروعی احکام پر مشتمل ہے۔ مثال تعلیمات کا اتارنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اب بھی ایسی حکیمانہ تعلیمات اتاریں جو

معاملات وواقعات کا حق پر مبنی فیصلہ کریں اور بعض نے کہا یہ سابقہ انبیاء علیہم السلام پر کتابیں اتارنے کی طرف اشارہ ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے سابقہ حضرات پر کتابیں اتاریں اسی طرح یہ کتاب آپ پر اتاری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول والذین آتیناھم الکتاب اس سابقہ انزال کو بھی شامل ہے اور اس عربی زبان میں اتارنے کو بھی شامل ہے جیسا کہ سابقہ کتابیں اس زبان میں اترتی تھیں جو زبان پیغمبر علیہ السلام کی ہوتی تھی اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ وہ ان کے لئے واضح کردے اور امام ابوحیان کی رائے یہی ہے۔

پھر فرمایا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ
(اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والا اور بچانے والا ہو)
اس میں بظاہر حضرت سرور عالم ﷺ کو خطاب ہے اور فی الواقع حضرات مومنین کو دین پر ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے اور بظاہر آپ کو یہ خطاب یہ بات واضح کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ جب بالفرض آپ دشمنوں کی خواہشوں کا اتباع کرنے میں ماخوذ ہو سکتے ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بطریق اولیٰ ماخوذ ہوں گے قال صاحب الروح (ص ۱۶۸ ج ۱۳)

وامثال هذه القوارع انماهى لقطع اطماع الكفرة وتهييج المومنين على الثبات فى الدين لا للنبى ﷺ فانه عليه الصلاة والسلام بمكان لا يحتاج فيه الى باعث او مهيج ومن هنا قيل ان الخطاب لغيره ﷺ

۔(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور اس طرح کی تنبیہات کافروں کی لالچ کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو دین میں ثابت قدمی پر ابھارنے کے لئے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے مرتبہ پر ہیں جہاں کسی باعث وعامل کی ضرورت نہیں ہے۔اور اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کے لئے ہے)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ

اور یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیویاں دیں اور ذریت بھی اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں

اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ

کہ کوئی آیت لے آئے الا یہ کہ اللہ کا حکم ہو ہر زمانہ کے لئے لکھے ہوئے احکام ہیں اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے

وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

اور اس کے پاس اصل کتاب ہے اور اگر ہم آپ کو بعض وہ وعدے دکھا دیں جو وعدے ہم ان سے کر رہے ہیں یا ہم آپ کو اٹھا لیں

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

تو بس آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ

اس کے اطراف سے کم کرتے چلے آرہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے اور

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ

جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو اللہ ہی کے لئے ہے اصل تدبیر جو بھی کوئی شخص عمل کرتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور کافر عنقریب جان لیں گے

الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

کہ بعد میں آنے والے گھر کا اچھا انجام کس کے لئے ہے اور جنہوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ تم پیغمبر نہیں ہو آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان

شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

گواہ ہونے کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ لوگ کافی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازواج واولاد تھے، کوئی رسول اس پر قادر نہیں کہ خود سے کوئی معجزہ ظاہر کر دے

تفسیر: روح المعانی (ص ۱۶۸ ج ۱۳) میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا کہ ان کی تو بہت سی بیویاں ہیں جو شخص نبی ہو اسے نبوت کے کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ بہت ساری بیویاں رکھے، اللہ تعالیٰ شانہ، نے جواب میں ان سے تو خطاب نہیں فرمایا لیکن اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں اور ان کو ہم نے بہت سی بیویاں دی تھیں اور بیویاں ہی نہیں ان کے اولاد بھی تھی بیویوں کا زیادہ ہونا اور صاحب اولاد ہونا یہ چیز نہ نبوت کے خلاف ہے نہ کارہائے نبوت سے معارض ہے، یہودیوں کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بارے میں علم تھا کہ ان کی بہت سی بیویاں تھیں اور وہ ان کے بارے میں نبی ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے تھے پھر بھی انہوں نے بطور عناد اعتراض کیا اور کثرت ازواج کو مرتبہ نبوت کے خلاف کہا اس سے انہیں مشرکین کو بھی دین اسلام سے روکنا مقصود تھا اور خود اپنے لئے کفر پر جمے رہنے کا بھی ایک بہانہ تلاش کر لیا، قرآن مجید نے اس انداز سے ان کا جواب دے دیا کہ آئندہ جو بھی کوئی شخص ایسا جاہلانہ اعتراض کرے اپنے اعتراض کا مسکت جواب پالے، بات یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ کا کام قول سے بھی تعلیم دینا تھا اور عمل سے بھی، اس لئے تو انسانوں کی طرف انسانوں کو نبی بنا کر بھیجا گیا، نکاح کرنا انسانوں کی ضرورت کی چیز ہے جب نکاح ہوگا تو اولاد بھی ہوگی بیویوں کے ساتھ کس طرح گزارہ کیا جائے اور اولاد کی کسی طرح تربیت کی جائے یہ سب باتیں بھی تو قولاً اور فعلاً بتانے اور سمجھانے کی ہیں، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اگر مجرد یعنی غیر شادی شدہ ہوتے تو ان کی امتیں ازدواجی زندگی کے طریقے کس طرح سیکھتیں پھر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری رسول ہیں سارے انسانوں کے نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں آپ کی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں خانگی حالات جاننے کی امت مسلمہ کو ضرورت تھی ان احوال کو حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن نے بیان کیا، کثیر تعداد

میں ان کی روایت کتب حدیث میں موجود ہیں، اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دلائل اور معجزات سے آنحضرت ﷺ کا رسول ہونا معلوم ہو گیا تو اس پر اعتراض ختم ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کر سکتے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی ہو۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کوئی آیت لے آئے الا یہ کہ اللہ کا حکم ہو) اس میں لفظ "آیت" کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے معجزہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طرح طرح کے معجزات کی جو معاندین فرمائشیں کرتے ہیں ان معجزات کا لانا نبی کی قدرت اور دسترس میں نہیں ہے ہاں اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے معجزہ کی تخلیق اور اعجاز اسی کے قبضہ میں ہے۔

اگر کسی نبی سے لوگوں نے فرمائشی معجزہ طلب کیا اور وہ پیش نہ کر سکا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ اللہ کا نبی نہیں، جو دلائل پیش کئے جا چکے اور جو معجزات ظاہر ہو چکے ان کے ہوتے ہوئے فرمائشی معجزات طلب کرنا محض ضد اور عناد تھا اور اللہ کے نبی کی تصدیق نہ کرنا یہ کفر ہے، کوئی نبی بے دلیل اور بے معجزہ نہیں گزرا اور فرمائشی معجزہ ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ اس کے پابند نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے لفظ "آیۃ" سے احکام مراد لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ جو کہتے ہو کہ احکام میں نسخ کیوں ہوا پہلی امتوں کے جو احکام تھے وہ پورے کے پورے اس امت کے لئے کیوں باقی نہیں رکھے گئے یا اس امت کے لئے جو احکام جاری کئے گئے تھے ان کو بعد میں منسوخ کیوں کیا گیا اور ان کی جگہ دوسرا حکم کیوں آیا یہ جاہلانہ اعتراض ہے، اللہ کا کوئی نبی اپنے پاس سے کوئی حکم نہیں لا سکتا اپنی حکمت کے موافق اللہ تعالیٰ احکام جاری فرما دیتا ہے پھر منسوخ فرما دیتا ہے نبی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنے پاس سے بدل دے یا منسوخ کر دے، مخالفین جو یہ چاہتے ہیں کہ نبی ہماری مرضی کے مطابق حکم لائے یہ سفاہت اور ضلالت ہے، سورہ یونس میں فرمایا قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ۔

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (ہر زمانہ کے لئے لکھے ہوئے احکام ہیں) یعنی گزشتہ امتوں کو جو احکام دیئے گئے وہ بھی حکمت کے مطابق تھے اور ان کے احوال کے مناسب تھے اور اب جو اس امت کو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ بھی حکمت کے مطابق ہیں اور ان کے حالات کے مناسب ہیں۔

اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے: پھر فرمایا يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے) صاحب روح المعانی نے اس آیت کے ذیل میں بہت کچھ لکھا ہے اور مفسرین کے مختلف اقوال جمع کئے ہیں پہلی بات تو

یہ لکھی ہے ای ینسخ ما یشاء نسخه من الاحکام لما تقتضیه الحکمة بحسب الوقت ویثبت بدله ما فیه الحکمة او یقیه علی حاله غیر منسوخ اویثبت ما یشاء اثباته مطلقا اعم منهما ومن الانشاء ابتداء۔ (یعنی جن احکام کو اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے۔ وقت کے مطابق جو حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کے بدلہ میں جس میں حکمت ہوتی ہے اسے باقی رکھتا ہے یا اسی کو بغیر منسوخ کے لئے اپنے حال پر چھوڑتا ہے یا جسے باقی رکھنا چاہتا ہے اسے باقی رکھتا ہے)

یعنی اللہ تعالیٰ جن احکام کو چاہتا ہے منسوخ فرما دیتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے منسوخ نہیں فرماتا' یہ مضمون لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ کی ایک تفسیر کے موافق ہے صاحب معالم التنزیل ص ۲۲ ج ۳ حضرت سعد بن جبیر اور حضرت قتادہ سے بھی یہ تفسیر نقل کی ہے وقالو یمحوا اللہ ما یشاء من الشرائع والفرائض فینسخه ویبدله ویثبت ما یشاء منها فلا ینخسه (اور فرمایا اللہ تعالیٰ فرائض ومسائل میں سے جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور اس کو بدل دیتا ہے اور ان میں سے جسے چاہتا ہے۔ قائم رکھتا ہے منسوخ نہیں کرتا) پھر صاحب روح المعانی نے حضرت عکرمہ سے نقل کیا ہے یمحو بالتوبة جمیع الذنوب ویثبت بدل ذلک حسنات (توبہ کے سبب تمام گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کے بدلہ میں نیکیوں کو قائم رکھتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کی وجہ سے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کے بدلہ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ضحاک سے نقل کیا ہے یمحو من دیوان الحفظة مالیس بحسنة ولا بسیئة لانهم مامورون بکتب کل قول و فعل ویثبت ما هو حسنة او سیئة (کراماً کاتبین کے رجسٹر سے ان اعمال کو مٹا دیتا ہے جو نہ نیکی ہیں اور نہ برائی کیونکہ وہ تو ہر قول وفعل کے لکھنے پر مامور ہیں بس اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھتا ہے جو نیکی ہے یا برائی) مطلب یہ ہے کہ جو فرشتے بنی آدم کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ تو حسب حکم ہر قول اور ہر فعل کو لکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نیکیوں اور برائیوں کو باقی رکھتا ہے اور جو اعمال نیکی یا بدی کے دائرہ میں نہیں آتے انہیں مٹا دیتا ہے پھر حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ اس سے بنی آدم کی آجال یعنی زندگی کے اوقات مقررہ مراد ہیں شب قدر میں ان لوگوں کی اجل دیوان اموات میں لکھ دی جاتی ہے جنہیں آئندہ سال کے اندر موت آنی ہے اور زندوں کے دیوان سے ان کا نام مٹا دیا جاتا ہے جنہیں آئندہ سال کے اندر موت آنی ہے اور زندوں کے دیوان سے ان کا نام مٹا دیا جاتا ہے صاحب روح المعانی نے دیگر اقوال بھی نقل کئے ہیں جن کا آیت کے سیاق سے جوڑ نہیں بنتا ان میں سے بعض ضعیف روایات پر بھی مبنی ہیں اس لئے ہم نے انہیں ذکر نہیں کیا۔

پھر فرمایا وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ (الآیۃ) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی (ﷺ) آپ کے مخاطبین جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں اور ہماری طرف سے جو ان پر عذاب آنے کی خبر دی جا رہی ہے اس میں آپ کو کسی طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اگر آپ کی موجودگی میں ہم نے کوئی عذاب بھیج دیا جسے آپ نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا تو یہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا ذریعہ ہوگا اور اگر ہم نے آپ کو ان پر عذاب آنے سے پہلے اٹھا لیا تو یہ بھی کوئی فکر کی بات نہیں ہے' چونکہ آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اس لئے ان کے قبول نہ کرنے پر آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے اور ایمان قبول نہ کرنے پر آپ پر عذاب لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے پہنچانا آپ کا کام ہے اور حساب لینا ہم سے متعلق ہے' آپ اپنا کام کرتے رہیں قال صاحب الروح ناقلا عن الحوفی فیقال واللہ تعالیٰ اعلم واما نرینک بعض الذی نعدهم فذلک شافیک من اعدائک و دلیل صدقک واما

نتوفینک قبل حلوله بهم فلا لوم علیک ولا عتب ویکون قوله تعالٰی (فَاِنَّمَا) الخ دلیلا علیهما۔(صاحب روح المعانی نے حوفی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے واللہ اعلم اور اما نرینک بعض الذی نعدهم سے مراد ہے آپ کے دشمنوں سے آپ کا محفوظ رہنا اور آپ کے سچا ہونے کی دلیل اور با ہم آپ کو ان پر عذاب اترنے سے پہلے ہلاک کردیں تو بھی آپ پر کوئی ملامت اور گرفت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول فَاِنَّمَا ان دونوں پر دلیل ہے)

علمائے تفسیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت شریفہ میں دو چیزوں کا ذکر ہے اول آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مشرکین پر عذاب آ جانا' ان میں سے پہلی بات کا ظہور ہوا اور وہ اس طرح کہ غزوہ بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی اور انہوں نے ذلت اٹھائی پھر آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مکہ معظمہ فتح ہوگیا اس وقت کے موجودہ مشرکین میں سے کچھ مقتول ہوئے اور اکثر نے اسلام قبول کیا۔

پھر فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کی اطراف سے کم کرتے چلے آ رہے ہیں) بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو اس سے عبرت ہونی چاہئے کہ اس زمین پر اہل ایمان کا اقتدار بڑھتا چلا جا رہا ہے ہر طرف اسلام پھیل رہا ہے اور جو لوگ بھی اسلام قبول کر لیتے ہیں ان کا علاقہ مسلمانوں کی عملداری میں داخل ہو جاتا ہے جو لوگ مجبور اور مظلوم تھے انہیں زمین کا اقتدار ملتا جا رہا ہے اور ظالمین اقتدار سے محروم ہوتے جا رہے ہیں کافروں کی عملداری ہر طرف سے گھٹ رہی ہے یہ سب کچھ ان کی نظروں کے سامنے ہے اس سے عبرت حاصل کریں۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ اور بعض دیگر حضرات سے آیت شریفہ کی یہی تفسیر منقول ہے پھر لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ ہم زمین کے اطراف کو ویران اور اس کے رہنے والوں کو ہلاک کرتے رہے ہیں ان لوگوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے انہیں اس بات کا کیسے اطمینان ہو گیا کہ ہمارے ساتھ ایسا نہ ہوگا۔

اللہ کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں: وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں) وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (اور وہ جلد حساب لینے والا ہے) اللہ تعالیٰ کا جب عذاب لانے کا فیصلہ ہوگا تو اسے کوئی ہٹا نہیں سکتا وہ عنقریب ہی دنیا میں عذاب دے گا آخرت میں بھی حساب ہے وہاں کفر کی سزا ملے گی جو دنیاوی عذاب سے بڑھ چڑھ کر ہے وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (اور جو لوگ ان سے پہلے کافر تھے انہوں نے مکر کیا) حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو اور ان کے ساتھ اہل ایمان کو بہت بہت ستایا لیکن آخر عذاب میں گرفتار ہوئے فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا (سب تدبیر اللہ ہی کیلئے ہے) اس کی تدبیر کے سامنے سب کی مکاریاں دھری رہ گئیں موجودہ کافروں کو بھی عبرت حاصل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کو جانتا ہے: يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ (اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل کو

جانتا ہے) ان اعمال میں دشمنان دین کی مکاریاں بھی ہیں جن کی اللہ کی تدبیر کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو دنیا میں بھی اپنے علم اور فیصلے کے مطابق انہیں سزا دے گا اور آخرت میں تو کافروں کے لئے عذاب ہی عذاب ہے وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ (اور عنقریب کافر جان لیں گے کہ اس دار کا اچھا انجام کس کے لئے ہے) یعنی جب آخرت میں کافر لوگ اہل ایمان کی کامیابی دیکھیں گے اور خود عذاب میں پڑیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہوا؟

آپ فرما دیجئے کہ میرے رسول ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا (اور کافر کہتے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں) قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لئے اللہ کافی ہے) وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ (اور وہ لوگ بھی گواہی کے لئے کافی ہیں جن کے پاس کتاب ہے) تم اگر نہ مانو تو تمہارے انکار سے میری نبوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا وہ میری نبوت پر گواہ ہے اور اصل گواہی اسی کی ہے لہٰذا مجھے تمہارے انکار کی کوئی پرواہ نہیں، نیز اہل کتاب کے علماء کی گواہی بھی میرے لئے کافی ہے جو اپنی کتابوں میں میری نبوت کی پیشین گوئی پڑھتے آئے ہیں اور ان کے جذبہ انصاف نے انہیں مومن بنا دیا انہوں نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لے آئے اہل علم کی گواہی کے بعد جاہلوں کا انکار بے حیثیت ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان ولقد تم تفسیر سورۃ الرعد والحمد للہ

سورۃ ابراھیم مکیۃ وھی اثنتان و خمسون آیۃ سبع رکوعات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورہ ابراہیم مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ جو باون آیات اور سات رکوع پر مشتمل ہے

الٓرٰ ۚ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ

الٓرٰ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالیں

اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ وَیۡلٌ

یعنی اس کی راہ کی طرف جو زبردست ہے خوبیوں والا وہ اللہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور

لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ

کافروں کے لئے ہلاکت یعنی سخت عذاب ہے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں

وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۳﴾

اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لائیں، اللہ غالب ہے ستودہ صفات ہے سارے جہانوں کا مالک ہے

تفسیر: یہاں سے سورۂ ابراہیم شروع ہے اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب عظیم کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی، پھر فرمایا کہ کتاب کا نازل فرمانا اس لئے ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں اور ساتھ ہی بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ بھی فرمایا کہ کتاب سنانا اور حق کی تبلیغ کرنا یہ آپ کا کام ہے جسے ہدایت ہوگی اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیئت ہی سے ہوگی۔

پھر نور کا مصداق بتایا اور فرمایا اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ کہ آپ جو لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہیں یہ نور عزیز حمید یعنی اس ذات پاک کا راستہ ہے جو زبردست ہے اور غالب ہے اور ستودہ صفات ہے یعنی ہر اعتبار سے وہ مستحق حمد ہے پھر عزیز حمید کا اسم ذات ذکر فرمایا کہ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے پھر اللہ تعالیٰ کی شان مالکیت کو بیان فرمایا اَلَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسکی ملکیت ہے، وہی ان سب چیزوں کا مالک بھی ہے اور خالق بھی ہے سارا ملک بھی اسی کا ہے اور سب کچھ ملکیت اسی کی ہے، جو لوگ اللہ کی کتاب پر اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے وہ اپنے خالق

مالک سے منحرف ہیں ایسے لوگوں کے لئے وعید بیان فرمائی وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (اور کافروں کے لئے ہلاکت ہے یعنی سخت دردناک عذاب ہے)

کافروں کی صفات: پھر کافروں کی تین صفات بیان فرمائیں اور وہ یہ کہ اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ (یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا والی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں اسے ترجیح دیتے ہیں) انکا یہ دنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو نظر انداز کرنا انکے کفر پر جمے رہنے کا باعث بنا ہوا ہے' انکی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (یعنی وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں) نہ خود ایمان لاتے ہیں نہ دوسروں کو ایمان لانے دیتے ہیں۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (کہ اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے ہیں) یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور اس پر اعتراض کریں۔

ان لوگوں کی یہ حرکتیں بیان فرما کر ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ کہ یہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں راہ حق کا انکار کر کے ہدایت سے دور پہنچ چکے ہیں قال صاحب الروح والمراد انهم قد ضلوا عن الحق ووقعوا عنه بمراحل۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ وہ حق سے گمراہ ہوگئے اور حق سے بہت زیادہ منزلیں دور جا پڑے ہیں)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ
اور ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے وہ اپنی ہی قوم کی زبان بولنے والے تھے تاکہ وہ اپنی قوم کے لئے بیان کریں' پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرے
يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
اور جسے چاہے ہدایت دے' اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے

تفسیر: اس آیت میں ایک بہت اہم بات بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب اپنی اپنی قوموں کی زبان میں ان سے بات کرتے تھے اور اپنی قوم کی زبان میں انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے اور بیان فرماتے تھے' حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے ان کی بیوی حوا بھی تشریف لائیں اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بھاری تعداد میں مرد اور عورت پیدا فرمائے (وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً)

حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت بڑھتی رہی پھیلتی رہی قبیلے بنتے چلے گئے مختلف زبانیں پیدا ہوتی چلی گئیں یہ زبانوں اور صورتوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں سورۂ روم میں فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (اور اسکی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بے شک اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا ہدایت دینے کے لئے انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تعلیم و تبلیغ اور افادہ و استفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہی ہے جب زبانیں مختلف ہیں اور لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا اور باری تعالیٰ شانہٗ کے احکام بیان کرنا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے پیغمبروں کے سپرد فرمایا تو ظاہر ہے کہ ہر نبی کو وہی زبان بولنا ضروری ہوا جو زبان انکے مخاطبین کی تھی لِیُبَیِّنَ لَھُمْ میں اس بات کو بیان فرمایا جو بھی نبی آیا اس نے اپنی قوم سے انہیں کی زبان میں باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام آباد ہو گئے تھے ان کا وطن سابق بابل کے قریب تھا وہاں جو بھی زبان بولتے ہوں ہجرت کر کے جب شام میں تشریف لے آئے اور وہاں کے لوگوں میں شادی کر لی اور ان لوگوں کی زبان سیکھ لی تو نبوت سے سرفراز ہو کر انہی کی زبان میں تبلیغ فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے مطلب یہ نہیں ہے رسول اپنی قوم کی زبان کے علاوہ دوسری زبان نہیں جانتے تھے مطلب یہ ہے کہ جس قوم کی طرف بعثت ہوئی انکی زبان جانتے تھے بعض لوگوں نے جو حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں اشکال کیا ہے کہ وہ دوسرے ملک سے آ کر آباد ہوئے تھے پھر آیت کے عموم میں کیسے داخل ہوئے یہ اشکال کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے ان کی زبان جاننا دعوت و تبلیغ کے لئے کافی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ اور عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز و اذان مشروع ہونے کی حکمت

سیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے تمام انسان کی طرف انکی بعثت نہیں ہوتی تھی کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ (جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور نبی خاص اپنی قوم میں مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں) (صحیح بخاری) آپ کی بعثت سارے زمانوں کے لئے سارے جنات کے لئے اور سارے انسانوں کے لئے ہے چونکہ آپ کے مخاطبین اولین اہل عرب ہی تھے اس لئے آپ بھی اپنی قوم کی زبان میں خطاب فرماتے تھے اور قرآن مجید بھی عربی زبان میں نازل ہوا پھر عربی زبان کی بلاغت اور لطافت ایسی ہے جو دوسری

کسی زبان میں نہیں ہے اس میں الفاظ بھی ثقیل نہیں ہیں جیسا کہ انگریزی اور سنسکرت وغیرہ میں ہیں اور اس زبان کا سیکھنا بھی آسان ہے اور معجزہ کی جوشان عربی زبان میں ہے وہ دوسری زبانوں میں نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے محمد عربی علیہ کو خاتم الانبیاء بنایا اور اپنی آخری کتاب بھی عربی زبان میں نازل فرمائی چونکہ سارے انسان خاتم الانبیاء علیہ کی امت دعوت ہیں اس لئے امت کی وحدت قائم رکھنے کے لئے کسی ایک ہی زبان میں آخری کتاب کا نازل ہونا ضروری تھا اور اپنی لطافت اور فصاحت و بلاغت اور معجزہ ہونے کے اعتبار سے عربی زبان ہی کو برتری حاصل تھی اور اب بھی ہے اس لئے عربی ہی کو ساری امت کی مرکزی زبان قرار دیا گیا اگر ہر ہر علاقہ کے رہنے والوں کی زبانوں میں الگ کتاب اللہ ہوتی تو پوری امت کی مرکزیت اور وحدت کی صورت نہ بنتی جیسا کہ قرآن مجید کے معانی کا جاننا اور سمجھنا اور اسکے احکام پر عمل کرنا مطلوب ہے اسی طرح اسکے الفاظ کا یاد رکھنا پڑھنا پڑھانا تلاوت کرنا بھی مطلوب ہے جیسا کہ اسکے احکام پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے ایسا ہی اسکے الفاظ کی تلاوت کرنے پر بھی مطلوب ہے جیسا کہ اسکے احکام پر عمل کرنا مطلوب ہے اسی طرح اسکے الفاظ کا یاد رکھنا پڑھنا پڑھانا تلاوت کرنے پر بھی اجر ملتا ہے زبان کی سلاست اور لطافت جو عربی زبان میں ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسے حفظ کر لیتے ہیں اور بوڑھے لوگ بھی یاد کر لیتے ہیں اسکے حروف بھی ایسے ہیں جنہیں سب ادا کر سکتے ہیں (اگرچہ بعض حروف کی ادائیگی میں ذرا محنت اور مشق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ادا سب ہو جاتے ہیں) برخلاف اسکے بعض زبانوں کے حروف ایسے ہیں کہ دیگر علاقوں کے باشندوں سے ادا نہیں ہوتے مثلاً (ڑ) اور (ڈ) اہل عرب ادا نہیں کر سکتے اس لئے عربی زبان ہی کو اسلامی عربی زبان قرار دیا گیا قرآن بھی اسی زبان میں نازل ہوا نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جاتی ہے اور اذان بھی اسی زبان میں دی جاتی ہے۔

پھر چونکہ اہل استطاعت پر حج کرنا بھی فرض ہے اور اسکے لئے مکہ معظمہ آنا پڑتا ہے اور یہاں اہل عرب سے واسطہ پڑنا ضروری ہے اس لئے بھی مسلمانوں کے لئے مرکزی عالمی زبان عربی ہی ہونا ضروری ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذمہ داری حق پہنچانے اور حق سمجھانے کی تھی رہا ہدایت دینا تو یہ اللہ جل شانہ کی قضاء وقدر اور ارادہ سے متعلق ہے اسی لئے فرمایا فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبانوں میں بیان فرماتے تھے اس کے بعد اللہ نے جس کو چاہا گمراہی پر باقی رکھا اور جسکو چاہا ہدایت دی قال صاحب الروح ص۱۸۲ ج۱۳ کانہ قیل فبینوا لھم فأضل اللہ تعالیٰ من شاء اضلالہ وھدی من شاء ھدایتہ حسب ما اقتضتہ حکمتہ تعالیٰ البالغۃ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں گویا کہ کہا گیا کہ انبیاء نے ان کے سامنے سب بیان کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے مطابق جس کو گمراہ کرنا چاہا اسے گمراہ کر دیا اور جسے ہدایت دینا چاہا اسے ہدایت دی)

آیت کے ختم پر فرمایا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ غالب ہے وہ جو چاہے وہی ہوگا اور وہ حکمت والا بھی ہے وہ اپنی حکمت کے موافق فیصلے فرماتا ہے اسکا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

اوراس میں شک نہیں کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ

اور انہیں ایام الٰہیہ یاد دلاؤ بے شک اس میں ہر ایسے شخص کے لئے نشانیاں ہیں جو خوب صبر کرنے والا ہے خوب شکر کرنے والا ہے اور جبکہ موسیٰ نے

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اپنی قوم سے کہا کہ تم پر جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی

سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ

وہ تمہیں بری طرح تکلیف پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں

رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ۧ

تمہارے لئے بڑا امتحان تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مبعوث ہونا اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا

تفسیر: ان دو آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم کا ذکر ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے زمانہ اقتدار میں جب اپنے والدین اور بھائیوں کو اور انکی ازواج و اولاد کو بلا لیا تھا تو یہ لوگ مصر میں مستقل طور پر بس گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے چونکہ یہ لوگ مصری قوم یعنی قبطیوں کے نہ ہم وطن تھے نہ ہم مذہب تھے اس لئے انہوں نے ان کو اجنبی ہونے کی پاداش میں بہت بری طرح رگڑا۔ چار سو سال کی بدترین غلامی میں جکڑے رہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جو بنی اسرائیل ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات عطا فرمائے اور ان پر توریت شریف نازل فرمائی چونکہ وہ پیدا ہونے کے بعد سے تیس سال کی عمر تک مصر ہی میں رہے اس کے بعد دس سال مدین میں رہے اس لئے بنی اسرائیل کی زبان بھی جانتے تھے اور قبطیوں کی زبان سے بھی واقف تھے' آپ فرعون اور قوم فرعون کی طرف بھی مبعوث ہوئے اور بنی اسرائیل کی طرف بھی' فرعون اور اسکی قوم تو کافر مشرک تھے ہی انکی اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل بھی نہ صرف یہ کہ فسق و فجور میں مبتلا تھی بلکہ شرک کو بھی پسند کرنے لگی تھی اس لئے جب سامری نے بچھڑا بنایا تو اسکی پرستش کرنے لگے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشرکین پر گذرے تو کہنے لگے یَا مُوْسَى اجْعَلْنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (اے

موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود تجویز کر دیجئے جیسے ان لوگوں کے لئے معبود ہیں) اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اپنی قوم کو اندھیروں سے نکالو اور نور کی طرف لے آؤ کفر و شرک اور فسق و فجور اور معاصی سے انہیں ہٹاؤ اور بچاؤ اور ہدایت کی روشنی کی طرف لے آؤ وَ ذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ) دن تو سارے اللہ ہی کے ہیں کیونکہ سب دنوں کو اسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن محاورہ کے اعتبار سے یہاں انقلابات جہاں اور دکھ تکلیف کے واقعات یاد دلانا مقصود ہے دنیا میں کیسے کیسے بادشاہ اور دبدبہ والے اصحاب اقتدار آئے انہوں نے کیا کیا بنایا اور کیا کیا خود صفحۂ ہستی سے مٹ گئے انکے لشکر بھی تباہ ہوئے قومیں بھی ختم ہوئیں محلات بھی برباد ہوئے جن میں سے بعض کا کوئی نشان باقی ہے اور بعض کی نشان بھی ختم ہو گئے' انہیں میں فرعون بھی تھا جسکی سطوت اور شوکت بنی اسرائیل دیکھ چکے تھے اور چار سو سال سے دکھ تکلیف کو بھگت رہے تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہیں یہ واقعات اور قصے یاد دلاؤ دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں انکا جو اپنا حال تھا اسکو بھی یاد کریں۔

بعض حضرات نے ایام اللہ سے نعماء اللہ مراد لی ہیں یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کے جو انعامات ہوئے ہیں انکو یاد کرو اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایسے بندہ کے لئے جو خوب صبر کرنے والا ہو خوب شکر کرنے والا ہو) صبر شکر والے بندے بصیرت والے ہوتے ہیں جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہو وہ گزشتہ انسانوں کی مصیبتیں یاد کرلے تو اسکی مصیبت ہلکی ہو جائے گی اور مصیبت پر صبر کرنا آسان ہو جائے گا اور جو نعمتیں اسے ملی ہیں ان پر زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوگا۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطاب کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالو اور انہیں پرانے زمانے یاد دلاؤ تو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ نے جو تم پر انعام فرمایا اسے یاد کرو انعامات تو ان پر بہت تھے لیکن انکے حالات کے اعتبار سے جو ان پر سب سے بڑا انعام تھا وہ یاد دلایا کہ دیکھو اللہ نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی فرعون اور اسکے متعلقین اور اسکے سپاہی بنی اسرائیل پر بری طرح مسلط تھے وہ انکے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے یعنی ذبح نہ کرتے تھے مگر یہ انکی کوئی مہربانی نہ تھی وہ سمجھتے تھے کہ سبھی کو قتل کر دیا جائے تو ہماری خدمت گزاری کون کریگا وہ بنی اسرائیل سے طرح طرح کی بیگاریں لیتے تھے انہیں سخت ترین کاموں میں استعمال کرتے تھے یہ سب کچھ بنی اسرائیل کو معلوم تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا اور فرمایا وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ کہ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کو بلاء کہتے ہیں۔ اور بلاء کا دوسرا معنی ''انعام'' ہے اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تکلیفوں سے اور غلامی سے نجات دینے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے تم کو مطلع فرمادیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دونگا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے

وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم اور وہ سب لوگ جو زمین میں ہیں اللہ کی ناشکری کرو تو بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اعلان کہ شکر پر مزید نعمتیں دونگا اور ناشکری سخت عذاب کا سبب ہے

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندے بنو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا ہے کہ نعمتوں کی شکرگزاری پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعامات ملیں گے اور جیسا کہ شکر نعمتوں کے زیادہ ہونے کا سبب ہے اسی طرح سے ناشکری اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوجانے کا سبب ہے۔ لہٰذا زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے اور دل سے بھی اور اعضاء و جوارح سے بھی' اعضاء و جوارح کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مال ملے اس کو فضول نہ اڑادے طاعات میں خرچ کرے' گناہوں میں خرچ کرنے سے بچے' شکر ان سب باتوں کو شامل ہے اور ان سب امور کے خلاف اختیار کرنا ناشکری ہے جس طرح شکرگزاری کی وجہ سے نعمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے اسی طرح ناشکری کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں اور طرح طرح کے مصائب اور مشکلات اور دکھ تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

سورہ نحل کی آیت وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً (الآیۃ) میں ایک بستی پر نعمتوں کی فروانی پھر انکی ناشکری اور ناشکری کی سزا کا تذکرہ فرمایا ہے نیز سورہ سبا رکوع ۲ میں قوم سبا پر جو نعمتیں تھیں ان نعمتوں کا تذکرہ ہے پھر قوم سبا کی ناشکری اور ناشکری کی سزا مذکور ہے دونوں جگہ کا مطالعہ کرلیا جائے۔

مزید فرمایا کہ دیکھو اگر تم شکر کرو گے تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ غنی ہے بے نیاز ہے حمید ہے سب تعریفوں کا مستحق ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں ہے تم سب اور زمین کے رہنے والے تمام افراد اگر اللہ کی ناشکری کریں تو اس بے نیاز ذات کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا شکرگزاری میں تمہارا اپنا نفع ہے ناشکری میں تمہارا اپنا ضرر ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛؕ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے یعنی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کی خبر

بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ

جو ان کے بعد تھے جنہیں اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا ان کے پاس انکے رسول واضح دلائل لیکر آئے سو ان لوگوں نے اپنے ہاتھ

فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ

انکے منہ میں دیدیئے اور کہا کہ بے شک تم جو چیز لیکر بھیجے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے اور بلاشبہ جس چیز کی طرف تم لوگ ہمیں بلاتے ہو ہم اس کی طرف سے شک میں ہیں

اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ

جو تردد میں ڈالنے والا ہے، انکے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے وہ تمہیں بلاتا ہے

لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ

تاکہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ اور مقررہ مدت تک تمہیں ڈھیل دیدے، ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو

مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ

ہمارے باپ دادا جسکی عبادت کرتے تھے تم ہمیں اس سے روکتے ہو۔ سو تم ہمارے پاس کوئی کھلی ہوئی

مُّبِیْنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی

دلیل لے آؤ، انکے رسولوں نے ان سے کہا کہ ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے

مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَی

جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور ہمارے بس کی یہ بات نہیں کہ ہم تمہارے سامنے کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر لاسکیں اور

اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ

ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہمیں ہماری راہیں دکھائی ہیں

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور ہم تمہاری ایذاؤں پر ضرور ضرور صبر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔

سابقہ امتوں کا عناد رسولوں کو تبلیغ سے روکنا اور جاہلانہ سوال جواب کرنا

تفسیر: قریش مکہ کفر و شرک سے باز نہیں آتے تھے جب انکے سامنے حق بات پیش کی جاتی تھی تو الٹے الٹے جواب

دیتے تھے ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں مثلاً نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد اور قوم ثمود اور انکے بعد جو بہت سی اقوام آئیں جن کا علم صرف اللہ ہی کو ہے کیا انکے احوال تمہیں معلوم نہیں ہیں۔ کچھ اجمالاً اور کچھ تفصیلاً ان لوگوں کے حالات تمہیں معلوم ہیں قرآن مجید میں بھی ان کے احوال بتائے ہیں اور تم اپنے اسفار میں ہلاک شدہ قوموں کے نشانات دیکھ چکے ہو کچھ نہ کچھ یہود اور نصاریٰ سے بھی سنا ہے ان لوگوں کی بربادی سے تم سبق کیوں نہیں لیتے انکی وہی حرکتیں تھیں جو تمہاری حرکتیں ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلاتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور جو کچھ ہمیں دعوت دیتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، ہم اسے نہیں مانتے ہمیں تمہاری باتوں میں شک ہے اور شک بھی معمولی نہیں ہے اس نے ہمارے دلوں کو تردد میں ڈال رکھا ہے' ان لوگوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب انہیں حق کی دعوت دیتے تھے تو ان کے مونہوں میں اپنے ہاتھ دیدیتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی پہلی دعوت تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مانو اسکی توحید کا اقرار کرو اسے خالق اور مالک جانو اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو جب یہ دعوت ان حضرات نے اپنی اپنی اقوام کے سامنے رکھی تو ان لوگوں نے جھٹلا دیا اس پر ان حضرات نے فرمایا کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمینوں کا پیدا فرمانے والا ہے اسکی اتنی بڑی نشانیاں آسمان و زمین تمہارے سامنے ہیں اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ اس پر ایمان لاؤ اور اسکی عبادت کرو ہم اسکے پیغمبر ہیں دعوت دینے والا وہی ہے تم اسکی دعوت قبول کرو ایسا کرو گے تو وہ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور مقررہ وقت تک (جو اسکے علم میں ہے) تمہیں ڈھیل دیگا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ باتیں سن کر انکی قومیں جب دلیل سے لاجواب ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت و مالکیت کا انکار نہ ہو سکا تو کٹ حجتی پر اتر آئیں اور کہنے لگیں کہ ہم کیسے مان لیں گے کہ تم اللہ کے رسول ہو تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو ہم نے جو معبود بنا رکھے ہیں اس میں ہم اپنے باپ دادوں کی اقتدا کرتے ہیں اور انکی راہ پر چلتے ہیں اور اپنے خیال میں ہم انکے طریقہ کو صحیح سمجھتے ہیں اب تم ہمیں باپ دادوں کے راستے سے روکنا چاہتے ہو لہٰذا کوئی واضح کھلی ہوئی دلیل یعنی معجزہ دکھاؤ تاکہ ہم اسے دیکھ کر تمہاری بات مان لیں اور اپنے باپ دادوں کا طریقہ چھوڑ دیں' انکے جواب میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں لیکن انسان ہونا نبی ہونے کے منافی نہیں ہے اللہ تعالیٰ شانہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور اپنے اس احسان کے لئے منتخب فرمالیتا ہے وہ انسانوں میں سے ہی نبی بھیجتا ہے لہٰذا انسان ہوتے ہوئے ہم نبی ہوئے اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں جہاں تک دلیل کا تعلق ہے وہ تو ہم نے پیش کردی لیکن اب جو تم یہ کہتے ہو کہ تمہیں ایسا خاص معجزہ دکھایا جائے جو تمہاری فرمائش کے مطابق ہو تو یہ ہمارے بس میں نہیں' اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہم کوئی معجزہ تمہارے سامنے نہیں لاسکتے ہم اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں اور مومن بندوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور زندگی کے جو طریقے اسے محبوب ہیں وہ ہمیں بتائے جب اس نے ہم پر یہ کرم فرمایا تو ہم اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمیں تکلیفیں دے رہے ہو اور آئندہ بھی تمہاری طرف سے تکلیفیں پہنچ سکتی ہیں ہمیں ان تکلیفوں پر صبر ہی کرنا ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے۔ (معلوم ہوا کہ دعوت حق کا کام کرنے والوں کو مخاطبین سے تکلیفیں پہنچیں تو صبر سے کام لیں اور اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرتے رہیں)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ
اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ضرور ضرور ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ بات ہو کہ تم ہمارے دین میں
مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ
واپس ہو جاؤ، سو انکے رب نے انکی طرف وحی بھیجی کہ ہم ضرور بالضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور انکے بعد تمہیں اس زمین
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ
میں آباد رکھیں گے یہ اس شخص کے لئے ہے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے خائف ہوا اور میری وعید سے ڈرا، اور کافروں نے فیصلہ چاہا اور
كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا
ہر سرکش ضدی نامراد ہوا، اس کے آگے دوزخ ہے اور اسے ایسا پانی پلایا جائے گا جو پیپ ہوگا وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور
يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ
گلے سے بہ آسانی نہ اتارے گا اور ہر جگہ سے اس پر موت کی آمد ہوگی اور وہ نہیں مرے گا اور اسکے سامنے سخت
غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾
عذاب ہوگا۔

سابقہ اُمتوں کا رسولوں کو دھمکی دینا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے کافروں کے سخت عذاب کا تذکرہ

تفسیر: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کو جو حق کی دعوت دیتے اور توحید کی طرف بلاتے اور اللہ جل شانہ وحدہ لاشریک کی بلاشرکت غیر عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے تو یہ بات ان لوگوں کو کھلتی تھی اور ناگوار ہوتی تھی، طرح طرح کی باتیں بناتے تھے اور بری طرح پیش آتے تھے ان کی انہیں باتوں میں سے یہ بھی تھا کہ ہم تمہیں

اپنی سرزمین سے نکال دیں گے نہ تمہیں یہاں رہنے دیں گے اور نہ ان لوگوں کو جنہوں نے تمہارا دین قبول کیا' ہاں اگر تم لوگ ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ تو پھر ہم تم ایک ہو جائیں گے اور اس صورت میں ہماری تمہاری مخالفت ختم ہو جائے گی' چونکہ وطن چھوٹ جانا اور بے گھر ہو جانا بھی انسان کے لئے ایک بڑی تکلیف دہ بات ہے اس لئے کافروں نے انہیں یہ تڑی دی (معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو اہل کفر زمانہ قدیم سے جلاوطن کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں اور آج بھی اہل ایمان کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے) کافروں نے اپنی سرزمین سے نکالنے کی جو دھمکی دی اس پر اللہ جل شانہ نے اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والے بندوں کو تسلی دی اور یہ وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں اس زمین میں آباد رکھیں گے۔

جب خاتم النبیین ﷺ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو وہ انہیں بہت بری لگی آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بہت تکلیفیں دیں بہت سے صحابہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے آنحضرت ﷺ کے بارے میں مشورہ لیکر بیٹھے کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے سورہ انفال رکوع ۴ میں ہے کہ کسی نے کہا کہ آپ کو قید میں ڈال دیں کسی نے کہا آپ کو قتل کر دیا جائے کسی نے کہا ان کو یہاں مکہ کی سرزمین سے نکال دیا جائے آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے ہجرت کے دوسرے سال غزوہ بدر پیش آیا جس میں کفر کے ستر سرغنے مقتول ہوئے اور ستر سرغنے قید ہوئے پھر چھ سال کے بعد مکہ معظمہ فتح ہو گیا کفر مٹا شرک دفع ہوا اور اہل ایمان کو مکہ معظمہ میں رہنے اور اللہ کا نام بلند کرنے کے مواقع فراہم ہو گئے دیر تو لگی لیکن ظالم ہلاک ہوئے اور مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں امن وامان کے ساتھ رہنا نصیب ہوا پہلی امتوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے کفر وایمان کی جنگ چلتی رہی بالآخر اہل ایمان غالب ہوئے۔

فسق وفجور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار قرآن کی شرط کے خلاف ہے

ظالمین کو ہلاک کرنے کے بعد اہل ایمان کو انکی سرزمین میں بسانے کا وعدہ جو فرمایا اسکے بعد ارشاد فرمایا ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ اس میں یہ بتایا ہے کہ ظالموں کے ہلاک کرنے اور انکی جگہ اہل ایمان کو بسانے کا جو وعدہ فرمایا ہے یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جنہیں حساب کتاب کا ڈر ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ قیامت کا دن آئیگا اور وہاں حاضر ہونا پڑے گا اور نیکی بدی کا حساب ہوگا اور یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو اللہ کی وعیدوں سے ڈرتے رہے جو اس نے اپنے نبیوں اور کتابوں کے واسطہ سے بیان فرمائیں' اور ڈرنا جبھی ہوگا جب کہ ایمان اور یقین کی صفت سے متصف ہونگے' جب قیامت کے دن کے حساب کتاب کا خوف ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی وعیدوں پر یقین ہوگا تو گناہوں سے بھی دور رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہوں لیکن گناہوں کو نہ چھوڑتے ہوں ان لوگوں سے مذکورہ یہ وعدہ نہیں ہے آج دنیا میں کروڑوں افراد آباد ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ایمان والے ہیں لیکن فرائض واجبات کا اہتمام کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کو تیار نہیں متقی بہت کم ہیں عموماً فاسق ہیں نمازوں تک سے غافل ہیں کاروبار میں حلال حرام تک کی

کوئی تمیز نہیں سود کا لین دین بھی ہو رہا ہے رشوتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے حقوق العباد بھی ادا نہیں کئے جاتے اسلام کے دعویداروں کا گناہگاری میں لت پت ہونے کے اعتبار سے برا حال ہے جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہیں آتی تو تعجب کرتے ہیں اور بعض جاہل تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں گناہ چھوڑیں اللہ کی شرط پوری کریں پھر مدد کے منتظر ہوں، نفس کی خواہشوں کے مطابق چلیں اور گناہوں میں غرق ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کریں کہ ہماری مدد نہ فرمائی یہ جہالت کی بات ہے سورہ آل عمران میں غزوہ احد (جسمیں مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا تھا) کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور تم ہمت نہ ہارو اور رنج نہ کرو اور تم بلند ہوگے اگر تم مومن ہو) جو مدعی ایمان ہو وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے پھر نصرت الٰہی کا امیدوار ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اسی بات کو فرمایا تھا اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بے شک زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا فرمادے اور انجام کے اعتبار سے کامیابی متقیوں کے لئے ہوتی ہے)۔

سورہ ھود میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور نوح علیہ السلام اور انکے ساتھیوں کے با سلامت کشتی سے اترنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ جس کا مطلب یہ ہے کہ اچھا انجام متقیوں ہی کے لئے ہوتا ہے۔

پھر فرمایا وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (الآیات الثلاث) اس میں حضرات مفسرین نے دو وجوہ لکھی ہیں اول یہ کہ اِسْتَفْتَحُوْا کی ضمیر مرفوع مستتر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور فیصلہ چاہا، یہ معنی لینا بھی سیاق کلام کے موافق ہے اور اسکی نظیر حضرت شعیب علیہ السلام اور انکے ساتھیوں کی دعا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی جب انکی قوم نے ان سے یوں کہا تھا کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے اس پر ان حضرات نے جو جواب دیا تھا وہ سورہ اعراف میں مذکور ہے ساتھ ہی وہاں ان کی یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ (اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں) اس صورت میں سورہ ابراہیم کی آیت بالا کا یہ مطلب ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اللہ تعالیٰ نے انکی مدد فرمائی اور ان کے مقابلہ میں جو سرکش ضدی تھے وہ نامراد ہوئے ناکام ہوئے برباد ہوئے دنیا و آخرت دونوں جگہ کے عذاب میں مبتلا ہوئے اسکے بعد کچھ آخرت کے عذاب کی تفصیل مذکور ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وَاسْتَفْتَحُوْا کی ضمیر اُمتوں کی طرف راجع ہو اور اس صورت میں مطلب ہوگا کہ جب حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کو سمجھاتے رہے اور وہ لوگ انکار پر اصرار کرتے رہے تو اسی طرح شدہ شدہ وہ

وقت آ گیا کہ انکی قوموں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کیا کہ ہمارے اور انکے درمیان فیصلہ ہو جانا چاہئے اور اس بات کے کہنے کا مطلب یہ تھا یہ لوگ جو ہمیں وعید سناتے ہیں کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تم پر عذاب آ جائے گا تو ہمارے انکار کرنے پر اگر عذاب آنا ہے تو آ جائے' یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور جیسے شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور جیسا کہ قریش نے کہا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ اور یہ بھی کہا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ان لوگوں کا اس طرح کی باتیں کرنا اور عذاب لانے کی درخواست کرنا استہزاء اور تمسخر کے طریقہ پر تھا چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے اس لئے بطور تمسخر ایسی باتیں کرتے تھے لیکن عذاب کو دعوت دینا ان کے لئے وبال بن گیا اور واقعی عذاب آ گیا' جب عذاب آیا تو سرکش اور ضدی عذاب میں مبتلا ہو گئے اور دنیا سے نامراد ہو کر چلے گئے' وہ سمجھتے تھے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بات نہ ماننے میں کامیابی ہے حالانکہ ان کی بات ماننے میں کامیابی تھی اور نہ ماننے میں نامرادی تھی' یہ تو ان کو دنیا میں سزا ملی کہ عذاب میں گرفتار ہوئے اور جس عذاب کو مذاق میں طلب کرتے تھے اس نے سچ مچ آ گھیرا اور آخرت کا عذاب اسکے سوا ہو گا وہاں دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا جہاں بہت سے عذابوں کے علاوہ کھانے پینے کا بھی عذاب ہو گا جب پانی پینے کے لئے طلب کریں گے تو وہ پانی سراپا پیپ ہو گا پینے کو تو دل نہ چاہے گا لیکن مجبوری میں پینا پڑیگا یہ پیپ کا پانی خود دوزخیوں کے جسموں سے نکل کر بہتا ہو گا کافر اسے مشکل سے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا لیکن پھر بھی پئے گا اور پینا پڑے گا۔

ماء صدید کیا ہے: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَتَجَرَّعُهٗ کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس سے نفرت کریگا پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرہ کو بھون ڈالے گا اور اسکے سر کی کھال گر پڑے گی پھر جب اسے پئے گا تو انتڑیاں کاٹ ڈالے گا اور پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ذیل کی آیات تلاوت فرمائیں اول سورہ محمد کی آیت وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (دوسری سورہ کہف کی آیت یعنی) وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ (مشکوۃ المصابیح ص ۵۰۳ از ترمذی)

دوزخی کی مصیبت بتاتے ہوئے مزید فرمایا وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ اسکے پاس ہر جگہ سے یعنی ہر طرف سے موت آئے گی یعنی طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوتا رہے گا جتنی بھی سخت تکلیف پہنچ جائے وہ یہ سمجھے گا کہ اب مرا اب مرا لیکن پھر بھی وہ مریگا نہیں کیونکہ اس کو دائمی عذاب ہو گا وہاں کی زندگی نہ تو ایسی ہو گی جسے زندگی کہا جائے اور نہ تکلیف کی وجہ سے اسے موت آئے گی اسی کو سورہ طٰہٰ اور سورۃ الاعلیٰ میں لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى

فرمایا ہے کہ وہ وہاں نہ مریگا نہ زندہ رہے گا۔

مزید فرمایا وَمِن وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيظٌ اور اسکے آگے سخت عذاب ہے جتنا بھی عذاب ہوگا آگے بڑھتا ہی رہے گا ختم نہ ہوگا اور ہلکا نہ ہوگا عذاب کی شدت میں اضافہ کر دیا جائے گا جیسا کہ سورہ نحل میں فرمایا اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم انکے لئے بمقابلہ انکے فساد کرنے کے عذاب بڑھا دیں گے)۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ

جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا انکے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ ہو اسے تیز آندھی کے دن میں تیز ہوا اڑا کر لیجائے جو کچھ

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

انہوں نے کمایا اس میں سے ذرا سے حصہ پر بھی وہ قادر نہیں ہونگے یہ ہے دور کی گمراہی اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ

آسمانوں کو اور زمین کو حق کیساتھ پیدا فرمایا اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرما دے اور یہ

عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا

اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں اور وہ سب اللہ کے حضور میں پیش ہونگے سو ضعیف لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ بلاشبہ ہم

كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا

تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے اللہ کا عذاب کچھ بھی ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہمیں راہ بتاتا

اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾

تو ہم تمہیں بھی راہ بتا دیتے، ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم بے چینی کا اظہار کریں یا صبر کریں ہمارے لئے چھٹکارہ کی کوئی صورت نہیں۔

کافروں کے اعمال باطل ہیں، قیامت کے دن دنیا والے سرداروں اور ان کے ماننے والوں کا سوال جواب

تفسیر: ان آیات میں اول تو کافروں کے ان اعمال کا باطل ہونا بیان فرمایا جنہیں دنیا میں نیکی سمجھ کر کرتے ہیں مثلاً صلہ رحمی کر دی مہمانوں کو کھانا کھلا دیا مجبور و پریشان حال آدمیوں کی مدد کر دی وغیر ذالک ارشاد فرمایا انکے یہ اعمال آخرت میں بے حیثیت ہونگے ان کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی راکھ پڑی ہوئی

ہو جسے خوب تیز آندھی اڑا کر لیجائے اول تو راکھ یوں ہی بے حیثیت ہے پھر کسی جگہ اس کا ڈھیر بنا ہوا ہو پھر اسے آندھی نے اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا۔ نظروں کے سامنے جو اسکا ذرا سا وجود تھا وہ بھی نہ رہا اسی طرح کافروں کے ان اعمال کو سمجھ لیا جائے جو دنیا میں نیکیوں کے عنوان سے کرتے تھے یہ اعمال قیامت کے دن بیکار ہونگے اور ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ ملے گا نہ ثواب ملے گا نہ عذاب سے چھٹکارہ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ سائل کے اس سوال کا جواب ہے کہ کافروں کا یہ حال کیوں ہوگا جو گزشتہ آیت میں مذکور ہوا جبکہ انہوں نے دنیا میں کچھ نیک اعمال بھی کئے تھے اسکا جواب دیدیا کہ انکے ان اعمال کی قیامت کے دن کوئی حیثیت نہ ہوگی اور کوئی قیمت نہ اٹھے گی ان کا یہ سمجھنا کہ ان اعمال پر ہمیں کچھ ملے گا یا ان اعمال کی وجہ سے ہم ہدایت پر ہیں یہ ضلال بعید ہے یعنی دور کی گمراہی ہے سورہ فرقان میں فرمایا وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا (اور ہم ان کے ان کاموں کی طرف جو کہ وہ کر چکے تھے متوجہ ہونگے سو انکو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار)

اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کیساتھ یعنی حکمت کے موافق پیدا فرمایا آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے جسکا بھی جو وجود ہے اسی کی مشیت سے ہے۔

نیز فرمایا اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (اگر وہ چاہے تو تمہیں معدوم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرما دے) وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ (اور یہ اللہ پر ذرا بھی مشکل نہیں ہے)

اس کے بعد میدان حشر کا ایک منظر بیان فرمایا اور وہ یہ کہ قیامت کے دن چھوٹے بڑے سب قبروں سے نکل کر ظاہر ہونگے اس وقت جب عذاب سامنے آئے گا اور کفر و شرک کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور پہچانیں گے اس وقت چھوٹے لوگ جو دنیا میں کمزور تھے اپنے بڑوں سرداروں چودھریوں اور لیڈروں کے پیچھے چلتے تھے اور انکی بات ماننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی دعوت کو رد کر دیتے تھے وہ اپنے قائدوں لیڈروں سرغنوں اور سرداروں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے تم جو کہتے تھے ہم اسے مانتے تھے اور تمہارے کہنے کے مطابق عمل کرتے تھے ہم نے تمہاری بات مانی اور اپنے خالق اور مالک کے رسولوں کی باتوں پر کان نہ دھرا تو اب بتاؤ کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگر عذاب سے چھوٹنے کا کوئی راستہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا تو ہم تمہیں بھی بتا دیتے اب تو ہمارے لئے اور تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے اور اب تم اور ہم یہاں پریشانی ظاہر کریں یا صبر کریں بہر حال چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہے، سورہ مومن میں فرمایا کہ انکے بڑے جواب میں یوں کہیں گے کہ اِنَّا کُلٌّ فِیْھَآ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ (بلاشبہ ہم سب کو اسی میں رہنا ہے بلاشبہ اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا) سورہ بقرہ رکوع ۲۰ میں ہے کہ متبوعین اپنے اتباع سے بیزاری ظاہر کر دیں گے اور سورہ اعراف (رکوع ۴) میں گزر چکا ہے کہ اہل دوزخ آپس میں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے سورہ

سپارکوع ۴ میں بھی بڑوں اور چھوٹوں کا مکالمہ مذکور ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

اور جب فیصلے ہو چکیں گے تو شیطان کہے گا کہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچے وعدے کئے اور میں نے تم سے وعدے کئے وہ وعدے میں نے تم سے

فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ

خلاف کئے تھے اور میرا تم پر اس سے زیادہ کچھ زور نہ تھا کہ میں نے تم کو دعوت دی سو تم نے میری بات مانی

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ

لہٰذا تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو نہ میں تمہارا مددگار ہوں نہ تم میرے مددگار ہو میں تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں

بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ

کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا بلا شبہ جو ظالمین ہیں انکے لئے دردناک عذاب ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ لوگ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ ان میں رہیں گے

رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

ان کا تحیہ ملاقات کے وقت سلام ہو گا

قیامت کے دن فیصلے ہو چکنے کے بعد شیطان کا اپنے ماننے والوں سے بیزار ہونا اور انہیں بے وقوف بنانا

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اہل دوزخ کی ایک بہت بڑی بے وقوفی کا تذکرہ فرمایا ہے شیطان مردود لوگوں کی بے وقوفی ظاہر کریگا اور اپنی صفائی پیش کریگا دنیا میں تو اس نے اپنے ماننے والوں کو خوب بہکایا اور راہ حق سے ہٹا کر کفر و شرک کی دلدل میں پھنسایا لیکن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں ہی کو الزام دیگا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ نہ کیا اسکے وعدے سچے تھے اور میرے وعدوں پر کان دھرا اور انکو مانا حالانکہ میرے سارے وعدے جھوٹے تھے اب دیکھو مجھے کچھ الزام نہ دو میرا تم پر کوئی زور تو چلتا نہ تھا میں نے اتنا ہی کیا کہ تمہیں کفر و شرک کی دعوت دی تم نے میری بات مان لی اب مجھے ملامت مت کرو۔ اپنی جانوں کو ملامت کرو تم خود مجرم ہو' پیغمبروں کی دعوت کو چھوڑ کر جو معجزہ اور حجت و دلیل پیش کرتے تھے تم نے میری باتوں پر کیوں کان دھرا میں نے کوئی زبردستی ہاتھ پکڑ کے تو تم سے کفر شرک کے کام نہیں کرائے' ہم

آپس میں یہاں ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے اب تو عذاب چکھنا ہی ہے دنیا میں جو تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ اس نے اسی دنیا میں بتا دیا کہ شیطان ایسی باتیں کرے گا ہر عقلمند کو فکر کرنا چاہئے کہ میں کس راہ پر ہوں اگر کفر و شرک میں مبتلا ہے تو غور کرے کہ مجھے اس راہ پر کس نے لگایا ظاہر ہے کہ شیطان نے لگایا ہے اور چودھریوں اور سرداروں اور لیڈروں نے لگایا ہے دوزخ کے عذب سے چھڑانے کے لئے نہ سردار کام آئیں گے نہ شیطان کام آئے گا سب ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے لہٰذا ہر شخص حق کا اتباع کرے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء ﷺ کے ذریعے بھیجا ہے اور اپنی کتاب قرآن مجید میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

اہل ایمان کا ثواب: دوسری آیت میں ان حضرات کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے حکم سے ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور صرف داخلہ ہی نہیں ہوگا خلود بھی ہوگا ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی السلام علیکم کہیں گے اسکی مزید تشریح سورہ یونس کے پہلے رکوع کے ختم پر گزر چکی ہے وہاں فرمایا ہے تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی وہ مثال کلمہ طیبہ کی ہے جو شجرہ طیبہ کی طرح سے ہے اسکی جڑ مضبوط ہے اور

فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

اسکی شاخیں بلندی میں ہیں وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایسی ہے جیسے خبیث درخت ہو

مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی

جسے زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا ہو اس کے لئے ثبات نہیں ہے جو لوگ ایمان لائے اللہ انہیں

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾

دنیا والی زندگی میں اور آخرت میں پختہ بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

تفسیر: یہ تین آیات ہیں جن میں پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور دوسری آیت میں کلمہ خبیثہ کو شجرہ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ ایمان لا الٰہ الا اللہ مراد ہے اور کلمہ خبیثہ سے کلمہ کفر مراد ہے' کلمہ طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسے پاکیزہ درخت کی طرح سے ہے جسکی جڑ خوب مضبوطی کے ساتھ زمین میں جمی ہوئی ہے اور اسکی شاخیں اونچائی میں اوپر جارہی ہوں اور وہ ہمیشہ پھل دیتا ہو جب بھی اسکی فصل آئے تو فصل ضائع نہ ہو سنن ترمذی (تفسیر سورہ ابراہیم) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) سے کھجور کا درخت مراد ہے جس سے کلمہ طیبہ کو تشبیہ دی ہے لا الٰہ الا اللہ کی جڑ (یعنی مضبوط اعتقاد) مومن کے قلب میں استحکام اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اسکی شاخیں یعنی اعمال صالحہ پر جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف لیجائے جاتے ہیں اور ان پر رضائے الٰہی کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں کمافی سورۃ فاطر اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ کھجور کا درخت زمین میں مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہوتا ہے اپنی جڑوں میں استحکام اور پھلوں میں عمدگی اور شاخوں میں بلندی لئے ہوئے ہوتا ہے اسکے پھل بھی ہر فصل میں آتے رہتے ہیں اور لوگ اس سے برابر منتفع ہوتے رہتے ہیں اسکے پھل میں غذائیت بھی ہے اور قوت بھی ہے اور دیکھنے میں بھی نظروں میں خوب بھاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کی مثال دینے کے بعد کلمہ خبیثہ کی مثال دی اور فرمایا کہ کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر ایسا ہے جیسے کوئی خبیث درخت ہو جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور اسے کوئی قرار اور ثبات نہ ہو سنن ترمذی کی مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شجرہ خبیثہ سے حنظل مراد ہے جو بہت زیادہ کڑوا ہوتا ہے اسکا مزہ بھی برا ہے اور اسکی بو بھی بدترین ہے اور اسکے کھانے سے بہت سی مضرتیں پیدا ہوتی ہیں اسکا جماؤ بھی زمین میں نہیں ہوتا زمین سے یوں ہی ذرا تھوڑا سا تعلق ہوتا ہے ہلکے سے ہاتھ کے اشارے سے اکھڑ آتا ہے' صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ چونکہ پہلی مثال میں شجرہ طیبہ فرمایا ہے اس لئے حنظل کو مشاکلۃً شجرہ خبیثہ فرمادیا ورنہ حنظل کا درخت نہیں ہوتا بلکہ بیل ہوتی ہے حنظل کی نہ جڑ مضبوط ہے نہ مزا اچھا ہے اور بدبو سے بھرا ہوا ہے اور نہ اسکی شاخیں اونچی ہیں اور مزید یہ کہ بدبودار ہوتا ہے' کفر کے کلمات کا یہی حال ہے حق کے سامنے انکا کوئی جماؤ نہیں کافر کو اس سے نقصان ہی نقصان ہے اور اسکے اعمال پر بھی رضائے الٰہی مرتب نہیں ہوتی اور چونکہ کافر کے اعمال کے قبول ہونے کا احتمال ہی نہیں اسلئے مشبہ بہ یعنی حنظل کے تذکرہ میں شاخوں کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت پر ثابت رکھتا ہے

تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو قول ثابت (پکی بات یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ) پر دنیا میں بھی ثابت رکھتا ہے اور آخرت میں بھی دنیا میں کلمہ ایمان پر جمانے اور مضبوط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین کے بہکانے اور گمراہ کرنے کا اہل ایمان پر اثر نہیں ہوتا مومن بندہ آخر دم تک ایمان پر جما ہوا رہتا ہے اور آخرت میں کلمہ ایمان پر جما رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ قبر میں منکر نکیر کے سوال پر مومنانہ جواب دلوا دیتا ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیدیتا ہے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ میں اسی کو بیان فرمایا (رواہ البخاری) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تھے تو فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کا سوال کرو پھر اسکے لئے ثابت قدم رہنے کا سوال کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

اخیر میں فرمایا وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور وہ جو چاہتا کرتا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ظالمین سے کافرین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اللہ کی فطرت کو بدل دیا اور قول ثابت کی طرف راہ نہ پائی اور گمراہوں کی تقلید کر لی اور واضح دلائل کا اثر نہ لیا تو دنیا میں بھی اللہ نے انہیں راہ حق سے دور رکھا اور آخرت میں بھی وہ کلمہ ایمان زبان سے ادا نہ کر سکیں گے حدیث شریف میں ہے کہ جب منافق اور کافر سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ انکے بارے میں (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق) کیا کہتا ہے تو جواب دیتا ہے لا ادری کنت اقول ما یقول الناس (میں نہیں جانتا میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے)۔

اور بعض روایات میں ہے کہ کافر سے جب سوال کیا جاتا ہے تو جواب میں کہتا ہے ھاہ ھاہ لا ادری (ہائے ہائے میں نہیں جانتا) پھر جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ ھاہ ھاہ لا ادری پھر جب سوال کی جاتا ہے کہ تو ان صاحب کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تو وہی جواب دیتا ہے کہ ھاہ ھاہ لا ادری (رواہ ابوداؤد)

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے عذاب قبر کا ثبوت: مومنین صالحین کا قبر میں اچھے حال میں رہنا اور کافروں کا اور بعض اہل ایمان گنہگاروں کو عذاب قبر میں مبتلا ہونا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ایمان کا زمانہ تھا قرآن مجید میں جو کچھ نازل ہوتا فوراً مان لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے اس پر فوراً ایمان لے آتے تھے لیکن دور حاضر شکوک و شبہات کا زمانہ ہے دشمنوں کی کوششوں سے اور ملحدوں اور

زندیقوں کی کتابوں سے اور اپنی کم عقلی پر اعتماد کرنے کی وجہ سے آجکل کے بہت سے کلمہ گو (جو نام کے مسلمان ہیں) ان میں بہت سے ایسے ہیں جو قبر کے عذاب اور وہاں کے آرام کے منکر ہیں اوپر جو آیت گزری یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الآیہ) اور اسکی جو تفسیر صحیح بخاری سے معلوم ہوئی اس سے قبر میں سوال و جواب ہونا ثابت ہوا اور سورہ غافر میں آل فرعون کی قوم کے بارے میں فرمایا اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (صبح شام وہ آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس وقت حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو)۔

اور سورہ نوح میں فرمایا ہے مِمَّا خَطِیْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کر دیئے گئے پھر آگ میں داخل کر دیئے گئے) ان آیات میں عذاب قبر کی تصریح ہے اور احادیث شریفہ بکثرت قبر میں سوال جواب اور عذاب کافرین اور راحت مومنین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں بہت سے جاہل جو نہ قرآن جانیں نہ حدیث پڑھیں کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب نہ ہماری سمجھ میں آتا ہے نہ دیکھنے میں آتا ہے پھر کیسے مانیں نہ ماننے کی سزا قبر میں جانے کے بعد مل جائے گی تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی بات ماننے کے لئے اپنی عقل سے سمجھنے اور نظر سے دیکھنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور اہل سائنس اور ریسرچ کرنے والوں کی بات پر بے سمجھے ہی ایمان لے آتے ہیں۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا

یَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ

وہ اس میں داخل ہونگے اور وہ رہنے کی بری جگہ ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے مقابل قرار دیئے تا کہ وہ انہیں اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں آپ فرما دیجئے کہ تم مزے کی زندگی گزار لو پھر بلا شبہ

مَصِیْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا

تمہیں دوزخ کی طرف لوٹ کر چلا جانا ہے' آپ میرے بندوں سے فرما دیجئے جو ایمان لائے کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے

رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ

انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طریقے پر اور ظاہر طریقے پر خرچ کریں اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی اللہ

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ

وہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اسکے ذریعہ پھلوں سے تمہارے لئے رزق نکالا

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ

اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر فرمادیا تاکہ وہ سمندر میں اسکے حکم سے چلے اور اس نے تمہارے لئے نہروں کو مسخر کردیا اور تمہارے لئے سورج

وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا

اور چاند کو مسخر فرمادیا وہ برابر حرکت میں ہیں اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر فرمادیا اور تم نے اس سے جو کچھ مانگا تم کو اس سب میں سے عطا فرمادیا اور اگر تم

نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

اللہ کی نعمت کو شمار کرو تو شمار نہیں کرسکتے بلاشبہ انسان بڑا بے انصاف ہے بڑا ہی ناشکرا ہے

نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کی بدحالی

تفسیر: ان آیات میں اول تو ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے ناشکری کو اختیار کیا' بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان سے مشرکین مکہ مراد ہیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں امن و امان کے ساتھ ٹھہرایا دنیوی اعتبار سے بھی ان پر انعام فرمایا دنیا بھر سے انکے پاس ضرورت کی چیزیں پہنچتی تھیں (أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا) نیز ان پر یہ احسان فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو انہیں میں سے مبعوث فرمایا اور انہیں کی زبان میں کتاب نازل فرمائی لیکن ان لوگوں نے نعمتوں کی قدردانی نہ کی شکر کے بجائے ناشکری کو اختیار کیا اور ناشکری میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بھی منکر ہوئے اور اللہ کی کتاب کے بھی' ان میں جو بڑے لوگ تھے انہوں نے خود بھی اپنے لئے دَارَ الْبَوَارِ یعنی جہنم کو اختیار کیا اور اپنی قوم کو بھی جو ان سرداروں کے ماننے والے تھے دوزخ میں داخل کردیا۔ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ (وہ دوزخ میں داخل ہوں گے جو ٹھہرنے والوں کے لئے برا ٹھکانہ ہے)۔

پھر ان لوگوں کے شرک کرنے کا حال بیان فرمایا وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ کہ ان لوگوں نے اللہ کے لئے انداد یعنی برابر والے تجویز کر لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کردیا اور باطل معبودوں کو صفت الوہیت میں اللہ کی طرح مان لیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا' جو انکی اقتداء کرتے تھے اور ان کی راہ پر چلتے تھے ان لوگوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ (یعنی تم اس دنیا میں نفع حاصل کرلو دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھالو یہ چند دن کا جینا اور نفع اٹھانا ہے کفر پر مروگے تو دوزخ میں جاؤ گے جو اہل کفر کے پہنچنے کی جگہ ہے)۔

قیامت کے دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی: اسکے بعد فرمایا قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا (الآیۃ) کہ آپ میرے

مومن بندوں سے فرمادیں کہ اس دن کے آنے سے پہلے جس میں کوئی خرید وفروخت اور دوستی نہ ہوگی نماز قائم کریں اور جو مال ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کریں اس میں نماز اور انفاق کا حکم دیا، پوشیدہ طور پر مال کو خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ نفس کو ریا کاری کا موقع نہیں ملتا اور ظاہراً خرچ کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ دوسروں کو بھی عمل خیر کی توفیق ہو جاتی ہے، لوگوں کے سامنے نیک عمل کرنے کا نام ریا کاری نہیں ریا کاری اس جذبے کا نام ہے کہ لوگ معتقد ہوں اور تعریف کریں، جس کسی کو اس جذبہ پر قابو ہو وہ لوگوں کے سامنے خرچ کرے یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ (جس دن نہ بیع ہوگی اور نہ دوستی ہوگی) اس سے قیامت کا دن مراد ہے وہاں مال دیکر کوئی مجرم نہیں چھوٹ سکتا اور جان کے بدلہ میں کچھ قبول نہیں کیا جا سکتا، اور دنیا میں جو کسی کی کسی سے دوستی تھی اور اس دوستی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی تھی یہ دوستی وہاں کچھ کام نہ آئے گی نہ کوئی نیا دوست بنے گا نہ پرانی دوستی فائدہ دیگی اس لئے دنیا اور اہل دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کریں ہاں جو لوگ متقی ہیں ان سے دوستی کریں انکی دوستی آخرت میں بھی منقطع نہ ہوگی اور اس سے شفاعت کا فائدہ ہوگا کما قال تعالیٰ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (تمام دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے)

اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا بیان اور انسان کی ناشکری کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفت خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو سب کی نظروں کے سامنے ہیں اور جن سے سب ہی مستفید ہوتے ہیں اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوقات ہیں نظروں کے سامنے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خالق اور صانع ہونے پر دلالت کرتی ہیں دوم یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اسکے ذریعہ پھل نکالے جو تمہارے لئے رزق ہیں پانی برسنا بھی اسی کے حکم سے اور پھلوں کا پیدا ہو جانا بھی اسی کے حکم سے ہے پھر ان پھلوں کا رزق بن جانا بھی اسی کے حکم سے ہے سوم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر فرمادیا جو سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں، کشتی بنانے کی سمجھ دینا، پھر ان کو سمندروں میں چلانے کی سمجھ دینا، ان کے چلانے کے لئے ہوا یا ایندھن پیدا فرمانا اور انکے استعمال کے طریقے بتانا یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے یہ چھوٹی بڑی کشتیاں بڑے بڑے جہاز انسانوں کو اور ان کے اموال تجارت کو سینکڑوں میل منتقل کرتے ہیں اور ایک برّ اعظم سے دوسرے برّ اعظم پہنچا دیتے ہیں چہارم یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے نہروں کو مسخر کیا کشتیوں کے بارے میں لفظ فِی الْبَحْرِ فرمایا کیونکہ بڑے بڑے جہاز ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچانے کے لئے شور پانی کے سمندر میں چلتے ہیں اور اسکے بعد نہروں کا ذکر فرمایا جن میں میٹھا پانی بہتا ہے بڑی نہروں سے چھوٹی نہریں نکلتی ہیں ان سب سے انسان اور مویشی پانی پیتے ہیں اور کھیتوں کی آب پاشی بھی ہوتی ہے اگر یہ میٹھے پانی کی نہریں نہ ہوتیں تو انسانوں کے لئے بڑی دشواری ہوتی اور کھیتوں کی آبپاشی کے لئے حیران و

پریشان رہتے صرف بارش ہی کھیتوں کی آبپاشی کا ذریعہ بن سکتی تھی اب ہوتا یہ ہے کہ بارش نہ ہو یا کم ہو تو میٹھے پانی کی نہروں سے آبپاشی کا کام ہو جاتا ہے نیز ان نہروں میں بھی کشتیاں چلا کر ایک۔ کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں فراہم کر کے لے آتے ہیں پنجم یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر فرمادیا دونوں چل رہے ہیں اور برابر حرکت میں ہیں سورج کے طلوع سے دن کا وجود ہوتا ہے نیز سورج کی روشنی اور گرمی سے کھیتیاں پکتی ہیں اور اس سے بجلی حاصل کی جاتی ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں جو ریسرچ کرنے والوں نے معلوم کر لئے ہیں۔ چاند کے طلوع ہونے اور گردش کرنے میں بھی بڑے بڑے فائدے ہیں۔

نئی ایجادات میں ان کا مظاہرہ ہوا ہے رات کی اندھیری میں چاند کی روشنی سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں پر کیف دھیمی اور ٹھنڈی روشنی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے اہل تحقیق کا کہنا ہے کہ چاند کی روشنی کی وجہ سے پھل رنگ پکڑتے ہیں اور بھی بہت سے منافع ہیں، ششم یوں فرمایا کہ تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر فرمادیا رات جاتی ہے تو دن آجاتا ہے اور دن جاتا ہے تو رات آجاتی ہے رات میں آرام ہے اور دن میں کام ہے، کبھی دن بڑا ہے کبھی رات بڑی ان دونوں کے آگے پیچھے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اگر ہمیشہ دن ہی ہوتا تو دشواری ہو جاتی اور ہمیشہ رات ہی ہوتی تو مصیبت میں پڑ جاتے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے اوقات مقرر فرمادیئے انہیں کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد اجمالاً دوسری نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا اور فرمایا وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (اور جو کچھ تم نے اللہ سے مانگا اس سب میں سے تمہیں عطا فرمادیا) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہیں کر سکتے) اللہ تعالیٰ شانہٗ کی بے شمار نعمتیں ہیں بہت سی نعمتوں کا تو انسان کو علم بھی نہیں جن سے منتفع ہوتا ہے سر سے پاؤں تک انسان کے جسم میں کیا کیا ہے کتنی رگیں ہیں کتنے پٹھے ہیں ان سب کا پتہ عامۃ الناس کو تو ہے ہی نہیں جن لوگوں نے آلات کے ذریعے ریسرچ کی ہے وہ بھی اب تک پوری طرح جسم انسانی کی مشینری کو سمجھ نہیں پائے، اور جس کسی نے پورا سمجھنے کا دعویٰ کیا اسکا دعویٰ غلط نکلا کیونکہ بعد میں اور بہت سی چیزیں ظاہر ہو گئیں، یہ تو انسان کے اپنے اندر کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ ہوا ان کے علاوہ جو اور نعمتیں اور کھانے پینے کی اور پہننے کی اشیاء اور سفر حضر میں کام آنے والی چیزیں ہیں سمندری مخلوقات ہیں جن سے انسان منتفع ہوتا ہے اشجار ہیں انہار ہیں جبال ہیں احجار ہیں مویشی ہیں انعام ہیں اور کثیر تعداد میں اجناس اور اصناف ہیں ان سب کا شمار انسان کے بس سے باہر ہے نیز اپنے سانسوں کے گننے پر تک قادر نہیں ہے جو اس کی حیات کا ذریعہ ہیں اور ذرا انسان اپنے جسم کے مسامات کو گن کر دکھاوے جن سے پسینہ نکلتا ہے۔

ایک بات ذہن میں آئی اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے سر کے بال بہت زیادہ محبوب ہیں ان بالوں سے حسن و جمال ہے کوئی شخص اپنے سارے بال گن کر دکھاوے گنتے گنتے تھک جائے گا اور گن نہ سکے گا پہلے ان بالوں سے فارغ ہو تو دوسری نعمتوں کے گننے میں لگے ولقد صدق اللّٰه وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی زیادہ

نعمتیں عطا فرمائیں جن کا شمار کرنا اسکے بس سے باہر ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر گزار بندہ بننے کے بجائے ظلوم اور کفار بن گیا جسے آیت کے ختم پر بیان فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ظلوم کا معنی ہے بہت زیادہ ظلم کرنے والا اور کفار کا معنی ہے بہت زیادہ ناشکرا' انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں بھی خرچ کرتا ہے یہ سب اپنی جان پر ظلم کرتا ہے' پھر نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا یہ بھی ظلم ہے نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور انکار بھی کرتا ہے کہہ دیتا ہے کہ مجھے اللہ نے کیا دیا ہے' کبھی کہتا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی محنت اور اپنی سمجھ سے حاصل کیا ہے نیز اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار نہیں بنتا کفر میں معصیتوں میں جان اور مال خرچ کرتا ہے یہ سب ظلم ہے اکثر افراد ناشکرے ہی ہیں سورہ سبا میں فرمایا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (اور میرے بندوں میں سے شکر گزار کم ہیں)۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس شہر کو امن و امان والا بنا دیجئے اور مجھے اور میرے فرزندوں کو اس سے دور رکھیے

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ

کہ ہم بتوں کو پوجیں' اے میرے رب بلاشبہ ان بتوں نے لوگوں میں سے بہت سوں کو گمراہ کر دیا' سو جو شخص میری پیروی کرے

فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ

بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ آپ بخشنے والے ہیں مہربان ہیں' اے ہمارے رب میں نے اپنی

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ

اولاد کو آپ کے محترم گھر کے نزدیک ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو کھیتی والی نہیں ہے اے ہمارے رب تا کہ وہ نماز قائم کریں' سو آپ لوگوں کے دل

وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

انکی طرف مائل کر دیجئے اور انہیں پھلوں میں سے روزی عطا فرمائیے تا کہ شکر ادا کریں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت اللہ کے نزدیک ٹھہرانا اور انکے لئے دعا کرنا کہ شرک سے بچیں اور نماز قائم کریں

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد تھے انکے علاقہ کے لوگ جو بابل کے قریب تھا بت پرست تھے خود انکا باپ بھی بتوں کی پوجا کرتا تھا آپ نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت تکلیفیں اٹھائیں یہاں تک کہ انہیں آگ تک میں ڈالا گیا پھر اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے فلسطین میں تشریف لے آئے ہجرت میں انکی بیوی بھی ساتھ

تھیں یہ چچا کی لڑکی تھیں جن کا نام سارہ تھا پھر سفر ہجرت میں ایک بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا بدنیتی سے ہاتھ ڈالا تو اسکے ہاتھ پاؤں اکڑ گئے پھر ان کو چھوڑ دیا پھر انکی خدمت کے لئے ایک عورت پیش کر دی جن کا نام ہاجرہؑ تھا حضرت سارہ سے اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جاؤ اسمٰعیل اور اسکی والدہ کو سرزمین عرب مکہ معظمہ میں چھوڑ آؤ وہ اپنی بیوی کو لیکر مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور کعبہ شریف کے قریب لا کر چھوڑ دیا اور یہ دعا کی کہ اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دیجئے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھئے ان بتوں کے ذریعہ بہت سے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں میں ان لوگوں سے بیزار ہوں' جو شخص میرا اتباع کرے توحید کی راہ پر چلے وہ میرا ہے اور جو شخص میری نافرمانی کرے وہ میرا نہیں ہے' آپ اسے ہدایت دیکر مغفرت کے راستے پر ڈال سکتے ہیں اور اس پر رحم فرما سکتے ہیں' ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں آپ کے معظم گھر (کعبہ شریف) کے قریب اس وادی (میدان) میں اپنی بعض اولاد کو چھوڑ رہا ہوں یہ میدان کھیتی والا نہیں ہے حکم کی تعمیل میں یہاں قیام کرا رہا ہوں آپ میری اس ذریت کو اور اسکی نسل کو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے میں انہیں یہاں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ نماز قائم کریں (نماز ایمان کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اس لئے دعا میں اسکا خصوصی ذکر فرما دیا اس میں دیگر اعمال صالحہ کی بھی دعا آ گئی) میری نسل کے یہ لوگ خود بھی دین پر چلنے والے بنیں اور دوسروں کے لئے بھی مقتدا بن جائیں لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دیجئے تاکہ ان سے ایمان اور اعمال صالحہ سیکھ سکیں یہ تو انکی دینی زندگی کے لئے دعا کی اور انکی دنیاوی زندگی اور غذا کے لئے یوں دعا کی کہ اے ہمارے رب انہیں پھل عطا فرمانا تاکہ یہ شکر گزار ہوں گو یہ جگہ ایسی ہے جہاں چٹیل میدان ہے اور ہر طرف سنسان ہے لیکن آپ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پھل نصیب فرمائیں' اللہ جل شانہٗ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں انکے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جنہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے تھے اور انکی نسل کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے مالا مال فرمایا اور انہیں مقتدا ہونے کی شان عطا فرمائی انکی طرف لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے نیز انہیں رزق بھی خوب عطا فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ دنیا بھر سے مکہ معظمہ میں پھل آتے ہیں اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج اور زائرین سب ہی کھاتے ہیں اور ان سے منتفع اور متمتع ہوتے ہیں سورہ قصص میں فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا ہم نے انکو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس رزق کے طور پر ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)

مکہ معظمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز وشاداب علاقہ ہے ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظمہ پہنچتے رہے ہیں اور دنیا کے تمام اطراف واکناف سے مکہ معظمہ میں طرح طرح کے پھل آ رہے ہیں شاید دنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظمہ نہ پہنچا ہو بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ثمرات کے عموم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ

مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے نہ شجرکاری ہے اور نہ صنعتکاری لیکن پھر بھی اس میں دنیا بھر کے ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور بچہ کو مکہ معظمہ کی چٹیل زمین میں چھوڑ کر واپس فلسطین تشریف لے گئے اور انکے گزارے کے لئے ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اور مشکیزے میں پانی رکھ دیا جب واپس ہونے لگے تو ان کی اہلیہ پیچھے ہو لیں اور کہنے لگیں کہ ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں یہاں نہ آدم ہے نہ آدم زاد نہ اور کوئی چیز ہے' انہوں نے کئی بار یہ سوال کیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے آخر میں اس مومنہ خاتون نے کہا کیا اللہ نے آپ کو اسکا حکم دیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں اس پر وہ کہنے لگیں کہ پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہ فرمائے گا' جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ پانی کی تلاش میں نکلیں سات مرتبہ صفا مروہ پر آنا جانا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بچہ کے قریب فرشتے کے ایڑی مارنے سے چشمہ جاری فرما دیا دونوں ماں بیٹے وہیں رہتے رہے پھر قبیلہ بنی جرہم بھی وہاں آ کر آباد ہو گیا یہ قبیلہ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ کی مقبولیت کا اولین مصداق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی اپنی بیوی اور بچہ کی خبر لینے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو بنی جرہم میں انکی شادی بھی ہو گئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ شریف تعمیر کیا جسے پہلے فرشتوں نے پھر آدم علیہ السلام نے بنایا تھا پھر عرصہ دراز کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اسکی وجہ سے دیواریں مسمار ہو گئی تھیں اور عمارت کا ظاہری پتہ بھی نہ رہا تھا جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا چونکہ اس جگہ کے قریب اپنی بیوی اور بچہ کو چھوڑا تھا اسلئے دعا میں یوں عرض کیا اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے سے رخصت ہو کر آگے بڑھے تو قبلہ رخ ہو کر ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کعبہ شریف کی اٹھی ہوئی جگہ نظر آتی تھی جو ٹیلہ کی شکل میں تھی اور بیوی بچہ نظر سے اوجھل تھے' اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا کی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے۔

یہ تو معلوم تھا کہ یہاں اللہ کا گھر ہے لیکن خصوصی طور پر متعین کر کے جگہ معلوم نہیں تھی' جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ شریف بنانے لگے تو انہیں متعین طور پر کعبہ شریف کی جگہ بتا دی گئی جسے سورہ حج کی آیت کریمہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ میں بیان فرمایا۔

جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے پھر اہل مکہ مشرک ہو گئے بتوں کی پوجا کرنے لگے اور کعبہ شریف تک میں بت رکھ دیئے حضرت خاتم النبیین ﷺ بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے تھے آپ

نے توحید کی دعوت دی اور توحید کو پھیلانے اور شرک کو مٹانے کے لئے بڑی بڑی محنتیں کیں اور قربانیاں دیں جسکی وجہ سے اہل مکہ پھر توحید پر آ گئے اور دنیا بھر کے قلوب انکی طرف متوجہ ہو گئے اور کعبہ شریف بتوں سے پاک وصاف ہو گیا۔ فصلی اللہ تعالیٰ علی ابراھیم و اسمٰعیل و محمد النبی العربی المکی المدنی صلوۃ دائمۃ علی ممر الدھور والاعصار۔

اولاد کے نمازی ہونے کے لئے فکر مند ہونا پیغمبرانہ شان ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا کہ میں نے اپنی ذریت کو اس وادی میں آپکے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے اور ساتھ ہی لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ بھی کہا تا کہ وہ نماز قائم کریں اس سے نماز قائم کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی جو ایمان کے بعد افضل الاعمال ہے نیز معلوم ہوا کہ اپنے اہل وعیال کی نماز کے لئے فکر مند رہنا کہ وہ نماز قائم کریں یہ بھی ایک ضروری بات ہے پھر رکوع کے ختم پر انکی دعا کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ (کہ اے میرے رب مجھے نماز قائم رکھنے والا رکھئے اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والا پیدا فرمایئے) اس سے اقامت صلوۃ کی مزید اہمیت کا پتہ چلا بہت سے لوگ خود تو نمازی ہوتے ہیں لیکن اپنی اولاد کی نماز کے لئے فکر مند نہیں ہوتے بلکہ اولاد کو ایسی جگہوں میں تعلیم دلاتے ہیں جہاں نماز تو کیا ایمان سے بھی محروم ہو جاتے ہیں' اگر کوئی کہتا ہے کہ اپنے بچہ کو قرآن وحدیث کے مدرسہ میں پڑھایئے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں ملا تھوڑا ہی بنانا ہے' یہ نہیں سمجھتے کہ بچہ کو دین میں لگانے ہی میں خیریت ہے دین سے اور دین کے فرائض کے جاننے اور عمل کرنے سے محروم رکھا تو یہ اسکا خون کر دینا ہے' عام طور سے لوگوں کی ساری شفقت دنیا ہی سے متعلق ہوتی ہے موت کے بعد اولاد کا کیا بنے گا اسکا کچھ دھیان نہیں کرتے' ہماری اولاد دینی مقتدا ہو جائے اس کا فکر کرنا بھی پیغمبرانہ فکر کی بات ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لئے یہ دعا بھی کی کہ لوگوں کے قلوب انکی طرف مائل ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کو دینی مقتدیٰ بنانا بھی ایک اہم مقصد ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اول تو بنی جرہم کو مکہ معظمہ میں بسا دیا انہیں میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی پھر انکی نسل چلی اور بڑھی جن میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہیں آپ سارے عالم کے مقتدا ہیں آپ مکہ معظمہ ہی کی سرزمین میں پیدا ہوئے اور وہیں نبوت سے سرفراز ہوئے آپ کی دعوت توحید کا پہلا مرکز مکہ معظمہ ہی تھا آپ سے اور آپکی اولاد واصحاب سے سارے عالم میں ایمان پہنچا جن کی طرف پورے عالم کے قلوب متوجہ ہو گئے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا مظاہرہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ کہ انہیں پھلوں میں سے رزق عطا فرمانا تا کہ وہ شکر ادا کریں اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لئے معاش کا انتظام کرنا اور انکے لئے

رزق کی دعا کرنا یہ بزرگی اور دین داری کے منافی نہیں ہے' اولاد کے دین و ایمان اور اعمال صالحہ کا فکر کرتے ہوئے انکے معاشی حالات کی فکر کی جائے تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے' دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے' خود بھی اللہ کے شکر گزار بنیں اور اولاد کو بھی شکر گزار بنانے کی فکر کریں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا
اے ہمارے رب بلاشبہ آپ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور زمین میں اور
فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ
آسمان میں اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے' سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمایا' بلاشبہ میرا رب
لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا
دعا کا سننے والا ہے اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھئے اور میری اولاد میں سے بھی اے ہمارے رب اور میری دعا قبول فرمائیے اے ہمارے رب
اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾
میری مغفرت فرمائیے اور میرے والدین کی اور مومنین کی جس دن حساب قائم ہوگا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا شکر ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے' اور اپنے لئے اور آل و اولاد کے لئے نماز قائم کرنے کی دعا کرنا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کی مزید دعاؤں کا تذکرہ ہے حضرت ابراھیمؑ نے عرض کیا رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ (الآیہ) کہ اے ہمارے رب آپ جانتے ہیں جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں آپ ہماری نیتوں اور ارادوں سے اور ہمارے عزائم سے باخبر ہیں جیسا کہ آپ ہمارے ظاہری اعمال و احوال اور اقوال و اشغال سے باخبر ہیں اور ایک ہمارے ہی اعمال و احوال کیا اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز زمین میں اور آسمان میں پوشیدہ نہیں ہے وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے' پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں عرض کیا کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق دو بیٹے عطا فرمائے اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (بیشک میرا رب دعا قبول فرمانے والا ہے) چونکہ انہوں نے دعا میں رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ عرض کیا تھا جس میں صالح اولاد طلب کی تھی اور وہ دعا قبول ہوگئی اسلئے اللہ تعالیٰ کا

مزید شکر ادا کیا کہ اس نے میری دعا قبول فرمائی اور اولاد عطا فرمائی۔

پھر یوں دعا کی رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور میری ذریت میں سے بھی نماز قائم کرنے والے بنائیے اے ہمارے رب دعا کو قبول فرمائیے) اسکے بعد اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے اور تمام مومنین کے لئے دعا کی کہ جس دن حساب قائم ہو اس دن ان سب کی مغفرت فرما۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ تو کافر مشرک تھا اس کے لئے کیسے مغفرت کی دعا کی جبکہ کافروں کی بخشش نہ ہوگی اسکا جواب سورہ توبہ کی آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ کی تفسیر میں گزر چکا ہے جسکا خلاصہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے وعدہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے استغفار کرونگا انہیں اپنے والد کے مسلمان ہونے کی امید تھی پھر جب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اسکی موت کفر پر ہوگی تو اس سے بیزار ہو گئے یہ دعا بیزار ہونے سے پہلے کی ہے جب تک والد کی موت علی الکفر کا علم نہ ہوا تھا اور مسلمان ہونے کی امید بندھی ہوئی تھی اس وقت تک بشرط ہدایت باپ کی مغفرت کی دعا کی بعد میں چھوڑ دی۔

آیت بالا میں والدہ کے لئے بھی دعائے مغفرت کرنے کا تذکرہ ہے اگر وہ ایمان لے آئی تھی تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر وہ ایمان نہیں لائی تھی تو اس کے بارے میں وہی بات کہی جائے گی جو والد کے بارے میں عرض کی گئی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ

اللہ کو ان کاموں سے بے خبر مت سمجھئے جو ظالم لوگ کرتے ہیں بات یہی ہے کہ وہ انہیں ایسے دن کے لئے مہلت دیتا ہے

الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ

جس میں آنکھیں اوپر کو اٹھی رہ جائیں گی یہ لوگ دوڑتے ہونگے سروں کو اوپر کو اٹھائے ہوئے ہونگے انکی نظر انکی طرف واپس نہ لوٹے گی اور انکے دل

هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى

ہوا ہونگے اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن انکے پاس عذاب آئے گا سو جن لوگوں نے ظلم کیا وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب تھوڑی سی

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

مدت کے لئے ہمیں مہلت دیجئے ہم آپکے بلاوے کو قبول کریں گے اور رسولوں کا اتباع کریں گے کیا تم نے اس سے پہلے

مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ

قسم نہ کھائی کہ ہمیں کہیں جانا ہی نہیں حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور یہ بات تم پر ظاہر ہوگئی

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ

کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان کیں اور ان لوگوں نے اپنا مکر کیا اور اللہ کے سامنے ان کا مکر ہے

وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور واقعی ان کا مکر ایسا تھا کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ سوائے مخاطب تو اللہ کے بارے میں یہ خیال نہ کر کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے بلاشبہ اللہ

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾

غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے

قیامت کے دن کا ایک منظر' عذاب آنے پر ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دیدی جائے

تفسیر: قرآن مجید نازل ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے لیکن مشرکین مکہ عنادو تکذیب سے باز نہ آتے تھے اور اپنے احوال اور اموال میں مست تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر عذاب نہ آنے کی وجہ سے یوں کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا۔ انکی اس جاہلانہ بات سے دوسرے لوگوں کے متاثر ہونے کا بھی احتمال تھا اللہ جل شانہ نے فرمادیا کہ آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انکی طرف سے غافل ہے اسے سب خبر ہے انکے حال اور انکار و تکذیب کا علم ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تکذیب کرنے والوں پر وہ دنیا ہی میں عذاب بھیج دے نیز عذاب آنے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کفر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں اللہ تعالیٰ انکو مہلت دے رہا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو انکی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی اور نظر بھی الٹ کر واپس نہ آئے گی ایسی ٹکٹکی باندھے ہوئے دیکھتے ہونگے' کہ پلک بھی نہ جھپک سکے گی تیزی سے دوڑ رہے ہونگے سر اوپر کو اٹھائے ہونگے اور انکے دل بالکل ہوا ہونگے یعنی دہشت سے حواس باختہ ہو چکے ہونگے مواخذے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ بس یہ دنیا ہے نہ قیامت ہے نہ حساب ہے نہ عذاب ہے' ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ کا خطاب ہر اس شخص کی طرف ہے جس کے خیال میں یہ آسکتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے' پھر فرماتے ہیں کہ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ کو بھی ہوسکتا ہے آپ سے ایسے گمان کا صادر ہونا تو محال ہے لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علیم اور خبیر ہونے کے بارے میں جو آپ یقین رکھتے ہیں اسی پر دائم و قائم رہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بظاہر خطاب آپ کو ہے لیکن اس سے مقصود دوسروں کو متنبہ کرنا ہے اور اس میں تنبیہ ہے اور تنبیہ شدید و اکید ہے کہ جس ذات سے ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا جب اسے ایسے خیال کی ممانعت کر دی گئی تو جو شخص ایسا گمان کرسکتا ہو اسے تو ایسے گمان سے بہت زیادہ دور رہنا چاہیئے۔ قیامت کا ہولناک منظر بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ کہ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرایئے جس دن ان پر عذاب آ

پہنچے گا۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو کہیں گے کہ اے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دید یجئے آپ نے ہمیں جن کاموں کی دعوت دی تھی یعنی آپ کی طرف سے ہمیں جن کاموں کے کرنے کا بلاوا پہنچا تھا ہم ان پر عمل کریں گے اور آپ کا حکم مانیں گے اور رسولوں کا اتباع کریں گے' ان لوگوں کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم دنیا میں بستے رہے دنیا کو آباد کیا تمہیں جب حق کی دعوت دی جاتی تھی اور قیامت کے دن کے آنے کی خبر دی جاتی تھی اور اس پر ایمان لانے کو کہا جاتا تھا اور تم ساری سنی ان سنی کر دیتے تھے تم تو یوں قسم کھاتے تھے کہ ہمیں دنیا ہی میں رہنا ہے یہاں سے ٹلنا ہی نہیں' اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے خوب سمجھایا (علیہ السلام) ان کا سمجھانا ایمان لانے کو فرمانا سمجھدار انسان کے لئے کافی تھا لیکن مزید تنبیہ و تذکرہ کے لئے یہ بات بھی کم نہ تھی کہ تم لوگ جن بستیوں میں سکونت پذیر تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے تمہیں معلوم تھا کہ یہ ان لوگوں کی بستیاں ہیں اور ان لوگوں کے گھر ہیں جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جو لوگ ان بستیوں میں رہتے تھے اور ان گھروں میں بستے تھے کفر و انکار کی وجہ سے ان پر عذاب آیا' اور مزید یہ کہ ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کیں اور پہلے لوگوں کی بربادی کے واقعات سنائے (جنہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے بیان فرمایا) اور تم بھی نسلاً بعد نسل سنتے چلے آرہے تھے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم نے حق کو ٹھکرایا قیامت پر ایمان نہ لائے اب کہتے ہو کہ مہلت دی جائے اب مہلت کا کوئی موقعہ نہیں۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ (الآیۃ) جو لوگ منکرین اور معاندین تھے جب انبیاء کرام علیہم السلام انہیں ایمان کی دعوت دیتے تھے تو نہ صرف یہ کہ جھٹلاتے تھے بلکہ انکی دعوت کو دبانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے راہ حق سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس سلسلہ میں جان اور مال خرچ کرتے تھے انکی یہ تدبیریں ایسی تھیں جن کی وجہ سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتے تھے اللہ تعالیٰ کو انکی تدبیروں کا پورا پورا علم تھا ان کی تدبیریں نیست و نابود ہوئیں اور مکذبین و معاندین ہلاک اور برباد ہوئے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ (سوائے مخاطب تو اللہ کے بارے میں یہ خیال نہ کر کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے) اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبیوں سے نصرت اور مدد کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا فرمائے گا۔ کما فی سورۃ الغافر اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس میں بھی جس میں گواہی دینے والے کھڑے ہونگے) اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (بلاشبہ اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے)

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى

جس روز زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ اللہ کے لئے ظاہر ہو جائیں گے جو واحد قہار ہے اور اے مخاطب تو

الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىٕذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ

اس دن مجرموں کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ باہم آپس میں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے کرتے قطران کے ہونگے اور انکے چہروں کو

النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

آگ نے ڈھانک رکھا ہوگا تاکہ اللہ ہر جان کو اسکے کیے ہوئے اعمال کی سزا دے بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کو

وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

اور تاکہ وہ اس کے ذریعہ ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہ ہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

قیامت کے دن زمین اور آسمان میں تغیر اور تبدل سب لوگوں کی حاضری، مجرمین کی بدحالی حساب کتاب اور جزا سزا

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے، بدلنے کا کیا مطلب ہے ان کی ذات بدل دی جائے گی یا صفات بدل دی جائے گی اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تبدیلی کی دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں اور آیت کریمہ کسی ایک معنی کے لئے نص صریح نہیں ہے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زمین اس طرح بدل دی جائے گی کہ کچھ بڑھا دی جائے گی کچھ کم کر دی جائے گی اسکے ٹیلے اور پہاڑ اور نشیب اور درخت اور اس میں جو بھی کچھ ہے سب ختم ہو جائے گا اور زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا جو بالکل برابر ہو جائے گی اور اسمیں کوئی کجی اور اٹھی ہوئی جگہ نظر نہ آئے گی اور آسمانوں کو اس طرح بدل دیا جائے گا کہ چاند سورج ستارے سب ختم ہو جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا ہے یہ قرآن مجید کی آیات اور بعض احادیث صحیحہ مرفوعہ کے موافق ہے سورہ طٰہٰ میں فرمایا وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا (اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب انکو بالکل اڑا دیگا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دیگا کہ جس میں تو نہ ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی دیکھے گا) اور سورہ زمر میں فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت کرنی چاہئے تھی حالانکہ ساری زمین اسکی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہونگے اسکے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شرک سے) اور سورہ انبیاء میں فرمایا یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وہ دن یاد کرنے کے

قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے ہم نے جس طرح شروع میں پیدا کیا اسی طرح لوٹا دیں گے۔

اور سورہ حاقہ میں فرمایا فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جاویگی اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جاویں گے پھر دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جاوے گا اور وہ اس روز بالکل بودا ہوگا۔

اور سورہ معارج میں فرمایا يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جاویگا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جاویں گے)

اور سورۃ التکویر میں فرمایا وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ اور جب آسمان کھل جاویگا اور سورہ الانشقاق میں فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔ (جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے، اور زمین کھینچ کر بڑھادی جائے گی اور اپنے اندر کی چیزوں کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے)۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ سفید زمین پر جمع کئے جائیں گے اسکے سفید رنگ میں کچھ مٹیالے رنگ کی ملاوٹ ہوگی (اور) وہ میدے کی روٹی کی طرح ہوگی اس میں کسی قسم کی کوئی نشانی نہ ہوگی (رواہ البخاری) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی بنی ہوئی ہوگی جبار جل مجدہ اسے اپنے دست قدرت سے اس طرح الٹ پلٹ فرمائیگا جس طرح تم اپنی روٹی کو سفر میں الٹ پلٹ کرتے ہو یہ زمین اہل جنت کو کھانے کے لئے ابتدائی مہمانی کے طور پر پیش کی جائے گی (رواہ البخاری) تا کہ وہ زمین کے سارے مزے مجموعی طور پر چکھ لیں اور اسکے بعد جنت کے مزے چکھیں تو لطف دوبالا ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ فرمایا ہے (جس سے آسمان اور زمین کا بدل جانا معلوم ہو رہا ہے) اسکے بارے میں ارشاد فرمایئے کہ اس روز لوگ کہاں ہونگے آپ نے فرمایا کہ اس روز پل صراط پر ہونگے۔

یہ متعدد آیات کریمہ اور احادیث شریفہ ہیں ان میں تبدیل صفت کا ذکر ہے البتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے (جو سب سے آخر میں نقل کی گئی ہے) زمین کی ذات تبدیل ہونے کی طرف اشارہ مل رہا ہے، مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے والظاهر من التبديل تغيير الذات كما يدل عليه السؤال

والجواب حیث قالت فاین یکون الناس یومئذ قال علی الصراط ۔(اور ظاہر یہ ہے کہ تبدیلی سے مراد ذات کی تبدیلی ہے جیسا کہ اس پر سوال وجواب دلالت کرتا ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا اس دن لوگ کہاں ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پل صراط پر)

صاحب روح المعانی نے ابن الانباری کا قول نقل فرمایا ہے کہ آسمان کی تبدیلی بار بار ہوگی کبھی اس کو لپیٹا جائے گا اور کبھی تلچھٹ کی طرح اور کبھی وردۃ کالدھان ہوجائے گا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ زمین کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ وہ سفید زمین ہوگی گویا کہ چاندی سے ڈھالی گئی ہے اس میں کسی کا خون نہ بہایا گیا ہوگا اور اس پر کوئی گناہ نہ کیا گیا ہوگا' پھر بعض حضرات سے یوں نقل کیا گیا ہے کہ اولاً زمین کی صفت بدل دی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پھر اسکی ذات بدل دی جائے گی اور یہ ذات کا بدلنا اس کے بعد ہوگا جب وہ اپنی خبریں بتا چکی ہوگی (جسکا ذکر سورۃ الزلزال میں ہے) اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ولا مانع من ان یکون ھنا تبدیلات علی انحاء شتی۔

اسکے بعد فرمایا وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (کہ لوگ اللہ واحد قہار کے لئے ظاہر ہو جائیں گے) یعنی قبروں سے نکل کر محشور اور مجتمع ہونگے' تا کہ اللہ تعالیٰ انکے بارے میں فیصلے فرمائے' اللہ واحد یعنی تنہا ہے وحدہ لاشریک لہ ہے اور قہار بھی ہے جو ہر چیز پر غالب ہے' جو کچھ چاہے کر سکتا ہے کوئی اسکے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا۔

پھر مجرمین کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا کہ اے مخاطب تو اس دن مجرمین کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ باہم آپس میں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہونگے یعنی اپنے عقائد کفریہ کے اعتبار سے مختلف قسموں میں بٹے ہوئے ہونگے ایک ایک قسم کے لوگوں کو ملا کر بیڑیوں میں جکڑ دیا جائیگا دنیا میں کفر میں شریک تھے اور ایک دوسرے کے مددگار تھے اب وہاں سزا میں ساتھی ہونگے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد قرن بعضھم مع بعض وضم کل لمشارکہ فی کفرہ وعملہ (اور مراد بعض کا بعض کے ساتھ ملانا اور ہر ایک کا کفر وعمل میں اپنے شریک کے ساتھ ضم کرنا ہے) انکی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سَرَابِيْلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ قطران عرب میں ایک درخت ہوتا تھا جسکا سیال مادہ نکال کر اور پکا کر کھجلی والے اونٹوں کے جسم پر ملتے تھے جسکی تیزی کی وجہ سے کھجلی جل جاتی تھی جیسا کہ بعض علاقوں میں کھجلی سے چھٹکارا پانے کے لئے گندھک کو سیال کر کے ملا جاتا ہے یہ قطران جو عرب میں ہوتا تھا آگ کو جلد پکڑتا تھا اور خوب زیادہ تیز ہوتا تھا مطلب یہ ہے کہ مجرمین کے جسموں پر قطران ملا جائے گا جو انکے جسموں پر کرتے کی طرح ہوگا اسے دوزخ کی آگ بہت جلدی پکڑے گی جیسا کہ دنیا کی آگ دنیا والی قطران کو پکڑتی ہے' مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قطران پگھلے ہوئے تانبے کو کہتے ہیں دوزخیوں کے لباس تانبے کے ہونگے۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میت پر چیخ و پکار کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس پر ایک کرتہ قطران کا ہوگا اور ایک کرتا کھجلی کا ہوگا (رواہ مسلم) یعنی اسکے جسم پر خارش پیدا کردی جائیگی۔ اور اوپر سے قطران لپیٹ دیا

جائیگا تا کہ اس سے اور زیادہ سوزش اور جلن ہو۔

وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (اوران کے چہروں کو آگ نے ڈھانپ رکھا ہوگا) آگ تو سارے ہی جسم کو جلائے گی لیکن چہروں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے فرمایا کہ چہرہ اشرف الاعضاء ہے اور اس میں حواس ظاہرہ مجتمع ہیں اور سورہ ھمزہ میں فرمایا تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ اس میں دلوں کا خصوصاً ذکر فرمایا کیونکہ قلب حواس باطنہ کا سردار ہے۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ یعنی اللہ تعالیٰ مجرمین کے ساتھ مذکورہ معاملہ فرمائیگا تا کہ ہر جان کو اسکے کئے کا بدلہ دیدے اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے) ایک ساتھ جلدی سب کا حساب لے سکتا ہے ایک کا حساب لے اور اس میں مشغول ہو جائے اور دوسرا یہ سمجھ کر کہ ابھی تو میرے حساب میں دیر ہے آرام پالے ایسا نہیں ہوگا (ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۲۵۸ ج ۱۳)

آخر میں فرمایا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ یہ قرآن لوگوں کو پہنچ جانے والی چیز ہے اس میں نصیحت اور موعظت ہے وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ تا کہ لوگوں کو اسکے ذریعہ ڈرایا جائے وہ موت کے بعد کے لئے فکر مند ہوں کفر کو چھوڑیں اور ایمان قبول کریں وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (اور تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے تنہا ہے اسکا کوئی شریک نہیں) وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں) اللہ کی صفات خالقیت اور مالکیت کے بارے میں تدبر کریں شرکیہ عقائد سے باز رہیں امم سابقہ کی بغاوت اور پھر انکی ہلاکت سامنے رکھیں اور اس سے عبرت حاصل کریں اور یہ جان لیں کہ ہم انہیں برباد شدہ اقوام کے گھروں میں رہتے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی جسکا برا انجام انکے سامنے آ گیا غور و فکر کے ذریعہ عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔

ولقد تم سورة ابراهيم عليه السلام فى الليلة التاسعة والعشرين من شهر شعبان المعظم سنة الف واربع مائة وثلاثة عشر من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوٰة والتحية والحمد لله الذى بيده ملكوت كل شئ اولا واخرا

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ حجر مکہ میں نازل ہوئی جو ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ ننانویں آیات اور چھ رکوع پر مشتمل ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ① رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ

الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب کی اور قرآن مبین کی، جن لوگوں نے کفر کیا وہ بہت سی مرتبہ یہ آرزو کریں گے

كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ

کہ کاش وہ مسلمان ہوتے، آپ انہیں چھوڑیئے وہ کھالیں اور نفع اٹھالیں اور امید انہیں غفلت میں ڈالے رکھے، سو وہ

يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ

عنقریب جان لیں گے، اور ہم نے جتنی بھی بستیوں کو ہلاک کیا ان کے لئے ایک وقت معین لکھا ہوا تھا، کوئی

اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

امت اپنی مقررہ اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

کافر بار بار یہ تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے

تفسیر: یہاں سے سورۃ الحجر شروع ہو رہی ہے اس کے چھٹے رکوع میں اصحاب حجر کا تذکرہ ہے اس لئے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی، اس کی ابتداء بھی الٓرٰ ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ کتاب (کامل) کی آیات ہیں اور قرآن مبین کی آیات ہیں، مبین واضح اور خوب زیادہ ظاہر کے معنی میں آتا ہے قرآن مجید کی بعض دیگر آیات میں قرآن مجید کو قرآن مبین فرمایا ہے، چونکہ قرآن اپنے مضامین کو خوب واضح کر کے بیان کرتا ہے اس لئے اسے قرآن مبین فرمایا، صاحب معالم التنزیل اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای بیّن الحلال من الحرام والحق من الباطل یعنی قرآن نے حلال حرام کی تفصیلات خوب واضح کر کے بیان فرمائیں اور حق کو باطل سے جدا کر کے واضح طور پر بیان فرمایا، الکتاب سے بھی قرآن مبین مراد ہے لفظ ''الکتاب'' میں یہ بتایا کہ یہ لکھی ہوئی چیز ہے اور لفظ قرآن میں یہ بتایا کہ یہ پڑھی جانے والی کتاب ہے آیات الکتاب کا تذکرہ فرمانے کے بعد منکرین کی آرزوؤں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ بہت سی مرتبہ کافر یہ آرزو کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے، دنیا میں تو مسلمانوں کو بے وقوف بناتے ہیں اور احمق بتاتے ہیں لیکن جب آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوں گے اور مسلمانوں کو کامیاب اور بامراد دیکھیں گے تو انہیں بار بار یہ آرزو ہوگی کہ ہائے کاش ہم مسلمان ہوتے، صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب دوزخی دوزخ میں چلے جائیں

گے تو دوزخ میں انہیں بعض مسلمان بھی نظر آئیں گے وہ ان سے پوچھیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے ہاں ہم مسلمان تھے اس پر کافر کہیں گے پھر تو تمہیں تمہارے اسلام نے کچھ فائدہ نہ دیا تم تو ہمارے ساتھ دوزخ میں ہو اس پر مسلمان جواب دیں گے کہ ہم لوگوں نے گناہ کئے تھے ان کی وجہ سے ہمارا مواخذہ ہوا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے مسلمانوں کی مغفرت کر دی جائے گی اور حکم ہوگا کہ مسلمانوں میں سے جو بھی کوئی دوزخ میں ہے اسے نکال دیا جائے لہٰذا مسلمانوں کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا اور یہ سب کچھ اللہ کی رحمت اور فضل سے ہوگا یہ منظر دیکھ کر کافر یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے' صاحب روح المعانی ص ۴ ج ۱۴ میں یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی نقل کی ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ مذکورہ بات بیان کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا کہ آپ ان کو چھوڑ یئے یعنی ان کی طرف سے رنجیدہ نہ ہویئے انہیں اسلام قبول نہیں کرنا وہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے نہیں ہیں یہ لوگ دنیا میں مشغول ہیں کھانا پینا اور دوسری چیزوں سے متمتع ہونا یہی ان کی زندگی ہے موت کے بعد کے حالات کی طرف سے غافل ہیں اور بڑی بڑی آرزوئیں باندھ رکھی ہیں ان آرزوؤں نے انہیں آخرت سے غافل کر رکھا ہے ان حالات میں جس قدر بھی آگے بڑھیں گے مزید عذاب در عذاب کے مستحق ہوتے چلے جائیں گے اسی کو فرمایا فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ کہ یہ لوگ عنقریب جان لیں گے یعنی ان کے اعمال اور افعال کا نتیجہ سامنے آ جائے گا۔

جو بستیاں ہلاک کی گئیں ان کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا: اس کے بعد فرمایا وَمَاۤ اَهۡلَـكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ (الایۃ) اور ہم نے جتنی بھی بستیوں کو ہلاک کیا ہے ان کے لئے ایک اجل معین ہے جو ہمارے علم میں ہے جس قوم کی ہلاکت کے لئے جو بھی اجل مقرر کر رکھی تھی اسی کے مطابق ان کی ہلاکت ہوئی اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرمایا مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ (کوئی امت اپنی مقررہ اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں) اس آیت کے جو الفاظ ہیں ان کے عموم نے یہ بتا دیا کہ آئندہ بھی اگر کوئی قوم ہلاک ہوگی تو اس کی ہلاکت کا جو وقت مقرر اور مقدر ہے وہ بھی اس وقت سے آگے پیچھے نہ ہو سکے گی۔

وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ؕ۝۶ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰۤـئِكَةِ

اور ان لوگوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے بے شک تو دیوانہ ہے تو فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ ۝۸

اگر تو سچوں میں سے ہے' فرشتوں کو ہم فیصلہ کے ساتھ ہی نازل کیا کرتے ہیں اور اس وقت لوگوں کو مہلت بھی نہیں دی جاتی'

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

بلاشبہ ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ان کی حفاظت کرنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے

تفسیر: یہ چار آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں منکرین رسالت کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اے وہ شخص جس پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا گیا ہے ہمیں تیرے دیوانہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ان کا اصل مقصود دیوانہ بتانا تھا آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی بتانے کی بجائے جوانہوں نے اَلَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ (جس پر ذکر نازل کیا گیا) کہاان کا یہ کہنا بطور تمسخر کے تھا کیونکہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے' دوسری آیت میں منکرین اور معاندین کی کٹ حجتی بیان فرمائی ہے اور تیسری آیت میں ان کی کٹ حجتی کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کٹ حجتی کے طور پر یوں کہا کہ اگر تم اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آؤ' تم فرشتے کیوں نہیں لاتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ تم اللہ کے رسول ہو' اللہ تعالیٰ شانہ' نے جواب میں فرمایا کہ ہم فرشتوں کو فیصلے کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب لوگوں کی درخواست پر فرشتے آجائیں تو ان کا آنا فیصلہ ہی کے لئے ہوتا ہے فرشتوں کے آنے پر بھی لوگ ایمان نہیں لاتے تو لازمی طور پر عذاب آجاتا ہے اور اس وقت منکرین کو مہلت بھی نہیں دی جاتی' قرآن مجید کے مخاطب جو یوں کہہ رہے ہیں کہ فرشتے نازل ہو کر آپ کی رسالت کی گواہی دے دیں ان کی اس بات کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان کی ہلاکت جلدی ہو جائے کیونکہ انہیں فرشتوں کی آمد پر بھی ماننا نہیں ہے۔

چوتھی آیت میں قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا' اور بلاشبہ ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں) منکرین رسالت محمدیہ (علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ) جو منکرین قرآن بھی تھے انہوں نے بطور تمسخر انکار کیا اللہ جل شانہ نے ان کی تردید فرمائی اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ اور فرمایا کہ ہم نے قرآن نازل کیا تمہارے نہ ماننے سے حقیقت واقعیہ نہیں بدلے گی' منکرین یہ بھی کہتے تھے کہ اس کو یہ اللہ کی کتاب بتاتے ہیں اگر یہ اللہ کی طرف سے ہی ہے تب بھی چند دن کی بات ہے نہ جانے یہ کتنے دن زندہ رہتے ہیں اور کتنے دن ان کی دعوت کا کام چلتا ہے' اور یہ جو کتاب ان کے دعوے کے مطابق ان پر نازل ہو رہی ہے نہ جانے محفوظ بھی رہے گی یا نہیں' اور اس کے پڑھنے والے اور اس کو یاد رکھنے والے آگے بڑھیں گے یا نہیں' اللہ تعالیٰ شانہ' نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ شانہ' نے خود قرآن مجید کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار انسانوں کو نہیں بنایا جیسا کہ توریت شریف کی حفاظت ان کے علماء اور مشائخ کے ذمے ڈالی گئی تھی سورہ مائدہ میں جو بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ فرمایا ہے اس میں ان کی اسی ذمہ داری کو بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید ہر طرح کی تغییر اور تبدیل اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے اس کی تمام قراءات اور روایات کے جاننے والے پڑھنے پڑھانے والے اور حفظ کرنے والے ہمیشہ سے موجود ہیں اور جب تک اللہ کی مشیت ہوگی ہمیشہ موجود رہیں گے، رسول اللہ ﷺ نے جو قرآن شریف چھوڑا تھا وہ آج تک مسلمانوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی نہ کوئی شخص کر سکتا ہے اگر کوئی غلط پڑھے گا یا غلط چھاپ دے گا تو فوراً پکڑا جائے گا اسّی سال کا قاری یا حافظ کسی جگہ اگر غلطی کر دے تو نو سال کا بچہ جس نے قرآن حفظ کر رکھا ہو اسی وقت ٹوک دے گا سینکڑوں سال پہلے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے دیکھ لو جو مسلسل یکے بعد دیگرے لکھے گئے ہیں وہ سب ابتداء سے انتہا تک الفاظ اور حروف اور کلمات اور ترتیب آیات کے اعتبار سے بالکل پوری طرح متفق ہیں کوئی فرق نہیں اور کوئی اختلاف نہیں اس کو دوست اور دشمن مانتے ہیں، بعض جاہل اختلاف قراءات کو بہانہ بنا کر اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کا یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ یہ قراءات بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور یہ قراءات ہمیشہ سے محفوظ ہیں اور موجود ہیں اگر کوئی شخص بعض آیات کے منسوخ ہونے پر اشکال کرے تو اس کا یہ اشکال بے وزن ہے اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نسخ نہیں ہوا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے شیاطین سے بھی محفوظ ہے، ملحدین سے بھی، منکرین سے، بھی محرفین سے بھی، لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ (جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)۔

روافض قرآن کی تحریف کے قائل ہیں اللہ کے وعدہ حفاظت پر ان کا ایمان نہیں

قرآن مجید کئی اعتبار سے معجزہ ہے، وجوہ اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تغییر اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے اس لئے کسی ایسے معجزہ کی ضرورت تھی جو آخری زمانہ تک موجود رہے، یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی ہے حق کا اعلان کرنے والا ہے توحید کی دعوت دینے والا ہے، اور اس کا یہ چیلنج ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے کہ میری جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ آج تک نہ کوئی لا سکا اور نہ کوئی لا سکے گا بعض فرقے جو اسلام کے مدعی ہیں یعنی روافض وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے یہ لوگ آیت بالا کے منکر ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے ان لوگوں پر لازم ہے کہ جب قرآن موجود میں تحریف کا دعویٰ کرتے ہیں تو کسی بھی سورت کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر لے آئیں، اگر نہیں لا سکتے تو قرآن کا وہی اعلان سن لیں جو سورہ بقرہ میں مذکور ہے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ (سو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہے وہ کافروں کے لئے تیاری کی گئی ہے)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا

اور بلا شبہ ہم نے آپ سے پہلے گزشتہ لوگوں کے گروہوں میں پیغمبر بھیجے اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا

كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١١﴾ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ

جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو، ہم اس طرح اس استہزا کو مجرمین کے دلوں میں چلاتے ہیں' یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے

وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾

اور پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے' اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ لوگ دن کے وقت اس میں چڑھ جائیں

لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٥﴾

تب بھی یوں کہیں گے کہ بس بات یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کی نظر بندی کردی گئی ہے' بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر جادو کردیا گیا ہے

سابقہ اُمتوں نے بھی اپنے رسولوں کا استہزاء کیا معاندین اگر آسمان پر چڑھ جائیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین مکہ استہزاء اور تمسخر کا معاملہ کرتے تھے آپ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی اللہ جل شانہ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کی قوموں نے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا رسولوں کی تکذیب بھی کی اور ان کا تمسخر بھی کیا جو حال ان لوگوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے' جیسے ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں تکذیب داخل کی اسی طرح ان مجرمین یعنی کفار مکہ کے قلوب میں بھی داخل کردی' یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی عادت رہی ہے کہ لوگوں نے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی پھر انہیں عذاب میں مبتلا فرمایا یہ لوگ بھی تکذیب کررہے ہیں اور مستحق عذاب ہورہے ہیں۔

مزید فرمایا کہ ان لوگوں کو ماننا ہی نہیں ہے (قرآن کا معجزہ سامنے ہے دوسرے معجزات بھی دیکھتے رہتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے) فرشتوں کے آنے کی فرمائش کررہے ہیں اگر فرشتے آجائیں تب بھی انہیں ماننا نہیں ہے' یہ لوگ عناد پر تلے ہوئے ہیں ان کی ضد کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس دروازے میں چڑھ جائیں (جبکہ اونگھ نیند کا وقت بھی نہیں ہوتا) تب بھی یہ نہ مانیں گے بلکہ آسمان کا دروازہ کھلنے اور آسمان پر خود سے چڑھنے کے باوجود (وہ بھی دن دہاڑے) یوں کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ہم پر جادو کردیا گیا ہے اس جادو کی وجہ سے یہ سب کچھ ہمیں نظر آرہا ہے اور حقیقت میں کچھ نہیں ہے' جب کسی قوم کا یہ حال ہو کہ کھلے آنکھوں معجزات دیکھے اور انہیں جادو بتا

دے اس قوم سے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِينَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ
اور بیشک ہم نے آسمان میں ستارے پیدا کئے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے زینت والا بنایا اور ہر شیطان
رَّجِيمٍ ﴿۱۷﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا
مردود سے ہم نے اسے محفوظ کردیا سوائے اس کے جو چوری سے سن لے تو اسے کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلایا
وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ
اور ہم نے اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ایک معین مقدار سے ہر قسم کی چیز اگائی اور ہم نے تمہارے لئے
فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِينَ ﴿۲۰﴾ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ
اس میں زندگی کے سامان پیدا کردیئے اور جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہوانہیں بھی ہم نے رزق دیا اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں
وَمَا نُنَزِّلُهٗ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿۲۱﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
اور ہم اس کو صرف مقدار معلوم ہی کے بقدر نازل کرتے ہیں اور ہم نے ہواؤں کو بھیج دیا جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم نے آسمان سے پانی اتارا
فَأَسْقَيْنٰكُمُوهُ ۚ وَمَآ أَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِينَ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيتُ وَنَحْنُ
پھر ہم نے تمہیں وہ پانی پلایا تم اتنا پانی جمع کرنے والے نہیں ہو اور بلاشبہ ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی
الْوٰرِثُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۲۴﴾ وَإِنَّ
وارث ہیں اور بلاشبہ ہمیں معلوم ہیں جو تم سے پہلے تھے اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ معلوم ہیں جو تمہارے بعد آنے والے ہیں اور بلاشبہ
رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهٗ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵﴾
آپ کا رب ان سب کو جمع فرمائے گا' بے شک وہ حکیم ہے علیم ہے

ستارے آسمان کے لئے زینت ہیں اور ان کے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے

تفسیر: اللہ جل شانہ نے ان آیات میں آیات تکوینیہ بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے آسمان میں برج یعنی ستارے بنائے اور آسمان کو زینت والا پر رونق بنا دیا' رات کو جب

دیکھنے والے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ستاروں کی جگمگاہٹ سے نہایت عمدہ پر رونق منظر نظر آتا ہے' سورۂ ملک میں فرمایا وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے شیاطین کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کیا ہے)

ستاروں کو مصابیح یعنی چراغوں سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے مزید توضیح کے لئے سورہ صافات کی آیات ذیل اور ان کا ترجمہ پڑھئے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو آراستہ کر دیا ایک زینت کے ساتھ جو ستاروں کی زینت ہے اور ہم نے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان سے' شیاطین عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر جانب سے ان کو مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے ہمیشگی والا عذاب ہے' سوائے اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے)

سورہ حجر اور سورہ صافات اور سورہ ملک کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ آسمان میں جو ستارے ہیں ان سے آسمان کی زینت بھی ہے اور شیاطین سے حفاظت بھی ہے' اور سورہ نحل میں فرمایا ہے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور ستارہ کے ذریعہ وہ لوگ راہ پاتے ہیں) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین باتوں کے لئے پیدا فرمایا اول تو انہیں آسمان کی زینت بنایا دوم شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا سوم ان کو علامات بنایا جن کے ذریعہ راہ یاب ہوتے ہیں (یعنی راتوں کو سفر کرنے والے ان کے ذریعہ اپنے سفر کے رخ کا پتہ چلا لیتے ہیں) سو جس شخص نے ان تین باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کہی اس نے خطا کی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس بات کو نہیں جانتا تھا خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑا حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے منجمین کی تردید کی وہ اپنی عمر بھی ضائع کرتے ہیں اور وہ بات کرتے ہیں جس کا انہیں علم نہیں اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ فرما دی جو ان کی بات مانتے ہیں اور ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔

بروج سے کیا مراد ہے؟: ہم نے بروج کا ترجمہ ستارے کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ سورۂ ملک میں ستاروں ہی کو زینت بتایا ہے اور ستاروں ہی کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بتایا ہے معلوم ہوا جو چیز آسمان کی زینت ہے وہی شیاطین کے مارنے کا سبب ہے بعض مفسرین نے جو بروج کا ترجمہ بروج ہی کیا ہے اور اس سے آسمان کے وہ بارہ برج مراد لئے ہیں جنہیں ہیئت والے بیان کرتے ہیں ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے یہ بارہ برج فرضی ہیں ان کے نام فلاسفہ نے خود رکھ لئے ہیں اور خود ہی تجویز کر لئے ہیں یہ بروج شیاطین کو نہیں مارتے پھر آیت کریمہ میں ان سے بروج فلاسفہ کیسے مراد لئے جا سکتے ہیں۔

صاحب تفسیر جلالین نے یہاں سورہ حجر میں اور سورہ فرقان میں بروج سے وہی فلاسفہ والے بارہ برج مراد لئے ہیں اور ان کے نام بھی لکھے ہیں اور صاحب معالم التنزیل نے اولاً تو یوں لکھا ہے کہ **والبروج ھی النجوم الکبار** پھر وہی فلاسفہ والے بارہ برج اور ان کے نام ذکر کر دیئے ہیں صاحب کمالین نے مفسر جلال الدین سیوطی کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے **ولا یلیق بمثل المصنف ان یذکر تلک الامور المبتنی علی الامور الوھمیۃ فی التفسیر مع انہ انکر فی کثیر من المواضع فی حاشیۃ الانوار علم الھیئۃ فضلا عن النجوم لکنہ اقتفی الشیخ المحلی حیث ذکرھا فی سورۃ الفرقان کذلک** (مصنفؒ جیسے آدمی کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ تفسیر میں ان امور کا ذکر کرے جن کی بناء اوہام پر ہے باوجود اس کے کہ مصنف نے انوار کے حاشیہ میں بہت سارے مواقع میں علم الھیئہ پر نکیر کی ہے چہ جائیکہ علم نجوم لیکن یہاں مصنف نے شیخ جلال الدین محلی کی پیروی کی ہے کہ اس نے انہیں سورۃ الفرقان میں اسی طرح ذکر کیا ہے) سورہ حجر کی آیت بالا میں فرمایا کہ ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا جو کوئی شیطان چوری سے کوئی بات سننے لگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے سورہ صافات میں اس کو اور زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا کہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر جانب سے ان کو مارا جاتا ہے اور دور بھگا دیا جاتا ہے یہ ان کا دنیا میں حال ہے اور آخرت میں ان کے لئے دائمی عذاب ہے ہاں اگر کوئی شیطان اوپر پہنچ کر چوری کے طور پر جلدی سے کوئی کلمہ لے بھاگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے بات کے چرانے والے شیطان کو مارنے کے لئے جو چیز پیچھے لگتی ہے اسے سورہ حجر میں شہاب مبین سے اور سورہ صافات میں شہاب ثاقب سے تعبیر فرمایا شہاب انگارہ کو اور شعلہ کو کہتے ہیں اس شعلے اور انگارے کی کیا حقیقت ہے اس کے سمجھنے کے لئے سورہ ملک کی آیت کو بھی سامنے رکھ لیں، سورہ ملک میں ستاروں کو چراغ بتایا اور آسمان کی زینت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ستارے شیاطین کے مارنے کے لئے ہیں دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ بدوں اس سبب کے شہاب پیدا نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ استراق کے وقت شہاب سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے پس ممکن ہے کہ شہاب کبھی محض طبعی طور پر ہوتا ہو اور کبھی اس غرض کے لئے ہوتا ہو اور اس میں کوکب (ستارہ) کو یہ دخل ہو کہ سخونیت کوکب (ستاروں کی گرمی) سے خود مادہ شیاطین میں یا مادہ بخارات میں بواسطہ فعل ملائکہ کے نار پیدا ہو جاتی ہو جس سے شیاطین کو ہلاکت یا فساد عقل کا صدمہ پہنچتا ہو اھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشین گوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے' آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کر کر کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳ از بخاری ومسلم) اس سلسلہ میں مزید توضیح اور تشریح کے لئے سورہ جن کے پہلے رکوع کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ اور درخت معرفت اللہ کی نشانیاں ہیں

آسمان کے بروج اور آسمان کی زینت اور شیاطین سے ان کی حفاظت کا ذکر فرمانے کے بعد زمین کے پھیلانے کا اور

اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دینے کا تذکرہ فرمایا' زمین بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے زمین پر لوگ بستے ہیں اور آسمان کی طرف بار بار دیکھتے ہیں دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ پر دلالت کرتے ہیں اور سورہ لقمان میں فرمایا ہے وَأَلْقٰى فِى الْأَرْضِ رَوَاسِىَ أَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (اور اللہ نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تا کہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کرنے لگے)

تفسیر روح المعانی ص ۲۹ ج ۱۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پھیلا دیا تو وہ کشتی کی طرح ڈگمگانے لگی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس میں بھاری پہاڑ پیدا فرما دیئے تا کہ وہ حرکت نہ کرے ان پہاڑوں کے بارے میں سورہ نبا میں فرمایا ہے۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا وَّالْجِبَالَ أَوْتَادًا (کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا) یہ استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ہم پہاڑوں کو زمین کی میخیں یعنی کیلیں بنا دیا یعنی پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی لیکن یہ ایک سبب ظاہری کے طور پر ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑ بھی پھٹ جاتے ہیں اور زمین بھی ہل جاتی ہے اور پہاڑ اور زمین دونوں حرکت کرنے لگتے ہیں پھر فرمایا وَأَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْزُوْنٍ (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی) موزون کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای مقدر بمقدار معین تقتضیه الحکمة فهو مجاز مستعمل فی لازم معناه۔ (یعنی اس مقدار کے مطابق متعین ہے جس کا حکمت تقاضا کرتی ہے پس وہ اپنے لازمی معنی کے لئے بطور مجاز مستعمل ہے)

اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسانوں کی زندگی کے سامان پیدا فرمائے

پھر فرمایا وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (اور ہم نے زمین میں تمہارے لئے زندگی کے سامان پیدا کر دیئے) یعنی کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں پیدا کر دیں یہ چیزیں تمہاری بقاء اور معیشت اور زندگی کا سبب ہیں وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرَازِقِيْنَ (اور ہم نے تمہارے لئے وہ چیزیں پیدا کیں جنہیں تم رزق دینے والے نہیں ہو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ معایش پر معطوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لئے معیشت کی چیزیں پیدا فرمائیں جنہیں تم استعمال کرتے ہو اور جن سے تم خدمت لیتے ہو ان کو بھی پیدا فرمایا یعنی اہل وعیال اور باندی غلام نوکر چاکر اور چوپائے وغیرہ پیدا فرمائے تم ان چیزوں سے کام لیتے ہو اور رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے وہ تمہارا بھی رازق ہے اور ان چیزوں کا بھی رازق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں: پھر فرمایا وَإِنْ مِّنْ شَىْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ (اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں) وَمَا نُنَزِّلُهٗ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (اور ہم اس کو صرف بقدر معلوم ہی نازل کرتے ہیں) اس میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس کی مشیت سے پیدا ہوتا رہتا ہے اس کی حکمت کے مطابق ہے اس کی قدرت غیر متناہی ہے مخلوق کو رزق دینے اور کھلانے پلانے کے لئے اسے میزانیہ بنانے کی ضرورت نہیں

اس کے قبضۂ قدرت میں بے انتہاء خزانے ہیں جب چاہے جتنا چاہے صرف ایک کلمہ کن سے پیدا فرماسکتا ہے۔

ہوائیں بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں: پھر فرمایا وَاَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ (اور ہم نے ہواؤں کو بھیج دیا جو بادل کو پانی سے بھرنے والی ہیں) فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (پھر ہم نے آسمانوں سے پانی اتارا) فَاَسْقَیْنٰکُمُوْہُ (پھر ہم نے وہ پانی تمہیں پلا دیا) اس میں بارش برسانے کا انعام بتایا ہے، ہوائیں چلتی ہیں پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو لے آتی ہیں پھر جہاں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے وہاں بادل پانی برسا دیتا ہے اس سے انسان مویشی باغ اور کھیت سیراب ہوتے ہیں وَمَا اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِیْنَ (اور تم اس پانی کو جمع کرنے والے نہیں ہو) تمہیں کوئی قدرت نہیں کہ پانی کو پیدا کر دیا ہواؤں سے کام لو یا بادل پر قابو کر و پانی پیدا فرمانا ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو بھیجنا پھر بادلوں کا برسانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت اور حکمت سے ہے اس نے اپنے خزانوں میں سے پانی بھیجا اور بار بار بھیجتا ہے اور اس کے برسائے ہوئے پانی میں سے اگر جمع کرلو تو بقدر ضرورت جمع نہیں کر سکتے اگر جمع کر بھی لیا تو وہ تھوڑے ہی دن چلے گا پھر اسی سے مانگو گے اور دعاؤں کے لئے ہاتھ پھیلاؤ گے۔

اللہ ہی وارث ہے: پھر فرمایا وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ (اور بلاشبہ ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں) وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ (اور ہم باقی رہنے والے ہیں) ساری مخلوق ختم ہو جائے گی سب مر جائیں گے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات باقی رہے گی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وارث کا جو ترجمہ باقی کیا گیا یہ حضرت سفیان وغیرہ سے مروی ہے اور دعا میں جو واجعله الوارث منا وارد ہوا ہے اس میں بھی وارث باقی کے معنی میں ہے سورہ مریم میں فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ (بلاشبہ زمین اور جو کچھ زمین پر ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے) جتنے بھی مجازی مالک ہیں سب ختم ہو جائیں گے اور مالک حقیقی ہی باقی رہے گا سورہ مومن میں فرمایا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج کس کے لئے ملک ہے؟ اللہ ہی کے لئے ہے جو تنہا ہے غالب ہے)

مستقدمین اور مستاخرین کی تفسیر: پھر فرمایا وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ (اور بلاشبہ ہمیں وہ معلوم ہیں جو تم میں سے پہلے تھے اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ معلوم ہیں جو تمہارے بعد آنے والے ہیں) اس آیت میں لفظ اَلْمُسْتَقْدِمِیْنَ اور المستاخرین وارد ہوا ہے صاحب معالم التنزیل ص ۴۸ ج ۳ نے اس کی تفسیر میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کہ مستقدمین سے اموات اور مستاخرین سے احیاء یعنی زندہ لوگ مراد ہیں، حضرت مجاہد نے فرمایا کہ مستقدمین سے قرون اولیٰ اور مستاخرین سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے، حضرت حسن نے فرمایا کہ مستقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو طاعت

اور خیر میں آگے بڑھنے والے ہیں اور مستاخرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو طاعت اور خیر میں دیر لگانے والے ہیں' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز میں اگلی صفوں میں جگہ لینے والے مستقدمین ہیں اور اگلی صفوں سے پیچھے رہ جانے والے مستاخرین ہیں' آیت کا عموم ان تمام معانی کو شامل ہے' زمانہ کے اعتبار سے اگلے پچھلے اور اعمال خیر کے اعتبار سے اعمال میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے رہ جانے والے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے علم کے موافق جزادے گا۔

وَاِنَّ رَبَّکَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (اور بلاشبہ آپ کا رب ان سب کو جمع فرمائے گا بے شک وہ حکیم علیم ہے) تمام اولین و آخرین اپنے اپنے اعمال لے کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے اللہ تعالیٰ کا علم سب کو محیط ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص دوبارہ زندہ ہونے سے رہ جائے یا بچ کر نکل جائے' حشر میں جو دیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہے اور جب حشر ہوگا اس وقت سب اس کے علم میں ہوں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی' اور ہم نے جن کو

قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ

اس سے پہلے آگ سے پیدا کیا جو ایک گرم ہوا سے تھی' اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بلاشبہ میں بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں

مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے ہوگی' سو جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾

سو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا' اس نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو'

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے اس بات پر کس نے آمادہ کیا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا' ابلیس نے کہا میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں

خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

جسے آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو تو اس سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہے

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی' ابلیس نے کہا کہ اے رب سو آپ مجھے اس دن تک کی مہلت دے دیجئے جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے'

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِىْ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو بلاشبہ تجھ کو معین وقت کی تاریخ تک مہلت دی گئی' شیطان نے کہا کہ اے رب اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا

لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾

میں ان کے لئے زمین میں ضرور ضرور مزین کروں گا اور ضرور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے بلا شبہ میرے بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَهَا

سوائے گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں گے اور بلاشبہ سب سے جہنم کا وعدہ ہے' اس کے

سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾

سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے

انسان اور جنات کی تخلیق' ابلیس کو سجدہ کرنے کا حکم اور اس کی نافرمانی اور ملعونیت' بنی آدم کو ورغلانے کے لئے اس کا قسم کھانا اور لمبی عمر کی درخواست کرنا' مخلصین کے بہکانے سے عاجزی کا اقرار' ابلیس کا اتباع کرنے والوں کے لئے داخلہ دوزخ کا اعلان

تفسیر: ان آیات میں انسان اور جنات کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ' نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو پیدا فرمانے والا ہوں جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں روح پھونک دوں تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا' چنانچہ جب اس بشر کی تخلیق ہو گئی اور روح پھونک دی گئی جس کے پیدا فرمانے کا پہلے سے اعلان فرمایا تھا یہاں اسے انسان اور بشر فرمایا ہے اور سورہ بقرہ اور سورہ اعراف اور سورہ بنی اسرائیل وغیرہ میں اس کا نام لیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو' حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان تھے ان کی ساری اولاد بنی نوع انسان ہے یہ لفظ ''انس'' سے لیا گیا ہے چونکہ بنی آدم کو انس کی ضرورت ہے تنہائی ناگوار ہے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے اور مانوس ہوتے ہیں اس لئے انسان کا نام انسان ہی رکھا گیا

انسان جنس کے لئے بولا جاتا ہے تمام بنی آدم مرد اور عورت انسان ہیں' بنی آدم کے لئے دوسرا لفظ بشر استعمال فرمایا ہے انسان کے سر پر تو اچھی طرح بال ہوتے ہیں لیکن اس کا باقی بشرہ یعنی کھال کا ظاہری حصہ بالوں سے اس طرح بھرا ہوا نہیں ہوتا جیسے چوپاؤں کے جسم پر بڑے بڑے بال ہوتے ہیں اور کھال ان بالوں میں چھپی رہتی ہے اس بے بال والے جسم کی مناسبت سے انسان کو بشر کہا جاتا ہے۔

صلصال اور حماء مسنون کا مصداق: انسانی تخلیق کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ مومن میں فرمایا کہ تراب (مٹی) سے پیدا فرمایا اور سورہ ص میں فرمایا کہ طین (کیچڑ) سے پیدا فرمایا اور یہاں سورہ حجر میں فرمایا کہ صلصال بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور ساتھ ہی مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ بھی فرمایا حما کالے رنگ کی کیچڑ اور مسنون سڑی ہوئی چیز جس میں پڑے پڑے تغیر آ گیا ہو اور بدبو پیدا ہوگئی ہو اور سورہ رحمٰن میں فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (اللہ نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا) پانی ملانے سے پہلے یہ تراب تھی پانی ملا دیا گیا تو کیچڑ ہوگئی یہ کیچڑ ایک زمانہ تک پڑی رہی تو سڑ گئی اور کالی ہوگئی پھر اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا وہ پتلا سوکھ گیا تو وہ ٹھیکرہ کی طرح بجنے والی چیز بن گیا روح پھونکنے سے پہلے جو مختلف احوال و ادوار گزرے ان کو آیات قرآنیہ میں بیان فرمایا ہے کوئی ایک حالت دوسری حالت کے معارض نہیں ہے جنات کی تخلیق کے بارے میں فرمایا وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (اور ہم نے جن کو اس سے پہلے آگ سے پیدا کیا جو ایک گرم ہوا تھی) اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے پہلے ہوئی آیت کریمہ میں لفظ الجان فرمایا ہے اس سے جنس جنات کا باپ مراد ہے جو سب سے پہلے پیدا ہوا حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں اور الجان ابو الجن ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ابلیس مراد ہے وہ تمام جنات کا باپ ہے لیکن یہ بات کسی سند سے منقول نہیں ہے آکام المرجان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جنات کا باپ (جو سب سے پہلے پیدا کیا گیا) اس کا نام سومی تھا پھر اسی سے جنات کی نسل چلی' نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جنات زمین میں رہتے تھے اور ان کی پیدائش سے پہلے جنات کی آبادی کو زمین میں دو ہزار سال گزر چکے تھے (اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس سال گزرے تھے) یہ زمین میں فساد کرتے تھے خون بہاتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے یوسف کو قتل کر دیا جو ان کا بادشاہ تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ان کا پیغمبر تھا۔

فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان سنا کہ زمین میں ایک خلیفہ پیدا فرمانے والا ہوں تو وہ جنات پر قیاس کر کے بول اٹھے کیا آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے جو دنیا میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے جس کا تذکرہ سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے لفظ جان اور جن کا مادہ جنن ہے جو مضاعف ہے آخر میں دو نون ہیں یہ مادہ چھپانے اور پوشیدہ کرنے پر دلالت کرتا ہے چونکہ جنات انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اس لئے انہیں جنات کہا جاتا ہے۔

یہاں سورہ حجر میں جنات کی پیدائش نار سموم سے بتائی ہے اور سورہ رحمٰن میں وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ فرمایا ہے مارج وہ آگ جس میں دھواں نہ ہو دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ جنات کی تخلیق ایسی آگ سے ہے جو گرم ہوا کی طرح سے تھی دھویں کے اجزاء شامل نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آتی تھی لفظ سموم سم سے لیا گیا ہے سم عربی میں زہر کو کہتے ہیں صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا معنی نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ الریح الحارة التی تقتل یعنی وہ گرم ہوا جو قتل کر دیتی ہے' پھر لکھا ہے وسميت سموما لا نها بلطفها تنفذ فی مسام البدن ومنه السم القاتل (یعنی اس کا نام سموم اس لئے رکھا گیا کہ اپنی لطافت کی وجہ سے بدن کے مسامات میں نفوذ کر لیتی ہے اور زہر کو اسی لئے سم قاتل کہا جاتا ہے) اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد من النار المفرطة الحرارة (یعنی نار سموم سے وہ آگ مراد ہے جو بہت زیادہ گرم ہو) چونکہ ابلیس جن کی جنس سے ہے جیسا کہ سورہ کہف میں کَانَ مِنَ الْجِنِّ فرمایا ہے اس لئے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور یوں کہا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو کیچڑ سے پیدا کیا) اپنے خیال میں اس نے اپنے کو برتر سمجھا اور اپنے مادہ تخلیق یعنی آگ کو افضل اور حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ تخلیق یعنی مٹی کو کمتر سمجھا یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی مادہ نار میں فساد ہے اور مادہ تراب میں تعمیر ہے اس لئے آگ مٹی سے افضل نہیں ہو سکتی۔

ابلیس کا سجدہ کرنے سے انکاری ہونا: انسان اور جن کی تخلیق کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے ہی فرشتوں سے فرما دیا تھا کہ میں ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں جو بجتی ہوئی کالی سڑی ہوئی مٹی سے بنایا جائے گا جب وہ بن جائے اور میں اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ ریز ہو جانا یعنی اسے تعظیمی سجدہ کرنا چنانچہ سب فرشتوں نے حکم مانا فرماں برداری کا مظاہرہ کیا اور سب نے بیک وقت مجتمع ہو کر آدم علیہ السلام کو سجدہ کر دیا یہ سجدہ تعظیمی تھا سجدہ عبادت نہیں تھا عبادت تو غیر اللہ کے لئے کبھی بھی جائز نہیں تھی البتہ سجدہ تعظیمی بعض شرائع سابقہ میں جائز تھا شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں سجدہ تعظیمی بھی منسوخ کر دیا گیا' اب سجدہ تعظیمی غیر اللہ کے لئے حرام ہے۔

تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا وہ تھا تو جنات میں سے لیکن فرشتوں کے ساتھ عالم بالا میں رہتا تھا اس کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا جیسا کہ سورہ اعراف میں اس کی تصریح ہے' ابلیس نے کہا کہ میں اس کو سجدہ نہیں کرتا اللہ جل شانہٗ نے فرمایا مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ اس کا کیا باعث ہے کہ تو اس کو سجدہ نہ کرے جبکہ میں نے تجھے حکم دیا اس پر اس نے تکبر کے ساتھ جواب دیا اور اللہ تعالیٰ شانہ کی جو حکم عدولی کی تھی اسے صحیح ثابت کرنے کے لئے کہنے لگا لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ (میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے آپ نے کالی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا) سورہ

کہف میں ہے کہ ابلیس نے یوں کہا ءَ اَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا (کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے آپ نے مٹی سے بنایا ہے) ابلیس نے اول تو نافرمانی کی پھر اوپر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو حکمت کے خلاف بتایا اور جس مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تھا اسے اس نے اپنے سے کم تر ظاہر کیا یہ سب تکبر کی وجہ سے ہوا' ابلیس کو تکبر کھا گیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تو یہاں سے یعنی آسمان سے نکل جا قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہے (جو شخص قیامت کا صور پھونکنے تک ملعون ہو گیا اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کیونکہ کفر پر مرنا ابدالآباد لعنت میں رہنے کا سبب ہے)۔

ابلیس کی ملعونیت: ابلیس نے اب بھی توبہ نہ کی ہمیشہ کے لئے ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن یوں نہ کہا کہ مجھے معاف کر دیا جائے اب سجدہ کر لیتا ہوں' اس وقت سے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت کو بہکانے' ورغلانے گمراہ کرنے کی ٹھان لی' جس کا مقصد یہ تھا کہ جس کی وجہ سے ملعون ہوا ہوں اس سے بدلہ لیا جائے لیکن اس بات کو ظاہر کرنے سے پہلے اس نے اللہ جل شانہٗ سے قیامت کے دن تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کو مہلت دے دی اور فرمایا فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ (بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جنہیں وقت معلوم تک مہلت دی گئی) صاحب روح المعانی الوقت المعلوم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن کا نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکا جانا مراد ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی مروی ہے اور جمہور نے یہی فرمایا ہے قیامت کے آنے کا وقت اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی کو معلوم ہے اس لئے اسے ''الوقت المعلوم'' سے تعبیر فرمایا۔

روح المعانی میں کعب بن احبار سے نقل کیا ہے کہ نفخہ اولیٰ کے بعد حضرت ملک الموت سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا خطاب ہوگا کہ ابلیس کی روح قبض کر لو ابلیس حضرت ملک الموت علیہ السلام کو دیکھ کر مشرق کی طرف بھاگے گا پھر مغرب کی طرف' ہر طرف ملک الموت سامنے نظر آئیں گے پھر سمندروں میں گھسنا چاہے گا سمندر بھی قبول نہ کریں گے' اسی طرح زمین میں بھاگا بھاگا پھرے گا لیکن اسے کسی جگہ پناہ نہ ملے گی حضرات ملائکہ جو حضرت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے اسے سنڈاسیوں کے ساتھ پکڑ لیں گے اس کی نزع کی کیفیت شروع ہو جائے گی اور الیٰ ماشاء اللہ نزع کے عذاب میں رہے گا پھر اس کی روح قبض کر لی جائے گی۔

ابلیس کا مہلت مانگنا بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے تھا: کعب احبار کا بیان ہم نے مختصر کر کے لکھا ہے جس کی حیثیت اسرائیلیات سے زیادہ نہیں ہے البتہ قرآن مجید کی یہ تصریح کہ اسے وقت معلوم تک مہلت دی گئی اس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہوا کہ ابلیس کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے اسے بہت زیادہ عمر دے دی جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' ابلیس کا مہلت مانگنا توبہ اور انابت اور طاعت اور عبادت کے لئے نہیں تھا بلکہ شرارت کے لئے اور اولاد آدم سے بدلہ لینے کے لئے تھا جب اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی تو وہ اب کھلے طور پر کہنے لگا کہ اے رب اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے میں اس شخص کی اولاد کو تیرے راستہ سے ہٹاؤں گا اور گمراہ کروں گا اور گمراہ کرنے کے طریقے بھی اس نے بتا

دیئے ان میں سے ایک طریقہ یہاں سورہ حجر میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ کہ ان لوگوں کے لئے میں ان کاموں کو اچھا کر کے دکھاؤں گا جن سے آپ ناراض ہوں گے لَاُزَیِّنَنَّ کا مفعول محذوف ہے یعنی لا زینن لھم المعاصی اور فِی الْاَرْضِ اس لئے کہا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں رہنے کے لئے پیدا کی گئی ہے گمراہ کرنے کی بعض صورتیں سورہ نساء کی آیت اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا میں اور سورہ اعراف کی آیت قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ میں بیان کی گئی ہیں مراجعت کر لی جائے۔

مخلصین کے بہکانے سے شیطان کا عاجز ہونا: ابلیس نے کہا تھا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا لیکن ساتھ ہی یوں بھی کہا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (مگر آپ کے جو منتخب بندے ہوں گے انہیں گمراہ نہ کر سکوں گا) چونکہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ اعلان سن لیا تھا کہ جو نئی مخلوق زمین کی خلافت کے لئے پیدا کی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کا کام وہی بندے انجام دے سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما لیا اور چن لیا ہو اس لئے اس نے سمجھ لیا کہ ایسے بندے ضرور ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ شانہ منتخب فرمالیں گے اور جن میں میرا داؤ نہ چلے گا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے) جو اس راہ پر چلے گا وہ مجھ تک پہنچے گا یعنی اس راہ پر چلنے والے کو میری رضا حاصل ہوگی' هٰذَا کا اشارہ مومن بندوں کے منتخب ہونے اور شیطان کے بہکانے سے بچ جانے اور اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو اختیار کرنے کی طرف ہے جو اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ سے مفہوم ہو رہا ہے۔

گمراہ لوگوں پر شیطان کا بس چلتا ہے: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا مگر جو گمراہ لوگ تیری راہ پر چلیں گے) یعنی گمراہ لوگوں پر تیرا بس چل سکے گا جو تیرا اتباع کریں گے گمراہ ہوں گے شیطان کوشش تو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے ہی بندے اس کا اتباع کرنے لگیں لیکن منتخب بندے اس کے قابو میں نہیں آتے وہ اس کے حملوں کو اور اس کے بہکانے کے طریقوں کو سمجھتے ہیں' وہ معاصی کو مزین کرتا ہے اس سے متاثر نہیں ہوتے' ہاں جو لوگ بھٹکنے کا مزاج رکھتے ہیں ہدایت کو پسند نہیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور کتابوں میں جو ہدایات ہیں ان کو اپنانے سے گریز کرتے ہیں ایسے لوگوں پر شیطان کا قابو چل جاتا ہے ایسا تسلط تو شیطان کا کسی پر نہیں ہے کہ زبردستی گناہ کرا لے اس کا کام تو وسوسے ڈالنا گناہوں کی ترغیب دینا اور گناہوں کو مزین کر کے پیش کرنا ہے آگے بندے اپنے اختیار سے کفر و شرک کرتے ہیں اور گناہوں کے کام میں لگتے ہیں۔

سورہ نحل میں فرمایا ہے اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (بلاشبہ اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا قابو انہیں لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر ہے جو اللہ کے ساتھ شرک

کرتے ہیں) جن لوگوں نے شیطان کے بہکانے اور ورغلانے اور گناہوں کو اچھا کر کے دکھانے کی طرف توجہ نہ کی اللہ ہی پر بھروسہ رکھا شیطان کا ان پر قابو نہیں چلتا اس کا قابو انہی لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں یعنی اس سے محبت کرتے ہیں اس کی بات مانتے ہیں اور اس کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔

شیطان اور اس کا اتباع کرنے والے دوزخ میں ہوں گے: آخر میں فرمایا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (اور بلاشبہ ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے) یعنی جو لوگ تیرا اتباع کریں گے وہ سب دوزخ میں داخل ہوں گے، سورہ ص میں ہے کہ جب ابلیس نے کہا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (میں تجھ سے اور جو لوگ تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا) ابلیس تو اپنے تکبر کی وجہ سے جہنم میں جانے کو تیار ہی ہے لیکن بنی آدم پر افسوس ہے کہ وہ اپنے اس دشمن کی باتوں پر چلتے ہیں جس نے انہیں گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی، ابلیس تو اپنی قسم پر جما ہوا ہے لیکن بنی آدم جو اس کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں اور اس کے پیروکار بنے ہوئے ہیں وہ ذرا سی لذت کی وجہ سے جو گناہوں میں محسوس ہوتی ہے اپنی جانوں کو دوزخ میں گھسیٹ دیتے ہیں، دشمن کی بات مانتے ہیں اور خالق و مالک جل مجدہ کی نصیحت پر عمل کرنے کو تیار نہیں، عجیب بات ہے کہ بنی آدم میں سے جو شخص دشمن ہو جائے اسے تو دشمن سمجھتے ہیں اور ابلیس کے ساتھ دشمن والا معاملہ نہیں کرتے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بار بار عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (کھلا ہوا دشمن) فرمایا ہے۔

دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے حصہ مقسوم ہے

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ (دوزخ کے سات دروازے ہیں) بعض حضرات نے سات دروازں سے سات دروازے ہی مراد لئے ہیں چونکہ دوزخ میں داخل ہونے والے بہت بھاری تعداد میں ہوں گے ان سب کے لئے ایک دروازہ کافی نہ ہوگا اس لئے سات دروازے رکھے گئے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کے سات دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے ہے جو میری امت کو قتل کرنے کے لئے (نیام سے) تلوار نکالے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۶ از ترمذی)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سات دروازوں سے سات طبقات مراد ہیں چونکہ ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ دروازہ ہوگا اس لئے سات دروازوں سے تعبیر فرمایا، طبقے عذاب کے اعتبار سے مختلف ہوں گے جو شخص جیسے عذاب کا مستحق ہوگا اسی کے اعتبار سے اپنے متعلقہ طبقہ میں داخل ہوگا۔

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (ہر دروازہ کے لئے ان میں سے ایک ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت سے عذاب کے مرتبوں کے اعتبار سے جہنم میں داخل ہونے والے اپنے اپنے مقررہ دروازہ سے داخل ہوں گے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں (ص ۵۳ ج ۱۴) کہ ایک دروازہ ان مسلمانوں کے لئے ہے جو گناہوں کی وجہ سے

مستحق عذاب ہوئے اور ایک دروازہ یہودیوں کے لئے ہے اور ایک نصاریٰ کے لئے اور ایک صائبین کے لئے اور ایک مجوس کے لئے اور ایک مشرکین کے لئے اور ایک منافقین کے لئے ہے' علامہ قرطبی نے بھی یہ بات ذکر کی ہے اور اسے ضحاک (مفسر) کی طرف منسوب کیا ہے لیکن حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہے' کوئی فرد یا کوئی جماعت کسی بھی دروازے سے داخل ہو بہر حال جہنم کا عذاب بہت سخت ہے گو فرق مراتب ہو گا لیکن جہنم سے بچنے کے لئے اتنا فکر کرنا کافی ہے کہ وہاں آگ کا عذاب ہے اور آگ بھی وہ ہے جو دنیا والی آگ سے انہتر (۶۹) درجہ زیادہ گرم ہے (کمارواہ البخاری)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ
بلاشبہ تقویٰ اختیار کرنے والے باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے' تم اس میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ' اس حالت میں کہ امن سے رہنے والے ہو' اور ہم وہ
صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ
کینہ نکال دیں گے جو ان کے سینوں میں تھا' بھائی بھائی بن کر رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے' انہیں وہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ
مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ
وہاں سے نکالے جائیں گے' آپ میرے بندوں کو خبر دے دیجئے کہ بلاشبہ میں غفور ہوں رحیم ہوں اور بلاشبہ میرا عذاب وہ
الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾
دردناک عذاب ہے

متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے
سلامتی کے ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہو گا

تفسیر: گزشتہ آیت میں دوزخ کا اور اس کے دروازوں کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ دوزخ میں ابلیس کا اتباع کرنے والے داخل ہوں گے' اب یہاں ان آیات میں اہل جنت اور ان کی بعض نعمتوں کا ذکر ہے' جنت والے کون ہیں؟ یہ متقی حضرات ہیں تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں کفر شرک سے بچنا سب سے بڑا تقویٰ ہے' کبیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ میں شامل ہے مکروہات سے بچنا اور مشتبہات سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے جنت میں کوئی کافر و مشرک تو جا ہی نہیں سکتا مسلمان اپنے اپنے تقویٰ کے اعتبار سے جنت کے درجات میں داخل ہوں گے دار النعیم جس میں اہل ایمان داخل ہوں گے اس کا نام جنت ہے اور اسے بہشت بھی کہا جاتا ہے پھر اس میں بہت سے باغیچے ہوں گے اس لئے بہت سی جگہ لفظ جَنّٰتٍ جمع کے ساتھ وارد ہوا ہے یہاں بھی لفظ جَنّٰتٍ آیا ہے اور اس کے ساتھ لفظ عُیُوْن

بھی ہے جو عین کی جمع ہے، عین عربی میں چشمہ کو کہتے ہیں جنت میں باغ بھی ہوں گے اور چشمے بھی ہوں گے اور متعدد آیات میں جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وارد ہوا ہے، یعنی ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہرے بھرے باغ درختوں پر پھل ہوں گے اہل جنت کے قریب لٹکے ہوئے ہوں گے چشمے اور نہریں جاری ہوں گی اور ان کے سوا کثیر تعداد میں دیگر انمول اور بے مثال نعمتیں ہوں گی اور ان سب سے زیادہ بڑھ کر اللہ کی رضا حاصل ہوگی اس میں داخل ہوں گے سلامتی کے ساتھ رہیں گے اور سلامتی کے ساتھ، پرامن بے خوف، ہوں گے نہ کوئی خوف ہوگا نہ نعمتیں چھینے جانے کا اندیشہ ہوگا، آپس میں نہ بغض نہ حسد نہ دشمنی نہ مخالفت نہ مخاصمت، سب بھائیوں کی طرح ایک دل ہو کر رہیں گے، دنیا میں جو آپس میں کسی وجہ سے کوئی کھوٹ، کینہ اور دشمنی تھی وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پہلے نکال دی جائے گی صحیح بخاری میں ہے کہ **قلوبهم على قلب رجل واحد لا اختلاف بينهم ولا تباغض** یعنی ان سب کے دل ایسے ہوں گے جیسے ایک ہی شخص کا دل ہو نہ آپس میں کوئی اختلاف ہوگا اور نہ بغض ہوگا، مفسر ابن کثیر نے (ص ۵۵ ج ۲) حضرت ابوامامہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جنت میں کوئی مومن اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک اس کے سینہ سے کھوٹ کپٹ کر نہ نکال دیا جائے جیسے حملہ کرنے والا درندہ ہٹایا جاتا ہے اسی طریقے سے مومن کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا۔

اہل جنت تکیہ لگائے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ جو فرمایا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہ جنت میں اس طرح رہیں گے کہ ایک دوسرے کی پشت نہ دیکھیں گے ان کے تخت گھومنے والے ہوں گے وہ جن حالات میں بھی ہوں گے آپس میں آمنے سامنے ہی ہوں گے، اور ان کے تخت ان کو لے کر اس طرح گھوم رہے ہوں گے کہ جب بھی مجتمع ہوں گے متقابل ہی رہیں گے یعنی آمنا سامنا ہی رہے گا۔

جنت میں کوئی تکلیف نہ ہوگی نہ وہاں سے نکالے جائیں گے

سورہ واقعہ میں فرمایا عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِئِیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ایسے تختوں پر ہوں گے جو سونے کے تاروں سے بنے ہوں گے ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ پھر فرمایا لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ یعنی اہل جنت کو جنت میں کسی طرح کی کوئی تکلیف جسمانی روحانی ظاہری باطنی نہ پہنچے گی ہر طرح کے دکھن تھکن رنج و غم سے محفوظ ہوں گے ہر چیز خواہش کے موافق ہوگی وہاں ہمیشہ رہیں گے کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے بھرپور نعمتوں میں ہوں گے نعمتوں کے چھن جانے کا یا وہاں سے نکالے جانے کا کبھی کوئی خطرہ نہ ہوگا۔

سورہ فاطر میں فرمایا وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا

دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہم سے غم دور فرما دیا' بلاشبہ ہمارا رب بخشنے والا ہے قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے رہنے کے مقام میں اتارا اس میں ہمیں نہ کوئی تھکن پہنچے گی اور نہ ہمیں کوئی خستگی پہنچے گی)۔

اہل دوزخ کے عذاب اور اہل جنت کی نعمتیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ بلاشبہ میں غفور ہوں رحیم ہوں)

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (اور بلاشبہ میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے) صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اوپر جنت میں جانے والے جن متقیوں کا ذکر ہے ان سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو بالکل ہی گناہوں سے پاک صاف ہوں متقیوں سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں لہٰذا اس آیت میں یہ بتا دیا ہے کہ متقی تو جنت میں ہوں گے ہی مومن گناہ گار بھی جنت میں جائیں گے اگرچہ توبہ کئے بغیر ہی مر گئے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے (البتہ گناہوں سے بچتے رہیں اور مغفرت کا بھروسہ کر کے گناہوں میں ترقی نہ کریں اور توبہ میں دیر نہ لگائیں کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان تو ہے ہی گناہوں پر عذاب دینے کا بھی اسے اختیار ہے اور اس کا عذاب دردناک ہے) بہت سے اہل ایمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں سزا بھگتیں گے اس کے بعد جنت میں جائیں گے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے لہٰذا گناہوں سے بچتے رہیں گناہ ہو جائے تو جلدی توبہ کر لیا کریں۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ

اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کی بھی اطلاع دے دیجئے جب وہ ان پر داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا' ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ ہم تو تم سے

وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي

ڈر رہے ہیں انہوں نے کہا ڈرو مت بے شک ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی بشارت دے رہے ہیں جو صاحب علم ہوگا ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دے رہے ہو

اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا ہے سو تم کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں امر واقعی کی بشارت دی ہے سو تم ناامیدوں میں سے

الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

مت ہو جاؤ' ابراہیم نے کہا اور اپنے رب کی رحمت سے ان لوگوں کے سوا کون ناامید ہوگا جو گمراہ ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ‘ ان سے خوفزدہ ہونا اوران کا بیٹے کی بشارت دینا

تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر ہے‘ یہ مہمان اللہ جل شانہٗ کے بھیجے ہوئے فرشتے تھے جو اس لئے بھیجے گئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیں اور اس پر بھی مامور تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیں‘ اس کا مفصل تذکرہ سورہ ھود (ع ۷) میں گزر چکا ہے اور سورہ ذاریات میں بھی مذکور ہے‘ اور سورہ عنکبوت رکوع ۴ میں بھی ہے جب یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور اندر داخل ہو گئے تو انہوں نے سلام کیا‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا (جیسا کہ سورہ ھود اور سورہ ذاریات میں تصریح ہے) یہ فرشتے چونکہ انسانوں کی صورتوں میں تھے اور اس سے پہلے ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لئے اول تو یوں فرمایا کہ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ یعنی یہ حضرات ایسے ہیں جن سے کوئی جان پہچان نہیں‘ اور چونکہ انہیں انسان سمجھا تھا اس لئے ایک موٹا تازہ بچھڑا بھنا ہوا ضیافت کے طور پر ان کے سامنے لا کر رکھ دیا‘ وہ فرشتے تھے جو کھاتے پیتے نہیں ہیں اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے جب یہ ماجرا دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مزید توحش ہوا اور اپنے دل میں ان کی طرف سے ڈر محسوس کرنے لگے اور صرف دل میں ہی نہیں زبان سے بھی اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں) فرمایا مہمانوں نے کہ آپ ڈریئے نہیں ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت زیادہ ہو چکی تھی خود بھی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھی جیسا کہ سورہ ھود میں مذکور ہے‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے اس حالت میں بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو یہ کیسی بشارت دے رہے ہو اس بشارت کا ظہور کس طرح ہوگا چونکہ بات اس انداز سے فرمائی تھی جس میں استفہام انکاری کی جھلک تھی اس لئے فرشتوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے آپ کو امر واقعی کی بشارت دی ہے (گو ظاہری اسباب عادیہ کے اعتبار سے اچھنبے کی سی بات ہے لیکن جس نے بشارت بھیجی ہے اس کے لئے کچھ مشکل نہیں) لہٰذا آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو امید نہیں رکھتے‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی کے طور پر میرا سوال نہیں ہے بلکہ اس اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا ہے اس لئے یہ سوال زبان پر آ گیا کہ اب اس حالت میں اولاد کس طرح سے ہوگی یہ بشارت حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بعد ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں تھی جیسا کہ سورہ ھود میں مذکور ہے سورہ صافات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے دعا کی تھی کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (کہ اے میرے رب مجھے صالحین میں سے ایک فرزند عطا فرما دے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (کہ ہم نے

انہیں حلم والے فرزند کی بشارت دی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ سورہ صافات کی مذکورہ آیت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی ہے اور سورہ ھود اور سورہ حجر اور سورہ ذاریات میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری ہے اس پر مزید بحث ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ صافات کی تفسیر میں آئے گی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ

ابراہیم نے کہا کہ اے بھیجے ہوئے فرشتو تمہارا آنا کس اہم کام کے لئے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلاشبہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر آل لوط کا خاندان

اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ

بلاشبہ ہم ان سب کو بچالینے والے ہیں سوائے ان کی بیوی کے ہم نے اس کے بارے میں تجویز کر رکھا ہے کہ بلاشبہ وہ مجرمین میں رہ جانے والی ہے سو جب وہ بھیجے ہوئے فرشتے

اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ

خاندان لوط کے پاس آئے تو کہنے لگے بے شک تم تو اجنبی آدمی ہو انہوں نے کہا کہ نہیں! بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ

يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ

شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں اور ہم سچے ہیں سو آپ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے اور آپ

اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ

ان کے پیچھے ہو لیجئے اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے پھر کے نہ دیکھے اور تمہیں جس جگہ جانے کا حکم ہوا ہے اسی طرف چلے جانا، اور ہم نے لوط کے پاس

الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

اپنا حکم بھیج دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کٹ جائے گی، اور شہر کے لوگ خوش ہوتے ہوئے پہنچے

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ

لوط نے کہا بے شک یہ میرے مہمان ہیں سو تم مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو، لوگوں نے جواب میں کہا کیا

نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ

ہم نے آپ کو دنیا جہان کے لوگوں سے منع نہیں کیا؟ لوط نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہی ہے، آپ کی جان کی قسم بے شک وہ

سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا

اپنی مستی میں اندھے بن رہے تھے، سو سورج نکلتے وقت انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا سو ہم نے اس کے اوپر کے حصہ کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿۷۴﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿۷۵﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ

ان پر کنکر کے پتھر برسا دیئے' بلا شبہ اس میں بصیرت رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور بلا شبہ ان کی یہ بستیاں

مُّقِيمٍ ﴿۷۶﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۷۷﴾

ایک شاہراہ عام پر پڑتی ہیں' بلا شبہ اس میں اہل ایمان کے لئے نشانی ہے

یہ مہمان فرشتے تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے کر فرشتوں کا حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنا

تفسیر : یہ فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد یہ کام بھی کیا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیں ان کی ہلاکت کا قصہ سورہ اعراف اور سورۂ ھود میں گزر چکا ہے ان لوگوں کو یہ عادت بد پڑی ہوئی تھی کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرتے تھے سورہ عنکبوت میں ہے کہ جب ان کو عذاب آنے کی وعید سنائی جاتی تھی تو اس پر یقین نہیں کرتے تھے اور نصیحت کا الٹا اثر لیتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے اِئْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (ہمارے پاس اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے) اب جب فرشتے عذاب لے کر آئے تو پہلے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے چونکہ ان کی صورتیں نئی نئی تھیں کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے انہوں نے بھی وہی بات کہی جو ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلی تھی کہ تم لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہو' فرشتوں نے کہا کہ ہم آدمی نہیں ہیں بلکہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں عذاب لے کر آئے ہیں اور یہ وہی عذاب ہے جس میں یہ لوگ شک کیا کرتے تھے' عذاب لے کر آنا اور عذاب کا واقع ہونا یہ سب امر حقیقی ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری بات اور ہماری خبر سچی ہے اور اس عذاب سے ہم تمہیں اور تمہارے سارے خاندان کو نجات دے دیں گے البتہ تمہاری بیوی ہلاکت سے اور عذاب سے نہ بچے گی اسے بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس کی قوم کو پہنچنے والا ہے اب آپ ایسا کریں کہ رات کے کسی حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ ان کے پیچھے ہو لیں (تاکہ کوئی رہ نہ جائے اور لوٹ کر واپس بھی نہ آئے) اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور تمہیں جس جگہ جانے کا حکم ہوا ہے اسی طرف چلے جاؤ' روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اردن کا علاقہ مراد ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور ہلاکت: یہ فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے یہ خوبصورت انسانوں کی شکلوں میں تھے اور چونکہ وہ اس بستی کے رہنے والوں میں نہ تھے (اور بستی والے باہر سے آنے والے لوگوں کو اپنے برے مقصد کے لئے استعمال کرتے تھے) اس لئے بری نیت کے ساتھ خوش ہوتے ہوئے پہنچے تاکہ ان مہمانوں سے اپنا کام نکالیں' حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں تم میری فضیحت نہ کرو اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوانہ کرو وہ لوگ اپنی بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں کو مہمان بنانے سے منع نہیں کر چکے ہیں' ہمارے اور آنے والے لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئیں آپ کو کیا ضرورت ہے کہ باہر کے آنے والوں کو مہمان بنائیں نہ آپ مہمان بناتے نہ آپ کے رسوا ہونے کی نوبت آتی' حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی شہوت کو پوری کرنے کے لئے ان بیہودہ حرکتوں کی کیا ضرورت ہے یہ میری بیٹیاں (قوم کی لڑکیاں) ہیں تم ان حلال طریقے سے قضاشہوت کا کام نکالو ان لوگوں نے کہا ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب نہیں تمہیں معلوم ہے ہم کیا چاہتے ہیں (کما مرفی سورۃ ھود علیہ السلام) فرشتوں نے کہا کہ آپ تھوڑا سا صبر کریں صبح ہوتے ہی یہ لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے رات کے وقت نکل گئے بیوی وہیں رہ گئی۔ جب سورج نکلا تو ایک سخت آواز آئی جو بہت کرخت تھی پھر اوپر سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیلؑ نے زمین کو اوپر اٹھایا اور زمین کا تختہ الٹ دیا' زمین کے اوپر کا حصہ نیچے ہو گیا اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا جس سے لوگ دب گئے اور مزید یہ ہوا کہ لگاتار مسلسل پتھر برسا دیئے گئے یہ پتھر سجیل کے تھے سورۂ ھود اور سورۂ حجر میں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا اور سورۂ ذاریات میں حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ فرمایا ہے دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ اُن لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے وہ یہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑے نہیں تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے جاتے ہوں جس کا ترجمہ ''کنکر'' کیا گیا ہے۔

یہ لفظ سنگ اور گل سے مرکب ہے سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کو اگر پکایا جائے تو اس سے پتھر کی طرح ایک چیز بن جاتی ہے۔ سورہ ھود میں سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ فرمایا ہے یعنی ان پر پتھروں کی جو بارش کی گئی جو لگاتار گر رہے تھے آیات قرآنیہ کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا' ان کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا' اور ان پر پتھر بھی برسا دیئے گئے ان بستیوں کو سورۃ براءۃ میں اَلْمُؤْتَفِكَاتِ (یعنی الٹی ہوئی بستیاں فرمایا ہے) اور سورۂ نجم میں فرمایا ہے وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى (اور الٹی ہوئی بستیوں کو پھینک مارا پھر ان بستیوں پر وہ چیز چھا گئی جو چھا گئی) یعنی اوپر سے پتھر برسنا شروع ہوئے۔

حضرت لوط علیہ السلام مومنین کو لے کر راتوں رات بستیوں سے نکل چکے تھے جو عذاب آیا وہ کافروں پر آیا ان کی

بیوی کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی تھی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور ہلاکت والوں میں شریک ہوگئی ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔

یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زمین الٹ دی گئی تو وہ اسی سے مر گئے ہونگے پھر پتھر کیوں برسائے گئے؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ بستیوں سے باہر تھے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی۔

یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں ان کو الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بحر میت پیدا فرما دیا جو آج بھی موجود ہے یہ پانی بدبودار ہے اس سے انسانوں کو یا کھیتیوں کو نفع نہیں ہوتا اور یہ پانی انہیں بستیوں کی حدود میں ہے کسی دوسری جگہ سے نہیں آتا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں جن کی الٹی ہوئی بستیوں پر گزرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بلاشبہ اس میں بصیرت والوں کے لئے نشانیاں ہیں' بلاشبہ یہ بستیاں شاہراہ عام پر پڑتی ہیں' بےشک اس میں اہل ایمان کے لئے نشانی ہے)

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یہ جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی اس میں بصیرت والوں کے لئے نشانیاں ہیں کہ کفر اور فعل بد کا برا نتیجہ ہے اور ایمان اور طاعت باعث نجات ہے' پھر یہ فرمایا کہ یہ بستیاں ایک عام شاہراہ پر پڑتی ہیں' اہل عرب جب شام کو جاتے ہیں تو ان الٹی ہوئی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہ کرنا بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے' اس کے بعد مزید توجہ دلائی اور عبرت کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی نشانی ہے' جس نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی وہ عبرت کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا اہل ایمان ہی نصیحت قبول کرتے ہیں' اور مانتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں'

سورہ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے وَاِنَّکُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ وَبِالَّیْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل عرب تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں بھی پڑتی تھیں جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گزر رہتا تھا ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں اور بدکاروں کا کیا انجام ہوا تم وہاں سے گزرتے ہو اور الٹی ہوئی بستیاں دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے کیا بالکل ہی سمجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو' قرآن مجید کا بیان سامنے ہے تاریخوں میں بھی واقعہ موجود ہے لیکن عبرت کا نام نہیں' کفر کی وجہ سے اور مردوں سے

قضاء شہوت کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا' اب یورپ کی اقوام کو دیکھ لو جو مہذب سمجھی جاتی ہیں ہلاکت کے دھارے پر ہیں کافر تو ہیں ہی زنا کاری ان میں عام تھی ہی اب مردوں سے قضاء حاجت کرنے کا رواج بھی عام ہو گیا ہے اور حکومتوں نے قانونی طور پر اس کو جائز قرار دے دیا ہے۔ فانتظروا انا منتظرون۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا اعزاز'

اللہ جل شانہ نے آپ کی جان کی قسم کھائی ہے

اللہ تعالیٰ شانہ' نے لَعَمْرُکَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ جو فرمایا ہے اس میں اپنے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم کھائی ہے صاحب روح المعانی ص ۲۷ ج ۱۴ نے امام بیہقی کی دلائل النبوۃ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے بڑھ کر کوئی معزز و مکرم جان پیدا نہیں فرمائی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات کے علاوہ کسی کی بھی حیات کی قسم نہیں کھائی' یہاں سرسری طور پر جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا تو ممنوع ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی قسم کیوں کھائی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ تو مخلوق کے لئے منع ہے وہ غیر اللہ کی قسم کھائیں گے تو شرک ہو گا اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے اس پر کسی بات کی کوئی پابندی نہیں ہے اس کو اختیار ہے جس کی چاہے قسم کھائے اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اگر وہ کسی کی قسم کھائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر عظمت والی ہو گئی یا اللہ تعالیٰ کے برابر ہو گئی یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم کھائی اور قرآن مجید میں بہت سے مواقع میں دوسری چیزوں کی قسمیں بھی مذکور ہیں جیسے وَالزَّیْتُوْنِ اور وَالذّٰرِیٰتِ اور وَالْعٰدِیٰتِ اور وَالسَّمَآءِ اور وَالطَّارِقِ وغیر ذٰلک حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے ان میں وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے میں بہت زیادہ واضح ہیں یا ان کا نفع خوب زیادہ ہے یا جن میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ذہن جلدی پہنچتا ہے اگر غور کیا جائے گا تو یہ امر واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گا۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ
اور بلا شبہ ایکہ والے ظلم کرنے والوں میں سے تھے سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور بلا شبہ یہ دونوں بڑی شاہراہ پر
مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾
پڑتی ہیں

حضرت لوط علیہ السلام اور اصحاب الایکہ کی بستیاں شاہراہ عام پر واقع ہیں، اصحاب الایکہ ظالم تھے اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہلاک کئے گئے

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کی ہلاکت اور بربادی کے تذکرہ کرنے کے بعد اس آیت میں اصحاب الایکہ کے ظلم اور ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ''ایکہ'' اس جنگل کو کہتے ہیں جس میں درخت آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں اصحاب الایکہ جس علاقہ میں رہتے تھے وہاں درخت ہی درخت تھے اسی لئے بعض حضرات نے اصحاب الایکہ کا ترجمہ بن والوں سے فرمایا ہے ان بن والوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ اصحاب مدین کی طرف بھی ان کی بعثت ہوئی تھی یہ دونوں قومیں ناپ تول میں کمی کرتی تھیں حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں کو سمجھایا دونوں قومیں ایمان نہ لائیں اور عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئیں اصحاب مدین کی ہلاکت اور عذاب کا تذکرہ سورہ اعراف (رکوع ۹) اور سورہ ھود (رکوع ۹) میں گزر چکا ہے اور سورہ شعراء (رکوع ۱۰) میں اصحاب الایکہ جواب اور عذاب کی فرمائش مذکور ہے' ان کی ہلاکت اور عذاب کا ذکر فرماتے ہوئے سورۂ شعراء میں فرمایا فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (سو انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پھر ان کو سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا بلاشبہ وہ بڑے دن کا عذاب تھا) جب ان لوگوں پر عذاب آنے والا تھا تو یہ لوگ سخت گرمی میں مبتلا ہوئے دور سے ایک بادل نظر آیا جس کی وجہ سے نیچے سایہ معلوم ہوا جلدی جلدی دوڑے ہوئے اس کے سایہ میں پہنچ گئے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات دن تک ان لوگوں پر گرمی کو مسلط فرمایا پھر ایک بادل بھیجا ان لوگوں نے اس کے سایہ میں راحت تلاش کرنے کے لئے پناہ لے لی جب وہاں جمع ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی جس نے انہیں جلا کر راکھ کر دیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والی بستیاں اور اصحاب الایکہ شاہراہ عام پر واقع ہیں

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ اور بلاشبہ یہ دونوں قومیں یعنی قوم لوط علیہ السلام اور اصحاب الایکہ ایک آباد واضح شاہراہ پر ہیں۔ یہ وہی شاہراہ ہے جس پر قافلے چلتے تھے اور اہل مکہ ان قافلوں میں شامل ہو کر شام کو جایا کرتے ہیں راستہ میں یہ بستیاں پڑتی ہیں مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اصحاب الایکہ کا زمانہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد ہی تھا زمانہ بھی قریب تھا اور علاقہ بھی' جہاں وہ لوگ رہتے تھے وہ علاقہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کے مقابل تھا اس طرح سے شاہراہ عام کے دوسری طرف اصحاب الایکہ کا بن تھا' جو لوگ ان کی ہلاکت کے بعد سے اس شاہراہ پر گزرتے رہے ہیں اور اب

بھی سفر کرتے ہیں ان کے لئے جائے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾

اور بلا شبہ حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں نشانیاں دیں سو وہ ان سے روگردانی کرنے والے ہوگئے

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا اٰمِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾

اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے' امن کے ساتھ رہتے تھے' سو ان کو صبح صبح چیخ نے پکڑ لیا'

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾

سو ان کو اس چیز نے کچھ کام نہ دیا جسے وہ کسب کرتے تھے

اصحاب الحجر کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب

تفسیر: ان آیات میں اصحاب الحجر کی تکذیب پھر ان کی تعذیب کا ذکر ہے اصحاب الحجر سے قوم ثمود مراد ہے یہ لوگ وادی حجر میں رہتے تھے قوم عاد کی بربادی کے بعد یہ لوگ زمین میں بسے اور پھلے پھولے طاقت ور بھی بہت تھے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے' سورہ الفجر میں فرمایا وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (اور قوم ثمود کے ساتھ تیرے رب نے کیا معاملہ کیا جنہوں نے وادی میں پتھروں کو کاٹا) اس بات کو یہاں سورہ حجر میں یوں نقل فرمایا ہے وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا اٰمِنِينَ (اور وہ لوگ پہاڑوں سے تراش کر گھر بنا لیتے تھے امن وامان سے رہتے تھے) ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا سارے نبیوں کے جھٹلانے کے مترادف ہے (کیونکہ تمام پیغمبروں کی دعوت ایک ہی ہے) اس لئے یوں فرمایا کہ اصحاب الحجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا' ان کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام نے توحید کے دلائل پیش کئے اور ان کا منہ مانگا معجزہ بھی ظاہر ہو گیا (یعنی پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی جسے ان لوگوں نے مار ڈالا) لہٰذا ایک دن صبح صبح ان پر عذاب آ گیا' یہاں سورہ حجر میں فرمایا ہے کہ ان کو چیخ نے پکڑ لیا اور سورہ ھود میں بھی یہی فرمایا ہے اور سورہ اعراف میں فرمایا ہے وَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ان کو سخت زلزلہ نے پکڑ لیا لہٰذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے) اور سورہ حم سجدہ میں فرمایا ہے فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ (سو انہیں ایسی سخت آواز نے پکڑ لیا جو اوپر سے سنائی دی جاتی ہے وہ سراپا ذلت کا عذاب تھی) تینوں جگہ کی آیات ملانے سے معلوم ہوا کہ رجفة (زلزلہ) صيحة (سخت چیخ) صاعقة (وہ سخت آواز جو اوپر سے سنائی دے) قوم ھود پر تینوں طرح کا

عذاب آیا، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صاعقة سے مطلق عذاب مراد ہے اگر یہ معنی لیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ صیحة کو صاعقہ سے تعبیر فرما دیا اور بمعنی عذاب مراد لے لیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یہ لوگ بڑے غور و فکر سے رہتے تھے دنیا پر دل دیئے ہوئے تھے اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اس لئے آخر میں فرمایا فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (سو ان کے کچھ کام نہ آیا وہ جو کچھ کسب کرتے تھے) قوم ثمود کا مفصل واقعہ سورہ اعراف (رکوع ۸) کی تفسیر میں گزر چکا ہے (انوار البیان ج ۳)۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ، اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے، سو آپ
الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝۸۵ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۶
خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے، بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق ہے اور بڑا عالم ہے

اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکمت کے موافق پیدا فرمایا ہے

تفسیر: آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، حق کے ساتھ پیدا فرمانے کا یہ مطلب ہے کہ ان کی پیدائش حکمت کے موافق ہے عبرت کے لئے ہے ان کی تخلیق میں خالق تعالیٰ شانہ، کی توحید پر دلائل ہیں اور ان کا وجود معرفت حاصل کرنے کے لئے ہے جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (عقل والے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ نے یہ سب بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا) صاحب روح المعانی نے ص ۷۷، ج ۱۴ آیت کا مطلب بتاتے ہوئے اس انداز سے بات کی ہے کہ ماسبق سے بھی ارتباط ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں ای الاخلقا متلبسا بالحق والحکمة بحیث لا یلائم استمرار الفساد و استقرار الشرور، وقد اقتضت الحکمة اهلاک امثال هؤلاء دفعاً لفسادهم وارشادا لمن بقی الی الصلاح (یعنی مگر آپ نے مخلوق کو حق و حکمت کے ساتھ پیدا کیا اس طرح کہ وہ پیدائش فساد کے قائم رہنے اور شرور کے موجود رہنے کے لئے مناسب نہیں ہے لہذا حکمت ان لوگوں کے فساد کو رفع کرنے اور باقی لوگوں کی صحیح رہنمائی کے لئے ان کے ہلاک کرنے کا تقاضا کرتی ہے) مطلب یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے حکمت کا تقاضا ہے کہ دنیا میں شر اور فساد جگہ نہ پکڑ لیں اور فساد ہمیشہ نہ ہوتا رہے، حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جن لوگوں کا پہلے ذکر ہوا ہے ان جیسوں کو ہلاک کر کے فساد کو رفع کر دیا جائے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ہدایت ہو جائے جو ان سے عبرت حاصل کریں اور اصلاح کی راہ پر چلیں۔

صاحب روح المعانی نے بعض حضرات سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الحق سے عدل مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسی لئے پیدا کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عدل

اور انصاف کے ساتھ جزاء دے لوگ آسمان اور زمین کے درمیان رہیں گے اور اچھے برے اعمال کریں گے تو قیامت کے دن اس کی جزا پالیں گے۔

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ (اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے) جو لوگ کفر پر مر گئے خواہ عذاب سے ہلاک ہوئے ہوں خواہ بلا عذاب موت آئی ہو ان سب کو اور ہر نیک و بد کو قیامت کے دن حاضر ہونا ہے جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی وہ وہاں بھی سزا پالیں گے اس میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ قیامت کے دن ان سے بدلہ لے لیا جائے گا۔

مزید فرمایا فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (کہ آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے) علماء نے فرمایا ہے کہ صفح جمیل ایسے درگزر کرنے کو کہتے ہیں جس میں ملامت اور عتاب نہ ہو بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے قتال کا حکم آنے سے پہلے درگزر کرنے کا حکم تھا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسن خلق اور بردباری اور مدارات کے ساتھ ان کو دعوت دیتے رہیں حکمت و موعظت حسنہ' حلم اور خوش خلقی کے ساتھ دعوت دیتے رہنا اپنی جگہ محمود چیز ہے لہٰذا منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں پھر فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (بلاشبہ آپ کا رب بڑا خالق ہے بڑا عالم ہے) اسے سب کا حال معلوم ہے تکذیب کرنے والوں کا جھٹلانا اور آپ کا صبر کرنا اسے اس سب کا علم ہے وہ مخالفین کو مخالفت کی سزا دے گا اور آپ کو اجر و ثواب اور رفع درجات سے نوازے گا آپ تمام امور اسی کے سپرد کیجئے اور غمگین نہ ہوئیے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ

اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا' آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھائیے

اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی ہیں' اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور ایمان والوں کے لئے اپنے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾

بازوؤں کو جھکائے رہیے اور آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کہ ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا

تفسیر: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے وہ دنیا دار تھے اور مالدار تھے کھاتے پیتے لوگ تھے اللہ جل شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو اول تو اپنی ایک بہت بڑی نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ عطا کیں

اور قرآن عظیم عطا کیا، سبع سات کو کہتے ہیں اور مثانی جمع ہے مثنی کی جو چیز بار بار مذکور ہو اسے مثنی کہتے ہیں یہاں سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ سے سورہ فاتحہ مراد ہے اس میں سات آیات ہیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں اور القرآن العظیم سے سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن مجید مراد ہے اللہ جل شانہ نے بطور امتنان فرمایا کہ ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ دی اور اس کے سوا باقی قرآن عطا کیا آپ لوگوں کی تکذیب کی پر نظر نہ کریں، ہم نے جو نعمت دی ہے اور آپ پر جو مہربانی کی ہے اس کے سامنے منکرین کی تکذیب کی کچھ بھی حیثیت نہیں ہے، آپ نعمت عظیمہ پر خوش ہوں، ان کے عناد اور بے التفاتی کی طرف التفات نہ کریں۔

اہل دنیا کے اموال وازواج کی طرف نظریں نہ پھیلائیں: پھر فرمایا لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف نہ بڑھایئے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی ہیں) یعنی آپ کو جو کتاب اللہ کی نعمت دی گئی ہے وہ بہت بڑی نعمت ہے اس کے سامنے منکرین کے اموال اور زیب و زینت کی کوئی حیثیت نہیں آپ ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں بظاہر نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے لیکن حقیقت میں آپ کی امت کو خطاب فرمایا ہے آپ کے توسط سے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم عطا فرمایا ہے اس نعمت کے سامنے دنیاوی اموال اور زیب و زینت ہیچ ہے، ان منکرین کے دنیاوی سامان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں سورہ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں جو ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو متمتع کرنے کے لئے دی ہیں جو دنیاوی زندگی کی رونق ہیں تاکہ ہم انہیں آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے) جو چیز فتنہ میں ڈالنے کے لئے ہے وہ نعمت نہیں ہوسکتی لہٰذا کافروں کے اموال کو دیکھنا اور ان کی طرف آنکھیں پھیلانا اہل ایمان کا شیوہ نہیں مزید فرمایا وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ (اور آپ ان پر غم نہ کیجئے) آپ کا کام پہنچا دینا ہے منکرین انکار کریں عناد پر کمر باندھے رہیں تو انہیں اس کی سزا مل جائے گی آپ اس غم میں نہ پڑیں کہ یہ ایمان قبول نہیں کرتے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازوؤں کو جھکائے رہیے) بازوؤں کو جھکا کر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجئے جن لوگوں نے ایمان قبول کرلیا وہ رحمت اور شفقت کے مستحق ہیں کافروں پر غم کھانے کی بجائے اہل ایمان پر توجہ دی جائے تاکہ وہ اور زیادہ ایمان کے قدردان ہوں اور مزید بشاشت کے ساتھ اعمال ایمان کو انجام دیں۔

وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ (اور آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں) میرا کام اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچانا اور حکم کی مخالفت پر جو عذاب آئے گا اس سے ڈرانا ہے میرا ڈرانا واضح ہے کھلم کھلا ہے جو نہ مانے گا اپنا ہی برا کرے گا

قال صاحب الروح ای المنذر الکاشف نزول عذاب اللہ تعالیٰ ونقمۃ المخوفۃ بمن لم یومن۔(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی ایمان نہ لانے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نزول سے اور خوفناک انتقام سے واضح طور پر ڈرانے والا)

كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى ٱلْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ ٱلَّذِينَ جَعَلُوا۟ ٱلْقُرْءَانَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ

جیسا کہ ہم نے ان لوگوں پر نازل کیا جنہوں نے قرآن کے مختلف اجزاء بنالئے تھے، سو آپ کے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور

أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَٱصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾

باز پرس کرلیں گے، جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اسے خوب صاف طریقے پر بیان کر دیجئے، اور مشرکین سے اعراض کیجئے

إِنَّا كَفَيْنَٰكَ ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ﴿٩٥﴾ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

بلاشبہ جو لوگ ہنسی کرنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں ان کی طرف سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں سو وہ عنقریب جان لیں گے

سابقہ امتوں نے اپنی کتابوں کے اجزاء بنار کھے تھے

تفسیر: امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائی تھیں ان لوگوں نے ان کے مختلف اجزاء کر لئے تھے یعنی بعض پر ایمان لاتے تھے بعض کے منکر ہو جاتے تھے اور ان میں تحریف وتبدیل بھی کرتے تھے ان تقسیم کرنے والوں کو اَلْمُقْتَسِمِیْنَ سے تعبیر فرمایا اور جو کتابیں ان پر نازل ہوئی تھیں ان کو قرآن سے تعبیر کیا لفظ قرآن فُعلان کا وزن ہے جو قرء یقرء سے ماخوذ ہے ہر وہ چیز جو پڑھی جائے وہ قرآن ہے یہ اس کا لغوی معنی ہے اور امت حاضر کی اصطلاح میں لفظ قرآن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا علم ہے یعنی مخصوص نام ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، آیت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں پر عذاب نازل کیا جنہوں نے احکام الٰہیہ کے حصے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتابوں کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے، اسی طرح سے اس زمانے کے مکذبین پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے، قال صاحب معالم التنزیل ص ۵۸ ج ۳ جزؤہ فجعلوہ جزءً فامنوا ببعضہ وکفروا ببعضہ وقال مجاھدھم الیھود و النصاریٰ قسموا کتابھم ففرقوہ ویدلوہ اھ۔ (کہ انہوں نے کتاب اللہ کو حصوں میں تقسیم کر دیا اور بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں وہ یہود ونصاریٰ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اسے تقسیم کیا اور تبدیل کر دیا) صحیح بخاری ص ۶۸۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مذکورہ بالا تفسیر یوں نقل کی ہے قال امنو ببعض و کفروا ببعض الیھود و النصاریٰ۔ (فرمایا یہود ونصاریٰ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں سولہ مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور مکہ معظمہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو تقسیم کرلیں جس شخص کی طرف سے بھی آنے والے گزریں وہ ان سے یوں کہے کہ اہل مکہ میں سے یہ جو شخص مدعی نبوت نکلا ہے اس کے دھوکہ میں نہ آنا کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص دیوانہ ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص کاہن ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شاعر ہے (العیاذ باللہ) چنانچہ ان

لوگوں نے ایسا کیا اس قول کی بناء پر انزلنا جو ماضی کا صیغہ ہے مضارع کے معنی میں ہوگا اور مطلب یہ ہے کہ مکہ کے راستے کی گھاٹیاں تقسیم کرنے والے اور ان پر بیٹھنے والے ہلاک ہوں گے چنانچہ یہ لوگ غزوہ بدر میں مقتول ہو گئے اس تفسیر کی بنا پر اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کریم کو اس طرح بانٹ لیا کہ اس کے بارے میں بطور تکذیب مختلف قسم کی باتیں کہتے تھے کوئی کہتا تھا کہ یہ سحر ہے اور کسی کا کہنا تھا کہ یہ شعر ہے اور بعض نے یوں کہا کہ یہ کذب ہے اور بعض نے اسے اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ بتایا اس صورت میں قرآن سے قرآن مجید ہی مراد ہوگا اور کتب سابقہ مراد لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

قولہ تعالیٰ عضین جمع عضة واصلها عضوة بكسر العين وفتح الضاد بمعنی جزء فهو معتل اللام من عضاه بالتشديد جعله اعضاء واجزاء (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''عضین'' یہ عضة کی جمع ہے اور اس کی اصل عضوة ہے۔ عین کے کسرہ اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ اس کا معنی ہے جزء اور وہ معتل اللام ہے اس کو کہتے ہیں جسے اسے سختی سے حصوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہو) (کذا فی الروح ص ۸۴ ج ۱۴)

اس کے بعد فرمایا فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (سو آپ کے رب کی قسم ہے ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کرلیں گے) اس میں یہ فرمایا ہے کہ اولین و آخرین سب سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں کو جھٹلاتے رہے اور جھٹلا رہے ہیں ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا' سورہ اعراف میں فرمایا فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ (سو ہم ضرور ضرور ان سے دریافت کرلیں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے اور ہم ضرور ضرور پیغمبروں سے پوچھ لیں گے) یہاں بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سورہ رحمٰن میں یوں فرمایا ہے فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال نہیں ہوگا اور سورۂ حجر اور سورہ اعراف سے معلوم ہوا کہ سوال ہوگا' بظاہر جو تعارض معلوم ہو رہا ہے اس کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ سوال کے نفی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ جاننے کے لئے ان سے یہ سوال نہیں فرمائیں گے کہ تم نے کیا ہے یا نہیں یا یہ کہ تم نے کیا کیا ہے۔

اور جہاں سوال کا ذکر ہے اس سے زجر و توبیخ کا سوال مراد ہے جیسے مجرم کو ڈانٹنے کے لئے کہا جاتا ہے کیا تو نے یہ کیا ہے کیا تو نے یہ کیا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کا دن طویل ہوگا اس میں مختلف مواقف ہوں گے بعض مواقف میں سوال ہوگا اور بعض میں سوال نہیں ہوگا لہٰذا نفی اثبات میں کوئی تعارض نہیں' سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الحجر) میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ لا اله الا الله کے بارے میں سوال ہوگا' یعنی جن لوگوں کے سامنے لا اله الا الله پیش کیا گیا انہوں نے اس کو مانا یا نہیں' اور جن لوگوں نے مان لیا انہوں نے اپنے اقرار اور عہد کے مطابق کیا عمل کیا؟ بات یہ ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے یعنی اس کا اقرار کرنے کے بعد اس کے مطابق زندگی گزارنا لازم ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اخلاص کے ساتھ لا اله الا الله پڑھ

لیا وہ جنت میں داخل ہوگا عرض کیا گیا کہ اس کا اخلاص کیا ہے فرمایا کہ اس کا اخلاص یہ ہے کہ پڑھنے والے کو حرام کاموں سے روک دے۔ (صحیح مسلم ص ۴۸ ج ۱)

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں ایک ایسی بات بتادیجئے کہ مجھے آپ کے بعد اور کسی سے پوچھنا نہ پڑے آپ نے فرمایا **قل امنت باللہ ثم استقم** تو امنت باللہ کہہ دے پھر اس پر جما ہوا رہ (مطلب یہ ہے کہ ایمان کے تقاضوں کو پابندی کے ساتھ پورا کرتا رہ)

خوب واضح طور پر کھول کر بیان کرنے کا حکم: پھر فرمایا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ط سو آپ خوب کھول کر واضح طور پر وہ باتیں صاف صاف واضح فرمادیں جن چیزوں کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اور مشرکین سے اعراض کیجئے، یعنی ان کے انکار اور عدم قبول کی وجہ سے مغموم نہ ہوئیے اس بات کی فکر نہ کریں کہ وہ لوگ نہیں مانتے آپ کا کام کھل کر واضح طور پر بیان کردینا ہے آپ اسے انجام دیتے رہیں۔

یہاں پہنچ کر روافض کی جاہلانہ بات بھی سن لیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے آپ کو حکم تھا کہ خوب کھل کر واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلافصل کا اعلان کردیں لیکن آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے ڈرتے تھے اس لئے اعلان نہیں کرتے تھے، ان لوگوں کی جہالت دیکھو اپنے تراشیدہ دین کے لئے کیسی کیسی ظالمانہ باتیں کہہ جاتے ہیں جب اللہ کا رسول ہی مخلوق سے ڈرے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان نہ پہنچائے تو پھر آگے اور کون ہے جو حق کو واضح کرے گا۔ **اعاذنا اللہ تعالیٰ من جھلھم و ضلالھم.**

ہنسی کرنے والوں کے لئے ہم کافی ہیں: اس کے بعد فرمایا اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (بلاشبہ جو لوگ ہنسی کرنے والے ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کرتے ہیں ان کی جانب سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں سو عنقریب وہ جان لیں گے) ہنسی کرنے والے یوں تو سب ہی مشرکین تھے لیکن خصوصی طور پر علمائے تفسیر نے ولید بن مغیرہ اور اس کے چار ساتھیوں کا نام لیا ہے یہ لوگ ہنسی کرنے اور مذاق اڑانے میں بہت آگے آگے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے مختلف اعضاء کی طرف اشارہ فرمایا کسی کے پیٹ کی طرف کسی آنکھوں کی طرف کسی کی سر کی طرف اور یہ بتادیا کہ ان اعضاء میں تکلیف پیدا ہوجانے سے ہلاک ہوں گے علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ان مسخرہ کرنے والوں سے وہ سات افراد مراد ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی کمر مبارک پر گندگی ڈال دی تھی جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے یہ لوگ بدر میں مقتول ہوئے (راجع روح المعانی ص ۸۶ ج ۱۴) معالم التنزیل ص ۵۹ ج ۳ میں لکھا ہے کہ مستہزئین مذاق بنانے والے پانچ افراد تھے اول ولید بن مغیرہ جو ان سب کا سردار تھا دوسرا عاصم بن وائل تیسرا اسود بن عبدالمطلب چوتھا اسود بن عبدیغوث پانچواں حارث بن قیس تھا، اللہ تعالیٰ نے

ان کو استہزاء کی سزا دی اور یہ لوگ بری موت مرے ایک دن یہ لوگ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے (زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ شریف کا طواف کیا جاتا تھا) رسول اللہ ﷺ اس موقعہ پر وہاں موجود تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی تشریف لے آئے جب ولید بن مغیرہ کا گزر ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد ﷺ آپ اس شخص کو کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیل نے فرمایا اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی' اور یہ فرماتے ہوئے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا یمانی چادریں پہنے ہوئے تھا تہد کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا راستہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص کھڑا ہوا تھا جس کے تیروں کے پر بکھرے ہوئے تھے ان تیروں کا دھاردار حصہ ولید کے پاؤں میں چبھ گیا اس نے تکبر کی وجہ سے جھکنا گوارا نہیں کیا تا کہ اسے اپنے پاؤں سے نکال دے بالآخر وہ دھاردار حصہ آگے بڑھتا رہا جس نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا جس سے وہ مریض ہو گیا اور اس مرض میں مر گیا' پھر عاصم بن وائل وہاں سے گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ یہ کیسا شخص ہے؟ آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے قدموں کے تلووں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ کی اس سے حفاظت ہو گئی اس کے بعد عاصم بن وائل اپنے دو لڑکوں کے ساتھ تفریح کرنے کے لئے نکلا ایک گھاٹی پر پہنچا تو اس کا پاؤں ایک خاردار درخت پر پڑ گیا اس کا ایک کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں گھس گیا جس سے اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا اور وہی اس کی موت کا سبب بن گیا تھوڑی دیر میں اسود بن عبد المطلب گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ کہ یہ کیسا شخص ہے؟ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ برا شخص ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے محفوظ ہو گئے چنانچہ وہ اندھا ہو گیا اور برابر دیوار میں سر مارتا رہا اور یہ کہتے ہوئے مر گیا **قتلنی رب محمد** (مجھے رب محمد نے قتل کر دیا) پھر اسود بن عبد یغوث گزرا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد ﷺ آپ اسے کیسا شخص پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حالانکہ میرے ماموں کا لڑکا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی' یہ کہہ کر اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا لہٰذا اس کو استسقاء کا مرض لگ گیا؟ اس کے بعد حارث بن قیس کا گزر ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد ﷺ آپ اسے کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس سے آپ کی حفاظت کر دی گئی اس کے بعد اس کی ناک سے مسلسل پیپ نکلنے لگی جو اس کی موت کا ذریعہ بن گئی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ

اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں سو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جس کے ساتھ تحمید بھی ہو اور

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

آپ ساجدین میں سے ہوجائیے اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (یعنی موت) آجائے

تسبیح وتحمید میں مشغول رہنے اور موت آنے تک عبادت میں لگے رہنے کا حکم

تفسیر: اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہم جانتے ہیں کہ مشرکین معاندانہ باتیں کرتے ہیں (جو استھزاء کو بھی شامل ہے) اور اس کی وجہ سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں جو تنگ دل ہونا طبعی طور پر تھا اس کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید میں لگے رہیں اور نمازوں میں مشغول رہیں اور دیگر عبادات میں بھی مشغولیت رکھیں اور زندگی بھر آخری دم تک ان کاموں میں مشغول رہیں، یہ چیزیں طبعی رنج کو دفع کرنے کا ذریعہ بنیں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی رنج وغم کی صورت پیش آئے تو خالق کائنات جل مجدہ کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کو جب کوئی فکرمندی والی بات پیش آتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۷)

رسول اللہ ﷺ مال جمع نہیں فرماتے تھے جو آتا تھا خرچ فرمادیتے تھے حضرت جبیر بن نفیرؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں بھیجی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہوجاؤں لیکن میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور نماز پڑھنے والوں میں سے ہوجاؤ اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے) (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۴)

ولقد تم تفسیر سورة الحجر بفضل اللہ تعالیٰ وانعامه

والحمد للہ تعالیٰ علیٰ تمامه وحسن ختامه

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النحل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ایک سو اٹھائیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ

آ پہنچا اللہ کا حکم سو تم اس میں جلدی نہ کرو وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شریک تجویز کرتے ہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس پر

بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

چاہتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر نازل فرماتا ہے کہ اس بات سے باخبر کر دو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں

فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ

سو تم مجھ سے ڈرو، اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ اس سے برتر ہے جو لوگ شریک بناتے ہیں اس نے

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④

انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا سو وہ یکایک واضح طور پر جھگڑا کرنے والا ہو گیا

قیامت کا آنا یقینی ہے، انسان بڑا جھگڑالو ہے

تفسیر: یہاں سے سورہ نحل شروع ہے اس میں عموماً اللہ کی توحید بیان کی گئی ہے اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں، اس میں ایک جگہ شہد کی مکھی کے گھر بنانے اور پھلوں کو چوسنے اور اس سے شہد پیدا ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، شہد کی مکھی کو عربی میں نحل کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النحل رکھا گیا۔

مذکورہ بالا آیات میں معاد یعنی قیامت اور توحید و رسالت اور آسمان و زمین کی تخلیق اور انسانوں کی پیدائش کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ کا حکم آ پہنچا لہٰذا تم اس کے بارے میں جلدی نہ مچاؤ) جب مشرکین کے سامنے ایمان نہ لانے پر اور شرک اختیار کرنے پر عذاب آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ عذاب آنے والا نہیں یہ تو خالی دھمکیاں ہیں، ہمیں تو عذاب آتا ہوا نظر نہیں آتا، اور جب قیامت کی بات سامنے آتی تھی تو اس کا بھی انکار کرتے تھے اور عذاب کے بارے میں کہتے تھے کہ عذاب آنا ہے تو کیوں نہیں آ جاتا، ابھی آ جائے اور جلد آ جائے، ان کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حکم آ پہنچا یعنی اس کا آنا یقینی ہے اور جس چیز کا آنا یقینی ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز پہنچ ہی گئی ہو، کسی چیز کے آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ نہیں آئے گی، دنیا کی جتنی زندگی گزر گئی اس کے اعتبار سے اب قیامت کے آنے میں قابل ذکر دیر نہیں رہی، یہ امت آخر الامم ہے اس کے بعد کوئی امت نہیں ہے رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا ہے بعثت انا والساعة كهاتين (یعنی میں اور قیامت دونوں اس طرح سے بھیجے گئے ہیں جیسے آپس میں یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور ان میں بیچ کی انگلی اشارہ والی انگلی سے ذرا سی آگے بڑھی ہوئی ہے) اتنی بات ہے میں اس سے پہلے آ گیا۔ (رواہ البخاری)

بعض مفسرین نے اَمْرُ اللّٰهِ سے تکذیب کرنے والوں کا عذاب مراد لیا ہے صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۶۱ ج ۲) لکھتے ہیں کہ نضر بن حارث نے یوں کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (کہ اے اللہ اگر یہ (یعنی دین اسلام) حق ہے آپ کی طرف سے ہے (تو اس کے قبول نہ کرنے پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے' اس نے عذاب جلدی آنے کا مطالبہ کیا لہٰذا عذاب آ گیا اور وہ (اور اس کے ساتھی) غزوۂ بدر کے موقع پر مقتول ہو گئے۔

پھر فرمایا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں) مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے شریک قرار دیتے تھے اور غیر اللہ کو بھی عبادت کا مستحق جانتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی اور صاف بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور اس سے برتر ہے کہ کوئی اس کے برابر ہو اور مستحق عبادت ہو' یہ مضمون جگہ جگہ قرآن میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ (وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر نازل فرماتا ہے کہ اس بات سے باخبر کر دو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم مجھ سے ڈرو) مفسرین نے روح سے وحی مراد لی ہے اور من امره کو اس کا بیان قرار دیا ہے اور ملائكه سے جنس کے طور پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو مراد لیا ہے' آیت شریفہ میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ پر چاہے وحی بھیج دیتا ہے اور وحی بھیجنا اس لئے ہے کہ وحی لانے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخاطبین کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی پہنچا دیں کہ اگر تم نے توحید کی دعوت کو قبول نہ کیا تو عذاب میں مبتلا ہو گے لہٰذا تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

اس کے بعد آسمان اور زمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا (اس کی تفسیر چند صفحات پہلے سورۃ حجر کے آخری رکوع میں گزر چکی ہے) پھر بطور تاکید مضمون سابق کا اعادہ فرمایا تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو وہ شریک تجویز کرتے ہیں)۔

پھر انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا تو یکایک وہ جھگڑالو ہو گیا واضح طور پر) انسان کو اللہ تعالیٰ نے منی کے نطفہ سے پیدا فرمایا جو انسان کے نزدیک خود ایک گندی اور ذلیل چیز ہے لیکن انسان اپنی اصل کو تو دیکھتا نہیں اور جھگڑے بازی کرتا ہے اس کا یہ جھگڑا صرف مخلوق ہی کے ساتھ نہیں خالق تعالیٰ جل مجدہ کی اخبار اور احکام میں بھی جھگڑے بازی کرتا ہے سورہ یٰسٓ میں فرمایا اَوَلَمْ

يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (کیاانسان نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سویکایک وہ واضح طور پر جھگڑالو ہو گیا اور اس نے ہمارے بارے میں مثل بیان کردی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا وہ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا اس حال میں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی) معالم التنزیل ص ۶۲ ج ۳ میں لکھا ہے کہ ابی بن خلف مشرک ایک دن ایک بوسیدہ ہڈی لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے بوسیدہ ہونے کے بعد اس کو زندہ کر دے گا اس پر آیت بالا نازل ہوئی' سبب نزول جو بھی ہو آیت بالا میں انسان کا جھگڑالو ہونا بیان فرمایا ہے مشرکین اور کافرین کے جھگڑے جگہ جگہ قرآن حکیم میں نقل فرمائے ہیں اور ان کے سوالات اور کٹ حجتی کے جوابات بھی دیئے ہیں' کافر تو کافر ہیں جو لوگ نام کے مسلمان ہیں وہ بھی حجت بازی کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ شیطان کو ہمارے پیچھے کیوں لگا دیا؟ کبھی کہتے ہیں کہ جب پہلے سے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو ہمارا مواخذہ کیوں ہے؟ کبھی کہتے ہیں کہ ہم نے کون سا تار بھیجا تھا کہ ہمیں پیدا کر دے' کبھی کہتے ہیں اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں؟ بعض لوگوں کو یوں بھی کہتے ہوئے سنا کہ سب نیک ہو جائیں تو دوزخ کس سے بھرے گی' بعض لوگوں سے یہ بات بھی سنی گئی ہے کہ اللہ کو ہماری عبادت کی ضرورت نہیں ہے ہم نے عبادت نہ کی تو کیا حرج ہے' ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام کے بھی دعوے دار ہیں اور اللہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے سے کفر عائد ہوتا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا

اور اس نے چوپایوں کو پیدا فرمایا ان میں تمہارے لئے سردی سے بچنے کا سامان ہے اور دیگر فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو' اور تمہارے لئے ان میں

جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا

رونق ہے جب تم شام کو لاتے ہو اور صبح کو چھوڑتے ہو' اور وہ تمہارے بوجھوں کو ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم

بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ

اپنی جانوں کی مشقت کے بغیر پہنچ نہیں سکتے تھے' بلا شبہ تمہارا رب رؤف ہے رحیم ہے' اور اس نے گھوڑے اور خچر

وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾

اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے طور پر' اور وہ پیدا فرماتا ہے جو تم نہیں جانتے

چوپائے اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں ان سے متعدد قسم کے منافع متعلق ہیں

تفسیر: اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بے انتہا انعام ہیں‘ طرح طرح کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے انسان منتفع اور متمتع ہوتے ہیں‘ ان چیزوں میں حیوانات یعنی چوپائے بھی ہیں ان چوپایوں سے کئی طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں‘ آیات بالا میں جن منافع کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا ان میں سے ایک تو سردی کا انتظام ہے یعنی ان کے جسم سے بال اور اون کاٹتے ہیں پھر ان سے کپڑے بناتے ہیں‘ کمبل وغیرہ تیار کرتے ہیں‘ کھالوں کے بھی کپڑے بنا لیتے ہیں اور ان سے بستر بھی تیار کرتے ہیں نیز کھالوں سے خیمے بھی تیار ہوتے ہیں جس کا اسی سورت کے گیارہویں رکوع میں تذکرہ فرمایا ہے‘ چوپایوں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

چوپایوں کا دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ اس میں تمہارے لئے رونق ہے جبکہ تم انہیں شام کو چراگاہوں سے واپس لاتے ہو اور صبح کو چراگاہوں کی طرف لے جانے کے لئے چھوڑتے ہو یہ رونق جو جانوروں سے حاصل ہوتی ہے اس کو جانوروالے ہی جانتے ہیں جس کسی کے پاس بہت سے مویشی ہوں جب وہ صبح شام اپنے جانوروں کو آتا جاتا دیکھتا ہے تو خوشی میں پھولا نہیں سماتا گاؤں کا چودھری چارپائی پر بیٹھے ہوئے جب اپنے جانوروں پر نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ احاطہ جانوروں سے بھرا ہوا ہے اور جانور بول رہے ہیں ان کے بچے پیدا ہو رہے ہیں اس وقت جو اس کی کیفیت ہوتی ہے اس کا پوچھنا ہی کیا ہے‘ جب شام کو جانور پیٹ بھرے ہوئے واپس آتے ہیں جن کے تھن بھی دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر نوکر چاکر دودھ دوہنے لگتے ہیں اس وقت جو چودھری صاحبان کی کیفیت ہوتی ہے اور خوشی میں مست و مگن ہوتے ہیں اسے دیکھنے والے ہی جانتے اور سمجھتے ہیں۔

چوپایوں کا تیسرا فائدہ یہ بتایا کہ وہ تمہارے بوجھ والے سامان کو اٹھاتے ہیں دور شہروں میں پہنچاتے ہیں اگر یہ جانور نہ ہوتے تو تمہیں یہ بوجھ خود اٹھانے اور لے جانے پڑتے اور اس وقت تم مصیبت میں پڑ جاتے‘ بڑی محنت اور تکلیف کے ساتھ سامان پہنچاتے‘ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جانور پیدا فرما دیئے جو تمہارے بوجھ اٹھانے کی خدمت کرتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ بڑی شفقت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

اس کے بعد سواری کے جانوروں کا تذکرہ فرمایا وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَةً اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا فرما دیئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور ان میں تمہارے لئے زینت بھی ہے‘ ان تینوں قسم کے جانوروں پر سواری بھی کرتے ہیں اور خچر اور گدھے تو اپنے سوار کے ساتھ بہت سا بوجھ بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں‘ یہ جانور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور انسانوں کے لئے مسخر بھی فرمائے اسی کو سورۃ زخرف میں فرمایا لِتَسْتَوٗا عَلٰی

ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (تا کہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر بیٹھ چکو اور یوں کہو کہ وہ ذات پاک ہے جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا اور ہم اسے قابو میں کرنے والے نہ تھے اور بلا شبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) یہ جانور اللہ تعالیٰ نے مسخر فرما دیئے اگر جانور ہٹی ہو جائے اور قابو نہ دے نہ پیار سے مانے نہ چمکار سے تب انسان کو اللہ تعالیٰ کی تسخیر کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے محض اپنے کرم سے ان جانوروں پر قابو دے دیا سورہ یٰسٓ میں یوں ارشاد فرمایا ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ اور ہم نے جانوروں کو ان کا فرمانبردار بنا دیا سو ان میں سے بعض سواری کے جانور ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں سے پہلے جن جانوروں کا ذکر تھا ان کے بارے میں وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ فرمایا اور یہاں وَزِيْنَةً فرمایا جس طرح مذکورہ مویشیوں کے آتے جاتے وقت صبح شام مالکوں کی شان و شوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے اسی طرح سواری کے جانوروں سے بھی مالکوں کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔

فائدہ: آیت بالا میں اجمالی طور پر چوپایوں کے منافع کا تذکرہ فرمایا پھر تفصیلاً بھی بعض منافع ذکر فرما دیئے اور سورۂ یٰسٓ میں منافع کے ساتھ مشارب کا ذکر بھی فرمایا نیز سورہ نحل کے نویں رکوع میں دودھ کا ذکر بھی فرمایا ہے، یہ دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے صاف ستھرا نکل آتا ہے جسے گلے سے با آسانی اتار لیتے ہیں، جن منافع کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا اس میں کھالیں بھی ہیں اور ہڈیاں بھی ہیں ان سے بھی انسان نفع اٹھاتے ہیں اور اب تو انسانی اعضاء کا مبادلہ بھی شروع ہو گیا ہے مثلاً کسی کا کوئی عضو خراب ہو جائے تو اسے ہٹا کر جانوروں کے اعضاء لگا دیئے جاتے ہیں۔

فائدہ ثانیہ: سواریوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بھی فرمایا (اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا فرماتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے) اس کے عموم میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو نزول قرآن کے وقت دنیا میں موجود نہ تھیں اللہ تعالیٰ شانہ نے بعد میں پیدا فرمائیں اور آئندہ کیا کیا پیدا ہو گا اس کا علم بندوں کو نہیں، اللہ تعالیٰ شانہ کو ان کا بھی علم ہے چونکہ اس بات کو سواریوں کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے اس لئے بعض اکابر نے نو ایجاد سواریوں کے بارے میں فرمایا کہ ہوائی جہاز اور ریل اور موٹر کار وغیرہ ان سب کا وجود میں آنے کی طرف آیت شریفہ میں اشارہ ملتا ہے بلکہ قیامت تک جتنی بھی سواریاں ایجاد ہوں گی عموم الفاظ میں ان سب کی خبر دے دی گئی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اس سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا

اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہت سے لوگ ہٹے ہوئے ہیں

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک سیدھا راستہ پہنچتا ہے صراط مستقیم یعنی دین اسلام پر جو شخص چلے گا وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا یعنی اللہ کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی اور دوسرے راستے ٹیڑھے ہیں وہ طریق حق سے ہٹے ہوئے ہیں جو شخص ان پر چلے گا اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہ ہوگی' آخرت میں مبتلائے عذاب ہوگا۔

وَلَوْشَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اور اگر چاہے تو تم سب کو ہدایت دے) جو لوگ ہدایت کے طالب ہوتے ہیں دلائل میں غور وفکر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دیتا ہے طریق حق تو اس نے واضح طور پر سب کے لئے بیان فرما دیا اب جو شخص ہدایت کے لئے فکر مند ہوگا دلائل میں غور کرے گا اسے ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب بھی حاصل ہو جائے گی۔

بعض حضرات نے وَلَوْشَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو مجبور کر کے سب کو صراط مستقیم پر ڈال دیتا' لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جبر نہ کیا جائے دونوں راستے بیان کر دیئے جائیں اب جو چاہے اپنے اختیار سے صراط مستقیم کو اختیار کر کے جنت میں چلا جائے اور جو چاہے کجی والا راستہ اختیار کر کے دوزخ میں چلا جائے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ کا ترجمہ ایک تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ اللہ صحیح راہ بتاتا ہے یہ اس نے اپنے ذمہ لیا ہے' اس نے دلائل بیان کر دیئے اپنے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ حق پہنچا دیا ہے وہ کسی کو حق کی راہ بتائے بغیر عذاب نہ دے گا اور بہت سے لوگ حق کو حق جانتے ہوئے اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔
(معالم التنزیل ص ۶۳ ج ۳)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا اس میں پینے کا پانی ہے اور اس کے ذریعے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم چراتے ہو'

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ

وہ تمہارے لئے اس کے ذریعہ کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے' بلا شبہ

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو غور کرتے ہیں' اور اس نے تمہارے لئے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو

وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ⑫ وَمَا

مسخر فرمایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں' بلا شبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں' اور جو

ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

چیزیں زمین میں پھیلا دیں جن کے رنگ مختلف ہیں بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں'

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ

اور اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر فرما دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو'

وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِي

اور اے مخاطب تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ اس میں پھاڑنے والی ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو' اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو' اور اللہ نے

الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ

زمین میں بھاری پہاڑ ڈال دئیے تا کہ زمین تمہیں لے کر ہلنے نہ لگے اور اس نے نہریں بنائیں اور راستے بنائے تا کہ تم ہدایت پاؤ اور نشانیاں بنائیں'

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور وہ ستاروں کے ذریعے راہ پاتے ہیں

تفسیر: گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور درمیان میں بطور جملہ معترضہ سیدھے راستے کی تشریح فرمادی اگر کوئی شخص دلائل میں غور کرے گا تو وہ راہ مستقیم پر چلے گا اور راہ حق پالے گا مذکورہ بالا آیات میں بھی چند دلائل توحید بیان فرمائے ہیں۔

اوّل: یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ' آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اس پانی سے ایک تو یہ فائدہ ہے کہ اس میں سے بہت سا حصہ پینے کے کام آتا ہے' آسمان سے برسے ہوئے میٹھے پانی سے مخلوق سیراب ہوتی ہے اور اس پانی سے درخت بھی پیدا ہوتے ہیں' ان درختوں کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ درخت جانوروں کی خوراک بنتے ہیں' ان جانوروں کو درختوں میں چھوڑ دیتے ہیں جہاں وہ چارہ کھاتے ہیں' نیز اس پانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اگاتا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے پھل پیدا فرماتا ہے ان کے درخت بارش کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور پھلتے پھولتے ہیں بارش کے پانی کے مذکورہ فوائد و منافع بیان فرمانے کے بعد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں)۔

دوم: لیل و نہار (رات دن) کی تسخیر بیان فرمائی' اللہ تعالیٰ شانہ رات کو پیدا فرماتا ہے جس میں آرام کرتے ہیں' اور دن کو پیدا فرماتا ہے جس میں معاش کی طلب میں لگتے ہیں۔

سوم: شمس و قمر کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آفتاب اپنی حرارت اور روشنی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے پھر

غروب ہو جاتا ہے اس عرصہ میں اس سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں روشنی اور گرمی کا فائدہ تو سبھی کو معلوم ہے' اس کی حرارت کی وجہ سے کھیتیاں بھی پکتی ہیں اور پھل تیار ہوتے ہیں' اور اب تو آفتاب سے بجلی بھی حاصل کرتے ہیں' اور چاند کو بھی مسخر فرمایا جس کی دھیمی دھیمی روشنی میں ایک خاص کیف ہوتا ہے سفر وحضر میں چلنے والوں کو چاند کے ذریعے راستے معلوم ہوتے ہیں۔

چہارم: ستاروں کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا' یہ سب ستارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اس مشیت اور ارادہ کے پابند ہیں ہزاروں سال گزر گئے جو رفتاریں ان کی مقرر فرما دی ہیں انہیں کے مطابق چلتے ہیں' کسی آلہ یا انجن کے بغیر محض امر الٰہی سے رواں اور دواں ہیں' ان امور کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بلاشبہ اس میں لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں)

پنجم: زمین سے پیدا ہونے والی مختلف الوان کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا' اور فرمایا کہ اللہ نے یہ چیزیں تمہارے لئے زمین میں پیدا فرمائی ہیں' الوان لون کی جمع ہے عربی میں لون رنگ کو کہتے ہیں بعض مفسرین نے الوان کا ترجمہ اقسام کیا ہے الفاظ کا عموم زمین پر پیدا ہونے والی اور رہنے والی اور بسنے والی سب چیزوں کو شامل ہے جتنی بھی چیزیں زمین میں پائی جاتی ہیں حیوانات معدنیات نباتات جمادات وغیرہ مذکورہ بالا آیت میں اجمالی طور پر ان کا تذکرہ آ گیا' یہ چیزیں رنگ برنگ کی ہیں' ان کی مختلف صورتیں ہیں اور طرح طرح کے انواع واقسام ہیں ان سب میں انسانوں کے لئے منافع ہیں' یہ چیزیں غذاؤں میں بھی کام آتی ہیں' اور مکانات کی تعمیر میں بھی اور امراض کے علاج میں بھی' ان چیزوں کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں)

ششم: سمندر کی تسخیر کا تذکرہ فرمایا' اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے سمندر پیدا فرمائے اور بندوں کے لئے ان میں منافع رکھ دیئے ان میں سے چار انعامات کا تذکرہ فرمایا اول تو یہ فرمایا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اس سے مچھلیاں مراد ہیں سمندر سے مچھلیاں نکالتے ہیں اور تازہ بتازہ بھون کر یا پکا کر کھا لیتے ہیں' دوسرا فائدہ یہ بتایا کہ تم سمندر سے زیور نکالتے ہو' اس سے موتی مراد ہیں جو سمندر سے نکالے جاتے ہیں جس کا سورہ رحمٰن میں ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ تیسرے کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کشتیاں چھوٹی ہوں یا بڑی' بادبانی کشتیاں ہوں' یا پیٹرول سے چلنے والے بڑے جہاز ہوں یہ سب پانی کو پھاڑتے ہوئے سمندر میں سے گزر جاتے ہیں ان کشتیوں کے ذریعہ سفر بھی طے ہوتا ہے ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچ جاتے ہیں' یہ اسفار تجارت کے لئے بھی ہوتے ہیں اور تعلیم کے لئے بھی' کشتیوں کے ذریعے مال کی آمد ورفت بھی ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کا

فضل تلاش کرنے کا ذریعہ ہے ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظم کی پیداوار کھاتے ہیں اور بھی دوسری استعمالی چیزیں برآمد کی جاتی ہیں اس کو وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ میں بیان فرمایا اور ساتھ ہی وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ بھی فرمادیا (اور تاکہ تم شکر ادا کرو) انسانوں میں شکرگزار کم ہوتے ہیں خالق کائنات جل مجدہ کی پیدا کی ہوئی نعمتیں تو استعمال کر لیتے ہیں لیکن شکر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے بار بار شکر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ہفتم: زمین پر بھاری بھاری پہاڑ پیدا فرمانے کی نعمت یاد دلائی ہے اور فرمایا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (اور زمین میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ زمین تم کو لے کر ہلنے نہ لگے) زمین پر انسان کو بسایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ انسان ضعیف ہے اگر زمین حرکت کرتی اور ڈگمگاتی رہتی تو انسان کا جینا دشوار ہو جاتا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ڈگمگانے سے محفوظ فرمانے کے لئے اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے ان پہاڑوں کے بوجھ کی وجہ سے وہ حرکت نہیں کرتی' انسان اس پر چلتے پھرتے ہیں کام کاج کرتے ہیں وہ ہلنے اور ڈگمگانے سے محفوظ ہے' یہ انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے' جب بھی اللہ کی مشیت ہوتی ہے اور زمین حرکت میں آجاتی ہے تو آبادیاں فنا ہو جاتی ہیں جس کو زلزلہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں' زمین گردش کرتی ہے یا نہیں اس کے بارے میں قرآن مجید میں نفیاً و اثباتاً کوئی بات نہیں ملتی اگر زمین گردش کرتی ہو تو وہ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ آیت شریفہ میں زمین کے کانپنے اور ڈگمگانے کی نفی فرمائی ہے اگر وہ معتدل انداز میں چلتی رہے جیسا کہ دور حاضر کے اہل سائنس کہتے ہیں تو یہ ممکن ہے' قرآن میں اس کی نفی نہیں ہے۔

ہشتم: نہروں کا تذکرہ فرمایا نہریں سمندروں سے چھوٹی ہوتی ہیں' میٹھے پانی کی ہوتی ہیں اور ان سے انسان اور حیوان' کھیتیاں اور باغات سیراب ہوتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں' نیل، فرات، دجلہ، جیحون، سیحون، گنگا، جمنا، راوی، چناب، جہلم، دریائے سندھ ان سے خلق کثیر منتفع اور مستفید ہوتی ہے۔

نہم: یہ فرمایا کہ تمہارے لئے راستے بنائے' یہ راستے نرم زمین میں بھی ہیں اور پہاڑوں میں بھی' جنگلوں میں بھی اور آبادیوں میں بھی' سمندروں میں بھی اور فضاؤں میں بھی' ان راستوں کے ذریعہ پیدل چل کر یا سواریوں پر بیٹھ کر منزل مقصود پر پہنچتے ہیں سورہ نوح میں فرمایا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو) اگر راستے بنے ہوئے نہ ہوتے اور اٹکل پچو سفر کرتے تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتے اس بات کو بیان فرمانے کے لئے سُبُلًا کے ساتھ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ بھی فرمایا راستوں کے ذکر کے ساتھ وعلامات بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں راستے بھی ہیں راستوں کی نشانیاں بھی ہیں درخت پہاڑ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے مسافر اندازہ کر کے چلتا رہتا ہے اور علی وجہ البصیرۃ اپنا سفر قطع کر لیتا ہے

قال ابن کثیر قولہ وعلٰمٰت ای دلائل من جبال کبار واکام صغار و نحو ذلک یستدل بھا المسافرون برا وبحرا اذا ضلوا الطریق (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ارشاد الٰہی و علٰمٰت یعنی بڑے بڑے پہاڑوں اور چھوٹے ٹیلوں وغیرہ کی نشانیاں کہ خشکی کے اور سمندروں کے مسافر جب بھولتے ہیں تو انہیں کے ذریعہ راستہ کا نشان تلاش کرتے ہیں) (ص ۵۶۵ ج ۲)

دہم: ستاروں کے ذریعے راستے معلوم کرنے کا تذکرہ فرمایا' ارشاد ہے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور ستاروں کے ذریعہ لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں) جنگلوں میں پہاڑوں میں سمندر میں جب رات کو راستہ خطا کر جاتے ہیں تو ستاروں کو دیکھ کر مشرق و مغرب وشمال وجنوب کا پتہ چلا لیتے ہیں اگر ستارے نہ ہوں یا ستاروں کی پہچان نہ ہو تو حیران کھڑے رہ جائیں یا غلط راستے پر چل کر منزل مقصود کے علاوہ کسی دوسری جگہ جا پہنچیں فَسُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا

سو کیا جو پیدا کرتا ہو وہ اس کی طرح ہوگا جو پیدا نہیں کرتا' کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے' اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں

تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝

کر سکتے' بلا شبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے' اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو'

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ

اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں' بے جان ہیں

اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

زندہ نہیں ہیں' اور انہیں خبر نہیں ہے کہ کب اٹھائے جائیں گے

مخلوق اور خالق برابر نہیں ہو سکتے' تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو نہیں گن سکتے' اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جان ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے

تفسیر: گزشتہ آیات میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور مخلوقات کی انواع واقسام بیان فرمائیں اور ان کے فوائد بھی بتائے' یہ تمام چیزیں اور ان کے علاوہ ہر چیز جو کبھی موجود تھی یا موجود ہے یا موجود ہوگی سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو جاہلوں نے دوسروں کی عبادت شروع کر دی ان کے وہ معبود اللہ کی مخلوق ہیں مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتے پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ مخلوق کو خالق کا ساجھی بنا دیا کچھ تو سمجھ کی بات کرتے اور دلائل توحید سے

نصیحت لیتے' سورہ لقمان میں فرمایا هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (یہ اللہ کی مخلوق ہے سو مجھے دکھاؤ ان لوگوں نے کیا پیدا کیا جو اس کے سوا ہیں' بلکہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں ہیں) درحقیقت یہ بہت بڑی بھونڈی اور بھدی اور بے عقلی کی بات ہے کہ خالق کو مخلوق کے برابر کر دیا جائے اور مخلوق کو معبود بنا لیا جائے' پھر فرمایا کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے' پہلی نعمت تو یہ ہے کہ اس نے وجود بخشا اعضاء دیئے آنکھ ناک دیئے' سمجھنے کی قوت دی' اچھے برے کی تمیز عطا فرمائی' اور اس کے علاوہ بے انتہا نعمتیں ہیں' ان نعمتوں کی قدردانی کا تقاضا یہ تھا کہ موحد بنتے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے لیکن اس کے برخلاف مشرکین نے شرک اختیار کر لیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت بیان فرمائی کفر و شرک بہت بڑا جرم ہے لیکن اگر کوئی مشرک یا کافر توبہ کر لے اور ایمان والا بن جائے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص ایمان قبول نہ کرے تب بھی دنیا میں کچھ نہ کچھ نعمتیں ملتی رہتی ہیں' یہ شان رحمت کا مظاہرہ ہے' بعض حضرات نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے اگر اللہ تعالیٰ ہر نعمت کے مقابلہ میں شکر کا مطالبہ فرماتا تو اس سے عاجز رہ جاتے لیکن وہ غفور و رحیم ہے گناہوں اور کوتاہیوں کو معاف کرتا ہے اور تھوڑے عمل پر بھی جزاء دیتا ہے (ذکرہ ابن کثیر) پھر فرمایا وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو) اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں اللہ کی نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری عقیدہ اور عمل سے کرتے ہیں یوں نہ سمجھیں جیسے دنیا گزر رہی ہے اس میں عام طور سے سزا نہیں دی جاتی' اسی طرح موت کے بعد بھی عذاب سے بچ جائیں گے اللہ تعالیٰ کو سب کے باطنی احوال بھی معلوم ہیں اور ظاہری اعمال بھی' وہ اپنے علم کے مطابق شکرگزاروں کو ان کے شکر کا ثواب عطا فرمائے گا اور ناشکروں کا مواخذہ فرمائے گا' پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ (اور یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں یعنی ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود ہی مخلوق ہیں) جو چیز مخلوق ہے اس کا یہ مقام نہیں کہ معبود بن جائے یا اسے معبود مان لیا جائے عبادت کے لائق صرف خالق ہی ہے جل مجدہ و ثناء پھر فرمایا اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ (یعنی یہ بت جنہیں تم نے معبود بنا رکھا ہے بے جان ہیں زندہ نہیں ہیں) تم ان کی عبادت کیسے کرنے لگے؟ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (اور ان باطل معبودوں کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) ایمان اور عبادت کا سب سے بڑا انعام داخلہ جنت کی صورت میں موت کے بعد نصیب ہوگا اور یہ قیامت آنے پر موقوف ہے ان بے جان بتوں کو کچھ بھی خبر نہیں کہ مردے کب اٹھائے جائیں گے اگر ان سے موت کے بعد کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل ہونے کی امید رکھتے ہو تو یہ تمہاری غلطی ہے' جسے اعمال کا بدلہ دینا ہے وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ہے اسے معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی تمہارے معبود جاہل محض ہیں' انہیں نہ کچھ علم ہے نہ قیامت کا پتہ ہے نہ قیامت کے آنے کی خبر ہے یہ موت کے بعد تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے قال ابن کثیر

ص ۵۶۵ ج ۲ ای لا یدرون متی تکون الساعة فکیف یرتجی عند ھذہ نفع او ثواب او جزاء انما یرجی ذلک من الذی یعلم کل شیی وھو خالق کل شی ۔ (یعنی وہ نہیں جانتے کہ قیامت کب ہوگی پس یہ لوگ ان کے پاس نفع یا ثواب یا جزاء کی امید کیسے رکھتے ہیں ان چیزوں کی امید تو اس ذات سے لگائی جاتی ہے جو ہر شے کا علم رکھتی ہے اور وہی ہر شے کی خالق ہے)

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ
تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور
هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
وہ تکبر کرنے والے ہیں، یہ بات ضروری ہے یقینی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بلاشبہ وہ تکبر کرنے
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾
والوں کو پسند نہیں فرماتا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں
لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ
تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے پورے اٹھالیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھالیں جنہیں بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں،
اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾
خبردار برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لادرہے ہیں

تمہارا معبود ایک ہی ہے وہ ظاہر اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے گمراہ کرنے والے دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوں گے

تفسیر: مشرکین کی تردید اور ان کے معبودانِ باطلہ کی حالت بیان فرمانے کے بعد (کہ وہ مخلوق ہیں بے جان ہیں بے علم ہیں) معبود حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور فرمایا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی ہے) صرف اسی کو معبود مانو، اس کے بعد آخرت کے منکرین کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس کے ماننے سے انکاری ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں، یہ تکبر انہیں حق قبول کرنے سے روکتا ہے لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (یہ بات ضروری ہے یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں) لہٰذا وہ ان کے عقیدہ انکار آخرت پر اور ظاہری و باطنی احوال و اعمال پر سزا دے گا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) پھر فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ (الآیۃ) (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ

پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ان لوگوں نے مکہ معظمہ کی گھاٹیوں کو تقسیم کر لیا تھا مختلف گھاٹیوں پر مختلف لوگ بیٹھ گئے تھے جو لوگ حج کے لئے آتے تھے انہیں بہکاتے اور ورغلاتے تھے تاکہ مسلمان نہ ہو جائیں' باہر سے آنے والے حجاج ان سے دریافت کرتے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے کیا نازل ہوا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے کن چیزوں کی وحی کا تذکرہ فرمایا اور اللہ کی طرف سے جوان پر نازل ہوا انہوں نے کیا بتایا' اس پر یہ لوگ کہہ دیتے تھے کہ اللہ کی طرف سے نازل کچھ نہیں ہوا وہ تو پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں انہوں نے بھی سن رکھی ہیں انہیں کو بیان کر دیتے ہیں' اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ خود تو منکر ہیں ہی نبوت و رسالت کے بارے میں دریافت کرنے والوں کو بھی ایمان نہ لانے دیں انہوں نے اپنی کفر اور اعمال بد کا بوجھ اپنے اوپر اٹھایا اور ساتھ ہی ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھایا جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں اور اپنے شہر میں آنے والوں کو ایمان لانے سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اسی کو فرمایا لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کہ ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنے کفر و شرک اور گناہوں کے پورے پورے بوجھ اپنے اپنے اوپر اٹھا کر لائیں گے اور ان لوگوں کے بھی بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے جنہیں گمراہ کیا تھا پھر فرمایا اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (خبردار یہ برا بوجھ ہے جسے اپنے اوپر لا د رہے ہیں) اپنے کئے کی بھی سزا بھگتیں گے اور ان لوگوں کے گناہ بھی ان کے سر پڑیں گے جن کو بہکایا اور ورغلایا' ان کے گناہوں کی بھی سزا ملے گی (گو وہ بھی عذاب سے نہ بچیں گے کیونکہ انہوں نے جانتے بوجھتے کفر اختیار کیا اور لوگوں کے ورغلانے میں آئے) سورہ عنکبوت میں فرمایا وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (اور یہ لوگ ضرور ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور البتہ قیامت کے دن ان سے ان باتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی جو جھوٹ موٹ بنایا کرتے تھے)

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ

بلاشبہ جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو اللہ نے ان کا بنایا ہوا گھر بنیادوں سے ڈھا دیا' پھر اوپر سے

مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ

ان پر چھت آ پڑی' اور ان پر اس طرح عذاب آ گیا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا' پھر وہ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا'

وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ

اور فرمان ہوگا کہ کہاں ہیں میرے شرکاء جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟ جن کو علم دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ

الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

آج رسوائی اور بدحالی ہے کافروں پر، جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

سو وہ لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے ہاں! بلا شبہ اللہ جاننے والا ہے جو تم کیا کرتے تھے

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے

معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ، قیامت کے دن کافروں کی رسوائی اور بدحالی، متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے

تفسیر: مشرکین مکہ جو قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اسلام اور داعی اسلام علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں سوچتے تھے اور آپس میں مشورے کرتے تھے۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ میں ان لوگوں کی مکاری کا تذکرہ فرمایا جو پہلی امتوں میں گزرے ہیں، یہ لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ، نے ان کا کیا کرایا سب برباد کر دیا جیسے کوئی شخص عمارت بنائے اور پھر اس کی بنیادیں اور ستون گر پڑیں اور پھر اوپر سے چھت گر جائے، ان کی بنائی ہوئی تعمیر بھی برباد ہوئی اور خود بھی اس میں دب کر رہ گئے اپنے مقاصد میں ناکام ہوئے اور اس طرح پر عذاب آ گیا جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا، آیت کریمہ سے عام اقوام مراد لیجائیں تو کسی خاص قوم یا کسی خاص شخص کی تعیین کی ضرورت نہیں رہتی کثیر تعداد میں ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی اور ان کی تدبیریں ناکام ہوئیں اور ان پر عذاب آیا اور برباد و ہلاک ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں واختار جماعة بناء ه على التمثيل حسبما سمعت وعليه فالمراد على المختار من الذين كفروا من قبل ما يشمل جميع الماكرين الذين هدم عليهم بنيانهم وسقط في ايديهم (ایک جماعت نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس کی بناء تمثیل پر ہے۔ پس مختار قول کے مطابق اس سے مراد سابقہ اقوام کے کافر ہیں جو ان تمام مکاروں کو شامل ہے جن کی تعمیریں خود ان کے اپنے اوپر گر پڑیں اور انہیں کے ہاتھوں گریں) (ص ۱۳۶ ج ۱۴)

اور حافظ ابن کثیر نے بھی (ص ۵۶۶ ج ۲) یہ بات لکھی ہے حیث قال هذا من باب المثل لابطال ما صنعته هولاء الذين كفروا بالله واشركوا في عبادته غيره ۔ (جو یہ فرمایا یہ ان کافروں کی ان مکاریوں کے ابطال کے لئے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کیا)

لیکن خود صاحب روح المعانی اور حافظ ابن کثیر نے اور علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے شہر بابل میں ایک محل بنایا تھا جس کی

اونچائی پانچ ہزار ہاتھ اور چوڑائی تین ہزار ہاتھ تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ آسمان پر چڑھے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آسمان والوں سے قتال کرے اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیج دی جس نے اس محل کو گرا دیا اور اس کی چھت نمرود پر اور اس کے متبعین پر گر پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئے صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ خود نمرود اس وقت ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ محل کی بربادی کے بعد زندہ رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مچھر کے ذریعے ہلاک فرما دیا جو اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے بخت نصر مراد ہے اس نے بھی مکاری کی تھی اور اونچا محل بنایا تھا پھر وہ محل برباد ہو گیا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اگر محل بنانے والی بات درست ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے فرعون نے اپنے وزیر سے کہا تھا یَا هَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا (اے ہامان بنا دے میرے لئے ایک عمارت شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں پھر موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) فرعون کی تدبیریں بھی فیل ہوئیں' قارون بھی اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسایا گیا عاد و ثمود بھی برباد ہوئے اور دنیا میں عذاب چکھ لیا۔

فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (سو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا) مکذبین اور معاندین کو دنیا میں تو عذاب پہنچنا ہی ہے آخرت میں بھی ذلیل ہوں گے اور عذاب میں ڈالے جائیں گے اس کو فرمایا ثُمَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُخْزِیْهِمْ پھر اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن رسوا کرے گا اور سوال فرمائے گا کہ وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑے کیا کرتے تھے' اس موقع پر علم والے حضرات بول اٹھیں گے اور یوں کہیں گے اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ (بلاشبہ آج رسوائی اور بدحالی کافروں پر ہے) اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کیں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے) کفر ہی پر جئے اور کفر ہی پر مرے لہٰذا آج کفر کی سزا ملے گی فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ (پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے) جب وہاں عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اس کے چھٹکارے کے لئے تدبیریں سوچیں گے' ان تدبیروں میں سے ایک تدبیر یہ ہو گی کہ سفارشی تلاش کریں گے اور یوں کہیں گے کہ کوئی ہماری سفارش کر دیتا' کبھی کہیں گے کہ یہاں سے نکال دیئے جاتے تو دوبارہ دنیا میں جا کر اچھے عمل کرتے' اور کبھی اس بات کے منکر ہی ہو جائیں گے کہ ہم مشرک یا کافر تھے' اس آیت میں ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ہم تو کوئی بھی برا کام نہ کرتے تھے' اس میں کفر سے بھی انکاری ہو گئے اور شرک سے بھی اور ہر قسم کی معصیت سے اس انکار کو وہ اپنی نجات کا ذریعہ بنائیں گے چونکہ صلح کرنے سے بعض مرتبہ مصیبت ٹل جاتی ہے اس لئے اسے صلح سے تعبیر فرمایا' ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ بَلٰٓی ہاں تم نے برے کام کئے ہیں اور بہت بڑے جرم کئے ہیں کفر کیا شرک کیا پھر کہتے ہو کہ ہم نے کوئی بھی برا کام نہیں کیا (یہ انکار اور دھاندلی قیامت کے دن چلنے والی نہیں ہے)

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (سو تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے) فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ (سو تکبر والوں کا برا ٹھکانہ ہے) تکبر نے ان کو حق قبول کرنے نہ دیا لہٰذا دوزخ ہی ان کے مناسب حال ہے۔

وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ

اور جو لوگ کفر و شرک سے بچتے ہیں ان سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا؟ انہوں نے کہا کہ بڑی خیر نازل فرمائی، جن لوگوں نے اس

الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

دنیا میں اچھے کام کیے ان کے لئے بھلائی ہے اور بلاشبہ دار آخرت بہتر ہے اور البتہ متقیوں کا گھر اچھا ہے، ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ کَذٰلِکَ یَجْزِی اللّٰهُ

ان میں وہ داخل ہوں گے، ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کے لئے اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اسی طرح اللہ ان کو بدلہ دیتا ہے

الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ۙ ادْخُلُوا

جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو تم

الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ

اہل تقویٰ کا اچھا انجام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جو ان کی خواہش ہوگی

تفسیر: گزشتہ آیات میں کافروں کے مکر اور آخرت میں جو انہیں عذاب ہوگا اور رسوائی ہوگی اس کا ذکر تھا اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ فرشتے ایسی حالت میں ان کی جانیں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، ان آیات میں اہل ایمان کے اچھے اعمال اور اچھے اقوال کا تذکرہ فرمایا اور انہیں بشارت دی کہ وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور ان باغیچوں میں ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ موجود ہوگا جو بھی چاہیں گے وہ سب ملے گا، سورہ زخرف میں فرمایا وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ (اور وہاں وہ چیزیں موجود ہوں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو اسی طرح بدلہ عطا فرماتا ہے، تقویٰ میں ہر چیز آ گئی شرک و کفر سے بچنا

اور تمام گناہوں سے بچنا لفظ تقویٰ ان سب کو شامل ہے متقی حضرات کی موت کے وقت کی حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان کی روحیں اس حال میں قبض کریں گے کہ یہ لوگ پاکیزہ ہوں گے جس کا دل کفر و شرک سے پاک ہو اور دل میں ایمان کی نورانیت ہو اور اس کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین ہو ظاہر ہے کہ موت کے وقت بھی اس کی حالت اچھی ہوگی، فرشتے بھی ان سے اچھا معاملہ کرتے ہیں اور انہیں اس وقت سلام پیش کرتے ہیں اور جنت کی بھی بشارت دے دیتے ہیں، دنیا سے ایمان پر رخصت ہونا اور اچھے اعمال لے کر جانا یہ جنت میں جانے کا سبب ہے، جنت کا حقیقی داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن موت کے وقت اس کی خوشخبری بھی بہت بڑی نعمت ہے فی معالم التنزیل ص۶۶ ج۳ طیبین مومنین طاھرین من الشرک، قال مجاھد زکیۃ افعالھم واقوالھم وقیل معناہ ان وفاتھم تقع طیبۃ سھلۃ۔ (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ طیبین کا مطلب ہے ایمان کی حالت میں شرک سے پاک مجاہدؒ نے کہا ہے اس حال میں کہ ان کے افعال و اقوال پاک ہیں اور بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ ان کی وفات بڑی اچھی اور آسانی کے ساتھ ہوتی ہے)

فائدہ: چند آیات پہلے فرمایا تھا وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اور یہاں ان آیات میں فرمایا وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَیْرًا مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان دونوں آیتوں کا سبب نزول ایک ہی ہے، جس کا کچھ تذکرہ آیت كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور وہ یہ کہ مکہ معظمہ کے مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ اس شہر میں آنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کے لئے مختلف راستوں پر بیٹھ جاؤ، جب اس پر عمل کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کسی قبیلے کا کوئی نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتا تو جھوٹی باتیں کر کے اسے وہیں سے برگشتہ کرتے تھے جب وہ لوگ اپنی قوم میں واپس ہوتے اور ان کی قوم کے لوگ دریافت کرتے کہ کیا معلوم کر کے آئے ہو تو یہ نمائندہ انہیں راستوں پر بیٹھنے والوں کا قول نقل کر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں) اور ان نمائندوں میں سے جو شخص یہ طے کر ہی لیتا کہ مجھے اصل بات کا پتہ چلانا ہی ہے تو وہ ان لوگوں کی باتوں میں نہ آتا تھا اور حضور اقدس ﷺ تک پہنچ ہی جاتا تھا یہ شخص مکہ معظمہ میں داخل ہو جاتا اور مومنین سے ملاقات کرتا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا تو اہل ایمان جواب میں کہتے تھے کہ آپ کی دعوت حق ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ پر خیر نازل فرمائی ہے مومنین کا جواب سن کر یہ نمائندہ مطمئن ہو جاتا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو مطمئن کر دیتا تھا۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ

یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا حکم آ جائے، اسی طرح ان لوگوں نے کیا جو

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ

ان سے پہلے تھے، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے سو انہوں نے

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾

جو برے کام کئے ان کی سزائیں انہیں مل گئیں اور جس چیز کا وہ مذاق بناتے تھے اس نے انہیں آ کر گھیر لیا

منکرین اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں

تفسیر: اہل کفر دعوت حق کو قبول نہ کرتے تھے اور انہیں برابر کفر پر اصرار تھا' واضح دلائل سامنے آنے پر بھی ہدایت سے اعراض کرتے تھے' ان کے بارے میں فرمایا کہ جب دلائل واضحہ ظاہرہ کو نہیں مانتے تو کس بات کا انتظار ہے' ان کا طریقہ کار تو یہ بتاتا ہے کہ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے آ جائیں یا آپ کے رب کا حکم یعنی موت آ جائے لیکن اس وقت ایمان قبول نہ ہوگا' جیسا کہ انہیں اپنے کفر پر اصرار ہے ان سے پہلے لوگ بھی ایسا ہی کرتے رہے پھر ان پر عذاب آ گیا' عذاب کی باتیں سامنے آتی تھیں تو مذاق بناتے تھے پھر جب عذاب نے گھیر لیا تو بچاؤ کا کوئی بھی راستہ نہ پا سکے' ان پر جو عذاب آیا وہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا' جیسا کیا ویسا بھرا اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا یہ مضمون سورہ بقرہ کی آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ اور سورہ انعام کی آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ میں بھی گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ

اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے نہ ہم

وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

نہ ہمارے باپ دادے' اور نہ ہم اس کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے' ان لوگوں نے ایسا ہی کیا جو ان سے پہلے تھے'

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

سو رسولوں کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے' اور بلا شبہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ

کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو' سو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض ایسے تھے

حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

جن پر گمراہی ثابت ہو گئی' سو تم زمین میں چلو پھرو پھر دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

اگر آپ ان کی ہدایت پر حرص کریں سو بلا شبہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرتا ہے اور ان کے لئے کوئی

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

مدد گار نہ ہو گا

مشرکین کی کٹ حجتی، اور ہر امت کے لئے رسول کی بعثت کا تذکرہ

تفسیر: مشرکین شرک تو کرتے ہی تھے اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا انہیں بھی حرام قرار دیتے تھے، جب توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو یوں جواب دیتے تھے کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو ہمیں اس بات کا جواب دو کہ ہم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں بقول تمہارے اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل سے ناراض ہے اگر وہ ناراض ہے تو ہمیں ایسا کیوں کرنے دیتا ہے، جب وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی کام اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہوسکتا تو ظاہر ہے کہ ہمارے باپ دادوں نے جو یہ کام کئے اور ہم بھی کر رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہیں، اس کی مشیت نہ ہوتی تو نہ باپ دادے ایسا کرتے نہ ہم کرتے، ہم ایسا کرتے ہیں اور اس کے علم میں ہے اور اس کی مشیت سے کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ ان کاموں سے راضی ہے، مشرکین کا یہ قول سورہ انعام کے رکوع نمبر ۱۸ میں بھی گزرا ہے وہاں فرمایا ہے كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۔ (اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا)

سورہ انعام میں مزید فرمایا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (آپ فرما دیجئے کہ تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے لئے ظاہر کرو) اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (تم صرف گمان کے پیچھے چلتے ہو اور تم صرف اٹکل پچو باتیں بناتے ہو) سورہ انعام کی آیت میں ان لوگوں کی بات کی تردید فرما دی کہ تم صرف جاہلانہ باتیں کرتے ہو اور اٹکل پچو حجت بازی کرتے ہو، بلا شبہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق بھی ہے اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ ہو بھی نہیں سکتا لیکن کسی کام کو ہونے دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے راضی بھی ہیں، مشیت کی وجہ سے کسی کام کا وجود میں آجانا اور بات ہے اور کسی کام سے راضی ہونا یہ دوسری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لئے دنیا میں بھیجا ہے اور موت اور حیات کو آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے (کما قال تعالٰی لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور ان کو سمجھ دے دی اور عقل عطا

فرمادی اور اعمال کا اختیار دے دیا بندے خیر کے کام بھی کر سکتے ہیں اور شر کے کام بھی ایمان بھی قبول کر سکتے ہیں اور کفر بھی کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ فَہَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (ایسے ہی ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے سو رسولوں کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے)

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجا انہوں نے خیر اور شر کو سمجھایا ایمان کے منافع بتائے اور موت کے بعد جو اس کا فائدہ ہوگا یعنی نجات اور جنت کی نعمتیں ان سے باخبر فرمایا ان کے ذمہ اتنا ہی تھا کہ خوب کھول کر واضح طریقے پر بیان فرمادیں' انہوں نے بیان فرمایا لیکن جسے نہ ماننا تھا اس نے نہ مانا' اپنے اختیار سے لوگ کفر اختیار کرتے ہیں اور شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حلال فرمودہ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں پھر کٹ حجتی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے یہ اعمال منظور نہیں ہیں تو ہمیں کیوں کرنے دیتا ہے' درحقیقت یہ جاہلانہ باتیں ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار نہ دیا جاتا اور جبراً ایمان پر اور اعمال صالحہ پر لگا دیئے جاتے تو ابتلاء اور امتحان کا کوئی موقع ہی نہ رہتا' امتحان تو اسی صورت میں ہے جب کہ خیر و شر دونوں جانب کا اختیار دے دیا گیا ہے یعنی یہ قدرت دے دی ہے کہ اگر چاہیں خیر پر چلیں اور اگر چاہیں تو شر پر چلیں مشرکین نے اس بات کو سامنے نہ رکھا کہ دارالامتحان میں خیر اور شر دونوں کی قدرت واستطاعت ہونا ہی ذریعہ امتحان ہو سکتا ہے جبراً جو کام لیا جائے وہ تو ذریعہ امتحان بن ہی نہیں سکتا' لہٰذا معلوم ہوا کہ بہ مشیت خداوندی کسی چیز کا وجود میں آ جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی بھی ہے کٹ حجتی کرنے والے کفر و شرک کو نہیں چھوڑتے اور محض اٹکل اور گمان سے غلط اور الٹے الٹے جواب دیتے ہیں' بر رسولاں بلاغ باشد و بس رسولوں نے بتا دیا اور سمجھا دیا اب جو عذاب میں جائے گا اپنے اختیار سے جائے گا۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا اور رسولوں کا یہ پیغام تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے اتباع سے دور رہو) مخاطبین میں دونوں طرح کے لوگ ہوئے بعض کو تو اللہ نے ہدایت دی جنہوں نے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بات مانی اور ان پر ایمان لائے اس کو فرمایا فَمِنْہُمْ مَّنْ ہَدَی اللّٰہُ اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کفر پر اڑے رہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر کان نہ دھرا اور ان پر ایمان نہ لائے اسی کو فرمایا وَمِنْہُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْہِمُ الضَّلٰلَةُ جن لوگوں سے قرآن نے خطاب فرمایا ان کے سامنے حق کی دعوت رکھ دی اور پرانی امتوں میں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا تھا ان پر جو عذاب آئے ان کو بیان فرما دیا یہاں بھی منکرین و مکذبین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ (کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا)۔

رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں اس بات کا بہت زیادہ تقاضا تھا کہ جن لوگوں کے سامنے حق کی دعوت پیش کر رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلا رہا ہوں یہ لوگ ایمان قبول کر ہی لیں' لیکن سارے انسانوں کا اسلام قبول کر

لینا اللہ تعالیٰ کے قضاوقدر میں نہیں ہے اس لئے ارشاد فرمایا اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ (اگر آپ حرص کریں تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ فرماتا ہے)

آپ اپنا کام کرتے رہیں جسے ایمان نہیں لانا وہ ایمان نہ لائے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور جو لوگ گمراہی اختیار کریں گے اور اس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ان کے لئے کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا' اگر یہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ہم اللہ کے علاوہ جن لوگوں کی پرستش کرتے ہیں وہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے یہ ان کی جہالت اور حماقت ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا
اور ان لوگوں نے خوب زوردار طریقے پر اللہ کی قسم کھائی کہ جو شخص مرجاتا ہے اللہ اسے نہ اٹھائے گا' ہاں اللہ ضرور اٹھائے گا' یہ پکا وعدہ ہے جسے اللہ نے اپنے ذمہ لازم کرلیا ہے'
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے' تاکہ اللہ ان لوگوں کے لئے ان باتوں کو بیان فرمادے جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں' اور تاکہ کافر لوگ جان لیں
كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَىْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
کہ وہ جھوٹے تھے' ہم جس کسی چیز کو پیدا کرنا چاہیں اس کے بارے میں ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہو جا
فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾
لہٰذا وہ وجود میں آجاتی ہے

منکرین کا قسم کھانا کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد زندہ کر کے نہ اٹھائے گا' ان کی اس بات کی تردید اور اس کا اثبات کہ اللہ تعالیٰ کے ''کُن'' فرمادینے سے ہر چیز وجود میں آجاتی ہے

تفسیر: گزشتہ آیات میں مشرکین کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے اور توحید کے منکر تھے' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سمجھایا لیکن وہ نہ مانے پھر تکذیب کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے' ان آیات میں منکرین بعث کا ذکر ہے مشرکین اور دوسرے کفار بعث اور حشر یعنی قیامت کا انکار کرتے تھے اور انکار بھی سطحی انداز میں نہیں بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی زوردار قسم کھا کر یوں کہا کہ جو لوگ مرجاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ نہ فرمائے گا' ان کے جواب میں فرمایا بَلٰى جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا انکار کرنا اور قسم کھانا یہ سب جھوٹ

ہے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ بندوں کو ضرور زندہ فرمائے گا' یہ اس کا پختہ وعدہ ہے اس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا' لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے' نہ جاننا اور ان کا نہ ماننا اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ' نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا نہ ہو' قیامت ضرور قائم ہوگی قبروں سے ضرور اٹھیں گے فیصلے ہوں گے' اللہ تعالیٰ شانہ' واضح طور پر ان چیزوں کو بیان فرما دیں گے جن کے بارے میں لوگ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات بتاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے سناتے تھے ان کو نہیں مانتے تھے' نیز اس دن کافروں کو بھی اپنے جھوٹا ہونے کا یقین ہو جائے گا' کفر اختیار کر کے جو یہ کہتے تھے کہ اللہ ہم سے ناراض ہے تو ہمیں جبراً روک کیوں نہیں دیتا اور یوں کہتے تھے کہ قیامت قائم نہ ہوگی اور رسولوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اللہ کے رسول نہیں ہیں ان سب باتوں میں ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوتا تھا کہ مرنے کے بعد لوگ کیسے زندہ کئے جائیں گے اللہ جل شانہ' نے ان کا استبعاد دور فرمایا اور اپنی قدرت کاملہ بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (کہ جب ہم کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کریں تو ہمارا یہ فرما دینا کافی ہے کہ ہو جا لہٰذا وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے پیدا فرمانے پر قدرت ہے' کسی بھی چیز کا پیدا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے جس نے پہلے سب کو پیدا فرمایا وہ اس بات پر کیسے قادر نہ ہوگا کہ دوبارہ پیدا فرما دے' قیامت اور بعث ونشر کا انکار کرنے والے یہ تو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا فرمایا ہے لیکن یہ بات نہیں مانتے کہ موت کے بعد دوبارہ پیدا ہوں گے سورہ ق میں ان کے استبعاد کو رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ (کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے) اور سورہ یٰسٓ میں فرمایا قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (آپ فرما دیجئے کہ ان گلی ہوئی ہڈیوں کو وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) جس کے کُنْ (ہو جا) فرمانے سے ہر چیز کا وجود ہو جاتا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ دوبارہ کیسے پیدا فرمائے گا جہالت ہے اور حماقت ہے۔ کُنْ فرمانے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں ضروری بحث سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۱)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

اور جن لوگوں نے مظلوم ہونے کے بعد اللہ کے بارے میں ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں ضرور بالضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور یہ بات یقینی ہے کہ آخرت کا ثواب بڑا بھاری ہے' کاش یہ لوگ جان لیں' وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا و آخرت کی خیر و خوبی کا وعدہ

تفسیر: مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کیا تو مشرکین مکہ کو بہت زیادہ ناگوار ہوا یہ لوگ آپ کے بھی دشمن ہو گئے اور جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے ان سے بھی دشمنی کرتے تھے، شروع میں عموماً ایسے لوگوں نے اسلام قبول کیا جو دنیاوی اعتبار سے بڑے نہیں سمجھے جاتے تھے یہ لوگ پردیسی تھے مالی اعتبار سے کمزور تھے اور ان میں بعض غلام تھے مکہ کے مشرک انہیں مارتے پیٹتے تھے اور بہت تکلیف پہنچاتے تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حبشہ جانے کی اجازت دے دی، حبشہ میں نصرانی حکومت تھی یہ حضرات وہاں پہنچے آرام سے رہنے لگے لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے وہاں بھی پیچھا کیا وہاں جا کر بادشاہ کو بہکایا اور ورغلایا اور کہا کہ ہمارے وطن کے کچھ لوگ جو نوعمر ہیں اور بے وقوف ہیں انہوں نے نیا دین اختیار کر لیا ہے اور وہ تمہارے ملک میں آ گئے ہیں ان کو واپس کیا جائے، بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم سنائی اور پوری کیفیت بتائی کہ ہم لوگ دینی اعتبار سے ایسے ایسے حال تھے اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول بھیجا ہم نے ان کا اتباع کر لیا، یہ لوگ دشمنی کرتے ہیں اور ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں اسی لئے ہم تمہارے ملک میں آ گئے ہیں، یہ سن کر بادشاہ اور اس کے متعلقین مطمئن ہو گئے اور ان حضرات کو حبشہ میں اطمینان سے رہنے کا موقعہ مل گیا پھر ان میں سے بعض حضرات واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور بعض حضرات وہیں رہتے رہے اور ۸ ہجری میں دوسری ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے، ان سے پہلے وہ حضرات مکہ معظمہ سے آ چکے تھے جنہوں نے براہ راست مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی، بعض حضرات نے دو ہجرتیں کیں حبشہ بھی پہنچے اور وہاں سے مکہ معظمہ کو واپس پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ چلے آئے اور بعض حضرات نے ایک ہی مرتبہ ہجرت کی یہ ہجرتیں مشرکین کے ظلم کی وجہ سے تھیں، آیت بالا میں ہجرت کرنے والوں سے ایک تو وعدہ فرمایا ہے کہ ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے دوسرے انہیں آخرت کے اجر سے باخبر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حبشہ میں بھی ان کو اچھا ٹھکانہ دیا اور مدینہ میں بھی، اپنے وطن اور اعزہ و اقرباء مال جائیداد وغیرہ کو چھوڑ دینا جہاں پیدا ہوئے پلے بڑھے آسان نہیں ہے لیکن حضرات صحابہ نے سب کچھ قربان کر دیا تکلیفیں برداشت کیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی انہیں اچھا ٹھکانہ دیا اور آخرت کے ثواب کی بھی خوشخبری دی اور فرمایا وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ کہ آخرت کا ثواب اس دنیاوی آرام و راحت اور مال و دولت سے بدرجہا بڑا ہے۔

ساتھ ہی لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ بھی فرمایا اس کی ضمیر کس طرف راجع ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ بطور جملہ معترضہ کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اور ہجرت کا آخرت والا ثواب جان لیتے تو یہ بھی

مسلمان ہو جاتے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو عین الیقین کے درجہ میں اپنی ہجرت کا ثواب معلوم ہو جاتا تو اور زیادہ دینی کاموں میں مشقت برداشت کرتے اور ہجرت کرنے میں جو سختیاں اور دشواریاں برداشت کیں ان پر اور زیادہ خوش ہوتے (روح المعانی ص ۱۴۶ ج ۱۴)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا
اور آپ سے پہلے ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے' سو تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں
تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ
جانتے' ان رسولوں کو دلائل اور کتب کے ساتھ بھیجا' اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں
وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾
جو آپ کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ لوگ فکر کریں

ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے پہلے جن کو رسول بنا کر بھیجا وہ انسان ہی تھے مشرکین مکہ کو یہ بات مستبعد معلوم ہو رہی ہے کہ ان کے پاس جو رسول آیا وہ انسان ہے حالانکہ رسول اور بشر ہونے میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ انسانوں کی طرف انسان ہی کا مبعوث ہونا حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے پھر فرمایا فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اہل الذکر سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں مشرکین مکہ تجارت کے لئے سال میں دو مرتبہ شام جایا کرتے تھے اور مدینہ منورہ میں یہودیوں پر ان کا گزر ہوتا تھا اور راستے میں نصرانیوں کے راہبوں سے بھی ملاقات ہوتی تھی جو جنگلوں میں رہتے تھے اور شام میں نصرانیوں کی حکومت تھی وہاں نصرانی بہت تھے ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں مشرکین مکہ جانتے تھے کہ یہود اور نصرانی دین سماوی کے مدعی ہیں اسی لئے انہوں نے مدینے کے یہودیوں سے معلوم کیا تھا کہ ہم صحیح راہ پر ہیں یا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی ہدایت پر ہیں' جس کا ذکر سورۃ نساء رکوع ۸ میں گذر چکا ہے' اہل مکہ انہیں صاحب علم سمجھتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ سے معلوم کر لو سابقین انبیائے کرام علیہم السلام انسان تھے یا فرشتہ تھے یا اور کسی جنس سے تھے ان سے پوچھو گے تو یہی بتائیں گے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو نبی اور رسول آتے تھے وہ سب بشر تھے اور آدمی ہی تھے' مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا مذہب ایک نہیں تھا لیکن مشرکین چونکہ انہیں اہل علم سمجھتے تھے اس لئے ارشاد فرمایا کہ ان سے پوچھ لو بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ جار مجرور کس سے

متعلق ہے اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مَا اَرْسَلْنَا سے متعلق ہے یعنی وما ارسلنا الا رجالا بالبینات والزبر' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں انزلنا مقدر ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں ارسلنا مقدر ہے اور یعنی اَرْسَلْنَاکَ بِالْبَیِّنَاتِ وَالزُّبُرِ کہ ہم نے آپ کو کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ اوران مضامین کے ساتھ بھیجا جو کتب سابقہ میں بیان کئے گئے ہم نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے اس صورت میں وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ ارسلنا مقدر پر معطوف ہوگا۔

منکرین حدیث کی تردید

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ میں قرآن کو ذکر بتایا کیونکہ وہ عبرتوں اور ''موعظتوں'' پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی یوں فرمایا لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس ذکر کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا) اس میں یہ بتا دیا کہ آپ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی کتاب بندوں تک پہنچا دیں بلکہ اس کا بیان کرنا بھی آپ سے متعلق تھا' اس میں ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ رسول کی حیثیت (العیاذ باللہ) ایک ڈاکئے کی سی ہے انہوں نے قرآن لا کر دے دیا اب ہم اس کو خود سمجھ لیں گے یہ ملحد خود تو زندیق بن ہی چکے ہیں اب چاہتے ہیں کہ امت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں' جب رسول اللہ ﷺ کو درمیان میں سے نکال دیں گے تو عمل کرنے کے لئے پاس رہے گا کیا؟ قرآن مجید میں تو مجمل طریقے پر احکام بیان کئے گئے ہیں اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے' قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے' سورہ نساء میں رسول کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت بتایا ہے اور سورہ آل عمران میں آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے (قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ) اور سورہ احزاب میں آپ کو مقتدیٰ بتایا ہے اور آپ کی ذات گرامی کو عمدہ نمونہ فرمایا ہے (لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ) جو شخص قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب مانتا ہے اس پر واجب ہے کہ احادیث شریفہ میں وارد شدہ تفصیلات کے مطابق قرآن پر عمل کرے۔ حدیث کے بغیر کوئی شخص قرآن مجید پر چل ہی نہیں سکتا قرآن مجید میں حکم ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہو تو ہاتھ منہ دھولو اور سر کا مسح کر لو جس کو سب عوام و خواص وضو کہتے ہیں لیکن یہ بات کہ کتنی کتنی مرتبہ دھوئے قرآن مجید میں نہیں ہے اور پھر اس وضو کو توڑنے والی کیا چیزیں ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے' قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن رکعتوں کی تعداد نہیں بتائی' نماز میں نظر کہاں رہے' ہاتھ کہاں رہیں' ہر رکعت میں کتنے رکوع ہیں کتنے سجدے ہیں قرآن مجید نے یہ نہیں بتایا' قرآن مجید میں حج وعمرہ پورا کرنے کا حکم ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ دونوں کس طرح ادا ہوتے ہیں حج کس تاریخ میں ہوتا ہے طواف میں کتنے چکر ہیں' کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں ختم ہوتا ہے' صفا مروہ کے درمیان کتنی مرتبہ آنا جانا ہے احرام کس طرح باندھا جاتا ہے' عمرہ میں کیا افعال ہیں یہ

بھی قرآن مجید میں نہیں ہے میت کو غسل دیا جانا اور کفن دفن کا طریقہ بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکاح انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے اس کا انعقاد کس طرح ہوتا ہے اور دیت (خون بہا) میں کیا دینا پڑتا ہے ایک جان کی دیت کتنی ہے اور مختلف اعضاء کی دیت میں کیا دیا جائے سب چیزیں بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں' قرآن مجید میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے کاٹا جائے اور کتنا مال چرانے پر کاٹا جائے کیا ایک چنا اور ایک لاکھ روپے چرانے کا ایک ہی حکم ہے' پھر اگر دوسری بار چوری کرلے تو کیا کیا جائے' قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے اس میں کیا تفصیل ہے متفرق کر کے مارے جائیں یا متواتر' ان سب چیزوں کا جواب قرآن مجید میں نہیں ہے' مذکورہ بالا چیزیں رسول ﷺ نے بیان فرمائیں آپ کے بیان فرمانے کے مطابق ہی عمل کیا جائے تب قرآن مجید پر عمل ہوگا۔

قرآن مجید کا اعلان ہے کہ دین کامل ہے اور بے شمار احکام ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں اور جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بیان اور تشریح کے بغیر قرآن مجید پر عمل نہیں ہوسکتا اور یہ بیان و تشریح کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرمایا ہے جیسا کہ اوپر آیت شریفہ میں واضح طور پر مذکور ہے منکرین حدیث کی یہ کیسی جاہلانہ بات ہے کہ جس پر قرآن مجید نازل ہوا اس کا بیان فرمانا اور اس کی تشریح اور تفہیم معتبر نہ ہو اور ان جاہلوں کی تفہیم اور تشریح معتبر ہو جائے' جو لوگ انکار حدیث کا فتنہ لے کر اٹھے ہیں نہ صرف ونحو سے واقف ہیں نہ بلاغت و فصاحت سے' نہ انہیں صیغوں کی پہچان ہے نہ حروف اصلیہ و زائدہ کی نہ مواد اشتقاق سے باخبر ہیں لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کر کے خود گمراہ ہو چکے ہیں اور امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کو حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے جو شخص قرآن کو ماننے کا دعویٰ دار ہے وہ قرآن کی ان آیات کو کیوں نہیں مانتا جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت' اقتداء اور اتباع کو فرض قرار دیا گیا ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔

بات سچی یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنہ انکار حدیث کا شوشہ نکالا ہے یہ لوگ خود سے سوچنے اور کرنے والے نہیں ہیں ان کو یہود و نصاریٰ نے اور مشرکین نے اس کام پر لگایا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنوں کا کھلونا بن گئے ہیں اعاذ اللہ تعالیٰ الامۃ المسلمۃ من اباطیلھم۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (تاکہ یہ لوگ فکر کریں) قرآن مجید میں جو عبرت و موعظت اور جو واضح بیانات ہیں اور جو آیات تکوینیہ مذکور ہیں ان میں فکر کرنے سے ہدایت تک پہنچ سکتے ہیں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ

جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے پاس ایسی جگہ سے

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾

عذاب آ جائے جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہو یا اللہ ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے سو یہ لوگ عاجز کرنے والے نہیں ہیں

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

یا ان کو کم کرتے کرتے پکڑ لے سو بلاشبہ تمہارا رب بڑا مہربان ہے بڑا رحیم ہے

معاندین اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بےخوف نہ ہوں

تفسیر: ان آیات میں معاندین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اپنے عناد اور سرکشی کی وجہ سے جو حق کو آگے بڑھنے سے روکنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ حق کو نہ خود مانیں نہ دوسروں کو قبول کرنے دیں یہ لوگ دنیا کی تھوڑی سی کھانے پینے والی اور آرام و راحت والی زندگی سے دھوکہ نہ کھائیں یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر ہیں' کیا یہ لوگ اس بات سے نڈر ہیں کہ انہیں زمین میں دھنسا دیا جاوے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے انہیں خبر بھی نہ ہو یا اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں چلتے پھرتے پکڑ لے یا ان کی اس طرح گرفت فرمادے کہ ان کی جانوں کی تعداد کم ہوتی چلی جائے اور ان کے اموال گھٹتے چلے جائیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اگر اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے چلنے پھرنے کی حالت میں پکڑ لے اور عذاب میں مبتلا فرمادے تو یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھوٹ نہیں سکتے اور بھاگ کر اسے عاجز نہیں کر سکتے وہ جس طرح عذاب دینا چاہے اور جس طرح گرفت فرمانا چاہے اسے پوری قدرت ہے فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ اس میں یہ بتایا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ گرفت فرمانے پر قدرت رکھتا ہے اور جس طرح چاہے اور جب چاہے گرفت فرمالے اسے اختیار ہے لیکن وہ مہلت دیتا ہے رحم فرماتا ہے حق کی طرف رجوع کرنے کی مہلت دیتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ای مخافة وحذر من الهلاك والعذاب بان ملك قوما او يحدث حالات يخاف منها غير ذلك كالرياح الشديدة والصواعق والزلازل فيتخوفوبي فياخذهم بالعذاب وهم متخوفون ويروى نحوه عن الضحاك وقال غير واحد من الاجلة على ان ينقصهم شيئا فشيئا في انفسهم واموالهم حتى هلكوا من تخوفته اذا تنقص وروى تفسيره بذالك عن ابن عباس و مجاهد والضحاك ايضا. (أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ یعنی ہلاکت و عذاب کے خوف میں انہیں گرفتار کر دے اس طرح کہ کسی قوم کو ان پر مسلط کر دے یا اس کے علاوہ ایسے حالات پیدا کر دے جو خوفناک ہوں جیسے سخت ہوائیں اور بجلیاں اور زلزلے تو وہ مجھ سے ڈریں پھر انہیں عذاب میں گرفتار کر دے اسی حالت خوف میں ہی اور اسی طرح کا مفہوم ضحاک سے بھی روایت کیا جاتا ہے اور کئی بڑے مفسرین نے کہا ہے یہ عذاب اس طرح آئے کہ انہیں تھوڑا تھوڑا کر کے جانی و مالی نقصان ہوتا جائے حتیٰ کہ جب وہ کمزور ہو جائیں تو اسی کمزوری سے ہلاک ہو جائیں اور یہ تفسیر حضرت ابن عباس' مجاہد اور ضحاک سے بھی مروی ہے)

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا

کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں ان کے سائے دائیں طرف اور بائیں طرف کو اس طرح جھکتے ہیں کہ وہ

لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ

اللہ کے فرمانبردار ہیں اور عاجز ہیں' اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

دَآبَّۃٍ وَّ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ

حیوانات اور فرشتے یہ سب اللہ کے حکم کے فرمانبردار ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے' وہ اپنے رب کی شان قاہریت سے ڈرتے ہیں

وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے

ہر مخلوق فرشتے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں

تفسیر: ان آیات میں بندوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور اپنی شان خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان کو کیوں نہیں دیکھتے؟ ان میں غور کرو اور دیکھو کہ ان کا سایہ دائیں طرف اور بائیں طرف جو زمین پر پڑتا ہے اس سائے میں بھی اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شان خالقیت ظاہر ہو رہی ہے یہ سائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتے ہیں یہ سائے اسی طرف جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور اس کے حکم کے سامنے عاجز محض ہیں' اور سایوں پر اور سایہ والی چیزوں پر کچھ منحصر نہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں' ان میں حیوانات بھی ہیں اور فرشتے بھی' اور یہ فرشتے تکبر نہیں کرتے فرمانبرداری اور اطاعت ہی ان کا شعار ہے' فرشتے اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور قاہر اور غالب ہے اور اس سے ڈرتے ہیں کہ اس کی طرف سے کوئی گرفت نہ ہو جائے' قال صاحب الروح ص ۱۵۸ ج ۱۴ ومعنی کونہ سبحانہ فوقھم قھرہ وغلبتہ لان الفوقیۃ المکانیۃ مستحیلۃ بالنسبۃ الیہ تعالیٰ (وقال ایضا) وخوف ربھم کنایۃ عن خوف عذابہ) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کے اوپر ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قہر اور غلبہ ہے کیونکہ مکانی برتری اللہ تعالیٰ کی نسبت سے محال ہے اور فرمایا ان کے رب کا خوف کنایہ ہے اس کے عذاب کے خوف سے) (اور علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں (ھو) کقولہ تعالیٰ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ)

سایوں کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتا ہے اسی طرف سایہ پڑتا ہے اور سایہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور گھٹتا بھی ہے ہر طرح کا تصرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے' اور سب تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے منقاد اور فرمانبردار ہیں اس لئے سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ فرمایا ہے سورۃ فرقان میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْہِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اس نے سایہ کو کس طرح پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا) جب آفتاب نکلتا ہے تو ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا جاتا ہے پھر جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا ہے سایہ کم ہوتا جاتا ہے بظاہر سایہ کا وجود آفتاب کے چلنے اور اس کے سامنے اجسام کثیف آنے

کی وجہ سے ہے لیکن خود آفتاب کی حرکت ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے اور پھر سایوں کا وجود میں آنا اور گھٹنا بڑھنا یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ذرا سا بھی سایہ نہ ہو سایہ کا ایک مثل دو مثل ہونا سایہ کے بڑھنے ہی کی وجہ سے ہے اللہ چاہتا تو سایہ ایک ہی جگہ پر ٹھہرا رہتا جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے نہ آفتاب خود کوئی حیثیت رکھتا ہے اور نہ سایہ سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

سایوں کی فرمانبرداری بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا جو بھی چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں سب اللہ کی فرمانبردار ہیں تکوینی طور پر ان کا وجود اور ان کی کیفیات اسی طرح سے ہیں جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے ان میں شمس وقمر ستارے درخت پہاڑ اور چوپائے سبھی ہیں جیسا کہ سورۂ حج کے دوسرے رکوع میں ان چیزوں کا خصوصی تذکرہ ہے یہاں سورۂ نحل میں مــن دابة یعنی زمین پر جو چیزیں چلتی پھرتی ہیں وہ سب اللہ کی فرمانبردار ہیں پھر خاص طور پر فرشتوں کا تذکرہ فرمایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اور اس کے قہر اور غلبہ کے سامنے اپنے اندر کوئی بڑائی محسوس نہیں کرتے سورۃ نساء میں فرمایا لَـنْ یَّسْتَنْکِفَ الْـمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے) جتنی جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اسی قدر اس کی شان بندگی بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتا اور مانتا ہے فرشتوں کو تو بہت زیادہ معرفت حاصل ہے وہ کیوں کر عبادت گزار اور فرمانبردار نہ ہوں گے نہ صرف یہ کہ وہ عبادت گزار اور سجدہ ریز ہیں بلکہ وہ اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

فائدہ: آیت شریفہ میں وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ فرمایا اس سجدہ سے مفسرین نے مطیع اور فرمانبردار ہونا مراد لیا ہے کیونکہ ظاہری حال میں ہر چیز سے سجدہ کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا لیکن مخلوقات میں جو جماعتیں ذوی العقول ہیں (فرشتے اور انسان اور جن) ان کا سجدہ حقیقی بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ جمع بین الحقیقت والمجاز کے طور پر نہیں بلکہ اس طرح سے کہ جو سجدہ ریز ہیں وہ فرمانبرداری ہی کے ذیل میں سجدہ کرتے ہیں جن لوگوں کو اختیار دیا گیا ہے ان لوگوں کا مومن ہونا اور پھر اپنے اختیار سے سجدہ کرنا یہ انقیاد کا اعلیٰ درجہ ہے اہل ایمان تکوینی طور پر بھی منقاد ہیں اور تشریعی طور پر بھی ہاں جو لوگ اہل ایمان نہیں ہیں وہ تکوینی طور پر منقاد ہیں اس لئے سورۂ حج میں وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمایا۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

اور اللہ نے فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ وہ صرف ایک ہی معبود ہے سو تم مجھ ہی سے ڈرو

وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور اسی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور فرمانبرداری کرنا صرف اسی کا حق ہے کیا تم اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے ہو؟

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا

اور تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو، پھر جب

كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ

وہ تم سے اس تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک جماعت اسی وقت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے تاکہ وہ ہماری اس نعمت کے منکر ہو جائیں،

فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

سو تم نفع حاصل کر لو پھر عنقریب جان لو گے

معبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے اسی سے ڈرو

تفسیر: ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں، آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے (مخلوق اور مملوک اپنے خالق اور مالک کے برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا معبود بھی نہیں ہو سکتے) جب سب کچھ اسی کی ملکیت ہے تو ہمیشہ اسی کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے لازمی طور پر ہمیشہ اسی کی عبادت کرو جب اس کی اطاعت لازم ہے تو اس کے علاوہ کسی دوسرے سے ڈرنے کا کوئی موقع نہیں اس کو فرمایا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے جو ڈر کے مارے بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پوجا نہ کی تو یہ ہمیں تکلیف پہنچائیں گے قولہ تعالیٰ وَاصِبًا فسر بثلاثه معان (الاول) دائما (والثانی) واجبا (والثالث) تاعبا ای تجب طاعة الله تعالیٰ ان تعب العبد فیها قاله القرطبی، (واصباً کی تفسیر تین معانی کے ساتھ کی گئی ہے۔ ۱- دائماً (ہمیشہ) ۲- واجباً (ضروری حق) ۳- تاعباً یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس قدر واجب ہے کہ بندہ اس میں اپنے آپ کو تھکا دے) وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (اور جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں) ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ (پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اسی کی طرف متوجہ ہو کر گڑگڑاتے ہو اور فریاد کرتے ہو) جب ساری نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور دکھ تکلیف بھی اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں تو شرک کیوں کرتے ہو؟ اس کے علاوہ دوسروں کی پوجا کر کے ہلاکت میں مبتلا نہ ہوں۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ (پھر جب اللہ تعالیٰ مصیبت کو دور فرما دیتا ہے تو تمہیں میں سے ایک جماعت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ اس کی عطا فرمودہ نعمتوں کو گناہوں میں استعمال کرتے ہیں شرک کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور بتوں کے لئے حصے مقرر کرتے ہیں،

جس کی کچھ تفسیر سورۂ انعام میں گزر چکی ہے ظاہر ہے کہ جولوگ ایسا کرتے ہیں وہ اپنی ذات کو عذاب میں دھکیلنے کا کام کرتے ہیں اسی لئے فرمایا فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یعنی نفع اٹھالو مزے اڑالو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ان حرکتوں کا انجام کیا ہے مرتے وقت اور دم نکلتے ہی جب عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر قیامت کے دن دوزخ میں داخل ہوں گے اس وقت شرکیہ کرتوتوں کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ

اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے حصہ مقرر کرتے ہیں جنہیں کچھ بھی علم نہیں اللہ کی قسم تم سے اس بارے میں ضرور ضرور پرسش ہوگی جوتم

تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

افترا پردازی کرتے ہو اور اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے اپنی چاہت کی چیز اور جب

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ

ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے

مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ

اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے اسے جو بشارت دی گئی اس کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپا ہوا رہتا ہے آیا اسے ذلت پر روکے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے خبردار

مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ

ان کے فیصلے برے ہیں جولوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے اور اللہ کے لئے بلند صفات ہیں

الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے

مشرکین کی بھونڈی تجویز اللہ کے لئے بیٹیاں اور اپنے لئے بیٹے تجویز کرتے ہیں خود ان کے یہاں بیٹی پیدا ہونے کی خبر مل جائے تو چہرہ سیاہ ہوجاتا ہے

تفسیر: مشرکین جو شرک کرتے ہیں اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مال کا کچھ حصہ باطل معبودوں کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جس کی تفسیر سورۂ انعام کی آیت میں گذر چکی ہے (وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ الی اخر الاٰیة) مال تو دیا اللہ نے اور اس میں شریک کر دیا باطل معبودوں کو اور اوپر سے یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے اور

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے اس لئے فرمایا تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ کہ اللہ کی قسم تم سے افتراء پردازیوں کے بارے میں ضرور ضرور سوال ہوگا اور سورۂ انعام میں فرمایا سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (وہ عنقریب ان کی افتراء پردازیوں کا بدلہ دے گا)۔

اس کے بعد مشرکین کا ایک اور شرکیہ عقیدہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا اور یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا ہی شرک ہے وہ اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو سورۂ مریم میں فرمایا وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے گالی دی اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے مشرکین کی بھونڈی عقل تو دیکھو کہ اول تو اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد بتا کر مشرک ہوئے پھر جو اولاد تجویز کی وہ بھی لڑکی جبکہ اپنے ہاں لڑکی کا پیدا ہونا برا سمجھتے ہیں اور اپنے لئے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں سورہ زخرف میں فرمایا وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے) اپنے لئے لڑکیاں پسند نہیں کرتے اور اللہ کیلئے اولاد تجویز کرنے بیٹھے تو لڑکیاں تجویز کردیں سورۂ زخرف میں فرمایا اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (کیا اللہ نے اپنی اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند فرمایا جو زیور میں نشوونما پائے اور جو جھگڑے میں قوت بیانیہ نہ رکھتی ہو) صنف ضعیف کو اللہ کی بیٹیاں بتا رہے ہیں بیوقوفی کی انتہا ہے۔

اللہ کے لئے تو بیٹیاں تجویز کردیں اور اپنا حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو خبر ملے کہ اس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس خبر سے اس کا چہرہ سیاہ یعنی بے رونق ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹا گھٹا پھرتا رہتا ہے لوگوں کے سامنے آنے میں عار محسوس کرتا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے کہ لوگ یہ عیب نہ لگائیں کہ تیرے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے اور ساتھ ہی اس فکر میں پڑ جاتا ہے کہ ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے روکے رکھوں یا عار سے بچنے کے لئے زمین میں گاڑ دوں پھر ہوتا یہ تھا کہ بچی کو زندہ دفن کردیتے تھے اور رواج کی وجہ سے لوگوں کے سامنے آ کر اپنے کو باعزت قرار دیتے تھے گویا انہوں نے بہت بڑا عزت کا کارنامہ انجام دیا کہ اپنی لڑکی کو زندہ دفن کردیا سورۂ تکویر میں فرمایا وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (اور جب زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں سوال کیا جاوے گا کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی) عرب جن جہالتوں میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ جہالت بھی تھی رواج نے انہیں سخت دل بنا دیا اپنی زندہ بچی کو دفن کرتے ہوئے ذرا رحم نہیں آتا تھا عورت اسلام سے پہلے بالکل بے حیثیت تھی اس سے بڑی بے آبروئی کیا ہوگی کہ

بچی پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردی جاتی تھی' اور ہندوستان میں تو یہ حال تھا شوہر مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اسلام نے عورت کو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس کے حقوق بتائے بچیوں کی پرورش کا ثواب بتایا اُسے عزت کے ساتھ گھر میں رہنے کا حکم دیا پھر بھی عورتوں کی ناسمجھی پر افسوس ہے کہ دور حاضر کے ملحدوں اور زندیقوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنی ذات کو بے آبرو کر رہی ہیں بے پردہ پھرنے میں اور گندی زندگی گزارنے میں ہنر سمجھتی ہیں شوہروں کے بجائے دوست تلاش کرتی پھرتی ہیں آخر میں فرمایا اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ (خبردار ان کے فیصلے برے ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنا ہی بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے پھر اولاد بھی تجویز کی تو ایسی چیز تجویز کی جسے اپنے لئے سبب ذلت اور موجب عار سمجھتے ہیں۔

لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ (جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے) (کہ دنیا میں جہالت اور حماقت میں مبتلا ہیں اور آخرت میں عذاب اور ذلت میں مبتلا ہوں گے) وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ ہیں) اس کا وجود ذاتی ہے اس کی قدرت کاملہ ہے' خالقیت اور مالکیت میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اولاد اس کے لئے شایان شان نہیں۔

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اور وہ عزت والا اور غلبہ والا ہے حکمت والا ہے' جو کچھ وجود میں ہے سب کچھ اس کی حکمت کے مطابق ہے۔

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَیْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ
اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین پر کسی بھی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾
مہلت دیتا ہے سو جب ان کا وقت معین آ جائے گا تو ایک گھڑی مؤخر نہ ہوں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے
وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا
اور اللہ کے لئے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے مکروہ جانتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے' یہ لازمی
جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ
بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور وہ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے' اللہ کی قسم ہم نے امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسول بھیجے
فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا
سو شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال اچھے کر کے دکھلائے سو وہ آج ان کا رفیق ہے' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے' اور ہم نے آپ پر

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

کتاب اسی لئے نازل کی کہ آپ ان کے لئے وہ بات بیان فرمادیں جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں اور یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا سو اس کے ذریعہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ فرما دیا بلا شبہ اس میں

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾

ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سنتے ہیں

لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ گرفت فرماتا تو زمین پر چلنے والوں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑتا

تفسیر: مشرک اور کافر اپنے عقائد اور اعمال کی وجہ سے جو سراپا ظلم ہے عذاب کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ اگر چاہتا تو فوراً عذاب دیتا اور ہلاک فرما دیتا لیکن اس کی عادت اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ مہلت عطا فرماتا ہے اور جس قوم کی ہلاکت ہوتی ہے وہ میعاد مقرر تک پہنچ جاتی ہے جب میعاد معین آ جاتی ہے یعنی آنے کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ شانہٗ لوگوں کے مظالم کی وجہ سے فوری مواخذہ نہیں فرماتا' اگر وہ فوری مواخذہ فرماتا تو زمین پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا مذکورہ بالا مضمون بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے لئے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جسے اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں (یعنی بیٹیاں جنہیں اپنے لئے اسے گوارہ نہیں کرتے' بیچ میں جملہ معترضہ تھا آگے مضمون سابق کا تکملہ ہے)

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى اور ان کی زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے (یعنی وہ شرک بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے اور وہ ہمیں ہمیشہ اچھے حال میں رکھے گا) ایسا کہنے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جو کافر تھے لیکن فی الجملہ قیامت قائم ہونے کے بھی قائل تھے جیسا کہ ہندوستان کے ہندو نرگ سرگ کا عقیدہ رکھتے ہیں ایسے لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے بعض حضرات نے الحسنی سے جنت بھی مراد لی ہے اور منکرین کا کلام بر سبیل فرض بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کافریوں کہتے ہیں کہ بالفرض قیامت موت کے بعد اگر جنت و دوزخ کا معاملہ ہوگیا جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں تو ہمیں جنت ہی ملے گی' جھوٹے دعوے کرنے والوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ (یہ بات لازمی ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور یہ بات بھی لازمی ہے کہ انہیں دوزخ میں دوسرے لوگوں سے پہلے جلدی بھیج دیا جائے گا)۔

پھر فرمایا تَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ (الآیۃ) اللہ کی قسم ہم نے امتوں کی طرف آپ سے پہلے رسول بھیجے جنہوں نے حق کی دعوت دی، شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر کے پیش کیا اور ان کے دلوں میں کفر و شرک کو اچھا کر دکھایا (لہٰذا انہوں نے شیطان ہی کی بات مانی اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بری طرح پیش آئے، جس طرح ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں اور یہ جان لیں کہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے)۔

جب شیطان کی بات مانی تو وہ ہی دنیا میں ان کا ولی بنا اور آخرت میں بھی وہی ولی ہوگا اور اس کی دوستی انہیں لے ڈوبے گی اور اسکے ساتھ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ (الآیۃ) اور ہم نے آپ پر قرآن اسی لئے نازل کیا کہ جن چیزوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کے سامنے واضح طور پر حق واضح فرمادیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں میں اختلاف تھا کہ مردے زندہ ہوں گے یا نہیں اور فلاں چیز اللہ کے نزدیک حلال ہے یا حرام، اور توحید میں بھی اختلاف رکھتے تھے بعض لوگ توحید کے قائل تھے اور اکثر شرک میں مبتلا تھے، شرک والے بھی اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو واضح طور پر حق بیان فرمادیا اب جو شخص حق کو نہ مانے گا وہ اپنا برا کرے گا۔

وَھُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (اور یہ قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں) حقیقت میں تو قرآن سبھی کے لئے ہدایت ہے لیکن چونکہ سب لوگ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور صرف اہل ایمان ہی قبول کرتے ہیں اس لئے نتیجہ کے طور پر ان ہی کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ یہ قرآن مجید جو ایمانی اور روحانی غذا ہے اس کے نازل فرمانے کا ذکر کر کے جسمانی غذا کا تذکرہ فرمایا وَاللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا (اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد پانی کے ذریعے زندہ فرمادیا) جب زمین ہری بھری ہوگئی اور اس میں سے طرح طرح کے پھل میوے سبزیاں ترکاریاں حاصل ہوئیں تو انسانوں کے لئے اور ان کے جانوروں کے لئے غذا بن کر زندگی کا سہارا ہوگیا اللہ تعالیٰ نے زندگی بھی دی روحانی غذا بھی دی یعنی قرآن مجید عطا فرمایا اور اپنے رسول اللہ ﷺ کو ہادی بنا کر مبعوث فرمایا اور جسمانی غذا بھی دی یہ سب اس کا فضل ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سنتے ہیں) یعنی دلائل سے منتفع ہوتے ہیں اور قادر اور خالق و مالک پر ایمان لاتے ہیں جس کی رحمت سے ہدایت کا بھی انتظام ہوا اور کھانے پینے کو بھی ملا۔

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ

اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم تمہیں اس چیز میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے

لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ

ایسا دودھ جو خالص ہے پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اترنے والا ہے، اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے ہم تمہیں رزق دیتے ہیں

مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ؀ وَاَوْحٰى

ان سے تم نشہ کی اور کھانے کی عمدہ چیز بناتے ہو' بلا شبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں' اور

رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ؀

آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور ان عمارتوں میں جو لوگ اونچے گھر بناتے ہیں'

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا

ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا پھر تو اپنے رب کے راستوں میں چل جو آسان کر دیئے گئے ہیں' اس کے پیٹوں سے

شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ؀

پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے' بلا شبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں'

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ

اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے' اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو نکمی عمر تک پہنچا دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ علم کے

بَعْدَ عِلْمٍ شَـيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ؀

بعد کچھ بھی نہ جانیں' بلا شبہ اللہ جاننے والا ہے قدرت والا ہے

چوپایوں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لئے عبرت ہے

تفسیر: ان آیات سے پہلے بارش کی نعمت کا تذکرہ تھا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرما دیتا ہے اور اس سے طرح طرح کی غذائیں ملتی ہیں ان آیات میں اولاً دودھ کا اور ثانیاً سکر کا اور اس کے ساتھ رزق حسن کا ثالثاً شہد کا تذکرہ فرمایا۔

دودھ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دیکھو چوپایوں میں تمہارے لئے عبرت ہے چوپایوں سے دودھ کے جانور مراد ہیں غور کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے پیٹوں سے دودھ نکال کر پلاتا ہے یہ جانور چارہ اور گھاس پھونس کھاتے ہیں اس سے خون بھی بنتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر بھی اور دودھ بھی' یہ دودھ خون اور گوبر کے درمیان سے صاف ستھرا خالص نکلتا ہے اس میں ایک ذرہ بھی گوبر یا خون کا نہیں ہوتا' اور اس دودھ کا پینا نہایت سہل ہے آسانی سے گلے میں اتر جاتا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے جانوروں نے کھایا تھا گھاس پھونس اور اس سے پیدا ہوا دودھ' یہ دودھ پیدا ہوا تو چھوٹوں اور بڑوں کے لئے غذا بن گیا معالم التنزیل میں ص ۷۵ ج ۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے

کہ جانور جب چارہ کھاتا ہے اور اس کے معدہ میں جگہ پکڑ لیتا ہے اور معدہ اسے پیتا ہے تو نیچے گوبر، درمیان میں دودھ اور اوپر خون بن جاتا ہے، پھر باذن اللہ تعالیٰ جگر اپنا کام کرتا ہے خون رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آ جاتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر اپنی جگہ رہ جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یوں دعا کرے اللھم بارک لنا فیہ واطعمنا خیرا منہ (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے بہتر کھلا) اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں سے اور زیادہ دے) عام کھانے کی دعا میں واطعمنا خیرا منہ فرمایا اور دودھ پینے میں وزدنامنہ فرمایا اس کا سبب آنحضرت ﷺ نے خود ہی بتادیا فانہ لیس شیئ یجزئ من الطعام والشراب الا اللبن کہ دودھ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۶۸ ج ۲)

دودھ کا تذکرہ فرمانے کے بعد نخیل اور اعناب کے پھلوں کا تذکرہ فرمایا یعنی ہم نے تمہیں کھجور اور انگور کے پھل عطا کئے جن سے تم سکر اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، کھجوروں اور انگوروں کی مٹھاس اور غذائیت کو لوگ عام طور سے جانتے ہیں ان دونوں سے عمدہ چیزیں بناتے ہیں اچھا رزق تیار کر کے کھاتے ہیں، اس میں جو لفظ "سکرا" وارد ہوا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ نشہ والی چیز کیا ہے اور یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نشہ تو حرام ہے جو چیز حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے اس کو مقام امتنان میں یعنی احسان کرنے کے بیان میں کیسے ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ نحل مکی ہے اس وقت تک نشہ والی چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں لوگ شراب سے منتفع ہوتے تھے لہٰذا اس کا تذکرہ فرمادیا، لیکن چونکہ بعد میں حرام ہونے والی تھی اس لئے خوبی پر دلالت کرنے والا کوئی کلمہ ذکر نہیں فرمایا اور اس کے علاوہ انگور اور کھجور سے جو دوسری عمدہ چیزیں تیار کر لیتے ہیں انہیں رزق حسن سے تعبیر فرمایا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یوں مروی ہے کہ اہل حبشہ کی لغت میں سرکہ کو سکر کہتے ہیں (گویا لفظ سکر یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے) اور صاحب معالم التنزیل نے ابوعبید کا قول نقل کیا ہے کہ سکرا سے طعم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایسی کھانے کی چیزیں دیں جن میں مزہ ہے اور لذت ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں)۔

اس کے بعد شہد کا اور شہد کی مکھی کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں گھر بنا یعنی شہد کے لئے چھتہ تیار کر لے اور شہد کی مکھی سے فرمایا کہ تو پھلوں میں سے کھالے یعنی چوس لے اور اس کام کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے راستوں میں آنا جانا کر، یہ راستے شہد کی مکھی کے لئے آسان فرمادیئے تھے، جب وہ پھلوں سے چوس کر آتی ہے تو چوسا ہوا مواد ان چھتوں میں جمع کرتی ہے جو پہلے سے بنا رکھے تھے، یہ جمع شدہ مواد جسے شہد کی مکھیاں چوس چوس کر لاتی ہیں عسل یعنی شہد ہے اس کو پیتے ہیں یہ میٹھی ہے

اور مقوی چیز ہے اور اسکا رنگ بھی مختلف ہوتا ہے شہد ایک میٹھی غذا ہی نہیں دوا دارو کے لئے بھی اس کا استعمال بہت مفید ہے اس لئے فرمایا کہ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بالشفائین العسل والقرآن کہ تم ایسی دو چیزوں کو لازم کرلو جو سراپا شفا ہیں ایک شہد دوسرے قرآن (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۱) مطلب یہ ہے کہ اپنے امراض کے علاجوں کے لئے شہد کو استعمال کرو اور قرآن مجید پڑھ کر مریض پر دم کرو اطبا نے شہد کے بہت سے منافع لکھے ہیں اور امراض کے لئے استعمال کرنے کے بہت سے طریقے بتائے ہیں' قرآن مجید سراپا شفا ہے تجربہ ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے تو شفا ہو جاتی ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ایک جگہ تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کو زہریلے جانور نے ڈس لیا تھا جو اس علاقہ کا سردار تھا' وہ لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور اپنی پریشانی ظاہر کی' ان میں سے ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا جس کے اثر سے وہ ڈسا ہوا شخص بالکل ٹھیک ہو گیا جیسے کوئی شخص رسی میں باندھا ہو پھر اسے چھوڑ دیا جائے (صحیح بخاری ص ۳۰۴ ج ۱)

اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (بلاشبہ اس میں لوگوں کے لئے نشانی ہے جو فکر کرتے ہیں)۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ (اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر وہ تمہیں اٹھا لے گا یعنی موت دے گا) وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (اور تم میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جو نکمی عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہیں جانتے) سمجھ اور حافظہ کی جو قوت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی جس سے جوانی میں اور بڑھاپے میں خوب کام لیا یہ جاتی رہتی ہے جب خوب زیادہ بڑھاپا آ جاتا ہے تو آدمی نکما ہو جاتا ہے جو چیزیں جانتا تھا اب انہیں نہیں جانتا اور ایک چیز کے بارے میں بار بار پوچھتا ہے حتیٰ کہ بتانے والے بھی زچ ہو جاتے ہیں' زندگی بھر کھایا کمایا قوت وہمت کے ساتھ محنت کی چیزوں کو جانا اور پہچانا زیادہ بڑھاپا آ گیا تو اس نے بالکل ہی نکما کر دیا' اللہ تعالیٰ شانہ جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور جس حال میں رکھنا چاہتا ہے مخلوق کو اسی حال میں رہنا پڑتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بڑی قدرت والا ہے)۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی' سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنا رزق

عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ

اپنے غلاموں کو اس طرح دینے والے نہیں ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں' کیا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں' اور اللہ

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً

نے تم میں سے تمہارے لئے بیویاں بنا دیں' اور تمہاری ان بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا فرما دیئے'

وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کے لئے عطا فرمائیں، کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں،

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں، اور وہ لوگ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں میں سے اور زمین میں سے

شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

انہیں رزق دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں قدرت ہے، سو تم اللہ کے لئے امثال تجویز نہ کرو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

نہیں جانتے

اللہ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، اس نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں، پھر ان سے بیٹے پوتے عطا فرمائے اور تمہیں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں

تفسیر: ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا توحید کی دعوت دی ہے اور شرک سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اولاً یہ ارشاد فرمایا اللہ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے اس میں رزق سے وہ چیزیں مراد ہیں جو بندوں کی ملکیت میں آتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کو جو کچھ بھی عطا فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے پھر اس انعام میں تفضیل فرمائی یعنی بعض کو بعض پر فضیلت دے دی، کسی کے پاس مال زیادہ ہے اور کسی کے پاس کم ہے اس کمی بیشی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اگر سبھی مالدار یا تنگدستی میں برابر ہو جائیں تو دنیا کا نظام ٹھیک طرح سے نہیں چل سکتا جب سبھی برابر ہوں تو کوئی کسی سے کیسے کام لے اور کوئی کسی کا کام کیوں کرے، محنت اور مزدوری کی وجہ سے جو بہت سے کام ہو جاتے ہیں اور بہت سوں کو رزق مل جاتا ہے یہ سب ختم ہو جائے کارخانے ٹھپ ہو جائیں فیکٹریاں بند ہو جائیں ایک شخص کو کام لینے کی حاجت ہے تاکہ اس کا کارخانہ چلے اور دوسرے شخص کو پیسے کی ضرورت ہے تاکہ اس کی حاجتیں پوری ہوں، پہلا شخص کام لیتا ہے پیسے دیتا ہے دوسرا شخص کام کرتا ہے اور پیسے لیتا ہے، اسی طرح سے انسانوں کی مختلف انواع کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں اور منڈیوں میں مال بھی آ رہا ہے بازار بھی چالو ہیں فیکٹریوں میں بھی مال تیار

ہو رہے ہیں اور کارخانے پروڈکشن کے لئے مصروف عمل ہیں۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مال دیا ہے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس میں یہ بات بھی ہے کہ جن کے پاس مال ہے وہ اپنے غلاموں کو مال دے کر اپنے برابر دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس کو فرمایا فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ' اس میں مشرکین کی تردید فرمائی کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر نہیں دیکھ سکتے اور برابر کا درجہ نہیں دے سکتے تو تمہیں یہ کیسے گوارا ہوا کہ اللہ کی مخلوق اور مملوک کو اللہ کے برابر کر دیا اور غیر اللہ کو اللہ کی عبادت میں شریک کر دیا' تم بھی مخلوق ہو اور تمہارے غلام بھی مخلوق ہیں مخلوق کو گوارا نہیں کہ دوسری مخلوق کو اپنے برابر دیکھ لے' پھر خالق جل مجدہ کے ساتھ اس کی مخلوق کو کیسے برابر بنا دیا' اور مستحق عبادت سمجھ لیا اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں) انعام تو دیا اللہ نے اور عبادت میں شریک کر لیا دوسروں کو' اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت کے انکاری ہو گئے جب نعمت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے تو غیر اللہ کو معبود بنا کر جو یہ سمجھ لیا کہ ان سے بھی کچھ مل سکتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے انعام کا انکار لازم آتا ہے۔

اس کے بعد ازواج و اولاد کی نعمت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے تمہیں میں سے بیویاں بنا دیں (تمہیں میں سے یعنی تمہاری جنس سے وہ بھی انسان ہیں اور تم بھی انسان ہو ہم جنس ہونے کی وجہ سے آپس میں استمتاع اور انتفاع بہت سہل ہے لذیذ ہے اور نفع بخش ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے ان بیویوں سے بیٹے پیدا فرمائے پھر ان بیٹوں کے بیٹے پیدا کئے جو تمہارے پوتے بن گئے اس طرح سے تمہاری نسلیں آگے چل رہی ہیں بڑھ رہی ہیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور محض اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا کہ بیویاں عنایت فرما دیں اور بیٹے پوتے دیئے دئے ان انعامات کے ساتھ کھانے کے لئے پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں) انعام فرمایا اللہ نے جو معبود حقیقی ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر اس کی نعمت کی ناشکری کرنے لگے یہ بڑی بھونڈی اور بے عقلی کی بات ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (اور وہ لوگ اللہ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں میں سے اور زمین میں سے انہیں رزق دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں قدرت ہے) اللہ تعالیٰ شانہٗ سب کو رزق دیتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی کسی کو رزق نہیں دیتا پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ رزق دینے والے کے علاوہ ان چیزوں کی عبادت کریں جنہیں رزق دینے کا ذرا سا بھی اختیار نہیں اور وہ کچھ بھی طاقت اور قدرت نہیں رکھتے' اس کے عموم میں تمام معبودانِ باطلہ کی تردید ہو گئی جن کی عبادت کرنے کو سابقہ آیت میں باطل پر ایمان لانے سے تعبیر فرمایا۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اس کا مطلب بعض مفسرین نے یوں لکھا ہے کہ اللہ کے لئے مثالیں مت گھڑو اور اپنی طرف سے باتیں بنا کر قیاس دوڑا کر اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی مثالیں بیان نہ کرو جس سے اپنے شرکیہ اعمال پر دلیل لاؤ اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ کسی کو اللہ کا مثیل نہ بناؤ یعنی کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ تجویز نہ کرو اور کسی کو معبود نہ بناؤ اس معنی کے اعتبار سے مذکورہ بالا جملہ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا کے ہم معنی ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (بلاشبہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے) یہ تمہاری جہالت ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کر کے شرکیہ باتیں کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات وصفات کا پورا علم ہے اور تم جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہو اسے اس کا بھی علم ہے وہ اس پر مؤاخذہ فرمائے گا اور سزا دے گا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا

اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی، ایک غلام مملوک ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں اور ایک وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے اچھا رزق

حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

عطا کیا سو وہ اس میں سے پوشیدہ طور پر اور لوگوں کے سامنے خرچ کرتا ہے کیا یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ سب تعریف اللہ کے لئے ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ ان میں اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ

جانتے، اور اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی یہ مثال دو آدمیوں کے بارے میں ہے ان میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی چیز پر قادر نہیں

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ

اور اپنے ولی پر مصیبت بنا ہوا ہے وہ اسے جہاں بھی بھیجتا ہے کوئی خیر لے کر نہیں آتا کیا یہ شخص اور ایسا شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں

يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

جو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہو اور وہ سیدھے راستہ پر ہو

دو مثالیں پیش فرما کر مشرکین کی تردید فرمائی

تفسیر: ان آیات میں بھی مشرکین کی تردید فرمائی اور اس بارے میں دو مثالیں بیان فرمائیں ایک مثال یہ ہے کہ جیسے ایک غلام ہے وہ کسی کی ملکیت میں ہے خود کسی چیز کا مالک نہیں لہٰذا کسی مال میں بھی کسی قسم کا تصرف کرنے کا ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خوب روزی عطا فرمائی اسے اپنے مال پر پورا اختیار ہے پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر کسی روک ٹوک کے بغیر جس طرح چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے دونوں شخصوں کا حال

سامنے رکھ کر یہ مشرکین بتائیں کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ تھوڑے سے علم و فہم والا بھی جواب دینے کا ارادہ کرے گا تو یہی کہے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو اللہ تعالیٰ کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات میں کامل ہے کوئی اس کے برابر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا کوئی عقلی اور نقلی جواز نہیں، جو لوگ شرک میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کیا ہیں اور یہ کہ اس کی ذات و صفات میں کوئی اس کا ہم سر نہیں، اور اس کے علاوہ عبادت کا مستحق بھی کوئی نہیں، ان میں اکثر کا یہ حال ہے کہ جانتے نہیں بلکہ جاننا چاہتے بھی نہیں، اگر جاننا چاہتے تو غور و فکر کرتے اور حق کے طالب ہوتے تو ان کا یہ غور و فکر ان سے شرک چھڑا کر انہیں توحید پر ڈال دیتا، اب رہے وہ لوگ جو جانتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے وہ کچھ رواج سے دبے ہوئے ہیں جو آبائی دین کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور کچھ ایسے ہیں جو دنیاوی منافع کی وجہ سے شرک اور مشرکین سے جدا ہونا نہیں چاہتے قال صاحب الروح ص ۱۹۶ ج ۱۴ **ونفی العلم عن اکثرھم للاشعار بان بعضھم یعلمون ذلک وانما لم یعملوا بموجبه عنادا**۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان میں سے اکثر سے علم کی نفی کی یہ بتلانے کے لئے کہ ان میں سے بعض اسے جانتے ہیں مگر اس پر عمل عناد کی وجہ سے نہیں کرتے)

دوسری مثال یوں بیان فرمائی کہ جیسے دو آدمی ہوں ان میں سے ایک پیدائشی طور پر گونگا ہو (جو بہرا بھی ہوتا ہے وہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے، اور اپنی اس حالت کی وجہ سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا) کسی کے گھر ایسا بچہ پیدا ہو گیا جو بچہ اس لائق ہوتا ہی نہیں کہ وہ کسی کی خدمت کرے بلکہ جو لوگ اس کی پرورش اور پرداخت کرتے ہیں ان کے لئے بھی مصیبت بنا ہوا ہوتا ہے نہ اپنی خدمت خود کر سکے نہ دوسروں کی خدمت کے لائق، اور دوسرے اس کی خدمت کریں تو ان کے لئے بھی وبال، اس کو جہاں کہیں بھی بھیجا جائے کسی قسم کی کوئی بھلائی لے کر واپس نہیں آتا اول تو یہی پتہ نہیں ہوتا کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھ گیا ہے پھر جب کہیں جائے گا تو جن سے کوئی چیز لینی ہے یا کچھ کام لینا ہے ان کو سمجھانے سے عاجز رہے گا، اب تم سمجھ لو ایک طرف تو یہ شخص ہے جو گونگا ہے، بہرا ہے نہ یقینی طور پر بات سمجھتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے خدمت بھی نہیں کر سکتا جو لوگ اس کی خدمت کریں ان کے لئے بھی وبال جان ہے کہیں بھیجا جائے تو خیر لے کر واپس نہ آئے اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ ہے جو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت بھی عطا فرمائی ہے وہ خود بھی ٹھیک کام کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور عملی طور پر صراط مستقیم پر ہے جس مطلب اور مقصد کے لئے جاتا ہے اپنے علم و عمل کو کام میں لا کر جلد ہی مفید کام کر کے واپس آ جاتا ہے یہ دو قسم کے آدمی ہیں اب بتاؤ کہ یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر سمجھ دار یہ جواب دے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے بت اور وہ سب باطل معبود جو کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں کیسے اللہ شانہ کے برابر ہو سکتے ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ

اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ باتیں، اور قیامت کا معاملہ بس ایسا ہی ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا یا

هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۷۷﴾

اس سے بھی زیادہ قریب' بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

تفسیر: توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو آسمانوں کی اور زمین کی ان سب چیزوں کا علم ہے جو مخلوقات کے علم اور فہم اور عقل وادراک سے باہر ہیں' وقوع قیامت کی جو خبر آ رہی ہے اس میں اس کی تمہید ہے' مذکورہ بالا علوم غیبیہ کا تذکرہ فرما کر جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے یوں فرمایا کہ جب قیامت کے آنے کا وقت ہو گا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اس وقت اچانک آ جائے گی اور ایسی جلدی اس کا وقوع ہوگا جیسے پلک جھپک جائے' پلک جھپکنے میں کچھ دیر بھی لگتی ہے اس سے بھی کم وقت میں آ پہنچے گی' اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس میں منکرین بعث کی تردید فرمائی کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے جو قیامت کا وقت مقرر کیا ہے اس کے مطابق آئے گی اس وقت جلدی سے آ جائے گی مردوں کو زندہ کرنا اور گلی سڑی ریزہ ریزہ ہڈیوں میں جان ڈالنا یہ سب کچھ اس کی قدرت میں ہے سب کے احوال اور اعمال بھی اسے معلوم ہیں وہ زندہ فرما کر اپنے علم کے مطابق حساب لے گا اور جزا دے گا' موحد ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ معاد اور بعث ونشور پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اس لئے توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرما دیا۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

اور اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے' اور اس نے تمہارے لئے کان

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ

اور آنکھ اور دل پیدا فرمائے' کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں'

جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں روکتا' بلا شبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں' جو ایمان لاتے ہیں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا

اور اللہ نے تمہارے لئے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی' اور تمہارے لئے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے

تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ

جن کو تم سفر کرنے کے لئے اور مقام کرنے کے دن ہلکا پاتے ہو' اور اونوں اور اونٹوں کے بالوں اور دوسرے بالوں سے

أَثَاثًا وَّمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٨٠﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ

گھر کا سامان اور دوسری چیزیں بنائیں جو ایک مدت تک کام دیتی ہیں اور اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو سایہ والی ہیں اور اس نے تمہارے لئے

الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ

پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو لڑائی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں'

كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ

اللہ تم پر ایسے ہی اپنی نعمت پوری فرماتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو سو اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کے ذمہ صرف واضح طور پر

الْمُبِينُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٣﴾

پہنچا دینا ہے' یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں

اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات' انسانوں کی تخلیق' جانوروں کا اڑنا' لباس کا سامان پیدا فرمانا' پہاڑوں میں رہنے کی جگہیں بنانا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے متعدد انعامات ذکر فرمائے ہیں جن میں بندوں پر امتنان بھی ہے اور دعوت توحید بھی ہے۔

(۱) اولاً بندوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم صحیح سالم باہر آ گئے تم بالکل ہی انجان تھے اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا اور علم کے ذرائع پیدا فرمائے' سننے کی قوت دی' دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں' جاننے کے لئے دل عطا فرمائے یہ اللہ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں بندوں کو چاہئے کہ شکر گزار ہوں شکر گزاری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے لئے شریک نہ ٹھہرائیں۔

(۲) پھر ارشاد فرمایا کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمانی فضا میں مسخر ہیں ان کے نیچے گرنے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے رکے ہوئے ہیں اڑ رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں حالانکہ بوجھ والے ہیں زمین کی کشش انہیں اپنی طرف نہیں کھینچ پاتی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پروں کی حرکت کی وجہ سے ہوا میں تموج اور تحریک ہے جس کی وجہ سے نہیں گرتے اس کا جواب یہ ہے کہ پروں میں یہ قوت اور ہوا میں یہ تحرک اور تموج کہاں سے آیا؟ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا فرمایا ہوا ہے' ذرا انسان تو اڑ کے دیکھ لے اپنے ہاتھوں کو حرکت دے پھر دیکھے فضا میں ٹھہر سکتا ہے یا نہیں' اسی سے ہوائی جہاز کو بھی سمجھ لیں ہزاروں سال انسان کو پتہ ہی نہ تھا کوئی فضاء میں چلنے والی سواری وجود میں

آ سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دماغ میں ڈالا اور طریقہ بتایا تو اس کی مشین اور باڈی بنانے کے لائق ہو گئے' یہ تسخیر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب اس کی تسخیر نہیں رہتی تو سارے آلات دھرے رہ جاتے ہیں ہوشمند پائلٹ بے قابو ہو جاتا ہے اور جہاز گر پڑتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں)

(۳) پھر انسانوں کے گھروں کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے گھر بنائے جن میں وہ رہتے ہیں اور سکون پاتے ہیں' یہ گھر مٹی سے بھی بنا لیتے ہیں اور اینٹ پتھر سے بھی' اور چھتیں پختہ بھی بنا لیتے ہیں اور گھاس پھونس کے چھپر بھی ڈال لیتے ہیں' یہ سب چیزیں اللہ جل شانہٗ نے پیدا فرمائیں اور دلوں میں ڈالا کہ ان کے ذریعہ گھر بنائے جاسکتے ہیں کچھ گھر ایسے ہیں جو جانوروں کی کھالوں سے تیار کئے جاتے ہیں ان کھالوں کو رنگ کر اور سکھا کر خیمے بنا لئے جاتے ہیں یہ خیمے ہلکے ہوتے ہیں جو عموماً سفر میں استعمال کئے جاتے ہیں سفر میں کہیں پڑاؤ ڈالتے ہیں' ان خیموں کو لگا کر قیام اور آرام کرتے ہیں۔

(۴) چوتھے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے اون سے اور اونٹوں کے بالوں سے اور دوسرے جانوروں کے بالوں سے تمہارے لئے گھر کا سامان بنا دیا جسے تم ایک مدت تک استعمال کرتے ہو اور کام میں لاتے ہو' اللہ تعالیٰ کی مشیت سے تو جانور پیدا ہوئے اور اگر وہ نہ چاہتا تو ان کی کھالیں الگ نہ ہو پاتیں جنہیں علیحدہ کر کے اوڑھنے بچھانے' پہننے اور خیمے بنانے میں استعمال کرتے ہیں اور اگر اللہ کی مشیت نہ ہوتی تو جانوروں کے جسم پر نہ اون ہوتا نہ بال ہوتے بالکل چکنی سپاٹ کھال ہوتی' یہ اون سے اور بالوں سے جو فائدے حاصل کرتے ہیں ان سے بالکل محروم رہ جاتے۔

(۵) پانچویں یوں فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے بعض ایسی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں جن سے تمہیں سایہ حاصل کرنے کا فائدہ ہوتا ہے اس میں درخت' مکانات' بڑے بڑے پہاڑ اور وہ سب چیزیں داخل ہیں جن سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے۔

(۶) چھٹے نمبر پر یوں فرمایا کہ اللہ نے پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ لینے اور سر چھپانے کی جگہ بنائی' اس سے پہاڑوں کے غار مراد ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر جو گھر بنا لیتے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہیں۔

(۷) ساتویں نمبر پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کرتے بنائے یعنی وہ چیزیں پیدا فرمائیں جن سے کرتے بنائے جاتے ہیں اس میں اون' روئی اور وہ سب چیزیں داخل ہیں جن سے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں' دور حاضر میں پلاسٹک اور نائیلون وغیرہ سے طرح طرح کے کپڑے بننے لگے ہیں اور دیکھئے آگے اللہ تعالیٰ کی کیا کیا تخلیق ہوتی ہے وَیَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کی پیشین گوئی ہے' کپڑوں کا فائدہ یہ بتایا کہ یہ کپڑے تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں' یہاں صرف گرمی کا فرمایا حالانکہ یہ سردی سے بھی بچاتے ہیں' علماء نے فرمایا ہے کہ یہ بر سبیل

اکتفا ہے ایک چیز کو ذکر کیا جس سے اس کی مقابل دوسری چیز بھی سمجھ میں آ گئی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں گرم کپڑوں کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ شروع سورت میں وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ میں ان کا تذکرہ آ چکا ہے اور ایسے کرتوں کا بھی ذکر فرمایا جو لڑائی میں حفاظت کرتے ہیں اس سے وہ زرہیں مراد ہیں جن سے مقابلہ کے وقت دشمنوں کے حملہ سے بچاؤ ہوتا ہے۔

پھر فرمایا كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ (اللہ تم پر اس طرح اپنی نعمتیں پوری فرماتا ہے تا کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (سو اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے) یہ نہیں مانتے اور ایمان نہیں لاتے تو غمگین نہ ہوں آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا (یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں) وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ (اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں) سب سے بڑی ناشکری کفر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا اور بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا

اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ قائم کریں گے پھر ان لوگوں کو اجازت نہ دی جائے گی جنہوں نے کفر کیا، اور نہ

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ

ان سے اس بات کی فرمائش کی جائے گی کہ اللہ کو راضی کر لیں، اور جن لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ

يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ

مہلت انہیں دی جائے گی، اور جن لوگوں نے شرک کیا جب اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے وہ شرکاء ہیں

كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى

آپ کو چھوڑ کر ہم جن کی عبادت کرتے تھے، سو وہ ان کی طرف بات ڈالتے ہوئے کہیں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو، اور اس دن

اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

اللہ کے حضور میں فرماں برداری کی باتیں کرنے لگیں گے اور جو کچھ افتراء پردازی کرتے تھے وہ سب گم ہو جائے گی، جن لوگوں نے کفر کیا اور

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ

اللہ کے راستے سے روکا ہم عذاب پر ان کا عذاب بڑھا دیں گے اس سبب سے کہ وہ فساد کرتے تھے اور جس دن

نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰی
ہم ہرامت میں ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہوگا وہ ان کے خلاف گواہی دے گا‘ اور ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر
هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی
لائیں گے‘ اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور فرماں برداروں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے
لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۸۹﴾
اور خوشخبری ہے

قیامت کے دن کے چند مناظر‘ کافروں اور مشرکوں کے لئے عذاب کی وعید‘

تفسیر: ان آیات میں روز قیامت کے بعض مناظر ذکر فرمائے ہیں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن ہر امت میں سے ہم ایک گواہ قائم کریں گے یہ گواہ ان کا پیغمبر ہوگا جو ان کے کفر کے بارے میں گواہی دے گا‘ جب کفار قیامت کے دن جمع ہوں گے تو انہیں کسی قسم کے عذر اور معذرت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ اللہ کو راضی کرلو اور راضی کر کے عذاب سے چھوٹ جاؤ کیونکہ راضی کرنے کا موقعہ صرف دنیا ہی میں تھا وہاں کفر سے توبہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ شانہٗ راضی ہو جاتا لیکن جب کفر پر موت آ گئی تو اب اپنے رب کو راضی کرنے کا کوئی راستہ نہ رہا اب تو عذاب میں جانا ہی ہوگا۔

کفر کی سزا میں جب انہیں عذاب نظر آئے گا اور عذاب میں داخل ہونے لگیں گے تو خلاصی کا یا تخفیف عذاب کا یا مہلت کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اس موقعہ پر کفار اور مشرکین اپنے شرکاء یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں یعنی یہ وہ معبود ہیں جنہیں ہم نے آپ کی عبادت میں شریک کرلیا تھا ان کے شرکاء یعنی باطل معبود ان کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کر دیں گے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ص ۱۶۳ ج ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بتوں کو بولنے کی قوت عطا فرمائے گا اور وہ یوں کہیں گے کہ تم نے جو ہمارے بارے میں معبود ہونے کا عقیدہ بنایا اس میں تم جھوٹے ہو ہم معبود نہیں تھے ہم تو معبود حقیقی کی مخلوق تھے اور عاجز محض تھے ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا‘ کافروں کو رسوا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ بتوں کو زبان دے دے گا جب یہ کفار عذاب دیکھیں گے اور عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے تو فرمانبرداری کی باتیں کرنے لگیں گے اور یوں کہیں گے اے رب جو کچھ حکم ہو ہم کرنے کے لئے تیار ہیں ہمیں عذاب سے محفوظ کر دیا جائے‘ دنیا میں جب انہیں

توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو کفر و شرک کی باتیں کرتے تھے اور انہیں ضد تھی کہ حق قبول نہ کریں گے' حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جن سے وہ پاک ہے' ساری باتیں اس دن گم ہو جائیں گی اور توبہ کا بھی موقع نہ دیا جائے گا قبول ایمان اور توبہ کا موقع دنیا میں تھا جسے پیچھے چھوڑ آئے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا وہ مبتلائے عذاب ہوں گے اور ان کے فساد پھیلانے کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا ایک عذاب کفر پر دوسرا عذاب فساد کرنے پر قال صاحب الروح ای زدناهم عذابا فوق العذاب الذی یستحقونه بکفرهم بسبب استمرارهم علی الافساد وهو الصد عن السبیل (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اپنے کفر کی وجہ سے وہ جس عذاب کے مستحق تھے اس سے اوپر اور عذاب دیا فساد پر ان کے اصرار کی وجہ اور ان کا فساد راہ حق سے لوگوں کو روکنا ہے) (ص ۲۱۲ ج ۱۴)

آخر میں فرمایا ہم ہر جماعت میں سے ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہوگا اور ان پر گواہی دے گا' یہ ہر امت کا نبی علیہ السلام ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کو بھی اپنی امت پر گواہ بنایا جائے گا' آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے' کہ میری امت گواہی دینے کے لائق ہے' شاہد عدل ہے (کمامرّ فی البقرۃ) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ھؤلاء سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں وہ حضرات اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے اور آنحضرت ﷺ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ان حضرات کی گواہی حق ہے۔

پھر فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور فرمانبرداروں کیلئے ہدایت ہے اور رحمت اور خوشخبری ہے)

اس میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی ہیں اول تو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فرمایا یعنی ہر چیز کا بیان کرنے والا (اس سے امور متعلقہ بالدین مراد ہیں) قرآن مجید میں بہت سے احکام اصول و فروع بیان فرما دیئے ہیں اور بہت سے احکام و مسائل جو انسانی معاشرہ کی حاجات و ضروریات پر حاوی ہیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے' آپ کا بیان فرمانا بھی قرآن ہی کا بیان فرمانا ہے کیونکہ قرآن نے جو احکام بالتصریح نہیں بتائے ان کا بتانا اللہ تعالیٰ نے آپ پر محول فرما دیا اور قرآن نے حکم دے دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور آپ کا اتباع کرو اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ بھی فرمایا اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ بھی فرمایا اور وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا بھی فرمایا نیز سبیل المومنین کے اتباع کا بھی حکم دیا جو سورۂ نساء کے رکوع نمبر ۱۴ میں مذکور ہے لہٰذا اجماع بھی حجت ہوا اور حوادث و نوازل میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن و حدیث کے بیان فرمودہ اصول و فروع پر قیاس کر کے بہت سے مسائل بتائے اس لئے محققین کے نزدیک قیاس بھی حجت ہے لیکن اسے حجت مثبتہ نہیں کہتے حجت مظہرہ کہتے ہیں حدیث اجماع اور قیاس کو حجت نہ مانا جائے تو قرآن مجید کے بارے میں جو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فرمایا ہے اس کو سامنے رکھ کر ملحدین گمراہ کر دیں گے خوب سمجھ لیا جائے' حوادث و نوازل کے بارے میں مقیس اور مقیس علیہ کو دیکھ کر احکام شرعیہ کو مستنبط کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے اور یہ فقہاء کا کام ہے البتہ احکام منصوصہ میں قیاس کرنا جائز نہیں' جب حضرات صحابہ نے غیر

منصوص مسائل میں استنباط واجتہاد کیا جن کی تعریف قرآن مجید میں فرمائی ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ قیاس بھی حجت شرعیہ ہے قرآن مجید نے جو فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ فرمایا ہے اس میں اہل علم کی طرف رجوع فرمانے کا ذکر ہے اہل علم میں محدثین بھی ہیں اور فقہاء بھی ہیں خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۲۱۵ ج ۱۴ وقد رضی صلی اللہ علیہ وسلم لا متہ باتباع اصحابہ حیث قال علیہ الصلاۃ والسلام (علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ) وقد اجتھدوا وقاسوا ووطؤا طرائق الاجتھاد فکانت السنۃ والا جماع والقیاس مسندۃ الی تبیان الکتاب. (صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتباع پر راضی ہو گئے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا لازمی ہے۔ اسے مضبوطی سے تھام۔ اور انہوں نے اجتہاد بھی کیا اور قیاس بھی کیا اور راہ اجتہاد کو بہت استعمال کیا پس سنت' اجماع اور قیاس کتاب اللہ کی ہی وضاحت ہیں)

پھر قرآن مجید کی مزید تین صفات بیان فرمائیں ھدی (ہدایت) اور رحمت اور بشارت' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لئے ہے اور بشارت اہل اسلام کے لئے ہے کیونکہ وہ اسلام قبول کر کے اور اسلامی احکام پر عمل کر کے آخرت کی نعمتوں کے مستحق ہوتے ہیں اور قرآن مجید نے انہیں جگہ جگہ ان نعمتوں کی بشارت دی ہے اسی لئے بشری کے ساتھ للمسلمین فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ
بلا شبہ اللہ عدل کا اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش کاموں سے
وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾
اور برائیوں سے اور ظلم کرنے سے منع کرتا ہے' وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو

چند اوصاف حمیدہ کا حکم' اور منکرات وفواحش سے بچنے کی تاکید

تفسیر: یہ آیت بہت جامع ہے تمام مامورات (فرائض واجبات' مندوبات ومستحبات) کے حکم کو اور تمام منکرات (منہیات اور معاصی) کی ممانعت کو شامل ہے' اولاً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کا حکم فرماتا ہے' عدل عربی میں انصاف کو کہا جاتا ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی اپنے پرائے چھوٹے بڑے سب کے بارے میں انصاف کرنا لازم ہے جو شخص دشمنی کرے اس کی دشمنی کے جواب میں بھی عدل ہی کیا جائے دشمنی کی وجہ سے عدل کو ہاتھ سے جانے نہ دیں اگر کسی زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینا ہو تو زیادتی کے بقدر ہی بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے' عدل کا دوسرا معنی توسط یعنی افراط وتفریط کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے کا بھی ہے اسی لئے بعض اکابر نے عدل کا ترجمہ اعتدال سے کیا ہے اس اعتبار سے عدل کا وہی مصداق ہوگا۔

جو سورۃ بقرہ کی آیت وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا کی تفسیر میں حضرات اکابر نے بیان فرمایا ہے اور وہاں

ہم بھی اس کی تشریح لکھ چکے ہیں صاحب روح المعانی نے بھی عدل کی تفسیر کرتے ہوئے اولاً اسی معنی کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے ای بمراعاۃ التوسط بین طرفی الافراط والتفریط بھی کچھ تفصیل کے بعد ابن ابی حاتم سے محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے کہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بلایا اور فرمایا کہ بتاؤ عدل کیا چیز ہے؟ میں نے کہا واہ کیا خوب آپ نے تو بہت بڑی بات پوچھی اس کے بعد عدل کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا کہ تو چھوٹے کا باپ بن جائے اور بڑے کا بیٹا بن جائے اور برابر والے کا بھائی بن جائے اور لوگوں کو ان کے گناہوں کے بقدر اور ان کے جسموں کی برداشت کے بقدر سزا دے اور اپنے غصے کی وجہ سے ایک کوڑا بھی نہ مار ورنہ تو ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائے گا حضرت سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے ان العدل استواء السریرۃ والعلانیۃ فی العمل (یعنی عدل یہ ہے کہ تنہائی میں ہو یا سب کے سامنے ایک ہی طرح کا عمل ہو)۔

ثانیاً احسان کا حکم فرمایا لفظ احسان حسن سے ماخوذ ہے اور باب افعال کا مصدر ہے حسن خوبی اور اچھائی کو کہتے ہیں اور کسی کام کو اچھے طریقے پر انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے عبادات میں احسان کی صفت ہو اور معاملات میں بھی رشتہ داروں کے ساتھ بھی اور دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی اس اجمال کی تفصیل کے لئے آیت کریمہ وَاَحْسِنُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔

ثالثاً اپنے رشتہ داروں اور دوسرے انسانوں پر مال خرچ کرنا یہ بھی بڑے ثواب کی چیز ہے اور صفت احسان میں یہ بھی داخل ہے لیکن مستقل طریقے پر اس کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا کیونکہ اس میں دوہرا ثواب ہے صلہ رحمی کا بھی اور صدقہ کا بھی اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو دنیا بھر سے تعلق درست رکھتے ہیں لیکن اپنوں سے بگاڑ رکھتے ہیں اور اپنوں پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنا گوارا نہیں کرتے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں لفظ قُرْبٰی سب کو شامل ہے ماں باپ اولاد بہن بھائی چچا پھوپھی خالہ ماموں اور ان کی اولاد سب ذوی القربیٰ ہیں بعض حالات میں ذوی القربیٰ پر مال خرچ کرنا واجب ہوتا ہے اور بعض حالات میں مستحب ہوتا ہے تفصیلات کے لئے کتب فقہ کی طرف مراجعت کی جائے۔

ماموارت کے بعد منہیات کا ذکر فرمایا وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ اس میں بھی تین چیزیں تمام ممنوعات و محظورات اور معاصی اور منکرات کو شامل ہیں شریعت کی اصطلاح میں ہر گناہ پر لفظ منکر کا اطلاق ہوتا ہے فحشاء اور بغی بھی اس کے عموم میں داخل ہیں لیکن الگ سے ان دونوں کو بھی ذکر فرمایا ایک مرتبہ عمومی طور پر اور ایک مرتبہ خصوصی طور پر ان کی ممانعت فرما دی فحشاء اس قول و فعل کو شامل ہے جس میں بے شرمی اور بے حیائی ہو زنا اور قضائے شہوت کے لئے جو بھی ممنوع فعل کیا جائے اور ایسے افعال کے اسباب اور دواعی سب کو لفظ فحشاء شامل ہے علامہ قرطبی لکھتے ہیں ھو کل قبیح من قول او فعل اور بغی ظلم اور زیادتی کے معنی میں آتا ہے ظلم کی جتنی بھی صورتیں ہیں آیت کریمہ نے ان سب کو ممنوع قرار دے دیا ہے امیر المومنین کی بغاوت کرنا مال چھین لینا چوری کرنا ڈاکہ ڈالنا جن کے حقوق واجب ہیں

ان کو روک لینا، ماں باپ کو تکلیف دینا، ان کی نافرمانی کرنا یہ سب بغی میں داخل ہے۔

سورۂ حجرات میں فرمایا وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ ۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے زیادتی کرے ایک فریق دوسرے پر تو تم سب لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان میں برابری کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جتنے بھی گناہ ہیں ان میں سے بغی، ظلم و زیادتی اور قطع رحمی ایسی چیزیں ہیں جو سب سے زیادہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جلدی ہی عذاب دے دے اور آخرت میں بھی اس کے لئے عذاب باقی رکھے (رواہ الترمذی وابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۴۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت دیگر تمام آیات کی بہ نسبت خیر و شر کے تذکرہ کے لئے سب سے زیادہ جامع ہے کیونکہ اس میں ہر خیر کا حکم ہے اور ہر برائی سے روک دیا گیا ہے مامورات اور منہیات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو) اس میں عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی اور یہ فرمایا کہ بات سن کر اور پڑھ کر اپنے کو فارغ سمجھ نہ لو بلکہ عمل بھی کرو۔

خطبوں میں اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ پڑھنے کی ابتداء

عام طور پر جمعہ کے خطبوں میں خطیب حضرات آیت بالا کو پڑھتے ہیں اس کی ابتداء حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امرائے بنوامیہ اپنے خطبوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو اس طریقہ کو ختم فرما دیا اپنے گورنروں کو بھی لکھ دیا کہ ایسا نہ کریں اور اس کی جگہ آیت بالا کو پڑھنا شروع فرما دیا اس وقت سے آج تک یہ طریقہ جاری ہے، تقریباً پورے عالم میں اس پر عمل کیا جاتا ہے، البتہ کبھی کبھی چھوڑ دینا چاہئے تاکہ عامۃ الناس اس کو خطبہ کا جزو لازم نہ سمجھ لیں۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم عہد کر لو اور اپنی قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد مت توڑو، اور

جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِىْ

تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو' اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتتے ہوئے کو محنت کرنے کے بعد

نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ

ذرا ذرا کر کے توڑ ڈالا' تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعے بناتے ہو اس وجہ سے

اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا

کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو' بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے آزماتا ہے' اور یہ بات ضروری ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان چیزوں کو بیان فرمادے گا

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ

جن میں تم اختلاف کرتے تھے' اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے

مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' اور تم جو اعمال کرتے تھے ان کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی' اور اپنی قسموں کو

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ

اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ جمنے کے بعد قدم پھسل جائے اور تم

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ

اللہ کی راہ سے روکنے کا عذاب چکھو' اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہے اور اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾

بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو

عہدوں اور قسموں کو پورا کرنے کا حکم

تفسیر: عدل واحسان کا حکم فرمانے کے بعد ایفائے عہد کا حکم فرمایا' گو ایفائے عہد بھی عدل واحسان میں داخل ہے لیکن خصوصی طور پر اس کا حکم فرمایا تاکہ لوگ اسے مہتم بالشان سمجھیں اور اپنی زندگی میں اس کا خاص خیال رکھیں' آپس میں جو عہد ہوتے ہیں چونکہ ان میں قسمیں بھی کھائی جاتی ہیں اور آپس میں ان کے ذریعہ فساد بھی ڈال دیا جاتا ہے اس لئے قسموں کے بارے میں بھی تنبیہ فرمائی کہ ان کی پاسداری کرو اور قسم کھانے کو یا قسم توڑنے کو آپس میں فساد کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ اولاً یوں فرمایا وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ۔ (اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم عہد کرلو) اللہ سے جو عہد کیا تھا

کہ میں فرمانبرداری کروں گا اور اطاعت کروں گا اس عہد کو پورا کرنے کا حکم فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا عہد کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول ﷺ کی زبانی جو احکام دیئے ہیں ان کا پابند ہونا لازم ہے ان احکام میں حقوق اللہ بھی ہیں اور حقوق العباد بھی۔

پھر وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا (اور اپنی قسموں کو موکد کرنے کے بعد مت توڑو) جو عہد بغیر قسم کے ہو اس کا پورا کرنا تو لازم ہے ہی، لیکن جس عہد و پیمان میں قسم بھی کھالی اللہ کے نام کو درمیان میں لے آئے اس کا پورا کرنا اور بھی زیادہ لازم ہو گیا لہٰذا قسم والے عہد کے پورا کرنے کا اور زیادہ شدت کے ساتھ اہتمام کرنا لازم ہے۔

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا (اور تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو) جب تم نے قسم کھا کر اللہ کو گواہ بھی بنا لیا تو عہد کا پورا کرنا اور زیادہ لازم ہو گیا اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے تم گواہ نہ بناتے تو وہ تب بھی گواہ تھا لیکن خود سے جو اللہ کو گواہ بنایا اس کا خیال رکھنا اور زیادہ ضروری ہو گیا۔

مفسرین کرام نے کفیلا کا ترجمہ شاھداً کیا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھ دیا ہے، اور بعض حضرات نے کفیلا کو اپنے اصلی معنی میں لیا ہے جو ذمہ دار کے معنی میں آتا ہے ان حضرات نے مذکورہ جملہ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ تم نے اللہ کو کفیل یعنی ضامن بنا لیا ہے کہ وہ تمہیں عہد پورا کرنے پر عذاب سے محفوظ رکھے گا سو جب تم نے عہد کو توڑ دیا تو اللہ کی جو ذمہ داری تھی وہ بھی نہیں رہی اب وہ چاہے تو تمہیں عذاب دے اور عہد توڑنے پر سزا دے۔ وھذا کقولہ ﷺ من صلی صلوۃ الصبح فھو فی ذمۃ اللّٰہ فلا یطلبنکم اللّٰہ من ذمتہ بشیء الحدیث (اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرح ہے کہ جس نے صبح کی نماز پڑھی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذمہ کی کسی شے کا تم سے مطالبہ نہیں کرتا) (رواہ مسلم)

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَھَا مِنْ م بَعْدِ قُوَّۃٍ اَنْکَاثًا (اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنے کاتے ہوئے کو محنت کرنے کے بعد ذرا ذرا کر کے توڑ ڈالا) اس جملہ میں یہ بتایا ہے کہ تم عہد توڑ کر ایسی عورت کی طرح مت بن جاؤ جس نے سوت کاتا پھر اس کو مضبوطی کے ساتھ بٹا اور پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیئے پہلے تو سوت کے کاتنے میں محنت کی پھر بٹنے میں محنت کی پھر جو کیا دھرا تھا اس کے ٹکڑے کر کے ڈال دیئے اگر کسی عورت کا یہ حال تمہیں معلوم ہو تو اسے بیوقوف اور احمق بتاؤ گے لہٰذا تم عہد کر کے اس عہد کو توڑنے کی حرکت نہ کرو ورنہ تم بھی حماقت کرنے والوں میں شمار ہو جاؤ گے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بطور تمثیل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عہد توڑو گے تو اسی عورت کی طرح ہو جاؤ گے جو کہ مذکورہ عمل کر گزرے لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت تھی جس کا نام ریطہ تھا وہ ایسی حرکت کیا کرتی تھی (تفسیر قرطبی ص ۱۷۱ ج ۱۰) جو بھی صورت ہو اس میں نقض عہد کی قباحت اور شناعت بیان فرمائی ہے۔

احقر کے نزدیک الفاظ کا عموم بہت سے مسائل کو شامل ہے نماز شروع کر کے توڑ دینا روزہ توڑ دینا حج و عمرہ کا احرام باندھ کر فاسد کر دینا اور جہاد میں جا کر پشت پھیر لینا، اور قسم کھا کر توڑ دینا یہ سب باتیں اور اس طرح کی بہت سی چیزیں

آیت کے عموم میں آتی ہیں نیز اعمال کو حبط کرنے والے اعمال کو بھی آیت کریمہ کا عموم شامل ہے۔

احقر نے تفسیر کی کتابوں میں تلاش کیا کہ میرے ذہن میں جو یہ باتیں آئی ہیں ان کی تصریح مل جائے لیکن کہیں کچھ نہ ملا مواہب الٰہیہ میں سے سمجھ کر لکھ دیا والعلم عند اللہ الکریم تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا م بَیْنَکُمْ اَنْ تَکُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّةٍ (تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو اس وجہ سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو) اہل عرب کا یہ طریقہ تھا کہ قبائل میں آپس میں دشمنیاں چلتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے ایک قبیلہ دوسرے کسی قبیلہ سے معاہدہ کر لیتا تھا کہ جب کوئی قبیلہ ہم میں سے کسی پر حملہ کرے گا تو دونوں قبیلے مل کر دفاع کریں گے۔ اور حملہ آور قبیلہ سے جنگ کریں گے جب معاہدہ کرنے کے بعد محسوس کرتے تھے کہ جس قبیلہ سے ہم نے معاہدہ کیا ہے وہ مال اور عدد کے اعتبار سے کمزور ہے تو اس سے معاہدہ توڑ کر کسی دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کر لیتے تھے اللہ جل شانہٗ نے اس سے منع فرمایا اور پہلے قبیلہ سے جو قسم کھا کر معاہدہ کیا تھا اس معاہدہ کو توڑنے کو دَخَلًا م بَیْنَکُمْ سے تعبیر فرمایا کہ یہ چیز آپس میں فساد لانے والی ہے۔

اِنَّمَا یَبْلُوْکُمُ اللّٰهُ بِهٖ (بات یہی ہے کہ اللہ تمہیں اس کے ذریعے آزماتا ہے) یعنی جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے اس میں تمہارے لئے آزمائش ہے تاکہ فرمانبردار اور نافرمان کا کردار ظاہر ہو جائے' بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی جماعت سے معاہدہ کرنے کے بعد زیادہ تعداد والی دوسری جماعت سامنے آ جانے پر پہلی جماعت کے معاہدہ کو توڑ کر دوسری بڑی جماعت تعداد والی جماعت سے معاہدہ کرتے ہو یا پرانے معاہدے پر جمے رہتے ہو اس میں تمہاری آزمائش ہوتی ہے۔

فائدہ: اگر کسی جماعت کے معاہدہ کرنے کے بعد یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا فریق دھوکہ دینے والا ہے اور شدید خطرہ ہے کہ وہ لوگ نقض عہد کر دیں گے اور ان کے ساتھ معاہدہ باقی رکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے تو اس کا طریقہ سورۃ انفال کی آیت کریمہ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

وَلَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اور یہ بات ضروری ہے کہ قیامت کے دن اللہ ان چیزوں کو بیان فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے)

جو مختلف راہیں اختیار کر رکھی تھیں ان سب کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اہل حق کو بہترین جزاء اور اہل باطل کو بدترین سزا دے گا یہ سزا ملنا اس بات کی دلیل ہوگا کہ تم جو کچھ عقیدہ رکھتے تھے اور جو کچھ کہتے اور عمل کرتے تھے وہ سب غلط تھا اسی کی وجہ سے آج مبتلائے عذاب ہو رہے ہو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰکِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) مطلب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اختلاف نہ ہونے دیتا اور سب کو ایک ہی راہ پر چلاتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ لوگوں میں اختلاف رہے، اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، سب کچھ اس کی حکمت اور مشیت کے مطابق ہے رہی یہ بات کہ جب گمراہ کرنا اور ہدایت دینا اللہ کی طرف سے ہے تو بندے کیوں ماخوذ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کو عقل اور سمجھ دی ہے اور اختیار دیا ہے وہ اپنے اختیار سے برائی کو اختیار کرتے ہیں جس شخص کو فالج ہوا اس کا ہاتھ ہلنے میں اور جو صحیح تندرست ہو اس کے ہاتھ ہلانے میں جو فرق ہے وہ سب جانتے ہیں ایک میں اختیار سے ہے اور دوسرے میں اختیار نہیں ہے۔

وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اور تم جو اعمال کرتے تھے ان کے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی) عہدوں کو پورا کرنے کا حکم دینے اور قسموں کو توڑنے اور قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کی ممانعت کے بعد ارشاد فرمایا کہ ماموارت پر عمل کرتے رہو اور جو چیزیں منع ہیں ان سے بچتے رہو یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ کر لیا وہ یوں ہی گذر گیا جو بھی کچھ کرتے تھے قیامت کے دن سامنے آئے گا اور تم سے اعمال کی ضرور ضرور باز پرس ہوگی۔

پھر فرمایا وَلَا تَتَّخِذُوْا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا ۢ بَيْنَكُمْ (الآیۃ) کہ اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ اس مضمون کو بطور تاکید دوبارہ ذکر فرمایا اور ساتھ ہی قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کا نتیجہ بھی بیان فرمایا اور نتیجہ کے نتیجہ سے بھی باخبر فرما دیا، نتیجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا (کہ اس کی وجہ سے قدم جمنے کے بعد پھسل جائے گا) اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑا تو یہ تو کفر ہے، ایمان کے بعد کوئی شخص کفر کے گڑھے میں جا پڑے اس سے زیادہ لغزش والا کون ہو سکتا ہے عہد توڑا ایمان چھوڑا کفر کے گڑھے میں جا پڑا اس سے بڑی لغزش کوئی نہیں، اور اگر بندوں کے عہد کو توڑا ان کو دھوکہ دیا اگرچہ حدود کفر میں داخل نہ ہوا بد عہدی کی وجہ سے جو مستحق عقاب و عذاب ہوئے یہ بھی بہت بری لغزش ہے اہل ایمان پر لازم ہے کہ ایمان پر پختگی کے ساتھ جمیں جب قدم راسخ ہو گیا تو اسے جمائے رہیں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں پھر نتیجے کا نتیجہ بیان فرمایا یعنی قدم پھسلنے کے بعد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے دنیا میں بھی برا عذاب چکھو گے اور آخرت میں بھی برے عذاب میں گرفتار ہو گے قال صاحب الروح والمراد من السوء العذاب الدنیوی من القتل والاسر والنهب والجلاء وغیر ذلک مما یسوء (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں السوء سے قتل، قید اور جلاوطنی وغیرہ دیگر ذلت و مصیبت دنیوی عذاب مراد ہے۔) اور اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل ص ۸۴ ج ۳ بعض اکابر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں معناه مثلتم طریقة نقض العهد علی الناس بنقضکم العهد (اللہ تعالیٰ نے رشوت اور عہد کی خلاف ورزی کر کے مال لینے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی دنیا کے قلیل مال کے لئے عہد نہ توڑو) یعنی جب تم عہد توڑ دو گے تو لوگوں کے لئے مثال بن جاؤ گے ان کو بھی اس کا راستہ مل جائے گا، نقض عہد کر کے دوسروں کے لئے نقض عہد کا راستہ ہموار کرنا یہ اللہ کے راستہ سے روکنا ہے، اور بعض اکابر نے فرمایا ہے فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ قسمیں کھا کر دھوکہ دینا اور اپنے درمیان فساد لانے کا ذریعہ بنا دینا

ایسی چیز ہے جس سے سلب ایمان کا خطرہ ہے بہت سے لوگ اللہ کی قسم کھا کر وعدہ کر لیتے ہیں یا کسی گذشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا ہے فلاں نے ایسا کیا ہے اور مخاطب کو فریب دینا مقصود ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام مکر وفریب کے لئے استعمال کیا اس کی پاداش میں سلب ایمان کی سزا مل سکتی ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا (اور اللہ کے عہد کے ذریعہ تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو) اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)

فائدہ: آیات بالا میں کئی طرح سے عہد پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور نقض عہد کی مذمت کی ہے قرآن مجید میں دیگر مواقع میں بھی عہد پورا کرنے کا حکم فرمایا ہے سورہ مائدہ کے شروع میں ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سورۃ الانعام میں فرمایا ہے کہ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اور سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (اور عہد کو پورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی) درحقیقت عہد پورا کرنا بہت بڑی ایمانی ذمہ داری ہے اس میں لوگ دنیاوی مفاد اور منافع کے لئے کچے پڑ جاتے ہیں۔

یہ جو فرمایا ہے کہ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا (اور اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت حاصل نہ کرو) اس میں عہد کو توڑ کر دنیاوی منافع حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے' خواہ وہ منافع مال کی صورت میں ہوں یا جاہ کی صورت میں ہوں' علامہ قرطبی لکھتے ہیں نھی عن الرشی واخذ الاموال علی نقض العھد ای لا تنقضوا عھود کم لعرض قلیل من الدنیا (اللہ تعالیٰ نے رشوت اور عہد کی خلاف ورزی کر کے مال لینے سے منع فرمایا ہے۔ یعنی دنیا کے قلیل مال کے لئے عہد نہ توڑو) انفرادی یا اجتماعی طور پر جو عہد کئے گئے ہیں جن میں حلف اٹھایا جاتا ہے اور اللہ کا نام لیا جاتا ہے پھر ان کو مال یا منصب اور عہدہ کے لئے توڑ دیا جاتا ہے ان لوگوں کے لئے اس میں خصوصی تنبیہ فرمائی ہے' دنیا جتنی بھی زیادہ ہو آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہے اور حقیر ہے اور ملتی بھی ہے تھوڑے سے دن کے لئے اس لئے ثمن قلیل یعنی تھوڑی قیمت فرمایا' الفاظ کے عموم میں ہر طرح کی رشوت لینے کی ممانعت آ گئی' یہ ضروری نہیں ہے کہ رشوت میں مال ہی کا لین دین ہو دنیا کا نفع رشوت کے طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے اور عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش یعنی الذی یمشی بینھما اللہ کی لعنت ہو رشوت لینے والے پر اور رشوت دینے والے پر اور ان کے درمیان واسطہ بننے والے پر جو لوگ حکومت کے کسی جائز شعبہ میں کام کرنے پر مقرر ہیں اور ملازم ہیں یہ لوگ رشوت میں جو مال لیتے ہیں اگرچہ ہدیہ اور تحفہ ہی نام رکھ لیا جائے اس کا حرام ہونا تو ظاہر ہی ہے ان کی تنخواہ بھی حلال نہیں ہوتی کیونکہ انہیں جس کام کے لئے دفتر بٹھایا گیا ہے وہ کام نہیں کرتے اگر قانون کے مطابق کام کرتے ہیں تو کوئی رشوت نہیں دے گا اور اصول وقواعد کے خلاف کام کرنے سے مقررہ ذمہ داری پوری نہیں ہوتی اور اسی پر رشوت ملتی ہے جس کام کی تنخواہ لیتے ہیں وہ نہیں کرتے اور رشوت لے کر وہ کرتے ہیں جس کی اجازت نہیں ہے۔

آج کل عہد کو توڑ دینا معمولی سی بات بن کر رہ گئی ہے سیاست کی دنیا میں تو عہد کرنا پھر مال اور کرسی کے لئے عہد توڑ دینا کوئی بات ہی نہیں ہے جدھر جاہ و مال کا فائدہ دیکھا ادھر ڈھل گئے الیکشنوں سے پہلے اور اس کے بعد جو عہد ہوتے ہیں پھر جو ان کی مٹی خراب ہوتی ہے اخبارات کا مطالعہ کرنے والے ان سے ناواقف نہیں ہیں رؤسا اور وزراء جو اللہ کا نام لے کر حلف اٹھاتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کے ملک کے لئے ہمدردانہ طور پر کام کریں گے وہ اپنے حلف میں کس قدر پورے اترتے ہیں جاننے والے جانتے ہیں، ملک اور قوم کے مفاد کی بجائے صرف اپنی کرسی سنبھالنے کی فکر میں رہنا اور اپنی جماعت اور اپنے رشتے داروں کا نوازنا ہی مقصد بن کر رہ جاتا ہے یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اسلام کے دعویدار ہیں ذرا اپنے حالات کو قرآن مجید کے احکام کے سامنے رکھ کر پرکھ لیں۔

عہد کو پورا کرنے کی شریعت اسلامیہ میں بہت بڑی اہمیت ہے اور جس کی جتنی بڑی ذمہ داری ہے اور جتنا بڑا عہدہ ہے اس سے اسی قدر آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی اور رسوائی کا سامنا ہوگا حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کا ایک جھنڈا ہوگا اور جتنا بڑا غدر تھا اسی قدر اونچا ہوگا جو اس کے پاخانہ کرنے کے مقام پر کھڑا کیا جائے گا مزید فرمایا کہ جو شخص عامۃ الناس کا امیر بنا کسی کا غدر اس کے غدر سے بڑھ کر نہیں ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرما دے گا۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جس کسی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کی اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۱)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ

تمہارے پاس جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم انہیں ضرور ضرور ان کے اچھے کاموں

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

کے عوض دیدیں گے، جس کسی مرد یا عورت نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ مومن ہے تو ہم اسے ضرور اچھی زندگی

طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

دیں گے اور ان کے اچھے کام کے عوض ہم انہیں ان کا اجر ضرور دیں گے

آخرت کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں‘ صبر کرنے والے مردوں اور عورتوں کو حیات طیبہ نصیب ہوگی اور ان کے اعمال کا اچھا اجر ملے گا

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ جتنی دنیا بھی کمالو گے وہ سب ختم ہو جائے گی اور اعمال صالحہ پر (جس میں گناہوں سے بچنا اور نقض عہد سے بچنا بھی شامل ہے) جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخرت میں انعام ملے گا اور وہاں جو اکرام ہوگا وہ سب باقی رہنے والا ہے (اس میں ان لوگوں کو خاص تنبیہ ہے جو عہد توڑ کر اس کے عوض مال لے لیتے ہیں اور دنیاوی اعزاز حاصل کر لیتے ہیں)

جب دنیا سامنے آنے لگتی ہے اور جاہ و مال کے منافع نفس کو متاثر کرنے لگتے ہیں اور آدمی کو ابھارتے ہیں کہ تو قسم توڑ دے یا ایسا گناہ کرلے جس سے مال اور جاہ کا نفع ہوتا ہو تو اس وقت دنیاوی منافع کو نہ دیکھے‘ شیطان کے ورغلانے سے بچ جانا اور نفس کے وسوسے کو ٹھکرا کر حکم شرعی پر جمے رہنا بڑی بات ہے۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ میں یہ بتایا کہ دنیاوی منافع کے لئے عہود اور قسموں کو جو توڑتے ہو اور حرام ذریعوں سے پیسہ حاصل کرتے ہو اس کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بناؤ۔ دنیا میں جو کماؤ گے وہ ختم ہو جائے گا اس کی وجہ سے آخرت کی نعمت سے محروم نہ ہو‘ وہاں جو کچھ ہے ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والا ہے فانی دنیا کے لئے باقی رہنے والی نعمتوں سے محروم رہنا سمجھ داری کی بات نہیں ہے‘ باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف دوڑو اور انہی کے لئے عمل کرو۔ چونکہ رشوت سے بچنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور حرام چھوڑ کر صبر کرنا پڑتا ہے اس لئے ساتھ ہی یوں بھی فرمایا وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

اس میں جو اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا فرمایا اس میں ان کی استقامت اور ثابت قدمی کی طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ دنیاوی منافع سامنے آنے پر بھی ایمانی تقاضوں پر جمے رہے اور دنیا کی وجہ سے کسی عہد کو نہیں توڑا‘ پیچھے سے گو نقض عہد کا ذکر ہے لیکن الفاظ کے عموم نے بتادیا کہ جو صبر کرے گا راہ حق پر جمے گا اسے ضرور اچھے سے اچھا اجر ملے گا۔

فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (الآیۃ) کہ جو بھی کوئی مرد ہو یا عورت اچھا عمل کرے گا ہم اسے حیات طیبہ (اچھی زندگی) دیں گے‘ اس میں ایک قانون بتادیا جس میں ہر نیک عمل پر ہر مومن مرد و عورت کے لئے حیات طیبہ کا اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ حیات طیبہ ’’اچھی زندگی‘‘ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علامہ قرطبی نے پانچ اقوال نقل کئے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے قناعت مراد ہے‘ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے طاعات کی توفیق دینا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ بنتی ہے‘ اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے جنت مراد ہے‘ پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقعد صدق نصیب ہونا مراد ہے‘ ان اقوال کے بعد دو قول اور لکھے ہیں ایک یہ کہ بندہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے اور ہر حال میں اپنے کو حق تعالیٰ شانہٗ ہی کا

محتاج بنائے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے رضا بالقضاء مراد ہے۔

ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے بات یہ ہے کہ مومن بندوں کی دنیا والی زندگی بھی اچھی ہوتی ہے سکون واطمینان سے رہتے ہیں، اگر کوئی پریشانی اور تنگدستی بھی ہو تو اس کی وجہ سے انہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہتے ہیں بلکہ فقر وفاقہ اور بیماری سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور کفار وفجار کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان پر دنیاوی مصائب آتے ہیں تو بلبلا اٹھتے ہیں مال کی حرص میں رات دن تگ ودو میں لگے رہتے ہیں باطن کو سکون نہیں ہوتا مومن بندوں کو حیات طیبہ دنیا میں حاصل ہے اور آخرت میں جب جنت میں جائیں گے اور اللہ کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے جو دائمی ہوں گی ان کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کی تو کوئی مثال ہی نہیں۔

اس میں جو وَهُوَ مُؤْمِنٌ فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ حیات طیبہ دنیاوی واخروی انہی مومن بندوں کے لئے ہے جو حالت ایمان میں عمل صالح کرتے ہوں حالت کفر کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اور من ذکر او انثی فرما کر یہ بتادیا کہ اعمال صالحہ کا اجر وثواب مردوں کو بھی ملے گا اور عورتوں کو بھی۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ
سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں بلاشبہ بات یہ ہے کہ شیطان کا زور
عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ
ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اس کا زور انہیں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں
وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾
اور جو اللہ کے ساتھ شریک تجویز کرتے ہیں

جب قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں، شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں

تفسیر: شیطان مردود انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اس کی کوشش یہ رہتی ہے کہ انسان چین سے نہ بیٹھے اس کے دل میں برے برے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور عبادت کے کام میں لگنے نہیں دیتا اگر عبادت میں لگ جائے تو اس کے ذہن کو ہٹانے اور دل بٹانے کی کوشش شروع کر دیتا ہے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جب بندہ اس کی تلاوت کرتا ہے تو اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے اپنے رب کے کلام کو پڑھتا ہے تو اس کا کیف اور سرور محسوس کرتا ہے، بھلا شیطان کو یہ کہاں

گوارا ہے کہ مومن بندے اپنے رب کے کلام سے محظوظ ہوں۔ اور اپنے رب جل مجدہ کے کلام کو دل جمعی کے ساتھ پڑھیں لہٰذا تلاوت شروع کرنے سے پہلے شیطان مردود سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کریں کہ اے اللہ مجھے شیطان مردود سے اس کے وسوسوں سے اس کی شرارتوں سے محفوظ فرما تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنے کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بھی مسنون ہے اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے کہ جب کوئی شخص کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتا ہے پھر اسے رنگ روغن وغیرہ کے ذریعے خوبصورت بناتا ہے اسی طرح جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کرے تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کرلے اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھ لے پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اپنے دل کو اللہ کے نام سے مزین کرلے اور اس کی صفت رحمت کا استحضار کرے ''مسئلہ'' تلاوت کے شروع میں ایک بار اعوذ باللہ پڑھنا کافی ہے البتہ اگر تلاوت کے بعد کوئی ایسی بات کرے جو تلاوت سے متعلق نہ ہو تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھے۔

سورہ نحل میں لفظ فَاسْتَعِذْ فرمایا ہے جو باب استفعال سے امر کا صیغہ ہے، حضرات قراء کرام کے نزدیک لفظ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا ہی راجح ہے، علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ النشر میں لکھتے ہیں ان المختار لجمیع القراء من حیث الروایۃ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وقال الحافظ ابو عمرو الدانی انہ ھو المستعمل عند الحذاق دون غیرہ وھوا الماخوذ بہ عند عامۃ الفقھاء کالشافعی وابی حنیفہ واحمد وغیرھم (حافظ ابو عمرو دانی) نے فرمایا ہے کہ ماہرین کے نزدیک انہی الفاظ کو عمل میں لایا جاتا ہے جیسے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کا حکم آیت بالا سے معلوم ہوا دیگر مواقع میں بھی شیطان سے پناہ مانگنا آیات اور احادیث میں وارد ہوا ہے سورۂ اعراف میں ارشاد ہے وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔ (اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ لیجئے بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے) سورہ مومنون میں فرمایا وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آئیں) غصہ آجائے تب بھی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھے اور گدھے کی آواز سنے تب بھی یہ کلمات پڑھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۳ از بخاری و مسلم)

اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تم کتوں کی اور گدھوں کی آواز سنو تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھو کیونکہ یہ وہ چیزیں دیکھتے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھتے (مشکوٰۃ المصابیح ۳۷۳) کتوں اور گدھوں کو شیاطین نظر آتے ہیں جن کو

دیکھ کر وہ بولتے ہیں لہٰذا شیطان سے اللہ کی پناہ مانگی جائے' بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی جس کے الفاظ یہ ہیں اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیاطین سے مذکر ہوں یا مؤنث) (ا) پہلے بسم اللہ پڑھے پھر مذکورہ بالا دعا پڑھے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳)

اہل ایمان پر شیطان کا تسلط نہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہیں: اس کے بعد یہ بتایا کہ شیطان کا کس پر تسلط ہے یعنی شیطان کن لوگوں پر قابو پالیتا ہے ارشاد فرمایا۔ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (بلاشبہ بات یہ ہے کہ شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

یعنی جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چلتا شیطان تو سبھی کو بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن جو حضرات مضبوط ایمان والے ہیں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا اور وہ ان کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے جو کوشش کرتا ہے اس میں کامیاب نہیں ہوتا' عام طور پر ایسا ہی ہے کبھی کبھار کوئی بندہ اپنے نفس کے تقاضوں کی وجہ سے کوئی گناہ کر بیٹھے تو یہ دوسری بات ہے قال القرطبی قد بینا ان ھذا عام یدخله التخصیص وقد اغوی ادم و حوا علیھما السلام بسلطنه۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ یہ عام ہے جس میں تخصیص ہو سکتی ہے اور شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو اپنے زور سے بہکایا)

شیطان کا تسلط ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں: پھر فرمایا اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (اس کا زور انہیں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہیں)

اس میں یہ بتایا ہے کہ شیطان کا زور انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو شیطان سے دوستی کرتے ہیں۔ دوستی رکھنے میں کفر و شرک بدرجہ اولیٰ داخل ہے اور جو لوگ کافر و مشرک نہیں لیکن شیطان کی بات مانتے ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ بھی اس کے دوست ہیں جب شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو اس وسوسے کو آگے نہ بڑھنے دے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر اللہ کے ذکر میں لگ جائے یا کوئی دوسرا کام شروع کر دے' اگر شیطان کے وسوسہ کے ساتھ چلتا رہا تو وسوسوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور کبھی بھی جان نہ چھوٹے گی وضو میں وسوسے ڈالے گا' ایمان میں شک ڈالے گا' نماز خراب کرے گا۔

شیطان جب انسان کو مانوس کرلے گا تو ایمانیات اور اعتقادیات میں وسوسے ڈالے گا اور وسوسوں کی مصیبت سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا شیطان وسوسہ ڈالے تو اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے کسی اور بات میں لگ جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس شیطان آئے گا وہ کہے گا کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا۔ بات بڑھاتے بڑھاتے یوں کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا سو جب یہاں پہنچ جائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور وہیں رک جائے (صحیح بخاری ص ۴۶۳ ج ۱)

حضرت قاسم بن محمد سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ مجھے اپنی نماز میں وہم ہو جاتا ہے اور اکثر ہوتا ہے فرمایا تو نماز کو

پڑھتا رہ اور تو جس مشکل میں مبتلا ہے یہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تو ایسا نہ کرے کہ نماز سے فارغ ہو کر (شیطان سے) یوں کہہ دے کہ میری نماز نہیں ہوئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹ از موطا مالک) مطلب یہ ہے کہ شرعی اصول کے مطابق سجدہ سہو کرلو باقی شیطان کا ساتھ نہ دو نماز پڑھتے رہو وہ تو یہی کہتا رہے گا کہ یہ بات رہ گئی نماز سے فارغ ہو کر شیطان سے یہ کہہ دو کہ چل بھاگ تجھے میری نماز سے کیا مطلب بڑا آیا ہمدرد بن کر جا میری نماز نہیں ہوئی' جب ایسا کرو گے تو شیطان دفع ہو جائے گا ورنہ وہ جان کے پیچھے لگا ہی رہے گا' ایک بزرگ تھے وہ وضو کر کے فارغ ہو جاتے تو شیطان کہتا تھا کہ تم نے سر کا مسح نہیں کیا سر کا مسح نہ کرو گے تو وضو نہ ہوگا وضو نہ ہوگا تو نماز نہ ہوگی بلکہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے' وہ بزرگ فرماتے تھے کہ کچھ دن تک تو وسوسہ دور کرنے کے لئے دوبارہ مسح کیا پھر ایک دن شیطان کو دھتکار دیا اور اس سے کہا کہ چل دفع ہو تو کہاں کا مسلمان ہے جو تجھے میرے ایمان کی فکر ہے ایسا کرنے پر پیچھا چھوٹا۔

جس نے شیطان سے دوستی کی یعنی اس کی بات مانی اور وسوسوں کے آگے بڑھانے میں اس کا ساتھ دیا تو شیطان اسے برباد کر دے گا اسے خود اپنے ایمان کی تو فکر ہے نہیں البتہ اہل ایمان کو طرح طرح سے بہکانے ورغلانے کی فکر میں لگا رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں ڈوبوں اور بنی آدم کو بھی لے ڈوبوں نعوذ باللہ من شرور الشیطان ونزغاته۔

قوله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ای باللہ مشرکون وقیل الکنایۃ راجعة الی الشیطان و معناه الذین هم من اجله مشرکون (معالم التنزیل) (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ضمیر کا اشارہ شیطان کی طرف ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جو شیطان کی وجہ سے مشرک ہیں)

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ

اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو مخاطبین کہتے ہیں کہ تو تو افترا ہی کرنے والا ہے

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ

بلکہ ان ہی میں اکثر لوگ جاہل ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۰۲ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ

ان لوگوں کو مضبوط کرے جو ایمان لائے اور یہ کلام ہدایت ہے اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے' اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ

ان کو ایک آدمی سکھاتا ہے یہ لوگ جس کی طرف نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ واضح طور پر صاف عربی زبان ہے

مُّبِيْنٌ ۝۱۰۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیگا' اور ان کے لئے

اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
دردناک عذاب ہے، وہی لوگ جھوٹ کا افتراء کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ واقعی
الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
جھوٹے ہیں

قرآن مجید کی بعض آیات منسوخ ہونے پر معاندین کا اعتراض اور اس کا جواب

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں احکام میں نسخ ہوتا رہتا تھا اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرمادیا اور اسکے خلاف حکم دے دیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے اعتراض کیا کہ محمد ﷺ آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں اگر واقعی یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں نسخ کیوں ہوتا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محمد اپنے پاس سے بدل دیتے ہیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں، سورہ بقرہ میں مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا کے ذیل میں ان لوگوں کا اعتراض اور اس کا جواب مذکور ہو چکا ہے یہاں وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ (الآیۃ) فرما کر ان کا اعتراض اور اعتراض کا جواب ذکر فرمایا ان کا اعتراض جہالت پر مبنی تھا اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں جب اللہ تعالیٰ نے کسی حکم کو منسوخ فرمایا تو اسکی جگہ دوسرا حکم دے دیا دوسرا حکم کبھی بندوں کے حق میں زیادہ نفع مند ہوتا تھا اور کبھی مکمل ہوتا تھا لیکن اعتراض کرنے والے کو اعتراض ہی آتا ہے ان میں اکثر جاہل ہوتے ہیں اسی لئے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ فرمایا، اور بعض لوگ علم تو رکھتے ہیں لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں، درمیان میں بطور جملہ معترضہ فرمایا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے، جو حکم پہلے نازل فرمایا وہ بھی اسے معلوم ہے اور بعد میں جو حکم نازل فرمایا وہ اسے بھی جانتا ہے جسے سب کچھ معلوم ہے اور جس کے ہاں بھول نہیں ہے اس نے حکمت کے مطابق پہلے ایک حکم بھیجا پھر دوسرا حکم نازل فرمادیا وہ بھی حکمت کے مطابق ہے اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں۔

پھر فرمایا قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (الآیۃ) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آپ اپنی طرف سے بات کہتے ہیں اور اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ کلام میرا بنایا ہوا نہیں اور احکام میں جو نسخ ہے وہ میری طرف سے نہیں حضرت روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اسے اللہ کی طرف سے نازل فرمایا ہے یہ بالکل حق ہے جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا ہے اہل ایمان کے ایمان میں مضبوطی اور پختگی آتی ہے اور قرآن کے ذریعہ انہیں

ہدایت بھی ملتی ہے اور قرآن پر عمل کرنے پر جو انعام ملیں گے ان کی خوشخبری بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

مشرکین کے اس قول کی تردید کہ آپ کو کوئی شخص سکھاتا ہے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ (الآیۃ) اس آیت میں مشرکین مکہ کے ایک بہتان کا تذکرہ ہے اور ساتھ ہی اس بہتان کا رد بھی مذکور ہے' جب کوئی شخص مخالفت پر ہی کمر باندھ لے تو اسے یہ ہوش ہی نہیں رہتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں' رسول اللہ ﷺ جو قرآن مجید سناتے تھے تو مشرکین کبھی تو یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں اور کبھی کہتے تھے کہ یہ باتیں انہیں فلاں شخص سکھاتا ہے فلاں شخص سے کون مراد ہے اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں ان میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص پہلے نصرانی تھا عجمی تھا (عربی نہیں تھا) اس نے اسلام قبول کر لیا تھا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرتے تو اسے اسلام کی باتیں سکھاتے تھے' اس شخص کا نام یعیش تھا' رسول اللہ ﷺ اس کو سکھانے کے لئے تشریف لے جاتے اور وہ آپ سے دین سیکھتا تھا لیکن مشرکین مکہ الٹی ہی بات کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد جو گزشتہ زمانہ کی باتیں بتاتے ہیں یا آئندہ واقعات کی خبر دیتے ہیں یہ اس شخص سے سیکھ کر بتاتے ہیں جس کے پاس ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو شخص ایسے تھے جو اہل مکہ میں سے نہیں تھے لیکن مکہ معظمہ میں رہتے تھے یہ تلواریں بنانے کا کام کرتے تھے اور توریت وانجیل پڑھتے تھے جب نبی اکرم ﷺ کو اہل مکہ تکلیف پہنچاتے تھے تو آپ ان دونوں کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور ان کا کلام سن کر راحت محسوس فرماتے تھے مشرکین مکہ نے جو آپ کو ان کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ انہیں دونوں سے باتیں سن لیتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے قرآن نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مشرکین مکہ کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جن کی طرف باتیں سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہیں وہ نہ عرب ہیں نہ فصیح عربی جانتے ہیں انہوں نے ایسی واضح فصیح عربی زبان میں آپ کو کیسے تعلیم دے دی؟ ایک عجمی جو صحیح عربی بول بھی نہیں سکتا وہ اتنی بڑی فصاحت و بلاغت والی عبارت کیسے تلقین کر سکتا ہے جس کا مقابلہ کرنے سے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء عاجز ہو گئے' زمانہ نزول قرآن سے لے کر آج تک کسی کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہو گی کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا چیلنج قبول کرے۔

پھر فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اس میں یہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ واقعی اللہ کی آیات ہیں پھر بھی ضد و عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دے گا (فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ) دنیا میں ان کی سزا یہ ہے کہ ایمان سے محروم رہیں گے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

پھر فرمایا اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ (جھوٹ کے افتراء کا کام وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پاس سے بنا کر یا کسی سے سن کر اپنی بات کو اللہ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ افتراء کرنے والے نہیں ہیں افتراء کرنے والے وہی ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہ بات جانتے ہوئے کہ ایک امی شخص ایسی عبارت نہیں بنا سکتا اور جس کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ اس نے سکھا دیا وہ عجمی ہے پھر بھی ضد پر اڑے ہوئے ہیں ان کا یہ کہنا کہ محمد رسول اللہ نے افتراء کر لیا یا ان کو کسی نے سکھا دیا یہ ان لوگوں کا افتراء ہے وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ اور یہ لوگ جھوٹ کی صفت سے متصف ہیں اور جھوٹ نے اس کے اندر جگہ پکڑ لی ہے' قال القرطبی ص ۱۷۱ ج ۱۰ یقال کذب فلان ولا یقال انہ کاذب لان الفعل قد یکون لا زما وقد لا یکون لا زما فاذا قیل کذب فلان فھو کاذب کان مبالغۃ فی الوصف بالکذب۔

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ

جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کیا مگر جس شخص پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے

وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ

لیکن جس نے دل کھول کر کفر اختیار کر لیا سو ان پر اللہ کا غصہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ ۙ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے دنیا والی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھا اور بلا شبہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا'

الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ ۚ

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی' اور یہ لوگ واقعی غافل ہیں'

وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ تباہ کاروں میں سے ہوں گے

ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جانے کی سزا'

جس سے زبردستی کلمہ کفر کہلوایا جائے اس کا حکم

تفسیر: جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ میں توحید کی دعوت دینا شروع کیا تو اہل مکہ کو بہت ناگوار ہوا وہ اس کو نئی

بات سمجھتے تھے' رسول اللہ ﷺ کو پہلے تو محبوب جانتے تھے لیکن توحید کی دعوت دینے کی وجہ سے آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے ستاتے تھے آپ کی دعوت جو لوگ قبول کر لیتے تھے ان کے ستانے میں تو بہت ہی زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے ابتداءً جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان میں عموماً وہ لوگ تھے جو دنیاوی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو غلام تھے یا باہر سے آئے ہوئے تھے ان کے مارنے پیٹنے میں مشرکین مکہ ذرا سی کسر بھی اٹھا کر نہیں رکھتے تھے' حضرت بلال حضرت خباب حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم انہیں تکلیف اٹھانے والے حضرات میں سے تھے' حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے سات افراد نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ اور ابو بکر اور عمار اور ان کی والدہ سمیہ اور صہیب اور بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم رسول اللہ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا (ابو طالب) کے ذریعے فرمائی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا ذریعہ ان کی قوم کو بنا دیا باقی حضرات کو مشرکین مکہ نے لوہے کی زرہیں پہنا پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا مشرکین ان سے کہتے تھے کہ ایمان سے پھر جاؤ اور کفر کا کلمہ کہہ دو ورنہ اسی عذاب میں رہو گے' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب نے صرف زبانی طور پر مشرکین کے کہنے کے مطابق بعض کلمات کہہ دیئے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے زبان سے بھی کوئی کفریہ کلمہ نہیں کہا انہوں نے اپنی جان کو اللہ کی راہ میں بالکل ہی بے حقیقت بنا دیا' پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خرید کر آزاد کر دیا' اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین کو مشرکین نے شہید کر دیا ان کی والدہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی شہیدہ ہیں (البدایۃ والنہایہ ص ۵۹ ج ۳)

مذکورہ بالا آیت اسی موقع پر نازل ہوئی جبکہ بعض صحابہ نے دل سے ایمان پر مطمئن ہوتے ہوئے کافروں کی مار سے بچنے کی وجہ سے ظاہری طور پر صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دیا تھا' تفسیر درمنثور ص ۱۳۲ ج ۴ میں ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو پکڑ لیا اور ان کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ انہوں نے نبی اکرم کی شان اقدس کے بارے میں برے کلمات نہ کہہ دیئے اور مشرکین کے معبودوں کے بارے میں خیر کے کلمات نہ کہہ دیئے۔ اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا خبر ہے انہوں نے عرض کیا کہ بری بات ہے پھر بیان کیا کہ آج میں اسوقت چھوٹا ہوں جبکہ آپ کے بارے میں غلط کلمات استعمال کئے اور ان کے معبودوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا' آپ نے فرمایا تمہارے دل کا کیا حال ہے عرض کیا دل تو ایمان کے ساتھ مطمئن ہے فرمایا اگر وہ لوگ پھر ایسی ہی تکلیف دینے لگیں تو پھر ایسے کلمات کہہ دینا اس پر آیت کریمہ **اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ** نازل ہوئی۔

تفسیر درمنثور میں یہ بھی لکھا ہے عبداللہ بن ابی سرح نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا اس کے بارے میں **وَلٰكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا** نازل ہوئی۔

آیت بالا میں یہ بتادیا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے پھر مرتد ہو جائے اور یہ مرتد ہونا دل سے ہو شرح صدر کے ساتھ ہو ایسے شخص پر اللہ کا غصہ ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ جس شخص کو مجبور کیا گیا کہ کفر اختیار کرلے اور اس نے جان بچانے کے لئے کفر کا کلمہ کہہ دیا تو اس کی گنجائش ہے اور اجازت ہے (لیکن اگر تکلیف کو جھیل جائے جیسے حضرت بلال نے کیا یا شہید ہو جائے جیسا کہ حضرت عمار کے والدین نے اختیار کیا تو یہ افضل ہے) تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے آدمیوں نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور انہیں مسیلمہ کے پاس لے آئے مسیلمہ نے ایک سے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے اس پر بھی ہاں کرلیا، لہٰذا ان کو چھوڑ دیا، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا تیرا ساتھی (جو مقتول ہو گیا) وہ تو ایمان پر گذر گیا (یعنی دل سے بھی مومن رہا اور زبان سے بھی کوئی کلمہ ایمان کے خلاف نہیں کہا) اور تو نے رخصت یعنی شرعی اجازت پر عمل کرلیا واضح رہے کہ محض یوں ہی ڈرانے دھمکانے کا نام اکراہ نہیں ہے۔

اگر کوئی فرد یا جماعت یوں کہے کہ اتنا ماریں گے کہ کوئی نہ کوئی عضو تلف کر دیں گے یا قتل کر دیں گے اور وہ واقعی اس پر قادر بھی ہوں اور جس سے کہا ہے بھاگنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ایسی صورت میں بھی صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دینے کی اجازت ہے، دل ہر حال میں ایمان سے سرشار اور لبریز رہنا لازم ہے۔

عبداللہ ابن ابی سرح جن کا ذکر اوپر ہوا یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے پھر ان کو شیطان نے بہکایا تو مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے، فتح مکہ کے دن حضرت عثمان انہیں خدمت عالی میں لے کر حاضر ہوئے تو انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا، گو وہ بعد میں مسلمان ہو گئے لیکن آیت شریفہ میں جو وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فرمایا ہے اس کا مضمون اور اس کا حکم تا ابد باقی ہے جو شخص پہلے ہی سے دل سے کافر ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد دل سے کفر اختیار کرلے اس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور آخرت میں اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی صاحب اقتدار نے مردار، خنزیر کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا اور یوں کہا کہ بات نہ مانے گا تو مار ڈالوں گا یا کوئی عضو کاٹ دوں گا اور اندازہ ہے کہ مذاق میں یا محض دھمکی کے طور پر نہیں کہہ رہا ہے۔ تو اس صورت میں حرام چیز کھانے پینے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ایسے موقعہ پر حرام کا کھانا پینا فرض ہے۔ اگر حرام نہ کھایا اور زبردستی کرنے والے نے قتل کر دیا تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں ہے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ (اللہ تعالیٰ کا یہ غصہ اس لئے ہے کہ انہوں نے دنیا والی زندگی کو آخرت والی زندگی پر ترجیح دی) اصل بات یہ ہے کہ اسلام کو سچا جاننے کے باوجود اسلام قبول نہ کرنا یا اسلام قبول کر کے دوبارہ کفر میں چلا جانا یہ دنیا کی محبت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے' عہد اول کے مسلمانوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا تو ہمارے مال چھن جائیں گے یا عہدے جاتے رہیں گے یا زمین و جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑے گا یا عزیز قریب چھوٹ جائیں گے یا ہم پر مار پڑے گی یا قتل کردیئے جائیں گے' جب ان پر حق واضح ہو گیا تو دنیا اور دنیا کی زندگی اور اہل دنیا اور دنیا کے منافع ٹھکرا دیئے اس زمانہ میں جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا اور اس کے بعد بھی جو لوگ اسلام سے بچتے رہے ان سب کے سامنے دنیاوی جاہ و مال اعزہ و اقارب آتے رہے اور ان کی وجہ سے اسلام سے منہ موڑے رہے' اور اب اس زمانہ میں بھی جبکہ اسلام کی حقانیت واضح طور پر سب کے سامنے آ چکی ہے اور اس کے حق ہونے کے اقراری بھی ہیں پھر بھی قبول نہیں کرتے اس میں بھی وہی جاہ و مال کی محبت کام کر رہی ہے جو ان کے دلوں میں پیوست ہے' جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں وہ اپنی آخرت کو ترجیح دیتے ہیں ان کا ضمیر انہیں بتاتا ہے کہ حقیر دنیا جو چند روزہ ہے اگر تھوڑا سا مال اور ذرا سا اقتدار جاتا رہا تو آخرت کی بے نہایت نعمتوں کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں' ہندوستان جیسے ملک میں ہندو مسلمان ہوتے رہتے ہیں انہیں خاندان کے لوگ اور پولیس والے اور شہر والے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے ہیں وہ پھر بھی اسلام پر جمے رہتے ہیں۔

جو لوگ اسلام قبول کر کے کافر ہو جاتے ہیں وہ بھی مال یا عورت یا عہدہ کی وجہ سے ایمان کو چھوڑتے ہیں' حقیر دنیا کے لئے اپنی آخرت کو تباہ کر لیتے ہیں' بعض جماعتیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں جن میں ختم نبوت کے منکر بھی شامل ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی شخص کو نبی ماننے کی وجہ سے کافر ہیں یہ لوگ اور ان کے استاد یعنی نصاریٰ (جن سے انہوں نے اہل ایمان کے دلوں سے ایمان کھرچنے کا طریقہ سیکھا ہے) یہ سب مال و جاہ اور عورتوں کی پیش کش کرتے رہتے ہیں اور دنیا سے محبت کرنے والوں کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں یہ دنیا وبال عظیم ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا) جب دنیا کی وجہ سے کفر اختیار کرلیا تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت نہ ہوگی مزید فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی) کفر پر اصرار کرتے رہے ہدایت سے دور ہوتے چلے گئے تو ان کے دلوں کانوں اور آنکھوں پر مہر لگ گئی وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو بالکل ہی غافل ہیں) ان کی غفلت نے ان کو ڈبو دیا دنیا میں ایمان سے اور آخرت میں ابدی نعمتوں سے محروم ہوئے۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (یہ بات لازمی ہے کہ یہ لوگ آخرت میں بالکل ہی تباہ ہوں گے) نہ صرف یہ کہ جنت سے محروم ہوں گے جس کا ایمان والوں سے وعدہ ہے بلکہ دوزخ کے دائمی عذاب میں داخل کر دیئے جائیں گے ظاہر ہے کہ یہ سب سے بڑی تباہ کاری ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ

پھر بے شک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے فتنہ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو بلاشبہ آپ کا رب

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى

ان چیزوں کے بعد بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے، جس دن ہر شخص اپنے نفس کی طرف سے جدال کرے گا اور

كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا

ہجرت کر کے ثابت قدم رہنے والوں کا اجر و ثواب، قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت کے بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل (ص ۸۷ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ عیاش بن ابی ربیعہ اور ابو جندب اور ولید ابن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عبداللہ ابن ابی اسید کے بارے میں نازل ہوئی ان حضرات کو مشرکین نے اسلام قبول کرنے پر تکلیفیں دیں تو انہوں نے ان کے شر سے محفوظ ہونے کے لئے بعض ایسے کلمات کہہ دیئے جو مشرکین کی خواہش کے مطابق تھے پھر ان حضرات نے ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا اور استقامت کے ساتھ ایمان پر جمے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر مہربانی فرمائے گا صاحب معالم التنزیل نے حضرت حسن اور حضرت عکرمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ہو گئے ہجرت کی اور جہادوں میں بھی حصہ لیا۔

آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے یہ اعلان عام ہے کہ کفر کے بعد جو بھی شخص ایمان قبول کرے گا اور ایمان پر ثابت قدم رہے گا دارالاسلام کو ہجرت کرے گا جہاد میں حصہ لے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا اسلام کی وجہ سے وہ سب معاصی ختم ہو جاتے ہیں جو زمانہ کفر میں کئے تھے ان الاسلام یهدم ما کان قبله فتنہ میں ڈالنے والے ہوں یا فتنہ میں ڈالے جانے والے ہوں اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرنے پر پچھلا سب کچھ معاف ہے۔ قد قرا ابن عامر فتنوا علی صیغة الماضی المعلوم۔ (ابن عامر نے فتنوا ماضی معلوم کا صیغہ پڑھا ہے)

دوسری آیت میں قیامت کا منظر بیان فرمایا کہ اس دن ہر شخص اپنے نفس کی جانب سے جدال کرے گا یعنی دفاع کرے گا جواب دہی کی کوشش کرے گا مجرمین انکاری ہوں گے، کبھی اقراری ہوں گے وہاں اعمال کا ذرہ ذرہ موجود

پائیں گے۔ خیر اور شر جو بھی کوئی عمل کیا تھا سب سامنے ہوگا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی۔ یہ بستی امن والی تھی اطمینان والی تھی اس کا رزق

كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا

ہر جگہ سے بڑی فراغت کے ساتھ اس کے پاس آتا تھا پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ نے ان کو بھوک اور خوف کا

يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

مزہ چکھادیا اور البتہ ان کے پاس انہیں میں سے رسول آیا۔ سو اس نے انہیں جھٹلایا۔ لہٰذا انہیں عذاب نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ظلم کرنے والے تھے

ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں

تفسیر: بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت بالا میں کسی خاص بستی کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی مثال بیان فرمائی ہے اور اس سے اہل مکہ کو متنبہ کرنا اور ڈرانا مقصود ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ بہت سی بستیاں ایسی گذر چکی ہیں جو امن اور اطمینان سے رہتی تھیں اس کے رہنے والوں کی زندگی خوب اچھے طریقے پر گزرتی تھی ہر جگہ سے انکے پاس رزق پہنچتا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ نعمتوں کی ناشکری کی کفر پر جمے رہے۔ ان کے پاس جو رسول آیا اس کو جھٹلا دیا ان کی ان سب حرکتوں کی وجہ سے انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔ یہ عذاب بھوک کا بھی تھا خوف کا بھی۔ جن بستیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے ان میں سے کسی بھی بستی کا حال سامنے رکھ لو اور اس سے عبرت حاصل کرو۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ''بستی'' سے خود مکہ معظمہ ہی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ انہیں میں سے تھے نسب کے اعتبار سے آپ قریشی اور ہاشمی تھے۔

جن کی مکہ معظمہ میں بات چلتی تھی اور آپ مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں سے بھی تھے مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا کہ امن چین سے اطمینان سے رہتے اور زندگی گزارتے تھے۔ عرب کے قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن حرم سمجھنے کی وجہ سے اہل مکہ پر کوئی حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کو سورہ عنکبوت میں یوں فرمایا ہے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا

حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) اہل مکہ کے لئے کھانے پینے کی فراوانی بھی خوب تھی۔ ہر طرف سے ان کے پاس رزق آتا تھا۔ خوب کھاتے پیتے اور پہنتے تھے۔ اس کو سورہ قصص میں یوں بیان فرمایا۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)

رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کی نبوت کے ماننے سے انکاری ہوئے۔ اور آپ کو طرح طرح سے ستانے اور دکھ دینے لگے۔ اور آپ کو مکہ معظمہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اللہ کے نبی کو ستایا اور اس شہر سے نکلنے پر مجبور کیا جو آپ کا وطن اصلی اور وطن عزیز تھا۔ بلکہ آپ کے اجداد حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا آباد کیا ہوا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے تب بھی اہل مکہ نے اپنی دشمنی جاری رکھی۔ آپ نے ان کے لئے بددعا کر دی اور عرب قبائل جو مسلمان ہو گئے ان سے فرما دیا کہ اہل مکہ کو غلہ نہ دیں سات سال تک بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ مردار چیزیں مرے ہوئے کتے اور جلی ہوئی ہڈیاں تک کھانے پر مجبور ہوئے۔ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ایسا نظر آتا تھا جیسے آسمان تک دھواں ہی دھواں ہے۔ یہ ان کی بھوک کا عالم تھا اور کیونکہ اہل ایمان سے دشمنی تھی اس لئے مسلمانوں کی طرف سے خوف زدہ بھی رہتے تھے۔ اہل مکہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ صلہ رحمی والے ہیں مردوں سے دشمنی ہے عورتوں اور بچوں کو کیوں تکلیف میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں کو اجازت دے دی کہ اہل مکہ کو غلہ پہنچائیں اور خود بھی اپنے پاس سے ان کے لئے غلہ بھیجا اہل مکہ نے عمومی طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن آپ نے ان کی تکلیف کو دور کرنے کی راہ استوار فرما دی۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ آیت بالا قَرْیَۃً (بستی) سے مکہ معظمہ ہی مراد ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کو بطور مثال پیش فرما کر دوسرے شہروں کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو جب نعمتوں کی ناشکری اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے اہل مکہ کا ایسا ایسا حال ہوا جو بیت اللہ کے پاس رہتے تھے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے والے تھے تو تم پر بھی عذاب آ سکتا ہے کفر سے اور کفران نعمت سے توبہ کرو۔ اور ایمان لا کر اللہ کے سچے پکے بندے بن جاؤ۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نعمتوں کی ناشکری نعمتوں کے زوال کا سبب بن جاتی ہے اور سورہ ابراہیم میں فرمایا ہے

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (اگر تم شکر کرو گے تو اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے)۔

فائدہ: جوع اور خوف کو لباس فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لوگ پہلے نعمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے نعمتوں نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔ اب جب بھوک کی وجہ سے دبلے ہوگئے اور ان کا حال بدل گیا رنگ متغیر ہوگیا تو گویا پہلے لباس کے بعد انہوں نے دوسرا لباس اوڑھ لیا اس لئے بھوک اور خوف کو لباس سے تعبیر فرمایا اور چونکہ اپنی خوشی سے نہیں اوڑھا تھا اس لئے اَذَاقَهَا اللّٰهُ فرمایا کہ اللہ نے انہیں یہ لباس پہنا دیا۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ لباس پہنانے کو چکھانے سے کیوں تعبیر کیا۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ص ۲۴۳ ج ۱۴) لکھتے ہیں کہ ان کی بدحالی کو کڑوی چیز سے تشبیہ دے کر اصابها اور کساها کے بجائے اذاقها فرمایا۔ یعنی انہیں بھوک اور خوف کے ذریعہ برا مزہ چکھا دیا اپنی بدحالی کو ایسا محسوس کر رہے تھے جیسے کوئی بہت کڑوی چیز کھا رہے ہوں شبه اثر الجوع والخوف وضررهما الغاشي باللباس بجامع الاحاطة والاشتمال فاستعير الله اسمه واوقع عليه الاذاقة المستعارة للاصابة واوثرت للدلالة على شدة التاثير التي تفوت لو استعملت الاصابة وبينوا العلاقة بان المدرك من اثر الضرر شبه بالمدرك من طعم المر البشع من باب استعارة محسوس لمعقول (اللہ تعالیٰ نے بھوک اور خوف کے اثر اور ضرر کو اس کے محیط اور عام ہونے کی وجہ سے ڈھانپنے والے لباس سے تشبیہ دی پس اللہ تعالیٰ نے لباس کے لفظ کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا اور اصابۃ کے لئے اذاقه کا لفظ شدید تاثیر کی وجہ سے استعارہ کر کے استعمال کیا اگر اصابها کہتے تو یہ شدت کا مفہوم فوت ہو جاتا اور چکھنے اور پہنچنے میں تعلق اس طرح واضح کیا ہے کہ بھوک وخوف کی تکلیف کو کڑوی چیز کے ذائقہ سے تشبیہ دی جو کہ معقول کے لئے محسوس کے استعارہ کرنا ہے) (روح المعانی ص ۲۴۳ ج ۱۴)

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

سو اس میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں رزق حلال پاک عطا فرمایا اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ تم پر صرف

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا گیا جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو بلاشبہ اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔

اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو، حرام چیزوں سے بچو

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حلال اور پاکیزہ رزق کے کھانے کی اجازت دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (کیونکہ شکر بھی عبادت ہے اور کامل عبادت شکر کے بغیر نہیں ہو سکتی) دوسری آیت میں بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا کھانا حرام ہے اور ساتھ ہی یہ مضطر کا حکم بھی بیان فرمایا، جو شخص مجبور اور مضطر ہو رہا ہو اور بھوک کی وجہ سے اس کی جان پر بن رہی ہو اور کھانے کے لئے حلال چیزوں میں سے کچھ بھی نہ ہو تو جان بچانے کے لئے اتنا سا کھالے جس سے جان بچ جائے اس سے آگے نہ بڑھے اور لذت کا طالب نہ ہو جو شخص باغی یعنی

طالب لذت ہوگا یا عادی یعنی حد سے بڑھ جانے والا ہوگا یعنی جو ضروری مقدار سے زیادہ کھا جائے گا وہ گنہگار ہوگا' مجبوری کے درجہ میں جو تھوڑا سا کھا لیا اس پر گناہ نہیں ہے یہ آیت ذرا سے فرق کے ساتھ سورہ بقرہ رکوع نمبر ۲۱ میں بھی گذری ہے اور سورہ مائدہ کے پہلے رکوع میں بھی محرمات بیان کردی گئی ہیں جن کو ہم نے وہاں تفصیل سے لکھ دیا ہے اس کا مراجعہ کرلیا جائے آیت بالا میں جو لفظ اِنَّمَا سے حصر معلوم ہو رہا ہے یہ حصر اضافی ہے یہاں جو چیزیں مذکور ہیں ان کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جن کا ذکر دیگر آیات میں اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى

اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹا دعویٰ کرتی ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم

اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ

اللہ پر جھوٹا افتراء کرو' بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے' تھوڑا سا نفع ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے' اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کردی تھیں جن کا بیان ہم

قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾

پہلے آپ سے کرچکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

تحلیل اور تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

تفسیر: مشرکین مکہ کا طریقہ تھا کہ انہوں نے اپنے پاس سے اشیاء کی حلت وحرمت تجویز کر رکھی تھی جانوروں کی تحلیل وتحریم کے بارے میں بہت سی باتیں ان کی خود تراشیدہ تھیں جس کا ذکر سورہ انعام کے رکوع نمبر ۱۶ میں اور سورۂ مائدہ کے رکوع نمبر ۱۴ میں بیان فرمایا ہے یہاں اس پر تنبیہ فرمائی کہ جن چیزوں کو تم نے خود سے حلال قرار دے رکھا ہے ان کے بارے میں اپنے پاس سے حلال وحرام مت کہو حلال وحرام قرار دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس کے اختیار کو اپنے لئے استعمال کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہوگا کسی شرعی دلیل ہی سے اللہ کی پیدا فرمودہ اشیاء کو حلال یا حرام کہا جاسکتا ہے اپنی طرف سے خود تجویز نہیں کرسکتے۔

جب شرعی دلیل نہیں ہے تو اپنی طرف سے حرام وحلال تجویز کرنا حرام ہے' اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والے کامیاب نہ ہوں گے دنیا وآخرت میں سزا کے مستحق ہوں گے' یہ جو دنیاوی زندگی گذار رہے ہیں جس میں طرح طرح سے اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور ان میں بعض نافرمانیوں کی وجہ سے جو کوئی لذت یا دنیاوی نفع پہنچ جاتا ہے یہ چند روزہ ہے تھوڑا سا

عیش ہے ذراسی زندگی ہے اس کے بعد آخرت میں ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھتے ہیں اس کی پیدا کردہ چیزوں کو اپنی طرف سے حلال وحرام قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ (اور ہم نے یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کردی تھیں جن کا بیان ہم پہلے آپ سے کر چکے ہیں) سورہ انعام کے رکوع نمبر ۱۸ میں اسکا ذکر ہے آیت شریفہ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ کا مطالعہ کرلیا جائے' چونکہ ان کی شرارتیں اور معصیتیں بہت زیادہ تھیں اور ظلم کرتے تھے اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور سود کھاتے تھے اس لئے پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کردی گئی تھیں جس کا ذکر سورۃ النساء کے رکوع نمبر ۲۲ میں فرمایا ہے آیت کریمہ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا کی تفسیر ملاحظہ کرلی جائے چونکہ یہ سزا ان کے کرتوتوں کی وجہ سے دی گئی تھی اس لئے فرمایا وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ فرمایا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا

پھر بلاشبہ آپ کا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اعمال درست کر لئے

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

بلاشبہ آپ کا پروردگار اس کے بعد ضرور مغفرت فرمانیوالا ہے رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے

تفسیر: گذشتہ چند رکوع میں متعدد احکام مذکور ہیں اور احکام کی خلاف ورزیوں پر آخرت کے عذاب کی وعید اور توبہ کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف مغفرت اور رحمت کا وعدہ بھی مذکور ہے۔ اس رکوع کے ختم پر بھی ان لوگوں کے لئے مغفرت اور رحمت کا وعدہ فرمایا جنہوں نے جہالت یعنی حماقت سے گناہ کرلئے پھر توبہ کرلی۔ اور احوال واعمال درست کرلئے اگر کوئی کافر ومشرک بھی توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اس کا بھی سب کچھ معاف کردیا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا

بلاشبہ ابراہیم ایک "بڑے مقتدیٰ" تھے اللہ کے فرمانبردار تھے سب کو چھوڑ کر ایک ہی طرف ہو رہے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے اللہ کی

لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ

نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے اللہ نے انہیں چن لیا اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دی' اور ہم نے انہیں دنیا میں خوبیاں دیں'

وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ

اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجئے

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ

جو سب کو چھوڑ کر ایک طرف ہو رہے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ہفتہ کے دن کی تعظیم انہیں لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے

اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ

اس میں اختلاف کیا' اور بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیزوں کے بارے میں ضرور فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ

يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾

اختلاف کرتے تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے اتباع کا حکم

تفسیر: سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے انہوں نے اللہ کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں توحید کی دعوت دینے اور شرک کی تردید کرنے کی وجہ سے انہیں آگ تک میں ڈالا گیا اللہ تعالیٰ شانہ' نے ان کو نوازدیا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے وَإِذِ ابْتَلٰى إِبْرٰهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کر دیا' ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں) اللہ تعالیٰ نے انہیں جن کلمات یعنی جن احکام کا حکم دیا انہیں پورا کیا اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں نسل میں سے تھے اور ان کی شریعت کا اتباع کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے آخر الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ بھی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جیسا کہ آیت بالا میں مذکور ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد تشریف لانے والے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سب ان کی شریعت کا اتباع کرنے والے تھے اور ان کی امتیں اپنے نبیوں کا اتباع کرتی تھیں اس لئے ابراہیم علیہ السلام اپنے بعد کے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے امام اور مقتدیٰ ہو گئے ان کو آیت بالا میں مقتدیٰ اور سورہ بقرہ میں لوگوں کا امام بتایا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت توحید ہی توحید ہے اور فرمانبرداری ہی فرمانبرداری ہے اس لئے سورہ بقرہ میں اس شخص کو بیوقوف بتایا جو ملت ابراہیمی سے ہٹے' ارشاد ہے وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرٰهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ إِذْ قَالَ لَهُ

رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور ملت ابراہیمی سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا' اور بے شک ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کرلیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں جب فرمایا ان کے رب نے فرمانبردار ہو جاؤ' تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العٰلمین کا فرمانبردار ہوں)۔

ملت ابراہیمی اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی اس کے داعی ہیں' جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک' بت پرست' بے حیا' بے شرم' بداخلاق' بداعمال' دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں' اور جس قدر بھی دنیا میں قبائح اور برے کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیمی سے ہٹے ہوئے ہیں گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں دوسرے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ حماقت ہی سے ہوتا ہے۔

حج کرنا اور حج میں صفا مروہ کی سعی کرنا منٰی میں قربانیاں کرنا' اور عید الاضحیٰ میں پورے عالم میں قربانیاں ہونا' اور ختنہ کرنا یہ سب ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں سے ہیں جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں آئی ہیں۔

آیت بالا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قانت بھی بتایا ہے' یہ کلمہ لفظ ''قنوت'' سے ماخوذ ہے جو فرمانبرداری اور عبادت گزاری کے معنی میں آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانبردار بھی تھے اور عبادت گزار بھی' سورہ آل عمران میں فرمایا ہے۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ حنیف تھے اور فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن مجید میں ''حنیف'' فرمایا ہے۔ اس کا مادہ ح۔ن۔ف ہے امام راغب لکھتے ہیں الحنف ھوا لمیل عن الضلال الی الاستقامة والحنیف ھو المائل الی ذلک (ص ۱۳۳) یعنی حنف یہ ہے گمراہی سے ہٹتے ہوئے حق پر استقامت ہو' اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے' تفسیر درمنثور ص ۱۴۰ ج ۱ میں مسند احمد اور الادب المفرد (للبخاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا الحنفیة السمحة یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے' جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہے (اس سے دین اسلام مراد ہے)

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ مشرک بھی ہیں' قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ سورہ بقرہ میں اور سورہ آل عمران میں فرمایا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اور یہاں سورہ نحل میں وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ بھی فرمایا وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ بھی فرمایا' مشرکین مکہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا انتساب رکھتے تھے اس میں ان کی بھی تردید ہے کہ تم مشرک ہو اور وہ موحد تھے تمہارا ان کا کیا جوڑ ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے شَاكِرًا

لِّاَنۡعُمِهٖ بھی فرمایا یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر عام و خاص سب ہی بندے کرتے ہیں خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بدرجہ اولیٰ شکر گزار تھے اس میں اہل مکہ کو توجہ دلائی ہے۔ کہ دیکھو تمہیں نعمتوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے، تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے مکہ بسایا ہے اور مکہ میں بسنے والوں کے لئے ہر طرح کے پھلوں کے لئے دعا کی موحد تھے تم بھی موحد ہو جاؤ۔ شرک چھوڑو، تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نعمتوں کے شکر گزار بھی تھے، تم نعمتوں کی قدر دانی بھی نہیں کرتے (ناشکری کا وبال اور بھوک اور خوف کی صورت میں بھگت چکے ہو اب تو ناشکری چھوڑو اور ایمان قبول کرو)۔

پھر فرمایا اِجۡتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ اس میں یہ بتایا کہ اللہ نے انہیں چن لیا اور صراط مستقیم کی ہدایت دی، جس کسی پر جو بھی کوئی اللہ کا انعام ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو خیر کا امام بنایا اور مقتدیٰ بنا کر انعام عطا فرمایا یہ سب فضل ہی فضل ہے، وہ جسے چاہے اپنا بنالے ہدایت دینا بھی اسی کی طرف سے ہے وہ جس پر فضل فرماتا ہے ہدایت دیتا ہے سورہ حج میں فرمایا اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (اللہ منتخب فرماتا ہے فرشتوں میں سے احکام پہنچانے والے اور انسانوں میں سے بھی) حضرت آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَهَدٰى (پھر ان کے رب نے ان کو چن لیا سو ان کی توبہ قبول فرمائی اور ہدایت پر قائم رکھا) حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا وَكَذٰلِكَ يَجۡتَبِيۡكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ (اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا يٰمُوۡسٰٓى اِنِّى اصۡطَفَيۡتُكَ بِرِسٰلٰتِىۡ وَبِكَلَامِىۡ (اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں کے مقابلے میں اپنی پیغمبری اور ہم کلامی کے ساتھ چن لیا)

امت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجۡتَبٰٮكُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ (اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے اس نے تمہیں چن لیا اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی)

اللہ تعالیٰ پر کسی کا کچھ واجب نہیں جس کو جو کچھ عطا فرمایا یہ سب اس کا کرم ہے کسی کو دینی مقتدیٰ بنایا ہو یا کوئی دنیاوی عہدہ عنایت فرمایا ہو یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

پھر فرمایا وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً (اور ہم نے ان کو دنیا میں حسنہ سے نوازا) حسنہ اچھی حالت اچھی خصلت کو کہا جاتا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوبیاں عطا فرمائیں، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی اولاد مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ نبوت سے سرفراز فرمانا مراد ہے، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے ان کی دعاء کی مقبولیت مراد ہے، انہوں نے یوں دعا کی تھی وَاجۡعَلۡ لِّىۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ

(اور میرے لئے آئندہ آنے والوں میں اچھا ذکر جاری رکھئے) دنیا میں جتنے بھی ادیان ہیں سب کے ماننے والے حضرات ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور اچھا کہتے ہیں، ہر نماز میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہوئے جو درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جمیل ہے اور ثناء حسن بھی جو اسلام کے باقی رہنے تک باقی ہے وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور بلاشبہ آخرت میں وہ صالحین میں سے ہوں گے) سورہ بقرہ (رکوع نمبر ۱۶) میں بھی یہ الفاظ گزرے ہیں، اللہ جل شانہٗ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں گواہی دی کہ وہ قیامت کے دن بھی صالحین میں سے ہوں گے، ثابت قدم صاحب استقامت اور خیر وصلاح سے متصف ہونے والوں میں شمار ہوں گے وہاں بھی ان کی رفعت عیاں ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے ننگے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۳) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ میرے خلیل کو کپڑے پہناؤ، چنانچہ جنت کے دو سفید کپڑے لائے جائیں گے وہ انہیں پہنائے جائیں گے پھر اس کے بعد مجھے کپڑے پہنائے جائیں گے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۹۳ از دارمی)

سنیچر کے دن کی تعظیم یہودیوں پر لازم تھی: دنیا میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور آخرت میں جوان کا مرتبہ ہوگا اس کا ذکر کرنے کے بعد اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَی الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ فرمایا سبت سنیچر کے دن کو کہتے ہیں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں اس دن انہیں مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت تھی، انہوں نے خلاف ورزی کی اور مچھلیوں کا شکار کیا اور کچھ حیلے تراش لئے جس پر وہ بندر بنا دیئے گئے جس کا ذکر سورہ بقرہ (رکوع آٹھ میں) اور سورہ اعراف (رکوع ۸) میں گذر چکا ہے (انوار البیان ج ا ص ۱۰۸ ج ۴ ص ۷۹) یہودیوں پر یہ جہالت سوار تھی کہ وہ جس دین پر چلتے تھے اس کو ابراہیم علیہ السلام کا دین بتا دیتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں ان کے بارے میں کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کا جو یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نہ تھا ان کے بعد یہودیوں پر جیسے بعض چیزیں حرام کردی گئیں تھیں اسی طرح سنیچر کی تعظیم کا حکم بھی دیا گیا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب نہ کرو قال صاحب الروح ص ۲۵۲ ج ۱۴ فان الیهود کانوا یزعمون ان السبت من شعائر السلام وان ابراهیم علیه السلام کان محافظا علیه ای لیس السبت من شرائع ابراهیم شعائر ملته علیه السلام التی امرت باتباعها حتی یکون بینه وبین بعض المشرکین علاقة فی الجملة۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہودیوں کا خیال تھا کہ ہفتہ کا دن مذہب حنفی کے شعار میں سے ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے تھے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہفتہ کا دن نہ مذہب حنفی میں شعار تھا اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس ملت کا شعار تھا جس کی اتباع کا انہیں حکم کیا جا رہا ہے کہ ان کے اور بعض مشرکین کے درمیان کوئی تعلق ثابت ہو سکے)

اَلَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا کے بارے میں صاحب معالم التنزیل حضرت قتادہ سے نقل کرتے ہیں هم اليهود استحلوا بعضهم وحرمه بعضهم (یعنی یہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے جب ان کو سنیچر کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا تو ان میں سے بعض لوگوں نے اس کی تحریم کی خلاف ورزی کی اور بعض لوگوں نے حکم کے مطابق عمل کر کے اس کو باقی رکھا)

یہ تفسیر زیادہ اقرب ہے جو سورہ اعراف کی تصریح کے مطابق ہے وہاں بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے سنیچر کے دن کی بے حرمتی کی اور مچھلیاں پکڑیں اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے۔

جمعہ کا دن آخر الانبیاء علیہ السلام کی امت کے لئے رکھا گیا ہے رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ دن اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور یوم الفطر کے دن سے بھی بڑا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۰) اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ جو بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۹) اس دن میں اجتماع بھی رکھا گیا ہے خطبہ بھی ہے نماز جمعہ بھی ہے جمعہ میں حاضر ہونے کی بڑی بڑی فضیلتیں اور جمعہ چھوڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں احادیث شریفہ میں مذکور ہیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہم بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے (ہمارے فیصلے بھی جلدی ہوں گے اور جنت میں داخلہ بھی پہلی امتوں سے پہلے ہوگا) ہاں اتنی بات ہے کہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تھی' پھر یہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا انہوں نے اس میں اختلاف کیا پھر اللہ نے ہمیں راہ بتا دی (یعنی ہمارے لئے یوم جمعہ مقرر فرما دیا) سو لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں یہود نے کل کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے پرسوں کا دن لے لیا (صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ۱) یہ جو فرمایا کہ اہل کتاب پر یہ دن فرض کیا گیا تھا حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کے نبیوں کے ذریعہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ایک دن اپنی سمجھ سے متعین کر لیں لہٰذا یہودیوں نے سنیچر کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن لے لیا ان کے دونوں دن بعد میں آتے ہیں پہلے ہمارا دن آتا ہے اس لئے فرمایا کہ وہ ہمارے تابع ہیں اپنے اپنے وقت میں جو یہود و نصاریٰ مسلمان تھے اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے اب تو سب کافر ہی ہیں۔ پھر فرمایا وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَحْکُمُ بَیْنَهُمْ (الآیۃ) (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے) یہودیوں پر سنیچر کی تعظیم لازمی کی گئی تھی اور ان پر اس دن شکار کرنا حرام کر دیا گیا تھا' وہ اس میں مختلف رہے بعض شکار کرتے تھے' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس طرح فیصلہ فرما دے گا کہ حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب عطا فرمائے گا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرما دے گا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے بلائیے' اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اچھا طریقہ ہو بلاشبہ آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں

دعوت وارشاد اور اسکے آداب

تفسیر: اس آیت میں دعوت الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے ارشاد فرمایا۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (آپ اپنے رب کی طرف حکمت کے ذریعہ بلایئے) وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ) وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (اور ان سے ایسے طریقہ پر بحث کیجئے جو بہت اچھا طریقہ ہو) اس میں تین چیزوں کی رعایت رکھنے کا حکم فرمایا اول حکمت دوسرے موعظہ حسنہ تیسرے اچھے طریقے پر بحث کرنا حکم تو رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن آپ کے توسط سے ساری امت کو اس کا حکم فرما دیا ہے حکمت موعظہ حسنہ مجادلہ بطریق احسن یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ذریعہ دعوت دی جائے تو عموماً منصف مزاج بات مان لیتے ہیں اور دعوت حق قبول کر لیتے ہیں دعوت الی الایمان ہو یا اعمال صالحہ کی دعوت ہو سب میں مذکورہ بالا چیزیں اختیار کرنا ضروری ہے۔

حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے **انها الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع** یعنی حکمت وہ صحیح بات ہے جو نفس انسانی میں خوبصورت طریقہ پر واقع ہو جائے۔ حکمت کی دوسری تعریفیں بھی کی گئی ہیں لیکن ان سب کا مآل یہی ہے کہ ایسے طریقے پر بات کی جائے جسے مخاطب قبول کر لے یہ طریقے افراد و احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ یہ چاہتا ہو کہ مخاطبین میری بات کو قبول کر ہی لیں وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا ہے واسطوں کو استعمال کرتا ہے نرمی سے کام لیتا ہے ثواب بتاتا ہے اور عذاب سے بھی ڈراتا ہے موقعہ دیکھ کر بات کرتا ہے۔ جو لوگ مشغول ہوں ان سے بات کرنے کے لئے فرصت کا انتظار کرتا ہے اور اتنی دیر بات کرتا ہے جس سے وہ تنگدل اور ملول نہ ہو جائے اگر پہلی بار مخاطبین نے اثر نہ لیا تو پھر موقع کا منتظر رہتا ہے پھر جب موقعہ پاتا ہے پھر بات کہہ دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر نرمی ہی کام دیتی ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (سو تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا ممکن ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے) البتہ اپنے لوگوں کو موقعہ کے مناسب کبھی سختی سے خطاب کرنا بھی مناسب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو سختی سے مخاطب فرمایا جبکہ انہوں نے عشاء کی نماز میں لمبی قراءت کر دی تھی صاحب حکمت اپنے نفس کے ابھار اور کسی بغض وحسد کی وجہ سے مخاطب کو نہیں ڈانٹتا داعی کے لئے ضرور ہے کہ ناصح یعنی خیر خواہ بھی ہو اور امین بھی امانت دار بھی ہو

جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا وَاَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (اور میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں امین ہوں) حکمت کا یہ بھی تقاضا ہے جو بہت ہی اہم ہے کہ دین کو آسان کر کے پیش کرے اور نفرت پیدا ہونے کا سبب نہ بنے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا (آسانی کے ساتھ بات کرو اور سختی سے پیش نہ آؤ اور بشارت دو' نفرت نہ لاؤ) صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱

بہت سے لوگوں میں حق کہنے کا جذبہ تو ہوتا ہے لیکن وہ موقع نہیں دیکھتے' ہتھوڑا مار کر یا الاہنا اتار کر مطمئن ہو جاتے ہیں' کہ ہم نے تو بات کہہ دی اپنا کام کر دیا لیکن اس سے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بعض مرتبہ ضد و عناد پیدا ہو جاتا ہے' ہاں جہاں پر حق دب رہا ہو وہاں زبان سے کہہ دینا بھی بڑی بات ہے ایسے موقع پر حکمت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ حق کلمہ کہہ دیا جائے اسی کو فرمایا ہے افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر (رواہ البغوی فی شرح السنۃ) (سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس شخص کا جہاد ہے جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دیا)۔

حکمت کی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بات کہنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ سننے والے ملول اور تنگ دل نہ ہوں' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ روزانہ بیان فرمایا کرتے تو اچھا ہوتا حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں روزانہ اس لئے بیان نہیں کرتا کہ تمہیں ملول اور تنگ دل کرنا گوارا نہیں ہے' میں تمہیں رغبت کے ساتھ موقع دیتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے موقع کا دھیان رکھتے تھے تا کہ ہم تنگدل نہ ہو جائیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱)

حکمت کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسی باتیں نہ کرے' جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوں اور ایسی باتیں بھی نہ کرے جو لوگوں کے لئے عجوبہ بن جائیں' اگرچہ باتیں صحیح ہوں لوگوں کو قریب کرتے رہیں تھوڑا تھوڑا علم ان کے دلوں میں داخل کرتے رہیں لوگ جب بات کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اس وقت وہ بات کہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا حدثوا الناس بما يعرفون اتحبون ان يكذب الله ورسوله (صحیح بخاری ص ۲۴ ج ۱) یعنی لوگوں کے سامنے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ پہچانتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے (مطلب یہ ہے کہ بات تو تم صحیح پیش کرو گے لیکن مخاطبین کی سمجھ سے بالاتر ہوگی تو وہ کہیں گے ایسا نہیں ہے یا یوں کہیں گے ایسا نہیں ہو سکتا) اس وجہ سے حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ جس علاقہ میں جو قراءت اور جو روایت رائج ہو عوام کے مجمع میں اسی کو پڑھا جائے جیسے ہمارے ملکوں میں حضرت امام عاصم کی قراءت اور حضرت حفص رحمہما اللہ علیہما کی روایت رواج پذیر ہے کوئی کلمہ کسی دوسری قراءت کا پڑھ دیا جائے تو حاضرین کہیں گے کہ اس نے قرآن کو غلط پڑھ دیا اور اس تکذیب کا سبب وہ قاری ہی بنے گا جس نے کسی دوسری قراءت کے مطابق تلاوت کر دی۔

نیز حکمت کے تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اجتماعی خطاب میں سختی ہو اور انفرادی گفتگو میں نرمی ہو اور حکمت کے طریقوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو کسی غیر شرعی کاموں میں مبتلا دیکھے تو بجائے اس سے خطاب کرنے کے محفل عام میں یوں کہہ دے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں' جو گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں' فلاں فلاں گناہ کی یہ وعید ہے اسی طرح سے ہر وہ شخص متنبہ ہو جائے گا' جو اس گناہ میں مبتلا ہو گا رسول اللہ ﷺ بعض مرتبہ یوں بھی خطاب فرماتے تھے کہ **مابال اقوام یفعلون کذا** کما قال ﷺ **ما بال اقوام یصلون معنالا یحسنون الطھور وانما یلبس علینا القرآن اولٰئک** (لوگوں کو کیا ہے کہ وہ اس طرح کرتے ہیں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کو کیا ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور یہ لوگ ہم پر قرآن کریم کو خلط ملط کرتے ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹)

لفظ حکمت بہت جامع لفظ ہے اس کی جتنی بھی تشریح کی جائے کم ہے' اجمالی طور پر یہ سمجھ لیا جائے' کہ جس فرد یا جس جماعت سے خطاب کرنا ہے ان سے اس طرح بات کی جائے کہ بات قبول کر لینا اقرب ہو اور ایسا انداز اختیار کیا جائے' جس سے وہ متوحش نہ ہوں' داعی کے طریقہ کار کی وجہ سے نہ چڑ جائیں نہ عناد پر کمر باندھ لیں مقصود حق قبول کرانا ہو نفرت دلانا نہ ہو' جب کوئی شخص نیک نیتی سے اس مقصود کو لے کر آگے بڑھے گا تو خیر پہنچانے کے وہ طریقے اس کے ذہن میں آئیں گے جو اسے کسی نے نہیں بتائے اور جو اس نے کتابوں میں نہیں پائے' انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور واضح رہے کہ کسی فرد یا جماعت کو راہ حق پر لانے کے لئے خود گناہ کرنا حلال نہیں بعض لوگ دوسروں کو ہدایت دینے کے لئے بدعتوں میں شریک ہو جاتے ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے مال حرام سے دعوت کھا لیتے ہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے' ہمیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ دوسرے کو خیر پر لگانے کے لئے خود گناہگار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ شانہ' کی طرف سے دعوت دینے کا طریقہ ارشاد فرماتے ہوئے مزید فرمایا **اَلْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ** کہ موعظہ حسنہ کے ذریعہ دعوت دو یہ لفظ بھی بہت جامع ہے ترغیب ترہیب والی آیات اور احادیث بیان کرنا اور ایسی روایات سنانا جن سے دل نرم ہو اور ایسے واقعات سامنے لانا' جن سے آخرت کی فکر ذہنوں میں بیٹھ جائے اور گناہ چھوڑنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کے جذبات قلوب میں بیدار ہو جائیں یہ سب چیزیں موعظہ حسنہ میں آ جاتی ہیں' مخاطبین کو ایسے انداز سے خطاب نہ کرے' جس سے وہ اپنی اہانت محسوس کریں اور دل خراش طریقہ اختیار نہ کرے جب اللہ کی راہ پر لگانا ہے تو پھر ایسے طریقہ اختیار کرنا جس سے کہ لوگ مزید دور ہو جائیں اس کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے اگر کوئی ایسا کریگا تو اس کا عمل موعظہ حسنہ کے خلاف ہو گا۔

تیسری بات یوں فرمائی **وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ** (کہ ان سے اچھے طریقے سے جدال کرو) جدال سے جھگڑا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ سوال جواب مراد ہے' جس کا ترجمہ مباحثہ سے کیا گیا ہے' جن لوگوں سے خطاب ہو ان میں بہت سے لوگ باوجود باطل پر ہونے اور اسلاف کی تقلید جامد ہونے کی وجہ سے حق کو دبانے کے لئے الٹے الٹے سوال کرتے ہیں

ان کا جواب دینے کے لئے ایسا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے ان کا منہ بند ہو جائے اور ان کے لاجواب ہونے کو دیکھ کر ان کے ماننے والے گمراہی سے منحرف ہو جائیں اور حق کو قبول کر لیں، جب کسی شخص میں اخلاص ہوتا ہے اور اللہ کے بندوں کی ہمدردی پیش نظر ہوتی ہے تو اللہ کی توفیق سے سوال جواب اور مباحثہ میں عمدگی اور نرمی اور مؤثر طریقے سے گفتگو کی توفیق ہو جاتی ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیوانہ، جادوگر، گمراہ، احمق کہا گیا اور بے تکے سوالات کئے گئے ان حضرات نے صبر و تحمل سے کام لیا جس کے واقعات سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ شعراء میں مذکور ہیں، اگر کوئی شخص برے طریقے پر پیش آئے تو اس سے اچھے طریقے پر پیش آنا لازمی ہے، سورۂ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نہیں برابر ہوتی، اچھی خصلت اور بری خصلت، تو اس طریقے پر دفع کر جو طریقہ اچھا ہو، پھر اچانک وہ شخص جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا خالص دوست ہوتا ہے اور یہ خصلت انہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جنہوں نے صبر کیا اور انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

سورۂ قصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ اور وہ لوگ جو لغو بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

جاہلوں اور معاندوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹنا پڑتا ہے، اگر داعی حق نے بھی جاہل اور معاند کے مقابلہ میں آستینیں چڑھالیں، آنکھیں سرخ کر لیں، لہجہ تیز کر دیا، ناشائستہ الفاظ زبان سے نکال دیئے تو پھر داعی اور مدعو اور صاحب حق اور صاحب باطل میں فرق کیا رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک بادشاہ نے (جس کا نام نمرود بتایا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بحث کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے) اس پر اس نے جیل خانے سے دو قیدی بلائے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو رہا کر دیا اور کہنے لگا کہ (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں) اس نے اپنی جہالت سے یا عناد سے ایسا کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندہ کرنے اور موت دینے کے بارے میں بحث کرنے کے بجائے بات کا انداز بدل دیا اور فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو پورب سے لے کر آتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ، یہ سن کر وہ کافر حیران رہ گیا، اور کوئی جواب بن نہ پڑا، اگر

حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ کرنے اور موت دینے کا مفہوم متعین کرنے اور سمجھانے اور منوانے میں لگتے تو ممکن تھا کہ وہ کافر غلط مفہوم پر ہی اڑا رہتا' اور خواہ مخواہ جھک جھک کرتا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بات کا انداز ایسا اختیار فرمالیا جس سے وہ کافر جلد ہی خاموش ہوگیا۔

یہ واقعہ سورۂ بقرہ رکوع (۳۵) میں مذکور ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور واقعہ بھی ہے جو سورۂ انبیاء میں مذکور ہے' ان کی قوم بت پرست تھی' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن ان بتوں کو توڑ ڈالا۔ وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے واپس آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ کہنے لگے کہ اے ابراہیم کیا تم نے یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ انکے بڑے نے کیا ہے اور اگر بولتے ہیں تو انہیں سے پوچھ لو اس پر وہ لوگ کہنے لگے یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ یہ تو بولتے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گفتگو کرتے کرتے انہیں یہاں تک لے آئے اور ان سے کہلوا دیا کہ یہ بولتے نہیں' تو اب تبلیغ فرمائی اور توحید کی دعوت دی۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّلَایَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سو کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے اور نہ ضرر پہنچا سکے۔ تم پر افسوس کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

یہ ترکیب سے بات کرنا اور تدبیر سوچنا سب موعظہ حسنہ میں داخل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کبھی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ کسی کی غلطی پر متنبہ فرمانے کے لئے بعض مرتبہ سلام کا جواب نہیں دیا' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ سفر سے آیا' میرے ہاتھ پھٹے ہوئے تھے میرے گھر والوں نے ان پر زعفران لگا دیا' ان کے بعد میں صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کو سلام کیا' آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا' اور فرمایا جاؤ اس کو دھو ڈالو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۱ از ابوداؤد)

اور آپ ﷺ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ کسی کے پیچھے کوئی کلمہ فرمادیا' اور وہ اس تک پہنچ گیا اس پر اس نے اپنی اصلاح کرلی۔ حضرت خریم اسدی ایک صحابی تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ خریم اچھے آدمی ہیں اگر ان کے بال بہت لمبے نہ ہوتے اور تہبند لٹکا ہوا نہ ہوتا۔ حضرت خریم کو یہ بات پہنچ گئی تو انہوں نے اپنے بال کاٹ لئے جو کانوں تک رہ گئے اور اپنے تہبند کو آدھی پنڈلیوں تک کرلیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۲ از ابی داؤد)

ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے وہاں دیکھا ایک اونچا قبہ بنا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری کا ہے' آپ ﷺ خاموش ہوگئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب قبہ والے صاحب حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے سلام کیا' آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہیں دیا کئی بار ایسا ہی ہوا جس کی وجہ سے قبہ والے صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ناراض ہیں۔ حاضرین سے انہوں نے دریافت کیا کہ میں رسول ﷺ کا رخ بدلا ہوا

دیکھ رہا ہوں' صحابہؓ نے بتایا کہ آپ ایک دن باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے قبہ کو دیکھ لیا تھا۔ یہ معلوم کر کے وہ صاحب واپس لوٹے اور اپنے قبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا' اب حضرات صحابہؓ کا ادب دیکھو کہ واپس آ کر یوں نہیں کہا کہ میں گرا آیا ہوں' پھر آپ کسی دن اس طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ قبہ نہیں ہے دریافت فرمایا کہ وہ قبہ کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ قبہ والے صاحب نے آپ کی بے رخی کی شکایت کی تو ہم نے یہ بتا دیا کہ تمہارے قبے پر آپ کی نظر پڑ گئی تھی لہٰذا انہوں نے اس کو گرا دیا تو آپ نے فرمایا کہ خبردار ہر عمارت صاحب عمارت کے لئے وبال ہے سوائے اس عمارت کی جس کی ضرورت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ڈانٹنا ڈپٹنا جھڑکنا سختی کرنا ہی تعلیم و تبلیغ نہیں ہے زیادہ تر نرمی سے اور حکمت و تدبیر سے کام چلانا چاہئے' کہیں ضرورت پڑ گئی تو سختی بھی کر لینی چاہئے لیکن ہمیشہ نہیں' بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے تو نرمی و تواضع سے پیش آتے ہیں' لیکن اپنے آل اولاد کے ساتھ صرف سختی اور مار پٹائی ہی کا معاملہ کرتے ہیں جس سے بعض بچوں کو ضد ہو جاتی ہے جب تک کم عمر رہتے ہیں پٹتے رہتے ہیں پھر جب بڑے ہو جاتے ہیں تو بڑھ چڑھ کر نافرمانی کرتے ہیں' اس وقت ان کو دین پر ڈالنا مشکل ہو جاتا ہے' ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔

علیک بالرفق وایاک العنف' ان الرفق لا یکون فی شیء الا زانہ ولا ینزع من شیء الا شانہ (اے عائشہ نرمی کو لازم پکڑ لو اور سختی سے اور بدکلامی سے بچو بلاشبہ جس کسی چیز میں نرمی ہو گی وہ اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی ہٹالی جائے گی تو وہ اسے عیب دار بنا دے گی) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **من یحرم الرفق یحرم الخیر** جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا خیر سے محروم کر دیا گیا۔

اصلاح کا طریقہ یہ بھی ہے کہ گناہ کرنے والوں سے قطع تعلق کر لیا جائے' لیکن یہ اسی وقت مفید ہے جب وہ شخص اثر لے جس سے تعلق قطع کیا گیا ہے' آج کل تو یہ زمانہ ہے کہ گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں اگر ان سے تعلق توڑ لیا جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا ہوا تم روٹھے اور ہم چھوٹے' لہٰذا کسی نیک آدمی کے ناراض ہونے کا کچھ اثر نہیں لیتے' اور وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ میں شر اور معاصی کا اٹھان زیادہ ہے' دینداروں کو حاجت ہے کہ اہل معاصی سے ملیں جلیں ان سے مال خریدیں' گناہ گاروں کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ دینداروں کے پاس آئیں' اسی لئے قطع تعلق اور بائیکاٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اصل مقصود اصلاح ہونی چاہئے' داعی اور مبلغ ہمدردانہ طور پر یہ سوچے کہ فلاں فرد اور فلاں جماعت میں کیا طریقۂ کار مناسب ہو گا' پھر اس کے مطابق عمل کرے' بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دعوت و اصلاح کے کام میں اگر مردم شناسی اور

موقعہ شناسی کو پیش نظر رکھا جائے تو بات ضائع نہیں جاتی۔

یہ بھی سمجھنا چاہیے جہاں دعوت وتبلیغ میں اخلاص ہوگا' اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہوگی وہاں نفس اور نفسانیت کا دخل نہ ہو گا' بعض لوگ کسی کو گناہ پر ٹوکتے ہیں تو اصلاح مقصود نہیں ہوتی 'دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے ٹوکتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں جس شخص سے ان بن ہوگئی اسے ذلیل کرنے کے لئے مجمع میں ٹوک دیا' مقصود اصلاح نہیں ہوتی بلکہ بدلہ لینا اور ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے جب بات کرنے والے ہی کی نیت اصلاح کی نہیں ہے تو مخاطب پر کیا اثر ہوگا' بہر حال مبلغ و داعی کو خیر خواہ ہونا لازم ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (بلاشبہ آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے' اور وہ ہدایت والوں کو خوب زیادہ جاننے والا ہے) آپ اپنی محنت کرتے رہیں ہدایت قبول کرنے والوں اور گمراہی پر جمنے والوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے' وہ اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ

اور اگر تم بدلہ لینے لگو تو اسی جیسا بدلہ لو جیسا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا' اور اگر تم صبر کرلو تو البتہ وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے'

لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے' اور ان پر غم نہ کیجئے اور یہ لوگ جو کچھ تدبیر کرتے ہیں اس کے بارے میں

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

تنگ دل نہ ہوجائیے' بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے' جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو خوبی کا طریقہ اختیار کرنے والے ہوں۔

بدلہ لینے کا اصول اور صبر کرنے کی فضیلت

تفسیر: ان آیات میں بدلہ لینے کا اصول بتایا ہے اور صبر کی فضیلت بتائی ہے اور متقین ومحسنین کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہٗ ان کے ساتھ ہے صاحب معالم التنزیل تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیات شہداء احد کے بارے میں نازل ہوئیں غزوہ احد میں جو مسلمان شہید ہوئے کافروں نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے اور پیٹ پھاڑ دیئے تھے جب مسلمانوں نے یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ ہمیں ان پر غلبہ دے دیا تو ہم بھی ان کے مقتولین کے ساتھ ناک کان کاٹنے کا معاملہ کریں گے اور وہ معاملہ کریں گے جو اہل عرب میں سے کسی نے بھی کسی کے ساتھ نہ کیا ہو۔ انہی شہداء میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی تھے۔ ان کے بھی ناک کان کاٹے گئے تھے آپ

نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ اگر آئندہ اللہ نے مجھے کامیابی دی یعنی کافروں پر غلبہ دیا تو حمزہ کا بدلہ ان کے ستر آدمیوں کے ناک کان کاٹ دیں گے' اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت کریمہ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ میں یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اسی جیسا بدلہ لے سکتے ہو جیسا کہ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے بدلہ میں زیادتی کرنا جائز نہیں' اور فرمایا وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ (اور اگر تم صبر کرلو تو البتہ وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے) رسول ﷺ نے فرمایا کہ بس ہم صبر کریں گے اور بدلے لینے کا ارادہ ترک فرما دیا۔

پھر فرمایا۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا صرف اللہ ہی کی توفیق سے ہے) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (اور مخالفت کرنے والوں پر غم نہ کیجئے) وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (اور یہ لوگ جو تدبیریں کرتے ہیں ان کے بارے میں تنگ دل نہ ہو جائیے) آپ اپنا کام جاری رکھیں ان کی تدبیریں دھری رہ جائیں گی۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اچھے کام کرتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تقویٰ اور احسان کی صفت سے نواز دیا تو اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی دشمن اپنی تدبیر میں کامیاب نہ ہوں گے چنانچہ الحمدللہ ایسا ہوا کہ کافر اپنی تدبیریں کرتے رہے اور اسلام آگے بڑھتا گیا۔

فالحمد لله على انعامه واحسانه ولقد تم تفسير سورة النحل بفضل الله تعالىٰ وحوله وقوته فى الليلة العشرين من جمادى الاولى سنه ۱۴۱۴ھ والحمد لله اولاً و آخرًا وظاهراً وباطنًا

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّفِیْہَا اِثْنَا عَشَرَ رُکُوْعًا

سورۃ الاسراء مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرایا'

الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی آیات دکھائیں' بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ملا اعلیٰ کا سفر کرایا

تفسیر: یہاں سے سورۃ الاسراء شروع ہو رہی ہے اسراء کا معنی ہے رات کو سفر کرانا اللہ تعالیٰ شانہ' نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اس سورت کی پہلی آیت میں اس کا ذکر ہے اس مناسبت سے یہ سورت سورۃ الاسراء کے نام سے معروف ہے۔

آیت مذکورہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی اور سورۃ والنجم کی آیات عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی. مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی. لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات ملاحظہ فرمائیں۔ آیت بالا میں چونکہ اسری بعبدہ فرمایا ہے اور احادیث شریف میں مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر تشریف لے جانے کا بھی ذکر ہے اور اس تذکرہ میں ثم عرج بی فرمایا ہے اس لئے اس مقدس واقعہ کو اسراء اور معراج دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیت کریمہ کو لفظ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ سے جو شروع فرمایا ہے اس میں ان کم فہموں کے خیال وگمان کی تردید ہے جو اس واقعہ کو محال اور ممتنع سمجھتے تھے اور اب بھی بعض جاہل ایسا خیال کرتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ میں شک کرتے ہیں' ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ' کو سب کچھ قدرت ہے وہ کسی بھی چیز سے عاجز نہیں ہے وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے وہ ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے اس کی قدرت کاملہ سے کوئی چیز خارج نہیں۔

اور اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ جو فرمایا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت کو بیان فرمایا ہے۔ عبدیت بہت بڑا مقام ہے اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنالیا اور یہ اعلان فرمادیا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا

کوئی شرف نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ احب الاسماء الی اللہ عبداللہ و عبدالرحمن کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۹)

ایک مرتبہ ایک فرشتہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم چاہو تو عبدیت والے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو تو بادشاہت والے نبی بن جاؤ' آپ نے مشورہ لینے کے لئے جبرئیل کی طرف دیکھا انہوں نے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے جواب دے دیا کہ عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (جو حدیث کی راویہ ہیں انہوں) نے بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۱ از شرح السنۃ)

واقعہ اسراء کا بیان کرتے ہوئے لفظ عَبْدِہٖ لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سن کر کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ آپ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی' اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کر لے کہ مقام عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت میں شریک قرار دے دے' اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کر کے گمراہ ہوئے اس طرح کی کوئی گمراہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں نہ آ جائے۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی' مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اور بعض مرتبہ حرم مکہ پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے (کما قال تعالیٰ اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اور مسجد اقصیٰ مسجد بیت المقدس کا نام ہے جو شام میں ہے لفظ اقصیٰ ابعد یعنی زیادہ دور والی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے' مسجد اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں کئی قول ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لئے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے ان میں وہ سب سے زیادہ دور ہے کوئی شخص مسجد حرام سے روانہ ہو تو پہلے مدینہ منورہ سے گزرے گا پھر بہت دن کے بعد مسجد اقصیٰ پہنچے گا (جب اونٹوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنے جانے کا تقریباً چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اس لئے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے (روح المعانی ص ۹ ج ۱۵)

مسجد اقصیٰ کے بارے میں اَلَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے' یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی' دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت گاہ ہے اور ان حضرات کا قبلہ رہا ہے اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے چاروں طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں' اور دنیاوی اعتبار سے اس لئے

بابرکت ہے کہ وہاں پر انہار اور اشجار بہت ہیں' لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائب قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لمبا سفر ہو جانا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہونا ان کی امامت کرنا اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا یہ سب عجائب قدرت میں سے تھا۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (بلاشبہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ السمیع فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے اور البصیر فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے اور رات کی تاریکی میں حفاظت کرنے والا ہے۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تک تشریف لے جانے کا ذکر ہے' اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے اوپر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالت بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

واقعہ معراج کا مفصل تذکرہ

ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں' پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا اور پھر عالم بالا میں تشریف لیجانے کا ذکر ہے صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا اس لئے بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرنا

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا جو لمبا سفید رنگ کا چوپایہ تھا اس کا قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی' میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام باندھا کرتے تھے پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے میں نے دودھ کو لے لیا اس پر جبرئیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا' پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا اور پہلے آسمان میں حضرت آدم اور دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف اور چوتھے آسمان

میں حضرت ادریس اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں آپ نے بتایا کہ وہ البیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا' اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مٹکے ہوں' جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا اللہ کی کسی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانک رکھا تھا (مسلم ۹۷ ج ۱)

اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا منظور تھا اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا میں واپس اترا اور موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں' انہوں نے کہا کہ واپس جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی' میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں' آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا اور عرض کیا کہ اے رب میری امت پر تخفیف فرما دیجئے چنانچہ پانچ نمازیں کم فرما دیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا' اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی آپ اپنے رب کی طرف رجوع کیجئے اور تخفیف کا سوال کیجئے' آپ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہوتا رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا کبھی بارگارہ الٰہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کے بدلہ دس نمازوں کا ثواب ملے گا لہٰذا یہ (ثواب میں) پچاس ہی ہیں' جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا پھر اسے نہ کرے گا تو اس کے لئے (محض ارادہ کی وجہ سے) ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور جس شخص نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کر لیا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کر لیا تو ایک گناہ لکھا جائے گا' آپ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں بات بتا دی انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو میں نے کہا میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے شرم آتی ہے (ص ۹۱ ج ۱)

صحیح مسلم (ص ۹۶ ج ۱) میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیائے کرام

علیہم الصلوٰۃ السلام کی جماعت میں دیکھا' اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد ﷺ یہ دوزخ کا داروغہ ہے اس کو سلام کیجئے میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کیا' (یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا' آسمانوں پر تشریف لے جانے سے پہلے واقع ہوا)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص ۶ ج ۳ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت جو بحوالہ ابن ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہوئے پھر ایک اذان دینے والے نے اذان دی اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا۔ جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھا دی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرئیل نے کہا اے محمد ﷺ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے' میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاء علیہم السلام سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعارف نہیں ہوا تھا اس لئے یوں فرما دیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرئیل نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے)

صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی تفصیل

صحیح بخاری میں واقعہ معراج بروایت حضرت انس مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انسؓ نے بواسطہ حضرت ابو ذرؓ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ انصاری نقل کیا ہے (۲) فی مجمع الزوائد ص ۴۷ ج ۱ فربطت الدابة بالحلقة التی تربط بها الانبیاء ثم دخلنا المسجد فنشرت لی الانبیاء سمی اللہ ومن لم یسم فصلیت بهم (مجمع الزوائد میں ہے" تب میں نے سواری اس حلقہ کے ساتھ باندھی جس سے انبیاء باندھ رہے تھے پھر ہم مسجد میں داخل ہوئے تو میرے لئے انبیاء کھڑے ہوئے جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے یا نہیں لیا سب پھر میں نے ان کو نماز پڑھائی) دیکھو ص ۱۵۰-۴۵۵-۴۷۱-۵۴۸ ج ۱ (۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے کچھ جاگ رہا ہوں کچھ سو رہا ہوں' میرے پاس تین آدمی آئے میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پر تھا میرا سینہ چاک کیا گیا پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اس کے بعد اس کو درست کر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایہ لایا گیا وہ قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا یہ چوپایہ براق تھا۔

آسمانوں میں تشریف لے جانا اور آپ کے لئے دروازہ کھولا جانا

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات فرمانا اور ان کا مرحبا کہنا

میں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمانوں تک پہنچ گیا حضرت جبرئیل نے آسمان کے

خازن سے کہا کہ کھولئے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے جبرئیل نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں اس نے دریافت کیا' کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے! اس پر مرحبا کہا گیا اور دروازہ کھول دیا گیا اور کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آنا ہے' ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بک من ابن و نبی بیٹے اور نبی کے لئے مرحبا ہے' پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرئیل سے اسی طرح کا سوال جواب ہوا جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اور اوپر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا ان کے الفاظ یوں تھے مرحبا بک من اخ و نبی (مرحبا ہو بھائی کے لئے اور نبی کے لئے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں جبرئیل سے وہی سوال ہوا جو پہلے آسمانوں میں داخل ہونے سے قبل ہوا تھا پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں یوسف علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبا بک من اخ و نبی ' کہا پھر ہم چوتھے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرئیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا' دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی وہی کہا مرحبا بک من اخ نبی ' پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی جبرئیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا۔ دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں ہارون علیہ السلام کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من اخ و نبی کہا پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسب سابق حضرت جبرئیل سے وہی سوال جواب ہوئے' جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من اخ و نبی کہا جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے' انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے (دوسری روایت میں ہے کہ اس کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے) پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام سے حسب سابق سوال جواب ہوا جب دروازہ کھل گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بک من ابن و نبی حضرت آدم اور حضرت ابراہیم نے مرحبا بک من ابن و نبی فرمایا کیونکہ آپ ان کی نسل میں سے تھے۔ باقی حضرات نے مرحبا بک من اخ و نبی فرمایا۔

البیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا ملاحظہ فرمانا

اس کے بعد ''البیت المعمور'' میرے سامنے کر دیا گیا میں نے جبرئیل سے سوال کیا یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ''البیت المعمور'' ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو کبھی بھی واپس نہیں ہوتے پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے بیر ہجر کے مٹکوں کے برابر ہیں اور اس کے پتے

ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں۔
''سدرۃ المنتہیٰ'' کی جڑ میں چار نہریں نظر آئیں دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں میں نے جبرئیل سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ باطنی دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو نہریں فرات اور نیل ہیں (فرات عراق میں اور نیل مصر میں ہے)

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی جتنی بھی نسل چلی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام سے ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ بھی حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے لہٰذا انہیں بھی مرحبا بک من ابن و نبی کہنا چاہئے تھا اگر اہل تاریخ کی یہ بات صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اخوت کا ذکر مناسب جانا کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام عہدہ نبوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں اور تلطفا و تادبا ابن کہنا مناسب نہ جانا (کذا فی حاشیہ البخاری ص ۴۵۵ عن الکرمانی)

(۲) عرب میں ہجر نام کی ایک بستی تھی جہاں کے بڑے بڑے مٹکے مشہور تھے۔

(۳) دو نہریں جو اندر کو جا رہی تھیں یہ کوثر اور نہر رحمت معلوم ہوتی ہیں، کہ وہ دونوں سلسبیل کی شاخیں ہیں ممکن ہے کہ یہ سلسبیل اور اس کا وہ موقع جہاں سے کوثر و نہر رحمت کا اس سے انشعاب ہوا ہے یہ سب سدرۃ کی دوسری جڑ میں ہوں اور نیل و فرات کا آسمان پر ہونا اس طرح ممکن ہے کہ دنیا میں جو نیل و فرات ہیں ظاہر ہے کہ بارش کا پانی جذب ہو کر پتھر سے جاری ہوتا ہے اور بارش آسمان سے ہے سو جو حصہ بارش کا نیل و فرات کا مادہ ہے ممکن ہے کہ وہ آسمان سے آتا ہو پس اس طور پر نیل و فرات کی اصل آسمان پر ہوئی (ذکرہ فی نشر الطیب وراجع تفسیر ابن کثیر ص ۱۲ ج ۳)

پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بار بار درخواست کرنے پر پانچ نمازیں رہ جانا

اس کے بعد مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں میں واپس آیا حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا گیا انہوں نے دریافت کیا (کہ اپنی امت کے لئے) آپ نے کیا کیا، میں نے کہا مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں لوگوں کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں بنی اسرائیل کے ساتھ میں نے بڑی محنت کی ہے (وہ لوگ مفروضہ نمازوں کا اہتمام نہ کر سکے) بلاشبہ آپ کی امت کو اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ ہوگی، جایئے اپنے رب سے (تخفیف کا) سوال کیجئے میں واپس لوٹا اور اللہ جل شانہ، سے تخفیف کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں باقی رکھیں موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی میں نے پھر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا تو تیس (۳۰) نمازیں باقی رہ گئیں موسیٰ علیہ السلام نے پھر توجہ دلائی تو تخفیف کا سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس (۲۰) نمازیں کر دی گئیں پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسی طرح کی بات کہی تو درخواست کرنے پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رہنے دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو

انہوں نے پھر وہی بات کہی میں نے کہا میں نے تسلیم کرلیا (اب درخواست نہیں کرتا) اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا دی گئی کہ میں نے اپنے فریضہ کا حکم باقی رکھا اور اپنے بندوں کے لئے تخفیف کردی اور میں ایک نیکی کا بدلہ دس بنا کر دیتا ہوں (لہٰذا ادا کرنے میں پانچ رہیں اور ثواب میں پچاس رہیں)۔

یہ روایت صحیح بخاری میں ص ۴۵۵ پر ہے اور صحیح بخاری میں ص ۴۷۱ پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بواسطہ ابوذر رضی اللہ عنہ جو معراج کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرحبا کہنے کے تذکرہ کے بعد یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے جبرئیل اور اوپر لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں اس کے بعد پچاس نمازیں فرض ہونے اور اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے اور بارگاہ الٰہی میں بار بار سوال کرنے پر پانچ نمازیں باقی رہ جانے کا ذکر ہے اور اسکے اخیر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لا یبدل القول لدی** کہ میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی (پچاس نمازیں فرض کردیں تو پچاس ہی کا ثواب ملے گا) اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں فرمایا کہ ایسے ایسے رنگوں سے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا پھر میں جنت میں داخل کردیا گیا وہاں دیکھتا ہوں کہ موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے۔

ص ۵۴۸ ج ا پر بھی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث معراج ذکر کی ہے وہاں بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتوسط حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی ہے اس میں البیت المعمور کے ذکر کے بعد یوں ہے کہ پھر میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد لایا گیا میں نے دودھ لے لیا جس پر جبرئیل نے کہا یہی وہ فطرت ہے یعنی دین اسلام ہے جس پر آپ ہیں اور آپ کی امت ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تخفیف کرانے کے لئے کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا **سالت ربی حتی استحییت ولکنی ارضی واسلم** (میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ شرما گیا اب تو میں راضی ہوتا ہوں تسلیم کرتا ہوں) (انتھت روایۃ البخاری)

نمازوں کے علاوہ دیگر دو انعام

معراج کی رات میں جو نمازوں کا انعام ملا اور پانچ نمازیں پڑھنے پر بھی پچاس نمازوں کا ثواب دینے کا اللہ جل شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی انعام فرمایا کہ سورۃ بقرہ کی آخری آیات (امن الرسول سے لے کر آخر تک) عنایت فرمائیں اور ساتھ ہی اس قانون کا بھی اعلان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے امتیوں کے بڑے بڑے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو شرک نہ کرتے ہوں (مسلم ص ۹۷ ج ۱) مطلب یہ ہے کبیرہ کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں نہ رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہو جائیں گے یا عذاب بھگت کر چھٹکارا ہو جائے گا (قالہ النووی) کافر اور مشرک ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

معراج میں دیدار الٰہی

اس میں اختلاف ہے رسول اللہ ﷺ شب معراج میں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی یا رویت قلبی تھی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔

جمہور صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا اور محققین کے نزدیک یہی قول راجح اور حق ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رویت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رویت کو ثابت کرتے تھے اور مانتے تھے جمہور علماء نے اسی قول کو ترجیح دی ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

والاصل فی الباب حدیث ابن عباس حبر الامة والمرجوع الیه فی المعضلات وقد راجعه ابن عمر فی هذه المسئلة هل رای محمد ﷺ به فاخبره انه راه ولا یقدح فی هذا حدیث عائشة فان عائشة لم تخبر انها سمعت النبی ﷺ یقول لم ار ربی وانما ذکرت ما ذکرت متاولة لقول الله تعالیٰ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ولقول الله تعالیٰ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ والصحابی اذا قال قولًا وخالفه غیره منهم لم یکن قوله حجة واذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویة وجب المصیر الی اثباتها فانها لیست مما یدرک بالعقل ویوخذ بالظن وانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس ان تکلم فی هذه المسلة بالظن والاجتهاد اه قلت لم اجد التصریح من ابن عباس انه رأی ربه تعالیٰ بعینی راسه وروی مسلم عنه انه راه بقلبه وفی روایة رأٰهُ بفواده مرتین والعلم عند الله العلیم. (اس باب میں اصل تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے جو کہ امت کے سب سے بڑے عالم ہیں اور مشکل مسائل میں انہیں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس کی طرف رجوع کیا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضرت ابن عباس نے انہیں بتلایا کہ ہاں آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی حیثیت کم نہیں کرتی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ نہیں کہا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ فرمایا ہے وہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وما کان بشر ان یکلمه الله الا وحیاً اومن ورآء حجاب اویرسل رسولاً اور لاتدرکه الابصار کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اور صحابی جب کوئی بات کہے اور دوسرا صحابی اس کی مخالفت کرے تو اس کا قول حجت نہیں رہتا۔ اور جب رویت کے اثبات کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایات ثابت ہیں تو انہیں پر عمل واجب ہے کیونکہ یہ مسئلہ ایسا نہیں جو عقل کے ذریعہ معلوم کیا جا سکے اور گمان کا اعتبار کیا جائے یہ تو سماع سے حاصل کیا جائے گا اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں یہ احتمال کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں جو کہا وہ گمان اور اجتہاد سے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ تصریح مجھے نہیں ملی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی انہیں ظاہری آنکھوں سے دیکھا ہے اور مسلم نے آپ سے روایت کیا ہے کہ اپنے دل سے دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے دل سے دیکھا دو مرتبہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

سورۃ النجم میں جو ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی . عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی وارد ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان میں جبرئیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ نے ان کو اصل صورت میں اور اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے انہوں نے افق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی یہی فرماتے تھے کہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی اور لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے (صحیح مسلم مع شرح الامام النوی ص ۹۷ ج ۱ ص ۹۸ ج ۱)

قریش کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آ جانا ایک ہی رات میں ہوا

واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو قریش کا قافلہ تھا اور وہ شام سے واپس آ رہا تھا صبح کو جب آپ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد ﷺ بیان کر رہے ہیں کہ رات کو انہوں نے اس اس طرح سفر کیا پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے' حضرت ابوبکر نے اول تو یوں کہا تم لوگ جھوٹ بولتے ہو ان لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی وہ اپنے بارے میں یہ بیان دے رہے ہیں اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ان کان قالہ فقد صدق کہ اگر انہوں نے یہ بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے' اسی وجہ سے حضرت ابوبکر کا لقب صدیق پڑ گیا (دلائل النبوۃ للبیھقی ص ۳۶۰ ج ۲ البدایہ و النہایہ)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش فرما دیا

قریش مکہ تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس ان کا دیکھا ہوا تھا کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت المقدس گئے تھے اس میں نماز پڑھی ہے تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیزیں کیسی ہیں (یعنی اس کے ستون اور دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا) اس وقت آپ حطیم میں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرمایا ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب اچھی طرح اس کی ہر ہر چیز کو محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) اللہ جل شانہ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھا دیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے رہے میں ان سب کا جواب دیتا رہا (صحیح مسلم ص ۹۶ ج ۱)

بعض روایات میں یوں ہے فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ (اللہ نے بیت المقدس کو میرے لئے واضح طریقے پر روشن فرما دیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیاں پوچھ رہے تھے وہ میں انہیں بتاتا رہا) صحیح بخاری ص ۵۴۸ ج ۱۔

تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۲ میں ہے کہ جب آپ نے بیت المقدس کی علامات سب بتا دیں تو وہ لوگ جو آپ کی بات پر شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کر رہے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا تھا ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا پھر جب میں واپس آ رہا تھا تو مقام ضجنان میں پہنچا دیکھا کہ وہ لوگ سو رہے ہیں ایک برتن میں پانی تھا جسے

انہوں نے کسی چیز سے ڈھانپ رکھا تھا میں نے ان کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھانکا ہوا تھا (اہل عرب پانی' دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ کرنے پر اعتراض نہیں کرتے تھے ایسی چیزیں بلا اجازت استعمال میں ان کے ہاں رواج عام تھا اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ نے مزید فرمایا کہ دیکھو وہ قافلہ ابھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے ان کے آگے ایک چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں ایک سیاہ رنگ کا اور دوسرا سفید رنگ کا ہے' یہ بات سن کر وہ لوگ جلدی جلدی تنعیم کی گھاٹی کی طرف چل دیئے وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آرہا ہے اور اس کے آگے آگے وہی اونٹ ہے جب قافلے پر گزرنے کی تصدیق ہوگئی تو ان لوگوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے' پھر قافلہ والوں سے سوال کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک اونٹ بدک کر چلا گیا تھا ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو ہمیں بلا رہا تھا کہ یہ تمہارا اونٹ ہے یہ آواز سن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا کہ یہ محمد (ﷺ) کی آواز ہے۔

سفر معراج کے بعض دیگر مشاہدات

معراج کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروحِ حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں جن کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ جلد دوم میں اور حافظ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد بن محمد سلیمان المغربی الردانی نے جمع الفوائد جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے' بعض چیزیں اوپر ذکر ہو چکی ہیں بعض ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے (صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲)

ایسے لوگوں پر گزرنا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے: حضرت انسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں' میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے' میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک

روایت میں یوں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جس پر خود عامل نہیں' اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸)

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

سود خوروں کی بد حالی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے (جیسے انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آرہے تھے میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

کچھ لوگوں کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں: حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے زینت اختیار کرتے ہیں' پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس سے بہت سخت آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زناکاری کے لئے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں' (الترغیب والترھیب ص ۵۱۱ ج ۳)

ایک شیطان کا پیچھے لگنا: موطا امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو سیر کرائی گئی آپ نے جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لئے ہوئے آپ کا پیچھا کر رہا تھا آپ جب بھی (دائیں بائیں) التفات فرماتے وہ نظر پڑ جاتا تھا جبرئیل نے عرض کیا کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں جنہیں آپ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ جائے گا اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بتا دو! اس پر جبرئیل نے کہا کہ آپ یہ کلمات پڑھیں۔

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات اللاتی لا يجاوزهن بر ولا فاجر من شرما ينزل من السماء وشر ما يعرج فيها' وشرما ذرأ في الارض وشرما يخرج منها ومن فتن الليل والنهار' ومن طوارق الليل والنهار' الا طارقا يطرق بخير يارحمٰن (مؤطا مالک کتاب الجامع)

فرشتوں کا پچھنے لگانے کے لئے تاکید کرنا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ فرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے انہوں نے کہا کہ آپ اپنی امت کو حجامت یعنی پچھنے کا حکم دیجئے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۹ از ترمذی وابن ماجہ)

عرب میں پچھنے لگانے کا بہت رواج تھا اس سے زائد خون اور فاسد خون نکل جاتا ہے بلڈ پریشر کا مرض جو عام ہو گیا ہے یہ اس کا بہت اچھا علاج ہے لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے رسول اللہ ﷺ اپنے سر میں اور اپنے مونڈھوں کے درمیان پچھنے لگاتے تھے (حوالہ بالا)

مجاہدین کا ثواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ شب معراج میں نبی اکرم ﷺ جبرئیل کے ساتھ چلے تو آپ کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو ایک ہی دن میں تخم ریزی بھی کر لیتے ہیں اور اسی ایک دن میں کاٹ بھی لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی' آپ نے جبرئیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتا ہے۔

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے: پھر آپ کا ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے' کچلے جانے کے بعد ویسے ہی ہو جاتے تھے جیسے پہلے تھے اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا' آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ لوگ نماز کے بارے میں کاہلی کرنے والے ہیں سوتے ہوئے رہ جاتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی: پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں اور ضریع اور زقوم یعنی کانٹے دار خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سڑا ہوا گوشت کھانے والے: پھر آپ ﷺ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے' آپ نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار کے ساتھ رات گزارتی ہے۔

ضریع آگ کے کانٹے اور زقوم دوزخ کا بدترین بدبودار درخت۔

لکڑیوں کا بڑا گٹھڑا اٹھانے والا: پھر ایک ایسے شخص پر آپ ﷺ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بڑا گٹھڑ ہے وہ اسے اٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے آپ نے دریافت فرمایا یہ کون شخص ہے؟ جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور مزید امانتوں کا بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

ایک بیل کا چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد ایسے سوراخ سے گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا وہ چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اس میں داخل ہو جائے، آپ نے سوال فرمایا یہ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی برا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنت کی خوشبو: پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آ رہی تھی یہ مشک کی خوشبو تھی اور ساتھ ہی ایک آواز بھی آ رہی تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں انہیں لائیے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

دوزخ کی آواز سننا: اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا وہاں صوت منکر یعنی ایک آواز ایسی سنی جو ناگوار تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا یہ جہنم ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آئیے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیے۔

(انتھت روایۃ ابی ہریرۃ من جمع الفوائد ص ۱۵۱ ج ۳ طبع مدینہ منورہ)

باب الحفظہ

پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظہ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (فتح الباری ص ۲۰۹ ج ۷ سیرت ابن ہشام)

پہلے آسمان پر داروغہ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ فرمانا

جب آپ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہنستے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا

نہیں' آپ نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لئے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت (بھی) آپ کے سامنے اسے ہنسی آ جاتی' یہ فرشتہ ہنستا ہی نہیں ہے آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اس فرشتے سے کہیئے کہ مجھے دوزخ دکھادے' جبرئیل علیہ السلام نے اس سے کہا یا مالک محمد ان النار (اے مالک محمد ﷺ کو دوزخ دکھادو) اس پر اس فرشتہ نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی اوپر اٹھ آئی آپ نے فرمایا اے جبرئیل اس کو کہیئے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کر دے' چنانچہ جبرئیل نے اس فرشتے سے کہا کہ اس کو واپس کر دو فرشتے نے اسے واپس ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا (سیرت ابن ہشام ۲۴۹ علی ھامش الروض الانف)

دودھ' شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ ﷺ کا دودھ کو لے لینا

صحیح مسلم میں (ص ۱۹) جو نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا ہے آپ نے دودھ لے لیا اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں صحیح مسلم کی دوسری روایت جو صفحہ ۹۵ پر مذکور ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالم بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دودھ لے لیا اور امام بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ بیت المعمور سامنے کئے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا' بیت المقدس میں بھی پینے کے لئے چیزیں پیش کی گئی ہوں اور پھر عالم بالا میں بھی حاضر خدمت کی گئیں ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے دوبارہ پیش کئے جانے میں عقلاً نقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے' صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں بعض مرتبہ راویوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے جسے دوسرا ذکر کر دیتا ہے (ومع ذالک المثبت مقدم علی من لم یحفظ) صحیح مسلم کی (روایت ۷۹ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے دودھ لے لیا تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی' اس سے معلوم ہوا کہ قائد اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے الفتح الباری (ص ۲۱۵ ج ۷) میں علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ دودھ کے بارے میں جو ھی الفطرۃ التی انت علیھا فرمایا' ممکن ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ میں دودھ داخل ہوتا ہے اور وہی اس کی آنتوں کو پھیلا دیتا ہے (اور بچہ کی ابتدائی غذا میں ایک مناسبت ہوئی اس لئے فطرت سے دین اسلام مراد لیا) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ (جو برتن پیش کئے گئے وہ) چار تھے دودھ اور شہد اور خمر اور پانی' کسی نے دو کے ذکر پر اکتفا کیا' کسی نے تین کے ذکر پر' یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیرینی میں شہد جیسا ہو' کبھی اس کو شہد کہہ دیا کبھی پانی' اور ہر چند کہ شراب اس وقت

حرام نہ تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی مگر سامان نشاط ضرور ہے اس لئے مشابہ دنیا کے ہے' شہد بھی اکثر تلذذ کے لئے پیا جاتا ہے غذا کے لئے نہیں تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہوا اور پانی بھی معین غذا ہے غذا نہیں جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے اور گو غذائیں اور بھی ہیں مگر دودھ کو اوروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے (کذا فی نشر الطیب وراجع فتح الباری ص ۲۱۵ ج ۷) تفسیر ابن کثیر ص ۵ ج ۳ میں دلائل النبوۃ للبیہقی سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے پانی کو اور شراب کو چھوڑ دیا اور دودھ کو لے لیا تو جبرئیل نے کہا کہ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ اور آپکی امت غرق ہو جاتی اور اگر شراب پی لیتے' تو آپ اور آپکی امت راہ صحیح سے ہٹ جاتی۔

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

روایات حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں طرح وارد ہوا ہے لفظ ''سدرۃ'' عربی زبان میں بیری کو کہتے ہیں اور ''المنتہیٰ'' کا معنی ہے انتہاء ہونے کی جگہ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اس پر منتہیٰ ہوتے جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں)

پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سدرہ پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی شخص بیان نہیں کر سکتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کے پروانے چھائے ہوئے تھے اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چل سکتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کے سایہ میں سو سوار سایہ لے سکتے ہیں۔

قال النووی قال ابن عباس والمفسرون وغیرھم سمیت سدرۃ المنتھی لان علم الملکۃ ینتھی الیھا ولم یجاوزھا احد الا رسول اللہ ﷺ۔ (علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے مفسرین حضرات فرماتے ہیں سدرۃ المنتہیٰ کو سدرۃ المنتہیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں پر فرشتوں کے علم کی انتہاء ہو جاتی ہے اور اس سے آگے کوئی نہیں بڑھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے)

جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ فرمانا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک دیکھتا ہوں کہ میں ایک ایسی نہر پر ہوں جس کے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبے ہیں جو بیچ میں

سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرئیل یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے میں نے جو دھیان کیا تو دیکھتا ہوں اس کی مٹی (جس کی سطح پر پانی ہے) خوب تیز خوشبو والا مشک ہے (رواہ البخاری ص ۹۷۱)

فوائد واسرار اور حکم متعلقہ واقعہ معراج شریف

براق کیا تھا اور کیسا تھا؟ ''لفظ براق' بیرق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے یہ لفظ برق سے لیا گیا ہے برق بجلی کو کہتے ہیں برق کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے اس تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا' روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سوار ہوتے تھے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (ص ۳۹۰ ج ۲) میں ارشاد نقل کیا ہے **وکانت الانبیاء ترکبه قبل** (اور حضرات انبیاء کرام علیہ السلام مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں)۔

براق کی شوخی اور اس کی وجہ: سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میرے پاس براق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی اور زین کسی ہوئی تھی' براق شوخی کرنے لگا' جبرئیل نے کہا کہ تو محمد علیہ السلام کے ساتھ شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمد (علیہ السلام) سے زیادہ مکرم اور معزز ہو' یہ سنتے ہی براق پسینہ پسینہ ہو گیا (پھر اس نے اپنا نافرمانی کا انداز چھوڑ دیا) **قال الترمذی هذا حدیث حسن غریب** دلائل النبوۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر گھما دیا پھر مجھے اس پر سوار کر دیا (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۵۵)

بعض روایات میں ہے کہ جب بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے پتھر میں سوراخ کر دیا پھر اس سوراخ سے آپ نے براق کو باندھ دیا (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانہ فترت میں (یعنی اس عرصہ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر چمکنے لگا اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخر الانبیاء اور افضل الانبیاء ﷺ سوار ہو رہے ہیں (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ثبیر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت

کرنے لگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۲) اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرا دے لیکن آپ کو تشریفاً وتکریماً براق پر سوار کر کے لے جایا گیا اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدل سفر ہوتا کیونکہ سوار بہ نسبت پیدل چلنے والے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لئے سواری بھیجی گئی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعہ آسمانوں پر جانا

جب مکہ معظمہ سے بیت المقدس کے لئے روانگی ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ براق پر سوار ہو گئے اور آپ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر سوار ہوئے۔ (فتح الباری ص ۳۰۸ ج ۷)

دونوں حضرات براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے وہاں دونوں نے دو دو رکعت نماز پڑھی، پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھائی جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوب صورت تھا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے کا اور ایک زینہ چاندی کا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا عالم بالا کا سفر کرتے وقت دائیں بائیں فرشتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں زینہ کے ذریعہ آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوایا (فتح الباری ص ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹)۔

آسمانوں کے محافظین نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ سوال کیوں کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے کیا انہیں بلایا گیا ہے

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب کوئی دروازہ کھلوایا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرئیل سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ محمد (علیہ السلام) ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے حضرت جبرئیل جواب دیتے رہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے جواب ملنے پر دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوالات کیوں کئے کیا جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ کسی ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں گے؟ جسے اوپر بلایا نہ گیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا شرف بڑھانے کے لئے اور خوشی ظاہر کرنے کے لئے یہ سوال جواب ہوا اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چل جائے کہ آپ کا اسم گرامی ملاء اعلیٰ میں

معروف ہے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ہیں اگر وہ آپ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں اسی سے پہلے سے دروازے نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور وہ یہ کہ آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لئے اس طریقے پر آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قاصد بھیج کر بلایا گیا ہو جہاں اکثر مہمان آتے ہوں اور بار بار آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر مہمان کے لئے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثال مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا یا ایشیا والا افریقہ چلا گیا یعنی خاکی انسان خاک ہی پر گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سموات سے گزرتا ہوا سدرۃ المنتہٰی تک پہنچ گیا جہاں اس محبوب مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ بقدر کمالہ و جمالہ چونکہ انسانوں میں سے وہاں کوئی نہیں جاتا اور وہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے تاکہ وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے جس کو بغیر درخواست کے بلایا گیا ہے اور جس کے لئے آج وہ دروازے کھولے جا رہے ہیں جو کبھی کسی کے لئے نہیں کھولے گئے در حقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لئے بھی کھلے رہے ہوں قال ابن المنیر حکمته التحقق ان السماء لم تفتح الامن اجله بخلاف مالو وجده مفتوحًا (ابن المنیرؒ فرماتے ہیں اس کی حکمت اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ آسمان آپ ہی کے لئے کھولے گئے بخلاف اس کے کہ اگر وہ پہلے سے کھلے ہوئے پائے جاتے (تو اس بات کا ثبوت نہ ہوتا) فتح الباری ص ۴۶۱ ج ۱

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرئیل علیہ السلام سے سوال و جواب ہوا اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہو گیا پہلے سب نے مہمان کا نام سنا پھر زیارت کی مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہو گیا' ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العلمین کی حاضری کے لئے یہ سفر تھا اور فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرانا مقصد اعلیٰ نہ تھا اس لئے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا ملاء اعلیٰ متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے چلے گئے دنیا میں استقبال کے لئے استقبالیہ کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیش نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالم بالا کے ساکنین کو وہ قوتیں حاصل ہیں کہ آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر کر کے جمع ہو سکتے ہیں دروازہ کھٹکھٹایا گیا

بھنک پڑی سب حاضر ہو گئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی

ایک یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام خلیل ہیں مقام خلت کا تقاضا تسلیم و رضا ہے جو حکم ہوا مان لیا آگے سوچنا کچھ نہیں' اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کلیم اللہ ہیں مقام تکلم مقام ناز ہے اور موجب انبساط ہے جو کلیم جرات کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اہل شرک وکفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا ان ہی لوگوں سے بحث ومناظرہ میں عمر مبارک صرف ہوئی آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ سچے فرمانبردار تھے نافرمانوں اور فاسقوں کے رنگ ڈھنگ بچشم خود نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت میں آزمائے تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا **فانی قد بلوت بنی اسرائیل و خبرتھم** (مسلم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں' اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نماز پڑھنا آپ کی امت کے لئے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی خیر خواہی سے غافل نہ تھے انہوں نے تکثیر حسنات کو پیش نظر رکھا پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبر سن کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کے ذریعہ جس امت کے لئے دعا کی تھی وہ آج نوازی جا رہی ہے اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جا رہا ہے پھر بھلا وہ تخفیف صلوۃ کا مشورہ کیوں دیتے چونکہ وہ تکثیر حسنات کی طرف متوجہ تھے اس لئے انہوں نے امت محمدیہ کو ایک پیغام بھیجا' حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے سیر کرائی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا اور انہیں بتا دینا کہ بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں **سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر مشکوٰۃ المصابیح** ص۲۰۲

یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اس کے لئے ہے جو دنیا میں ایسے کام کر کے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخلہ ہو سکے جنت اپنی محنت سے ملے گی اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو مٹی بھی عمدہ ہو پانی بھی میٹھا ہو جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا اور اس

عمدہ پانی سے سینچائی کرے گا تو اس کا پھل پالے گا لہٰذا دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو اللہ کا ذکر کرو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھا کرو ان کو پڑھو گے تو جنت میں ان کے عوض درخت پا لو گے اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس نے سبحان اللہ العظیم وبحمدہ کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ ترمذی)

سونے کے طشت میں زم زم سے قلب اطہر کا دھویا جانا

واقعہ معراج جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھو کر واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور پھر اس طرح درست کر دیا گیا جیسا پہلے تھا آج کی دنیا میں جبکہ سرجری عام ہو چکی ہے اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے اور زم زم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زم زم کے پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوگئی' روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قلب اطہر کو سونے کی طشت میں دھویا گیا تھا چونکہ اس کا استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے اور سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس لئے اس سے امت کے لئے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا' اور ایمان و حکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ کی قوت ایمانیہ میں اور قلب مبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہوگئی اور عالم بالا میں جانے کی طاقت پیدا ہوگئی۔

نماز کا مرتبہ عظیمہ

نماز اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے دیگر عبادات اسی سرزمین میں رہتے ہوئے فرض کی گئیں لیکن نماز عالم بالا میں فرض کی گئی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو عالم بالا کی سیر کرائی اور وہاں پچاس پھر پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور ثواب پچاس ہی کا رکھا گیا رسول اللہ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر نمازوں کی تخفیف کے لئے درخواست کرتے رہے۔

اور درخواست قبول ہوتی رہی عالم بالا میں بار بار آپ کی حاضری ہوتی رہی' وہاں آنحضرت ﷺ کی مناجات ہوئی پھر اس دنیا میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ کی اور صحابہ کے بعد پوری امت کی مناجات ہوتی رہی اور تاحیات یہ مناجات ہوتی رہے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کی دربار کی حاضری ہے اس لئے اس کے وہ آداب ہیں جو دوسری عبادات کے لئے لازم نہیں کئے گئے باوضو ہونا' کپڑوں کا پاک ہونا نماز کی جگہ پاک ہونا' قبلہ رخ ہونا' ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا' اللہ

کے کلام کو پڑھنا' رکوع کرنا' سجدے کرنا' یہ وہ چیزیں ہیں جو مجموعی حیثیت سے کسی دوسری عبادت میں مشروط نہیں ہیں (گو ان میں سے بعض احکام بعض دیگر عبادات سے بھی متعلق ہیں) پھر نمازی ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھتا ہے جو التحیات للہ سے شروع ہوتا ہے' بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ تشہد میں انہیں الفاظ کا اعادہ ہے جو شب معراج میں ادا کئے گئے تھے حاضری کے وقت آنحضرت سرِ عالم ﷺ نے تحیہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا التحیات للہ والصلوات والطیبات اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہ' کی طرف سے جواب ملا السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یہ سن کر آپ نے عرض کیا السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فوراً توحید و رسالت کی گواہی دی' اور اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ کے کلمات ادا کئے۔

نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے اس لئے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی سترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دلجمعی رہے ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے نماز پڑھتے ہوئے انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے' کھانے کا تقاضا ہوتے ہوئے اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا' کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں ان کی وجہ سے خشوع خضوع باقی نہیں رہتا اور یہ دربار کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہو تو برابر اللہ تعالیٰ کی توجہ اس کی طرف رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے جب بندہ توجہ ہٹا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

منکرین وملحدین کے جاہلانہ اشکالات کا جواب

روایاتِ حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے بیداری میں روح جسم کے ساتھ معراج کرائی اہل السنۃ والجماعت کا یہی مذہب ہے ایک ہی رات میں آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں پہنچے وہاں حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کی پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آ رہی تھیں عالم بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر آپ ﷺ تخفیف کرنے کی درخواست کرتے رہے اور خالق کائنات جل مجدہ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمایا پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے' راستے میں قریش کا ایک قافلہ

ملا جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دے دیئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا اور آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہو گیا تو قریش کا منہ بند ہو گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

لیکن اب دور حاضر کے ملحدین واقعہ معراج کو ماننے میں تامل کرتے ہیں، اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ اس کا انکار کیوں کرتے اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کر لی اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں جو سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ فرمایا ہے اس میں بِعَبۡدِہٖ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے نیز لفظ اسری جو سری یسری (معتل اللام) سے باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے خواب میں کوئی کہیں چلا جائے اس کو سری اور اسری سے تعبیر نہیں کیا جاتا لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے۔ ھداھم اللہ تعالیٰ

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین سے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلاں کرہ سے گزرنا لازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا اور فلاں کرہ سے زندہ نہیں گزر سکتا یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اول تو ان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کرہ سے چاہے باسلامت گزار دے اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، اور سانس لینے کو بھی تو اسی نے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے اگر وہ انسان کو تخلیق کی ابتداء ہی سے بغیر ہوا اور بغیر سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی، اور کیا سکتہ کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا حبس دم کرنے والے سانس لئے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے۔

بعض جاہل تو آسمانوں کے وجود کے ہی منکر ہیں ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ کسی چیز کا نہ جاننا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو محض اٹکلوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ۔

فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالق کائنات جل مجدہ نے اپنی کتاب میں سات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا لیکن اصحاب فلسفہ قدیمہ کہتے تھے کہ نو آسمان ہیں اور اب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے، اب بتاؤ ان اٹکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالق کائنات جل مجدہ کا فرمان صحیح ہے؟ سورہ ملک میں فرمایا اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا

فرمایا اور وہ لطیف ہے خبیر ہے)

فلسفہ قدیمہ والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ کہتے کہ آسمانوں میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا یہ بھی ان کی اٹکل پچو والی بات تھی کبھی نہ گئے نہ جا کر دیکھا زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کر لیا' جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بتائے' سورہ اعراف میں فرمایا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اور سورہ نباء میں فرمایا وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا اور آسمان کے پھٹنے کا بھی ذکر فرمایا جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ میں تذکرہ فرمایا ہے لہٰذا ان لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق والتیام نہیں ہوسکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض ملحدوں کو ممکن ہے اب بھی یہ اشکال ہو کہ ایک رات میں اتنا بڑا سفر کیسے ہوسکتا ہے! کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اس کی کچھ وجہ بھی تھی کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہو گئے ہیں انکا وجود نہ تھا اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے جہاں سے بیت المقدس تھوڑی ہی دور ہے اگر اسی حساب کو دیکھا جائے تو بیت المقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہو سکتے ہیں اور رات کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں مشاہدات فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کے لئے تسلیم کر لئے جائیں تو اس میں کوئی بعد نہیں ہے' اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ چاہے تو جو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید در مزید تیز رفتاری عطا فرما دے' اور نئی سواریاں پیدا فرما دے جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں' سورہ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فرمایا ہے اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی اب تو ایسے طیارے تیار ہو چکے ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں' یہی لوگ جو سفر معراج کے منکر ہیں یا اس کے وقوع میں متردد ہیں خود ہی بتائیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنے محور پر گھومتی ہے چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کر لیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کرہ سے کروڑوں میل دور ہے کرن ظاہر ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے پھر واقعہ معراج میں تردد کیوں ہے؟

صاحب معراج ﷺ جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ حد نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی۔ اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس

تک صرف دس بارہ منٹ کی مسافت بنتی ہے اس طرح بیت المقدس تک آنے جانے میں کل بیس منٹ کے لگ بھگ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لئے بچ گئی۔

مومن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنے اور تصدیق کرے والمرتابون هم الهالكون

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ
اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دیا کہ تم لوگ میرے علاوہ کسی کو
وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ
کارساز نہ بناؤ' اے ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا' بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے' اور ہم نے بنی
اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا
اسرائیل کو کتاب میں یہ بتا دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں ضرور فساد کرو گے اور بڑی بلندی تک پہنچ جاؤ گے سو جب
جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ
ان دونوں میں پہلی مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیں گے جو سخت لڑائی لڑنے والے ہونگے پھر وہ گھروں کے اندر گھس پڑیں گے'
وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ
اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا' پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ واپس کر دیں گے اور مالوں سے اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری امداد کریں گے' اور جماعت کے
وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝۶ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ
اعتبار سے تمہیں خوب زیادہ بڑھا دیں گے' اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنی جانوں کے لئے اچھا کرو گے' اور اگر برے کام کرو گے تو تمہاری جانوں کے لئے ہونگے'
فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ
پھر جب دوسری مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تا کہ وہ تمہارے مونہوں کو بگاڑیں اور تا کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے
مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝۷ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ
اور تا کہ وہ ان سب کو ہلاک کر ڈالیں جوان کے قابو میں آجائیں' قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی معاملہ کریں گے جو پہلے تمہارے ساتھ کیا'
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸
اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیل خانہ بنا دیا ہے

بنی اسرائیل کا زمین میں دو بار فساد کرنا اور ان کو دشمنوں کا تباہ کرنا

تفسیر: ان آیات میں بنی اسرائیل کے اقتدار اور تسلط کا اور ان کی سرکوبی کے لئے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرمانے کا ذکر ہے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ واقعات گذر چکے تھے قرآن مجید کا ان تفصیلات کو بتانا یہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے، جو لوگ یہ کہتے تھے کہ محمد علیہ السلام اپنے پاس سے قرآن بنا لیتے ہیں اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے ان تمام واقعات میں ان لوگوں کی تردید ہے، یہ سابقہ خبریں آپ کو کسی انسان نے نہیں بتائیں اور آپ امی بھی تھے لہٰذا پرانی کتابوں سے اخذ کرنے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائیں، اور یہ سب کچھ یہود کے لئے تو خاص طور سے عبرت اور نصیحت ہے وہ جانتے تھے کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کی تاریخ ہے اور انہیں یہ واقعات معلوم تھے جو وقتاً فوقتاً ان کے بڑوں کے ساتھ پیش آئے، ایک امی شخص کے بتانے کے بعد (جس کے پاس وحی کے سوا معلوم ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا) بھی ایمان نہ لائے فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی یعنی توریت شریف عطا کی، اور اس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا، اس میں توحید کا بھی حکم تھا اور تفصیلی احکام بھی تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز قرار مت دینا، لیکن بنی اسرائیل توریت شریف کی مخالفت کرتے رہے جس کی وجہ سے دنیا میں سزا بھگتتے رہے، کبھی انہیں اقتدار مل جاتا تھا اور اونچے پیمانہ پر زوردار طریقہ سے زمین میں حکمرانی کرتے اور کبھی دشمن ان پر چڑھائی کر دیتے اور ان کا ناس کھو دیتے تھے جس سے انہیں ذلت اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا۔

ان واقعات کی تفصیل بتانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا ایک انعام یاد دلایا کہ تم لوگ نوح علیہ السلام کی ذریت ہو اور ان کی نسل سے ہو جب قوم کی سرکشی کی وجہ سے قوم پر عذاب آیا تھا تو ان کو اور ان کے خاندان کو (بیوی اور ایک بیٹے کے علاوہ) اور دیگر اہل ایمان کو (جو تھوڑے سے تھے) ان کے ساتھ کشتی میں سوار کر دیا تھا اس کشتی میں جو لوگ سوار تھے آگے انہیں لوگوں کی نسل چلی اور دنیا میں پھلی اور پھیلی، بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ دیکھو توحید والوں کو کشتی میں سوار کر کے غرق ہونے سے نجات دی تھی تم انہی کی نسل سے ہو اس وقت سے لیکر آج تک نسل در نسل تم زمین پر آ رہے ہو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر انعام ہے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جیسے انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا تم بھی اسی کو کارساز بناؤ اور اسی کی طرف متوجہ رہو۔ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بلاشبہ نوح شکر گزار بندہ تھے) جس شکر گزار بندہ کے ساتھ تمہارے آباؤ اجداد نے نجات پائی اس بندہ کی طرح تم بھی منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے رہو۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ ہم نے پہلے ہی کتاب میں (یعنی توریت شریف میں یا انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفوں میں بطور

پیش گوئی) یہ بات بتادی تھی کہ تم (ملک شام کی) سرزمین میں دوبار فساد کرو گے اور بندوں پر خوب زیادہ زور چلانے لگو گے اس کے بعد فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا سے ان کا فساد اول اور ان پر دشمنوں کی چڑھائی اور فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ میں دوسری مرتبہ ان کے فساد کے بعد دشمنوں کی طرف سے یلغار اور تباہی ہونے کا تذکرہ فرمایا' آگے بڑھنے سے پہلے بنی اسرائیل کے شر و فساد اور دشمنوں کی طرف سے ان کی تباہ کاری کی تفصیل معلوم کر لینی چاہئے جو تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہے' آیات بالا میں فرمایا ہے کہ ایک بار بنی اسرائیل نے زمین میں فساد کیا اللہ تعالیٰ کے حکموں کی مخالفت کی حقوق اللہ ضائع کئے اور مخلوق پر بھی مظالم کئے اس وقت ان پر دشمن مسلط کر دیئے گئے تھے جو سخت جنگ جو تھے اس کے بعد بنی اسرائیل سنبھل گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر نعمت اور دولت سے سرفراز فرمادیا مال بھی دیا بیٹے بھی دیئے اور ان کی جماعت خوب زیادہ بڑھادی لیکن پھر انہوں نے شرارت کی تو دوبارہ دشمن مسلط ہو گیا جس نے بری طرح ان کی بربادی کی اور دوبارہ بیت المقدس میں داخل ہو کر ان کا ناس کھو دیا۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے دو مرتبہ برباد ہونے اور بیچ میں آباد ہونے کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس میں کون سے واقعات مراد ہیں اور کون سے دشمنوں نے حملہ کیا تھا اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی احادیث مرفوعہ میں ان کا کوئی ذکر نہیں اور جو کچھ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے وہ اسرائیلی روایات ہیں اور ان قصوں کی تفصیل جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر ص ۲۵/ج ۳ میں لکھتے ہیں وقد وردت فی هذا آثار كثيرة اسرائيلية لم ارتطويل الكتاب بذكرها لان منها ماهو موضوع من وضع بعض زنادقتهم ومنها ما قد يحتمل ان يكون صحيحا ونحن فی غنية عنها ولله الحمد وفيما قص الله علينا فی كتابه غنية عما سواه من بقية الكتب قبله ولم يحوجنا الله ولا رسوله اليهم۔ (اور اس بارے میں بہت ساری اسرائیلی روایات موجود ہیں میں ان کو ذکر کر کے کتاب میں طوالت پسند نہیں کرتا کیونکہ ان میں بعض تو ایسی ہیں جنہیں ان کے زندیقوں نے گھڑا ہے اور بعض ایسی ہیں جن کے صحیح ہونے کا احتمال تو ہے مگر ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں ہمارے لئے جو بیان فرمایا ہے وہ پہلے کی تمام کتابوں سے مستغنی کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کا محتاج نہیں بنایا)

بنی اسرائیل کو برباد کرنے والے کون تھے

تفسیر کی کتابوں میں بنی اسرائیل کو برباد کرنے والوں کے کئی نام لکھے ہیں (۱) بخت نصر (۲) جالوت (۳) خردوش (۴) سنجاریب' پھر ان میں پہلی بربادی کس کے ہاتھوں ہوئی اور دوسری بار کس نے ہلاک کیا اس میں بھی اختلاف ہے' صاحب معالم التنزیل بہت کچھ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی بربادی بخت نصر اور اس کے لشکروں کے ذریعہ اور دوسری بربادی خردوش اور اس کے لشکروں کے ذریعہ ہوئی یہ دوسری بربادی پہلی بربادی سے بڑی تھی اس کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت قائم نہ رہ سکی اور ان کے تمام علاقوں میں یونانیوں کی حکومت قائم ہو گئی' ہاں بنی اسرائیل تعداد میں زیادہ ہو گئے ان کی حکومت تو نہ تھی البتہ بیت المقدس پر ان کی ریاست قائم تھی۔

اللہ نے نعمت انہیں بہت دی تھی انہوں نے نعمتوں کو بدل دیا اور نئے نئے طریقے ایجاد کئے اللہ تعالیٰ نے ان پر طیطوس ابن اسطیانوس رومی کو مسلط کر دیا جس نے ان کے شہروں کو ویران کیا اور انہیں ادھر ادھر بھگا دیا اور اللہ نے ان سے حکومت اور ریاست سب چھین لی اور ان پر ذلت چمٹا دی اب ان میں کوئی باقی نہ رہا جو جزیہ نہ دیتا ہو اور ذلیل نہ ہو اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بیت المقدس ویران رہا پھر اسے مسلمانوں نے آباد کیا۔

اس کے بعد حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر پہلی بار جالوت کو مسلط فرما دیا تھا اس نے انہیں قید کیا اور قتل کیا اور برباد کیا پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں انہیں قوت و طاقت عطا فرما دی جس کا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ میں ذکر فرمایا ہے پھر دوسری بار جب شر و فساد میں منہمک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو بھیج دیا جس نے ان کو قید کیا اور برباد کیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا جس کا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ میں تذکرہ فرمایا ہے' اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر رحمت فرمائی لیکن ان لوگوں نے برائی کو اختیار کیا اور نافرمانیوں میں لگ گئے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب بھیج دیا (یہ خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کے واقعات ہیں)

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اہل عرب کو مسلط فرما دیا سورۃ انفال میں ارشاد ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (اور جب آپ کے رب نے یہ بات بتا دی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو انہیں بری تکلیف پہنچاتے رہیں گے) لہٰذا یہودی قیامت تک عذاب میں ہیں اس کا یہ معنی نہیں کہ ہر دن ہر رات اور ہر سال تکلیف ہی میں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ان پر دشمن مسلط ہوتے رہیں گے جرمنی میں نازیوں نے پچاس سال پہلے جو ان کا ناس کھویا تھا وہ تو تاریخ دان جانتے ہی ہیں۔

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ میں بتایا کہ جو لوگ دو مرتبہ یہودیوں کو قتل کر دیں گے دونوں مرتبہ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوں گے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا اس میں یہ بتایا ہے کہ وہ دوسری بار بھی بنی اسرائیل کی قوت و طاقت اور حکومت کو برباد کر کے چھوڑیں گے اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا اور وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا میں یہ بتا دیا کہ اچھے کام کرو گے تو اس کا اچھا پھل ملے گا اور سزا ملنے کے بعد پھر برے کاموں میں لگو گے تو پھر عذاب کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

صاحب بیان القرآن نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر جو پہلی بار تباہی آئی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت کی وجہ سے تھی اور دوسری بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے تھی پھر جب خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہودیوں نے آپ کی مخالفت کی آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا لہٰذا جلا وطن ہوئے اور ذلیل و خوار ہوئے' مسلمانوں کے لئے بنی اسرائیل اور دیگر اقوام ماضیہ کے احوال سراپا عبرت ہیں گزشتہ قوموں نے مدعی اسلام ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں ان پر عذاب آئے اور دشمنوں نے بھی ان پر حملے کئے اور تباہ برباد کیا' امت محمدیہ بھی

تکوینی قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہے ان کے ملک بھی چھینے جاتے رہے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھوں تباہی آتی رہی ہے اسپین کا واقعہ تو سب کو معلوم ہی ہے بغداد کی تباہی بھی تاریخ میں مذکور ہے کئی سو سال کی حکومت جو ہندوستان میں قائم تھی اس کا بھی علم ہے' دوسرے براعظم کی کافر قوم یعنی فرنگیوں نے آ کر ہندوستان پر قبضہ کر لیا' لال قلعہ اور دہلی میں کیا ہوا بادشاہ کا کیا حال بنا جاننے والے اس کو جانتے ہیں' بادشاہ کو گرفتار کیا گیا اور رنگون میں لے جا کر بند کر دیا گیا پھر وہیں اس کی موت ہوئی سب باتیں جانتے ہوئے مسلمان اب بھی ہوش میں نہیں' گناہوں میں اور رنگ رلیوں میں اوقات گذارتے ہیں' اصحاب اقتدار دشمنوں کے سایوں میں جیتے ہیں نہ دین قائم کرتے ہیں نہ دین قائم ہونے دیتے ہیں۔

هدى الله تعالىٰ جميع المسلمين۔

آخر میں فرمایا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا (اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے حصیر بنا دیا) حصیر کا ترجمہ بعض حضرات نے سجن یعنی جیل خانہ کیا ہے کیونکہ یہ حصر یحصر سے ماخوذ ہے جو روکنے کے معنی میں آتا ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے فراش یعنی بچھونا مراد ہے حصیر چٹائی کو کہتے ہیں اسی نسبت سے انہوں نے اس کا یہ معنی لیا ہے آیت کریمہ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت دیتا ہے جو بالکل سیدھا ہے' اور ایمان والوں کو بشارت دیتا ہے
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ
جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور یہ بات بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے ہم نے
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠
دردناک عذاب تیار کیا ہے

قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے' اہل ایمان کو بشارت اور اہل کفر کو عذاب الیم کی خبر دیتا ہے

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں اول تو یہ بتایا کہ قرآن جو راستہ بتاتا ہے وہ بالکل سیدھا راستہ ہے اس میں کوئی کجی نہیں' خیر ہی خیر ہے' دنیا میں اور آخرت میں اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ کے انعامات ملتے ہیں' اہل ایمان جو اعمال صالحہ کرتے ہیں قرآن مجید انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ موت کے بعد تمہارے لئے خیر ہی خیر ہے

بہت بڑا اجر ہے نیز قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار فرمایا ہے' جو لوگ توحید اور رسالت کے قائل ہیں آخرت کو بھی مانتے ہیں آخرت کا منکر بھی مومن نہیں ہے جیسا کہ توحید اور رسالت کے منکر بھی مومن نہیں ہیں' ہر وہ شخص جو تینوں چیزوں میں سے کسی بھی چیز کا منکر ہوا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جس کی جگہ جگہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا
اور انسان برائی کے لئے ایسے دعا مانگتا ہے جیسے خیر کے لئے مانگتا ہے اور انسان جلد باز ہے

انسان اپنے لئے برائی کی بددعا کرتا ہے' اس کے مزاج میں جلد بازی ہے

تفسیر: اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے لئے برائی کی دعا کرتا رہتا ہے اور جس طرح خیر کی دعا کرتا ہے اسی انداز میں شر کی دعا کر بیٹھتا ہے۔

تفسیر درمنثور (ص ۱۶۶ ج ۴) میں حضرت حسن سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ جب انسان کو غصہ آتا ہے تو اپنی جان کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو برے الفاظ میں یاد کرتا ہے پھر اگر اس کی بددعا کے مطابق اللہ تعالیٰ اس پر تکلیف بھیج دے تو ناگوار معلوم ہوتا ہے پھر خیر کی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خیر عطا فرما دیتا ہے' حضرت مجاہد سے بھی یہی بات نقل کی ہے' حقیقت میں انسان ذراسی ناگواری کی وجہ سے بددعا کر بیٹھتا ہے حالانکہ دعا ہمیشہ خیر ہی کی مانگنی چاہئے اور عافیت ہی کا سوال کرنا چاہئے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں اور اپنی اولاد اور اپنے مالوں کے لئے بددعا نہ کرو' ایسا نہ ہو کہ تم کسی مقبولیت کی گھڑی میں اللہ جل شانہٗ سے سوال کر بیٹھو اور تمہاری بددعا قبول فرمالے (مشکوٰۃ المصابیح ۱۹۴ از مسلم)

اس کے بعد انسان کا مزاج بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (اور انسان جلد باز ہے) دوسری آیت میں فرمایا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) انسان کا یہ مزاج ہے کہ اس کے اعمال اور اشغال میں عجلت ظاہر ہوتی رہتی ہے اور یہ عجلت بہت سی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہے بہت سے ایکسیڈنٹ جلد بازی ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں اور بہت سے فیصلہ کرنے میں جلدی کرتے ہیں طلاق دے بیٹھتے ہیں اور ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے بعد میں پچھتاتے ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ الاناءۃ من اللہ والعجلۃ من الشیطان کہ بردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۹ از ترمذی)

ہر کام سوچ سمجھ کر اطمینان سے کرنا چاہئے البتہ آخرت کے کاموں میں جلدی کرے یعنی ان کی طرف آگے بڑھنے میں دیر نہ لگائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جلد بازی میں آخرت کا کام خراب کر لے آخرت کے کام میں دیر نہ لگائے جیسے ہی موقع لگے انجام دیدے اور مشغول ہو جائے اسی کو سَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں فرمایا ہے۔

آخرت کے اعمال میں جلدی کا یہ مطلب نہیں کہ ناقص اعمال ادا کرے، عمل تو پورا ہو لیکن اس کی طرف متوجہ ہونے میں جلدی کرے جب شروع کرے تو اچھی طرح انجام دے، بہت سے لوگ نماز شروع کرتے ہیں تو کھٹا کھٹ تو چل میں آیا کے مطابق رکوع سجدہ ادا کرتے چلے جاتے ہیں ہر چیز ناقص ادا ہوتی ہے، جو شخص امام کے ساتھ نیت باندھے اور پھر امام سے پہلے سر اٹھائے اس کی اس جلد بازی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے، چونکہ گدھا بے وقوفی میں مشہور ہے اس لئے یہ بات فرمائی جب امام کے سلام کے ساتھ ہی نماز سے نکلنا ہے تو اس سے پہلے رکوع اور سجدہ کرنا بے وقوفی نہیں ہے تو کیا ہے؟

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً
اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا، سو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا، تاکہ تم
لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ
اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور برسوں کی گنتی کو اور حساب کو جان لو، اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ
تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾
بیان کر دیا ہے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں رات اور دن کو دو نشانیاں بتایا ہے رات بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہے اور دن بھی ان دونوں کا آگے پیچھے آنا کم اور زیادہ ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے جاننے کے لئے بہت بڑی نشانیاں ہیں انسان عقل سے کام لے غور و فکر کرے تو ان دونوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے سورۂ فرقان میں ارشاد ہے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (اور وہ وہی ہے جس نے بنا دیا رات و دن کو آگے پیچھے آنے والا اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا شکر گزار ہونے کا ارادہ کرے)

رات اور دن کا وجود میں آنا کم و بیش ہونا کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے سب اہل عقل اس کو جانتے اور مانتے ہیں رات کی نشانی کے بارے میں فرمایا فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ (ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا) یعنی اس کو روشنی والی چیز نہیں بنایا بلکہ تاریک رکھا تاکہ دنیا والے اس میں آرام کریں اسے سورۂ قصص میں لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ فرما کر بیان

فرمایا اور دن کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اس کی نشانی کو روشن بنا دیا' لوگ اس میں چلتے پھرتے ہیں روزی کماتے ہیں صنعت وحرفت کرتے ہیں' اور تجارت کے مشاغل میں لگتے ہیں اس کو لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فرما کر بیان فرما دیا' رات کی تاریکی اور دن کی روشنی دونوں میں حکمت ہے۔

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے کا ایک اور فائدہ بھی بیان فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے ذریعہ تم برسوں کی گنتی اور شمار سمجھ لوگے ان دونوں کے گذرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے ہفتے گذرے اور کتنے مہینے ختم ہوئے اور کتنے سال گذر چکے ان کے گزرنے سے اپنی یا اپنے بچوں کی عمریں بھی معلوم ہوتی ہیں اور جو آپس میں معاہدے ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اتنی مدت گذر گئی اور اتنی مدت باقی رہ گئی' جب مدت معینہ ختم ہو جاتی ہے تو معاہدے بھی ختم ہو جاتے ہیں اور قرضوں کی ادائیگی کے اوقات بھی معلوم ہو جاتے ہیں' دینی امور جو اوقات سے متعلق ہیں مثلاً صبح شام اور رمضان کا علم بھی مہینوں کے گذرنے پر قمری سال پورا ہو جاتا ہے اور تین سو پینسٹھ دن گذرنے پر شمسی سال پورا ہو جاتا ہے' اگر رات ہی رات ہوتی یا دن ہی دن ہوتا تو مہینوں کا اور برسوں کا حساب نہ لگا پاتے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ

اور ہم ہر انسان کی گردن میں اس کا اعمال نامہ ڈال دیں گے' اور ہم اس کے لئے کھلی ہوئی کتاب نکال دیں گے وہ اس کتاب کو

مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى

کھلی ہوئی دیکھ لے گا' آج تو اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہے' جس نے ہدایت پالی تو وہ اپنے ہی نفع کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے

فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے اپنی ہی جان کو نقصان پہنچانے کے لئے گمراہ ہوتا ہے' اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں'

اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے

تفسیر: ان آیات میں بتایا ہے کہ انسان کا عمل ہی اسے نفع یا نقصان دے گا جیسے عمل کرے گا قیامت کے دن سامنے آ جائیں گے فرشتے جو دنیا میں انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں انسان ان اعمال کو کتابی صورت میں دیکھ لے گا۔ اچھے عمل والوں کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دے دیا جائیگا اور برے اعمال والوں کا اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے اور بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' چونکہ ہر ایک کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور انکار بھی کوئی فائدہ نہ دے گا اور ہر ایک کے اعمال کا نتیجہ لازمی طور پر سامنے آ ہی جائے گا اس لئے اسے الزمناہ طائرهٗ فی عنقه سے تعبیر فرمایا۔ جس کا ترجمہ بعض اکابر نے یوں کیا

ہے کہ ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے عمل کو طائر یعنی پرندہ سے کیوں تعبیر فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل عرب جب کسی کام کے لئے جانا چاہتے تھے تو درخت کی ٹہنی ہلا دیتے تھے داہنی طرف کو پرندہ اڑ جاتا تھا تو سمجھتے تھے کہ کام ہو جائے گا اسے فال نیک کہتے تھے اگر پرندہ بائیں طرف کو اڑ جاتا تو کہتے تھے کہ کام نہیں ہوگا اس کو بد فالی کہتے تھے اور اس کی وجہ سے سفر میں جانے سے رک جاتے تھے۔ اپنے کام کے لئے جانے نہ جانے کا مدار انہوں نے پرندہ کے اڑنے کو بنا رکھا تھا اور گویا پرندہ اڑنا ہی باعث عمل تھا اس لئے انسان کے اعمال کو آیت بالا میں طائر سے تعبیر فرمایا۔ پھر فرمایا وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (اور اس کے لئے ہم کتاب نکال دیں گے وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھ لے گا)

انسان سے کہا جائے گا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ (تو اپنی کتاب کو پڑھ لے) كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (آج تو ہی اپنا حساب جانچنے کے لئے کافی ہے) انسان کی ہوشمندی یہی ہے کہ اپنی جان کے لئے فکر مند ہو اور اپنا حساب کرتا رہے یوم آخرت میں حساب کرنے کے بعد اپنے حق میں نتیجہ اچھا نہ نکلا تو اس وقت حساب کرنے سے فائدہ نہ ہوگا اسی دنیا میں حساب کرتے رہیں تو نفس کو برائیوں سے بچا کر لے جانا آسان ہوگا نفس کا محاسبہ کرتے رہیں اور اسے تنبیہ کرتے رہیں کہ دیکھ گناہ کریگا تو عذاب بھگتے گا اسی کو فرمایا ہے کہ حاسبوا قبل ان تحاسبوا کہ حساب کئے جانے سے پہلے اپنا حساب کرلو جو شخص یہاں اپنا حساب کرتا رہا اس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ وہاں کامیاب ہوگا اور خوشی کے ساتھ یوں کہے گا هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ. اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (آ جاؤ میری کتاب پڑھ لو بلاشبہ مجھے یقین تھا کہ میرا حساب سامنے آنے والا ہے) اور جس کے بائیں ہاتھ میں کتاب دی گئی وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا۔ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ. وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (ہائے کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے)

اس کے بعد فرمایا مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ (جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنی ہی جان کے لئے راہ ہدایت اختیار کی) کیونکہ اس کا نفع اسی کو پہنچے گا وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (اور جس نے گمراہی اختیار کی اس کی گمراہی کا ضرر اسی کو پہنچے گا) یعنی آخرت میں تباہ کار ہوگا اور عذاب میں ڈالا جائے گا پھر فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں) یعنی دنیا میں بہت سے لوگ دوسروں کے کہنے سے کافر ہو جاتے ہیں اور گناہ کر لیتے ہیں اور بعض جاہل یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ تو میرے کہنے سے یہ گناہ کر لے تیرے گناہ کا بوجھ مجھ پر رہا اگر عذاب ہونے لگا تو میں تیری طرف سے بھگت لوں گا یہ سب باتیں اسی دنیا میں کہہ دی جاتی ہیں وہاں کوئی کسی کی طرف سے عذاب بھگتنے کو تیار نہ ہوگا اور نہ اللہ کی طرف سے یہ منظور ہوگا کہ ایک کے بدلے دوسرے کو عذاب دیا جائے۔

یہاں یہ ایک سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ جو لوگ کفر و شرک و بدعات کے داعی ہیں ان کے کہنے پر جن لوگوں نے برائیاں اختیار کیں ان لوگوں کے اعمال بھی تو ان دعوت دینے والوں اور برائیاں جاری کرنے والوں کے حساب میں لکھے جائیں گے جیسا کہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے پھر وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کا مصداق کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ جن لوگوں نے گمراہی کی دعوت دی اور بدعتیں جاری کیں ان کے عمل ہی کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوئے اور بدعتوں میں پڑے' برائی کا سبب بننے کی وجہ سے دوسرے کے اعمال کا وبال بھی پڑ گیا یہ سبب بننا اپنا ہی عمل ہے انکی دعوت پر عمل کرنے والے جو ماخوذ ہوں گے وہ اپنے عمل کی وجہ سے پکڑے جائیں گے اور یہ اپنے گمراہ کرنے والے عمل کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے' کما ورد فی الحدیث من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئًا۔

پھر فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے) اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قانون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے خوب واضح طریقے پر ہدایت کا راستہ بیان فرمایا جنہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا یہ لوگ دنیا میں بھی اچھے حال میں رہیں گے اور آخرت میں بھی ان کا اچھا انجام ہوگا اور جن لوگوں نے ان حضرات کی ہدایت کو قبول نہیں کیا وہ دنیا میں بے راہ ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب ہے' یہ جو دنیا میں عذاب آجاتا ہے اور آخرت میں جو عذاب ہوگا اس میں اللہ شانہٗ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں اور راہِ حق واضح فرما دی جن لوگوں نے عناد سے کام لیا حق کو ٹھکرایا نبیوں کی باتوں کو نہ مانا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں مستحق عذاب ہوں گے ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے ہدایت نہ آئے اور لوگوں کی گرفت کر لی جائے اور ان پر عذاب بھیج دیا جائے' تمام حجت کے بعد اللہ کی طرف سے عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہوتا ہے' سورہ فاطر میں فرمایا وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو) پچھلی امتوں میں یکے بعد دیگرے حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے رہتے تھے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کوئی رسول اور نبی آنے والا نہیں ہے آپ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان اور تمام جنات کے نبی ہیں آپ کی دعوت ہر گھر میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی ہے جسے ہر صاحب ہوش جانتا ہے۔ گھر گھر قرآن مجید پہنچ رہا ہے دنیا کی مشہور زبانوں میں اس کے تراجم ہیں کوئی شخص یہ حجت نہیں نکال سکتا کہ ہمیں نبی کی دعوت نہیں پہنچی' خوب سمجھ لیا جائے' ہاں اگر کوئی شخص پہاڑوں اور غاروں میں پیدا ہوا وہیں پلا بڑھا اسے اسلام کی دعوت نہیں پہنچی وہ شخص صرف اس بات کا مکلف ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانے اس کا اتنا ہی ایمان باعث نجات ہو جائے گا' اس کی عقل ہی اس کے لئے نذیر ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں سو اس بستی پر ہماری بات

فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

ثابت ہو جاتی ہے پھر ہم اس بستی کو پوری طرح ہلاک کر دیتے ہیں اور نوح کے بعد کتنی ہی قرنیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور آپ کا رب

بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

بندوں کے گناہوں کے جاننے دیکھنے کیلئے کافی ہے

ہلاک ہونے والی بستیوں کے سردار اور مالدار نافرمانی کرتے ہیں جس کی وجہ سے بربادی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے

تفسیر: گذشتہ آیت میں یہ قانون بتایا کہ جب تک کوئی رسول نہ آ جائے اور جن کے پاس رسول آئے وہ اس کی نافرمانی نہ کرلیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب میں مبتلا نہیں کئے جاتے اور ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر کے موافق کسی بستی کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو یہ بھی اس طرح نہیں ہوتا کہ بندے مومن ہوں اور اعمال صالحہ میں لگے ہوئے ہوں پھر بھی ہلاک کر دیئے جائیں' بلکہ وہی بات ہے جو گذشتہ آیت میں بتائی کہ بستی کے لوگوں کو اور خاص کر ان کے امراء اور رؤساء کو ایمان اور فرمانبرداری کا حکم دیا جاتا ہے یہ حکم حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا ان کے نائبوں اور نمائندوں کے ذریعے دیا جاتا ہے اب ان کے بڑے لوگ جو خوشحال ہوتے ہیں سرکشی پر تل جاتے ہیں نافرمانی کرتے ہیں (ان کا حال دیکھ کر ان کے عوام بھی نافرمانی کی راہ پر چلتے رہتے ہیں) لہٰذا وہ اپنے کفر و شرک اور اعمال بد کی وجہ سے مستحق عذاب ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ بستی اپنے رہنے والوں کے ساتھ ہلاک کر دی جاتی ہے' نافرمان تو سبھی ہوتے ہیں لیکن امراء اور رؤساء کا تذکرہ خاص طور سے اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی دنیا کی عیش و عشرت کی وجہ سے خود بھی بغاوت پر کمر باندھ لیتے ہیں اور اپنے عوام کو بھی راہ حق پر نہیں آنے دیتے کما قال تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا عوام چونکہ خود بھی عقل والے ہوتے ہیں اور دین کے اعتبار سے خود مختار ہوتے ہیں اور ایمان ایک قلبی چیز ہے مجبور کر کے کوئی بھی بادشاہ یا رئیس اس سے کسی کو نہیں روک سکتا اس لئے عوام بھی اپنے کفر کی وجہ سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی امتیں گذری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرما دیا یہ لوگ بھی اپنے کفر و شرک اور اعمال بد کی وجہ سے ہلاک کئے گئے آخر میں فرمایا وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ شانہ دانا اور بینا ہے اسے اپنے بندوں کے گناہوں کا علم ہے کسی کے بتانے کی ضرورت

نہیں وہ سب کچھ جانتا ہے گناہ گار قوموں کا اور فرمانبردار قوموں کا اسے علم ہے اپنے علم کے مطابق جزا سزا دیتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا

جو شخص دنیاوی منافع کا ارادہ کرتا ہے ہم جس کے لئے چاہیں جتنا چاہیں اسی دنیا میں اسے دے دیتے ہیں پھر ہم اس

لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى

کے لئے دوزخ تجویز کردیں گے وہ اس میں بدحال ہو کر راندہ درگاہ ہونے کی حالت میں داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس

لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

کے لئے کوشش کرے جیسی کوشش ہونی چاہئے اور وہ مومن ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدردانی ہوگی، ہم آپ کے رب کی

وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا

بخشش سے ہر ایک کو دیتے ہیں ان کو بھی، اور ان کو بھی، اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے، آپ دیکھ لیجئے ہم نے

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ

بعض کو بعض پر کیسی فضیلت دی، اور بلاشبہ آخرت درجات کے اعتبار سے بڑی چیز ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی، اے مخاطب اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

معبود نہ بنانا، ورنہ تو مذمت کیا جانے والا، بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا

طالب دنیا کو تھوڑی سی دنیا دے دی جاتی ہے اور آخرت میں اس کے لئے جہنم ہے اہل ایمان کے اعمال کی قدردانی ہوگی

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی داد و دہش اور عطاء و نوازش کا تذکرہ فرمایا ہے جو دنیا اور آخرت میں بندوں پر ہوتی ہے اور اس بارے میں جو تکوینی قانون ہے اس کا تذکرہ فرمایا ہے، اول دنیا کے طلب گاروں کا تذکرہ فرمایا کہ جو شخص اپنے اعمال کے ذریعے دنیا ہی کو چاہتا ہے اس کو دنیا کا کچھ حصہ دے دیا جاتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی مراد مل جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو چاہے وہ سب مل جائے اسی کو فرمایا ہے عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ کہ ہم ایسے شخص کے لئے اسی دنیا میں جس کے لئے چاہیں گے جتنا چاہیں گے دے دیں گے۔

اور چونکہ یہ شخص محض طالب دنیا تھا آخرت کا طالب نہ تھا اس لئے ایمان سے بھی غافل رہا۔ لہٰذا آخرت میں اسے کوئی نعمت نہ ملے گی بلکہ وہاں دوزخ میں داخل ہوگا۔ اسی کو فرمایا ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ (پھر ہم اس کے لئے جہنم کو مقرر

کر دیں گے) یَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (وہ اس میں اس حال میں داخل ہوگا کہ بدحال ہوگا اور اللہ کی رحمت سے ہٹایا ہوا ہوگا) مذموم کا اصل معنی ہے مذمت کیا ہوا اور مدحور کا معنی ہے دور کیا ہوا مطلب یہ ہے کہ ذلیل بھی ہوگا' اللہ کی رحمت سے دور بھی ہوگا دوزخ میں داخل ہوگا' سورہ شوریٰ میں فرمایا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اُن کو اس کی کھیتی پر ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا دیدیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں)

اس کے بعد آخرت کے طلب گاروں کا تذکرہ فرمایا وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے کوشش کرے جیسے کوشش ہونی چاہئے' اور وہ مومن ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی ہوگی)۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ جو شخص آخرت کا طالب ہو اور اس کے لئے کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مقبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی محنت اور کوشش کی قدر کی جائے گی یعنی اس کی محنت اور سعی کا ثواب دیا جائے گا اس میں تین شرطیں بیان فرمائیں اول یہ کہ آخرت کا طلب گار ہو یعنی نیت صحیح ہو خالص آخرت کے ثواب کا ارادہ ہو اور دوسری شرط یہ بتائی کہ آخرت کے لئے کوشش کرے اور یہ ایسی کوشش ہو جیسے آخرت کی کوشش کہا جاسکے یعنی اس کے اعمال اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کے موافق ہوں (اگر طالب آخرت ہو لیکن اعمال غیر شرعی ہوں جیسا اہل بدعت کے اعمال ہیں تو ایسے اعمال مقبول نہیں) اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مومن بھی ہو اگر مومن نہ ہوگا تو آخرت میں کوئی عمل فائدہ مند نہ ہوگا خواہ کیسا ہی طلب آخرت کا مدعی ہو اور اپنے خیال میں آخرت کے لئے محنت اور ریاضت کرتا ہو جیسا کہ سادھو اور راہب محنتیں کرتے ہیں' فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (اہل ایمان کی سعی کی قدر دانی کی جائے گی) یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور انہیں جنت عطا فرمائے گا اور جتنا جتنا عمل کیا اس سے بہت زیادہ بڑھا کر عمل کو کئی گنا کر کے اجر عطا فرمائے گا۔(کما قال تعالیٰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ' وقال تعالیٰ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا) دنیا میں جو کافروں' فاجروں کو نعمتیں دی جاتی ہیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ مقبولان بارگاہ ہیں کیونکہ دنیا کی نعمتیں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جسے نعمت و دولت مل گئی اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے' یہ نعمتیں مومن اور کافر صالح اور طالح سب کو مل جاتی ہیں دنیا کی نعمتیں اہل ایمان کے لئے مخصوص نہیں' اسی کو فرمایا كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ' وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (اور ہم آپ کے رب کی بخشش سے ہر ایک کو دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی' اور آپ کے رب کی بخشش روکی ہوئی نہیں ہے) مقبولین کو بھی نعمتیں دی جاتی ہیں اور غیر مقبولین کو بھی' اور دنیا میں اللہ کی رحمت کسی سے روکی ہوئی نہیں ہے۔

پھر فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (آپ دیکھ لیجئے ہم نے بعض کو بعض پر کیسی فضیلت دی) یہ

دنیاوی فضیلت ہے اس میں مومن اور کافر کی کوئی قید نہیں ہے' بہت سے کافروں کے پاس مال زیادہ ہے اور بہت سے مومنین کے پاس کم ہے' وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (اور بلاشبہ آخرت درجات کے اعتبار سے بڑی چیز ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی) اس میں یہ بتایا ہے کہ آخرت کے لئے فکر مند ہونا چاہئے اور وہاں کے درجات حاصل ہونے کے لئے ایمان سے اور اعمال صالحہ سے متصف ہوں اہل دنیا کی دنیا پر نظر نہ کریں۔

آخر میں شرک اور اصحاب شرک کی مذمت فرمائی اور توحید اختیار کرنے اور توحید پر جمنے کا حکم فرمایا' ارشاد ہے لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (اے مخاطب تو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی معبود مت بنا) فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا (ورنہ تو اس حال میں بیٹھ رہے گا کہ تو مذموم ہوگا اور مخذول ہوگا) یعنی قیامت کے دن بدحال لوگوں میں شمار ہوگا اور وہاں کوئی یار و مددگار نہ ہوگا توحید کو چھوڑنے کی وجہ سے وہاں کی عاجزی' بے بسی اور بے کسی اور بدحالی سامنے آ جائے گی۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ
اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اسی کی' اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو' اے مخاطب اگر تیرے پاس
الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا
ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف بھی نہ کہنا' اور ان کو مت جھڑکنا' اور ان سے اچھے طریقے سے بات
كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا
کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں عرض کرنا کہ اے رب ان پر رحم فرمایئے
رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ
جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹا سا پالا ہے' تمہارا رب ان چیزوں کو خوب جاننے والا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں' بلاشبہ وہ رجوع کرنے والوں کو
غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾
بخشنے والا ہے

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کے ساتھ زندگی گذارنے کا حکم

تفسیر: اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اول تو یہ حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو' انبیاءؑ کی تمام شرائع کا سب سے بڑا یہی حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل کرانے کے لئے اللہ جل شانہ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو بھیجا' اور کتابیں نازل فرمائیں اور صحیفے اتارے اللہ جل شانہٗ کو عقیدہ سے ایک ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور کسی بھی چیز کو اس

کی ذات وصفات اور تعظیم وعبادت میں شریک نہ کرنا خداوند قدوس کا سب سے بڑا حکم ہے۔

دوم: یہ فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو‘ اللہ جل شانہٗ خالق ہے‘ اسی نے سب کو وجود بخشا ہے اس کی عبادت اور شکر گذاری بہر حال فرض اور لازم ہے اور اس نے چونکہ انسانوں کو وجود بخشنے کا ذریعہ ان کے ماں باپ کو بنایا اور ماں باپ اولاد کی پرورش میں بہت کچھ دکھ تکلیف اٹھاتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا جو قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ لفظ ''حسن سلوک'' میں سب باتیں آ جاتی ہیں جس کو سورۂ بقرہ میں اور سورہ انعام اور یہاں سورۃ الاسراء میں وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا سے تعبیر فرمایا ہے‘ ماں باپ کی فرمانبرداری‘ دلداری‘ راحت رسانی‘ نرم گفتاری اور ہر طرح کی خدمت گذاری ان لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

سوم: یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اُف بھی نہ کہو‘ مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کلمہ ان کی شان میں زبان سے نہ نکالو جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو‘ یا جس کلمہ سے ان کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔

لفظ اُف بطور مثال کے فرمایا ہے‘ بیان القرآن میں اردو کے محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''ان کو ہوں بھی مت کہو'' دوسری زبانوں میں ان کے مطابق ترجمہ ہوگا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے علم میں کلمہ اُف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ جل شانہٗ اس کو بھی ضرور حرام قرار دے دیتا (درمنثور)

ماں باپ کی تعظیم وتکریم اور فرمانبرداری ہمیشہ واجب ہے بوڑھے ہوں یا جوان ہوں‘ جیسا کہ آیات اور احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے اس لئے فرمایا کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور ان کو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اولاد کو ان کا اگالدان صاف کرنا پڑتا ہے‘ میلے اور ناپاک کپڑے دھونے پڑتے ہیں جس سے طبیعت بور ہونے لگتی ہے اور بعض مرتبہ تنگ دل ہو کر زبان سے الٹے سیدھے الفاظ بھی نکلنے لگتے ہیں اس موقع پر صبر اور برداشت سے کام لینا اور ماں باپ کا دل خوش رکھنا اور رنج دینے والے ذرا سے لفظ سے بھی پرہیز کرنا بہت بڑی سعادت ہوتی ہے۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تو جوان کے کپڑے وغیرہ سے گندگی اور پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے‘ تو اس موقع پر اُف بھی نہ کہہ‘ جیسا کہ وہ بھی اُف نہ کہتے تھے جب تیرے بچپن میں تیرا پیشاب پاخانہ وغیرہ دھوتے تھے۔ (درمنثور)

چہارم: (اف کہنے کی ممانعت کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ ان کو مت جھڑکو‘ جھڑکنا اُف کہنے سے بھی زیادہ برا ہے‘ جب اُف کہنا منع ہے تو جھڑکنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر بھی واضح فرمانے کے لئے خاص طور سے جھڑکنے کی صاف اور صریح لفظوں میں ممانعت فرما دی۔

پنجم: حکم فرمایا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (ماں باپ سے خوب ادب سے بات کرنا) اچھی باتیں کرنا لب ولہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر وتکریم کا خیال رکھنا یہ سب قولا کریما میں داخل ہے۔

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ خطا کار زر خرید غلام جس کا آقا بہت سخت مزاج ہو یہ غلام جس طرح اپنے آقا سے بات کرتا ہے اسی طرح ماں باپ سے بات کی جائے تو قولا کریماً پر عمل ہو سکتا ہے۔

حضرت زہیر بن محمد نے قولا کریما کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اذا دعواک فقل لبیکما وسعد یکما (یعنی جب تجھے ماں باپ بلائیں تو کہنا کہ میں حاضر ہوں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہوں) ان اکابر کے یہ اقوال تفسیر (درمنثور ص ۱۷۱ ج ۴) میں مذکور ہیں۔

ششم: ارشاد فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (یعنی ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا) اس کی تفسیر میں حضرت عروہ نے فرمایا کہ تو ان کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ ان کی جو دلی رغبت ہو اس کو پورا ہونے میں تیری وجہ سے فرق نہ آئے' اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ماں باپ سے بات کرتے وقت نیچے اوپر ہاتھ مت اٹھانا (جیسے برابر والوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے اٹھاتے ہیں) اور حضرت زہیر بن محمد نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ماں باپ اگر تجھے گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں تو تو جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے (درمنثور)

ہفتم: یہ نصیحت فرمائی کہ ماں باپ کے لئے یہ دعا کرتے رہا کرو رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا (کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا اور پرورش کیا) بات یہ ہے کہ کبھی اولاد حاجت مند تھی جو بالکل ناسمجھ اور ناتواں تھی' اس وقت ماں باپ نے ہر طرح کی تکلیف سہی اور دکھ سکھ میں خدمت کر کے اولاد کی پرورش کی' اب پچاس ساٹھ سال کے بعد صورت حال الٹ گئی کہ ماں باپ خرچ اور خدمت کے محتاج ہیں اور اولاد کمانے والی ہے' روپیہ پیسہ' اور گھر بار اور کاروبار والی ہے' اولاد کو چاہئے کہ ماں باپ کی خدمت سے نہ گھبرائے اور ان پر خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو' دل کھول کر جان و مال سے ان کی خدمت کرے اور اپنے چھوٹے پن کا وقت یاد کرے اس وقت انہوں نے جو تکلیفیں اٹھائیں' ان کو سامنے رکھے' اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرے کہ "اے میرے رب ان پر رحم فرما" جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے پن میں پالا اور پرورش کیا۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کرا رہا تھا اس نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵ ج ۳) عن مسند البزار بسند فيه ضعف' واخرجه البخاری فی الادب

المفرد موقوفا علی ابن عمر۔

یہ جوفرمایا کہ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ (الآیۃ) درمنثور میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعد بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ اگر اولاد کی جانب سے ماں باپ کے حقوق میں غفلت سے کوتاہی ہو جائے اور دل سے فرمانبردار ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو معاف فرمانے والا ہے۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں اور صرف اس ظاہری توقیر و تعظیم پر اکتفامت کرنا دل میں بھی ان کا ادب اور قصد اطاعت رکھنا' کیونکہ تمہارا رب تمہارے مافی الضمیر کو خوب جانتا ہے اور اسی وجہ سے تمہارے لئے ایک تخفیف بھی سناتے ہیں کہ اگر تم (حقیقت میں دل سے) سعادت مند ہو اور غلطی یا تنگ مزاجی یا دل تنگی سے کوئی ظاہری فروگذاشت ہو جائے اور پھر نادم ہو کر معذرت کرلو تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب کاموں میں اللہ جل شانہ کو کون سا کام زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا بروقت نماز پڑھنا (جو اس کا وقت مستحب ہے) میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا' میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا (مشکوٰۃ المصابیح' ص ۵۸ از بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل بروقت نماز پڑھنا اور اس کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ پھر تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو فرمایا' معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

ماں باپ ذریعہ جنت اور ذریعہ دوزخ ہیں

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت یا تیری جہنم ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱ از ابن ماجہ)

مطلب یہ کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے رہو' زندگی بھر ان کے آرام و راحت کا دھیان رکھو' جان و مال سے ان کی فرمانبرداری میں لگے رہو' تمہارا یہ عمل جنت میں جانے کا سبب بنے گا اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی ان کو ستایا دکھ دیا تو وہ تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضامندی ماں باپ کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹)

یعنی ماں باپ کو راضی رکھا تو اللہ پاک بھی راضی ہے اور ماں باپ کو ناراض کیا تو اللہ بھی ناراض ہوگا' کیونکہ اللہ جل شانہ نے ماں باپ کو راضی رکھنے کا حکم فرمایا ہے جب ماں باپ کو ناراض رکھا تو اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوئی جو اللہ جل شانہٗ کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔

واضح رہے کہ یہ اسی صورت میں ہے جبکہ ماں باپ کسی ایسے کام کے نہ کرنے سے ناراض ہوں جو خلاف شرع نہ ہو' اگر خلاف شرع کسی کام کا حکم دیں تو ان کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے اس ناراضگی میں اللہ جل شانہ کی ناراضگی نہ ہوگی اس صورت میں اگر وہ ناراض بھی ہو جائیں تو ناراضگی کی پرواہ نہ کرے' کیونکہ اللہ جل شانہٗ کی رضامندی اس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے اس کے حکم کے خلاف کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

والد جنت کے دروازوں میں سے بہتر دروازہ ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کے دروازوں میں سے سب سے اچھا دروازہ ہے اب تو (اس کی فرمانبرداری کر کے) اس دروازہ کی حفاظت کر لے یا (نافرمانی کر کے) اس کو ضائع کر دے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰)

باپ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں مقبول ہیں ان (کی مقبولیت) میں کوئی شک نہیں (۱) والد کی دعا اولاد کیلئے (۲) مسافر کی دعا (۳) مظلوم کی دعاء (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۵' از ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

اس حدیث سے والد کی دعاء کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں' کہ گو اس میں والدہ کا ذکر نہیں' لیکن ظاہر ہے کہ جب والد کی دعاء ضرور قبول ہوگی تو والدہ کی دعا بھی بطریق اولیٰ ضرور قبول ہوگی' اولاد کو چاہئے کہ ماں باپ کی خدمت کرتی رہے اور دعا لیتی رہے' اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے ان کا دل دکھے اور ان میں سے کوئی دل سے یا زبان سے بددعا کر بیٹھے۔ کیونکہ جس طرح ان کی دعاء قبول ہوتی ہے اسی طرح ان کے دکھے دل

کی بددعا بھی لگ جاتی ہے اگرچہ عموماً شفقت کی وجہ سے وہ بددعا سے بچتے ہیں ان کی دعاء سے دنیا و آخرت سدھر سکتی ہے اور بددعاء سے دونوں جہانوں کی بربادی ہو سکتی ہے۔

ماں باپ کے اکرام واحترام کی چند مثالیں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ساتھ ایک بڑے میاں تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ تیرے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں آپ نے فرمایا کہ باپ کے اکرام واحترام کا خیال رکھ ہرگز اس کے آگے مت چلنا اور اس سے پہلے مت بیٹھنا اور اس کا نام لے کر مت بلانا اور اس کی وجہ سے (کسی کو) گالی مت دینا (تفسیر درمنثور ص ۱۷۱ ج ۴)

ماں باپ کا احترام واکرام دل سے بھی کرے اور زبان سے بھی عمل سے اور برتاؤ سے بھی اس حدیث پاک میں اکرام واحترام کی چند جزئیات ارشاد فرمائی ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا دوسرے یہ فرمایا کہ جب کسی جگہ بیٹھنا ہو تو باپ سے پہلے مت بیٹھنا تیسرے یہ فرمایا کہ باپ کا نام لے کر مت پکارنا چوتھے یہ کہ باپ کی وجہ سے کسی کو گالی مت دینا مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے باپ کو کوئی ناگوار بات کہہ دے تو اس کو یا اس کے باپ کو گالی مت دینا کیونکہ اس کے جواب میں وہ پھر تمہارے باپ کو گالی دے گا اور اس طرح سے تم اپنے باپ کو گالی دلانے کا سبب بن جاؤ گے۔ واضح رہے کہ یہ نصیحتیں باپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں والدہ کے حق میں بھی ان کا خیال رکھنا لازم ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں باپ کی خدمت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے مثلاً راستہ دکھانا ہو یا اور کوئی ضرورت درپیش ہو۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق اور عمر دونوں بڑھتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے اور اس کا رزق بڑھائے اس کو چاہئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴ از بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اور ان کی خدمت میں لگے رہنے سے عمر دراز ہوتی ہے اور رزق بڑھتا ہے بلکہ ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے بھی عمر دراز ہوتی ہے اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے نئی نسل کے بہت سے نوخیز نوجوان دوست احباب بیوی بچوں پر تو بڑھ چڑھ کر خرچ

کرتے ہیں اور ماں باپ کے لئے پھوٹی کوڑی خرچ کرنے سے بھی ان کا دل دکھتا ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب سے تو محروم ہوتے ہی ہیں دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گذاری اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے جو عمر میں درازی اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس سے محروم ہوتے ہیں۔

ماں باپ کے اخراجات کے لئے محنت کرنے کا ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ایسے شخص کا (مسجد نبوی کے قریب) گذر ہوا جس کا جسم دبلا پتلا تھا اس کو دیکھ کر حاضرین نے کہا کہ کاش یہ جسم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) دبلا ہوا ہوتا یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ شاید وہ اپنے بوڑھے ماں باپ پر محنت کرتا ہو (اور ان کی خدمت میں لگنے اور ان کے لئے روزی کمانے کی وجہ سے دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ چھوٹے بچوں پر محنت کرتا ہو (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اور ان کے لئے رزق مہیا کرنے میں دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو فی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ اپنے نفس پر محنت کرتا ہو (اور اپنی جان کے لئے محنت کر کے روزی کماتا ہو) تاکہ اپنے نفس کو لوگوں سے بے نیاز کر دے (اور مخلوق سے سوال نہ کرنا پڑے) اگر ایسا ہے تو وہ فی سبیل اللہ ہے (درمنثور ص ۱۷۰ ج ۴ از بیہقی)

معلوم ہوا کہ ماں باپ اور آل و اولاد بلکہ اپنے نفس کے لئے حلال روزی کمانا بھی فی سبیل اللہ میں شمار ہے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی جہاد سے افضل ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مانگی آپ نے فرمایا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں! آپ نے فرمایا انہیں میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت میں جو تو محنت اور کوشش اور مال خرچ کرے گا یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہوگا) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ واپس جا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۱ از بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ میرے والد حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے جہاد کرنے کا ارادہ کیا اور آپ سے مشورہ کرنے کے لئے حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے آپ نے فرمایا بس تو اسی کی خدمت میں لگا رہ کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱ از احمد، نسائی، بیہقی)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں (جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو) جہاد کی شرکت کے لئے جانے سے ماں باپ کی خدمت کرنا زیادہ افضل ہے اگر دوسرا بھائی بہن ان کی خدمت کے لئے موجود نہ ہو تو ان کی خدمت میں رہنے کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے سرزمین شرک سے تو ہجرت کر لی لیکن جہاد (باقی) ہے تو کیا یمن میں تمہارا کوئی (قریبی) عزیز ہے؟ عرض کیا کہ والدین موجود ہیں' آپ نے سوال فرمایا کہ انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ عرض کیا نہیں فرمایا بس تم واپس جاؤ اور ان سے اجازت لو اگر اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کر لینا ورنہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا (درمنثور ص ۱۷۵، ج ۴ عن احمد والحاکم' وقال صححہ الحاکم)

ہجرت کی بیعت کیلئے والدین کو روتا چھوڑنے والے کو نصیحت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے آیا اور عرض کیا کہ میں آپ سے ہجرت پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور میں نے اپنے والدین کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ دونوں (میری جدائی کی وجہ سے) رو رہے تھے آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس واپس جا اور ان کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا (مستدرک' حاکم ص ۱۵۳' ج ۴ ابوداؤد وغیرہ)

یہ شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں نیک نیتی سے حاضر ہوا یعنی ہجرت پر بیعت ہونے کے لئے سفر کر کے آیا تھا اول ہجرت کی نیت پھر حضور اقدس ﷺ سے اس عمل پر بیعت ہونا یہ سب مبارک اور نیک عمل ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن ماں باپ اس کے سفر کرنے پر راضی نہ تھے وہ اس شخص کے سفر میں جانے سے بہت بے چین ہوئے اور جدائی کے صدمہ سے رونے لگے جب حضور اقدس ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ واپس جا اور والدین کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو رلایا ہے۔

اس سے ماں باپ کی دلداری کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ہجرت کرنا فرض نہ تھا اسلام خطہ عرب میں پھیل چکا تھا مسلمان ہر جگہ امن و امان کے ساتھ اسلام کے مطابق زندگی گذار سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ رنجیدہ ہوں اور صدمہ کی وجہ سے روئیں گناہ ہے' اور ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ خوش ہوں اور جس سے ان کو ہنسی آئے ثواب کا کام ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بکاء الوالدین من العقوق والکبائر (یعنی ماں باپ کا رونا عقوق اور کبائر میں سے ہے) جبکہ اولاد ایسا کام کرے جس سے ایذاء پہنچنے کی وجہ سے وہ رونے لگیں (الادب المفرد للبخاری)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یمن کے رہنے والے تھے ان کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے خیر التابعین' فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ان سے اپنے لئے دعائے مغفرت کرانا انہوں نے عہد نبوت میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن والدہ کی خدمت کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے اور شرف صحابیت سے محروم ہو گئے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ان کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ قدر دانی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان سے دعا کرانا' والدین کی خدمت کا جو مرتبہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے' صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اویس قرنی کی والدہ ہے اس کے ساتھ انہوں نے حسن سلوک کیا اگر اویس (کسی بات میں) اللہ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم پوری فرمائے۔

ماں باپ کی خدمت نفلی حج اور عمرہ سے کم نہیں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قادر نہیں (ممکن ہے کہ یہ صاحب بہت کمزور ہوں یا بعض اعضاء صحیح سالم نہ ہوں جس کی وجہ سے یہ کہا کہ جہاد پر قادر نہیں ہوں) ان کی بات سن کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے سوال فرمایا کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا والدہ زندہ ہے' آپ نے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ (کی خدمت اور فرمانبرداری) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جب تو اس پر عمل کرے گا تو تو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا بس جب تیری ماں تجھے بلائے تو (اس کی فرمانبرداری کے بارے میں) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا) اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا (درمنثور ص ۱۷۳ ج ۴ از بیہقی وغیرہ)

اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ والدہ تم کو بلائے تو اس کی اطاعت کرو' عام حالات میں جب بھی ماں باپ بلائیں ان کے پکارنے پر حاضر خدمت ہو جائے اور جو خدمت بتائیں انجام دے دے اگر نماز میں مشغول ہو اور اس وقت والدین میں کوئی آواز دے تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ماں باپ اگر کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں مثلاً پاخانہ وغیرہ کی ضرورت سے آتے جاتے پاؤں پھسل جائے اور دونوں میں سے کوئی گر جائے یا گر جانے کا قوی اندیشہ ہے اور کوئی دوسرا اٹھانے والا اور سنبھالنے والا نہیں ہے تو ان کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لئے فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے اور اگر انہوں نے کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں پکارا جس کا اوپر ذکر ہوا بلکہ یوں ہی پکار لیا تو فرض نماز توڑنا درست نہیں ہے اور اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کر رکھی ہے اور ماں باپ نے آواز دی لیکن ان کو معلوم نہیں ہے کہ فلاں لڑکا یا لڑکی نماز میں ہے تو اس صورت میں نماز توڑ کر جواب دینا واجب ہے خواہ کسی ضرورت سے پکاریں خواہ بلا ضرورت یوں ہی پکار لیں اس صورت میں اگر نماز نہ توڑی اور ان کا جواب نہ دیا تو گناہ ہوگا البتہ اگر ان کو معلوم ہے کہ نماز میں ہے اور یوں ہی بلا ضرورت پکارا ہے تو نماز نہ توڑے۔ (ذکرہ الشامی فی باب ادراک الفریضہ)

والدین کے ستانے کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے تو انہیں معاف فرما دیتا ہے مگر والدین کے ستانے کا گناہ ایسا ہے جس کی سزا دنیا ہی میں موت سے پہلے دے دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲ از شعب الایمان للبیہقی)

والدین کی نافرمانی بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا (۳) کسی جان کو قتل کردینا (جس کا قتل کرنا قاتل کے لئے شرعاً حلال نہ ہو) (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷ از بخاری)

کبیرہ گناہوں کی فہرست طویل ہے اس حدیث میں ان گناہوں کا ذکر ہے جو بہت بڑے ہیں ان میں شرک کے بعد ہی عقوق الوالدین کو ذکر فرمایا ہے' لفظ عقوق میں بہت عموم ہے ماں باپ کو کسی بھی طرح ستانا' قول یا فعل سے ان کو ایذاء دینا دل دکھانا نافرمانی کرنا حاجت ہوتے ہوئے ان پر خرچ نہ کرنا یہ سب عقوق میں شامل ہے پہلے حدیث ذکر کی جا چکی ہے جس میں محبوب ترین اعمال کا بیان ہے اس میں بروقت نماز پڑھنے کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ بتایا ہے بالکل اسی طرح بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شرک کے بعد ماں باپ کے ستانے اور ان کی نافرمانی کرنے کو شمار فرمایا ہے ماں باپ کی نافرمانی اور ایذاء رسانی کس درجہ کا گناہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔

وہ شخص ذلیل ہو جسے ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا کہ وہ ذلیل ہو' وہ ذلیل ہو' وہ ذلیل ہو' عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں کسی ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کرکے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۸ از مسلم)

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جنت میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے اور عقوق الوالدین یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ایذاء رسانی دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے' زندگی میں خصوصاً نوجوانی میں انسان سے بہت سے صغیرہ' کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور ماں باپ کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے اگر کسی گناہ گار بندہ کو بوڑھے ماں باپ میسر آ جائیں یعنی اس کی موجودگی میں بوڑھے ماں باپ کی خدمت کو ہاتھ سے نہ جانے دے جس شخص نے ماں باپ کو بوڑھا پایا لیکن ان کی خدمت نہ کی ان کی دعائیں نہ لیں ان کا دل دکھاتا رہا اور جوش جوانی میں ان کی طرف سے غفلت برتتا رہا جس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو گیا ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے تین مرتبہ بددعا دی اور فرمایا کہ یہ شخص (دنیا آخرت میں ذلیل وخوار ہو) **لا جعلنا اللہ منھم**

جس کے ماں باپ زندہ ہیں ان کی زندگی کی قدر کرے اور ان کو راضی رکھ کر جنت کما لے۔

ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی عقوق میں شامل ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا جس نے والد کو تیز نظر سے دیکھا (درمنثور ص ۱۷۱ ج ۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کو تیز نظروں سے دیکھنا بھی ان کے ستانے میں داخل ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ عقوق یعنی ماں باپ کے ستانے کی کیا حد ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ان کو (خدمت اور مال سے) محروم کرنا اور ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا اور ان کے چہرے کی طرف تیز نظر سے دیکھنا یہ سب عقوق ہے (درمنثور از ابن ابی شیبہ)

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اگر ماں باپ تجھے ناراض کر دیں یعنی ایسی بات کہہ دیں جس سے تجھے ناگواری ہو تو ان کی طرف ترچھی نظر سے مت دیکھنا کیونکہ انسان جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے تیز نظر سے ہی اس کا پتہ چلتا ہے (درمنثور عن ابی حاتم)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے اعضاء و جوارح سے بھی فرمانبرداری انکساری ظاہر کرنا چاہئے رفتار و گفتار اور نظر سے کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔

ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، حاضرین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (اس کی صورت یہ ہے کہ) کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کے باپ کو گالی دے دے۔ اور کسی دوسرے شخص کی ماں کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کی ماں کو گالی دے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری و مسلم)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گالی دینے والے نے اپنی ماں یا اپنے باپ کو تو گالی نہ دی لیکن چونکہ دوسرے سے گالی دلوانے کا ذریعہ بن گیا اس لئے خود گالی دینے والوں میں شمار ہو گیا۔ اس کو حضور انور ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو خود اپنی زبان سے گالی دے گا ظاہر ہے کہ اس کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے ماحول کے اعتبار سے یہ بات بڑے تعجب کی معلوم ہوئی کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ ان کے تعجب پر حضور ﷺ نے گالی کا ذریعہ اور سبب بننے والی صورت بتائی جو اس زمانہ میں پیش آ سکتی تھی، لیکن ہمارے اس دور میں تو ایسے لوگ موجود ہیں جو خود اپنی زبان سے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں اور برے الفاظ اور برے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماں باپ کے لئے دعا اور استغفار کرنے کی وجہ سے نافرمان اولاد کو فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (ایسا بھی ہوتا ہے) کہ بندہ

کے ماں باپ وفات پا جاتے ہیں یا دونوں میں سے ایک اس حال میں فوت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ان کی زندگی میں ان کی نافرمانی کرتا رہا اور ستاتا رہا۔ اب موت کے بعد ان کے لئے دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل شانہٗ اس کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱)

ماں باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنے سے انکے درجات بلند ہوتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ جل شانہٗ جنت میں نیک بندہ کا درجہ بلند فرما دیتا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ اے رب یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے کہ تیری اولاد نے جو تیرے لئے مغفرت کی دعا کی یہ اس کی وجہ سے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۵ از احمد)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کے لئے دعا کرنا بہت بڑا احسن سلوک ہے اور یہ حسن سلوک ایسا ہے کہ جو موت کے بعد بھی جاری رکھا جا سکتا ہے، کم سے کم ہر فرض نماز کے بعد ماں باپ کے لئے دعاء کر دیا کرے اس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اور ان کو بڑا فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ

اور رشتہ دار کو اور مسکین کو دو اور مسافر کو اس کا حق دے دو اور مال کو بے جا مت اڑاؤ، بلاشبہ مالوں کو بے جا اڑانے والے

كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ

شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، اور اگر تو اپنے رب کی

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ

رحمت کے انتظار میں جس کی تو امید رکھتا ہے، ان لوگوں کی طرف سے پہلو تہی کرے تو ان سے نرم بات کہہ دینا، اور تو اپنے ہاتھ کو

مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ

اپنی گردن کی طرف باندھا ہوا مت رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا، بلاشبہ تیرا رب

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

جس کے لئے چاہے رزق میں فراخی دیدیتا ہے اور وہ رزق میں تنگی بھی فرما دیتا ہے، بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے، دیکھنے والا ہے۔

رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں پر خرچ کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم، فضول خرچی کی ممانعت

تفسیر: گذشتہ آیات میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا اس حسن سلوک میں مال خرچ کرنا بھی آتا ہے اب ان آیات میں والدین کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور مسکین اور مسافر کو دینے کا حکم فرمایا' ذوی القربٰی یعنی رشتہ داروں کو صلہ رحمی کے طور پر تو دینا ہی چاہئے کبھی کبھی رشتہ داروں پر مال خرچ کرنا واجب بھی ہو جاتا ہے جن کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرنے کی فضیلت سورۃ بقرہ کی آیت کریمہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

رشتہ داروں' مسکینوں اور مسافروں پر مال خرچ کرنے کا حکم فرمانے کے بعد فضول خرچی اور بے جا مال اڑانے سے منع فرمایا' سخاوت تو شریعت اسلامیہ میں محمود ہے لیکن مال کو ضائع کرنا بے جا اڑانا فضول خرچی کرنا ممنوع ہے' بہت سے لوگ گناہوں میں خرچ کر دیتے ہیں اور بیوی بچوں کی فرمائشوں میں بے جا مال صرف کرتے ہیں اور اس کے لئے اپنے سر قرضے تھوپتے رہتے ہیں جن میں بعض مرتبہ سود کا لین دین بھی کر بیٹھتے ہیں اور اپنی جان کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں ایسے لوگ آیت کریمہ کے مضمون پر غور کریں۔ دیگر آیات میں فرمایا ہے وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اور اسراف نہ کرو بلاشبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اور یہاں فضول خرچ کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان ہی ان سے فضول مال خرچ کرواتا ہے اور گناہوں میں لگواتا ہے اس کی بات ماننے والے اس کے بھائی ہیں یعنی اللہ کی نافرمانی میں شیطان کی طرح سے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر (ص ۳۶ ج ۳) میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا ہے کہ تبذیر یہ ہے کہ حق کے علاوہ دوسری چیزوں میں مال خرچ کیا جائے اور حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق میں خرچ کر دے تو یہ تبذیر نہیں اور ایک مد بھی ناحق خرچ کر دے تو یہ تبذیر ہے۔

مزید فرمایا وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے)

جو لوگ شیطان کی راہ پر چلتے ہیں مال فضول اڑاتے ہیں وہ بھی ناشکرے ہی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا نعمتیں عطا فرمائیں ان کو سوچ سمجھ کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنا لازم ہے' فرائض و واجبات میں خرچ کرے' نفلی صدقات دے اور گناہوں میں مال نہ لگائے' یہ کتنی بڑی بیوقوفی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو مال عطا فرمایا اسے گناہوں میں لگا دیا یا بیجا خرچ کر دیا' جس نے مال دیا اسی کی نافرمانی کی اس سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی' اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی یہ ہے کہ ان نعمتوں کو نعمت دینے والے کے حکم کے مطابق خرچ کیا جائے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ذوی القربیٰ اور مساکین اور مسافرین کو دینے کے لئے اپنے پاس مال نہیں ہوتا یا ذرا بہت ہوتا ہے ایسے موقع پر یہ لوگ امیدوار ہوتے ہیں لیکن ان کی مالی خدمت کرنے سے معذوری اور مجبوری ہوتی ہے مگر ساتھ ہی خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ سے یہ امید بھی بندھی ہوئی ہوتی ہے کہ ان شاء اللہ مال آ جائے گا ایسے موقعہ پر ان لوگوں سے اچھے الفاظ میں اور نرم لہجے میں معذرت کر لی جائے ان کی سرزنش نہ کرے اور ایسے الفاظ نہ کہے جن سے انہیں دکھ پہنچے، مفسر ابن کثیر فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای عدهم وعدا بسهولة ولين۔ لکھتے ہیں کہ حضرت بلال اور خباب (فقرائے صحابہ) کبھی کبھی اپنی ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ سے سوال کر لیا کرتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ کے پاس ان کے دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تھا آپ ان کی طرف سے شرم کے مارے اعراض فرما لیتے تھے زبانی طور پر کوئی جواب نہیں دیتے تھے اس پر آیت وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ (الآیہ) نازل ہوئی۔

پھر فرمایا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (اور تو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف باندھا ہوا مت رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا) اس آیت میں خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے مال خرچ کرتا رہے (لیکن گناہوں میں خرچ نہ کرے) اور بالکل ہی ہاتھ روک کر نہ بیٹھ جائے کہ خرچ ہی نہ کرے) اور جب خرچ کرنے لگے تو بالکل پوری طرح ہاتھ نہ کھول دے (کہ سارا مال ختم کر دے) کیونکہ ایسا کرنے سے ملول بھی ہوگا اور محسور بھی ہوگا، ملول کا معنی ہے ملامت کیا ہوا اور محسور کا معنی ہے رکا ہوا یعنی عاجز بنایا ہوا، جب اپنے پاس کچھ بھی نہ رہے گا تو لوگ ملامت کریں گے جن لوگوں پر خرچ کیا ہے وہ بھی کہنے لگیں گے کہ ایسا بے تکا خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی سوچ سمجھ کر خرچ کرنا چاہئے، مال حاجات پورا ہونے کا ذریعہ بھی ہے اور مال کمانے کا ذریعہ بھی جب کچھ نہ رہے گا تو حاجتیں بھی پوری نہ ہو سکیں گی اور آئندہ مال کمانے میں بھی بے بسی ہوگی، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ملوماً کا تعلق پہلی بات سے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ خرچ کرنے سے ہاتھ روک کر بالکل ہی نہ بیٹھ جائے ورنہ لوگ ملامت کریں گے اور محسورًا کا تعلق دوسری بات سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ خرچ کرنے میں اتنی زیادتی نہ کر کہ خود تنگدست ہو کر عاجز ہو کر رہ جائے، آیت کریمہ میں میانہ روی کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور میانہ روی ہمیشہ کام دیتی ہے حدیث شریف میں ہے الاقتصاد فی النفقة نصف المعيشة کہ خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۰) یعنی معیشت کی پریشانیوں کا آدھا حل یہ ہے کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کی جائے اور آدھا حل باقی دوسری تدبیروں میں ہے جو فرد یا جماعت اس سے غافل ہے وہ یا تو کنجوسی کی وجہ سے ہمیشہ مصیبت میں رہے گی یا ذرا سی مدت میں سارا مال خرچ کر کے عاجز ہو کر بیٹھ رہے گی، پھر قرضوں پر نظر جائے گی قرضے چڑھ جائیں گے تو ان کی ادائیگی کا کوئی راستہ نہ ہوگا، غیر قوموں کی طرف تکیں گے ان سے سودی قرضے لیں گے سود در سود چڑھتا چلا جائے گا جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

فائدہ: آیت بالا سے پورا مال خرچ کر دینے کی ممانعت معلوم ہوئی یہ عام افراد کے لئے ہے جو خرچ کر کے پچھتانے لگیں اور پریشان ہوں اور پھر دوسروں سے مانگنے لگیں حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اہل توکل جو خرچ کر کے نہ گھبرائیں نہ تلملائیں اور اللہ تعالیٰ پر ان کا پورا پورا بھروسہ ہو ایسے حضرات کو اجازت ہے کہ اپنا پورا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کر دیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارا ہی مال لے آئے آپ نے سوال فرمایا کہ تم نے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ابقیت اللّٰہ ورسولہ (کہ میں ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو باقی رکھا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۶ از ترمذی وابوداؤد)

آپ نے ان کا سارا مال قبول فرمالیا' اور بھی اس طرح دیگر اکابر کے واقعات ہیں' علامہ قرطبی ج ۱۰ ص ۲۵۰ میں فرماتے ہیں کہ وکان کثیر من الصحابۃ ینفقون فی سبیل اللّٰہ جمیع اموالھم' فلم یعنفھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولم ینکر علیھم لصحۃ یقینھم وشدۃ بصائرھم' وانما نھی اللّٰہ سبحانہ تعالیٰ عن الافراط فی الانفاق' واخراج ماحوتہ یداہ من المال من خیف علیہ الحسرۃ علی ماخرج من یدہ فاما من وثق بموعود اللّٰہ عزوجل و جزیل ثوابہ فیما انفقہ فغیر مراد بالایۃ واللّٰہ اعلم۔ (اور بہت سارے صحابہ کرام تھے جو اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صحیح یقین اور گہری بصیرت کی وجہ سے نہ انہیں روکا نہ ان پر نکیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے میں افراط سے منع فرمایا ہے اور تمام ملکیت کو خرچ کر دینے سے اسے منع کیا ہے جس پر تمام مال خرچ کرنے کے بعد حسرت و افسوس کا اندیشہ ہو۔ مگر جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے گئے وعدے اور انفاق فی سبیل اللہ کے اجر جزیل پر کامل بھروسہ ہے وہ آیت سے مراد نہیں ہیں)

آخر میں فرمایا اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ، اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا (بلاشبہ تیرا رب جس کے لئے چاہے رزق میں فراخی دیتا ہے اور وہ رزق میں تنگی فرمادیتا ہے بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے)

اس آیت کریمہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنا تکوینی نظام بتایا ہے سب اس کے بندے ہیں وہ اپنی حکمت کے مطابق کسی کا رزق زیادہ فرماتا ہے اور کسی کے رزق میں تنگی فرمادیتا ہے وہ خبیر بھی ہے اور بصیر بھی ہے سب کا حال اسے معلوم ہے اس کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے جس کو چاہے جتنا دے اور جس کو چاہے بالکل ہی نہ دے اسے پورا پورا اختیار ہے بندے اپنا کام کریں میانہ روی کے ساتھ اپنی جان پر اپنے اہل و عیال پر اور اقرباء پر اور فقراء و مساکین پر خرچ کریں تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی رہیں اور کچھ لوگوں کی حاجتیں رکی رہیں اور بندے احکام شرعیہ کے پابند ہیں ان کو حکم ہے کہ سارا مال خرچ کر کے اپنے کو پریشانی میں نہ ڈالیں صاحب روح المعانی نے ص ۶۶ ج ۱۵ میں آیت بالا کی ایک تفسیر بتاتے ہوئے لکھا ہے۔ علی معنی ان البسط والقبض امران مختصان باللّٰہ تعالیٰ واما انت فاقتصد واترک ماھو مختص بہ جل وعلا۔ (اس معنی پر کہ کشادگی و تنگی ایسے امر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں لیکن تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص چیز کو اللہ کے لئے چھوڑو اور میانہ روی اختیار کرو)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو' انہیں ہم رزق دیں گے' اور تمہیں بھی' بلاشبہ ان کا قتل کرنا

خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا

کبیرہ گناہ ہے اور زنا کے پاس نہ جاؤ بلا شبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے اور اس

النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ

جان کوقتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کے لئے

سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

تسلط رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے بلاشبہ اس کی مدد کی جائے گی اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ

اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کی

مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ

پوچھ کچھ ہو گی اور جب تم ناپو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تولو یہ بہتر ہے

وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ، کسی جان کو بلا شرعی حکم کے قتل نہ کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ

تفسیر: ان آیات میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ فرمایا اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو اہل عرب اولاد کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ ہم اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے جو لوگ تنگدستی میں ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ یہ الفاظ سورۃ انعام میں ہیں اور کچھ لوگ اس لئے قتل کر دیتے تھے کہ ممکن ہے آئندہ تنگ دست ہو جائیں۔ ان کے لئے فرمایا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ تم تنگ دستی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، یہ سورۃ الاسراء کے الفاظ ہیں نیز اہل عرب لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے تاکہ کسی کو داماد نہ بنانا پڑے یہ سب جاہلانہ رسمیں تھیں، زمانہ جاہلیت میں شیطان نے اہل عرب کو ان چیزوں پر ڈالا تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا اِنَّهٗ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ پرانی جاہلیت اب پھر عود کر آئی ہے دشمنان اسلام نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اتنے سال کے بعد تک اگر بچوں کی پیداوار کی شرح اسی طرح رہی جو پورے عالم میں

ہے تو زمین چھوٹی پڑ جائے گی اور کھانے پینے کی چیزوں کی کفایت نہ ہوگی لہٰذا ایسی کوششیں جاری کر دی گئی ہیں جوان کے خیال میں بچوں کی پیدائش روکنے والی ہیں اس کے لئے کئی کئی طرح سے پروپیگنڈہ ہو رہا ہے بھاری بھاری رقمیں خرچ کی جارہی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ دشمنان اسلام جو کچھ کہہ دیتے ہیں مسلمان صاحب اقتدار اسے تسلیم کر لیتے ہیں قرآن وحدیث کی تصریحات کو بالکل نہیں دیکھتے قرآن نے اس جہالت کا پہلے ہی جواب دے دیا اور فرمادیا نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی رزق دیں گے) تمہیں کس نے روزی رساں بنایا ہے اور کس نے اللہ کی مخلوق کو رزق دینے کا ٹھیکہ دیا ہے، درحقیقت جتنے بھی طریقے تقلیل اولاد کے لئے جاری کئے ہیں یہ سب اللہ کی قضاء وقدر کے سامنے ناکام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ما من نسمة كائنة الى يوم القيمة الا وهي كائنة (یعنی اللہ کے علم میں قیامت کے دن تک جتنی بھی جانیں پیدا ہونے والی ہیں وہ ضرور پیدا ہوکر رہیں گی) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ما من كل الماء يكون الولد واذا اراد الله خلق شئى لم يمنعه شئ ہر نطفے سے اولاد نہیں ہوتی اور جب اللہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے ہیں تو اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۵) دیکھا جاتا ہے کہ مرد وعورت ولادت کو روکنے کے لئے کئی طرح کی چیزیں استعمال کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کو تخلیق منظور ہوتی ہے تو ان سب چیزوں کے باوجود استقرار ہو جاتا ہے اور اولاد پیدا ہو جاتی ہے۔

آنے والے انسانوں کے یہی خیر خواہ جان کی آمد اور پیدائش کو روکنے کے لئے زور لگا رہے ہیں انہیں وقت سے پہلے آنے والوں کی روزی کی تو فکر ہے لیکن موجودہ انسانوں کی جانوں کا فکر نہیں انہیں جگہ جگہ قتل کرتے ہیں اور قتل کرواتے ہیں اور ایسے ایسے آلات حرب تیار کر رکھے ہیں جو دو چار منٹ میں ہی پورے عالم کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

دوسرا حکم یوں دیا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا (اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے) اس میں زنا کی ممانعت فرمائی اور یوں فرمایا کہ اس کے پاس بھی مت پھٹکو اور اسے بے حیائی اور بری راہ سے تعبیر فرمایا زنا ایسا برا عمل ہے اور ایسی لعنت کی چیز ہے جو کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں حلال نہ تھی بلکہ اسلام کے علاوہ جو دوسرے ادیان ہیں مذہبی طور پر وہ بھی اسے ممنوع سمجھتے ہیں گو نفس وشیطان کے ابھار کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آج جب کہ یورپ اور امریکہ میں بے حیائی کو ہنر اور حیا کو عیب سمجھا جانے لگا وہاں زنا کاری بہت عام ہو چکی ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں وہ تو حیا کی ہر سرحد پار کر چکے ہیں اور چونکہ ان کے پادری ہر اتوار کو حاضرین کے ہر گناہ کو معاف کر دیتے ہیں اس لئے خوب دھڑلے سے عوام وخواص زنا کرتے ہیں، جو مسلمان وہاں جا کر بستے ہیں وہ بھی ان بے حیائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہاں رواج کی وجہ سے اتنی زیادہ بے حیائی پھیل چکی ہے کہ

بیویاں ہوتے ہوئے زنا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور شوہر کی رضا مندی سے ایک شخص کی بیوی دوسرے شخص کے ساتھ رات گذارتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گذرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں۔ میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لئے زینت اختیار کرتے ہیں پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گزرا جس میں بہت سخت آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا جبرئیل یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لئے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لئے حلال نہیں۔ (الترغیب والترھیب ص ۱۱۵ ج ۳)

اس گناہ سے بچانے کے لئے شریعت مطہرہ نے بدنظری تک سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور اس گناہ کی دنیاوی سزا یہ رکھی ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرلے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرلے تو اس کو سنگسار کیا جائے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے دنیا میں جو مصیبتیں آرہی ہیں ان کا بہت بڑا سبب بڑے بڑے گناہ بھی ہیں اور ان گناہوں میں زنا کاری کا عام ہونا بھی ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے گی قحط بھیج کر ان کی گرفت کی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت کا لین دین ہوگا رعب کے ذریعے ان کی گرفت ہوگی (یعنی دلوں پر رعب طاری ہو جائے گا اور دشمنوں سے ڈرتے رہیں گے) حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم میں (ایک روایت میں ہے کہ جب کسی بستی میں) زنا اور سود کا ظہور ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل کرلیا۔

(الترغیب والترھیب ص ۲۷۸ ج ۳)

جب زنا عام ہو جاتا ہے تو حرام کی اولاد بھی زیادہ ہو جاتی ہے نسب باقی نہیں رہتا کون کس کا بیٹا اور کس کا بھتیجا یا بھانجا، ان سب باتوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ صلہ رحمی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اور انسان، حیوانِ محض بن کر رہ جاتا ہے۔ حلالی ہونے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ حرامی ہونے ہی کو مناسب سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں یورپ کے رہنے والوں پر یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک ان میں زنا کی اولاد کی کثرت نہ ہو جائے۔ سو جب ان میں زنا کی اولاد پھیل جائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب میں مبتلا فرمادے گا۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جب زنا ظاہر ہو جائے گا تو تنگدستی اور ذلت کا ظہور ہو گا۔ (الترغیب والترھیب ص ۲۷۷ ج ۳)

صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب مروی ہے (حضرات

انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب سچا ہوتا ہے) جس سے بہت سی چیزوں کا تذکرہ ہے ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کا گذر ایک ایسے سوراخ پر ہوا جو تنور کی طرح تھا۔ اس میں جو جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں نظر آئیں ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آتی تھی جب وہ لپٹ اوپر آتی تھیں تو وہ چیختے چلاتے اور فریاد کرتے تھے آپ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا (جن میں ایک جبریل اور ایک میکائیل تھے) یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔ صحیح بخاری ص ۱۰۴۴ و ھو فی المشکوٰۃ ص ۳۹۵

جب زنا کی عادت پڑ جاتی ہے تو بڑھاپے میں بھی زنا کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہ کرے گا اور ان کو پاک نہ کرے گا اور ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا (۱) زنا کار بوڑھا (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) تنگدست متکبر۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے' ان میں زنا کار بوڑھے کو بھی شمار فرمایا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ تین شخصوں سے اللہ کو بغض ہے ان میں سے ایک زنا کار بوڑھا بھی ہے (الترغیب ص ۲۷۵ ج ۳)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر گھر پر نہیں ہے (اور اس کے غائب ہونے کو اس نے زنا کا ذریعہ بنالیا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر ایک اژدھا مسلط فرمائے گا (الترغیب والترھیب ص ۲۷۹ ج ۳) شوہر گھر پر نہ ہو تو عورت مرد کی ضرورت محسوس کرتی ہے زنا کاری کا مزاج رکھنے والے ایسی عورت سے جوڑ بٹھا لیتے ہیں ایسے لوگوں کو مذکورہ بالا وعید سنائی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ شوہر اگر گھر پر ہو اور دیوث ہو تو اس کی اجازت سے گناہ حلال ہو جائے گا زنا ہر حال میں حرام ہے۔

اسلام عفت اور عصمت والا دین ہے۔ اس میں فواحش اور منکرات اور زنا کاری اور اس کے اسباب اور دواعی' ناچ رنگ' عریانی وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یورپ کے شہوت پرست انسان نما حیوانوں میں زنا کاری عام ہے محرم عورتوں تک سے زنا کرتے ہیں قانوناً مردوں کو مردوں سے شہوت پوری کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ سے طرح طرح کے بدترین امراض میں مبتلا ہیں۔

ایک حدیث میں بربادی کے اسباب میں سے یہ بھی بتایا جاتا ہے اکتفی الرجال بالرجال و النساء بالنساء کہ مرد مردوں سے شہوت پوری کرنے لگیں اور عورتیں عورتوں سے (الترغیب والترھیب ص ۲۶۷ ج ۳)

یورپ والوں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی ان کے کرتوتوں کے ساتھی بنتے جا رہے ہیں اور شہوت پرستوں کو ان کے مقاصد میں کامیاب بنا رہے ہیں سورۃ نساء میں فرمایا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا (اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے' اور جو لوگ شہوتوں کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ)۔

بعض زنا کار عورتوں کی یہ بات سننے میں آئی ہے کہ میرا بدن ہے میں جس طرح چاہوں استعمال کروں۔ یہ تو کفریہ بات ہے قرآن کا مقابلہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے (العیاذ باللہ) زنا کاری سے قرآن کا منع فرمانا صحیح نہیں، درحقیقت بہت سے لوگوں نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ ہم بندے ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے اور مالک ہے، سارے بندے اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں مملوک کو کیا حق ہے کہ اپنی ذات کو اپنے بارے میں اور اپنے جسم و جان کے بارے میں خود کو مختار سمجھے۔

بہت سے ملکوں میں یہ قانون نافذ ہے کہ زنا بالجبر تو منع ہے لیکن اگر رضامندی سے کوئی مرد عورت سے زنا کر لے تو اس پر نہ کوئی مواخذہ ہے اور نہ کوئی سزا۔ بہت سے وہ ممالک جن کے اصحاب اقتدار مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں ان کے ملک میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور دشمنوں کے سمجھانے سے یہ قانون پاس کر دیا گیا ہے کہ بیک وقت نکاح میں صرف ایک عورت رہ سکتی ہے لیکن دوستیانیاں جتنی چاہے رکھ سکتا ہے۔ زنا کاری کو عام کر دینا انجام کے اعتبار سے کیا رنگ لائے گا اس کے بارے میں بالکل کوئی فکر نہیں، مسلمان ممالک کے ذمہ دار دشمنوں کے سامنے اس بات سے جھینپتے ہیں کہ ایک سے زیادہ عورتیں نکاح میں رکھنے کا قانون پاس کر دیں۔ مسلمان کو کافر سے کیا جھینپنا؟ اسے تو قرآن و حدیث کے قوانین نافذ کرنا لازم ہے۔

آخر میں ایک حدیث کا ترجمہ لکھ کر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اللہ کرے کہ تم ان چیزوں کو نہ پاؤ (تو طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں ابتلاء ہوگا)۔

(۱) جس قوم میں کھلم کھلا طریقہ پر بے حیائی کا رواج ہو جائے گا ان لوگوں میں طاعون پھیلے گا اور ایسے امراض میں مبتلا ہوں گے جو ان کے اسلاف میں نہیں تھے۔

(۲) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کو قحط کے ذریعہ پکڑا جائے گا اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہونگے۔

(۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ کو روک لیں گے ان سے بارش روک لی جائے گی اور اگر جانور نہ ہوں تو (بالکل ہی) بارش نہ ہو۔

(۴) اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دیں گے ان کے اوپر دشمن مسلط کر دیا جائے گا وہ ان کے بعض اموال لے لے گا۔

(۵) اور جس قوم کے اصحاب اقتدار اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلے نہ کریں گے اور اللہ نے جو چیز نازل فرمائی اس کو اختیار نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں ایسی مخالفت پیدا فرما دے جس کی وجہ سے آپس میں لڑتے رہیں گے (رواہ

ابن ماجہ فی باب العقوبات ص ۱۱۲)

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ اللہ نے جس جان کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اسے قتل مت کرو۔ جس کسی جان کا قتل کرنا شریعت اسلامیہ میں حلال نہیں ہے اس کا قتل کر دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور اس بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں قتل کی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت ہے اس کی تفصیلات سورہ بقرہ کے اکیسویں رکوع میں اور سورۃ نساء کے تیرھویں رکوع میں اور سورۃ مائدہ کے ساتویں رکوع میں گزر چکی ہیں۔ (انوار البیان ج ۱-ج ۲-ج ۳)

سورۃ نساء میں قتل کی وعیدیں بھی مذکور ہیں۔ وہاں ہم نے متعدد احادیث کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے قتل نفس کی حرمت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ (اور جو شخص ظلماً قتل کیا گیا اس کے ولی کے لئے ہم نے اختیار رکھا ہے سو وہ قتل کرنے میں حد سے آگے نہ بڑھے) کسی کے قتل کر دینے پر جو عذاب ہے وہ آخرت سے متعلق ہے۔ اور دنیا میں جو اس کے بارے میں شرعی احکام ہیں ان کے مطابق مقتول کے ولی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شرعی اصول کے مطابق قتل کا ثبوت ہو جانے پر انہیں حدود پر رہے جو حدود اس کے لئے مقرر کر دی گئی ہیں مثلاً قتل خطا میں دیت کے بجائے قاتل کو قتل نہ کرے اور قتلِ عمد میں جو شریعت نے قصاص لینے کا اختیار دیا ہے اسے قاتل تک ہی محدود رکھا جائے جوش انتقام میں قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو اس کے اعزہ واقربا میں سے قتل نہ کر دے۔ نیز قاتل کے قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے۔ مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں ناک کان نہ کاٹے، جسے مثلہ کرنا کہتے ہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بلاشبہ مقتول کے ولی کی مدد ہوگی) یعنی ولی مقتول حد شرعی کے اندر رہتے ہوئے قصاص لے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد کی جائے گی۔ یعنی شریعت اسلامیہ اس کی مددگار ہوگی۔ اور اہل ایمان اصحاب اقتدار قصاص دلانے کے لئے راہ ہموار کریں گے اسے قصاص دلائیں گے۔ اس کا دوسرا رخ بھی سمجھ لینا چاہئے اور وہ یہ کہ اگر ولی مقتول حد سے بڑھ گیا تو اب یہ ظالم ہوگا اور معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ اور اب شرعی قانون میں اس کا مواخذہ ہوگا۔

چوتھا: حکم یہ فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے پر جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اس بارے میں سورہ نساء کی تفسیر میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۲)

پانچواں: حکم یہ دیا کہ عہد کو پورا کرو اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (یعنی عہد کی باز پرس ہوگی) بہت سے لوگ عہد تو کر لیتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور قصداً عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ دفع الوقتی کے طور پر وعدہ کر لیتے ہیں اور عین معاہدہ کرتے وقت بھی دل میں عہد توڑنے اور دغا دینے کا ارادہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ عہد کی باز پرس ہوگی۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے سورہ بقرہ کی آیت وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا اور سورۃ مائدہ کی پہلی آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اور

سورۂ نحل کی آیت وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ کے ذیل میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کا مراجعہ کرلیا جائے۔

چھٹا: حکم یہ دیا کہ ناپ تول پوری کیا کرو اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔

آخر میں فرمایا ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا کہ احکام پر عمل کرنا بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔

آیات بالا میں جو احکام مذکور ہوئے سورۃ انعام کے رکوع نمبر ۱۴ میں بھی ذکر فرمائے گئے ہیں وہاں بھی ملاحظہ فرمالیں (انوار البیان ج ۳)

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ
اور تو اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو بلا شبہ کان اور آنکھ اور دل ان سب کے
عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ
بارے میں سوال ہوگا اور تو زمین میں اتراتا ہوا مت چل بے شک تو ہرگز زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور ہرگز پہاڑوں کی
الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝
لمبائی کو پہنچ نہیں سکتا یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں

جس بات کا پتہ نہیں اس کے پیچھے پڑنے اور زمین پر اتراتے ہوئے چلنے سے ممانعت

تفسیر: یہ تین آیات ہیں پہلی آیت میں اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو اس کی جامعیت بہت سے اعمال کو شامل ہے اس نصیحت پر دھیان نہ دینے کی وجہ سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں معاشرہ میں جو بدمزگی پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی آبروریزی ہو جاتی ہے مختصر الفاظ میں ان سب کی ممانعت آگئی غلط حدیثیں بیان کرنا خود حدیثیں وضع کرنا جھوٹے راویوں سے حدیثیں لینا اور انہیں آگے بڑھانا کسی بھی شخص کے بارے میں محض اٹکل سے یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کچھ کہہ دینا تہمت رکھ دینا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو دینی اعتبار سے گمراہی کا ذریعہ بنتی ہیں اور دنیاوی اعتبار سے آپس میں بغض اور دشمنی پھیلاتی ہیں صرف گمان سے اٹکل پچو کوئی بات ثابت نہیں ہوتی سورۃ نجم میں فرمایا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) اور غیبت کرنا تو اس بات کا یقین ہوتے ہوئے بھی حلال نہیں ہے کہ فلاں شخص نے فلاں گناہ کیا ہے یا فلاں شخص میں فلاں عیب ہے پھر بھلا محض اٹکل سے یا خود سے بنا کر کسی کے بارے میں یوں کہہ دینا کہ اس نے یوں کیا ہے یا کہا ہے کیسے حلال ہو سکتا ہے؟ صاحب معالم التنزیل تحریر فرماتے ہیں قال

قتادہ لا تقل رایت ولم تر وسمعت ولم تسمعہ وعلمت ولم تعلمہٗ وقال مجاھد لا ترم احدا بمالیس لک بہ علم' قال القتیبی' لا تتبعہ بالحدس والظن وھو فی اللغۃ اتباع الاثر یقال' قفوت فلا نا اقفوہ وقفیتہ واقفیتہ اذا اتبعت اثرہ ۔(حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تم نے نہ دیکھا ہو تو یوں نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے اور جب نہ سنا ہو تو یوں نہ کہو کہ میں نے سنا ہے اور یہ نہ کہو کہ میرے علم میں ہے جبکہ تمہارے علم میں نہ ہو۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس چیز کا تجھے علم نہ ہو کسی کو اس کے ساتھ منسوب نہ کرو۔ قتیبی کہتے ہیں اندازے اور گمان سے اس کا پیچھا نہ کر اور وہ لغت میں نقش قدم کی پیروی کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے قفوت فلانا' اقفوہ وقفیتہ' واقفیتہ جب کہ تو نے اس کے نقش قدم کی پیروی کی ہو)

پھر ارشاد فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو یہ اعضا دیئے ہیں یوں ہی نہیں دیئے کہ ان کو جیسے چاہیں اور جہاں چاہیں استعمال کریں' جس ذات پاک نے عطا فرمائے ہیں اس نے ان سب کے استعمال کرنے کے مواقع بھی بتائے ہیں اور وہ اعمال بھی بتائے ہیں جن سے ان کو محفوظ رکھنا لازم ہے کہاں دیکھے اور کیا بات سنے اور اپنی قوت فکریہ کو کہاں خرچ کرے' ان سب کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں' کسی نے چوری کر لی' کسی کو ظلماً مارا' حساب غلط لکھ کر یا جھوٹا بل بنا کر خیانت کر دی یا کسی ایسے مرد یا کسی عورت سے مصافحہ کر لیا جس سے مصافحہ کرنا جائز نہیں تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو غیر شرعی امور میں استعمال کیا' بائیں ہاتھ سے کھایا اور داہنے ہاتھ سے استنجا کیا یہ بھی ہاتھ کا غلط استعمال ہے زبان سے کوئی بیجا بات کی کفر کا کلمہ کہا کسی کی غیبت کی کسی پر تہمت دھری گالی دی جھوٹ بولا یہ سب زبان کا غلط استعمال ہوا' کسی شخص نے گانا سنا باجوں کی آواز کی طرف کان لگایا غیبتیں سنتا رہا یہ کان کا غلط استعمال ہوا' کسی شخص نے ایسی جگہ نظر ڈالی جہاں دیکھنا نظر ڈالنا ممنوع تھا' بدنظری سے کسی کو دیکھ لیا کسی کے ستر پر نظر ڈالی آنکھوں کو کسی بھی طرح گناہوں میں استعمال کیا تو یہ سب آنکھوں کا غیر جگہ استعمال ہوگا جہاں استعمال کرنا ممنوع تھا' کوئی شخص گناہ کے لئے کہیں چل کر گیا تو اس نے اپنے پاؤں کا غلط استعمال کیا' حدیث شریف میں ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا نظر کرنا ہے اور کان بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اس کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور گناہوں کی آرزو کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے یعنی موقعہ لگ جاتا ہے تو شرم گاہ گناہوں میں استعمال ہو جاتی ہے ورنہ شرم گاہ کا زنا ہو نہیں پاتا لیکن اس سے پہلے دوسرے اعضاء زنا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا گناہ صاحب اعضاء کے ذمہ پڑ جاتا ہے کیونکہ انہیں اسی نے استعمال کیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۲)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے لئے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن بن جاتا ہوں (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھ دی جائے تو اسے ادا کرو (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اپنے ہاتھوں کو (بے جا استعمال سے) روکے رکھو۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵

فُؤَاد: دل کو کہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بہت بڑا عطیہ ہے جو زندگی کا ذریعہ ہے سورۃ الملک میں فرمایا

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (آپ فرمادیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں بنائیں اور دل عطا فرمائے تم کم شکر ادا کرتے ہو) یہ دل ہی تو ہے جس کے ذریعے جسم میں خون رواں اور دواں ہے اور قوت فکر یہ سوچ سمجھ ہوش گوش کا آلہ ہے دل کی جو نعمت عظیمہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کو بے جا استعمال کرنا غیر شرعی امور میں اس کی قوتوں کو صرف کرنا گناہوں کے لئے تدبیریں کرنا یہ سب دل و دماغ کا غلط استعمال ہے اپنی زندگی میں انسان آزاد نہیں ان سب اعضاء کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی کہ ان کو کہاں لگایا اور کن کاموں میں استعمال کیا یہ اعضاء یہاں دنیا میں تو فرمانبردار ہیں لیکن قیامت کے دن مخالفانہ گواہی دیں گے سورہ نور میں فرمایا یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس عمل کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو حفاظت اعضاء (از معاصی) کے لئے یہ دعا بتائی اللھم انی اعوذ بک من شر سمعی و شر بصری و شر لسانی و شر قلبی و شر منیی (اے اللہ میں آپ سے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی زبان اور اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ میرے اعضاء ہیں جیسے چاہوں استعمال کروں تو خود اپنا نہیں ہے تو اور تیرے اعضاء سب اللہ جل شانہٗ کی مخلوق اور مملوک ہیں میدان آخرت میں کٹ حجتی کام نہ دے گی اعمال نامہ لکھا ہوا سامنے ہوگا لہٰذا اپنے نفس کو اپنے قلب کو اپنے اعضاء کو پاک اور صاف لے جاؤ یہ سب اعضاء اللہ تعالیٰ شانہٗ کا عطیہ ہیں ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

دوسری آیت میں اترا کر اور اکڑ مکڑ کر چلنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (کہ تو زمین میں اتراتا ہوا مت چل) اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) یعنی ایسی چال نہ چل جس سے تکبر اور غرور ظاہر ہوتا ہو کیونکہ یہ ایک احمقانہ فعل ہے تکبر کی چال چلنے والا سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں حالانکہ اللہ کی مخلوق میں اس سے بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں زمین ہی کو دیکھ لو جس پر انسان بستے ہیں انسان اسی کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کو دیکھ لو کہ وہ انسان کے قد سے بہت اونچے اونچے ہیں اترا کر چلنے والا ذرا اپنی ذات کو تو دیکھے پہاڑوں کی درازی تک تو پہنچ ہی نہیں سکتا پھر کیوں تکبر کرتا ہے اور کیا شان دکھاتا ہے اور اکڑتا ہوا چلتا ہے سورہ لقمان میں فرمایا وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (اور تو زمین میں اتراتا ہوا نہ چل بلا شبہ اللہ ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو فخر کرنے والا ہو) تکبر انسان کے لئے زیبا نہیں جو ذلیل پانی سے پیدا ہوا جس نے ماں کے پیٹ میں حیض کے خون سے غذا پائی جو آخر میں مردہ نعش ہو کر رہ جائے گا اسے کیا مقام ہے کہ تکبر کرے اتراتا ہوا چلے اور اللہ کی مخلوق کو حقیر جانے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص دو چادریں پہنے ہوئے ناز کے انداز میں چل رہا تھا خود پسندی اختیار کئے ہوئے تھا اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا

وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (صحیح البخاری ص ۴۹۰ وص ۸۶۱ کتاب اللباس والزینۃ)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اترا کر چلنے لگے اور فارس روم کے شہزادے ان کی خدمت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ امت کے برے لوگوں کو ان کے اچھے لوگوں پر مسلط فرما دے گا مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۹ انسان کے لئے تواضع ہی بہتر ہے تکبر حرام ہے اور تواضع محبوب چیز ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا اور جو شخص متکبر ہوگا اللہ اسے گرا دے گا وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن ایسی حالت میں ہوگا کہ صورتیں انسانوں جیسی ہوں گی اور جسم چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے ہوں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی انہیں دوزخ کے جیل خانے کی طرف ہنکایا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان لوگوں پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی انہیں دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۴) حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تواضع اختیار کرو تا کہ کوئی شخص کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۷ از مسلم)

تیسری آیت میں مذکورہ بالا برائیوں کی شناعت اور قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْهًا (یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں) صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ سے یہاں تک جو امور خیر مذکور ہوئے ان کو ترک کرنا اور جن امور سے بچنے کا حکم فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرنا یہ سب بری باتیں ہیں تمہارے رب جل شانہٗ کے نزدیک مکروہ ہیں ناپسندیدہ ہیں جس نے وجود بخشا پرورش کے اسباب پیدا فرمائے جو اعمال اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں' ان کو اختیار کرنا عقلاً بھی قبیح ہے' جو رب جل شانہٗ کو رب نہیں مانتے وہی افعال شنیعہ اور اعمال سیئہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى

یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہیں' اور اے مخاطب اللہ کے ساتھ

فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

کوئی دوسرا معبود تجویز نہ کرو ورنہ تو ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا' کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور فرشتوں کو

اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

اپنی بیٹیاں بنا لیا بلا شبہ تم بڑی بات کہتے ہو

اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے والوں کے لئے جہنم ہے
اور اس کے لئے اولاد تجویز کرنا بہت بڑی بات ہے

تفسیر: آیات سابقہ میں جو احکام بیان ہوئے اول تو ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سب اس حکمت میں سے ہیں جو اللہ نے آپ پر وحی کے ذریعے بھیجی ہے علامہ قرطبی فرماتے ہیں **ھذہ من الافعال المحکمة التی تقتضیھا حکمة اللہ عزوجل فی عبادہ وخلقھا لھم من محاسن الاخلاق والحکمة و قوانین المعانی المحکمة والافعال الفاضلة** (تفسیر قرطبی ص ۲۶۴ ج ۱۰)

یعنی یہ وہ محکم افعال ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بندے انہیں اختیار کریں اور یہ وہ محاسن اخلاق ہیں اور محکم قوانین ہیں اور افعال فاضلہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مشروع فرمایا ہے۔

اس کے بعد یوں فرمایا ہے اے مخاطب اللہ کے سوا کوئی معبود تجویز نہ کرو ورنہ ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا یہ خطاب ساری امت دعوت اور ساری امت اجابت کو ہے جو کوئی شخص بھی اللہ کے ساتھ شریک کرے گا مستحق ملامت ہوگا اور قیامت کے دن دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا' مدحور لغت کے اعتبار سے وہ ہے جو ذلیل ہو اور اس پر پھٹکار پڑی ہو جس کی وجہ سے دور کردیا گیا ہو چونکہ فَتُلْقٰی فِیْ جَھَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا فرمایا ہے اس لئے محاورہ کا ترجمہ یوں کیا گیا کہ ملامت کیا ہوا راندہ کیا ہوا دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

مشرکین عرب جو طرح طرح کے شرک میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اولاد بھی کیا تجویز کی؟ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا! یہ سب کچھ انہوں نے شیطان کے سمجھانے سے عقیدہ بنایا جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی اول تو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا ہی ظلم ہے وہ اولاد سے پاک ہے اولاد اس کی شایان شان نہیں' پھر اولاد بھی تجویز کی تو بیٹیاں تجویز کیں اپنے لئے انہیں لڑکیاں گوارا نہ تھیں بیٹی پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ دفن کر دیتے تھے اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرنا جو خود انہیں بھی ناپسند ہیں انتہائی بے عقلی کی بات ہے مذکورہ بالا آیتوں میں ان کی حماقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ نے تمہارے لئے بیٹوں کو مخصوص کر دیا اور فرشتوں کو اپنی بیٹیاں بنالیا؟ اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا (بلاشبہ تم بڑی بات کہتے ہو) یعنی گناہ کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات ہے اور بہت ہی زیادہ بری ہے' اس کی شناعت اور قباحت بیان کرتے ہوئے سورۂ مریم میں فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے اولاد اختیار کر لی ہے تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ

بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں اور یہ ان کی نفرت ہی میں اضافہ کرتا ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ

اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا

اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو انہوں نے عرش والے کی طرف راستہ تلاش کر لیا ہوتا' وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے

یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ

جو یہ لوگ کہتے ہیں' ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور

مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہیں کرتی ہو لیکن تم ان کی حمد کو نہیں سمجھتے' بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے' شرک کرنیوالوں کی باتوں سے پاک ہے ساتوں آسمان اور زمین اور ہر چیز اس کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہے

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن مجید میں جو باتیں بیان کی ہیں (جن میں توحید کی دعوت ہے اور اس کے دلائل ہیں شرک کی مذمت اور آخرت کی یقین دہانی ہے اور افعال خیر کی ترغیب ہے اور برے اعمال کی وعیدیں ہیں) ان کو طرح طرح سے بیان فرمایا تاکہ مخاطبین غور کریں سوچیں اور سمجھیں' پھر فرمایا وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا اور حال یہ ہے کہ اس قرآن کے بیان سے متاثر نہیں ہوتے وہ تو اور زیادہ متنفر ہوتے جاتے ہیں' یہی قرآن جو غور و فکر اور تدبیر والوں کے لئے ذریعہ ہدایت بن گیا معاندین کے لئے بُعد اور نفرت کا ذریعہ بن رہا ہے' جن لوگوں کو حق سے بیر ہے وہ قرآن حکیم کو سنتے ہیں لیکن اس کے بیان سے اثر نہیں لیتے حالانکہ مختلف وجوہ سے ان کو سمجھایا جاتا ہے اور طرح طرح سے راہ حق کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس کے بعد مشرکین کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ تم جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود تجویز کرتے ہو اپنی اس احمقانہ بات کے بارے میں یوں سوچو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہوتے تو وہ بھی زوردار ہوتے اور اپنے زور کو

استعمال کر لیتے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ جو عرش والا ہے اس تک پہنچنے کا انہوں نے کبھی کا راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا یعنی راستہ تلاش کر کے عرش والے تک پہنچ جاتے پھر آپس میں لڑائی ہوتی اور اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مخلوق کا نظام درہم برہم ہو جاتا سب دیکھ رہے ہیں کہ ہزاروں سال سے ایک خاص محکم نظام کے ساتھ سارے عالم کا نظام رواں اور دواں ہے اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ سب بگڑ کر رہ جاتا جب کوئی بھی معارض اور مقابل نہیں ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوا کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے اور وہ شرک سے بالاتر ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے لوگ جو شرکیہ بات کرتے ہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور اہل باطل جو بھی کچھ کہتے ہیں اس سے بلند و بالا ہے پھر فرمایا تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ (الآیۃ) اس میں یہ بتایا کہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے یہ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں یعنی وہ اس بات کے اقراری ہیں کہ ان کا خالق و مالک ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو آسمان اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے سب اللہ کی مخلوق ہے ان کی تسبیح بتانے کے لئے ارشاد فرمایا وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ پاک کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو) اور ساتھ میں یوں بھی فرمایا کہ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (اور لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو)۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کچھ تو ایسی ہے جو ذی حیات ہے جسے زندہ کہا جاتا ہے ان میں فرشتے اور انسان و جنات ہیں یہ اصحاب فہم ہیں اللہ پاک نے ان کو سمجھ عطا فرمائی ہے، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو زندہ بھی ہیں اور ان میں فہم بھی ہے لیکن فہم زیادہ نہیں ہے جیسے حیوانات اور چرند پرند ان میں اتنی سمجھ ہے کہ ضرورت کے لئے کھائیں پئیں بچوں کی پرورش کریں حملہ آور سے بچاؤ کریں اپنے مجازی مالک کی ہدایت پر چلیں، درخت بھی زندہ چیزوں میں شمار کیا جاتا ہے ان میں زندگی تو ہے اور انداز سے معلوم ہوتا ہے سمجھ بھی ہے لیکن حیوانات کی بہ نسبت ان میں کم سمجھ ہے۔

اس تفصیل کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ ہر مخلوق کی زبانیں ہیں خود انسانوں کی سینکڑوں زبانیں ہیں ایک علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ کی زبان نہیں سمجھتے فرشتوں کی بھی زبان ہے جس سے آپس میں ہم کلام ہوتے ہیں اور انسانوں کی زبانوں میں سے جو زبانیں انہیں بتائی گئی ہوں لامحالہ وہ اسے بھی جانتے ہیں بظاہر جنات کی بھی کوئی زبان ہوگی اگرچہ وہ انسانوں کی بھی زبانیں سمجھتے ہیں۔

اسی طرح حیوانات کی زبانیں ہیں بیل اپنی زبان میں بولتا ہے اور اونٹ اپنی زبان میں شیر گدھا، کتا، طوطا، چڑیا، کوا، دریائی جانوران کی اپنی اپنی زبانیں ہیں۔

فرشتے، انسان، جنات اپنی اپنی زبانوں میں اور دوسرے حیوانات اپنی اپنی زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں گو انسانوں کی سمجھ میں نہ آئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیوں میں سے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو انہوں نے چیونٹی کی پوری

بستی کو جلانے کا حکم دیا اللہ جل شانہٗ نے وحی بھیجی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا اور تم نے ایک ایسی امت کو جلایا جو تسبیح پڑھتی تھی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۱)

تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا بولنا اللہ کی تسبیح ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب صبح ہوتی ہے تو پرندے اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اللہ سے اس دن کی روزی کا سوال کرتے ہیں۔ (روح المعانی ص ۸۴ ج ۱۵)

اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں بظاہر ہمارے دیکھنے میں حیات نہیں ہے لیکن حقیقت میں ان میں بھی ادراک ہے زمین اور پہاڑ اور وہ سب چیزیں جنہیں جمادات کہا جاتا ہے ان کے شعور وادراک کو ہم نہیں سمجھتے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے لیکن ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک ہونے کا تعلق ہے وہ اپنے رب کی تسبیح خواں ہیں سورہ بقرہ میں فرمایا ہے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں)

فرشتے اور مومن انسان اور مومن جنات تو اللہ کی تسبیح پڑھتے ہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں اس کو سب جانتے اور مانتے ہیں اور انسان اور جنات میں جو کافر ہیں ان میں جو کسی بھی دین کے ماننے والے ہیں (یہودی، نصرانی، بدھسٹ، ہندو، آتش پرست وغیرہم) یہ سب بھی خالق جل مجدہ کی خالقیت کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے کو اس کا بندہ مانتے ہیں اور اللہ کے سوا جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو بھی اللہ کی مخلوق مانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے عاجز محض ہیں اور اسی لئے جب مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے لو لگاتے ہیں اور صرف اسی سے مانگنے لگتے ہیں اس بات کو سورہ لقمان میں یوں بیان فرمایا وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ یہ اللہ تعالیٰ کو واحد خالق ماننا اور ساری مخلوق پر اس کی قدرت کو تسلیم کرنا یہ اللہ کی تسبیح بھی ہے تحمید بھی ہے مسلمان ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہونا یہ دوسری بات ہے ابلیس لعین جو سارے کافروں کا سردار ہے اس نے مردود ہونے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا ہے اور رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ کہا ہے۔ اب وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو دہری اور مادہ پرست ہیں جو بظاہر خالق کائنات جل مجدہ کے وجود کو نہیں مانتے لیکن یہ ضرور مانتے ہیں کہ یہ عالم کے تصرفات اور چیزوں کا موجود اور معدوم ہونا اور متغیر ہونا کسی صاحب قدرت ذات کی وجہ سے ہے خواہ زبان سے اقرار نہ کریں۔

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین نرم کیوں ہے پہاڑ سخت کیوں ہے اور فلاں پہاڑ فلاں جگہ ہی کیوں پیدا ہوا اور فلاں عورت کے لڑکے ہی لڑکے پیدا کیوں ہوتے ہیں فلاں عورت کے نرینہ اولاد کیوں نہیں ہوتی اور فلاں عورت بانجھ کیوں ہے اور مقناطیس صرف لوہے کو کیوں کھینچتا ہے پیتل کو کیوں نہیں کھینچتا اور فلاں درخت کا پھل فلاں شکل وصورت کا

کیوں ہے یہ اپنی مذکورہ صورت سے مختلف کیوں نہ ہوا لمبا کیوں نہ ہوا بھاری کیوں نہ ہوا اس کا رنگ ہرا کیوں ہوا کالا کیوں نہ ہوا پھران سب چیزوں کے مزے الگ الگ کیوں ہیں گاڑی پیٹرول سے کیوں چلتی ہے اور دوسرے سیال مادہ سے کیوں نہیں چلتی انسانوں کی صورتیں مختلف کیوں ہیں بکری چھوٹی اور اونٹنی بڑے قد کی کیوں ہے دودھ اور خون اندر آپس میں کیوں نہیں مل جاتے تھنوں سے دودھ ہی کیوں نکلتا ہے بال مونڈنے کے بعد دوبارہ کہاں سے آ جاتے ہیں پانی سے بھی معدہ پر ہو جاتا ہے لیکن یہ روٹی چاول کا کام کیوں نہیں دیتا اور اس طرح کے ہزاروں سوالات ہیں جن کا جواب دینے سے مادہ پرست دہریے اور ملحد عاجز ہیں ان کا یہ عاجز ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خالق اور مالک جل مجدہ کی قدرت کو مانتے ہیں گو زبان سے نہیں مانتے اور اس عنوان سے نہیں مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے یہ عاجز ہونا ہی ماننا ہے اور یہ خالق و مالک کی تسبیح و تحمید ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تسبیح کی دو صورتیں ہیں ایک تسبیح حالی دوسری تسبیح مقالی تسبیح حالی کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا اپنا مستقل وجود ہے اور اس کے اپنے ذاتی احوال ہیں جو اس پر گزرتے ہیں یہ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ وہ اپنے وجود میں اپنے باقی رہنے میں اور اپنے احوال کے مقلب ہونے میں کسی صاحب قدرت ذات پاک کے تابع ہیں وجود اور احوال کی شہادت خالق کائنات جل مجدہ کی تسبیح ہے' اس عموم کے اعتبار سے کائنات کا ہر ذرہ ذرہ ذی روح ہو یا جماد ہو' شجر ہو یا حجر ہو' مومن ہو یا منکر سب کے وجود سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ظاہر ہو رہی ہے' دوسری قسم یعنی تسبیح مقالی وہ ہے جو الفاظ و حروف و کلمات کے ذریعہ ہو یہ وہ تسبیح ہے جس میں یہ ضروری نہیں کہ انسان بھی انہیں سمجھ جائے اور سن لے آپس کی زبانیں نہیں سمجھ پاتے تو جانوروں کی زبانیں کیا سمجھیں گے اور جمادات کی تسبیح کیا سنیں اور سمجھیں گے۔

سورہ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی جو کہ جمع ہو جاتے تھے جن کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۰ از بخاری ا صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۴۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اسے پہچانتا ہوں میری بعثت سے پہلے وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا مجمع الزوائد میں بحوالہ طبرانی نقل ہے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لیکر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو؟ وہ دوسرا پہاڑ جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اوپر

گزرا ہے اس پر وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے قال الهيثمی روی الطبرانی ورجاله رجال الصحيح ا ھ وهو فی حكم المرفوع كما فی حاشية الحصن الحصين لانه لا يدرک بالرائی ۔ (ہیثمیؒ فرماتے ہیں اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اھ اور وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ حصن حصین کے حاشیہ میں ہے کیونکہ یہ رائے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا)

سورہ نور میں فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں بلکہ دعا بھی کرتی ہیں اور ہر ایک کو اپنی اپنی تسبیح اور اپنی اپنی دعا کا طریقہ معلوم ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عالم کے لئے آسمانوں والے اور زمین والے استغفار کرتے ہیں اور مچھلیاں بھی پانی میں اس کے لئے استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴)

صحیح بخاری (ص ۵۰۷) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تم یہودیوں سے جنگ کرو گے اور تمہیں ان پر غلبہ دے دیا جائے گا پتھر بھی یوں کہیں گے کہ اے مسلمان یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے تو اسے قتل کر دے البتہ غرقد کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔

اور استوانہ حنانہ کا قصہ تو معروف ہی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دینے کے لئے تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنا جس کے پاس کھڑے ہو کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے بچے کی طرح رونے لگا آپ منبر سے اترے اور اسے چمٹایا تو وہ بچہ کی طرح روں روں کرنے لگا جیسے بچہ چپکا کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس وجہ سے رویا کہ اس کے پاس جو اللہ کا ذکر کیا جاتا تھا اسے سنتا تھا (صحیح بخاری ص ۵۰۶) ان آیات اور روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہم جن چیزوں کو غیر ذی روح سمجھتے ہیں اللہ کی تسبیح میں اور دعا میں ان کی مشغولیت رہتی ہے' یہ چیزیں ذکر اللہ سے مانوس ہوتی ہیں اہل علم کے لئے استغفار کرتی ہیں اور دشمنان اسلام کے کسی جگہ چھپ جانے کی خبر دینا بھی ان کے اعمال میں شامل ہے۔

قال القرطبی فی تفسيره (ج ۱۰ ص ۲۶۸) فالصحيح ان الكل يسبح للاخبار الدالة على ذلک ولو كان ذلک التسبيح تسبيح دلالة فای تخصيص لداود وانما ذلک تسبيح المقال بخلق الحياة والانطاق بالتسبيح كما ذكرنا وقد نصت السنة على مادل عليه ظاهر القرآن من تسبيح كل شئ فالقول به اولى والله اعلم. قلت لكن بقی الاشكال ان الملحدين لا يسبحون باللسان فلا يوجد منهم التسبيح المقالی ووجه الجواب اما بما ذكرنا من قبل واما تخصيصهم من العموم او تعميم التسبيح فيشمل الحالی والمقالی. ولعل الاولى فيه ان يلتزم حمل التسبيح على ما هو الاعم من الحالی والمقالی واجيب بان استثنا اولئک معلوم بقرينة السباق واللحاق. (علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ سب چیزیں تسبیح کرتی تھیں۔ ان روایات کی وجہ سے جو اس پر دلالت کرتی ہیں اگر یہ دلالت حال کی تسبیح ہوتی تو اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کون سی تخصیص ہے۔ یہ تو بول کر پڑھی جانے والی تسبیح تھی جو ان میں حیات اور تسبیح کرنے کی طاقت پیدا کرنے کے ذریعہ تھی۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ حدیث کی دلالت اسی پر ہے۔ جس پر ظاہر قرآن دلالت کرتا ہے یعنی ہر شے کی تسبیح لہٰذا اسی کا قائل ہونا

اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم) میں کہتا ہوں لیکن یہ اشکال ابھی باقی ہے کہ ملحد لوگ زبان سے تسبیح نہیں کرتے لہٰذا زبانی تسبیح ان سے تو نہ پائی گئی تو اس کا جواب یا تو وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یا اس طرح ہے کہ وہ اس عموم سے مخصوص ہیں یا اس طرح ہے کہ یہاں عام تسبیح مراد ہے جو حالی تسبیح کو بھی شامل ہے اور زبانی تسبیح کو بھی۔ شاید اس بارے میں زیادہ بہتر یہی ہے کہ تسبیح کو اسی صورت پر محمول کیا جائے جو حالی و مقالی دونوں کو شامل ہے اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا استثناء تو سیاق و سباق کے قرینہ سے معلوم ہے)

آیت کے ختم پر فرمایا اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے) اس میں مشرکین کے اس سوال کا جواب ہے کہ ہم غلط راہ پر ہیں تو ہم کو سزا کیوں نہیں مل جاتی' اللہ تعالیٰ حلیم بردبار ہے وہ سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا حکمت کے مطابق جب چاہے گا دنیا میں بھی سزا دے گا اور آخرت کی سزا تو مشرکین کے لئے لازم ہی ہے' وہ غفور بھی ہے اگر شرک سے توبہ کر کے اس کا بھیجا ہوا دین قبول کر لو گے تو وہ سب معاف فرما دے گا۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں

مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا

اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں' اور ہم ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں' اور جب

ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پشت پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں' جس وقت وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ہم خوب جانتے

يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ

ہیں کہ وہ کس غرض سے کان لگائے ہوئے ہیں' جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں ہمیں اس کا بھی خوب علم ہے' جبکہ ظالم لوگ یوں کہتے ہیں کہ تم

اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

لوگ بس ایک ایسے شخص کا اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے' دیکھ لیجئے آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے سو راہ پا نہیں

سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

ہو سکتے۔

جو لوگ آخرت کے منکر ہیں ان کے دلوں پر پردہ اور کانوں میں ڈاٹ ہے قرآن کو بدنیتی سے سنتے ہیں اور آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان پر جادو کر دیا گیا

تفسیر : مشرکین مکہ جو توحید و رسالت اور آخرت کے منکر تھے اور قرآن کو سن کر نہ تدبر کرتے تھے اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیتے

ہیں اس پردہ کی وجہ سے وہ آپ کی باتوں کو اور آپ کے مرتبہ کو سمجھ نہیں پاتے اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں (جب کوئی شخص بہرے پن کی وجہ سے بات نہیں سن پاتا تو کہتے ہیں کہ یہ ثقل سماعت کا مریض ہے اور اس کا بامحاورہ ترجمہ یہ لکھا گیا کہ ہم ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں)

جب انسان بار بار کی یاددہانی پر توجہ نہیں دیتا کھلی کھلی آیت اور واضح معجزات سامنے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق سننے اور سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے اس کو سورۃ صف میں فرمایا فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (سو جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا ہی کر دیا) دنیا میں جو شخص اپنے لئے ہدایت کو اختیار کرے گا اس کی اسی پر مدد کی جائے گی اور اسی کے مطابق اس کے لئے اسی کی طرف سے آسانی فراہم ہوتی رہے گی اور جو شخص اپنے لئے گمراہی کو اختیار کریگا اس کے لئے گمراہی کے راستے کھلتے رہیں گے اور آخرت میں ہر شخص اپنے عقائد و اعمال کے اعتبار سے جنت یا دوزخ میں چلا جائیگا۔

قال صاحب الروح قوله تعالیٰ مَسْتُوْرًا ای ذاستر و عن الاخفش انه بمعنی ساتر او مستورا عن الحس علی ظاهره ویکون بیانا لانه حجاب معنوی لا حسی وقوله تعالیٰ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ هو مفعول له ای کراهة ان یقفوا علی کنهه ویعرفوا انه من عند الله تعالیٰ انتهی بحذف۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول مستوراً کا مطلب ہے رکاوٹ والا اور اخفش سے مروی ہے کہ مستور، ساتر کے معنی میں ہے یا اس کا مطلب ہے جو ظاہراً حس سے چھپا ہوا ہو تب یہ حجاباً کا بیان ہوگا کیونکہ یہ معنوی حجاب ہے نہ کہ حسی اور اللہ تعالیٰ کا قول ان یفقهوه یہ اس کا مفعول له ہے یعنی اس وجہ سے کہ کہیں وہ اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو جائیں اور وہ جانیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پشت پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں) مشرکین کا طریقہ تھا کہ جب قسم کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ بتوں کی قسم بھی کھا لیتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے لیکن ساتھ ہی ان کے دل بتوں کی عظمت سے بھی لبریز تھے اور زیادہ تر بتوں ہی کا تذکرہ کرتے تھے۔ کبھی بڑی مصیبت میں گھر گئے تو اللہ تعالیٰ کو بھی یاد کر لیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے توحید کی دعوت رکھی تو انہیں یہ بہت ناگوار ہوا آپ جب قرآن مجید تلاوت فرماتے اور یہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وحدہٗ لاشریک کا ذکر سنتے تو نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے تھے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ (الآیۃ) اور جب قرآن سننے لگتے تھے تو اس کو سمجھنے اور اس کی دعوت پر کان دھرنے کے لئے اور قبول کرنے کے لئے نہیں سنتے تھے۔ بلکہ قرآن کی آواز کو دبانے کے لئے بیہودہ باتیں کرتے تھے اور قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کا مذاق بناتے تھے اور آپس میں چپکے چپکے تکذیب کرتے جاتے تھے یعنی قرآن کو جھٹلاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ تم تو بس ایسے آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا ہوا ہے یعنی اگر تم نے ان کا اتباع کر لیا تو مسحور آدمی کا اتباع کرو گے۔

قال صاحب الروح ای ماتتبعون ان وجد منکم الاتباع فرضا ان لوگوں کی یہ بات نقل کر کے کہ وہ آپ کو مسحور بتاتے ہیں ارشاد فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کے لئے کیسے کیسے

القاب تجویز کرتے ہیں کبھی ساحر کبھی شاعر کبھی مسحور کہتے ہیں اور کبھی مجنون بتاتے ہیں فَضَلُّوْا (لہٰذا وہ گمراہ ہوگئے راہ حق سے بھٹک گئے) فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا (سو یہ لوگ راہ یاب نہیں ہونگے) کیونکہ قبولیت کی استعداد ضائع کر چکے ہیں۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً

اور انہوں نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو نئی پیدائش کی صورت میں اٹھائے جائیں گے آپ فرما دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ

اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِىْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِىْ

یا لوہا یا کوئی دوسری مخلوق اس مخلوق میں سے جو بن جاؤ جو تمہارے سینوں میں بڑی معلوم ہوتی ہو اس پر وہ کہیں گے کہ وہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ زندہ کریگا۔ آپ فرما دیجئے وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا

فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى

وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا' اس پر وہ آپ کی طرف اپنے سروں کو ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا؟ آپ فرما دیجئے

اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾

کہ وہ عنقریب ہو جانے ہی والا ہے۔ جس دن تمہیں بلائے گا سو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرلو گے۔ اور یوں خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے

منکرین بعث کا تعجب کہ ریزہ ریزہ ہو کر کیسے زندہ ہوں گے' ان کے تعجب کا جواب کہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا

تفسیر: گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکار وحی کا تذکرہ تھا اور ان آیات میں ان کے انکار بعث کا تذکرہ ہے جب کفار کے سامنے قیامت قائم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہونے اور پیشی اور حساب قائم ہونے کی بات سامنے آئی تو اس کی تکذیب کرنے لگے اور طرح طرح سے حجتیں نکالنے لگے انہوں نے کٹ حجتی کرتے ہوئے یوں بھی کہا کہ جب قبروں میں صرف ہڈیاں ہی رہ جائیں گی اور چورا چورا ہو چکی ہونگی تو کیا ہم دوبارہ نئے سرے سے زندہ ہونگے اور قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی' ان کی یہ بات اوپر وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا میں ذکر فرمائی اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی بھی ایسی چیز بن جاؤ جس میں تمہارے نزدیک زندگی آ جانا بہت ہی بعید ہو کچھ بھی بن جاؤ موت کے بعد ضرور اٹھائے جاؤ گے ہڈیاں تو پھر بھی پہلے باحیات تھیں جسے تسلیم کرتے ہو پتھر اور لوہے میں تو تمہارے نزدیک حیات بالکل ہی نہیں اور نہ انہیں قابل حیات سمجھتے ہیں تم یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب چیزوں میں زندگی آ سکتی ہے فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا مذکورہ چیزوں کے زندہ ہونے کی قابلیت کی بات سن کر وہ کہیں گے کہ ہمیں دوبارہ کون زندہ کریگا اس کے جواب میں فرمادیا قُلِ الَّذِىْ

فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (آپ فرما دیجئے کہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا وہی دوبارہ زندہ فرمادیگا) اس نے تمہیں منی کے نطفہ سے پیدا فرمایا تھا جسے تم مانتے ہو تو اب اس کی قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو جس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا وہ دوباہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے بلکہ انسانوں کی سمجھ کے اعتبار سے سوچا جائے تو دوبارہ پیدا فرمانا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے آسان ہونا چاہئے یہ کیسی بھونڈی سمجھ کی بات کرتے ہو کہ جس نے پہلے پیدا فرمایا وہ دوبارہ پیدا نہ کر سکے قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِیْ يَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (سورۃ الروم)

سورہ یٰسٓ شریف میں فرمایا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِیَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِيْمٌ (اور انسان نے ہماری شان میں مثال بیان کردی اور اپنی شان مخلوقیت کو بھول گیا وہ کہنے لگا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا جب کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہونگی) اس کے جواب میں فرمایا قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (آپ فرما دیجئے کہ انہیں وہی زندہ کریگا جس نے انہیں پہلی بار زندہ فرمایا تھا اور وہ ہر طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ابتداءً پیدا کرنے پر بھی ہے اور دوبارہ پیدا کرنے پر بھی ہے جب یہ بات سامنے آئی تو امکان وقوع کے انکار کی کوئی وجہ نہ رہی تو اب دوسری طرح انکار کرنے لگے اس کو فرمایا فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ عنقریب وہ انکار کرتے ہوئے اپنے سروں کو ہلائیں گے اور تکذیب اور استہزاء کے طور پر کہیں گے کہ اس کا وقوع کب ہوگا یعنی قیامت کب آئے گی؟ مطلب یہ ہے کہ ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی نہیں کہ دوبارہ زندہ ہونگے اور حشر نشر ہوگا اگر ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا' یہ بھی انسان کی جاہلانہ باتوں میں سے ہے کہ اگر کسی سچی خبر کے وقوع میں دیر لگ جائے تو اس دیر لگنے کو امتناع پر محمول کر لیتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ اب تک اس کا وقوع نہیں ہوا تو آئندہ کبھی بھی نہیں ہوگا' قرآن مجید میں کئی جگہ منکرین کا انکار نقل کیا ہے اور فرمایا ہے وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) سورہ سبا میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے خاص دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو) یعنی قیامت اپنے وقت پر آجائے گی دیر لگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ وہ آنی ہی نہیں۔

یہاں سورۂ اسراء میں فرمایا قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا (آپ فرما دیجئے کہ وہ عنقریب ہو جانے ہی والا ہے) یعنی وقوع قیامت میں گو بظاہر دیر لگ رہی ہے لیکن چونکہ اس کو آنا ہی ہے اس کا آنا یقینی ہے اس لئے وہ قریب ہی ہے جو گزر گیا وہ دور ہو گیا اور جو آنے والا ہے وہ قریب ہے' سورہ انعام میں فرمایا اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (بلاشبہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آنے والی ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے)

آخر میں فرمایا يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ یعنی قیامت کا وقوع اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں بلائے گا الحمد للہ کہتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے (یعنی زندہ بھی ہو گے اور میدان حشر میں بھی حاضر ہو گے اور حاضر

ہونا ہی پڑیگا) اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ کا اقرار کرتے ہوئے اللہ کی تعریف بھی بیان کرو گے صاحب روح المعانی نے عبد بن حمید سے نقل کیا ہے کہ جب قبروں سے نکلیں گے تو سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ پڑھتے ہوئے نکلیں گے اور کافروں کے منہ سے بھی یہی کلمات نکلیں گے اس وقت ان کے پڑھنے سے ان کو کوئی نفع نہ ہوگا۔

وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (اور یوں خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے ہو) یعنی تم خیال کرو گے کہ قبر میں اور دنیا میں زیادہ دن نہیں رہے قیامت کا دن جو ہولناک ہوگا وہ سابق زندگی کو بھلا دیگا اور یوں سمجھیں گے کہ بس اس سے پہلے تھوڑی سی ہی زندگی گزاری ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ

اور آپ میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہتر ہو، بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈلوا دیتا ہے، واقعی

الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ

شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے، اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمائے

اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ وَکِیْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی

یا اگر چاہے تو تم کو عذاب دے، اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا، اور آپ کا رب انہیں خوب جانتا ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی، اور ہم نے داؤد کو زبور عنایت کی

بندوں کو اچھی باتیں کرنے کا حکم، بعض انبیاء بعض انبیاء سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی

تفسیر: ان آیات میں اول تو نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے یہ حکم دیا کہ آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہو، بہتر کے عموم میں نرمی سے بات کرنا اور خیر خواہی کا طریقہ اختیار کرنا اور حکمتُ موعظت کی وہ سب صورتیں داخل ہیں جن سے مخاطب متاثر ہو سکے اور حق قبول کر سکے چونکہ زمانہ نزول قرآن میں مشرکین اور کفار سے باتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان لوگوں کی طرف سے بے تکے سوال و جواب بھی ہوتے تھے، جن میں سے اوپر کی آیتوں میں بعض باتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور اس سے مسلمانوں کو غصہ آ جانے اور اسکی وجہ سے نامناسب صورتحال پیش آ جانے کا احتمال تھا اس لئے حکم دیا کہ

تبلیغ کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کریں سختی بھی نہ ہو بدکلامی بھی نہ ہو جسے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ سے تعبیر فرمایا ہے جو سورۂ نحل کے آخری رکوع میں ہے وہاں ہم نے حکمت وموعظت کے طریقے بیان کر دیئے ہیں۔

پھر فرمایا اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ (بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے) یعنی وہ منتظر رہتا ہے کہ کب کسی بات کا بہانہ ملے اور اسے مومنین اور کافرین کے درمیان ایسے بگاڑ کا ذریعہ بنادے جس سے کافرین اور زیادہ بددل ہو جائیں اور ایمان سے مزید دور ہوتے جائیں قال صاحب الروح ای یفسد ویھیج الشر بین المومنین والمشرکین بالمخاشنة فلعل ذلک یؤدی الی تاکد العناد و تمادی الفساء ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی وہ فساد ڈالتا ہے اور مومنین ومشرکین کے درمیان شر کو ابھارتا ہے۔ شاید کہ یہ مشرکین کے عناد اور عورتوں کے اتراہٹ کو اور زیادہ مضبوط کرے)

اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے) جب اس کا یہ حال ہے تو فساد ڈالنے سے کب چوکے گا۔

پھر فرمایا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ یعنی تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تم کو عذاب دے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ مسلمان مشرکین سے یہ بات کہیں کہ ایمان کی توفیق دیکر رحم فرمانا یا کفر پر موت دیکر عذاب دینا یہ سب تمہارے رب کی مشیت کے تحت ہے یہ ایک عمومی بات کافروں اور مشرکوں سے کہی جائے تو وہ اس میں غور کریں گے اگر بالتصریح یوں کہو گے کہ تم دوزخی ہو تو ممکن ہے کہ وہ مزید دور کرنے کا ذریعہ بن جائے عام مضمون مومنین اور کافرین کے لئے ہو اس میں کوئی بعد نہیں۔

پھر فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا (اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا) صاحب روح المعانی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کا کام بات پہنچانا ہے زبردستی بات منوانا اور اسلام قبول کروانا آپ کے ذمہ نہیں۔ آپ اور آپ کے ساتھی مدارات سے کام لیں اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں انہیں برداشت کریں ثم قال صاحب الروح ھذا قبل نزول آیة السیف اہ وھذا لا یحتاج الیه فی ھذا المقام لان اللین والمداراة مرغوب فی مقام الدعوة والارشاد (پھر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ قتال والی آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا اھ اور اس مقام میں اس کی وضاحت کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ نرمی و مدارات دعوت واصلاح کے میدان میں پسندیدہ ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں اہل ایمان کو خطاب ہے کہ آپس میں میل محبت اخوت اور نرم مزاجی کے ساتھ رہیں اور شیطان کو اپنے درمیان شر و فساد داخل کرنے کا موقعہ نہ دیں (ذکرہ القرطبی ج ۱۰ ص ۲۷۷)

اس کے بعد فرمایا وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور آپ کا رب ان سب کو خوب جانتا ہے جو آسمان میں ہیں اور زمین میں ہیں) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں مشرکین کی اس بات کا جواب ہے کہ ابن ابی طالب کا یتیم تو نبی بن جائے جبکہ اس کے ساتھیوں کے بدن پر کپڑا بھی نہیں اور پیٹ میں روٹی نہیں اور رؤساء اور اکابر اور سردار (جن کے پاس دولت وثروت ہے) وہ نبوت سے محروم رہ جائیں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں سب ہماری مخلوق ہے ہمیں ان کے احوال ظاہرہ اور احوال

باطنہ سب معلوم ہیں وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرمادے اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اس نے جسے چاہا نبی بنایا اور جسے نبی بنادیا تم پراس کی اطاعت فرض ہوگئی وھذا لقولہ تعالیٰ فی سورۃ الانعام اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے) پھر فرمایا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ نبوت بھی اللہ نے جس کو چاہی عطا فرمائی اور انبیاء کرام میں جس کو جس پر چاہی فضیلت دی، فضیلتوں کی کچھ تفصیل سورہ بقرہ کی آیت کریمہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے ذیل میں گزر چکی ہے وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (ہم نے داؤد کو زبور عطا کی)

علامہ بغوی معالم التنزیل (ج ۳/۱۲۰) میں لکھتے ہیں کہ زبور ایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل تھی جو دعا اور اللہ تعالیٰ کی ثناء اور تمجید پر مشتمل تھی اس میں فرائض وحدود اور حلال وحرام کے احکام نہیں تھے اصل زبور تو اب سامنے نہیں جس کا مطالعہ کر کے اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہا جاسکے ممکن ہے کہ اس میں کچھ احکام ہوں اور اکثر کتاب دعا وثناء پر مشتمل ہو حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے اور حضرت انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام شریعت موسویہ کے پابند تھے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی ہیں انہوں نے بھی بنی اسرائیل سے یوں فرمایا وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے بعض احکام میں بحکم الٰہی تغییر کی تھی اور عام احکام ان کی شریعت میں وہی تھے جو شریعت موسویہ میں تھے اس بات کو سامنے رکھا جائے تو اس بات کے سمجھنے میں کوئی بُعد نہیں رہتا کہ زبور شریف میں احکام اور حدود وفرائض نہ ہوں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا

آپ فرما دیجئے کہ تم انہیں بلا لو جنہیں تم معبود خیال کرتے ہو سو وہ تمہاری تکلیف کو دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ

تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ

اس کے بدلنے کا، یہ لوگ جنہیں مشرکین پکار رہے ہیں اپنے رب کی طرف ذریعہ تلاش کر رہے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی

رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بلا شبہ آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے ڈرا جائے، اور کوئی بستی

اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ

ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں یہ بات

فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

کتاب میں لکھی ہوئی ہے

اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود بنا رکھے ہیں وہ کوئی ذرا سی تکلیف بھی دور نہیں کر سکتے کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہی ہلاک نہ کریں یا عذاب نہ دیں

تفسیر: مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پرستش کرتے تھے اور کرتے ہیں ان میں سے بہت سے تو بتوں کے پرستار تھے انہوں نے شیاطین کی صورتیں دیکھ کر مجسمے بنا لئے تھے اور بہت سے لوگ فرشتوں کو اور جنات کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو معبود مانتے تھے جن کی عبادت کی جاتی ہے اسے نفع کے لئے اور دفع مضرت کے لئے پکارا جاتا ہے۔

آیت بالا میں فرمایا کہ تم جن کو اللہ کے علاوہ معبود سمجھتے ہو تمہاری کوئی تکلیف دکھ درد قحط دور نہیں کر سکتے اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ تم سے ہٹا کر کسی دوسرے کو اس میں مبتلا کر دیں اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ ایک تکلیف ہٹا کر دوسری تکلیف پہنچا دیں، جنات ہوں یا فرشتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ یا کوئی بھی دیوی دیوتا ہو انہیں کسی ضرر اور شر کے دفع کرنے اور کوئی بھی نفع پہنچانے کی کچھ بھی قدرت نہیں ہے۔ نفع و ضرر پہنچانے کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

جن لوگوں کو اللہ کے سوا نفع و ضرر اور حصول منفعت کے لئے پکارتے ہو وہ تو خود اللہ کے محتاج ہیں وہ اپنے رب کی طرف قریب ہونے کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں طاعت و عبادت میں لگے رہتے ہیں اور انہیں یہ فکر رہتی ہے کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہو جائیں (اس سے قرب معنوی مراد ہے) وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں پھر جو لوگ خود ہی اپنے کو خالق جل مجدہ کا محتاج سمجھتے ہیں ان سے کیوں مانگتے ہو؟ جس ذات پاک سے وہ مانگتے ہیں اسی سے تم بھی مانگو۔

صحیح بخاری (ج ۲/ ۶۸۵) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جنات تو مسلمان ہو گئے لیکن ان کی عبادت کرنے والے برابر ان ہی کی عبادت میں لگے رہے اور اپنا دین باطل نہیں چھوڑا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بتوں کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ وہ غیر ذی روح ہیں وہ کسی کی کیا مدد کر سکتے ہیں جو بندے صاحب عقل و فہم ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہے وہ بھی کوئی دفع مضرت نہیں کر سکتے۔

کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ ... اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ حتیٰ کہ وہ اپنی جانوں کو بھی کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے

لِنَفۡسِیۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے میں اپنی جان کے لئے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے)
اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحۡذُوۡرًا (بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرا جائے) کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے علیہم السلام اور حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی راہ پر چلنے والے ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور یہ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسا ہے جس سے ڈرنا چاہئے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَیَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَیَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ سے معلوم ہوا کہ عبادت وطاعت میں مشغول ہوتے ہوئے امید اور خوف دونوں برابر ساتھ رہنے چاہئیں پھر لکھا ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ صورتحال موت کے وقت سے پہلے ہونی چاہئے اور جب موت آنے لگے تو اپنی امید کو خوف پر غالب کرلے نیز یہ بھی لکھا کہ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ عبادت کرتے ہوئے عذاب سے بچنے اور رحمت کی امید باندھنے کا جذبہ ہونا کمال عبادت کے خلاف نہیں ہے اور وہ جو بعض عابدین نے کہا ہے کہ میں جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے عبادت نہیں کرتا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں مستحق عبادت ہے اگر جنت اور دوزخ نہ ہوتے تب بھی اس کی عبادت کرنا لازم ہوتا **والحق التفصیل وھو ان من قاله اظهارا للاستغناء عن فضل الله تعالیٰ ورحمته فهو مخطئی کافر ومن قاله لا عتقاد ان الله عزوجل اهل للعبادة لذاته حتی لو لم یکن هناک جنة ولا نار لکان اهلا لان یعبد فهو محقق عارف کمالا یخفی** (اور حق یہ ہے کہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ جس نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے بے پروائی کی بنیاد پر کہی وہ خطاء کار اور کافر ہے اور جو یہ بات اس اعتقاد کی وجہ سے کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ہی عبادت کا مستحق ہے حتیٰ کہ اگر جنت وجہنم نہ ہوتی تو بھی اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے تو وہ آدمی محقق عارف ہے جیسا کہ واضح ہے) (روح المعانی ص ۱۰۰ ج ۱۵)

اس کے بعد فرمایا وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِکُوۡهَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِیۡدًا (اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کردیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں) آیت کا مفہوم ظاہر ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سی بستیاں ہلاک ہونگی یعنی ان بستیوں کے رہنے والے اپنی اپنی موت پر مر جائیں گے اور بہت سی بستیاں اسی طرح ہلاک ہوں گی کہ ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا چاہے قتل وخون سے ہلاک ہوں اور خواہ مختلف قسم کی مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا ہو کر قیامت کے دن صور پھونکے جانے سے جو ہلاکتیں ہوں گی وہ بھی اسی ذیل میں آگئیں لہٰذا یہ بات عمومی طور پر اور مجموعی حیثیت سے ثابت ہوگئی کہ کوئی بھی بستی ایسی نہیں ہے جو بلا عذاب کے یا عذاب کے ذریعے ہلاک نہ ہو کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ میں بھی یہ مضمون ہے کہ ہر جان کو موت آجانا لازم ہے موت تو سب کو آنی ہی ہے البتہ اہل کفر اہل معصیت کو بعض مرتبہ عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کردیا جاتا ہے۔

ہلاک تو ساری ہی بستیاں ہوں گی البتہ بعض بستیوں کی ہلاکت کا خصوصی تذکرہ بھی احادیث شریفہ میں آیا ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حبشہ والوں کو چھوڑے رکھو جب تک کہ وہ تمہیں چھوڑے رہیں کیونکہ کعبہ کا خزانہ حبشہ ہی کا ایک شخص نکالے گا جس کی چھوٹی چھوٹی پنڈلیاں ہوں گی (رواہ ابوداؤد باب ذکر الحبشۃ کتاب الملاحم)

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا گویا میں اس کالے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی ٹانگیں کجی کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہوں گی کہ وہ کعبہ شریف کا ایک ایک پتھر کر کے اکھاڑ رہا ہے نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بستیوں میں جو سب سے آخری بستی ویران ہوگی وہ مدینہ منورہ ہے (مشکوٰۃ المصابیح ۲۴۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ لوگ مدینہ منورہ کو بہت اچھی حالت میں چھوڑ دیں گے (اس میں کوئی بھی نہ رہے گا) اور اس میں صرف جانور اور درندے رہ جائیں گے جو رزق کی تلاش کرتے پھرتے ہونگے اور سب سے آخر میں بنی مزینہ کے دو چرواہے لائے جائیں گے وہ اپنی بکریاں لے کر چیخ رہے ہوں گے ان کا یہ سفر مدینہ کے ارادہ سے ہوگا مدینہ میں آئیں گے تو اسے خالی میدان پائیں گے یہاں تک کہ جب ثنیۃ الوداع میں پہنچیں گے تو چہرے کے بل گر پڑیں گے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ اس میں درندوں کو پائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۲)

شارح مسلم علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ آخری زمانہ میں قرب قیامت میں ہوگا پھر فرمایا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا (یہ بات کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے) یعنی یہ امر طے شدہ امور میں سے ہے اس کا وقوع ہونا ہی ہونا ہے اور اس میں تخلف نہیں ہوسکتا۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ

اور آیات بھیجنے سے ہمیں صرف یہی بات مانع ہے کہ پہلے لوگ اس کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی

مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝۵۹

جو بصیرت کا ذریعہ تھی سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں

فرمائشی معجزات ہم صرف اس لئے نہیں بھیجتے کہ سابقہ امتوں نے ان کی تکذیب کی

معالم التنزیل (ج ۳/۱۲۱) اور روح المعانی (ص ۱۰۳ ج ۱۵) بحوالہ حاکم واحمد ونسائی طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیجئے اور مکہ میں جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹا دیجئے تا کہ ہمیں کھیتی کرنے کا موقعہ مل جائے (اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں گے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی بھیجی کہ آپ چاہیں تو میں ان کو ڈھیل دے دوں اور اگر چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں پھر اگر ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کر دوں گا۔ جیسے ان سے پہلے (ایمان نہ لانے والے پر) معجزات خاصہ طلب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں ڈھیل دے

دیں۔ (ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں اور ہلاکت سے بچ جائیں) اس پر اللہ جل شانہ، نے آیت بالا نازل فرمائی اور یہ بتا دیا کہ یہ لوگ جو فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں ایسے معجزات ظاہر کرنے پر قدرت ہے لیکن اس لئے ظاہر نہیں کرتے کہ جیسے پہلی امتوں نے فرمائشی معجزے طلب کئے پھر وہ ظہور میں آ گئے تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور ہلاک کر دیئے گئے اگر اس امت کے سامنے بھی فرمائشی معجزات ظاہر کر دیئے جائیں پھر ایمان نہ لائیں تو تکوینی قانون کے مطابق یہ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جیسا کہ سابقہ امتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے (جو معجزات اب تک ظاہر ہو چکے ہیں طالب حق کے لئے وہ کافی ہیں) اور یہ امت محمدیہ علیہ ﷺ پر مہربانی ہے کہ ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کئے جاتے تاکہ تکذیب کے جرم میں جلدی ہلاک نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد بطور مثال قوم ثمود کی اونٹنی کا تذکرہ فرمایا وَ اٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت کا ذریعہ تھی سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا) قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے تو ہم ایمان لے آئیں گے جب ان کی فرمائش کے مطابق پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور انہیں بتا دیا گیا کہ ایک دن یہ پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پانی پئیں گے تو ان لوگوں نے اس اونٹنی پر ظلم کیا اور اسے قتل کر ڈالا لہٰذا ان پر عذاب آ گیا اور ہلاک کر دیئے گئے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جب ان کی فرمائش پوری کر دی گئی اور پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی تو فوراً ایمان لے آتے، چونکہ ثمود عرب ہی میں سے تھے اور ان کے مکانات (جو انہوں نے پہاڑوں میں بنا رکھے تھے) ملک شام کو جاتے ہوئے قریش مکہ کی نظروں کے سامنے آتے رہتے تھے اس لئے فرمائشی معجزہ طلب کر کے ہلاک ہونے والوں کی مثال میں ان کا تذکرہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا (اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں) یعنی فرمائشی معجزات جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوئے ہیں ان کا مقصود ڈرانا تھا کہ دیکھو معجزہ ظاہر ہو گا اور فرمائش کرنے والے ایمان نہ لائیں گے تو ہلاک کر دیئے جائیں گے چنانچہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور ہلاک کر دیئے جاتے تھے اور چونکہ اس امت کے ساتھ ایسا نہیں کرنا اس لئے ان کی فرمائش کے مطابق معجزات ظاہر نہیں کئے جاتے قال صاحب الروح (ج ۵/۱۰۴) والمراد بها اما المقترحة فالتخویف بالاستئصال لا نذارها به فی عادة الله تعالیٰ ای ما نرسلها الا تخویفا من العذاب المستاصل کالطلیعة له فان لم یخافوا فعل بهم ما فعل۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس سے مراد یا تو عذاب ہے تو اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ان کو ہلاکت سے ڈراتے ہیں یعنی ہم اسے نہیں بھیجتے مگر ہلاک کر دینے والے عذاب سے ڈرانے کے لئے اور اگر وہ نہ ڈرے تو ان کے ساتھ ہو گا جو ہو گا)

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آخری جملہ سے یہ عام چیزیں مراد ہیں جو کبھی کبھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں جیسے چاند اور سورج کا گرہن ہونا اور گرج اور بجلی کا ظاہر ہونا اور آندھیوں کا آنا اور زلزلوں کا پیش آ جانا وغیرہ وغیرہ، ان حضرات کے قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ عام طور سے جو ہم نشانیاں بھیجتے ہیں ان کا مقصود ڈرانا ہی ہوتا ہے لوگ ان سے عبرت حاصل کریں اور حق قبول کریں اور حق پر جمے رہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً

اور جب ہم نے آپ سے کہا بلاشبہ آپ کا رب سب لوگوں کو محیط ہے اور ہم نے جو دکھلاوا آپ کو دکھلایا اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون بتایا

لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾

یہ دونوں چیزیں صرف اس لئے تھیں کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالا جائے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں یہ ڈرانا ان کی سرکشی میں اضافہ ہی کرتا ہے

آپ کے رب کا علم سب کو محیط ہے' آپ کی رؤیا اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لئے فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں

تفسیر: اس آیت میں اول تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ آپ وہ وقت یاد کریں جب ہم نے آپ کو یہ بتایا کہ آپ کا رب اپنے علم کے اعتبار سے سب لوگوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے اسے سب احوال ظاہرہ و باطنہ' گزشتہ موجودہ اور آئندہ سب کا علم ہے انہیں احوال میں سے یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ ایمان نہ لائیں گے اور بہت سے لوگ ایمان لا کر بعض آزمائش کی باتوں میں مبتلا ہو کر ایمان پر جمنے کی بجائے ایمان سے پھر جائیں گے۔

اس کے بعد یوں فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو عجیب چیزیں دکھائیں اور قرآن میں جو ایک ملعون درخت کا ذکر کیا یہ دونوں چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لئے ہیں کہ ان کو سن کر کون ایمان قبول کرتا ہے اور کون کفر ہی پر جما رہتا ہے اور کون ایمان قبول کرنے کے بعد کفر میں واپس چلا جاتا ہے۔

لفظ رؤیا عربی زبان میں رئای سیری سے فُعْلٰی کا وزن ہے یہ صیغہ عام طور سے خواب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور بعض مرتبہ بیداری میں دیکھنے کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے۔ آیت بالا میں جو لفظ رؤیا آیا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے اور اَلشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ سے زقوم کا درخت مراد ہے (صحیح بخاری ج ۲)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں معراج ہوئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہوئیں البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے راستے میں قریش کا ایک قافلہ بھی ملا جب آپ نے صبح کو اپنے سفر کا تذکرہ فرمایا اور سفر کے مرئیات اور مشاہدات بیان فرمائے تو بعض وہ لوگ جو ایمان قبول کر چکے تھے مرتد ہو گئے اور قریش مکہ کو بڑا تحیر ہوا کہ ایک رات میں کوئی شخص اتنی دور جا کر کیسے واپس آ سکتا ہے لہٰذا انہوں نے تکذیب کر دی پھر بیت المقدس کی نشانیاں آپ سے معلوم کرنے اور شافی جواب

ملنے اور تجارتی قافلہ کے واپس پہنچنے سے جس کے آنے کی آپ نے خبر دی تھی قریش کا منہ بند ہو گیا لیکن جن کی قسمت میں ایمان چھوڑنا تھا انہوں نے ایمان چھوڑ دیا معراج کی رات کی جو باتیں آپ نے بیان فرمائیں بلاشبہ وہ فتنہ تھیں یعنی ان میں آزمائش تھی جو بعض لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب بھی بن گئی (بعض افراد نے لفظ فتنہ کو یہاں گمراہی کے معنی میں لیا ہے)

اور اَلشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ سے زقوم کا درخت مراد ہے جو دوزخیوں کی غذا ہوگی جس کا ذکر سورۂ صف میں بھی ہے اور سورہ واقعہ میں بھی سورۂ صٰفّٰت میں فرمایا ہے کہ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ (بے شک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لئے سبب امتحان بنایا) یہ درخت دوزخیوں کو کھانے کو ملے گا اور بھوک کی وجہ سے باوجود ناگواری کے پیٹ بھر کر کھائیں گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی پئیں گے جیسا کہ سورۂ واقعہ میں بیان فرمایا ہے یہ درخت صورت میں سانپوں کے پھنوں کی طرح ہوگا اور دوزخ کی تہہ سے نکلے گا (کما فی سورۃ صٰفّٰت) اور بدمزہ اس قدر ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والوں کی روزی بگاڑ کر رکھ دے (مشکوٰۃ المصابیح ۵۰۳)

جب رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کا تذکرہ فرمایا تو قریش مکہ مذاق اڑانے لگے ابو جہل نے کہا کہ ان کو دیکھو یہ کہتے ہیں کہ تم دوزخ میں ڈالے جاؤ گے اور کہتے ہیں کہ اس میں ایسی آگ ہوگی جو پتھروں کو جلا دے گی پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں سے درخت بھی نکلے گا درخت کو تو آگ جلا دیتی ہے وہاں درخت کیسے ہوگا؟ وہاں عبداللہ بن زبعری بھی تھا جو اس وقت مشرک تھا اس نے کہا کہ محمد ﷺ ہمیں زقوم سے ڈراتے ہیں ہمارے نزدیک تو زقوم یہی مکھن اور کھجور ہے، ابو جہل کہنے لگا کہ اے لونڈی ہمیں زقوم کھلا دے وہ مکھن اور کھجوریں لے آئی تو کہنے لگا آؤ لوگو! زقوم کھالو جس سے محمد ﷺ تم کو ڈرا رہے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زقوم کی کیفیت سورۂ صٰفّٰت میں بیان فرمائی (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۳/۱۲۲)

زقوم کے درخت کو جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے دوزخیوں کے عذاب کے ذیل میں فرمایا تھا اسے مشرکین نے کھجور اور مکھن پر محمول کر لیا اور مذاق بنائی۔ جس سے مزید کفر میں ترقی کر گئے لہٰذا واقعہ معراج کی طرح زقوم کا تذکرہ بھی لوگوں کے لئے موجب فتنہ بن گیا۔

درخت زقوم کو جو ملعونہ فرمایا اس کے بارے میں علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ اہل عرب کھانے کی ہر مکروہ چیز کو طعام ملعون کہتے تھے لہٰذا زقوم کو شجر ملعونہ فرما دیا۔

آخر میں فرمایا وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (یعنی ہم ان کو ڈراتے ہیں آخرت کے عذاب کی خبریں سناتے ہیں لیکن وہ الٹا اثر لیتے ہیں اور ان کی سرکشی اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہیں کیا وہ کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے آپ نے کیچڑ سے بنایا ہے

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ

اس نے کہا کہ آپ ہی بتایئے یہ جسے آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدی تو میں

ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً

تھوڑے سے افراد کے علاوہ اس کی پوری ذریت کو اپنے قابو میں کرلونگا' فرمایا جا ان میں سے جو کوئی شخص تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے جو

مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ

پوری سزا ہو گی' اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی پکار سے ان کے قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار

وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا

اور پیادے چڑھالانا اور ان کے اموال اور اولاد میں اپنا ساجھا کرلینا اور ان سے وعدے کرنا' اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ صرف

غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

دھوکہ ہی ہوتے ہیں' بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا زور نہ چلے گا اور آپ کا رب کارساز ہونے کے لئے کافی ہے

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم سننے پر ابلیس کا جواب دینا کیا میں اسے سجدہ کروں جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؟ پھر بنی آدم کو بہکانے کا عزم ظاہر کرنا' اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ جن پر تیرا قابو چل سکے ان پر قابو کرلینا

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہ نے جنات کو انسان سے پہلے پیدا فرمایا تھا جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اور آدم کو (جو سارے انسانوں کے باپ ہیں) مٹی سے پیدا فرمایا ابلیس جنات میں سے تھا یہ عالم بالا میں فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور عبادت الٰہی اس کا شغل تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آدم علیہ السلام میں روح ڈالنے کے بعد تمام فرشتوں کو اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں (یہ سجدہ تعظیمی تھا جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں منسوخ ہے) حکم سن کر سارے فرشتوں نے تو آدم کو سجدہ کرلیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا جب اللہ تعالیٰ شانہ نے سوال فرمایا مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (کہ تجھے سجدہ سے کیا چیز مانع تھی جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا) اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتادیا اور اعتراض کر بیٹھا' کہنے لگا کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا میں اس سے افضل ہوں آپ نے اسے مجھ پر فضیلت دیدی اسے مسجود بنادیا اور مجھے حکم دیدیا کہ میں اسے سجدہ کروں افضل اپنے سے کمتر کو سجدہ کیوں کرے آپ کا یہ حکم دینا ہی حکمت کے خلاف ہے ابلیس کی حکم عدولی بے ادبی اور بدتمیزی کی وجہ سے اسے اللہ نے ملعون قرار دیدیا اور عالم بالا

سے ذلت کے ساتھ نکالا گیا (جسکی تفصیل سورہ اعراف رکوع ۲ میں اور سورہ ص رکوع ۵ میں مذکور ہے)

جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے اول تو قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت طلب کی اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ایک وقت معلوم کے دن تک مہلت دیدی اب تو وہ اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہوں (یہ تفصیل سورۃ ص میں ہے) یہاں سورہ بنی اسرائیل میں یوں ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو حکمت کے خلاف بتانے کے بعد یوں کہا لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا (آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدی تو میں اس کی ساری ذریت کو بجز تھوڑے سے افراد کے اپنے قابو میں کرلوں گا) یہ وہی تھوڑے سے افراد ہیں جن کا استثناء سورہ حجر اور سورۃ ص میں مذکور ہے ابلیس نے اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کہہ کر ان کا استثناء کر دیا تھا اس نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو گمراہ کرنے سے اسی وقت ہار مان لی تھی جب اس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی ابلیس کو یہ معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق جو پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں خلافت دینے کے لئے وجود بخشا ہے لہٰذا ان میں ایسے افراد ضرور ہونگے جو کار خلافت سنبھالیں گے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہونگے۔

جب شیطان نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھالی تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جا اپنی کوششیں کر لینا جو لوگ تیرے پیچھے لگیں گے وہ اور تو سب کو جہنم میں داخل کر دوں گا سورۃ صٓ میں فرمایا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ (یہ بات ضروری ہے کہ تو اور تیرے پیچھے چلنے والے سب کو دوزخ میں بھر دوں گا) اور یہاں سورہ اسراء میں فرمایا فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (تو اور جو لوگ تیرا اتباع کریں سب کی سزا جہنم ہے یہ جزا پوری اور بھرپور ہوگی)

اللہ جل شانہٗ نے مزید فرمایا وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِکَ وَرَجِلِکَ کہ تجھ سے جو کچھ ہو سکے اپنی کوشش کر لینا ان کے بہکانے اور ورغلانے کے لئے آواز لگانا ان پر سوار اور پیادے چڑھا کر لے آنا (یہ عرب کا محاورہ تھا جب کسی پر پوری قوت کے ساتھ کوئی شخص حملہ آور ہوتا تو کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنے سوار اور پیادے لیکر چڑھائی کر دی) تفسیر قرطبی میں اولی تو یہ معنی لکھا ہے اجمع علیهم کلما تقدر علیهم من مکائدک یعنی جتنے بھی فریب اور مکر تجھ سے ہو سکیں سب کو اختیار کر لینا اور پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جو بھی گھوڑے اللہ کی معصیت میں چلیں اور جو بھی کوئی قدم اللہ کی نافرمانی میں اٹھے اور جو بھی حرام مال مل جائے اور جو بھی حرام کی اولاد ہو سب شیطانی چیزیں ہیں۔

قال الراغب فی مفرداته قوله تعالیٰ (لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا) یجوز ان یکون من قولهم حنکت الدابة اصبت حنکها باللجام والرسن فیکون نحو قولک لا لجمن فلانا ولا رسننه ویجوز ان یکون من قولهم احتنک الجراد الارض ای استولی بحنکه علیها فاکلها واستاصلها فیکون معناه علیهم استیلائه علی ذلک۔ (امام راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حنکت الدابۃ سے ہو کہ میں نے اسے لگام و رسی سے باندھ لیا تو پھر یہ لالجمن فلانا ولا رسننه کی طرح ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احتنک الجراد الارض سے ہو یعنی وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس پر چھا گئی اسے کھایا اور ختم کر دیا تب اس کا معنی ہوگا اس کا ان پر غالب آجانا)

فی روح المعانی واستفززای واستخف یقال استفزہ اذا استخفہ فخدعہ واوقعہ فیما ارادہ منہ اھ وفی تفسیر القرطبی واستفززای استزل واستخف واصلہ القطع والمعنی استزلہ بقطعک ایاہ عن الحق۔ (روح المعانی میں ہے واستفزز یعنی واستخف کہاجاتا ہے استفزہ جب کہ اسے حقیر سمجھ کر اسے دھوکا دیا ہو اور اسے اس میں مبتلا کر دیا ہو جو اس کی اس سے غرض ہو۔ اور تفسیر قرطبی میں ہے واستفزز یعنی پھسلا اور ہلکا سمجھو اس کا اصل معنی ہے کاٹنا اور استزلہ کا معنی ہے اسے حق سے کاٹنا)

علامہ قرطبی اپنی تفسیر (ج۱/۲۸۸) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ہر وہ آواز جو اللہ کی نافرمانی کی طرف بلائے وہ سب شیطان کی آواز ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گانا بجانا اور گانے بجانے کی آوازیں یہ سب شیطان کی آوازیں ہیں لوگوں کو بہکانے اور ورغلانے اور راہ حق سے ہٹانے اور نماز و ذکر سے غافل کرنے کے طریقے جو شیطان اختیار کرتا ہے ان میں گانا بجانا بھی ہے جن لوگوں کو شیطانی کام پسند ہوتے ہیں ان کو گانے بجانے سے بہت محبت ہوتی ہے اور شیطانی کاموں میں ایسی چیزوں کی بہتات ہوتی ہے ہندوؤں کے مندروں اور عیسائیوں کے گرجوں میں گانا بجانے کی چیزوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے جب کوئی مداری تماشا دکھاتا ہے تو گانے بجانے سے شروع کرتا ہے سینماؤں میں اور ٹی وی پر اور ریڈیو پر گانے بجانے کے پروگرام آتے رہتے ہیں لوگ ان سے بہت خوش ہیں بچے بوڑھے جوان سب ہی گانے بجانے کے دلدادہ بن جاتے ہیں۔

بہت سے لوگ راتوں رات جاگتے ہیں اور قوالی سنتے ہیں جس میں ہارمونیم وغیرہ استعمال ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یوں کہتے ہیں کہ قوالی کی محفل میں شریک ہونا ثواب ہے کیونکہ اس میں نعتیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں خدارا انصاف کریں کہ یہ راتوں کا جاگنا (پھر صبح کو فجر کی نماز ضائع کر دینا) نعت نبیؐ سننے کے لئے ہے یا نفس کو ساز اور ہارمونیم کے ذریعے حرام غذا دینے کے لئے اور شیطان کو خوش کرنے کے لئے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے امرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیہ (مشکوٰۃ المصابیح ص۳۱۸) یعنی میرے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔

کیسی نادانی کی بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ جن چیزوں کے مٹانے کے لئے تشریف لائے ان ہی چیزوں کو حضور اقدس ﷺ کی نعت سننے کے لئے استعمال کرتے ہیں پھر اوپر سے ثواب کی امید بھی رکھتے ہیں نفس و شیطان نے ایسا غلبہ پایا ہے کہ قرآن و حدیث بتانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔

مزید فرمایا وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ (اور ان کے اموال میں شریک ہو جا) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تو بنی آدم کو اس پر ابھارنا کہ وہ حرام مال کمائیں اور حرام مواقع میں یعنی اللہ کی نافرمانیوں میں مال خرچ کریں اور اگر حلال مال کما لیں تو اسے اللہ کی نافرمانی میں خرچ کر دیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی باتیں سمجھانا کہ وہ تیرے کہنے کے مطابق اپنے اموال میں تحریم اور تحلیل اختیار کریں جیسے مشرکین عرب نے مویشیوں میں بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے رکھا تھا اور بعض جانوروں کو اپنے باطل معبودوں کے نام پر ذبح کرتے تھے چونکہ شیطان کی تلقین اور تعلیم سے ایسا کرتے تھے اس لئے یہ سب مال شیطان کے حساب میں لگ گیا اور وہ ان مالوں میں ساجھی ہو گا۔

وَالْاَوْلَادِ (یعنی تو ان کی اولاد میں شریک ہو جانا) اولاد میں شریک ہونے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو باتیں منقول ہیں ایک تو یہ کہ وہ تیرے کہنے سے اپنی اولاد کو قتل کریں گے اور اولاد کے بارے میں ایسے ایسے اعمال کریں گے جو اللہ کی شریعت میں معاصی میں شمار ہونگے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے عبدالحارث عبدالعزیٰ عبداللات اور عبدالشمس وغیرہ نام رکھنا مراد ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ تو بنی آدم کی اولاد کو شرک اور کفر پر ڈال دینا یعنی ماں باپ کو ایسی باتیں سمجھانا کہ وہ اپنی اولاد کو کفر سمجھائیں اور پڑھائیں اور اس پر جمائیں۔ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا کہ جب کوئی شخص عورت سے جماع کرنے لگے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو جن اس کے عضو خاص کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کرتا ہے (اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اس میں شیطان کی شرکت ہو جائیگی کیونکہ انسانی مرد کے نطفے کے ساتھ اس کا نطفہ بھی رحم میں چلا گیا) یہ اقوال علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں نقل کئے ہیں (ج ۲/۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے سوال فرمایا کیا تمہارے اندر مغربون دیکھے گئے ہیں میں نے عرض کیا مغربون کون ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن میں جنات شریک ہو جاتے ہیں شریک ہونے کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں ایک اور مطلب بھی لکھا ہے کہ شیاطین انسانوں کو زنا کرنے کا حکم دیتے ہیں پھر اس زنا سے جو اولاد ہوتی ہے وہ چونکہ حرامی ہوتی ہے اسکا وجود اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے یوں ہی ہوتا ہے کہ وہ زنا پر ابھارتا ہے اس لئے اس اولاد میں اس کی شرکت ہوگی (مرقاۃ ج ۸/۳۶۷)

آکام المرجان ج ۱/۷۷ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مخنث (پیدائشی ہیجڑے) جنات کی اولاد ہوتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ یہ کس طرح ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حالت حیض میں جماع کرنے سے منع فرمایا ہے سو اگر کوئی شخص حالت حیض میں جماع کرلے تو اس سے پہلے شیطان جماع کر لیتا ہے پھر اس سے جو حمل ہو جاتا ہے اس سے مخنث پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے (یعنی جماع کرنا چاہے) اور اس سے پہلے یہ پڑھے بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا (میں اللہ کا نام لیکر یہ کام کرتا ہوں اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو دے اس سے (بھی) شیطان کو دور رکھ) تو اس دعا کے پڑھ لینے کے بعد اس وقت کی ہمبستری سے جو اولاد پیدا ہوگی شیطان اسے کبھی ضرر نہ پہنچا سکے گا (بخاری و مسلم)

یہ جو فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا دعا پڑھ لی جائے اور اس وقت کا جماع حمل قرار ہونے کا ذریعہ بن جائے تو اس سے جو اولاد پیدا ہوگی اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے سکے گا حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں ان میں سے

ایک مطلب یہ ہے کہ بچہ مرگی سے اور دیوانگی سے محفوظ رہے گا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ شیطان اس نومولود کے دین پر حملہ نہ کر سکے گا اس کی زندگی مسلمانوں والی ہوگی اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

پھر فرمایا وَعِدْهُمْ یہ بھی ابلیس کو خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو بنی آدم سے وعدے کرنا مثلاً یہ بتانا کہ باطل معبود سفارش کر دیں گے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کئے بغیر نسب سے کام چل جائے گا اور یہ کہ کافر مشرک کا داخلہ دوزخ ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا اور یہ کہ دنیا کی زندگی بہت بڑی ہے اس میں لگے رہو بڑھاپے میں اعمال صالحہ کو دیکھا جائے گا اور یہ کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا نہیں ہے (وغیرہ وغیرہ) ضروری نہیں کہ شیطان سب سے ایک ہی قسم کے وعدے کرتا ہو جس طرح موقعہ دیکھتا ہے الگ الگ وعدے کرتا ہے امیدیں دلاتا ہے اور راہ حق سے ہٹاتا ہے کافروں کے بہکانے اور کفر پر جمائے رکھنے کے طریقے اور ہیں اور اہل ایمان کو ایمان سے ہٹانے اور فرائض و واجبات سے غافل رکھنے اور اعمال صالحہ سے دور رکھنے کے طریقے دوسرے ہیں۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا ابھی سلسلہ خطاب جاری ہے یہ جملہ معترضہ ہے مطلب یہ کہ بنی آدم سے شیطان جو بھی وعدے کرتا ہے اس کے یہ سب وعدے صرف دھوکے کے وعدے ہیں بنی آدم اس کی طرف سے چوکنے رہیں۔

پھر فرمایا کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ یہ بھی ابلیس کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ تو بنی آدم کو بہکانے ورغلانے اور راہ حق سے ہٹانے کی وہ سب تدبیریں کر لینا جو تو کر سکتا ہے لیکن تجھے ایسا کوئی اختیار نہیں دیا جا رہا ہے کہ تو انسانوں کو اپنی قوت سے مجبور کر کے کوئی کام کرا لے تیری ساری تدبیروں اور شرارتوں کے باوجود وہ سب اپنے عمل میں مختار رہیں گے (اور اسی اختیار کی وجہ سے ان کا مواخذہ ہوگا) سورۂ حجر میں فرمایا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہوگا سوائے ان گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں) اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شیطان کے پیچھے لگیں اور اپنے اختیار کو استعمال نہ کریں تو پھر ان پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسا حال بن جاتا ہے کہ شیطان کے پھندہ سے نہ نکلتے ہیں اور نہ نکلنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ اور اختیار دیا تھا اسے ایک نقصان ہی میں استعمال کرتے ہیں وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا (اور تیرا رب کافی ہے کارساز) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں اخلاص کے ساتھ اعمال کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں شیطان کے کید و مکر سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ ان کے لئے کافی ہے قال القرطبی ای عاصما من القبول من ابلیس وحافظا من کیدہ وسوء مکرہ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں یعنی ابلیس کی بات کو قبول کرنے سے بچانے کے لئے اور اس کی ہر تدبیر برائی اور مکر سے محفوظ رکھنے کے لئے)

فائدہ: مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ابلیس سے یہ فرمایا کہ جا تو ایسا ایسا کر لینا یہ ان چیزوں کی اباحت اور اجازت کے طور پر نہیں ہے جن کا یہاں ذکر ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ منکرات اور فواحش اور کفر و شرک کی اجازت نہیں دیتا ابلیس سے جو کچھ خطاب فرمایا ہے جو تہدید کے طور پر ہے' مطلب یہ ہے کہ تو جو یہ کہتا ہے کہ میں اس نئی مخلوق کی ذریت پر قابو پا لوں گا تو اپنی شقاوت میں ترقی کرتے ہوئے جو چاہے کر لینا تو ان سب کا مزہ چکھ لے گا جیسا کہ سورۂ ص میں فرمایا لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ (تو اور تیرا اتباع کرنے والے سب سے جہنم کو بھر دوں گا)

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے۔ تاکہ تم اسکا فضل تلاش کرو۔ بلا شبہ وہ تم پر

رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

مہربان ہے اور جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اس کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں پھر وہ جب تمہیں خشکی کی طرف نجات

اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ

دے دیتا ہے تو روگردانی کرتے ہو۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب میں لاکر زمین میں دھنسا دے۔

اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ

یا تم پر کوئی سخت آندھی بھیج دے جو کنکر برسانے والی ہو پھر تم اپنے لئے کسی کو کارساز نہ پاؤ گے۔ یا تم اس سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ

تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا

سمندر میں لوٹا دے۔ پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کر دے۔ پھر تمہیں کوئی ایسا نہ ملے

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ

جو ہمارا پیچھا کرنے والا ہو۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی میں اور سمندر میں

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾

سوار کیا۔ اور انہیں عمدہ چیزیں عطا فرمائیں اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں جاری فرماتا ہے وہ چاہے تو تمہیں زمین میں دھنسا دے یا سخت ہوا بھیج دے نبی آدم کو ہم نے عزت دی، بحر و بر میں سفر کرایا، پاکیزہ کھانے کیلئے چیزیں دیں، اور ان کو بہت سی مخلوق پر فضیلت دی

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے بعض ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو بنی آدم پر ہیں اور انسانوں کی ناشکری کا بھی تذکرہ فرمایا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

اول تو کشتیوں کا ذکر فرمایا کہ تمہارا رب دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے یعنی ایسی ہوائیں چلاتا ہے جو کشتیوں کو لے کر

چلتی ہیں۔ اور ہوا نہ ہو تو تم خود بھی کشتیوں کو اپنی تدبیروں سے چلا لیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائی ہیں کشتیوں کے ذریعے سمندروں میں سفر کر کے اور سمندروں کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہو اور سمندر کے اندر بھی ایسی چیزیں ہیں جو بنی آدم کے کام آتی ہیں۔

سمندر میں کھانے کی چیزیں بھی ہیں۔ اور ایسی چیزیں بھی ہیں جو دواؤں میں استعمال ہوتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو سمندروں سے نکال کر فروخت کرتے ہیں جو تحصیل مال کا ذریعہ ہیں نیز سمندر میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے زیور بناتے ہیں لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ کے عموم میں یہ سب چیزیں آ جاتی ہیں نیز سمندروں کو پار کر کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر پہنچتے ہیں مال تجارت لے جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کا ذریعہ ہے **انه کان بکم رحیماً** (بلاشبہ وہ تم پر مہربان ہے) اس نے خشکی میں اور سمندر میں تمہارے لئے رزق پیدا فرما دیا پھر تمہیں اس کے حاصل کرنے پر قدرت دی۔

اس کے بعد انسانوں کے شرک اختیار کرنے اور آڑے وقت میں باطل معبودوں کو چھوڑ کر معبود حقیقی ہی کی طرف متوجہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ انسان کا عجیب طریقہ کار ہے کہ اچھی حالت میں باطل معبودوں کی عبادت کرتا رہتا ہے اور پھر جب کسی بڑی مصیبت میں گھر گیا مثلاً دریا کے سفر میں گیا وہ کشتی ڈگمگانے لگی تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ہی سے مانگنے لگتا ہے اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے سمندر کی مصیبت سے نجات دے دیتا ہے اور عافیت کے ساتھ باسلامت خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو پھر وہی پرانی حرکت کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روگردانی کرتا ہے اور شرک کرنے لگتا ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (اور انسان بڑا ناشکرا ہے) یہ کتنی بڑی ناشکری ہے کہ جس ذات پاک نے انعام فرمایا کشتی کو بھنور سے نکالا۔ ہواؤں کو بھونچال سے نجات دی انسان اسی نجات دینے والے کو بھول جاتا ہے۔ اور نجات پا کر پھر شرک کرنے لگتا ہے۔ **کما قال تعالیٰ فی سورة الزمر** ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ سورۂ عنکبوت میں فرمایا فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ لِيَكْفُرُوْا بِمَا اٰتَيْنٰهُمْ۔

اس کے بعد انسانوں کو تنبیہ فرمائی کہ سمندر کی مصیبت سے نکل کر جو تم مطمئن ہو گئے اور باطل معبودوں کے پھر سے پجاری بن گئے ہو تو کیا تم یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے ہو کہ خشکی میں اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک نہیں کر سکتا۔ سمندر سے باسلامت نکل کر پھر شرکیہ کاموں میں لگ جانے سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ اب تم بالکل بے خوف ہو گئے تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ یہ تمہاری بیوقوفی ہے اللہ تعالیٰ کو جیسے سمندر میں غرق کر دینے کی قدرت ہے۔ ایسے ہی یہ بھی قدرت ہے کہ وہ تمہیں خشکی میں لا کر زمین میں دھنسا دے۔ اور یہ بھی قدرت ہے کہ تم پر ایسی سخت ہوا بھیجے جو پتھر برسانے والی ہو اور اسے یہ بھی قدرت ہے کہ تمہیں دوبارہ سمندر میں واپس کر دے پھر وہ وہاں تمہارے اوپر ہوا کا سخت طوفان بھیج کر تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں غرق

کردے۔ وہ تمہیں ہلاک کرے تو تم اس کے سوا کوئی کارساز نہیں پاسکتے۔ (ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا) اور وہ ہلاک کر دے تو کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کا پیچھا کرے یعنی اس کی گرفت کر سکے اور اس سے بدلہ لے سکے (ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا) لہٰذا ہمیشہ کے لئے شرک کو چھوڑ دو اور اپنے خالق سے ڈرتے رہو اور دین توحید کو اختیار کر لو۔

قوله تعالٰی ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا . ای نصیرا کما روی عن ابن عباس او ثائرا یطلبنا بما فعلنا انتصارا منا أو دركا او للثار من جهتنا فهو كقوله تعالٰی فَسَوّٰىهَا وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا كما روی عن مجاهد (یعنی مددگار جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے یا بدلہ لینے والا جو ہمارے فعل کا ہم سے بدلہ لے) (روح المعانی)

اس کے بعد تکریم بنی آدم کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (اور ہم نے انسان کو عزت دی) وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (اور ہم نے انہیں خشکی میں اور سمندر میں سوار کیا) وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی)۔

اس آیت میں اول تو اجمالی طور پر بنی آدم کی تکریم بیان فرمائی کہ وہ ان صفات سے متصف ہے جو اس کے ساتھ خاص ہیں۔ قوت گویائی عطا کیا جانا فصیح بلیغ ہونا مختلف اسالیب سے بیان کرنا کتابت کے ذریعہ مفہوم ادا کرنا احسن تکویم سے زینت پانا خوبصورت ہونا قد کا مستقیم ہونا قوت مدرکہ سے متصف ہونا اس کے ذریعہ چیزوں کو پہچاننا خبیث اور طیب میں امتیاز کرنا بہت سی مخلوقات کا اس کے لئے مسخر ہونا عقل و فہم کے ذریعہ ممتاز ہونا زمین اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے اسے آباد کرنا زمین کو باغ و بہار بنانا طرح طرح کی عمارات بنانا اور نئی نئی مصنوعات ایجاد کرنا اور اس سے منتفع ہونا سیارات میں سفر کرنا طیارات میں اڑنا بلندیوں میں جانے کے لئے راکٹ بنانا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو انسان ہی کے ساتھ خاص ہیں اور ان سے انسان کا مکرم اور مشرف ہونا ظاہر ہے۔

اجمال کے بعد کچھ تفصیل بتائی اور ارشاد فرمایا۔ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور ہم نے انہیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا خشکی میں سواری کے جانور ہیں انسان ہاتھی جیسی مخلوق پر بھی سواری کرتا ہے اور اب تو طرح طرح کے سواریاں وجود میں آ گئی ہیں اور سمندر میں بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں۔ جس میں انسان سفر بھی کرتے ہیں اور بار برادری میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایک براعظم کی چیزیں دوسرے براعظم میں پہنچنے کا ذریعہ ہیں ان سب چیزوں میں بھی انسان کی تکریم اور تشریف ہے اور یہ منافع اور فوائد انسان ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور ہم نے بنی آدم کو عمدہ چیزیں عطا فرمائیں۔ اللہ تعالٰی نے انسان کو اس طرح بھی مشرف و مکرم فرمایا کہ اسے پاکیزہ عمدہ اور نفیس چیزیں عطا فرمائیں۔ ان میں اچھے اچھے کھانے اور نفیس لباس اور عمدہ مفروشات (بچھانے کی چیزیں) اور طرح طرح کی استعمالی چیزیں ہیں۔ لفظ الطیبات جمع ہے طیب کی اس کے معنی میں حلال ہونا'

عمدہ ہونا' اچھا ہونا' نفیس ہونا' سب کچھ آجاتا ہے۔ اور یہاں چونکہ خاص کر ماکولات کا ذکر نہیں ہے اس لئے دیگر نعمتوں کو بھی یہ لفظ الطیبات شامل ہے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا (اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی) تکریم کے بعد تفضیل کا مستقل تذکرہ فرمایا۔ اس میں فضیلت جسمانی اور روحانی اخروی و دنیاوی' اشتغال بعبادۃ اللہ و التقرب الیہ اور ہر خیر داخل ہے اور ایک بہت بڑی بات یہ ہے کہ انسانوں ہی میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے جن میں افضل الانبیاء بھی ہیں (ﷺ) اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ اور یہ انسان کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی جنس میں افضل الخلائق وجود میں آئے۔

چونکہ آیت شریفہ میں یہ نہیں ہے کہ بنی آدم کے ہر ہر فرد کو دوسری مخلوق پر فضیلت دی گئی اس لئے یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ انسانوں میں کافر بھی ہیں وہ تو دوزخ میں جائیں گے انہیں کون سی فضیلت حاصل ہوئی' پھر چونکہ تفضیل عام ہے دنیاوی نعمتوں کو بھی شامل ہے اس لئے ان نعمتوں کے اعتبار سے تو سبھی انسان دوسری مخلوق کے مقابلہ میں فضیلت پائے ہوئے ہیں۔

یہ نہیں فرمایا کہ بنی آدم ساری مخلوق سے افضل ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت دی ہے لہٰذا فرشتے جو عامۃ المسلمین سے افضل ہیں اس پر بھی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

بنی آدم میں جو ایمان والے ہیں ان میں اور فرشتوں میں باہمی کیا تفاضل ہے اس تفضیل کی تفصیل عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے۔

یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ
جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے سو جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا سو یہ لوگ اپنا اعمال نامہ
كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی
پڑھیں گے۔ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا' جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔
وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۷۲﴾
اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

قیامت کے دن جن کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامے دیئے جائیں گے وہ اپنے اعمالنامے پڑھ لیں گے جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے آخرت میں بھی اندھا ہوگا

تفسیر: اوپر دو آیتوں کا ترجمہ لکھا گیا ہے پہلی آیت میں اعمال ناموں کی تفصیل اور دوسری آیت میں راہ ہدایت

سے منہ موڑنے والوں کا اور قصداً اندھا بننے والوں کا تذکرہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ قرآن مجید میں لفظ ''امام'' کئی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مفسرین قرطبی نے حضرت ابن عباس اور حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے یہاں بِاِمَامِهِمْ کی تفسیر ''بکتابھم'' نقل کی ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ والکتاب یسمی اماما لانہ یرجع الیہ فی تعرف اعمالھم (اور کتاب کو امام کہا جاتا ہے اس لئے کہ اعمال کی پہچان کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے) لفظ امام کا جو معنی اس جگہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مراد لیا ہے سیاق کلام کے موافق ہے کیونکہ بعد میں داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جانے کا ذکر ہے۔ قال القرطبی قولہ تعالیٰ فَمَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ ھذا یقوی قول من قال امامھم بکتابھم۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول فمن اوتی کتابہ یہ اس کے قول کو تقویت دیتا ہے۔ کہ امامھم سے مراد ان کی کتاب ہے)

اسی سورت کے دوسرے رکوع میں گذر چکا ہے کہ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا جس میں بتایا ہے کہ ہر انسان کو اس کا اعمال نامہ ملے گا اور وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا۔ اور یہاں فرمایا ہے جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیئے جائیں گے وہ ان کو پڑھیں گے۔ چونکہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ مل جانا اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ لوگ نجات والے ہیں اور جنت والے ہیں۔ اس لئے خوشی خوشی اپنے اعمالنامے کو پڑھیں گے سورہ حاقہ میں ہے کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ لوگوں سے کہے گا هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو) یہ خوشی میں کہے گا۔ اپنا اعمال نامہ خود بھی پڑھے گا اور دوسروں کو بھی پڑھوائے گا اور وہ یوں بھی کہے گا۔ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (میں یقین رکھتا تھا کہ مجھے اپنے رب سے ملاقات کرنا ہے) دنیا میں حساب کا یقین رکھا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا رہا آج اس کا یہ پھل مل رہا ہے کہ اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ہے اور آئندہ میرے لئے خیر ہی خیر ہے۔

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا کھجور کی گٹھلی کے گڑھے میں جو تاگہ ہوتا ہے اہل عرب اسے فتیل کہتے تھے اور ذرا سی چیز بتانے کے لئے اسے بطور مثال پیش کیا کرتے تھے۔ اسی معنی کو بیان کرتے ہوئے وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا فرمایا۔

سورۂ حاقہ میں ہے کہ برے لوگوں کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اور سورہ انشقاق میں ہے کہ ان لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے دیئے جائیں گے۔ مشکیں بندھی ہوئی ہونے کی صورت میں ہاتھ پیچھے ہوتے ہیں لہٰذا بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنا اور پشت کے پیچھے سے دیا جانا اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے۔ جن کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے یہ کافر ہوں گے اور کافروں کو کبھی نجات نہ ہوگی۔ ہمیشہ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

لفظ بِاِمَامِهِمْ کے بارے میں حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس سے ہر امت کا نبی مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم سب لوگوں کو ان کے انبیاء کے ساتھ بلائیں گے، ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی سورہ نساء کی آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

اور بِاِمَامِهِمْ کی ایک تفسیر یہ ہے (ونقلہ القرطبی عن ابن زید) کہ اس سے ہر امت کی کتاب مراد ہے۔ اہل تورات

توراۃ کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اور قرآن والے قرآن کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی کتاب پر کیا عمل کیا؟ اس کے اوامر کو کتنا اپنایا اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا تھا اس سے کتنے بچے رہے؟

فائدہ: بعض لوگوں نے باماھم کا ترجمہ بامھاتھم سے کیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ ماؤں کے نام سے بلائے جائیں گے۔ یہ بات صحیح نہیں اول تو ام کی جمع امام نہیں آتی' دوسرے احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ باپوں کے نام سے بلائے جائیں گے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں کے ساتھ اور باپوں کے ناموں کے ساتھ بلائے جاؤ گے' لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو (رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب)

امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں باب **ما یدعی الناس یوم القیامة بابائهم** قائم کر کے صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے روز باپوں کے نام سے بلاوا ہوگا۔ معالم التنزیل میں ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکارنے کے تین سبب بتائے گئے ہیں۔ لیکن یہ سب خود ساختہ ہیں جو محض روایت کی شہرت کی وجہ سے تجویز کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صاحب معالم التنزیل نے تینوں اسباب ذکر کر کے فرمایا ہے کہ **والاحادیث الصحیحة بخلافه** یعنی صحیح احادیث اس مشہور قول کے خلاف ہیں۔

دوسری آیت میں فرمایا جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا جس میں آسمان بھی ہیں اور زمین بھی ہے چاند سورج بھی ہیں لیل و نہار بھی ہیں اور پہاڑ بھی بہار و انہار بھی ہیں اور اشجار بھی' ان سب چیزوں میں دلائل موجود ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ خالق و مالک ایک ہی ہے۔ یہ دلائل تکوینیہ ہیں ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا ان پر کتابیں نازل فرمائیں انہوں نے توحید کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوت اور رسالت کے اثبات کے لئے معجزات ظاہر فرمائے اور راہ حق کو خوب واضح فرما دیا۔ لیکن بہت سے لوگ قصداً اور ارادۃً دلائل تکوینیہ کو دیکھ کر ایمان نہ لائے۔ اور معجزات سامنے ہونے پر بھی متاثر نہ ہوئے۔ جیسا کہ کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے تھے اسی طرح بدستور گمراہی میں رہنا پسند کیا اور اپنے آپ کو اندھا بنا لیا۔ جس نے دنیا میں اپنے لئے گمراہ ہونے کو پسند کیا وہ آخرت میں بھی نابینا ہوگا۔ یعنی اسے وہاں کوئی راستہ نجات کا نہیں ملے گا۔ دنیا میں تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جب تک زندہ ہے توبہ کر لے اور ایمان قبول کر لے لیکن جب مر گیا تو توبہ کا راستہ بھی بند ہو گیا۔ اور مزید گمراہ اور بے راہ ہو گیا کیونکہ اب نجات کا کوئی راستہ نہ رہا۔ لہٰذا جو دنیا میں اندھا بنا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور وہاں نجات کا راستہ پانے کی کوئی تدبیر نہ ہو سکے گی۔

سورہ حج میں ارشاد فرمایا **اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ** (کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ

ان کے ایسے دل ہوتے جن کے ذریعے سمجھتے یا ایسے کان ہوتے جن سے سنتے' سو بلاشبہ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں) یعنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن دلوں کی بصیرت سے کام نہیں لیتے قصداً اور ارادۃً اندھے بنے رہتے ہیں۔

کفار و مشرکین دنیا میں دل کے اندھے ہیں اور آخرت میں بھی اس کے نتیجے میں اندھے ہوں گے اور نجات کی کوئی سبیل نہ پائیں گے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آنکھوں سے نابینا ہونے کی حالت میں اٹھائے جائیں گے۔

اسی سورت کے گیارہویں رکوع میں فرمایا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (اور قیامت کے دن ہم انہیں اس حالت میں محشور کریں گے کہ چہروں کے بل اندھے' گونگے اور بہرے ہونے کی حالت میں چل رہے ہوں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب وہ دھیمی ہو جائے گی تو ہم اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے) معلوم ہوا کہ مشرکین و کفار جب محشور ہوں گے تو آنکھوں سے اندھے اور زبانوں سے گونگے اور کانوں سے بہرے ہوں گے البتہ بعد میں زبان کو گویائی دے دی جائے گی اور سمع بصر بھی واپس کر دی جائیں گی دل کے اندھے ہو کر تو دنیا ہی سے گئے تھے ابتداءً محشور ہوں گے تو اس وقت آنکھوں سے بھی اندھے ہوں گے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّا

اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے ہٹانے ہی لگے تھے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ تاکہ آپ ہماری طرف اس کے علاوہ دوسری بات کی نسبت کر دیں۔ اور

تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ

اس صورت میں وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔ اس وقت

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

ہم آپ کو زندگی میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے' پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

مشرکین کی خواہش تھی کہ آپ کو اپنی طرف کر لیں اور اپنا دوست بنا لیں

تفسیر: ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے مفسرین نے کئی روایات لکھی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی قابل اعتماد نہیں صحت کے قریب جو روایت ہے جسے صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن ابی حاتم جبیر بن نفیر سے نقل کیا ہے یہی ہے کہ قریش مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اگر ہماری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں تو آپ ان لوگوں کو ہٹا دیں جو گرے پڑے لوگ آپ کے تابع ہو گئے ہیں۔ تاکہ ہم آپ کے اصحاب میں شامل ہو جائیں۔ (اتنی بات آیت کریمہ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ کے سبب نزول سے موید ہوتی ہے جس کا سورہ انعام میں ذکر گذر چکا ہے اس کے بعد

صاحب روح المعانی نے ایک قول بلا حوالہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ قریش مکہ نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے آیت رحمت کو آیت عذاب بنادیں اور آیات عذاب کو آیات رحمت بنادیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

صحیح سند سے تو کوئی روایت ثابت نہیں البتہ (طرز کلام سے) اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے کوئی درخواست ایسی کی تھی جس کے قبول کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہ تھا۔ ان لوگوں نے تو کوشش کی کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں سے ہٹادیں جن کی آپ پر وحی آئی تھی۔ اور آپ سے ایسی باتیں منظور کرالیں جو اللہ کی وحی کے خلاف ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں ان کے مطلب کی تھیں اور وحی الٰہی ان کی خواہشوں کے خلاف تھی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اگر آپ ان کی باتیں مان لیتے تو وہ آپ کو دوست بنالیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثابت قدم رکھا اور آپ ان کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہوئے۔

قال صاحب الروح ولا یخفی ان فی قولہ سبحانہ (الیھم) دون الی اجابتھم ما یقوی الدلالۃ علی انہ علیہ الصلاۃ والسلام بمعزل عن الاجابۃ فی اقصی الغایات، وھذا الذی ذکر فی معنی الایۃ ھو الظاھر متبادر للافھام (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول "الیھم" ان کی طرف چہ جائیکہ ان کی باتوں کی قبولیت کی طرف یہ اس بات پر دلالت کو قوی کرتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مشرکوں کی باتیں قبول کرنے سے بہت دور تھے۔ اور یہی ہے جو آیت کے معنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور ظاہراً سمجھ میں آنے والا مفہوم یہی ہے)

آخر میں یوں فرمایا کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے اور بالفرض آپ ان کی طرف جھک جاتے تو ہم آپ کو اس زندگی میں اور موت کے بعد دہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی بھی مددگار نہ پاتے اس میں آپ کو جو خطاب ہے فرض کے طور پر ہے اور اس میں امت کے لئے عبرت ہے جو بھی کوئی شخص کافروں کی طرف مائل ہوگا (اور میلان کے مختلف درجات ہیں) تو وہ دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ قال البغوی فی تفسیرہ یعنی اضعفنالک العذاب فی الدنیا والآخرۃ وقیل الضعف ھو العذاب سمی ضعفا لتضاعف الالم فیہ قال صاحب الروح وینبغی للمومن اذا تلاھذہ الایۃ ان یجثو عندھا ویتدبرھا وان یستشعر الخشیۃ وازدیاد التصلب فی دین اللہ تعالیٰ. (علامہ بغویؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم آپ کو دنیا و آخرت میں دوگنا عذاب دیں گے اور بعض نے کہا ضعف سے مراد عذاب ہی ہے عذاب کو ضعف اس لئے کہا اس میں تکلیف شدید اور کئی گنا ہوگی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مومن کو چاہئے کہ جب وہ یہ آیت تلاوت کرے تو وہ اس وقت اس کے بارے میں سوچے اور غور و فکر کرے اور اپنے اوپر خشیت طاری کرنے کی کوشش کرے اور دین میں پختگی کو زیادہ کرنے کی کوشش کرے)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ

اور قریب تھا کہ یہ اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھاڑ دیتے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیتے اور اگر ایسا ہو جاتا تو یہ لوگ آپ کے بعد

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾

بہت کم ٹھہر پاتے۔ طریقہ ان لوگوں کا جن رسولوں کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے۔

مشرکین چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو زبردستی مکہ مکرمہ سے نکال دیں

تفسیر: حضرت مجاہد اور قتادہؒ نے فرمایا کہ مشرکین نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے جلاوطن کرنے اور وہاں سے زبردستی نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور آپ باذن الٰہی خود ہی

ہجرت کر کے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے مشرکین اپنے ارادوں میں ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدموں کو اکھاڑ دیتے (لیکن وہ ایسا نہ کر سکے) اور اگر وہ ایسا کر لیتے اور آپ کو نکال کر خود رہنا چاہتے تو خود بھی وہاں نہ رہ پاتے اور وہاں ان کا ٹھہرنا بس ذرا سا ہی ہوتا' اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور ان لوگوں کو اس کا موقع نہ دیا کہ زبردستی آپ کو نکال دیتے لہٰذا وہ مکہ ہی میں رہتے رہے پھر انہیں اسلام کی بھی توفیق ہوگئی۔ قال صاحب الروح وھذا ھو التفسیر المروی عن مجاھد قال ارادت قریش ذالک ولم تفعل لانہ سبحانہ اراد استبقائھا وعدم استئصالھا لیسلم منھا ومن اعقابھا من یسلم فاذن لرسولہ علیہ الصلاۃ والسلام بالھجرۃ فخرج باذنہ لا باخراج قریش وقھرھم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے فرمایا کہ قریش نے اس کا ارادہ کیا لیکن وہ کر نہ سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چاہت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی اور محفوظ رکھنے کی تھی تاکہ آپ اس سے محفوظ رہیں اور جو بھی ایمان لائے وہ بھی ان کی تکلیفوں سے محفوظ رہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے روانہ ہوئے قریش کے جلاوطن کرنے اور ان کی زبردستی سے نہیں نکلے) سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا یہ مصدریت کی بناء پر منصوب ہے یعنی سننا سنۃ من قد ارسلنا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آپ کو نکال دیتے تو ہم انہیں ہلاک کر دیتے آپ علیہ السلام سے پہلے جو رسول ہم نے بھیجے تھے ان کے بارے میں ہمارا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب ان کی امتوں نے نکال دیا تو پھر امتیں بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں تھوڑے سے وقفے کے بعد ہی ہلاک کر دی گئیں' وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا (اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے) اپنی مخلوق کے بارے میں جو طریقے ہم نے جاری کئے ہیں انہیں کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ
آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات اندھیرا ہونے تک نمازیں قائم کیجئے اور فجر کی نماز بھی' بلا شبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا
مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾
وقت ہے' اور رات کے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے کافروں کے مکروفریب کو بیان فرمانے اور آپ کو تسلی دینے کے بعد حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر متوجہ رہیں آپ کو نمازیں قائم کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی آپ سے یہ وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا یہ ایسا مقام ہے کہ جس پر اولین و آخرین سب رشک کریں گے پس جبکہ آپ کو اتنا بڑا مقام ملنے والا ہے تو اہل دنیا کی ایذاؤں پر صبر کیجئے ان کی طرف توجہ نہ فرمایئے۔

آیت شریفہ میں دُلُوْکِ الشَّمْسِ سے لے کر غَسَقِ الَّیْلِ تک نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے دلوک لفظ مشترک ہے اس کا اصل معنی مائل ہونے کا ہے' مجمع البحار میں ہے الدلوک یراد بہ زوالھا عن وسط السماء وغروبھا ایضا واصلہ المیل حضرت عمر اور ابن عمر اور انس اور حضرت ابو برزہ اسلمی اور حسن اور شعبی اور عطاء اور مجاہد رضی اللہ عنہم نے دُلُوْکِ الشَّمْسِ سے زوال شمس مراد لیا ہے اور حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ

اس سے غروب شمس مراد ہے اور لفظ غسق کے بارے میں صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ ظلمة اول اللیل اور امام راغب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں غسق اللیل شدة ظلمته ان دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ غسق اللیل سے رات کی ابتدائی اندھیری بھی مراد لی جاسکتی ہے اور اس کے بعد جو خوب زیادہ تاریکی آ جاتی ہے وہ بھی مراد لی جاسکتی ہے' دلوک سے زوال مراد لینے کی صورت میں آیت کریمہ میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ آ جاتا ہے۔ کیونکہ زوال آفتاب سے لے کر رات کی خوب زیادہ تاریکی آنے تک نمازیں پڑھنے میں ظہر' عصر اور مغرب و عشاء سب کا حکم آ گیا اور فجر کی نماز کا ذکر مستقل قُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں فرمادیا کیونکہ یہ وقت نیند سے اٹھنے کا ہوتا ہے اس لئے اس کو مستقل طریقے پر ذکر فرمایا ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ص ۱۲۸ ج۳ والحمل (ای حمل الدلوک) علی الزوال اولی القولین لکثرة القائلین به' لانا اذا حملناه علیه کانت الایة جامعة لمواقیت الصلاة کلها' فدلوک الشمس یتناول صلاة الظهر والعصر و الی غسق اللیل یتناول المغرب والعشاء وقرآن الفجر هو صلاة الصبح (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں الدلوک کو زوال پر محمول کرنا اس کے قائلین کی کثرت کی وجہ سے دونوں قولوں میں سے اولیٰ ہے اس لئے کہ جب دلوک کو زوال پر محمول کریں گے تو آیت تمام نمازوں کے اوقات کی جامع ہوگی پس دلوک الشمس ظہر' عصر کو شامل ہو گا الی غسق اللیل مغرب عشاء کی نماز کو شامل ہے اور قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہے) لفظ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ منصوب ہے اور الصلوٰة پر معطوف ہے اور قرآن الفجر سے نماز فجر مراد ہے نماز فجر میں سب نمازوں سے زیادہ لمبی قراءت پڑھی جاتی ہے اور جہر سے ہوتی ہے اس لئے اسے قرآن الفجر فرمایا هذا من تسمیة الشئی باسم جزئه لان القراءة جزء منها۔

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بلاشبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا وقت ہے) سنن ترمذی (کتاب التفسیر) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ تشهده ملائكة اللیل وملائكة النهار یعنی قرآن الفجر کو مشہود اس لئے فرمایا کہ اس میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ اور نماز فجر اور نماز عصر میں جمع ہو جاتے ہیں پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے ساتھ رہے وہ اوپر جاتے ہیں تو ان کا رب ان سے دریافت فرماتا ہے حالانکہ اپنے بندوں کو وہ ان سے زیادہ جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز میں مشغول تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے۔ (صحیح بخاری ص ۷۹ ج ۱)

فرشتے عصر اور فجر دونوں ہی نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں لیکن آیت کریمہ میں خاص طور پر فجر کے وقت کی حاضری کا ذکر اس لئے فرمایا کہ نماز فجر میں نیند چھوڑ کر حاضر ہونا نفسوں پر شاق ہوتا ہے بندوں کو بتادیا کہ نیند کو چھوڑو اور وہاں حاضر ہو جاؤ جہاں فرشتے بھی حاضر ہیں۔ قال صاحب الروح ص ۱۳۷ ج ۱۵ ولا یخفی ما فی هذه الجملة من الترغیب والحدث علی الاعتناء بامر صلاة الفجر لان العبدفی ذالک الوقت مشیع کراما ملتق کراما فینبغی ان یکون علی احسن حال یتحدث به الراحل ویرتاح له النازل هـ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس جملہ میں فجر کی نماز کے اہتمام کے لئے تو ترغیب ہے وہ پوشیدہ نہیں

ہے کیونکہ بندہ اس وقت میں فرشتوں کو روانہ کر رہا ہوتا ہے اور فرشتوں کو مل رہا ہوتا ہے پس چاہئے کہ وہ سب سے اچھی حالت میں ہو کہ جو جانے والے فرشتے جا کر بیان کریں اور آنے والے آ کر دیکھیں) اور رات کے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے۔

لفظ تہجد ہجود سے لیا گیا ہے، ہجود سونے کو کہتے ہیں اور تہجد ترک النوم یعنی سونے کے بعد اٹھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (لان التفعل للتجنب مثل التاثم والتحنث) وقال بعضهم ان الهجود من الاضداد والمراد بالتهجد تكلف الهجود بمعنى اليقظة ذكره صاحب الروح۔ (کیونکہ تفعل تجنب کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ تاثم اور تحنث اور بعض نے کہا ہجود کا لفظ اضداد میں سے ہے اور تہجد سے مراد ہجود بمعنی بیداری کا تکلف ہے۔ سے صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے)

رات عبادت کے لئے مناسب ترین وقت ہے اس میں جتنی بھی نماز پڑھی جائے ذکر و تسبیح و تلاوت میں وقت گذارا جائے بہت مبارک ہے اور بہت بڑی فضیلت کی بات ہے اگر سونے سے پہلے نفل نماز پڑھ لے یہ بھی بہت بڑے ثواب کی چیز ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ یہ بیداری مشقت کی چیز ہے اور نفسوں پر بھاری ہے سو جب تم میں سے کوئی شخص اول رات میں وتر پڑھ لے تو اس کے بعد دو رکعتیں (نفل) پڑھ لے اس کے بعد اگر رات کو کھڑا ہو گیا (اور نماز پڑھ لی تو یہ اس کے لئے بہتر ہوگا) ورنہ وہ دو رکعت (جو سونے سے پہلے پڑھی) رات کے قیام کے حساب میں لگ جائے گی۔ (رواہ الدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۱۱۳)

لیکن تہجد وہی ہے جو سو کر اٹھنے کے بعد نفلیں پڑھی جائیں۔ کیونکہ اس میں تکلیف زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا عموماً اسی پر عمل تھا۔ بعض راتیں آپ نے ایسی گذاریں کہ بار بار سو جاتے تھے۔ اور درمیان میں بار بار اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔

بظاہر آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے اور ''نافلہ'' کے معنی زائدہ کے ہیں۔ بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ نماز تہجد خاص کر آنحضرت ﷺ پر فرض فرمائی تھی۔ اور چونکہ یہ پانچوں نمازوں سے زیادہ تھی اس لئے اسے نافلہ فرمایا۔ نافلہ اپنے معروف معنی میں نہیں ہے۔ پھر آگے اس میں اختلاف ہے کہ آپ پر اس کی فرضیت باقی رہی یا آپ کے لئے بھی بعد میں نماز تہجد نفل قرار دے دی گئی۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب بظاہر آنحضرت ﷺ کو ہے لیکن تبعاً آپ کی امت کو بھی خطاب ہے جیسا کہ اور دیگر مواقع میں بھی ایسا ہی ہے ان حضرات کا فرمانا ہے کہ ابتداءً رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کی امت کو نماز تہجد کا حکم دیا گیا تھا اور یہ سب پر فرض تھی پھر امت کے حق میں فرضیت منسوخ ہو گئی۔ اور آپ پر برابر فرض رہی۔

آنحضرت ﷺ پر نماز تہجد فرض ہوئی پھر فرضیت آخیر تک باقی رہی یا فرضیت آپ کے حق میں بھی منسوخ ہو گئی۔ جو بھی صورت ہو بہر حال آپ ہمیشہ اہتمام کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اس میں مشغول رہتے تھے۔ اور آپ نے اس کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام اور ان کی امتوں کے صالحین اس نماز کو پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم رات کے قیام کرنے کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین گذرے ہیں یہ ان کی عبادت رہی ہے اور وہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور روزوں میں سب سے زیادہ محبوب حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں۔ وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے ہوتے تھے پھر باقی رات کو جو چھٹا حصہ رہ گیا اس میں سو جاتے تھے اور ایک دن (نفل) روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ (رواہ البخاری)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے کسی نے عرض کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کا گذشتہ اور آئندہ سب کچھ بخش دیا گیا ہے آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۲)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جس وقت پچھلی رات کا درمیانہ حصہ ہو۔ سو اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ اس وقت میں اللہ کا ذکر کرنے والوں میں سے ہو جائے تو اس پر عمل کر لینا (رواہ الترمذی قال ہذا حدیث حسن صحیح)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ مقبول ہونے والی دعا کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا جو پچھلی رات کے درمیان ہو اور فرض نمازوں کے بعد (رواہ الترمذی) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ افضل وہ نماز ہے جو رات کے درمیان ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۱)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا باہر کا حصہ اندر سے اور اندر کا حصہ باہر سے نظر آتا ہے۔ یہ بالا خانے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کئے ہیں جو نرمی سے بات کریں اور کھانا کھلایا کریں اور لگا تار روزے رکھا کریں اور رات کو نماز پڑھیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر بھی تھے اور فجر کی دو سنتیں بھی تھیں (رواہ مسلم)

احادیث بالا سے نماز تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت بالا کے علاوہ دیگر آیات میں بھی اس کی فضیلت آئی ہے۔ سورۃ الذاریات میں ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ. كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (بلاشبہ متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہونگے جو کچھ ان کے رب نے ان کو دیا اسے لینے والے ہونگے بلاشبہ وہ اس سے پہلے نیک کام کرنے والے تھے وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور رات کے آخری حصوں میں استغفار کرتے تھے) سورۃ الم سجدہ میں

فرمایا تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں)

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد نیند کے غلبہ یا کسی دکھ تکلیف کی وجہ سے رہ جاتی تھی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے رات کا کوئی ورد نیند کی وجہ سے رہ گیا یا پڑھنے کی کوئی چیز چھوٹ گئی پھر اسے فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان پڑھ لیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے رات کو پڑھا ہوتا۔ (دونوں روایتیں صحیح مسلم میں مروی ہیں)

فائدہ: جس شخص کو تہجد پڑھنے کی عادت ہو اور اسے مضبوط امید ہو کہ رات کو ضرور اٹھے گا وہ نماز وتر کو تہجد کی نماز کے بعد پڑھے یہ افضل ہے اور اگر تہجد کو اٹھنے کی پکی امید نہ ہو تو شروع رات ہی میں وتر پڑھ کر سو جائے۔ شیطان بہت شریر ہے اس پر قابو نہ دیں وہ شروع رات میں یہ سمجھا دیتا ہے کہ تہجد میں وتر پڑھ لینا اور نفس بھی اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پھر رات کو نہ نفس اٹھنے کی ہمت کرتا ہے اور نہ شیطان اٹھنے دیتا ہے۔ بعض تہجد گذاروں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہتا ہے لہٰذا ہوشمندی کے ساتھ نیک بنیں۔

فائدہ: بعض مفسرین نے نَافِلَةً لَّکَ کا یہ معنی بھی لیا ہے کہ نماز تہجد کے ذریعے آپ کو جو خاص فضیلت حاصل ہوگی وہ صرف آپ کے لئے ہے، چونکہ آپ معصوم ہیں۔ اس لئے اس نماز کے ذریعہ آپ کے درجات رفیعہ میں مزید اضافہ در اضافہ ہوتا رہے گا اور مزید در مزید قرب الٰہی کا ذریعہ ہوگا۔ رہا امت کا معاملہ تو چونکہ وہ معصوم نہیں ہیں اس لئے اس کے ذریعے ان کا کفارہ سیئات بھی ہوگا اور فرائض میں جو کوتاہی ہے اس کی بھی تلافی ہوگی۔ (روح المعانی)

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (آپ کا رب آپ کو عنقریب مقام محمود میں اٹھائے گا) اس میں آپ کے لئے تسلی ہے کہ چند روزہ دنیا میں وہ بھی چند دن آپ کے دشمن جو آپ کو تکلیف دے رہے ہیں یہ اس بلند مرتبہ کے سامنے بے حقیقت ہے جو مرتبہ آپ کو قیامت کے دن عطا کیا جائے گا یعنی مقام محمود پر پہنچایا جائے گا۔ اس مقام پر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب لوگ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی۔ وہ عرض کریں گے کہ ہماری سفارش کیجئے حتیٰ کہ ہمارے نبی ﷺ تک شفاعت کی نوبت پہنچ جائے گی (جب دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سفارش کرنے سے انکار کر دیں گے تو نبی کریم ﷺ ساری مخلوق کے لئے سفارش کریں گے) یہ وہ مقام محمود ہے جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو پہنچا دے گا (صحیح بخاری ص ۶۸۶)

اس حدیث میں بہت اجمال ہے۔ دوسری روایات میں تفصیل کے ساتھ شفاعت کا مضمون وارد ہوا ہے اور وہ یہ کہ

قیامت کے دن جب لوگ بہت ہی زیادہ تکلیف میں ہوں گے اور سورج قریب ہو جائے گا اس بے چینی کے عالم میں کہیں گے کہ کسی سے سفارش کے لئے عرض کرو۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس پھر نوح علیہ السلام کے پاس پھر ابراہیم علیہ السلام کے پاس پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کریں گے یہ سب حضرات انکار کردیں گے تو سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے آپ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ایسی ایسی تعریفیں الہام فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کے قلب میں نہیں ڈالی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اے محمد سر اٹھاؤ اور سوال کرو۔ سوال پورا کیا جائے گا۔ اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے شفاعت مراد ہے (رواہ الترمذی فی التفسیر' وفی حاشیة قوله مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الذی یحمده فیه جمیع الخلق لتعجیل الحساب والاراحة من طول الوقوف اھ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا لیکن امت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا وسلم کو بھی مقام محمود کی دعا کرنے کا شرف عطا کیا ہے جو اذان کا جواب دینے کے بعد کی جاتی ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ

اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھے ایسی جگہ میں داخل کیجئے جو خوبی کی جگہ ہو۔ اور مجھے خوبی کے ساتھ نکالیئے اور میرے لئے اپنے

لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

پاس سے ایسا غلبہ عطا فرمایئے جس کے ساتھ مدد ہو اور آپ یوں کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل چلا گیا بلاشبہ باطل جانے ہی والا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں جو شفاء ہے اور رحمت ہے مومنین کے لئے اور وہ ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾

اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں وہ اعراض کر لیتا ہے۔ اور رخ بدل کر دور ہو جاتا ہے۔ اور جب اسے تکلیف پہنچ جائے تو ناامید ہو جاتا ہے۔

قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾

آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام میں لگا ہوا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے

قرآن مومنین کے لئے شفاء ہے اور رحمت ہے ظالموں کے نقصان ہی میں اضافہ کرتا ہے

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں جن کا اوپر ترجمہ کیا گیا ہے پہلی آیت سفر ہجرت کے بارے میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ معظمہ میں مقیم تھے پھر جب آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اس وقت آیت کریمہ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ آخر تک نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں کہ مجھے بہترین داخل ہونے کی جگہ میں داخل فرمایئے اور میرا اپنے شہر سے نکلنا بھی میرے لئے اچھا بنا دیجئے (جس کا انجام مبارک ہو) اور میرے لئے اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجئے جس میں آپ کی مدد بھی ہو (رواہ الترمذی فی التفسیر) مدخل صدق سے جائے ہجرت اور مخرج صدق سے مکہ معظمہ مراد ہے مطلب یہ کہ مکہ معظمہ سے اطمینان کے ساتھ نکل جاؤں دشمن کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے اور دار الھجرہ میں بھی خوبی کے ساتھ داخلہ ہو جائے اور پھر یہ داخلہ مبارک ہو جس کے بعد آپ کی طرف سے غلبہ بھی ہو اور نصرت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ دعا تلقین فرمائی پھر اس کو قبول فرمایا۔ پھر چند سال کے بعد آپ مکہ معظمہ میں فتح، غلبہ اور نصرت الٰہی کے ساتھ داخل ہو گئے۔

دوسری آیت میں فتح مکہ کا ذکر ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ انہیں اپنے ہاتھ کی ایک ٹہنی سے گراتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا اور یہ بھی پڑھتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ (رواہ البخاری ص ۶۸۶)

آیت شریفہ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ سورہ سبا کی آیت ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ حق کے آنے اور باطل کے چلے جانے کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ آپ نے بتوں کو گراتے ہوئے سورہ بنی اسرائیل کی آیت پر بھی عمل کیا اور سورہ سبا کی آیت پڑھی۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ ہم جو قرآن میں نازل کرتے ہیں یہ مومنین کے لئے سراپا شفاء اور رحمت ہے، اور رہے ظالم جو حق پر بھی ظلم کرتے ہیں (اسے قبول نہیں کرتے) اور اپنی جانوں پر بھی ظلم کرتے ہیں تو یہ لوگ حق سے منہ موڑنے کی وجہ سے اپنے کو عذاب آخرت کے لئے تیار کرتے ہیں انکا جو طریقہ ہے وہ خود ان کے حق میں بربادی اور خسارے کا سبب ہے۔ یہی قرآن جو اہل ایمان کے لئے شفاء اور رحمت ہے جو لوگ انکار کرتے ہیں ان کے لئے یہی قرآن خسارہ اور بربادی کا سبب بن جاتا ہے اور جیسے جیسے کوئی آیت نازل ہوتی ہے اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اپنے خسارہ میں اضافہ

کرتے چلے جاتے ہیں۔ قال صاحب الروح واسناد الزیادة المذکورة الی القرآن مع انهم المزادون فی ذلک لسوء صنیعهم باعتبار کونه سببا لذلک ۔(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس زیادتی کی نسبت قرآن کریم کی طرف کرنا باوجودیکہ وہ خود اس میں زیادتی کرنے والے ہیں ان کی بدعملی کی وجہ سے ہے اس اعتبار سے وہ اس کا سبب ہے)

چوتھی آیت میں انسان کے ناشکری کے مزاج کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ہم جب اس پر انعام فرماتے ہیں اور نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور اعراض بھی تھوڑا سا نہیں خوب زیادہ اعراض کرتا ہے اور وہ یہ کہ رخ پھیر کر دوسری طرف مڑ جاتا ہے۔

یہ تو اسکی حالت اس وقت ہوتی ہے جب اس کو نعمت مل جائے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بس ناامید ہو کر رہ جاتا ہے۔

سورہ ھود میں فرمایا وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزا چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزا چکھا دیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارنے لگتا ہے مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے)

پانچویں آیت میں فرمایا قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام میں لگا ہوا ہے) لفظ شاکلة کا ترجمہ کئی طرح سے کیا گیا ہے علامہ قرطبی نے متعدد اقوال نقل کر کے اخیر میں لکھا ہے والمعنی ان کل احد یعمل علی ما یشاکل اصله واخلاقه التی الفها (یعنی ہر شخص اپنی اپنی طبیعت کے موافق اور ان اخلاق کے مطابق عمل کرتا ہے جن سے وہ مالوف ہے) پھر لکھتے ہیں وهذا ذم للکافر ومدح للمومن یعنی اس میں کافروں کی برائی ہے (جو برے اخلاق اور برے دین سے مالوف ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں) اور مؤمن بندوں کی تعریف ہے وہ سچے دین سے مالوف ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں' دنیا میں خیر کا طریقہ اختیار کرنے والے بھی ہیں۔ اور شر سے الفت رکھنے والے بھی' آخرت میں اپنا اپنا عمل ہر ایک کے سامنے آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے جو ہدایت پر ہیں وہ انہیں بھی خوب جانتا ہے اور جو گمراہی اختیار کئے ہوئے ہیں انہیں بھی جانتا ہے وہ سب کو اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے

روح کے بارے میں یہودیوں کا سوال اور رسول اللہ ﷺ کا جواب

تفسیر: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھیتوں کے درمیان سے گزر رہا تھا اس وقت آپ کھجور کی ٹہنی پر ٹیک لگا کر تشریف لے جا رہے تھے وہاں سے یہودیوں کا گذر ہوا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان سے روح کے بارے میں دریافت کیا آپ ٹھہر گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت جب وحی نازل ہو چکی تو آپ نے آیت پڑھ کر سنائی جو اوپر مذکور ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲)

سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان یوں نقل کیا کہ قریش نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کوئی بات بتا دو جو ہم ان سے پوچھیں (جو نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) یہودیوں نے کہا کہ روح کے بارے میں دریافت کرو۔ لہٰذا انہوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کر لیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (آخر تک) نازل فرمائی دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں نے اور ان کے سمجھانے سے مکہ معظمہ میں قریش نے آنحضرت ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے جس سے انسان کی زندگی برقرار رہتی ہے اور جس کے نکل جانے سے انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔

قال القرطبی وذهب اكثر اهل التاويل الى انهم سالوه عن الروح الذى يكون به حياة الجسد وقال اهل النظر منهم انما سالوه عن كيفية الروح ومسلكه فى بدن الانسان وكيفية امتزاجه بالجسم اتصال الحياة به وهذا الشيء لا يعلمه الا الله عزوجل۔ (قرطبیؒ فرماتے ہیں اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ انہوں نے اس روح کے بارے میں پوچھا تھا جس کے سبب سے جسم کی زندگی ہے اور محققین نے کہا ہے کہ انہوں نے روح کی کیفیت بدن انسانی میں اس کی راہ اور جسم کے ساتھ زندگی کی صورت میں امتزاج کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تھا اور یہ ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا)

آیات کریمہ اور احادیث شریفہ میں روح انسانی کے بارے میں بہت سی باتیں مذکور ہیں عالم ارواح میں روحوں کا مجتمع ہونا وہاں تعارف یا تنا کر ہونا (کما رواہ البخاری) حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہو جانے کے بعد اس میں روح پھونکا جانا (فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ) پھر بطن مادر میں ہر انسان میں روح کا پھونکا جانا (کما رواہ الشیخان) اور اسی روح کے ذریعہ زندہ رہنا پھر موت کے وقت اس روح کا نکل جانا حضرت ملک الموت علیہ السلام کا روح کو قبض کرنا پھر ان کے ہاتھ سے لیکر فرشتوں کا آسمان کی طرف جانا پھر قبر میں روح کا لوٹایا جانا اور سوال و جواب ہونا اور دنیا سے جانے والی روح کا پہلے سے برزخ میں پہنچی ہوئی روحوں کے پاس جمع ہونا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۱ تا ۱۴۳) اور قبر میں آرام یا عذاب میں رہنا پھر صور پھونکے جانے پر روحوں کا جسموں میں داخل ہونا یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں اہل ایمان جانتے ہیں اور مانتے ہیں' یہودیوں نے اور مشرکین نے روح کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کے حکم سے ہے اس کی حقیقت ظاہر نہیں فرمائی اور یہ بتا دیا کہ یہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے' اس سے فلاسفہ کے اس خیال کی تردید

ہو گئی جو روح کو قدیم کہتے ہیں، چونکہ احکام شرعیہ میں سے بندوں سے متعلق کوئی ایسا حکم نہیں ہے جو روح کی حقیقت جاننے پر موقوف ہو اس لئے اس کی حقیقت جاننے کے درپے ہونے کی شرعاً کوئی ضرورت بھی نہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ روح کی حقیقت اس لئے نہیں بتائی گئی کہ انسان کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ تو اپنی ذات کی حقیقت جاننے سے بھی عاجز ہے خالق کائنات تبارک وتعالیٰ کی پوری معرفت سے بطریقہ اولیٰ عاجز ہوگا۔ علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں روح کے بارے میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔ پھر اخیر میں لکھا ہے واولی الاقاویل ان یوکل علمہ الی اللہ عزوجل وھو قول اھل السنة (سب سے بہتر بات یہ ہے کہ اس کا علم اللہ کے ہی سپرد کیا جائے اہل سنت کا یہی قول ہے) وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (اور تمہیں صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے) یہ خطاب سارے انسانوں کو ہے جن کے عموم میں سوال کرنے والے یعنی یہود بھی آ گئے (درمنثور ص۲۰۰ ج۴) میں حضرت ابن جریج سے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کے بارے میں نقل کیا ہے محمد والناس اجمعین یعنی اے محمد آپ اور آپ کے علاوہ جو لوگ ہیں سب کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا علم تو بہت زیادہ ہے اور ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں تھوڑا سا ہی ہے۔ تفسیر درمنثور میں یہ بھی ہے کہ جب یہودیوں نے آیت شریفہ کا یہ حصہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا سنا تو کہنے لگے کہ ہم تو تورات پڑھے ہوئے ہیں اس میں ہر چیز کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے سورۂ لقمان کی آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ (آخر تک) نازل فرمائی۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا

اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے اسے سلب کر لیں پھر آپ ہمارے مقابلے میں اپنے لئے اس بارے میں کوئی حمایتی نہ پائیں مگر یہ کہ

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۗ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ

کہ رب کی طرف سے رحمت ہو جائے۔ بلا شبہ آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان

وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

اور جن سب اس کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا کر لائیں تو اس جیسا نہیں لا سکیں گے۔ اگر چہ آپس میں ایک دوسرے کے

ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ

مددگار بن جائیں، اور البتہ ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے اچھے مضامین طرح طرح سے بیان فرمائے ہیں۔ پھر اکثر لوگوں نے

اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

اس کے ماننے سے انکار ہی کیا

اگر تمام انسان اور جنات بھی جمع ہو جائیں تو قرآن جیسی کوئی چیز بنا کر نہیں لا سکتے

تفسیر: پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اپنے کرم و انعام کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ جو وحی ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے اپنی قدرت اور اختیار سے بھیجی ہے۔ اور آپ کے پاس اس کا باقی رکھنا بھی ہماری قدرت سے ہے ہم اگر چاہیں تو اسے سلب کر لیں یعنی آپ کو بھلا دیں۔ جیسے ہمیں وحی بھیجنے پر قدرت ہے ایسے ہی بھلا دینے پر بھی قدرت ہے اگر ہم آپ کو بھلا دیں تو اس کے واپس لانے کے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی آپ کی حمایت کرنے والا نہ ملے گا۔ ہاں اگر اللہ اپنی رحمت سے پھر واپس فرما دے یا سرے سے واپس ہی نہ لے تو یہ اس کا فضل و انعام ہے (قال البغوی ص ۱۳۵ ج ۳) استثناء منقطع معناہ ولکن لا نشاء ذٰلک (علامہ بغوی فرماتے ہیں استثناء منقطع ہے اس کا معنی ہے "لیکن ہم یہ نہیں چاہتے") اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا (بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا فضل ہے) آپ کو سید الخلائق بنایا مقام محمود بھی عطا کیا۔ کتاب کا معجزہ بھی عطا فرمایا جو کلام اللہ بھی ہے اور کتاب اللہ بھی آپ کو آخر الانبیاء بنایا رہتی دنیا تک آپ کی شریعت باقی رکھی، بے شمار علوم عطا فرمائے اور بہت بڑی امت عطا فرمائی آپ کی اتنی زیادہ فضیلتیں ہیں جو مخلوق کے شمار سے باہر ہیں۔ سورۂ نساء میں فرمایا وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (اور اللہ نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور حکمت، اور آپ کو وہ علوم عطا فرمائے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے)

اس کے بعد فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ اس میں قرآن مجید کا اعجاز بیان فرمایا ہے اور فرمایا کہ سارے انسان اور سارے جنات آپس میں مل کر ایک دوسرے کے مددگار بن کر اگر یہ کوشش کریں کہ قرآن جیسی کوئی چیز بنا کر لے آئیں تو ہرگز نہیں لا سکیں گے' قرآن مجید معجزہ ہے اور سراپا معجزہ ہے' اس کی تالیف و نظم میں بلاغت کا وہ کام ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا قرآن کے عہد اول سے تمام فصحاء و بلغاء کو یہ چیلنج ہے کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ مگر آج تک عاجز ہیں۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی امت آخر الامم ہے اور قیامت تک آپ کی دعوت سارے انسانوں کے لئے ہے اس لئے آپ کو بہت سے معجزات جو آپ کی حیات طیبہ میں کثیر تعداد میں دیئے گئے ان کے علاوہ ایک ایسا معجزہ بھی دے دیا جو ہمیشہ کے لئے معجزہ ہے اور وہ قرآن کریم ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا قرآن حکیم کے طرز بیان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں۔

اس میں عبرتیں بھی ہیں مواعظ بھی ہیں۔ احکام بھی ہیں۔ وعدے بھی ہیں وعیدیں بھی ہیں۔ قصص بھی ہیں ترغیب و ترہیب بھی ہے اور امر و نواہی بھی ہیں' معاشرت کا طریقہ بھی بتایا ہے اور اخلاق و آداب کا بیان بھی ہے مابعد الموت کی

خبریں بھی ہیں، حشر نشر کی تفصیلات بھی، اور مضامین کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اکثر لوگ اس کے انکار پر ہی تلے ہوئے ہیں۔ قولہ تعالیٰ من کل مثل قال صاحب الروح من کل معنی بدیع ھو فی الحسن والغرابة واستجلاب النفوس کالمثل۔

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ

اوران لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں۔ یا خاص کر آپ کے لئے

نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ

کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، پھر آپ اس باغ کے درمیان بہت سی نہریں جاری کردیں یا آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑوں کی

عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ

صورت میں گرادیں جیسا کہ آپ کا بیان ہے یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں یا آپ کا گھر ہو جو خوب زینت والا ہو یا

تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ

آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر ہرگز یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے اوپر ایک لکھی ہوئی کتاب نازل کردیں جسے ہم پڑھ لیں۔ آپ فرمادیجئے کہ

رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں پیغمبر ہوں۔

قریش مکہ کی ہٹ دھرمی اور فرمائشی معجزات کا مطالبہ

تفسیر: جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے فرمایا تو وہ دشمن ہو گئے، حق قبول کرنے سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتے تھے کٹ حجتی پر تلے ہوئے تھے۔ الٹے الٹے سوال کرتے اور بے تکی فرمائشیں کرتے تھے، نیز جن میں سے چند فرمائشیں آیت بالا میں مذکور ہیں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قریش مکہ کے چند افراد جمع ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے نئی باتیں شروع کی ہیں اگر ان کے ذریعہ آپ کو مال طلب کرنا مقصود ہے تو بتا دیجئے ہم آپ کو مال دے دیں گے آپ ہم میں سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے اور اگر بڑا بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی جنون ہو گیا ہے تو وہ بتا دیجئے ہم اپنے اموال خرچ کر کے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے

مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر بشارتیں سناؤں اور مخالفت کے انجام سے ڈراؤں میں نے تمہیں پہنچا دیا اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھا دیا اگر تم اس کو قبول کرتے ہو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارا نصیب ہوگا اور اگر اس کو نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ پاک میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

وہ لوگ کہنے لگے تو پھر ایسا کرو کہ اپنے رب سے سوال کرو کہ یہ پہاڑ مکہ کی سرزمین سے ہٹ جائیں جن کی وجہ سے ہماری جگہ تنگ ہو رہی ہے اور ہمارے شہروں میں وسعت ہو جائے۔ جیسے شام و عراق میں نہریں ہیں اس طرح کی نہریں ہمارے شہر میں جاری ہو جائیں۔ اور ہمارے مردہ باپ دادوں کو قبروں سے اٹھاؤ جن میں قصی بن کلاب بھی ہو۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم مان لیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں میں ایسا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، مانتے ہو تو مان لو اور نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنے رب سے یہ سوال کیجئے کہ آپ کی تصدیق کے لئے ایک فرشتہ بھیج دے۔ اور یہ سوال کرو کہ آپ کو باغات اور محلات دے دے اور سونے چاندی کے خزانے دے دے۔ جن کی وجہ سے آپ غنی ہو جائیں اور یہ آپ کی ظاہری حالت (جو مال کی کمی کی وجہ سے ہے) نہ رہے آپ تو ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری طرح معاش تلاش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرا یہ کام نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، کہنے لگے اچھا تم ایسا کرو کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے اگر قدرت ہے تو اس کا مظاہرہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ چاہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے، اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ ان باتوں کے بعد آپ وہاں سے کھڑے ہو گئے، انہیں میں آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بھی تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ آپ کی قوم نے کئی باتیں پیش کیں آپ نے کسی کو قبول نہ کیا اب آپ ایسا کریں کہ ایک سیڑھی لیں اور میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک نوشتہ لکھی ہوئی کتاب بھی لائیں اور آپ کے ساتھ فرشتے بھی آئیں جو آپ کی تصدیق کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی تصدیق کر لوں گا۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہوئے اور اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو جواب میں فرما دیں سُبْحَانَ رَبِّی (کہ میرا رب پاک ہے تمہارے طلب کردہ معجزات سے عاجز نہیں ہے) اللہ چاہے تو فرمائشی معجزات ظاہر فرما دے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کے لئے فرمائشی معجزات ظاہر فرمائے۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (میں تو ایک بشر ہی ہوں ایک انسان ہوں ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے

رسول بنا کر بھیجا ہے) اگر میں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں تو یہ بشریت کے تقاضوں کے موافق ہے اور جو توحید ورسالت کی باتیں کرتا ہوں یہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں اور رسول ہونے کے لوازم میں یہ باتیں نہیں ہیں جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کا یہ ایمان اسے نفع دے گا اور جو منکر ہوگا اپنا برا کرے گا رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ واضح طور پر حق بیان کردے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچادے۔

فائدہ: ایک ایسی جماعت بھی پائی جاتی ہے جسے سید الاولین ﷺ کی محبت کا بہت بڑا دعویٰ ہے اور اپنے اس دعویٰ کی وجہ سے حضرت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ایسے ایسے عقائد اختیار کرلئے ہیں جو قرآن وحدیث کی تصریحات کے سراسر خلاف ہیں انہیں میں سے ان کا ایک یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر نہیں تھے۔ اور ان میں سے بعض مدعیان علم نے تو غضب کردیا سورہ کہف کے آخر میں جو فرمایا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ مانافیہ ہے ان جاہلوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ان حرف تحقیق ہے جملہ منفیہ پر داخل نہیں ہوتا۔ پھر قرآن شریف میں آنحضرت ﷺ کی بشریت ثابت کرنے کے لئے صرف یہی تو ایک آیت نہیں ہے جس میں انما آیا ہے مذکورہ بالا آیت بھی تو ہے جس میں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا فرمایا ہے اس میں تو مانافیہ نہیں ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا
اور لوگوں کو ایمان قبول کرنے سے صرف اس بات نے روکا کہ جب ان کے پاس ہدایت آئی تو صرف یہی بات کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو
رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ
رسول بنایا ہے آپ فرما دیجئے اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضروری بات ہوتی کہ
السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا
ہم ان پر فرشتہ کو رسول بنا کر اتار دیتے، آپ فرما دیجئے کہ میرے تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے
بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾
دیکھنے والا ہے۔

لوگ اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ نبوت اور بشریت میں تضاد سمجھتے ہیں، اگر زمین میں فرشتے رہتے ہوتے تو ان کے لئے فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا

تفسیر: لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب دین حق کی دعوت دیتے اور یہ بتاتے

کہ ہم اللہ کے رسول ہیں تو یوں کہہ دیتے تھے کہ انسان کا رسول ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ سورۂ ابراہیم میں ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں نے اپنے رسولوں کی رسالت کا انکار کرنے کے لئے یوں کہا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ تم تو ہماری طرح کے آدمی ہو' رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی مشرکین نے اسی طرح کی بات کہی تھی۔ نبیوں اور رسولوں کا انسان ہونا جو حکمت کے بالکل موافق ہے لوگوں کے لئے ہدایت سے گریز کرنے اور ایمان قبول کرنے کا سبب بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں فرمایا کہ زمین میں انسان بستے ہیں لہٰذا ان کے لئے انسانوں کو مبعوث کیا گیا اگر زمین میں فرشتے بسے ہوئے ہوتے اور سکون واطمینان کے ساتھ یہیں رہتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ زمین میں بسنے والے انسان ہیں ان کی طرف جو رسول بھیجے گئے وہ بھی انسان ہیں کیونکہ ہم جنس سے استفادہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ انسانوں کی طرف انسانوں کا مبعوث ہونا یہ تو عین حکمت ہے اور سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن لوگوں نے اسی کو ایمان سے دور رہنے کا ذریعہ بنالیا۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے) تمہارے ماننے سے حقیقت نہیں بدل جاتی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے وہ گواہ ہے کہ میں اس کا رسول ہوں تم مانو یا نہ مانو۔ نہ مانو گے تو سزا بھگتو گے۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا اللہ تعالیٰ کو سب بندوں کے احوال وافعال کا علم ہے وہ باخبر ہے دانا بینا ہے اپنے علم وحکمت کے موافق سزا دے گا۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ

اور اللہ جسے ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے سو آپ اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا

اور ہم انہیں قیامت کے دن چہروں کے بل اس حال میں چلائیں گے کہ وہ اندھے اور گونگے اور بہرے ہونگے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب بھی

خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا

بجھنے لگے گی ہم ان کے لئے اس کو اور زیادہ بھڑکا دیں گے یہ ان کی سزا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور یوں کہا کہ جب ہم ہڈیاں

وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سرنو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

اور زمین کو پیدا فرمایا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا فرما دے اور اس نے ان کے لئے ایک اجل مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں' سو ظالموں نے

إِلَّا كُفُورًا ﴿۹۹﴾
بس انکار ہی کیا۔

قیامت کے دن گمراہ لوگ گونگے' اندھے اور بہرے اٹھائے جائیں گے پھر دوزخ کی آگ میں داخل کیئے جائیں گے یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے حشر نشر کی تکذیب کی

تفسیر: گذشتہ آیات میں منکرین کے عناد اور کٹ حجتی کا تذکرہ تھا ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی بھی ہے اور منکرین کے لئے وعید بھی' جو لوگ رسالت کے منکر تھے وہ بعث بعد الموت اور حشر نشر کے بھی منکر تھے' ان کا ایک اعتراض نقل فرمایا ہے اور اس کا جواب بھی دیا ہے۔

ارشاد فرمایا اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہو سکتا ہے اور اللہ جسے گمراہ کر دے تو وہ گمراہ ہی رہے گا۔ اللہ کی طرف سے جب تک ہدایت نہ ہو تو کوئی ہدایت یاب نہیں ہو سکتا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ ان منکروں کو قیامت کے دن ہم چہروں کے بل چلائیں گے۔ اس وقت اندھے بھی ہونگے اور بہرے بھی اور گونگے بھی۔ یعنی عین حشر کے وقت ان کی یہ حالت ہوگی گو بعد میں دیکھنے اور بولنے اور سننے کی قوتیں دے دی جائیں گی۔ دوسری آیات سے ان کا دیکھنا اور سننا اور بولنا ثابت ہے ان لوگوں کے حق میں دوزخ میں داخل ہونے کا فیصلہ ہوگا اس فیصلہ کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور وہی ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ وہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ اور عذاب دائمی کا یہ حال ہوگا جب دوزخ کی آگ بجھنے لگے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بھڑکا دے گا۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ جَزَآءُهُمْ (الآیۃ) ان لوگوں کی یہ سزا اس لئے ہوگی کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور حشر نشر کی بات سن کر اعتراض اور تکذیب کے پیرائے میں یوں کہا کہ ہم قبروں میں گل جائیں گے صرف ہڈیاں رہ جائیں گی اور ان کا بھی چورا بن جائے گا تو اس وقت کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں! ان کے جواب میں فرمایا کہ ان لوگوں کا انکار اور استہزاء بے محل ہے اس بات کا تو انہیں اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا جس نے اتنی بڑی مخلوق پیدا کر دی وہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے ارواح تو باقی رہتی ہی ہیں اجسام کا دوبارہ پیدا فرما دینا اس میں کوئی بات نہیں جو عقل یا فہم کے خلاف ہو ہاں اتنی بات ہے کہ قیامت کے دن کے لئے ایک میعاد مقرر فرما رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے جب وقت موعود آ جائے گا تو قیامت آ جائے گی مردے زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف جمع ہوں گے۔ لوگوں کی تکذیب اور اعتراض و انکار کی وجہ سے مقررہ

اجل سے پہلے قیامت واقع نہیں ہوگی اس بات کو نہ دیکھیں کہ عرصہ دراز ہو گیا قیامت نہیں آئی جو دلائل پیش کئے جا رہے ہیں ان میں غور کریں، دلائل میں تو غور کرتے نہیں حق کو مانتے نہیں کفر ہی پر اڑے ہوئے اور اسی کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا (سو ظالموں نے بس انکار ہی کیا)

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ
آپ فرما دیجئے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس صورت میں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے اور
الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾
انسان خرچ کرنے میں بڑا تنگ دل ہے

اگر تمہارے پاس میرے رب کی رحمت کے خزانے ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے' انسان بڑا تنگ دل ہے

تفسیر: مطلب یہ ہے کہ اگر تم میرے رب کے خزانوں کے مالک ہوتے اور تمہیں اختیار رہتا کہ جسے چاہو دو اور جسے چاہو نہ دو۔ تو تم ہاتھ روک لیتے کسی کو نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے اور خالق ہے۔ اپنی مخلوق کو رزق عطا فرماتا ہے۔ جس کا جتنا رزق مقرر اور مقسوم فرمایا ہے پورا کئے بغیر موت نہ آئے گی۔ جب سے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ شانہ رزق دیتا ہے اور جس قدر اس کی مخلوق بڑھتی چلی جائے اس کی نعمتوں اور رحمتوں میں کوئی کمی نہیں، مخلوق بھی بڑھ رہی ہے اور ارزاق بھی بڑھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو عطا فرماتا ہے اور حاجتیں پوری فرماتا ہے دوست اور دشمن سب کو دیتا ہے ایک حدیث میں ہے ارءیتم ماانفق منذ خلق السموات والارض فانه لم يغض مافي يده (تم ہی بتاؤ اس نے جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے کتنا خرچ فرمادیا اس سب کے باوجود اس کے قبضہ قدرت سے کچھ بھی کم نہیں ہوا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱)

یہ جو اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت ہے بھرپور انفاق ہے حاجت روائی ہے یہ سب اس کی رحمت کے خزانوں میں سے ہے اگر اس کے خزانے مخلوق کے اختیار میں ہوتے اور وہ خرچ کرنے والے ہوتے تو وہ اس ڈر سے کہ یہ سب خرچ ہو گیا تو تنگ دستی آ جائے گی خرچ کرنے سے ہاتھ ہی روک لیتے وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا اور انسان طبعی طور پر قتور واقع ہوا ہے جو خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ کنجوس ہے تنگ دل ہے' علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں مشرکین کی اس بات کا جواب ہے جو انہوں نے کہا تھا کہ ہماری سرزمین میں چشمے جاری کروا دیجئے تا کہ ہماری تنگ دستی جاتی رہے اور معیشت میں وسعت ہو جائے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمہیں وسعت نصیب ہو جائے تب بھی کنجوسی کرو گے کیونکہ انسان مزاج اور طبیعت کے طور پر بخیل، کم دلا اور نخر چا واقع ہوا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کھلی ہوئی نو نشانیاں عطا کیں سو آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو

فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝۱۰۱ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ

فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ بلاشبہ میں تیرے بارے میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے' موسیٰ نے جواب میں کہا کہ تو ضرور جانتا ہے کہ یہ چیزیں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝۱۰۲ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ

آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے نازل فرمائی ہیں جو بصیرت کا ذریعہ ہیں اور اے فرعون میں تیرے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہو جانے والا ہے' پھر اس نے چاہا کہ انہیں

مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝۱۰۳ لا وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

زمین سے اکھاڑ دے سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا

اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝۱۰۴ ؕ

کہ زمین میں رہو سہو اور پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تمہیں جمع کر کے حاضر کر دیں گے

موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی ہوئی ۹ نو نشانیاں دیں فرعون اپنے ساتھیوں کے ساتھ غرق کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ زمین میں رہو سہو

تفسیر: ابتدائے سورت میں واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کے بعض واقعات بیان فرمائے اور ان سے فرمایا اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا اس کے بعد مشرکین کے اعمال و اقوال اور عقیدہ شرک کی تردید فرمائی درمیان میں بعض مامورات اور منہیات بھی ذکر فرما دیئے پھر مشرکین کے عناد اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا اب سورت کے ختم ہونے کے قریب بھی بنی اسرائیل اور ان کے دشمن فرعون کا تذکرہ فرمایا جس میں بنی اسرائیل یعنی یہود کے لئے اور تمام ہی منکرین اور معاندین کے لئے عبرت ہے' اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلی کھلی واضح نو نشانیاں عطا کیں' ان نشانیوں سے کیا مراد ہے یہ بات ہم عنقریب ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ فرعون کو نصیحت کرو اسے اور اس کی قوم کو توحید کی دعوت دو اور رب کائنات جل مجدہ کی عبادت کی طرف بلاؤ اور بنی اسرائیل کو اس کے چنگل سے چھڑا کر مصر سے لے جاؤ' فرعون بہت بڑا جابر تھا اپنے آپ کو معبود کہلواتا اور منواتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اس سے بات کی اور راہ حق کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا کہ انہیں چھوڑ دے میں ساتھ لے جاتا ہوں تو فرعون نے بڑی جاہلانہ باتیں کیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بتایا پھر جادوگر

بلائے اور مقابلہ کرایا جادوگر ہار گئے اور مسلمان ہو گئے جس کا تفصیلی واقعہ سورۃ انعام کے رکوع ۱۴ اور سورۃ طٰہٰ کے دوسرے تیسرے رکوع میں مذکور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے ساحر یعنی جادوگر تو بتایا ہی تھا مسحور بھی بتایا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے اسی جادو کی وجہ سے تو ایسی باتیں کر رہا ہے معالم التنزیل میں محمد بن جریر سے مسحور کا ایک ترجمہ معطی علم السحر نقل کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تجھے جادو کا فن دے دیا گیا ہے اس کے ذریعے یہ عجائب تیرے ہاتھوں سے ظاہر ہو رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑی جرأت سے جواب دیا کہ تیرا دل جانتا ہے کہ یہ چیزیں سامنے آ رہی ہیں اور میرے ہاتھوں ظاہر ہو رہی ہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور یہ بصیرت کی چیزیں ہیں تو عناد کرتا ہے حق سے بھاگتا ہے اس کا برا انجام تیرے سامنے آنے والا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اب تیری شامت ہی آ گئی اب تو ہلاک ہی ہو کر رہے گا' فرعون نے ساری سنی اَن سنی کر دی اور سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ صحیح ثابت ہوا بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ فرعون پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقاضے پر بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت بڑھ رہی ہے اور بنی اسرائیل ان کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں تو اندیشہ محسوس کیا کہ ان کی جماعت زور پکڑ کر کہیں مصری قوم کی بربادی کا سبب نہ بن جائے لہٰذا اس نے بنی اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے نکال دینے کا پروگرام بنایا اس بات کو فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ میں بیان فرمایا ہے اور روح المعانی میں مِنَ الْاَرْضِ کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے یہ بھی زمین سے ہٹا دینے کی ایک صورت ہے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے کہ فرعون نے کہا سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ (کہ ہم ان کے مردوں کو خوب کثرت کے ساتھ قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور ہمیں ان پر غلبہ حاصل ہے) اس کے پیش نظر یہ دوسرا معنی اظہر ہے' فرعون اگر بنی اسرائیل کو جلا وطن کرنے پر راضی ہوتا تو بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے راہ فرار اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی' علامہ قرطبی نے بھی اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کے دو معنی لکھے ہیں دونوں میں سے جو معنی بھی لیا جائے بہر حال فرعون کے ارادہ اور مکر و تدبیر سب کا الٹ ہوا اللہ جل شانہ نے فرعون کو اور اس کے ساتھیوں کو سمندر میں ڈبو دیا اور بنی اسرائیل پار ہو کر دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے جس کا واقعہ سورۂ بقرہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

فرعون مصر سے بھی نکلا حکومت بھی ہاتھ سے گئی اور زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا اور غرق ہونے کی ذلت میں مبتلا ہوا اس کو فرمایا فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا (سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا) وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ (اور ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس کے بعد زمین میں رہو سہو) علامہ قرطبی لکھتے ہیں ای ارض الشام و مصر یعنی مصر اور شام کی زمین میں رہو جس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کی بربادی

کے بعد بنی اسرائیل کو اختیار دے دیا گیا خواہ مصر میں رہو اور خواہ اپنے آبائی وطن یعنی شام (فلسطین) میں جا کر آباد ہو جاؤ لیکن انہوں نے شام میں رہنا پسند کیا، پسند تو کر لیا لیکن اپنی حرکتوں کی وجہ سے میدان تیہ میں گھومتے رہے اور چالیس سال کے بعد فلسطین میں داخل ہو سکے (کمافی سورۃ المائدہ) فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (پھر جب آخرت یعنی قیامت کا وعدہ آ پہنچے گا اور قیامت قائم ہو گی تو ہم تم کو اس حالت میں اٹھالیں گے کہ سب لفیف ہوں گے) یعنی قبور سے اس حالت میں اٹھیں گے کہ سب ملے جلے ہوں گے اور مختلف جہات سے اٹھ کر آئیں گے اور میدان میں جمع کر لیئے جائیں گے بعض حضرات نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کافر قبروں سے اٹھ کر جب بدحالی دیکھیں گے تو مومنوں کی جماعتوں میں گھس جائیں گے تاکہ ان کی لپیٹ میں بچ جائیں جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (کہ اے مجرمو آج کے دن علیحدہ ہو جاؤ) پھر کافروں کی جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جائیں گی اور مومنین کی جماعتیں جنت میں چلی جائیں گی۔

فائدہ: اس رکوع کے شروع میں جو یہ فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کھلی ہوئی نو نشانیاں عطا کیں، ان نشانیوں سے کون سی نشانیاں مراد ہیں مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے یہ معجزات مراد ہیں (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) سمندر سے بنی اسرائیل کو لے کر پار ہو جانا (۴) فرعون اور اس کی قوم کا قحط میں مبتلا ہو جانا (۵) اور پھلوں کا کم ہو جانا (۶، ۷) اور قوم فرعون پر ٹڈیوں کا اور جوؤں کا عذاب آ جانا (۸) اور مینڈکوں کے عذاب میں مبتلا ہونا (۹) اور ان کے برتنوں اور پینے کے پانی میں خون کا موجود ہو جانا۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور بھی ہیں اس لئے بعض حضرات نے ان کو بھی اس ذیل میں ذکر فرمایا ہے مثلاً پتھر سے چشموں کا جاری ہو جانا اور من وسلویٰ نازل ہونا جو حضرات دوسرے معجزات کو ان نو معجزات میں شمار کرتے ہیں جن کا ذکر آیت بالا میں ہے وہ مذکورہ معجزات میں بعض کو نوع معجزات والی گنتی میں نہیں لاتے ان کی جگہ دوسرے معجزات کو شمار میں لے لیتے ہیں۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرْاٰنًا

اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے قرآن میں

فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ

جا بجا فصل رکھا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے آپ فرما دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾

بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا اس کے سامنے رحمٰن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ

اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ ضرور ہی پورا ہونے والا ہے اور وہ رونے کی حالت میں ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾

اور یہ قرآن ان کا خشوع بڑھا دیتا ہے

ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں سابقین اہل علم اس کو سنتے ہیں تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں

تفسیر: ان آیات میں کتاب اللہ کی اور رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائی ہیں اور قرآن کی تلاوت سے متاثر ہونے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے بھیجنے والے نے حق کے ساتھ بھیجا جس کے پاس آیا حق ہی کے ساتھ پہنچا درمیان میں کسی طرح کا تغیر اور تبدل نہیں ہوا' پھر نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو صرف مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اہل ایمان کو جنت کی بشارت دینا' اور اہل کفر کو دوزخ کی وعید سنانا آپ کا اتنا ہی کام ہے جو نہ مانے گا وہ اپنا ہی برا کرے گا آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔

پھر فرمایا: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (یعنی ہم نے قرآن کو اس طرح نازل کیا کہ اس میں جا بجا فصل ہے ایک آیت ختم ہونے کے بعد دوسری آیت شروع ہوتی ہے اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت شروع ہو جاتی ہے اس میں آیات اوقاف' فواصل اور سورتوں اور مضامین کا تنوع رکھا گیا ہے تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں تاکہ سننے والے سمجھ سکیں اور حفظ کرنے والے یاد کر سکیں' مسلسل بیان کرنے میں جو بعض مرتبہ سننے والوں سے بعض باتیں رہ جاتی ہیں ان کے سمجھنے میں اور یاد کرنے میں جو دقت ہوتی ہے اس کا سامنا نہ ہو عَلٰى مُكْثٍ کا یہ معنی لیا جائے تو اس میں ترتیل اور تجوید کے ساتھ اس طرح پڑھنا بھی آجاتا ہے کہ تلاوت میں قرآن مجید کے حروف غنہ کٹیں اور کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہو'

فَرَقْنٰهُ کا یہ معنی جو بعض مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی یوں نقل کیا ہے کہ بینا حلاله وحرامه کہ ہم نے اس میں واضح طور پر حلال اور حرام بیان کر دیا ہے' اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی لیا ہے کہ فرقنا فيه بين الحق والباطل (یعنی ہم نے اس میں حق اور باطل کو جدا جدا کر کے علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا) اور اوامر اور نواہی اور احکام اور مواعظ اور امثال اور قصص کو واضح کر دیا ہے (هذا يرجع الى ماذكرناه اولا)

وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا' روح المعانی ص ۱۸۸ ج ۱۵ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

سے نقل کیا ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ سے ماہ رمضان میں شب قدر میں آسمان دنیا پر پورا نازل کر دیا گیا اور وہاں بیت العزت میں رکھ دیا گیا پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب مصالح العباد بواسطہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تیئیس (۲۳) سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے سید الاولین والآخرین علیہ پر نازل ہوا لفظ تنزیل تفعیل کا وزن ہے اور یہ وزن اپنی بعض خاصیات کے اعتبار سے کسی کام کے تھوڑا تھوڑا کرنے پر دلالت کرتا ہے اس لئے مفسرین کرام نزلنہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا' قال فی الجلالین ونزلنا تنزیلًا شیأ بعد شیئی علی حسب المصالح (تفسیر جلالین میں ہے اور ہم نے مصلحتوں کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا)

اس کے بعد فرمایا قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا (الآیۃ) اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ کو حکم دیا ہے کہ مخاطبین سے فرما دیجئے کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' ایمان کا فائدہ تمہیں پہنچے گا اور انکار کا نقصان تمہیں پہنچے گا اور تمہارے ایمان نہ لانے سے میرا کوئی ضرر نہیں' اور یہ بھی سمجھ لو کہ قرآن کا بقاء اور اس کا دنیا جہان میں آگے بڑھنا اور پھیلنا کوئی تم پر موقوف نہیں' جن لوگوں کو نزول قرآن سے پہلے علم دے دیا گیا تھا انہوں نے اسلام قبول کر لیا جب قرآن مجید ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کر سکتا اس نے جو وعدہ فرمایا ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

یہ لوگ جو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گرتے ہیں روتے ہوئے گرتے ہیں اور قرآن کا سننا ان کے خشوع کو اور زیادہ کر دیتا ہے' صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ علیہ کی بعثت سے پہلے دین حق کی تلاش میں تھے اور آپ کی بعثت کے منتظر تھے جب آپ کی بعثت کا علم ہو گیا تو آپ پر ایمان لے آئے اور قرآن کو سنا اور پڑھا اس قرآن کو سنتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان سے اور قرآن سے نوازا ہے وہ روتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں اور یہ قرآن ان کے اندر اور زیادہ خشوع بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے' بطور مثال علامہ بغوی نے زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان فارسی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کا نام لکھا ہے اور علامہ قرطبی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہو گئے' احقر کے نزدیک اس سے نجاشی اور اس کے حاضرین بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ فرمایا ہے' لفظ اذقان ذقن کی جمع ہے جس کا ترجمہ ٹھوڑی لیا گیا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے چہرے مراد ہیں سجدہ صحیح طریقے پر کیا جائے تو ٹھوڑی زمین سے لگنے کے قریب ہو جاتی ہے اس لئے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو صفت علم سے متصف ہوا سے اس مرتبے تک پہنچنا چاہئے کہ قرآن کریم سننے کے وقت اس کے دل میں خشوع ہو اور متواضع ہو کر بیٹھے اور عاجزانہ ہیئت اختیار کرے' مسند دارمی میں ابو محمد تیمی کا قول نقل کیا ہے کہ جسے علم دیا گیا لیکن اس علم نے اسے رلایا نہیں تو وہ اس لائق ہے کہ اسے علم نہ دیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ

شانہٗ نے علماء کی یہ صفت بیان فرمائی کہ کہ چہروں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اس کے بعد انہوں نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔

اس کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے خوف سے اگر نماز میں روئے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی سنن ابوداؤد ص ۱۳۰ ج ۱ میں ہے کہ مطرف بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ بن شیخر کا بیان نقل کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے، یہ حدیث سنن نسائی میں بھی ہے اس میں یوں ہے کہ آپ کے اندر سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے ہانڈی پکنے کی آواز ہوتی ہے (ص ۱۷۹ ج ۱)

اللہ کے خوف سے رونا اہل ایمان کی خاص صفات میں سے ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی مومن بندہ کی آنکھوں سے آنسو نکل جائیں اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اور یہ آنسوؤں کا نکلنا اللہ کے خوف سے ہو پھر یہ آنسو اس کے چہرہ پر گر جائیں تو اللہ اس کو آگ پر حرام فرما دے گا (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ ان کو آگ نہیں چھوئے گی ایک تو وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں نگرانی کی یعنی جہاد کے موقع پر رات کو جاگتا رہا کہ کوئی دشمن تو نہیں آ رہا ہے (رواہ الترمذی) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ نجات کس چیز میں ہے آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو (بری باتوں سے) روکے رکھ اور اپنے گھر میں اپنی جگہ بنائے رکھ (یعنی گھر ہی میں رہ بلا ضرورت باہر نہ نکل) اور اپنے گناہوں پر رویا کر (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳ از احمد و ترمذی)

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ

آپ فرما دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو سو اس کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، اور نماز میں نہ تو

بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰

زور کی آواز سے پڑھیئے اور نہ چپکے چپکے پڑھیئے اور دونوں کے درمیان اختیار کر لیجئے

اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اسکے اچھے اچھے نام ہیں آپ نماز میں قرأت کرتے وقت درمیانی آواز سے پڑھیئے

تفسیر: درمنثور ص ۲۰۶ ج ۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں یا اللہ اور یا رحمٰن کہا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ اس نئے دین والے کو دیکھو ہمیں دو معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رحمٰن کہہ کر پکارنا دو معبودوں کا پکارنا نہیں ہے معبود تو ایک ہی جو وحدہ لا شریک له ہے یہ دونوں اس کے نام ہیں اس کو جس نام سے بھی پکار لیا تو کوئی شرک لازم نہیں آیا اور تم تو کئی معبودوں کو مانتے ہو تمہارے معبود ایسے نہیں ہیں کہ ذات ایک ہو اور نام کئی عدد ہوں تمہارے عقیدہ میں معبودوں کی ذاتیں متعدد ہیں اور میرا جو معبود ہے ایک ہی ہے وہ معبود حقیقی ہے جس کا نام اللہ بھی ہے رحمٰن بھی ہے ان دونوں ناموں کے علاوہ اور بھی اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں ان ناموں میں سے جو نام لے کر بھی اسے پکارا جائے گا صحیح ہوگا شرک نہ ہوگا کیونکہ یہ سب ایک ذات پاک کے نام ہیں سنن ترمذی میں اللہ تعالیٰ کے ننانو ۹۹ے نام مروی ہیں جو مشکوٰۃ المصابیح میں ص ۱۹۹ پر منقول ہیں۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ (الآیۃ) صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (ابتدائے اسلام میں) چھپ کر اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے جس میں قرأت زور سے پڑھتے تھے جب مشرکین قرآن سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن کے نازل کرنے والے کو اور قرآن کے لانے والے کو برے الفاظ میں یاد کرتے تھے اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ نماز میں زور سے قرأت نہ پڑھیں جسے سن کر مشرکین برے الفاظ میں ذکر کرنے کا موقع پالیں اور آپ نماز میں قرأت کو آہستہ بھی نہ پڑھیں جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ نہ سن سکیں آپ دونوں کے درمیان راستہ اختیار کرلیں، اس سے معلوم ہوا کہ جن نمازوں میں قرأت جہر سے پڑھی جاتی ہے ان میں اتنا جہر کافی ہے کہ اپنے مقتدی سن سکیں اتنے زور سے جہر نہ کیا جائے کہ کافروں تک بھی آواز پہنچے اور وہ متاثر ہونے کے بجائے قرآن مجید کو اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کو برے لفظوں میں یاد کریں، اور یوں بھی جہر مفرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑ کی گھاٹی میں چڑھ رہے تھے اس وقت ایک شخص نے بلند آواز سے لا اله الا الله والله اکبر کہہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بہرے کو اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو پھر آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا لا حول ولا قوة الا بالله جنت کے خزانوں میں سے ہے (صحیح بخاری ص ۹۴۹)

رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ رات کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر گزرے پھر صبح کو فرمایا کہ ابوبکر میں تمہارے قریب سے گزرا تو معلوم ہوا کہ تم پست آواز میں قرآن شریف پڑھ رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ جس ذات پاک سے مناجات کررہا تھا اس کو میں نے سنا دیا آپ نے فرمایا کہ تھوڑی سی آواز اونچی کرکے پڑھا کرو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے قریب سے گزرا تم اونچی آواز سے قرأت پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی بلند آواز سے اونگھنے والے کو

جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا پست کرو (رواہ الترمذی باب ماجاء فی القرأۃ باللیل)
اس کو فرمایا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا (اور آپ اس کے درمیان راستہ اختیار کیجئے)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَکُنْ

اور آپ یوں کہیئے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے لیے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے لئے ملک میں کوئی شریک ہے اور نہ ایسی بات ہے کہ

لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾

کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی ولی ہو اور خوب اچھی طرح سے اس کی بڑائی بیان کیجئے

اللہ کی حمد بیان کیجئے جس کا کوئی شریک اور معاون نہیں ہے اور اس کی بڑائی بیان کیجئے

تفسیر: درمنثور ص ۲۰۸ ج ۴ میں حضرت محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور مشرکین عرب اللہ کے لئے یوں شریک تجویز کرتے تھے کہ حج میں جو تلبیہ پڑھا جاتا ہے اس میں **لا شریک لک** کے ساتھ **الا شریکا ھو لک تملکه وما ملک** بھی جوڑ دیتے تھے اور صائبین اور مجوس یوں کہتے تھے کہ اگر اللہ کی مدد کرنے والے نہ ہوتے تو وہ عاجز ہو کر رہ جاتا ان سب کی تردید میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا (آخر تک نازل فرمائی (رواہ البخاری) جس میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا نہ اس کی اولاد ہے نہ اولاد ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد ہونا اس بے عیب کے لئے عیب ہے حدیث قدسی میں ہے **وسبحانی ان صاحبة او ولدا** (اور میں اس سے پاک ہوں کہ میرے کوئی بیوی ہو یا اولاد ہو)

نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے سارا ملک اسی کا ہے وہ ملک الملوک ہے اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اسے کسی شریک کی ضرورت ہے اور نہ کسی مددگار کی جسے امور مملکت پر پوری قدرت نہیں ہوتی اسے ولی یعنی مددگار کی ضرورت پڑتی ہے اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے قوی عزیز ہے وہ کسی چیز سے عاجز نہیں لہٰذا اسے کسی ولی یعنی مددگار کی ضرورت نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے سورۃ سباء میں فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ (آپ فرمادیجئے کہ ان لوگوں کو بلاؤ جن کو تم خدا کے سوا نافع اور معبود سمجھ رہے ہو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ کی حمد بیان کرنے کا بھی حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں تکبیر

یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان فرمانے کا بھی حکم دیا تفسیر ابن کثیر میں مرسلاً روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ آیت اپنے گھر کے ہر چھوٹے بڑے فرد کو سکھایا کرتے تھے نیز بعض آثار سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس کسی رات کو کسی گھر میں یہ آیت پڑھ لی جائے تو چوری کا یا دوسری کسی مصیبت کا حادثہ پیش نہ آئیگا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **افضل الذکر لا الٰه الا اللّٰه و افضل الدعاء الحمد لله** سب سے زیادہ افضل ذکر **لا اله الا اللّٰه** ہے اور سب سے افضل دعا **الحمد لله** ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کی طرف وہ لوگ بلائے جائیں گے جو خوشی میں اور دکھ تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حمد اصل شکر ہے جس بندہ نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا جو اس کی حمد بیان نہیں کرتا (**رواهما البیهقی فی شعب الایمان**)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں ایک مرتبہ **سبحان اللّٰه والحمد لله ولا اله الا اللّٰه واللّٰه اکبر** کہہ دوں تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے (رواہ مسلم)

وهذا اٰخر سورة الاسراء بفضل اللّٰه
ذی المَجد والکبریاء والحمد لله خالق
الارض والسماء والصلوة علی صفوة
الانبیاء وعلی اله
وصحبه البررة
الاتقیاء

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّعَشْرُ اٰيَاتٍ وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورہ کہف مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ۱۲۰ آیات ہیں اور ۱۲ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی اس کتاب کو استقامت والا بنایا تا کہ وہ

بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اللہ کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنین کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے

اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝۳ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ

اچھا اجر ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ اولا د رکھتا ہے انہیں اس کے بارے میں

مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ

کچھ بھی علم نہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کا بڑا بول ہے جو انکے مونہوں سے نکل رہا ہے یہ لوگ بس

اِلَّا كَذِبًا ۝۵

جھوٹ ہی بول رہے ہیں

سورہ کہف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جس میں ۱۲۰ آیات ہیں اور ۱۲ رکوع ہیں البتہ آیت کریمہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ کا مدینہ منورہ میں نزول ہوا اور بعض مفسرین نے آخری چار آیات اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سے ختم سورت تک کو بھی مدنی بتایا ہے۔

وجہ تسمیہ: چونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا ہے اس لئے سورہ کہف کے نام سے موسوم اور مشہور ہے کہف غار کو کہتے ہیں کچھ اہل ایمان اپنے زمانہ کے اہل کفر کے خوف سے غار میں چھپ گئے تھے اس لئے انہیں اصحاب کہف کہا جاتا ہے اس سورت میں ایک قصہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کا اور دوسرا قصہ ذوالقرنین کے مشرق اور مغرب کی طرف سفر کرنے اور یاجوج ماجوج کے فساد سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لئے ایک مضبوط دیوار بنانے کا قصہ بھی مذکور ہے۔

سبب نزول: بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے مشرکین سے کہا کہ تم محمد ﷺ سے تین چیزیں معلوم کرو اول یہ کہ روح کیا ہے دوم یہ کہ اصحاب کہف کا کیا واقعہ ہے سوم یہ کہ ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے پہلی بات کا جواب تو سورۃ الاسراء میں گذر چکا ہے اور باقی دو سوالوں کا جواب اس سورت میں مذکور ہے مشرکین کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا امتحان کریں لیکن

جواب مل جانے پر نہ مشرکین مکہ ایمان لائے اور نہ یہود مدینہ۔

سورہ کہف پڑھنے کے دنیاوی و اخروی منافع: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کی شروع کی دس آیات یاد کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۷۱ ج ۱) اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص دجال کو پالے تو اس پر سورۂ کہف کی شروع کی آیات پڑھ دے (اسکی وجہ سے) وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (صفحہ ۴۰۱ ج ۲) اور بعض روایات میں ہے کہ سوۂ کہف کی آخری آیات یاد کرنے سے دجال سے حفاظت رہے گی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۷۱)

آخری آیات علامہ نووی نے شرح مسلم میں اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا سے بتائی ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لی دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے نور روشن رہے گا (کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۷۹ عن البیہقی فی الدعوات الکبیر) دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل روشن رہے گا اور بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن اسکے پڑھنے کی وجہ سے ایک ہفتہ کے بقدر اسکی قبر میں روشنی رہے گی۔

مفسر ابن کثیر نے امام بیہقی کی سنن کبریٰ سے حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف اسی طرح پڑھی جیسا کہ نازل ہوئی ہے وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی اور ضیاء الدین مقدسی کی کتاب المختارہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لی وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا اس عرصہ میں اگر دجال نکل آیا تو اس سے بھی حفاظت ہوگی۔

تفسیر: سورہ کہف کو اللہ تعالیٰ نے حمد سے شروع فرمایا ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ اور سورہ انعام اور سوہ سبا اور سورہ فاطر بھی اسی سے شروع فرمائی ہے چونکہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تکذیب کرنے کے لئے مشرکین کو یہ سوال سمجھایا تھا کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ معلوم کرو اور رسالت کی تکذیب قرآن مجید کی تکذیب کو مستلزم ہے اس لئے سورہ کی ابتداء میں یوں فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی نہ اس کے لفظوں میں کوئی خلل ہے اور نہ فصاحت بلاغت میں کمی اور نہ معنی میں تناقض ہے کجی کی نفی فرما کر قَیِّمًا فرمایا چونکہ یہ لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ کا مفعول نہیں ہے اس لئے عوجا پر سکتہ یا وقفہ، ہونا چاہئے تاکہ قَیِّماً نفی کے تحت داخل نہ ہو جائے صاحب روایت حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ سے جن چار مواقع میں سکتہ مروی ہے ان میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے حضرات قراء کرام نے نقل کیا ہے کہ حضرت حفصؒ تشریف لے جارہے تھے کسی اعرابی سے سنا کہ اس نے عِوَجًا کے بجائے قَیِّمًا پر وقف کردیا حضرت موصوف نے فرمایا کیف یکون العوج قیما کہ ٹیڑھی چیز کیسے سیدھی ہوگی؟ اس کے بعد سے انہوں نے عِوَجًا پر سکتہ کرنے کی تلقین

فرمائی۔ قال الامام الجزری فی النشر باب السکت علی الساکن قبل الهمز وغیره ووجه السکت فی عوجا قصد بیان ان قیما بعده لیس متصلا بما قبله فی الاعراب فیکون منصوبا بفعل مضمر تقدیره انزله قیما فیکون حالا من الهاء فی انزله۔ (علامہ جزریؒ النشر میں فرماتے ہیں ہمزہ وغیرہ سے پہلے ساکن پر سکتہ کا بیان اور عوجا میں سکتہ کی وجہ اس بات کے بیان کا ارادہ ہے کہ اس کے بعد والا مضمون اعراب میں اس کے ماقبل سے متصل نہیں ہے لہذا یہ پوشیدہ فعل کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یوں ہے کہ انزله قیمابس یہ انزله کی ہ ضمیر سے حال ہے)

قَیِّمًا، مُسْتَقِیْمًا کے معنی میں ہے جس کا معنی ہے بالکل ٹھیک صحیح، بعض حضرات نے تو اس کا وہی ترجمہ کر دیا جو پہلے جملہ کا تھا یعنی لا خلل فی لفظه ولا فی معناه اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے احکام میں افراط اور تفریط نہیں ہے صاحب روح المعانی نے دو قول اور لکھے ہیں فراء کا قول ہے کہ قَیِّمًا سے یہ مراد ہے کہ اس میں اپنے سے پہلے نازل ہونیوالی کتب سماویہ کی تصدیق کی ہے اور ان کی صحت کی گواہی دی ہے اور ابو مسلم سے نقل کیا ہے کہ قیم کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کی مصالح کا کفیل ہے اور وہ سب باتیں بتاتا ہے جن سے بندوں کی معاش و معاد دونوں درست ہو جائیں۔

پھر فرمایا لِیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ تاکہ وہ قرآن کافروں کو ایک سخت عذاب سے ڈرائے جو اللہ کی طرف سے ہوگا۔

وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا (اور تاکہ ایمان والوں کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ انہیں اچھا اجر ملے گا) مّٰکِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا (یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

اجرا حسنا سے جنت مراد ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ نے اپنے لئے اولاد بنالی ہے) پہلے تمام کافروں کو ڈرانے کا تذکرہ فرمایا پھر مستقل طور پر ان لوگوں کے ڈرانے کا ذکر فرمایا جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اہل عرب کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتاتے تھے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں، یہ بہت بڑا شرک ہے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ (ان لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم نہیں اور نہ ان کے آباء واجداد کو کوئی علم ہے) جو کچھ کہتے ہیں علم کی بنیاد پر نہیں اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں باپ دادوں سے سنتے چلے آرہے ہیں انہیں اصل حقیقت کا پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ہونا محال ہے کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (یہ بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر کے بے جا جسارت کی ہے ان کا یہ بات کہنا افتراء کے اعتبار سے اور کلمہ کفر ہونے کے اعتبار سے بڑا کلمہ ہے اور بہت ہی بڑا جرم ہے کسی درجہ بھی زبان سے نکالنے کے لائق نہیں ہے اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا (یہ لوگ بس جھوٹ ہی بولتے ہیں) سورہ مریم میں فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا (اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کر لی ہے بلاشبہ تم نے بہت سخت حرکت کی ہے کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لئے اولاد تجویز کی اور رحمٰن کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا

سو ایسا تو نہیں کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان کو غم کی وجہ سے ہلاک کر دینے والے ہیں اور یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائیں، بلاشبہ

مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا

زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے اور زمین پر جو کچھ ہے بلاشبہ ہم اسے بالکل

صَعِيْدًا جُرُزًا ۝

صاف میدان بنا دینے والے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا

تفسیر: ان آیات کے بعد اصحاب کہف کا قصہ شروع ہونیوالا ہے مشرکین اور یہود رسول اللہ ﷺ سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے صحیح جواب پاتے تھے معجزات بھی دیکھتے تھے لیکن ایمان پھر بھی نہیں لاتے تھے اصحاب کہف کا قصہ معلوم تو کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ ایمان پھر بھی نہ لائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس سے رنج ہونا ظاہر تھا اس لئے قصہ سنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دے دی کہ آپ ان کے گمراہی پر جمع رہنے کی وجہ سے اپنی جان کو غمگین کر کے ہلاک نہ کریں آپ کے ذمہ پہنچانا ہے، منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اس لئے پہلے ہی فرما دیا کہ شاید آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہی کو ہلاک کر دیں گے یعنی آپ ایسا نہ کریں یہ استفہام انکاری کے طور پر ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان کو ہلاک نہ کریں، اس میں لفظ شاید شک کے لئے نہیں ہے بلکہ محاورات میں جس طرح مخاطب کو قریب کرنے کے لئے بات کی جاتی ہے یہ اسی انداز کی بات ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جانتا ہے اسے کسی بات میں شک نہیں ہے۔

آپ کو تسلی دینے کے بعد یہ بتایا کہ ہم نے دنیا میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے یہ ظاہری زیب و زینت ہے اور ہم نے اسے اس لئے پیدا کیا کہ لوگوں کو آزمائیں اس زندگی میں کون اچھے سے اچھے عمل کرتا ہے، اگر دنیا میں کشش نہ ہوتی تو امتحان ہی کیا ہوتا؟ لوگ دنیا میں لگ کر اپنے خالق کو بھول گئے اور خالق کا جو پیغام اس کے رسولوں نے پہنچایا اس کی طرف بڑھنے میں چونکہ دنیا کا نقصان محسوس کرتے ہیں اس لئے حق جانتے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتے حالانکہ یہ دنیا تھوڑی سی ہے تھوڑے دن کی ہے اور حق کی جو دعوت دی جا رہی ہے اس کے قبول کرنے پر ہمیشہ کی نعمتوں والی جاودانی زندگی ملے گی، اس عارضی دنیا پر جان نہ دیں، یہ لہلہاتی ہوئی کھیتی کی طرح سے ہے آج ہری بھری ہے اور کل کو کچھ بھی نہیں، کھیتوں کا انجام تو ہمیشہ دیکھتے ہیں ایک دن وہ آنے والا ہے کہ زمین پر جو کچھ ہے کچھ بھی نہ رہے گا اور صاف میدان ہو جائے گا۔

سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دیگا پھر زمین کو ایک ہموار میدان کر دیگا کہ جس میں تو نہ ناہمواری دیکھے گا اور نہ تو کوئی بلندی دیکھے گا)

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ
کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے' جب جوانوں نے غار میں ٹھکانہ پکڑا
اِلَی الْکَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا
تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما' اور ہمارے لئے ہمارے کام میں اچھی صورت حال مہیا کر دیجئے سو ہم نے
عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْکَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی
ان کے کانوں پر سالہا سال تک پردہ ڈال دیا پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کونسا گروہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو
لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾
ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے۔

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم کون تھے

تفسیر: یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہو رہا ہے کہف غار کو کہتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا' چند نوجوان اپنے زمانہ کے بادشاہ اور دیگر کافرین سے اپنی جان اور دین وایمان بچانے کے لئے ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے اس لئے انہیں اصحاب کہف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا واقعہ ان شاء اللہ آئندہ آنے والے دو رکوع میں بیان کیا جائیگا لیکن چونکہ مذکورہ بالا آیت میں اصحاب الکهف والرقیم فرمایا ہے اس لئے رقیم کا معنی بھی جاننا چاہئے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے یہ حضرت انس صحابی رضی اللہ عنہ اور حضرت شعبی تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایک تختی تھی جو پتھروں سے تراشی ہوئی تھی اس میں اصحاب کہف کا قصہ لکھا ہوا تھا جو غار کے دروازہ پر رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب تھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایلہ اور فلسطین کے درمیان وادی کا نام ہے اور اسی وادی میں وہ غار تھا جس میں اصحاب کہف نے پناہ لی تھی' حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ جب ان سے رقیم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں پھر فرمایا کہ میں نے کعب سے پوچھا (جو یہودیوں کے عالم تھے انہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ میں اسلام قبول کیا) کہ رقیم

اس بستی کا نام ہے جس میں سے یہ حضرات نکلے تھے صاحب روح المعانی (صفحہ ۲۰۹ ج ۱۵) فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ اصحاب الکھف والرقیم کا مصداق ایک ہی جماعت ہے پھر ایک قول نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم الگ الگ دو جماعتیں تھیں لیکن اس قول کی انہوں نے تائید نہیں کی اور اصحاب رقیم کے بارے میں احادیث صحیحہ ملتی بھی نہیں ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اصحاب کہف کا زمانہ: اصحابہ کہف کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (صفحہ ۱۱۴ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ لوگ دقیانوس بادشاہ کے زمانہ میں تھے اور بادشاہوں کی اولاد سے تھے ایک دن ایسا ہوا کہ عید کے موقع پر اپنی قوم کے ساتھ جمع ہونیکا اتفاق پڑ گیا انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کو سجدہ کر رہی ہے اور بتوں کی تعظیم میں مشغول ہے ان کا یہ حال دیکھ کر ان سے نفرت ہوگئی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے پردے اٹھا دیئے اور ان کے دلوں میں ہدایت ڈال دی انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ صحیح دین پر نہیں ہیں لہٰذا انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنا دین بنا لیا چونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ان لوگوں میں رہیں گے تو یہ ہمیں دین توحید پر نہیں رہنے دیں گے اس لئے انہوں نے غار میں پناہ لے لی ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا وہ انکے دروازہ پر بیٹھا رہتا تھا۔

اللہ جل شانہ نے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کا تعجب دور فرمایا اور فرمایا کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے یہ کوئی عجیب چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر دوسری عجائبات اور آیات موجود ہیں مثلاً آسمان و زمین کو پیدا فرمانا وغیرہ ذلک یہ چیزیں بالکل معدوم تھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا اصحاب کہف کے قصہ میں اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدت دراز تک سلا دیا اور انکے جسم نہیں گلے مخالفین ان کے واقعہ کو تو تعجب کی چیز سمجھتے ہیں اور اسی لئے آپ سے سوال کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر جو تعجب کی چیزیں ہیں ان میں غور نہیں کرتے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اَمْ حَسِبْتَ فرما کر آپ کو مخاطب فرمایا اور اسی کے ذیل میں دوسروں سے بھی خطاب ہو گیا اور ان کو بھی بتا دیا کہ یہ قصہ گو عجیب ہے لیکن اس سے بڑھ کر جو عجیب چیزیں ہیں ان کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی عجیب نہیں ہے۔

اصحاب کہف کا غار میں داخل ہونا: اس کے بعد اصحاب کہف کے واقعہ کا بیان شروع فرمایا ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ نوجوانوں کی جماعت نے کہف میں ٹھکانہ پکڑا اور ٹھکانہ پکڑتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں دعا کی رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما وَھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (اور ہمارے لئے ہمارے کام میں اچھی صورتحال مہیا کر دیجئے) سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور وہ جس پر فضل فرمانا چاہے ہر جگہ فضل فرما سکتا ہے کوئی شخص جہاں بھی ہو جس حال میں ہو تنہا ہو یا جماعت ہو آبادی میں ہو یا جنگل میں پہاڑ میں ہو یا غار میں اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہے اس کے دین ایمان کو بھی سالم رکھ سکتا ہے اور اس کے تمام حالات کو بھی درست فرما سکتا ہے چونکہ اصحاب کہف اپنی قوم کو کفر و شرک میں مبتلا دیکھ کر

فرار ہوئے تھے اور اس علاقہ میں غلبہ کافروں ہی کا تھا اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رحمت کی اور خیر و خوبی کی اور اچھی صورتحال کی دعا کی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی کافروں سے محفوظ فرما دیا اور اسی غار میں انہیں سلا دیا جس میں انہوں نے پناہ لی تھی اور وہ اس میں اتنی مدت دراز تک سوئے اور سو کر اٹھنے کے بعد آپس میں یوں سوال کرنے لگے کہ بھئی اس غار میں آپ لوگ کتنے دن ٹھہرے ہیں؟ اسی کو فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا (پھر ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کونسا گروہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلے گروہ سے انہیں میں کی وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے سوال کیا کہ کتنے دن رہے اور دوسرے گروہ سے ان کی وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے جواب میں یوں کہا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ (تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنے دن ٹھہرے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک گروہ سے اصحاب کہف اور دوسرے گروہ سے وہ بادشاہ مراد ہیں جو اس طویل مدت میں (جس میں یہ حضرات سوتے رہے) یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے (ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۲۱۲ ج ۱۵)

اللہ جل شانہ نے اصحاب کہف پر جو نیند مسلط فرمادی تھی اسے فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ سے تعبیر فرمایا انسان سوتا تو ہے آنکھوں سے لیکن گہری نیند وہ ہوتی ہے جبکہ سونے والا آواز سنکر بھی بیدار نہ ہو سکے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد انمناھم انامة ثقیلة لا تنبهھم فیھا الاصوات بان یجعل الضرب علی الاذان کنایة عن الانامة الثقیلة۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ہم نے ان کو بڑی گہری نیند سلایا جس میں ان کو آوازوں نے بیدار نہیں کیا اس طرح کہ ضرب علی الآذان کو گہری نیند سے کنایا بنایا ہے)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا

ہم آپ سے ان کا واقعہ بالکل ٹھیک بیان کرتے ہیں بلاشبہ یہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دیدی اور ہم نے

عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ

ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ کھڑے ہوئے سو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ہم اس کے علاوہ کسی کو معبود نہیں بنائیں گے

اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ

اس صورت میں تو ہم یقینی طور بڑی زیادتی کی بات کرنے والے ہو جائیں گے۔ یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لیئے کیونکہ نہیں لے آتے

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ

اس پر کھلی ہوئی دلیل، سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے اور جب تم ان لوگوں سے

وَمَا يَعْبُدُونَ اِلَّا اللّٰهَ فَأْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ

اوران کے معبودوں سے جدا ہو گئے جو اللہ کے سوا ہیں تو غار کی طرف پناہ لے لو تمہارا رب تم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے مقصد

مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

میں آسانی مہیا فرمائے گا۔

اصحاب کہف کا تفصیلی واقعہ

تفسیر: جیسا کہ دو تین صفحہ قبل ہم نے ذکر کیا کہ یہ چند نوجوان اپنی بت پرست قوم سے بھاگ نکلے تھے ان کا مقصود اپنا ایمان بچانا تھا اور جان بچانا بھی پیش نظر تھا کیونکہ وہاں جو بادشاہ تھا وہ اہل ایمان کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور جو شخص انکار کردے اسے قتل کر دیتا تھا مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ نوجوان روم کے بادشاہ اور سرداروں کی اولاد میں سے تھے اس زمانہ کا بادشاہ جس کا نام دقیانوس تھا ظالم آدمی تھا اور وہ لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دیتا تھا جب یہ نوجوان تہوار کے موقع پر اپنے اپنے خاندان کے ساتھ نکلے تو بت پرستی کا ماحول اور ماجرا دیکھ کر ان کے قلوب میں بہت زیادہ ناگواری کی شان پیدا ہوگئی اور وہاں سے بھاگ نکلے ہر شخص علیحدہ علیحدہ فرار ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے پہلے ایک شخص ایک درخت کے سایہ میں آکر بیٹھا اور پھر دوسرا اور تیسرا آیا اور آتے چلے گئے قلوب کی وحدت ایمانیہ نے بہ مصداق الجنس یمیل الی الجنس سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

اصحاب کہف کا ایک جگہ جمع ہونا اور آپس میں متعارف ہو کر باہم گفتگو کرنا

جمع تو ہو گئے لیکن ایک دوسرے سے ڈر بھی رہے تھے کیونکہ ہر ایک کو ایک دوسرے کے عقیدہ کا پتہ نہ تھا ایسے ہی بیٹھے بٹھائے ان میں سے ایک نے کہا کہ ہر شخص یہ بتائے کہ وہ اپنی قوم سے کیوں جدا ہوا' اور تنہا اکیلا ہو جانا اس نے کیوں گوارا کیا' اس پر ایک شخص بولا کہ میں تو اس لئے قوم سے جدا ہوا ہوں کہ میرے نزدیک میری قوم باطل پر ہے جو غیر اللہ کو سجدہ کر رہی ہے عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں کو زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کچھ پیدا کیا' کیے بعد دیگرے دوسرے افراد نے بھی یہی جواب دیا اس پر وہ آپس میں سچے ایمانی بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد بن گئے اور انہوں نے مل کر ایک عبادت خانہ تجویز کر لیا جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جب ان کی قوم کو صورتحال کا علم ہوا تو بادشاہ کو بات پہنچا دی بادشاہ نے ان کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے اور کیا دین ہے اللہ جل شانہ نے ان کے دل مضبوط کر دیئے اور انہوں نے بغیر کسی خوف و خطر کے نڈر ہو کر اپنا عقیدہ توحید بیان کر دیا' اور بادشاہ کو بھی توحید کی دعوت دی' بادشاہ نے ان کی دعوت توحید قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا اور ان کا لباس اتروا دیا۔ جو وہ عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے اور انہیں مہلت دے دی کہ تم غور کر لو اور اپنی قوم کے دین میں واپس آجاؤ۔

بادشاہ کو اور پوری قوم کو چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنا: یہ مہلت ملنا ان کے لئے مبارک ہوا' اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور موقع پا کر فرار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انکا دل بھی مضبوط کر دیا تھا انہوں نے بادشاہ تک کو توحید کی دعوت دی اور توحید کی دلیل بھی بتادی کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے' اس میں یہ بتادیا کہ خالق کائنات جل مجدہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا عقلمندی کے خلاف ہے اور ساتھ ہی لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا بھی کہہ دیا یعنی ہم ہرگز کبھی اپنے رب کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور مزید یوں کہا لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا (اگر بالفرض ہم اپنے رب کے سوا کسی کو معبود بنائیں تو یہ تو بڑے ظلم اور زیادتی کی بات ہوگی) آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ جو ہماری قوم کے لوگ ہیں انہوں نے خالق اور مالک جل مجدہ کے علاوہ دوسرے معبود بنا لئے ہیں ان کے پاس اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اگر ہے تو کوئی واضح دلیل بیان کر دیں۔ جب کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کا عقیدہ اور عمل اور قول ظلم ہی ظلم ہے چونکہ مشرکین یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل سے راضی ہے اس لئے ان نوجوانوں نے یہ بھی کہا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے)

باہمی مشورہ کر کے غار میں داخل ہو جانا: اصحاب کہف جب اپنی قوم سے جدا ہوئے اور ان لوگوں کو چھوڑ کر بالکل علیحدہ ہو گئے تو آپس میں کہنے لگے کہ تم نے اپنی قوم کو چھوڑا ان کے باطل معبودوں سے گریز کیا اور یہ معلوم ہے کہ دوبارہ انہیں میں واپس ہونے اور اپنے گھروں کو لوٹنے میں خیر نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ پھر اپنا دین اختیار کرنے پر مجبور کریں گے لہٰذا اب ہمیں کسی غار میں ٹھکانہ پکڑ لینا چاہئے' آپس میں مشورہ سے یہ بات طے تو ہوئی لیکن انسانی ضروریات کا سوال بھی پیش نظر تھا کہ غار میں رہیں گے تو کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا کیا بنے گا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے آپس میں یوں کہنے لگے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھنی چاہئے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا اور وہ ہم پر اپنی رحمت پھیلا دیگا اور جس مقصد خیر یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کے لئے نکلے ہیں اس کے لئے آسانیاں پیدا فرما دے گا' باہمی مشورہ سے غار میں جانا طے ہوا اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ لی اور غار میں داخل ہو گئے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ

اور اے مخاطب تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف کو بچ کر گزر جاتا ہے اور جب وہ چھپتا ہے تو ان کی بائیں طرف سے کتراتا

ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ

ہوا چلا جاتا ہے اور وہ غار کے ایک فراخ حصہ میں تھے' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے' جسے اللہ ہدایت دے سو وہی ہدایت پانے والا ہے'

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ

اور جس کو وہ گمراہ کرے تو اے مخاطب تو اس کے لئے کوئی مددگار راہ بتانے والا نہ پائیگا' اور اے مخاطب تو ان کو دیکھتا تو خیال کرتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ

اور ہم انہیں داہنی کروٹ پر اور بائیں کروٹ پر بدل دیتے تھے اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے ہاتھ بچھائے ہوئے تھا'

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

اگر تو انہیں جھانک کر دیکھ لیتا تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور ان کی وجہ سے تیرے اندر رعب بھر جاتا

غار کی کیفیت' سورج کا کترا کر جانا کتے کا ہاتھ بچھا کر بیٹھا رہنا

تفسیر: ان آیات میں اصحاب کہف کی حالت کا بیان فرمایا ہے جو غار میں داخل ہونے کے بعد پیش آئی' یہ لوگ غار کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پہنچ کر لیٹ گئے' اس غار کی جائے وقوع اس طرح سے تھی کہ روزانہ سورج مشرق سے نکلتا اور مغرب میں چھپ جاتا تھا لیکن اس کی دھوپ ان پر نہیں پڑتی تھی جب سورج نکل کر چڑھتا تھا اور دھوپ پھیلتی تھی تو غار کی داہنی جانب سے اس طرح ہٹی ہوئی رہ جاتی تھی اصحاب کہف کے اندر رہنے کی کیفیت بتا کر ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اپنی قوم سے جدا ہونے میں انہوں نے ہمت اور جرأت سے کام لیا پھر اللہ کے توکل پر غار میں داخل ہو گئے اور اللہ سے رحمت کی امید باندھ لی اور اللہ کی طرف سے آسانی حاصل ہونے کی آرزو کرتے ہوئے غار میں چلے گئے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے' اس نے دل بھی پکا کیا ہمت بھی دی مخلوق سے کٹنے کا حوصلہ بھی دیا انہوں نے اسباب ظاہرہ پر نظر نہ کی' اپنے مولائے حقیقی پر توکل کر کے غار میں داخل ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں غار بھی وہ نصیب فرمایا جس میں دھوپ کا گذر ہی نہ تھا اگر دھوپ پڑتی تو اس سے تکلیف پہنچنے اور گرمی سے پریشان ہونے کا اندیشہ تھا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے) وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (اور اللہ جسے گمراہ کر دے' تو اے مخاطب تو اس کے لئے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہ پائیگا) اس میں ایک طرف تو اصحاب کہف کی ہدایت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مشرک قوم میں سے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور دوسری طرف یہود مدینہ اور مشرکین مکہ کی بے راہی کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اصحاب کہف کے بارے میں معلوم کیا اور جب آپ نے انہیں بتا دیا پھر بھی ایمان نہ لائے' اس کے بعد اصحاب کہف کے بقیہ احوال بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ اے مخاطب اگر تو ان جوانوں کے کہف میں ہونے کے زمانہ میں ان پر نظر ڈالتا تو ان کے بارے میں یہ خیال کرتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے' اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ گو وہ سو رہے تھے لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' اور بعض

حضرات نے فرمایا کہ آنکھیں تو بند تھیں لیکن جسموں پر کوئی نیند کا اثر نہیں تھا یعنی سونے کی وجہ سے جو اعضاء میں فتور اور ڈھیلا پن جو آ جاتا ہے ان میں سے کوئی چیز ظاہر نہ تھی۔

اصحاب کہف کی دوسری حالت اور کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (اور ہم انہیں پلٹ رہے تھے داہنی جانب اور بائیں جانب) چونکہ وہ لوگ ایک بہت بڑی مدت تک سوتے رہے اور ان کے جسم زمین ہی سے لگے ہوئے تھے لہٰذا زمین کے اثر سے محفوظ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ان کی کروٹیں بدل دیتا تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زمین سے کوئی چیز عرصہ دراز تک لگی رہے (خاص کر گوشت پوست والا جسم) تو وہ اسے کھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ الٹ پلٹ کئے بغیر ان کے اجسام کو محفوظ فرماتا لیکن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی کروٹیں بدلی جاتیں صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۱۵۴ ج ۲) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو سال میں ایک مرتبہ ایک جانب سے دوسری جانب پلٹ دیا جاتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سال میں دو بار ان کو داہنی جانب سے بائیں جانب اور بائیں جانب سے داہنی جانب پلٹ دیا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کوئی چیز مروی نہیں حضرات صحابہؓ سے جو کروٹیں بدلنے کی مدت کے بارے میں جو کچھ مروی ہے بظاہر اسرائیلی روایات ہیں۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ (اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے ہاتھ بچھائے ہوئے تھا) جب اصحاب کہف غار کی طرف روانہ ہوئے تھے تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ لیا تھا اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف ہی میں سے ایک شخص کا شکاری کتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے طباخ (یعنی باورچی) کا کتا تھا' یہ طباخ بھی اصحاب کہف کا ایک فرد تھا اور اس کا کتا بھی اس کے ساتھ آ گیا تھا اس کتے کے رنگ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں' لیکن کسی بات کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ اس کے ذکر سے کوئی فائدہ ہے لفظ وصید کا ترجمہ کسی نے دروازہ' اور کسی نے مٹی' اور کسی نے فناء یعنی دروازہ سے باہر کی جگہ' اور کسی نے دہلیز یعنی چوکھٹ کیا ہے' چوکھٹ تو وہاں نہیں تھی لہٰذا اس سے چوکھٹ کی جگہ مراد لی جائے گی (ابن کثیر صفحہ ۷۶ ج ۳ معالم التنزیل صفحہ ۱۵۴ ج ۳)

اس کے بعد فرمایا لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (اے مخاطب تو انہیں جھانک کر دیکھ لیتا تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور ان کی وجہ سے تیرے اندر رعب بھر جاتا' ان لوگوں کو دیکھنے سے دل میں رعب سما جانے اور بھاگ کھڑے ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ وہ جس غار میں تھے وہ متوحش غار تھا' اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں حالانکہ وہ سو رہے تھے' یہ سبب تھا خوف کا اور بعض نے کہا کہ ان کے بال بہت زیادہ تھے اور ناخن بڑھے ہوئے تھے)

یہ اصحاب کہف کی حفاظت کے انتظامات تھے' ان کی کروٹوں کو بدلنا مٹی سے حفاظت کرنے کے لئے تھا اور ان کے پیچھے کتا بھی لگ لیا تھا جو وہیں دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کتے کی عادت ہے کہ ہر آنے والے اجنبی پر بھونکتا ہے' ظاہری اسباب

کے طور پر یہ کتا بھی حفاظت کا ذریعہ بنا اور مزید یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت اور صورتحال پیدا فرما دی کہ اگر کوئی شخص ان کو دیکھتا تو ان کے قریب تک جانے کی ہمت نہ کرتا تھا بلکہ واپس جانے میں ہی اپنی خیر سمجھتا۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تا کہ وہ آپس میں سوال کریں' ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم لوگ کتنی مدت ٹھہرے ہو گے؟ وہ کہنے لگے کہ ایک

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ

دن یا ایک دن سے کم! بعضوں نے کہا کہ تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی مدت ٹھہرے سو تم اپنے میں سے کسی کو یہ چاندی دے کر

اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

شہر کی طرف بھیجو' سو وہ دیکھے کہ اس شہر کے کھانوں میں کونسا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے' سو وہ تمہارے پاس اس میں سے کھانا لے آئے اور کام کرنے میں خوش تدبیری سے کام لے اور تمہارے

بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ

بارے میں کسی کو ہرگز خبر نہ دے' بے شک بات یہ ہے کہ اگر انہیں تمہارا پتہ چل جائے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور تم ہرگز

تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰

کامیاب نہ ہو گے۔

اصحاب کہف کا بیدار ہو کر آپس میں اپنی مدت قیام کے بارے میں سوال و جواب کرنا اور اپنے ایک آدمی کو کھانا لانے کے لئے شہر بھیجنا

تفسیر: اصحاب کہف مدت دراز تک غار میں سوتے رہے پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی تو انہیں جگا دیا ان کا اتنی لمبی مدت تک سلا دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے پھر انکا جگا دینا بھی' قال صاحب الروح ووجه الشبه كون كل منهما آية دالة على كمال قدرته الباهرة عزوجل جب یہ لوگ جاگ گئے تو ان میں سے ایک شخص نے یہ سوال اٹھایا کہ تم یہاں کتنے دن ٹھہرے ہو؟ پھر آپس میں جواب دیا کہ ہاں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں' مطلب یہ تھا کہ ہم یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اندازہ یہ ہے کہ بہت سے بہت ایک دن سوئے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ ایک دن سے بھی کم سوئے ہوں' بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ صبح کو سوئے تھے اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا جیسے دن جا رہا ہو اس لئے ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم سمجھ کر سوال کرنے والے کو جواب دیدیا پھر کہنے لگے کہ بھئی ہم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تمہارے رب ہی کو ہمارے سونے کی صحیح مدت معلوم ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت

زیادہ سونے کی وجہ سے جو دماغ میں ایک قسم کا بھاری پن ہوتا ہے وہ اسے محسوس کر رہے تھے اس لئے ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ ایک دن کی مدت والی بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی لہٰذا ہمیں اپنے پاس سے کچھ تجویز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ ان کے بال و ناخن زیادہ بڑھے ہوئے تھے اس لئے یہ محسوس ہوا کہ ہمارا یہ سونا ایک دن کی مدت سے زیادہ تھا۔

اس گفتگو کے بعد کہ کتنے دن سوتے رہے کھانے پینے کا سوال پیدا ہوا' جب انسان سو کر اٹھتا ہے تو عام طور پر بھوک لگی ہوتی ہے پھر ان کا کیا حال ہوگا جو عرصہ دراز تک سوتے رہے ہوں' کہنے لگے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجو جو شہر میں جائے اور ہمارے پاس جو یہ چاندی کے سکے ہیں ان کو لے جائے اور کھانا لے کر واپس آ جائے ذرا اچھی طرح دھیان سے خریدے پاکیزہ اور حلال کھانا لے کر آئے شہر میں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت ملتا ہے اس میں سے نہ لائے اور شہر میں جانے اور کھانا خریدنے میں سمجھداری اور خوش تدبیری سے کام لے اور کسی کو یہ نہ بتائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ جس وقت یہ غار میں داخل ہو کر سوئے تھے اس وقت مشرکوں اور بت پرستوں کی حکومت تھی اور بادشاہ جبراً مشرک بنا لیتا تھا اور اہل توحید کو جان سے مارتا اور سزائیں دیتا تھا' ان حضرات نے یہ سمجھ کر کہ شہر میں ابھی اسی دین شرک کا چرچا ہوگا اور بادشاہ بھی وہی بت پرست ہوگا کھانا خریدنے کے لئے جانے والے سے کہا کہ حلال کھانا لانا اور اس کا دھیان رکھنا کہ لوگوں کو ہمارا پتہ نہ چل جائے ورنہ شہر والے ہمیں بری طرح قتل کر دیں گے اور سنگسار کر دیں گے یا اپنے دین میں واپس کر لیں گے ایمان چھوڑ کر کفر میں چلا جانا سب سے بڑے خسارہ کی بات اور سب سے بڑی ناکامی ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مومن کو کفر پر مجبور کرے اور ظاہری طور پر کفر کا کلمہ کہہ دے تو کافر نہیں ہو جاتا اگر وہ لوگ کفر پر مجبور کرتے اور اصحاب کہف کفر کا کلمہ کہہ دیتے تو حقیقت میں کافر نہ ہو جاتے اور اس سے ناکامی اور تباہی لازم نہیں آتی' جب دل میں ایمان باقی ہے تو اُخروی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں لہٰذا انہوں نے وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا کیوں کہا؟ احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ محقق نہیں تھے کسی نبی یا کسی فقیہ کی صحبت نہیں اٹھائی تھی لہٰذا انہوں نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ دینے کو بھی تباہی سے تعبیر کیا' یہ سب ان کے اپنے خیال کے مطابق تھا اس کا نظیر یہ ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا کہ حنظلہ منافق ہو گیا آپ نے فرمایا کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت دوزخ کی باتیں سناتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے پھر جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور آپ کے بہت سے ارشادات بھول جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہر وقت اسی حالت میں رہے جو میرے پاس تمہاری حالت ہوتی ہے تو تم سے فرشتے بچھونوں میں اور راستوں میں مصافحہ کرتے' لیکن اے حنظلہ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے (یعنی جو تمہاری حالت میرے پاس ہوتی ہے وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتی) جس طرح حضرت حنظلہؓ نے اپنے خیال میں اپنے کو

منافق خیال کرلیا اسی طرح اصحاب کہف نے زبان سے کلمہ کفر کہنے کو بھی کفر سمجھ لیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فلاح کامل مراد ہے اکراہ کے وقت کلمہ کفر زبان سے جاری کرنا جائز ہے اور یہ رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ قتل ہو جائے اور کلمہ کفر زبان پر نہ لائے اس اعتبار سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ کر جان بچا بھی لی تو عزیمت سے محروم ہو جائیں گے ادھر تو آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ ہمیں چھپ کر رہنا ہے اور اہل مدینہ کو اپنا حال اور اپنی جگہ نہیں بتانی اور ادھر ان میں سے جو ایک شخص کھانا خریدنے کے لئے رقم لے کر گیا اس نے بازار میں جا کر کچھ خریدا پرانا سکہ دیکھ کر دکاندار حیران پڑ گیا اور لوگوں میں بھی اس کا چرچا شروع ہو گیا اس عرصہ دراز میں حکومت بدل چکی تھی اور جو شخص بادشاہ تھا وہ مسلمان تھا جب اسے پتہ چلا کہ ایسا ایسا واقعہ ہے تو وہ شہر والوں کے ساتھ سوار ہو کر غار کی طرف چلا وہ ایک شخص جو کھانا لینے کے لئے آیا تھا جس کا نام یملیخا بتایا جاتا ہے وہ جلدی سے غار کے اندر گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ بات کھل چکی ہے اور بادشاہ تک پہنچ گئی ہے اور اس وقت جو لوگ شہر میں ہیں وہ مسلمان ہیں یہ تحریر فرما کر علامہ قرطبی (صفحہ ۳۸۹ ج ۱۰) نے دو روایتیں لکھی ہیں اول یہ کہ اصحاب کہف کو اس کی بہت خوشی ہوئی باہر نکلے بادشاہ سے ملاقات کی بادشاہ نے ان کا اور انہوں نے بادشاہ کا اکرام کیا اور دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ جب یملیخا نے انہیں واقعہ بتایا تو وہ اسی وقت وہیں غار میں مر گئے قرآن کریم میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے جس کسی نے جو کچھ بتایا ہے وہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ

اور اسی طرح ہم نے ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ اس بات کو جان لیں کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور یہ کہ قیامت آنیوالی ہے اس میں کوئی شک نہیں،

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ

جب کہ وہ لوگ اپنے درمیان ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے سو انہوں نے کہا کہ ان کے اوپر عمارت بنا دو ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے

الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

جو لوگ ان کے معاملہ میں غالب ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ضرور ان پر مسجد بنائیں گے

تفسیر: علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ دقیانوس بادشاہ مر گیا تھا (جس کے زمانہ میں یہ حضرات کہف میں داخل ہوئے تھے) سینکڑوں سال گذر گئے بادشاہ آتے جاتے رہے آخر میں ایک نیک شخص اس علاقہ کا بادشاہ ہوا اور وہ اور اسکی رعایا اس بات کو تو مانتے تھے کہ موت کے بعد حشر نشر ہے لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ روحیں محشور ہونگی کیونکہ جسم کو زمین کھا جاتی ہے ان لوگوں نے جسم کے ساتھ حشر ہونے کو بعید سمجھا اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ جسم اور روح دونوں کو اٹھایا جائیگا بادشاہ کو اس اختلاف سے حیرانی ہوئی اور اصل حقیقت جاننے کے لئے اس نے اتنا اہتمام کیا کہ ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور راکھ پر بیٹھ گیا اور

اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتا رہا کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل مل جائے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ روح اور جسم دونوں کا حشر کوئی مستبعد نہیں' اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اصحاب کہف کو ظاہر فرما دیا بادشاہ نے ان کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو دقیانوس کے زمانہ میں شہر سے چلے گئے تھے میں دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کو دکھا دے جب ان لوگوں کے کئی سو سال سونے کے بعد اٹھ جانے کا واقعہ معلوم ہوا تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت حق ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ میں اس بات کو بتایا ہے کہ جب وہ لوگ اصحاب کہف پر مطلع ہوئے تو انہیں قیامت کا یقین آ گیا اصحاب کہف باہر نکل کر واپس غار میں چلے گئے ہوں اور بعد میں انہیں موت آئی ہو یا یملیخا کی خبر سننے کی وجہ سے وہیں غار میں انہیں موت آ گئی ہو روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

قرآن مجید کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غار ہی میں اندر وفات پا گئے' یہ جو آپس میں جھگڑا ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کے اوپر عمارت بناؤ اور جو غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان کے اوپر مسجد بنا دیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غار میں ہوتے ہوئے ہی اس طرح کا اختلاف ہوا روح المعانی ص ۲۳۴ ج ۱۵ میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کو ان لوگوں کا پتہ چلا تو اس نے وہاں جا کر ان لوگوں سے ملاقات کی اور دیکھا کہ ان کے چہرے روشن ہیں اور کپڑے بھی خراب نہیں ہیں انہوں نے بادشاہ کو وہ حالات سنائے جو دقیانوس کے زمانہ پیش آئے تھے ابھی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اصحاب کہف نے کہا نستودعک اللہ تعالیٰ والسلام علیک ورحمۃ اللہ تعالیٰ حفظک اللہ تعالیٰ وحفظ ملکک نعیذک باللہ تعالیٰ من شر الانس والجن (ہم تجھے اللہ کے سپرد کرتے ہیں تجھ پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمت اللہ تیری حفاظت کرے اور تیرے ملک کی بھی حفاظت کرے اور ہم تجھے انسانوں اور جنات کے شر سے اللہ کی پناہ دیتے ہیں) یہ کہا اور وہ واپس اندر اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرما دی پھر بادشاہ نے انہیں لکڑی کے تابوتوں میں دفن کر دیا اور غار کے منہ پر مسجد بنا دی' صاحب روح المعانی نے اس کے بعد ایک قول یہ لکھا ہے کہ جب بادشاہ کے پاس اس شخص کو لایا گیا جو غار میں سے کھانا لینے کے لئے آیا تھا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس شہر کا رہنے والا ہوں اور یہ بتایا کہ میں کل ہی شہر سے نکلا تھا اس نے اپنا گھر بھی بتایا اور کچھ لوگوں کے نام بھی بتائے جنہیں کوئی بھی نہ پہچان سکا' بادشاہ نے سن رکھا تھا کہ کچھ لوگ پرانے زمانہ میں روپوش ہو گئے تھے اور یہ بھی سنا ہوا تھا کہ ان کے نام سرکاری خزانے میں ایک تختی پر لکھے ہوئے رکھے ہیں وہ تختی منگائی اور ان کے نام پڑھے تو وہی نام نکلے جو اصحاب کہف کے نام تھے وہ جو ایک شخص کھانا لینے کے لئے آیا تھا اس کے ساتھ بادشاہ اور چند لوگ چلے جب غار کے دروازہ پر آئے تو وہ نوجوان اندر گیا اور انہیں پوری صورتحال بتا دی اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض فرما لیا اور بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اندر داخل نہ ہو سکے لوگوں میں یہ اختلاف ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے تو کچھ لوگوں نے کہا

کہ ان کے اوپر یعنی غار کے دروازہ پر عمارت بنادی جائے اور وہ جماعت جوان کے معاملہ میں غالب ہوگئی یعنی بادشاہ اور اس کے ساتھی انہوں نے کہا کہ ہم مسجد بنائیں گے چنانچہ انہوں نے مسجد بنادی یہ مسجد غار کے دروازے پر بنادی گئی تھی چونکہ یہ مسجد دروازہ پر تھی مرنے والوں کی قبروں پر نہیں تھی اور قبروں کی طرف قبلہ بھی نہیں تھا اس لئے یہ اشکال نہیں ہوتا کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت ہے لہٰذا تعمیر مسجد کو کیوں اختیار کیا گیا۔

ایک فریق نے کہا کہ ان پر عمارت بنادو دوسرے فریق نے کہا کہ ہم مسجد بنادیں گے ان دونوں کے درمیان جو لفظ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ آیا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ جملہ معترضہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے ساتھ کیا کیا جائے اس بارے میں دورائیں آرہی تھیں یہ کون لوگ تھے کن خاندانوں سے تھے یہ کن احوال سے گذرے اور کتنے دن غار میں رہے پھر جب ان چیزوں کا صحیح علم نہ ہوسکا اور ان کے حاصل ہونے کا کوئی راستہ بھی نہ ملا تو کہنے لگے کہ اسے اللہ کے سپرد کرو وہ علام الغیوب ہے سب کو جانتا ہے ان کا حال بھی اسی کو صحیح معلوم ہے۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ

کچھ لوگ یوں کہیں گے کہ یہ تین آدمی ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ پانچ آدمی ہیں چھٹا ان کا کتا ہے انکل پچو غیب پر حکم لگا رہے ہیں اور کچھ لوگ کہیں گے کہ

سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۟ فَلَا تُمَارِ

وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے آپ فرمادیجئے میرا رب ان کی تعداد کو خوب جاننے والا ہے ان کو نہیں جانتے مگر تھوڑے سے لوگ سو آپ ان کے بارے میں سے سرسری بحث کے

فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

علاوہ زیادہ بحث نہ کیجئے اور ان کے بارے میں کسی سے بھی سوال نہ کیجئے

اصحابِ کہف کی تعداد میں اختلاف اور اس کا جواب

تفسیر: جس طرح اصحاب کہف کی مدت قیام فی الکہف میں اختلاف ہوا کہ وہ کتنے دن رہے اور خود وہ بھی اختلاف کر بیٹھے اور صحیح بات تک نہ پہنچ سکے اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہوا کہ ان کی تعداد کتنی تھی آیت مذکورہ بالا میں تین قول نقل فرمائے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا انکا کتا تھا' اور دوسرا قول یہ کہ وہ پانچ تھے چھٹا انکا کتا تھا' اور تیسرا قول یہ کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا صاحب روح المعانی صفحہ ۲۸۰ ج ۱۵ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ یہ اقوال ان لوگوں کے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے پہلا قول یہودیوں کا ہے اور دوسرا قول نصاریٰ کا ہے یہ لوگ نجران سے آئے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک شخص عاقب تھا اور نصاریٰ کے فرقہ نسطوریہ کا سردار تھا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے پہلی دو باتیں کہی تھیں تیسرا قول بعض مسلمانوں کا ہے پہلے دو قولوں

کے ذکر فرمانے کے بعد رجماً بالغیب فرمایا (کہ اٹکل پچو بات کہ رہے ہیں) اور تیسرے قول کو علیحدہ ذکر کیا اور ساتھ ہی یوں فرمایا قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے ان کو صرف تھوڑے سے لوگ جانتے ہیں) اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد سات تھی اللہ شانہٗ نے فرمایا کہ ان کی تعداد کو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ انہیں صرف تھوڑے لوگ جانتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں جن کو ان کی تعداد کا علم ہے، وہ فرماتے تھے کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا عام طور سے امت مسلمہ میں یہ ہی قول مشہور ہے اور ان کے نام بھی تفسیر کی کتابوں میں لکھے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے یہ نام منقول ہیں مکسلمینا، یملیخا مرطوس، ثبیونس، دردونس، کفاشیطیطوس بمنطنو اسیس اور کتے کا نام قطمیر نقل کیا گیا ہے بظاہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب سے ان کے نام سنے ہونگے جن کو انہوں نے آگے روایت کر دیا یہ نام چونکہ عجمی ہیں اور بہت پرانی کسی زبان کے الفاظ ہیں اس لئے انکا صحیح اعراب کے ساتھ یقینی طور پر تلفظ کرنا اہل علم سے بھی مخفی ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں وذکر الحافظ ابن حجر فی شرح البخاری ان فی النطق باسمائهم اختلافا كثيرا ولا يقع الوثوق من ضبطها وفی البحر ان اسماء اصحاب الكهف اعجمية لا تنضبط بشكل ولا نقط والسند فی معرفتها ضعيف (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ ان کے ناموں کے تلفظ میں بہت اختلاف ہے ان کے ضبط میں اعتماد نہیں ہے اور بحر میں ہے کہ اصحاب کہف کے نام عجمی ہیں اس لئے صحیح شکل اور نقطوں کے ساتھ ضبط نہیں ہو پاتے اور ان کی معرفت کی سند ضعیف ہے) آیت کے آخر میں دو باتوں کی ممانعت فرمائی ہے اولاً یوں فرمایا فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا جس کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے عدد وغیرہ کے بارے سرسری بحث سے زیادہ بات نہ کیجئے وحی کے موافق انہیں قصہ سنا دیں زیادہ سوال جواب نہ کریں اور دوسری ممانعت یہ فرمائی وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا (کہ ان کے بارے میں کسی سے سوال نہ کیجئے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو بتا دیا اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ان میں جو لوگ کچھ باتیں کرتے ہیں وہ اٹکل اور گمان اور قیاس سے کہتے ہیں لہٰذا ان سے پوچھنے کی نہ کوئی ضرورت اور نہ اس سے کوئی فائدہ۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ

اور کسی چیز کے بارے میں آپ ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اسے کل کروں گا مگر یہ کہ اس کے ساتھ اللہ کی مشیت کا ذکر بھی کر دیں اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں

وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

اور آپ یوں کہہ دیجئے کہ امید ہے میرا رب مجھے وہ بات بتا دے گا جو ہدایت کے اعتبار سے اس سے قریب تر ہے۔

وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ نہ کہنے پر عتاب

تفسیر: تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ قریش مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ بھیجا (یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے) کہ یہود کے علماء سے محمد ﷺ کے بارے میں دریافت کرو اور ان سے کہو کہ نبی آخر الزماں کی

صفات بتادو، یہودی پہلی کتابوں سے واقف ہیں اور ہمارے پاس انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم میں سے کچھ نہیں ہے لہٰذا تم جاؤ ان لوگوں سے دریافت کرو، قریش کے نمائندے مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دریافت کیا اور ان سے کہا کہ تم توراۃ والے ہو ہم تم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، اس پر یہودیوں نے کہا کہ ان سے تین باتیں دریافت کرلو اگر وہ ان باتوں کو بتادیں تو وہ واقعی نبی مرسل ہیں، ان سے ایک رات تو یہ دریافت کرو کہ زمانہ قدیم میں کچھ نوجوان اپنے گھر بار کو چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ کون لوگ تھے ان کا قصہ عجیب ہے اور ان سے یہ بھی پوچھو کہ یہ کون شخص تھا جس نے مشرق مغرب کے بڑے بڑے سفر کئے اور ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو کہ وہ کیا ہے یہ باتیں سن کر قریش کے دونوں نمائندے مکہ معظمہ واپس ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے قریش کی جماعت ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں یہودیوں نے تین باتیں بتائی ہیں اس کے بعد وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ تینوں باتیں معلوم کیں جن کی یہودیوں نے پٹی پڑھائی تھی، آپ نے فرمایا میں کل کو بتادونگا لیکن ان شاء اللہ نہیں کہا وہ لوگ چلے گئے اور ادھر یہ ہوا کہ پندرہ دن تک آپ پر کوئی وحی نہیں آئی اور اس وجہ سے اہل مکہ نے یہ بات اڑانی شروع کردی کہ محمدؐ نے یہ کہا تھا کہ کل کو بتادونگا لیکن پندرہ دن گذرے ہیں ابھی تک کچھ بھی نہیں بتایا رسول اللہ ﷺ کو وحی کے رک جانے سے اور اہل مکہ کے باتیں بنانے سے سخت دکھ ہوا پھر جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور سورہ کہف لے کر آئے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بھی ہے (کہ ان شاء اللہ کیوں نہیں کہا) اور اصحاب کہف کی خبر بھی ہے اور مشرق اور مغرب کے سفر کرنے والے کی خبر بھی ہے (یعنی ذوالقرنین کا تذکرہ) اور سورہ اسراء کی آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ میں روح کا ذکر بھی آ گیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کے سکھانے پر جو قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ سے تین باتوں کا سوال کیا ان کا جواب دینے کیلئے ارشاد فرمادیا کہ کل کو بتادونگا لیکن پندرہ دن تک وحی نہیں آئی آپ اس سے بہت زیادہ غمگین ہوئے اور مشرکین کو ہنسنے کا موقعہ مل گیا پھر جب وحی آئی تو مشرکین کے سوالات کے جوابات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ بھی نازل ہوئی اور وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ چھوڑنے پر عتاب ہوا مقربین بارگاہ الٰہی کا بعض ایسی باتوں پر بھی عتاب ہو جاتا ہے جو فرض واجب کے درجہ میں نہیں ہوتیں اور رسول اللہ ﷺ تو سب سے زیادہ اللہ کے مقرب ہیں سب کچھ اللہ کی مشیت اور ارادہ ہی سے ہوتا ہے اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ جب کسی سے وعدہ کریں یا کسی عمل کو کرنے کا اظہار کریں تو ان شاء اللہ بھی ساتھ میں کہہ دیں کیونکہ بندوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہماری زندگی کب تک ہے جس دن کا وعدہ یا ارادہ کر رہا ہوں اس دن تک زندہ رہونگا یا نہیں اور زندہ بھی رہا تو ارادہ اور وعدہ کے مطابق عمل ہو سکے گا یا نہیں لہٰذا اسی میں بہتری اور خوبی ہے کہ جب کسی کام کا وعدہ یا ارادہ کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرے اور زبان سے بھی ان شاء اللہ کہنا چاہئے، جو بھی کوئی وعدہ کرے سچا اور پکا وعدہ کرے اور لفظ ان شاء اللہ اس لئے نہ لگائے کہ میں

قصداً خلاف ورزی کرونگا اور کہہ دونگا کہ میں نے تو ان شاء اللہ کہہ دیا تھا ایسی غلط نیت کرنے سے وعدہ کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔ وعدہ کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (اور آپ اپنے رب کو یاد کر لیجئے جب آپ بھول جائیں) اس کا مطلب بعض اکابر علماء سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو جب بھی یاد آ جائے۔ ان شاء اللہ کہہ لے یہ ایسا ہی ہوگا جیسا وعدہ کے ساتھ متصلاً کہہ دیا صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض تابعین سے یہ مطلب نقل کیا ہے آیت کے ظاہری سیاق سے اس مفہوم کی کچھ تائید بھی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ آیت اس معنی میں صریح نہیں ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعد میں ان شاء اللہ کہہ لینا تبرک اور تلافی مافات کے طور پر ہوگا اگر ان شاء اللہ تعلیق بالشرط اور عتاق اور یمین کے ساتھ متصلاً نہ کہا تو بعد میں منفصلاً کہہ دینے سے سابقہ اثر اور نتیجہ کا ابطال نہ ہوگا کیونکہ آیت میں صرف اتنی بات ہے کہ جب یاد آ جائے اپنے رب کا ذکر کر لیجئے آیت کریمہ سابقہ اثر کے ابطال سے ساکت ہے دوسرے دلائل سے امام صاحب کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور دیگر ائمہ بھی ان کے موافق ہیں۔

قال صاحب الروح و عامة الفقهاء علی اشتراط اتصال الا ستثناء فی عدم الحنث ولو صح جواز الفصل وعدم تاثیره فی الاحکام لا سیما الی الغایة المرویة عن ابن عباس رضی اللہ عنهما لما تقرر اقرار ولا طلاق ولا عتاق ولم یعلم صدق ولا کذب (صفحہ ۲۰۵ ج ۱۵) وفی روح المعانی ایضایحکی انه بلغ المنصور ان ابا حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه خالف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی هذه المسئلة فاستحضره لینکر علیه فقال له ابوحنیفة هذا یرجع الیک انک تاخذ البیعة بالایمان افترضی ان یخرجوا من عندک مسیتثنونه علیک فیخرجوا عنک فاستحسن کلامه (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اکثر فقہاء کے ہاں حنث سے بچنے کے لئے استثنائے متصل کی شرط ہے اگرچہ بالفصل استثناء بھی جائز ہے اور احکام میں اس کا موثر نہ ہونا خصوصاً غایت میں جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اس وجہ سے کہ اقرار ثابت نہیں اور نہ طلاق اور نہ آزادی اور نہ ہی سچائی معلوم ہوتی ہے نہ جھوٹ۔ روح المعانی ہی میں یہ حکایت ہے کہ منصور کو پتہ چلا کہ امام ابو حنیفہؒ اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مختلف ہیں تو اس نے امام صاحب کو بلوایا تا کہ ان پر نکیر کرے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اس مسئلہ کا نتیجہ تو یہ ہے کہ تم لوگوں سے ایمان کے ساتھ بیعت لو پھر کیا تم پسند کرو گے کہ وہ آپ کے دربار سے نکل کر جائیں تو اسی بیعت پر استثناء کر کے تیری بیعت سے نکل جائیں منصور نے آپ کی دلیل کو قبول کیا)

جو حضرات استثناء میں اشتراط اتصال کے قائل ہیں ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھول جاؤ پھر جیسے ہی یاد آ جائے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگو اور یہ ایسا ہی ہے جیسے لیلۃ التعریس میں جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سوتے رہ گئے تو اور پھر جب سورج طلوع ہونے پر بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی نماز کو بھول جائے اور سوتا رہ جائے تو جب یاد آ جائے اسے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (رواہ مسلم)

وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (اور آپ یوں کہہ دیجئے کہ امید ہے میرا رب مجھے وہ بات بتا دے گا جو ہدایت کے اعتبار سے اس سے قریب تر ہے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای لشئی اقرب و اظهر من نباء اصحاب الکهف من الآیات

والدلائل الدالة علی نبوتی یعنی مجھے رب سے امید ہے کہ مجھے اصحاب کہف کے واقعہ سے بڑھ کر ایسی واضح ترین چیزیں بتائے گا جو میری نبوت پر دلالت کرنے والی ہوں گی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہوا کہ اصحاب کہف سے بھی زیادہ قدیم واقعات کا علم آنحضرت ﷺ کو دیا گیا اور آپ نے ان چیزوں کی مخاطبین کو خبریں دیں۔ جن کا وحی کے بغیر علم نہیں ہوسکتا تھا اور جو اخبار بالغیب کے اعتبار سے اصحاب کہف کے قصہ سے بھی زیادہ واضح تھیں۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ
اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو برس مزید اوپر گذر گئے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی خوب جاننے والا ہے کہ وہ کتنی مدت رہے
غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ
اسی کو آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم ہے وہ کیا ہی دیکھنے والا ہے اور کیا ہی سننے والا ہے ان لوگوں کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں
فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾
کسی کو شریک نہیں فرماتا

اصحاب کہف کتنے عرصہ غار میں رہے

تفسیر: پہلی آیت میں غار مذکورہ میں اصحاب کہف کے رہنے کی مدت بیان فرمائی اور فرمایا کہ وہ اپنے غار میں تین سو نو سال رہے پھر دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدت اقامت کو خوب زیادہ جاننے والا ہے وہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے' اصحاب کہف کا غار بھی زمین ہی میں ہے اور وہ لوگ بھی زمین ہی میں تھے پھر ان کا اور ان کے غار کا اسے کیوں علم نہ ہوگا؟ مزید توضیح اور تاکید کیلئے فرمایا اَبْصِرْ به واسمع عربی زبان میں یہ دونوں تعجب کے صیغے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی دیکھنے والا یا سننے والا نہیں ہے اسکی صفت سمع و بصر کا بندوں سے بیان نہیں ہوسکتا وہ سب سے بڑا سمیع اور بصیر ہے۔ (ان دونوں لفظوں کا جو اوپر ترجمہ کیا گیا ہے تقریبی ترجمہ ہے حقیقت میں ان کا ترجمہ اردو زبان میں ادا نہیں ہوسکتا)

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں فرماتا) اللہ کا کوئی شریک اور مزاحم نہیں۔ وہ جو چاہے فیصلہ فرمائے' سب پر لازم ہے کہ اس سے مدد مانگیں اور اس کے علاوہ کسی کو اپنا ولی اور مددگار نہ بنائیں۔

فائدہ نمبر ۱: قرآن مجید کے سیاق سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اصحاب کہف کی غار میں رہنے کی مدد بیان فرمائی کہ وہ تین سو نو سال ہے حضرات مفسرین کرام نے اسی کو ترجیح دی ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ

بھی اہل کتاب کا قول ہے اور یہاں یقولون مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مدت مذکورہ بتاتے ہیں اور ان کے قول کو ردفرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا فرمایا لیکن اول تو صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول ثابت نہیں۔ دوسرے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا سے واضح طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں پہلی بات کی تردید ہے۔

فائدہ نمبر ۲: بعض مفسرین نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اصحاب کہف کی مدت بتاتے ہوئے جو ثلث مائۃ سنین و ازدادوا تسعا فرمایا اور ثلث مائۃ وتسع سنین نہیں فرمایا یہ اس وجہ سے کہ اس میں شمسی اور قمری سنین کا فرق بتایا ہے یعنی تین سو سال شمسی اعتبار سے تھے اور تین سو نو قمری اعتبار سے تھے۔ لیکن صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ لفظوں سے واضح نہیں ہے پھر یہ منجمین کے حساب کے موافق بھی نہیں ہے اگر شمسی اور قمری سنین کا فرق سامنے رکھتے ہوئے حساب لگایا جائے تو تین سو سال شمسی پر نو سال تہتر دن اور نو گھنٹے اور اڑتالیس منٹ کا فرق نکلتا ہے۔ (اللھم الا ان یقال ان الکسر الزائد لم یعتبر واللہ تعالیٰ اعلم) اور راقم الحروف کی سمجھ میں یوں آیا ہے کہ رعایت فواصل کی وجہ سے عدول فرمایا ہے اور بجائے وتسع سنین کے وازدادوا تسعا فرمادیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ

اور آپ کے رب کی کتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی اسکی تلاوت کیجئے اسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور ہرگز آپ اسکے سوا

مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے اور جو لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں انکے ساتھ اپنے کو مقید رکھیے یہ لوگ اس کی رضا کے طالب ہیں اور آپ ایسا نہ کریں

وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ

کہ دنیا والی زندگی کی زینت کے ارادہ سے ان سے آپ کی نظریں ہٹ جائیں اور ایسے شخص کی بات نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا

عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور جو اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا اور اسکا حال حد سے آگے بڑھ گیا

رسول اللہ ﷺ کو کتاب اللہ کی تلاوت کرنے اور اللہ سے لو لگانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کا حکم

تفسیر: درمنثور صفحہ ۲۱۹ ج ۴ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عیینہ بن بدر اور اقرع بن حابس جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر

آپ صدر مجلس میں بیٹھتے اور یہ لوگ یعنی سلمان اور ابوذر اور دیگر فقرائے مسلمین سے دور رہتے تا کہ انکے اونی کپڑوں کی بو نہ آتی تو ہم آپکے ساتھ بیٹھتے اور آپ سے باتیں کرتے اور آپ سے کچھ حاصل کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ سے اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا تک آیات شریفہ نازل فرمائیں۔ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ اپنے ایک گھر میں تھے آپ پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ نازل فرمائی اس پر آپ باہر تشریف لائے اور ان لوگوں کو تلاش کیا جن کا آیت کریمہ میں ذکر ہے یعنی جو لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں یہ فقرائے صحابہ تھے ان میں وہ لوگ تھے جن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کھال سوکھی ہوئی تھی اور صرف ایک ہی کپڑا پہنے ہوئے تھے جب آپ نے انکو دیکھا تو انکے ساتھ بیٹھ گئے اور ساتھ ہی یوں کہا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرما دیئے جن کے ساتھ مجھے جم کر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔

قوموں کے سرداروں اور مالداروں کو اپنی سرداری اور مالداری پر جو غرور اور گھمنڈ ہوتا ہے اسکی وجہ سے وہ اللہ کے نیک بندوں کو حقیر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں عارضی ہیں اور فانی ہیں اور ایمان اور اعمال صالحہ آخرت میں کام آنے والی چیزیں ہیں جہاں دائمی زندگی ہو گی اور ایسی نعمتیں ہونگی جو ختم ہونے والی نہیں فانی پر غرور کر کے اعمال صالحہ کی مشغولیت رکھنے والوں کو حقیر جاننا بہت بڑی حماقت ہے، جو لوگ چودھری قسم کے تھے اور پوری طرح اسلام قبول نہیں کیا تھا تالیف قلب کے لئے انہیں رسول اللہ ﷺ کچھ دیتے رہتے تھے ایسے لوگوں کو مؤلفۃ القلوب کہا جاتا تھا ان میں سے بعض وہ لوگ بھی تھے جن کا اوپر ذکر ہوا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ غریب لوگ آپ کے پاس بیٹھے رہتے ہیں انکے اون کے کپڑے ہیں ان میں سے بدبو آتی ہے انکے ساتھ آپ نہ بیٹھیں اگر بیٹھنے کی الگ جگہ ہو تو ہم آپکی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں گے اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کی درخواست قبول کرنے سے منع فرما دیا اور یوں فرمایا کہ آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب نازل کی گئی ہے آپ اسکی تلاوت کیا کریں اس کتاب کا تلاوت کرنا لوگوں کو پہنچانا یہ آپ کا کام ہے جو لوگ دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ ہیں اگر ایمان نہ لائیں اور آپ کے پاس بیٹھنے کے لئے کوئی ایسی شرط لگائیں جس میں اہل ایمان کو دور رکھنا پڑتا ہو تو اسے قبول نہ کیجئے اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے وعدے کئے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے آپ اللہ کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یعنی جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں آپ انکے ساتھ بیٹھے رہا کیجئے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ اس میں حضرات صحابہ کی دو طرح تعریف ہے اول یہ کہ وہ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی رضا کو چاہتے ہیں۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا (اور آپ ایسے شخص کی بات نہ مانئے جسکے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا) وَاتَّبَعَ ھَوٰهُ (اور جو اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا) وَکَانَ

اَمْرُہٗ فُرُطًا (اور اسکا حال حد سے بڑھ گیا) اس میں یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو ہماری یاد کا دھیان نہیں ہے اپنی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں اور اس سلسلہ میں آگے بڑھ گئے ہیں انکا اتباع نہ کیجئے ان سے رؤسائے کفار مراد ہیں۔

اور یہ جو فرمایا کہ آپ ایسا نہ کریں کہ دنیاوی زینت کا خیال کرتے ہوئے ان لوگوں سے آپ کی آنکھیں ہٹ جائیں جو صبح شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا کی ظاہری زینت کی کوئی حقیقت نہیں ہے اسکے لئے ایمانی تقاضوں کو نہ چھوڑا جائے احتمال تھا کہ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہو جائے کہ یہ سردار مسلمان ہو جائیں تو اسلام اور اہل اسلام کو قوت حاصل ہو جائے ارشاد فرمایا کہ اسلام کا جمال باطنی یعنی اخلاص اور اطاعت ہی اسکی زینت اس کے لئے کافی ہے مخلصین کو مجلس سے ہٹا کر اصحاب دنیا کے ذریعہ حاصل ہونے والی دنیا کو نہ دیکھا جائے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

اور آپ فرما دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جس کا جی چاہے مؤمن ہو جائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے بلاشبہ ہم نے

لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى

ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے انہیں اسکی دیواریں گھیرے ہوئے ہونگی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا وہ

الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

مونہوں کو بھون ڈالے گا وہ پینے کی بری چیز ہے اور دوزخ آرام کی بری جگہ ہے

حق واضح ہے جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں ہوں گے

تفسیر: اس آیت میں اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ایمان یا کفر اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا بندوں کے سامنے اپنی کتابوں اور نبیوں کے ذریعہ حق واضح فرما دیا ہے اب جس کا جی چاہے ایمان کو اختیار کرے اور جس کا جی چاہے کفر پر رہے جو ایمان لائے گا اپنا بھلا کریگا آخرت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور جو شخص کفر اختیار کرے گا وہ اسکی سزا بھگت لے گا جو دوزخ میں آگ کے دائمی عذاب کی صورت میں ہوگی کوئی جاہل اپنی جان کا دشمن آیت کا مطلب یہ نہ سمجھ لے کہ کفر اختیار کرنے کی اجازت دیدی گئی ہے یہ اجازت نہیں ہے بلکہ بندوں کو جو ایمان اور کفر دونوں صورتیں اپنے ارادہ سے اختیار کرنے کی قدرت دی گئی ہے اسکا بیان ہے اسی لئے متصلاً ہی اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتا دی اگر کفر اختیار کرنے کی اجازت ہوتی تو مشرکوں کو کافروں کو دوزخ میں داخل کیوں کیا جاتا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے ماتحتوں سے کہے کہ کرلو جو چاہو نافرمانی کی سزا مل ہی جائے گی۔

ظالموں یعنی کافروں کی سزا بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کے لئے دوزخ کی آگ تیار کی ہوئی ہے اسکی دیواریں انہیں گھیرے ہوں گی جو داخل ہوگا کہیں بھاگ کر نہ جا سکے گا اور نکلنے کی کوئی راہ نہ پائے گا۔ آگ میں جلنے کے عذاب کے علاوہ انہیں پیاس بھی لگے گی جب پانی طلب کریں گے تو بہت زیادہ تیز گرم پانی دیا جائیگا یہ پانی بہتا ہوا خوشگوار نہ ہوگا بلکہ تیل کی تلچھٹ کی طرح سے گاڑھا پانی ہوگا پیا تو نہ جا سکے گا لیکن پیاس کی شدت کی وجہ سے پینا پڑیگا یہ پانی اتنا گرم ہوگا کہ جیسے ہی منہ کے قریب آئے گا چہروں کو بھون ڈالے گا یہ تو انکے پینے کی چیز ہوگی اور کھانے کے لئے زقوم کا درخت ہوگا جیسا کہ دوسری آیات میں وارد ہوا ہے سورۂ الصافات رکوع نمبر۲ اور سورۂ دخان رکوع نمبر تین اور سورۂ واقعہ رکوع نمبر۲ میں مذکور ہے' زقوم کا درخت کھائیں گے اور اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی پئیں گے جو انکے مونہوں کو بھون دیگا اور آنتوں کو کاٹ ڈالے گا (کمافی سورہ محمدؐ) اور یہ پانی بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ اس طرح پئیں گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔ بِئْسَ الشَّرَابُ یعنی وہ پانی پینے کی بری چیز ہے آخر میں فرمایا وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا اور دوزخ آرام کی بری جگہ ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سخت عذاب میں آرام کہاں ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ یہ لفظ بطور تحکم لایا گیا ہے وہ لوگ دنیا میں اپنی مستیوں میں لگے رہے دنیاوی آرام کے سامنے اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے تھے' دنیا کے آرام کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا کیونکہ ایمان قبول کرنے پر تکلیفیں پہنچنے کا اندیشہ تھا اور انہوں نے وعیدیں سننے کے باوجود دوزخ ہی کے کاموں کو اختیار کیا اور گویا کفر ہی کو اپنے لئے آرام کا ذریعہ سمجھا لہٰذا عذاب کی جگہ کو ان کے لئے آرام کی جگہ فرمایا کیونکہ دنیا کے آرام ہی کی وجہ سے انہوں نے اس تکلیف کو اپنے سر لیا اور یہ سمجھا کہ آخرت میں بھی ہم آرام ہی سے رہیں گے ثم هو علی سبیل المشاکلة فی مقابلة قوله تعالیٰ (وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کو چار دیواریں گھیرے ہوئے ہیں جن میں ہر دیوار کا عرض چالیس سال چلنے کی مسافت رکھتا ہے (رواہ الترمذی) یعنی اسکی دیواریں اتنی موٹی ہیں کہ صرف ایک دیوار کی چوڑائی طے کرنے کے لئے کوئی چلنے والا چلے تو چالیس سال خرچ ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ بات واقعی ہے کہ ہم اسکا عمل ضائع نہیں کریں گے جو اچھے کام کرے' ان لوگوں کے لئے

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ

ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی' انہیں سونے کے کنگنوں کا زیور پہنایا جائیگا' اور یہ لوگ سندس

ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ

اور استبرق کے کپڑے پہنیں گے' جنت میں مسہریوں پر تکیئے لگائے ہونگے وہ بہت اچھا بدلہ ہے

وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾
اور آرام کی اچھی جگہ ہے

اہل ایمان کا اجر و ثواب' جنت کے لباس اور زیور مسہریوں کا تذکرہ

تفسیر: اہل کفر کی سزا بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزاء کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں فرمایا کہ ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے نیک عمل وہی ہے جو ایمان اور اخلاص کے ساتھ ہو اور شریعت کے مطابق ہو' فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ رہنے کے باغوں میں رہیں گے ان باغوں کے نیچے نہریں جاری ہونگی' اور ساتھ ہی انکے زیور اور لباس کا تذکرہ بھی فرمایا اور فرمایا کہ انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ وہاں سبز کپڑے پہنیں گے جو سندس اور استبرق کے ہونگے پھر ان مسہریوں کا تذکرہ فرمایا جن پر یہ لوگ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہونگے۔ یہ بیٹھنا آمنے سامنے ہوگا ایک دوسرے کے مقابل ہونگے۔

آخر میں فرمایا نِعۡمَ الثَّوَابُ (انکے اعمال کا اچھا بدلہ ہے) وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا (اور یہ جنت آرام کی اچھی جگہ ہے) (وہاں دکھن اور تھکن نہ ہوگی آرام ہی آرام ہوگا)

یہ جو فرمایا کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اس میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ زیور تو عورتیں پہنتی ہیں مردوں پر کیا اچھا لگے گا پھر اس کے پہننے کی ممانعت بھی ہے۔ اسکا یہ جواب ہے کہ آخرت کے حالات کو دنیا پر قیاس کرنا صحیح نہیں اول تو وہاں دنیا والے شرعی احکام نافذ نہ ہونگے۔ وہاں مردوں کو سونا پہننا جائز ہوگا دوم مرد وہاں کنگن پہننے میں خوبی اور خوشی محسوس کریں گے' دنیا میں بھی ہر جگہ کا رواج الگ الگ ہے بعض علاقوں میں مرد بھی زیور پہنتے رہے ہیں اور خاص کر بادشاہوں کے بارے میں تو زیور پہننا معروف ہی ہے۔

کپڑوں کے بارے میں فرمایا کہ اہل جنت کے کپڑے سبز رنگ کے ہونگے سبز رنگ چونکہ نظروں کو بہت بھلا لگتا ہے اسلئے ان کے کپڑوں کا یہ رنگ ہوگا' یہ کپڑے سندس اور استبرق کے ہونگے۔

سورہ حج میں فرمایا وَلِبَاسُهُمۡ فِيهَا حَرِيرٌ (اور ان کا لباس ریشم ہوگا) معلوم ہوا کہ سندس اور استبرق ریشم کے ہونگے' سندس کے بارے میں مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس سے باریک ریشم مراد ہے اور استبرق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سے دبیز یعنی موٹا ریشم مراد ہے' مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ استبرق سے وہ موٹا ریشم مراد ہے جس میں چمک ہو ستر عورت کے لئے تو دبیز ہی کپڑے کی ضرورت ہوگی اور آیت میں تفصیل نہیں بتائی کہ سندس کا کونسا کپڑا ہوگا اور استبرق کا کونسا کپڑا ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ نیچے کے کپڑے استبرق کے ہونگے اور سندس کے کپڑے اوپر پہننے کے ہوں گے جیسے کرتا وغیرہ مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں **فالسندس ثياب رقاع رقاق كالقمصان وما جرى مجراها واما الاستبرق فغليظ الديباج وفيه بريق۔** (پس سندس تو اوپر کے باریک کپڑے ہیں جیسے قمیص وغیرہ اور استبرق موٹے ریشم کو کہتے ہیں جس میں چمک ہو)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا

اور آپ ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے' ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے اور انکو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا

بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّ

اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی اگا دی تھی' دونوں باغ اپنا پورا پورا پھل دیتے تھے اور پھلوں میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی اور

فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا

ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر جاری کردی تھی اور اس کے لئے اور بھی پھل تھے سو اس نے باتیں کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مال والا ہوں

وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

اور میرے افراد بھی غلبہ والے ہیں' اور وہ اس حال میں اپنے باغ میں داخل ہوا کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا اس نے کہا کہ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی ہلاک ہوگا'

وَّمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ

اور نہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہوگی' اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ ضرور ضرور پالوں گا' اسکے ساتھی نے جواب دیتے

لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ

ہوئے کہا کیا تو نے اس ذات کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے صحیح سالم

رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّىْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ

آدمی بنا دیا لیکن میری بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا' اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے ماشاء

اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّىْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ

اللہ لاقوۃ الا باللہ کیوں نہ کہا' اگر تو مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہے۔ کہ میں تجھ سے مال اور اولاد کے اعتبار سے کم ہوں تو وہ وقت نزدیک ہے کہ میرا رب مجھے

خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ

تیرے باغ سے بہتر عطا فرما دے' اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جسکی وجہ سے تیرا باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا

مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ

پانی زمین میں اتر جائے پھر تو اسے طلب کرنے کی کوشش نہ کر سکے' اور اسکے پھلوں کو آفت سے گھیر دیا گیا سو وہ اس حال میں ہو گیا کہ جو کچھ اس میں خرچ کیا تھا

فِيْهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّىْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ

اس پر کف افسوس ملنے لگا اور حال یہ تھا کہ اسکا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہائے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا' اور اس کے لئے

لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ

ایسا کوئی گروہ نہ تھا جو اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلہ لینے والا تھا' ایسے موقعہ پر اللہ کے سوا میں اللہ ہی کی مدد ہوتی ہے جو حق ہے وہ بہتر ہے

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہے انجام کے اعتبار سے

عبرت کے لئے دو شخصوں کی مثال' ان میں ایک باغ والا اور دوسرا غریب تھا

تفسیر: ان آیات میں ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں ایک باغ والے کافر و مشرک اور دوسرے مؤمن مؤحد کی گفتگو نقل فرمائی ہے۔

علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۱۶۱ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیات اہل مکہ میں سے دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئیں دونوں بنی مخزوم میں سے تھے۔ ایک تو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تھے جو رسول ﷺ سے پہلے حضرت ام سلمہؓ کے شوہر تھے اور دوسرا شخص جو کافر تھا وہ اسود بن عبدالاسد تھا یہ ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں سے دو شخصوں کا ہے جو آپس میں دونوں بھائی تھے ایک مؤمن تھا اور ایک کافر تھا اس واقعہ کو بطور مثال فریق اول عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں اور فریق دوم حضرت سلمان فارسی اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں ذکر فرمایا (یاد رہے کہ عیینہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یوں کہا تھا کہ آپ ان غریبوں اور مسکینوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے تا کہ ہم آپ کے پاس بیٹھ سکیں)

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آیات بالا میں جن دو شخصوں کا ذکر فرمایا ہے یہ بنی اسرائیل میں سے ایک بادشاہ کے بیٹے تھے' ایک نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور دوسرے شخص نے کفر اختیار کیا اور وہ دنیا کی زینت میں مشغول ہو گیا اور مال کو بڑھانے میں لگ گیا واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے خوب مال دیا اس کے انگور کے دو باغ تھے اور ان دونوں باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے۔ جنہوں نے باڑ کی طرح سے ان دونوں باغوں کو گھیر رکھا تھا۔ ان دونوں باغوں میں کھیتی بھی تھی؛

'درختوں کے پھلوں اور کھیتی کی پیداوار سے وہ بڑا مالدار بنا ہوا تھا ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری تھی دونوں باغ بھرپور پھل دیتے تھے ذرا سی بھی کمی نہ ہوتی تھی۔

یہ تو باغ والے کا حال تھا (جو اوپر مذکور ہوا) اس کے احوال کے برخلاف ایک دوسرا شخص تھا' وہ مال اور آل و اولاد کے اعتبار سے زیادہ حیثیت والا نہ تھا' جس شخص کے باغ تھے اسے بڑا غرور تھا اس نے اپنے اسی کم حیثیت والے ساتھی سے کہا کہ میں مال کے اعتبار سے تجھ سے زیادہ ہوں اور افراد کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہوں کیونکہ میری جماعت

زبردست ہے' اول تو اس نے اس کم حیثیت والے ساتھی سے تکبر اور تفاخر سے خطاب کیا اور دوسرا کام یہ کیا کہ وہ اپنے باغ میں اپنے نفس پر ظلم کرنے کی حالت میں یعنی کفر پر قائم ہوتے ہوئے داخل ہوا وہاں بھی اس نے وہی کفر کی اور کفران نعمت کی باتیں کیں کہنے لگا کہ میں تو یہ نہیں سمجھتا کہ میرا یہ باغ کبھی بھی برباد ہو گا اور یہ جو قیامت قائم ہونے والی باتیں کرتے ہو یہ یوں ہی کہنے کی باتیں ہیں میرے خیال میں تو قیامت قائم ہونے والی نہیں۔ فرض کرو کہ اگر قیامت آ ہی گئی اور میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو اس دنیا میں جو میرا باغ ہے مجھے وہاں اس سے بڑھ کر بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی۔ دنیا والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کافر اور فاجر ہوتے ہوئے یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں جب اس نے ہمیں یہاں دولت دی ہے تو وہاں بھی ہمیں خوب زیادہ نعمت و دولت ملے گی' یہ لوگ قیامت کو مانتے تو نہیں ہیں لیکن اہل ایمان سے قیامت کی باتیں سن کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی تو وہاں بھی ہماری نوازش میں کوئی کمی نہ ہوگی یہ نہیں جانتے کہ وہاں جو کچھ ملے گا ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملے گا چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور تبلیغ کی طرف دھیان نہیں دیتے اس لئے روز جزاء میں جو نعمتیں ملیں گی' ان نعمتوں کے ملنے کے قانون سے واقف نہیں ہوتے اور بہت سی مرتبہ حقیقت جانتے ہوئے بھی اہل ایمان کے سامنے منہ زوری کر کے اپنے آپ کو دونوں جہانوں میں برتر اور بہتر بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خود ہی خیال جما لیتے ہیں کہ ہم یہاں بھی بہتر ہیں وہاں بھی بہتر ہوں گے۔

وہ جو اسی کا ساتھی تھا جس سے اس نے فخر اور تمکنت کی باتیں کی تھیں اور اسے اپنے سے گھٹیا بتایا تھا اس نے اول تو اسے عار دلائی اور ایک اچھے انداز میں اس کی نادانی اور بے وقوفی پر متنبہ کیا اور کہا کہ جس ذات پاک نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا فرمایا پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنا دیا کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا یعنی تجھے ایسا نہیں کرنا تھا' چونکہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے جو ہر انسان کے باپ ہیں اور پھر ہر انسان مادہ قریبہ یعنی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے جو رحم مادر میں جاتا ہے اس لئے مادہ بعیدہ اور قریبہ دونوں کو ذکر کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ دیکھ رحم مادر میں نطفہ پہنچ کر جو بچہ بن کر باہر آتا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ ٹھیک ہو اور اس کے اعضاء صحیح سالم ہوں تجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور مزید کرم یہ فرمایا کہ تیرے اعضاء کو صحیح سالم بنایا اور مزید کرم یہ فرمایا کہ تجھے مرد بنایا' بجائے مومن بندہ بننے کے تو کافر ہو گیا تف ہے ایسی سمجھ پر اس کے بعد اس مومن بندہ نے اپنا عقیدہ بتایا اور یوں کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس میں اپنے دین و عقیدہ کا اعلان بھی ہے اور مخاطب پر تعریض بھی ہے کہ تو مشرک ہے اور مشرک ہونا بدترین چیز ہے' اس کے بعد اس مومن موحد نے اپنے مخاطب سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تجھے باغ کی نعمت دی ہے تجھے اس نعمت پر شکر گذار ہونا چاہئے باغ میں جا کر تو نے یوں کہا کہ میرے خیال میں یہ باغ کبھی برباد نہ ہو گا اور تو قیامت آنے کا بھی منکر ہو گیا اس کے بجائے تجھے یوں کہنا چاہئے تھا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (یعنی اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں) یہ باغ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وجود میں آیا ہے اسی نے تجھے اس

پر قبضہ دیا ہے جب وہ چاہے گا اسے برباد کر دے گا اور تو دیکھتا رہ جائے گا رہی یہ بات کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں تو یہ بات میرے لئے کوئی غمگین اور متفکر ہونے کی نہیں ہے مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ عنقریب تیرے باغ سے بہتر باغ عطا فرمادے گا دنیا میں ہو یا آخرت میں یا دونوں میں' اور وہ وقت بھی دور نہیں معلوم ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے اور تیرا باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے' یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تو اس پانی کو طلب کرنے کی کوشش بھی نہ کر سکے' مطلب یہ ہے کہ تو جو یہ کہتا ہے کہ میرا باغ ہمیشہ رہے گا۔ یہ اس لئے کہتا ہے کہ اسباب ظاہرہ موجود ہیں سیراب کرنے کے لئے پانی ہے باغ کی سینچائی کے لئے آدمی موجود ہیں۔ یہ تیری بھول ہے جس ذات پاک نے تجھے یہ باغ دیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ آسمان سے اس پر کوئی آفت بھیج دے۔ پھر نہ کوئی درخت رہے نہ ٹہنی نہ برگ رہے نہ بار' اسے اس بات پر بھی قدرت ہے کہ جس پانی پر تجھے گھمنڈ ہے وہ اس پانی کو اندر زمین سے دور تک پہنچا دے اور یہ پانی اتنی دور چلا جائے کہ تو اسے محنت اور کوشش کر کے دوبارہ اپنی کھیتی کی سطح تک لانے کی ہمت نہ کر سکے۔

مومن وموحد بندہ نے جو کافر مشرک ناشکرے کو شرک چھوڑنے اور توحید اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ماننے اور اسکی گرفت سے بچنے کی تلقین کی تھی اس پر اس کافر نے دھیان نہ دیا عذاب آ ہی گیا۔ اور اس کے پاس جو مال تھا اور مالدار بننے کے جو اسباب تھے ان سب کو ایک آفت نے گھیر لیا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ایک آگ تھی جس نے اسکی مالیت کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اب تو یہ شخص حیران کھڑا رہ گیا اور اپنے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا اس پر اپنے ہاتھ کو الٹا پلٹتا رہ گیا اس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا (یعنی جن ٹٹیوں پر انگور وغیرہ کی بیلیں چڑھاتے ہیں وہ جل کر گر گئی تھیں پھر اوپر سے پورا باغ ہی جل کر ان ٹٹیوں پر گر گیا) وہ شخص افسوس کر رہا تھا' کبھی یوں ہاتھ پیٹتا تھا اور کبھی یوں' اور کہتا تھا کہ ہائے افسوس میں اس باغ پر مال خرچ نہ کرتا جیسا تھا ویسے ہی بڑھتا رہتا۔ اگر اس پر مال نہ خرچ کرتا تو باغ جل جاتا مگر مال تو رہ جاتا' باغ بھی ہلاک ہوا اور جو کچھ اس پر لگایا تھا وہ بھی گیا اب اسے اپنے مومن ساتھی کی نصیحت یاد آئی اور کہنے لگا یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُشۡرِکۡ بِرَبِّیۡۤ اَحَدًا (ہائے کاش کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا)۔

باغ کی بربادی اور صاحب باغ کی حسرت بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اسکی عاجزی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلَمۡ تَکُنۡ لَّہٗ فِئَۃٌ یَّنۡصُرُوۡنَہٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ (اور وہ بدلہ لینے والا نہ تھا) اتنی بڑی آفت کسی پر نازل ہو جائے تو وہ تو مخلوق سے بھی بدلہ لینے سے عاجز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شخص بدلہ لے ہی نہیں سکتا۔ اللہ نے اس پر کفر و شرک کی وجہ سے عذاب بھیجا اور وہ اس حال میں ہو گیا کہ کسی طرح کہیں سے بھی کوئی مدد پا کر کسی طرح کا بدلہ لینے کے قابل نہ رہا۔

یاد رہے کہ رکوع کے شروع میں دو باغوں کا تذکرہ فرمایا تھا لیکن بعد میں ایک ہی باغ کا ذکر فرمایا یہ بطور جنس کے ہے جو دونوں باغوں کو شامل ہے اور جب باغ برباد ہوئے تو کھیتی بھی ختم ہوئی اور جن افراد پر اسے گھمنڈ تھا ان کی قوت اور شوکت بھی دھری رہ گئی کیونکہ جماعت اور جتھا بھی اسی وقت کام آتا ہے جب ان پر خرچ کرنے کے لئے مال موجود ہو' آخر

میں فرمایا هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ایسے موقعہ پر مدد کرنا اللہ ہی کا کام ہے جو حق ہے (وہ بندوں کے اموال کو تباہ کر کے پھر سے عطا فرما سکتا ہے) هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا (وہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے) مطلب یہ ہے کہ اپنے اموال کو اللہ پاک کی رضامندی کے لئے خرچ کریں وہ اچھے سے اچھا بدلہ دے گا اور جو کچھ اسکی رضا کے لئے خرچ کیا جائے گا' اس کا انجام بھی سب سے اچھا ہوگا۔ اس میں یہ بتا دیا کہ مومن بندوں کا اگر کوئی نقصان ہو بھی جائے تو انجام کے اعتبار سے اسے کوئی خسارہ یا نقصان نہیں کیونکہ وہ دونوں جہان میں یا کم از کم آخرت میں اس کا بدلہ پالے گا اور آخرت میں جو کچھ ملے گا اس کا اس دنیا میں حساب نہیں لگایا جا سکتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورت کو اس کے جان میں اور مال میں اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا ایک گناہ بھی باقی نہ رہے گا (تکلیفوں کی وجہ سے سب گناہ دھل چکے ہوں گے) (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۳۶)

فائدہ: گذشتہ رکوع میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے دنیاوی اموال پر فخر کرتے ہوئے اور بڑائی جتاتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ بات پیش کی تھی کہ آپ غرباء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں اور یہ بات انہوں نے اس لئے کہی تھی کہ ضعفاء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور انہیں اس لائق نہیں جانتے تھے کہ خود ان کے ساتھ بیٹھیں ان لوگوں کی اس خواہش اور فرمائش کا تذکرہ کرنے کے بعد اول تو دوزخ کا عذاب بتایا جس میں کافر مبتلا ہوں گے پھر جنت کی نعمتیں ذکر فرمائیں جو مومنوں کو ملیں گی۔ اس کے بعد باغ والے کافر کا قصہ بیان فرمایا جسے ایک مومن بندہ نے سمجھایا تھا لیکن وہ کافر نہ مانا' عذاب آیا اور اس کا مال تباہ و برباد ہو گیا۔ اس قصہ میں بہت بڑی عبرت ہے کوئی شخص اپنے مال پر گھمنڈ نہ کرے' اللہ کا مومن بندہ بنے اور جن مومن بندوں کے پاس مال نہیں ہے انہیں حقیر نہ جانے اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ کرے' ناشکری کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں پھر ایسے وقت میں کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

اور آپ ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان کیجئے' جیسے کہ پانی ہو جو ہم نے آسمان سے اتارا' پھر اس کے ذریعہ

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ

زمین سے اگنے والی چیزیں خوب گنجان ہو گئیں' پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا' جسے ہوائیں اڑا رہی ہیں' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے' مال

وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں' اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی'

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿۴۷﴾

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ وہ کھلا میدان ہے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے،

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ

اور وہ آپ کے رب پر صفیں بنائے ہوئے پیش کئے جائیں گے بلاشبہ آج تم ہمارے پاس اسی حالت میں آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے

نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ

یوں سمجھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود مقرر نہ کریں گے اور اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے سو آپ مجرمین کو دیکھیں گے کہ ان میں جو کچھ ہے اس سے ڈر

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّا أَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا

رہے ہیں اور وہ کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے کہ اس نے کسی چھوٹے یا بڑے کو نہیں چھوڑا جسے لکھ نہ لیا ہو اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا

عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿۴۹﴾

وہ سب موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

دنیا کی بے ثباتی کی ایک مثال اور قیامت میں مجرمین کی حیرت کا منظر

تفسیر: یہ رکوع پانچ آیات پر مشتمل ہے اس میں اول تو دنیا کی ظاہری چند دن کی زیب و زینت کو بیان فرمایا اور ساتھ ہی یوں فرمایا کہ اعمال صالحہ ہی باقی رہنے والے ہیں اور ثواب اور امید کے اعتبار سے بہتر ہیں، پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونے اور اعمال نامے سامنے آنے کا تذکرہ فرمایا یہ سب باتیں عبرت اور نصیحت کے لئے ہیں۔ دنیا کی حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ (الآیۃ) یعنی دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اس پانی کی وجہ سے زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں ظاہر ہوئیں۔ انسانوں نے جو بیج ڈالے تھے وہ بھی نکلے اور اس کے علاوہ اور بھی گھاس پھونس اور مختلف قسم کی سبزیاں برآمد ہوئیں۔ اس سرسبز پیداوار کو دیکھ کر لوگ خوش ہو رہے ہیں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں دلوں کو بھا رہی ہیں اور اتنی زیادہ پیداوار ہے۔ کہ گنجان ہونے کی وجہ سے ایک ٹہنی دوسری ٹہنی میں اور ایک پودے کے پتے دوسرے پودوں کے پتوں میں گھسے ہوئے ہیں۔ چند دن تو یہ پیداوار ہری بھری رہی پھر سوکھ گئی کسانوں نے کھیتی کو کاٹ کر دانہ نکال لیا بھوسہ ہی بھوسہ رہ گیا اور دوسری سبزیاں بھی سوکھ کر رہ گئیں اب ان پر آدمی چلے پھرے، مویشیوں نے ان کو روندا، سب چورا چورا ہو کر خس و خاشاک بن کر رہ گئیں اب ہوائیں آتی ہیں اس بھوسے کو اور سبزیوں کے ذرات کو اڑاتی پھرتی ہیں۔ جو حال ان سبزیوں اور کھیتوں کا ہوا وہی حال دنیا کا ہے چند دن کی چہل پہل ہے جو ہر شخص کی موت پر ختم ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن تو ساری دنیا ختم ہو ہی جائے گی یہ زمین ہی وہ نہ رہے گی جواب

ہے نہ مخلوق میں زمین کا کوئی مالک ہوگا نہ وہ ہری بھری ہوگی نہ اس میں پیداوار ہوگی' اس عارضی ذرا سی چہل پہل پر بھروسہ کرنا اور اس میں دل لگانا اور خالق جل مجدہ کو بھول جانا اور آخرت کے لئے فکر مند نہ ہونا یہ انسان کی ناسمجھی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ نے اس میں تمہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے سو وہ دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو' لہٰذا دنیا (میں دل لگانے) سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو۔ بنی اسرائیل میں جو سب سے پہلا فتنہ ظاہر ہوا وہ عورتوں ہی کا فتنہ تھا (رواہ مسلم)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (جب چاہے وجود بخشے اور جن چیزوں کو چاہے ترقی دے اور جب چاہے فنا کر دے)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں) ان پر اترانا اور ان میں دل لگانا ہوش مند آدمی کا کام نہیں وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (باقی رہنے والے اعمال صالحہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی) یعنی ہوش مند بندوں کو اعمال صالحہ میں لگا رہنا چاہئے جو اجر و ثواب کے اعتبار سے باقی رہنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال صالحہ کا بہت بڑا ثواب ملے گا' اللہ تعالیٰ سے ان کا ثواب ملنے کی امید رکھیں یہ امید تمام امیدوں سے بہتر ہے۔

اسی سورت کے ختم پر فرمایا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (سو جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو سو وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)

باقیات کو جو صالحات کے ساتھ متصف فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اعمال صالحہ نہیں یا جن اعمال صالحہ کو دوسرے اعمال کی وجہ سے حبط کر دیا یا ارتداد کی وجہ سے باطل کر دیا وہ باقی رہنے والے نہیں ہیں یعنی آخرت میں ان کا کوئی ثواب نہ ملے گا' اور ان پر ثواب ملنے کی امید رکھنا عبث ہے۔

اس کے بعد قیام قیامت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ (اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور ان کی جگہوں سے ہٹا دیں گے اس دن کو یاد کرو) وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (اور اے مخاطب تو زمین کو اس حال میں دیکھے گا کہ کھلا ہوا میدان بنی ہوئی ہے) اس میں نہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ پر ہے نہ کوئی گھر ہے نہ دیوار ہے' نہ در ہے نہ بلندی' فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (سو میرا رب ان پہاڑوں کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک ہموار میدان بنا دے گا جس میں نہ تو ناہمواری رہے گی اور نہ کوئی بلندی) یہ تو پہاڑوں کا اور زمین کا حال ہوگا اور آسمان بھی پھٹ جائیں گے چاند سورج بھی بے نور ہو جائیں گے اور ستارے بھی گر پڑیں گے۔ یہ قیامت کے ابتدائی احوال ہوں گے صور پھونکے جانے پر مردے قبروں سے نکال کر جمع کئے جائیں گے وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (اور ہم انہیں جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے) وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا جمع ہونے کے بعد پیشی ہو

گی صفیں بنائے ہوئے رب ذوالجلال کے حضور کھڑے ہوں گے ارشاد ہوگا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (تم ہمارے پاس اسی حالت میں آ گئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا) سارا مال دھن و دولت وہیں دنیا میں چھوڑ آئے یہاں اس حال میں آئے ہو نہ پاؤں میں جوتا ہے نہ تن پر کپڑا ہے۔ (کمافی سورۃ الانعام) وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا اسے تم اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ تم اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ ننگے پاؤں ہوگے ننگے بدن ہوگے بغیر ختنہ کے ہوگے۔ پھر فرمایا یہ آیت پڑھ لو۔ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَاؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح آسانی سے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح اب تمہاری تخلیق فرمادی تم سمجھتے تھے کہ ہم دوبارہ پیدا نہ ہوں گے اور دوبارہ پیدا ہونے کو ناممکن سمجھتے تھے حالانکہ جس نے پہلی بار پیدا کیا اور وہ دوسری بار بھی بآسانی پیدا فرما سکتا ہے۔

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود مقرر نہ کریں گے)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین کی تعلیم اور تبلیغ سے جو تمہیں وقوع قیامت کا کچھ دھیان آ جاتا تھا تو تم اسے یوں کہہ کر دفع کر دیتے تھے کہ ابھی نہ دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ حساب کتاب کا موقعہ آنا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ (الیٰ قولہ تعالیٰ) وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا جب دربار خداوندی میں حاضری ہو جائے گی اور وہاں حساب ہوگا اور پیشی ہوگی تو اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حجت قائم کئے بغیر بھی سزا دینے کا اختیار ہے لیکن وہ حجت قائم کر کے سزا دے گا یہ حجت اعمال ناموں کے ذریعہ بھی اور انسانوں کے اعضاء کی گواہی سے بھی قائم ہوگی اور بعض دوسری چیزیں بھی گواہی دیں گی، اعمال نامے پیش ہوں گے، ہر شخص کا اعمال نامہ کھلا ہوگا جو اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اچھے لوگوں کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

اپنے اپنے اعمال نامے دیکھیں گے ان میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوگا نافرمان اسے دیکھ کر ڈریں گے اور یوں کہیں گے کہ کاش یہ اعمال نامہ ہمارے سامنے نہ آتا جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا وہ کہے گا کہ ہائے کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور مجھے پتہ نہ چلتا کہ میرا کیا حساب ہے)

ان اعمال ناموں میں سب کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ جو گناہ نہ کیا ہوگا وہ لکھ دیا گیا ہوا ایسا نہ ہوگا اور جو نیکی کسی نے کی ہو چھوٹی یا بڑی وہ اعمال نامہ میں موجود ہوگی۔ نہ کوئی گناہ لکھنے سے رہا ہوا ہوگا اور نہ کوئی بے کیا ہوا گناہ لکھا ہوا ہوگا اور نہ کوئی نیکی چھوٹی ہوئی ہوگی۔ (جو گناہ توبہ و استغفار یا نیکیوں کی وجہ سے کفارہ ہونے کے باعث درج

نہ ہوں گے ان کے بارے میں اشکال نہیں ہوتا کیونکہ وہ گناہ کے ذیل میں آتے ہی نہیں)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا وہ جنات میں سے تھا سو وہ

اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اپنے رب کی فرمانبرداری سے نکل گیا' کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اسے اور اسکی ذریت کو دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں' یہ ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے'

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ

میں نے انہیں آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت نہیں بلایا اور نہ ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا

عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا

نہیں ہوں۔ اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ فرمائے گا کہ تم انہیں بلاؤ جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔ پس وہ ان کو پکاریں گے سو وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

ایک آڑ بنا دیں گے۔ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے پھر یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا منکر ہو کر نافرمان بن جانا' ابلیس اور اسکی ذریت کا بنی آدم کی دشمنی کو مشغلہ بنانا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو' فرشتوں نے تو سجدہ کر لیا (یہ سجدہ تعظیمی ہے) لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا وہ بھی وہیں عالم بالا میں رہتا تھا۔ اس نے کٹ حجتی کی اور سجدہ کرنے سے انکاری ہو گیا جس کا تذکرہ سورہ بقرہ کے رکوع ۴ میں اور سورہ اعراف کے رکوع ۲ اور سورہ بنی اسرائیل کے رکوع ۷ میں گذر چکا ہے ابلیس جنات میں سے تھا اور بظاہر عبادت گذاروں اور فرمانبرداروں میں شمار ہوتا تھا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو اس نے حکم عدولی کی فرمانبرداری سے خارج ہو گیا اور صاف انکار کر بیٹھا' اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں آدم کی ذریت کو بہکانے اور ورغلانے اور گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھوں گا وہ اپنی قسم پر ڈٹا ہوا ہے اور وہی نہیں اسکی ذریت بھی اس کے ساتھ انسانوں کو بہکانے' ورغلانے' گمراہ کرنے اور تکلیفیں پہنچانے میں لگی ہوئی ہے۔ ابلیس کھلا ہوا دشمن ہے۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے اسکی ذریت بھی اسکی ہمنوا ہے اس کے کام میں اور پروگرام میں شریک ہے اس کے باوجود انسانوں کا عجیب حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اپنا ولی نہیں بناتے ابلیس اور اسکی ذریت کو اپنا دوست بناتے ہیں' ان کی

بات مانتے ہیں اوران کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتے ہیں اسی کو فرمایا اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ (کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اسکی ذریت کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں) بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (ظالموں کے لئے یہ بہت برا بدل ہے) اللہ تعالیٰ کو ولی بنانا لازم تھا اپنے مالک اور خالق کو چھوڑ کر انہوں نے ابلیس اور اس کی ذریت کو ولی بنالیا یہ انہوں نے اپنے لئے بہت برا بدل تجویز کیا۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس آیت میں ابلیس اور اسکی ذریت کا اتباع کرنے والوں اور شرک کرنے والوں کی جہالت اور ضلالت پر تنبیہ فرمائی ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا اور جب ان لوگوں کو پیدا کیا تو ان کو اپنی مدد یا مشورے کے لئے نہیں بلایا تھا جب آسمان وزمین کی تخلیق اور خود ان کی تخلیق میں میرا کوئی شریک نہیں تو پھر ابلیس اور اسکی ذریت سے دوستی کیوں کرتے ہیں' اور ان کے ورغلانے سے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہیں یہ تو سراسر حماقت اور سفاہت اور ضلالت ہے۔

مزید فرمایا وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا (اور میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا نہیں) مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں ایک حماقت اور ضلالت تو یہ ہے اور دوسری ضلالت اور حماقت یہ ہے کہ دوسری ضلالت اور حماقت یہ ہے کہ جن کا مشغلہ گمراہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے ہٹانے اور اس کے لئے شریک ٹھہرانے کا ہے ان کے بارے میں یہ عقیدہ بنالیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ (العیاذ باللہ)

سورہ سبا میں فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ فَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ (آپ فرمادیجئے کہ جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے)۔

اس کے بعد فرمایا وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے فرمان ہوگا کہ تم انہیں پکارو جنہیں تم نے میرا شریک بنا رکھا تھا۔ اس پر وہ انہیں پکاریں گے یعنی ان سے کہیں گے کہ ہماری مدد کرو' فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ (سو وہ ان کا جواب نہ دیں گے) یعنی مدد کرنے کے لئے ہاں نہ کریں گے۔ وہ خود اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوں گے کسی کی مدد کرنے کی کیا مجال ہوگی۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ بنادیں گے جس کی وجہ سے ایک دوسرے تک پہنچ بھی نہ سکیں گے مدد کرنا تو درکنار وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ (اور مجرمین دوزخ کو دیکھیں گے) فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا (سو وہ یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں) وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے) یعنی شرک کرنے والوں اور شرک کرانے والوں کا انجام یہ ہوگا کہ یہ سب دوزخ میں گر جائیں گے اور کوئی کسی کی مدد نہ کرسکے گا۔

فائدہ: لفظ مَوْبِقًا و بق یبق سے ظرف کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہلاک ہونے کی جگہ اگر لغوی معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ مشرکین ان لوگوں کو پکاریں گے جنہیں اللہ کا شریک بنایا تھا ان کے پکارنے پر وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور وہیں ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ ہوگی یعنی دوزخ موجود ہوگی جس میں دونوں جماعتیں گر جائیں گی موبق کا ترجمہ جو آڑ سے کیا گیا ہے۔ یہ ابن الاعرابی سے منقول ہے صاحب معالم التنزیل ابن الاعرابی سے نقل کرتے ہیں کل حاجز بین شیئین فھو موبق انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ موبق دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے اور حضرت عکرمہ کا بیان ہے کہ موبق دوزخ میں ایک آگ کی نہر ہے جو اس کے کنارے پر بہتی ہے اس میں بڑے بڑے سانپ ہیں جیسے کالے رنگ کے خچر ہوں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴

اور لوگوں کے لئے ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے عمدہ مضامین بیان کیے۔ اور انسان جھگڑے میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ

اور ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے صرف اس بات نے روکا ہے کہ ان کے ساتھ اگلے لوگوں جیسا معاملہ ہوجائے

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ

یا ان کے آمنے سامنے عذاب آجائے، اور ہم پیغمبروں کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجتے رہے ہیں۔ اور جن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝۵۶ وَمَنْ

لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ باطل کے ذریعہ جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ حق کو ہٹا دیں اور ان لوگوں نے میری آیات کو اور جس چیز سے ان کو ڈرایا گیا مذاق کی چیز بنا رکھا ہے اور اس سے

اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي

بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی گئی سو اس نے ان سے روگردانی کی اور جو کچھ اس نے آگے بھیجا ہے اسے بھول گیا۔ بلاشبہ ہم نے ان کے

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا

دلوں پر اس کے سمجھنے سے پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے، اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو

اِذًا اَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ

ایسی حالت میں ہرگز ہدایت پر نہ آئیں گے اور آپ کا رب بہت مغفرت کرنے والا ہے رحمت والا ہے، اگر وہ لوگوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے گرفت فرماتا تو ان کے لئے جلد ہی عذاب بھیج دیتا،

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ۝۵۹

اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے کے لئے وقت مقرر کر رکھا تھا۔

انسان بڑا جھگڑالو ہے' باطل کو لیکر حجت بازی کرتا ہے

اللہ کی آیات سے اعراض کرنے والے بڑے ظالم ہیں

تفسیر: ان آیات میں تو انسان کے ایک خاص مزاج کا تذکرہ فرمایا یعنی انسان کا جھگڑالو ہونا بتایا' پھر اس جھگڑے کی کچھ تفصیل بتائی ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسانوں کے لئے ایک قرآن میں ہر طرح کے مضامین بیان فرما دیئے اور طرح طرح سے بیان کر دیئے اب انسان انہیں قبول نہیں کرتا اور جھگڑے بازی سے کام لیتا ہے اور جھگڑنے میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ سورہ یٰسین میں انسان کے اسی جھگڑنے والے مزاج کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ اور سورہ زخرف میں فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ انسان کا یہ مزاج کام کرتا رہتا ہے اور موقعہ بے موقعہ جھگڑتا رہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ میرے اور اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کیا تم نماز نہیں پڑھتے۔ (تہجد کے لئے جگانا مقصود تھا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہماری جانیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے اٹھا دیتا ہے یہ سن کر آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور واپس ہوتے ہوئے اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ آیت پڑھی وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے) انسان کی جھگڑے بازی کی باتیں بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب سے معافی نہیں مانگتے (یعنی کفر سے توبہ نہیں کرتے) اپنی گمراہی پر جمے ہوئے ہیں' اب تو انہیں یہی انتظار ہے کہ جیسے پہلے لوگوں یعنی گذشتہ امتوں کے ساتھ معاملہ ہوا (یعنی عذاب نے ان کو آ کر دبا لیا) اسی طرح ان کے ساتھ معاملہ کر دیا جائے اور یا یہ انتظار ہے کہ ان کے آمنے سامنے عذاب آ کھڑا ہو۔ حق واضح ہو جانے کے بعد قبول نہ کرنا اور حالاً یا مقالاً عذاب کے آنے کا انتظار کرنا یہ بھی جھگڑا کرنے کی ایک صورت ہے۔

مزید فرمایا کہ ہم پیغمبروں کو صرف ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجتے رہے ہیں ان کے معجزات اور دلائل دیکھ کر ایمان قبول کرنا لازم ہے لیکن مخاطبین ایمان قبول نہیں کرتے اور طرح طرح کے فرمائشی معجزے طلب کرتے ہیں طرح طرح سے ناحق باتیں نکال کر جھگڑ رہے ہیں تاکہ باطل کے ذریعہ حق کو ہٹا دیں اور محض جھگڑنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ کی آیات کو اور جن چیزوں سے ڈرایا گیا (یعنی عذاب کو اور یوم آخرت کو) انہوں نے دل لگی' مذاق اور تمسخر بنا رکھا ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ (اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے روگردانی کی اور جو اعمال اس نے آگے بھیجے ہیں ان کو بھول گیا) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت چونکہ مشرکین مکہ مخاطبین اولین تھے اس لئے اولاً یہ مضمون مشرکین مکہ کو اور ثانیاً دیگر تمام مشرکین اور کافرین کو شامل ہے جن لوگوں کو ایمان لانا نہیں ان کا یہی شغل ہے کہ آیات سنتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں اور جو اعمال پہلے بھیج چکے ہیں یعنی کفر و شرک ان کو انہوں نے فراموش کر رکھا ہے وہ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں گے؛ جن لوگوں کو ایمان لانا نہیں ان کے بارے میں فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً (بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں) وہ ان کی وجہ سے قرآن کو نہیں سمجھتے وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ہم نے ان کے کانوں میں بوجھ کر دیا) یعنی وہ حق کے سننے سے دور بھاگتے ہیں (وقر اعربی میں بوجھ کو کہتے ہیں اسی لئے بہرے پن کو ثقل سماعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اوپر جو کانوں میں ڈاٹ کر دینے کا ترجمہ کیا گیا یہ محاورہ کا ترجمہ ہے)۔

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا (اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے تو اس وقت وہ ہرگز ہدایت پر نہ آئیں گے) وہ آیات کا مذاق بناتے بناتے اور ان سے اعراض کرتے کرتے اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ اب ان کے ہدایت پر آنے کی آپ کوئی امید نہ رکھیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ (اور آپ کا رب بہت مغفرت کرنے والا اور بہت رحمت والا ہے) وہ ڈھیل دیتا ہے عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ جب بھی کوئی شخص کفر اور شرک سے توبہ کرے وہ اسے بخش دے گا اور اپنی رحمت کے دامن میں لے لے گا لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ (اگر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرمائے تو ان کے لئے جلدی عذاب بھیج دے)

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا (بلکہ ان کے لئے ایک دن مقرر ہے کہ اس سے ورے ہرگز پناہ کی جگہ نہ پائیں گے) یہ لوگ کیسی ہی عذاب کی جلدی کریں اور کیسا ہی عذاب مانگیں اللہ تعالیٰ نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے اسی وقت گرفت کی جائے گی اور عذاب میں مبتلا ہوں گے یہ نہیں ہوسکتا کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کہیں چلے جائیں اور چھپ جائیں اور عذاب سے بچ جائیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مِنْ دُوْنِهٖ کی ضمیر مَوْعِدٌ کی طرف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مرجع عذاب ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ رب کی طرف راجع ہے لیکن وہ بظاہر خلاف ہے۔ (صفحہ ۳۰۶ ج ۱۵)

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا (اور ان بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا) اس سے سابقہ امتیں مراد ہیں؛ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں چونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ

ان کا ذکر آیا ہے اور اہل مکہ ان میں سے بعض اقوام سے واقف بھی تھے شام کو جاتے ہوئے ہلاک شدہ بستیوں پر گذرتے تھے اس لئے تِلْکَ الْقُرٰی فرمایا جس میں عہد ذہنی کے طور پر ان بستیوں کی طرف اشارہ فرما دیا۔

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا (اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے وقت معین مقرر کر رکھا تھا) وہ اسی کے مطابق ہلاک ہوئے پس جس طرح وہ اپنے اپنے وقت پر ہلاک ہوئے اے اہل مکہ تم بھی اپنے مقررہ وقت پر مبتلائے عذاب ہو گے۔ تمہارے جلدی مچانے سے عذاب جلد نہ آئے گا اور جب اپنے مقرر وقت پر آئے گا تو موخر نہ ہوگا۔ چنانچہ غزوہ بدر کے موقعہ پر یہ لوگ مقتول ہوئے قیدی ہوئے ذلیل ہوئے اور آخرت کا عذاب تو بہر حال ہر کافر کے لئے ضروری ہی ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتٰىهُ لَآ أَبْرَحُ حَتّٰىٓ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا کہ میں برابر چلتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں مجمع البحرین کو پہنچ جاؤں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں سو جب وہ دونوں مجمع البحرین پر پہنچ گئے

بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا

تو اپنی مچھلی کو بھول گئے سو وہ مچھلی سمندر میں راستہ بنا کر چلی گئی۔ سو جب وہ آگے بڑھ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ

غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ أَرَءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَآ إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ

اس میں شک نہیں کہ اس سفر کی وجہ سے ہم کو بڑی تکلیف پہنچ گئی' جوان نے کہا کیا آپ کو خبر نہیں جب ہم نے پتھر کے پاس ٹھکانہ لیا تھا تو بے شک میں

الْحُوتَ وَمَآ أَنْسٰىنِيهُ إِلَّا الشَّيْطٰنُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ

مچھلی کو بھول گیا اور مچھلی کو یاد رکھنا مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا' اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طور پر اپنا راستہ بنا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی وہ موقعہ ہے

مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً

جسکی ہمیں تلاش تھی۔ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر واپس لوٹے۔ سو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی

مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهُ مُوسٰى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰٓى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا

اور ہم نے اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بندہ سے کہا کیا میں اس شرط پر تمہارے ساتھ ہو جاؤں کہ آپ کو جو کچھ علم مفید سکھایا گیا ہے

عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ

وہ آپ مجھے سکھا دیں۔ اس بندہ نے کہا بلاشبہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکتے اور اس چیز پر تم کیسے صبر کرو گے جو چیز تمہارے علمی احاطہ

خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي

میں نہیں ہے؟ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس بندہ نے کہا سو اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو

فَلَا تَسْـَٔلْنِىْ عَنْ شَىْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ

تو کسی چیز کے بارے میں اس وقت تک مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا جب تک میں خود ہی اس کے بارے کسی طرح کا ذکر نہ کروں۔ اس کے بعد دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے

خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ

تو اس بندہ خدا نے کشتی میں شگاف کر دیا موسیٰ نے کہا کیا تم نے اسی لئے شگاف کیا ہے کہ کشتی والوں کو غرق کر دیا اس بندہ نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا

تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

کہ میرے ساتھ رہتے ہوئے تم صبر نہیں کر سکتے موسیٰ نے کہا کہ میرے بھول جانے کی وجہ سے میرا مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ

پھر دونوں چل دیئے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوگئی سو اس بندہ خدا نے اسے قتل کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم نے بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلہ بغیر قتل کر دیا تم نے تو

شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ

بہت ہی بے جا کام کیا۔ اس بندہ خدا نے کہا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکتے موسیٰ نے کہا اگر میں تم سے

عَنْ شَىْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا

اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں دریافت کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے۔ بے شک آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ چکے ہیں پھر دونوں چل دیئے

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا

یہاں تک کہ ایک گاؤں کے رہنے والوں پر گذرے دونوں نے ان لوگوں سے کھانا طلب کیا سو انہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس بستی میں ان دونوں نے

جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ

ایک دیوار کو پایا جو گرنے ہی کو ہو رہی تھی اس بندہ خدا نے اسے سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو مزدوری کے طور پر اس عمل پر کچھ لے لیتے اس بندہ خدا نے کہا

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ میں تمہیں ان چیزوں کی حقیقت ابھی بتا دوں گا جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا مفصل واقعہ

تفسیر: مذکورہ بالا آیات میں اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان فرمایا ہے یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں ذرا تفصیل سے مذکور ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں دو جگہ لکھا ہے پہلی جگہ صفحہ ۶۸۷ ج ۲ تا ۶۹۰ پر مختصر اور پھر صفحہ ۲۲۳ ج ۱ پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے پھر کتاب التفسیر (صفحہ ۶۸۷ ج ۲ تا ۶۹۰)

میں سورہ کہف کی تفسیر میں مفصل روایت کی ہے نیز اور بھی کئی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں صفحہ ۲۶۹ ج ۲ میں مذکور ہے امام نسائی نے سنن کبریٰ میں صفحہ ۳۸۶ ج ۶ تا صفحہ ۳۹۱ میں ذکر کیا ہے' امام ترمذی بھی اس واقعہ کو ابواب التفسیر (سورہ کہف) میں لائے ہیں یہ واقعہ بہت سی حکمتوں' عبرتوں اور بہت سے علوم پر مشتمل ہے۔ ہم صحیح بخاری کتاب التفسیر سے واقعہ نقل کرتے ہیں اس سے واقعہ کی تفصیل بھی معلوم ہوگی اور آیات کی تفسیر بھی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہوئے اور ان کو وعظ فرمایا اس وعظ کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں نرمی پیدا ہوگی جب وعظ فرما کر واپس چل دیئے تو ایک شخص نے دریافت کرلیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا زمین میں کوئی ایسا شخص ہے جو علم میں آپ سے زیادہ ہو موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ کوئی نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے فرمادیا کہ میں ہوں! اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ اعلم نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ بلاشبہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میں آپ کے اس بندہ سے کس طرح ملاقات کروں میں اسے جانتا نہیں ہوں میں اس کی تلاش میں نکلوں تو مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ وہ آپ کے اس بندہ تک پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی لے لو اسے ٹوکری میں رکھ لو یہ مچھلی مردہ ہو' پھر جس جگہ اس میں جان ڈال دی جائے سمجھ لو کہ وہ صاحب اس جگہ ملیں گے جن سے تم ملنا چاہتے ہو' یہ مچھلی زندہ ہو کر تم سے جدا ہو جائے گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لی اور ٹوکری میں رکھ لی اور اپنے ایک نوجوان خادم کو ساتھ لیا جس کا نام یوشع بن نون تھا اور اپنے خادم سے فرمایا کہ بس تمہارے ذمہ اتنا کام کرتا ہوں کہ جہاں یہ مچھلی جدا ہو جائے اس وقت ہمیں بتا دینا۔ یوشع نے کہا کہ یہ تو آپ نے کوئی بڑی بات کی ذمہ داری نہیں سونپی (میں ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور آپ کے فرمان کے مطابق عمل کروں گا)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم حضرت یوشع بن نون دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے دن کا جو حصہ باقی تھا وہ بھی سفر میں گذرا اور رات بھی' راستہ میں ایک جگہ ایک پتھر آیا اسی پر سر رکھ کر سو گئے تھے اسی اثناء میں مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکلی اور اس نے سمندر میں اپنی راہ بنالی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پانی ہی میں ایک طاقچہ بنا دیا اور اس مچھلی کو اس جگہ ٹھہرا دیا اس منظر کو حضرت یوشع نے دیکھا تو تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے۔ جب اس جگہ کو چھوڑ کر آگے چلے اور اگلے دن کی صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا صبح کا کھانا تو لاؤ اس سفر میں ہمیں بڑی تکلیف پہنچی ہے' موسیٰ علیہ السلام برابر چلے جا رہے تھے۔ جب اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جہاں تک پہنچنا تھا یعنی حضرت خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ تھی تو خوب زیادہ تھکن محسوس کی اس وقت اپنے خادم سے کھانا طلب کیا خادم نے جواب دیا کیا آپ کو علم نہیں جب ہم نے پتھر کے پاس ٹھکانہ پکڑا تھا اس وقت مچھلی سمندر میں چلی گئی تھی جب ہم وہاں سے چلنے لگے تو مجھے یہ یاد نہ رہا کہ آپ کو بتا دوں ایک روایت میں ہے کہ جب مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تو حضرت یوشع نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قصہ اس لئے

نہیں بتایا کہ وہ اس وقت سوئے ہوئے تھے انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بیدار نہیں کرتا خود ہی جاگ جائیں گے تو بتا دونگا۔ جب روانہ ہونے لگے تو بتانا بھول گئے۔ یہ بھول شیطان ہی کے بھلانے سے ہوئی کوئی بھولنے والی بات نہیں تھی بلکہ یاد رکھنے اور یاد رہنے کی بات تھی مچھلی جو سمندر میں گئی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تو وہ جگہ تھی جس کی تلاش میں ہم چلے تھے مچھلی کا ہم سے جدا ہو جانا ہی اس بات کی نشانی تھی کہ ہم جن صاحب کی تلاش میں نکلے ہیں وہ وہیں ہیں۔ اب کیا ہو سکتا ہے اب تو واپس ہی ہونا پڑے گا لہٰذا پیچھے پاؤں لوٹے اور یہ دیکھتے رہے کہ کدھر سے آئے تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنا اور یہ درخواست کرنا کہ مجھے اپنے ساتھ لے لیں

جب واپس ہو کر اسی پتھر کے پاس پہنچے جس پر سر رکھ کر سو گئے تھے تو وہاں ایک صاحب کو دیکھا کہ سمندر کے درمیان پانی پر کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں (یہ صاحب حضرت خضر علیہ السلام تھے) موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا انہوں نے منہ کھولا اور فرمایا کہ اس سرزمین میں سلام کہاں سے آ گیا۔ آپ کون ہیں موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں موسیٰ ہوں انہوں نے دریافت کیا کہ بنی اسرائیل والے موسیٰ ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں وہی ہوں انہوں نے سوال کیا کیسے تشریف لانا ہوا؟ فرمایا تاکہ آپ مجھے اپنے اس علم میں سے سکھا دیں جو آپ کو علم مفید سکھایا گیا ہے' انہوں نے جواب میں کہا کیا تمہیں توراۃ کافی نہیں ہے جو تمہارے ہاتھوں میں ہے' اور یہ جو وحی تمہارے پاس آتی ہے کیا یہ کافی نہیں؟ (مزید فرمایا) کہ اے موسیٰ مجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے میں نہیں جانتا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک چڑیا آئی جس نے سمندر سے اپنی چونچ میں کچھ پانی لے لیا حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ اللہ کے علم کے سامنے تمہارا علم اور میرا علم اتنا بھی نہیں ہے جتنا اس پرندہ نے سمندر سے اپنی چونچ میں پانی بھر لیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا فرمانا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خاموش رہنے کا وعدہ کر کے ان کے ساتھ روانہ ہو جانا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو ان سے درخواست کی تھی کہ مجھے علم سکھا دیں اس پر انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ رہ کر آپ صبر نہیں کر سکتے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کی کوئی نافرمانی نہیں کرونگا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر لیا تو دونوں ساتھ ساتھ سمندر کے کنارے کنارے چل دیئے۔ حتیٰ کہ ایک کشتی پر پہنچے وہ کشتی سواریوں کو اس کنارہ سے دوسرے کنارہ تک پہنچایا کرتی تھی دونوں نے کشتی والوں سے کہا کہ ہمیں بھی سوار کر

پس ان لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور جان پہچان کی وجہ سے مفت میں بٹھا لیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی سے ایک تختہ نکال دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معترض ہونا

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کلہاڑا لیا اور کشتی کے ایک تختہ کو اکھاڑ دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا اور فرمایا کہ ایک تو ان لوگوں نے ہمیں بغیر اجرت کے سوار کر لیا اور اوپر سے آپ نے یہ کیا کیا کہ ان کی کشتی میں شگاف کر دیا اب اس شگاف سے پانی بھرے گا تو کشتی ڈوبے گی کشتی کے ساتھ وہ سب لوگ بھی ڈوبیں گے جو کشتی میں سوار ہیں تمہارا ڈھنگ تو ایسا ہی ہے کہ ان لوگوں کو ڈبو دو۔ لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا جو فرمایا اس میں حضرت خضر علیہ السلام کی نیت پر حملہ کرنا مقصود نہیں تھا اس میں جو لام ہے یہ لام عاقبت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایسا کام کیا جو ہلاکت خیزی کے اعتبار سے بڑا بھاری کام ہے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ رہتے ہوئے آپ صبر نہیں کر سکتے موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ میں بھول گیا آپ بھولنے پر میرا مواخذہ نہ فرمائیے اور میرے معاملہ میں تنگی نہ برتیے۔

ایک لڑکے کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض کرنا

اس کے بعد (کشتی سے اتر کر) آگے بڑھے دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ چند لڑکوں پر گذر ہوا جو کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان میں سے ایک لڑکے کو پکڑا اور اس کے سر کو مروڑ کر تن سے جدا کر دیا (اور ایک روایت میں ہے کہ اسے چھری سے ذبح کر دیا) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر نہ رہا گیا اور فرمایا کیا تم نے ایک پاکیزہ جان کو قتل کر دیا جس نے کسی کو قتل نہیں کیا جان کا بدلہ جان ہوتا ہے۔ (یہ لڑکا نہ سن بلوغ کو پہنچا ہے جس کا کوئی عمل گناہوں میں شمار کیا جائے اور نہ ہی اس نے کسی کو قتل کیا ہے اس کو قتل کرنا تو بالکل بیجا ہے) آپ نے یہ تو بڑا ہی منکر کام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکو گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ میرا اور ان کا جوڑ نہیں بیٹھ سکتا۔ لہٰذا اب انہیں اختیار دے دینا چاہیے۔ لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیے۔ آپ مجھے جدا کر دیں گے تو میرے لئے ناگواری کی کوئی بات نہ ہو گی کیونکہ آپ ایسے مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں کہ آپ میرے بارے میں معذور ہیں اور آپ کا یہ معذور ہونا میری طرف سے ہے (نہ میں درمیان میں بولتا نہ اسکی نوبت آتی)۔

ایک گرتی ہوئی دیوار کے کھڑے کر دینے پر اعتراض پھر آپس میں جدائی

اس کے بعد پھر چلے اور چلتے چلتے ایک بستی میں آئے۔ کھانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی بھوک لگی ہوئی تھی۔ بستی والوں

سے کھانے کے لئے کچھ طلب کیا ان لوگوں نے مہمان کرنے سے انکار کردیا (مہمانی تو کیا کرتے طلب کرنے سے بھی نہ دیا) ابھی زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ وہاں ایک دیوار کو دیکھا جو جھکی ہوئی تھی اور قریب تھا کہ گر پڑے حضرت خضر علیہ السلام نے کھڑے ہو کر اسے اپنے ہاتھ سے سیدھی کھڑی کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے نہ ہمیں کچھ کھلایا نہ ہماری مہمانی کی آپ نے ان کا کام مفت میں کردیا اگر آپ چاہتے تو ان لوگوں سے اپنے اس عمل کی کچھ مزدوری لے لیتے۔ تاکہ ہمارے کھانے کا کام چل جاتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی (کا وقت) ہے۔ ہاں اتنی بات ضروری ہے کہ جن باتوں پر تم نے صبر نہیں کیا تمہیں ان کی حقیقت بتائے دیتا ہوں۔

یہ پورا واقعہ ہم نے صحیح بخاری صفحہ ۲۲۳ ج ۱ اور صفحہ ۶۸۷ تا ۶۹۰ ج ۲ (کتاب التفسیر) سے نقل کیا ہے اور ایک روایت کی کمی دوسری روایت سے پوری کردی ہے۔ (روایات میں کچھ کمی بیشی ہے)۔

فتح الباری صفحہ ۴۲۰ ج ۸ میں ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ مجھے کشتی کے پھاڑنے اور غلام کے قتل کرنے اور دیوار قائم کرنے پر ملامت کرتے ہیں اور آپ اپنا حال بھول گئے آپ کو سمندر میں ڈال دیا گیا اور آپ نے ایک قبطی کو قتل کیا اور آپ نے شعیب علیہ السلام کی دو بیٹیوں کی بکریوں کو ثواب کے لئے پانی پلایا۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم

کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے سو میں نے کہا کہ اسے عیب والی کردوں اور ان لوگوں کے آگے

مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَن

ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو چھین لیا کرتا تھا اور رہا لڑکے کا معاملہ سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ مؤمن تھے تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ

يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

وہ ان دونوں کو سرکشی میں اور کفر میں نہ ڈال دے سو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں اس لڑکے کے بدلہ اس سے بہتر ایسی اولاد عطا فرمادے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحم کرنے میں

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا

اس سے بڑھ کر ہو۔ اور رہی دیوار تو اس کی صورتحال یہ ہے کہ وہ اس شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا اور ان کا باپ

صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ

نیک آدمی تھا سو تیرے رب نے ارادہ فرمایا کہ یہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنے خزانے کو نکال لیں یہ تیرے رب کی مہربانی کی وجہ سے ہے۔

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

اور یہ کام میں نے اپنے رائے سے نہیں کیے یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا تینوں باتوں کی حقیقت بتانا

تفسیر: حضرت خضر علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدا کرنے لگے تو فرمایا کہ میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے حضرت خضر علیہ السلام نے تین کام کئے تھے جن میں سے دو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک بہت ہی زیادہ قابل اعتراض تھے اور تیسری جو بات تھی وہ کوئی شرعی منکر نہ تھا لیکن بستی والوں نے چونکہ طلب کرنے پر بھی کھانے کو کچھ نہیں دیا اس لئے حالت اور ضرورت کے پیش نظر یوں فرمادیا کہ اگر آپ چاہتے تو ان لوگوں سے کچھ مزدوری لے لیتے جس کے ذریعہ ہم کچھ خرید کر کھالیتے۔ (فی صحیح البخاری قال سعید اجراً ناکلہ صفحہ ۶۸۹ ج ۲)

کشتی کا تختہ کیوں نکالا: حضرت خضر علیہ السلام نے تینوں باتوں کی حقیقت بیان فرمادی اور فرمایا کہ کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ یہ غریب لوگوں کی کشتی تھی جو سمندر میں کشتی کو چلاتے اور سواریاں بٹھا کر محنت مزدوری کر کے پیسے حاصل کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی ایک دشمن بھی لگا ہوا تھا جو ایک ظالم بادشاہ تھا جس کشتی کو اچھی حالت میں دیکھتا تھا اسے چھین لیتا تھا مجھے اندازہ تھا کہ یہ لوگ آگے بڑھیں گے تو ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا لہٰذا میں نے ایسا عمل کیا جس سے کشتی میں عیب پیدا ہو گیا، وقتی طور پر وہ عیب کی وجہ سے خطرہ سے آگے نکل گئی اس کے بعد انہوں نے اسے درست کر دیا اور آگے بڑھ گئے۔

لڑکے کو کیوں قتل کیا: اب رہی لڑکے کی بات تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کافر تھا اور کفر پر ڈالدیا گیا تھا۔ بالغ ہو کر کبھی بھی وہ مسلمان ہونے والا نہ تھا (فی صحیح مسلم واما الغلام فطبع یوم طبع کافراً صفحہ ۲۷۱ ج ۲) اس کے ماں باپ کو اس سے بہت زیادہ محبت تھی، اندیشہ تھا کہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی کفر پر نہ ڈال دے۔ ایسا نہ ہو کہ محبت کے جوش میں وہ اس کے کفر کے ساتھی بن جائیں۔ پیاری اولاد کا ماں باپ پر جو زور چلتا ہے اس زور کو استعمال کر کے یہ انہیں سرکش اور کافر نہ بنادے، لہٰذا اس کو تو قتل کر دیا اور اسکے بدلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوسری اولاد عطا فرمادی جو پاکیزہ ہونے کے اعتبار سے بھی اس لڑکے سے بہتر تھی (کیونکہ یہ اولاد مومن تھی) اور والدین کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرنے میں بھی اس سے بہت زیادہ بہتر تھی۔

دیوار کو سیدھا کر دینے کی وجہ: اب رہی دیوار کی بات تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ دو بچوں کی دیوار تھی یہ بچے یتیم تھے اور دیوار کے نیچے خزانہ تھا اگر دیوار گر پڑتی تو شہر والے ان کا خزانہ لے اڑتے اور وہ دونوں اپنے باپ کی میراث سے محروم ہو جاتے اور تنگدستی کا شکار ہو جاتے، اول تو یہ بچے یتیم تھے دوسرے نیک آدمی کی اولاد تھے تو یوں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی ضرورت تھی لہٰذا ہم نے دیوار کو کھڑا کر دیا تا کہ بالغ ہو جائیں تو اپنا خزانہ نکال لیں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان دونوں یتیموں پر رحم فرمایا اور گرنے والی دیوار کو سیدھا کھڑا کروادیا۔ اگر شہر کے بالغ لوگوں نے ہمیں کھانے کے لئے کچھ نہ دیا تو اس کا بدلہ ان یتیموں سے تو نہیں لینا چاہئے تھا۔ ان کا کام تو بغیر اجرت لئے ہوئے ہی کرنا تھا۔

تینوں باتوں کی حقیقت بتا کر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی رائے سے نہیں کیا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ سے یہ کام لئے گئے)۔ ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا (یہ حقیقت ہے ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے)

فوائد ومسائل

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سائل کے جواب میں یوں فرمادیا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں اور اس اعتبار سے ان کا فرمانا صحیح بھی تھا کہ وہ صاحب شریعت تھے ایک بہت بڑی قوم کے نبی تھے ان پر توریت شریف نازل ہوئی تھی لیکن الفاظ میں چونکہ ایک قسم کا دعویٰ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو اور حالات ظاہرہ کے اعتبار سے اس سے زیادہ کوئی دوسرا جاننے والا نہ ہو تب بھی اسے یہ نہ کہنا چاہئے کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں اس میں ایک تو دعویٰ ہے جو کاملین کی شان کے خلاف ہے دوسرے ہوسکتا ہے کہ اور شخص بھی اتنا بڑا یا اس سے بڑا عالم ہو جس کی اسے خبر نہ ہو۔ (خواہ اس کے اپنے علوم کے علاوہ دوسرے ہی علوم کا ماہر ہو)۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے جوان یعنی حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لیکر چلے جوان کے خادم تھے اس سے معلوم ہوا کہ کسی اپنے چھوٹے کو خدمت کے لئے ساتھ لینا اور کوئی خدمت سپرد کرنا درست ہے یوں بھی تنہا سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ کے خادموں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ مشہور ہیں جنہوں نے دس سال آپ کی خدمت کی۔

۳۔ معلوم ہوا کہ طلب علم کے لئے سفر کرنا چاہیے اور یہ کہ معلم کو اپنے پاس بلانے کی فکر نہ کرے بلکہ اس کے پاس خود جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں باب الخروج فی طلب العلم کے ذیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ لکھا ہے۔ اور لکھا ہے واحل جابر بن عبداللہ سیرۃ شھر الی عبداللہ ابن انیس فی حدیث واحد (اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ صحابی کے پاس ایک حدیث لینے کے لئے ایک ماہ کا سفر کر کے گئے)۔

۴۔ طلب علم کے لئے کوئی عمر مخصوص نہیں گو بچپن اور جوانی میں علم اچھی طرح حاصل ہوتا ہے لیکن بڑھاپے میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہونا چاہئے علم صحیح جہاں ملے' جب ملے اور جس سے ملے حاصل کرنا چاہئے۔ امام بخاری باب الاعتبار فی العلم والحکمۃ کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ وقد تعلم اصحاب النبی ﷺ بعد کبر سنھم (کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے بڑی عمریں ہو جانے کے بعد علم حاصل کیا ہے)

۵۔ اگر کسی کو کسی بھی اعتبار سے کوئی فضیلت حاصل ہو اور اسے اپنے سے کم فضیلت والے کے پاس کوئی علم کی بات ملتی ہو تو اس میں عار نہ ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس اس علم کے حاصل

کرنے کے لئے تشریف لے گئے جوان کے اپنے علم کے علاوہ تھا۔

۶- طلب علم کے لئے سفر کرنے میں سستی اور کوتاہی اختیار نہ کی جائے جتنا بھی بڑا سفر ہو برداشت کیا جائے اور اس پر جو تکلیف پہنچے اسے برداشت کیا جائے آیت کریمہ میں جو لفظ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا فرمایا ہے۔اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ اسی۸۰ سال کی مدت کے لئے بولا جاتا ہے اور حضرت حسن سے نقل ہے کہ یہ لفظ ستر سال کی مدت کے لئے آتا ہے اور فراء نے کہا ہے کہ یہ قریش کی لغت میں ایک سال کے لئے استعمال ہوتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مطلق دہر کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ سب اقوال تو صاحب روح المعانی نے نقل کر دیئے لیکن ترجمہ یوں لکھا ہے۔ **والمعنی حتی یقع اما بلوغی المجمع اوا مضی حقباً ای سیری زمانا طویلا** ہم نے بھی اس کے مطابق یوں ترجمہ کر دیا ہے۔کہ یا میں زمانہ دراز تک چلتا رہونگا۔

۷- صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یوں فرما دیا کہ میں اپنے سے زیادہ بڑھ کر کسی کو عالم نہیں جانتا۔تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا **بلی عبدنا الخضر** (ہاں ہمارا بندہ خضر تم سے زیادہ جاننے والا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔

۸- لفظ خضر کا معنی ہے سرسبز ان کا یہ نام کیوں مشہور ہوا اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا نام خضر اس لئے رکھا گیا کہ وہ ایک جگہ بیٹھے جو خشک چٹیل میدان پڑی ہوئی تھی وہ اس پر بیٹھ گئے تو ان کے پیچھے زمین پر سبزی نکل کر لہلہانے لگی۔(صحیح بخاری صفحہ ۴۸۳ ج ۱)

۹- اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا تھا کہ ہمارا یہ بندہ مجمع البحرین میں ملے گا۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ مراد ہے۔

۱۰- جس جگہ حضرت خضر علیہ السلام ملاقات ہوئی اس کے لئے کسی نشانی کی ضرورت تھی جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نشانی کا سوال کیا تو ارشاد فرمایا ایک مچھلی لے لو جس جگہ وہ مچھلی گم ہو جائے اور تمہیں چھوڑ کر چلی جائے وہ صاحب تمہیں وہیں ملیں گے۔صحیح مسلم میں ہے کہ یہ مچھلی انہوں نے بطور زاد راہ کے لی تھی۔وہ بے جان تھی جس پر نمک لگایا ہوا تھا (فی صحیح مسلم فقیل لہ تزود حوتا مالحا صفحہ ۲۷۰ ج ۲) مچھلی ساتھ لینے سے معلوم ہوا کہ سفر میں توشہ ساتھ لے جانا توکل کے خلاف نہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم حضرت یوشع کے ساتھ چلتے رہے اور تھکن محسوس نہیں کی پھر جب اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جہاں تک پہنچنا مقصود تھا تو تھکن محسوس کی طبعی طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ بات رکھی ہے کہ مقصد کے پہنچنے تک اس میں ہمت اور حوصلہ رہتا ہے اور تھکن محسوس نہیں کرتا جب مقصد کو پہنچ جاتا ہے تو تھکن کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خیال میں مقصد تک نہیں پہنچے تھے لیکن حقیقت میں جائے مقصود پر پہنچ کر آگے بڑھ گئے تھے اس لئے طبعی طور پر ہمت جواب دینے لگی اور تھکن محسوس فرمائی۔ **ولم یجد النصب حتی جاوز المکان الذی امر اللہ بہ۔** (اور آپ نے تھکن محسوس نہ کی مگر تب جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی حکم کردہ جگہ سے آگے بڑھ گئے۔)

۱۱- چونکہ سفر کی مزید تکلیف اٹھانا مقدر تھا اس لئے حضرت یوشع بن نون یہ دیکھنے کے باوجود کہ مچھلی پانی میں چلی گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے شیطان تو پیچھے لگا ہی رہتا ہے اس نے انہیں بھلا دیا۔ مقصد سے آگے بڑھ کر جو زائد سفر تھا اسکو قطع کرنا پھر وہاں سے واپس ہونے کی تکلیف اٹھانا تقدیر میں تھا لیکن اس پر اجر و ثواب بھی مل گیا۔ مخلص نیک نیت مومن کا نقصان نہیں ہوتا مومن بندہ کو نعمت اور آرام میں بھی نفع ہے اور دکھ تکلیف میں بھی فائدہ ہے اللہ کی رضا کا خواہاں ہو۔ ثواب کی نیت رکھتا ہو۔ جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے بتایا کہ دریا میں چلے جانے والی بات بتانا بھول گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ملامت نہیں کی کہ دیکھو تمہاری وجہ سے ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ چونکہ بھول ہوگئی تھی اس لئے درگذر فرمایا۔

۱۲- جب واپس ہو کر پھر اسی جگہ آئے جہاں مچھلی دریا میں چلی گئی تھی تو ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی مومن بندہ سے ملاقات ہو اور اپنی طرف متوجہ کرنا ہو تو پہلے سلام کرے حدیث میں ہے السلام قبل الکلام (مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۰)

۱۳- جب خضر علیہ السلام سے تعارف ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا مطلب ظاہر کیا کہ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں تاکہ مجھے ان علوم کا کچھ حصہ معلوم ہو جائے جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ جس سے جتنا علم ملے لے لینا چاہئے ضروری نہیں کہ کسی شیخ کے سارے ہی علم کو سمیٹ لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم شریعت کے ماہر تھے علم الاسرار کے جاننے کے لئے سفر کیا اور اس کے سیکھنے کی خواہش ظاہر کی معلوم ہوا کہ علم اسرار بھی لائق توجہ ہے اگرچہ مدار نجات علم شرائع ہی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب استاد سے علم حاصل کرنے کی درخواست کرے تو اس میں ادب کا لحاظ رہے اور اس انداز میں بات کرے کہ شیخ کو یہ محسوس نہ ہو کہ یہ مجھ پر کوئی زبردستی کر رہا ہے حضرت موسیٰ نے هَلْ اَتَّبِعُكَ فرمایا (کیا میں تمہارے ساتھ رہ سکتا ہوں) اور یوں نہیں فرمایا کہ مجھے سکھا دیجئے اور میں بہت دور سے چل کر آیا ہوں آپ کو میری طرف متوجہ ہونا ہی پڑے گا۔

۱۴- شیخ کو چاہئے کہ وہ آنے والے کو پہلے یہ بتا دے کہ ممکن ہے ہمارا تمہارا نباہ نہ ہو سکے' ہمارا طریق اور ہمارا مزاج یہ ہے اسکی موافقت کر سکو گے یا نہیں اس پر اگر طالب علم شیخ کے ماحول اور مزاج کے مطابق چلنے کا وعدہ کرے (جو شرعاً درست ہو) تو ساتھ رکھ لے۔ اور شاگرد جب وعدہ کرے کہ میں آپ کے مزاج اور مرضی کے مطابق رہوں گا تو خود اعتمادی نہ کرے بلکہ خدا اعتمادی کرے یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور ان شاء اللہ بھی ساتھ لگا دے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا (شیخ شریعت ہو یا صاحب طریقت یہ آداب دونوں کے لئے ہیں)۔

۱۵- شیخ کو اختیار ہے کہ طالب سے کوئی شرط لگائے' اور جب طالب اس شرط کے مطابق چلنے کا اقرار کرے تو اسے پوری کرے ہاں اگر بھول جائے تو دوسری بات ہے' اور جب بھولنے سے کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو عذر بیان کر دے

اور مسامحت کی درخواست کر دے کما قال موسیٰ علیہ السلام لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ ۔

۱۶- اتباع شیخ کا وعدہ کرنے کے باوجود اگر کوئی ایسی چیز دیکھے جو اپنے نزدیک بالکل ہی شریعت کے خلاف ہے تو شیخ کو متنبہ کر دے موسیٰ علیہ السلام پہلی بار تو بھول گئے تھے اور دوسری بار قصداً و عمداً جانتے ہوئے لڑکے کے قتل پر اعتراض کر دیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہی شروط اور عہود قابل ایفاء ہیں جن کے پورا کرنے سے شریعت کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو خاموشی کا وعدہ کرنے کے باوجود دینی حمیت نے انہیں خاموش نہ رہنے دیا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ گویا کہ انہوں نے ان کے ساتھ چلنے اور دیگر امور میں صبر کرنے کا وعدہ کیا تھا یہ وعدہ تھا ہی نہیں کہ جو چیز ظاہری طور پر شریعت کے خلاف ہوگی اس کے بارے میں نہ بولوں گا۔ وکان المراد بالصبر انہ صبر عن اتباعہ والمشی معہ وغیر ذلک لا الانکار علیہ فیما یخالف ظاہر الشرع (اور صبر سے مراد یہ ہے کہ آپ نے ان کی اتباع اور ان کے ساتھ چلنے وغیرہ سے صبر کیا نہ کہ ظاہر شریعت کے کاموں پر انکار پر صبر کیا) (صفحہ ۴۱۸ ج ۱) ہاں بات کہنے میں جلدی نہ کرے۔ جب تک اس کا خلاف شرع ہونا خوب واضح نہ ہو جائے اس وقت تک سکوت کرنا چاہیے۔

۱۷- طالب علم سے غلطی ہو جائے تو شیخ تنبیہ کر دے پھر غلطی ہو جائے تو پھر تنبیہ کر دے اور تنبیہ میں طالب کی کوتاہی کے بقدر الفاظ تنبیہ اختیار کرے حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی بار الم اقل فرمایا اور دوسری بار الم اقل لک فرمایا جس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ میں نے جواب سے پہلے کہا تھا کہ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے۔ وہ آپ ہی سے کہا تھا اور کسی سے تو نہیں کہا پھر اس کا دھیان کیوں نہیں رکھا۔

۱۸- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یوں فرمایا کہ اگر آپ سے میں کوئی بات دریافت کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیے اس سے معلوم ہوا کہ جب ساتھ رہنے کی صورت بنتی نظر نہ آئے تو خوبصورتی سے جدا ہونے کی صورت نکال لے لیکن یوں نہ کہے کہ میں جاتا ہوں بلکہ شیخ کو اختیار دے دے کہ آپ چاہیں تو مجھے ساتھ نہ رکھیں اور طبیعتوں کا میل نہ ملنے میں اگر اپنا قصور ہو تو طالب علم صاف اقرار کرے اور اپنے ہی اوپر لے شیخ پر بات نہ رکھے کما قال موسیٰ علیہ السلام قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْراً۔

۱۹- اگر شیخ کسی طالب کو اپنے سے جدا کرنے لگے اور اسے معلوم ہو کہ طالب کو میرے فلاں فلاں اعمال پر اعتراض ہے اور حقیقت میں وہ قابل اعتراض نہیں تو طالب کو حقیقت حال بتا دے اور واقعی صورتحال سمجھا دے تا کہ طالب علم اس غلط فہمی میں ہوتے ہوئے جدا نہ ہو کہ شیخ کے اعمال اچھے نہ تھے اگر ایسا ہو گا تو ممکن ہے وہ دوسری جگہ بھی ان باتوں کا چرچا کرے اور خود بھی غیبت میں مبتلا ہو اور دوسروں کی نظروں میں بھی شیخ کا وقار گرے اور ان کی طرف طالبین کے رجوع ہونے میں بلا وجہ کمی آ جائے۔

۲۰- حضرت خضر علیہ السلام کے طریقہ کار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواہ مخواہ اپنے کو مطعون بنانا کوئی دینداری اور سمجھ داری کی بات نہیں۔ اپنی پوزیشن صاف رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص نادانی سے اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے جس سے بدنامی ہوتی ہو تو اپنی صفائی دے یہ بات کہہ کر گذر جانا کہ ہمارا کیا حرج ہے فیما بیننا وبین اللہ ہمارا حال ٹھیک

ہے کوئی بدگمانی اور بدفہمی سے ہمیں کوئی کچھ کہتا ہے تو وہ ذمہ دار ہوگا عامۃ المسلمین کی خیر خواہی کے خلاف ہے۔ سب مسلمانوں کی خیر خواہی پیش نظر رہنی چاہئے اپنا حال بھی درست ہو اور دوسروں کو بھی غیبت سے بچائے۔

۲۱- اِسۡتَطۡعَمَاۤ اَهۡلَهَا سے یہ معلوم ہوا کہ مجبوری کے وقت کسی سے کھانا طلب کرنا بھی جائز ہے۔

۲۲- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ آپ چاہتے تو کچھ اجرت لے لیتے اس سے معلوم ہوا کہ کسی عمل پر اجرت لینا بھی درست ہے۔

۲۳- حضرت خضر علیہ السلام نے جو بستی والوں کی دیوار کھڑی کر دی حالانکہ انہوں نے کھانے تک کو نہ پوچھا اور نہ سوال کرنے پر کچھ دیا اس میں جہاں دو یتیم بچوں کے خزانے کی حفاظت پیش نظر تھی وہاں اخلاق عالیہ کا اختیار کرنا بھی تھا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وہ کمینے لوگ تھے (حتی اذا اتیا اهل قریة لئام صفحہ ۲۷۱ ج ۲) کمینوں کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرنا اہل خیر کا طریقہ ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء   اگر مردی احسن الی من اساء

۲۴- یہ بھی معلوم ہوا کہ کشتی میں اجرت پر مسافروں کو ادھر سے ادھر لے جانا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مسکین ہو اور اس کے پاس کسب کا کوئی آلہ ہو یا کوئی بھی چیز ہو جو اس کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو تو وہ مسکنت سے نہیں نکلتا یعنی اسے مسکین ہی کہا جائے گا مسکین ہی مانا جائے گا۔

۲۵- معلوم ہوا کہ کسی کا مال غصب کرنا حرام ہے اور جس کسی ظالم سے خطرہ ہو کہ وہ غریب آدمی کا مال چھین لے گا تو اس کے شر کو دفع کرنے کے لئے تدبیر کرنا ثواب کا کام ہے۔

۲۶- یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک آدمی کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا خیال رکھنا چاہئے۔ (اسی وجہ سے حضرات مشائخ اپنے مشائخ کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے لئے فکر مند رہتے ہیں اگرچہ اولاد کے وہ احوال نہیں ہوتے جو ان کے آباؤ اجداد کے تھے)

۲۷- حضرت خضر علیہ السلام نے جو تین کام کئے ان میں لڑکے کو قتل کر دینا سب سے زیادہ سنگین تھا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے بہت زیادہ متاثر ہوئے (فی صحیح مسلم فزع موسیٰ علیه السلام فزعة منكرة) اور جب ان کے اعتراض کرنے پر حضرت خضر علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی تو سمجھ لیا کہ ہمارا ان کے ساتھ ہونا مشکل ہے اور صاف کہہ دیا کہ اگر آپ سے آئندہ کچھ پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا' یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جو لڑکے کو قتل کیا شرعاً اس کے قتل کا کیا جواز تھا؟ یہ بات کہ اس لڑکے سے خوف تھا کہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو کفر پر لگا دے گا کیا یہ دلیل شرعی ہے جس کی وجہ سے قتل جائز ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہماری شریعت کے سامنے رکھ کر وارد ہوتا ہے ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہو پھر جب انہوں نے آخر میں تصریح فرما دی کہ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی رائے

سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ہے تو ہر اشکال ختم ہو گیا۔

قال النووی فی شرح صحیح مسلم و منها بیان اصل عظیم من اصول الاسلام وهو وجوب التسلیم فکل ما جاء به الشرع وان کان بعضه لا تظهر حکمة للعقول ولا یفهمه اکثر الناس وقد لا یفهمونه کلهم کالقدر موضع الدلالة قتل الغلام و خرق السفینة فان صورتهما صورة المنکر و کان صحیحا فی نفس الامرله حکم مبینة لکنها لا تظهر للخلق فاذا اعلمهم الله تعالیٰ بها علموها ولهذا قال وما فعلته عن امری یعنی بل بامر الله تعالیٰ اهـ۔ وقال الحافظ فی الفتح فلا یسوغ الاقدام علی قتل النفس ممن یتوقع منه ان یقتل انفسا کثیرة قبل ان یتعاطی شیئًا من ذلک لا طلاع الله تعالیٰ علیه. وقال ابن بطال: قول الخضر واما الغلام فکان کافرًا هو باعتبار ما یئول الیه امره ان لو عاش حتی یبلغ، واستحباب مثل هذا القتل لا یعلمه إلا الله، ولله ان یحکم فی خلقه بما یشاء قبل البلوغ وبعده انتهی. (علامہ نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں اور ان میں اصول اسلام کی ایک اصل کا بیان ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بھی شریعت حکم دے اس کو قبول کیا جائے اگر چہ ان میں سے بعض کی حکمت عقلوں پر ظاہر نہ ہو اور نہ اکثر لوگ اسے سمجھتے ہوں اگر چہ سب کے سب ہی اسے نہ سمجھتے ہوں جیسا کہ تقدیر، بچہ کا قتل کرنا، کشتی کا توڑنا کیونکہ ان کی صورتیں تو ممنوعہ کام کی سی ہیں لیکن حقیقت میں درست حکمت پر مبنی تھے لیکن مخلوق پر اس کی حکمت ظاہر نہیں تھی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بتلایا تو انہوں نے جان لیں۔ اسی لئے فرمایا میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں جس آدمی سے بہت سے آدمی کا قتل کرنا متوقع ہو اس کے اقدام سے قتل کرنا جائز نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے کی وجہ سے ایسا کیا تھا ابن بطالؒ نے کہا ہے حضرت خضر علیہ السلام کا یہ کہنا کہ لڑکا کافر تھا یہ مستقبل وانجام کے لحاظ سے کہا کہ اگر وہ زندہ رہا تو اسی انجام کو پہنچے گا اور ایسی صورت میں قتل کا مستحب ہونا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے حکم دے۔ چاہے کسی کے جرم کرنے سے پہلے یا بعد میں)

۲۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ آپ نے ایک جان کو کسی جان کے عوض کے بغیر قتل کر دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کسی کو قتل کر دے تو اس سے قصاص واجب ہوتا ہے حالانکہ نابالغ پر قصاص نہیں ہے علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ یہ محتمل ہے کہ ان کی شریعت میں بچے پر بھی قصاص واجب ہوتا ہو۔

۲۹۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو عطا کیا فرمایا۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ انہیں ایک لڑکی دیدی گئی۔ یہ حضرت ابن جریج کا فرمان ہے جیسا کہ فتح الباری صفحہ ۴۲۱ ج ۸ میں لکھا ہے نیز سنن نسائی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ انہیں جو لڑکی عطا کی گئی تھی اس کے بطن سے ایک نبی کی ولادت ہوئی۔ اور ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ ان نبی کا نام شمعون تھا اور یہ وہی نبی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے جن سے بنی اسرائیل نے درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ ہماری لئے ایک بادشاہ مقرر فرما دے جس کے ساتھ مل کر ہم اللہ کے راستے میں جہاد کریں۔ اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ وہ لڑکی ستر نبیوں کی ماں بنی (صلی اللہ علی جمیع الانبیاء والمرسلین)

۳۰۔ علم کے فوت ہو جانے پر افسوس کرنا اہل علم کی خاص شان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت خضر علیہ السلام کی یہ بات نقل فرمائی کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے تو فرمایا یرحم الله موسیٰ لوددنا لو صبر حتی یقص علینا من امرهما (صحیح بخاری صفحہ ۲۲۳ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے (کہ انہوں نے تیرے بارے بھی سوال کر ہی لیا جس کی وجہ سے جدا ہونے کی نوبت آ گئی) اگر صبر کر لیتے تو مزید باتیں بھی منقول ہوتیں جو ہمیں بتادی جاتیں اور صحیح مسلم صفحہ ۲۷۱ ج ۲ میں ہے لو صبر لرأی العجب ولکنه اخذته من صاحبه ذمامة کہ موسیٰ

علیہ السلام اگر صبر کر لیتے تو اور عجیب چیزیں دیکھتے لیکن موسیٰ علیہ السلام اپنے صاحب یعنی حضرت خضر علیہ السلام سے سوال کرتے ہوئے شرما گئے۔ آگے سوال کرنا کوئی مناسب نہ جانا۔

۳۱- کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ کشتی والوں کی پیشکش پر دونوں حضرات کشتی میں سوار ہو گئے اور بستی والوں سے کھانے کو طلب کیا۔

۳۲- اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے تو بطور حکایت اور خاص کر اپنے دوستوں سے اس کا بیان کرنا بے صبری نہیں ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَباً فرمایا۔

۳۳- کسی کا کام کرنے اور مدد پہنچانے کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں حضرت خضر علیہ السلام نے بغیر اجازت کشتی کا تختہ نکال دیا اور گرنے والی دیوار کو کھڑا کر دیا۔ (ہاں اگر وہ بہت ہی بے تکا اور نافہم ضدی ہو جس کی مدد کی جائے اور شر کا اندیشہ ہو تو دوسری بات ہے)

۳۴- اَقْرَبَ رُحْماً کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو پہلے نقل کی گئی کہ مقتول لڑکے کے بدلہ میں جو اولاد دی جائے گی وہ والدین کی خدمت اور صلہ رحمی میں بہت زیادہ بڑھ کر ہوگی اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس مقتول لڑکے کے بدلہ میں ملنے والی اولاد سے ماں باپ کو بہت زیادہ رحمت اور محبت کا تعلق ہوگا۔

۳۵- بدعمل لڑکے سے نیک صالح لڑکی بہتر ہے۔

۳۶- جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتا ہے لیکن ادب ملحوظ رہے اللہ تعالیٰ کی طرف شرور اور عیوب کی نسبت نہ کی جائے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں جو شگاف کیا تو فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا فرمایا اور کشتی میں عیب ڈالنے کی نسبت اپنی طرف کی اور مقتول لڑکے کے بارے میں فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا فرمایا اور یتیم لڑکوں کے بارے میں فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا فرمایا۔

۳۷- شریعت کے احکام کا مدار ظاہر پر ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائب علماء اور حکام ظاہر کے پابند ہیں اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے کہہ دے کہ میں نے فلاں مصلحت کی وجہ سے قتل کیا تو اس کی وجہ سے وہ قصاص سے نہیں بچ سکے گا رہا معاملہ حضرت خضر علیہ السلام کا تو وہ چونکہ اللہ کے حکم سے تھا اسی لئے اس سے کوئی شخص یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ میرا عمل یا فلاں پیر کا عمل فلاں حکمت پر مبنی ہے اور ہم نے جو خلاف شرع کیا ہے اس پر ہمارا مؤاخذہ نہ کیا جائے۔

۳۸- اگر عبارت کے سیاق سے بعض الفاظ کے ذکر کئے بغیر مفہوم واضح ہو جاتا ہو تو اختصار کرنا بھی درست ہے جیسا کہ يَاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ فرمایا یہاں لفظ صالحۃ کے ساتھ مقید نہیں کیا کیونکہ سیاق کلام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ ظالم بادشاہ اچھی اچھی کشتیوں کو لیتا تھا اسی لئے تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں پڑھا کرتے تھے وکان امامهم ملک یاخذ کل سفینة صالحة غصباً (کما فی صحیح البخاری)

۳۹- حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصہ سے معلوم ہوا کہ جیسا کہ شریعت کا نظام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام بھی ہے اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جنکا تکوینی نظام سے تعلق ہوتا ہے اتنی مجمل بات تو قرآن مجید سے ثابت ہوگئی اوران احادیث شریفہ سے بھی جو قصہ مذکورہ کے بیان میں صحیحین وغیرھما میں منقول ہیں' حضرات صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ رجال التکوین اب بھی ہیں اوران کے عہدے بھی بتاتے ہیں شیخ عبدالعزیز دباغ کی کتاب تبریز ابریز میں ان کے بارے میں بہت سی تفصیل بھی لکھی ہے۔ علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال ہے ان میں انہوں نے رجال التکوین کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بعض احادیث مرفوعہ بھی لکھی ہیں مسند احمد سے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ جب عراق میں تھے تو ان سے عرض کیا گیا اے امیر المومنین اہل شام پر لعنت بھیجئے اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا میں ایسا نہیں کرونگا۔

پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شام میں ابدال ہوں گے یہ چالیس افراد ہوں گے جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے گا اسکی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرے شخص کو بدل دیں گے ان کے ذریعہ اہل شام کو بارش عطا کی جاتی ہے اوران کی وجہ سے دشمنوں کے مقابلہ میں اہل شام کی مدد کی جاتی ہے اور اہل شام سے عذاب ہٹا دیا جاتا ہے) حدیث نقل کر کے علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ رجاله رجال الصحيح غير شريح بن عبيده وهو ثقة.

۴۰- جس بستی میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام نے پہنچ کر کھانے کے لئے کچھ طلب کیا یہ کونسی بستی تھی؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے انطاکیہ اور بعض نے ایلہ اور بعض نے جزیرۃ الاندلس اور بعض نے ناصرہ اور بعض نے بوقہ بتایا ہے اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا مشہور یہ ہے کہ یہ بستی انطاکیہ تھی جو شام کی سرحد پر واقعہ ہے۔ ایک قصہ کسی بزرگ سے سنا تھا یا کہیں لکھا دیکھا تھا کہ انطاکیہ والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اتنی اتنی رقم لے لو اور قرآن مجید میں فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا کی جگہ فَاَتَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا لکھ دو کیونکہ یہ ہماری بدنامی ہے جب تک قرآن مجید دنیا میں رہے گا ہماری بستی کی بدنامی ہوتی رہے گی اَبَوْا کی جگہ اَتَوْا ہو جانے سے معنی بدل جاتا ہے اور مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ مہمانی کرنے کے لئے کچھ لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تو کچھ نہیں ہوسکتا جب وہ حضرات تمہاری بستی میں پہنچے تھے اگر اسی وقت دو چار پیسے کے چنے پیش کر دیتے تو قرآن ہی میں یہ مضمون بھی نازل ہو جاتا کہ وہ لوگ مہمانی کے لئے کچھ لائے اس کے بعد روح المعانی صفحہ ۶ جلد ۱۶ میں واقعہ کا ذکر مل گیا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بستی والے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سونا لیکر آئے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں یہ قصہ پیش آیا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس قصہ کی کوئی اصل نہیں پھر لکھتے ہیں وعلى فرض الصحة يعلم منه قلة عقول اهل القرية في الاسلام كما علم لؤمهم من القرآن والسنة من قبل (یعنی اگر قصہ صحیح ہو تو اس سے مذکورہ بستی والوں کی کم عقلی کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کی تصریح سے ان کا کمینہ ہونا معلوم ہوتا ہے)۔

۴۱- جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں جو شگاف کر دیا تھا وہ وقتی ضرورت کے لئے تھا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ کسی طرح ظالم بادشاہ کی حدود سے نکل جائیں اور اس کے ظلم سے بچ جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا جب آگے بڑھ گئے تو کشتی والوں نے ایک لکڑی لگادی جس سے کشتی کا شگاف درست ہو گیا۔ **وفی صحیح البخاری فاذا جاوزوا ھا اصلحوا فانتفعوا بھا** ص۱۲ **وعند مسلم فاذا جاء الذی یا خذھا وجدھا منخرقة فتجاوزھا فاصلحوھا بخشبة** ص۲۷۱ ج۲ (اور صحیح بخاری میں ہے پس جب وہ اس سے گزر گئے تو کشتی کو درست کر لیا اور اس کو کام میں لائے اور مسلم میں ہے پھر جب اسے پکڑنے والا آیا تو اس نے اسے ٹوٹا ہوا پایا تو اسے چھوڑ گیا بعد میں انہوں نے لکڑی سے کشتی کو صحیح کر لیا)

اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ظالم بادشاہ کی حدود سے آگے بڑھنے تک کشتی میں پانی کیوں نہ بھرا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے اکرام میں اسے پانی بھرنے سے محفوظ رکھا۔ فتح الباری صفحہ ۴۱۹ ج ۸ میں ہے کہ بعد میں حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی والوں کو شگاف پیدا کرنے کا سبب بتادیا اور یہ بھی بتادیا کہ میں نے جو یہ کام کیا ہے اس میں نیت خیر تھی اس پر ان لوگوں نے ان کی رائے کو پسند کیا اور تعریف کی' نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل کو صرف موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا اگر دوسرے لوگ دیکھ لیتے تو بظاہر آڑے آجاتے اور ایسا نہ کرنے دیتے۔

۴۲- الہام حجت شرعی نہیں ہے اسکی وجہ سے خلاف شرع کوئی کام کرنا جائز نہیں بعض جاہل تصوف کے دعویدار جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے فلاں بات کا الہام ہوا اور میں نے اس کے مطابق عمل کر لیا حالانکہ وہ عمل شریعت کے خلاف ہوتا ہے یہ سراپا گمراہی ہے بلکہ کفر ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۵ ج ۱۷ علامہ شعرانی سے نقل کرتے ہیں **وقد ضل فی ھذا الباب خلق کثیر فضلوا واضلوا** حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم پا کر تھا الہام کی وجہ سے نہیں تھا۔

۴۳- بہت سے جاہل صوفی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ طریقت شریعت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور صاحب طریقت کے لئے شریعت پر چلنا لازم نہیں یہ بھی گمراہی اور کفر کی بات ہے طریقت شریعت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے وہ تو شریعت کی خادم ہے نفس کو احکام شریعت پر ڈالنے اور بشاشت کے ساتھ احکام شریعت کو ادا کرنے کی محنت کے لئے حضرات صوفیاء کرام نے کچھ اعمال واشغال بتائے ہیں مریدوں سے ان کی محنت کراتے ہیں کوئی کتنا ہی بڑا درویش اور صاحب تصوف ہو احکام شرعیہ کی پابندی اس پر بھی فرض وواجب ہے جو شخص فرائض وواجبات کا تارک ہوگا وہ فاسق ہوگا اور جو شخص یوں کہے کہ میں یا میرا شیخ شریعت کا مکلف نہیں وہ کافر ہوگا کافر اور فاسق کسی طرح بھی پیر بنانے کا اہل نہیں ہوتا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جو طریقے انبیاء کرام علیہم السلام سے آئے ہیں ان کے علاوہ بھی کوئی ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعہ وہ مامورات اور منہیات کو پہچان لیتا ہے اور اسے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی حاجت نہیں ایسا شخص کافر ہے اسے قتل کر دیا جائے اور یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ توبہ کر لے تو تیرے قتل سے درگزر کر دیں گے۔

۴۴- یہ جو بعض جاہل کہتے ہیں کہ شریعت عامۃ الناس اور کم فہم لوگوں کے لئے ہے اور خواص کو نصوص شرعیہ کی ضرورت نہیں ان کے دل صاف ہیں ان پر علوم الٰہیہ وارد ہوتے ہیں لہٰذا وہ اس کے پابند ہیں جو ان کے قلوب پر وارد ہوں

یہ سراپا کفر ہے حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۲۱ ج ۸ علامہ قرطبی سے نقل کرتے ہیں وھذا القول زندقة و کفر لانه انکار لما علم من الشرائع الخ. (یہ قول زندقہ اور کفر ہے کیونکہ یہ شریعت کا انکار ہے)

۴۵- حضرت یوشع علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سفر میں گئے تھے۔ قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تک پہنچے تو دونوں تھے (فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا) اس کے بعد آخر تک ان کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے یا کشتی میں سوار ہی نہیں ہوئے؟ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۲۰ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ یا تو ان کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ وہ تابع تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ان کے ساتھ سوار ہی نہیں ہوئے ہوں۔ لانه لم یقع له ذکر بعد ذلک۔

۴۶- حضرت خضر علیہ السلام کا لقب خضر کیوں ہوا۔ اس کے بارے میں ہم پہلے ایک حدیث نقل کر چکے ہیں' ان کا نام کیا تھا اس بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ایک قول تو یہ لکھا ہے کہ ان کا نام بلیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ کلیان تھا ان کی کنیت ابو العباس اور والد صاحب کا نام ملکان بتایا جاتا ہے اور چند پشتوں کے واسطے سے انہیں سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں شمار کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کے والد بادشاہ تھے۔ (شرح مسلم صفحہ ۲۶۹ ج ۲)

۴۷- اس میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے۔ بعض حضرات نے ان کو ولی بتایا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں دونوں قول لکھے ہیں ابو القاسم قشیری سے نقل کیا ہے کہ وہ ولی تھے۔ اور ابو حیان کا قول نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور (یعنی اکثر علماء) کا مذہب یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور نبی ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے ساری باتیں بتانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وما فعلته عن امری (کہ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اپنی رائے سے اور اپنی طرف سے نہیں کیا) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ اللہ کے حکم سے کیا اور اس میں گو یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے نبی کے واسطہ سے ہو لیکن یہ احتمال بعید ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ صرف نبی تھے یا نبی مرسل بھی تھے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ نبی تھے مرسل نہیں تھے۔ حافظ ابن حجر کا فرمانا یہ بھی ہے کہ ان غالب اخبارہ مع موسیٰ ھی الدالة علی تصحیح قول من قال انه کان نبیا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی جو باتیں ہوئیں ان میں اکثر باتیں اس بات کو بتاتی ہیں کہ جن لوگوں نے انہیں نبی بتایا ہے ان کا قول صحیح ہے۔ (الاصابہ صفحہ ۴۳۰۔ ۴۳۱ ج ۱)

۴۸- حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۲۲۱ ج ۱ میں لکھا ہے کہ بعض جاہل یوں کہتے ہیں کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور یہ لوگ اس قصے سے استدلال کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے ان لوگوں نے صرف اسی قصے کو دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول اللہ اور کلیم اللہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو توراۃ عطا فرمائی جس میں ہر چیز کا علم تھا اور ان لوگوں نے اس بات کو بھی نہ دیکھا کہ بنی اسرائیل میں جتنے بھی نبی ہوئے ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت

کے تابع ہیں اور ان کی نبوت کے توسط سے جو احکام پہنچے ہیں دیگر انبیاء بنی اسرائیل بھی ان کے مخاطب ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ اور خضر علیہ السلام اگر نبی تھے تو رسول نہیں تھے (یعنی مستقل کتاب اور مستقل شریعت ان کو عطا نہیں کی گئی) اور جو نبی رسول بھی ہو وہ اس نبی سے افضل ہے جو رسول نہیں اور اگر ہم ذرا دیر کو مان لیں کہ حضرت خضر رسول تھے تب بھی موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہیں کیونکہ ان کی رسالت اعظم ہے اور ان کی امت اکثر ہے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں بہت سے بہت اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب سے افضل ہیں اور اگر وہ یوں کہیں کہ خضر نبی نہیں تھے بلکہ ولی تھے پھر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا افضل ہونا ظاہر ہی ہے کیونکہ ہر نبی ہر ولی سے افضل ہے اور عقلاً ونقلاً یہ بات یقینی ہے اور اس کے خلاف جو شخص کہے گا وہ کافر ہے کیونکہ یہ ضروریات شرعیہ میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا (اور عموماً مفضول ہی جایا کرتا ہے تو اسکا جواب ہے کہ یہ بھیجنا امتحان کے لئے تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام عبرت حاصل کریں کہ میں نے جو اپنے کو سب سے بڑا عالم بتادیا ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا) (فتح الباری صفحہ ۲۲۱ ج ا)

۴۹ - اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وفات ہوگئی یا زندہ ہیں اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں سترہ اٹھارہ صفحات خرچ کئے ہیں۔ اول تو ان حضرات کا قول لکھا ہے جنہوں نے فرمایا ہے کہ وہ وفات پاگئے ہیں اور ان لوگوں کے دلائل لکھے ہیں۔ ان میں قوی ترین دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک دن عشاء کی نماز پڑھائی اس کے بعد سلام پھیر کر فرمایا کہ جو لوگ زمین کی پشت پر ہیں ان میں سے کوئی بھی سو سال کے ختم ہونے تک باقی نہ رہے گا۔ یہ حدیث امام بخاری نے کتاب العلم (باب السمر فی العلم) اور کتاب الصلوٰۃ (باب ذکر العشاء والعتمة ومن راہ واسعاً) اور باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء میں نقل کی ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے وقت سے لیکر سو سال پورے ہونے تک جو بھی کوئی شخص زمین پر موجود ہوگا زندہ نہیں رہے گا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری صفحہ ۵۷ ج ۲ شارح مسلم علامہ نووی سے نقل کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور وہ حضرات جو حضرت خضر کی موت کے قائل ہیں انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور جمہور اس رائے کے خلاف ہیں اور حدیث سے استدلال کرنے والوں کو انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اس وقت سمندر کے رہنے والوں میں سے تھے لہٰذا حدیث کے عموم میں داخل نہیں ہوئے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ علیٰ ظہر الارض سے حضرات ملائکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا استثناء مقصود ہے کیونکہ فرشتے اور عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نہیں رہتے حدیث بالا کے علاوہ حضرت خضر علیہ السلام کی موت کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن الجوزی سے ایک دلیل اور نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے یوں عرض کیا تھا اللھم ان شئت لم تعبد بعد الیوم اے

اللہ اگر آپ چاہیں تو آج کے بعد آپ کی عبادت نہ کی جائے اور صحیح مسلم (صفحہ ۸۴ ج ۲) میں یوں ہے کہ آپ نے یوں دعا کی اللھم انک ان تشا لا تعبد فی الارض (اے اللہ اگر آپ چاہیں تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے) حافظ ابن الجوزی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام اس وقت زندہ ہوتے تو وہ بھی اس عموم میں آ جاتے کیونکہ وہ تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی عبادت گذاروں میں سے تھے اگر وہ زندہ رہ جائیں اور پوری امت ہلاک ہو جائے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی کوئی عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔ اور ایک دلیل وفات خضر علیہ السلام کے قائلین یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر خضر علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں زندہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضرور آتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کا اتباع کرتے (لیکن یہ دلیل کوئی زیادہ وزنی نہیں کیونکہ اگر مضبوط دلائل سے اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے تو اس کا بھی ثبوت نہیں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے) (فان عدم ثبوت الحضور لایستلزم وجوب عدم الحضور) اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں چند ایسی روایات درج کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور آپ کے بعد بھی وہ زندہ ہیں ان میں کوئی حدیث اس کے بعد مرفوع نہیں ہے اور جتنی بھی روایات نقل کی ہیں سب کے رواۃ میں کلام کیا ہے اور بعض کو تو موضوع بتایا ہے انہی روایات میں ابوبکر دینوری کی کتاب المجالسہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے خضر علیہ السلام کو دیکھا وہ جلدی جلدی جا رہے تھے۔ پھر یعقوب بن سفیان کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ رباح بن عبیدہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے بھائی خضر سے ملاقات کی انہوں نے مجھے بشارت دی کہ میں ولی الامر بنوں گا اور انصاف کرونگا اس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ھذا اصح اسناد وقفت علیه فی ھذا الباب (کہ یہ صالح ترین اسناد ہے جو مجھے اس بارے میں معلوم ہوا) (الاصابہ صفحہ ۴۵۰ ج ۱) بحث کے ختم ہونے پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ابوحیان فرماتے تھے کہ ہمارے حدیث کے بعض شیوخ یعنی عبدالواحد العباسی الحنبلی کے بارے میں ان کے اصحاب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان سے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوتی ہے پھر فرماتے ہیں ہمارے شیخ حافظ ابوالفضل العراقی نے شیخ عبداللہ بن اسعد یافعی سے نقل کیا ہے کہ وہ حیات خضر علیہ السلام کا عقیدہ رکھتے تھے جب انہوں نے یہ فرمایا تو ہم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حربی وغیرہما کا انکار ذکر کر دیا کہ وہ ان کی موت کے قائل تھے یہ سن کر وہ غصہ ہو گئے اس کے بعد حافظ لکھتے ہیں کہ ہم نے بھی بعض ایسے حضرات کا زمانہ پایا ہے جو خضر علیہ السلام سے ملاقات ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں سے قاضی علم الدین بساطی بھی ہیں جو ملک ظاہر برقوق کے زمانہ میں قاضی تھے۔ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوۃ صفحہ ۲۶۸ ج ۷ میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو حاضرین نے گھر کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی۔ السلام علیکم اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاته ان فی اللہ عزاءً من کل مصیبة

وخلفاً من کل ھالک ودر کا من کل فائت فباللہ فثقوا وایاہ فارجوا فانما المصاب من حرم الثواب۔
اے گھر والو تم سب پر اللہ کا سلام ہو اور اسکی رحمت ہو اور اسکی برکتیں ہوں بلاشبہ اللہ کی ذات میں تسلی ہے ہر مصیبت سے اور ہر ہلاک ہونے والے کا بدل ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کی تلافی ہے (یعنی کوئی کیسی مصیبت آ جائے اور کوئی کیسا ہی محبوب فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ تو بہرحال ہمیشہ حیّ اور قائم اور دائم ہے اس سے محبت کرو اس سے مانگو) لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ کرو اور اسی سے امید رکھو کیونکہ اصل مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم ہو گیا۔

یہ آواز سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون صاحب ہیں؟ پھر فرمایا یہ خضر علیہ السلام ہیں۔

اس کے بعد امام بیہقی نے ایک دوسری سند سے یہ مضمون نقل کیا ہے پھر فرمایا ہے ھذاان الاسنادان وان کانا ضعیفین فاحدھما یتا کد بالاخر ویدلک علی انه له اصلاً من حدیث جعفر واللہ اعلم یعنی یہ دونوں سندیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ایک کو دوسری سے تقویت ملتی ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ جعفر بن محمد کی حدیث کی کچھ اصل ہے جو حدیث کے راوی ہیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے بھی صفحہ ۵۴۹ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور دلائل النبوۃ کا حوالہ دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی وفات اور حیات کے بارے میں دونوں قول ہیں اور یہ کوئی ایسا مسئلہ بھی نہیں جس پر کوئی حکم شرعی موقوف ہو اور ان کی حیات و ممات کا عقیدہ رکھنا مومن ہونے کے لئے ضروری ہو بڑے بڑے اکابر میں اختلاف ہے۔ حقیقت کو پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں جو لوگ حیات کے قائل ہیں یقینی طور پر ان کی بھی تغلیط نہیں کی جا سکتی۔ محدثین میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر حضرات شدت سے ان کی حیات کا انکار کرتے ہیں اور دیگر محدثین ان کی حیات کے قائل ہیں۔ سند کے اعتبار سے کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہوتا البتہ بعض صحابہ اور تابعین ان کی حیات کے قائل ہیں (گو ان حضرات سے جو روایات پہنچی ہیں وہ بھی متکلم فیہ ہیں) اور رہے حضرات صوفیاء کرام تو وہ نہ صرف ان کی حیات کے قائل ہیں بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ

اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ میں ابھی تمہارے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں بلاشبہ ہم نے ذوالقرنین کو زمین میں حکومت دی تھی

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

اور اسے ہر چیز کا سامان دیا تھا۔ پھر وہ ایک راہ پر روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب سورج کے چھپنے کی جگہ پر پہنچا تو سورج کو ایک سیاہ چشمہ

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ

میں ڈوبتا ہوا پایا اور اس موقعہ پر اس نے ایک قوم دیکھی ہم نے کہا اے ذوالقرنین آپ ان کو سزا دو اور یا ان میں

وَإِمَّآ أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُۥ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِۦ

خوبی کا معاملہ اختیار کرو، اس نے کہا جس نے ظلم کیا سو ہم عنقریب اسے سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا

فَيُعَذِّبُهُۥ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ ءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَهُۥ جَزَآءً ٱلْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ

سو وہ اسے برا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لایا اور نیک عمل کئے اس کے لئے بدلے میں بھلائی ہے اور ہم اس کے بارے میں اپنے کام میں

لَهُۥ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ ٱلشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

آسانی کی بات کہیں گے۔ پھر وہ ایک راہ پر روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب وہ ایسی جگہ پر پہنچا جو آفتاب طلوع ہونے کی جگہ تھی تو اس نے دیکھا کہ سورج ایسے لوگوں پر طلوع

عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن دُونِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذَٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

ہو رہا ہے جن کے لئے ہم نے آفتاب سے ورے کوئی پردہ نہیں رکھا۔ یہ بات یوں ہی ہے اور ہم کو ان سب چیزوں کی خبر ہے جو اس کے پاس تھیں

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ ٱلسَّدَّيْنِ وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ

وہ پھر ایک راہ پر چلا یہاں تک کہ ایسی جگہ پر پہنچ گیا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھی۔ ان پہاڑوں سے ورے اس نے ایسی قوم کو پایا جو

يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوا۟ يَٰذَا ٱلْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِى

بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے، وہ کہنے لگے کہ اے ذوالقرنین بلا شبہ یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

ٱلْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰٓ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا

سو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کے لئے اس شرط پر کچھ مال جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک آڑ بنا دیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ

مَكَّنِّى فِيهِ رَبِّى خَيْرٌ فَأَعِينُونِى بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ ءَاتُونِى زُبَرَ ٱلْحَدِيدِ ۖ

میرے رب نے جو کچھ اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے وہ بہتر ہے سو تم قوت کے ساتھ میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار بنا دونگا۔ میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لے آؤ

حَتَّىٰٓ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ ٱلصَّدَفَيْنِ قَالَ ٱنفُخُوا۟ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا جَعَلَهُۥ نَارًا قَالَ ءَاتُونِىٓ

یہاں تک کہ جب دونوں سروں کے درمیان کو برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اس کو دھونکو، یہاں تک کہ جب اسکو آگ بنا دیا تو ان سے کہا کہ میرے پاس

أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا ٱسْطَٰعُوٓا۟ أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ لَهُۥ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ

پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں اس پر ڈال دوں۔ سو وہ لوگ نہ چڑھ سکے اور نہ اس میں سوراخ کر سکے۔ ذوالقرنین نے کہا

هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّى ۖ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّى جَعَلَهُۥ دَكَّآءَ ۖ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّى حَقًّا ﴿٩٨﴾

کہ یہ میرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے سو جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو اس کو چورا چورا کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

پھر ہم اس دن ان کو چھوڑ دیں گے بعض بعض میں گھستے رہیں گے اور صور پھونکا جائے گا سو ہم سب ہی کو جمع کر لیں گے۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ

اور اس دن ہم کافروں کے سامنے دوزخ پیش کر دیں گے۔ جن کی آنکھوں پر میری

عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے

ذوالقرنین کا مفصل قصہ، مغرب و مشرق کا سفر کرنا یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لئے دیوار بنانا

تفسیر: مذکورہ بالا آیات میں ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے مغرب اور مشرق کے اسفار اور ایک قوم کی درخواست کرنے پر یاجوج ماجوج سے حفاظت کرنے کے لئے دیوار بنا دینے کا تذکرہ فرمایا ہے یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ علماء یہود نے قریش مکہ سے کہا تھا تم محمد رسول اللہ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور نبی مرسل ہیں، وہ تین باتیں جن کا سوال کرنے کی تلقین کی تھی ان میں ایک سوال روح کے بارے میں تھا اور دوسرا سوال اصحاب کہف کے بارے میں اور تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا سورۃ الاسراء میں روح کے بارے میں سوال و جواب گذر چکا ہے اور سورہ کہف کے رکوع نمبر ۲ اور نمبر ۳ میں اصحاب کہف کا تذکرہ ہو چکا ہے ذوالقرنین کے بارے میں جو سوال کیا تھا یہاں اس کا جواب مذکور ہے۔ ذوالقرنین کون تھے اور یاجوج ماجوج کہاں تھے اور جو دیوار یاجوج ماجوج کے فساد سے بچانے کے لئے بنائی تھی وہ کہاں ہے یہ سوال دلوں میں ابھرتے ہیں اور ایک مومن آدمی کے لئے تو قرآن کا اجمالی بیان ہی کافی ہے لیکن اس دور میں چونکہ تحقیق اور تفتیش کا ذوق کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے اس لئے مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب آ جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ذوالقرنین کون تھے ان کا نام کیا تھا اور ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا

پہلا سوال کہ ذوالقرنین کون تھے اور ان کا نام کیا تھا اور ان کو ذوالقرنین کیوں کہا جاتا تھا؟ اس کے بارے میں اول تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بعض لوگوں نے ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی بتایا ہے جس کا وزیر ارسطو (فلسفی) تھا۔ محققین کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین (جنہوں نے یاجوج ماجوج کی

حفاظت کے لئے دیوار بنائی تھی) وہ ایک مومن صالح آدمی تھے (اور بعض حضرات نے انہیں نبی بھی مانا ہے) اور سکندر مقدونی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سکندر مقدونی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اسکندریہ شہر کا بانی تھا (جو مصر میں ایک مشہور شہر ہے) اور وہ ذوالقرنین اول (جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے) سے بہت متاخر تھا یہ شخص (بانی اسکندریہ) حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اس نے دارا کو قتل کی اور شاہان فارس کو ذلیل کیا اس کے بعد حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں۔

وانما نبهنا عليه لان كثيرا من الناس يعتقد انهما واحد وان المذكور فى القرآن هو الذى كان ارطاطاليس وزيره فيقع بسبب ذلك خطاء كبير وفساد عريض طويل كثير فان الاول كان عبدا مومنا صالحا وملكا عادلا وكان وزيره الخضر وقد كان نبيا على ماقررنا قبل هذا واما الثانى فكان مشركا وكان وزيره فيلسوفا وقد كان بين زمانيهما ازيد من الف سنة فان هذا من هذا لا يستويان ولا يشتبهان الا على غبى لا يعرف حقائق الامور (البدایۃ والنہایہ ۱۰۶ ج ۲)

(ترجمہ) ہم نے اس بات پر اس لئے تنبیہ کی ہے کہ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ وہی ذوالقرنین ہے جس کا وزیر ارسطو تھا اور اس کی وجہ سے بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ذوالقرنین اول (جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) وہ عبد مومن تھے صالح انسان تھے اور ملک عادل تھے اور ان کے وزیر حضرت خضر تھے اور خود بھی نبی تھے جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کیا ہے' اور دوسرا ذوالقرنین مشرک تھا اور اس کا وزیر ایک فلسفی تھا اور ان دونوں کے درمیان دو ہزار سے زائد مدت کا فصل تھا سو یہ کہاں اور وہ کہاں؟ دونوں میں ایسے ہی کوڑھ مغز آدمی کو اشتباہ ہو سکتا ہے جو حقائق الامور کو نہ جانتا ہو۔

یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ ذوالقرنین کون تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے حافظ ابن کثیر نے ان کے نام کے بارے میں چند اقوال نقل کئے ہیں (۱) عبداللہ بن ضحاک بن معد (۲) مصعب بن عبداللہ بن قنان (۳) مرزوبان بن مرزبہ (۴) صعب بن ذی مرائد (۵) ہرمس (۶) ہردیس' پھر لکھا ہے کہ وہ سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں سے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بنی حمیر میں سے تھے۔ چونکہ قرآن مجید میں ان کا لقب ہی ذکر کیا ہے نام اور نسل کا تذکرہ نہیں فرمایا اس لئے اتنا زیادہ اختلاف ہوا اور اصل مقصود میں اس اختلاف سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

حافظ ابن کثیر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے اور اسحٰق بن بشر سے نقل کیا ہے کہ ان کے وزیر اور مشیر حضرت خضر علیہ السلام ان کے لشکر کے سب سے اگلے حصہ کے امیر تھے۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل کے ساتھ کعبہ مکرمہ کا طواف کیا (علیہما السلام) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت

ذوالقرنین نے پیدل حج کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو ان کا استقبال کیا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لئے بادل کو مسخر کر دیا تھا وہ جہاں چاہتے تھے ان کو لے جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

ذوالقرنین کا یہ لقب کیوں معروف ہوا؟ اس سوال کے جواب میں اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ قرنین تثنیہ ہے قرن کا اور قرن عموماً سینگ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور سو سال کی مدت کے لئے بھی لفظ قرن کا اطلاق ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے (ج۱۶ص۲۴) پر گیارہ قول نقل کئے ہیں اور انکے لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ **فیھا مالا یکاد یصح** (یعنی ان میں وہ باتیں ہیں جو صحیح ہونے کے قریب بھی نہیں ہیں) ان گیارہ وجوہ میں بعض باتیں دل کو لگتی ہیں ایک تو یہ کہ ان کے زمانہ سلطنت میں دو قرنیں ختم ہو گئی تھیں یعنی دو سو سال سے زیادہ ان کی حکومت رہی۔ دوسرا یہ کہ ان کے سر میں دو سینگ تھے جیسے بکری کے کھر ہوتے ہیں اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عمامہ استعمال کیا تا کہ انہیں چھپا کر رکھا جائے تیسرا یہ کہ ان کے تاج میں دو سینگ تھے اور چوتھا یہ کہ انہوں نے مشرق اور مغرب کا سفر کیا تھا ہر جانب کو ایک قرن سے تعبیر کیا گیا۔

مغرب کا سفر: قریش مکہ کے سوال کرنے پر ذوالقرنین کے بارے میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ ذوالقرنین کو زمین میں حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا جو حکومت کی ضرورت پورا کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے چنانچہ وہ ایک راہ پر چل دیئے یعنی مغرب کی طرف سفر کرنا شروع کر دیا سفر کرتے کرتے (درمیان شہروں کو فتح کرتے ہوئے) ایسی جگہ پر پہنچے جو آفتاب غروب ہونے کی جگہ تھی مطلب یہ ہے کہ مغرب کی جانب میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے۔ وہاں انہیں ایک سیاہ مٹی والے چشمہ میں آفتاب ڈوبتا ہوا نظر آیا۔ اس سے سمندر کا پانی مراد ہے۔ **عین** عربی میں چشمہ کو اور **حمئة** کالے رنگ کی کیچڑ اور دلدل کو کہا جاتا ہے صاحب رُوح المعانی (صفحہ۳۲ج۱۶) لکھتے ہیں کہ **عین حمئة** سے یا تو کوئی ایسا چشمہ مراد ہے جو سمندر میں تھا یا اس سے سمندر ہی مراد لیا ہے اور سمندر کو عین یعنی چشمہ نام رکھنے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ایک قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا لیکن کالی مٹی والے چشمے میں آفتاب غروب ہوتا ہوا نظر آنا یہ بتاتا ہے کہ سمندر میں دور دراز دوسرے کنارے پر آفتاب ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ کیونکہ عام محاورہ میں کیچڑ اس مٹی کو کہا جاتا ہے جو تھوڑے پانی میں ہو (اور عموماً کناروں پر پانی تھوڑا ہوتا ہے)

آفتاب حقیقت میں سمندر میں غروب نہیں ہوتا مگر سمندر سے آگے نگاہ نہ پہنچنے کی وجہ سے سمندر ہی میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے، جن حضرات نے سمندری سفر کئے ہیں انہوں نے بارہا پانی کے جہاز میں یہ منظر دیکھا ہوگا۔

وہاں جو پہنچے تو دیکھا کہ ایک قوم آباد ہے اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین تمہیں اختیار ہے خواہ ان کو عذاب دو یعنی ابتداً ہی (ان کے کفر کی وجہ سے) قتل کر دو یا ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو یعنی ان کو ایمان کی دعوت دو

پھر نہ مانیں تو قتل کر دینا۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو پہلے دعوت ایمان پہنچ چکی تھی وہ اس کے باوجود بھی کافر تھے اس لئے مستقل طور پر دعوت دیئے بغیر بھی قتل کرنے کا اختیار عطا فرما دیا) ذوالقرنین نے عرض کیا کہ ہم پہلے انہیں ایمان کی دعوت دیں گے (دعوت دینے کے بعد) جس شخص نے ظلم کی راہ اختیار کی یعنی کفر پر ہی برقرار رہا تو ہم اسے سزا دیں گے (قتل کریں یا اور کوئی صورت اختیار کریں اور یہ سزا دنیاوی ہوگی) پھر جب وہ اپنے رب کے پاس واپس لوٹایا جائے گا یعنی موت کے بعد بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا تو وہ اسے بری سزا دے گا اور جو شخص دعوت حق کو قبول کرے گا اور ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کے لئے ایمان و عمل کے بدلہ بھلائی ملے گی (یعنی جنت میں داخل ہوگا کما فی سورۃ یونس لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ) اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کو آسان بات کہیں گے یعنی ہماری طرف سے اس پر کوئی عملی یا زبانی سختی نہ ہوگی۔

مشرق کا سفر: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا مغرب کے سفر کے بعد ذوالقرنین نے مشرق کے ممالک کا رخ کیا اور مشرقی جانب کی راہ پر چل دیئے، چلتے چلتے جب ایسی جگہ پہنچے جہاں آفتاب طلوع ہونے کی جگہ تھی (یعنی جانب مشرق میں آبادی کی انتہاء پر پہنچ گئے) تو دیکھا کہ سورج ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے کہ آفتاب کے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے کوئی آڑ نہیں رکھی یعنی یہ قوم ایسی تھی جو دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی مکان یا خیمہ نہیں بناتے تھے، کھلے میدان میں رہتے تھے (ممکن ہے کہ ان کے یہاں دھوپ کی تیزی زیادہ نہ ہوتی ہو۔ اور دھوپ میں رہنے کی عادت پڑ گئی ہو، جیسے جنگلی جانور اس دھوپ میں گزارہ کرتے ہیں اور رہتے سہتے ہیں) اور بارش بھی کم ہوتی ہو اور تھوڑی بہت بارش ہونے پر درختوں کے نیچے پناہ لے لیتے ہوں۔

كَذٰلِكَ یہ قصہ اس طرح ہے واقعی ہے وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ سامان وغیرہ تھا اور ان کو جو حالات پیش آئے ہم کو ان کی پوری خبر ہے۔

حضرت ذوالقرنین نے جس قوم کو مشرق کے آخری حصے میں پایا قرآن مجید میں ان کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ وہ مومن تھے یا کافر، اور نہ یہ بتایا کہ ان کے ساتھ ذوالقرنین نے کیا معاملہ کیا۔ اگر یہ لوگ کافر تھے تو بظاہر وہی معاملہ کیا ہوگا جو مغرب کی جانب رہنے والوں کے ساتھ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرا سفر: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا جانب مشرق میں مطلع الشمس میں رہنے والی قوم سے فارغ ہو کر ذوالقرنین آگے بڑھے، چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا۔ (یہ بین السدین کا ترجمہ ہے۔ اور سدین سے دو پہاڑ مراد ہیں ان کے درمیان خالی جگہ تھی۔ ان دونوں کے درمیانی درہ جہاں یاجوج ماجوج حملہ آور ہوتے تھے)

ان پہاڑوں سے ورے ایک ایسی قوم کو دیکھا جو کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔ (ذوالقرنین کی زبان تو کیا سمجھتے یہ تو لغت جاننے کی بات ہے سمجھ بوجھ بھی بس یونہی تھوڑی بہت تھی لیکن دشمنوں کی وجہ سے پریشان بہت زیادہ تھے)

یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لئے دیوار کی تعمیر: ذوالقرنین کا اقتدار دیکھتے ہوئے اپنی مصیبت

سے چھٹکارہ کے لئے (اشارہ وغیرہ کے ذریعہ) انہوں نے عرض کیا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں (گھاٹی کے اس طرف رہتے ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ آور ہو کر قتل و غارت گری کرتے ہیں اور ہم ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے) سو کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کے لئے چندہ کر کے مال جمع کر دیں اور اس شرط پر آپ کو دیدیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان روکنے والی ایک آڑ بنا دیں۔ (تاکہ وہ ہماری طرف نہ آ سکیں)۔

دیوار کو کس طرح اور کس چیز سے بنایا گیا: ذوالقرنین نے جواب دیا کہ مال جمع کرنے کی ضرورت نہیں مجھے میرے رب نے جو اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے جس میں مالی تصرفات بھی شامل ہیں وہ بہتر ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں کی طاقت یعنی محنت و ہمت کے ذریعہ میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ بنا دونگا۔ تم ایسا کرو کہ لوہے کے ٹکڑے لاؤ (چنانچہ ٹکڑے لائے گئے اور ان کو اینٹوں کی جگہ استعمال کیا اور اس طرح ان کی چنائی کی کہ ان کے درمیان لکڑی اور کوئلے رکھتے چلے گئے) یہاں تک کہ جب پہاڑوں کے درمیان والے خالی حصے کو پہاڑوں کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اب دھونکو (صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ پھونکنے کے آلات رکھ دیئے گئے اور چاروں طرف آگ جلا دی گئی) چنانچہ ان لوگوں نے دھونکنا شروع کیا اور اتنا دھونکا اتنا دھونکا کہ وہ لوہا آگ بن گیا۔ اندر کی لکڑیاں اور کوئلہ تو جل گیا اور لوہے کے ٹکڑے آگ کی طرح لال ہو کر آپس میں جڑ گئے۔ مضبوط دیوار کے لئے تو یہی کافی تھا لیکن انہوں نے مزید مضبوطی کے لئے یہ کیا کہ تانبا طلب کیا اور ان لوگوں سے فرمایا کہ میرے پاس تانبا لے آؤ تاکہ میں تانبا کو اس پر ڈال دوں، چنانچہ پگھلا ہوا تانبا اس لوہے میں ڈال دیا جو خوب زیادہ گرم تھا اول تو وہ خود ہی آپس میں مل کر جام ہو چکا تھا پھر اس کے اوپر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا جو لوہے کے ٹکڑوں کے اندر بچی کھچی جگہوں میں داخل ہو گیا۔ اور اس طرح سے ایک مضبوط دیوار بن گئی۔ اس دیوار کی بلندی اور پختگی اور چکنے پن کی وجہ سے یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھ سکے اور نہ اس میں نقب لگا سکے۔ جب ذوالقرنین دیوار بنا کر فارغ ہوئے تو کہنے لگے هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ کہ یہ میرے رب کی طرف سے بڑی رحمت ہے اور دیوار کا تیار ہو جانا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے مجھے اس نے اس کام میں لگایا اور ان لوگوں کے لئے بھی رحمت ہے جن کو یاجوج ماجوج دکھ دیتے تھے اور غارت گری کرتے تھے اب دیوار کے ادھر رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یاجوج ماجوج سے محفوظ فرما دیا۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ (سو جب میرے رب کا وعدہ آ پہنچے گا) یعنی جب اس کے فنا ہونے کا وقت موعود آ جائے گا تو میرا رب اسے چورا چورا بنا دے گا وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا (اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے) یعنی اس نے جو کچھ وعدے فرمائے ہیں اور اپنی مخلوق کے بارے میں خبریں دی ہیں وہ سب سچی ہیں ان کا وقوع ہونا ہی ہونا ہے۔

اس وعدہ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے قول ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے وقوع قیامت مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج کا نکلنا مراد ہے جب وہ نکلیں گے تو یہ دیوار ختم ہو جائے گی،

اور چورا چورا ہو کر زمین کے برابر ہو جائے گی یہ قول اس اعتبار سے زیادہ راجح ہے کہ اس کے بعد اسی آیت میں (ایک قول کے مطابق) یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر ہے اور پھر اس کے بعد نفخ صور کا تذکرہ ہے۔ یاجوج ماجوج کا نکلنا قیامت کی علامات میں سے ہے۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء کی آیت حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ سے اور احادیث شریفہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ یاجوج ماجوج کے نکلنے کا جن کا روایات حدیث میں ذکر ہے وہ ان شاء اللہ ہم ابھی بیان کریں گے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ اور ہم اس دن ان کو اس حال میں چھوڑ دیں گے کہ ایک دوسرے میں گھستے رہیں گے۔ (یعنی قیامت سے پہلے جب یاجوج ماجوج نکلیں گے تو ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور اسی طرح دنیا میں پھیل پڑیں گے۔ هذا علی احد القولین وروی عن ابن عباس رضی الله عنهما انه اراد به الذین تقوم علیهم الساعة ای یضطربون اضطراب البحر یختلط إنسهم وجنهم من شدة الهول ذکره صاحب الروح (صفحہ ۶۲ ج ۱۶)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا اور صور پھونک دیا جائے گا سو ہم ان سب کو جمع کریں گے وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا (اور اس دن ہم کافروں کے سامنے دوزخ کو پیش کر دیں گے) اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ (جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا) وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (اور وہ سن بھی نہ سکتے تھے)

چونکہ ذوالقرنین کا واقعہ قریش مکہ کے سوال پر بیان کیا گیا تھا اور یہ سوال انہیں یہودیوں نے سمجھایا تھا اور جواب ملنے پر بھی نہ مشرکین مکہ نے اسلام قبول کیا اور نہ یہود مدینہ نے اس لئے آخر میں ان کو قیامت کا دن یاد دلایا اور بتایا کہ ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے اور کوئی بچ کر نہ نکل سکے گا' کافر دوزخ میں جائیں گے انہوں نے اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا اور حق سننے کو تیار نہ تھے اپنی قوت سامعہ اور باصرہ دونوں کو معطل کر رکھا تھا لہٰذا انہیں حق سے منہ موڑنے کی سزا ملے گی۔

قیامت کے قریب یاجوج ماجوج کا نکلنا

سورۂ انبیاء کی آیت شریفہ جو ہم نے اوپر نقل کی ہے اسے دوبارہ پڑھیے اور ترجمہ ذہن نشین کیجئے۔ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی نکل پڑیں گے۔

اس آیت میں قیامت کے قریب یاجوج کے نکلنے اور پھیل پڑنے کا ذکر ہے۔ صحیح مسلم صفحہ ۳۹۳ ج ۲ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ دس علامات کا ظہور نہ ہو جائے۔

۱۔ مشرق میں لوگوں کے زمین میں دھنس جانے کا واقعہ پیش آنا۔

۲- اسی طرح مغرب میں زمین میں دھنس جانے کا واقعہ پیش آنا۔

۳- جزیرہ عرب میں دھنس جانے کا واقعہ پیش آنا۔

۴- دھواں ظاہر ہونا۔

۵- دجال کا نکلنا۔

۶- دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ (یہ خاص قسم کا چوپایہ ہوگا جو زمین سے نکلے گا جس کا ذکر سورۂ نمل میں ہے)

۷- یاجوج ماجوج کا نکلنا۔

۸- پچھم کی جانب سے سورج کا نکلنا۔

۹- عدن کے درمیان سے ایک آگ کا نکلنا (جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف جمع کرے گی)

۱۰- عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا۔

صحیح مسلم صفحہ ۴۰۱ ج ۲ میں دجال کے قتل ہو جانے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لوگوں کے پاس پہنچ کر چہروں پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر کرنے کے بعد یاجوج ماجوج کے نکلنے کا ذکر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی حال میں (یعنی قتل دجال کے بعد لوگوں سے ملنے جلنے میں) ہوں گے کہ ان کی طرف اللہ پاک کی وحی آئے گی کہ بے شک میں اپنے ایسے بندوں کو نکالنے والا ہوں کہ کسی کو ان سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے لہٰذا تم میرے (مومن) بندوں کو طور پر لے جا کر محفوظ کردو۔ (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو ساتھ لے کر طور پر تشریف لے جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیج دے گا۔ اور وہ ہر بلندی سے تیزی کے ساتھ دوڑ پڑیں گے۔ (ان کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ) جب اگلا گروہ بُحیرہ (لفظ بحیرہ بحرہ کی تصغیر ہے اور طبریہ اردن کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے وہاں ایک نہر ہے اسی کو بحیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔

صحیح مسلم میں یہ جو روایت ہے کہ یاجوج ماجوج کی جماعت کا پہلا حصہ بحیرہ طبریہ پر گذر جائیگا تو سارا پانی پی لے گا یہاں تک کہ پیچھے آنے والی انہیں کی جماعتوں کے لوگ اسے دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ یہاں کبھی پانی تھا۔ اس سے اردن والا بحیرہ طبریہ مراد ہے۔ (علامہ یاقوت حموی نے علامہ ازہری سے نقل کیا ہے کہ یہ بحیرہ دس میل لمبا اور چھ میل چوڑا ہے) کے اس پانی پر جب ان کا اگلا گروہ گذرے گا تو تمام پانی پی جائے گا (اور اسے خشک کر دے گا) ان کے پچھلے لوگ اس تالاب پر گذریں گے تو کہیں گے کہ اس میں کبھی پانی ضرور تھا۔

اس کے بعد چلتے چلتے خمر پہاڑ تک پہنچیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے یہاں پہنچ کر کہیں گے ہم زمین والوں کو تو قتل کر چکے آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں چنانچہ اپنے تیروں کو آسمان کی طرف پھینکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ (اپنی قدرت سے) خون میں ڈوبا ہوا واپس فرما دے گا۔ (یاجوج ماجوج زمین میں شر و فساد مچا رہے ہوں گے) اور اللہ کے نبی

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اپنے ساتھیوں کے ساتھ (کوہ طور پر) گھرے ہوئے ہوں گے حتیٰ کہ (اس قدر حاجت مند ہوں گے کہ) ان میں سے ایک شخص کے لئے بیل کی سری ان سو دیناروں سے بہتر ہوگی جو آج تم میں سے کسی کے پاس ہوں (پریشانی دور کرنے کے لئے) اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی جناب میں گڑگڑائیں گے (اور یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے لئے دعا کریں گے) چنانچہ اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج پر (بکریوں اور اونٹوں کی ناک میں نکلنے والی) بیماری بھیج دے گا جسے اہل عرب نغف کہتے ہیں۔ یہ بیماری ان کی گردنوں میں نکل آئے گی اور وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں مر جائیں گے جیسے ایک ہی شخص کو موت آئی ہو اور سب ایسے پڑے ہوئے ہوں گے جیسے کسی جانور نے پھاڑ ڈالے ہوں' ان کے مرجانے کے بعد اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (کوہ طور سے) اتر کر زمین پر آئیں گے اور زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی چربی اور بدبو سے خالی ہو' لہٰذا اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی جناب میں گڑگڑائیں گے اور دعا کریں گے کہ اے اللہ ان کی چربی اور بدبو سے ہمیں محفوظ فرما دے' لہٰذا اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندے بھیج دے گا جو لمبے لمبے اونٹوں کی گردنوں کے برابر ہوں گے یہ پرندے یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا پھینک دیں گے' پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیج دے گا جس سے کوئی مٹی کا گھر اور کوئی خیمہ نہ بچے گا اور بارش ساری زمین کو دھو کر آئینہ کی طرح کر دے گی۔ (لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی آرام سے زمین پر رہنے لگیں گے اور اللہ تعالیٰ کا ان پر بڑا فضل و کرم ہوگا) اور اس وقت زمین کو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) حکم دیا جائے گا کہ اپنے پھل اگا دے اور اپنی برکت واپس کر دے چنانچہ زمین خوب پھل اگائے گی اور وہ اپنی برکتیں باہر پھینک دے گی (جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) ایک جماعت ایک انار کو کھایا کرے گی (کیونکہ انار بہت بڑا ہوگا) اور انار کے چھلکے کی چھتری بنا کر چلا کریں گے اور دودھ میں بھی برکت دیدی جائے گی حتیٰ کہ ایک اونٹنی کا دودھ بہت بڑی جماعت کے (پیٹ بھرنے کے لئے) کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک بڑے قبیلے کے لئے اور ایک بکری کا دودھ ایک چھوٹے قبیلہ کے لئے کافی ہوگا۔ مسلمان اسی عیش و آرام اور خیر و برکت میں زندگی گذار رہے ہوں گے کہ (قیامت بہت ہی قریب ہو جائے گی اور چونکہ قیامت کافروں ہی پر قائم ہوگی اس لئے) اچانک اللہ تعالیٰ ایک عمدہ ہوا بھیجے گا جو مسلمانوں کی بغلوں میں لگ کر ہر مومن اور مسلم کی روح قبض کر لے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح (سب کے سامنے بے حیائی کے ساتھ) عورتوں سے زنا کریں گے انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔

سورۃ الانبیاء کی آیت کے سیاق سے اور صحیح مسلم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کا نکلنا اور دنیا میں پھیل پڑنا یہ قیامت کے قریب ہوگا۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا پھر دجال ظاہر ہوگا عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کر دیں گے اس کے بعد یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے۔ اس ترتیب کے خلاف جو شخص کوئی بات کہے گا وہ جھوٹا ہے۔ جب سے دنیا والوں نے تاریخ کی دنیا میں قدم رکھا ہے اور اپنے طور پر کچھ کتبات دیکھ کر' کچھ کھدائیاں

کر کے اور کچھ یہودیوں کی کتابیں پڑھ کر اور کچھ سنی ہوئی باتوں پر ایمان لاکر تاریخ پر کتابیں لکھ دی ہیں اس وقت سے لوگ کچھ ایسی باتیں کہنے لگے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا خروج ہو چکا ہے یہ لوگ تاتاریوں اور مغربی اقوام کو یاجوج ماجوج کہنے لگے ہیں بلاشبہ تاتاریوں کا فتنہ بہت بڑا فتنہ تھا اور یورپین اقوام نے جو افریقہ اور ایشیا کے مختلف ممالک پر قبضہ کرنے کے لئے خون کے دریا بہائے ہیں اور اب آئینی اور قانونی رنگ میں فساد برپا کر رہے ہیں ان کا فتنہ بھی بہت بڑا ہے ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ یاجوج ماجوج میں سے ہوں کیونکہ بعض علمائے سلف نے ان کے بہت سے قبیلے بتائے ہیں۔ وفی عبدالرزاق عن قتادة ان یاجوج ماجوج اثنتان و عشرون قبیلة بنی ذوالقرنین السد علی احدی وعشرین و کانت واحدة منهم خارجة للغزو و فبقیت خارجه وسمیت الترک لذالک وقیل یاجوج من الترک وما جوج من الدیلم (روح المعانی ص ۳۸ ج ۱۶) لیکن وہ خروج جس کا قرآن وحدیث میں ذکر ہے ابھی نہیں ہوا وہ قرب قیامت میں ہوگا۔ قرب قیامت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ قیامت کے بالکل ہی قریب کسی علامت کا ظہور ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس وقت سے پہلے ہو ابھی یعنی قیامت کے واقع ہونے میں دیر ہو۔ علامات قیامت تو عرصہ دراز سے شروع ہیں خود آنحضرت ﷺ کی بعثت بھی قیامت آنے کی خبر دیتی ہے آپ نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے اور آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر بتایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۰) اور آپ کے بعد بھی بہت ساری نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں اور ظاہر ہو رہی ہیں یاجوج ماجوج کا خروج بہت دیر میں ہوگا جیسا کہ دنیا کے احوال بتا رہے ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج جب نکلیں گے تو ان کا اول حصہ بحیرہ طبریہ کا سارا پانی پی جائے گا۔ اور وہ لوگ آسمان پر بھی تیر پھینکیں گے اور پھر وہ نغف بیماری بھیج کر ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ امن وامان سے رہیں گے اور زمین اپنی برکتیں نکال دے گی پھلوں میں اور دودھ میں خوب زیادہ برکت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں ابھی وجود میں نہیں آئیں للہذا یاجوج ماجوج کا وہ ظہور بھی ابھی نہیں ہوا جس کا ذکر قیامت کے قریب ترین علامتوں کے ذیل میں کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا کہ یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے بعد ان کی لاشوں کو سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اس کے قریب ہی قیامت آنے ہی والی ہوگی۔ فعهد الی متی کان ذالک کانت الساعة من الناس کالحامل التی لا یدری اهلها متی تفجؤهم بولادتها (سنن ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ بن مریم وخروج یاجوج ماجوج) (مجھے بتایا گیا ہے کہ جب ایسا ہوگا لوگوں سے قیامت ایسے قریب ہوگی جیسے کوئی حمل والی عورت ہو جس کے دن پورے ہو چکے ہوں پتہ نہیں کہ وہ کب اچانک بچہ جن دے)

قال صاحب مصباح الزجاجة هذا اسناد صحیح ورجاله ثقات (صفحہ ۲۰۲ ج ۴)

یاجوج ماجوج کی تعداد: پھر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج کی تعداد بہت زیادہ ہے

اس کی تعداد کے حساب سے بھی ان لوگوں کا خروج ابھی نہیں ہوا۔ امام بخاری نے باب قصہ یاجوج ماجوج کے عنوان سے باب قائم کیا ہے جس میں سورہ کہف اور سورہ انبیاء کی آیات لکھنے کے بعد تین حدیثیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ (اپنی ذریت میں سے) دوزخ کا حصہ نکالو۔ وہ عرض کریں گے کہ وہ کتنا حصہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ ہر ہزار سے نو سو ننانوے نکالو۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں سے ایک آدمی جنتی اور نو سو ننانوے دوزخی ہوں گے) یہ سن کر بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ (یعنی اس موقعہ پر اگر حمل والیاں ہوں تو شدت فزع اور خوف کی وجہ سے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے) اور اے مخاطب تو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ بے ہوش ہیں حالانکہ وہ بے ہوش نہیں ہیں لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہزار میں جو ایک جنتی ہوگا وہ ہم میں سے کون کون ہوگا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرلو کیونکہ (تمہارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان تعداد کا تناسب یوں ہے کہ) تم میں سے ایک شخص اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار شخص ہوں گے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۴۷۲ ج ۱) اس حدیث میں معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بالا کی شرح لکھنے کے بعد لکھا ہے۔ (کہ یہاں اس حدیث کو جو امام بخاری نے ذکر کیا ہے اس میں یاجوج ماجوج کی کثرت تعداد کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور یہ امت ان کی بہ نسبت ۱۰۰۰/۱ کی نسبت رکھتی ہے) ظاہر ہے کہ اتنی بڑی بھاری تعداد میں ان قوموں کا ظہور نہیں ہوا جنہیں بعض لوگ یاجوج ماجوج کے ظہور موعود کا مصداق بتا رہے ہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں اور کہاں ہیں: مورخ ابن خلدون پانچویں اقلیم کے نویں حصہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس حصہ میں تُرکی قبائل کے شہر ہیں جو غز کے شہروں کے پچھم میں اور کیمیا کے شہروں کے مشرق میں ہیں۔ اور مشرق کی جانب سے جبل قوقیا اسکو گھیرے ہوئے ہیں جو یاجوج ماجوج کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ جزو چھٹی اقلیم کے نویں حصہ تک چلا گیا ہے اور وہیں پر سد (ذوالقرنین) ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے اور اس میں سے ایک ٹکڑا باقی رہ گیا ہے جسے کوہ قوقیا نے احاطہ کر رکھا ہے جو اس جزو کے زاویہ شرقیہ شمالیہ کے قریب ہے اور جنوب کی طرف درازی میں چلا گیا اور یاجوج ماجوج کے بلاد ہیں' پھر لکھا ہے کہ اسی پانچویں اقلیم کے دسویں حصہ میں یاجوج ماجوج کی سرزمین ہے جو اس سے متصل ہے (صفحہ ۷۶) پھر ساتویں اقلیم کے اجزاء بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے نویں حصہ میں غربی جانب خفشاح کے بلاد ہیں اور ان کو قفجق کہا جاتا ہے۔ اور اس کے درمیان میں یاجوج ماجوج کی دیوار ہے اور اسی جزو کے مشرقی کونہ میں یاجوج کی سرزمین ہے جو سمندر کے کنارے کوہ قوقیا کے پیچھے ہے اس کا عرض کم ہے درازی زیادہ ہے۔ جبل قوقیا کا مشرق اور شمال کی جانب سے احاطہ کر رکھا ہے ابن خلدون کی تصریح سے یاجوج ماجوج کا علاقہ اور سد ذوالقرنین کا کچھ اتا پتا لگ جاتا ہے۔

سدّ ذوالقرنین کہاں ہیں: مورخین نے لکھا ہے یہ یاجوج ماجوج کے فساد اور شرارتوں اور دیگر اقوام پر حملہ کرنے کے واقعات برابر پیش آتے رہتے تھے ان کے شر سے بچنے کے لئے ایک سے زیادہ دیواریں بنائی گئیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور دیوار چین ہے۔ اس کا بانی تغفور چین کا بادشاہ بتایا جاتا ہے۔ لیکن دیوار چین وہ دیوار نہیں ہے جو ذوالقرنین نے بنائی تھی اس کے بارے میں تو تصریح ہے کہ لوہے اور تانبے سے بنائی گئی اور دیوار چین میں یہ بات نہیں ہے۔ دوسری دیوار وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذہ کے قریب واقع ہے اس کے محل وقوع کا نام در بند ہے۔ تیسری دیوار داغستان میں واقع ہے یہ در بند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے۔ چوتھی دیوار اسی داغستانی دیوار کے مغرب میں ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان ہے یہ چوتھی دیوار قفقازیا کوہ قوقا کے قریب ہے جیسا کہ ابن خلدون کے بیان سے معلوم ہوا بعض اہل تاریخ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہی ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جو دیوار لوہے تانبے کی بنی ہوئی نہیں ہے وہ بہر حال حضرت ذوالقرنین کی بنائی ہوئی نہیں ہے یاقوت حموی نے معجم البلدان میں سد یاجوج ماجوج کا عنوان قائم کیا ہے اور اس میں تین صفحات خرچ کئے ہیں اور بہت سی عجیب باتیں لکھی ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ واثق باللہ نے سلام کو اور پچاس آدمیوں کو اس کے ہمراہ بھیجا اور پچاس ہزار دینار بھی دیئے راستے میں فلک الحزر نے پانچ رہبر ساتھ کر دیئے۔ چلتے چلتے ایسی جگہ پر پہنچے جہاں ایک چکنا پہاڑ تھا اور اس کے درمیان ایک ایسی وادی کا درہ تھا جس کا چوڑاؤ ایک سو پچاس ہاتھ تھا وہاں ایک دیوار بنی ہوئی تھی جس نے وادی کے دونوں جانب کو ملا رکھا تھا اور یہ دیوار لوہے کی اینٹوں کی تھی جو تانبے کے اندر غائب کی ہوئی تھی اسکی اونچائی پچاس ہاتھ تھی اور وہاں ایک لوہے کا دروازہ بھی تھا جس پر قفل پڑا ہوا تھا وہاں سے یہ لوگ شہر سر من رای تک واپس آگئے یہ ان کا آٹھ ماہ کا سفر تھا۔ یہ ساری باتیں لکھنے کے بعد علامہ یاقوت لکھتے ہیں (میں نے سد ذوالقرنین کے بارے میں وہ لکھ دیا ہے جو کتابوں میں لکھا ہوا پایا اور اس میں سے میں کسی چیز کے بارے میں صحیح ہونے کا یقین نہیں کرتا کیونکہ روایات مختلف ہیں اور صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سد ذوالقرنین موجود ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے)

مفسر ابن کثیر نے بھی واثق باللہ کے بھیجے ہوئے اس وفد کا ذکر کیا ہے اور مورخ ابن خلدون نے صفحہ ۷۹ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی صفحہ ۴۲ ج ۱۶ فرماتے ہیں کہ **ثقات المورخین علی تضعیفه** پھر لکھتے ہیں **وانه عندی کذب لما فیه مما تابی عنه الآیة کما لا یخفی علی الواقف علیه تفصیلا** (میرے نزدیک یہ قصہ جھوٹ ہے کیونکہ اس میں وہ باتیں ہیں جو آیت کریمہ کی تصریح کے موافق نہیں ہیں جیسا کہ تفصیلی طور پر واقفیت رکھنے والے پر پوشیدہ نہیں) دور حاضر کے غیر مسلم مولفین جو ریسرچ کے نام سے کچھ نہ کچھ مخلوقات کی ٹوہ لگاتے ہیں اور جتنا معلوم ہو جائے اس کے علاوہ باقی کی نفی کر دیتے ہیں یہ ان لوگوں کی جہالت ہے ان کا یہ کہنا کہ ہم بر اور بحر میں سب جگہ پھر چکے ہیں یہ دیوار نہیں ملی اس سے دیوار مذکور کا موجود نہ ہونا لازم نہیں آتا یہ ان

لوگوں کا عدم العلم ہے جو علم العدم کو مستلزم نہیں۔ ہر جگہ پہنچ جانے کا دعویٰ ہی نا قابل قبول ہے امریکہ' آسٹریلیا کے ظاہر ہونے سے پہلے انسان یہی سمجھتا تھا کہ ایشیا' افریقہ اور یورپ کے علاوہ کوئی براعظم نہیں ہے۔ پھر غلطی سے کولمبس امریکہ کے کنارے پر پہنچ گیا تو اسے ہندوستان سمجھ کر اتر گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہندوستان نہیں بلکہ یہ ایک مستقل براعظم ہے پھر عرصہ دراز کے بعد آسٹریلیا کا ظہور ہوا اسی طرح سے یاجوج ماجوج کا علاقہ اور دیوار ذوالقرنین کا ان مفتشین کا علم نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کا وجود ہی نہیں ہے۔

دیوار مذکور کہاں ہے اور یاجوج ماجوج کا کونسا علاقہ ہے اس کے جاننے پر کوئی اسلامی عقیدہ موقوف نہیں اور قرآن کی کسی آیت کا سمجھنا بھی اس پر موقوف نہیں ہے مومن کا کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر پر ایمان لائے

(واللہ الهادی الی سبیل الرشاد)

یاجوج ماجوج غیر عربی کلمات ہیں: یاجوج ماجوج کے بارے میں صاحب روح المعانی اور دیگر مفسرین مورخین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں' لفظ یاجوج ماجوج کیا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض محققین کا فرمانا ہے کہ کوہ قفقاز کے پیچھے یہ دونوں قبیلے رہتے ہیں ایک کا نام اقوق اور دوسرے کا نام ماقوق ہے۔ اہل عرب نے اس کو معرب کر لیا ہے پہلے لفظ کو یاجوج اور دوسرے لفظ کو ماجوج بنالیا ہے اصل عجمی لفظ کیا تھا اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ کسی نے گاگ اور میگاگ کا معرب بتایا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ کاس اور میکاس کا معرب ہے' کسی نے چین اور ماچین کو اصل لفظ بتایا ہے۔ جو بھی صورت حال ہو اتنا تو واضح ہے کہ یہ دونوں کلمات معرب ہیں عربی نہیں ہیں ان میں جو عدم انصراف ہے وہ عجمیت اور علم کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی بعض مورخین نے احتمال پیدا کیا ہے کہ یہ اجج اور مجج سے مشتق ہیں یہ نکتہ بعد الوقوع معلوم ہوتا ہے جو لوگ ان دونوں کلمات کے عربی ہونے کے قائل ہیں جب ان کے سامنے غیر منصرف ہونے کا سوال آیا تو انہوں نے علمیت اور تانیث دو سبب مان لئے اور یوں فرمادیا کہ تانیث قبیلہ کے اعتبار سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فائدہ: صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور سب سے زیادہ دوزخ میں جانے والے یہی ہیں اس پر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایۃ والنہایۃ میں یہ اشکال کیا ہے کہ جب ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا تو وہ دوزخ میں کیسے جائیں گے پھر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو بھی کوئی شخص یا جماعت عذاب میں مبتلا ہوگی سب کے پاس کوئی نہ کوئی رسول ضرور بھیجا گیا ہے (البتہ اس رسول کے معنی میں عموم ہے خواہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول پہنچا ہو خواہ اس کے رسولوں میں سے کسی کا بھیجا ہوا قاصد آیا ہے) اور کسی جگہ رسول کا پہنچنا یا ان کے کسی قاصد کا پہنچنا ہمارے علم میں ہونا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کہاں کہاں ہے اسے اپنی مخلوق کا علم ہے اور اپنی مخلوق پر کس طرح پر حجت قائم فرمائی ہے وہ اس کو جانتا ہے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

سو کیا پھر بھی کافروں کو یہ خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں بلا شبہ ہم نے کافروں کے لئے

جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؕ ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ

دوزخ کو مہمانی طور تیار کررکھا ہے آپ فرمادیجئے کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتادیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی

سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

کوشش دنیاوی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾

اپنے رب کی آیت کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا سو ان کے اعمال حبط ہوگئے سو ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے،

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

یہ ان کی سزا ہوگی یعنی دوزخ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق بنالیا بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ

اور نیک کام کئے ان کی مہمانی فردوس کے باغ ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے وہ کہیں جانا نہ

عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

چاہیں گے۔

کافر سب سے بڑے خسارہ میں ہیں، ان کی سعی بیکار ہے، اعمال حبط ہیں اور بے وزن ہیں

تفسیر: سورہ کہف ختم ہونے کے قریب ہے آیات بالا میں اولاً کافروں کو ان کے کفریہ اعمال پر تنبیہ فرمائی اور آخرت میں ان کے عذاب سے باخبر کیا۔ پھر اہل ایمان کے انعامات کا تذکرہ فرمایا۔

کافروں کے بارے میں فرمایا کہ انہیں پہلے سے بتادیا گیا ہے کہ کفر کا انجام برا ہے، ان کے لئے دوزخ ہے پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں اور شرک اختیار کئے ہوئے ہیں میرے بندوں کو اپنا کارساز بنارکھا ہے اور اس کو اپنے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ کفر اور شرک کو بہتر سمجھنا حماقت اور جہالت ہے۔ کافروں کے لئے ہم نے جہنم کو تیار کررکھا ہے۔ اسی سے ان کی مہمانی ہوگی۔

کافروں کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے بہت سے تو ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے قائل نہیں اور دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں اور اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن شرک میں لگے ہوئے

ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو دین بھیجا ہے اسے نہیں مانتے دوسرے دینوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان میں بعض وہ بھی ہیں جو عبادت کے عنوان سے بڑی بڑی محنتیں اور ریاضتیں کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو دنیا ہی پر پلے پڑے ہیں ان لوگوں کی دنیاوی محنتیں اور مذہبی ریاضتیں سب برباد ہیں یہ لوگ اعمال کے اعتبار سے بدترین خسارہ میں ہیں کیونکہ آخرت میں ان اعمال پر کچھ نہیں ملنا' نتیجہ تو یہ ہوگا کہ نہ صرف انعامات سے محروم ہوں گے بلکہ عذاب میں پڑیں گے اور وہ سمجھ یوں رہے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اسکی ملاقات یعنی قیامت کے دن کا انکار کیا سو ان کے سب اعمال حبط یعنی غارت ہوں گے ان پر انہیں کچھ نہیں ملے گا)

فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا (سو ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے دن) بعض لوگ بڑے (اور) موٹے تازے نظر آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (میری تائید کے لئے) تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا (صحیح بخاری صفحہ ۶۹۱ ج ۲) حضرات علماء کرام نے اس کا ایک مطلب تو یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی' اور بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ ان کے لئے ترازو ہی نصب نہیں کی جائے گی۔ یعنی ان لوگوں کے اعمال تولے ہی نہیں جائیں گے اور کافر دوزخ میں بغیر حساب چلے جائیں گے' اعمال ان کے تولے جائیں گے جو کامل مومن تھے اور جو ریاکار اور منافق تھے' اُن اعمال کے بارے میں مفسرین کے اقوال ہم سورۂ اعراف کی آیت وَالۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ الۡحَقُّ کی تفسیر میں لکھ آئے ہیں مراجعت کر لی جائے۔

حدیث شریف میں لفظ العظیم السمین وارد ہوا ہے اس کا ظاہری ترجمہ تو وہی ہے جو ظاہری الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ بڑے اور موٹے تازے لوگ آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ اس میں جو لفظ العظیم ہے اس سے دنیاوی پوزیشن اور عہدہ اور مرتبہ مراد ہے بڑے بڑے عہدوں والے' بادشاہ صدر' مالدار' جائیداد والے' میدان قیامت میں آئیں گے وہاں ان کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگی۔

صدر صاحب دنیا سے سدھارے' منصف صاحب اپنی زندگی سے ہارے' وزیر صاحب چل بسے' لوگ کوٹھیوں پر جمع ہیں۔ نعش پر ہوائی جہاز سے پھول برسائے جا رہے ہیں۔ اخبارات میں سیاہ کالم چھپ رہے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی سے موت کی خبریں نشر ہو رہی ہیں لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی موت بڑی قابل رشک ہے دنیا کا تو یہ حال ہے لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ مرنے والا مومن ہے یا کافر' صالح ہے یا فاسق و فاجر' اگر کفر پر مرا ہے تو ہمیشہ کے لئے بڑے دردناک عذاب میں جا رہا ہے۔ قیامت تک برزخ میں مبتلائے عذاب رہے گا۔ پھر قیامت کے دن جو پچاس ہزار سال کا ہوگا مصیبتوں میں مبتلا ہوگا۔ پھر دوزخ میں داخل ہوگا جس کی آگ دنیاوی آگ سے انہتر گناہ زیادہ گرم ہے اس میں سے کبھی بھی نکلنا نہ ہوگا۔ بحکم خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا بھلا ایسے شخص کی موت و حیات کیسے قابل رشک ہو سکتی ہے؟ یہ ہوائی جہازوں کے پھول برزخ کے مبتلائے عذاب کو کیا نفع دیں گے؟ اور اخبارات کے اداریے نیز ٹی وی اور

ریڈیو کے اعلانات کیا فائدہ مند ہوں گے؟ خوب غور کرنے کی بات ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کو نہ مانا اسکی آیتوں کا انکار کیا قیامت کے دن کی حاضری کو جھٹلایا محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابی کو بڑی معراج سمجھتے رہے یہ لوگ جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو کفر اور حب دنیا اور دنیا کی کوششیں ہی ان کے اعمال ناموں میں ہوں گی وہاں یہ چیزیں بے وزن ہوں گی اور دوزخ میں جانا پڑے گا۔ اس وقت آنکھیں کھلیں گی اور سمجھ لیں گے کہ سراسر ناکام رہے۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین و کفار جو دنیا کی زندگی میں اپنے خیال میں نیک کام کرتے ہیں مثلاً پانی پلانے کی جگہ کا انتظام کرتے ہیں اور مجبور کی مدد کر گزرتے ہیں یا اللہ کے ناموں کا ورد رکھتے ہیں الیٰ غیر ذلک اس قسم کے کام نجات نہ دلائیں گے۔ ہندوؤں کے سادھو جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں اور مجاہدہ کر کے نفس کو مارتے ہیں اور نصاریٰ کے راہب اور پادری جو نیکی کے خیال سے شادی نہیں کرتے ان کے تمام افعال بے سود ہیں آخرت میں کفر کی وجہ سے کچھ نہ پائیں گے۔ کافر کی نیکیاں مردود ہیں وہ قیامت کے روز نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوں گے۔

سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۣاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ یعنی کافروں کو اگر اپنی نجات کے متعلق یہ خیال ہو کہ ہمارے اعمال ہم کو نفع دیں گے تو اس کے متعلق سن لیں کہ جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے کچھ راکھ ہو جسے تیز آندھی کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے۔ (کہ اس صورت میں اس راکھ کا نام و نشان نہ رہے گا) اس طرح ان لوگوں نے جو عمل کئے تھے ان کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا (بلکہ راکھ کی طرح سب ضائع و برباد ہو جائیں گے اور کفر و معاصی ہی قیامت کے روز ساتھ ہوں گے) یہ بڑے دور دراز کی گمراہی ہے (کہ گمان تو یہ ہے کہ ہمارے عمل نافع ہوں گے اور پھر ضرورت کے وقت کچھ کام بھی نہ آئیں گے)

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا (یہ ان کی سزا ہے یعنی دوزخ جو ان کے کفر کی وجہ سے ہے) انہوں نے دین حق قبول نہیں کیا اور کفر میں مزید ترقی کر گئے (کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا اور اس کے رسولوں کا مذاق بنایا)

ایمان اور اعمال صالحہ والے جنت الفردوس میں ہوں گے: کافروں کی سزا بتانے کے بعد اہل ایمان کے انعامات کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کی مہمانی فردوس کے باغات ہوں گے) لفظ جنات جنت کی جمع ہے عربی زبان میں جنت باغ کو کہتے ہیں اور فردوس کے بارے میں علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ وہ رومی یا عبرانی زبان میں باغ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حبشی زبان میں فردوس گھنے باغ کو کہتے ہیں جس میں درخت خوب زیادہ ہوں اور آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں۔ یہ اقوال روح المعانی صفحہ ۵۰ ج ۱۶ میں نقل کئے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اعلیٰ حصہ ہے اور

اس پر رحمٰن جل جلالہ کا عرش ہے اور اس سے چاروں نہریں نکلتی ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۳۹۱ ج ۱) معلوم ہوا کہ فردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس پر صاحب روح المعانی نے یہ اشکال کیا ہے کہ اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے اگر سبھی فردوس میں چلے جائیں تو فرق مراتب ہی کیا رہا۔ پھر اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ بہت ساری جنتوں میں ایک جنت الفردوس بھی ہے۔ اور جنات کی اضافت جو الفردوس کی طرف ہے یہ ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے (کیونکہ سبھی جنتیں ایک دوسرے سے متصل ہیں اور سب سے اوپر جنت الفردوس ہے اور اضافت کے لئے اتنا تعلق اور ملابست کافی ہے) لیکن صاحب بیان القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اشکال کو رفع کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ لفظ فردوس سے مطلق جنت یعنی بہشت مراد ہے۔ اور جنات باغوں کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس بہشت کا اہل ایمان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ اس بہشت کے باغوں میں ہوں گے۔ یہ مفہوم لینے سے جنات الفردوس بہشت کے تمام درجات کو شامل ہو جاتا ہے اور اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا اہل ایمان اعمال صالحہ والے مذکورہ جنتوں میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے وہاں سے کہیں جانا نہ چاہیں گے کیونکہ اس سے بہتر کہیں بھی کوئی جگہ کبھی بھی نہ ہوگی اور وہاں سے نکالے بھی نہ جائیں گے۔ سورہ حجر میں فرمایا ہے لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (نہ انہیں وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے)۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے۔ اگرچہ ہم ان سمندر میں

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ

بڑھانے کے لئے اسی جیسا دوسرا سمندر لے آئیں آپ فرما دیجئے کہ میں تو بشر ہی ہوں تمہارا جیسا میری طرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو جو شخص

كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

اپنے رب کی ملاقات کی آرزو رکھتا ہو سو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے

اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور کمالات غیر متناہی ہیں

تفسیر: سورت کے ختم پر توحید اور رسالت اور معاد کا اجمالی تذکرہ فرمایا اور ایسے کاموں کی ترغیب دی جو آخرت میں مفید اور کامیابی کا ذریعہ ہوں گے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے اوصاف اور کمالات بے انتہا ہیں اگر ان کلمات کو لکھنے کے لئے ایک سمندر کو روشنائی کی جگہ استعمال کیا جائے تو ان اوصاف و کمالات کا بیان ختم نہ ہوگا اس سمندر کے ساتھ اگر ایک اور سمندر بھی ملا لیا جائے اور اسکو بھی بطور روشنائی استعمال کیا جائے تب بھی اسکے اوصاف الٰہیہ اور کمالات غیر متناہیہ ختم نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ اگر ساتوں سمندروں کو بھی روشنائی کی جگہ استعمال کر لیا جائے اور دنیا

میں جتنے بھی درخت ہیں ان سب کے قلم بنالئے جائیں اور ایک سمندر میں ساتوں سمندر ملا دیئے جائیں تو ان قلموں سے اور ان سمندروں کی روشنائی سے اللہ جل شانہ کے کمالات واوصاف کا احاطہ نہیں ہو سکے گا۔ (کما قال تعالٰی فی سورۃ لقمان وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ -الآیۃ) اور یہ سات سمندر بھی بطور فرض کے ہیں غیر متناہی اقلام اور غیر متناہی سمندر ہوں تب بھی خالق کائنات جل مجدہ کے اوصاف وکمالات کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ متناہی غیر متناہی کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

اس مضمون میں اللہ جل شانہ کی توحید بیان فرمائی جب اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور کمالات غیر متناہی ہیں اور کسی وصف میں اس کا کوئی شریک نہیں تو اس کے سوا کسی دوسرے کو معبود بنانا سراپا عقل کے خلاف ہے۔

بشریت رسالت ونبوت کے منافی نہیں: پھر فرمایا قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ آپ فرما دیجئے کہ میں تمہارا ہی جیسا بشر ہوں (کوئی فرشتہ نہیں ہوں تم ہی میں رہتا سہتا ہوں کوئی ایسی بات نہیں کہتا جس سے تمہیں وحشت ہو) البتہ یہ بات ضرور کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ پاک کی طرف سے وحی آتی ہے۔ جس میں مجھے یہ بتایا گیا ہے اور تمہیں بھی بتاتا ہوں کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ یہ بات کوئی ناراض ہونے متنفر ہونے کی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت سے سرفراز فرمادیا اور میرے ذریعہ تمہیں بھی بتادیا کہ صرف معبود حقیقی کی عبادت کرو (اس میں توحید ورسالت دونوں کا اثبات ہے)۔

جسے اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہو وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے

پھر فرمایا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا محبوب مقرب بن کر میدان قیامت میں حاضر ہو تو نیک کام کرے جس میں سارے نبیوں اور خاص کر خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی شریعت کے مطابق عمل کرنا بھی شامل ہے۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے)
مشرک اور کافر کی نجات نہیں وہ اپنے خیال میں کیسے ہی نیک کام کرے اس آخری آیت میں وقوع قیامت کے عقیدہ کی بھی تلقین فرمادی اور یہ بھی بتادیا کہ وہاں وہ اعمال صالحہ کام دیں گے جن میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔

والحمد للہ علی ان تم تفسیر سورۃ الکھف بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ
فی العشر الاواخر من شوال المکرم ۱۴۱۴ھ من ھجرۃ خاتم الانبیاء ﷺ
والحمد للہ اولا و آخرا و ظاھرا وباطنا

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورہ مریم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ

کھیعص یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر فرمائی جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طریقہ پر پکارا عرض کیا کہ اے

رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾

میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور میرے سر میں بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی پھیل گئی اور میں آپ سے دعا مانگنے میں کبھی ناکام نہیں رہا

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾

اور بلاشبہ مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ ہے اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک ولی عطا فرما دیجئے جو میرا وارث بنے

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ

اور یعقوب کی اولاد کا بھی اور اے رب آپ اسے پسندیدہ بنا دیجئے اے زکریا بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں اس کا

اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ

نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا عرض کیا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہو گا اور حال یہ ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے

امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں فرمایا یوں ہی ہو گا، تمہارے رب کا فرمان ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور میں نے

وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

تمہیں اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ

النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

تم لوگوں سے تین رات بات نہ کر سکو گے۔ حالانکہ تم تندرست رہو گے سو وہ محراب سے اپنی قوم پر نکلے اور ان کو اشارہ سے فرمایا کہ صبح شام اللہ کی تسبیح

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

میں مشغول رہو۔ اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ہم نے ان کو بچپن میں حکم دے دیا اور ان کو اپنے پاس سے رقت قلبی کی صفت اور پاکیزگی عطا فرمائی

وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ

اور وہ پرہیزگار تھے اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے اور وہ سرکشی کرنے والے نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان پر اللہ کا سلام ہو جس دن پیدا ہوئے

وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾

اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے

بیٹے کے لئے زکریا علیہ السلام کی دعا اور یحییٰ علیہ السلام کی ولادت

تفسیر: حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے جب ان کی عمر خوب زیادہ ہوگئی بال اچھی طرح سفید ہوگئے تو یہ خیال ہوا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب توریت شریف کو اور دینی علوم و اعمال کو کون سنبھالے گا اور ان کی تبلیغ و ترویج میں کون لگے گا خاندان میں جو لوگ تھے ان سے اندیشہ تھا کہ دین کو ضائع کر دیں' چونکہ اب تک ان کے ہاں کوئی ایسا لڑکا نہ تھا جو آپ کے علوم اور حکمت اور اعمال دینیہ کا وارث ہوتا لہٰذا انہوں نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں خفیہ طور سے دعا کی (جیسا کہ دعا کا ادب ہے) کہ اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں سر میں خوب سفیدی آ گئی (اندازہ ہے کہ اب میر اچل چلاؤ ہے) اگر میں اسی حالت میں دنیا سے چلا گیا کہ کوئی میرا دینی وارث نہیں ہے اور ساتھ ہی مجھے اپنے موالی (یعنی چچا کے بیٹوں) سے خوف ہے کہ وہ دین کو محفوظ نہ رکھیں گے تو دینی علوم و اعمال کا بقا کس طرح رہے گا؟ لہٰذا آپ مجھے ایک بیٹا عنایت فرمایئے جو میرا ولی ہو وہ میرا بھی وارث ہو اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا بھی وارث ہو اور آپ اس سے راضی ہوں میرے بڑھاپے کا تو یہ حال ہے جو اوپر بیان کیا اور میری بیوی بانجھ ہے تاہم مجھے آپ بیٹا عطا فرما ہی دیں اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا کہ میں کبھی دعا کر کے محروم نہیں رہا آپ نے ہمیشہ میری دعا قبول فرمائی ہے یہ دعا بھی قبول فرمائیے اپنی میراث سے میراث نبوت اور میراث علم مراد ہے اور آل یعقوب کی میراث سے دینی سیادت مراد ہے حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبی تو تھے ہی اپنے زمانہ کے احبار کے سردار بھی تھے مطلب یہ تھا کہ یہ علمی اور عملی سرداری جو ہمارے خاندان میں جاری ہے یہ باقی رہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل والمعنی انه خاف تضییع بنی عمه دین الله وتغییر احکامه علی ما کان شاهده من بنی اسرائیل من تبدیل الدین وقتل الأنبیاء فسأل ربه ولدا صالحا یأمنه علی امته ویرث نبوته وعمله لئلا یضیع الدین (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنے چچازاد بنی اسرائیل کے ہاتھوں دین کو ضائع کرنے اور اس کے احکام کو تبدیل کرنے کا خوف تھا۔ جیسا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو دین تبدیل کرتے دیکھا اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے دیکھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایک نیک صالح بیٹا مانگا جو امت پر امین ہو اور ان کی نبوت و عمل کا وارث بنے تاکہ دین ضائع نہ ہو) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور بشارت دیدی کہ ہم تمہیں ایسا لڑکا دیں گے جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام پیدا نہیں کیا۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا کا ترجمہ بعض مفسرین نے شبیھا و مثیلا کیا ہے کہ اس سے پہلے ہم نے اس جیسا لڑکا پیدا نہیں کیا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے سید اور حضور ہونا مراد ہے جس کا سورہ آل عمران میں ذکر ہے۔

بیٹے کی بشارت ملنے پر تعجب کرنا: جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیدی اور بیٹے کا نام بھی بتا دیا تو عرض کیا اے میرے رب میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا میری بیوی تو بانجھ ہے اور میرا بڑھاپا انتہا

درجہ کو پہنچ چکا ہے' یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ جانتے ہوئے کہ میں بہت بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی دعا مانگی تھی پھر جب دعا قبول ہوگئی تو اب تعجب کیوں کر رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرات مفسرین کرام نے کئی باتیں لکھی ہیں اول یہ کہ ان کا سوال حصولِ ولد کی کیفیت سے تھا کہ مجھے اسی عورت سے اولاد عطا ہوگی یا دوسری کوئی جوان عورت سے نکاح کرنا ہوگا' دوم یہ کہ یہ تعجب بشریت کے فطری تقاضے کے اعتبار سے ان کی زبان سے ظاہر ہوگیا قدرت الٰہی کو کامل جانتے ہوئے بھی اس قسم کے مواقع پر انسان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں سوم بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ غایت اشتیاق کی وجہ سے انہوں نے سوال کرلیا تا کہ خدائے پاک کی طرف سے دوبارہ بشارت کا اعادہ ہو اور قلبی لذت میں اضافہ ہو جائے۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے یہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ صورت حال اس طرح سے ہے تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کَذٰلِکَ یہ بات اسی طرح ہے یعنی واقعی تمہارے یہاں بیٹا ہوگا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے یہ میرے لئے آسان ہے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے اولاد پیدا کردوں تم یہ بھی تو خیال کرلو کہ میں نے تمہیں پیدا کیا جبکہ تم کچھ بھی نہیں تھے' جس طرح تمہیں عدم سے وجود بخش دیا تو اب تم سے اولاد پیدا کردینا یہ کون سی تعجب کی بات ہے حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی نشانی مقرر فرما دیجئے جس سے مجھے پتہ چل جائے کہ میری بیوی کو استقرار حمل ہو چکا ہے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کے لئے یہ نشانی مقرر فرما دی کہ تم اچھے خاصے ٹھیک تندرست ہوتے ہوئے (نہ مریض ہوگے نہ گونگے ہوگے) تین دن تین رات تک کسی سے بات نہیں کرسکو گے تین رات کا ذکر تو یہاں سورہ مریم میں ہے اور تین دن کا ذکر سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے وہاں اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا فرمایا ہے یعنی زبان سے تو نہیں اشارہ سے بات کرسکو گے ہاتھ یا سر کا اشارہ کرنے پر تو قدرت ہوگی لیکن زبان سے بات نہ کرسکو گے سورہ آل عمران میں یہ بھی ہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے بات نہ کرسکو گے البتہ اللہ کے ذکر پر قدرت ہوگی اللہ کو کثرت کے ساتھ یاد کرنا اور صبح شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صبح شام سے اوقات نماز کی پابندی مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صبح شام کنایہ ہے جمیع اوقات سے یعنی ہر وقت اللہ کی تسبیح میں مشغول رہو۔

سورہ انبیاء میں فرمایا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ کہ ہم نے زکریا کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ (بیٹا) عطا فرما دیا اور اس کی بیوی کو درست کردیا یعنی ولادت کے قابل بنا دیا اللہ تعالیٰ خالق الاسباب اور خالق المسببات ہے وہ اسباب بھی پیدا فرماتا ہے اور اسباب کے بغیر بھی اسے ہر چیز کی تخلیق پر قدرت ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا سو زکریا علیہ السلام اپنی قوم پر نکلے یعنی محراب سے باہر آئے عام طور سے نمازی ان کے انتظار میں رہتے تھے جب وہ دروازہ کھولتے تو اندر داخل ہو جاتے اور ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور روزانہ صبح شام ایسا ہوتا تھا اپنی بیوی کے استقرار حمل کے بعد حسب عادت

محراب کا دروازہ کھولا تو لوگ موجود تھے وہ حسب سابق اندر داخل ہو گئے لیکن آج صورت حال مختلف تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام کلام نہیں کر سکتے تھے۔ بولنے پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اشارہ سے فرمادیا کہ صبح شام حسب سابق نماز پڑھتے رہو (معالم التنزیل صفحہ ۱۹۰ ج ۳)

لفظ محراب سے اپنے اس زمانہ کی معروف محراب نہیں ہے مطلق نماز کی جگہ یا حجرہ مراد ہے اسی لئے بعض اکابر نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ وہ اپنے حجرہ سے نکلے اور یہ ترجمہ سورہ آل عمران کی آیت کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ کے مطابق ہے اور دوسرا ترجمہ یعنی نماز کی جگہ آل عمران کی دوسری آیت فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ کے موافق ہے لفظ محراب حرب سے بمعنی جنگ مفعال کے وزن پر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عبادت کی جگہ کو محراب اس لئے کہا جاتا ہے کہ عبادت کرنے والا گویا اس میں شیطان سے جنگ کرتا ہے (یعنی شیطان کے وسوسوں اور اس کے مزین کیے ہوئے اعمال کو پس پشت ڈال کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور شیطان دیکھتا ہی رہ جاتا ہے)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ و اخلاق عالیہ: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لے لو) مفسرین نے فرمایا کہ اس سے توریت شریف مراد ہے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام توریت شریف پر ہی عامل تھے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے۔ یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا (الآیۃ)

لفظ بقوۃ میں خوب اچھی طرح یاد رکھنا بھی آ گیا اور عمل کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حضرت زکریا علیہ السلام کے واسطہ سے خطاب فرمایا پھر فرمایا وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (اور ہم نے یحییٰ کو بچپن ہی کی حالت میں حکم عطا فرمادیا) حکم سے بعض حضرات نے نبوت مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو بچپن ہی میں نبوت سے سرفراز فرمادیا اور یہ ان کی خصوصیت ہے کیونکہ عموماً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر ہو جانے پر نبوت دی جاتی تھی اگر اس قول کو لیا جائے کہ انہیں بچپن ہی میں نبوت دے دی گئی تھی تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ کا خطاب حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ ہوا۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حکم سے فہم کتاب مراد ہے اور بعض حضرات نے حکم بمعنی حکمت اور بعض حضرات نے بمعنی فراست صادقہ لیا ہے (کما ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۷۲ ج ۱۶)

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا (اور یحییٰ کو ہم نے اپنے پاس سے رقت قلبی عطا فرمادی) یہ رقت قلبی مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش آنے اور انہیں صراط مستقیم پر لگانے اور اعمال صالحہ پر ڈالنے میں مفید ہوتی ہے اس بارے میں جو مخلوق سے تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

وَزَکٰوةً (اور اس بچہ کو ہم نے پاکیزگی عطا کی) یہ لفظ زکوٰۃ کا ترجمہ ہے لفظ زکوٰۃ کا اصل معنی پاکیزہ ہونے کا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر اسکی تفسیر میں فرمایا الطاعۃ والاخلاص کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کو اپنی

فرمانبرداری اور اخلاص فی الاعمال کی نعمت عطا فرمائی اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے عمل صالح مراد ہے اور مفسر کلبی نے اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے صدقۃ تصدق اللّٰہ بھا علی ابویہ (یعنی یحییٰ علیہ السلام کی شخصیت اللہ کی طرف سے ایک صدقہ ہے جو کہ ماں باپ کو عطا فرمایا)

وَكَانَ تَقِيًّا۔ اور یحییٰ علیہ السلام تقی تھے اس لفظ میں تمام اعمال خیر کو اخلاص کے ساتھ اور پوری فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرنا اور چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ رہنا داخل ہو جاتا ہے مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور گناہ کا کوئی ذرا سا ارادہ بھی نہیں کیا۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ (اور ہم نے یحییٰ کو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والا بنایا) وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا (اور اللہ نے ان کو جبار یعنی متکبر نہیں بنایا اور عصی یعنی نافرمان نہیں بنایا)

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا (اور یحییٰ پر اللہ کا سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن وہ زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے)

لفظ یَمُوتُ صیغہ مضارع اس وقت کے اعتبار سے ہے جب وہ پیدا ہوئے تھے مستقبل کا ترجمہ دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تین مواقع (یعنی ولادت کا دن اور موت کا وقت اور قبروں سے نکلنے کا وقت) انسان کے لئے توحش کے موقع ہوتے ہیں ان تینوں مواقع کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے بطور خوشخبری کے فرمادیا کہ ان میں باسلامت رہنے والے ہیں۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ

اور کتاب میں مریم کو یاد کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسی جگہ چلی گئی جو مشرق کی جانب تھا پھر اس نے ان لوگوں سے ورے

حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ

ایک پردہ ڈال لیا سو ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیج دیا جو اس کے سامنے صحیح سالم آدمی بن کر ظاہر ہو گیا مریم نے کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو

مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ أَنَّىٰ

اللہ سے ڈرنے والا ہے فرشتے نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں مریم نے کہا کہ

يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۖ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ

میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں بدکار ہوں فرشتہ نے کہا یوں ہی ہوگا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ

هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ

مجھ پر آسان ہے اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں' اور یہ ایسی بات ہے

بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ

جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہو گئی لہٰذا وہ اس حمل کو لئے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی سو درد زہ اسے کھجور کے تنے کے پاس لے آیا وہ کہنے لگی ہائے کاش میں اس سے

قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ

پہلے مر گئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہو جاتی' سو اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ تو غمگین مت ہو تیرے رب نے

تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ

تیرے نیچے ایک نہر پیدا فرما دی ہے اور تو کھجور کے تنے کو اپنی جانب حرکت دے جس سے تجھ پر پکی تیار کھجوریں گریں گی سو تو کھا اور پی

وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ

اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر' سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے

صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾

لہٰذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ

تفسیر: سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے کہ جناب عمران کی بیوی نے نذر مانی تھی' کہ میرے اولاد ہو گی تو اسے بیت المقدس کی خدمت میں لگا دوں گی اور خواہش یہ تھی کہ لڑکا پیدا ہو اور اسی لئے منت مانی تھی جب ولادت ہوئی تو لڑکی پیدا ہوئی اس لڑکی کا نام مریم رکھا چونکہ یہ لڑکی ایک نیک عورت کی نیک نیت پر پیدا ہوئی تھی اس لئے اس کا نام مریم رکھا جس کا معنی ہے عابدہ' اور ان کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی ہونے کی وجہ سے مسجد کی خدمت کے لئے نہیں تو عبادت ہی کے لئے سہی اپنی اس نذر کی وجہ سے وہ بچی کو بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں وہاں کے رہنے والوں نے اس بچی کی کفالت میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں جھگڑے کو نبٹانے کے لئے آپس میں قرعہ ڈالا تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا لہٰذا انہوں نے مریم کو اپنی کفالت میں لے لیا وہ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رہنے لگیں، بیت المقدس میں ان کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا تھا جو بلندی پر تھا اور اس میں زینہ سے چڑھتے

اور اترتے تھے اللہ تعالیٰ نے مریم کا خوب اچھے طریقے سے نشو و نما فرمایا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔
جب حضرت مریم بڑی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان کو بشارت دی کہ تمہیں ایک بیٹا دیا جائے گا جس کا نام مسیح ہوگا وہ دنیا و آخرت میں وجیہ ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا اور وہ گہوارہ میں اور بڑی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

حضرت مریم علیہا السلام کا پردہ کا اہتمام اور اچانک فرشتہ کے سامنے آجانے سے فکر مند ہونا

اس تفصیل کو سامنے رکھ کر اب یہاں سورۂ مریم کی تصریحات کو ذہن نشین کیجئے وہ ایک دن اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر گھر کے مشرقی جانب ایک جگہ چلی گئیں صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ دن سخت سردی کا تھا وہاں دھوپ میں بیٹھ گئیں اور سر کی جوئیں نکالنے لگیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ غسل کرنے کیلئے بیٹھی تھی فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا سے اس دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے، اس علیحدہ جگہ میں پردہ ڈال کر بیٹھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا گیا (فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا) حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک صحیح سالم انسان کی صورت میں ان کے سامنے کھڑے ہو گئے حضرت مریم پاک باز عفت دار اور عصمت والی خاتون تھیں وہ انہیں دیکھتے ہی گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ تو کون ہے جو تنہائی میں یہاں پہنچا؟ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تیری صورت شکل تو یہ بتا رہی ہے کہ تو متقی آدمی ہوگا متقی کا کیا کام کہ وہ تنہائی میں کسی ایسی عورت کے پاس آئے جس کے پاس آنا حلال نہیں، میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور تو بھی اپنے تقویٰ کی لاج رکھ اور یہاں سے چلا جا۔

فرشتہ کا بیٹے کی خوشخبری دینا اور حضرت مریم کا متعجب ہونا

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے اللہ کی طرف سے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ اس پر حضرت مریم علیہا السلام نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ نہ تو مجھے کسی ایسے شخص نے چھوا ہے جس کا چھونا حلال ہو (یعنی شوہر) اور نہ میں فاجرہ عورت ہوں بچہ تو شوہر کی حلال مباشرت سے یا کسی زانی کے زنا سے پیدا ہوتا ہے، اور یہاں تو دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں لہٰذا میرے اولاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرشتہ کا جواب دینا کہ اللہ کے لئے سب کچھ آسان ہے

سورۂ آل عمران کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے فرشتوں نے انہیں لڑکا ہونے کی بشارت دی تھی اور اس وقت بھی انہوں نے یہی کہا تھا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں وہاں ان کی بات کا جواب

یوں نقل کیا ہے۔ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا لہٰذا وہ ہو جاتا ہے)

اور یہاں فرشتہ کا جواب یوں ذکر فرمایا ہے قَالَ كَذٰلِكِ (فرشتے نے کہا یوں ہی ہوگا) قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ (تیرے رب نے فرمایا ہے وہ مجھ پر آسان ہے) جس نے بغیر ماں باپ کے آدم علیہ السلام کو اور بغیر ماں کے حضرت حوا کو پیدا فرما دیا اس کے لئے بغیر باپ کے پیدا فرمانا کیا مشکل ہے؟ اس کے لئے سب کچھ آسان ہے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ آل عمران اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الاٰية۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ بھی فرشتہ کے کلام کا تتمہ ہے فرشتے نے مزید کہا کہ (تیرے رب نے یوں بھی فرمایا ہے کہ ہم اس بچہ کو لوگوں کے لئے نشانی اور باعث رحمت بنا دیں گے) اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہوگی کہ وہ بغیر اسباب عادیہ کے بھی پیدا فرمانے پر قادر ہے۔ اور یہ بچہ لوگوں کے لئے رحمت کا ذریعہ بنے گا اس کا اتباع کرنے والے اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی۔

وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (اور یہ ایک طے شدہ بات ہے اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے) پیدا ہونے والا یہ بچہ بغیر باپ ہی کے پیدا ہوگا اللہ کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔

حمل اور وضع حمل کا واقعہ درد زہ کی وجہ سے کھجور کے درخت کے نیچے پہنچنا فرشتہ کا آواز دینا کہ غم نہ کرو درخت کا تنہ ہلاؤ تر کھجوریں کھاؤ

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (سو اس لڑکے سے وہ حاملہ ہو گئی۔ لہٰذا وہ اس حمل کو لئے ہوئے علیحدہ ہو کر دور چلی گئی)

سورہ تحریم میں فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ (اور اللہ عمران کی بیٹی مریم کا حال بیان فرماتا ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس کے گریبان میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اسکی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت والوں میں سے تھیں) حضرت جرائیل علیہ السلام کے پھونکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس پھونکنے سے حمل قرار پا گیا۔ حمل قرار پانے کے بعد وہ اس حمل کو لئے ہوئے اپنے گھر سے کسی دور جگہ میں چلی گئیں پھر جب درد زہ یعنی پیدائش کا درد شروع ہوا تو اسکی وجہ سے کھجور کے درخت کے پاس آ گئیں اور اس کے تنہ کے قریب یا اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں اور اسی حالت میں کہنے لگیں کہ ہائے کاش میں پہلے سے مر گئی ہوتی اور بالکل ہی بھولی بسری ہو جاتی نہ کوئی جانتا نہ پہچانتا' اس وقت پریشانی کا عالم تھا جنگل

تھا تنہائی تھی درد سے بے چین تھیں کوئی چھپر تک نہیں تھا جس میں لیٹیں اور یہ بھی خیال لگا ہوا تھا کہ بچہ پیدا ہوگا تو لوگ کیا کہیں گے ایسی پریشانی میں منہ سے یہ بات نکل گئی کہ کاش میں اس سے پہلے مردہ ہو چکی ہوتی، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ استقرار حمل کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ولادت ہوگئی (ذکرہ فی معالم التنزیل عنہ) آیت کریمہ کے سیاق سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دیگر حاملہ عورتوں کی طرح ان پر حمل کی مدت نہیں گذری کیونکہ اتنی لمبی مدت تک تنہا اکیلی عورت کا گھر سے باہر اور دور رہنا بعید ہے پھر اگر لمبی مدت ہوتی تو حمل کا ظاہر ہونا اور اندر پیٹ میں پرورش پانا اس سے لوگوں کو ولادت سے پہلے ہی حاملہ ہو جانے کا پتہ چل جاتا اور لوگوں کا طعن اور اعتراض شروع ہو جاتا لیکن قرآن کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ بچہ کو لے کر آئیں اس وقت لوگوں نے اعتراض کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ (سو جبرائیل نے حضرت مریم کو آواز دی جو اس جگہ سے نیچے کھڑے ہوئے تھے جہاں وہ اوپر کسی ٹیلے پر تھیں اور یوں کہا اَنْ لَّا تَحْزَنِیْ (کہ تو رنجیدہ نہ ہو) (کما فی الروح صفحہ ۸۲ ج ۱۱)

قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا (تیرے نیچے تیرے رب نے ایک نہر بنا دی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہاں اپنا پاؤں مار دیا جس کی وجہ سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اور ایک قول یہ ہے کہ وہاں پہلے سے خشک نہر تھی اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی جاری فرما دیا اور وہیں ایک خشک کھجور کا درخت تھا اس میں پتے اور پھل آگئے اور اسی وقت پک گئے (معالم التنزیل صفحہ ۱۹۳ ج ۳) وَهُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا اور تو درخت کے تنے کو حرکت دے اس سے تجھ پر تر و تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ (یہ بھی بطور کرامت ہے کہ ایک زچہ عورت کے حرکت دینے سے کھجور کے درخت سے پھل گر پڑیں کیونکہ کھجور کے درخت کو تو ایک قوی مضبوط مرد بھی نہیں ہلا سکتا پھر ہلانا بھی ایسا کہ جس سے پھل گر پڑیں)۔

فَکُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا (سو تو ان تازہ کھجوروں میں سے کھا اور اس نہر میں سے پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی کر) یہ تیرا بچہ تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے' فی معالم التنزیل یعنی طیبی نفسا وقیل قری عینک بولدک عیسی۔ (معالم التنزیل میں ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو خوش رکھ اور بعض نے کہا "اپنے بیٹے عیسیٰ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر")

طبی اصول سے زچہ کے لئے کھجوروں کا مفید ہونا

یہاں پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ صاحب بیان القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کر دی جائے موصوف فرماتے ہیں کہ تمہارے رب نے تمہارے پائیں ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ جس کے دیکھنے سے اور پانی پینے سے فرحت طبعی ہوگی، ونیز حسب روایت روح المعانی ان کو اس وقت پیاس بھی لگی تھی اور حسب مسئلہ طبیہ گرم چیزوں کا استعمال قبل وضع یا بعد وضع سہل ولادت و دافع فضلات و مقوی طبیعت بھی ہے اور پانی میں اگر سخونت (گرمی) بھی ہو جیسا بعض چشموں میں مشاہدہ

ہے تو اور زیادہ مزاج کے موافق ہوگا و نیز کھجور کثیر الغذاء مولد خون مسمن ومقوی گردہ کمر ومفاصل ہونے کی وجہ سے زچہ کے لئے سب غذاؤں اور دواؤں سے بہتر ہے (فی معالم التنزیل صفحہ ۱۹۳ ج ۳ قال الربیع بن خثیم ما للنفساء عندی خیر من الرطب ولا للمریض خیر من العسل (تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے نزدیک زچگی والی خواتین کے لئے تازہ کھجوروں سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور دوسرے مریضوں کے لئے شہد سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے) اور حرارت کی وجہ سے جو اسکی مضرت کا احتمال ہے سو اول تو رطب میں حرارت کم ہے دوسرے پانی سے اسکی اصلاح ہو سکتی ہے تیسرے مضرت کا ظہور جب ہوتا ہے کہ عضو میں ضعف ہو ورنہ کوئی چیز بھی کچھ نہ کچھ مضرت سے خالی نہیں ہوتی و نیز خرق عادت (کرامت) کا ظہور اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت ہونے کی وجہ سے موجب مسرت روحانی بھی ہے انتہی۔

حضرت مریم علیہا السلام سے فرشتہ کا یوں کہنا کہ کوئی دریافت کرلے تو کہہ دینا کہ میرا بولنے کا روزہ ہے

فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا (سو اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھنے کی منت مان لی ہے لہٰذا آج میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی)

بنی اسرائیل کی شریعت میں نہ بولنے کا روزہ بھی مشروع تھا ہماری شریعت میں منسوخ فرما دیا گیا یوں کوئی آدمی کسی ضرورت سے کم بولے یا نہ بولے اور اشارہ سے بات کرے تو یہ دوسری بات ہے لیکن اس کا نام روزہ نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور سایہ میں نہ جائے گا اور بات نہیں کرے گا اور روزہ سے رہے گا آپ نے فرمایا اس سے کہو بات کرے اور سایہ میں جائے اور بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے (رواہ البخاری صفحہ ۹۹۱ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد رکھا ہے لا یتم بعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل (یعنی احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیمی نہیں اور کسی دن رات تک خاموش رہنا نہیں) (رواہ ابو داؤد فی کتاب الوصایا صفحہ ۱۴۱ ج ۲) یعنی کسی دن رات تک روزے کی نیت سے خاموش رہنا شریعت اسلامیہ میں نہیں۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ

سو وہ اس بچہ کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لیکر آئی ان لوگوں نے کہا کہ اے مریم یہ تو تو نے بڑے غضب کا کام کیا اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ برا آدمی تھا

أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ

اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی سو مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گہوارہ

فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ

میں ابھی بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے

مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫

مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا'

وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا

ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم کے پاس گود میں لیکر آنا قوم کا معترض ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا اور اپنی نبوت کا اعلان فرمانا

تفسیر: چونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ مریم کے بچہ تولد ہونا ہے اور وہ بھی بغیر باپ کے لہٰذا وہ بچہ پیدا ہو گیا جب اسکی ولادت ہو گئی تو اسے آبادی میں لے کر آنا تھا وہ اس بچہ کو گود میں اٹھا کر آبادی میں لے آئیں وہاں قوم کے لوگ موجود تھے انہوں نے بچہ کو گود میں دیکھ کر کہا کہ اے مریم یہ بچہ کہاں سے آیا؟ ہمارے علم میں تو یہی بات ہے کہ تیری شادی نہیں ہوئی جب بچہ حلال کا نہیں ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بچہ بدکاری سے پیدا ہوا ہے یہ تو تو نے بڑے ہی غضب کا کام کیا' تیری جیسی خاتون سے بدکاری کا سرزد ہونا بڑے تعجب کی بات ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارے باپ برے آدمی تھے نہ تمہاری ماں بدکار تھی تمہیں بھی انہیں کی طرح پاک رہنا لازم تھا۔ تمہارے بھائی ہارون (جو خاندان کے ایک شخص ہیں) وہ بھی نیک شخص ہیں جب سارا ہی خاندان نیک ہے تو تمہیں بھی ہر اعتبار سے نیک اور صالح ہونا چاہئے تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں کی طعن و تشنیع والی باتیں سنیں اور خود سے جواب نہیں دیا بلکہ نومولود بچہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ان کی گود میں تھا۔ لوگ کچھ یوں سمجھے کہ یہ ہم سے تمسخر کر رہی ہے۔ کہنے لگے ہم ایسے شخص سے کیسے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ وہ بچہ خود ہی بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی (یعنی عطا فرمائے گا) اور اس نے مجھے نبی بنایا یعنی مجھے نبوت عطا فرمائے گا اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اسنے مجھے برکت والا بنایا میرے ذریعہ خیر پھیلے گی اور اس نے مجھے نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور مجھے والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ (لہٰذا میں اپنے خالق کے

حقوق ادا کرونگا اور اپنی والدہ کے بھی)

اور مجھ پر اللہ کی طرف سے سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میری وفات ہوگی اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو معلوم تھا کہ یہودی اس بچہ سے دشمنی کریں گے اور ان کی نبوت کے انکاری ہوں گے اور نصرانی ان کے بارے میں بہت زیادہ غلو کریں گے کچھ لوگ ان کے بارے میں کہیں گے کہ اللہ نہیں کی ذات ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے اس لئے ابھی سے ان کی زبان مبارک سے یہ کہلوا دیا کہ میں اللہ نہیں ہوں بلکہ اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کی مخلوق ہوں اور اللہ کا مامور ہوں اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا (جو خود عبادت گزار ہو وہ کسی کا معبود نہیں ہوسکتا اور عابد و معبود ایک نہیں ہوسکتے) اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور خدمت گذاری کے طریقہ پر پیش آؤں گا۔

بَرًّا بِوَالِدَتِیْ فرما کر یہ بتا دیا کہ میرا کوئی باپ نہیں

یاد رہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں بـرا بـوالديه فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی زبان سے بَرًّا بِوَالِدَتِیْ کہلوایا اس لفظ میں ہمیشہ کے لئے اس بات کی نفی ہوگئی کہ ان کا کوئی باپ ہو۔ نصاریٰ کی حماقت اور ضلالت دیکھو کہ جس ذات کو اللہ یا ابن اللہ یا الٰہ (معبود) کہہ رہے ہیں اس کا اپنا بیان تو یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور صرف ماں کا بیٹا ہوں لیکن یہ لوگ کبھی انہیں یوسف نجار کا بیٹا بتاتے ہیں اور کبھی اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں (العیاذ باللہ من ذلک کله) در حقیقت یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں جن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے نہایت صفائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسکو بیان فرما دیا سورۂ مریم میں اور سورہ آل عمران میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن قرآن کی تصریحات کے خلاف دورِ حاضر کے بہت سے زندیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم، ہم نے سچی بات کہی ہے جس میں وہ لوگ شک کر رہے ہیں، یہ اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی

وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے اور بلاشبہ اللہ میرا رب ہے

فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تمہارا رب ہے یہ سیدھا راستہ ہے، پھر جماعتوں نے آپس میں اختلاف کر لیا۔ سو بڑے دن کی حاضری کے موقعہ پر ان لوگوں کی

مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ

بڑی خرابی ہے جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ وہ کیا ہی سننے والے اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے لیکن ظالم لوگ آج صریح

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ

گمراہی میں ہیں اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾

ایمان نہیں لاتے بلاشبہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔

کسی کو اپنی اولاد بنانا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے

تفسیر: ان آیات میں بھی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور اللہ پاک کی توحید بیان فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک سے کسی کو اولاد بنانے سے بری اور بیزار ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ یہ عیسیٰ بن مریم جن کا ذکر گذشتہ آیات میں ہوا ان کے بارے ہم نے سچی بات بیان کر دی ہے اس سچی بات میں لوگ جھگڑتے ہیں اور یہ جھگڑالو یہود و نصاریٰ ہیں اور اب تو جھوٹی نبوت کے دعویدار بھی ان کے ہم نوا ہو گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ یہ بات اللہ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سے پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا' لہٰذا وہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اس نے بغیر باپ کے ایک بچہ کو پیدا فرما دیا۔ جو ایسا صاحب کمال اور صاحب قدرت کاملہ ہو اس کے لئے اولاد تجویز کرنا سراپا حماقت اور ضلالت ہے۔ باپ اور بیٹے آپس میں ہم جنس ہوتے ہیں مخلوق خالق کی ہم جنس نہیں پھر مخلوق کیسے اسکی اولاد بن سکتی ہے۔ نیز مخلوق کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی مدد کے لئے اولاد کو چاہتے ہیں اس لئے کہ خود ناقص ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات اور صفات میں کامل ہے اور اس میں کبھی کوئی تغیر اور نقص وضعف آنے والا نہیں اسے کسی معاون اور مددگار کی ضرورت نہیں پھر وہ اپنے لئے اولاد کیوں تجویز کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرما دیا تھا وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (اور بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) یہ مضمون سورۂ آل عمران سورۂ مریم اور سورۂ زخرف میں بیان فرمایا ہے۔

ان تمام تصریحات کے باوجود لوگوں نے مختلف جماعتیں بنالیں جس کے معتقد ہوئے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اسکی بات کو تو پس پشت ڈالا اور خود سے اپنا دین تجویز کرلیا پھر کسی نے کہہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ذات خود اللہ کی ذات ہے اور کسی نے انہیں تیسرا معبود بنا دیا۔ اسی طرح سے خود سے گمراہی میں چلے گئے جب کوئی شخص حق کو پس پشت ڈالے گا تو گمراہی کے سوا اسے کیا ملے گا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے جو ایک بڑے دن کی حاضری کے موقعہ ان کے سامنے آئے گی) اس سے قیامت کا دن مراد ہے جو اپنی سختی اور درازی کے اعتبار سے کافروں کے لئے یوم عظیم ہوگا۔

پھر فرمایا اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (جس روز ہمارے پاس آئیں گے کیسے ہی سننے والے اور دیکھنے والے ہونگے) یعنی قیامت کے دن حقائق پیش نظر ہوں گے جن چیزوں کی خبر دی گئی تھی وہ سامنے ہوں گے جن باتوں میں شک کرتے تھے وہ سامنے آجائیں گی جھٹلانے والے دانا بینا ہو جائیں گے اور تصدیق کرنے پر مجبور ہوں گے لیکن اس دن کی تصدیق معتبر نہ ہوگی لہٰذا اس تکذیب کی وجہ سے (جس پر دنیا میں اصرار کرتے رہے) دوزخ میں جائیں گے۔

لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (لیکن ظالم آج کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اس دنیا میں قبول حق پر راضی نہیں اور ہوش گوش کے باوجود کفر چھوڑنے اور ایمان قبول کرنے کے لئے تیار نہیں)

یوم الحسرۃ کی پریشانی: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ (اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا) وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لائیں گے)۔ اس آیت میں قیامت کے دن کو حسرت کا دن بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ انہیں اس دن سے ڈراؤ۔ قیامت کا دن بڑی حسرت کا دن ہوگا، وہاں حاضر ہونے والے طرح طرح سے حسرت کریں گے ان میں سے ایک یہ حسرت ہوگی کہ کاش ہم واپس کر دیئے جاتے اور تکذیب نہ کرتے (يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا) اور اپنے بڑوں کے بارے میں کہیں گے کہ اگر ہم واپس ہو جاتے تو ان سے بیزاری ظاہر کر دیتے۔ (لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ) اور یوں بھی کہیں گے اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو آج دوزخ والوں میں شمار نہ ہوتے (لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ) حسرتیں تو نہ جانے کتنی ہوں گی حدیث میں اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے ایک خاص حسرت کا تذکرہ فرمایا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن موت کو چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا اے جنت والو! یہ سن کر وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھیں گے ان سے پوچھا جائے گا تم اسے پہچانتے ہو وہ کہیں گے یہ موت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ ہر ایک موت کو دیکھ چکا تھا پھر منادی آواز دے گا اے دوزخ والو! وہ لوگ بھی سر اٹھا کر دیکھیں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو وہ کہیں گے کہ ہاں۔ اور ان میں سے بھی ہر

شخص موت کو دیکھ چکا تھا اس کے بعد موت کو سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا (جو مینڈھے کی شکل میں ہوگی) اس کے بعد یہ اعلان ہوگا کہ اے جنت والو! تمہیں ہمیشہ جنت ہی میں رہنا ہے اب موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! تمہیں اسی میں ہمیشہ رہنا ہے اب موت نہیں ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (بخاری صفحہ ۶۹۱ ج ۲)

سنن ترمذی میں ہے کہ جب موت کو دونوں فریق کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اہل جنت کی خوشی اور اہل دوزخ کے رنج کا یہ عالم ہوگا کہ اگر کوئی شخص خوشی میں مرتا تو اس وقت جنت والے مرجاتے اور اگر کوئی شخص رنج کی وجہ سے مرتا تو دوزخ والے مرجاتے۔

سنن ابن ماجہ میں یوں ہے کہ موت کو پل صراط پر ذبح کر دیا جائے گا (الترغیب الترہیب صفحہ ۴۴۵ ج ۴)۔

پھر فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (بلاشبہ زمین اور زمین پر جو کچھ ہے ہم اس کے وارث ہوں گے یعنی اہل دنیا سب ختم ہو جائیں گے جو مجازی مالک ہیں ان میں سے کسی کی کوئی ملکیت باقی نہیں رہے گی اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے صرف اسی کی ملکیت حقیقیہ باقی رہ جائے گی دنیا والے مر کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جائیں گے جو کچھ دنیا میں کمایا تھا یہیں چھوڑیں گے اعمال لیکر حاضر ہوں گے اور انہیں پر فیصلے ہوں گے قال صاحب الروح ای یردون الی الجزاء لا الی غیرنا استقلالا او اشتراکا (صفحہ ۹۵ ج ۱۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ رکھنے والوں کی تردید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ جو فرمایا وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا اس سے بعض ملحدین یہ استدلال کرتے ہیں کہ ان کی وفات ہوگئی (یہ لوگ آسمان پر اٹھائے جانے اور دنیا میں واپس تشریف لانے کے منکر ہیں) ان جاہلوں کو شیطان نے سمجھایا ہے کہ مَا دُمْتُ حَيًّا سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وہ وفات پا گئے یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ایسا وقت آئے گا جس میں وہ زکوٰۃ ادا کریں گے جب تک وہ دنیا میں تھے اس وقت تک ان کی مال والی زندگی نہیں تھی جب قیامت کے قریب آسمان سے تشریف لائیں گے اس وقت صاحب مال ہوں گے زکوٰۃ ادا کریں گے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ صدیق تھے نبی تھے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی عبادت

مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْــًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ

کیوں کرتے ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم آیا ہے

مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

جو تمہارے پاس نہیں آیا، سو تم میرا اتباع کرو میں تمہیں سیدھا راستہ بتاؤں گا، اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش نہ کرو، بلاشبہ شیطان

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ

رحمٰن کا نافرمان ہے، اے میرے باپ بلاشبہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تمہیں رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب پکڑ لے۔ پھر تم

لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

شیطان کے دوست ہو جاؤ، ان کے باپ نے جواب دیا کہ اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے ہٹنے والا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ضرور تجھے سنگسار کر دوں گا۔

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ

اور تو مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔ ابراہیم نے کہا کہ میرا اسلام لے لو میں تمہارے لئے عنقریب اپنے رب سے استغفار کروں گا، بلاشبہ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں

وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾

تم لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ کرتا ہوں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں امید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے سے محروم نہ رہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا

پھر جب ان لوگوں سے اور ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کر لی جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب

جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ۧ

عطا فرما دیئے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنا دیا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا حصہ دے دیا اور ہم نے ان کے لئے سچائی کی زبان کو بلند کر دیا۔

توحید کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے مکالمہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے آپ کا وطن بابل کے علاقہ میں تھا جہاں نمرود کی حکومت تھی وہاں کے لوگ بت پرست تھے خود آپ کا گھرانہ بھی بت پرست تھا۔ ان کا باپ بھی بت پرست تھا جس کا نام آزر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو توحید کی دعوت دیتے تھے بت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اپنے والد کو بھی انہوں نے توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لئے کہا سورۂ اعراف میں ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں) یہاں سورہ مریم میں حضرت ابراہیم کے ایک مکالمہ کا تذکرہ فرمایا جو ان کے باپ سے ہوا تھا انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے

باپ یہ تم جن چیزوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہو یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تو تم سے بھی گئے گذرے ہیں تم تو سنتے ہو اور دیکھتے ہو اور کچھ نہ کچھ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہو لیکن یہ بت تو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں ان کی عبادت کرنا تو سراپا بے وقوفی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اپنے باپ سے مزید کہا کہ دیکھو حق اور حقیقت واضح ہونے کے لئے چھوٹا بڑا ہونے کی کوئی قید اور شرط نہیں ہے میں اگرچہ تمہارا بیٹا ہوں لیکن خالق کائنات جل مجدہ نے مجھے وہ علم عطا فرمایا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا مجھے اس نے توحید سکھائی ہے جو صحیح راہ ہے آخرت کے عذاب سے بچانے والی ہے تم میری بات مانو میں تم کو اسی سیدھے راستہ کی رہبری کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ شرک کی راہیں اور بت پرستی، غیر اللہ کی پوجا یہ سب شیطان کی نکالی ہوئی اور بتائی ہوئی چیزیں ہیں اسکی بات ماننا اس کی عبادت ہے شیطان اپنی بھی عبادت کراتا ہے اور بتوں کی بھی، تم شیطان کی بات مت مانو وہ تو رحمٰن جل مجدہ کا نافرمان ہے جو اس کا ساتھی بنے گا اسے بھی رحمٰن جل مجدہ کی نافرمانی پر جمائے گا اس کا ساتھی ہونے پر عذاب بھگتنا پڑے گا، اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آجائے اور یہ شیطان کی دوستی جو دنیا میں ہے تمہیں اس کے ساتھ آخرت کے دائمی عذاب میں نہ جھونک دے اور نہ تمہاری دنیا والی دوستی وہاں کی دوستی یعنی عذاب میں شریک ہونے کا ذریعہ نہ بن جائے (وہاں تو سب دوزخی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے لیکن چونکہ یہ دشمنی یہاں کی دوستی کی وجہ سے سامنے آئے گی اس لئے اسے بھی علی سبیل المشاکلہ فَتَكُونَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا سے تعبیر فرمایا) یہ باتیں سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کوئی اچھا اثر نہیں لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جواب دیا کیا تم میرے معبودوں سے ہٹنے والے ہو یعنی میرے معبودوں سے دور ہو ان کی عبادت کے قائل نہیں ہو؟ اور نہ صرف یہ کہ تم ان کی عبادت سے دور ہو مجھے بھی ان کی عبادت سے روک رہے ہو اب تک جو کہا سو کہا اب کے بعد اگر تو اپنی باتوں سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کے ختم کر دوں گا۔ پس میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔ مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اچھا تمہیں میرا سلام ہے (یہ وہ سلام نہیں جو اہل ایمان کو کیا جاتا ہے بلکہ جاہلوں سے جان چھڑانے کے لئے جو محاورہ میں سلام کے الفاظ کہہ دیئے جاتے ہیں یہ اسی طرح کا سلام ہے جیسا کہ سورہ فرقان میں فرمایا: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا) ساتھ ہی ابراہیم علیہ السلام نے یوں بھی فرمایا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا میرا رب مجھ پر بہت مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ فرما لیا تھا اس لئے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا کی جس کا سورہ شعراء میں ذکر ہے وَاغْفِرْ لِأَبِيْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّيْنَ (اور اے رب میرے باپ کو بخش دے

بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے) سورہ توبہ میں ہے فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (پھر جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اسے ایمان لانا نہیں ہے تو پھر اس سے بیزاری اختیار فرمائی) سورہ توبہ کی آیت بالا کے ذیل میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مراجعہ کرلیا جائے۔ (انوار البیان ج ۴)

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور میں تم لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ ہرتا ہوں جنکی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وَاَدْعُوْا رَبِّيْ (اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں) عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا (امید ہے کہ میں اپنے رب کی دعا سے محروم نہ ہوں گا) یعنی میری دعا اور کوشش ضائع نہ جائے گی اور تم لوگوں کو جو شقاوت گھیرے ہوئے ہے مجھے اللہ تعالیٰ اس سے دور رکھے گا قال صاحب الروح وفيه تعريض بشقاوتهم في عبادة الهتهم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس میں مشرکین پر اپنے باطل معبودوں کی عبادت کرنے پر تعریض ہے) اور آیت میں ہجرت کا اعلان ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ملک شام تشریف لے آئے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ پھر وہ جب ان لوگوں سے اور ان چیزوں سے کنارہ ہوگئے جن کی وہ عبادت کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کردیئے (اسحٰق ان کے بیٹے تھے اور یعقوب اسحٰق کے بیٹے تھے)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشہور بیٹوں میں سے ایک بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں کعبہ شریف بنانے کے سلسلہ میں گذر چکا ہے اور ابھی چار آیات کے بعد آرہا ہے۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا اور ہم نے ان دونوں (اسحٰق و یعقوب علیھما السلام) کو نبی بنایا۔

بعد کے آنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی اولاد کا اچھائی اور سچائی کے ساتھ تذکرہ کیا جانا

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت کا حصہ دے دیا اور ہم نے ان کے لئے سچائی کی زبان کو بلند کردیا) بہت بڑی نعمت اور رحمت تو نبوت ہے نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو اور بھی بہت سی دینی دنیاوی علمی و عملی نعمتیں عطا فرمائیں اور ان کے بعد میں آنے والوں میں خیر اور خوبی اور سچائی اور اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر جاری رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر سچائی کے ساتھ جاری رکھئے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انکا اور ان کی آل و اولاد کا چرچا آنے والی امتوں میں خیر و خوبی کے ساتھ جاری فرمایا۔ آنے والی تمام انبیاء کی امتیں انہیں خیر سے یاد کرتی رہی ہیں امت محمدیہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام میں آل ابراہیم کا برابر خیر کے ساتھ تذکرہ ہے اور اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ نماز میں کما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم پڑھا جاتا ہے اور ہر نمازی پڑھتا ہے اور بار بار پڑھتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ
اور کتاب میں موسیٰ کو یاد کیجئے بلاشبہ وہ خاص کئے ہوئے تھے اور وہ رسول تھے اور نبی تھے' اور ہم نے
جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾
انہیں طور کی داہنی جانب سے پکارا اور انہیں سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا' اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا'
وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ
اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول تھے نبی تھے' اور وہ اپنے
اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ
گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے' اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے اور کتاب میں ادریس کو یاد کیجئے بلاشبہ
كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾
وہ صدیق تھے نبی تھے' اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھا لیا

حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا تذکرہ

تفسیر: حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ مخلص تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا اور اپنا خاص اور خالص بندہ بنایا۔ (هذا علی قراءة الكوفيين بفتح اللام وقرا آخرون بكسرها والمعنى انه اخلص عبادته عن الشرك والرياء واسلم وجهه لله عزوجل واخلص عن سواه كما قال صاحب الروح (یہ کوفیوں کی قرأت کے مطابق یعنی لام کے فتح کے ساتھ اور دوسرے حضرات نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عبادت کو شرک اور ریاء سے خالص کیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے جھکا دیا اور غیر اللہ سے الگ ہو گیا جیسا کہ صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے) (صفحہ ۱۰۳ ج ۱۶)

نبی اور رسول میں فرق: اور یہ بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول تھے نبی تھے۔ رسول پہنچانے والا اور نبی خبر دینے والا بیان دونوں کا لفظی ترجمہ ہے شریعت کی اصطلاح میں رسول اور نبی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے لئے بولا جاتا ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے مشہور قول یہ ہے کہ ہر رسول نبی بھی ہے اور رسول میں نبی سے ایک زائد معنی بھی ہے یعنی جسے کتاب دی گئی ہو اور نئی شریعت دے کر بھیجا گیا ہو وہ نبی بھی ہے اور رسول بھی ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انبیاء سابقین کی شریعت کی دعوت

دیتے ہیں اور اسکی تبلیغ کرتے ہیں انہیں لغوی اعتبار سے رسول کہا جاتا ہے اصطلاحی اعتبار سے نہیں کہا جاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے پکارا طور پہاڑ مدین اور مصر کے درمیان ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے داہنی جانب کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے موسیٰ علیہ السلام کے داہنی جانب مراد ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام گذر رہے تھے یہ پہاڑ ان کی داہنی جانب پڑ گیا تھا (اذا الجبل نفسه لا ميمنة له ولا ميسرة) صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایمن یمن سے مشتق ہو جو مبارک ہونے کے معنی میں ہے اور اس صورت میں لفظ ایمن جانب کی بھی صفت بن سکتا ہے اور طور کی بھی یعنی موسیٰ کی مبارک جانب سے ہم نے آواز دی یا طور کی جانب سے آواز دی جو مبارک ہے۔

پھر فرمایا وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا (یعنی ہم نے موسیٰ کو سرگوشی کرنے والا اپنا مقرب بنایا) عربی زبان میں نجی اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خفیہ طریقہ پر رازدارانہ باتیں کی جائیں چونکہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمکلامی اس طرح سے ہوئی کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس فضیلت کا ذکر سورۃ نساء میں یوں فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور سے کلام فرمایا)

پھر فرمایا وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر ان کو عطا کیا) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ جاؤ فرعون کو تبلیغ کرو تو اس وقت جو انہوں نے دعائیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی تھی کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ (اور میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط فرما دیجئے) یہ سورہ طٰہٰ میں ہے اور سورۃ قصص میں یوں ہے وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيٓ اِنِّيٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (اور میرے بھائی ہارون کی زبان میں مجھ سے زیادہ روانی ہے سو ان کو آپ میرا مددگار بنا کر بھیج دیجئے تاکہ وہ میری تصدیق کریں مجھے فرعون اور اس کے ساتھیوں سے ڈر ہے کہ میری تکذیب کر دیں گے) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط بنا دیں گے) لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا دیا اور دونوں کو حکم فرمایا اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ بلاشبہ اس نے سرکشی کی ہے)

پھر فرمایا وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ (اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے) اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (بلاشبہ وہ وعدہ کے سچے تھے) وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (اور وہ رسول تھے نبی تھے) وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے) وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اوصاف عالیہ: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے حضرت سماعیل علیہ السلام

السلام کی چند صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ صَادِقَ الْوَعْدِ یعنی وعدہ کے سچے تھے یہ صفت تمام انبیاء علیہم السلام میں ہے اور بہت سے مومنین میں بھی ہوتی ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کی اس صفت کا تذکرہ فرمایا کیونکہ انہوں نے بہت بڑی سچائی کا ثبوت دیا تھا جب ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمادیا کہ میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کرتا ہوں بولو تم اپنی رائے بتاؤ اس پر انہوں نے کہا یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (کہ اے اباجان جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے وہ کر گذریئے۔ مجھے آپ ان شاء اللہ صابروں میں سے پائیں گے) پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو بخوشی لیٹ گئے اور ذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے صبر کا جو وعدہ کیا تھا پورا کر دکھایا۔

دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا (اور وہ رسول تھے نبی تھے) چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر کتاب نازل ہونے اور شریعت جدیدہ دیئے جانے کی کہیں کوئی تصریح نہیں ہے اور بظاہر وہ شریعت ابراہیمیہ کے مبلغ اور داعی تھے اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان پر رسول کا اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں اسکی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ گو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت شریعت ابراہیمیہ ہی تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ حاصل ہوا اس لئے ان کے لئے لفظ رسول کا اطلاق کیا گیا۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے معلوم ہوا کہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت میں نماز اور زکوٰۃ کا خصوصی دھیان رکھنا چاہئے نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نفس کو ان دونوں کا پابند کیا جائے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کا پابند کرایا جائے تو دین کے باقی احکام پر بھی چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال و اطوار پسند تھے وہ ان بندوں میں سے تھے جن سے اللہ راضی ہوا (واضح رہے کہ کسی ایک شخصیت کے لئے کسی صفت سے متصف کرنے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس کے علاوہ دیگر افراد اس سے متصف نہیں ہیں یا اس میں دیگر صفات نہیں ہیں خوب سمجھ لیا جائے)۔

پھر فرمایا وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ (اور کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے) اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (بلاشبہ وہ بڑے سچے نبی تھے) وَّرَفَعْنٰهُ مَکَانًا عَلِیًّا (اور ہم نے ان کو بلند مرتبہ پر اٹھا دیا) اس میں حضرت ادریس علیہ السلام کو صدیق اور نبی بتایا اور یہ بتایا کہ ہم نے انہیں بلند مرتبہ پر اٹھا دیا بلند مرتبہ کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں عام طور سے یہ مشہور ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد وہاں ان کی موت ہو گئی مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۱۲۶ ج ۳ حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ادریس رفع لم یمت کما رفع عیسیٰ" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رفع الی السماء السادسة فمات بھا لیکن اس سلسلہ کی جو

روایات ہیں اول تو مرفوع نہیں ہیں دوسرے ان کی اسانید ذکر نہیں کی گئیں اور رفع الی السماء کے قصے کعب الاحبار سے منقول ہیں جو سراپا اسرائیلیات ہیں۔ اگر چہ روح المعانی صفحہ ۱۰۶ ج ۱۶ میں بحوالہ ابن المنذر حدیث کو مرفوعاً بھی بیان کیا لیکن حدیث کے الفاظ میں رکاکت ہے جو افصح الفصحاء علیہ کے الفاظ نہیں ہو سکتے دوسرے قصہ اسی طرح نقل کیا ہے جیسے کعب وغیرہ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے معروف قصہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔

صاحب روح المعانی نے بھی قال رسول اللہ علیہ کہنے کی ہمت نہیں کی یرفع الحدیث الی النبی علیہ کہہ کر گذر گئے اور آخیر میں لکھ دیا واللہ اعلم بصحتہ وکذا بصحۃ ما قبلہ من خبر کعب محققین کا کہنا ہے کہ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا سے حضرت ادریس علیہ السلام کا مرتبہ بلند کرنا مراد ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت عطا فرمائی اور اپنا مقرب بنایا یہ سب علو مرتبہ میں آتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ اور بعض خصوصی احوال

صاحب روح المعانی نے مستدرک حاکم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے تھے اور ان کا نام اخنوخ بتایا ہے' پھر چار واسطوں سے حضرت شیث ابن آدم علیہ السلام تک ان کا نسب بیان کیا ہے پھر لکھا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نجوم یعنی ستاروں کا مطالعہ کیا اور حساب جاری کیا اور سب سے پہلے لکھنا شروع کیا اور سب سے پہلے سلے ہوئے کپڑے پہنے' وہ کپڑے سینے کا شغل رکھتے تھے اور ان سے پہلے لوگ کھالوں کے کپڑے پہنتے تھے' اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے اور انہوں نے سب سے پہلے ناپنے اور تولنے کے پیمانے جاری کئے اور ہتھیار بنائے' معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے کافروں سے قتال کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں ادریس اس لئے کہا گیا کہ وہ کثرت سے کتاب اللہ کا درس دیا کرتے تھے' صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لفظ سریانی ہے عربی نہیں ہے اور درس سے مشتق نہیں ہے کیونکہ یہ کلمہ غیر منصرف ہے (غیر منصرف ہونا اسی وجہ سے ہے کہ اس میں عجمہ اور علم ہے) پھر لکھتے ہیں کہ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سریانی زبان میں بھی اس لفظ کا معنی اسی معنی کے قریب ہو جو عربی میں بولا جاتا ہے لہٰذا کثرت درس کی وجہ سے انہیں ادریس کا لقب دے دیا گیا ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی ان میں انبیاء کرام ہیں جو آدم کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے

نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

نوح کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور جنہیں ہم نے چن لیا جب ان پر

اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا ۝ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ

رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر جاتے ہیں پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جنہوں نے نماز کو

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

ضائع کر دیا اور خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو یہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا' یہ جنت ہمیشہ رہنے کے باغوں کو شامل ہو گی جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے

بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا

غائبانہ وعدہ فرمایا ہے بلاشبہ اس وعدہ کا وقت ضرور آنے والا ہے وہ اس میں سلام کے علاوہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور ان کا رزق انہیں جنت میں

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

صبح شام ملا کرے گا' یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو ڈرنے والا ہو

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے باہمی رشتے اور ان کے منتسبین کے دو گروہ

تفسیر: ابتدائے سورت سے یہاں تک متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اب آیت بالا میں فرمایا کہ یہ سب وہ حضرات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کو نبوت سے سرفراز کیا اور یہ تمام حضرات آدم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو ان لوگوں کی نسل سے تھے جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔

عموماً حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں جو بھی آبادی ہے انہیں کی نسل سے ہے۔ لہٰذا اس کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام انہیں کی نسل سے ہوئے البتہ ادریس علیہ السلام ان سے پہلے تھے ان کے اجداد میں سے تھے اس لئے وہ اس وصف میں شریک نہیں ہیں۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام تھے اور حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہم السلام بلا واسطہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ان کو ہدایت دی اور ان کو چن لیا ان کا یہ حال تھا کہ جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی تھی تو روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے

تھے۔ انکے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو ان کی طرف منسوب ہوتے تھے جن میں پہلے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو ناخلف تھے پھر مومنین اور متبعین اور صالحین کا تذکرہ فرمایا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ (ان حضرات کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا) نماز کو بالکل نہ پڑھنا وقت سے ٹال کر پڑھنا اور بری طرح پڑھنا یہ سب نماز کو ضائع کرنے میں شامل ہے سورۂ ماعون میں فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ (سو خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں) حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سَاهُوْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز میں ادھر ادھر کا خیال نہ آئے بلکہ آیت میں سَاهُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ نماز کے وقت کو ضائع کر دے ادھر ادھر کے کاموں میں لگا رہے اور نماز کا دھیان نہ رہے۔ (رواہ ابو یعلیٰ باسناد حسن کمافی الترغیب والترھیب صفحہ ۳۸۷ ج ۱)

شہوتوں کا اتباع ہر گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے: وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ اس میں انسانوں کے اصل روگ کو بیان فرمایا اور وہ ہے خواہشوں کے پیچھے چلنا' نفسانی خواہشوں کا اگر مقابلہ نہ کیا جائے اور انسان ہمت اور جرات سے کام نہ لے اور جو نفس چاہے وہی کرتا رہے تو یہ بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور بربادی کا سبب بن جاتا ہے' جانی عبادات نماز روزہ اور مالی عبادات زکوٰۃ' صدقات کی ادائیگی میں جو غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے یا زندگی میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اس میں اصل یہی خواہشات نفس کا اتباع ہوتا ہے' روح المعانی (صفحہ ۱۰۹ ج ۱۷) میں ہے الشهوات عام فی کل مشتهی یشغل عن الصلوٰة و عن ذکر الله تعالیٰ انسان نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ نفس آمادہ نہیں۔ نیند چھوڑنا گوارا نہیں' زکوٰۃ اس لئے نہیں دیتا کہ نفس مال خرچ کرنے پر تیار نہیں' چوری خیانت ڈکیتی دھوکہ دہی اس لئے کرتا ہے کہ نفس کو مال کی کثرت مرغوب ہے شراب پیتا ہے۔ زنا اور دواعی زنا کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ اس میں نفس کی لذت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی اصل خرابی خواہش نفس کا اتباع ہے اور یہ نفس کا اتباع گناہوں کی جڑ ہے۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے) غنی غوا یغوی سے ماخوذ ہے واؤ کا یا میں ادغام ہو گیا اس کا اصل ترجمہ بہکنا اور راہ حق سے بھٹک جانا ہے اسی لئے بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ یہ لوگ اپنی گمراہی کی سزا پالیں گے اور بعض نے حاصل ترجمہ کیا ہے کہ یہ لوگ خرابی سے ملاقات کریں گے۔ اور صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر اور طبرانی حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ غی جہنم کے نیچے حصے میں ایک نہر ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ غی دوزخ میں پیپ کی ایک نہر یا ایک وادی ہے جو خوب گہری ہے اس کا مزہ بہت خبیث ہے اس میں وہ لوگ ڈالے جائیں گے جو خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔

صالحین کا تذکرہ اور ان سے جنت کا وعدہ: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا (مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کسی چیز کا ظلم نہیں کیا جائے گا) جو لوگ ناخلف تھے گناہ گاریوں میں لگ گئے حتیٰ کہ حدود کفر میں چلے گئے ان میں سے جس نے توبہ کرلی ایمان قبول کرلیا اور اعمال صالحہ میں لگا رہا اس کے لئے خوشخبری دی کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ان پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہ ہوگا۔ ان کا کوئی نیک عمل ضائع نہیں کیا جائے گا۔ کوئی شخص نافرمانی میں کتنی ہی دور چلا جائے جب بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔

اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ: جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا اور یہ وعدہ بالغیب ہے یہ حضرات جنت کے وعدہ پر بغیر دیکھے ایمان لائے دنیا میں جنت کو دیکھا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ جو خبر دی ہے اور جو وعدہ فرمایا ہے اسکی تصدیق کی ہے اور اس پر پورا پورا یقین کیا۔

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہوگا)

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (جنت میں سلام ہی کی آوازیں سنیں گے کوئی لغو اور فضول اور بے فائدہ بات نہیں سنیں گے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر سلام آئے گا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ اور فرشتے جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی سلام کریں گے۔ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (تم اسوجہ سے باسلامت رہو گے کہ تم نے صبر کیا سو اس جہاں میں تمہارا اچھا انجام ہوا) وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا (اور انہیں اس میں صبح شام رزق ملے گا)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر (ص ۱۲۹ ج ۳) میں حضرت ابن عباس وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ صبح شام سے رات اور دن کی مقدار مراد ہے وہاں رات اور دن نہ ہوگا البتہ ان کی مقدار پردے ڈال دینے اور پردوں کے اٹھا دینے سے رات دن کے اوقات پہچان لیں گے۔ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ وہاں صبح شام تو نہ ہوگی لیکن جس طرح دنیا میں ان کے کھانے پینے کے اوقات تھے اور ان کے مطابق صبح و شام کھانا کھاتے تھے انہیں اوقات کے اندازہ کے موافق انہیں رزق پیش کیا جائے گا۔ (اور یوں ہر وقت جو چاہیں گے اور طلب کریں گے ان کی خواہش پوری کی جائے گی)۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا (یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو متقی تھا) جنت کی بعض نعمتیں بیان فرمانے کے بعد جنت کے مستحقین کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جنت اہل تقویٰ کو ملے گی اہل تقویٰ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں سب سے بڑا تقویٰ تو شرک اور کفر سے بچنا ہے کوئی کافر مشرک جنت میں داخل نہ ہوگا اہل ایمان ہی جنت میں جائیں گے پھر چونکہ اہل ایمان میں درجات کی تفاوت ہے۔ تقویٰ کے اعتبار سے بھی فرق مراتب ہے اس لئے وہاں بھی تقویٰ اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے فرق مراتب ہوگا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا
اور ہم نہیں نازل ہوتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔ اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور
كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ
آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو آپ اس کی عبادت کیجئے اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہیے
هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾
کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال فرمانے پر جبرئیل علیہ السلام کا جواب کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں

تفسیر: سبب نزول کے بارے میں امام بخاری (ص ۶۹۱ ج ۲) نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا تمہیں اس سے کیا مانع ہے کہ ہمارے پاس جتنی مرتبہ آتے ہو اس سے زیادہ آیا کرو۔ اس پر آیت شریفہ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ نازل ہوئی جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جواب ذکر فرمایا انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم خود نہیں آتے جب آپ کے رب کا حکم ہوتا ہے ہم اسی وقت آتے ہیں، اور صاحب روح المعانی (ص ۱۱۳ ج ۱۲) میں کہتے ہیں کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصہ اور روح کے بارے میں جو مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا اور آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ کل کو بتا دوں گا پھر چند دن تک وحی نہیں آئی تو آپ کو بہت زیادہ رنج ہوا اور مشرکین بھی طعن کرنے لگے پھر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام چند دن کے بعد تشریف لائے تو آپ نے فرمایا اے جبرئیل علیہ السلام تم نے آنا بند کر دیا اور میں تمہاری ملاقات کا مشتاق رہا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے بھی آپ کی ملاقات کا شوق تھا لیکن میں مامور بندہ ہوں جب بھیجا جاتا ہوں نازل ہو جاتا ہوں اور جب روک دیا جاتا ہوں تو رک جاتا ہوں اس پر آیت بالا اور سورہ والضحیٰ نازل ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام کا جواب نقل فرمایا۔

مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا کا مطلب کیا ہے: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ بات بتا کر کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے نازل ہوتے ہیں مزید یوں کہا لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا (اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے ہے جو ہمارے پیچھے ہے) یہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا کا لفظی ترجمہ ہے اسکی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مابین ایدینا سے آنے والا زمانہ اور وما خلفنا سے گذشتہ زمانہ مراد ہے اور ما بين ذلك سے زمانہ حال مراد ہے۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سارا زمانہ اور جو کچھ زمانہ میں ہے سب

اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ہم جس وقت آتے ہیں اسی کے حکم سے اور جس وقت ہماری آمد رکی رہتی ہے اسکی وجہ سے یہی ہوتی ہے کہ ہمیں نازل ہونے کا حکم نہیں ہوتا' حضرت ابو العالیہ تابعی نے فرمایا کہ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا سے پوری دنیا مراد ہے جو پہلی بار صور پھونکنے تک ہے اور وَمَا خَلْفَنَا سے آخرت مراد ہے اور وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ سے نفخہ اولی (پہلی بار صور پھونکنا) اور نفخہ ثانیہ (دوسری بار صور پھونکا جانا) اور انکا درمیان وقفہ مراد ہے جو چالیس سال کا ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا سے زمین اور مَا خَلْفَنَا سے آسمان مراد ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے زمان اور مکان دونوں مراد لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمان اور ہر مکان کا مالک ہے اسی کے حکم سے کسی جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا ہوتا ہے اور اسی کے حکم سے ہر زمانہ میں نزول اور عروج دخول اور خروج اور منتقل ہونا اور آنا جانا ہوتا ہے والمراد انہ تعالیٰ المالک لکل ذلک فلا ننتقل من مکان الی ماکان والا تنزل فی زمان دون زمان الاباذنہ عزوجل (اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس سب کے مالک ہیں لہذا ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوتے اور ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں نازل نہیں ہوتے مگر اسی کے حکم سے) (روح ص ۱۱۴ ج ۱۶)

علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۲۰۲ میں لکھتے ہیں کہ یہاں علم مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا (اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے) اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس پر غفلت اور نسیان طاری نہیں ہوسکتا وہ آپ کی طرف سے اور آپ کی طرف وحی بھیجنے سے غافل نہیں ہے وحی بھیجنے میں جو تاخیر فرمائی وہ حکمت کی وجہ سے تھی اس حکمت کو وہ جانتا ہے' مزید فرمایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا (وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے) وہ اپنی مخلوق کو اور مخلوق کے احوال کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اپنی حکمت کے مطابق تصرف فرماتا ہے۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ جب وہ آسمان و زمین کا اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے تو اسی کی عبادت کرنا لازم ہے اسی کی عبادت کیجئے اور اسکی عبادت پر ثابت قدم رہیے اس بارے میں جو مشقتیں آئیں انہیں برداشت کیجئے وحی جو دیر میں آئی اس سے رنجیدہ نہ ہوجایئے اور کافروں کی باتوں کا خیال نہ کیجئے قال صاحب الروح ص ۱۱۵ ج ۱۶ فاقبل علی عبادتہ واصطبر علی مشاقھا ولا تحزن بابطاء الوحی و کلام الکفرۃ فانہ سبحانہ یراقبک ویراعیک ویلطف بک فی الدنیا والاخرۃ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں (مطلب یہ ہے کہ) پس آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے اور اس کی مشکلات پر ثابت قدم رہئے اور وحی میں تاخیر اور کافروں کی باتوں سے غمگین نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و نگہبانی کررہا ہے اور دنیا و آخرت میں آپ پر مہربان ہے)

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا (کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں) لفظ سمی (بتشدید الیاء) کا مشہور ترجمہ وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی ہم نام۔ اللہ تعالیٰ کا ہم نام کوئی نہیں۔ اہل ایمان تو اللہ کے ہم نام کسی کا نام رکھ ہی نہیں سکتے۔ مشرکین کو بھی یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ اپنے کسی معبود باطل کو اسم جلیل یعنی لفظ اللہ کے ساتھ موسوم کرنے کی ہمت کرتے' اور بعض مفسرین نے سمی کو بمعنی مسامی لیا ہے ان حضرات کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل اور برابر کوئی نہیں ہے یہ معنی لینا بھی درست ہے۔

وَيَقُوْلُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا یہ ضروری بات ہے کہ میں عنقریب زندہ کرکے نکالا جاؤں گا؟ کیا انسان اس بات کو نہیں سوچتا کہ ہم نے اسے

خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ

اس سے پہلے پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا تیرے رب کی قسم ہے ہم ان لوگوں کو ضرور ضرور جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی پھر ہم ان کو دوزخ کے قریب اس حال میں حاضر کردیں گے

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے پھر ہم ہر جماعت میں سے ان کو علیحدہ کردیں گے (جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی) جو رحمٰن کے مقابلہ میں بہت سخت سرکشی اختیار کئے ہوئے تھے

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

پھر ہم ہی ان لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

انسانوں کا قیامت کے دن زندہ ہونے سے انکار کرنا اور منکرین کا شیاطین کے ساتھ حشر ہونا

تفسیر: اللہ جل شانہٗ کی توحید اور اس کا قدرت و اختیار والا اور وحدہٗ لاشریک ہونا بیان فرمانے کے بعد معاد یعنی قیامت کا دن واقع ہونے اور میدان آخرت میں لوگوں کو جمع ہونے کا تذکرہ فرمایا' اول تو انسان کی اس جاہلانہ اور معاندانہ بات کا تذکرہ فرمایا کہ میں جب مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ ہو کر اٹھوں گا؟ انسانوں کا یہ کہنا بطور تعجب اور انکار کے ہے' یہ لوگ قیامت کو نہیں مانتے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مر کر جی اٹھنا سمجھ میں نہیں آتا مر کھر گئے ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اب کیسے جئیں گے اور کیسے اٹھیں گے' قرآن مجید میں منکروں کی یہ بات کئی جگہ ذکر فرمائی ہے ان کے جواب میں فرمایا کہ انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں پہلی بار وجود میں کیسے آیا جبکہ انسان نہ موجود تھا نہ اس کا ذکر تھا جس ذات پاک نے اسے پہلی بار پیدا فرما دیا اسے یہ قدرت ہے کہ پھر سے زندہ فرما دے انسان مٹی سے پیدا ہوا اسکی نسل چلی اور یہ نسل مرد اور عورت کے ملاپ سے چلتی ہے۔ اور بے جان نطفہ میں اللہ تعالیٰ جان ڈال دیتا ہے پھر یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ موت دے کر دوبارہ پیدا فرما دے اور ہڈیوں میں جان ڈال دے اور ان پر گوشت اور پوست چڑھا دے سورہ یٰسین میں فرمایا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (اور انسان ہمارے لئے مثالیں دینے لگا اس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی آپ فرما دیجئے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا)۔

انسان کا انکار معاد پھر اسکی تردید فرمانے کے بعد منکرین کا قیامت کے دن حاضر ہونا اور بد حال ہونا اور دوزخ میں داخل کیا جانا بیان فرمایا فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِيْنَ (سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان لوگوں کو اور شیاطین کو ضرور جمع کریں گے) منکرین کافرین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور شیاطین بھی حاضر ہوں گے شیاطین کا دنیا میں یہ کام تھا کہ انسانوں کو بہکاتے اور ورغلاتے تھے اور انہیں کفر اور شرک پر ڈالتے تھے اور یہ شیاطین خود بھی کافر تھے میدان قیامت میں یہ گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والے سب جمع کئے جائیں گے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بہکانے والے اور بہکاؤ میں آنے والے باہم ملا کر زنجیروں میں باندھے ہوئے حاضر ہوں گے، دنیا میں ساتھ تھے حشر کے دن بھی ساتھ ہوں گے، وہاں کا ساتھ ہونا زیادہ مضبوط ہوگا یہاں تو پاس اٹھنے بیٹھنے ہی میں ساتھ تھے اور وہاں بندش اور جکڑ بندی کی صورت میں حاضر کئے جائیں گے۔

ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا (پھر ہم ان کو دوزخ کے قریب اس حال میں جمع کر دیں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے) کافرین اور شیاطین (جو خود بھی کافر ہیں اور انسانوں کو کفر پر ڈالتے رہتے ہیں) قیامت کے دن جمع کئے جائیں گے پھر دوزخ کے آس پاس حاضر کر دیئے جائیں گے اور حاضر ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

ان کی یہ حاضری مذکورہ حالت میں ذلیل کرنے کے لئے ہوگی۔ جو لوگ دنیا میں اہل باطل تھے کفر پر جمے رہتے تھے اور کفر پر جمنے اور جمانے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے ان میں چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی سردار بھی تھے اور ان کے فرمانبردار بھی، جب یہ سب حاضر ہوں گے تو ان میں سے جو شدید ترین سرکش ہوں گے جو رحمٰن جل مجدہ کی نافرمانی پر مضبوطی سے جمے رہے اور دوسروں کو بھی نافرمانی پر لگاتے رہے انہیں علیحدہ کر لیا جائے گا اس کو ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا میں بیان فرمایا۔

(صاحب روح المعانی ص ۱۱۹ ج ۱۶) اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اصحاب کفر کی جماعتوں میں سے سب سے زیادہ نافرمان انسانوں کو علیحدہ کر دیں گے، ان کے بعد انہیں علیحدہ کریں گے، جو نافرمانی اور سرکشی میں ان کے بعد ہوں گے یہاں تک کہ نافرمانیوں کے اعتبار سے ترتیب وار الگ الگ ان کے بڑوں کو علیحدہ علیحدہ کرتے رہیں گے پھر انہیں دوزخ میں ڈال دیں گے جو شخص جس درجہ کا نافرمان ہوگا اسی درجہ کا عذاب پائے گا اور ہر ایک کا عذاب نافرمانی کے بقدر ہوگا جو لوگ کفر کے سرغنے تھے ایمان سے روکا کرتے تھے انہیں عام کافروں کے اعتبار سے زیادہ عذاب ہوگا سورۂ نحل میں فرمایا اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا ہم ان کا عذاب، عذاب پر بڑھا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے)

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا (پھر ہم ہی ان لوگوں کو خوب جاننے والے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں) نافرمانی اور سرکشی کے اعتبار سے جب جدا کر لئے جائیں گے تو پھر ان میں سے اسی ترتیب کے مطابق دوزخ میں داخل ہونے کا کون زیادہ مستحق ہے اسکو ہم خوب جانتے ہیں جس درجہ کا کوئی کافر ہوگا اسی درجہ کے اعتبار سے داخلہ کی ترتیب میں بھی مقدم ہوگا اس پر عذاب کی سختی بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہوگی۔ قال صاحب الروح فکانه قیل ثم لنحن اعلم بتصلیة هولاء وهم اولی بالصلی من بین سائر الضالین ودرکاتهم اسفل وعذابهم اشد۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ

اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس پر وارد نہ ہو۔ آپ کے رب کا یہ حکم لازمی ہے جس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو ڈرتے تھے اور

نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا ﴿۷۲﴾

ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

تمام بنی آدم دوزخ پر وارد ہوں گے اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو نجات کی نعمت سے نوازے گا

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یہ ارشاد فرمایا کہ بنی آدم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کا دوزخ پر ورود نہ ہو عبور تو سبھی کا ہوگا لیکن متقی اس سے نجات پا جائیں گے اور ظالم لوگ اسی میں گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور پھر اسی میں رہیں گے۔

ورود سے کیا مراد ہے اس کی مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ تمام مومن اور کافر اور نیک و بد پل صراط پر گذریں گے جو دوزخ پر قائم ہوگی اللہ سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجہ کے موافق صحیح سلامت اس پر سے گذر جائیں گے۔

اور بدعمل چل نہ سکیں گے اور دوزخ کے اندر سے بھی بڑی بڑی سنڈاسیاں نکلی ہوئی ہوں گی جو گذرنے والوں کو پکڑ کر دوزخ میں گرانے والی ہوں گی ان سے چھل چھلا کر گذرتے ہوئے بہت سے (بدعمل) مسلمان پار ہو جائیں گے۔ اور جن کو دوزخ میں گرانا ہی منظور ہوگا وہ سنڈاسیاں ان کو گرا کر چھوڑیں گی۔ پھر کچھ مدت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق نیز انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے اور آخر میں براہ راست ارحم الراحمین کی مہربانی سے وہ سب لوگ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا۔ اور دوزخ میں صرف کافر مشرک اور منافق ہی رہ جائیں گے۔ (الترغیب والترہیب للحافظ ابن المنذری صفحہ ۴۰۷ تا صفحہ ۴۱۳)

اور بعض حضرات سے یوں مروی ہے کہ ورود سے دخول مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ دوزخ میں داخل تو سبھی ہوں گے لیکن اہل ایمان کے لئے وہ ٹھنڈی ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً یہ مضمون نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یوں ہی

منقول ہے کہ وہ ورود سے دخول مراد لیتے تھے۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۳) عبور پل صراط کا انکار تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ صحیح احادیث سے ثابت ہے صحیحین وغیرہ میں روایات موجود ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول (ورود بمعنی دخول) کو اور عبور پل صراط والی روایات کو مانتے ہوئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو اہل ایمان پل صراط سے گذر جائیں گے وہ پار ہونے کے بعد دوزخ میں داخل ہوں گے جو ان کے لئے ٹھنڈی کر دی جائے گی اور سلامتی کے ساتھ باہر آ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ

اور جب ان پر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے

مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾

مقام کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور مجلس کے اعتبار سے کون اچھا ہے؟ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں جو ساز و سامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے۔

قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا

آپ فرما دیجئے کہ جو شخص گمراہی میں ہوگا تو رحمٰن اسے مہلت دے گا یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو

الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيدُ

یا عذاب ہوگا یا قیامت ہوگی۔ سو عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون ہے جو بری جگہ والا ہے اور لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہے' اور جن لوگوں نے ہدایت پائی

اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

اللہ ان کی ہدایت کو اور بڑھا دے گا اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

کافروں کا سوال کہ دونوں فریق میں مقام اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور ان کے سوال کا جواب

تفسیر: رسول ﷺ پر جب آیات تلاوت کی جاتی تھیں جو اپنے معانی کے اعتبار سے واضح ہیں اور جن کے معانی ظاہر ہیں تو انہیں سن کر ایمان لانے کے بجائے معاندین مزید سرکشی پر تل جاتے تھے اور جنہوں نے ایمان قبول کیا ان سے کہتے تھے کہ دیکھو ایک فریق ہمارا ہے اور ایک فریق تمہارا ہے اب بتاؤ کہ دونوں میں سے کون سا فریق مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اور مجلس کے اعتبار سے بہتر اور اچھا ہے؟ ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ دنیا میں اچھے حال میں ہیں اچھا کھاتے پیتے ہیں اور اچھا پہنتے ہیں ہماری مجلسیں بھی اچھی ہیں بن سنور کو خوشبو لگا کر عمدہ کپڑے پہن کر مجلسوں میں جمع ہوتے ہیں اور تم لوگ ایسے ہو کہ نہ کھانے کو اور نہ پہننے کو' ان حالات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم حق پر اور ہم باطل پر

ہوتے تو دنیا میں تمہارا حال اچھا ہوتا اور ہم بدحالی میں مبتلا ہوتے' موجودہ جو صورتحال ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت بہتر ہے۔ ان کا کلام بظاہر ایک طرح کا سوال تھا لیکن حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان چونکہ دنیاوی اعتبار سے کمزور حالت میں ہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں ہم اللہ کے نزدیک بہتر ہیں۔ یہ ان کی جاہلانہ بات تھی کیونکہ دنیا میں اچھے حال میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جو شخص صاحب مال و متاع ہو اللہ کے نزدیک حق پر ہو اور اللہ کا مقبول بندہ ہو ان کے خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا (اور ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں جو ساز و سامان اور نظروں میں بھانے کے اعتبار سے اچھے تھے) مطلب یہ ہے کہ تم نے ظاہری زینت اور ساز سامان کی ظاہری خوبی اور بہتری کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کی دلیل بنا لیا تمہارا یہ خیال غلط ہے اس سے پہلے بہت سی امتیں اور جماعتیں گذر چکی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک فرما دیا دنیاوی نعمتیں اگر اللہ کے ہاں مقبول اور معزز ہونے کی دلیل ہوتیں تو وہ لوگ کیوں ہلاک کئے جاتے اور ان کے برعکس اہل ایمان کیوں نجات پاتے' عاد اور ثمود اور دوسری امتیں جو گذری ہیں ان کے احوال تم سے سنے ہیں ان کے کھنڈرات پر گذرتے ہو ان کے تباہی کے واقعات جانتے ہو پھر بھی الٹی دلیلیں دیتے ہو اور غلط باتیں کرتے ہو۔ سورہ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَا اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور یہ تو اس سامان کے اعتبار سے جو ہم نے ان کو دے رکھا تھا دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی سو میرا کیسا عذاب ہوا)

کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے بعد میں وہ اپنا انجام دیکھ لیں گے

مال و اسباب پر فخر کرنے والوں کو اول تو یہ جواب دیا کہ ان سے پہلے کتنی جماعتیں گذر چکی ہیں جو ساز و سامان اور زیب و زینت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں انہیں ہلاک کر دیا گیا پھر ارشاد فرمایا قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا اس میں یہ بتایا کہ گمراہی پر ہوتے ہوئے ساز و سامان نعمت نہیں ہے بلکہ یہ استدراج یعنی ڈھیل ہے اس ڈھیل کی وجہ سے اور زیادہ گمراہی میں ترقی کرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی عذاب دنیوی کو یا موت کے وقت کی تکلیف کو تو اس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ مومنین اور کافرین میں سے کون بدترین مرتبہ کو پہنچا اور جماعت کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور نکلا۔ لفظ شر مکانا خیر مقاما کے جواب میں اور اَضْعَفُ جُنْدًا اَحْسَنُ نَدِيًّا کے جواب میں فرمایا کہ لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی مصیبت کے وقت کوئی بھی مددگار نہ ہوگا اور دنیا میں جتنے اہل مجلس تھے کوئی بھی کچھ نہ مدد کرے گا نہ کر سکے گا پھر فرمایا وَيَزِيْدُ

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى اس میں ہدایت والوں کی فضیلت بیان فرمائی اہل کفر کفر پر جمے ہوئے ہونے کی وجہ سے عذاب آنے تک ڈھیل میں ہیں اور ہدایت پانے والے یعنی اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے انعام کے مستحق ہیں، انعام تو بہت ہیں ان میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دے گا اور ہدایت پر استقامت نصیب فرمائے گا اور چونکہ ایمان اچھے اعمال پر ابھارتا ہے اور اہل ایمان کے اعمال صالحہ مقبول ہیں اس لئے آیت کے ختم پر یوں فرمایا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا یعنی اعمال صالحہ جو باقی رہنے والے ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی، کیونکہ ان کا انجام ہمیشہ کی خوشی اور ہمیشہ کی نعمتیں ہیں جو دار النعیم یعنی جنت میں ملیں گی۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور مال اور اولاد دیئے جائیں گے، کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا یا اس نے

عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ

رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہے، ہرگز نہیں ہم عنقریب اس کی بات لکھ لیں گے اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے رہیں گے اور

نَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

اس کی کہی ہوئی چیز کے ہم مالک رہ جائیں گے اور ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

بعض منکرین کے اس دعوے کی تردید کہ مجھے قیامت کے دن بھی اموال و اولاد دیئے جائیں گے

تفسیر: پہلی آیت کا سبب نزول حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ میں ایک سنار تھا اور عاص بن وائل مشرک پر میرا قرضہ تھا۔ میں اس کے پاس تقاضا کرنے کے لئے آیا اس نے کہا کہ اللہ کی قسم میں اس وقت تک تیرا قرضہ ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تو محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہ کر دے، میں نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی محمد ﷺ کے ماننے سے منکر نہ ہوں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر دوبارہ اٹھایا جائے، اس پر عاص بن وائل نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں تو ضرور اٹھایا جائے گا اس پر وہ کہنے لگا کہ اگر میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا تو میں وہیں تیرے قرضہ کی ادائیگی کر دوں گا کیونکہ مجھے وہاں بھی مال ملے گا اور مجھے وہاں بھی اولاد دے دی جائے گی اس پر آیت شریفہ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا (الآیۃ) نازل ہوئی (صحیح بخاری صفحہ ۶۹۱-۶۹۲ ج ۲)

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ چند صحابہ کا عاص بن وائل پر قرضہ تھا وہ اس کے پاس تقاضا کرنے کے لئے

آ ئے تو اس نے کہا کہ آپ لوگ یوں کہتے ہیں کہ جنت میں سونا ہے چاندی ہے اور ریشم ہے اور ہر طرح کے پھل ہیں صحابہ کرام نے جواب میں کہا کہ ہاں ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں' کہنے لگا بس تو میں تمہارے قرضے آخرت میں چکاؤں گا اللہ کی قسم مجھے مال بھی دیا جائے گا اور اولاد بھی اور جو کتاب تمہیں دی گئی ہے مجھے بھی مل جائے گی اس پر آیت بالا نازل ہوئی' بات یہ ہے کہ ایسی باتیں وہی شخص کیا کرتا ہے جو ایمان کا مذاق بناتا ہے اور جو اپنے بارے میں یہ خیال کرتا ہے میں اللہ کا مقبول بندہ ہوں چونکہ اس نے مجھے یہاں مال اولاد سے نوازا ہے اس لئے اگر قیامت آ ہی گئی اور وہاں حاضری ہوئی تو مجھے وہاں بھی ایسا ہی ملے گا جیسے یہاں ملا ہوا ہے' اس نے یہ سب باتیں غریبوں کی تحقیر اور وقوع قیامت کی تکذیب اور نادھندگی کے بہانہ کے طور پر کہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی تردید فرمائی جس میں عاص بن وائل اور اس جیسی باتیں کرنے والوں کی بے ہودگیوں کا جواب ہو گیا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا۔ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ یعنی اس نے یہ دعویٰ کیسے کیا کہ قیامت کے دن اسے مال اور اولاد سے نوازا جائے گا کیا اسے غیب کی خبر ہے؟ اپنی طرف سے خود ہی باتیں بناتا ہے اور غیب کی خبریں دیتا ہے کہ میرے ساتھ ایسا ایسا ہوگا اور خبر بھی اس چیز کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو' مطلب یہ ہے کہ اس کا جو یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے ایسے دے گا بلا دلیل بلا علم اور بلا اطلاع ہے سب کچھ اس نے اپنے پاس سے بنالیا۔

اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (کیا اس نے رحمٰن سے کچھ عہد لے لیا ہے) کہ اسے یہ چیزیں دی جائیں گی اس کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی عہد نہیں ہے' وہ اپنے پاس سے باتیں بناتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ اپنی طرف سے یہ بات لگاتا ہے کہ مجھے وہاں بھی مال عطا فرمائے گا۔

كَلَّا یہ کلمہ زجر اور توبیخ کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا اس نے خیال کیا ہے اس نے جو کچھ اپنے بارے میں سوچا اور کہا یہ سب غلط ہے اور گمراہی ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو نعمتیں ملیں گی اور کافرین ان سے محروم رہیں گے آتش دوزخ میں جلیں گے۔

سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ (وہ جو باتیں کہتا ہے ہم انہیں عنقریب لکھ لیں گے) وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (یعنی ہم اس کے لئے عذاب میں اضافہ کریں گے) کفر پر تو عذاب ہوتا ہی ہے اس کے لئے عذاب پر مزید عذاب ہے کیونکہ اس نے اللہ پر جرات کی اور یوں کہا مجھے وہاں بھی مال اور اولاد دیئے جائیں گے' اس نے استہزاء کے انداز میں ایمان کا انکار کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کی وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ (اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اس کے وارث ہوں گے) یعنی دنیا میں ہم نے جو کچھ اسے دیا ہے مال ہو یا اولاد ہو یہ ہماری ملکیت ہے اور جب وہ مر جائے گا تو اس کی مجازی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی جن چیزوں کو اپنی کہتا ہے وہ سب یہیں رہ جائیں گی وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا (اور وہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا) اس کے پاس وہاں نہ کوئی مال ہوگا نہ اولاد ہوگی جب یہ دنیا والا مال اور اولاد بھی ساتھ نہ ہوگا تو وہاں مزید مال ملنے کا دعویٰ کیسے کرتا ہے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالئے۔ تاکہ وہ ان کے لئے عزت کی چیزیں بن جائیں۔ خبردار ایسا ہرگز نہیں ہے وہ عنقریب ان کی عبادت کا انکار کریں گے

وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا

اور ان کے مخالف بن جائیں گے اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے ہیں سو آپ

تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے ہم ان کی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں۔

جنہوں نے غیر اللہ کی پرستش کی انکے معبود اس بات کا انکار کریں گے کہ ہماری عبادت کی گئی اور اپنے عبادت کرنے والوں کے مخالف ہو جائیں گے

تفسیر: معبود حقیقی وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر جن لوگوں نے دوسرے معبود بنا لئے ہیں وہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ باطل معبود ہمارے لئے عزت کا باعث ہیں ان کی طرف منسوب ہونا ہمارے لئے فخر ہے جیسا کہ ابوسفیان نے غزوہ احد کے موقع پر فخر ظاہر کرتے ہوئے یوں کہا تھا لنا عزّٰی ولا عُزّٰی لکم (ہمارے لئے عزیٰ بت ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسکو یہ جواب دیدو اللہ مولانا ولا مولی لکم (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارے لئے کوئی مولیٰ نہیں) مشرکین یہ کہتے تھے کہ یہ باطل معبود قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر دیں گے۔ اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جن معبودوں کی عبادت وہ اپنے لئے عزت اور فخر سمجھتے ہیں اور جنہیں اللہ کی بارگاہ میں سفارشی مانتے ہیں وہ مدد تو کیا کریں گے وہاں اس بات کے منکر ہو جائیں گے کہ ان مشرکوں نے ان کی عبادت کی تھی، سورہ احقاف میں فرمایا وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو ان کے باطل معبود اپنے عبادت گزاروں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے یہ باطل معبود نہ صرف اپنے عبادت گذاروں کی عبادت کے منکر ہوں گے بلکہ وہاں ان کے مخالف ہو جائیں گے اور ان کو الزام بھی دیں گے اور ان کے لئے عذاب دوزخ میں جانے کے خواہش مند ہوں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے رہتے ہیں سو آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے ہم ان کی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے وہ انہیں کفر پر اور برے اعمال پر خوب ابھارتے ہیں یہ لوگ اللہ کی ہدایت کو نہیں مانتے جو اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ بھیجی ہے بلکہ شیاطین کے بہکانے اور

ورغلانے ہی کو اچھا سمجھتے ہیں اوران کے بہکاوے میں آجاتے ہیں حق کو چھوڑ کر باطل پر جمے رہتے ہیں لہٰذا یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں وقت مقررہ پران پرعذاب آ ہی جائے گا آپ جلدی عذاب آجانے کی درخواست نہ کریں ان کی جو باتیں ہیں ہم انہیں خوب شمار کر رہے ہیں ان کے جو اعمال شرکیہ اور اعمال سیئہ اور اقوال باطلہ ہیں ہمیں ان سب کا علم ہے اور ہم ان سب کولکھ رہے ہیں اجل مقررہ پرعذاب آجائے گا ان کے افعال اور اعمال اور اقوال سب کی سزا دے دی جائے گی۔

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ نعد کا مفعول اعمال اور افعال مراد ہوں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ نعد کا مفعول انفاس اور ایام ہیں اور مطلب ہے کہ ہم ان کی زندگی کے انفاس (سانس) اور ایام گن رہے ہیں جب ان کی اجل آجائے گی تو عذاب بھی آجائے گا اوران کی مدت کے ایام معدودے چند ہی ہیں گوان کے نزدیک گنتی میں زیادہ ہوں کیونکہ فنا ہونے والی زندگی بہر حال ختم ہوگی اور دنیا میں جتنی بھی مدت گذری ہو وہ بہر حال آخرت کے مقابلہ میں کم ہی ہے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا

ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف سے اس حال میں چلائیں گے کہ

يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

وہ پیاسے ہوں گے کوئی شخص سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی

قیامت کے دن متقی مہمان بنا کر لائے جائیں گے اور مجرمین ہنکا کر پیاسے حاضر کئے جائیں گے اور وہی شخص سفارش کر سکے گا جسے اجازت ہوگی

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کی حاضری کا ایک منظر بتایا اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے متقی بندے قیامت کے دن مہمانوں کے طور پر حاضر ہوں گے ان کا اکرام کیا جائے گا اوران کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا' اور مجرمین جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے جیسے جانوروں کو ہانکا جاتا ہے اور مجرمین پیاسے ہوں گے' اس کے بعد یہ فرمایا کہ وہاں کسی کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار نہ ہوگا ہاں جن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت دی جائے گی وہی شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ آیۃ الکرسی میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (وہ کون ہے جو اس کے پاس سفارش کر سکے بجز اس شخص کے جسے وہ اجازت دیدے) جسے سفارش کی اجازت دی جائے گی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی اس کے لئے سفارش کی جاسکے گی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کر لی ہے، البتہ تم نے بہت ہی سخت بات کہی قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ

اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد تجویز کی، اور رحمٰن کی شان کے لائق نہیں کہ

اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ

وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے۔ جو بھی آسمان اور زمین میں ہیں وہ سب رحمٰن کے پاس بندگی اختیار کئے ہوئے حاضر ہوں گے اللہ نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کیا ہے

اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

اور ان سب کو اچھی طرح گن رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس تنہا آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنیوالوں کی مذمت اور ان کے قول کی شناعت

تفسیر: مشرکین عرب کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے اور اب بھی اپنے دعویٰ پر قائم ہیں اور انکے علاوہ دیگر مشرکین بھی اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آیات بالا میں اول تو ان لوگوں کا قول نقل فرمایا پھر اسکی تردید فرمائی اور انکے قول کی قباحت وشناعت کو پوری طرح واضح فرمایا اور ارشاد فرمایا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا بلاشبہ تم نے بہت سخت بات کہی ہے) یہ معمولی بات نہیں یہ تو ایسی بات ہے کہ قریب ہے کہ اسکی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں، اولاد ہونا اسکی عظمت وجلالت اور کبریاء کے خلاف ہے اسی کو فرمایا۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (اور رحمٰن کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) وہ تو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اسے کسی محافظ اور مددگار کی ضرورت نہیں، چونکہ خالق اور مخلوق ہم جنس نہیں اس لئے کوئی بھی اسکی اولاد نہیں ہو سکتا۔ ہر طرح کے شرک سے اسکی تنزیہ فرض ہے۔

جو چیز اسکی شان کے لائق نہیں اسے اس کے لئے تجویز کرنا اس کی ذات پاک کی طرف عیب منسوب کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اسے ایسا نہ کرنا تھا اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ مجھے دوبارہ زندہ نہ کرے گا حالانکہ پہلی بار اور دوسری بار پیدا کرنا دونوں میرے لئے برابر ہیں۔ (یعنی یہ بات نہیں ہے کہ پہلی بار پیدا کرنا میرے لئے آسان ہو اور دوسری بار پیدا کرنا مشکل ہو) اور ابن آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ کے لئے اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی بناؤں یا اولاد بناؤں میں احد ہوں صمد ہوں نہ

میں نے جنا اور نہ میں جنا گیا۔ اور میرا کوئی برابر نہیں۔ (رواہ البخاری) اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نا گوار بات سننے پر کوئی بھی اللہ سے بڑھ کر برداشت کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ پھر بھی انہیں عافیت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۳ از بخاری)

پھر فرمایا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہے سب رحمٰن کے حضور میں بندہ بنے ہوئے حاضر ہوں گے۔ (سب اللہ کے بندے ہیں اور بندگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے اس کا بندہ ہونے سے کسی کو بھی انکار اور استنکاف نہ ہوگا جو سراپا بندہ ہو وہ کیونکر خالق جل مجدہ کی اولاد ہو سکتا ہے)

لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ان تمام حاضر ہونے والوں کو اس نے اپنے علمی احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔ کوئی بھی بچ کر اور بھاگ کر اس کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتا یہ جو لوگ اسکے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں یہ نہ سمجھیں کہ قیامت کے دن بھاگ نکلیں گے اور عذاب سے بچ جائیں گے ایسا ہرگز نہیں اس کا علم اور قدرت سب کو محیط ہے اور سب اس کے شمار میں ہیں۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (اور ہر ایک اس کے پاس فرداً فرداً تنہا آئے گا) وہاں اپنا اپنا حساب دینا ہوگا اور اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا سزا پائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ

بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے رحمٰن اس کے لئے محبت پیدا فرما دے گا سو ہم نے قرآن کو

بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ آپ اسکے ذریعہ متقین لوگوں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں' اور ہم نے اس سے پہلے

مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا' کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی کوئی آہٹ سنتے ہیں۔

اہل ایمان کا اکرام' قرآن مجید کی تیسیر'
ہلاک شدہ امتوں کی بربادی کا اجمالی تذکرہ

تفسیر: پہلی آیت میں اہل ایمان کی ایک فضیلت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا فرما دے گا یعنی تمام فرشتے جو آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور تمام مومن بندے جو زمین پر رہتے اور بستے ہیں اللہ تعالیٰ

ان کے قلوب میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور یہ اللہ کی محبت کے بغیر نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت فرمائے گا اور اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت ڈال دے گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیل علیہ السلام آسمان میں پکار کر اعلان کر دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے یعنی اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ (اس سے صالحین مراد ہیں اگر کافر و فاسق صالحین سے محبت نہ کریں تو اہل ایمان ان سے بے نیاز ہیں) پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو لہٰذا جبرئیل بھی اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں ندا دے دیتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص مبغوض ہے لہٰذا تم اس سے بغض رکھو اس پر آسمان والے اس سے بغض رکھنے لگتے ہیں، پھر اس کے لئے زمین میں بغض ہی رکھ دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۳۱ ج ۲) مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا میں یہی بات بتائی ہے کہ رحمٰن جل شانہٗ لوگوں کے دلوں میں صالحین کی محبت ڈال دیتا ہے نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کے دلوں میں ان حضرات کی محبت ڈال دے گا اور رزق عطا فرمائے گا اور حسن اخلاق اور احسن اعمال اور اچھا تذکرہ نصیب فرمائے گا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ایک شخص نے یہ طے کیا کہ میں ایسی عبادت کروں گا جس کا چرچا ہوگا وہ ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا تھا اور سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر میں نکلتا سات مہینے اسی طرح گذر گئے لیکن حال یہ تھا کہ جب کبھی لوگوں پر گذرتا تو لوگ کہتے کہ دیکھو یہ ریاکار جا رہا ہے جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو اپنے نفس سے کہا کہ دیکھ اس طرح سے تو تیری شہرت برائی سے ہی ہو رہی ہے اب نیت کو پلٹنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مطلوب ہونی چاہئے جب اس نے نیت پلٹ دی اور عبادت میں اسی طرح لگا رہا تو جدھر جاتا تھا لوگ کہتے تھے کہ اس پر اللہ کی رحمت ہو حضرت حسن نے یہ واقعہ نقل کر کے آیت بالا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ تلاوت فرمائی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ اچھا یا برا کوئی بھی عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی چادر ضرور پہنا دیتا ہے۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۴۰ ج ۳)
مطلب یہ ہے کہ اصحاب خیر کی خیر کے ساتھ شہرت ہوگی اور اصحاب شر کا شر کے ساتھ تذکرہ ہوگا۔ جن حضرات نے اللہ کے لئے عمل کیا اور اللہ ہی کے لئے محنتیں کیں سینکڑوں سال گذر جانے پر بھی آج تک مومنین کے دلوں میں ان کی محبت ہے اور ان کے اچھے کارناموں کا تذکرہ ہے ان کے برخلاف جو لوگ دنیادار صاحب اقتدار تھے لیکن پرہیزگار نہ تھے اور جو لوگ مالدار تھے اعمال صالحہ سے خالی تھے ان لوگوں کو عموماً برائی ہی سے یاد کیا جاتا ہے مومن بندوں کو چاہئے کہ صرف اللہ ہی کے

لئے عمل کریں، تذکرہ خیر ہی سے ہوگا اہل ایمان ان سے محبت کریں گے جو طالب دنیا ہوا وہ تو خسران عظیم میں چلا گیا۔

پھر فرمایا فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۔ (سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ آپ اس کے ذریعہ متقی لوگوں کو بشارت دیں اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں)

قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان تھی آپ نے کسی سے پڑھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے آپ کے لئے آسان فرما دیا اور آپ کی امت کے لئے بھی آسان کر دیا عربی اور عجمی چھوٹے بڑے سبھی پڑھتے ہیں اور اس کے مضامین سمجھتے ہیں رسول اللہ ﷺ قرآن کے ذریعہ متقین کو یعنی اسکی تصدیق کرنے والوں کو بشارت دیتے رہے اور جھگڑالو قوم کو ڈراتے رہے۔

لُدًّا جمع ہے الد کی جس کا معنی جھگڑالو کا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے قوم قریش مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا معناہ قوماً لدالا یستقیمون یعنی وہ کجی اختیار کرنے والے جو ٹھیک راہ پر نہیں آتے اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو دلوں کے کانوں سے بہرے ہیں۔ (ابن کثیر صفحہ ۱۴۰ ج ۳)

آخر میں فرمایا وَکَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ (اور ہم نے اس سے پہلے کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا) هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِکْزًا (کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی کوئی آہٹ سنتے ہیں)

مطلب یہ ہے کہ تکذیب کرنے والی بہت سی امتیں اور جماعتیں گذر چکی ہیں جو اپنی نافرمانی کی پاداش میں ہلاک کی گئیں آج ان کی کوئی بات سننے میں نہیں آتی وہ کہاں ہیں دنیا میں کیسی کیسی بولیاں بولا کرتے تھے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے ہر طرح کی بولتی بند ہوگئی اب نہ کہیں ان کی کوئی آواز ہے اور نہ کہیں آہٹ ہے قران کی تکذیب کرنے والوں کو ان ہلاک شدہ اقوام سے سبق لینا چاہئے۔

ولقد تم تفسیر سورة مریم للثالث والعشرین من ذی الحجه ۱۴۱۴ھ
من هجرة سیدنا خیر الامام علیه وعلی اله وصحبه الصلوة والسلام
والحمد لله علی التمام

سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَةً وَّثَمَانُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ طٰہٰ جس میں ایک سو پینتالیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

طٰهٰ ۝۱ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ

طٰہٰ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے جو ڈرتا ہو یہ اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا

خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا' وہ بڑی رحمت والا ہے عرش پر مستوی ہوا' اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

اور جو زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور جو تحت الثری ہے اور اگر آپ زور سے بات کریں تو بلاشبہ وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور اس بات کو بھی

السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

جو اس سے زیادہ خفی ہو اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

آسمان اور زمین پیدا کرنے والے کی طرف سے قرآن نازل ہوا ہے جو ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے

تفسیر: یہاں سے سورہ طٰہٰ کی ابتداء ہو رہی ہے لفظ طٰہٰ' الٓمٓ اور دیگر حروف مقطعات کی طرح متشابہات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ صاحب معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۱ نے مفسر کلبی سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے محنت اور مشقت کے ساتھ بہت زیادہ عبادت گزاری شروع فرمائی طویل قیام کی وجہ سے کبھی داہنے پاؤں پر اور کبھی بائیں پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے اور ساری رات نماز پڑھتے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى نازل فرمائی' اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ خوب زیادہ عبادت کرتے ہیں تو کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ یہ قرآن جو تم پر نازل ہوا ہے یہ تمہیں مشقت میں ڈالنے ہی کے لئے اترا ہے اس پر آیت کریمہ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى نازل ہوئی یعنی ہم نے قرآن کو آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اُٹھائیں۔ آیت بالا کی تفسیر میں ایک دوسری وجہ بھی بعض مفسرین نے اختیار

کی ہے ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ منکرین جو سرکشی کرتے ہیں اور تکذیب میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں آپ کو اس پر قلق اور رنج نہ ہونا چاہئے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا گیا کہ آپ مصیبت میں پڑیں اور تکلیف اٹھائیں آپ کے ذمہ تبلیغ ہے جب آپ نے اس فریضہ کو انجام دے دیا اور برابر انجام دے رہے ہیں تو آپ کو اس فکر میں پڑنے اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے اس تفسیر کی بناء پر آیت شریفہ کا مضمون سورہ کہف کی آیت کریمہ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا کے موافق ہو جائے گا۔ (ذکرہ صاحب الروح ج ۱۶ ص ۱۴۹)

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی یعنی یہ قرآن ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے، قرآن مجید نصیحت تو تمام انسانوں کے لئے ہے لیکن خاص کر خوف و خشیت والوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ جو لوگ قرآن سن کر متاثر نہیں ہوتے اور اس کے مضامین پر ایمان نہیں لاتے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے۔ قال صاحب الروح **وخص الخاشی بالذکر مع ان القرآن تذکرۃ للناس کلھم لتنزیل غیرہ منزلۃ العدم غیر منتفع** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں قرآن کی نصیحت کو ڈرنے والوں کے ساتھ مخصوص کیا باوجود یہ کہ قرآن پوری انسانیت کے لئے نصیحت ہے اس لئے کہ جو لوگ ڈرتے نہیں ان کا سننا نہ سننے کے برابر ہے کہ وہ نفع نہیں اٹھاتے) یہ سورہ یٰسٓ میں فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ (آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈراتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں اور بغیر دیکھے اس سے ڈرتے ہیں ایسے ہی لوگ نصیحت پر کان دھرتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی کتاب کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں۔

تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی (یہ قرآن اس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا)

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (رحمٰن عرش پر مستوی ہوا) استوی علی العرش کے بارے میں سورہ اعراف کی آیت اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (ع ۸) کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ انوار البیان ص ۲۴۰ ج ۳

آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو ما تحت الثریٰ ہے اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی (اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ ہے) اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا خالق اور مالک ہے علوی اور سفلی جہت میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور ساتویں زمین کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی اسی کا ہے۔

ثریٰ نمناک یعنی تر مٹی کو کہتے ہیں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا مطلب

بتاتے ہوئے فرمایا مَا تحت الارض السابعة یعنی ساتویں زمین کے نیچے جو کچھ ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔ زمینوں کے سات ہونے کی تصریح صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمانا اسی کے مطابق ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایک بالشت کے برابر بھی ظلم کر کے زمین کا کچھ حصہ لے لیا تو قیامت کے دن اس کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔ بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے۔ کہ جس نے ناحق زمین کا کچھ حصہ لے لیا تو قیامت کے دن اسے ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا۔ مسند احمد میں یوں ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے ظلم کر کے بالشت بھر زمین کا کوئی حصہ لے لیا اللہ تعالیٰ اسے مجبور کرے گا کہ وہ کھودے یہاں تک کہ ساتویں زمین کے آخر تک کھودتا جائے۔ پھر اسے قیامت کا دن ختم ہونے تک اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلے ہوں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۶)

اللہ تعالیٰ زور سے کہی بات اور خفی بات کو بھی جانتا ہے

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (اے مخاطب اگر تو زور سے بات کرے تو وہ چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور جو اس سے خفی ہو اس سب کو جانتا ہے) زور کی آواز تو سنتا ہی ہے جو کوئی چپکے سے بات کرے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو اس سے بھی زیادہ خفی ہو وہ اسے بھی جانتا ہے۔ چونکہ وہ خفیہ آواز کے علاوہ اس بات کو بھی جانتا ہے جو کسی کے دل میں ہو جسے زبان سے ظاہر نہ کرے اس لئے يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى فرمایا یعنی يَسْمَعُ کی بجائے لفظ يَعْلَمُ فرمایا تا کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ آواز والی بات کو سنتا ہے اور جانتا ہے اور اس کے علاوہ جو بات زبان سے نہ نکلی ہو اور دل میں ہو وہ اسے بھی جانتا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں) جو اس کے بے مثال اوصاف اور کمالات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے بارے میں سورہ اعراف (رکوع ۲۲) اور سورہ بنی اسرائیل کے آخری رکوع کی تفسیر کی مراجعت کر لی جائے۔ (انوار البیان ص ۹۶ ج ۴)

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی ہے جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے آگ دیکھی ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں سے

اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۞ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ

تمہارے لئے ایک شعلہ لے آؤں یا آگ پر راستہ بتانے والا کوئی شخص مل جائے سو جب اس کے پاس آئے تو انہیں ندا دی گئی کہ اے موسیٰ بے شک میں تمہارا رب ہوں سو

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۞

اپنی جوتیاں اتار دو بے شک تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے سو جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہے

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ

اسے سن لو۔ بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو تم میری عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو بلاشبہ قیامت آنے والی ہے

اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا

میں اس کو پوشیدہ رکھوں گا تاکہ ہر جان کو اس کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ دے دیا جائے۔ سو جو شخص اس پر ایمان نہ لائے

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿١٦﴾ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا

اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرے وہ تمہیں اس سے نہ روک دے ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے اور اے موسیٰ وہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے عرض کیا وہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں

وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا

اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو سو انہوں نے اس کو ڈال دیا۔

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ٚ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ

سو وہ اچانک دوڑتا ہوا سانپ ہے۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت۔ ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اور اپنے ہاتھ کو

يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾

اپنی بغل میں لے لو اور وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم تم کو بڑی نشانیوں میں بعض نشانیاں دکھلائیں۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾

تم فرعون کی طرف چلے جاؤ، بلاشبہ وہ سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے۔

مدین سے واپس ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگ نظر آنا اور نبوت سے سرفراز کیا جانا اور دعوت حق لے کر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہونا

تفسیر: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے تمام قبیلے (جو تعداد میں بارہ تھے) مصر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد وہاں ان لوگوں کی کوئی حیثیت نہ رہی پردیسی ہونے کی وجہ سے مصر کے اصل باشندے یعنی قبطی لوگ انہیں بری طرح ستاتے تھے سخت کاموں میں پیلتے تھے اور بیگاریں لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا

فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ فرعون ہی کے گھر میں ان کی پرورش ہوئی (جیسا کہ آئندہ رکوع میں اور سورہ قصص کے پہلے رکوع میں اس کا ذکر ہے) جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو انہوں نے ایک قبطی (یعنی مصری قوم کے آدمی) کو دیکھا کہ وہ ایک بنی اسرائیل کے آدمی سے لڑ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک گھونسا مارا اس کا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک شخص نے بتایا کہ فرعون کے لوگ مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں لہٰذا یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکل گئے اور مدین میں قیام فرمایا' وہاں دس سال رہے شادی بھی وہیں ہوئی جب وہاں سے اپنی بیوی کو لے کر واپس مصر آ رہے تھے تو یہ واقعہ پیش آیا جو یہاں سورہ طٰہٰ میں اور سورہ نمل میں اور سورہ قصص میں مذکور ہے۔ ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو راستہ میں سردی بھی لگی اور راستہ بھی بھول گئے۔ اسی حال میں تھے کہ طور پہاڑ پر آگ نظر آئی۔ اسے دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں رہو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں ابھی تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں گا کوئی رہبر ملے گا تو راستہ معلوم کر لوں گا یا آگ کا کوئی شعلہ لے آؤں گا تاکہ تم آگ جلا کر تاپ لو۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اپنی حاجات کے ساتھ اہل خانہ کی حاجت روائی کا بھی خیال کرنا لازم ہے چونکہ ان کی اہلیہ بھی سردی سے متاثر ہو رہی تھیں اس لئے ان کے گرمی حاصل کرنے کے لئے آگ کا شعلہ لانے کا ارادہ فرمایا) جب آگے بڑھے اور آگ کی جگہ پہنچے تو وہاں ماجرا ہی دوسرا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نبوت سے سرفراز فرمانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں تم جس جگہ پر ہو یہ مقدس پاک میدان ہے جس کا نام طویٰ ہے تم اپنی جوتیاں اتار دو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں گدھے کی کھال سے بنی ہوئی تھیں جس کو دباغت نہیں دی گئی تھی اور عکرمہ و مجاہد نے فرمایا کہ جوتیاں اتارنے کا حکم اس لئے ہوا کہ مقدس سرزمین کی مٹی ان کے قدموں کو لگ جائے (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۳) اللہ جل شانہ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی (اور میں نے تمہیں چن لیا لہٰذا جو وحی کی جاتی ہے اسے ٹھیک طریقہ پر سنو) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (بلاشبہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز کو قائم کرو) یوں تو موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی سے مومن تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ربوبیت اور الوہیت کی مزید معرفت عطا فرمائی اور انہیں اپنی عبادت کی تلقین فرمائی اور قیامت کے آنے اور قیامت کے دن ہر عمل کرنے والے کو اپنے اپنے عمل کا بدلہ دیئے جانے کا تذکرہ بھی فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ قیامت آنے کا بھی عقیدہ رکھو' جو لوگ قیامت کو نہیں مانتے اور اپنی خواہشات نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اللہ کے احکام اور اخبار کی تصدیق نہیں کرتے ان کی بات نہ ماننا اگر منکرین میں سے کسی کی بات مان لی تو تم ہلاک ہو جاؤ گے" حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے تو یہ بات بہت بعید ہے کہ کسی منکر مکذب کی بات مانیں ان کو خطاب کر کے دوسروں کو تنبیہ فرما دی کہ منکرین قیامت کی بات مان کر برباد نہ ہو جانا۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوفرعون کی طرف بھیجنا تھا اور ایسی نشانی بھی دینی تھی جس سے فرعون پر حجت قائم ہو جائے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو نشانیاں عطا فرمادیں۔ ان میں سے ایک تو ان کی عصا تھی اور دوسرا ید بیضاء تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں دس سال بکریاں چرائیں تھیں اس لئے ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی رہتی تھی جو اس وقت بھی ان کے ہاتھ میں تھی جواب میں عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔ اور تھوڑے سے جواب پر اکتفاء نہیں کیا چونکہ خالق کائنات جل مجدہ سے باتیں ہونے کا موقع تھا اس لئے بات لمبی کردی اور مزید عرض کیا کہ میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں اور اس کے ذریعہ اپنی بکریوں کے لئے پتے بھی جھاڑتا ہوں اور ان کے علاوہ بھی دوسرے کاموں میں استعمال کرتا ہوں۔ (مثلاً موذی جانوروں کو مارنا اور اس کے ذریعہ پانی کا مشکیزہ اور زادراہ اٹھانا وغیرہ)

قَالَ اَلْقِهَا يَا مُوْسٰى (باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوا کہ اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو) فَاَلْقٰهَا (سو اسے انہوں نے ڈال دیا) فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى (سو اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی) سورہ نمل میں ہے کہ جب انہوں نے اسے سانپ کی شکل میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا خُذْهَا وَلَا تَخَفْ (اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں) سورہ نمل میں یہ الفاظ بھی ہیں اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ (کہ میرے سامنے پیغمبر ڈرا نہیں کرتے) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ (چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ رکھا اور اٹھانے لگے تو وہ لاٹھی ویسی ہی ہوگئی جیسی پہلے تھی) یہ ایک نشانی ہوئی۔ دوسری نشانی عطا فرمانے کے لئے باری تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوا وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ (تم اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں ملالو) تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (وہ بغیر عیب کے سفید ہونے کی حالت میں نکلے گا) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بغل میں ہاتھ ڈالا پھر واپس نکالا تو وہ خوب زیادہ سفید روشن تھا۔ اور یہ سفیدی کسی عیب یعنی برص وغیرہ کی بیماری کی وجہ سے نہ تھی اسی کو مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فرمایا۔ یہ دو نشانیاں ہوئیں پھر فرمایا لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى (تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی آیات میں سے دکھائیں) اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو بڑے بڑے معجزات دیئے گئے تھے ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا روشن ہونا سب سے بڑی نشانی تھی۔ یہ دونوں نشانیاں دے کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیج دیا اور فرمایا اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (فرعون کے پاس چلے جاؤ بے شک اس نے سرکشی اختیار کررکھی ہے) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعا کرنے اور اپنے بھائی ہارون کو اپنا وزیر بنانے اور پھر فرعون کے پاس جانے اور جادوگروں کے مقابلہ کرنے کا ذکر ہے جو آئندہ دو رکوع میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور ربانی کو نار سمجھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کی جگہ پر پہنچے تو (مقدس سرزمین طویٰ کی اس جانب کے کنارے سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داہنی طرف تھی) ایک درخت سے آواز آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا جیسا کہ سورہ قصص میں مذکور ہے۔ یہ جو آگ نظر آئی تھی اس کے بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۱۳ میں لکھتے ہیں قال اھل التفسیر لم یکن الذی راہ موسی نارا بل کان نورا ذکر بلفظ النار لان موسیٰ حسبہ نارا یعنی اہل تفسیر نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا تھا وہ حقیقت میں آگ نہیں تھی بلکہ وہ نور تھا چونکہ انہوں نے اسے دور سے آگ محسوس کیا تھا اس لئے نار سے تعبیر فرمایا۔ پھر فرماتے ہیں وقال اکثر المفسرین ھو نور الرب عزوجل وھو قول ابن عباس و عکرمۃ وغیرھما (اور اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ وہ رب جل شانہٗ کا نور تھا حضرت ابن عباس اور حضرت عکرمہ وغیرہما کا یہی ارشاد ہے)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ یعنی اس کی ذات کا پردہ نور ہے اگر وہ پردہ ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ساری مخلوق کو جلا دیں جہاں تک اس کی نظر ہے (رواہ مسلم) یعنی مخلوق کے پردے مادی پردے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق سے محجوب ہے وہ اپنے عزوجلال کے نور سے محتجب ہے یہ انوار اٹھ جائیں تو ساری مخلوق جل کر خاک ہو جائے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس نور کو آگ کی صورت میں محسوس کیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ وہی حجاب والا نور تھا۔ جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے آگ محسوس کیا صاحب روح المعانی ج ۱۶ ص ۱۲۶ نے وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے بحوالہ کتاب الزہد للامام احمد وغیرہ نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک عجیب حیرت انگیز منظر دیکھا ایک بڑی آگ ہے جو ایک ہرے بھرے درخت کے اوپر شعلے مار رہی ہے مگر حیرت یہ ہے کہ درخت کی کوئی شاخ یا پتہ نہیں جلتا بلکہ آگ کی وجہ سے درخت کے جس میں تری اور تازگی اور رونق میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام اس انتظار میں رہے کہ شاید کوئی چنگاری زمین پر گرے تو اسے اٹھالیں دیر تک دیکھتے رہے لیکن کوئی چنگاری نہ گری انہوں نے گھاس کے کچھ تنکے جمع کئے اور انہیں آگ کے قریب کیا تا کہ ان میں آگ لگ جائے تو انہیں لے کر چلے جائیں لیکن اس میں بھی آگ نہ لگی اور بعض روایات میں ہے کہ آگ ان کی طرف بڑھی تو وہ خود پیچھے ہٹ گئے بہر حال آگ لینے کے مقصد سے تشریف لائے تھے وہ مقصد پورا نہ ہوا اسی عجیب وغریب حالت وحیرت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی آواز آ گئی اِنِّیٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اھ مختصراً

نماز ذکر اللہ کے لئے ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی عبادت کا حکم فرمایا پھر ایک خاص طریقہ عبادت یعنی نماز کا خاص طور پر حکم دیا اور فرمایا وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی امتوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سرزمین مکہ میں اپنی اہلیہ اور بچے کو چھوڑا تو بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کیا رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (اے ہمارے رب میں نے اپنے ذریت کو آپ کے بیت محرم کے پاس ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے جو کھیتی باڑی والی نہیں ہے اے ہمارے رب تا کہ وہ نماز قائم کریں) اور دعا میں یوں عرض کیا رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری ذریت میں سے بھی اور اے ہمارے رب ہماری دعا قبول فرما) درحقیقت نماز بہت بڑی چیز ہے اور شہادتین کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ سفر میں حضر میں حرج میں مرض میں امن میں خوف میں ہر حال میں نماز فرض ہے۔ یہ تو ہے کہ لمبے سفر میں (جس کی مقدار کتب فقہ میں لکھی ہے) چار رکعت کی جگہ دو رکعت مشروع کر دی گئی لیکن بالکل ہی معاف نہیں جب تک ہوش وحواس قائم ہیں انسان نماز پڑھنے کا مکلف ہے۔ نماز کی بڑی بڑی خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے اور کسی عبادت کے لئے اذان نہیں رکھی گئی۔ پھر اذان بھی اول سے آخر تک اللہ کا ذکر ہے اور نماز بھی اول سے آخر تک ذکر اللہ ہے۔ اللہ اکبر سے شروع کی جاتی ہے اور السلام علیکم پر ختم کی جاتی ہے درمیان میں تلاوت ہے اذکار ہیں تسبیح اور تقدیس ہے۔ تکبیر تہلیل ہے۔ تشہد ہے اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ ہے اور آخر میں دعا ہے یہ سب ذکر ہی ہے پھر نماز کے بعد تسبیحات پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ اور نماز میں سارے اعضاء عبادت میں لگ جاتے ہیں زبان سے ذکر ہے آنکھیں بھی پابند ہیں ہاتھ بھی باندھے ہوئے ہیں۔ پاؤں بھی ایک جگہ رکھے ہوئے ہیں دل میں خشوع کی کیفیت ہے پورے جسم سے خشوع اور عجز و نیاز ظاہر ہو رہا ہے یہ سب حالات ایسے ہیں جو بندے کو سراپا خالق و مالک جل مجدہ کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں نماز دنیا میں بھی اول ہے اور آخرت میں سب سے پہلے اس کی پوچھ ہوگی یہ جو فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو اس میں لفظ ذکر عام ہے زبان سے تو نماز میں اللہ کا ذکر ہوتا ہی ہے حضور قلب بھی ہونا چاہئے تا کہ دل سے بھی ذاکر اور خاشع ہو جب دل میں خشوع اور خضوع ہوتا ہے تو اعضاء و جوارح پر بھی ظاہر میں اس کا اثر پڑتا ہے۔ اور جب نماز اچھی طرح پڑھی جائے اور دل میں ذکر اللہ کی کیفیت جاگزین ہو جائے تو پھر نماز کی طرف پوری رغبت ہو جاتی ہے نفس نماز سے کتراتا ہے تو قلب اسے رجوع کرا دیتا ہے اور نماز پر آمادہ کر دیتا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اسی قدر نماز کی رغبت ہوگی دل بھی لگے گا فرائض بھی اچھی طرح پڑھے جائیں گے سنن اور نوافل کا بھی اہتمام ہوگا۔

بکریاں چرانے میں حکمت اور مصلحت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین تشریف لے گئے تو وہاں ایک صالح بزرگ تھے انہوں نے ان سے اس شرط پر اپنی ایک لڑکی سے نکاح کر دیا کہ تم آٹھ سال تک میری بکریاں چراؤ اور اگر دس سال تک چرادو تو یہ خدمت تمہاری اپنی طرف سے ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کی مدت پوری فرمائی وہاں بکریاں چراتے رہے۔

حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سورہ طسمٓ یعنی سورۃ قصص پڑھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ بلاشبہ موسیٰ نے اپنی جان کو آٹھ سال یا دس سال اپنی شرمگاہ کی پاکیزگی اور اپنے پیٹ کی خوراک کے لئے اجرت پر دے دیا تھا (رواہ احمد وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۲۱۸) مطلب یہ ہے کہ اتنی طویل مدت تک اپنے خسر کی بکریاں چرائیں جس سے پیٹ بھرنے کا انتظام بھی ہو گیا اور شرمگاہ کے پاک رکھنے کا بھی کیونکہ یہ خدمت بیوی کے مہر کے حساب میں لگائی گئی تھی (کما قالہ بعض العلماء)

بکریاں چرانے کا کام تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے کیا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ بکریوں کے چرانے میں نفس کو مشقت بھی ہوتی ہے جسے برداشت کرنا پڑتا ہے اور ضعیف کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی بھی مشق ہو جاتی ہے بکری ضعیف جانور ہے اگر وہ بھاگ جائے تو پکڑ کر لانا پڑتا ہے اسے مارو تو ہڈی پسلی ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے ضبط وتحمل کے بغیر چارہ نہیں ہوتا پھر اس کے مزاج میں تواضع بھی ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں نمازیں نہ پڑھو اور بکریوں کے رہنے کی جگہوں میں نمازیں پڑھ لیا کرو۔ (مشکوٰۃ المصابیح) اونٹوں میں شر کا مادہ ہے حملہ کرنے کا اندیشہ رہتا ہے بکری بیچاری سیدھی سادھی عاجز مخلوق ہے اس سے حملہ کا کوئی اندیشہ نہیں جب بکریوں کے ساتھ کوئی شخص گزارہ کرے اور ایک عرصہ تک چرائے تو اس کے لئے عوام الناس سے خطاب کرنے اور ان کے ساتھ نباہنے اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں انہیں برداشت کرنے کی عادت بن جاتی ہے اس لئے حکمت کا تقاضا ہوا کہ ہر نبی بکریاں چرائے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔ جس کی مزدوری چند قیراط تھی (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۱)

قیراط اس زمانہ میں چاندی کے ایک بہت چھوٹے سے ٹکڑے کو کہا جاتا تھا جس کی مقدار پانچ جو کے برابر ہوتی تھی اس کے ذریعہ لین دین ہوتا تھا اور مزدور کو مزدوری میں بھی دیا جاتا تھا۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی لاٹھی کے بارے میں کہیں حیۃ اور کہیں جَـانٌّ اور کہیں ثُعْبَانٌ کا لفظ آیا ہے۔ ثُعْبَان بڑے اژدھے کو اور جان پتلے اور چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے اور حَیَّةٌ عام ہے یہاں بعض مفسرین کو اشکال ہوا کہ ایک ہی چیز کو تین طرح جو تعبیر فرمایا اس سے تعارض کا ابہام ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ثُعْبَان کا لفظ صرف اس موقع پر آیا ہے جب پہلی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس پہنچے اور اسے ید بیضاء دکھایا

پھر اپنی عصاء کو ڈال دیا تو وہ ثعبان بن گیا۔ اس موقع کے علاوہ یہ لفظ کسی جگہ استعمال نہیں ہوا۔ وادی طویٰ پر جب عصاء ڈالنے کے لئے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوا اور اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصاء ڈال دی سورہ طٰہٰ میں یہ ہے کہ وہ حیۃ بن گئی اور سورہ قصص اور سورہ نمل میں ہے کہ وہ جان بن گئی اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لفظ حیۃ ہر چھوٹے بڑے سانپ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اب رہا جادوگروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی عصا کو ڈالا وہاں تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی لاٹھی ڈال دی۔ وہ جادوگروں کی بنائی ہوئی چیزوں کو لقمہ بنانے لگی سورۃ اعراف اور سورہ طٰہٰ اور سورہ شعراء میں تینوں جگہ یہی ہے ان مواقع میں حَيَّةٌ یا ثُعْبَانٌ یا جَانٌّ میں سے کوئی لفظ نہیں لہٰذا کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض جب ہوتا جبکہ ایک ہی جگہ میں ثعبان اور جان دونوں کا ذکر ہوتا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾
موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا سینہ کھول دیجئے اور میرے لئے کام کو آسان فرمائیے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تا کہ وہ لوگ میری بات کو سمجھیں
یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾
اور میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیر بنا دیجئے یعنی میرے بھائی ہارون کو ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دیجئے
وَاَشْرِکْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾
اور انہیں میرے کام میں شریک کر دیجئے تا کہ ہم کثرت سے آپ کی پاکی بیان کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔ بلاشبہ آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں۔
قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی ﴿۳۶﴾
فرمایا اے موسیٰ تمہاری درخواست منظور کر لی گئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر اور طلاقت لسان کے لئے دعا کرنا اور اپنے بھائی ہارون کو شریک کار بنانے کی درخواست کرنا اور دعا کا قبول ہونا

تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر اور دو بڑی بڑی نشانیاں (عصا اور ید بیضاء) عطا فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب جس کام کا حکم فرمایا ہے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیجئے اور میرے کام کو آسان فرمائیے۔ شرح صدر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا) جب شرح صدر ہوتا ہے تبھی کام

کرنے کی ہمت ہوتی ہے اور کام آگے بڑھتا ہے شرح صدر کی دعا میں حوصلہ ہمت کا بڑھنا بات کہنے پر قادر ہونا مخاطبوں سے نہ جھجکنا علی الاعلان بات کہنا بات کہنے کے طریقے منکشف ہونا علوم کا متحضر ہونا اور علوم میں اضافہ ہونا اور علم کرنے کی صورتوں کا قلب پر وارد ہونا یہ سب کچھ آ جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ میری زبان میں جو گرہ ہے اسے کھول دیجئے تاکہ میرے مخاطب میری بات کو سمجھ لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زبان میں ان کی پیدائشی لکنت تھی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بچپن میں جب وہ فرعون کے ہاں اس کے محل میں رہتے تھے اس وقت انہوں نے فرعون کی داڑھی پکڑ لی تھی اس پر فرعون کو خیال ہوا کہ کہیں یہ لڑکا وہی تو نہیں ہے جس کے بارے میں پیشین گوئی کرنے والوں نے بتایا ہے کہ میری حکومت چلی جانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس پر جب اس نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو فرعون کی بیوی نے کہا یہ ناسمجھ بچہ ہے نادان ہے داڑھی پکڑنے سے اس طرح کا اثر لینا اور قتل کرنے کا ارادہ کرنا درست نہیں اس کی نادانی کی آزمائش کر لی جائے لہٰذا ان کے سامنے جواہر اور آگ کے انگارے رکھ دو پھر دیکھو کیا کرتا ہے جب دونوں چیزیں سامنے رکھ دی گئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کا انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا تھا جس کی وجہ سے زبان جل گئی زخم تو اچھا ہو گیا لیکن لکنت باقی رہ گئی اس لکنت کی وجہ سے انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ جو میرے مخاطب ہوں وہ میری بات سمجھ سکیں۔ بعض علماء تفسیر نے یہاں یہ نکتہ بتایا ہے کہ چونکہ انہوں نے یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ بھی دعا میں کہہ دیا تھا اس لئے پوری زبان کی لکنت زائل نہیں ہوئی کچھ باقی رہ گئی تھی۔ اسی لئے فرعون نے عیب لگاتے ہوئے یوں کہا تھا اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (کیا میں بہتر ہوں یا یہ بہتر ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں اور وہ بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا) چونکہ پوری طرح زبان کی گرہ زائل نہیں ہوئی اس میں کچھ لکنت باقی تھی۔ (اگرچہ بات سمجھانے کے بقدر بات کر لیتے تھے) اس لئے فرعون کو یہ بات کہنے کا موقع ملا تھا اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے عناداً ایسا کہا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی کہ اے میرے رب میرے کنبہ میں سے میرا ایک وزیر یعنی معاون بنا دیجئے پھر اس کی خود ہی تعیین کر دی اور عرض کیا کہ یہ معاون میرے بھائی ہارون ہوں ان کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر دیجئے اور انہیں میرے کام میں شریک کر دیجئے یعنی انہیں بھی نبوت عطا فرما کر تبلیغ کا کام سپرد فرما دیجئے تاکہ میں اور وہ دونوں مل کر نبوت کا کار مفوضہ انجام دیں۔

سورہ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا معاون بنانے کے لئے یوں دعا کی وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے سو آپ ان کو میرے ساتھ رسالت سپرد کر دیجئے۔ جو میرے مددگار ہوں اور میری تصدیق کریں بیشک مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں) اس کے بعد سورۃ قصص میں دعا قبول فرمانے کا ذکر ہے

ارشاد ہے۔ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کے لئے ایک شوکت عطا کر دیں گے لہٰذا ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی۔ تم ہمارے معجزوں کو لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کرے گا غالب ہو گے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے معاون ہونے کی دعا کرنے کے ساتھ یوں بھی عرض کیا۔ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِيرًا (ہم کثرت سے آپ کی پاکی بیان کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں) اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ ودعوت کے کام میں ذکر اور تسبیح میں مشغول رہنے کی خاص اہمیت ہے۔ ہر ایک ذکر میں مشغول ہوگا تو ایک دوسرے کے لئے یاد دلانے کا ذریعہ بنے گا اور اللہ کے ذکر سے دل کو تقویت بھی پہنچے گی۔

دعا کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا (کہ اے میرے رب بلاشبہ آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں) ہماری حاجت کا بھی آپ کو پتہ ہے اور جو کچھ فرعون کے ساتھ گذرے گی اس کا بھی آپ کو علم ہے بس ہمیشہ ہماری مدد فرمائیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ تمام دعائیں قبول ہوئیں جیسا کہ ارشاد فرمایا قَالَ قَدْ اُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسٰى (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تمہاری درخواست قبول کر لی گئی) دعائیں کر کے اور دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری پا کر وادی مقدس سے روانہ ہوئے اور مصر پہنچ کر آپ نے حضرت ہارونؑ کو ساتھ لیا اور فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے پہنچ گئے جیسا کہ چند آیات کے بعد اسی رکوع میں آ رہا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بچپن والی تربیت کا پھر ان کے مدین جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوحٰى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيهِ فِي

اور اے موسیٰ ہم نے تم پر ایک مرتبہ اور بھی احسان کیا جبکہ ہم نے تمہاری والدہ کے دل میں وہ بات ڈالی جو انہیں بتائی جارہی تھی۔ وہ یہ کہ تم اسے ایک

التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَيْتُ

صندوق میں رکھ دو پھر اس صندوق کو سمندر میں ڈال دو پھر سمندر اسے کنارے پر ڈال دے گا۔ اس وقت اسے وہ شخص پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی اور میں نے

عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِي ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِي اُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئی پھر وہ کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسا خاندان نہ بتادوں جو اس کی پرورش کا

مَنْ يَكْفُلُهٗ ۖ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ

ذمہ دار ہو جائے پھر ہم نے تمہیں تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو۔ اور تم نے ایک جان کو

مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۗ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى

قتل کر دیا تھا پھر ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں محنتوں میں ڈالا پھر تم اہل مدین میں کئی سال رہے پھر تم

قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝

اے موسیٰ ایک خاص وقت پر چلے آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں تابوت میں ڈال کر بہا دیا جانا پھر فرعون کے گھر والوں کا اٹھالینا، اور فرعون کے محل میں ان کی تربیت ہونا

تفسیر: چونکہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بنی اسرائیل پر بہت ظلم کرتے تھے اس لئے انہیں مصر سے چلے جانے کی ضرورت تھی لیکن فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ انہیں وہاں سے جانے دیں۔ پھر مزید بات یہ ہوئی کہ کاہنوں نے فرعون کو یہ بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے زوال کا ذریعہ بنے گا لہٰذا اس نے یہ کام شروع کر دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اسے قتل کر دیتا تھا اور جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اسے زندہ رہنے دیتا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ بڑی گھبرائیں اور انہیں خطرہ ہوا کہ کہیں میرے لڑکے کو بھی قتل نہ کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور تم نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا ہم اسے تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اسے پیغمبر بنا دیں گے۔ (کما فی سورۃ القصص اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ) انہوں نے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا، بچہ صندوق میں تھا اور صندوق پانی میں بہہ رہا تھا۔ دریا نے اس صندوق کو ایک کنارہ پر لگا دیا وہیں فرعون کا محل تھا اس کے گھر والوں نے دیکھا کہ کنارہ پر ایک صندوق موجود ہے اس کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے۔ یہ وہی بچہ تھا جو فرعون کا دشمن اور فرعون کے لئے مصیبت بننے والا تھا۔ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ (اس بچہ کو وہ شخص لے لے گا جو میرا دشمن ہے اور اس بچہ کا بھی دشمن ہے) اور سورۃ قصص میں فرمایا فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (سو اس بچہ کو فرعون کے لوگوں نے اٹھا لیا تاکہ ان کے لئے دشمن بنے اور غم کا باعث ہو جائے) فرعون کو احساس ہوا کہ یہ بچہ کہیں وہی نہ ہو جو میری حکومت کے زوال کا باعث بن جائے لہٰذا اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (مشہور ہے کہ فرعون لاولد تھا) اس کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کر۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں نفع پہنچا دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں گے۔ اسی طرح مشورہ ہوا اور انہیں انجام کی خبر نہ تھی۔

(کما فی سورۃ القصص وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ

نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت ڈال دی جو شخص بھی انہیں دیکھتا گود میں لیتا اسے ان پر پیار آتا تھا اور اس پیار کی وجہ سے فرعون نے بھی اپنی بیوی کی بات مان لی کہ اسے بیٹا بنالیں گے اور اس بات کا امکان ہوتے ہوئے کہ ممکن ہے یہ بنی اسرائیل ہی میں کا لڑکا ہو قتل کرنے سے باز رہا۔ اسی کو فرمایا وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ اور تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ ادھر تو بچہ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا اور اس بچہ کے پالنے اور بیٹا بنانے کے مشورے ہو گئے اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بہت بیقراری ہوگئی قریب تھا کہ اس بے قراری میں بات ظاہر کر دیتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط رکھا انہوں نے ضبط و تحمل سے کام لیا اور ساتھ ہی یہ سوچا کہ پتہ تو چلانا چاہئے کہ بچہ کہاں پہنچا؟ لہٰذا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ جدھر کو بچہ گیا ہے ادھر کو چلی جا اور بچے کا سراغ لگاؤ' اس لڑکی نے حضرت موسیٰ کو دور سے دیکھ لیا اور پتہ چل گیا کہ بچہ خیریت سے ہے اور شاہی محل میں ہے' لیکن آل فرعون کو اس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ اس کی بہن اسے دیکھ رہی ہے (کما فی سورۃ القصص وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ)۔

آل فرعون نے بچہ کی پرورش کا فیصلہ تو کر لیا لیکن اب دودھ پلانے والی کی تلاش ہوئی' جو بھی عورت اس کام کے لئے بلائی جاتی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ لینے سے انکار کر دیتے' وہ جوان کی بہن دور سے دیکھ رہی تھی اس نے کہا کہ میں تمہیں ایسا گھرانہ بتا دیتی ہوں جو اس کو دودھ بھی پلائے اور اس کی اچھی طرح پرورش بھی کرے اور اس کی خیر خواہی میں لگا رہے فرعون کے گھر والوں کو تو دودھ پلانے والی عورت کی ضرورت ہی تھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا اچھا تم جس عورت کو مناسب حال سمجھ رہی ہو اس کو بلالاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے گھر گئیں اور اپنی والدہ کو (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی والدہ تھیں) بلا کر لے آئیں۔ جب انہوں نے بچہ کو گود میں لیا اور دودھ پلانے لگیں تو بڑی خوشی کے ساتھ اپنی ماں سے چمٹ کر انہوں نے دودھ پی لیا فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ اچھا بی بی تم اس بچہ کو لے جاؤ۔ تم ہی اس کی پرورش کرو اور اس خدمت کے عوض ہمارے ہاں سے وظیفہ بھی ملتا رہے گا۔ چنانچہ وہ اپنے بچہ کو گھر لے آئیں اسی کو فرمایا سورہ طٰہٰ میں اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ (جب تمہاری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتا دوں جو اس کی کفالت کرے' پھر ہم نے تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو)

اور سورہ قصص میں فرمایا: وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے پہلے ہی موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی سو وہ یعنی ان کی بہن کہنے لگیں کیا میں تم

لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچایا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ وہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور کفالت کی صورتحال بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور انعام یاد دلایا اور فرمایا وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا (اور تو نے ایک جان کو قتل کر دیا سو ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور تمہیں محنتوں میں ڈالا) اس کا تفصیلی واقعہ سورہ قصص میں مذکور ہے۔ اجمالی طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے تو باہر نکلتے اور بازاروں میں دوسرے انسانوں کی طرح چلتے پھرتے تھے اور انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں فرعون کا بیٹا نہیں ہوں بنی اسرائیل میں سے ہوں اور مجھے جس نے دودھ پلایا ہے وہ میری والدہ ہی ہے۔ ان کی قوم پر آل فرعون کی طرف سے جو مظالم ہوتے تھے انہیں بھی دیکھتے رہتے تھے۔ ایک دن یہ ہوا کہ باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک شخص بنی اسرائیل میں سے اور ایک شخص قوم فرعون میں سے لڑ رہے ہیں۔ ان کی قوم کے آدمی نے ان سے مدد مانگی لہٰذا انہوں نے فرعون کی قوم کے آدمی کو ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ گھونسہ لگنا تھا کہ یہ شخص وہیں ڈھیر ہو گیا' یہ بات تو مشہور ہو گئی کہ فرعون کی قوم کے ایک آدمی کو کسی نے قتل کر دیا ہے' لیکن یہ پتہ نہ چلا کہ مارنے والا کون ہے؟ اگلے دن پھر ایسا واقعہ پیش آیا کہ ان کی قوم کا وہی شخص جس نے کل مدد چاہی تھی آج پھر کسی سے لڑ رہا تھا یہ دوسرا شخص قبطی یعنی قوم فرعون کا تھا' اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پھر مدد مانگی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑ کر ماریں جو قوم فرعون سے تھا اور جس کے مقابلہ میں اسرائیلی شخص مدد طلب کر رہا تھا' ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اسرائیلی یہ سمجھا کہ مجھے مار رہے ہیں' وہ کہنے لگا کہ آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ اسرائیلی کی زبان سے یہ کلمہ نکلا اور فرعونی کے کان میں پڑ گیا اس نے فرعون کو خبر پہنچا دی لہٰذا وہ بہت برہم ہوا اور اب یہ مشورے ہونے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ اب فرعون کے اہلکار موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا کہ اے موسیٰ فرعونی لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں تا کہ تمہیں قتل کر دیں لہٰذا تم ان کی سرزمین سے نکل جاؤ' یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ہوئے وہاں سے نکلے اور مدین چلے گئے اور مدین تک پہنچنے میں اور وہاں رہنے میں بہت سی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہاں چند سال رہے اس کے بعد واپس مصر آئے اور راستے میں نبوت سے سرفراز ہوئے یہ جو فرمایا وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى اس میں اسی تفصیل کا اجمال ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ

اور میں نے تمہیں اپنے لئے منتخب کرلیا تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا تم دونوں فرعون کی طرف چلے جاؤ، بے شک وہ

اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا

سرکشی اختیار کئے ہوئے ہے پھر تم دونوں اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، ہوسکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے، دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہمیں

نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ

اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرنے پر اتر آئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں مت ڈرو بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں،

فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ

سو تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور تو انہیں تکلیفیں نہ دے۔ ہم تیرے پاس

مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى

تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے، بلاشبہ ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہے

مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

جو جھٹلائے اور روگردانی کرے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ فرعون کے پاس جاؤ، میرے ذکر میں سستی نہ کرنا، اور اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے انعامات یاد دلائے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اپنے لئے چن لیا ہے۔ یہ دوسری مرتبہ ہے اس سے پہلے وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى میں یہ بات گذر چکی ہے۔ انتخاب کا تذکرہ فرمانے میں بھی امتنان ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ان میں سے ایک قبیلہ کے ایک ہی شخص کو چن لینا اور نبوت سے سرفراز فرمانا یہ انعام خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا انتخاب فرمالینا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی تکلیف کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ مزید ارشاد ہوا کہ تم دونوں بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ فرعون کے پاس پہنچو اور میرے ذکر میں برابر لگے رہنا اس میں

سستی نہ کرنا' فرعون سرکش بنا ہوا ہے اس سے جا کر نرمی سے بات کرنا ہو سکتا ہے کہ تمہاری یہ نرمی اس کے لئے نصیحت قبول کرنے کا ذریعہ بن جائے یا وہ اپنے رب سے ڈر جائے اور اپنی سرکشی سے توبہ کر لے اور رب حقیقی کا فرمانبردار ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ دعوت کے کام میں ذکر اور صبر اور نرم گفتاری کی بڑی اہمیت ہے یہ چیزیں قبول حق کے لئے مفید اور معاون ہوتی ہیں کوئی ضدی معاند اور سرکش نہ مانے تو یہ دوسری بات ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم کار مفوضہ کے لئے فرعون کے پاس جا تو رہے ہیں لیکن ہمیں یہ ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے اور زیادتی میں آگے بڑھتا چلا جائے' اس پر اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ تم ڈرومت میں تمہارے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو جو طرح طرح سے تکلیفیں دیتا ہے اس سے باز آ' نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہہ دینا کہ ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں (یہ نشانی عصاء اور ید بیضاء دونوں چیزیں تھیں) سورۃ اعراف اور سورہ شعراء میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے یہی دونشانیاں ظاہر کیں' اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ بھی فرمایا کہ بات کرتے کرتے وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی بھی کہہ دینا۔ (یعنی اس پر سلام ہے جو ہدایت کا اتباع کرے) اس میں فرعون کو یہ بتادیا کہ ہم وہ ہدایت لائے ہیں کہ جو شخص اس کا اتباع کرے گا دنیا اور آخرت میں سلامتی کے ساتھ رہے گا پھر وعید اور انذار کے طور پر فرمایا اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی (کہ بلاشبہ ہماری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ جو شخص جھٹلائے گا اور روگردانی کرے گا اس پر عذاب ہوگا) معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی کو تبشیر اور انذار دونوں چیزیں اختیار کرنی چاہئیں' اور یہ جو فرمایا وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی یہ اس لئے کہ کافروں کو سلام کرنا جائز نہیں۔ کافروں سے خطاب کرے یا خط لکھے تو السلام علیکم نہ کہے بلکہ اَلسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہرقل شاہ روم کو خط لکھا تھا تو اس خط میں سلام علی من اتبع الھدی (لکھ کر اسلام کی دعوت پیش کی تھی) (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵)

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرعون کی طرف بھیجا تھا اس میں فرعون اور اس کی قوم کو ہدایت کرنا اور توحید کی دعوت دینا مقصود تھا اور ساتھ ہی یہ مقصد بھی تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے جائیں۔ سورہ والنازعات میں فرمایا اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓی اَنْ تَزَكّٰی وَاَهْدِيَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی (تم فرعون کے پاس چلے جاؤ بے شک اس نے سرکشی کی ہے پھر اس سے کہو کیا تجھے اس کی خواہش ہے کہ تو پاکیزہ ہو جائے اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تاکہ تو ڈرنے لگے)

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰی ۝۴۹ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝۵۰ قَالَ فَمَا

فرعون نے کہا تو تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ! موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر راہ بتائی۔ فرعون نے کہا

بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾

تو پرانی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنا دیئے اور اس نے آسمان سے پانی اتارا

فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف قسم کے نباتات پیدا کئے۔ کھاؤ اور مویشیوں کو چراؤ بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں

لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

ہیں، اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری بار نکالیں گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مکالمہ

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے ہدایت دی اور خالق کائنات جل مجدہ پر ایمان لانے کے لئے فرمایا تو اس نے بے تکی باتیں شروع کر دیں اور طرح طرح کے سوال کرتا رہا، ان میں سے بعض سوال یہاں سورہ طٰہٰ میں اور بعض سورہ شعراء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں، فرعون تو اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اس نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا اعلان کیا تھا اب جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف ہدایت دیتا ہوں تجھے اس کی رغبت ہے تو قبول کرلے اس پر فرعون کو ناگواری ہونی ہی تھی بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتا دیا کہ جو تیرا رب ہے اسے مان اور اس کی ہدایت قبول کر، اس پر اس نے سوال کیا کہ تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جو میرے علاوہ کوئی دوسرا رب بتا رہے ہو وہ کون ہے؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی یعنی ساری مخلوق اسی کی ہے اور ہر مخلوق کو اس نے جس صورت میں اور جس حالت میں پیدا فرمایا ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے ساری تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اس نے جس کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ ہر چیز کو اس کے اعضاء اور جوارح اس کے لائق عطا فرمائے اور اسی کے حال کے مطابق سمجھ بھی دی اور مخلوقات کو ان کے خواص اور منافع بنائے۔ کسی مخلوق کو اس میں کوئی دخل نہیں ثُمَّ هَدٰى اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا بھی فرمایا پھر ہر چیز کو راہ بھی بتائی۔ یعنی ہر مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق سمجھ دی، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے مطابق جیتی ہے اور اپنے منافع اور مضار کو سمجھتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر ارشاد العقل السلیم سے نقل کی ہے۔ وقال ثم هدى الى طريق الانتفاع والارتفاق بما اعطاء وعرفه كيف يتوصل الى

بقائه و كماله اما اختيار ا كما فى الحيوانات او طبعا كما فى الجمادات و القوى الطبيعية النباتية و الحيوانية (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پھر جو کچھ انہیں عطا کیا ہے اس سے نفع اٹھانے اور انہیں استعمال کرنے کا طریقہ بتلایا اور اسے یہ سمجھایا کہ وہ اپنے بقاء اور کمال تک کیسے پہنچ سکتا ہے یا تو اختیاری طور پر جیسے حیوانات میں یا طبعی طور پر جیسے جمادات اور تمام نباتیاتی اور حیوانی قویٰ میں) (ج ۱٦ص ۲۰۲)

یہ مضمون بہت بڑا بھی ہے اور عجیب بھی جتنا جتنا غور کیا جائے اور مخلوق میں نظر کی جائے اس قدر ذہن میں اس کا پھیلاؤ بڑھتا چلا جائے گا۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو منہ میں پستان دیا جاتا ہے فوراً ہونٹ ہلاتا ہے مرغی کا بچہ پیدا ہوا دانہ ڈالا اس پر دوڑا۔ آدمی کے بچہ نے ذرا سا ہوش سنبھالا ہاتھ سے کھانا شروع کیا چوپاہیوں نے بچہ جنا اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں اس کی ماں مشغول ہوگئی بچہ ماں کے تھنوں کے پاس گیا اور تھنوں کو چوسنا شروع کر دیا چونکہ جانوروں کا کھانے پینے کا سارا کام منہ سے ہی ہوتا ہے اس لئے ہاتھ کے واسطہ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے انہیں ایسے ہاتھ نہیں دیئے گئے جو منہ تک پہنچیں انہیں استنجے کی بھی ضرورت نہیں اس لئے بھی ہاتھ کی ضرورت نہیں انسان کو بہت سے کام ہیں بڑے بڑے کام ہیں لہٰذا اسے ہاتھ دے دیئے گئے مکڑی جالا بنا کر مکھی کو مار کر کھاتی ہے۔ اور چھپکلی روشنی کے پاس آ کر پتنگوں کو شکار کرتی ہے۔ اور دیوار پر بلکہ چھت میں الٹی لٹک کر دوڑ جاتی ہے۔ بکری کا بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اسے چاٹ چاٹ کر اس کے بدن کی اصلاح کرتی ہے۔ مرغی انڈوں پر بیٹھتی ہے اور بچے نکلنے تک بیٹھی رہتی ہے بلی چوہا کھاتی ہے۔ بچھو پر منہ نہیں ڈالتی اور اس طرح کی ہزاروں مثالیں ہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اسے جینے کے طریقے بتائے۔ اور اس کی ذات کے متعلق نفع اور ضرر سمجھا دیا۔ ثُمَّ هَدٰى کی جو تفسیر او پر ذکر کی گئی اس کے علاوہ دوسری تفسیر بھی کی گئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا پھر انہیں ہدایت دی یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کتابیں نازل فرمائیں اور مخلوق ہی کو مخلوق کے ذریعہ خالق تعالیٰ شانہ کی معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ بنایا۔

اس کے بعد فرعون نے کہا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى اچھا یہ بتاؤ کہ قرون اولی یعنی پرانی امتیں اور گذری ہوئی جماعتیں جو دنیا سے جا چکی ہیں ان کا کیا حال ہے؟ یعنی ہلاکت اور موت کے بعد ان کا کیا ہوا وہ کس حال میں ہیں؟ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ کس حال میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں سب کے حالات محفوظ ہیں لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسٰى میرا رب نہ خطا کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ سب کے احوال اور اعمال کا اسے علم ہے وہ اپنے علم کے مطابق سب کو جزا دے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفات بتاتے ہوئے یوں بھی فرمایا اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا کہ میرے رب کی وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش یعنی بچھونا بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے نکال دیئے۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اس نے آسمان سے پانی اتارا) اس سارے بیان میں توحید کی تلقین بھی ہے اور فرعون پر تعریض بھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اسے بتا دیا کہ تو رب نہیں ہوسکتا۔ تیرے بس کا کچھ نہیں۔ یہ زمین جو پھیلی ہوئی ہے اور اس میں جو راستے

نکلے ہوئے ہیں اور یہ جو آسمان سے پانی نازل ہوتا ہے تیرا اس میں کچھ بھی دخل نہیں' یہ مالک حقیقی جل مجدہ کی تخلیق ہے' جب تو پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس وقت سے زمین ہے اور زمین میں راستے ہیں اور آسمان سے پانی اترتا ہے پہلے بھی نازل ہوتا تھا اور اب بھی' تیرا اس میں کوئی بھی دخل نہیں۔ تیرا مخلوق ہونا تو اسی سے ظاہر ہے تیرا رب ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى موسیٰ علیہ السلام کا بیان ختم ہوا ان کی بات وہیں تک تھی کہ میرے رب نے آسمان سے پانی اتارا پھر اللہ تعالیٰ نے مزید اپنا انعام بیان فرمایا کہ اس پانی کے ذریعہ ہم نے مختلف قسم کے نباتات پیدا کر دیئے جن کے رنگ اور مزے اور منافع مختلف ہیں۔ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ان نباتات میں سے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى بلاشبہ ان میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے نُھٰی نھیۃ کی جمع ہے جو عقل کے معنی میں آتا ہے عقل کو نھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے' معلوم ہوا کہ جو عقل برائیوں سے نہ روکے وہ عقل نہیں ہے اگر چہ لوگ اسے عقل سمجھتے ہوں۔ خود لفظ عقل بھی اس معنی پر دلالت ہے عقل لغت میں باندھنے کو کہا جاتا ہے اور عقل صاحب عقل کو باندھ کر رکھتی ہے۔ برائیوں سے باز رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ (اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری بار نکالیں گے) زمین سے انسان کا جو اصل تعلق ہے اس آیت میں اسکو بیان فرما دیا' انسان کی تخلیق بھی مٹی سے ہے اور موت کے بعد بھی ہر شخص اسی میں چلا جاتا ہے سورۃ المرسلات میں فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا (کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو جمع کرنے والی نہیں بنائی) پھر جب قیامت قائم ہوگی تو ہر شخص اسی میں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ

اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں سو اس نے جھٹلایا اور انکار کیا' وہ کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے ذریعہ ہماری سرزمین

يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ

سے نکال دے' سو ہم بھی تیرے مقابلہ میں اسی جیسا جادو لے آئیں گے' سو تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر دے نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے

وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى

اور نہ تو اس غرض کے لئے ایک ہموار میدان مقرر کر دے' موسیٰ نے کہا کہ تم سے زینت کے دن کا وعدہ ہے اور یہ بات بھی ہے کہ لوگ ایسے وقت میں جمع ہوں جب دن چڑھ جائے' اس کے بعد

فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

فرعون واپس ہوا پھر اس نے اپنے مکر کا سامان جمع کیا پھر وہ آ گیا' موسیٰ نے ان سے کہا ہلاکت ہے تمہارے لئے اللہ پر جھوٹ افتراء مت کرو ورنہ وہ تمہیں ایسا

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا

عذاب دے گا کہ تمہیں بالکل ہی ختم کردے گا اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی رہتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی اپنی رائے میں اختلاف کیا اور چپکے چپکے

النَّجْوَىٰ ﴿٦٢﴾ قَالُوا إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

مشورہ کرتے رہے کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ

بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ﴿٦٣﴾ فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ﴿٦٤﴾

طریقے ختم کر دیں۔ لہٰذا اب تم سب اپنی تدبیر کا انتظام کرو پھر صف بنا کر آجاؤ اور جو غالب ہو آج وہی کامیاب ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو فرعون کا جادو بتانا اور جادوگروں سے مقابلہ کے لئے وقت اور جگہ مقرر ہونا

تفسیر: فرعون ملعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا اور اپنے بھائی کا تعارف کرادیا اور یہ بتادیا کہ ہمیں ہمارے رب نے تیری طرف بھیجا ہے اور رب جل شانہٗ کی صفت خالقیت بھی بتادی اور یہ بھی بتادیا کہ اس نے سب کی رہنمائی فرمائی ہے اور وہ نہ خطا کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اور یہ زمین کا فرش اسی نے بنایا اور آسمان سے وہی پانی اتارتا ہے اور فرعون کو چمکتا ہوا ید بیضاء بھی دکھادیا نیز اس کے سامنے لاٹھی کو ڈالا۔

اور اژدھا بن گئی تو خالق کائنات جل مجدہ کی خالقیت اور ربوبیت اور الوہیت کا اقرار کرنے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی رسالت پر ایمان لانے کے بجائے الٹی الٹی باتیں کرنے لگا' معجزات دیکھے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ان کی دعوت کو ماننے سے انکار کردیا اور یوں کہا کہ تو جو یہ لکڑی کا سانپ بنا کر دکھاتا ہے یہ جادو ہے فرعون نے یہ بھی کہا کہ تیرا نبوت کا دعویٰ جھوٹا ہے اور تیرا اصل مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ ہم کو ہماری سرزمین سے نکال دے' یہ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اور پھر اپنی جماعت سے بھی کہا کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس کے درباریوں نے کہا کہ اپنی قلمرو کے تمام شہروں میں آدمی بھیج دے جتنے بھی جادوگر ہیں سب کو بلالائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون نے کہہ دیا کہ تیرے مقابلہ کے لئے ہم بھی تیرے جیسا جادو لے کر آئیں گے۔ لہٰذا مقابلہ کا دن اور میدان مقرر کردے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موقع کو مناسب جانا اور فرمادیا کہ ہمارا تمہارا مقابلہ زینت کے دن ہوگا۔ (اس سے ان لوگوں کا کوئی تہوار یا میلہ کا دن مراد تھا) اور ساتھ ہی وقت بھی مقرر فرمادیا اور وہ یہ کہ سورج چڑھے مقابلہ ہوگا اور یہ ایک ہموار میدان میں ہونا چاہئے۔ چونکہ میلہ کے دن لوگ یوں بھی جمع ہوتے ہیں اور شہر سے باہر نکلتے ہیں اور پھر جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ جادوگروں سے دو ایسے شخصوں کا مقابلہ ہوگا جو یہ کہہ رہے ہیں

ہم پروردگار جل مجدہ کے فرستادہ ہیں۔ تو تاریخ مقررہ پر لوگ جمع ہو گئے اور مقابلہ ہوا جس میں جادوگروں نے اپنی ہار مان لی اور سجدہ میں گر پڑے اور ایمان لے آئے۔ (جیسا کہ ابھی دو صفحہ کے بعد آتا ہے اور سورہ اعراف میں بھی گذر چکا ہے)

ابھی مقابلہ کا دن نہیں آیا تھا لیکن فرعون اپنی تدبیروں میں لگ گیا وہ اور اس کے درباری آپس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف باتیں کرتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی مکاریوں کا پتہ چل گیا اور ان سے فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو تم اللہ پر افتراء مت کرو اس کے نبیوں کو نہ جھٹلاؤ اور اس کے معجزات کو جادو نہ بناؤ یہ تمہارا عمل تمہاری بربادی کا پیش خیمہ ہو گا وہ تمہیں ایسا عذاب دے گا کہ صفحہ ہستی سے مٹا دے گا اور تمہیں بالکل نیست و نابود کر دے گا۔ اور جب کبھی بھی جس کسی نے جھوٹا افتراء کیا ہے وہ ناکام ہی ہوا ہے' جادوگر آئے ابھی مقابلہ کے میدان میں نہیں پہنچے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر مقابلہ میں آنے سے ڈھیلے پڑ گئے اور آپس میں یوں کہنے لگے کہ اگر موسیٰ غالب آ گئے تو ہم ضرور ان کا اتباع کر لیں گے۔ اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات سنی کہ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر کی بات معلوم نہیں ہوتی اور انہوں نے مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن فرعون نے زبردستی ان سے مقابلہ کرایا جس کا انشاء اللہ ابھی ذکر آئے گا۔ کچھ تو فرعون کا ڈر تھا اور کچھ فرعون کا مقرب بننے کا لالچ اس لئے جو فرعون اور اس کے درباری کہتے تھے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ہمیں اس سرزمین سے نکالنے کے لئے آئے ہیں جادوگر بھی ظاہر میں یہ بات کہنے لگے اور انہوں نے کہا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۔ یہ دونوں جادوگر یہی چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہاری سرزمین سے تمہیں نکال دیں اور تمہارا جو عمدہ طریقہ ہے یعنی تمہارا مذہب اور دین وہ تم سے چھڑا دیں۔ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا (سو تم اپنی تدبیر کو اچھی طرح جمع کر لو پھر صف بنا کر آ جاؤ) وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (اور وہ کامیاب ہوا جس نے آج غلبہ پا لیا) اللہ تعالیٰ نے انہیں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کا غلبہ ہو گا وہی کامیاب ہو گا۔

هذا كله على تقدير رجوع الضمائر الى السحرة كما فسر بذلك غير واحد والذى يميل اليه القلب ان هذا كله من كلام ملاء فرعون والله تعالىٰ اعلم (یہ سب اس صورت پر ہے کہ تمام ضمیریں جادوگروں کی طرف لوٹتی ہوں جیسا کہ کئی سارے مفسرین نے وضاحت کی ہے اور دل اس طرف جاتا ہے کہ یہ سب فرعون کے سرداروں کا کلام ہے۔ واللہ اعلم)

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست ہر شخص اپنی سمجھ ہی کے مطابق سوچتا ہے چونکہ فرعون اور اس کے درباری اور اس کی قوم کے لوگ دنیادار تھے اس لئے انہیں یہی فکر ہوا کہ کہیں ہم مصر کی سرزمین سے نہ نکال دیئے جائیں۔ جن لوگوں کو آخرت کا یقین نہیں ہوتا وہ سب کچھ دنیا ہی کو سمجھتے ہیں اور اسی کے چلے جانے کا واویلا کرتے ہیں۔ آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس کسی کو جہاں کہیں کوئی اقتدار مل جائے اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ میرا اقتدار نہ چھن جائے۔ اقتدار کو باقی رکھنے کے لئے لوگوں کو قتل بھی کراتے ہیں۔ جھوٹ بھی

بولتے ہیں بیانات سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں اور مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود کفریہ کلمات بھی بول دیتے ہیں پارلیمنٹ میں حرام چیزوں کو حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام کو راضی رکھنے کا جذبہ ان سے سب کچھ کروالیتا ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا

کہنے لگے کہ اے موسیٰ یا تم پہلے ڈالو اور یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم پہلے ڈالو

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ

پس یکا یک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسا کہ وہ دوڑ رہی ہیں، سو موسیٰ نے اپنے دل میں تھوڑا سا

خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا

خوف محسوس کیا ہم نے کہا کہ تم مت ڈرو بلاشبہ تم ہی بلند رہو گے۔ اور ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے وہ اس سب کو چٹ کر دے گا

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا

جو کچھ انہوں نے بنایا ہے انہوں نے صرف جادوگروں والا مکر کیا ہے اور جادوگر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا سو جادوگر سجدہ میں گرا دیئے گئے کہنے لگے

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾

کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادوگروں کا آنا‘ پھر ہار مان کر ایمان قبول کر لینا اور سجدہ میں گر پڑنا

تفسیر: فرعون نے اپنی حدود مملکت سے جادوگروں کو جمع کیا۔ دنیا دار کے سامنے دنیا ہی ہوتی ہے اسی کے لئے سوچتا ہے اسی کے لئے جیتا ہے اسی کے لئے مرتا ہے۔ جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں اس پر کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا بڑا صلہ بھی ملے گا اور تم میرے مقرب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے‘ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ اور طور طریق کو سمجھا تو ان کی سچائی دل میں بیٹھ گئی اور چاہتے تھے کہ مقابلہ نہ کریں۔ لیکن فرعون نے زبردستی ان کو میدان میں اتارا اور مقابلہ کرایا۔ جب وہ میدان میں آئے تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ پہلے اپنا عصا ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے مناسب جانا کہ انہیں کو پہلے ڈالنے کے لئے کہا جائے اس لئے فرمایا کہ تم ڈال دو کیا ڈالتے ہو‘ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ ہم ضرور غالب ہوں گے۔ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لوگوں کو خوف زدہ بنا لیا اور بڑا جادو لے کر آئے‘ ان کے

جادو کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں ڈالی ہیں وہ دوڑتے ہوئے سانپ ہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ ماجرا دیکھا تو ذرا سا اپنے دل میں خوف محسوس کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی وہ سانپ بن گئی اور اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے سارے دھندے کو نگلنا شروع کر دیا۔ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى جو فرما دیا تھا اس کا مظاہرہ ہوا جادوگر جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ معجزہ کے مقابلہ میں آئے تو کامیاب نہیں ہوتا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ہی یہ بھی فرما دیا تھا مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ (تم جو کچھ لے کر آئے وہ جادو ہے) اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسے عنقریب باطل فرما دے گا) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو کامیاب نہیں بننے دیتا)

اب جو جادوگروں نے یہ دیکھا کہ اس شخص کا مقابلہ ہمارے بس کا نہیں ہے۔ اور یہ جادوگر نہیں ہے۔ (پہلے تو باتوں سے سمجھ لیا تھا اور اب عملی طور پر آزما لیا) تو اسی وقت سجدہ میں گر پڑے اور علی الاعلان انہوں نے مومن ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور کہنے لگے کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى (ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے) اس میں خَرُّوْا سُجَّدًا نہیں فرمایا بلکہ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایسے بے بس ہوئے کہ ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہ رہا ان کے جذبہ حق نے انہیں سجدہ میں جانے پر مجبور کر دیا ایسی فضاء بنی کہ انہیں اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ فرعون ہمارا کیا بنائے گا اس نے سزا دی تو ہمارا کیا ہوگا۔

جب حق دلوں میں اتر جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اس سے باز نہیں رکھ سکتی پرانی امتوں میں اور اس امت میں سینکڑوں ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں کہ بڑے بڑے ظالموں اور قاہروں کے تکلیفیں دینے کے باوجود اہل ایمان ایمان سے نہ پھرے تکلیفیں جھیل گئے قتل ہو گئے لیکن ظالموں کے کہنے اور مجبور کرنے کے باوجود حق پر جمے رہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ

فرعون نے کہا کہ اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بلاشبہ وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے سو میں ضرور بالضرور اس طرح سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ

دوں گا کہ ایک طرف کا ہاتھ ہوگا اور دوسری طرف کا پاؤں ہوگا اور ضرور بالضرور میں تمہیں کھجور کی ٹہنیوں میں لٹکا دوں گا۔ جیسے صلیب پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں کون سب سے

اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا

زیادہ سخت عذاب والا ہے اور کس کا عذاب زیادہ دیرپا ہے۔ جادوگر کہنے لگے کہ ہمارے پاس جو کھلے ہوئے دلائل آئے ہیں ان کے مقابلہ میں اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا

سو تو جو کچھ فیصلہ کرنے والا ہے وہ کر ڈال تو صرف اسی دنیا والی زندگی میں فیصلہ کرے گا بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دے

وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ

اور تو نے جو ہم سے زبردستی جادو کرایا اس کو بھی معاف فرمادے اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ ہی باقی ہے۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا سو اس

لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ

کے لئے جہنم ہے نہ اس میں مرے گا اور نہ جئے گا اور اس کے پاس جو شخص مومن ہو کر آئے گا جس نے نیک عمل کئے ہوں گے سو ان لوگوں

لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ

کے لئے بلند درجات ہیں ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کی

جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾

جزاء ہے جو پاک ہوا۔

جادوگروں کو فرعون کا دھمکی دینا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور کھجور کی ٹہنیوں پر لٹکا دوں گا' جادوگروں کا جواب دینا کہ تو جو چاہے کر لے ہم تو ایمان لے آئے

تفسیر: جب جادوگروں نے ہار مان لی اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لا کر سجدہ میں گر پڑے تو فرعون کو بڑی خفت ہوئی اور بھرے مجمع میں اسے ذلت اٹھانی پڑی کھسیانی بلی کھمبا نوچے اور تو کچھ نہ بن سکا جادوگروں پر غصہ اتارا' گرجا چکا اور کہنے لگا کہ تم کو ان پر ایمان لانے کے لئے مجھ سے اجازت لینا لازم تھا میری اجازت کے بغیر ہی تم ان پر ایمان لے آئے' بس سمجھ میں آ گیا کہ یہ تمہارا سردار ہے اسی نے تمہیں جادو سکھایا ہے تم سب نے مل کر آپس میں یہ ملی بھگت کی ہے کہ شہر کے رہنے والوں کو نکال دو (کمافی سورۃ الاعراف) تم چاہتے ہو کہ شہر والے چلے جائیں اور تمہیں لوگوں کا قبضہ ہو جائے یہ تو بہت بڑی بغاوت ہے میں تمہیں اس کا مزہ چکھا دوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر (جن میں ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں ہوگا) کھجور کے تنوں کو سولی بنا کر لٹکا دوں گا۔ اسی پر لٹکے رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ گے اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا اور سب سے زیادہ دیرپا عذاب والا کون ہے (فرعون کو چونکہ پہلے بتا دیا گیا تھا کہ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى جس میں اس بات کی توضیح کر دی گئی تھی کہ منکر اور روگردانی کرنے والا مستحق عذاب ہوگا اور اس کے عموم میں فرعون بھی آتا تھا بلکہ تعریضاً اسی کو خطاب کیا گیا تھا اس لئے اس نے یہ بات کہی کہ تم کہتے ہو میں عذاب میں مبتلا ہوں گا دیکھو ایک تمہاری جماعت ہے ایک ہماری جماعت ہے

سخت اور دیرپا عذاب میں کون مبتلا ہوتا ہے تمہیں اس کا پتہ چل جائے گا) بعض حضرات نے اَيُّنَـا اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مجھ میں اور موسیٰ کے رب میں کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔

جادوگروں کے دلوں میں ایمان بیٹھ چکا تھا جب فرعون نے انہیں ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی پر چڑھانے کی دھمکی دی تو انہوں نے نہایت صبر و استقامت کے ساتھ بلا تکلف یوں کہہ دیا لَا ضَيْـرَ اِنَّـا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (کچھ ضرر نہیں اس میں شک نہیں ہم اپنے رب کے پاس جا پہنچیں گے) یعنی قتل ہو جانے سے ہمارا کوئی نقصان نہ ہوگا اور ہمارا فائدہ ہی ہوگا جلد سے جلد اپنے رب کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اور ہمارے پاس جو کھلی کھلی دلیلیں آ گئیں ان دلیلوں کے مقابلہ میں اور اس ذات پاک کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہم ہرگز تجھے ترجیح نہیں دے سکتے تو ہمیں سزا دینا چاہتا ہے جو کچھ تو چاہے ہمارے بارے میں فیصلہ کر دے ہم ہر تکلیف کو سہنے کے لئے اور ہر مصیبت جھیلنے کے لئے تیار ہیں تیرا جو کچھ فیصلہ ہوگا اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ ہمیں تکلیف پہنچے گی وہ اسی تھوڑی سی دنیا والی تکلیف تک محدود رہے گی ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور تو نے جو کچھ زبردستی کر کے ہم سے جادو کرایا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف فرما دے، اللہ کو چھوڑ کر ہم تجھے کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ کے لئے باقی ہے اس کی ذات وصفات کے لئے کبھی بھی فنا نہیں۔ ہم تو اب اسی کے ہو گئے۔ دنیا کی کوئی تکلیف اور تعذیب ہمارا رخ نہیں موڑ سکتی، اللہ ہمارا رب ہے ہم اس کے بندے ہیں اسی سے ہر طرح کی امید رکھتے ہیں اور اسی سے ہر طرح کی لالچ رکھتے ہیں۔ سورۃ الشعراء میں ہے کہ جادوگروں نے کہا۔ اِنَّـا نَطْـمَعُ اَنْ يَّغْـفِرَلَنَا رَبُّنَا خَـطَايَانَا اَنْ كُنَّا اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (بے شک ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف فرما دے اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہو گئے) اب تو ہمیں جو کچھ لینا ہے اللہ ہی سے لینا ہے اور ڈرنا بھی صرف اسی سے ہے تو نے جو انعام کی امید دلائی تھی ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ فرعون ملعون کفر سے توبہ کرنے والے جادوگروں کو اپنی دھمکی کے مطابق سزا دے سکا تھا یا نہیں۔ حافظ ابن کثیر کا رجحان یہ ہے کہ اس نے انہیں سولی پر لٹکایا اور عذاب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبید ابن عمیر کا قول ہے کہ یہ لوگ دن کے اول حصہ میں جادوگر تھے اور اسی دن کے آخری حصہ میں شہید تھے۔ والظاهر من هذه السياقات ان فرعون لعنه الله صلبهم وعذبهم قال عبدالله بن عباس وعبيد بن عمير كانوا من اول النهار سحرة فصار وا من آخره شهداء بررة ويؤيد هذا قولهم رَبَّنَـآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَـوَفَّـنَـا مُسْلِمِيْنَ (ان تمام سیاقات سے یہی ظاہر ہے کہ فرعون لعنۃ اللہ علیہ نے انہیں سولی پر لٹکایا اور عذاب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عبید بن عمر فرماتے ہیں کہ وہ لوگ صبح کو جادوگر تھے اور شام کو صالح و شہید بن گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ربنا افرغ علیه صبراً و توفنا مسلمین اسی کی تائید کرتا ہے) (البداية والنهاية ج ۱ ص ۲۵۸)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انه من يات ربه سے لے کر رکوع کے ختم تک جو کلام ہے یہ بھی جادوگروں ہی کا کلام ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے اس میں واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ رب جل شانہٗ

کے پاس جو شخص مجرم ہو کر آئے گا یعنی کافر ہو گا اس کے لئے جہنم ہے وہ اس کے عذاب میں ہمیشہ رہے گا اور وہاں نہ مرے گا نہ جئے گا (نہ مرنا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ وہاں موت کبھی بھی نہیں آئے گی اور نہ جینا اس لئے فرمایا کہ وہاں کے عذاب شدید میں جینا کوئی جینا نہیں ہے جو سکھ اور آرام کا جینا ہو اسی کو جینا کہا جاتا ہے) اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہو گا جس نے نیک کام کیے ہوں گے سو ایسے بندوں کے لئے بلند درجات ہیں یعنی یہ حضرات ہمیشہ کے رہنے والے باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

آخر میں فرمایا وَذٰلِکَ جَزَآءُ مَنْ تَزَکّٰی اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا یہ اعلان عام ہے کفر و شرک سے پاک ہونا اور معاصی سے پاک ہونا نفس کے رذائل سے پاک ہونا سب اس میں داخل ہے۔ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پاک ہونے کی دعوت دی تھی اور ھَلْ لَّکَ اِلٰٓی اَنْ تَزَکّٰی فرمایا تھا اس نے کفر نہ چھوڑا پاکیزہ نہ بنا جادوگر ایمان لے آئے پاکیزہ بن گئے مستحق جنت ہو گئے جو لوگ مومن ہوتے ہوئے گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں وہ کفر اور شرک سے پاک ہیں لیکن گناہوں سے پاک نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا گناہوں کو معاف فرما کر اور جس کو چاہے گا جہنم میں داخل فرما کر پاک و صاف کر کے جنت میں بھیج دے گا۔

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۵ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چلے جاؤ پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ بنا دینا

لَّا تَخٰفُ دَرَکًا وَّلَا تَخْشٰی ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا

نہ کسی کے تعاقب کا اندیشہ کرو گے اور نہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہو گا' سو فرعون نے ان کے پیچھے اپنے لشکروں کو چلا دیا پھر دریا سے انہیں اس چیز نے

غَشِیَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰی ﴿۷۹﴾

ڈھانپ دیا جس چیز نے بھی ڈھانپا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کی راہ نہ بتائی۔

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمانا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو مصر سے لے جاؤ' سمندر پر پہنچ کر ان کے لئے خشک راستہ بنا دینا' پکڑے جانے کا خوف نہ کرنا' فرعون کا ان کے پیچھے سے سمندر میں داخل ہونا اور لشکروں سمیت ڈوب جانا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون نے زک اٹھائی' ذلیل ہوا لیکن ابھی مصر میں اس کا ظاہری

اقتدار باقی تھا اور وہ مسئلہ درپیش تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے جانے نہیں دیتا تھا' بنی اسرائیل کو اس کی تکلیفوں سے نجات پانے کے لئے ضروری تھا کہ مصر کو چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ شانہ' نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاؤ اور یہ روانگی رات کو ہو' موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ شانہ' نے فرمایا کہ تم سمندر کی طرف نکل جانا جب سمندر پر پہنچو تو اپنی لاٹھی مار ہی دینا وہاں پر تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے خشک راستہ بن جائے گا اس میں گذر جانا نہ کسی کے تعاقب سے ڈرنا اور نہ کسی قسم کا دل میں خوف لانا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو گئے۔ فرعون کو سورج نکلنے کے وقت پتہ چلا لہٰذا وہ اپنے لشکروں کو لے کر ان کا تعاقب کرنے کے لئے روانہ ہو گیا جب فرعونی لشکروں اور بنی اسرائیل کے قبیلوں نے یہ منظر دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم تو دھر لئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں' بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ابھی مجھے راہ بتا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ اپنی لاٹھی سمندر پر مار ہی دو انہوں نے لاٹھی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور اس میں مختلف حصے ہو گئے۔ اور وہ حصے اتنے چوڑے تھے جیسے کوئی بڑا پہاڑ ہو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک راستہ بن گیا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر ان راستوں میں داخل ہو گئے پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر پہنچ ہی چکا تھا اس نے بھی اپنے لشکر دریا میں ڈال دیئے اور خود بھی ان کے ساتھ سمندر میں گھس گیا اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر پار ہو گئے اور فرعون اور اس کے لشکر وہیں غرق ہو گئے پانی کی بڑی بڑی موجوں نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اسی کو فرمایا فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (پھر دریا سے انہیں اس چیز نے ڈھانک دیا جس چیز نے بھی ڈھانپا) مَا غَشِيَهُمْ میں جو ابہام ہے وہ عربی میں کسی چیز کو بڑا بتانے کے لئے لایا جاتا ہے اسے اہل فصاحت پہچانتے ہیں وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کا راستہ نہیں بتایا) وہ خود بھی ڈوبا اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبا دنیا میں بھی تباہ اور آخرت میں بھی۔

سورہ قصص میں فرمایا وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ (اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا

اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے ہم نے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا اور ہم نے

عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ

تم پر من اور سلویٰ نازل کیا' جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ بڑھو

عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۚ وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ﴿٨١﴾ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن

ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہوگا' اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا سو وہ گر گیا' اور بلا شبہ میں اسے بخشنے والا ہوں جس نے

تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾

توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے پھر ہدایت پر قائم رہا

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ کا خطاب کہ ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور تمہارے لئے من وسلویٰ نازل فرمایا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا ہے اور انہیں اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور احکام کی خلاف ورزی پر غضب الٰہی کے نازل ہونے کی وعید سے باخبر فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور پھر فرمایا کہ تم سے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا یعنی تمہارے نبی کو کوہ طور پر بلایا اور اس کی داہنی جانب ان کو توریت شریف عطا کی۔ جب ان کو بلایا تھا تو توریت دینے کا وعدہ تھا اور چونکہ یہ توریت تمہارے نفع کے لئے تھی اس لئے یہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام سے بھی تھا اور تم سے بھی۔ قال صاحب الروح ای وواعدنا کم بواسطة نبیکم فی ذلک الجانب اتیان موسیٰ علیه السلام للمناجات وانزال التوراة علیه الی آخر ما قال (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کے شکر میں کمی اور اس میں تکبر و برائی کر کے حدود اللہ سے تجاوز اور اس کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی میں مدد لے کر اور اس میں واجب حقوق روک کر حد سے تجاوز نہ کرنا) (ج ۱۶ ص ۲۳۹) طور کی اس جانب کو ایمن فرمایا جو موسیٰ کے داہنے ہاتھ کو پڑی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایمن بابرکت کے معنیٰ میں ہے لفظی اعتبار سے یہ معنی لینا بھی صحیح ہے اور بابرکت ہونا ظاہر ہے کیونکہ وہاں توریت شریف عطا کی گئی۔ تیسرے یہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں من اور سلویٰ عطا فرمایا اس کی تشریح سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ص ۱۱۰ ج ۱)

مزید فرمایا کہ ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ کھاؤ تو سہی لیکن حد سے نہ بڑھنا یعنی ناشکری نہ کرنا اور گناہ نہ کرنا اور ہماری دی ہوئی چیزوں کو گناہوں میں استعمال نہ کرنا۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم زیادتی نہ کرنا فضول خرچی نہ کرنا اور شیخی مت بگھارنا وغیرہ' قال صاحب الروح بالا خلال بشکره وتعدی حدود الله تعالیٰ فیه بالسرف والبطر والاستعانة به علی معاصی الله تعالیٰ ومنع الحقوق الواجبة فیه فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي (ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہوگا) وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ (اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا سو وہ گر گیا) یعنی وہ ہلاک ہوا اور دوزخ میں گرا وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (اور بلا شبہ میں اسے بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا۔ اور نیک عمل کئے پھر ہدایت پر قائم رہا) اس میں شرک اور کفر

سے توبہ کرنا مراد ہے اس لئے امن سے پہلے ذکر فرمایا جو آدمی کفر و شرک سے توبہ کرے اور ایمان قبول کرے اور نیک اعمال میں لگا رہے اور ہدایت پر مستقیم رہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا وعدہ ہے۔ لفظ غفار مبالغہ کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

وَمَا أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿٨٤﴾

اور اے موسیٰ آپ کو کس چیز نے جلدی میں ڈالا کہ آپ اپنی قوم سے آگے بڑھ گئے انہوں نے عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں اور اے رب میں آپ کی طرف

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ

جلدی آ گیا تا کہ آپ راضی ہوں، فرمایا سو بلاشبہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنہ میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔ پھر موسیٰ اپنی

قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ

قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے رنجیدہ حالت میں واپس ہوئے انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں

أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ﴿٨٦﴾ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

فرمایا؟ کیا تم پر زیادہ زمانہ گذر گیا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ نازل ہو جائے سو تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی، وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا

بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾

اس کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ ہم پر قوم کے زیوروں کے بوجھ لدے ہوئے تھے سو ہم نے ان کو ڈال دیا۔ پھر سامری نے

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾

اسی طرح ڈال دیا پھر اس نے لوگوں کے لئے ایک بچھڑا نکالا جو ایک جسم تھا اس میں سے گائے کی آواز آ رہی تھی۔ سو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور وہ ان کے لئے کسی ضرر اور نفع کی قدرت نہیں رکھتا، اور بلاشبہ اس سے پہلے

هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا

ہارون نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم اس کی وجہ سے تم فتنہ ہی میں ڈالے گئے ہو، بلاشبہ تمہارا رب رحمان ہے سو تم میرا اتباع کرو اور

أَمْرِي ﴿٩٠﴾ قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿٩١﴾ قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ

میرے حکم کو مانو، وہ کہنے لگے کہ ہم ضرور ضرور اسی پر جمے رہیں گے جب تک ہمارے پاس موسیٰ واپس نہ آئے، موسیٰ نے کہا کہ اے ہارون جب تم نے انہیں دیکھا

إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ﴿٩٢﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٩٣﴾ قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي

کہ گمراہ ہوگئے تو کس چیز نے تمہیں اس بات سے روکا کہ تم میرے پاس چلے آئے۔ سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا۔ ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے تم میری داڑھی

وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴿۹۴﴾

اور میرا سر نہ پکڑو بلاشبہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ یوں کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں زیوروں سے سامری کا بچھڑا بنانا، اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنالینا واپس ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام پر ناراض ہونا

تفسیر: جب بنی اسرائیل فرعون سے چھٹکارا پاکر دریا پار ہوگئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین پہنچنا تھا۔ اور ایک صحراء کو عبور کرنا تھا اس سفر میں بہت سے امور پیش آئے انہیں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا کر توریت شریف عطا فرمائی جس کا اوپر وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ میں تذکرہ فرمایا اور من وسلویٰ نازل ہونے اور پتھر سے پانی کے چشمے نکلنے کے واقعات ظہور پذیر ہوئے معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۲۷ میں لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لینے کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو انہوں نے ستر آدمی چن لئے تاکہ ان کو اپنے ساتھ پہاڑ تک لے چلیں، ساتھ ساتھ جارہے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں پیچھے چھوڑ کر جلدی سے آگے بڑھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ پہاڑ کے پاس آجاؤ، اللہ جل شانہٗ نے سوال فرمایا کہ تم اپنی قوم کو چھوڑ کر آگے کیوں بڑھے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے قریب ہی ہیں زیادہ آگے نہیں بڑھا ہوں آپ کی مزید رضامندی کے لئے میں نے ایسا کیا۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر پہنچے ادھر گئو سالہ پرستی کا واقعہ پیش آگیا، واقعہ یوں ہوا کہ بنی اسرائیل جب مصر سے چلنے لگے تو ان کی عورتوں نے قوم فرعون کی عورتوں سے کہا کہ کل کو ہمیں عید منانا ہے اور میلے میں جانا ہے ذرا زیب وزینت کے لئے ہمیں عاریتاً یعنی مانگے کے طور پر زیور دے دو ہم میلہ سے آکر واپس کردیں گے انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کل کو تو واپس ہو ہی جائیں گے اپنے زیور بنی اسرائیل کی عورتوں کے حوالے کردیئے یہ زیور ان کے ساتھ ہی تھے جب مصر سے نکلے اور دریا پار ہوئے اب وطن جانے کے لئے خشکی کا راستہ تھا وطن پہنچنے میں انہیں چالیس سال لگ گئے انہیں چالیس سال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا ہوئی جب وہ اپنے منتخب افراد کے ساتھ توریت شریف لینے کے لئے طور پر پہنچے تو یہاں پیچھے سامری نے جو سنار کا کام کرتا تھا ان زیوروں کو جمع کیا جو بنی اسرائیل کی عورتیں فرعون کی عورتوں سے مانگ کرلے آئی تھیں۔ سامری نے آگ جلائی اور بنی اسرائیل کے لوگوں سے کہا کہ تم یہ

زیورات اس میں ڈال دو ان لوگوں نے اس کے کہنے سے یہ زیورات آگ میں ڈال دیئے جب یہ پگھل گئے تو اس نے ان سے گائے کے بچھڑے کی صورت بنا دی' اس میں سے بچھڑے کی آواز بھی آنے لگی یہ لوگ اس کی پرستش اور پوجا پاٹ میں لگ گئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی طور پر ہی تھے کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں مطلع فرمایا کہ تمہاری قوم کو ہم نے فتنہ میں ڈال دیا' اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا' موسیٰ علیہ السلام جب واپس ہوئے تو بہت غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تھے انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے مجھے کتاب دینے کے لئے بلایا تھا اور اس کتاب میں تمہارے لئے احکام دینے کا وعدہ تھا' یہ تم نے کیا غضب کیا کہ میرے پیچھے بت پرستی میں لگ گئے تمہیں اللہ کے وعدے کا اور میرے آنے کا انتظار کرنا لازم تھا کچھ زیادہ زمانہ بھی نہیں گذرا کہ تم اللہ کی طرف سے کتاب ملنے سے نا امید ہو گئے اور اس کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو گئے' کیا یہ بات تو نہیں ہے کہ تم نے اپنے رب کا غصہ نازل ہونے کا قصداً وارادۃً انتظام کر لیا اور مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔

تم نے جو یہ کھیل کھیلا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے غصہ کو دعوت دی ہے' بنی اسرائیل نے ایک عجیب جواب دیا جو بالکل ہی احمقانہ ہے وہ کہنے لگا کہ یہ جو کچھ ہم نے آپ سے وعدہ کر کے خلاف ورزی کی ہے یہ اپنے اختیار سے نہیں کی۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ قوم فرعون کی زیوروں کا جو بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا سامری کے کہنے سے ہم نے اسے ڈال دیا یعنی ایک جگہ جمع کر دیا پھر سامری نے وہ زیور ڈالا جو اس کے پاس تھا۔ اور سامری نے اس زیور کے مجموعے سے ایک بچھڑا بنا دیا۔ یہ بچھڑا ایسا تھا کہ اس سے گائے کے بولنے کی سی آواز بھی آ رہی تھی یہ بچھڑا بن کر تیار ہوا اور اس کی آواز سنی تو بنی اسرائیل سے کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے موسیٰ بھول گئے اپنے اس معبود کو چھوڑ کر (العیاذ باللہ) طور پر چلے گئے تاکہ وہاں سے کتاب لے کر آئیں۔

بنی اسرائیل مصر میں مشرکین کو دیکھتے تھے اور شرک کے طریقے ان سے سیکھ لئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں گائے کی پرستش بھی ہوتی تھی' جب دریا پار کر کے خشکی میں آئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے بھی ایسی ہی معبود بنا دو جیسا کہ ان کے لئے معبود ہیں (کما مر فی سورۃ الاعراف) ان کے ذہنوں میں شرک کی اہمیت بیٹھی ہوئی تھی اس لئے جب گائے کے بچھڑے کا بت سامنے آ گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس میں آواز آ رہی تھی تو اچانک شرک کے جذبہ نے ان پر حملہ کیا اور نہ صرف یہ کہ اس کو اپنا معبود مان لیا بلکہ یہاں تک کہہ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی معبود ہے اور اپنی حماقت و جہالت میں یہاں تک آگے بڑھے کہ یوں بول اٹھے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے معبود کو بھول گئے۔

صدیوں سے جو ان کے ذہنوں میں شرک نے جگہ پکڑ رکھی تھی وہ رنگ لے آئی اور اس کا اثر ظاہر ہو گیا اور اسی بچھڑے پر دھرنا دے کر بیٹھ گئے جیسا کہ مشرکین کی عادت ہے کہ وہ اپنے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو کر پڑے رہتے ہیں

اوران کی عبادت سے چمٹے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی حماقت اور جہالت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَفَلَا یَرَوْنَ اَنْ لَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا (کیا وہ نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا) وَلَا یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (اور وہ ان کے لئے کسی بھی طرح کے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا) کچھ تو غور کرتے اور سمجھتے کیا ایسی چیز کو معبود بنایا جائے جس میں نہ بات کرنے کی قوت نہ جواب دینے کی طاقت اور نہ کسی قسم کی کوئی حرکت اور نہ کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچانے کی سکت' بنی اسرائیل نے یہ جو کہا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا (ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی) اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اقدام ہم نے اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر مجبور ہو گئے۔ ان کا یہ عذر' عذر لنگ ہے جو غلط بیانی پر مبنی ہے سامری نے مجبور نہیں کیا' تلوار اٹھا کر بت پرستی پر آمادہ نہیں کیا اس نے تو ایک بچھڑا بنا دیا تھا گو اس کی پرستش میں اس کی رائے بھی شامل تھی لیکن بنی اسرائیل نے جو کچھ کیا اپنے اختیار ہی سے کیا۔

ان زیورات کو جو اوزار یعنی بوجھ فرمایا یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ قوم فرعون سے مانگ کر لائے تھے اور واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا اور جب واپس نہیں دیئے اور ساتھ لے آئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ زیور تمہارے اوپر بوجھ بنے ہوئے ہیں یعنی تم ان کی وجہ سے گنہگار ہو ان کو پھینک دو اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ سامری نے بچھڑا بنانے کے لئے ان لوگوں کو یہ بات سمجھائی تھی کہ دوسروں کا مال ہے تمہارے لئے حلال نہیں ہے اسے ایک گڑھے میں ڈال دو لہٰذا انہوں نے ایسا ہی کیا۔

کافر حربی کا مال اگر جنگ کر کے حاصل کیا جائے تو غنیمت کے حکم میں ہوتا ہے لیکن سابق امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا اور یہ زیور جنگ کے ذریعہ حاصل نہیں کئے گئے تھے اس لئے ہارون علیہ السلام نے انہیں مشورہ دیا کہ انہیں ڈال دو' نیز یہ بات بھی ہے کہ جو چیز مانگی ہوئی ہو خواہ کافر ہی سے مانگی ہو وہ امانت ہے اور امانت کا حکم یہ ہے کہ جس کے پاس امانت ہو اس کے لئے حلال نہیں ہوتی رسول اللہ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمانے کا ارادہ کیا تو لوگوں کی جتنی بھی امانتیں تھیں ان کے ادا کرنے کا یہ انتظام فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا کہ جس کی جو امانت ہے اس کو واپس کر دینا اور تم اس کام سے فارغ ہو کر ہجرت کرنا اگر ان زیورات کو مال غنیمت تسلیم کر لیا جائے تب بھی بنی اسرائیل کی ملکیت تامہ مستقلہ من کل الوجوہ لکل فرد ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تقسیم نہیں کی گئی تھی پھر موسیٰ علیہ السلام نے وہی کیا جو پرانی امتوں کے لئے اموال غنیمت کا قانون تھا یعنی آخر میں اسے جلا دیا اس میں اتنا فرق ہے کہ اس کے جلانے کے لئے آسمان سے آگ نہیں آئی چونکہ عبرت دلانا مقصود تھا کہ دیکھو جسے تم نے معبود بنایا تھا وہ جل رہا ہے اور جل چکا ہے یہی جلانا آسمانی آگ کے قائم مقام ہو گیا۔ اسی سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی املاک ضائع کر دینے پر ضمان کیوں لازم نہیں آیا (املاک ہوتی تو ضمان ہوتا) پھر یہ بات بھی ہے کہ امام المسلمین کو آلات معصیت تلف

کرنے کا حکم ہے پھر وجوب ضمان کیسا؟ بچھڑا تو سب سے بڑی معصیت یعنی شرک کا آلہ تھا اس کے اتلاف پر ضمان لازم ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے اور ان کے ذمہ بنی اسرائیل کی نگرانی سپرد فرما گئے تھے جب ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تو ہارون علیہ السلام نے انہیں متنبہ فرما دیا اور فرمایا اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ (تم اس کی وجہ سے فتنہ میں ڈالے گئے ہو) وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْا اَمْرِیْ (اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب رحمان ہے اسے چھوڑ کر دوسری چیز کی پرستش میں لگنا فتنہ میں پڑنا ہے میں جو بات کہہ رہا ہوں اس کا اتباع کرو اور اسے مانو)۔

لیکن بنی اسرائیل تو اس بچھڑے کے دل دادہ ہو چکے تھے ہارون علیہ السلام کی نصیحت کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ بلکہ انہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جواب دے دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو برابر اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ (علیہ السلام) واپس آجائیں، جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ تمہاری قوم فتنہ میں پڑ گئی تو واپس تشریف لائے اور انہوں نے اپنی قوم سے بھی خطاب کیا اور ہارون علیہ السلام پر بھی خفگی کا اظہار کیا اور یہ اظہار بھی معمولی نہ تھا بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال کھینچنے لگے اور توریت شریف کی جو تختیاں لے کر آئے تھے ان کو بھی ڈال دیا جس کی وجہ سے ٹوٹ گئیں، ہارون علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اے ہارون جب تم نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو اس سے کیا چیز مانع تھی کہ تم مجھے خبر دیتے۔ تم نے میرا اتباع کیوں نہ کیا اور میری نافرمانی کیوں کی۔ جب شرک کا ماجرا دیکھا تو تم میرے پاس چلے آئے ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے میری ڈاڑھی اور میرے بال نہ پکڑو، مجھے اس بات کا ڈر ہوا کہ آپ یوں فرمائیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق کر دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔ یہاں سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے انہیں روکا تو تھا اور بتا دیا تھا کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو لیکن سختی فرمانا مناسب نہ جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کا انتظار فرمایا، اور سورہ اعراف میں یوں ہے کہ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (ہارون نے کہا کہ میرے ماں جائے بات یہ ہے کہ قوم نے مجھے ضعیف سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے لہٰذا آپ میرے ذریعہ دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیجئے اور مجھے ظالموں کے ساتھ نہ کیجئے) جب ہارون علیہ السلام نے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یوں دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیجئے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا لیس الخبر کالمعاینة یعنی خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے پھر آپ نے بطور مثال یوں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ انہوں نے بچھڑے کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا ہے لیکن توریت شریف کی تختیوں کو نہیں ڈالا پھر جب اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت

دیکھ لی (توریت شریف کی) تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ ٹوٹ گئیں (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۱) جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو توریت شریف کی تختیاں اٹھالیں کما فی سورۃ الاعراف وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں بچھڑے کی پرستش کا فتنہ ظاہر ہوا تو اس وقت ان میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ رہا ان کی اطاعت کی اور گئوسالہ پرستی سے دور رہے۔ اس جماعت کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جس نے گئوسالہ پرستی کو اپنا لیا لیکن یوں بھی کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لا کر منع فرمائیں گے تو ہم چھوڑ دیں گے، تیسرا فرقہ وہ تھا، جو یوں کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی واپس آ کر اسی کو معبود بنالیں گے یہی ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے۔ جب ان آخری دو فرقوں کا جواب حضرت ہارون علیہ السلام نے سنا تو اپنے ساتھ بارہ ہزار ساتھیوں کو لے کر علیحدہ ہو گئے لیکن وہیں رہتے سہتے رہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام کو عتاب کیا اور گرفت فرمائی تو انہوں نے اپنا عذر بتا دیا۔ کہ میں بارہ ہزار ساتھیوں کو لے کر باقی بنی اسرائیل کو چھوڑ کر کہیں دور چلا جاتا یا ان سے مقابلہ کرتا تو اس سے بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ میں نے جتنا مناسب جانا اسی قدر کام کر دیا ان کو بتا بھی دیا اور ان سے عقیدۃً علیحدہ بھی ہو گیا اپنے موحد ساتھیوں کو الگ کر لیا اس سے آگے مقاتلہ اور مقابلہ کرنا میرے نزدیک مصلحت کے خلاف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی رائے کو خطا اجتہادی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا میں مشغول ہو گئے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ

موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا حال ہے اس نے کہا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی، سو میں نے فرستادہ کے

اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ

نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھالی میں نے اس مٹھی کو ڈال دیا اور میرے نفس نے مجھے یہی بات اچھی کر کے دکھائی، موسیٰ نے کہا کہ بس تو چلا جا سو تیرے لئے زندگی میں

اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

یہ سزا ہے کہ تو یوں کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے، اور بلاشبہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے اور تو اپنے معبود کو دیکھ لے

عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

جس پر تو جما ہوا تھا ہم ضرور ضرور اسے جلا دیں گے پھر اسے دریا میں اچھی طرح بکھیر دیں گے۔ تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری سے خطاب اس کے لئے بددعا کرنا اور اس کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر سمندر میں بکھیر دینا

تفسیر: حضرت ہارون علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے خطاب اور عتاب سے فارغ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تیرا کیا حال ہے یہ حرکت تو نے کیوں کی کس طرح سے کی؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو دوسرے لوگوں کو نظر نہ آئی میں نے اس میں ایک مٹھی اٹھالی اور جو مٹھی بھری تھی وہ اس مجسمہ میں ڈال دی جو میں نے چاندی سونے سے بنایا تھا علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ سامری بھی بنی اسرائیل میں سے تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے نہیں تھا بلکہ قوم قبط (فرعون کی قوم) میں سے تھا بنی اسرائیل جب دریا پار ہوئے تو منافق بن کر یہ ان کے ساتھ آ گیا عبور دریا کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام بنی اسرائیل کی مدد کے لئے تشریف لائے تھے وہ اس وقت گھوڑے پر سوار تھے خشکی میں پہنچے تو سامری نے دیکھا کہ ان کا گھوڑا جہاں پاؤں رکھتا ہے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی ہے اس نے سمجھ لیا کہ اس مٹی میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے جو دوسری مٹیوں میں نہیں ہوتا اس وقت اس نے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی سامری نے جو یوں کہا فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ اس میں الرسول سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں جس کا ترجمہ فرستادہ کیا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے۔ بعض مفسرین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سامری نے یہ کیسے سمجھا کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اس کا سیدھا سادھا جواب تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ابتلاء کے لئے جب اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رویت کرادی اور ان کے گھوڑے کے نیچے کی زمین کو اس کی نظروں کے سامنے سرسبز دکھا دیا جبکہ کسی اسرائیلی کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی تو اسی طرح اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ یہ حضرت جبرئیل علیہ اسلام ہی ہو سکتے ہیں جو اس وقت بنی اسرائیل کی مدد کے لئے تشریف لائے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ بات بھی فرمائی ہے جسے صاحب درمنثور نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے کہ جب فرعون اسرائیلی بچوں کو قتل کرتا تھا تو سامری کی ماں اُسے کسی غار میں چھپا کر آ گئی تھی تا کہ ذبح ہونے سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس کی پرورش کرائی وہ اس کے پاس جاتے تھے اور اسے اپنی انگلیاں چٹاتے تھے ایک انگلی میں شہد اور دوسری میں دودھ ہوتا تھا۔ لہٰذا وہ ان کی اس صورت کو پہچانتا تھا جس میں وہ انسانی صورت اختیار کر کے تشریف لایا کرتے تھے اسی صورت میں اس نے اس موقع پر بھی پہچان لیا۔ واللہ اعلم۔

جب سامری نے زیورات کا بچھڑا بنایا تو اس میں حیاۃ کا اتنا اثر آ گیا کہ اس سے بچھڑے کی آواز آنے لگی یہ آواز کا پیدا ہو جانا حضرت جبریل علیہ السلام کے پاؤں کی مٹی کے اثر سے تھا۔

بنی اسرائیل میں شرک کا جو مزاج تھا وہ اپنا کام کر گیا اور یہ لوگ بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے ان کے پس دماغ یہ بات تھی کہ اگر یہ واقعی بچھڑا نہ بن گیا ہوتا تو اس میں سے آواز کیوں آتی لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ جب اصل بچھڑا ہی معبود اور

نفع وضرر کا مالک نہیں ہوسکتا تو یہ نقلی بچھڑا کیسے معبود ہوسکتا ہے مشرک کا مزاج ہے کہ جس سے کسی خلاف عادت چیز کا صادر ہوتا دیکھتے ہیں اس کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں۔ جعلی پیروں اور فقیروں کا تو یہ مستقل دھندہ ہے کہ کچھ شعبدہ کے طریقے پر اور کچھ کیمیائی طریقوں سے بعض چیزوں کی مشق کر لیتے ہیں اور خلاف عادت چیزیں دکھا کر عوام کو معتقد بنا لیتے ہیں جبکہ اس کا قرب الٰہی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جا دفع ہو یہ کام تو نے ایسا کیا ہے کہ لوگ تیری طرف متوجہ ہو گئے اور تجھے شرک میں اپنا رہنما بنا لیا اور اس طرح سے تو مقتدا بن گیا اب اس کی سزا میں تیرے لئے یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر تو جہاں کہیں بھی جائے گا تو لا مســاس کہتا پھرے گا جس کا معنی یہ ہے کہ مجھ سے دور رہو مجھے مت چھوؤ۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کے لئے ایسی صورتحال پیدا فرما دی کہ جو بھی کوئی شخص اسے چھوتا تھا یا وہ کسی کو چھوتا تھا تو دونوں کو تیز بخار چڑھ جاتا تھا۔ لہٰذا لوگ اس سے دور دور رہتے تھے اور وہ بھی خوب زور زور سے کہتا تھا کہ مت چھوؤ۔ مت چھوؤ۔ دنیا میں تو اس کی یہ سزا ملی اور آخرت میں جو سزا ہے وہ اس کے علاوہ ہے اسی کو فرمایا ہے۔ وَاِنَّ لَکَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ (اور بلاشبہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے جو ٹلنے والا نہیں ہے)

ہندوستان کے ہندوؤں میں گائے کی پرستش بھی ہے اور چھوت چھات بھی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ گائے کی پرستش ان میں بنی اسرائیل سے آئی ہو جنہوں نے اہل مصر سے سیکھی تھی اور چھوت چھات سامری کی تقلید میں اختیار کر لی ہو وہ تو اس لئے چھوت چھات کرتا تھا کہ اسے اور چھونے والے کو بخار نہ چڑھ جائے لیکن بعد کے آنے والے مشرکین نے اسے مذہبی حیثیت دے دی **و العلم عند اللہ الخبیر العلیم**۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے مزید فرمایا کہ اب تو دیکھ جس چیز کو تو معبود بنا کر دھرنا دیئے بیٹھا تھا ہم اس کا کیا حال بناتے ہیں ہم اسے جلا دیں گے پھر اسے دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے تاکہ تو اور تیرا اتباع کرنے والے آنکھوں سے دیکھ لیں اور پوری ہوش مندی کے ساتھ یہ سمجھ لیں کہ اگر یہ معبود ہوتا تو جلانے سے کیوں جلتا' بھلا وہ کیا معبود ہے کہ کسی مخلوق کے جلانے کے جل جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کر دیا کہ اسے جلا کر سمندر میں بکھیر دیا کچھ بعید نہیں کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنے مردوں کو جلا کر اس کی راکھ پانی میں بہا دیتے ہیں یہ بھی اسی کا بقیہ ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے معبود باطل کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے تو عبرت کے لئے ایسا کیا تھا اور انہوں نے اسے اپنا مذہب بنا لیا' آگ میں جہاں ان کا صنم گیا وہیں خود چلے جاتے ہیں بعض مفسرین نے یہ اشکال کیا ہے کہ بچھڑا تو زیورات سے بنایا گیا تھا اور چاندی سونا جلتا نہیں ہے جس کی راکھ ہو جائے بلکہ وہ تو پگھل جاتا ہے لہٰذا اس کی راکھ کیسے بنی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بچھڑا جب بولنے لگا تو اس کا قالب بھی بدل گیا اور گوشت پوست والا بچھڑا بن گیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے پہلے ذبح فرمایا پھر آگ میں جلا دیا اور راکھ کو سمندر میں بہا دیا۔ اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ اسے ریتی سے ریت کر ذرہ ذرہ کر دیا پھر سمندر میں ڈال دیا صاحب معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۳ میں یہ دونوں باتیں لکھی ہیں لیکن دوسری بات کے سمجھنے میں اشکال

رہ جاتا ہے کیونکہ چاندی سونے کے ذرات کو ریزہ ریزہ کر کے آگ میں ڈالا جائے تو تب ہی پگھلتے ہیں راکھ نہیں بنتے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگ میں ڈالنے پر بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے پگھلانے کے بجائے اسے راکھ بنا دیا ولا اشکال فی ذلک آخر میں فرمایا اِنَّمَآ اِلٰھُکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تمہارا معبود اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے) اس میں مشرکین کی تردید ہے کہ وہ جن کی عبادت کرتے ہیں انہیں اپنی ذات ہی کا علم نہیں دوسری مخلوق کا کیا علم ہوگا۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾

اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ

جس شخص نے اس سے اعراض کیا سو بلاشبہ وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ لادے گا۔ ایسے لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بوجھ

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ

قیامت کے دن ان لوگوں کے لئے برا ہوگا جس روز صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرمین کو اس حالت میں جمع کریں گے ان کی آنکھیں نیلی

زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

ہوں گی وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس دن رہے ہو ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کے بارے میں وہ بات کریں گے

اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

جبکہ ان میں سب سے زیادہ صحیح رائے رکھنے والا یوں کہے گا کہ تم تو بس ایک ہی دن ٹھہرے ہو

جو شخص اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا قیامت کے دن گناہوں کا بوجھ لاد کر آئے گا، مجرمین کا اس حالت میں حشر ہوگا کہ ان کی آنکھیں نیلی ہونگی، آپس میں گفتگو کرتے ہوں گے کہ دنیا میں کتنے دن رہے؟

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس طرح ہم نے موسیٰ اور فرعون کا واقعہ اور بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے کا قصہ بیان کیا اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں (یہ خبریں آپ کی نبوت کی دلیلیں ہیں آپ انہیں

نہیں جانتے تھے صرف وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوئیں) اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے جو سارے عالم کے انسانوں کے لئے وعظ اور نصیحت ہے جو اس پر عمل کرے گا کامیاب ہوگا اور جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اپنے اوپر کفر کا بوجھ لادے ہوئے ہوگا اس طرح کے لوگ ہمیشہ اسی بوجھ میں رہیں گے یعنی اس بوجھ کے اٹھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں ہمیشہ عذاب کی جگہ میں رہنا ہوگا۔ اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان کے لئے برا بوجھ ہوگا۔ جس کی وجہ سے ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں صور پھونکا جائے گا۔

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو آسمان والے زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے اور زندہ انسان سب مر جائیں گے۔ اور دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور میدان حشر میں جمع ہوں گے ان محشورین یعنی قیامت کے دن حاضرین میں جو کفار ہوں گے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی یہ اس بات کی نشانی ہوگی کہ یہ لوگ مجرم ہیں یہ لوگ خوف زدہ بھی ہوں گے اور خوف کی وجہ سے چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے کہ قبروں میں کتنے دن رہے؟ ان میں سے بعض لوگ کہیں گے کہ دس دن رہے ہوں گے مطلب یہ ہے کہ ہم تو حشر نشر ہی کے منکر تھے ہمارا گمان تھا کہ مر مرا گئے خاک میں مل گئے اب کیسا زندہ ہونا اور قبروں سے نکلنا؟ ہمارا خیال تو غلط نکلا یہ تو بتاؤ قبروں میں کتنے دن رہنا ہوا۔ ان میں بعض جواب دیں گے کہ صرف دس دن رہے ہیں۔ اس دن کی پریشانی اور سخت گھبراہٹ کی وجہ سے ان کی سمجھ میں ایسا ہی آئے گا جو مدت دراز انہوں نے برزخ میں گزاری اسے دس دن کی مدت بتائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ بات کریں گے ہمیں اس کا خوب علم ہے وہ کتنی تھی' ان میں سے ایک شخص یوں کہے گا کہ تم تو قبروں میں ایک ہی دن رہے ہو۔ جو شخص یہ بات کہے گا اسے اَمۡثَلُهُمۡ طَرِيۡقَةً فرمایا۔ یعنی اس کی رائے سب لوگوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ صحیح ہوگی کیونکہ اس یوم کی درازی اور پریشانی کے اعتبار سے گزشتہ جو وقت گزرا اس کی مدت ایک دن بیان کرنا ہی زیادہ اقرب ہے اس شخص کو شدت کا زیادہ ادراک ہوگا اس لئے اس کی رائے بہ نسبت پہلی رائے کے اصح اور اصوب ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ واقعی قبر میں ایک ہی دن رہے۔

یہاں یوں فرمایا کہ مجرمین اس حالت میں محشور ہوں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور سورۃ الاسراء میں فرمایا کہ وَنَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا (کہ ہم انہیں قیامت کے دن اس حال میں جمع کریں گے کہ اندھے اور بہرے اور گونگے ہوں گے) یہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہے' عرصہ قیامت بہت طویل ہوگا اس میں مجرمین پر مختلف حالات گذریں گے' لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ اسی طرح یہاں مجرمین کی یہ بات نقل کی کہ کوئی کہے گا کہ قبروں میں دس دن رہے اور کوئی کہے گا کہ ایک دن رہے اور سورہ روم میں ہے وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین اس دن قسم کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے)

اور سورہ والنازعات میں فرمایا کَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (جس روز یہ قیامت کو دیکھیں گے تو انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں رہے ہیں) یہ احساس اور وجدان مختلف اشخاص کو مختلف احوال میں ہوگا لہٰذا اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾

اور وہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا پھر زمین کو ایک

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ

ہموار میدان بنا دے گا۔ اے مخاطب تو اس میں کوئی ناہمواری اور کوئی بلندی نہیں دیکھے گا جس روز بلانے والے کا اتباع کریں گے اس کے سامنے کوئی

الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا

ٹیڑھا پن نہیں ہوگا اور رحمٰن کے لئے آوازیں پست ہو جائیں گی سوائے مخاطب تو پاؤں کی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنے گا جس دن شفاعت

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

نفع نہ دے گی مگر اسی کو جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی اور جس کے لئے بولنا پسند فرمایا۔ وہ جانتا ہے جو ان کے پہلے احوال تھے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ

اور ان لوگوں کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور تمام چہرے حی وقیوم کے لئے جھک جائیں گے۔ اور جو شخص ظلم اٹھا کر لے گیا ہو

ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

وہ ناکام ہوگا اور جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں اچھے عمل کئے سو اسے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی کمی کا اندیشہ نہ ہوگا

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو اڑا دے گا زمین ہموار میدان ہوگی آوازیں پست ہوں گی شفاعت اسی کے لئے نافع ہوگی جس کے لئے رحمٰن اجازت دے سارے چہرے حی وقیوم کیلئے جھکے ہوئے ہوں گے

تفسیر: ان آیات میں روز قیامت کے احوال اور اعمال صالحہ پر پورا پورا اجر و ثواب ملنے کا تذکرہ ہے۔ صاحب معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۳۱ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بنی ثقیف میں سے ایک شخص نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت شریفہ

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ (الآیۃ) نازل فرمائی۔ جس میں بتادیا کہ پہاڑوں کی بڑائی اور بلندی اور سختی اور پھیلاؤ کی کچھ حیثیت بھی نہ رہے گی وہ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں اڑادے گا' سورۃ واقعہ میں فرمایا۔ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار کی طرح ہوں گے) اور سورۃ القارعۃ میں فرمایا ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (اور پہاڑ ایسے ہوجائیں گے جیسے دھنی ہوئی رنگین اون ہو) ان سب آیات میں پہاڑوں کی حالت بتائی ہے' پھر زمین کے بارے میں فرمایا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (اور اللہ تعالیٰ زمین کو اس حال میں کردے گا کہ وہ ہموار میدان ہوگی اس میں ناہمواری اور پستی اور بلندی نہیں ہوگی' یعنی اس میں کسی جگہ نہ گہرائی ہوگی اور نہ کوئی اٹھی ہوئی جگہ'

اس کے بعد فرمایا يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ (جس دن پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی جس کا ذکر اوپر ہوا' اس دن لوگ بلانے والے کی آواز کے پیچھے چل دیں گے لا عوج له اس کے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہیں رہے گا۔ اس کی آواز کے خلاف کوئی بھی شخص دوسری راہ اختیار نہ کرسکے گا) پکارنے والے کی آواز کے پیچھے چلنا ہی ہوگا اور میدان حشر میں جمع ہونا ہی پڑے گا۔

صاحب روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۶۴ میں لکھتے ہیں کہ الداعی (بلانے والا) اس سے حضرت اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں۔ وہ دوسری بار صور پھونکیں گے تو صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہوکر یوں آواز دیں گے ایتها العظام البالية والجلود المتمزقة واللحوم المتفرقة هلموا الى الرحمٰن فيقبلون من كل صوب الى صوته (اے گلی ہوئی ہڈیو اور ٹکڑے بنے ہوئے چمڑو اور الگ الگ ہوئے ہوئے گوشتو چلے آؤ رحمٰن کی طرف تمہاری پیشی ہوگی) یہ اعلان سن کر ہر طرف سے سب لوگ اس کی آواز کی طرف چل دیں گے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں۔ لا يزيغون عنه يمينا ولا شمالا ولا يقدرون عليه بل يتبعونه سراعا یعنی پکارنے والے کی آواز سے ہٹ کر دائیں بائیں کسی طرف نہ جائیں گے اور نہ جاسکیں گے بلکہ جلدی جلدی اس کی آواز کا اتباع کریں گے۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (اور رحمٰن کے لئے آوازیں' پست ہوجائیں گی سوائے مخاطب تو ہمس کے سوا کچھ نہ سنے گا) ہمس بہت ہلکی آواز کو کہتے ہیں اور اونٹوں کے چلنے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے بھی ہمس کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میدان قیامت میں حاضر ہونے والے بہت ہی ہلکی آواز میں بات کریں گے جیسا کہ اوپر يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ میں بتایا جاچکا ہے۔ دنیا میں جو یہ بلند آوازیں ہیں کسی کا وہاں کوئی اثر نہ ہوگا سب دب جائیں گے خوف کا یہ عالم ہوگا کہ آواز نکالنے کی ہمت ہی نہ ہوگی۔

پھر فرمایا يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (جس دن شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس کو جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی اور جس کے لئے بولنا پسند فرمایا) مطلب یہ ہے کہ اس ہولناک دن میں مصیبت سے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا اور شفاعت کام نہ دے گی۔ ہاں جس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی

اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ بولنا پسند فرمائے گا اس کے حق میں شفاعت نافع ہوگی۔ اول تو ہر ایک شفاعت کر نہیں سکے گا جسے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی وہی شفاعت کی جرأت کرے گا جیسا آیۃ الکرسی میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اور سفارش کرنے کی اجازت بھی نہ ہر ایک کو ہوگی اور نہ ہر ایک کے لئے ہوگی۔ جنہیں شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی وہ اسی کی شفاعت کر سکیں گے جس کے لئے شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ سفارش صرف مومن بندوں کے لئے ہوگی غیر مومن کے لئے وہاں شفاعت کا کوئی مقام نہ ہوگا۔ اور مومنین کے لئے بھی یہ شفاعت حسب مواقع ہو سکے گی جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں اس توضیح سے یہ معلوم ہوگیا کہ جہاں کہیں شفاعت کے نفع دینے کی نفی فرمائی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ کافروں کو کوئی شفاعت نفع نہ دے گی۔ کمافی سورۃ المومن مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارش کرنے والا) یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ (وہ ان سب کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے)۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِہٖ عِلْمًا (اور ان لوگوں کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا) صاحب روح المعانی ج ۱۶ص ۲۲۵ نے اس کا ایک مطلب تو یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کو مخلوق کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس کی صفات کمال کے ساتھ بندے پوری طرح نہیں جان سکتے۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ (اور تمام چہرے حی وقیوم کے لئے جھک جائیں گے) یعنی میدان قیامت میں سبھی عاجزی کی حالت میں ہوں گے دلوں میں اور نفسوں میں اور اعضاء میں سب میں جھکاؤ ہوگا جو متکبر تھے ان کا سب تکبر دنیا میں ہی دھرا رہ گیا اب تو الجبار المتکبر کی بارگاہ میں کھڑے ہیں وہاں جھکاؤ بھی ہے عاجزی بھی ہے وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا (اور جو شخص ظلم اٹھا کر لے گیا وہ ناکام ہوگیا) سب سے بڑا ظلم کفر اور شرک ہے اور بندوں پر جو مظالم کئے ان کی فہرست بھی وہاں موجود ہوگی، ظلم کرنے والے وہاں ناکام ہوں گے نامراد ہوں گے اور عذاب میں جائیں گے۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا ھَضْمًا (اور جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں اچھے عمل کئے سوا سے کسی طرح کے ظلم کا اور کسی طرح کی کمی کا اندیشہ نہ ہوگا) جیسے ظالم ناکام ہوں گے ایسے ہی اہل ایمان کامیاب اور بامراد ہوں گے ان لوگوں نے جو بھی کوئی نیکی کی تھی اس سب کا پورا پورا بدلہ ملے گا نہ کوئی نیکی ماری جائے گی اور نہ ثواب میں کچھ کمی ہوگی۔ جہاں ایک نیکی کا ثواب کئی گناہ دیا جائے گا وہاں اصل ثواب میں کمی ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ سورۃ نساء میں فرمایا اِنَّ اللہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ فرمائے گا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو چند در چند کر دے گا۔ اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا) سورۃ جن میں فرمایا فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَھَقًا (سو جو شخص اپنے

رب پر ایمان لے آیا سوا سے کسی کمی کا اور کسی طرح کے ظلم کا اندیشہ نہ ہوگا) وھو مومن کی قید سامنے رہنی چاہئے۔ غیر مومن کو وہاں کسی نیکی کا کچھ بھی بدلہ نہ ملے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ
اور اسی طرح ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ لوگ ڈر جائیں
اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
یا یہ قرآن ان کے لئے کسی قدر سمجھ پیدا کر دے۔ سو اللہ برتر ہے بادشاہ ہے حق ہے اور آپ قرآن میں اس سے پہلے جلدی نہ کیجئے
يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾
کہ اس کی وحی پوری کر دی جائے اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کہ ہم نے آپ کی طرف عربی میں قرآن نازل کیا' اس میں طرح طرح سے وعیدیں بیان کیں' آپ وحی ختم ہونے سے پہلے یاد کرنے میں جلدی نہ کریں اور علم کی زیادتی کے لئے دعا کرتے رہیں

تفسیر: قیامت کا ذکر فرمانے کے بعد اب قرآن مجید کے بارے میں چند باتیں ارشاد فرمائیں' اول تو یہ فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے عربی بنا کر نازل کیا ہے جب یہ عربی ہے جس کا مخاطبین کو بھی انکار نہیں ہے اور عرب ہونے کی وجہ سے اس کے اولین مخاطبین اس کو سمجھتے بھی ہیں اور اس کی فصاحت اور بلاغت کو جانتے بھی ہیں تو ایمان لانے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ ہم نے اس میں طرح طرح سے وعید بیان کی ہے تاکہ وہ ڈر جائیں اور ایمان لے آئیں یا اگر پوری طرح نہ ڈریں تو قرآن کے ذریعہ ان میں کچھ سمجھ پیدا ہو جائے اور سمجھتے سمجھتے آگے بڑھ کر کسی وقت کفر کو چھوڑ دیں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (سو اللہ برتر ہے بادشاہ ہے حق ہے) اس کے کلام پر ایمان لانا فرض ہے اگر کوئی شخص ایمان نہ لائے تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ کسی کے ایمان کا محتاج نہیں' وہ حقیقی بادشاہ ہے وہ حق ہے اور اس کا کلام بھی حق ہے جو ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا۔

قال صاحب الروح وفيه ايماءٌ الى ان القرآن وما تضمنه من الوعدو الوعيد حق كله لا يحوم

حول حماه الباطل بوجه وان المحق من اقبل علیه بشرا شره وان المبطل من اعرض من تدبر زواجره (ج ۱۶ ص ۲۸)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جب آپ پر قرآن نازل ہوا کرے تو آپ پہلے خوب اچھی طرح اخیر تک سن لیں وحی پوری ہونے سے پہلے اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائیں جلدی نہ کریں آپ حضرت جبرئیل کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور بھولنے کے اندیشہ کی وجہ سے ایسا کر لینے میں آپ کو تعب ہوتا تھا اس لئے ارشاد فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں اور بھولنے کا اندیشہ نہ کریں ہم آپ کو ضرور یاد کرا دیں گے سورۃ قیامہ میں اسی کو فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (اے پیغمبر آپ نزول قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تا کہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے) مطلب یہ ہے کہ جب جبرائیل کے واسطہ سے ہماری طرف سے وحی آئے تو آپ دھیان سے سنیں۔ اور دہرانے میں جلدی نہ کریں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ مشقت نہ اٹھائیں پوری وحی سن لیں۔ پھر اس کو دہرائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ بعض مرتبہ کسی کلمہ کے تلفظ کی مشغولیت میں اس کے بعد والا کلمہ سننے سے رہ جانے کا احتمال ہو سکتا ہے اس لئے آپ کو جلدی کرنے سے منع فرمایا' وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم اور بڑھا دیجئے) اس کے عموم میں آگے مزید وحی آنے کا بھی سوال آ گیا اور قرآن مجید میں جو کچھ علوم و معارف اور اسرار و رموز ہیں ان کا اور ان کے علاوہ دیگر علوم جن سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو ان کا بھی سوال ہو گیا۔ علوم الٰہیہ کی انتہا نہیں ہے مومن بندوں کو چاہئے کہ برابر زیادہ سے زیادہ علم حاصل ہونے کی دعا کرتے رہیں۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ کسی خیر کے سننے سے مومن کا پیٹ نہیں بھر سکتا یہاں تک کہ اس کا منتھی جنت ہی ہوگی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴)

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور اس سے پہلے ہم نے آدم کو حکم دیا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

کہ آدم کے لئے سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے انکار کر دیا۔ سو ہم نے کہا اے آدم بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ

سو یہ ہرگز تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے سو تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے بلاشبہ تمہارے لئے یہاں یہ بات ہے کہ تم اس میں نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے رہو گے اور

لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى

نہ یہاں تم پیاسے ہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا وہ کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تمہیں ہمیشگی والا

شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

درخت اور ایسی بادشاہی نہ بتادوں جس میں کبھی ضعف نہ آئے سو ان دونوں نے اس میں سے کھا لیا سو ان کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ

اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا سو ان کی توبہ

عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿١٢٢﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ

قبول فرمائی اور انہیں ہدایت پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی

هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

ہدایت آئے تو سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ شقی ہو گا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں مخصوص درخت کھانے سے منع فرمانا، پھر شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے بھول کر اس میں سے کھا لینا، اور دنیا میں نازل کیا جانا

تفسیر: حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا علیہما السلام کا قصہ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں گذر چکا ہے دونوں جگہ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں اور اجمالی طور پر سورۂ حجر اور سورۂ بنی اسرائیل میں بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت کے پاس نہ جانا لیکن وہ اسے بھول گئے اور پختگی کے ساتھ حکم کی پابندی کا دھیان نہ رکھا لہٰذا غفلت ہو گئی۔ پہلی آیت میں بالاجمال اس کو بیان فرمایا، اس کے بعد واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو ان سب نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا وہ حکم ماننے سے انکار کر بیٹھا اور کٹ حجتی بھی کی کہنے لگا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے، لہٰذا میں افضل ہوا جو افضل ہے وہ اپنے سے کم درجہ والے کو کیوں سجدہ کرے؟ اس نے حکم عدولی بھی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خلاف حکمت بھی بتایا اور اپنی افضلیت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ جب اس نے یہ حرکت کی تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ اے آدم یہ تمہارا دشمن ہے یہ تمہارے پیچھے لگے گا اور کوشش کرے گا کہ تمہیں یہاں سے نکلوا دے۔ تم ہرگز اس کے کہنے میں نہ آنا ورنہ مصیبت میں پڑ

جاؤ گے۔ (دنیا میں جانا پڑے گا اور وہاں کی مشقتوں اور محنتوں میں پڑو گے۔ مشکلات اور مصائب سہو گے) یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ کھاؤ، پیو، پہنو نہ یہاں بھوکے رہو گے نہ پیاسے اور نہ ننگے، یہاں تمہیں دھوپ کی حرارت بھی نہیں پہنچے گی۔ وھو من باب الاکتفاء کقولہ تعالیٰ سرابیل تقیکم الحر (ای والبرد فلا یمسھم الحر ولا البرد) (اور وہ اکتفاء کے باب سے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول سرابیل تقیکم الحر ہے یعنی ایسے جو تمہیں گرمی اور سردی سے بچائیں گے پس انہیں نہ گرمی چھوئے گی اور نہ سردی۔) اس میں یہ بتا دیا کہ شیطان کے بہکاوے میں آنے سے یہاں سے نکلنا ہوگا اور دنیا میں جانا ہوگا اور وہاں ان مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

سجدہ نہ کرنے پر جب شیطان ملعون اور مردود ہو گیا تھا تو اس نے پہلے ہی ٹھان لی تھی کہ ان کو جنت سے نکلوانا ہے اور ان کی ذریت کو گمراہ کرنا ہے۔ وہ تو وہاں سے نکال دیا گیا اور یہ دونوں حضرات رہتے رہے دونوں کو حکم ہوا تھا کہ جنت میں رہو سہو خوب کھاؤ پیو لیکن فلاں درخت کے پاس نہ جانا اگر اس میں سے کھا لیا تو یہ تمہارا اپنی جان پر ظلم کرنا ہو گا۔ اب شیطان ان کے پیچھے لگا اور اس نے کہا کہ دیکھو اس درخت کے کھانے سے جو تمہیں منع کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اسے کھا لے گا وہ یہاں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا۔ اور اس کے کھانے سے تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے (کما فی سورۃ الاعراف) اور یہاں جو تمہیں عیش و آرام حاصل ہے اور ایک طرح کی بادشاہی حاصل ہے اس میں کبھی بھی کوئی ضعف نہ آئے گا۔ (کما فی سورۃ طٰہٰ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى) اس نے یہ بات قسم کھا کر کہی اور یہ بھی کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ دونوں حضرات شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور اس درخت سے کھا لیا جس سے منع کیا گیا تھا اس درخت کا کھانا تھا کہ ان کے کپڑے جسموں سے علیحدہ ہو گئے۔ دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے لے لے کر اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ دشمن کے پھسلانے میں آ کر اپنے رب کی نافرمانی کر بیٹھے اور غلطی میں پڑ گئے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہوا اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ شیطان واقعی تمہارا کھلا دشمن ہے) چونکہ ان کی نافرمانی سرکش نافرمانوں کی طرح نہیں تھی بلکہ جنت میں ہمیشہ رہنے کی بات سن کر دشمن کے بہکانے میں آ گئے تھے اس لئے فوراً اپنے قصور کا اقرار کیا اور توبہ کی جس کو سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو واقعی ہم خسارہ میں پڑنے والے ہو جائیں گے) شیطان نے بغاوت کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت بھی بتایا یہ تو اس کا حال تھا اور ان دونوں نے جلدی سے قصور کا اقرار کر لیا اور توبہ کر لی۔ جیسا کہ مخلصین اور مومنین کا طریقہ رہا ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں چن لیا یعنی اور زیادہ مقبول بنا لیا اور ان کو ہدایت پر قائم رکھا کما قال تعالیٰ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى چونکہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو تکوینی طور پر دنیا میں آنا ہی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہی اس لئے ہوئے تھے کہ ان کی اولاد زمین میں خلافت کی

ذمہ داری اٹھائے اس لئے ان کا گناہ تو معاف فرمادیا لیکن دنیا میں ان کو بھیج دیا گیا اسی کو فرمایا قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ارشاد فرمایا (کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (تمہاری ذریت میں جو لوگ ہوں گے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے) (ان دشمنیوں کو مٹانا اور فیصلے کرنا خلافت کے کام میں داخل ہے)

مزید فرمایا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (سو اگر تم میں سے کسی کے پاس میری ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا) اس کے زمین میں آنے سے پہلے ہی اللہ جل شانہٗ نے بتا دیا تھا کہ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی اس پر چلنے میں کامیابی ہے جو اسے قبول کرے گا نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا' اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں کے ذریعہ ہدایات پہنچتی رہی ہیں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی اب نیا نبی کوئی نہیں آئے گا خاتم المرسلین کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی کار نبوت یعنی دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام جاری ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سب باقی ہیں جو ہدایت پر عمل کرے گا اسے وہی بلند مقام مل جائے گا جہاں سے اس کی ماں باپ آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام اس دنیا میں آئے تھے' جنت اپنے باپ کی جگہ ہے جہاں وہ تھے اور جہاں واپس گئے وہیں ان کی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور جنہوں نے اللہ کی ہدایت کو نہ مانا کفر پر رہے اور اسی پر مرے وہ جنت میں نہ جائیں گے کیونکہ اختلاف دین کی وجہ سے میراث کا استحقاق نہیں رہتا' جو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر رہے اس کے لئے ضمانت ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ نہیں اور آخرت میں بدنصیب نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اتباع کیا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہدایت پر رکھیں گے اور قیامت کے دن اسے برے حساب سے بچائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى (کذا فی الدر المنثور ج ۴ ص ۳۱۱)

ضروری فوائد

فائدہ: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ بھول گئے اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں فنسی العهد ولم يهتم به ولم يشتغل بحفظه حتى غفل عنه۔ (کہ حضرت آدم علیہ السلام عہد بھول گئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں جو حکم دیا تھا کہ فلاں درخت میں سے نہ کھانا) یہ ان کے ذہن میں سے اتر گیا اور انہوں نے اسے یاد رکھنے کا اہتمام نہ کیا جس کی وجہ سے غفلت ہوگئی' اور وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں تصميم وراى و ثبات قدم فى الامور یعنی ہم نے ان کے لئے رائے کی مضبوطی اور پختگی نہیں پائی گویا کہ یہ نسیان کی تفسیر ہے یعنی اگر وہ یاد رکھنے کا اہتمام کرتے تو ثابت قدم اور پختہ عزم والے رہتے لیکن بے دھیانی کی وجہ سے بھول گئے جس کی وجہ سے شجرہ ممنوعہ میں سے کھا بیٹھے۔ اور حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ

سے لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا کا یہ معنی مروی ہے کہ وہ درخت کے کھانے سے بچ نہ سکے اور اس کے ترک پر صبر نہ کر سکے۔ اور صاحب روح المعانی نے ایک جماعت سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ انہوں نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا تھا خلاف ورزی تو ہوئی خطا بھی ہوگئی لیکن جانتے بوجھتے جو گناہ ہوتا ہے اس کے ذیل میں نہیں آتا عن ابن زید و جماعة ان المعنی لم نجدله عزما علی الذنب فانه علیه السلام اخطا ولم یتعمد (ابن زید اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے گناہ پر ان کا ارادہ نہیں پایا ان سے خطاء اور بھول کر ہوا ہے جان بوجھ کر نہیں کیا) (ج ۱۶ ص ۲۷۰) جہاں تک نسیان کا تعلق ہے وہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں ممتنع الوقوع یعنی محال نہیں ہے سید الانبیاء نے فرمایا اِنَّمَا انا بشر مثلکم انسی کما تنسون کما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۲ (میں تمہاری طرح کا آدمی ہوں تم جیسے بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں) سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بھول تو معاف ہے جب وہ بھول گئے تھے تو اس پر مواخذہ کیوں ہوا اور اس کو معصیت کیوں قرار دیا گیا۔

اس کا ایک جواب تو مذکورہ بیان میں گذر چکا ہے کہ نسیان پر مواخذہ نہیں جن وجوہ سے نسیان ہوا ان پر مواخذہ ہوا یعنی انہوں نے یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا جبکہ وہ یاد رکھ سکتے تھے مثلاً ایک دوسرے کو آپس میں وصیت کرتے کہ ہم میں سے کوئی کھانے لگے تو یاد دلائے یا کوئی ایسی صورت حال اختیار کر لیتے جو یاد دلانے والی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ ایک دن سفر میں رات کے آخری حصہ میں سونے لگے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جگانے کے لئے مقرر فرمایا پھر آپ اور آپ کے ساتھی سو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی آنکھ لگ گئی وہ بھی سو گئے حتیٰ کہ سورج نکلنے پر سب کی آنکھ کھلی صحابہ جو گھبرائے تو آپ نے فرمایا فاذا رقد احدکم عن الصلوٰۃ او نسیها ثم فزع الیها فلیصلها کما کان یصلیها فی وقتها (سو جب تم میں سے کوئی شخص سوتا رہ جائے جس کی وجہ سے نماز جاتی رہے یا نماز کو بھول جائے پھر گھبرا کر اٹھے تو اسی طرح پڑھ لے جیسا کہ اس کے وقت میں پڑھتا تھا (ص ۶۷ مشکوٰۃ المصابیح) آنحضرت نے حضرت بلال کو جگانے پر لگایا پھر آپ نے سونا منظور فرمایا چونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے یاد رکھنے میں کوتاہی ہوئی اس لئے ان کا مواخذہ ہوا علامہ قرطبی نے ایک اور بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ اس وقت آدم علیہ السلام بھولنے پر بھی ماخوذ تھے اگرچہ ہم سے بھول پر مواخذہ نہیں ہوتا (ج ۱۱ ص ۲۵۱) اور تیسری بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جس عمل کا صدور ہوا گو وہ سہو اور خطا ہی تھا مگر ان کے بلند مرتبہ کے خلاف تھا جن اعمال پر عامۃ الناس سے مواخذہ نہیں ہوتا بلند مرتبہ والوں سے ان پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے جملہ حسنات الابرار سیئات المقربین میں اسی مضمون کو واضح کیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہاں عصمت انبیاء کا سوال بھی اٹھایا ہے لیکن جب یہ معصیت حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہو خصوصاً جبکہ وہ بھول کر تھی اور اس کا صدور بھی نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے تھا اور وہ بھی عالم بالا میں دنیا کے دار التکلیف میں آنے سے پہلے ہو لہٰذا عصمت انبیاء کے عقیدہ میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا خصوصاً جبکہ اسے

سورۃ الاعراف میں ذلت یعنی لغزش قرار دیا ہے کما قال تعالیٰ شانہٗ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا۔

اس میں اختلاف ہے کہ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے کبیرہ کا صدور ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ کفر و کذب کے علاوہ باقی معاصی کا صدور ہوسکتا ہے قال صاحب الروح (ج۱۶ص۲۷۴) فقد قال عضد الملة فی المواقف ان الا کثرین جوزوا صدور الکبیرة یعنی ماعدا الکفر والکذب فیما دلت المعجزة علی صدقهم علیهم السلام فیه سهوا وعلی سبیل الخطا منهم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں عضد الملت نے مواقف میں کہا ہے اکثر حضرات نے کہا کفر و کذب کے علاوہ کبیرہ گناہ صادر ہوسکتا ہے۔ باقی وہ صورتحال جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے وہ غلطی اور بھول سے واقع ہوگیا ہے) اھ اب رہا لفظ فغویٰ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو درخت کھالیا اس میں وہ اپنے مطلوب کے بارے میں غلطی میں پڑ گئے ان کو جو دشمن نے یہ سمجھایا کہ تم اس درخت کو کھالو گے تو ہمیشہ یہیں رہو گے اس کی باتوں میں آ گئے۔ اس کے کہنے سے یہ سمجھ لیا کہ یہاں ہمیشہ رہیں گے لیکن اس کی بات ماننے سے وہاں سے نکلنا پڑا۔ قال صاحب الروح ضل عن مطلوبه الذی هو الخلود اوعن المطلوب منه وهو ترک الاکل من الشجرة او عن الرشد حیث اغتر بقول العدو (صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے مطلوب جو کہ جنت میں ہمیشہ رہنا تھا یا درخت کو نہ کھانے یا سیدھی راہ سے بہک گئے کہ آپ نے دشمن کی بات سے دھوکہ کھالیا) (ج۱۶ص۲۷۴)

فائدہ (۲): یہ جو فرمایا فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۔ اس میں بظاہر صیغہ تثنیہ فتشقیان ہونا چاہئے تھا مفرد لانے میں ایک نکتہ تو وہ ہے جو علمائے بلاغت نے لکھا ہے کہ فواصل کی رعایت کی وجہ سے مفرد کا صیغہ لایا گیا' اور بعض علماء نے اس سے ایک فقہی نکتہ مستنبط کیا ہے اور وہ یہ کہ کمائی کرنا اور بیوی کے کھانے پینے پہننے کی ضروریات پوری کرنا شوہر ہی کے ذمہ ہے عورت اس کسب میں شریک نہیں' اس لئے صرف حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب کیا گیا اور آئندہ بنی نوع انسان کو یہ سبق دے دیا گیا کہ کسب مال کی مشقت اٹھانا اور اس کے لئے محنت کرنا صرف مرد کی ذمہ داری ہے۔

فائدہ (۳): حضرت آدم اور حوا علیہما السلام ابھی جنت ہی میں تھے کہ ان سے فرما دیا تھا کہ تم اس میں رہو اس میں بھوکے ننگے نہ رہو گے اور نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ' جنت میں تو بہت زیادہ نعمتوں اور لذتوں کا سامان ہے پھر بھی۔ انہیں چیزوں کا تذکرہ فرمایا اس سے بعض علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ انسان کی اصل ضرورت کھانا پینا پہننا اور رہنے کی جگہ میسر ہونا ہی ہے۔ جس میں سردی گرمی سے بچ سکے اس کے علاوہ اور جو کچھ ہے التذاذ اور زیب و زینت کے لئے ہے جو اصل ضرورت سے زائد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے ایک تو رہنے کا گھر ہو اور دوسری شرم کی جگہ چھپانے کے لئے کپڑا ہو تیسرے روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو (رواہ الترمذی) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کو اس حال میں صبح ہوئی کہ وہ اپنے نزدیک امن سے ہے اور اس کے جسم میں عافیت ہے اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے تو گویا اس کو ساری دنیا مل گئی (رواہ الترمذی)

نکاح بھی انسان کی ضرورت کی چیز ہے نفس و نظر کو پاک رکھنے اور تکثیر نسل کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ آیت

کریمہ میں اس کا تذکرہ نہیں فرمایا کیونکہ وہ دونوں پہلے سے میاں بیوی تھے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے نے نکاح کر لیا تو آدھا ایمان محفوظ کر لیا اب باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے (مشکوٰۃ ص ۲۶۸) کچھ اشخاص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس آئے یہ لوگ اپنے آپ کو فقراء سمجھتے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ فرمایا کیا تیرے پاس بیوی ہے جس کی طرف ٹھکانہ پکڑتا ہے (یعنی کام کاج کر کے اس کے پاس جا کر آرام کرتا ہے) اس نے کہا ہاں بیوی تو ہے' فرمایا کیا تیرے پاس رہنے کے لئے گھر ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے' فرمایا بس تو مالداروں میں سے ہے' وہ کہنے لگا کہ میرا ایک خادم بھی ہے فرمایا پھر تو بادشاہوں میں سے ہے۔ رواہ مسلم

فائدہ (۴): اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق ہیں۔ اسی نے مرتبے دیئے ہیں اور اسی نے جسے چاہا نبوت سے سرفراز فرمایا اور جس کسی سے کوئی لغزش ہوئی اس کا مواخذہ فرمایا پھر توبہ کرنے پر معاف بھی فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو یوں کہیں کہ وہ گنہگار تھے یا یوں کہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا یا کسی بھی نبی کی لغزش کا ہم خود سے تذکرہ کریں' ہاں آیت کا مضمون بیان کر دیں تو یہ دوسری بات ہے خواہ مخواہ ان واقعات کو لے کر ان حضرات کی طرف گناہ یا عیب منسوب نہ کریں خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف بھی فرما دیا۔ سورہ طٰہٰ میں یہاں بالتصریح ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى فرمایا ہے اور سورہ نون میں یونس علیہ السلام کے بارے میں فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فرمایا ہے اب کس کا منہ ہے کہ کوئی شخص ان حضرات کی لغزشوں کو اچھالے اور ان کی غیبت کر کے لذت حاصل کرے اگر کوئی شخص ہمارے قریب ترین باپ دادا کو کہہ دے کہ وہ گنہگار تھا یا گناہ گار ہے تو کتنا برا لگے گا۔ پھر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام جو نبی تھے اور سارے انبیاء کے باپ تھے ان کے حق میں یہ کہنا اور اچھالنا کہ انہوں نے گناہ کیا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے'

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ

اور جس شخص نے میری نصیحت سے اعراض کیا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور ہم اسے قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائیں گے کہ وہ اندھا ہوگا وہ کہے گا

رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ

کہ اے میرے رب مجھے آپ نے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات پہنچی تھیں سو تو نے انہیں بھول گیا

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ

اور آج تو بھلا دیا جائے گا اور ہم اس طرح اسے سزا دیں گے جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے اور یہ واقعی بات ہے کہ آخرت کا عذاب

الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ

زیادہ سخت ہے اور بڑا دیرپا ہے' کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۱۲۸﴾

بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا' عذاب کی وعید

ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈروں سے عبرت حاصل نہ کرنے پر تنبیہ

تفسیر: حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے قصہ کے آخر میں یہ فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی جو شخص اس کا اتباع کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا۔ نہ بدبخت ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو دنیا میں آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کی نصیحت سے اعراض کیا' ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لئے تنگ زندگی ہے' ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے رسول اللہ کی ذات گرامی ہے دونوں باتیں درست ہیں کیونکہ ایک دوسرے کو لازم ہے۔ رسول اللہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اور جو قرآن مجید میں بتایا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے اور اس سے اعراض کرنا معیشت ضنک یعنی تنگ زندگی کا سبب ہے۔ تنگ معیشت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند بزار سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس سے عذاب قبر مراد ہے پھر اس کی اسناد کو جید بتایا ہے اور بعض دیگر روایات بھی اس سلسلہ میں نقل کی ہیں (ج ۳ ص ۱۶۹) اگر تنگ معیشت سے دنیا کی معیشت بھی مراد لی جائے تو الفاظ کے عموم میں اس کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بہت سے کافر منکر دنیا میں کھاتے پیتے حال میں ہیں ان کے پاس مال بھی ہے اور نعمتیں بھی ہیں پھر معیشت تنگ کیسے ہوئی۔ اس کے جواب میں مفسرین نے فرمایا کہ جتنا بھی مال ہو اس سے کافر کو اطمینان نہیں ہوتا زائد کے طلب میں سرگرداں رہتا ہے مصائب اور مشکلات میں پھنسا رہتا ہے جس سے تنگ دلی کا شکار رہتا ہے۔ اس کی یہ سینہ کی تنگی اور دل کی مصیبت اس کے لئے تنگ معیشت ہے۔ اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والے کے لئے ایک تو تنگ معیشت کی سزا ہے اور دوسری سزا یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اندھا ہو کر اٹھے گا وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں تو دنیا میں بینا اور دیکھنے والا تھا آپ نے مجھے نابینا کر کے کیوں اٹھایا؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ جس طرح تو نے دنیا میں ہماری آیات کو جھٹلایا تیرے پاس ہماری آیات آئیں ان سے تو نے منہ موڑا۔ میں نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اپنی کتابیں نازل کیں تو نے انکار کیا اور ان سے منحرف رہا حق آیا اور تو اس کی جانب سے اندھا بنا رہا لہٰذا تجھے آج اندھا کر کے اٹھایا گیا تو ہماری آیات کو بھولا آج تیرے ساتھ بھی بھول بھلیاں والا معاملہ کیا جائے گا یعنی تجھے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا اور پھر اس سے نجات نہ دی جائے گی۔

اس کے بعد مستقل طور پر قانون بیان فرمایا۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ (الآیۃ) اور اسی طرح ہم اس شخص کو بدلہ دیتے ہیں جو حد سے آگے نکلا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا' اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور بہت دیر پا ہے' اس میں بتا دیا کہ ہر وہ شخص جس نے کفر اختیار کیا اس کا یہی حال ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔ اندھا کر کے بھی اٹھایا جائے گا اور ہمیشگی والے سخت عذاب میں بھی داخل ہوگا۔

آخر میں فرمایا اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ (الآیۃ) کیا انہیں اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر دیا یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں' بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے مخالف ہیں انہیں پرانی امتوں کے واقعات معلوم ہیں تباہ شدہ آبادیاں ان کے سامنے ہیں وہاں جاتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔ بربادیوں کے نشان دیکھتے ہیں' ویران گھروں کے اینٹ پتھر ان کے سامنے ہیں۔ (اور اب تو تاریخ کی کتابیں بھی چھپ گئی ہیں جن کا مطالعہ کرتے ہیں) ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے' بھی اثر نہیں لیتے' قرآن کی دعوت نہیں مانتے' اہل عقل اور اہل بصیرت کے لئے یہ برباد شدہ آبادیوں کی زمین اور نشانات کافی ہیں' ان کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ عبرت حاصل کرنے کی بجائے ان چیزوں کو تفریح گاہ بنا رکھا ہے کیمرے ساتھ لے جاتے ہیں فوٹو لیتے ہیں وہاں وقت گذارتے ہیں رات گزار کر کھانا کھا کر تفریح کر کے بغیر کسی عبرت کے واپس آ جاتے ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک بات فرمائی ہوئی نہ ہوتی۔ اور اجل مقرر نہ ہوتی تو لازمی طور پر عذاب آ جاتا۔ سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

اور سورج کے نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہئے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح پڑھیئے اور دن کے اطراف میں بھی

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

تاکہ آپ خوش ہو جائیں' اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ بڑھائیں جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے جو ان کی بیویاں ہیں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ

اور دنیاوی زندگی کی رونق ہے' اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے اور بہت دیر پا ہے' اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے

وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور خود بھی اس کی پابندی کیجئے ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے ہم آپ کو رزق دیں گے اور بہتر انجام پرہیز گاری کا ہے۔

صبح شام اور رات کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیجئے، اہل دنیا کی طرف آپ کی نظریں نہ اٹھیں، اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ جب اہل مکہ کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور ایمان لانے کی تلقین فرماتے تھے تو وہ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور آپ کی شان میں ناروا کلمات استعمال کرتے تھے۔ انہیں ایمان لانے سے بھی انکار تھا اور جب عذاب کی بات آتی تھی تو اس کا بھی مذاق بناتے تھے کہ اگر ہم غلط راہ پر ہیں تو عذاب کیوں نہیں آ جاتا' اس کا جواب قرآن مجید میں کئی جگہ دے دیا گیا ہے' یہاں ارشاد فرمایا کہ آپ کی طرف سے پہلے سے ایک بات فرمائی ہوئی ہے اور عذاب کے لئے ایک اجل مقرر ہے دنیا میں جو عذاب آنا ہے اس کے لئے بھی اور آخرت میں جو عذاب ہونا ہے اس کے لئے بھی وقت مقرر ہے ان کی جلدی مچانے سے مقررہ وقت سے پہلے عذاب نہیں آئے گا۔ پہلی آیت میں یہی مضمون مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جو ان کی باتوں سے تکلیف پہنچتی تھی اس کے بارے میں دو چیزوں کا حکم فرمایا' اول صبر دوم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہونا دوسری آیت میں دونوں باتیں بیان فرمائی ہیں۔

ارشاد فرمایا فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ اللَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (اور سورج نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہئے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح پڑھئے اور دن کے اطراف میں بھی) مطلب یہ ہے کہ آپ صبر بھی کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تقدیس میں بھی مشغول رہئے' ان دونوں چیزوں کے اختیار کرنے سے منکرین کی طرف سے جو تکلیف پہنچے گی وہ ختم ہو جائے گی یا اس میں خفت ہو جائے گی۔ پھر فرمایا لَعَلَّکَ تَرْضٰی (تاکہ آپ خوش ہو جائیں) کیونکہ صبر سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اللہ کی مدد بھی ہوتی ہے اور راحت اور اطمینان بھی نصیب ہوتا ہے اور لوگوں کی ایذاؤں کی طرف توجہ بھی نہیں رہتی سورہ حجر میں فرمایا وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے سو آپ اپنے رب کی تسبیح پڑھئے اور سجدہ کرنے والوں میں شامل رہئے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آیت بالا میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے نماز فجر اور قبل غروبها سے نماز ظہر اور عصر اور مِنْ اٰنَآئِ اللَّیْلِ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے۔ اور لفظ اَطْرَافَ النَّهَارِ فرما کر نماز فجر اور نماز عصر کی تاکید فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کو دنیاوی حالات میں مالیات کی کمی رہتی تھی اور آپ کا یہ فقر اختیاری تھا ایک شخص کو ہزار ہزار بکریاں دے دیتے تھے لیکن اپنے لئے فقر ہی کو اختیار فرمایا اور آپ کے ساتھ جو مومنین تھے جنہوں نے ابتداءً مکہ مکرمہ

میں ایمان قبول کیا تھا وہ بھی تنگدستی میں مبتلا رہتے تھے اور ان کے مقابل کفار اس زمانہ کے اعتبار سے خوش عیش تھے کھانے پہننے اور رہنے کے مکانوں میں انہیں برتری حاصل تھی۔ دنیاوی رونق اور زینت انہیں میسر تھی اور ان کے پاس بیویاں بھی تھیں اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی کو خطاب کر کے فرمایا (یہ خطاب گو بظاہر آپ کو ہے لیکن مقصود آپ کے ساتھیوں کو تلقین فرمانا ہے) کہ ان لوگوں کو جو ہم نے بیویاں دیں' زیب و زینت کا سامان دیا' ان کی طرف آپ نظریں نہ اٹھائیں' یہ تو ہم نے اس لئے دیا ہے کہ انہیں فتنہ میں ڈالیں' لہٰذا یہ چیزیں اس لائق نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔ اور انکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا جائے وَرِزْقُ رَبِّکَ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی اور آپ کے رب کا رزق جو دنیا میں اس کی رضا کے ساتھ ملے اور جو اس کی رضا کے کاموں میں لگے یہ بہتر ہے اور اس کی طرف سے جو آخرت میں رزق ملے گا وہ بہتر بھی ہے اور دیرپا بھی ہے کیونکہ وہاں نعمتیں ہمیشہ رہیں گی اور اہل جنت ان سے ہمیشہ متمتع ہوں گے۔ اہل دنیا کی نعمتوں اور لذتوں اور احوال کو دیکھ کر رال ٹپکانا مومن کی شان نہیں۔ مومن آخرت کے لئے عمل کرتا ہے وہاں کی دائمی نعمتوں کی امید رکھتا ہے دنیا میں جو چیزیں اللہ کی رضا کے ساتھ مل جائیں وہ بھی خیر ہیں لیکن کفر اور فسق کے ساتھ جو ملیں اور معاصی میں خرچ ہوں وہ تو دنیا اور آخرت میں وبال ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **لا تغبطن فاجراً بنعمته فانک لا تدری ماھو لاق بعدموته ان له عند الله قاتلا لا یموت یعنی النار** ہرگز کسی بدکار کی نعمت پر رشک نہ کر' کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت میں مبتلا ہونا ہے' موت کے بعد اس کے لئے اللہ کی طرف سے ایک قاتل ہوگا اس قاتل کو کبھی موت نہیں آئے گی یہ قاتل آتش دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۷) جسے دوزخ میں جانا ہو اس کی نعمت و دولت پر رشک کرنا سراپا ناسمجھی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت نہیں اسی لئے رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کسی کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۱)

آخر میں فرمایا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے) وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (اور خود بھی اس پر جمے رہئے) یعنی پابندی کے ساتھ ادا کیجئے' (اس میں دو حکم دیئے ہیں ایک اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دینا دوسرے خود بھی اس کا اہتمام کرنا' چونکہ نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے یعنی کلمہ شہادت کا یقین کرنے کے بعد دوسرا درجہ نماز ہی کا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا کہ نماز کا اہتمام فرمائیں اور گھر والوں سے بھی اس کا اہتمام کرائیں اور چونکہ ساری امت آپ کے تابع ہے اس لئے امت کو بھی خطاب ہو گیا' اہل ایمان کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ نمازوں کا اہتمام کریں اور اپنے گھر والوں سے نماز پڑھوائیں۔ گھر والوں کے عموم میں بیوی بچے سب داخل ہیں۔ جب انسان خود کسی امر شرعی کا اہتمام کرے گا تو اپنے ماتحتوں سے بھی عمل کرا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بطور سرکاری فرمان اپنے گورنروں کو لکھ کر بھیجا تھا کہ بلاشبہ میرے نزدیک

تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ بڑھ کر نماز ہے جس نے نماز کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی وہ اپنے باقی دین کی حفاظت کرے گا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اس کے سوا باقی دین کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا وھو الحدیث الخامس من الموطا) عموماً لوگ سمجھتے ہیں خلافت راشدہ اور دور حاضر کی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں وہ بھی اقتدار تھا اور یہ بھی اقتدار ہے۔ یہ خیال غلط ہے خلافت راشدہ میں اولین مقصد لوگوں کو دین پر چلانا اور دین کی حفاظت کا اہتمام تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی عوام الناس کی جائز حاجات پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جاتا تھا' اب تو صرف کرسی کی حفاظت کا نام اقتدار ہے نہ خود نماز پڑھیں نہ لوگوں کو نماز پڑھوائیں۔ بس عوام راضی ہیں چاہے جتنے بھی گناہ کرلیں۔ گناہوں کے کاموں کے لائسنس تک دیئے جاتے ہیں' یہ حکومتیں تو اپنی اور عوام الناس کی دنیا و آخرت تباہ کرنے والی ہیں۔

لَا نَسْـَٔلُکَ رِزْقًا یعنی ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ معاش کمانے میں لگیں۔ (یہ خطاب امت کو بھی شامل ہے) یعنی زندگی کا مقصد رزق کمانا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت مقصود حیات ہے اور گو کسب حلال کے لئے اسباب اختیار کرنا بھی مفید ہے لیکن اس درجہ میں نہیں کہ نماز اور فرائض برباد ہو جائیں اور کمانا ہی اصل رہ جائے نَحْنُ نَرْزُقُکَ (ہم آپ کو رزق دیں گے) جو رزق مقدر ہے وہ بھی کو ملے گا۔ لہٰذا اسباب اختیار کرنے میں فرائض اور واجبات ترک نہ کریں اور محرمات کا ارتکاب نہ کریں۔ جو لوگ اسباب اختیار نہیں کرتے رزق انہیں بھی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت ہے کہ ساری مخلوق رزق پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتی ہے۔ قال صاحب الروح ج ۱۶ ص ۲۸۵۔

دفع انما عسی ان یخطر ببال احد من ان المداومة علی الصلٰوة ربما تضر بامر المعاش فکانه قیل داوموا علی الصلٰوة غیر مشتغلین بامر المعاش عنها اذلا نکلفکم رزق انفسکم اذنحن نرزقکم۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہاں اس وہم کو دفعہ کیا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ نماز پر ہمیشگی روزگار کے معاملہ کو متاثر کرنے تو گویا کہا گیا کہ تم معاش کے معاملہ میں الجھے نہ رہو نماز پر مداومت کرو کیونکہ ہم نے تم پر اپنے رزق کی ذمہ داری نہیں ڈالی رزق تو ہم تمہیں دیتے ہیں)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کو جب اپنے گھر میں کوئی سختی یا تنگی پیش آتی تھی تو انہیں نماز کا حکم دیتے تھے اور آیت کریمہ وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوةِ تلاوت فرماتے تھے۔ (روح المعانی عن البیہقی فی شعب الایمان بسند صحیح) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ رات کو بمشیت الٰہی نماز پڑھتے رہتے تھے جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا تھا تو اپنے گھر والوں کو جگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ نماز پڑھو نماز پڑھو' اور ساتھ ہی آیت بالا تلاوت کرتے تھے (رواہ مالک فی الموطا فی صلوٰة اللیل)

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی (اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے) لہٰذا فرائض کا اہتمام رکھا جائے جن میں سب سے بڑھ کر نماز ہے اور ممنوعات اور محرمات سے پرہیز کیا جائے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۳۳﴾

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے رب کی نشانی کیوں نہیں لاتا' کیا ان کے پاس پرانی کتابوں کا مضمون نہیں پہنچا'

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہماری طرف کوئی رسول

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

کیوں نہیں بھیجا جس کا ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے اتباع کر لیتے آپ فرما دیجئے سب انتظار کرنے والے ہیں سو تم بھی انتظار کرو۔ سو عنقریب جان لو گے

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

سیدھے راستے والا اور ہدایت یافتہ کون ہے

اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے بعد ہلاک فرماتا ہے

لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ رسول آتا تو پیروی کر لیتے

تفسیر: یہ سورہ طٰہٰ کی آخری تین آیات ہیں۔ پہلی آیت میں قریش مکہ کی ایک بیہودہ بات ذکر فرمائی ہے اور اس کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کہا کہ یہ صاحب نبوت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہم جو ان سے کہتے ہیں کہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کرانے کے لئے ہمارے سامنے فلاں معجزہ لاؤ تو وہ ایسا معجزہ کیوں نہیں لاتے' اگر ہمارا مطلوبہ معجزہ لے آئیں تو ہم مان لیں گے' یہ بات ان کی بطور عناد کے تھی بہت سے معجزات ان کے سامنے تھے لیکن ان کے ہوتے ہوئے ایمان نہیں لاتے تھے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید تھا جو اب تک دنیا کے سامنے ہے سابقہ کتب توراۃ انجیل وغیرہ میں جو عقائد اور اصولی احکام تھے قرآن ان کو بیان کرتا ہے اور ان کے سچا ہونے کی تصدیق کرتا ہے اس قرآن کا سامنے ہونا ہی اہل عقل کے لئے کافی ہے۔ قال صاحب الروح فالمراد بالبينة القرآن الكريم والمراد بالصحف الاولى التوراة والانجيل وسائر الكتب السماوية وبما فيها العقائد الحقة و اصول الاحكام التى اجتمعت عليها كافة الرسل عليهم السلام ومعنى كونه بينة لذلك كونه شاهدا بحقيقته۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ یہاں بینہ سے مراد قرآن کریم ہے اور الصحف الاولیٰ سے مراد توراۃ و انجیل اور باقی آسمانی کتابیں اور ان میں موجود عقائد حقہ اور احکام کے وہ اصول ہیں جن پر تمام انبیاء کرام متفق رہے اور اس کا ان کے لئے بینہ ہونے کا مطلب ہے اس کا ان کے حق ہونے کی گواہی دینا ہے)

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ان کو کوئی عذاب بھیج کر قرآن نازل کرنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ لوگ یوں کہتے کہ ہمارے پاس رسول بھیجا جاتا تو ہم اس کا اتباع کرتے ایمان لاتے احکام مانتے اور اب عذاب میں پڑ کر ذلیل اور رسوا نہ ہوتے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ہم نے رسول بھیج دیا حجت پوری کر دی اب یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ کوئی رسول آتا تو ہم ایمان لے آتے اور عذاب میں داخل نہ ہوتے۔ اللہ جل شانہٗ نے بغیر اتمام حجت نہ کسی قوم کو ہلاک کیا اور نہ اس کے بغیر آخرت میں کسی کو عذاب ہوگا۔ سورۃ الاسراء میں ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں عذاب دینے والے نہیں ہیں) اور سورۃ فاطر میں فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (بلاشبہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں ہم نے ڈرانے والا نہ بھیجا ہو) تیسری آیت میں فرمایا کہ آپ ان منکرین سے فرما دیں کہ دیکھو اس دنیا میں کیا ہوتا ہے اور آخرت میں کیا ہوگا سب اس کے انتظار میں ہیں سو تم بھی انتظار کر لو۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے، یہاں تو حق کی تکذیب کر رہے ہو تمہیں حق سے انحراف ہے موت کے وقت اور اس کے بعد کے حالات تمہیں بتا دیں گے کہ صحیح راستہ پر کون ہے تمہیں اپنی غلطی کا اس وقت پتہ چلے گا جب اس کی تلاوت نہ ہو سکے گی اور عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ صحیح بات یہی ہے کہ آج ہی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لے آؤ۔ دلائل کو دیکھو حق کو پہچانو صراط مستقیم پر چلو حق سے منہ موڑ کر بربادی کے گڑھے میں نہ گرو۔

تذییل

سورہ طٰہٰ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا سبب ہے مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا تو سرداران قریش دشمنی پر تل گئے لیکن جو ضعفاء اور مساکین، فقراء اور پردیسی اور غلام تھے ان میں اسلام پھیلتا رہا یہ لوگ پوشیدہ طور پر مسلمان ہوتے تھے کیونکہ قریش مکہ کی طرف سے ان کو مارا پیٹا جاتا تھا اور بری طرح سزائیں دی جاتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے اور اہل ایمان کو ایذائیں پہنچانے میں شریک رہتے تھے۔ ضعفاء اور فقراء کے علاوہ کچھ اونچے طبقہ کے لوگ بھی شدہ شدہ اسلام قبول کرنے لگے تھے لیکن وہ بھی خفیہ طور پر قبول کرتے تھے۔ انہیں حضرات میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن فاطمہ بنت الخطاب اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید (جن کا عشرہ مبشرہ میں شمار ہے) رضی اللہ عنہما بھی تھے جنہوں نے پوشیدہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا ان کے پاس حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھپ چھپ کر جاتے تھے اور دونوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر نکلے ان کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب پر حملہ کریں یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ بہت سے صحابہ قریش کی ایذاؤں سے محفوظ ہونے کے لئے حبشہ کو ہجرت کر چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لئے جا رہے تھے کہ نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے کہا اے عمر کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد ہیں جنہوں نے نیا دین نکالا ہے اور قریش میں تفریق ڈالی ہے اور قریش کو بے وقوف بنایا ہے ان کے دین کو عیب لگایا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہا ہے میں اس نئے دین لانے والے کو قتل کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عمر! تم کس دھوکہ میں ہو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ محمد کو قتل کر دو گے تو بنی عبد مناف تمہیں زمین پر چلتا ہوا چھوڑ دیں گے تم ذرا اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔ ان کو ٹھیک کرو، کہنے لگے کون سے میرے گھر والے؟ حضرت نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ تمہاری بہن فاطمہ

اور تمہارے بہنوئی سعید بن زید جو تمہارے چچازاد بھائی بھی ہیں یہ دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے تابع ہو گئے ہیں پہلے تم وہاں جاؤ' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بہن فاطمہ کے گھر کی طرف چلے وہاں پہنچے تو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں سورہ طٰہٰ کا درس دے رہے تھے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آہٹ سنی تو حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پردہ کے پیچھے چلے گئے اور حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ ورقہ لے کر چھپا دیا جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازہ کے قریب پہنچ کر حضرت خباب کی آواز سن لی تھی۔ دروازہ کھولا گیا تو اندر داخل ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا آواز تھی؟ ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا نہیں کوئی بات نہیں۔ کہنے لگے '' کیسے نہیں'' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دونوں نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے یہ کہا اور حضرت سعید بن زید کو مارنے کے لئے پکڑا حضرت فاطمہ بنت الخطاب اپنے شوہر کو بچانے کے لئے کھڑی ہوئیں تو ان کو ایسا مارا کہ ان کے چہرہ سے خون جاری ہو گیا۔ جب یہ بات یہاں تک پہنچی تو بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لو۔ اس کے بعد بہن کے چہرے پر نظر پڑی اور خون دیکھا تو شرمندہ ہو گئے اور اپنی بہن سے کہا اچھا لاؤ مجھے دکھاؤ اس کاغذ میں کیا ہے جو تم ابھی پڑھ رہے تھے۔ محمد ﷺ جو کچھ لائے ہیں میں اسے دیکھوں' ان کی بہن نے کہا تمہارا کچھ بھروسہ نہیں تم اسے پھاڑ دو گے کہنے لگے تم ڈرو نہیں اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ حضرت فاطمہ نے موقع کو غنیمت جانا اور ان کے دل میں یہ بات آئی کہ ان شاء اللہ یہ ابھی اسلام قبول کر لیں گے' کہنے لگیں کہ بھیا تم اپنے شرک پر ہو اور ناپاک ہو یہ ایسی چیز ہے جس کو صرف پاک انسان ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور غسل کیا ان کی بہن نے وہ کاغذ دے دیا جس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی جب اس کا شروع والا حصہ پڑھا تو کہنے لگے کہ واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے اور بہت ہی عزت کی چیز ہے' جب حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر سے یہ بات سنی تو فوراً نکلے اور کہنے لگے کہ اے عمر اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے نبی کی دعا کی وجہ سے قبول فرما لیا۔ میں نے کل آپ کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ اے اللہ! ابو الحکم بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو تقویت دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی دعا تمہیں لگ گئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے اے خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کروں۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ وہ صفا کے قریب ایک گھر میں ہیں' وہاں اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہیں حضرت عمر وہاں پہنچے اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور چونکہ تلوار لئے ہوئے تھے اس لئے بعض صحابہ نے ان کو دروازہ کی درازوں سے دیکھ کر گھبرا گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو عمر بن خطاب ہیں جو تلوار لگائے ہوئے آئے ہیں۔ اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا (جو حضور اقدس ﷺ کے چچا تھے) کہ عمر کو اندر بلا لو اگر کوئی خیر کا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں اور اگر شر کا ارادہ ہے تو اسی کی تلوار سے اسے قتل کر دیں گے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ عمر کو اندر آنے کی

اجازت دے دو لہٰذا ان کو اجازت دے دی گئی، وہ اندر آئے تو رسول اللہ نے ان کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچا اور فرمایا اے ابن الخطاب کیسے آئے میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنے کفر و شرک سے اس وقت باز آؤ گے جب تم پر کوئی مصیبت آئے گی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں تو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں، اس پر رسول اللہ نے زور سے اللہ اکبر کہا جس سے گھر والوں نے پہچان لیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کر لیا ہے جو حضرات وہاں موجود تھے (حبشہ نہیں گئے تھے) انہیں یہ تسلی ہوگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے دشمنوں کے حملوں سے حفاظت ہوگئی (**ذکرہ حافظ ابن کثیر فی البدایة والنهاية عن ابن اسحاق ج۳ ص۷۹-۸۰-۸۱**)

ولقد تم تفسير سوره طه فی محرم الحرام ۱۴۱۵ھ من هجرة سيد الانبياء والمرسلين عليه صلوات الله وسلامه وعلى اله واصحابه اجمعين والحمد لله اولا وآخرا وباطنا وظاهرا

سُوْرَةُ الْأَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَا عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانبیاء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بارہ آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ

لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں اعراض کئے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کے

مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۲ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ

رب کی طرف سے جو کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل غفلت میں ہیں

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ

اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے چپکے چپکے سرگوشی کی کہ یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارے جیسا انسان ہے۔ کیا تم دیکھتے ہوئے جادو کو

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيْعُ

مانتے ہو۔ اس نے کہا میرا رب بات کو جانتا ہے آسمان میں اور زمین میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے' بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ یہ تو خوابوں کی

الْعَلِيْمُ ۝۴ بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا

گٹھڑیاں ہیں۔ بلکہ یوں کہا کہ اس شخص نے جھوٹ بنا لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے سو چاہئے کہ ہمارے پاس نشانی لے کر آئے

بِاٰيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا

جیسا کہ اس سے پہلے لوگ نشانیاں دیکر بھیجے گئے۔ ان سے پہلے کسی بستی والے ایمان نہیں لائے جسے ہم نے ہلاک کیا

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا

سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے' اور ہم نے آپ سے پہلے جن کو رسول بنا کر بھیجا وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ سو تم

اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ہو' اور ہم نے ان کو کوئی ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں' اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاءُ

پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا سو ہم نے انہیں اور جس جس کو چاہا نجات دے دی

وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا

اور ہم نے حد سے نکلنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے

تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ ع

کیا تم نہیں سمجھتے۔

منکرین کے عناد کا تذکرہ اوران کی معاندانہ باتوں کا جواب

تفسیر: یہاں سے سورۃ الانبیاء علیہم السلام شروع ہو رہی ہے اس میں چوتھے رکوع کے ختم تک معاندین اور منکرین توحید و رسالت اور منکرین کی تردید ہے۔ پھر پانچویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے انہوں نے جو اپنی قوم سے خطاب کیا اور بتوں کو توڑنے پر جو قوم نے ان سے سوال و جواب کئے اور انہیں آگ میں ڈالا اس کا تذکرہ ہے' اس کے بعد حضرت لوط' حضرت نوح' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور حضرت ایوب اور حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل اور حضرت ذوالنون (یعنی حضرت یونس) اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کا تذکرہ ہے پھر آخر سورۃ تک مختلف مواعظ ہیں اور انہیں کے ذیل میں یاجوج ماجوج کے خروج اور وقوع قیامت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ اپنی غفلتوں میں روگردانی کئے ہوئے ہیں انہیں کوئی فکر نہیں کہ قیامت ہوگی اور حساب ہوگا اور یہ ان کی غفلت اس لئے ہے کہ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہیں' جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بھی نئی نصیحت ان کے پاس آتی ہے یعنی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اور ان کے دل غافل ہوتے ہیں اور رسول اللہ کی تکذیب بھی کرتے ہیں اور چپکے چپکے آپس میں یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص جو یوں کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ تو تمہارا ہی جیسا آدمی ہے اور یہ جو کچھ معجزہ کے نام سے تمہیں دکھاتا ہے یہ جادو ہے کیا تم جانتے بوجھتے جادو کو مان لو گے اور اس پر ایمان لاؤ گے؟ ان کی ان باتوں کا جواب رسول اللہ نے یوں دیا کہ آسمان میں اور زمین میں جو بات ہوتی ہے کیسی ہی خفیہ اور پوشیدہ ہو میرا رب اسے خوب جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ تمہاری باتوں کا اسے علم ہے وہ ان کی سزا دے گا۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کے ماننے سے بھی انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ تو خوابوں کی گٹھڑیاں ہیں۔ ان کو خواب میں کچھ باتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں انہیں کو پیش کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کیطرف سے نازل ہوا اس سے بڑھ کر انہوں نے یوں کہا کہ یہ باتیں خود ہی اپنے پاس سے بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ شاعر ہے وہ لوگ یہ سب عناد اور ضد میں

کہتے تھے وہ جانتے تھے کہ آپ شاعر نہیں اور جو اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ شعر ہے نہ شاعری ہے شاعروں کی تک بندیوں اور دنیائے خیالات کی باتوں سے بلند اور بالا ہے۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جیسے ان سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام نشانیاں لے کر آئے یہ بھی کوئی ایسی نشانی لے کر آئیں' معجزات تو بہت تھے جنہیں بار بار دیکھتے رہتے تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کی چھوٹی سی ایک سورۃ کے مقابلہ میں ذرا سی عبارت بنا کر لانے سے بھی عاجز تھے۔ لیکن ان معجزات موجودہ کے علاوہ اپنے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ معاندین کی اس بات کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ لوگوں کا پابند نہیں کہ جو لوگ معجزہ چاہیں وہی بھیجے۔ اور ان سے پہلے بعض امتوں کے پاس فرمائشی معجزہ آیا وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ لہٰذا ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی کو فرمایا مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ان سے پہلے کسی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا (فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی) ایمان نہ لائے اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ (کیا یہ ایمان لے آئیں گے) اگر یہ ایمان نہ لائے تو پرانی امتوں کی طرح ان پر بھی عذاب نازل ہو جائے گا اور چونکہ ابھی عذاب نازل فرمانا قضا وقدر میں نہیں ہے اس لئے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کئے جاتے۔

وہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ صاحب جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں یہ تو تمہاری طرح کے آدمی ہیں اور ان کا مطلب یہ تھا کہ آدمی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا اس کے جواب میں اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب مرد ہی تھے۔ یعنی آدمی ہی تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے) نبی اور غیر نبی میں وحی آنے نہ آنے کا فرق ہے ایسا کوئی قانون نہیں کہ جو نبی ہو وہ بشر نہ ہو فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تم اس بات کو نہیں جانتے تو اہل ذکر یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں فاسالوا ایها الجهلة اهل الكتاب الواقفين على احوال الرسل السالفة عليهم الصلوة والسلام لتزول شبهتكم مطلب یہ ہے کہ اے جاہلو اہل کتاب سے پوچھ لو جنہیں گزشتہ رسولوں کے حالات معلوم ہیں وہ تمہیں بتا دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام انسان تھے بشر تھے' تم اہل کتاب سے یہ مشورہ تو کرتے ہو کہ رسول اللہ کا امتحان کرنے کے لئے آپ سے کیا پوچھیں ذرا یہ بھی تو پوچھ لو کہ پہلے جو انبیاء کرام تشریف لائے تھے کیا وہ بشر کے علاوہ کسی دوسری جنس کے افراد تھے۔ تمہیں تو انبیاء سابقین علیہم السلام کی خاص خبر بھی نہ تھی اہل کتاب ہی کے بتانے ہی سے تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم ہوا ہے اور اہل کتاب ہی کے سمجھانے سے تم نے یہ کہا ہے فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ تم ان سے معلومات کرتے رہتے ہو تو یہ بھی تو معلوم کرو کہ انبیاء سابقین علیہم السلام بشر تھے یا بشر کے علاوہ اور کسی دوسری جنس سے تھے؟ جب تم ان سے پوچھو گے اور وہ صحیح جواب دیں گے تو یہی بتائیں گے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام انسان تھے بشر تھے۔ جب وہ حضرات بشر تھے تو خاتم النبیین کے بشر ہوتے ہوئے نبی ہونے پر کیا اعتراض ہے۔

مزید فرمایا وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (کہ ہم نے رسولوں کے ایسے بدن نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں) چونکہ وہ فرشتے نہیں تھے بشر تھے اس لئے کھانا بھی کھاتے تھے اور کھانا کھانا مقام نبوت کے منافی نہیں ہے سورۂ فرقان میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ (اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر ایسے رسول جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے)

وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ (اور وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں تھے) وہ انسان ہی تھے انسانوں کی طرح انہیں بھی موت آئی اور موت کا آنا بھی نبوت کے منافی نہیں ہے۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ پھر ہم نے انبیاء کرام سے جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا یعنی ان کو اور ان کے علاوہ جس جس کو چاہا (جو اہل ایمان تھے) نجات دے دی وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو ہلاک کر دیا۔

آخر میں فرمایا لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اور ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی جس میں تمہاری نصیحت ہے کیا تم نہیں سمجھتے) بعض حضرات نے ذکر کم کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اس کی وجہ سے عرب کی عزت ہے اور دائمی شہرت ہے قرآن کی برکت سے ان لوگوں کو عروج ہوا عرب و عجم کے فاتح بنے قرآن مجید نازل ہونے سے پہلے دنیا میں عرب کی کوئی بھی حیثیت نہ تھی قران کی وجہ سے انہیں بلندی ملی اب اس بلندی کی لاج رکھنا ان کا اپنا کام ہے یہ معنی لیا جائے تو الفاظ قرآنیہ کے مناسب ہے۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یہ حکم سورۂ نحل میں بھی گذر چکا ہے اس میں حکم ہے کہ جسے معلوم نہیں وہ اہل علم سے پوچھ لے اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ ہر وہ آدمی جسے احکام شریعت معلوم نہیں اس پر واجب ہے کہ اہل علم کی تقلید کرے اور جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کے لئے علماء سے رجوع کرے جاہل رہنا عذر شرعی نہیں ہے۔ خلاف شرع کام کرے اور پھر یوں کہہ دے کہ مجھے پتہ نہ تھا اس سے دنیا میں یا آخرت میں چھٹکارا نہ ہوگا بہت سے لوگ قصداً و عمداً علم دین حاصل نہیں کرتے اور اپنی اولاد کو بھی نہیں پڑھاتے اور اپنے حالات و معاملات میں احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔ اور جب کوئی ٹوکتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہ تھا' پتہ کے پاؤں تو ہیں نہیں کہ خود سے چل کر آ جائے پتہ کرنا پڑتا ہے علماء کے پاس جانا پڑتا ہے علم سے دور رہنا اور بیزار رہنا اور جہالت کو عذر بنانا شریعت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ

اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو توڑ دیا جو ظلم کرنے والی تھیں' اور ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا فرما دیا' سو جب

اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ

انہوں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنے لگے' مت بھاگو اور ان چیزوں کی طرف جن میں تم عیش میں پڑے ہوئے تھے

فِيهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ

اور اپنے گھروں کی طرف واپس آ جاؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے، وہ کہنے لگے ہائے ہماری خرابی بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے۔ سو برابر ان کا

دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيدًا خٰمِدِينَ ﴿۱۵﴾

یہی کہنا رہا یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا

ہلاک ہونے والی بستیوں کی بدحالی

تفسیر: ان آیت میں منکرین اور مکذبین کو عبرت دلائی ہے اور پرانی بستیوں کی ہلاکت بتا کر یاد دہانی فرمائی ہے کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظلم کرتی تھیں، یہ ظلم کفر و شرک اختیار کرنے کی وجہ سے تھا انہوں نے اپنی جانوں پر کیا ہم نے انہیں تباہ کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی جب انہیں پتہ چلا کہ عذاب آ رہا ہے تو وہاں سے دوڑ کر جانے لگے ان سے کہا گیا کہ مت دوڑو تم جس عیش و عشرت میں لگے ہوئے تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے انہیں میں واپس آ جاؤ تا کہ تم سے پوچھا جائے کہ تم جس ساز و سامان اور جن مکانوں پر گھمنڈ کرتے تھے اور اتراتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کہاں ہے جائے پناہ اور کہاں ہے حفاظت کی جگہ؟ جب عذاب آ ہی گیا تو کہنے لگے ہائے ہماری کمبختی! ہم ظالم تھے! کیونکہ عذاب آ جانے کے وقت توبہ کرنا اور ظلم کا اقرار کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا اس لئے وہ لوگ اپنی یہی بات کہتے رہے کہ ہائے ہائے ہم ظالم تھے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا۔

لفظ قصمنا کا اصل معنی توڑ دینے کا ہے اس لئے بہت زیادہ تکلیف کو قاصم الظھر کمر توڑنے والی کہا جاتا ہے یہاں یہ لفظ لا کر ہلاک شدہ بستیوں کی پوری طرح تباہی بیان فرمائی ہے۔ اور رکض گھوڑے کے پاؤں مارنے کے لئے بولا جاتا ہے جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑنا شروع کرتے ہیں تو اسے ایڑی مارتے ہیں اس لفظ کو بھاگ جانے کے لئے استعمال فرمایا ہے۔

لَا تَرْكُضُوا جو فرمایا اس سے پہلے قیل لھم حذف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ لوگ عذاب دیکھ کر بھاگنے لگے تو ان سے عذاب کے فرشتوں نے یا ان اہل ایمان نے جو وہاں موجود تھے بطور استہزا اور تمسخر یوں کہا کہ ٹھہرو کہاں دوڑتے ہو تمہیں تو اپنی نعمت اور دولت عیش و عشرت پر بڑا ناز تھا اپنے گھروں کو مزین کر رکھا تھا اور اونچے اونچے مکان بنا کر فخر کرتے تھے آؤ دیکھو تمہارے مکان کہاں ہیں؟ تم سے کوئی سوال کرنے والا سوال کرے تو اس کا جواب دو اب تو ظلم اور عیش و عشرت کا نتیجہ دیکھ لیا بتاؤ کیا انجام ہوا؟

حَصِيدًا خٰمِدِينَ اس میں ہلاک شدہ لوگوں کا انجام بتایا ہے حصید کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں اور خامدین خمود سے مشتق ہے جو بجھنے کے معنی میں آتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ ہلاک ہوئے تو ان کے اجسام کے ڈھیر پڑے ہوئے

تھے جیسے کھیتی کاٹ کر ڈھیر لگا دیا جاتا ہے۔ اور ان کی شوں شاں اور کروفر ایسی ختم ہوگئی جیسے جلتی ہوئی شمعیں بجھا دی جائیں اور آگ جل کر ٹھنڈی ہو جائے اور ذرا بھی روشنی نہ رہے۔ قرآن مجید میں یہاں مطلقاً یوں فرمایا ہے کہ ''کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا'' کسی خاص بستی اور خاص علاقہ کا ذکر نہیں ہے اور عبرت دلانے کے لئے یہ اجمال کافی ہے لیکن بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اہل حضر موت مراد ہے جو یمن کا ایک علاقہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک نبی بھیجا تھا انہوں نے اسے جھٹلایا اور قتل کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے انہیں قتل کیا اور قید کیا جب قتل کا سلسلہ جاری ہوا تو پشیمان ہوئے اور بھاگنے لگے تو اس پر ان سے کہا گیا لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا (الآیۃ) (معالم التنزیل ص ۲۴۰ ج ۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا
اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھلونا
تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ
بناتے تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہوتے، بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا سر پھوڑ دیتا ہے
فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
پھر وہ چلا جاتا ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس کی وجہ سے تمہارے لئے خرابی ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے
وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ
اور جو بندے اللہ کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں رات دن اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں
وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾
ان میں سستی نہیں آتی۔

اثبات توحید، ابطال شرک، اور حق کی فتح یابی

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے جو آسمان و زمین پیدا کئے ہیں ان کا پیدا کرنا کوئی فعل عبث کے طور پر نہیں ہیں بلکہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں جن میں ایک بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ ان کے وجود اور ان کی بڑائی اور پھیلاؤ سے ان کے خالق کو پہچانیں اگر آسمان و زمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی محض ایک مشغلہ ہی کے طور پر بنانا مقصود ہوتا تو ہم اپنے پاس سے کسی چیز کو مشغلہ بنا لیتے۔ لیکن ہمیں یہ کرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی صفات اس سے برتر اور بالا ہے کہ وہ کسی چیز کو بطور لہو و لعب پیدا فرمائیں یا کسی چیز کو بطور لہو و لعب کے اختیار فرمائیں۔

دنیا میں چونکہ حق و باطل کا معرکہ رہتا ہے اور آخر میں حق ہی غالب ہوتا ہے اس لئے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ کہ ہم حق کو باطل پر پھینک دیتے ہیں سو وہ باطل کا سر پھوڑ دیتا ہے یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے قال صاحب معالم التنزيل اصل الدمغ شج الراس حتى يبلغ الدماغ فاذاهو زاهق (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں دمغ کا اصل معنی ہے سر کا زخم جو دماغ تک پہنچ جائے کہ پس دماغ جانے والا ہو) سو باطل مغلوب ہو کر دفع ہو جاتا ہے۔ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو یعنی حق کے خلاف بولتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان میں جو ایسی باتیں کرتے ہو جن سے وہ پاک ہے اس حرکت کی وجہ سے تمہارے لئے خرابی ہے یعنی ہلاکت ہے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیتین) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مملوک اور مخلوق ہے اور جو بندے اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور اس میں عار نہیں سمجھتے کہ وہ اس کی عبادت میں مشغول ہوں وہ برابر اس کی عبادت میں لگے رہتے ہیں ذرا سستی نہیں کرتے رات دن اس کی تسبیح میں مشغول ہیں تھکنے کا نام نہیں ان تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنے والوں سے فرشتے مراد ہیں۔ ان کی عبادت اور تسبیح اور تقدیس میں مشغول علی الدوام ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود برحق مانتے اور جانتے ہیں اہل دنیا میں جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اپنی جہالت اور بے عقلی سے شرک میں مبتلا ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ

کیا ان لوگوں نے زمین کی چیزوں میں سے معبود بنا لئے ہیں جو زندہ کرتے ہیں؟ اگر آسمان میں اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو ان دونوں کا

اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ

نظام درہم برہم ہو جاتا، سو اللہ جو عرش والا ہے اس چیز سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے

وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا

سوال نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں سے باز پرس ہوتی ہے کیا ان لوگوں نے اس کے سوا معبود بنا لئے ہیں آپ فرما دیجئے اپنی دلیل لاؤ، یہ

ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ

ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں اور جو مجھ سے پہلے تھے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ

سو وہ اس سے اعراض کئے ہوئے ہیں، اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف یہ وحی بھیجی کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ

میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کرو، اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے بیٹا بنا لیا ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ اس کے معزز

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

بندے ہیں وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ

جو ان کے اگلے پچھلے احوال ہیں اور وہ کسی کے لئے سفارش نہیں کریں گے بجز ایسے شخص کے جس کی سفارش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی

مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ

مرضی ہو۔ اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں سو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

ہم اسی طرح ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

توحید کے دلائل اور فرشتوں کی شان عبدیت کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات جلیلہ بیان کی ہیں (مشرکین کی تردید کرتے ہوئے فرمایا اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ (کیا ان لوگوں نے زمین میں سے کاٹ چھانٹ کر ایسے معبود بنا لئے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں) یعنی انہوں نے اجزائے زمین سے بنا کر معبود تو بنا لئے جنہیں پتھروں سے تراشا اور لکڑی وغیرہ سے بنایا ہے لیکن یہ باطل معبود ہیں اگر حقیقی معبود ہوتے تو مردوں کو زندہ کر دیتے۔ جب یہ بات نہیں ہے تو ان کو معبود بنانا سراسر حماقت ہے وہ کیا زندہ کرتے وہ تو خود ہی بے جان ہیں، سورۃ النحل میں فرمایا اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَّمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (وہ مردے ہیں زندہ نہیں ہیں انہیں پتہ نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے) لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر آسمان زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ چونکہ ایک کی مشیت کچھ ہوتی دوسرے کا ارادہ کچھ اور ہوتا، اس طرح سے ٹکراؤ ہو جاتا اور اس ٹکراؤ کا اثر آسمان و زمین کے نظام پر ہونا لازم تھا جب آسمان زمین میں فساد نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ معبود صرف ایک ہی ہے ایک سے زیادہ نہیں ہے اس مضمون کو سورۂ مومنون میں یوں فرمایا مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ نے کوئی اولاد اپنے لئے

نہیں بنائی نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا جب یہ سب باتیں نہیں ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ معبود صرف ایک ہی ہے فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (سو اللہ جو عرش کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں)

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ وہ قادر مطلق ہے مختار کامل ہے احکم الحاکمین ہے کسی کی کوئی مجال نہیں کہ اس سے کوئی باز پرس کرے اور یوں پوچھے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ اور اس کی مخلوق سے باز پرس کی جاتی ہے اور کی جائے گی یعنی دنیا میں بھی ان سے مواخذہ ہے اور آخرت میں بھی، جس کسی نے غلط عقائد اختیار کئے اور برے اعمال کئے اس سے باز پرس ہوگی اور مستحق سزا ہوگا۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً (کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا معبود تجویز کر لئے ہیں (یہ استفہام انکاری بطور توبیخ کے ہے)

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ شرک کے جواز پر اپنی دلیل لے آؤ) تم اس پر کوئی بھی دلیل نہیں لا سکتے شرک کرنا بے دلیل ہے، عقلاً بھی قبیح ہے اور نقلاً بھی حضرات انبیاء علیہم السلام جو پہلے گذرے ہیں انہوں نے بھی شرک سے منع کیا ہے اور کتب الٰہیہ میں شرک کا گمراہی ہونا مذکور ہے اسی کو فرمایا هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ (یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب ہے یعنی قرآن مجید) اور جو حضرات مجھ سے پہلے تھے ان کی کتابیں یعنی توراۃ انجیل بھی موجود ہیں ان سب میں شرک کی قباحت بتائی ہے اور شرک کو گمراہی بتایا ہے سو عقلاً و نقلاً شرک مذموم ہے اور قبیح ہے۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (بلکہ ان میں اکثر وہ ہیں جو حق کو نہیں جانتے سو وہ اس سے اعراض کئے ہوتے ہیں)

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو تم میری عبادت کرو) اس میں مشرکین اہل کتاب کی تردید ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معبود بتاتے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا ہے اس نے ہماری طرف سے یہی بات پہنچائی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم اس کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہو۔ اور اپنے دین شرک کو نبیوں کی طرف منسوب کرنے کی گمراہی میں کیوں مبتلا ہو؟ اس کے بعد ان لوگوں کی تردید فرمائی جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے ارشاد فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الآیۃ) کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں یکسر مو حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ وہ ہیبت الٰہی سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور سفارش بھی اسی کے لئے کر سکتے ہیں جس کے لئے سفارش کرنا اللہ کی رضا کے مطابق ہو، ان میں سے کوئی فرد بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں معبود ہوں۔ بالفرض اگر ایسا کہے گا تو دیگر مدعیان الوہیت کی طرح وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ط

کیا کافروں کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے ان دونوں کو کھول دیا'

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ

اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا کیا وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے' اور ہم نے زمین میں

رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

جمنے والی چیزیں بنا دیں تاکہ وہ ان کو لے کر نہ ہلے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ وہ راہ پالیں'

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ج وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَهُوَ

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا اور وہ ہماری نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں' اور وہ

الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝

ایسا ہے جس نے رات کو اور دن کو اور چاند کو اور سورج کو بنایا سب ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں

مزید دلائل توحید کا بیان، تخلیق ارض وسماء' پہاڑوں کا جما دینا اور شمس وقمر کا ایک ہی دائرہ میں گردش کرنا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی صفت خالقیت کو بیان فرمایا ہے اور مخلوق میں جو بڑی بڑی چیزیں ہیں ان کو بطور نشانی کے پیش فرما کر اہل کفر کو ایمان کی دعوت دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ کافروں کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان وزمین سب بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے کچھ پیدا ہوتا تھا پھر ہم نے انہیں اپنی قدرت سے کھول دیا۔ بارشیں بھی خوب ہونے لگیں اور زمین سے نباتات بھی نکلنے لگے یہ چیزیں منکرین کے سامنے ہیں کچھ لوگ تو خالق ومالک کو مانتے ہی نہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو مانتے تو ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں' ان دونوں قسم کے کافروں کو ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر توحید کا قائل ہونا لازم تھا لیکن ان سب کے باوجود پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

قدرت الٰہیہ کے مظاہر بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا) اس عموم میں جتنے بھی جاندار ہیں سب داخل ہیں اور من الماء سے بارش کا پانی مراد ہے جس کا کسی نہ کسی درجہ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ جاندار چیزوں کے پیدا ہونے میں یا زندہ رہنے میں دخل ہے۔ یہ بھی بہت بڑی نشانی ہے جو اہل عقل کے لئے کافی ہے۔ لیکن کافر پھر بھی منکر ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ بارش برسانے والا اور اس پانی کو زندگی کا

ذریعہ بنانے والا صرف خالق وحدہ لاشریک لہٗ ہی ہے ایمان نہیں لاتے۔ مزید فرمایا وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ (یعنی ہم نے زمین میں بھاری بوجھل چیزیں بنادیں جو زمین پر مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہیں تاکہ وہ لوگوں کو لے کر نہ ہلے) ان بھاری چیزوں سے پہاڑ مراد ہیں۔ جیسا کہ سورۃ والنازعات میں فرمایا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا (اور زمین میں پہاڑوں کو جمادیا) اور سورہ والمرسلات میں فرمایا وَجَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شَامِخَاتٍ (اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنادیئے جو اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں)

یہ پہاڑ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہیں ان کے جو دوسرے فوائد ہیں وہ اپنی جگہ ہیں ان کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اونچے بھی ہیں بوجھل بھی ہیں زمین کے اوپر بھی ہیں اندر بھی ہیں، زمین میں میخوں کی طرح گڑھے ہوئے ہیں۔ سورۃ النبأ میں فرمایا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا) یہ پہاڑ زمین کو حرکت نہیں کرنے دیتے اور زمین پر رہنے والے اطمینان اور سکون سے رہتے اور بستے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام بھی ہے اور اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی بھی ہے، یہ تو زمین کے عام احوال کے اعتبار سے ہے پھر جب کبھی کسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کو زلزلہ بھیجنا ہوتا ہے تو انہیں پہاڑوں کے ہوتے ہوئے زمین میں زلزلہ آجاتا ہے اور خود پہاڑ بھی اس کی مد میں آکر چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ (اور ہم نے زمین میں کشادہ راستے بنادیئے تاکہ وہ راہ پالیں) یعنی بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جائیں۔

یہ راستے ایک شہر سے دوسرے شہر کو ملاتے ہیں ان میں پیدل اور سواریوں پر گزرتے ہیں پہاڑوں تک میں اللہ تعالیٰ نے راستے بنادیئے ہیں۔ ادھر ادھر پہاڑ ہیں درمیان میں ایک گاڑی کے چلنے کا راستہ ہے۔ جنہیں عموماً مسافر جانتے ہیں۔ سورۂ نوح میں فرمایا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو) وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا) اور یہ آسمان زمین کے لئے چھت کی طرح سے ہے اور محفوظ بھی ہے گرنے سے بھی محفوظ ہے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی۔ پھر جب قیامت آئے گی اس وقت آسمان پھٹ پڑیں گے اس سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ فرما رکھا ہے۔ جس طرح ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہیں اسی طرح شیاطین سے بھی محفوظ ہیں جیسا کہ سورۂ حجر میں فرمایا وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ (اور ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ فرمایا مگر یہ کہ ان میں سے کوئی چوری سے بات سن بھاگے، اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے) وهم عن آیاتها معرضون (اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں) آسمان میں بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کھلی ہوئی دلیلیں ہیں لوگ قصداً ان سے اعراض کرتے ہیں اور ایمان کی طرف نہیں آتے۔

پھر فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اور اللہ وہی ہے جس نے رات کو اور دن کو اور

چاند کو اور سورج کو پیدا فرمایا) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو شخص بھی ان میں غور کرے گا اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور حکیم مطلق اور مدبر ہونے کا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہوگا کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستے مقرر فرمادیئے ہیں۔ ان میں رواں دواں ہیں)

انہیں راستوں پر چلتے ہیں عربی میں فلک گول چیز کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا ترجمہ دائرہ سے کیا گیا ہے۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں فی فلک ای مستدیر کالطاحونة فی السماء یسبحون یسرون بسرعته کالسابح فی السماء یعنی وہ چکی کی طرح گول دائرہ میں اسی تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والا چلتا ہے۔ سورہ یٰس میں فرمایا لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (نہ سورج کے لئے یہ بات درست ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب گول دائرہ میں تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں)

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا، اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ لوگ کیا ہمیشہ رہیں گے، ہر

نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور ہم تمہیں بری اور بھلی حالتوں کے ذریعہ اچھی طرح آزماتے ہیں، اور تم ہماری ہی طرف واپس کر دیئے جاؤ گے

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ

اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو ہنسی کا ذریعہ بنا لیتے ہیں کیا یہی ہے وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ

اور وہ رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں، انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے، میں عنقریب

اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾

تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا، سو تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو،

لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ

اگر کافر لوگ اس وقت کو جان لیتے جب اپنے چہروں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے

وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، بلکہ وہ آگ اچانک ان کے پاس آجائے گی سو وہ انہیں بدحواس کر دے گی، سو وہ اسے نہ ہٹا سکیں گے

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی' اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے ان کا

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

تمسخر کیا انہیں وہ چیز پہنچ گئی جس کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔

منکرین ومعاندین کا آپ کی موت کا آرزومند ہونا اور آپ کے ساتھ تمسخر کرنا' اور تمسخر کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہونا

تفسیر: اہل مکہ اور دیگر مشرکین رسول اللہ کے دنیا سے رخصت ہونے کا انتظار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ بس جی ان کی یہ باتیں تھوڑے ہی دن کی ہیں چند دن میں ختم ہو جائیں گی چند دن کی ان کی زندگی ہے آج دنیا سے گئے کل دوسرا دن کون انہیں پوچھے گا اور ان کی باتیں کہاں تک چلیں گی؟ اسی کو سورۂ طور میں فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ خود ہمیں ہی دنیا میں کتنے دن رہنا ہے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی انسان کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا) دنیا میں جو بھی آئے ہیں سب کو موت سے دوچار ہونا ہے۔ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ (اگر آپ کی وفات ہوگئی تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے) مرنا تو ان کو بھی ہے اور حال یہ ہے کہ آپ کی موت کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ مزید فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جان موت کو چکھنے والی ہے) جب سب کو مرنا ہی ہے اور قیامت کے دن جمع ہونا ہے تو ہر شخص اس کی فکر کرے کہ وہاں میرا کیا ہوگا' اللہ کے نبی کی تکذیب کرنے پر عذاب ہوگا اور اس سے چھٹکارا کا کوئی راستہ نہیں ہوگا اس کے لئے فکر مند ہوں تو ایمان کی توفیق ہو جائے گی' اس میں بھی مخالفین کے اس گمان کی بھی تردید ہے کہ محمد عنقریب دنیا سے اٹھ جائیں گے تو ہم لوگوں سے کہیں گے کہ دیکھو اگر یہ نبی ہوتے تو وفات کیوں پاتے۔

آپ سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے تھے وہ بھی تو وفات پا گئے لہٰذا اس انتظار میں رہنا کہ ان کی وفات ہو جائے تو ہم لوگوں کو یہ بتائیں گے یہ نبی ہوتے تو وفات کیوں پاتے ان کی ناسمجھی کی دلیل ہے۔

مزید فرمایا وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (ہم تمہیں بطور آزمائش شر اور خیر کے ساتھ جانچیں گے) یعنی تمہارا امتحان کریں گے اس زندگی میں اچھی حالت بھی پیش آئے گی (جیسے تندرستی مالداری خوشی اور ازواج اولاد کا موجود ہونا) اور بدحالی بھی پیش آئے گی (مثلاً رنجیدہ ہونا مرض اور تنگدستی کا پیش آنا اولاد کا مرنا وغیرہ وغیرہ) زندگی میں یہ سب چیزیں آزمائش کے طور پر پیش آتی ہیں کون ایمان لاتا ہے اور اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے' اور کون کفر اور نافرمانی کی زندگی گزارتا ہے'

مختلف احوال سے اشخاص و افراد کو آزمایا جاتا ہے اسی آزمائش میں یہ بھی ہے کہ بعض مرتبہ کافر دنیاوی احوال کے اعتبار سے آرام اور آسائش میں ہوتے ہیں اور اہل ایمان تنگدستی اور مشکل میں مبتلا ہوتے ہیں' ان فقراء اور مساکین کو دیکھ کر اہل کفر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں اور اس طرح آزمائش میں فیل ہو جاتے ہیں' اپنی آسائش اور خوشحالی کو کفر پر جمنے کا ذریعہ بنالیتے ہیں (العیاذ باللہ) وَاِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ (اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن حاضر کئے جاؤ گے) اس دن حق اور ناحق کے فیصلے کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَاِذَا رَاٰکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَکَ اِلَّا ھُزُوًا (جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ذات کو تمسخر کا ذریعہ بنالیتے ہیں) اور یوں کہتے ہیں اَھٰذَا الَّذِیۡ یَذۡکُرُ اٰلِھَتَکُمۡ (کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے) یعنی تمہارے معبودوں کا انکار کرتا ہے اور ان کی عبادت پر اعتراض کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ یہ بے جان ہیں نفع اور ضرر کے مالک نہیں' وہ لوگ یہ بات آپ کی شان معظم کو گھٹانے کے لئے کہتے تھے اور ان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی صاحب حیثیت دنیاوی جاہ مرتبہ والا نہیں تھا۔ جسے نبی بنایا جاتا؟ کیا اسی آدمی کو نبوت دی گئی ہے جو ہمارے معبودوں کو برائی کے ساتھ یاد کرتا ہے۔

وَھُمۡ بِذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ ھُمۡ کٰفِرُوۡنَ (اور یہ لوگ رحمان کے ذکر کے منکر ہیں) یعنی نبی اکرم ﷺ نے جو ان کے باطل معبودوں کو برا کہا وہ تو انہیں کھل رہا ہے اور ناگوار ہو رہا ہے لیکن خود ان کی حرکت ہے اس پر توجہ نہیں دیتے رحمٰن جل مجدہ جس نے انہیں اور ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے نہ اسکی توحید کے قائل ہوتے ہیں نہ اسکی ذات عظیمہ اور صفات جلیلہ پر ایمان لاتے ہیں ان کو تو خود اپنی ذات پر ہنسنا چاہئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اپنی حماقت اور ضلالت کا خیال نہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ کے سچے نبی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

جب مشرکین کے سامنے دنیا میں عذاب آنے یا قیامت آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ یہ ڈرانا خواہ مخواہ کا ہے عذاب آنا ہی ہے تو بس آجائے دیر کیوں لگ رہی ہے۔ اسی کو فرمایا خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ (انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے) یعنی اس کے مزاج میں جلد بازی رکھدی گئی ہے اپنے اس مزاج کی وجہ سے وہ عذاب کو بھی وقت سے پہلے بلانے کو تیار ہے۔ سَاُورِیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ (سو میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھادوں گا سو تم مجھ سے عذاب کی جلدی مت مچاؤ) کیونکہ عذاب وقت مقرر سے پہلے نہیں آتا اور جب آجائے تو ٹالا نہیں جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قہر کی نشانیاں ظاہر ہوئیں جن میں غزوہ بدر کے موقع پر سرداران قریش کا مارا جانا اور قید ہونا بھی تھا۔

وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ھٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) عذاب کی باتیں سن کر تکذیب کرتے تھے اور چونکہ عذاب کی خبر کو سچی نہیں مانتے تھے اس لئے بار بار ایسی باتیں کہتے تھے کہ اجی! عذاب آنے والا نہیں ہے اگر آنا ہے تو کیوں نہیں آجاتا۔ ان لوگوں کو یہ بات قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر فرمائی ہے

یہاں ان کے جواب میں فرمایا۔ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْھِھِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُھُوْرِھِمْ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ بَلْ تَاْتِیْھِمْ بَغْتَۃً فَتَبْھَتُھُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّھَا وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ (اگر کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب وہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی بلکہ وہ آگ ان کے پاس اچانک آ جائے گی سو وہ انہیں بدحواس بنا دے گی پھر وہ اسے ہٹا نہ سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی) یعنی جب وہ لوگ دوزخ کی آگ کے لپیٹ میں اور اس کی لپٹوں میں گھریں گے اگر انہیں اس وقت کی حالت کا علم ہو جاتا تو ایسی باتیں نہ بناتے، جب وہ لوگ انہیں گھیرے میں لیں گے تو ان کے حواس باختہ ہو جائیں گے اس وقت اسے نہ ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو یہ مہلت دی جائے گی کہ زندہ ہو کر دنیا میں واپس آ کر مومن بن جائیں اور دوبارہ مر کر پھر حاضر ہوں اور عذاب سے بچ جائیں، جب عذاب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو بس داخل ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے چلے گئے اب وہاں سے نکلنے کا اور مہلت ملنے کا کوئی موقع نہیں۔

آخر میں فرمایا وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْھُمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ (اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کا وہ تمسخر کرتے تھے) اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی گئی ان کا مذاق بنایا گیا۔ پھر انجام کے طور پر تمسخر کرنے والوں نے اپنے تمسخر اور تکذیب کا مزہ چکھ لیا اور جس عذاب کا وہ مذاق بناتے تھے یہ عذاب ان پر نازل ہو گیا' آپ کے مخالفین جو عذاب کا مذاق بنا رہے ہیں یہ بھی اطمینان سے نہ بیٹھیں گے ان پر بھی دنیا میں عذاب آ سکتا ہے۔ اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ہو تو ہر کافر کو عذاب میں مبتلا ہونا ہی ہے۔

قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ ھُمْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّھِمْ

آپ فرما دیجئے وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ بلکہ وہ لوگ اپنے رب کی توحید سے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَھُمْ اٰلِھَۃٌ تَمْنَعُھُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِھِمْ

اعراض کئے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے لئے ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ اپنی جانوں کی حفاظت نہیں کر سکتے

وَلَا ھُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا ھٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَھُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَیْھِمُ

اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی شخص ان کا ساتھ دے سکتا ہے! بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک

الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا ؕ اَفَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

عرصہ دراز گذر گیا۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹا رہے ہیں کیا وہ غالب آنے والے ہیں؟

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ

آپ فرما دیجئے بات یہی ہے کہ میں تمہیں وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں اور بہرے لوگ پکار کو نہیں سنتے جبکہ وہ ڈرائے جاتے ہیں' اور اگر

مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

آپ کے رب کی طرف سے انہیں عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے تو ضرور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی واقعی ہم ظالم تھے

رحمٰن کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے' منکرین دنیاوی عیش وعشرت کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے' اور بہرے پکار کو نہیں سنتے

تفسیر: ان آیات میں مخاطبین سے یہ فرمایا ہے کہ دیکھو رات دن گزرتے چلے جا رہے ہیں بتاؤ خالق اور مالک جل مجدہ کے عذاب سے تمہاری کون حفاظت کرتا ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عذاب بھیج دے تو تمہیں اس کے عذاب سے بچانے والا اور تمہاری حفاظت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ تم بھی اس بات کو جانتے اور مانتے ہو' یہ جانتے ہوئے پھر بھی اپنے پروردگار کی یاد سے اور اس کو وحدہ لاشریک لہٗ ماننے سے اعراض کئے ہوئے ہو' پھر فرمایا کہ یہ لوگ معبود حقیقی جل مجدہ کو چھوڑ کر جو غیروں کی عبادت کرتے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ جب ہماری طرف سے عذاب آئے گا تو ان کے یہ باطل معبود انہیں ہمارے عذاب سے بچالیں گے' ان کا یہ خیال غلط ہے۔ وہ ان کی کیا مدد کریں گے' وہ تو اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے۔ خود ان پر ہماری طرف سے کوئی عذاب آ جائے یا کوئی تکلیف پہنچ جائے تو ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ پھر فرمایا کہ سرکشی کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان عیش دیا تھا اسی میں پھلتے پھولتے رہے اور اس پر زمانہ دراز گذر گیا پشت در پشت جب عیش و آرام میں پڑے رہے تو غفلت کے پردے پڑ گئے۔ نہ دنیا کے انقلاب سے چونکے نہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بیدار کرنے سے بیدار ہوئے اور اب اسلام کے اور مسلمانوں کے مخالف بن رہے ہیں کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ جس زمین پر وہ قابض ہیں' ہم اسے ہر چار طرف سے برابر گھٹاتے چلے آ رہے ہیں یعنی ان سے لے کر مسلمانوں کے قبضہ میں دے رہے ہیں' کیا انہیں پھر یہ بھی خیال ہے کہ اہل ایمان پر غالب ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ میں تو تمہیں وحی کے ذریعہ ہی ڈراتا ہوں لیکن تم بہرے بنے ہوئے ہو۔ بہرے پکار کو سنتے ہی نہیں ہیں' حقیقت میں بہرے نہیں لیکن بہرے لوگوں کا ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے۔ ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور عذاب آنے کی رٹ لگاتے ہیں عذاب کی تاب نہیں اور عذاب کا تقاضا ہے۔ اسی کو فرمایا: وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ (الآیۃ) (اگر آپ کے رب کی طرف سے انہیں عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے تو ضرور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی واقعی ہے) عذاب کے ایک جھونکا کی بھی تاب نہیں لیکن پھر بھی

اپنی بیوقوفی سے عذاب آنے کی رٹ لگا رہے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ

اور قیامت کے دن ہم عدل والی میزان قائم کر دیں گے۔ سو کسی پر ذرا سا ظلم بھی نہ ہو گا اور اگر کوئی عمل

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو ہم اسے حاضر کر دیں اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

قیامت کے دن میزان عدل قائم ہوگی، کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہو گا

تفسیر: اس میں سب کو قیامت کے دن کے محاسبہ کی یاددہانی فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہم میزان عدل قائم کر دیں گے کسی پر ذرا سا ظلم نہ ہوگا جس کسی نے کوئی بھی نیکی کی ہوگی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو ہم اسے وہاں حاضر کر دیں گے۔ اور وہ بھی حساب میں شامل کر لی جائے گی۔

سورۃ نساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (بلاشبہ اللہ کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا) اور سورۃ الزلزال میں فرمایا) فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (سو جس نے ذرہ کے برابر خیر کا کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا) آیت کے ختم پر فرمایا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں یعنی ہمارے وزن اور حساب کے بعد کسی اور حساب کتاب کی ضرورت نہ رہے گی ہمارا حساب لینا کافی ہے ہمارے فیصلے کے بعد کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے چند غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں انہیں برا کہتا ہوں اور مارتا بھی ہوں تو میرا اور ان کا کیا بنے گا؟ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی خیانت اور نافرمانی اور جھوٹ بولنے کا اور تیرے سزا دینے کا حساب کیا جائے گا، سو اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں کے برابر ہوگا تو معاملہ برابر سرابر رہے گا نہ ان سے تجھے کچھ ملے گا نہ تجھ پر کچھ وبال ہوگا، اور اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں سے کم ہوگا تو تجھے اس سے بدلہ دلایا جائے گا اور اگر تیرا سزا دینا ان کی خطاؤں سے زیادہ ہوگا تو اس زائد کا انہیں تجھ سے بدلہ دلایا جائے گا یہ سن کر وہ شخص وہاں سے ہٹ گیا اور اس نے چیخنا اور رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کیا تو اللہ کی کتاب نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا یہ سن کر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ اللہ کی قسم میں ان کے لئے اور اپنے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں سمجھتا کہ ان سے جدا ہو جاؤں۔

میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۴)

الموازین میزان کی جمع ہے لفظ جمع کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بہت سے ترازوئیں ہوں گی لیکن جمہور علماء کا فرمانا یہ ہے کہ میزان تو ایک ہی ہوگی اور بہت بڑی ہوگی لیکن چونکہ وہ زیادہ میزانوں کا کام دے گی اس لئے جمع سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور لفظ قسط انصاف کے معنی میں آتا ہے اس کو موازین کی صفت قرار دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ترازو سراپا انصاف ہوگی حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ترازو رکھ دی جائے گی اور وہ اتنی بڑی ہوگی کہ اگر اس میں آسمان و زمین سب رکھ دیئے جائیں تو سب اس میں سما جائیں فرشتے اسے دیکھ کر کہیں گے کہ یا رب یہ کس کے لئے وزن کرے گی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اپنی مخلوق میں سے میں جس کے لئے چاہوں گا وزن کروں گا۔ اس پر فرشتے کہیں گے سبحانک ما عبدناک حق عبادتک (تیری ذات پاک ہے ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسی عبادت کا حق ہے) (قال المنذری فی الترغیب ج ۴ ص ۴۲۵ رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم) اعمال کا وزن کس طرح ہوگا اسکے بارے میں کچھ تفصیل سورہ اعراف کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ انوار البیان ج ۴ ص ۳۹۲۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ والی چیز اور روشنی اور نصیحت کی چیز عطاء کی جو متقیوں کے لئے نصیحت تھی

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ

جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے خوفزدہ ہیں اور یہ ایک نصیحت ہے مبارک ہے جو ہم نے

اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

نازل کی ہے سو کیا تم پھر بھی اس کے منکر ہو۔

توریت شریف اور قرآن مجید کی صفات

تفسیر: یہ تین آیات ہیں پہلی دو آیات میں توریت شریف کا ذکر ہے اور تیسری آیت میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا ہے۔ توریت کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو عطا کی جو فرقان ہے یعنی حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی ہے اور ضیاء یعنی روشنی ہے جس سے قلوب منور ہوتے ہیں اور ذکر یعنی نصیحت ہے' اس کے یہ فوائد ہیں تو سبھی کے لئے' لیکن خاص کر ان لوگوں کے لئے وہ جو متقی ہیں یعنی گناہوں سے بچتے ہیں اور بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن سے یعنی وہاں کے حساب کتاب سے بھی خوفزدہ ہیں' یہ صفات ان لوگوں کی تھیں جو توریت پر چلتے تھے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فرقان سے اللہ تعالیٰ کی مدد مراد ہے جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے شامل حال رہی دونوں نے فرعون کے لشکر سے اپنی قوم کے ساتھ نجات پائی اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کی مدد سے نوازا اور ضیاء اور ذکر سے توریت شریف مراد ہے الفاظ میں اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں فرمایا وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (یہ قرآن نصیحت ہے، بہت بابرکت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے پہلے سے تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بھی کتابیں نازل فرمائی ہیں) پھر اس کے نازل ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے صحیح راہ عطا کی اور ہم ان کو جانتے تھے جبکہ انہوں نے

لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا

اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ

کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے، ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادے کھلی

مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

گمراہی میں ہیں! وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کرنے والوں میں سے ہو۔ ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ

وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں اور اللہ کی قسم میں اس کے بعد ضرور ضرور

لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا

تمہارے بتوں کے بارے میں کوئی تدبیر کروں گا جب تم پشت پھیر کر چلے جاؤ گے سو انہوں نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سوائے ان کے ایک بڑے بت کے

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ

شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بے شک ایسا کرنے والا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا

ظالموں میں سے ہے، کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو سنا تھا جو ان کا ذکر کر رہا تھا اس جوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے کہنے لگے اس

بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
جوان کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ ہو جائیں کہنے لگے اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ
يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا
ایسا کیا ہے؟ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ حرکت ان کے اس بڑے نے کی ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں، پھر وہ
اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ
اپنے نفسوں کی طرف رجوع ہوئے پھر کہنے لگے کہ بلاشبہ تم ہی ظلم کرنے والے ہو پھر انہوں نے اپنے سروں کو جھکایا بے شک اے ابراہیم تم کو معلوم ہے
مَا هٰۤؤُلَاۤءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا
کہ یہ بولتے نہیں ہیں، ابراہیم نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکے نہ نقصان
يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ
پہنچا سکے، تف ہے تم پر اور ان پر جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟ کہنے لگے اس کو جلا دو
وَانْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾
اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا اور ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برا برتاؤ کرنا چاہا
وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾
سو ہم نے انہیں ان میں سے کر دیا جو بہت ہی زیادہ ناکام ہوتے ہیں۔

داعیٔ توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا، بت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرمانا، ان کے بتوں کو توڑ دینا، اور اس کی وجہ سے آگ میں ڈالا جانا، اور سلامتی کے ساتھ آگ سے باہر تشریف لے آنا

تفسیر: سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس علاقے میں پیدا ہوئے وہ بت پرستوں کا علاقہ تھا خود ان کا باپ بھی بت پرست تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو شروع ہی سے مشرکین کے عقائد اور اعمال سے دور رکھا تھا۔ وہاں کوئی موحد نہیں تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید سکھاتا اور شرک کی گمراہی پر متنبہ کرتا لیکن سب سے بڑا معلم اللہ جل شانہٗ ہے۔ وہ جسے صحیح راہ بتائے حق سمجھائے رشد و ہدایت سے نوازے اسے کوئی بھی گمراہ کرنے والا اپنے قول اور عمل سے راہ حق سے نہیں ہٹا سکتا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی بڑی بت پرست قوم کے اندر ہدایت پر رکھا اور

ان میں اظہار حق اور دعوت حق کی استعداد رکھ دی تھی اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم تھا۔ اسی کو فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھرانے کو اور اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا) یہ لوگ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے خصوصاً اور اپنے قوم سے عموماً سوال فرمایا کہ یہ مورتیاں جن پر تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان خود تراشیدہ بے جان چیزوں کی عبادت کرنا اس کی کیا تک ہے؟ وہ لوگ کوئی معقول جواب نہ دے سکے (اور کوئی بھی مشرک معقول جواب نہیں دے سکتا یہ لوگ ماں باپ کی اندھی تقلید کرتے رہے ہیں) انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور یہی کرتے دیکھا ہے کہ ان مورتیوں کی پوجا کرتے تھے انہیں کی دیکھا دیکھی ہم بھی بت پرستی کرتے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی مضبوطی اور قوت کے ساتھ فرمایا کہ تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں ہو' وہ لوگ کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا یوں ہی دل لگی کے طور پر باتیں کرتے ہو' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حق بات لے کر آیا ہوں تم سے دل لگی نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا فرمایا' جس نے پیدا کیا اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کی عبادت کرنا یہ سراپا گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے؟ میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچی بات ہے اور میں اس کے سچا ہونے کا گواہ ہوں۔ یعنی دلیل سے بات کرتا ہوں اور یاد رکھو کہ تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو اللہ کی قسم میں ان کے لئے کوئی تدبیر کروں گا۔ اور ایسا داؤ استعمال کروں گا کہ ان پر بہت بڑی زد پڑے گی' مجھے موقعہ کا انتظار ہے تم کہیں گئے اور میں نے ان کا تیا پانچا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنا سورہ صافات میں بھی مذکور ہے وہاں یوں بیان فرمایا۔

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو؟ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں' غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو یہ ان کے بتوں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں ہو؟ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے۔ سو وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے' ابراہیم نے فرمایا کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے ابراہیم کے لئے ایک آتش خانہ تعمیر کرو پھر ان کو اس دہکتی آگ میں ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنا چاہی سو ہم نے ان کو نیچا دکھا دیا۔

سورۂ صافات (ترجمہ آیت ۸۵ تا ۹۸)

معالم التنزیل میں مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ہر سال ایک میلہ لگتا تھا اس میں جمع ہوتے تھے پھر واپس آ کر اپنے بتوں کو سجدہ کر کے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

ان کے بت توڑے یہ ان لوگوں کے میلہ کا دن تھا جب یہ لوگ میلہ میں جانے کے لئے بستی سے باہر جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کے والد نے کہا کہ اے ابراہیم تم بھی ہمارے ساتھ چل کر ہماری عید میں شریک ہو جاؤ تو مناسب ہوگا ممکن ہے کہ تمہیں ہمارا دین پسند آ جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دور ساتھ چلے اور ستاروں پر ایک نظر ڈالی پھر فرمایا کہ میں تو مریض ہونے والا ہوں۔ (چونکہ وہ لوگ ستاروں کو مانتے تھے اس لئے ستاروں میں نظر ڈالنے کو ایک بہانہ بنا لیا) وہ لوگ تو میلہ میں چلے گئے اور وہاں اس خیال سے کھانا رکھ دیا واپس آنے تک یہ بت انہیں متبرک کر دیں گے پھر اس میں سے ہم کھالیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کھانا رکھا دیکھا تو بطور استہزاء تمسخر فرمایا اَلَا تَاْكُلُوْنَ (کیا تم کھاتے نہیں) وہ تو بت تھے ان میں نہ روح نہ جان بولتے کہاں سے جب جواب نہ ملا تو فرمایا کہ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں ہو) یہ بھی بطور تمسخر ہی تھا اس کے بعد کلہاڑا لے کر چلانا شروع کر دیا خوب قوت کے ساتھ کلہاڑا چلایا اور سارے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہاں ان میں جو سب سے بڑا بت تھا اس کو نہیں توڑا اور اس کی گردن میں کلہاڑا لٹکا دیا۔ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ یہ انہوں نے اس امید پر کیا کہ ممکن ہے وہ لوگ اپنے معبودوں کا عاجز ہونا دیکھ لیں تو ابراہیم علیہ السلام یعنی ان کے دین کی طرف رجوع کر لیں اور بعض حضرات نے الیہ کی ضمیر بڑے بت کی طرف راجع کی ہے اور آیت شریفہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ شاید وہ بڑے بت کی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں کہ ہمارے ان معبودوں کو کس نے توڑا' اور ممکن ہے کہ اس کے گلے میں کلہاڑا پڑا ہوا دیکھ کر اس سے یوں کہیں کہ ہو نہ ہو تو نے ہی یہ حرکت کی ہے۔ (معالم التنزیل ص ۲۴۸ ج ۳)

اب قوم کے لوگ آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود کٹے پڑے ہیں' ٹکڑے ٹکڑے ہیں' دیکھ کر بڑے سٹ پٹائے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ جس نے ایسا کیا ہے وہ تو کوئی ظالم ہی ہو گا۔ پھر ان میں سے بعض یوں بولے کہ ہاں یاد آ گیا ایک جوان جسے ابراہیم کہہ کر بلایا جاتا ہے یہ ان کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا اس نے یوں کہا تھا کہ میں تمہارے پیچھے ان کی گت بنا دوں گا۔ اندازہ ہے کہ یہ کام اسی نے کیا ہے۔ کہنے لگے کہ اچھا اسے بلاؤ وہ سب لوگوں کے سامنے آئے اگر لوگوں کے سامنے اقرار کر لے تو گواہ بن جائیں اور اس آدمی کو بھی پہچان لیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا اور ان سے قوم کے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا نام کیوں لگاتے ہو جوان سب سے بڑا ہے اسی نے یہ سب کارستانی کی ہے اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں آتا تو انہیں سے پوچھ لو کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا ہے؟ اگر وہ بولتے ہیں تو ان ہی سے دریافت کرنا چاہیے۔

یہ سن کر اول تو وہ لوگ ٹھٹرے اور سوچ میں پڑ گئے اور پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم ہی ظالم ہو یعنی ابراہیم کی بات صحیح

ہے ان بتوں کی عبادت کرنا ظلم کی بات ہے بھلا وہ کیسا معبود جو نہ بول سکے نہ بتا سکے۔ پھر شرمندگی کے مارے اپنے سروں کو جھکا لیا۔ لیکن شرک سے پھر بھی توبہ نہ کی' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں (یہ دعوت کا ایک طریقہ کار ہے کہ مخاطب سے بات کرتے کرتے اسے ایسے موقع پر لے آئیں کہ اس کی زبان سے خود اس کے اپنے مسلک اور اپنے دعویٰ کے خلاف کوئی بات نکل جائے) جب ان لوگوں کے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی کہ یہ بولتے نہیں ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً پکڑ لیا اور فرمایا کہ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ (کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے) مزید فرمایا اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں ہو)

جب وہ لوگ جواب سے عاجز ہو گئے اور کوئی بات نہ بنی تو کہنے لگے کہ ان شخص کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ (یہ بات بھی عجیب ہے کہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کی مدد کا دم بھر رہے ہیں اور اپنے معبودوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ وہ کیسا معبود جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو لیکن مشرکین کی عقلوں پر پتھر پڑے رہتے ہیں ایسی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی)

صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے انہیں آگ میں جلانے کا فیصلہ کر لیا (جن میں نمرود بھی تھا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا اور آگ جلانے کے لئے ایک احاطہ بنایا پھر اس میں ایک مدت تک طرح طرح کی لکڑیاں ڈالتے رہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں کچھ ایسی صورت حال بن گئی کہ جو شخص مریض ہو جاتا یہ نذر مان لیتا تھا کہ میں اچھا ہو جاؤں گا تو ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں جمع کروں گا' عورتیں اپنی محبوب چیزوں کے حصول کے لئے یوں نذر مانتی تھیں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو آتش ابراہیم میں لکڑیاں ڈالوں گی' لوگ لکڑیاں خرید خرید کر اس میں ڈالتے تھے حد یہ ہے کہ جو کوئی عورت چرخہ کاتتی تھی وہ بھی اس کی آمدنی سے لکڑیاں خرید کر آتش ابراہیم میں ڈال دیتی تھی' یہ لوگ ایک ماہ تک لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ اس کے بعد ہر جانب آگ لگا دی آگ جلی خوب شعلے نکلے' اور اس جگہ کی گرمی کا یہ حال تھا کہ جانور بھی وہاں سے گذرتا تھا تو اس کی گرمی کی شدت کی وجہ سے مر جاتا تھا ان لوگوں نے برابر ایک ہفتہ تک آگ جلائی۔ (ایک آدمی کو جلانے کے لئے اتنی آگ کی تو ضرورت نہ تھی لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ ڈر تھا کہ اگر ہم نے اس کو آگ میں ڈالا اور نہ جلا تو ہماری ذلت ہو گی' لہٰذا اتنی آگ جلاؤ اور اتنے دن تک جلاؤ کہ اس کی سخت حرارت میں یہ شخص جل ہی جائے اور زندہ باسلامت بچنے کا احتمال نہ رہے)

آگ تو تیار کر لی لیکن اب سوال یہ تھا کہ اس آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالیں کیسے؟ اس کے پاس تو پھٹکنا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ اس میں باقاعدہ ڈالنے کے لئے ایک دو منٹ ٹھہریں' ابلیس چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی

دشمنی میں آگے آگے رہتا تھا اور اب بھی اسلام کے دشمنوں کو سبق پڑھاتا رہتا ہے اس لئے اس موقع پر بھی حاضر ہو گیا اور اس نے سمجھایا کہ دیکھو کہ ایک منجنیق بناؤ (یہ ڈھیکلی کی طرح کسی بھاری چیز کو اٹھانے اور پھینکنے کا آلہ تھا آج کل عمارتی بنانے میں جو کرین استعمال کی جاتی ہے اسے دیکھنے سے منجنیق کی کچھ تقریبی صورت اور اس کا عمل سمجھ میں آ سکتا ہے) منجنیق تیار ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعہ آگ میں ڈال دیا۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا تو پانیوں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ چاہیں تو میں آگ کو بجھا دوں۔ اور ہواؤں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ چاہیں تو آگ کو ہواؤں میں اڑا دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں اور یوں بھی کہا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (مجھے اللہ کافی ہے وہ بہترین کار ساز ہے) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں آگ میں ڈال رہے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کوئی حاجت ہے؟ جواب میں فرمایا کہ مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں انہوں نے کہا اچھا تو اپنے رب ہی سے سوال کر لو فرمایا میرے رب کو میرا حال خوب معلوم ہے اس کے علم میں ہونا ہی کافی ہے چنانچہ انہوں نے تفویض سے کام لیا اور دعا تک نہ کی۔ (فصلی اللہ علی خلیله وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہے مخلوقات میں جو صفات ہیں اور جو تاثیرات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمانے سے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا انہیں خطاب ہوتا ہے وہ اسے سمجھتے بھی ہیں گو ہم نہیں سمجھتے۔

آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا لہٰذا وہ سرد پڑ گئی اور چونکہ برداً کے ساتھ سلاماً بھی فرمایا تھا اس لئے اتنی ٹھنڈی بھی نہ ہوئی کہ ٹھنڈک کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہلاک ہو جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سات دن آگ میں رہے آگ نے ان پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔ ہاں ان کے پاؤں میں جو بیڑیاں تھیں وہ جل گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے کہ سایہ ڈالنے والا فرشتہ ان کے پاس پہنچا جو انہیں کی صورت میں تھا وہ انہیں مانوس کرتا رہا حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت سے ایک کرتہ اور ایک قالین لے کر آئے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا گیا تھا) حضرت جبرائیلؑ نے انہیں کرتہ پہنایا اور نیچے قالین بچھایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر وہیں باتیں کرنے لگے۔

نمرود اپنے محل میں سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام باغیچہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص بیٹھا ہوا باتیں کر رہا ہے آس پاس جو لکڑیاں ہیں انہیں آگ جلا رہی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیح سالم ہیں باتوں میں مشغول ہیں' نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم تم اس آگ سے نکل سکتے ہو؟ فرمایا ہاں نکل سکتا ہوں یہ فرمایا اور اپنی جگہ سے روانہ ہو گئے حتیٰ کہ آگ سے باہر نکل آئے یہ دیکھ کر نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم تمہارا معبود تو بڑی قدرت والا ہے جس کے حکم کی آگ بھی پابند ہے میں تمہارے معبود کے لئے چار ہزار گائیں نذر کے طور پر ذبح کروں

گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تو اپنے دین پر رہے گا اللہ تعالیٰ تجھ سے کچھ بھی قبول نہ فرمائے گا۔ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اور میرا دین اختیار کر لے۔ نمرود نے کہا میں اپنے دین کو اور ملک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں بطور نذر کے جانور ذبح کر دوں گا اس کے بعد نمرود نے جانور ذبح کر دیئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے سے بھی باز آ گیا۔ (معالم التنزیل ص ۲۵۰ وص ۲۵۱ ج ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں نے خوب آگ جلائی اور بہت زیادہ جلائی جس کے بارے میں سورہ صافات میں فرمایا قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَأَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ (کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک مکان بناؤ پھر اسے سخت جلنے والی آگ میں ڈال دو) اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اولاً آگ جلانے کے لئے مستقل ایک مکان بنایا پھر بہت زیادہ آگ جلائی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا۔ لفظ الجحیم کے بارے میں قاموس میں لکھا ہے۔ والجحیم النار الشدیدۃ التاجج وکل نار بعضھا فوق بعض کالحجمۃ ویضم وکل نار عظیمۃ فی مھواۃ والمکان الشدید الحر کالجاھم۔ (جحیم سخت بھڑکنے والی آگ اور ہر اس آگ کو کہتے ہیں جو انگاروں کی طرح اوپر نیچے ہو اور ملی ہوئی ہو اور وہ بڑی آگ جو فضا میں بلند ہو اور سخت گرم مکان جیسے کہ چنگاریاں)

پوری قوم میں نمرود اور اس کی حکومت میں شخص واحد ہے جسے سب نے مل کر بہت بڑی آگ میں ڈال کر جلانا چاہا مگر اپنے مقصد میں ناکام ہوئے اور ذلیل ہوئے۔ اور انہیں نیچا دیکھنا پڑا اسی کو سورۃ الانبیاء میں وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ سے اور سورہ صافات میں فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ سے تعبیر فرمایا۔

ہم نے جو کچھ معالم التنزیل سے نقل کیا ہے اس میں بعض چیزیں تو وہی ہیں جو سیاق قرآن کے موافق ہیں ان سے قرآن مجید کے مفہوم کی تشریح ہوتی ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو بظاہر اسرائیلیات سے منقول ہیں' چونکہ ان سے کسی حکم شرعی کا تعلق نہیں ہے اور کسی نص قرآنی کے معارض بھی نہیں ہیں اس لئے ان کو نقل کر دیا گیا ہے' کتب حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ مذکورہ سے متعلق جو چند روایات ملتی ہیں وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

گرگٹ کی خباثت اور اس کے قتل کرنے میں اجر

حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے گرگٹ کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پھونک رہا تھا۔ (رواہ البخاری ص ۴۷۴ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈال دیا تو گرگٹ نے بھی اپنی خباثت کا ہنر دکھایا' وہ بھی وہاں جا کر پھونکنے لگا' جہاں اتنی بڑی آگ جل رہی تھی وہاں اس کے پھونکنے نہ پھونکنے سے کیا ہو سکتا تھا؟ لیکن اس کی طبعی خباثت نے اس پر آمادہ کیا اور شیطان نے اسے استعمال کر لیا' کیونکہ دشمن سے جتنی بھی دشمنی ہو سکے چوکتا نہیں ہے وہ فریق مقابل کو تکلیف پہنچانے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے باز نہیں رہتا' چونکہ گرگٹ خبیث چیز ہے زہریلا جانور ہے اس لئے آپ نے مارنے کا حکم فرمایا بلکہ اسے مارنے میں جلدی کرنے کی ترغیب دی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے گرگٹ کو پہلے ہی ضرب میں مار دیا اس کے لئے سونیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے دو ضربوں میں مارا اس کے لئے اس سے کم اور جس نے تیسری ضرب میں مارا اس کے لئے اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ مسلم ص ۲۳۶ ج ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کے دن سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم لوگ اس حال میں جمع کئے جاؤ گے کہ پاؤں میں جوتے اور جسموں پر کپڑے نہ ہوں گے اور غیر مختون بھی ہو گے اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے (رواہ البخاری) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جزوی فضیلت اس وجہ سے دی جائے گی کہ انہیں دشمنوں نے کپڑے اتار کر آگ میں ڈالا تھا۔ شراح حدیث میں یہ بات لکھی ہے۔ قال الحافظ فی الفتح ص ۳۹۰ ج ۶ ویقال ان الحکمة فی خصوصیة ابراھیم بذالک لکونه القی فی النار عریانا وقیل لانه اول من لبس السراویل. (حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت اس لئے ہے کہ آپ کو آگ میں بے لباس کر کے ڈالا گیا تھا اور بعض نے کہا اس لئے ہے کہ آپ ہی نے سب سے پہلے شلوار پہنی تھی)

ثَلَاثُ كَذِبَاتٍ اور ان کی تشریح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قیامت کے دن شفاعت کبریٰ سے عذر فرما دینا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین باتوں کے دو باتیں تو ان میں ایسی تھیں جو اللہ کی ذات کے بارے میں تھیں (یعنی ان میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود تھی) ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جانے سے انکار کرنے کے لئے یوں فرمادیا کہ انی سقیم (میں بیمار ہوں) اور دوسری بات یہ کہ (بتوں کو توڑ کر) فرمادیا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ (بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنی بیوی سارہ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے کہ ان کا ایک ظالم بادشاہ پر گذر ہوا اس ظالم بادشاہ کو کسی نے بتادیا کہ یہاں ایک شخص ہے اس کے ساتھ بہت خوبصورت عورت ہے اس ظالم نے انہیں طلب کرنے کا حیلہ اختیار کرنے آدمی بھیجا جو آدمی قاصد بن کر آیا اس نے کہا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سارہ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اس ظالم بادشاہ سے خطرہ ہے اگر اسے معلوم ہو گیا کہ تو میری بیوی ہے تو تجھے اپنے پاس رکھ لے گا سو اگر تجھے اس کے پاس جانا پڑے اور سوال کرے تو کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو (ممکن ہے کہ وہ یہ بات سن کر تجھے چھوڑ دے) اور بہن کہنا کوئی غلط بھی نہیں ہے کیونکہ

تو میری دینی بہن ہے اس سرزمین میں میرے اور تیرے علاوہ کوئی مومن نہیں ہے' اس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو جبراً اور قہراً طلب کیا تو ناچار ہو کر پہلی بار چلی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی جب حضرت سارہ اس ظالم بادشاہ کے پاس پہنچیں تو اس نے ہاتھ ڈالنا چاہا جوں ہی ہاتھ بڑھایا اس کو دورہ پڑ گیا اور پاؤں مارنے لگا اور حضرت سارہ سے درخواست کی کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔ انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا لیکن پھر شرارت سوجھی اور دوبارہ ہاتھ بڑھایا اس مرتبہ پھر اسے دورہ پڑ گیا جیسے پہلی بار پڑا تھا یا اس سے بھی سخت تھا' پھر کہنے لگا کہ میرے لئے اللہ سے دعا کر دو میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا انہوں نے دعا کر دی تو وہ چھوٹ گیا اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا تو تو میرے پاس شیطان کو لے آیا ہے اس کے بعد اس نے سارہ کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ ایک خادمہ بھی کر دی جن کا نام ہاجرہ تھا' سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز کی حالت میں ہاتھ کے اشارہ سے سوال کیا کیا ماجرا ہوا؟ سارہ نے بیان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کے مکر کو الٹا اسی پر ڈال دیا اور ایک ہاجرہ نامی عورت خدمت کے لئے دے دی (رواہ البخاری ۴۷۴ ج ۲) حدیث بالا میں ثَلَاثُ کَذِبَاتٍ (تین جھوٹ) کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اول تو یہ کہ جب قوم کے لوگوں نے اپنے ساتھ باہر جانے کو کہا تو فرمادیا کہ انی سقیم (بلاشبہ میں بیمار ہوں) پھر جب ان کے بتوں کو توڑ دیا اور انہوں نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تم نے ان کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ تو فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ (بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے) ان دونوں باتوں کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں باتیں اللہ کے لئے تھیں کیونکہ اپنے کو بیمار بتا کر ان کے ساتھ جانے سے رہ گئے اور پھر اسی پیچھے رہ جانے کو بتوں کو توڑنے کا ذریعہ بنا لیا' اور اس طرح بتوں کی عاجزی ظاہر کر کے معبود حقیقی کی توحید کی دعوت دے دی' تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو یہ سمجھا دیا کہ میں نے ظالم بادشاہ کے قاصد کو بتا دیا ہے کہ تم میری بہن ہو تم سے بات ہو تو تم بھی یہی بتانا ممکن ہے کہ یہ بات سن کر ظالم تمہیں چھوڑ دے' چونکہ مطلق بہن نسبی بہن کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے اسے جھوٹ میں شمار فرمایا۔ اگرچہ انہوں نے دینی بہن مراد لے لی تھی اور یہ بات اخی فی الاسلام کہہ کر انہیں بتا بھی دی تھی' اس بات کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں تھی اور اس کے خلاف بھی نہیں فرمایا کیونکہ اس میں تھوڑا سا نفس کا حصہ بھی ہے اوّل تو یہ واقعہ سفر ہجرت کا ہے اور ہجرت اللہ کے لئے تھی پھر کسی بھی مومن عورت کو کافر سے بچانا بھی اجر و ثواب کا کام ہے۔ پھر اپنی مومن بیوی کی حفاظت کرنا جو عفت اور عصمت میں معاون ہے کیونکر ثواب کا کام نہ ہوگا اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۳۹۲ ج ۶) میں بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو تین باتیں کہیں (جو بظاہر کذب ہے) ان کو انہوں نے اللہ کے دین کی حفاظت ہی کے واسطے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اختیار کیا۔ حضرات علمائے حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ تین باتیں جنہیں جھوٹ

سے تعبیر فرمایا ان میں بظاہر جھوٹ ہے لیکن چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور تعریض کے یہ باتیں کہی تھیں۔
(جن میں ایسا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ انہیں جھوٹ نہ کہا جائے) اس لئے صریح جھوٹ بھی نہ تھیں مثلاً اِنِّیْ سَقِیْمٌ فرمایا اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھ جانے کو میرا دل گوارہ نہیں کرتا اس ناگواری کو بیماری سے تعبیر فرمایا اگرچہ وہ لوگ جسمانی بیمار سمجھے، اور بعض علماء نے یہ بھی فرمایا کہ لفظ سقیم صفت کا صیغہ ہے اس میں کسی زمانہ پر دلالت نہیں ہے لہٰذا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں، اسی طرح جب ان لوگوں نے بتوں کے بارے میں پوچھا تو یہ فرمایا ہی نہیں کہ میں نے نہیں توڑے ہاں یوں فرمادیا کہ ان کے بڑے نے توڑے ہیں اگر بڑے سے بڑا بت ہی مراد لیا جائے تو یہ بظاہر کذب ہے لیکن مقابل سے بات کرتے ہوئے اس کے منہ سے اپنے موافق کوئی بات اگلوانے کے لئے کوئی بات کہہ دی جائے جو علی سبیل الفرض والتقدیر ہو تو یہ بھی تعریض کے مشابہ ایک صورت بن جاتی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ بولتے ہوں تو سمجھ لو کہ یہ ان کے بڑے نے کیا ہے اس کو معلق بالشرط کر دیا اور اس طرح تعلیق بالشرط جائز ہے اس میں کذب نہیں ہے۔

اب رہی بیوی کو بہن کہنے والی بات تو اس کی تاویل اس وقت انہوں نے خود ہی کر دی اور دینی بہن مراد لے کر جھوٹ سے بچ گئے اس سب کے باوجود جو تینوں باتوں کو کذب فرمایا یہ ان کے بلند مرتبہ کے اعتبار سے ہے بڑوں کی بڑی باتیں ہیں گناہ تو ان باتوں میں ہے ہی نہیں کیونکہ یہ سب چیزیں بطور تاویل اور تعریض کی تھیں اور تھیں بھی حق پر جمنے کے لئے اور حق کے پھیلانے کے لئے لیکن پھر بھی انہوں نے جو کچھ فرمایا اسے کذب میں شمار کر لیا گیا (صحیح بخاری (ص ۴۷۲ ج ۲) میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن جب سارے انسانوں کو شفاعت کی ضرورت ہوگی تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ انکار کر دیں گے اور فرمائیں گے کہ ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ جب ان کے پاس آئیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ میں شفاعت کرنے کے مقام پر نہیں ہوں اس موقع پر وہ اپنے ان کذبات کو یاد کر لیں گے جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئے تھے۔ یہ انکار شفاعت بھی اسی لئے ہوگا کہ ان سے جو مذکورہ تینوں باتیں صادر ہوئیں تھیں ان کی وجہ سے اپنے کو لائق شفاعت نہیں سمجھیں گے۔

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

قال الحافظ فی الفتح (ثنتين منهن فی ذات الله) خصهما بذالک لان قصة سارة وان كانت ايضا فی ذات الله لكن تضمنت حظا لنفسه ونفله بخلاف اثنين الاخيرتين فانهما فی ذات الله محض وقد وقع فی رواية المذكورة ان ابراهيم لم يكذب قط الاثلث كذبت وذلک فی ذات الله وفی حديث ابن عباس عند احمد والله ان جادل بهن لا عن دين الله، وقال ايضا واما اطلاقه الكذب على الامور الثلاثة لكونه قال قولا يعتقده السامع كذبا لكنه اذا حقق لم يكن كذبا لانه من باب المعاريض المحتملة لا مرين ليس بكذب محض۔

(حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔ ان میں سے دو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے تھے دو کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ حضرت سارہ علیہا السلام کا واقعہ میں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے (سفر میں) پیش آیا لیکن اس میں ان کا اپنا نفع و مفاد تھا۔ بخلاف آخری دو واقعات کے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تھے اور مذکورہ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہرگز جھوٹ نہیں بولا مگر تین جھوٹ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے تھے اور امام احمد کے ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ ان تین کذبات کی وجہ سے حجت طلب کرے نہ کہ اپنے دین کے لئے۔ اور یہ بھی کہا کہ ان تین امور پر جھوٹ کا اطلاق اس لئے کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسی بات کہی جسے سننے والے نے کچھ اور سمجھا لیکن تحقیق کی جائے تو وہ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ ایسے مواضع تھے جن میں دو چیزوں کا احتمال تھا وہ محض جھوٹ نہیں تھا)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حدیث شفاعت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں والحق انها معاريض ولكن لما كانت صورتها صورة الكذب سماها اكاذيب واستنقص من نفسه لها فان من كان اعرف بالله واقرب منه منزلة كان اعظم خطرا او اشد خشية وعلى هذا القياس سائر ما اضيف الى الانبياء عليهم السلام من الخطايا' قال ابن الملك الكامل قديو اخذ بما هو عباده فى حق غيره كما قيل حسنات الابرار سيئات المقربين. یعنی حق بات یہ ہے کہ ان تینوں میں تعریض ہے (صریح جھوٹ نہیں ہے) لیکن چونکہ بظاہر جھوٹ کی صورت میں تھیں اس لئے جھوٹ سے تعبیر کر دیا اور اپنی ذات کو مرتبہ شفاعت سے کمتر سمجھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی معرفت حاصل ہوگی اور جتنا زیادہ قرب حاصل ہوگا اسی قدر وہ اپنے بارے میں زیادہ خطرہ محسوس کرے گا اور اس میں بہت زیادہ خوف خشیت کا ظہور ہوگا دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف جو خطایا منسوب ہیں ان کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے' ابن الملک نے فرمایا ہے کہ جو شخص کامل ہو بعض مرتبہ اس بات پر اس کا مواخذہ ہو جاتا ہے جو غیر کے حق میں عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

فائدہ: یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ ؓ کو بلوایا تھا اگر اسے قبضہ کرنا اور چھیننا ہی تھا تو کسی کی بیوی یا بہن ہونے سے کیا فرق پڑتا تھا ظالم جب ظلم پر تل جائے تو اسے مقصد برآری کے سوا کچھ نہیں سوجھتا لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے جو یہ فرمایا کہ تم یوں کہہ دینا کہ میں ان کی بہن ہوں اس بات کے کہنے اور سمجھانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر جب انہوں نے بتا دیا کہ میں اس کی بہن ہوں تو اس نے پھر بھی ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی (یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہاتھ پاؤں کے دورے میں مبتلا کر دیا اور حضرت سارہ کی حفاظت فرمائی) اس سوال کو حل کرنے کے لئے مفسرین اور شراح حدیث نے کئی باتیں لکھی ہیں جن میں ایک یہ بات ہے کہ وہ ظالم بادشاہ گو ظالم تھا لیکن اپنے طور پر جس کسی مذہب کا پابند تھا اس میں کسی کی بہن کو اس کے بھائی کی موجودگی مین چھیننے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوگئی تھی اس لئے حضرت سارہ سے یہ فرما دیا کہ تم یہ کہہ دینا کہ میں انکی بہن ہوں۔ لیکن اس ظالم نے جب اس کا حسن و جمال دیکھا تو دین و مذہب سب کو بالائے طاق رکھا اور حرکت بد کا ارادہ کر لیا ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں لگے ہوئے تھے ادھر حضرت سارہ نے بھی وہاں پہنچ کر نماز شروع کر دی۔

نیز حضرت سارہ نے وہاں یہ دعا بھی کی اللهم ان كنت تعلم انى امنت بك و برسولك و احصنت فرجى الا على زوجى فلا تسلط على الكافر (اے اللہ آپ کے علم میں ہے کہ میں آپ پر آپ کے رسول پر ایمان لائی اور میں نے اپنی شرم کی چیز کو اپنی شوہر کے علاوہ ہر کسی سے محفوظ رکھا لہٰذا آپ مجھ پر کافر کو مسلط نہ فرمائیے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور کافر کے تسلط سے نجات دی (فتح الباری)

اس ظالم بادشاہ نے شیطانی حرکت کا خود ارادہ کیا لیکن اپنے بعض دربانوں سے کہا کہ تم میرے پاس شیطان کو لے

آئے ہو ہاتھ پاؤں کا دورہ پڑا تو اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا اور پاکباز عورت کو شیطان بنایا۔

زبانی طور پر تو اس نے حضرت سارہ کو شیطان بنا دیا لیکن ان کی نماز اور دعا سے متاثر ہو کر اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ یہ کوئی بڑی حیثیت والی خاتون ہے اس کی خدمت کے لئے ایک خادمہ دینی چاہئے چنانچہ اس نے ایک ہاجرہ نامی عورت ان کی خدمت کے لئے دے دی' وہ واپس ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں اور ہاجرہ نامی عورت کو بھی اپنے ساتھ لے آئیں یہ ہاجرہ نامی عورت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بنیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے فلسطین سے آئے اور اپنے چھوٹے بچے اسماعیل اور ان کی والدہ کو مکہ مکرمہ کی چٹیل زمین اور سنسان میدان میں چھوڑ دیا انہیں دو ماں بیٹوں سے مکہ مکرمہ کی آبادی شروع ہوئی اور انہیں دونوں ماں بیٹوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی ایک شاخ چلی جنہیں بنو اسماعیل اور عرب کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوب ہی نوازا انہیں مشرکین کے درمیان ہوتے ہوئے داعی توحید بنایا دشمنوں نے آگ میں ڈال دیا تو اس سے صحیح سالم نکال دیا اور آتش نمرود کو گلزار ابراہیم بنا دیا۔ اور انہیں اپنا دوست بنا لیا کما فی سورۃ النساء وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (اور ان سے (بشمولیت اسماعیل علیہ السلام) کعبہ شریف تعمیر کرایا پھر ان سے حج کی ندا دلوائی۔ اور انہیں ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا باپ بنایا' خاتم النبیین ﷺ بھی انہیں کی ذریت میں سے ہیں' حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے اس وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ مکہ کے رہنے والوں میں سے ایک رسول بھیج دینا آپ کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ان دونوں کی نسل سے سیدنا محمد رسول ﷺ کو پیدا فرمایا آپ کی نبوت کا ظہور مکہ مکرمہ میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لئے تا قیام قیامت ہادی اور داعی بنا دیا اور آپ پر نبوت ختم فرما دی اور آپ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا ملت ابراہیم کی بہت سی چیزیں خاتم الانبیاء ﷺ کی شریعت کا جزو ہیں اور توحید تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا سب سے پہلا اور مرکزی نقطہ ہے ہی۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دے دی جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے برکت رکھ دی ہے اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

اور یعقوب پوتا عطا کیا' اور ہم نے ان سب کو صالحین بنا دیا اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کا مبارک سرزمین کی طرف ہجرت کرنا

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کے بیٹے تھے ان آیات میں ان دونوں کی ہجرت کا تذکرہ فرمایا ہے' دونوں اپنے علاقہ کو چھوڑ کر شام کے علاقہ فلسطین میں چلے گئے تھے بتوں کی سرزمین کو اور بتوں کے پوجنے والوں کو چھوڑ کر اس سرزمین کے لئے ہجرت کی جس میں اللہ تعالیٰ نے برکات رکھی ہیں۔ اور یہ برکات دنیا جہان والوں کے لئے ہیں' ان کے اس ہجرت کرنے کو نجات سے تعبیر فرمایا کیونکہ کافروں سے چھوٹ کر بابرکت سرزمین میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو اسحٰق نامی بیٹا عطا کیا اور پھر اس بیٹے کا بیٹا یعقوب بھی دیا جو مزید انعام تھا اسی مزید انعام کی وجہ سے پوتے کو نافلہ سے تعبیر فرمایا' اور ان سب کو صالحین میں سے بنا دیا' سب اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتے تھے اور اس کے اوامر کی پابندی کرتے تھے' چونکہ نبی تھے اور پیشوا تھے اس لئے دوسروں کو بھی اللہ کی توحید اور اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ نیک کام کریں نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں وہ ان کاموں میں لگے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشغولیت ان کا خصوصی امتیاز تھا جس کا انہیں اہتمام تھا اسی کو فرمایا وَ کَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ۔

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ
اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے برے کام کیا کرتے تھے'
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع
بلاشبہ وہ لوگ بد ذات تھے' بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے

حضرت لوط علیہ السلام پر انعام' بدکار بستی سے نجات' اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہونا

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے شام میں آ کر آباد ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا اور نبوت سے نوازا' شام میں چند بستیاں تھیں' جو اردن کے قریب تھیں ان کی طرف انہیں مبعوث فرمایا وہ لوگ بڑے بدکار تھے۔ مردوں اور لڑکوں سے شہوت زانی کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے برے اعمال میں مشغول رہتے تھے' ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف دعوت دیتا ہے جب کوئی قوم مردوں سے شہوت زانی کے عمل کو اپنا اور اپنے رواج میں داخل کر لے تو اس کے بعد دوسرے برے اعمال کا ارتکاب کرنا معمولی سی بات ہے' حضرت لوط علیہ السلام

نے قوم کو بہت سمجھایا لیکن اپنی بدفعلیوں اور بری حرکتوں سے باز نہ آئے ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور ان پر پتھر برسا دیئے گئے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ جو اہل ایمان تھے (جو ان کے گھر والے ہی تھے) ان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور سب کافر ہلاک ہو گئے۔

ان ہلاک شدگان میں ان کی بیوی بھی تھی پورا قصہ سورہ اعراف اور سورہ ھود میں گذر چکا ہے۔ (انوار البیان ج ۳ و ج ۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل فرما لیا۔ یعنی ان بندوں میں شمار فرمایا جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ ہوا کرتی ہے۔ آخر میں فرمایا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے) قرآن مجید میں لفظ صالح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں بھی وارد ہوا ہے۔ صالحیت بہت بڑا مقام ہے اور اس کے بڑے مراتب ہیں سب سے بڑا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے کیونکہ وہ معصوم ہوتے تھے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اور نوح کو یاد کیجئے جب اس نے اس سے پہلے پکارا سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پھر ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے نجات دی

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان سے نجات دینے کے لئے ہم نے نوح کی مدد کی بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو ڈبو دیا

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا، اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوم کی غرقابی

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے جب انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی۔ استغفار کی طرف بلایا اور ایک مدت دراز تک اس بارے میں اپنی جان کھپائی تو ان میں سے معدودے چند افراد ہی مسلمان ہوئے اور باقی لوگ کہتے رہے کہ ہمیں توحید اختیار نہیں کرنی، ہمیں اپنے بتوں پر جمے رہنا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی معروض پیش کی اور عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (کہ اے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑ) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، بہت بڑا طوفان آیا آسمان سے بھی پانی برسا اور زمین سے بھی پانی ابلا، حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہل و عیال اور دیگر اہل ایمان کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو طوفان سے نجات دی اور باقی ساری قوم غرق ہو گئی ان کا ایک بیٹا جو کافر تھا وہ بھی انہیں ڈوبنے والوں میں شامل کر دیا گیا، ان کی بیوی بھی کافرہ تھی وہ بھی آتش دوزخ کی مستحق ہو گئی۔ سورۂ نوح میں فرمایا مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (اپنی خطاؤں کی وجہ سے وہ لوگ غرق کر

دیئے گئے پھر آگ میں داخل کر دیئے گئے) حضرت نوح علیہ السلام کی نجات اور ان کی قوم کی بربادی کا واقعہ بھی سورہ اعراف اور سورہ ہود میں گزر چکا ہے اور سورہ نوح میں بھی مذکور ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اس میں کرب عظیم سے طوفان میں غرق ہونا بھی مراد ہوسکتا ہے اور قوم کی ایذائیں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی پریشانی اور بے چینی سے ان کو نجات عطا فرمائی۔

(انوار البیان ج ۳-ج ۴)

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا
اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ دے رہے تھے جبکہ اس میں قوم کی بکریاں روندی گئی تھیں، اور ہم ان کے
لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا
فیصلہ کو دیکھ رہے تھے۔ سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور ہم نے
مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ
داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا اور پرندوں کو جو تسبیح میں مشغول رہتے تھے، اور ہم کرنے والے تھے، اور ہم نے داؤد کو زرہ بنانے کی صنعت
لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً
سکھائی، تاکہ وہ تمہیں جنگ میں محفوظ رکھے۔ سو کیا تم شکر کرنے والے ہو۔ اور سلیمان کے لئے تیزی سے چلنے
تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ
والی ہوا مسخر کر دی جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف لے جاتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں، اور
مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ
بعض شیاطین ایسے تھے جو ان کے لئے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم
حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾
حفاظت کرنے والے تھے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اکرام اور انعام کا تذکرہ فرمایا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام اور ان

کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام پر فرمایا تھا۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت سے نوازا اور طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مسخر فرما دیئے جو ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر فرما دی اور جنات کو ان کا تابع کر دیا۔

کھیت اور بکریوں کے مالکوں میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ

شروع میں ایک جھگڑے کا اور اس جھگڑے کے فیصلہ کا تذکرہ فرمایا جس کا واقعہ یوں ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک شخص بکریوں والا اور دوسرا کھیتی والا تھا۔ کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دے۔ یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا؟ دونوں فریق نے بیان کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مقدمے کا فیصلہ میں کرتا تو فریقین کے لئے مفید اور نافع ہوتا پھر خود والد صاحب حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی، حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا کہ وہ کیا فیصلہ ہے؟ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ بکریاں تو سب کھیت والے کو دے دیں تاکہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور کھیت کی زمین بکریوں والے کے سپرد کریں۔ وہ اس میں کاشت کر کے کھیت اگائے۔ جب یہ کھیت اس حالت پر آ جائے جس پر بکریوں نے کھایا تھا تو کھیت۔ کھیت والے کو اور بکریاں بکری والے کو واپس کر دیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلہ کو پسند کیا اور فرمایا بس اب یہی فیصلہ رہنا چاہئے اور فریقین کو بلا کر یہ فیصلہ نافذ کر دیا اسی کو فرمایا فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا) وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا) اس سے معلوم ہوا کہ فیصلے دونوں ہی کے درست تھے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا۔ اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو بکریاں دلوا دیں اور قانون کا یہی تقاضا تھا جس میں مدعی اور مدعی علیہ کی رضا شرط نہیں مگر چونکہ اس میں بکریوں والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے دوسری صورت تجویز فرما دی جو باہم جانبین کی رضامندی پر موقوف تھی اور جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی کہ چند روز کے لئے بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں جو ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزارہ کر لے اور بکری والے کو وہ کھیت سپرد کر دیا جائے جو بکریوں نے خراب کر دیا

تھا وہ آبپاشی وغیرہ کرے جب کھیت پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت اور بکریاں ان کے اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں کذافی الدر المنثور عن ابن مسعود و مسروق و ابن عباس و مجاهد و قتادة الزهری (ص ۳۲۴/ ج ۴) اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔ اسی لئے وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا بڑھا دیا۔ انتہی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں کے کھیتی خراب کرنے پر جو فیصلہ دیا۔ ان کا یہ فیصلہ اجتہاد سے تھا اور بالآخر حضرت سلیمان علیہ السلام کے صلح کرا دینے سے حل ہو گیا۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مروی ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک اونٹنی بعض لوگوں کے باغ میں داخل ہو گئی اور ان کا باغ خراب کر دیا اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ اہل جانور جو زخمی کر دے اس کا کوئی ضمان نہیں اہل اموال پر لازم ہے کہ دن میں اپنے اموال کی حفاظت کریں اور اہل مواشی پر لازم ہے کہ رات کو انہیں محفوظ رکھیں اور یہ کہ رات کو جو جانور کوئی نقصان کر دے جانوروں کے مالک اس کے ذمہ دار ہوں گے (رواہ ابوداؤد فی آخر کتاب البیوع وابن ماجہ فی ابواب الاحکام) اور ایک حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ العجماء جرحھا جبار (رواہ البخاری) حضرات آئمہ کرام کے مذاہب معلوم کرنے کے لئے شرح حدیث اور کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور واقعہ

صحیح بخاری میں اس طرح مروی ہے کہ دو عورتیں کسی جگہ موجود تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اپنا اپنا ایک بیٹا بھی تھا۔ بھیڑیا جو آیا تو ایک کے لڑکے کو لے کر چلا گیا۔ ان میں سے ہر ایک دوسری سے یوں کہنے لگی کہ بھیڑیا تیرے بیٹے کو لے گیا اور یہ جو موجود ہے یہ میرا بیٹا ہے اس مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے (اپنے طور پر غور و خوض اور اجتہاد کر کے) بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا' واپس ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام پر گزریں اور انہیں پورے واقعہ کی خبر دی انہوں نے فرمایا چھری لے آؤ میں اس لڑکے کو کاٹ کر تم دونوں کو آدھا آدھا دے دیتا ہوں یہ سن کو چھوٹی عمر والی کہنے لگی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجئے۔ (میں اپنا دعویٰ واپس لیتی ہوں) میں تسلیم کرتی ہوں کہ وہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دے دیا کہ وہ لڑکا چھوٹی ہی کا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۸۷) یہ کھیتی اور بکریوں والوں کا فیصلہ اور ان دو عورتوں کا فیصلہ جو حضرت داؤد علیہ السلام نے دیا تھا یہ دونوں وحی سے نہیں تھے۔ اجتہاد کے طور پر تھے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے دوسرا فیصلہ دے دیا جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی تسلیم فرما لیا۔ اس آخری قصہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ کو چھری سے کاٹنے والی

جو بات کی یہ ایک تدبیر تھی جس سے انہوں نے حقیقت حال تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا جب یہ فرمایا کہ چھری لاؤ میں اسے کاٹ کر آدھا آدھا کر دیتا ہوں تو بڑی خاموش رہ گئی اور چھوٹی گھبرا گئی اور اس نے کہا کہ میں یہ مانتی ہوں کہ یہ اسی کا لڑکا ہے۔ اس کے تڑپنے سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یہ اسی کا بچہ ہے اگر بڑی کا بچہ ہوتا تو وہ تڑپ اٹھتی۔ لیکن وہ چپکی کھڑی رہی جس سے معلوم ہوا کہ یہ بچہ چھوٹی کا ہے۔ لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی کے بارے میں فیصلہ فرما دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا اقتدار، پہاڑوں اور پرندوں کا ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں آپس میں باپ بیٹے تھے۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور مال و دولت سے بھی۔ اور اقتدار سے بھی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف بھی عطا فرمائی تھی۔ سورۂ ص میں ان کے ایک فیصلہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرنا کہ وہ اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی) سورۂ نمل میں فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ (اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے کہا کہ تمام تعریف کا اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں میں فضیلت دی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا اے لوگو ہمیں جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز میں سے دیا گیا ہے بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے)

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی بخشا تھا کہ پہاڑوں کو اور جانوروں کو مسخر فرما دیا تھا جو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ جس کا یہاں سورۂ انبیاء میں تذکرہ فرمایا ہے اور سورۂ سبا میں اور سورۂ ص میں بھی مذکور ہے۔ سورۂ سبا میں فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ (اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی اے پہاڑو داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا) اور سورۂ ص میں فرمایا اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی، جو جمع ہو جاتے تھے سب ان کی وجہ سے مشغول ذکر رہتے)

احادیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بڑے خوش آواز تھے اول تو ان کی خوش آوازی پھر اللہ کی

تسبیح اور مزید اللہ تعالیٰ کا حکم سب باتیں مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور پڑھتے وقت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے وقت عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ اڑتے ہوئے پرندے وہیں ٹھہر جاتے تھے اور تسبیح میں مشغول ہو جاتے تھے اور پہاڑوں سے بھی تسبیح کی آواز نکلتی تھی۔ اس میں خوش آوازی کی کشش بھی تھی اور معجزہ بھی تھا۔ سورۃ بقرہ کی آیت وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ کی تفسیر میں ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ جن چیزوں کو ہم جمادات اور بے جان سمجھتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں۔ ہم سے چونکہ وہ بات نہیں کرتے اور جان دار چیزوں کی طرح پیش نہیں آتے اس لئے ہم انہیں محروم سمجھتے ہیں لیکن ان کا اپنے خالق و مالک سے جو تعلق ہے وہ ادراک اور شعور والا تعلق ہے۔ وہ سب اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو انہیں بولنے کی قوت بھی دے دی جاتی ہے۔

زرہ بنانے کی صنعت

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے ایک اور امتیازی انعام سے نوازا تھا اور وہ یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے انہیں زرہ بنانا سکھایا تھا' پہلے زمانہ میں تلواروں سے جنگ ہوتی تھی تو مقابل کے حملہ سے بچنے کے لئے خود اور زرہ اور ڈھال استعمال کرتے تھے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال لے کر دشمن سے لڑتے تھے اور لوہے کی زرہ پہن لیتے تھے یہ ایک قسم کا کرتہ ہوتا تھا جو لوہے سے بنایا جاتا تھا اگر کوئی شخص تلوار کا وار کرتا تھا تو سر خود کے ذریعہ اور سینہ اور کمر زرہ کے ذریعہ کٹنے سے بچ جاتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے جو زرہیں بنائی جاتی تھیں وہ لوہے کی تختیاں ہوتی تھیں جنہیں کمر اور سینہ پر باندھ لیتے تھے۔ سب سے پہلے زرہ بنانے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں یہاں سورۃ الانبیاء میں فرمایا وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ (اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت سکھا دی۔ جو تمہارے لئے نفع مند ہے) لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِكُمۡ (تاکہ وہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے) اور سورہ سبا میں فرمایا۔ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِيۡدَ اَنِ اعۡمَلۡ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرۡ فِى السَّرۡدِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا اِنِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ (اور ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو بلاشبہ میں تمہارے سب اعمال کو دیکھنے والا ہوں) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم فرما دیا وہ اپنی انگلیوں سے لوہے کے تار بنا لیتے تھے پھر ان کے حلقے بناتے تھے اور ان حلقوں کو جوڑ کر زرہ بنا لیتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام روزانہ ایک زرہ بنا لیتے تھے اور اسے چھ ہزار درہم میں فروخت کر دیتے تھے جن میں دو ہزار اپنے' اور اہل و عیال کی ضرورت کے لئے خرچ کرتے تھے اور چار ہزار درہم بنی اسرائیل کو خبز الحواری یعنی معدہ کی روٹی کھلانے پر خرچ فرماتے تھے (ص ۵۲۷ ج ۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کے جو دو فیصلے اوپر مذکور ہوئے جن کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرے فیصلے دیئے ان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر کسی قاضی نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کر دیا پھر اس کے خلاف خود اس کے اپنے

اجتہاد سے یا کسی دوسرے حاکم یا عالم کے بتانے سے معلوم ہو جائے کہ فیصلہ غلط ہوا ہے تو اپنا فیصلہ واپس لے کر دوسرا صحیح فیصلہ نافذ کر دے یہ اجتہاد کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ نصوص قطعیہ کے خلاف فیصلہ حرام ہے اور نصوص شرعیہ ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا بھی حرام ہے۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں حضرت عمرؓ کا ایک خط نقل کیا ہے جو امور قضا سے متعلق ہے وہ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو حکام اور قضاۃ کے لئے ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔

عن سعید بن ابی بردۃ واخرج الکتاب فقال ھذا کتاب عمر' ثم قری علی سفیان من ھا ھنا الی ابی موسی الاشعری' امابعد فان القضاء فریضۃ محکمۃ' وسنۃ متبعۃ' فافھم اذا ادلی الیک' فانہ لا ینفع تکلم بحق لا نفاذلہٗ آس بین الناس فی مجلسک' ووجھک' وعدلک' حتی لا یطمع شریف فی حیفک' ولا یخاف ضعیف جورک' البینۃ علی من ادعی' والیمین علی من انکر' الصلح جائز بین المسلمین' الا صلحا احل حراما او حرم حلالا' لا یمنعک قضاء قضیتہ بالامس راجعت فیہ نفسک وھدیت فیہ لرشدک ان تراجع الحق' فان الحق قدیم' وان الحق لا یبطلہ شئی' و مراجعۃ الحق خیر من التمادی فی الباطل' الفھم الفھم فیما یختلج فی صدرک' ممالم یبلغک فی القرآن والسنۃ' اعرف الامثال والاشباہ' ثم قس الامور عند ذلک' فاعمد الی احبھا الی اللہ' واشبھھا بالحق فیما تری' واجعل للمدعی امدا ینتھی الیہ' فان احضر بینۃ' والا وجھت علیہ القضاء فان ذلک اجلی للعمی' وابلغ فی العذر' المسلمون عدول بینھم بعضھم علی بعض' الا مجلودا فی حداو مجربافی شھادۃ زور' او ظنینا فی ولا او قرابۃ' فان اللہ تولی منکم السرائر' ودرا عنکم بالبینات' ثم ایاک والضجر والقلق والتادی بالناس' والتنکر للخصوم فی مواطن الحق التی یوجب اللہ بھا الاجر ویحسن بھا الذکر' فانہ من یخلص بینۃ فیما بینہ وبین اللہ' یکفہ اللہ مابینہ وبین الناس' ومن تزین للناس بما یعلم اللہ منہ غیر ذلک' شانہ اللہ۔

(۲) یہ خط امام دار قطنی نے کتاب الاقضیۃ والاحکام میں نقل کیا ہے افادۃً للعوام اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے حضرت سعید بن ابی بردہ نے ایک خط نکالا اور بیان کیا کہ یہ خط حضرت عمرؓ کا ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا۔

امابعد

جان لینا چاہئے کہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا ایک محکم فریضہ ہے اور ایک ایسا طریقہ ہے جسے اختیار کرنا ضروری

سعید بن ابی بردہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پوتے تھے ابوبردہ کا نام عامر تھا (تھذیب التھذیب ص ۱)

ہے سوئم یہ سمجھ لو کہ جب تمہارے پاس مقدمہ کوئی لے کر آئے (تو جو حق فیصلہ ہو وہ نافذ کر دو۔ کیونکہ وہ حق بات فائدہ نہیں دیتی جسے نافذ نہ کیا جائے' اپنی مجلس میں اور اپنے سامنے بٹھانے میں اور انصاف کرنے میں لوگوں کے درمیان برابری رکھو' تاکہ کوئی صاحب وجاہت یہ لالچ نہ کرے کہ اس کی وجہ سے دوسرے پر ظلم کر دو گے اور کوئی کمزور اس بات سے خائف نہ ہو کہ اس پر ظلم کر دو گے گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر ہے' مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے لیکن ایسی کوئی صلح نہیں ہو سکتی جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ کل جو کوئی فیصلہ تم کر چکے ہو اور اس کے بعد صحیح بات سمجھ میں آ گئی تو حق کی طرف رجوع کرنے سے تمہارا سابق فیصلہ مانع نہ بن جائے کیونکہ حق اصل چیز ہے اور حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر چلتے رہنے سے بہتر ہے جو چیز تمہارے سینہ میں کھٹکے اسے خوب سمجھنے کی کوشش کرو اگر یہ ان چیزوں میں سے ہو جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں سے کوئی بات نہیں پہنچی (اگر قرآن و حدیث کی بات موجود ہو پھر اسی پر عمل کرنا لازم ہو) امثال واشباہ کو پہچانو پھر ان پر دوسری چیزوں کو قیاس کرو اور ان میں جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور مدعی کے لئے ایک مدت مقرر کر دو جس میں وہ اپنے گواہ لے آئے اگر گواہ حاضر کر دے تو قانون کے مطابق فیصلہ کر دو اگر وہ گواہ نہ لائے تو اس کے خلاف فیصلہ دے دو۔ گواہ لانے کے لئے مدت مقرر کرنا یہ نامعلوم حقیقت کو زیادہ واضح کرنے والی چیز ہے اور اس میں صاحب عذر کو انجام تک پہنچانے کا اچھا ذریعہ ہے۔ مسلمان آپس میں عدول ہیں ایک کی گواہی کے بارے میں قبول کی جا سکتی ہے لیکن جسے حد قذف کی وجہ سے (یعنی تہمت لگانے پر) کوڑے لگائے ہوں یا جس کے بارے میں تجربہ ہو کہ وہ جھوٹی گواہی بھی دیتا ہے یا کسی رشتہ داری کے معاملہ میں وہ متہم ہے (یعنی رشتہ داری کی رعایت کر کے جھوٹی گواہی دیتا ہے) تو ایسے لوگوں کی گواہی قبول نہیں ہو گی اللہ تعالیٰ شانہ سب کی پوشیدہ باتیں اور پوشیدہ ارادے جانتا ہے (وہ اس کے مطابق فیصلے کرے گا اور اس دنیا میں مخلوق کے درمیان گواہوں پر فیصلے رکھ دیئے ہیں) گواہ جھگڑوں کو ختم کرنے والے ہیں اور لوگوں کے آنے سے تنگ دل مت ہونا تکلیف محسوس نہ کرنا اور پریشان نہ ہونا' جو لوگ فیصلے کرانے کے لئے آئیں ان سے الگ ہو کر مت بیٹھ جانا ان کے فیصلے حق کے موافق کرنا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے اور لوگ اچھائی سے یاد کرتے ہیں جس کی نیت اللہ کے اور اس کے اپنے درمیان خالص ہو اللہ تعالیٰ ان مشکلات کی کفایت فرماتے ہیں جو لوگوں کے تعلقات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اور جو شخص ظاہری طور پر اچھا بنے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر فرما دیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تسخیر

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً (الآیتین) ان دونوں آیتوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا اقتدار بیان فرمایا ان کی

حکومت نہ صرف انسانوں پر تھی بلکہ ہوا اور جنات بھی ان کے تابع تھے۔ سورۂ ص میں فرمایا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ۔

سلیمان نے دعا مانگی اے میرے رب میرا قصور معاف فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت دے جو میرے بعد میرے سوا کسی کو میسر نہ ہو آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا، یعنی تعمیر بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو یہ دعا کی تھی کہ اے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرمایئے جو میرے بعد اور کسی کو نہ دی جائے ان کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی انہیں جنات پر بھی اقتدار دے دیا اور ہوا بھی ان کے لئے مسخر فرما دی جو خوب تیزی سے چلتی تھی جو انہیں اور ان کے لشکروں کو ذرا سی دیر میں دور دراز مسافت پر پہنچا دیتی تھی اور ان کے حکم کے مطابق چلتی تھی۔ کبھی خوب تیز جسے سورۃ الانبیاء میں عاصفة سے تعبیر فرمایا اور کبھی آہستہ جسے سورۂ صٓ میں رخاء سے تعبیر فرمایا۔ اس کی تیز رفتاری کے بارے میں سورۂ سباء میں غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ فرمایا ہے۔ جب آپ کو کہیں جانا ہوتا تو ہوا آپ کو اور آپ کے لشکر کو (جو انسانوں اور جنات اور پرندوں پر مشتمل ہوتا تھا) آپ کے حکم کے مطابق اسی منزل پر پہنچا دیتی تھی جہاں جانا ہوتا تھا۔ آپ شیاطین سے بھی کام لیتے تھے شیاطین کو سزا بھی دیتے تھے اور انہیں زنجیروں میں باندھ کر بھی ڈالتے تھے جس پر وہ چوں بھی نہیں کر سکتے تھے جنات سے وہ سمندروں میں غوطے لگانے کا کام بھی لیتے تھے وہ ان کے حکم سے غوطے لگاتے تھے اور سمندر سے قیمتی چیزیں نکال کر لاتے تھے اور ان سے مکانات بھی تعمیر کراتے تھے جیسا کہ سورۂ ص میں فرمایا وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ اور دیگر کاموں میں بھی استعمال کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ سباء میں فرمایا ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (وہ جنات ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں)

رسول اللہ ﷺ کا شیطان کو پکڑ لینا

ایک مرتبہ ایک سرکش جن کہیں سے چھوٹ کر آ گیا رسول ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جن نے کوشش کی کہ آپ کی نماز تڑوا دے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قابو دے دیا آپ نے اس کا گلا گھونٹ دیا پھر صبح آپ نے صحابہ کرام کو اس کا یہ قصہ بتایا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح ہو کر تم سب اسے دیکھو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمانؑ کی دعا یاد آ گئی انہوں نے یہ دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ

(لہٰذا میں نے اسے چھوڑ دیا) سو اللہ نے اسے ذلیل کر کے واپس لوٹا دیا یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے (راجع صحیح البخاری و صحیح مسلم) اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یوں ہے کہ اللہ کا دشمن ابلیس ایک شعلہ لے کر آیا تا کہ میرے چہرہ پر ڈالے میں نے تین مرتبہ اعوذ باللہ منک کہا تین بار العنک بلعنۃ اللہ التامۃ کہا وہ اس پر نہ ہٹا تو میں نے چاہا کہ اسے پکڑ لوں۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو میں اسے باندھ لیتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ صبح تک بندھا رہتا اور اس سے مدینہ کے بچے کھیلتے (صحیح مسلم ص ۲۰۵ ج ۱)

سانپوں کو حضرت نوح اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا عہد یاد دلانا

سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں سانپ دیکھو تو کہو انا نسئلک بعھد نوح وبعھد سلیمان بن داؤد ان لا توذینا (ہم تجھے وہ عہد یاد دلاتے ہیں جو تو نے نوح اور سلیمان بن داؤد علیہم السلام سے کیا تھا کہ تو ہمیں تکلیف نہ دے) پھر اس کے بعد بھی ظاہر ہو جائے تو اسے قتل کر دو۔ اور جب انسانوں پر اور جنات پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی تو ظاہر ہے کہ ہر طرح کے جانوروں پر بھی تھی ان میں زہریلے جانور بھی تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سانپوں کو زہر اتارنے کے الفاظ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر پیش کرو چنانچہ آپ پر پیش کیا گیا آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس معاہدہ کے الفاظ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے زہریلے جانوروں سے لیا تھا الفاظ یہ ہیں بسم اللہ شجۃ قرنیۃ ملحۃ بحر قفطا (الدر المنثور ص ۳۲۷ ج ۴)

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا
اور ایوب کو یاد کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں سو ہم نے ان کی دعا قبول کی
لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ
اور ان کی جو تکلیف تھی وہ دور کر دی ہم نے ان کو کنبہ عطا فرما دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی دیا اپنی رحمت خاصہ کی وجہ سے
عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝
عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت اور اس سے نجات کا تذکرہ

تفسیر: ان دو آیتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا پھر ان کے دعا کرنے کا اور دعا قبول ہونے کا اور

آل اولاد کے جدا ہونے کے بعد دوگنا ہو کر مل جانے کا اجمالی تذکرہ ہے سورۂ ص میں ان کی تکلیف اور دعا اور شفایاب ہونا مذکور ہے۔ قرآن مجید میں دونوں جگہ اجمال ہے اور اس کا ذکر نہیں ہے کہ کیا تکلیف تھی اور کیسی تکلیف تھی اور کتنے دن تک رہی اور کسی صحیح صریح مرفوع حدیث میں بھی اس کی کوئی تفسیر نہیں ملتی البتہ قرآن مجید کے سیاق سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بہت زیادہ تکلیف تھی اور عام طور پر جو انبیاء اور صالحین کا ابتلا ہوتا تھا اس سے زیادہ ہی ابتلا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ آل اولاد سب مفقود ہو کر یا ہلاک ہو کر جدا ہو گئے تھے۔ اس بارے میں عام طور سے جو روایات ملتی ہیں عموماً اسرائیلی روایات ہیں جو تفسیر در منثور میں مذکور ہیں۔ قران مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ایوب علیہ السلام کے دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت و عافیت عطا فرمادی اور یہ محض اللہ کی رحمت سے تھا۔ اس میں آئندہ آنے والے عبادت گزاروں کے لئے بھی ایک یادگار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کا ابتلا یا کسی کی کتنی ہی بڑی مصیبت ہو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے ان کا کنبہ واپس کر دیا اور ان جیسے اور بھی دے دیئے اس کے بارے میں مفسرین نے دونوں احتمال لکھے ہیں کہ صحت و عافیت کے بعد یا تو ان کو اتنی گمشدہ اولاد واپس کر دی گئی جو ان سے جدا ہو گئی تھی اور اگر وہ وفات پا گئے تھے تو اتنے ہی ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اور پیدا فرما دیئے۔ اور مِثْلَهُم مَّعَهُمْ بھی ساتھ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی سابق اولاد تھی اتنی ہی مزید اولاد اس کی اپنی صلب سے یا ان کی اولاد کی صلب سے عطا فرما دی۔ یہاں پر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ ص کی تفسیر میں لکھیں گے البتہ اتنی بات یہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اسرائیلی روایات میں جو یہ مذکور ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے یا یہ کہ کوئی برص کوڑی پر پڑے رہے یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ اس حالت میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری نہیں رہ سکتا اور عامۃ الناس قریب نہیں آسکتے اس لئے یہ بات لائق قبول نہیں ہے پھر بیماری تو غیر اختیاری تھی کوڑی پر پڑے رہنے کو اختیار فرمانا یہ تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی طہارت اور نظافت طبع کے بھی خلاف ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ
اور اسماعیل کو اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو، یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے، اور ہم نے انہیں اپنی
رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
رحمت میں داخل کر لیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل و حضرت ادریس و حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت اسماعیل حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا یہ

سب صابرین میں سے تھے حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہما السلام کا تذکرہ سورۂ مریم میں گزر چکا ہے اور حضرت ذوالکفل کا نام یہاں قرآن مجید میں پہلی جگہ آیا۔ اور سورۂ ص میں بھی حضرت ذوالکفل کا تذکرہ ہے وہاں فرمایا وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ (اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کیجئے اور یہ سب اچھے لوگوں میں سے ہیں) حضرت الیسع کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا ہے یہاں حضرت ذوالکفل کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ احادیث مرفوعہ میں ان کے بارے میں بھی واضح معلومات نہیں ملتی ہیں اسی لئے ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا انبیاء کے علاوہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت ذوالکفل کون تھے؟

تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس و حضرت مجاہد وغیرہما سے کچھ باتیں نقل کی ہیں بظاہر یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی تھے۔ انہوں نے اپنی امت کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جو میری امت کے درمیان فیصلہ کرنے (یعنی قاضی بننے) کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اور میری شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ عہدہ قبول کرے وہ غصہ نہ ہو ان میں سے ایک جوان کھڑا ہوا اس نے کہا کہ میں اس کا ذمہ دار بنتا ہوں، تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوا جب تین مرتبہ اس جوان نے ذمہ داری لے لی تو اس سے قسم کھلوائی اس نوجوان نے قسم کھالی اور اس کو قضا کا عہدہ سپرد کر دیا گیا، ایک دن دوپہر کے وقت شیطان آیا جبکہ یہ نوجوان قاضی نیند میں تھے اس نے انہیں آواز دے کر جگا دیا اور ان سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھ پر زیادتی کی ہے میری مدد کیجئے اس کا ہاتھ پکڑ کر چل دیئے تھوڑی دور چلے کہ شیطان اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گیا۔ چونکہ شیطان بے وقت مدعی بن آیا۔ اور ان کو سوتے سے جگایا پھر بھی غصہ نہ ہوئے اور جو ذمہ داری لی تھی اس پر قائم رہے اس لئے ان کا نام ذوالکفل رکھ دیا گیا یعنی ذمہ داری والا شخص۔

اس کو نقل کرنے کے بعد صاحب درمنثور نے بحوالہ عبدالرزاق و عبد بن حمید وغیرہما نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہیں تھے لیکن بنی اسرائیل میں ایک صالح آدمی تھے جو روزانہ دن بھر نماز پڑھتے تھے جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کے بعد ایک اور شخص نے اسی طرح دن بھر نماز پڑھنے کا عہد کیا چنانچہ وہ اس پر عمل کرتے تھے اس وجہ سے ان کا نام ذوالکفل (ذمہ داری والا شخص) رکھ دیا گیا۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے سنن ترمذی سے بھی ایک حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ذوالکفل بنی اسرائیل میں سے ایک شخص تھا جو کسی بھی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا تھا اس کے پاس ایک عورت آئی اس نے اس عورت کو اس شرط پر ساٹھ دینار دیئے کہ اس کے ساتھ برا کام کرے، جب وہ اس کے اوپر بیٹھ گیا تو وہ عورت کانپ گئی اور رونے لگی وہ کہنے لگا تو کیوں روتی ہے میں نے تجھ سے کوئی زبردستی تو نہیں کی، وہ کہنے لگی یہ بات تو ٹھیک ہے، لیکن یہ ایسا کام ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا ضرورت نے مجبور کیا اس لئے میں اس پر آمادہ ہو

گئی۔ اس پر اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے؟ یہ کہہ کر وہ ہٹ گیا اور وہ ساٹھ دینار بھی اسی کو دے دیئے اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اس کے بعد میں کوئی گناہ نہیں کروں گا پھر اسی آنے والی رات میں مر گیا صبح کو اس کے دروازہ پر یوں لکھا ہوا تھا کہ بلا شبہ اللہ نے کفل کو بخش دیا۔ امام ترمذی نے یہ واقعہ ابواب صفۃ القیامۃ میں نقل فرمایا ہے اور اسکو حدیث حسن بتایا ہے۔ لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ اسی شخص کا واقعہ ہو جس کو قرآن مجید نے ذوالکفل بتایا ہے اور اگر اسی شخص کا واقعہ ہو تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا یہ ذوالکفل نبی نہیں تھے چونکہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے بھی کبائر سے محفوظ ہوتے ہیں پھر مزید بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں الکفل ہے ذوالکفل نہیں ہے' لفظی مشابہت کی وجہ سے مفسرین نے اس قصہ کو یہاں نقل کر دیا۔

وَذَا النُّوْنِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ
اور مچھلی والے کو یاد کرو جبکہ وہ غصہ ہو کر چل دیئے سو انہوں نے گمان کیا کہ ہم ان کے ساتھ تنگی والا معاملہ نہ کریں گے' سو انہوں نے
أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ
اندھیروں میں یوں پکارا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں
مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾
غم سے نجات دے دی اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں

ذوالنون یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ' مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا' پھر اس مچھلی کا آپ کو سمندر کے باہر ڈال دینا

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے' چونکہ انہیں ایک مچھلی نے نگل لیا تھا اسلئے انہیں ذوالنون فرمایا عربی میں نون مچھلی کو کہتے ہیں اور حوت بھی کہتے ہیں اس لئے سورہ ن والقلم میں صاحب الحوت فرمایا ہے' حضرت یونس علیہ السلام کا مفصل قصہ ہم سورۂ یونس میں بیان کر چکے ہیں (۱) اور انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ صافات کی تفسیر میں بھی ذکر کریں گے' یہاں یہ قصہ بقدر ضرورت ذکر کیا جاتا ہے جس سے ان دونوں آیتوں کا مفہوم سمجھ میں آ جائے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوا بستی والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور دعوت و تبلیغ میں بہت محنت کی لیکن وہ برابر سرکشی پر تلے رہے آپ نے ان سے فرما دیا کہ اب تم پر عذاب آئے گا عذاب آنے میں ذرہ دیر لگی تو وہاں سے روانہ ہو گئے اس روانہ ہونے میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں بھیجی گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت کر لی گئی ان کا گمان تھا کہ ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے جانے میں کوئی حرج کی بات

نہیں ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا ادھر تو آپ اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے ادھر قوم پر عذاب آنے کے آثار ظاہر ہو گئے ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا لیا جیسا کہ سورۂ یونس میں فرمایا لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ اللہ تعالیٰ کی اس قوم کے ساتھ یہ خصوصی مہربانی تھی ورنہ تکوینی قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب آ جائے تو اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا اور عذاب نہیں ٹلتا حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہو کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے وہ کشتی ڈگمگانے لگی اس پر انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحی آنے سے پہلے چلا آیا اور اسی وجہ سے کشتی ڈگمگا رہی ہے کشتی والوں سے کہا کہ مجھے سمندر میں ڈال دو تا کہ تم نجات پا جاؤ' وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں اور پکڑ لیں گے تا کہ تمہاری وجہ سے ہم بچ جائیں اس پر فرمایا کہ قرعہ ڈال لو جس کا نام نکلے اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے' چنانچہ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا لہٰذا انہوں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی جیسے ہی سمندر میں پہنچے وہاں ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا اور تین اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے ایک اندھیری رات کی دوسری اندھیری سمندر کی تہہ کی اور تیسری اندھیری مچھلی کے پیٹ کی' وہاں جو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے اس کے الفاظ سورۃ انبیاء میں یوں نقل کئے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں' بلاشبہ میں ظلم کرنے والوں میں ہوں)

سورۂ صافات میں فرمایا فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو غم اور گھٹن سے نجات دی سورۂ ن والقلم میں فرمایا۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے جبکہ انہوں نے دعا کی اور وہ غم میں گھٹ رہے تھے اگر ان کے رب کا احسان ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں بدحالی کے ساتھ ڈال دیئے جاتے' پھر ان کے رب نے ان کو برگزیدہ کر لیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا)

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی ان کو نجات بھی دے دی اور ان کو برگزیدہ بندہ بھی بنا لیا صالحین میں سے ہونے کی سند بھی دے دی لیکن بے پڑھے مفسرین ان سے راضی نہیں ان کی پیغمبرانہ معصومیت کو داغدار کرنے میں اپنا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ آیات قرآنیہ میں ان کے کسی گناہ کا ذکر نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ وہ قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور اس چلے جانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کا انتظار نہیں کیا اور اجتہادی طور پر یہ گمان کر لیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے البتہ ان کے مقام رفیع کے خلاف ہے جو ان کی شان کے اعتبار سے

ایک زلت یعنی ایک لغزش ہے' حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کی بجائے ان کی جانوں کا بدلہ لے لیا اس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے زلات کا جہاں کہیں قرآن مجید اور احادیث میں ذکر آیا ہے اس کو آیت اور حدیث کی تشریح کے ذیل میں بیان کرنا تو درست ہے لیکن ان باتوں کو اڑانا ان حضرات کی طرف خطا اور قصور کی نسبت کرنا اور اس پر مضمون لکھنا یا امت کے لئے جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ قرطبی سے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کے ختم پر ہم سورۂ طٰہٰ میں لکھ آئے ہیں۔

فائدہ: حضرت یونس علیہ السلام نے جو مچھلی کے پیٹ میں دعا کی اس میں تہلیل یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ میں مذکور ہے اور اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرنے کا بھی ذکر ہے جو لفظ سُبْحَانَكَ میں مذکور ہے اور اپنے قصوروار ہونے کا بھی اعتراف ہے جو اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے لئے لفظ دعا اور توبہ کے لئے لفظ توبہ اگر زبان پر نہ لایا جائے اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور تسبیح بیان کر لی جائے اور اپنے قصور کا اقرار کر لیا جائے تو یہ بھی دعا ہے اور توبہ ہے (ہاں اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد ذمہ ہوں تو ان کی ادائیگی بھی توبہ کا ایک جزو ہے) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مچھلی والے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) کی جو دعا مچھلی کے پیٹ میں تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جو مسلمان بھی اس کے ذریعہ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ ضرور اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ تفسیر درمنثور میں بحوالہ مستدرک حاکم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں اللہ کا اسم نہ بتادوں؟ وہ یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جو بھی کوئی مسلمان چالیس بار اس کے ذریعے اپنے رب سے دعا کرے گا پھر اس مرض میں مرجائے جس میں یہ دعا کی تو اسے شہید کا ثواب دیا جائے اور اگر اچھا ہو گیا تو اس حالت میں اچھا ہو جائے گا کہ اس کے گناہ بخشے جا چکے ہوں گے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا

اور زکریا کا تذکرہ کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑیئے اور آپ سب وارثوں سے بہتر وارث ہیں، سو ہم نے

لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ

ان کی دعا قبول کی اور انہیں یحییٰ عطا کر دیا اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا بلاشبہ یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے

وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

اور ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے اور اس عورت کو یاد کیجئے جس نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا

فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۱﴾

سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے کو جہاں والوں کے لئے نشانی بنادیا۔

بڑھاپے میں حضرت زکریا علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگنا' اوران کی دعا قبول ہونا

تفسیر: یہ تین آیات ہیں ان میں پہلے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا' ان کا کوئی لڑکا نہ تھا خود بھی بوڑھے تھے اور بیوی بھی بانجھ تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمائے جو میرا وارث ہو میں اکیلا ہوں میرے بعد کوئی دینی امور کا سنبھالنے والا ہونا چاہئے۔ مجھے ایسا لڑکا عطا فرمایئے جو میرا خلیفہ بن جائے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں بیٹے کی بشارت دیدی۔

دعا تو اللہ تعالیٰ سے امید باندھ کر کرلی پھر جب فرشتوں نے بیٹے کی خوشخبری دی تو طبعی طور پر انہیں تعجب ہوا کہ میری اولاد کیسے ہوگی میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارے رب کے لئے آسان ہے اس نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا جبکہ تمہارا وجود ذرا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا دیدیا اور ان کی بیوی کو قابل ولادت بنادیا اور بیٹے کا نام یحییٰ تجویز فرمادیا اور اس بیٹے کو نبوت سے سرفراز فرمادیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا مفصل قصہ سورۂ آل عمران رکوع نمبر ۴ میں اور سورۃ مریم رکوع نمبر ایک میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تین عظیم صفات

گزشتہ دو رکوع میں متعدد انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا پھر ان کی تین بڑی صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (بلاشبہ وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے) دوسری صفت یہ کہ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (اور وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے) اور تیسری صفت یہ کہ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (اور وہ ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے) یہ تین بڑی صفات ہیں تمام اہل ایمان کو ان سے متصف ہونا چاہئے پہلی صفت یہ ہے کہ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کریں حسب استطاعت نیک کاموں میں دیر نہ لگائیں سورہ آل عمران میں فرمایا کہ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ (اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو جو اتنی بڑی کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے) دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگیں خوب رغبت اور لالچ کے ساتھ مانگیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہیں اپنے اعمال پیش نظر رکھیں' ہر دعا کرنے والا اس بات سے بھی ڈرتا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اعمال کی

خرابی یا آداب دعا کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے دعا قبول نہ ہو یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ رَغَبًا وَّرَهَبًا دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہوں یعنی راغبین اور راھبین اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ رغبت اور خوف کی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے کسی حالت میں بھی دعا سے غافل نہ ہوتے تھے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے)

خشوع قلبی جھکاؤ کو کہتے ہیں پھر جس کا دل جھکا ہوتا ہے اس کے اعضاء میں بھی جھکاؤ ہوتا ہے یعنی ان سے فخر و تکبر کا مظاہرہ نہیں ہوتا جس کے دل میں اللہ کی عظمت بیٹھ گئی اس کے قلب میں اور اعضاء و جوارح میں اپنی بڑائی کا کہاں تصور ہو سکتا ہے؟ اور اس کے اعضاء و جوارح میں کیسے اکڑ مکڑ ہو سکتی ہیں اس میں جو لفظ لَنَا بڑھایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ ذات خداوندی کی عظمت اور کبریاء، مومنین اور موقنین کے یقین میں گھلی ملی ہوتی ہے لہٰذا وہ حالت خشوع ہی میں رہتے ہیں نماز میں تو خشوع ہوتا ہی ہے دیگر احوال و اوقات میں بھی ان کے قلوب میں خشوع رہتا ہے ذات باری تعالیٰ کے لئے جس کے دل میں جھکاؤ ہوگا وہ مامورات پر بھی عمل کریگا اور منہیات سے بھی بچے گا جعل لنا اللہ تعالیٰ منہ حظاو افرا۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

اس عورت کو یاد کرو جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا اس سے حضرت مریم علیہا السلام مراد ہیں جیسا کہ سورۃ التحریم کے آخر میں اس کی تصریح ہے انہوں نے اپنی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا ان کا نہ کسی مرد سے نکاح ہوا اور نہ کسی مرد سے کوئی گناہ گاری کا تعلق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر میں یہ تھا کہ ان کو بیٹا دیا جائے پھر یہ بیٹا اللہ کا رسول بنے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرشتہ بھیجا جس نے ان کے کرتہ کے دامن میں پھونک ماردی اس سے حمل قرار ہوگیا اور اس کے بعد لڑکا پیدا ہوگیا یہ لڑکا کون تھا؟ یہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل فرمائی اور انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ کی اور شریعت کے احکام بتائے بنی اسرائیل ان کے سخت مخالف ہوگئے اور ان کے قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا قیامت سے پہلے دوبارہ تشریف لائیں گے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور ہم نے اس عورت کو اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لئے نشانی بنادیا) تاکہ دنیا جہان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ بغیر مرد کے کسی عورت کے رحم میں حمل پیدا فرما سکتا ہے اور بغیر باپ کے بھی عورت کی اولاد ہو سکتی ہے گو عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اپنی قدرت بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حواء علیہا السلام کو بغیر ماں کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یاد رہے کہ قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاک دامن ہونے کی اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی تصریح آ گئی ہے لیکن چونکہ اور کسی کے لئے اس کی تصریح نہیں ہے اس لئے کوئی عورت یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ میرا یہ حمل بغیر مرد کے ہے اگر کوئی بے شوہر والی عورت ایسا کہے گی اور اسے حمل ہوگا تو امیر المومنین اس پر حد جاری کر دے گا کیونکہ بندے ظاہر کے مکلف ہیں۔

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ
بلاشبہ یہ تمہارا دین ہے جو ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو اور اپنے دین میں اختلاف کر کے لوگ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے
كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿٩٣﴾
سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔

تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا دین واحد ہے

تفسیر: متعدد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ فرمایا اور آخر میں فرمایا کہ ان حضرات کا جو دین تھا یہی تمہارا دین ہے یہی دین اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے منظور فرمایا ہے یہ دین توحید ہے تم سب اسی دین کو اختیار کرو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب توحید ہی کی دعوت لیکر آئے اور اسی کی دعوت دی اصول دین یعنی توحید رسالت اور معاد میں ان حضرات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں لوگوں میں عیسیٰ ابن مریم سے سب سے زیادہ قریب تر ہوں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی تمام انبیاء آپس میں بھائی ہیں جیسے آپس میں باپ شریک بھائی ہوتے ہیں اور مائیں الگ الگ ہوتی ہیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے اور میرے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے (رواہ البخاری کمافی المشکوٰۃ ۵۰۹) یعنی احکام فرعیہ میں گو اختلاف تھا لیکن اصولی اعتبار سے سب کا دین ایک ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت ربوبیت اور خالقیت اور مالکیت کے ماننے اور تسلیم کرنے کے سب نبیوں نے دعوت دی' سارے انسانوں پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اسی لئے آیت کے ختم پر فرمایا وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو) وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ یعنی اس کی بجائے کہ لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر چلتے اور توحید کو اختیار کرتے لوگوں نے آپس میں اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے طرح طرح کے عقیدے تراشے اور مختلف قسم کی جماعتیں بنالیں ان جماعتوں میں صرف وہ جماعت حق پر ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے دین پر تھی اور اب خاتم النبیین ﷺ کے دین پر ہے اس ایک جماعت کے علاوہ جتنی بھی جماعتیں تھیں یا اب ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور کافر ہیں كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ (سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں) ہر ایک اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کی جزا پائے گا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور جو شخص نیک عمل کرے اس حال میں کہ وہ مومن ہو سو اس کی محنت کی ذرا بھی ناقدری نہیں اور بلاشبہ ہم اسے لکھ لیتے ہیں

مومن کے اعمال صالحہ کی ناقدری نہیں ہے

تفسیر: اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جو بھی کوئی شخص مومن ہوتے ہوئے کوئی بھی نیک کام کرے گا وہ اس کا بھرپور اجر پائے گا کسی کے کسی بھی نیک عمل کی ناقدری نہ ہوگی جس کا جو عمل ہوگا چند در چند بڑھا دیا جائے گا اور کسی نیکی کا ثواب دس نیکی سے کم تو ملنا ہی نہیں ہے دس گنا تو کم سے کم ہے اور اس سے زیادہ بھی بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر ثواب ملے گا۔

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ (اور ہم ہر شخص کا عمل لکھ لیتے ہیں) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں تمام اعمال لکھتے ہیں قیامت کے دن یہ اعمال نامے پیش ہونگے جو اعمال کئے تھے سب سامنے آجائیں گے سورۃ الکہف میں فرمایا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (اور جو کچھ عمل کئے تھے ان سب کو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کریگا)

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور یہ بات ضروری ہے کہ ہم نے جس بستی کو ہلاک کیا وہ رجوع نہیں کریں گے

ہلاک شدہ بستیوں کے بارے میں یہ طے شدہ بات ہے کہ وہ رجوع نہ کریں گے

تفسیر: اس آیت کے مفہوم میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے حرام کا معروف معنی لیا ہے ای ممتنع اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حرام معنی میں ہے واجب کے اور لا کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ زائدہ ہے یا نفی کے معنی میں ہے ہم نے جو اوپر ترجمہ کیا ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ہے انہوں نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے وجب انهم لا يرجعون ای لا یتوبون جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی بستی کے ہلاک کرنے کا فیصلہ فرما دیا ہے وہ آخر تک کفر پر ہی جمے رہیں گے اور توبہ نہ کریں گے حتیٰ کہ ہلاک ہو جائیں گے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ لا زائدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ لوگ ہلاک ہونے کے بعد دنیا کی طرف واپس نہ ہونگے ان کی واپسی ممتنع ہے اس صورت میں حرام اپنے اصلی معنی میں ہوگا لیکن بعض حضرات نے اس مطلب کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس بات کے کہنے میں بظاہر کچھ فائدہ نہیں (جو لوگ عذاب سے ہلاک کئے بغیر دنیا سے چلے گئے وہ بھی تو واپس نہ ہونگے پھر ہلاک شدگان کی خصوصیت کیا رہی)

قال القرطبی فی احکام القرآن ج۱۱ص۳۴۰ واختلف فی "لا" فی قوله "لا یرجعون" فقیل هی صلة روی ذلک عن ابن عباس واختاره ابو عبید ای و حرام علی قریة اهلکناها ان یرجعوا بعد الهلاک، وقیل لیست بصلة وانما هی ثابتة، ویکون الحرام بمعنی الواجب ومن احسن ماقیل فیها واجله ما رواه ابن عیینة وابن علیة وهشیم وابن ادریس ومحمد بن فضیل و سلیمان بن حیان ومعلی عن داؤد بن ابی هند عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قول الله عزوجل "وحرام علی قریة اهلکناها" قال وجب انهم لا یرجعون قال لا یتوبون، اما قول ابی عبید ان "لا" زائدة فقدرده علیه جماعة لا نهالا تزاد فی مثل هذا الموضع ولا فیما یقع فیه اشکال ولو کانت زائدته لکان التاویل بعیدا "ایضا" لانه ان اراد "وحرام علی قریة اهلکناها ان یرجعوا الی الدنیا" فهذا مالا فائدة فیه وان اراد التوبة فالتوبة لا تحریم وقیل فی الکلام اضمار ای و حرام علی قریة حکمنا باستئصالها، او بالختم علی قلوبها ان یتقبل منهم عمل لا نهم لا یرجعون ای لا یتوبون، قاله الزجاج وابو علی، و "لا" غیر زائدة وهذا هو معنی قول ابن عباس رضی الله عنه. (علامہ قرطبیؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں لایرجعون میں جولا ہے اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا یہ زائدہ ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اور ابوعبید نے اسے ترجیح دی ہے مطلب یہ ہے کہ جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے تو ان کا اس بستی میں اب لوٹنا حرام ہے بعض نے کہا یہ لا زائدہ نہیں ہے بلکہ بامعنی ہے اور حرام بمعنی واجب ہے اور اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں سب سے بہتر اور سب سے وزنی وہ ہے جو ابن عیینہ ابن علیہ ھشیم ابن ادریس محمد بن فضیل سلیمان بن حیان اور معلیٰ نے داؤد بن ہند سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وحرام علیٰ قریة اهلکنا ھا کے بارے میں نقل کیا ہے فرمایا یہ واجب ہے کہ وہ نہ لوٹیں یعنی توبہ نہ کریں اور ابوعبید کا کہنا کہ "لا" زائدہ ہے اس کی ایک جماعت نے تردید کی ہے کیونکہ ایسے مواقع میں لا زائدہ نہیں ہوتا اور نہ ایسی جگہ جہاں اشکال واقع ہوتا ہو اور اگر زائدہ ہو تو بھی اس کی تاویل بہت دور کی ہے اس لئے کہ اگر مراد یہ ہو کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا ہے اس پر ان کا دنیا میں لوٹنا حرام ہے تو یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر اس سے مراد توبہ ہو تو توبہ حرام نہیں ہوتی بعض نے کہا یہاں کلام میں عبارت محذوف ہے یعنی یوں ہے کہ جس بستی کی ہلاکت یا جن دلوں پر مہر کا ہم نے فیصلہ کردیا تو ان پر حرام ہے کہ ان سے کوئی عمل قبول کیا جائے کیونکہ وہ لوٹیں گے نہیں یعنی توبہ نہیں کریں گے۔ اسے زجاج ابوعلی نے کہا ہے۔ اور "لا" زائدہ نہیں ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا یہی مطلب ہے)

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ

یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی چلے آئیں گے اور

الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ

سچا وعدہ قریب آجائے گا تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے بے خبر تھے۔

مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ

بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے، بلاشبہ تم اور جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے تھے سب دوزخ کا ایندھن ہو

اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

تم اس میں داخل ہو گے اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس میں کیوں داخل ہوتے اور سب کو اس میں ہمیشہ رہنا ہو گا

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

دوزخ میں ان کی چیخ و پکار ہو گی اور وہ اس میں نہ سنیں گے

قیامت سے پہلے یاجوج ماجوج کا نکلنا، قیامت کے دن کافروں کا حسرت کرنا اور اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں جانا

تفسیر: ان آیات میں قرب قیامت کا پھر وقوع قیامت کا اور قیامت کے دن اہل کفر کی ندامت اور بدحالی کا

تذکرہ ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ اہل کفر برابر سرکشی میں اور کفر میں پڑے رہیں گے اور انکار حق پر اڑے رہیں گے یہاں تک کہ یاجوج ماجوج نکل آئیں جو ہر اونچی جگہ سے نکل کر پھیل پڑیں گے اور قیامت کا جو سچا وعدہ ہے وہ قریب ہو جائے قیامت کے قریب آ جانے پر بھی ان لوگوں کو ہوش نہ آئے گا اور حق قبول نہ کریں گے حتیٰ کہ قیامت واقع ہو ہی جائے گی جب قیامت واقع ہوگی تو حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی ہوں گی جسے اردو کے محاورہ میں آنکھیں پھٹی ہوئی رہ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے جب قیامت آ گئی اور کفر کی وجہ سے بدحالی میں مبتلا ہونگے اور عذاب کا سامنا ہوگا تو حسرت اور ندامت کے ساتھ یوں کہیں گے یٰوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (ہائے ہماری کمبختی ہم تو اس کی طرف سے غافل تھے) قیامت کا نام سنتے تھے تو مانتے نہیں تھے اور قیامت کے دن کی سختی اور عذاب کے بارے میں جو خبریں دی جاتی تھی ان کا انکار کرتے تھے۔

بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ اس بارے میں کسی کو بھی الزام نہیں دیا جا سکتا جو کچھ الزام ہے اپنے ہی اوپر ہے بات یہ ہے کہ ہم ہی ظالم تھے۔ یاجوج ماجوج کے بارے میں ضروری معلومات اور قیامت کے قریب ان کے خروج کا تذکرہ سورۃ کہف کے ختم کے قریب گزر چکا ہے۔

فی روح المعانی ص ۹۳ ج ۱۷ (حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج) ابتدائیة والکلام بعدها غایة لما یدل علیه ماقبلها کانه قیل: یستمرون علی ماهم علیه من الهلاک حتی اذاقامت القیامة یرجعون الیها ویقولون یا ویلنا الخ او غایة للحرمة ای یستمر امتناع رجوعهم الی التوبة حتی اذا قامت القیامة یرجعون الیها وذلک حین لا ینفعهم الرجوع اوغایة لعدم الرجوع عن الکفر ای لا یرجعون عنه حتی اذا قامت القیامة یرجعون عنه وهو حین لا ینفعهم ذلک" وهذا بحسب تعدد الأقوال فی معنی الآیة المتقدمة والتوزیع غیر خفی' اھ (صفحہ ۱۶۷:۔(۱) روح المعانی میں ہے حتیٰ اذا فتحت یا جوج و ماجوج کا جملہ ابتدائیہ ہے اور اس کے بعد والا کلام اس کی غایت ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہلاکت کے اسی راستہ پر قائم رہیں گے۔ حتیٰ کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی طرف لوٹائے جائیں گے اور کہیں گے یا ویلنا الخ (ہائے کمبختی ہم غفلت میں تھے) یا یہ حرمت کی غایت ہے یعنی توبہ کی طرف ان کا رجوع مسلسل ممتنع رہے گا حتیٰ کہ جب قیامت قائم ہوگی تو توبہ کی طرف رجوع کریں گے اور یہ اس وقت ہوگا جب ان کو لوٹنا فائدہ نہیں دے گا یا یہ کفر سے رجوع نہ کرنے کی غایت ہے یعنی وہ کفر سے نہیں ہٹیں گے حتیٰ کہ جب قیامت قائم ہو جائے گی تو کفر سے رجوع کریں گے اور اس وقت انہیں کفر سے رجوع کرنا نفع نہیں دے گا اور یہ اختلاف سابقہ آیت کے مطلب میں متعدد اقوال کی وجہ سے ہے اور اس اختلاف کی ان اقوال پر تطبیق مخفی نہیں ہے)

وقال القرطبی ج ۱۱ ص ۳۴۲ واقترب الوعد الحق یعنی القیامة وقال الفراء والکسائی وغیرهما الواو زائده مقحمة والمعنی حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج اقترب الوعد الحق فاقترب جواب اذا' واجاز الکسائی ان یکون جواب اذا فاذا هی شاخصة ابصار الذین کفروا ویکون قوله اقترب الوعد الحق معطوفا علی الفعل الذی هو شرط' وقال البصریون الجواب محذوف والتقدیر قالوا یاویلنا وهو قول الزجاج وهو قال هسن اھ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں واقترب الحق سے مراد قیامت ہے اور کسائی وغیرہ حضرات فرماتے ہیں واؤ زائدہ مقحمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے تو وعدہ حق قریب ہو جائے گا پس فاقترب اذا کا جواب ہے اور کسائی نے اس کو بھی جائز رکھا ہے کہ اذا کا جواب فاذا هی شاخصة ابصار الذین کفرو ہو اور واقترب الوعد الحق اس فعل کا معطوف ہو جو شرط ہے اور بصریین کہتے ہیں۔ جواب محذوف ہے اور تقدیر عبارت ہے۔ قالو ایاویلنا اور یہی زجاج کا قول ہے اور یہی حسن نے کہا ہے)

پھر فرمایا اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (بلاشبہ تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہو) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ اہل مکہ کو خطاب ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ مشرکین خود اور

اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے یعنی دوزخ میں جائیں گے۔ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ (تم سب دوزخ میں داخل ہو گے) اس میں سابق مضمون کی تاکید ہے۔

مشرکین جب اپنے معبودوں کو دوزخ میں دیکھیں گے تو اس وقت وہ پوری طرح سے سمجھ لیں گے کہ اگر یہ عبادت کے لائق ہوتے تو دوزخ میں کیوں داخل ہوتے دوزخ میں جانے کے بعد مشرک اور کافروں کا اس میں سے نکلنا نہیں ہو گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں چیخیں گے اور چلائیں گے اور یہ چیخ وپکار ایسے ہوگی کہ ایک دوسرے کی چیخ وپکار کی آواز آپس میں نہ سن سکیں گے مشرکین چونکہ اپنے باطل معبودوں کے بارے میں یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کر دیں گے ان کی یہ غلط فہمی اس وقت بالکل ہی دور ہو جائے گی جب اپنے معبودوں کو دوزخ میں دیکھیں گے باطل معبودوں میں شیاطین بھی ہونگے اور بت بھی، بتوں کو عذاب دینے کے لئے نہیں بلکہ ان کی عبادت کرنے والوں کو عبرت دلانے کے لئے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو دوزخ میں ہو اسے عذاب ہی ہو، اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ آگ میں کوئی چیز ہو اور اسے تکلیف نہ ہو، دوزخ میں عذاب دینے والے فرشتے بھی ہونگے اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىۤ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا
بلاشبہ جن کے لئے پہلے ہی ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ مقرر ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے
وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ
اور اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے ان کو بڑی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال
الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
کریں گے، یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

جن کے بارے میں بھلائی کا فیصلہ ہو چکا وہ دوزخ سے دور رہیں گے

تفسیر: جب آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الآیۃ) نازل ہوئی تو عبداللہ بن الزبعری نے اعتراض کیا (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا) کہ پھر تو عیسیٰ اور عزیر اور فرشتے علیہم السلام سب ہی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ ان کی بھی عبادت کی جاتی رہی ہے اس پر آئندہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىۤ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ نازل ہوئی (بلاشبہ جن کے لئے پہلے ہی ہماری طرف سے بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے) لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْمَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ (وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے) لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں

گے) ان آیات میں معترض کا جواب دیدیا ہے اور فرمادیا کہ جن حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے طے فرما دیا ہے کہ ان کے لئے خوبی اور بہتری ہے اور انعام و کرام ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے جہنم میں جانا تو کجا وہ جہنم کی آہٹ بھی نہ سنیں گے وہ جنت میں داخل ہونگے وہاں اپنی نفس کی خواہشوں کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے انہیں بڑی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کریگی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' بڑی گھبراہٹ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے کئی قول لکھے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے نفخہ ثانیہ مراد ہے یعنی جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف روانہ ہونگے اس وقت کی گھبراہٹ مراد ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے' اور حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ جس وقت دوزخیوں کو دوزخ میں جانے کا حکم ہوگا اس سے اس وقت کی گھبراہٹ مراد ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لاکر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کیا جائے گا اس وقت جو کیفیت ہوگی اسے فزع اکبر یعنی بڑی گھبراہٹ سے تعبیر فرمایا ہے درحقیقت ان اقوال میں کوئی تنافی اور تعارض نہیں ہے جن حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے طے فرمادیا کہ ان کے لئے خوبی ہی خوبی ہے دوزخ سے دوری ہے اور جنت کا داخلہ ہے' انہیں کوئی بھی گھبراہٹ رنجیدہ نہ کرے گی۔

وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور فرشتے ان سے یوں بھی کہیں گے هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (کہ تمہارا یہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا) تمہیں ایمان اور اعمال صالحہ پر اجور و ثمرات کی جو خوشخبری دی جاتی تھی آج اس خوشخبری کے مطابق ہمیں امن چین عیش و آرام اکرام و انعام سب کچھ حاصل ہے۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا

وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمونوں کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے ہم نے جس طرح پہلی بار مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کی تھی

عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ

اسی طرح ہم اسے لوٹا دیں گے ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ بلاشبہ زمین کے

يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

وارث میرے نیک بندے ہونگے' بلاشبہ اس میں عبادت گزاروں کے لئے کافی مضمون ہے

قیامت کے دن آسمان کا لپیٹا جانا جس طرح ابتدائی آفرینش ہوئی اسی طرح دوبارہ پیدا کئے جائیں گے

تفسیر: گزشتہ آیات میں مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کے دوزخ میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا

اوران حضرات کے اہل جنت ہونے کا ذکر تھا جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے ان حضرات کے بارے میں فرمایا کہ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ کہ انہیں بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور یوں کہیں گے کہ یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' چونکہ ان چیزوں کا تعلق وقوع قیامت سے ہے اس لئے اس کے بعد اس کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کا واقعہ کرنا ہمارے لئے معمولی سی بات ہے تمہاری نظروں کے سامنے سب سے بڑی چیز آسمان ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ اسی کو فرمایا کہ اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے۔ جیسے مضمون لکھی ہوئی کتاب کو لپیٹ دیا جاتا ہے جس طرح لکھنے والے کاغذ کو لپیٹ دیتے ہیں ہم اسی طرح آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ جب آسمان کا یہ حال ہوگا تو دوسری مخلوق کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔

هٰذا على احد الاقوال فی معنى السجل و الكتاب' وفى الدر المنثور ص۳۴۷ ج۴ عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما كطى الصحيفة "على الكتاب" الدال على المكتوب. (یہ السجل اور الکتاب کے معنی میں ایک قول کے مطابق ہے اور تفسیر در منثور میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کطی الصحیفۃ "علی الکتاب' الدال علی المکتوب یعنی اس صحیفہ کا لپیٹنا کتاب پر جو لکھے ہوئے پر دلالت کرتی ہے)

دوسری آیات میں آسمان کے پھٹنے کا اور رنگی ہوئی اون کے گالوں کی طرح ہو جانے کا ذکر ہے یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے پہلے لپیٹ دیا جائے پھر وہ پھٹ جائے اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہے۔ قیامت کا انکار کرنے والے جو یہ سوال اٹھاتے تھے کہ دوبارہ کیسے زندہ کئے جائیں گے اس کے جواب میں فرمایا ﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ﴾ (جس طرح ہم نے مخلوق کی پہلی بار ابتدا کی تھی ہم اس طرح لوٹا دیں گے) یہ بات عجیب ہے کہ پہلی بار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا منکرین بعث کے اس کو مانتے ہیں اور دوبارہ پیدا کئے جانے کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جیسے پہلے پیدا فرمایا پھر اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے' سمجھ کی بات تو یہ ہے کہ جس نے بے مثال تخلیق کر دی اسے دوبارہ پیدا کرنے میں اور زیادہ آسان ہونا چاہئے اگر چہ اللہ تعالیٰ کیلئے ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہیں پھر دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیوں ہے؟

﴿وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے بلاشبہ ہم کرنے والے ہیں) کوئی مانے یا نہ مانے قیامت آئیگی فیصلے ہونگے جنتی جنت میں دوزخی دوزخ میں جائیں گے اس کے بعد فرمایا کہ ذکر یعنی لوح محفوظ کے بعد آسمانی کتابوں میں ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے مطلب یہ ہے کہ یہ بات لوح محفوظ میں اور آسمانی کتابوں میں لکھ دی اور بتا دی ہے کہ زمین کے وارث صالحین ہونگے۔

لفظ الزَّبُوْرُ اور لفظ الذکر سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ہم نے حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد کا قول لیا ہے کہ الزبور سے آسمانی کتب اور الذکر سے لوح محفوظ مراد ہے۔

عن ابن عباس فی الآية قال الزبور التوراة والانجيل والقرآن' والذكر الاصل الذى نسخت منه هذه الكتب الذى فى السماء' وقال مجاهد الزبور الكتب والذكر ام الكتاب عند الله" (الدر المنثور ص ۳۴۱ ج ۴) (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے آپ نے فرمایا زبور سے مراد تورات' انجیل اور قرآن ہے اور ذکر سے مراد وہ اصل ہے جو آسمان میں ہے جس سے یہ کتابیں لکھی گئیں اور مجاہدؒ کہتے ہیں زبور سے مراد کتابیں ہیں اور ذکر سے مراد وہ ام الکتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے)

کونسی زمین کے بارے میں فرمایا ہے کہ صالحین اس کے وارث ہیں؟ اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اور حضرت مجاہد اور حضرت شعبی اور حضرت عکرمہ نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت کی سرزمین مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ صالحین جنت کے وارث ہونگے سورۃ زمر میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ (اور جنت والے کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں) چونکہ اس سے جنت کی سرزمین مراد ہے اس لئے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ ہم تو اس زمین پر کافروں فاسقوں کی حکومتیں بھی دیکھتے ہیں پھر آیت میں جو وعدہ ہے وہ کیسے پورا ہوا؟ لیکن اگر دنیا والی زمین مراد لی جائے تب بھی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو یہ بتائے کہ زمین پر ہمیشہ صالحین ہی کی حکومت رہے گی اگر کافروں اور فاسقوں کی حکومتیں ہیں تو صالحین کی حکومتیں بھی تو رہی ہیں جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی تھے اور ان کی متبعین بھی' اور امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا ملک عطا فرمایا' حکومت چلانے والوں میں صالحین بھی تھے' یہ دوسری بات ہے کہ مسلمانوں کی ایمانی کمزوری اور بدعملی اور غفلت کی وجہ سے بڑے بڑے ملک ہاتھوں سے نکل گئے' اور اب جہاں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں فاسق چھائے ہوئے ہیں اس کا باعث بھی مسلمانوں کی دینی وایمان کی کمزوری ہی ہے کہ وہ صالحین کو اقتدار پر دیکھنا نہیں چاہتے اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر صالحین کا اقتدار ہوا تو قرآن وسنت کی حکومت ہوگی اور من مانی زندگی نہ گزار سکیں گے۔

آخر میں یہ فرمایا اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (بلاشبہ اس میں عابدین کے لئے کافی مضمون ہے) جسے سمجھ کر اور جان کر اعمال صالحہ کی طرف متوجہ اور آخرت کے لئے متفکر ہو سکتے ہیں' کعب الاحبار کا قول ہے کہ قوم عابدین سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے' اور حضرت حسن سے منقول ہے کہ عابدین سے وہ لوگ مراد ہیں جو پانچوں وقت پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں' حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ عابدین سے عاملین مراد ہیں (لہٰذا یہ لفظ تمام اعمال صالحہ والوں کو شامل ہے) الدر المنثور ج ۴ ص ۳۴۱

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾
اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہی تھے

تفسیر: آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا مبارک اور معظم لقب عطا فرمایا اور سورۂ توبہ میں آپ کو رؤف رحیم کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا انما انا رحمت مهداة یعنی میں اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں اور سراپا رحمت ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے آپ نے فرمایا ان اللہ

تعالیٰ بعثنی رحمۃ للعالمین وھدی للعالمین وامرنی ربی بمحق المعازف والمزا میر والاوثان والصلیب وامر الجاھلیۃ. بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت عام ہے آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا حق کی طرف بلایا اس وقت سے لیکر آج تک کروڑوں انسان اور جنات ہدایت پا چکے ہیں۔ ساری دنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دنیا میں ایمان کی ہوا چلی توحید کی روشنی پھیلی جب تک دنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۱)

یہ اللہ کی یاد آپ ﷺ ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے' ایک حدیث میں آیا ہے کہ عالم کے لئے آسمانوں کے اور زمین کے رہنے والے ہیں اور ان کے حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴)

اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ جب تک علوم نبوت کے مطابق دنیا میں اعمال موجود ہیں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی اگر یہ نہ ہوں تو قیامت آجائے اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنا چاہئے' ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کیا آج تیرے اوپر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گزرا تھا تو یہ جواب سن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے (ذکرابن الجزری فی الحصن الحصین) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گزرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے مجموعہ عالم میں آسمان زمین چرند پرند چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سبھی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا سب کا بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمت للعالمین ﷺ سے ملی ہے اس اعتبار سے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے رحمت ہوگی جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آجاتا

تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کر دی جاتی تھیں آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سبھی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے عذاب ہوگا وہ آخرت سے متعلق ہے۔

دنیا میں آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمۃ (میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۹)

آپ طائف تشریف لے گئے وہاں دین حق کی دعوت دی وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ کے ساتھ بد خلقی کا بہت بڑا برتاؤ کیا۔ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے آ کر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا میں امید کرتا ہوں کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۳

سورۂ توبہ میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی امت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ آپ ﷺ امت کے نفع کے لئے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ بھی حرص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں۔ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ آپ ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ رافت اور رحمت کا تعلق ہے آپ ﷺ کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو جاتے۔ آپ ﷺ کا اپنی امت سے قلبی تعلق تھا ظاہراً بھی آپ ﷺ ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی، امت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ ﷺ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

حضرات صحابہ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے دوا بتاتے تھے مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہئے لیکن آپ ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح ۴۰۴) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۶) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ

اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے کہ اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ البخاری و مسلم) جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑے مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۹)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے کسی کا چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرلے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا)

آپ ﷺ امت کو اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲)

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ (مشکوٰۃ ۴۲) نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ المصابیح) کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں۔ اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں، اس شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں اس طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے (رواہ البخاری و مسلم) سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ﷺ ان کو

معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو آپ اللہ پر توکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں)

آیت بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت وشفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہؓ جو آپ ﷺ کے پاس جمع ہیں جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے ہیں' حضرت سعدی نے کیا اچھا فرمایا۔

کس نہ بیند کہ تشنگان حجاز   برلب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمہ بود شیریں   مردم و مرغ و مور گرد آیند

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا جب کوئی شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتداء نہ کرتا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل وعیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر ہو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی' مجھ سے کبھی کچھ نقصان ہو گیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضا وقدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی آپ رحمۃ للعالمین تھے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری ومسلم) آپ نے فرمایا کہ مومنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک ہی جسم ہو' جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسی شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بدبخت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنیوالوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳

امت محمدیہ پر لازم ہے کہ اپنے نبی ﷺ کا اتباع کریں اور سب آپس میں رحمت وشفقت کے ساتھ مل کر رہیں اور اپنی معاشرت میں رحمت اور شفقت کا مظاہرہ کریں' سورۂ توبہ کی آخری آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کی

تفسیر بھی ملاحظہ کرلیں۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ
آپ فرما دیجئے کہ میری طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو کیا تم بات ماننے والے ہو' سو اگر
تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا
وہ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے' کہ میں تمہیں خوب صاف طریقہ پر اطلاع دے چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے
تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ
وعدہ ہوا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے' بلاشبہ بات ہے کہ اللہ زور کی کہی ہوئی بات کو جانتا ہے' اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور میں
اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ
نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا ہو' رسول نے کہا کہ اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے
وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
اور ہمارا رب رحمٰن ہے' جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو

توحید کی دعوت اور روگردانی پر عذاب کی وعید

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی حقیقی اور واقعی معبود ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے جو کوئی شخص توحید والے دین پر ہوگا جسے رحمۃ للعالمین ﷺ ارحم الراحمین جل مجدہ کی طرف سے لائے ہیں اور دنیا و آخرت میں مورد الطاف ہوگا اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے نوازا جائے گا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (کیا تم ماننے والے ہو) یعنی تم اس بات کو مان لو تمہارا اسی میں بھلا ہے۔

پھر فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت قبول نہ کریں اور روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں حجت پوری کر چکا ہوں نہایت صاف طریقہ پر بتا چکا ہوں توحید کی دعوت بھی تمہیں دی دین اسلام کی حقانیت پر دلائل بھی دے دیئے معجزات بھی پیش کر دیئے اب ذرہ برابر بھی تم پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی نہ مانو گے تو اپنا برا کرو گے' پھر فرمایا کہ تم کو جو یہ بتایا ہے کہ دین حق قبول نہ کرنے پر دنیا میں عذاب آئے گا اور قیامت کے دن بھی عذاب میں مبتلا ہو گے یہ وعدہ سچا ہے لیکن اس کے وقوع میں جو دیر لگ رہی ہے اس کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ اس کا وقوع نہیں ہوگا خود مجھے بھی معلوم نہیں کہ وہ قریب ہی واقع ہونے والا ہے یا اس کے وقوع میں دیر ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی

اجل مقرر ہے میرا اور تمہارا اس اجل کو نہ جاننا اس بات کی دلیل نہیں کہ موعودہ عذاب کا وقوع نہیں ہوگا۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ (بلاشبہ اللہ جانتا ہے زور سے کہی ہوئی بات کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم چھپاتے ہو) تم زبانوں سے حق کا انکار کرو یا دلوں سے اس کی تردید کرو اس کی سزا پالو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہی سزا دینے والا ہے اگر کفر اور شرک کی باتوں کو اپنے دل میں چھپاتے ہو تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ چونکہ زبان سے نہیں نکالا اس لئے مواخذہ نہ ہوگا وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (اور میں نہیں جانتا' شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو اور ایک زمانہ تک فائدہ پہنچانا ہو)

مطلب یہ ہے عذاب آنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی کیا حکمت ہے میں نہیں جانتا ممکن ہے عذاب کی تاخیر میں تمہارا امتحان مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ کی یوں مشیت ہو کہ ایک وقت محدود تک تمہیں اس زندگی سے فائدہ پہنچانا مقصود ہو' جب اسباب عیش میں پڑو گے تو کفر پر ہی جمے رہو گے۔ اور مزید عقوبت اور عذاب کے مستحق ہو گے میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے جانتے بوجھتے اپنی جانوں کو عذاب میں مبتلا کرنا یہ سمجھداروں کا کام نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ یہ زندگی اور زندگی کے اسباب تمہارے لئے فتنہ بن سکتے ہیں قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (پیغمبر ﷺ نے کہا اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور ہمارا رب رحمان ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد چاہی جاتی ہے جو تم لوگ بیان کرتے ہو) یہ سب باتیں بیان کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ نے دعا کی کہ اے میرے رب میرے اور میری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ دشمنان اسلام کے سامنے کوئی ایسی صورت پیش آ جائے جس سے اپنے بارے میں یہ سمجھ لیں کہ وہ باطل پر ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی حق اور باطل فیما بین العباد فیصلہ سامنے لانے کے لئے غزوہ بدر پیش آیا جس میں بڑے بڑے کفر کے سرغنے مارے گئے جو خود یہ دعا کر کے چلے تھے کہ اے اللہ ہمارا اور محمد (رسول اللہ ﷺ) کا مقابلہ ہے جو حق پر ہو اسے غالب کر کما مر فی تفسیر قوله تعالیٰ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ (سورۃ الانفال) اسی لئے غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ داعی اسلام ﷺ اور ان کے ساتھی نیست و نابود ہو جائیں جس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ دین اسلام ختم ہو جائے اس کی دعوت دینے والا' اس کا نام لینے والا کوئی نہ رہے ان کی اس خواہش کا جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جو باتیں کہتے ہو اور ہمارے خلاف جو ارادے رکھتے ہو اس کے مقابلہ میں ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں وہ رحمٰن ہے ہم پر رحم فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا اور کافر اور ان کے ارادے نیست نابود ہو گئے۔

وهذا آخر الكلام فى تفسير سورة الانبياء عليهم الصلوة والسلام والحمد لله على التمام والصلوٰة والسلام على البدر التمام وعلى آله واصحابه البررة الكرام الى يوم القيام

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حج مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھتر آیات اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بلا شبہ قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے

كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ

ہر دودھ پلانے والی اسے بھول جائے گی جسے دودھ پلایا اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی، اور اے مخاطب تو لوگوں کو دیکھے گا کہ

سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي

وہ نشہ کی حالت میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب سخت چیز ہے، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ

اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں جس کے بارے میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو بھی کوئی شخص اس سے دوستی کرے گا تو وہ

يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾

اسے گمراہ کر دے گا اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے راستہ پر ڈال دے گا۔

قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے وہ بڑا ہولناک وقت ہوگا

تفسیر: یہاں سے سورۃ الحج شروع ہو رہی ہے اس کے چوتھے پانچویں رکوع میں حج اور اس سے متعلق چیزوں کا بیان ہے اس لئے سورۃ الحج کے نام سے موسوم ہے، پہلے رکوع میں قیامت کا بیان ہے اور جو لوگ قیامت کے وقوع کو مستبعد یا ناممکن سمجھتے تھے یا اب سمجھنے والے ہیں ان کے جاہلانہ استبعاد کا جواب دیا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو، ڈرنے کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرو ان تقاضوں میں سے اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لانا بھی ہے اور فرائض کی ادائیگی بھی ہے اور ممنوعات سے بچنا بھی ہے۔ اور قیامت کے آنے کا بھی یقین کرو، اس کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جب اس کا زلزلہ آئے گا اس وقت کی پریشانی اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ دودھ پلانے والی اسکی سختی کی وجہ سے دودھ پلاتے بچہ کو بھول جائے گی۔ اور حمل والی کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ اس حالت میں ہوں گے کہ گویا نشہ میں ہیں۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے اللہ کے عذاب کی سختی کی وجہ سے جو ہیبت سوار ہوگی۔ اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے ان پر نشہ سوار ہے، آیت بالا میں جو

قیامت کے زلزلہ کا ذکر ہے یہ زلزلہ کب ہوگا اس کے بارے میں حضرت علقمہ اور حضرت شعبی وغیرہما سے منقول ہے کہ اس سے وہ زلزلہ مراد ہے جو ایسے وقت میں آئے گا جب قیامت بہت ہی زیادہ قریب ہوچکی ہوگی اور یہ زلزلہ قرب قیامت کی علامت ہوگا۔ ان حضرات نے یہ اس لئے فرمایا کہ عین وقوع قیامت کے وقت جو عورتیں قبروں سے نکلیں گی ان کے ساتھ دودھ پیتے بچے ہوں یا پیٹوں میں حمل ہوں یہ بات کسی واضح دلیل سے ثابت نہیں اور چونکہ قیامت سے پہلے زلزلہ آنے کی روایات حدیث میں ذکر ہے اس لئے آیت بالا میں وہی زلزلہ مراد لینا چاہئے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے وقوع قیامت مراد ہے کیونکہ جب قیامت ہوگی اس وقت بھی زلزلہ آئے گا جیسا کہ سورۃ زلزال کی پہلی آیت میں فرمایا اور جیسا سورۃ والنزعات میں فرمایا یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ الراجفہ سے نفخہ اولی مراد ہے جس سے چھوٹے بڑے اجسام حرکت میں آجائیں گے اور الرادف سے دوسرا نفخہ مراد ہے (ذکرہ البخاری فی ترجمۃ باب ج ۲/۹۶۵) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا (جبکہ زمین کو زلزلہ آجائے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار ہوجائیں گے) اس سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ وقوع قیامت کے وقت بھی زلزلہ آئے گا۔ اس قول کے اختیار کرنے میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی کہاں ہوں گی اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے اول یہ کہ یہ علی سبیل الفرض والتقدیر ہے یعنی قیامت کے واقع ہونے سے دلوں پر ایسی سخت دہشت اور ہیبت سوار ہوگی کہ اگر عورتوں کے پیٹوں میں بچے ہوں تو ان کے حمل ساقط ہوجائیں اور اگر عورتوں کی گودوں میں ایسے بچے ہوں جنہیں دودھ پلاتی ہوں تو وہ انہیں بھول جائیں اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے جو عورت حالت حمل میں مری ہو اسی حالت میں حشر ہو اور جس عورت کو دودھ پلانے کے زمانہ میں موت آئی ہو وہ اپنے دودھ پیتے بچہ کے ساتھ محشور ہو تیسرا قول یہ ہے کہ زلزلہ بمعنی حرکت ارضی مراد نہیں ہے بلکہ اس وقت کی بدحالی اور گھبراہٹ کو زلزلہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ بات بھی بعید نہیں کیونکہ قرآن مجید میں لفظ زلزال سخت مصیبت کی گھڑی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۂ احزاب میں اہل ایمان کا ابتلاء بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے صحیح بخاری ۹۲۶ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ اے آدم! وہ عرض کریں گے لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ اپنی ذریت سے دوزخ کا حصہ نکال لو وہ عرض کریں گے کہ کتنا حصہ ہے ارشاد ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے نکالو یہ بات سن کر بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی اپنی حمل کو ڈال دے گی اور اے مخاطب تو لوگوں کو اس حال میں دیکھے گا کہ وہ نشہ میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا یہ بات سن کر حضرات صحابہ کو بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہر ہزار میں سے جنت کے لئے ایک شخص لینے سے ہمارا کیا حال بنے گا ہم میں سے وہ کون کون شخص ہوگا جو جنتی ہوجائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پورے بنی آدم کا حساب ہے تم لوگ خوش ہوجاؤ کیونکہ یاجوج ماجوج کی تعداد اس قدر

زیادہ ہے کہ ان میں سے ایک ہزار کے مقابلہ میں تم میں سے ایک شخص آتا ہے (اور وہ بھی بنی آدم میں سے ہیں) پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم پوری جنت کے آباد کرنے والوں میں تہائی افراد ہو گے اس پر ہم نے اللہ کی حمد بیان کی اور اللہ کی بڑائی بیان کی' پھر آپ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی آدھی تعداد ہو گی پھر فرمایا کہ ساری امتیں ملا کر تعداد کے اعتبار سے تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید بال ہو کالے بیل کی کھال میں یا جیسے گدھے کے اگلے پاؤں میں ذرا سا گول دائرہ ہو۔

اس میں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس وقت حمل والی اور دودھ پلانے والی عورتیں ہوں گی اس کے وہی دو جواب ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں (کما ذکرھما شراح الحدیث)

اس کے بعد فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللهِ (الایتین)

مفسر ابن کثیر نے سبب نزول بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں بتایئے کہ آپ کا رب سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا' اس پر آسمان میں ایک گرج پیدا ہوئی اور اس شخص کی کھوپڑی گر کر سامنے آ گئی' اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اس طرح کا سوال کیا' جس پر بجلی آئی اور اسے ہلاک کر دیا اس قسم کے سوال کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو بے علمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں شیطان جو کچھ انہیں سمجھا دیتا ہے اسے مان لیتے ہیں اور شیطان جو سوالات سمجھاتا ہے ان سوالات کو آگے بڑھا دیتے ہیں۔ سوال کرنے والوں نے باطل معبودوں یعنی بتوں کو دیکھا تھا جو مختلف چیزوں سے بنائے جاتے ہیں انہیں پر قیاس کر کے یہ سوال کر بیٹھے کہ تمہارا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے' جہالت کے ماروں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ باطل معبود جو خود تراشے ہیں اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں ان پر خالق کائنات جل مجدہ کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ شیطان نے جب انہیں ایسا سمجھایا تو رسول اللہ ﷺ سے بے جا سوال کر بیٹھے یہ لوگ شیطان سے دوستی کرتے ہیں اور اس کی بات مانتے ہیں اور شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کر دیا گیا کہ جو بھی کوئی اس سے دوستی کرے گا اس کی بات مانے گا وہ اس دنیا میں اسے گمراہ کر دے گا اور آخرت میں اسے دہکتی ہوئی آگ کے عذاب میں داخل کرانے کا ذریعہ بن جائے گا' شیطان خود بھی گمراہ ہے اسے خود بھی دوزخ میں جانا ہے اور جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا گمراہ کی دوستی سے گمراہی اور گناہ کے سوا کچھ اور نہیں ملتا جو اس کا دوست بنے گا اسے بھی گمراہ کرے گا اور اس کے دوزخ میں جانے کا سبب بنے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

اے لوگو! اگر تم اٹھائے جانے کی طرف سے شک میں ہو تو بلاشبہ سو ہم نے مٹی سے پھر

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ

نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی بنی ہوئی صورت سے اور جو صورت ابھی نہ بنی ہو اس سے تمہیں پیدا کیا تا کہ ہم تمہیں بتائیں،

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا

اور ہم اپنی مشیت کے موافق مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہراتے ہیں پھر تمہیں اس حال میں نکالتے ہیں کہ تم بچہ کی صورت میں

أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ

ہوتے ہو پھر تا کہ تم اپنی قوتوں کو پہنچ جاؤ' اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو اٹھا لئے جاتے ہیں اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو نکمی عمر کو پہنچ جاتے ہیں

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ

تا کہ علم کے بعد کچھ بھی نہ جانیں، اور اے مخاطب تو زمین کو بھی سوکھی پڑی ہوئی دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں

وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝٥ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِ

تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور وہ بڑھ جاتی ہے اور ہر طرح کے خوشنما جوڑے اگا دیتی ہے یہ اس وجہ سے کہ اللہ حق ہے اور وہ

الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝٦ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ

مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، اور بلا شبہ

اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝٧

اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں

وقوع قیامت کے منکرین کو جواب اور تخلیق انسانی کے مختلف ادوار کا تذکرہ

تفسیر: جو لوگ بعث کا یعنی مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جانے کا انکار کرتے تھے اور قیامت کے وقوع میں انہیں شک تھا (اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں) ان کے شبہات میں سے ایک یہ شبہ تھا کہ جب مرکھپ گئے جسم ریزہ ریزہ ہو گیا تو اب زندہ ہونا جسموں میں جان پڑنا پورا آدمی بن کر کھڑا ہونا سمجھ میں نہیں آتا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے تو تمہارا شک اور استبعاد غلط ہے اور بے جا ہے تم دوبارہ اٹھائے جانے کو پہلی خلقت پر قیاس کر لو دیکھو پہلے تمہارا وجود ہی نہیں تھا اول تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ان کا مٹی کا مجسمہ بنایا پھر اس مجسمہ میں روح پھونک دی اس کے

بعد ہم نے اولاد آدم کی پیدائش میں ایک ترتیب قائم کی اور اسی ترتیب سے بنی آدم کی نسلیں چل رہی ہیں کہ اوّل مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے تو پھر یہ نطفہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اس میں تھوڑی سی قوت آتی ہے تو وہ بوٹی بن جاتا ہے یعنی جو اس لائق ہو جاتا ہے کہ اسے چبایا جا سکے (یہ مضغہ کا ترجمہ......؟) اور اس بوٹی کی دو حالتیں ہوتی ہیں پہلے تو صرف ایک ٹکڑا ہوتا ہے جس میں کوئی عضو بنا ہوا نہیں ہوتا (اسکو غیر مخلقہ سے تعبیر فرمایا) پھر اس میں اعضاء بن جاتے ہیں اور انسانی شکل وصورت ظاہر ہو جاتی ہے (اسکو مخلقہ سے تعبیر فرمایا) اور اعضاء بننے کے ساتھ ہی پیدائش نہیں ہوتی بلکہ رحم میں پرورش ہوتی رہتی ہے اور جسم بڑھتا رہتا ہے رحم میں رہنے کی بھی مدت مقرر ہے اللہ تعالیٰ جس کو جتنے دن چاہتا ہے ماں کے رحم میں رکھتا ہے۔ اسی کو فرمایا وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (اپنی مشیت کے موافق ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں) پھر رحم میں رہنے کی مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد ہم تمہیں زندہ بچہ کی صورت میں نکال دیتے ہیں۔

رحم سے باہر آنے کے بعد آگے مزید احوال سے گزرنا ہوتا ہے بچپن کا زمانہ گزرتا ہے حتیٰ کہ جوانی آ جاتی ہے اس کو فرمایا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ (پھر تا کہ تم اپنی قوت کو پہنچ جاؤ) جسمانی طاقت عقل وفہم کی قوت اور سوچ سمجھ کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ زمانہ اٹھارہ سال سے لیکر تیس سال تک کا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے تیس سال سے لیکر چالیس سال کی درمیانی عمر مراد ہے۔ (واختارہ فی الجلالین) سورۃ غافر میں ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا بھی فرمایا ہے (پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو) باپ کے نطفے سے لیکر بوڑھا ہونے تک ان کے احوال سے تدریجا گزرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ سب پر یہ پورے احوال گزریں۔

جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کے مطابق ہوتا ہے لوگ بعض پہلے ہی اٹھا لئے جاتے ہیں اور جوانی کا زمانہ آنے سے پہلے ہی انہیں موت آ جاتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ بڑھاپا آنے کے بعد بھی عمر بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ نکمی عمر کا زمانہ آ جاتا ہے یہ نکمی عمر ایسی ہوتی ہے جس میں انسان کا علم ختم ہو جاتا ہے پہلے سے جو چیزیں اس کے علم میں تھیں وہ بھی ذہن سے غائب ہو جاتی ہیں۔ بس یوں ہی بھوک پیاس کی تھوڑی سی شدھ بدھ رہ جاتی ہے یہ سب اطوار اور احوال سب کے سامنے ہیں۔ جس ذات پاک نے مٹی سے تخلیق فرمائی پھر مختلف احوال سے گزارا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ موت دے کر ہڈیوں کو ریزہ ریزہ بنا کر کے دوبارہ جسم مرکب فرما دے اور اس میں جان ڈال کر قبروں سے اٹھائے اور پھر میدان قیامت میں جمع فرما کر محاسبہ اور مواخذہ فرمائے۔ مُخَلَّقَة اور غیر مخلقة کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا' اور بعض مفسرین نے مخلقه کا مطلب یہ بتایا ہے کہ بچہ پورا ہو کر زندہ پیدا ہو جائے اور غیر مخلقه کا یہ مطلب لیا ہے کہ بچہ پورا ہونے سے پہلے ضائع ہو جائے جسے حمل گرنا کہتے ہیں اور غیر مخلقه ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بچہ ناقص الاطراف زندہ پیدا ہو جائے الفاظ سے یہ معنی بھی قریب ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ جمع رکھا جاتا ہے اس کے بعد چالیس دن علقہ یعنی جما ہوا خون رہتا ہے پھر چالیس دن تک مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے عمل اور اس کی اجل اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور یہ بھی لکھ دیتا ہے یہ شقی ہے یا سعید ہے (رواہ البخاری)

قرآن مجید میں جو انسانی تخلیق کے ادوار اور اطوار بتائے ہیں ان کے بارے میں حدیث شریف میں بتا دیا کہ چالیس چالیس دن تک ایک ایک حالت رہتی ہے۔

قبروں سے زندہ اٹھائے جانے کے استبعاد کو تخلیق اول کی یاد دہانی کی تذکیر فرمانے کے بعد (کہ جس طرح پہلے پیدا فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا فرما دے گا) دوسری نظیر بیان فرمائی کہ دیکھو زمین خشک ہو جاتی ہے اس میں کسی طرح کی کوئی سبزی نظر نہیں آتی نہ گھاس نہ دانہ بالکل مردہ پڑی رہتی ہے پھر ہم اس پر بارش نازل فرما دیتے ہیں تو اس میں ہری بھری گھاس نکل آتی ہے بیل بوٹے پیدا ہو جاتے ہیں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو زمین صرف مٹی تھی اب وہ بڑھ رہی ہے اوپر کو اٹھ رہی ہے اور اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے نکل رہے ہیں جس طرح سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا اسی طرح سے ہم انسانوں کو دوبارہ پیدا کر دیں گے سورۂ حم سجدہ میں فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو اس حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ سوکھی ہوئی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور اوپر کو اٹھ جاتی ہے بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ کیا وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

یہاں سورۃ الحج میں بھی آیت کے ختم پر یہی فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (یہ انسان کی ابتدائی تخلیق اور اس کے تدریجی ادوار اور زمین کا سوکھنا پھر اللہ کے حکم سے ہرا بھرا ہو جانا یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے) وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں) وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ اور بلاشبہ اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں) یعنی قبروں میں دفن کئے ہوئے لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور پھر میدان حساب میں حاضر کئے جائیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾ ثَانِيَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی ایسی کتاب کے جو روشنی دکھانے والی ہو اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، یہ ایسا شخص ہے

عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو گردن کو موڑ کر چلا جاتا ہے تاکہ اللہ کے راستہ سے ہٹا کر لوگوں کو گمراہ کرے اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ہم اسے قیامت کے دن

عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٩﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٠﴾

جلنے کا عذاب چکھائیں گے، یہ اس کی وجہ سے ہے، جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

معاندین کا متکبرانہ طرز عمل اور آخرت میں ان کا عذاب ورسوائی

تفسیر: روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، بعض حضرات کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ اخنس بن شریق تھا اور بہت سے حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی سبب نزول جو بھی ہو بہر حال آیت کا عموم ہر اس شخص کی مذمت اور دنیا وآخرت کی ذلت اور بدحالی کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بے تکے سوال کرے اور اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول نہ کرے، نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ اس کی عقل رہبر ہے اور نہ اس کے پاس کوئی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہو وہ ہر اعتبار سے جاہل ہے یہ تو اس کا حال ہے اور جب ہدایت سامنے آتی ہے تو یہ سمجھ کر کہ اس کے قبول کرنے میں میری بے آبروئی ہے اور ہیٹی ہے تکبر کے انداز میں گردن موڑ کر چلا جاتا ہے وہ اس متکبرانہ طور طریق کی وجہ سے خود بھی گمراہی میں پڑا ہوا اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے ہٹاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان کیلئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلنے کا عذاب چکھیں گے۔ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدَاکَ (کہ یہ وہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی تو نے جو اعمال کئے یہ انہیں کی سزا ہے) بغیر کفر اور شرک اور بغیر معصیت کے اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دیتا۔ اور وہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے اسی کو فرمایا وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ دنیا میں تو نضر بن حارث اور ابوجہل کی یوں ذلت ہوئی کہ وہ بدر میں مقتول ہوئے اور اخنس بن شریق کی موت کا حال معلوم نہ ہو سکا بہر حال یہ بات لازمی ہے کہ جو لوگ بھی آیت کے مصداق ہوئے یا آئندہ ہوں گے سب دنیا میں ذلیل ہوں گے اور آخرت میں دوزخ میں جائیں گے جلنے کا عذاب چکھیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں جیسے کوئی شخص کنارہ پر ہو پھر اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچ گئی تو اسکی وجہ سے

اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

مطمئن ہو گیا اور اگر کچھ آزمائش آ گئی تو اپنے چہرہ کے بل پلٹ گیا وہ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے تباہ ہو گیا۔

الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ

یہ کھلی ہوئی تباہی ہے یہ شخص اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے جو اسے نہ ضرر دے اور نہ نفع دے۔ یہ دور والی گمراہی ہے

الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

وہ اسے پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے واقعی وہ برا دوست ہے اور برا رفیق ہے

طلب دنیا کے لئے اسلام قبول کرنے والوں کی تباہی

تفسیر: صحیح بخاری ج ۲/ص ۶۴۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص مدینہ منورہ آیا اسکی بیوی کو حمل تھا اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا اور اس کے گھوڑوں کے بھی بچے پیدا ہو گئے تو اس پر وہ کہتا تھا کہ واقعی یہ دین (یعنی اسلام) اچھا دین ہے اور اگر اسکی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوا اور گھوڑی نے بچے نہ دیئے تو کہتا تھا کہ یہ اچھا دین نہیں ہے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ تفسیر ابن مردویہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کر لیا اس کے بعد اسکی بینائی جاتی رہی اور مال بھی چلا گیا۔ نیز اولاد بھی ختم ہو گئی۔ اس نے اسے اسلام کی نحوست سمجھا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری بیعت توڑ دیجئے آپ نے فرمایا بیعت اسلام نہیں توڑی جاتی وہ کہنے لگا کہ اس دین میں مجھے خیر نہیں ملی میں اندھا ہو گیا میرا مال بھی گیا اور اولاد بھی مر گئی آپ نے فرمایا کہ اے یہودی! لوگوں کو اسلام (بطور امتحان) پگھلا دیتا ہے جیسا کہ لوہے اور سونے اور چاندی کو آگ پگھلا کر کھوٹ اور میل دور کر دیتی ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ منافقین کے بارے میں آیت کریمہ کا نزول ہوا سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت کا مضمون عام ہے جو لوگ اسلام کو ظاہری طور پر دنیا کے منافع کے لئے قبول کر لیتے ہیں اور جن منافع کی امید تھی وہ منافع حاصل نہیں ہوتے تو اسلام سے پھر جاتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور حق کے طالب بھی نہیں ہوتے، آخرت کی نجات کے لئے اسلام قبول نہیں کرتے، دنیاوی منافع کے لئے ظاہری طور پر کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا، ایسے لوگوں کی دنیا بھی تباہ ہوتی ہے اور آخرت بھی اور یہ کھلی ہوئی تباہی ہے جسے اَلْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ سے تعبیر فرمایا ہے۔

جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور مصیبتوں کیلئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو پہلے ہی سے مشرک ہیں ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ ان کا غیر اللہ کی عبادت کرنا اور مدد کیلئے پکارنا ان کے حق میں مفید نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو پکارتے ہیں جسے ضرر یا نفع پہنچانے کی ذرا بھی قدرت نہیں اور اسے اس بارے میں ذرا سا بھی اختیار نہیں ذٰلِکَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ (یہ طریقہ دور کی گمراہی ہے) یَدْعُوْ لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ (یہ مشرک ان کو پکارتا ہے جن کا ضرر نفع کی بنسبت زیادہ قریب ہے) کیونکہ یہ باطل معبود دنیا اور آخرت میں مدد تو کچھ کر ہی نہیں سکتے البتہ ان کی عبادت کا ضرر انہیں ضرور پہنچے گا دنیا میں گمراہ رہیں گے اور آخرت میں عذاب دوزخ میں داخل ہوں گے، ان کی عبادت کا یہ پھل ملے گا کہ جلنے کے عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں

گے لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ یعنی یہ معبودان باطل برے دوست ہیں اور برے رفیق ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب قیامت کے دن کافر دیکھیں گے کہ کسی بھی معبود باطل سے نفع نہ پہنچا اور اس کی عبادت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا تو بلند آواز سے پکار کر کہیں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر ہم نے جس کی عبادت کی وہ تو برا دوست اور برا رفیق نکلا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے
الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي
نہریں جاری ہوں گی بلا شبہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ
دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول کی مدد نہ کرے گا تو اسے چاہئے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے پھر کاٹ دے پھر دیکھ لے آیا اس کی
كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾
تدبیر اس کے غیظ کی چیز کو ختم کر سکتی ہے اور ہم نے اسی طرح کھلی ہوئی آیات نازل کیں اور بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے آیات بینات نازل فرمائی ہیں، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

تفسیر: اس آیت سے پہلی آیت میں مشرکوں اور کافروں کی بدحالی بیان فرمائی اور بتایا کہ اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ جن کی پرستش کرتے ہیں وہ ان کو کوئی نفع اور نقصان نہیں دے سکتے ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے ان کی دوستی اور رفاقت وبال جان ہے اس کے بعد اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ انہیں ایسی باغوں میں داخل فرمائے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ساتھ ہی اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی کو ایمان اور اعمال صالحہ سے نوازنے کا ارادہ فرمائے اسے ہدایت دے دیتا ہے اسے پورا پورا اختیار ہے وہ قادر مطلق ہے اس کے ارادے سے اسے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ اس کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو دین اسلام کے کاٹ میں اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں لگے رہتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی یہ دعوت چند دن کی ہے یہ جو وحی کا دعویٰ کرتے ہیں یہ وحی بھی ختم ہو جائے گی اور ان کا دین بھی آگے نہیں بڑھے گا کچھ دن کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ یہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے رسول کی مدد نہ فرمائے گا اور یوں چاہتے ہیں کہ آپ کی دعوت کا کام رک جائے اور وحی آنا بند ہو

جائے یہ ان لوگوں کی جھوٹی آرزو ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد فرمائے گا اگر کسی معاند اور مخالف کو یہ گوارا نہیں ہے تو وہ زمین سے لیکر آسمان تک ایک رسی تان لے اور اس رسی پر چڑھتا چلا جائے اور وہاں جا کر وحی کا سلسلہ منقطع کر دے۔ یہ بطور فرض کے ارشاد فرمایا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کی مخالفت اور عناد سے وحی کا سلسلہ بند ہونے والا نہیں اور سوا بیہودہ آرزو کے ان کے پاس کچھ نہیں ہے نبی اکرم ﷺ پر وحی تو آسمان سے آتی ہے جسے قدرت ہو کہ آسمان پر جا کر رکوا دے تو ایسا کر لے لیکن ایسا کرنے کی کسی کو بھی قوت نہیں ہے۔ وحی کی وجہ سے جس کسی کو غیظ و غضب ہے اپنے غیظ اور دل کی جلن کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے تو کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کے مقابلہ میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا دشمن جلتے رہیں گے وحی آتی رہے گی دین بڑھتا رہے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ آل عمران میں فرمایا قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو! تم اپنی جل میں مر جاؤ)

مذکورہ بالا جو تفسیر لکھی گئی ہے بعض مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے یہ اس صورت میں ہے کہ لَنْ يَّنْصُرَهُ کی ضمیر منصوب رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہو اور بعض حضرات نے اس آیت کی یوں تفسیر کی ہے کہ سماء سے مکان کی چھت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر کسی معاند جاہل کی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اس کے دین کی مدد نہ کرے اور یہ معاند اسلام کے خلاف غیظ و غضب لئے ڈٹا رہے تو سمجھ لے کہ اس کی مراد کبھی پوری نہ ہوگی اس احمقانہ غیظ و غضب کا تو یہی علاج ہے کہ اپنے گھر کی چھت پر رسی ڈال کر پھانسی لے لے اور مر جائے۔

اور بعض حضرات نے آیت کی تفسیر بتاتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جسے چاہے گا رزق دے گا اور جتنا چاہے گا دے گا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ مجھے رزق نہ دے گا دنیا و آخرت میں میری مدد نہ فرمائے گا تو یہ شخص اللہ کی قضا اور قدر پر راضی نہیں اور صابر و شاکر نہیں تو گلا گھونٹ کر مر جائے جو چاہے کرے اللہ کی تقسیم نہیں بدلے گی اور اللہ تعالیٰ جسے جتنا رزق دے گا اسے اتنا ہی ملے گا گلا گھونٹ کر مر جانے سے کچھ نہیں ہوگا یہ معنی لینے سے لن ینصرہ کی ضمیر منصوب من کی طرف راجع ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اسلام قبول کر کے روٹی رزق اور دنیاوی آسانی ملنے پر اسلام پر برقرار رہیں اور تنگدستی آنے پر اسلام کو چھوڑ دیں ایسے لوگوں کو بتا دیں کہ تم کچھ بھی کر لو ایمان پر رہو یا ایمان کو چھوڑ دو بہر حال جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر کے موافق ہوگا مرتد ہو جانے سے رزق بڑھ نہ جائے گا۔ راجع روح المعانی ج ۱۷/ ۱۲۷-۱۲۸

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ (الایۃ) اور ہم نے قرآن کو اسی طرح نازل کیا ہے جس کی آیات بالکل واضح ہیں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور جو فرقہ صابئین ہے اور نصاریٰ ہیں اور جو مجوس ہیں

وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی

اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا بلاشبہ اللہ

کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ

ہر چیز سے واقف ہے، اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں

فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ

اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان

مِّنَ النَّاسِ ؕ وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ہو چکا ہے اور اللہ جسے ذلیل کرے اس کو کوئی عزت

مُّکْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۱۸﴾ السجدة

دینے والا نہیں، بلاشبہ اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

اہل ایمان اور یہود و نصاریٰ، مجوس اور مشرکین سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلے فرمائے گا، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں

تفسیر: دنیا میں ایک جماعت تو اہل ایمان کی ہے جو خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے اور ان کے علاوہ بہت سی جماعتیں ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان میں یہودی نصرانی صابئین اور آتش پرست اور طرح طرح سے شرک اختیار کرنے والے لوگ ہیں مسلمانوں کے علاوہ جتنی دوسری جماعتیں ہیں وہ آپس میں اپنے عقائد اور اعمال کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن چونکہ کفر ایک ہی ملت ہے اس لئے ایک فریق اہل ایمان کا اور دوسرا فریق مجموعی حیثیت سے تمام کافروں کا ہے یہ سب لوگ گو آپس میں مختلف ہیں لیکن باایمان نہ ہونے میں سب شریک ہیں اس لئے مومنین اور کافرین کو هٰذٰنِ خَصْمٰنِ دو گروہ بتا دیئے، جو اہل ایمان ہیں وہ تو ہیں ہی دین حق پر، لیکن دوسری جو جماعتیں ہیں وہ بھی اپنے بارے میں یہ گمان رکھتی ہیں کہ قیامت کے دن اپنے اس دین کی وجہ سے جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے بخش دیئے جائیں گے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اہل ایمان کی بخشش ہو

گی اور تمام اہل کفر دوزخ میں داخل ہوں گے وہاں ان سب کو معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ کفر پر تھے وہ غلط راہ پر تھے۔ سورۂ الم سجدہ میں فرمایا اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ یَفْصِلُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ (بلاشبہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں میں فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے)

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پوری طرح واقف ہے) ہر ایماندار کے ایمان کو اور ہر کافر کے کفر کو وہ خوب اچھی طرح جانتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اے مخاطب کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ کی مخلوق جو آسمان میں ہے اور جو لوگ زمین میں ہیں اور چاند سورج ستارے پہاڑ درخت اور چوپائے سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں (ہر ایک کا سجدہ اس کی اپنی حالت اور کیفیت کے اعتبار سے ہے اور بعض حضرات نے یسجد کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کے سامنے عاجزی کرتی ہیں' جو حضرات آسمانوں میں ہیں اور جو مخلوق زمین میں ہے سبھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور سجدہ ریز ہیں البتہ روئے زمین پر جو انسان ہیں ان میں سے بہت سے لوگ مسلم ہیں فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ منکر ہیں کافر ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ عذاب میں داخل ہوں گے۔

پھر فرمایا وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ (اور اللہ جسے ذلیل کردے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں) کافر قیامت کے دن ذلیل ہوں گے پھر دوزخ کے عذاب میں داخل ہوں گے وہاں جو ذلت ہوگی اس سے بڑی کوئی ذلت نہیں اور موت کے وقت بھی کافروں کی روح ذلت کے ساتھ قبض کی جاتی ہے اور دنیا میں بھی ذلیل ہوتے رہتے ہیں' جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں انہیں بھی بہت سے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کیوجہ سے دنیا میں ذلت اٹھاتے ہیں وزارتوں کے پیچھے دوڑتے ہیں بڑے بڑے گناہ کرکے وزارت حاصل کرتے ہیں پھر مقتول یا معزول ہو جاتے ہیں لاکھوں آدمی انہیں برائی سے یاد کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کو ذلیل کرے تو پھر اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ فلاں فلاں چیز اللہ کو سجدہ کرتی ہے اس سے سجدہ کا معروف معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے لیکن ہر ایک کا سجدہ اس کے مناسب حال ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جب سورج چھپ گیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے سوال فرمایا کہ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں! آپ نے فرمایا کہ یہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے اسے اجازت دے دی جاتی ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے گا اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور طلوع کی اجازت طلب کرے گا تو اسے اجازت نہ دی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے تو آیا ہے وہیں واپس چلا جا لہٰذا وہ پچھم کی طرف سے نکلے گا' یہ فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا میں اسی کو بیان فرمایا ہے اس کا مستقر (یعنی ٹھہرنے کی جگہ) عرش کے نیچے ہے۔ (رواہ البخاری ج ۱/ ۴۵۴)

جس طرح سورج سجدہ کرتا ہے اسی طرح دوسری مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے اور تکوینی طور پر سبھی تو فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فرشتے بھی ہیں انسان بھی ہیں جنات بھی ہیں یہ تو ذوی العقول ہیں' اللہ تعالیٰ نے زیادہ ان میں سب سے سمجھ رکھی ہے یہ اختیاری طور پر اپنے ارادہ سے اطاعت' فرمانبرداری کرتے ہیں اور معروف معنی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں' البتہ انسانوں میں اور جنات میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی' فرشتے سراپا فرمانبردار ہیں دوسری مخلوق حیوانات نباتات جمادات ان میں بھی عقل و شعور ہے حیوانات کا شعور تو سبھی کو معلوم ہے نباتات کا شعور حیوانات سے کم ہے اور جمادات میں بھی عقل و شعور ہے مگر وہ ہمیں محسوس نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان شعور ہے اسی شعور سے وہ اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ بقرہ کی آیت ہے وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اور سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ سورۃ نحل میں ارشاد ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ان آیات کی تفسیر میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ اس مضمون کو سورۂ نور میں یوں ارشاد فرمایا كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے) اس کی تفسیر وہاں دیکھ لی جائے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ
یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے آگ کے
يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾
کپڑے قطع کئے جائیں گے' ان کے سروں پر گرم پانی ڈال دیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ سب گل جائے جو ان کے پیٹوں میں ہوگا
وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا
اور کھالیں بھی گل جائیں گی ان کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے جب کبھی گھٹن کی وجہ سے دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں وہ واپس کر دیئے
فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾
جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھ لو

دوزخ میں کافروں کی سزا' آگ کے کپڑے پہننا سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جانا' لوہے کے ہتھوڑوں سے پٹائی ہونا

تفسیر: دو فریق یعنی مومنین اور کافرین نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا یعنی ایک جماعت وہ ہے جو اہل

ایمان کی ہے اور ایک جماعت اہل کفر کی ہے دونوں جماعتوں میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہے جھگڑے بھی ہیں اور قتل وقتال بھی۔ دونوں جماعتوں کی باہمی دشمنی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے مومنین تو اللہ تعالیٰ کے لئے لڑتے ہیں مشرکینؔ اور کافرین جو کسی درجہ میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور مالکیت کا اقرار کرتے ہیں وہ بھی اپنے خیال میں اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے لڑتے ہیں' کیونکہ وہ بھی اپنے دین کو جہالت اور سفاہت کی وجہ سے اللہ کا مقبول دین سمجھتے ہیں اس لئے دونوں جماعتوں کیلئے اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فرمایا' اہل مکہ جب جنگ بدر کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو حق پر ہو اس کو فتح نصیب فرما' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ غزوہ بدر کے موقعہ پر ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ قریش مکہ کا مقابلہ کرنے کیلئے جو حضرات انصار آگے بڑھے تو قریشیوں نے کہا کہ ہم تم سے مقابلہ نہیں چاہتے ہم تو اپنے چچا کے لڑکوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس پر مسلمانوں کی طرف سے حضرت علیؓ' حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن حارث میدان میں نکلے اور مشرکین مکہ کی طرف سے شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ سامنے آئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا حضرت عبیدہ' کا عتبہ سے مقابلہ ہوا اور ہر ایک دوسرے کی تلوار سے نیم جان ہو گیا پھر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے عتبہ پر حملہ کیا اور اسے بالکل ہی جان سے مار دیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لے آئے پھر جب مدینہ کو واپس ہو رہے تھے تو مقام صفراء میں حضرت عبیدہ کی وفات ہو گئی' حضرت علی فرماتے تھے کہ یہ آیت ہماری ان دونوں جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی (صحیح بخاری ج ۲/ ۵۶۵ والبدایۃ والنھایہ والتفصیل فی القسطلانی) سبب نزول خواہ انہیں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہو جن کا ذکر اوپر گزرا جیسا کہ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا لیکن آیت کا عموم یہ بتا رہا ہے کہ اہل ایمان اور اہل کفر کی دونوں جماعتیں آپس میں اپنے اپنے دین وملت کیلئے لڑ رہی ہیں' بدر کا مذکورہ واقعہ بھی اسی دینی دشمنی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ' نے اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتائی' اہل کفر کے بارے میں فرمایا فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ کہ ان کے لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے یعنی جس طرح کپڑے کا تھان بیونت کر کاٹا جاتا ہے تاکہ پہننے کے لئے کپڑا سیا جائے اسی طرح کافروں کے لئے آگ کے کپڑے کاٹ کر تیار کئے جائیں گے' یہ تو ان کا لباس ہوگا اس کے ساتھ دوسری سزائیں بھی دی جائیں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا۔ اسی کو فرمایا یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ مزید فرمایا یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک کھولتا ہوا پانی ضرور دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا جو ان کے پیٹوں میں پہنچ کر ان تمام چیزوں کو کاٹ دے گا جو ان کے پیٹوں کے اندر ہیں' اور آخر میں قدموں سے نکل جائے گا اس کے بعد پھر دوزخی کو ویسا ہی کر دیا جائے گا جیسا تھا پھر ارشاد فرمایا کہ آیت میں جو لفظ یُصْهَرُ ہے اس کا یہی

مطلب ہے (رواہ الترمذی) پھر دوزخیوں کے ایک اور عذاب کا تذکرہ فرمایا وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (اوران کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (جب کبھی بھی وہ گھٹن کی وجہ سے اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں لوٹا دیئے جائیں گے) یعنی لوہے کے گرز مار کر انہیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (اوران سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو)

جن گرزوں سے مارنے کا ذکر ہے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کا لوہے والا ایک گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور اگر اس کو تمام جنات اور انسان مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم کا لوہے والا گرز اگر پہاڑ پر مار دیا جائے تو یقیناً وہ ریزہ ریزہ ہو کر راکھ ہو جائے (راجع الترغیب والترہیب ص ۴۷۷ ج ۴)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انہیں اللہ ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں

يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى

جاری ہوں گی انہیں اس میں ایسے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا جو سونے اور موتیوں کے ہوں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور ان کو کلمہ

الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

طیبہ کی ہدایت دی گئی اور ان کو اس ذات کے راستہ کی ہدایت دی گئی جو لائق حمد ہے

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کا انعام' جنت کا داخلہ' ان کے کنگنوں اور لباس کا تذکرہ

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے' یہ حضرات جنت کے باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' ان کا لباس سونے کا ہوگا اور ان کو کنگنوں کا زیور بھی پہنایا جائے گا۔

ان کنگنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ سونے کے کنگن ہوں گے جو موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے' دنیا میں تو عورتیں ریشم پہنتی ہیں اور زیور بھی پہنتی ہیں اور شرعاً مردوں کو ان کا پہننا ممنوع ہے لیکن جنت میں مرد بھی ریشم کے کپڑے پہنیں گے' اور زیور بھی پہنیں گے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے اور ریشم کو میری امت کی عورتوں کیلئے حلال کیا گیا اور مردوں پر حرام قرار دیا گیا (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں

پہنے گا (رواہ البخاری) یعنی وہاں اس نعمت سے محروم رہے گا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کا زیور اور وہاں کا ریشم چاہتے ہو تو ان کو دنیا میں مت پہننا (رواہ النسائی کما فی المشکوٰۃ ۳۷۹)

دوسری آیت میں فرمایا وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کہ ان کو دنیا میں اچھی بات یعنی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی طرف رہبری کی گئی اس کو انہوں نے قبول کیا اللہ کی توحید کے قائل ہوئے اور اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب پر ایمان لائے جن کے ذریعہ انہیں ہدایت ہوئی' اب انہیں اس کا یہ پھل ملے گا کہ جنت میں آرام سے نعمتوں میں رہیں گے' وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ کی ہدایت دی گئی جو تعریف کے لائق ہے اور سب تعریفیں اسی کو زیبا ہیں' دنیا میں جب اس کی راہ پر چلے آخرت میں اس کی طرف سے انعام پائیں گے' وہ اپنی راہ پر چلنے والوں کو محروم نہ فرمائے گا۔

فائدہ: آیت بالا میں جنتیوں کا زیور بیان کرتے ہوئے صرف کنگنوں کا ذکر فرمایا ہے حدیث شریف میں تاج پہنائے جانے کا بھی ذکر ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کے سروں پر تاج ہوں گے جن کے ادنیٰ موتی کی چمک اس قدر ہوگی کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیان (کے خلا کو) روشن کر سکتا ہے یعنی ان تاجوں میں سے اگر ادنیٰ موتی اس دنیا میں آجائے تو پورب سے پچھم تک پوری فضا کو روشن کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۹۹ از ترمذی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

بلاشبہ جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لئے مقرر کیا ہے' اس میں رہنے

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ

والا اور باہر سے آنے والا سب برابر ہیں' اور جو کوئی شخص اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

دردناک عذاب چکھا دیں گے

مسجد حرام حاضر اور مسافر سب کے لئے برابر ہے' اس میں الحاد کرنا عذاب الیم کا سبب ہے

تفسیر: مکہ مکرمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کی اس وقت مکہ والے چونکہ مشرک تھے اس لئے پوری طرح دشمنی پر تل گئے خود بھی ایمان نہیں لاتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے باز رکھتے تھے اور مسجد حرام کے چونکہ وہی متولی تھے اس لئے مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ ان کی دشمنی کا یہ سلسلہ برابر

جاری رہا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ وہاں ہجرت فرما گئے چند سال مدینہ منورہ قیام کے بعد ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو شہر میں جانے سے روک دیا اور بہت حجت کی پھر آخر میں دس شرطوں پر صلح ہوگئی لیکن اس کے باوجود اس وقت عمرہ نہیں کرنے دیا' صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ نہیں کرنے دیا اور صلح کی شرطوں میں ایک شرط یہ لگائی کہ آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں۔

مسجد حرام کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادُ کہ ہم نے اس کو تمام آدمیوں کے لئے مقرر کیا ہے اس میں سب برابر ہیں وہاں کا رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی) علماء نے فرمایا کہ المسجد الحرام سے پورا مکہ مکرمہ مراد ہے کیونکہ جب باہر سے آنے والے آئیں گے تو لامحالہ انہیں رات دن گزارنے' سونے اور کھانے پینے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ مکہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ باہر سے آنے والوں کو مکہ مکرمہ میں یا مسجد حرام میں آنے سے روکیں عموماً اس پر مکہ مکرمہ کے رہنے والے عمل کرتے رہے ہیں جو لوگ مسجد حرام سے روکیں گے مستحق عذاب ہوں گے' رہی یہ بات کہ مکہ مکرمہ کی زمین کو بیچنا اور اس کے گھروں کو کرایہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ موسم حج میں مکہ مکرمہ کے گھر کرایہ پر دینا مکروہ ہے اور حضرت امام یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور چونکہ حرمت کی کوئی دلیل نہیں اس لئے ان حضرات نے کراہت کو اختیار کیا ہے یہ کراہت ذاتی نہیں عارض کی وجہ سے ہے اور وہ عارض یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس گھر ہوتے ہیں وہ ان گھروں کو پیسہ کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور حجاج کرام سے بہت زیادہ کرایہ لے لیتے ہیں اس کرایہ کی وجہ سے بہت سے لوگ حج کرنے کی ہمت بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ تک آنے جانے کا کرایہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کثیر رقم زمانہ قیام کے کرایہ کے لئے بھی ہو جب کوئی شخص حج کا ارادہ کر سکتا ہے۔

بہت سے لوگ مکہ مکرمہ میں رہتے ہی اس لئے ہیں کہ مالکوں سے بلڈنگیں سستے کرایہ پر لے لیں اور پھر ان بلڈنگوں میں حجاج کو ٹھہرا کر بہت زیادہ پیسہ کمالیں' حجاج کی خدمت کی بجائے اس پر نظریں لگی رہتی ہیں کہ کب حاجی آئیں اور کب ان سے بھاری رقمیں وصول ہوں' ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار کوئی محمود اور محبوب نہیں ہے۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ موسم حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں مکہ معظمہ کے گھروں کو اجارہ پر دینا جائز ہے یعنی اس میں کراہت نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ مکہ کی سرزمین کو بیچنا جائز ہے یا نہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں اور دیگر آئمہ کے نزدیک بلا کراہت مکہ معظمہ کی زمین بیچنا جائز ہے۔

آخر میں فرمایا وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (اور جو شخص اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھادیں گے) اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو حرم

میں الحاد اور ظلم وزیادتی کا کام کریں، ظلم سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ شرک کرنا اور گناہ کرنا اس میں سب داخل ہے امام ابوداؤد نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ کہ **احتکار الطعام فی الحرم الحادفیہ** یعنی حرم میں غلے کا احتکار کرنا (ضرورت ہوتے ہوئے فروخت نہ کرنا) یہ بھی الحاد کی بات ہے حضرات اکابر سلف مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بہت احتیاط کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **ومن یرد** سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے رہتے ہوئے گناہ کا ارادہ کر لینا بھی مواخذہ کا سبب ہے اگرچہ عمل نہ کرے جبکہ دوسرے شہروں میں عمل کرنے پر مواخذہ ہوتا ہے۔ (ارادوں کی قسموں کے اعتبار سے اس مسئلہ میں تفصیل ہے) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کا ایک مطلب مروی ہے کہ کوئی شخص دنیا میں کہیں بھی ہو وہاں رہتے ہوئے حرم مکہ میں گناہ کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس ارادہ پر بھی اللہ تعالیٰ اسے عذاب چکھادے گا (درمنثور ج ۴/۳۵۱)

حضرت مجاہد تابعی فرماتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں جس طرح نیکیوں کا ثواب چند در چند ہو کر بہت زیادہ ملتا ہے اسی طرح ایک گناہ کئی گناہ بڑھا کر لکھ دیا جاتا ہے، حضرت مجاہد نے بیان کیا کہ حضرت ابن عبداللہ ابن عمرو کا ایک گھر حدود حرم میں تھا اور ایک گھر حل میں تھا جب نماز پڑھتے تھے تو حرم والے گھر میں پڑھتے تھے اور بچوں کو ڈانٹتے ڈپٹتے تھے تو حل والے گھر میں اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہم آپس میں یہ مذاکرہ کیا کرتے تھے کہ حرم میں (کسی کو ڈانٹنے کے لئے) **کلا واللہ بلی واللہ** بھی الحاد ہے (الدر المنثور ص ۳۵۲ ج ۴)

یہ جو فرمایا کہ جو شخص مسجد حرم میں یعنی مکہ مکرمہ میں کوئی گناہ کا کام کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے اس سے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں سزا دینا مراد ہے اگر کسی کو دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت میں مل جائے گی اصحاب فیل کو جو دنیا میں سزا ملی وہ تو معلوم ومشہور ہی ہے ان کی بربادی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو بھیجا جو اپنے ساتھ کنکریاں لئے ہوئے تھے انہوں نے ایسی کنکریاں ڈالیں کہ سارا لشکر ہاتھیوں سمیت وہیں **عصف ماکول** یعنی کھائے ہوئے بھوسہ کا ڈھیر بن گیا، یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں جو عذاب وہ اس کے علاوہ ہے، تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تبع (ایک شخص کا نام ہے) نے کعبہ شریف پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تھا کراع الغمیم (ایک جگہ کا نام ہے) میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے بہت سخت ہوا بھیج دی جس کی وجہ سے کھڑا ہونا اور بیٹھنا سب دوبھر ہو گیا جب یہ ہوا تو تبع نے اپنے دو عالموں کو بلایا (جو اس کے ساتھ سفر میں تھے) اور ان سے دریافت کیا کہ یہ مصیبت ہم پر کیوں آئی انہوں نے کہا کہ اگر ہماری جان بخشی ہو تو ہم بتائیں اس پر اس نے کہا کہ تم بے خطر رہو اس کے بعد ان دونوں نے بتایا کہ چونکہ تو ایک ایسے گھر پر حملہ کرنے کے لئے جا رہا ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے اس لئے یہ مصیبت نازل ہوئی ہے، اس پر تبع نے کہا کہ پھر میں کیا کروں؟ دونوں عالموں نے بتایا کہ تو سلے ہوئے کپڑے اتار دے اور دو چادریں پہن کر **لبیک اللھم لبیک** کہتا ہوا داخل ہو پھر طواف کر اور وہاں کسی کو اپنی جگہ سے مت ہٹا تبع نے کہا کہ اگر میں سب کچھ کر لوں تو کیا یہ ہوا

چلی جائے گی ان دونوں نے کہا کہ ہاں ایسا کرنے سے یہ ہوا ہٹ جائے گی چنانچہ اس نے چادریں پہنیں اور تلبیہ پڑھا اور آندھی ختم ہوگئی (ج۴/۳۵۲)

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِىْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتادی کہ تم میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بناؤ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں

وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ

اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا' اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو وہ تمہارے پاس پیدل چل کر

ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ

اور دبلی اونٹنیوں پر آئیں گے یہ اونٹنیاں دور دراز راستوں سے آئیں گی تاکہ لوگ اپنے منافع کیلئے حاضر ہوں'

اللّٰهِ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

اور ایام مقررہ میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہوں'

الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

تم ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ پھر اپنے میل کچیل کو دور کریں اور اپنی نذروں کو پوری کریں اور البیت العتیق کا طواف کریں

بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کعبہ شریف تعمیر فرمانا اور حج کا اعلان کرنا طواف زیارت کی فرضیت اور جانور ذبح کرنے کی مشروعیت

تفسیر: ان آیات میں کعبہ شریف کی تعمیر ابراہیمی اور لوگوں کو حج کی دعوت دینے اور ایام منیٰ میں جانوروں کو ذبح کرنے اور اس میں سے کھانے اور کھلانے اور احرام سے نکلنے کیلئے سر مونڈنے اور نذریں پوری کرنے اور طواف زیارت کرنے کا حکم مذکور ہے۔

اولاً فرشتوں نے پھر ان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفان نوح کی وجہ سے اس کی دیواریں مسمار ہوگئیں اور عمارت کا ظاہری پتہ نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اور کعبہ بنایا (کما ذکرہ الارزقی) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو متعین کر کے اس کی جگہ بتادی گئی جس کا ذکر سورۂ حج کی آیت کریمہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ میں تذکرہ فرمایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ بیت اللہ بنائیں تو انہیں اسکی جگہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جو خوب تیز چلی اور اس نے پرانی بنیادوں کو ظاہر کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم میری مدد کرنا عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا' ابراہیم علیہ السلام نے ایک اونچے ٹیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤں اس کے بعد دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا شروع کیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہوگئیں تو یہ پتھر لے آئے جسے مقام ابراہیم کہا جاتا ہے یہ زینہ کا کام دیتا تھا اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے جاتے تھے۔

یہاں سورۂ حج میں فرمایا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ فرمایا اور سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کے بارے میں فرمایا ہے وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کا طواف کرنے والوں کیلئے اور وہاں کے مقیمین کیلئے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو) اس میں کعبہ شریف کو پاک رکھنے کا حکم ہے اور کعبہ شریف کے ساتھ مسجد حرام کے پاک رکھنے کا بھی حکم ہو گیا کیونکہ طواف اور نماز کی ادائیگی اس میں ہوتی ہے' پاک کرنے میں سب کچھ داخل ہے باطنی ناپاکی شرک و کفر اور بت پرستی سے اور گندی باتوں سے جھوٹ سے' فریب سے' بدعملی سے پاک رکھیں' اور ظاہری ناپاکی سے بھی پاک صاف رکھیں' کوڑا کباڑ سے بدبودار چیزوں سے محفوظ رکھیں طواف ایک ایسی عبادت ہے جو صرف مسجد حرام ہی میں ہو سکتی ہے طواف کعبہ شریف کے چاروں طرف ہوتا ہے سورۂ بقرہ میں جو لفظ العاکفین وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مکہ مکرمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں' اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو عاکفین میں شمار ہو گئے اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مسجد حرام میں اعتکاف کریں کیونکہ لفظ عکوف ان پر بھی صادق آتا ہے۔

دونوں سورتوں میں جو الرُّكَّعِ السُّجُودِ فرمایا ہے اس سے نماز پڑھنے والے مراد ہیں سورۂ حج میں القائمین میں بھی فرمایا ہے اس سے بھی نمازی مراد ہیں اور اس طرح سے نماز کے تینوں عملی ارکان قیام' رکوع اور سجود کا تذکرہ آ گیا بعض حضرات نے القائمین سے مقیمین مراد لئے ہیں۔ بہرصورت مسجد حرام کا اہتمام اور تولیت سنبھالنے والوں پر لازم ہے کہ کعبہ شریف کو اور مسجد حرام کو پاک صاف رکھیں اور طواف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو ہر وقت مسجد حرام میں داخل ہونے دیں اور نماز و طواف میں مشغول ہونے اور اعتکاف کرنے سے منع نہ کریں الحمد للہ فتح مکہ کے دن ہی سے آج

تک اس پر عمل ہو رہا ہے اور مسجد حرام کے دروازے برابر رات دن کھلے رہتے ہیں جس وقت فرض نماز کھڑی ہوتی ہے اس وقت تو طواف کرنے والے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور اس کے علاوہ ہر وقت طواف ہوتا رہتا ہے' پھر فرمایا وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا (الآیۃ) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ ملا کر کعبہ شریف کی تعمیر پوری کر لی تو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو یعنی پکارو کہ حج کے لئے چلے آؤ' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں لوگوں میں اس بات کا کیسے اعلان کروں حالانکہ میری آواز نہیں پہنچ سکتی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم پکارو آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے چنانچہ صفا پر اور ایک قول کے مطابق جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر انہوں نے یوں آواز دے دی یا ایھا الناس ان ربکم قد اتخذ بیتا فحجوہ (اے لوگو! یقین جانو تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے لہٰذا تم اس کا حج کرو) ان کے اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام گوشوں میں پہنچا دیا اور ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج کرنا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنوا دی حتیٰ کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جو ماؤں کے رحموں میں تھے اور باپوں کے پشتوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حضرت ابراہیم کی آواز پہنچا دی۔ اور جس جس کیلئے قیامت تک حج کرنا مقرر اور مقدر تھا ان سب نے اسی وقت لبیک اللھم لبیک پڑھ لیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح منقول ہے۔ گزشتہ زمانہ میں تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص کی آواز بیک وقت پورے عالم میں کیسے پہنچی ہوگی؟ لیکن اب تو جدید آلات نے سب پر واضح کر دیا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے' ایک شخص ایشیا میں بولتا ہے تو اسی وقت اس کی آواز امریکہ میں سنی جاتی ہے اور امریکہ میں بولتا ہے تو ایشیا والے گھروں میں بیٹھے بیٹھے سن لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم حج کی دعوت دے دو گے تو تمہاری اس دعوت پر آواز سننے والے پیدل چل کر اور اونٹنیوں پر سفر کر کے دور دراز راستوں سے حج کے لئے چلے آئیں گے اس مضمون کو یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ میں بیان فرمایا ہے' ضامر سے دبلی اونٹنیاں مراد ہیں کیونکہ اس کی صفت میں یاتین صیغۃ جمع مونث غائب لایا گیا ہے' عرب کے لوگ تیز رفتاری کی ضرورت سے گھوڑوں کو اور اونٹوں کو کم کھلاتے تھے کیونکہ موٹے ہوں گے تو بوجھل ہونے کی وجہ سے چل نہ سکیں گے' ایسے جانوروں کو ضامر کہا جاتا تھا۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جب اپنے اہل و عیال کو مکہ مکرمہ کی سرزمین میں آباد کیا تھا اس وقت یہ دعا بھی کی تھی فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ کہ اے رب لوگوں کے دلوں کو ایسا بنا دے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی آواز بھی پہنچا دی اور ان کی دعا بھی قبول فرمالی اس وقت سے لیکر آج تک کروڑوں انسان حج و عمرہ کر چکے ہیں ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش ہے کہ کعبہ شریف کو دیکھے اور اس کا طواف کرنے زمین کے دور دراز گوشوں سے مختلف راستوں سے طرح طرح کی سواریوں سے مکہ مکرمہ پہنچتے ہیں اور حج و عمرہ کرتے ہیں اس میں بہت سے دینی دنیاوی منافع ہیں مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کو باہر کے

آنے والوں سے طرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں اور آنے والے بھی دینی اور دنیاوی منافع سے مستفید ہوتے ہیں جسے لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ میں بیان فرمایا ہے اس کی کچھ تفصیل سورۃ مائدہ کی آیت کریمہ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (اور تاکہ مقررہ ایام میں اس نعمت پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دی ہے یعنی چوپائے) یہاں کئی باتیں محتاج تشریح ہیں اول یہ کہ ایام معلومات سے کیا مراد ہے دوسرے یہ کہ اللہ کا نام ذکر کرنے سے کیا مراد ہے سوم یہ کہ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ کیا ہیں؟ چہارم یہ جانور وجوباً کس موقعہ پر اور استحباباً کس موقع پر ذبح کئے جائیں۔

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ: (مقررہ ایام) سے کون سے دن مراد ہیں؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ (یعنی ذوالحجہ کے اولین دس دن) مراد ہیں ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کریں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بقرعید کے دس دن میں جس قدر نیک عمل اللہ کو محبوب ہے اس سے بڑھ کر کسی زمانے میں اس قدر محبوب نہیں (یعنی یہ دن فضیلت میں دیگر ایام سے بڑھے ہوئے ہیں) صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کی عبادت سے افضل نہیں ہے آپ نے ارشاد فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان ایام کے اعمال سے افضل نہیں الا یہ کہ کوئی شخص اپنی جان و مال لیکر نکلے اور ان میں سے کچھ بھی واپس لیکر نہ لوٹے (مشکوٰۃ المصابیح ۱۲۸ بحوالہ بخاری) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بہت ہیں ان سب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے لیکن چونکہ بهيمة الانعام (چوپائے) دسویں دن سے ذبح ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے ان جانوروں کی تلاش ہوتی ہے خریداری ہوتی ہے کھلایا پلایا جاتا ہے۔ صحیح سالم ذبح کرنے کیلئے جانوروں کو تیار کیا جاتا ہے اس لئے یوں فرمایا کہ مقررہ ایام میں اس نعمت پر اللہ کا ذکر کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے چوپایوں کی صورت میں عطا فرمائی ہے ان میں دینی فائدہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اور دنیاوی منافع بھی ہیں ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں دودھ بھی پیتے ہیں اور سوار بھی ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے ایام معلومات سے ایام النحر یعنی دس' گیارہ' بارہ ذوالحجہ مراد لئے ہیں ان تینوں دنوں میں پورے عالم میں قربانیاں کی جاتی ہیں جو صاحب نصاب پر واجب ہوتی ہیں اور منیٰ میں بھی جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں حج کی قربانیاں بھی ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ وہ قربانیاں بھی کرتے ہیں جو مالک نصاب ہونے کی وجہ سے فرض ہوتی ہیں ایام منیٰ میں یوں بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے سورۂ بقرہ میں فرمایا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ (اور چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو) اس سے منیٰ کے ایام میں ذکر کرنا مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعرات کو کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کی سعی کرنا اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے۔ (رواہ الترمذی)

حج سراپا ذکر ہے تلبیہ ذکر ہے طواف بھی ذکر ہے سعی میں ذکر ہے عرفات میں ذکر ہے مزدلفہ میں ذکر ہے ایام منیٰ میں ذکر ہے رمی کرتے وقت ذکر ہے قربانی کرتے وقت ذکر ہے، معالم التنزیل ج ۱/ ۱۷۸ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نمازوں میں منیٰ میں تکبیر کہتے تھے اور مجلس میں بھی اور بستر پر ہوتے ہوئے بھی اور راستوں میں بھی، صحیح مسلم ج ۱/ ۳۶۰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **لا تصوموا فی هذه الایام فانما ایام اکل و شرب و ذکر الله** (ان دنوں میں روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں)

بھیمة الانعام: (چار پاؤں پر چلنے والے جانور) ان سے وہ جانور مراد ہیں جو حج کے دنوں میں منیٰ میں اور پورے عالم میں **اضحیہ** (قربانی واجبہ) کی ادائیگی کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں ہر جانور اور ہر چوپائے کی قربانی جائز نہیں ہوتی اس کے لئے اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بکرا بکری، دنبہ دنبی، بھیڑ بھیڑا ہی متعین ہیں، اور چونکہ بھینس بھی گائے کی ایک جنس ہے اس لئے اس کی بھی قربانی درست ہے ان جانوروں کی عمریں بھی مقرر ہیں اور یہ بات بھی لازم ہے کہ جانور کے جسم میں عیب نہ ہو۔ ناک، کان، ہاتھ، پاؤں ٹھیک ہوں البتہ تھوڑا سا کوئی نقص ہو تو اس کے ذبح کرنے کی گنجائش ہے (جس کے مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں) اونٹ اور اونٹنی کی قربانی کے لئے خواہ حج کی قربانی ہو خواہ کوئی صاحب نصاب اپنے وطن میں قربانی کرنا چاہے تو پانچ سال کا اونٹ یا اونٹنی ہونا لازم ہے۔ گائے، بیل بھینس دو سال کا ہونا اور بکرا بکری، بھیڑ بھیڑا، اور دنبہ دنبی میں ایک سال کی عمر ہونا شرط ہے گائے اور بیل، بھینس بھینسا، اونٹ اونٹنی میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔

حج میں جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں قرآن مجید میں اسی کا نام ھدی رکھا ہے، جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو اس پر قربانی کرنا واجب ہے یہ قربانی دس گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کسی دن کر دی جائے بارہویں تاریخ کا سورج چھپنے کے بعد ذبح کیا تو ایک قربانی مزید واجب ہوگی جسے دم جنایت کہتے ہیں، قران اور تمتع کی ھدی ذبح کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے حلق یا قصر نہ کرے، اس کی خلاف ورزی کرنے سے دم جنایت واجب ہوگا، جس نے حج افراد کیا ہو اس کے لئے ھدی کا جانور ذبح کرنا مستحب ہے۔

فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (سو ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ) حج میں جو قربانیاں کی جاتی ہیں ان میں ایک تمتع اور قران کی قربانی ہے دوسرے دم جنایت ہے تیسرے دم احصار ہے اور چوتھے نفلی قربانی ہے ان میں سے جو دم جنایت اور دم احصار ہے اس میں سے صرف فقراء اور مساکین ہی کھا سکتے ہیں نہ قربانی والا خود کھا سکتا ہے نہ اپنے اہل و عیال کو کھلا سکتا ہے اور نہ کسی صاحب نصاب کو اس میں سے دینا جائز ہے، اور ضروری نہیں ہے کہ یہ گوشت حرم کے مساکین ہی کو دیا جائے البتہ حرم کے فقراء کو دینا افضل ہے، تمتع اور قران کی قربانی اور حج کی نفلی قربانی سے خود کھانا، اہل و عیال کو کھلانا دوست احباب کو دینا یہ سب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے یہی حکم اس قربانی کا ہے جو صاحب نصاب ساری دنیا میں کرتے ہیں، جس ھدی کا گوشت مالک کو کھانا جائز ہے اس میں تہائی گوشت فقیروں کو دینا مستحب ہے احکام

حج میں کسی واجب کے چھوٹ جانے یا بعض واجبات میں تقدیم وتاخیر کرنے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے اسے دم جنایت کہا جاتا ہے۔

جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر روانہ ہو گیا پھر کسی صاحب اقتدار نے آگے بڑھنے سے روک دیا کسی دشمن نے نہ جانے دیا یا ایسا سخت مریض ہو گیا کہ سفر کے قابل نہ رہا اس کو احصار کہا جاتا ہے اگر ایسا واقعہ پیش آ جائے تو حدود حرم میں صحیح سالم ایک سالہ بکرا یا بکری ذبح کرا کر احرام سے نکل جائے اسے دم احصار کہتے ہیں۔ اگر چہ مجبوری کی وجہ سے دم دیکر احرام سے نکل جائے گا لیکن حج یا عمرہ کی قضا پھر بھی واجب رہے گی تفصیلی مسائل حج کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

فائدہ: دم احصار دم تمتع اور دم قران اور دم جنایات ان سب کا حدود حرم میں ہی ذبح کرنا واجب ہے دم تمتع اور دم قران منیٰ میں ہونا افضل ہے۔

ثُمَّ الْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ (پھر اپنے میل کچیل کو دور کریں) دس تاریخ کی صبح کو مزدلفہ سے آتے ہیں اس روز منیٰ میں قربانیاں کی جاتی ہیں جس شخص نے صرف حج افراد کیا ہو وہ مزدلفہ سے آ کر پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے پھر حلق کرائے پھر سر منڈوائے اور اگر حج کی قربانی بھی کرنی ہو (جو اس کے لئے مستحب) تو افضل یہ ہے کہ رمی کرنے کے بعد پہلے قربانی کرے پھر حلق کرائے اور جس شخص نے تمتع یا قران کیا ہو وہ منی میں اولاً جمرہ عقبہ کی رمی کرے اس کے بعد قربانی کرے اس کے بعد حلق کرنے کے بعد ناخن وغیرہ کاٹے جائیں اسی کو فرمایا کہ پھر اپنے میل کچیل کو دور کر لیں' بالوں کا قصر کرنے یعنی کاٹنے سے بھی احرام سے نکل جاتا ہے لیکن حلق کرنا افضل ہے اور عورت کے لئے قصر ہی متعین ہے کیونکہ اس کو سر منڈانا منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حلق کرانے والوں کے لئے تین بار اور قصر کرنے والوں کے لئے ایک بار رحمت کی دعا دی پورے سر کا حلق یا قصر کیا جائے اگر سر نہ منڈائے اور قصر یعنی بال کٹانے کو اختیار کرے تو اس میں بھی پورے سر کے بالوں کو کاٹ دے اور یہ کاٹ دینا اس وقت معتبر ہے جبکہ بال بڑے بڑے ہوں اور بقدر ایک پورے کے پورے سر کے یا کم از کم چوتھائی سر کے بال کٹ جائیں اگر اتنے بڑے بال نہ ہوں جو ایک پورے کی لمبائی کے بقدر کٹ سکیں تو پھر حلق ہی متعین ہوگا۔ حج کے احرام سے نکلنے والے کے لئے افضل ہے کہ منیٰ میں حلق یا قصر کرے اگر چہ حدود حرم میں کسی جگہ بھی حلق یا قصر کرنا درست ہے' اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کچھ سر مونڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا منع ہے۔

تنبیہ: لوگوں نے یہ جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لئے دو چار جگہ سے چند بال کٹوا لیتے ہیں یہ طریقہ آنحضرت ﷺ سے اور آپ کے صحابہ سے ثابت نہیں ہے اس طرح کرنے سے احرام سے نہیں نکلتا پورے سر کا حلق کرے یا کم از کم چوتھائی سر سے ایک پورے کے برابر لمبائی میں بال کاٹ دے' اگر ایسا نہ کیا تو برابر احرام ہی میں رہے گا۔ اور چونکہ ایسے شخص کا احرام بدستور باقی رہے گا اس لئے سلے ہوئے کپڑے پہن لینا یا خوشبو لگانا یا ناخن کاٹنا یا سر کے علاوہ کسی اور جگہ کے بال مونڈنا یا کاٹنا احرام کی جنایات میں شمار ہوگا۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (اور اپنی نذروں کو پوری کریں) اس میں نذریں پوری کرنے کا حکم فرمایا ہے جس کسی عبادت کی نذر مان لی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے نماز کی روزے کی حج کی عمرہ کی صدقہ کرنے کی قربانی کی جو بھی نذر مان لے اسے پوری کرے۔ سورۂ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ میں ابرار یعنی نیک بندوں کی جو تعریف فرمائی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا (وہ نذروں کو پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کی سختی عام ہوگی) جو لوگ حج کو جاتے ہیں ان میں سے بعض کا تو حج وہی ہوتا ہے جو حج کی نذر کر کے واجب کر لیا تھا اور بعض لوگ عمرے کرنے کی نذریں مان لیتے ہیں بعض لوگ منیٰ میں یا مکہ میں قربانی کرنے کی نذر مانتے ہیں اس لئے احکام حج کے ذیل میں ایفائے نذر یعنی نذر پوری کرنے کا بھی حکم فرما دیا۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (اور بیت عتیق کا طواف کریں) بیت عتیق کعبہ شریف کے ناموں سے ایک نام ہے سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کا نام عتیق یعنی آزاد اس لئے رکھا ہے کہ اسے بڑے بڑے سرکشوں سے محفوظ فرمایا ہے کوئی جابر اور ظالم اس پر غالب نہیں ہو سکتا یہ تو حدیث مرفوع ہے نیز حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مجاہد سے بھی ایسا ہی منقول ہے' حج میں تین فرائض ہیں اول حج کا احرام باندھنا دوسرے حج کا احرام باندھ کر ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے لیکر صبح صادق سے پہلے پہلے کسی بھی وقت عرفات میں موجود ہونا' جسے وقوف عرفات کہا جاتا ہے' تیسرے وقوف عرفات کے بعد طواف کرنا جسے طواف افاضہ' طواف زیارۃ' طواف رکن' اور طواف فرض بھی کہا جاتا ہے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں طواف زیارت ادا کرنے کا حکم ہے کیونکہ میل کچیل دور کرنے کا حکم دینے کے بعد طواف کرنے کا حکم دیا ہے یہ طواف ترتیب مسنون کے مطابق دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی اور پھر قربانی پھر حلق کے بعد کرنا چاہئے' رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا لیکن اگر کوئی شخص مزدلفہ سے سیدھا مکہ مکرمہ چلا جائے اور پہلے طواف زیارت کر لے پھر منیٰ میں آ کر رمی اور ذبح اور حلق کرے تو یہ بھی جائز ہے یعنی اس سے کوئی دم واجب نہیں ہوتا اگرچہ افضلیت کے خلاف ہے' یہ طواف دس گیارہ بارہ ذی الحجہ تینوں تاریخوں میں سے کسی بھی تاریخ میں رات میں یا دن میں ادا کر لیا جائے۔ اگر کسی ایسی مجبوری کے بغیر بارہ تاریخ کا سورج غروب ہونے کے بعد کیا جو مجبوری شرعاً معتبر ہے تو دم واجب ہوگا لیکن ادا پھر بھی ہو جائے گا۔

طواف زیارت چھوڑنے یا چھوٹنے کی تلافی کسی بھی بدل یا دم سے نہیں ہو سکتی، ہاں اگر کوئی شخص وقوف عرفات کے بعد مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کر دی کہ میرا حج پورا کر دیا جائے تو طواف زیارت کے بدلے پورا ایک بدنہ یعنی ایک سالم اونٹ یا ایک سالم گائے ذبح کر کے مسکینوں کو دے دیں۔ حج میں ایک طواف مسنون ہے اور وہ طواف قدوم ہے جو میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے سنت ہے اور ایک طواف واجب ہے وہ طواف وداع ہے جو طواف زیارت کرنے کے بعد مکہ معظمہ سے روانگی کے وقت کیا جاتا ہے یہ طواف ان لوگوں پر واجب ہے جو حرم اور حل سے باہر رہتے ہیں' ان طوافوں کے علاوہ جتنے چاہے نفلی طواف کرے' البتہ اگر کسی نے طواف کی نذر مان لی تھی تو نذر پورا کرنا واجب

ہو جائے گا، ہر طواف میں سات ہی چکر ہیں ہر چکر حجر اسود سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے، تفصیلی مسائل حج کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

فائدہ: طواف زیارت اگر بارہ تاریخ کے اندر اندر ادا نہیں کیا تو زندگی میں جب کبھی بھی ادا کرے گا ادا ہو جائے گا۔ لیکن جب تک طواف نہ کرے گا بیوی سے میل ملاپ حرام رہے گا اگر کوئی ایسی حرکت کر لی میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہے تو جنایت شمار ہوگی اور بعض صورتوں میں بکری اور بعض صورتوں میں بدنہ واجب ہوگا اگر حلق کرنے کے بعد طواف کرنے سے پہلے ایک ہی مجلس میں متعدد مرتبہ جماع کیا تو ایک ہی دم واجب ہوگا اور اگر متعدد مجلسوں میں جماع کیا تو ہر مجلس کے جماع پر علیحدہ علیحدہ دم ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ
یہ بات ہو چکی اور جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کیلئے بہتر ہے اور تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾
سوائے ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں، سو تم گندگی سے یعنی بتوں سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو
حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ
اس طرح سے کہ اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہو اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرے اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ آسمان سے
فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ
گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اسے ہوا نے اڑا کر کسی دور جگہ جا کر ٹپک دے۔ یہ بات ہو چکی اور جو شخص اللہ کے شعائر
اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ
کی تعظیم کرے سو یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔ تمہارے لئے ان میں ایک مقررہ وقت تک منافع ہیں پھر ان کا
اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾
پہنچنا ہے بیت عتیق تک

اللہ تعالیٰ کی حرمات اور شعائر کی تعظیم کا حکم، شرک اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید، ہر مشرک کی مثال، جانوروں کے فوائد کا تذکرہ

تفسیر: دونوں آیتوں کے شروع میں جو لفظ ذٰلِکَ ہے اسکے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ

یہ اسم اشارہ فصل بین الکلامین یا کلام واحد کی دو وجوہ بیان کرنے کے درمیان بولا جاتا' یہ ایسا ہی ہے جیسے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بات تو ہو چکی اب آئندہ بات سنو' پھر ایک قول یہ بھی لکھا کہ یہاں لفظ امتثلوا محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کچھ پہلے بیان ہوا ہے اس پر عمل کرو' وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (اور جس شخص نے اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے تو وہ اس کے رب کے پاس اس کے لئے بہتر ہے) لفظ حرمات حرمت کی جمع ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حرمت سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کا شرعاً احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے تمام احکام شرعیہ جن کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے (خواہ حج سے متعلق ہو خواہ دوسری عبادات سے) ان سب کا احترام کرنا لازم ہے۔ اور سب سے بڑا احترام یہ ہے کہ دل و جان سے تسلیم کرے اور اخلاص کے ساتھ حکم کے مطابق عمل کرے' اس کے عموم میں نماز' روزہ کا احترام' علم دین کا احترام' اور سارے اعمال دینیہ کا احترام آ جاتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حج میں جو حرمات ہیں وہ یہ ہیں گناہ نہ کرے۔ لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے۔ میاں بیوی والے تعلق کو کام میں نہ لائے۔ خشکی کا شکار نہ کرے' احرام کی خلاف ورزیاں نہ کرے' جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا نفع میں رہے گا' اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی قدردانی فرمائے گا اور قیامت کے دن ان پر اجر و ثواب دے گا۔

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ (اور تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے یعنی ان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دی گئی ہے) اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (مگر جن کی تم پر تلاوت کی گئی) یعنی جس کا بیان قرآن کریم کی دوسری آیات میں پڑھ کر سنا دیا گیا ہے یہ بیان سورہ بقرہ اور سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام میں ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی بھی اس کی تفصیل بتا دی گئی ہے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں اس بات کا ذکر یہ بتانے کے لئے ہے کہ حلال جانور جنہیں عام طور پر ذبح کر کے کھاتے ہیں (مثلاً اونٹ' گائے' بکرا' بھیڑ' دنبہ) احرام میں ان کے ذبح کرنے کی ممانعت نہیں ہے صرف خشکی کے جانوروں کا شکار کرنے کی ممانعت ہے۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو) مشرکین جانوروں کو بتوں کے تقرب کے لئے ذبح کرتے تھے اور یہ ان کے نزدیک بتوں کی عبادت تھی اس لئے فرمایا کہ حلال جانوروں کو کھاؤ پیو لیکن بتوں کی عبادت میں استعمال نہ کرو۔ نہ دیوی دیوتا اور بتوں کے لئے ذبح کرو اور نہ ذبح کرنے کے بعد ان کے گوشت کا ان پر چڑھاوا چڑھاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید سکھائی تھی اور قربانی کی ابتداء کی تھی اور یہ قربانی صرف اللہ کی رضا کیلئے تھی لیکن بعد میں اہل عرب مشرک ہو گئے جو بتوں کیلئے احرام باندھتے تھے اور ان کے تقرب کیلئے جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور تلبیہ میں بھی شرک کے الفاظ کا اضافہ کرتے تھے اور یوں کہتے ہیں الا شریکا ھولک اس لئے حج کے ذیل میں یہ بات بیان فرمائی کہ جانوروں کا استعمال کھانے پینے کیلئے ہے غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کے واسطے نہیں۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (اور جھوٹی بات سے بچو) اس میں ہر طرح کے جھوٹ سے بچنے کا حکم فرما دیا۔ جھوٹی بات'

جھوٹی خبر، جھوٹی قسم، جھوٹا وعدہ سب سے بچنا فرض ہے جھوٹ سے بچنے کا حکم تو عام ہے لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ مشرکین عرب جو شرک کر کے کام کرتے تھے جن میں بعض جانوروں کی تحلیل اور تحریم بھی تھی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے جس کا بیان سورہ مائدہ کی آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ (الآیۃ) کی تفسیر میں گزر چکا ہے سورہ اعراف میں وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا میں بھی ان کی اس گمراہی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ دیکھو انوار البیان ج ۳

حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دیا گیا ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ اس کا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے اور جھوٹی بات سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے ہوئے رہو یعنی عقیدہ بھی توحید کا رکھو اور اعمال بھی اس کے حکم کے مطابق انجام دو۔ شرک سے دور رہو۔

اس کے بعد مشرک کا حال بیان فرمایا وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ (الآیۃ) یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بلندی سے گر پڑے اور پرندے اسے اچک لیں اور اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا جائیں، اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ جیسے کسی شخص کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پھینک دے، علامہ بغوی نے معالم التنزیل ج ۳/۲۸۶ میں لکھا ہے کہ جیسے کوئی شخص گرے اور پرندے اچک کر اور نوچ نوچ کر اس کی بوٹیاں کھالیں یا جیسے ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور جگہ لے جا کر پھینک دے یہی حال مشرک کا ہے اور وہ لامحالہ ہلاک ہی ہو کر رہے گا اس کی خلاصی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کی آخرت برباد ہے اس کے لئے عذاب دوزخ ہے اِلَّآ اَنْ يَّتُوْبَ مِنَ الْكُفْرِ وامن قبل موتہ احقر کے ذہن میں آیت کی ایک تقریر یوں سمجھ میں آئی ہے کہ جو شخص مشرک ہوتا ہے وہ بہت سے معبودوں کو مانتا ہے اور جس کو معبود بنایا ہوا ہے ان کا اس پر تسلط ہوتا ہے جو اس نے خود ہی دے رکھا ہے اب یہ ان کے پنجہ میں ہے انہوں نے اس کی تکہ بوٹی کر لی ہے اور آپس میں بانٹ لیا ہے ایسے شخص کے بارے میں یہ امید رکھنا کہ شرک کو چھوڑ کر کبھی توحید پر آئے گا اس کا کوئی موقعہ نہیں۔

اور یہ فرمایا کہ ''مشرک کی ایسی مثال ہے'' جیسے کسی کو ہوا اڑا کر لے جائے اور کسی دور دراز جگہ میں لے جا کر پھینک دے'' اس کے بارے میں ذہن میں یوں آیا کہ سورہ انعام میں جو كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا فرمایا ہے یہ اسی کے قریب ہے، یہاں یہ فرمایا ہے کہ ہوا اڑا کر لے گئی اور کہیں دور دراز جگہ لے جا کر ڈال دیا وہاں فرمایا ہے کہ اصحاب ضلال اسے ہر طرف سے بلا رہے ہیں جس کسی کی طرف جائے گا مزید

گمراہی میں پڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم ہوگا والعلم عند اللہ الکریم پھر فرمایا ذٰلک (یہ بات اسی طرح سے ہے) وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو بلاشبہ یہ قلوب کی تقویٰ کی بات ہے) اس سے پہلے اللہ کی حرمات کی تعظیم کی فضیلت بیان فرمائی۔ اس کے بعد اللہ کے شعائر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ان کی تعظیم کرے گا اس کے بارے میں یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ تعظیم کرنا قلوب کے تقویٰ کی وجہ سے ہے یعنی جن لوگوں کے قلوب میں تقویٰ ہے وہی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں حرمات میں شعائر بھی داخل ہے ان کی مزید اہمیت فرمانے کے لئے مستقل طور پر علیحدہ حکم دیا ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کی خاص نشانیوں میں سے ہیں) اور سورہ مائدہ میں فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (اے ایمان والو اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو)

جو چیزیں عبادات کا ذریعہ بنی ہیں انہیں شعائر کہا جاتا ہے اس کے عموم میں بہت سی دینی چیزیں آ جاتی ہیں، اور بعض حضرات نے ان میں خاص اہمیت والی چیزوں کو شمار کرایا ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ شعائر چھ ہیں (۱) صفا مروہ (۲) قربانی کے جانور (۳) حج کے موقعہ پر کنکریاں مارنے کی جگہ (۴) مسجد حرام (۵) عرفات (۶) رکن یعنی حجر اسود۔ اور ان کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ ان مواقع میں جن افعال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں انجام دیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے منقول ہے کہ حج کے تمام مواقع شعائر ہیں ان کے قول کے مطابق منیٰ اور مزدلفہ بھی خاص شعائر میں شامل ہو جاتے ہیں لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ان جانوروں میں تمہارے لئے ایک وقت مقرر تک منافع ہیں) یعنی جن جانوروں کو حج یا عمرہ میں ذبح کرنے کے لئے متعین فرما دیا تو اب ان سے نفع حاصل نہ کیا جائے اس سے پہلے ان کا دودھ پینے اور اس پر سواری کرنا اور ان کا اون کاٹ کر کام میں لانا جائز تھا جب اس کے لئے جہت تقرب معین کر دی کہ وہ حج یا عمرہ میں ذبح کئے جائیں گے تو اب اس سے نفع حاصل نہ کیا جائے۔ زمانہ قدیم میں ھدی کے جانور ساتھ لے جایا کرتے تھے اور انہیں مکہ مکرمہ میں یا منیٰ میں ذبح کیا کرتے تھے حج تمتع والا شخص جو جانور ساتھ لے جاتا تھا کتب فقہ میں اسے متمتع سائق الھدی کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور اس کا حکم بعض امور میں متمتع غیر سائق الھدی سے مختلف ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر بڑی تعداد میں ہدی کے جانور پہلے سے ایک صحابی (ناجیہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی نگرانی میں بھیج دیئے تھے اور بہت سے جانور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے تھے یہ سو اونٹ ہو گئے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں نحر فرمایا، تمتع اور قران والے پر اگرچہ ایک ہی دم واجب ہے لیکن جتنے بھی زیادہ جانور اللہ کی راہ میں ذبح کر دیئے جائیں افضل ہے، حج افراد والے پر حج کی قربانی واجب نہیں لیکن اس کے لئے بھی مستحب ہے کہ قربانی کرے، صرف عمرہ کیا جائے تو اس میں قربانی واجب نہیں لیکن جتنے

بھی زیادہ جانور اللہ کی راہ میں ذبح کر دیئے جائیں افضل ہے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ عمرۃ الحدیبیہ کے موقع پر ہدی کے جانور لے گئے تھے جنہیں احصار ہو جانے پر وہیں ذبح فرما دیا۔

جب کسی جانور کو ہدی کے لئے متعین کر دیا تو اب نہ اس کا دودھ نکالے نہ اون کاٹے اور نہ اس پر سواری کرے، ہاں اگر مجبوری ہو جائے کہ سواری کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تو دوسری سواری ملنے تک اس پر سوار ہو سکتا ہے، ہدی کے جانور کے تھنوں میں اگر دودھ آ جائے تو تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دے تاکہ اوپر سے دودھ اترنا بند ہو جائے اور جس جانور کو ہدی کے لئے متعین کر دیا ذبح کے بعد اسکی جھول اور باگ سب کو صدقہ کر دے، اور گوشت کاٹنے والے کی اجرت بھی اس میں سے نہ دے بلکہ اپنے پاس سے ادا کرے، یہی حکم عام قربانی کے جانور کا ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (پھر ان جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ البیت العتیق کے نزدیک ہے) البیت العتیق سے پورا حرم مراد ہے، حرم میں جس جگہ بھی حج یا عمرہ سے متعلق جانور ذبح کر دے اس کی ادائیگی ہو جائے گی، خارج حرم ان جانوروں کا ذبح کرنا درست نہیں ہے، دم احصار کے بارے میں وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فرمایا ہے اور احرام میں شکار کرنے پر جو جانور شکار کے عوض ذبح کیا جائے اس کے بارے میں هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ فرمایا ہے اور یہاں بھی عام ھدایا کے بارے میں ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر ہدی نفلی ہو اور وہ راستہ میں ہلاک ہونے لگے تو اسے وہیں ذبح کر دے اور اسے نشان لگا کر فقراء کیلئے چھوڑ دے نہ خود کھائے نہ کوئی دوسرا صاحب نصاب کھائے، اور نشانی کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی چپل لے اور اسے خون میں بھر کر جانور کی گردن پر مار دے تاکہ خون پھیل جائے اور جم جائے اور لوگ یہ سمجھ لیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے اور اگر ہدی کا وہ جانور راستہ میں ہلاک ہونے لگے جو واجب تھا یا اس میں عیب پیدا ہو جائے جو ادائیگی واجب سے مانع ہو تو دوسرا جانور اسکے قائم مقام کر دے اور اس پہلے والے جانور کا جو چاہے کرے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کرنا مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں اللہ کا نام ذکر کریں،

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرمانبردار بنو اور جو لوگ عاجزی کرنے والے ہیں ان کو خوشخبری سنا دو جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے

قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

دل ڈر جاتے ہیں، اور وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں اور نمازیں قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو جن کے قلوب اللہ کے ذکر کے وقت ڈر جاتے ہیں اور جو صبر کرتے ہیں نماز قائم کرتے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں

تفسیر: لفظ منسک مفعل کے وزن پر ہے جس کی ماضی نسک ہے یہ مادہ مطلق عبادت کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور جانور ذبح کرنے کیلئے بھی اور حج کے احکام ادا کرنے کیلئے بھی' جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا فرمایا ہے' یہاں پر تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہر امت کیلئے عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں اور قربانی کے معنی میں ہو سکتا ہے اور قربانی کی جگہ کے معنی میں بھی اور افعال حج کے معنی میں بھی' لیکن آیت کے سیاق اور ماقبل سے ارتباط پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جانوروں کی قربانی کرنا مراد ہے کیونکہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے ساتھ ہی لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فرمایا ہے فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا (سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اس کی فرمانبرداری کرو) اس میں یہ بات بتائی ہے کہ جانوروں کے ذبح کرنے میں صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی رضا مقصود ہو)

اس کے بعد مخبتین یعنی عاجزی کرنے والوں اور فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ گردن جھکا دینے والوں کو اللہ کی رضامندی کی خوشخبری سنانے کا حکم دیا اور ان کے چار اوصاف بیان فرمائے۔

پہلا وصف یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (جس میں اس کی ذات وصفات کا ذکر اور اس کے احکام اور وعدہ اور وعید کا تذکرہ سب داخل ہے) تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں' اور دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ ان پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ نمازوں کو قائم کرنے والے ہیں' اور چوتھا وصف یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں' لفظوں کے عموم فرض زکوٰۃ اور صدقات واجبہ اور نفلی صدقات سب کو شامل ہے۔ قربانی کے جانوروں میں سے خرچ کرنا فقراء اور احباب واصحاب کو دینا یہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

اور قربانی کے اونٹ اور گائیں جن کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے تمہارے لئے ان میں خیر ہے سو تم ان پر اللہ کا نام لو جب قطار میں کھڑے

صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا

ہوں سو وہ جب اپنی کروٹوں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور جو صبر کئے ہوئے ہو اسے اور جو سوالی بن کر آ جائے اس کو کھلاؤ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے

لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

تا کہ تم شکر کرو۔ اللہ کو ہرگز نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور ان کے خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے، اسی طرح اس نے ان کو

مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

تمہارے لئے مسخر کیا تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔ اور اچھے کام کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے

قربانی کے جانور اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں ان میں سے قناعت کرنے والے کو اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ

تفسیر: البدن جمع ہے بدنہ کی بڑے جانوروں کو بدنہ کہا جاتا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک لفظ بدنہ اونٹ اور گائے دونوں کو شامل ہے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو اللہ کے شعائر یعنی دینی یادگاروں اور بڑی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے، ان میں تمہارے لئے خیر ہے دنیاوی فوائد بھی ہیں اور اخروی بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے ذبح اور نحر پر ثواب عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک بدنہ کا مصداق صرف اونٹ ہے ضحایا (عام قربانیاں جو پورے عالم میں ہوتی ہیں) اور ھدایا (وہ جانور اور جو حرم میں حج کے موقعہ پر ذبح کئے جاتے ہیں) ان سب میں اونٹ گائے اور بکری اور بھیڑ اور دنبہ ذبح کرنا اصول شریعت کے مطابق درست ہے ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی حج میں یا ایام اضحیہ درست نہیں ہے اونٹ اور گائے میں سات حصے ہو سکتے ہیں اور باقی جانوروں میں صرف ایک حصہ ہو سکتا ہے اہل عرب اونٹوں کی پرورش کرتے تھے اور ان کے یہاں ان کی نسلیں چلتی تھیں اور کثیر تعداد میں قبائل عرب کے پاس اونٹ ہوتے تھے حج کے موقعہ پر بطور ہدی اونٹوں کو ساتھ لے جاتے تھے پھر منیٰ میں انہیں نحر کرتے تھے نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کا بایاں پچھلا پاؤں باندھ دیا جائے اور بسم اللہ پڑھ کر کھڑے ہی کھڑے ذبح کی جگہ میں تیز برچھا مار دیا جائے اس کو نحر کہتے ہیں۔ اونٹ میں نحر کرنا اور بکری وغیرہ میں ذبح کرنا سنت ہے (ذبح کا مطلب تو سبھی کو معلوم ہے) علماء نے بتایا ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نہر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس سے اسکی جان آسانی سے نکل جاتی ہے (قدیم زمانوں میں عربوں کے لئے نحر بہت آسان کام تھا) نحر کرنے سے اونٹ گر پڑتا تھا اگر بہت سے اونٹ قطار میں کھڑے ہوتے تو جس جس کو برچھا لگ جاتا وہ گرتا چلا جاتا تھا جب نحر شدہ اونٹ زمین پر گر جاتا تو اس کی کھال نکال لیتے تھے اور گوشت کی بوٹیاں بنا کر کھا لیتے تھے۔ اسی کو فرمایا فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا (پھر جب وہ اپنی کروٹوں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھالو) وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (اور قانع کو بھی کھلاؤ اور معتر کو بھی) قانع وہ حاجت مند جو سوال نہیں کرتا اپنی حاجت کو دبائے بیٹھا رہتا

ہے اور معتر وہ ہے جو زبان سے سوال کر لیتا ہے یا ایسے ڈھنگ سے سامنے آجاتا ہے جس کی وجہ سے اسے لوگ حاجت مند سمجھ کر کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں قانع کی ضرورتوں کا خیال کرنا زیادہ بہتر ہے اور سائل کو بھی اصول شرعیہ کے مطابق دینا جائز ہے سائلین کے لئے بھی کچھ ہدایات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا یعنی قابو میں دیدیا تاکہ تم شکر ادا کرو) یہ جانور تمہاری ملکیت ہیں ان پر تمہارا قبضہ ہے اور تم انہیں باندھتے ہو کھولتے ہو جہاں چاہتے ہو لے جاتے ہو ان کا دودھ بھی پیتے ہو گوشت بھی کھاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر ہے اس نے تمہارے قابو میں دیدی اس پر تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے اگر کوئی جانور مچل جائے بگڑ جائے ہٹ کرنے لگے تو تمہارے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت تم اس سے کام نہیں لے سکتے، تھوڑی دیر کے لئے اللہ نے تسخیر ہٹا دی تو تم عاجز محض بن کر کھڑے رہتے ہو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (اللہ کو ہرگز ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے) یعنی جو جانور ضحایا اور ہدایا میں ذبح کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ حاجت نہیں اس کے پاس نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون ان کو تو تم ہی کھا پی کر برابر کر دیتے ہو (کچھ گوشت خود کھایا کچھ اپنے گھر والوں کو کھلایا کچھ اصحاب واجبات کو دیا کچھ فقراء اور مساکین کو دیا یہ سب تمہارے اور تمہارے ابناء جنس ہی کے کام آ گیا) اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے اخلاص کے ساتھ بہ نیت تقرب الی اللہ جانور ذبح کئے یا ریاکاری کے طور پر، خوش دلی سے قربانی کی ہے یا بددلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس کے مطابق جزا دے گا جو چیز اللہ کے لئے قربان کی جا رہی ہے، وہ اچھی سے اچھی ہو خوش دلی سے بھی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوم النحر (ذی الحجہ کی دسویں تاریخ) کے دن (قربانی کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا، اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقام قبولیت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کرو (رواہ الترمذی)

حضرت بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے، عرض کیا اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے! عرض کیا اگر اون والا ہو (جس میں بال بہت زیادہ ہوتے ہیں) تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا اون کے ہر بال کے بدلہ میں بھی ایک نیکی ہے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر فرما دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی) اللہ تعالیٰ نے ایمان بھی نصیب فرمایا اعمال صالحہ کی بھی توفیق دی اگر وہ ہدایت نہ دے دیتا تو تم ایمان سے بھی محروم رہتے اور اس کی عبادت سے بھی، اور یہ بھی سمجھو کہ اللہ تعالیٰ

ہی نے تمہیں ہدایت دی ہے جانوروں کو اللہ ہی کے لئے ذبح کرتے ہو اگر اس کی طرف سے ہدایت نہ ملتی تو مشرک ہو جاتے اور غیر اللہ کے لئے ذبح کرتے۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ (اور محسنین کو بشارت دیدیجئے) لفظ محسنین موحدین، مخلصین، عابدین، قانتین، شاکرین سب کو شامل ہے ان سب کو خوشخبری ہے کہ ان کے لئے موت کے بعد خیر و خوبی ہے اور قیامت کے دن جنت کا داخلہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾
بلاشبہ اللہ ایمان والوں سے رفع فرما دے گا بلا شبہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا

اللہ تعالیٰ دشمنوں کو ہٹا دیگا' اسے خائن اور کفور پسند نہیں ہیں

تفسیر: چند صفحات پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک دیا تھا ان لوگوں نے بڑی ضد کی اور گو صلح بھی کر لی لیکن اس بات پر آمادہ نہ ہوئے کہ آپ اسی سال عمرہ کریں آپ نے احصار ہو جانے کی وجہ سے وہیں جانور ذبح کر دیئے اور احرام سے نکل کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر آئندہ سال ۷ھ میں آپ نے اس عمرہ کی قضا کی' آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ مشرکین جو مومنین کو تکلیف دیتے ہیں اور انہیں حرم شریف کے داخلہ سے روکتے ہیں یہ کچھ دن کی بات ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو ہٹا دے گا اور مومنین امن و امان کے ساتھ چلے پھریں گے اور حج و عمرہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (بلا شبہ اللہ تعالیٰ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا) ہر کافر اور مشرک خیانت کرنے والا ہے اس کے ذمہ ہے کہ اپنے خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو مانے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا لہٰذا وہ بہت بڑا خائن ہے۔ اسی لئے لفظ خوان مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور ہر کافر کفور یعنی ناشکرا بھی ہے پیدا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور عبادت کرتا ہے غیر اللہ کی' اور ان دینوں کو اختیار کرتا ہے جنہیں لوگوں نے خود تراشا ہے یہ خالق جل مجدہ کی بہت بڑی ناشکری ہے کہ نعمتیں اس کی کھائیں اور اسی کے دین سے منحرف رہیں' اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں فرماتا' مشرک اور کافر سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں' آخر یہ لوگ مغلوب ہوں گے اور اللہ کے مومن بندے ہی کامیاب ہوں گے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ
ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا' اور بلا شبہ اللہ انکی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے' یہ لوگ

اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
اپنے گھروں سے ناحق صرف یہ کہنے کی وجہ سے نکالے گئے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ
بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع فرماتا ہے تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں
كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿٤٠﴾ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ
کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے گرا دیئے جاتے اور یہ بات ضروری ہے کہ اللہ اسکی مدد کریگا جو اللہ کی مدد کرے بلاشبہ اللہ قوی ہے غلبہ والا ہے، یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم
فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ
انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں، اور سب کاموں کا انجام
وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾
اللہ ہی کے اختیار میں ہے

جہاد کی اجازت اور اس کے فوائد' اصحاب اقتدار کی ذمہ داریاں

تفسیر: مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام شروع کیا آپ کی دعوت پر شروع میں ان لوگوں نے لبیک کہی جو دنیاوی اعتبار سے ضعیف تھے۔ ان حضرات کے پاس مال بھی نہ تھا' اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مشرکین کے غلام تھے اور بعض پردیسی تھے' مشرکین مکہ ان حضرات کو بہت بہت تکلیف دیتے' اور بری طرح مارتے پیٹتے تھے حتیٰ کہ ان میں بہت سے حضرات حبشہ کو ہجرت کر گئے اور رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے' جب تک یہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے ان کو صبر کرنے کا حکم تھا جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی جب مدینہ منورہ میں مسلمان جمع ہو گئے اور امن کی جگہ مل گئی اور ایک مرکزی جگہ حاصل ہو گئی جس میں اپنا اقتدار بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دیدی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو حضرت ابوبکر صدیق نے کہا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی ﷺ کو شہر بدر کر دیا ہے یہ لوگ ضرور ہلاک ہوں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ (الآیہ) نازل فرمائی حضرت ابوبکر صدیق نے آیت سن کر یوں فرمایا کہ ہمیں آیت کے نازل ہونے سے سمجھ گیا کہ اب (مشرکین سے ہماری) جنگ ہوگی چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی سال غزوہ بدر کا معرکہ پیش آیا اور باذن اللہ تھوڑے سے مسلمان کافروں کی تین گنا تعداد پر غالب آ گئے اس کے بعد اگلے سال غزوہ احد کا معرکہ پیش آیا اور پھر

غزوات کے مواقع پیش آتے رہے اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے قدرت ہے کہ جس کی چاہے مدد فرمائے مکہ مکرمہ میں وہ مسلمانوں کو کافروں کی ایذاؤں سے محفوظ رکھنے پر قادر تھا اور اس کے بعد بھی اسے قدرت تھی کہ جنگ کئے بغیر مسلمان مدینہ منورہ میں آرام سے رہیں اور دشمن چڑھ کر نہ آئے اور ان سے مقابلہ نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ مسلمان کے جان و مال اللہ کی راہ میں خرچ ہوں اور ان کو بہت زیادہ ثواب دیا جائے۔ مشرکین مکہ نے جو اہل ایمان سے دشمنی کی اور ان کو تکلیفیں دیں اور مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ حضرات اللہ کا نام لیتے تھے اللہ کو اپنا رب مانتے تھے دین توحید قبول کر لیا تھا کسی کا بگاڑا کچھ نہیں تھا کسی قسم کا کوئی جرم نہیں کیا تھا' کافروں کے نزدیک ان کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے اسی کو فرمایا اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ الآیہ اس میں جہاد اور قتال کی حکمت بیان فرمائی اور یہ بتایا کہ قتال اور جہاد صرف اسی امت کے لئے مشروع اور مامور نہیں ہے اس امت سے پہلے جو مسلمان تھے ان کے لئے بھی قتال مشروع تھا بات یہ ہے کہ کفر اور اسلام کی ہمیشہ دشمنی رہی ہے اسی وجہ سے کافروں اور مومنوں میں لڑائیاں ہوتی رہی ہیں اپنے اپنے زمانہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں نے کافروں سے جنگ کی ہے اور اس کے ذریعہ کافروں کا زور توڑا ہے' یہ اللہ جل شانہ' کی یہ عادت رہی ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ دوسری جماعت کو دفع فرمایا ہے اگر یہ صورت حال نہ ہوتی تو کفار اہل ایمان کی عبادت گاہوں کو گرا کر ختم کر دیتے۔ یہود نے (جو اپنے زمانہ میں مسلمان تھے) دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور اپنی عبادت گاہوں کو بچایا پھر نصاریٰ کا دور آیا (جو اپنے زمانے کے مسلمان تھے) انہوں نے بھی کافروں سے جنگ کی اور اپنے عبادات خانوں کی حفاظت کی' وہ دونوں قومیں اب بھی ہیں لیکن سیدنا محمد رسول ﷺ کا دین قبول نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہیں' اب امت محمدیہ ہی مسلمان ہے اور تمام کافروں سے (جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں) مسلمانوں کی جنگ ہے اگر مسلمان جنگ نہ کریں تو ان کی مسجدیں گرا دی جائیں جن میں اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے' کافروں کو یہ کہاں گوارا ہے کہ مسلمان اذانیں دیں اور مسجدیں بنائیں اور ان میں جماعت سے نمازیں پڑھیں' مسلمانوں کے جہاد سے ڈرتے رہتے ہیں اسلئے دنیا جہاں میں مسجدیں قائم ہیں اور پورے عالم میں برابر ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ' نے ان بندوں کے اوصاف بیان فرمائے جو مکہ مکرمہ سے نکالے گئے پھر جب انہیں اقتدار سونپا گیا تو انہوں نے دین کی خدمت کی' خود بھی نمازیں قائم کیں اور زکوتیں ادا کیں' اور دوسروں سے بھی دین پر عمل کرایا' عمل کرانے کے لئے امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ضرورت ہوتی ہے ان حضرات نے دونوں چیزوں کا خوب زیادہ اہتمام فرمایا۔

جن حضرات کے مذکورہ بالا اوصاف بتائے ہیں ان کا سب سے پہلا مصداق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم ہیں یہ حضرات مکہ مکرمہ سے نکالے گئے اور انہوں نے اپنے زمانہ میں وہ سب کام کئے جن کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا ہے تفسیر

ابن کثیر ج ۳/۲۲۶ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں اور میرے اصحاب کے بارے میں ہے، ہم ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے جب کہ ہمارا اس کے علاوہ کچھ قصور نہ تھا کہ ہم رَبُّنَا اللہُ کہتے تھے پھر ہمیں اللہ نے زمین میں اقتدار عطا کیا تو ہم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا۔

قرآن مجید کی تصریح کو دیکھو اور روافض کی بیہودہ بات کو دیکھو جو کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور دیگر تمام صحابہ کافر تھے (العیاذ باللہ) یہ لوگ مشکل سے دو تین صحابہؓ کو مسلمان کہتے ہیں۔ آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی مسلمان کو اقتدار نصیب فرمائے وہ نماز بھی پڑھے اور زکوٰۃ بھی دے اور لوگوں کو نیکیوں کا حکم کرے اور گناہوں سے روکے، آج کل لوگ اقتدار تو سنبھال لیتے ہیں لیکن خود ہی نماز نہیں پڑھتے نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور نہ لوگوں سے فرائض کا اہتمام کراتے ہیں اور نہ گناہوں سے روکتے ہیں، اور اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ ذرائع ابلاغ کو گناہوں کے پھیلانے اور معصیت عام کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں اور عوام سے ڈرتے ہیں کہ اگر انہیں گناہوں سے روکا تو ناراض ہو جائیں گے اور ملا ازم کا طعنہ دیں گے اور ان سے اقتدار چھن جائے گا۔

آخر میں فرمایا کہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے) مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ دکھ تکلیف کا تھا مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا پھر اسی مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے زمین میں اقتدار نصیب فرمایا زمین کے بہت بڑے حصہ پر ان کی حکومت قائم رہی اور اب بھی دنیا کے بہت حصہ پر ان کا اقتدار ہے گو اقتدار کے مقتضا پر عمل نہیں کرتے۔

سب کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اس نے مسلمانوں کو خوب بڑھایا اقتدار سے نوازا، کافروں کے مقابلہ میں ان کا انجام اچھا ہوا اور آخرت میں ہر مومن کا انجام تو اچھا ہے ہی۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد، اور ثمود، اور ابراہیم کی قوم،

وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ

اور لوط کی قوم، اور مدین والے جھٹلا چکے ہیں، اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ

سو کیسا تھا میرا عذاب، سو کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جو ظلم کرنے والی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ

گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں ہیں جو بیکار ہیں، اور کتنے ہی محل ہیں جو مضبوط بنے ہوئے تھے، کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان کے

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ

ایسے دل ہوتے جن کے ذریعہ سمجھتے اور ایسے کان ہوتے جن کے ذریعہ سنتے سو بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ

لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں اور وہ آپ سے جلد عذاب لانے کی جلدی کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے

يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ

وعدہ کے خلاف نہ فرمائے گا اور بلاشبہ آپ کے رب کے نزدیک ایک ایسا دن ہے جو تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوگا اور کتنی ہی بستیاں تھیں

مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾

جن کو میں نے مہلت دی اس حال میں کہ ظلم کرنے والے تھے پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

ہلاک شدہ بستیوں کی حالت اور مقام عبرت

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کے مخاطبین آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کی امتوں نے جھٹلایا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد (جو حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی) اور قوم ثمود (جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور مدین والے لوگ (جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے) ان سب نے اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور موسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی ان حضرات نے صبر کیا اور دعوت کا کام جاری رکھا آپ بھی صبر کیجئے اور اپنا کام جاری رکھئے' یہ تو آپ کی ذات کے متعلق ہے' اب رہا مکذبین کا معاملہ تو انہیں سابقہ امتوں سے سبق لینا چاہئے ان امتوں میں جو کافر تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی پھر انہیں پکڑ لیا۔ یہ گرفت سخت عذاب کی صورت میں تھی ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ اللہ کا عذاب کیسا ہے؟ ان لوگوں کو ان کے حالات معلوم ہیں ان لوگوں سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ وہ کیسے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ کتنی ہی بستیاں تھیں جو ظالم تھیں اور نافرمانی پر تلی ہوئی تھیں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا' دنیا میں ان کے نشان موجود ہیں ان کے گھروں کی دیواریں ان کی چھتوں پر گری ہوئی ہیں (کیونکہ پہلے چھتیں گریں پھر اوپر سے دیواریں گریں) اور کتنے ہی کنویں پڑے ہیں جو بے کار ہیں' کسی کے کچھ کام نہیں آتے اور کتنے ہی ویران محل پڑے ہوئے ہیں جنہیں بنانے والوں نے مضبوط بنایا تھا' آج وہ کسی کے کام میں نہیں آتے ان کے بنانے والے اور رہنے والے ہلاک ہوئے برباد

ہوئے آج کوئی ان میں جھانکنے والا نہیں ہے۔

مزید فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں نہیں گھومے پھرے؟ (سفر تو اُنہوں نے کئے ہیں اور برباد شدہ بستیوں سے گزرے ہیں اور ایسے محلات اور کنویں انہوں نے دیکھے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا لیکن عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے) اگر عبرت لینے کا مزاج ہوتا تو ان کے قلوب سمجھ جاتے اور ان کے کانوں میں جو موعظت وعبرت کی باتیں پڑتی ہیں اگر انہیں سننے کی طرح سنتے تو عبرت حاصل کر لیتے اور سنی ہوئی باتوں کو ان سنی نہ کرتے عبرت کی چیزیں سامنے ہیں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن یہ آنکھوں سے دیکھنا ضائع ہو رہا ہے' اصل بات یہ ہے کہ دل اندھے بنے ہوئے ہیں اسی لئے یہ عبرت لیتے ہیں نہ حق قبول کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ آپ سے جلدی عذاب آجانے کا تقاضا کرتے ہیں (اور اس جلدی بلانے کے تقاضے میں عذاب کا انکار کرنا مقصود ہے مطلب ان کا یہ ہے کہ عذاب آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتا ہم تقاضا کر رہے ہیں پھر بھی عذاب کا ظہور نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسے ہی باتیں ہیں اب تک نہ عذاب آیا ہے نہ آئے گا) اس کے جواب میں فرمادیا کہ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا) عذاب ضرور آئے گا مگر اسکے آنے کیلئے جو اجل مقرر فرمادی ہے اس کے مطابق آئے گا عذاب آنے میں دیر ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنا ہی نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اور (بلاشبہ آپ کے رب کے نزدیک ایک ایسا دن ہے جو تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوگا) اس میں یہ بتایا کہ کفر کی سزا اگر کسی قوم کو دنیا میں نہ دی گئی تو قیامت تو سامنے ہے ہی وہ دن بہت سخت ہوگا اور دراز ہوگا دوزخ کا عذاب تو بعد میں ہوگا اس سے پہلے قیامت کے دن کے عذاب اور مصیبت میں جو مبتلا ہونگے اسی کو سوچ لیں اور غور کر لیں' قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور اتنے لمبے دن میں جو تکلیف ہوگی اس کا اندازہ اسی سے کر لیں' حسب فرمان نبی اکرم ﷺ سورج ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا اور اسکی گرمی سے اس قدر پسینہ ہوگا کہ بعض کا پسینہ ٹخنوں تک اور بعض کا کمر تک اور بعض کا منہ تک ہوگا یعنی پسینہ میں ایسے کھڑے ہونگے جیسے کوئی شخص نہر میں کھڑا ہو یہ پسینہ لگام کی طرح منہ میں گھس رہا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونگے' اور یہ پانچ سو سال قیامت کے دن کا آدھا دن ہوگا رواہ الترمذی (آیت شریفہ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور سورہ معارج میں فرمایا ہے کہ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا دونوں باتوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت

میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حاضرین کی حالت جدا جدا ہو گی کسی کو ایسا معلوم ہوگا کہ حساب کتاب میں پچاس ہزار سال لگے اور کسی کو یہ محسوس ہوگا کہ ایک ہزار سال میں حساب سے فارغ ہو گیا' حساب کی شدت اور خفت کے اعتبار سے ایک ہزار اور پچاس ہزار سال فرمایا امام بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ دن تو بہت ہی لمبا ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی (مقصد یہ تھا کہ وہ دن کیسے کٹے گا) آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے یہ دن مومن پر ایسا ہلکا کر دیا جائے گا ایک فرض نماز میں جو وقت خرچ ہوتا ہے اس سے بھی ہلکا معلوم ہوگا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے میں جو بات نہیں جانتا اسے بیان کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔

آخر میں بطور خلاصہ مضمون بالا کو پھر دہرایا اور فرمایا وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ (الآیۃ) اور کتنی بستیوں کو میں نے ڈھیل دی اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے یعنی دنیا میں جو مبتلائے عذاب ہوئے وہ اپنی جگہ قیامت کے دن میری طرف لوٹ کر آئیں گے اور قیامت کے دن اس کے بعد جو کفر کی سزا ملے گی وہ اس کے علاوہ ہوگی۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تمہارے لئے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں' سو جن لوگوں نے نیک عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ

ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے' اور جن لوگوں نے عاجز کرنے کے لئے ہماری آیات کے بارے میں کوشش کی

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۵۱﴾

یہ لوگ دوزخ والے ہیں

ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے اور معاندین کے لئے عذاب جہنم ہے

تفسیر: ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو بتادیں کہ میں ایک ڈرانے والا ہی ہوں، ڈرانا اور واضح طور پر سب کچھ بیان کر دینا یہ میرا کام ہے منوانا اور ہاتھ پکڑ کر عمل کروانا میرا کام نہیں' اور عذاب لانا بھی میرا کام نہیں مجھ سے عذاب لانے کی جلدی کرنا تمہاری حماقت اور جہالت ہے' میری دعوت و تبلیغ پر جو بھی ایمان لے آئے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے اس کے لئے مغفرت اور عزت کے رزق کی خوش خبری دیتا ہوں' میں نذیر بھی ہوں اور بشیر بھی ہوں'

تم اگر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام سوچ لو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ عاجز کرنے کے لئے ہماری آیات میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہماری آیات کو کبھی جادو کبھی شعر بتاتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں یہ پرانوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں اور اس طرح کی باتیں کر کے اہل ایمان کو عاجز کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگ دوزخ والے ہیں (کیونکہ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی حق کو قبول نہیں کرتے اور خواہ مخواہ کی حجت بازی کرتے ہیں)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ

اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو جب اس نے پڑھا تو شیطان نے

فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اسکے پڑھنے میں شبہ ڈال دیا پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ختم کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے اور اللہ علیم ہے

حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ

حکیم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں مرض ہے اور جن کے

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ

دل سخت ہیں اور بلاشبہ ظلم کرنے والے دور کی مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں اور تاکہ وہ لوگ زیادہ یقین کر لیں جنہیں علم دیا گیا ہے کہ بے شک

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے پھر ایمان پر زیادہ قائم ہو جائیں پھر ان کے دل اس کی طرف اور بھی جھک جائیں اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کو

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ برابر اس کی طرف سے شک میں رہیں گے یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک

بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ

قیامت آ جائے یا ان کے پاس کسی ایسے دن کا عذاب آ جائے جس میں کوئی خیر نہ ہو اس روز بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہوگی وہ ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا سو جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ نعمت کے باغوں میں ہونگے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا

فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع

سو ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت میں شیطان کی حرکتیں اہل علم کے یقین میں پختگی آنا اور کافروں کا شک میں پڑے رہنا

تفسیر: ان آیات میں اللہ شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کے مخالفین جو کچھ حرکتیں کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی حضرات رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے' ان حضرات نے جب اپنے مخاطبین کے سامنے اللہ کی کتاب پڑھی تو شیطان نے ان کی قرات اور تلاوت کے بارے میں مخاطبین کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے ایک دوسرے کی طرف ایسی باتیں ڈالتے ہیں جو بظاہر خوشنما ہوتی ہیں) نیز سورۂ انعام میں فرمایا وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ (اور بلاشبہ شیاطین اپنے دوستوں کی طرف ایسی چیزیں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں)

شیاطین اور ان کے دوست اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے' اسلام قبول نہیں کرتے اور اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاتے ہیں' اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جن کو ہدایت ملنا ہے اور ہدایت پر مستقیم رہنا ہے وہ لوگ شیطان کے ڈالے ہوئے شکوک وشبہات کے باوجود دین میں اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اور زیادہ مضبوط اور محکم بنا دیتا ہے اور شیطانی شکوک وشبہات سے وہ لوگ متاثر ہوتے ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی نفاق ہے اور جن کے دل سخت ہیں یعنی وہ کافر جنہوں نے جھوٹے منہ سے بھی اسلام قبول نہیں کیا' شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے یہ ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بن جاتا ہے اور یہ ظالم لوگ یعنی شک میں پڑنے والے دور کی مخالفت میں جا پڑے ہیں' کیونکہ حق واضح ہو جانے کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے جن کی طبیعت میں عناد ہے ان کے عناد کو وساوس شیطانیہ سے تقویت پہنچ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ شیطان ہی کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور جن حضرات کو علم دیا گیا ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ نبی نے پڑھا وہ اللہ کی طرف سے ہے حق ہے سچ ہے رب کی طرف سے ہے' اپنے اس یقین کی وجہ سے ایمان پر اور زیادہ ثابت ہو جاتے ہیں اور ان کے دل اللہ تعالے کی طرف جھک جاتے ہیں' اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ انعام ہے کہ وہ انہیں صراط مستقیم پر رکھتا ہے اسی کو فرمایا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور کافروں کے بارے میں فرمایا ہے وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اور کافر لوگ اس بات کی طرف سے جو نبی نے تلاوت کی ہے شک میں رہیں گے اور ان کا یہ شک یہاں تک رہے گا کہ یا تو ان پر دفعۃً یا قیامت آ جائے یا قیامت سے پہلے ان پر ایسے دن کا عذاب آ جائے جو ان کے حق میں بالکل خیر سے خالی ہو' لیکن اس وقت ایمان لانا نافع نہ ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ قیامت کے دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہوگی اہل دنیا کی مجازی حکومتیں، سلطنتیں ختم ہو چکی ہوں گی' اللہ تعالیٰ ہی دونوں جماعتوں (مومنین اور کافرین) کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ نعمت کے باغوں میں ہونگے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیات الٰہیہ کو جھٹلایا ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا' دنیا میں وہ ایمان قبول کر کے باعزت نہیں رہنا چاہتے اور کفر میں عزت سمجھتے ہیں لہٰذا انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس میں بہت زیادہ سخت عذاب ہے اور بہت بڑی ذلت بھی ہے۔

وهذا الذي ذكرنا في تفسير الاية اختاره صاحب روح المعاني حيث قال والمراد بذالك هنا (بالتمني) عند كثير القراءة والآية مسوقة لتسلية النبي ﷺ بان السعي في ابطال الآيات امر معهود وانه لسعي مردود' والمعنى وما ارسلنا من قبلك رسولا ولا نبيا الا وحاله انه اذا قرا شيئا من الآيات القى الشيطان الشبه والتخيلات فيما يقرؤه على اوليائه ليجادلوه بالباطل ويردوا واما جاء به كما قال تعالى (وان الشيطان ليوحون الى اوليائهم ليجادلوكم) وقال سبحانه (وكذالك جعلنا لكل نبي عدوا شياطين الانس والجن يوحي بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا) وهذا كقولهم عند سماع قراة الرسول ﷺ (حرم عليكم الميتة) انه يحل ذبيح نفسه ويحرم ذبيح الله تعالى' وقولهم على ما في بعض الروايات عند سماع قرائته عليه الصلوٰة والسلام (انكم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم) ان عيسى عبد من دون الله تعالىٰ والملائكة عليهم السلام عبدوا من دون الله تعالىٰ (فينسخ الله ما يلقي الشيطان) اى فيبطل ما يلقيه من تلك الشبه ويذهب به بتوفيق النبي ﷺ لرده او بانزال مايرده (ثم يحكم الله آياته) اى ياتي بها محكمة مثبة لا تقبل الرد بوجه من الوجوه (روح المعاني ج ١٧/١٧٣) وههنا قصة ذكرها المفسرون وهي قصة الغرانيق قال الرازي في تفسيره هي باطلة موضوعة واحتجوا عليه بالقرآن والسنة والمعقول' قال الله تعالىٰ شانه (وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحي يوحى) وقال (سنقرئك فلا تنسى) وقال (لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه) وقال (انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون) وقال البيهقي هذه قصة غير ثابتة من جهة النقل ثم اخذيتكلم في ان رواة هذه القصة مطعونون. (یہ اس آیت کی تفسیر میں ہم نے جو ذکر کیا ہے اسے صاحب روح المعانی نے اختیار کیا ہے کہ آپ نے کہا ہے اور یہاں اسے پڑھنے سے مراد اکثر قراء کے ہاں یہی ہے اور آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے لائی گئی ہے کہ آیات کی ابطال کی کوشش پہلے سے ہوتی چلی آرہی ہے اور یہ مردود کوشش ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا مگر اس کا حال یہ تھا کہ جب وہ آیات تلاوت کرتا تو شیطان ان آیات کے بارے میں اپنے پیروکاروں کو شبہات وخیالات میں مبتلا کرتا تا کہ وہ اس سے فضول جھگڑا کریں اور پیغمبر جو لایا ہے اس کی تردید کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وان الشيطان ليوحون الىٰ اولياء هم ليجادلوكم اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وكذلك جعلنا لكل نبي عدو اشياطين الانس والجن يوحي بعضهم الىٰ بعض زخرف القول غروراً اور یہ اس کے اس قول کی طرح ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم عليكم الميتة سنا تو کہا کہ یہ اپنے ذبیحہ کو حلال کہتا ہے اور اللہ کے مارے ہوئے کو حرام کہتا ہے اور بعض روایات کے مطابق انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انكم و ماتعبدون من دون الله حصب جهنم سنی تو کہنے لگے کہ اللہ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی گئی اور فرشتوں کی بھی عبادت کی گئی (تو کیا یہ حضرات بھی جہنم میں جائیں گے؟) فينسخ الله ما يلقي الشيطٰن (پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ختم کر دیتا ہے) یعنی پھر اللہ تعالیٰ شیطان جو شبہات ڈالتا ہے انہیں باطل کر دیتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تردید کی توفیق دیکر یا خود ان کی تردید نازل کر کے شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات ختم کر دیتا ہے۔ ثم يحكم الله آياته (پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے) یعنی اپنی آیات کو محکم وثابت کرتا ہے کہ کسی بھی لحاظ سے وہ مردود نہیں ہوتیں۔ اور یہاں غرانیق والا قصہ ہے۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ قصہ گھڑا ہوا ہے اور انہیں اس پر انہوں نے قرآن' سنت اور عقل سے دلائل قائم کئے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ و ما ينطق عن الهوىٰ ان هوا لاوحي يوحىٰ (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے۔) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سنقرئك فلاتنسىٰ (ہم آپ کو پڑھاتے ہیں تو آپ بھولتے نہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لاياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه (کسی جانب سے اس پر باطل نہیں آسکتا) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحافظون (بے شک ہم نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قصہ نقل کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے پھر آپ نے اس قصہ کے راویوں پر طعن کا ذکر کیا ہے۔)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کیے گئے یا طبعی موت سے وفات پا گئے اللہ انہیں ضرور ضرور اچھا رزق عطا فرمائے گا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ

اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ خیر الرازقین ہے وہ انہیں ضرور ضرور ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہونگے اور بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا ہے

حَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

بہت حلم والا ہے یہ بات یوں ہی ہوگی اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اسکی مدد فرمائے گا۔

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے اور بخشنے والا ہے

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کرنیوالوں کے لئے رزق حسن ہے

تفسیر: اسلام کے عہد اول میں مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو طرح طرح سے تکلیفیں دی جاتی تھیں جن کی وجہ سے بہت سے صحابہؓ نے حبشہ کو ہجرت کی اور بہت سے حضرات نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا وطن مالوف مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی پھر حبشہ کے مہاجرین بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے جب مدینہ منورہ مرکز اسلام بن گیا تو مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کے لوگ بھی مدینہ منورہ آ گئے محض اللہ کے لئے وطن کو چھوڑنا وطن میں جو کچھ اموال واملاک گھر جائیداد ساز وسامان ہو اس سب کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر بس جانا اس میں بڑا امتحان ہے بعد میں جو لوگ مختلف علاقوں میں مسلمان ہوئے ان میں سے بھی بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے ہجرت کا ثواب بہت زیادہ ہے اور اگر ہجرت کرنے والا مقتول ہو جائے تو اس کا مزید ثواب ہوگا اگر مقتول نہ ہو اپنی طبعی موت مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی بھی بہت قیمت ہے اسی کو فرمایا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا (اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مقتول ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ضرور عمدہ رزق عطا فرمائے گا) اور اس سے جنت کے ماکولات اور مشروبات اور دیگر نعمتیں مراد ہیں وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر دینے والا ہے) لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہونگے) یعنی انہیں جنت نصیب فرمائے گا جو انہیں پسند ہوگی وہاں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کہیں جانا گوارا نہیں کریں گے وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے حلم والا ہے) سب کے اعمال کو جانتا ہے اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا اور وہ حلیم بھی ہے سزا دینے میں

جلدی نہیں فرماتا حکمت کے مطابق اور اجل مقرر کے موافق سزا دے گا شاید کسی کو اشکال ہو کہ مقتول اور طبعی موت مرنے والے کے درمیان بظاہر فرق ہونا چاہئے لیکن آیت شریفہ کے ظاہری الفاظ سے مساوات مفہوم ہو رہی ہے یہ اشکال وقیع نہیں ہے کیونکہ آیت شریفہ میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں رزق حسن عطا فرمائے گا برابری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جس کو جتنا بھی ملے گا وہ رزق حسن ہی ہو گا اگرچہ فرق مراتب ہو قال صاحب الروح ناقلا عن البحران التسوية فی الوعد بالرزق الحسن لا تدل علی تفضيل فی المعطی ولا تسوية فان يكن تفضيل فمن دليل آخر و ظاهر الشريعة ان المقتول افضل انتهی۔ (صاحب روح المعانی بحر سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ رزق حسن کے وعدہ میں برابری دیئے جانے والے کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی برابری پر اگر فضیلت ہو تو وہ دوسری دلیل سے ہے۔ اور ظاہر شریعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقتول افضل ہے)

اس کے بعد فرمایا ذلک صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی یہ بات جو اوپر بیان ہوئی یہ طے شدہ ہے اللہ تعالیٰ نے جیسا فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ (الآیہ) اور جو شخص اس قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد فرمائے گا' اس آیت سے زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینے کی اجازت معلوم ہوئی بشرطیکہ بدلہ لینے میں برابر کا دھیان رہے یعنی جتنی تکلیف پہنچائی گئی ہو اس قدر تکلیف پہنچا سکتا ہے اگر کسی نے اتنا ہی بدلہ لیا جتنا بدلہ لینے کا اختیار تھا پھر اس پر اس شخص کی طرف سے زیادتی کی گئی جس نے پہلے زیادتی کی ابتداء کی تھی تو اللہ جل شانہٗ ضرور ضرور اس شخص کی مدد فرمائے گا جس پر دوبارہ زیادتی کی گئی اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے) اللہ تعالیٰ تو معاف فرما دیتا ہے لیکن بندے بدلہ لے لیتے ہیں اگر بندے بھی معاف کر دیا کریں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب پائیں گے جیسا کہ سورۃ شوریٰ میں فرمایا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (سو جس نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ

یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے'

بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ

یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ حق ہے اور اس کے علاوہ جو دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں'

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ

اور اللہ برتر ہے بڑا ہے' اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر

الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

زمین ہری بھری ہو گئی' بلاشبہ اللہ بہت مہربان ہے خبر رکھنے والا ہے' جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ

سب اسی کا ہے اور بلاشبہ اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر فرما دیا جو زمین میں ہے اور کشتی کو

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

مسخر فرما دیا وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے مگر یہ کہ اسی کا حکم ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ۫ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ

لوگوں پر بہت مہربان ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تسخیر اور تصرفات کے مظاہرے

تفسیر: یہ مظلوم کو غالب کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی وجہ سے ہے، جو کچھ عالم سفلی اور عالم علوی میں ہے وہ سب اسی کا ہے سارے انقلابات زمان میں ہو یا مکان میں سب اسی کی قدرت و مشیت اور ارادہ سے ہوتے ہیں، وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے، وہ ہر بات کو سنتا ہے سب کچھ دیکھتا ہے وہ حق ہے اس کے علاوہ جو لوگوں نے معبود بنائے ہیں وہ سب باطل ہیں، وہ برتر ہے بڑا ہے، وہی آسمان سے پانی اتارتا ہے جس سے زمین ہری بھری ہو جاتی ہے، وہ لطیف ہے یعنی مہربان ہے اور خبیر ہے جو اپنے ساری مخلوق کی خبر رکھتا ہے، وہ بے نیاز ہے ہر تعریف کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر فرما دیا یعنی تمہارے کام میں لگا دیا جو کچھ زمین میں ہے کشتیاں اسی کے حکم سے چلتی ہیں، اور یہ آسمان جو تمہارے نظر کے سامنے ہے جو اللہ کی بڑی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے محض اپنی قدرت سے روک رکھا ہے لہٰذا وہ زمین پر نہیں گرتا، اگر وہ چاہے تو آسمان کو گرا سکتا ہے لیکن وہ اسے اپنی قدرت سے تھامے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ بہت بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اگر وہ آسمان کو نہ روکے اور آسمان زمین پر گر پڑے تو کوئی زندہ نہیں بچ سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ کافروں اور فاسقوں کو بھی زندہ رکھتا ہے اور سب کے لئے زندگی کے اسباب فراہم کرتا ہے، اسی نے پہلی بار زندگی بخشی اس زندگی کے بعد وہی موت دیتا ہے پھر زندہ فرمائے گا، انسان دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے لیکن ناشکری اختیار کرتا ہے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کفر و شرک سے باز نہیں آتا۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ ؕ

ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں جن کے مطابق وہ عبادت کرتے تھے سو اس امر میں وہ آپ سے جھگڑا نہ کریں، اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں

إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

بلاشبہ آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے، اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے، اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں جو

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

کچھ آسمان اور زمین میں بلا شبہ یہ اللہ اس سب کو جانتا ہے سب کچھ کتاب میں لکھا ہے، بلا شبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔

ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کئے گئے ہیں

تفسیر: مشرکین اور دیگر کافرین جو رسول اللہ ﷺ کا اور آپ کے بیان فرمودہ اعتقادات اور احکام شرعیہ پر اعتراض کرتے تھے ان میں یہود و نصاریٰ بھی تھے، یہ لوگ یوں کہتے تھے کہ یہ احکام اور اعمال ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنے۔ آپ کی بتائی ہوئی ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا پرانی امتوں کے اعمال و احکام میں کوئی ذکر نہیں ملتا، یہ تھا کہ جھگڑے کرتے رہیں اور انکار پر تلے رہے، اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کو جواب دیدیا لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کر دیئے جن کے مطابق وہ عمل کرتے تھے) اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے مالک الملک ہے آمر مطلق ہے اسے اختیار ہے کہ جس امت کو جو چاہے حکم فرمائے انبیاء سابقین علیہم السلام کی امتوں کو جو احکام عطا فرمائے ان کے ذمہ ان پر عمل کرنا تھا اور آخری نبی ﷺ کی امت کو جو احکام دیئے ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ان پر ڈال دی گئی ہے، کسی مخلوق کو کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرے اور یوں کہے کہ آخری نبی جو آئے ہیں ان کی شریعت میں بہت سی وہ چیزیں ہیں جو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں نہیں ہیں۔

معاندین کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ (سو وہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں) خاتم الانبیاء ﷺ مستقل شریعت لیکر تشریف لائے آپ کے تشریف لانے پر تمام احکام شرعیہ فرعیہ سابقہ منسوخ ہو گئے جو شخص آپ کے ارشاد فرمودہ احکام پر اعتراض کرتا ہے اور جھگڑا کرتا ہے اس کا اعتراض کرنا اللہ پر اعتراض ہے جو کفر در کفر ہے یہ لوگ جھگڑے بازی سے دور رہیں وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ (اور آپ ان کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے بلاشبہ آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے) مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے کام میں لگے رہیں حق کی دعوت دیتے رہیں کوئی کچھ بھی اعتراض کرے کسی کے اعتراض سے متاثر نہ ہوں اللہ کی طرف سے آپ کو ہدایت والا سیدھا راستہ بتایا گیا ہے اور اس کے حق ہونے کے اللہ کی طرف سے ضمانت دی گئی ہے وہ آپ کے لئے کافی ہے۔

وَاِنْ جٰدَلُوْکَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہارے کاموں کو بہتر جانتا ہے) وہ تمہارے اعمال کی سزا دے دیگا مزید فرمایا اَللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے) جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تو سب کچھ ظاہر ہو جائے گا مگر اس وقت منکرین کو حق واضح ہو جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ جو حکم بھیجا ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے طور پر یہیں اسی دنیا میں تسلیم کرلیں تو یہ ایمان لانا آخرت کے دن مفید ہوگا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اس سب کو جانتا ہے) اِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ (بلاشبہ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے) یعنی لوح محفوظ میں مرقوم ہے اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ (بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے) لوح محفوظ میں سب کچھ محفوظ فرمانا اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے کوئی منکر اور معاند یہ نہ سمجھے کہ اتنی زیادہ مخلوق کے حالات ایک ہی کتاب میں کیسے سمائیں گے۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ
اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور نہ ان کے پاس ان
عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ
کی کوئی دلیل ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو خوب واضح ہیں
وُجُوْهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ ؕ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ؕ
تو اے مخاطب تو کافروں کے چہروں میں ناگواری کو پہچان لے گا قریب ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہمارے آیات پڑھتے ہیں
قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ
آپ فرما دیجئے کیا میں اس سے زیادہ ناگوار چیز نہ بتا دوں؟ وہ دوزخ ہے! جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے اور وہ
الْمَصِیْرُ ﴿۷۲﴾ ع
برا ٹھکانہ ہے

کافر قرآن سنتے ہیں تو ان کے چہروں سے ناگواری محسوس ہوتی ہے

تفسیر: ان آیات میں مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور ان کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی عذاب کا تذکرہ

بھی فرمایا جو آخرت میں ہوگا۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے معبود ہونے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور ان کے پاس کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہے جس سے شرک کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہو یہ لوگ شرک کر کے ظالم بنے ہوئے ہیں اور اس ظلم کی سزا انہیں مل جائے گی جب انہیں عذاب ہونے لگے گا تو ان کیلئے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب ان مشرکوں کو ہماری آیات سنائی جاتی ہیں جن کے مضامین خوب واضح ہیں تو کافروں کے چہرے بدل جاتے ہیں اور چہروں پر ناگواری محسوس ہونے لگتی ہے ناگواری کا یہ عالم ہے کہ جو اہل ایمان انہیں ہماری آیات سناتے ہیں ان پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابھی حملہ کر دیں گے' ان کی یہ حالت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیں کہ دنیا میں تمہیں ناگواری محسوس ہوتی ہے یہ تو ہلکی ناگواری ہے اس سے بڑھ کر وہ ناگواری ہوگی جو دوزخ میں داخل ہو کر پیش آئے گی دوزخ کی آگ کا عذاب بہت بڑا عذاب ہے وہ کافروں کو ناگوار ہوگا لیکن اس سے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا دنیا میں قرآن سن کر جو ناگواری ہوتی ہے اس کا تو کچھ غصہ والا منہ بنا کر تدارک کر بھی لیتے ہو آخرت میں جو عذاب ہوگا نہ ہلکا ہوگا' نہ ختم ہوگا' نہ قابل برداشت ہوگا' دوزخ کی اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے یعنی دنیا میں پہلے سے بتا دیا ہے کہ کفر کی سزا دوزخ ہے اس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (اور دوزخ برا ٹھکانہ ہے)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اے لوگو! ایک مثل بیان کی گئی ہے سو تم اسے دھیان سے سن لو' بلاشبہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں
اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ
وہ ہرگز مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کے لئے وہ سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اسے چھڑا
مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝٧٣ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ
نہیں سکتے' طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور' لوگوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا ہے
عَزِيْزٌ ۝٧٤
زبردست ہے

مشرکین کے معبودوں کی عاجزی کا حال

تفسیر: غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں اور ان کے معبودوں کے بارے میں عجیب بات بیان فرمائی ہے اور اس کو

مثل سے تعبیر فرمایا مثل کہاوت کو کہتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جسے مشرکوں کے سامنے بار بار ذکر کرنا چاہئے۔ مشرکوں کو سنائیں اوران سے کہیں کہ خوب دھیان سے سنو تا کہ تمہیں اپنی حماقت اور گمراہی کا خوب پتہ چل جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کرتم جن کی عبادت کرتے ہو اور جنہیں مدد کے لئے پکارتے ہو یہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے سب ملکر بھی ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو عاجز ہو کر رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اتنی بڑی کائنات کا خالق ہے اس کی عبادت چھوڑ کر عاجز مخلوق کی عبادت کرنا اور عاجز مخلوق سے مرادیں مانگنا بہت بڑی بے وقوفی ہے اور بہت دور کی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے جتنے بھی معبود بنا رکھے ہیں یہ مکھی پیدا تو کیا کرتے اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مشرکین بتوں کے جسموں پر زعفران لگا دیتے تھے اور ان کے سروں پر شہد مل دیتے ہیں پھر دروازہ بند کر کے یہ چلے جاتے ہیں اور ادھر روشن دانوں سے آ جاتی جو شہد کو کھا جاتی تھی (ہندوستان کے مشرکوں کا اب بھی یہ طریقہ ہے کہ بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ان کے سامنے مٹھائیاں رکھتے ہیں مکھیوں کے مزے آ جاتے ہیں اور یہ باطل معبود بے جان عاجز مکھی تک کے سامنے کچھ بھی نہیں) اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی حالت خود آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ان کی پوجا پاٹ اوران کے سامنے ڈنڈوٹ کرنے سے باز نہیں آتے۔

جو شخص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت توحید سے منہ موڑے گا وہ اسی طرح عاجز مخلوق کے سامنے ذلیل ہوگا' جو لوگ خالق و مالک کی توحید کے قائل نہیں ہوتے اور اس کی ذات پاک کو سجدہ نہیں کرتے وہ یوں ہی مارے مارے پھرتے ہیں اور اپنے سے بھی زیادہ عاجز مخلوق کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ طالب سے مشرک یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والا اور مطلوب سے معبود باطل مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جیسا عابد ویسا ہی معبود دونوں ہی ضعیف ہیں' معبود تو ضعیف اس لئے ہیں کہ وہ مکھی تک سے مٹھائی بھی نہیں چھڑا سکتے اور اسکی عبادت کرنے والا اس لئے کمزور ہے کہ اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے۔ معبود تو بے جان کمزور ہے ہی اسی کی عبادت کرنے والا اس سے بڑھ کر کمزور ہے اس کی کمزوری عقل کے اعتبار سے ہے وہ ایسی چیز سے نفع کا امیدوار ہے جو اپنے چڑھاوے کی چیز کو مکھی تک نہیں چھڑا سکتا۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہ کی جو تعظیم اس کی شان کے لائق ہو) اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے خالق و مالک ہے تنہا عبادت کا مستحق ہے وہ نفع بھی دیتا ہے اور ضرر بھی وہ ہر چیز پر قادر ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر اونچی اور ہلکی سے ہلکی آواز کو سنتا ہے سب بندوں پر لازم ہے کہ اسے وحدہٗ لاشریک مانیں اور اس کی تمام صفات جلیلہ پر ایمان لائیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں ایسی ذات وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق کو معبود بنا لینا اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے بہت بعید ہے اور گمراہی ہے جب مشرکین سے مسلمان کہتے ہیں کہ تم خالق کائنات جل

سجدہ کو نہیں مانتے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مانتے ہیں، جھوٹی زبان سے اللہ تعالیٰ کے ماننے کا دعویٰ کر دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ ماننا اس کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کی مخلوق میں سے خدا تراش لئے جائیں اور ان کے لئے جانور ذبح کئے جائیں۔ اور ان کو سجدے کئے جائیں یہ اللہ تعالیٰ کا ماننا کہاں ہوا اور اس کے شایان شان اس کی تعظیم کہاں ہوئی؟

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا ہے غلبے والا ہے) ایسے قوی وعزیز کو چھوڑ کر ضعیف چیز کی عبادت کرنا جو اس کی مخلوق ہے بہت بڑی گمراہی ہے۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾
اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ
وہ جانتا ہے کہ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔ اے
اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ (السجدۃ)
ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر: ساری مخلوق اللہ ہی کی مخلوق ہے اس نے اپنی مخلوق میں سے جسے چاہا ہے جو مرتبہ دیدیا اور جسے چاہا کسی بڑے اور برتر کام کے لئے چن لیا، رسالت اور نبوت بہت بڑا مرتبہ ہے رسول کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اس کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے سفارت اور رسالت کی یہ عزت بخشی کہ ان کے ذریعہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی طرف پیغام بھیجے اور صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں جنہیں انسانوں میں سے منتخب فرما کر نبوت اور رسالت سے نوازا پھر ان نبیوں اور رسولوں نے انسانوں تک وہ احکام پہنچائے جو فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس پہنچے، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جن میں سے جنہیں چاہا پیغمبر بنایا اور اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہا یہ مرتبہ عطا کیا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ یوں سوال کرے کہ فلاں کو کیوں نہیں بنایا، اللہ سمیع ہے بصیر ہے وہ سب کی باتیں سنتا ہے سب کے احوال دیکھتا ہے، جو اس کے فیصلوں کو قبول کرے گا اسے اس کا بھی علم ہے اور جو اس کے فیصلوں پر اعتراض کرے

گا وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ اور جس جس میں اللہ تعالیٰ نے جو استعداد رکھی ہے اسے اس کا بھی پتہ ہے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے) یعنی اسے انسانوں کے اگلے پچھلے احوال واعمال سب معلوم ہیں۔ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کا اختیار ہے دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور آخرت میں بھی صرف اسی کے ارادہ اور مشیت کے مطابق سب کچھ ہوگا اور اسی کا حکم چلے گا اور سارے فیصلے اسی کے ہونگے اور حق ہونگے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو) یعنی نماز پڑھو نماز میں کیونکہ رکوع سجدہ دو بڑے رکن ہیں اس لئے ان کا خصوصی حکم دیا۔ جس میں پوری نماز پڑھنے کا حکم آ گیا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (اور اپنے رب کی عبادت کرو) نماز کے علاوہ جو دیگر عبادات ہیں یہ حکم ان سب عبادات کو شامل ہو گیا وَافْعَلُوا الْخَیْرَ (اور خیر کے کام کرو) اس کا عموم تمام نیک اعمال کو شامل ہے اور جانی عبادات اور فرائض واجبات' مکارم اخلاق' محاسن افعال' محاسن آداب' انفرادی اور اجتماعی زندگی کے احکام سب کو حکم شامل ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) یعنی تمام ماموارت پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی امید رکھو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدہ کی آیت ہے اور امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس آیت پر سجدہ تلاوت نہیں ہے فریقین کے دلائل شروحِ حدیث و شروح فقہ میں مذکور ہیں۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ

اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے' اس نے تمہیں چن لیا اور اس نے دین

مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ

میں تنگی نہیں رکھی' اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو' اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا۔ اس سے پہلے

وَفِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚۖ

اور اس قرآن میں' تاکہ رسول تمہارے بارے میں گواہ بن جائے اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بن جاؤ'

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی

سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو وہ تمہارا مولیٰ ہے سو وہ خوب مولیٰ ہے

وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾

اور خوب مددگار ہے

تفسیر: لفظ جہاد جہد سے مشتق ہے عربی زبان میں محنت ومشقت اور کوشش کو جہد کہا جاتا ہے یہ لفظ اپنے عام معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو جہاد جو قتال یعنی جنگ کرنے کے معنی میں مشہور ہے وہ بھی اس محنت اور کوشش کا ایک شعبہ ہے مسلمان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے یعنی نفس کی ناگواریوں کے باوجود نیک کاموں میں لگتا ہے گناہوں کو چھوڑتا ہے نفس روڑے اٹکاتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو بھی عمل ہو دنیاداری کے لئے ہو ذاتی شہرت اور حصول جاہ اور لوگوں سے تعریف کرانے کے لئے ہو اس موقعہ پر نفس سے جہاد کرنا ہوتا ہے پوری طرح اس کے تقاضوں کو دبا کر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جو کام کیا یہ سب جہاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے مشرکین سے جہاد کرو اس سے معلوم ہوا کہ دشمنان دین کو زک دینے کے لئے ان کا زور توڑنے کے لئے مالوں کو خرچ کرنا اپنی جانوں کو اس کام میں لگا دینا اور اپنی زبانوں سے مقابلہ کرنا بحث اور مناظرہ میں ہرا دینا دشمن کے اشعار کا اشعار سے جواب دینا یہ سب جہاد ہے دشمنان دین کے مقابلہ میں کتابیں لکھنا ان کو شائع کرنا ان کو تنبیہ کرنا اسلام کی دعوت پہنچانا اس سب کو جاھدوفی اللہ کا عمومی حکم شامل ہے اخلاص کے ساتھ جو شخص جتنا اپنی طاقت کے بقدر کرے گا اس کا جہاد حق جہادہ کا مصداق ہو جائے گا بعض مرتبہ بات کہہ دینا ہی بڑے مرتبہ کا عمل ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر (سب جہادوں سے افضل اس شخص کا جہاد ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق کلمہ کہہ دے خلاصہ یہ کہ جو بھی کوئی مومن اللہ کی رضا کے لئے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جس طرح کی بھی محنت کرے گا وہ جہاد ہوگا پھر مختلف احوال کے اعتبار سے درجات بھی مختلف ہیں ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر اخلاص کے ساتھ اعمال واشغال میں لگے۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن لیا) سابقہ تمام امتوں پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیۃ کو فضیلت دی انہیں سید الانبیاء ﷺ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہوا ان پر اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا جسے باآسانی حفظ کر لیتے ہیں دنیا میں آخر میں آئے اور جنت میں پہلے داخل ہونگے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم سترویں امت کو پورا کر رہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے زیادہ مکرم ہو (قال الترمذی ھذا حدیث حسن) جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی فضیلت دی اب اس انعام واکرام اور اجتباء اور اصطفاء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خوب بڑھ کر خدمت کریں۔

دین میں تنگی نہیں ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ نے تم پر تمہارے دین میں تنگی نہیں فرمائی) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت

بڑا انعام ہے کہ اس نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو جو احکام عطا فرمائے ہیں ان میں تنگی نہیں رکھی جسے جو بھی حکم دیا ہے وہ اس کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز احکام کی بجا آوری میں سہولت ہے اور احوال کی رعایت رکھی گئی ہے بنی اسرائیل پر جو سختیاں تھیں جن کا ذکر سورۃ بقرہ کی آخری آیت رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا میں گزر چکا ہے وہ اس امت پر نہیں ہیں، بنی اسرائیل پر بہت سی پاکیزہ چیزیں حرام تھیں مال غنیمت میں سے کچھ بھی ان کے لئے حلال نہیں تھا زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا، اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لئے مال غنیمت بھی حلال ہے زکوٰۃ بھی تھوڑی سی مقدار میں فرض ہے، یعنی چاند کے اعتبار سے نصاب پر ایک سال گزر جائے تو کھانے پینے اور خرچ کرنے سے جو بچا اس کا ۴۰/۱ فرض ہے اور بھی ہر مال پر فرض نہیں ہے صرف سونا چاندی نقد کیش اور مال تجارت پر فرض ہے، زمین کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ فقراء کو دینا فرض ہے رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں لیکن شرعی مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں قضا رکھ لیں اور شیخ فانی کو اجازت ہے کہ روزوں کے بدلے فدیہ دیدے۔ اور ایسے شخص کو بعد میں قضاء رکھنے کا بھی حکم نہیں ہے، حج اس شخص پر فرض ہے جو سواری پر مکہ مکرمہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتا ہو وہ بھی زندگی میں ایک بار اگرچہ بہت بڑا مالدار ہو۔

رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں ان میں یہ آسانی رکھی گئی کہ فجر ظہر تک کوئی فرض نہیں اور ظہر سے عصر تک کوئی فرض نماز نہیں ہے یہ پورا وقت حلال کمائی کے لئے اور تعلیم و تعلم کے لئے فارغ ہے پھر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں ہے یہ وقت آرام وراحت اور سونے کے لئے ہے اور جو فرض نمازیں ہیں ان کی تمام رکعتیں بشمول فرض اور واجب اور سنن مؤکدہ صرف بتیس رکعتیں ہیں سفر میں فرض نماز چار رکعتوں کے بدلے دو رکعتیں کر دی گئی ہیں اور مریض کو حسب طاقت نماز ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہیں تو لیٹ کر پڑھ لے وضو اور غسل کوئی مشکل کام نہیں ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو اس کا ثواب مزید ہے اگر پانی نہ ہو یا پانی تو ہو لیکن مرض کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہ ہو تو غسل و وضو دونوں کی جگہ تیمم کر لینا ہی کافی ہے حلال جانوروں اور پاکیزہ چیزیں کھانے کی اجازت دی گئی ہے خبیث اور نجس چیزوں اور ان جانوروں کے کھانے کی اجازت نہیں دی جن کے کھانے سے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے جن افعال اور اعمال سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمایا ہے بنی آدم کا بھلا ہے۔

جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے اور اگر دشمن چڑھ آئیں فرض عین ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت اپنی جان اور

دوسرے مسلمان مردوں عورتوں بچوں کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہو جاتا ہے پھر اگر جہاد میں شہید ہو جائے تو اس کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ ہزاروں سال دنیا کی زندگی کی بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ دین کے آسان ہونے اور دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی عمل کے کرنے میں کچھ بھی تکلیف نہ ہو اور ساری چیزیں حلال ہوں اور جو جی چاہے کرلیا کریں' اگر ایسا ہوتا تو نہ فجر کی نماز فرض ہوتی جس میں اٹھنا دشوار ہے نہ عصر کی نماز فرض ہوتی جو کاروبار کا خاص وقت ہوتا ہے اور نہ حرام وحلال کی تفصیلات ہوتیں بلکہ احکام ہی نازل نہ کئے جاتے آسان ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے' آج کل ایسے بے پڑھے مجتھدین نکل آئے ہیں جو سود قمار حرام گوشت کھانے اور صریح گناہوں کے ارتکاب کو جائز کہہ رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ دین میں آسانی ہے' یہ لوگ اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں' جو لوگ قرآن کے حامل ہیں اور اسلام کے عالم ہیں ان کے پاس یہ جہالت کے مارے نہ خود جاتے ہیں نہ عامۃ المسلمین کو جانے دیتے ہیں' عوام کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ان کے ہمدرد نہیں ہے ان کی آخرت تباہ کرنے کے کام میں لگے ہوئے ہیں

قال البغوی فی معالم التنزیل ج۳/ ۳۰۰ معناه ان المومن لا یبتلی بشئی من الذنوب الاجعل الله له منه مخرجا بعضها بالتوبة وبعضها برد المظالم والقصاص وبعضها بانواع الکفارات فلیس فی دین الاسلام مالا یجد العبد سبیلا الی الخلاص من العقاب فیه وقیل من ضیق فی اوقات فروضکم مثل هلال شهر رمضان والفطر ووقت الحج اذا التبس ذلک علیکم وسع الله علیکم حتی تتیقنوا وقال مقاتل یعنی الرخص عندالضرورات کقصر الصلوٰة فی السفر والتیمم عند فقد الماء واکل المیتة عند الضرورة والافطار فی السفر والمرض والصلوٰة قاعدا عند العجز عن القیام وهو قول الکلبی وروی عن ابن عباس انه قال الحرج ما کان علی بنی اسرائیل من الاعمال التی کانت علیهم وضعها الله عن هذه الامة ملة ابیکم ابراهیم (علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ مومن کسی بھی گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اس سے نکلنے کا راستہ بنایا ہے بعض توبہ کے ذریعہ بعض ظلم دور کرنے کے ذریعہ اور بعض قصاص کے ذریعہ اور بعض مختلف کفاروں کے ذریعہ۔ بہرحال دین اسلام میں کوئی معاملہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں عذاب سے بچنے کا راستہ نہ ہو اور بعض نے کہا تمہارے فرضوں کے وقتوں کی تنگی سے نکلنے کا راستہ ہے۔ مثلاً رمضان اور عیدالفطر کا چاند اور حج کا وقت جب یہ تم پر ملتبس ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے تم پر وسعت کی ہے حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے اور مقاتل نے کہا ہے کہ اس سے مراد ضرورت کے وقت کی رخصتیں ہیں۔ جیسے سفر میں نمازوں کی قصر' پانی نہ ہونے کے وقت تیمم' اور مجبوری کے وقت مردار کا گوشت کھانا اور بیماری وسفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور کھڑے نہ ہوسکنے کے وقت بیٹھ کر نماز پڑھنے کی رخصت۔ یہ ہے کلبی کا قول اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا حرج سے مراد وہ اعمال واحکام ہیں جو بنی اسرائیل پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر سے اٹھا دیئے)

(تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اور رسول آئے وہ ان سب کے باپ ہیں یعنی ان کی نسل اور ذریت سے ہیں عرب کے لوگ انہیں کی ذریت سے ہیں انہیں میں سے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ تھے چونکہ قرآن کے اولین مخاطبین اہل عرب ہی تھے اس لئے یوں فرمایا کہ اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو دوسری آیت میں ہے جو ملت ابراہیم کے اتباع کا آیا ہے ان میں لفظ ابیکم نہیں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا سب سے بڑا رکن توحید ہی ہے جس کی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دعوت دی ہے اس کے لئے انہوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام شریعت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہے۔

هُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے) یعنی قرآن مجید نازل

ہونے سے پہلے جو کتابیں نازل فرمائیں ان میں اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے وفی ھذا (اور اس قرآن میں بھی اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا) کما قال تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اس نام اور لقب پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے اور اس لقب کی لاج بھی رکھیں یعنی سچے پکے فرماں بردار بن کر رہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل وجان سے مانیں اور خوشی و بشاشت کے ساتھ احکام کی پیروی کرتے رہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ میں ضمیر مرفوع مستتر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمہارے وجود میں آنے سے پہلے ہی تمہارا نام "مسلمین" رکھ دیا تھا جیسا کہ سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں کی دعا نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ اور چونکہ ان کی یہ دعا قرآن مجید میں منقول ہے لہٰذا اس اعتبار سے انہوں نے اس قرآن میں بھی، تمہیں مسلمین کا لقب دیا لیکن اس میں تکلف ہے تھوڑی سی تاویل کرنی پڑتی ہے لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (تاکہ رسول تمہارے لئے گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو) اس کا تعلق وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ سے بھی ہوسکتا ہے اور ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ سے بھی پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے تمہارا یہ عمل تمہیں اس مرتبہ پر پہنچا دے گا کہ اللہ کے رسول سید الاولین والآخرین ﷺ تمہارے لئے گواہ بنیں گے۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمین یعنی فرمانبردار رکھا پرانی کتابوں میں بھی اور قرآن کریم میں بھی، جب اس نام کی قدر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن کر رہو گے تو اس قابل ہو گے رسول اللہ ﷺ تمہارے حق میں گواہی دیں گے، سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) حضرت نوح اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام قیامت کے دن جب یہ فرمائیں گے کہ ہم نے اپنی اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی تو ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے اس پر وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کو بطور گواہ پیش کریں گے اس کے بعد اس امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی امت کو تبلیغ کی۔

فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمہارا اتنا بڑا مرتبہ کر دیا کہ میدان قیامت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے گواہ بنو گے اور تمہاری گواہی سے سابقہ

امتوں پر حجت قائم کی جائے گی تو اس شرف کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے بنو اس کے دین پر پوری طرح عمل کرو خاص کر اس دین کے جوارکان ہیں ان میں سے دو بڑے رکن ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ (اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کو پکڑے رہو) یعنی اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھو۔ اس سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو دنیا و آخرت کی خیر اسی سے طلب کرو هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (وہ تمہارا مولیٰ ہے سو خوب مولیٰ ہے اور خوب مدد کرنے والا ہے) مولیٰ کا معنی ہے کام بنانے والا' اہل ایمان کام بنانے والا کام بناتا ہے' اہل ایمان کے لئے اسی کے مدد کافی ہے' وہ مومنین کا مولی ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں کما قال تعالیٰ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۔

الحمد للہ تعالیٰ سورۃ الحج کی تفسیر اختتام کو پہنچی فللہ الحمد و المنة

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانَ عَشَرَةَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ مومنون مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ایک سو اٹھارہ آیات ہیں اور چھ رکوع ہیں

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ

تحقیق ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو

اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں اور جو ادائیگی زکوٰۃ کا کام کرنے والے ہیں' اور جو اپنی شرم کی جگہوں کی

حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦

حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جنکے وہ مالک ہوں۔ سو بلاشبہ وہ ان میں اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال کرنے پر ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨

سو جس نے اس کے علاوہ کچھ تلاش کیا تو وہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں' اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو میراث پانے والے ہیں۔ جو فردوس کے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١

وارث ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کی صفات اور ان کی کامیابی کا اعلان

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کی کامیابی کا اعلان فرمایا ہے اور اہل ایمان کی وہ صفات بیان فرمائی ہیں جن کا اہل ایمان کو کامیاب بنانے میں زیادہ دخل ہے۔ فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (تحقیق اہل ایمان کامیاب ہو گئے) اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو دنیاوی چیزوں کو دیکھ کر کامیابی کا فیصلہ کر لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بادشاہ کامیاب ہے' کوئی سمجھتا ہے کہ مالدار کامیاب ہیں اور کوئی گمان کرتا ہے کہ بہت بڑی جائداد والا کامیاب ہے کسی کے نزدیک وزیر کامیاب ہے کسی کے نزدیک سفیر' کوئی جمال کو کامیابی کا سبب سمجھتا ہے اور کسی کا فیصلہ یہ ہے کہ جو شخص دنیاوی ہنر اور کمال میں ماہر ہو وہ کامیاب ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمادیا کہ اہل ایمان کامیاب ہیں کیونکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہاں اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے وہاں کی کامیابی کے بارے میں فرمایا۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ

فَقَدْ فَازَ (جو شخص دوزخ سے بچادیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا سو وہ کامیاب ہوگیا)۔اس کے بعد اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں) خشوع کا اصل معنی ہے قلب کا جھکاؤ' جب مومن بندے نماز پڑھیں' ان کا پورا دھیان ظاہراً و باطناً نماز کی طرف رہنا چاہئے۔نماز پڑھتے ہوئے نماز سے غافل نہ ہوں اور یہ ذہن میں رہے کہ میری نماز قبولیت کے لائق ہو جائے۔غفلت کی نماز خشوع کی نماز نہیں ہے جس میں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کیا پڑھا رکوع سجدہ تو چل میں آیا کے طریقے پر جلدی جلدی کرلیا' سجدہ میں مرغ کی طرح ٹھونگیں مارلیں' لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھ لی' بار بار کپڑوں کو سنبھالا۔مٹی سے بچایا داڑھی کو کھجایا۔یہ سب چیزیں خشوع کے خلاف ہیں۔ایک مرتبہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور داڑھی سے کھیل رہا تھا اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لو خشع قلبه لخشعت جوارحه (اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا یعنی اس کے اعضاء شریعت کے قواعد کے مطابق نماز میں اپنی اپنی جگہ ہوتے) نماز چونکہ دربار عالی کی حاضری ہے اس لئے پوری توجہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے' سترہ سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ دل جمعی رہے۔ادھر ادھر دیکھنے سے منع فرمایا ہے' نماز پڑھتے ہوئے تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہے' کھانے کا اور پیشاب پاخانہ کا تقاضا ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے' کیونکہ یہ چیزیں توجہ ہٹانے والی ہیں۔ان کی وجہ سے خشوع خضوع باقی نہیں رہتا جو دربار عالی کی حاضری کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو برابر اسکی طرف اللہ تعالیٰ کی توجہ رہتی ہے جب تک کہ بندہ خود اپنی توجہ نہ ہٹالے' جب بندہ توجہ ہٹالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی توجہ نہیں رہتی۔مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۱

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکریاں کو نہ چھوئے کیونکہ اس کی طرف رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

اہل ایمان کا دوسرا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (اور جو لوگ لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں) لغو ہر اس بات اور ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہیں' مومن بندے نہ لغو بات کرتے ہیں نہ لغو کام کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان سے لغو باتیں کرنے لگے تو یا کچھ لوگ لغو کاموں میں لگے ہوں تو یہ حضرات اعراض کرکے کنارہ ہوکر گذر جاتے ہیں۔جیسا کہ سورہ قصص میں فرمایا ہے وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ (اور جب لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ ہوجاتے ہیں)

اور سورہ فرقان میں فرمایا وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب لغو بات پر گذرتے ہیں تو کریموں کے طریقہ پر گذر جاتے ہیں)

غور کرلیا جائے کہ جب لغوبات اور لغو کام (جس میں نہ گناہ ہے نہ ثواب ہے) سے بچنے کی اتنی اہمیت ہے تو گناہوں سے بچنے کی کتنی اہمیت ہوگی؟ لغوبات لغو کام میں اگرچہ گناہ نہ ہو لیکن اس سے دل کی نورانیت جاتی رہتی ہے اعمال صالحہ کا ذوق نہیں رہتا زبان کو لغو باتوں کی عادت ہوتی ہے پھر یہ لغو باتیں گناہوں میں مشغولیت کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں اور لغو بات اور لغو کام کا کیا یہ نقصان کم ہے کہ جتنے وقت لغوبات یا کوئی لغو کام کیا اتنی دیر میں قرآن مجید کی تلاوت یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو بہت بڑی دولت سے مالا مال ہو جاتے' لغو باتوں سے بہت بڑی دولت کو گنوا دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کی وفات ہوگئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس کے لئے جنت کی خوشخبری ہے اسکی بات سنکر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسے جنت کی خوشخبری دے رہے ہو ہوسکتا ہے کہ اس نے کوئی لایعنی بات کی ہو یا کسی ایسی چیز کے خرچ کرنے میں بخل کیا جو خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۳

(جیسے علم سکھانا تھوڑا سا نمک دیدینا کھانا پکانے کے لئے کسی کو آگ یا ماچس کی تیلی دیدینا وغیرہ وغیرہ) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ (انسان کے اسلام کی خوبی میں سے ایک یہ بات ہے کہ جو چیز اس کے کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے) حضرت لقمان سے کسی نے کہا کہ آپ کو جو یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے کیسے حاصل ہوئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچی بات کہنے سے اور امانت ادا کرنے سے اور لایعنی کے چھوڑنے سے مجھے یہ مرتبہ ملا (موطا مالک)

اہل ایمان کا تیسرا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ (اور جو لوگ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں) لفظ زکوٰۃ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے پاک صاف ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے (اور اسی لئے مال کا ایک حصہ بطور فرض فقراء اور مساکین کو دینے کا نام زکوٰۃ رکھا گیا ہے کیونکہ اس سے نفس بھی بخل سے پاک ہوتا ہے اور مال میں بھی پاکیزگی آجاتی ہے) لغوی معنی کے اعتبار سے بعض مفسرین کرام نے آیت کا یہ مطلب بھی بتایا ہے کہ اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک رکھنے والے ہیں' انسان کے اندر سے بخل' حسد' حب جاہ' حب مال' ریا کے جذبات امنڈ کر آتے ہیں ان رذائل سے پاک ہونا اور نفس کو دبانا' نفس کی اصلاح کرنا یہ بھی لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ کا مصداق ہے اسی کو سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (وہ شخص کامیاب ہو گیا جو پاک صاف ہوا)

اہل ایمان کا چوتھا وصف یوں بیان فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ (الآیات الثلاث) اور جو لوگ اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت کرتے ہیں یہ لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے تو شرعی اصول کے مطابق شہوت پوری کر لیتے ہیں ان کے علاوہ کسی اور جگہ اپنی شرم کی جگہوں کو استعمال نہیں کرتے' بیویوں اور لونڈیوں سے شہوت پوری کرنا چونکہ حلال ہے اسلئے اسپر انہیں کوئی ملامت نہیں انکے علاوہ اور کسی جگہ اپنی شرم کی جگہ کو استعمال کیا تو یہ حد شرعی سے آگے بڑھ جانے والی بات ہوگی جسکی سزا دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔

آیت کی تصریح سے معلوم ہوا کہ متعہ کرنا بھی حرام ہے (جس کا روافض میں رواج ہے) کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جائے وہ بیوی نہیں ہوتی اسی طرح جانوروں سے شہوت پوری کرنا یا کسی بھی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج کرنا یہ سب ممنوع ہے کیونکہ ان سب صورتوں میں شرم کی جگہ کا استعمال نہ بیوی سے ہے نہ باندی سے' باندیوں سے قضائے شہوت کرنے کے کچھ احکام ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں' یاد رہے کہ گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں اگر ان سے کوئی شخص شہوت پوری کرے گا تو صریح زنا ہوگا کسی بھی آزاد عورت کو اگر کوئی شخص بیچ دے تو اس کا بیچنا اور خریدنا دونوں حرام ہیں اور اسکی قیمت بھی حرام ہے اگر کوئی شخص خرید لے گا اور اس خریدی ہوئی عورت سے شہوت والا کام کرے گا تو زنا ہوگا۔

مسئلہ: جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اگر ان سے نکاح کر بھی لے تب بھی ان سے شہوت پورا کرنا حرام ہی رہیگا۔

مسئلہ: حیض و نفاس کی حالت میں اپنی بیوی اور شرعی لونڈی سے بھی شہوت والا کام کرنا حرام ہے اور یہ بھی **فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ** میں شامل ہے۔

اہل ایمان کا پانچواں اور چھٹا وصف بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ** (اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت کرنے والے ہیں) اس میں امانتوں کی حفاظت کا اور جو کوئی عہد کر لیا جائے اسکی حفاظت کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان دونوں کی رعایت اور حفاظت کو مومنین کی صفات خاصہ میں شمار فرمایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا ہو اور یوں نہ فرمایا ہو کہ **الا لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له** (خبردار اسکا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اسکا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵)

اللہ تعالیٰ شانہٗ کے جو اوامر و نواہی ہیں انکے متعلق جو شرعی ذمہ داریاں ہیں ان کا پورا کرنا فرائض و واجبات کا احترام کرنا اور محرمات و مکروہات سے بچنا یہ سب امانتوں کی حفاظت میں داخل ہے۔

اسی طرح بندوں کی جو امانتیں ہیں خواہ مالی امانت ہو یا کسی بات کی امانت ہو کسی بھی راز کی امانت ہو ان سب کی رعایت کرنا لازم ہے مالوں کی ادائیگی کو کچھ لوگ امانت داری سمجھتے ہیں لیکن عام طور سے دوسری چیزوں میں امانت داری نہیں سمجھتے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں۔ (یعنی مجلسوں کی بات آگے نہ بڑھائی جائے) ہاں اگر کسی مجلس میں حرام طریقے پر کسی کا خون کرنے یا زنا کرنے یا ناحق کسی کا مال لے لینے کا مشورہ کیا تو ان چیزوں کو آگے بڑھا دیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص بات کہہ دے پھر ادھر ادھر متوجہ ہو (کہ کسی نے سنا تو نہیں) تو یہ بات امانت ہے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے جس میں وہ تجھے سچا سمجھ رہا ہو اور تو اسے جھوٹ بول رہا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ایک حدیث میں ارشاد ہے **ان المستشار موتمن** (بلاشبہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے) یعنی

مشورہ لینے والے کو وہی مشورہ دے جو اسکے حق میں بہتر ہو (رواہ الترمذی)

امانت داری بہت بڑی صفت ہے خیانت منافقوں کا کام ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے تو خلاف کرے۔ (۳) اور اگر اسکے پاس امانت رکھ دی جائے تو خیانت کرے۔ (رواہ مسلم) امانتوں کی حفاظت کے ساتھ عہد کی حفاظت کو بھی مومنین کی صفات خاص میں شمار فرمایا ہے مومن بندوں کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ اسکے فرمان کے مطابق چلیں گے تمام اعمال و احوال میں اس کا خیال رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو کر رہیں اور نافرمانی نہ کریں اور بندوں سے جو کوئی معاہدہ ہو جائے کسی بات کا وعدہ کرلیں تو اسکو پورا کریں بشرطیکہ گناہ کا معاہدہ نہ ہو۔ بہت سے لوگ قرض لے لیتے ہیں اور ادائیگی کی تاریخ مقرر کر دیتے ہیں پھر تاریخ آ جانے پر ادائیگی کا انتظام نہیں کرتے بلکہ انتظام ہوتے ہوئے بھی ٹالتے ہیں یہ سب بدعہدی میں آتا ہے اور اسکے علاوہ بہت سی صورتیں ہیں جو روزمرہ پیش آتی رہتی ہیں، جن لوگوں کا دینی مزاج نہیں ہوتا وہ عہد اور وعدہ کی خلاف ورزی کو کوئی وزن نہیں دیتے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہونگی خالص منافق ہوگا، اور جس کے اندر ان میں سے ایک خصلت ہوگی اسکے اندر منافقت کی ایک خصلت شمار ہوگی وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔ (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔ (۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دیدو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(۱) جب بات کرو تو سچ بولو۔ (۲) وعدہ کرو تو پورا کرو۔ (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو اسکو ادا کرو۔ (۴) اپنی شرم کی جگہوں کو محفوظ رکھو۔ (۵) اپنی آنکھوں کو نیچے رکھو۔ (یعنی کسی جگہ ناجائز نظر نہ ڈالے) (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (بیجا استعمال کرنے سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵)

اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (اور اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں) اس میں تمام نمازیں پابندی سے پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ جو لوگ ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی وہ لوگ اس فضیلت کے مستحق نہیں جس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں، جس نے اچھی طرح وضو کیا اور انہیں بروقت ادا کیا اور ان کا رکوع اور سجود پورا کیا اسکے لئے اللہ کا عہد ہے کہ اسکی مغفرت فرمادے گا، اور جس

نے ایسا نہ کیا تو اس کے لئے اللہ کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے اسکی مغفرت فرمادے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔ (رواہ ابو داؤد) اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز کی پابندی کی قیامت کے دن اسکے لئے نماز نور ہوگی اور (ایمان کی) دلیل ہوگی اور دوزخ سے نجات کا سبب ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی اسکے لئے نماز نہ نور ہوگی نہ دلیل ہوگی نہ نجات کا سامان ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون فرعون ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الدارمی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ والبیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ)

مومنین کے خاص سات اوصاف بیان فرمانے کے بعد (جن میں اول نمبر خشوع کے ساتھ پڑھنا اور آخر میں نماز کی پابندی کرنا ہے) ان مومنین کو بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (یہ وہ لوگ ہیں جو فردوس کے وارث ہونگے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے اچھا اور سب سے بلند مقام ہے اور اسکے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں۔ (رواہ البخاری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا پھر ہم نے اسے ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ کی صورت میں رکھا

مَّکِیْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا

پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا

فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾

پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا پھر ہم نے اسکو دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا سو بابرکت ہے اللہ کی ذات جو سب صناعوں سے بہتر ہے

ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر بلاشبہ تم اسکے بعد ضرور ہی مر جانے والے ہو پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت، تخلیق انسانی کا تدریجی ارتقاء، حیات دنیاوی کے بعد موت، پھر وقوع قیامت

تفسیر: ان آیات میں تخلیق انسانی کے مختلف ادوار بتائے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے کہ دنیا کا وجود دائمی نہیں ہے آخر مر جاؤ گے اور یہاں سے چلے جاؤ گے اور مرنے پر ہی بس نہیں ہے اس کے بعد قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ (پھر

زندگی کے اعمال کا حساب ہوگا)

اولاً حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بیان فرمائی جو اول الانسان اور اصل الانسان ہیں اور فرمایا کہ ہم نے انسان کو طین یعنی کیچڑ کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے پوری زمین سے ایک مٹھی مٹی لے لی (اس مٹھی سے انسان کا پتلا بنایا پہلے خشک مٹی تھی پھر پانی ڈالا گیا تو کیچڑ بن گئی پھر اس کیچڑ سے پتلا بنایا گیا۔ پھر اس میں روح پھونک دی) سو آدم کی اولاد زمین کے اسی حصہ کے مطابق وجود میں آئی جس کو زمین کا حصہ پہنچ گیا۔ ان میں سرخ بھی ہیں سفید بھی' کالے بھی اور ان کے درمیان بھی (یہ رنگ کے اعتبار سے ہوا) نرم بھی ہیں اور سخت بھی' اور خبیث بھی اور طیب بھی (یہ فرق مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے ہوا) رواہ الترمذی وابوداؤد (ا۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲)

یہ جو زمین سے مٹی لی گئی تھی جس سے آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اسے **سلالة من طين** (کیچڑ کا خلاصہ فرمایا) یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ الانسان سے حضرت آدم علیہ السلام کی شخصیت مراد لی جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ **سلالة من طين** سے غذائیں مراد ہیں جنہیں انسان کھاتا ہے پھر ان سے خون بنتا ہے پھر خون سے منی کا نطفہ بنتا ہے پھر اس نطفہ سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے انسان کو (یعنی کچھ مدت کے بعد پیدا ہونے والے بچہ کو) نطفہ بنایا نطفہ کی حالت میں ٹھہرنے کی جگہ یعنی ماں کے رحم میں رکھ دیا۔ یہ نطفہ رحم مادر میں مقررہ وقت تک رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس نطفہ کو علقہ یعنی جما ہوا خون بنا دیتا ہے' پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ جما ہوا خون اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مضغہ یعنی بوٹی بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس بوٹی کے بعض حصوں کی ہڈیاں بنا دیتا ہے' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتا ہے' پھر اس میں اللہ کے حکم سے روح پھونک دی جاتی ہے۔ شروع میں تو نطفہ بے جان تھا پھر اتنے ادوار سے گذرا پھر ماں کے پیٹ سے باہر آیا تو کان آنکھ ناک والی بنی بنائی جاندار مورتی سامنے آ گئی' اسی کو فرمایا۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ. (پھر ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دی) فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (سو بابرکت ہے اللہ جو تمام صناعین یعنی کاریگروں سے بہتر ہے) دوسرے جو کاریگر ہیں وہ تو خود ہی اللہ کی مخلوق ہیں ان کو اللہ نے جیسا چاہا پیدا فرمایا اور ان میں جو کوئی کاریگر کسی طرح کی کوئی کاریگری دکھاتا ہے اسے اسکی کوئی طاقت نہیں ہے کہ کسی چیز کو وجود میں لے آئے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمودہ جو چیزیں ہیں انہی میں جوڑ توڑ لگا کر اور کچھ تراش خراش کر کے کوئی چیز بنا لیتے ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل فہم اور سمع و بصر سے ہوتا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (پھر بلاشبہ تم اس کے بعد ضرور ہی مرجانے والے ہو) ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے)۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر سات طرائق پیدا کئے ہیں اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں ہیں۔ اور ہم نے

السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا

آسمان سے خاص مقدار کے مطابق پانی اتارا پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر قادر ہیں پھر ہم نے

لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اس کے ذریعہ تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کئے ان میں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو اور ہم نے

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

ایک درخت پیدا کیا جو طور سیناء سے تیل لئے ہوئے اگتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اگتا ہے۔

آسمانوں کی تخلیق' خاص مقدار کے موافق
بارش ہونا اور اسکے ذریعہ باغیچوں میں پیداوار ہونا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے آسمانوں کو پیدا فرمانے اور آسمان سے پانی برسانے اور اسکے ذریعہ درخت اگانے کا تذکرہ فرمایا یہ سب انسانوں کے لئے بڑی بڑی نعمتیں ہیں۔

اول یوں فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر سَبْعَ طَرَآئِقَ یعنی سات راستے بنائے ہیں مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے سات آسمان مراد ہیں ان کو سبع طرائق یا تو اس لئے فرمایا ہے کہ سات آسمان اوپر نیچے بنائے ہیں اور یا اس اعتبار سے سبع طرائق فرمایا کہ ان میں فرشتوں کے آنے جانے کے راستے ہیں مزید فرمایا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ (اور ہم مخلوق سے غافل نہیں ہیں) یعنی بے خبر نہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے نہ پہلے غافل تھا اور نہ اب غافل ہے کوئی بڑی مخلوق ہو یا چھوٹی اس نے اپنی حکمت کے موافق جس کو جیسا چاہا اور جب چاہا پیدا فرما دیا۔

ثانیاً یوں فرمایا کہ ہم نے آسمان سے ایک مقدار کے مطابق پانی نازل فرمایا پانی اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو سیلاب آ جاتا ہے اس سے انسان اور جانوروں اور کھیتوں کو نقصان پہنچ جاتا ہے اور اگر پانی کم برسے تو اس سے ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ عموماً اللہ تعالیٰ مناسب مقدار میں پانی پیدا فرماتا ہے یہ پانی کھیتوں میں اور باغوں میں پہنچتا ہے جسکی وجہ سے سبزی اور شادابی آ جاتی ہے۔ اور پانی کا ایک بہت بڑا حصہ تالابوں میں گڑھوں میں اور ندیوں میں ٹھہر جاتا ہے اس پانی سے انسان پیتے بھی ہیں اور نہاتے بھی ہیں اور دوسری ضرورتوں میں بھی استعمال کرتے ہیں' نیز جانور بھی پانی پیتے ہیں' اگر پانی ایک دم برس کر بہہ کر چلا جائے اور اللہ تعالیٰ اسے زمین میں نہ ٹھہرائے تو مذکورہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے زمین میں ٹھہرانے سے پہلے یا بعد میں اس پانی کو معدوم کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اسی کو فرمایا ہے وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ' بِهٖ

لَقَادِرُوْنَ (اور بلاشبہ ہم اسکو معدوم کرنے پر ضرور قادر ہیں)

ثالثاً یوں فرمایا کہ پانی کے ذریعہ کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے ان کھجوروں اور باغوں میں تمہارے لئے منافع ہیں' ایک نفع تو یہ ہے کہ تر وتازہ مال ہے درخت سے توڑو اور کھاؤ' میٹھا بھی ہے اور مزے دار بھی؛ قوت صحت کے لئے بھی مفید ہے نہ پکانے کی ضرورت نہ مسالہ نمک ملانے کی حاجت' اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان کو سکھا کر رکھ لیتے ہیں جو میوے بن جاتے ہیں اور ان میووں کو اگلی فصل تک کھاتے رہتے ہیں انگور سے منقی اور کشمش تیار کر لیتے ہیں اور کھجوروں سے چھوارے بنا لیتے ہیں اسکو فرمایا لَکُمْ فِیْهَا فَوَاکِهُ کَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ اور انگور کے باغ پیدا کئے اس میں تمہارے لئے میوے ہیں اور اس میں سے تم کھاتے ہو)

پھر فرمایا وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ (اور ہم نے تمہارے لئے ایک درخت کو پیدا کیا جو طور سیناء سے نکلتا ہے) وہ تیل لیکر اور کھانے والوں کے لئے سالن لیکر اگتا ہے اس سے زیتون کا درخت مراد ہے۔ اس کو سورۃ النور میں شجرہ مبارکہ (برکت والا درخت) فرمایا ہے اور سورہ والتین میں اللہ تعالیٰ نے اسکی قسم کھائی ہے' یہ درخت بڑے منافع اور فوائد کا درخت ہے اس کے دو فائدے تو یہاں اسی آیت میں بیان فرما دیئے ہیں۔ اول یہ کہ اس کا تیل بہت نافع ہے بہت سے کاموں میں آتا ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں روٹی ڈبو کر کھاتے ہیں اور سالن کی جگہ استعمال کرتے ہیں' اور خود زیتون کے دانے بھی روٹی سے اور بغیر روٹی کے کھائے جاتے ہیں زیتون کا درخت زیادہ تر ملک شام میں ہوتا ہے شام ہی میں طور سیناء ہے جسے سورۃ والتین میں وطور سینین فرمایا ہے یہ تو عام طور سے پڑھے لکھے لوگ جانتے ہی ہیں کہ طور ایک پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے مصر کو آتے ہوئے آگ دیکھی تھی پھر جب وہاں آگ لینے کے لئے گئے تو پہلی بار خالق کائنات جل مجدہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا اب رہی یہ بات کہ سیناء اور سینین کا کیا مطلب ہے؟ سو حضرت مجاھد تابعی نے فرمایا کہ یہ دونوں برکت کے معنی میں ہیں اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے۔

الجبل الحسن اور حضرت مجاہد تابعی کا ایک یہ قول ہے کہ سیناء مخصوص پتھروں کا نام ہے جو طور پہاڑ کے پاس ہوتے ہیں اس لئے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے اور حضرت عکرمہ نے فرمایا سیناء اس جگہ کا نام ہے جس میں طور پہاڑ واقع ہے۔ (معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۳۰۶)

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ کَثِیْرَةٌ

اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے ہم انہیں میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمہارے لئے ان میں بہت منافع ہیں

وَّمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْکِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان میں سے تم کھاتے ہو اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر اٹھائے جاتے ہیں

جانوروں کے منافع، کشتیوں پر باربرداری کا نظام

تفسیر: درختوں کے فوائد بتانے کے بعد چوپاؤں کے منافع بیان فرمائے، انسانوں کو ان سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں ان کا دودھ بھی پیتے ہیں گوشت بھی کھاتے ہیں ان کے بالوں کو کاٹ کر کپڑے اور اوڑھنے بچھونے کی چیزیں بنا لیتے ہیں اور ان پر سوار ہوتے ہیں۔ جیسے بنی آدم کی نسلیں چل رہی ہیں اسی طرح چوپایوں میں بھی تناسل کا سلسلہ چل رہا ہے اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کے لئے مسخر فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔

اخیر میں کشتیوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہیں سامان لادتے ہیں اور دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ کشتیاں بنانے کا الہام فرمانا اور ان کے بنانے کے طریقے سکھانا پھر پانی میں ان کا جاری فرمانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ سورۃ البقرہ میں وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ کی تفسیر کا مطالعہ کر لیا جائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ

ڈرتے نہیں ہو، سو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ یہ شخص تمہارے ہی جیسا آدمی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ

اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ ۚ

تم پر فضیلت والا بن کر رہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل فرما دیتا ہم نے تو یہ بات اپنے باپ دادوں میں نہیں سنی جو ہم سے پہلے تھے

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ

اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کو جنون ہو گیا ہے سو تم کچھ وقت تک اس کا انتظار کرلو۔ نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا

انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمایئے سو ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنالو پھر جب ہمارا حکم پہنچے

وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ

اور تنور سے پانی پھوٹ نکلے تو ہر جوڑے سے دو عدد یعنی ایک ایک نر ایک ایک مادہ کشتی میں داخل کر دینا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے اسکے جس پر ان میں سے پہلے

الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ

بات طے ہو چکی ہے۔ اور ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا، بلاشبہ وہ غرق کئے جانے والے ہیں، سو جب تم اور

اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

وہ لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں ٹھیک طرح کشتی میں بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی'

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ

اور تم یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے برکت کا اتارنا اتاریو اور آپ اتارنے والوں میں سب سے بہتر ہیں' بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اور

كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

بلاشبہ ہم ضرور آزمانے والے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا' اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا غرق آب ہونا

تفسیر: اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید اور ان کی قوم کی تکذیب کی وجہ سے طوفان میں غرق کئے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی ان کے بتوں کے نام سورہ نوح کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرو تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے کہ اللہ کی طرف سے تمہاری گرفت ہو جائے اور تم پر عذاب آ جائے۔ ہر قوم کے سردار اور چودھری حق قبول کرنے سے بچتے ہیں نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے عوام کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ عوام میں جو دنیاوی اعتبار سے نیچے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں وہ آگے بڑھنے اور حق قبول کرنے کی ہمت کر لیتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے چودھری اور سرداروں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص جو اپنے بارے میں کہہ رہا ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اس میں ہمیں تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی جیسے تم آدمی ہو ایسا ہی یہ آدمی ہے' مقصد اس کا یہ ہے کہ تمہارا بڑا بن کر رہے اور تم اس کے ماتحت رہو اگر اللہ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو اسکے لئے فرشتوں کو نازل فرما دیتا جو ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا یہ جو کہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو چھوڑو اور صرف ایک معبود کی عبادت کرو اور اسی ایک معبود کو تنہا وحدہٗ لا شریک بتاتا ہے یہ بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی جو ہم سے پہلے گذر گئے' ان چودھریوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں تو یہ بات آتی ہے کہ اس شخص پر دیوانگی سوار ہے دیکھو اسکا معاملہ کس کل بیٹھتا ہے تم انتظار کر لو۔

ممکن ہے کہ اسکی دیوانگی ختم ہو جائے اور بہر حال اس کو موت تو آ ہی جائے گی موت پر تو اسکے سارے دعوے رکھے ہی رہ جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے میری مدد فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور عظیم طوفان آیا جس میں سب کافر غرق ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے پہلے تو انہیں کشتی بنانے کا حکم فرمایا پھر جب کشتی بنالی تو حکم فرمایا کہ اس میں اپنے اہل وعیال کو اور تمام مومنین کو (جو تھوڑے سے تھے) ساتھ لیکر سوار ہو جاؤ۔ ہاں تمہارے اہل وعیال میں سے جو شخص ایمان نہیں لایا اسے اپنے ساتھ سوار نہ کرنا اور ان کے بارے میں مجھ سے خطاب بھی نہ کرنا یعنی ان کی نجات کے بارے میں درخواست نہ کرنا کیونکہ یہ لوگ ڈبوئے جانے والے ہیں' (حضرت نوح علیہ السلام کے بیوی اور ایک بیٹا ایمان نہیں لایا تھا) جو جانور چرندے پرندے اور دوسری چیزیں زمین پر بسنے والی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک ایک جوڑا لیکر کشتی میں سوار کرلو' کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ طوفان کے بعد ان کے بھی نسلیں چلیں' چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو بھی کشتی میں سوار فرمالیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم فرمایا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی اچھی طرح کشتی میں سوار ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہنا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوت سے نجات دی) اور مزید یہ دعا بھی تلقین فرمائی رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (اے میرے رب مجھے ایسی جگہ میں اتاریئے جو مبارک ہو اور آپ سب سے بہتر اتارنے والوں میں سے ہیں)

جب کشتی میں سوار ہوئے تو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا پڑھا (اللہ ہی کے نام کے ساتھ ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا) اور سوار ہونے کے بعد یہ دعا پڑھی جو ابھی اوپر مذکور ہوئی' طوفان کی ابتداء کس طرح ہوگی یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ پہلے تنور سے پانی ابلنا شروع ہوگا تنور سے پانی کی ابتداء ہوئی اور زمین کے دوسرے حصوں سے بھی خوب پانی نکلا اور آسمان سے بھی خوب پانی برسا۔ کافر سارے ڈوب گئے کشتی والوں کو نجات ہوئی اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی' پھر اہل ایمان زمین پر آئے دوبارہ آبادی شروع ہوئی جس کی تفصیل سورہ ہود کے چوتھے رکوع کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ (بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں) وَاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ (اور بلاشبہ ہم ضرور آزمانے والے ہیں) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو آزمایا وہ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے انہیں نصیحت فرمائی اور توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں ان کا امتحان تھا انہوں نے ظاہری دنیا ہی کو دیکھا اپنے سرداروں کی بات مانی حق کو قبول نہ کیا ہلاک کردیئے گئے۔ یہ سلسلہ آزمائش اب بھی جاری ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا

پھر ہم نے ان کے بعد دوسرا گروہ پیدا کیا پھر ہم نے ان میں سے رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو

اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ

اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کہ تم نہیں ڈرتے ہو۔ اس رسول کی قوم کے چودھری جنہوں نے کفر اختیار کیا اور

کَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَتۡرَفۡنٰہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۙ مَا ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۙ یَاۡکُلُ

آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا میں عیش کی زندگی دی تھی انہوں نے کہا یہ تو تمہارا جیسا ہی آدمی ہے اسی میں سے یہ کھاتا ہے

مِمَّا تَاۡکُلُوۡنَ مِنۡہُ وَ یَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۳۳﴾ ۙ وَ لَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَکُمۡ ۙ اِنَّکُمۡ اِذًا

جس سے تم کھاتے ہو اور اسی میں پیتا ہے جس سے تم پیتے ہو اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی بات مان لی تو بلاشبہ تم ضرور ہی

لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾ اَیَعِدُکُمۡ اَنَّکُمۡ اِذَا مِتُّمۡ وَ کُنۡتُمۡ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّکُمۡ مُّخۡرَجُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ۪ۙ ہَیۡہَاتَ

نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے' کیا یہ شخص تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے دور ہے

ہَیۡہَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۶﴾ ۪ۙ اِنۡ ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَ مَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ ﴿۳۷﴾ ۪ۙ

دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یہ تو بس دنیا والی ہی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔

اِنۡ ہُوَ اِلَّا رَجُلُۨ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا وَّ مَا نَحۡنُ لَہٗ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ

یہ کچھ نہیں بس یہ صرف ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اس پیغمبر نے عرض کیا کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ

بِمَا کَذَّبُوۡنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیۡلٍ لَّیُصۡبِحُنَّ نٰدِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾ ۚ فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ بِالۡحَقِّ فَجَعَلۡنٰہُمۡ

انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمایئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب یہ لوگ پشیمان ہوں گے سو ان لوگوں کو سچے وعدہ کے موافق سخت

غُثَآءً ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۱﴾

چیخ نے پکڑ لیا' پھر ہم نے انہیں خس و خاشاک کر دیا۔ سو دوری ہے ظالم قوم کے لئے

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ایک دوسرے نبی کی بعثت اور ان کی قوم کی تکذیب اور ہلاکت

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین میں بسنے والی قوموں کی ہدایت کے لئے کثیر تعداد میں اللہ تعالیٰ کے رسول آئے' مذکورہ بالا آیات میں ایک رسول اور انکی امت کی تکذیب کا پھر چیخ سے ہلاک ہونے کا تذکرہ ہے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے حضرت ھود یا حضرت صالح علیہ السلام مراد ہیں۔ پہلے قول کو اس اعتبار سے ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ سورہ اعراف اور سورہ ھود اور سورہ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بعد ہی حضرت ھود علیہ السلام اور

ان کی قوم عاد کا تذکرہ فرمایا ہے اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم سخت چیز کے ذریعہ ہلاک ہوئی (کمافی سورہ ھود) اور یہاں جس رسول کی امت کی ہلاکت کا ذکر ہے انکی ہلاکت بھی سخت چیخ کے ذریعہ بتائی ہے تو اس سے قول ثانی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ والعلم عند اللہ الکریم۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ایک اور جماعت کو پیدا کیا ان میں بھی رسول بھیجا' یہ رسول انہیں میں سے تھا اس نے بھی ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تم وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہو تمہیں ڈرنا چاہئے کہ اس کی وجہ سے تم پر کوئی عذاب نہ آجائے' ان کی قوم کے چودھری اور سردار جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا تھا اور آخرت کے منکر تھے اور دنیا کے عیش و عشرت میں مگن تھے کہنے لگے جی یہ کیسے رسول ہوسکتا ہے یہ تو تمہارا ہی جیسا آدمی ہے جس سے تم کھاتے ہو یہ بھی اسی سے کھاتا ہے جس سے تم پیتے ہو یہ اسی سے پیتا ہے' اگر یہ رسول ہوتا تو اس میں کوئی امتیازی بات ہوتی' اگر تم نے ایسے شخص کی بات مانی جو تمہارا ہی جیسا شخص ہے تو تم نقصان اور گھاٹے والے ہو جاؤ گے' اس شخص کی بات پر وہی ایمان لاسکتا ہے جسکی عقل کا دیوالیہ ہو چکا ہو' کیا اسکی باتیں سمجھ میں آنے والی ہیں؟ یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور بالکل مٹی اور ہڈیاں رہ جاؤ گے' تو قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے یہ جو بات تمہیں بتا رہا ہے عقل وفہم سے دور ہے۔ (یعنی ایسا ہونے والا نہیں ہے)

ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہی دنیا والی زندگی ہے اس میں موت و حیات کا سلسلہ جاری ہم مرتے بھی ہیں اور جیتے بھی ہیں یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ بات کہ مرنے کے بعد قبروں سے اٹھائے جائیں گے پھر حساب کتاب کے لئے پیشی ہو گی یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے جو مر گیا سو مر گیا اب کہاں کا زندہ ہونا اور قبروں سے اٹھنا؟

یہ شخص جو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس کے بارے میں ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ جب ان کی قوم نے انکی بات ماننے سے انکار کیا تو انہوں نے بارگاہ خداوندی میں وہی دعا کی جو حضرت نوح علیہ السلام نے کی تھی کہ اے میرے رب اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا میری مدد فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے مدد کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وہ وقت قریب ہے کہ یہ لوگ نادم اور پشیمان ہونگے جب عذاب آئے گا تو پچھتائیں گے اللہ تعالیٰ نے جو اپنے رسول سے وعدہ فرمایا تھا حق تھا اس نے اپنے رسول کی مدد فرمائی اور جھٹلانے والوں کے لئے ایک زبردست چیخ بھیج دی جسکی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے ان کا وجود خس وخاشاک اور کوڑا کرکٹ کی طرح ہو کر رہ گیا' سو ظالم قوم کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے ان پر اللہ کی مار ہے اور پھٹکار ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

پھر ہم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کیا کوئی امت اپنی اجل سے نہ آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

پھر ہم نے یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا سو ہم بعض کو بعض کے پیچھے وجود میں لاتے رہے

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ

اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا' سو اس قوم کے لئے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتے' پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

اپنی آیات اور کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ اونچے تھے

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ

سو ان لوگوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے' سو ان دونوں کو انہوں نے جھٹلایا لہٰذا وہ ہلاک کئے جانیوالے لوگوں میں

الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ

شامل کردیئے گئے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ لوگ ہدایت پائیں' اور ہم نے ابن مریم اور انکی والدہ کو ایک نشانی بنادیا

وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے ان دونوں کو ایک ایسے ٹیلہ پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کی اور پانی جاری ہونے کی جگہ تھی۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ' فرعون اور اس کے درباریوں کا تکبر اور تکذیب اور ہلاکت

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمانے کے بعد ایک اور رسول کی تشریف آوری کا اور انکی امت کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا پھر فرمایا کہ ہم نے انکے بعد اور بہت سی جماعتیں پیدا کیں' ان سے حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قومیں اور انکے علاوہ جو قومیں تھیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کے باعث ہلاک کردی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے قضاو قدر میں جس امت کے ہلاک ہونے کا جو وقت مقرر تھا ہر امت ٹھیک اسی وقت میں ہلاک کی گئی۔ نہ وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہلاک ہوئی اور نہ اس وقت سے موخر ہوئی۔

قولہ تعالیٰ تترا من المتواترة وهو التتابع مع فصل و مهلة والتاء الا ولى بدل من الواو كما فى تراث وجمهور القراء والعرب على عدم تنوينه فالفه للتأنيث كالف دعوى وذكرى و معناه ثم ارسلنا رسلنا متواترين وقرأ ابن كثير و ابو عمر وتترى بالتنوين وهو لغة كنانة (اللہ تعالیٰ کا ارشاد "تترا" یہ متواترۃ سے ہے اور اس کا مطلب ہے فاصلہ اور مہلت کے ساتھ تسلسل کا جاری رہنا۔ پہلی تاء واؤ کے بدلہ میں ہے جیسا کہ تراث میں ہے۔ جمہور قراء اور عرب اس پر تنوین نہ ہونے کے قائل ہیں لہٰذا اس کی الف تانیث کے لئے ہے جیسے دعویٰ ذکریٰ کی الف اور اس کا معنی ہے پھر ہم نے مسلسل اپنے رسول بھیجے اور ابن کثیر و ابو عمرو نے تتری تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ کنانہ کی لغت ہے) (راجع روح المعانی ج ۱۸ صفحہ ۳۴)

فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا (سو ہم بعض کو بعض کے بعد وجود میں لاتے رہے) یعنی ایک قوم گئی اور اسکے بعد دوسری قوم آ گئی برابر ایسا ہی ہوتا رہا جیسے وجود میں آنا آگے پیچھے تھا اسی طرح ہلاک ہونے میں بھی آگے پیچھے تھے ایک قوم آئی رسول کو جھٹلایا وہ ہلاک ہوئی دوسری قوم آئی اس نے بھی اپنے رسول کو جھٹلایا وہ بھی ہلاک ہو گئی اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔

وَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ (اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا) یعنی وہ لوگ رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ایسے برباد ہوئے اور ایسے گئے کہ بعد کے آنے والے صرف کہانیوں کے طور پر ان کا ذکر کرتے ہیں کہ اس نام کی بھی کوئی قوم تھی اور فلاں علاقے میں بھی کبھی لوگ آباد تھے کیا تو انکے بڑے بڑے دعوے تھے اور کیا ان کا یہ انجام ہوا کہ بس کہانیوں کی طرح لوگ ان کا تذکرہ کرتے ہیں فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (سو دوری ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں کیونکہ غیر مومن کو اللہ کی رحمت شامل نہ ہوگی وہ ہمیشہ لعنت میں رہیں گے۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ (الآیات الاربع) یعنی مذکورہ اقوام کے بعد ہم نے موسیٰ اور انکے بھائی ہارون کو اپنی آیات اور سلطان مبین دے کر بھیجا مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو سورہ انفال کی آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ اور اسکی بعد والی آیت میں مذکور ہیں اور سلطان مبین (حجۃ واضحۃ) سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مراد ہے۔ حضرت موسیٰ اور انکے بھائی ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا ان لوگوں نے تکبر اختیار کیا انہیں دنیا میں جو برتری حاصل تھی اسکی وجہ سے اپنے کو بڑا سمجھتے تھے یہ تکبر انہیں لے ڈوبا کہنے لگے یہ دونوں آدمی جو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کیا ہم ان پر ایمان لے آئیں حالانکہ یہ دونوں جس قوم کے فرد ہیں یعنی بنی اسرائیل وہ تو ہمارے فرماں بردار ہیں یہ انکی پوری قوم جن میں یہ بھی شامل ہیں ہم سے بہت زیادہ کمتر ہیں ہم مخدوم ہیں یہ خادم ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اس قوم کے دو آدمیوں کو پیغمبر مان لیں جو ہمارے ماتحت ہیں جو لوگ ہم سے دب کے رہتے ہیں ان کو اپنے سے برتر کیسے سمجھ لیں؟ وہ لوگ ایسی ہی باتیں کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے دونوں پیغمبروں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے یعنی سمندر میں ڈبو دیئے گئے۔

اسکے بعد فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ لوگ ہدایت پا جائیں) جب فرعون اور اسکی قوم غرق ہو کر ہلاک ہو گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے قوم بنی اسرائیل کو لیکر دریا پار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ شریف عطا فرمائی۔ جب تک بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں تھے احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے عاجز تھے اس لئے انہیں تفصیلی احکام اس وقت دیئے جب فرعون کی گرفت سے نکل گئے یہ احکام توراۃ شریف کے ذریعہ دیئے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی توراۃ شریف کے بارے میں سورۃ انعام میں فرمایا ہے وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بنی اسرائیل نے کیا کیا حرکتیں کیں ان کا ذکر سورہ بقرہ میں اور سورہ انعام میں گذر چکا ہے۔

حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کا تذکرہ

آخر میں فرمایا وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً (اور ہم نے ابن مریم اور انکی والدہ کو نشانی بنادیا) ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہونا جبکہ کسی بشر نے انکی والدہ کو چھوا تک نہ تھا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے (جو سورۂ آل عمران اور سورہ مائدہ میں بیان ہو چکے ہیں) ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے قدرت کی نشانیاں ہیں یاد رہے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کا ابن فلاں کہہ کر تذکرہ نہیں فرمایا اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جگہ جگہ ابن مریم فرمایا ہے اور سورہ مریم میں واضح طور پر فرمادیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن اب بعض ملحدوں اور زندیق یوں کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف تھا اس طرح سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام پر بھی بدکرداری کی تہمت دھرتے ہیں۔لعنهم الله تعالیٰ

مزید فرمایا۔وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِينٍ (اور ہم نے ان دونوں کو اونچی جگہ پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کی جگہ تھی اور جس میں پانی جاری تھا) مطلب یہ ہے کہ ہم نے انہیں رہنے کے لئے بلند جگہ عطا کی (جہاں اچھی طرح رہ سکتے تھے وہاں کھیتیاں تھیں پھل پھول تھے) نیز پانی بھی جاری تھا پانی جو کھیتوں کو اور باغات کو سیراب کرتا تھا اور اس کے دیکھنے سے دل خوش ہوتا۔اس بلند جگہ سے کون سی جگہ مراد ہے اسکے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن سلام صحابیؓ (جو پہلے یہود میں سے تھے) انہوں نے فرمایا کہ اس سے دمشق مراد ہے، حضرت سعید بن المسیب تابعی کا بھی یہ قول ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے رملہ مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے بیت المقدس مراد ہے۔(معالم التنزیل ج ۳ صفحہ ۳۱)

یہ تو اکابر کے اقوال ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں اب دور حاضر کے بعض زندیقوں کی بات سنو وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی قبر کشمیر میں ہے یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل نہیں اور سورۂ نساء میں جو وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ فرمایا ہے اس کے منکر ہیں۔فلعنة الله على الكاذبين۔

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس تھا جو نجومیوں سے یہ سن کر کہ عیسیٰ علیہ السلام کی سرداری ہوگی صغر سن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا الہام ربانی سے حضرت مریم علیہا السلام ان کو لے کر مصر میں چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام میں چلی آئیں (كذا في الروح وفتح المنان عن انجيل متى وروى في الدر المنثور تفسير الربوة عن ابن عباس ووهب وابن زيد بمصر و عن زيد بن اسلم بالا سكندرية ايضا بمصر) (روح المعانی اور فتح المنان میں انجیل متی سے اس طرح منقول ہے اور تفسیر در منثور میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت وہب سے ربوہ کی تفسیر شہر سے مروی ہے اور زید بن اسلم سے ربوہ کی تفسیر اسکندریہ سے مروی ہے اور وہ بھی شہر ہے) اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور ماء معین رود نیل ہے۔واللہ اعلم انتهى

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ۝۵۱

اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو بلاشبہ میں ان کاموں کو جانتا ہوں جنہیں تم کرتے ہو

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝۵۲ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

اور بلاشبہ یہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو سوان لوگوں نے الگ الگ طریقہ اختیار کر کے آپس میں

زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰی حِيْنٍ ۝۵۴ اَيَحْسَبُوْنَ

ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہر جماعت کے لوگ اس سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے سو آپ انہیں ایک وقت تک ان کی جہالت میں چھوڑ دیں کیا

اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۵۵ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۶

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور بیٹے دیئے جاتے ہیں ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ وہ شعور نہیں رکھتے

طیبات کھانے کا حکم، متفرق ادیان بنا کر مختلف جماعتیں بنانے والوں کا تذکرہ، مال اور اولاد کا خیر ہونا ضروری نہیں ہے

تفسیر: یہ چھ آیات ہیں پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو حکم دیا کہ تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ پاک ہے اور وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جو حکم دیا ہے وہی مومنین کو حکم فرمایا ہے رسولوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے یٰۤاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اے رسولو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو) اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (اے ایمان والو تمہیں جو پاکیزہ چیزیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ) الحدیث رواہ مسلم ج ۱ صفحہ ۳۲۶۔

یہ حکم تین چیزوں پر مشتمل ہے ایک یہ ہے کہ حرام اور خبیث چیزیں نہ کھائیں دوسرے یہ کہ جو پاکیزہ چیز نصیب ہو اسے کھالیں تیسرے یہ کہ کھائیں بھی اور نیک عمل بھی کریں، پاکیزہ چیزیں کھانے سے جو صحت اور قوت حاصل ہو اسے اللہ کی فرماں برداری میں خرچ کریں۔ اسکے احکام پر عمل کریں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے منتفع ہونا اور انہیں گناہوں میں لگانا یہ ناشکری ہے سورہ سبا میں فرمایا کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَہٗ (کھاؤ اپنے رب کے رزق سے اور اس کا شکر ادا کرو) کوئی شخص بھی عمل کرے یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے سب اعمال کا علم ہے اعمال صالحہ باعث اجر ثواب اور برے اعمال آخرت میں مواخذہ کا سبب ہیں۔ دوسری اور تیسری آیت میں فرمایا کہ یہ جو دین ہم نے تمہیں دیا ہے یہی تمہارا طریقہ ہے

اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی دین تھا اس دین کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد، احد اور صمد مانو اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرو یعنی اسے رب مانو اور اس سے ڈرو اور موت سے ڈرو۔ اور موت کے بعد جی اٹھنے پر بھی ایمان لاؤ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں صحیح عقائد رکھنے کا حکم بھی آ گیا اور قیامت پر ایمان لانے پر بھی اور فرائض وواجبات کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے کا بھی، دین توحید جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے ذریعہ بھیجا بہت سی اقوام نے اسے اختیار نہیں کیا اور اپنی طرف سے عقائد تجویز کر لئے اور اعمال بنا لئے، ان جماعتوں میں ہر ہر جماعت اپنے خود تراشیدہ دین پر ہے اور سب اپنے اپنے دین پر خوش ہیں اور مگن ہیں، جو لوگ دین سماوی کے مدعی ہیں ان کا بھی یہی حال ہے اور انکے علاوہ جو دوسرے ادیان کے ماننے والے ہیں وہ بھی اسی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، انہیں خود بھی اقرار ہے کہ ہم جس دین پر ہیں اسکے بارے میں ایسی کوئی سند حجت اور دلیل نہیں ہے جس سے یہ ثابت کر سکیں کہ اپنے اس دین پر چلنے سے آخرت میں نجات ہوگی اور یہ کہ جس دین پر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، مدعیان اسلام میں بھی بہت سی ایسی جماعتیں ہیں جو اس دین پر نہیں ہیں، جو سید الانبیاء علیہ السلام لے کر آئے تھے، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو قرآن مجید کی تحریف کے قائل ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے امام کو تحلیل اور تحریم کا اختیار دیتے ہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہمارے امام میں اللہ تعالیٰ نے حلول فرمایا ہے، اور وہ لوگ بھی ہیں جو رسول اللہ علیہ السلام پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں اور سب اپنے اپنے خیال میں مست ہیں اپنے عقیدہ کے خلاف سوچنے کو تیار نہیں ہیں، جو قرآن کو اور قرآن کی تصریحات کو نہ مانیں بھلا وہ کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں؟ لیکن ان لوگوں کو زبردستی اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے **قاتلھم اللہ انی یوفکون**۔

چوتھی آیت میں یہ فرمایا کہ اے رسول (علیہ السلام) آپ نے انہیں تبلیغ کر دی ہے حق واضح کر دیا بات سمجھا دی اب یہ آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہتے تو انہیں ایک خاص وقت تک انکی جہالت پر چھوڑ دیجئے جب یہ لوگ مریں گے تو انہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں یہ بتایا کہ یہ جو منکرین اور مکذبین آپ پر ایمان نہیں لاتے اور دنیاوی اعتبار سے ہم انہیں بڑھا رہے ہیں اور ترقی دے رہے ہیں اموال بھی بڑھ رہے ہیں اور بیٹوں کی بھی چہل پہل ہے کیا ان لوگوں کو یہ خیال ہے کہ ہم انہیں فائدے پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ ان کا یہ سمجھنا غلط ہے یہ تو ہماری طرف سے استدراج یعنی ڈھیل ہے یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں انہیں معلوم نہیں کہ ہم کفر کے ساتھ جو اموال و اولاد میں ترقی دیتے ہیں یہ اسلئے ہوتی ہے کہ لوگ ان چیزوں سے مغرور ہو کر اور زیادہ سرکشی اختیار کریں اور پھر بہت زیادہ عذاب میں مبتلا ہوں۔

فائدہ: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کو عمل صالح میں بڑا دخل ہے، جب غذا حلال ہوتی ہے تو خود بخود اعمال صالحہ کی رغبت ہوتی ہے اور غذا حرام ہو تو اعمال صالحہ کی طرف طبیعت نہیں چلتی، حرام

حرام کی طرف کھینچتا ہے اور گناہ کرواتا ہے۔ عموماً اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب

يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ

کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور جو لوگ کچھ دیتے ہیں تو اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل

وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۶۰﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا

اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس لوٹنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ان کی طرف

سَابِقُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا

دوڑ رہے ہیں۔ ہم کسی جان کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق کے ساتھ بیان کر دے گی

يُظْلَمُونَ ﴿۶۲﴾

اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

نیک بندوں کی صفات

تفسیر: ان آیات میں نیک بندوں کی مزید صفات بیان فرمائی ہیں۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں دوسرے یہ فرمایا کہ وہ اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ فرمایا کہ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے چوتھے یہ فرمایا کہ وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس خرچ کرنے پر انہیں کوئی سخاوت کا گھمنڈ اور غرور نہیں ہوتا بلکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے وہاں یہ مال خرچ کرنا قبول ہوتا ہے یا نہیں وہاں پہنچ کر کیا صورت حال ہو یہاں کچھ نہیں کہہ سکتے، مال پوری طرح حلال تھا یا نہیں، نیت خالص اللہ کی رضا کے لئے تھی یا اس میں کچھ ریاکاری ملی ہوئی تھی وغیرہ وغیرہ۔ ان حضرات کی مذکورہ بالا صفات بیان فرما کر ان کی تعریف فرمائی کہ یہ لوگ خیرات یعنی نیک کاموں کی طرف جلدی جلدی بڑھتے ہیں اور نیک کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں۔ اہل دنیا میں اموال کمانے میں مسابقت کرنے یعنی ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے جذبات ہوتے ہیں اور ان لوگوں میں ایسے کاموں میں آگے بڑھنے کے جذبات ہیں جن کی وجہ سے آخرت میں زیادہ سے زیادہ نعمتیں ملیں۔

یہ جو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کے پاس جانا ہے اسکے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ جن لوگوں کے دل ڈر رہے ہیں

کیا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس سے یہ لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ یہ (عبادات) ان سے قبول نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو خیرات یعنی اعمال صالحہ میں جلدی کرتے ہیں (رواہ الترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سارے اعمال اپنے طور پر اخلاص نیت کے ساتھ ٹھیک طریقہ پر ادا کرنے کے باوجود بھی ڈرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے اعمال قبول ہوتے ہیں یا نہیں' اول تو ضروری نہیں ہے کہ ہر کام پوری طرح درست ہی ہو گیا ہو۔ کمی کوتاہی کا اور نیت کی خرابی کا کچھ نہ کچھ احتمال ہر عمل کے ساتھ لگا ہوا ہے کوئی شخص کیسے یقین کر سکتا ہے کہ میرا سب کچھ درست ہے اور لائق قبول ہے' اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا اور اعمال صالحہ کی بھی توفیق دی' اور اس کا مزید کرم یہ ہے کہ اعمال کو قبول فرما کر اجر و ثواب بھی عطا فرماتا ہے' اگر وہ چاہتا تو اعمال کا حکم بھی دیتا اور عمل کرنے کے بعد کچھ بھی نہ دیتا' وہ مالک ہے حاکم ہے حقیقت میں اس کے ذمہ کسی کا کوئی حق نہیں' اجر و ثواب عطا اور بخشش اور فضل ہی فضل ہے۔

جو حضرات اس حقیقت کو جانتے ہیں وہ اچھے سے اچھا عمل بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ دیکھو قبول ہوتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے نماز میں پڑھنے کے لئے کوئی دعا بتایئے آپ نے فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو۔ **اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیر اولا یغفر الذنوب الاانت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم** (اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور آپ کے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا سو آپ اپنے پاس سے میری بڑی مغفرت فرمایئے بلاشبہ آپ بخشنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں) غور کرنے کی بات ہے پڑھی ہے نماز وہ بھی ابوبکر صدیق نے اور جو دعا بتائی جا رہی ہے اس کی ابتداء یہاں سے ہے کہ اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا' اسی لئے عارفین نے فرمایا کہ ہر اچھے عمل کے آخر میں بھی استغفار کر لینا چاہئے' استغفار جہاں گناہوں کے معاف ہونے کا ذریعہ ہے وہاں اعمال کی کمی اور کوتاہی کی تلافی کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کیا آپ کا عمل بھی آپ کو نجات نہیں دلائے گا آپ نے فرمایا ہاں میرا بھی یہ حال ہے الا یہ کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ دے۔

آخر میں فرمایا وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (ہم کسی جان کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتے) جس شخص کو جو حکم دیا ہے وہ اس کی طاقت سے باہر نہیں ہے اور ہر شخص کا عمل محفوظ ہے کتاب میں لکھا ہوا ہے قیامت کے دن وہ کتاب حق کے ساتھ بولے گی سب کو ظاہر کر دیگی۔ جب جزا سزا ملے گی تو کسی پر ذرا سا ظلم بھی نہ ہوگا اسی کو فرمایا: وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ہماری کتاب ہے جو حق کے ساتھ بیان دیگی اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

بلکہ ان کے دل اس دین کی طرف سے جہالت میں ہیں علاوہ اور بھی ان کے اعمال ہیں جنہیں وہ کرتے ہیں

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا

یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو عذاب کے ساتھ پکڑلیں گے تو وہ چلائیں گے آج مت چلاؤ بلاشبہ آج ہماری طرف سے

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

تمہاری مدد نہیں کی جائے گی تم پر میری آیات تلاوت کی جاتی تھیں سو تم تکبر کرتے ہوئے قرآن کو مشغلہ بناتے ہوئے بے ہودہ باتیں کرتے ہوئے الٹے پاؤں

مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ

بھاگ جاتے تھے، کیا ان لوگوں نے اس کلام میں غور نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان سے پہلے ان کے بڑوں کے پاس

الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ط

نہیں آئی یا انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا سو وہ ان کے منکر ہو رہے ہیں یا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس کو دیوانگی ہے

بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق لیکر آیا ہے اور ان میں اکثر وہ ہیں جو حق کو مکروہ جانتے ہیں۔

کافروں کا حق سے منہ موڑنا، تکبر کرنا، اور تدبر سے دور رہنا

تفسیر: اوپر اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا اب ان آیات میں منکرین کے احوال اور اعمال بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے دل میں جہالت نے جگہ پکڑ رکھی ہے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ان کے دل جہالت سے بھرے ہوئے ہیں تکذیب و انکار کے علاوہ دیگر اعمال خبیثہ کا بھی ارتکاب کرتے ہیں یہ لوگ اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوش حال لوگوں کو پکڑلیں گے اور ان پر عذاب بھیج دیں گے تو فوراً چلا اٹھیں گے، جب پہلے حق کی دعوت دی گئی تبلیغ کی گئی تو حق کو ٹھکرایا اور بات نہ مانی اب جب عذاب آ گیا تو چلانے لگے ان سے کہا جائے گا اب چیخ پکار نہ کرو اب ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تم پر میری آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو تم تکبر کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے اور تم نے قرآن کو مشغلہ بنا رکھا تھا کہ اس کی شان میں بے ہودہ بکواس کرتے تھے قرآن کے بارے میں باتیں بناتے تھے کوئی شخص اسے کہتا تھا کہ پرانے لوگوں کی باتیں سن لی ہیں انہیں سناتے رہے ہیں کوئی شعر بتاتا تھا۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ بہ کی ضمیر حرم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں کعبہ کا متولی ہونے پر ناز تھا مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ رہنے اور بے خوف زندگی گزارنے کی وجہ سے اپنے کو بڑا سمجھتے تھے اور حرم میں بیٹھ کر راتوں رات مجلسیں کرتے اور اول فول بکتے تھے اور اللہ کی ہدایت کی طرف کان نہیں دھرتے تھے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کے منکر ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور انکار کا کیا سبب ہے' کیا انہوں نے اس میں غور نہیں کیا اگر غور کرتے تو اس کی فصاحت اور بلاغت کو دیکھ لیتے اور اس کی مضامین عالیہ سے متاثر ہوتے' غور و فکر کے بغیر ہی جھٹلا رہے ہیں کیا جھٹلانے کا سبب یہی عدم تدبر ہے یا یہ بات ہے کہ ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی؟ مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں پہلے سے رسولوں کی باتیں نہیں پہنچی ہوتیں اور سلسلہ نبوت و رسالت سے ناواقف ہوتے تب بھی ایک بہانہ ہوتا کہ یہ ایک نئی چیز ہے ہم اسے نہیں مانتے لیکن ان کے پاس یہ بہانہ بھی نہیں ہے کیونکہ انہیں اس کا علم ہے کہ اللہ کی طرف سے نبوت اور رسالت کا سلسلہ جاری رہا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جانتے مانتے تھے حج اسی لئے کرتے تھے کہ انہوں نے سکھایا اور بتایا تھا۔

مزید فرمایا کیا یہ لوگ قرآن کی اس لئے تکذیب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا؟ مطلب یہ ہے کہ یہ بات بھی نہیں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پہچانا ہو' بچپن سے لیکر جوانی تک پھر جوانی سے لیکر نبوت سے سرفراز ہونے تک پھر نبوت سے سرفراز ہونے سے لیکر آج تک انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے آزمایا ہے آپ کے صفات کریمہ اور اخلاق عالیہ سے واقف ہیں آپ کو صادق اور امین جانتے ہوئے کیوں جھٹلا رہے ہیں؟ اگر آپ کو نہ جانتے ہوتے تو یہ بھی ایک بہانہ بن سکتا تھا لیکن اس بہانہ کا بھی کوئی بہانہ نہیں ہے۔

پھر فرمایا کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ رسول دیوانگی سے متاثر ہے حالانکہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آپ عقل و فہم کے اعتبار سے بلند مقام پر ہیں تو پھر آپ کی نبوت کے منکر کیوں ہیں؟ بات یہ ہے کہ آپ کی ذات اور آپکی دعوت کوئی تعجب کی چیز نہیں ہے نہ آپکی بات نئی ہے نہ آپکی سچائی اور امانت میں کلام ہے اور آپکی طرف جو دیوانگی کی نسبت کرتے ہیں وہ بھی غلط ہے لہٰذا ان کا جھٹلانا کسی دلیل اور حجت کے باعث نہیں ہیں بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ بلکہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حق بات لیکر آئے اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت کرتے ہیں اصل وجہ تکذیب کی یہ ہے کہ انہیں حق سے بغض اور عناد ہے اور اکثرھم اس لئے فرمایا کہ ان میں سے بعض کا اسلام قبول کرنا مقدر تھا۔

لفظ غمرة ڈھانپنے کے معنی میں آتا ہے اور ایسے گہرے پانی کو بھی کہتے ہیں جس میں آدمی ڈوب جائے یہاں اس کا حاصل معنی یعنی جہالت کا کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ایسا پردہ پڑا ہے کہ کسی طرف سے بھی علم و فہم کا گزر نہیں ہے اور مترفیھم جمع ہے جو میم جمع کی طرف مضاف ہے' عربی میں خوش حال آدمی کو مترف کہا جاتا ہے جب عذاب آتا ہے تو پکڑے تو سبھی جاتے ہیں لیکن خوش حال افراد کا ذکر خاص کر اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ نہ خود حق قبول کرتے ہیں نہ

عوام کو قبول کرنے دیتے ہیں دوسرے اس لئے کہ ان کے پاس مصائب سے بچنے کا انتظام ہوتا ہے اور چونکہ انہیں صبر تحمل کی عادت نہیں ہوتی اس سے پہلے یہی لوگ بلبلاتے ہیں' علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آیت بالا میں جس گرفت کا ذکر ہے اس سے مشرکین مکہ کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

قوله تعالٰى به سامرا تهجرون قال البغوى فى معالم التنزيل اختلفوا فى هذه الكناية فاظهر الاقاويل انها تعود الى البيت الحرام كناية عن غير مذكور' اى مستكبرين متعظمين بالبيت الحرام وتعظمهم به انهم كانوا يقولون نحن اهل حرم الله وجيران بيته فلا يظهر علينا احد ولا نخاف احدا فيا منون فيه وسائر الناس فى الخوف' هذا قول ابن عباس ومجاهد وجماعة وقيل مستكبرين به اى بالقرآن فلم يؤمنوا به والاول اظهر المراد منه الحرم (سامرا) نصب على الحال اى انهم يسمرون بالليل فى مجالسهم حول البيت ووحد سامرا وهو بمعنى السمار لانه وضع موضع الوقت' اراد تهجرون ليلا وقيل وحد سامرا ومعناه الجمع كقوله (ثم نخرجكم طفلا) (تهجرون) قرأ نافع (تهجرون) بضم التاء وكسر الجيم من الاهجار وهو الإفحاش فى القول' اى تفحشون وتقولون الخنا وذكر انهم كانوا يسبون النبى ﷺ واصحابه وقرأ الآخرون (تهجرون) بفتح التاء وضم الجيم اى تعرضون عن النبى ﷺ وعن الايمان والقرآن و ترفضونها وقيل هو من الهجر وهو القول القبيح يقال هجر يهجر هجرا اذا قال غير الحق وقيل تهزؤن وتقولون مالا تعلمون من قولهم هجر الرجل فى منامه اذا هذى. (اللہ تعالیٰ کا ارشاد به سامراً تهجرون علامہ بغوی تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں اس کنایہ میں اختلاف ہے سب سے زیادہ راجح قول یہ ہے کہ یہ بیت اللہ کی طرف لوٹتا ہے غیر مذکور سے کنایہ ہے یا تکبر کرتے ہوئے بیت الحرام کی وجہ سے عظمت کا اظہار کرتے ہوئے اور اس سے اپنی عظمت کا دعویٰ کرتے ہوئے وہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے ہیں اور اس کے گھر کے پڑوسی ہیں لہٰذا ہم پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہم کسی سے ڈرتے ہیں پس وہ اس میں امن سے رہ رہے ہیں اور باقی سب لوگ خوف میں ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس حضرت مجاہد اور ایک جماعت کا قول ہے بعض نے کہا مستكبرين به سے مراد قرآن پاک سے تکبر کرتے ہوئے کہ اس پر ایمان نہیں لائے۔ پہلا قول زیادہ واضح ہے۔ کہ اس سے مراد حرم ہے۔ سامراً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وہ رات کو کعبۃ اللہ کے اردگرد بیٹھ کر اپنی مجلسوں میں باتیں کرتے ہیں۔ سامراً واحد ہے اور سمار کے معنی میں ہے کیونکہ یہ وقت کی جگہ ہے مراد یہ ہے کہ تم رات کو باتیں کرتے ہو بعض نے کہا سامراً واحد ہے مگر اس کا معنی جمع والا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول ثم نخرجكم طفلاً میں ہے تهجرون: تاء کے ضمہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اهجار مصدر سے ہے اور اس کا مطلب ہے بات میں فحش اختیار کرنا یعنی تم فحش گوئی کرتے ہو اور بدگوئی کرتے ہو اور مذکور ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو برا بھلا کہتے تھے۔ دیگر حضرت نے تهجرون تاء کے فتحہ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سے اعراض کرتے ہو اور اسے چھوڑتے ہو اور بعض نے کہا یہ ہجر سے ہے اور وہ کہتے ہیں بری بات کو کہا جاتا ہے۔ ہجر یہجر ہجرا جب کوئی ناحق بات کہے اور بعض نے کہا تم استہزاء کرتے ہو اور وہ کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے هجر الرجل فى منامه سے ہے جب وہ ہلایا جائے)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ

اور اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان اور زمین اور جو ان کے اندر ہیں سب تباہ ہو جائے بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت بھیجی ہے

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ

سو وہ اپنی نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں' کیا آپ ان سے کچھ آمدنی کا سوال کرتے ہیں سو آپ کے رب کی آمدنی بہتر ہے اور وہ سب

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

دینے والوں سے بہتر ہے' اور بلا شبہ آپ انہیں صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے'

بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

وہ راستے سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر ہم ان پر مہربانی کریں اور وہ جس تکلیف میں ہیں اسے دور کر دیں تو وہ اپنی سرکشی میں بھٹکے ہوئے

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا

اصرار کرتے رہیں گے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انہیں عذاب میں گرفتار کیا سو وہ اپنے رب کے سامنے نہ جھکے اور نہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

عاجزی اختیار کی یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دیں گے تو اچانک وہ اس میں حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے۔

منکرین کی خواہشوں کا اتباع کیا جائے تو آسمان وزمین میں فساد آ جائے کافر راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں

تفسیر: یہ سات آیات ہیں ان میں پہلی آیت میں یہ فرمایا کہ حق لوگوں کے خلاف اوران کی خواہشوں کے تابع نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہو جائے تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے کیونکہ جب حق لوگوں کے خواہشوں کے تابع ہوگا تو حق ہی نہیں رہے گا اگر لوگوں کو کھلی چھٹی دیدی جائے کہ اپنی اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں کریں تو وہ اپنی طبیعتوں کے مطابق کفر وشرک کو اختیار کریں گے اور برے اعمال ہی کی طرف چلیں گے جب ایسا ہوگا تو سب قہر الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے اور غضب الٰہی کا نزول ہوگا تو خود بھی ہلاک ہوں گے اور آسمان وزمین بھی اور ان میں جو کچھ ہے وہ بھی۔

کیونکہ سارے عالم کا بقا اہل ایمان کے بقا سے ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا (رواہ مسلم)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت بھیجی ہے سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں) نصیحت ربانی سے منہ موڑ کر اپنی جہالتوں اور ضلالتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دوسری اور تیسری آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے، ارشاد فرمایا کیا آپ ان سے کچھ آمدنی کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ایمان قبول نہیں کرتے، یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ان سے کوئی پیسہ کوڑی طلب نہیں کرتے تاکہ یہ یوں کہیں کہ یہ نبوت ورسالت والی بات اس لئے چلائی ہے کہ لوگ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کو کچھ دیا کریں جب آپ کی طرف سے دعوت ایمان کی ساری محنت بالکل للہ فی اللہ ہے ذرا سا بھی شائبہ کسی طرح کی دنیا طلبی کا نہیں ہے تو پھر انہیں کفر پر جمے رہنے کے لئے اس بات کو بہانہ بنانے کا بھی موقع نہیں ہے کہ دنیا کے لالچ کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں، اور آپ کو کسی مخلوق سے کچھ چاہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے اور جو کچھ عطا فرمائے گا وہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے بہتر عطا فرمانے والا ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں آپ اپنے کام میں لگے رہیں۔ چوتھی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ

سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں حق واضح ہو جانے پر بھی صراط مستقیم پر نہیں آتے' پانچویں آیت میں فرمایا کہ اگر ہم ان پر مہربانی کر دیں اور وہ جن تکلیفوں میں مبتلا ہیں انہیں دور کر دیں تو اس کی وجہ سے شکر گزار نہ ہوں گے اور ایمان کی راہ اختیار نہ کریں گے بلکہ برابر سرکشی کرتے رہیں گے' یہ انسان کا مزاج ہے کہ خوش حالی میں اور آرام و راحت میں صراط مستقیم سے ہٹ کر چلتا ہے اور مزید بغاوت پر کمر باندھ لیتا ہے جیسا کہ سورۂ زمر میں فرمایا وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (اور آدمی کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو جس کے لئے پہلے سے پکار رہا تھا اس کو بھول جاتا ہے اور خدا کے شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے)

چھٹی اور ساتویں آیت میں یہ فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو بعض اوقات عذاب میں گرفتار کیا لیکن اس وقت بھی ان لوگوں نے اپنے رب کے حضور میں فروتنی اور عاجزی اختیار نہ کی۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کی سرکشی پر ان کے لئے بددعا فرما دی کہ یا اللہ ان پر قحط کے ایسے سال بھیج دے جیسے یوسف علیہ السلام کے عہد میں بھیجے تھے جب قحط پڑا اور بہت ہی بدحالی کا سامنا ہوا تو ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا' آپ یہ نہیں فرماتے کہ میں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں یہ بات ضرور کہتا ہوں' اس پر ابوسفیان نے کہا ہمارے بڑوں کو تو آپ نے (بدر میں) تہ تیغ کر دیا اور اب ہمارے بیٹوں کو بھوک سے مار رہے ہیں' اللہ سے دعا کر دیجئے کہ ہمارے قحط کی مصیبت کو دور فرما دے' آپ نے دعا فرما دی جس سے ان کی مصیبت دور ہو گئی اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ (آخر تک) نازل فرمائی اس میں یہ بتایا کہ ان لوگوں پر مصیبت آچکی ہے پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ جھکے یعنی حسب سابق کفر پر قائم رہے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ عین عذاب کے وقت بھی اپنے رب کی طرف متوجہ نہ ہوں وہ آرام و راحت اور عافیت کے زمانے میں تو اور بھی زیادہ بغاوت اور سرکشی اختیار کریں گے۔

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں تو وہ اچانک حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے (اور وہ اس وقت بھی نہ کر سکیں گے) اس میں تنبیہ ہے اور وعید بھی ہے کہ اچانک سخت عذاب میں گرفتار کئے جا سکتے ہیں لہٰذا اس سے بچنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے نبی پر اور نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان لائیں۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سخت عذاب سے مشرکین کا غزوہ بدر میں قتل ہونا مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے موت اور بعض حضرات نے قیامت قائم ہونا مراد لیا ہے اور مُبْلِسُوْنَ کا ترجمہ آئسون من کل خیر کیا ہے یعنی جب سخت عذاب کا دروازہ کھلے گا تو ہر خیر سے ناامید ہو جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم کم شکر ادا کرتے ہو اور وہی ہے

الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ

جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے

الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا

رات دن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا، سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ بلکہ انہوں نے وہ بات کہی جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی۔ انہوں نے کہا

مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ

کیا ہم جب مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ جائیں گے کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، اس بات کا ہم سے اور ہم سے

قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ کُنْتُمْ

پہلے ہمارے باپ دادوں سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے یہ بات پرانے لوگوں سے نقل ہوتی آئی ہے آپ فرما دیجئے کس کے لئے ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ

اگر تم جانتے ہو اس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ اللہ ہی کے لئے، آپ فرمائیے پھر کیوں غور نہیں کرتے آپ فرما دیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا

وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِیَدِهٖ

اور عرش عظیم کا رب کون ہے، وہ جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کے لئے ہے آپ فرما دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ فرمائیے کہ وہ کون ہے

مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

جس کے قبضے میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ یہ صفات اللہ ہی کی ہیں۔

قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

آپ فرما دیجئے کہ پھر تم کہاں ہو جادو کئے ہوئے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق بھیجا ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔

اللہ کی تخلیق کے مظاہرے، منکرین بعث کی تردید

تفسیر: گزشتہ آیات میں منکرین کے کفر اور عناد کا ذکر تھا ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور ان امکان بعث پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور مشرکین سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صفات جلیلہ کا اقرار کرایا ہے اور انہیں بار بار متوجہ فرمایا ہے کہ سب کچھ جانتے اور مانتے ہوئے اللہ کی توحید کے منکر ہو رہے ہیں۔

اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سننے کی قوت دی ہے آنکھیں عطا فرمائی ہیں تمہارے اندر دل پیدا فرمائے ہیں دیکھو یہ کتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کی وجہ سے تم پر شکر واجب ہوتا ہے لیکن کم شکر ادا کرتے ہو یوں ہی چلتی ہوئی بات کی طرح کہہ دیتے ہو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن اللہ کے نبی اور اس کی کتاب پر ایمان نہیں لاتے' اس کی عبادت میں نہیں لگتے اس کے ساتھ شرک کرتے ہو' پھر فرمایا کہ ان سے فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے یعنی زمین میں رہتے سہتے ہو اس میں تمہاری نسلیں چل رہی ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہو جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا وہی موت دیگا' موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے' مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشا ہے وہی موت دیتا ہے اور رات دن کا مختلف ہونا یعنی ایک دوسرے کے بعد آنا جانا یہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے تم اس بات کو سمجھو' اگر سمجھتے ہو تو اس کی توحید اور عبادت سے کیوں دور بھاگتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مردہ ہو کر دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں منکرین بعث وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی ان کا کہنا ہے کہ مر جانے کے بعد جب مٹی ہو جائیں گے اور گوشت پوست ختم ہو کر ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گی تو کیا ہم پھر زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے یہ بات کہہ کر ان کا مقصد دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کرنا ہے انہوں نے اپنی اسی بات پر بس نہیں کیا بلکہ یوں بھی کہا کہ اس طرح کی باتیں پہلے بھی کہی گئی ہیں ہمارے باپ دادوں سے بھی اس طرح کا وعدہ کیا گیا ہے سینکڑوں سال گزر گئے آج تک تو قیامت آئی نہیں' آنی ہوتی تو اب تک آ جاتی' یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آ رہی ہے' ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے موافق جو قیامت کا وقت مقرر ہے اس وقت قیامت آ جائے گی اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے پورا ہو کر رہے گا لوگوں کے کہنے سے وقت سے پہلے قیامت نہیں آئے گی دیر میں آنا دلیل اس بات کی نہیں کہ آنی ہی نہیں ہے منکرین کا یہ کہنا کہ چونکہ اب تک نہیں آئی اس لئے آنی ہی نہیں محض جہالت کی بات ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے اس کے جواب میں وہ یوں ہی کہیں گے کہ اللہ ہی کے لئے ہے' ان کی طرف سے یہ جواب مل جانے پر سوال فرمایا پھر کہ تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے پھر فرمایا آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ اس کا جواب بھی یہی دیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ان کے اس جواب پر ان سے سوال فرمائیے کہ تم اس سب کا اقرار کرتے ہو پھر اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے' جاننے اور ماننے کے باوجود اس کی قدرت کا اور وقوع قیامت کا کیوں انکار کرتے ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ آپ ان سے دریافت فرمائیے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہی پناہ دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ اس کے جواب میں بھی وہ یہی کہیں گے کہ

یہ سب صفات اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں' ان کے اس جواب پر سوال فرمائیے کہ پھر تم کیوں ہو رہے ہو یعنی تمہارا ایسا ڈھنگ ہے جیسے تم پر جادو کر دیا گیا ہو حق اور حقیقت واضح ہو جانے کے باوجود کیوں مخبوط الحواس بنے ہوئے ہو۔

حق اور حقیقت واضح ہوتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا اقرار کرتے ہوئے پھر بھی حق کے منکر ہیں اس لئے آخر میں فرمایا بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ

اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے' اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ

اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر لیتا' اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں پوشیدہ

وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور آشکارا ہر چیز کا جاننے والا ہے سو وہ ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ کوئی اسکا شریک ہے' وہ مشرکوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے

تفسیر: مشرکین اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بھی مانتے تھے آج بھی دنیا میں لاکھوں ایسے افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں اور خاص کر نصاریٰ تو اس میں بہت آگے ہیں' یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان سب لوگوں کی تردید فرمادی جو قرآن کریم میں کئی جگہ مذکور ہے' یہاں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور یہ بھی فرمایا کہ صرف وہی معبود حقیقی ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے' جو لوگ اس کے علاوہ معبود مانتے ہیں ان کو سمجھانے کے لئے فرمایا کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور اس لائق ہوتا کہ اس کی عبادت کی جائے تو خالق بھی ہوتا خود کسی کی مخلوق نہ ہوتا کیونکہ جس میں خالق ہونے کی اہلیت نہیں وہ معبود ہونے کا اہل نہیں سو بالفرض اگر کوئی دوسرا معبود ہوتا تو اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو اپنے قبضہ میں رکھتا۔ اور اپنی مخلوق کو دوسرے خالق کی مخلوق سے علیحدہ رکھتا اور اپنی مخلوق پر کسی کا اختیار نہ چلنے دیتا اور مزید براں یہ ہوتا کہ ہر معبود دوسرے معبود پر چڑھائی کرتا اور دوسرے کی مخلوق پر بھی قبضہ کرنے کا نظام بناتا' لیکن سب جانتے ہیں جو کچھ وجود میں ہے ساری اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے جس کا سب کو اقرار بھی ہے اور یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ پورے عالم کا نظام یکسانیت کے ساتھ چل رہا ہے اس میں نہ کوئی کھینچ کھانچ ہے نہ کوئی معارضہ ہے نہ مقابلہ' اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت و ارادہ کے موافق ساری مخلوق کا نظام

چل رہا ہے جس کو اس نے جس طرح مسخر فرمایا ہر ایک اپنے اپنے کام میں اسی طرح لگا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے موافق ہے اس کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں پھر بھی شرک کرتے ہیں یہ سراپا گمراہی ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں) یعنی نہ اس کے اولاد ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہے عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کو جانتا ہے) اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سو اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں) یعنی لوگوں کی شرکیہ باتوں سے پاک ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى

آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے اگر وہ آپ مجھے دکھا دیں تو اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ فرمایئے اور بلاشبہ ان سے

اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ

ہم جو وعدہ کر رہے ہیں ہمیں اس پر قدرت ہے کہ اسے آپ کو دکھا دیں آپ اس طریقے اور اس کی بدمعاملگی کو دفع کیجئے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہے ہم خوب جانتے ہیں

بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ

جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

وہ میرے پاس حاضر ہوں۔

برائی کو اچھے طریقہ پر دفع کرنا اور شیاطین کے آنے اور وساوس ڈالنے سے اللہ کی پناہ لینا

تفسیر: قرآن مجید میں بہت سی جگہ کافروں پر عذاب آنے کی وعید مذکور ہے موت کے بعد تو ہر کافر کو عذاب میں داخل ہونا ہی ہے دنیا میں بھی کبھی کبھی کہیں کہیں عذاب آ جاتا ہے عذاب آنے کی جو وعیدیں ہیں ان میں چونکہ کوئی تاریخ مقرر کر کے نہیں بتائی گئی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ عذاب آئے گا تو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آئے گا یا آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نازل ہوگا اس لئے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں اے میرے رب اگر آپ مجھے وہ عذاب دکھا دیں جس کا ان لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو مجھے ظالموں کے ساتھ نہ کیجئے یعنی مجھے عذاب میں مبتلا نہ فرمایئے دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو ان کے آس پاس جو لوگ ہوتے ہیں وہ بھی

مبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں یہ دنیاوی معاملہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو وہاں جو لوگ بھی موجود ہوں سب پر عذاب نازل ہوتا ہے پھر قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے (رواہ البخاری)

آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اگر میری موجودگی میں ان لوگوں پر عذاب آ جائے اور میرے دیکھتے ہوئے عذاب آنا ہی ہے تو مجھے ظالموں کے ساتھ نہ رکھئے' آپ اللہ کے معصوم نبی تھے جب تکذیب کرنے والی امتوں پر عذاب آتا تھا تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان حضرات کے متبعین عذاب سے محفوظ رہتے تھے' پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مذکورہ بالا دعا کی تلقین فرمائی اس میں ایک تو آپ کو اس طرف متوجہ فرمایا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور خوف وخشیت کی شان ہونی چاہئے اور ساتھ ہی دیگر مومنین کو بھی تلقین ہوگئی کہ یہ دعا کیا کریں' اس میں حضرات صحابہؓ کو بھی خطاب ہو گیا اور بعد میں آنے والے اہل ایمان کو بھی۔

پھر فرمایا وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِیَکَ مَا نَعِدُھُمْ لَقٰدِرُوْنَ (اور ہم اس بات پر ضرور قادر ہیں کہ ان سے جو وعدہ کر رہے ہیں وہ آپ کو دکھا دیں) اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ہم آپ کی موجودگی میں انہیں عذاب میں مبتلا نہ کریں گے یعنی ایسا عذاب نہ بھیجیں گے جس سے یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں اور بعض لوگوں پر خاص حالات میں دنیا میں عذاب کا آ جانا اس کے منافی نہیں ہے آپ کے وجود گرامی کی وجہ سے عمومی عذاب نہ آئے یہ موعود تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یہ قدرت حاصل ہے کہ جب چاہے جن لوگوں پر چاہے عذاب بھیج دے۔

پھر فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (آپ اس طریقے پر ان کی بدمعاملگی کو دفع کیجئے جو بہت ہی اچھا طریقہ ہے) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تلقین فرمائی ہے کہ آپ برائی کو یعنی کافروں کی ایذا رسانی کو دفع کرتے رہیں اور ان کے شر کا دفعیہ اچھے سے اچھے طریقہ پر کرتے رہیں' برائی کے مقابلہ میں خوش اخلاقی اختیار کرنا اور درگزر سے کام لینا اور اپنی طرف سے اچھا برتاؤ کرنا اس سے دشمنوں کی ایذا ختم یا کم ہو جاتی ہے پھر اخلاق عالیہ کا بھی یہی تقاضا ہے سورۃ حم سجدہ میں فرمایا وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (اور اچھائی اور برائی برابر نہیں ہیں' ایسے طریقے پر دفعیہ کیجئے جو اچھے سے اچھا طریقہ ہو جب ایسا کرو گے تو وہ شخص جس کے اور آپ کے درمیان دشمنی ہے خالص دوست ہو جائے گا) بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہو گیا حالانکہ منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں کیونکہ مکارم اخلاق کا استعمال تو ہمیشہ ہی ضروری ہے۔

پھر فرمایا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ (ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ آپ کی نسبت کہتے ہیں) ہم اپنے علم کے مطابق انہیں سزا دے دیں گے۔

اس کے بعد ایک اور دعا تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ

رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں) یہ دعا بہت اہم اور ضروری ہے ہر مسلمان کو یاد کرنی چاہئے بار بار پڑھنی چاہئے شیاطین پیچھے لگے رہتے ہیں وسوسے ڈالتے ہیں ان سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دعا بہت اہم ہے جب رسول اللہ ﷺ کو شیاطین سے محفوظ رہنے کے لئے تلقین فرمائی تو اور کون شخص ہے جسے شیاطین کے وسوسوں سے محفوظ ہونے کی دعاء سے بے نیازی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند میں گھبرا جائے تو یہ الفاظ پڑھے اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون ان کلمات کو پڑھ لے تو اسے (شیاطین) ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) میں اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ اس کے غصہ سے اور اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس حاضر ہوں پناہ لیتا ہوں۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا

یہاں تک کہ جب اس کے پاس موت آپہنچے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس کیجئے تاکہ میں جس کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں نیک عمل کروں،

تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا

ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ بات ہے جس کا وہ کہنے والا ہے اور ان کے آگے اٹھائے جانے کے دن تک برزخ ہے، سو جب

نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ

صور پھونکا جائے گا تو اس روز ان میں باہمی رشتے نہ رہیں گے وہ نہ آپس میں ایک دوسرے کو پوچھیں گے، سو جن کے وزن بھاری ہونگے تو

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کر لیا،

فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ

ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے، کیا تمہارے پاس میری

اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾

آیتیں نہیں آئیں جو تمہارے اوپر تلاوت کی جاتی تھی پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے، وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے

رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ

اور اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو بلاشبہ ہم ظالم ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تم اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو، بلاشبہ

كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۰۹﴾

بات یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے ایک جماعت تھی جو یوں دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو آپ ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ اس رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے ہیں

فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿۱۱۰﴾ إِنِّي

سو تم نے ان کو مذاق بنا لیا یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنستے تھے بلاشبہ

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۱۱﴾

آج میں نے انہیں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

برزخ اور محشر کے احوال واہوال' کافروں کی دعا قبول نہ ہونا' کافروں کا دنیا میں مذاق بنانا

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ کفر پر جمے ہوئے ہیں ان کی کافرانہ زندگی اسی طرح گزرتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سر پر موت آ کھڑی ہوتی ہے اور آخرت کے حالات کا معائنہ ہونے لگتا ہے اور روح قبض کرنے والے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں (جو بری طرح کافر کی روح قبض کرتے ہیں اور اسے مارتے جاتے ہیں) تو اس وقت وہ اپنی زندگی پر نادم ہوتا ہے اور پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یوں عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے اسی دنیا میں لوٹا دیجئے اور موت کو ہٹا دیجئے امید ہے کہ اب میں واپس ہو کر نیک کام کروں گا یعنی آپ کے رسول کی تصدیق بھی کروں گا اور اعمال کے اعتبار سے بھی درست رہوں گا اچھے اعمال میں لگا رہوں گا' اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کلا (ہرگز نہیں) (یعنی اب تو مرنا ہی ہے واپسی نہیں ہو سکتی) واپسی کی کوئی صورت نہیں جب موت کا وقت آ گیا تو اب اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا (یہ ایک بات ہے جسے وہ کہتا ہے) لیکن اس کی بات کے موافق فیصلہ ہونے والا نہیں ہے وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (اور ان کے آگے اس دن تک برزخ ہے جس دن اٹھائے جائیں گے) برزخ حاجز یعنی آڑ کو کہتے ہیں جو دو حالتوں یا دو چیزوں کے درمیان حائل ہو موت کے بعد سے قیامت قائم ہونے تک کا جو وقفہ ہے اسے برزخ کہا جاتا ہے جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو برزخ میں چلا جاتا ہے مومن صالح اچھی حالت میں ہیں اور کافر برابر عذاب میں رہتا ہے۔ جس کسی کے سر پر موت آ کھڑی ہو تو وہ ٹلنے والی نہیں روح نکلی اور عالم برزخ میں پہنچ گئی' اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ماں کے پیٹ سے دنیا میں آ گیا اب واپس وہاں نہ جائے گا اور جب موت آ گئی تو دنیا میں واپس نہ آئے گا اور جب قیامت آئے گی تو قبروں میں واپس نہیں لوٹائے جائیں گے اور قیامت کے دن کے حساب کتاب سے فارغ ہو کر جو حضرات جنت میں بھیج دیئے جائیں

گے وہاں سے واپس نہ ہونگے اور کافر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور وہ وہاں سے واپس نہ ہونگے' حاصل یہ ہے کہ ہر بعد والی منزل میں پہنچ کر پہلی منزل کی طرف واپس نہ ہونگے' ہاں بعض مسلمان اپنے گناہوں کی وجہ سے جو دوزخ میں چلے جائیں گے وہ عذاب بھگت کر وہاں سے نکال لئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اب وہاں سے انہیں پھر کہیں جانا نہ ہوگا ان کو دوزخ سے اس لئے نکال دیا جائے گا کہ اس میں ان کو مستقل طریقہ پر داخل نہیں کیا جائے گا (مستقل طور پر کافر ہی دوزخ میں داخل ہوں گے)

برزخ: اس وقفہ کا نام جو موت اور قیامت کے درمیان ہے جو لوگ دفن کئے جاتے ہیں اور جو لوگ جلا دیئے جاتے ہیں اور جنہیں جانور کھا جاتے ہیں ان سب پر برزخ کے احوال گزرتے ہیں اور ہر ایک کے اپنے اپنے دین اور اعمال کے اعتبار سے وہاں اچھی زندگی والے بھی ہیں اور بری زندگی والے بھی' جیسا کہ احادیث شریفہ میں تفصیل آئی ہے ہم نے ایک رسالہ میں ایک احوال کو جمع کر دیا ہے۔

پھر فرمایا فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ (سو جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن نسب باقی نہ رہیں گے اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے) اس میں یہ بتایا کہ برزخ کا زمانہ گزرنے کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو لوگوں کے آپس کے جو انساب یعنی رشتہ داریوں کے تعلقات تھے وہ اس وقت ختم ہو جائیں گے یعنی کوئی کسی کو نہیں پوچھے گا بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے دور ہونے اور بھاگنے کی راہ اختیار کریں گے سورۃ عبس میں فرمایا ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہونے دیگا)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب دوسری بار صور پھونک دیا جائے گا تو مرد اور عورت جو بھی ہو اولین و آخرین سب کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اور ایک پکارنے والا پکاریگا کہ یہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے جس کسی کا اس پر حق ہو اپنا حق لینے کے لئے آجائے یہ اعلان سن کر انسان کا یہ حال ہوگا کہ وہ اس بات سے خوش ہوگا کہ اچھا ہے کہ میرے باپ پر یا میری اولاد پر' یا میری بیوی پر' یا میرے بھائی پر میرا کچھ حق نکل آئے تو وصول کرلوں (وہاں نیکی برائیوں کے ذریعہ لین دین ہوگا) اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت کریم فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ کی تلاوت فرمائی۔

اور حضرت ابن مسعود سے فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ کی ایک تفسیر یوں نقل کی گئی ہے کہ اس دن آپس میں نسب پر فخر نہ کریں گے جیسا کہ دنیا میں کرتے ہیں اور نہ آپس میں یوں سوال کریں گے کہ تم ہمارے رشتہ دار تھے بحق رشتہ داری یہاں کچھ مدد کرو۔

یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہاں وَلَا یَتَسَآءَلُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت میں وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ فرمایا ہے اس میں بظاہر تعارض سا ہے اگر وَلَا یَتَسَآءَلُوْنَ کی یہ تفسیر کی جائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے مدد اور

صلہ رحمی کا سوال نہیں کریں گے جو نسب کی بنیاد پر ہو اور مدد کے لئے کوئی کسی کو نہ پوچھے گا تو کوئی تعارض نہیں رہتا کیونکہ دوسری آیت میں جس سوال کا ذکر ہے وہ سوال رشتہ داری کی بنیاد پر نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ قیامت کے احوال مختلف ہونگے کسی وقت بہت زیادہ خوف کی شدت ہوگی تو آپس میں کوئی سوال نہ کریں گے اور بعض مواقع میں جب ہوش و حواس ٹھیک ہونگے تو آپس میں کچھ پوچھ پاچھ کرلیں گے (معالم التنزیل بزیادۃ ج ۳ ص ۳۱۸-۳۱۷)

اس کے بعد قیامت کے دن کی تول کا تذکرہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سو جن کی تولیں بھاری ہونگی یعنی نیکیاں وزن دار ہونگی سو یہ لوگ کامیاب ہونگے) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ (اور جس کی تولیں ہلکی ہونگی سو یہ وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں کا نقصان کرلیا وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے) وزن اعمال کے بارے میں ضروری تفصیل اور تحقیق سورۂ اعراف کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (انوار البیان ج ۳)

اس کے بعد اہل جہنم کے عذاب اور ان کی بدصورتی کا تذکرہ فرمایا ارشاد ہے تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی اور ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دوزخی کو آگ بھون ڈالے گی جس سے اس کا اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر اس کی ناف پر پہنچ جائے گا (رواہ الترمذی)

اس کے بعد ایک سوال کے جواب کا تذکرہ فرمایا اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (کیا تمہارے پاس میری آیات نہیں آئی تھیں جو تم پر پڑھی جاتی تھیں سو تم انہیں جھٹلاتے تھے) قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ (وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے)

یہ لوگ اپنی بدبختی اور گمراہی کا اقرار کرتے ہوئے یوں بھی عرض کریں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکال دیجئے سو اگر ہم پھر اسی طور طریقہ کو اختیار کریں تو بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے ہونگے)

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اسی میں پھٹکارے ہوئے دور ہو جاؤ اور مجھ سے بات نہ کرو) سنن ترمذی میں ہے کہ اس کے بعد دوزخی ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور گدھوں کی طرح چیخنے چلانے اور حسرت اور واویلا کرنے میں لگ جائیں گے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ان کے چہرے بدل جائیں گے صورتیں مسخ ہو جائیں گی، حتیٰ کہ بعض مومن شفاعت لیکر آئیں گے لیکن دوزخیوں میں سے کسی کو پہچانیں گے نہیں۔ دوزخی ان کو دیکھ کر کہیں گے کہ میں فلاں ہوں مگر وہ کہیں گے کہ غلط کہتے ہو ہم تم کو نہیں پہچانتے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۸ ج ۳)

اِخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا کے جواب کے بعد دوزخ کے دروازے بند کردیئے جائیں گے وہ اسی میں جلتے رہیں گے (ایضا)

اللہ تعالیٰ کا مزید فرمان ہوگا اِنَّهٗ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ (بلاشبہ میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو یوں دعا کرتے تھے) کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے اور آپ رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم فرمانے ڈالے ہیں اس جماعت کو تم نے مذاق اور ٹھٹھہ اور مسخرہ پن کا نشانہ بنالیا تھا اور تم اس درجہ ان کے پیچھے پڑے کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھلادی یعنی تم ان کو مذاق بنانے میں ایسے لگے کہ میری یاد کی تمہیں فرصت ہی نہیں رہی۔ تم ان کا مذاق بھی بناتے تھے اور ان سے ہنستے بھی تھے تم نے اپنے کیے کا نتیجہ بھگت لیا اور ہمیشہ کے لئے دوزخ میں چلے گئے اور انہوں نے اپنے ایمان اور عمل صالحہ کا پھل پالیا آج میں نے انہیں ان کے صبر کرنیکی وجہ سے یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہیں (وہ ہمیشہ کے لئے جنت میں چلے گئے) سورۂ آل عمران میں فرمایا فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ (سو جو شخص دوزخ سے ہٹادیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا وہ ہی کامیاب ہوا)

قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوۡا لَبِثۡنَا یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّیۡنَ ﴿۱۱۳﴾

اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ ہم برسوں کی گنتی کے اعتبار سے زمین میں کتنے دن رہے وہ کہیں گے کہ ایک یا ایک دن سے بھی کم رہے سو آپ گننے والوں سے

قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا

سوال فرمالیجئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے اگر تم جانتے ہو، کہ کیا تم نے یہ خیال کیا کہ ہم نے تمہیں بطور عبث پیدا کیا

وَّاَنَّكُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ

اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔ سو برتر ہے اللہ جو بادشاہ ہے حق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش

الۡكَرِیۡمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنۡ یَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ؕ

کریم کا رب ہے، اور جو کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے

اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلۡ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۱۸﴾

بلاشبہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہونگے اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب بخش دیجئے اور رحم فرمایئے بلاشبہ آپ رحم کرنے والوں میں سے سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ برتر ہے ملک ہے حق ہے

وحدہ لاشریک ہے، کافر کامیاب نہیں ہوں گے

تفسیر: کافروں سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ بھی سوال ہوگا کہ تم زمین میں برسوں کی گنتی کے اعتبار سے کتنے دن رہے؟ وہ وہاں ہیبت اور ہول دلی کی وجہ سے ہوش و حواس گم کرچکے ہونگے اس لئے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں تو کچھ ایسا خیال

آتا ہے کہ ایک دن یا اس سے بھی کم دنیا میں رہے ہونگے اور صحیح بات یہ ہے کہ ہمیں یاد ہی نہیں ہے شمار کرنے والوں سے یعنی فرشتوں سے سوال فرما لیجئے ہماری عمروں کا صحیح حساب ان کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم دنیا میں تھوڑی ہی مدت رہے وہاں جتنے دن بھی زندگی گزاری وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی ہی ہے وہ دار الفنا تھا اب دار القرار میں آئے ہو۔ یہاں موت نہیں ہے اگر تم دنیا میں ہی حقیقت کو سمجھ لیتے۔ اور موت کے بعد زندہ ہو کر حساب کتاب کی پیشی کا یقین کر لیتے تو تمہارے حق میں اچھا ہوتا۔

مزید ارشاد ہوگا کہ تم نے دنیا میں جو زندگی گزاری اس میں تم یہ جانتے تھے کہ ہمارے خالق نے ہمیں پیدا کیا ہے کیا یہ بات جاننے کے باوجود تم نے یہ نہ سمجھا کہ ہمارے خالق کا ہم پر حق ہے وہ حکیم مطلق ہے اس نے ہمیں حکمت کے موافق پیدا کیا ہے تم نے اس حقیقت کو نہ سمجھا اور الٹے یوں سمجھے کہ ہماری پیدائش بطور عبث ہے اس میں خالق جل مجدہ کی نہ کوئی حکمت ہے اور نہ ہمیں مرکر اپنے خالق کی طرف واپس لوٹنا ہے تمہاری اس ناسمجھی اور غلط گمانی نے تمہیں برباد کر دیا اور آج تمہیں دوزخ میں جانا پڑا سورۃ حم سجدہ میں ہے وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ (اور تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اس نے تمہیں ہلاک کر دیا سو تم خسارہ والوں میں ہو گئے) فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (سو برتر ہے اللہ جو بادشاہ ہے حق ہے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے) سب سے بڑا بادشاہ ہے ملک الملوک ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی معبود ماننا یہ بہت بڑی بغاوت ہے یہ باغی یوں نہ سمجھیں کہ ہمارا کوئی مواخذہ اور محاسبہ نہ ہوگا۔ محاسبہ ضرور ہوگا اور کافر لوگ وہاں میدان آخرت میں ناکام ہونگے۔ یعنی دوزخ میں جائیں گے مشرکین جو شرک کرتے ہیں ان کے پاس اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اسی کو فرمایا کہ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا بلاشبہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہ ہونگے)

آخر میں دعا کی تلقین فرمائی وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے رب بخش دیجئے اور رحم فرمائیے اور آپ رحم فرمانے والوں میں سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں) اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے امت آپ کے تابع ہے ساری امت اس فرمان پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت طلب کیا کریں۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

ولقد حصل الفراغ من تفسير سورة المومنون فى الليلة الحادية عشر

من ربيع الاخر سنة ١٤١٥ الحمد لله اولا و آخر اوظاهر اوباطنا

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَسِتُّوْنَ آيَةً وَتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ نور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں چونسٹھ آیات اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِيَةُ

یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور ہم نے اس کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا ہے اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ زنا کرنے والی عورت

وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ

اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور اللہ کے

دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ

دین میں ان دونوں کے بارے میں تمہیں رحمت نہ پکڑے اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ان کی سزا کے وقت

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

مومنین کی ایک جماعت حاضر رہے

احکام شرعیہ پر عمل کرنا لازمی ہے زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے ہیں

تفسیر: اس سورت کا پانچواں رکوع اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع ہے اس لئے یہ سورت سورۃ النور کے نام سے موسوم اور معروف ہے اس کے شروع میں عفت اور عصمت کی حفاظت کا بیان ہے اور زنا کرنیوالوں اور تہمت لگانے والوں کی سزا مذکور ہے اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے یہ سورۃ نازل کی اور اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ (فَرَضْنٰهَا) کا یہ ترجمہ اس لئے کیا گیا کہ اس سورت میں جو احکام مذکور ہیں وہ سب فرض نہیں ہیں البتہ مومن بندوں کو سب پر عمل کرنا چاہیے ان میں فرائض بھی ہیں اور غیر فرائض بھی ہیں) پھر فرمایا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (اور ہم نے اس میں واضح آیات نازل کی ہیں) ان آیات میں جو احکام ہیں ان پر عمل کریں لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تاکہ نصیحت حاصل کرو)

شرعی حدود میں سختی کیوں ہے

اس کے بعد زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی سزا بیان فرمائی اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ سزا جاری کرنے میں تمہیں ان پر رحم نہ آئے۔

اللہ کے قانون کے سامنے کسی کی رو رعایت اور کسی پر کوئی رحم کرنا ترس کھانا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے جب اس نے سزا کا حکم دیدیا گو وہ سزا تمہاری نظروں میں سخت ہے تو اسے نافذ کرنا ہی کرنا ہے اس نے انسان کو پیدا کیا وہ انسان کے مزاج عادت وخصلت کو پوری طرح جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ انسان اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے کونسی سزا سے زنا کاری کے جرم سے رک سکتا ہے چونکہ اس میں زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا کے ساتھ دوسروں کو عبرت دلانا بھی مقصود ہے اس لئے یہ بھی حکم دیا کہ جب ان کو زنا کی سزا دی جائے تو اس وقت مومنین کی ایک جماعت حاضر رہے بہت سے لوگ حاضر ہوں گے تو انہیں بھی عبرت حاصل ہوگی اور سزا کا واقعہ اپنی مجلسوں اور قبیلوں میں اور باہر سے آنے جانے والے مسافروں کی ملاقاتوں میں ذکر کریں گے تو سب سے عبرت ناک سزا کا چرچا ہوگا جس سے عمومی طور پر پورے ملک میں عفت وعصمت کی فضا بنے گی اور لوگ زنا کاری سے باز رہیں گے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ دور اور نزدیک اللہ کی حدود قائم کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اللہ کے حکم کے بارے میں تمہیں نہ پکڑے (رواہ ابن ماجہ) تمہیں کسی کی ملامت نہ پکڑے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کیا کرو دشمن اعتراض کریں گے اس کو نہ دیکھو۔

آجکل کی حکومتیں مخلوق کے طعن وتشنیع سے ڈرتی ہیں اور دشمنوں کے اعتراضات کا خیال کر کے شرعی حدود قائم نہیں کرتیں۔ شرعی حدود قائم کرنے میں بہت بڑی خیر ہے حدود قائم ہوں گی تو گناہ ختم ہوں گے یا کم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوگی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین میں ایک حد قائم کی جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چالیس دن بارش برستی رہے (رواہ ابن ماجہ) یعنی چالیس دن بارش ہونے کا جو نفع ہے اس سے کہیں زیادہ خیرات وبرکات کا نزول ہوگا جبکہ اللہ کی ایک حد قائم کردی جائے گی۔

موجودہ حکومتوں نے رضامندی سے زنا کو کرنے کو تو قانونی طور پر جائز ہی کر رکھا ہے اور فاحشہ عورتوں کو یہ پیشہ اختیار کرنے پر لائسنس دیتی ہیں اور تھوڑی بہت جو قانونی گرفت ہے وہ زنا بالجبر پر ہے۔ لیکن بالجبر زنا کرنے والا بھی پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑا گیا تو مختصر سی جیل میں رہنے کی سزا دے دی جاتی ہے اس سزا سے بھلا زنا کار اپنی عادت بد کہاں چھوڑ سکتے ہیں جو حکومتیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ مجرمین پر شرعی سزائیں نافذ کرو۔ (ڈاکوؤں کو قتل کرو چوروں کا ہاتھ کاٹو زنا کار مرد اور عورت کو زنا کاری کی سزا دو غیر محصن ہیں تو سو کوڑے لگاؤ اگر محصن ہیں تو سنگسار کردو) تو اس پر ان لوگوں کو چوروں اور ڈاکوؤں اور زنا کاروں پر رحم آ جاتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمادیا ہے وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ (اور تمہیں اللہ کے دین کے بارے میں ان دونوں کے ساتھ رحم کے برتاؤ کا جذبہ نہ پکڑے) اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ جو سراپا کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جاری فرمودہ حدود کو ظالمانہ اور وحشیانہ سزائیں کہہ دیتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ پھر بھی مسلمانی کے دعویدار ہیں مجرمین کو شرعی

سزائیں نہیں دی جاتی ہیں اس کی وجہ سے ڈاکہ اور زنا کی کثرت ہے چوریاں بھی بہت ہو رہی ہیں زنا کاری کے اڈے بھی کھلے ہوئے ہیں اور ان اڈوں کے علاوہ جگہ جگہ زنا کاری ہوتی رہتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومتوں کے نزدیک زنا کاری تو کوئی جرم ہے ہی نہیں اور چوری اور ڈکیتی پر قابو پانا بھی ان کی مصلحتوں کے خلاف ہے۔ قرآن کو نہیں دیکھتے اس کے احکام پر چلنا نہیں چاہتے اور اپنے عوام کو اور دشمنان اسلام کو راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ اور صرف حکومت باقی رکھنے کے جذبات لئے پھرتے ہیں جب یہ صورت حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے فتد بروا یا اولی الالباب۔

چند مسائل متعلقہ حد زنا

مسئلہ: جو مرد عورت آزاد ہو یعنی کسی کا مملوک نہیں عاقل ہو بالغ ہو مسلمان ہو اس کا نکاح شرعی ہوا ہو پھر آپس میں میاں بیوی والا کام بھی کیا ہو تو ایسے مرد عورت کو محصن کہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی زنا کرے تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا (یعنی پتھر مار مار کر) ہلاک کر دینا ہے اور جو مرد عورت محصن نہ ہو اگر وہ زنا کرے تو ان کی سزا سو سو کوڑے ہیں۔

مسئلہ: کوڑے لگاتے وقت یہ خیال کر لیا جائے کہ اگر مرد کو کوڑے لگائے جا رہے ہیں تو ستر عورت کے لئے جتنے کپڑے کی ضرورت ہے وہ اس پر باقی رہے باقی کپڑے اتار دیئے جائیں، اور اگر عورت کو کوڑے لگائے جائیں تو اس کے عام کپڑے نہ اتارے جائیں ہاں اگر اس نے لحاف اوڑھ رکھا ہے تو کوئی اور ایسی چیز پہن رکھی ہے جو مارنے کی تکلیف سے بچا سکتی ہے تو اسے بدن سے نکال لی جائے گی۔

مسئلہ: مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر کوڑے لگائے جائیں۔

مسئلہ: ایسے کوڑے سے مارا جائے گا جس کے آخر میں گرہ لگی ہوئی نہ ہو اور یہ مارنا درمیانی درجہ کا ہو اور ایک ہی جگہ کوڑے نہ مارے جائیں بلکہ متفرق طور پر اعضائے جسم پر مارے جائیں البتہ سر چہرہ اور شرم گاہ پر کوئی کوڑا نہ مارا جائے۔

مسئلہ: جس زنا کار مرد یا عورت کو رجم یعنی سنگسار کرنا ہے اسے باہر میدان میں لے جائیں جن لوگوں نے زنا کی گواہی دی تھی پہلے وہ پتھر ماریں پھر امیر المومنین پتھر مارے اور اس کے بعد دوسرے لوگ ماریں اگر گواہ ابتداء کرنے سے انکاری ہو جائیں تو جرم ساقط ہو جائے گا اگر زانی کے اقرار کی وجہ سے سنگسار کیا جانے لگے تو پہلے امیر المومنین پتھر مارے اس کے بعد دوسرے لوگ، اور عورت کو رجم کرنے لگیں تو اس کے لئے گڑھا کھود کر اس میں کھڑی کر کے رجم کریں تو یہ بہتر ہوگا۔

مسئلہ: جب کسی مرد یا عورت کے بارے میں چار شخص گواہی دیدیں کہ اس نے زنا کیا ہے اور یوں کہیں کہ ہم نے ان کو یہ عمل کرتے ہوئے اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو تو امیر المومنین یا قاضی ان چاروں گواہوں کے بارے میں تحقیق اور تفتیش کرے گا اگر ان کا سرًّا و علانیۃً عادل اور صالح سچا ہونا ثابت ہو جائے تو امیر المومنین یا قاضی زنا کرنے والے پر حد شرعی حسب قانون (کوڑے یا سنگسار) نافذ کر دے اگر چار گواہ نہ ہوں یا چار تو ہوں لیکن ان کا فاسق ہونا ثابت

ہو جائے تو اس پر حد جاری نہ ہو گی جس کے بارے میں ان لوگوں نے زنا کی گواہی دی۔ بلکہ ان لوگوں کو حد قذف لگائی جائے گی جنہوں نے گواہی دی۔ (حد قذف سے مراد تہمت لگانے کی سزا ہے جو اسی (۸۰) کوڑے ہیں) چند اوراق کے بعد اسی رکوع میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ذکر آئے گا۔

مسئلہ: زانی کے اپنے اقرار سے بھی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے (مرد ہو یا عورت) جب اقرار کرنے والا عاقل بالغ ہو اور چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرے تو قاضی اس سے دریافت کرے کہ زنا کیا ہوتا ہے اور تو نے کس سے زنا کیا اور کہاں زنا کیا اقرار کرنے والا جب یہ باتیں بتا دے تو قاضی اس پر بھی حسب قواعد شرعیہ حد نافذ کر دے گا۔

دور حاضر کے مدعیان علم کی جاہلانہ باتیں

آجکل بہت سے مدعیان علم ایسے نکلے ہیں جو اپنی جہالت کے زور پر شریعت اسلامیہ میں تحریف کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ دشمنان اسلام اور بہت سے اصحاب اقتدار ان کی سرپستی کرتے ہیں اور ان کو رشوت دے کر ان سے ایسی باتیں لکھواتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوتی ہیں۔ چودہ سو سال سے تمام عوام اور خواص یہی جانتے اور سمجھتے اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام میں زانی غیر محصن کی سزا سو کوڑے اور زانی محصن کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ اپنے علم کو جاہلانہ دعاوی میں استعمال کرنے والے اب یوں کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے ان لوگوں سے سوال ہے کہ قرآن مجید میں یہ کہاں فرمایا ہے کہ جو کچھ قرآن میں نہ ہو وہ دین اسلام نہیں ہے قرآن نے تو یہ فرمایا ہے کہ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ رسول اللہ ﷺ دیں اسے پکڑ لو اور جس سے روکیں رک جاؤ)

جب رسول اللہ ﷺ نے بعض زانیوں کو ثبوت زنا اور محصن ثابت ہونے پر سنگسار فرما دیا تو اب کس کا مقام ہے جو اس کی تردید کرے اور اسے اللہ کے دین سے نکال دے حضرت عمرؓ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی تھی کہ بعد میں آنے والے رجم کی سزا کے منکر ہوں گے اس لئے انہوں نے ایک دن منبر پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی کتاب اللہ میں جو کچھ نازل ہوا اس میں رجم یعنی سنگسار کرنے کی آیت بھی تھی ہم نے اس آیت کو پڑھا اور سمجھا اور یاد کیا رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا اب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ زمانہ دراز گزرنے پر کوئی کہنے والا یوں نہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ہم رجم کی آیت کو اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے (یہ کہہ کر وہ دین اسلام میں رجم کی مشروعیت کا منکر ہوگا) جس کی وجہ سے لوگ ایک ایسے فریضہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے جسے اللہ نے شروع فرمایا، رجم اللہ کی کتاب میں ہے (یعنی اس کی مشروعیت منسوخ نہیں ہوئی) حق ہے اس مرد عورت پر جاری کی جائے گی جو محصن ہو جبکہ گواہ قائم ہو جائیں یا اقرار ہو یا کسی عورت کو حمل ہو جائے (جس حمل کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہو) (رواہ البخاری ۱۰۰۹) حضرت عمرؓ نے یہ جو فرمایا رجم اللہ کی کتاب میں ہے اس کا مطلب یہ

ہے کہ جس آیت میں یہ مضمون تھا اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی ہے اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا جن حضرات نے علم اصول فقہ پڑھا ہے وہ اس کا مطلب سمجھتے ہیں' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے سورۃ نساء کی آیت اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا کی طرف اشارہ ہے' اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی کتاب میں واضح طور پر موجود نہیں ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دین اسلام میں رجم نہیں ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اسکو شروع فرمایا تو اللہ کی کتاب میں ہو گیا کیونکہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ اللہ کے رسول کی اطاعت کتاب اللہ کے مضمون میں شامل ہے۔

یہ جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ رجم قرآن کریم میں نہیں ہے اول تو ان سے یہ سوال ہے کہ ظہر عصر اور عشاء کی چار رکعتیں مغرب کی تین اور فجر کی دو ہیں اسی کو کسی آیت میں دکھا دیں۔ زکوٰۃ کا کیا نصاب ہے اس کو کسی آیت سے ثابت کریں۔ کیا وجہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے جو اسلام کے ارکان میں سے ہیں قرآن مجید کی آیت تلاش نہیں کی جاتی ان پر عمل کرنے کے لئے تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہی کافی ہے اور رجم کو دین میں مشروع سمجھنے کے لئے آیات قرآنیہ کی تلاش ہے۔ ملحد اور زندیق کا کوئی دین نہیں ہوتا اسی لئے یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ رجم اگر قرآن مجید میں نہیں ہے تو سو سو کوڑے لگانا تو ہے ارے زندیقو! تم جن حکومتوں کے نمائندے ہو ان سے سو سو کوڑے تو لگواؤ' اپنے ذرا سے علم کو منکرین اسلام کی تائید کے لئے خرچ کرنا اسی کو تو قرآن مجید نے اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ فرمایا ہے حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے من العلم جھلا وارد ہوا ہے۔

زنا کاری کی مضرتیں اور عفت وعصمت کے فوائد نکاح کی فضیلت

کافروں اور ملحدوں' زندیقوں کو اسی پر تعجب ہے کہ شریعت اسلامیہ میں زنا کو کیوں حرام قرار دیا گیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ مرد عورت کا اپنا ذاتی معاملہ ہے جس کا جس سے چاہے لذت حاصل کر لے ان لوگوں کی یہ بات جہالت ضلالت اور غوایت پر مبنی ہے یہ کہنا کہ بندوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں یہ بہت بڑی گمراہی ہے جب خالق کائنات جل مجدہ نے پیدا فرمایا اور سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہیں تو کسی کو بھی اختیار نہیں ہے کہ وہ خالق اور مالک کے بتائے ہوئے قانون کے خلاف زندگی گذارے کوئی انسان خود اپنا نہیں ہے نہ اس کے اعضاء اپنے ہیں وہ تو خالق جل مجدہ کی ملکیت ہے ان اعضاء کو قانون الٰہی کے خلاف استعمال کرنا بغاوت ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی طبعی موانست کے لئے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا پھر ان سے انسانوں کی نسل کو جاری فرمایا' مرد عورت میں جو ایک دوسرے کی طرف فطری اور طبعی میلان ہے اس کے لئے نکاح کو مشروع فرمایا اور نکاح کے اصول قوانین مقرر فرمائے جب مرد عورت کا نکاح ہو جائے تو آپس میں ایک دوسرے سے قانون شریعت کے مطابق استمتاع اور استلذاذ جائز ہے۔ اس میں جہاں نفسیاتی ابھار کا انتظام ہے وہاں بنی آدم کی نسل چلنے

اور نسل ونسب کے پاک رکھنے اور آپس میں رحمت اور شفقت باقی رکھنے کا اور عورت کے گھر میں عزت آبرو کے ساتھ رہنے اور گھر بیٹھے ہوئے ضروریات زندگی پوری ہونے اور عفت وعصمت سے رہنے کا انتظام ہے' مرد کما کر لائے عورت گھر میں بیٹھے اور کھائے لباس بھی شوہر کے ذمہ اور رہنے کا گھر بھی' اولاد پیدا ہو تو ماں باپ کی شفقت میں پلے بڑھے۔ کوئی چچا ہو کوئی ماموں ہو کوئی دادا ہو کوئی دادی ہو کوئی خالہ ہو کوئی پھوپھی ہو ہر ایک بچے کو پیار کرے گود میں لے اور ہر ایک اس کو اپنا سمجھے صلہ رحمی کے اصول پر سب رشتہ دار دور کے ہوں یا قریب کے آپس میں ایک دوسرے سے محبت بھی کریں مالی امداد بھی کریں نکاحوں کی مجلسوں میں جمع ہوں ولیمہ کی دعوتیں کھائیں عقیقے ہوں جب کوئی مر جائے کفن دفن میں شریک ہوں یہ سب امور نکاح سے متعلق ہیں اگر نکاح نہ ہو اور عورت مرد یوں ہی آپس میں اپنی نفسانی خواہشات پوری کرتے رہیں تو جو اولاد ہوگی وہ کسی باپ کی طرف منسوب نہیں ہوگی اور جب عورت زنا کار ہے تو یہ پتہ بھی نہ چلے گا کہ کس مرد کے نطفہ سے حمل قرار پایا جب کہ باپ ہی نہیں ہے تو کون بچہ کی پرورش کرے' بچہ کو کچھ معلوم نہیں میں کس سے پیدا ہوا میرے ماں باپ کون ہیں' چونکہ باپ ہی نہیں اس لئے انگلینڈ وغیرہ میں بچوں کی ولدیت ماں کے نام سے لکھ دی جاتی ہے رشتہ داروں کی جو شفقتیں تھیں باپ کی جانب سے ہوں یا ماں کی جانب سے بچہ ان سب سے محروم رہتا ہے زنا کار عورتوں کے بھائی بہن بھی اپنی بہن کی اولاد کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جو شفقت بھری نکاح والی ماں کی اولاد پر نانا نانی اور خالہ ماموں کی ہوتی ہے' ہر سمجھ دار آدمی غور کر سکتا ہے کہ نکاح کی صورت میں جو اولاد ہو اس کی مشفقانہ تربیت اور ماں باپ کی آغوش میں پرورش ہونا انسانیت کے اکرام کا سبب ہے یا زنا کاروں کی اولاد کی حکومتوں والی پرورش اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے؟

پھر جب نکاح کا سلسلہ ہوتا ہے تو ماں باپ لڑکا اور لڑکی کے لئے جوڑا ڈھونڈتے ہیں اور آزاد لڑکے اور لڑکیاں نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لئے دوست (فرینڈ) تلاش کرتے پھرتے ہیں یہ عورت کی کتنی بڑی ذلت اور حقارت ہے کہ وہ گلی کوچوں میں کپڑے اتارے کھڑی رہے اور مردوں کو اپنی طرف لبھائے اور جو شخص اس کی طرف جھکے اس کو کچھ دن کے لئے دوست بنالے پھر جب چاہے یہ چھوڑ دے اور جب چاہے وہ چھوڑ دے' اب پھر دونوں تلاش یار میں نکلے ہیں کیا اس میں انسانیت کی مٹی پلید نہیں ہوتی پھر چونکہ عورت کا کوئی شوہر نہیں ہوتا اور جن کو دوست بنایا جاتا ہے وہ قانوناً اس کے خرچ کے ذمہ دار نہیں ہوتے اس لئے عورتیں خود کمانے پر مجبور ہو جاتی ہیں شوروموں پر کھڑی ہوئی مال سپلائی کرتی ہیں روڈ پر بیٹھ کر آنے جانے والے لوگوں کے جوتوں پر پالش کرتی ہیں' عجیب بات ہے کہ عورتوں کو یہ ذلت اور رسوائی منظور ہے اور نکاح کر کے گھر میں ملکہ بن کر بچوں کی ماں ہو کر عفت وعصمت کے ساتھ زندگی گذارنے کو ناپسند کرتی ہیں۔

اسلام نے عورت کو بڑا مقام دیا ہے وہ نکاح کر کے عفت وعصمت کی حفاظت کے ساتھ گھر کی چار دیواری میں رہے اور اس کا نکاح بھی اس کی مرضی سے ہو جس میں مہر بھی اس کی مرضی سے مقرر ہو پھر اسے ماں باپ اور اولاد اور بہن بھائی سے میراث بھی ملے۔ یہ زندگی اچھی ہے یا در بدر یار ڈھونڈتی پھریں اور زنا کرتی پھریں یہ بہتر ہے؟ کچھ تو سوچنا چاہئے' فاعتبروا یا اولی الابصار

اس تمہید کے بعد اب ایک سمجھدار آدمی کے ذہن میں زنا کی شناعت اور قباحت پوری طرح آ جاتی ہے اسلام کو یہ گوارا نہیں ہے کہ نسب کا اختلاط ہو پیدا ہونے والے بچوں کے باپ کا پتہ نہ چلے یا کئی شخص دعویدار ہو جائیں کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے۔

جو مرد عورت زنا کاری کی زندگی گذارتے ہیں ان سے حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں انسانیت کی اس سے زیادہ کیا مٹی پلید ہوگی کہ بچہ ہو اور اس کا باپ کوئی نہ ہو اہل نظر اسے حرامی کہتے ہوں یا کم از کم یوں سمجھتے ہوں کہ دیکھو وہ حرامی آ رہا ہے یہ بات شریفوں کے لئے موت سے بہتر ہے لیکن اگر طبعی شرافت باقی نہ رہے دلوں میں انسانیت کا احترام نہ ہو تو معاشرہ میں حرامی حلالی ہونے کی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی جن ملکوں میں زنا کاری عام ہے ان کے یہاں حرامی ہونا کوئی عیب اور حلالی ہونا کوئی ہنر نہیں۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی ہماری ہاں میں ہاں ملا دیں اور قرآن کے باغی ہو کر ہماری طرح زنا کار ہو جائیں اور زنا کاری کی سزا منسوخ کر دیں بھلا مسلمان یہ کیسے کر سکتا ہے اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا تو اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

اسلام جو عفت و عصمت کا دین ہے اس کے ماننے والے شہوت پرستوں کا ساتھ کہاں دے سکتے ہیں زنا کاری میں چونکہ مزا ہے شہوت پرستی ہے اس لئے شہوت پرست اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں' معاشرہ اسلامیہ نے زنا کی سزا سخت رکھی ہے پھر اس میں فرق رکھا گیا ہے غیر شادی شدہ مرد عورت زنا کرلے تو سو کوڑے لگانے پر اکتفا کیا گیا اور شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کی سزا رجم مقرر کی گئی ہے مرد ہو یا عورت' جو لوگ شہوت پرست ہیں ان کے تقاضوں پر کافر ملکوں کی پارلیمنٹوں نے نہ صرف یہ کہ مرد عورت کے لئے باہمی رضامندی سے زنا کو قانوناً جائز قرار دیدیا ہے بلکہ مرد کو بھی اجازت دیدی ہے کہ وہ کسی مرد کی بیوی بن کر رہے' ان لوگوں کو نہ انسانیت کی ضرورت ہے نہ شرافت کی نہ نسب محفوظ رکھنے کی نہ عفت عصمت کے ساتھ جینے کی نہ عورتوں کو اچھا مقام دینے کی' شہوت پرست ہیں شہوت کے بندے ہیں اس شہوت پرستی کے نتیجے میں جو ایڈز وغیرہ کی نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں جن سے سارا معاشرہ متاثر ہوتا جا رہا ہے اور جس کی روک تھام سے حکومتیں عاجز ہیں ان پر نظر نہیں' بس شہوت پوری ہونی چاہئے یہ ان لوگوں کا مزاج بن گیا ہے۔

یہ زنا کی کثرت' کثرت اموات کا بھی سبب ہے' حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اور جس کسی قوم میں زنا پھیل جائے اس میں موت کی کثرت ہوگی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا یعنی رزق کم ملے گا اور اس کی برکت ختم کردی جائے گی اور جو قوم ناحق فیصلے کرے گی ان میں قتل کی کثرت ہوگی اور جو قوم بدعہدی کریگی ان پر دشمن مسلط کردیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا) اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی آبادی میں زنا اور سود خوری کا رواج ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ کا عذاب نازل کرلیا (الترغیب والترہیب ۲۷۸ ج ۳)

حضرت میمونہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں کی کثرت نہ ہو جائے سو جب ان میں اولاد الزنا کی کثرت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر عنقریب عام عذاب بھیج دے گا۔ (رواہ احمد واسنادہ حسن' کما فی الترغیب ص ۲۷۷ ج ۳)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک خواب بیان فرمایا اس میں بہت سی چیزیں دیکھیں ان میں ایک یہ بھی دیکھا کہ تنور کی طرح ایک سوراخ ہے اس کا اوپر کا حصہ تنگ ہے اور نیچے کا حصہ وسیع ہے اس کے نیچے آگ جل رہی ہے جو لوگ اس تنور میں ہیں وہ آگ کی تیزی کے ساتھ اوپر کو آ جاتے ہیں جب آگ دھیمی پڑتی ہے تو نیچے کو واپس چلے جاتے ہیں یہ لوگ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ہیں ان کی چیخ پکار کی آوازیں بھی آ رہی ہیں آپ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں میں نے اپنے ساتھیوں (حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام) سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں انہوں نے بتایا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔

زنا امراض عامہ کا سبب ہے

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور خدا نہ کرے کہ تم مبتلا ہو (تو پانچ چیزیں بطور نتیجہ ضرور ظاہر ہوں گی پھر ان کی تفصیل فرمائی) (۱) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں تو ان میں ضرور طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل پڑھیں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہیں ہوئیں' (۲) اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی قحط اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی' (۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لیں گے ان سے بارش روک لی جائے گی (حتیٰ کہ) اگر چوپائے (گائے بیل گدھا گھوڑا وغیرہ) نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو۔ (۴) اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دے گی اللہ ان پر غیروں میں سے دشمن مسلط فرما دے گا جو ان کی بعض مملوک چیزوں پر قبضہ کر لے گا (۵) اور جس قوم کے با اقتدار لوگ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلے دیں گے (اور احکام خداوندی میں اپنا اختیار و انتخاب جاری کریں گے) تو وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے (ابن ماجہ)

اس حدیث پاک میں جن گناہوں اور معصیتوں پر ان کے مخصوص نتائج کا تذکرہ فرمایا ہے اپنے نتائج کے ساتھ اس زمین پر بسنے والے انسانوں میں موجود ہیں۔ سب سے پہلی بات جو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی یہ ہے کہ جس قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں گے ان میں ضرور طاعون پھیلے گا اور ایسی ایسی بیماریاں بکثرت ظاہر ہوں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔

آج بے حیائی کس قدر عام ہے سڑکوں پارکوں کلبوں اور نام نہادی قومی اور ثقافتی پروگراموں میں' عرسوں اور میلوں

میں ہوٹلوں اور دعوتی پارٹیوں میں کس قدر بے حیائی کے کام ہوتے ہیں اس کے ظاہر کرنے اور بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جاننے والے اور اخبارات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں' پھر اس بے حیائی اور فحش کاری کے نتیجے میں وبائی امراض طاعون ہیضہ انفلوئزا ایڈز پھیلتے رہتے ہیں اور ایسے ایسے امراض سامنے آ رہے ہیں جن کے طبعی اسباب اور معالجہ کے سمجھنے سے ڈاکٹر عاجز ہیں جس قدر ڈاکٹری ترقی پذیر ہے اسی قدر نئے امراض ظاہر ہوتے جاتے ہیں ان امراض کے موجود ہونے کا سبب جو خالق عالم جل مجدہ کے سچے پیغمبر (ﷺ) نے بتایا ہے یعنی بے حیائیوں کا پھیلنا جب تک وہ ختم نہ ہوگا نئے امراض کا آنا بھی ختم نہیں ہوسکتا دور حاضر کے لوگوں کا اب یہ طریقہ ہوگیا ہے کہ ان کے نزدیک شہوت پرستی ہی سب کچھ ہے زندگی کا خلاصہ شہوت پرستوں کے نزدیک صرف یہی رہ گیا ہے کہ مرد اور عورت بغیر کسی شرط اور بغیر کسی پابندی کے آپس میں ایک دوسرے سے شہوت پوری کیا کریں پہلے تو بعض یورپین ممالک نے اس قسم کے قوانین بنا دیئے تھے لیکن اب وہ بین الاقوامی کانفرنسیں بلا بلا کر سارے عالم کے انسانوں کو اس بیہودگی میں لپیٹنا چاہتے ہیں' اصل میں بات یہ ہے کہ اس قسم کی کانفرنس منعقد کرنے والے انسانیت کے دائرہ ہی سے باہر ہو چکے ہیں اور انہیں اس پر ذرا بھی رنج نہیں ہے کہ ہم انسانیت کھو بیٹھے ہیں۔

نفس پرستوں کو لذت چاہیے انسانیت باقی رہے یا نہ رہے

یہ لوگ اس مقام پر اتر آئے ہیں کہ ہم انسان نہ رہے تو کیا حرج ہے مزہ تو ملے گا۔ انسان بننے اور انسانی تقاضے پورے کرنے میں نفس کی آزادی میں فرق آتا ہے لہٰذا انسانیت کی ضرورت کیا ہے؟ جانور بھی تو دنیا میں رہتے ہیں اور جیتے ہیں ہم بھی جانور ہو گئے تو کیا ہوا؟ یہ بات یہ لوگ زبان سے کہیں یا نہ کہیں ان کا طریقہ کار اور رنگ ڈھنگ ایسا ہی ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایسے متمتع ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور دوزخ کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے)

انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم سے نوازا اور اسے جو شرف بخشا اس شرف کی وجہ سے اور اسے اونچا رکھنے کے لئے احکام عطا فرمائے۔ اس کے لئے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا اور کچھ چیزوں کو حلال قرار دیا۔ مرد اور عورت کا آپس میں استمتاع بھی حلال ہے لیکن نکاح کرنے کے بعد' پھر اس نکاح اور انعقاد نکاح کے بھی قوانین ہیں تمام انبیاء کرام علیہم السلام نکاح کرتے تھے۔ سوائے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے کہ ان دونوں حضرات نے نہ نکاح کیا نہ عورتوں سے استمتاع کیا۔ افسوس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کا جو قومیں دعویٰ کرنے والی ہیں وہ ان کی طرف بغیر نکاح کے عورتوں سے استمتاع کرنے کا دعوی کرتے ہیں۔

ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو دجال کو قتل کریں گے اور نکاح

بھی فرمائیں گے آپ کی اولاد بھی ہوگی (کماذکرہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء) جب وہ تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور اس طرح اپنے عمل سے دین نصرانیت کو باطل قرار دیں گے (رواہ مسلم)

فائدہ: قرآن مجید میں عموماً عورتوں کو مردوں ہی کے صیغے میں شریک کر کے احکام شرعیہ بتائے گئے ہیں مثلاً جہاں جہاں یٰآیھا الذین امنوا ہے اس میں گو اسم موصول مذکور ہے لیکن عورتوں کو بھی ان کا مضمون شامل ہے اور جہاں کہیں صیغہ تانیث لایا گیا وہاں مردوں کا ذکر مقدم ہے جیسا کہ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الآیۃ) اور جیسے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا لیکن زنا کی حد بیان کرتے ہوئے دو باتیں زیادہ قابل توجہ ہیں اول تو یہ کہ صرف مذکر کا صیغہ لانے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ لفظ الزانیہ مستقل ذکر کیا گیا دوسرا الزانیۃ کو الزانی پر مقدم فرمایا ہے۔

اب کسی بھی مرد یا عورت کو یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہی کہ شاید زنا کی حد جاری کرنا مردوں ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ نیز قرآن مجید کے انداز بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عورتوں میں زنا کی رغبت بنسبت مردوں کے زیادہ ہے ان کی حفاظت کا زیادہ اہتمام کیا جائے چوری میں مرد پیش پیش ہوتے ہیں اس لئے سورۃ مائدہ کی آیت میں لفظ السارق کو مقدم فرمایا اور زنا کی طرف مائل ہونے میں عورتوں کا رجحان زیادہ ہوتا ہے اس لئے حد زنا بیان فرماتے ہوئے پہلے لفظ الزانیۃ کو مقدم فرمایا۔

فائدہ: شریعت اسلامیہ نے جو زنا کی حد مقرر فرمائی ہے بظاہر یہ سخت ہے اور سختی اس لئے ہے کہ لوگوں کی عفت عصمت محفوظ رہے اور اس جرم کی طرف لوگوں کا میلان نہ ہو اگر کسی غیر محصن کو لوگوں کی ایک جماعت کے سامنے کوڑے لگا دیے جائیں اور کسی محصن کو سنگسار کر دیا جائے اور اس کی شہرت ہو جائے تو برس ہا برس کے لئے دور دراز علاقوں کے رہنے والوں کے لئے ایک ہی سزا عبرت کا سامان بن جائے گی۔

اسلام نے اول تو ایسے احکام وضع کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے زنا کا صدور ہی آسان نہیں نظروں پر پابندی ہے عورتوں کی بے حجابی پر پابندی ہے نامحرموں سے پردہ ہے محرم بدنفس سے بھی پردہ کا حکم ہے ان سب امور کے باوجود زنا صادر ہو جائے تو اس کی سزا کے لئے ویسی شرطیں لگائی ہیں جن کا وجود میں آنا ہی مشکل ہے اگر چار گواہ گواہی دیں کہ ہم نے فلاں مرد و عورت کو اس طرح زنا کرتے ہوئے دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو تب زنا کا ثبوت ہوگا' ظاہر ہے ایسے چار گواہ ملنا عادتاً ناممکن ہے ہاں اگر کوئی مرد عورت زنا کا اقرار کر لے تو اس پر سزا جاری ہوگی لیکن اس میں بھی امیر المومنین اور قاضی کو حکم دیا گیا کہ معمولی سے شبہات پر حد کو ساقط کر دیں مقصود لوگوں کی پٹائی کرنا اور سنگسار کرنا نہیں بلکہ زنا سے بچانا مقصود ہے اس سب کے باوجود پھر بھی کوئی شخص زنا کے جرم میں پکڑا جائے اور اصول شریعت کے مطابق اس کا زنا ثابت ہو جائے تو امیر المومنین اور قاضی لامحالہ اس پر حد جاری کر دے گا کیونکہ یہ شخص مسلمانوں کے معاشرہ کا ایک ایسا عضو ہے جو بالکل ہی سڑ چکا ہے جسے کاٹے بغیر جسم کی اصلاح ممکن نہیں رہتی۔ لوگ زنا کی سزا کی سختی کو تو دیکھتے ہیں اس سزا کی حکمتوں کو نہیں دیکھتے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ۡ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ

زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکیہ کے اور زانیہ کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور یہ مسلمانوں پر حرام کیا گیا ہے

تفسیر: اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں اور ترجمہ سے جو مطلب ظاہر ہو رہا ہے صاحب بیان القرآن نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ونقله صاحب الروح عن النيسابوری فقال قال النيسابوری انه احسن الوجوه فی الآية ان قوله سبحانه (اَلزَّانِىْ لَا يَنْكِحُ) حكم مؤسس على الغالب المعتاد جئى به لزجر المؤمنين عن نكاح الزوانی بعد زجرهم عن الزنا وذلك ان الفاسق الخبيث الذی من شأنه الزنا والتقبح لا يرغب غالبًا فی نكاح الصوانح من النساء اللاتی على خلاف صفته وانما يرغب فی فاسقة خبيثة من شكله اوفی مشركة والفاسقة الخبيثة المسافحة كذلك لا يرغب فی نكاحها الصلحاء من الرجال وينفرون عنها وانما يرغب فيها من هو من شكلها من الفسقة والمشركين، ونظير هذا الكلام لا يفعل الخير الا تقی فانه جار مجرى الغالب، ومعنى التحريم على المؤمنين على هذا قيل التنزيه وعبر به عنه للتغليظ. (اور اسے صاحب روح المعانی نے نیشاپوری سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اس آیت کی سب سے احسن توجیہ یہ ہے کہ الزانی لا ینکح اکثر عادت کے مطابق نیا حکم ہے جو زناء سے روکنے کے بعد مومنین کو زنا کاروں سے نکاح سے روکنے کے لئے لایا گیا ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ فاسق خبیث جو کہ زناء کار و بدکار ہے وہ عموماً ان عورتوں سے نکاح کی رغبت نہیں رکھتا جو اس کی صفت کے خلاف باعصمت ہیں وہ تو اپنے جیسی بدکار گندی عورت یا مشرک عورت میں رغبت رکھتا ہے اور اسی طرح بدکار گندی عورت صالح مردوں سے نکاح کی رغبت نہیں رکھتی اور صالح لوگ بھی اس سے بھاگتے ہیں اس سے شادی کی رغبت وہی رکھتے ہیں جو اسی کی طرح کے بدکار و مشرک ہیں۔ اور اس کلام کی مثال یہ جملہ ہے کہ لا یفعل الخیر الا التقی (بھلائی نہیں کرتا مگر متقی) بہر حال یہ حکم اکثریت کی بنیاد پر اور مومنین پر اس حرام ہونے سے مراد تنزیہی حرمت ہے۔ جسے اس عنوان سے فقط شدت کے اظہار کے لئے تعبیر کیا ہے)

اور بعض حضرات نے خبر کو بمعنی النھی لیا ہے اور یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی زانی کو زانیہ یا مشرکہ کے علاوہ کسی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں اسی طرح زنا کار عورت کو کسی غیر زانی اور غیر مشرک سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں اور مومنین کے لئے حرام ہے کہ کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کریں۔ جن حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ حکم ہجرت کے ابتدائی دور میں تھا بعد میں زانی اور زانیہ کے بارے میں تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مشرک اور مشرکہ کے بارے میں باقی رہا یعنی زانی مرد غیر زانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے جبکہ مومن ہوں اور کسی مومن کا مشرک عورت سے اور کسی مومنہ کا کسی مشرک سے جائز نہیں۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، بعض حضرات نے آیت کا نزول بتاتے ہوئے بعض قصے بھی نقل کئے ہیں اور یہ قصے نقل فرما کر جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی قول اول یعنی منسوخ تسلیم کرنے کی طرف راجع ہوتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے اور حضرت مجاہد اور عطا ابن ابی رباح اور قتادہ اور زہری اور شعبی (تابعین کرام) نے فرمایا ہے کہ جب مہاجرین مدینہ منورہ آئے اور ان کے پاس اموال نہیں تھے۔ تنگ دست بھی تھے اور کنبہ قبیلہ بھی نہ تھا تو اس وقت انہیں مال اور ٹھکانے کی ضرورت تھی مدینہ منورہ میں فاحشہ عورتیں تھیں جو مال لے کر زنا کرتی تھیں ان کے پاس پیسہ بھی بہت تھا یہ

فقراء مہاجرین جو مکہ معظمہ سے آئے تھے انہوں نے ان سے نکاح کرنے کے بارے میں رسول ﷺ سے اجازت مانگی جس میں مصلحت یہ تھی کہ یہ عورتیں ان پر خرچ کریں گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اوران عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمادیا۔ اسی طرح کے اور بھی بعض قصے ہیں جو حضرت عکرمہ سے منقول ہیں۔ (معالم التنزیل ص ۳۲۴ ج ۳)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو

جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

اور اصلاح کر لیں تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے

پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانے والوں کی سزا

تفسیر: اسلام میں مومن مرد وعورت کی آبرو کی بڑی حیثیت ہے اگر کوئی مرد یا کوئی عورت کسی پاک دامن مرد یا عورت کو صاف لفظوں میں زنا کی تہمت لگادے مثلاً یوں کہہ دے کہ اے زانی' اے رنڈی' اے فاحشہ' اور جسے تہمت لگائی ہے وہ قاضی کے ہاں مطالبہ کرے کہ فلاں شخص نے مجھے ایسے ایسے کہا ہے تو قاضی اسے اسی کوڑوں کی سزادے گا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حد قذف کہتے ہیں۔ یہ کوڑے متفرق طور پر اعضاء جسم پر مارے جائیں گے اور اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں گے جو عام طور سے پہنے ہوئے ہیں البتہ روئی کے کپڑے یا پوستین یا ایسی چیز جو چوٹ لگنے سے مانع ہو اس کو اتارلیا جائے گا۔

تہمت لگانے والے کی یہ تو جسمانی سزا ہوئی اس کے علاوہ ایک سزا اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جس شخص کو حد قذف لگائی گئی اس شخص کی گواہی کبھی بھی کسی بارے میں بھی مقبول نہیں ہوگی اگر اس نے توبہ کرلی تو توبہ سے گناہ تو معاف ہو جائے گا لیکن گواہی کے قابل پھر بھی نہ مانا جائے گا۔ اس کا یہ عزت کا مقام ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا کہ وہ کبھی کسی معاملہ میں گواہ بنے' حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک آیت بالا کا یہی مفہوم ہے اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا جو استثناء ہے ان کے نزدیک وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا سے استثناء نہیں ہے بلکہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے سے فسق کا حکم ختم ہو جائے گا لیکن فیما بین العباد وہ گواہ بننے کے بلند مقام سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی اپنی جانوں کے علاوہ گواہ نہ ہوں

اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ

تو یہ تہمت لگانے والا اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ یوں کہے کہ بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو

كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ

اگر میں جھوٹا ہوں، اور عورت کی سزا اس طرح ٹل جائے گی کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یوں کہے کہ

اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ

بلاشبہ یہ جھوٹوں میں سے ہے، اور پانچویں مرتبہ یوں کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ

الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

سچوں میں سے ہو اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ بلاشبہ اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے حکمت والا ہے تو تم بڑی مصیبتوں میں پڑ جاتے

جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں ان کے لئے لعان کا حکم

تفسیر: کوئی مرد عورت اگر کسی مرد عورت کو زنا کی تہمت لگا دے اور اپنی بات کے سچا ثابت کرنے کے لئے چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اس تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری ہوگی یعنی اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے (جس کی تفصیل اوپر گذری) لیکن اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہے کہ اس نے زنا کیا ہے اور عورت اس کو جھٹلائے اور شوہر کے پاس چار گواہ نہیں ہیں تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی بلکہ امیر المومنین یا قاضی لعان کا حکم دے گا یہ لفظ لعنت سے لیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرد عورت دونوں آپس میں قسمیں کھائیں اور ہر ایک ایسے الفاظ کہے جس سے خود اس کی اپنی ذات پر لعنت پڑتی ہو جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے زنا کیا ہے یا یوں کہا کہ یہ جو بچہ پیدا ہوا ہے مجھ سے نہیں ہے تو اب اس پر لازم ہے کہ چار گواہ پیش کرے اگر گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ زنا گواہوں کے سامنے نہیں کیا جاتا) اور عورت یوں کہے کہ اس نے مجھے تہمت لگائی ہے تو امیر المومنین یا قاضی شوہر سے کہے گا کہ تو لعان کر یا یہ اقرار کر کہ تو نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر وہ دونوں میں سے کسی بات پر راضی نہ ہو تو قاضی اسے بند کر دے گا یہاں تک کہ لعان کرنے پر راضی ہو جائے یا یوں کہے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے اگر اس دوسری بات کا اقرار کرے تو پھر اسے حد قذف لگائی جائے گی، اگر وہ اپنے نفس کو نہیں جھٹلاتا اور اسے برابر اس بات پر اصرار ہے کہ میری بیوی نے زنا کیا ہے تو قاضی دونوں کے درمیان لعان کرنے کا حکم دے گا۔

لعان کا طریقہ: لعان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرد کھڑا ہوگا اور چار مرتبہ یوں کہے گا **اشهد باللّٰه انی لمن الصادقين فما رميت هذه من الزنا** (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتا ہوں کہ میں اس عورت کے بارے میں جو کہہ رہا ہوں کہ اس نے

زنا کیا ہے میں اس بات میں سچا ہوں پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے لعنت الله علیه ان کان من الکذبین فیما رمٰی هذه من الزنا (اس عورت کے بارے میں جو میں نے کہا ہے کہ اس نے زنا کیا اس بارے میں اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو) پانچویں مرتبہ جب لفظ ھذہ (اس عورت) کے الفاظ ادا کرے تو ہر مرتبہ عورت کی طرف اشارہ کرے جب مرد پانچویں مرتبہ مذکورہ الفاظ کہہ چکے تو اس کے بعد عورت چار مرتبہ کہے اشھد بالله انه لمن الکاذبین فیما رمانی به من الزنا (میں اللہ کو گواہ بنا کر قسم کھاتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے اس بارے میں یہ جھوٹا ہے) پھر پانچویں مرتبہ یوں کہے ان غضب الله علیها ان کان من الصادقین فیما رمانی به من الزنا (مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ اپنی اس بات میں سچا ہو جو اس نے میری طرف زنا کی نسبت کی ہے)

جب دونوں لعان کرلیں تو اب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے گا۔ اور یہ تفریق کرنا طلاق بائن کے حکم میں ہوگا۔ اور اگر لعان اس لئے تھا کہ نومولودہ بچہ کے بارے میں شوہر نے یوں کہا تھا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو لعان کے بعد تفریق کرنے کے ساتھ ساتھ قاضی اس بچہ کا نسب اس مرد سے ختم کردے گا اور یہ حکم نافذ کردے گا کہ یہ بچہ اپنی ماں کا ہے۔ اس عورت کے شوہر کا نہیں ہے۔ لعان کرنے کے بعد اگر شوہر اپنی تکذیب کردے یعنی یوں کہہ دے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی تو پھر قاضی اسے حد قذف یعنی اسی کوڑے لگادے گا۔

حدیث کی کتابوں میں عویمر عجلانی اور ھلال ابن امیہ رضی اللہ عنہما کے اپنی اپنی بیوی سے لعان کرنے کا تذکرہ ملتا ہے صحیح بخاری ص ۷۹۹ وص ۸۰۰ اور صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۹۵ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ھلال بن امیہ نے جو اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہا کہ اس نے فلاں شخص سے زنا کیا ہے تو آیات لعان وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (الآیات) نازل ہوئیں۔

لعان کی کچھ شرائط ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی نابالغہ نہ ہو دیوانی نہ ہو اور شوہر نابالغ اور دیوانہ نہ ہو اور اگر گونگا شوہر اشاروں سے اپنی بیوی کو تہمت لگادے تو اس کی وجہ سے قاضی لعان کا حکم نہیں دے گا وفیه شرائط آخری۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ

بلاشبہ جو لوگ تہمت لے کر آئے یہ تم میں سے ایک جماعت ہے' تم اسے اپنے لئے شر نہ سمجھو' بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے'

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ

ان میں سے ہر شخص کے لئے گناہ کا وہ حصہ ہے جو اس نے کمایا' اور ان میں سے جس شخص نے بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے'

عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ

جب تم نے اس کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ اچھا گمان کیوں نہ کیا اور یوں کیوں نہ کہا

اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ

کہ یہ صریح تہمت ہے، وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، سو جب وہ گواہ نہ لائے تو وہ اللہ کے

عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

نزدیک جھوٹے ہیں، اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات میں تم لگے رہے

لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ

اس کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب واقع ہو جاتا، جب تم اس بات کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ

مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور تم اسے ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے، اور جب تم نے

اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

اس کو سنا تو یوں کیوں نہ کہا کہ یہ بات اس لائق نہیں ہے کہ ہم اسے اپنے منہ سے نکالیں سبحان اللہ یہ بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ

بہتان ہے، اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر کبھی بھی تم ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو، اور اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى

تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ بلا شبہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ جانتا ہے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اور تم نہیں جانتے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ بات کہ اللہ بڑا مہربان ہے بڑی رحمت والا ہے تو تم بھی نہ بچتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائے جانے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی براءت کا اعلان

تفسیر: ان آیات میں ایک واقعہ کا اجمالی تذکرہ ہے اور اس موقعہ پر جو منافقین نے برا کردار انجام دیا اس کا ذکر

ہے اور بعض مسلمان جو اپنی سادگی میں ان کے ساتھ ہو لئے اور بعض دیگر مسلمان جنہوں نے احتیاط سے کام نہ لیا ان کو تنبیہ اور نصیحت فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سفر میں تشریف لے جاتے اور ازواج مطہرات میں سے کسی کو ساتھ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈال لیتے تھے ۶ھ میں آپ غزوہ بنی مصطلق کے لئے تشریف لے گئے اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں یہ ایک ہودج میں سوار رہتی تھیں ہودج ایک قسم کا ڈبہ سا ہوتا تھا جس میں ایک دو آدمی بیٹھ سکتے تھے اس کو اونٹ کی کمر پر رکھ دیا جاتا تھا۔ واپسی میں جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور تھوڑی سی مسافت رہ گئی تو آخری شب میں روانگی کا اعلان کر دیا گیا یہ اعلان روانگی سے پہلے کر دیا جاتا تھا تا کہ اہل ضرورت اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب اعلان سنا تو قضائے حاجت کے لئے ذرا دور چلی گئیں (جنگل میں تو ٹھہرے ہوئے تھے ہی اور دیگر اصحاب حاجات بھی تھے جن میں مرد بھی تھے اس لئے دور جانا مناسب معلوم ہوا) واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے میں جو ہار تھا وہ کہیں گر گیا ہے اس کے تلاش کرنے کے لئے گئیں تو واپسی میں تاخیر ہو گئی اب جو اپنی جگہ واپس پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ اونٹ پر ہودج رکھنے والوں کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ یہ خالی ہے جیسے ہمیشہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے اسی طرح انہوں نے اس وقت بھی ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا انہیں یہ خیال نہ آیا کہ اس میں ام المومنین نہیں ہیں، جس کی وجہ خود حضرت عائشہ نے یہ بتائی کہ زیادہ خوراک کھانے کو نہیں ملتی تھی بدن ہلکا تھا زیادہ بوجھل نہیں تھا تو ہودج اٹھانے والوں کو خالی ہونے کا احساس نہ ہوا۔ ان کے اونٹ کو قافلہ کے دوسرے اونٹوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی جگہ تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ موجود نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھ دی وہ چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں اور یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب دیکھیں گے کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہیں واپس آئیں گے۔ ادھر ادھر کہیں جانے میں خطرہ ہے کہ آپ کو تلاش میں دشواری ہو۔ اسی اثنا میں ان کی آنکھ لگ گئی اور وہیں سو گئیں۔

صفوان بن معطل سلمی ایک صحابی تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کام پر مقرر فرمایا تھا کہ لشکر کی روانگی کے بعد پیچھے سے آیا کریں (اس میں یہ مصلحت تھی کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اٹھا کر لیتے آئیں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب وہ وہاں پہنچے جہاں میں سو رہی تھی تو انہیں ایک انسان نظر آیا انہوں نے دیکھ کر مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے نزول حجاب سے پہلے مجھے دیکھا تھا انہوں نے مجھے دیکھا تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا ان کی اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے چہرہ ڈھانک لیا (اس سے ان جاہلوں کی بات کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے) وہ قریب آئے اور اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا میں اونٹنی کے اگلے پاؤں پر اپنا قدم رکھ کر سوار ہو گئی اس کے بعد وہ اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے پیدل چلتے رہے دوپہر کے وقت میں لشکر کے پاس پہنچ گئے اس وقت لشکر پڑاؤ ڈال چکا

تھا۔ لشکر کے ساتھیوں میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا یہ منافقوں کا سردار تھا اس نے تہمت لگا دی (کہ یہ دونوں قصداً پیچھے رہ گئے تھے اور ان دونوں نے تنہائی میں کچھ کیا ہے) زیادہ بات کو اچھالنے اور لئے لئے پھرنے اور چرچا کرنے میں اس عبداللہ کا بڑا ہاتھ تھا اس کے ساتھ دوسرے منافق بھی تھے اور سچے مسلمانوں میں سے دو مرد اور ایک عورت بھی اس بات میں شریک ہو گئے تھے مرد تو حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ تھے اور عورت حمنہ بنت جحش تھیں یہ ام المومنین حضرت زینبؓ کی بہن تھیں۔

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ تو پہنچ گئے لیکن مجھے بات کا پتہ نہیں چلا میں بیمار ہو گئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وہ مہربانی محسوس نہیں کرتی تھی جو پہلے تھی آپ تشریف لاتے تھے تو گھر کے دوسرے افراد سے پوچھ لیتے تھے کہ اس کا کیا حال ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ باہر کیا باتیں چل رہی ہیں اسی اثنا میں یہ ہوا کہ میں مسطح کی والدہ کے ساتھ رات کو قضائے حاجت کے لئے نکلی اس وقت گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے۔ قضائے حاجت کے لئے آبادی سے باہر رات کے وقت میں جایا کرتے تھے، میں مسطح کی والدہ کے ساتھ جا رہی تھی کہ ان کی چادر میں ان کا پاؤں پھسل گیا ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ مسطح ہلاک ہو میں نے کہا یہ تو آپ نے ایسے شخص کے لئے برے الفاظ کہہ دیئے جو غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا، وہ یہ سن کر کہنے لگیں کیا تو نے سنا ہے جو لوگ کہہ رہے ہیں (ان کہنے والوں میں مسطح بھی تھے) اس کے بعد انہوں نے مجھے تہمت لگانے والوں کی باتیں بتائیں جس سے میرے مرض میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا جب میں اپنے گھر واپس آئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور حسب عادت اسی طرح دوسرے افراد سے دریافت فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جاؤں آپ نے اجازت دیدی تو میں اپنے میکے چلی آئی، والدہ سے میں نے پوچھا کہ لوگوں میں کیا باتیں چل رہی ہیں انہوں نے کہا کہ بیٹا تم تسلی رکھو جس عورت کی سوتنیں ہوتی ہیں اس کے ساتھ (حسد میں) ایسا ہوا ہی کرتا ہے میں نے کہا سبحان اللہ واقعی ایسا ہی ہو رہا ہے؟ یہ باتیں اڑائی جا رہی ہیں؟ اس کے بعد میں رات بھر روتی رہی ذرا دیر کو آنسو نہ تھمے اور مجھے ذرا سی نیند بھی نہ آئی اور اس کے بعد بھی روتے روتے یہ حال ہو گیا کہ میں نے سمجھ لیا کہ میرا جگر پھٹ جائے گا، اسی پریشان حال میں رات دن گذرتے رہے اور ایک مہینہ تک رسول اللہ ﷺ پر میرے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، میں سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور بری فرمادے گا اور خیال یوں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھ لیں گے جس میں اللہ تعالیٰ مجھے بری فرمادیں گے میں اپنے نفس کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں قرآن مجید میں کوئی آیت نازل ہوگی۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف رکھتے تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوگئی اور آپ کو پسینہ آ گیا جو وحی کے وقت آیا کرتا تھا یہ پسینہ ایسا ہوتا تھا کہ سردی کے دنوں میں بھی پسینے کے قطرے ٹپک جاتے تھے جو موتیوں کی طرح ہوتے تھے جب آپ کی یہ حالت دور ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے آپ نے سب سے پہلے یہ کلمہ فرمایا کہ اے عائشہ اللہ کی تعریف

کہ اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل فرما دی اس وقت جو آیتیں نازل ہوئیں ان کی ابتداء اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ سے تھی۔

مسطح جو تہمت لگانے والوں میں شریک ہو گئے تھے یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے (مسطح کی والدہ سلمی حضرت ابوبکرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں اس اعتبار سے مسطح ان کے بھانجے ہوئے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کا خیال رکھتے تھے اور ان پر مال خرچ کیا کرتے تھے جب حضرت عائشہؓ کی براءت کی آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھا لی کہ اللہ کی قسم میں اب مسطح پر کبھی بھی خرچ نہ کروں گا اس پر آیت شریفہ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ (آخر تک) نازل ہوئی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی اس کا خرچہ نہیں روکوں گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۴ و ج ۲ ص ۵۹۴ و ج ۲ ص ۶۹۶ بحذف بعض الاجزاء)

جو آیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں نازل ہوئیں ان کی ابتداء اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ سے ہے جن میں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ تہمت لیکر آئے ہیں یہ تم ہی میں کا ایک گروہ ہے روایات حدیث میں اس بارے میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا اور مخلص مسلمانوں میں حضرت حسان بن ثابت حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش کے نام مذکور ہیں۔ ان کو عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت نے تہمت لگائی ہے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین گو دل سے مسلمان نہیں تھا لیکن چونکہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں سے تھا اس لئے لفظ منکم میں اسے بھی شامل کر لیا گیا۔ (منافقین پر ظاہری طور پر اسلام کے احکام جاری ہوتے تھے اور وہ بھی اپنے کو اہل ایمان میں شمار کرتے تھے) بات کے اٹھانے اور پھیلانے میں تو عبداللہ بن ابی آگے آگے تھا اور سادہ لوحی کی وجہ سے مذکورہ بالا تین مخلص مسلمان بھی تہمت لگانے والی بات میں شریک ہو گئے تھے۔ بعد میں تینوں مخلصین تو تائب ہو گئے تھے لیکن عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین اپنی بات پر جمے رہے انہوں نے توبہ نہیں کی۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (تم اس تہمت والی بات کو اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ تمہارے لئے بہتر ہے) یہ خطاب آنحضرت سید عالم ﷺ کو اور حضرت عائشہ کو اور ان کے والدین کو حضرت صفوان کو اور تمام مؤمنین کو شامل ہے مطلب یہ ہے کہ یہ جو واقعہ پیش آیا ہے اسے اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ اپنے حق میں اسے اچھا سمجھو بظاہر واقعہ سے صدمہ تو پہنچا لیکن اس صدمہ پر صبر کرنے سے جو اجر ثواب ملا اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات ملیں ان سب میں تمہارے لئے خیر ہے اور اس میں حضرت صدیقہ اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہما کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی براءت نازل فرمائی یہ آیات قیامت آنے تک مدرسوں میں پڑھائی جاتی رہیں گی اور برابر نمازوں میں ان کی تلاوت ہوتی رہے گی۔

لِکُلِّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (ہر شخص کے لئے گناہ کا وہی حصہ ہے جو اس نے کمایا) یعنی ان

بارے میں جتنا جس نے حصہ لیا وہ اسی قدر گناہ کا مرتکب ہوا اور اسی تناسب سے عذاب کا مستحق بنا' سب سے بڑا گناہ گار وہ ہے جس نے اس بہتان کو تراشا اور اس کو آگے بڑھانے میں پیش پیش رہا۔ بعض سادہ لوح اس کے ساتھ بن گئے اور بعض سن کر خاموش رہ گئے انہیں خاموش رہ جانے کی بجائے فوراً تردید کرنا لازم تھا۔

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (اور ان میں جس نے اس بہتان میں بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے) جس نے بہتان میں بڑا حصہ لیا تھا وہ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین تھا عذاب عظیم سے دوزخ کا عذاب مراد ہے اور دنیا میں بھی اسے دوہری سزا دی گئی۔ صاحب روح المعانی نے بحوالہ معجم طبرانی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت براءت نازل ہوئی تو سرور عالم ﷺ مسجد میں تشریف لے آئے اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا انہوں نے لوگوں کو جمع کیا پھر آپ نے حاضرین کو آیت براءت سنائی اور آپ نے عبداللہ ابن ابی کو بلوایا اور اس پر دو حدیں جاری فرمائیں یعنی دوبارہ ۸۰'۸۰ کوڑے لگوائے اور آپ نے حسان اور مسطح اور حمنہ کو بھی بلایا ان پر بھی حد جاری فرمائی ان پر ایک حد جاری کی یعنی ہر ایک کو اسی کوڑے لگائے گئے۔

فقیل ان عبداللہ لم یحدولم یقرو هذا قول غیر صحیح لان عدم اتیانه باربعة شهداء کاف لا جراء حد القذف ولا ینظر فی ذلک الی الاقرار وقال بعضهم انه لم یحدا حد من اهل الافک وهذا ایضالا یصح لما ذکرنا ولان امیر المومنین اذاثبت عنده الحد لا یجوزله الغائه وکان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مبینا للاحکام بالقول والعمل ویبعد منه صلی اللہ لانه مامور من اللہ تعالیٰ ولما ان الالغاء الغاء لحق المقذوف ولا یظن به صلی اللہ علیه وسلم ان یمسک الحد عن من وجب علیه الحد ویبطل حق المقذوف.

(بعض نے کہا کہ عبداللہ پر حد نہیں لگائی گئی تھی اور نہ ہی اس نے اقرار کیا تھا جبکہ یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا چار گواہ نہ لانا حد قذف جاری کرنے کے لئے کافی ہے پھر اس میں اقرار کو نہیں دیکھا جاتا اور بعض نے کہا اہل افک میں سے کسی کو حد نہیں لگائی گئی اور یہ بات بھی مذکورہ علت کی وجہ سے صحیح نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ جب امیر المومنین کے نزدیک حد ثابت ہو جائے تو پھر اس کا التواء جائز نہیں ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و عمل دونوں کے ذریعہ احکام کو واضح کرنے والے تھے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حد ثابت ہو جانے کے بعد اسے لغو کرنا بعید ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں اور اس لئے بھی کہ حد کو ملتوی کرنا تہمت زدہ کے حق کو باطل کرنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حد کے مستحق سے حد کو ساقط کر دیں اور تہمت زدہ کے حق کو ضائع کر دیں)

پھر فرمایا لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ (جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنی جانوں کے بارے میں یہ گمان کیوں نہ کیا کہ یہ بات صریح جھوٹ ہے) اس میں ان مسلمان مردوں اور عورتوں کو بھی نصیحت ہے جو عبداللہ ابن ابی کی باتوں میں آ کر تہمت والی بات میں ساتھ لگ لئے تھے اور ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو بات سن کر چپ رہ گئے یا شک میں پڑ گئے یعنی سب پر لازم تھا کہ نیک گمان کرتے اور بات سنتے ہی یوں کہہ دیتے کہ یہ صاف اور صریح جھوٹ ہے اس میں یہ بتا دیا کہ جب کسی مومن مرد عورت پر تہمت لگائی جائے تو فوراً یوں کہہ دیں کہ یہ جھوٹ ہے اور حسن ظن سے کام لیں' بدگوئی میں بھی ساتھ نہ ہوں اور بدگمانی بھی نہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان مرد عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے اور جو شخص بلا دلیل شرعی کسی پر تہمت دھرے اس کی بات کو جھٹلانا اور رد کرنا بھی واجب ہے کیونکہ اس میں بلا وجہ مسلمان کی بے آبروئی ہے اور رسوائی ہے۔

حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے کسی مومن کی

حمایت کی کسی منافق کی بدگوئی سے اسے بچایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا۔ جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان کو عیب لگا دیا اللہ اسے دوزخ کے پل پر کھڑا کرے گا۔ یا تو اس سے نکل جائے یا وہیں کھڑا رہے گا (رواہ ابوداؤد) یعنی جس کو عیب لگایا تھا یا تو اسے راضی کرے یا اپنے کہے کی سزا پائے' یہاں عورتیں خاص کر دھیان دیں جو بات بات میں ایک دوسری کو چھنال' حرامزادی رنڈی فلاں سے پھنسی ہوئی کہہ دیتی ہیں' ساس بہو نند بھاوج کی لڑائیوں میں ایسا ہوتا رہتا ہے' اور بعض عورتیں تو اپنی لڑکیوں کو بھی نہیں بخشتی ہیں چھنال وغیرہ تو ان کا تکیہ کلام ہی ہو جاتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ جہالت سے بچائے)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے غائبانہ اپنے بھائی کی طرف سے دفاع کیا ہے (غیبت کے ذریعہ جس کا گوشت کھایا جا رہا تھا اس کی صفائی دی) اللہ تعالیٰ نے اس دفاع کرنے والے کے لئے اپنے اوپر یہ واجب کر لیا ہے کہ اسے دوزخ سے آزاد فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے گا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ سے دور رکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

آیت شریفہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ اھل ایمان کے بارے میں بدگمانی سے بچیں ایک حدیث میں ارشاد ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (کہ تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب باتوں میں جھوٹی چیز ہے) (رواہ البخاری) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے حسن الظن من حسن العبادۃ کہ نیک گمانی اچھی عبادت سے ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے یوں فرمایا لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (جب تم نے یہ بہتان والی بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنی جانوں کے بارے میں اچھا گمان کیوں نہیں کیا)

اس میں جو بانفسھم فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں اگر کسی مسلمان پر تہمت لگائی جائے تو سننے والے مسلمان یوں سمجھیں کہ یہ تہمت ہمیں ہی لگائی گئی ہے اور اس میں ہماری اپنی رسوائی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے سورہ حجرات میں ہے لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے چونکہ سب مسلمان ایک ہی ہیں اس لئے ایک کو تہمت لگنا یا لگانا سب کو تہمت لگانے کے ہم معنی ہے' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب اہل ایمان آپس میں مل کر ایسے ہیں جیسے ایک ہی شخص ہو اگر آنکھ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔ (رواہ مسلم) لہٰذا جب ایک مسلمان کو جسمانی اور روحانی تکلیف پہنچے یا کوئی تہمت لگائی جائے تو سب کو تڑپ اٹھنا چاہئے تکلیف دور کرنے کے لئے سب فکر مند ہوں اور جو

تہمت لگی ہے ہر شخص یوں سمجھے کہ یہ تہمت مجھے لگائی گئی ہے پھر تہمت لگانے والے کے بارے میں یوں بھی کہے کہ یہ جھوٹا ہے مسلمان کی حمایت بھی کرے اور اس کی طرف سے دفاع بھی کرے۔

لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (یہ لوگ اپنی بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (سو جب وہ گواہ نہ لائیں تو وہ اللہ کے نزدیک یعنی اس کے نازل فرمودہ قانون شرعی کے اعتبار سے جھوٹے ہیں) اس میں تہمت لگانے والوں کو تنبیہ ہے کہ بن دیکھے ایک مسلمان مرد اور ایک مسلمان عورت پر تہمت لگا رہے ہیں، جو لشکر سے پیچھے رہ گئے کیا لشکر سے پیچھے رہ جانا ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس کی طرف بری بات منسوب کی جائے نہ خود دیکھا اور نہ کسی اور شخص نے گواہی دی بس برائی کی تہمت لگا کر اچھالنا شروع کر دیا ان کا جھوٹا ہونا اسی سے ظاہر ہے۔ اگر کسی کو کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کے لئے چار عینی گواہ پیش کرے، گواہ نہ ہوں تو وہ قانون شرعی میں جھوٹا مانا جائے گا۔ اور اس پر حد قذف لگے گی جس کا پہلے رکوع میں ذکر ہو چکا ہے اس میں احکام اور قضاۃ کو بتا دیا کہ جو شخص کسی پر تہمت دھرے اس سے چار گواہ طلب کریں اگر وہ چار گواہ نہ لایا تو اس کو جھوٹا سمجھیں اور اس پر حد قائم کر دیں چونکہ یہ آبرو کا معاملہ ہے اس لئے اس کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی شرط رکھی گئی ہے اور دیگر حقوق کے ثابت کرنے کے لئے دو گواہوں پر کفایت کی گئی ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے جب یہ قانون شرعی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے تہمت لگانے والوں سے کیوں گواہ طلب نہ فرمائے۔ گواہ طلب فرماتے اور چونکہ وہ گواہ طلب کرنے سے عاجز تھے اس لئے دن کے دن تہمت لگانے والوں پر حد جاری فرما دیتے ایک مہینہ تک پریشانی میں مبتلا رہنے کی کیا ضرورت تھی، اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ایمان لانے کے باوجود کوئی شخص آپ کی طرف سے بدگمان ہو کر اور کوئی ایسا ویسا کلمہ زبان سے نکال کر کافر ہو جائے بات کا اٹھانے اور پھیلانے والا تو منافقوں کا سردار تھا لیکن تین مسلمان بھی اس کے ہمنوا ہو گئے تھے اور بعض مسلمان خاموش تھے بعض متردد تھے اگر بات سنتے ہی اس وقت چٹ پٹ حد لگا دی جاتی تو اندیشہ تھا کچھ لوگ یوں خیال کر لیتے یا زبان سے کہہ دیتے کہ دیکھا چونکہ اپنا معاملہ تھا اس لئے بات کہنے والوں کی پٹائی کر کے دبا دیا اگر کوئی ایسا کہتا تو کافر ہو جاتا لوگوں میں سب طرح کے آدمی ہوتے ہیں ضعیف الایمان بھی پائے جاتے ہیں اور اس وقت مولفۃ القلوب بھی تھے اس لئے آپ نے ضعیف الایمان لوگوں کو ایمان باقی رکھنے کے لئے اپنی جان پر تکلیف برداشت فرمائی اور معاملہ کی تحقیق فرمائی پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل ہو گئی تو سب کو ماننا پڑا اور آپ نے بھی حد جاری فرما دی۔

یہ بات ہر عقلمند آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جب کسی کی بیوی کو تہمت لگائی جائے اور وہ غلط بھی ثابت ہو جائے تو وہ اسے اپنی کتاب میں ذکر نہیں کر سکتا رسول اللہ ﷺ کی چہیتی بیوی کو تہمت لگائی گئی تو اس کا ذکر قرآن مجید میں نازل ہو گیا اگر قرآن مجید اللہ کی کتاب نہ ہوتی یا آپ کی لکھی ہوئی ہوتی یا آپ کو کسی آیت یا مضمون کو چھپانے کا اختیار ہوتا تو آپ تہمت والے

مضمون کو باقی نہ رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید نہ آپ کی لکھی ہوئی کتاب ہے اور نہ آپ کو کسی آیت یا مضمون کے چھپانے کا اختیار تھا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا حکم الٰہی کے مطابق اللہ کے بندوں تک پہنچایا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ یہ آیت ان مومنوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بے احتیاطی کی وجہ سے اس تہمت میں کسی قسم کی شرکت کر بیٹھے تھے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان پر رحم فرمایا کہ توبہ کی توفیق دے دی اور آخرت کی معافی کا بھی وعدہ فرمایا اگر اللہ کی طرف سے توبہ کی توفیق نہ ہوتی تو جس شغل میں لگے تھے اس کی وجہ سے بڑا عذاب آ جاتا۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (جبکہ تم اس بات کو ایک دوسرے کے منہ سے سنتے تھے اور اپنے منہ سے نکالتے تھے اور ایسی بات کر رہے تھے کہ جس کا تمہیں علم نہیں اور تم خیال کر رہے تھے کہ یہ ہلکی بات ہے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے) یعنی جو کوئی کسی پر تہمت رکھی جائے اسے سننا لے اڑنا دوسروں تک پہنچانا بڑا گناہ ہے اور اس بات کو ہلکا سمجھنا سخت غلطی کی بات ہے اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جب کسی کے بارے میں کوئی تہمت کی بات کہی جائے تو اسے نقل کر کے اپنی ذات کو یوں کہہ کر بے قصور قرار دینا کہ ہم نے تو تہمت نہیں گڑھی تم نے تو سنی ہوئی بات نقل کی ہے یہ بھی ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے تہمت والی بات کو نقل کرنا ہی گناہ ہے اور بڑا گناہ ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا جب اس بات کو سنا تو تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ ہم اس بات کو اپنی زبان پر نہیں لا سکتے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (یعنی تمہیں اس بات کو سنتے ہی تعجب سے یوں کہنا چاہئے کہ سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے) اس میں مسلمانوں کو یہ بتایا کہ تہمت والی خبر سنتے ہی صاف کہہ دیں کہ ہم اسے زبان پر نہیں لا سکتے یہ تو بہتان عظیم ہے۔ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو پھر ایسی حرکت مت کرنا)

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ تمہارے لئے واضح طور پر آیات بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے) اس میں حد قذف قبول توبہ نصیحت موعظت سب داخل ہیں جن کو ندامت تھی ان کی توبہ قبول فرمالی اور حد جاری کرنے میں حکمت تھی اس لئے حد بھی جاری کرا دی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (بلاشبہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے) وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے) اس آیت میں بطور قاعدہ کلیہ ایک بات بتادی اور یہ فرمایا کہ جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں

دردناک عذاب ہے جن لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے میں حصہ لیا اس میں ان کو بھی تنبیہ ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی تنبیہ ہے تہمت لگانا تو گناہ ہے ہی اگر کوئی شخص کسی کو تہمت لگادے یا کسی شخص سے بے حیائی کا گناہ صادر ہو ہی جائے اور اس کا کسی کو پتہ چل جائے تب بھی اس بات کو نہ اچھالے گناہ گار کی پردہ پوشی کرے ہاں سمجھانے کا اہل ہو تو اصلاح کی نیت سے احسن طریقہ پر سمجھا دے اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص نے بے حیائی کا کام کیا ہے تو امیر المومنین یا قاضی حسب قانون شرعی حد جاری کردے اس حد جاری کرنے میں بھی بے حیائی کی روک تھام ہے بے حیائی کا عملی طور پر پھیلانا یا کسی بے حیائی والے کام کا چرچا کرنا اور شہرت دینا یہ سب یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ میں داخل ہے جو لوگ ایسی حرکت کریں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں عذاب الیم کی وعید بیان فرمائی۔

آج کل فواحش اور منکرات کا زور ہے یہود و نصاریٰ مسلمانوں میں بے حیائی کا رواج دینے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمان خود بھی ایسی ایسی فلمیں دیکھتے اور بناتے ہیں اور ایسے ایسے اخبار و رسالے شائع کرتے ہیں اور ایسے ایسے ناول اور افسانے لکھتے ہیں جن سے مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہوتا ہے ان سب کو لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کی وعید شامل ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل ہے اور رحمت ہے اور یہ بات کہ اللہ رؤف ہے رحیم ہے تو تم بھی نہ بچتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ

اے ایمان والو شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو، اور جو شخص شیطان کے قدموں کے پیچھے

الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

چلتا ہے سو وہ بے حیائی کے کاموں کا اور برائیوں کا حکم دیتا ہے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا

تو تم میں سے کبھی بھی کوئی شخص پاک نہ ہوتا، لیکن اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اور جو

يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

لوگ تم میں سے بڑے درجے والے اور وسعت والے ہیں وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

مال نہ دینے کی قسم نہ کھالیں اور معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے اللہ تمہیں بخش دے، اور اللہ بخشنے والا

رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

مہربان ہے۔ بلاشبہ جو لوگ بے خبر مومن عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کر دی گئی

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا

اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، جس روز ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو یہ لوگ

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ

کیا کرتے تھے اس دن اللہ ان کو پوری سزا دے گا جو ان کی واقعی سزا ہوگی اور وہ لوگ جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ حق ہے اور ظاہر

الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ

فرمانے والا ہے۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ

لِلطَّيِّبٰتِ ۚ أُولٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

عورتوں کے لائق ہیں یہ لوگ اس سے بری ہیں جو تہمت لگانے والے کہتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے۔

شیطان کے اتباع سے بچو، خیر کے کام سے بچنے کی قسم نہ کھاؤ، بہتان لگانے والوں کے لئے عذاب عظیم ہے پاکیزہ لوگوں کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے

تفسیر: یہ چھ آیات ہیں ان کا تعلق بھی انہی مضامین سے ہے جو سورۃ کے شروع سے لیکر اب تک بیان کئے گئے۔

پہلی آیت میں اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کرو۔ یعنی اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلو جو شخص شیطان کا اتباع کرے گا یعنی اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا شیطان اسے برباد کر دے گا کیونکہ وہ بے حیائی کے کاموں کا اور طرح طرح کی برائیوں کا حکم دیتا ہے جس نے اس کی بات مانی وہ گمراہی کے گڑھے میں گرا، پھر اگر توبہ نہ کی تو ہلاک ہوا۔ پھر فرمایا کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی توفیق ہی نہ ہوتی جیسا کہ منافقین نفاق پر بھی اڑے رہے حضرت صدیقہ کو تہمت لگائی اس پر بھی جمے رہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَنْ يَّشَآءُ (اور لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بنا دیتا ہے) گناہ گاروں کو توبہ کی توفیق دے دیتا ہے اور جس پاک دامن کو تہمت لگا دی جائے اس کی برأت کا راستہ نکال دیتا ہے وَاللّٰهُ

سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) ہر شخص کی اچھی بری بات کو سنتا ہے اور ہر ایک کے ہر عمل کو جانتا ہے۔

دوسری آیت وَلَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَالسَّعَةِ میں یہ فرمایا کہ تم میں سے بڑے درجے والے اور وسعت والے ایسی قسمیں نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہ کریں گے' پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ دار مسطح بن اثاثہ پر مال خرچ کیا کرتے تھے جب مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمادی تو حضرت ابوبکر صدیق نے قسم کھالی کہ اب تجھ پر خرچ نہ کروں گا۔ اس پر آیت کریمہ وَلَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ (آخر تک) نازل ہوئی تفسیر درمنثور میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو اور درگذر کا حکم ہوا اور اللہ نے یوں بھی فرمایا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَکُمۡ (کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں مغفرت فرمائے) تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کو بلایا اور انہیں یہ آیت سنائی اور فرمایا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَکُمۡ (کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے) حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں تو ضرور یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لہٰذا تم معاف کرو درگذر کرو اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم اب تو یہ ضروری بات ہوگئی کہ آج سے پہلے میں جو کچھ مسطح پر خرچ کیا کرتا تھا اسے نہیں روکوں گا وہ بدستور جاری رہے گا۔ درمنثور میں ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مسطح پر اس سے دوگنا خرچ فرمایا کرتے تھے جو پہلے خرچ کرتے تھے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضرت ابو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کوئی قسم کھالوں پھر قسم کی خلاف ورزی کرنے میں خیر دیکھوں تو قسم کا کفارہ دے دوں گا اور جو بہتر کام ہے اسی کو کروں گا۔

درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ تھے جن لوگوں نے اپنے ان رشتہ داروں کا خرچہ بند کرنے کی قسم کھالی تھی جنہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں کچھ حصہ لیا تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے سب کو تنبیہ کی اور آیت بالا نازل فرمائی۔ (ج ۵ ص ۳۴، ۳۵)

تیسری اور چوتھی اور پانچویں آیت میں پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانے والوں کی سزا اور دنیا اور آخرت کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا اوّل تو یہ فرمایا کہ جو لوگ ان عورتوں کو تہمت لگاتے ہیں جو پاک دامن ہیں اور برے کاموں سے غافل ہیں اور مومن ہیں ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے' پھر فرمایا کہ ان کی بدحرکتوں کا ثبوت قیامت کے دن خود ان کے اپنے اعضاء کی گواہی سے ہوگا۔ قیامت کے دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو کام وہ لوگ دنیا میں کیا کرتے تھے' زبان کہے گی اس نے مجھے فلاں فلاں بری باتوں میں استعمال کیا اور ہاتھ پاؤں کہیں گے کہ اس نے ہمیں گناہ گاری کے فلاں فلاں کام میں استعمال کیا۔

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ سورۂ یٰس میں اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ فرمایا (کہ ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے) اور سورۂ نور میں فرمایا ہے یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ فرمایا (کہ ان کی زبانیں گواہی دیں گی) اس میں بظاہر تعارض ہے' اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف اوقات میں ہوگا بعض اوقات میں زبانیں گونگی ہو جائیں ان پر مہر لگادی جائیں گی کچھ بول نہ سکیں گے پھر بعد میں زبان کو بولنے کی طاقت دیدی جائے گی اور جس کی زبان تھی خود زبان اس کے خلاف گواہی دیگی۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ (الآیۃ) اس روز اللہ تعالیٰ ان کا پورا پورا بدلہ دے دیگا جو ان کا واقعی بدلہ ہوگا۔ یہ بدلہ عذاب کی صورت میں سامنے آئے گا اور اس دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی اللہ تعالیٰ صحیح اور ٹھیک فیصلہ دینے والا ہے اور وہ حقیقت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ یہاں دنیا میں اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میرے اعمال کا محاسبہ نہیں ہوگا یہ اس کی جہالت اور ضلالت کی بات ہے قیامت کے دن جب محاسبہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے فیصلے سامنے آجائیں گے جو بالکل حق اور صحیح ہونگے' مجرمین یہ جان لیں گے کہ ہمارا یہ سمجھنا کہ ہماری حرکتوں کا کسی کو پتہ نہ چلے گا غلط نکلا اللہ تعالیٰ نے سب کو ظاہر فرمادیا۔

یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں ہیں جنہوں نے آیات برأت نازل ہونے کے بعد بھی توبہ نہ کی اور تہمت والی بات سے باز نہ آئے۔

چھٹی آیت میں یہ فرمایا کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں' اس میں اول تو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طبیعتوں میں جوڑ رکھا ہے گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے اور بدکار مرد گندی اور بدکار عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اس طرح پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کی طرف اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اسی طبعی اور رغبت کی مناسبت کی وجہ سے اچھوں کو اچھا جوڑا مل جاتا ہے اور بروں کو برا جوڑا حاصل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوگیا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو اللہ تعالیٰ نے بیویاں عطا فرمائیں وہ پاکیزہ بیویاں تھیں رسول اللہ ﷺ جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں ان کی ازواج بھی طاہرات اور مطہرات اور پاکیزہ ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں سردار انبیاء ﷺ کی زوجیت کا شرف عطا فرمادیا تو اب ان کے بارے میں بری بات کا خیال کرنا اور زبان پر لانا رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس پر حملہ کرنے کے مترادف ہوا۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں (جنہوں نے بری بات کو اٹھایا اور آگے بڑھایا اور پھیلایا اور پھر آیت قرآنیہ نازل ہونے پر بھی توبہ نہ کی) لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فرمادیا اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ (یہ پاکیزہ مرد اور پاکیزہ عورتیں ان چیزوں سے بری ہیں جو لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں یعنی تہمت لگاتے ہیں) لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ (ان کے لئے گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے) یعنی ان کے لئے جنت ہے جس میں عزت کے ساتھ کھائیں گے۔

مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کی تصریح کے ساتھ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی برأت کی بھی تصریح آ گئی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۳۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے چند چیزوں پر فخر ہے پھر اس کو اس طرح بیان فرماتی تھیں (۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے علاوہ کسی بکر یعنی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا (۲) رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ میری گود میں تھے۔ (۳) اور آپ میرے گھر میں دفن ہوئے۔ (۴) اور آپ کے اوپر (بعض مرتبہ) ایسی حالت میں وحی آتی تھی کہ آپ میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہوتے تھے۔ (۵) اور آسمان سے میری برأت نازل ہوئی۔ (۶) میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اور دوست (یار غار) کی بیٹی ہوں۔ (۷) اور میں پاکیزہ پیدا کی گئی۔ (۸) اور مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا۔

اور الاصابہ میں بحوالہ طبقات ابن سعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یوں نقل کیا ہے کہ مجھے چند ایسی نعمتیں عطا کی گئی ہیں جو میرے علاوہ کسی اور عورت کو نصیب نہیں ہوئیں۔ (۱) میں سات سال کی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا ہے۔ (۲) فرشتہ میری صورت آپ کے پاس ایک ریشمین کپڑے میں لیکر آیا تا کہ آپ ﷺ مجھے دیکھ لیں۔ (۳) میں نو سال کی تھی جب زفاف ہوا۔ (۴) میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا۔ (۵) میں بیویوں میں آپ کی سب سے زیادہ محبوب تھی۔ (۶) میں نے آپ کی آخری حیات میں آپ کی تیمارداری کی میرے ہی پاس آپ کی وفات ہوئی آپ کی وفات کے وقت میرے اور فرشتوں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ (انتھی) وراجع الدر المنثور ج ۵ ص ۳۲

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچہ کو قوت گویائی دی اور اس نے ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت مریم علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جبکہ وہ گود ہی میں تھے) ان کی برأت ظاہر کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی اور ان کی برأت ظاہر فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد آیات نازل فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جو تہمت لگائی گئی تھی قرآن مجید میں ان کی برأت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو جھوٹا قرار دیا اور جنہوں نے آیت نازل ہونے کے بعد بھی اعتقاد تہمت سے توبہ نہ کی ان کے لئے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں ملعون ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے لئے عذاب عظیم ہے اور یہ بھی فرمایا ان کی حرکت کا اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اس سب کے باوجود مدعیان اسلام میں جو شیعہ فرقہ ہے وہ یہی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر جو تہمت لگائی تھی وہ صحیح تھی اور ساتھ ہی یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ جب امام مہدی تشریف لائیں گے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر سے نکال کر حد لگائیں گے (العیاذ باللہ) یہ لوگ آیت قرآنیہ کے منکر اور مکذب ہونے کی وجہ سے کافر ہیں اور لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کا مصداق ہیں قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ

اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ انسیت حاصل نہ کرلو اور ان گھروں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى

یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرلو۔ سو اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو اس وقت تک ان میں داخل نہ ہو جب تک

يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

تمہیں اجازت نہ دی جائے سو اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لئے خوب زیادہ پاکیزگی کی چیز ہے، جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ جاننے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہیں ان میں تمہارے استعمال کرنے کی کوئی چیز ہو۔ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

دوسروں کے گھر جانے میں اندر آجانے کی اجازت لینے کی ضرورت اور اہمیت استیذان کے احکام و آداب

تفسیر: یہاں سے سورہ نور کا تیسرا رکوع شروع ہو رہا ہے شروع سورت سے فواحش اور بے حیائی کی روک تھام اور بے حیائی والے کام کی سزا اور تہمت لگانے والے کی سزا کا اور تہمت لگانے کی مذمت کا بیان تھا۔ جو فواحش اور منکرات ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ یوں ہی آن واحد میں موجود نہیں ہو جاتے' ان سے پہلے کچھ ایسے اسباب اور دواعی ہوتے ہیں جو قریب کرتے کرتے ایک دن بے حیائی کے کام پر ڈال دیتے ہیں ان میں ایک بہت بڑا سبب ایسی جگہ نظر کا پڑ جانا بھی ہے جہاں نظر کا ڈالنا ممنوع ہے نظر کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ' نے گھروں میں داخل ہونے کے واسطے اجازت لینے کا حکم دیا ہے اور ان آیات میں اجازت لینے کا قانون بتایا ہے' ارشاد فرمایا ہے کہ جو گھر تمہارے نہیں ہیں (یعنی جن میں تم نہیں رہتے) ان میں انسیت حاصل کئے بغیر داخل مت ہو۔ انسیت حاصل کرنے سے اجازت لینا مراد ہے مفسرین نے اس کی تفسیر حَتّٰى تَسْتَاْذِنُوْا سے کی ہے' جو شخص اندر آنا چاہتا ہے اجازت لیتا ہے نام بتاتا ہے وہ صاحب خانہ سے مانوس ہوتا ہے اور انہیں اپنی ذات سے مانوس کرتا ہے اس لئے حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا فرمایا اور ساتھ ہی وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا بھی فرمایا یعنی اجازت لینے کے ساتھ سلام کرنے کا حکم دیا ایک صحابی سلام کئے بغیر اور اجازت

لیے بغیر رسول اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہو گئے آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور یوں کہو السلام علیکم ادخل (تم پر سلام ہو کیا میں داخل ہو جاؤں) رواہ ابوداؤد

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا تاذنوا لمن لم یبدا بالسلام (اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو جو سلام سے ابتدا نہ کرے) مشکوۃ المصابیح ص ۴۰۱

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ (سو اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے) خالی گھر دیکھ کر اندر نہ چلے جاؤ کیونکہ اولاً تو یہ احتمال ہے کہ اس میں اندر کوئی آدمی موجود ہو لیکن تمہیں پتہ نہ چلا ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر مکان خالی ہی ہو تب بھی بلا اجازت اندر چلا جانا درست نہیں ہے کیونکہ یہ دوسرے کی ملک میں ایک طرح کا بلا اجازت تصرف کرنا ہوگا' جس گھر میں یہ احتمال ہے کہ کوئی شخص اندر نہیں ہے جب اس میں بلا اجازت اندر جانا ممنوع ہے تو جس مکان میں کسی مرد یا عورت کے موجود ہونے کا علم ہو اس میں بلا اجازت اندر جانا کیسے جائز ہوگا؟ اس کے بعد فرمایا وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ (اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لئے پاکیزہ ترین بات ہے)

اس آیت میں یہ بتا دیا کہ جب کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت مانگو اور اندر سے یوں کہہ دیا جائے کہ واپس تشریف لے جایئے۔ (اس وقت موقع نہیں ہے یا ہماری اور آپ کی ایسی بے تکلفی نہیں جس کی وجہ سے اندر بلائیں زبان قال سے کہیں یا زبان حال سے محسوس ہو یا اور کوئی سبب ہو) تو واپس ہو جائیں اس میں خفت اور ذلت محسوس نہ کریں یہ جو فرمایا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ اس میں بتا دیا کہ جب اجازت مانگنے پر واپس ہونے کو کہہ دیا جائے تو واپس ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہیں دھرنا دیکر بیٹھ جائے اور وہاں سے نہ ٹلے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی۔ اگر پہلی ہی بار اندر سے جواب مل جائے تو آگے اجازت لینے کی فکر ہی میں نہ پڑے کیونکہ اس سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوگی اور اگر پہلی بار اجازت لینے پر واپس ہونے کو کہہ دیا گیا تو اب اندر آنے کی ممانعت کے بعد بھی اجازت پر اصرار کرے تو اسے ذلیل ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

جب کسی گھر میں اندر جانے کی اجازت مانگی اور کوئی اندر سے نہ بولا پھر دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا اور تیسری بار بھی تو واپس ہو جائے۔ رسول اللہ علیہ کا ارشاد ہے اذا استاذن احدکم ثلاثا فلم یؤذن له فلیر جع (تم میں سے کوئی جب تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اسے اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے) (رواہ البخاری ص ۹۲۳)

ایک مرتبہ رسول علیہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے آپ نے تین بار اجازت طلب فرمائی اندر سے جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے اندر سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ جلدی سے نکلے اور آپ کو اندر لے گئے اور آپ کی خدمت میں کھانے کے لئے کشمش پیش کئے۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۶۹)

اس سے معلوم ہوا جب تین بار اجازت طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملے تو اس کے بعد اجازت لینے کے لئے چیختے رہنا مسلسل گھنٹیاں بجانا کواڑ پیٹنا یہ سب خلاف شریعت ہے اس میں اپنی جان کو بھی بے آبرو ہونے کے لئے پیش کرنا ہے اور صاحب خانہ کو بھی دکھ دینا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡہَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ (اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ایسے گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہ ہو ان میں تمہارے استعمال کرنے کی کوئی چیز ہو) وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ (اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو) اس آیت میں ان گھروں میں اجازت طلب کئے بغیر اندر جانے کی اجازت دیدی جن میں عموماً سب کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے اور جو کسی خاص فرد یا خاندان کی رہائش کے لئے مخصوص نہیں ہوتے جیسے رباطیں اور مسافر خانے اور مدرسے خانقاہیں، ہسپتال ان میں اصول شریعت کے مطابق آنے جانے والوں کو نفع حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے ان میں داخل ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہاں مسجد میں امام کا کمرہ مدرسوں میں طلبہ کے حجرے خانقاہوں میں ذاکرین کے خاص غرفے اداروں کے دفاتر جن میں سب کو آنے کی اجازت نہیں ان میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا ضروری ہے تفسیر جلالین میں بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡہَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے ای منفعته لكم باستكنان وغيره لبيوت الربط والخانات المسبلة (یعنی تمہارے لئے اس میں چھپانے وغیرہ کا فائدہ ہو) (معالم التنزیل ج ۳ ص ۳۳۷)

حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے۔ هى الحانات والبيوت والمنازل المبنيه للسابلة لياووا اليها ويؤووا امتعتهم اليها فيجوز دخولها بغير استئذان والمنفعة فيها بالنزول وايواء المتاع والاتقاء من الحر والبرد (اس سے مراد دکانیں، گھر اور راستوں پر بنی ہوئی سرایوں میں تاکہ ان میں داخل ہوں اور اپنے سامان اس میں رکھیں پس ان میں بغیر اجازت داخل ہونا جائز ہے اور ان میں نفع ٹھہرنے، سامان رکھنے اور سردی گرمی سے بچنے کا ہوتا ہے)

اور حضرت عطاء نے بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡہَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے مراد ان گھروں سے ٹوٹے پھوٹے گرے پڑے ویران ہیں اور متاع سے قضائے حاجت مراد ہے مطلب یہ کہ ٹوٹے پھوٹے ویران کھنڈر گھروں میں پیشاب پاخانہ کی حاجت پورا کرنے کے لئے جاؤ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے (ذكره فى معالم التنزيل ايضا)

تفسیر درمنثور میں نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قریش کے تاجر مکہ مدینہ اور شام اور بیت المقدس کے درمیان سفر کرتے ہیں اور راستوں میں گھر بنے ہوئے ہیں انہیں میں ٹھہر جاتے ہیں ان میں کوئی رہتا ہی نہیں ہے تو کس سے اجازت لیں کس کو سلام کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ نازل فرمائی اور مذکورہ گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت دیدی (درمنثور ج ۵ ص ۴۰)

احادیث شریفہ میں استیذان کے احکام و آداب

ذیل میں چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے جن میں کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت لینے کے احکام و آداب مذکور ہیں حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی خاندان کے دروازہ پر تشریف لاتے

(اور اجازت لینے کے لئے کھڑے ہوتے) تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے' بلکہ اس کے دائیں جانب یا بائیں جانب کھڑے ہو کر السلام علیکم فرماتے تھے اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہیں تھے۔ (رواہ ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ جب اندر آنے کی اجازت لینے لگے تو اپنی نظر کی حفاظت کرے تاکہ کھلے دروازہ کے اندر سے یا کواڑوں کی شگاف سے اندر نظر نہ جائے' حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جو کسی کے لئے حلال نہیں ہیں (۱) کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ کچھ لوگوں کا امام بنے پھر دعا کرنے لگے تو انہیں چھوڑ کر اپنے ہی نفس کو دعاء کے لئے مخصوص کر لے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کی خیانت کی ۔(۲) اور اجازت سے پہلے کسی گھر کے اندر نظر نہ ڈالے اگر ایسا کیا تو اس گھر کے رہنے والوں کی خیانت کی (۳) اور کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے جب کہ پیشاب پاخانہ کو روکے ہوئے ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دروازہ کے سوراخ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں نظر ڈالی اس وقت آپ کے ہاتھ میں کنگھی کی قسم کی ایک چیز تھی جس سے سر مبارک کو کھجا رہے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے دیکھ رہا تو اس کنگھی کرنے کی چیز سے تیری آنکھوں کو زخمی کر دیتا' اجازت تو نظر ہی کی وجہ سے رکھی گئی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۲۲)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ دَخَلَ یعنی جس نے اندر نظر ڈال دی تو وہ تو داخل ہی ہو گیا (رواہ ابوداؤد) مطلب یہ ہے کہ دیکھ رہا ہے تو اجازت کیوں لے رہا ہے اجازت اسی لئے رکھی گئی ہے کہ صاحب خانہ اپنے خانگی احوال کو دکھانا نہیں چاہتا۔ جب اجازت سے پہلے دیکھ لیا تو گویا اندر ہی چلا گیا۔

جب اجازت لینے کے لئے کسی کا دروازہ یا گھنٹی بجائے اور اندر سے کوئی سوال کرے کہ کون ہے تو واضح طور پر اپنا نام بتا دے اور اہل خانہ نام سے بھی نہ پہنچانتے ہوں تو اپنا صحیح پورا تعارف کرا دے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں اپنے والد کی قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ نے اندر سے فرمایا کون ہے؟ میں نے جواب میں عرض کر دیا انا (یعنی میں ہوں) آپ نے کراہت کے انداز میں فرمایا انا انا (رواہ البخاری ص ۹۲۳) مطلب یہ ہے کہ میں میں کرنے سے اہل خانہ کیا سمجھیں کہ کون ہے میں تو ہر شخص ہے۔

جس گھر میں کوئی شخص خود اکیلا ہی رہتا ہو اس میں تو اسے کسی استئذان یعنی اجازت لینے کی ضرورت نہیں دروازہ کھولے اندر چلا جائے۔ لیکن جس گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہیں اگر چہ اپنے محارم ہی ہوں (والدین بہن بھائی وغیرہ) تب بھی اندر جانے کی اجازت لے حضرت عطاء بن یسار (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کیا میں اپنی والدہ کے پاس بھی اجازت لیکر جاؤں آپ نے فرمایا ہاں اندر جانے کے لئے والدہ سے بھی اجازت لو اس شخص نے کہا میں تو والدہ کے ساتھ گھر میں رہتا ہی ہوں آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس سے اجازت لیکر اندر جاؤ' اس شخص نے کہا

کہ میں اپنی والدہ کا خدمت گذار ہوں (جس کی وجہ سے اکثر اندر آنا جانا پڑتا ہے) آپ نے فرمایا بہر صورت اجازت لیکر داخل ہو کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھ لے اس نے کہا یہ تو پسند نہیں ہے آپ نے فرمایا بس تو اس کے پاس اجازت لیکر جاؤ۔ (رواہ مالک وھو حدیث مرسل)

اگر کسی گھر میں صرف میاں بیوی رہتے ہوں تب بھی مستحب یہ ہے کہ بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے داخل ہونے سے پہلے کھانس سے کھنکار سے یا پاؤں کی آہٹ سے باخبر کردے کہ میں آرہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے بیان کیا کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر میں آتے تو دروازے سے باہر کھنکار کے پہلے سے اپنے آنے کی اطلاع دے دیتے تھے تاکہ وہ ہمیں ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو ناپسند ہو۔ (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ)

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بیوی یہ سمجھ کر میاں کو جلدی آنا نہیں ہے بناؤ سنگار کے بغیر گھر میں رہتی ہے ایسی حالت میں اچانک شوہر کی نظر پڑ جائے تو ایک طرح کی وحشت معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کے امور کی وجہ سے اسے بھی مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے کہ جس گھر میں صرف بیوی ہو اس میں بھی کسی طرح اپنی آمد کی اطلاع دیکر داخل ہو گو میاں بیوی کا آپس میں کوئی پردہ نہیں ہے۔

عورتیں بھی عورتوں کے پاس اجازت لیکر جائیں کیونکہ معلوم نہیں کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کس حال میں ہے عورت کو بھی دوسری عورت کے جسم کے ہر حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے اگر وہ غسل کر رہی ہو یا کپڑے بدل رہی ہو تو بلا اجازت اس کے گھر میں داخل ہونے کی صورت میں بدن کے اس حصہ پر نظر پڑ جانے کا احتمال رہے گا جسے دوسرے عورت کو شرعاً دیکھنا جائز نہیں ہے (اس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی) پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جس عورت کے پاس جانا ہے وہ کسی ایسی شغل میں ہو جس کی وجہ سے بات کرنے کی فرصت نہ ہو یا اپنی مشغولیت سے کسی عورت کو باخبر کرنا مناسب نہ جانتی ہو تفسیر ابن کثیر میں حضرت ام ایاس سے نقل کیا ہے کہ ہم چار عورتیں تھیں جو اکثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا کرتی تھیں گھر میں جانے سے پہلے ہم ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کیا کرتے تھے جب اجازت دیتی تھیں تو ہم اندر چلے جاتے تھے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اجازت لینے والے کی آواز باہر سے پہنچ سکتی ہے ایسی صورت میں اجازت لینے والے کو السلام علیکم کہہ کر اور اپنا نام بتا کر اجازت لینا چاہئے تاکہ اندر سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے کہ تم کون ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لئے گئے تو باہر سے یوں کہا **السلام علیکم ھذا عبداللہ بن قیس السلام ھذا ابو موسیٰ السلام علیکم ھذا الاشعری** (رواہ مسلم ج ۲ ص ۲۱۱)

اگر کسی شخص کو بلا کر بھیجا ہو اور جسے بلایا ہو وہ اسی وقت قاصد کے ساتھ آ گیا اور قاصد بغیر اجازت اسے اپنے ساتھ اندر لیجانے لگے تو اس صورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ **فقد روی ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا دعی احدکم فجاء مع الرسول فان ذلک لہ اذن** (رواہ ابو داؤد) (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو اس کے لئے یہی اجازت ہے) (وجہ اس کی یہ ہے کہ جو بلانے گیا

ہے وہی ساتھ لیکر اندر داخل ہو رہا ہے اسے معلوم ہے کہ اندر بلا اجازت چلے جانے کا موقع ہے)

فائدہ: (۱) بعض متعلقین سے بہت زیادہ بے تکلفی ہوتی ہے اور ایسے دوست کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جاؤں گا تو صاحب خانہ کو تکلیف نہ ہوگی اور یہ موقع عورتوں کے پاس ہونے کا اور کسی راز کی بات کا نہیں ہے۔ ایسا شخص اپنے دوست کی عام اجازت پر (جو خاص طور سے اسے دی گئی ہو) نئی اجازت لئے بغیر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے لئے میرے پاس آنے کی بس یہی اجازت ہے کہ تمہیں میری آہستہ کی آواز سنکر یہ پتہ چل جائے کہ میں اندر موجود ہوں تم پردہ اٹھاؤ اور اندر آ جاؤ۔ ہاں اگر میں منع کر دوں تو اور بات ہے (رواہ مسلم)

فائدہ: (۲) اجازت دینے کے لئے زبان ہی سے اجازت دینا ضروری نہیں اگر اجازت دینے کے لئے آپس میں کوئی اصطلاح مقرر کر رکھی ہو اور اس کے مطابق عمل کر لیا جائے تو وہ بھی اجازت میں شمار ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا ایک بار دن کو ایک بار رات کو جانا ہوتا تھا جب میں رات کو جاتا تھا تو آپ مٹھار دیتے تھے۔ (رواہ النسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۰۱)

فائدہ: (۳) اگر کوئی شخص کسی شیخ یا استاد کے پاس جائے اور دروازہ بجائے بغیر وہیں دروازہ سے ہٹ کر ایک طرف اس انتظار میں بیٹھ جائے کہ اندر سے نکلیں گے تو بات کر لوں گا یا کوئی مسئلہ پوچھ لوں گا یا آپکے ساتھ مدرسہ یا بازار جانے کے لئے ہمراہ ہو جاؤں گا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس سے اہل خانہ کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں ہوگی۔

فائدہ: (۴) اگر کسی کے کواڑوں پر دستک دیں تو اتنی زور سے ہاتھ نہ ماریں کہ اہل خانہ پریشان ہو جائیں۔ سوتے ہوئے جاگ اٹھیں یا نماز پڑھنے والے تشویش میں پڑ جائیں، اتنے آہستہ سے بجائے کہ اندر آواز پہنچ جائے کہ کوئی شخص دروازہ پر ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

آپ مومنین سے فرما دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہونے کی بات ہے بلاشبہ اللہ

خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، اور مومن عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ

اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں،

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ

اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپوں پر یا اپنے شوہروں کے باپوں پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ

شوہروں کے بیٹوں پر' یا اپنے بھائیوں پر' یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر' یا اپنی بہنوں کی بیٹیوں پر' یا اپنی عورتوں پر یا اپنی مملوکہ

اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا

باندیوں پر' یا ایسے مردوں پر جو طفیلی بن کر رہے ہیں جنہیں کوئی حاجت نہیں' یا ایسے لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا

کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے' اور مومن عورتیں زور سے اپنے پاؤں نہ ماریں تاکہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے' اور اے مومنو!

اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

نظر کی حفاظت اور عفت و عصمت کا حکم' محارم کا بیان

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں پردہ کے احکام بیان فرمائے ہیں' اول تو مردوں اور عورتوں کو نظریں پست یعنی نیچی رکھنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں یعنی زنا نہ کریں۔ دونوں باتوں کے ساتھ جوڑ کر یہ بتا دیا کہ نظر کی حفاظت نہ ہوگی تو شرم گاہوں کی حفاظت بھی نہ رہے گی۔ گھروں میں جانے کے لئے جو اجازت لینے کا حکم ہے اس میں جہاں دیگر امور کی رعایت ملحوظ ہے وہاں حفاظت نظر بھی مطلوب ہے' جب نظر کی حفاظت ہوگی تو مرد عورت کا میل جول آگے نہیں بڑھے گا اور زنا تک نہ پہنچیں گے۔ چونکہ نظر کو بھی مزہ آتا ہے اور نظر بازی سے دواعی زنا کی ابتداء ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نظر پر پابندی لگائی ہے اور نظر کو بھی زنا قرار دیا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کو سچا کر دیتی ہے یا جھوٹا کر دیتی ہے۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۳۳۶)

مطلب یہ ہے کہ زنا سے پہلے جو زانی مرد اور زانی عورت کی طرف سے نظر بازی اور گفتگو اور چھونا اور پکڑنا اور چل کر جانا ہوتا ہے یہ سب زنا میں شمار ہے اور یہ چیزیں اصل زنا تک پہنچا دیتی ہیں بعض مرتبہ اصل زنا کا صدور ہو ہی جاتا ہے۔ (جس کے بارے میں فرمایا کہ شرم گاہ تصدیق کر دیتی ہے) اور بعض مرتبہ اصلی زنا رہ جاتا ہے مرد عورت اسے نہیں کر پاتے (جس کو یوں بیان فرمایا کہ شرم گاہ جھٹلا دیتی ہے۔ یعنی اعضاء سے زنا کا صدور تو ہو گیا لیکن اس کے بعد اصلی زنا کا موقع نہیں لگتا) حفاظت نظر کا حکم مردوں کو بھی ہے اور عورتوں کو بھی ہے۔ نظر کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں' عورت عورت کے کس حصے پر نظر ڈال سکتی ہے اور مرد مرد کے کس حصہ کو دیکھ سکتا ہے اس کے بھی قوانین ہیں' اور شہوت کی نظر

تو بجز میاں بیوی کے کسی کے لئے حلال نہیں۔ جس نظر سے نفس کو مزہ آئے وہ شہوت کی نظر ہے اگر عورت پردہ نہ کرے مردوں کو تب بھی نظر ڈالنا ممنوع ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ راستوں میں مت بیٹھا کرو صحابہ نے عرض کیا ہمارے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے ہم راستوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دیا کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے؟ فرمایا نظریں پست رکھنا' کسی کو تکلیف نہ دینا' سلام کا جواب دینا' بھلائی کا حکم کرنا' گناہ سے روکنا۔ (رواہ البخاری) اپنے محرموں سے پردہ نہیں ہے لیکن اگر وہاں بھی شہوت کی نظر پڑنے لگے تو پردہ لازم ہے اگر کوئی عورت یہ سمجھتی ہو کہ میرا فلاں محرم مجھ پر بری نظر ڈالتا ہے تو پردہ کرے' اگر بے دھیانی سے کہیں ایسی نظر پڑ جائے جو حلال نہیں ہے تو فوراً نظر کو ہٹالیں حضرت جریر بن عبداللہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا کہ نظر کو پھیر لو (رواہ مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے علی نظر پڑ جانے کے بعد نظر کو باقی نہ رکھو یعنی جو نظر بے اختیار پڑ جائے اس کو فوراً ہٹالو کیونکہ بے اختیار جو نظر پڑی اس پر مواخذہ نہیں اگر نظر کو باقی رکھا تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ فان لک الاولی ولیست لک الآخرۃ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۹) حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہو جاتا ہوں۔ (۱) جب بات کرو تو سچ بولو (۲) جب وعدہ کرو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کر دو (۴) اور اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھو (۵) اور اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم و زیادتی سے) روکے رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

حفاظت نظر اور حفاظت شرم گاہ کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا۔ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے اوپر کی چادر مراد ہے۔ جب عورت اچھی طرح کپڑوں میں لپٹ کر چوڑی چکلی چادر اوڑھ کر منہ چھپا کر کسی ضرورت سے باہر نکلے گی تو اوپر کی چادر پر مردوں کی نظر پڑے گی' چونکہ عورت مجبوری سے نکلی ہے اور اوپر کی چادر پر شہوت کی نظر بھی نہیں پڑتی اس لئے اس طرح کا نکلنا ممنوع نہیں ہے۔ اس پر نظر پڑ جائے تو یہ اس اظہار زینت میں شامل نہیں ہے جو ممنوع ہے۔ اظہار زینت کی ممانعت کے بعد فرمایا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (اور چاہیے کہ مومن عورتیں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہا کریں) اس میں سینہ ڈھانکے رہنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ گریبان عموماً سینے پر ہی ہوتا ہے' زمانہ جاہلیت میں عورتیں سروں پر دوپٹے ڈال کر دونوں کنارے پشت کی طرف چھوڑ دیا کرتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مومن عورتوں کو حکم دیا کہ ان چیزوں کو چھپا کر رکھیں۔

صحیح بخاری (ص ۷۰۰ ج ۲) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ کا حکم نازل فرمایا تو صحابی عورتوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنالئے' یہ

حدیث سنن ابی داؤد (کتاب اللباس ج ۲ ص ۲۱۱) میں بھی ہے اس میں یہ لفظ ہے کہ شققن اکثف مروطھن فاختمرن بھا کہ انہوں نے اپنی موٹی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لئے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ سروں کے دوپٹے ایسے ہوں جن میں بال نظر نہ آئیں اور انہیں اس طرح اوڑھا جائے کہ سر گردن اور کان اور سینہ سب ڈھکا رہے) یاد رہے کہ یہ عام حالات میں گھروں میں رہتے ہوئے عمل کرنے کا حکم ہے باہر نکلنے کا اس میں ذکر نہیں ہے باہر نکلنے میں چہرہ ڈھانکنا بھی لازم ہے جبکہ نامحرموں کی نظریں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ دور حاضر کی فیشن ایبل عورتیں جنہیں قرآن و حدیث کے احکام کا دھیان نہیں ہے اول تو انہوں نے باریک دوپٹے بنا لئے ہیں جن میں بال نظر آتے ہیں انہیں اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی دوسرے ذرا سا حصہ پر ڈال کر چل دیتی ہیں زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح آدھے آدھے سینے تک سب کچھ کھلا رہتا ہے۔ ان کو گرمی کھائے جاتی ہے اسلام کے تقاضوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتی ہیں۔

اس کے بعد ان مردوں کا ذکر فرمایا جن کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے۔ یہ وہ مرد ہیں جو شرعاً محرم مانے جاتے ہیں ان سے فتنے کا خطرہ نہیں کیونکہ محرم خود ان عورتوں کی عصمت و عفت کے محافظ ہوتے ہیں پھر ان کا رشتہ ایسا ہے کہ رہن سہن میں ان سے پردہ کا اہتمام کرنا دشوار بھی ہے۔ اب اس کی تفسیر سنئے اولاً یوں فرمایا وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ (اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر) میاں بیوی کا آپس میں کسی جگہ کا کوئی پردہ نہیں لیکن اعضائے مخصوصہ کو نہ دیکھنا پھر بھی افضل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ما نظرت فرج رسول اللہ ﷺ قط میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کی شرم کی جگہ کو نہیں دیکھا۔ بلکہ بیوی کا بے تکلفی والا جو خاص کام ہے اس وقت بھی پوری طرح ننگے ہونے سے منع فرمایا ہے۔

أَوْ آبَائِهِنَّ: (یا اپنے باپوں پر)

أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ: (یا اپنے شوہروں کے باپوں پر)

أَوْ أَبْنَائِهِنَّ: (یا اپنے بیٹوں پر)

أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ: (یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر) اپنے بیٹے ہوں یا دوسری بیوی سے ہوں۔

أَوْ إِخْوَانِهِنَّ: (یا اپنے بھائیوں پر)

أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ: (یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر)

أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ: (یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر)

آیت کریمہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کا اپنا باپ (جن میں دادا بھی شامل ہے) اور شوہر کا باپ اور اپنے لڑکے اور شوہر کے لڑکے (جو کسی دوسری بیوی سے ہوں) اور اپنے بھائی (خواہ حقیقی بھائی ہوں خواہ باپ شریک بھائی ہوں خواہ ماں شریک) اور اپنے بھائیوں کے لڑکے اور اپنی بہنوں کے لڑکے (اس میں تینوں قسم کے بہن بھائی داخل

ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا) ان لوگوں کے سامنے عورت زیب و زینت کے ساتھ آ سکتی ہے اور یہ لوگ عورت کے محارم کہلاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو بھی اپنی محرم عورتوں کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے یہ لوگ اپنی محرم عورت کا چہرہ اور سر اور بازو و پنڈلیاں دیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ عورت کو اور دیکھنے والے مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہو یعنی جانبین میں سے کسی کو شہوت کا اندیشہ نہ ہو اور اپنی محرم عورت کی پشت اور پیٹ اور ران کا دیکھنا جائز نہیں ہے اگرچہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔

محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح کرنا حلال نہ ہو' جن لوگوں کا ذکر ہوا ان کے علاوہ چچا ماموں بھی محارم ہیں۔ دودھ شریک بھائی بہن اور رضاعی بیٹا (جسے دودھ پلایا ہو) بھی محرم ہیں۔ ان لوگوں کے بھی وہی احکام ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔ خالہ اور پھوپھی اور چچا تایا کے لڑکے اور بہنوئی محرم نہیں ہیں۔ ان کا وہی حکم ہے جو غیر محرم کا حکم ہے۔

اس کے بعد فرمایا اَوْ نِسَآئِهِنَّ (یا اپنی عورتوں کے سامنے) یعنی مسلمان عورتیں مسلمان عورتوں کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہیں' صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے سارے بدن کو دیکھ سکتا ہے البتہ ناف سے لیکر گھٹنے تک مرد بھی مرد کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح عورت بھی دوسری عورت کے سارے بدن کو دیکھ سکتی ہے البتہ ناف سے لیکر گھٹنے تک کے حصہ کو نہیں دیکھ سکتی اور ان دونوں مسئلوں میں بھی وہی قید ہے کہ شہوت کی نظر نہ ہو۔ بہت سی عورتیں ولادت کے وقت بہت زیادہ بے احتیاطی کرتی ہیں۔ دائی اور نرس کو بچہ پیدا کرانے کے لئے بقدر ضرورت صرف پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے۔ آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہن ہی ہوں وہ بھی ناف سے لیکر گھٹنے تک کے حصہ کو نہ دیکھیں کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ نرس اور دائی کو مجبوراً نظر ڈالنی پڑتی ہے دوسری عورتوں کو کوئی مجبوری نہیں ہے لہٰذا انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں' یہ جو دستور ہے کہ ولادت کے وقت عورت کو ننگا کر کے ڈال دیتی ہیں اور عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے۔

آیت شریفہ میں جو اَوْ نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے (اپنی عورتیں) اس میں لفظ اپنی سے حضرات مفسرین عظام اور فقہاء کرام نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ جو کافر عورتیں ہیں ان کے سامنے مسلمان عورتیں بے پردہ ہو کر نہ آئیں کیونکہ وہ اپنی عورتیں نہیں ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ **لا تضع المسلمة خمارها عند مشركة لان الله تعالٰى يقول او نسائهن فليست من نسائهن** (یعنی مسلمان عورت اپنا دوپٹہ کسی مشرک عورت کے سامنے اتار کر نہ رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے **او نسائهن** فرمایا ہے اور مشرک عورتیں مسلمان عورتوں میں سے نہیں ہیں) ہر کافرہ عورت مشرکہ یا غیر مشرکہ سب کا یہی حکم ہے۔ معالم التنزیل میں ہے۔ **والكافرة ليست من نسائنا لا نها اجنبية في الدين' كتب عمر بن الخطاب الى ابى عبيدة ابن الجراح رضى الله عنهما ان يمنع نساء اهل الكتاب ان يدخلن الحمام مع المسلمات** (کافر عورت ہماری عورتوں میں سے نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ بن جراحؓ کو لکھا تھا کہ اہل کتاب عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمامات میں داخل ہونے سے منع کریں)

درمختار کتاب الحظر والاباحہ میں ہے الذمیة کالرجل الاجنبی فلا تنظر الی بدن المسلمة (ذمی عورت یعنی کافر عورت جو مسلمانوں کی عمل داری میں رہتی ہو وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے) اس کے ذیل میں صاحب ردالمختار نے لکھا ہے لا یحل للمسلمة ان تنکشف بین یدی یهودیة او نصرانیة او مشرکة الا ان تکون امة لها کما فی السراج و نصاب الاحتساب ولا ینبغی للمرئة الصالحة ان تنظر الیها المراة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها کما فی السراج (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت مکحول اور حضرت عبادہ بن نسی سے روایت کیا ہے کہ ان کے ہاں یہ بات مکروہ ہے کہ جس مسلمان عورت کے پاس ولادت کے وقت دائی نہ ہو اور اس کا یہ کام کوئی عیسائی، یہودی یا مجوسی عورت کرے) (مسلمان عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ یہودیہ یا نصرانیہ یا مشرکیہ عورت کے سامنے بے پردہ ہو ہاں اگر اس کی اپنی مملوکہ باندی ہو تو اس کے سامنے آنا مستثنیٰ ہے اور کسی نیک عورت کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ فاجر عورت کے سامنے بے پردہ ہو جائے کیونکہ وہ مردوں کے سامنے اس کا حال بیان کرے گی اس کے سامنے اپنی چادر اور دوپٹے کو نہ اتارے (ردالمختار)

مسلمان عورت کافر عورت کے سامنے صرف چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے تمام غیر مسلم عورتیں بھنگن دھوبن نرس لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب کے متعلق وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بچے پیدا کرانے کے لئے مسلمان دائیاں اور نرسیں بلائیں اور یہ بھی بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ نظر ڈال سکتی ہیں اور اگر کسی غیر مسلم عورت کو بچہ جنوانے کے لئے بلوائیں تو اس کے سامنے کوئی عورت سر نہ کھولے اور جہاں تک ممکن ہو کافر عورت کو بلانے سے پرہیز کریں۔ ذکر ابن کثیر فی تفسیرہ عن مکحول وعبادة بن نسی انهما کرها ان تقبل لا تکون قابلته ای حاضرة عند الولادة لتعمل عمل الاستبلاد حینا اتلد المرة المسلمة النصرانیة والیهودیة والمجوسیة المسلمة۔

او ماملکت ایمانهن (یا ان کے سامنے جو ان کی مملوک ہیں) ابھی پردہ کا بیان جاری ہے جب مسلمان شرعی جہاد کرتے ہیں تو غلاموں باندیوں کے مالک ہوتے تھے جب سے شرعی جہاد کو چھوڑا ہے اور کافروں کے ساتھ معاہدوں میں بندھے ہیں پست ہو رہے ہیں۔ جب باندی اور غلام ہوتے تھے تو عورتیں بھی ان کی مالک ہوتی تھیں اس وقت یہ سوال بھی درپیش ہوتا تھا کہ عورت کا اپنے غلام سے اور اپنی باندی سے کتنا پردہ ہے اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ میں اسی کو بیان فرمایا ہے حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں، مرد مملوک یعنی غلام مراد نہیں ہیں۔ حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب پہلے یوں کہتے تھے کہ غلام اور باندی کا ایک ہی حکم ہے (یعنی کسی مسلمان عورت کا اس کے اپنے مملوک غلام یا باندی سے وہ پردہ نہیں جو اجانب سے ہے) بعد میں انہوں نے رجوع فرمایا اور فرمایا لا یغرنکم آیة النور فانها فی الاناث دون الذکور (یعنی تم سورہ نور کی آیت کی وجہ سے دھوکہ میں مت پڑنا کیونکہ وہ مملوکہ عورتوں کے بارے میں ہے مملوک مردوں کے بارے میں نہیں ہے) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عورت کا غلام اگرچہ اس کا مملوک ہے لیکن وہ مرد ہے، نہ محرم ہے نہ شوہر ہے اور شہوت متحقق ہے لہٰذا مملوک غلام کا ہی حکم ہے جو اجنبی مردوں کا حکم ہے۔ علامہ قرطبی نے احکام القرآن جلد ۱۲، ص ۲۳۳، ۲۳۴ میں حضرت ابن عباس،

حضرت عامر شعبی اور حضرت مجاہد اور حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ غلام مملوک اپنی آقا عورت کے بالوں پر نظر نہ ڈالے۔

گھروں میں کام کرنے والے جو نوکر چاکر ہیں ان کا حکم بھی بالکل وہی ہے جو اجنبی مردوں کا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اسی طرح جو عورتیں گھروں میں کام کرتی ہیں وہ مملوک اور باندیاں نہیں ہیں ان پر بھی لازم ہے کہ مردوں سے پردہ کریں جن کے گھروں میں کام کرتی ہیں اور مردوں پر بھی لازم ہے کہ ان پر نظریں نہ ڈالیں۔

اَوِ التَّابِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (یا ان مردوں کے سامنے جو طفیلیوں کے طور پر ہوں جنہیں حاجت نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ جو بد حواس اور مغفل قسم کے لوگ ہوں جن کو شہوت سے کوئی واسطہ نہیں عورتوں کے احوال اور اوصاف سے کوئی دلچسپی نہیں انہیں بس کھانے پینے کو چاہئے طفیلی بن کر پڑے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے سامنے عورتیں اگر زینت ظاہر کر دے تو یہ بھی جائز ہے یعنی یہ لوگ بھی محارم کے درجہ میں ہیں آیت کا یہ مطلب حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا **ھذا الرجال یتبع القوم وھو مغفل فی عقلہ لا یکترث للنساء ولا یشھی عن نساء** (درمنثور ص ۴۳ ج ۵)

حضرت طاؤس تابعی سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں انہوں نے فرمایا **ھو الاحمق الذی لا حاجة له فی النساء** (حوالہ بالا)

یاد رہے کہ اگر مذکورہ مردوں کے سامنے عورت گہرے پردہ کا اہتمام نہ کرے (محرموں کی طرح سمجھے) تو اس کی اجازت تو ہے لیکن عورتوں کو ان پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید کے الفاظ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ اور حضرت ابن عباس کی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان مردوں کے سامنے عورتیں آسکتی ہیں جو غافل ہوں مغفل ہوں بے عقل ہوں نہ ان میں شہوت ہو نہ عورتوں کی طرف رغبت ہو ان میں بوڑھے مرد ہوش گوش عقل سمجھ اور شہوت والے اور ہیجڑے داخل نہیں ہیں۔ عورتیں ایسے لوگوں کو بوڑھا سمجھ کر یا بابا دادا کہہ کر سامنے آجاتی ہیں۔ یہ گناہ کی بات ہے نیز اگر کوئی شخص نامرد ہو یا اس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو وہ بھی غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ میں شامل نہیں ہے۔ اور اس کے سامنے آنا بھی ممنوع ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ مطہرہ ام سلمہؓ کے پاس تھے وہاں گھر میں اس وقت ایک مخنث (ہیجڑہ) بھی تھا اس ہیجڑے نے حضرت ام سلمہؓ کے بھائی سے کہا کہ اے عبداللہ اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح فرما دیا میں تجھے غیلان کی بیٹی بتا دوں گا وہ جب سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ میں چار شکنیں ہوتی ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو اس کی کمر سے آٹھ شکنیں نظر آتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں نہ آئیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۷۰ از بخاری و مسلم)

قال صاحب الھدایة الخصی فی النظر الی الاجنبیة کالفحل لقول عائشة رضی اللہ عنھا الخصاء مثلة فلا یبیح ما کان حراما قبله ولانه فحل یجامع وکذا المجبوب لانه یسحق وینزل وکذا المخنث فی الردئی من الافعال لانه فحل فاسق والحاصل انه یؤخذ فیه بحکم کتاب اللہ المنزل. (صاحب ہدایہ نے کہا ہے خصی آدمی اجنبی عورت کو دیکھنے کے بارے میں غیر خصی کی طرح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قول کی وجہ سے کہ خصی بھی اسی کی مثل ہے لہٰذا جو پہلے اس پر حرام تھا وہ مباح نہیں ہوتا کیونکہ وہ مرد ہے جماع کر سکتا ہے اور جس کا ذکر کٹا ہوا ہو وہ بھی اسی طرح ہے وہ بھی مساس کر کے انزال کر سکتا ہے۔ اسی طرح ہیجڑا بھی ان افعال میں ہے کیونکہ وہ فاسق مرد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس میں کتاب اللہ کے حکم پر ہی عمل کیا جائے)

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی چیزوں پر مطلع نہیں ہوئے) یعنی وہ نابالغ لڑکے جو عورتوں کے مخصوص حالات اور صفات سے بالکل بے خبر ہیں ان کے سامنے عورت آ سکتی ہے اور جو لڑکا عورتوں سے متعلقہ احوال اور اوصاف کو جانتا اور سمجھتا ہو اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ (اور عورتیں اپنے پاؤں نہ ماریں یعنی زور سے نہ رکھیں تا کہ ان کا پوشیدہ زیور معلوم نہ ہو جائے) عورتوں کو زیور پہننا تو جائز ہے بشرطیکہ دکھاوے کے لئے نہ ہو اور جو زیور پہنے اس میں یہ شرط ہے کہ بجنے والا زیور نہ ہو تو زیور کے اندر کوئی بجنے والی چیز ڈالے اور نہ زور سے پاؤں مار کر چلے کیونکہ ایسا کرنے سے غیر محرم زیور کی آواز سن لیں گے جو آپس میں ٹکرا کر بج سکتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک لڑکی لائی گئی وہ بجنے والا زیور پہنے ہوئے تھی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب تک اس کا یہ زیور نہ کاٹ دو ہرگز میرے پاس نہ لاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں بجنے والی چیز ہو۔ (رواہ ابوداؤد)

جب زیور کی آواز سنانا نامحرموں کو ممنوع ہے تو عورت کے لئے اپنی آواز سنانے میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بدرجہ مجبوری نامحرموں سے ضرورت کی کوئی بات کی جائے تو اس کی گنجائش ہے اس کو سمجھ لیا جائے۔ عورت اگر باہر نکلے تو خوب اہتمام کے ساتھ پردہ میں نکلے اور پردہ کے لئے جو بڑی چادر یا برقعہ استعمال کرے وہ بھی مزین اور کامدار اور بیل بوٹے والا مردوں کی نظر کو لبھانے والا نہ ہو۔ اور جب زیور کی آواز سنانا جائز نہیں تو نامحرموں کو خوشبو سنگھانا بطریق اولیٰ ممنوع ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار ہے اور کوئی عورت عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گزرے تو ایسی ہے ویسی ہے یعنی زنا کار ہے (رواہ ابوداؤد)

وَتُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اے مومنو! تم سب اللہ کے حضور میں توبہ کرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ) اس میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو حکم دیا کہ سب اللہ کے حضور میں توبہ کریں۔ توبہ کرنے میں کامیابی ہے۔ ہر طرح کے تمام گناہوں سے توبہ کریں اور نفس و نظر سے جو گناہ صادر ہو گئے ہوں ان سے خاص طور سے توبہ کریں نفس و نظر کا ایسا گناہ ہے جس پر دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی اور نظروں کو اور نفسوں کے ارادوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جو مبتلائے معصیت ہو۔ کسی مرد نے کسی مرد یا عورت کو بری نظر سے دیکھ لیا یا کسی عورت نے کسی مرد پر نفسانیت والی نظر ڈال دی تو اس کا اس شخص کو پتہ نہیں چلتا جس پر نظر ڈالی ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو پتہ چلتا ہے اپنے نفس و نظر کی خود ہی نگرانی کرتے رہیں اور ہر گناہ سے توبہ کریں۔

بے پردگی کے حامیوں کی جاہلانہ باتیں اور ان کی تردید

جب سے لوگوں میں صرف اسلام کا دعویٰ رہ گیا ہے اور اسلام پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے اور یہ چاہتے ہیں کہ دیندار بھی

رہیں اور آزاد بھی رہیں ایسے لوگ بے پردگی کے حامی ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتیں کافر عورتوں کی طرح گلی کوچوں میں پھریں اور بازاروں میں گشت لگائیں ان آزاد منش جاہلوں کی جہالت کا ساتھ دینے والے بعض مصری قلم کار بھی مل گئے پھر مصر کے ان نام نہاد آزاد خیال لوگوں کا اتباع ہندو پاک کے ناخدا ترس مضمون نگار بھی کرنے لگے۔ ان لوگوں کو اور تو کچھ نہ ملا **الا ماظھر منھا** مل گیا اور **الا ما ظھر** کی تفسیر جو حضرت ابن مسعودؓ نے کی ہے کہ اس سے اوپر کی چادر مراد ہے چونکہ یہ ان لوگوں کے جذبات نفسانیہ کے خلاف تھی اس لئے اس سے تو اعراض کیا اور حضرت ابن عباس سے جو اس کی تفسیر میں وجہ اور کفین منقول ہے اسے لے اڑے کیا وجہ ہے حضرت ابن مسعود کی تفسیر کو چھوڑا جبکہ وہ پرانے صحابی ہیں سابقین اولین میں سے ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **تمسکوا بعھدا بن ام عبد** کہ ام عبد کے بیٹے (ابن مسعود) کی طرف سے جو دینی حکم ملے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ (مشکوۃ ص ۵۷۸)

حضرت ابن عباس مفسر قرآن تھے اور بڑے عالم تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو **اللھم علمه الکتاب** کی دعا بھی دی تھی اگر ان کی اس تفسیر کو لیا جائے جو انہوں نے الوجہ والکفان سے کی ہے تب بھی اس سے عورتوں کو بے پردہ ہو کر باہر نکلنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اول تو آیت شریفہ میں اِلَّا مَا ظَھَرَ فرمایا ہے اَلَّا مَا اَظْھَرْنَ نہیں فرمایا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ عورتیں ظاہر کیا کریں بلکہ یوں فرمایا کہ جو ظاہر ہو جائے) اب سمجھ لیں جب عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی تو اظہار ہو گا یا ظہور ہو گا؟ کیا اس کو یوں کہیں گے کہ بلا اختیار ظاہر ہو گیا ہے؟ پھر یہ بھی واضح رہے کہ آیت میں نامحرم کے سامنے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں ہے، عورتوں کی پردہ دری کے حامی یہاں نامحرموں کو گھسیٹ کر خود سے لے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام میں نامحرموں کے سامنے عورت کے چہرہ اور کفین کے ظاہر ہونے اور ظاہر کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، ان کی بات کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو عام حالات میں جبکہ وہ گھر میں کام کاج میں لگی ہوئی ہو سارے کپڑے پہنے رہنا چاہئے اگر چہرہ اور ہاتھ کھلا رہے اور گھر کی عورتیں اور باپ بیٹے اور دوسرے محرموں کی نظر پڑ جائے یہ جائز ہے۔

لوگوں میں یوں ہی بے دینی ہے اور عفت و عصمت سے دشمنی ہے اوپر سے انہیں یہ مفت کے مفتی بھی مل گئے جنہوں نے کہہ دیا کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہے اگر ہے تو درجہ استحباب میں ہے، ان جاہل مفتیوں نے نہ آیات اور احادیث کو دیکھا کہ اور نہ یہ سوچا کہ عورت بے پردگی کو صرف چہرہ تک محدود نہ رکھے گی عورت کا مزاج تو بننے ٹھننے اور دکھانے کا ہے اب دیکھ لو بے پردہ باہر نکلنے والی عورتوں کا کیا حال ہے کیا صرف چہرہ ہی کھلا رہتا ہے؟ ان لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو دیکھ لیا اور اس کا مطلب غلط لے لیا پھر اپنی ذاتی رائے کو عورتوں میں پھیلایا اور **ان من العلم جھلا** کا مصداق بن گئے۔

سورۂ احزاب میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم

اول سورہ احزاب کی آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (اور جب تم ان سے کسی

برتنے کی چیز کا سوال کرو تو ان سے پردہ کے پیچھے سے مانگو) پڑھئے اور غور کیجئے کہ اگر چہرہ پردہ میں نہیں ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یوں بھی عورتیں عام طور سے گھروں میں ننگی تو نہیں رہتی ہیں عموماً ہاتھ اور چہرہ کھلا رہتا ہے اگر چہرہ کا پردہ نہیں تو نامحرم مردوں کو کوئی چیز لینے کے لئے پردہ کے باہر سے طلب کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ تو معلوم ہوا کہ چہرہ ہی اصل پردہ کی چیز ہے پھر اس میں صیغہ امر بھی ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے ان جاہلوں کی بات کی تردید ہوگئی جو یوں کہتے ہیں کہ چہرہ کا ڈھانپنا اعلیٰ و افضل ہے واجب نہیں ہے اب سورۂ احزاب کی ایک اور آیت سنئے ارشاد ربانی ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (اے پیغمبر اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے حصوں کو نیچا کرلیا کریں) اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا امر نساء المومنین ان یغطین رء و سهن و وجوهن بالجلابیب الا عینا واحدة لیعلم انهن حرائر (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۴۴) یعنی مومنین کی عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چوڑی چکلی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ باندیاں نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی ابن عباس ہیں جن کی طرف اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر الوجہ والکفان منسوب ہے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے وجہ و کفین مراد ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کھلا چہرہ لیکر نامحرموں کے سامنے آجایا کریں یا چہرہ کھول کر باہر نکلا کریں جب انہوں نے اس دوسری آیت کی تفسیر میں یہ فرمادیا کہ بڑی چادروں سے اپنے سر اور چہرہ کو ڈھانکے رہیں اور دیکھنے کی ضرورت سے صرف ایک آنکھ کھلی رہے تو معلوم ہوا کہ الا ما ظهر کی تفسیر میں جو انہوں نے وجہ اور کفین فرمایا ہے اس سے ان کے نزدیک گھروں میں رہتے ہوئے چہرہ اور ہاتھ کھلے رہنے کی اجازت مراد ہے۔ شیطان برے برے وسوسے ڈالتا ہے اور گمراہی کے راستے دکھاتا ہے اس نے پردہ کے مخالفین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ پردہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے اور انہیں کے لئے مخصوص ہے ان لوگوں کی اس جاہلانہ بات کی تردید سورہ احزاب کے لفظ سے واضح طور پر ہو رہی ہے کیونکہ اس میں لفظ و نساء المومنین موجود ہے پھر ایک موٹی سمجھ والا انسان (جسے خوف خدا ہو) یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے جب ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم ہے جن کے بارے میں وازواجه امهاتهم (اور آپ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں) فرمایا ہے جن پر کسی مومن کی بری نظر پڑنے کا احتمال ہی نہ تھا تو ان عورتوں کے بارے میں پردہ کا حکم کیونکر نہ ہوگا جن کی طرف قصداً بری نظریں اٹھائی جاتی ہیں اور جو خود مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں، کیا کسی صحیح العقل انسان کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ خاندان نبوت کی چند خواتین کو پردہ کا حکم دیکر امت کی کروڑہا عورتوں کو قدیم زمانہ کی جاہلیت اولیٰ کی طرح بے پردہ ہو کر باہر پھرنے کی اجازت دیدی ہو۔

احادیث میں پردہ کا حکم

اب احادیث شریفہ کا مطالعہ کیجئے ان ہی اوراق میں گذر چکا ہے کہ جب غزوہ بنی المصطلق کے موقعہ پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر نظر پڑی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی آواز سنی تو حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے فوراً اپنا چہرہ ڈھانپ لیا وہ فرماتی ہیں کہ صفوان نے مجھے پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا' اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہوا تھا وہ چہرہ سے بھی متعلق تھا ورنہ انہیں چہرہ ڈھانپنے کی اور یہ بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ انہوں نے مجھے نزول حجاب کے حکم سے پہلے دیکھا تھا۔

نیز چند صفحات پہلے یہ واقعہ بحوالہ صحیح بخاری گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے وہیں ایک ہیجڑا بھی تھا اس نے حضرت ام سلمہ کے بھائی سے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے طائف کو فتح کر دیا تو میں تمہیں غیلان کی بیٹی بتادوں گا جو ایسی ایسی ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہرگز تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں کہا کہ یارسول اللہ آپ کے پاس (اندرونی خانہ) اچھے برے لوگ آتے جاتے ہیں۔ (وہاں امہات المومنین بھی ہوتی ہیں) اگر آپ امہات المومنین کو پردہ کرنے کا حکم دیدیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ والی آیت نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۷۰۶) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ کی آیت میں نامحرموں کے سامنے چہرے ڈھانپنے کا حکم نازل ہوا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی کپڑے پہنے ہوئے ہی بیٹھی رہتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت اور سنئے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شب گذار کر صبح کو ولیمہ کیا تو خوب بڑی دعوت کی لوگ آتے رہے کھاتے رہے اور جاتے رہے' کھانے سے فارغ ہو کر سب لوگ چلے گئے لیکن تین اصحاب رہ گئے وہ باتیں کرتے رہے آپ کے مزاج میں حیاء بہت تھی آپ نے ان سے نہیں فرمایا کہ تم چلے جاؤ بلکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چلے گئے۔ جب میں نے آپ کو خبر دی کہ وہ لوگ چلے گئے تو آپ واپس تشریف لے آئے میں آپ کے ساتھ (حسب عادت) داخل ہونے لگا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور آیت حجاب یعنی آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (آخر تک) اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادی (صحیح بخاری ص ۷۰۶'۷۰۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ پرانے خادم تھے دس برس تک انہوں نے آپ کی خدمت کی جب پردہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے پردہ ڈال دیا اور حضرت انس کو اندر آنے نہیں دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے جو حضرت انس گھروں میں اندر آتے

جاتے تھے کیا ازواج مطہرات کپڑے نہیں پہنتی تھیں، کیا چہرہ کے سوا کسی اور جگہ بھی ان کی نظر پڑتی تھی؟ اگر چہرہ پردہ میں نہیں تو ان کو اندر جانے سے کیوں روکا گیا۔ ازواج مطہرات سے فرمادیتے کہ اس کو آنے جانے دو صرف چہرہ کھلے رکھا کرو لیکن وہاں مستقل داخل ہونے پر پابندی لگادی گئی۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ پردہ کا جو حکم نازل ہوا اس میں اصل چہرہ ہی کا چھپانا ہے ورنہ جسم کے دوسرے حصے پہلے بھی نامحرموں کے سامنے ظاہر نہیں کئے جاتے تھے۔

سنن ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے کہ حضرت ام خلادؓ کا صاحبزادہ ایک جہاد کے موقعہ پر شہید ہو گیا تھا وہ چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابیؓ نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت ام خلادؓ نے جواب دیا اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہو گئی ہوں تو اپنی شرم وحیاء کھو کر ہرگز مصیبت زدہ نہ بنوں گی (یعنی حیاء کا چلا جانا ایسی مصیبت زدہ کر دینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہو جانا) حضرت ام خلاد کے پوچھنے پر حضور ﷺ نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶)

اس واقعہ سے بھی ان مغربیت زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنا منع ہے، بہت سے مرد اور عورت ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا مصیبت کے وقت شریعت کا کوئی قانون لاگو نہیں ہے، جب گھر میں کوئی موت ہو جائے گی تو اس بات کو جانتے ہوئے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں جنازہ گھر سے باہر نکالا جاتا ہے تو عورتیں دروازہ کے ساتھ باہر تک اس کے پیچھے چلی آتی ہیں اور پردہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں، خوب یاد رکھو، غصہ ہو یا رضامندی، خوشی ہو یا مصیبت، ہر حال میں احکام شریعت کی پابندی کرنا لازم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حج وعمرہ کے مسائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ **لا تنتقب المرأة المحرمة** (مشکوٰۃ المصابیح ۲۳۵) یعنی احرام والی عورت نقاب نہ ڈالے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ نبوت میں عورتیں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں، یاد رہے کہ حکم یہ ہے کہ عورت حالت احرام میں چہرہ پر کپڑا نہ ڈالے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے یہ جو عورتوں میں مشہور ہے کہ حالت احرام میں پردہ نہیں یہ غلط ہے اس غلط فہمی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث سے دور کر لیں انہوں نے فرمایا کہ ہم حالت احرام میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھے، گذرنے والے اپنی سواریوں پر ہمارے پاس سے گذرتے تھے تو ہم اپنی چادر کو اپنے سر سے آگے بڑھا کر چہرہ کے سامنے لٹکا لیتے تھے۔ جب وہ لوگ آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۶)

مسئلہ یہ ہے کہ احرام والی عورت اپنے چہرہ کو کپڑا نہ لگائے یہ مطلب نہیں ہے کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولے رہے اس فرق کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے واضح فرمادیا جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں مذکور ہے۔

بے پردگی کے حامی اپنی دلیل میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء بنت ابوبکر سے فرمایا کہ اے اسماء جب عورت کو حیض آ جائے یعنی بالغ ہو جائے تو اس کے لئے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ نظر آ جائے' اول تو یہ حدیث ہی منقطع الاسناد ہے حضرت امام ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے خالد بن دریک لم یسمع من عائشة رضی اللہ عنها پھر اس میں بھی نامحرموں کو دیکھنے دکھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پردہ کے مخالفوں کو یہ منظور ہے کہ ان کی ماں بہنوں بہو بیٹیاں بے پردہ ہو کر باہر نکلیں' خود تو بے شرم ہیں ہی اپنی خواتین کو بھی شرم کے حدود سے پار کرنا چاہتے ہیں۔ پردہ شکنی کی دلیل کے لئے کچھ بھی نہ ملا تو حضرت ابن عباس کے قول کو حجت بنالیا اور اسے قرآن کریم کے ذمہ لگا دیا حالانکہ قرآن مجید میں وجہ اور کفین کا کہیں ذکر نہیں ہے ان لوگوں کی وہی مثال ہے کہ چوہے کو ہلدی کی ایک گرہ مل گئی تو جلدی سے پنساری بن بیٹھا۔

نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھانے والوں کی گمراہی

بعض لوگوں نے نماز کے مسئلہ سے دھوکہ کھایا ہے خود سے دھوکہ کھانے کا بہانہ بنایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر میں داخل نہیں ہے' اس سے بھلا نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا کیسے ثابت ہوا؟ نماز میں جسم ڈھکنے کا مسئلہ اور ہے اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا یہ دوسری بات ہے' دیکھئے صاحب درمختار شروط الصلوٰۃ کے بیان میں حرہ یعنی آزاد عورت کی نماز میں پردہ پوشی کا حکم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں وللحرۃ جمیع بدنها حتی شعرها النازل فی الاصح خلا الوجه والکفین والقدمین علی المعتمد (اور آزاد عورت کے لئے اس کا سارا بدن ڈھانپنے کی جگہ ہے حتیٰ کہ صحیح قول کے مطابق اس کے لٹکے ہوئے بال بھی سوائے چہرے' ہتھیلیوں اور قدموں کے علاوہ معتبر قول کے مطابق) اس میں یہ بتایا کہ نماز میں آزاد عورت کے لئے چہرہ اور ہتھیلیاں اور دونوں قدم کے علاوہ سارے بدن کا ڈھانکنا لازم ہے یہاں تک کہ جو بال سر سے لٹکے ہوئے ہوں ان کا ڈھانکنا بھی ضروری ہے اس کے بعد لکھتے ہیں۔ وتمنع المرءۃ الشابة من کشف الوجه بین رجال لالا نه عورۃ بل لخوف الفتنة کمسه وان امن الشهوۃ لانه اغلظ ولذاثبتٌ به حرمة المصاهرۃ ولا یجوز النظر الیه بشهوۃ کوجه الامرد فانه یحرم النظر الی وجهها ووجه الامرد اذا شک فی الشهوۃ اما بدونها فیباح ولو جمیلا کما اعتمده الکمال۔ (اور نوجوان عورت کے لئے مردوں کے سامنے چہرہ ننگا کرنا ممنوع ہے اس لئے نہیں کہ وہ ڈھانپنا فرض ہے بلکہ فتنہ کے خوف سے جیسا کہ اس کا چھونا ممنوع ہے اگرچہ شہوت کا خوف نہ بھی ہو اس لئے کہ یہ شہوت میں زیادہ شدید ہے اس لئے اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ امرد کا چہرہ لہٰذا عورت کے چہرہ کو دیکھنا حرام ہے اور امرد کے چہرہ کو دیکھنا اس وقت حرام ہے جب شہوت کا خطرہ ہے اگر شہوت کے بغیر مباح ہے اگرچہ خوبصورت ہو جیسا کہ کمال نے اسے معتمد جانا ہے) فقہاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو نماز کے مسئلے سے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے پر استدلال کر سکتے ہیں اس لئے انہوں نے کتاب الصلوٰۃ ہی میں نماز میں ستر عورت کا حکم بتا کر فوراً اسی جگہ یہ بھی بتا دیا کہ جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں فتنہ کا ڈر ہے اور جوان عورت کے چہرہ کی طرف اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف شہوت سے دیکھنا جائز نہیں ہے جبکہ اس میں شک ہو کہ شہوت یعنی نفس کی کشش ہو گی جب اس میں

شک ہو کہ دیکھنے میں شہوت ہوگی یا نہیں اس صورت میں نہ صرف یہ کہ عورت کے چہرہ پر نظر ڈالنا حرام ہے بلکہ بے ریش لڑکے کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ پھر جب شہوت کا یقین ہو یا غالب گمان ہو تو نظر ڈالنا کیونکر حرام نہیں ہوگا؟

اب سمجھ لیا جائے کہ اس زمانہ میں جو عورت چہرہ کھول کر باہر نکلے گی اس پر نظریں ڈالنے والے مرد عموماً شہوت والے ہیں یا بلا شہوت والے ہیں۔

صاحب جلالین کی عبارت پڑھئے وہ لکھتے ہیں وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَهو الوجه والكفان فيجوز نظره لاجنبي ان لم يخف فتنة في احد الوجهين والثاني يحرم لانه مظنة الفتنة ورجح حسماللباب یعنی مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے (حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں لہٰذا اگر فتنہ کا خوف ہو تو اجنبی کو دیکھنا جائز ہے یہ (شافعیہ کے نزدیک) ایک رائے ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ چونکہ چہرہ کو دیکھنے میں فتنہ کا احتمال ہے اس لئے اجنبی کو نامحرم عورت کا چہرہ دیکھنا حرام ہے اس رائے کو ترجیح دی گئی ہے تاکہ فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے (معلوم ہوا کہ محققین شافعیہ کا بھی یہی فرمانا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنا لازم ہے)

تکمیل: اسلام میں حیا اور شرم کی بہت اہمیت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے (مشکوۃ المصابیح ص ۴۳۲)

حیا کے تقاضوں میں جہاں نامحرموں سے پردہ کرنا ہے وہاں مردوں کے آپس کے اور عورتوں کے آپس کے پردہ کے بھی احکام ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کوئی مرد کسی مرد کی شرم کی جگہ کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرم گاہ کو دیکھے اور نہ دو مرد (کپڑے اتار کے) ایک کپڑے میں لیٹیں۔ اور نہ دو عورتیں (کپڑے اتار کر) ایک کپڑے میں لیٹیں (رواہ مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح عورت کا عورت سے اور مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے لیکن پردوں میں تفصیل ہے۔ ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کسی بھی مرد کو کسی مرد کے طرف دیکھنا حلال نہیں ہے۔ بہت سے لوگ آپس میں زیادہ دوستی ہو جانے پر پردہ کی جگہ ایک دوسرے کو بلا تکلف دکھا دیتے ہیں یہ سراسر حرام ہے اسی طرح عورت کو عورت کے سامنے ناف سے لیکر گھٹنوں کے ختم تک کھولنا حرام ہے۔

مسئلہ: جتنی جگہ میں نظر کا پردہ ہے اتنی جگہ کو چھونا بھی درست نہیں ہے چاہے کپڑے کے اندر ہاتھ ڈال کر ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کسی بھی مرد کو یہ جائز نہیں کسی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کہ حصہ کو ہاتھ لگائے۔ اسی طرح کوئی عورت کسی عورت کے ناف کے نیچے کے حصہ کو گھٹنوں کے ختم تک ہاتھ نہیں لگا سکتی اسی وجہ سے حدیث بالا میں دو مردوں کو ایک کپڑے میں لیٹنے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہی ممانعت عورتوں کے لئے بھی ہے یعنی دو عورتیں ایک کپڑے میں نہ لیٹیں۔

یہ جو کچھ بیان ہوا ضرورت اور مجبوری کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں مجبوری صرف دو جگہ پیش آتی ہے۔ اول تو بچہ پیدا

کرانے کے وقت اس میں بھی دائی جنائی نرس لیڈی ڈاکٹر صرف بقدر ضرورت پردہ کی جگہ پر نظر ڈال سکتی ہے اور کسی کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

دوسری مجبوری علاج کے مواقع میں پیش آتی ہے اس میں بھی **الضرورۃ تقدر بقدر الضرورۃ** کا لحاظ کرنا لازم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہو۔ معالج بس اسی قدر دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً اگر ران میں زخم ہو تو حکیم یا ڈاکٹر صرف اتنی جگہ دیکھ سکتا ہے جس کا دیکھنا ضروری ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ پرانا کپڑا پہن کر زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے پھر اسے صرف معالج دیکھ لے جیسے مثلاً آپریشن کرنا ہے یا کولہے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگانا ہے تو صرف انجکشن لگانے کے لئے ذرا سی جگہ کھولی جائے جسکا طریقہ اوپر مذکور ہے اور جس جگہ کو علاج کی مجبوری سے ڈاکٹر یا حکیم کو دیکھنا جائز ہے دوسرے لوگوں کو دیکھنا جائز نہیں جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دیکھنا بلا ضرورت ہے۔ اگر کسی حکیم کو ایسی عورت کے نبض دکھانی ہو جو حکیم کی محرم نہ ہو تو نبض کی جگہ پر انگلی رکھ سکتا ہے اس سے زیادہ مریضہ کے جسم کو ہاتھ نہ لگائے۔ ان باتوں کو خوب سمجھ لیا جائے۔

تذییل: اگر کوئی نامحرم عورت اپنے رشتہ دار یا غیر رشتہ دار سے پردہ نہ کرے تو نامحرم مردوں کو اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہو جاتا پردہ حکم شرعی ہے خود عورت کی اجازت سے یا اس کے شوہر کی اجازت سے یا کسی بھی شخص کے کہنے یا اجازت دینے سے محرموں کو اس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہو جاتا۔ اس طرح ملازمت کے کام انجام دینے کی وجہ سے بے پردہ ہو کر نامحرموں کے سامنے آجانا گناہ ہے لوگ مسلم خواتین کو بے حیاء نصرانی لیڈیوں کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں ایک مسلمان عورت کسی کافر عورت کی نقل کیوں اتارے؟ ہمارا دین کامل ہے ہمیں اپنے دینی امور میں یا دنیاوی مسائل میں کافروں کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

یاد رہے کہ جیسے نامحرم عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح بے ریش لڑکوں پر یا باریش نوجوانوں پر یا ڈاڑھی منڈے خوبصورت مردوں پر شہوت کی نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ شہوت کی نظر وہ ہے جس میں نفس اور نظر کو مزا آئے اور آجکل لڑکوں اور مردوں کی کسی ہوئی پتلون نے۔ جو ننگا ہونے کے برابر ہے۔ بدنظری کے مواقع بہت زیادہ فراہم کر دیئے ہیں۔ ہر مومن بدنظری سے بچے بدنظری گناہ بھی ہے اور اس سے دل کا ناس ہو جاتا ہے نماز اور ذکر تلاوت میں دل نہیں لگتا۔ اور اس کے برخلاف ناجائز نظر پڑ جانے پر نظر پھیر لینے سے ایسی عبادت کے نصیب ہونے کا وعدہ ہے جس کی حلاوت یعنی مٹھاس محسوس ہوگی۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۱۷)

حضرت حسن سے (مرسلاً) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۰ از بیہقی فی شعب الایمان)

یہ حدیث بہت سی جزئیات پر حاوی ہے جس پر بطور قاعدہ کلیہ ہر نظر حرام کو سبب لعنت بتایا ہے بلکہ اس پر بھی لعنت بھیجی

ہے جو اپنی خوشی اور اختیار سے ایسی جگہ کھڑا ہو جائے جہاں دیکھنے والے ایسی نظر ڈال سکیں جو شریعت میں حلال نہ ہو ننگوں کے جو کلب ہیں ان کے ممبر بننا ناچنے والی عورتوں کا اور ناچنے والے مردوں کا نظارہ کرنے والے سب لعنت کے مستحق ہیں۔

اگر کوئی عورت بغیر پردہ کے بازار میں یا میلہ میں یا پارک میں چلی گئی جس کی وجہ غیر مردوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ مرد اور عورت لعنت کے مستحق ہوئے اسی طرح کوئی عورت دروازہ سے یا کھڑکی سے یا برآمدہ سے باہر تکتی جھانکتی ہے تو یہ عورت بدنظری کی وجہ سے مستحق لعنت ہے اور غیر مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے کی وجہ سے بھی لعنت کی مستحق ہوتی ہے اسی طرح شادی کے موقع پر سلامی کے لئے جب دولہا اندر گھر میں آیا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے کا موقع دیا تو یہ دولہا عورتوں کے درمیان بیٹھنے کی وجہ سے اور عورتیں اس کو دیکھنے کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہوئیں، کسی عورت نے کسی عورت کو اگر ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کا حصہ پورا یا کچھ دکھلا دیا تو دیکھنے والی اور دکھانے والی دونوں لعنت کی مستحق ہوئیں۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی مرد کے سامنے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک پورا حصہ یا کچھ حصہ کھول دیا تو دکھلانے والا اور دیکھنے والا دونوں لعنت کے مستحق ہوئے، کسی عورت نے اپنے محرم یعنی باپ بھائی وغیرہ کے سامنے اپنا پیٹ یا پیٹھ یا ران یا گھٹنا کھول دیا تو دیکھنے والا اور دکھانے والی دونوں نے لعنت کا کام کر لیا، بہت سے مغربیت زدہ گھرانوں میں یہ آفت ہے کہ انگریز عورتوں کی دیکھا دیکھی صرف ایک فراک پہنے ہوئے گھروں میں رہتی ہیں اور پائجامہ یا ساڑھی کی جگہ ذرا سی لنگوٹی یا جانگیا پہنے رہتی ہیں، جس کی وجہ سے رانیں اور گھٹنے گھر کے مردوں کے سامنے بلکہ نوکروں کے سامنے بھی (جن کو گھروں میں رکھنا حرام ہے) کھلے رہتے ہیں۔ اس طرز عمل سے گھر کے سب مرد و عورت لعنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ
اور تم میں سے جو بے نکاح ہو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں سے جو نیک ہو ان کا نکاح کر دیا کرو، اگر وہ تنگدست ہوں تو
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾
اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے گا اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے۔

نکاح کی ضرورت اور عفت و عصمت محفوظ رکھنے کی اہمیت

تفسیر: ان آیات میں ان لوگوں کا نکاح کر دینے کا حکم فرمایا ہے جو بانکاح نہ ہوں جس کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ اب تک نکاح ہوا ہی نہ ہو دوسری یہ کہ نکاح ہو کر چھوٹ چھڑاؤ ہو گیا ہو یا میاں بیوی میں سے کسی کی وفات ہو گئی ہو، آیت شریفہ میں جو لفظ ایامی وارد ہوا ہے یہ ایم کی جمع ہے۔ عربی میں ایم اس مرد کو کہتے ہیں جس کا جوڑا نہ ہو چونکہ نکاح ہو جانے سے مرد اور عورت کے نفسانی ابھار کا انتظام ہو جاتا ہے اور نکاح پاکدامن رہنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اس لئے شریعت اسلامیہ میں اپنا نکاح کرنے اور دوسروں کا نکاح کرا دینے کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ نکاح ہو جانے سے نفس

ونظر پاک رہتے ہیں گناہ کی طرف دھیان چلا بھی جائے تو اپنے پاس نفس کی خواہش پورا کرنے کے لیے انتظام ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کرلیا تو اس نے آدھے دین کو کامل کرلیا لہٰذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے (مشکوۃ المصابیح ص ۲۶۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے کا مقدور ہو وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح نظروں کو نیچی رکھنے اور شرم گاہ کو پاک رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور جسے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو وہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزے رکھنے سے اس کی شہوت دب جائے گی (رواہ البخاری ص ۷۰۸ ج ۲)

مستقل طور پر قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ نسل بڑھانا مقصود ہے اور مسلمان کی جو اولاد ہوتی ہے وہ عموماً مسلمان ہی ہوتی ہے اور اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کی امت بڑھتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جس سے دل لگے اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)

اگر مردانہ قوت زائل نہ کی جائے پھر کبھی نکاح کا مقدور ہو جائے تو اس میں اولاد سے محرومی نہ ہوگی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا **لیس منا من خصی ولا اختصی ان خصاء امتی الصیام** (مشکوۃ المصابیح ص ۲۹ از شرح السنہ) یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی بنے' بے شک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔

عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے اختیار فرمایا تھا (۱) شرم کرنا (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا (رواہ الترمذی وھو اول حدیث من ابواب النکاح فی کتابہ) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو شہوت کا غلبہ ہو اور اسے غالب گمان ہو کہ حدود شریعت پر قائم نہ رہ سکے گا نفس ونظر کو محفوظ نہ رکھ سکے گا اور اس کے پاس نکاح کرنے کے وسائل بھی موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا واجب ہے۔ اگر شہوت کا غلبہ ہے اور نکاح کے وسائل نہیں یا کوئی عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہیں تو گناہ میں مبتلا ہونا پھر بھی حلال نہیں شہوت دبانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے روزے رکھنے کا نسخہ بتایا ہے اس پر عمل کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ توفیق دے دے تو نکاح کرلیں۔

چونکہ عام طور سے اپنے نکاح کی کوشش خود نہیں کی جاتی اور خاص کر عورتیں اور ان میں بھی کنواری لڑکیاں اپنے نکاح کی خود بات چلانے سے شرماتی ہیں اور یہ شرم ان کے لئے بہترین ہے جو ایمان کے تقاضوں کی وجہ سے ہے اس لئے اولیاء کو لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرنے کے لئے متفکر رہنا لازم ہے اسی طرح بڑے عمر کے بے شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کے

لئے فکر مند رہنا چاہئے۔ آیت شریفہ جو **وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی** فرمایا ہے اس میں یہی بتایا ہے آجکل لوگوں نے نکاح کو ایک مصیبت بنا رکھا ہے دیندار جوڑ نہیں ڈھونڈتے اور دنیا داری اور ریا کاری کے دھندے پیچھے لگا رکھے ہیں جن کی وجہ سے بڑی بڑی عمروں کے مرد اور عورت بے نکاح کے بیٹھے رہتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں بے شرم ہو کر خود سے اپنا جوڑ ڈھونڈ لیتی ہیں اور کورٹ میں جا کر قانونی نکاح کر لیتی ہیں اب ماں باپ چونکتے ہیں کہ ہائے ہائے یہ کیا ہوا۔ اور بعض مرتبہ یہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوتا اولاد کے نکاحوں کے سلسلے میں لوگوں کی بے دھیانی اور بے راہی کی وجہ سے برے برے نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو تم اس سے نکاح کر دو اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے (۱) اس کے مال کی وجہ سے (۲) اس کے مرتبہ کی وجہ سے (۳) اس کی خوبصورتی کی وجہ سے (۴) اس کے دین کی وجہ سے، سو تو دین والی عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جا اللہ تجھے سمجھ دے (رواہ البخاری)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا ہے کہ مرد یا عورت دونوں کے لئے دیندار اور حسن اخلاق سے متصف جوڑا تلاش کیا جائے۔ آجکل دینداری کی بجائے دوسری چیزں کو دیکھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے خرچوں کے انتظام میں دیر لگنے کی وجہ سے لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں ریا کاری کے جذبات سادہ شادی نہیں کرنے دیتے۔ ہیں تو سید صاحب لیکن اپنی ماں فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مطابق بیٹا بیٹی کے نکاح کرنے کو عار سمجھتے ہیں اگر کوئی توجہ دلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ آج کل کا دور ہی ایسا ہے، لیکن یہ نہیں سوچتے کہ اس دور کو لانے والا کون ہے خود ہی ریا کاری کا رواج ڈالا اور اب کہہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے اخراجات نہ ہوں تو لڑکی کا نکاح کیسے کریں اور کس سے کریں؟ مسلمانو! ایسی باتیں چھوڑو، سادگی میں آ جاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ برکت کے اعتبار سے سب سے بڑا نکاح وہ ہے جس میں خرچہ کم سے کم ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۸)

غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں کے نکاح کا حکم کر دینے کے بعد فرمایا **وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ** یعنی اپنے غلاموں میں سے ان غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دیا کرو جو صالح ہوں بعض مفسرین نے فرمایا کہ صالحین سے وہ غلام اور باندیاں مراد ہیں جن میں نکاح کی صلاحیت ہو اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے صالح کے معروف معنی یعنی نیک ہونا مراد ہے، جو معنی بھی مراد لیا جائے غلام اور باندی کے آقا کے لئے مستحب ہے کہ ان میں صلاح اور صلاحیت دیکھے تو نکاح کر دے۔ **قال فی روح المعانی والامر ھنا قیل للوجوب والیہ ذھب اھل الظاھر، وقیل للندب والیہ ذھب الجمھور** (روح المعانی میں ہے بعض نے کہا ہے یہاں امر وجوب کے لئے ہے اور اہل ظاہر اسی طرف گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ استحباب کے لئے اور جمہور کا رجحان اسی طرف ہے) غلاموں اور باندیوں کے نکاحوں اور ان سے پیدا شدہ اولاد کے

مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ آزاد مرد اور عورت اور مملوک مرد اور عورت کا نکاح کا حکم دینے کے بعد فرمایا اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے گا) وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (اور اللہ وسعت والا ہے جاننے والا ہے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکاح کرنے کی مالی مدد فرمائے گا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تنگدستی کی وجہ سے نکاح کرنے سے باز نہ رہیں اگر کوئی مناسب عورت مل جائے تو نکاح کر لیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے کر لیا ہے۔

(۱) وہ مکاتب جو ادائیگی کی نیت رکھتا ہے (عنقریب ہی مکاتب کا معنی معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ)

(۲) وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامن رہنے کی نیت سے نکاح کرے۔

(۳) وہ مجاہد جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے (رواہ النسائی کتاب النکاح)

پھر فرمایا وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ کہ جو لوگ نکاح پر قدرت نہ رکھتے ہوں ان کے پاس مال و اسباب نہیں گھر در نہیں تو وہ اس کو عذر بنا کر اپنی عفت اور عصمت کو داغدار نہ کر لیں۔ نظر اور شرم گاہ کی حفاظت کا اہتمام کریں، یوں نہ سمجھ لیں کہ جب میں نکاح نہیں کر سکتا تو نفس کے ابھار و خواہشات کو زنا کے ذریعہ پورا کر لوں۔ زنا بہر حال حرام ہے، اس کے حلال ہونے کے کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کا انتظار کریں۔ جب مقدور ہو جائے نکاح کریں اور صبر سے کام لیں اور نفس کے جذبات کو دبانے کی تدبیر حدیث شریف میں گزر چکی ہے کہ روزے رکھا کریں۔

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ

اور تمہاری ملکیت میں جو لوگ ہیں ان میں سے جو مکاتب ہونے کی خواہش رکھتے ہوں انہیں

الْکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ فَکَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

مکاتب بنا دو اگر تم ان میں بہتری پاؤ۔ اور تم انہیں اللہ کے مال میں سے دے دو

الَّذِیْۤ اٰتٰىکُمْ ؕ وَلَا تُکْرِهُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ

جو اس نے تمہیں دیا ہے اور اپنی باندیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں تاکہ تم کو

الدُّنْیَا ؕ وَمَنْ یُّکْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِکْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْکُمْ

دنیاوی زندگی کا کوئی مال مل جائے۔ اور جو شخص ان پر زبردستی کرے تو اللہ انہیں مجبور کرنے کے بعد بخشنے والا ہے مہربان ہے اور ہم نے تمہاری طرف

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کی بعض حکایات اور متقیوں کے لئے نصیحت نازل کی ہیں۔

غلاموں اور باندیوں کو مکاتب بنانے کا حکم

تفسیر: غلام اور باندیوں کے بارے میں شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام ہیں جو حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں انہیں احکام میں سے ایک مکاتبت بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنے غلام یا باندی سے کہے کہ اگر تو مجھے اتنی رقم دے دے تو آزاد ہے اگر غلام یا باندی اسے منظور کر لے تو پھر وہ آقا کی خدمت سے آزاد ہو جاتا ہے غلام تو رہتا ہے لیکن اپنے کسب میں آزاد ہو جاتا ہے۔ جب بھی مقررہ پوری رقم دے دے آزاد ہو جائے گا۔ جب غلام کا آقا سے مکاتبت کا معاملہ ہو جائے جسے کتابت بھی کہتے ہیں تو غلام مکاتب ہو گیا اگر غلام سے یہ طے ہوا ہے کہ ابھی نقد لا کر رقم دے دے تو آزاد ہے اور وہ کسی سے ادھار قرض کر کے اپنے آقا کو رقم دے دے تو اسی وقت آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر یہ طے ہوا کہ اتنے عرصہ میں اتنی قسطوں میں رقم ادا کرتے رہنا جب آخری قسط دے دو گے تو آزاد ہو جاؤ گے۔ تو اس صورت میں مکاتب اموال کسب کرتا رہے اور آقا کو دیتا رہے جب آخری قسط ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ اگر وہ کسب سے عاجز ہو جائے یا یوں کہہ دے کہ میں آگے قسط نہیں دے سکتا تو دوبارہ اسی طرح سے غلام ہو جائے گا جیسے غلام ہوا کرتے ہیں۔ یعنی دوبارہ پوری طرح آقا کے اختیارات اس پر محکم ومسلط ہو جائیں گے۔

تفسیر درمنثور ص ۴۵ ج ۵ میں کتاب معرفۃ الصحابہ لابن سے نقل کیا ہے کہ صبیح نامی ایک غلام نے اپنے آقا حویطب بن عبدالعزی سے کہا مجھے مکاتب بنا دو انہوں نے انکار کر دیا تو آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ نازل ہوئی، معالم التنزیل ص ۳۴۲ ج ۳ میں بھی یہ واقعہ لکھا ہے اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آیت نازل ہونے کے بعد صبیح کے آقا نے سو دینار پر مکاتب بنا دیا اور اس میں سے بیس دینار اپنے مکاتب کو بخش دیئے یہ مکاتب بھی مسلمان تھا جو غزوہ حنین میں شہید ہوا رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس کے آقا حضرت حویطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی تھے۔

چونکہ آیت میں لفظ كَاتِبُوْهُمْ (امر کا صیغہ) وارد ہوا ہے اس لئے حضرت عطاء اور عمرو بن دینار نے فرمایا ہے کہ اگر غلام اپنی قیمت یا اس سے زیادہ پر کتابت کا معاملہ کرنا چاہے اور اپنے آقا سے درخواست کرے تو آقا پر واجب ہے کہ اسے مکاتب بنا دے اور اپنی قیمت سے کم پر مکاتب بنانے کا مطالبہ کرے تو آقا کے ذمہ مکاتب بنانا واجب نہیں ہے۔ لیکن اکثر اہل علم نے یوں فرمایا ہے کہ یہ حکم ایجابی نہیں ہے استحباب کے لئے ہے۔ یعنی غلام کے کہنے پر اگر آقا اسے مکاتب بنا دے تو بہتر ہے اگر نہ بنائے گا تو گنہگار نہ ہوگا (ذکرہ فی معالم التنزیل)

فَكَاتِبُوْهُمْ کے ساتھ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا بھی فرمایا ہے یعنی اگر تم ان کے اندر خیر پاؤ تو انہیں مکاتب بنا دو، خیر

سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں در منثور میں ابوداؤد اور سنن بیہقی سے رسول اللہ کا ارشاد ہے نقل کیا کہ اگر تم ان میں حرفہ یعنی کمائی کا ڈھنگ دیکھو تو انہیں مکاتب بنادو اور انہیں اس حال میں نہ چھوڑ دو کہ لوگوں پر بوجھ بن جائیں (مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر اگر مال کمانے کی طاقت اور طریقہ کار محسوس کرو تو مکاتب بنادو ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں سے مانگ کر مال جمع کرتے پھریں اور اس سے تمہیں بدل کتابت ادا کریں)

در منثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے کسی غلام کو مکاتب نہیں بناتے تھے۔ جب تک یہ نہ دیکھ لیتے تھے کہ یہ کما کر دے سکے گا' اور یوں فرماتے تھے کہ (اگر یہ کمانے کا اہل نہ ہوا تو) مجھے لوگوں کے میل کچیل کھلائے گا یعنی مانگ مانگ کر لائے گا

جب آقا کسی غلام کو مکاتب بنادے تو اب وہ حلال طریقوں پر مال کسب کر کے اپنے آقا کو قسطیں دیتا رہے دو تین صفحات پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ تین شخصوں کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ ان میں سے ایک وہ مکاتب بھی ہے جس کا ادائیگی کا ارادہ ہو۔

بعض حضرات نے خیر سے نماز قائم کرنا مراد لیا ہے یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ نماز قائم کریں گے تو تم انہیں مکاتب بنادو (ذکرہ فی معالم التنزیل عن عبیدۃ) لیکن اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کافر کو مکاتب بنانا جائز نہ ہو' حالانکہ وہ بھی جائز ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ خیر سے یہ مراد ہے کہ آزاد ہو جانے کے بعد وہ مسلمانوں کے لئے مصیبت اور ضرر کا باعث نہ بنے اگر کسی غلام کے بارے میں یہ محسوس ہوتا ہو کہ آزاد ہونے کے بعد مسلمانوں کو تکلیف دے گا تو ایسے غیر مسلم کو مکاتب نہ بنانا افضل ہے (ذکرہ فی الروح ص ۱۵۵ ج ۱۸)

اس کے بعد فرمایا وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ (اور انہیں اس مال میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے) اس کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے حضرت عثمان' حضرت علی حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آقا کو خطاب ہے کہ جسے مکاتب بنانا ہے اس کے بدل کتابت میں سے ایک حصہ معاف کر دے اور یہ ان حضرات کے نزدیک واجب ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے ۱/۴ معاف کر دے یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ معاف ۱/۳ کر دے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے جتنا چاہے معاف کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک غلام کو پینتیس ہزار درہم کے عوض مکاتب بنایا پھر آخر میں پانچ ہزار درہم چھوڑ دیئے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی غلام کو مکاتب بناتے تھے تو شروع کی قسطوں میں سے کچھ معاف نہیں کرتے تھے پھر آخری قسط میں سے جتنا چاہتے تھے چھوڑ دیتے تھے۔

آیت بالا کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا خطاب عام مسلمانوں کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ عامۃ المسلمین

مکاتب کی مدد کریں' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مکاتب کو زکوٰۃ کی رقم دینا مراد ہے کیونکہ سورہ توبہ میں مصارف زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے وَفِي الرِّقَابِ بھی فرمایا ہے (وہذا کلہ من معالم التنزیل ص ۳۴۳ ج ۳)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک دیہات کا آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرادے آپ نے فرمایا کہ جان کو آزاد کردے اور گردن کو چھڑا دے' اس نے عرض کیا کہ کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! (پھر فرمایا کہ) جان کا آزاد کرنا یہ ہے کہ تو کسی جان کو (غلام ہو یا باندی) پورا پورا اپنی ملکیت سے آزاد کردے' اور فک رقبۃ (اور گردن کا چھڑانا) یہ ہے کہ تو اس کی قیمت میں مدد کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۳' از بیہقی فی شعب الایمان)

علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن ص ۳۲۲ میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ امام ابویوسف امام زفر امام محمد امام مالک امام ثوری نے فرمایا ہے کہ آقا کے ذمہ یہ واجب نہیں ہے کہ مال کتابت میں سے کچھ وضع کرے اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر وہ کچھ رقم خود سے کم کردے تو یہ مستحسن ہے پھر چند وجوہ سے ان حضرات کے قول کی تردید کی ہے جنہوں نے یوں فرمایا ہے کہ آقا پر بدل کتابت کا کچھ حصہ معاف کردینا واجب ہے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (اور اپنی باندیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں تاکہ تم کو دنیاوی زندگی کا کوئی مال مل جائے) زمانہ جاہلیت میں لوگ زنا کاری کے خوگر تھے عورتیں اس پیشہ کو اختیار کرکے مالدار بنی رہتی تھیں زنا کاری کے اڈوں پر جھنڈے لگے رہتے تھے جس سے لوگ پہچان لیتے تھے کہ یہاں کوئی زنا کار عورت رہتی ہے (معالم التنزیل) جب آزاد عورتیں ہی زنا کاری کے پیشہ سے مال حاصل کرتی تھیں تو اس کے لئے باندیاں اور زیادہ استعمال کی جاتی تھیں۔ لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ اپنی اپنی باندیوں سے کہتے تھے کہ جاؤ زنا کرو پیسے کما کر لاؤ وہ زنا کار مردوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں اور زنا کاری کی اجرت میں جو پیسے ملتے تھے وہ اپنے آقاؤں کو لاکر دے دیتی تھیں' جب اسلام کے احکام نازل ہوئے تو زنا کاری کو حرام قرار دے دیا۔ اور زنا کی اجرت کو بھی حرام قرار دے دیا (کما رواہ مسلم عن رافع بن خدیج ان النبی ﷺ قال ثمن الكلب خبيث ومهر البغي خبيث وكسب الحجام خبيث (جیسا کہ مسلم نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کتے کے بدلے لئے ہوئے پیسے خبیث ہیں۔ فاحشہ عورت کا مہر خبیث ہے اور حجام کی کمائی خبیث ہے) لیکن جن لوگوں کو باندیوں کو زنا کاری کے لئے بھیج کر پیسہ کمانے کی عادت تھی انہیں اسلام کا فیصلہ اچھا نہ لگا تفسیر درمنثور ص ۴۶ ج ۵ میں کتب حدیث سے ایسی متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں یہ بیان کیا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی باندیاں تھیں وہ زمانہ جاہلیت میں ان سے زنا کرا کر پیسے کماتا تھا' جب اسلام کا زمانہ آیا تو انہیں زنا کرنے پر مجبور کیا جب انہوں نے انکار کیا تو بعض کو اس نے مارا بھی' اللہ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہ دنیاوی مال حاصل کرنے کے لئے اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں)

اس میں جو آخری الفاظ ہیں کہ اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باندیاں پاکدامن نہ رہنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور کرنا جائز ہے بلکہ آقاؤں کو زجر و تنبیہ اور غیرت دلانا مقصود ہے کہ باندی تو پاکدامن رہنا چاہتی ہے اور تم بے غیرتی کے ساتھ انہیں زنا کے لئے مجبور کر کے زنا کی اجرت لینا چاہتے ہو‘ اب جاہلیت والی بات نہیں رہی اب تو زنا بھی حرام ہے خوشی اور رضامندی سے ہو یا کسی کی زبردستی سے‘ اور زنا کا حکم دینا اور اس پر مجبور کرنا بھی حرام ہے اور اس کی اجرت بھی حرام ہے‘ چونکہ عبداللہ بن ابی مسلمان ہونے کا دعویدار تھا اس لئے آیت شریفہ میں لفظ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا بڑھا دیا کہ باندی زنا سے بچ رہی ہے اور تو اسے زنا کے لئے مجبور کر رہا ہے یہ کیسا دعوائے مسلمانی ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ یُّکْرِھْھُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنْ م بَعْدِ اِکْرَاھِھِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور جو شخص ان پر زبردستی کرے تو انہیں مجبور کرنے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے) مطلب یہ ہے کہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے اگر کسی نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ کے مغلوب ہو کر زنا کر بیٹھی تو اللہ تعالیٰ اسکے گناہ معاف فرما دے گا اور اس کا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔ فی معالم التنزیل وَمَنْ یُّکْرِھْھُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنْ م بَعْدِ اِکْرَاھِھِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی للمکرھات والوزر علی المکرہ وکان الحسن اذا قرا ھذہ الآیۃ قال لھن واللہ لھن واللہ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ مجبور کی جانے والیوں کو بخشنے والا ہے اور گناہ مجبور کرنے والے پر ہے اور جب یہ آیت تلاوت کی جاتی تو حضرت حسن فرماتے عورتوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے ہے)

پھر فرمایا وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں جنہیں واضح طور پر بیان کر دیا ہے اور جو امتیں تم سے پہلے گزری ہیں ان کے بھی بعض احوال اور واقعات بیان کر دیئے ہیں جن میں تمہارے لئے عبرت ہے اور ایسی چیزیں نازل کی ہیں جن میں متقیوں کے لئے نصیحت ہے (نصیحت تو سب ہی کے لئے ہے لیکن جن کا گناہوں سے بچنے کا ارادہ ہے وہی اس سے مستفیض ہوتے ہیں اس لئے اہل تقویٰ کے لئے مفید ہونے کا خصوصی تذکرہ فرمایا) قال صاحب الروح ص ۱۶۰ ج ۱۸ وقیدت الموعظۃ بقولہ سبحانہ (للمتقین) مع شمولھا للکل حسب شمول الانزال حثا للمخاطبین علی الاغتنام بالانتظام فی سلک المتقین ببیان انھم المغتنمون لآثارھا المقتبسون من انوارھا فحسب۔ (صاحب روح فرماتے ہیں جب بیان کر کے کہ متقین نصیحت کے آثار سے نفع مند ہوتے ہیں اور اس کے انوارات حاصل کرتے ہیں مخاطبین کو متقین میں شامل ہونے کی ترغیب دینے کے لئے موعظت کو للمتقین کے ساتھ مقید کیا گیا ہے باوجود اس کے کہ اپنے نزول کے لحاظ سے سب کو شامل ہے)

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے‘ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک شیشہ کے قندیل میں ہے

اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ ۙ

وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو وہ چراغ بابرکت درخت سے روشن کیا جاتا ہو جو زیتون ہے یہ درخت نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف

یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے نور علیٰ نور ہے‘ اللہ جسے چاہتا ہے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے اور لوگوں کے لئے اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا منور فرمانے والا ہے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اول تو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے' حضرات مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے لفظ نور منوّر کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو روشن فرمادیا ہے یہ روشنی آسمانوں اور زمین کے لئے زینت ہے اور یہ زینت صرف ظاہری روشنی تک محدود نہیں۔

حضرات ملائکہ آسمانوں میں رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں اس سے بھی عالم بالا میں نورانیت ہے اور زمین میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام تشریف لائے انہوں نے ہدایت کا نور پھیلایا اس سے اہل زمین کو نورانیت حاصل ہے اور چونکہ ایمان کی وجہ سے آسمان اور زمین کا بقاء ہے (ایمان والے نہ ہونگے تو قیامت آجائے گی) اس لئے ایمان کی نورانیت سے آسمان اور زمین سب منور ہیں اسی معنی کو لیکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا هدى اهل السمٰوات والارض فهم بنوره الى الحق يهتدون وبهداه من الضلالة ينجون (راجع معالم التنزیل ص ۳۴۵ ج ۴ وروح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۸)

پھر فرمایا مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (اللہ کے نور کی ایسی مثال ہے جیسے ایک طاقچہ ہے جس میں ایک چراغ رکھا ہوا ہے اور وہ چراغ ایسے قندیل میں ہے جو شیشہ کا بنایا ہوا ہے اور وہ قندیل ایسا صاف شفاف ہے جیسے چمکدار ستارہ ہو۔ چراغ تو خود ہی روشن ہوتا ہے پھر وہ ایسے قندیل میں جل رہا ہے جو شیشہ کا ہے اور شیشہ بھی معمولی نہیں اپنی چمک دمک میں ایک چمکدار ستارہ کی طرح ہے۔ پھر وہ چراغ جل بھی رہا ہے ایک بابرکت درخت کے تیل سے جسے زیتون کہا جاتا ہے۔ زیتون کے جس درخت سے یہ تیل لیا گیا ہے وہ درخت بھی کوئی ایسا عام درخت نہیں بلکہ وہ ایسا درخت ہے جو مشرق کے رخ پر ہے نہ مغرب کے رخ پر یعنی اس پر دن بھر دھوپ) پڑتی ہے نہ تو مشرق کی جانب کوئی آڑ ہے جو اس کی دھوپ کو روکے' اور نہ مغرب کی طرف کوئی آڑ ہے جو اس جانب سے آنے والی دھوپ کو روکے یہ درخت کھلے میدان میں ہیں جہاں اس پر دن بھر دھوپ پڑتی رہتی ہے' ایسے درخت کا تیل بہت صاف روشن اور لطیف ہوتا ہے کمال یہ ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی چھوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ابھی خود بخود جل اٹھے گا' چراغ روشن ہے' پھر اس میں کئی طرح سے روشنی بڑھنے کے اسباب موجود ہیں۔ یہ سب چیزیں جمع ہو کو نور علیٰ نور (روشنی پر روشنی) کی شان پیدا ہوگئی ہے تشبیہ ہے اور ایک مثال ہے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے جس نور کو مثال مذکور میں بیان فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت حسن اور زید بن اسلم نے فرمایا کہ اس سے قرآن کریم مراد ہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے

سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے وہ نور مراد ہے جو مومن بندوں کے دلوں میں ہے وہ اسی نور کے ذریعہ ہدایت پاتے ہیں جیسے سورہ زمر میں یوں بیان فرمایا اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ میں بیان فرمایا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ نور سے فرماں برداری مراد ہے۔ وهو راجع الى قول ابن مسعود وابن عباس (راجع معالم التنزيل)

صاحب بیان القرآن نے اس مقام پر تشبیہ کو واضح کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لئے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے گو بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو۔ کیونکہ علم تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسے وہ روغن زیتون آگ لگنے سے پہلے ہی روشنی کے لئے مستعد تھا مومن بھی علم احکام سے پہلے ہی ان پر عمل کے لئے مستعد ہوتا ہے اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نور عمل یعنی عمل کے پختہ ارادہ کے ساتھ نور علم بھی مل جاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے پس عمل و علم جمع ہو کر نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ صادق آ جاتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ علم احکام کے بعد اس کو کچھ قائل تامل و تردد ہو کہ اگر موافق نفس کے پایا قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا اسی انشراح اور نور کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (یعنی جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے) اور ایک جگہ فرمایا فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ تلاوت فرمائی، پھر فرمایا بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل کر دیا جاتا ہے تو پھیل جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعہ اس کو پہچان لیا جائے آپ نے فرمایا ہاں دار الغرور (دھوکے کے گھر یعنی دنیا) سے دور رہنا اور دار الخلود (ہمیشگی والے گھر) کی طرف متوجہ ہونا اور موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری کرنا یہ اس نور کی علامت ہے (اخرجه البيهقي في شعب الايمان كما في المشكوة ص ۴۴۶)

پھر فرمایا يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے) اللہ کی ہدایت ہی سے ایمان بھی نصیب ہوتا ہے اور اعمال صالحہ کی بھی توفیق ہوتی ہے۔ اور نفس کو ترک ممنوعات اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کی آسانی ہو جاتی ہے نفس بھی دل کے نیک جذبات کا تابع ہو جاتا ہے اور دونوں کو اعمال صالحہ میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ (اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے) تا کہ ان کے ذریعہ مضامین عقلیہ محسوس چیزوں کی طرح سمجھ میں آ جائیں۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) سب کے اعمال و احوال اسے معلوم ہیں اپنے علم و حکمت کے موافق جزا سزا دے گا۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾

ایسے گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے ایسے لوگ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

جنہیں اللہ کی یاد سے، اور نماز پڑھنے سے، اور زکوٰۃ دینے سے، سوداگری اور خرید و فروخت کرنا غفلت میں نہیں ڈالتا،

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ۙ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی، تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے

وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اپنے فضل سے انہیں اور بھی زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بلاحساب رزق دیتا ہے۔

نیک بندے قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں بیع اور تجارت کے اشغال انہیں اللہ کے ذکر سے اور اقامت صلوٰۃ وادائیگی زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتے

تفسیر: ان آیات میں مساجد اور اہل مساجد کی فضیلت بیان فرمائی ہے لفظ فِیْ بُیُوْتٍ جو جار مجرور ہے کس سے متعلق ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں تفسیر جلالین میں ہے کہ یہ یُسَبِّحُ سے متعلق ہے جو اس سے متاخر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے تجارت اور مال کی فروختگی غفلت میں نہیں ڈالتی ایسے گھروں میں صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان گھروں سے مسجدیں مراد ہیں (کما وقع عند مسلم وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ، الحدیث) علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ صبح و شام اللہ کا ذکر کرنے سے پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ کیونکہ نماز فجر صبح کے وقت ادا کی جاتی ہے اور باقی نمازیں دن ڈھلنے کے بعد ادا کی جاتی ہیں، لفظ آصال اصیل کی جمع ہے جو ظہر عصر مغرب اور عشاء چاروں نمازوں پر صادق آتا ہے اور بعض علماء نے فرمایا اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہے۔ (انتھی ما فی معالم التنزیل) تفسیر جلالین نے پہلے قول کو لیا ہے انہوں نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ العشایا من بعد الزوال.

خواہ پانچ نمازیں مراد لیجائیں یا صرف فجر اور عصر مراد لی جائے بہر صورت آیت کریمہ میں نمازیوں کی تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ مسجدوں میں وہ لوگ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی' دنیا کی ضرورت کے لئے تجارت میں مشغول تو ہو جاتے ہیں لیکن بازار میں ہوتے ہوئے تجارت کی مشغولیت کو پیچھے ڈال کر نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ بازار میں موجود تھے نماز کا وقت ہو گیا تو لوگ کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ انہیں لوگوں کے بارے میں آیت کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ نازل ہوئی۔

تجارت اور خرید و فروخت کے اوقات میں نمازوں کے اوقات آ ہی جاتے ہیں اس موقعہ پر خصوصاً عصر کے وقت میں جبکہ کہیں ہفت روزہ بازار لگا ہوا ہو یا خوب چالو مارکیٹ میں بیٹھے ہوں اور گاہک پر گاہک آ رہے ہوں کاروبار چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھنا اور پھر مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کرنا تاجر کے لئے بڑے سخت امتحان کا وقت ہوتا ہے' بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مال کی محبت سے مغلوب نہ ہوں اور نماز کی محبت انہیں دکان سے اٹھا کر مسجد میں حاضر کر دے۔

اِقَامِ الصَّلٰوةِ کے ساتھ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ بھی فرمایا ہے اس میں نیک تاجروں کی دوسری صفت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ یہ لوگ تجارت تو کرتے ہیں جس سے مال حاصل ہوتا ہے اور عموماً یہ مال اتنا ہوتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مال کی محبت انہیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں ہوتی' جتنی بھی زکوٰۃ فرض ہو جائے حساب کر کے ہر سال اصول شریعت کے مطابق مصارف زکوٰۃ میں خرچ کر دیتے ہیں۔

درحقیقت پوری طرح صحیح حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرنا بہت اہم کام ہے جس میں اکثر پیسے والے فیل ہو جاتے ہیں' بہت سے لوگ تو زکوٰۃ دیتے ہی نہیں اور بعض لوگ دیتے ہیں لیکن حساب کر کے پوری نہیں دیتے' اور بہت سے لوگ اس وقت تک تو زکوٰۃ دیتے ہیں جب تک تھوڑا مال واجب ہو۔ لیکن جب زیادہ مال کی زکوٰۃ فرض ہو جائے تو پوری زکوٰۃ دینے پر نفس کو آمادہ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں ایک ہزار میں سے پچیس روپیہ نکال دیں چار ہزار میں سے سو روپیہ دے دیں۔ یہ نفس کو نہیں کھلتا لیکن جب لاکھوں ہو جاتے ہیں تو نفس سے مغلوب ہو جاتے ہیں' اس وقت سوچتے ہیں کہ ارے اتنا زیادہ کیسے نکالوں؟ مگر یہ نہیں سوچتے کہ جس ذات پاک نے یہ مال دیا ہے اسی نے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور ہے بھی کتنا کم؟ سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ' جس نے حکم دیا وہ خالق اور مالک ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ پورا ہی مال خرچ کر دینے کا حکم فرما دے اور وہ چھیننے پر اور مال کو ہلاک کرنے پر بھی قادر ہے' پھر زکوٰۃ ادا کرنے میں ثواب بھی ہے اور مال کی حفاظت بھی ہے یہ سب باتیں مومنین مخلصین کی ہی سمجھ میں آتی ہیں۔

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ (یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہونگے) اوپر جن حضرات کی تعریف فرمائی کہ انہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہیں روکتی ان کا ایک اور وصف بیان فرمایا جس پر تمام اعمال صالحہ کا اور منکرات ومحرمات کے چھوڑنے کا مدار ہے' بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان ہے اور وہاں کے حساب کی پیشی کا یقین ہے وہ لوگ نیکیاں بھی اختیار کرتے ہیں گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور انہیں اپنے اعمال پر غرور اور گھمنڈ نہیں ہوتا وہ اچھے سے اچھا عمل کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ ٹھیک طرح ادا ہوا یا نہیں عمل بھی کرتے ہیں اور آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ قیامت کا دن بہت سخت ہوگا اس میں آنکھیں بھی چکرا جائیں گی اور ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہ ہونگے۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ (اللہ انہیں اسی دن کے لئے مہلت دیتا ہے جس دن آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائیں گی جلدی جلدی چل رہے ہونگے اوپر کو سر اٹھائے ہونگے ان کی آنکھیں ان کی طرف واپس نہ لوٹیں گی اور ان کے دل ہوا ہونگے) جس نے اس دن کے مواخذہ اور محاسبہ کا خیال کیا اور وہاں کی پیشی کا مراقبہ کیا اور خوف کھاتا رہا اور ڈرتا رہا کہ وہاں میرا کیا بنے گا ایسا شخص دنیا میں فرائض اور واجبات بھی صحیح طریقے پر انجام دے گا اور گناہوں سے بچے گا اور اسے آخرت کی فلاح اور کامیابی نصیب ہوگی۔ سورہ مومنون میں جو فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ اس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا ان ڈرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی نہیں (اس سے یہ لوگ مراد نہیں) بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان سے ان کا عمل قبول نہ کیا جائے ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ (یہ وہ لوگ ہیں جو اچھے کاموں میں آگے بڑھتے ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۷)

درحقیقت آخرت کا فکر اور وہاں کا خوف گناہوں کے چھڑانے اور نیکیوں پر لگانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

فائدہ: مساجد کے بارے میں جو فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ فرمایا ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تُرْفَعَ بمعنی تبنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت مجاہد تابعی کا قول ہے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ترفع بمعنی تعظم ہے کہ ان مساجد کی تعظیم کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یعنی ان کا ادب کیا جائے ان میں وہ کام اور وہ باتیں نہ کی جائیں جو مسجد کے بلند مقام کے خلاف ہیں (ذکر البغوی القولین فی معالم التنزیل)

مساجد کی تعمیر بھی مامور بہ ہے اور مبارک ہے جس کا بڑا اجر وثواب ہے اور ان کا ادب کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ مسجدوں کو پاک وصاف رکھنا ان میں برے اشعار نہ پڑھنا' بیع وشراء نہ کرنا اپنی گمشدہ چیز تلاش نہ کرنا۔ پیاز لہسن کھا کر یا

کسی بھی طرح کی بدبومنہ میں یا جسم میں یا کپڑے میں لیکر آنے سے پرہیز کرنا' ان میں دنیاوالی باتیں نہ کرنا بہت چھوٹے بچوں کوساتھ نہ لے جانا یہ سب چیزیں مسجد کی تعظیم میں داخل ہیں۔ مساجد کی اصل آبادی یہ ہے کہ اذانیں دیکر مسلمانوں کو نماز کے لئے بلایا جائے اور داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھی جائے اور جماعت سے نمازیں پڑھی جائیں۔ اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے' قران مجید کی تعلیم ہو دینی باتیں سکھائی اور پڑھائی جائیں' ایک نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کیا جائے ان میں اعتکاف کیا جائے۔ نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو مسجد ہی میں دل اٹکا رہے احادیث شریفہ میں ان امور کا اہتمام کرنے کا حکم فرمایا ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مساجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دیدے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (رواہ الترمذی والدارمی کمافی المشکوٰۃ ص ۶۹)

فائدہ: آیت شریفہ میں جو لفظ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ وارد ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے یہ استنباط کیا ہے کہ رجال یعنی مرد مسجدوں میں آئیں ان میں نماز پڑھیں اور ذکر و تلاوت کریں اور درس میں مشغول ہوں یہ مردوں ہی کے لئے مناسب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو بعض شرطوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت تو دی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ بیوتھن خیر لھن اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عورت کی نماز اس کے گھر میں یعنی اندر کے حصے میں اس نماز سے بہتر ہے جو صحن میں پڑھے اور خوب اندر کے کمرہ میں نماز پڑھے یہ اس سے بہتر ہے کہ اپنے گھر کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھے (رواھما ابوداؤد ص ۸۴ ج ۱)

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے)

وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (اور انہیں اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے) وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (اور اللہ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے) ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھے سے اچھا اجر ہے اور زیادہ سے زیادہ ثواب ہے اور بلا حساب رزق ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھ رہا ہو یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا

یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ

تو اس کو کچھ بھی نہ پایا۔ اور اس نے وہاں اللہ کی قضاء کو پالیا سو اللہ نے اس کا حساب پورا کر دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے یا جیسے کسی گہرے سمندر کے

فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ

اندرونی حصہ میں اندھیریاں ہوں جسے موج نے ڈھانک رکھا ہو۔ اس کے اوپر ایک موج ہو اس کے اوپر بادل ہو۔ اندھیریاں ہیں بعض

بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

بعض کے اوپر ہیں۔ جب اپنے ہاتھ کو نکالے تو اسے نہ دیکھ پائے۔ اور جس کے لئے اللہ نور نہیں مقرر نہ فرمائے سو اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

کافروں کے اعمال ریت کی طرح سے ہیں جو دور سے پانی معلوم ہوتا ہے

تفسیر: اہل ایمان کے اعمال کی جزا بتانے کے بعد کافروں کے اعمال کا تذکرہ فرمایا اور آخرت میں ان کے منافع سے محرومی ظاہر کرنے کے لئے دو مثالیں ظاہر فرمائیں' کافر لوگ دنیا میں بہت سے اعمال کرتے ہیں۔ مثلاً صلہ رحمی بھی کرتے ہیں۔ جانوروں کو کھلاتے ہیں' چیونٹیوں کے بلوں میں آٹا ڈالتے ہیں مسافر خانے بناتے ہیں کنویں کھدواتے ہیں' اور پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمیں موت کے بعد فائدہ پہنچے گا ان کی اس غلط فہمی کو واضح کرنے کے لئے دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ پہلی مثال یہ کہ ایک شخص پیاسا ہو وہ دور سے سراب یعنی ریت کو دیکھے اور اسے یہ سمجھے یہ پانی ہے (سخت دوپہر کے وقت جنگلوں کے چٹیل میدانوں میں سے دور سے ریت پانی معلوم ہوتا ہے) اب وہ جلدی جلدی اپنے خیال میں پانی کی طرف چلا وہاں پہنچا تو جو کچھ اس کا خیال تھا اس کے مطابق کچھ بھی نہ پایا وہاں تو ریت نکلا (جو سخت گرم تھا نہ اسے کھا سکتا ہے نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے) جس طرح اس پیاسے کا گمان جھوٹا نکلا اسی طرح کافروں کا یہ خیال کہ ظاہری صورت میں جو اچھے اعمال کرتے ہیں یہ موت کے بعد نفع بخش ہونگے غلط ہے کیونکہ اعمال صالحہ کے اخروی ثواب کے لئے ایمان شرط ہے وہاں پہنچیں گے تو کسی عمل کا جسے نیک سمجھ کر کیا تھا کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا کما قال تعالیٰ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے' جیسے پریشان غبار لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو جو بظاہر نیک ہوں بالکل ضائع نہیں فرماتا ان کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کسی مومن پر ایک نیکی کے بارے میں بھی ظلم نہیں فرمائے گا دنیا میں بھی اس کا بدلہ دے گا اور آخرت میں بھی اس کی جزا دے گا لیکن کافر جو نیکیاں اللہ کے لئے کرتا ہے دنیا میں اس کا بدلہ دے دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی بھی نیکی نہ بچی ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے (رواہ مسلم)

وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ (اور اس نے اللہ کو اپنے عمل کے پاس پایا سو اس نے اس کا حساب پورا کر دیا) یعنی دنیا میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جا چکا ہوگا۔

قال صاحب معالم التنزیل ص۳۴۹ ج۳ ووجد اللہ عندہ ای عند عملہ فوفہ حسابہ ای جزاء عملہ اھ وقال صاحب الروح ۸۸۷ ج ۱۸ وقیل وجد اللہ تعالیٰ محاسبا ایاہ علی ان العندیۃ بمعنی الحساب لذکر التوفیۃ بعد بقولہ سبحانہ فوفاہ حسابہ ای اعطاہ وافیا کاملا حساب عملہ وجزاءہ اواتم حسابہ بعرض الکتبۃ ماقدمہ (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں ووجد اللہ عندہ یعنی اس نے اپنے عمل کے پاس اللہ تعالیٰ کو پایا۔ فوفہ حسابہ یعنی اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بعض نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا حساب کرنے والا پایا اس بناء پر کہ یہاں فوفی کے ذکر کی وجہ سے عند حساب کے معنی میں ہے یعنی اسے اس کے حساب کا پورا پورا بدلہ دیا یا یہ کہ اس کے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے کے مطابق اس کا حساب مکمل کر دیا)

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے) یعنی اسے حساب لینے میں دیر نہیں لگتی اور ایک کا حساب کرنا دوسرے کا حساب لینے سے مانع نہیں ہوتا۔

کافروں کے اعمال کی دوسری مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوْ كَظُلُمَاتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ یا یوں سمجھو جیسے بہت سی اندھیریاں بڑے گہرے سمندر کے اندرونی حصہ میں ہوں اور اس سمندر کو ایک بڑی موج نے ڈھانک لیا ہو پھر اس موج کے اوپر دوسری موج ہو پھر اس کے اوپر بادل ہو نیچے اوپر اندھیریاں ہی اندھیریاں ہیں۔ اگر کوئی شخص دریا کی تہہ میں ہو جہاں مذکورہ اندھیریوں پر اندھیریاں ہوں اور اپنا ہاتھ نکال کر دیکھنا چاہے تو وہاں اس کے اپنے ہاتھ کے دیکھنے کا ذرا بھی احتمال نہیں۔ اسی طرح کافر بھی گھٹاٹوپ گھپ اندھیریوں میں ہیں وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے اعمال کا اچھا نتیجہ نکلے گا حالانکہ اس کا کچھ بھی اچھا نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے مفسر ابن کثیر (ص ۲۹۶ ج ۳) فرماتے ہیں کہ پہلی مثال ان کافروں کی ہے جو جہل مرکب میں مبتلا ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے نفع مند ہونگے اور دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو جہل بسیط میں مبتلا ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کفر کے سرغنوں کے مقلد ہونے کی وجہ سے کافر ہیں انہیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے قائد کا کیا حال ہے اور وہ ہمیں کہاں لے جائے گا۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ تم کہاں جا رہے ہو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرداروں کے ساتھ ہیں پھر جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ نہیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جو موت کے بعد ثواب ملنے کے قائل ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے نیک اعمال ہمارے لئے نفع مند ہونگے اور دوسری مثال ان کافروں کی جو قیامت اور آخرت کو مانتے ہی نہیں اور وہ اعمال کی جزا سزا کے منکر ہیں۔ ان کے پاس وہمی نور بھی نہیں (جبکہ پہلے قسم کے کافروں کے پاس ایک وہمی اور خیالی نور تھا) سو جن لوگوں نے آخرت کے لئے کوئی عمل کیا ہی نہیں ان کے لئے تو بس ظلمت ہی ظلمت ہے۔

مفسر ابن کثیر نے ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ کافر پانچ اندھیریوں میں ہے اس کی بات ظلمت ہے، اس کا عمل ظلمت ہے اس کا اندر جانا (عمارت میں داخل ہونا) ظلمت ہے اور اس کا نکلنا ظلمت ہے اور قیامت کے دن وہ دوزخ کی اندھیریوں میں داخل کر دیا جائے گا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (اور اللہ جس کے لئے نور مقرر نہ فرمائے اس کے لئے کوئی نور نہیں) یہ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کے مقابلہ میں فرمایا، مومن کو اللہ نے نور دیا فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اور کافر کے لئے اللہ نے نور مقرر نہیں فرمایا لہٰذا وہ کفر کی ظلمتوں میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ہر ایک نے اپنی

صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى

نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے۔ اور جن کاموں کو لوگ کرتے ہیں اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور

اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٤٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى

اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادل کو چلاتا ہے۔ پھر بادلوں کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے'

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ

پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے نکل رہی ہے۔ اور بادل سے یعنی بادل کے بڑے بڑے ٹکڑوں میں سے جو پہاڑ کی طرح ہیں اولے برساتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ

پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو ہٹا دیتا ہے' قریب ہے کہ اس کی بجلی کی روشنی آنکھوں کو ختم کر دے۔ اور اللہ

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ

رات اور دن کو بدلتا ہے اس میں ضرور عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے' اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو پانی

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

سے پیدا فرمایا پھر ان میں بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں

عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤٥﴾

جو چار پاؤں پر چلتے ہیں بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آسمان اور زمین والے اور صفیں بنائے ہوئے پرندے اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں ہر ایک کو اپنی اپنی نماز کا طریقہ معلوم ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ کی قدرت کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں اور مخلوق میں جو اس کے تصرفات ہیں ان میں سے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو رہنے اور بسنے والے ہیں وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ وہ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے۔ اس مخلوق میں پرندے بھی ہیں جو پر پھیلائے ہوئے فضا میں اڑتے ہیں یہ بھی اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں ان کا فضاء میں اڑنا اور زمین پر نہ گرنا ان کے پروں کی حرکتوں کو اس قابل بنانا کہ ان سے اڑیں اور زمین پر نہ گریں ان سب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے یہ مضمون کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں پہلے بھی گزر چکا ہے اور قرآن مجید میں بہت سی جگہ مذکور ہے۔

اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہونا زبان قال سے بھی' اور زبان حال سے بھی ہے۔ جو لوگ اہل زبان ہیں وہ زبان

سے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور جن چیزوں کو قوت گویائی عطا نہیں فرمائی گئی وہ بھی اپنے حال کے مطابق اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اول تو ہر چیز کا وجود ہی اس بات کو بتاتا ہے کہ اس کا خالق مالک قادر مطلق اور حاکم متصرف ہے پھر اللہ تعالیٰ نے جس کو جو فہم اور شعور عطا فرمایا ہے اپنے اس شعور سے اللہ کی تسبیح میں اور اس کی عبادت میں مشغول ہے فرشتوں میں اور انسانوں اور جنات میں زیادہ عقل فہم ہے اس سے کم حیوانات میں (وہ بھی مختلف ہے) اور اس سے کم نباتات میں اور اس سے کم جمادات میں ہے فیما بین العباد جمادات میں بظاہر فہم وادراک اور شعور ہے اسی لئے سورہ بقرہ میں پتھروں کے بارے میں فرمایا ہے وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ اور سورہ حج میں فرمایا اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ مزید سمجھنے کے لئے مذکورہ دونوں آیتوں کی تفسیر دیکھی جائے۔ انوار البیان ج ا

آیت بالا میں جو كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ فرمایا ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کے رہنے اور بسنے والے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہمیں اپنے خالق جل مجدہ کی تسبیح میں اور نماز میں کس طرح مشغول رہنا چاہئے۔ بعض حضرات نے صلوٰۃ بمعنی دعاء لیا ہے یہ معنی مراد لینا بھی درست ہے لیکن صلوٰۃ کا معروف معنی لیا جائے تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ جس طرح بنی آدم دوسری مخلوق کی تسبیح کو نہیں سمجھتے کما قال تعالٰی فی سورۃ الاسراء وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ اسی طرح اگر دوسری مخلوق کی نماز کو نہ جانیں اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تسبیح اور صلوٰۃ اطاعت اور انقیاد مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس کام میں لگا دیا وہ اس میں لگی ہوئی ہے اور جس کو جو الہام فرمادیا وہ اسی کے مطابق اپنی ڈیوٹی پوری کرنے میں مشغول ہے۔

یہاں یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کے وجود ہی کو نہیں مانتے ان کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار ان کی خلقت کے ان کا اپنا وجود ہی اللہ کی تنزیہ بیان کرنے کے لئے کافی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان نالائقوں کو تنبیہ کرنے ہی کے لئے تو ارشاد فرمایا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے تم ایسے ناہنجار ہو کہ جس نے تمہیں پیدا کیا اس کو نہیں مانتے اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول نہیں ہوتے اسی لئے آیت کے آخر میں وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ فرمایا ہے (اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو لوگ کرتے ہیں) اسے اہل ایمان کے اعمال کا بھی علم ہے اور وہ اہل کفر کو بھی جانتا ہے وہ سب کی جزا سزا اپنے علم و حکمت کے موافق نافذ فرما دے گا۔ قال صاحب الروح ج ۱۸ ص ۱۸۷ وانما تسبیحھم ما ذکر من الدلالۃ التی یشار کھم فیھا غیر العقلاء ایضا وفی ذلک من تخطئتھم وتعییرھم ما فیہ

اس کے بعد فرمایا وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک) وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ (اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) وہ خالق و مالک ہے حقیقی متصرف ہے یہاں جو برائے نام کوئی مجازی حکومت ہے وہ کوئی بھی نہ رہے گی۔ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ ہی کے ہوں گے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا (الایہ) اس میں عالم علوی کے بعض تصرفات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بادل کو دوسری بادل کی طرف چلاتا ہے پھر ان سب کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ جمانے کے بعد اس میں سے بارش نازل فرماتا ہے۔ اے مخاطب تو دیکھتا ہے کہ اس کے درمیان سے بارش نکل رہی ہے' اور جب اس کی مشیت ہوتی ہے تو انہیں بادلوں کے بڑے بڑے حصوں میں سے جو پہاڑوں کے مانند ہیں اولے برسا دیتا ہے۔ یہ اولے بڑے خطرناک ہوتے ہیں جس کی جان یا مال کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بچا دیتا ہے اور جسے مالی جانی نقصان پہنچانا ہو وہ ان اولوں کو اس کی ہلاکت یا کثیر و قلیل ضرر کا سبب بنا دیتا ہے۔

قال صاحب الروح فی تفسیرہ قولہ تعالٰی وینزل من السماء من جبال ای من السحاب من قطع عظام تشبہ الجبال فی العظم' والمراد بھا قطع السحاب

بعض مرتبہ بادلوں میں بجلی پیدا ہوتی ہے جس کی چمک بہت تیز ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آنکھوں کی بینائی کو اچک لے گی۔ اس کا پیدا فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کے تصرفات میں سے ہے۔ اس کے ذریعہ اموات بھی ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے بچا لیتا ہے۔

انہی تصرفات میں سے رات اور دن کا الٹنا پلٹنا بھی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اسی کو فرمایا یُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ (اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کو پلٹتا ہے) رات اور دن کا تعلق ظاہری اعتبار سے آفتاب کے طلوع و غروب ہونے سے ہے' لیکن آفتاب بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اللہ نے جو طلوع و غروب کا نظام مقرر فرما دیا ہے اسی کے مطابق چلتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (بلاشبہ اس میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت ہے) جو شخص اپنی عقل و فہم اور بصیرت سے کام لے گا اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تکوین کے مظاہروں پر غور کرے گا اسے ضرور اللہ تعالیٰ کی توحید واضح طور سے سمجھ میں آ جائے گی اور جس نے اپنے لئے یہ طے کر لیا کہ مجھے دلائل میں غور نہیں کرنا اور حق کو نہیں ماننا تو وہ گمراہ ہی رہے گا۔

اس کے بعد بعض سفلی تصرفات کا تذکرہ فرمایا' ارشاد ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے پھرنے والی ہر چیز کو پانی سے پیدا فرمایا' اس سے حیوانات مراد ہیں جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں پھر ان جانوروں میں بعض وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ وغیرہ' اور بعض وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے (جبکہ خشکی میں ہوں) اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے اونٹ بھینس گائے بکری وغیرہ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اسے پورا اختیار ہے جیسے جس حال میں اور جس شکل و صورت میں پیدا فرمائے۔ اور جس کو جس طرح چاہے قوت و قدرت عطا فرمائے دیکھو پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کو جس طرح چلنے اور بھاگنے کی قوت عطا فرمائی ہے ان میں سے بہت سی دو اور چار ٹانگوں والی چیزوں کو عطا نہیں فرمائی نہیں چل سکتی۔ چھپکلی کو دیکھ لو وہ چھت سے الٹی لٹک کر بھی دوڑ لیتی ہے دوسری مخلوق ایسا کرے تو گر پڑے' چھپکلی چل بھی رہی ہے اور چپک بھی رہی ہے فسبحان من اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی.

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) جس کو جیسا چاہا بنایا و ماشاء اللہ کان و مالم یشالم یکن یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کے بارے میں دیکھا جاتا ہے کہ ان کا توالد و تناسل نطفہ سے نہیں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ان کا تو کوئی ماں باپ تھا ہی نہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں لفظ کل دابۃ بطور تغلیب کے استعمال فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ عام طور سے جو تم انسان اور چوپایوں کو دیکھتے ہو ان کی تخلیق نطفہ سے ہے اور بعض حضرات نے دوسرا جواب دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا پھر اس میں سے بعض کو آگ بنا دیا جس سے جنات پیدا فرمائے اور بعض کو مٹی بنا دیا اور اس سے انسان کو پیدا فرمایا اور بعض کو حصہ نور بنا دیا اس سے فرشتے پیدا فرمائے اور جتنی مخلوق وجود میں آئی اس کے وجود میں کسی نہ کسی طرح پانی کے جوہر کا وجود ہے۔ (من معالم التنزیل ص ۳۵۱ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۹۳ ج ۱۸)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾ وَیَقُوْلُوْنَ

واقعی بات یہ ہے کہ ہم نے ایسی آیات نازل کی ہیں جو بیان کرنے والی ہیں اور اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ

ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق روگردانی کر لیتا ہے اور یہ لوگ

بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

مومن نہیں ہیں اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو ان میں سے ایک فریق اسی وقت پہلو تہی کر لیتا ہے

وَاِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ

اور اگر ان کا کوئی حق ہو تو اس کی طرف فرمانبردار بنے ہوئے چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا انہیں شک ہے انہیں اس بات کا

یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

خوف ہے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کریں گے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

منافقوں کی دنیا طلبی‘ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف اور قبول حق سے اعراض

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے واضح آیات کھلی کھلی نشانیاں نازل فرمائی ہے جو حق اور حقیقت کو واضح کرنے والی ہیں جو عقل و فہم سے کام نہیں لیتا وہ دلائل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور گمراہی

کے راستے ہی اختیار کئے ہوئے رہتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیتا ہے اس کے بعد جو چار آیات ہیں ان کو سمجھنے کے لئے منافقین کے بعض واقعات کو سمجھنا چاہیے ایک واقعہ ہم سورہ نساء کی آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں وہ بشر نامی منافق کا قصہ ہے۔ایک واقعہ بعض مفسرین نے ان آیات کے ذیل میں لکھا ہے۔صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مغیرہ بن وائل سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا دونوں نے آپس میں بخوشی اس زمین کو تقسیم کر لیا اس کے بعد مغیرہ نے کہا کہ تم اپنی زمین مجھے بیچ دو حضرت علیؓ اس پر راضی ہو گئے بیع مکمل ہوگئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیمت پر اور مغیرہ نے زمین پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد کسی نے مغیرہ کو سمجھایا کہ تو نے یہ نقصان کا سودا کیا ہے۔یہ شور زمین ہے اس پر اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ اپنی زمین واپس لے لیں کیونکہ میں اس سودے پر راضی نہیں تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تو نے اپنی خوشی سے یہ معاملہ کیا ہے اور اس زمین کا حال جانتے ہوئے تو نے خریدا ہے۔مجھے اس کا واپس کرنا منظور نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ چل ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مقدمہ پیش کریں اس پر وہ کہنے لگا کہ میں محمد (علیہ السلام) کے پاس نہیں جاتا وہ تو مجھ سے بغض رکھتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں مجھ پر ظلم کر دیں اس پر آیت بالا نازل ہوئی چونکہ وہ شخص منافق تھا اس لئے اس نے مذکورہ بالا بے ہودہ گستاخی والی بات کہی۔اور چونکہ منافقین آپس میں اندرونی طور پر ایک ہی تھے اور گھل مل کر رہتے تھے نیز ایک دوسرے کا تعاون بھی کرتے تھے اس لئے آیت شریفہ میں طرز بیان اس طرح اختیار فرمایا کہ سب منافقین کو شامل فرما لیا مفسر ابن کثیر نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب منافقین میں سے کسی سے جھگڑا ہوتا اور وہ جھگڑا نمٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بلایا جاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آپ میرے ہی حق میں فیصلہ فرمائیں گے تو حاضر خدمت ہو جاتا اور اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ کسی پر ظلم کرے اور اسے خصومت کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے کہا جاتا تو اعراض کرتا تھا اور کسی دوسرے شخص کے پاس چلنے کو کہتا تھا منافقین نے اپنا یہ طریقہ کار بنا رکھا تھا۔اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔سبب نزول سمجھنے کے بعد اب آیات کا ترجمہ اور مطلب سمجھئے۔ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ (یعنی منافقین) ظاہری طور پر زبان سے یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہیں اس ظاہری قول و قرار کے بعد عملی طور پر ان میں سے ایک جماعت منحرف ہو جاتی ہے چونکہ حقیقت میں مومن نہیں ہیں اس لئے انہوں نے ایسا طرز عمل بنا رکھا ہے جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف آؤ تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا جائے تو ان کی ایک جماعت اس سے اعراض کرتی ہے (کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ظلم کر رکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونگے تو فیصلہ ہمارے خلاف جائے گا) اور اگر ان کا حق کسی پر آتا ہو تو اس حق کے وصول کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بڑی ہی فرماں برداری کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں۔مقصد ان کا صرف دنیا ہے ایمان کا اقرار اور فرماں برداری کا قول و قرار دنیاوی منافع ہی کے لئے ہے۔خدمت عالی میں حاضر ہونے کی

صورت میں بھی طالب دنیا ہی نہیں اور حاضری دینے سے اعراض کرنے میں بھی دنیا ہی پیش نظر ہوتی ہے۔

اَفِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ (کیا ان کے دلوں میں مرض ہے) یعنی اس کا یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں اَمِ ارۡتَابُوۡۤا (یا انہیں شک ہے) کہ آپ نبی ہیں یا نہیں اَمۡ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّحِیۡفَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ رَسُوۡلُہٗ (یا وہ یہ خوف کھاتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف سے ان پر ظلم ہوگا) مطلب یہ ہے کہ ان تین باتوں میں سے کوئی چیز نہیں ہے انہیں یہ بھی یقین ہے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو فیصلہ ہوگا اس میں ظلم نہیں ہوگا جب یہ بات ہے تو اعراض کا سبب صرف یہی رہ جاتا ہے کہ خود وہ ظالم ہیں بَلۡ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کا مال تو ہمیں مل جائے لیکن ہم پر جو کسی کا حق ہے وہ دینا نہ پڑے۔ اگر انہیں ڈر ہوتا کہ آپ کا فیصلہ انصاف کے خلاف ہوگا تو جب اپنا حق کسی پر ہوتا اس کے لئے بھی دوڑے ہوئے نہ آتے وہ جانتے تھے کہ آپ کا فیصلہ صاحب حق کے حق میں ہوگا۔ لیکن جب یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف ہوگا تو اعراض کرتے تھے۔ ان کا مقصود انصاف کرانا نہیں بلکہ دوسروں کا مال مارنا ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا
جب مومنین کو اللہ اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو ان کا کہنا یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔
وَاَطَعۡنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ
اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اور جو شخص اللہ کے اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۵۲﴾
سو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں

ایمان والوں کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا کہہ کر رضامندی ظاہر کر دیتے ہیں اور یہ لوگ کامیاب ہیں

تفسیر: اوپر منافقین کا حال بیان فرمایا کہ وہ صرف زبان سے ایمان اور اطاعت کا اقرار اور اعلان کر دیتے ہیں، پھر جب ان کے جھگڑوں کے فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف بلایا جاتا ہے تو اعراض کرتے ہیں اور بچ کر چلے جاتے ہیں، وہ لوگ اپنے ایمان کے اعلان و اقرار میں جھوٹے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں سچے مومنین کا قول و عمل بتایا

اور وہ یہ کہ جب انہیں کسی فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ ہر موقعہ پر سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ہی کہتے ہیں، ذرا بھی اعراض اور انحراف نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن بھی لیا مان بھی لیا یہ حضرات ہی کامیاب ہیں۔ یہ پہلی آیت کا مضمون ہے دوسری آیت میں اس بات کی مزید توضیح فرمائی اور دوبارہ کامیابی کی خوشخبری دی، فرمایا کہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے) وَيَخْشَ اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرے) وَيَتَّقْهِ (اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرے) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (سو یہی لوگ کامیاب ہیں) اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے اول اللہ تعالیٰ کی اطاعت دوم رسول ﷺ کی اطاعت (اطاعت میں وہ سب مامورات داخل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا اور اطاعت میں ان اعمال سے بچنا بھی داخل ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا، بلکہ سنن و آداب پر عمل کرنا بھی اطاعت کا جزو ہے) اور تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اس میں فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا داخل ہے اور چوتھی چیز یہ ہے کہ تمام گناہوں سے بچتا رہے گو اطاعت میں گناہوں سے بچنا بھی داخل ہے لیکن مزید تاکید اور اہتمام کے لئے اس کا تذکرہ فرمایا، مختصر الفاظ میں مومن بندوں کی کامیابی بتادی۔ اسی لئے آیت کے ختم پر فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ فرمادیا فائز یعنی کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچادیا جائے اور جنت میں داخل کردیا جائے جیسا کہ سورہ آل عمران میں فرمایا ہے فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز (سو جو شخص دوزخ سے بچادیا گیا اور جنت میں داخل کرادیا گیا وہ کامیاب ہوگیا)

مفسر ابن کثیر (ص ۲۹۹ ج ۳) نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یخشی اللہ سے ان گناہوں کے بارے میں ڈرنا مراد ہے جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں اور ویتقه سے یہ مراد ہے کہ آئندہ گناہوں سے بچے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

اور انہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور نکل جائیں گے آپ فرمادیجئے کہ قسم نہ کھاؤ، فرمانبرداری

مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا

پہچانی ہوئی ہے۔ بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ آپ فرمادیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی سو اگر تم روگردانی کروگے تو رسول کے ذمہ وہ ہے

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

جس کا ان پر بار رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا، اور اگر تم نے ان کی فرمانبرداری کی تو ہدایت پانے والے بن جاؤ گے۔ اور رسول کے

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

ذمہ صرف واضح طور پر پہنچادینا ہے

منافقوں کا جھوٹی قسمیں کھا کر فرمانبرداری کا عہد کرنا

تفسیر: ان آیات میں بھی روئے سخن منافقین کی طرف ہے وہ زوردار طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تو سراپا اطاعت ہیں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہیں اگر آپ کو حکم ہو ہم گھر بار چھوڑ کر نکل جائیں تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ آپ جب بھی جہاد کے لئے باہر نکلنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ ان کی تردید میں فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری جانی پہچانی ہوئی ہے قسمیں کھانے کے باوجود بھی تم اپنے وعدہ پر پورے نہیں اتر سکتے' حکم سن کر پھر خلاف ورزی کرو گے' اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جو شخص مخلص ہو اسے اپنے فرماں برداری ظاہر کرنے کے لئے قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو حکم کو مانتا چلا جاتا ہے۔ اس کا عمل اور طرز عمل ہی بتا دیتا ہے کہ وہ مخلص ہے اور جس کا فرماں برداری کا صرف دعویٰ ہو وہ اپنے دعوے کا بھرم رکھنے کے لئے بار بار قسمیں کھاتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور ہر حکم کے لئے حاضر ہوں' منافقین کا یہی طریقہ تھا کہ فرمانبرداری کا دعویٰ کرتے تھے اور اس پر قسمیں کھاتے تھے پھر جب حکم ہوتا تھا تو منہ موڑ لیتے تھے اور مومنین اخلاص کیساتھ فرمانبرداری میں لگے رہتے تھے انہیں قسم کھانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص کو آخرت میں بھی پیش ہونا ہے' میدان قیامت میں جب حساب ہوگا تو یہ زبانی دعوے اور جھوٹی قسمیں اور دھوکہ دینے کے ارادے اور شر و فساد کی نیتیں سب ہی کا انجام دیکھ لیں اگر بندوں کو پتہ نہ چلے تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ خبر ہے وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ میں اس مضمون کو واضح فرما دیا ہے۔

مزید فرمایا کہ اے منافقو! اگر تم فرمانبرداری سے بچو اور روگردانی کرو تو اس میں رسول ﷺ کا کچھ نقصان نہیں آپ ﷺ کے ذمہ جو بار ڈالا گیا ہے (یعنی تبلیغ کا کام) آپ اس کے ذمہ دار ہیں اور تم جانتے ہو کہ آپ نے اسے پورا کر دیا' اور تم پر جو بار ڈالا گیا تم اس کے ذمہ دار ہو یعنی تمہارے ذمہ فرمانبرداری ہے تم فرمانبرداری نہ کرو گے تو اپنا برا کرو گے۔

مزید فرمایا وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا اور اگر تم سچے دل سے اخلاص کے ساتھ اطاعت کرو گے تو راہ حق پا جاؤ گے۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اور رسول کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا پیغام واضح طور پر پہنچانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے (انہوں نے پہنچا دیا اب تم اپنی ذمہ داری پوری کرو) اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے جو نائب ہیں وہ امت کو جو بھی کوئی بات بتائیں واضح طور پر بتائیں جو صاف طور پر سمجھ میں آ جائے آگے عمل کرنے والے کی ذمہ داری ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

اور تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں ضرور ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ
ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور اس نے ان کے لئے جس دین کو پسند فرمایا ہے اسے ان کے لئے قوت دے گا ان کے خوف کے
بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ
بعد ضرور ضرور امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کرتے ہیں میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو یہی لوگ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا
نافرمان ہیں۔ اور نماز کو قائم کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے مخاطب
تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝۵۷ؑ
ان کے بارے میں یہ ہرگز خیال نہ کر کہ روئے زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور البتہ وہ بری جگہ ہے۔

ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں سے استخلاف اور تمکین فی الارض کا وعدہ

تفسیر: معالم التنزیل ص ۳۵۳ ج ۳ میں حضرت ابو العالیہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ نزول وحی کی ابتداء کے بعد ہی سے ثابت قدمی کے ساتھ مقیم رہے اور کافروں کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچتی تھیں ان پر بامر الٰہی صبر کرتے رہے صبح شام دشمنوں کی طرف سے خائف رہتے تھے پھر جب مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا حکم دے دیا گیا تو مدینہ منورہ پہنچ گئے، وہاں پہنچنے پر بھی دشمنوں سے چھٹکارا نہ ہوا (یہودی بھی دشمن تھے اور منافقین سے بھی خطرہ رہتا تھا) اس لئے ہر شخص ہتھیار بند رہتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص کے منہ سے یہ نکل گیا تھا کہ کیا ہم پر کوئی ایسا دن بھی آئے گا جس میں ہم امن وامان سے ہونگے اور ہتھیار ساتھ رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریم وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (آخر تک نازل فرمائی) اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا تمہیں زمین میں اقتدار واختیار دے گا دشمن مغلوب ہونگے عرب وعجم پر تمہارا تسلط ہوگا ان سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے زمین میں خلیفہ بنایا اور اقتدار سپرد فرمایا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی حکومت وسلطنت تو مشہور رہی ہے ان کے علاوہ بھی بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی اور زمین میں با اختیار اور با اقتدار بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (اے میری قوم! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی

جبکہ اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا)
اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ برحق ہے اس نے ہر وعدہ پورا فرمایا ہے اور آئندہ اس کے سارے وعدے پورے ہونگے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو وعدے فرمائے جو ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر تھے وہ سب پورے ہوئے پورے عرب (حجاز یمن شام عراق نجد) پر ان کا تسلط ہوا ان کے بعد آنیوالے مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم رہیں۔ صدہا سال افریقہ اور ایشیاء کے ممالک پر ان کا قبضہ رہا۔ انہیں پورا اختیار تھا کہ اپنے دین پر چلیں اور لوگوں کو چلائیں۔ اسلام کی دعوت دیں اسلام کو پھیلائیں وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ کا پورا پورا مظاہرہ تھا نہایت سکون اطمینان اور امن وامان کے ساتھ رہتے تھے۔ مکہ معظمہ کی زندگی میں جو خوف وہراس تھا پھر مدینہ منورہ میں جو چند سال خوف وخطر کے گزرے اسے اللہ تعالیٰ نے امن سے بدل دیا۔ اور وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ دیکھتی آنکھوں پورا ہو گیا۔ اس وعدہ کے پورا فرمانے کے ساتھ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا بھی فرمایا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ پر مضبوطی سے جمے رہیں اللہ کی عبادت کرتے رہیں اور کسی طرح کا شرک جلی یا خفی (عمل لغیر اللہ) اختیار نہ کریں۔

مسلمانوں کا شرط کی خلاف ورزی کرنا اور اقتدار سے محروم ہونا

پھر ہوا یہ کہ مسلمانوں نے شرط کی خلاف ورزی کی۔ ایمان بھی کمزور ہو گیا اعمال صالحہ بھی چھوڑ بیٹھے۔ عبادت الٰہیہ سے بھی پہلوتہی کرنے لگے۔ لہٰذا بہت سے ملکوں سے حکومتیں ختم ہو گئیں۔ اور بہت سی جگہ خوف وہراس میں مبتلا ہو گئے امن وامان تباہ ہو گیا۔ اور دشمنوں سے امن وامان کی اور اپنی حکومتیں باقی رکھنے کی بھیک مانگنے لگے۔ بڑی بڑی حکومتیں چھن جانے کے بعد اب بھی افریقہ اور ایشیاء میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں اور زمین کے بہت بڑے حصہ پر اب بھی انہیں اقتدار حاصل ہے۔ لیکن اصحاب اقتدار عموماً نام کے مسلمان ہیں۔ کہیں شیعیت کو اجاگر کیا جا رہا ہے اور کہیں شیوعیت کو امام بنا رکھا ہے کہیں مغربی جمہوریت پر ایمان لائے ہوئے ہیں کہیں الحاد اور زندقہ کو اپنا رکھا ہے قانون ہے کہ مغرب کا اور وضع قطع ہے تو نصاریٰ کی' پھر دشمن سے دبتے ہیں اور اسی کے کہنے کے مطابق کرتے ہیں۔ آپس میں جنگ ہے۔ دشمنوں سے رازداری ہے قرآن مجید میں جو لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا فرمایا ہے اس کی صریح خلاف ورزی ہے' ہر وقت خوف زدہ ہیں کہ دشمن ہمیں اقتدار سے نہ ہٹوا دیں یا قتل نہ کروا دیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے دور ہیں دشمنان اسلام کی فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے اپنا بھرم اور مضبوط تسلط کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے استخلاف اور تمکین کے وعدہ کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا تھا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (جو اس کے بعد ناشکری کرے گا تو یہی لوگ نافرمان ہیں) ہم نے لفظ کفر کا ترجمہ ناشکری سے کیا ہے کہ اس کا لغوی معنی ہے اور شریعت کی اصطلاح میں ایمان کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی

مراد ہو سکتے ہیں جو شخص کفر اختیار کر لے پورا نافرمان ہے ایسے شخص کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

اگر کوئی شخص کافر تو نہیں ہوا لیکن اعمال صالحہ سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منہ موڑے ہوئے ہے اسے گو کافر نہ کہا جائے گا لیکن فاسق اور باغی ضرور ہے۔ جب ایسے لوگوں کی اکثریت ہوگی اور مومنین صالحین اور علمائے عاملین کو برا کہا جائے گا اور عامۃ الناس قرآن و حدیث کی تعلیمات سے دور بھاگیں گے تو اللہ کی مدد نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ نے مدد اٹھالی ہے اس لئے حکومتیں ہوتے ہوئے بھی دشمنوں سے خائف ہیں اور ان کے دروازہ پر مال اور اقتدار کی دریوزہ گری کرنے میں منہمک ہیں ڈرتے رہتے ہیں کہ دشمن کی نافرمانی کر لی تو کرسی جاتی رہے گی۔ کاش مسلمانوں کے جتنے ملک ہیں سب متحد ہوتے' بلکہ ایک ہی امیر المومنین ہوتا جو سب کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق لے کر چلتا۔ اگر ایسا کر لیتے تو دشمن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لیکن اب تو مسلمانوں کی خود غرضی نے مسلمانوں کے ملکوں کو اور ان کے اصحاب اقتدار کو دشمنوں کا کھلونا بنا رکھا ہے۔

اگر آج بھی مسلمان مضبوط ایمان والے ہو جائیں اور اعمال صالحہ والے بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت خالصہ میں لگ جائیں تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ وہی دن آ جائیں گے جو خلافت راشدہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد دیگر ملوک صالحین کے زمانہ میں تھے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ دوبارہ فرمانبرداری کی زندگی پر آنے اور عبادات بدنیہ اور عبادات مالیہ ادا کرنے پر آ جائیں تو پھر رحم کے مستحق ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر تعجب ہے کہ جن فاسقوں کو بار بار آزما چکے ہیں انہی کو دوبارہ اقتدار پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کے بعد فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ (اے مخاطب کافروں کے بارے میں یہ خیال نہ کر کہ روئے زمین میں عاجز کرنے والے ہیں)

اس میں یہ بتا دیا کہ کوئی بھی خیال کرنے والا یہ خیال نہ کرے کہ کافر لوگ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ کی گرفت سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھاگ کر اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ اور موت تو بہر حال سب کو آنی ہی ہے۔ زمین میں جو شخص جہاں بھی ہو اپنی مقررہ اجل کے موافق اس دنیا سے چلا جائے گا اور کافر کا عذاب تو موت کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے' کافروں کو جو دنیا میں عذاب ہے وہ اپنی جگہ ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بری جگہ ہے اسی کو آخر میں فرمایا وما وھم النار' ولبئس المصیر۔

روافض قرآن کے منکر ہیں صحابہ کرام کے دشمن ہیں

دشمنان اسلام میں روافض یعنی شیعوں کی جماعت بھی ہے یہ لوگ اسلام کے مدعی اور اہل بیت کی محبت کے دعویدار

ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں نہ قرآن سے نہ اللہ کے رسول سے (علیہ) نہ حضرات صحابہ کرامؓ سے نہ حضرات اہل بیتؓ سے آیت استخلاف جو سورۂ نور کا جزو ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ سے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تمہیں خلیفہ بنائے گا اور تمکین فی الارض کی نعمت سے نوازے گا تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ وعدہ پورا ہو گیا۔

مسلمانوں کا اقتدار عرب اور عجم میں بڑھتا چڑھتا چلا گیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خلیفہ راشد تھے وہ مذکورہ بالا تینوں خلفاء کے ساتھ ایک جان اور دو قالب ہو کر رہے ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے ان کے مشوروں میں شریک رہے۔ پھر جب انہیں خلافت سونپ دی گئی تو یہ نہیں فرمایا کہ یہ حضرات خلفائے راشدین نہیں تھے یا خلافت کے غاصب تھے اور میں سب سے پہلے خلافت کا مستحق تھا وہ انہیں حضرات کے طریقہ پر چلتے رہے ان کے فتح کئے ہوئے ممالک کو باقی رکھا اور قرآن و حدیث کے موافق امور خلافت انجام دیئے۔ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے ان کی شہادت پر خلافت راشدہ کے تیس سال پورے ہو گئے رسول اللہ علیہ نے الخلافة من بعدی ثلاثون سنة فرمایا تھا اسی کے مطابق اہل السنۃ والجماعۃ مذکورہ پانچوں حضرات کو خلفاء راشدین مانتے ہیں لیکن زیادہ تر زبانوں پر چاروں خلفاء کے اسمائے گرامی آتے ہیں کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت چند ماہ تھی۔

اب روافض کی بات سنو وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر عثمان رضی اللہ عنہم خلیفہ راشد تو کیا ہوتے مسلمان ہی نہیں تھے روافض قرآن کے بھی منکر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم مرتبہ کے بھی (جو ان کے عقیدہ میں امام اول ہیں اور معصوم ہیں) ان کو بزدل بتاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خلافت کا اعلان نہیں کیا جس کے وہ اولین مستحق تھے اور جس کی ان کے پاس رسول اللہ علیہ کی طرف سے وصیت تھی ان لوگوں کے عقیدہ میں امام اول نے حق کو چھپایا اور اپنے سے پہلے تینوں خلفاء کے ساتھ مل کر رہے اور اس میں انہوں نے تقیہ کر لیا تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد روافض جن حضرات کو امام مانتے ہیں ان میں سے کسی کی خلافت قائم نہیں ہوئی۔ اگر ان لوگوں کی بات مان لی جائے کہ حضرت ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ عنہم وہ خلیفہ نہیں تھے جن کا آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تو قرآن مجید کا وعدہ صحیح ثابت نہیں ہوتا (العیاذ باللہ) شیعوں کے سامنے جب یہ بات آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ وعدہ امام مہدی پر پورا ہو گا۔ جھوٹے کا کام جھوٹ ہی سے چلتا ہے آیت شریفہ میں تو منکم وارد ہوا ہے جس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب فرمایا ہے یہ لوگ منکم کو نہیں دیکھتے اپنی گمراہی پر مصر ہیں یاد رہے قرآن مجید میں اور کسی جگہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان لفظ منکم وارد نہیں ہوا۔ وعدہ استخلاف کے بیان میں یہ لفظ آیا ہے وعدہ استخلاف کے ساتھ ہی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے روافض کی تردید فرمادی فلعنة الله علی من کذب بالقرآن۔

فائدہ: آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ کافروں کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر بھاگ

جائیں گے اس کے عموم میں وہ سب کافر داخل ہیں جو زمانہ نزول قرآن سے لیکر آج تک اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور ان کے ملکوں کو توڑتے ہیں اور اپنی برتری کے لئے تدبیریں کرتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں بھی تباہ ہونگے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہونگے۔ فلیتفکر الکافرون ومنھم الروافض المفسدون۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
اے ایمان والو جو تمہارے مملوک ہیں اور تم میں سے وہ لڑکے جو بلوغ کو نہیں پہنچے
مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ
تین وقتوں میں اجازت لیا کریں، نماز فجر سے پہلے اور جس وقت تم دوپہر میں اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو،
وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ
اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کوئی
بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ
گناہ نہیں ہے۔ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے ہیں، کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اللہ اسی طرح تمہارے لئے احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ
علیم ہے حکیم ہے، اور تمہارے لڑکے جب حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اجازت لیں جیسے ان لوگوں نے اجازت لی جو
مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾
ان سے پہلے ہیں اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

گھروں میں داخل ہونے کے لئے خصوصی طور پر تین اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کیا جائے

تفسیر: اسی سورۃ نور کے چوتھے رکوع میں کسی کے پاس اندر جانے کے لئے اجازت لینے اور اجازت نہ ملنے پر واپس ہوجانے کا حکم مذکور ہے وہ حکم اجانب کے لئے ہے جن کا اس گھر سے رہنے سہنے کا تعلق نہ ہو جس میں اندر جانے کی اجازت طلب کرنا چاہتے ہوں۔

ان دو آیتوں میں ان اقارب اور محارم کا حکم فرمایا ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں اور ان سے عورتوں کو پردہ کرنا بھی واجب نہیں ہے ان میں ان بچوں کا حکم بیان فرمایا جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے اور غلاموں

کا ذکر ہے (جنہیں کام کے لئے اپنے آقا کی خدمت کے لئے بار بار اندر آنا جانا پڑتا ہے) ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ تین اوقات میں تمہارے پاس اندر آنے کے سلسلے میں اجازت لینے کا خاص دھیان رکھیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم انہیں یہ تعلیم دو اور انہیں سمجھاؤ اور سدھاؤ کہ وہ ان اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں ان اوقات میں سے پہلا وقت نماز فجر سے پہلے اور دوسرا دوپہر کا وقت ہے جب عام طور سے زائد کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہیں اور تیسرا وقت نماز عشاء کے بعد کا ہے۔ ان تینوں اوقات کے بارے میں فرمایا کہ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ کہ یہ تینوں تمہارے پردہ کے اوقات ہیں کیونکہ ان اوقات میں عام عادت کے مطابق تخلیہ ہوتا ہے اور انسان بے تکلفی کے ساتھ آرام سے رہنا چاہتا ہے۔ تنہائی میں کسی وقت وہ اعضاء بھی کھل جاتے ہیں جن کا ڈھانکے رکھنا ضروری ہے اور سوتے وقت غیر ضروری کپڑے تو اتار ہی دیتے ہیں اور تنہائی کا موقع پا کر بعض مرتبہ میاں بیوی بھی بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے سے متمتع ہوتے ہیں۔ اگر آنے والا آزاد لڑکا ہو یا غلام یا لونڈی ہو اور اندر آنے کی اجازت نہ لے تو بعض مرتبہ ممکن ہے کہ ان کی نظر کسی ایسی حالت یا کسی ایسے عضو پر پڑ جائے جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے بالغ غلام مرد اپنے آقا کے پاس ان اوقات میں جائے تو وہ بھی اجازت لے۔ گو مرد کا مرد سے پردہ نہیں ہے لیکن ان اوقات میں کپڑے اتارے ہوئے ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ اور بعض مرتبہ بے دھیانی میں بعضے وہ اعضاء کھل جاتے ہیں جن کا مرد کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے مذکورہ اوقات میں اجازت لینے کا اہتمام کریں۔ معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدلج تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلانے بھیجا یہ دوپہر کا وقت تھا اس نے حضرت عمر کو ایسی حالت میں دیکھ لیا جو انہیں ناگوار ہوا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

مضمون بالا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے ان اوقات کے علاوہ اگر یہ لوگ بلا اجازت آ جائیں تو اس میں تم پر یا ان پر کوئی الزام نہیں ہے، پھر اسکی وجہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یہ لوگ تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں) چونکہ ہر وقت اجازت لینے میں دشواری ہے اس لئے مذکورہ بالا اوقات کے علاوہ بلا اجازت داخل ہونے گھر کے لڑکوں اور غلاموں کو اجازت دے دی گئی آخر میں فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اللہ اسی طرح تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے)

یاد رہے کہ عورت کا اپنا غلام ہو یا اس کے شوہر کا اگر نامحرم ہو تو اس سے پردہ کرنا اسی طرح واجب ہے جیسے نامحرموں سے پردہ واجب ہے۔

یہ پہلی آیت کا مضمون تھا دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ جب لڑکے بالغ ہو جائیں جنہیں بلوغ سے پہلے مذکورہ تین وقتوں کے علاوہ بے اجازت اندر آنے کی اجازت تھی اب بالغ ہونے کے بعد اسی طرح اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے رہے یہ خیال نہ کریں کہ کل تک تو ہم یوں ہی چلے جاتے تھے اب اجازت کیوں لیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

(اللہ اسی طرح تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان فرماتا ہے) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)

فائدہ: پہلی آیت میں جو تین اوقات میں اجازت لینے کا حکم فرمایا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تین آیات ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل چھوڑ رکھا ہے ایک تو یہی آیت یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ اور دوسرے سورہ نساء کی آیت وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى اور تیسری سورہ حجرات کی آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا (اکثر لوگ اس آیت پر عمل نہیں کرتے) (گویا کہ) اس پر ایمان ہی نہیں لائے اور میں تو اپنی اس باندی کو بھی حکم دیتا ہوں کہ میرے پاس اجازت لیکر آئے (ابن کثیر ص ۳۰۳ ج ۳)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

اور جو عورتیں بیٹھ چکی ہیں جنہیں نکاح کرنے کی امید نہیں ہے سو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے اتار کر

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

رکھ دیں بشرطیکہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں اور یہ بات کہ پرہیز کریں ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے

بوڑھی عورتیں پردہ کا زیادہ اہتمام نہ کریں تو گنجائش ہے

تفسیر: القواعد قاعدۃ کی جمع ہے اس سے بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو گھر میں بیٹھ چکی ہیں، نہ نکاح کے لائق ہیں نہ انہیں نکاح کی رغبت ہے نہ کسی مرد کو ان سے نکاح کرنے کی طلب ہے ان عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے جن سے چہرہ چھپا رہتا ہے چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیں یعنی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول کر آجائیں بشرطیکہ مواقع زینت کا اظہار نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم جوان عورتوں کا سا نہیں ہے اگر چہرہ اور ہتھیلیاں غیر محرم کے سامنے کھول دیں اس میں گناہ نہیں ہے البتہ جسم کے دوسرے حصوں کو نہ کھولیں اور یہ جو انہیں چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دی گئی ہے یہ جائز ہونے کی حد تک ہے۔ بہتر ان کے لئے بھی یہی ہے کہ احتیاط کریں اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے سے بھی احتراز کریں۔

جب بوڑھی عورتوں کو بھی اجازت دینے کے باوجود یہ فرمایا کہ ان کو بھی احتیاط کرنا بہتر ہے کہ چہرہ کھول کر غیر محرموں کے سامنے نہ آئیں تو اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جوان عورتوں کو غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھول کر آنا کیسے جائز ہوگا۔ ھذا فی القواعد فکیف فی الکواعب (روح المعانی ص ۲۱۷ ج ۱۸) وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (اور اللہ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے)

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى

نہ تو نابینا آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ مریض کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے کوئی

اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
مضا ئقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے
اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا
گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم
مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ
مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو
بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے دعاء مانگنے کے طور پر، جو مبارک ہے پاکیزہ ہے، اللہ اسی طرح
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾
تمہیں اپنے احکام بتاتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں میں کھانے پینے کی اجازت

تفسیر: علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل ص ۳۵۸ ج ۳ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے مختلف اقوال لکھے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ لنگڑے اور نابینا اور بیمار لوگ تندرست آدمیوں کے ساتھ کھانے سے یہ سمجھتے ہوئے پرہیز کرتے تھے کہ لوگ ہم سے گھن کرتے ہیں اور کہا یہ کہ کوئی شخص یوں سمجھ لے کہ نابینا زیادہ کھا گیا یا یہ کہ لنگڑے کے بارے میں یہ خیال کرنے لگے کہ اس نے دو آدمیوں کی جگہ گھیر لی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اور حضرت مجاہد نے یوں فرمایا کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے یہاں کھانے کی اجازت دینے کے لئے آیت کا نزول ہوا، سبب نزول جو بھی ہو آیت کریمہ میں آپس میں بے تکلفی کی بنیاد ایک دوسرے کے گھر میں شرعی اصول کے مطابق کھانے کی اجازت دی ہے چونکہ آپس کی قرابت اور دوستی کی وجہ سے ایک دوسرے کا کھانا کھانا اور لینا دینا ناگوار نہیں ہوتا دل کی خوشی سے سب کھلاتے پلاتے ہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے ہاں نہ کھائیں تو اس سے ناگواری ہوتی ہے اس لئے آیت کریمہ میں بے تکلف آپس میں کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ جب ہر شخص دل سے چاہتا ہے اور حالات و معاملات اس بات کو بتاتے ہیں کہ اپنے عزیز کی کوئی چیز کھالی اگرچہ بظاہر اجازت نہیں لی تب بھی اسے ناگوار نہیں تو بلا اجازت بھی کھا سکتے ہیں۔ اپنے گھروں سے کھانے میں اور جن معذوروں کا ذکر ہے ان کو ساتھ کھلانے میں کوئی حرج اور تنگی کی بات نہیں ہے اور ان معذوروں کو بھی ساتھ کھانے میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرنی چاہئے۔ اور بعض مفسرین نے مِنْ بُيُوْتِكُمْ سے اولاد کے

گھر مراد لئے ہیں اور مطلب یہ بتایا ہے کہ تم اپنی اولاد کے گھروں سے کھاؤ اس میں کوئی حرج نہیں (کما فی الجلالین)
اگر تم اپنے باپوں یا ماؤں یا بھائیوں یا بہنوں یا چچاؤں یا پھوپھیوں یا ماموؤں یا خالاؤں کے گھروں سے کھاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے (اگر بہن یا پھوپھی یا خالہ کا اپنا ذاتی مال ہے تو اس میں سے بلا تکلف کھالینے میں کوئی مذائقہ نہیں ہاں اگر ان کے شوہروں کا مال ہو اور وہ دل سے راضی نہ ہوں تو اس کے کھانے میں احتیاط کی جائے)
رشتہ داروں کو بیان فرمانے کے بعد اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهٗ فرمایا اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی کے مال کی حفاظت کے وکیل اور ذمہ دار ہیں۔ کسی مالک کے مویشی چرانے والے اور باغوں کی دیکھ بھال کرنے والے اگر متعلقہ مال میں سے کھالیں۔ تو اس کی اجازت ہے البتہ ساتھ نہ لے جائیں اور ذخیرہ نہ بنائیں بقدر حاجت اور حسب ضرورت کھالیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے مملوک غلام مراد ہیں کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ آقا ہی کی ملکیت ہے اس لئے وہ اس میں سے کھا سکتا ہے۔
اس کے بعد فرمایا اَوْ صَدِيْقِكُمْ (یعنی اپنے بے تکلف دوستوں کے گھر سے بھی کھا پی سکتے ہو) دوستی سچی اور پکی ہو صرف لینے ہی کا دوست نہ ہو دوست کے کھانے پر بھی دل خوش ہوتا ہو **قال صاحب الروح ورفع الحرج فی الأکل من بیت الصدیق لانه ارضی بالتبسط واسربه من کثیر من ذوی القرابة** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دوست کے گھر سے کھانے میں حرج کو اٹھا دیا گیا اس لئے کہ دوست اس بے تکلفی سے بہت راضی اور خوش ہوتا ہے۔ بہت سارے قرابت داروں کی نسبت) پھر فرمایا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا (تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ اکٹھے ہو کر کھاؤ یا الگ الگ) اس کے بارے میں معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ انصار میں سے بعض حضرات ایسے تھے جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ جب کوئی مہمان ساتھ ہوگا تب ہی کھائیں گے مہمان نہیں ملتا تھا تو تکلیف اٹھاتے تھے بھوکے رہتے تھے لہٰذا ان کو اجازت دے دی گئی کہ چاہے اکٹھے کھاؤ (مہمان مل جائے تو اس کے ساتھ کھالو اور چاہے تنہا کھالو)
اس کے بعد فرمایا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً سو جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے نفسوں کو سلام کرو جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ دعاء مانگنے کے طور پر جو مبارک ہے پاکیزہ ہے اس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم ان گھروں میں داخل ہو جن کا اوپر ذکر ہوا تو اپنے نفسوں کو سلام کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں جو لوگ موجود ہیں ان کو سلام کرو چونکہ اعزہ واقرباء اور دوست سب مل کر گویا ایک ہیجان ہیں اس لئے **علی اهلها** کے بجائے **علی انفسکم** فرمایا اور اس میں ایک یہ نکتہ بھی ہے کہ جب تم سلام کرو گے تو حاضرین جواب دیں گے اس طرح تمہارا سلام کرنا اپنے لئے سلامتی کی دعاء کرانے کا ذریعہ بن جائے گا (ذکرہ صاحب الروح) یہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہے۔ دعاء کرنے کے طور پر مشروع کیا گیا ہے پھر یہ مبارک بھی ہے کیونکہ اس میں اجر بھی ہے برکتیں بھی ہیں۔ اور یہ خصلت طیبہ بھی ہے جس سے سننے والا خوش ہوتا ہے اور اپنا دل بھی خوش ہوتا ہے جب کہیں جائیں جہاں کہیں مسلمان موجود ہو یا راستہ میں کوئی مسلمان مل جائے تو السلام علیکم کہے اور جسے سلام کیا وہ بھی جواب دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو اپنے گھر والوں پر داخل ہو تو سلام کر اس میں تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی (مشکوۃ المصابیح ص ۳۹۹)

اور حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو۔ تو اس گھر کے رہنے والوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے نکلو تو گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۹۹)

سلام کے مسائل ہم سورہ نساء کی آیت کریمہ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔ آخر میں فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنی احکام بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھ جاؤ)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا

ایمان والے وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام کیلئے جمع ہوتے ہیں جس کے لئے جمع کیا گیا تو اس وقت تک نہیں جاتے

حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

جب تک آپ سے اجازت نہ لیں بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں،

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

سو جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جسے چاہیں اجازت دیدیں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے بلاشبہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

غفور ہے رحیم ہے تم اپنے درمیان رسول اللہ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو بے شک اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے

يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ

آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی مصیبت آپڑے یا انہیں کوئی

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

دردناک عذاب پہنچ جائے

اہل ایمان رسول اللہ ﷺ سے اجازت لیکر جاتے ہیں

تفسیر: درمنثور ص ۶۰ ج ۵ میں لکھا ہے کہ غزوہ احزاب (جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں) کے موقع پر قریش مکہ ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ منورہ کی آبادی کے قریب بیر رومہ کے پاس ٹھہر گئے اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگ آئے تو یہ لوگ احد کی طرف آ کر ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کی خبر ہوگئی۔ اس موقعہ پر خندق پہلے ہی سے کھودی جا چکی تھی۔ جس میں مسلمانوں نے خوب خوشی سے حصہ لیا۔ لیکن منافقین اول تو دیر میں آتے تھے اور جب آتے تھے تو تھوڑا بہت کام کر دیتے تھے پھر جب جانا ہوتا تو رسول اللہ کے علم اور اجازت کے بغیر چپکے سے کھسک جاتے تھے اور مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لیکر جاتے تھے پھر جب ضرورت پوری ہو جاتی

تھی تو واپس آ جاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا میں اہل ایمان کی توصیف فرمائی اور منافقین کی دنیا سازی اور بے وفائی کا تذکرہ فرمایا چونکہ منافقین کے دلوں میں ایمان ہی نہیں تھا دنیا سازی اور ریاکاری کے لئے اپنا مومن ہونا ظاہر کرتے تھے اس لئے ان سے ایسی چیزیں ظاہر ہوتی رہتی تھیں جو یہ بتا دیتی تھیں کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں یہ لوگ نماز بھی جھٹ پٹ پڑھتے تھے اور عشاء اور فجر کی نمازوں میں حاضر ہونے سے جان چراتے تھے، جو نماز تھی وہ بھی ریاکاری کی نماز تھی، جہاد میں جاتے تھے تو وہاں بھی شرارت کرتے تھے جس کا ذکر سورہ توبہ میں گزر چکا ہے جس کا ظاہر باطن ایک نہ ہو وہ کہاں تک ظاہرداری قائم رکھ سکتا ہے کہیں نہ کہیں جا کر یہ بات کھل ہی جاتی ہے کہ یہ دل سے مومن نہیں ہے۔ قال صاحب الروح و یتسلل الخروج من البین علی التدریج والخفیة وقد للتحقیق وقوله تعالیٰ لواذا ای ملاوذة بان یستتر بعضهم ببعض حتی یخرج (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں التسلل کا معنی ہے درمیان میں سے ترتیب کے ساتھ خفیہ طور پر نکلنا اور قد تحقیق کے لئے ہے اور ارشاد الٰہی لواذًا یعنی ملاوذة اس طرح کہ ایک دوسرے سے چھپتا ہے تاکہ نکل جائے) سورہ توبہ میں بھی منافقین کی اس حرکت کو بیان فرمایا ہے وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ کسی نے دیکھا تو نہیں پھر چلے جاتے ہیں اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا اس سبب سے کہ وہ سمجھتے نہیں)

حضرت امام ابوداود نے اپنی کتاب مراسیل میں لکھا ہے کہ جب حضرات صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کسی کو نکسیر پھوٹنے یا کسی ضرورت سے جانا ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کی طرف انگوٹھے کی پاس والی انگلی سے اشارہ کر دیتا تھا آپ بھی ہاتھ کے اشارہ سے اجازت دے دیتے تھے اور منافقین کا یہ حال تھا کہ خطبہ سننا اور مجلس میں بیٹھنا ان کے لئے بھاری کام تھا جب مسلمانوں میں سے کوئی شخص باہر جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرتا تو منافق یہ کرتے تھے کہ اس مسلمان کی بغل کے پاس کھڑے ہو کر اسے آڑ بنا کر نکل جاتے تھے اس پر اللہ شانہ نے آیت کریمہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ (آخر تک) نازل فرمائی شان نزول گو خاص ہو لیکن آیات کا مفہوم عام ہوتا ہے مسلمانوں کی تعریف بھی فرمائی اور اس کے ذیل میں یہ بھی فرما دیا اہل ایمان کا یہ طریقہ ہونا چاہیے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی ضرورت یا کسی مشورہ کے لئے بلائیں تو حاضر ہو جائیں اور اللہ کے رسول ﷺ کے بلاوے کو ایسا نہ سمجھیں جیسا کہ آپس کے بلاوے کو سمجھتے ہیں (چاہے گئے چاہے نہ گئے) آپکے بلانے پر فوراً آ جائیں اور جب تک آپ مجلس برخاست نہ کریں جم کر بیٹھے رہیں اگر مجلس کے درمیان سے جانا ہو تو آپ سے اجازت لیکر جائیں۔ منافقوں کی طرح چپکے سے نہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپکو حکم دیا کہ جب اہل ایمان آپ سے چلے جانے کی اجازت مانگیں تو آپ جسے چاہیں اجازت دے دیں ضروری نہیں کہ سبھوں کو اجازت دیں ممکن ہے کہ جس ضرورت کے پیش نظر اجازت مانگ رہے ہیں وہ واقعی ضروری نہ ہو یا ضروری تو ہو لیکن مجلس کو چھوڑ کر چلے جانے سے اس سے زیادہ کسی ضرر کا خطرہ ہو اس لئے اجازت دینا نہ دینا آنحضرت ﷺ پر چھوڑ دیا گیا۔ ساتھ ہی وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ بھی فرمایا کہ آپ ان کے لئے استغفار بھی کریں۔ کیونکہ

جس دینی ضرورت کے لئے جمع کیا گیا ہے اسے چھوڑ کر جاتا اگر چہ عذر قوی ہی ہو اس میں اپنی ذاتی ضرورت کو دین پر مقدم رکھنے کی ایک صورت نکلتی ہے اس میں اگر چہ گناہ نہ ہو مگر کوتاہی کا شائبہ ضرور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس عذر کو قوی سمجھ کر اجازت لی اسی قوی سمجھنے میں ہی خطا اجتہادی ہو گئی ہو لہٰذا آپ اجازت دینے کے ساتھ ان کے لئے استغفار بھی کریں۔

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا کا ایک مطلب تو مفسرین کرام نے یہ لیا ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ جب رسول اللہ علیہ بلائیں تو حکم ماننا واجب ہے ضرور حاضر خدمت ہو جاؤ آپ کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا آپس میں ایک دوسرے کے بلاوے کو سمجھتے ہیں کہ جس بلاوے کو چاہا اہمیت دی اور جس کو چاہا نظر انداز کر دیا (اگر چہ اس میں بھی حقوق مسلم میں یہ بتایا کہ ویجیبه اذا دعاه لیکن اس درجہ کا تاکید نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ علیہ کے بلاوے کی اہمیت ہے جس کی خلاف ورزی حرام ہے) اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ دعاء الرسول میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ علیہ سے کچھ عرض کرنا ہو کوئی بات کرنی ہو تو ادب کو ملحوظ رکھو۔ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہو یا محمد نہ کہو بات کرنے میں ایسا طرز عمل اختیار نہ کرو جس سے آپکو تکلیف پہنچے اس کو سورہ حجرات میں یوں بیان فرمایا یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ (اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی (علیہ) کی آواز پر بلند مت کرو اور بات کرنے میں اس طرح زور کی آواز سے نہ بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کی بات پر زور سے آواز نکالتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ نہ چلے)

پھر فرمایا فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ (جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ انہیں کوئی فتنہ یا دردناک عذاب پہنچ جائے) فتنہ سے دنیا میں مصیبت اور مشقت میں پڑنا مراد ہے اور دردناک عذاب سے اخروی عذاب مراد ہے اس میں منافقین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم جو رسول علیہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہو اور چپکے سے مجلسوں سے کھسک جاتے ہو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا اس کی وجہ سے دنیا میں بھی مبتلائے عذاب ہو سکتے ہو اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے دردناک عذاب ہے ہی۔ امرہ کی ضمیر میں دونوں احتمال ہیں لفظ اللہ کی طرف راجع ہو یا رسول اللہ علیہ کی طرف لیکن ہر صورت میں مآل واحد ہے کیونکہ رسول علیہ کا حکم دینا درحقیقت اللہ ہی کا حکم دینا تھا اسی لئے سورۂ نساء میں مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ فرمایا ہے۔

فائدہ: علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جس طرح رسول علیہ کے بلانے پر جمع ہونا لازم تھا اسی طرح جب آپ کے خلفاء اور علماء اور امرائے اسلام اور دینی مدارس کے ذمے دار اور مساجد کے متولی اور جہاد کے منتظمین کسی دینی ضرورت کے لئے بلائیں تو حاضر ہو جائیں اور مجلس کے ختم تک بیٹھے رہیں اگر درمیان میں جانا ہو تو اجازت لیکر جائیں۔

فائدہ: حضرات فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مطلق امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ واجب کی حکم عدولی ہی پر عذاب کی وعید ہو سکتی ہے سلسلہ کلام گو منافقین کی حکم عدولی کے بارے میں ہے لیکن الفاظ کا عموم ہر خلاف ورزی کرنے والے کو شامل ہے۔ عام بات تو یہ ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے لیکن جہاں کہیں وجوب کے لئے نہیں ہے وہاں سنت یا مستحب ہونے کا پتہ قرائن سے یا طرز بیان سے اور سیاق کلام سے معلوم ہو جاتا ہے۔

بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سامنے آتا ہے تو حکم عدولی کرتے ہیں نفس کے تقاضوں اور بیوی بچوں کے مطالبات اور رسم و رواج کی پابندی اور حب دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی قصداً صریح خلاف ورزی کر جاتے ہیں اور بعضے تو مولویوں کو صلواتیں سناتے ہیں۔ چوری اور سینہ زوری اور زبانی کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں ڈاڑھی مونڈنے اور ڈاڑھی کاٹنے ہی کو لے لو، رشوت کے لین دین کو سامنے رکھ لو، خیانتوں کا اندازہ لگا لو اور دیکھو کہ زندگی میں کہاں کہاں احکام شرعیہ کے خلاف ورزی ہو رہی ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ ان کی خلاف ورزی پر وعید شدید ہے ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کہاں کہاں اور کس کس عمل سے آخرت کی بربادی ہو رہی ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ

خبردار بلاشبہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے بلاشبہ وہ جانتا ہے کہ تم کس حال پر ہو اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

وہ اس دن کو بھی جانتا ہے۔ پھر وہ انہیں بتلا دے گا جو عمل انہوں نے کئے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، اسے سب کچھ معلوم ہے

تفسیر: یہ سورہ نور کی آخری آیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کی مخلوق اور مملوک ہے اسے اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے، کوئی شخص کچھ بھی کرے اللہ تعالیٰ کو سب کا حال معلوم ہے۔ قیامت کے دن حاضر ہونگے تو سب بتا دے گا۔ کوئی چیز اور کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں لہٰذا سب فرماں برداری کریں اور آخرت کے مواخذہ سے بچیں۔

وقد تم تفسیر سورۃ النور للیلۃ الحادی عشر من جمادی الثانیۃ سنۃ ۱۴۱۵ ھجریہ والحمد للہ علی الافضال والانعام والصلوۃ علی رسولہ سید الانام وعلی الہ واصحابہ الذین اتبعوہ فاھتدوا بہ واستناروا بالنور التام وعلی من تبعھم باحسان الی یوم القیام

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اس میں ستتر آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ جہانوں کا ڈرانے والا ہو جائے اللہ کی وہ ذات ہے، جس کے لئے ملک ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ

آسمانوں کا اور زمین کا اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا، اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس نے ہر

شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ

چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا ٹھیک انداز مقرر فرمایا، اور لوگوں نے اس کے علاوہ معبود بنا لئے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور حال یہ ہے کہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں،

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَالَ

اور وہ اپنی جانوں کے لئے کسی ضرر اور کسی نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ وہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ حیات کا، اور نہ کسی کو زندہ کر کے اٹھانے کا، اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ

جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے صرف ایک جھوٹ ہے جسے اپنے پاس سے بنا لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس بارے میں اس کی مدد کی ہے، سو یہ لوگ بڑے

جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ﴿۴﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ

ظلم اور جھوٹ کو لے کر آئے، اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو منقول ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس نے لکھوا لیا ہے سو وہی صبح شام

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں ہوں یا زمین میں، بلاشبہ وہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ

بخشنے والا ہے مہربان ہے، اور ان لوگوں نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے، اس پر

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ

کیوں نہیں نازل ہوا ایک فرشتہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا، یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا

يَّاْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

جس میں سے کھاتا' اور ظالموں نے کہا کہ تم ایسے ہی آدمی کا اتباع کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے' آپ دیکھ لیجئے انہوں نے آپ کے لئے کیسی

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۞

عجیب عجیب باتیں بیان کی ہیں' سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ کوئی راہ نہیں پائیں گے

اثبات توحید و رسالت' مشرکین کی حماقت اور عناد کا تذکرہ

تفسیر: یہاں سے سورہ فرقان شروع ہو رہی ہے اوپر پہلے رکوع کا ترجمہ لکھا گیا ہے' اس میں قرآن مجید کی صفت بیان فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ہی صاحب قرآن رسول اللہ علیہ کی صفت بھی بیان فرمائی' ارشاد فرمایا کہ وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فرقان یعنی فیصلہ کرنے والی کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا جو حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہے اور واضح طور پر ہدایت اور ضلالت کو متعین کر کے بتانے والا ہے' یہ قرآن اپنے بندہ پر اس لئے نازل فرمایا ہے کہ وہ جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہو جائے' اس میں رسول اللہ علیہ کی بعثت عامہ کو بیان فرمایا ہے' قیامت آنے تک جتنے بھی جنات اور انسان ہیں آپ سب کی طرف مبعوث ہیں' آپ کو دین حق دیکر اللہ تعالیٰ نے بھیجا آپ نے حق کی تبلیغ فرمائی قبول کرنے والوں کو بشارتیں دیں اور جو قبول حق سے منکر ہوئے انہیں ڈرایا اور بتایا کہ آخرت میں منکر کا برا انجام ہے' جس نے اللہ کے بھیجے ہوئے دین کا انکار کیا اس کے لئے نار جہنم ہے قال الطیبی فی اختصاص النذیر دون البشیر سلوک طریقة براعة الاستهلال و الا یذان بان هذه السورة مشتملة علی ذکر المعاندین الخ (علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں۔ بشیر کو چھوڑ کر یہاں نذیر کو مخصوص کرنا براعت استہلال کے طور پر ہے اور یہ بتلانے کے لئے ہے کہ یہ سورۃ معاندین کے ذکر پر مشتمل ہے) (ذکرہ صاحب الروح ج ۱۸ ص ۴۳۱)۔

پھر قرآن نازل فرمانے والی ذات بابرکات کی صفات بیان فرمائیں' جس کی طرف سے ہر طرح کی برکت اور خیر کثیر ملتی ہے' فرمایا اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (جس کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (اور اس نے اپنے لئے کوئی اولاد تجویز نہیں کی) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں) وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (اور اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا) فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا یعنی جس چیز کو پیدا فرمایا اس کی ساخت اور شکل و صورت کا ایک خاص انداز بنایا اور اس کے آثار و خواص بھی پیدا فرمائے اور ہر چیز کو اپنی حکمت کے مطابق اعمال و اشغال میں لگا دیا۔ آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اس کی ہیئت اس کے حال کے مناسب ہے اسی طرح سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں' زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی جس چیز پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت شکل و صورت' نرمی سختی وغیرہ ہر حالت اور ہر صفت اس کام کے مناسب بنائی ہے جس کے لئے اس کو پیدا فرمایا زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ بنایا کہ جو کچھ اس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے اور نہ پتھر اور لوہے کی طرح ایسا سخت بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں' چونکہ اس سے یہ ضرورتیں بھی متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی نکالا جا سکے اور بنیادیں کھود کر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کی جا سکیں اس لئے اس کو اس کی ہیئت کذائیہ پر رکھا گیا' پانی کو

سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہے' ہوا بھی سیال مادہ کی طرح ہے مگر پانی سے مختلف ہے پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے' ہوا کو قادر مطلق کے اپنا ایسا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت و عمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے **قال صاحب الروح فقدره ای هیأه لما ارادبه من الخصائص والا فعال اللائقة به تقدیر ابدیعا لا یقادر قدره ولا یبلغ کنهه کتهیئة الانسان للفهم والا دراک والنظر والتدبر فی امور المعاد والمعاش واستنباط الصنائع المتنوعة ومزاولة الاعمال المختلفة الی غیر ذلک.** (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔فقدرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے لائق جیسے خصائص وافعال پر بنانے کا ارادہ کیا اسی کے مطابق اسے تیار کیا ایسے منفرد انداز سے کہ دوسرا کوئی اس پر قادر نہیں ہے اور نہ ہی اس کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔جیسے انسان کو آخرت و دنیا کے معاملات میں سمجھ بوجھ اور فکر و نظر کرنے والا اور مختلف صنعتوں کا ایجاد کرنے والا بنایا اور مختلف قسم کے اعمال و کردار اپنانے والا بنایا)

اس کے بعد مشرکین کی گمراہی کا تذکرہ فرمایا کہ ان لوگوں نے اس ذات پاک کو چھوڑ کر جو آسمان اور زمین کا خالق ہے جس کا ملک میں کوئی شریک نہیں اور جس کی کوئی اولاد نہیں بہت سے معبود بنالیئے یہ معبود کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کرتے وہ تو خود ہی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان کی عاجزی کا یہ عالم ہے کہ وہ خود اپنی جانوں کے لئے کسی بھی ضرر اور نفع کے مالک اور مختار نہیں ہیں' نہ اپنی ذات سے کسی ضرر کو دفع کر سکتے ہیں اور نہ اپنی جانوں کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نیز وہ موت و حیات کے بھی مالک نہیں' نہ زندوں کو موت دے سکتے ہیں اور نہ مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں پھر جب قیامت کا دن ہوگا اس وقت ان کو بھی اللہ تعالیٰ ہی زندہ فرمائے گا مردوں کو یہ باطل معبود دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے۔

اہل کفر کا شرک اختیار کرنے کی ضلالت اور سفاہت بیان کرنے کے بعد ان کا ایک اور عقیدہ کفر یہ بیان فرمایا اور یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کے بارے میں یوں کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کا یہ کہنا کہ یہ کتاب جو میں پڑھ کر سناتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے ایک افتراء ہے نازل تو کچھ بھی نہیں ہوا ہاں انہوں نے اپنے پاس سے عبارتیں بنالی ہیں اور اس بارے میں دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مدد کی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا **فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا** کہ ان لوگوں نے بڑے ظلم کی بات کہی ہے' اور بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے (اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کو مخلوق کی تراشیدہ بات بتادیا ہے)

ان لوگوں نے جو یوں کہا کہ دوسرے لوگوں نے عبارتیں بنانے میں ان کی مدد کی ہے اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مشرکین کا اشارہ یہود کی طرف تھا وہ کہتے تھے کہ انہیں یہودی پرانی امتوں کے واقعات سنادیتے ہیں اور یہ انہیں بیان کر دیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا اشارہ ان اہل کتاب کی طرف تھا جو پہلے سے توریت پڑھتے تھے پھر مسلمان ہو گئے تھے' وجہ انکار کے لئے ان لوگوں کو کچھ نہ ملا اور قرآن جیسی چیز بنا کر لانے سے عاجز ہو گئے تو اپنی خفت مٹانے کے لئے ایسی باتیں کرنے لگے۔

پھر منکرین کے ایک باطل دعویٰ کا تذکرہ فرمایا **وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا** (الآیۃ) اور ان لوگوں نے کہا کہ محمد ﷺ جو یوں کہتے ہیں کہ میرے اوپر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے اس میں نازل ہونے والی کوئی بات نہیں ہے یہ پرانی لکھی ہوئی باتیں ہیں جو پہلے سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں انہیں کو انہوں نے لکھوالیا ہے یہ صبح شام بار باران کے اوپر پڑھی جاتی

ہیں جس کی وجہ سے انہیں یاد ہو جاتی ہیں انہیں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں یہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے'
ان لوگوں کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آپ فرما دیجئے کہ اس قرآن کو اس ذات پاک نے نازل فرمایا ہے جسے ہر چھپی ہوئی بات کا علم ہے آسمانوں میں ہو یا زمین میں) تم جو خفیہ مشورے کرتے ہو اور آپس میں جو چپکے چپکے یوں کہتے ہو کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے یا دوسروں سے لکھوالیا ہے قرآن نازل فرمانے والے کو تمہاری ان سب باتوں کا پتہ ہے وہ تمہیں اس کی سزا دے گا اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے) اس میں یہ بتایا کہ تم نے جو باتیں کہی ہیں یہ کفریہ باتیں ہیں ان کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق ہو گئے ہو لیکن جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ بہت بڑا کریم ہے اگر اپنی کفریہ باتوں سے توبہ کر لو گے اور ایمان لے آؤ گے تو وہ پرانی تمام باتوں کو معاف فرما دے گا۔

اس کے بعد مشرکین مکہ کی انکار رسالت والی باتوں کا تذکرہ فرمایا وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ الآیۃ (اور ان لوگوں نے یوں کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا یہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) ان لوگوں نے اپنی طرف سے نبوت اور رسالت کا ایک معیار بنا لیا تھا اور وہ یہ تھا کہ رسول کوئی ایسی شخصیت ہونی چاہئے جو اپنے اعمال واحوال میں دوسرے انسانوں سے ممتاز ہو جو شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بازار میں جاتا ہے چونکہ یہ شخص ہمارا ہی جیسا ہے اس لئے یہ رسول نہیں ہو سکتا' یہ ان لوگوں کی حماقت کی بات ہے' خود تراشیدہ معیار ہے' صحیح بات یہ ہے کہ انسانوں کی طرف جو شخص مبعوث ہو وہ انسان ہی ہونا چاہئے جو قول سے بھی بتائے اور عمل کر کے بھی دکھائے' کھانا کھائے کھانے کے احکام بھی بتائے اور خرید و فروخت کے طریقے بھی سمجھائے۔

منکرین رسالت نے رسالت و نبوت کا معیار بیان کرتے ہوئے اور بھی بعض باتیں کہیں۔

اولاً یوں کہا لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا (اس پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا جو اس کے کام میں شریک ہوتا اور نذیر ہوتا) یعنی وہ بھی لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا۔

دوم اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْهِ كَنْزٌ (یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا)

سوم اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا (یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتا پیتا) انہوں نے جو یوں کہا تھا کہ رسول میں کوئی امتیازی شان ہونی چاہئے اس امتیازی شان کو انہوں نے خود ہی تجویز کیا کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو کار رسالت میں ان کا شریک ہوتا یا ان کے پاس خزانہ ہوتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جب ان میں سے کوئی چیز نہیں تو ہم اور یہ برابر ہوئے پھر اس کے دعوائے رسالت کو کیسے مان لیں' ان باتوں کے ساتھ انہوں نے ایک اور ظلم کر دیا اور اہل ایمان سے یوں کہہ دیا کہ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (کہ تم تو ایک ایسے ہی آدمی کا اتباع کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے) کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے' جب قرآن جیسا کلام نہ لا سکے اور دلائل اور معجزات کے سامنے لاجواب ہو گئے تو آخر میں یہ بات نکالی کہ تم جسے رسول مان رہے ہو وہ مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے

جس کی وجہ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا آپ دیکھ لیجئے کہ یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی باتیں بیان کر رہے ہیں سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پا سکیں گے (اگر غور کرتے اور عقل سے کام لیتے تو یہی قرآن اور یہی رسول جن پر اعتراض کر رہے ہیں ان کی ہدایت کا سبب بن جاتے' اب تو وہ اعتراض کر کے دور جا پڑے اب وہ راہ حق پر نہ آئیں گے)

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو آپ کے لئے اس سے بہتر نعمتیں عطا فرما دے یعنی ایسے باغ جن کے نیچے نہریں
وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا
جاری ہوں اور آپ کے لئے محل بنا دے' بلکہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جو شخص قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے' جب وہ
رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ
انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غضبناک اور جوش و خروش والی آوازیں سنیں گے اور جب وہ اس میں ایسی حالت میں ڈالے جائیں گے کہ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے تو وہاں
دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ
ہلاکت کو پکاریں گے' آج ایک ہلاکت کو مت پکارو اور بہت سی ہلاکتوں کو پکارو' آپ فرما دیجئے کہ یہ بہتر ہے یا ہمیشہ کے رہنے والی
اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ
جنت بہتر ہے' جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے' یہ جنت ان کے لئے بطور بدلہ عطا کی جائے گی اور ان کا ٹھکانہ ہو گی' اور ان کے لئے اس میں وہ سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے
خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾
اس میں ہمیشہ رہیں گے' یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے' جس کا پورا کرنا اس نے اپنے ذمہ لے لیا ہے' جس کی درخواست کرنی چاہیے۔

قیامت کے دن کافروں پر دوزخ کا غیظ و غضب' دوزخ کی تنگ جگہوں میں ڈالا جانا' اہل جنت کا جنت میں داخل ہونا' اور ہمیشہ ہمیشہ جی چاہی زندگی میں رہنا

تفسیر: مشرکین جو طرح طرح سے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جس میں فرمائشی معجزات کا طلب کرنا بھی

تھا اور یہ کہنا بھی تھا کہ آپ کی طرف خزانہ کیوں نہیں ڈالا گیا اور آپ کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس میں سے آپ کھاتے پیتے' اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ پاک جو کثیر البرکات اور کثیر الخیرات ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بہتر عطا فرما دے جن کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے' وہ چاہے تو آپ کو ایسے باغ عطا فرما دے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور آپ کو محل عطا فرما دے' لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے کہ لوگوں کو اعتراضات کی وجہ سے کسی کو اموال عطا فرمائے' وہ جو چاہتا ہے اپنی حکمت کے مطابق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے' اس کے بعد معاندین کی ایک اور تکذیب کا ذکر فرمایا' بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ یعنی یہ لوگ نہ صرف آپ کی رسالت کے منکر ہیں بلکہ وقوع قیامت کے بھی منکر ہیں۔ اور یہ جو شبہات پیش کرتے ہیں ان کا سبب یہ ہے کہ ان کو آخرت کی فکر نہیں ہے آخرت کی بے فکری نے ان کو شرارت نفس پر آمادہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے طلب حق سے بعید ہو رہے ہیں آیت کے شروع میں جو لفظ بل لایا گیا ہے اس سے یہ مضمون واضح ہو رہا ہے وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا (اور جو شخص قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے دھکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کیا ہے)

قیامت کے دن جب یہ لوگ حاضر ہوں گے تو دوزخ سے ابھی دور ہی ہوں گے کہ دوزخ چیخے گی اور چلائے گی' اس کی ہیبت ناک غصہ بھری آوازیں سنیں گے' دوزخ کو اللہ تعالیٰ کے مبغوض لوگوں پر غصہ آئے گا اور اس کا یہ غیظ و غضب اس کی کڑی اور سخت آواز سے ظاہر ہوگا جیسے کوئی اونٹ کسی کی دشمنی میں بپھر جائے اور اس کا بدلہ لینے میں آواز نکالے اور جیسے ہی موقع ملے تو کچا چبا کر بھرتہ بنا دے۔

اول تو مکذبین اور معاندین کو دوزخ کا غیظ و غضب ہی پریشان کر دے گا پھر جب اس میں ڈالے جائیں گے تو تنگ مکان میں پھینک دیئے جائیں گے۔

دوزخ اگرچہ بڑی جگہ ہے لیکن عذاب کے لئے دوزخیوں کو تنگ جگہوں میں رکھا جائے گا بعض روایات میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر منقول ہے کہ جس طرح دیوار میں کیل گاڑی جاتی ہے اسی طرح دوزخیوں کو دوزخ میں ٹھونس دیا جائے گا (ذکرہ ابن کثیر ص ۳۱۱ ج ۳) دوزخ میں ڈالے جانے والوں کی صفت (مقرنین) بیان فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

سورہ سبا میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا الْاَغْلَالَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے ان کو انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو وہ کرتے تھے) جب کفار دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور وہاں کا عذاب چکھیں گے تو ہلاکت کو پکاریں گے یعنی موت کو پکاریں گے اور یہ آرزو کریں گے کہ کاش موت آجاتی اور اس عذاب سے چھٹکارا ملتا' ان سے کہا جائے گا۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا (آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو)

یعنی یہ آرزو بے کار ہے کہ موت آجائے تو عذاب سے چھٹکارہ ہو جائے ایک موت نہیں بلکہ بہت کثیر تعداد میں موتوں کو پکارو بہر حال موت آنے والی نہیں ہے اسی عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے' سورہ فاطر میں فرمایا لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِىْ كُلَّ كَفُوْرٍ (نہ ان کو قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہلکا کیا جائے گا' ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیں گے)

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ (الآیۃ) یعنی آپ فرما دیجئے کہ یہ دوزخ اور اس کا عذاب بہتر ہے یا وہ جنت بہتر ہے جو ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ جنت متقیوں کو ان کے اعمال کی جزاء کے طور پر دی جائے گی اور یہ لوگ انجام کے طور پر اس میں جائیں گے وہ ہی ان کا مقام ہو گا اور اسی میں رہیں گے صرف رہنا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز کئے جائیں گے وہاں جو چاہیں گے وہ عطا کیا وہاں نفسوں کی خواہش کے مطابق زندگی گزاریں گے اور زندگی بھی ابدی اور دائمی ہوگی' اس کے برعکس کسی دوزخی کی کوئی بھی خواہش پوری نہیں کی جائے گی' سورہ سبا میں فرمایا۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِىْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ (اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان آڑ کر دی جائے گی جیسا کہ اس سے پہلے ان کے ہم مشرب کافروں کے ساتھ کیا گیا بلاشبہ وہ بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا)

مزید فرمایا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا یہ جو جنت کی نعمتیں اہل تقویٰ کو دی جائیں گی اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کا پورا کرنا اپنے ذمہ کر لیا ہے' اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہیں کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں اپنے انعام سے نوازے' جیسا کہ سورہ آل عمران میں اولوا الالباب (عقلمندوں) کی دعاء نقل فرمائی ہے۔

رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اے ہمارے رب اپنے رسولوں کی زبانی جو آپ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اس کے مطابق ہمیں عطا فرما دیجئے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرمایئے بیشک آپ وعدہ خلاف نہیں فرماتے)

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔ اس کے پورا ہونے کی دعا کرنا شک کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی حاجت کا اظہار کرنے اور دعا کی فضیلت ملنے اور مناجات کی لذت حاصل کرنے کے لئے ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ

اور یاد کرو جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع فرمائے گا اور ان کو بھی جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا سوال ہو گا کیا تم نے

هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِىْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ

میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے؟ وہ کہیں گے کہ آپ کی ذات پاک ہے ہمارے لئے یہ درست نہیں ہے کہ ہم آپ کے

دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

علاوہ دوسروں کو اولیاء بنالیں لیکن بات یہ ہے کہ آپ نے ان کے باپ دادوں کو نعمتیں دیدیں یہاں تک کہ وہ ذکر کو بھول گئے

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ

اور وہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے سوانہوں نے تمہاری بات کو جھٹلا دیا سو تم کسی بھی طرح عذاب دفع نہیں کر سکتے اور نہ کسی طرح کی مدد پا سکتے ہو اور تم میں سے جو شخص ظلم کرے گا

نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے

مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے ان سے سوال وجواب‘ یہ لوگ مال ومتاع کی وجہ سے ذکر کو بھول گئے‘ روز قیامت عذاب میں داخل ہونگے‘ وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا

تفسیر: قیامت کے دن مشرکین بھی محشور ہونگے اور وہ معبود بھی موجود ہوں گے جن کی عبادت کر کے مشرک بنے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر جن کی عبادت کی ان میں فرشتے بھی ہیں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی‘ اور اوثان واصنام یعنی بت بھی ہیں‘ ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ یہ میرے بندے جنہوں نے شرک کیا اور تمہاری عبادت کی کیا تم نے انہیں گمراہ کیا یا یہ خود ہی گمراہ ہو گئے؟ وہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ اے اللہ آپ کی ذات پاک ہے۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر دوسروں کو ولی بنائیں ہم ان مشرکین سے دوستی رکھنے والے اور تعلق جوڑنے والے نہیں تھے ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جن سے مذکورہ بالا سوال وجواب ہوگا اس سے ملائکہ اور دیگر عقلاء مراد ہیں‘ اور جن حضرات نے الفاظ عموم میں اصنام کو بھی شامل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس دن اصنام کو بھی زبان دے دی جائے گی اور وہ بھی اپنے معبودوں سے براءت ظاہر کریں گے‘

جواب دینے والے کہیں گے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا آپ نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو مال ودولت عطا فرمایا یہ لوگ شہوتوں اور خواہشوں میں پڑ کر آپ کی یاد بھول گئے‘ نہ تو خود ہدایت کے لئے فکر مند ہوئے اور نہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی طرف دھیان دیا لہٰذا ہلاک ہونے والے بن گئے۔

قولہ تعالیٰ: (قَوْمًا بُوْرًا) ای هالكين على ان بورا مصدر وصف به الفاعل مبالغة او جمع بائر

کعوذ جمع عائذ' قال ابن عباس هالكين في لغة عمان وهم من اليمن' وقيل بورا فاسدين في لغة الازد ويقولون امر بائر اى فاسد وبارت البضاعة اذا فسدت وقال الحسن بورا الا خير فيهم من قولهم ارض بور اى متعطلة لا نبات فيها وقيل بورا عمياعن الحق والجملة اعتراض تذييلي مقرر لمضمون ما قبله على ما قال ابو السعود. (قوماً بوراً: بوراً کا معنی ہلاک ہونے والی۔ یہ معنی اس بناء پر کہ بوراً مصدر ہے اور مبالغہ کے لئے فاعل کی صفت کے طور پر لایا گیا ہے یا بور بائر کی جمع ہے جیسے عوذ جمع ہے عائذ کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بوراً کا ہلاکت کے معنی میں ہونا عمان کی لغت ہے جو یمن کے لوگ ہیں اور بعض نے کہا قبیلہ ازد کی لغت میں فاسد ین کے معنی میں ہے کہتے ہیں امر بائر یعنی فاسد اور کہتے ہیں بارت البضاعۃ جبکہ وہ فاسد ہوگئی ہو۔ اور حسن فرماتے ہیں بوراً کا معنی ہے ان میں کوئی خیر نہیں ہے یہ ارض بور سے بنا ہے یعنی زمین جو فارغ ہے اس میں کوئی پیداوار نہیں ہے اور بعض نے کہا بوراً کا معنی ہے حق سے اندھے بہر حال یہ جملہ معترضہ ہے جو سابقہ مضمون کی تاکید کے لئے ہے۔ جیسا کہ ابوسعود نے کہا ہے)

اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کی گئی ان سے مذکورہ بالا سوال ہوگا ان کا جواب نقل فرما کر ارشاد فرمایا فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا اس میں اس خطاب کا ذکر ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں سے ہوگا کہ تم جو ان کی عبادت کرتے تھے اور ان کے معبود ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اسے تمہارے معبودین نے جھٹلا دیا اب تمہیں عذاب ہی میں جانا ہے عذاب دفع کرنے کی تمہارے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے اور کوئی مددکار استہ بھی نہیں ہے نہ تم خود اپنی کوئی مدد کر سکتے ہو نہ کوئی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔

مذکورہ سوال و جواب سے مشرکین کی بیوقوفی اور حماقت ظاہر ہو جائے گی' دنیا میں جن لوگوں کی عبادت کرتے تھے وہ ان سے بیزاری ظاہر کر دیں گے۔ ان سے جو نفع کی امید کی تھی وہ منقطع ہو جائے گی۔

وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا اس میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو دنیا میں موجود ہیں کہ موت سے پہلے ایمان لے آؤ ظلم یعنی کفر کو چھوڑو جو شخص کفر پر مر جائے ہم اسے آخرت میں بڑا عذاب چکھا دیں گے۔

قال صاحب الروح و تفسير الظلم بالكفر هو المروى عن ابن عباس والحسن وابن جريج' وايدبان المقام يقتضيه فان الكلام في الكفر و وعيده من مفتتح السورة (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ظلم کی تفسیر کفر سے کرنا حضرت ابن عباسؓ حسنؒ اور ابن جریجؒ سے مروی ہے اور اس معنی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مقام اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ ابتدائے سورۃ سے ہی کفر اور اس پر وعید کا بیان ہے)

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ
اور بات یہی ہے کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم نے بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾
اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے امتحان بنایا ہے کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے

انبیاء کرام کھانا کھاتے تھے' اور بازاروں میں چلتے تھے تم میں بعض بعض کے لئے آزمائش ہیں

تفسیر: چند آیات سے پہلے مشرکین کا یہ قول گذرا ہے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ یہاں ان کی باتوں کا جواب دے دیا کہ کھانا کھانا اور بازاروں میں چلنا پھرنا نبوت و رسالت کے خلاف نہیں ہے'

آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے گئے وہ کھانا کھانے والے تھے اور بازاروں میں بھی آتے جاتے اور چلتے پھرتے تھے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے رسول بھیجے اور انہیں ان صفات سے متصف فرمایا جو رسول کی شان کے لائق تھیں اور جن کا صاحب رسالت کے لئے ہونا ضروری تھا' ان صفات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کسی کو اپنے پاس سے یہ طے کرنے کا حق نہیں کہ صاحب نبوت میں فلاں وصف ہونا چاہئے جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی کی صفات وشرائط میں یہ نہیں ہے کہ کھانا نہ کھائے اور بازار میں نہ جائے تو تم اپنے پاس سے نبوت کی صفات کیسے طے کرتے ہو اور اس بنیاد پر کیسے تکذیب کرتے ہو کہ یہ کھانا کھاتے ہیں اور بازار میں جاتے ہیں' انبیائے سابقین علیہم السلام بشر تھے' آنحضرت ﷺ بھی بشر ہیں' کھانا پینا' بازار جانا بشریت کے تقاضوں میں سے ہے ان تقاضوں کو پورا کرنا نبوت ورسالت کی شان کے خلاف نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً (اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے فتنہ یعنی امتحان کا ذریعہ بنایا ہے) اس فتنہ میں تنگدستی بھی ہے اور مالداری بھی' غریبوں کو دیکھ کر مالداریوں کہتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کے مقبول بندے ہوتے تو غریب کیوں ہوتے' اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ رسول ہوتے تو ان کے پاس خزانہ ہوتا یا باغ ہوتا اس میں سے کھاتے پیتے' یہ سب باتیں مالداری کے کبر اور نخوت کی وجہ سے زبان سے نکلتی ہیں ان باتوں کو بہانہ بنا کر زمانہ نبوت کے مخالفین رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے' تکذیب کرنے والوں کا مالدار ہونا اور اہل ایمان کا مالدار نہ ہونا یہ ذریعہ امتحان ہے' ایمان لانے کے لئے رسول ﷺ کے مالدار ہونے کی شرط لگانا اپنے مالدار ہونے کی وجہ سے ہے' خود غریب ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا کے مضمون کے ہم معنی ہے' جیسے فقراء مالداروں کے لئے فتنہ ہیں ایسے ہی مالدار بھی فقراء کے لئے فتنہ ہیں' صاحب روح المعانی نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے' وہ لکھتے ہیں وجعلنا اغنياء كم ايها الناس ابتلاء لفقرائكم لننظر هل يصبرون (اے لوگو ہم نے تمہارے دولتمندوں کو تمہارے غریبوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ کیا وہ صبر کرتے ہیں؟) اس تفسیر کی بنا پر اتصبرون کا تعلق ماقبل سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو مال نہیں دیا گیا ان کے لئے مالداروں کا وجود فتنہ ہے یعنی آزمائش ہے فقراء سے خطاب فرمایا اَتَصْبِرُوْنَ (کیا تم صبر کرتے ہو) یعنی تمہیں صبر کرنا چاہیے فالاستفهام بمعنى الامر

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا (اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے) فتنہ میں پڑنے والوں کو بھی دیکھتا ہے اور صبر کرنے والوں کو بھی جانتا ہے ہر ایک کو اس کی نیت اور اعمال کے مطابق جزاء دے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ

اور ان لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا یہ کیوں نہ ہوا کہ ہم رب کو دیکھ لیتے' بلاشبہ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

انہوں نے اپنے نفسوں کو بڑا سمجھا اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی' جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن

لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

مجرمین کے لئے کوئی بشارت کی چیز نہیں ہوگی اور وہ کہیں گے ہٹاؤ اور بچاؤ اور انہوں نے جو بھی عمل کیے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر فضاء میں نظر آنے والے مٹی کے باریک

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾

ذرات بنا دیں گے اس دن جنت والے بہتر ہوں گے ٹھہرنے کی جگہ کے اعتبار سے اور آرام کرنے کی جگہ کے اعتبار سے

معاندین اور مکذبین کے لئے وعید اصحاب جنت کیلئے خوشخبری

تفسیر: معاندین ومکذبین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ ہم رسالت کا دعویٰ کرنے والے کو اس وقت رسول مانیں گے جب فرشتوں کو اتار کر ہمارے سامنے لے آئے' بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہمیں دکھادے اگر ایسا ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے' یہ لوگ آخرت کے قائل نہیں تھے اس لئے ایسی باتیں کرتے تھے' جس کا آخرت پر ایمان ہو وہ تو یہ سوچے گا کہ جو شخص نبوت کا مدعی ہے مجھے اس کی باتوں پر غور کرنا چاہئے' جو معجزات پیش کئے ان پر کفایت کر کے ایمان لانا چاہئے' جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں نہیں وہ لوگ ایسی بے تکی معاندانہ باتیں کرتے ہیں اسی لئے وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فرمایا کہ یہ باتیں ان لوگوں کی ہیں جنہیں یہ امید نہیں ہے کہ قیامت کے دن پیشی ہوگی اور حق وناحق کے فیصلے ہوں گے' اور کفر کی سزا ملے گی اور اہل ایمان کو انعامات ملیں گے' یہاں معاندین کی دو باتیں نقل فرمائیں اول یہ کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) واقعی رسول ہیں تو ہمارے سامنے فرشتوں کو لے آئیں جو ان کی تصدیق کر دیں ان کے جواب میں فرمایا لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں میں بڑا تکبر اختیار کیا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اوقعوا الاستکبار فی شانها وعدوها کبیرة الشان یعنی انہوں نے اپنی جانوں کے بارے میں یہ سمجھ لیا کہ ان کے نفوس اتنے بڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں وَعَتَوْ عُتُوًّا کَبِیْرًا (اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی) یعنی انہوں نے اپنے کو اس لائق سمجھا کہ فرشتے آ کر ہمارے سامنے بیان دیں اور اپنے کو اس لائق سمجھا کہ اس دنیا میں رب جل شانہ کو دیکھ لیں' یہ تکبر میں بہت آگے بڑھ گئے اور اپنے لئے وہ بات تجویز کی جس کے اہل نہیں ہیں۔

پھر فرمایا یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَةَ (الآیہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جبکہ فرشتوں کو دیکھیں گے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے اس سے موت کا دن مراد ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کا جو مطالبہ کر رہے ہیں اس کا وقوع بھی ہو جائے گا' جب مرنے لگیں گے تو فرشتے نظر آ جائیں گے لیکن اس وقت فرشتوں کی حاضری مکذبین کے حق میں نامبارک ہوگی' اس دن مجرمین یعنی مکذبین کے لئے کسی بھی طرح کی کوئی بشارت یعنی خوشخبری نہیں ہوگی' موت کے وقت سے لے کر ابدالآباد ہمیشہ عذاب اور تکلیف میں رہیں گے' جب قیامت کا دن ہوگا عذاب میں مبتلا ہوں گے' اس وقت عذاب سے محفوظ ہونے کی دہائی

دیتے ہوئے یوں کہیں گے حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا کہ کسی بھی طرح یہ عذاب روک دیا جائے اور یہ مصیبت ٹل جائے لیکن عذاب دفع نہیں ہوگا اور چیخ و پکار اور مصیبت ٹلنے کی دہائی ذرا بھی فائدہ مند نہ ہوگی۔

اور کافر لوگ دنیا میں جو بعض اعمال نیکیوں کے عنوان سے کرتے ہیں (اس میں راہبوں کی عبادات اور جوگیوں کی ریاضات بھی داخل ہیں) ان میں سے اگر کوئی چیز ایسی تھی جسے نیکی قرار دیا جا سکے جیسے صلہ رحمی وغیرہ تو کفر کی وجہ سے اس کا کچھ بھی ثواب نہیں ملے گا' آخرت میں کافروں کے سارے اعمال اکارت اور باطل ہوں گے' سورہ ابراہیم میں فرمایا مَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ اَعۡمَالُهُمۡ كَرَمَادِ ۨاشۡتَدَّتۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ يَوۡمٍ عَاصِفٍ لَا يَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا عَلٰى شَىۡءٍ ذٰ لِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ (جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی یہ حالت ہے جیسے راکھ ہو جسے تیز آندھی کے دن میں تیز ہوا اڑا کر لے جائے' ان لوگوں نے جو اعمال کئے ان کا کچھ حصہ بھی ان کو حاصل نہ ہوگا' یہ دور کی گمراہی ہے)۔

یہاں سورۃ الفرقان میں کافروں کے اعمال کو هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا فرمایا هباء اس غبار کو کہتے ہیں جو کسی روشن دان سے اس وقت نظر آتا ہے جب اس پر سورج کی دھوپ پڑ رہی ہو یہ غبار اول تو بہت زیادہ باریک ہوتا ہے پھر کسی کام کا نہیں ہوتا ہاتھ بڑھاؤ تو ہاتھ میں نہیں آتا نہ پینے کا نہ پوتنے کا' جس طرح یہ بے کار غبار روشن دان میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے لیکن کام کا نہیں اسی طرح کافروں کے اعمال بھی بیکار ثابت ہوں گے اور ان کے حق میں ذرا بھی فائدہ مند نہ ہوں گے۔

یہ تو کافروں کا حال ہے' اس کے بعد اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا کہ یہ حضرات اس دن ایسی جگہ میں ہوں گے جو رہنے کی بہترین جگہ ہے اور آرام کرنے کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے' لفظ مقیلا قال یقیل قیلولة سے ظرف کا صیغہ ہے دوپہر کو آرام کرنے کے لئے جو لیٹتے ہیں اسے قیلولہ کہتے ہیں جنت میں نیند نہ ہوگی آرام کی جگہ ہونے کے اعتبار سے اَحۡسَنُ مَقِيۡلًا سے تعبیر فرمایا' اسی کو سورہ کہف میں نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا فرمایا (کیا ہی اچھی آرام کی جگہ ہے)۔

وَيَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۲۵﴾ اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ

اس وقت کو یاد کرو جب آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا اور بکثرت فرشتے نازل کئے جائیں گے' آج ملک رحمٰن ہی کے لئے ہے'

وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡـكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى

اور یہ دن کافروں پر سخت ہوگا اور اس دن کو یاد کرو جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا اور یوں کہے گا

اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدۡ

کاش میں رسول کے ساتھ راستہ بنا لیتا' ہائے میری بربادی کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا' البتہ

اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ
اس نے مجھے اس کے بعد ذکر سے ہٹا دیا جبکہ میرے پاس ذکر آ گیا تھا اور شیطان انسان کو بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے اور رسول کا کہنا ہوگا
یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا
کہ اے رب میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا' اور اسی طرح ہم نے مجرمین لوگوں میں سے ہر نبی کے لئے
مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَكَفٰی بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴿۳۱﴾
دشمن بنائے ہیں اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے

قیامت کے دن کا ہولناک منظر' کافر کی حسرت کہ کاش فلاں شخص کو دوست نہ بناتا

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی اور مصیبت کو بیان فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا قیامت کے دن آسمان کا پھٹنا دوسری آیات میں بھی مذکور ہے **کما فی قوله تعالٰی** اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ **وقوله تعالٰی** اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور یہاں لفظ بِالْغَمَامِ کا بھی اضافہ ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بظاہر آسمان سے یہی آسمان مراد ہے جو ہمارے اوپر سایہ فگن ہے اور الغمام سے سحاب معروف یعنی بادل مراد ہیں اور باء سببیت کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اس دن آسمان بادلوں کے طلوع ہونے کے سبب پھٹ پڑے گا اور اس میں کوئی بعد نہیں اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ آسمان کو بادل کی وجہ سے اس طرح پھاڑ دے جیسے اونٹ کے کوہان کو چھری سے شق کر دیا جاتا ہے' پھر یہ بتاتے ہو کہ باء صرف ملابست کے لئے بھی ہو سکتی ہے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ جس وقت آسمان پھٹ پڑے گا اس وقت وہ اس حالت میں ہوگا جیسے اس پر بادل چھائے ہوئے ہوں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ السماء سے نہ صرف السماء الدنیا بلکہ سارے آسمان مراد ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۹ ص ۹)

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا (اور فرشتے عجیب طریقہ سے اتار دیئے جائیں گے) جسے آج لوگ نہیں جانتے' اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جو بظاہر اسرائیلات میں سے ہے (روح المعانی ج ۱۹ ص ۹)

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ یہ (آسمان کا پھٹنا) حساب شروع ہونے کے وقت ہوگا اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا' یہ وہ پھٹنا نہ ہوگا جو نفخہ اول کے وقت اس کے افناء کے لئے ہوگا کیونکہ نزول غمام کا وقت بعد نفخہ ثانیہ کے ہے جس وقت سب آسمان و زمین دوبارہ درست ہو جائیں گے۔

اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (آج کے دن صرف رحمٰن کی حکومت ہوگی) قیامت کے دن جب آسمان پھٹ پڑے گا تو ساری بادشاہت ظاہری طور پر اور باطنی طور پر اور صرف رحمٰن جل مجدہ ہی کے لئے ہوگی اس دن کوئی مجازی حاکم اور بادشاہ بھی نہ ہوگا' سورہ غافر میں فرمایا:

لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ (آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ ہی کے لئے ہے جو واحد ہے قہار ہے)

وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکَافِرِیْنَ عَسِیْرًا (اور وہ دن کافروں پر سخت ہوگا)

وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ (الی الآیات الثلث)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط لعنۃ اللہ علیہ جب بھی سفر سے آتا کھانا پکاتا اور اہل مکہ کی دعوت کرتا تھا' اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زیادہ اٹھتا بیٹھتا تھا' آپ کی باتیں اسے پسند آتی تھیں ایک مرتبہ جب وہ سفر سے واپس آیا تو کھانا تیار کیا اور حضور اقدس ﷺ کو کھانے کی دعوت دی آپ ﷺ نے فرمایا میں تیرا کھانا نہیں کھا سکتا جب تک کہ تو لا الہ الا اللہ کی اور میرے رسول ہونے کی گواہی نہ دے اس نے پھر کھانے کو کہا آپ نے پھر وہی جواب دیا اس کے بعد اس نے شہادتین کی گواہی دیدی اور آپ نے اس کا کھانا کھالیا اس واقعہ کی ابی بن خلف کو خبر ہوئی تو وہ عقبہ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اے عقبہ کیا تو بددین ہو گیا (مشرکین مکہ شرک میں غرق ہونے کی وجہ سے دین توحید کو بددینی سے تعبیر کرتے تھے والعیاذ باللہ) اس پر عقبہ نے کہا کہ میں دل سے (بددین) تو نہیں ہوا لیکن بات یہ ہے کہ ایک شخص میرے گھر آیا میں نے اس سے کھانے کے لئے کہا اس نے کہا کہ جب تک تو میرے کہنے کے مطابق گواہی نہ دے گا میں تیرا کھانا نہ کھاؤں گا مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ ایک شخص میرے گھر آئے اور کھانا کھائے بغیر چلا جائے لہٰذا میں نے اس کے قول کے مطابق گواہی دیدی جس پر اس نے کھانا کھالیا' اس پر ابی بن خلف نے کہا کہ میں اس وقت تک تجھ سے راضی نہیں ہو سکتا جب تک تو اس شخص کے پاس جا کر بدتمیزی والی حرکت نہ کرے' چنانچہ عقبہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بدتمیزی سے پیش آیا آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ تو مجھے مکہ معظمہ سے باہر ملے گا تو میں تیری گردن ماردوں گا' چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر اس کی گردن ماردی گئی اس آیت میں ظالم سے عقبہ بن معیط اور فلان سے ابی بن خلف مراد ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت ندامت وافسوس سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے یوں کہے گا (یَا لَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا) کاش میں اللہ کے رسول کے ساتھ اپنا راستہ بنالیتا (یَا وَیْلَتٰی لَیْتَنِی لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا) (کہ میں فلاں کو یعنی ابی بن خلف کو اپنا دوست نہ بناتا) لَقَدْ اَضَلَّنِی عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ (مجھے اللہ کے ذکر سے اس نے ہٹا دیا اس کے بعد کہ ذکر میرے پاس آ گیا (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) کے واسطہ سے جو میرے پاس اللہ کا ذکر آیا اور جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نصیحت کی اور ان پر جو قرآن نازل ہوا وہ میں نے سنا میرے اس دوست نے مجھے اس سے روک دیا میں اسے دوست سمجھتا تھا لیکن وہ تو دشمن نکلا)

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا (اور شیطان انسان کو بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے اس جملہ میں دونوں احتمال ہیں) (۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جس میں علی الاطلاق سب کو یہ بتا دیا کہ شیطان سے دوستی کرنے کا انجام برا ہے خواہ کفر شرک اختیار کر کے اس کی دوستی اختیار کی جائے خواہ اس کے مشورہ سے معصیت کی زندگی اختیار کی جائے ہر حال میں شیطان دھوکہ دے گا اور عین ایسے وقت پر بے یار و مددگار چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے گا جب مدد کی ضرورت ہوگی (۲) یہ احتمال بھی ہے کہ مذکورہ جملہ ظالم ہی کے کلام کا تتمہ ہو۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ظالم سے مطلق کافر اور فلانا سے شیطان مراد ہے یہ پہلی بات کے معارض نہیں ہے سبب نزول چاہے خواہ خاص ہو الفاظ کا عموم چاہتا ہے کہ ہر کافر کہے گا کہ میں گمراہ کرنے والوں کو دوست نہ بناتا تو اچھا ہوتا۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (اور رسول کا کہنا ہوگا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا) اس آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ قیامت کے دن جب کافر اور مشرک پچھتائیں گے کہ اے کاش ہم دنیا میں گمراہ کرنے والوں کو دوست نہ بناتے اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ پر ایمان لے آتے اور آپ کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتے' اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے میرے رب میری قوم یعنی امت دعوت نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا لہٰذا مشرکین اور کافرین کا جرم ان کے اقرار سے بھی ثابت ہو جائے گا اور آنحضرت ﷺ کی شہادت سے بھی الفاظ کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو بظاہر اسلام کا نام لیتے ہیں لیکن سیاست اور معیشت اور حکومت اور معاشرت میں نہ صرف قرآن کے خلاف چلتے ہیں بلکہ قرآن کے احکام پر کافروں کے قوانین کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر مزید یہ ہے کہ حدود و قصاص کے احکام کو ظالمانہ بتاتے ہیں ایسی باتیں کرنے والے اگرچہ مدعی اسلام ہیں مگر اپنے اقوال ضلال و اضلال کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ الفاظ کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن کو پڑھتے ہی نہیں اور وہ لوگ بھی داخل ہیں جو پڑھ لیتے ہیں لیکن کھول کر کبھی ہاتھ نہیں لگاتے وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ (اور اسی طرح ہم نے مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے ہیں) یعنی یہ لوگ جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں کوئی نئی بات نہیں جس کا غم کیا جائے' وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا جس کو ہدایت دینا منظور ہو اس کے لئے آپ کا رب کافی ہے اور جو ہدایت سے محروم ہو اس کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے کے لئے بھی آپ کا رب کافی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ

اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ کر دیا گیا' ہم نے اسی طرح نازل کیا ہے' تاکہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے

فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿۳۳﴾

دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے اور یہ لوگ آپ کے سامنے کیسا ہی عجیب سوال کریں ہم ضرور اس کا ٹھیک جواب خوب وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عطا کر دیں گے

اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۳۴﴾

جولوگ اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔

قرآن کریم کو دفعۃً نازل نہ فرمانے میں کیا حکمت ہے

تفسیر: مشرکین مکہ اپنے عناد سے طرح طرح کے اعتراض تراشتے رہتے تھے انہیں اعتراضات میں سے ایک یہ اعتراض تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے اور یہ کلام جو تمہیں سناتا ہوں اللہ کا کلام ہے اور اللہ کی کتاب ہے اور اس نے یہ قرآن ایمان لانے کے لئے بھیجا ہے تو یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوتا ہے بیک وقت ایک ہی ساتھ کیوں نازل نہیں ہوا؟ ان لوگوں کا یہ اعتراض حماقت پر مبنی تھا' جس کی کتاب ہے وہ جس طرح بھی نازل فرمائے اُسے پورا اختیار ہے **کذلک ای نزلناه کذلک تنزیلا مغایرا لما اقترحوا لنثبت به فؤادک** (تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو تقویت دیں) اس میں تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے کی حکمت بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنا آپ کے قلب مبارک کو تقویت دینے کا سبب ہے صاحب روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۵ لکھتے ہیں کہ تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں حفظ کی آسانی ہے اور فہم معانی ہے اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کی معرفت ہے جن کی رعایت انزال قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے پھر جبرئیل امین علیہ السلام کا بار بار آنا جو بھی کوئی چھوٹی یا بڑی سورت نازل ہوا اس کا مقابلہ کرنے سے معترضین کا عاجز ہو جانا اور ناسخ اور منسوخ کو پہچاننا وغیرہ یہ سب آپ کے قلب کی تقویت کا سبب ہے۔

جب معترضین کوئی اعتراض اٹھاتے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ کرتے تو اسی وقت آپ کی تسلی کے لئے آیت نازل ہو جاتی تھی اس سے آپ کو ہر بار تقویت حاصل ہو جاتی تھی' اگر پورا قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو گیا ہوتا تو یہ بار بار کی تسلی کا فائدہ حاصل نہ ہوتا' واضح رہے کہ یہاں تدریجاً قرآن مجید نازل فرمانے کی ایک حکمت بتائی ہے اس کے علاوہ دوسری حکمتیں بھی ہیں۔

وَرَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِیۡلًا (اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے) صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ **بیناه بیانا فیه ترسل** کہ ہم نے اس قرآن کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور وقفہ وقفہ سے نازل فرمایا ہے چنانچہ پورا قرآن کریم تیس سال میں نازل ہوا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مزید تقویت قلب اور تسلی کے لئے ارشاد فرمایا وَلَا یَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ (الآیۃ) کہ یہ لوگ آپ پر اعتراض کرنے کے لئے جو بھی عجیب بات پیش کریں گے اس کے مقابلہ میں ہم ضرور حق لے آئیں گے اور واضح طور پر صحیح جواب نازل کر دیں گے جس سے ان کا اعتراض باطل ہو جائے گا اور قیل وقال کا مادہ ختم ہو جائے گا۔

اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ (الآیۃ) اس آیت میں کافروں کا برا انجام فرمایا اور وہ یہ کہ ان لوگوں کو چہروں

کے بل گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور اس میں پھینک دیا جائے گا وہ جگہ عذاب کے اعتبار سے بری جگہ ہے یہاں دنیا میں ان کو بتایا جاتا تھا کہ اپنی حرکتوں کی سزا میں برے عذاب میں مبتلا ہو گے اور یہ کہ تم گمراہ ہو راہ حق سے ہٹے ہوئے ہو لیکن یہاں نہیں مانتے تھے وہاں عذاب میں مبتلا ہوں گے تو دونوں باتیں سمجھ میں آ جائیں گی لیکن وہاں کا سمجھنا اور ماننا فائدہ مند نہ ہوگا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝۳۵ فَقُلْنَا اذْهَبَآ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی کو وزیر بنا دیا' پھر ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ

اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝۳۶ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا

اس قوم کی طرف چلے جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا' پھر ہم نے اس قوم کو بالکل ہی ہلاک کر دیا' اور ہم نے قوم نوح کو ہلاک کیا

الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۳۷

جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا' اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝۳۸ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

اور ہم نے عاد اور ثمود کو اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہلاک کیا اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے

الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝۳۹ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ

امثال بیان کیں' اور ہر ایک کو ہم نے پوری طرح ہلاک کر دیا' بلاشبہ یہ لوگ اس بستی پر گذرے ہیں جس پر بری بارش برسائی گئی کیا یہ اسے نہیں

السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝۴۰ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

دیکھتے رہے' بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ موت کے بعد اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے' اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں

اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۴۱ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ

کیا یہی شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے' اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر

صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۲

جمے ہوئے نہ رہتے' اور جس وقت یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے اس بات کو جان لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا تھا'

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝۴۳ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا' سو کیا آپ اس کے وکیل ہیں' آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے

اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں، یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح سے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں

نوح علیہ السلام کی قوم اور فرعون عاد و ثمود اور اصحاب الرس کی بربادی کا تذکرہ مشرکین کی گمراہی اور بدحالی کا حال

تفسیر: ان آیات میں امم سابقہ کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن مجید کے مخاطبین کے لئے عبرت ہے اس کے بعد مشرکین مکہ کی شر پسندی کا تذکرہ فرمایا۔

ہلاک شدہ اقوام میں یہاں جن کا ذکر ہے ان میں اوّلاً فرعون اور اس کی قوم کا اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو غرق کر دیا اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت بنا دیا۔ یہ ان کی دنیاوی سزا تھی اور آخرت میں ظالموں کے لئے عذاب الیم تیار فرمایا ہے اس کے بعد عاد اور ثمود اور اصحاب الرس کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا کہ ان کے درمیان میں اور بہت سی امتوں کو ہلاک فرمادیا' ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کی ہدایت کے لئے مثالیں یعنی موثر مضامین اور عبرت کی باتیں بیان کیں لیکن انہوں نے نہ مانا لہٰذا ہم نے ان کو بالکل ہی ہلاک کر دیا۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی بستی کا ذکر فرمایا جن بستیوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم رہتی تھی ان بستیوں کو ان لوگوں کی تکذیب اور شرمناک افعال کی وجہ سے پلٹ دیا گیا تھا اور ان پر پتھر بھی برسائے گئے تھے جس کا تذکرہ سورہ اعراف اور سورہ ھود میں گذر چکا ہے اہل مکہ سال میں دو مرتبہ تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے اور ان بستیوں کے پاس سے گذرا کرتے تھے اور انہیں ان لوگوں کی بربادی کا حال معلوم تھا۔ اسی کو فرمایا وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ (بلاشبہ یہ لوگ اس بستی پر گذرے ہیں جس پر بری بارش برسائی گئی تھی) ہلاک شدہ بستیوں کو دیکھتے ہوئے یہ لوگ گذر جاتے ہیں اور کچھ بھی عبرت حاصل نہیں کرتے' اسی کو سورہ صافات میں فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (بلاشبہ ضرور تم ان بستیوں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گذرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) یہ متعدد بستیاں تھیں یہاں لفظ قریہ مفرد لایا گیا ہے جس میں مرکزی اور بڑی بستی کا ذکر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ القریہ جنس کے لئے لایا گیا ہو۔

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا (کیا یہ لوگ ان بستیوں کو دیکھتے نہیں رہے) بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا یعنی یہ لوگ ان بستیوں پر گذرتے تو ہیں لیکن ان کا عبرت نہ پکڑنا بے علمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے

کی امید ہی نہیں رکھتے یعنی آخرت کے منکر ہیں اور ہلاک شدہ بستیوں کو یوں ہی امور اتفاقیہ پر محمول کرتے ہیں اور اپنے کفر کو دنیا یا آخرت میں موجب سزا نہیں سمجھتے۔

جن لوگوں کو کفر کی وجہ سے ہلاک کیا گیا ہے ان میں اصحاب الرس کا ذکر بھی فرمایا الرس عربی میں کنویں کو کہتے ہیں' یہ کنویں والے لوگ کون تھے' کس علاقہ میں تھے ان کی طرف کس نبی کو بعثت ہوئی تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی' صاحب روح المعانی نے ان کے بارے میں متعدد اقوال لکھے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ یمامہ کی ایک بستی میں رہتے تھے جو قوم ثمود کے بقایا تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ شہر انطاکیہ (شام) میں ایک کنواں تھا یہ لوگ اس کنویں کے آس پاس رہتے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب الایکہ اور اصحاب الرس دونوں قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے ان کے بہت سارے کنویں تھے اور کثیر تعداد میں مویشی تھے انہیں اسلام کی دعوت دی تو سرکشی میں آگے بڑھتے چلے گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو برابر ایذاء پہنچاتے رہے' حتیٰ کہ ایک دن ایک کنویں کے چاروں طرف جمع تھے جو صرف کھودا ہی گیا تھا پکا نہیں بنایا گیا' اس کنویں کی آس پاس کی زمین انہیں لیکر گرتی چلی گئی اور یہ لوگ اسی سے ہلاک ہو گئے' ایک قول یہ ہے کہ اصحاب الرس سے اصحاب الاخدود مراد ہیں (جن کا سورہ بروج میں ذکر ہے اور الرس سے اخدود یعنی خندق مراد ہے)

اس کے بعد قریش مکہ کی سرکشی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ یہ لوگ صرف آپ کی تکذیب ہی نہیں کرتے آپ کا مذاق بھی بناتے ہیں اور مسخرہ پن کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (کیا یہی شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے) یہ ایسا ہی ہے جیسے قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں کہا تھا اَلُقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا (کیا ہمارے درمیان سے صرف اسی شخص پر ذکر نازل کیا گیا) مکذبین اور معاندین کا یہ عجیب سوال رہا کہ فلاں شخص ہی کو نبی کیوں بنایا گیا؟ دوسرے شخص کو عہدہ کیوں نہیں دیا گیا یہ جہالت اور حماقت کا سوال ہے جس کسی کو بھی شخص کو رسالت کی ذمہ داری سونپی جائے اس کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کو رسول کیوں بنایا گیا اس طرح سے تو نبوت کا سلسلہ قائم ہی نہ ہوتا' سورہ انعام میں ان سب کا جواب دے دیا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اس موقع کو جہاں اپنا پیغام بھیجے) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور معجزات پیش فرما دیئے جن میں بہت بڑا معجزہ قرآن مجید ہے جس کے مقابل بنا کر لانے سے تمام فصحاء بلغاء عاجز رہ گئے ان معجزات کو دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ ان کی دعوت کیا ہے وہ شرک چھڑا رہے ہیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں موت کے بعد جی اٹھنے اور اعمال کا بدلہ دیئے جانے سے با خبر فرما رہے ہیں ان کی اس دعوت میں غور فکر کرنا لازم ہے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کو رسول بنا کر کیوں بھیجا۔

اہل مکہ اپنے کفر و شرک پر خوش تھے اور اس میں بڑا کمال سمجھتے تھے کہ ہم نے توحید کی دعوت قبول نہیں کی' وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اپنے معبودوں پر جمے ہوئے نہ رہتے تو یہ شخص تو ہمیں ان کی پرستش سے ہٹا ہی دیتا' ان کی اس جہالت کا جواب

دیتے ہوئے فرمایا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الآیۃ) اور جس وقت یہ لوگ عذاب دیکھیں گے اس وقت جان لیں گے کہ راہ حق سے ہٹا ہوا کون تھا' عذاب سب سمجھا دے گا اور اس وقت حقیقت ظاہر ہو جائے گی' دنیا میں رسول اللہ علیہ کو جو بے راہ بتاتے تھے قیامت کے دن ان کا اپنا گمراہ ہونا واضح ہو جائے گا' ان کے بعد رسول اللہ علیہ کو خطاب کر کے فرمایا اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا) اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (سو کیا آپ ان کی نگرانی کرنے والے ہیں) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْيَعْقِلُوْنَ (کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں) اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں)

اس میں رسول اللہ علیہ کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان قبول نہ کریں تو آپ پریشان نہ ہوں آپ پر قبول کرانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی لہٰذا آپ ان کے نگران نہیں ہیں آپ کا کام صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے سورۃ الزمر میں فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (ہم نے لوگوں کے لئے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے جو شخص راہ راست پر آئے گا تو اپنے نفع کے واسطے' اور جو شخص بے راہ رہے گا اس کا بے راہ ہونا اس پر پڑے گا اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے) آپ کے یہ مخاطب گمراہی میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں حق کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے انہوں نے تو خواہش نفس ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جو جی میں آتا ہے وہ کہتے ہیں جو نفس خواہش کرتا ہے اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں جیسے معبود کی فرماں برداری کی جاتی ہے ایسے لوگوں سے ہدایت کی توقع نہ رکھئے۔ آپ یہ بھی خیال نہ کریں ان میں اکثر سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ یہ تو راہ حق سے اتنی دور جا پڑے ہیں کہ بس چوپایوں کی طرح ہو گئے ہیں' بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ سے بھٹک گئے ہیں کیونکہ چوپائے مکلف نہیں ہیں وہ نہ سمجھیں تو ان کی طرف کوئی مذمت متوجہ نہیں ہوتی اور یہ مکلف ہیں پھر بھی سننے کی طرح نہیں سنتے اور سمجھنے کی طرح نہیں سمجھتے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جانور تو اپنے مجازی مالک کی فرمانبرداری کرتے ہیں محسن اور غیر محسن کو پہچانتے ہیں اپنے کھانے پینے کے مواقع کو جانتے ہیں اپنے ٹھہرنے اور بیٹھنے کے ٹھکانوں کو سمجھتے ہیں اپنے نفع کے طالب رہتے ہیں اور ضرر سے بچتے ہیں' برخلاف ان لوگوں کے جنہیں اللہ نے عقل دی اور سمجھ دی ہے یہ لوگ اپنے خالق اور رازق کی فرمانبرداری نہیں کرتے اور اس کے احسان مند نہیں ہوتے خواہشوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں نہ ثواب کی طلب ہے نہ عقاب کا خوف' حق سامنے آ گیا معجزات دیکھ لئے دلائل عقلیہ سے لاجواب ہو گئے لیکن ان سب کے باوجود ایمان قبول نہیں کرتے لامحالہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔

یہ جو فرمایا اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ (الآیۃ) اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ چونکہ ان میں سے بعض کا ایمان لانا بھی مقدر تھا اس لئے لفظ اکثر لایا گیا' آیت شریفہ سے خواہشات نفس کے پیچھے چلنے کی قباحت اور شناخت

معلوم ہوئی یہ خواہشات نفس کا اتباع انسان کو کفر و شرک پر بھی ڈالتا ہے اور گناہ بھی کرواتا ہے جو لوگ نفس کے پابند ہوتے ہیں نفس ہی کی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں اور اس طرح چلتے ہیں جیسے نفس ہی ان کا معبود ہو یہ ذہن اور مزاج تباہ کر کے رکھ دیتا ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف خواہشات نفس کے پیچھے چلنے کا ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں (الحدیث) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہلاک کرنے والی یہ چیزیں ہیں (۱) نفس کی خواہش جس کا اتباع کیا جائے (۲) وہ کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے (۳) انسان کا اپنے نفس پر اترانا اور یہ ان تینوں میں سب سے زیادہ سخت ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

جو لوگ مسلمان نہیں ہیں ان کا اپنی خواہشات کا متبع ہونا ظاہر ہے کہ توحید کی دعوت پر کان نہیں دھرتے اور کفر و شرک ہی کو اختیار کیے رہتے ہیں نفس نہیں چاہتا کہ اللہ کے رسول کا اتباع کریں لہٰذا نفس کے غلام بنے رہتے ہیں۔ دلائل سے حق واضح ہو جانے پر بھی حق کی طرف نہیں آتے، اتباع نفس کا مرض بہت سے مدعیان اسلام میں بھی ہے قرآن حدیث کی صاف صریح تعلیمات کو پس پشت ڈال کر ایسے عقائد اور ایسے اعمال تراش لیتے ہیں جن میں بعض تو کفر کی حد تک پہنچا دیتے ہیں مثلاً کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر مانتے ہیں اور کچھ لوگ آپ کے بشر ہونے کے منکر ہیں۔

یہ دونوں کفریہ باتیں ہیں قرآن حدیث کے خلاف ہیں بعض فرقے تحریف قرآن کے قائل ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو دو تین حضرات کے علاوہ تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں یہ بھی کفریہ عقیدے ہیں اور یہ سب نفس کا اتباع ہے یعنی خواہشات نفس کی پابندی ہے۔

یہ ہم نے بعض ایسے عقائد بتائے ہیں جو اتباع ہوئی کی وجہ سے لوگوں نے اختیار کر لئے ہیں اب رہے وہ اعمال جنہیں بدعت عملی کہا جاتا ہے یہ بھی بہت زیادہ ہیں مختلف علاقوں میں بکثرت مختلف بدعات رواج پذیر ہیں یہ بدعتیں خوشی میں اور مرنے جینے میں، محرم الحرام کے مہینہ میں، ربیع الاول میں، رجب میں اور شعبان میں بہت زیادہ مروج ہیں جن کی تفاصیل حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب اصلاح الرسوم میں بیان کر دی گئی ہیں، اور چونکہ بدعت کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں خود تراش لینے ہی سے وجود میں آ جاتی ہے اس لئے مختلف علاقوں میں مختلف بدعات ہیں، احقر نے ایک مرتبہ جنوبی ہند کا سفر کیا ظہر کا وقت تھا مسجد میں امام صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مؤذن نے اذان دی تو اس کے بعد نقارہ بجا دیا گیا احقر نے امام صاحب سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ عورتوں کو بتانے کے لئے ہے کہ مسجد میں اذان ہو گئی ہے میں نے عرض کیا کیا سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کی اطلاع دینے کے لئے اذان کے علاوہ نقارہ پیٹا جاتا تھا۔ کہنے لگے ایسا تو نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ لوگوں نے یہ نئی چیز کیوں نکالی؟ ایک تو نئی چیز وہ بھی نقارہ؟ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں یہ بھی رواج ہے کہ دفن کرنے کے بعد دفن میں شرکت کرنے والوں کو میٹھی روٹیاں بانٹتے ہیں جب تک روٹیاں تیار نہیں ہو جاتیں میت کو گھر ہی میں رکھے رہتے ہیں، دمشق کا سفر کیا وہاں دیکھا کہ اذان سے چند منٹ پہلے مؤذن مینارہ پر چڑھ کر زور زور

سے درود شریف پڑھتا ہے اور جمعہ کے دن خطیب خطبہ پڑھنے کے لئے اپنے حجرہ سے چلتا ہے تو جب اس پر نظر پڑ جائے چند آدمی مل کر زور زور سے درود شریف پڑھتے ہیں اور اس کے منبر میں بیٹھ جانے تک برابر پڑھتے رہتے ہیں' مختلف علاقوں میں مختلف بدعات ہیں اہل بدعات کو جب متنبہ کیا جاتا ہے تو ماننے کے بجائے الٹی الٹی دلیلیں لے آتے ہیں اور سینکڑوں سنتیں جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں ان پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتے یہ اتباع ہوئی ہے اگرچہ دینی جذبات کے ساتھ ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ

اے مخاطب کیا تو نے اپنے رب کی طرف نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے' اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا رکھتا' پھر ہم نے آفتاب کو

عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ

اس پر علامت مقرر کیا' پھر ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا' اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو

لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿٤٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا

لباس اور نیند کو آرام کی چیز بنایا' اور دن کو پھیل جانے کا وقت بنایا' اور وہ ایسا ہے جس نے اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٤٨﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ

ہوائیں بھیج دیں' اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا تاکہ ہم اس کے ذریعے مردہ زمین میں جان ڈال دیں' اور تاکہ یہ پانی

مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ

ہم اپنی مخلوق میں سے چارپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلا دیں' اور ہم اسے ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں' لیکن

أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ

اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہیں رہتے' اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے' سو

الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

کافروں کی بات نہ مانیئے' اور اس کے ذریعہ ان سے خوب بڑا مقابلہ کیجئے۔

سایہ اور آفتاب' رات اور دن ہوائیں اور بارشیں سب تصرفات الٰہیہ کا مظہر ہیں

تفسیر: اولاً ارشاد فرمایا کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلایا ہے جب سورج طلوع ہوتا

ہے تو ہر چیز کا سایہ خوب لمبا ہوتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا رکھتا جو آفتاب کے بلند ہونے پر بھی نہ گھٹتا' نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے آفتاب کو سایہ کی درازی اور کوتاہی پر ایک ظاہری علامت مقرر کر دیا کہ آفتاب طلوع ہوا تو چیزوں کا سایہ لمبا ظاہر ہوا پھر آفتاب چڑھتا گیا تو سایہ گھٹتا گیا' حتیٰ کہ عین زوال کے وقت ذرا سا سایہ رہ گیا' پھر جب آفتاب آگے بڑھا تو سایہ کا رخ مشرق کی طرف کو ہو گیا جو زوال کے وقت تک مغرب کی طرف تھا۔

گو بظاہر آفتاب کی رفتار ان چیزوں کی علامت ہے لیکن حقیقت میں سب کچھ خالق کائنات جل مجدہ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا جو تمہارے لئے پردہ ہے جیسے تمہیں لباس چھپاتا ہے رات بھی تمہیں پوشیدہ رکھتی ہے اور چونکہ عموماً نیند رات ہی میں ہوتی ہے اس لئے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ نیند کو ہم نے راحت کی چیز بنایا' دن میں محنت کرتے ہیں کام کاج میں رہتے ہیں پھر رات کو اپنے ٹھکانوں پر آ جاتے ہیں تو کھا پی کر سو جاتے ہیں' دن بھر کی محنت مشقت کی وجہ سے جو نڈھال ہو گئے تھے اور جان میں جو کمزوری آ گئی تھی سونے کی وجہ سے وہ ختم ہو جاتی ہے اور صبح کو گویا نئی زندگی مل جاتی ہے' رات میں چونکہ تاریکی ہے اس لئے اس میں خوب مزے دار نیند آتی ہے' دن میں سونے کی کوشش کی جائے تو کھڑکیوں پر پردے ڈال کر باقاعدہ رات کی فضا بنائی جاتی ہے۔

پھر چونکہ نیند ایک طرح کی موت ہے جیسے حدیث شریف میں **النوم اخو الموت** فرمایا ہے اس لئے دن کی نعمت کا تذکرہ فرماتے ہوئے **وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا** فرمایا' قرآن وحدیث میں لفظ نشور قبروں سے اٹھنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں صبح کو بیدار ہو کر دن میں مختلف کاموں کے لئے پھیل جانے کو نشور سے تعبیر فرمایا' سورۃ القصص میں فرمایا **وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** (اور اس کی رحمت میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل یعنی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو) چونکہ رات کا سونا موت کے مترادف ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ رات کو سونے لگتے تو یہ دعا پڑھتے تھے **اللھم باسمک اموت واحییٰ** (میں اللہ کا نام لیکر مرتا اور جیتا ہوں) اور جب سو کر اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے **الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور** (سب تعریف اللہ کے لئے جس نے موت دینے کے بعد زندہ فرما دیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے)

ثالثاً بارش کی نعمت کا تذکرہ فرمایا اور بارش سے پہلے جو ہوائیں بارش کی خوشخبری دیتی ہوئی آتی ہیں ان کا نعمت ہونا بیان فرمایا' ان ہواؤں سے لوگوں کو بارش کے آنے کی خوشخبری بھی مل جاتی ہے اور جن چیزوں کو بارش سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں (تاکہ بھیگ کر خراب نہ ہو) ان کے محفوظ کرنے کا وقت بھی مل جاتا ہے۔

یہاں بارش کے تین منافع بتائے اول یہ کہ اس پانی سے طہارت اور پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے' یہ پانی ندیوں اور

نہروں میں بھی آتا ہے تالابوں میں جمع ہوتا ہے پھر اس پانی سے غسل بھی کرتے ہیں وضو کے استعمال میں بھی لاتے ہیں اور میل کچیل بھی صاف کرتے ہیں کپڑے بھی دھوتے ہیں خاص کر طہارت حکمیہ تو پانی کے بغیر کسی دوسری سیال چیز سے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

دوم یہ کہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے زمین سے سبزہ نکل آتا ہے کھیتیوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے جس سے پھل میوے غلے پیدا ہوتے ہیں' تیسرے یہ فرمایا کہ بارش کے پانی کو ہم اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت سے انسانوں کو پلاتے ہیں' بارش کے پانی سے انسان اور ان کے مویشی سبھی سیراب ہوتے ہیں اس سے انسانوں کی بھی پیاس دور ہوتی ہے اور جانوروں کی بھی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا یعنی اس پانی کو حکمت اور مصلحت کے مطابق مختلف مواقع میں پہنچاتے ہیں۔ کبھی کہیں بارش ہوتی ہے کبھی کہیں' کبھی تھوڑی کبھی خوب زیادہ' اس میں عبرت ہے اور نصیحت ہے لیکن لوگ اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے' اکثر لوگوں کا بس یہی کام ہے کہ ناشکری ہی میں لگے رہتے ہیں' یہ ناشکری انسانوں میں عموماً کفر کی حد تک ہے کھاتے ہیں اور پہنتے ہیں اللہ کی پیدا کردہ چیزیں اور عبادت کرتے ہیں دوسروں کی' اور بہت سے لوگوں کی ناشکری کفر کی حد تک تو نہیں لیکن نافرمانی اور معاصی میں لگے رہتے ہیں یہ بھی ناشکری ہے دونوں قسم کی ناشکری کے بارے میں فرمایا فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (سو اکثر لوگ ناشکری کے بغیر نہ رہے)

پھر فرمایا وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا (اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے) جس سے آپ کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہر نبی اپنی اپنی بستی میں دعوت کا کام کرتا اور آپ صرف ام القریٰ (مکہ معظمہ) یا مزید اس کے آس پاس کی چند بستیاں کی طرف مبعوث ہوتے' لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا' آپ کو خاتم النبیین بنایا اور سارے عالم کے انسانوں کی طرف رہتی دنیا تک کے لئے مبعوث فرمایا' یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا انعام ہے' اس انعام کی شکر گزاری بھی لازم ہے' اور دعوت الی الحق کا کام جو سپرد کیا گیا ہے اس میں بھی محنت اور کوشش کے ساتھ لگنا ضروری ہے' جب آپ محنت کریں گے تو اہل کفر آپ کو اس کام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے' وہ چاہیں گے کہ آپ اپنا کام چھوڑ دیں یا بعض باتوں میں مداہنت اختیار کر لیں' آپ ان کی بات بالکل نہ مانیں بلکہ خوب محنت اور مجاہدہ سے کام لیں' اور زوردار طریقہ پر قرآن کے ذریعہ ان کا مقابلہ کریں' جو خود بہت بڑا معجزہ ہے اور اس میں جو توحید پر دلائل قاہرہ بیان کئے ہیں ان کو پیش کرتے رہئے ان کی طرف سے جو مداہنت اور ترک تبلیغ کی درخواست سامنے آئے اس میں ان کی بات نہ مانئے' اسی کو فرمایا فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا

اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا جن میں یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا ہے' اور یہ شور ہے کڑوا ہے' ان کے درمیان میں

بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۚ وَكَانَ

ایک حجاب بنا دیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنا دیا اور تیرا

رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝

پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر، میٹھے اور کھارے سمندر میں امتزاج نطفہ سے انسان کی تخلیق

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں، جو لوگوں کی نظر کے سامنے ہیں اور ان چیزوں کو لوگ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں، ان میں سے ایک تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو سمندروں کو اس طرح ملا دیا کہ دونوں ساتھ چلتے ہیں ان میں سے ایک میٹھا ہے جس سے خوب اچھی طرح پیاس بجھتی ہے اور ایک خوب زیادہ شور ہے کڑوا ہے، ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ایک آڑ بنا دی ہے اور رکاوٹ لگا دی ہے جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے میں گھلتے ملتے نہیں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ظاہری کوئی آڑ نہیں ہیں، بس اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی نے ان کو اس طرح جاری کر رکھا ہے کہ میٹھے دریا کا پانی شور دریا کے پانی میں نہیں ملتا اور شور دریا کا پانی میٹھے دریا میں نہیں ملتا، سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (اس نے دو دریاؤں کو اس طرح ملا دیا کہ وہ باہم ملے ہوئے ہیں، ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے وہ دونوں اپنی مقررہ بہنے کی جگہ سے تجاوز نہیں کرتے) بظاہر دیکھنے میں کوئی آڑ نہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے میں ملتا بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان دونوں کو اس حال میں رکھا ہے کہ ایک دوسرے میں نہیں ملتے یہی یعنی قدرتی آڑ ہے اور ظاہری کوئی آڑ نہیں ہے۔

جس نے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اسے پورا اختیار ہے کہ جس مخلوق کو جس طرح چاہے رکھے جو طبیعتیں ہیں وہ بھی اسی کی بنائی ہوئی ہیں، عموماً مخلوقات اپنی طبیعت کے مطابق چلتی رہتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو طبیعت کے خلاف بھی ظہور ہو جاتا ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا، پانی کا مزاج یہ ہے کہ ایک پانی دوسرے پانی میں گھل مل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے دو سمندر ساتھ ساتھ جاتے ہیں دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے میں نہیں گھستا، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانب بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں، ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی

تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقی ہے' لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھارا بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیرین اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آ جاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے' نیچے میٹھا' جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجری میں چلائے اور دونوں کے بیچ میں بہت جگہ زمین حائل کر دی' اس طرح آزادانہ چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے' پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری' یا کھاری میٹھا بن جائے' گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ **وقیل غیر ذلک' والراجح عندی ھو الاول' واللہ اعلم**

قدرت کاملہ کا ایک بہت بڑا مظاہرہ یہ ہے کہ اس نے نطفہ منی سے انسانوں کی تخلیق فرمائی' ان میں شہوت رکھ دی اس شہوت کی وجہ سے بیاہ شادی کی ضرورت پیش آئی جب نکاح ہوتے ہیں تو میاں بیوی کا اختلاط ہوتا ہے اس سے اولاد ہوتی ہے اور اس طرح سے خاندان بڑھتا چلا جاتا ہے اور آپس میں سلسلہ نسب چلتا ہے' ہر پیدا ہونے والے کے دو خاندان ہوتے ہیں ایک باپ کی طرف کا خاندان دوسرا ماں کی طرف سے' پھر شادیاں ایک خاندان کی دوسرے خاندان میں ہوتی ہیں اور غیر خاندانوں میں بھی ہوتی ہیں یہ سسرالی رشتے بھی نعمت عظیمہ ہیں ان کے ذریعہ مختلف خاندانوں میں محبتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ **وکان ربک قدیرا** (اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے) اس نے جو کچھ پیدا فرمایا اپنی قدرت سے پیدا فرمایا اور اس کے علاوہ بھی وہ جو چاہے گا پیدا فرمائے گا۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ کچھ نفع پہنچا سکیں اور نہ انہیں کچھ ضرر دے سکیں' اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے'

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ

اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا ہاں جو شخص یہ چاہے کہ

يَتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى

اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے اور آپ اسی ذات پر بھروسہ کیجئے جو زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی، اور اس کی تسبیح وتحمید میں لگے رہئے اور وہ

بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ ۚ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونے کے لئے کافی ہے، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ

میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہ بڑی مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے دریافت کرلو اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو

قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ ۩ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي

تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کو سجدہ کرنے کا تو ہمیں حکم دیتا ہے، اور ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے، وہ ذات عالی شان ہے جس نے

السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور ان میں ایک چراغ بنایا روشن کرنے والا چاند بنایا، اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

پیچھے آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

السجدة

اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں آسمانوں کی اور زمین کی تخلیق فرمائی اور رات اور دن کو ایک دوسرے کے بعد آنے جانے والا بنایا

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کی بے وقوفی اور بغاوت ظاہر فرمائی ہے اور وہ یہ کہ یہ لوگ اپنے خالق کو چھوڑ کر جس کی صفات اوپر بیان کی گئی ہیں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو اپنے ان پرستاروں کو نہ نفع دے سکیں اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکیں، پھر ان کی مزید سرکشی بیان کرتے ہوئے فرمایا وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا (اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے) یعنی ایسے عمل کرتا ہے جیسے کوئی شخص کسی کا مخالف ہو اور اس کی مخالفت میں لگ کر ایسے کام کرتا رہے جو اسے ناگوار ہوں جس کی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔

ظَهِيْرًا کا ترجمہ جو ''مخالف'' کیا گیا ہے محاورہ کا ترجمہ ہے، صاحب روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ یہ مظاہر کے معنی میں ہے اور مظاہر معاون اور مددگار کو کہا جاتا ہے (لفظ علی کی وجہ سے بمعنی مخالف کیا گیا ہے) اور کافر سے جنس کافر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمام کافر پروردگار جل مجدہ کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی مخالفت اور شیطان کی

مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا کہ ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ اپنا کام کریں حق کی دعوت دیتے رہیں جو قبول نہ کرے اس کی طرف سے غمگین نہ ہوں اور مزید یہ فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں دعوت توحید کی محنت پر تم سے کوئی کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کرتا ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ کوئی شخص اپنے رب کی طرف راستہ بنا لے یعنی اس کا دین قبول کرلے اور اس کی رحمت و رضامندی کو اپنا مقصود بنا لے کار دعوت میں میرا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں تمہاری ہی ہمدردی مطلوب ہے جب میں طالب دنیا نہیں اور تمہارے نفع ہی کے لئے جدوجہد کرتا ہوں تو تمہیں میری دعوت پر کان دھرنا چاہئے اگر ٹھیک سے سنو گے سوچو گے سمجھو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حق بات ضرور دل میں اترے گی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اس ذات پاک پر توکل کریں جو ہمیشہ سے زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی وہی آپ کو اجر ثواب دے گا اور وہی دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے گا توکل کے ساتھ اس کی تسبیح و تحمید میں بھی مشغول رہئے (کیونکہ اس کا ذکر نصرت الٰہی دفع مصائب اور رفع بلایا کے لئے بہت بڑا معاون ہے)

وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا (اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونے کے لئے کافی ہے) جو لوگ کفر و شرک پر جمے ہوئے ہیں آپ کی دعوت قبول نہیں کرتے آپ کو تکلیفیں دیتے ہیں ان کا حال ذات پاک حی لایموت کو معلوم ہے وہ ان سب کو سزا دے دے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ کی شان خالقیت بیان فرماتے ہوئے آسمان و زمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے اندر ہیں سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا ان چھ دنوں کی تفسیر سورۃ حم سجدہ ع ۲ میں مذکور ہے اس کے بارے میں وہیں عرض کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا) استواء قائم ہونے کو اور عرش تخت شاہی کو کہا جاتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بارے میں ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ فرمایا ہے اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى بھی فرمایا ہے اس کو سمجھنے کے لئے بعض لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ اس کے بارے میں حضرات سلف صالحین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے جو بات منقول ہے وہ یہ ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کو پوری طرح سمجھنے اور احاطہ کرنے سے عاجز ہے لہٰذا جو کچھ فرمایا ہے اس سب پر ایمان لائیں اور سمجھنے کے لئے کھوج کرید میں نہ پڑیں۔

یہی مسلک بے غبار اور صاف صحیح ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے استوی علی العرش کا معنی پوچھا تو ان کو پسینہ آ گیا اور تھوڑی دیر سر جھکانے کے بعد فرمایا کہ استوی کا مطلب تو معلوم ہے اور اس کی کیفیت سمجھ سے

باہر ہے اور ایمان اس پر لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

پھر سائل سے فرمایا کہ میرے خیال میں تو گمراہ شخص ہے اس کے بعد اسے اپنی مجلس سے نکلوا دیا معالم لفظ الرحمٰن کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ مرفوع علی المدح ہے یعنی ھوالرحمٰن مطلب یہ ہے کہ ابھی جس کی شان خالقیت بیان کی گئی ہے وہ رحمٰن ہے جل مجدہ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (سوائے مخاطب تو اس کی شان کے بارے میں کسی جاننے والے سے دریافت کر لے) آسمانوں زمینوں کو پیدا کرنا پھر اپنی شان کے مطابق عرش پر استواء فرمانا سب رحمٰن کی صفات ہیں اس کی تحقیق مطلوب ہو تو باخبر سے پوچھئے' باخبر سے مراد حق تعالیٰ یا جبرئیل امین ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کتب سابقہ کے علماء ہوں جن کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس معاملہ کی اطلاع ملی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے) یہ بات وہ اپنی جہالت اور عناد کی وجہ سے کہتے تھے اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا (اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے لئے تم ہمیں سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہو) وہ یہ بات ضد میں کہتے تھے کہ تمہارے کہنے سے ہم کسی کو سجدہ نہیں کریں گے وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (اور آپ کا یہ فرمانا کہ تم رحمٰن کو سجدہ کرو اس سے ان کو اور زیادہ نفرت بڑھ جاتی ہے) قریب آنے کے بجائے اور زیادہ دور ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے مزید مظاہر بیان فرمائے ارشاد فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (وہ ذات عالی شان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور ان میں ایک چراغ بنایا اور روشن کرنے والا چاند بنایا' اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے والا بنایا اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہئے) مقصود ان آیات سے انسان کو یہ بتلانا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور شمس وقمر اور رات دن کا انقلاب اور ان کی تاریکی اور روشنی اور زمین و آسمان کی تمام کائنات پیدا کی ہے تاکہ غور و فکر کرنے والے کو اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں اور شکر گذار کو شکر کے مواقع ملیں۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ
اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو عاجزی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ
قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
ہمارا اسلام ہے اور وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے اس طرح رات گذارتے ہیں کہ سجدوں میں اور قیام میں مشغول رہتے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں

اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا

کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھیئے بلاشبہ اس کا عذاب بالکل ہی تباہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ برا ٹھکانہ ہے اور

وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

برا مقام ہے، اور جب وہ لوگ خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال والا ہوتا ہے،

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا

اور وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے

بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

مگر حق کے ساتھ، اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا اس کے لئے قیامت کے دن عذاب بڑھتا چلا جائے گا

وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ

اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا، سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو

اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ

اللہ نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور نیک کام کرے سو وہ اللہ کی طرف

إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ

خاص طور پر رجوع ہوتا ہے، اور وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے اور جب بیہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ ہیں

إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا

جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے، اور وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب

هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾ أُولَٰئِكَ

ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائیے، اور ہم کو متقیوں کا امام بنا دیجئے، یہ وہ لوگ ہیں

يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ

جنہیں ثابت قدم رہنے کی وجہ سے بالا خانے ملیں گے اور اس میں ان کو بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہ ٹھہرنے کی

مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ

اچھی جگہ ہے اور اچھا مقام ہے، آپ فرما دیجئے کہ میرا رب پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا، سو تم نے جھٹلایا سو عنقریب

يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

وبال ہو کر رہے گا

عبادالرحمان کی صفات اور ان کے اخلاق واعمال

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور انہیں عبادالرحمٰن کا معزز لقب دیا ہے' ان حضرات کی جو چند صفات ذکر فرمائیں' پہلی صفت یہ ہے کہ انہیں رحمٰن کا بندہ بتایا' یہ بہت بڑا وصف ہے اور بہت بڑا لقب ہے یوں تکوینی طور پر سب ہی رحمٰن کے بندے ہیں لیکن اپنے اعتقاد سے اور اختیار سے اور اخلاص سے جس نے اپنی ذات کو سچے اعتقاد اور اخلاص کے ساتھ رحمٰن جل مجدہ کی عبادت میں لگا دیا اور رحمٰن جل مجدہ نے اس کے بارے میں یہ فرما دیا کہ یہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑھ کر بندہ کا کوئی اعزاز نہیں یہ بندے کا سب سے بڑا معزز لقب ہے' اللہ تعالیٰ نے معراج کا تذکرہ شروع فرماتے ہوئے سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ فرمایا ہے یہ شان عبدیت ہی تو بندہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتی ہے اور آخرت میں بلند درجات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی غرور اور تکبر کے ساتھ اکڑتے مکرتے ہوئے نہیں چلتے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (اور زمین میں اکڑتا ہوا مت چل بیشک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) جب کسی شخص میں تواضع کی شان ہوتی ہے اور تکبر کے مرض میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ اپنی رفتار میں بھی عاجزی اختیار کرتا ہے۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو ان سے الجھتے نہیں نہ انہیں جواب دیتے ہیں اور نہ ان سے جھگڑا کرتے ہیں اس بات کو یہاں سورہ فرقان میں دو جگہ بیان فرمایا ہے پہلے تو یوں فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (کہ جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ بھیا ہمارا سلام ہے) یہ سلام وہ نہیں ہے جو ملاقات کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ جان چھڑانے کے لئے یہ لفظ کہہ کر چلے جاتے ہیں اسی کو سورہ قصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ دوسری جگہ اسی رکوع میں فرمایا وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (اور جب یہ لوگ بے ہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں) بات یہ ہے کہ شریر اور کمینہ مزاج لوگ شریفوں کو تکلیف دینے پر تلے رہتے ہیں زبان سے تکلیف دینا ان کی شان میں برے کلمات کہنا طعنے دینا' اشاروں اور کنایوں سے ان کی برائی کرنا اس سے نہیں چوکتے۔ یہ لوگ بیہودہ کاموں میں لگے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں' شرافت کے ساتھ آنکھیں نیچی کر کے گذر جاتے ہیں۔ اور اگر کسی نے چھیڑ ہی دیا تو یہ کہہ کر چلے

جاتے ہیں کہ ہمارا اسلام ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے جواب دیا تو ان منہ پھٹ لوگوں کے درمیان آبرو محفوظ نہ رہے گی۔

رحمٰن کے بندوں کی چوتھی صفت یہ ہے وہ اس طرح رات گذارتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام میں ان کا ذوق عبادت انہیں زیادہ آرام نہیں کرنے دیتا سورہ والذاریات میں فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (بلاشبہ متقی لوگ باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے انہیں جو کچھ عطا فرمایا اسے لینے والے ہوں گے بلاشبہ وہ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے)

عبادالرحمٰن کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے رہتے ہیں وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کے عذاب کو ہٹائے رکھنا کیونکہ اس کا عذاب بالکل تباہ کرنے والا ہے یہ محاورہ کا ترجمہ ہے غراماالزوم کے معنی میں آتا ہے اور جب عذاب کسی کو لازم ہوگا تو وہ پوری طرح تباہ ہوگا اس کے لئے چھٹکارا کا کوئی راستہ نہیں اس سے اہل کفر کا عذاب مراد ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (بلاشبہ دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بری جگہ ہے) اللہ تعالیٰ اس بری جگہ سے محفوظ فرمائے یہ مومنین مخلصین عابدین قانتین کا طریقہ ہے کہ وہ عبادت بھی خوب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی ہیں اور عذاب سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے رہتے ہیں سورۃ المؤمنون میں فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (اور کچھ دیتے ہیں ان کے دل اس سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں) یعنی انہیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ قبول ہوتا ہے یا نہیں نیک عمل کر کے بے فکر ہو جانا مومن کی شان نہیں مومن عمل بھی کرتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے کہ دیکھو میرے اعمال کو درجہ قبولیت نصیب ہوتا ہے یا نہیں؟

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی کہ جب رحمٰن کے بندے خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ کرنے میں کنجوسی اختیار کرتے ہیں بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ درمیانی راہ چلنے کو قواما فرمایا ہے کیونکہ اس میں دونوں جانب استقامت رہتی ہے کان کلامنھمایقاوم الاخر یہ میانہ روی شرعاً محمود ہے گناہوں میں تو مال خرچ کرنا جائز ہی نہیں حلال کاموں میں بھی میانہ روی اختیار کرے یہ میانہ روی مالی امور پر قابو پانے کا کامیاب ذریعہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کرنے میں معیشت کا آدھا انتظام ہے یعنی کمانا اور محنت کرنا اس میں معیشت کا آدھا انتظام ہے اور آدھا انتظام میانہ روی سے خرچ کرنے میں ہے اپنی ذات پر اور اپنی آل و اولاد پر والدین و اقرباء پر خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے ہاں جن کا توکل بہت بڑھا ہوا ہے اور نیکیوں میں بیک وقت پورا یا آدھا مال خرچ کرنے میں ان کی اپنی ذات کو بھی تکلیف محسوس نہ

ہو اور نفقات مفروضہ اور واجبہ کا کسی طرح حلال انتظام ہو سکتا ہو تو ایسے حضرات اللہ کی راہ میں پورا مال بھی خرچ کر سکتے ہیں جیسا کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا تھا جب آپ نے ان سے پوچھا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ یعنی ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی کافی ہے (مشکوٰۃ المصابیح ۵۵٦)

عباد الرحمٰن کی ساتویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے یعنی وہ مشرک نہیں ہیں توحید خالص اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور آٹھویں صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی جان کو قتل نہیں کرتے جسکا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' ہاں اگر قتل بالحق ہے شریعت کے اصول کے مطابق ہے مثلاً اگر کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے' یا کسی زانی کو رجم کرنا پڑے تو اس کی وجہ سے قتل کر دیتے ہیں نویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ زنا نہیں کرتے اس کے بعد فرمایا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اثاما کی یہ تفسیر حضرت قتادہ اور ابن زید سے مروی ہے حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر جزا سے کی ہے اور ابو مسلم کا قول ہے کہ اثاما گناہ کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی یلق جزاء اثام' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اثام جہنم کے اسماء میں سے ہے' يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اس کے لئے قیامت کے دن دہرا عذاب بڑھتا چلا جائے گا) یعنی عذاب پر عذاب بڑھتا رہے گا کما فی ایۃ اخری زدناھم عذابا فوق العذاب' مزید فرمایا وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا (اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہے گا ذلیل کیا ہوا) یعنی عذاب بھی دائمی ہوگا اور اس کے ساتھ ذلیل بھی ہوگا' اس عذاب سے کافروں کا عذاب مراد ہے کیونکہ انہیں کو دائمی عذاب ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کون سا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کے برابر تجویز کرے حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں (اہل عرب تنگ دستی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے) سائل نے سوال کیا اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے آپ نے فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے (زنا تو یوں بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے اور زیادہ گناہ گاری بڑھ جاتی ہے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (آخر تک) نازل فرمائی (رواہ البخاری ص ۷۰۱)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

(سوائے اس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) اس استثناء سے معلوم ہوا کہ کافر اور مشرک کے لئے ہر وقت توبہ کا دروازہ کھلا ہے' جو بھی

کوئی کافر کفر سے توبہ کرے اس کی سابقہ تمام نافرمانیاں معاف فرما دی جائیں گی، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور شرط یہ ہے میری مغفرت ہو جائے آپ نے فرمایا **اما عملت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ** (اے عمرو کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں) (مسلم ج ۱ ص ۷۶)

یہ جو فرمایا کہ اللہ ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے گا' اس کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں جنہیں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا کہ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو اور بڑے گناہوں کو علیحدہ رکھو لہٰذا اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن اور فلاں فلاں دن ایسے ایسے کام کئے ہیں وہ اقرار کرے گا منکر نہ ہوگا۔ اس بات سے ڈرتا ہوگا کہ بڑے گناہ باقی ہیں وہ سامنے لائے گئے تو کیا ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اس کے ہر گناہ کے بدلہ اس کو ایک ایک نیکی دے دو یہ سن کر (خوشی کی وجہ سے اور یہ جان کر ہر گناہ پر ایک نیکی مل رہی ہے) یوں کہے گا ابھی تو میرے گناہ اور باقی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ رہا ہوں (وہ گناہ بھی پیش کئے جائیں اور ان کے بدلہ میں بھی ایک ایک نیکی دی جائے) یہ بات بیان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کو ایسی ہنسی آئی کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں نظر آ گئیں (مشکوٰۃ المصابیح ۴۹۲ از مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیئات کو حسنات سے بدلنے کا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کو معاف کر دیا جائے' اور ہر گناہ کی جگہ ایک ایک نیکی کا ثواب دیدیا جائے یہ مطلب نہیں کہ گناہوں کو نیکیاں بنا دیا جائے گا۔ کیونکہ برائی کبھی اچھائی نہیں بن سکتی اور بعض حضرات نے تبدیل السیئات بالحسنات کا یہ مطلب لیا ہے کہ گذشتہ معاصی توبہ کے ذریعہ ختم کر دیئے جائیں گے اور ان کی جگہ بعد میں آنے والی طاعات لکھ دی جائیں گی **کما یشیر الیہ کلام کثیر من السلف** (ذکرہ صاحب الروح)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (اور جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے وہ اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کرتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اخلاص سے توبہ کرتا ہے' اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرتا ہے اور نیکی پر رہنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

قال صاحب الروح ای رجوعا عظیم الشان مرضیا عندہ تعالیٰ ماحیا للعقاب محصلا للثواب (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایسا عظیم الشان رجوع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسندیدہ ہوتا ہے۔ سزا کو مٹانے والا اور ثواب کو حاصل کرنے والا ہو) اس آیت شریفہ میں توبہ کا طریقہ بتا دیا کہ پختہ عزم کے ساتھ توبہ کرے اور اللہ کی رضا کے کاموں میں لگے اور گناہوں سے خاص طور پر پرہیز کرے۔

عباد الرحمٰن کی دسویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ** (اور یہ وہ لوگ ہیں جو

جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے) جھوٹ کے کاموں سے وہ تمام کام مراد ہیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں' کوئی شخص گناہ کا کام کرے اس کی ممانعت سب ہی کو معلوم ہے جن مواقع میں گناہ ہو رہے ہوں ان مواقع میں جانا بھی ممنوع ہے' مشرکین کی عبادت گاہوں میں ان کے تہواروں میں اور ان کے میلوں میں نہ جائیں۔ جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو' ناچ رنگ کی محفل ہو' شراب پینے پلانے کی مجلس ہو' ان سب مواقع میں اللہ کے بندے نہیں جاتے' گو اپنے عمل سے گناہ میں شریک نہ ہوں لیکن جب اپنے جسم سے حاضر ہو گئے تو اول تو اہل باطل کی مجلس میں اپنی ذات سے ایک شخص کا اضافہ کر دیا' جبکہ برائی کی مجلسوں میں اضافہ کرنا بھی ممنوع ہے' دوسرے ان مجالس میں شریک ہونے سے دل میں سیاہی اور قساوت آ جاتی ہے اور نیکیوں کی طرف جو دل کا ابھار ہوتا ہے اس میں کمی آ جاتی ہے' اگر بار ہا ایسی مجلسوں میں حاضر ہو تو نیکیوں کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور نفس برائیوں سے مانوس ہوتا چلا جاتا ہے بیاہ شادیوں میں آج کل بڑے بڑے منکرات ہوتے ہیں ٹی وی ہے وی سی آر ہے تصویر کشی ہے فلمیں بنانا ہے' اور بھی طرح طرح کے معاصی ہیں ان میں شریک ہونے سے بچیں اور اپنے نفس اور روح کی حفاظت کریں' یورپ اور امریکہ میں مسلمان دوڑ دوڑ کر جا رہے ہیں وہاں ہوٹلوں میں اور کافروں کی محفلوں میں دوستوں کی مجلسوں میں طرح طرح کے گناہ ہوتے ہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے ننگے ناچ بھی ہوتے ہیں' ان سب میں حاضر ہونے سے اپنی جان کو بچانا لازم ہے ورنہ چند دن میں انہیں جیسے ہو جائیں گے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک

بعض حضرات نے لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا مطلب یہ لیا ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے یہ مطلب بھی الفاظ قرآنیہ سے بعید نہیں ہے' جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ بعض روایات میں اسے اکبر الکبائر میں شمار فرمایا ہے حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن نماز فجر سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تین بار فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے پھر آپ نے سورۃ الحج کی یہ آیت پڑھی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ (سو تم ناپاکی سے یعنی بتوں سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو اس حال میں کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہو' اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہو (رواہ ابوداؤد)

عباد الرحمٰن کی گیارہویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں) یعنی برائی کی مجلسوں میں شریک ہونا تو درکنار اگر کبھی لغو اور بے ہودہ مجلسوں میں اتفاق سے ان کا گذر ہو جائے تو بھلے مانس ہو کر گذر جاتے ہیں یعنی جو لوگ لغو اور بیہودہ کاموں میں مشغول ہوں ان کے عمل کو نفرت کی چیز جانتے ہوئے ان پر نظر ڈالے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بھلے آدمیوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جو وہاں کھڑا ہو گیا وہ تو شریک ہو گیا' اور اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شریر آدمی مجلس میں بلانے لگے یا بلا وجہ خواہ مخواہ کسی بات میں الجھ پڑے' خیریت اسی میں ہے کہ ادھر سے اعراض کرتے ہوئے گذر جائے اگر ان میں سے کوئی شخص چلتے ہوئے کو چھیڑ دے تو یوں سمجھ لے کہ مجھے نہیں کہا۔ عباد الرحمٰن کی بارھویں صفت

بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا۔

یعنی ان بندوں کی شان یہ ہے کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ تذکیر کی جاتی ہے یعنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اوران کے تقاضے پورے کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو ان پر گونگے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ مطلب یہ ہے کہ ان آیات پر اچھی طرح متوجہ ہوتے ہیں ان کے سمجھنے اور تقاضے جاننے کے لئے سمع و بصر کو استعمال کرتے ہیں ایسا طرز استعمال نہیں کرتے جیسے سنا ہی نہیں اور دیکھا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا قرآن کے معانی اور مفاہیم کو اچھی طرح سمجھا جائے اوران کے تقاضوں پر پوری طرح عمل کیا جائے یہی اہل ایمان کی شان ہے۔

عبادالرحمٰن کی تیرھویں صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما) یعنی انہیں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے اس کا مفہوم بہت عام ہے بیویاں اور بچے سکھ سے رہیں آرام سے جئیں فرمانبردار بھی ہوں نیک بھی ہوں دین دار بھی ہوں انہیں دیکھ دیکھ کر دل خوش ہوتا ہو یہ سب آنکھوں کی ٹھنڈک میں شامل ہے۔

جو بندے نیک ہوتے ہیں انہیں اپنی ازواج واولاد کی دینداری کی بھی فکر رہتی ہے وہ جہاں ان کے کھانے پینے کا فکر کرتے ہیں وہاں انہیں دین سکھانے اوران کی دینی تربیت کا بھی اہتمام کرتے ہیں اگر بیوی بچے جسمانی اعتبار سے صحت مند ہوں اور انہیں کھانے پینے کو خوب ملتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کے نافرماں ہوں تو آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں بنتے بلکہ وبال بن جاتے ہیں۔ جب اولاد کو دین پر ڈالیں گے اور انہیں متقی بنائیں گے اور زندگی بھر انہیں دین پر چلاتے رہیں گے تو ظاہر ہے کہ اس طرح متقیوں کے امام اور پیشوا بنے رہیں گے۔

عبادالرحمٰن یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنادے) کوئی شخص متقیوں کا پیشوا اس وقت بن سکتا ہے جبکہ خود بھی متقی ہو دعا کا انحصار اسی پر نہیں ہے کہ ازواج اور اولاد ہی متقی ہوں انسان خود بھی متقی بنے جب انسان خود متقی ہوگا اور اپنے تقوے کو ہر جگہ کام میں لائے گا تو اس کی ازواج واولاد اور احباب واصحاب بھی متاثر ہوں گے اور اس کی دیکھا دیکھی تقوے پر آئیں گے اپنے خاندان اور کنبہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کا بھی پیشوا بننے کی سعادت حاصل ہوگی' معلوم ہوا کہ تقوے کے ساتھ دینی پیشوا بننے کی خواہش رکھنا اور اس کے لئے دعا کرنا شرعاً مذموم نہیں بلکہ محمود ہے جب کسی میں تقویٰ اور اخلاص ہوگا تو اس کی مشیخت اور ریاست اور امامت اس کے نفس میں کبر پیدا نہ ہونے دے گی۔

عبادالرحمٰن کی صفات بیان کرنے کے بعد ان کا آخرت کا مقام بتایا اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں بالاخانے ملیں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے) اس میں الغرفۃ جنس کے معنی میں ہے سورہ سبا میں فرمایا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (سو یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

دوہری جزا ہے اور وہ بالا خانوں میں امن وامان کے ساتھ رہیں گے) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت والے اپنے اوپر بالا خانوں کے رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکدار ستارے کو دیکھتے ہو جو مشرق یا مغرب کی افق میں دور چلا گیا ہو اور یہ فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ) یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے منازل ہوں گے' ان کے علاوہ وہاں کوئی اور نہ پہنچے گا' آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی۔ (رواہ البخاری ص ۴۶۱)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر ان کے باطن سے اور باطن ان کے ظاہر سے نظر آتا ہے اللہ نے یہ بالا خانے اس شخص کے لئے تیار فرمائے ہیں جو نرمی سے بات کرے اور کھانا کھلائے اور کثرت سے روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے جبکہ لوگ سور ہے ہوں۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَّسَلَامًا (یعنی یہ حضرات بالا خانوں میں آرام سے بھی ہوں گے اور معزز بھی ہوں گے ان کی بیش بہا نعمتوں کے ساتھ یہ بھی ہوگا کہ فرشتے انہیں زندگی کی دعا دیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہیں رکھے اور ہمیشہ کے لئے زندہ رکھے اور فرشتے سلام بھی کریں گے) جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرشتے یوں کہیں گے کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ (تم پر سلام ہو خوش عیش رہو سو اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ)

خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا (یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ اچھی جگہ ہے ٹھہرنے اور رہنے کے لئے)

مومنین مخلصین کا انعام واکرام بتانے کے بعد فرمایا کہ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب تمہاری پرواہ نہ کرتا اگر تمہارا پکارنا نہ ہوتا) مفسرین کرام نے اس کے متعدد مفاہیم بتائے ہیں جن میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو تم جو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو اور اس کی عبادت کرتے ہو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری قدر وقیمت ہے اگر تم اس کی عبادت نہ کرتے تو تمہارے کوئی قدر قیمت نہ تھی ای لولا دعاء کم لما اعددت بکم' وھذا بیان لحال المومنین من المخاطبین (یعنی اگر تمہاری پکار نہ ہوتی تو میں تمہاری پرواہ نہ کرتا اور یہ مخاطب مومنین میں سے بعض کی حالت کے بیان کے لئے ہے) (روح المعانی)

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ (سوائے کافرو تم نے تکذیب کی) فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (سو عنقریب تمہیں سزا چپک کر رہے گی) یعنی تم پر اس کا وبال ضرور پڑے گا جو دوزخ کی آگ میں داخل ہونے کی صورت میں سامنے آجائے گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لزام سے کفار قریش کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

ولقدتم تفسیر سورۃ الفرقان بحمدہ سبحانہ وتعالٰی فی الاسبوع
الاخیر من شھر صفر الخیر ۱۴۱۶ھ
والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی
آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین

سورۃ الشعراء مکیۃ وھی مائتان و سبع و عشرون اٰیۃ و احد عشر رکوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ شعراء مکہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

طٰسٓمّٓ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں، کیا ایسا ہونے کو ہے کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں، پھر ان کی گردنیں اس نشانی کی وجہ سے جھک جائیں، اور ان کے پاس

مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ

رحمٰن کی طرف سے جو بھی کوئی نصیحت آ جاتی ہے تو اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں، سو انہوں نے جھٹلا دیا سو آ جائیں گی

اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے، کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا اس میں ہم نے کتنی قسم کی اچھی

زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

اچھی بوٹیاں اگائی ہیں بلاشبہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾

رحمت والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی، اور مکذبین کے لئے وعید

تفسیر: علامہ بغوی معالم التنزیل ص ۳۸۱ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب اہل مکہ نے تکذیب کی تو یہ آپ کو شاق گذرا چونکہ آپ کو اس بات کی حرص تھی کہ وہ لوگ ایمان لے آئیں اس لئے ان کی تکذیب سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ کو تسلی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ نازل فرمائی (جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنا کام کرتے رہیں، ان کے غم میں آپ کو جان ہلاک کرنا نہیں ہے)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم اگر چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانی نازل فرما دیں جسے یہ تسلیم کر لیں اور اس کی وجہ سے ان کی گردنیں جھک جائیں اور اس طرح سے جبراً و قہراً ایمان لے آئیں لیکن ایسا کرنا نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے تاکہ اپنے اختیار سے ایمان قبول کریں۔

اس کے بعد مخاطبین کی عام حالت بیان فرمائی کہ جب بھی رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو قبول کرنے کے بجائے اعراض کرتے ہیں ان کے جھٹلانے اور آیات کا مذاق بنانے کا نتیجہ عنقریب ان کے سامنے آجائے گا یعنی تکذیب اور استہزاء کی سزا پائیں گے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آنے والے عذابوں کو انباء سے تعبیر فرمایا جو نباء کی جمع ہے نباء خبر کے معنی میں آتا ہے چونکہ قرآن عظیم نے پہلے سے تکذیب واستہزاء کے عواقب کی خبر دی ہے اس لئے اَنۡبٰٓـؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ فرمایا یعنی تکذیب پر عذاب آنے کی جو خبریں دی گئی تھیں ان کا ظہور ہو جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی شان ربوبیت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے زمین سے ہر قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں نکالی اور اگائی ہیں جنہیں بنی آدم اور حیوانات کھاتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں' آخر میں فرمایا اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور کمال قدرت پر بڑی نشانی ہے اور اکثر لوگ مانتے نہیں ہیں اور انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

آخر میں فرمایا وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ (اور آپ کا رب عزیز ہے غلبہ والا ہے) منکرین دین اور معاندین یہ نہ سمجھیں کہ ہم یوں ہی انتقام اور عذاب سے چھوٹے ہوئے رہیں گے' نیز اللہ تعالیٰ رحیم بھی ہے جو لوگ ابھی کفر شرک سے باز آجائیں ایمان قبول کر لیں ان پر رحم فرمائے گا۔

وَاِذۡ نَادٰى رَبُّكَ مُوۡسٰٓى اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس چلے جاؤ کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں ہیں'

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اَنۡ يُّكَذِّبُوۡنِ ؕ﴿۱۲﴾ وَيَضِيۡقُ صَدۡرِىۡ وَلَا يَنۡطَلِقُ لِسَانِىۡ

موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں' اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی

فَاَرۡسِلۡ اِلٰى هٰرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمۡ عَلَىَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ يَّقۡتُلُوۡنِ ۚ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذۡهَبَا

لہٰذا ہارون کو بھی پیغمبر بنا دیجئے اور مجھ پر ان لوگوں کا جرم ہے لہٰذا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر ڈالیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا

بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاۡتِيَا فِرۡعَوۡنَ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۱۶﴾

سو تم دونوں ہماری آیات لے کر جاؤ' بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں سننے والے ہیں' سو تم فرعون کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے

اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ

پیغمبر ہیں یہ کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے اپنے پاس رکھ کر اس وقت نہیں پالا جب

عُمُرِكَ سِنِيۡنَ ۙ﴿۱۸﴾ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ الَّتِىۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ مِنَ الۡـكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ

تو نو مولود تھا' اور تو ہمارے اندر اپنی عمر کے برسہا برس رہا ہے اور تو نے وہ کام کیا جو تو نے کیا اور تو ناشکروں میں سے ہے' موسیٰ نے جواب دیا

فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ

یہ فعل میں نے اس وقت کیا تھا جبکہ میں چوک جانے والوں میں سے تھا، سو میں تمہارے یہاں سے فرار ہو گیا جب مجھے تمہاری طرف سے ڈر لگا سو میرے رب

حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْ

نے مجھے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھے پیغمبروں میں شامل فرما دیا، اور وہ جو تو مجھ پر اپنا احسان جتلا رہا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی

إِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا، فرعون نے کہا اور رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ رب العالمین وہی ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے

إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗ أَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ

ان سب کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو، فرعون اپنے آس پاس کے بیٹھنے والوں سے کہنے لگا کیا تم نہیں سنتے؟ موسیٰ نے کہا کہ وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں

الْأَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

کا بھی رب ہے، فرعون نے کہا بلاشبہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے، موسیٰ نے کہا کہ وہ مشرق اور مغرب

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلٰهًا غَيْرِيْ لَأَجْعَلَنَّكَ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم سمجھتے ہو، فرعون نے کہا اگر تو نے میرے علاوہ کوئی معبود بنایا تو میں

مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَأْتِ بِهٖٓ إِنْ كُنْتَ

ضرور ضرور تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا، موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح دلیل پیش کر دوں؟ فرعون نے کہا

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا

اگر تو سچوں میں سے ہے تو دلیل پیش کر دے، اس پر موسیٰ نے اپنی عصا ڈال دیا سو وہ اچانک واضح طور پر اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ نکالا سو وہ

هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اچانک دیکھنے والوں کے لئے سفید ہو گیا تھا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا فرعون کے پاس پہنچنا اور گفتگو کرنا

تفسیر: یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے جو بہت سی آیات پر مشتمل ہے ان میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما

السلام کے فرعون کے پاس جانے اور اس سے گفتگو کرنے کا تذکرہ ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ فرعون بنی اسرائیل کا دشمن تھا۔ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور ان کی جو لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں انہیں زندہ چھوڑ دیتا تھا' جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ اس بچہ کو ایک تابوت میں رکھ کر سمندر میں ڈال دو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اہل فرعون نے اس تابوت کو پکڑ لیا دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے' بچہ کو اٹھا لیا اور فرعون کی بیوی نے فرعون سے کہا اسے قتل نہ کرو ممکن ہے کہ یہ ہمیں کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں' جب فرعون اس پر راضی ہو گیا تو دودھ پلانے والی عورت کی تلاش ہوئی موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں لیتے تھے جب ان کی والدہ نے تابوت میں رکھ کر انہیں سمندر میں ڈالا تو ان کی بہن کو پیچھے لگا دیا تھا کہ دیکھ یہ تابوت کدھر جاتا ہے' جب تابوت فرعون کے محل میں پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا تو ان کی بہن بول اٹھی کہ میں تمہیں ایسا خاندان بتا دیتی ہوں جو ان کی کفالت کر لے گا' ان لوگوں نے منظوری دے دی اور یہ جلدی سے اپنی والدہ کو لے آئیں' موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ قبول کر لیا اور اپنی والدہ کے پاس رہتے رہے' لیکن فرعون کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے رہتے تھے جب بڑے ہو گئے تو فرعون کے محل میں رہنا سہنا شروع ہو گیا اور وہاں کئی سال گزارے پھر جب اور بڑے ہو گئے تو ایک قبطی یعنی فرعون کی قوم کے ایک شخص کا ان کے ہاتھ سے قتل ہو گیا لہٰذا ایک شخص کے مشورہ دینے پر مصر چھوڑ کر مدین چلے گئے وہاں ایک بزرگ کی لڑکی سے نکاح ہو گیا دس سال وہاں گزارے' اس عرصہ میں بکریاں چراتے رہے پھر جب اپنے وطن یعنی مصر کو واپس ہونے لگے تو اپنی بیوی کو ساتھ لیا جنگل بیابان میں کوہ طور کے پاس پہنچے (جو مصر اور مدین کے درمیان ہے) اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ راستہ بھی بھول گئے اور سردی بھی لگنے لگی کوہ طور پر آگ نظر آئی اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں جاتا ہوں تمہارے تاپنے کے لئے کوئی چنگاری لے آؤں گا یا کوئی راہ بتانے والا ہی مل جائے گا' وہ نار نہ تھی بلکہ نور الٰہی تھا وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت سے نواز دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اسے توحید کی دعوت دو وہ اور اس کی قوم ظالم لوگ ہیں' انہیں کفر و شرک سے اور اس کی سزا سے بچنا چاہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں اور ساتھ ہی یہ بات ہے کہ میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور زبان میں بھی روانی نہیں ہے اس لئے میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایئے اور میرے کام میں شریک فرمایئے' ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ میرے ذمہ ان کا ایک جرم ہے میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا اب ڈر ہے وہ مجھے اس کے بدلہ قتل نہ کر دیں' اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہوا تمہاری درخواست قبول کر لی گئی ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز کر دیا اور ان کو بھی تمہارے کام میں شریک کر دیا' اور تم اس بات کا خیال نہ کرو کہ وہ تمہیں قتل کر دے گا ایسا ہرگز نہ ہو گا تم دونوں جاؤ اسے حق کی دعوت دو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہارا حال دیکھتے ہیں اور جو کچھ فرعون سے بات چیت ہو گی وہ سب ہم سنتے رہیں گے فرعون کے پاس پہنچو اور اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں' تو رب العالمین پر ایمان لا اور ہماری رسالت کو بھی تسلیم کر'

اور رب العالمین کے سوا کسی کو اپنا رب اور معبود مت بنا' اور ہمارا یہ بھی کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔

موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے اور اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لیا اور دونوں فرعون کے پاس پہنچے اسے توحید کی دعوت دی اور بنی اسرائیل کو ساتھ بھیجنے کے لئے کہا' فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ جب تو چھوٹا سا بچہ تھا ہم نے تجھے پالا اپنی عمر کے کئی سال تم نے ہمارے ساتھ گزارے اور تو نے وہ حرکت کی جسے تو جانتا ہے (یعنی ایک قبطی کو قتل کر دیا) ہم نے جو تیری پرورش کی تو نے اس کا یہ بدلہ دیا اور شکر گزاری کی بجائے ناشکروں میں شامل ہو گیا' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہ مجھ سے ایک شخص قتل ہو گیا تھا مجھ سے غلطی ہو گئی تھی (میں نے عمداً قتل نہیں کیا تھا اس کی ظالمانہ روش کو دیکھ کر تادیباً مکا مارا تھا وہ ایک مکا لگنے سے مر گیا میرا مقصود نہ مارنا تھا نہ کوئی ایک مکا میں مرتا ہے) تم لوگ میرے قتل کے مشورے کر ہی رہے تھے لہٰذا میں قتل کے ڈر سے بھاگ گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دانشمندی عطا فرما دی اور مجھے اپنے پیغمبروں میں شامل فرما دیا۔ اب جبکہ مجھے اللہ تعالیٰ کا فرمان لے کر تیرے پاس آنا ضروری ہوا' رہی یہ بات کہ تو نے میری پرورش کی تھی اور تو مجھ پر اس کا احسان جتا رہا ہے تو تجھے سمجھنا چاہئے کہ میری پرورش تجھے کیوں کرنی پڑی' نہ تو بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا نہ میں سمندر میں بہایا جاتا نہ تیرے گھر میں پہنچتا نہ تجھے پرورش کرنی پڑتی' تو نے جو بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اس کی وجہ سے تیرے گھر میں میری پرورش کرائی گئی' پھر یہ بھی تو دیکھ کہ میں نے ایک شخص کو قتل کیا میرا ایک شخص کا قتل کر دینا تیرے نزدیک قابل ذکر ہے اور تو نے جو بنی اسرائیل کے لڑکے کثیر تعداد میں قتل کئے اس کا تجھے کوئی دھیان نہیں اگر تو نے ایک لڑکے کی پرورش کر ہی دی تو کیا اس سے اس ظلم کو دبایا جا سکتا ہے جو تو نے بنی اسرائیل کیساتھ روا رکھا ہے۔

فرعون چونکہ اپنے ہی کو سب سے بڑا رب کہتا تھا اور اپنی قوم کے لوگوں سے منواتا تھا اور یہ لوگ خالق حقیقی جل مجدہ کے منکر تھے اس لئے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا فرمانا کہ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اچھا نہ لگا اس نے سوال جواب کے ذریعہ ان کی بات کو رد کرنے اور اپنے درباریوں کو مطمئن رکھنے کے لئے سوالات شروع کر دیئے اس میں سے بعض سوال اور ان کے جواب سورہ طٰہٰ کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں اور کچھ یہاں شعراء میں ذکر فرمائے ہیں' فرعون کہنے لگا کہ یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں یہ تو بتاؤ رب العالمین کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے دھڑک جواب دیا کہ رب العالمین جل مجدہ وہ ہے جو آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اس میں یہ بتا دیا کہ اے فرعون تو اور تیرے آس پاس کے بیٹھنے والے اور تیری مملکت کے سارے افراد تیری ساری مملکت اور ساری دنیا اور اس کے رہنے بسنے والے رب العالمین ان سب کا رب ہے' فرعون اور اس کے درباریوں نے یہ بات کبھی نہ سنی تھی وہ اچنبھے کے طور پر اپنے درباریوں سے کہنے لگا اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (کیا آپ لوگ سن رہے ہیں کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (رب العالمین تمہارا بھی رب ہے اور تم سے پہلے جتنے باپ دادے گزرے ہیں ان سب کا بھی رب ہے) ایسی باکانہ

بات سن کر فرعون سے کچھ بن نہ پڑا اور اپنے درباریوں سے بطور تمسخر یوں کہنے لگا کہ اِنَّ رَسُوۡلَکُمُ الَّذِیۡۤ اُرۡسِلَ اِلَیۡکُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ کہ یہ شخص جو اپنے خیال میں تمہارا رسول بن کر آیا ہے مجھے تو اس کے دیوانہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ (اللہ کے رسولوں کو دیوانہ اور جادوگر تو کہا جاتا ہی رہا ہے فرعون نے بھی یہ حربہ استعمال کر لیا) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات مزید آگے بڑھائی اور فرمایا کہ میں جس ذات پاک کو رب العالمین بتا رہا ہوں وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان سب کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو تو اسے مان لو۔ اب تو فرعون ظالمانہ کٹ حجتی پر آ گیا جو ظالموں کا شعار ہے اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ میرے سوا اگر تو نے کسی کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا تو جیل کاٹے گا اور وہاں کے مصائب میں مبتلا رہے گا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دلیل سے بات کرتا ہوں میرے پاس اللہ کی طرف سے اس بات کی نشانی ہے کہ میں اس کا پیغمبر ہوں اگر میں وہ نشانی پیش کر دوں تو پھر بھی جیل جانے کا مستحق ہوں؟ حضرت موسیٰ کے فرمانے پر فرعون نے کہا اگر تم سچے ہو تو لاؤ نشانی پیش کرو' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو جو نشانیاں دی تھیں ان میں ایک تو لاٹھی کو زمین پر ڈلوا کر سانپ بنا دیا تھا پھر ان کے پکڑنے سے وہ دوبارہ لاٹھی بن گئی تھی جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں بیان ہو چکا ہے دوسرے ان سے فرمایا تھا کہ تم اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ داخل کرو انہوں نے ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ سفید ہو کر نکل آیا یہ سفیدی اس گورے پن سے کئی گنا زیادہ تھی جو عام طور سے گورے آدمیوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے' یہ دونوں نشانیاں دے کر فرعون کے پاس بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ فَذٰنِکَ بُرۡهَانٰنِ مِنۡ رَّبِّکَ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَائِهٖ (سو یہ تمہارے رب کی طرف سے دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف لے کر جاؤ) فرعون نے نشانی طلب کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی وہ فوراً اژدھا بن گئی اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو خوب زیادہ سفید ہو کر نکلا دیکھنے والے اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۳۲ میں لکھا ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ کا ہاتھ چاند کے ٹکڑے کی طرح چمک رہا تھا' اس کے بعد فرعون نے مقابلہ کے لئے جادوگروں کو بلایا جیسا کہ آئندہ رکوع میں مذکور ہے۔

قَالَ لِلۡمَلَاِ حَوۡلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ۙ﴿۳۴﴾ يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ

قوم کے سردار جو فرعون کے آس پاس موجود تھے ان سے فرعون نے کہا کہ بلاشبہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے

بِسِحۡرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَابۡعَثۡ فِى الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ۙ﴿۳۶﴾

نکال دے۔ سو بتاؤ تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں اپنے کارندوں کو بھیج دو

يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيۡمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۙ﴿۳۸﴾ وَّقِيۡلَ لِلنَّاسِ هَلۡ

جن کا یہ کام ہو کہ لوگوں کو جمع کریں تمہارے پاس ہر بڑے ماہر جادوگر کو لے آئیں' سو ایک مقررہ دن کے خاص وقت پر جادوگر جمع کئے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کیا

اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

تم جمع ہونے والے ہو؟ شاید ہم جادوگروں کی راہ کو قبول کرلیں اگر وہ غالب ہو جائیں گے، جب جادوگر آئے تو انہوں نے

قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ

فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب ہو گئے تو کیا یقینی طور پر ہمیں کوئی بڑا انعام ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس

اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ

صورت میں تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ڈال دو جو کچھ ڈالنے والے ہو۔ سو ان لوگوں نے اپنی رسیاں

وَعِصِیَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ

اور لاٹھیاں ڈال دیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر بولے کہ بلاشبہ ہم ہی غالب ہوں گے۔ سو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا۔

فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾

سو اچانک وہ ان لوگوں کے بنائے ہوئے دھندے کو نگلنے لگا پھر جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ

جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کیا تم اس پر اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بیشک بات یہ ہے کہ یہ تم سب کا بڑا ہے

عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، سو یہ ضروری بات ہے کہ تم عنقریب جان لو گے میں ضرور ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور پاؤں کو مخالف جانب سے کاٹ دوں گا

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا لَا ضَیْرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ

اور ضرور ضرور تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا انہوں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں

اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۱﴾

کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو اس وجہ سے بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے فرعون کا جادوگروں کو بلانا، مقابلہ ہونا اور جادوگروں کا شکست کھا کر ایمان قبول کرنا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب وسوال سے عاجز ہو کر اور دو بڑے معجزے دیکھ کر فرعون کی شکست تو

اسی وقت ہوگئی لیکن اس نے اپنی خفت مٹانے اور درباریوں کو مطمئن رکھنے اور ان کے ذریعہ ساری قوم کو اپنی فرمانبرداری پر جمائے رکھنے کے لیے سرداروں سے کہا جو اس وقت وہاں دربار میں موجود تھے کہ سمجھ میں آ گیا یہ تو ایک بڑا ماہر جادوگر ہے یہ چاہتا ہے کہ تمہیں مصر کی سرزمین سے نکال دے اور اپنی قوم کا بڑا بن کر ان کو ساتھ لے کر حکومت کرنے لگے۔ تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ سورہ اعراف میں ہے کہ یہ بات قوم فرعون کے سرداروں نے کہی تھی اور یہاں اس بات کو فرعون کی طرف منسوب فرمایا۔ بات یہ ہے کہ بادشاہ جو کچھ کہتے ہوں ان کے درباری خوشامدی بھی اس بات کو دہراتے ہوئے تائید میں وہی الفاظ کہہ دیتے ہیں جو بادشاہ سے سنے ہوں۔

جب مشورہ میں بات ڈالی گئی تو آپس میں یہ طے پایا کہ تمہاری قلم رو میں جتنے بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر ہیں ان سب کو جمع کرو اور اس مقصد کے لئے اپنے سارے شہروں میں کارندے بھیج دو جو ہر طرف سے جادوگروں کو جمع کر کے لے آئیں اور اس شخص کو جو جادو لے کر سامنے آیا ہے اور اس کے بھائی کو سردست مہلت دو۔ جب جادوگر آ جائیں گے تو مقابلہ کرالیا جائے گا۔

شہروں میں آدمی بھیجے گئے انہوں نے بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو سمیٹنا شروع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کا دن اور وقت طے کرنے کی بات کی گئی انہوں نے فرمایا مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى تمہارے لئے یوم الزینہ یعنی میلے کا دن مقرر کرتا ہوں چاشت کے وقت مقابلہ ہوگا جادوگر آئے اور جیسے اہل دنیا کا طریقہ ہوتا ہے انہوں نے وہی دنیاداری کی باتیں شروع کر دیں اور فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا ہمیں اس کی وجہ سے کوئی بڑا انعام اور کوئی عظیم صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا کیوں نہیں تم تو پوری طرح نوازے جاؤ گے۔ نہ صرف یہ کہ تمہیں بڑے انعام سے سرفراز کیا جائے گا بلکہ تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔

مقررہ دن اور مقررہ وقت میں ایک بڑے کھلے میدان میں مصر کے عوام اور خواص جمع ہوئے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی پہنچے جادوگر بھی اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں لے کر آئے، مصر کے لوگوں میں دین شرک مشہور مروج تو تھا ہی لیکن ساتھ ہی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دعوت توحید کا بھی چرچا ہو چلا تھا اب لوگوں میں یہ بات چلی کہ دیکھو کون غالب ہوتا ہے۔ اگر جادوگر غالب ہو گئے تو ہم انہیں کی راہ پر یعنی دین شرک پر چلتے رہیں گے جس کا داعی فرعون ہے اس کے ساتھ یوں بھی کہنا چاہئے تھا کہ یہ دونوں بھائی موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) غالب ہو گئے تو ان کا دین قبول کرلیں گے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی ہیبت کی وجہ سے یہ بات زبانوں پر نہ لاسکے گو لفظ لَعَلَّنَا سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ انہوں نے یقین کے ساتھ نہیں کہا کہ ہم جادوگروں کا اتباع کرلیں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ جادوگر غالب ہونے والے نہیں ہیں۔

جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ بولو کیا رائے ہے تم پہلے اپنی لاٹھی ڈال کر سانپ بنا کر دکھاتے ہو یا ہم پہلے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں؟ (جادوگروں کا یہ سوال سورہ طٰہٰ میں مذکور ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ پہلے تم ہی

ڈالو۔ میں بعد میں ڈالوں گا۔ لہٰذا جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں۔ رب العالمین جل مجدہ کے ماننے والوں میں تو تھے نہیں لہٰذا انہوں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ ہماری ہی فتح ہے اور ہم غالب ہونے والے ہیں۔
اس کے بعد سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا وہ عصا اژدھا بن گیا اور نہ صرف یہ کہ اژدھا بن گیا بلکہ جادوگروں نے جو اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کے سانپ بنائے تھے ان سب کو نگلنا شروع کر دیا' اب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہو گئے انہوں نے یقین کر لیا کہ موسیٰ اور ان کا بھائی علیہما السلام جادوگر نہیں ہیں ہم اتنے زیادہ جادوگر ہیں اور جادو میں ماہر بھی ہیں ان کے مقابلہ میں ہم سب کا جادو دھرا رہ گیا ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جب یہ اپنی بات میں سچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ان کا سچا ہونا ہم پر واضح ہو گیا تو ان پر ایمان لانا ضروری ہے ان کے دلوں میں حق قبول کرنے کا جذبہ ایسے زور سے ابھرا کہ بے اختیار سجدہ میں گر گئے جیسا کہ کوئی کسی کو پکڑ کر سجدہ میں ڈال دے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ (اس وقت ان کا اجمالی ایمان ہی کافی تھا)
اب تو فرعون کی خفت اور ذلت کی انتہا نہ رہی جن لوگوں کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے مقابلہ کے لئے بلایا تھا وہی ہار مان گئے اور ان دونوں پر ایمان لے آئے لہٰذا اپنی خفت مٹانے کے لئے فرعون نے وہی دھمکی والی چال چلی جو بادشاہوں کا طریقہ رہا ہے' اول تو اس نے یوں کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر ان پر ایمان لے آئے (حالانکہ دین و ایمان ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے دلوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا قبضہ ہے کسی مخلوق کا قبضہ نہیں ہے گو بادشاہ اپنی سرکشی اور طغیانی میں یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ دلوں پر بھی ہمارا قبضہ رہنا چاہئے اور ہمارے عوام اسی دین کو قبول کریں جس کے ہم داعی ہیں' جب حق دلوں میں اپنی جگہ کر لیتا ہے تو کسی بھی صاحب اقتدار اور صاحب تسلط سے نہیں ڈرتا وہ صرف معبود حقیقی جل مجدہ سے ڈرتا ہے اور اسی سے امید رکھتا ہے)
فرعون نے دوسری بات یہ کہی کہ تم نے جو ہار مان لی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کو اسی شخص نے جادو سکھایا ہے اور یہی تمہارا بڑا ہے تم نے یہ ملی بھگت کی ہے کہ ہار جیت کا مصنوعی سوانگ دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لو ابھی دیکھو تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور تم کو سولی پر لٹکا دوں گا' چونکہ جادوگروں پر پوری طرح حق واضح ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے فرعون کی دھمکی کا کچھ اثر نہ لیا بلکہ فرعون کو منہ توڑ جواب دیا اور یوں کہا کہ کوئی حرج کی بات نہیں بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ جانے والے ہیں (پروردگار عالم کی طرف سے جو ایمان پر صلہ ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کی ذرا سی تکلیف کی کوئی حیثیت نہیں) بلاشبہ ہم اللہ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو اس وجہ سے معاف فرما دے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں میدان مقابلہ میں جو لوگ حاضر تھے ان میں سب سے پہلے جادوگر ایمان لائے اس اعتبار سے انہوں نے اپنے کو اول المومنین سے تعبیر کیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو ساتھ لے کر راتوں رات چلے جاؤ بلاشبہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا' پھر فرعون

حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا

نے شہروں میں اہل کار بھیج دیئے بلاشبہ یہ تھوڑی سی جماعت ہے اور انہوں نے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بلاشبہ

لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾

ہم سب خطرہ رکھنے والے ہیں' سو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ جائے قیام سے نکال دیا'

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ

یہ بات اسی طرح سے ہے اور یہ چیزیں ہم نے بنی اسرائیل کو دے دیں سو سورج نکلنے کے وقت ان کے پیچھے جا پہنچے پھر جب دونوں جماعتوں نے

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾

آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا یہ یقینی بات ہے کہ ہم تو پکڑ لئے گئے موسیٰ نے کہا ہر گز نہیں بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ

وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا' سو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ دریا پر اپنی لاٹھی کو مار دو' سو وہ پھٹ گیا ہر حصہ اتنا بڑا تھا

الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾

جیسے بڑا پہاڑ' اور ہم نے اس موقعہ پر دوسروں کو قریب کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب کو نجات دی'

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾

پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾

بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے رحمت والا ہے۔

بحکم الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو ہمراہ لے کر راتوں رات چلا جانا اور فرعون کا پیچھا کرنا' پھر لشکروں سمیت غرق ہونا

تفسیر: سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ شانہ' کا حکم ہوا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر مصر سے نکل جاؤ اور سمندر کی طرف جانا سمندر پر پہنچو گے تو اسے خشک پاؤ گے۔ اپنی قوم کو لے کر گزر جانا تمہارے پیچھے تمہارا دشمن لگے گا بے فکر رہنا اور نڈر رہنا کما قال تعالیٰ فی سورۃ طٰہٰ لَا تَخَافُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰی' حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر چل دیئے فرعون کو پہلے سے اندیشہ تھا کہ کہیں یہ مصر سے نہ نکل جائیں' وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی تو سمجھ ہی چکے تھے گو زبان سے نہیں مانتے تھے جسے عناد ہو وہ حق کو حق سمجھ کر بھی باطل پر اڑا رہتا

ہے' فرعون کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ بنی اسرائیل ایک دن مصر کو چھوڑ کر چل دیں گے جب اس کو علم ہوا کہ بنی اسرائیل نکل چکے ہیں تو اس نے اپنے ملک کے شہروں میں کارندے دوڑا دیئے جو ایسے لوگوں کو جمع کر کے لائیں جو اس بات کی کوشش میں مدد دے سکیں کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے نہ پائیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی رعیت کو یہ بھی یقین دلایا کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں' ہمیں ان پر قابو پانا آسان ہے اول تو ہماری رعایا ہیں دوسرے انہوں نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ انہوں نے ہمیں غصے میں ڈالا ہے ہم انہیں آزاد چھوڑنے والے نہیں ہیں اپنے ملک سے انہیں نکلنے نہیں دیں گے ہم ان کی طرف سے پوری طرح محتاط ہیں ان کے نکل جانے کا جو خطرہ ہے ہم ان سے غافل نہیں ہیں' یہ حاذرون کا ایک مطلب ہے' دوسرا مطلب صاحب روح المعانی نے بعض مفسرین سے (جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں) یہ نقل کیا ہے کہ ہم پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔

فرعون کو بنی اسرائیل کی روانگی کا پتہ چلا تو اس نے اپنے لشکروں کو جمع کیا جو بھاری تعداد میں تھے لشکروں کا جمع ہونا پھر بنی اسرائیل کا پیچھا کرنا اس میں اتنی دیر لگ گئی کہ بنی اسرائیل سمندر کے کنارہ تک پہنچ چکے تھے ادھر فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ پہنچا یہ ایسا وقت تھا کہ سورج کی روشنی پھیل چکی تھی بنی اسرائیل نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو دیکھا اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے بنی اسرائیل کو دیکھا' پہلی جماعت یعنی بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ کہ ہم تو دھر لئے گئے دشمن اپنے لشکروں سمیت پہنچ گیا ہے ہم سے قریب تر ہے اب تو ہم پوری طرح ان کے نرغہ میں ہیں' سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالکل ہی مطمئن تھے انہوں نے فرمایا کلا ہرگز نہیں (یعنی ہم پکڑے نہیں جا سکتے)

اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور راہ بتائے گا) موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ شانہ' کا حکم ہوا کہ سمندر میں اپنی لاٹھی مار دو چنانچہ انہوں نے لاٹھی دریا پر ماردی' اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سمندر پھٹ گیا اور جگہ جگہ پانی ٹھہر گیا اور راستے نکل آئے پانی کے ٹھہرنے سے جگہ جگہ جو ٹکڑے بنے وہ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے کوئی بڑا پہاڑ ہو ان ٹکڑوں کے درمیان راستے نکل آئے اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان راستوں سے پار ہو گئے فرعون جو اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے سے آ رہا تھا اس نے یہ نہ سوچا کہ یہ سمندر تو کبھی ٹھہرا نہیں اس میں کبھی راستے نہیں بنے یہ راستے کیسے بن گئے؟ اگر غور کرتا تو اس کی سمجھ میں آ جاتا کہ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ ہے اور وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اگر اس وقت بھی ایمان لے آتا تو ڈوبنے کی مصیبت سے دوچار نہ ہوتا' لیکن اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنے لشکر کو لے کر بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر میں داخل ہو گیا بنی اسرائیل پار ہو کر دوسرے کنارہ پر پہنچ گئے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت ڈوب گیا جب اس کا پورا لشکر سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ شانہ' نے سمندر کو حکم دے دیا کہ آپس میں پانی کے سب ٹکڑے مل جائیں اور جو خشک راستے بن گئے تھے وہ ختم ہو جائیں چنانچہ سمندر کے ٹکڑے آپس میں مل گئے

فرعون خود بھی ڈوبا اپنے لشکر کو بھی لے ڈوبا جب ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا اور کہنے لگا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں) اللہ پاک کا ارشاد ہوا آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ تو فساد کرنے والوں میں سے تھا)

الحاصل اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق فرما دیا۔ فرعون اپنی اکڑ مکڑ کے ساتھ یہ سمجھ کر نکلا تھا اور اپنے لشکروں کو ہمراہ لیا تھا کہ بنی اسرائیل کو ابھی ابھی پکڑ کر لے آئیں گے' اپنے باغوں کو اور چشموں کو اور خزانوں کو اور عمدہ مکانوں کو چھوڑ کر نکلے تھے اور خیال یہ تھا کہ ابھی واپس آتے ہیں' یہ خبر نہ تھی کہ اب لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ مذکورہ بالا تمام نعمتوں سے محروم ہوئے ڈوبے اور دریا برد ہوئے دنیا بھی گئی اور آخرت کا دائمی عذاب اس کے علاوہ رہا' فرعون جیسے دنیا میں بنی اسرائیل کو پکڑنے کے لئے اپنے لشکر سے آگے آگے جا رہا تھا اسی طرح قیامت کے دن دوزخ میں جاتے ہوئے اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا كما قال تعالیٰ فی سورۃ هود علیه السلام يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (فرعون قیامت کے دن دوزخ کی طرف جاتے ہوئے اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا سو وہ انہیں دوزخ میں وارد کر دے گا)

فرعون اور فرعون کے ساتھی باغوں اور چشموں اور خزانوں اور اچھے مکانوں سے محروم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کو عطا فرما دیں' صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسرائیل کو وارث بنانے کے بارے میں اولاً تو مفسر واحدی سے یوں نقل کیا ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ غرق ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو واپس مصر بھیج دیا اور قوم فرعون کے جو اموال اور جائیدادیں اور رہنے کے گھر تھے وہ سب بنی اسرائیل کو عطا فرما دیئے حضرت حسن سے بھی یہی بات نقل کی ہے اور ایک یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واپس چلے گئے تھے اور وہاں جا کر قوم فرعون یعنی قبطیوں کے اموال پر قابض ہو گئے تھے اور باقی لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شام کی طرف چلے گئے اور ایک قول یہ لکھا ہے کہ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ کا یہ مطلب نہیں کہ سمندر سے نجات پانے کے بعد اسی وقت مصر کو واپس لوٹ گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد انہیں مصر میں اقتدار مل گیا اور مذکورہ چیزیں ان کے قبضہ میں آ گئیں لیکن اقتدار اور قبضہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا۔

احقر کے خیال میں یہی بات صحیح ہے کیونکہ آیتوں میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ انہیں فوراً ہی مصر میں اقتدار مل گیا اور اس قول کے مطابق جنات اور عیون اور کنوز کے بارے میں یوں کہا جائے گا کہ الفاظ جنس کے لئے استعمال ہوئے ہیں عین وہی چیزیں مراد نہیں ہیں جو فرعون اور ان کے ساتھیوں نے چھوڑی تھیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً (بلاشبہ اس میں بہت بڑی نشانی ہے) وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان میں اکثر لوگ ایمان

لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (اور بلاشبہ آپ کا رب عزت والا ہے رحمت والا ہے) وہ گرفت فرمانے پر بھی قادر ہے اور رحم بھی فرماتا ہے مومن بندوں کو اس کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہئے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ

اور آپ ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا

اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ

کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کے پاس جمع رہتے ہیں ابراہیم نے کہا کہ کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا

يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ

یہ تمہیں نفع دیتے ہیں یا ضرر دیتے ہیں؟ وہ لوگ کہنے لگے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے ابراہیم نے کہا کیا تم نے ان کو دیکھا

مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ

کہ تم اور تمہارے باپ دادے جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو سو بے شک وہ میرے دشمن ہیں سوائے رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا

العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہ مجھے ہدایت دیتا ہے اور مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ

بیمار ہو جاؤں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرا قصور معاف

خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ

فرما دے گا' اے میرے رب مجھے حکم عطا فرمائیے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمائیے' اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ

لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ

میرا ذکر باقی رکھئے' اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں بنا دیجئے اور میرے باپ کی مغفرت فرمائیے

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾

بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے' اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجئے گا جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے'

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے پاس آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا' اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت بیان کرنا اور بارگاہ خداوندی میں دعائیں پیش کرنا

تفسیر: یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت توحید اور قوم کی تبلیغ کا بیان شروع ہو رہا ہے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء نقل فرمائی ہے جو انہوں نے اللہ جل شانہٗ سے اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے کی تھی۔ انہوں نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا' ان لوگوں نے جو بے تکے جواب دیئے اس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مواقع میں کیا گیا ہے یہاں جو مکالمہ مذکور ہے قریب قریب اسی طرح کی گفتگو سورۃ الانبیاء علیہم السلام (ع ۵) میں بھی گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے معلوم تھا کہ یہ لوگ بتوں کے پجاری ہیں بظاہر اس سوال کی حاجت نہ تھی لیکن انہوں نے سوال اس لئے فرمایا کہ جواب دیتے وقت ان کے منہ سے ان کی پرستش کا اقرار ہو جائے اور پھر وہ ان کے اقرار کو بنیاد بنا کر اگلا سوال کر سکیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب میں وہ لوگ کہنے لگے ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور انہی پر دھرنا دیئے بیٹھے رہتے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ جو تم ان کی عبادت کرتے ہو اس میں تمہیں کیا فائدہ نظر آتا ہے؟ تم جب ان کو پکارتے ہو اور ان سے کسی حاجت کے پورا ہونے کا سوال کرتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں اور کیا تمہارے عبادت کرنے کی وجہ سے تمہیں کوئی نفع پہنچاتے ہیں اور کیا ان کی عبادت ترک کر دینے سے کوئی ضرر پہنچا دیتے ہیں؟ وہ لوگ یہ جواب تو دے نہ سکے کہ وہ بات سنتے ہیں یا کوئی نفع ضرر پہنچا سکتے ہیں اور اس طرح کا کوئی جواب ان کے پاس تھا بھی نہیں' لامحالہ مجبور ہو کر وہی بات کہہ دی جو مشرکوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے ہیں یعنی دلیل اور سند تو کوئی ہمارے پاس نہیں باپ دادوں کو جو کچھ کرتے دیکھا ہم بھی وہ کرنے لگے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اور تمہارے پرانے باپ دادے جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے میں کچھ تو غور کیا ہوتا' یہ کیسی نہ سمجھی کی بات ہے کہ جو چیز نہ سنے اور نہ دیکھے نہ نفع دے سکے نہ ضرر پہنچا سکے اس کو معبود بنا بیٹھے' وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے جو اپنی عبادت کرنے والے سے بھی کمتر ہو' یہ تو رہی تمہاری بات' رہا میں' تو میرے نزدیک یہ بات ہے کہ یہ میرے دشمن ہیں اگر میں ان کی عبادت کرنے لگوں تو ان کی عبادت کی وجہ سے مجھے سخت نقصان پہنچے گا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی رب بنا رکھے ہیں وہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے وہ سب ان کے دشمن ہیں' ہاں جو لوگ صرف رب العالمین جل مجدہ کی عبادت میں مشغول ہیں وہی نفع میں ہیں' رب العالمین جل مجدہ ان کا ولی ہے اور وہ اپنے رب کے اولیاء ہیں (یہ جو فرمایا فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ یہ انہوں

نے اپنے اوپر رکھ کر کہا اور مقصود یہ تھا کہ یہ باطل معبود تمہارے دشمن ہیں دعوت تبلیغ کا کام کرنے والے مختلف اسالیب بیان اختیار کرتے رہتے ہیں) اس کے بعد رب العالمین جل مجدہ کی صفات جلیلہ بیان فرمائیں اور مشرکین کو بتا دیا کہ دیکھو میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اسی کی عبادت کرو۔

اولاً یوں فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ (جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی صحیح راہ بتاتا ہے)

ثانیاً: وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ (اور جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے)

ثالثاً: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (اور جب میں مریض ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے)

رابعاً: وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ (اور جو مجھے موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا)

خامساً: وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (اور جس سے میں اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ وہ انصاف کے دن میں قصور کو معاف فرما دے گا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین جل مجدہ کی صفات جلیلہ بیان فرما کر بتا دیا کہ دیکھو میں ایسی عظیم ذات کی عبادت کرتا ہوں تمہارے معبودوں میں ان میں سے ایک صفت بھی نہیں ہے پھر تم انہیں کیسے پوجتے ہو؟ نیز یہ بھی بتا دیا کہ یہی دنیا سب کچھ نہیں ہے اس کے بعد موت بھی ہے اور موت کے بعد زندہ ہونا بھی ہے اور انصاف کے دن کی پیشی بھی ہے وہاں رب العالمین کے منکروں اور باغیوں کو عذاب ہوگا اگر اسی دنیا میں توبہ کر لی جائے تو رب العالمین جل مجدہ خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ سب سے بڑا گناہ کفر و شرک ہے اس سے باز آ جاؤ تاکہ انصاف کے دن گرفت نہ ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اپنے اوپر رکھ کر ان لوگوں کو بتا دی اور سمجھا دی اس سے اہل ایمان کو بھی سبق لینا چاہئے کہ جب جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے کو خطاء وار سمجھ رہے ہیں اور رب العالمین جل مجدہ سے بخشش کی لو لگائے ہوئے ہیں تو عام مومنین کو تو اور زیادہ اپنے کو قصور وار سمجھنا لازم ہے۔ اپنے کو خطا کار بھی سمجھیں اور مغفرت کی دعائیں بھی کرتے رہیں اور بخشش کی امید بھی رکھیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا تذکرہ فرمایا رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا (اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما) لفظ حکم کی تفصیل میں کئی قول ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے حکمت مراد ہے یعنی قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی خیر کا علم عطا فرمائے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حکم سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا اور اس کے تمام احکام کا علم مراد ہے تاکہ ان پر عمل کیا جائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حکم سے نبوت مراد ہے لیکن یہ بات اس صورت میں تسلیم کی جا سکتی ہے جبکہ دعائے مذکور کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے ہوں (راجع روح المعانی ج ۱۹ ص ۹۸)

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (اور مجھے صالحین میں شامل فرما) یعنی مجھے ان حضرات میں شامل فرما دے جن کے علوم

اور اعمال آپ کے نزدیک مقبول ہوں کیونکہ کتنا ہی علم ہو اور کیسا ہی عمل ہو مقبولیت عند اللہ کے بغیر اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (اور بعد میں آنے والے لوگوں میں اچھائی کے ساتھ میرا ذکر باقی رکھئے) یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو میرے بعد آئیں گے اور ان کی جو امتیں ہوں گی ان میں میرا ذکر اچھائی سے ہوتا رہے یہ شرف مجھے ہمیشہ عطا فرمایئے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی قبول فرمائی ان کے بعد جتنے بھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے سب انہیں کی ذریت میں سے تھے ساری امتوں نے انہیں خیر کے ساتھ یاد کیا اور امت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا وسلم کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خصوصی تعلق ہے اسے تو سب ہی جانتے ہیں اللہ جل شانہٗ نے خاتم الانبیاء ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کا اتباع کیجئے) اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام ہیں اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجے کا ذکر ہوتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کی جاتی ہے کہ اے اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پر اور آپ کی آل پر صلوٰۃ اور برکت بھیجئے جیسا کہ آپ نے ابراہیم اور ان کی آل پر صلوٰۃ اور برکت بھیجی۔ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ (اور مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے بنا دیجئے) اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی نیک ہو اسے بہر حال جنت نصیب ہونے کی دعا کرتے رہنا چاہئے اپنے اعمال پر گھمنڈ نہ رکھے۔

وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ (اور میرے باپ کی مغفرت فرمایئے بلاشبہ وہ گمراہوں میں سے ہے) یعنی میرے باپ کو ایمان کی توفیق دیجئے اور اس طرح مغفرت کے قابل بنا کر اس کی مغفرت فرما دیجئے اس بارے میں مزید کلام سورہ توبہ کی آیت وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ اور سورہ ابراہیم کی آیت رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ بیٹے سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے پاس آئے) اس سے معلوم ہوا کہ جنت النعیم حاصل ہونے کی دعا کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن رسوا نہ فرمایے جنت میں تو کوئی رسوائی نہیں ہے اس سے پہلے رسوائی ہو سکتی ہے جیسا کہ بہت سے گناہ گاروں کے ساتھ ایسا ہوگا کہ قیامت کے دن رسوائی اور ذلت اور عذاب میں مبتلا ہوں گے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دن بھی باعزت ہوں گے دوسرے اشخاص اس سے عبرت حاصل کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آذر سے ملاقات ہو جائے گی آذر کا چہرہ بے رونق اور سیاہی والا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے

فرمائیں گے کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر' اس پر ان کا باپ کہے گا کہ آج حکم دو میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا' اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرمایا کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رسوا نہ کریں گے سو اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی کہ میرا باپ ہلاک ہو (یعنی کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے والا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے پھر ابراہیم سے خطاب ہوگا کہ اپنے پاؤں کے نیچے دیکھو وہ نظریں ڈالیں گے تو انہیں ایک بالوں سے بھرا ہوا بجو نظر آئے گا جو (آلائش میں) آلودہ ہوگا (یہ ان کا باپ ہوگا جس کی صورت مسخ کر دی جائے گی) اس بجو کے پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (رواہ البخاری ص ۴۷۳)

جب صورت مسخ ہو جائے گی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سے نفرت ہو جائے گی اور رسوائی کا خیال ختم ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن کی رسوائی سے محفوظ رہنے کے لئے جو دعا کی اس میں قیامت کے دن کا حال بتاتے ہوئے یوں بھی فرمایا لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (کہ وہ ایسا دن ہوگا جس دن نہ مال کام دے گا نہ اولاد کام دے گی) اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال جمع کرنے اور اپنے پیچھے اولاد کو مالدار بنا کر چھوڑنے کے جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کرتے' حرام مال تو وبال ہے ہی وہ حلال مال بھی آخرت میں وبال ہوگا جس سے فرائض اور واجبات ادا نہ کئے گئے ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں خرچ کیا گیا ہو یہ نافرمانیاں بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے سلسلہ میں بھی ہوتی ہیں' خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہ آئیں گے ہاں اگر کسی نے مال کو حلال طریقہ سے کمایا اور شرعی طریقوں پر خرچ کیا اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کے دین پر ڈالا تو یہ نیک کام نفع مند ہوں گے' اسی کو فرمایا کہ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (کہ جو شخص قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اس کے اموال اور اس کی اولاد اس کے لئے فائدہ مند ہوں گے) یعنی قلب سلیم کا اخلاص نیک اولاد اور اعمال صالحہ اموال طیبہ ہی نافع ہوں گے۔

والکلام علی تقدیر مضاف الی من ای لا ینفع مال ولا بنون الا مال وبنو من اتی اللہ بقلب سلیم حیث انفق ماله فی سبیل البر وار شدبنیه الی الحق وحثهم علی الخیر وقصدبهم ان یکونوا عباد اللہ تعالیٰ مطیعین شفعاء له یوم القیامة (اور کلام میں من کا مضاف مقدر ہے مطلب یہ ہے کہ مال اور اولاد نفع نہیں دیں گے مگر اس آدمی کا مال واولاد نفع دیں گے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سلیم دل لے کے آئے گا اس طرح کہ اس نے اپنا مال نیکی میں خرچ کیا ہو۔ اپنی اولاد کو حق کا راستہ دکھایا ہو اور انہیں بھلائی پر تیار کیا ہو اور ان سے اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بنیں۔ قیامت کے دن اس کی سفارش کریں) (روح المعانی ج ۱۰ ص ۱۰۰)

فائدہ: حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ بعد کے آنے والوں میں میرا ذکر اچھائی کے ساتھ ہو اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں میں اپنے بارے میں اچھا تذکرہ ہونے کی آرزو رکھنا مومن کے بلند مقام کے خلاف نہیں ہے' اعمال خیر کرتا رہے اور صرف اللہ کی رضا کے لئے اعمال صالحہ میں مشغول ہو ریا کاری کے جذبات نہ ہوں اور یہ بھی نہ ہو کہ لوگ میرے اعمال کو دیکھ کر میری تعریف کریں اعمال صرف اللہ کے لئے ہوں اور یہ دعا اس کے علاوہ ہو کہ لوگوں میں میرا تذکرہ خوبی کے ساتھ ہو یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں' رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی مخلص نہیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

یہ دعا کی اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا (اے اللہ مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنا دے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے)

اس میں کبر نفس کا علاج ہے جب اپنے چھوٹا ہونے کا خیال رہے گا تو لوگوں کے تعریف کرنے سے کبر میں مبتلا نہ ہوگا ہاں اتنا خیال رہنا بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو حقیر نہ جانے اور جھوٹی تعریف کا بھی متمنی نہ ہو۔

اپنے لئے ثنائے حسن کی آرزو رکھنا جبکہ (شرائط کے ساتھ ہو) جائز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیں کہ اپنی ذات کو برائی کے ساتھ مشہور کرنا بھی کوئی ہنر اور کمال کی بات نہیں ہے بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ نیک بھی ہوتے ہیں اور گناہوں سے بھی بچتے ہیں لیکن اگر کسی غلط فہمی سے بدنامی ہونے لگے تو اس کی پرواہ نہیں کرتے اگر کوئی شخص توجہ دلائے کہ اپنی صفائی پیش کریں تو کہہ دیتے ہیں کہ میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں جو میری طرف برائی منسوب کرے گا خود غیبت میں مبتلا ہوگا اس کا اپنا برا ہوگا اور مجھے غیبت کرنے والوں کی نیکیاں ملیں گی میں کیوں صفائی دوں؟ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اپنی آبرو کی حفاظت کرنا بھی اچھا کام ہے اور لوگوں کو غیبت اور تہمت سے بچانا ان کی خیر خواہی ہے بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اے اللہ مجھے اچھے اعمال سے متصف فرمایئے اور ان اعمال کو میرے بعد کے آنیوالوں میں باقی رکھئے جو میرا اتباع کریں اس سے لوگ مجھے اچھائی سے یاد کریں گے اور ان کے اعمال صالحہ کا ثواب بھی ملے گا جبکہ ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

اور متقیوں کے جنت قریب کردی جائے گی اور گمراہوں کے لئے دوزخ ظاہر کردی جائے گی، اور ان سے کہا جائے گا کہ اللہ کو چھوڑ کر تم

تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾

جنکی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کرسکتے ہیں، پھر وہ لوگ اور گمراہ لوگ

وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ

اور ابلیس کے لشکر سب اس میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے، وہ لوگ دوزخ میں ہوتے ہوئے آپس میں جھگڑیں گے اللہ کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ

مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ

ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر مانتے تھے اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے، سو ہمارے لئے

شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ

نہ سفارش کرنے والے ہیں اور نہ کوئی مخلص دوست ہے سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو پھر واپس ہونا نصیب ہو جاتا، سو ہم اہل ایمان میں سے ہو جاتے، بلاشبہ

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةًؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ۝

اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ کا رب عزت والا ہے رحم والا ہے۔

دوزخ میں گمراہوں کا پچھتانا اور آپس میں جھگڑنا' نیز دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا

تفسیر: ان آیات میں اولاً تو قیامت کے دن کا ایک منظر بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس دن متقیوں کے لئے جنت قریب کر دی جائے گی اور گمراہ لوگوں کے لئے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی جس کی وجہ سے اہل ایمان خوش ہو جائیں گے اور اہل کفر ڈر جائیں گے ثانیاً یوں فرمایا کہ کافروں سے سوال کیا جائے گا کہ اللہ کے سوا جو تم نے معبود بنا رکھے تھے وہ کہاں ہیں؟ تمہیں تو ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں' وہ یہاں تمہاری مدد نہیں کر سکتے تمہاری تو کیا مدد کرتے عذاب میں خود مبتلا ہونے والے ہیں اس سے اپنے کو نہیں بچا سکتے' اس گفتگو کے بعد ان مشرکوں کو اور ان کے علاوہ دوسرے تمام گمراہوں کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' ثالثاً یہ فرمایا کہ جب وہ لوگ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تو آپس میں جھگڑا کریں گے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکین اول تو اس بات کو تسلیم کریں گے کہ واقعی ہم کھلی گمراہی میں تھے اور اس بات کو اللہ کی قسم کھا کر بیان کریں گے اور اپنے معبودوں سے کہیں گے ہم نے جو تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دیا یہ ہماری صریح گمراہی تھی' وہاں تو ہم مجرموں کی بات مانتے تھے جو گمراہی کے بانی اور داعی تھے آج معلوم ہوا کہ انہیں مجرموں نے ہمارا ناس کھویا اور ہمیں بہکایا اب یہاں مصیبت میں گرفتار ہو گئے عذاب سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں' یہاں نہ کوئی سفارشی ہے نہ مخلص دوست ہے بہکانے والوں نے ہمیں بہکایا اور ہمارا ناس کھویا کاش اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ایمان والوں میں شامل ہو جاتے اور کسی کے سمجھانے بجھانے سے کفر و شرک اختیار نہ کرتے (لیکن وہاں سے واپس آنے کا کوئی راستہ نہیں ہے ہمیشہ کے لئے عذاب ہی عذاب ہے)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً (بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں مشرکین کے مبتلائے عذاب ہونے کی سچی خبر میں ایک بڑی عبرت ہے) وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان عبرت کی باتوں کے باوجود مشرکین میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (اور بلاشبہ آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے بڑا زبردست ہے)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ۝ اِنِّیْ لَكُمْ

نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے' بلاشبہ میں تمہارے لئے

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا

امانت والا پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا' میرا ثواب

عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیرے پیچھے رذیل ترین لوگ لگے ہوئے ہیں'

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

نوح نے کہا کہ مجھے ان کے کاموں کے جاننے کی کیا ضرورت ہے ان سے حساب لینا تو میرے رب ہی کا کام ہے' کاش تم سمجھ رکھتے'

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ

اور میں اللہ والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں میں تو بس واضح طور پر ڈرانے والا ہوں' ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے نوح

لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا

اگر تو باز نہ آیا تو ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں سنگسار کر دیا جاتا ہے نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بلاشبہ میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا سو آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے

وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے دیجئے' سو ہم نے نوح کو اور اس کے ساتھیوں کو جو بھری ہوئی کشتی میں تھے نجات دیدی'

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ

پھر ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا' بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾

تیرا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور ان لوگوں کا گمراہی پر جمے رہنا اور آخر میں غرق ہو کر ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم سے جو گفتگو ہوئی گذشتہ رکوع میں اس کا ذکر تھا' اب یہاں سے دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اور قوموں کے ساتھ ان کے مکالمات اور مخاطبات اور قوموں کی تکذیب' پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کے قصے بیان کئے جا رہے ہیں اولاً حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اور اس کے بعد حضرت ہود حضرت

صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی شرک سے روکا اور انہیں طرح طرح سے سمجھایا اور ان لوگوں سے کہا کہ تم کفر و شرک کیوں نہیں چھوڑتے اللہ کو ایک ماننے کے لئے تو عقل ہی کافی ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور امانت دار ہوں جو کچھ کہتا ہوں اسی کے حکم سے کہتا ہوں۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو کیونکہ میری فرمانبرداری کرنا خالق اور مالک ہی کی فرمانبرداری کرنا ہے اور تم یہ بھی سمجھ لو کہ میں جو تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہوں اور تمہیں راہ حق پر لانے کی محنت کر رہا ہوں اس میں میرا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہے تم سے اپنی اس محنت پر کوئی اجرت یا عوض یا صلہ طلب نہیں کرتا میں تو اپنا اجر ثواب رب العالمین جل مجدہ سے لے لوں گا تمہیں یہ سوچنا چاہئے کہ جب یہ شخص ہم سے کسی چیز کا طالب نہیں تو اتنی محنت کیوں کرتا ہے تم غور کرو اور سمجھو اور اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ہدایت قبول نہ کی اینڈے بینڈے جواب دیتے رہے حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال ان لوگوں کے درمیان رہے لیکن تھوڑے ہی سے آدمی مسلمان ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جو کٹ حجتی کی اور ایمان نہ لانے کا بہانہ بنایا اس میں ایک یہ بات بھی تھی کہ تمہارے ساتھ رذیل لوگ لگے ہوئے ہیں اگر ہم تم پر ایمان لے آئیں تو ہمیں ان چھوٹے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پڑے گا (اس میں گویا اس طرف اشارہ تھا اگر یہ لوگ ہٹ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں اور آپ سے دین سیکھنے لگیں) یہ ایسا ہی ہے جیسے عرب کے لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے کہا تھا کہ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں (یعنی بلال صہیب عمار خباب وغیرھم رضی اللہ عنھم) جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں' **قال القرطبی وكانهم طلبوا منه طرد الضعفاء كما طلبته قريش** ۔(علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں گویا انہوں نے کمزوروں کو بھگا دینے کا مطالبہ کیا جیسا کہ قریش نے اسی کا مطالبہ کیا تھا)

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تو دین و ایمان سے مطلب ہے مجھے اس سے کوئی بحث نہیں کہ اپنی دنیاوی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کوئی شخص عمدہ پیشہ اختیار کر لے یا ایسا کوئی کام اختیار کر لے جسے دنیا والے گھٹیا سمجھتے ہیں مثلاً سڑکوں پر جھاڑو دینا یا جوتے گانٹھنا وغیرہ' اصل چیز ایمان اور اعمال صالحہ ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک انہیں دو چیزوں کے ذریعہ بلند مرتبہ ملتا ہے اور پھر سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے محاسبہ فرمائے گا۔ (یہ بات فرما کر ان لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ دیکھو تمہارا بھی حساب ہوگا) کاش تم سمجھدار ہوتے تو ایسی بے تکی باتیں نہ کرتے' حق کو قبول نہ کرنے کے لئے ایسے بہانے کرنا کہ تمہارے پاس جو لوگ بیٹھتے ہیں وہ دنیاوی اعتبار سے گھٹیا ہیں ناسمجھی کی بات ہے' یہ جو تمہاری خواہش ہے کہ میں انہیں ہٹا دوں تو میں ایسا نہیں کر سکتا جن لوگوں نے حق کو قبول کر لیا توحید کو مان لیا مومن بندے بن گئے بھلا میں ان کو کیسے ہٹا سکتا ہوں اور میں کوئی تم پر زبردستی تو کر نہیں سکتا' میں تو واضح

طور پر ڈرانے والا ہوں میں نے سمجھانے میں اور صاف صاف کہنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا یہ مطلب تھا کہ یہ لوگ جو تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں یوں ہی ظاہر میں تمہارا دین قبول کرلیا ہے دل سے مومن نہیں ہیں جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کہ مجھے کسی کے باطن سے بحث نہیں میں تو ظاہر کے دیکھنے کا مکلف ہوں۔ کسی نے ایمان قبول کرلیا میرا ساتھی ہوگیا بس وہ میرے نزدیک مومن ہے رہا باطن کا معاملہ سووہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ ان کا حساب لے گا کاش تم قانون شرعی کو جانتے ہوتے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے آدمی کہنے لگے کہ اپنی یہ باتیں بند کرو اگر تم باز نہ آئے تو سمجھ لو کہ تمہاری خیر نہیں ہم پتھر مار مار کر تمہیں جان سے ماردیں گے۔ سورہ ھود اور سورہ نوح میں ان لوگوں کی اور باتیں بھی ذکر فرمائیں ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے عذاب کا مطالبہ کیا (جس کا ذکر سورہ ھود میں ہے) ساڑھے نوسوسال تک کسی قوم کو دعوت دینا یہ کوئی معمولی مدت نہیں ہے ان لوگوں نے بھی عذاب مانگا اور حضرت نوح علیہ السلام بھی بہت زیادہ دل برداشتہ ہوگئے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ اے اللہ پاک میرے اور میرے قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے یعنی ان کو ہلاک کر دیجئے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو ایمان والے ہیں نجات دے دیجئے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم فرمایا چنانچہ انہوں نے کشتی بنائی اپنے اہل وعیال مومنین اور دیگر اہل ایمان کو ساتھ لیکر بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا پڑھ کر اس میں سوار ہوگئے۔ آسمان سے پانی برسا زمین سے بھی پانی ابلا زبردست سیلاب آیا اس میں پوری قوم غرق ہوگئی اور حضرت نوح علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جو کشتی میں سوار تھے نجات پا گئے تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف اور سورہ ھود میں واقعہ گذر چکا ہے اور سورہ نوح کا بھی مطالعہ کرلیا جائے۔

فائدہ: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مکالمہ شروع فرماتے ہوئے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ فرمایا ہے اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی طرف ایک ہی نبی مبعوث ہوئے تھے پھر تمام مرسلین کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جھٹلانا کیسے لازم آیا' اس کے جواب میں حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت ایک ہی تھی اس لئے جب کسی ایک نبی کو جھٹلایا تو اس سے سب کی تکذیب لازم آگئی' خصوصاً جبکہ ہر نبی نے تمام نبیوں کی تصدیق کا حکم بھی فرمایا اور یہ بتایا ہو کہ اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لاؤ۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَكُمْ

قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی ھود نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے بلاشبہ میں تمہارے لئے

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ

امانت والا پیغمبر ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو، اور میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا ثواب تو

اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ

بس رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا تم ہر اونچے مقام پر کھیل کے طور پر یادگار بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾

شاید تم ہمیشہ رہو گے، اور جب تم پکڑتے ہو تو بڑے جابر بن کر گرفت کرتے ہو، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو،

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾

اور اس ذات سے ڈرو جس نے ان چیزوں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائی جنہیں تم جانتے ہو اس نے چوپائے اور بیٹے اور باغات اور چشموں کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائی،

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ

بیشک میں تم پر ایک برے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں تم نصیحت کرو یا

تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ

نصیحت کرنے والوں میں سے نہ بنو، اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی عادت ہے اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں، سو ان لوگوں نے ہود کو جھٹلایا

فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

سو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب

الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾

عزیز ہے رحیم ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کی بعثت، قوم عاد کی تکذیب اور بربادی

تفسیر: مذکورہ بالا آیات میں حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا ہے، آپ قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ نے بھی ان سے وہ باتیں کیں جن کا حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر ہوا۔

آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں امانت دار ہوں تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو مجھے تم سے کچھ لینا نہیں ہے میرا اجر وثواب صرف اللہ کے ذمہ ہے، قوم عاد بڑی سرکش قوم تھی ان کے ڈیل ڈول بھی بڑے تھے جس کو سورہ اعراف میں وَزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَسْطَةً سے تعبیر فرمایا ہے اور سورہ فجر میں ان کے بارے میں اَلَّتِیْ

لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ فرمایا ہے (ان جیسے لوگ زمین کے حصوں میں پیدا نہیں کئے گئے) یہ لوگ اونچی جگہوں پر یادگار کے طور پر بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے جو ایک عبث اور فضول کام تھا ان چیزوں کی ضرورت بالکل نہ تھی محض فخر و شیخی میں اس طرح کی عمارتیں بناتے تھے اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ میں اس کا تذکرہ فرمایا' اس کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ بلا ضرورت تعمیر کر کے فضول کام کرتے ہو اور علامہ قرطبی نے ایک مطلب یہ لکھا ہے کہ تم لوگ اوپر بیٹھ بیٹھ کر راہگیروں کا مذاق بناتے ہو اور ان کے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہو۔

اپنے رہنے کے لئے بھی یہ لوگ بڑے بڑے مضبوط محل بناتے تھے اور ان کا ڈھنگ ایسا تھا کہ گویا انہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اس کو فرمایا وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ لعل عربی زبان میں ترجی کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ تم یہ آرزو لئے بیٹھے ہو کہ دنیا میں ہمیشہ رہو گے اسی لئے تو اتنی پختہ عمارتوں کے دلدادہ بنے ہوئے ہو' بعض حضرات نے لعل کو بمعنی کی بتایا ہے ای کی ماتخلدون لا تتفکرون فی الموت (یعنی تم اسی لئے مضبوط محل بناتے ہو تا کہ دنیا میں ہمیشہ رہو اسی لئے موت کے بارے میں فکر مند نہیں ہوتے) اور حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے کان کے معنی میں لیا ہے یعنی تم ایسے گھر بناتے ہو گویا کہ تم ان میں ہمیشہ رہو گے۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (اور جب تم پکڑتے ہو تو بڑے جابر بن کر پکڑتے ہو) چونکہ وہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تھے اور انہیں اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ بھی تھا اس لئے انہوں نے ازراہ تکبر یہاں تک کہہ دیا تھا من اشد منا قوۃ (کہ طاقت میں ہم سے بڑھ کر کون ہوگا) اپنے اسی گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے جب کسی کو پکڑتے تھے تو بہت ظلم و زیادتی کرتے تھے بغیر کسی رحم کے ترس کھائے بغیر مارتے کاٹتے اور ظلم کرتے چلے جاتے تھے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں مسلطین غاشمین بلا رافۃ ولا قصد تادیب ولا نظر فی العاقبۃ۔ (مسلط ہونے والے نرمی تادیب اور انجام میں نظر کئے بغیر سختی کرنے والا)

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو مزید سمجھایا اور فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (سو اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو) وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ (اور اس ذات سے ڈرو جس نے ان چیزوں کے ذریعے تمہاری امداد فرمائی جنہیں تم جانتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس سے ڈرو اس کی نافرمانی نہ کرو اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (اللہ تعالیٰ نے چوپایوں اور بیٹوں اور باغیچوں اور چشموں کے ذریعہ تمہاری امداد فرمائی) لہٰذا تم پر لازم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (بلا شبہ میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں) یعنی اگر تم ناشکری سے باز نہ آئے تو تم پر عذاب آجائے گا اور عذاب بھی معمولی نہیں ہوگا جس دن عذاب آئے گا وہ دن عذاب کے اعتبار سے ایک بڑا دن ہوگا۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ (الایات) ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ تمہاری واعظانہ باتوں سے ہم متاثر ہونے والے نہیں تم ہمیں نصیحت کرو یا نہ کرو بہر حال ہم اپنی جگہ پر اٹل ہیں ہمیں بات ماننا نہیں ہے' اور یہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ سے ڈرو اور

قیامت کو مانو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں وہ بھی ایسی باتیں کہتے آئے ہیں اب تک تو قیامت آئی نہیں اور یہ جو تم عذاب والی بات کہتے ہو ہم اسے بھی نہیں مانتے ہم پر کوئی عذاب آنے والا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان لوگوں نے حضرت ھود علیہ السلام کو جھٹلا دیا اللہ پاک نے انہیں سخت آندھی کے ذریعہ ہلاک کر دیا جس کا ذکر سورہ حم سجدہ (ع ۲) اور سورہ الحاقہ (ع ۱) سورہ ذاریات (ع ۲) سورہ قمر (ع ۱) اور سورہ احقاف میں فرمایا ہے سات رات اور آٹھ دن لگاتار ٹھنڈی تیز ہوا چلتی رہی جس سے سب ہلاک ہو گئے مفصل واقعہ ہم سورہ اعراف (ع ۹) کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا، جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے، بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں

اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

امانت دار ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو، اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو بس

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ

رب العالمین کے ذمہ ہے، یہاں جو کچھ ہے کیا تمہیں اس میں امن و امان کے ساتھ چھوڑے رکھا جائے گا باغیچوں میں اور چشموں میں

طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾

اور کھیتیوں میں اور کھجوروں میں جو کہ گچھے گوندھے ہوئے ہیں اور تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو اتراتے ہوئے، سو تم اللہ سے ڈرو میری فرمانبرداری کرو،

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْٓا

اور ان لوگوں کی بات نہ مانو جو حد سے آگے بڑھ جانے والے ہیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے، انہوں نے جواب دیا

اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

کہ بس تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہو، تو ہمارا ہی جیسا ایک آدمی ہے سو تو کوئی نشانی لے آ اگر تو

الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

سچوں میں سے ہے، صالح علیہ السلام نے کہا کہ یہ اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک دن اس کی باری ہے اور ایک مقررہ دن میں پینے کی تمہاری باری ہے

فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ مت لگانا ورنہ تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا' سو ان لوگوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر پشیمان ہوئے سو انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾

بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانا اور تکذیب وانکار کے جرم میں ہلاک ہونا

تفسیر: اس رکوع میں قوم ثمود کی سرکشی اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے' یہ لوگ قوم عاد کے بعد تھے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے انہوں نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی سمجھایا بجھایا' قوم عاد کی طرح ان لوگوں نے بھی ضد وعناد اور سرکشی پر کمر باندھ لی' حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں امین ہوں تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور یہ فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب نعمتیں دی ہیں ان کو یاد کرو ناشکرے نہ بنو اس نے تمہیں باغ دیئے چشمے عطا فرمائے' کھیتیاں عنایت فرمائیں' کھجوروں کے باغ دیئے' ان کھجوروں کے گچھے گوندھے ہوئے ہیں جو خوب پھل لانے والے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ تمہیں پہاڑوں کے تراشنے کی قوت اور ہمت عطا فرمائی تم پہاڑوں کو تراشتے ہو اور فخر کرتے ہوئے اور اتراتے ہوئے ان میں گھر بنالیتے ہو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ امن وامان اور چین وآرام میں رہو گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو غلط ہے دیکھو تمہیں مرنا بھی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا بھی ہے تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو' جن لوگوں نے تمہاری راہ مار رکھی ہے جو حد سے آگے نکل چکے ہیں زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے تم ان کی باتوں میں آ کر اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو' تمہارے جو بڑے ہیں تمہارا ناس کھو رہے ہیں۔ وہ تمہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے۔

قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہمارے خیال میں تو صرف یہ بات ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے اسی وجہ سے تم ایسی باتیں کر رہے ہو' اور یہ بات بھی ہے کہ تم ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارے اندر وہ کونسی بڑائی ہے جس کی وجہ سے تم رسول بنائے گئے؟ سورۃ القمر میں ہے کہ ان لوگوں نے کہا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَّسُعُرٍ ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ۔ (سو وہ کہنے لگے کیا ہم ایسے شخص کا اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ایک شخص ہے اگر ہم ایسا کریں تو ضرور بڑی گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے) کیا ہم سب کے درمیان سے اسی کی طرف وحی کی گئی ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ وہ جھوٹا ہے شیخی خورہ ہے) باتیں کرتے کرتے وہ لوگ یہاں تک آگے

بڑھے کہ انہوں نے یوں کہہ دیا کہ اچھا کوئی خاص معجزہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی ہے اللہ کی طرف سے بطور معجزہ بھیجی گئی ہے (بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی کہا تھا کہ ہم تو تمہیں اس وقت نبی مانیں گے جب تم پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ ان کو ہر چند سمجھایا کہ اپنا منہ مانگا معجزہ فیصلہ کن ہوتا ہے اگر تمہارے مطالبہ پر پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور تم ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ جلد ہی عذاب آ جائے گا لیکن وہ نہ مانے) اللہ کے حکم سے پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوئی یہ اونٹنی عام اونٹنیوں کی طرح نہ تھی اللہ کی بھیجی ہوئی اونٹنی تھی اس کو بہت زیادہ پانی پینے کی ضرورت تھی ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا تھا لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اس کے لئے پانی پینے کا وقت مقرر ہے اور تمہارے لئے ایک دن کا پینا مقرر ہے) یہ اونٹنی کنویں میں منہ لٹکا کر اکیلی کنویں کا پانی پی جاتی تھی اور قوم ثمود کے لوگ روزانہ پانی نہیں پلا سکتے تھے خود ان کے لئے پانی بھرنے کا اور مویشیوں کو پانی پلانے کا دن مقرر کر دیا گیا تھا۔

پہلے تو اپنی منہ سے اونٹنی مانگی تھی پھر جب پانی کی تقسیم کا معاملہ درپیش ہوا تو ان لوگوں کو یہ بات کھلنے لگی اور اس اونٹنی کا وجود ناگوار ہوا اونٹنی کے قتل کرنے کا مشورہ کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ان کے ارادوں کی اطلاع ملی تو فرمایا اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا اگر تم نے ایسا کیا تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا' بالآخر عذاب آ ہی گیا اور وہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے ان لوگوں پر سخت چیخ کا اور زلزلہ کا عذاب آیا۔ اسی کو فرمایا فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ (سو انہوں نے اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر پشیمان ہوئے پھر عذاب نے ان کو پکڑ لیا) سورہ اعراف اور سورہ ہود میں تفصیل گزر چکی ہے (انوار البیان ص ۴۵۶ ج ۳ وص ۵۰۹ ج ۴)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے' میں بلاشبہ تمہارے لئے

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

اللہ کا رسول ہوں امانت دار ہوں' سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو' اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا' میرا اجر تو

عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

بس رب العالمین کے ذمہ ہے' کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے

اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

بیبیاں پیدا فرمائی ہیں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔ان لوگوں نے کہا کہ اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور نکال دیئے جانے والے لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ ؕ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ

لوط نے کہا کہ میں تمہارے کام سے بغض رکھنے والوں میں سے ہوں اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں سے نجات دیجئے سو ہم نے لوط کو اور اس کے تمام گھر والوں کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ۚ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ ۚ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ

نجات دیدی سوائے ایک بڑھیا کے وہ باقی رہ جانے والیوں میں سے تھی، پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسادی

فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ

سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسائی گئی جن کو ڈرایا گیا' بلاشبہ ان اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بے شک

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور برے کاموں سے روکنا' قوم کا دھمکی دینا کہ ہم تمہیں نکال دینگے' پھر پتھروں کی بارش سے ہلاک ہونا

تفسیر: سیدنا حضرت لوط علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے' جن بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ نہر اردن کے قریب تھیں یہ لوگ فاحش کام کرنے والے تھے یعنی مردوں کے ساتھ شہوت رانی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سورہ اعراف اور سورہ ھود اور یہاں سورہ شعراء میں بیان فرمایا ہے' ان سے پہلے یہ عمل کسی قوم نے نہیں کیا تھا نیز یہ لوگ ڈاکہ زنی بھی کرتے تھے جیسا کہ سورہ عنکبوت (ع ۳) میں مذکور ہے وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ (اور تم راہزنی کرتے ہو) حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اچھی طرح سے سمجھایا اور برے کام سے روکا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور بے ہودہ جواب دینے لگے' کہنے لگے اجی! ان لوگوں کو بستی سے نکال دو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ خود پاک باز بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انہوں نے ازراہ تمسخر کہی تھی۔

یہاں سورہ شعراء میں یہ بھی ہے قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں نکال دیا

جاتا) قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ (حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے اعمال سے بغض رکھنے والا ہوں) وہ لوگ برابر اپنی بے ہودگی اور بے حیائی پر اڑے رہے اور کمال بے ہودگی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہوں نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ کا عذاب لے آ' ان پر عذاب آ گیا اور انہیں منہ مانگی مصیبت مل گئی' سورہ انعام اور سورہ شعراء اور سورہ نمل میں وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا فرمایا ہے (کہ ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسادی) اور سورہ ھود اور سورہ حجر میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی زمین کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ کر دیا یعنی زمین کا تختہ الٹ دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسا دیئے نیز سورہ حجر میں یہ بھی ہے کہ سورج نکلتے نکلتے ان کو چیخ نے پکڑ لیا' خلاصہ یہ ہے کہ ان پر تینوں طرح کا عذاب آیا اور ہلاک اور برباد کر دیئے گئے' لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو نجات مل گئی ہاں ایک بڑھیا جو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی انہیں لوگوں میں سے رہ گئی جو عذاب میں مبتلا ہوئے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک ہوگئی تفصیل کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ سورہ اعراف سورہ ھود سورہ حجر میں گزر چکا ہے' اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ

ایکہ والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے' بیشک میں تمہارے لئے

رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ

رسول امین ہوں' سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو' اور تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میرا ثواب تو

اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

بس رب العالمین ہی کے ذمہ ہے' تم پورا ناپا کرو' اور نقصان میں ڈالنے والے مت بنو' اور ٹھیک طرح سے وزن کیا کرو'

الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا

اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دیا کرو' اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو' اور اس ذات سے ڈرو

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا

جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا فرمایا' ان لوگوں نے کہا کہ بات یہی ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کر دیا گیا ہو اور تو ہمارا ہی جیسا

بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ

ایک آدمی ہے اور بیشک ہم تجھے جھوٹوں ہی میں سے خیال کرتے ہیں' سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝١٨٧ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٨٨ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ

کوئی ٹکڑا گرا دے۔ شعیب نے کہا کہ تم جو کام کرتے ہو انہیں میرا رب خوب جانتا ہے۔ سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا لہٰذا ان لوگوں کو

يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٨٩ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا' بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا' بلاشبہ ان میں بڑی عبرت ہے' اور ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٩٠ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٩١

ایمان لانے والے نہیں ہیں' اور بیشک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

اصحاب الایکہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کا حق کی دعوت دینا' ناپ تول میں کمی کرنے سے روکنا' پھر ان لوگوں کا نافرمانی کی سزا میں ہلاک ہونا

تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے تھے کفر کے علاوہ ان میں جو دوسرے معاصی رواج پذیر تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے بھاؤ طے ہو جانے کے بعد جب خریدار کو ناپ کر یا تول کر سودا دیتے تھے تو کمی کر دیتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول امین ہوں اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور زمین میں فساد نہ کرو' یہ لوگ برابر ضد اور عناد پر اڑے رہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو بے تکے جواب دیتے رہے ناپ تول میں کمی کرنے سے جو انہیں منع فرمایا تھا اس کے بارے میں کہنے لگے يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے تھے اور یہ کہ ہم اپنی مرضی سے اپنے مالوں میں تصرف نہ کریں) مطلب یہ تھا ہمارے مال ہیں جو چاہیں کریں کم تولیں کم ناپیں تمہیں اس سے کیا غرض ہے۔ جب انسان یہ بھول جاتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں میں اور میرا مال اللہ ہی کی ملکیت ہے تو اس طرح کی باتیں کرنے لگتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے میاں جاؤ تمہاری ایسی ہی باتیں ہیں تم پر کسی نے تکڑا جادو کر دیا ہے اور تم ہو بھی ہمارے جیسے ایک آدمی' ہم تم کو کیسے نبی مانیں' ہمارے خیال میں تو تم جھوٹوں میں سے ہو' اور یہ جو تم بار بار عذاب

آنے کی رٹ لگاتے ہو اس سے ہم پر کچھ بھی اثر ہونے والا نہیں، اگر عذاب کی بات سچی ہے یوں ہی دھمکی نہیں ہے تو عذاب لا کر دکھادو، چلو آسمان سے ہم پر ایک ٹکڑا گرادو، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں عذاب کا لانے والا نہیں ہوں اور میں اس کی کیفیت کی تعیین بھی نہیں کر سکتا۔ تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے تم پر کب عذاب آئے گا اور کس طرح عذاب آئے گا یہ سب اسی کے علم میں ہے۔ بہر حال تمہارے اعمال عذاب کی دعوت دینے والے ہیں صاحب الروح لوگوں کی سرکشی بڑھتی گئی اور راہ راست پر نہ آئے اور ان پر عذاب آ ہی گیا اور الظلۃ (سائبان) کے عذاب سے ہلاک ہوئے، مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ جب عذاب آنے کا وقت قریب آ ہی گیا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی بھیج دی لہٰذا وہ گھروں کو چھوڑ کر درختوں اور جھاڑیوں کے پاس جمع ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا جس کے سایہ میں پناہ لینے کے لئے ایک جگہ جمع ہو گئے جب سب اکٹھے ہو گئے تو وہیں پر جلا دیئے گئے، روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ بھیج دی جو ان سب کو کھا گئی یہ ان کا منہ مانگا عذاب تھا انہوں نے کہا کہ ہم پر آسمان سے ٹکڑا گرادو، لہٰذا آسمان ہی کی طرف سے بادل نظر آیا اور اسی کے سایہ میں جل کر بھسم ہو گئے۔ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (بلاشبہ یہ بڑے دن کا عذاب تھا)

فائدہ: ایکہ جھاڑیوں والے جنگل کو کہا جاتا ہے یہ لوگ ایسے جنگل میں رہتے تھے جس میں جھاڑیاں تھیں اور گھنے درخت تھے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ فرمایا اور اخوهم نہیں فرمایا کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی قوم میں سے نہ تھے ہاں اصحاب مدین کے بارے میں اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فرمایا ہے کیونکہ حضرت شعیب علیہ السلام نسب اور خاندان کے اعتبار سے انہی میں سے تھے (کما مر فی سورۃ الاعراف وفی سورۃ ھود علیہ السلام ویاتی فی سورۃ العنکبوت ان شاء اللہ تعالیٰ)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً (بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے) وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (اور بے شک آپ کا رب عزیز ہے رحیم ہے)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ

اور بلاشبہ یہ رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اس کو آپ کے قلب پر امانت دار فرشتہ لیکر نازل ہوا، تا کہ آپ واضح طور پر

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، واضح عربی زبان میں ہے، اور بلاشبہ اس کا ذکر پہلی امتوں کی کتابوں میں ہے، کیا ان لوگوں کے لئے

اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾

یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اسے علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے پھر وہ اس کو ان کے سامنے

فَقَرَاَهٗ عَلَیۡهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾ؕ كَذٰلِكَ سَلَكۡنٰهُ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۲۰۰﴾ؕ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ

پڑھ کر سنا دیتا تب بھی یہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ہم نے اسی طرح اس ایمان نہ لانے کو مجرمین کے دلوں میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے

بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۲۰۱﴾ۙ فَیَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ۙ فَیَقُوۡلُوۡا هَلۡ نَحۡنُ

جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں' سو وہ ان کے پاس اچانک آ جائے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی' پھر کہیں گے کیا ہمیں

مُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ؕ اَفَبِعَذَابِنَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِیۡنَ ﴿۲۰۵﴾ۙ ثُمَّ جَآءَهُمۡ مَّا كَانُوۡا

مہلت مل سکتی ہے' کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کو جلدی چاہتے ہیں اے مخاطب ذرا یہ بتا کہ اگر ہم انہیں چند سال عیش میں رہنے دیں پھر جس کا ان سے

یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۰۶﴾ۙ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ ﴿۲۰۷﴾ؕ وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ﴿۲۰۸﴾ۛ

وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آ پڑے تو ان کا وہ عیش ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے' اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کی ہیں

ذِكۡرٰی ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّیٰطِیۡنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لَهُمۡ وَمَا

ان سب میں نصیحت کے طور پر ڈرانے والے تھے' اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں' اور اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں اترے اور نہ وہ

یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾ؕ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾ؕ

طاقت رکھتے ہیں' بلاشبہ وہ سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔

قرآن عربی زبان میں ہے اسے روح امین لیکر نازل ہوئے

تفسیر: ان آیات میں نزول قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا' منکرین کی تکذیب اور عناد کو بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ لوگ عذاب آنے کے لئے جلدی مچاتے ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ قرآن مجید رب العالمین جل مجدہ کا اتارا ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لیکر نازل ہوا ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اس فرشتہ نے امانتداری کے طور پر پورا پورا اسی طرح آپ ﷺ تک پہنچایا ہے جس طرح ان کے سپرد کیا گیا تھا الروح الامین یعنی جبریل نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں یعنی اس قرآن کے ذریعہ اولین مخاطبین کو اور ان کے آس پاس کے لوگوں کو اور بعد میں آنے والے لوگوں کو ڈرائیں یعنی اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دیں جو نہ مانے اسے بتائیں کہ انکار کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوگا کما فی سورۃ الانعام وَاُوۡحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ وقال تعالٰی فی سورۃ الشوری وَكَذٰلِكَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَهَا وَتُنۡذِرَ یَوۡمَ الۡجَمۡعِ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ پھر فرمایا کہ قرآن مجید واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس کی فصاحت

اور بلاغت سب کو مسلم ہے جب اہل عرب کو چیلنج کیا گیا کہ قرآن جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے اور آج تک عاجز ہیں ہمارے ایک ثقہ دوست نے بتایا کہ امریکہ میں دو کمپیوٹر اس بات کے لئے لگا رکھے ہیں کہ قرآن کی آیات کے مقابلہ میں کچھ بنا کر دیں اور اس سلسلہ میں ان کمپیوٹروں کو جب کوئی آیت دیتے ہیں کہ اس کے مقابل بنا کر دو تو وہ انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں بن سکتی۔

مزید فرمایا کہ قرآن مجید پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے یعنی توریت اور انجیل میں یہ بتایا ہے کہ ایک ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اس پر ایسا کلام نازل ہوگا اہل کتاب نے گو اپنی کتابوں میں تحریف کر دی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کتابوں میں یہ باتیں موجود ہیں بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین سابقہ کتب سماویہ میں بھی ہیں جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ کے ختم پر فرمایا اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی (بلاشبہ یہ پرانے صحیفوں میں ہے ابراہیم کے صحیفے اور موسیٰ کے صحیفے) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورہ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے اور سورہ طٰہٰ اور طواسین (جن کے شروع میں طٰسٓ آتا ہے) اور حوامیم (جن سورتوں کے شروع میں حٰمٓ ہے) یہ سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے دی گئی ہیں۔ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیات (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لیکر ختم سورت تک) عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں اور مفصل (سورہ حجرات سے سورۃ الناس تک جو سورتیں ہیں) یہ مجھے زائد دی گئی ہیں (جو دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دی گئیں) **ذکرہ فی الجامع الصغیر و رمزلہ بالضعف۔**

پھر فرمایا کہ علمائے بنی اسرائیل جو قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت موجود ہیں وہ لوگ یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب نازل ہوگئی ان علماء میں سے بعض تو مسلمان ہو گئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے انہوں نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے، خود تو مسلمان نہ ہوئے لیکن اپنے عوام کو تنہائیوں میں بتا دیا اور ان کے سامنے اقراری ہو گئے، علماء بنی اسرائیل کا مان لینا کہ قرآن مجید واقعی اللہ کی کتاب ہے یہودیوں پر تو حجت ہے ہی مشرکین عرب پر بھی حجت ہے جو یہود کو اہل علم مانتے اور جانتے تھے، خصوصاً اہل مکہ جنہوں نے یہودیوں سے جا کر یہ پوچھا کہ تم اہل علم ہو اور اہل کتاب ہو کچھ ایسے سوال بتاؤ جن سے محمد رسول اللہ ﷺ کا امتحان کیا جائے اور ان کا جواب پا کر ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق کی جا سکے جس پر یہودیوں نے کہا کہ روح کے بارے میں اور اصحاب کہف کے بارے میں اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرو، قریش مکہ نے واپس آ کر سوالات کئے لیکن جواب ملنے پر بھی ایمان نہ لائے پھر فرمایا کہ اس قرآن کو ہم نے ایسے شخص پر نازل کیا ہے جو عربی ہے اگر ہم بعض عجمیوں پر یعنی کسی غیر عرب انسان پر نازل کر دیتے اور وہ ان کو پڑھ کر سنا دیتا تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے حالانکہ اس میں معجزہ کا ظہور اور زیادہ ہوتا کیونکہ جس غیر عربی شخص پر قرآن نازل ہوتا اس کا عربی زبان پر قادر نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہوتی کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی طرف سے ہے لیکن جن

ہٹ دھرموں کو ماننا نہیں ہوتا وہ کسی طرح بھی نہیں مانتے۔ اس کے بعد فرمایا کَذٰلِکَ سَلَکۡنٰهُ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ (کہ ہم نے ایمان نہ لانے کو مجرمین کے دلوں میں ڈال دیا ہے) یہ لوگ انکار اور انکار پر اصرار کی وجہ سے قرآن پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ سخت عذاب کو نہ دیکھ لیں گے جو ان کے سامنے اچانک آ کھڑا ہوگا اور ان کو پہلے سے خبر بھی نہ ہوگی' جب یہ صورتحال ہوگی تو یوں کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے لیکن وہ وقت نہ مہلت کا ہوگا اور نہ اس وقت ایمان قبول کیا جائے گا (عذاب الیم سے وہ عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے جو تکذیب کی سزا میں دنیا میں منکرین پر آ تا رہا ہے' اور موت کے وقت کا عذاب اور برزخ کا عذاب اور قیامت کے دن کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے ان عذابوں میں سے کسی بھی عذاب کے آ جانے پر مہلت دیئے جانے کا اور ایمان قبول کرنے کا قانون نہیں ہے)

پھر فرمایا اَفَبِعَذَابِنَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ (کیا وہ ہمارے عذاب کے آنے کے لئے جلدی مچا رہے ہیں) چونکہ انہیں عذاب آ جانے کا یقین نہیں ہے اس لئے ایسی باتیں کرتے ہیں اور ان کا یہ سمجھنا کہ جو ڈھیل دی جا رہی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذاب نہ آئے گا ان کی سخت غلطی ہے دنیا کی ذرا سی چہل پہل دیکھ کر جو یوں سمجھ رہے ہیں کہ عذاب آنے والا نہیں اور اسی زندگی کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں یہ بہت بڑی ناسمجھی ہے۔ جب عذاب آ پہنچے گا جس سے چھٹکارا نہ ہو سکے گا اور سخت بھی ہوگا اس وقت یہ تھوڑی سی زندگی کا کیف اور مال و متاع کچھ بھی کام نہ دے گا' یہ انسانوں کی نہایت ہی حماقت کی بات ہے کہ فانی دنیا میں تھوڑے سے دن کی چہل پہل میں مشغول ہو کر موت کے بعد کی زندگی کو بھول جائیں اور وہاں کے بڑے اور دائمی عذاب کو اپنے سر لے لیں اسی کو فرمایا اَفَرَءَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِیۡنَ ثُمَّ جَآءَهُمۡ مَّا کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ (اے مخاطب تو بتا کہ اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ان کے سر آ پڑے تو ان کا عیش کیا کام دے سکتا ہے' یعنی یہ جو عیش کی مہلت دی گئی ہے اس سے آنے والا عذاب تو کیا ٹلتا اس کی وجہ سے اس میں کوئی کمی تخفیف بھی نہ ہوگی) قال صاحب الروح ص ۱۳۱ ج ۱۰ قال سبحانہ ان ھذا العذاب الموعود وان تاخر ایاما قلائل فھو لا حق بھم لا محالۃ وھنا لک لا ینفعھم ما کانوا فیہ من الاغترار المثمر لعدم الایمان ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے اگرچہ تھوڑے دن مؤخر ہو جائے مگر وہ انہیں ضرور پہنچنے والا ہے اب جس دھوکہ کی وجہ سے یہ کافر بنے ہوئے ہیں تب یہ دھوکہ انہیں فائدہ نہیں دے گا)

اس کے بعد فرمایا وَمَاۤ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ذِکۡرٰی (اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب میں نصیحت کے طور پر ڈرانے والے تھے) یعنی قرآن کے مخاطبین سے پہلے بھی امتیں گزری ہیں کسی امت کو تبلیغ اور انذار کے بغیر نہیں ہلاک کیا گیا ان کی طرف ڈرانے والے بھیجے گئے انہوں نے خیر خواہی اور نصیحت کے طور پر خوب اچھی طرح توحید کی دعوت دی' حق کو واضح کیا منکرین کو ڈھیل دی گئی ان پر حجت پوری ہوگئی اور ڈھیل دینے سے بھی انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا تو ان کو ہلاک کر دیا گیا' جو لوگ قرآن مجید کے مخاطب ہیں ان لوگوں پر بھی پوری طرح حق واضح کر دیا گیا ہے اور انہیں ڈھیل بھی دی جا رہی ہے لہٰذا عذاب کی طرف سے مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں وَمَا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ (اور ہم ظلم کرنے

والے نہیں ہیں) یعنی حقیقۃ تو اللہ تعالیٰ سے ظلم کا ظہور ہو ہی نہیں سکتا صورۃ بھی اللہ تعالیٰ سے ظلم کا صدور نہیں ہوسکتا قال صاحب الروح ای لیس شاننا ان یصدر عنا بمقتضی الحکمۃ ما ھو فی صورۃ الظلم لو صدر من غیر نا بان نھلک احدا قبل انذارہ اوبان نعاقب من لم یظلم ۔(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہماری حکمت کے تقاضا سے ہماری شان یہ نہیں ہے کہ ہم سے ظلم کی صورت بھی پیدا ہو)

اس کے بعد پھر قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ (کہ اس قرآن کو شیاطین لیکر نازل نہیں ہوئے) وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ (اور یہ ان کے لئے درست بھی نہیں ہے) وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (اور وہ اس پر قدرت بھی نہیں رکھتے) اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (بلاشبہ وہ اس کے سننے سے روک دیئے گئے ہیں) یعنی یہ لوگ وحی آسمانی کو سن بھی نہیں سکتے اس پر انہیں بالکل ہی قدرت نہیں ہے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں مشرکین قریش کی اس بات کی تردید ہے جو انہوں نے کہا تھا کہ ایک جن محمد ﷺ کے تابع ہے وہ آپ کو قرآن سنا دیتا ہے اور آپ اسی کو نقل فرما دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی تردید میں فرمایا کہ اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں آئے اور نہ ان لوگوں کو اس پر قدرت ہے کیونکہ قرآن تو سبب ہدایت ہے اور شیاطین کا کام گمراہ کرنے کا ہے وہ ہدایت کی چیز کو جس میں توحید ہی توحید ہے مشرکین کے پاس پہنچانے کا ذریعہ کیونکر بن سکتے ہیں' پھر مزید بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی قدرت بھی نہیں دی کہ وہ وحی آسمانی کو سن لیں۔ وہاں سے لانا اور آپ تک پہنچانا وہ تو بعد کی بات ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

سو آپ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکاریئے ورنہ سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے'

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ

اور ان لوگوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آیئے جو اہل ایمان آپ کا اتباع کرنے والے ہیں' سو اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ

میں تمہارے اعمال سے بری ہوں' اور آپ عزت والے رحم والے پر توکل کیجئے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور

فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

سجدہ کرنے والوں میں اٹھتے بیٹھتے ہیں' بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو مومنین کے ساتھ تواضع سے پیش آنے اور عزیز و رحیم پر توکل کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اوّلاً یہ فرمایا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو معبود نہ بنائیں ایسا کریں گے تو عذاب میں مبتلا ہوں گے

بظاہر یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور حقیقت میں پوری امت کو خطاب ہے کیونکہ آپ سے شرک اور کفر صادر ہونے کا احتمال ہی نہیں، لیکن آپ کو خطاب کر کے یہ بتا دیا کہ جب غیر اللہ کی عبادت کرنے سے آپ کے لئے یہ حکم ہے تو دوسرے لوگ شرک کرنے سے کیونکر معذب نہ ہوں گے۔

ثانیاً آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے قریب ترین خاندان کے لوگوں کو ڈرایئے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور وہاں چڑھ کر قریش کے مختلف خاندانوں کو آوازیں دیکر جمع فرمایا جب جمع ہو گئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ میدان میں کچھ گھوڑ اسواروں کی ایک جماعت ہے وہ تم پر حملہ کرنے والے ہیں تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے مل کر جواب میں کہا کہ ہاں ہم آپ کی تصدیق کریں گے ماجربنا علیک الا صدقا (ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے) آپ نے فرمایا تو سمجھ لو کہ میں تمہیں سخت عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ڈرا رہا ہوں (یعنی اگر تم نے میری دعوت توحید قبول نہ کی تو تم سب سخت عذاب میں مبتلا ہو گے یہ سن کر ابولہب نے کہا کہ تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو کیا تو نے ہمیں اس بات کے لئے جمع کیا ہے) اس پر تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت اپنی جانوں کو بچالو (یعنی ایمان لا کر دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) میں اللہ کی طرف سے (آنے والے عذاب سے) تمہارے چھٹکارا کے لئے کچھ نہیں کرسکتا آپ نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب سے اپنی پھوپھی صفیہ سے بھی خصوصی طور پر نام لیکر یہی فرمایا اور اپنی بیٹی سے فرمایا اے محمد کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں سے تو جو چاہے سوال کر لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا (رواہ البخاری و مسلم کمافی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۰) مطلب یہ ہے کہ آخرت میں نجات کا تعلق رشتہ داری اور کسی کا بیٹا بیٹی ہونے سے نہیں ہے اس کا تعلق ایمان سے ہے جس نے ایمان قبول کیا اور اسی پر موت آئی وہاں اس کے لئے نجات ہے۔

رسول اللہ ﷺ سارے ہی انسانوں اور جنات کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ رحمۃ للعالمین تھے' سب ہی کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے پھر بھی خاص طور سے اپنے اہل خاندان کو خصوصیت کے ساتھ ایمان کی دعوت دینے کا حکم فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگوں سے غافل نہ ہوں' رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا اور پھوپھی کو نام لیکر خطاب فرمایا حتیٰ کہ اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی وہی بات فرمائی جو دوسروں سے فرمائی تھی حالانکہ وہ پہلے سے ہی مومن تھیں اور اب تک بالغ بھی نہ ہوئی تھیں۔ معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کو دین پر ڈالنا بھی مبلغ اور داعی کی ذمہ داری ہے سورۃ التحریم میں فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (اے ایمان والو تم

اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دوسروں کو تبلیغ کرنے میں بہت آگے آگے ہوتے ہیں لیکن اولاد اور اہل خانہ اور اہل خاندان سے غافل رہتے ہیں۔

ثالثاً آپ کو یہ حکم دیا کہ اہل ایمان جنہوں نے آپ کی پیروی کرلی آپ کے دین میں داخل ہو گئے اور آپ کی راہ پر چلنے لگے آپ ان کے ساتھ تواضع اور فروتنی اختیار کیجئے ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیجئے (جس نے ایمان قبول کرلیا وہ رحمت ورافت اور شفقت کا زیادہ مستحق ہو گیا)

رابعاً یوں فرمایا کہ جن لوگوں کو آپ دین حق کی دعوت دیتے ہیں وہ لوگ اگر آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں (نافرمانوں کے ساتھ کسی مداہنت اور مسامحت کی گنجائش نہیں)

خامساً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے جو عزیز ہے اور رحیم ہے جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں امامت کرتے وقت سجدہ کرنے والوں کے درمیان آپ کی نشست اور برخاست ہوتی ہے وہ آپ کو دیکھتا ہے وہ سب کی باتوں کو سنتا ہے اور تمام احوال کو جانتا ہے اگر آپ کو مخالفین کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو آپ فکر مند نہ ہوں اس ذات پاک پر بھروسہ کریں جو عزیز ہے اور رحیم ہے اور سمیع ہے علیم ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ

کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترتے ہیں' جو کان لگا کر سنتے ہیں

وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۴﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ وَأَنَّهُمْ

اور اکثر ان میں جھوٹ بولنے والے ہیں۔ اور شاعروں کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں' اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں حیران

يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا

پھرا کرتے ہیں اور وہ لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں' سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا'

مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾

اور مظلوم ہونے کے بعد انہوں نے بدلہ لیا' اور جن لوگوں نے ظلم کیا وہ عنقریب جان لیں گے کہ وہ کیسی جگہ لوٹ کر جائیں گے۔

شیاطین ہر جھوٹے پر نازل ہوتے ہیں' اور شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں

تفسیر: مشرکین کہا کرتے ہیں کہ ایک جن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھاتا اور بتاتا ہے وہی باتیں آپ ہمیں بتا دیتے ہیں کے

جواب میں فرمایا کہ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ (کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں) تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترتے ہیں) يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (جو کان لگا کر سنتے ہیں اور اکثر ان میں جھوٹ بولنے والے ہیں) یعنی ان جھوٹے لوگوں کے کانوں میں جو شیاطین باتیں ڈالتے ہیں یہ ان کی طرف خوب کان لگا کر سنتے ہیں اور شیاطین سے سن کر جو باتیں نقل کرتے ہیں ان میں بھی اکثر جھوٹ بولتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین اوپر جا کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے تھے وہ اوپر سے سنی ہوئی خبر میں اپنی طرف سے بہت سا جھوٹ ملا دیتے تھے۔ اور ان میں سے جو کوئی بات صحیح نکل جاتی تھی جو آسمان سے سنی ہوئی ہوتی تھی وہ اس سے کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے۔ شیاطین کاہنوں کے پاس آتے تھے۔ یہ کاہن خوب زیادہ جھوٹے بھی ہوتے تھے اور بہت بڑے بدکردار بھی' شیاطین کا کام جھوٹے اور بدکردار لوگوں کے پاس آنے کا ہے وہ نبی سے دوستی نہیں رکھتے' اور اس کے پاس نہیں آ سکتے۔

اس کے بعد شعراء کی مذمت فرمائی وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ کہ شعراء کے پیچھے گمراہ لوگ چلا کرتے ہیں (لہٰذا مشرکین کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ آنحضرت ﷺ شاعر ہیں) آپ تو حقائق کی دعوت دیتے ہیں اور شاعر جھوٹی باتیں کہتے ہیں آسمان اور زمین کے قلابے ملاتے ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے چلتے ہیں وہ گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ کو گمراہ ہی پسند کرتا ہے اور اس کے پیچھے چلتا ہے۔

اس کے بعد شاعروں کی بدحالی اور کذب بیانی کا حال بتایا اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ شاعر ہر وادی میں یعنی ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں) جھوٹی باتیں تلاش کرنے کے لئے ٹکریں مارتے ہیں اور ایسی چیز نکال کر لاتے ہیں جو ان کے متبعین کو پسند ہوں وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (اور وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن پر عمل نہیں کرتے) روح المعانی ص ۱۴۶ ج ۱۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ شعراء مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا کہ محمد جس طرح باتیں بیان کرتے ہیں ہم بھی اسی طرح کہہ سکتے ہیں یہ لوگ فخر دو عالم ﷺ کی ہجو میں دیہاتیوں کے سامنے اشعار کہتے تھے وہ لوگ خوش ہوتے تھے۔ ان دیہاتیوں کو الغاوٗن بتایا ہے۔

شاعروں کی بے تکی باتیں' جھوٹی تعریفیں اور غلط تشبیہات اور مدح و ذم میں کذب بیانی تو معروف ہی ہے' عارف گنجوی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کیا ہی اچھی بات کہی کہ اکذب او احسن اوست بعض اہل علم نے اردو میں اس کا مفہوم یوں ادا کیا ہے ؎

حسن شعر کا گر سن لو یہ آج تم — جتنا ہو جھوٹ اس میں اتنا ہی بہتریں ہے

عربی کا یہ شعر بھی سنا ہی ہوگا ؎

لا تعجبوا من بلی غلالته — قد زر ازراه علی القمر

فارسی کے اشعار بھی سنئے ؎

اے آنکہ جزو لایتجزی دہان تو طولے کہ ہیچ عرض نہ دارد میان تو

بنطق کردۂ نقطۂ موہوم رادوینم اے آنکہ بودہ است معجز نما بیان تو

اس کے بعد مومنین صالحین کا استثناء فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (یعنی جولوگ اہل ایمان ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں اور مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لے لیتے ہیں یہ لوگ شاعروں کی مذکورہ بالا جماعت سے خارج ہیں) چونکہ ان میں ایمان ہے اعمال صالحہ میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں کثرت سے مشغول رہتے ہیں اس لئے اگر شعر بھی کہتے ہیں تو جھوٹی بے تکی بہکی بہکی باتوں سے بچ کر رہتے ہیں ان کے اشعار بھی ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت دیتے ہیں اللہ سے لو لگانے کی ترغیب دیتے ہیں اشعار میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہیں اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی مشرک اور کافر نے ان کی ہجو کردی یا دین کی کسی بات پر اعتراض کردیا جوان پر ایک طرح کا ظلم ہے تو وہ بدلہ لینے کے طور پر کافروں کی ہجو کر دیتے ہیں اور اس ہجو میں انہیں ثواب ملتا ہے کیونکہ یہ کام بھی اللہ کے لئے ہوتا ہے' حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے دفاع کرتے ہو جبرائیل علیہ السلام برابر تمہاری تائید میں لگے رہتے ہیں' حضرت حسان نے مشرکین کی خوب ہجو کی (کیونکہ وہ لوگ ظالم تھے) حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار کی وجہ سے دلوں میں یہ آرزو نہ رہی کاش کوئی شخص مشرکین کی بے ہودگی کا جواب دیتا کیونکہ یہ ان پر تیروں سے بھی زیادہ سخت ہے (رواہ مسلم) جب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے اشعار کہتے تھے تو آپ ان کے لئے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھیں (رواہ البخاری) معلوم ہوا کہ اگر شعر اچھا ہو تو اس کو پڑھنا جائز ہے بلکہ بعض مرتبہ ثواب ہے۔ مومن کے ہر کام میں نیک نیتی ہونی چاہئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اشعار کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا هو كلام فحسنه حسن و قبيحه قبيح (یعنی شعر بھی ایک کلام ہے اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے) جس شاعری میں جھوٹ ہو گمراہی کی باتیں ہوں غیبتیں ہوں تہمتیں ہوں اور اس کی وجہ سے نمازوں سے غفلتیں ہوں اور وہ مشاعرے جن میں باتیں بھی جھوٹی ہوں اور نمازیں بھی قضا ہوں یہ سب حرام ہیں' اگر کوئی شخص سچا اور اچھا شعر پڑھ لے تو اس کی ممانعت نہیں ہے'

سورت کے ختم پر فرمایا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ (کہ جن لوگوں نے ظلم کیا یہ عنقریب جان لیں گے کہ انہیں کیسی بری جگہ لوٹ کر جانا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جو نبوت کے منکر رہے اور قرآن کی تکذیب کرتے رہے اور آنحضرت ﷺ کو ایذاء پہنچاتے رہے' یہ لوگ جب دوزخ میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنا ٹھکانہ معلوم ہو جائے گا جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

وهذا آخر تفسير سورة الشعراء' والحمد لله ذى الجبروت والكبريا' والصلوٰة على سيد الرسل والانبياء وعلىٰ آله وصحبه البررة الاصفياء الاتقياء

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ نمل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں ترانویں آیات اور سات رکوع ہیں

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

طٰسٓ یہ آیات ہیں قرآن کی، اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی، ہدایت اور بشارت ہیں اہل ایمان کے لئے

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، بلاشبہ جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ

آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا۔ سو یہ لوگ بھٹکتے پھرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ

برا عذاب ہے، اور یہ لوگ آخرت میں بہت زیادہ خسارہ میں ہوں گے، اور بالیقین آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے

حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴿۶﴾

قرآن دیا جا رہا ہے۔

یہ کتاب مبین کی آیات ہیں جو مومنین کے لئے ہدایت اور بشارت ہیں، کافروں کے لئے ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ النمل شروع ہو رہی ہے۔ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں اس سورت کے دوسرے رکوع میں ایک قصہ بیان فرمایا ہے۔ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا تھا تو ایک چیونٹی نے اپنی ہم جنس چیونٹیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہارا چورا بنا کر رکھ دیں، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النمل معروف ہوا۔

اوّل تو یہ فرمایا کہ یہ قرآن کی اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں کتاب مبین سے بھی قرآن مجید ہی مراد ہے۔ جیسا کہ سورہ یوسف کے شروع میں فرمایا تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ فرمایا ہے۔

پھر آیات قرآنیہ کو اہل ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت بتایا۔ اور اہل ایمان کی صفات بتائیں کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور یہ دونوں

اسلام کے ارکان میں سے ہیں۔ ان کی ادائیگی پابندی سے کی جائے تو ایمان کے دوسرے تقاضوں پر بھی عمل ہوتا رہتا ہے۔ اور آخرت کا یقین ہر نیکی پر آمادہ کرنے اور ہر گناہ چھڑانے پر ابھارتا رہتا ہے اسی کو آیت کے ختم پر وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ میں بیان فرمایا۔

مؤمنین کی صفات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آیات قرآنیہ اہل ایمان کے لئے بشارت اور ہدایت ہیں قرآن تو سبھی کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور حق قبول کرنے پر انعامات کی بشارت دیتا ہے لیکن چونکہ قرآن کی دعوت پر اہل ایمان ہی دھیان دیتے ہیں اس لئے خاص طور سے ان کے لئے ہدایت اور بشارت ہونا بیان فرمایا۔

اس کے بعد کافروں کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا ہے جو انہیں مرغوب ہیں اور انہیں اچھے لگتے ہیں' جو کام برے ہیں یہ لوگ انہیں اچھا سمجھ رہے ہیں اور اس کی وجہ سے جہل مرکب میں مبتلا ہیں اور گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں' ان لوگوں کی وعید بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں سخت خسارہ میں ہوں گے۔ انہیں وہاں نعمت اور رحمت نصیب نہ ہوگی۔ ہمیشہ کے لئے عذاب ہی میں رہیں گے اور عذاب بھی بڑھتا چڑھتا رہے گا اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں جو انہیں اجسام دیئے گئے اعضاء اور جوارح عطا کئے گئے اموال سے نوازے گئے ایمان قبول کر کے ان سب کے ذریعہ جنت حاصل کر سکتے تھے لیکن وہ تو کفر اختیار کر کے اور اعمال بد میں مبتلا ہو کر جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور دوزخ کے مستحق ہو گئے' یہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (اور بالیقین آپ کو حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے) پس جب اللہ تعالیٰ کی آپ پر مہربانی ہے اللہ کا فرشتہ آتا رہتا ہے اور اللہ کی کتاب آپ تک پہنچتا رہتا ہے تو آپ کو یہ محبوبیت عند اللہ ہی کافی ہے۔ دشمن جو کچھ کہیں کہنے دو' ان کی باتوں سے غمگین نہ ہو۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ بلاشبہ مجھے آگ نظر آئی ہے میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں' یا تمہارے پاس آگ کا ایک شعلہ

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ

کسی لکڑی میں جلتا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم تاپ لو۔ سو جب وہ وہاں آئے تو آواز دی گئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے' اور وہ بھی

حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

مبارک ہیں' جو اس کے ارد گرد ہیں' اور اللہ پاک ہے جو رب العالمین ہے۔ اے موسیٰ بے شک بات یہ ہے کہ میں اللہ ہوں عزیز ہوں حکیم ہوں'

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ
اور تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو سو جب اس لاٹھی کو دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر لوٹے اور مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا اے موسیٰ تم نہ
اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا ۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ
ڈرو بلاشبہ میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرتے مگر جس نے ظلم کیا پھر اس نے گناہ کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو میں مغفرت کرنے والا ہوں
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۣ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ
رحمت والا ہوں اور اے موسیٰ تم اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کرو وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دونوں چیزیں ان نو معجزات میں سے ہیں جنہیں لیکر
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا
تمہیں فرعون کی طرف جانا ہے بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں۔ سو جب ان کے پاس ہمارے معجزات پہنچے جو واضح تھے تو کہنے لگے کہ
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ
یہ صریح جادو ہے۔ اور انہوں نے ظلم اور تکبر کی راہ سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے نفسوں نے یقین کر لیا تھا سو دیکھو
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾
فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رات کے وقت سفر میں کوہ طور پر آگ کے لئے جانا اور نبوت سے سرفراز ہونا

تفسیر: سورہ طٰہٰ کے پہلے اور دوسرے رکوع کی تفسیر میں اور سورہ شعراء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے مصر میں رہتے تھے فرعون کے بیٹے بنے ہوئے تھے ان کے ہاتھ سے فرعون کی قوم کا ایک شخص قتل ہو گیا ایک شخص نے رائے دی کہ دیکھو فرعونی لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کو چھوڑ کر مدین چلے گئے وہاں کے شیخ کی لڑکی سے نکاح ہو گیا اور دس سال وہاں رہے۔ جب اپنی بیوی کو لیکر مصر کی طرف واپس آنے لگے تو رات کو سردی بھی لگ گئی اور راستہ بھی بھول گئے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ طور پر آگ نظر آ رہی ہے یہ آگ نہیں تھی نور ربانی تھا جسے انہوں نے آگ سمجھ لیا تھا اپنی بیوی سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے آگ نظر آ رہی ہے میں وہاں جاتا ہوں، وہاں سے لکڑی میں سلگا کر آگ کا کوئی شعلہ لے آؤں گا۔ تاکہ تم اس سے تاپ لو گی یعنی گرمی

حاصل کرلوگی اور یہ بھی امکان ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والامل جائے۔ وہاں پہنچے تو اللہ پاک کی طرف سے یہ آواز آئی کہ وہ شخص مبارک ہے جو آگ میں ہے اور وہ بھی مبارک ہیں جو اس کے اردگرد ہیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ من فی النار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور من حولھا سے فرشتے مراد ہیں (وقیل علی عکس ذالک) جہاں یہ آگ تھی سورہ قصص میں اس کو البقعۃ المبارکۃ فرمایا ہے اور آواز بھی وادی کے کنارے کی دائیں جانب سے آئی تھی بقعہ بھی مبارک وہاں جو فرشتے حاضر تھے وہ بھی مبارک موسیٰ علیہ السلام بھی مبارک' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک ہونے کی خوشخبری دی گئی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے اور ہر نقص سے اور مخلوقین کی صفات سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ وحدہ لاشریک ہے اپنی ذات وصفات میں مخلوق کی ہر مشابہت سے پاک ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

مبارک ہونے کی بشارت کے بعد اللہ پاک کا مزید خطاب ہوا اور فرمایا يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کہ اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں عزیز ہوں حکیم ہوں۔ اس کے بعد لاٹھی کے بارے میں سوال و جواب ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی' پھر اس لاٹھی کے ڈالنے کا حکم فرمایا جب انہوں نے لاٹھی کو ڈال دیا تو وہ اژدھا بن گئی' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح سے ہے اور اس میں حرکت ہو رہی ہے یہ حال دیکھ کر وہ پچھلے پاؤں لوٹے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا یہ خوف طبعی تھا جس کا اس وقت مظاہرہ ہوا' اللہ پاک کا ارشاد ہوا کہ اسے پکڑلو ڈرو نہیں ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ (میرے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے) لہٰذا تم ڈرو نہیں میری طرف سے تمہاری حفاظت ہوگی۔ بظاہر اس سے پہلے انہیں نبوت اور رسالت سے نوازنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمکلامی ہی رسالت عطا فرمانے کے قائم مقام ہوگئی جیسا کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے خاتم النبیین ﷺ سے غار حرا میں سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سنا دیں اور اسی سے آپ کے پیغمبر ہونے کی ابتداء خبر دی گئی' اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ میں دونوں باتیں بیان فرمادیں اول رسالت کا اعلان فرمایا' دوم رسولوں کی ایک صفت خاص فرمادی اور وہ یہ کہ اللہ کے رسول' اللہ کے حضور میں کسی مخلوق سے نہیں ڈرتے قال صاحب الروح والتقیید بلدی لان المرسلین فی سائر الاحیان اخوف الناس من اللہ عزوجل۔

اس کے بعد فرمایا اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یہ استثناء منقطع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ جو لوگ کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرلیں پھر اس کے بعد اس برائی کو نیکی سے بدل لیں یعنی اس کے بعد توبہ کرلیں تو ان کی توبہ قبول ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجنا تھا اور وہ بڑا سرکش تھا اس لئے معجزات کی ضرورت تھی دو بڑے معجزات تو وہی ہیں جو وادی مقدس میں دے دیئے گئے جہاں آگ لینے کے لئے گئے تھے اور باقی معجزات کا وقتاً فوقتاً ظہور

ہوتا رہا یہاں جو دو معجزات دیئے گئے ان میں سے ایک لاٹھی کا سانپ بن جانا تھا اور دوسرا ید بیضاء تھا' اللہ تعالیٰ شانہ' نے فرمایا کہ اے موسیٰ تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر دو اور پھر اسے نکالو جب نکالو گے تو دیکھو گے کہ وہ خوب سفید ہے اور یہ سفیدی کسی عیب والی نہیں ہوگی جو مرض وغیرہ کی وجہ سے ہو جاتی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص نشانی ہے جو بطور معجزہ عطا کی گئی ہے۔

فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ (یہ دونشانیاں ہیں جو منجملہ ان نونشانیوں میں سے ہیں جنہیں لے کر تم کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف چلے جانا ہے) اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ (بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے معجزات دکھائے فرعون اور اس کی قوم نے الٹا اثر لیا۔

معجزات سے انہیں بصیرت حاصل ہوئی اور یہ یقین ہو گیا کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن انہوں نے معجزوں کو جادو بتا دیا پھر جادوگروں سے مقابلہ کرایا مقابلہ میں جادوگر ہار گئے اور مسلمان ہو گئے لیکن فرعون اور اس کی قوم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ان پر ایمان لانے میں اپنی ہیٹی سمجھی تکبر کیا جو انہیں لے ڈوبا اور دلوں میں یقین ہوتے ہوئے انکار کر بیٹھے بالآخر ہلاک کر دیئے گئے اور ڈبو دیئے گئے اسی کو فرمایا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ (سو دیکھ لو فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا)

فائدہ: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ سے معلوم ہوا کہ توحید و رسالت کا یقین ہو جانا ایمان نہیں یقین بھی ہو اور یقین کے ساتھ تسلیم بھی ہو (جسے ماننا کہتے ہیں) تب ایمان کا تحقق ہوتا ہے۔ آج کل کافروں میں بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اسلام کو دین حق سمجھتے ہیں اس بارے میں مضامین بھی لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی رسالت بھی ان کے دلوں میں اتری ہوئی ہے آپ کی تعریف میں نعتیں بھی لکھتے ہیں لیکن اسلام قبول نہیں کرتے یہ جحود اور عناد ہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ

اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا' اور ان دونوں نے کہا کہ اللہ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہمیں اپنے

مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ

مومن بندوں میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے' اور سلیمان' داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی

الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ

بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے' بلاشبہ یہ کھلا ہوا فضل ہے۔ اور سلیمان کے لئے ان کے لشکر جمع کئے گئے

جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ

جو جنات میں سے اور انسانوں میں سے اور پرندوں میں سے تھے' پھر انہیں روکا جاتا تھا' یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں آئے

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا

تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے رہنے کی جگہوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل کے رکھ دیں اور انہیں خبر

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ

بھی نہ ہو سو وہ چیونٹی کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور عرض کیا کہ اے میرے رب آپ مجھے اسی پر رکھئے کہ میں آپ کی

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ

نعمت کا شکر ادا کرتا رہوں جو آپ نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جس سے آپ راضی ہوں اور آپ مجھے اپنی رحمت سے

فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

اپنے نیک بندوں میں داخل رکھئے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا علم و فضل، جن و انس پر حکومت، چیونٹیوں کو بلوں میں داخل ہونے کا مشورہ

تفسیر: ان آیات میں تو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو علم عطا فرمایا تھا علوم نبوت تو ان دونوں کو دیئے ہی تھے دوسرے علوم بھی عطا فرمائے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم فرما دیا تھا وہ اس سے لوہے کی زرہیں بناتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسا اقتدار عطا فرمایا تھا جس کے ذریعہ شیاطین سے کام لیتے تھے ان سے عمارتیں بھی بنواتے تھے اور ان سے سمندروں میں غوطے بھی لگواتے تھے اور ان سے بڑے بڑے برتن بنواتے تھے جو تالابوں کے برابر ہوتے تھے اور بڑی بڑی ہانڈیاں بنواتے تھے جو زمین میں گڑی رہتی تھیں، دونوں باپ بیٹے تھے اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کی اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی، دونوں باپ بیٹے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ علوم نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمرانی بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ملک کے وارث ہوئے اور یہ حکومت صرف انسانوں پر ہی نہیں بلکہ ان کی حکومت جنات اور وحوش و طیور سب پر تھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مسخر فرما دیا تھا۔ یہ سب آپ کے حکم کے تابع تھے۔ چرندوں اور پرندوں میں اتنا شعور ہے کہ وہ جس کے لئے مسخر کر دیئے جائیں اس کے حکم کو سمجھیں اور اس کی فرمانبرداری کریں ہر ایک کو اس کے احوال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے شعور عطا فرمایا ہے جانور اس کو سمجھتے ہیں کہ ہمارا کون دشمن ہے آدمی پتھر اٹھائے تو کوا اور کتا دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ چھپکلی ادھر ادھر چھپ جاتی ہے۔ چیونٹی کی قوت شامہ

دیکھو جہاں ذرا سے کچھ میٹھا پڑا ہوگا ذرا دیر میں وہیں حاضر ہو جائے گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے زبان تو دوسرے حیوانات کی بھی سکھائی گئی تھی لیکن چونکہ آگے ہدہد کا قصہ آ رہا ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ جانوروں کی بولی کا تذکرہ فرما دیا انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (اور ہمیں ہر چیز دی گئی ہے) اس سے اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہر چیز مراد ہے جو معیشت اور حکومت میں کام آئے اس کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی نعمتوں کا اقرار کرتے ہوئے یوں کہا کہ ہمیں ہر چیز دی گئی ہے' عن ابن عباس رضی اللہ عنهما هو مايهمه عليه السلام من امور الدنيا والاخرة وقد يقال انه ما يحتاج الملک من آلات الحرب و غيرها (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کا وہ سب مراد ہے جو حضور علیہ السلام کے لئے ہونا چاہئے اور بعض نے کہا اس سے مراد سامان جنگ ہے۔ جو ایک بادشاہ کی ضرورت ہوتی ہے) (روح المعانی ص ۱۷۴ ج ۱۹) ذلک هو الفضل المبين (یہ کھلا ہوا فضل ہے)

شکر ادا کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے اس میں یہ بتا دیا کہ ہم سے افضل بھی اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ ان سے وہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں جو ان دونوں سے افضل تھے اور اس سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ اصل افضلیت وہی ہے جو ایمان کے ساتھ ہو اور اہل ایمان میں باہمی اخلاص اور اعمال کے اعتبار سے تفاضل ہے کافر اس قابل نہیں ہے کہ اسے مفضل علیہ قرار دیا جائے۔ یعنی وہ اس قابل بھی نہیں کہ کوئی مومن بندہ یہ کہے کہ میں فلاں کافر سے افضل ہوں فضیلت بتانے کے لئے کوئی وجہ تو ہو کافر میں تو خیر ہے ہی نہیں۔ پھر کیسے کہیں کہ ہم اس سے افضل ہیں اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے لشکر میں جنات بھی تھے اور انسان بھی' اور پرندے بھی' جنہیں چلنے کے وقت روکا جایا کرتا تھا۔ روکے جانے کا مطلب یہ ہے کہ بڑی بھاری تعداد میں لشکر ہونے کی وجہ سے متفرق ہو جانے کا اندیشہ تھا لہٰذا ان کو روک روک کر چلایا جاتا تھا تاکہ پچھلے لشکر والے بھی آگے والے لشکروں تک پہنچ جائیں ایسا نہ ہو کہ اگلے والے آگے نکل جائیں اور پچھلوں کو خبر بھی نہ ہو۔ قال القرطبي معناه يردا اولهم الى آخرهم ويكفون قال قتادة كان لكل صنف وزعة فى رتبتهم ومن الكرسى ومن الارض اذا مشوا فيها يقال وززعته اوزعه وزعا اى كففته والوازع فى الحرب الموكل بالصفوف يزع من تقدم منهم (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ لشکر میں آگے والوں کو پیچھے والوں کی طرف لوٹا کر روکا جاتا۔ قتادہ کہتے ہیں ہر قسم کے لئے رتبہ میں ان کا ایک بڑا تھا کرسی میں بھی اور زمین پر چلنے میں بھی۔ کہا جاتا ہے وزعۃ' اوزعہ' وزعا یعنی میں نے اسے روکا۔ اور جنگ میں وزاع وہ ہوتا ہے جس کے ذمہ صفوں کا نظام ہوتا ہے کہ جو آگے بڑھا ہوا ہے اسے پیچھے ہٹائے)

اس کے بعد ایک واقعہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کو لیکر جا رہے تھے ایک چیونٹی کو انکا پتہ چل گیا اس نے چیونٹیوں سے کہا تم اپنے اپنے رہنے کے ٹھکانوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر بے علمی میں تمہیں روند ڈالیں جس سے تم پس کر رہ جاؤ اور انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی بات سن لی اور سمجھ لیا اور اس کی بات سن کر ایسے مسکرائے کہ ہنسی تک نوبت پہنچ گئی۔ اور اللہ پاک کے حضور میں یوں دعا کی کہ اے رب مجھے آپ اس کام میں لگائے رکھیئے کہ آپ نے جو مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا ہے میں اس کا شکر ادا

کرتا ہوں اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل رکھیئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ چیونٹیاں سمجھتی بھی ہیں اور بولتی بھی ہیں گو ہم ان کی بولنے کو نہ سن سکیں اور نہ سمجھ سکیں' ایک چیونٹی نے جو اپنی جنس کو خطاب کر کے کہا اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمجھ لیا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی اپنے امتیوں کو لیکر (آبادی سے باہر) بارش کی دعا کرنے کے لئے نکلے' اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیونٹی آسمان کی طرف اپنی ایک ٹانگ اٹھائے ہوئے ہے' یہ دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ چلو واپس ہو جاؤ اس چیونٹی کی وجہ سے ہمارے حق میں دعا قبول ہوگئی (رواہ الدار قطنی کمافی المشکوٰۃ ص ۱۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرام میں سے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے حکم دیا کہ چیونٹیوں کی آبادی کو جلا دیا جائے' چنانچہ وہ جلا دی گئی' اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے وحی بھیجی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اس کی وجہ سے تم نے تسبیح پڑھنے والی امتوں میں سے ایک امت کو جلا دیا۔ (رواہ البخاری ص ۴۶۷)

شریعت میں ایذا دینے والی چیونٹی کو مار دینا جائز تو ہے جلا کر ہلاک کرنا جائز نہیں۔

سنن ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چیونٹیوں کی ایک آبادی کو دیکھا جسے حضرات صحابہ نے جلا دیا تھا' آپ نے فرمایا کہ اسے کس نے جلایا؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے آپ نے فرمایا **لا ینبغی ان یعذب بالنار الارب النار'** بلا وجہ چیونٹی کو قتل کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار جانوروں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے (۱) چیونٹی (۲) شہد کی مکھی (۳) ہدہد (۴) مرد (رواہ ابوداؤد)

فائدہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جو فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا فرمایا اس میں لفظ تبسم (مسکرانا) اور ضاحکاً (ہنسنا) دونوں کو جمع فرمادیا ہے جب کسی کو ہنسی آتی ہے تو عموماً مسکراہٹ سے شروع ہوتی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اولاً مسکراہٹ آگئی جو ہنسی تک پہنچ گئی اس میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ ہنسنا محمود کام نہیں ہے کبھی کبھار کوئی ہنسی آجائے تو دوسری بات ہے زیادہ تر مسکرانے سے کام چلانا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ پوری طرح ہنسے ہوں اور آپ کے گلے کا کوا دیکھنے میں آگیا ہو آپ تو بس مسکرایا ہی کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی صفت بیان کی **وکان لا یضحک الا تبسما** (آپ نہیں ہنستے تھے مگر مسکرا کر) (رواہ الترمذی)

بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ہنسی آئی ہو اور آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہوگئی ہوں' شمائل ترمذی میں ہے **لقد رایت**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحک یوم الخندق حتی بدت نواجذہ '(میں نے غزوہ خندق کے دن دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے حتیٰ کہ آپ کی داڑھیں ظاہر ہو گئیں) اور بھی بعض روایات میں ایسا وارد ہوا ہے' آپ نے زیادہ ہنسنے سے منع فرمایا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ کو چند نصیحتیں ایک ہی مجلس میں فرمائی تھیں جن میں ایک یہ بھی تھا ایاک و کثرۃ الضحک فانہ یمیت القلب ویذھب بنور الوجہ کہ زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ دل کو مردہ کردیتا ہے اور چہرہ کے نور کو ختم کردیتا ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ اے پروردگار آپ نے مجھے اور میرے والدین کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں مجھے اس حال پر باقی رکھیئے کہ میں ان کا شکر کرتا رہوں اس سے معلوم ہوا کہ والدین پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوں ان کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے' بات یہ ہے، بہت سی نعمتیں والدین کے ذریعہ اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور وہ نعمتوں کا ذریعہ بنتے ہیں۔ علوم دینیہ اور اعمال صالحہ پر ڈالنے میں عموماً والدین ہی کا دخل ہوتا ہے والدین میں جو دینداری کے جذبات ہوتے ہیں یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے یہ نعمت اولاد کی دینداری کا سبب بن جاتی ہے لہٰذا اولاد کو اس نعمت کا بھی شکر ادا کرنا ضروری ہوا' نیز والدین سے جو میراث ملتی ہے وہ پہلے ماں باپ کو ملتی ہے پھر اولاد کو پہنچتی ہے لہٰذا اس کا بھی شکر ادا کیا جائے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ

اور سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں' کیا وہ کہیں غائب ہے؟ میں اسے ضرور ضرور سخت

عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ

سزا دوں گا یا ضرور ضرور اسے ذبح کردوں گا' یا یہ بات ہو کہ وہ میرے سامنے کوئی صریح دلیل لیکر آئے۔ پھر تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ہدہد نے کہا

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ

کہ میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں بے شک میں نے ایک عورت کو پایا جوان پر بادشاہت کرتی ہے

وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ

اور اسے ہر چیز دیدی گئی ہے' اور اس کے لئے ایک بڑا تخت ہے' میں نے اسے اور اس کی قوم کو اس حالت پر پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کردیا ہے سو اس نے انہیں راہ سے ہٹا دیا لہٰذا وہ ہدایت نہیں پاتے'

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ

وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو

وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ

اور ظاہر کرتے ہو' اللہ ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے' سلیمان نے کہا ہم عنقریب دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

جھوٹوں میں سے ہے' میرا یہ خط لیجا اور اسے ان کے پاس ڈالدے پھر ہٹ جانا' پھر دیکھنا کہ وہ کیا بات چیت کرتے ہیں'

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ

کہنے لگی کہ اے دربار والو میرے پاس ایک خط ڈالا گیا ہے جو عزت والا خط ہے بے شک وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں اللہ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْ

کے نام سے جو رحمٰن ہے رحیم ہے۔ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی نہ جتاؤ اور میرے پاس فرماں بردار ہو کر آ جاؤ' کہنے لگی اے دربار والو!

اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ

تم میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو' وہ کہنے لگے کہ ہم طاقت والے ہیں اور سخت

وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

لڑائی والے ہیں اور تمہیں اختیار ہے سو تم دیکھ لو کیا حکم کرتی ہو' کہنے لگی کہ بلاشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کر دیتے ہیں'

وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ

اور جو اس کے رہنے والے باعزت ہوتے ہیں انہیں ذلیل بنا دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے' اور میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ

بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ

بھیجے ہوئے لوگ کیا جواب لیکر واپس ہوتے ہیں۔ سو جب وہ قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو سو اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے

مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا

وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ تم اپنے ہدیہ پر خوش ہوتے ہو' تو ان لوگوں کے پاس لوٹ جا ہم ان پر ایسے لشکر بھیجتے ہیں کہ وہ لوگ ان کا

قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے'

حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی حاضری لینا' ہدہد کا غائب ہونا اور ملک سبا سے ایک ملکہ کی خبر لینا' اور اس کے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لیجانا اور ملکہ کا ہدیہ بھیجنا

تفسیر: حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت انسان جنات چرند پرند سب پر تھی وہ ان سب کے بادشاہ تھے' اور یہ چیزیں ان کے لشکر کا جزو تھیں ایک بار جانوروں کی حاضری لی تو جانور جمع ہو گئے لیکن ان میں ہدہد حاضر نہیں ہوا (ممکن ہے انہوں نے ہر جنس کے بڑے ہی کو بلایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمام جانوروں کو جمع ہونے کا حکم دیا ہو سب جانور جمع ہو گئے ہد ہد بھی سب آ گئے لیکن ان کا سردار حاضر نہ ہوا ہو) جب مطلوبہ ہدہد کو انہوں نے حاضر نہ پایا تو فرمانے لگے کیا بات ہے مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا ہے' کیا کسی ایسے گوشہ میں ہے جسے میں دیکھ نہیں پاتا یا وہ موجود ہی نہیں ہے تو اسے یا تو سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا الا یہ کہ اپنی غیر حاضری کا عذر واضح دلیل کے ساتھ بیان کرے' ابھی ذرا سی ہی دیر گذری تھی کہ ہدہد حاضر ہو گیا اور اس نے کہا کہ میں ملک سبا میں چلا گیا تھا اور میں ایسی چیز کی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں ہے (علم ایسی ہی چیز ہے جس سے بات کرنے کا حوصلہ ہو جاتا ہے)

میں ملک سبا سے ایسی خبر لایا ہوں جو بالکل یقینی ہے اور وہ خبر یہ ہے کہ وہاں ایک عورت کی بادشاہت چلتی ہے اس عورت کے پاس شاہی ضرورت کی ہر چیز موجود ہے اور ایک بڑا تخت ہے جس پر وہ بیٹھتی ہے یہ عورت اور اس کی قوم کے لوگ مشرک ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کہ جو تنہا ہے اور معبود حقیقی ہے سورج کو سجدہ کرتے ہیں شیطان ان کے پیچھے لگا ہوا ہے اس نے ان کے اعمال شرکیہ کو مزین کر دیا ہے اور انہیں راہ حق سے ہٹا رکھا ہے' راہ حق تو یہ ہے کہ وہ اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے اور ان سب چیزوں کو جانتا ہے جنہیں آپ لوگ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں' شیطان نے راہ حق سے ہٹا کر انہیں شرک پر لگا دیا ہے اب وہ اسی پر جمے ہوئے ہیں' جبکہ ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جب ہدہد نے اپنا بیان دے دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا ہم ابھی پتہ چلا لیتے ہیں کہ تو اپنی بات میں سچا ہے یا جھوٹا ہے میں ایک خط لکھتا ہوں اور تیرے ہی ذریعہ بھیجتا ہوں میرا یہ خط لیجا اور جہاں ملکہ سبا اور اس کے درباری لوگ بیٹھتے ہیں وہاں جا کر اس کو ڈال دینا پھر وہاں سے ہٹ جانا تاکہ وہ اسے پڑھیں اور آپس میں گفتگو اور مشورہ کریں' وہاں سے ہٹ تو جانا لیکن اتنی دور بھی نہ ہو جانا کہ ان کی باتوں اور مشوروں کا پتہ نہ چلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

(بلا شبہ وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن ہے رحیم ہے تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی نہ جتاؤ اور میرے پاس فرماں بردار ہو کر آ جاؤ)

اس خط لکھنے کا یہ ادب معلوم ہوا کہ خط لکھنے والا پہلے اپنا نام لکھے تا کہ مکتوب الیہ کو معلوم ہو جائے کہ جو خط میں پڑھ رہا ہوں وہ کس کی طرف سے ہے۔ دوسرا ادب یہ معلوم ہوا کہ خط کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا جائے۔ اگرچہ کسی کافر کے نام خط لکھا جا رہا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے جو شاہ فارس ہرقل کو دعوت اسلام کا خط لکھا تھا اس کی ابتداء بھی اس طرح ہے کہ پہلے آپ نے اپنا اسم گرامی لکھا پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **من محمد عبد الله ورسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى** تحریر فرمایا اس میں سلام کا اضافہ ہے لیکن السلام علیکم نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ اس پر سلام ہو جو ہدایت کا اتباع کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے بھی **والسلام على من اتبع الهدى** فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ زبانی یا تحریری طور پر کافروں کو سلام نہ کیا جائے اگر ان کو سلام کرنا ہو تو **سلام على من اتبع الهدى** یا اس کے ہم معنی الفاظ کہہ دیں یا لکھ دیں چونکہ سلام لکھنا کوئی فرض واجب نہیں ہے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر نہیں فرمایا' یہ معلوم ہو چکا تھا کہ جس عورت کو خط لکھا جا رہا ہے وہ اور اس کی قوم سورج کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے اللہ کا نام شروع میں لکھ دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے اس کی طرف رجوع کریں گے تو اس کی رحمت سے نوازے جائیں گے' پھر بڑی جسارت اور دلیری کے ساتھ تحریر فرمایا کہ تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑے نہ بنو۔ تکبر نہ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ تم میرے پاس فرماں بردار ہو کر آ جاؤ' خط لکھ کر ہدہد کے حوالے کر دیا۔

حسب الحکم ہدہد نے خط لے جا کر اس مجلس میں ڈال دیا جس میں ملکہ سبا اور اس کے ارکان دولت موجود تھے وہاں خط ڈال کر ہدہد ذرا دور ہٹ گیا ملکہ نے خط کھولا پڑھا اور اس کا مضمون اپنے درباریوں کو سنایا' خط بہت جاندار تھا کسی صاحب اقتدار کو یہ لکھا جائے کہ تم میرے مقابلہ میں بڑے نہ بنو اور فرماں بردار ہو کر آ جاؤ' یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے' ملکہ سبا نے سمجھ لیا کہ خط لکھنے والا ہم سے بڑھ کر صاحب اقتدار معلوم ہوتا ہے' اگر ہم کوئی الٹا سیدھا جواب لکھ دیں تو یہ اپنی بڑائی جتانا ہوگا' اگر صاحب مکتوب نے ہم پر حملہ کر دیا تو ممکن یہ کہ ہم مغلوب ہو جائیں' جس سے ہماری حکومت بھی تباہ ہو جائے اور رعیت کو بھی ناگوار احوال سے دوچار ہونا پڑے لہٰذا ہمیں سنجیدگی سے بصیرت کے ساتھ اس مسئلہ سے نبٹنا چاہئے۔

خط پڑھ کر ملکہ سبا نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں اہم معاملات میں تمہارے مشورے کے بغیر کبھی کوئی اقدام نہیں کرتی اس لئے اب تم مشورہ دو کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ ارکان دولت نے کہا جہاں تک مرعوب ہونے کا تعلق ہے تو اس کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں' رہا مشورہ کا معاملہ تو فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے جو مناسب ہو اس کے لئے حکم کیجئے۔

ملکہ نے کہا بے شک ہم طاقتور اور صاحب شوکت ہیں' لیکن سلیمان کے معاملہ میں ہم کو عجلت نہیں کرنی چاہئے' پہلے ہم

کو اس کی قوت وطاقت کا اندازہ کرنا ضروری ہے کیونکہ جس عجیب طریقہ سے ہم تک یہ پیغام پہنچا ہے وہ اس کا سبق دیتا ہے کہ سوچ سمجھ کی قدم اٹھانا مناسب ہے' میرا ارادہ یہ ہے کہ چند قاصد روانہ کروں جو سلیمان کے لئے عمدہ اور بیش بہا تحائف لیجائیں اس بہانہ سے وہ اس کی شوکت وعظمت کا اندازہ لگا سکیں گے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اگر واقعی وہ زبردست قوت وشوکت کا مالک اور شاہنشاہ ہے تو پھر اس سے ہمارا لڑنا مصیبت کو دعوت دینا ہے اس لئے کہ صاحب طاقت وشوکت والے بادشاہوں کا یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی بستی میں فاتحانہ غلبہ کے ساتھ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو برباد اور باعزت شہریوں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہے۔ ہمیں بلاوجہ بربادی مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟

چنانچہ ملکہ نے چند ہدایا اور تحفہ جات تیار کئے اور اپنے چند اہل کاروں کو قاصد بنا کر بھیج دیا جب وہ لوگ یہ اموال ہدایا اور تحفے لیکر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کیا تم لوگ مال کے ذریعہ میری مدد کرنا چاہتے ہو جس کی وجہ سے یہ تحفے لائے ہو؟ سو اللہ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے' (کیونکہ تمہارے پاس صرف اموال ہیں اور کچھ انسانوں کی جماعت کے فوجی ہیں اور میرے پاس تو دنیا کا وہ وہ مال ہے جسے تم جانتے بھی نہیں' تمہارے پاس تو زمین ہی کا کچھ حصہ ہے اور میرے لئے تو زمین کے اندر تانبے کی نہر بہہ رہی ہے اور میری فوج میں انسان بھی ہیں جنات بھی ہیں وحوش بھی ہیں اور طیور بھی ان چیزوں کا حضرت سلیمان کے جواب میں تذکرہ نہیں ہے البتہ مَآ اٰتٰنِیَ اللّٰهُ کے عموم میں یہ سب چیزیں داخل ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام نے مزید فرمایا بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ یعنی ہمیں تو تمہارے تحفوں کے ملنے کی خوشی نہیں ہے بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ پر خوش ہو رہے ہو پھر قاصدوں میں جو ایک خصوصی قاصد تھا اس سے فرمایا کہ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ کہ جاؤ ان کے پاس واپس چلے جاؤ (اور اپنے ہدایا بھی لے جاؤ کما فی روح المعانی) اگر ہماری بات نہ مانی اور ہمارے پاس فرماں بردار ہو کر نہ آئے تو ہم ان کے پاس ایسی فوجیں لیکر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انکو وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے۔

قَالَ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ

سلیمان نے کہا کہ اے درباروالو! کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کا تخت اس سے پہلے میرے پاس لیکر آجائے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں' جنات میں سے

الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ

ایک دیو نے کہا کہ میں اسے اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنے مقام سے کھڑے ہوں اور بلاشبہ میں اس پر قدرت رکھتا ہوں امانت دار ہوں اس شخص نے کہا

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ

جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ کی آنکھ جھپکے سو جب اسے اپنے پاس دھرا ہوا دیکھا تو کہنے لگے

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ

کہ یہ میرے رب کا ایک فضل ہے تا کہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنی ہی جان کے لئے شکر کرتا ہے اور جو شخص

كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ

ناشکری کرے اس میں شک نہیں کہ میرا رب غنی ہے کریم ہے سلیمان نے کہا کہ اس کے لئے اس کے تخت کو بدل دو تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا

الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ

ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو ہدایت نہیں پاتے سو جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے کہنے لگی گویا یہ تو وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے علم دیدیا گیا تھا

مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ

اور ہم فرماں بردار ہو چکے ہیں اور سلیمان نے اسے اس سے روک دیا جو وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتی تھی بلاشبہ وہ کافر قوم میں سے تھی

كٰفِرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا قَالَ اِنَّهٗ

اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جا سو جب اس نے اسے دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں سلیمان نے کہا بلاشبہ

صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ

یہ ایسا ایک محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے وہ کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار بلاشبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۴﴾

العالمین کی فرماں برداری قبول کرلی

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ سبا کا تخت منگوانا، پھر اس سے دریافت کرنا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ پھر اس کا مسلمان ہو جانا

تفسیر: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے قاصدوں کو ہدایا سمیت واپس کر دیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ لوگ فرماں بردار ہو کر آئیں گے ہمارے لشکروں سے لڑنے کا ارادہ نہ کریں گے، بعض مفسرین نے یوں لکھا ہے کہ ملکہ سبا اپنے مصاحبین کے ساتھ روانہ ہو چکی تھی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پایہ تخت کے قریب پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ اس کا غبار بھی نظر آ گیا تھا لہٰذا انہوں نے عرش کو حاضر کرنے کا حکم فرمایا اور یہ مناسب جانا کہ اپنی قوت اور شوکت کا ملکہ سبا اور اس کے ساتھ آنے والوں کے سامنے مزید مظاہرہ ہو جائے سبا سے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پایہ تخت تک ان لوگوں کے پاس بہت جلدی پہنچنے کا انتظام نہ تھا، اتنی دور سے آنے کے لئے اچھی

خاصی مدت درکار تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے مناسب جانا کہ ملکہ سبا کا تخت (جسے ہدہد نے عرش عظیم سے تعبیر کیا تھا) منگا لیا جائے آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ تم میں سے ایسا شخص کون ہے جو ملکہ سبا کے تخت کو ان کے آنے سے پہلے میرے پاس لے آئے، حاضرین میں سے ایک بڑا قوی ہیکل عفریت دیو بولا کہ آپ یہاں اپنے اجلاس میں تشریف رکھتے ہیں اس سے پہلے کہ آپ اجلاس سے فارغ ہو کر یہاں سے اٹھیں میں اس عرش کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ اور میرے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔ مجھے اتنے وقت میں اس کے لانے پر قوت بھی ہے اور میں امانتدار بھی ہوں، چونکہ آپ کے حکم کا فرماں بردار ہوں لہٰذا یہ بھی نہیں کر سکتا کہ خیانت کر جاؤں اور اسے لیکر کہیں چلا جاؤں اس قوی ہیکل عفریت نے یوں کہا تھا کہ میں اتنی دیر میں لے آؤں گا کہ آپ کے اٹھنے سے پہلے پیش کر دوں، وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دیگر خاص متعلقین بھی تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ آپ کے اٹھنے میں تو دیر ہے میں تو اس سے بھی پہلے اس کے تخت کو لا کر حاضر کر سکتا ہوں کہ آپ کی آنکھ بھی جھپکنے نہ پائے، اس نے کہا اور اسی وقت حاضر کر دیا پلک جھپکنے میں کیا دیر لگتی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ تخت ان کے پاس وہیں دھرا ہوا ہے اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد آ گئے اور اس تازہ انعام کی طرف خاص طور سے ذہن جانا ہی تھا، کہنے لگے کہ میرے رب کے انعامات میں سے یہ بھی ایک انعام ہے اس نے جو یہ انعامات عنایت فرمائے ہیں ان میں اللہ کی طرف سے میری آزمائش ہے کہ میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شخص اپنے رب کا شکر گذار ہو اس کی یہ شکر گذاری اس کے اپنے ہی لئے نفع مند ہے دنیا میں بھی اسکا نفع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر گذاری پر اور زیادہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا فائدہ ہے کیونکہ شکر گزار بندوں کو ان کے شکر کے عوض وہاں مزید نعمتیں ملیں گی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ناشکری کرے تو اس سے رب العالمین جل مجدہ کا کوئی نقصان نہیں ہے وہ بے نیاز ہے کریم ہے اسے کسی کے شکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی کے ناشکرا ہونے سے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور کسی کے شکر گذار ہونے سے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ صاحب کون تھے جو پلک جھپکنے سے قبل مختصر وقت میں ملکہ سبا کا عرش لے آئے اس کے بارے میں مشہور ترین قول یہ ہے کہ یہ حضرت آصف بن برخیا تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اس کے بارے میں اور بھی مختلف اقوال ہیں جنہیں علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آصف بن برخیا نے دو رکعت نماز پڑھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی آپ ذرا یمن کی طرف اپنی نظر بڑھائیں انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اچانک تخت موجود تھا۔

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات سے اس سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم مراد لیا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو ضرور قبول فرماتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الکتاب سے زبور شریف مراد ہو ظاہر ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ہوگی جو ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، ان کے مصاحبین اور خواص اہل

مجلس اسے ضرور پڑھتے ہوں گے۔ مشہور ہے کہ زبور شریف اذکار اور ادعیہ پر مشتمل تھی۔ یہ بات احقر کے ذہن میں آئی ہے ابھی تک کہیں لکھی ہوئی نہیں دیکھی۔ متعدد اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ ملک سبا کے تخت کو لانے والے خود حضرت سلیمان علیہ السلام تھے جب عفریت نے یہ کہا کہ میں آپ کے اس مقام سے کھڑے ہونے سے پہلے لے آؤں گا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور تحقیر اسے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں چنانچہ اسی وقت آن واحد میں اس کا تخت وہیں موجود ہو گیا' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تخت مذکور کے لے آئے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تخت مذکور کے لانے والے تھے۔

بہر حال اگر حضرت سلیمان علیہ السلام لائے تو ان کا معجزہ تھا اور دوسرا کوئی شخص لایا تو اس کی کرامت تھی۔

یاد رہے قرآن مجید میں عرش کے لانے کا ذکر ہے اس کے لانے کے لئے سفر کرنے کا ذکر نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ تخت وہیں بیٹھے بیٹھے حاضر ہو گیا' کس طرح آیا؟ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ ہوا لیکر آئی جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا جلد سے جلد لے آئی' یوں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر تھی جس کے بارے میں فرمایا ہے غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا اور اس کا شام کا چلنا ایک مہینہ کی مسافت کا تھا) علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان اور تخت مذکور کے درمیان اتنا فاصلہ جتنا تھا کوفہ اور حیرہ کے درمیان ہے' بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ معجزہ طی ارض کے طور پر ظاہر ہوا' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر نفق یعنی سرنگ پیدا فرما دی جس کے اندر سے وہ تخت چلا آیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تصرف کے ذریعہ یہ واقعہ پیش آیا' واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جب ملکہ سبا کا تخت پہنچ گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو بدل دو یعنی اس میں کچھ تغیر تبدل کر دو تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ اپنے عرش کو پہچاننے کی طرف راہ یاب ہوتی ہے یا نہیں' چنانچہ ایسا ہی کر دیا گیا۔ جب ملکہ سبا آئی تو فرمایا دیکھ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ تخت کا عرض طول وغیرہ دیکھ کر اس کو یہ خیال آیا کہ یہ میرا ہی تخت ہے لیکن ایک تو بدل دیا گیا تھا دوسرے وہ اسے تالوں بند کر کے آئی تھی اس لئے اس نے نہ اقرار کیا نہ انکار اور ایک ایسا ہی لفظ بول دیا جس سے دونوں پہلو نمایاں ہو رہے تھے کہنے لگی ہو نہ ہو گویا کہ وہ تخت یہی ہے مفسرین نے فرمایا ہے کہ بعض شیاطین نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا کہ ملکہ کی عقل میں کچھ کمی ہے۔ لہٰذا آپ نے اس کا امتحان لیا اس نے جو جواب دیا اس سے اس کے کمال عقل کا علم ہو گیا۔

بعض حضرات نے اس کا عرش منگوانے اور پھر اس سے یہ بات کرنے میں کہ تیرا عرش اسی طرح کا ہے؟ یہ حکمت بیان کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا کو یہ بتانا مقصود تھا کہ جنات میرے مسخر ہیں تا کہ وہ سلطنت ارضی کو بھی سمجھ لے اور آپ کی نبوت کی بھی قائل ہو جائے اور ایمان قبول کرے۔

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ ملکہ سبا کا قول ہے اس نے اپنا تخت

دیکھ کر کہا کہ میرے عرش کا آ جانا حضرت سلیمان علیہ السلام کی شوکت کی ایک نشانی ہے۔ اس نشانی کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی ہم نے جان لیا تھا کہ وہ بڑی سلطنت اور دبدبہ والے ہیں اور ہم پہلے ہی سے ان کے فرمانبردار بن گئے تھے' اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ فرمانبردار ہو کر آنے والے ہیں' ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں وہ بھی ہمارے ساتھ اس وصف میں شریک ہو گئے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اول یہ سمجھیں کہ صد فعل ہے اور ھا ضمیر مفعول مقدم ہے اور ماکانت تعبد صلہ موصول ملکر فعل کا فاعل ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ جو غیر اللہ کی عبادت کرتی تھی اس کے اس عمل نے اسے اللہ کی عبادت کرنے سے روک دیا تھا اور بعض حضرات نے اس کا دوسرا مطلب بتایا ہے اور وہ یہ کہ ماکانت تعبد صلہ موصول مل کر مفعول ہے اور فاعل ضمیر ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس عورت کو اس کے عمل یعنی عبادت لغیر اللہ سے روک دیا۔ اس صورت میں عن حرف جار مقدر ہو گا یعنی وَصَدَّهَا عَنْ مَّا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ۔

اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِيْنَ (بلاشبہ وہ کافر قوم میں سے تھی) چونکہ وہ ملک سبا کی رہنے والی تھی اور وہاں کے لوگ کافر تھے اس لئے وہ بھی ان کی دیکھا دیکھی کفر اختیار کئے ہوئی تھی کیونکہ اکثر اوقات قومی رواج اور قومی عادت انسان کو سوچنے سمجھنے کے بارے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں' چونکہ وہ عورت عاقلہ تھی اس لئے جب اسے تنبہ ہو گیا تو سمجھ گئی کہ واقعی میں غلطی پر ہوں میرا دین شرک غلط ہے مجھ سے زیادہ تو اس شخص کا جلال ہے جس نے مجھے خط لکھا ہے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ (اس سے کہا گیا تو محل میں داخل ہو جا) فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (سو جب اس محل کو دیکھا تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے) وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا (اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں تا کہ صحن میں پانی سے گذرتے ہوئے کپڑے تر نہ ہو جائیں)

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (سلیمان نے کہا کہ یہ تو محل ہے جسے شیشوں سے جوڑ کر بنایا گیا ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام نے مناسب جانا کہ اعجاز نبوت کے ساتھ ملکہ سبا کو ظاہری سلطنت اور شوکت بھی دکھا دی جائے۔ تا کہ وہ عورت دنیا کے اعتبار سے بھی اپنی بادشاہت اور سلطنت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلہ میں بڑی نہ سمجھے' اس کے آنے سے پہلے انہوں نے ایک شیش محل بنوا کر اس کے صحن میں حوض بنوا دیا تھا پھر اس حوض میں پانی بھر دیا پھر اس کو شیشوں ہی سے پاٹ دیا اور وہ شیشے ایسے شفاف تھے کہ نیچے کا پانی اس طرح نظر آتا تھا کہ گویا اسی پانی سے ہو کر گذرنا ہو گا جب ملکہ سبا نے گذرنے کے لئے پنڈلیاں کھولدیں تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو شیشے کا محل ہے پنڈلیاں کھولنے کی حاجت نہیں' پانی جو نظر آ رہا ہے وہ شیشہ کے نیچے ہے اس سے ملکہ سبا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت اور سلطنت کا مزید پتہ چل گیا اور سمجھ میں آ گیا کہ جیسی صنعت کاری یہاں ہے وہ تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اے رب میں نے اب تک اپنی جان پر ظلم کیا کہ غیر اللہ کی عبادت کرتی رہی اب تو میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی فرمانبردار بنتی ہوں۔ یعنی سلیمان کا جو دین ہے اب میرا بھی وہی ہے)

فوائد

(۱) قرآن مجید میں ملکہ سبا کا اور اس کے اقتدار کا اور آفتاب کی پرستش کا پھر سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے لیکن اس ملکہ کا نام کیا تھا قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے عام طور پر مشہور ہے کہ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا۔

(۲) جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کیا ہوا قرآن مجید اس سے بھی ساکت ہے جب بلقیس نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت میں داخل ہو گئی تو اب ان کے ملک میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا حکم جاری ہو گیا۔

(۳) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب بلقیس نے یہ سمجھ کر کہ پانی میں گذرنا ہوگا اپنی پنڈلیاں کھول دیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی آنکھیں پھیر کر فرمایا کہ یہ تو شیشوں کا بنایا ہوا محل ہے۔ اور ایک نبی کی بلکہ ہر صالح مومن کی یہی شان ہے کہ وہ ایسی جگہ نظر نہ ڈالے جہاں نظر ڈالنے کی اجازت نہیں۔ اگر نظر پڑ جائے تو اسی وقت نظر کو پھیر لے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیجا نظر پڑنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے حکم دیا کہ نظر پھیر لو اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پہلی نظر کے بعد دوسری نظر باقی نہ رکھو کیونکہ بلا اختیار جو پہلی نظر پڑ جائے اس پر تمہارا مواخذہ نہیں ہوگا اور دوسری نظر پر مواخذہ ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح)

(۴) ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جو ہدیہ بھیجا تھا اسے انہوں نے واپس فرما دیا کیونکہ واپس کرنے میں مصلحت تھی اور اسے یہ بتانا تھا کہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت ہے اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے مجھے اس سے بہتر عطا فرمایا ہے اس میں بھی ایک طرح سے اپنے اقتدار کی شان و شوکت کو اس کے اقتدار سے اعلیٰ وارفع بتانا مقصود تھا تاکہ اس پر مزید ہیبت قائم ہو جائے اور اسے بات کے سمجھنے میں اور فرماں بردار ہو کے آنے میں تامل کرنے کا ذرا بھی موقعہ نہ رہے اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے جسے علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر ہدیہ قبول کر لیتے تو یہ ہدیہ رشوت بن جاتا اور گویا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بلقیس اپنے ملک اور اپنے دین شرک پر قائم رہے اور اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اس طرح سے حق کو باطل کے عوض بیچنے کی ایک صورت بن جاتی لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا ہدیہ واپس فرما دیا۔

رسول اللہ ﷺ ہدیہ دیتے بھی تھے اور ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور جو شخص ہدیہ دیتا تھا اس کا بدلہ بھی دیدیتے تھے اور آپس میں ہدیہ لینے دینے کا حکم بھی فرماتے تھے موطا مالک میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تصافحوا یذھب

الغل وتھادوا تحابوا وتذھب الشحنا (آپس میں مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ہدیہ لیا کرو اس سے آپس میں محبت ہوگی اور دشمنی چلے جائے گی) آپس میں مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے کہ ہدیہ لیا دیا کریں اور اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے ہدیہ نہ لیا جائے مثلاً رشوت بصورت ہدیہ دی جارہی ہو یا کوئی شخص مال حرام سے ہدیہ دے رہا ہو یا اور کوئی عذر ہو تو یہ دوسری بات ہے' رہی یہ بات کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عمل مختلف رہا ہے آپ نے ان کا ہدیہ قبول بھی فرمایا ہے اور رد بھی کیا ہے آپ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کا ہدیہ علی الاطلاق نہ قبول کرنا ہے اور نہ رد کرنا ہے دینی مصلحت کو دیکھا جائے۔

کسی کافر مشرک کا ہدیہ قبول کرنے سے اسلام قبول کرنے کی امید ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرلیا جائے کیونکہ یہ ایک دینی مصلحت ہے اور اگر کافر مشرک کا ہدیہ قبول کرنے میں ان کی طرف سے کسی سازش یا دھوکہ دہی اور فریب کاری کا اندیشہ ہو یا اور کوئی بات خلاف مصلحت ہو تو ان کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے۔

لفظ فَمَا اٰتٰنِیَ اللّٰہُ ہندوستان و پاکستان کے جو مطبوعہ مصاحف ہیں ان میں نون کے بعد لمبی (ے) لکھ کر فتحہ دے دیا گیا ہے تاکہ حضرت حفصؒ کی روایت فی الوصل پر دلالت کرے' وہ اس میں وصل کرتے ہوئے رسم قرآنی کے خلاف یائے مفتوحہ ظاہر کرکے پڑھتے ہیں جیسا کہ ہندو پاک کے حفاظ و قراء میں معروف و مشہور ہے (رسم عثمانی میں صرف ن ہے ے نہیں ہے) اب رہی وقف کی حالت تو اس میں حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں روایتیں ہیں وقف بالاثبات یعنی فما آتانی اور وقف بالحذف بھی یعنی فما آتان اس میں انہوں نے بحالت وصل رسم کی مخالفت کی ہے کیونکہ ی کو ظاہر کرکے پڑھا ہے اور وقف کی ایک صورت میں بھی مخالفت کی ہے اور وہ یہ کہ ی کو واپس لاکر ساکن کرکے پڑھا' اس کو خوب غور کرکے سمجھیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور بلاشبہ ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو سو اچانک ان میں دو جماعتیں ہوگئیں جو آپ میں جھگڑا کررہے تھے

قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

صالح نے کہا کہ اے میری قوم تم اچھی بات سے پہلے بری حالت کی کیوں جلدی کرتے ہو؟ تم کیوں اللہ سے مغفرت طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۗ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

رحم کیا جائے' وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھیوں کی وجہ سے ہم بدشگونی لے رہے ہیں' صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو عذاب میں مبتلا ہونے والے ہو'

وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا

اور ان کے شہر میں نو اشخاص تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے وہ کہنے لگے کہ تم سب مل کر اس بات پر اللہ کی قسم کھالو کہ ہم صالح کو اور اس کے گھر والوں کو راتوں رات ایسی حالت میں قتل کردیں گے

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں ہوگا پھر ضرور ضرور ہم اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے موقع پر حاضر نہیں تھے اور بلاشبہ ہم سچ کہہ رہے ہیں،

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ

اور انہوں نے خاص قسم کا مکر کیا اور ہم نے اس حال میں خاص تدبیر کی اور انہیں پتہ بھی نہیں چلا سو دیکھ لیجئے مکر کا کیا انجام ہوا؟ بلاشبہ ہم نے انہیں اور ان کی

وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾

قوم کو سب کو ہلاک کردیا' سو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو جانتے ہیں'

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دیدی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کا مبعوث ہونا' قوم کی بدسلوکی کرنا پھر ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں قوم ثمود کی کٹ حجتی اور بربادی کا ذکر ہے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ بھی مشرک تھے' حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو ہر طرح سمجھایا لیکن ان میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے جو دنیاوی اعتبار سے ضعیف سمجھے جاتے تھے۔ جو لوگ اہل دنیا تھے اور متکبر تھے وہ کفر پر اڑے رہے اسی کو فرمایا فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ (کہ وہ دو جماعتیں ہوگئیں جو آپس میں جھگڑتے تھے) اس کا ذکر سورہ اعراف میں گزر چکا ہے' جو لوگ دنیاوی اعتبار سے بڑے تھے انہوں نے اہل ایمان سے کہا جو ضعیف تھے۔ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے' مومنین نے کہا جو ضعفاء تھے) اِنَّا بِمَا اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (بے شک ہم اس پر ایمان لائے جو صالح پر نازل ہوا) اس پر متکبرین نے کہا اِنَّا بِالَّذِيْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (بے شک اس کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لائے) ان متکبرین منکرین نے حضرت صالح علیہ السلام سے یوں بھی کہا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اے صالح وہ عذاب لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتے ہو اگر تم پیغمبروں میں سے ہو)

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (کہ تم اچھی بات سے پہلے عذاب کی جلدی کیوں کرتے ہو' عذاب کی وعید سن کر تمہیں ایمان لانا چاہیے تھا لیکن ایمان لانے کی بجائے تم عذاب مانگ رہے ہو' تم کفر کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہو تم اللہ سے مغفرت کیوں طلب

نہیں کرتے' مغفرت طلب کرلو اور کفر سے تائب ہو جاؤ تم پر رحم کیا جائے گا' اس کے جواب میں انہوں نے یوں کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں تمہارے آنے کی وجہ سے ہماری قوم میں نا اتفاقی ہوگئی کچھ لوگ تمہارے ساتھ ہوگئے اور کچھ لوگ اپنے پرانے دین پر باقی ہیں اس نا اتفاقی کی وجہ سے ہمارے اندر انتشار اور خلفشار پیدا ہوگیا اور دوسری مشکلات بھی پیدا ہوگئیں روح المعانی میں لکھا ہے کہ وہ لوگ قحط میں مبتلا کردیئے گئے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نحوست کا سبب تو اللہ کے علم میں ہے یعنی تمہارے اعمال کفریہ ان خرابیوں اور مصیبتوں کا سبب ہیں اگر تم سب ایمان لے آتے تو اللہ کی رحمتیں نازل ہوتیں۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ اب تو تمہیں عذاب میں مبتلا ہونا ہی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مبلغ اور داعی تبلیغ کرنے اور اظہار حق میں یہ سوچ کر کوتاہی نہ کرے کہ میری بات سے قوم میں انتشار اور خلفشار ہو جائے گا جب حق بات کہی جائے گی تو منکرین اور معاندین بہر حال مخالفت کریں گے ان کی وجہ سے جو انتشار ہو اس کا خیال کئے بغیر حق کی دعوت دی جائے اور کھل کر حق بیان کیا جائے۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کرلیا تھا ان کے علاوہ باقی قوم کافر اور منکر ہی تھی ان کافروں میں نو شخص ایسے تھے جو بڑے فسادی تھے ان کا کام یہی تھا کہ زمین میں فساد کریں نام کو بھی اصلاح نہیں کرتے تھے' ان لوگوں نے آپس میں حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کی ٹھان لی۔ آپس میں کہنے لگے کہ آؤ آپس میں مل کر اللہ کی قسم کھالیں کہ اس شخص (یعنی حضرت صالح علیہ السلام) کو اور اس کے گھر والوں کو راتوں رات قتل کردیں۔

جب صبح کو اس کے قتل کا چرچا ہو اور اس کا ولی پوچھ پاچھ کرے کہ کس نے قتل کیا؟ تو ہم کہہ دیں گے کہ ہمیں پتہ نہیں' ان کے گھر والوں کے قتل کے وقت ہم موجود نہیں تھے۔ ہم سچ کہہ رہے ہیں ہماری اس بات میں شک نہ کیا جائے' ان لوگوں نے کہا تھا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ تو تب آپ کو نبی مانیں گے حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوگئی حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (کہ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا)

ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر والوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اونٹنی کو بھی قتل کرنے کا مشورہ کیا' اور آخر اسے قتل کر ہی دیا جس کی وجہ سے ان پر عذاب آ ہی گیا اس کو فرمایا وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (کہ انہوں نے ایک خاص طرح کا مکر کیا اور ہم نے ایک خفیہ تدبیر کی جس کی انہیں خبر بھی نہ ہوئی)

درمنثور میں ہے کہ یہ نو آدمی حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے گئے تو ان پر ایک پہاڑ سے پتھر لڑھک کر آ گیا اور وہ لوگ وہیں ہلاک ہوگئے۔

یہ نو آدمیوں کا انجام ہوا اور پوری قوم چیخ اور زلزلہ سے ہلاک کردی گئی جس کا ذکر سورہ اعراف اور سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔

یہ لوگ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر گھر بنا لیتے تھے عذاب آیا تو اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل ایسے پڑے رہ گئے جیسا کہ اس میں کبھی رہے ہی نہ تھے خود ہلاک ہوئے اور گھر یونہی دھرے رہ گئے جواب تک موجود ہیں خالی پڑے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے)

وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ (اور ہم نے ایمان والوں کو نجات دی اور یہ لوگ کفر اور شرک سے پرہیز کرتے تھے)

ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ ہم صالح کے گھر والوں کو قتل کر کے اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہمیں نہیں معلوم کس نے قتل کیا اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی کے گھر والے مقتول ہو جائیں تو ولی کہاں بچے گا جو خون کا دعویٰ کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین اہل ایمان کو قتل کر دیں گے اور ساتھ ہی یہ ڈر پھر بھی لگا ہوا تھا کہ جو لوگ صالح علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں وہ رشتہ داری کی بنیاد پر خون کا دعویٰ کرنے لگیں گے جیسا کہ قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے سے ڈرتے تھے کہ بنی ہاشم خون کا دعویٰ کر دیں گے حالانکہ بنی ہاشم خود ایک عرصہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا
شہوت پوری کرنے کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ تم جہالت کے کام کر رہے ہو سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ آل لوط کو اپنی بستی سے
اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ؗ
نکال دو بے شک بات یہ ہے کہ یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں سو ہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دیدی سوائے اس کی بیوی کے کہ ہم نے اسے ان لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا
قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾
جو عذاب میں رہ جانے والے تھے اور ہم نے ان پر خاص قسم کی بارش برسا دی سو ان لوگوں کی بری بارش تھی جو ڈرائے گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا بے حیائی کے کاموں میں مشغول ہونا نصیحت قبول نہ کرنا اور بالآخر ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا سوال و جواب اور پھر ان کی ہلاکت کا تذکرہ ہے تفصیل سے یہ واقعہ سورہ اعراف سورہ حجر اور سورہ شعراء میں گذر چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ برے کام کرتے تھے یعنی مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ایمان کی بھی دعوت دی اور یہ بھی سمجھایا کہ اس کام کو چھوڑ و تمہارا دل بھی جانتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں ہے یہ جاہلوں کا کام ہے تم پر جہالت سوار ہے کہ تم اسے برا کام جانتے ہوئے بھی نہیں چھوڑتے' ان لوگوں نے الٹے الٹے جواب دیئے اور کہنے لگے کہ اجی لوط کو اور ان کے ساتھیوں کو (جنہوں نے ایمان قبول کرلیا) اور ان کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ لوگ پاک باز بنتے ہیں' پاک آدمیوں کا ناپاک آدمیوں میں کیا کام (یہ ان لوگوں نے بطور طنز و تمسخر کہا تھا)

آخر ان لوگوں پر عذاب آ گیا بحکم الٰہی حضرت سیدنا لوط علیہ السلام اہل ایمان کو اور گھر والوں کو آخر رات میں بستی سے لیکر نکل گئے اللہ پاک نے ان کی قوم پر پتھروں کی بارش بھیج دی اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا۔

بارش میں جو پتھر برسائے گئے انہیں سورہ ھود اور سورہ حجر میں حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ فرمایا اور سورہ ذاریات میں حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ فرمایا سجیل کا ترجمہ کنکر کیا گیا ہے یعنی یہ اس قسم کے پتھر تھے جیسے مٹی کو آگ میں پکالیا ہو اور اس سے اینٹیں بنائی جائیں اسی کو فرمایا ہم نے خاص قسم کی بارش بھیج دی آخر میں فرمایا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (سو بری بارش تھی اور لوگوں کی جنہیں ڈرایا گیا) یعنی پہلے انہیں سمجھایا گیا تھا کہ ڈرو' ایمان لاؤ' برے اعمال چھوڑو اس کا انہوں نے کوئی اثر نہیں لیا لامحالہ عذاب آیا اور پتھروں کی بارش ہوئی اور انہیں ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۗ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور سلام ہو اللہ کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ لوگ جنہیں وہ شریک بناتے ہیں؟

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ

کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ رونق والے

ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

باغیچے لگائے تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے درختوں کو اگاؤ' کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں'

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ

کیا جس ذات نے زمین کو ٹھہرا ہوا بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے پہاڑ بنائے اور دو

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ

دریاؤں کے درمیان آڑ بنادی کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے کیا وہ جو بے چین آدمی کی

إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ قَلِيلًا مَّا

دعاء کو سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور بدحالی کو دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ تم بہت

تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ

کم دھیان دیتے ہو کیا وہ جو تمہیں خشکی میں اور دریا کے اندھیروں میں راہ بتاتا ہے اور جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت سے پہلے

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ

خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں کیا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ اللہ اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں' کیا وہ

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۗ ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ

جو مخلوق کو اول بار پیدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا اور جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے رزق دیتا ہے' کیا اللہ کے ساتھ

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کوئی معبود ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو' آپ فرما دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو بھی چیزیں موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی

الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْأٰخِرَةِ قف

غیب کی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے' اور یہ لوگ علم نہیں رکھتے کہ کب زندہ کئے جائیں گے' بلکہ بات یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست و نابود ہو گیا'

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا قف بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

بلکہ یہ لوگ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں' بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات عظیمہ' مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات' مشرکین کی توحید کی دعوت' شرک کی تردید

تفسیر: یہ چند آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرما لیا اپنی رضامندی کے کاموں کے لئے اور اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے چن لیا' ان کے بارے میں فرمایا کہ ان پر سلام ہو' پھر سوال فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ کی ذات اقدس بہتر ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جنہیں مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں' ان چیزوں کو کچھ بھی قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے اس کی قدرت کے مظاہر نظروں کے سامنے ہیں مشرکین بھی جانتے ہیں کہ جو کچھ بھی وجود میں ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی بھی چیز کو کسی نے کچھ بھی وجود نہیں بخشا پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا

حماقت نہیں تو کیا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کے چند مظاہرے بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا کہ جس پاک ذات نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا اور جس نے اس پانی کے ذریعہ بارونق باغیچے پیدا فرمائے تمہارے بس کا کام نہیں تھا کہ تم اس کو پیدا کرتے کیا (ان چیزوں کی تخلیق میں) اس کا کوئی شریک ہے اس کو تو سب مانتے ہیں کہ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں پھر عبادت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ ءالہ مع اللہ (کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے) یعنی اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ اس کا ایک ترجمہ تو وہ ہی ہے جو اوپر لکھا گیا یعنی ان سب باتوں کو جانتے ہوئے یہ لوگ پھر بھی اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں یعنی مخلوق کی عبادت کرتے ہیں اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر راہ حق سے ہٹتے ہیں لفظ یعدلون میں دونوں طرح ترجمہ کرنے کی گنجائش ہے اس کے بعد فرمایا کہ جس پاک ذات نے زمین کو ٹھہرنے والی چیز بنا دیا جو خود بھی ٹھہری ہوئی ہے اور اس پر انسان اور حیوانات سب ٹھہرے ہوئے ہیں اس میں حرکت نہیں ہے اور جس نے اس کے درمیان نہریں بنا دیں اور اس کیلئے بھاری پہاڑ بنا دیئے اور جس نے دو سمندروں کے درمیان آڑ بنادی ایک میٹھا ہے اور دوسرا نمکین ہے دونوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوتے کیا ایسی پاک ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی نہیں ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے' یہاں جو زمین کو ٹھہرنے والی بتایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حرکت نہیں کرتی جس سے اوپر کی چیزیں حرکت کرنے لگیں یعنی اس میں عام حالت میں زلزلہ اور اضطراب کی کیفیت نہیں لہٰذا یہ اس کے معارض نہیں جو اہل سائنس کہتے ہیں کہ رات دن کے آگے پیچھے آنے میں زمین کی حرکت کو دخل ہے جیسے اوپر کے پاٹ پر ایک چیونٹی بیٹھی یا چلتی رہے اور پاٹ گھومتا رہے تو چیونٹی کے بیٹھے رہنے یا چلنے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ رہی یہ بات کہ اہل سائنس جو یہ کہتے ہیں کہ لیل ونہار کا آگے پیچھے آنا جانا زمین کی حرکت کی وجہ سے ہے ان کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں ایک مستقل بحث ہے یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر اہل سائنس کا قول درست ہو تب بھی قرار ارض کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے زلزلہ والی حرکت بھی زمین میں پیدا ہو جاتی ہے اس وقت بھاری پہاڑ بھی زمین کے زلزلہ کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ خود بھی چورہ چورہ ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مجبور حال دعا کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما دیتا ہے اور وہ تمہیں زمین میں خلفاء بناتا ہے یعنی گذشتہ لوگوں کا اس زمین پر جو تسلط تھا اس کے بعد تمہیں تسلط بخشا ہے کیا ایسی ذات کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

پھر فرمایا کیا جو ذات پاک خشکی اور سمندروں کی تاریکی میں راہ بتاتا ہے اور جو اپنی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ یعنی کوئی نہیں اللہ اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کیا جو ذات ابتداء پیدا فرمائے پھر موت کے بعد اس مخلوق کو لوٹا دے یعنی دوبارہ زندہ فرما دے اور وہ ذات

جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دے کیا اس کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ اپنی دلیل لے آؤ اگر تم سچے ہو؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مخلوق میں حقیقی تصرف کرتا ہے جب یہ بات ہے تو شرک پر کیوں جمے ہوئے ہو۔

آخر میں فرمایا قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنی بھی مخلوق ہے ان میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا صرف اللہ ہی غیب کو جانتا ہے)

اس میں منکرین قیامت کی تردید ہے جو رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ بتا دیجئے کہ قیامت کب آئے گی' یہ بات کہنے سے ان لوگوں کا مقصود وقوع قیامت کی نفی کرنا تھا' ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے ان میں سے کوئی غیب کو نہیں جانتا غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس نے مجھے معین کر کے وقوع قیامت کا وقت نہیں بتایا لہٰذا میں اپنے پاس سے نہیں بتا سکتا لیکن مجھے اور تمہیں اس کا وقت معلوم نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ قیامت نہیں آئے گی وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (اور اس کا علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے) بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا (بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں) بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ مطلب یہ ہے کہ جیسے اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اور اس کی وجہ سے وہ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا اس طرح یہ لوگ عناد کی وجہ سے دلائل صحیحہ میں غور و تامل نہیں کرتے جو وضوح حق کا راستہ ہے اس سے انہیں عناد ہے اور شک والے سے بڑھ کر گمراہی میں مبتلا ہیں کیونکہ شک والا آدمی کبھی دلائل میں نظر کرتا ہے تو اس کا شک ختم ہو جاتا ہے اور یہ لوگ قصداً اراداۃً دلائل میں غور ہی نہیں کرتے تفکر اور تامل سے دور بھاگتے ہیں)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا

اور کافروں نے کہا کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادے تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے' بلاشبہ بات یہ ہے کہ اس سے

نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

پہلے ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے یہ پرانے لوگوں کی نقل کی ہوئی باتیں ہیں' آپ فرما دیجئے تم زمین میں

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ

چلو پھرو سو دیکھ لو مجرموں کا کیا انجام ہوا اور آپ ان پر رنج نہ کیجئے اور یہ جو مکر کرتے ہیں اس کی وجہ سے تنگ

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ

دل نہ ہو جائیے' اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو' آپ فرما دیجئے کہ تم جس عذاب کی

يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

جلدی مچا رہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آ ہی لگا ہے اور بلاشبہ آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ
لیکن ان میں سے بہت سے لوگ شکر نہیں کرتے اور بلاشبہ آپ کا رب ان باتوں کو ضرور جانتا ہے
صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ
جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور یہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں' اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾
کتاب مبین میں نہ ہو

منکرین بعث کے وسوسے' ان کے لئے عذاب کی وعید اور تنبیہ

تفسیر: توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے بعد منکرین کے انکار بعث کا تذکرہ فرمایا' کافر کہتے ہیں کہ آپ جو یہ قیامت آنے والی بات کہتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی قبروں میں دفن ہونے کے بعد ہم مٹی ہو جائیں گے ہمارے باپ دادا بھی مٹی ہو چکے ہیں اس حالت کو پہنچ کر زندہ قبروں سے نکالا جانا یہ بات سمجھ سے باہر ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی یہ بتایا گیا تھا کہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھائے جاؤ گے آج تک تو یہ وعدہ پورا ہوا نہیں ہمارے خیال میں تو یہ پرانے لوگوں کی باتیں نقل در نقل چلی آ رہی ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں نہ قیامت آنی ہے نہ زندہ ہونا ہے نہ قبروں سے نکلنا ہے' ان لوگوں کی تکذیب کے جواب میں فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چلو پھر و سو دیکھو مجرمین کا کیا انجام ہوا) اس میں منکرین قیامت کو تنبیہ فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے اور وقوع قیامت کے منکر ہو تم سے پہلے بھی تکذیب کرنے والے گزرے ہیں جو اسی دنیا میں رہتے تھے تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب آیا اور ہلاک ہوئے' ان کی آبادیوں کے نشان اب تک زمین کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں' چلو پھرو انہیں دیکھو تاکہ تمہیں ان لوگوں کا انجام معلوم ہو جائے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا' اور تکذیب کر کے مجرم بنے' اگر تمہاری تکذیب جاری رہی تو سوچ لو تمہارا بھی یہ انجام ہوگا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا کہ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (اور آپ ان کی باتوں پر رنج نہ کیجئے اور ان کے مکر کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو جائیے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا) وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) جب ان سے کہا گیا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا کیا انجام ہوا تو بطور تمسخر اور استہزاء یوں کہا کہ جو عذاب آنا ہے وہ کب آئے گا؟ اگر سچے ہو تو اس کا وقت بتا دو! چونکہ عذاب کا یقین نہیں تھا اس

لئے انہوں نے ایسی بات کہی اُس کے جواب میں فرمایا: قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ تم جس عذاب کی جلدی مچار ہے ہو عنقریب اس کا بعض حصہ تم سے آ ہی لگا ہے)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے غزوہ بدر مراد ہے غزوہ بدر میں مشرکین مکہ مکرمہ سے آئے اور شکست کھائی ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمیوں کو قید کر کے مدینہ لایا گیا یہ لوگ بڑے طمطراق سے نکلے تھے بالآخر دنیاوی عذاب بھی دیکھ لیا اور قبر کے عذاب میں بھی مبتلا ہوئے اور یوم القیامہ کا عذاب اپنی جگہ باقی رہا۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (بلاشبہ آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے) اسی فضل میں سے یہ بھی ہے کہ کفر میں اور شرک میں مبتلا ہونے والوں کو بھی نعمتیں دیتا ہے اور ان پر فضل فرماتا ہے اور یہ فضل بھی ہے کہ انہیں ڈھیل دیتا ہے عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں ان کا حق یہ ہے کہ نعمتیں دینے والے کو پہچانیں اسے وحدہ لاشریک مانیں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کے منع کئے ہوئے مواقع میں خرچ نہ کریں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (اور بلاشبہ آپ کا رب ان باتوں کو ضرور جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوں ان کی دل کی باتیں نیتیں اور ارادے ہمیں سب معلوم ہیں حکمت کے مطابق ان کا انجام سامنے آجائے گا اور ساتھ ہی منکرین کے لئے تہدید اور تحذیر بھی ہے کہ تمہاری کوئی نیت کوئی ارادہ کوئی عمل پروردگار جل مجدہ سے پوشیدہ نہیں ہے اس کی طرف سے جو عذاب میں تاخیر ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کو تمہارا حال معلوم نہیں، اسے سب کچھ پتہ ہے حکمت کے مطابق جب وہ چاہے گا سزا دے گا اس کے بعد فرمایا کہ

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو) کتاب مبین سے مفسرین نے لوح محفوظ مراد لی ہے، مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کتاب مبین میں محفوظ ہے، ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس کا علم کسی کتاب میں مندرج پر موقوف نہیں ہے لیکن پھر بھی لوح محفوظ میں درج فرما دیا ہے لوگوں کے اعمال حسنات سیات بھی محفوظ ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے گا سزا دے گا، سزا میں دیر لگنے سے یہ نہ سمجھیں کہ سزا نہ ملے گی۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۷۶

بلاشبہ یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جس چیزوں میں وہ جھگڑ رہے ہیں،

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ
اور بلاشبہ یہ قرآن مومنین کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے، بیشک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلے فرمائے گا اور وہ
الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾
عزیز ہے، علیم ہے، سو آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں،

قرآن مجید ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن میں بنی اسرائیل اختلاف کرتے ہیں

تفسیر: یہ چار آیات ہیں پہلی دو آیتوں میں قرآن کی صفات بیان فرمائی ہیں اول تو یہ فرمایا کہ بنی اسرائیل جن باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں قرآن ان کے بارے میں صحیح صحیح پوری حقیقت کو بیان کرتا ہے' ان لوگوں نے اپنی کتاب میں تو تحریف کر ہی دی تھی اور ان میں جو کچھ سنی سنائی باتیں چلی آرہی تھیں ان میں بھی اختلاف رکھتے تھے' قرآن مجید نے واضح طور پر حق باتیں واضح فرمادیں۔

ان لوگوں کی جاہلانہ باتوں میں ایک یہ بات بھی تھی کہ العیاذ باللہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (ابراہیم یہودی اور نصرانی نہیں تھے لیکن وہ حق کی طرف مائل ہونے والے فرمانبردار تھے)

یہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ حضرت ابرہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی تھی اس کی تردید میں فرمایا وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ۔

اسی طرح حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں غلط باتیں کہتے تھے قرآن نے اس کو بھی صاف کیا اور حضرت مریم علیہا السلام کی عفت اور عصمت بیان فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام بتایا کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اللہ کے رسول تھے۔

قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اہل ایمان کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے اہل ایمان اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے مطابق زندگی گذارتے ہیں اس لئے ان کے لئے قرآن ہدایت اور رحمت ہے' ہے تو غیر مومنین کے لئے بھی ہدایت اور رحمت لیکن وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اس لئے وہ اس کی خیریت اور برکات سے محروم ہیں۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے حکم سے ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس وقت حق اور باطل ظاہر ہو جائے گا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ (اللہ زبردست ہے وہ قیامت کے دن سب کو حاضر فرمائے گا اور وہ علیم بھی ہے اس کو ہر

ہر فرد کا اور ہر ہر فرد کے عقیدہ اور عمل کا علم ہے) کوئی اس سے چھوٹ کر جا نہیں سکتا اور کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔

چوتھی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے ان لوگوں کی تکذیب سے غمگین نہ ہوجئے بلاشبہ آپ صریح حق پر ہیں حق پر ہونا ہی تسلی اور ثبات قدمی کے لئے کافی ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنتَ

بلاشبہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں' اور نہ آپ

بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستہ دکھا سکتے' آپ تو انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں سو وہ فرمانبردار ہیں

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور اندھوں کو راہ حق نہیں دکھا سکتے

تفسیر: رسول اللہ ﷺ توحید کی دعوت دینے میں بہت محنت کرتے تھے مکہ معظمہ کے مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اکثر لوگ دور بھاگتے تھے آپ چاہتے تھے کہ سب مسلمان ہوجائیں وہ لوگ روگردانی کرتے تھے تو آپ کو رنج ہوتا تھا' اللہ پاک کی طرف سے آپ کو تسلی دی جاتی تھی تسلی کا مضمون آیت کریمہ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ میں بھی بیان ہو چکا ہے یہاں دوسرے انداز میں آپ کو تسلی دی گئی ہے وہ یہ کہ جن لوگوں نے اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے اپنی قبول حق کی صلاحیت ختم کر دی ہے آپ انہیں ہدایت نہیں دے سکتے ہدایت دینا تو دور کی بات ہے آپ انہیں اپنی بات سنا بھی نہیں سکتے ان لوگوں کو اولاً مردہ پھر گونگا پھر اندھا بتایا اور اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرمایا کہ یہ لوگ مردوں کی طرح سے ہیں انہیں آپ کوئی بات نہیں سنا سکتے اور بہروں کی طرح ہیں آپ آواز بھی نہیں سنا سکتے خصوصاً جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر دور چلے جا رہے ہوں (اول تو بہرہ پھر وہ دور بھاگے بھلا اس کو کیا سنا جا سکتا ہے) بات سننے کے بارے میں ان کا حال یہ بیان ہوا' مزید فرمایا کہ وہ اندھے بن چکے ہیں' اندھے کو یہ دکھانا کہ یہ راہ اچھی ہے اور وہ راہ بری ہے آپ کے بس میں نہیں ہے' بس جب منکرین ومکذبین کا یہ حال ہے تو آپ انہیں حق بات کیسے سنا سکتے ہیں اور راہ حق کیسے دکھا سکتے ہیں۔ اگر ان کے کانوں میں بات پڑتی بھی ہے تو ضد اور عناد میں ساری سنی کو ان سنی کر دیتے ہیں۔

إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ یعنی آپ تو صرف ایسے ہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان لائیں اور اطاعت قبول کریں۔ اس پورے مضمون میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سننے سنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچانا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ سماع اور سننا ہے جو نفع بخش ہو۔ جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آخر آیت میں یہ ارشاد ہے کہ آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان لائیں' اگر اس

میں سنانے سے مراد محض ان کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا یہ ارشاد خلاف مشاہدہ اور خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور ان کے سننے جواب دینے کی شہادتیں بے شمار ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اس سے واضح ہوا کہ سنانے سے مراد سماع نافع ہے' ان کو مردہ لاش سے تشبیہ دیکر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کے معنی یہی ہوئے کہ جیسے مردے کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں' کیونکہ وہ دنیا کے دار العمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان وعمل نافع ہو سکتا ہے اسی طرح آپ کے مخاطبین جو کچھ سنتے ہیں اس سے منتفع نہیں ہوئے اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے البتہ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔

مسئلہ سماع اموات: یہ مسئلہ کہ مردے زندوں کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں اسی طرح دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قران کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورہ نمل میں آیا ہے دوسرے سورہ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورہ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی آیت میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے' تینوں آیتوں میں اس تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے علاوہ ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ دے رہی ہے رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں' سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ شانہ' شہداء کو یہ اعزاز بخشتا ہے کہ ان ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں جو حضرات سماع اموات کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے۔

ما من احد يمر بقبر اخيه المسلم كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الارد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام (ذكره ابن كثير فى تفسيره)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تا کہ وہ سلام کا جواب دے۔

معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اس کی روح اس دنیا میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں دوسرے یہ کہ ان کا سننا اور ہمارا سنانا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں' جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلا دیا کہ حق تعالیٰ مردہ کی روح واپس لا کر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کے بعد قدرت دیتے ہیں باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ مردہ ان کو سنتا ہے یا نہیں۔ اس لئے امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیح اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات و روایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں' یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں' یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں' کیونکہ سورہ نمل' سورہ روم' سورہ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیح سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی' واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وثبت عنه ﷺ لا متہ اذا سلموا على اهل القبور ان يسلموا عليهم سلام من يخاطبونه فيقول المسلم السلام عليكم دار قوم مؤمنين وهذا خطاب لمن يسمع ويعقل ولو لا هذا الخطاب لكانوا بمنزلة خطاب المعدوم والجماد' والسلف مجتمعون على هذا۔

یعنی رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی امت کو تعلیم دی کہ اہل قبور کو سلام کریں اگر اس طرح کا خطاب نہ ہوتا تو اموات معدوم اور جماد کی طرح ہوتے (جبکہ مطاب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگ جماد کی طرح نہ ہوں بلکہ سنتے سمجھتے ہوں اور سلف کا اموات کو اس طرح سلام کرنے پر اجماع ہے)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے جس صیغہ خطاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

صحیح مسلم میں اس طرح سے ہے السلام عليكم دار قوم مؤمنين واتاكم ما توعدون غدا مؤجلون وانا

انشاء اللہ بکم لا حقون (۳۱۳ ج ۱)

سلام میں خطاب ہے جو سننے پر دلالت کرتا ہے البتہ یہ احتمال رہ جاتا ہے کہ سلام کو سنتے ہوں اس کے علاوہ وہ دوسری باتیں نہ سنتے ہوں لیکن اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس مسئلے میں کدوکاوش کی بھی ضرورت نہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے کسی نے سوال کیا کہ اہل قبور سنتے ہیں یا نہیں تو جواب میں تحریر فرمایا دونوں طرف اکابر اور دلائل ہیں' ایسے اختلافی امر کا فیصلہ کون کر سکتا ہے اور ضروریات عملی و علمی میں سے بھی نہیں' کہ ایک جانب کی ترجیح میں تدقیق کی جائے۔ پھر اس میں بھی معتقدین سماع موتی کے عقائد مختلف ہیں اگر کسی اعتقاد خاص کی تعیین ہوتی تو کسی قدر جواب ممکن تھا۔ واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ ج ۵ صفحہ ۳۷۹)

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ
اور جب ان پر وعدہ پورا ہونے والا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکال دیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ
كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾
ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے۔

قرب قیامت میں دابۃ الارض کا ظاہر ہونا

تفسیر: دابۃ الارض (زمین سے برآمد ہونے والا چوپایہ) اس کا خروج علامات قیامت میں سے ہے احادیث شریفہ میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔

حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت نہ ہوگی جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہوں (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) پچھم سے سورج کا نکلنا (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا (۶) یاجوج ماجوج کا نکلنا (۷،۸،۹) زمین میں تین جگہ لوگوں کا دھنس جانا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا عرب میں (۱۰) اور ان سب کے اخیر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف گھیر کر پہنچادے گی۔

دوسری روایت میں دسویں نشانی (آگ کے بجائے) یہ ذکر فرمائی کہ ایک ہوا نکلے گی جو لوگوں کو سمندر میں ڈال دے گی (صحیح مسلم ۳۹۳ ج ۲)

آیت کریمہ سے قرب قیامت میں زمین سے ایک ایسے جانور کا نکلنا معلوم ہوا جو لوگوں سے باتیں کرے گا لفظ دابۃ کی تنوین میں اس جانور کے عجیب الخلقت ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی کہ یہ جانور عام جانور کی طرح توالد و تناسل کے طریق پر پیدا نہ ہوگا بلکہ اچانک زمین سے نکلے گا اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ دابۃ الارض کا خروج آخری علامات میں سے ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی علامات (جو اس سے پہلے قریب تر زمانہ میں ظاہر ہوں گی) ان میں سب سے پہلے پچھم کی طرف سے سورج کا نکلنا ہے اور چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے دابۃ الارض کا نکلنا ہے اور دونوں میں سے جو بھی پہلے واقع ہو جائے دوسری نشانی اس کے قریب ہی ظاہر ہوگی (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کی) تین علامتیں ایسی ہیں جب وہ ظاہر ہو جائیں گی تو کسی کو اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کسی خیر کا کسب نہ کیا ہو (یعنی اب تک گناہوں سے توبہ نہ کی ہو) (۱) پچھم کی طرف سے سورج نکلنا (۲) دجال کا ظاہر ہونا (۳) دابۃ الارض کا ظاہر ہونا (رواہ مسلم)

دابۃ الارض کے ظاہر ہونے کی حدیث جو حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے مروی ہے (جس کا ذکر صحیح مسلم کی روایت میں گذرا) یہ مسند ابی داؤد الطیالسی میں بھی ہے جس میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول ﷺ نے دابۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دَآبَّہ تین مرتبہ ظاہر ہوگا پہلی بار دیہات میں ظاہر ہوگا اور مکہ مکرمہ میں اس کا تذکرہ بالکل نہ ہوگا' اس کے بعد وہ عرصہ دراز تک ظاہر نہ ہوگا دوبارہ پھر نکلے گا تو اس کا تذکرہ دیہات میں بھی ہوگا اور مکہ مکرمہ میں بھی ہوگا' (تیسری بار نکلنے کے بارے میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر ایک دن مسجد حرام میں جو حرمت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی مسجد ہے اور سب سے زیادہ محترم ہے لوگ موجود ہوں گے کہ اچانک دابۃ الارض ظاہر ہو جائے گا جو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آواز نکالتا ہوا اور سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ظاہر ہوگا لوگ اس کے اچانک نکلنے سے خوف زدہ اور منتشر ہو جائیں گے بہت سے لوگ اس کی وجہ سے دور بھاگ جائیں گے' مومنین کی ایک جماعت ثابت قدم رہے گی یہ مومن بندے یہ سمجھ کر اپنی جگہ جمے رہیں گے کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے لہٰذا بھاگنے سے کچھ فائدہ نہیں یہ جانور مومنین بندوں کے چہروں کو چمکا دے گا گویا کہ چمک دار ستارہ کی طرح ہو جائیں گے' اور پھر وہاں سے پشت پھیر کر چلا جائے گا (اور اس تیزی سے زمین میں گھومے پھرے گا کہ) کوئی پکڑنے کا ارادہ کرنے والا بھی اس کو پکڑ نہ سکے گا اور کوئی بھاگنے والا اس سے نجات نہ پاسکے گا یہاں تک کہ ایک شخص نماز میں اس جانور سے پناہ مانگے گا تو وہ جانور اس کے پیچھے سے آ جائے گا اور کہے گا کہ اے فلاں اب تو نماز پڑھتا ہے؟ پھر وہ اس کے چہرہ پر نشان لگا دے گا' اس کے بعد یہ ہوگا کہ لوگ چلیں پھریں گے اموال میں شریک ہوں گے اور شہروں میں مل جل کر ساتھ رہیں گے (اور اس جانور کے نشان لگانے کا یہ اثر ہوگا کہ) مومن اور کافر میں خوب اچھی طرح امتیاز ہوگا کہ مومن کافر سے کہے گا کہ اے کافر میرا حق ادا کر دے اور کافر مومن سے کہے گا کہ تو میرا حق ادا کر دے (ابوداود طیالسی ۱۴۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دابۃ نکلے گا اس کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا۔ وہ مومن کے چہروں کو روشن کر دے گا اور کافر کی ناک پر مہر لگا دے گا (جس

سے دیکھنے والے یہ سمجھ جائیں گے کہ یہ کافر ہے) (رواہ الترمذی فی تفسیر سورة النمل وقال هذا حديث حسن و قدروی هذا الحديث عن ابی هريرة عن النبی ﷺ من غير هذا الوجه فی دابة الارض)

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا
جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت ان لوگوں میں سے جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی کردی جائے گی۔ یہاں تک
جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾
وہ جب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہ لائے، بلکہ تم اور کیا کیا کام کرتے تھے
وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ
اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وعدہ پورا ہو چکا ہے سو وہ بات نہ کریں گے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا کہ وہ اس میں
لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾
آرام کریں اور ہم نے دن کو بنایا جس میں دیکھیں بھالیں بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

قیامت کے دن کی پیشی، مکذبین کی جماعت بندی، اور ان سے سوال، اقرار جرم کے بعد ان کے لئے عذاب کا فیصلہ

تفسیر: قیامت کے دن اولین و آخرین سب ہی جمع کئے جائیں گے اور ہر امت میں سے ایک ایک گروہ ان لوگوں میں سے علیحدہ کر دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے تھے اور ان کی جماعت بندی باقی رکھنے کے لئے یوں کیا جائے گا کہ آگے پیچھے نہ رہیں سب ساتھ ہو کر حساب کی جگہ تک چلیں پھر جب موقف حساب میں پہنچ جائیں گے (جہاں حساب ہوگا) تو ان جھٹلانے والوں سے اللہ تعالیٰ کا خطاب ہوگا کیا تم لوگوں نے میری آیات کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم انہیں اپنے احاطہ علم میں بھی نہیں لائے یعنی آیات کو سن کر اول تمہیں انہیں جاننا چاہیے تھا پھر اس میں غور کرتے تم نے تو سنتے ہی تکذیب کر دی، تکذیب ہی نہیں بلکہ تم دوسرے کام کیا کرتے تھے مثلاً انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا اور اہل ایمان کو تکلیف پہنچانا اور عقائد کفریہ اختیار کرنا اور فسق و فجور کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ اور ان کے ظلم کی وجہ سے عذاب کا وعدہ پورا ہو جائے گا یعنی وہ سزا کے مستحق ہوں گے اور ثبوت جرم کے بعد وہ بول نہ سکیں گے (بعض آیات میں جو منکرین کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ ابتدائی سوال و جواب کے وقت ہوگا پھر جب اعمال ناموں سے اور اپنے اعضاء کی گواہی سے حجت قائم ہو جائے گی تو بالکل بولتی بند ہو جائے گی اور کفر و شرک کے اقراری ہو جائیں گے) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ الآية اس آیت میں

بتایا ہے کہ لوگوں کو رات اور دن کے آنے جانے میں غور کرنا چاہیئے دیکھو ہم نے رات بنائی تا کہ اس میں آرام کریں اور ہم نے دن کو ایسا بنایا کہ جس میں دیکھنے بھالنے کا موقع ہے یہ رات کا سونا جو موت کے مشابہ ہے اس پر نظر ڈالیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ دن کو ظاہر فرما دیتے ہیں اور یہ سونے کے بعد اٹھ جانا اور چلنا پھرنا دیکھنا بھالنا اس پر واضح دلالت کرتا ہے کہ جس ذات پاک نے بار بار نیند سے جگا دیا موت کے بعد بھی زندہ کرسکتا ہے اسی سے سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے اس کو سورۃ زمر میں فرمایا۔ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (اللہ ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت، پھر ان جانوں کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے اس میں نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو کہ سوچنے کے عادی ہیں دلائل میں)

وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں سب گھبرا جائیں گے سوائے اس کے جسے

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَکُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

اللہ چاہے اور سب اس کے حضور میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے اور تو پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے جس میں تجھ کو خیال ہوتا ہے کہ یہ یوں ہی جمے ہوئے رہیں گے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح گذریں گے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

یہ اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک طرح بنایا ہے بلاشبہ وہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، جو شخص نیکی لیکر آئے گا

فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَکُبَّتْ

اسے اس سے بہتر ملے گا اور ایسے لوگ اس دن گھبراہٹ سے پرامن ہوں گے اور جو شخص برائی لیکر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ گر کے

وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے

نفخ صور کی وجہ آسمان وزمین والوں کی گھبراہٹ، پہاڑوں کا بادلوں کی طرح چلنا، لوگوں کا میدان حساب میں حاضر ہونا، اصحاب حسنہ اور اصحاب سیۂ کی جزا

تفسیر: ان آیات میں یوم قیامت کے بعض مناظر کا اور حسنات وسیئات کی جزا وسزا کا تذکرہ فرمایا ہے وقوع قیامت

کی ابتداء اس طرح ہوگی کہ اسرافیل علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مقرر ہیں وہ صور میں پھونک ماردیں گے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الصور قرن ینفخ فیه (کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک دیا جائے گا) (الترمذی وابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کیسے خوشیوں والی زندگی گزاروں اور حال یہ ہے کہ صور میں پھونکنے والے نے منہ میں صور لے رکھا ہے اور کان لگا رکھے ہیں اور اپنی پیشانی کو جھکا رکھا ہے وہ اس انتظار میں ہے کہ کب صورت میں پھونکنے کا حکم دیدیا جائے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل (اللہ ہمیں کافی ہے اور اچھا کارساز ہے) پڑھا کرو (رواہ الترمذی)

جب صور میں پھونکا جائے گا تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا' یہاں سورۃ النمل میں فرمایا فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کہ وہ سب گھبرا اٹھیں گے جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہوں گے اور سورہ زمر میں فرمایا کہ فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کہ نفخ صور کی وجہ سے آسمانوں والے اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے اگر یہ دونوں باتیں نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے سے متعلق قرار دی جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ اولاً گھبرا جائیں گے اور پریشان ہوں گے پھر بے ہوشی میں ہو جائیں گے اور بحکم کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ سب مرجائیں گے اور بعض حضرات نے صعق کو نفخہ اولی سے اور فزع کو نفخہ ثانیہ سے متعلق قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب مردے زندہ ہو جائیں گے اور یہ جان کر کہ حساب کتاب ہونے والا ہے گھبراہٹ میں پڑ جائیں گے۔

آیت کے ختم پر جو وَکُلٌّ اَتَوۡهُ دٰخِرِیۡنَ فرمایا ہے (کہ سب اس کے حضور میں عاجزانہ طور پر حاضر ہوں گے) اس سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ فَفَزِعَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ نفخہ ثانیہ سے متعلق ہے۔

سورۃ النمل میں جو فزع فرمایا اور سورۃ الزمر میں جو فصعق فرمایا اس کے ساتھ ہی الا من شآء اللہ بھی فرمایا' یہ کون حضرات ہوں گے جنہیں فزع اور صعق سے مستثنیٰ فرمایا ہے (کہ جسے اللہ چاہے وہ گھبراہٹ اور بے ہوشی سے محفوظ ہوگا) تفسیر درمنثور میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے حضرت جبرائیل' حضرت میکائیل' اور حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت اور حضرت حاملان عرش علیہم السلام مراد ہیں گو یہ حضرات فزع وصعق سے محفوظ رہیں گے لیکن بعد میں یہ لوگ بھی وفات پا جائیں گے۔

صور پھونکے جانے پر جو کائنات درہم برہم ہوگی اس کی تفصیلات آیات قرآنیہ میں کئی جگہ وارد ہوئی ہیں آسمان وزمین کا بدل جانا سورہ ابراہیم میں اور آسمان کا پھٹ جانا سورہ انفطار وسورۃ الانشقاق میں بیان فرمایا ہے سورج کا مکور ہونا اور ستاروں کا گر جانا اور سمندروں کا مسجور ہونا سورۃ التکویر میں مذکور ہے سورۃ النمل میں پہاڑوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ پہاڑ جو مخاطبین کو نظر آرہے ہیں ان کی ظاہری مضبوطی کو دیکھ کر انسان کو خیال ہوتا ہے کہ گویا یہ ہمیشہ یوں ہی اپنی جگہ جمے

رہیں گے اور حرکت نہ کریں گے حالانکہ ان کا یہ حال بنے گا کہ وہ صور پھونکے جانے پر اس طرح اڑے پھریں گے جیسے بادل چلتے ہیں سورہ قارعہ میں فرمایا کہ (جس دن انسانوں کی یہ حالت ہوگی کہ وہ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے دھنا ہوا رنگین اون ہوتا ہے) سورہ میں فرمایا (جس دن زمین میں زلزلہ آجائے گا اور پہاڑ ریت کا یا ساڈھیر بنے ہوئے ہوں گے جو پھسل کر گرا جارہا ہوگا) اور سورہ حاقہ میں فرمایا فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (سو جب صور میں پھونکا جائے گا ایک بار پھونکنا اور زمین اور پہاڑ اٹھالیے جائیں گے ان کو ایک بار ہی چورا چورا کر دیا جائے گا' سو اس دن واقع ہونیوالی واقع ہو جائے اور آسمان پھٹ جائے سو وہ اس دن کمزور ہوگا)

اور سورہ الواقعہ میں فرمایا کہ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار بن جائیں گے) اور سورہ النباء میں فرمایا وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (اور پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا سو وہ ریت بن جائیں گے) اور سورہ طہ میں فرمایا فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دیگا) صور پھونکے جانے کی وجہ سے پہاڑوں پر یہ مختلف حالات گزریں گے بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ جب وہ بادل کی طرح گزر رہے ہوں گے عین اسی وقت کوئی دیکھنے والا دیکھے گا تو یوں محسوس کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے جیسا کہ کثیف سیاہ بادلوں کے ساتھ ہوتا ہے دیکھنے والا دیکھتا ہے تو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ وہ گزر رہے ہوتے ہیں' (تفسیر قرطبی ج ۷)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلے پہاڑوں میں زلزلہ آئے گا پھر وہ دھنے ہوئے اون کی طرح ہو جائیں گے پھر ھبا بن جائیں گے پھر انہیں ہوائیں بکھیر دیں گی پھر اڑا دیں گی جیسا کہ غبار ہوتا ہے پھر سراب ہو جائیں گے۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک طرح بنایا ہے) کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ ایسے بھاری بھاری پہاڑ کیسے اڑتے پھریں گے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی حکمت کے مطابق ٹھیک بنایا ہے' پہاڑوں کو بھی اس نے پیدا فرمایا اور ان کو بھاری بوجھل جامد بنایا وہ ہی ان کا پیدا کرنے والا ہے اگر وہ انہیں ان کی جگہوں سے ہٹا دے اور بادلوں کی طرح چلا دے تو اسے اس پر بھی قدرت ہے اسے اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کو جس حال میں رکھے۔

لفظ اتقن اتقان سے ماضی کا صیغہ ہے جو مضبوط بنانے کے معنی میں آتا ہے لیکن چونکہ ساری ہی چیزیں مضبوط نہیں ہیں اس لیے مفسرین نے اس کا ترجمہ سواه علی ما تقتضی الحكمة کیا ہے اور صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے' عبدالجبار معتزلی کے ایک استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واجیب بان الآیة مخصوصة بغير الاعراض لان الاتقان بمعنى الاحكام وهو من اوصاف المركبات ولو سلم فوصف كل الاعراض به ممنوع ضمامن عام الاوقد خص ولو سلم فالاجماع المذكور ممنوع بل هي متته

ایضا بمعنی ان الحکمة اقتضتها (اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ آیت اعراض کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اتقان کا معنی احکام ہے اور یہ مرکبات کے اوصاف سے ہے اور اگر آیت کو عام مانا جائے تو تمام اعراض کو اس سے متصف ماننا ممنوع ہے پس کوئی عام نہیں ہے مگر اس سے تخصیص کی گئی ہے اور یہ بات تسلیم کرلی جائے تو مذکورہ اجماع ممنوع ہے بلکہ اس معنی کے ساتھ مقید ہے اس کا احکام جس کا تقاضا حکمت الٰہی کرتی ہے) (بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو) اس سب کے احوال اور اعمال معلوم ہیں وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا جس کا اس کے بعد والی آیت میں ذکر ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ (جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر ہے) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے کلمہ اسلام لا الٰه الا اللّٰه مراد ہے اور فله خیر منها کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے ای وصل الیه الخیر منها یعنی اس کلمہ کی اسے پہنچ جائے گی جو داخلہ جنت کی صورت میں حاصل ہوگی اس تفسیر کی بناء پر لفظ خیر اسم تفضیل کے لئے نہیں ہے اور مومن ابتدائے غایت کے لئے ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ خیر اسم تفضیل ہی کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب اور اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی اور اس کی رؤیت بندے کے تھوڑے سے عمل سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے اور بہتر ہے اگر حسنہ سے فرائض اور دیگر اعمال مراد لئے جائیں تو نیکیوں کو چند در چند اضافہ فرما کر جو ثواب دیا جائے گا وہ بھی خیر منها کا مصداق ہے جیسا کہ دوسری آیت میں مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وراجع تفسیر القرطبی (ج ۱۳ ص ۲۳۳ و روح المعانی)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (اور یہ لوگ اس دن کی گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے) اس سے پہلی آیت میں گزرا ہے فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اور یہاں اصحاب حسنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ گھبراہٹ سے پر امن اور بے خوف ہوں گے فزع اول سے کیا مراد ہے اور فزع ثانی سے کیا مراد ہے؟

فزع اول کے بارے میں آیت میں تصریح ہے کہ وہ نفخ صور کے وقت ہوگا اور اس میں یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین میں جو بھی ہوں گے سب گھبرا جائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس فزع کا ذکر ہے وہ فزع اول کے علاوہ ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے وہ فزع مراد ہے جو اس وقت ہوگی جب دوزخ میں جانے والوں کے بارے میں حکم ہوگا کہ انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ فزع ثانی سے وہ گھبراہٹ مراد ہے جب موت کے ذبح کر دیئے جانے کے بعد زور سے پکار کر کہہ دیا جائے گا اے جنتیو! اس میں ہمیشہ رہو گے تمہیں کبھی موت نہ آئے گی اور اے دوزخیو تم اس میں ہمیشہ رہو گے کبھی موت نہ آئے گی۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ (اور جو شخص سیئہ لیکر آئے گا سو وہ یہ لوگ ہوں گے جنہیں چہروں کے بل اوندھا کر کے آگ میں ڈال دیا جائے گا) جیسے جملہ سابقہ میں لفظ الحسنہ سے ایمان مراد لیا گیا ہے اسی طرح بعض مفسرین نے اس جملہ میں سیئہ سے کفر اور شرک مراد لیا' اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص قیامت کے دن کفر اور شرک لیکر آئے گا اسے اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الشعراء میں فرمایا فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ (سے مراد لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے) اور اگر سیئہ کو عام لیا جائے تو اس کے عموم میں گناہ گار اہل ایمان بھی آجاتے ہیں جو تطہیر اور تمحیص لیے دوزخ

میں جائیں گے لیکن ان کا عذاب کافروں کے نسبت بہت زیادہ خفیف ہوگا اور کافر ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور اہل ایمان گناہوں کی سزا پانے کے بعد دوزخ سے نکالے جائیں گے۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ گناہ گار اہل ایمان بھی اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈالے جائیں' کیونکہ بہت مرتبہ کسی جماعت کے بارے میں کسی حکم کلی کا حکم لگایا جاتا ہے لیکن بعض کے لئے ایک نوع ہوتی ہے اور بعض کے لئے دوسری نوع۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے) یعنی آخرت میں دوزخیوں سے یہ بات کہہ دی جائے گی کہ ہر شخص کو اپنے عقیدہ اور عمل کی سزا ملے گی کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّ اُمِرْتُ
مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی ہے اور ہر چیز اس کی ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ
اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
میں فرمانبرداروں میں سے رہوں' اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں' سو جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے سو وہ اپنے ہی لئے راہ ہدایت پر آتا ہے اور جو شخص گمراہی پر رہے
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ
آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں' اور آپ یوں کہئے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے وہ عنقریب اپنی نشانیاں دکھا دے گا
فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾
سو تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔

آپ یہ اعلان فرمادیں کہ مجھے صرف یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور فرماں بردار رہوں

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی ہے اس میں امن وامان رکھنا اور شکار نہ کرنا اور اس کے درخت نہ کاٹنا اور اس میں کسی کا خون بہانے سے پرہیز کرنا اس کی حرمت میں یہ سب داخل ہے آیت شریفہ کے عموم الفاظ کی وجہ سے حضرت امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حدود حرم میں کسی کو قتل کر دے تو قاتل کو بطور قصاص حرم میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے حرم سے باہر لے جا کر قتل کریں گے اگر وہ نہ نکلے تو ایسی صورت حال بنالیں جس کی وجہ سے وہ حرم سے باہر آنے پر مجبور ہو جائے جب حرم سے باہر آ جائے تو قصاص میں قتل کر دیا جائے یاد رہے کہ حرم

سے مسجد حرام اور اس کے چاروں طرف جو حرم ہے جس کی حدود پر نشان لگے ہوئے ہیں وہ سب مراد ہے۔

وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ (اور اسی رب کے لئے ہر چیز ہے) سب کو اس نے پیدا فرمایا ہے اور سب اس کے مملوک بھی ہیں لہٰذا ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اسی کی عبادت کرے۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں) جن اعمال کو عام طور سے عبادت سمجھتے ہیں ان کے علاوہ بھی ہر حکم میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم ہے جو اعمال پروردگار عالم مجدہ کی رضا کے لئے انجام دیئے جائیں گے وہ بھی عبادت میں شامل ہو جائیں گے وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ (اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کی تلاوت کروں جس میں خود قرآن مجید کا پڑھنا اور لوگوں کو پڑھ کر سنانا سب داخل ہے جیسے سورۃ بقرہ میں یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیات بتایا ہے۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ (سو جو شخص ہدایت پر آجائے وہ اپنی ہی جان کے لیے اور اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت پر آئے گا اور دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی آخرت کے عذاب سے محفوظ رہے گا) وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (اور جو شخص گمراہی کو اختیار کرے تو فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں) آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اس میں آپ کا کوئی ضرر بھی نہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میری ذمہ داری صرف بات پہنچانے کی ہے نہ مانو گے تو تم پر اس کا وبال پڑے گا۔

سورہ یونس میں فرمایا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ (آپ فرما دیجئے اے لوگو! تمہارے رب کے پاس سے تمہارے پاس حق آگیا ہے سو جو شخص ہدایت پر آئے تو وہ اپنی جان کیلئے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرے تو وہ اپنی جان کو تکلیف میں ڈالنے کیلئے گمراہ بنتا ہے اور میں تمہارے اوپر مسلط نہیں ہوں)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا اور آپ فرما دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ علم والا بھی ہے اور قدرت والا بھی ہے اور حکیم بھی، تم مجھ سے کہتے ہو کہ قیامت کب ہوگی میرے اختیار میں اس کا واقع کرنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تمہیں اس کی نشانیاں دکھا دے گا یعنی قیامت کے آثار ظاہر فرما دے گا جنہیں تم دیکھ لو گے جب اس کی حکمت ہوگی قیامت ظاہر ہو جائے گی وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو) کوئی شخص کیسا ہی اچھا عمل کرے یا برا عمل اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا دے گا۔

ولقد تم تفسیر سورہ النمل وللہ الحمد علی ماانعم واکرم والھم وعلم والصلوٰۃ
علی رسولہ الذی ارسل بالطریق الامم الی خیر الامم، وعلی الہ وصحبہ
الذین جاھدو النشر الدین فی العرب والعجم

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ قصص مکی ہے اور اسکی اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ

طٰسٓمّٓ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کی بعض خبریں

بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا

حق کے ساتھ سناتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ بلاشبہ فرعون زمین میں چڑھ گیا تھا۔ اور اس نے زمین والوں کی

يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

کئی قسمیں بنا رکھی تھیں۔ ان میں ایک جماعت کو کمزور کر رکھا تھا۔ انکے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور انکی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بلاشبہ

الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً

وہ فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور کیا ہوا ہے ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنا دیں

وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا

اور انہیں وارث بنا دیں اور زمین میں انہیں حکومت دیدیں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان مستضعفین کی جانب سے

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶

وہ واقعہ دکھلائیں جس سے وہ اپنا بچاؤ کرتے تھے

فرعون کی سرکشی اور بنی اسرائیل پر مظالم کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں پھر فرمایا کہ آپ کو موسیٰ اور فرعون کی بعض خبروں کو حق کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک آپ کو سناتے ہیں آپ کے واسطہ سے یہ خبریں اہل ایمان کو پہنچیں گی اور وہ ان سے عبرت حاصل کریں گے۔

پھر فرمایا کہ فرعون زمین یعنی سرزمین مصر میں حکومت اور اقتدار کے اعتبار سے بڑھ چڑھ گیا تھا۔ اس نے وہاں کے رہنے والوں کو کئی جماعتوں میں تقسیم کر رکھا تھا انہیں جماعتوں میں سے ایک جماعت بنی اسرائیل کی تھی انکو اس نے ضعیف بنا رکھا تھا اور انکے ضعف اور مجبوری کا یہ عالم تھا کہ انکے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور انکی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا

تھا۔ اتنی مظلومیت ہوتے ہوئے بنی اسرائیل اف نہیں کر سکتے تھے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو خبر دی تھی کہ تیری حکومت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ہوگا۔ لہٰذا اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اسے ذبح کر دیتا تھا اور لڑکیوں سے کیونکہ کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے انہیں زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ وہ فساد کرنیوالوں میں سے تھا) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ (الآیتین) سارے بندے اللہ تعالیٰ ہی کے مخلوق ہیں۔ سب کی عزت اور ذلت' بلندی اور پستی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے' اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ جو لوگ سرزمین مصر میں ضعیف اور ذلیل بنائے ہوئے ہیں ان پر احسان فرمائے اور انہیں آنیوالی نسلوں کے لئے پیشوا بنا دے اور انہیں زمین میں حکومت بھی عطا فرمائے۔ اور فرعون اس کا وزیر ہامان اور ان دونوں کے لشکر والے جن خطرات کا ان ضعیف لوگوں کی طرف سے خوف رکھتے تھے وہ خطرات واقعہ بن کران کے سامنے آ جائیں چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوئے اور ہلاکت اور زوالِ سلطنت کا جو انہیں اندیشہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کا ذریعہ نہ بن جائیں' آخر وہ واقعہ کی صورت سامنے آ گیا اور بنی اسرائیل ذریعہ کو قتل کر کے جو اس کی پیش بندی کی تھی اس کا اُسے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے سمندر میں ڈال دینا

وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ

اور نہ ڈرنا نہ غم کرنا' بلاشبہ ہم اُسے تیری طرف واپس کر دیں گے' اور اسے پیغمبروں میں سے بنا دیں گے' سو اسے آلِ فرعون نے

لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸

اُٹھا لیا تاکہ انکے لئے دشمن بن جائے اور غم کا باعث بنے۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان اور اس کا لشکر خطا کرنے والوں میں سے تھے

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میرے اور تیرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو' کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں نفع پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۗ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ

اور ان کو خبر نہ تھی' اور موسیٰ کی ماں کا دل بیقرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ اس کا حال ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے

رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ

تاکہ وہ یقین کرنیوالوں میں سے رہے اور موسیٰ کی والدہ نے اسکی بہن سے کہا کہ تو اسکے پیچھے پیچھے چلی جا۔ سو اس نے اسے دور سے

جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ

دیکھ لیا اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں پر بندش کر رکھی تھی۔ سو موسیٰ کی بہن بولی کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا

عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَـكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا

پتہ بتادوں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کریں اور وہ اسکے خیر خواہ بھی ہوں۔ سو ہم نے موسیٰ کو اسکی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

وَلَا تَحۡزَنَ وَلِتَعۡلَمَ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اور غمگین نہ ہو اور تاکہ وہ اس بات کو جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا صندوق میں رکھ کر انہیں سمندر میں ڈال دینا اور فرعون کے گھر والوں کا اُن کو اُٹھا لینا‘ پھر فرعون کے محل میں پرورش پانا

تفسیر: فرعون یہ سن کر کہ میری سلطنت کا زوال بنی اسرائیل کے لڑکے کے ہاتھ ہوگا اس کے توڑ میں لگ گیا اور اس کے نزدیک اس کا توڑ یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے چنانچہ اس کی حکومت کے جاسوس بنی اسرائیل کے رہنے کی جگہوں میں گھومتے پھرتے تھے اور بنی اسرائیل کے جس گھر میں کسی لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر ملتی تھی اسے ماں باپ سے چھین کر لے جاتے تھے اور ذبح کر ڈالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو انکی والدہ اپنے بچہ کی حفاظت کے بارے میں فکر مند ہوئیں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے دل میں ڈالا کہ تم بچہ کو دودھ پلاتی رہو پھر جب تمہیں جاسوسوں کا خطرہ ہو تو اس بچہ کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا اور اسکی ہلاکت کا خوف نہ کرنا اور نہ اسکی جدائی سے رنجیدہ ہونا ہم اسے تمہاری طرف واپس لوٹا دیں گے اور یہی نہیں کہ تمہارے پاس واپس پہنچ کر وہ دوسرے انسانوں کی طرح ایک عام انسان ہوگا بلکہ ہم اسے رسالت کا مرتبہ دیں گے۔ اور اسے اپنے پیغمبروں میں سے بنا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کر کے بچہ کو دریا میں ڈال دیا‘ دریا کے کنارے کنارے تابوت بہہ کر جا رہا تھا۔ فرعون کے گھر والوں کی نظر پڑی تو اس کو منگا کر دیکھا اس میں ایک بچہ نکلا اور یہ بچہ بڑا پیارا معلوم ہوا۔ جو دیکھتا گود میں لینے کی کوشش کرتا۔ لیکن فرعون کو یہ کھٹک ہوئی کہ کہیں یہ بنی اسرائیل کا وہی لڑکا نہ ہو جس کے بارے میں نجومیوں نے بتایا ہے کہ وہ میری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اس نے قتل کرنے کا ارادہ کیا کہا جاتا ہے فرعون لاولد تھا۔ جب فرعون کی بیوی نے محسوس کیا کہ وہ اس بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہے تو کہنے لگی کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا اسے قتل نہ کرو ممکن ہے کہ بڑا ہو کر ہمیں فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں گے۔ فرعون کی سمجھ میں بات آ گئی اور طے ہوا کہ اسکے لئے کوئی دودھ پلانیوالی اور پرورش کرنیوالی تلاش کی جائے۔ جتنی بھی دائیاں دودھ پلانیوالی عورتیں بلائی گئیں (بوتل سے دودھ پلانے کا رواج نہ تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ پینا گوارا نہ کیا۔ اب تو بڑی مشکل پیش آئی اور فکر مند ہوئے کہ اس کی پرورش کس طرح ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے تو باز آ گئے اور اپنے مشوروں میں اپنی حکومت کے اعتبار سے چوک گئے انہیں پتہ نہ تھا کہ جس کی پرورش کے مشورے کر رہے ہیں یہی وہ بچہ ہے جس کے ہاتھوں ہماری سلطنت برباد ہوگی۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا

خَاطِئِیْنَ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ لوگ نافرمان تھے اس نافرمانی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے۔ وھذا الذی اختارہ فی الجلالین وھو الثواب عندی و الجنود لادخل لھم فی تربیۃ موسیٰ علیہ السلام فیقال ان فرعون وھامان وجنود ھما اضطئوا فی تربیتہ علیہ السلام. (اور یہی تفسیر ہے جو تفسیر جلالین میں مختار سمجھی گئی ہے اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے کیونکہ فرعون کے لشکر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں کوئی دخل نہیں تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں غلطی کی ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا کَانُوْا خٰطِئِیْنَ)

ادھر تو یہ ہوا اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بیقرار ہو گیا۔ اور اتنا بے قرار ہوا کہ قریب تھا کہ اپنی بیقراری ظاہر کر دیں اور یہ بتا دیں کہ میرا بیٹا تھا میں نے ایسے ایسے تابوت میں ڈالا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط رکھا اور ظاہر کرنے نہ دیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا اس پر ان کا یقین پختہ رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک بات ڈالی کہ انہوں نے موسیٰ کی بہن کو حکم دیا کہ جاؤ اس کے پیچھے پیچھے چلی جاؤ۔ یعنی جدھر کو تابوت جائے ادھر ہی چلتی رہو اور یہ دیکھتی رہو کہ تابوت کہاں جاتا ہے وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہیں پھر دور سے دیکھ لیا کہ اسے آل فرعون نے اٹھا لیا ہے اور اس انداز سے پیچھے لگی رہیں کہ آل فرعون کو پتہ نہ چلے کہ یہ کون عورت ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے دیکھا کہ موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے اور آل فرعون اس کے بارے میں پریشان ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسا خاندان نہ بتادوں جو نہ صرف اسے دودھ پلائیں بلکہ اسکی پرورش میں انہیں کسی لالچ کی امید نہ ہو وہ اسکی پوری خیر خواہی کے ساتھ کفالت کر دیں۔ وہ لوگ پریشان تو ہو ہی رہے تھے کہنے لگے کہ بلاؤ وہ کون عورت ہے جس کا دودھ یہ بچہ قبول کر سکتا ہے۔ اس پر انہوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتا دیا چنانچہ وہ بلائی گئیں جب موسیٰ علیہ السلام کو انکی گود میں دیا گیا تو فوراً ہی دودھ پینا شروع کر دیا آل فرعون نے کہا کہ اچھا تم اسے لے جاؤ دودھ پلاؤ اور پرورش کرو چنانچہ وہ انہیں لے گئیں دودھ پلاتی رہیں اور پرورش کرتی رہیں مفسرین نے لکھا ہے انہیں اس کا معاوضہ بھی ملتا رہا جو روزانہ ایک دینار تھا۔

فَرَدَدْنٰہُ اِلٰٓی اُمِّہٖ (الآیۃ) سو ہم نے موسیٰ کو انکی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور بچہ کی جدائی سے غمگین نہ ہوں اور تاکہ اس بات کا اور زیادہ یقین کر لیں کہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح اپنے بندوں کے ساتھ رحم کا معاملہ فرماتا ہے۔ اور کس کس طرح ظالموں کو ان کی تدبیروں میں ناکام بناتا ہے۔

فائدہ: یہاں بعض مفسرین نے یہ سوال اٹھایا کہ اپنی اولاد کی پرورش کرنا تو فرض ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے بچہ کی پرورش کرنے اور دودھ پلانے پر اجرت کیسے قبول فرمائی؟ لیکن قرآن مجید میں اجرت لینے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اور اگر اجرت لی بھی ہو تو کافر ہی سے لی تھی اور حربی کا مال یوں بھی مباح ہے جبکہ وہ کسی دھوکہ دہی کے طریقہ پر نہ لیا جائے پھر جب دشمن کی خوشی سے معاملہ معاہدہ کر کے لے لیا تو اسکے جواز میں کوئی شبہ رہتا ہی نہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَاسْتَوٰٓی اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب موسیٰ اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور پوری طرح درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور اچھا کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ

اور وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے لوگ غافل تھے سو اس میں دو مردوں کو پایا جو آپس میں سے تھا

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ

سو جو شخص ان کی جماعت میں سے تھا اس نے ان سے اس شخص کے مقابلہ میں مدد طلب کی جو ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ سو موسیٰ نے اس کو گھونسا مار دیا۔

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ

سو اس کا کام تمام کر دیا۔ موسیٰ نے کہا یہ شیطانی حرکت ہے بلاشبہ وہ دشمن ہے گمراہ کرنیوالا ہے واضح طور پر، موسیٰ نے کہا اے میرے

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ

رب بلاشبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ سو آپ میری مغفرت فرما دیجئے۔ سو اللہ نے ان کو بخش دیا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ

اس سبب سے کہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا۔ سو میں ہرگز بھی مجرمین کو مدد کرنیوالا نہیں بنوں گا۔ پھر اگلے شہر میں موسیٰ کو صبح ہوئی خوف کی حالت میں

فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۚ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ

کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گزشتہ میں ان سے مدد طلب کی تھی پھر انسے مدد طلب کر رہا ہے۔ موسیٰ نے کہا بلاشبہ تو تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب

اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا

موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی شخص بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر دو

قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ

جیسا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے بس تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں اپنا زور بتلاتے رہو

تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى

اور اصلاح کرنیوالوں میں سے نہیں ہونا چاہتے اور ایک شخص شہر کے دور والے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے موسیٰ

اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا

بلاشبہ بات یہ ہے کہ اہل دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ لہٰذا آپ نکل جایئے بلاشبہ میں آپ کی بھلائی چاہنے والوں میں سے ہوں۔ سو وہاں سے

خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے نکل گئے۔ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھے ظالم قوم سے نجات دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص کا قتل ہو جانا پھر مصر چھوڑ کر مدین چلے جانا

تفسیر: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکل جانے کا اور اس کے لئے ایک قبطی کے قتل کا بہانہ بن جانے کا ذکر ہے اور چونکہ مصر سے نکل کر مدین تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے واپس ہو کر راستہ میں نبوت سے سرفراز کر دیئے گئے تھے اس لئے قتل قبطی کے قصہ سے پہلے یہ بیان فرمادیا کہ جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور صحت اور تندرستی کے اعتبار سے خوب اچھی طرح مضبوط اور ٹھیک ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمادیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فہم سلیم اور عقل مستقیم مراد ہے جو مدین کو جانے سے پہلے انہیں عطا کر دی گئی تھی۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (اور ہم اسی طرح اچھے کام کرنیوالوں کا بدلہ دیا کرتے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن کہیں شہر سے باہر تشریف لے گئے (ممکن ہے کہ اپنی والدہ کے پاس تشریف لے گئے ہوں جو بظاہر شہر سے دور کسی دیہات میں رہتی ہوں گی) پھر وہاں سے شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام طور سے لوگوں کے غفلت کا وقت تھا بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ دوپہر کا وقت جبکہ لوگ سو چکے تھے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں ایک آدمی انکی جماعت میں سے تھا یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا شخص انکے دشمنوں میں سے تھا یعنی فرعون کی قوم میں سے جنہیں قوم قبط کہا جاتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری والے شخص کو اپنا ایک آدمی نظر آ گیا اور آدمی بھی وہ جو خوب جوانی میں بھرا ہوا تھا اور قوت جسمانیہ کے اعتبار سے بالکل مضبوط اور پکا تھا۔ اس نے آپ سے مدد مانگی اور کہنے لگا کہ دیکھئے یہ شخص مجھ پر زیادتی کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک گھونسہ ماردیا جس سے اس کا کام تمام ہو گیا یعنی اس کا دم نکل گیا اور جان جاتی رہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس کو جان سے مارنا نہ تھا تادیباً ایک گھونسہ مارا تھا لیکن ایک ہی گھونسہ اسکی موت کا بہانہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی پشیمانی ہوئی کہ ایک شخص کا قتل ہو گیا لہٰذا انہوں نے اول تو یوں کہا کہ یہ ایک شیطانی حرکت ہو گئی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اس کا کام گمراہ کرنا ہے بنی آدم سے ایسی حرکتیں کراتا رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا لہٰذا میری مغفرت فرمائیے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔ اہل خیر اور اہل اصلاح کا یہ طریقہ ہے کہ بلا ارادہ بھی اگر ان سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو گناہ کی فہرست میں آ سکتا ہو تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں۔ اور قتل خطا میں تو دیت بھی لازمی ہوتی ہے لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافر حربی کو قتل کیا تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شریعت بھی جاری نہیں تھی اس لئے دیت کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ لیکن قتل نفس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور مغفرت کی درخواست پیش کر دی اور اللہ تعالیٰ نے انکی مغفرت فرمادی اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں مزید عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ پر آپ کے بڑے بڑے

انعامات ہیں۔ان کا تقاضا یہ ہے کہ میں مجرمین کا مددگار نہ بنوں لہٰذا میں کبھی ان کی مدد نہ کروں گا جو گناہ کرنیوالے اور گناہ کروانے والے ہوتے ہیں۔دونوں قسم کے مجرموں سے دور رہنے اور ان کا معاون نہ بننے کا بارگاہ خداوندی میں عہد کیا شیطان چونکہ گناہ کراتا ہے لہٰذا اس بیزاری کے عموم میں وہ بھی آ گیا اس میں یہ بات بھی داخل ہوگئی ہے کہ شیطان کے کہنے پر عمل نہ کروں گا کیونکہ اسکی بات ماننے میں اسکی مدد ہوتی ہے اور یہ عہد بھی ہوگیا کہ ہمیشہ احتیاط سے کام لوں گا۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہر گناہ گناہ ہے اسی طرح گناہ کی مدد کرنا بھی گناہ ہے عام طور سے لوگ اس سے غافل ہیں گناہگاروں کے ساتھ جاتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں، رشوت دلانے کے ایجنٹ بنتے ہیں بنکوں میں اور انشورنس کمپنیوں میں نوکریاں کرتے ہیں شراب بیچنے والی دکانوں میں ملازم ہو جاتے ہیں امیروں، وزیروں اور چھوٹے بڑے حاکموں کے مظالم میں ان کا ساتھ دیتے ہیں یہ سب گناہ ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے بیوقوفوں کی امارت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں فرمایا میرے بعد ایسے امراء ہوں گے کہ جو شخص ان کے پاس گیا اور ان کے جھوٹ کو سچا بتایا اور ظلم پر انکی مدد کی تو وہ شخص مجھ سے نہیں اور ایسے اشخاص سے میرا تعلق نہیں، اور وہ ہرگز میرے پاس حوض پر نہ پہنچیں گے۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۲ از ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کیساتھ چلا تاکہ اس کو قوت پہنچائے اور وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶ عن البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ٹیکس وصول کرنیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا۔(مشکوٰۃ المصابیح ۳۲۲) ہر وہ ملازمت حرام ہے جس میں گناہ کیا جاتا ہو ظلم کیا جاتا ہو ظالم کی مدد کی جاتی ہو کیونکہ گناہ کرنا، اور گناہ کی مدد کرنا دونوں حرام ہیں اسی لئے گناہ کی اجرت اور گناہ پر مدد کرنیکی اجرت بھی حرام ہے جو لوگ حکومتوں کے محکموں میں یا دوسرے اداروں اور فرموں میں اور کمپنیوں میں لگے ہوئے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کرلیں کہ وہ کس طرز پر چل رہے ہیں اور وہ خود اپنی جان کیلئے وبال تو نہیں بن رہے ہیں؟

قرآن مجید میں اسکی تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو قتل ہو گیا تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرلی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا اس کے بعد جب ان سے قیامت کے دن سفارش کرنے کے لئے عرض کیا جائے گا تو وہ اپنے اس قتل والے واقعہ کو یاد کر کے شفاعت کرنے سے یہ فرما کر عذر کر دیں گے **قَتَلْتُ نَفْسًا لَّمْ اُوْمَرْ بِقَتْلِهَا** کہ میں نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا جن کے بلند مراتب ہیں انکی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔

آج یہ واقعہ ہوا کہ ایک قبطی کو تادیباً گھونسہ مارا تو وہ مر ہی گیا اب اگلے دن یہ ہوا کہ جب صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام شہر میں نکلے، لیکن ساتھ ہی خوف زدہ بھی تھے کہ دشمنوں کو واقعہ قتل کا پتہ نہ چل گیا ہو اور اس کا بھی انتظار تھا کہ فرعونی حکومت اور اس کے کارندے کہیں قبطی کے قتل کرنے کی وجہ سے میرے قتل کے درپے نہ ہوں اسی خوف اور غور و فکر میں تھے کہ اچانک وہی اسرائیلی شخص نظر آ گیا جس نے گزشتہ کل ایک قبطی کے مقابلے میں مدد طلب کی تھی۔آج بھی ایک

آدمی سے اس کی لڑائی ہو رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو مدد طلب کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو اسکو تنبیہ فرمائی کہ تو کل بھی لڑ رہا تھا اور آج بھی لڑ رہا ہے' تو تو صریح طور پر بے راہ آدمی ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قبطی کی طرف متوجہ ہوئے جس سے اسرائیلی کی لڑائی ہو رہی تھی قبطی پورے بنی اسرائیل کے دشمن تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا اسے پکڑیں ابھی ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسرائیلی نے یہ سمجھا کہ جب مجھے بے راہ بتا رہے ہیں تو مجھ ہی کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں مشہور ہے کہ نادان دوست سمجھدار دشمن سے بھی زیادہ تکلیف دیتا ہے' اسرائیلی نے کہا کہ اے موسیٰ کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تمہارا یہی کام رہ گیا ہے کہ زمین میں اپنی زور آوری دکھایا کرو اور تم اصلاح کرنیوالوں میں ہونا نہیں چاہتے۔ بعض مفسرین نے یہاں پر یہ نکتہ بیان کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا اس لئے اگلے ہی دن پھر اسی میں مبتلا ہو گئے جس میں کل ابتلا ہوا تھا اور جبکہ ایک اسرائیلی کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ کل تم ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو تو اس شخص کے قاتل کا پتہ چل گیا جو کل مقتول ہو گیا تھا۔ اس بات کو فرعون کی قوم کے آدمی نے بھی سن لیا اور فرعون کے درباریوں کو قاتل کا علم ہو گیا لہٰذا فرعون نے اور اس کے درباریوں نے باہمی مشورہ کیا کہ موسیٰ کو قتل کر دینا چاہئے اور گو کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروائی تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور طریق سے اسے اس بات کا خطرہ لگا رہتا تھا کہ یہ وہی شخص تو نہیں جس کے ذریعہ میری حکومت برباد ہو گی؟

جب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ ہو گیا تو ایک شخص کو اس مشورے کا پتہ چل گیا (ممکن ہے یہ شخص فرعون کے درباریوں میں سے ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت اور عقیدت رکھتا ہو) یہ شخص دوڑتا ہوا شہر کے دور والے کنارہ سے آیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ اور یہ میں آپکی خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں۔ اس شخص کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ہوئے اور دشمن کا گرفت کا خطرہ دل میں لئے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے ظالموں سے نجات دید یجئے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف توجہ کی تو یوں کہا کہ اُمید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ چلا دے گا۔ اور جب

وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ

مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور وہاں دو عورتوں کو دیکھا جو اُن لوگوں سے روک رہی تھیں موسیٰ نے پوچھا تم دونوں کا

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٠ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

کیا حال ہے؟ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہم اسوقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ چرواہے واپس نہ لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں'

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

سو موسیٰ نے ان کے لئے پانی پلادیا' پھر سایہ کی طرف ہٹ گئے' پھر یوں کہا کہ اے میرے رب آپ جو کچھ خیر میرے لئے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں'

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ

سو ان دو عورتوں میں سے ایک عورت موسیٰ کے پاس آئی جو چلتے ہوئے شرما رہی تھی اس نے کہا کہ بلاشبہ میرے والد تم کو بلا رہے ہیں تاکہ تمہیں اس کا صلہ دیں جو تم نے ہمارے لئے

لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ

پانی پلایا' پس جب موسیٰ انکے پاس آئے اور انکو واقعات سنائے تو انہوں نے کہا کہ خوف نہ کرو تم ظالم قوم سے نجات

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

پا گئے ہو ان دونوں عورتوں میں سے ایک کہنے لگی کہ ابا جی آپ اس شخص کو مزدوری پر رکھ لیجئے بیشک جس کسی کو آپ مزدوری پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قوی ہو امانت دار ہو۔

قَالَ اِنِّىْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَىَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِىْ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ فَاِنْ

شیخ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کردوں اس شرط پر کہ تم میرے پاس آٹھ سال نوکری کے طور پر عمل کرو۔ سو اگر

اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِىْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ

تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہو گا اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم پر مشقت ڈالوں' ان شاء اللہ تم مجھے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَىَّ وَاللّٰهُ

صالحین میں سے پاؤ گے' موسیٰ نے کہا یہ معاملہ ہے میرے اور آپ کے درمیان' میں دونوں مدتوں میں سے جونسی مدت پوری کردوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور

عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر وکیل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا وہاں دو لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلانا پھر ان میں سے ایک لڑکی سے شادی ہونا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک شخص نے رائے دی کہ دربار والے تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تم یہاں سے نکل جاؤ تو وہ سرزمین مصر سے روانہ ہو گئے اور مدین کی طرف چل دیئے جو ملک شام کا ایک شہر ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت میں شامل نہیں تھا۔ اور وہ زمانہ پاسپورٹ اور ویزے کا بھی نہیں تھا جو شخص جس ملک میں اور جس شہر میں چاہتا جا سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا رخ کیا وہاں کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے راستہ معلوم نہیں تھا اللہ

تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ کر نکل کھڑے ہوئے اور یوں کہا کہ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ بتادے گا) موسیٰ علیہ السلام تنہا تھے کوئی رہبر نہ تھا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور اللہ کی مدد سے سیدھی راہ پر چل کر مدین پہنچنے کی امید باندھ کر روانہ ہو گئے بالآخر صحیح سلامت مدین پہنچ گئے۔ پہنچ تو گئے لیکن وہاں کبھی نہ جانا ہوا تھا نہ کسی سے شناسائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کوئی ظاہری اور مجازی مدد سامنے نہ تھی جب مدین پہنچے تو ایک کنوئیں پر گزر ہوا وہاں دیکھا کہ ایک بڑی جماعت ہے بھیڑ بھاڑ ہے بکریاں چرانے والے اپنی اپنی بکریاں لے کر آئے ہیں۔ اور انہیں پانی پلا رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریاں لئے کھڑی ہیں وہ اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں تا کہ دوسروں کی بکریوں میں رل مل نہ جائیں اور دوسروں کا کھینچا ہوا پانی نہ پی لیں ورنہ پانی کھینچنے والے ان بکریوں کو مار بھگائیں گے جو ان کی اپنی نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے' الگ کھڑے ہونے کا مقصد کیا ہے ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ جو پانی پلا رہے ہیں' مرد ہیں ہم ان کے ساتھ کنوئیں میں ڈول ڈال کر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتے' لہٰذا ہم یہ کرتے ہیں کہ جب چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس لے جاتے ہیں تو ہم اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں ایک تو عورت ذات مردوں کی بھیڑ میں ڈول نہیں کھینچ سکتی' دوسرے مردوں کے اختلاط سے بھی بچنا ہے چونکہ یہ ایک اشکال ہوتا تھا کہ بکریوں کو پانی پلانا تم دونوں کے ذمہ کیوں پڑا؟ کیا تمہارے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اس لئے اس کا جواب بھی انہوں نے دیدیا وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ کہہ کر بتا دیا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں' وہ پانی پلانے کیلئے نہیں آ سکتے اور اتنا کہنے کے بعد جو خاموشی اختیار کر لی اسی خاموشی میں یہ بھی بتا دیا کہ نہ ہمارے شوہر ہیں اور نہ بھائی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترس آ گیا اور جلدی سے آگے بڑھ کر انکی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پانی پلانے کے بعد کنوئیں سے ہٹ کر سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر عرض کیا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (اے میرے رب جو خیر آپ میرے لئے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مومنین صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہر مشکل میں اور ہر بے بسی میں اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں)

لفظ مِنْ خَیْرٍ میں جونکرہ ہے اس کی عموم میں سب کچھ آ گیا۔ بھوک دور کرنے کا انتظام بھی کچھ غذا بھی اور امن وامان بھی' نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی' مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہو کر مدین پہنچے' پورے سفر میں سبزیوں کے پتے کھاتے رہے بھوک کی وجہ سے پیٹ کمر سے لگ گیا تھا بھوکے بھی تھے' دبلا پن بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے جو خیر کا سوال کیا اس میں خاص طور سے کھانے والی چیز کا سوال بھی تھا۔

دونوں عورتیں آج اپنی بکریوں کو لے کر خلاف عادت جلدی گھر پہنچیں تو انکے والد نے کہا کہ کیا بات ہے کہ آج تم جلدی آ گئیں' انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا ہے اور ساتھ ہی اس شخص کی اچھی صفات بھی بیان کر دیں۔ ان دونوں عورتوں کے والد نے کہا کہ اچھا جاؤ اس شخص کو بلا لاؤ۔ چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عورت آئی جو شرماتی ہوئی چل رہی تھی۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے چہرہ پر کپڑا ڈال رکھا تھا اس نے کہا کہ یقین جانئے

کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ کو پانی پلانے کا صلہ دیدیں۔
روح المعانی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن انہوں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ شرماتی ہوئی آرہی ہے اور خود بھی شرمیلے تھے اور حیاوشرم تمام نبیوں کا شعار تھا لہٰذا اس عورت سے کہا کہ تو میرے پیچھے پیچھے چل اور مجھے راستہ بتاتی رہنا۔ دائیں بائیں جدھر کو مڑنا ہو بتا دینا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ پردہ دار عورت کے پیچھے چلیں جو اچھی طرح کپڑوں کو ڈھانکی ہوئی تھی۔ اسی طرح چلتے ہوئے اس لڑکی کے والد کے پاس پہنچے۔ جب انکے پاس پہنچ گئے تو اپنا واقعہ بتایا۔ اُنہوں نے قصہ سنکر تسلی دی اور کہا کہ آپ خوفزدہ نہ ہوں آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں جن لوگوں نے آپ کے قتل کا مشورہ کیا ہے انکی دسترس سے نکل چکے ہیں اس ملک میں ان لوگوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک عورت نے کہا کہ ابا جان اس شخص کو آپ ملازمت پر رکھ لیجئے۔ یہ بکریاں بھی چرائیں گے اور دوسری خدمات بھی انجام دیں گے۔ میرے نزدیک یہ شخص قوی بھی ہے امین بھی ہے اور ملازم رکھنے کے لئے وہی شخص بہتر ہے جو قوی ہو اور امین بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوی ہونا اُنکی بھری ہوئی جوانی سے ظاہر تھا اور پانی پلاتے وقت جو اُن کا عمل دیکھا تھا اس سے بھی انکی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ان دونوں عورتوں نے یوں کہا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتے جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا' کیا اس کنویں کے علاوہ کہیں اور بھی پانی ہے؟ اس پر ان دونوں عورتوں نے کہا کہ ہاں قریب میں ایک کنواں اور ہے اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے اسے چند آدمی بھی ملکر نہیں اُٹھا سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ وہ کہاں ہے وہ دونوں انہیں اس کنویں میں لے گئیں حضرت موسیٰ نے ایک ہی ہاتھ سے اس پتھر کو ہٹا دیا پھر انکی بکریوں کو پانی پلا کر پتھر کو اسی طرح کنویں کے منہ پر رکھ دیا جس طرح پہلے رکھا تھا۔ (روح المعانی ص ۶۳ ج ۲) اور موسیٰ علیہ السلام کا امین ہونا اس سے ظاہر ہوا کہ اُنہوں نے اپنی نظر تک کو خیانت سے بچایا اور یہاں تک کہ احتیاط کی کہ عورت کو اپنے پیچھے چلنے کے لئے فرمایا اور خود آگے آگے چلے۔ شیخ مدین نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے تمہارے ساتھ ایک کا نکاح کر دوں' بشرطیکہ تم میرے پاس بطور اجیر آٹھ سال کام کرو۔ میری طرف سے تو آٹھ سال ہی مطالبہ رہے گا اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے بطور تفضل اور مہربانی کے ہوگا یعنی تمہاری طرف سے ایک احسان ہوگا۔ میں تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا' نہ دس سال پورے کرنے کے لئے کہوں گا اور نہ کاموں میں داروگیر کرونگا۔
(قال فی الروح بالزام إتمام العشر والمناقشة فی مراعاة الاوقات واستیفاء الاعمال) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: سَتَجِدُنِیٓ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ (کہ ان شاء اللہ تم مجھے اچھے لوگوں میں پاؤ گے) حسن معاملہ اور برتاؤ میں نرمی اور وفائے عہد میں تم مجھے اچھا پاؤ گے اور میری طرف سے کوئی دکھ تکلیف اور کدورت والی کوئی بات محسوس نہ کرو گے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیخ مدین کی پیش کش پسند آ گئی اللہ تعالیٰ سے جو خیر کی دُعا کی تھی اُسکی قبولیت سامنے آ گئی' نکاح کا بھی انتظام ہو گیا اور کھانے پینے کا بھی نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی مل گیا' لہٰذا شیخ مدین کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے یہ میرا اور آپ کا معاملہ اور معاہدہ ہو گیا' آپ بھی اپنی بات پر قائم رہیں اور میں بھی اس معاملے کے مطابق عمل کرتا

رہوں گا۔آپ نے آٹھ یا دس سال کے لئے مجھ سے خدمت لینے کا معاملہ کیا ہے۔دونوں مدتوں میں جو بھی پورا کرلوں' مجھے اختیار ہے' اگر آٹھ سال کے بعد میں نے کام چھوڑ دیا تو آپ کی طرف سے مجھ پر زیادہ طاقت دینے کے لئے زیادتی نہ ہوگی۔آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں کہا کہ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (اللہ اس پر وکیل ہے جو ہم کہہ رہے ہیں) وکیل کا ترجمہ کسی نے نگران کا کیا ہے کسی نے گواہ کا کیا ہے اور کسی نے معنی معروف کا مراد لیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ وَكَّلَ اِلَيْهِ الْاَمُوْرَ یہ سارے معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔وکیل بمعنی گواہ مراد لینے سے یہ مطلب ہوگا کہ ہم نے جو کچھ آپس میں معاہدہ و معاملہ کیا ہے ہم اس بارے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں کسی بھی فریق کو اپنے عہد کی مخالفت کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔آپ نے سورہ طٰسٓمٓ پڑھی۔یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصے تک پہنچ گئے (اور) فرمایا بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کو پاک رکھنے کی اور اپنے پیٹ کی روزی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو آٹھ سال یا دس سال مزدوری کی کام میں لگایا۔(رواہ احمد ابن ماجہ ص ۱۶۷) مفسر ابن کثیرؒ نے متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے دس سال شیخ مدین کے پاس گزارے اور انکی بکریاں چرائیں۔(ابن کثیر ص ۳۸۶ ج ۳)

شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے اور علی کے پاس صرف ایک مینڈھے کی کھال ہے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اسپر اونٹ کو چارہ کھلاتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے میری بیٹی! صبر کر! کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا اور دونوں کے پاس صرف ایک عبا تھی (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے) اگر یہ روایت صحیح السند ہو تو پھر دس سال پورے کرنا متعین ہو جاتا ہے اور اس صورت میں حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو دس سال یا آٹھ سال کے الفاظ شک کے ساتھ ہیں اس شک کو راوی کے شک پر محمول کیا جائیگا۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔صحابہ نے عرض کیا' کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں چند قیراط کے عوض میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔(رواہ البخاری ص ۳۰۱)

مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک قیراط ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔علماء نے فرمایا ہے کہ بکری ضعیف جنس ہے ادھر اُدھر بھاگ جاتی ہے اُسے مارا جائے تو ٹانگ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا بکری چرانے والے کو شفقت اور صبر ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔حضرات انبیاء کرامؑ نے پہلے بکریاں چرائیں' مزاج میں صبر اور تحمل کی شان پیدا ہوئی پھر ان کو نبوتیں عطا کی گئیں تاکہ مخالفین سے پیش آنیوالی مصیبتوں پر صبر کرسکیں اور تحمل اور برداشت سے کام لیں۔

---

[1] صحیح بخاری ص ۳۶۹ میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت پوری کی' اُنہوں نے جواب میں فرمایا کہ دونوں میں جو اکثر اور اطیب تھی وہی پوری کی (یعنی دس سال شیخ مدین کی خدمت میں رہے) اللہ کے رسولوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ولفظہ قضی اکثرھما واطیبھما ان رسول اللہ اذا قال فعل (باب من امر بانجاز الوعد) (اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے زیادہ اور بہتر مدت کو پورا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول جب کوئی بات کہتا ہے تو کر کے دکھاتا ہے)

فوائد

فائدہ اولیٰ: قرآن مجید میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ ان دونوں عورتوں کے والد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی معاوضہ دیا یا کھانا کھلایا البتہ روح المعانی (ص ۶۵ ج ۲۰) میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو شیخ رات کے کھانے کے لئے بیٹھے تھے اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ میرے پانی پلانے کا عوض بھی نہیں دے سکتے جس سے پوری زمین بھر جائے، شیخ نے کہا کہ یہ اُجرت نہیں ہے۔ میرے اور میرے باپ دادوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہم مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا۔

فائدہ ثانیہ: یہ شیخ مدین کون تھے جن کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے گزر چکے تھے ان لوگوں کا استدلال سورۂ ہود کی آیت وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ لوط کی قوم زمانے کے اعتبار سے تم سے دور نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان چار سو سال کا فصل تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام کیسے ہو سکتے ہیں؟ بعض لوگوں نے اس اشکال کو یوں رَفع کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر اتنی زیادہ دراز ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا زمانہ پالیا۔ لیکن اسکی کوئی سند نہیں ہے (ابن کثیر)

صاحب روح المعانی نے حضرت ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے کہ جو صاحب موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے اُن کا نام اثرون تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور بعض حضرات نے اُن کا نام ہارون اور بعض حضرات نے مروان اور بعض حضرات نے (عاوید) بتایا ہے اور ان سب کو حضرت شعیب علیہ السلام کا بھتیجا ظاہر کیا ہے۔ مفسر ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور اجیر اپنے یہاں رکھا تھا انکا نام یثرب تھا۔ اسی بارے میں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔ صاحب روح المعانی اور علامہ قرطبیؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام ہی تھے لیکن مفسر ابن کثیرؒ نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ اِنَّ هٰذَا لا یدرک الا بخبرٍ ولا خبر تجب به الحجة فِیْ ذٰلِکَ یعنی کسی حدیث کے بغیر اس کے بارے میں صحیح بات نہیں کہی جا سکتی اور اس بارے میں کوئی ایسی روایت سامنے نہیں ہے۔ جس سے حجت قائم ہو سکے واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ ثالثہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیخ مدین نے یوں کہا کہ میں آپ کو اپنے یہاں کام پر ملازم رکھنا چاہتا ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا تکلف اسے منظور فرمالیا اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ضرورت اور حاجت کے لئے مزدوری کرنا کوئی عار اور عیب نہیں ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں نے بھی چند قیراط کے عوض

اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ (کمامرّ الحدیث) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کچھ پڑھ لکھ لیتے ہیں یا اپنے آپ کو کسی اونچے خاندان کا فرد سمجھتے ہیں تو ملازمت و مزدوری کرنے کو عار سمجھتے ہیں۔ بھوکے رہتے ہیں۔ حاجتیں رُکی رہتی ہیں۔ لیکن مزدوری کرنے سے بچتے ہیں اور اس میں اپنی حقارت سمجھتے ہیں۔ قرضوں پر قرضے لئے چلے جاتے ہیں جبکہ اَدائیگی کا بظاہر انتظام بھی نہیں ہوتا لیکن محنت مزدوری کر کے کسبِ حلال کی طرف نہیں بڑھاتے۔ یہ صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔

فائدہ رابع: شیخ مدین کی ایک لڑکی نے جو کہا کہ اے ابا جان اس شخص کو اپنے یہاں اُجرت پر رکھ لیجئے اور ساتھ یوں بھی کہا اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ (کہ جسے آپ مزدوری پر رکھیں ان میں بہتر آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو امین بھی ہو) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف تو ہے ہی کہ یہ شخص قوت والا ہے اور امانتدار ہے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اپنے کام کے لئے ایسے شخص کو مزدور رکھا جائے جو اس کام کو کر سکتا ہو جس کے لئے ملازم رکھا جا رہا ہے اور ہر عمل کی قوت علیحدہ ہوتی ہے کسی کو پڑھانے کی قوت و صلاحیت ہونی چاہئے۔ جس کسی کو محاسب رکھا جائے وہ حساب دان ہونا چاہئے۔ جس کسی سے عمارت بنوائے وہ اس کا اہل ہونا چاہئے۔ خواہ معمار ہو خواہ سیمنٹ بنانے والا ہو خواہ اینٹیں اٹھا کر دینے والا ہو لفظ قوی، جسمانی، قلبی، دماغی سب قوتوں کو شامل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جسے کسی کام پر رکھا جائے وہ امانتدار بھی ہونا چاہئے اس میں ہر قسم کی امانت داخل ہے۔ مال میں بھی خیانت نہ کرے، وقت بھی پورا دے اور جس کے یہاں کام پر لگے اس کے اہل و عیال کے بارے میں بھی بدنفسی اور بدنظری کے خیال سے پاک اور صاف رہے۔ آجکل لوگوں میں خیانت بہت ہے جب کوئی شخص مزدوروں کو کام پر لاتا ہے تو جب تک سامنے رہتا ہے اچھی طرح لگ کر کام کرتے ہیں اور جہاں وہ نظروں سے اوجھل ہوا باتیں بنانے لگے۔ عموماً دفتروں میں کام کرنیوالے اور اسکولوں میں پڑھانے والے تنخواہ پوری لے لیتے ہیں اور کام آدھا تہائی کرتے ہیں۔ آپس میں ملکر نمبر وار ایک شخص پورے مہینہ غیر حاضری کرتا ہے اور رجسٹر حاضری میں برابر لکھی جاتی ہے یہ سب خیانت ہے۔ جن لوگوں کو حکومت کے محکموں میں یا دوسرے اداروں میں ملازم رکھنے کا اختیار دیا گیا ہو ان لوگوں پر لازم ہے کہ جسے ملازم رکھیں اسکی صلاحیت بھی دیکھیں اور امانتدار ہونے کا بھی پتہ چلائیں محض ڈگریاں دیکھنے پر اکتفاء نہ کریں اور رشوت لے کر کسی کو ملازم رکھیں اور نہ قرابت داری کو ملازم رکھنے کا سبب بنائیں۔

فائدہ خامسہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں تم سے اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب لڑکی نکاح کے قابل ہو جائے اور اس کے مناسب حال رشتہ مل جائے تو اس میں دیر نہ لگائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! تین چیزیں ایسی ہیں جس میں دیر نہ لگائی جائے۔

۱- نماز (جب اسکا وقت ہو جائے) ۲- جنازہ (اسکی نماز اور تدفین) جب حاضر ہو جائے۔

۳- بے شوہر والی عورت (جب تو) اسکے لئے کفو پالے (رواہ الترمذی مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے راضی ہو تو اس کا نکاح کر دو۔ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہو

جائے گا اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

شیخ مدین کے عمل سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص سے یہ کہنا کہ میں تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ آجکل جو لوگوں میں یہ طریقہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے خود رشتہ نہیں ڈھونڈتے، پیغام آنے کے انتظار میں رہتے ہیں اگر اچھا رشتہ سامنے آجائے تو اپنی زبان سے بات چلانے کو عیب سمجھتے ہیں۔ یہ جاہلانہ بات ہے۔ اسی طرح اگر لڑکی کا نکاح ہوتا ہے تو باپ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ اور مجلس عقد میں حاضر ہوتا ہے تو خود ایجاب وقبول کرنے کو آبرو کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا انکے شوہر کے شہید ہو جانے کی وجہ سے بیوہ ہو گئیں تو عدت گزر جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میری بیٹی کو نکاح میں قبول کر لیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔ انہی دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت رقیہ (رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی) کی وفات ہو گئی تھی لہٰذا حضرت عمر نے حضرت عثمان سے کہا کہ میری بیٹی کو اپنی نکاح میں قبول کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان دنوں نکاح کرنے کا خیال نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بطور شکایت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کر دی تو آپ نے فرمایا کہ حفصہ سے وہ شخص نکاح کریگا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کے نکاح میں ایسی بیوی آجائے گی جو حفصہ سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت حفصہ سے خود نکاح فرما لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی صاحبزادی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو اپنے دل میں ناراض نہ ہونا رسول اللہ ﷺ نے میرے سامنے تذکرہ فرمایا تھا کہ میں حفصہ سے نکاح کرلوں گا لہٰذا مجھے یہ بات پسند نہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کا راز افشا کروں اگر آپ حفصہ سے نکاح کرنے کا خیال چھوڑ دیتے تو میں نکاح کر لیتا۔ (راجع الاستیعاب والاصابہ ذکر حفصۃ ورقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہن)

فائدہ سادسہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا کہ میں ان دو لڑکیوں میں اس شرط پر تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں کہ آٹھ سال میرے پاس ملازمت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہر میں کوئی دینار و درہم روپیہ و پیسہ اور کوئی مالیت کی چیز دینا ہی ضروری نہیں ہے۔ شوہر کا خدمت کرنا بھی مہر بن سکتا ہے۔ البتہ فقہاء حنفیہ یوں کہتے ہیں کہ کوئی آزاد شخص (جو غلام نہ ہو) اپنی بیوی کی خدمت کرنے کو مہر بنا کر نکاح کرلے تو اسے مہر مثل ملے گا۔ نکاح تو ہو جائے گا لیکن شوہر اس کی خدمت نہ کریگا کیونکہ یہ قلب موضوع ہے کہ شوہر بیوی کا خادم بن جائے اور شیخ مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ سے جو شوافع نے جواز پر استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس شرط پر نکاح کرنے کا ذکر ہے کہ تم آٹھ سال میرے ہاں اجرت پر کام کرو وہاں مہر کا ذکر ہی نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ انکی شریعت میں مہر ضروری تھا پھر یہ بات بھی ہے کہ بکریاں بیوی کے باپ کی تھیں اور انہیں کی خدمت کا وعدہ تھا اسی لئے ان تاجرنی فرمایا ہے ان تاجرھا نہیں فرمایا۔ قال ابن الھام فی فتح القدیر ص ۲۲۴ ج ۳ وکون الاوجه الصحة لقص الله سبحانه قصة شعيب وموسىٰ عليهما السلام من غير بيان نفيه فی شرعنا انما يلزم لو كانت الغنم ملك البنت دون شعيب وهو منتف۔ (امام ابن الھمام فتح

القدیر میں فرماتے ہیں حضرت شعیب وحضرت موسیٰ علیہما السلام کے قصہ کو ہماری شریعت میں نفی کے بغیر بیان کرنا آزاد آدمی کی خدمت کو بیوی کے حق مہر مقرر کرنے کے جائز ہونے کی دلیل تب ہوتا جب بکریاں ان کی بیٹی کی ملکیت ہوتیں تا کہ حضرت شعیب کی جبکہ یہ بات ہے نہیں کہ بکریاں بیٹی کی تھیں) شوہر اگر بیوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی خدمت کر دے اگر چہ مہر ہی کے طور پر تو حنفیہ اسکے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ جب باپ کی خدمت کر دی تو بیٹی کو کیا ملا اور اس کا مہر اس طرح ادا ہوا تو اسکی ادائیگی اس کے ذمہ آتی ہے جس نے محنت مزدوری پر رکھا اور کام لیا۔ اب تو باپ کے ذمہ ہوگا کہ حق الخدمت کا عوض اپنی بیٹی کے حوالے کر دے بیٹی کو بھی اختیار ہے کہ پہلے ہی سے معاف کر دے یا باپ دینے لگے تو وصول نہ کرے۔

فائدہ سابعہ: شیخ مدین نے جو یوں کہا تھا کہ میں تم سے ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اسوقت انہوں نے بیٹی کی تعیین نہیں کی تھی اگر کوئی شخص اس پر یہ اشکال کرے کہ بغیر تعیین کے نکاح کیسے صحیح ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسوقت شیخ مدین آٹھ سال ملازمت کرنے کی شرط پر نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا نکاح نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت موسیٰ نے معاہدہ کر لیا۔ بعد میں باقاعدہ نکاح کر دیا گیا۔ اس وقت منکوحہ کی بھی تعیین ہوگئی۔ قال القرطبیؒ ص ۲۷۲ ج ۷ یدل علی انہ لا عقد لأنہ لو کان عقدا لتعیّن المعقود علیھا لہ۔ (امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شیخ مدین نے ارادہ ظاہر کیا تھا ان مذکورہ الفاظ سے عقدِ نکاح نہیں کیا اگر اسی بات میں نکاح بھی مقصود ہوتا جو جس کا نکاح ہو رہا تھا اس کی تعیین بھی فرما دیتے)

فائدہ ثامنہ: آیت کریمہ میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ شیخ مدین نے اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت لی تھی۔ حضرات شوافع کا مذہب یہ کہ بالغ لڑکی کا نکاح اس کا والد اس سے دریافت کئے بغیر کر سکتا ہے لیکن اس پر آیت کریمہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح بشرط ملازمت کرنے کا ذکر ہے۔ جب آپس میں معاہدہ ہو گیا تب نکاح ہوا اس میں لڑکی سے دریافت کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں بعض روایات حدیث سے شوافع کا استدلال ہو سکتا ہے جو متکلم فیہا ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ بالغ لڑکی سے ولی کا اجازت لینا ضروری ہے اگر لڑکی کنواری ہے تو اجازت کے وقت اسکا چپ ہو جانا کافی ہے۔ یعنی خاموشی اجازت میں شمار ہے اور جو عورت بیوہ یا مطلقہ ہو اس کا ولی اس سے نکاح کی اجازت طلب کرے تو جب تک وہ زبان سے نہ دے اس وقت تک اجازت نہیں مانی جائے گی۔ نیز قرآن مجید کی آیت وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ سے بھی یہ بات صاف ظاہر ہے کہ بالغ عورت اپنا نکاح خود کرے تو کر سکتی ہے' البتہ جب عورت کا مخلص خیر خواہ ولی موجود ہو تو عورت آگے نہ بڑھے اور نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد رکھے۔ احادیث کے رابعہ کے لئے مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۰ کا مراجعہ کیا جائے۔

فائدہ تاسعہ: شیخ مدین نے یہ جو فرمایا کہ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ اس میں یہ بتا دیا کہ تمہارے ذمہ جو کام لگایا جائے گا تمہارے ذمہ بس وہی ہوگا' اور میں تم پر سختی نہ کروں گا۔ معاہدہ اور طے شدہ معاملہ سے زیادہ کام نہ لوں گا پھر سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ بھی فرمایا اس میں یہ بھی بتا دیا کہ تم مجھے حسن معاملہ میں اور نرم برتاؤ میں اور عہد کے پورا کرنے میں اچھا پاؤ گے معلوم ہوا کہ مزدور اور ملازم پوری طرح محنت سے مفوضہ اعمال پورا کرنے کی کوشش کرے اور جو شخص ملازم

رکھے وہ اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اس کا حق واجب ادا کرے اسکی ادائیگی میں دیر نہ لگائے اور ملازم سے کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس سے درگزر کرے اگر کسی بات پر مؤاخذہ کرنا ہو تو اس کا انداز بھی مناسب رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے۔ سے پہلے دیدو (رواہ ابن ماجہ ص ۱۷۶)۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کے خلاف مدعی بنوں گا۔

۱- وہ شخص جس نے میرا نام لیکر عہد کیا پھر دھوکہ دیا۔ ۲- جس شخص نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر اس کی قیمت کھا گیا۔

۳- جس شخص کو مزدوری پر لیا پھر اس سے اپنا کام پورا لے لیا اور اسے اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری)

فائدہ عاشرہ: شیخ مدین کی جن دونوں بیٹیوں کا ذکر ہے بعض مفسرین نے انکے نام بھی لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے ان میں سے ایک بڑی تھی ایک چھوٹی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفوریا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ صفوریا چھوٹی تھی اور وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی اور اسی سے ان کا نکاح ہوا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بڑی لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں دی گئی تھی۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لیکر روانہ ہوئے تو طور کی جانب سے آگ کو محسوس کیا۔ اپنی اہل سے کہا

امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

کہ تم ٹھہرو بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ اُمید ہے کہ میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپ لو۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ

سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ

يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ

اے موسیٰ بیشک میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو سو جب اُنہوں نے دیکھا کہ وہ اسطرح حرکت کر رہی ہے

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ

کہ گویا وہ سانپ ہے تو پشت پھیر کر پلٹ گئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور مت ڈرو بیشک تم امن والوں میں سے ہو۔

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو وہ بغیر کسی مرض کے سفید ہو کر نکلے گا اور اپنے ہاتھ کو بوجہ خوف کے اپنے بازو سے ملا لو۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

سو تمہارے رب کی طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں۔ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بلاشبہ وہ نافرمان لوگ ہیں

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ

موسیٰ نے کہا کہ اے رب بیشک میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کر دیا تھا سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں اور میرے بھائی ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں

مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۫ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝۳۴ قَالَ سَنَشُدُّ

سو آپ انکو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے وہ میری تصدیق کریں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔ فرمایا ہم عنقریب تمہارا

عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ

بازو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کریں گے۔ جس سے وہ لوگ تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے تم دونوں ہمارے معجزے لیکر جاؤ تم دونوں اور

اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝۳۵

جو شخص تمہارا اتباع کریگا' غالب رہو گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ کیساتھ مدین سے واپس مصر کے لئے روانہ ہونا' اور کوہ طور پر آگ نظر آنا پھر وہاں پہنچنے پر رسالت سے سرفراز کیا جانا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں اپنے خسر صاحب کے پاس اہلیہ کے ساتھ رہتے رہے پھر وہاں سے مصر کی طرف واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا' جب آنے لگے تو اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا چلتے چلتے راستہ بھی بھول گئے اور رات کی ٹھنڈک کی وجہ سے سردی بھی لگنے لگی' طور پہاڑ سے کچھ دور ہی تھے کہ طور کی جانب آگ نظر آئی فرمایا میں وہاں جاتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہاں راستہ کی کوئی خبر مل جائے گی یعنی کسی راستہ بتانے والے سے ملاقات ہو جائے گی' اگر یہ نہ ہوا تو کم از کم اتنا تو ہوگا کہ آگ کا کوئی شعلہ کسی لکڑی میں لے آؤں گا' جسے جلا کر تم تاپ لو گے یعنی گرمی حاصل کر لو گے' اہل خانہ سے فرما کر آگ کی طرف چل دیئے جیسے ہی طور پہاڑ کے داہنے جانب کے کنارے پر پہنچے تو اس مبارک جگہ سے انہیں پکارنے کی آواز آئی اور یہ آواز ایک درخت سے نکلتی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا اے موسیٰ میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں' اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے ڈال دو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ڈال دیا تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو چھوٹے سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے اس کو جو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو پشت پھیر کر چل دیئے اور مڑ کر دیکھا بھی نہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں آگے بڑھو تم امن میں ہو تمہیں کوئی تکلیف پہنچنے والی نہیں ہے' مزید یہ کرو کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو پھر اسے نکالو وہ چمکدار ہو کر تمہارے سامنے آ جائے گا' گندمی رنگ کی بجائے زیادہ تیز روشنی والا ہو کر جو نکلے گا تو کسی مرض یعنی برص وغیرہ کی وجہ سے ایسا نہ ہوگا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا ان کا ہاتھ خوب زیادہ روشن ہو کر گریبان سے باہر آ گیا۔ اللہ جل شانہ نے مزید فرمایا کہ ہاتھ کی یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوف محسوس ہو تو اسے دور کرنے کے

لئے اپنے بازو یعنی اسی سفید ہاتھ کو دوبارہ اپنے گریبان میں ڈال لینا ایسا کرنے سے وہ اپنی پہلی حالت پر آجائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے ان کے عصا کو سانپ بنا کر پہلی حالت پر لوٹا دیا اور انکے داہنے ہاتھ کو خوب زیادہ روشن چمکدار بنا دیا پھر اسکو اصلی حالت پر لوٹا دیا اور بطور معجزہ ان کو یہ دونوں چیزیں عطا فرما دیں اور فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں۔ تم فرعون اور اسکی جماعت کے بڑے لوگوں کے پاس چلے جاؤ اور انہیں حق کی اور اعمال صالحہ کی دعوت دو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی طرف متوجہ کرو۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں)
موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دو باتیں عرض کیں ایک تو یہ کہ میں نے مصریوں کا ایک شخص قتل کر دیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ انکے پاس جاؤں تو مجھے قتل کر دیں اور اس صورت میں رسالت کا کام نہ ہو سکے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے ساتھ کوئی ایک شخص ہونا چاہئے جو میرا معاون ہو لہٰذا میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیں (کمافی سورۃ طہٰ) اس سے مجھے قوت بھی ملے گی اور میری زبان میں روانی نہیں ہے۔
ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔ جب وہ بھی رسول ہوں گے اور میرے کام میں شریک ہوں گے اور ہم دونوں ملکر فرعون کے پاس جائیں گے تو انکی وجہ سے ہمت بندھی رہے گی اور اگر زبانی مناظرے کی ضرورت پیش آگئی تو چونکہ ان کی زبان میں روانی ہے اسلئے وہ مناظرہ میں بھی اچھی طرح گفتگو کر سکیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس موقعہ پر ہارون میرے مددگار رہوں' اور میری تصدیق کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا وہیں کوہ طور کے پاس کی تھی جب نبوت سے سرفراز ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرما دی مفسرین نے لکھا ہے کہ ہارونؑ مصر ہی میں تھے ابھی موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے بھی نہیں تھے کہ اس سے پہلے انہیں رسالت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔
قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور تمہیں ایسا غلبہ دے دیں گے کہ وہ لوگ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے تم دونوں میری آیات کو لے کر چلے جاؤ۔ تم دونوں اور جو بھی شخص تمہارا اتباع کرے تم سب غالب ہو گے۔

ھذا اذا تعلق قولہ تعالیٰ بایاتنا بالفعل المحذوف ای اذھبا بایاتنا و اختارہ المحلی فی تفسیرہ وفیہ اوجہ ذکرھا فی حاشیۃ تفسیر الجلالین ۔(یہ تفسیر تب ہے جبکہ بِاٰيٰتِنَا کا تعلق فعل محذوف سے ہو یعنی اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَا (تم دونوں ہماری آیات لیجاؤ) اسی توجیہ کو علامہ محلی نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے اور آیت کے اس جملہ میں اور بھی کئی ساری توجیہات ہیں جو تفسیر جلالین کے حاشیہ میں مذکور ہیں)

فائدہ: صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ طور پر جو تجلی تھی کہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لن ترانی فرمایا گیا ہے یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے مراد مشاہدہ ذات حق ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا

پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری واضح آیات کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے جو افتراء کیا گیا ہے' اور ہم نے

بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى

یہ بات اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنی' اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اُس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا'

مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

اور اُسے بھی خوب جانتا ہے جس کا دارِ آخرت میں اچھا انجام ہوگا۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے' اور فرعون نے کہا

فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ

کہ اے میرے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا سوائے ہامان تو میرے لئے مٹی پر آگ جلا دے

فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

سو میرے لئے ایک محل بنا دے تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھوں' اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں'

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا

سو اس نے اور اسکے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

لوٹیں گے۔ سو ہم نے اسے اور اسکے لشکروں کو پکڑ لیا سو انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ سو اے مخاطب دیکھ لے ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ

اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو آگ کی طرف دعوت دیتے رہے اور قیامت کے دن انکی مدد نہ کی جائے گی اور ہم نے

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

اس دنیا میں انکے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن قباحت والوں میں سے ہونگے

رسالت سے سرفراز ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر کو واپس ہونا' پھر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پہنچ کر حق کی دعوت دینا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس ہوتے ہوئے وادی طویٰ میں نبوت سے سرفراز کئے گئے اور وہیں انہوں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا دیجئے تاکہ میں اور وہ ملکر فرعون اور اسکی قوم کے پاس جائیں اور آپ کا فرمان پہنچائیں اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرما دی' جس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے تو اپنے گھر گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لیا۔ دونوں ملکر فرعون کے پاس پہنچے فرعون اپنے درباریوں کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اللہ جل شانہٗ کو واحد معبود ماننے کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں صحیح صحیح بات پہنچاؤں گا۔ (حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو بڑے معجزے دکھائے۔ عصا کو ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ نہایت زیادہ سفید اور روشن تھا۔ سب دیکھنے والوں نے جب یہ دونوں معجزے دیکھ لئے تو فرعون اور اسکے درباری کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جسے اس نے خود ہی بنالیا ہے اور اس شخص کا یہ دعویٰ کہ میں نبی ہوں۔ ایسا دعویٰ ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانوں میں تو نہیں سنا یہ بات انہوں نے جھوٹ کہی یہ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔ اور وہ ایمان کی دعوت دیتے رہے تھے۔

چونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو پر محمول کیا اسلئے مقابلہ کرنے کے لئے جادوگروں کو بلایا جس کا ذکر سورۂ اعراف (ع) اور سورۂ طہٰ (ع ۳) اور سورۂ شعراء (ع ۳) میں مذکور ہے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعدد سوالات بھی کئے اور آپ نے بڑی جسارت اور بے باکی کے ساتھ جواب دیئے یہ سوال و جواب بھی سورہ طہٰ اور سورہ شعراء میں مذکور ہیں۔ چونکہ فرعون اور اسکے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر تلے ہوئے تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ رَبِّيٓ أَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُونُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت لے کر آیا اور اس شخص کو بھی جس کا انجام آخرت میں اچھا ہونے والا ہے) تم لوگ مجھے جھٹلاتے ہو لیکن میرے رب کو تو معلوم ہے کہ میں اس کا رسول ہوں جو شخص میری بات مان لے گا اس کا انجام اچھا ہو گا عَاقِبَةُ الدَّارِ سے بعض حضرات نے دار دنیا کا انجام اور بعض حضرات نے دار آخرت کا انجام مراد لیا ہے اگر دار دنیا مراد ہو تو اس میں اس بات کی پیشگی اطلاع ہے کہ تم میری دعوت قبول نہ کرو گے تو تمہارا برا انجام ہو گا چنانچہ ایسا ہوا کہ فرعون اور اسکے لشکر سمندر میں غرق کر دیئے گئے۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ میرے رب کو خوب معلوم ہے کہ فلاح اعظم کا کون اہل ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا اور ہدایت دے کر بھیج دیا اور حسن عاقبت کا وعدہ فرما لیا اور اگر ایسی بات ہوتی جیسے تم کہتے ہو کہ تمہارے پاس ہدایت لانے والا جادوگر ہے افترا پرداز ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نبی کیوں بناتا؟ وہ غنی ہے حکیم ہے جھوٹوں کو اور جادوگروں کو رسالت اور نبوت سے نہیں نوازتا۔

فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ مصر کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے متاثر ہو رہے ہیں اور وہ جو معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اس میں رخنہ پڑ رہا ہے اور موسیٰ اور اس کا بھائی مجھے معبود ماننے کو تیار نہیں ہے تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں تمہارے لئے میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ (جب بڑوں کا معبود ہونے کا دعویٰ کر دیا تو چھوٹے کس شمار میں ہو سکتے ہیں) اس کا دل تو جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے ذرائع ہیں) لیکن وہ انکار پر جما رہا اور خواص کی نظر ہٹانے کے لئے اور انکے غور و فکر کو الجھانے کے لئے اپنے وزیر ہامان سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (اے

ہامان تو ایسا کر کہ اول کچی اینٹیں بنوا اور اس کام کے لئے ایک بھٹہ لگا پھر اس میں اینٹوں کو پکا کر بہت بڑی تعداد میں پکی اینٹیں تیار کر پھر ان اینٹوں سے ایک اونچا محل تیار کر، تاکہ میں اوپر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں۔ بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں) اس کا ذکر سورۂ زمر میں اسطرح سے ہے۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى (اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان میرے لئے ایک محل بنادے تاکہ میں آسمانوں کے راستوں پر پہنچ جاؤں پھر میں موسیٰ کے رب کو دیکھوں) یہ بات جاہلوں کو بیوقوف بنانے کے لئے کہی۔ کتنا ہی بڑا محل بنالیا جائے پہلے آسمان پر نہیں پہنچ سکتے۔ (پھر کوئی شخص زینہ سے چڑھ کر سارے آسمانوں پر کیسے پہنچ سکتا ہے) جو لوگ ایک بڑی مدت تک جہالت میں رہتے ہیں معبود حقیقی کو نہیں جانتے وہ ایسی باتوں میں آجاتے ہیں ورنہ عوام کیلئے تو اسکے جواب میں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ تو اپنے آپکو معبود بتاتا ہے حالانکہ تو آسمان پر پہنچنے کے لئے زینہ اور عمارت کا محتاج ہے اپنے اور تیرے چاہنے سے تو اینٹیں بھی وجود میں نہیں آسکتیں پہلے کچی اینٹیں بنائی جائیں پھر ان کو پکایا جائے پھر عمارت بنائی جائے پھر تو اسپر چڑھے کیا ایسے عاجز کو بھی خدائی کا دعویٰ کرنا زیب دیتا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ سمجھ عقل تھی وہ دنیاوی مفاد اور فرعون کی سطوت اور سلطنت کی وجہ سے دب گئے اور زبان نہ ہلا سکے۔

قال صاحب الروح ص ۸۰ ج وایا ما کان فالقوم کانو فی غایة الغباوة والجهل وإفراط العماية والبلادة والا لمانفق عليهم مثل هذا الهذيان الخ ماقال. (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قوم ان دنوں ایسی انتہاء درجہ کی بے عقل اور جاہل بالکل اندھی اور بے وقوف تھی ورنہ جب فرعون نے ان کے سامنے اس طرح کا ہذیان کہا تو انہیں سمجھ جانا چاہئے تھا...... الخ)

قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ محل تیار ہوا یا نہیں اور تیار ہوا تو نتیجہ کیا نکلا۔ علامہ قرطبیؒ نے سُدّی سے نقل کیا ہے کہ ہامان نے محل بنایا اور فرعون اس پر چڑھا اور اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ خون میں بھرے ہوئے واپس ہوئے اس پر وہ کہنے لگا کہ میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس محل میں اپنا ایک پر مارا جس کا ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے اور ایک سمندر میں گرا اور ایک مغرب میں گرا جن لوگوں نے اس محل کے بنانے میں کام کیا تھا وہ سب ہلاک ہوئے۔ علامہ قرطبیؒ نے نقل کر دیا لیکن انہیں خود ہی اسکے صحیح ہونے میں تردد تھا اسلئے آخر میں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِصِحَّةِ ذٰلِكَ فرمادیا۔ بعض مفسرین کا موقف یہ ہے کہ فرعون نے یہ بات بطور مذاق اڑانے کے کہی تھی موسیٰ جو کہہ رہے ہیں کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جو انکے درمیان ہیں (کمافی سورۃ الشعراء) تو میں بھی تو اسکے رب کو دیکھوں یعنی مقصود محل بنانا اور پر چڑھنا نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانا مقصود تھا۔ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا) وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ (اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے) یعنی قیامت کے دن کے اور انکار و تکذیب کے قائل نہ تھے۔ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا اور انکا تکبر انہیں لے ڈوبا۔ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ (سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ (سوائے مخاطب تو دیکھ

لے ظالموں کا کیسا انجام ہوا)
وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے) یعنی کفر وشرک کی دعوت دیتے رہے جس کا نتیجہ دوزخ میں جانا ہے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ (اور قیامت کے دن انکی مدد نہیں کی جائے گی)

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً (اور اس دنیا میں ہم نے انکے پیچھے لعنت لگا دی) اہل ایمان ان پر ہمیشہ لعنت بھیجتے رہے اور بھیجتے رہیں گے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ اور وہ لوگ قیامت کے دن بری حالت میں ہوں گے۔ سورۂ زمر میں فرمایا اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ (وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں (یعنی برزخ میں) اور قیامت کے دن کہا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کردو)

فائدہ: فرعون اس کی جماعت کے لئے اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ فرمایا کہ ہم نے انہیں پیشوا اور امام بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ امام جسطرح خیر کی دعوت دینے والوں کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح شر کی دعوت دینے والے کے لئے مستعمل ہے، جو اہل شر کی دعوت قبول کر لیتے ہیں یہ داعی انکے امام پیشوا بنے رہتے ہیں، بہت سے باطل فرقے ہیں جو اپنے پیشوا کو امام کہتے ہیں لفظ ''امام'' سے دھوکہ کھا کر انہیں مسلمان نہ سمجھیں، جو شخص کفریات کی دعوت دیتا ہو وہ کفر کا اور کافروں کا امام ہے اگرچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہو اس کو خوب سمجھ لیا جائے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ
اور اس کے بعد ہم نے اگلی اُمتوں کو ہلاک کر دیا تھا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لئے بصیرتوں کا ذریعہ تھی
وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى
اور سراپا ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ مغربی جانب میں نہیں تھے جبکہ ہم نے
مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ
موسیٰ کو احکام دیئے اور آپ مشاہدہ کرنیوالے نہ تھے اور لیکن ہم نے بہت سی جماعتوں کو پیدا کیا پھر ان پر دراز
الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا
زمانہ گزر گیا، اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور لیکن ہم ہی
مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ
رسول بنانے والے ہیں۔ اور آپ طور کی جانب نہ تھے جب ہم نے آواز دی۔ اور لیکن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر رحمت ہوئی۔

قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں۔ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہم رسول نہ بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انکے اعمال کی وجہ سے

مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

ان پر مصیبت آجاتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے رب ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ ہم آپکی آیتوں کا اتباع کر لیتے

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ

اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے سو جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آ گیا تو کہنے لگے کہ اس شخص کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی

مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ۟ قف

موسیٰ کو ملی تھی' کیا اس سے پہلے لوگوں نے اس چیز کے ساتھ کفر نہیں کیا جو موسیٰ کو دی گئی کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں۔ دونوں نے

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کر لیا ہے اور کہنے لگے کہ ہم تم دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے آپ فرما دیجئے کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو جو ہدایت کرنے میں

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

ان دونوں سے بہتر ہو اگر تم سچے ہو۔ سو وہ اگر آپ کی بات قبول نہ کریں تو آپ جان لیجئے کہ وہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی طرف سے ملنے والی ہدایت کے بغیر اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتا ہو۔ بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا

توریت شریف سراپا بصیرت ہدایت اور رحمت تھی

تفسیر: ان آیات میں چند امور ذکر فرمائے ہیں۔

اوّل: یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے انھوں نے توحید کی دعوت دی تھی' حق پہنچایا' ایمان قبول کرنے پر بشارتیں دیں' کفر پر جمے رہنے پر دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا' انکی امتوں نے نہیں مانا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جو اقوام و افراد باقی تھے انکی نسلیں چلیں' پلے اور بڑھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیج دیا اس وقت بنی اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو بھی موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہم نے انہیں کتاب دی اس کتاب میں بصیرتیں یعنی عقل و فہم اور سمجھ کی باتیں تھیں اور ہدایت بھی تھی اور اس ہدایت کا قبول کرنا ان لوگوں کے لئے رحمت کا سبب تھا یہ کتاب انہیں موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے دی گئی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں مزید فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم نے بہت سی جماعتوں کو بھیجا ان کا زمانہ

دراز ہو گیا اس درازیٔ زمانہ کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگ علوم نبوت سے اور ہدایت سے نا آشنا ہو گئے۔ لہٰذا ہماری حکمت کا تقاضا ہوا کہ آپ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز کر دیا اور گمراہ لوگوں کی طرف آپ کو مبعوث کریں۔

دوم: حضرت خاتم الانبیاء علیہ ﷺ کی رسالت اور نبوت کے جو دلائل جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے سابقہ امتوں کے احوال کہیں نہیں پڑھے تھے نہ کسی نے آپ کو بتائے تھے۔ اسکے باوجود آپ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے اور انکی امتوں کے واقعات بتائے تھے۔ ان واقعات کا بتانا اور اہل کتاب کا ان کو ماننا کہ ہاں ایسا ہوا تھا کم از کم اہل کتاب اور انکی بات کی تصدیق کرنیوالوں کے لئے اس امر کی بڑی بھاری دلیل تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ علیہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ انکے واقعات کو جاننا اور صحیح صحیح بیان کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے ہیں ان واقعات میں سے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا حوالہ دے کر فرمایا جو عنقریب ہی گزرا ہے اور خطاب رسول اللہ علیہ ﷺ سے فرمایا کہ جب کوہ طور کی مغربی جانب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے جو اپنی آنکھوں سے موسیٰ کے واقعات کا مشاہدہ کرتے۔ پھر بھی آپ نے وہاں کے واقعات کی خبر دی۔ یہ واقعات ہماری آیات میں موجود ہیں جنہیں آپ انکو پڑھ کر سناتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے ان آیات کا پڑھنا آپکے نبی اور رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (اور لیکن ہم رسول بنانے والے ہیں) ہم نے آپکو رسول بنا کر مذکورہ واقعات وحی کے ذریعہ بتا دیئے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (اور آپ طور کی جانب میں اسوقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا) وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اور لیکن اس کا علم آپ کو اسطرح حاصل ہوا کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنا دیئے گئے۔ جب نبوت مل گئی تو اسکے ذریعہ انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کے واقعات معلوم ہو گئے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جنکے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں۔ یہاں اس قوم سے اہل عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اولاد میں ہیں انکے بعد سیدنا حضرت محمد علیہ ﷺ تک اہل عرب میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا۔

سوم: یہ فرمایا کہ جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث ہوئے ہیں آپ کی بعثت سے ان پر حجت قائم ہو گئی اگر آپکی بعثت نہ ہوتی اور انکے گناہوں کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی تو وہ کہنے لگتے کہ ہمارے پاس کوئی رسول آیا ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے نہ گناہ گار ہوتے نہ مصیبت کا منہ دیکھتے جب کوئی نہ آیا تو ہم کیا کریں۔ ان لوگوں کی اس بات کی پیش بندی کرنے اور انکا عذر ختم کرنے کے لئے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا۔ اب جب حجت تمام ہو گئی پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں تو اس کا وبال ان پر پڑیگا۔ اس آیت کا مضمون تقریباً سورہ طٰہٰ کی آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (اور اگر ہم اس سے پہلے ان لوگوں کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپکی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں)

چہارم: یہ فرمایا کہ جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا یعنی رسول اللہ علیہ ﷺ نے اللہ کی

کتاب پیش کردی تو قبول نہ کرنے کا بہانہ بنانے کے طور پر یوں کہنے لگے کہ انکو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی یعنی قرآن پورا مکمل ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں ہوا جیسے توراۃ شریف ایک ہی مرتبہ مکمل عطا کردی گئی تھی۔ یہ بات اہل مکہ نے یہودیوں کو کہی تھی کہ حضرت موسیٰ کو دفعۃ واحدۃ پوری کتاب دے دی گئی تھی۔ ان کے جواب میں فرمایا اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ (کیا لوگوں نے اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا جو اس سے پہلے موسیٰ کو دی گئی تھی) انکے زمانہ کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ توراۃ شریف کا انکار کیا بلکہ حضرت موسیٰ اور انکے بھائی ہارون علیہما السلام کے بارے میں یوں بھی کہا کہ دونوں جادوگر ہیں۔ (کما فی قراءۃ سبعیۃ "ساحران" "علی صیغۃ "اسم الفاعل) آپس میں مشورہ کر کے ایک دوسرے کے معاون بن گئے ہیں اور یہ بھی کہا کہ اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ۔ (کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں) پس اگر کسی کتاب کے قبول کرنے کے لئے ایک ہی مرتبہ نازل ہونا انکے خیال میں مشروط ہے تو جن لوگوں کے پاس توراۃ شریف آئی تھی وہ اسے مان لیتے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو ماننا نہیں ہے بہانہ بازی سے کام لیتے ہیں اور عناد پر جمے ہوئے ہیں قال القرطبیؒ اولم یکفر ھٰؤلاء الیھود بما اوتی موسیٰ حین قالوا موسیٰ وھارون ھما ساحران. وَاِنا بِكُلٍ کافرون ای واِنَّا كَافِرُون بکل واحد منھم اھ و فیہ قول آخر وھوان المراد بساحران سیدنا موسیٰ وسیدنا محمد علیھما السلام یوافق قولھما فیما ادعیاہ. (امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا ان یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا انکار نہیں کیا جبکہ انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں اور یہ کہا کہ اِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُوْنَ یعنی ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں اھ اس بارے میں دوسرا قول بھی ہے اور وہ یہ کہ یہاں دو جادوگروں سے مراد سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں یہ قول یہودیوں کے دعویٰ کے موافق ہے)

پنجم: یوں فرمایا قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ (الآیۃ) (آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان کتابوں یعنی قرآن اور توراۃ سے بڑھ کر ہدایت دینے والی ہو میں اس کا اتباع کرلوں گا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو) مطلب یہ ہے کہ تم نہ توراۃ کو مانتے ہو نہ قرآن کو مانتے ہو۔ چلو تم اور کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو اگر تم بالفرض اسے اللہ کی کتاب ثابت کردو تو میں اسکی پیروی کرلوں گا۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو میری لائی ہوئی کتاب کو مانو میں نے اس کا حق ہونا ثابت کردیا ہے اور اس میں توریت شریف کی بھی تصدیق ہے۔

یہ لوگ اگر آپ کی یہ بات قبول نہ کر سکیں اور قبول کر بھی نہیں سکتے کیونکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب نہیں ہے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ لوگ ہدایت کی تلاش میں ہیں ہی نہیں یہ تو حق سے منہ موڑنے کے لئے بہانے تلاش کر رہے ہیں۔ انکا یہی طریقہ ہے کہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں جس کے پاس اللہ کی ہدایت نہ ہو اور وہ اپنی خواہشات نفسانی ہی کا اتباع کرتا ہے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (بلاشبہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) جو وضوح حق کے بعد ہدایت سے منہ موڑے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتا رہے۔ اَهْدٰى مِنْهُمَآ میں تثنیہ کی ضمیر قرآن مجید میں اور اصلی توراۃ کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا یہ اشکال نہیں ہوتا کہ محرف توراۃ کو ہدایت کا ذریعہ کیسے بتادیا اور بات بھی علی سبیل الفرض ہے کہ اگر تم سے ہوسکے تو ان دونوں کتابوں سے زیادہ

ہدایت والی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو لہٰذا یہ اشکال بھی نہیں رہا کہ اصل توریت بھی تو منسوخ ہے۔ اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیوں فرمایا۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ
اور ہم نے اس کلام کو اُن لوگوں کے لئے مسلسل بھیجا تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے
قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا
وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب انکے سامنے اسکی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، بیشک ہم
مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ
پہلے ہی سے فرمانبردار تھے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دہرا ثواب دیا جائے گا اور یہ لوگ بھلائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے
السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا
اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب لغویات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾
اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم تم کو سلام کرتے ہیں، ہم جاہلوں سے بات کرنا نہیں چاہتے

سابق اہل کتاب قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں انکے لئے دوہرا اجر ہے

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو اسطرح نازل کیا کہ یکے بعد دیگرے آیات نازل ہوتی رہی ہیں جن میں وعدے بھی ہیں وعیدیں بھی، قصے بھی ہیں اور عبرت کے واقعات بھی، نصائح بھی ہیں اور مواعظ بھی، انکا تقاضا یہ ہے کہ ان سے نصیحت حاصل کریں شرک اور کفر کو چھوڑیں۔ قرآن لانیوالے پیغمبر ﷺ پر ایمان لائیں۔

دوسری اور تیسری آیت میں اہل کتاب کے بارے میں فرمایا کہ جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصاف پسند چند یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا جن میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے اور آپ کے انتظار ہی میں برسہا برس پہلے سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے انہوں نے بھی علامات دیکھ کر ایمان قبول کر لیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بھی پہلے نصرانی تھے وہ بھی ایمان لے آئے۔ پھر چند سال کے بعد یہ ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (جو ہجرت کرنے والوں کی جماعت میں حبشہ چلے گئے تھے اور انہوں نے ہی وہاں کے بادشاہ نجاشی اور اس کے درباریوں کے سامنے سورہ مریم پڑھی تھی) کے ساتھ بتیس آدمی حبشہ سے آئے ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا، حق ظاہر ہونے کے بعد ان لوگوں نے تأمل نہیں کیا اور ایمان قبول کر لیا۔ انہوں نے یوں

کہا کہ ہم تو پہلے ہی سے اس بات کو مانتے تھے یہ نبی آخر الزماں علیہ السلام مبعوث ہوں گے اور ان پر کتاب نازل ہوگی۔

چوتھی آیت میں مؤمنین اہل کتاب کے بارے میں فرمایا کہ انہیں انکے صبر کرنے کی وجہ سے دہرا اجر ملے گا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ پر ایمان لایا اور دوسرا وہ مملوک غلام جس نے اللہ کا حق ادا کیا (فرائض، واجبات کی پابندی کی اور جو احکام اس سے متعلق تھے ان کو ادا کرتا رہا) اور اس نے اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کیا۔ اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی لونڈی تھی اس سے وہ جماع کرتا تھا پھر اسے اُس نے ادب سکھایا اور اچھی طرح ادب سکھایا اور اسے تعلیم دی اور اچھی طرح تعلیم دی۔ پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ سو اس شخص کے لئے (بھی) دو اجر ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۲۰ ج ۱)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب میں سے جو شخص اسلام قبول کرے اس کے لئے ایک اجر اپنے نبی پر ایمان لانے کا اور ایک اجر خاتم الانبیاء علیہ السلام پر ایمان لانے کا ہے۔ آیت میں جو لفظ بِمَا صَبَرُوْا ہے اس میں یہ بتایا کہ صبر کرنے کی وجہ سے انہیں دہرا اجر ملے گا۔ صبر میں سب کچھ داخل ہے پہلے نبی کی طرف سے جو اعمال خیر پہنچے تھے ان پر عمل کرنا اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کیطرف سے جو اعمال ملے ان پر عمل کرنا اور ایمان قبول کرنے کے بعد یہود و نصاریٰ سے جو تکلیفیں پہنچیں مال اور جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑا صبر میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔

مؤمنین اہل کتاب کی ایک صفت بیان فرمائی کہ وہ اچھائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں یعنی گناہ کے بعد نیک کام کر لیتے ہیں جن سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیکیوں کے ذریعہ گناہوں کا معاف ہو جانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے اور یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے۔ سورۂ ہود میں فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے پیچھے نیکی لگا دو۔ یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ میل جول رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲ از احمد ترمذی، داری)

اور بعض حضرات نے برائی کو اچھائی سے ذریعہ دفع کرنے کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس کے سر زد ہو جانے پر توبہ و استغفار کر لیتے ہیں اس نیکی سے وہ برائی کم ہو جاتی ہے یہ معنی مراد لینا بھی الفاظ قرآنیہ سے بعید نہیں ہیں۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ کا مطلب مفسرین نے یہ بتایا ہے جو سیاق قرآنی سے اقرب ہے کہ جو لوگ انکے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آئیں۔ بدکلامی کریں وہ انکی اس حرکت کو تحمل اور برداشت کے ذریعہ دفع کر دیتے ہیں یعنی بدلہ لینے اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کا ارادہ نہیں کرتے عفو اور درگزر اور نرمی اختیار کرتے ہیں۔ یہ مفہوم سورۂ فصلت کی آیت کریمہ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کے ہم معنی ہے۔

مؤمنین اہل کتاب کی تیسری صفت انفاق مال بتائی اور فرمایا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں خرچ کرتے ہیں) اہل ایمان کی یہ صفت قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمائی ہے۔ یہاں مؤمنین اہل کتاب کی صفات میں خاص طور سے اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حبشہ سے جو افراد آئے

تھے (جن کا ذکر اوپر ہوا مدینہ منورہ پہنچ کر جب انہوں نے مسلمانوں کی مالی تنگی دیکھی تو کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی (ﷺ) ہمارے پاس بہت سے اموال ہیں اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو واپس جا کر اپنے اموال لے آئیں اور انکے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ آپ نے انہیں اجازت دیدی اور واپس گئے اور اپنے اموال لیکر آ گئے جن کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد کی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔) (ذکرہ فی معالم التنزیل عن سعید بن جبیر)

پانچویں آیت میں مؤمنین اہل کتاب کی ایک صفت بیان فرمائی (جو دیگر اہل ایمان کی صفات میں بھی مذکور ہے کہ) جب وہ کوئی لغویات سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یعنی اسطرح گزر جاتے ہیں جیسے سنا ہی نہیں اور جو لوگ انکے ساتھ بیہودہ باتوں سے پیش آتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ (ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال) تم لغو باتیں کیوں کرتے ہو اپنے اعمال کو دیکھو اور اپنی جان کی خیر منانے کی فکر کرو۔ عذاب میں مبتلا ہونے کا کام کر رہے ہو اور ہم سے بلا وجہ الجھتے ہو سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ تم پر سلام ہو۔ یہ سلام وہ نہیں ہے جو اہل ایمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں بلکہ یہ جان چھڑانے کا ایک طریقہ ہے جیسے اہل اردو کسی بیہودہ آدمی سے جان چھڑانے کے لئے یوں کہہ دیتے ہیں کہ بھیا سلام کریں اور اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں کا جواب نہ دیں گے بدلہ نہ لیں گے تم ہماری طرف سے باسلامت رہو' ہم تم سے کوئی انتقام نہیں لیں گے۔ لَا نَبۡتَغِي الۡجٰهِلِيۡنَ (ہم جاہلوں سے بات چیت کرنا الجھنا نہیں چاہتے تفسیر قرطبی ص ۲۹۶ ج) میں حضرت عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا نجاشی اور اسکے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ نجاشی نے بارہ آدمی بھیجے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے ابوجہل انکے ساتھ ہی وہیں قریب تھا جب یہ لوگ ایمان قبول کر کے خدمت عالی سے اٹھے تو ابوجہل اور اسکے ساتھی انکے پیچھے پڑ گئے کہنے لگے کہ تم تو نامراد لوگ نکلے تمہاری یہ جماعت بری جماعت ہے تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ سواروں کی کوئی جماعت ہم نے تم سے بڑھ کر احمق اور جاہل نہیں دیکھی ان حضرات نے جواب میں کہا کہ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ اور یہ بھی کہا کہ ہمارے سامنے جب ہدایت آ گئی تو ہم نے اسے قبول کر لیا اور اپنے جانوں کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی' اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ (ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں) ابوجہل اور اسکے ساتھیوں کو جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے انکا یہ جواب نقل فرمایا اور انکی توصیف فرمائی۔

اِنَّكَ لَا تَهۡدِيۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِيۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝
بلاشبہ جسے آپ چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے اور لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانیوالوں کو خوب جانتا ہے

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے

تفسیر: اول تو ہدایت کا مفہوم سمجھنا چاہئے۔ سو واضح رہے کہ لفظ ہدایت عربی میں دو معنی کے لئے آتا ہے۔ اول صحیح راہ بتا دینا اور دوسرے پہنچا دینا۔ اول کو اراءۃ الطریق اور دوسرے کو ایصال الی المطلوب کہتے ہیں۔ لفظ ہدایت قرآن مجید

میں دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے اس بات کو سمجھنے کے بعد اب یہ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنات کو حق کی راہ بتادی اور راہ دکھادی اور چونکہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے توسط سے ہوا اس لئے آپ بھی سب کے ہادی اور رہبر اور راہ دکھانے والے ہیں آپ نے خوب واضح طریقہ پر حق واضح فرما دیا' اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو نازل ہوا ہے بڑی محنت اور کوشش سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پہنچا دیا اب پہنچانے کے بعد لوگوں کی طرف سے قبول کرنا رہ جاتا ہے کسی نے قبول کیا اور کسی نے قبول نہ کیا لیکن آپ کا دل چاہتا تھا سب ہی ہدایت پر آجائیں اور مسلمان ہو جائیں لیکن لوگوں سے حق منوانا اور اسلام قبول کرانا آپکے بس میں نہیں تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار آپکو قرآن مجید میں خطاب فرمایا ہے کہ آپ کا کام بتانا ڈرانا اور سمجھانا ہے۔ منوا دینا آپکی ذمہ داری نہیں ہے۔

چونکہ آپکے جذبات یہ تھے کہ سب ہی ہدایت یاب ہو جائیں تو اپنے چچا ابو طالب کے واسطے اس بات کے فکر مند کیوں نہ ہوتے کہ وہ مسلمان ہو جائیں انہوں نے آپکی بہتر خدمت کی تھی بچپن سے آپکے ساتھ رہے تھے جب آپ نبوت سے سرفراز ہوئے تو مشرکین سے جو آپکو تکلیفیں پہنچیں ابو طالب انکا بھی دفاع کرتے رہے۔ جب آپکو معلوم ہوا کہ ابو طالب کے موت کا وقت ہے اور ابھی ہوش میں ہیں تو آپ انکے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ آپ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپکے اس کلمہ کی کہنے اور پڑھنے کی گواہی دیدوں گا۔ وہیں پر ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ دونوں مشرک بھی موجود تھے وہ ابو طالب کو عبد المطلب کی ملت پر مرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ آپ نے بار بار اپنی بات پیش کی لیکن ابو طالب نے یوں کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر قریش یہ کہہ کر مجھے عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ کی وجہ سے کلمہ اسلام قبول کر لیا ہے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا انہوں نے کلمہ اسلام پڑھنے سے انکار کر دیا اور موت آگئی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا رنج تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ آپ جسے چاہیں ہدایت دیں یعنی حق قبول کرادیں اور مؤمن بنادیں یہ آپکے بس کی بات نہیں ہے اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ (راجع صحیح مسلم ص ۴۰ ج ا وصحیح البخاری ص ۷۰۳ ج ۲)

معلوم ہوا کہ آپ کا کام بیان کرنا پہنچا دینا ہے اور کسی کے دل میں ایمان ڈالدینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

وَقَالُوٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا

اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپکے ساتھ ہدایت کا اتباع کرنے لگیں تو ہم اپنی زمین سے اُچک لئے جائیں گے کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی

يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ

جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے اور

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنے سامان عیش پر اترانے والی تھیں۔ سو یہ ان کے گھر ہیں جن میں انکے بعد سکونت اختیار

إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا

نہیں کی گئیں مگر تھوڑی سی اور بالآخر ہم ہی مالک ہیں اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک کہ انکی مرکزی بستی میں

رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا

رسول نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہو اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں الا یہ کہ انکے رہنے والے ظالم ہوں، اور تمہیں

أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۚ

جو بھی کوئی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے سو وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٠﴾

کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔

اہل مکہ کی اس بات کی تردید کہ ہم ہدایت قبول کرلیں تو اپنی زمین سے نکال دیئے جائیں گے

تفسیر: علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے ص ۳۰۰ ج ۷ کہ حارث بن عثمان نوفل بن عبد مناف نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہے ہم یہ جانتے ہیں کہ آپکی بات حق ہے لیکن ہم جو ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے سے بچ رہے ہیں سو اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں ڈر ہے کہ اہل عرب ہمیں ہماری سرزمین مکہ سے اچک لیں گے یعنی ہمارے خلاف محاذ بنا کر ہمیں مکہ معظمہ سے نکالدیں گے، یہ خواہ مخواہ کی حیلہ بازی تھی کیونکہ عرب کے قبائل آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرکے لوٹ مار تو کرتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے دشمن بنے رہتے تھے لیکن حرم مکہ کو محترم جانتے تھے اور اہل مکہ پر کبھی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو فرمایا أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا (کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی؟) جب امن کی جگہ میں رہتے ہیں جہاں قتل وقتال اور لوٹ مار کرنے سے سارے عرب بچتے ہیں تو یہ بہانہ کیوں بناتے ہو کہ ہم ایمان قبول کرلیں گے تو ہمیں اہل عرب اچک لیں گے۔ يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا (جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں) جو ہمارے پاس سے کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

حرم پر امن بھی ہے اور کھانے پینے کے لئے ہر قسم کے پھل وہاں کھنچے چلے آرہے ہیں۔ تو وہاں نہ خوف کی بات ہے نہ بھوکے رہنے کا ڈر ہے۔ اسی کو سورۃ القریش میں فرمایا: فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (سو اس بیت کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک کی وجہ سے کھلایا اور خوف سے امن دیا)

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے) کہ انکا استدلال غلط ہے کہ اسلام قبول کرلیں گے تو بھوکے مرجائیں گے جس ذات نے انہیں انکے زمانہ میں کفر میں امن دیا اور رزق عطا فرمایا کیا اسلام قبول

کرنے پر انہیں رزق سے محروم فرمادے گا اور ان پر کافروں کو مسلط فرمادیگا؟

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۔ (اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنے سامان عیش پر اترانے والی تھیں) فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ (سو یہ انکے گھر ہیں کہ انکے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے)۔

اس میں بتایا کہ تم جو اس وہم کی وجہ سے ایمان لانے سے ڈرتے ہو کہ لوگ ہمیں اچک لیں گے اور ایمان لانے کو قتل وغارت کا سبب سمجھتے ہو یہ تمہارا غلط خیال ہے ایمان سبب ہلاکت نہیں ہے بلکہ کفر سبب ہلاکت ہے۔ اہل مکہ کو امن وامان میں ہیں اور انہیں رزق ملتا ہے لیکن انکا رزق اور مال اتنا زیادہ نہیں جتنا گزشتہ اقوام کے پاس تھا بہت سی ایسی ایسی بستیاں اسی زمین پر آباد تھیں جنہیں اپنے سامان عیش وعشرت پر ناز تھا۔ نعمتوں میں مست تھے۔ مال ودولت پر اتراتے تھے لیکن ساتھ ہی کافر بھی تھے انہوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پر کان نہ دھرا ایمان قبول نہ کیا لہٰذا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا انکی بستیاں تباہ ہوگئیں، مضبوط قلعے برباد ہوگئے ان کے رہنے کے جو مکانات تھے ان مکانوں میں ان کے بعد تھوڑا بہت ہی کسی کو رہنے کا موقع ملا۔ اگر ان میں سے کوئی گھر باقی رہ گیا تو مسافروں نے آتے جاتے تھوڑی بہت قیام کرلیا۔ لم یسکنها الا المسافر او مار الطریق یوما او ساعة (قرطبی) (حضور ﷺ کے دور کے ان میں کوئی نہیں رہتا مگر کوئی مسافر ایک آدھ دن یا کوئی راہ گذرتا ہو گھڑی بھر ٹھہر جاتا ہو تو الگ بات ہے)۔

وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (اور ہم ہی مالک ہیں) جو مجازی ملکیتیں تھیں وہ سب ہلاک ہوگئیں۔ سدا رہے نام اللہ کا وہ سب کا حقیقی مالک اور بادشاہ ہے۔ ہمیشہ سے اسی کا اختیار اور اقتدار باقی ہے اور باقی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی بستی کو ہلاک نہیں فرماتا جب تک انکی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیجے اور بستیوں میں رہنے والے ظلم پر نہ اتر آئیں

اس کے بعد فرمایا وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى (الآیۃ) کہ آپ کا رب اسوقت تک بستیوں کو ہلاک نہیں فرماتے جب تک مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آتے رہے اللہ کے احکام پہنچاتے رہے جب مخاطبین نے نہیں مانا اور ظلم پر جمے رہے۔ گناہوں پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک فرمادیا۔ مطلب یہ ہے کہ اتمام حجت کے بعد ظالموں کو ہلاک کیا جاتا رہا ہے۔ قال القرطبیؒ اخبر تعالیٰ انه لا یهلکهم الا اذا استحقوا الاهلاک بظلمهم ولا یهلکهم مع کونهم ظالمین الا بعد تاکید الحجة والالزام ببعثة الرسل ولا یجعل علمه باحوالهم حجة علیهم۔ (امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں کو ہلاک نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہونے کے مستحق ہو جاتے ہیں اور ان کے ظالم ہونے کے باوجود پیغمبر بھیج کر اتمام حجت کرنے کے بعد ہی ہلاک کرتا ہے اور قوموں کے حالات کے علم کو ان پر حجت نہیں بنایا)

پھر فرمایا: وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (اور تمہیں جو بھی کوئی چیز دی گئی ہے سو دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے سو وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔) چونکہ دنیاوی زندگی اور اس میں کام آنیوالا مال متاع اہل کفر کو ایمان لانے سے روکتا تھا اور ابھی بھاری تعداد میں ایسے کافر و مشرک ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو واقعی اللہ تعالیٰ کا رسول سمجھتے ہیں اور یہ یقین کرتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے لیکن دنیاوی اموال اور اغراض اور تھوڑی سی دیر کی دنیاوی عزت اور جاہ کو دیکھتے ہوئے ایمان قبول نہیں کرتے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تمہیں دنیا میں جو بھی کچھ دیا گیا ہے۔ یہ سب دنیاوالی زندگی میں کام آنے والی چیز ہے اور اسی دنیا کی زیب و زینت ہے یہ سب کچھ موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا تھوڑی سی دیر کی چیزیں ہیں۔ انکی وجہ سے ایمان نہ لاکر آخرت کی نعمتوں سے کیوں محروم ہوتے ہو وہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا وہ اس سب سے بہتر ہوگا اور دائمی ہو گا' کفر کی وجہ سے اس سے محرومی ہوگی اور دوزخ میں داخل ہو گے حقیر فانی دنیا کے لئے وہاں کی دائمی اور بہتر در بہتر نعمتوں سے محروم ہونا اور دائمی عذاب میں جانا کوئی سمجھداری کی بات نہیں۔ اسی کو فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم سمجھتے نہیں۔

حرم شریف میں ہر قسم کے ماکولات مشروبات اور مصنوعات ملتے ہیں جس میں یُجْبٰٓی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ کا مظاہرہ ہے۔ حرم کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں۔ اس سے بعض حضرات نے یہ استنباط کیا ہے کہ لفظ ثمرات پھلوں کو تو شامل ہے ہی دوسری مصنوعات کو بھی شامل کیا ہے جو فیکٹریاں اور ملوں اور کارخانوں کے ثمرات ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کی پیدا ہونے والی غذائیں اور بر اعظم کی مصنوعات بڑی تعداد میں فراوانی کے ساتھ مکہ معظمہ میں ملتی ہیں۔ حج کے موقعہ پر لاکھوں افراد بیک وقت جمع ہو جاتے ہیں سب کو رزق ملتا ہے اور دنیا بھر کی چیزیں مکہ مکرمہ میں اور منیٰ میں بڑی وافر مقدار میں ملتی ہیں۔ اور مدینہ منورہ میں بھی اس کا مشاہدہ ہے بلکہ وہاں مکہ مکرمہ سے زیادہ غذائیں اور دوائیں انسانی ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی دعا کا اثر ہے آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا **اللھم اجعل بالمدینة ضعفی ما جعلت بمکة** اے اللہ مکہ میں جو برکت آپ نے رکھی ہے مدینہ میں اسکی دگنی برکت رکھ دیجئے (رواہ البخاری)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ

سو جس شخص سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو پھر وہ اسے پانے والا ہو کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیاوالی زندگی کا سامان دیدیا پھر وہ

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۶۱﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ

قیامت کے دن گرفتار کر کے لایا جائے گا' اور جس دن وہ انہیں پکارے گا سو فرمائے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم

تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ۚ اَغْوَیْنٰهُمْ

گمان کرتے تھے' جن لوگوں پر اللہ کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہو گا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے انکو ویسا ہی بہکایا

كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ہم آپ کے حضور ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلالو

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ

سو وہ انکو بلائیں گے پھر وہ انکی پکار کا جواب نہ دیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش وہ ہدایت پائے ہوئے ہوتے اور جس دن انہیں آواز دے گا

فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾

سو فرمائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا سو اس دن انکی خبریں گم ہو جائیں گی پھر وہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

سو جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو اُمید ہے کہ یہ لوگ فلاح پانیوالوں میں سے ہوں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے خطاب اور یہ سوال کہ جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا وہ کہاں ہیں؟

تفسیر: مذکورہ بالا سات آیات ہیں۔ پہلی آیت میں آخرت کے انجام کے اعتبار سے مؤمن اور کافر کا فرق بتایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے جس سے ہم نے اچھا وعدہ کر رکھا ہے کہ اس کو ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ابدی نعمتیں ملیں گی اور ایک وہ شخص ہے جو مؤمن نہیں ہے لیکن اسے ہم نے دنیا والی زندگی کا سامان دے رکھا ہے جسے وہ استعمال کرتا ہے دنیا میں تو بظاہر کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن کیونکہ وہ کافر ہے اسلئے وہ قیامت کے دن گرفتار ہو کر آئے گا۔ اور پھر دوزخ میں چلا جائے گا۔ غور کرنیوالے غور کریں اور سمجھنے والے بتائیں کیا یہ مؤمن اور کافر برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس میں جہاں کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے چند روزہ زندگی اور سامان عشرت پر نہ اترائیں وہاں مسلمانوں کو بھی بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کے سامان کی طرف نظریں نہ اٹھائیں یہ تھوڑے دن کی حقیر دنیا ہے اس کو دیکھ کر للچانا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر' کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد کس چیز سے ملاقات کرنیوالا ہے بیشک اللہ کے نزدیک اس کے لئے ایک قاتل ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی یعنی دوزخ ہے۔ (اس میں داخل ہوگا اور چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔)

دوسری آیت سے لیکر چھٹی آیت کے ختم تک مشرکین اور کافرین سے جو خطاب ہوگا اس کا ذکر ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے پکار کر سوال فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں؟ جنہیں تم میرا شریک سمجھ رہے تھے اس کے جواب میں انکے گمراہ کرنیوالے شیاطین جن کے بارے میں یہ طے ہو چکا ہے کہ انہیں دوزخ میں جانا ہی ہے یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب بیشک یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا ہم نے انہیں ایسے ہی بہکایا جیسے ہم بہکے تھے

یعنی نہ ہم پر کسی نے کوئی زبردستی کی تھی نہ ہم نے ان پر زبردستی کی، ہم گمراہ ہوئے۔ انہیں بھی گمراہی کی باتیں بتائیں انہوں نے بات مان لی۔ دنیا میں ہم نے انہیں گمراہی پر لگایا اور یہ بھی ہماری باتوں میں آ گئے اب یہاں تو ہم آپکے حضور میں ان سے بیزار ہیں جب بہکانے والے اور گمراہ کرنے والے اپنے متبعین سے بیزاری ظاہر کریں گے تو وہ یوں کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم بھی ان سے بیزاری ظاہر کرتے (کمافی سورۃ البقرۃ)۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۔ بہکانے والے ساتھ ہی یوں بھی کہیں گے مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (یہ حقیقت میں اپنی خواہشوں کے بندے تھے گمراہی کی باتیں انکی خواہشوں کے مطابق تھیں لہٰذا انہیں قبول کر لیا اور وہ اپنی بربادی کا سبب خود بنے) مشرکین سے یہ بھی کہا جائے گا کہ جنہیں تم اپنے خیال میں ہمارا شریک سمجھتے تھے انہیں پکارو! وہ حیرانی کے عالم میں انہیں پکاریں گے لیکن وہ انکی بات کا جواب نہ دیں گے وہ اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوں گے کسی کو کیا جواب دیں۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ (اور گمراہی کی دعوت دینے والے اور جنہیں گمراہی کی دعوت دی گئی عذاب کو دیکھ لیں گے) لو انھم کانوا یھتدون (اس وقت وہ آرزو کریں گے کہ ہائے کاش ہم دنیا میں ہدایت پر ہوتے) اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی تدبیر جان لیتے جس سے یہ عذاب دفع ہو سکتا۔ اگر کوئی تدبیر ہوتی تو اس کو اختیار کر لیتے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکار کر سوال کیا جائے گا کہ جب تمہیں رسولوں نے تبلیغ حق کی دعوت پہنچائی تو تم نے کیا جواب دیا؟) فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ (سو ساری خبریں یعنی ہر طرح کے مضامین جن کے ذریعہ جواب دیں سب غائب ہو جائیں گے) اور انہیں کچھ سمجھ نہ آئے گا کہ کیا جواب دیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ سوال ہوگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا (کمافی سورۃ المائدۃ) يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (تو اس وقت کی حیرانی میں کچھ جواب نہ دے سکیں گے جب اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا یہ حال ہوگا تو گمراہ لوگوں کا جو حال ہوگا ظاہر ہے انہیں بولنے اور جواب دینے کی تاب کہاں ہو سکتی ہے؟) فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (سو وہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے) کیونکہ اس دن کی وحشت اور مصیبت نے سب کچھ بھلا رکھا ہوگا کوئی کسی سے نہ پوچھے گا کہ کیا جواب دوں شرک اور کفر پر مرنے والوں کا حال بتانے کے بعد ان حضرات کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کی اور ایمان اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہوئے۔ ارشاد فرمایا: فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (یعنی جس نے کفر شرک سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اعمال صالحہ اختیار کئے۔ سو یہ لوگ کامیابی پانے والوں میں سے ہوں گے)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور آپ کا رب جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ ان لوگوں کو چن لینے کا کوئی حق نہیں ہے اللہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِي

اور آپ کا رب جانتا ہے جس کو انکے سینے چھپاتے ہیں اور جسے یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لئے سب تعریف ہے۔

الۡاُوۡلٰی وَ الۡاٰخِرَۃِ ۫ وَ لَہُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ

دنیا میں اور آخرت میں، اور اسی کے لئے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے آپ فرما دیجئے تم بتاؤ اگر اللہ

عَلَیۡکُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا

قیامت کے دن تک تمہارے اوپر ہمیشہ کے لئے رات ہی کو موجود رکھے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی کو لے آئے تو

تَسۡمَعُوۡنَ ﴿۷۱﴾ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ النَّہَارَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ

کیا تم نہیں سنتے؟ اور آپ فرما دیجئے کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ کے لئے تم پر دن ہی کو موجود رکھے تو

اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِلَیۡلٍ تَسۡکُنُوۡنَ فِیۡہِ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ مِنۡ رَّحۡمَتِہٖ جَعَلَ

اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے۔ اس میں تم آرام کرتے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور اس نے

لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ لِتَسۡکُنُوۡا فِیۡہِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

اپنی رحمت سے تمہارے لئے دن کو اور رات کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔

اگر اللہ تعالیٰ رات یا دن کو ہمیشہ باقی رکھتے تو وہ کون ہے جو اس کے مقابلہ میں رات یا دن لا سکے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات جلیلہ اور قدرت کاملہ کے مظاہر بیان فرمائے جن میں بندوں پر بھی امتنان ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا وَرَبُّکَ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخۡتَارُ (آپ کا رب جو چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں ولید بن المغیرہ کی اس بات کا جواب دیا ہے جو اس نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیجنا چاہئے تھا (یعنی جو اس کے ذہن میں بڑا تھا) اہل دنیا دنیاداروں ہی کو بڑا سمجھتے ہیں اسلئے اس نے ایسی بات کہی اس کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتا تھا اسی کو سورۂ زخرف میں یوں بیان فرمایا ہے وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مذکورہ بالا آیت یہودیوں کے جواب میں نازل ہوئی۔

انہوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) کے پاس وحی لانے والا فرشتہ اگر جبرئیل کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ ہوتا تو ہم ان پر ایمان لے آتے ان لوگوں کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اس نے سارے نبیوں کے بعد خاتم النبیین بنانے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو چن لیا۔ اور سب فرشتوں میں سے وحی بھیجنے کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہے اپنی اطاعت کے لئے چن لے

(ذکر ذلک القرطبی فی تفسیرہ) اور بعض حضرات نے یختار کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے پسند فرماتا ہے اور اپنے نبی علیہ السلام کے ذریعہ نازل فرما دیتا ہے۔ پہلے جملہ میں یہ بتایا کہ تکوینی امور میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور تشریعی اختیارات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ آیت کریمہ کے عموم لفظی میں یہ سب باتیں داخل ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے جسے چاہا' چن لیا۔ اور جن حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان میں بھی آپس میں ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ بعض کو اولوالعزم بنایا اور بعض کو بہت بڑی اُمت عطا فرمادی' اور بعض پر ایمان لانے والے تھوڑے ہی سے تھے۔ بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ بنایا اور سیدنا محمد رسول اللہ علیہ السلام کو حبیب اللہ بنایا اور معراج کا شرف عطا فرمایا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات کی فضیلت عطا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کلمۃ اللہ کے ساتھ موصوف فرمایا۔ اسی طرح فرشتوں میں جس کو جو مرتبہ دیا اس میں کوئی دخیل اور شریک نہیں۔ سورۂ حج میں فرمایا اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (اللہ فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی)۔

اسی طرح سے جنتوں میں بھی باہم فضیلت ہے۔ جنت الفردوس سب سے اعلیٰ اور افضل ہے آسمانوں میں بھی ایک کو دوسرے پر برتری عطا فرمائی اور زمین کے خطوں میں بھی ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ کعبہ شریف کے لئے مکہ معظمہ کو منتخب فرما لیا اور مسجد نبوی میں بھی ایک حصہ کو روضۃ من ریاض الجنۃ قرار دیدیا۔ اور مدینہ منورہ کو رسول علیہ السلام کو مسکن اور مدفن بنایا۔

جو لوگ اہل علم ہیں ان میں بھی کسی کو بہت زیادہ علم دیا کسی سے دین کی خدمت بہت لی' کسی کو مفسر کسی کو محدث کسی کو مفتی اور فقیہ بنایا' کسی کی طرف بہت زیادہ رجوع عطا فرمایا' طلبہ و تلامذہ کی ہزاروں کی تعداد ہوگئی۔ کسی سے بہت بڑا مدرسہ قائم کروادیا اور اسکی طرف اُمت کا رجوع عام کردیا کسی کو کتابیں لکھنے کی توفیق زیادہ دے دی پھر اسکی کتابوں کی مقبولیت عامہ نصیب فرمادی۔ وھلم جرا الی مالا یعد ولا یحصیٰ

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (لوگوں کو چن لینے اور اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں) اللہ نے جسے چاہا فضیلت دے دی اور جو حکم چاہا بھیج دیا۔ یہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ سبحان اللّٰہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ اللہ پاک ہے اور وہ برتر ہے اس سے وہ جو شریک کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفتِ علم کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ آپ کا رب وہ سب کچھ جانتا ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔ اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے جو کچھ اپنے دل میں بات رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں ہے اسے ظاہراً اور باطناً ہر چیز اور ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور صفاتِ جلیلہ و جمیلہ سے اس کا متصف ہونا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اور اللہ وہی ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لئے سب تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں' اور اسی کے لئے حکم ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تمام تعریفوں کا وہی مستحق ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی' اسی کا فیصلہ حق ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اسے سب کا حال معلوم ہے وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا اور جزا و سزا دے گا۔

چوتھی پانچویں، چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بندوں کو اپنی دو بڑی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دن بھی دیا ہے اور رات بھی دی ہے۔ یہ محض اس کا فضل ہے اور اسی کی قدرت سے لیل ونہار کا آنا جانا ہے۔ وہ اگر چاہے تو قیامت تک ہمیشہ رات ہی رات کر دے۔ دن کبھی نہ آئے اور دن کی روشنی سے تم بالکل محروم ہو جاؤ، اسی طرح اگر وہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے رات نہ لائے جس میں تم آرام کرتے ہو تو تم کیا کر سکتے ہو؟ چونکہ مشرکین غیر اللہ کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے جب کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں اسی لئے پہلی جگہ یوں فرمایا کہ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ (کہ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو روشنی کو لے آئے) اور دوسری جگہ فرمایا مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ (کہ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو رات کو لے آئے جس میں تم آرام کرتے ہو یہ بطور استفہام انکاری ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، جو رات کو دن سے بدل دے اور دن کو رات سے بدل دے، تم عقل اور فہم اور سمع و بصر سے کام کیوں نہیں لیتے؟

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں فوائد تو بہت ہیں۔ لیکن دن میں معاش حاصل کرنا اور رات کو آرام کرنا دونوں عظیم فائدے ہیں انکو اجمالاً آخری آیت میں بطور یاد دہانی مکرر بیان فرمایا چنانچہ ارشاد ہے وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اور اسکی رحمت سے یہ بات ہے کہ اُس نے تمہارے لئے رات کو بنایا اور دن کو بنایا تا کہ رات کو تم آرام کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو)

عام طور سے کسب اموال اور تحصیل رزق کے لئے دن ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اور رات کو سکون حاصل ہوتا ہے ان دونوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا لازم ہے اسی لئے آخر میں وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ فرمایا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ

اور جس دن وہ ان سے فرمائے گا کہ میرے شرکاء کہاں ہیں جنہیں تم شریک سمجھتے تھے۔ اور ہم ہر اُمت میں سے

كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے۔ پھر ہم کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو۔ سو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی ہے اور وہ جو کچھ جھوٹی باتیں گھڑا کرتے تھے

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

وہ سب گم ہو جائیں گی

قیامت کے دن ہر اُمت میں سے گواہ لانا اور شرک کی دلیل طلب فرمانا

تفسیر: یہ دو آیات ہیں پہلی آیت کے الفاظ تو مکرر ہیں لیکن سیاق کے اعتبار سے مقام مختلف ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا تھا کہ جب ان لوگوں سے یہ سوال ہوگا کہ میرے شرکاء کہاں ہیں جنہیں تم میرا شریک بناتے تھے تو اس پر وہ لوگ جواب دیں گے جنہوں نے انہیں بہکایا تھا اور گمراہ کیا کہ اے ہمارے رب ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے ہم گمراہ ہوئے ہم نے بہکایا

تو تھا لیکن زبردستی نہیں کی تھی ہم بھی بہکے انکو بہکایا ہم ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور یہاں دوسری جگہ جو آیت شریفہ کو دوبارہ ذکر فرمایا ہے وہ بعد والی آیت کی تمہید ہے یعنی جب انہیں پکارا جائے گا تو ان سے جواب نہ بن پڑے گا اور ہر امت کا نبی ان پر گواہی دے گا کہ یہ لوگ دنیا میں کافر تھے' مشرک تھے۔ ایمان لانے سے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ (تم اپنی دلیل لے آؤ) اول تو انکے نبی کی انکے خلاف گواہی ہوگی پھر اپنے شرک اور کفر پر کوئی دلیل نہ لاسکیں گے اور اس وقت انہیں عین الیقین کے طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات سچی تھی' جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ پہنچی تھی اور ہمارا کفر شرک پر جمارہنا جہالت اور ضلالت پر مبنی تھا۔ جب دنیا میں کہا جاتا تھا کہ کفر و شرک سے بچو تو بڑی کٹ حجتی سے پیش آتے تھے اور جھوٹی جھوٹی باتوں کو دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ آج قیامت کے دن دلیل کا سوال ہوگا تو وہ سب باتیں جو دنیا میں تراشتے تھے اور جھوٹ بناتے تھے سب گم ہو جائے گا۔

اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْھِمْ ۠ وَاٰتَیْنٰہُ مِنَ الْکُنُوْزِ مَآ اِنَّ

بلاشبہ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا سو وہ انکے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اسے خزانوں میں سے اس قدر دیا تھا کہ اسکی چابیاں

مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَۃِ اُولِی الْقُوَّۃِ ۗ اِذْ قَالَ لَہٗ قَوْمُہٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰہَ

ایسی جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں جو قوت والے لوگ تھے جبکہ اسکی قوم نے اس سے کہا کہ تو مت اترا' بلاشبہ اللہ

لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ

اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا' اور اللہ نے تجھے جو کچھ دیا ہے اسمیں دارِ آخرت کو جستجو کرتا رہے

مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ

اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش مت کر اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی احسان کر اور زمین میں فساد کو تلاش مت کر بیشک

اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ

اللہ فساد کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو صرف میرے علم کی وجہ سے ہے جو میرے پاس ہے' کیا اس نے نہیں جانا کہ

اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَھْلَکَ مِنْ قَبْلِہٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْہُ قُوَّۃً وَّ اَکْثَرُ

بلاشبہ اللہ نے اس سے پہلے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جو قوت میں اس سے زیادہ سخت تھیں۔ اور اس سے زیادہ

جَمْعًا ؕ وَلَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِھِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ فِیْ زِیْنَتِہٖ ؕ قَالَ

جتھ والی تھیں۔ اور مجرموں سے انکے گناہوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا۔ سو وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی ٹھاٹھ باٹھ میں نکلا جو لوگ

الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّہٗ لَذُوْ

دنیاوالی زندگی کے طالب تھے وہ کہنے لگے کاش ہمارے لئے بھی ایسا ہی مال ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا ہے۔ بلاشبہ وہ

حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ

بڑے نصیب والا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا' انہوں نے کہا تمہارے لئے ہلاکت ہے' اللہ کا ثواب اس شخص کے لئے بہتر ہے

آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ

جو ایمان لایا اور نیک عمل کئے اور یہ بات انہی کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے جو صبر کرنیوالے ہوں' سو ہم نے قارون کو اور اسکے گھر کو زمین

فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴿٨١﴾

میں دھنسا دیا' سو کوئی بھی جماعت نہ تھی جو اسکی مدد کر کے اللہ سے بچالیتی اور وہ خود بھی اپنی مدد کرنے والا نہ تھا اور کل گزشتہ جو لوگ آرزو کر رہے تھے

وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

کہ ہم بھی اس جیسے ہو جاتے صبح ہونے پر کہنے لگے کہ ارے! بات یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنا رزق اپنے بندوں میں سے

لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَأَنَّهُ

جسے چاہے زیادہ دیدے' اور جس پر چاہے رزق تنگ کر دے اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ ارے! بات یہ ہے کہ

لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٢﴾

کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے

قارون کا اپنے مال پر اترانا' دُنیا داروں کا اس کا مال دیکھ کر ریجھنا' اور قارون کا اپنے گھر کیساتھ زمین میں دھنس جانا

تفسیر: ان آیات میں قارون کا اور اس کی مالداری کا اور بغاوت اور سرکشی کا اور زمین میں دھنسائے جانے کا ذکر ہے یہ تو قرآن مجید میں ذکر ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا چچا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ انکی خالہ کا لڑکا تھا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اسے اتنا زیادہ مال دیا تھا کہ اسکے خزانوں کا اٹھانا تو بہت دور کی بات ہے اسکے خزانوں کی کنجیاں اتنی زیادہ تھیں کہ قوت والی ایک جماعت کو ان چابیوں کے اٹھانے میں بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ جب مال زیادہ ہوتا ہے تو انسان کو تکبر ہو جاتا ہے اور مال غرور میں پھولا نہیں سماتا۔ قارون نے اپنے مال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر بغاوت کی یعنی فخر کیا اور انکو حقیر جانا اپنے مال پر اترانے لگا۔ اسکی قوم نے اس سے کہا کہ دیکھ تو اترا مت' بلاشبہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا' اور تجھے جو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اسکے ذریعہ دار آخرت کا طالب بن جا' یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا رہ' تاکہ یہ مال موت کے بعد تیرے کام آئے کیونکہ سب مال یہیں اسی دنیا میں دھرا رہ جائے گا ہاں جس نے آگے بھیج دیا اس کا آگے بھیجا ہوا مال کام دے گا۔ جو مال آخرت کے لئے نہ بھیجا' وہ پیچھے رہ جانے والے لوگوں

کومل جائے گا۔ پھر ایسی بیوقوفی کیوں کرے کہ دوسرے لوگ اپنے چھوڑے ہوئے مال سے گل چھرے اڑائیں اور آخرت میں خود خالی ہاتھ حاضر ہو جائے اور بخیل بن کر اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق مال کو خرچ نہ کر کے اپنے ہی مال کو اپنے لئے وبال اور باعث عذاب بنالے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ کہتا ہے کہ میرا مال' میرا مال' حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو تین کاموں میں لگ گیا جو کھایا اور فنا کیا اور جو پہنا اور پرانا کر دیا اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے دیا۔ سو اس نے اپنے لئے ذخیرہ بنالیا اور اسکے سوا جو کچھ بھی ہے اسے لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا (یعنی مر جائے گا) (رواہ المسلم ص ۴۰۷ ج ۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حاضرین سے) سوال فرمایا کہ تم میں ایسا کون ہے جسے اپنے مال کی بہ نسبت اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبت ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں جسے اپنے مال کی بہ نسبت اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبت ہو! آپ نے فرمایا کہ اب تم سمجھ لو کہ اپنا مال وہ ہے جو آگے بھیج دیا (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کر دیا تاکہ آخرت میں ثواب ملے اور وارث کا مال وہ ہے جو اپنے پیچھے چھوڑ کر چلا گیا۔ یعنی موت آنے پر خود اسی کا مال اسکے وارثوں کا ہو جائے گا) اب ہر شخص سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے مال خرچ کرنے میں کنجوسی کرنا اور اس مال کو وارثوں کے لئے چھوڑ جانا یہ اپنے مال سے محبت نہ ہوئی بلکہ وارث کے مال سے محبت ہوئی۔

انسان کا یہ عجیب مزاج ہے کہ جتنا زیادہ مال ہو جائے اسی قدر کنجوس ہوتا چلا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے خرچ نہیں کرتا۔ ایک فیکٹری کے بعد دوسری فیکٹری کروڑوں میں خریدے گا اور اگر کوئی سائل آجائے تو سو پچاس ہاتھ پر رکھ دیگا اگر مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنے کیلئے کہا جائے تو سو پچاس روپے سے زیادہ کی ہمت کرے گا۔ مالدار اکثر دنیا دار ہوتے ہیں آگے بھی دنیا پیچھے بھی دنیا' سوتے بھی دنیا جاگتے بھی دنیا اگر نماز پڑھنے لگے تو اس میں بھی دکان کا حساب لگانے کا دھیان' امپورٹ اور ایکسپورٹ کے بارے میں غور و فکر۔

قارون کی قوم نے یہ بھی کہا کہ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (کہ دنیا میں سے اپنے حصہ کو مت بھول جا) یعنی اس دنیا میں سے اپنا حصہ لے لے جو آخرت میں تیرے کام آئے' دنیا میں سے اپنا حصہ وہی ہے جو آخرت کے لئے بھیج دیا' وہاں جائیں گے تو وہ مل جائے گا۔ سورۂ مزمل میں فرمایا۔ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ (اور جو کچھ اپنی جانوں کے لئے پہلے سے بھیج دو گے اسے اللہ کے پاس لو گے)

بعض مفسرین نے وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کا یہی مطلب بتایا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہوگا۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ اپنے مال کو دنیا میں بھی اپنی جان پر خرچ کر لے۔ کھالے پی لے اور معاش کی ضروریات میں خرچ کر لے' لیکن پہلا معنی اقرب اور راجح ہے کیونکہ کسی مالدار کو جو مال پر اتراتا ہو اس بات کی تلقین کرنے کی ضرورت نہیں کہ تو اپنی دنیا سے اپنے اوپر بھی خرچ کر لے وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ (اور تو اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا)۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ (اور زمین میں فساد کا خواہاں مت ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ حقوق اور فرائض سے جان مت چرا اور گناہوں میں خرچ نہ کر' ریا کاری کے کاموں میں نہ لگا کیونکہ یہ زمین میں فساد برپا کرنے کی

چیزیں ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (بلا شبہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) قوم نے جو فساد سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی نصیحت کی تھی اسکے جواب میں قارون نے کہا اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (کہ یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو کہ اللہ نے میرے ساتھ احسان فرمایا ہے مجھے مال دیا ہے میں اس بات کو نہیں مانتا مجھے تو یہ مال میری دانشمندی اور ہنر مندی کی وجہ سے ملا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قارون سونا بنانے کی صنعت یعنی کیمیا گری سے واقف تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجارت کے طریقوں سے اور کسب اموال کے مختلف ذرائع سے یہ مال کمایا ہے (قرطبی) پس جب میری محنتوں سے ملا ہے تو مجھے اختیار ہونا چاہیے کہ اپنا مال جہاں لگاؤں جس طرح لگاؤں اور کسی کو دوں یا نہ دوں اللہ جل شانہ نے فرمایا: اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا (کیا اس نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ نے اس سے پہلے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جو قوت میں اس سے زیادہ سخت تھیں اور جتھ کے اعتبار سے زیادہ تھیں) قارون نے اپنے مالدار ہونے کے گھمنڈ میں یوں کہہ دیا کہ میرے پاس جو کچھ مال ہے میری ہنر مندی سے ملا ہے اور اللہ تعالیٰ کی داد دہش کا منکر ہو گیا۔ اور ناشکری پر تل گیا' ناشکروں کا برا انجام ہوتا رہا ہے کیا اسے یہ پتہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سی ایسی جماعتوں کو ہلاک فرما چکا ہے جو مالی قوت میں بھی اس سے زیادہ تھیں اور مجمع کثیر ہونے کے اعتبار سے بھی' جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوئی تو ان کے اموال اور جماعت اور جتھ کچھ بھی کام نہ آیا۔

وَلَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (اور مجرموں سے انکے گناہوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا) یعنی ان سے گناہوں کی تصدیق کے طور پر یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے جرم کیا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو تمام مجرمین کے گناہوں کی خبر ہے۔ اور فرشتوں نے جو صحائف اعمال لکھے تھے ان میں بھی سب کچھ موجود ہے۔ لہٰذا اس نوع کا سوال نہ ہوگا کہ اقرار کر لیں تو عذاب دیا جائے بلکہ جو سوال ہوگا (جس کا بعض آیات میں ذکر ہے) وہ سوال زجر و توبیخ کے لئے ہوگا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ (الیٰ آخر الآیات الاربع) قارون کو اپنے مال پر فخر بھی تھا تکبر بھی تھا' ایک دن ریا کاری کے طور پر مالی حیثیت دکھانے کے لئے ٹھاٹھ باٹھ ساز و سامان کے ساتھ نکلا (جیسے اس دور میں مالدار لوگ بعض علاقوں میں ہاتھی پر بیٹھ کر بازاروں میں نکلتے ہیں اور بعض لوگ بلا ضرورت بڑی بڑی کوٹھیاں بناتے ہیں پھر ریا کاری کے لئے لوگوں کی دعوتیں کرتے ہیں اور آنے والوں کو مختلف کمرے اور ان کا ساز و سامان دکھاتے پھرتے ہیں حد یہ ہے کہ بیٹی کو جو جہیز دیتے ہیں' وہ بھی ریا کاری کے ساتھ گاڑی کے ساتھ آگے پیچھے اس طرح روانہ کرتے ہیں کہ ایک ایک چیز کو ایک ایک مزدور ہاتھ میں لیکر یا سر پر رکھ کر گزرتا ہے) پھر جب لڑکی کے سسرال میں سامان پہنچتا ہے تو آنے جانے والوں کو دکھانے کے لئے گھر سے باہر سجاتے ہیں۔

جب قارون زینت کی چیزیں لیکر نکلا اور لوگوں کو لمبا جلوس نظر آیا تو انکی رال ٹپکنے لگی۔ کہنے لگے اے کاش ہمارے پاس بھی اسی طرح کا مال ہوتا جیسا کہ قارون کو دیا گیا ہے بیشک وہ بڑا نصیب والا ہے' یہ بات سن کر اہل علم نے کہا (جو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے اجور کی بقا کو جانتے تھے) کہ تمہارا انجام برا ہو تم دنیا دیکھ کر للچائے گئے یہ تو حقیر اور فانی تھوڑی سی دنیا ہے اصل دولت ہے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی جو شخص ایمان لائے اور اعمال صالحہ کو اختیار کرے اس کیلئے اللہ کا

ثواب بہتر ہے۔ (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ادنیٰ درجہ کے جنتی کو جنت میں اتنی وسیع جنت دی جائیگی جو اس پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اور اس سے دس گنا زیادہ ہوگی۔ اسی سے دوسری نعمتوں کا اندازہ کرلیا جائے) وَلَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (اور یہ بات جو بیان کی گئی کہ اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ کا ثواب بہتر ہے) یہ بات انہی بندوں کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے جو طاعات اور عبادات پر جمے رہتے ہیں اور معاصی سے بچتے ہیں۔ قارون کروفر کے ساتھ نکلا۔ اہل دنیا دیکھنے والے اس پر ریجھ گئے اب اس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ نہ مال کام آیا نہ جماعت کام آئی نہ نوکروں اور چاکروں نے مدد کی اور نہ کوئی تدبیر کرسکا تا کہ اللہ کے عذاب سے بچ جاتا۔

جب صبح ہوئی تو لوگ دیکھ رہے ہیں کہ کہاں گیا قارون اور کہاں گیا اس کا گھر نہ خود ہے نہ گھر ہے' وہ خود اور اس کا گھر زمین کا لقمہ بن چکے ہیں۔ اب تو وہ لوگ کہنے لگے جو کل اس کے جیسا مالدار ہونے کی آرزو کررہے تھے یہ ہماری بے وقوفی تھی اصل بات یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ رزق دے دے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دے' مالداری پر رشک کیا جائے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ہماری آرزو کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیں قارون جیسا مال کثیر عطا نہیں فرمایا۔ اگر ہمیں مال مل جاتا تو ہم بھی اسی کی طرح اتراتے اور زمین میں دھنسا دیئے جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مال کثیر نہ دے کر ہم پر کرم فرمایا اور زمین میں دھنسانے سے بچالیا۔ وہ لوگ آخر میں اظہار ندامت کے طور پر کہنے لگے واقعی بات یہ ہے کہ کافر کامیاب نہیں ہوتے (اب ایمان اور اعمال صالحہ کی قدر ہوئی)

کافروں کی چہل پہل مال و دولت پر کبھی نہ جائے انکے اموال اور احوال کو کبھی نظر میں نہ لائے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہرگز فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر کیونکہ تو نہیں جانتا کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت سے ملاقات کرنا ہے بلاشبہ اس کے لئے اللہ کے نزدیک ایک قاتل ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی یہ قاتل دوزخ کی آگ ہے (وہ اسی میں ہمیشہ رہے گا) (کذا فی المشکوٰۃ ص ۴۴۷ از شرح السنہ)

جب کافر کو دوزخ میں جانا ہے تو اسکی دولت کو دیکھ کر للچانا کسی طرح زیب نہیں دیتا مومن بندے جنت کے طالب ہیں اسی کے لئے عمل کرتے ہیں انکی نظر میں کافر کی دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

فائدہ: قارون کے واقعہ کا گزشتہ مضامین سے ربط کیا ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ شروع سورت میں جو نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی فرمایا تھا یہ اسی سے متعلق ہے' سورت سے شروع میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بتایا اور سورت کے ختم کے قریب قوم کے ایک شخص کی مالداری اور بربادی کا تذکرہ فرمایا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا ربط آیت کریمہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا سے ہے قارون کو مالداری اور دنیا داری اور بربادی کی ایک نظیر پیش فرما کر یہ بتادیا کہ اہل دنیا کا برا انجام ہوتا ہے (روح المعانی)

قوله تعالیٰ "ویکان الله" ویکانه قال صاحب الروح ووی عند الخلیل وسیبویه اسم فعل ومعناها اعجب وتکون للتحسر والتندم ایضا کما صرحوا به، وعن الخلیل أن القوم ندموا فقالوا امتندمین علی ما سلف منهم' وکل من ندم وأرادا ظهار ندمه قال "وی"

ولعل الاظهر ارادة التعجب بأن یکونوا تعجبوا اولا مما وقع وقالوا ثانیا کأن الخ و کان فیہ عاریۃ عن معنی التشبیہ جئی بھا للتحقیق ۔ (ص ۱۲۴ ج ۲۰) (اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَیْکَاَنَّہٗ اس کے بارے میں تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں خلیل اور سیبویہ کے نزدیک ''وَیْ'' اسم بمعنی فعل ہے اور اس کا معنی ہے ''اُعجب'' ''مجھے تعجب ہے''۔ اور یہ وَیْ حسرت وندامت کے اظہار کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ اہل علم نے اس کی صراحت کی ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ قوم والے پشیمان ہوئے اور کہنے لگے ''وَیْ'' یعنی جو کچھ ان سے ہو چکا اس پر ندامت کرتے ہیں۔ اور ہر آدمی جو پشیمان ہوا اور اُس نے اپنی ندامت ظاہر کرنا چاہی تو کہتا ہے ''وَیْ'' اور اس سے زیادہ ظاہر یہ کہ اس سے مراد تعجب ہو اس طرح کہ جو واقعہ پیش آیا پہلے انہوں نے اس پر تعجب کیا اور پھر کہا ''کَاَنْ'' اور اس وقت یہ کَاَنْ تشبیہ کے معنی سے خالی ہو گا اور تحقیق کے لئے استعمال کیا گیا ہے)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ

یہ آخرت کا گھر ہم اسے ان لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے،

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

اور اچھا نتیجہ متقیوں کے لئے ہے، جو شخص نیکی لے کر آئے گا سو اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ملے گا۔ اور جو شخص بدی لیکر آئے گا

فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

سو جن لوگوں نے برے عمل کئے انہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے

آخرت کا گھر اُن لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں یہ بتایا کہ دار آخرت یعنی موت کے بعد جو مؤمنین صالحین کو ٹھکانہ ملے گا اسے ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین میں بڑائی، برتری اور بلندی کا ارادہ نہیں کرتے اور فساد کو نہیں چاہتے۔ اور اچھا انجام متقیوں ہی کا ہے، بندوں کو تواضع کے ساتھ رہنا لازم ہے۔ ساری بڑائی خالق اور مالک ہی کے لئے ہے۔ جس نے سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اسکی بڑائی اور کبریا کے سامنے ہر بندہ کو جھک جانا لازم ہے۔ جن لوگوں کو جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے ان میں اسی قدر تواضع ہوتی ہے۔ جو لوگ دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اس بڑائی کے حاصل کرنے کے لئے بہت سے گناہ کرتے ہیں اللہ کی مخلوق کو ستاتے ہیں دکھ دیتے ہیں قتل تک کرواتے ہیں۔ اللہ کے احکامات کو پامال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنے لئے دار آخرت یعنی جنت سے محرومی ہی کا انتظام کرتے ہیں پھر دنیا میں بھی انہیں وہ عزت حاصل نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اگر لوگ دنیاوی اقتدار کے دباؤ میں کچھ نہ کہیں تو دلوں سے تو برا سمجھتے ہی ہیں۔

تواضع کی منفعت اور تکبر کی مذمت: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ اسے بلند فرمادے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہوگا اور جس نے تکبر اختیار کیا اللہ اسے گرا دے گا۔ پس وہ لوگوں کی نظروں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا۔ (لوگوں کے نزدیک اسکی ذلت کا یہ حال ہوگا کہ) وہ کتے اور خنزیر سے بڑھ کر انکے نزدیک ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴) ایک حدیث میں ہے کہ دوزخ میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ اور کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳ از مسلم)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تکبر کرنے والے انسانی صورتوں میں چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے جسموں میں جمع کئے جائیں گے انہیں دوزخ کے جیل خانہ کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا جس کا نام بُولَس ہے ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی ان لوگوں کو طِیْنَۃُ الْخَبَالِ (یعنی دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ) پلایا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

تکبر بری بلا ہے شیطان کو لے ڈوبا اسکی راہ پر چلنے والے انسانوں کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ دوسری آیت میں یہ بتایا کہ جو شخص قیامت کے دن نیکی لے کر آئے گا اسے اس کا اس سے بہتر بدلہ ملے گا۔ سب سے بڑی نیکی تو ایمان ہے اس کا بہت بڑا بدلہ ہے یعنی ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہونے کا انعام ہے اور صاحب ایمان جتنی بھی نیکیاں کرے گا ہر نیکی کا بہت بڑا ثواب پائے گا جو اسکی نیکی سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا اور ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہو کر تو ملنا ہی ہے یہ تو اہل ایمان کا ذکر ہوا۔ اب رہے کافر انکو بھی انکے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ سب سے بڑا برا عمل کفر وشرک ہے اور کفر کے ساتھ اہل کفر اور بھی بڑے بڑے گناہ کرتے رہتے ہیں۔ کافروں میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں غریب تھے اصحاب اقتدار کی رعیت تھے انکے سامنے ذلیل تھے تنگدست بھی تھے لوگوں کے سامنے حقیر بھی تھے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو بڑے بڑے مالدار تھے بادشاہ تھے امیر تھے وزیر تھے کافر ومشرک امیر ہو یا غریب ہو عزت دار ہو یا ذلیل ہو اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنے گا اور کفر کے علاوہ جو گناہ کئے ہوں گے ان کی سزا بھی ملے گی۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ
بلاشبہ جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ واپس پہنچا دے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے
بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ
جو ہدایت لے کر آیا اور اسے بھی جانتا ہے کہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو اسکی امید نہ تھی کہ آپکو کتاب
اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ
دی جائے گی مگر محض آپ کے رب کی رحمت سے سو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہو جائیں۔ اور ہرگز یہ لوگ آپ کو اللہ کی آیات سے

اللّٰہِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا

نہ روک دیں اسکے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل ہو چکی ہے۔ اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیئے اور ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو

تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ

جایئے اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے اسکی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کی حکومت ہے

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ کو کتاب دی گئی

تفسیر: حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ مَعَاد سے آنحضرت ﷺ کا سابق وطن یعنی مکہ معظمہ مُراد ہے اور اس میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی ہے کہ آپ واپس اپنے وطن تشریف لائیں گے۔ چنانچہ آپ ۸ ھ میں فاتح ہو کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ہجرت کے سفر میں جب رسول اللہ ﷺ جحفہ میں نازل ہوئے اس وقت مکہ معظمہ یاد آ گیا اور آپ کو اپنے وطن کا اشتیاق ہوا۔ اس موقع پر جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر حاضر ہوئے جس میں آپ کے واپس مکہ معظمہ تشریف لانے کا وعدہ ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی نہ مکی ہے نہ مدنی ہے اس روایت کی بناء پر فَرَضَ کا ترجمہ اَنْزَلَ کیا جائے گا یعنی جس ذات نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے وہ آپ کو آپ کے وطن واپس پہنچا دے گا۔ بعض حضرات نے فَرَضَ کا معنی معروف لیا ہے۔ اور مَعَادْ سے جنت مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس ذات نے آپ پر یہ فرض کیا ہے کہ قرآن پر عمل کریں وہ آپ کو جنت میں پہنچا دے گا۔

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا) وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں ہے) صاحب روح المعانی نے معالم التنزیل سے نقل کیا ہے کہ اس میں مکہ معظمہ کے کفار کا جواب ہے جنہوں نے آپ کو گمراہی پر بتایا تھا۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (اور آپ کو یہ اُمید نہیں تھی کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنی رحمت سے آپ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز کیا اور آپ پر قرآن نازل کیا) پس جس طرح آپ کو اُمید کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب عطا فرما دی اسی طرح سمجھ لیں کہ گو اسبابِ ظاہرہ کے اعتبار سے آپ مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پھر مکہ معظمہ میں واپس ہوں گے اور یہ بھی صرف اللہ کی رحمت سے ہوگا۔ قال صاحب الروح ای سیردک الی معاد کما انزل الیک القرآن العظیم الشان وما کنت ترجو۔

فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ (سو آپ کافروں کے مددگار نہ ہوجئے) اس میں خطاب تو آپ کو ہے لیکن جواب کافروں کی اس بات کا ہے جنہوں نے آپ کو اپنے آباء واجداد کے دین پر آجانے کی دعوت دی تھی۔ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللّٰهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ (اور اسکے بعد کہ اللہ کی آیات آپکی طرف نازل کی گئی ہیں کافر لوگ آپکو اُن کے پڑھنے سے اوران پر عمل کرنے سے نہ روک دیں) یہ حکم اُمت کو بھی ہے کافروں کے کہنے اور روکنے سے اللہ تعالیٰ کی آیات کے پڑھنے پڑھانے سے رُکیں۔ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ (اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں) یعنی توحید کی دعوت دیتے رہیں۔ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (اور آپ مشرکین میں سے نہ ہوجایئے) علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ جب قریش مکہ نے آپ کو اپنے بتوں کی تعظیم کرنے کی دعوت دی، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ بظاہر اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے لیکن مقصود آپکے دشمنوں کو سنانا ہے کہ تم جو اُمید رکھتے ہو کہ آپ تمہاری طرف مائل ہوجائیں گے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ ۔ (اور آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے) اس میں اہل ایمان کو واپس شرک میں چلے جانے کی ممانعت ہے گو بظاہر خطاب آپ کو ہے (ﷺ) (روح المعانی ص ۱۳۰ ج ۲۰) لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اسکی ذات کے) لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے)۔

وقدتم والحمد لله تفسير سورة القصص فى ليلة السابع والعشرين من شهر ربيع الثانى ۱۴۱۶ھ من هجرة سيد المرسلين واكرام الاكرمين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الاولين والآخرين وعلى الِه واصحابه اجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَسِتُّونَ آيَةً وَسَبْعُ رُكُوعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ العنکبوت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں اُنہتر آیات اور سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بلاشبہ

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے سو اللہ ضرور ضرور اُن لوگوں کو جان لے گا جو سچے ہیں اور ضرور ضرور جھوٹوں کو بھی جان لے گا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائیں گے، بُرا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں

دعوائے ایمان کے بعد امتحان بھی ہوتا ہے

تفسیر: یہاں سے سورۂ عنکبوت شروع ہو رہی ہے، عربی زبان میں عنکبوت مکڑی کو کہا جاتا ہے اس سورۃ کے پانچویں رکوع میں عنکبوت یعنی مکڑی کا ذکر ہے اسی لیے یہ سورۃ اس نام سے مشہور ہے۔ آیت کے ابتدائی مضمون میں اول تو یوں فرمایا کہ جو لوگ مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ خیال کیا کہ صرف اتنا کہہ دینے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کا امتحان نہ کیا جائے گا؟ یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ صرف زبان سے یہ کہہ دینا کہ میں مومن ہوں کافی نہیں ہے، دل سے مومن ہونا لازم ہے اور جب کوئی سچا مومن ہوگا تو آزمائشوں میں ڈالا جائے گا، یہ آزمائشیں کئی طرح سے ہوں گی، عبادات میں مجاہدہ ہوگا، خواہشوں سے خلاف بھی چلنا ہوگا، مصائب پر بھی صبر کرنا ہوگا، ان چیزوں کے ذریعہ مومن بندوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ جب امتحان ہوتا ہے اور مجاہدات اور مشقتیں سامنے آتی ہیں تو مخلص مومن اور منافق کے درمیان امتیاز ہو جاتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے (جلد۲۰ ص۱۳۴) بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم حضرت شعبیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں ہوتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے (جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آچکے تھے) ان لوگوں کو لکھا کہ جب تک ہجرت نہ کرو گے تمہارا اسلام لانا مقبول اور معتبر نہ ہوگا، اس پر وہ لوگ مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکلے تو مشرکین ان کے پیچھے لگ گئے اور انہیں واپس لے گئے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی، مہاجرین نے انہیں پھر لکھا کہ تمہارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اس پر انہوں نے پھر مکہ معظمہ سے نکلنے کا ارادہ کیا اور یہ طے کیا کہ اگر مشرکین آڑے آئے تو ہم ان سے جنگ کریں گے، چنانچہ یہ لوگ ہجرت کے ارادہ سے نکلے اور مشرکین پھر ان کے پیچھے لگ گئے جس پر انہوں نے قتال کیا، بعض مقتول ہو گئے اور بعض نجات پا کر مدینہ منورہ پہنچ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل کی یہ آیت نازل فرمائی: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ

هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے فتنہ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے تو آپ کا رب ان کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے)

اس کے بعد صاحب روح المعانی نے حضرت حسن بصریؒ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ یہاں النَّاس سے منافقین مراد ہیں۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (اور ہم نے آزمایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے) فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا (سو ضرور ضرور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جو اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں) وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (اور ضرور ضرور ان لوگوں کو بھی جان لے گا جو جھوٹے ہیں) یعنی جو زبان سے ایمان کے مدعی ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ پہلے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا گیا ان کو بھی تکلیفیں پہنچیں اور دشمنان اسلام سے واسطہ پڑا، مقتول ہوئے، زخم کھائے اور دوسری تکلیفوں میں مبتلا ہوئے، اب امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) مخاطب ہے ان کا بھی امتحان لیا جائے گا۔

سورۂ آل عمران میں فرمایا: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (اور بہت سے نبی گذرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ وہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے اور نہ عاجز ہوئے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے)

اہل ایمان کے ساتھ آزمائش کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، دعا امن وعافیت اور سلامتی کی ہی کرنی چاہیے، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش آجائے تو صبر وتحمل اور برداشت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو سامنے رکھتے ہوئے آزمائش کا وقت گذار دیں، تکلیفوں پر بھی اجر اور صبر پر بھی، صبر کا پھل میٹھا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جو لوگ صدق دل سے مسلمان ہوتے ہیں وہ تکلیفوں اور آزمائشوں میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور جو لوگ دفع الوقتی کے طور پر دنیا سازی کے لئے اوپر اوپر سے اسلام کے مدعی ہو جاتے ہیں وہ آڑے وقت میں اسلام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مصائب اور مشکلات کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو مخلوق پیدا فرمانے سے پہلے ہی سب کچھ معلوم تھا کہ کون کیا کرے گا اور کیسا ہوگا، اسے پہلے ہی سے اس کا علم ہے، پھر جب اسی علم ازلی کے مطابق لوگوں کے اعمال اور احوال کا ظہور ہو جاتا ہے تو یہ علم بھی ہو جاتا ہے کہ علم ازلی کے مطابق جو واقعہ ہونے والا تھا وہ ہو چکا۔ مفسرین کرام اسے علم ظہوری سے تعبیر کرتے ہیں، یہ مسئلہ ذرا باریک سا ہے کسی اچھے عالم سے سمجھ لیں۔

یہ جو کچھ امتحان اور آزمائش کا ذکر تھا ایمان کا دعویٰ کرنے والوں سے متعلق تھا اور جو لوگ تکلیفیں پہنچاتے تھے (یعنی مشرک) ان کے بارے میں فرمایا اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے آگے بڑھ جائیں گے (یعنی ہماری گرفت میں نہ آسکیں گے اور کہیں نکل کر بھاگ جائیں گے؟) سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (یہ لوگ جو کچھ اپنے خیال میں گمان کر رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں اور اپنے گمان کے مطابق فیصلہ کر

رہے ہیں یہ برا فیصلہ ہے) اور بیہودہ خیال ہے خداوندی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے' اس میں ایذاء دینے والوں کے لیے تہدید بھی ہے اور اہل ایمان کو تسلی بھی ہے کہ یہ لوگ جو تمہیں ستاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں انہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾
جو شخص اللہ کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے سو بلاشبہ اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے' اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے'
وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ وَالَّذِيْنَ
جو شخص مجاہدہ کرتا ہے سو وہ اپنے لئے ہی محنت کرتا ہے' بلاشبہ اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے' اور جو لوگ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ
ایمان لائے اور نیک عمل کئے ضرور ضرور ہم ان کی برائیوں کا کفارہ کر دیں گے اور ضرور ہم انہیں ان کے
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾
کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دیں گے۔

ہر شخص کا مجاہدہ اُس کے اپنے نفس کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے

تفسیر: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اسے ثواب ملے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات اور ثواب عطا فرمانے کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا ہے اور وہ وقت ضرور آئے گا اور جو عمل ثواب کے لائق ہوگا اس پر ضرور ثواب ملے گا' اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ سب کی دعائیں سنتا ہے' آرزوئیں جانتا ہے' سب کے اعمال سے باخبر ہے وہ تمام مخلصین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔ اہل ایمان کو جو ایمان قبول کرنے پر بعض مرتبہ تکلیفیں ہوتی ہیں اور دشمنان دین سے اذیت پہنچتی ہے یہ ایک مجاہدہ ہے یعنی نفس سے مقابلہ ہے۔ یہ لفظ جہد سے مشتق ہے' عربی زبان میں جہد و مشقت کو کہتے ہیں' یہ باب مفاعلہ ہے جو جانبین کی شرکت پر دلالت کرتا ہے' جب کوئی شخص آخرت کی بہتری کے لیے کوئی عمل کرنا چاہے (جس میں ایمان کا قبول کرنا بھی ہے) تو نفس کو شاق گزرتا ہے اور نفس کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے اس لیے اس کو مجاہدہ سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا جو شخص مشقت اٹھائے' محنت اور مجاہدہ کرے تو اس کا تکلیف اٹھانا اور مشقت برداشت کرنا اس کی اپنی جان کے لیے ہے وہ اس کا اجر و ثواب پالے گا' اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں ہے اسے کسی کے کسی عمل کی حاجت نہیں وہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس کے بعد ایک عمومی قانون بتایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیۃ) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم ان کی برائیوں کا کفارہ کر دیں گے یعنی ان کی برائیوں کو اپنی مغفرت سے ڈھانپ دیں گے' توبہ کے ذریعہ اور نیکیوں کے ذریعہ اور اپنے فضل و کرم سے انہیں معاف کر دیں گے' کفر اور شرک کا ایمان سے کفارہ ہو جاتا ہے اور اسلام

قبول کرنے کے بعد جو گناہ کئے ہوں ان کا کفارہ ہوتا رہتا ہے اسلام پر باقی رہتے ہوئے اخلاص کے ساتھ جو اعمال صالحہ اختیار کیے جائیں ان کا اچھے سے اچھا بدلہ ملے گا جو ان کے اعمال سے بہت زیادہ اچھا اور عمدہ ہوگا' تھوڑے سے کام پر بہت زیادہ نعمتیں ملیں گی اور ہر نیکی کم از کم دس گنا کردی جائے گی اور اسی اعتبار سے ثواب ملے گا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ

اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کر اور اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرا

لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ

جس کی دلیل تیرے پاس نہیں ہے سو تو اُن کی فرمانبرداری نہ کرنا' میری طرف تم لوگوں کو واپس ہونا ہے سو میں تمہیں اُن کاموں سے باخبر کردوں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

ایمان لائے اور نیک کام کئے سو ہم اُن کو ضرور ضرور نیک بندوں میں داخل کردیں گے

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے' پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے' حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے' سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۳ میں اس کا طریقہ کار بھی بیان فرمایا ہے' وہاں ارشاد فرمایا وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (اور تیرے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو' اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو' اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی اف بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا اے میرے رب ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے)۔

سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیات میں اوّل تو وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا فرمایا جس میں والدین کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا حکم دیا ہے جو حسن سلوک کرنے اور ان پر مال خرچ کرنے کو شامل ہے۔

پھر بوڑھے ماں باپ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ان کو اف بھی نہ کہو اور ان کو مت جھڑکو اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ماں باپ کے سامنے شفقت اور رحمت کی وجہ سے انکساری کی ساتھ جھکے رہو۔ پھر ان کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا کہ یوں دعا کرو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے چھٹ پنے میں میری پرورش کی ہے۔ اس میں رحمت اور شفقت کا سبب بھی بیان فرمایا کہ کبھی تم ایسے تھے کہ ان کی شفقت کے محتاج تھے انہوں نے تمہیں پالا پوسا تمہارے لیے تکلیفیں اٹھائیں اب وہ ضعیف ہیں تم قوی ہو تمہیں ان کے لیے فکر مند ہونا

چاہیے۔ مزید تفصیل کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیات کی تفسیر دیکھئے وہاں ہم نے بہت سی احادیث شریفہ کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے جو والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے سے متعلق ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی تیرے پاس دلیل نہیں تو ان کی فرمانبرداری مت کرنا) یہ حکم سورۂ لقمٰن میں بھی ہے وہاں مزید فرمایا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا (کہ ان کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے پر پیش آتے رہو) یعنی اگر وہ کفر وشرک کرنے کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت مت کرنا، اور باوجودیکہ وہ کافر ہوں حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا اور ان کی خدمت سے دریغ نہ کرنا، جیسا کہ ماں باپ کے کہنے سے کفر وشرک حرام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی کرنا ممنوع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (کہ خالق تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی فرمانبرداری کی اجازت نہیں، ہاں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک میں اور مالی انفاق میں کوتاہی نہ کرے) (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھیں وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئیں تھیں، ان کی والدہ مشرک تھیں اور وہ مکہ مکرمہ میں رہ گئیں تھیں، سن ۶ ھ میں جب رسول اللہ ﷺ سے مشرکین مکہ کا معاہدہ ہوا جس میں یہ بھی تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے اس زمانہ میں حضرت اسماءؓ کی والدہ مدینہ آ گئیں، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میری والدہ آئی ہیں اور اس وقت عاجز ہیں اور مالی مدد چاہتی ہیں کیا میں مال سے ان کی خدمت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کے ساتھ صلۂ رحمی کا برتاؤ کرو۔ (رواہ البخاری)

آجکل نوجوانوں کو اسمیں بڑا ابتلا ہوتا ہے کہ ماں باپ انہیں گناہوں کی زندگی اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں، داڑھی مونڈوانے پر اصرار کرتے ہیں، رشوت لینے پر آمادہ کرتے ہیں، بینک کی نوکری اختیار کرنے اور سود لینے کا بھی حکم دیتے ہیں، بے پردگی اختیار کرنے کو کہتے ہیں، انکے علاوہ اور بہت سے گناہوں کی فرمائش کرتے ہیں۔ اوپر حدیث سے معلوم ہوا کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی فرمانبرداری نہیں، ماں باپ کے لیے حرام ہے کہ اولاد کو گناہوں کا حکم دیں اور اولاد کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ ماں باپ کے کہنے پر کوئی گناہ کریں، اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، اس نے سب کو وجود بخشا ہے اس کا حق سب سے پہلے ہے اور سب سے زیادہ، کسی مخلوق کا حق اس کے بعد میں ہے، اللہ تعالیٰ کے حق کی رعایت کرنا لازم اور فرض ہے، اس کے حکم کی خلاف ورزی کسی کے کہنے سے بھی حلال نہیں ہے۔

تفسیر روح المعانی ص ۱۳۹ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی والدہ نے کہا کہ اے سعد میں نے سنا ہے کہ تو اپنا دین چھوڑ کر دوسرے کے دین میں داخل ہو گیا ہے؟ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ میں کسی گھر میں داخل نہ ہوں گی (یوں ہی میدان میں پڑی رہوں گی خواہ دھوپ ہو اور ہوا سے میرا کچھ بھی نہ بنے) اور مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک کہ تو (محمد ﷺ کے اتباع کا انکار نہیں کرے، حضرت سعدؓ اپنی والدہ کے سب سے زیادہ چہیتے بیٹے تھے انہوں نے کفر اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان کی والدہ نے

اپنی قسم کی وجہ سے بغیر کھائے پیئے یوں ہی میدان میں پڑے ہوئے تین دن گذار دیئے' حضرت سعدؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا' اس پر آیت بالا اور سورۂ لقمٰن کی آیت (وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا) نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۴۶۱ میں لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے دو دن اور دو رات تک کچھ نہ کھایا پیا' اس کے بعد حضرت سعدؓ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اماں جان اگر آپ کے بدن میں سو ۱۰۰ روحیں بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی تو میں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا' اب تم چاہو تو کھاؤ پیو یا مر جاؤ' بہر حال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا' ماں نے اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا۔

إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (میری طرف تمہارا لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا بھی عمل کرے بہر حال اسے قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور دنیا میں جو اعمال کیے تھے وہ سامنے آ جائیں گے اور اعمال کے مطابق جزا سزا ملے گی۔ پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کو خوشخبری دی اور فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم ضرور ضرور انہیں صالحین میں داخل کریں گے) یعنی ان کا شمار صالحین میں ہوگا اور انہیں صالحین کے مراتب اور درجات سے سرفراز کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب انہیں اللہ کے بارے میں تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کے ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کی طرح

اللَّهِ ۖ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا

بنا لیتے ہیں۔ اور اگر اُن کے پاس آپ کے رب کی طرف سے مدد آ جائے تو ضرور ضرور یوں کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ تھے' کیا اللہ جہان والوں کے سینوں کی باتوں کو

فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿۱۱﴾

خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے؟ اور البتہ اللہ ایمان والوں کو ضرور جان لے گا اور وہ ضرور ضرور منافقوں کو جان لے گا

مدعیان ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے

تفسیر: صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض مسلمان تھے وہ زبان سے تو اسلام کا اظہار کر دیتے تھے پھر جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچ جاتی تھی تو انکے موافق ہو جاتے تھے اور اس موافقت کو مسلمانوں سے چھپاتے تھے۔ اور قتادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے پھر مشرکین مکہ انہیں واپس لے گئے۔ دنیاداری حقیقت میں کمزوری کا سبب ہے' اگر آخرت کا یقین پختہ ہو اور آخرت کی ضرورت سمجھ کر ایمان قبول کیا ہو تو منافقت کی شان ختم ہو جاتی ہے' اگر کافروں میں پھنس کر کوئی مومن بندہ مجبور ہو جائے تو گو وہ بظاہر زبان سے کوئی نامناسب کلمہ کہہ دے لیکن دل سے کفر اختیار نہیں کر سکتا اور کافروں کا ہمنوا نہیں بن سکتا' اگر کافروں سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس پر صبر

کرتا ہے جیسے عہد نبوی کے مسلمانوں (حضرت بلال حضرت عمار اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم) نے تکلیفیں برداشت کیں' پختہ مسلمان سمجھتا ہے کہ یہ تو تھوڑی سی تکلیف ہے کفر پر مرنے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوگا وہ بہت ہی شدید ہوگا لیکن جن لوگوں کا ایمان یوں ہی نام کو ہوتا ہے وہ لوگ ایمان پر پہنچنے والی تکلیفوں کو اس عذاب کے برابر سمجھ لیتے ہیں جو آخرت میں کافروں کو ہوگا اور اس کی وجہ سے صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور کافروں کا ساتھ دینے لگتے ہیں اور چونکہ دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں اس لئے خفیہ طور پر کفر اختیار کرنے کے باوجود مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں جو فلانی جگہ مال غنیمت حاصل ہوا ہمیں بھی اس میں شریک کرو ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے (یعنی ہم دینی اعتبار سے تمہارے ساتھی ہیں) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا اَوَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ (کیا اللہ جہاں والوں کے سینوں کی باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے کہ کس کے دل میں کیا ہے کون مخلص ہے کون منافق ہے' اگر کسی نے بندوں سے اپنے نفاق کو چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ سے تو نہیں چھپا سکتا۔

وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ (اور البتہ اللہ ایمان والوں کو ضرور جان لے گا اور وہ ضرور ضرور منافقوں کو جان لے گا) اسے ہمیشہ سے سب کچھ معلوم ہے اور آئندہ بھی جس کا جو عقیدہ اور عمل ہوگا وہ اسے جان لے گا۔ اہل ایمان کو ایمان کی جزا اور اہل نفاق کو نفاق کی سزا دے گا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ ؕ وَمَا هُمْ

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کرلو اور تمہارے گناہوں کو ہم اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں

بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا

میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں' بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ لوگ ضرور ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے' اور اپنے بوجھوں کے

مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے' اور قیامت کے دن ضرور ضرور ان باتوں کا سوال کیا جائے گا جو دنیا میں جھوٹ بناتے ہیں

قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا

تفسیر: دشمنان اسلام خود تو کفر پر جمے ہوئے تھے ہی اہل ایمان کو بھی کفر پر لانے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور انہیں ترغیب دیتے رہتے تھے کہ تم ہمارے دین میں آ جاؤ' ان کی ان باتوں میں سے یہاں پر ایک بات نقل فرمائی ہے اور وہ یہ کہ کافروں نے اہل ایمان سے کہا کہ تمہیں جو رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر یقین آ گیا ہے اور تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ اگر تم محمد (ﷺ) کے دین سے پھر جاؤ گے تو تم قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہو گے اس کے بارے میں ہماری پیشکش سن لو! تمہیں اس عذاب سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' فرض کرو اگر قیامت کا دن واقعی کوئی چیز ہے اور اس دن محمد (ﷺ) کا اتباع نہ کرنے سے تمہارا مواخذہ ہوا اور تم دوزخ میں جانے لگے تو ہم تمہاری سب خطاؤں کو اپنے اوپر لاد

لیں گے اور تمہارے بارے میں جو عذاب کا فیصلہ ہوگا اس عذاب کو ہم بھگت لیں گے بس تم ہمارے دین کا اتباع کرو اور ہمارے ساتھ رہو۔ چونکہ ان لوگوں کو قیامت کے واقع ہونے اور وہاں کی جزا سزا پر یقین نہیں تھا اس لیے ایسی بات کہہ دی' اگر قیامت کو مانتے اور قیامت کے دن کے عذاب کا اور دوزخ کا یقین رکھتے تو ایسی بات نہ کہتے۔ دنیا میں کوئی شخص ایک منٹ کے لیے بھی دنیا والی آگ ہاتھ میں رکھنے کے لیے تیار نہیں بھلا وہاں آگ کی تکلیف کیسے برداشت کر سکتا ہے جس کی حرارت دنیاوی آگ کی حرارت سے انہتر درجہ زیادہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

جب قیامت کا دن ہوگا کوئی کسی کو نہ پوچھے گا نہ کوئی کسی کا عذاب اپنے سر لینے کو تیار ہوگا اسی کو سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (اور کوئی گنہگار نفس کسی دوسرے گنہگار نفس کا بوجھ نہ اٹھائے گا) اور یہاں سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے: وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں' بلاشبہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں)

اور پھر یہ بھی تو سمجھنا چاہئے کہ کفر اختیار کرنے میں اور دوسرے گناہوں پر چلنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور سزا دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' جو کفر کرے گا اور گنہگاری کی زندگی گزارے گا وہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوگا' مستحق عذاب کو چھوڑ کر اس کی جگہ کسی اور کو عذاب دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں نہیں ہے۔

بالفرض اگر کوئی شخص کسی کا عذاب اپنے سر لینے کے لئے تیار ہو بھی جائے تو اس کے لیے اس کی رضامندی بھی تو ضروری ہے جس کی نافرمانی کی ہے' اپنی طرف سے بات بنا دینے سے گناہ کرنے والے کی جان نہیں چھوٹ سکتی۔ کفار کا یہ کہنا کہ ہم عذاب بھگت لیں گے اس میں دو جھوٹ ہیں' اول عذاب بھگتنے کا وعدہ! حالانکہ قیامت کے دن کوئی کسی کو نہ پوچھے گا' رشتہ دار' دوست احباب سب ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے' باپ بیٹے کی طرف سے اور بیٹا باپ کی طرف سے کوئی بدلہ نہ دے سکے گا نہ بدلہ دینے کے لیے تیار ہوگا۔

اور ان کے دعوے میں دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ ہم نے جو بات کہی ہے اللہ تعالیٰ اس کو منظور فرما لے گا اور تم عذاب سے بچ جاؤ گے۔ ان لوگوں کی تکذیب کے لیے فرمایا اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اور یہ بھی فرمایا ہے وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (اور ضرور ضرور قیامت کے دن اس کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا جو جھوٹ وہ بناتے ہیں)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں یہ بتلایا ہے کہ ایک شخص کے کفر اور معاصی پر دوسرے شخص کو عذاب نہ ہوگا' ہر ایک شخص اپنے کفر اور عمل بد کی خود سزا بھگتے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ گمراہ کرنے والوں کو گمراہ کرنے کی سزا نہیں ملے گی' گمراہ کرنے والوں کو خود اپنے کفر کی بھی سزا ملے گی اور گمراہ کرنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں اور کفر و شرک اور گمراہی پر لگایا اس کی بھی سزا ملے گی' یہ اس وجہ سے کہ گمراہ کرنا اور کفر و شرک پر ڈالنا کہ ان کا اپنا عمل ہے۔ اسی کو سورۂ نحل میں فرمایا لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (تا کہ وہ اپنے گناہوں کے بوجھ پورے پورے اٹھا لیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھا لیں جنہیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں' خبردار برا بوجھ ہے جو وہ اٹھا رہے ہیں)

اور یہاں سورۂ عنکبوت میں فرمایا وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (اور وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ

دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے) یعنی جن کے گمراہ کرنے کا سبب بنے ان کی گمراہی کا بھی عذاب بھگتیں گے اور ان کے گمراہ کرنے سے گمراہی اختیار کرنے والے سبکدوش نہ ہونگے انہیں گمراہی اختیار کرنے پر مستقل عذاب ہوگا۔

اس تفسیر سے حدیث نبوی کا مفہوم بھی واضح ہو گیا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اسے ان سب لوگوں کے اعمال کا بھی ثواب ملے گا جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور ان اتباع کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی' اور جس کسی شخص نے گمراہی کی دعوت دی تو اس پر ان سب لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جنہوں نے اس کا اتباع کیا' اور ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اپنے ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں کو گناہ کی زندگی گذارنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اپنے ماحول کی وجہ سے مجبور کرتے ہیں کہ تو ہماری طرح گنہگار ہو جا' اگر کوئی شخص یوں کہتا ہے کہ گناہ پر گرفت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا تمہارے کہنے پر گناہ کیوں کروں؟ تو اس پر کہہ دیتے ہیں کہ اس کا جو گناہ ہے وہ ہمارے اوپر رہا اس کی سزا ہم بھگت لیں گے۔

درحقیقت اس میں وہی کافرانہ عقیدہ پوشیدہ ہے کہ قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا' اگر عذاب کا یقین ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتے' کسی کے یوں کہہ دینے سے کہ میں تیری طرف سے عذاب بھگت لوں گا عذاب سے چھٹکارا نہ ہوگا البتہ یہ بات کہنے والا اپنی اس بات کی سزا پائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دی اور اپنی طرف سے یہ قانون بنا لیا کہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف سے عذاب بھگت لے گا اللہ کے دین میں داخل کیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ

اور بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال رہے سو ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

وہ ظلم کرنے والے تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی ہے اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان والوں کیلئے عبرت بنا دیا

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور ان کی قوم کی بغاوت و ہلاکت کا تذکرہ

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت اور بعثت اور مدت اقامت اور قوم کی عداوت و بغاوت اور ہلاکت کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے' حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے' ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور تبلیغ کی اور بت پرستی چھوڑنے کی تبلیغ فرمائی مگر ان لوگوں نے بہت بڑی سرکشی کی اور حضرت نوح علیہ السلام کو الٹے الٹے جواب دیتے رہے اور کفر و شرک پر جمے رہے' حد یہ ہے کہ انہوں نے یوں کہہ دیا کہ تم جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے آؤ' اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا' جب کشتی بنا لی تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اپنے با ایمان گھر والوں کو اور دوسرے اہل ایمان کو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کر لیں' جب یہ حضرات

کشتی میں سوار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج دیا زمین نے پانی اگلا اور آسمان نے بھی پانی برسایا' کافر قوم میں سے کوئی بھی نہ بچا سب غرق ہو گئے سورۂ اعراف میں فرمایا: فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ (سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا سو ہم نے انہیں اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بغاوت اور غرقابی کا مفصل قصہ سورۂ اعراف (ع ۸) اور سورۂ ہود (ع ۴) کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے اور سورۂ شعراء (ع ۵) میں بھی گذر چکا ہے اور سورۂ نوح میں بھی آئے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾

اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ

اللہ کو چھوڑ کر تم بتوں ہی کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو یہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں سو تم

اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ

اللہ کے پاس رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف لوٹائے

تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَإِن تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٨﴾

جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلی امتیں جھٹلا چکی ہیں' اور رسول کے ذمہ واضح طور پر پیغام پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمانا

تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت اور رسالت کا اور قوم کو توحید کی دعوت دینے اور شرک سے بیزار ہونے کا اجمالاً تذکرہ فرمایا ہے' ان کا واقعہ جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہے' سورۂ آل عمران میں ان کا نمرود سے مناظرہ کرنا اور سورۂ انعام میں اپنی قوم کو اور اپنے باپ کو بت پرستی اور ستارہ پرستی سے روکنا اور انہیں یہ بتانا کہ یہ سب گمراہی کا کام ہے اور سورۂ انبیاء میں اور سورۂ شعراء میں اپنی قوم کو سمجھانے اور بت پرستی کا ضرر اور نقصان اور خسران سمجھانے کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو تمہارا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ یہ اللہ کے شریک ہیں اور تمہارا یہ خیال کرنا کہ یہ ہمارے کام آئیں گے یہ سب جھوٹ ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے تم ان کی عبادت

چھوڑ دو' اللہ سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو' اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اس کی عبادت کرو گے اور اس کا شکر ادا کرو گے تو موت کے بعد اچھی حالت میں رہو گے' اور اگر تم کفر اور شرک پر جمے رہے تو مرنے کے بعد اس کی سزا بھگتو گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں' وہ اپنے کردار کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں' رسول کا کام بس اتنا ہی ہے کہ واضح طور پر حق کو بیان کر دے' ایسا کرنے سے اس کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے' تم سے پہلے جو لوگ رسولوں کی رسالت کے منکر ہوئے انہوں نے اپنا ہی برا کیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں جھونکنے کا راستہ اختیار کیا' تم بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے میری دعوت قبول نہیں کی' شرک سے توبہ نہ کی' توحید پر نہ آئے تو تمہارا اپنا ہی برا ہو گا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے پھر وہ اسے دوسری بار پیدا فرمائے گا' بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔ آپ فرما دیجئے

فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

کہ زمین میں چلو پھرو سو دیکھو اللہ نے پہلی بار کس طرح مخلوق کو پیدا فرمایا پھر دوسری مرتبہ بھی اللہ پیدا فرما دے گا بلاشبہ اللہ ہر

شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ

چیز پر قادر ہے' وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحم فرمائے گا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم

بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

زمین پر کسی کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور

نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِىْ وَاُولٰٓئِكَ

مددگار نہیں' اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہونگے اور ان کیلئے

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

دردناک عذاب ہے

اثبات قیامت پر دلیل آفاقی اور منکرین قیامت کے لئے زجر

تفسیر: ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو باقی ہے جو ان کے اور ان کی قوم کے درمیان تھی' درمیان میں قریش مکہ کو خطاب فرمایا جو قرآن کے مخاطبین اولین تھے' ارشاد فرمایا کہ جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہونے کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کے سامنے انسان اور حیوان اور دوسری چیزوں کی ابتدائی پیدائش ہوتی رہتی ہے' چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور فنا

ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ ان کو پیدا فرما دیتا ہے' ابتداءً پیدا فرمانا اور دوبارہ پیدا فرمانا کہ اسکے لیے آسان ہے' دیکھو زمین ہری بھری ہوتی ہے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں' پھر فنا ہو جاتی ہیں' زمین مردہ ہو جاتی ہے یعنی خشک ہو جاتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ زمین سے بار بار ہری بھری کھیتیاں نکال دیتا ہے' یہ سب نظروں کے سامنے ہے پھر انسان کی دوبارہ تخلیق میں کیوں شک ہے؟

قال صاحب الروح: قوله تعالیٰ (ثم یعید) عطف علیٰ (اولم یروا) لا علیٰ یبدیٔ وجوز العطف علیه بتأویل الاعادة بانشائه تعالیٰ کل سنة مثل ما انشأه سبحانه فی السنة السابقة من النبات والثمار وغیرهما فان ذٰلک مما یستدل به علیٰ صحة البعث ووقوعه علی ما قیل من غیر ریب. (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں ثُمَّ یُعِیْدُ کا عطف اَوَلَمْ یَرَوْا پر ہے نہ کہ یُبْدِئُ پر اور بعض حضرات نے یُبْدِئُ پر عطف کا احتمال نکالا ہے تو اس تاویل کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہر آنے والے موسم میں پچھلے موسم کی طرح کھیتوں اور پھلوں وغیرہ کو نئے سرے سے اُگاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ایسا ہے کہ اس سے انسانوں کے مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر اور وقوع حشر پر بلا شک استدلال کیا جا سکتا ہے)

پھر فرمایا تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے ابتداء مخلوق کی تخلیق فرمائی اس کے بعد جب دوبارہ پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو پھر پیدا فرما دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (وہ جس کو چاہے عذاب دے) وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ (اور جس پر چاہے رحم فرمائے) وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ (اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) دنیا میں مشیت اور ارادہ کے مطابق سب کچھ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اسی کے فیصلوں کے مطابق سب کچھ ہوگا' آسمان اور زمین میں کوئی عاجز کرنے والا نہیں' اگر کوئی یہ چاہے کہ کہیں چھپ جائے یا بھاگ جائے اور اللہ کے قضا اور قدر والے فیصلے سے بچ جائے یا اس کے عذاب سے چھوٹ جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسی کو یہاں فرمایا ہے: وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو زمین میں نہ آسمان میں) وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہے) وہ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کی چاہے مدد کرے۔ جب اسکا کسی کو عذاب دینے کا فیصلہ ہو جائے تو کوئی بھی اس کی کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتا' وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ (الآیۃ) (اور جو لوگ اللہ کی آیات اور ملاقات کے منکر ہوئے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا) اس وقت سمجھ لیں گے کہ ہم اپنے کفر کی وجہ سے اس لائق نہیں ہیں کہ ہم پر رحم کیا جائے اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہوں گے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ

سو اُن کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس کو قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو' سو اللہ نے اُن کو آگ سے نجات دے دی' بلاشبہ

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ

یہ تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے ہے جو دنیا والی زندگی میں ہے' پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہو گے اور تم میں سے بعض

بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ

بعض پر لعنت کریں گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہاری مدد کرنے والے بالکل نہ ہوں گے سو لوط نے ابراہیم کی تصدیق کی اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ

مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا

میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں' بلاشبہ وہ عزیز ہے حکیم ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے

فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

اُن کی ذریت (اولاد) میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے ان کو دنیا میں اس کا اجر دیا' اور بلاشبہ وہ آخرت

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

میں صالحین میں سے ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب کہ ان کو قتل کر دو یا آگ میں جلا دو

تفسیر: اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا ذکر تھا درمیان میں کچھ تنبیہات آ گئیں جو قرآن کریم کے مخاطبین سے متعلق ہیں' یہاں سے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مخالفین کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی تو ان کی قوم نے یہی کہا کہ ان کو مار ڈالو یا آگ میں جلا دو' چنانچہ قوم نے انہیں آگ میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کا حکم دے دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دے دی' وہ آگ سے صحیح سالم نکل آئے' اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو سمجھانا کہ تم دنیاوی دوستی کی وجہ سے بت پرستی میں لگے ہو اور قیامت کے دن ایک دوسرے پر لعنت کرو گے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم سے دعوت توحید کے سلسلہ میں باتیں کیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تم لوگوں نے جو بتوں کو معبود بنا رکھا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم لوگوں کی دیکھا دیکھی اس کام میں لگ گئے ہو' تم نے غور و فکر تو کیا ہی نہیں' جس سے تم پر حق واضح ہو جاتا کہ بتوں کا پوجنا بہت بڑی حماقت ہے' تم نے تو یہ دیکھ لیا کہ ساری قوم ان کی پرستش کرتی ہے' اور باپ دادے ان کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں' تمہاری دنیا والی دوستیاں ایک دوسرے جو کفر و شرک پر لگائے

ہوئے ہیں، تم یہ سمجھتے ہو کہ توحید کو مانیں اور بتوں کو چھوڑیں تو قوم سے علیحدہ ہو جائیں گے، قوم ہم سے ناراض ہو جائے گی۔

صاحب روح المعانی (جلد ۲۰ ص ۱۵۰) مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **المعنی ان مودة بعضکم بعضا هی التی دعتکم الی اتخاذها بان رأیتم بعض من تودونه اتخذها فاتخذتموها موافقة له لمودتکم ایاه، وهذا کما یری الانسان من یوده یفعل شیئاً فیفعله مودة له**۔ (اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری آپس میں ایک دوسرے سے محبت ہی ہے جس نے تمہیں بچھڑے کو معبود بنانے کی دعوت دی۔ اس طرح کہ تم نے اپنی محبت والے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ بچھڑے کو پوج رہے ہیں تو تم نے بھی محبت کی وجہ سے ان کی موافقت میں بچھڑے کو معبود بنالیا۔ اور یہ ایسے ہے جیسے انسان اپنے کسی گہرے تعلق والے کو کوئی کام کرتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اس کی محبت کی وجہ سے اسی کام کو کرنے لگتا ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ دنیا میں تو تم دوست بنے ہوئے ہو اور تمہاری یہ دوستی آپس میں ایک دوسرے سے بت پرستی کرانے کا سبب بنی ہوئی ہے لیکن قیامت کے دن تمہاری یہ دوستی دشمنی سے بدل جائے گی وہاں ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے کیونکہ تم نے ایک دوسرے کو راہ حق سے روکا تھا، یہ لعن طعن آپس میں ہوگا اور سب ہی کو دوزخ میں جانا ہوگا اور وہاں تم میں سے کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا، یہاں شرک کرانے میں ایک دوسرے کے مددگار بنے ہوئے ہو لیکن وہاں کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔

سورۂ اعراف میں فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا (جب کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی اپنی ساتھ والی جماعت پر لعنت کرے گی جو ان سے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکی ہوگی) سورۂ ص میں فرمایا: قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ (یعنی دنیا میں جو لوگ اتباع تھے وہ اپنے متبوعین یعنی لیڈروں اور سرداروں سے کہیں گے تمہارے لیے کوئی مبارکبادی نہیں تم نے کفر کو ہماری طرف بڑھایا اب یہ برا ٹھکانہ ہے جس میں ہمیں بھی ٹھہرنا ہے اور تمہیں بھی)

جو حال اہل کفر کا ہے وہی اہل معاصی کا ہے، ایک دوسرے کو دنیا میں گناہوں پر ابھارتے ہیں، اپنے ساتھ لگاتے ہیں، اپنے پاس سے پیسے دے کر گناہ کراتے ہیں اور آخرت میں کوئی کسی کا یار و مددگار نہ ہوگا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا دعوت ابراہیمی کو قبول کرنا اور دونوں حضرات کا فلسطین کیلئے ہجرت کرنا

اس کے بعد فرمایا: فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ لوط علیہ السلام ابراہیم کی نبوت پر ایمان لے آئے (جو حضرت ابراہیم کے بھائی ہارون کے بیٹے تھے) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر ہر طرح سے حجت پوری کر دی تو فرمایا اب میں اس وطن کو چھوڑتا ہوں اور اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں یعنی میرے رب نے جو ہجرت کی جگہ بتائی ہے وہاں جاتا ہوں، بلاشبہ میرا رب عزیز ہے حکیم ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ کا فاعل حضرت لوط علیہ السلام ہیں لیکن پہلی بات راجح ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے جیسا کہ سورۂ صافات میں مذکور ہے: وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ (اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتا دے گا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے (جو عراق اور فارس کے درمیان تھا) ہجرت فرمائی اور حضرت لوط

علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو ساتھ لے کر (جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں اور آپ کی بیوی تھیں) ہجرت فرما کر فلسطین میں آ کر مقیم ہو گئے۔

بیٹے اور پوتے کی بشارت اور موہبت: اس وقت آپ کی عمر بعض مفسرین کے قول کے مطابق ۷۵ سال تھی اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی بوڑھی تھیں، شام میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اے میرے رب مجھے صالحین میں ایک لڑکا عطا فرمائیے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی، یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے آئے تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں گذر چکا ہے۔

یہ بشارت حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق تھی، حضرت اسماعیل علیہ السلام دوسری بیوی یعنی حضرت ہاجرا سلام اللہ علیہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری فرمانا: حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائے اور ہمیشہ کے لیے ان کی ذریت میں نبوت بھی رکھ دی اور کتابوں کا نازل فرمانا بھی انہیں کی ذریت میں رکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں نبیوں پر ہی نازل ہوا کرتی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے سب انہیں کی نسل میں سے تھے، آخر الانبیاء والمرسلین سیدنا حضرت محمد حضرت اسمٰعیل ابن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔

ذکر خیر کی دعا اور قبولیت: اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑا مرتبہ دیا، دنیا میں بھی ان کو چن لیا اور اپنا خلیل بنالیا اور بعد میں آنے والی قوموں میں اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر جاری فرما دیا، جتنے ادیان ہیں ان کے ماننے والے حضرت ابراہیم کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں ان میں یہود و نصاریٰ بھی ہیں اور دیگر مشرک اقوام بھی ہیں، مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں گو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سب ہی اچھے کلمات کہتے ہیں انہوں نے جو دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ وہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کا ذکر حسن تمام ادیان میں جاری رکھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا (اور ہم نے ان کو ان کا صلہ دنیا میں دے دیا) ان کی ذریت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا متعین فرما دیا اور انہیں دار الکفر سے نجات دے کر فلسطین میں پہنچا دیا اور ان سے کعبہ شریف بنوا دیا اور ان کے ذریعے قربانی کا سلسلہ جاری فرما دیا، دنیا میں جو کچھ ملا وہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی وجہ سے آخرت کا اجر و ثواب اور رفع درجات اور قرب الٰہی کا حصول اس کے علاوہ ہیں، اسی کو سورۂ بقرہ، سورۂ نحل اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور بلاشبہ وہ آخرت میں نیک بندوں میں سے ہوں گے)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ تم بے حیائی کا کام کرتے ہو تم سے پہلے اس کام

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ

کو دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور رہزنی

فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ

کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برا کام کرتے ہو، سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ تو

اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾

اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے۔ لوط نے عرض کیا کہ اے میرے رب فساد کرنے والے لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ

اور جب ہمارے فرشتے خوشخبری لے کر ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ۚۖ قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٘

بلاشبہ اس بستی کے لوگ ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا یقینی بات ہے کہ اس بستی میں لوط بھی ہے، انہوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس بستی میں کون ہے

لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا

اور ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور ضرور نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے وہ رہ جانے والوں میں سے ہے۔ اور جب ہمارے فرستادے

لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے اور تنگ دل ہوئے، اور قاصدوں نے کہا کہ آپ ڈریئے نہیں اور رنج نہ کیجئے بلاشبہ ہم آپ کو

وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ

اور آپ کے گھر والوں کو نجات دینے والے ہیں سوائے آپ کی بیوی کے وہ رہ جانے والوں میں سے ہے۔ بلاشبہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کے کام کرتے رہے ہیں۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی کے بعض نشان چھوڑ دیئے ہیں جو ظاہر ہیں ان لوگوں کیلئے جو سمجھتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور برے اعمال سے روکنا، پھر قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کیے جانے کا ذکر

تفسیر: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تشریف لے آئے، حضرت لوط علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمادیا اور انہوں نے سدوم نامی بستی میں

قیام کیا وہاں اور بھی چند بستیاں تھیں جو نہر اردن سے قریب تھیں' حضرت لوط علیہ السلام ان بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے اور وہاں کے رہنے والوں کو توحید کی دعوت دی اور برے کاموں سے روکا' یہ لوگ ایک ایسے برے کام میں مبتلا تھے جو ان سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا اور وہ یہ کہ مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے اور رہزنی بھی کرتے تھے اور اپنی مجلسوں میں بعض دیگر منکرات کے بھی مرتکب ہوتے تھے' حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ تم ان سارے فواحش ومنکرات کو چھوڑ دو لیکن وہ نہیں مانے بلکہ الٹا یہ جواب دیا کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کا عذاب لے آؤ۔

یہ جو فرمایا وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ اس کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ راہزنی کرتے ہو یعنی جو لوگ تمہارے علاقہ سے گذرتے ہیں کہیں تم ان پر ڈاکہ ڈالتے ہو' اور اس کا ایک معنی بعض مفسرین نے یہ لیا ہے کہ تم مردوں سے شہوت پوری کر کے توالد و تناسل کا راستہ روک رہے ہو کیونکہ اولاد عورتوں سے پیدا ہوتی ہے مردوں سے پیدا نہیں ہوتی' اور تیسرا مطلب یہ بتایا کہ جو لوگ تمہارے علاقہ سے گذرتے ہیں ان کے ساتھ برا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے تمہارے علاقے سے گذرنا چھوڑ دیا یہ بھی قَطْعُ السَّبِيْل کا ایک طریقہ ہے۔

وَتَأْتُوْنَ فِیْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''تم مجلس میں برا کام کرتے ہو'' اس کے بارے میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سا منکر تھا جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے؟ فرمایا کہ وہ لوگ راہگیروں کو دور سے کنکریاں مارتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ وہ اپنے پاس کنکریاں لے کر بیٹھتے تھے پھر گذرنے والوں کو مارتے تھے جس کی کنکری جس راہگیر کو لگ گئی وہ اس کا ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ لے جا کر برا کام کرتا تھا اور اس کو چند درہم دے دیتا تھا ان کے ہاں قاضی بھی تھا جو اس بات کا فیصلہ کر دیتا تھا۔ اور حضرت قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ یہ لوگ اپنی مجلسوں میں ہوا چھوڑنے میں مقابلہ کیا کرتے تھے' اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ پوری بے شرمی کے ساتھ اپنی مجلسوں میں مردوں کے ساتھ برا فعل کیا کرتے تھے (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۴۶۶)

حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب فسادی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما (یعنی میں نے جو ان سے عذاب کا وعدہ کیا ہے میرے وعدہ کو سچا کر دے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتے بھیج دیئے' فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں بشارت دی کہ تمہارے یہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو صاحب علم ہو گا اور ساتھ ہی اس لڑکے کا ایک لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور پہلے ہی سے انہوں نے لڑکے کا نام اسحٰق اور پوتے کا نام یعقوب بتا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے دریافت کیا کہ آپ حضرات کا کیسے تشریف لانا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں جس میں حضرت لوط علیہ السلام رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال آیا کہ بستی پر عام عذاب آئے گا اور اس میں لوط علیہ السلام بھی ہیں ان کے ساتھ کیا ہو گا' اپنا یہ سوال فرشتوں کے سامنے رکھ دیا۔ فرشتوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس بستی میں کون کون ہے' ہم لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے ہاں ان کی بیوی نجات نہ پائے گی کیونکہ اس نے ایمان قبول نہ کیا

اس لئے وہ ان لوگوں میں رہ جائے گی جو ہلاک ہونے والے ہیں یعنی ہلاکت والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کا جواب دینے کے بعد حضرات ملائکہ علیہم السلام حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے یہ حضرات خوبصورت انسانوں کی صورت میں تھے انہیں دیکھ کر لوط علیہ السلام رنجیدہ ہوئے اور دل میں پریشانی کی کیفیت پیدا ہوگئی' انہیں خیال ہوا کہ میری قوم کے لوگ بدکار ہیں اور یہ لوگ میرے مہمان ہیں' خوبصورت ہیں' بستی کے رہنے والے بدکار کہیں ان کی طرف متوجہ نہ ہوجائیں' فرشتوں نے پریشانی کو محسوس کرلیا اور ان سے کہا کہ آپ نہ ڈریں اور غم نہ کریں ہم ان لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں' آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو ہم نجات دے دیں گے البتہ آپ کی بیوی ہلاک کئے جانے والوں میں شامل رہے گی' ان بستی والوں پر ہم عذاب اتارنے والے ہیں' ان کے کرتوتوں کے سبب ان پر عذاب آئے گا اور ہلاک ہوں گے۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے ایک حصہ میں اس بستی سے نکل جائیں اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے' ہاں اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جانا کیونکہ وہ بھی قوم کے ساتھ عذاب میں شریک ہوگی۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو اور دیگر اہل ایمان کو لے کر بستی سے نکل گئے' جب صبح ہوئی تو ان کی قوم پر عذاب آ گیا' یہ بستی جس میں حضرت لوط علیہ السلام رہتے تھے اور اس کے آس پاس کی بستیاں جن کے رہنے والے کافر تھے اور بدکار بھی' ان سب بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اٹھا کر اس طرح پلٹ دیا کہ نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی ہوگئی' اس طرح یہ سب لوگ ہلاک و برباد ہوگئے۔

حضرت لوط علیہ السلام رات کے کسی وقت اپنے ساتھیوں کو لے کر بستی سے نکلے تھے اور سورج نکلنے کے وقت ان کی قوم پر مذکورہ بالا عذاب آ گیا۔

سورۂ اعراف' سورۂ ہود' سورۂ حجر' سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں بھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ گذر چکا ہے۔

آخر میں فرمایا وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (اور ہم نے لوط علیہ السلام کی بستی کے بعض نشان چھوڑ دیئے ہیں جو ظاہر ہیں جنہیں دیکھ کر گذرنے والے عبرت حاصل کر سکتے ہیں جو فہم اور تدبر سے کام لیں) یعنی لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کے نشانات اب تک موجود ہیں۔ چلو پھرو دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ سورۂ صافات میں فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ (اور بلاشبہ تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل مکہ جب تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے تو حضرت لوط علیہ السلام کی ہلاک شدہ بستیوں پر گزرتے تھے۔ اس جگہ سے کبھی صبح کو کبھی رات کو گذرنا ہوتا تھا۔ اُن (اہل مکہ) سے فرمایا تم انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے۔ ان بستیوں کی جگہ آج کل بحرِ میت موجود ہے افسوس ہے کہ سفر کرنے والے آج تفریح کے لئے دیکھتے ہیں اور ذرا بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا

اور ہم نے مدین والوں کے پاس اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا' سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کو توقع رکھو

فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو اُن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا لہٰذا انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِھِمْ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ

اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور حال یہ ہے کہ تمہیں ان کے رہنے کی جگہوں سے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے اور شیطان نے ان کے اعمال کو

فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ

ان کے لئے اچھا کر کے دکھایا سو اس نے انہیں راستہ سے روک دیا اور وہ صاحب بصیرت تھے۔ اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ

مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانُوْا سٰبِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِہٖ

موسیٰ اُن کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ آگے بڑھنے والے نہ تھے۔

فَمِنْھُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِ حَاصِبًا وَمِنْھُمْ مَّنْ اَخَذَتْہُ الصَّیْحَۃُ وَمِنْھُمْ مَّنْ

سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیا' سو بعض پر ہم نے سخت ہوا بھیج دی اور بعض کو چیخ نے پکڑ لیا اور بعض کو

خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ وَمِنْھُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ

ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو غرق کر دیا' اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم فرماتا اور لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر

یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

ظلم کرتے تھے۔

اہل مدین اور فرعون' ہامان' قارون کی ہلاکت کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اجمالی طور پر بعض گذشتہ اقوام کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے' پہلی اور دوسری آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو علاقہ' مدین میں رہتے تھے' ان لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا اور فرمایا کہ آخرت کا دن بھی واقع ہو گا وہاں کفر کی اور اعمال بد کی سزا ملے گی' تم یہ نہ سمجھو کہ دنیا ہی سب کچھ ہے بلکہ موت کے بعد حساب کتاب ہے' پیشی ہے' اس کے واقع ہونے کا یقین رکھو اور اس یقین کے مطابق عمل کرو اور زندگی گذارو' جو برے افعال کرتے ہو ان کو چھوڑو یہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے جیسا کہ سورۂ ہود اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ' ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات نہ مانی لہٰذا ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور ایسا زلزلہ آیا کہ ان سب کو جھنجھوڑ کر اور تباہ کر کے رکھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے جیسا کہ سورۂ ہود میں ذکر فرمایا ہے' ان پر چیخ کا عذاب بھی آیا اور زلزلہ نے بھی

دبایا اور یہ دونوں چیزیں ہلاکت کا ذریعہ بن گئیں۔

تیسری آیت میں قوم عاد اور ثمود کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کی ہلاکت کے نشانات تمہاری نظروں کے سامنے ہیں' جب تم سفر میں جاتے ہو تو ان کے برباد شدہ گھروں کے پاس سے گذرتے ہو' یہ عبرت کی جگہ ہے غور کرو اور کفر سے توبہ کرو۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (اور شیطان نے ان کے اعمال بد اور کفر و معاصی کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا) یعنی انہیں سمجھایا تھا کہ تم اچھی زندگی گذار رہے ہو۔ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ (سو انہیں راہ حق سے ہٹا دیا) وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (حالانکہ وہ لوگ صاحب بصیرت تھے' سمجھدار تھے) لیکن شیطان کے کہنے میں آ گئے عقل سے کام نہ لیا' دنیاوی لذتوں کو سامنے رکھا اور اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ دی تھی اسے استعمال نہ کیا اور شیطان کی تزیین اور تحسین کی وجہ سے مدہوش ہو گئے۔

چوتھی آیت میں قارون فرعون اور ہامان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا سورۂ عنکبوت سے پہلے سورۂ قصص میں ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا' وہ ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات لے کر آئے لیکن ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کفر پر جمے رہے' انکار پر مصر رہے' اور انکار کا سبب ان کا استکبار تھا یعنی یہ کہ وہ اپنے کو زمین میں بڑا سمجھتے تھے اور ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو یہ ہم سے اونچے ہو جائیں گے۔

سورۃ المؤمنین میں ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے یوں کہا کہ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (کیا ہم ایسے دو شخصوں (موسیٰ و ہارون علیہ السلام) پر ایمان لائیں جو ہمارے ہی جیسے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہماری فرمانبردار ہے) سورۃ الزخرف میں ہے کہ فرعون نے کہا اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (بلکہ میں افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا) بہرحال ان لوگوں کو ان کا کفر اور کبر لے ڈوبا' فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ڈوب گیا۔ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۔ وَمَا كَانُوْا سَابِقِيْنَ (اور یہ لوگ ہم سے آگے بڑھنے والے نہ تھے) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمارے عذاب سے بچ کر نکل جاتے اور کہیں فرار ہو کر امن کی جگہ پہنچ جاتے۔

پانچویں آیت میں مذکورہ بالا اقوام کی ہلاکت کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ (سو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا) فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا (سو بعض پر ہم نے تیز ہوا بھیج دی) جو کہ آندھی کی صورت میں آئی اور اس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ قوم عاد کے ساتھ ہوا' یہ ہوا ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہی جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں بیان فرمایا ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ (اور بعض کو چیخ نے پکڑ لیا) اس سے قوم ثمود مراد ہے (کمافی سورۃ ھود علیہ السلام)۔ پھر فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ (اور ہم نے بعض کو زمین میں دھنسا دیا) اس میں قارون کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے' جس کا ذکر سورۂ قصص کے ختم کے قریب گذر چکا ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا (اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا) اس میں فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ (اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم فرماتا) یعنی اس نے کسی کو بغیر گناہ کے عذاب نہیں دیا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اور لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی وہ حق قبول نہیں کرتے تھے کفر پر جمے رہتے تھے' گناہوں پر مصر رہتے تھے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۚۖ اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا ؕ وَ اِنَّ
جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مکڑی جیسی مثال ہے کہ اُس نے گھر بنایا اور بلاشبہ
اَوۡہَنَ الۡبُیُوۡتِ لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یَدۡعُوۡنَ
سب گھروں میں کمزور تر گھر مکڑی کا ہے اگر وہ جان لیتے تو ایسا نہ کرتے۔ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جس کسی کو بھی
مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۴۲﴾ وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُہَا لِلنَّاسِ ۚ
وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ زبردست ہے حکمت والا ہے، اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے
وَ مَا یَعۡقِلُہَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ
بیان کرتے ہیں، ان کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ، بلاشبہ اس میں
لَاٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾
ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں

مشرکین اپنے معبودوں سے جو اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں اُس کی مثال مکڑی کے جالے کی طرح ہے

تفسیر: جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عبادت ہمارے لئے فائدہ مند ہو گی اور یہ ہمارے مددگار رہوں گے۔ ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے اعتقاد کی ایسی مثال ہے جیسے مکڑی کا گھر ہو مکڑی جالا بن کر اس میں بیٹھی رہتی ہے اور اس جال کے ذریعہ مکھی کو شکار کرتی ہے۔ جانوروں کے جتنے بھی چھوٹے بڑے گھر گھونسلہ وغیرہ کی صورت میں ہوتے ہیں مکڑی کا گھر ان میں سب سے زیادہ بودا اور کمزور ہوتا ہے، یہی حال ان لوگوں کا ہے جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور ان پر اعتقاد کرتے ہیں اور اپنا مددگار سمجھتے ہیں۔

ان کا یہ اعتقاد و اعتماد اور بھروسہ کرنا مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے جو انہیں کوئی فائدہ دینے والا نہیں ہے، اگر سمجھ رکھتے تو ایسی بیہودہ حرکت نہ کرتے اور معبود حقیقی کو چھوڑ کر مخلوق کی پرستش میں نہ لگتے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ شَیۡءٍ (یہ لوگ اللہ کے سوا جس جس کی بھی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے) یہ چیزیں نہایت ضعیف ہیں۔ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (اور وہ غلبہ والا حکمت والا ہے) وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُہَا لِلنَّاسِ (اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں) وَ مَا یَعۡقِلُہَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ (اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں) جو لوگ سمجھنا ہی نہیں چاہتے علم سے دور رہنے ہی کو پسند کرتے ہیں یہ لوگ ان سے مستفید نہیں ہوتے۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ (اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا) ان کے پیدا کرنے میں بڑی حکمت ہے' جو منکر ہیں وہ بھی مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بلاشبہ اس میں مؤمنین کے لئے نشانیاں ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں۔ دلائل تو سب ہی کے لئے ہیں لیکن ان سے اہل ایمان ہی منتفع ہوتے ہیں' جنہیں ایمان قبول کرنا نہیں وہ جانتے بوجھتے منکر بنے ہوئے ہیں اور انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت فرمایئے اور نماز قائم کیجئے' بلاشبہ نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے

وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵

روکتی ہے اور البتہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے

قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم

تفسیر: اس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں' پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آپ کو دی ہے آپ اسکی تلاوت کرتے رہیں۔ تنہائی میں تلاوت کرنا' نمازوں میں قرآن مجید پڑھنا' لوگوں کے سامنے پڑھنا اور اس کی تعلیم دینا الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے دوسرا حکم یہ ہے کہ آپ نماز قائم کریں۔ دیگر آیات میں بھی نماز قائم کرنے کا حکم وارد ہوا ہے' سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اور سورۂ ہود میں فرمایا ہے وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے' اور یہ حکم جہاں آپ ﷺ کو ہے وہاں آپ کی امت کو بھی ہے اور امت کو علیحدہ خطاب بھی ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ علماء نے فرمایا ہے کہ لفظ اقامۃ الصلوٰۃ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت زیادہ عام ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ نماز کو پڑھنے کی طرح پڑھو اس میں سنتوں اور مستحبات کا اہتمام اور نماز با جماعت کی ادائیگی اور خشوع وخضوع سے پڑھنا سب آجاتا ہے۔

نماز بے حیائی سے روکتی ہے: پھر نماز کا ایک خاص بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ (بلاشبہ نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے)۔

درحقیقت نماز کو نماز کی طرح پڑھا جائے تو وہ گناہوں کے چھڑانے کا سبب بن جاتی ہے' نماز میں قراءت قرآن بھی ہے اور تسبیح بھی تکبیر بھی ہے تحمید بھی' رکوع بھی ہے سجود بھی' خشوع بھی ہے خضوع بھی' اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار بھی ہے اور اپنی عاجزی اور فروتنی کا تصور بھی' ان سب امور کا دھیان کر کے نماز پڑھی جائے تو بلاشبہ نمازی آدمی بے حیائی کے کاموں اور گناہوں سے رک جائے گا' جس شخص کی نماز جس قدر اچھی ہوگی اسی قدر گناہوں سے دور ہوگا اور جس قدر نماز میں کمی ہوگی اسی قدر گناہوں کے چھوٹنے میں دیر لگے گی' نمازی آدمی اگرچہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو بہر حال نماز پڑھتا ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کی نماز انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو چھڑا ہی دے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح ہوتی ہے تو چوری کر لیتا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا نماز پڑھنے والا عمل اسے اس عمل سے روک دے گا جسے تو بیان کر رہا ہے (ذکرہ صاحب الروح وعزاہ الیٰ احمد وابن حاتم والبیہقی ۱۲)

دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ گناہوں میں بھی مشغول رہتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں اس پر جو اشکال ہوتا ہے اس کا جواب ہمارے بیان میں گزر چکا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ نماز تو بلاشبہ برائیوں سے روکتی ہے لیکن رو کنے کی وجہ سے رک جانا ضروری نہیں آخر واعظ بھی تو وعظ کرتے ہیں برائیوں کی وعیدیں سناتے ہیں پھر جو رکنا چاہتا ہے وہی رک جاتا ہے اور جو رکنا نہیں چاہتا وہ گناہ کرتا رہتا ہے۔ اور بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ نماز کم از کم اتنے وقت تک تو گناہوں سے روکتی ہی ہے جتنی دیر نماز میں مشغول رہتا ہے۔

بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے انسان نماز نہیں پڑھ سکتا نمازی آدمی اس سے ضرور بچے گا۔ مثلاً پیشاب کر کے یوں ہی اٹھ جائے اور استنجانہ کرے نمازی سے یہ نہیں ہو سکتا' اور کوئی نمازی ستر کھول کر رانیں دکھاتا ہوا نہیں پھر سکتا' اور نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں گناہ نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

ذکر اللہ کے فضائل: نماز کی اہمیت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر البتہ بہت بڑی چیز ہے) درحقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے' جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا (رواہ مسلم ص ۸۴ ج ۱)

نماز بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لئے ہے جو سراپا ذکر ہے' سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ کہ میری یاد کے لئے نماز قائم کیجئے' نماز میں اول سے آخر تک ذکر ہی ذکر ہے نمازی آدمی تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک برابر اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے' اس کی زبان بھی ذکر اللہ میں مشغول رہتی ہے اور دل بھی۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِىْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ (کہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے) (رواہ مسلم باب ذکر اللہ تعالیٰ حال الجنابة وغیرھا)

یوں تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہر عمل اللہ کے ذکر میں شامل ہے لیکن دیگر اعمال ایسے ہیں کہ ہر وقت ان کی ادائیگی کے مواقع نہیں ہوتے اور ذکر اللہ ایسی چیز ہے جو وضو بے وضو ہر وقت حتیٰ کہ ناپاکی کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے' البتہ غسل فرض ہو تو تلاوت کرنا ممنوع ہے۔

تلاوت قرآن مجید' تسبیح و تحمید' تکبیر' تہلیل' دعا یہ سب اللہ کا ذکر ہے' درود شریف بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے' اس میں حضور نبی کریم ﷺ کے لئے اللہ سے رحمت کی دعا مانگی جاتی ہے' وہ لوگ مبارک ہیں جو دل سے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں' اس کی نعمتوں کے شکر گذار ہوتے ہیں' اس کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں اور اس کی حمد و ثناء بیان کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے اس کی وجہ سے اسے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس گنا ہو کر ملے گی۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

اور تسبیح و تحمید وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر میں ایک بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ کہہ لوں تو یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج نکلتا ہے۔ (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۲۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بھاری ہوں گے رحمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (رواہ البخاری وھو اٰخر الحدیث من کتابه)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (رواہ الترمذی وقال حسن غریب اسناداً) مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہے تو سب کچھ مگر اسی کے لئے ہے جو یہاں سے کچھ کر کے لے جائے جو عمل سے خالی ہاتھ گیا اس کے لئے تو چٹیل میدان ہی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ایسے درخت پر گذر ہوا جس کے پتے سوکھے ہوئے تھے آپ نے اس میں اپنی عصا کو مارا تو پتے جھڑنے لگے آپ نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ بندہ کے گناہوں کو اس طرح گرا دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے گر رہے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَافضل الدعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی سب سے بڑی فضیلت والا ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور سب سے بڑی فضیلت والی دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمایئے! فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ (رواہ البخاری)

جب ذکر اللہ کی اس قدر فضیلت ہے تو اسی میں لگا رہنا چاہئے ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں، بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کوئی کام کاج نہیں، ریٹائرمنٹ کے بعد بیس بیس سال گذار دیتے ہیں، دکانوں میں لڑکے اور ملازم کام کرتے ہیں اور اتنی بڑی قیمتی زندگی فضول گفتگو میں، اخبار پڑھنے میں، دنیا کے ملکوں کا تذکرہ کرنے میں بلکہ غیبتوں میں گذار دیتے ہیں، یہ بڑے نقصان کا سودا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کا ذکر نہیں کیا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا باعث ہوگی، پھر اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمادے۔ (رواہ الترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی چیزیں تو بہت ہیں آپ مجھے ایک ایسی چیز بتلا دیجئے کہ میں اسی میں لگا رہوں، آپ نے فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸ الترمذی وغیرہ) (کہ

تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے) ایک اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فضیلت کے اعتبار سے سب سے بڑا عمل کون سا ہے؟ فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ تعالیٰ کی یاد میں تر ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸ عن الترمذی وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنے سے دل میں قساوت یعنی سختی آ جاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے صاف کرنے کی ایک چیز ہوتی ہے اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی کوئی چیز نہیں، صحابہؓ نے عرض کیا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس قدر جہاد کرے کہ مارتے مارتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو یہ عمل بھی عذاب سے بچانے میں ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کما فی المشکوٰۃ ص ۱۹۹) آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) ہر شخص کے اعمال خیر اور اعمال شر کا اس کو علم ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق اصحاب اعمال کا بدلہ دے گا، عمل کرنے والے اس چیز کا مراقبہ کرتے رہیں کہ ہمارے اعمال پیش ہوں گے اور ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

اور اہل کتاب سے بحث مت کرو مگر ایسے طریقہ پر جو اچھا طریقہ ہو، مگر وہ لوگ جو اُن میں سے بے انصاف ہیں، اور یوں کہو کہ ہم

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶

ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں،

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں، اور ان میں سے بعض

مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ

وہ ہیں جو اس پر ایمان لے آتے ہیں، اور کافر لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے

مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ

آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شک میں پڑ جاتے۔ بلکہ یہ قرآن بذات خود بہت سے واضح دلائل کا

صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

مجموعہ ہے اُن لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا، اور ہماری آیتوں کا انکار بے انصاف لوگ ہی کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ اس پر اس کے

عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ

رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کیا

يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى

یہ بات انہیں کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو اُن پر پڑھی جاتی ہے بلاشبہ اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ایمان لانے والوں کے لئے

اہل کتاب سے مجادلہ اور مباحثہ کرنے کا طریقہ

تفسیر : ان آیات مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب سے مباحثہ کرنے کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے' ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے جب گفتگو کرنے کا موقع آ جائے تو ان سے اچھے طریقے پر بحث کرو۔ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں' اور یہ بھی مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور پیغمبروں کی رسالت کے بارے میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی' البتہ خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے جو منکر تھے ان سے اس بارے میں بحث کرنے کی ضرورت تھی' اور ان لوگوں نے جو اپنے دین میں تحریف کر لی تھی اور اپنی کتابوں کو بدل دیا تھا اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتا دیا۔ ان کی اس گمراہی پر بھی تنبیہ کرنا ضروری تھا۔ یہودی پہلے سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے' جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں سے واسطہ پڑا' ان سے دینی امور میں مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ اور ایک مرتبہ نجران کے نصاریٰ بھی حاضر ہوئے ان سے بھی بحث ہوئی اور سورۂ آل عمران کے شروع کی تقریباً اسی آیات نازل ہوئیں جن میں مباہلہ کی دعوت بھی ہے جو آیت کریمہ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ (الآیۃ) میں مذکور ہے۔ اہل مکہ مشرک تھے ان سے بھی بحث ہوتی رہتی تھی۔ سورۂ نحل میں تمام انسانوں سے دعوت حق کا خطاب کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اور یہاں سورۂ عنکبوت میں خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب سے اچھے طریقے پر بحث کرنے کا حکم فرمایا ہے' اچھے طریقہ پر بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سخت بات کا جواب نرمی کے ساتھ اور غصہ کا جواب بردباری کے ساتھ اور جاہلانہ شور و شغب کا جواب باوقار گفتگو کے ساتھ دیا جائے' حق کی تبلیغ ہو اور نرمی اور بردباری کے ساتھ ہو تو وہ زیادہ نافع ہوتی ہے' ہاں جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی ہو تو وہ خوش اخلاقی سے پیش آنے والے داعی کی بات بھی قبول نہیں کرتے لیکن داعی کو چاہئے کہ ہر حال میں حلم اور وقار' سنجیدگی اور نرمی پر قائم رہے۔ مذکورہ بالا نصیحت کے ساتھ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ

بے انصافی پر ہی اتر آئیں اور بھونڈے طریقہ پر گفتگو کرنے لگیں تو تم بھی انہیں ایسا جواب دے سکتے ہو جس سے ان کی بدتمیزی اور بیوقوفی کا کاٹ ہوتا ہو۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے بیٹا تجویز کیا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا یا جنہوں نے یوں کہا کہ اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ یا یوں کہا یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ایسی باتیں سنکر مومن آدمی کو زیادہ غصہ آ جاتا ہے اس غصہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت ثابت کرتے ہوئے کوئی سخت بات نکل جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد فرمایا وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) اس خطاب میں اہل کتاب سے بات کرنے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ تم اہل کتاب سے یوں کہو کہ ہم تو قرآن کریم پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئیں یعنی توراۃ اور انجیل، اور ہمارا اور تمہارا معبود بھی ایک ہی ہے پھر تم دین اسلام سے دور کیوں بھاگتے ہو؟ اگر ہم تمہاری کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ مانتے اور ہمارا تمہارا معبود ایک نہ ہوتا تو اختلاف کرنے اور دور بھاگنے کی کوئی وجہ بھی تھی، جب کوئی وجہ اختلاف نہیں ہے تو آ جاؤ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آؤ، اختلاف ختم ہم تم ایک، جو کچھ انکار ہے تمہاری طرف سے ہے، اصحاب کتاب ہو کر اللہ کی آخری کتاب سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ دیکھو ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں تم بھی فرمانبردار ہو جاؤ اور اسکے آخری نبی ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لا تصدقوا اهل الكتب ولا تكذبوهم وقولوا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) جب ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ تو ان کی تکذیب یا تصدیق کیسے کر سکتے ہیں۔

بعض صحابہؓ نے یہود سے جو بعض روایات لی ہیں (اور تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل ہوگئی ہیں) وہ صرف تاریخی حیثیت سے لے لی گئی ہیں احکام شرعیہ اور حلال و حرام میں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ اور جس طرح ہم نے پہلی کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی یعنی قرآن مجید فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (جو لوگوں کو ہم نے آپ سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں) اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے حق ظاہر ہوتے ہی حق کو قبول کیا اور اسلام لے آئے جیسے عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور حبشہ کے نصاریٰ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ (اور ان لوگوں میں سے یعنی قریش مکہ اور دیگر قبائل اہل عرب میں سے بعض لوگ قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں) وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ

(اور ہماری آیات کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو کافر ہیں) حق کو چھپاتے ہیں باطل پر جمے رہتے ہیں۔

رسالت محمدیہ پر ایک واضح دلیل: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایک واضح دلیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے' اہل مکہ میں آپ نے پورے چالیس سال گذارے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا' مکہ والے جانتے تھے کہ آپ بالکل امی ہیں کسی سے آپ نے کچھ بھی نہیں پڑھا' آپ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا۔ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں جو آپ کی صفات پاتے ان میں یہ واضح طور پر موجود تھا کہ آپ امی ہوں گے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے نبوت کے بعد تیرہ سال گذارے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سنائی تو انہوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے سے انکار کر دیا اور یوں کہنے لگے کہ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (انہیں ایک آدمی سکھاتا ہے) جب ان سے کہا گیا کہ تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو بالکل عاجز رہ گئے حالانکہ وہ فصحاء اور بلغاء تھے' جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ کتاب آپ کی بنائی ہوئی نہیں ہے' آپ نے کسی سے پڑھا نہیں اور یہ کسی دوسرے بشر کی سکھائی اور پڑھائی ہوئی کتاب نہیں ہے' اگر ایسا ہوتا تو تم لوگ اس جیسا کلام بنا کر لے آتے' خصوصاً جبکہ وہ شخص عجمی ہے جسکے بارے میں کہتے ہو کہ وہ آپ کو سکھاتا ہے ایک امی شخص جس نے کسی سے بھی نہیں پڑھا اس کا ایسی فصیح و بلیغ کتاب پیش کر دینا جس کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصحاء عاجز رہ گئے' اس کی نبوت کی صاف صریح اور واضح دلیل ہے۔

پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں پہلے سے اہل علم یعنی یہود موجود تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی تشریف آوری کا ہمیں انتظار تھا' وہ لوگ آپ کی نشانیاں جانتے تھے اور اپنے اسلاف سے سنتے آ رہے تھے' ان نشانیوں میں یہ بھی تھا کہ آپ امی ہوں گے' امی ہوتے ہوئے آپ نے حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات بتائے اور جامع شریعت پیش کی' عقائد صحیحہ سے واقف کیا' یہود نصاریٰ کی تحریفات سے آگاہ فرمایا' ان کی گمراہیوں پر مطلع کیا' یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علوم دے دیئے جو کسی کو نہیں دیئے۔

اس تمہید کے بعد اب آیت کا مفہوم سمجھیں' ارشاد فرمایا: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے کتاب کو لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل والے شک کرتے) یعنی انہیں شک کرنے اور یوں بات بنانے کا موقع مل جاتا کہ یہ تو پڑھے لکھے آدمی ہیں' اپنے پاس سے لکھ لیتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے' لیکن جب آپ پڑھنا لکھنا جانتے ہی نہیں تو خود سے لکھنے کا احتمال ہی' لہٰذا اب یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ انہوں نے یہ کتاب لکھ لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی ہے۔ **(العیاذ باللہ)**

پھر فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ کتاب یعنی (قرآن شریف) اگرچہ ایک کتاب ہے لیکن بہت سے معجزات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بہت بڑی دلیل ہے جو اپنی قوت و عظمت کیوجہ سے بہت سی واضح دلیلوں کا مجموعہ بنا ہوا ہے اور ان لوگوں کے دلوں میں ہے جن کو علم عطا کیا گیا ہے' وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (اور ہماری آیتوں کا انکار صرف بے انصاف لوگ ہی کرتے ہیں) باوجودیکہ قرآن معجزہ ہے اور اس کا اعجاز سب پر ظاہر

ہے پھر بھی ظالم لوگ انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

فائدہ: سورۂ اعراف میں خاتم النبیین علیہ کے بارے میں اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ فرمایا ہے اور یہاں یوں فرمایا ہے کہ آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور آپ کا یہ معجزہ تھا کہ امی ہوتے ہوئے آپ نے علوم کے سمندر بہا دیئے یہ امتیازی صفت بطور معجزہ آخر تک باقی رہی جو ایک فضل وکمال کی بات ہے۔

بعض علماء نے یوں کہا ہے کہ آخر میں آپ لکھنا پڑھنا جان گئے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھا جارہا تھا تو اس میں آپ کے کاتب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ھٰذا ما قاضیٰ علیہ رسول اللہ علیہ لکھ دیا مشرکین مکہ کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے یوں کہا کہ محمد رسول اللہ نہ لکھا جائے بلکہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہوتے تو کوئی جھگڑے والی بات ہی نہ تھی نہ آپ سے قتال کرتے اور نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا کہ محمد بن عبداللہ لکھ دو اس وقت ان پر ادب کی شان غالب تھی اسلئے انہوں نے عذر کردیا اس پر آنحضرت علیہ نے ان کے ہاتھ سے ورقہ لے لیا اور خود ھٰذا ما قاضیٰ علیہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا، صحیح مسلم کی بعض روایات میں اسی طرح سے ہے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۵)
(یہ وہ دستاویز ہے جس پر اللہ کے رسول علیہ نے معاہدہ کیا ہے)

لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے حضرت علیؓ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو لفظ محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا اور اس حکم فرمانے کو راوی نے اس طرح تعبیر کیا کہ آپ نے لکھ دیا۔ درحقیقت یہ تاویل نہ بھی کی جائے تب بھی آپ کی طرف کتابت کی نسبت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے اُمی ہونے کی صفت باقی نہیں رہی کیونکہ بطور معجزہ کوئی چیز لکھ دینا دوسری بات ہے اور باقاعدہ پوری طرح کاتب ہونا یہ دوسری بات ہے بلکہ کتاب نہ جانتے ہوئے آپ کا لکھ دینا یہ مستقل معجزہ ہے لہٰذا یہ کہنا کہ آپ بعد میں کتابت سے واقف ہو گئے تھے اس میں اُس سے زیادہ فضیلت نہیں ہے کہ آپ نے اُمی ہوتے ہوئے بھی لکھ دیا۔

اس کے بعد فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (اور انہوں نے کہا کہ ان پر نشانیاں کیوں نازل ہوئیں) ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہیں انہیں کیوں ظاہر نہیں کرتے' اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمادیا قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (آپ فرمادیجئے کہ نشانیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں) میرے اختیار کی چیزیں نہیں ہیں' وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (اور میں تو صرف واضح طریقہ پر ڈرانے والا ہوں) تمہارے فرمائشی معجزات لانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ (کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے جس کی ان لوگوں پر تلاوت کی جاتی ہے) یہ کتاب سراپا معجزہ ہے اس کا اعجاز سب کے سامنے ہے' اگر کوئی منصف قبول حق کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہی قرآن بطور نشانی اور بطور معجزہ کافی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (بلا شبہ اس قرآن میں بڑی رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں) جن کو ایمان لانے سے گریز ہے وہ اس سے دور رہتے ہیں اور نصیحت حاصل کرنے سے کتراتے ہیں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِیْنَ

آپ فرمادیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ

اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ

باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہو گئے یہی لوگ نقصان والے ہیں۔ اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر مقررہ

اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اجل نہ ہوتی تو ضرور ان کے پاس عذاب آجاتا' اور البتہ اُن پر اچانک عذاب آپہنچے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے جلدی

بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ یَوْمَ یَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ

عذاب آنے کا تقاضا کررہے ہیں' اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس دن اُن کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے

وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ یَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

ان پر عذاب چھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ چکھ لو جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

اہل باطل کی تکذیب اور تکذیب پر تعذیب

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر منکرین کو یقین نہیں تھا' حالانکہ آپ کے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے' تم مانو یا نہ مانو وہ میری رسالت کا گواہ ہے' آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ان سب کو جانتا ہے' میں جو تم پر حق پیش کرتا ہوں اسے اس کا بھی علم ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو یعنی انکار اور تکذیب کے ساتھ پیش آتے ہو اسے اس کا بھی علم ہے' تمہیں اپنی حرکتوں کی سزا ضرور ملے گی اور تم بہت بڑے خسارہ میں پڑو گے۔

اسی کو فرمایا: وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے ساتھ کفر کیا یہی لوگ نقصان والے ہیں) نقصان بھی کتنا بڑا؟ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت کے دن اپنی جانوں سے بھی گئے اور گھر والوں سے بھی' جب جان دوزخ میں گئی تو جان کہنے کے لائق نہ رہی اور نہ کوئی اپنا رہا عذاب سے چھوٹنے کا کوئی راستہ نہیں' یہ کتنا بڑا خسارہ ہے' منکرین کو سمجھ لینا چاہئے۔

منکرین اپنے کفر کو جرم نہیں سمجھتے تھے اور عذاب آجانے کی بات سنتے تھے تو اس کا یقین نہیں کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ عذاب آنا ہے تو جلد آجائے' اور ان کی مانگ کے مطابق فوراً عذاب نہ آنے کی وجہ سے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی رسالت میں شک کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ (اگر اللہ کے علم میں عذاب آنے کی میعاد مقرر نہ ہوتی تو ان پر عذاب آجاتا) جب اجل مقررہ کا وقت آجائے گا ان پر عذاب دفعۃً آجائے گا جس کی انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور کافر کی موت کے وقت سے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے'

موت کے وقت بھی عذاب' موت کے بعد برزخ میں بھی عذاب' قیامت کے دن بھی عذاب' دوزخ کا داخلہ وہاں بھی عذاب اور دائمی عذاب' اوپر سے بھی عذاب اور نیچے سے بھی عذاب' دوزخ کافروں کو گھیر لے گی ہر طرف سے عذاب ہی عذاب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم جو عمل کیا کرتے تھے اس کا مزہ چکھ لو اور سزا بھگت لو۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ
اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو' ہر نفس
ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
موت کو چکھنے والا ہے' پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم انہیں ضرور ضرور
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾
جنت کے بالاخانوں میں ٹھکانہ دیں گے اُن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ
جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور کتنے ہی چوپائے ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے
اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾
اللہ انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے' اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

ہجرت کی اہمیت اور ضرورت

تفسیر: معالم التنزیل (جلد ۳ ص ۴۷۲) میں علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ آیت يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (الآیۃ) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہاں کے مقامی حالات کی وجہ سے (جو کافروں کی طرف سے دکھ تکلیف کی صورت میں پیش آتے رہتے تھے) اپنا ایمان ظاہر کرنے سے قاصر تھے' اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میری زمین وسیع ہے فراخ ہے یہاں سے ہجرت کر جاؤ' دشمنوں کے خوف کی وجہ سے میری عبادت نہیں کر سکتے ہو تو اس شہر کو چھوڑ دو اور میری عبادت میں لگو۔ اس وقت مدینہ منورہ دار الہجرۃ تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور اس سے پہلے بہت سے صحابہ حبشہ کو ہجرت کر چکے تھے' کوئی شخص اللہ کے لئے وطن چھوڑ کر ہجرت کرنے کو آمادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور رہنے کا ٹھکانہ ملتا ہے' جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (اور جو شخص اللہ کے لئے وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اسے کشادگی سے جگہ ملے گی) چونکہ وطن کو مستقل طریقہ پر چھوڑ دینا دنیاوی حالات کے اعتبار سے ایک مشکل چیز ہے اس لئے بعض لوگ ہجرت کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ

شانہ نے ان سے فرمایا کہ میری زمین بہت وسیع ہے ہجرت کرو اور میری عبادت کرو۔

ہجرت کرنے میں دو طرح کی تکلیفیں پیش آنے کا خطرہ ہوتا ہے' اوّل موت کا خطرہ (کافروں کی طرف سے حملہ آور ہونے کا قوی احتمال) اور دوسرے بھوکے مر جانے کا خطرہ۔ انسان سوچتا ہے کہ یہاں اپنے گھر میں کمائی کرتا ہوں' بیٹے بھی کماتے ہیں' تجارت چالو ہے' اپنی کھیتی باڑی ہے' وطن سے باہر نکلتا ہوں تو کھانے کو کہاں سے ملے گا؟

ہر جان کو موت چکھنا ہے: اللہ تعالیٰ شانہ نے دونوں باتوں کا جواب دے دیا' اول تو یہ فرمایا کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کہ ہر جان کو موت چکھنا ہے کہیں بھی رہو موت اپنے مقرر وقت پر آ جائے گی پھر موت سے کیا ڈرنا اور اس کے لئے ہجرت کو چھوڑنے کا کیا معنی؟ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ (پھر موت کے بعد ہمارے پاس آؤ گے) اگر ہجرت کر لی تھی تو اس کا اجر پاؤ گے' اور اگر بالفرض ہجرت نہ کی تو سزا ملے گی۔

اس کے بعد اہل ایمان کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیۃ) (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ضرور ضرور ہم انہیں جنت کے بالا خانوں میں ٹھکانہ دیں گے' جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا) اتنی بڑی جنت کا چھوٹا سا گھر اور وطن مالوف چھوڑنے کے عوض مل جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔

رزق مقدر ضرور ملے گا: دوسری بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ (زمین پر چلنے والے بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے' اللہ ان کو رزق دیتا ہے) اس کے دو مطلب ہیں' ایک تو یہ کہ جانور اپنا رزق ساتھ لئے نہیں پھرتے جہاں ہوتے ہیں اللہ ان کا رزق دے دیتا ہے' اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ذخیرہ نہیں رکھتے' جو ملا کھا لیا آگے کی فکر نہیں کرتے نہ ان کے یہاں رزق جمع کرنے کا انتظام ہے نہ تحصیل رزق کی کوشش' وہ اسباب کے پیچھے نہیں پڑتے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے رزق عطا فرماتا ہے' اسی طرح جب تم ہجرت کرو گے تو وہ تمہیں رزق دے گا اب تک جس نے کھلایا پلایا ہجرت کے بعد بھی وہی کھلائے پلائے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے' وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ' مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اس طرح طلب کر لیتا ہے جیسے اسے موت طلب کر لیتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۴)

آخر میں فرمایا وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال جانتا ہے' جو شخص اخلاص کے ساتھ ہجرت کرے سچے دل سے اللہ پر توکل کرے' اور جو شخص عذر کی وجہ سے ہجرت کرنے سے رکے' اور جو شخص محض دنیاوی مفاد کے پیش ہجرت کے لئے نکلے' اللہ تعالیٰ کو ان سب کے احوال و اقوال معلوم ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بہت سے لوگ مکہ معظمہ میں رہ گئے ان میں

اصحاب عذر بھی تھے اور وہ لوگ بھی تھے جن کے لئے واقعی عذر نہ تھا' وہ ہجرت کر سکتے تھے اس زمانے میں مدینے کے لئے ہجرت کرنا فرض تھا' جو شخص ہجرت نہ کرتا اس کا ایمان معتبر نہ سمجھا جاتا تھا' جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی' لیکن مختلف احوال کے اعتبار سے ہمیشہ ایسے احوال مسلمانوں کے لئے پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان اور اعمال باقی رکھنے کے لئے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے لیکن گھر بار' مال' جائیداد اور رشتہ داروں کی محبت میں وطن نہیں چھوڑتے' ایسی جگہوں میں رہتے ہیں جہاں اذان بھی نہیں دے سکتے' نماز بھی نہیں پڑھ سکتے مگر دنیا کی محبت انہیں ہجرت نہیں کرنے دیتی' ایسے لوگ تارکِ فرض ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے سورۂ نساء رکوع نمبر کی تفسیر کا مطالعہ کیجئے) (انوار البیان ج ۲)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کیا تو ضرور جواب دیں گے کہ

اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ

اللہ نے' سو وہ پھر کہاں اُلٹے جا رہے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے'

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ

بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر

الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾

زمین کی موت کے بعد پانی کے ذریعہ اس کو زندہ کیا تو وہ ضرور ضرور جواب دیں گے کہ اللہ نے' آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے' بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں سمجھتے

توحید کے دلائل

تفسیر: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کو بھی شریک کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ ان لوگوں سے دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کیا اور انہیں ایک طریقہ خاص پر کس نے کام میں لگایا تو یہ لوگ اس کا یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ کیا ہے' جب اقرار بھی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے ہی کیا ہے تو پھر کہاں اُلٹے پاؤں جا رہے ہیں' یعنی توحید کو چھوڑ کر شرک کو کیوں اختیار کر رہے ہیں؟ خالقیت میں جس طرح اللہ کا کوئی شریک نہیں اسی طرح صفت رزاقیت میں بھی کوئی شریک نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق وسیع کر دے یعنی رزق میں فراخی دیدے اور جس کے لئے چاہے رزق تنگ کر دے' بہت سے لوگ بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں' مشقتیں اٹھاتے ہیں مگر ان کا رزق تنگ ہی رہتا ہے' اور بہت سے لوگ کچھ بھی نہیں کرتے انہیں بہت زیادہ وسعت کے ساتھ رزق ملتا ہے' اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رزق سے زیادہ کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

اس کے بعد سبب رزق کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ان سے سوال کریں کہ بتاؤ آسمان سے کس نے پانی اتارا؟ پھر اس پانی کے ذریعہ کس نے زمین کو زندہ کر دیا جبکہ زمین مر چکی تھی یعنی خشک ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اگانے کے قابل نہ تھی' تو یہی جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی نے کیا ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے) پیدا بھی اسی نے فرمایا اور نعمتیں بھی اسی نے دیں رزق بھی وہی دیتا ہے زمین بھی وہی زندہ فرماتا ہے جب وہی فاعل مختار ہے' خالق و مالک ہے اور رازق بھی وہی ہے تو پھر عبادت بھی صرف اسی کی کرنا لازم ہے' یہ ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن عقل سے کام نہیں لیتے' غور فکر نہیں کرتے' تھوڑے ہی سے افراد ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں' اسی لئے فرمایا بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ
اور یہ دنیا والی زندگی نہیں ہے مگر لہو و لعب' اور بلاشبہ آخرت والا گھر ہی زندگی ہے'
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾
کاش لوگ جانتے ہوتے۔

دنیا والی زندگی لہو و لعب ہے' حقیقی زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں دنیا کی فنا اور آخرت کی بقا کو اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے اور مشرکین و کافرین کی ناسمجھی اور نادانی اور بے عقلی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی جتنی بھی دراز ہو جائے اور اس میں جتنی بھی نعمتیں مل جائیں سب ہیچ ہیں۔

کیونکہ انسان کی اصل ضرورت آخرت کی ضرورت ہے جہاں دوام ہے اور ابدی زندگی ہے' وہاں کی دائمی زندگی اور ابدی نعمتوں کے سامنے یہ فنا ہونے والی دنیا جو وہاں کچھ بھی کام نہ دے گی بالکل لہو و لعب ہے' جیسے بچے آپس میں کھیلتے ہیں' ہوٹل بھی کھولتے ہیں' دوکاندار بن کر بھی بیٹھتے ہیں' کھانے پینے کی چیزیں بھی بیچتے ہیں' پھر جب بھوک لگتی ہے تو اپنی ماں کے پاس آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امی جان کھانا دے دیجئے' اگر والدہ ان سے پوچھے کہ تم تو ابھی ہوٹل کھولے ہوئے تھے' روٹی سالن فروخت کر رہے تھے اسی میں سے کھا لیتے' اب مجھ سے کیوں مانگ رہے ہو؟ تو بچے جواب دیں گے کہ وہ تو ایک کھیل تھا حقیقت نہیں تھی۔ اسی طرح اہل دنیا کا حال ہے کہ دنیا میں لگتے ہیں اسی کے لئے جیتے ہیں اسی کے لئے مرتے ہیں' مال بھی جمع کرتے ہیں' جائیدادیں بھی بناتے ہیں پھر موت کی وقت سب کچھ یہیں چھوڑ جاتے ہیں' اس مال و جائیداد سے جو یہاں کی تھوڑی بہت حاجت پوری ہو جاتی ہے آخرت کی حاجتوں کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں' وہاں پہنچیں گے تو یہاں کی جائداد اور مال و اولاد کچھ بھی کام نہ آئیں گے وہاں تو ایمان اور اعمال صالحہ کی قیمت لگے گی اور یہی وہاں کی اصل ضرورت پورا کرنے کا ذریعہ بنیں گے' وہاں کی ضرورت دوزخ سے بچنا ہے (یہ دفع

مضرت ہے) اور جنت میں داخل ہونا ہے (جو جلب منفعت ہے) وہاں کی ان دونوں ضرورتوں کے لئے جب دنیاوی چیزیں کام نہ آئیں تو ساری دنیا کھیل ہی ہوئی جس سے واقعی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اگر دوزخ کے دائمی عذاب سے بچنے کا انتظام کر کے دنیا سے نہ سدھارے اور خدانخواستہ وہاں عذاب میں گرفتار ہوئے تو اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ دنیا واقعی لہو ولعب تھی، وہاں حسرت اور افسوس کے سوا کچھ نہ ہوگا جو کچھ کرنا ہے یہیں سے لے کر جانا ہے۔

دنیا کو لہو ولعب بتانے کے بعد یوں فرمایا وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور بلاشبہ دار آخرت ہی زندگی ہے) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو جنت کا داخلہ ملے گا وہ ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گے نہ کبھی موت آئے گی نہ نعمتیں چھینی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان سے راضی رہے گا۔ درحقیقت وہی زندگی زندگی کہنے کے قابل ہے۔ کافر کی نہ دنیاوی زندگی زندگی کہنے کے قابل ہے کیونکہ فانی ہے اور مکروہات، مشکلات، مکدرات، مصائب و آلام، امراض واسقام سے بھری ہوئی ہے اور نہ اس کی آخرت کی زندگی زندگی ہے کیونکہ وہاں تو عذاب ہی عذاب ہے۔ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا ہے ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى (پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا) دوزخ کی بھی کوئی زندگی ہے؟

آخر میں فرمایا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اگر یہ حیات دنیاویہ اور دار آخرت کو جان لیتے اور دونوں میں جو فرق ہے اسے سمجھ لیتے تو دنیا کو زندگی کا مقصد نہ بناتے۔

فَاِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ

سو جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خوب خالص اعتقاد کر کے اللہ کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں

يُشْرِكُونَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا

تاکہ ان چیزوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہیں اور تاکہ مزے اڑالیں، سو وہ عنقریب جان لیں گے، کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے

حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

حرم کو امن کی جگہ بنائی ہے اور ان کے گرد و پیش کے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں، کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی

يَكْفُرُونَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۚ

ناشکری کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آجائے،

اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِينَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

کیا دوزخ کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے، اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں تکلیفیں اٹھائیں ضرور ہم انہیں اپنی راہیں

سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۶۹﴾

بتائیں گے اور بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے

مشرکین کی ناشکری اور ناسپاسی

تفسیر: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آڑے وقت میں تمام باطل معبودوں کی طرف سے ذہن ہٹا لیتے ہیں اور خالص اعتقاد کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مصیبت دفع کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ یہاں بطور مثال ان کی حالت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جب کشتی میں سوار ہوں اور تیز ہوا چلنے لگے جس سے کشتی ڈگمگانے لگے اور ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہو جائے تو صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (اگر آپ نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکرگزار ہوں گے) جب مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو بڑے سچے وعدے کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو پھر وہی ناشکری اور کفر و شرک اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی کو فرمایا فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (سو جب اللہ انہیں نجات دے کر خشکی میں لے آتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں) لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ (تاکہ وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہیں) وَلِيَتَمَتَّعُوْا (اور تاکہ مزے اڑاتے رہیں) دنیا کے اشغال اور لذات اور مزدوں کے کاموں میں لگے رہیں، مصیبت ٹل جانے پر سارے وعدے بھول جاتے ہیں، فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (سو عنقریب جان لیں گے کہ کفر و شرک اختیار کرنے اور اپنے وعدوں کو بھول بھلیاں کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے) یہ نتیجہ عذاب کی صورت میں سامنے آ جائے گا۔

اہل مکہ پر امن وامان کا خصوصی انعام: اہل مکہ بھی شرک میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا تھا کہ وہ امن وچین سے اپنے شہر میں رہتے تھے جبکہ عرب کے دوسرے علاقوں میں لڑائیاں رہتی تھیں قتل خون لوٹ مار غارت گری کا سلسلہ قبائل عرب میں جاری تھا۔ اہل عرب اگرچہ مشرک تھے لیکن حرم مکہ کو محترم جانتے تھے اور اہل مکہ پر کوئی حملہ نہیں کرتے تھے، اہل مکہ پر اس کی قدردانی کرنا لازم تھا، جب نبی کریم ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو انہیں سب سے پہلے مسلمان ہونا چاہئے تھا، ان پر لازم تھا کہ انہیں امن وامان سے رکھنے پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نبی مبعوث ہوا جو کہ انہیں میں سے تھا اس پر ایمان لے آتے لیکن وہ حسب سابق باطل معبودوں کی پرستش میں لگے رہے جن کی عبادت میں پہلے سے مشغول تھے۔ اسی کو فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا) وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (اور ان کے آس پاس لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ (کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہوتے ہیں) وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں)

مشرکین کا عجیب حال تھا اور اب بھی ہے کہ پیدا تو اللہ نے فرمایا اور وہی رزق دیتا ہے اور پرورش فرماتا ہے اور حاجتیں پوری فرماتا ہے جس کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی کفر و شرک اختیار کئے رہتے ہیں۔

مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ کے لئے شریک ہے، یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے اور افتراء ہے، اسی کو یہاں فرمایا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ (اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق آ جانے پر اس کو جھٹلائے) اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ (کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے) یہ

استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اسکو استفہام کی صورت میں بیان کیا تا کہ خوب سوچ لیں اور اپنا انجام اور واقعی واصلی ٹھکانہ جان لیں۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں تکلیفیں اٹھائیں ضرور ضرور ہم انہیں اپنی راہیں بتائیں گے اور بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے) اس آیت میں ایک اہم مضمون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی رضا اختیار کرنے اور اس کی طلب میں محنت کرنے اور مشقت اٹھانے پر اللہ تعالیٰ شانہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور اپنے راستے بتادے گا۔ آیت شریفہ میں بہت بڑی جامعیت ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جس طرح بھی جو بھی کوششیں کی جائیں مثلاً طلب علم ہو کافروں سے مقاتلہ ہو اہل فتن سے مقابلہ ہو زبان سے یا قلم سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو یا ظالموں کے سامنے اظہار حق ہو یہ سب کچھ مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہمارے بارے میں یعنی ہماری رضا کے لئے ہمارے دین کو بلند کرنے کے لئے محنت کریں گے تکلیف اٹھائیں گے مصیبتیں برداشت کریں گے ہم انہیں ضرور ضرور اپنے راستے دکھادیں گے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انہیں اور زیادہ ہدایت سے نوازیں گے جیسا کہ سورۂ محمدؐ میں فرمایا وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ (اور جن لوگوں نے ہدایت کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت دے گا اور انہیں ان کے تقویٰ عطا فرمادے گا) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنت کے راستے دکھادیں گے۔

جو شخص علم میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے لئے علم کی راہیں کھول دیتے ہیں اور علم پر عمل کرنے سے مزید علم عطا فرماتے ہیں۔ جو شخص دعوت و تبلیغ اور جہاد کے کام میں لگے تصنیف و تالیف کا کام کرے اسکا سینہ کھول دیتے ہیں تفسیر قرآن لکھنے لگے تو اسے ایسی معرفت عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے قرآن مجید کے اسرار و رموز اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں جو شخص معاشرہ کی اصلاح کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی نظر معاشرہ کی خرابیوں پر جاتی ہے پھر زبان سے یا تحریر سے ان خرابیوں پر تنبیہ کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے اور بات کہنے کے ایسے پیرائے ذہن میں ڈال دیئے جاتے ہیں جنہیں اختیار کرنے سے مخاطبین بات کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ مومن بندہ کو اپنے ہر عمل میں مخلص ہونا لازم ہے یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی مدد نازل ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بڑھے تو سہی پھر دیکھے کہ اس کا کیسا فضل وانعام ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے من تقرب مِنِّیْ شبرا تقربت منه ذراعاً ومن تقرب مِنِّی ذراعاً تقربت منه باعا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں چار ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں)

آخر میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) لفظ مُحْسِنِیْن جمع ہے محسن کی جو لفظ احسان سے لیا گیا ہے اور احسان کا معنی ہے اچھائی کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کو وحدہٗ لاشریک ماننا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنا اخلاص کے ساتھ اسکی عبادت کرنا نماز کے ارکان اور اعمال ادا کرنے میں خوبی اختیار کرنا خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنا ہر عمل کو ریاکاری اور شہرت کے جذبہ سے پاک رکھنا اور

جس طرح جس عمل کے ادا کرنے کا حکم ہوا اسی طرح عمل کرنا لفظ ''احسان'' ان سب کو شامل ہے۔ جو لوگ صفت احسان سے متصف ہیں وہ محسنین ہیں ان کے بارے میں وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا اور یہاں سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ کی معیت یہ ہے کہ وہ مدد فرماتا ہے اور آفات و مصائب سے محفوظ رکھتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پر باقی رکھتا ہے اور مزید ہدایت دیتا ہے۔

سورۂ عنکبوت کے ابتداء میں فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (کیا لوگوں نے یہ خیال کیا کہ ہم یوں کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی) وہاں یہ بتادیا تھا کہ اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچیں گی اور سورت کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نصرت اور معیت کا وعدہ فرمایا۔

فالحمد لله الّذی بنعمته وَعزّته تتم الصالحات وقد تم تفسیر سورة العنکبوت بحمدالله تعالیٰ وحسن توفیقه والحمد لله ربّ العالمین والصلوٰة والسلام عَلیٰ سید الاوّلین والاٰخرین وعلیٰ اٰله واصحابه اجمعین

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ روم مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی ساٹھ آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ③

الٓمّٓ۔ روم والے زمین کے قریب والے حصے میں مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہو جائیں گے۔

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ④

اللہ ہی کے لئے اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور ایمان والے اُس دن خوش ہوں گے اللہ کی مدد کی وجہ سے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑤ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہے اور وہ زبردست ہے رحمت والا ہے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں فرماتا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَهُمْ عَنِ

اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، یہ لوگ دنیا والی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ

الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦

آخرت سے غافل ہیں

اہل فارس پر رومیوں کے غالب ہونے کی پیشین گوئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اُبی بن خلف سے ہار جیت کی بازی لگانا

تفسیر: حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان آیات کا سبب نزول ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ فارس اور روم کے درمیان جنگ ہونے کی صورت بن گئی تھی، اہل فارس جن کا بادشاہ کسریٰ تھا، یہ لوگ مشرک تھے، اور رومیوں کا بادشاہ قیصر تھا یہ لوگ اہل کتاب تھے۔ اہل اسلام کی خواہش تھی کہ روم والے فارس پر غالب ہو جائیں کیونکہ اہل روم اہل کتاب تھے اور مشرکین کی خواہش تھی کہ فارس والے اہل رُوم پر غالب ہو جائیں کیونکہ وہ اہل شرک تھے، قریش مکہ کے ہم مذہب تھے، کسریٰ نے بھی اپنا لشکر بھیجا اور قیصر نے بھی، اور مقام اذرعات اور بصریٰ پر دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ شام کا علاقہ ہے جو سرزمین عرب سے قریب ہے جس میں مسلمان رہتے تھے۔ جنگ کے نتیجہ میں اہل فارس رومیوں پر غالب آ گئے جب یہ خبر پھیلی تو مسلمانوں کو رنج ہوا اور کفار مکہ نہ صرف یہ کہ خوش ہوئے بلکہ انہوں نے مسلمانوں سے یہ بھی

کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور نصاریٰ یعنی رومی بھی اہل کتاب ہیں اور ہمارے بھائی اہل فارس تمہارے رومی بھائیوں پر غالب آگئے اس سے معلوم ہوا کہ اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو ہم بھی تم پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں بتا دیا کہ عنقریب ہی رومی لوگ اہل فارس پر چند سال میں غالب ہو جائیں گے۔

یہ پیشین گوئی فرماتے ہوئے لفظ بِضۡعِ سِنِيۡنَ فرمایا ہے لفظ بِضۡعِ عربی زبان میں تین سے لے کر نو تک کے عدد کے لئے بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بتا دیا کہ جس دن اہل روم اہل فارس پر غالب ہوں گے اس دن اہل ایمان خوش ہوں گے۔

جب مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار مکہ سے کہا کہ تم آج اس بات پر خوش ہو رہے ہو کہ تمہارے ہم مذہب غلبہ پا گئے تم خوشی نہ مناؤ اللہ کی قسم ہم فارس پر غالب ہوں گے جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے۔ اس پر ابی بن خلف نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے چل تو مشارطہ کر لے یعنی ہم اور تم اپنے درمیان ایک میعاد مقرر کر لیں اور دس دس اونٹ لینے دینے کی ذمہ داری قبول کر لیں اگر اس مدت میں رومی فارس پر غالب آگئے تو مجھے دس اونٹ دے گا اور اگر اہل فارس غالب ہو گئے تو میں دس اونٹ دوں گا آپس میں اس کا معاہدہ کر لیا گیا اور تین سال کی مدت مقرر کر لی گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو معاملہ اور معاہدہ کیا تھا وہ خدمت عالی میں پیش کر دیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو بِضۡعِ سِنِيۡنَ فرمایا ہے جس میں تین سے لے کر نو سال کے درمیان رومیوں کے غالب ہونے کی خبر دی ہے لہٰذا تم ایسا کرو کہ مدت بڑھا لو جو آپس میں لینا دینا طے کیا ہے اس میں بھی اضافہ کر لو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر ابی بن خلف سے ملاقات کی ابی نے دیکھتے ہی کہا کہ تم نے جو شرط باندھی ہے اس پر نادم ہو رہے ہو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نادم نہیں ہوں اپنی بات پر قائم ہوں بلکہ مجھے مدت اور اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے۔ اس کے بعد مدت مقررہ کو آپس میں طے کر کے نو سال کر دیا گیا اور بجائے دس دس اونٹ دینے کے ہر جانب سے سو سو اونٹ دینے کی بات ہو گئی۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سات سال کے اندر ہار جیت ہونے پر معاہدہ و معاملہ کیا گیا تھا ابی بن خلف کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ابوبکرؓ مکہ معظمہ سے باہر نہ چلے جائیں وہ ان سے آ کر کہنے لگا کہ مجھے ضامن دے دو اگر شرط میں تم ہارے تو تمہارے ضامن سے مقررہ تعداد میں اونٹ لے لوں گا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضامن بنا دیا (کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے) اس کے بعد ابی بن خلف کو مکہ معظمہ سے نکلنے کی ضرورت پیش آئی وہ قریش مکہ کے ساتھ جنگ احد کے موقع پر مکہ معظمہ روانہ ہونے لگا اس پر عبداللہ بن ابی بکرؓ[1] نے اس سے کہا تو مجھے ضامن دے دے اگر تیری ہار ہو جائے تو تیرے ضامن سے سو اونٹ لے لوں چنانچہ اس نے ایک شخص کو ضامن بنا دیا اس کے بعد یہ ہوا کہ واقعہ حدیبیہ کے پہلے سال اہل روم اہل فارس پر غالب آگئے جبکہ مشارطہ اور معاہدہ کو چھ سال گذر گئے تھے اور ساتواں سال شروع ہو چکا تھا (ابی بن خلف زندہ نہ تھا اس سے پہلے مقتول ہو چکا تھا) رومیوں نے جو اہل فارس پر غلبہ پایا تو اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی

[1] معالم التنزیل میں عبداللہ بن ابی بکرؓ اور روح المعانی میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ہے

اللہ عنہ کی جیت ہوگئی اور ابی بن خلف کے وارثوں سے سو اونٹ وصول کر لئے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس مال کو صدقہ کر دو[1]۔

چونکہ مذکورہ مشارطہ قمار یعنی جوا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جس وقت معاہدہ کیا تھا اس وقت قمار یعنی جوا ممنوع نہ تھا' جب مال وصول ہوا اس وقت قمار کی حرمت نازل ہو چکی تھی' یہ وجہ صدقہ کا حکم فرمانے کی سمجھ میں آتی ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک حرمت نازل ہوئی ہو یوں ہی مسلمانوں کی عام ضرورتوں میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہو۔ اور بعض روایات میں اس کے لئے جو لفظ حرام وارد ہوا ہے اگر روایۃً صحیح ہو تو مکروہ اور ناپسندیدہ کے معنی میں لیا جائے گا (کما قال صاحب الروح)

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ (اللہ ہی کے لئے اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی) یعنی جو کچھ پہلے ہوا کہ اہل فارس غالب ہوئے اور رومی مغلوب ہوئے اور جو اس کے بعد ہوگا کہ رومی غالب ہوں گے اور اس کے علاوہ جو بھی کچھ ہوگا وجود میں آئے گا وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار سے ہوگا اور اسی کی قدرت کا مظاہرہ ہوگا۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (اور جس دن رومی اہل فارس پر غالب ہوں گے مومن بندے اللہ کی مدد کے ساتھ خوش ہوں گے) مومنین کی خوشی ایک تو اس اعتبار سے ہوگی کہ انہوں نے کفار مکہ کو جو بتایا تھا کہ عنقریب اہل روم اہل فارس پر غالب ہوں گے اس بات کی سچائی سب کے سامنے آ جائے گی۔ اور یوں بھی خوشی ہوگی کہ انہی دنوں میں بدر کا واقعہ پیش آئے گا' خوشی کے اسباب ہو جائیں گے' لفظ بِنَصْرِ اللّٰهِ کا تعلق ان سب باتوں سے ہو سکتا ہے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہوئی۔ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ (وہ جس کی چاہے مدد فرمائے) جسے چاہے غالب کرے جسے چاہے مغلوب کرے۔ اس میں مسلمانوں کی آئندہ مدد ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا' چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر مدد ہوتی رہی۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (اللہ زبردست ہے رحم فرمانے والا ہے) جسے چاہے غلبہ دے دے اور جس پر چاہے رحم فرما دے کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ وَعْدَ اللّٰهِ (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے) لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) نہ ان کو اللہ کے قادر اور مطلق ہونے کا علم ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہے' محض ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں' خالق کائنات جل مجدہ کی صفات قدرت' عزت اور رحمت اور صدق الوعد کو نہیں جانتے۔

جنہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں دنیاوی علم کے باوجود جاہل ہیں

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یہ لوگ دنیا والی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں) وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (اور وہ آخرت سے غافل ہیں) یہاں جن لوگوں کے حق میں لَا يَعْلَمُوْنَ فرمایا انہی کے حق میں يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا

---

[1] یہ تفصیل ہم نے معالم التنزیل جلد ۳ ص۴۷۵ سے نقل کی ہے' اس سلسلہ میں اور بھی متعدد روایات ہیں جنہیں حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے روح المعانی میں سنن ترمذی سے نقل کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر رومیوں نے اہل فارس پر غلبہ پایا' امام ترمذیؒ نے اس کی سند کو حسن بتایا ہے' غزوۂ بدر ۲ھ میں ہوا تھا اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُبی بن خلف ہی سے سو اُونٹ وصول کئے کیونکہ اُبی بن خلف کی موت رسول اللہ ﷺ کے نیزہ مارنے سے ہوئی تھی' یہ واقعہ غزوۂ اُحد کا ہے جو ۳ھ میں پیش آیا تھا۔

مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا بھی فرمادیا' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور اس کے تصرفات کو نہ جاننا اور اس کی معرفت حاصل نہ کرنا یہ جہالت ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل نہ ہو اور دنیاوی زندگی کے آلات اور اسباب کو جانتے ہوں نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہوں دنیاوی ترقی میں آگے بڑھ گئے ہوں اور مال جمع کرنے کے طریقوں سے واقف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو نہ جانتے ہوں اور آخرت سے غافل ہوں (جہاں دائمی زندگی ملے گی جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں نے دی ہے) تو ایسے لوگ اصحاب علم نہیں ہیں۔ انسان کی اصل ضرورت آخرت کے عذاب سے بچنا اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہونا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان نہ لایا اور اپنی آخرت کے لئے فکر مند نہ ہوا وہ شخص دنیا کے اسباب کو کتنا ہی جانتا اور سمجھتا ہو صاحب علم اور صاحب عقل نہیں ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے میں ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے' جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی' اور وہ آسمانوں اور زمینوں کے بارے میں فکر کرتے ہیں) اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کو عقل والا فرمایا ہے جو اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور آسمان وزمین کی تخلیق کے بارے میں فکر کرتے ہیں یعنی ان کے وجود کو دیکھ کر خالق تعالیٰ شانہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرتے ہیں' جو لوگ دنیا ہی پر دل دیئے ہوتے ہیں خواہ وہ کیسی ہی مشینیں ایجاد کرتے ہوں اور دنیا کو ترقی دینے میں مشہور ہوں وہ حقیقی صاحب عقل نہیں ہیں۔ سورۃ زمر میں فرمایا: قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آپ فرمادیجئے کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے پس عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) جس کا علم اللہ تعالیٰ کی توحید نہ سکھائے اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے پر آمادہ نہ کرے اور آخرت کا فکر مند نہ بنائے اس کا دنیاوی علم اس لائق نہیں ہے کہ اسے علم کہا جائے۔

اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا

کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا' اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا نہیں فرمایا

بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ۗ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾

مگر حق کے ساتھ اور ایک معینہ مدت تک' اور بلاشبہ بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ

کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو دیکھ لیتے کیا انجام ہوا اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے

مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

وہ لوگ قوت کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بویا جوتا اور اس سے زیادہ آباد کیا جتنا ان لوگوں نے آباد کیا ہے' اور ان کے پاس اُن کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ

واضح دلیلیں لے کر آئے سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، اور لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، پھر جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

برے کام کئے اُن لوگوں کا برا انجام ہوا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق بناتے تھے۔

آسمان وزمین کی تخلیق میں فکر کرنے کی تلقین

تفسیر: قرآن کریم کے اولین مخاطبین مشرکین عرب تھے۔ ان آیات میں ان کو اور ان کے بعد آنے والے پوری دنیا جہاں کے انسانوں کو غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں کو اپنے نفسوں میں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ جو آسمان وزمین اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور ان کے درمیان جو کائنات ہے اس کو وجود بخشا' یہ سب یوں ہی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے یعنی ان کے پیدا فرمانے میں بڑی حکمتیں ہیں اور بات یہی ہے کہ ان کو ایک معین مدت تک کے لئے وجود بخشا ہے' یہ سب چیزیں خالق کائنات کے پہچاننے کے لئے ہیں' اس وجود کی بقاء کے لئے ایک مدت معین ہے' جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائے گا' زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر ڈال دے گی' پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے' زندے مرجائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہو گی اور اعمال کی جزا اور سزا سامنے آئے گی' جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی کائنات کو پیدا فرمایا ہے جس میں بنی آدم بھی ہیں اس نے بلا حکمت پیدا نہیں فرمایا' اس نے زندگی بخشی پھر موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا' یہ ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو مومن بندے ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بہت سے لوگ آخرت کو نہیں مانتے اور اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں' ان منکرین میں وہ بھی ہیں جو وقوع قیامت کے قائل نہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک جزا وسزا کا صرف دھندلا سا تصور ہے اور کچھ لوگوں نے جزا وسزا کے لئے اپنے طور پر تناسخ یعنی آواگون کا عقیدہ تراش رکھا ہے' اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا یوں ہی رہے گی۔ ان سب لوگوں کو تنبیہ فرمادی' مانو یا نہ مانو یہ دنیا اس کے خالق کی مقررہ مدت تک باقی رہے گی پھر اس پر فنا طاری ہوگی اور خالق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی لہٰذا ہر شخص فکر مند ہو اور اپنی جان کی سلامتی اور قیامت کے دن کی نجات کے لئے سوچے۔

زمین پر چلنے پھرنے کی تلقین اور اُمم سابقہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

اس کے بعد فرمایا: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (الآیۃ) کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا تا کہ پرانے لوگوں کے احوال سے عبرت حاصل کرتے' ان سے پہلے جو لوگ تھے وہ ان سے زیادہ قوت والے تھے انہوں نے زمین کو جوتا اور بویا بیج ڈالا اور اس کی پیداوار کو اپنے تصرف میں لائے' نیز کھیتی باڑی کے علاوہ بھی انہوں نے زمین کو آباد کیا' اپنے مکانات بنائے' قلعے تعمیر کئے' باغات لگائے' نہریں جاری کیں' اور بہت کچھ کیا لیکن وہ اس سب کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اللہ

تعالیٰ جل شانہ نے اپنے رسول بھیجے جوان کے پاس دعوت حق لے کر آئے لیکن ان لوگوں نے نہیں مانا' بالآخر فنا کے گھاٹ اتر گئے' ان کے قلعوں اور محلات کے کھنڈرات ابھی تک دنیا میں موجود ہیں' دیکھنے والے انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جوان کو ہلاک فرمایا اس کا سبب ان کا اپنا ظلم تھا' وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے' انہوں نے اپنے خالق کو نہیں مانا' اسکے رسولوں کو جھٹلایا' معجزات سامنے آنے پر بھی برابر کفر پر اڑے رہے' ان کے اعمال ہی ان کی بربادی کا سبب بنے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ (الآیۃ) پھر دنیاوی ہلاکت کے بعد موت کے بعد بھی برے کاموں میں لگنے والوں کا برا انجام ہوگا' کیونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا ہی نہیں ان کا مذاق بھی اڑایا' ان کے اپنے اعمال ہی موت کے بعد عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئے' قولہٗ تعالیٰ: ثم كان عاقبة الّذين اسآء وا بنصب "العاقبة" واضافته الى الموصول ونصبها علیٰ انها خبر كان وقوله تعالیٰ: "السوءٰ" تانيث الاسوء كالحسنیٰ تانيث الاحسن' وهي مرفوعة علیٰ انها اسم كانَ وهذا علیٰ قرأة حفص ومن وافقه وقرء الحرميان وأبو عمرو "عاقبة" بالرفع علیٰ انه اسم كانَ و"السوءَ" بالنصب على الخبرية. (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى عاقبہ کی نصب کے ساتھ ہے اور موصول کی طرف مضاف ہے اور یہ منصوب اس لئے ہے کہ یہ کان کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول اَلسُّوْٓءٰ یہ اَلْاَسْوَءُ کی تانیث ہے جیسے اَلْحُسْنٰى اَلْاَحْسَنُ کی تانیث ہے اور یہ اَلسُّوْءُ مرفوع ہے اس لئے کہ یہ كَانَ کا اسم ہے اور امام حفص اور ان کے موافقین کی قراءت کے مطابق ہے اہل حرم اور ابو عمر نے عاقبہ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنیاد پر کہ یہ كَانَ کا اسم ہے اور اَلسُّوْٓءَ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے کہ یہ کان کی خبر ہے)

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

اللہ مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا فرمائے گا' پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

ناامید ہو کر رہ جائیں گے اور ان کے شرکاء میں سے کوئی بھی سفارش کرنے والا نہ ہوگا اور وہ اپنے شرکاء کے منکر ہوں گے' اور جس دن

يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

قیامت قائم ہوگی اُس دن لوگ متفرق حالتوں میں ہوں گے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ باغ میں مسرور ہوں گے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا' سو یہ لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا

سو تم اللہ کی تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت' اور اسی کے لئے سب تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور دن کے پچھلے اوقات میں

وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ

اور دوپہر کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو۔ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

بعد زندگی بخشتا ہے اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔

قیامت کے دن مختلف جماعتیں ہونگی، مؤمنین باغوں میں مسرور ہونگے، مجرمین بدحال ہونگے

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر جب سب مر جائیں گے تو دوبارہ زندہ فرما دے گا اور یہ دوبارہ زندہ ہونا قیامت کے دن ہوگا، مرنے والے زندہ ہو کر اس دن حساب کتاب کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس کے بعد مجرمین کی حالت بیان فرمائی کہ جب قیامت قائم ہوگی تو وہ نا امید ہو جائیں گے، ان مجرموں میں مشرک بھی ہوں گے جنہوں نے دنیا میں مخلوق کو عبادت میں اللہ کا شریک بنا رکھا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لئے سفارش کریں گے ان میں سے کوئی بھی ان کی سفارش نہیں کرے گا نہ کر سکے گا بلکہ شفاعت کے امیدوار خود ہی منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم تو مشرک تھے ہی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن حاضر ہونے والے مختلف حالتوں میں ہوں گے، اہل ایمان کی حالت اہل کفر کی حالت سے مختلف ہوگی، جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ تو بہشت کے باغوں میں مسرور اور خوش و خرم ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور قیامت کے دن کی ملاقات کو نہ مانا، یہ لوگ عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے۔

صبح و شام اور دن کے پچھلے اوقات میں اللہ کی تسبیح کرنے کا حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا کہ شام کے وقت اور صبح کے وقت اور دن کے پچھلے اوقات میں اور ظہر کے وقت اللہ کی پاکی بیان کرو، اوقات مذکورہ میں اللہ کی تسبیح اور تنزیہ بیان کرنے کا حکم دیتے ہوئے درمیان میں یہ بھی فرما دیا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے، یعنی آسمانوں میں فرشتے اور زمین میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہیں اور جو لوگ اہل کفر ہیں ان کا وجود ہی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے کے لئے کافی ہے گو زبان سے اس کی حمد بیان نہ کرتے ہوں، (ملاحظہ ہو انوار البیان جلد ۵ ص ۳۸۸) جیسا کہ سورۃ النور میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں، ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا

ہے) یوں تو ہر وقت ہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید میں مشغول رہنا چاہئے لیکن چونکہ یہ اوقات تجدد نعمت اور آثار قدرت ظاہر ہونے کے خصوصی اوقات ہیں اس لئے ان میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔ صاحب روح المعانی جلد ۲۱ ص ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید میں پانچ نمازوں کا کس جگہ ذکر ہے؟ تو انہوں نے یہ آیت پڑھ کر بتایا کہ تُمْسُوْنَ سے مغرب کی نماز' اور تُصْبِحُوْنَ سے صبح کی نماز' اور عَشِیًّا سے عصر کی نماز تُظْهِرُوْنَ سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ اس طرح آیت شریفہ میں چار نمازوں کا ذکر آ گیا اور پانچویں نماز ثابت کرنے کے لئے انہوں نے سورۃ النور کی ایک آیت کا یہ حصہ پڑھ دیا: وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لفظ تُمْسُوْنَ ہی سے مغرب اور عشاء دونوں مراد ہیں' اور اسی آیت سے پانچوں نمازوں کو ثابت کر دیا۔ نماز چونکہ افضل الاعمال ہے اور سراپا اللہ کے ذکر پر مشتمل ہے اس لئے ان اوقات میں عام ذکر کے علاوہ فرض نمازوں کا اہتمام کرنے کا بھی خصوصیت کے ساتھ حکم فرمایا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں' جس نے ان نمازوں کو اچھی طرح ادا کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور ان کا رکوع اور سجدہ پورا کیا ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اس کی مغفرت فرما دے گا' اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے تو اس کی مغفرت فرما دے اور چاہے تو اسے عذاب دے (رواہ احمد وابو داؤد کما فی المشکوٰۃ ص۵۸) لفظ "عشی" عربی زبان میں زوال سے لے کر غروب آفتاب کے لئے بولا جاتا ہے' جس کا ترجمہ ہم نے "دن کے پچھلے اوقات" کیا ہے۔ آیت شریف میں یہ لفظ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ سے پہلے آیا ہے اور اس سے عصر کا وقت مراد لیا ہے۔

بعض اکابر نے اس میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ نماز عصر چونکہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے خاص تاکید وارد ہوئی ہے اور چونکہ یہ وقت عموماً کاروبار کا ہوتا ہے اور اس میں مشغولیت کی وجہ سے نماز کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں (جیسا کہ بازاروں میں دیکھا جاتا ہے کہ عام حالات میں نمازوں کا اہتمام کرنے والے بھی نماز کو چھوڑ بیٹھتے ہیں) اس لئے اس کا ذکر مقدم فرمایا۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ (الآیۃ)۔ (اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ جاندار کو مردہ سے اور مردہ کو جاندار سے نکالتا ہے۔ مفسرین نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ مردہ سے نطفہ مراد ہے جو بے جان ہے' اور بعض حضرات نے اس کی مثال بچہ اور انڈے سے دی ہے کہ چوزے کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے نکالتا ہے۔ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرماتا ہے) یعنی جب زمین خشک ہو کر مردہ ہو جاتی ہے اس میں ایسی جان ہی نہیں رہتی جس سے کھیتی اور گھاس وغیرہ پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو زندہ فرماتا ہے وہ تروتازہ اور شاداب ہو جاتی ہے' اس میں سے کھیتیاں نکل کر لہلہانے لگتی ہیں۔ آخر میں فرمایا: وَکَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ۔ (اور تم بھی اسی طرح نکالے جاؤ گے) یعنی قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھو گے۔ موت کے بعد زندہ ہونے کی یہ نشانی تمہارے سامنے ہے پھر بھی قیامت کا انکار کرتے ہو اور قیامت کے دن زندہ اٹھنے کو نہیں مانتے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کو یہ تین

آیات (فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ سے وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ تک) پڑھ لے اس کا جو ورد چھوٹ جائے گا اس کا ثواب پالے گا اور جو شخص یہ آیات شام کو پڑھ لے اس رات کو جو اس کا ورد چھوٹ جائے گا اس کا ثواب پالے گا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا پھر اچانک تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے

لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس آرام کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا فرما دی اس میں

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ

ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں کا پیدا فرمانا اور تمہاری بولیوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ

بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات میں اور دن میں اور تمہارا تلاش کرنا ہے

مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا

اس کے فضل کو، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر ہوتا ہے

وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور اُمید بھی اور وہ آسمان سے پانی اُتارتا ہے پھر اس کے ذریعہ زمین کو زندہ فرما دیتا ہے اس کی موت کے بعد، بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ

جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تم کو پکار کر

مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ

زمین سے بلائے گا تو تم اُسی وقت نکل پڑو گے۔ اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ اور وہی

الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ

ہے جو مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور وہ اس پر زیادہ آسان ہے اور اسی کیلئے شان اعلیٰ ہے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

اور زمین میں اور وہ عزت والا ہے حکمت والا ہے

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر اور توحید کے دلائل

تفسیر: یہ پوری آٹھ آیات کا ترجمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق اور مخلوقات میں تصرف فرمانے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور تصرفات بیان فرماتے ہوئے بار بار یوں فرمایا ہے کہ اس میں نشانیاں ہیں' یہ بات چار جگہ فرمائی ہے۔ اوّلاً: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ اور ثانیا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ اور ثالثا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ اور رابعًا: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ فرمایا ہے' درحقیقت ان آیات میں جن مظاہر قدرت کو بیان فرمایا ہے' ان میں غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق اور صفتِ ربوبیت و اُلوہیت اور اس کا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہونا پوری طرح سمجھ میں آ جاتا ہے۔ آخری تین آیتوں میں قیامت کے دن دوبارہ پیدا فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے' اور یہ فرمایا کہ جس نے ابتداءً تخلیق فرمائی وہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا۔

اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے تم لوگ اُنہیں کی نسل سے ہو' سورۂ نساء میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً (اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے خوب زیادہ مرد وعورت پھیلائے) نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (ایک جان) سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں' ان کی تخلیق مٹی سے تھی لہٰذا سب انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی۔ اسی لئے یہاں سورۂ روم میں خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ فرمایا' حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے ان کا جوڑا پیدا کیا یعنی حضرت حوا علیہا السلام وجود میں آئیں' پھر دونوں میاں بیوی سے نسل چلی' نسلیں چلتی ہیں مرد وعورت پیدا ہوتے ہیں' تدریجی طور پر نشو ونما ہوتی ہے' ہوش سنبھالتے ہیں' جسم میں قوت آتی ہے اپنی حاجات اور ضروریات کے لئے زمین میں پھیل پڑتے ہیں' مٹی جو بالکل بے جان چیز تھی' اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلہ بنایا پھر اس میں جان ڈال دی' اس طرح سب سے پہلے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اس کے بعد برابر مادہ منویہ سے تخلیق ہو رہی ہے۔ جس نے بے جان مٹی میں جان ڈال دی اور بے جان مادہ سے جاندار کو پیدا فرما دیا۔ اُسے قدرت ہے کہ وہ موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا فرما دے' جبکہ مٹی میں رَل مِل چکے ہوں گے۔

پہلے رکوع کے ختم پر جو وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ فرمایا تھا اس کی مزید تفہیم اس رکوع کی پہلی آیت میں فرما دی۔

دوم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑے پیدا فرما دیئے جو تم ہی میں سے ہیں یعنی عورت مرد جو آپس میں شرعی نکاح کے ذریعہ زوجین بن جاتے ہیں' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ اگر وہ بیویاں پیدا نہ فرماتا تو انسان کو زندگی گذارنا دوبھر ہو جاتا۔ بیویوں کے تذکرہ میں جو خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورتیں جو تمہاری بیویاں ہیں یہ تمہاری ہی جنس سے ہیں' اگر یہ ہم جنس نہ ہوتیں تو اُلفت واُلفت کے ساتھ زندگی نہ گذرتی' اسی لئے لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا بھی فرمایا' مطلب یہ ہے کہ ان بیویوں کی تخلیق تمہارے لئے ہے تاکہ تم اُن کے پاس جاؤ اور اُن سے تمہیں سکون حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی وہ ہونی چاہئے جس کے پاس جانے اور رہنے اور زندگی گذارنے سے سکون اور چین نصیب ہو۔ جب

ا مشکوٰۃ المصابیح ص۲۶۸

میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے آرام وراحت کا خیال رکھتے ہیں تو اچھی طرح زندگی گذرتی ہے' جن عورتوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ نافرمانی کرتی ہیں' بات بات میں لڑتی جھگڑتی ہیں وہ مرد کے لئے وبال بن جاتی ہیں۔

مزید فرمایا: وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمادی) یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ میاں بیوی میں ایسا تعلق پیدا فرمادیتا ہے کہ صرف شرعی قانونی ہی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے دل میں اُلفت بھی پیدا فرمادیتا ہے اور رحمت بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے چاہنے والے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد اور رحمت کا برتاؤ کرنے والے بن جاتے ہیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ شوہر کہاں کا بیوی کہاں کی' جب نکاح ہوجاتا ہے تو ایک دوسرے میں بے مثال محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ[1] (کہ اے مخاطب دو محبت کرنے والوں میں نکاح سے بڑھ کر تو نے کوئی چیز نہیں دیکھی) چونکہ نکاح والی زندگی شرعی زندگی ہے اور اس میں جذباتِ نفسانیہ کی تسکین کے علاوہ ایک دوسرے کے ساتھ نباہنے کے جذبات بھی ہوتے ہیں اور عموماً زندگی بھر ساتھ رہنے کی نیت ہوتی ہے اس لئے مؤمن مرد اور عورت آپس میں میل ومحبت سے رہنے ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور آپس میں اونچ نیچ کو نباہتے ہوئے زندگی گذارتے رہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ مَوَدَّةً کا تعلق جوانی کے زمانہ سے ہے جس میں دونوں کی خواہشات آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور رَحْمَةً کا تعلق بڑھاپے سے ہے جب جذباتِ شہوانیہ ختم ہو جاتے ہیں تو آپس میں صرف رحمت ہی کا تعلق رہ جاتا ہے اور طبعی طور پر ایک دوسرے پر رحم کھاتے ہیں کہ جس کے ساتھ اتنی لمبی زندگی گذاری ہے اُس کے اعزار اور امراض کے زمانہ میں خدمت کرنا چاہئے اور اس کے کام آنا چاہئے۔ نکاح سے پہلے بھی یہ دیکھ لینا ہے کہ عورت میل ومحبت کے ساتھ رہنے والی ہے یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ (ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کے ساتھ گذارہ کرنے والی ہو اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری اُمتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا)[1] (عورت کے خاندان کی عورتوں کے احوال جاننے سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ خاندان کثیر الاولاد ہے کہ نہیں)

نکاح کے برخلاف جو نفسانی تعلق مردوں اور عورتوں میں پیدا ہو جاتا ہے' جس کا مظاہرہ زنا کاری کی صورت میں ہوتا ہے' اس سے آپس میں محبت پیدا نہیں ہوتی' ایک نفسانی اور مطلب برآری کا تعلق ہوتا ہے یہ تعلق کتار ہتا ہے' جہاں جس سے مطلب نکلتا دیکھا اُسی سے جوڑ لگالیا پھر جب جی چاہا تعلق توڑ دیا۔ جیسا کہ انگلینڈ میں اس کا عام مزاج اور رواج بن گیا ہے وہاں زنا کار مرد اور عورت جو آپس میں دوست (فرینڈ) بنتے ہیں وہ جھوٹی دوستی ہوتی ہے' آپس میں محبت اور رحمت کے وہ جذبات نہیں ہوتے جو شرعی نکاح کی وجہ سے دلوں میں رچ بچ جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مؤمن بندہ کو خوفِ خدا کی نعمت حاصل ہونے کے بعد نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت حاصل نہیں ہوئی' اگر اس بیوی کو حکم دے تو فرمانبرداری کرے اور اس کی طرف دیکھے تو اُسے خوش کرے اور اگر وہ اس سے متعلق کوئی قسم کھا بیٹھے تو اُسے قسم میں سچا کردے (ایسا معاملہ نہ کرے جس سے اُس کی قسم ٹوٹ جائے) اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اپنی جان میں اور اس کے مال میں اس کی خیر خواہی کرے[2] (یعنی اس کی خیانت نہ کرے) مرد کو بھی

[1] رواہ ابو داؤد والنسائی کما فی المشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۸ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۸

چاہئے کہ نباہنے اور آرام پہنچانے کی فکر رکھے اگر کوئی بات ناگوار ہو تو اُسے ٹال دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مومن مرد اپنی مومن بیوی سے بغض نہ رکھے اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔ (رواہ مسلم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (بلاشبہ ان میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں) یعنی میاں بیوی کے مذکورہ تعلق کے مختلف پہلوؤں پر اور ان سے حاصل ہونے والے دینی اور دنیاوی مقاصد پر نظر کی جائے تو پہلے سے نشانیاں سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

سوم آسمان اور زمین کی تخلیق کا اور **چہارم** انسانوں کی بولیوں اور رنگتوں کا تذکرہ فرمایا' اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق کا دیگر آیات میں بھی تذکرہ ہے' ان دونوں کا وجود سب کے سامنے عیاں ہے' ظاہر ہے' آسمان اور زمین بڑی چیزیں ہیں' بنی آدم آسمان کے نیچے رہتے ہیں' زمین کے فرش پر بستے ہیں۔ انسانوں کی زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا مظاہرہ ہے' انسانوں کو بولنے کی صفت سے متصف فرمانا اور اُسے الفاظ و کلمات سکھانا اور بات کرنے کی قوت اور استعداد عطا فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس میں قدرتِ الٰہیہ کا مظاہرہ بھی ہے' جس کسی کو گونگا بنا دیا وہ بول نہیں سکتا اور جس کسی کو بولنے کی قوت دی ہے وہ حروف اور کلمات کی ادائیگی میں خود مختار نہیں' حروف کے جو مخارج اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں انسان اُنہی مخارج سے حروف ادا کرنے پر مجبور ہے۔ ب دونوں ہونٹوں کے ملنے سے ادا ہوتی ہے اور میم کا مخرج بھی یہی ہے لیکن ب بَرّی ہے اور میم بحری ہے (اسے اصحاب تجوید جانتے ہیں) ایک کو دوسرے کی جگہ سے ادا نہیں کر سکتے' جب ب اور میم کا یہ حال ہے جو بہت زیادہ قریب المخرج ہیں (بلکہ دونوں کا مخرج ایک ہی بتایا جاتا ہے تو ب کو جیم کے مخرج سے اور جیم کو ح کے مخرج سے کیسے ادا کر سکتے ہیں)

پھر اللہ تعالیٰ نے جو قوت گویائی عطا فرمائی ہے یہ مختلف لغات میں اور بے شمار بولیوں میں بٹی ہوئی ہیں' مشرق سے مغرب تک اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کتنی زبانیں ہیں' ہر زبان کے لغات علیحدہ ہیں' طرز تکلم مختلف ہے' کسی زبان میں مضاف الیہ پہلے بولا جاتا ہے اور کسی زبان میں مضاف پہلے ہوتا ہے' بعض زبانوں میں مذکر مؤنث کے لئے ایک ہی فعل ہے (مثلاً فارسی میں) اور بعض زبانوں میں تثنیہ کا صیغہ الگ ہے اور جمع کا صیغہ اس سے مختلف ہے' بعض زبانوں میں وہ حروف ہیں جو دوسری زبانوں میں نہیں ہیں مثلاً ص اور ظ اور ق اور ذ اور ث عربی زبان میں ہیں اور کھ اور گھ ہندی زبان میں ہیں جو دوسری زبانوں میں نہیں ہیں' اور برمی زبان میں را نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو حرف جس زبان کا ہے اس کے علاوہ دوسری زبان والے آدمی کو اس کا بولنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بہت سے لوگ محنت کرنے پر بھی نہیں بول سکتے۔ ان امور کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے' یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی مظاہرہ ہے اور اس کی نعمت کا بھی اور انسانوں کے عاجز ہونے کا بھی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ کلمات اور لغات تو مختلف ہیں ہی لب و لہجہ بھی مختلف ہے' آوازیں بھی مختلف ہیں' مختلف علاقوں کے لوگ مختلف لب و لہجہ میں بات کرتے ہیں' بات سننے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں علاقہ کا آدمی ہے یا فلاں نسب و نسل سے تعلق رکھتا ہے' پھر مردوں کی آواز الگ اور عورتوں کی آواز جدا' بچوں کی آواز علیحدہ' پھر ہر فرد ہر شخص کی

آواز علیحدہ، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔

زبانوں کا اختلاف بیان فرمانے کے بعد رنگتوں کا اختلاف بیان فرمایا، سارے انسانوں کی صورتیں اس اعتبار سے تو ایک ہی ہیں کہ ہر شخص کے چہرہ پر ناک ہے اور ناک کے اوپر دو آنکھیں ہیں اور ناک کے نیچے منہ ہے اور اس کے اندر دانت ہیں جو ہونٹوں کے کھولنے سے نظر آتے ہیں، لیکن صورتوں میں اتنا اختلاف ہے کہ نسب و نسل کے اعتبار سے بھی صورتیں مختلف ہیں اور علاقوں کے اعتبار سے بھی، مردانہ صورتیں علیحدہ ہیں اور زنانہ صورتیں الگ، اور باہمی امتیاز بھی ہے، ہر شخص اور ہر فرد کی صورت جدا ہے، یہ تو ہوا صورتوں کی ہیئتوں کا اختلاف، پھر ان صورتوں کا مزید اختلاف رنگوں کے اعتبار سے بھی ہے، کسی کا رنگ کالا ہے کسی کا گورا ہے، پھر ان میں بھی تفاوت ہے۔ یہ الوان و اشکال کا فرق صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

پنجم اور **ششم**: السنہ اور الوان کی نعمت کا تذکرہ فرمانے کے بعد انسانوں کے سونے اور رزق تلاش کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسانوں کا سونا اور سونے کے لئے مجبور ہونا اور نیند کا آ جانا اور آرام پانا جو عموماً رات کو ہوتا ہے اور بہت سے افراد دن میں بھی سو جاتے ہیں خاص کر جنہیں قیلولہ کی عادت ہوتی ہے، یہ سونا اور آرام پانا سب اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی نشانی بھی، انسان بعض مرتبہ سونا نہیں چاہتا لیکن نیند کا غلبہ اسے سلا ہی دیتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سونے کی نیت سے لیٹا، دماغ تھکا ہوا ہے، جسم تھکن سے بے جان ہو رہا ہے آنکھیں میچتا ہے، کروٹیں بدلتا ہے، پوری رات گذر جاتی ہے لیکن نیند نہیں آتی، اللہ تعالیٰ ہی چاہتا ہے تو سلا دیتا ہے اور وہی چاہتا ہے تو جگا دیتا ہے۔ اسی لئے تو سو کر اٹھنے کی دعا میں دونوں نعمتوں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، اور نیند چونکہ موت کی بہن ہے اس لئے اسے موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سو کر اٹھنے کی دعا یہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں موت دے کر زندگی بخش دی اور اسی کی طرف زندہ ہو کر قبروں سے نکل کر جانا ہے) کیونکہ بہت سے لوگ رات میں بھی کسب کرتے ہیں اور رزق تلاش کرتے ہیں اس لئے مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ فرمایا۔ جس طرح دن میں بھی سونا ہو جاتا ہے گو عمومی طور پر سونے کے لئے رات ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اسی طرح رات میں بھی تحصیل رزق کی صورتیں بن جاتی ہیں، الفاظ کے عموم نے دو باتیں بنا دی ہیں۔

دن کا نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور رزق تلاش کرنے کے قابل ہونا بھی اس کا انعام ہے، اور ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، آدمی نہ سونے میں مختار ہے نہ جاگنے میں نہ رزق کمانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں، اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت کا ارادہ ہو تو یہ سب چیزیں وجود میں آتی ہیں، آخر میں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں)

ہفتم و ہشتم: بجلی کے چمکنے اور آسمان سے پانی نازل فرمانے اور اس کے ذریعہ زمین کو زندہ فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ جب بجلی چمکتی ہے تو انسان ڈرتے بھی ہیں اور بارش ہونے کی امید بھی رکھتے ہیں، کیونکہ عام طور پر بجلی چمکنے کے بعد بارش ہو جاتی ہے اور جب بارش ہو جاتی ہے تو مردہ زمین میں زندگی آ جاتی ہے، زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، عقلمندوں کو چاہئے کہ اس میں غور کریں اور سوچیں، بجلی چمکی،

خوف وہراس طاری ہوا بارش کی امید بندھی پانی برسا زمین سرسبز ہوئی یہ سب کیسے ہوا؟ کس کی قدرت سے ہوا؟ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں) اگر غور کریں گے تو یہی سمجھ میں آئے گا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت اور ارادہ سے ہوا۔

نہم اور دہم : یہ فرمایا کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ تین آیات پہلے آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے کا تذکرہ تھا اور اس آیت کریمہ میں آسمان اور زمین کی بقا کا تذکرہ ہے جب تک ان کے باقی رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اس وقت تک باقی رہیں گے اور جب قیامت کے دن ان کا حال بدلنے کا ارادہ ہوگا تو اس وقت ان کی حالت بدل جائے گی آسمان پھٹ پڑیں گے اور زمین میں زلزلہ آجائے گا آسمان کو اپنی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر قائم رکھنا اور زمین کو اس کی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر باقی رکھنا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے اس میں کسی اور کا کچھ بھی کوئی دخل نہیں۔ سورۂ فاطر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (بلاشبہ اللہ آسمان اور زمین کو اس سے روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹیں تو اس کے علاوہ کوئی بھی انہیں روکنے والا نہیں ہے)

یہ آسمان قائم ہے اس کے نیچے جیتے لوگ ہیں زمین کے اوپر بستے ہیں اس کے بقا کی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مدت مقرر ہے وہ جب تک اس دنیا کو باقی رکھے گا باقی رہے گی جب فنا کرنا چاہے گا فنا ہو جائے گی صور پھونکا جائے گا اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہوگا قبروں سے نکل کھڑے ہونگے اور حساب کے میدان میں جمع ہو جائیں گے اسی کو فرمایا: ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (پھر جب وہ تمہیں بلائے گا زمین سے اچانک تم نکل آؤ گے) پھر فرمایا: وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے اور سب اس کے حکم کے تابع ہیں تکوینی طور پر وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے)

آخری آیت میں ابتداء اور اعادہ کا تذکرہ فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ (اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا) وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (اور اسے دوبارہ پیدا فرمانا پہلی بار پیدا فرمانے کے بہ نسبت زیادہ آسان ہے) یہ لوگوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کیونکہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ کسی چیز کا دوبارہ وجود میں لانے کے اعتبار سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اسی لئے حدیث قدسی میں فرمایا: فامّا تکذیبه ایای فقوله لن یعیدنی کما بدأنی وَلَیْسَ اوّل الخلق باهون عَلَیَّ من اعادتِهٖ (ابن آدم یوں کہہ کر مجھے جھٹلاتا ہے کہ اللہ نے جو پہلی بار مجھے پیدا کیا تھا اس کے بعد مجھے دوبارہ ہرگز پیدا نہ فرمائے گا حالانکہ میرے لئے پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے) یعنی جو قدرت ابتداءً پیدا کرنے پر ہے وہی دوبارہ پیدا کرنے پر ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں (رواہ البخاری) هٰذا اذا اُرید باهون مَا یَدُل علیه اسم التفضیل. (قال صاحب الرّوح وروی الزّجاج عن أبی عبیدة و کثیر من اهل اللغه ان (اهون) هٰهُنَا بمعنی هین وروی ذٰلک عن ابن عبّاس والرّبیع و کذا هو فی مصحف عبدالله۔ (یہ اس وقت ہے جبکہ یہاں اَهْوَنَ کو اسم تفضیل کا صیغہ سمجھا جائے تفسیر روح المعانی والے کہتے ہیں زجاج نے ابوعبیدہ اور بہت سارے اہل لغۃ سے روایت کیا ہے کہ یہاں اَهْوَن هَیِّنٌ کے معنی میں ہے اور یہی بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ربیع

سے بھی مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی اسی طرح تھا)

پھر فرمایا وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے) یعنی آسمان اور زمین کے رہنے والے جانتے ہیں اور اس کا یہ وصف بیان کرتے ہیں کہ اس کی شان سب سے اعلیٰ وارفع ہے وہ صفات کمال سے متصف ہے اس کی صفت قدرت بھی عام ہے اور حکمت بھی تام ہے قال صاحب الرّوح فِي السّمٰوٰت والارض متعلق بمضمون الجملة المتقدمة علىٰ معنى انه سبحانه وقد وصف بذٰلك وعرف به فيهما علىٰ اَلْسِنَة الخلائق والسنة الدلائل: (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پچھلے جملہ کے مضمون سے متعلق ہے اس معنی میں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان صفات کے آسمانوں اور زمینوں میں اسی وصف کے ساتھ جانا پہچانا جاتا ہے مخلوقات کی زبانوں پر بھی یہی ہے اور دلائل کی زبان سے بھی) وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور وہ عزت اور غلبہ والا ہے اس کی بڑی قدرت ہے اور وہ حکمت والا بھی ہے) قیامت واقع کرنے اور دوبارہ پیدا فرمانے میں جو تاخیر ہے وہ اس کی حکمت ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ
اللہ نے تمہارے لئے ایک مثال بیان فرمائی جو تمہارے نفسوں کے اندر سے ہے، جن کے تم مالک ہو کیا ان میں سے کوئی اس مال میں شریک ہے
مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
جو ہم نے تمہیں دیا کہ وہ اور تم اس میں برابر ہو تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جیسا اپنے نفسوں سے ڈرتے ہو ہم اسی طرح آیات کو بیان کرتے ہیں
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ
اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ بغیر علم کے اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں سو جسے اللہ گمراہ کردے
مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝
اُسے کون ہدایت دے گا اور کوئی بھی اُن کے لئے مددگار نہ ہوگا۔

ایک خاص مثال سے شرک کی تردید اور توحید کا اثبات

تفسیر: مشرکین جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو شریک کرتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر ایک سوال فرمایا اور وہ یہ کہ تم لوگوں کو ہم نے مال دیا ہے اس مال میں تمہارے غلام اور باندیاں بھی ہیں، تم ان کے مالک ہو۔ مال تو تمہارے پاس غلام باندیوں کے علاوہ بھی ہے لیکن غلاموں اور باندیوں کے پاس سمجھ ہے کیونکہ وہ انسان ہیں ان سے تم خدمت لیتے ہو دوسرے مال کے اُٹھانے اور رکھنے اور خرچ کرنے میں انہیں استعمال کرتے ہو ان غلاموں اور باندیوں سے کام تو لیتے ہو لیکن تم نے انہیں اپنے مالوں میں شریک تو نہیں کیا؟ اگر تم انہیں اپنے مالوں میں شریک کر لیتے تو یہ بھی اختیارات میں تمہارے برابر ہو جاتے اور تم سے پوچھے بغیر خرچ کرتے اور جب وہ شریک ہو جاتے تو تم اُن سے اسی

طرح خوف کھاتے جیسے اپنے شرکاء سے اعتراض کا اندیشہ رکھتے ہو اور انہیں خوش کر کے چلتے ہو اور باوجود اپنی ذاتی شرکت کے اپنے شرکاء سے دریافت کر کے اور مشورہ لے کر تصرف کرتے ہو۔

جب تمہارے غلام تمہارے مالوں میں اور مال خرچ کرنے کے اختیار میں شریک نہیں جو تمہاری طرح کی مخلوق ہیں تو وہ جو تم نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں اُن کو تم اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاص یعنی معبودیت میں شریک کرتے ہو؟ وہ تو اللہ کی مخلوق ہیں، اپنے مالوں میں تو تم اپنے غلاموں کو شریک کرنے کو تیار نہیں اور عبادت میں تم نے مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک کر دیا، یہ کیسی بھونڈی بات ہے اور اُلٹی سمجھ ہے۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (جو لوگ سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کو کام میں لاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے لئے واضح طور پر آیات بیان کرتے ہیں) بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ (الآیۃ) جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، آیات میں غور نہ کیا یہ لوگ بغیر علم کے جہالت کے ساتھ اپنی اھواء یعنی نفس کی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، جو جی میں آیا اُسی کو معبود بنا لیا، حق اور حقیقت کی طرف متوجہ نہ ہوئے، جب گمراہی کو قصداً اور ارادۃً اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں گمراہی میں چھوڑ دیا۔ سو وہ کون ہے جو اُسے ہدایت دے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا۔ جب اس گمراہی پر عذاب ہونے لگے گا تو کوئی بھی مددگار اور عذاب سے چھڑانے والا نہ ملے گا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ

آپ ایک طرف ہو کر اسی دین کی طرف اپنا رُخ رکھئے، اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کیجئے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، اللہ کی

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ۙ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا

تخلیق میں تبدیل نہیں ہے یہ دین قیم ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی فطرت کا اتباع کرو اور اس سے ڈرو

الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ

اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف گروہ ہو گئے ہر گروہ

بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا

تفسیر: یہ ماقبل کے مضمون پر تفریع ہے بظاہر آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے لیکن مخاطب سب ہی انسان ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب شرک کی مذمت سامنے آ گئی تو جو لوگ موحد ہیں صحیح راستہ پر ہیں وہ سیدھے راستہ پر ہی قائم رہیں اور اپنا رُخ دین قیم کی طرف رکھیں اور برابر اسی پر جمے رہیں اور تمام دینوں سے ہٹ کر یکسو ہو کر اسی دین میں لگے رہیں جو دین اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے یعنی دین توحید جس پر اُس نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے، اور جو لوگ کافر و مشرک ہیں وہ بھی اسی دین پر آ جائیں۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دین اسلام مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دین اسلام قبول کرنے کی قابلیت مراد ہے ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی (آتش پرست) بنا دیتے ہیں جیسا کہ چوپایہ کا بچہ بالکل صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں دیکھتے ہو کہ اس کا کوئی حصہ کٹا ہوا ہو؟ اس کے بعد آپ نے یہی آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ تلاوت فرمائی۔ (رواہ البخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں قبول حق کی صلاحیت اور قابلیت رکھی ہے یہ قابلیت ہوش اختیار کرنے سے لے کر بوڑھا ہو کر مرنے تک باقی رہتی ہے۔ اگر انسان اپنے ماں باپ یا معاشرہ کے ماحول میں کافر و مشرک ہو گیا ہوا گر وہ پھر اپنی عقل کو کام میں لائے اور کسی دنیاوی رکاوٹ سے متاثر نہ ہو تو وہ ضرور حق کو قبول کرلے گا اور دین حق پر آجائے گا۔

مندرجہ بالا تشریح سے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جو انسان میں دین حق پر غور کرنے کی استعداد رکھی ہے وہ نہیں بدلتی۔ کیسا ہی کافر یا مشرک ہو اگر اپنی عقل سے لے گا اور غور و فکر کرے گا تو اسے دین اسلام قبول کرنے کی طرف توجہ ہو ہی جائے گی اگر غور و فکر کی طرف متوجہ نہ ہو اور حق سے اعراض کرتا رہے تو یہ دوسری بات ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کو نہی کے معنی میں لیا ہے (گو وہ بظاہر نفی ہے) اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے اگر یہ معنی لئے جائیں تو اس سے ہر اُس چیز کو ممانعت ثابت ہو گئی جس سے دینی ماحول خراب ہوتا ہو مثلاً ملحدوں اور زندیقوں کی کتابیں پڑھنا اور اُن کی مجلسوں میں اٹھنا بیٹھنا اور اُن کے درس میں جانا کیونکہ ان چیزوں سے قبول حق کی استعداد کمزور ہو جاتی ہے اور پھر انسان ملحدوں اور زندیقوں کے ہی گن گانے لگتا ہے۔ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (یہ دین قیم ہے سیدھا راستہ ہے) وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے دُور بھاگتے ہیں۔ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ (اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے فطرت کا اتباع کرو) وَاتَّقُوْهُ (اور اللہ سے ڈرو) وَأَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (اور نماز قائم کرو) وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (اور مشرکین میں سے مت ہو جاؤ) الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا (جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور جو دین اختیار کیا اُسے ٹکڑے ٹکڑے کیا) دین حق تو ہمیشہ سے ایک ہی ہے اس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے' جو لوگ اسے چھوڑتے ہیں اُن کے سامنے مختلف راہیں ہوتی ہیں' ان راہوں میں سے کسی راہ کو اختیار کر لیتے ہیں' اگر حق پر رہتے تو سب ایک راہ پر ہوتے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (ہر جماعت اُس سے خوش ہے جو اُن کے پاس ہے) حالانکہ ان باطل والوں میں سے کسی کی راہ بھی حق نہیں ہے' اور اگر اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر ہوتے تو افتراق بھی نہ ہوتا اور اللہ کے دین پر ہی خوش اور نازاں ہوتے۔

شاید یہاں کوئی یہ سوال کرے کہ مسلمانوں میں بھی تو بہت سے فرقے ہیں؟ حقیقت میں یہ فرقے اسلام سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں' اسلام سے ہٹے تو یہ فرقے بنے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی سنت کو سامنے رکھ کر چلتے ہیں سب آپس میں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں' جیسا کہ چاروں مذاہب کے مقلدین ہیں۔ جو اشخاص قرآن و

حدیث کو چھوڑتے گئے اُن کے فرقے الگ الگ بنتے گئے اگرچہ دھوکہ دینے کے لئے قرآن وحدیث کا دم بھرتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اللہ انہیں اپنی رحمت کا

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۗ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

کچھ مزہ چکھا دیتا ہے تو اچانک ان میں سے بعض لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ اس کے منکر ہو جائیں جو ہم نے انہیں دیا ہے سو مزے اُڑا لو

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً

عنقریب جان لو گے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے سو وہ ان سے اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو وہ شرک کرتے ہیں اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا

فَرِحُوْا بِهَا ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

کچھ مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کے اعمالِ بد کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو اچانک وہ نا اُمید ہو جاتے ہیں۔

رحمت اور زحمت کے بارے میں انسان کا ایک خاص مزاج

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو انسانوں کی ایک عادت کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوری توجہ کے ساتھ اُسے پکارتے ہیں کہ یہ مصیبت دور ہو جائے' یہ تو مصیبت کے وقت ان کا عمل ہوتا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کچھ رحمت سے نوازتا ہے تو اچانک اُن میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے' جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے خطاب فرمایا: فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (کہ تم مزے اُڑا لو عنقریب کفر و شرک اور ناشکری کا انجام دیکھ لو گے) یہ مضمون سورۂ عنکبوت کے ختم کے قریب بھی گذر چکا ہے۔

یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں خود ان کے نزدیک بھی ان کے باطل معبود کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں' اگر ان باطل معبودوں سے انہیں کوئی نفع ہوتا یا دُکھ درد میں کام آنے والے ہوتے تو مصیبت کے وقت میں انہیں کیوں چھوڑ دیتے اور صرف رب تعالیٰ شانہٗ ہی کی طرف کیوں متوجہ ہوتے۔ ان کی عقل خود یہ بتاتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش اور پوجا بالکل حماقت ہے' عقلی طور پر بھی باطل معبودوں کا باطل ہونا ان کی سمجھ میں آ چکا ہے' اور اس اعتبار سے بھی یہ لوگ باطل پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی سند نہیں آئی یعنی کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی' جس نے شرک کرنا بتایا ہو یا ان کے شرک کرنے کی تحسین کی ہو؟ یہ لوگ ہر اعتبار سے گمراہی میں ہیں۔ شرک کے درست ہونے کی نہ اُن کے پاس عقلی دلیل ہے اور نہ خالق کائنات جل مجدہٗ کی طرف سے انہیں سند ملی ہے' اسی کو فرمایا: اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا (الآیۃ)

پھر فرمایا: وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا (الآیۃ) کہ جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت چکھا دیتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے' اُن کی یہ خوشی غفلت اور مستی کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور نعمت دینے والے کو بھول جاتے ہیں

اور اُس کی نافرمانیوں میں لگ جاتے ہیں' اسی خوشی اور مستی کے بارے میں اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ فرمایا۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) یہ تو ہوا رحمت الٰہی کے ساتھ انسان کا معاملہ ہے۔ اب اس کے مزاج کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ جب اُنہیں اُن کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو نا اُمید ہو کر آس توڑ کر بیٹھے رہتے ہیں' گویا کہ اب اُن کو کوئی نعمت نہ ملے گی اور کوئی خیر نہ پہنچے گی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ رزق پھیلا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے' بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں'
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫
سو اے مخاطب تو رشتہ دار کو اس کا حق دے دے اور مسکین کو اور مسافر کو' یہ اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا
اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اور جو بڑھنے والی چیز تم دو گے تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھ جائے' سو وہ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ
اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گی اور جو بھی زکوٰۃ تم دو گے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا چاہتے ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جو بڑھانے والے ہیں' اللہ
الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ
وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا' کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے
مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾
جو اُن کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے۔

رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو دینے کا حکم اللہ کی رضا میں خرچ کرنے کی فضیلت

تفسیر: یہ چار آیات ہیں' پہلی آیت میں تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے اور رزق دینے میں وہ جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں تنگی فرما دیتا ہے' اور کھلی ہوئی بات ہے جو سب کے سامنے ہے' اہل ایمان اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں' دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو تھوڑی سی محنت سے اور بعض لوگوں کو بلا محنت ہی میراث یا ہبہ کے ذریعہ بہت زیادہ مال مل جاتا ہے' اور بعض لوگ بہت زیادہ محنت کرتے ہیں' طرح طرح کی تجارت میں ہاتھ ڈالتے ہیں' بڑی بڑی اسکیمیں سوچتے ہیں لیکن ان کا اصل مال بھی ختم ہو جاتا ہے' ایک شخص تجارت لے کر بیٹھتا ہے' تھوڑا سا مال لگاتا ہے اُس کا مال خوب زیادہ ہو جاتا ہے' یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے۔ وہ اپنی حکمت سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اس میں

دونوں فریق کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ مال والا مال کی کثرت کی وجہ سے احکامِ الٰہیہ سے غافل ہوا اور گناہوں میں لگ گیا تو امتحان میں فیل ہو گیا اور ناشکروں میں شمار ہو گیا اور جس پر رزق میں تنگی کی گئی اس پر صبر لازم ہے، جزع فزع نہ کرے، زبان سے بُرے کلمات نہ نکالے، تنگدستی کی وجہ سے احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی نہ کرے جو اس سے متعلق ہیں، کسبِ مال کے لئے حرام طریقے اختیار نہ کرے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ ذَا الْقُرْبٰی یعنی رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو اور مسکینوں کو بھی دو اور مسافروں کو بھی۔ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے صلہ رحمی کے طور پر خرچ کرنا اور نفلی صدقہ دینا مراد ہے کیونکہ سورۃ الروم مکیہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی، ان لوگوں پر اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے، اللہ کے لئے خرچ کریں گے تو یہ بہتر ہوگا، ریاکاری کے لئے خرچ نہ کریں اور جس کو مال دیں اُسے عمل سے یا قول سے تکلیف نہ پہنچائیں اور اس پر احسان نہ دھریں محض اللہ کی رضا کے لئے دیں، اللہ سے ثواب لینے کی نیت رکھیں، اسی کو فرمایا: ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ (یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں) وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں)۔

ذِوِی الْقُرْبٰی اور یَتَامٰی اور مَسَاکِیْن اور مُسَافِرِیْن پر خرچ کرنے کا ثواب کسی قدر تفصیل سے سورۂ بقرہ کی آیت شریفہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ کے ذیل میں اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کے ذیل میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ (انوار البیان جلد ۲) نیز انفاق مال کے احکام وآداب کے بارے میں سورۂ بقرہ کے رکوع (۳۶) اور (۳۷) کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔ (انوار البیان ج ۲)

تیسری آیت میں فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (تم جو کچھ بڑھنے والی چیز دو گے تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھ جائے سو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گی) پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ لفظ رِبٰوا اصل میں رِبَوٌ ہے جس کا معنی زائد چیز کا ہے، یہ فِعَلٌ کے وزن پر ہے اس کا ماضی مضارع رَبٰی يَرْبُوْا ہے۔ لغت میں تو اس کا ترجمہ یہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی بڑھنے والی چیز پھر یہ لفظ عام طور سے سود کے لئے استعمال ہونے لگا جیسا کہ سورۂ بقرہ (رکوع ۳۸) میں کئی جگہ یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مال چونکہ بڑھنے والی چیز ہے سلیقہ سے اُسے کاروبار میں لگایا جائے اور شرعی طریقہ کے مطابق خرچ کیا جائے تو اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے اس آیت بالا میں رِبٰوا سے تعبیر فرمایا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں سود لینے کی ممانعت بیان فرمائی ہے اور اس کی بے برکتی کو واضح فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی کو قرض کے طور پر مال دو گے تاکہ وہ دوسروں کے مال میں شامل ہو کر زائد مال لے کر آئے تو اگرچہ تمہارے خیال میں اس سے مال میں اضافہ ہوا لیکن اللہ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں۔ اول تو سود لینے کی نیت سے دینا ہی حرام ہے پھر جو زائد مال مل گیا وہ بھی حرام ہے اور جو بظاہر زیادہ ہوا ہے وہ تمہاری نظروں میں زیادہ ہوا ہے۔ چونکہ یہ مال حلال نہیں ہے اس لئے قانونِ شرعی میں تمہارے لئے کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ یہ زائد مال کا واپس کرنا واجب ہے پھر اگر تم نے واپس نہ کیا تو وہ بے برکت ہوگا اور حرام خوری کا گناہ اپنی جگہ پر رہا۔ یہ تفسیر آیت کریمہ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ کے مطابق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اگرچہ سود

بہت ہو جائے اس کا انجام کمی ہی کی طرف ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

سود سے جو مال جمع ہوتا ہے اس سے اسباب معیشت تو جمع ہو جاتے ہیں لیکن سکون و اطمینان سلب ہو جاتا ہے' سودی اموال ہلاک ہو جاتے ہیں' بینکوں کا دیوالیہ ہو جاتا ہے' مالوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈوب جاتے ہیں' پھر اگر کسی سود خور کا مال دنیا میں ہلاک و برباد نہ ہوا تو آخرت میں تو پوری طرح بربادی ہے ہی' وہاں تو یہ مال بالکل ہی کام نہ دے گا بلکہ دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص حرام مال کما کر صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں سے خرچ کرے گا اس میں برکت نہ ہوگی اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ میں لے جانے والا توشہ بنے گا۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۲۴۲)

مزید توضیح کے لئے سورۂ بقرہ رکوع ۳۸ کی تفصیل کا مطالعہ کر لیا جائے۔ (انوار البیان ج ۱)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں وہ بخشش اور عطیہ مراد ہے جس میں دینے والے نے یہ نیت کی ہو کہ جسے میں بخشش کر رہا ہوں وہ مجھے اس سے زائد دے گا۔ اپنے کسی عزیز قریب کو یا کسی استاذ یا شیخ کو یا کسی دوست کو جو بھی کچھ پیش کیا جائے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونی چاہئے' دوسری جانب سے مال ملنے کی نیت نہ رکھے' اگر دوسری جانب سے مال ملنے کی نیت کی تو یہ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنا نہ ہوا لہٰذا یہ مال اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا اور اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ خرچ کئے ہوئے مال کا بڑھنا اُسی مال کے ساتھ مخصوص ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے۔ آیت کے الفاظ میں جو عموم ہے اس کے اعتبار سے یہ معنی اور مفہوم مراد لینا بھی صحیح ہے' البتہ اتنی بات یاد رہے کہ ہدیہ دینے والے کو تو صرف اللہ کی رضا کے لئے دینا چاہئے لیکن جسے ہدیہ دیا گیا ہو اُسے چاہئے کہ ذہن میں رکھے کہ مجھے فلاں شخص نے ہدیہ دیا تھا پھر جب موقع دیکھے اس کا بدلہ دے دے لیکن اُسے نہ جتائے کہ یہ تمہارے ہدیہ کے بدلہ میں ہے' اور جَزَاکَ اللہ کی دعا تو اُسی وقت دیدے جب کسی نے کچھ دیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ اَعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلیجز بہٖ ومن لَّمْ یَجِدْ فلیثن فان من اثنی فَقَدْ شَکَرَ وَمَنْ کَتَمَ فَقَدْ کَفَرَ (یعنی جسے بطور بخشش کچھ دیا جائے اور اُسے مقدور ہو تو اس کا بدلہ دے دے اور جسے بدلہ دینے کا مقدور نہ ہو وہ لوگوں کے سامنے بیان کر دے کہ فلاں شخص نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے' جس نے اس کے احسان کو بیان کیا اس نے شکریہ ادا کر دیا اور جس نے پوشیدہ رکھا اُس نے ناشکری کی) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۱) یہ تو ہدیہ لینے والے کی طرف سے ہونا چاہئے اور جو شخص ہدیہ دے اُسے مال زیادہ ملنے کی اُمید تو کیا شکریہ تک کی اُمید سے غافل ہو جانا چاہئے' جیسا کہ سورۃ الدہر میں فرمایا: اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا (ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے)

رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے پھر اس کے بدلہ میں اس سے زیادہ دیتے تھے ایک اعرابی نے آپ ﷺ کو ایک جوان اونٹ ہدیۃً دیا تھا تو آپ نے اُسے چھ جوان اونٹ عطا فرمائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۱)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (اور جو بھی تم زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو تو ایسا عمل کرنے والے ہی بڑھانے والے ہیں) اس میں مفسرین نے لفظ زکوٰۃ سے صدقۂ نافلہ مراد لیا ہے (کیونکہ سورۂ روم مکیہ ہے اور زکوٰۃ بمعنی معروف مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی) چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے مال کا خرچ کرنا

نفس کے بخل سے پاک کرنے کے لئے بھی ہے اس لئے عام صدقات کو بھی زکوٰۃ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ نیک کام ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ مفروضہ کو بھی صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (کَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی : اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ) آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ تم جو کچھ بھی کوئی صدقہ اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے دو گے اس میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس اضافہ کو لفظ اَلْمُضْعِفُوْنَ سے تعبیر فرمایا۔ یہ لفظ اِضْعَاف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا مادہ ضِعْفٌ ہے۔ ضِعْف عربی میں دو گنے کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اَضْعَاف آتی ہے جب کوئی چیز بہت زیادہ بڑھ جائے اور چند در چند ہو جائے تو اُسے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَة کہا جاتا ہے۔ اس تشریح کو سامنے رکھ کر آیت کریمہ کا مطلب سمجھ لیں کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے کوئی صدقہ دے گا تو اس کا یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے اور اس کا ثواب بڑھ کر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ تو عام قانون ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (جو شخص ایک نیکی کرے اُس کے لئے دس گنا ہے) یہ قانون تو ہر نیکی کو شامل ہے اور اس سے زائد جس قدر بھی اللہ تعالیٰ چاہے بڑھا چڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے جیسے سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ میں بیان فرما دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرما لیتا ہے پھر اُسے صدقہ دینے والے کے لئے بڑھاتا رہتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا رہتا ہو یہ صدقہ جو کھجور کے برابر کیا تھا بڑھتے بڑھتے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (رواہ البخاری) جب صدقہ دینے والے کو قیامت کے روز ثواب دیا جانے لگے گا تو اُسے اس تھوڑے سے صدقہ کا اتنا بڑا ثواب ملے گا جیسے اُس نے پہاڑ کے برابر صدقہ کیا ہو۔

چوتھی آیت میں پھر توحید کی طرف متوجہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے پھر تمہیں رزق دیا اس رزق کو کھاتے پیتے ہو اور زندہ رہتے ہو پھر اس زندگی کے بعد تمہیں موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا اسی کی قدرت کے یہ سب مظاہرے ہیں اور وہی مستحق عبادت ہے وحدہٗ لاشریک ہے تم لوگوں نے جو اس کے لئے شریک بنا رکھے ہیں کیا اُن میں سے کوئی ایسا ہے جسے ان چیزوں پر قدرت ہو؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا جب اُس کے علاوہ کوئی بھی قدرت رکھنے والا نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسروں کو شریک کیوں کرتے ہو سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (وہ ان کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے)

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا

ظاہر ہو گیا فساد خشکی میں اور دریا میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے تاکہ وہ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ

لوگ باز آ جائیں آپ فرما دیجئے زمین میں چلو پھر دیکھو ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو تم سے پہلے تھے اُن میں سے

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ

اکثر مشرک تھے۔ سو اے مخاطب تو اپنا رخ دین قیم کی طرف رکھ اس دن کے آنے سے پہلے جس کیلئے اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا اس دن لوگ

مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ

جدا جدا ہو جائیں گے۔ جو شخص کفر اختیار کرے گا تو اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور جو شخص نیک کام کرے گا سو ایسے لوگ اپنی ہی جانوں کے لئے

يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

راہ ہموار کر رہے ہیں۔ تاکہ اللہ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے بلاشبہ وہ کفر اختیار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے بحر و بر میں فساد ظاہر ہو گیا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا اور اُسے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا' امتحان کے لئے اس میں خیر و شر کے اپنانے کی قوت رکھ دی' اس کے اندر ایسے جذبات ہیں جو اُسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی طرف کھینچتے ہیں اور شیطان بھی ساتھ لگا ہوا ہے وہ لوگوں کو ایمان سے اور اعمالِ صالحہ سے ہٹاتا ہے اور کفر اور شرک کی راہ پر ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ کفر اور شرک اور برے اعمال کا نتیجہ بُرا ہے' کفر اور شرک کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی اور کفر اور شرک کے علاوہ جو برے اعمال ہیں انکی سزا بھی دونوں جہاں میں مل سکتی ہے۔ انسانوں کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ عموماً برائیوں کی طرف زیادہ ڈھلتے ہیں اور یہ بُرائیاں طرح طرح کی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہیں' دنیا میں امن و امان قائم نہیں رہتا اور ایسے ایسے انقلاب آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے دُنیا مصیبتوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے۔ آیت کریمہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ خشکی (جس میں آبادیاں اور جنگل سب شامل ہیں) اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا' آپس میں قتل و خون ہوتا اور قحط آتا ہے' مہلک امراض کا عام ہو جانا' نئے نئے امراض کا پیدا ہو جانا' آندھیوں کا چلنا' کھیتوں کو کیڑوں کا کھا جانا اور زلزلوں کا آنا اور سخت سردی سے تباہ ہو جانا (جسے بعض علاقوں میں بالا مارنا کہتے ہیں) اور اس طرح کی بہت سی مصیبتوں کا ظہور ہونا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزائیں دی جاتی ہیں تاکہ بندے ہوش میں آئیں' کفر و شرک اور گناہوں کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور یہ انسانوں کے پورے اعمال کی سزا نہیں ہے بلکہ بعض اعمال کی سزا ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے: لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے) اگر تمام اعمال پر گرفت کی جائے تو زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا زندہ نہ بچے۔ سورۂ فاطر میں فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (اور اگر اللہ لوگوں کا مواخذہ فرمائے اُن کے اعمال کی وجہ سے تو زمین کی پُشت پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے اور لیکن وہ انہیں مقررہ میعاد تک مؤخر فرماتا ہے) اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ (اور جو کچھ تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اعمال کے سبب سے ہے اور اللہ بہت سے اعمال کو معاف فرما دیتا ہے)۔

زمین کے خشک حصہ میں جو فساد اور بگاڑ ہے وہ تو نظروں کے سامنے ہے' سمندر میں جو فساد ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو سمندر

میں جو سیپیاں ہیں اُن کا منہ کھل جاتا ہے اور جس سپی میں بارش کا قطرہ گرجائے وہ موتی بن جاتا ہے اور بارشیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے رُک جاتی ہیں لہٰذا موتیوں کی پیدائش بھی کم ہو جاتی ہے اور یہ موتی جو انسانوں کے کام آتے ہیں اُن سے انسان محروم ہو جاتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہدؒ (تابعی) سے یوں نقل کیا ہے کہ ظالم لوگ غریب کشتی والوں کی کشتیاں چھین لیتے تھے۔ آیت میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ (اور یہ کشتی چھیننا بطور مثال کے ہے' سمندر کی سطح پر کشتیوں اور جہازوں میں جو لوگوں پر ظلم ہوتے ہیں' ٹیکس لئے جاتے ہیں اور ملکوں کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے جو گولہ باری ہوتی ہے' جہاز تباہ ہوتے ہیں' ہر فریق کے آدمی مرتے ہیں اور سامانوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈبو دیئے جاتے ہیں' یہ سب فساد فی البحر کے ذیل میں آتا ہے)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں عمومی فساد کا ذکر ہے جب گناہوں کی وجہ سے عمومی مصیبتیں آتی ہیں تو ان کی وجہ سے مومن اور کافر' نیک اور بد حتیٰ کہ جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا کہ ایک شخص یوں کہہ رہا ہے کہ ظالم شخص صرف اپنی ہی جان کو نقصان پہنچاتا ہے' اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ دوسری مخلوق بھی اس سے متاثر ہوتی ہے یہاں تک کہ حباری (ایک پرندہ کا نام ہے) بھی اپنے گھونسلہ میں ظالم کے ظلم کی وجہ سے دُبلی ہو کر مر جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶)

جب بارش نہ ہوگی تو زمین میں پانی کی بھی کمی ہوگی۔ بارش کا پانی جو جگہ جگہ ٹھہر جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سب ہی پیتے ہیں وہ نہ ہوگا تو پیاسے مریں گے اور بارش نہ ہونیکی وجہ سے جب کھیتوں میں پیداوار نہ ہوگی تو انسان اور جانور سب ہی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں اُن تکلیفوں کا ذکر نہیں ہے جو نیک بندوں کو ان کے گناہ معاف کرنے یا درجات بلند کرنے کے لئے پیش آتی ہیں۔ ان حضرات کو آلام وامراض سے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن یہ اُن کے حق میں مفید ہوتی ہے اس لئے مصیبت نہیں رہتی۔ پھر یہ لوگ صبر کرتے ہیں اس کا بھی ثواب پاتے ہیں اور گناہوں پر متنبہ ہو کر توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' لہٰذا یہ تکلیفیں ان پر بطور قہر نہیں ہوتیں' ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مہربانی ہوتی ہے اور صبر اور توبہ واستغفار کا مستقل ثواب ملتا ہے۔

پھر فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (الآیۃ) کہ آپ اپنے مخاطبین یعنی مشرکین مکہ وغیرہم سے فرما دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو۔ تم سے پہلے جو قومیں تھیں اُن کا کیا انجام ہوا؟ ان لوگوں میں اکثر مشرک تھے' ان لوگوں کے کفر اور شرک کی وجہ سے عام عذاب آیا اور ہلاک و برباد ہوئے' اُن کے گھروں کے نشانات تمہارے سامنے ہیں' چلو پھرو' دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ اس آیت میں جو كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ ان برباد ہونے والوں میں اکثر تو مشرکین تھے اور بعض ایسے تھے جو کفر کی دوسری انواع میں مبتلا تھے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ شرک کفر کی بد ترین اقسام میں سے ہے اس کا وبال بہت بڑا ہے۔ اس کے لئے فرمایا کہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ (الآیۃ) اے مخاطب! اپنا رُخ دین قیم کی طرف رکھ یعنی توحید پر جمارہ' اس سے پہلے کہ ایسا دن آجائے یعنی اللہ کی طرف سے عذاب والا دن آجائے اور اس عذاب کو ہٹایا نہ جائے گا (اس سے قیامت کا دن مراد ہے) اس دن لوگ متفرق یعنی جدا جدا ہو

جائیں گے' نیک اعمال والے الگ اور بُرے اعمال والے الگ ہوں گے۔

پھر فرمایا: مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ (کہ جو شخص کفر کرے اس کا وبال اسی پر پڑے گا) وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ (اور جو شخص نیک کام کرے سو ایسے لوگ اپنی ہی جانوں کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں) یعنی پیشگی سامان کر رہے ہیں۔ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ (تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) اللہ تعالیٰ کے اس فضل سے کافر محروم ہوں گے' اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (بلاشبہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا) جب دنیا میں کافر اللہ کی ذات پر ایمان نہ لائے' اُس کے انعامات کا شکر یہ ادا نہ کیا اور مزید یہ کیا کہ دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کر لیا تو قیامت کے دن اس کی سزا پائیں گے' ایمان لاتے تو اللہ کے محبوب ہوتے' اب انہیں کفر کی سزا دی جائے گی اور دوزخ میں داخل ہوں گے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں تا کہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

جاری ہوں اور تا کہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو' اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

سو وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے پھر ہم نے اُن لوگوں سے انتقام لے لیا جنہوں نے جرم کئے' اور اہل ایمان کو غالب کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا

اللہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو جو اٹھاتی ہیں بادل کو' پھر وہ اس کو آسمان میں پھیلا دیتی ہیں جیسے اللہ چاہے اور وہ بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ

پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتی ہے پھر وہ اس مینہ کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے پھر

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾

وہ خوشی کرنے لگتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کہ ان پر پانی اتارا جائے نا اُمید ہو گئے تھے

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ

سو دیکھ لو اللہ کی رحمت کے آثار کو وہ کیسے زندہ فرماتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد' بلاشبہ وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

ہر چیز پر قادر ہے' اور اگر ہم اُن پر دوسری قسم کی ہوا چلا دیں پھر یہ اپنی کھیتی کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ پیلی پڑ گئی ہو سو یہ ناشکری کرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے اور بارش برساتا ہے وہی مردوں کو زندہ فرمائے گا

تفسیر: ان آیات میں اول تو ہواؤں کا ذکر فرمایا جن کے چلنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بارش آنے والی ہے' یہ ہوائیں بارش آنے سے پہلے بارش کی خوشخبری دے دیتی ہیں' پھر جب بارش ہو جاتی ہے انسان ان کے منافع سے مستفید ہوتے ہیں' ان منافع میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ بادبانی کشتیاں چلتی ہیں۔ جب ان کشتیوں میں سوار ہو کر سفر کرتے ہیں تو ان سفروں میں اللہ تعالیٰ کا رزق بھی تلاش کرتے' تجارت کے لئے بھی مال لاتے ہیں اور آل اولاد کے کھانے پینے کے لئے بھی' ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے انعامات بھی ہیں اور اس کی قدرت کے دلائل بھی ہیں' ان دلائل کے ذریعہ اُسے پہچانیں اور اُس کی جو نعمتیں ہیں اُن کا شکر ادا کریں۔ اُس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا' واضح دلائل پیش کئے لیکن جنہیں ماننا نہ تھا انہوں نے نہ مانا' انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور کفر پر جمے رہے اُن کے جرم کی وجہ سے ہم نے انتقام لے لیا۔ وہ انتقام یہ تھا کہ یہ مجرمین ہلاک ہوئے اور اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے۔ جو لوگ آپ ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ بھی مجرم ہیں ان سے بھی انتقام لیا جائے گا۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے) اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرما دیا اور یہ وعدہ فرمایا کہ جس طرح ہم نے گذشتہ زمانوں میں مؤمنین کی مدد کی ہے اسی طرح آئندہ بھی مؤمنین کی مدد ہوتی رہے گی البتہ مدد میں حکمت کے موافق دیر بھی لگ جاتی ہے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتوں کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا اہل ایمان کو نا اُمید اور اُداس نہ ہونا چاہئے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دُنیا ہی میں مدد ہو جائے۔ سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ موت کے بعد انسان دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں چلا جائے۔ دنیا میں جو صبر شکر کے ساتھ زندگی گذاری اور نیک اعمال کئے یہ جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بنیں گے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان نے اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کیا (یعنی بے آبرو کرنے والے کو جواب دیا) تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس دفاع کرنے والے سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو دور رکھیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

درمیان میں بطور جملہ معترضہ تسلی دینے کے طور پر کافروں سے انتقام لینے اور اہل ایمان کی مدد فرمانے کا تذکرہ فرمانے کے بعد پھر ہواؤں کے ارسال فرمانے اور ان کے بعض منافع کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' یہ ہوائیں بادلوں کو اُٹھا کر لاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان بادلوں کو جیسے چاہے پھیلا دیتا ہے اور کبھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر ان بادلوں سے بارش کو نکالتا ہے' بارش آتی ہے تو دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ بادل کے اندر سے بارش آ رہی ہے اسی کو فرمایا: فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (پھر اللہ اس بارش کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچا دیتا ہے جنہیں بارش پہنچ گئی وہ خوش ہوتے ہیں) وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ (اور یہ بات واقعی ہے کہ وہ لوگ اس سے پہلے نا اُمید ہو چکے تھے) نا اُمیدوں کو اُمیدیں برلانا یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے بارش آنے پر خوشی بھی منائیں اور شکر بھی ادا کریں۔ (قرطبی)

پھر فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ (الآیۃ) (کہ اے مخاطب تو اللہ کے آثار کو دیکھ لے کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ کرتا ہے) اس زمین کو بار بار زندہ فرماتا ہے بلاشبہ وہ وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے۔ زمین کی نظیر سب کے سامنے ہے پھر مردوں کو زندہ کئے جانے میں تردد اور تامل کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی نے زمین کو بار بار زندہ فرمایا ہے وہ ہی مردوں کو زندہ فرمائے گا۔ اس میں منکرین بعث بعد الموت کو تنبیہ ہے کہ بار بار اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہو پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے نکلنے کا کیوں انکار کرتے ہو؟

اس کے بعد فرمایا: وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا (الآیۃ) اور اگر ہم خاص قسم کی ہوا چلا دیں جس سے ان کی کھیتیاں زرد نظر آنے لگیں یعنی اُن کی سرسبزی اور شادابی جاتی رہے اور پتے پیلے پڑ جائیں سو اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں گے یعنی پچھلی نعمتوں کو بھول جائیں گے اور نئی صورتحال دیکھ کر ناشکری پر اُتر آئیں گے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ
سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پشت پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے ہٹا کر
عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾
ہدایت نہیں دے سکتے' آپ اُسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے سو وہ ماننے والے ہیں

آپ مردوں اور بہروں کو نہیں سنا سکتے اور اندھوں کو ہدایت نہیں دے سکتے

تفسیر: یعنی آپ کے جو مخاطبین ہیں آپ ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں' اُن کے سامنے دلائل پیش کرتے ہیں' یہ سننے کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔ جس طرح آپ مردوں کو اور بہروں کو نہیں سُنا سکتے جبکہ یہ بہرے پیٹھ پھیر کر چل دیں اور اشارہ کو بھی نہ دیکھیں' اسی طرح یہ لوگ ہیں ان کا سننے کا ارادہ ہی نہیں ہے' مردوں کی طرح بنے ہوئے ہیں' پھر یہ لوگ اندھے بھی بنے ہوئے ہیں' راہ پر آنے کو تیار ہی نہیں لہٰذا آپ کی ہدایت دینے سے ہدایت پر نہ آئیں گے۔ (صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ)

آپ تو بس اُنہیں لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو اللہ کی آیات پر یقین رکھتے ہیں اور اس یقین کی وجہ سے وہ فرمانبردار بنے ہوئے ہیں۔ اس میں امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ جو لوگ آپ کی باتیں سُنکر اَن سنی کر دیتے ہیں اور گونگے بہرے بنے ہوئے ہیں آپ اُن کی حالت پر غم نہ کریں اور اُن سے ایمان کی اُمید نہ رکھیں آپ کا کام دعوت دینا اور حق کو ظاہر کر دینا ہے' جو لوگ دعوتِ حق قبول نہ کریں اور اُن کی اپنی گمراہی ہے۔

آیت کریمہ میں جو فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى فرمایا ہے اس کے بارے میں سورۂ نمل کی آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ کے ذیل میں ضروری بحث گذر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ضعف کی حالت میں پیدا فرمایا پھر ضعف کے بعد قوت پیدا کر دی، پھر قوت کے

بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

بعد ضعف اور بڑھاپا پیدا فرما دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے وہ خوب جاننے والا ہے بڑی قدرت والا ہے

انسان ضعف وقوت کے مختلف احوال سے گذرتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتا ہے

تفسیر: اس آیت میں انسان کی پیدائش اور اس کی قوت وضعف کی حالت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ایسی حالت میں پیدا فرمایا کہ تم کمزور تھے یعنی بچے تھے پھر ضعف کے بعد قوت سے نواز دیا، انسان پہلے دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے حرکت کے قابل بھی نہیں ہوتا، پھر ہاتھ پاؤں چلاتا ہے، نظریں گھماتا ہے، اپنے گھر والوں کو پہچانتا ہے، پھر لیٹے لیٹے پلٹیں کھانا شروع کر دیتا ہے، پھر ٹیک لگا کر بیٹھنے کے قابل ہوتا ہے، پھر بغیر سہارے کے بیٹھنے لگتا ہے، پھر گھٹنوں کے بل چلنا شروع کر دیتا ہے، پھر سہارے سے کھڑا ہوتا ہے ایک دو قدم چلنا شروع کرتا ہے پھر بلا سہارہ چلنا شروع کر دیتا ہے۔ ضعف کے احوال سے گذرتا ہوا جوانی میں داخل ہوتا ہے، جوانی کا زمانہ قوت اور طاقت کا ہوتا ہے، جسمانی طاقت بھی اچھی ہوتی ہے اور بچپن اور بڑھاپے کے مقابلہ میں عقل وفہم وادراک بھی جوانی میں زیادہ ہوتا ہے، (گو بعض مرتبہ بڑھاپے میں ارذل العمر آنے سے پہلے پہلے تجربات کی بناء پر سوچ سمجھ کی قوت زیادہ ہوتی ہے) جب بڑھاپا آجاتا ہے تو پھر کمزوری آجاتی ہے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں اور جیسے جیسے بڑھاپا بڑھتا جاتا ہے کمزوری بھی بڑھتی جاتی ہے، پھر ارذل العمر یعنی گھٹیا ترین نکمی زندگی کو پہنچ جاتا ہے اور بچپن والا ضعف آجاتا ہے، ہوش وحواس بھی باقی نہیں رہتے، واپس ہو کر پھر اسی ضعف پر پہنچ جاتا ہے جو بچپن میں تھا۔ اسی کو سورۂ یٰسین میں فرمایا، وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ (اور ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں اُس کی خلقی حالت میں واپس کر دیتے ہیں، کیا وہ نہیں سمجھتے؟)

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ (اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے) وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (اور وہ خوب جاننے والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے) اُسے سب کے احوال اور اعمال کا علم ہے اور اُسے پوری طرح سے قدرت ہے جس طرح چاہے پیدا فرمائے اور جس حالت میں رکھے اُسے پورا اختیار ہے۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین قسم کھائیں گے کہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے وہ اسی طرح سے دنیا میں اُلٹے چلائے جاتے تھے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ

اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ تم اللہ کے نوشتہ میں بعث کے دن تک ٹھہرے ہو سو یہ

الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ

بعث کا دن ہے اور لیکن تم نہیں جانتے' سو اُس دن ظالموں کو اُن کی معذرت نفع نہ دے گی اور نہ انہیں اس کا

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

موقع دیا جائے گا۔

قیامت کے دن مجرمین کی جھوٹی قسماقسمی اور اہل ایمان کی حق بیانی

تفسیر: یہ تین آیات ہیں' پہلی آیت میں یہ بتایا کہ جب قیامت قائم ہوگی اور زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے تو اس وقت مجرمین یعنی کافر لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم تو موت کے بعد قبروں میں تھوڑی سی ہی دیر رہے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے بتایا کہ اس سے دنیا کی زندگی مراد لیں گے اور ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں ہم ذرا دیر ہی رہے تھے' عمریں تو اچھی خاصی گذاریں لیکن ایمان نہ لائے اور نیک عمل نہ کئے' اتنی بڑی زندگی بے کار ہی چلی گئی' جو چیز زیادہ ہو اور اس سے نفع نہ اٹھایا جائے تو وہ قلیل مانی جاتی ہے جیسا کہ قلیل چیز نفع مند ہو تو اسے کثیر کہا جاتا ہے۔ (ذکرہ صاحب الروح)

ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم دنیا میں یا برزخ میں صرف ذرا دیر ہی رہے جھوٹ ہی ہوگا اور یہ ان کا پہلا جھوٹ نہیں ہوگا بلکہ دنیا میں جب ان کے سامنے حق آتا تھا تو اس سے اعراض کرتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے اور اُلٹی ہی چال چلتے تھے' شیطان اور نفس انہیں حق کی تکذیب پر آمادہ کرتے تھے۔ جن لوگوں کو اللہ نے علم دیا اور ایمان دیا (ان میں فرشتے بھی ہیں اور بنی آدم میں سے وہ افراد بھی ہیں جنہیں علم اور ایمان کے لئے منتخب فرما لیا) یہ حضرات ان سے یوں کہیں گے کہ تم اللہ کے نوشتہ میں یعنی اللہ کی کتاب میں بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا اور اپنی کتاب میں جو وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ فرما دیا تھا تم اسی کے مطابق بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔ يَوْمُ الْبَعْثِ سے قبروں سے اُٹھائے جانے کا دن مراد ہے۔

اہل علم وایمان مجرمین سے خطاب کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ یہ يَوْمُ الْبَعْثِ ہے' قبروں سے زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا دن ہے' تم جس کے منکر تھے وہ سامنے آ گیا اور آج واضح ہو گیا کہ تمہارا انکار کرنا باطل تھا لیکن تم نہیں جانتے تھے' جو حضرات قیامت واقع ہونے اور وہاں کی پیشی ہونے کی باتیں کرتے تھے تم ان کو جھٹلاتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے' ان کی بات مانتے تو تمہیں آج کے دن کا اور آج کے دن کے حالات کا علم ہوتا۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' کفر اختیار کیا' قیامت کے دن پر ایمان نہ لائے اب جو بھی کوئی معذرت کریں وہ قبول نہیں ہوگی اور معذرت انہیں کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان کو اس کا موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں کیونکہ کفر پر مرنے کے بعد توبہ کرنے کا کوئی موقع نہیں اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کبھی راضی نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾

آئیں تب بھی وہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم لوگ صرف باطل والے ہو۔ جو لوگ نہیں جانتے ان کے دلوں پر اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾

سو آپ صبر کیجئے' بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں کرتے وہ لوگ آپ کو بے برداشت نہ بنا دیں۔

قرآن عمدہ مضامین پر مشتمل ہے' معاندین کو حق ماننا نہیں ہے آپ صبر سے کام لیں' اللہ کا وعدہ حق ہے

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے۔ اوّل تو یہ بتایا کہ ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی عمدہ باتیں بتا دی ہیں ان میں جو کوئی شخص غور و فکر کرے گا تو اُس کے ذہن پر یہ وارد ہوگا کہ قرآن حق ہے اور قرآن کا ہر بیان حق ہے' قرآن اور صاحب القرآن ﷺ کی دعوت حق ہے' لیکن جو لوگ انکار پر تلے ہوئے ہیں اور ضد و عناد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ رکھی ہے وہ بات ماننے والے نہیں ہیں' یہ قرآن خود ایک معجزہ ہے' اس کے علاوہ بھی جتنے معجزے اور آیات آپ پیش فرما دیں کافر لوگ آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے بارے میں یوں ہی کہیں گے کہ تم لوگ باطل والے ہو۔

اہل باطل کا یہ طریقہ ہے کہ خود بھی حق قبول نہیں کرتے اور اہل حق کو اہل باطل بتاتے ہیں' ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے' جیسے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اسی طرح اللہ اُن لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو نہیں جانتے یعنی جاننا نہیں چاہتے اور حق قبول کرنے کے بجائے اپنی خرافات پر ہی مصر رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو مکذبین و معاندین کی باتوں سے تکلیف ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے' اُس نے جو آپ سے مدد کا اور دین اسلام کو غالب کرنے کا اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہوگا' آپ کے صبر میں فرق نہ آئے پوری طرح ثابت قدم رہیں' یہ لوگ جو یقین نہیں کرتے' آپ کی دعوت کو نہیں مانتے' اُن کے اس طرزِ عمل سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے پائے ثبات میں لغزش آ جائے' یہ لوگ آپ کو بے صبری پر آمادہ نہ کر دیں۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ لقمان مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چونتیس (۳۴) آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

الٓمّٓ ۝ یہ قرآن حکیم کی آیات ہیں جو اچھے کام کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے جو نماز قائم کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

اور یہی لوگ کامیاب ہیں

قرآن مجید محسنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ سورۂ لقمان مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ پوری سورت میں سے تین آیات وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ تک مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

الٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات میں سے ہے کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ یہ کتاب حکیم یعنی قرآن کریم کی آیات ہیں پر حکمت ہیں۔ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ یہ قرآن اچھے کام کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ ہدایت اور رحمت تو سارے انسانوں کے لئے ہے لیکن سب اسے قبول نہیں کرتے' قبول کرنے والے وہی لوگ ہیں جو صفت احسان سے متصف ہیں' اُن کے قلوب صالح ہیں' نیتوں میں اخلاص ہے' اس لئے قرآن کو سنکر اس کی ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں پھر اس کی ہدایت کے مطابق زندگی گذا، تے ہیں' اور یہ قرآن کے مطابق زندگی گزارنا ان کے لئے رحمت کا باعث بن جاتا ہے ان محسنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا' الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کہ یہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور یہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ درحقیقت اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ یہ دونوں اسلام کے اہم رُکن ہیں جن کا درجہ توحید اور رسالت پر ایمان لانے کے بعد ہے' باقی دو رُکن یعنی صیام رمضان اور حج بیت اللہ اسلام کے ارکان تو ہیں لیکن ان کا درجہ نماز اور زکوٰۃ کے بعد ہے' نماز اور زکوٰۃ کی پابندی ہی رہے اور آخرت کا مضبو ط یقین ہو تو انسان اسلام کے دوسرے احکام پر آسانی چل سکتا ہے

اوران کی ادائیگی کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کرسکتا ہے۔ ایسے حضرات کے بارے میں فرمایا کہ اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ یہ حضرات اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ (اصل کامیاب آخرت کی کامیابی ہے یعنی دوزخ سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہونا) جنہیں دنیا ہی میں اس کی بشارت دے دی گئی ان کا عظیم مرتبہ ہے یہ مضمون سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی گذر چکا ہے۔

چونکہ آیت بالا میں زکوٰۃ دینے کا بھی ذکر ہے اس لئے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ آیات بھی مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس بات کی بنیاد اس پر ہے کہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی۔ اور جن حضرات نے مذکورہ بالا آیات کو مکی کہا ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ بھی مکہ معظمہ میں فرض ہوگئی تھی البتہ اس کے تفصیلی احکام مقادیر نصاب وغیرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئے لیکن اگر زکوٰۃ سے عام صدقہ مراد لے لیا جائے جیسا کہ چند صفحات پہلے سورۂ روم کی آیت وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ کے ذیل میں گذر چکا ہے تو پھر ان آیات کو بھی مکی کہنے میں کوئی تامل نہیں رہتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۖ

اور بعض ایسے لوگ ہیں جو ان باتوں کو خریدتے ہیں جو کھیل کی باتیں ہیں تاکہ بغیر علم کے اللہ کے راستے سے ہٹائیں اور اللہ کی راہ کا مذاق بنائیں

وَّیَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۞ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا

اور لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتا ہے

کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ۞ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۞

اور نیک عمل کئے ان کیلئے نعمتوں والے باغ ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ عزیز ہے حکیم ہے

قرآن کے دشمنوں کی حرکتیں، اُن کیلئے عذاب مہین کی وعید

تفسیر: قرآن پر ایمان لانے والوں کے اعمال اور ان کے ہدایت پر ہونے اور آخرت پر کامیاب ہونے کی بشارت دینے کے بعد قرآن کا انکار کرنے والوں اور اس کے مقابلہ میں بعض چیزیں اختیار کرنے والوں کا شغل پھر ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن کے مخالف رویہ رکھتے ہیں اور قرآن سے خود بھی دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لھوالحدیث ہر وہ بات جو اللہ کی یاد سے غافل کرے اور کھیل میں لگائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے لَهْوَ الْحَدِیْثِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: هو کل ما شغلک عن عبادة الله تعالیٰ و ذکره یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت سے ہٹائے وہ لهو الحدیث ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے غِناء یعنی گانا بجانا مراد ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ بات منقول ہے۔ حضرت مکحول تابعیؒ نے فرمایا

کہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے گانے بجانے والی لونڈیاں مراد ہیں۔ (روح المعانی)

آیت بالا کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے کئی باتیں منقول ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ نضر بن حارث (جو مشرکین مکہ میں سے اسلام کے بڑے کٹر دشمنوں میں سے تھا) نے ایک گانے والی باندی خرید لی تھی اُسے جس کسی کے بارے میں یہ خبر ملتی تھی کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ اسے اس لونڈی کے پاس لے جاتا تھا اور اس لونڈی سے کہتا تھا کہ اس شخص کو کھلا پلا اور گانا سنا' پھر جس شخص کو ساتھ لے جاتا تھا اس سے کہتا تھا کہ یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تجھے محمد ﷺ دعوت دیتے ہیں' وہ تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھ روزے رکھ اور ان کے ساتھ مل کر اُن کے دشمنوں سے جنگ کر' اس پر آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نضر بن حارث تجارت کیلئے فارس جاتا تھا وہاں سے عجمیوں کی کتابیں خرید تا تھا پھر انہیں مکہ معظمہ میں لا کر قریش کو سناتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ تمہیں عاد اور ثمود کی باتیں سناتے ہیں اور میں تمہیں رُستم اور اسفندریار اور فارس کے بادشاہوں کی خبریں سناتا ہوں' لوگوں کو یہ باتیں پسند آتی تھیں اور قرآن کے بجائے ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے' اس پر آیات بالا نازل ہوئی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابن خطل نے یہ حرکت کی تھی کہ اُس نے گانے والی باندی خریدی تھی جو ایسے گانے گاتی تھی جو مسلمانوں کو اور اسلام کو برے الفاظ سے ذکر کرنے پر مشتمل ہوتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو فرمایا کہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اُس کے ذکر سے ہٹائے یہ لُغت کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے'

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كل شيءٍ يَلْهُوْ به الرَّجُلُ بَاطِلًا اِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهٖ وتأديبَهُ فَرَسَهُ وَملا عَبتَه امرأتَهُ فانهن من الحق (رواہ الترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۳۳۷) مطلب یہ ہے کہ تین چیزوں کے علاوہ جو بھی کوئی لہو کا کام کوئی شخص کرتا ہے تو وہ باطل ہے ہاں تین کھیل ایسے ہیں جو درست ہیں (۱) اپنی کمان سے تیر پھینکنے کی مشق کرنا (۲) گھوڑے کو سدھانا (یہ دونوں جہاد کے کام میں آتے ہیں جو دینی ضرورت ہے) (۳) اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا (جو نفس و نظر کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے)

گانے بجانے کی مذمت وحرمت: لہو ولعب میں ہر طرح کا جوا اور تاش کھیلنا اور ہر وہ شغل آ جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہو اور جو نماز سے اور اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہو۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھی آواز دی ہو اور وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے یا نعت کے اشعار پڑھے (جس میں بجانے کا سامان بالکل نہ ہو) یا عبرت کے لئے کچھ اشعار پڑھے تو یہ جائز ہے۔ گندے گانے' عشقیہ غزلیں اگرچہ ان کے ساتھ بجانے کا سامان نہ ہو یہ سب ممنوع ہیں' اس قسم کے گانوں کو بعض اکابر نے رُقية الزّناء (زنا کا منتر) فرمایا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ (کہ گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱)

اگر عشقیہ غزلیں نہ ہوں تو پھر شعر پڑھنے والا خوش آواز ہو تب بھی اسے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ میرے آس پاس کون ہے' اگر عورتیں آواز سن رہی ہوں تو پھر شعر نہ پڑھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انجشہؓ ایک صحابی تھے وہ سفر میں جا رہے تھے۔

عرب کا طریقہ تھا کہ سفر میں اونٹوں کو مست کرنے اور اچھی رفتار سے چلانے کے لئے بلند آواز سے شعر پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔ انجشہؓ خوش آواز آدمی تھے انہوں نے اونٹوں کی رفتار جاری رکھنے کے لئے اشعار پڑھنا شروں کئے جسے حدی پڑھنا کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آواز سن لی اور فرمایا کہ اے انجشہ! ٹھہر جاؤ شیشوں کو نہ توڑو۔ راوی قتادہؒ نے شرح کرتے ہوئے بتایا کہ شیشوں سے عورتیں مراد ہیں جو جلدی متاثر ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۰)

دیکھو حضرت انجشہؓ اونٹوں کو سنانے کے لئے اشعار پڑھ رہے تھے چونکہ وہاں عورتیں بھی تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹوک دیا۔

آجکل تو گانا بجانا جزو زندگی بن چکا ہے، حلق سے لقمہ ہی تب اترتا ہے جب گانے کی کیسٹ لگا کر کھانا شروع نہ کریں۔ اور آجکل تو ہر گھر کوٹی وی نے ناچ گھر اور گانا گھر بنا دیا ہے، چھوٹے بڑے مل کر سب گانا سنتے ہیں جس کی وجہ سے فرض نمازیں تک غارت کی جاتی ہیں اور اللہ کی یاد میں مشغول ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جن گھروں کو کبھی شریف گھرانہ سمجھا جاتا تھا آج ان گھرانوں کی بچیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے اور ان کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور انہیں گلوکارہ اور فنکار کے القاب دیئے جاتے ہیں، پھر اوپر سے غضب یہ ہے کہ اسے اسلامی ثقافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گانے والی لونڈیوں کی فروخت نہ کرو اور انہیں (گانا) نہ سکھاؤ، اور ان کی قیمت حرام ہے۔ اور فرمایا اسی جیسے معاملے کے لئے آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ نازل ہوئی۔

حضرت ابوالصہباء نے بیان کیا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس آیت میں غناء یعنی گانے کی مذمت کی گئی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۰)

گانے بجانے کے شغل نے لوگوں کو بربادی کے گڑھے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جو مصیبتیں آتی ہیں انہیں اپنی بدعملی کا نتیجہ نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو جھوٹی زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے لیکن ان اعمال کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے، گناہوں میں جیسے لت پت تھے ایسے ہی مصیبتوں کے آنے پر ان میں مشغول رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم نے نفس ہی کو آگے رکھ لیا ہے، اسی کو امام بنا لیا ہے، اسے ناراض کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو اور ریشم کو اور شراب کو اور گانے بجانے کے سامان کو حلال کریں گے اور بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو ایک پہاڑ کے قریب قیام کریں گے ان کے جانور شام کو ان کے پاس پہنچا کریں گے، ان کے پاس ایک شخص کسی ضرورت سے آئے گا تو اس سے کہیں گے کہ کل کو آنا، پھر کل آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرما دے گا اور ان پر پہاڑ گر پڑے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو قیامت کے دن تک کے لئے بندر خنزیر بنا دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۶ از صحیح بخاری)

ارشاد نبوی (ﷺ) کہ میں گانے بجانے کی چیزیں مٹانے کیلئے آیا ہوں: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا

کر اور جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸) اب نام نہاد مسلمانوں کو دیکھو کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ جن چیزوں کو مٹانے کے لئے تشریف لائے انہیں چیزوں کو آنحضرت ﷺ کی نعت سننے میں استعمال کرتے ہیں، پھر اوپر سے ثواب کی امید کرتے ہیں۔ نفس و شیطان نے ایسا مزاج بنا دیا ہے کہ قرآن و حدیث کا قانون بتانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ راتوں رات ہارمونیم اور سارنگی پر اشعار سنتے ہیں اور ساری رات اس کام میں مشغول رہتے ہیں جس کے مٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور رات بھر قوالی سن کر فجر کی آذان ہوتے ہی نماز پڑھے بغیر سو جاتے ہیں۔ دیکھ لو یہ ہیں حب نبوی کے متوالے جنہیں فرض نمازوں کے غارت کرنے پر ذرا بھی ملال نہیں، خدارا انصاف کرو یہ راتوں کو جاگنا نبی اکرم ﷺ کی نعت سننے کے لئے ہے یا آپ کا اسم گرامی استعمال کر کے نفس و شیطان کو لذیذ گانے کی غذا دینے کے لئے ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْجَرَسُ مَزَامِیْرُ الشَّیْطَانِ[1] (گھنٹیاں شیطان کے باجے ہیں) اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: لَا تَصْحَبُ الْمَلٰٓئِکَۃُ رِفْقَۃً فِیْھَا کَلْبٌ وَّلَا جَرَسٌ[2] (جن لوگوں کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو رحمت کے فرشتے ان کے ساتھ نہیں رہتے) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ: مَعَ کُلِّ جَرَسٍ شَیْطَانٌ[3] (ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لڑکی داخل ہونے لگی، اس کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس لڑکی کو میرے پاس ہرگز نہ لائیں جب تک اس کے جھانجن نہ کاٹ دیئے جائیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

بات یہ ہے کہ گانے بجانے کا دھندا شیطانی دھندا ہے، جو لوگ شیطانی اعمال کرتے ہیں انہیں بجنے بجانے والی چیزوں سے محبت اور رغبت ہوتی ہے، اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مندروں اور نصاریٰ کے گرجوں میں اور ان تمام مواقع میں جہاں شیطان کا راج ہو گانے بجانے کا انتظام اور اہتمام ہوتا ہے، شیطان ان سے گانے گواتا ہے اور باجے بجواتا ہے اور خود بھی سنتا ہے اور مزے لیتا ہے۔

جاہل پیروں کی بدعملی: بعض لوگ جو پیری مریدی کا پیشہ کرتے ہیں وہ اپنی خانقاہوں میں اور قبروں پر ساز سارنگی اور ہارمونیم اور طبلہ بجانے کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کو کار خیر سمجھتے ہیں اور بزرگوں کا طریقہ بتاتے ہیں، حالانکہ جن بزرگوں سے نعتیہ اشعار سننا منقول ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ ایسی محفلوں میں شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ ''بجانے کا سامان نہ ہو اور بے ریش لڑکے نہ ہوں اور عورتیں نہ ہوں'' اگر کسی شخص نے ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سن لی (اگرچہ پیر بنتا ہو) تو اس کا یہ عمل کیسے دلیل بن سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ میں گانے بجانے کے سامان کو مٹانے کے لئے آیا ہوں۔ اسلام میں جب بجتا ہوا زیور گوارا نہیں اور جانوروں کے گلے میں گھنٹی ڈال دی جاتی ہے وہ بھی برداشت نہیں تو گانے بجانے کا اہتمام کرنا اور اس کے لئے جمع ہونا کیسے گوارا ہو سکتا ہے؟

حضرت نافعؒ نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جا رہا تھا انہوں نے مزمار کی آواز سنی (جو

[1-2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۸ رواہما مسلم [3] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۹

بجانے کی چیز تھی) یہ آواز سنکر انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور ایک جانب کو راستہ سے دور ہو گئے' پھر دور چلے جانے کے بعد دریافت فرمایا کہ اے نافع کیا آواز آ رہی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آ رہی' اس پر انہوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں ہٹا دیں اور فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ نے ایک بانسری کی آواز سنی اور یہی عمل کیا ہے جو میں نے کیا ہے۔ واقعہ بیان کر کے حضرت نافعؒ نے فرمایا کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے میں اس وقت کم عمر تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از احمد وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے شراب سے جوے سے طبل سے اور غبیراء سے منع فرمایا۔ یہ اہل حبشہ کی ایک شراب تھی' اور فرمایا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸)

لَهْوَ الْحَدِيْثِ...... (جو چیز کھیل میں لگائے): اس کے عموم میں ہر چیز آ جاتی ہے' چونکہ سبب نزول میں گانے بجانے کی چیزوں کا بھی ذکر ہے اور یہ اللہ کے ذکر سے اور نماز سے غافل کرنے میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہے اور بعض لوگ ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سننے کو ثواب سمجھتے ہیں اس لئے مندرجہ بالا مضمون کو ہم نے اہتمام سے بیان کیا ہے اور گانے بجانے کے سلسلہ میں جو روایت سرسری طور پر سامنے آئی ہیں ان کو جمع کر دیا ہے' جو لوگ کسی بھی ایسے کام میں مشغول ہوں جو اللہ کی یاد سے ہٹائے یہ سب لَهْوَ الْحَدِيْثِ ہے۔

یاد رہے کہ لایعنی باتوں میں مشغول ہونے میں یہ نقصان بہر حال ہے کہ جتنی دیر میں یہ باتیں کی جائیں گی' تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے محروم رہے گا جو بہت بڑا نقصان ہے' مباح ہونا اور بات ہے اور ثواب سے محروم ہونا دوسری چیز ہے اور غیبت اور چغلی جھوٹ تو بہر حال حرام ہی ہے۔

لَهْوَ الْحَدِيْثِ میں بعض چیزیں حرام ہیں جن میں قمار یعنی جوا کھیلنا بھی شامل ہے اور بعض چیزیں مکروہ ہیں جن میں گناہ تو نہیں مگر وقت ضائع ہوتا ہے' اگر ضیافت طبع اور دماغ کی تفریح کے لئے کوئی شعر پڑھا جائے جو گندا نہ ہو تو یہ مباح ہے۔

شطرنج وغیرہ کا تذکرہ: شطرنج کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شطرنج سے وہی شخص کھیلے گا جو گنہگار ہوگا۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ باطل چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو باطل چیز پسند نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نرد سے کھیلا (جو شطرنج کی طرح کھیلنے کی ایک چیز تھی) سو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتر کے پیچھے لگا ہوا تھا' اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو شیطان کے پیچھے لگ رہا ہے' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۶) روایات حدیث میں تاش کھیلنے کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نہیں تھا' اگر ہار جیت کی شرط کے ساتھ ہو تو قمار یعنی جوا ہے' اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر قمار کے بغیر ہو تو بہر حال اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرنے والا تو ہے ہی جیسا کہ تاش کھیلنے والوں کو دیکھا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ فرمایا ہے۔ اِشْتَرٰی کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں اور ایک

کام کے بدلہ دوسرے کام کو اختیار کرنے کے لئے بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں جو یَشْتَرِیْ فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کو چھوڑ کر اس کے عوض لهو الحديث کو اختیار کر لیتے ہیں یعنی کھیلنے کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں اور قرآن کریم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جس کی فضیلت سورۃ کے شروع کی دو آیتوں میں بیان فرمائی قال البغوی فی معالم التنزیل ای یستبدل ویختار الغناء والمزامیر والمعازف علی القراٰن۔ (ج ۳ ص ۴۹۰) (علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں لکھا ہے "یعنی گانے بجانے اور لہو ولعب کے آلات کو قرآن کے بدلے میں لیتا ہے اور انہیں قرآن کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ
اللہ نے آسمانوں کو بلاستون پیدا فرمایا تم اُسے دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہو
وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ
اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے، اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے اچھے پھل
کَرِیْمٍ ﴿۱۰﴾ ھٰذَا خَلْقُ اللہِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ
اُگا دیئے۔ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں سو تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا جو اس کے علاوہ ہیں؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ
ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾
کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں

آسمان وزمین اور پہاڑ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس کے سوا کسی نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں، پہلی آیت میں آسمان کی تخلیق اور زمین کے بعض احوال بیان فرمائے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا فرمایا ہے تم آسمانوں کو دیکھ رہے ہو کہیں بھی کوئی ستون نہیں ہے اتنے بڑے اور بھاری ساتوں آسمان محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہیں انہیں قائم رکھنے کے لئے اُسے ستون بنانے اور اُن پر قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد پہاڑوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑے بڑے بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تا کہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کریں اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو سمندروں کے پانیوں کی وجہ سے جو اُسے گھیرے ہوئے ہیں اور سخت تیز ہواؤں کی وجہ سے زمین حرکت کرتی رہتی جب وہ حرکت کرتی تو بنی آدم بھی اس کے ساتھ متحرک ہوتے گرتے

پڑتے اور کوئی کام نہ کر پاتے' یوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ پہاڑوں کے بغیر بھی زمین کو ہلنے جلنے سے محفوظ رکھے لیکن اس نے اسباب کے طور پر اس پر پہاڑ پیدا فرما دیئے۔ اسی لئے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑوں کے ہوتے ہوئے بھی زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور قیامت کے دن تو زمین میں پوری طرح بھونچال آنا ہی ہے جسے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا میں بیان فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ آیت کریمہ میں جس حرکت کی نفی فرمائی ہے اس سے زلزلہ جیسی حرکت مراد ہے' اگر زمین کی حرکت مستدیرہ ہو جیسا کہ اہل سائنس کہنے لگے ہیں تو آیت کریمہ میں اس کی نفی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر طرح کے چوپائے پیدا فرما دیئے' یہ چوپائے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں' چرتے پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں اور انسانوں کی ضرورت میں کام آتے ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین پر پانی برسایا جو بار بار برستا ہے اور برستا رہتا ہے' اس پانی کی وجہ سے مختلف انواع کی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جو انسانوں کے بھی کام آتی ہیں اور ان کے چوپایوں کو بھی ان میں سے چارہ ملتا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ جو اوپر مذکور ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے' جو ان چیزوں کا خالق ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود تجویز کر رکھے ہیں وہ تو عاجز محض ہیں اگر انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو تو دکھاؤ وہ کیا ہے۔ جب کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور تمہارے تجویز کئے ہوئے باطل معبود بھی اسی کی مخلوق ہیں اور ان کے عاجز ہونے کا یہ عالم ہے کہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے (لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ) تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود تجویز کرنا صریح گمراہی ہے' اس بات کو واضح فرمانے کے لئے آیت کریمہ کو بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ پر ختم فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر ادا کر اور جو شخص شکر ادا کرے سو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے شکر ادا کرتا ہے' اور جو

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ

شخص ناشکری کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ بے نیاز حمد کا مستحق ہے۔ اور جب لقمان نے نصیحت کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹا! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا'

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى

بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کر دی' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اُسے پیٹ میں رکھا

وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ

اور اس کا دودھ چھوٹنا دو سال میں ہے' یہ کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی' میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور دیں کہ تو

عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ

میرے ساتھ شرک کرے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُن کی فرمانبرداری نہ کرنا' اور ان کے ساتھ دنیا میں خوبی کے ساتھ رہنا'

وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور جو شخص میری طرف متوجہ ہو اس کا اتباع کرنا پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان اعمال سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے

حضرت حکیم لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے نصائح

تفسیر: اس رکوع میں حضرت لقمانؒ کا اور ان کی نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں' درمیان میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے۔

حضرت لقمانؒ کا تعارف: لقمانؒ کون تھے اور کس زمانہ میں تھے؟ اس بارے میں اصحاب سیر اور علمائے تفسیر نے کئی باتیں لکھی ہیں یہ سب باتیں اسرائیلیات میں سے ہیں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بہن کے بیٹے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی خالہ کے بیٹے تھے' والد کا نام باعوراء اور عنقا لکھا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آزر کی اولاد میں سے تھے' ایک ہزار سال تک زندہ رہے اور داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم بھی حاصل کیا واقدی سے نقل کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان جو زمانہ تھا اُس میں گذرے ہیں۔ پھر اس میں یہ اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں۔ حضرت عکرمہ اور شعبی سے نقل کیا ہے کہ وہ نبی تھے' بعض لوگوں نے انہیں حبشی بتایا ہے' ان کے آزاد اور غلام ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

ان کا شغل کیا تھا؟ اس بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں: اول یہ کہ وہ نجار تھے یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ اور دوم یہ کہ گدے اور تکیے بناتے تھے۔ سوم یہ کہ درزی کا کام کرتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ بکریاں چراتے تھے۔ یہ سب باتیں لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی جلد ۲۱ ص ۸۳ میں فرماتے ہیں: **ولا وثوق لی بشیء من ھٰذہ الاخبار غیر أنی اختار انہ کان رَجُلًا صالحًا حکیمًا ولم یکن نبیًا** (یعنی ان باتوں میں سے کسی بات پر بھی وثوق نہیں کیا جا سکتا اور میں یہ مانتا ہوں کہ وہ رجل صالح تھے' حکیم تھے اور نبی نہیں تھے) جب نبی نہیں تھے تو ان کو جو خطاب ہے وہ بذریعہ الہام تھا یا ان کے زمانہ کے نبی کے ذریعہ تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ حضرت لقمانؒ سے بہت کلمات حکمت منقول ہیں' مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے دریافت کیا گیا کہ یہ جو آپ کو علم اور فضل ملا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تین باتوں پر عمل کرنے سے یہ مقام حاصل ہوا (۱) سچی بات کرنا (۲) امانت ادا کرنا (۳) لایعنی بات اور لایعنی کام کو چھوڑ دینا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

یہ جو فرمایا کہ ہم نے لقمان کو حکمت دی' اس حکمت کی تشریح میں بھی متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حکمت سے عقل و فہم اور سمجھداری مراد ہے۔ اور علامہ راغب اصفہانیؒ نے فرمایا کہ اس سے موجودات کی معرفت اور اچھے کام کرنا مراد ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ علم کے مطابق عمل کرنا مراد ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے علم و عمل دونوں کی پختگی مراد ہے۔ (روح المعانی)

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ (کہ تو اللہ کا شکر ادا کر) جو نعمتیں تمہیں دی ہیں ان سب کا اور خاص کر حکمت جو عطا فرمائی ہے اس کا

شکر ادا کرو۔ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ (اور جو شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنی ہی جان کے لئے شکر کرتا ہے) کیونکہ اس شکر کا نفع خود اسی کو پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ ثواب بھی عطا فرمائے گا اور مزید نعمتیں دے گا' جیسا کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ میں واضح فرمادیا ہے' وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور جو شخص ناشکری کرے گا تو اس میں اس کا اپنا ہی نقصان ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی کے شکر گذار ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ساری مخلوق سے اور ساری مخلوق کے اعمال سے اور طاعات سے بے نیاز ہے اور وہ حمید ہے تمام خوبیوں والا ہے' اس کی ذات کامل ہے' صفاتِ عالیہ سے متصف ہے' کوئی شخص اس کی حمد و ثناء بیان کرنے میں مشغول ہو یا نہ ہو وہ بہر حال حمید ہے۔

شرک ظلم عظیم ہے: اس کے بعد حضرت لقمانؑ کی ایک اہم نصیحت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا نہ اعتقادیات میں نہ عبادات میں' اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے) جس کسی چیز کو بے محل استعمال کیا جائے اسے ظلم کہتے ہیں اور اس سے بڑا کیا ظلم ہو گا کہ اپنے خالق اور اپنے مالک کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوق کی عبادت کی جائے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ (الآیۃ) اور ہم نے انسانوں کو تاکید کی کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھی طرح پیش آ تا رہ' ان کی خدمت کر' حسن سلوک کا رویہ اختیار کر' انسان کو سمجھنا چاہئے کہ کبھی وہ حاجت مند تھا اس وقت اس کی ماں نے اس کی خدمت کی' اس کی ضرورتوں کا خیال رکھا اور اس کے لئے تکلیفیں برداشت کیں' ایک۔ والدہ ہی کی مصیبت کو دیکھ لو اس نے زمانہ حمل میں پیٹ میں رکھا' ضعف پر ضعف کو برداشت کیا کیونکہ جیسے جیسے حمل کی مدت بڑھتی چلی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ عورت کا ضعف بھی بڑھتا چلا جاتا ہے' سورۂ بنی اسرائیل میں جو دعا تلقین فرمائی ہے اس میں ماں اور باپ دونوں کی محنت و مشقت کا ذکر ہے' ارشاد ہے: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (اے انسان تو یوں دعا کر کہ اے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپنے میں پالا ہے)۔

وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ (اور انسان کا دودھ چھوٹنا دو سال میں ہے) بچے کی پیدائش کے بعد دودھ پلانے کا سلسلہ چلتا ہے' اس زمانہ میں بھی ماں باپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے' بچہ دودھ پیتا جاتا ہے' جسم بڑھتا رہتا ہے' توانائی آتی رہتی ہے' ماں دودھ پلانے کا اہتمام کرتی ہے' باپ مال کسب کرتا ہے' بچہ سوتے سوتے ڈر جاتا ہے' کبھی بخار آجاتا ہے' کبھی کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے' ماں باپ جان نثاری کے ساتھ اس کی خدمت کرتے ہیں' اسے آرام سے سلاتے ہیں اپنی نیند کھواتے ہیں اور اسے سینے سے لگائے لگائے پھرتے ہیں' یہ تو بچپنے کی باتیں ہیں اور اس کے بعد بھی بالغ ہونے تک اس کی پرورش اور پرداخت میں لگے ہی رہتے ہیں۔ ان کی محنتوں اور مشقتوں کو سامنے رکھا جائے تو ایک شریف انسان کا دل یہی چاہتا ہے کہ جب بڑا ہو گیا تو اب انہیں آرام پہنچائے اور ان کی خدمت کرے اور ان کی خدمات کا شکر گذار ہو۔ شرافت انسانی کا تقاضا ہے پھر خالق مجدہٗ نے بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔ سب سے بڑا شکر تو اللہ کا ہے جس نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کے ماں باپ کو بھی' اور ماں باپ کے دل میں محبت اور مامتا ڈالی جنہوں نے دکھ سکھ میں پرورش کی' ان کی یہ محنت اور مشقت لائق شکر ہے' اس لئے فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا)۔ ساتھ ہی اِلَيَّ الْمَصِيْرُ بھی فرمایا (کہ سب کو میری طرف لوٹنا ہے) جو شخص جو بھی عمل کرے گا اس کی جزا سزا پالے گا۔

اس کے بعد فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (اور اگر تیرے والدین تجھ پر اس

بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کی فرمانبرداری نہ کرنا)۔ دنیا میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کا سلسلہ چلا ہوا ہے، یہ ایک محض اندھی تقلید کے طور پر ہے، ماں باپ کو مشرک پاتے ہوئے شرک کا رواج دیکھتے ہیں تو خود بھی شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے جب مشرکین کو تنبیہ کی جاتی ہے اور شرک سے روکا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی پر پایا' علمی عقلی دلیل کوئی نہیں محض تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز بے دلیل ہے وہ غلط ہے' گمراہی ہے اسے اختیار نہ کرو' اگر ماں باپ زور دیں کہ اللہ کے ساتھ شرک کرو تو اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا۔ انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں' سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ وہ خالق اور مالک ہے' کسی کے کہنے سے اس کی نافرمانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی کے کہنے سے نہ شرک اختیار کرنا جائز ہے نہ کسی بھی قسم کا کفر نہ کسی بھی قسم کا گناہ۔ اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق کہ خالق کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں ہے۔

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ رہنا سہنا رکھو) یعنی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ رکھو' مومن ہوں یا کافر' حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے رہو' اگر وہ کافر ہیں تو ان کے کفر کی وجہ سے ان کی خدمت اور حسن سلوک سے منہ نہ موڑو' بس اتنا خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (اور جو لوگ میرے راستے کی طرف رجوع کریں ان کا اتباع کرنا) اس میں نیک بننے اور نیکیوں پر ثابت قدم رکھنے کا طریقہ بتا دیا اور وہ یہ کہ جو بندے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کا اتباع کیا جائے۔ انسان کا مزاج ہے کہ وہ صحبت سے متاثر ہوتا ہے' برے آدمیوں میں آنا جانا رکھتا ہے تو ان کا اثر لے لیتا ہے اور اگر صالحین کے پاس آتا جاتا ہے' ان کی مجلسوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے تو نیکی کی طرف طبیعت چلنے لگتی ہے لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی بتائی ہوئی راہ پر چلے' انہیں کے ساتھ رہے اور ان کا اتباع کرے ورنہ شیطان اچک لے گا اور بری راہ پر ڈال دے گا۔

ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے) ہر ایک اپنے عمل سے باخبر ہوگا اور اپنے اپنے عمل کے مطابق سزا و جزا کا مستحق ہوگا۔ والدین کی خدمت اور فرمانبرداری کے بارے میں سورۃ الاسراء کے رکوع نمبر ۳ میں اور سورۃ العنکبوت کے رکوع نمبر ا میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اسکا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ

اے میرے بیٹو! بے شک بات یہ ہے کہ اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو تو پھر وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو

أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ

یا زمین میں ہو اللہ اس کو حاضر کر دے گا' بلاشبہ وہ لطیف ہے خبیر ہے۔ اے بیٹو نماز قائم کرو اور بھلائی کا حکم کرو

بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾

اور برائی سے منع کرو اور تجھے جو تکلیف پہنچ جائے اس پر صبر کر بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اور تو لوگوں سے اپنا رُخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل، بلاشبہ تکبر کرنے والے کو اللہ پسند نہیں

فَخُوْرٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾

فرماتا، اور تو اپنی چال میں درمیانہ طریقہ اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر، بلاشبہ سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھوں کی آواز ہے۔

نماز قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید

تفسیر : انسانوں کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم فرمانے کے بعد پھر حضرت لقمان کی وصیتوں کا بیان شروع ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے وہ اپنی مخلوق کو اور مخلوق کے ہر عمل کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو وہ چھوٹے بڑے عمل کی جزا دے گا، اگر کسی شخص نے بہت ہی چھپا کر کوئی عمل کیا ہو جو چھوٹا ہونے میں رائی کے دانہ کے برابر ہو اور اس کے پوشیدہ ہونے کی یہ صورت ہو کہ وہ کسی پتھر کے اندر چھپا ہوا ہو یا آسمانوں کے اندر موجود ہو یا زمین میں ہو تو اللہ شانہ کو اس کا بھی علم ہے، جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں وہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت لقمان نے فرمایا کہ دیکھو بیٹا کسی کا کوئی بھی عمل ہو، کسی بھی طرح اور کہیں بھی پوشیدہ ہو قیامت کے دن اللہ اس کو حاضر فرما دے گا۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں جو عمل چھپ کر کر لوں گا اس کی جزا سے بچ جاؤں گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے، باریک بین ہے ہر ہر چیز کو جانتا ہے اور خبیر بھی ہے اسے ہر شخص ہر فرد اور ہر عمل کی خبر ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نماز قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی بھی وصیت فرمائی، نماز کو قائم کرنا، اچھی طرح پڑھنا، دنیاوی دھندوں سے دل فارغ کر کے نماز میں لگنا، نماز ہی کی طرف متوجہ رہنا اور نماز کو صحیح طریقہ پر ادا کرنا اور خود نیکی پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کو بھی بھلائی کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا یہ سب بہت بڑا اور اہم کام ہے۔ پھر جب کوئی شخص لوگوں کو فرائض وواجبات کی طرف متوجہ کرے، نیک کاموں کی تلقین کرے اور گناہوں پر متنبہ کرے تو اس کے مخاطبین بعض مرتبہ آڑے آجاتے ہیں، بے تکے جواب دیتے ہیں، طرح طرح کی باتیں سناتے ہیں جس سے قلبی وروحانی تکلیف ہوتی ہے اور بعض مرتبہ معاند جاہل جیٹ مخاطب مبلغ اور داعی کو جسمانی تکلیف بھی پہنچاتے ہیں، اس پر صبر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ثابت قدمی کے ساتھ کام کرتے رہنے اور جو تکلیف پہنچے اسے سہنے اور اس پر صبر کرنے کی ہمت بیان کرتے ہوئے اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ فرمایا کہ بلاشبہ یہ سب کچھ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

صبر کرنے کی اہمیت وضرورت اور تواضع سے پیش آنے کی تاکید: وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ جو فرمایا گو یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سیاق میں واقع ہے لیکن الفاظ کا عموم ہر طرح کی مصیبت پر صبر کرنے کو شامل

ہے۔ درحقیقت کسی بھی تکلیف پر صبر کرنا عین وقت پر تو بڑا مشکل ہوتا ہے لیکن اس کا پھل میٹھا اور اچھا ہی سامنے آتا ہے جسے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر یعنی تکبر نہ کرو اور ایسا انداز رکھو جس سے اپنی بڑائی اور لوگوں کی حقارت ظاہر نہ ہوتی ہو یعنی لوگوں کے ساتھ بشاشت کے ساتھ پیش آؤ' حق پر قائم رہتے ہوئے گھل مل کر رہو ان کی طرف سے اپنا رخ پھیر کر اور چہرہ موڑ کر نہ گذر جاؤ' درحقیقت یہ بہت بڑی نصیحت ہے اور ان لوگوں کو تنبیہ ہے جنہیں کچھ علم یا مال یا عہدہ مل جاتا ہے تو وہ دوسروں کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں یا ان کے ساتھ لطف اور رفق اور مہربانی سے پیش آئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑائی دی کہ جو کسی بھی مخلوق کو عطا نہیں فرمائی' آپ ﷺ تواضع کے ساتھ زندگی گذارتے تھے۔ شمائل ترمذی میں آپ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ مَعًا کہ جب آپ ﷺ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے تھے ایسا نہیں کہ جس سے بات ہو رہی ہو اس کے ساتھ لاپرواہی اور بے توجہی کا معاملہ فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ خود نہیں چھڑاتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نہ چھڑا لیتا' اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ وہ خود نہ پھیر لیتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۰ از ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن الفت والا ہوتا ہے' اور اس میں کوئی خیر نہیں جو الفت نہیں رکھتا اور جس سے لوگ الفت نہیں رکھتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۵ از احمد و بیہقی و مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۷۳)

تکبر کی مذمت: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا یہ زمین پر اتراتے ہوئے اکڑتے مکڑتے ہوئے نہ چلو کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا' سورۃ الاسراء رکوع نمبر ۳ میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے: اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بلا شبہ تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور لمبائی کے اعتبار سے پہاڑوں تک نہیں پہنچ سکتا) یعنی تجھ سے بڑی بڑی مخلوق موجود ہے' تجھے اکڑنا مکڑنا' اترانا اور شیخی بھگارنا کہاں زیب دیتا ہے؟

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا کہ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو یعنی اس طرح چلو کہ دوڑ بھاگ نہ ہو کیونکہ وقار کے خلاف ہے' اور اس میں خود اپنی ذات کو اور زمین پر رہنے اور بسنے والوں اور چلنے پھرنے والوں کے لئے بھی خطرہ ہے' اور نہ بہت آہستہ چلو کہ تکبر اور تصنع والے چلتے ہیں تاکہ لوگوں پر اپنا امتیاز ظاہر کریں ہاں اگر کوئی بیمار اور ضعیف ہے تو وہ دوسری بات ہے۔

آواز کو پست کرنے کا حکم: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اپنی آواز کو پست کرو یعنی شور نہ کرو اور ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آوازوں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھوں کی آواز ہے' جس طرح گدھوں کی آواز سے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح انسانوں کے چیخنے اور چلانے سے بھی وحشت اور اذیت ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر فرمالیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری

وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا

اور باطنی نعمتیں بھرپور انڈیل دی ہیں، اور لوگوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

ان سے کہا جاتا ہے کہ اُس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم تو اُس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے کیا باپ دادوں کا اتباع کریں گے

يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۲۱ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

اگرچہ اُن کے باپ دادوں کو شیطان عذاب دوزخ کی طرف بلا رہا ہو۔ اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کا فرمانبردار بنا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے مضبوط کڑے کو

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اچھی طرح سے پکڑ لیا اور اللہ ہی کی طرف سے کاموں کا انجام ہے۔ اور جو کوئی شخص کفر اختیار کرے تو اس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرے ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۳ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى

سو ہم انہیں وہ عمل بتادیں گے جو انہوں نے کئے بلاشبہ اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر انہیں سخت

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۲۴

عذاب کی طرف مجبور کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھرپور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا ہے، منکرین آباؤ اجداد کی تقلید میں گمراہ ہوئے اہل ایمان نے مضبوط کڑے کو پکڑ رکھا ہے

تفسیر: حضرت لقمان کی نصائح کا تذکرہ ختم کرنے کے بعد پھر توحید کا مضمون شروع فرمایا۔ ارشاد فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر فرما دیا جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں آسمان و زمین میں پیدا فرمائی ہیں اُنہیں تمہارے کام میں لگا دیا ہے، ان میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جو انسان کے حکم کے تابع ہیں اور جو تابع نہیں ہیں وہ بھی واسطہ یا بلا واسطہ انسانوں کیلئے فائدہ مند ہیں، ان کا وجود کسی نہ کسی طرح سے انسان کے منافع کا ذریعہ ہے، انسان اگر غور کرے اور اپنے واقعی نفع و ضرر کو پہچانے تو یہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں اُنڈیل دی ہیں یعنی بھرپور نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی زیادہ نعمتیں دی ہیں جن کو شمار بھی نہیں کر سکتا اور یہ نعمتیں جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، ظاہری بھی اور باطنی بھی، اہل ایمان کے لئے تو ایمان بہت بڑی نعمت ہے بلکہ سب سے بڑی نعمت ہے جو آخرت میں ابدی نعمتیں ملنے کا ذریعہ

ہے۔ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے جسم دیا ہے صحت و عافیت عطا فرمائی ہے طرح طرح کی غذائیں دی ہیں حواس خمسہ (یعنی قوت سامعہ اور باصرہ اور شامہ اور ذائقہ اور لامسہ) عطا فرمائی اور عقل و فہم سے نوازا ہے اچھی صورت دی ہے جسم میں جوڑ رکھے ہیں جن کے ذریعہ اُٹھتا بیٹھتا اور لیٹتا ہے اور چلتا پھرتا ہے اور ضرورت کی چیزوں کو پکڑتا اور استعمال کرتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے کون سی نعمتیں مراد ہیں اور باطنی نعمتیں کون سی ہیں؟ اس کے بارے میں صاحبِ روح المعانی نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں ایک قول یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے اسلام کا غالب ہونا اور دشمنوں کے مقابلے میں فتح یاب ہونا اور باطنی نعمتوں سے فرشتوں کی امداد آنا مراد ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ نعم ظاہرہ سے دنیاوی نعمتیں اور نعم باطنہ سے اُخروی نعمتیں مراد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ظاہری نعمتوں سے سمع بصر زبان اور تمام اعضا مراد ہیں اور باطنی نعمتوں سے قلب اور عقل و فہم مراد ہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو سب کے سامنے ہیں اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو ہر شخص کے ساتھ مخصوص ہیں۔

نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں دی ہیں صرف اُسی کی عبادت کی جائے لیکن بعض لوگ توحید کے بارے میں جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کو معبود حقیقی ماننے کو تیار نہیں نہ اُن کے پاس علم ہے نہ ہدایت ہے نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب ہے جس کی روشنی میں کوئی بات کرتے محض باپ دادوں کی اندھی تقلید کر رکھی ہے۔ جب اُنہیں توحید کی دعوت دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کا اتباع کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اُسی کا اتباع کرتے رہیں گے ان لوگوں کی جہالت اور حماقت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيرِ (کیا یہ لوگ اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے رہیں گے اگرچہ ان لوگوں کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو) اور وہ اس کی دعوت کو قبول کر کے (جو شرک اور کفر کی دعوت ہے) دوزخ میں جا چکے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ہوش گوش سے کام لو دنیاوی نقصان اور خسران کے بارے میں تو کسی کا اتباع کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص کنویں میں گرنے لگے تو ہم کیوں گریں لیکن باپ دادوں کی تقلید کر کے دوزخ کے دائمی عذاب میں جانے کو تیار ہیں۔

اہل شرک اور اہل کفر کی حماقت اور ضلالت بتانے کے بعد اہل ایمان کی تعریف فرمائی اور فرمایا وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کا فرمانبردار بنا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے مضبوط کڑے کو اچھی طرح سے پکڑ لیا) یعنی جس نے اپنے جسم اور جان کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنا دیا (عقائد میں بھی اعمال میں بھی) اور اس کی یہ فرمانبرداری اخلاص کے ساتھ ہے ظاہر اور باطن دونوں یکساں ہیں تو اس نے بڑے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا یعنی ایسے دین کو اختیار کیا جو ہلاکت و خسران اور تباہی سے پوری طرح محفوظ ہونے کا سبب بن گیا اور اس کی وجہ سے وہ دار العذاب یعنی دوزخ میں جانے سے بچ گیا اور اس نے جو دین اختیار کیا یہ دین اُسے دار النعیم یعنی جنت میں لے جانے کا ضامن بن گیا۔ دین توحید مضبوط حلقہ ہے جو ٹوٹنے والا نہیں ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں لَا انْفِصَامَ لَهَا فرمایا ہے۔

وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ (اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کا انجام ہے) یعنی حق کا اتباع کرنے والے اور باطل کے ماننے والے اور ان کے اعمال سب ہی اس کے حضور پیش ہوں گے وہ سب کو ان کے عقائد و اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ علیہ کو تسلی دینے کے لئے ارشاد فرمایا کہ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ (جو شخص کفر کرے اُس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرے) آپ اپنا کام کرتے رہیں اور واضح طور پر حق کو واضح فرماتے رہیں آپ کی اتنی ہی ذمہ داری ہے پھر آپ کسی کے کفر سے رنجیدہ کیوں ہوں؟ جو شخص کفر پر رہے گا اپنا ہی برا کرے گا۔ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا (ہماری ہی طرف سب کو لوٹنا ہے سو وہ جو اعمال کرتے تھے ہم ان کو بتا دیں گے) ہر ایک کا عمل سامنے آ جائے گا پھر اس کے مطابق جزا سزا پائے گا۔ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (بلاشبہ اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں) اُسے اہل ایمان کے ایمان اور اہل کفر کے کفر کا پتہ ہے کسی کا کوئی عمل اور عقیدہ اُس سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

دنیا میں کافروں کو جو کچھ مال ملا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے اُن کی دُنیاوی زندگی اچھے حال میں گذر رہی ہے اُن کے بارے میں فرمایا کہ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا (ہم انہیں چند روز عیش دیں گے) ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (پھر انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کریں گے) جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو دنیا کا چند روزہ عیش انہیں وہاں ذرا بھی فائدہ نہ دے گا اور انہیں دوزخ کے سخت عذاب میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے گا جس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا تو وہ ضرور ضرور یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے پیدا فرمایا آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے

يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ

بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے' اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے' بلاشبہ وہ بے نیاز ہے سب خوبیوں والا ہے' اور زمین میں

مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

جتنے بھی درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے بعد سات سمندر اس میں اور شامل ہو جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہونگے' بلاشبہ اللہ عزیز ہے

حَكِيمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ

حکیم ہے' نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور موت کے بعد اٹھانا مگر ایک ہی جان کی طرح' بلاشبہ اللہ سُننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے

اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى وَ

رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں' اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا' ہر ایک اپنے وقتِ مقررہ تک چلتا ہے' اور

أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

بلاشبہ اللہ اُن کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو' یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ حق ہے اور بلاشبہ یہ لوگ اس کے علاوہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں

الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۳۰﴾

وہ باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ عالی شان ہے اور بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تسخیر اور تصرّفاتِ تکوینیہ کا تذکرہ

﴿کلماتُ اللہ غیر متناہی ہیں﴾

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت اور قدرت اور شانِ بے نیازی اور محمودیت اور عزت وحکمت اور سمع و بصر اور علم اور برتری اور کبریائی کو بیان فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ مشرکین سے دریافت فرمائیں کہ بتاؤ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے' آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے' جب تمہارے اقرار سے خالق وہی ہے جس نے اتنے بڑے آسمانوں کو اور زمین کو وجود بخشا تو یہ بھی سمجھ لینا کہ سب تعریفوں کا مستحق بھی وہی ہے' جب یہ بات ہے تو اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو اور شرک کے مرتکب کیوں ہوتے ہو؟ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے) ماحول سے متاثر ہو کر اور اپنے باپ دادوں کی تقلید کو سامنے رکھ کر ایسی جہالت میں مبتلا ہوئے ہیں کہ توحید کی طرف آتے ہی نہیں۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کی مخلوق ومملوک ہے) منجملہ اس مخلوق اور مملوک کے وہ چیزیں بھی ہیں جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' یہ ان کی بیوقوفی ہے' اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی عبادت کی حاجت وضرورت نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں ہر ایک سے بے نیاز ہے اور وہ حمید بھی ہے' تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے' اگر کوئی بھی شخص اس کی حمد وثنا بیان نہ کرے وہ تب بھی حمید ہے اس کی صفتِ محمودیت میں کوئی فرق نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ زمین میں جتنے بھی درخت ہیں اگر ان سب کے قلم بن جائیں (جو کروڑوں کی تعداد میں ہوں گے) اور سمندر کو روشنائی کی جگہ استعمال کیا جائے اور ایک سمندر ختم ہو جائے اور اس کے بعد سات سمندر اور ملا دیئے جائیں یعنی اُن کی بھی روشنائی بنا دی جائے اور اس روشنائی سے اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے کیونکہ اس کے کلماتِ غیر متناہی ہیں اور متناہی خواہ کتنا بھی زیادہ ہو بہر حال وہ غیر متناہی کے مقابلہ میں کہیں پہنچ کر ختم ہو ہی جائے گا۔ اور سات دریا جو فرمایا یہ بھی بطور فرض ہے ان کے علاوہ جتنے بھی سمندر روشنائی کی جگہ استعمال ہوتے رہیں گے ختم ہوتے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

کلمات سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم کلامِ نفسی مراد ہے' اور بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی معلومات اور مقدورات مراد لی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معلومات اور مقدورات غیر متناہی ہیں' جتنے بھی قلم تیار کر لئے جائیں اور جتنے بھی سمندروں کی روشنائی بنا لی جائے پھر قلموں سے اللہ تعالیٰ کی معلومات و مقدورات کو لکھا جائے تو یہ معلومات ومقدورات ختم نہیں ہو سکتیں' اُن کا احصاء نہیں ہو سکتا اور بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ مراد لی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے کمالات کو لکھا جائے تو کبھی ختم نہیں ہو سکتے' ان کو لکھتے لکھتے بے انتہاء کروڑوں قلم اور کروڑوں بڑے بڑے دریا ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی صفات اور کمالات کو اس طرح نہیں لکھا جاتا کہ وہ

ختم ہو جائیں اس کا کچھ بیان سورۂ کہف کی آیت قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (بلاشبہ اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے)۔

اس کے بعد فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (تمہارا پہلی بار پیدا کرنا اور موت دے کر دوبارہ زندہ فرمانا یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کو پیدا کرنا) یعنی سارے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمانا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے' جس نے کثیر تعداد میں جانیں پیدا فرمادیں وہی دوبارہ ان سب کو زندہ اٹھا دے گا' ابتداءً پیدا کرنا اور ایک جان کو پیدا کرنا اور بہت بھاری تعداد میں جانوں کا پیدا کرنا اور ان سب کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمانا اس قادرِ مطلق کے لئے یکساں ہے' لہٰذا بعثت کا انکار کر کے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے) جو لوگ اہل ایمان ہیں وہ ان کے اقوال کو سنتا ہے اور اعمال کو دیکھتا ہے اور جو لوگ کافر منکر ہیں وہ ان کے اقوال و اعمال سے بھی باخبر ہے وہ ہر ایک کو اس کے عقیدہ اور قول کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ (الآیۃ) اے مخاطب کیا تو اس کو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے (یہ سب نظروں کے سامنے ہے) اور اس کے علاوہ کسی کو بھی اس تصرف پر قدرت نہیں ہے اور اسی نے چاند اور سورج کو مسخر کیا ہے ان دونوں کو جس کام میں لگایا ہے اس کے کرنے پر مجبور ہیں' ان کے لئے جو محور مقرر فرمایا ہے اُسی پر چلتے رہتے ہیں' ایک سرمو اس سے ہٹ نہیں سکتے' ان کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے ایک اجل مقرر فرمادی ہے اسی اجل تک چل رہے ہیں' اپنی ذات میں ان کا اپنا ذاتی کوئی تصرف نہیں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے) وہ اسی کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (الآیۃ) یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اُس کا وجود حقیقی ہے اور اس کا معبود ہونا بھی برحق ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرنا لازم ہے وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ (اور مشرک لوگ جو اس کے علاوہ دوسروں کی عبادت کر رہے ہیں وہ باطل ہیں' نہ وہ معبود ہیں نہ معبود ہونے کے قابل ہیں) وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ (اور بلاشبہ اللہ عالیشان ہے اور بڑا ہے) کوئی اس کے برابر و ہمسر نہیں لہٰذا اُس کے علاوہ کوئی بھی مستحق عبادت نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ کشتی اللہ کی نعمت کے ساتھ سمندر میں چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیوں میں سے دکھلائے' بلاشبہ اس میں ہر ایسے شخص کے لئے نشانیاں ہیں جو خوب

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى

صبر کرنے والا خوب شکر کرنے والا ہو اور جب انہیں موج ڈھانپ لیتی ہے جو سائبانوں کی طرح ہوتی ہے تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں' پھر جب وہ انہیں نجات دے کر

الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے بعض لوگ راہِ اعتدال پر چلتے ہیں اور ہماری آیتوں کا ہر وہی شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکرا ہو

سمندر میں کشتیوں کا چلنا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، مشرکین کو جب موج گھیر لیتی ہے تو اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام بیان فرمایا ہے کہ سمندر میں جو کشتی چلتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ دیکھو آدھا تولہ لوہا سمندر میں ڈالو تو اسی وقت ڈوب جائے گا اور سو من کا لکڑ جو کشتی کی صورت میں ہے وہ نہیں ڈوبتا' یہ کشتیاں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک لے جاتی ہیں' سامان لاتی ہیں' ضرورت کی چیزیں ان کے آنے جانے کی وجہ سے فراہم ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اُنہیں ہواؤں کے تھپیڑوں کے ذریعہ اس حال میں کر دیتا ہے کہ ان کا چلنا تیرنا مشکل ہو جاتا' پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کا رُخ بدل دیتا ہے تو آرام سے چلتی ہیں' یہ سب عبرت کی چیزیں ہیں ان کے ذریعہ خالق کائنات جل مجدہٗ کی معرفت حاصل کرنی چاہئے' جو لوگ صبر اور شکر کا مزاج رکھتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی آیات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ چلتی ہوئی کشتی کو پانی کا طوفان گھیر لیتا ہے' بڑی بڑی موجیں جو سائبانوں اور بادلوں کی طرح ہوتی ہیں وہ ڈھانپ لیتی ہیں۔ اس صورت میں انسان کو اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا جو مومن بندے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع ہوتے ہی ہیں اور اس سے دُعا مانگتے ہیں لیکن جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اُس وقت وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوری سچائی اور بھرپور اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں ان میں جو مومن بندے ہوتے ہیں وہ برابر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں خشکی میں آ کر غیر اللہ کو نہیں پکارتے اور شرک میں مبتلا نہیں ہوتے' ان کے بارے میں فرمایا فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ کہ کشتی سے اُتر کر خشکی میں آنے والے بعض لوگ اعتدال والی راہ اختیار کرنے والے ہوتے ہیں یعنی توحید پر ہی برقرار رہتے ہیں جو سیدھا اور اعتدال والا راستہ ہے' اور جو لوگ خشکی میں آ کر اُس مصیبت کو بھول جاتے ہیں جو کشتی میں پیش آئی تھی یعنی کشتی ڈوبنے کے قریب تھی یہ لوگ پھر شرک اختیار کر لیتے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں اسی کو فرمایا فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (سو جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ (اور ہماری آیتوں کا ہر وہی شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکرا ہو) ان جھوٹے عہد کرنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جو کشتی میں اخلاص کے ساتھ توحید کا عہد کرتے ہیں پھر کشتی سے باہر خشکی میں آ کر توڑ دیتے ہیں' بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے دلائل اور آیات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اور توحید کی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کرتے ہیں' آیت کے آخر میں اسی کو بیان فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جس دن باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بھی

وَّالِدِہٖ شَیْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ٙ وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

بدلہ دینے والا ہوگا' بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے' سو تمہیں دنیا والی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے' اور ہرگز تمہیں اللہ کا نام لے کر بڑا دھوکہ باز دھوکہ میں نہ ڈالے

اللہ تعالیٰ سے ڈرو' قیامت کے دن کی حاضری کا فکر کرو' شیطان دھوکہ باز تمہیں دھوکہ نہ دیدے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سے ڈرو یعنی اُس دن کی بے بسی اور بے کسی کا دھیان کرو اور اس کا انتظام کرو اور وہ انتظام یہ ہے کہ ایمان لاؤ اور اعمال صالحہ اختیار کرو' اُس دن بے کسی کا یہ عالم ہوگا کہ آپس میں کوئی کسی کی طرف سے کوئی بدلہ دینے کو تیار نہ ہوگا' سب سے بڑا قریب تر رشتہ باپ اور بیٹے کا ہے' قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی فکر لگی ہوئی ہوگی' جب محاسبہ ہونے لگے گا اور کفر پر اور اعمالِ بد پر سزا ملنے کا فیصلہ ہوگا تو نہ باپ بیٹے کی طرف سے کوئی بدلہ دے گا اور نہ بیٹا باپ کی طرف سے' کسی کو بھی یہ گوارا نہ ہوگا کہ یہ عذاب سے بچ جائے اور اس کو جو عذاب ہونا ہے وہ مجھ پر آ جائے۔

قیامت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے کوئی شخص اُسے یوں ہی چلتی ہوئی بات نہ سمجھے' اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے ضرور واقع ہوگا۔ اب ہر شخص کو اپنے واقعی اصلی مفاد کے لئے متفکر ہونا ضروری ہے کہ میرا آخرت میں کیا بنے گا؟ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں آخرت کے دن کا لیکن دنیاوی زندگی کی مشغولیت آخرت کی تیاری نہیں کرنے دیتی' اسی کو فرمایا فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا (سو تمہیں ہرگز دنیا والی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے) الفاظ کا عموم ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو دنیا کا جاہ و مال چھوٹ جانے کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کرتے اور ان کو بھی شامل ہے جو مسلمان ہونے کا تو دم بھرتے ہیں لیکن دُنیا ہی کو انہوں نے مقصود حقیقی بنا رکھا ہے اور اسی کے لئے سوچتے ہیں' اسی کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں' انہیں ہری بھری دنیا پسند ہے' فرائض اور واجبات کو بھی چھوڑتے ہیں اور دُنیا جمع کرنے کے لئے خیانت' چوری' غصب' ظلم' حرام کاروبار سب کچھ کر گذرتے ہیں۔

نفس اور شیطان دونوں کا دوستانہ ہے دونوں انسان کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں اور اللہ کا نام لے کر انسان کو دھوکہ دیتے ہیں اور ورغلاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اس وقت نماز چھوڑ دو' روزہ توڑ دو' اگلے سال زکوٰۃ دے دینا اس سال حج کو نہ جاؤ ابھی تو جوانی ہے گناہ کر کے مزے اُڑا لو اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے گناہ کر لیا تو کیا ہے بعد میں توبہ کر لینا' اس طرح کی باتیں نفس اور شیطان اور گمراہی کے لیڈر سامنے لاتے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ دھوکہ دینے والا تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے' اپنی فکر خود کرو' مومن بنو' اللہ کی عبادت میں لگو' اس کی فرمانبرداری کرو' ہوشیار بندہ وہی ہے جو نفس و شیطان کے کہنے میں نہ آئے اور کسی کے بھی بہلانے پھسلانے سے اپنی آخرت تباہ نہ کرے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ

بلاشبہ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے' اور وہ بارش کو نازل فرماتا ہے' اور وہ جانتا ہے جو ماؤں کے ارحام میں ہے' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

وہ کل کو کیا کرے گا' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کس زمین میں موت آئے گی' بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

تفسیر: قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ غیب اور شہادہ کو جاننے والا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا جس کسی کو اس نے غیب کا کچھ علم دیا ہے جس قدر عطا فرمایا ہے اُسے اُسی قدر علم ہے۔ یہاں پانچ اُمور غیبیہ کا تذکرہ فرمایا ہے' صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پوچھنے والا اور جس سے پوچھا گیا ہے اس بارے میں دونوں برابر ہیں اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ (کہ یہ اُن پانچ چیزوں میں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ لقمان کی یہی آخری آیت تلاوت فرمائی۔ (صحیح مسلم)

جن پانچ چیزوں کا آیت بالا میں ذکر ہے ان میں ایک تو قیامت قائم ہونے کا علم ہے' یہ غیب کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں دیا۔ دوسرے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بارش کو برساتا ہے' تیسرے یہ فرمایا کہ ماؤں کے ارحام میں کیا ہے' اس کا بھی اللہ ہی کو علم ہے اُسے سب پتہ ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے' لڑکا ہے یا لڑکی ہے اور کچھ ہے یا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید دو چیزوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ کل کو میں کیا کروں گا' اور فرمایا کہ کسی کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی موت کہاں ہو گی اور اُسے کس زمین میں موت آئے گی۔ آیت کے ختم پر فرمایا إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (بلاشبہ اللہ علم والا ہے باخبر ہے)

جب سے دُنیا میں آلات کا رواج ہو گیا ہے اُس وقت سے ایمانیات میں فرق آنے لگا ہے اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ فضا میں جو آلات نصب کر دیتے ہیں وہ بتا دیتے ہیں کہ بارش کب ہو گی' اور ایکسرے کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ' ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ آیت شریفہ میں آلات کے ذریعہ جو علم حاصل ہو اُن کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ ازل سے ہے ہمیشہ سے ہے جب دنیا میں انسان نہیں آیا تھا اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسانوں کی نسلیں چلیں گی اور فلاں فلاں عورت حاملہ ہو گی اور اس کے پیٹ میں نر ہو گا یا مادہ ہو گا' ناقص پیدا ہو گا یا کامل! کہاں اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور کہاں بنی آدم کا علم جو آلات اور اسباب اور تجربات پر موقوف ہے پھر اس بات کو بھی جاننے والے جانتے ہیں کہ اسباب و آلات سے پتہ چلانے والوں کی پیشین گوئیاں غلط بھی ہو جاتی ہیں' لہٰذا یہ کہنا کہ بندے بھی علم قطعی کے طور پر بارش آنے کا وقت بتا دیتے ہیں اور حاملہ عورتوں کے پیٹوں میں جو ہے اس سے باخبر کر دیتے ہیں' یہ اُن لوگوں کی جاہلانہ باتیں ہیں جو آیت کا مفہوم نہ جاننے کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ آیت میں جو پانچ چیزوں کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں کے علاوہ دوسری غیب کی چیزوں کو بندے جانتے ہیں' غیب کی تمام چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' ہر غیب کا علم علم قطعی' علم ازلی' علم ذاتی' علم محیط صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

وهٰذا اٰخر تفسير سُورة لُقمٰن' والله المستعان وعليه التكلان

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ السجدہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں تیس آیات اور تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ۟ۚ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۟ؕ ② اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ

الٓمّٓ۔ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں رب العالمین کی طرف سے ہے کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بنالیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ

رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ

آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ ہدایت پر آجائیں۔ اللہ وہی ہے جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ

آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر عرش پر مستوی ہوا۔ تمہارے لئے

دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④

اس کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی سفارشی کیا تم نہیں سمجھتے؟

قرآن مجید حق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے
آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا

تفسیر: یہاں سے سورۃ السجدہ شروع ہے اوپر چند آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے الٓمّٓ تو متشابہات میں سے ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں باقی آیات میں قرآن مجید کا حق ہونا اور اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت اور صفت خالقیت بیان فرمائی ہے۔

مشرکین مکہ جو یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے خود سے بنالیا ہے اس کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا: بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ (بلکہ وہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے ہے) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ (تاکہ آپ ڈرائیں اُن لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے ڈرانے والا یعنی رسول اور نبی نہیں آیا) لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (تاکہ وہ ہدایت پر آجائیں)

اول تو یہ فرمایا کہ یہ قرآن اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے یہ کتاب آپ کی طرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا' ان لوگوں سے اہل مکہ مراد ہیں' ان کے پاس براہِ راست کوئی رسول نہیں آیا تھا البتہ دوسرے انبیاء کرام کی بعثت کا انہیں علم تھا اور ان کی طرف سے دعوتِ توحید پہنچی تھی۔ یہ لوگ داعیٔ توحید حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہی میں سے تھے' ان دونوں نے جو مکہ معظمہ میں کعبہ شریف بنایا تھا اس کا وجود ہی اشاعتِ توحید کے لئے تھا اور ان لوگوں کو اس کا

علم بھی تھا کہ یہ حضرات داعیٔ توحید تھے۔ لہٰذا یہ اشکال نہیں رہتا کہ ان کے پاس نبی نہیں آیا تو شرک کی وجہ سے ان کا مواخذہ کیوں صحیح ہوا؟ سورۂ فاطر میں فرمایا ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ اس کا عموم ہر قوم اور ہر جماعت کو شامل ہے ضروری نہیں کہ نذیر (ڈرانے والا) رسول ہی ہو ان حضرات کے نائبین نے بھی تبلیغ کی ہے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا (اس کا بیان سورۂ اعراف رکوع نمبر ۷ اور سورۂ فرقان رکوع نمبر ۵ میں گذر چکا ہے) مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی ولی نہیں ہے (جو نافرمانی پر مواخذہ کرنے سے بچا سکے) اور کوئی سفارش کرنے والا بھی نہیں (جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں سفارش کرے) اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے)

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ
وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر امر اس کے حضور میں ایک ایسے دن میں پہنچ جائے گا جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق
مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۝۵
ایک ہزار سال ہوگی

اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تدبیر فرماتا ہے، ہر امر اس کے حضور میں ایسے دن میں پیش ہوگا جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے

تفسیر: جو کچھ وجود میں آتا ہے، کائنات میں جو انقلاب ہوتے ہیں اور جو مخلوق کے احوال اور اعمال وجود میں آتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر کے موافق ہے، جو کچھ وجود میں آ رہا ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں قیامت کے دن پیش ہوگا، اس دن کی مقدار اس شمار کے مطابق جو دنیا میں گنتے ہیں ایک ہزار سال کی ہوگی۔ الفاظ آیت سے متبادل تو یہی ہے کہ يَعْرُجُ میں جو ضمیر مرفوع ہے وہ اَلْاَمْرُ کی طرف راجع ہے لیکن مفسرین نے اس میں متعدد احتمالات بیان کئے ہیں اسی طرح لفظ اِلَيْهِ کے مرجع کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں۔ (راجع تفسیر القرطبی جلد ۱۴ ص ۸۷، ۸۸) صاحب روح المعانی نے آیت کی تفسیر میں لمبی بحث کی ہے (جلد ۲۱ ص ۱۲۱) یہاں سورۃ السجدہ میں قیامت کے دن کو ایک ہزار سال بتایا اور سورۃ المعارج میں پچاس ہزار سال کا بتایا۔ جب اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا هما يومان ذكر هما الله تعالىٰ فى كتابه الله تعالىٰ اعلم بهما واكره ان اقول فى كتاب الله مالا اعلم (یعنی ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ ہی کو ان کا علم ہے) بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ احوال واشخاص کے اعتبار سے کسی کا یہ دن بہت جلدی گزر جائے گا اور کسی کا بہت دیر میں گذرے گا، مؤمنین صالحین جلدی سے چھٹکارہ پا جائیں گے انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے ایک فرض نماز کا

وقت گذرا ہو۔ (کما ورد فی الحدیث) اور فاسقین کے لئے بہت مصیبت کا دن ہوگا اور کافروں کے لئے تو بہت ہی زیادہ مصیبت درپیش ہوگی اور ان کے لئے یہ دن پچاس ہزار سال گذرنے کے برابر ہوگا۔

قال العبد الفقیر عفا اللہ تعالیٰ عنه: ان المفسرین الکرام ذکروا اقوالًا کثیرۃ فی تفسیر قولهٗ تعالیٰ: یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (الآیة) واختاروا فی مرجع ضمیر الیه ثمّ فی تطبیق قوله تعالیٰ: اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. وقوله تعالیٰ: فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ. حتیٰ ان صاحب الرّوح جعل الأیة الکریمة من المتشابهات' والذی القی اللہ تعالیٰ فی روعی هوان اللہ تعالیٰ یدبّر الامور التی تجری فی السّماء والارض وما بینهما حسب ما قدره ویرجع الامور کلها الیه تعالیٰ فی یوم القیامة' والامور التکوینیة لیس لهاصلة بالعباد لا یثابون علیها ولا یعاقبون' فاما الامورّ التشریعیة التی امروا بامتثالها بعد عروجها الیه تعالیٰ فی یوم القیامة تعرض علی العبادلا یخفٰی علیهم خافیة فیعاسبون فمنهم مثابون واٰخرون یعاقبون' فاما التّوفیق بین الف سنة وخمسین فعلم بذٰلک تخفیفه علی المؤمنین الّذین یصلون' فاما العصاۃ من اهل الایمان احوالهم مختلفة فمن مقل من الذنوب ومکثر منها فیهون او یصقب حسب حالم فیمتد لبعضهم اِلٰی مقدار الف سنة' واما الامتداد الاکبر فهو علی الکفرۃ الفجرۃ اعنی خمسین الف سنة' ثمّ اللہ لم یقید اللہ تعالیٰ خمسین الف سنة بقوله مما تعدون' وکذٰلک لم یقیدها بذٰلک النبیّ ﷺ فی ذکر تعذیب من لا یؤدی زکوته کما رواہ مسلم' فیمکن ان یکون الف سنة مما تعدو خمسین الف سنة باعتبار عدآخر' ومن الاکابر من قال ان هٰذا الاختلاف یمکن باعتبار اختلاف الآفاق کما هو موجود فی هٰذہ الدّنیا فان ما یقع علیٰ خط الاستواء یتم فیه اللیل والنّهار فی اَرْبع وعشرون ساعة واما ما یقع علیٰ عرض التسعین فیمتد فیه الیوم فی سنة واحدۃ وهٰذا یتم اذا کان فی ذٰلک الحین للسّماء حرکة دولابیّة اور حویة ولم یثبت ذٰلِکَ. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع المآب. (بندہ عاجز عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ مفسرین کرام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کی تفسیر میں بہت سارے اقوال ذکر کئے ہیں اور اِلَیْهِ کی ضمیر کے مرجع میں بھی اپنی اپنی ترجیحات کا ذکر کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (تمہاری اپنی اپنی گنتی کے مطابق ہزار سال) اور فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ (ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی) میں تطبیق کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہاں تک کہ تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کو متشابہات میں شمار کیا ہے۔ وہ بات جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کے مطابق آسمان وزمین اور ان کے درمیان کے امور کی تدبیر کرتا ہے اور تمام امور قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹیں گے۔ جو امور تکوینی ہیں ان کے ساتھ بندوں کا کوئی تعلق نہیں ہے نہ ان پر کسی کو ثواب ہوگا نہ

ان پر کسی کو ثواب ہوگا نہ عذاب لیکن شرعی امور جن پر عمل کرنے کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے وہ امور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے بعد بندوں پر پیش کئے جائیں گے ان میں کوئی ذرہ بھی پوشیدہ نہیں رہے گا۔ پھر ان کے حساب ہوگا بعض کو ثواب ملے گا بعض کو عذاب اور رہا مسئلہ ایک ہزار سال اور پچاس ہزار میں تطبیق کا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکوکار مومنوں پر قیامت کا دن ہلکا اور چھوٹا ہوگا مگر گناہ گار مؤمنوں کے احوال مختلف ہوں گے کئی تھوڑے گناہوں والے ہوں گے کئی زیادہ والے لہٰذا قیامت کا دن ان کے گناہوں اور نیکیوں کے مطابق ان کو ہلکا یا سخت معلوم ہوگا حتیٰ کہ بعض کے لئے وہ دن ہزار سال کا ہو جائے گا۔ اور اس دن کا سب سے زیادہ لمبا ہونا وہ کافروں کے لئے ہوگا زیادہ لمبے سے مراد پچاس ہزار سال کا پھر یہ بھی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پچاس ہزار سال کے ساتھ بندوں کے شمار کی قید نہیں لگائی اور اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بھی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کو عذاب ہونے والی حدیث میں بندوں کے شمار کی قید نہیں بتائی جیسا کہ مسلم میں روایت ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ ہزار سال جسے تم دوسری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال شمار کرتے ہو اور بعض اکابر نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ ہزار سال اور پچاس ہزار سال کا فرق مطالع کے اختلاف کی وجہ سے ہو جو کہ اس دنیا میں موجود ہے جو ممالک خط استواء پر واقع ہیں وہاں ایک دن رات چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے اور جو علاقے ۹۰ فیصد درجہ زاویہ پر واقع ہیں وہاں ایک دن ایک سال تک لمبا ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت مکمل ہوتا ہے جب آسمان کی حرکت دولانی اور جو یہ ہوتی ہے لیکن یہ توجیہ نصوص سے ثابت نہیں ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۶ الَّذِيٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ

وہی پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے زبردست ہے رحمت والا ہے اس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور

الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ

انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی پھر اس کی نسل کو ذلیل پانی سے نکالی ہوئی چیز بنایا پھر اس کو ٹھیک طرح بنا دیا۔ اور اس میں

مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا

اپنی روح پھونک دی اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے تم کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور انہوں نے کہا کیا یہ

ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ

واقعی بات ہے کہ جب ہم مٹی میں رل مل جائیں گے تو نئے طور پر پیدا ہوں گے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ آپ فرما دیجئے

يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

ملک الموت تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان کی تخلیق اور تصویر کا تذکرہ اور منکرین بعث کی تردید

تفسیر: جس ذات پاک کی صفات اوپر بیان ہوئیں وہ غیب اور شہادہ کا جاننے والا ہے یعنی جو کچھ بندوں سے غائب ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا اُسے اس سب کا علم ہے اور جو کچھ موجود ہے اور بندوں کے سامنے ہے وہ اس سب کو جانتا ہے' اَلْعَزِیْزُ (وہ سب پر غالب ہے) اَلرَّحِیْمُ (وہ اپنی مخلوق پر رحم فرمانے والا ہے) اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اچھا بنایا) یعنی حکمت کے مطابق پیدا فرمایا اور حکمت کے مطابق اُسے کام میں لگایا' ساری مخلوق خالق جل مجدہ کی حکمت کے مطابق وجود میں آئی ہے اور حکمت کے موافق اپنے اپنے اعمال میں مشغول ہے۔

حکمت کے مطابق پیدا فرمانا' کام میں لگانا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے' اگر کوئی چیز فی نفسہٖ قبیح ہو تو یہ احسان الخلق کے منافی نہیں ہے کیونکہ احسان الخلق کا تعلق حکمت سے ہے۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (اور اللہ نے انسان کی ابتدائی پیدائش مٹی سے فرمائی) اس کی تفسیر سورۂ حجر کے رکوع نمبر ۳ میں گذر چکی ہے اور سورۂ صٓ کے آخری رکوع میں بھی اس کا تذکرہ فرمایا ہے' ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (پھر اس کی نسل کو ذلیل پانی سے نکالی ہوئی چیز بنادی) یعنی مٹی سے ابتدائی تخلیق کے بعد جو انسان کی نسل چلائی اس کا سلسلہ اس طرح جاری فرمایا کہ نطفۂ منی جو ایک مَآءٍ مَّهِیْنٍ یعنی ذلیل پانی ہے باپ کی پشت سے نکل کر ماں کے رحم میں جاتا ہے (جسے سللة سے تعبیر فرمایا ہے جو سَلَّ یَسُلُّ سے فُعَالَةٌ کا وزن ہے) یہ نطفہ رحم مادر میں قرار پاتا ہے پھر اس سے لڑکا یا لڑکی کی تخلیق ہوتی جاتی ہے۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ (پھر اللہ نے اس کو ٹھیک طرح بنادیا یعنی وہیں اندر اندر رحم مادر میں اس کی شکل وصورت بنادی' اعضاء بنادیئے پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی' اس روح کے پھونکے جانے کے بعد جیتی جاگتی تصویر بن گئی' اس تصویر میں کان بھی بنادیئے اور آنکھیں بھی اور دل بھی) اب جو بچہ باہر آیا تو وہ ہاتھ پاؤں کے اعتبار سے صحیح جاندار سننے اور دیکھنے والا اور اپنے دل کو ادراک اور فہم میں استعمال کرنے والا سامنے آگیا' گو یہ قوىٰ اور ادراکات بتدریج نشوونما کے ساتھ ترقی پذیر ہوتے ہیں لیکن ابتداء ہی سے اس پیدا ہونے والے بچہ میں یہ چیزیں ودیعت رکھ دی جاتی ہیں۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کا شکر ادا کریں جس نے نطفہ سے رحم مادر میں اس کی تخلیق کی ابتداء کی' اس کے اعضاء بنائے اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اس میں قوتِ سامعہ وباصرہ ودیعت رکھی اور اس کے اندرونِ جسم دل بھی مرکب فرمادیئے جس کے دو کام ہیں' ایک تو رگوں میں خون کو برابر پھینکتے رہنا' دوسرے سوچنا سمجھنا' ان سب انعامات کا تقاضا یہ ہے کہ بنی آدم اپنے خالق کے شکر گذار ہوں لیکن شکر ادا کرنے والے کم ہیں اور جو شکر ادا کرنے والے ہیں وہ بھی بقدرِ استطاعت شکر ادا نہیں کرتے اور پورا شکر تو ادا ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے بعد منکرین قیامت کا ذکر فرمایا: وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ (اور ان لوگوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں رَل مِل جائیں گے تو کیا ہم نئے طور پر پیدا ہوں گے' بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے

منکر ہیں) وقوعِ قیامت کے منکرین جو باتیں کیا کرتے تھے اُن باتوں میں سے ایک بات نقل فرمائی ہے وہ یوں کہتے تھے کہ جب ہم مرجائیں گے زمین میں دفن ہو جائیں گے پھر ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور زمین میں ان کے ذرات رَل مل جائیں گے اُس وقت بھلا کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ اُن کا یہ استبعاد دوسری آیات میں بھی ذکر فرمایا ہے اُن لوگوں کا یہ کہنا قیامت آنے کے انکار پر مبنی تھا اسی لئے فرمایا بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ (بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (آپ فرما دیجئے ملک الموت تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس میں یہ بتایا کہ تمہیں مرنا بھی ضروری ہے اور زندہ ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹنا بھی ضروری ہے اور موت واقع کرنے کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ تم پر ملک الموت کو مسلط فرمایا ہے وہ تمہیں مقررہ وقت پر موت دے گا' جان کو رگ رگ سے نکالے گا' کافر کا عذاب اسی وقت سے شروع ہو جائے گا۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ

اور اے مخاطب اگر تو اس موقعہ کو دیکھے جبکہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہونگے تو عجیب منظر دیکھے گا۔ یہ لوگ کہہ رہے ہونگے کہ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا سو ہم کو واپس بھیج

صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ

ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہمیں یقین آ گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے اور لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ

ضرور ضرور جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جو اس میں اکٹھے ہوں گے۔ سو تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول جانے کی وجہ سے چکھ لو

اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

بلاشبہ ہم نے تمہیں بھلا دیا اور تم جو اعمال کیا کرتے تھے اُن کی وجہ سے ہمیشگی والا عذاب چکھ لو۔

قیامت کے دن مجرمین کی بدحالی اور دُنیا میں واپس ہونے کی درخواست کرنا

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے' پہلی آیت میں مجرمین کی ایک حالت بتائی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں وقوعِ قیامت کا انکار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے: ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ جب یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور بارگاہِ الٰہی میں پیشی ہوگی تو رُسوائی اور ذلت کے مارے ہوئے سر جھکائے ہوں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا جس بات کے منکر تھے وہ سمجھ میں آ گئی لہٰذا ہمیں دُنیا میں واپس بھیج دیجئے اب واپس ہو کر اچھے عمل کریں گے' ہمیں پوری طرح ان باتوں کا یقین آ گیا جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے نائبین سناتے اور سمجھاتے تھے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دینا ہے' دونوں گروہ کے افراد کثیر تعداد میں دوزخ میں جائیں گے جنہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا یہ لوگ وہاں اکٹھے ہوں گے' یہ بات ازل سے طے شدہ ہے اور کافروں کے لئے مقدر

ہے۔ جب ابلیس نے لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ کہا تھا اُس وقت اللہ جل شانہٗ نے فرمادیا تھا: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ (کہ اے ابلیس میں تجھ سے اور جو تیرا اتباع کرے گا ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا)

ہدایت یعنی اراءۃ الطریق تو سب ہی کے لئے ہے لیکن ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب سب کے لئے نہیں ہے' دوزخ کو بھی بھرنا ہے اور جنت کو بھی' اور جو شخص دوزخ میں جائے گا وہ اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے جائے گا۔ اُسے دنیا میں ایمان اور کفر کے دونوں راستے دکھا دیئے گئے' اسی اختیار دے دینے کی وجہ سے کسی کو ایمان یا کفر پر مجبور نہیں کیا گیا' جیسا کہ سورۂ کہف میں فرمایا وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔ (اور آپ فرما دیجئے کہ تمہاری طرف حق آچکا ہے سو تم میں سے جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اور قضاء اور قدر کا فیصلہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ کافر ہوں گے اور بہت سے لوگ مومن ہوں گے اور کافر دوزخ میں جائیں گے اور اہل ایمان جنت میں۔ جو امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے اس کا وجود میں آنا ضروری ہے۔

کفار جو وہاں کہیں گے کہ ہمیں واپس کر دیا جائے ہم نیک بنیں گے' اُن کا یہ وعدہ غلط ہوگا' سورۂ انعام میں فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور اگر واپس کر دیئے جائیں تو پھر لازمی طور پر وہی کام کریں گے جن سے منع کیا گیا ہے اور بلا شبہ وہ جھوٹے ہیں) اور سورۂ فاطر میں ہے کہ ان کے واپس لوٹا دیئے جانے کی درخواست کے جواب میں یوں ارشاد ہوگا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا' اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا)

تیسری آیت میں فرمایا کہ مجرمین کی واپسی کی درخواست کے جواب میں ان سے کہا جائے کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو جو بھول گئے تھے (اور اسی بھولنے کی وجہ سے نافرمانی پر تلے ہوئے تھے) اس بھولنے کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا

ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں جس کے ساتھ حمد بھی ہوتی ہے اور وہ

يَسْتَكْبِرُوْنَ ۱۵ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتے ہیں وہ ڈرتے ہوئے اور اُمید باندھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے

يُنْفِقُوْنَ ۱۶ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۷

خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو اس کا علم نہیں ہے جو ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے یہ اُن اعمال کا بدلہ ہوگا جو دُنیا میں کیا کرتے تھے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ۱۸ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سو جو شخص مومن ہو گیا وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۹ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ

اُن کے لئے باغ ہوں گے ٹھہرنے کی جگہوں میں یہ بطور مہمانی ان اعمال کے بدلہ ہوں گے جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے

كُلَّمَآ اَرَادُوٓا اَنْ يَّخْرُجُوا مِنْهَآ اُعِيْدُوا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ

جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اُسی میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھ لو جس کو

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾

تم جھٹلاتے تھے۔ اور ضرور ضرور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے قریب والا عذاب چکھا دیں گے تاکہ وہ باز آجائیں'

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اُس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر وہ اُن سے اعراض کرے' بلاشبہ ہم مجرمین سے بدلہ لینے والے ہیں۔

اہل ایمان کی صفات' مومنین کا جنت میں داخلہ' اہل کفر کا دوزخ میں برا ٹھکانہ

تفسیر: ان آیات میں مؤمنین صالحین کی بعض صفات اور ان کے انعامات بیان فرمائے ہیں اور کافرین فاسقین کا ٹھکانہ اور ان کی بدحالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو تذکیر اور نصیحت کا اثر لیتے ہیں' جب انہیں ہماری آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو انہیں سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تکبر بھی نہیں کرتے۔ مزید فرمایا کہ ان کے پہلو اپنے لیٹنے کی جگہوں سے یعنی خوابگاہوں سے دور ہو جاتے ہیں وہ ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں' اس میں نماز تہجد پڑھنے والوں کی فضیلت بتائی ہے کہ یہ لوگ سونے اور آرام کرنے کے لئے لیٹتے ہیں پھر تھوڑا سا آرام کر کے بستر کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وضو کر کے نماز میں لگ جاتے ہیں' نماز بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی مانگتے ہیں اور اس کے انعامات کی اُمید بھی رکھتے ہیں اور گرفت اور مواخذہ ہونے سے بھی ڈرتے ہیں۔ درحقیقت خوف اور طمع (ڈرنا اور نعمتوں اور مغفرتوں کی اُمید رکھنا) یہ دونوں مومن کی زندگی کے اہم جزو ہیں' مومن کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ رہنی چاہئیں یعنی گناہوں سے بچتا رہے اعمالِ صالحہ کرتا رہے اور عدم قبولیت کا خوف بھی لگا رہے' جیسا عمل چاہئے ویسا نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ سے بھی ڈرے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے اچھی امید بھی لگائے رکھے' جس کے دل سے خوف گیا وہ گناہ بھی کرے گا اعمال بھی ترک کرے گا اور فسق میں ترقی کرتا چلا جائے گا اور جس کے دل سے اُمید نکل گئی' اللہ کی طرف سے مغفرتوں اور نعمتوں کا امیدوار نہ رہا ایسا شخص دُعا بھی نہ کرے گا' خوف اور طمع نہ ہو تو بندہ محرومی کے غار میں اُترتا چلا جاتا ہے۔

جو شخص تہجد کا اہتمام کرے گا ظاہر ہے کہ فرائض و سنن کی ادائیگی کا اس سے زیادہ فکر مند ہوگا' لہٰذا اس میں نمازوں کا اہتمام کرنے والوں کی تعریف بیان فرما دی اور ساتھ ہی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ بھی فرما دیا کہ یہ لوگ نمازوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ لفظوں کا عموم زکوٰۃ اور نفلی صدقہ اور صدقہ واجبہ

سب کو شامل ہے اور قلیل و کثیر سب کچھ اس میں آ گیا' یعنی یہ جو فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں ایک پیسے سے لیکر لاکھوں خرچ کرنا سب داخل ہو گیا' اللہ کی رضا میں خرچ کرنے کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس تھوڑا سا سامان ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے' خرچ کرنے کا ذوق ہو تو زیادہ مالیت اور کم مالیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور تھوڑا مال ہونا بھی خرچ سے مانع نہیں ہوتا' بعض صحابہؓ نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے پاس کچھ نہ ہوا تو مزدوری کر کے کچھ حاصل کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نمازِ تہجد کی فضیلت: تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ سے نمازِ تہجد مراد ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا' صاحب معالم التنزیل (جلد۳) فرماتے ہیں کہ یہ اشہر الاقوال ہے اور اس کی تائید میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ساتھ چلتے ہوئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتایئے جس کے ذریعہ جنت میں داخل ہو جاؤں اور دوزخ سے دور رہ سکوں' سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا اور حقیقت میں کچھ بڑی بھی نہیں' جس کے لئے اللہ تعالیٰ آسان فرما دیں اُس کے لئے بے شک ضرور آسان ہے' اس کے بعد فرمایا کہ (وہ عمل یہ ہے کہ) تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر' پھر فرمایا کیا تم کو خیر کے دروازے نہ بتا دوں؟ (سنو!) روزہ ڈھال ہے (جو نفس کی شہوتوں کو توڑ کر شیطان کے حملہ سے بچاتا ہے) اور صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے (یعنی اس کی وجہ سے جو دوزخ کی آگ جلاتی اُس سے محفوظ کر دیتا ہے گویا کہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے' جیسا کہ آگ کو پانی بجھا دیتا ہے) اور انسان کا رات کے درمیان نماز پڑھنا (تہجد کے وقت) نیک بندوں کا امتیازی نشان ہے' اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد پڑھنے والوں کی تعریف کی گئی ہے) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کی کروٹیں (بستر سے چھوڑ کر) لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتی ہیں' وہ اپنے رب کو اُمید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے لئے چھپا دیا گیا ہے خزانہ یہ اُن کو اُن کے اعمال کا صلہ ملا ہے) پھر فرمایا کیا تم کو احکامِ الٰہیہ کی جڑ اور اُن کا ستون اور اس کی چوٹی کا عمل نہ بتا دوں! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتایئے! آپ نے فرمایا احکام الٰہیہ کی جڑ فرمانبرداری ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور چوٹی کا عمل جہاد ہے۔ پھر فرمایا کیا تم کو اس سب کا جز واصلی نہ بتا دوں (جس کو عمل میں لانے سے ان سب چیزوں پر عمل کر سکو گے) میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ضرور ارشاد فرمایئے! آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا اسے قابو میں رکھ کر اپنی نجات کا سامان کرو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (ﷺ) جو باتیں ہم بولتے ہیں کیا اُن پر بھی پکڑ ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! تم بھی عجیب آدمی ہو! دوزخ میں منہ کے بل اوندھے کر کے جو چیز لوگوں کو دوزخ میں گرائے گی وہ ان کی زبان کی باتیں ہی تو ہوں گی۔ پھر فرمایا تم جب تک خاموش رہتے ہو محفوظ رہتے ہو اور جب بولتے ہو تو تمہارا بول تمہارے لئے ثواب یا عذاب کا سبب بنا کر لکھ دیا جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ حدیث اپنی سند سے ذکر کی ہے اور صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے ص۱۴ پر مسند احمد اور سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے نقل کی ہے' خوابگاہوں سے پہلو جدا ہوتے ہیں اس کا مصداق نماز تہجد بتا کر صاحب معالم

التنزیل نے دیگر اقوال بھی نقل کئے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی یہ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے اور جب تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیتے تھے گھروں کو نہیں جاتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت اُن صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے اور حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس آیت میں ان حضرات کی تعریف فرمائی ہے جو عشاء اور فجر جماعت سے پڑھتے ہیں۔ (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۰۰)

درحقیقت ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے البتہ صلوٰۃ اللیل یعنی نمازِ تہجد مصداق ہونا متبادر ہے اور حدیث شریف سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے البتہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب نماز تہجد کے لئے خواب گاہ چھوڑنے کی فضیلت ہے جو نفل نماز ہے تو نماز فجر کے لئے گرمی اور سردی میں بستر چھوڑ کر نماز فجر ادا کرنے کی فضیلت کیوں نہ ہوگی جو فرض نماز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نمازِ فجر جماعت سے پڑھ لوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے جو پوری رات نماز میں کھڑا رہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا (اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے جدا ہو جاتے تھے یہ سنکر کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کی تعداد تھوڑی ہوگی یہ لوگ بغیر حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد باقی لوگوں کا حساب شروع کرنے کا حکم ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

جن حضرات کی صفات اوپر بیان ہوئی ہیں اُن کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ کیا ہوا ہے اُسے کوئی شخص نہیں جانتا اس میں اجمالی طور پر جنت کی نعمتوں کا مرتبہ بتایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ سامان تیار کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گذر ہوا اس کے بعد راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۴)

درحقیقت بات یہ ہے کہ جنت کی جن چیزوں کا قرآن وحدیث میں تذکرہ ہے اس میں کسی نعمت کی پوری کیفیت بیان نہیں کی گئی جو کچھ بیان فرمایا ہے وہاں کی نعمتیں اس سے بہت بلند ہیں اور بالا ہیں اس لئے فرمادیا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان اہل جنت کے لئے تیار کیا گیا ہے کوئی آنکھ تو دنیا میں اُسے کیا دیکھ پاتی کسی کان نے اس کی کیفیت کو سنا تک نہیں اور کسی کے دل میں اس کا تصور تک نہیں آیا۔ جنت کے متعلق جو کچھ سن کر اور پڑھ کر سمجھ میں آتا ہے جب جنت میں جائیں گے تو اس سے بہت بلند و بالا پائیں گے پھر جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ قرآن وحدیث میں موجود ہے وہاں اُن کے علاوہ بہت زیادہ نعمتیں ہیں نیز کسی چیز کے دیکھنے اور استعمال کرنے سے جو پوری واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ محض سُننے سے حاصل نہیں ہوتی لہٰذا اس دنیا میں رہتے ہوئے نعمائے جنت کی واقعی حقیقت و کیفیت کا ادراک نہیں ہوسکتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جنت کی نعمتوں میں سے اتنی تھوڑی سی کوئی چیز دُنیا والوں پر ظاہر ہو جائے جسے ناخن پر اُٹھا سکتے ہیں تو آسمان اور زمین کے کناروں میں جو کچھ ہے وہ سب مزین ہو جائے اور اہل جنت میں سے کوئی شخص دُنیا کی طرف جھانک لے جس سے اس کے کنگن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کر دے جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی جنت میں نہیں ہے صرف ناموں کی مشابہت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کے تذکرہ میں جو سونا چاندی' موتی' ریشم' درخت' پھل میوے' تخت' گدے' کپڑے وغیرہ آئے ہیں یہ چیزیں وہاں کی چیزیں ہوں گی اور اُسی عالم کے اعتبار سے ان کی خوبی اور بہتری ہوگی' دنیا کی کوئی بھی چیز جنت کی کسی چیز کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔

تنبیہ: نیک بندوں کی تعریف فرماتے ہوئے وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ بھی فرمایا ہے یہ سلبی صفت ہے دیگر صفات ایجابی ہیں۔ بات یہ ہے کہ تکبر بہت بری بلا ہے اپنی بڑائی بگھارنا' شہرت کا طالب ہونا' دوسروں کو حقیر جاننا دکھاوے کے لئے عبادت کرنا تاکہ لوگ معتقد ہوں' یہ سب تکبر کے شعبے ہیں۔ تکبر عبادات کا ناس کھو دیتا ہے' کیا کرایا سب مٹی میں مل جاتا ہے' ریاکاری کی وجہ سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں اور وہ مستوجب سزا بھی ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کا تذکرہ آیا ہے' مومن بندوں پر لازم ہے کہ تکبر سے دور رہیں' تواضع اختیار کریں' فرائض بھی ادا کریں' واجبات بھی پورے کریں' نوافل بھی پڑھیں' زکوٰۃ بھی دیں' صدقہ بھی کریں' سب سے اللہ کی رضا مقصود ہو' دکھاوا نہ کریں اور نہ بندوں سے تعریف کی خواہشمند ہوں۔

مومن اور فاسق برابر نہیں:

مؤمنین صالحین کا اجر وانعام بتانے کے بعد ارشاد فرمایا: اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا جو شخص مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے دیا لَا يَسْتَوُونَ (مؤمنین اور فاسقین برابر نہیں ہو سکتے) اس کے بعد دوبارہ اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی کافروں کے عذاب کا بھی ارشاد فرمایا: اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے لئے باغ ہوں گے ٹھہرنے کی جگہوں میں) نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (یہ بطور مہمانی اُن اعمال کا بدلہ ہوں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے) وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ (اور جن لوگوں نے نافرمانی کی اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں) وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۔ (اور اُن سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے) جب ایمان والوں اور نافرمانوں کے انجام میں فرق ہے کہ اہلِ ایمان ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہوں گے اور وہاں اُن کے ساتھ مہمانوں جیسا برتاؤ ہوگا اور نافرمان دوزخ میں جائیں گے تو دونوں فریق برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اہل کفر کی ذلت کا یہ عالم ہوگا کہ جب اس میں سے نکلنا چاہیں تو اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم جھٹلانے والا عمل کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ولید بن عقبہ بن ابی

معیط کے بارے میں نازل ہوئی، دونوں میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی ولید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ چپ ہو جا تو بچہ ہے اور میں بولنے میں بھی تجھ سے بہتر ہوں اور نیزہ بھی زیادہ تیز ہے اور دلاور بھی تجھ سے زیادہ ہوں، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چپ ہو جا تو فاسق ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی (فی صحتہ کلام طویل ذکرہ صاحب الروح فراجعہ ان شئت' قال صاحب الروح وفی روایۃ اخری انھا نزلت فی علی اکرم اللّٰہ وجھہ ورجل من قریش ولم یسمہ) (اس بات کے صحیح ہونے میں طویل کلام ہے جسے روح المعانی والے نے ذکر کیا ہے اگر آپ چاہیں تو اسے دیکھ لیں۔ روح المعانی کے مصنفؒ نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ایک دوسرے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ دوسرے آدمی کا نام ذکر نہیں کیا)

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اور ہم انہیں ضرور ضرور بڑے عذاب سے پہلے قریب والا عذاب چکھا دیں گے تاکہ وہ باز آ جائیں) بڑے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب اور قریب والے عذاب سے دُنیا کا عذاب مراد ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں دو باتیں منقول ہیں' اول یہ کہ اہل مکہ کو جو چند سال قحط میں مبتلا کیا اس سے وہ عذاب مراد ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مشرکین مکہ کا غزوۂ بدر میں مقتول ہونا اور شکست کھانا مراد ہے۔ اگر وَلَنُذِيقَنَّهُمْ کی ضمیر منصوب مشرکین مکہ کی طرف راجع ہو تو یہ دونوں تفسیر اس کے مناسب ہیں' اور اگر عمومی طور پر سب ہی کافر اس ضمیر کا مرجع قرار دیئے جائیں تو پھر دنیا کے مصائب اور امراض مراد ہوں گے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ تیسرا قول بھی مروی ہے۔ دنیا کا یہ عذاب ایمان کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہوتا ہے تاکہ تنبہ ہو جائے اور توبہ کی طرف رجوع کر لیں۔ (رُوح المعانی جلد ۲۱ ص ۱۳۴' ۱۳۵)

آخر میں فرمایا وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا (اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اُس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر وہ ان سے اعراض کرے) إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ (اور بلاشبہ ہم مجرمین سے بدلہ لینے والے ہیں) اس میں مکذبین کے مستحق عذاب ہونے کی وجہ بتائی ہے کہ ہماری آیات کو جھٹلا کر بڑے ظالم بن گئے' نیز امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی تسلی ہے کہ یہ لوگ جو تکذیب پر تلے ہوئے ہیں ہم ان سے بدلہ لے لیں گے۔

صاحب رُوح المعانی فرماتے ہیں کہ پہلے اُن حضرات کی تعریف فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر سجدے میں گر پڑتے ہیں اور ان آیات میں اُن لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جن کے سامنے اللہ کی آیات آئیں پھر وہ ان سے اعراض کریں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ ۖ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت

إِسْرَائِيلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾

بنایا تھا۔ اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے جبکہ انہوں نے صبر کیا' اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾

بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے' پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی (انہوں نے اس کی اشاعت میں تکلیفیں برداشت کیں) اور اب آپ کو یہ کتاب دی ہے یعنی قرآن مجید عطا فرمایا ہے آپ اس کتاب کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے یعنی آپ صاحب کتاب ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے' آپ کا بلند مرتبہ ہے' اس بلند مرتبہ کے ہوتے ہوئے اگر کج فہم آپ کی دعوت پر دھیان نہ دیں تو آپ غم نہ کریں' موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی وہ محنت کرتے رہے اور ایذا دینے والوں کی باتوں پر صبر کرتے رہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ کا خطاب گو بظاہر حضور اکرم کو ہے لیکن مقصود خطاب آپ (ﷺ) کی امت ہے اور وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن مجید کے بارے میں کتاب اللہ ہونے میں شک تھا۔

حضرت حسن نے فرمایا کہ لِقَائِهِ کی ضمیر مجرور شدت اور محنت کی طرف راجع ہے جو کلام سے مفہوم ہو رہی ہے فكأنه قيل: ولقد اٰتينا موسىٰ هٰذا العبء الذى انت بسبيله فلا تمتر انك تلقى ما لقى هو من الشدة والمحنة بالناس. (ذكره صاحب روح) (گویا کہ کہا گیا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہی مشقت دی ہے جس مشقت کے راستہ پر آپ چل رہے ہیں پس آپ گھبراہٹ میں نہ پڑیں لوگوں کی طرف سے جو تکالیف و پریشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچیں وہ یقیناً آپ کو بھی پہنچیں گی) صاحب بیان القرآن نے اپنی تفسیر میں ضمیر کا مرجع تو کتاب ہی کو بتایا ہے البتہ شدت و محنت والی بات لے لی ہے ہم نے بھی ان کا اتباع کیا ہے اگرچہ صاحب روح المعانی آخر میں فرماتے ہیں: ولا يخفى بعده۔ (اور اس توجیہ کا بعید ہونا ظاہر ہے)

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ اور ہم نے اس کتاب کو (جو موسیٰ علیہ السلام کو دی تھی) بنی اسرائیل کے لئے سبب ہدایت بنایا تھا اسی طرح آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب بھی آپ کی اُمت کے لئے ہدایت کا سبب ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل میں پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ انہوں نے صبر کیا (اس سے معلوم ہوا ہدایت اور محنت کی کوشش میں صبر کرنا ضروری ہے لہٰذا آپ بھی صبر کریں) اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے یہ یقین انہیں ہدایت اور دعوت کے کام پر ثابت قدم رکھتا تھا۔ اَئِمَّةً سے کون حضرات مراد ہیں؟ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی اُمت کے افراد مراد ہیں جو ہدایت اور دعوت کے کام میں لگے رہتے تھے' یہ دوسرا قول اقرب ہے کیونکہ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ حال کے مناسب ہے' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو اصحاب یقین تھے ہی قال صاحب الروح ج ۲۱ ص ۱۳۸ والمراد كذالك لنجعلن الكتٰب الذى اٰتيناك او لنجعلنك هدًى لا متك ولنجعلن منهم ائمة يهدون مثل تلك الهداية۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنف نے کہا ہے اور مراد یہ ہے کہ اسی طرح ہم نے آپ کو جو کتاب دی اسے یا خود آپ کو آپ کی امت کے لئے ہدایت کا سامان بنائیں گے اور ہم ضرور ان میں راہنما بنائیں گے جو اس ہدایت کے مطابق راہنمائی کریں)

تیسری آیت میں یہ فرمایا کہ قیامت کے دن آپ کا رب ان کے درمیان ان امور کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جن میں یہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے تھے یعنی اہل ایمان کو جنت میں اور اہل کفر کو دوزخ میں داخل فرمادے گا۔ اس میں رسول اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ جو لوگ آپ کے مخالف رہے ہیں اگر کفر ہی پر جمے رہے تو قیامت کے دن سزا مل ہی جائے گی۔

اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِھِمْ ؕ اِنَّ

کیا ان لوگوں کو اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں بلاشبہ

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِہٖ

اس میں نشانیاں ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سنتے، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم سوکھی زمین کی طرف پانی کو روانہ کرتے ہیں پھر اس کے ذریعہ

زَرْعًا تَاْکُلُ مِنْہُ اَنْعَامُھُمْ وَاَنْفُسُھُمْ ؕ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے ان کے مویشی اور خود یہ لوگ کھاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے

ہلاک شدہ اقوام کے مساکن سے عبرت حاصل کرنے کی تاکید

کھیتیاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں جن سے بنی آدم اور مویشی کھاتے ہیں

تفسیر: جو لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اور اس تکذیب پر عذاب آجانے کی وعید سنتے تھے وہ عذاب آنے کی بھی تکذیب کرتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ عذاب آنے والا نہیں یہ یوں ہی باتیں، ایسے لوگوں کی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی اُمتیں ہلاک کر دی ہیں، یہ خبریں ان تک پہنچی ہوئی ہیں اور ان لوگوں کی ہلاکت کے واقعات انہوں نے سُن رکھے ہیں اور صرف سُنے ہی نہیں آنکھوں سے بھی ان کی تباہیوں کے آثار دیکھتے ہیں، جب اپنی تجارت کے لئے سفر کرتے ہیں (خصوصاً اہل مکہ جو تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے) تو یہ لوگ برباد شدہ اقوام کے کھنڈرات پر گذرتے ہیں تو ان کے قلعے گرے ہوئے اور مکانات ٹوٹے ہوئے اور بیکار پڑے ہوئے کنویں نظروں سے دیکھتے ہیں، کیا یہ بات ان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے، اگر فکر کریں اور تھوڑا سا بھی سوچیں تو یہ نشانیاں ہدایت کا سبب بن سکتی ہیں، جب یہ چیزیں نظر کے سامنے ہیں تو کیوں ہدایت نہیں کرتے، سورۃ الحج میں فرمایا: فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا وَھِیَ ظَالِمَۃٌ فَھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ (سو کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور حال یہ ہے کہ ان کے رہنے والے ظلم کرنے والے تھے، سو وہ اپنی ہی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنوئیں ہیں اور پختہ بنائے ہوئے محل ہیں جو ویران پڑے ہیں)

پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو قیامت کے منکر تھے اور یوں کہتے تھے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ان کے بارے میں فرمایا کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ زمین خشک پڑی رہتی ہے، اس میں ذرا بھی ایک سبز پتہ کا نشان بھی نہیں ہوتا ہم اس زمین کی طرف پانی روانہ کرتے ہیں جو بادلوں سے بھی برستا ہے اور نہروں اور کنوؤں سے بھی حاصل کیا جاتا ہے جب یہ پانی زمین میں

اُترتا ہے تو ہم اس سے کھیتی نکال دیتے ہیں، یہ کھیتی اُن کے کام آتی ہے اس سے ان کے جانوروں کا چارہ بھی بنتا ہے اور خود بھی یہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں، یہ مردہ زمین کو زندہ کرنا انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی زندہ مثال ہے اگر سمجھنا چاہیں تو سمجھ سکتے ہیں یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے کیوں نہیں دیکھتے؟ سورۂ رُوم میں فرمایا فَانْظُرْ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سو اے مخاطب اللہ کی رحمت کے آثار کو دیکھ لے وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ فرماتا ہے، بلاشبہ وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ
اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی اگر تم سچے ہو، آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان نہ نفع دے گا
وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾
اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور انتظار کیجئے بے شک وہ بھی منتظر ہیں۔

فتح کے دن کافروں کا ایمان نفع نہ دے گا

تفسیر: جب منکرین اور معاندین کے سامنے قیامت کے واقع ہونے اور وہاں فیصلے کئے جانے کا ذکر ہوتا تھا تو کافر لوگ بطورِ مذاق ہنسی اڑاتے ہوئے یوں کہتے تھے کہ فیصلہ کا دن کب ہوگا؟ تم سچے ہو تو ہمیں اس کی تاریخ بتادو، ان کے جواب میں فرمایا کہ انکار کرنے اور جلدی مچانے سے اس دن کے عذاب سے خلاصی نہ پاؤ گے آنے والی آ ہی جائے گی دیر میں آنے کا مطلب یہ نہیں کہ آنی ہی نہیں ہے، وہ آئے گی ضرور آئے گی اور کافروں کو بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا اسے دیکھ کر ایمان لاؤ گے تو ایمان بھی معتبر نہ ہوگا اور اگر یوں کہیں کہ ہمیں مہلت دیدی جائے تو مہلت بھی نہیں دی جائے گی قال صاحب الروح فكانهٗ قيل لهم: لا تستعجلوا به ولا تستهزؤا فكانى باسم وقد حصلتم فى ذٰلك اليوم وآمنتم فلم ينفعكم الايمان واستنظرتم فى ادراك العذاب فلم تنظروا، وهٰذا قريب من اسلوب الحكم. (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں گویا کہ ان سے کہا گیا ہے تم قیامت کی جلدی نہ مچاؤ اور نہ مزاق اڑاؤ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تم قیامت کے دن میں داخل ہو چکے ہو اور تم اس دن کو دیکھ کر ایمان لائے ہو اور تمہیں اس وقت کے ایمان نے کوئی نفع نہیں دیا ہے۔ تم نے عذاب سے بچاؤ کیلئے مہلت مانگی ہے لیکن تمہیں مہلت نہیں ملی یہ مفہوم امر کے صیغہ سے حکم کے انداز میں بات کہنے کے قریب ہے)

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (سو آپ ان سے اعراض فرمائیے) ان کی تکذیب اور استہزاء کا وبال انہیں پر پڑے گا، ان کو سمجھنے کا ارادہ نہیں ہے اور افہام و تفہیم بھی ان کے حق میں مفید نہیں۔ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ (آپ انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کر رہے ہیں) آپ ہماری مدد کے منتظر رہیں وہ غیر شعوری طور پر عذاب کے منتظر ہیں۔

ولقد تم تفسير سورة السجدة بحمد الله تعالىٰ وحسن توفيقه، لليلة الثانى عشر من شهر شعبان المعظم من شهور السنة السادس عشرة بعد الالف والربعمائة.

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ. وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ احزاب مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں تہتر آیات اور نو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیۓ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے، اور آپ اُس کا اتباع کیجئے

مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا ہے بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور وہ کافی

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

ہے اور کارساز ہے

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیۓ اور اس پر توکل کیجئے، کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے

تفسیر: یہاں سے سورۂ احزاب شروع ہو رہی ہے، اَحْزَابُ حِزْبٌ کی جمع ہے جو گروہ کے معنی میں آتا ہے، ۵ھ میں قریش مکہ اور بہت سے قبائل اور جماعتیں سب مل کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ طیبہ پر چڑھ آئے تھے۔ چونکہ ان کے بہت سے گروہ تھے اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۂ احزاب معروف ہوا۔ اور چونکہ اس موقع پر خندق بھی کھودی گئی تھی (اور ظاہری اسباب میں وہی تمام گروہوں کے حملہ سے محفوظ ہونے کا ذریعہ بنے) اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورۃ الاحزاب کا سبب نزول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیع نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ اپنی دعوت کو چھوڑ دیں؟ تو ہم آپ کو اپنا آدھا مال دے دیں گے، اور ادھر مدینہ طیبہ کے یہودیوں اور منافقوں نے یہ دھمکی دی کہ آپ نے اگر اپنی بات نہ چھوڑی تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے، اس پر سورۃ الاحزاب نازل ہوئی۔

اوپر تین آیات کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے، ان میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ برابر تقوے پر قائم و دائم رہیۓ، کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو وحی کی جاتی ہے اس کا اتباع کرتے رہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں، اللہ کافی ہے اللہ کارساز ہے، وہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، دشمنوں نے جو آپ کو مال کی پیش کش کی ہے اور جو قتل کی دھمکی دی ہے اُسے اس کا علم ہے، اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے جو کچھ وجود میں آتا ہے اس میں حکمت ہے، دشمنوں نے آپ کو جو پیش کش کی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس میں سے ایک یہ ہے کہ آپ مضبوطی کے ساتھ اللہ کے دین پر جمے رہیں اور وحی کا اتباع کرتے رہیں تاکہ آپ کے اندر مزید قوت اور توکل کی شان پیدا ہو جائے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ

اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں

اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ

نہیں بنایا' اور جو تمہارے منہ بولے بیٹے ہیں ان کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا' یہ تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے' اور اللہ حق بات فرماتا ہے

يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

اور راستہ دکھاتا ہے' تم انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو' یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے' سو اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو

فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ

وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں' اور جو کچھ تم سے خطا ہو جائے اس کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور لیکن جس کا تمہارے

قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

دل قصداً ارادہ کر لیں' اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں ان کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو

تفسیر: تفسیر قرطبی جلد نمبر ۱۴ ص ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ جمیل بن معمر فہری ایک آدمی تھا اس کی ذکاوت اور قوت حافظہ مشہور تھی' قریش اس کے بڑے معتقد تھے اور کہتے تھے کہ اس کے سینہ میں دو دل ہیں اور وہ خود بھی یوں کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں ان دونوں کے ذریعہ جو کچھ سمجھتا ہوں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عقل سے زیادہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی باتوں کی تردید فرمائی اور فرمایا' مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ (کہ اللہ نے کسی بندہ کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے) جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے اُسے اپنے دعوے کی سزا ضرور ملنا ہے اور اس کے دعوے کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ اس شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جو یہ کہتا تھا کہ میرے اندر دو دل ہیں۔ قصہ یہ ہوا کہ یہ شخص بھی جنگ بدر میں شریک تھا جب مشرکین کو شکست ہو گئی تو ابوسفیان نے اُس سے پوچھا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہ تو شکست کھا گئے' ابوسفیان نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک چپل تیرے ایک ہاتھ میں ہے اور دوسرا تیرے پاؤں میں ہے' کہنے لگا اچھا یہ بات ہے! میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ وہ دونوں میرے پاؤں میں ہیں' اُس وقت لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنے چپل کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے یہ نہ سمجھتا کہ وہ میرے پاؤں میں ہے۔

ظہار کیا ہے: اہل عرب میں ظہار کا طریقہ جاری تھا یعنی مرد اپنی بیوی سے یوں کہہ دیتا تھا کہ: اَنْتِ ...... كَظَهْرِ اُمِّیْ (تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی کمر ہے) ایسا کہہ دینے سے اُس عورت کو اپنے اوپر ہمیشہ کے لئے حرام سمجھ لیتے تھے۔ اسلام میں اگر کوئی شخص ایسا کہہ دے تو اس کے لئے کفارہ مقرر کر دیا گیا ہے جو سورۃ المجادلہ کے پہلے رکوع میں مذکور ہے' اہل عرب جو اپنے اوپر عورت کو ہمیشہ کے لئے حرام سمجھ لیتے تھے اُن کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلَ

اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری حقیقی اور واقعی ماں نہیں بنا دیا) لہٰذا اگر کوئی شخص ظہار کر لے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہو جائے گی مقررہ کفارہ دے دے تو پھر میاں بیوی کی طرح رہیں۔

بیٹا بنالینا: اہل عرب کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب کسی لڑکے کو منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے (جو اپنا بیٹا نہیں دوسرے شخص کا بیٹا ہوتا تھا جسے ہمارے محاورہ میں لے پالک کہتے ہیں) تو اس لڑکے کو بیٹا بنانے والا شخص اپنی ہی طرف منسوب کرتا تھا یعنی حقیقی بیٹے کی طرح سے اُسے مانتا اور سمجھتا تھا اور اس سے بیٹے جیسا معاملہ کرتا تھا اس کو میراث بھی دیتا تھا اور اس کی موت یا طلاق کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو بھی حرام سمجھتا تھا اور عام طور سے دوسرے لوگ بھی اس لڑکے کو اُسی شخص کی طرف منسوب کرتے تھے جس نے بیٹا بنایا ہے اور ابن فلاں کہہ کر پکارتے تھے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ (کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی اور واقعی بیٹا قرار نہیں دیا) تم جو انہیں بیٹا بنانے والے کا بیٹا سمجھتے ہو اور اس پر حقیقی بیٹے کا قانون جاری کرتے ہو یہ غلط ہے۔ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (یہ تمہارے اپنی منہ بولی باتیں ہیں، اللہ کی شریعت کے خلاف ہیں) وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ (اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور حق راہ بتاتا ہے) اسی میں سے یہ بھی ہے کہ منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہ سمجھا جائے۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (تم انہیں ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی چیز ہے) فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ (سو اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو مثلاً کسی لڑکے کو پال لیا جس کا باپ معلوم نہ تھا مثلاً کسی لقیط (پڑا ہوا بچہ) کو اُٹھا لیا۔ اس کے باپ کا علم نہیں نہ بیٹا بنانے والے کو ہے نہ بستی والوں کو تو اُسے یَا اَخِیْ میرا بھائی کہہ کر بلاؤ کیونکہ وہ تمہارا دینی بھائی ہے یا دوست کہہ کر بلاؤ مَوَالِیْ مَوْلٰی کی جمع ہے جس کے متعدد معانی ہیں ان میں سے ایک ابن العم یعنی چچا کے بیٹے کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے صاحب جلالین نے مَوَالِیْكُمْ کا ترجمہ بنو عمکم کیا ہے یعنی چچازاد کہہ کر پکارلو۔ وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ (اور جو کچھ تم سے خطا ہو جائے اس کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں) تم سے بھول چوک ہو جائے اور منہ سے بیٹا بنانے والے کی طرف نسبت کر بیٹھو تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ (لیکن اس حکم کی خلاف ورزی قلبی ارادہ کے ساتھ قصداً ہو جائے تو یہ مواخذہ کی بات ہے) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ہے) گناہ ہو جائے تو مغفرت طلب کرو اور توبہ کرو۔

ضروری مسائل

مسئلہ: اگر کسی لڑکے یا لڑکی کو کوئی شخص لے کر پال لے اور بیٹا بیٹی کی طرح اس کی پرورش کرے جیسا کہ بعض بے اولاد ایسا کر لیتے ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے لیکن حقیقی ماں باپ، بھائی، بہن اور دیگر رشتہ داروں سے اس کا تعلق حسب سابق باقی رہنے دیں، شرعی اصول کے مطابق آنا جانا ملنا جلنا جاری ہے قطع رحمی نہ کی جائے۔

مسئلہ: قرآن مجید میں بتادیا کہ مُتَبَنّٰی یعنی منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا لہٰذا اس کو پالنے والے مرد یا عورت کی میراث نہیں ملے گی، بعض مرتبہ کسی کو بیٹا بیٹی بنا لینے کے بعد اپنی اولاد پیدا ہو جاتی ہے اور اولاد کے علاوہ دیگر شرعی ورثاء

بھی ہوتے ہیں پس سمجھ لیا جائے کہ میراث اسی اصل ذاتی اولاد اور دیگر شرعی ورثاء کو ملے گی منہ بولے بیٹے بیٹی کا اس میں کوئی حصہ نہیں' البتہ منہ بولے بیٹے کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے جو تہائی مال سے زیادہ نہ ہو اور اس وصیت کرنے میں اصل وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی نیت نہ ہو۔

مسئلہ: منہ بولا بیٹا بیٹی چونکہ اپنے حقیقی بیٹا بیٹی نہیں بن جاتے اس لئے اگر وہ محرم نہیں ہیں تو ان سے وہی غیر محرم والا معاملہ کیا جائے گا اور سمجھدار ہو جانے پر پردہ کرنے کے احکام نافذ ہوں گے' ہاں اگر کسی مرد نے بھائی کی لڑکی لے کر پال لی تو اس سے پردہ نہ ہوگا یا اگر کسی عورت نے بہن کا لڑکا لے کر پال لیا تو اس سے بھی پردہ نہ ہوگا کیونکہ دونوں صورتوں میں محرم ہونے کا رشتہ سامنے آ گیا' ہاں جس کا رشتہ محرمیت نہ ہوگا اس سے پردہ ہوگا' مثلاً کسی عورت نے اپنے بھائی یا بہن کی لڑکی لے کر پال لی جس کا عورت کے شوہر سے کوئی رشتہ محرمیت نہیں ہے تو اُس مرد کے حق میں وہ غیر ہوگی اس سے پردہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی نے کسی کو منہ بولا بیٹا بنایا اور اس بیٹا بنانے والے کی لڑکی بھی ہے تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ حُرمت نکاح کا کوئی دوسرا سبب نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی نامحرم کو اپنا بیٹا بنایا اور اس لڑکے کی کسی لڑکی سے شادی کردی پھر یہ لڑکا مر گیا یا طلاق دے دی تو اس بیٹا بنانے والے شخص سے مرنے والے کی بیوی کا نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسری وجہ حرمت نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا پھر بڑا ہو جانے پر اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا تھا' جب انہوں نے طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا' اس پر عرب کے جاہلوں نے اعتراض کیا کہ دیکھو بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا' (جس کا تذکرہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آ رہا ہے' ان شاء اللہ) ان لوگوں کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ فرما دیا (کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنا دیا تھا)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد (ﷺ) کہا کرتے تھے۔ جب آیت وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ نازل ہوئی تو ہم نے ایسا کہنا چھوڑ دیا۔

مسئلہ: دوسروں کے بچوں کو شفقت اور پیار میں جو بیٹا کہہ کر بلا لیتے ہیں جبکہ ان کا باپ معروف و مشہور ہو تو یہ جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں ہے۔

مسئلہ: جس طرح کسی کے منہ بولے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے والے کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی کو اپنا باپ بنائے یا بتائے یا کاغذات میں لکھوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسبت کی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ (رواہ البخاری عن سعد بن ابی وقاص) آجکل جو لوگوں میں اپنا نسب بدلنے' جھوٹا سید بنے یا اپنی قوم و قبیلہ کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کی طرف منسوب ہونے کا رواج ہو گیا ہے یہ حرام ہے ایسا کرنے والے حدیث مذکور کی وعید کے مستحق ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی عورت نے زنا کیا اور اس سے حمل رہ گیا پھر جلدی سے کسی سے نکاح کر لیا اور اس طرح سے اس شوہر کا بچہ ظاہر کر دیا جس سے نکاح کیا ہے تو یہ بھی حرام ہے' اور اگر کسی شخص کا واقعی بچہ ہے اور وہ اس کا انکار کرے تو یہ بھی حرام

ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی عورت کسی قوم میں کسی ایسے بچے کو شامل کر دے جو اُن میں سے نہیں ہے تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اللہ اسے ہرگز اپنی جنت میں داخل نہ فرمائے گا' اور جس کسی مرد نے اپنے بچے کا انکار کر دیا حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی رحمت سے دور فرما دے گا اور اسے (قیامت کے دن) اولین و آخرین کے سامنے رسوا کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ
مؤمنین سے نبی کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو اُن کا اپنے نفسوں سے ہے اور آپ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں'
اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى
اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں بہ نسبت دوسرے مؤمنین مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے
اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ○
دوستوں سے کچھ اچھا سلوک کرنا چاہو یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

مؤمنین سے نبی کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو اُن کا اپنے نفسوں سے ہے اور آپ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں

تفسیر: اس آیت میں بظاہر چار باتیں بتائی ہیں' اول یہ کہ نبی اکرم ﷺ کو مؤمنین سے جو تعلق ہے وہ اُس تعلق سے بھی زیادہ ہے جو مؤمنین کو اپنی جانوں سے ہے' اس میں بہت سے مضامین آ جاتے ہیں' اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو ایمان والوں کے ساتھ جو رحمت اور شفقت کا تعلق ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ مؤمنین کو بھی اپنی جانوں سے رحمت اور شفقت کا اتنا تعلق نہیں ہے' اس کا کچھ بیان سورۂ توبہ کی آیت کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کے ذیل میں گذر چکا ہے وہاں آپ کی رحمت اور شفقت کے بارے میں بعض احادیث گذر چکی ہیں' آپ ﷺ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کسی مؤمن کو کوئی بھی تکلیف پہنچ جائے' آپ ﷺ نے کبھی کسی کو دینی ضرورت سے غصہ میں کچھ فرما دیا تو اس کو بھی رحمت بنا دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ شَتَمْتُهٗ لَعَنْتُهٗ جَلَدْتُّهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلٰوةً وَّزَكٰوةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اے اللہ! میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں جو امید ہے کہ آپ ضرور ہی قبول فرمائیں گے وہ یہ کہ میں ایک انسان ہوں پس جس کسی مؤمن کو میں نے تکلیف دی' برا بھلا کہا' لعنت کی' کوڑا مارا تو میرے اس عمل کو آپ اس کے لئے رحمت اور پاکیزگی اور اپنی نزدیکی کا ذریعہ بنا دیں جس کے ذریعہ آپ قیامت کے دن اس کو اپنے قرب سے نواز دیں)

رسول اللہ ﷺ کی شفقت عامہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

عادت شریفہ تھی کہ جب کسی ایسے شخص کا جنازہ پڑھنے کے لئے لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ دریافت فرماتے تھے کہ اس نے ادائیگی کا انتظام چھوڑا ہے یا نہیں؟ اگر جواب میں عرض کیا جاتا کہ اس نے ادائیگی کا انتظام چھوڑا ہے تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے اور اگر یہ بتایا جاتا کہ اس نے قرض کی ادائیگی کا انتظام نہیں چھوڑا تو فرماتے تھے کہ تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو (یہ طریقہ آپ ﷺ نے اس لئے اختیار فرمایا تھا کہ لوگوں پر قرضدار ہو کر مرنے کی شناعت وقباحت ظاہر ہو جائے کہ دیکھو حضور نے اس کی نماز جنازہ تک نہیں پڑھی) پھر جب اللہ نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ بطور خطیب کے کھڑے ہوئے اور فرمایا اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (مجھے مؤمنین سے اس سے زیادہ تعلق ہے جتنا انہیں ان کی جانوں سے ہے) لہٰذا مؤمنین میں سے جس کسی شخص کی وفات ہو جائے اور وہ اپنے اوپر قرضہ چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے۔

آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو کوئی بھی تکلیف نہ ہو نہ دنیا میں نہ آخرت میں، آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اور بتایا اور تعلیم دی اس میں مؤمنین کے لئے خیر ہی خیر ہے جبکہ خود مومن بندے کبھی اپنی رائے کی غلطی سے اور کبھی کسی خواہش سے متاثر ہو کر دنیا وآخرت میں اپنی جانوں کو تکلیف پہنچانے والے کام بھی کر گذرتے ہے، آپ ﷺ نے اپنی مثال دے کر سمجھایا اور فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب آگ نے اپنے آس پاس روشنی کر دی تو پروانے اور یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے، آگ جلانے والا انہیں روکتا ہے اور وہ اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں، میری اور تمہاری مثال ایسی ہے میں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں کہ آجاؤ آگ سے، بچو آجاؤ آگ سے بچو پھر تم مجھ پر غلبہ پا جاتے ہو (یعنی ایسے کام کرتے ہو جو دوزخ میں جانے کا سبب ہوتے ہیں) (رواہ مسلم جلد ۲ ص ۲۴۸)

رسول اللہ ﷺ کی کوشش تو یہی رہی کہ امت مسلمہ کا کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے لیکن دنیا داری کی وجہ سے اور نفس کی خواہشوں کے دباؤ سے لوگ گناہ کر کے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، یہاں تو آپ ﷺ نے اپنی امت کی خیر خواہی کے لئے محنت کی ہی تھی آخرت میں سفارش بھی کریں گے، آپ ﷺ کی شفقت میں نہ یہاں کمی رہی نہ وہاں ہوگی، البتہ امت کو بھی اپنی جانوں کو عذاب آخرت سے بچانے کے لئے فکر رکھنا چاہئے۔

آپ ﷺ نے تو یہاں تک کیا کہ اُمت کی خیر خواہی کے لئے یقیناً مقبول ہونے والی دعا کو آخرت میں فائدہ پہنچانے کے لئے محفوظ فرما لیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک دعائے مستجاب ہے (یوں تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بہت سی دُعائیں کرتے تھے جو مقبول ہوا کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا تا کہ کوئی سی ایک دعاء کر لو جو ضرور ہی مقبول ہوگی) لہٰذا ہر نبی نے اپنی اس دعا کو دنیا ہی میں استعمال کر لیا اور میں نے یہ دعا اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے قیامت کے دن تک چھپا کر رکھ لی ہے سو میری اُمت میں سے ہر اس شخص کو پہنچ جائے گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔ (رواہ مسلم)

ازواج مطہرات ؓ کا اکرام واحترام: دوسری بات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (کہ نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں) یعنی ان کا اکرام واحترام واجب اور لازم ہے۔ آپ ﷺ کی

وفات کے بعد اُمت کے کسی فرد کے لئے یہ حلال نہیں کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہراتؓ میں سے کسی سے نکاح کر سکے جیسا کہ اسی سورت کے رکوع نمبر۷ میں وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا فرمایا ہے لیکن پردہ کے اعتبار سے وہ حکم نہیں تھا جو اپنی ماؤں سے ہے جیسا کہ اسی سورت میں فرمایا ہے: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (اور جب تم ان سے کوئی سامان طلب کرو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو)

رشتہ داری کے اصول مقررہ کے مطابق میراث تقسیم کی جائے: تیسرا حکم بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ (اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں بہ نسبت دوسرے مؤمنین مہاجرین کے زیادہ قریب تر ہیں) جب حضرات صحابہؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو حضور اقدس ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات فرمادی تھی یعنی بعض کو بعض کا بھائی بنادیا تھا' بھائی بن جانے کی وجہ سے ایک دوسرے کی خصوصی رعایت اور خدمت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے اور یہ تعلق یہاں تک تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کے فوت ہو جانے پر آپس میں میراث بھی جاری ہوتی تھی' اس آیت میں اور سورۂ انفال کی آخری آیت میں اس اُخوت والی میراث کو منسوخ فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں رشتہ داریاں ہیں اب انہیں اُن کی بنیاد پر حسب قواعد شرعیہ میراث ملے گی۔

چوتھی بات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا (مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو) یعنی غیر رشتہ داروں میں میراث تو جاری نہ ہوگی (بلکہ سب رشتہ داروں میں بھی جاری نہیں ہوتی) البتہ جس کو بھی شرعی اصول سے میراث نہ پہنچتی ہو اُس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے' مالی امداد کر دی جائے' اس کی حاجتیں پوری کرنے کی کوشش کی جائے' (مثلاً بطور ہبہ یا صدقہ یا میراث شرعی اصول کے مطابق دے دیا جائے) تو یہ دوسری بات ہے' یہ چیز نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب و مستحسن اور باعث اجر وثواب ہے۔

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے) بعض حضرات نے یہاں کتاب سے لوح محفوظ مراد لی ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہے کہ ہجرت کی وجہ سے جو توارث مشروع ہوگا وہ منسوخ ہو جائے گا۔ اور آخری حکم توارث بالارحام یعنی رشتہ داریوں کے اصول پر میراث دینے کا حکم باقی رہے گا' اور بعض حضرات نے کتاب سے آیت المواریث اور بعض حضرات نے یہی آیت مراد لی ہے۔ صاحب روح المعانی نے ایک اور احتمال نکالا ہے وہ فرماتے ہیں: او فیما کتبہ سبحانہ وتعالٰی وفرضہ وقضاہ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض فرمادیا اور فیصلہ فرمادیا کہ اب میراث رشتہ داری کے اصول ہی پر منحصر رہے گی' یہ کتاب اللہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن

مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

مریم سے' اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا تاکہ اللہ سچوں سے انکی سچائی کے بارے میں سوال فرمائے اور اس نے کافروں کے لئے

عَذَابًا اَلِیْمًا ۝
دردناک عذاب تیار فرمایا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو عہد لیا تھا اس آیت میں اس کا ذکر ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا عمومی اور حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے، ان حضرات کی محنتیں اپنی اپنی اُمتوں کو تبلیغ کرنے سے متعلق بہت زیادہ تھیں، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ان حضرات کی فضیلت زائدہ ظاہر فرمانے اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ حضرات گذشتہ اصحاب شرائع والے انبیاء علیہم السلام میں مشہور ہیں ان حضرات کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی ؒ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی تخلیق مقدم تھی اس لئے ذکر میں آپ ﷺ کی تقدیم فرمائی، اور اس بارے میں ضیاء الدین مقدسی کی کتاب المختارہ سے ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے: بدئ بی الخلق و کنت اٰخرھم فی البعث، (مخلوق کی پیدائش کی ابتداء مجھ سے کی گئی اور میں بعثت میں سب انبیاء سے آخری ہوں) اور ایک حدیث یوں نقل کی ہے: کنت اوّل النّبیّن فی الخلق واٰخرھم فی البعث (میں پیدائش کے لحاظ سے تمام انبیاء سے اوّل ہوں اور بعثت کے لحاظ سے آخری ہوں) (یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ (ص ۴) میں بھی نقل کی ہے) نیز یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ آپ سب سے پہلے نبوت سے سرفراز کئے گئے تھے اسلئے بھی آپ ﷺ کا ذکر مقدم کیا گیا۔ اس بارے میں بھی متعدد روایات ہیں جنہیں علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بحوالہ سُنن ترمذی نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (یعنی میرے لئے اس وقت نبوت ثابت ہوگئی تھی جب آدم روح وجسم کے درمیان تھے) اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میں اُس وقت اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا۔ جب آدم اپنی مٹی ہی میں تھے۔

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام سے کیا عہد لیا جس کا اس آیت شریفہ میں ذکر ہے، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (جلد ۲۱ ص ۱۵۴) لکھتے ہیں: ای واذکر وقت اخذنا من النبیین کافۃ عھودھم بتبلیغ الرّسالۃ والشرائع والدعاء الی الدین الحق "یعنی اُس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے یہ عہد لیا کہ رسالت کی تبلیغ کریں گے، احکام شریعت پہنچائیں گے اور دین حق کی طرف بلائیں گے" مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ پر مسند احمد سے نقل کیا ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) فرمایا تو سب نے بَلٰی کہا یعنی اقرار کیا کہ ہاں واقعی آپ

ہمارے رب ہیں' اسی موقعہ پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ایک خصوصی عہد لیا گیا جو رسالت اور نبوت کے بارے میں تھا جو آیت (مذکورہ بالا) وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ میں مذکور ہے۔

سورۂ آل عمران رکوع نمبر۹ میں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر ہے اس کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا) جس عہد کا شروع آیت میں ذکر ہے بطور تاکید اسی کو دوبارہ ذکر فرمایا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پہلے مذکورہ بالا عہد لینے کے بعد پھر اللہ کی قسم دلا کر دوبارہ عہد لیا جسے مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا سے تعبیر فرمایا۔ (ذکرہ فی الروح)

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ (تا کہ اللہ سچوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں سوال فرمائے) اس میں میثاق لینے کی حکمت بیان فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ یہ میثاق اس لئے لی گئی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نبیوں سے دریافت فرمائے جو عہد کرنے میں سچے تھے کہ تم نے اپنے عہد کے مطابق اپنی اُمتوں کو تبلیغ کی یا نہیں؟ صحیح بخاری جلد۲ ص ۶۶۵ میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے تبلیغ کی؟ تو وہ عرض کریں گے کہ اے رب میں نے واقعۃً تبلیغ کی' پھر اُن کی اُمت سے سوال ہوگا کہ کیا انہوں نے تمہیں میرے احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں! ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا' اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والے کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے اُمتی ہیں۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بیشک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔

مسند احمد وغیرہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی' ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی' اس پر اُن سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ بھی حضرت محمد رسول ﷺ اور آپ کی اُمت کی گواہی پیش کریں گے۔ (دُر منثور جلد ۱ ص ۱۴۴)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال اُن کی اُمتوں کے سامنے ہوگا تا کہ اُن پر حجت قائم ہو جائے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سچے تھے اور ان کے ماننے والے اپنے ایمان میں سچے تھے ان کے بارے میں سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں فرمایا: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو اُن کی سچائی نفع دے گی) جن لوگوں نے سچ کو جھٹلایا اُن کے بارے میں فرمایا: وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا (اور کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار فرمایا) سورۂ زمر میں فرمایا: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ (سو اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جب اُس کے پاس آیا' کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا

اے ایمان والو! اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی ہے اُسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آ گئے' سو ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جنہیں تم

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۟ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ
نے نہیں دیکھا' اور اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو' جبکہ وہ لوگ تمہارے اوپر آ چڑھے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی'
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۟ هُنَالِكَ
اور جبکہ آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل گلوں کو پہنچ گئے' اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ اس موقعہ پر
ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۟
مؤمنین کی جانچ کی گئی اور انہیں سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیا گیا

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کی مدد اور کفار کی جماعت کی بدحالی اور بدحواسی

تفسیر: اس رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے' یہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے' تھوڑی سی تمہید کے بعد اس غزوہ کی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں زمانہ قدیم سے یہودی رہتے تھے اور دو قبیلے یمن سے آ کر آباد ہو گئے تھے جن میں سے ایک کا نام اَوس اور دوسرے کا نام خزرج تھا' انہیں خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزمان خاتم النبیین ﷺ اس شہر میں تشریف لائیں گے' یہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے کے لئے یہاں آ کر بس گئے تھے۔ جب حضور انور ﷺ نے حج کے موقع پر اوس اور خزرج کو منیٰ میں ایمان لانے کی دعوت دی تو اَوس اور خزرج کے جو افراد وہاں موجود تھے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور مدینہ منورہ آ کر اپنے اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہودیوں کے سامنے حق ظاہر ہو گیا تب بھی ایمان نہ لائے (فَلَمَّا جَآءَهُمْ كَفَرُوْا بِهٖ) یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے ان میں سے ایک بنی قینقاع اور دوسرا بنی نضیر اور تیسرا بنی قریظہ تھا۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان تینوں سے تعاون اور تناصر کا معاہدہ فرما لیا تھا۔

بنی نضیر کا یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دو مقتولین کی دیت کے سلسلہ میں ان کے پاس تشریف لے گئے' یہودیوں نے کہا کہ آپ تشریف رکھئے ہم اس بارے میں مالی تعاون کریں گے' ادھر تو آپ ﷺ سے یہ کہا اور اُدھر یہ مشورہ کیا کہ کوئی شخص اوپر چڑھ کر ان کے اوپر بھاری پتھر گرا دے' یہود میں سے ایک شخص نے اس کا ارادہ اور وعدہ کر لیا اور پتھر گرانے کے لئے اوپر چڑھ گیا' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اُن کے مشورے سے مطلع فرما دیا اور آپ ﷺ جلدی سے واپس تشریف لے آئے اور آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہود کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ مدینہ منورہ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ' منافقین نے یہودیوں کو بھڑکایا اور کہا تم یہیں رہو اور ہرگز مت جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے' اس سے اُن کو تقویت پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکلیں گے اور ہمارے اور آپ کے

درمیان جو عہد ہے وہ بھی توڑتے ہیں' جب اُن کی طرف سے یہ پیغام آیا تو آپ ﷺ نے ان سے جہاد کرنے کی تیاری کی اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر بنونضیر کے محلّہ کی طرف روانہ ہو گئے (یہ محلّہ شہر سے ذرا دور تھا) آپ ﷺ وہاں پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے' رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا' منافقین نے یہودیوں کو خبر بھیجی کہ تم ڈٹے رہنا ہم تمہیں بے یارو مددگار نہیں چھوڑیں گے' اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم بھی ساتھ لڑیں گے اور اگر تمہیں نکلنا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے' یہودی منافقین کی مدد کے انتظار میں رہے' چند روز گذر گئے مگر انہوں نے کچھ بھی مدد نہ کی لہٰذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ ہمیں جلاوطن کر دیں مگر قتل نہ فرمائیں اور ہمیں ہتھیار بھی نہ لے جانے دیں' اس کے علاوہ جتنا سامان اونٹوں پر لے جا سکیں اُسے لے جانے کی اجازت دیں' آپ نے انہیں جلاوطن کرنا منظور فرمالیا اور حکم فرمایا کہ تین دن میں مدینہ منورہ سے نکل جاؤ' وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے اور بعض لوگ شام چلے گئے (بطور تمہید یہ واقعہ ہم نے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۷۵ سے نقل کیا ہے' مفصل قصہ ان شاء اللہ سورۃ الحشر کی تفسیر میں بیان کریں گے) یہود نے جو اموال چھوڑے وہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیئے' یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔

غزوۂ احزاب کا مفصل واقعہ: اب غزوۂ احزاب کا واقعہ سنئے' اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بنونضیر کو جب حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تو وہ وہاں جا کر بھی شرارتوں سے اور اپنی یہودوالی بیہودگیوں سے باز نہ آئے' اُن کے چودھری مکہ معظمہ میں پہنچے اور قریش مکہ سے کہا کہ آؤ ہم تم مل کر داعی اسلام ﷺ سے جنگ کریں اور اُن کو اُن کے کام کو اور ان کے ساتھیوں کو سب کو ختم کر دیں۔ قریش مکہ نے کہا (جو مشرک تھے) کہ تم تو اہل کتاب ہو' سچ بولو ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا دین بہتر ہے؟ ان لوگوں نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ دین شرک کو دین توحید سے بہتر بتایا اور قریش نے کہہ دیا کہ تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے' یہ بات سنکر قریش بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے' اس کے بعد یہودیوں کے سردار قبیلہ بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ دیکھو محمد (ﷺ) سے جنگ کرنا ہے قریش مکہ نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤ تا کہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ہی ختم ہو جائے' ان کے علاوہ دیگر قبائل کی جماعتیں بھی جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئیں۔

دشمنوں سے حفاظت کے لئے خندق کھودنا: رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے ارادہ بد کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے باہر خندق کھود لی جائے' انہوں نے بتایا کہ اہل فارس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں' چنانچہ خندق کھودی گئی جو مدینہ منورہ کے اُس جانب تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ تھا' اس خندق کی کھدائی میں سید دو عالم ﷺ خود شریک ہوئے' سردی کا موسم تھا اور ہر طرف سے خوف ہی خوف تھا' سید دو عالم ﷺ نے خود ہی خط کھینچ کر خندق کی حدود مقرر فرمائیں اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کا رقبہ کھودنے کے لئے دیا' (بعض حضرات نے اس خندق کی لمبائی ساڑھے تین میل بتائی ہے) حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ بڑے قوی اور تندرست آدمی تھے اُن کے متعلق مہاجرین وانصار میں اختلاف ہوا' انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں سے ہیں ان کو ہمارے ساتھ قطعہ

کھودنے کے لئے دیا جائے' یہ سن کر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ (یعنی سلمان نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ عام مہاجرین میں سے ہیں بلکہ وہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں) جب دشمنوں کی جماعتیں مدینہ طیبہ کے قریب پہنچیں جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی تو انہوں نے خندق کھدی ہوئی پائی اور کہنے لگے یہ تو عجیب دفاعی تدبیر ہے جسے اہل عرب نہیں جانتے تھے' وہ لوگ خندق کے اُس طرف رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ خندق کے اس طرف تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ جبل سلع کی طرف پشت کر کے قیام پذیر ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو حفاظت کی جگہوں یعنی قلعوں میں محفوظ فرما دیا۔

دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا: خندق کو دیکھ کر مشرکین مسلمانوں تک پہنچ تو نہ سکے جس سے آمنے سامنے ہو کر دونوں لشکروں کی جنگ ہوتی لیکن اپنی جگہ سے جلدی واپس نہیں ہوئے اپنی جگہ پر جمے رہے' اُن کا اپنی جگہ پر جمے رہنا تقریباً ایک مہینہ تک تھا' گو وہ خندق کے پار نہیں آسکتے تھے لیکن انہیں چھوڑ کر چلے جانے کا بھی موقع نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اپنی جگہ پر مقیم رہے' اس موقعہ پر مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی' سردی بھی تھی' کھانے پینے کا انتظام بھی نہ تھا اور خندق بھی اس حال میں کھودی کہ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے پھر دشمن کے مقابلہ میں اتنا لمبا پڑاؤ ڈالنا پڑا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن' اُس وقت جو سخت مصیبت کا سامنا تھا اُسے اللہ جل شانہ' نے آیت بالا میں بیان فرمایا کہ دشمن تمہارے اوپر سے چڑھ آئے اور نیچے کی جانب سے بھی آ گئے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل حلقوم کو پہنچ گئے جسے اُردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کلیجہ منہ کو آ گیا' اُس وقت مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے اور سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ مِنْ فَوْقِكُمْ سے وادی کا اوپر کا حصہ مراد ہے جو مشرق کی جانب تھا اس جانب سے بنو غطفان اور ان کے ساتھی آئے تھے جن میں اہل نجد بھی تھے اور بنو قریظہ بھی تھے اور بنو نضیر بھی' اور اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے وادی کا نیچے والا حصہ مراد ہے جو مغرب کی جانب تھا اس جانب سے قریش مکہ' بنی کنانہ اور اہل تہامہ آئے تھے۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا جو فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ صیغہ خطاب مجموعی طور پر مدعیان اسلام کو شامل ہے' جس میں مخلص اہل ایمان بھی تھے اور منافقین بھی' مؤمنین بھی' مؤمنین تو یہی گمان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہ' اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائے گا' اور منافقین دوسری قسم کا خیال کر رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اب تو اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ جائے گا اور یوں سمجھتے تھے کہ اتنے لوگوں سے جنگ کرنا ان تھوڑے سے مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے وقال بعضهم انه خطاب للمؤمنين المخلصين و كانت ظنونهم من خواطر نفس وهو اجسها التي يوجبها الخوف الطبيعي وهذا لا مؤاخذة فيه قال صاحب الرّوح بعد هذا الّذي ذكرنا او يقال: ظنونهم المختلفة هي ظن النصر بدون نيل العدو منهم شيئًا وظنه بعد النيل وظن الامتحان وعلى هذا لا يحتاج الى الاعتذار. (اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا کا خطاب مؤمنین مخلصین سے ہے۔ مؤمنین مخلصین کے گمان دل کے خیالات تھے جن سے طبعی خوف پیدا ہوتا ہے اور ایسے گمانوں میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ روح المعانی والے نے اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا یا بعض نے کہا کہ ان کے اس طرح کے مختلف گمان مراد ہیں کہ دشمن سے لڑائی کے بغیر ہی مدد ہو جائے اور دشمن سے لڑائی کے بعد اور آزمائش کا گمان اور اس طرح کے گمانوں پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے)

بعض کافروں کا مقتول ہونا: دشمن نے خندق کو پار کرنے کی ہمت تو نہ کی البتہ کچھ تیر اندازی ہوتی رہی' مشرکین میں سے چند آدمی اپنے گھوڑے لیکر خندق میں اُتر گئے جنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' ان میں سے ایک شخص عمرو بن عبدِ وُد بھی تھا' جنگ بدر میں اس نے سخت چوٹ کھائی تھی اس لئے جنگ اُحد میں شریک نہ ہوسکا تھا' غزوۂ خندق کے موقعہ پر وہ خندق میں کودا اور اس نے اپنی بہادری دکھانے کے لئے پکار کر کہا کہ ھَلْ مَنْ یُبَارِزُ یعنی مجھ سے کون مقابلہ کرتا ہے؟ (اس وقت وہ ہتھیاروں سے لیس تھا) اس کو اہل عرب ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے حضرت علیؓ آپ ﷺ سے اجازت لے کر اس کے سامنے آئے عمرو بن عبدود نے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں! اُس نے کہا کہ تمہاری عمر کم ہے میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تمہارا خون بہاؤں' تمہارے چچاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں تجھ سے بڑے ہیں اُن میں سے کسی کو سامنے لاؤ' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لیکن مجھے تو یہ پسند ہے کہ تیرا خون بہاؤں' یہ بات سن کر وہ غصہ میں بھر گیا اور تلوار نکال کر حضرت علیؓ کی طرف بڑھا اور حضرت علیؓ نے اس سے مقابلہ کیا اور ڈھال آگے بڑھا دی' اُس نے ایسے زور سے تلوار ماری کہ ڈھال کٹ گئی' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے مونڈھے کے قریب تلوار ماری جس سے وہ گر گیا' غبار بلند ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زور سے اللّٰہ اکبر کہا' تکبیر کی آواز میں مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ حضرت علیؓ نے دشمن کو ختم کر دیا ہے' مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں اس کی نعش دے دی جائے ہم اس کے عوض بطور دیت کے دس ہزار درہم دے دیں گے' بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بارہ ہزار درہم کی پیشکش کی' آپ ﷺ نے جواب میں کہلوا دیا کہ تم اس کی نعش کو لے لو ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اس کی نعش دے دو اس کی نعش بھی خبیث ہے اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ عمرو بن عبدود کے علاوہ دشمن کے اور بھی تین چار آدمی مارے گئے جن میں سے ایک یہودی کو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے قتل کیا جو مسلمان عورتوں کے قلعہ کے باہر چکر لگا رہا تھا' مسلمانوں میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تیر آ کر لگا جس نے ان کی اکحل نامی رگ کاٹ دی' انہوں نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے اتنی زندگی اور نصیب فرما کہ بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کی ذلت اور ہلاکت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلوں' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی جس کا تذکرہ غزوۂ احزاب کے تذکرہ کے بعد آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شہید ہونے والوں میں انس بن اوس اور عبداللہ بن سہل اور طفیل بن نعمان ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی ذکر کئے گئے ہیں۔

جہاد کی مشغولیت میں بعض نمازوں کا قضا ہو جانا: غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اس قدر مشغولیت اور پریشانی رہی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکے' آپ نے بددُعا دیتے ہوئے فرمایا: ملاء اللّٰه علیھم بیوتھم وقبورھم نارًا کما شغلونا عن الصّلوٰة الوسطیٰ حتّٰی غابت الشمس (اللہ ان دشمنوں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسا کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے ایسا مشغول رکھا کہ سورج بھی غائب ہوگیا) اس کے بعد آپ نے وضو فرمایا پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی' اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی' بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہوگئی تھیں ظہر' عصر' مغرب' عشاء' آپ ﷺ نے رات کو ایک حصہ گذر جانے پر ان کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے قضاء ہوئی تھیں' (عشاء تو وقتِ عشاء ہی میں پڑھی گئی کیونکہ رات باقی

تھی البتہ جس وقت پڑھی جاتی تھی اس سے مؤخر ہوگئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، غزوۂ خندق کے موقعہ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں کرتے رہے، دشمنوں کے شکست خوردہ ہوکر بھاگنے سے پہلے تین دن تک خوب زیادہ دعا کا اہتمام کیا، صحیح بخاری ص ۵۹۰ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلے میں آنے والی جماعتوں کی شکست کے بارے میں یوں دعا کی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ (اے اللہ کتاب کے نازل فرمانے والے جلدی حساب لینے والے ان جماعتوں کو شکست دے اور ان کو ڈگمگا دے)

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی کوئی دُعا بتائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِنَا (اے اللہ ہماری آبرو کی حفاظت فرما اور ہمارے خوف کو ہٹا کر امن عطا فرما)

دُعا کی قبولیت اور دشمنوں کی ہزیمت: اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول فرمائی اور سخت تیز ہوا بھیج دی جس سے دشمنوں کے خیمے اُکھڑ گئے، چولہے بجھ گئے، ہانڈیاں اُلٹ گئیں، ہوا تیز بھی تھی اور سخت سرد بھی، دشمنوں کی جماعتیں اس سے متاثر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں، ابوسفیان جو اُس وقت قریش مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اُس نے کہا تھا اے قریشیو! اب یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا ہتھیار بھی ختم ہو چکے، جانور بھی ختم ہو چکے اور بنوقریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر چکے ہیں، ہوا کے تھپیڑوں کو تم دیکھ ہی رہے ہو، اب یہاں سے چلے جاؤ میں تو جا رہا ہوں، اس کے بعد ابوسفیان اپنے اونٹ پر بیٹھا اور چل دیا پھر قریش بھی چلے گئے، قبیلہ بنی غطفان کو قریش کی یہ حرکت معلوم ہوئی تو وہ بھی واپس ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا انعام یاد دلایا اور فرمایا: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ (اے ایمان والو اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی اُسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آ گئے سو ہم نے اُن پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے) ''جن لشکروں کو نہیں دیکھا'' ان سے فرشتے مراد ہیں، اس موقعہ پر فرشتے نازل تو ہوئے تھے لیکن انہوں نے قتال میں حصہ نہیں لیا البتہ دشمنوں کے دلوں میں رُعب ڈالنے کا کام کیا، جب ہوا کے تھپیڑوں سے عاجز آ کر مشرکین بھاگ رہے تھے تو فرشتے تکبیر بلند کر رہے تھے اور یوں کہتے جا رہے تھے کہ بھاگ چلو یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کو واپس کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہم سے لڑنے کے لئے نہ آئیں گے اور ہم ہی ان سے لڑنے کے لئے جائیں گے[1] چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد دشمن مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ نہیں کر سکے، ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور اس کے بعد عرب کے لوگ مسلمان ہو گئے، جوق در جوق مدینہ منورہ میں ان کے وفود آتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔

بعض اُن واقعات کا تذکرہ جو خندق کھودتے وقت پیش آئے

سخت بھوک اور سردی کا مقابلہ: جس وقت دشمن چڑھ کر آئے تھے اُس وقت سخت سردی کا زمانہ تھا، کھانے

[1] البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام، معالم التنزیل

پینے کا بھی معقول انتظام نہ تھا' بھوک کی مصیبت بھی درپیش تھی' رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے' حضرت صحابہ کرامؓ بھی اس کام میں مشغول تھے' پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے' خندق کھودنی بھی پڑتی تھی اور اس کی مٹی بھی منتقل کرنی پڑتی تھی جسے اپنے کندھوں اور پشتوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے' کھانے کے لئے ایک مٹھی جو لائے ہوتے تھے جنہیں اُبال لیا جاتا تھا اور یہ اُبلے ہوئے جو ایسے تیل یا چربی کے ساتھ سامنے رکھ لئے جاتے تھے جس میں بو آ جاتی تھی اور اس کو کھانا بھی آسان نہ تھا مشکل سے گلے سے اُترتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس موقعہ پر یہ پڑھتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ (اے اللہ زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے سو آپ انصار اور مہاجرین کو بخش دیجئے) آپ ﷺ کی یہ بات سن کر صحابہؓ کرامؓ جواب میں یوں کہتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ❖ عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے جہاد پر محمد سے بیعت کی ہے ہم جب تک بھی زندہ رہیں ہماری بیعت باقی ہے)

رسول اللہ ﷺ خندق کھودنے میں شریک تھے اور مٹی منتقل کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے شکم مبارک پر اتنی مٹی لگ گئی کہ کھال دیکھنے میں نہیں آتی تھی' اس موقعہ پر آپ ﷺ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شعر ہیں ؎

(۱) اَللّٰهُمَّ لو لا انت ما اهتدینا ❖ ولا تصدقنا ولا صلینا

(۲) فانزلن سکینة علینا ❖ وثبت الا قدام ان لا قینا

(۳) ان الا لی قد بغوا عَلَیْنَا ❖ وان ارادو فتنة اَبَیْنَا

(۱) اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے' اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

(۲) سو ہم پر اطمینان نازل فرمایئے' اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھئے اگر ہماری مڈبھیڑ ہو جائے۔

(۳) بلاشبہ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے' اور اگر یہ فتنے کا ارادہ کریں گے تو ہم ان سے انکار کر دیں گے۔

آخری کلمہ اَبَیْنَا کو رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے پڑھتے تھے [1] اور اس کلمہ کو دہراتے تھے [2]

رسول اللہ ﷺ کی پیشینگوئی کہ مسلمان فلاں فلاں علاقوں پر قابض ہوں گے: خندق کھودتے وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ایسی سخت چٹان برآمد ہوئی جس کا توڑنا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بس سے باہر ہو گیا' صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس میں اُترتا ہوں' آپ ﷺ نے پھاوڑہ لے کر اس میں مارا جس سے وہ ریت کا ڈھیر بن گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس چٹان میں پھاوڑہ مارا تو ضرب لگنے کی وجہ سے ایک ایسی تیز روشنی ظاہر ہوئی جس سے مدینہ منورہ کی دونوں جانب روشنی ہو گئی' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندھیری رات میں چراغ جل گیا ہو' اس پر آپ ﷺ نے فتح یابی ظاہر کرنے والی تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی اللّٰہ اکبر کہا' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا روشنی تھی جو بار بار ظاہر ہو رہی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب پہلی بار روشنی ہوئی تو اس میں مجھے حیرہ شہر کے محلات اور کسریٰ کے شہر ظاہر ہو گئے' مجھے جبریل نے بتایا کہ آپ کی اُمت ان پر غلبہ پائے گی اور دوسری بار جو چمک ظاہر ہوئی اُس سے رُوم کی سرزمین

[1] صحیح بخاری ج۲ ص ۵۸۸' ص ۵۸۹ [2] مشکوٰۃ المصابیح (باب البیان والشعر)

کے سرخ محلات ظاہر ہو گئے مجھے جبریل نے بتایا کہ میری اُمت ان پر غلبہ پائے گی اور تیسری بار جو روشنی چمکی اس سے مجھے صنعاء کے محلات ظاہر ہوئے (جو یمن کا مشہور شہر ہے) جبریل نے مجھے بتایا کہ میری اُمت ان پر بھی غلبہ پائے گی لہٰذا تم خوش ہو جاؤ' اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یقین کر لیا کہ یہ سچا وعدہ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مذکورہ بالا شہروں کو فتح ہونے کی خبر دی تو منافقین کہنے لگے کہ ان کو دیکھو لو یثرب سے ان کو حیرہ اور کسریٰ کے محل نظر آ رہے اور یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے اور حال یہ ہے کہ تم لوگ خندق کھود رہے ہو یعنی مصیبت میں گرفتار ہو۔

اور بعض روایات میں یوں ہے کہ جب آپ نے بسم اللہ پڑھ کر پہلی بار ضرب ماری تو اس چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا آپ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ مجھے ملک شام کے خزانے دے دیئے گئے' پھر دوبارہ ضرب ماری تو اس کا ایک تہائی حصہ اور ٹوٹ گیا اور فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں' پھر تیسری بار ضرب ماری تو باقی پتھر بھی ٹوٹ گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اکبر مجھے ملک یمن کی چابیاں دیدی گئیں ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی اللہ کی قسم! میں شام کے سرخ محل اور مدائن کا سفید محل اور صنعاء کے دروازے ابھی یہیں اسی وقت دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب یہ شہر فتح ہوتے جاتے تھے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس ذات کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے جن شہروں کو فتح کر لیا اور قیامت تک جن شہروں کو فتح کرو گے ان سب کی چابیاں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے دے دی گئی تھیں' یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ آپ کی اُمت ان کو فتح کرے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اب تم ان کو حاصل کر رہے ہو۔ (البدایة و النهایة ج ۴ ص ۹۹ تا ۱۰۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہو گا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہو گا' قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب مجھے عطا فرما دیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میری اُمت کا ملک وہاں تک پہنچ جائے گا۔

حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں ضیافتِ عامّہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ خندق کھودتے وقت جب ایک سخت چٹان پیش آ گئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسی جگہ نکل آئی ہے جس کی مٹی بہت سخت ہے (جو ہمارے قابو میں نہیں آ رہی) آپ ﷺ نے فرمایا میں اُترتا ہوں اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کی شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ ہم نے تین دن سے کچھ بھی نہیں چکھا تھا آپ نے پھاوڑا لیا اور اس سخت زمین میں مارا جس کی وجہ سے وہ ایسا ہو گیا جیسے ریت کا ڈھیر ہو وہ خود ہی پھسلا جا رہا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ ذرا گھر ہو آؤں' آپ نے اجازت دے دی' میں اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے محسوس کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت بھوک کی حالت میں ہیں' اسی پر میری بیوی نے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا جس میں ایک

صاع یعنی تین کیلو کے لگ بھگ جو تھے اس کے علاوہ ہماری ایک چھوٹی سی پالتو بکری بھی تھی میں نے اُسے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو پیسنا شروع کئے اتنے میں میں نے بکری کی بوٹیاں بنا کر ہانڈی میں ڈالیں وہ جو پیسنے سے فارغ ہوگئی میں رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا تو وہ کہنے لگی جا تو رہے ہو رسول اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجھے رسوا مت کرنا (ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آ جائیں) میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے آپ تشریف لے چلیں اور اپنے ہمراہ ایک دو آدمی اور لے لیں' آپ علیہ وسلم نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے پوری صورتحال عرض کردی' آپ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو بہت ہے' پھر آپ نے زور سے اعلان فرمایا کہ اے خندق والو! آ جاؤ جابر نے کھانا تیار کیا ہے' آپ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے' آپ آگے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ آپ کے پیچھے چل رہے تھے' میں جلدی سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور پوری کیفیت بیان کردی (کہ مجمع کثیر آ رہا ہے) اس پر وہ ناراض ہوئی اور کہا کہ وہی ہوا نا! جس کا مجھے اندیشہ تھا' میں نے کہا تھا کہ مجھے رسوا مت کرنا! پھر کہنے لگی اچھا تم نے رسول اللہ علیہ وسلم کو سب بات بتادی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے سب کچھ بتادیا تھا[1] آپ تشریف لائے تو جو گوندھا ہوا آٹا تھا اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دُعا فرمائی' پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دعا فرمائی' پھر فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی اور بلا لو اور ہانڈی کو چولہے سے مت اُتارو' حضور اکرم علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم گھر میں آ جاؤ کھچ بچ میں مت بیٹھو' چنانچہ صحابہ کرامؓ بیٹھ گئے اور روٹی پکتی رہی جو آپ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتی رہی' آپ روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت کی بوٹیاں رکھ کر اور شوربا بھر بھر کر حاضرین کو دیتے رہے یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھالیا' حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کھانے والے ہزار آدمی تھے' میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہوں نے خوب کھایا اور سیر ہو کر واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی کا یہ حال تھا کہ جیسی تھی اُسی طرح اُبل رہی تھی اور ہمارا آٹا جیسا تھا ویسا ہی رہا (گویا اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوا) آپ علیہ وسلم نے میری بیوی سے فرمایا کہ یہ بچا ہوا کھانا خود کھالو اور (پڑوسیوں کو بھی) ہدیہ دو کیونکہ لوگ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، ۵۸۹)

اسی طرح کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ محمد بن اسحٰق یوں بیان کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بیان کیا کہ میری والدہ نے مجھے لپ بھر کر کھجوریں دیں جو میرے کپڑے میں ڈال دیں اور کہا کہ اے میرے بیٹا جاؤ اسے اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ صبح کے وقت ان کو کھالیں (یہ دونوں حضرات بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے) میں یہ کھجوریں لے کر روانہ ہوئی' اپنے والد اور ماموں کی تلاش میں تھی کہ اسی اثناء میں رسول اللہ علیہ وسلم پر میرا گذر ہوا' آپ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بیٹا! یہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے بھیجی ہیں تاکہ اپنے والد اور اپنے ماموں کو دے دوں! حضور علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو یہاں لاؤ' میں نے وہ کھجوریں آپ علیہ وسلم کی ہتھیلیوں میں ڈالدیں' وہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپ کی دونوں ہتھیلیاں نہ بھر سکیں' آپ علیہ وسلم نے ایک کپڑا بچھانے کا حکم دیا پھر وہ کھجوریں اُس پر پھیلا دیں اور ایک شخص سے فرمایا کہ اُونچی آواز سے خندق والوں کو پکارو کہ آ جاؤ صبح کا کھانا کھالو خندق کے کام میں جو حضرات مشغول تھے حاضر ہوئے اور ان کھجوروں میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ سب فارغ ہو کر واپس ہوگئے۔ (قال ابن کثیر فی البدایة والنهایة ج ۴ ص ۱۹۹ هکذا رواه ابن اسحاق رفیه انقطاع)

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۹۸ میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی یہ بھی اضافہ ہے کہ یہ سنکر وہ کہنے لگی کہ بس پھر تو اللہ اور اس کا رسول ہی جانیں۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾

اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ کا وعدہ کر رکھا ہے

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ

اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اے یثرب والو تمہارے لیے ٹھہرنے کا موقعہ نہیں ہے لہٰذا تم واپس ہو جاؤ، اور ان میں سے ایک فریق

النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ

نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے یہ لوگ صرف بھاگنے کا

عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿١٤﴾

ارادہ کر رہے تھے اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس جائے پھر ان سے فتنہ کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے اور گھروں میں نہیں ٹھہریں

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿١٥﴾

گے مگر بس ذرا سی دیر، اور اس سے پہلے انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ ہم پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا اس کی باز پرس ہوگی،

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٦﴾

آپ فرما دیجئے اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا اور اس وقت بس تھوڑے ہی دن جیو گے۔

قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَ

آپ فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا دے گا اگر وہ تمہارے بارے میں کسی بری حالت کا ارادہ فرمائے یا تم پر فضل فرمائے اور

لَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ

اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایت کرنے والا یا مددگار نہ پائیں گے بلاشبہ اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتا ہے جو رکاوٹ ڈالتے ہیں

مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً

اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ اور یہ لوگ لڑائی میں کم آتے ہیں۔ یہ لوگ تمہارے بارے میں بخیل بنے ہوئے ہیں پھر جب خوف

عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ

پیش آجاتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف تک رہے ہیں اُن کی آنکھیں اس طرح چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کے وقت بے ہوشی

عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ

طاری ہو رہی ہو، پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تم کو تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں مال کے حریص بنے ہوئے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو

لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ

ایمان نہیں لائے' سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جماعتیں واپس نہیں گئیں

لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ

اور اگر جماعتیں آ جائیں تو یہ لوگ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم دیہاتیوں میں ہوتے تمہاری خبریں

عَنْ أَنْبَائِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾

دریافت کر لیا کرتے' اور اگر وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو وہ لڑائی نہ لڑیں گے مگر ذرا سی۔

منافقوں کی بدعہدی اور شرارتیں

تفسیر: یہ نو آیات کا ترجمہ ہے جس میں منافقین کی قولی اور عملی غداری کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کی مخالفانہ اور بزدلانہ حرکتوں کو بیان کیا ہے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا (جو ضعیف الاعتقاد تھے) انہوں نے یوں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض ایک دھوکہ ہے' مفسرین نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودتے وقت بشارت دی کہ تم حیرہ کے محل اور کسریٰ کے شہر اور یمن کے شہر اور روم کے محل فتح کرو گے' تو اس پر منافقین نے کہا لو دیکھ لو! یہاں کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے' خندق کھودی جا رہی ہے' ذرا بھی باہر نہیں جا سکتے' اگر یہاں سے جائیں تو قتل ہو جائیں حال تو یہ ہے لیکن بشارتیں یوں دی جا رہی ہیں کہ یوں شہر فتح ہوں گے اور ایسے محلات پر قبضہ ہوگا' کچھ نہیں یہ سب دھوکہ ہی دھوکہ ہے' اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ نازل فرمائی۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کو دل سے مانتے ہی نہیں تھے پھر انہوں نے مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ کیسے کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافق کا کوئی دین نہیں ہوتا وہ نہ دیکھی باتیں کرتا ہے' کیونکہ وہ لوگ بظاہر اسلام کے مُدعی تھے اور حضرات صحابہؓ کے سامنے یہ بات کہہ رہے تھے اس لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا کہ آپ کو رسول ماننے کا دم بھریں لیکن انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دھوکہ دہی کی نسبت کریں گے تو مسلمان ہمیں کیسے مسلمان مانیں گے۔

دوسری آیت میں منافقوں کی ایک جماعت کی یہ بات نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یوں کہا کہ اے یثرب والو یعنی مدینے میں سکونت کرنے والے! یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے لہٰذا اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ کیونکہ بظاہر قتل ہونے کی صورت بن رہی ہے' اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ گے تو قتل ہونے سے بچ جاؤ گے ورنہ تمہیں بھی یہیں موت کے منہ میں جانا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بات رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے کہی تھی۔ مفسرین نے

لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا کا ایک مطلب تو وہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا' اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اب محمد علیہ السلام کے دین میں رہنے کا موقع نہیں رہا لہٰذا تم اپنے پرانے دین شرک پر واپس ہو جاؤ۔ اور ایک مطلب یہ لکھا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ علیہ السلام سے تم نے جو بیعت کی ہے اُس سے واپس ہو جاؤ اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو۔

یثرب مدینہ منورہ کا سابق نام ہے' بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عمالقہ میں سے ایک شخص کا نام یثرب تھا اُسی کے نام پر یہ نام رکھا گیا' چونکہ ثَرَبَ یَثْرِبُ ملامت کرنے کے معنی میں آتا ہے اس لئے اب اس کو اس نام سے یاد کرنا ممنوع ہے' رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے: مَنْ سَمَّی الْمَدِیْنَةَ یَثْرِبُ فَلْیَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ تَعَالٰی هِیَ طَابَةُ هِیَ طَابَةُ هِیَ طَابَةُ (یعنی جو شخص مدینہ کو یثرب کے نام سے یاد کرے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے' یہ طابہ ہے' یہ طابہ ہے' یہ طابہ ہے) یعنی عمدہ ہے مبارک ہے اچھا شہر ہے۔ (رواہ احمد فی مسند عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ)

رسول اللہ علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد اس شہر کا نام مدینہ منورہ ہی مشہور ہو گیا اگرچہ اس کے علاوہ اس کے اور بھی نام ہیں۔

آیت بالا میں بعض منافقوں کے اجازت لینے کا ذکر ہے' ان لوگوں نے رسول اللہ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمیں واپس ہونے کی اجازت دے دی جائے کیونکہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں' چھوٹی چھوٹی دیواریں ہیں' چوروں کا خوف ہے' جب یہاں آ گئے تو وہاں کوئی حفاظت کا انتظام بھی نہیں اور وہاں دشمنوں کے پہنچنے کا ڈر ہے کیونکہ خندق کی جگہ سے دور ہیں۔ مفسرین نے بتایا ہے کہ جب منافقوں نے یہ کہا کہ اے یثرب والو! یہاں سے چلے جاؤ ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے' تو اُن کی باتوں میں آ کر قبیلہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہونے کی اجازت طلب کر لی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا: وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ (یہ بات نہیں ہے کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں) اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بھاگ جائیں)۔

تیسری آیت میں ان لوگوں کے فتنہ پردازی کا تذکرہ فرمایا: وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا (الآیۃ) (اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس آئے پھر ان سے فتنے کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے آپ علیہ السلام سے اجازت لے کر راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال ہونے سے منہ موڑنا ہے۔ اگر کافروں کا کوئی لشکر اُن کے پاس پہنچ جائے اور وہ ان سے یہ کہے کہ چلو مسلمانوں سے لڑو تو یہ ضرور اُن کی بات مان لیں گے اور اپنے گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں گے بس کافروں سے کہتے ہی چل پڑیں گے یا اتنی دیر لگائیں گے جتنی دیر میں ہتھیار لے لیں' اُس وقت انہیں گھروں کی حفاظت کا بالکل نہیں رہے گا' انہیں مسلمانوں سے دشمنی ہے اور کافروں سے محبت ہے۔ قال صاحب الروح ان طلبهم الاذن فی الرّجوع لیس لا ختلال بیوتهم بل لنفاقهم و کراهتهم نصرتک۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں ان کا واپسی کی اجازت مانگنا واقعۃً کوئی گھروں کے نقصان کا اندیشہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے منافق ہونے اور تیری مدد کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تھا)

آیت کریمہ کی دوسری طرح بھی تفسیر کی گئی ہے' صاحب روح المعانی فرماتے ہیں' والوجوہ المحتملة

فی الاٰیات کثیرۃ کما لا یخفیٰ علیٰ من لہٗ ادنیٰ تأمل وما ذکرناہ اوّلًا ھو الا ظھر فی ما أریٰ۔ (آیات میں کئی سارے احتمالات موجود ہیں جیسا کہ ذرا بھی غور کرنے والے آدمی پر مخفی نہیں ہے جو ہم نے سب سے پہلی توجیہ ذکر کی ہے میرے خیال میں وہی زیادہ راجح ہے)

چوتھی آیت میں بھی انہیں لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے گھروں کے خالی ہونے کا بہانہ کر کے راہِ فرار اختیار کرنے کے لئے اجازت طلب کی تھی' ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ (الآیۃ) یعنی ان لوگوں نے اس سے پہلے عہد کیا تھا کہ پشت پھیر کر نہ جائیں گے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بنو حارثہ کا ذکر ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے قبیلہ بنو سلمہ مراد ہے' یہ لوگ غزوۂ اُحد کے موقع پر بزدلی دکھا چکے تھے پھر توبہ کر کے شریک ہو گئے تھے اور خندق کا واقعہ پیش آنے سے پہلے عہد کیا تھا کہ راہِ فرار اختیار نہ کریں گے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں اُن منافقوں کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے وہاں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کافروں کو بری طرح شکست دی تو یہ کہنے لگے افسوس ہم شریک نہ ہوئے' اگر ہم شریک ہوتے تو یوں کرتب دکھاتے اور ایسا کرتے ویسا کرتے' آئندہ جب کوئی جہاد کا موقع ہوگا تو ہم اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے' جب غزوۂ خندق کا موقع آیا تو اُن کے سارے دعوے اور معاہدے دھرے کے دھرے رہ گئے اور فرار کی راہیں اختیار کرنے لگے' وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا (اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی) عہد کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کر کے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں راہ فرار اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم موت سے یا قتل کے ڈر سے بھاگ گئے تو تمہارا یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا' اگر بھاگ گئے تو کتنا جیو گے؟ اجل مقررہ کے مطابق موت تو آ ہی جائے گی اور عمر کا جو بقیہ حصہ ہے اُس سے بھی زیادہ نفع حاصل نہیں کر سکتے' بھاگ کر عمر نہیں بڑھ سکتی کیونکہ اس کا وقت مقرر ہے۔

مزید فرمایا کہ ہر چیز کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے اگر تم بھاگ گئے اور جہاں پہنچے وہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہلاک فرما دیا تو تمہیں اللہ سے کون بچا سکتا ہے؟ اور وہ تم پر اپنا فضل فرمائے مثلاً تمہیں زندہ رکھے جو کہ ایک دنیاوی رحمت ہے تو اُسے اس سے کون روک سکتا ہے؟

ساتویں اور آٹھویں آیت میں بھی اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو دوسروں کو شرکت جہاد سے روک رہے تھے اور مسلمانوں کے حق میں اپنے قول اور فعل سے برا کردار ادا کر رہے تھے' ارشاد فرمایا اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کو جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک مخلص مسلمان غزوۂ خندق کے موقع پر اپنے سگے بھائی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھنا ہوا گوشت کھا رہا ہے اور اس کے پاس نبیذ (کھجوروں کا میٹھا پانی) پڑا ہے' یہ شخص منافق تھا' مخلص مسلمان (اس کا بھائی) جو اس کے پاس سے گذر رہا تھا' نے اُس سے کہا تو یہاں ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ نیزوں اور تلواروں کے درمیان ہیں' اس پر بھنا ہوا گوشت کھانے والے شخص نے کہا کہ تو بھی میرے پاس آ جا کہ اب تو تم لوگ ایسے گھیرے میں آ گئے ہو کہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے' مخلص مسلمان نے کہا کہ تو جھوٹا ہے اللہ کی قسم میں تیری بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دوں گا' یہ صاحب امام الانبیاء ﷺ

کی خدمت عالی میں پہنچے تو دیکھا کہ جبریل علیہ السلام آیت کریمہ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْکُمْ لے کر نازل ہو چکے ہیں۔

اور صاحب معالم التنزیل نے (جلد ۳ صفحہ ۵۱۸) لکھا ہے کہ یہودیوں نے منافقوں کو کہلا بھیجا کہ تم لوگ ابوسفیان اور اس کی جماعت اور دوستوں کے ہاتھوں کیوں اپنی جان کو تباہ کر رہے ہو اگر اس مرتبہ انہوں نے تم پر قابو پالیا تو تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے، ہمیں تم پر ترس آ رہا ہے تم ہمارے بھائی ہو اور پڑوسی ہو ہمارے پاس آ جاؤ (اس صورت میں اخوان سے برادر نسبتی نہیں بلکہ برادر وطنی مراد ہوں گے) یہود کی باتوں سے متاثر ہو کر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اُس کے ساتھی مؤمنین و مخلصین کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں جنگ کرنے سے روکنے لگے اور خوف زدہ کرنے لگے کہ دیکھو اگر ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں نے تم پر قابو پالیا تو تم میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے، تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس خیر کی اُمید ہے اس کی جنگ کا تو یہ حاصل ہے کہ ہم سب یہیں مقتول ہو جائیں گے، چلو ہم اپنے یہودی بھائیوں کے پاس چلے چلیں، منافقوں کی یہ بات سن کر اہل ایمان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا اور ان میں ثواب کی امید اور زیادہ پکی ہو گئی۔

وَلَا یَأْتُوْنَ الْبَأْسَ اِلَّا قَلِیْلًا (اور یہ لوگ یعنی منافقین لڑائی کے موقع پر جو حاضر ہو جاتے ہیں اُن کا یہ حاضر ہونا بس ذرا سا نام کرنے کو ہے) اَشِحَّةً عَلَیْکُمْ (یعنی ان کا ذرا سا نام کرنے کے لئے آنا بھی تمہارے بارے میں بخل اختیار کرنے کے لئے ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان جیت گئے اور انہیں غنیمت کا مال مل گیا تو ہم بھی استحقاق غنیمت کا دعویٰ کر سکیں گے۔

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ (سو جب کوئی خوف کا موقع پیش آ جاتا ہے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو) فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (پھر جب خوف دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں) اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ (ان طعنوں کا باعث یہ ہے کہ وہ مال کی حرص کے لئے آئے ہوتے ہیں) یعنی مالِ غنیمت لینے کیلئے دلخراش باتیں کرتے ہیں کہ ہمیں مال غنیمت میں کیوں شریک نہیں کرتے ہم بھی تو جنگ میں شریک تھے، ہماری وجہ ہی سے تو تمہیں یہ فتح میسر ہوئی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بزدل بھی ہیں اور حریص بھی ہیں ان میں دونوں چیزیں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں: فَھُمْ عِنْدَ الْغَنِیْمَةِ اَشَحُّ قوم وَعِنْدَ الْبَعْثِ اَجْبَنُ قَوْمٍ۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا (یہ لوگ ایمان نہیں لائے) فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ (سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے) جن کا آخرت میں کچھ بھی ثواب نہ ملے گا۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا (اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے) یعنی اس سے کوئی شخص مزاحمت کر کے اپنے اعمال کا بدلہ نہیں لے سکتا۔

نویں آیات میں منافقین کی بزدلی کو مزید آشکارا فرمایا کہ باوجودیکہ قریش مکہ اور بنی غطفان اور دیگر جماعتوں کے گروہ واپس چلے گئے لیکن یہ لوگ ڈر رہے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ وہ لوگ ابھی نہیں گئے۔ مذکورہ گروہ جا تو چکے ہیں لیکن اگر واپس آ جائیں تو منافقین خوف اور بزدلی کی وجہ سے یوں آرزو کرنے لگیں گے کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ہم دیہات میں چلے جاتے اور وہیں سے مسلمانوں کی خبریں معلوم کرتے رہتے کہ جنگ کا کیا انجام ہوا۔ وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِیْلًا۔

اے مسلمانو! یہ منافق اگر تمہارے اندر رہ جائیں تب بھی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتے بس نام کیلئے ذرا سی جنگ کرلیں گے جس سے ریا کاری مقصود ہوگی ایک دو پتھر پھینک کر کہیں گے کہ ہم نے بھی تو جنگ میں شرکت کی تھی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

تمہارے لئے یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور اللہ کو کثرت سے

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

یاد کرتا ہو رسول اللہ (ﷺ) کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ اور جب ایمان والوں نے جماعتوں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ہے وہ جس کا ہم سے اللہ نے

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ

اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا۔ اور اللہ نے اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہی ہوگی۔ اہل ایمان میں بعض ایسے ہیں

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا

جنہوں نے اپنا وہ عہد سچ کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا سو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کرلی اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر

بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ

رہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی۔ تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقین کو عذاب دے اگر چاہے،

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا

یا اُن کی توبہ قبول فرمائے بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ اور کافروں کو اللہ نے اُن کے غصہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا انہوں نے کوئی

خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

خیر نہ پائی اور قتال کی جانب سے مؤمنین کے لئے اللہ خود ہی کافی ہوگیا اور اللہ قوت والا ہے عزت والا ہے۔

مؤمنین کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی اُسوہ ہے
اہل ایمان نے اللہ سے سچا وعدہ کیا اور اس پر پورے اُترے

تفسیر: ان آیات میں اول تو اہل ایمان کو تلقین فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے رہیں، غزوۂ احزاب میں بھی سب کو وہی کرنا لازم تھا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا، کسی کو اپنی جان بچا کر چلے جانا درست نہیں تھا۔ اس میں اہل ایمان کو تعلیم فرمادی کہ جیسے اب رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا اور اتباع کیا اسی طرح آئندہ بھی آپ کا اتباع کریں اور آپ کی ذات گرامی کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ یعنی عملی زندگی کا نمونہ بنائیں، جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور یومِ آخرت کی پیشی کا یقین رکھتے ہیں اُنہیں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ مؤمنین کی تعلیم و تلقین کے ساتھ ہی منافقین پر تعریض بھی ہے جنہوں نے ایمان کا

دعویٰ کرنے کے باوجود راہِ فرار کو پسند کیا اور لوگوں کو غزوہ کی شرکت سے روکا۔ بات یہ ہے کہ صرف دعویٰ کچھ کام نہیں دیتا جب کسی کام کا دعویٰ کرے تو اس کو سچا کر دکھائے‘ منافقین دنیاوی مصالح کی بناء پر ایمان کا دعویٰ تو کر بیٹھے جب آزمائش آئی تو وعدہ کو نبھاہ نہ سکے‘ ان کا اعمال واقوال سے جھوٹا ہونا صاف طریقے پر واضح ہوگیا۔

اس کے بعد مؤمنین صحابہؓ کی تعریف فرمائی کہ جب انہوں نے کافروں کے گروہوں کو دیکھ لیا کہ وہ باہمی مشورے کر کے آ گئے ہیں تو انہوں نے یوں کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (یہ وہ ہے جس کا اللہ نے اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا) یعنی اہل ایمان کی جانچ اور امتحان کا جو قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہے اسی میں کا ایک یہ بھی امتحان وابتلا ہے‘ دشمنوں کی آمد اہل ایمان کے لئے ایمان میں اضافہ کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو زیادہ بشاشت کے ساتھ تسلیم کرنے کا سبب بن گئی‘ سورۂ بقرہ میں امتحان کا ذکر فرمایا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ (الآیۃ) اور سورۃ آل عمران میں فرمایا ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے: الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ اور فرمایا وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ۔ ان آیات میں واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اہل ایمان کا امتحان ہوگا اور مؤمنین ومنافقین الگ الگ پہچان لئے جائیں گے۔

اس کے بعد اُن مؤمنین کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے ایمان والے عام عہد اور اقرار کے علاوہ بھی کچھ عہد زائد کیا تھا‘ ان کے لئے فرمایا کہ بعض نے تو اپنی نذر پوری کر دی یعنی معاہدہ کے مطابق جہاد میں شرکت کر کے شہید ہو گئے‘ ان کے بارے میں فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ فرمایا۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں کہ جب موقع ہوگا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

یہاں مفسرین کرام نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن النضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کا مشرکین سے جنگ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا میں جس میں شریک نہ ہوا‘ اب اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جنگ کرنے کا موقع دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ جب غزوۂ اُحد کا موقع آیا تو یہ اس میں شریک ہو گئے اور مسلمانوں کو جب ظاہری شکست ہوگئی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ ایمان والوں نے جو کچھ کیا میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں اس سے برأت ظاہر کرتا ہوں‘ یہ کہہ کر آگے بڑھے‘ مشرکین کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوگئی اور اُن سے کہا میرے رب کی قسم! مجھے اُحد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اسکے بعد لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان کی نعش ملی تو چونکہ مشرکین نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے جس سے چہرہ بدل گیا تھا اس لئے انگلیوں کے پوروں سے ان کی بہن نے انہیں پہچانا‘ شمار کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اسی سے کچھ اوپر تلوار‘ نیزہ اور تیر کے زخم تھے ہم سمجھتے تھے کہ یہ آیت یعنی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ حضرت انس بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل

ہوئی۔(ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۰، وذکرہ البخاری فی کتاب التفسیر من جامعہ ج ۲ ص ۷۰۵ قال انس بن مالک نری ھٰذہ الآیة نزلت فی انس بن نضر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا کہ یہ آیت انس بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان اصحاب کے اسمائے گرامی جو مفسرین نے لکھے ہیں ان میں سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم ہیں، بعض روایات میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ بات پسند کرے کہ کسی ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہو تو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھے (معالم التنزیل) حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں شہید نہیں ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ کا مصداق بتایا کیوں کہ انہوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں کے تیروں سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ بچایا تھا یعنی ڈھال کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کام لیا تھا جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا اور ان کے جسم میں ستر سے کچھ اوپر زخم آ گئے تھے، اپنی طرف سے تو انہوں نے نذر پوری کر ہی دی اور شہید ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی اور جنگ جمل کے موقع پر ۳۰ھ میں شہید ہوئے۔ صحابۂ کرام کے دشمن ذرا غور تو کریں کہ انہوں نے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی) یعنی جو حضرات ابھی زندہ ہیں اور شہادت کے منتظر ہیں اور اپنے عہد پر قائم ہیں اپنے عزم کو انہوں نے ذرا بھی نہیں بدلا، لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ (تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے) یعنی غزوۂ احزاب کا واقعہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ سچے اور مخلص مسلمانوں کو اُنکے سچ کا بدلہ دے۔ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ (اور چاہے تو منافقین کو سزا دے) اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ یا ان کو توبہ کی توفیق دے اور وہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں اور زمانہ کفر میں جو انہوں نے حرکت کی وہ معاف ہو جائے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے)

فائدہ: مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا کہ اپنی نذر پوری کر دی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ بطور استعارہ موت کے معنی میں آتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اپنے وعدہ کے مطابق کام کر کے دنیا سے چلے گئے، یہ دوسرا معنی مراد لینے میں بھی مطلب وہی نکلتا ہے کہ وہ اپنا کام کر گذرے اور دنیا سے چلے گئے۔

پھر فرمایا وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ (کہ کافر لوگ جو غصے میں بھرے ہوئے مدینہ منورہ پر چڑھ کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس لوٹا دیا) لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا (انہیں کوئی بھی خیر نہ ملی) یعنی جس فتحیابی کی اُمید پر غصہ میں بھرے ہوئے آئے تھے اُس میں سے کچھ بھی نہ ملا اور ناکام و نامراد واپس ہوئے وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (اور قتال کی جانب سے اللہ مؤمنین کے لئے کافی ہو گیا) یعنی مؤمنین کو جنگ نہ کرنی پڑی اللہ تعالیٰ نے سخت تیز ٹھنڈی ہوا بھیج دی جس کی وجہ سے دشمن بھاگ گئے اور مؤمنین صحیح سالم شہر مدینہ میں داخل ہو گئے، وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا (اور اللہ قوت والا ہے غالب ہے) وہ جس طرح جس کی چاہے مدد فرما دے کوئی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی مدد کی اللہ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں

الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

رُعب ڈال دیا۔ تم ایک جماعت کو قتل کرنے لگے اور ایک جماعت کو قید کرنے لگے اور تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا

وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

اور ایسی زمین کا مالک بنا دیا جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اہل کتاب کو غداری کی سزا مل گئی اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرما دیا

تفسیر: جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں پہلے سے یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے تمام رہنے والوں کے درمیان ایک معاہدہ کروا دیا جس میں خود آپ ﷺ بھی مہاجرین وانصار کے ساتھ شریک تھے اور یہودیوں کے تینوں قبیلوں کو بھی شریک فرما لیا تھا۔ اس معاہدے میں جو باتیں لکھی گئی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ آپس میں جنگ نہ کریں گے اور یہ کہ مدینہ منورہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو سب مل کر دفاع کریں گے' ان میں سے بنی قینقاع نے تو غزوۂ بدر کے بعد ہی اس عہد کو توڑ دیا تھا جس کی سزا انہیں مل گئی۔ ان کے بعد قبیلہ بنی نضیر نے عہد توڑا جنہیں ۴ھ میں مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور وہاں بس جانے کے بعد قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا جس کے نتیجے میں غزوۂ احزاب پیش آیا' اب صرف قبیلہ بنو قریظہ مدینہ منورہ میں باقی رہ گیا تھا جو اپنے عہد پر قائم تھا' جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا بنی نضیر کو جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا تو انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر قریش مکہ اور بنی غطفان کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اُبھارا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار کیا اور یہ عزم لے کر چلے کہ مسلمانوں کو بالکل ختم ہی کر دینا ہے۔ جن یہودیوں نے قریش مکہ اور بنو غطفان وغیرہم کو اس کے لئے آمادہ کیا تھا اُن میں حی بن اخطب بھی تھا جو بنی نضیر کا سردار تھا' جب یہ دشمنان اسلام کی جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور خندق کے باہر پڑاؤ ڈالنا پڑا تو وہ موقع پا کر بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اُسے عہد شکنی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی' کعب بن اسد نے اول تو اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور ابن اخطب کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور یہ کہہ کر عہد شکنی سے انکار کر دیا کہ محمد ﷺ سے میرا معاہدہ ہے میں نے اُن کی طرف سے وفائے عہد اور سچائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا لہٰذا میں عہد شکنی نہیں کروں گا' لیکن ابن اخطب برابر اصرار کرتا رہا اور باتیں بناتا رہا' کعب بن اسد نے کہا کہ اچھا اگر قریش مکہ اور بنی غطفان نامراد ہو کر واپس ہو گئے اور

محمد ﷺ صحیح سالم مدینہ منورہ میں رہ گئے تو تیرا اور ہمارا کیا معاملہ بنے گا؟ ابن اخطب نے کہا کہ میں تیرے ساتھ تیرے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا پھر جو تیرا حال بنے گا میں بھی اسی میں تیرا ساتھی رہوں گا' یہ بات سن کر کعب بن اسد نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا اُس سے بری ہو گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ' سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا کہ جاؤ تحقیق حال کرو' یہ حضرات بنو قریظہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ واقعہ عہد توڑ چکے ہیں' ان حضرات نے واپس ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اصل صورتحال سے مطلع کر دیا' اس کے بعد جب قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم ناکام واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے اور ہتھیار رکھ کر غسل فرمالیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا رسول اللہ آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیئے؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اللہ کی قسم ہم نے تو ہتھیار نہیں رکھے' اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں میں بھی اُن کی طرف جا رہا ہوں میں اُن کے قلعوں میں زلزلہ لاؤں گا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مسلمانوں کے پاس خبر بھیج دی کہ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور وہیں جا کر عصر کی نماز پڑھیں' حضرات صحابہ کرامؓ روانہ ہوئے بعض نے یہ سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی کہ وقت ختم ہو رہا ہے' انہوں نے آپ کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھا کہ نماز پڑھ لی جائے تا کہ نماز قضاء نہ ہو اور بعض حضرات نے نماز قضاء کر دی اور وہیں جا کر پڑھی' ان حضرات نے ظاہر حکم کو دیکھا اور اپنی طرف سے اس کا کوئی مفہوم تجویز نہیں کیا' رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

اس سے علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ مجتہدین کرام کا اختلاف (جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں) منکر نہیں ہے' ہر مجتہد کو اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب ملتا ہے۔

بنی قریظہ کا قبیلہ مدینہ منورہ سے باہر تین چار میل کے فاصلے پر رہتا تھا' رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اُن کے علاقوں میں پہنچ گئے اور وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے' آپ ﷺ نے پچیس دن تک ان کا محاصرہ فرمایا۔ یہ محاصرہ ان کے لئے مصیبت بن گیا اُن سے کعب بن اسد نے کہا کہ دیکھو میں تم پر تین باتیں پیش کرتا ہوں جس کو چاہو قبول کر لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سب مل کر محمد ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کر لیں' میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم پر یہ بات کھل چکی ہے کہ یہ واقعی نبی ہیں اور رسول ہیں اور ان کی شخصیت وہی ہے جن کا تم اپنی کتاب یعنی توراۃ شریف میں ذکر پاتے ہو' اگر ایسا کر لو گے تو تمہاری جانیں اور تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے اموال سب محفوظ ہو جائیں گے' یہ سن کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اپنا دین نہیں چھوڑ سکتے۔ کعب بن اسد نے کہا کہ اگر تم اس رائے کو قبول نہیں کرتے تو دوسری رائے یہ ہے کہ ہم سب اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں اور محمد ﷺ اور اُن کے اصحاب کی طرف ننگی تلواریں لے کر نکل جائیں' پھر اللہ کا جو فیصلہ ہو وہ ہو جائے گا اگر ہم سب ہلاک ہو گئے تو بال بچوں کی طرف سے کوئی فکر نہ رہے گی' اور اگر ہم نے غلبہ پالیا اور عورتیں مل جائیں گی اور اولاد بھی پیدا ہو جائے گی' یہ بات سن کر اُس کی قوم کے لوگ بولے کہ ان مسکینوں کو اگر ہم قتل کر دیں تو ان کے بعد زندگی کا کیا مزہ ہے؟ کعب بن اسد نے کہا کہ تیسری صورت یہ ہے کہ آج لیلۃ

السبت ہے یعنی سنیچر کی رات ہے' قلعوں سے اُتر کر ہم محمد ﷺ اور ان کے اصحاب پر چپکے سے حملہ کر دیں' ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہمارے حملہ سے غافل ہوں کہ آج لیلۃ السبت ہے ہم ان پر حملہ نہ کریں گے' کعب بن اسد کی یہ رائے بھی ان کی قوم نے قبول نہیں کی اور کہنے لگے کہ ہم سنیچر کے دن کو کیوں خراب کریں۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس ابولبابہؓ کو بھیج دیجئے' یہ انصاری صحابی تھے' ان کا قبیلہ زمانۂ جاہلیت میں بنو قریظہ کا حلیف تھا' یہود بنو قریظہ نے انہیں مشورہ لینے کے لئے طلب کیا' رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھیج دیا' جب یہود کی اُن پر نظر پڑی تو انکی عورتیں اور بچے ابولبابہ کے سامنے رونے لگے' یہودیوں نے ان سے مشورہ لیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہم محمد ﷺ کے فیصلہ پر قلعے سے نیچے اُتر آئیں؟ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے رائے تو دے دی کہ ہاں اُتر آؤ اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا یعنی یہ بتادیا کہ تم ذبح کر دیئے جاؤ گے' اشارہ تو کر دیا لیکن اُسی وقت دل میں یہ بات آگئی کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی خیانت کی ہے' یہ سوچا اور سیدھے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور کہنے لگے کہ میں اس جگہ سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائے۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا سبب نزول حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا واقعہ ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے میں دیر ہوئی اور آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے اللہ سے استغفار کر دیتا' اب اُس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے تو اب میں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ چھ دن تک وہ ستون سے بندھے رہے' ہر نماز کے وقت اُن کی بیوی آتی تھی اور نماز کے لئے کھول دیتی تھی' نماز سے فارغ ہو کر وہ پھر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیتے تھے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ کے بارے میں سورۂ توبہ کی آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ الخ جب ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان ہو گیا (جو سحر کے وقت ہوا تھا) تو لوگ انہیں کھولنے کے لئے دوڑے' انہوں نے کہا کہ میں تمہارے ہاتھوں سے نہیں کھلوں گا رسول اللہ ﷺ ہی کھولیں گے تو میں کھلنا منظور کروں گا پھر جب رسول ﷺ نماز فجر کے لئے باہر تشریف لائے تو اُن کو کھول دیا۔

بنو قریظہ طولِ محاصرہ سے بلبلا اُٹھے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اب مقابلہ کا کوئی راستہ نہیں تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو گئے یعنی یہ کہلوا بھیجا کہ آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں ہمیں منظور ہے۔

جب وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے تو قبیلۂ اوس کے اشخاص آگے بڑھے (جو انصار میں سے تھے) انہوں نے عرض کیا کہ یہ ہمارے حلیف تھے ان کا معاملہ ہمارے سپرد فرما دیجئے' آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان کا فیصلہ تم میں سے ایک شخص کے سپرد نہ کر دوں؟ کہنے لگے کہ جی ٹھیک ہے' آپ نے فرمایا میں ان کا فیصلہ سعد بن معاذؓ کے سپرد کرتا ہوں۔

(حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ بنی اوس کے سردار تھے)

پہلے گذر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے مقابل اپنے صحابہؓ کے ساتھ جبل سلع کے قریب قیام پذیر تھے

اور مقابلہ تقریباً ایک ماہ تک تھا اُس وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک رگ میں (جسے عربی میں اکحل کہتے ہیں) ایک تیر آ کر لگا جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہو گئی انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ زخم جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کا انجام دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں رفیدہ نامی ایک عورت کے خیمہ میں ٹھہرا دیا تھا جب آپ نے ان کو بنی قریظہ کا فیصلہ سپرد فرما دیا تو انہیں بلایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اُن کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ اپنے سید کے لئے کھڑے ہو جاؤ (چونکہ وہ مریض تھے اور انہیں سواری سے اتارنے کی ضرورت تھی اس لئے آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کا اور ان کی مدد کرنے کا حکم فرمایا) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہود بنی قریظہ تمہارے فیصلہ پر راضی ہو گئے ہیں (راضی تو ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر، پھر جب انصار کے قبیلہ بنی اوس نے کہا کہ ان کا معاملہ ہمارے سپرد کر دیجئے تو آپ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما دیا، اس سے یہود بھی خوش ہوئے کیونکہ یہ اُن کے خلفاء میں سے تھے اور خود اُن کے اپنے قبیلہ کے لوگ بھی خوش ہوئے اور ان سے کہتے رہے کہ اپنے خلفاء کے بارے میں اچھا فیصلہ کرنا) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ جو لوگ جنگ کرنے کے لائق ہیں اُن سب کو قتل کر دیا جائے اور مال تقسیم کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے، جب انہوں نے اپنا یہ فیصلہ دے دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں، بنو قریظہ کی جماعتیں وہاں پہنچائی جاتی رہیں اور اُن کی گردنیں ماری جاتی رہیں، ان مقتولین میں حی بن اخطب بھی تھا اور کعب بن اسد بھی، جو بنو قریظہ کا سردار تھا جس نے بنو قریظہ پر تین باتیں پیش کی تھیں اُن کی پیش کش پر قوم مسلمان نہ ہوئی تو اس نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ یاد رہے کہ حی بن اخطب وہی شخص ہے جو اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا تھا اور قریش مکہ اور بنو غطفان کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اسی نے کعب بن اسد کو نقضِ عہد پر آمادہ کیا تھا اور آخر میں یوں کہا تھا کہ اگر ان جماعتوں کو شکست ہوئی، جو باہر سے آئی ہیں تو میں بھی تیرے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا اور جو مصیبت تم لوگوں کو پہنچے گی میں بھی اس میں شریک رہوں گا، اسی عہد کی وجہ سے وہ واپس خیبر نہیں گیا جہاں بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا تھا اور بنی قریضہ کے ساتھ یہ بھی مقتول ہوا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ طاہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا والد بھی تھا جنہیں ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر قید کر کے لایا گیا تھا۔

بنی قریظہ میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا اور باقی جو مقتولین تھے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق سب مرد تھے، جس عورت کو قتل کیا گیا اُس نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ گرا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے تھے، بنی قریظہ میں سے حضرت عطیہ قرظی کو بھی قتل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اُس وقت تک بلوغ کی حد کو نہیں پہنچے تھے۔

فیصلہ یہ ہوا کہ جس کے زیرِ ناف بال نکل آئے ہوں اُسے بالغ سمجھا جائے اور قتل کر دیا جائے اور جس کے بال نہ نکلے ہوں اُسے قتل نہ کیا جائے۔ حضرت عطیہ قرظی ؓ نے بتایا کہ میرے بال اُگنے کی جگہ پر نظر ڈالی گئی تو دیکھا کہ میرے بال نہیں نکلے ہیں لہٰذا مجھے چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں شامل کر دیا گیا یہ بات انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بتائی تھی۔

بنی قریظہ کے کتنے افراد قتل کئے گئے؟ اس میں تین قول ہیں (۱) چھ سو (۲) سات سو (۳) آٹھ اور نو سو کے درمیان۔

یہود میں سے چند ایسے لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا جو نہ بنی قریظہ میں سے تھے اور نہ بنی نضیر میں سے تھے، جس رات بنی قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہونے کا اعلان کیا اُسی وقت یہ لوگ مسلمان ہوئے ان کے نام یہ ہیں: ثعلبہ بن سعید، اسد بن سعید، اسد بن عبید یہ لوگ بنی عدل میں سے تھے۔

بنی قریظہ کے مردوں کو رسول اللہ ﷺ نے قتل فرما دیا اور ان کے مال اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مال غنیمت بنا کر مجاہدین میں تقسیم فرما دیا اور ان کے اموال سے خمس یعنی ۱/۵ نکال دیا جیسا کہ مال غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ ہے۔ بنی قریظہ میں سے جن بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا تھا اُن میں سے بعض کو نجد کی طرف بھیج دیا، حضرت سعد بن زید انصاریؓ آپ ﷺ کے حکم سے انہیں لے گئے اور انہیں بیچ کر گھوڑے اور ہتھیار خرید لئے تاکہ جہاد میں مسلمانوں کے کام آئیں۔

جب بنی قریظہ کا معاملہ ختم ہوا یعنی انہیں قتل کر دیا گیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زخم جاری ہو گیا اور خون بہتا رہا جو ان کی موت کا ظاہری سبب بن گیا، چونکہ یہ زخم انہیں جہاد کے موقع پر تیر لگنے کی وجہ سے آ گیا تھا اس لئے اُن کی یہ موت شہادت کی موت ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بدن بھاری تھا جب اُن کا جنازہ اُٹھا کر لے جانے لگے تو ہلکا محسوس ہوا، بعض لوگوں نے کہا کہ اس شخص کا بدن تو بھاری تھا جنازہ اتنا ہلکا کیوں ہے؟ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا جنازہ کو اٹھانے والی تمہارے علاوہ دوسری مخلوق بھی تھی، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے فرشتوں کو سعدؓ کی روح پہنچنے پر خوشی ہوئی اور ان کے لئے عرش بھی متحرک ہو گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سعد بن معاذؓ کی وفات کے موقع رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی پھر جب انہیں دفن کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے دیر تک تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی، اس پر ہم نے بھی تکبیر پڑھی اور عرض کیا کہ آپ نے پہلے تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے فرمایا اس نیک بندہ پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی (میں برابر تسبیح پڑھتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل دور فرما دی) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لئے عرش متحرک ہوا اور آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے، قبر میں اس کو کچھ دبایا گیا پھر تکلیف دور کر دی گئی۔ (جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو زمین نے دبایا جو شہید ہو گئے تھے تو دوسرے لوگ اپنے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور گناہوں میں لت پت ہیں)

غزوۂ بنی قریظہ کا مفصل قصہ بیان کر دیا گیا ہے جو سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے، ان میں سے بعض چیزیں کتب حدیث میں بھی ملتی ہیں۔ تفصیل کے ساتھ پورا واقعہ پڑھنے کے بعد آیت بالا کے ترجمہ پر دوبارہ نظر ڈال لیں۔

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ اشکال ہو کہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کر رکھا تھا اسے انہوں نے توڑ دیا تھا جس کی سزا پائی لیکن ابوسفیان نے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے یہ کیوں کہا کہ قریش وغیرہ کے ساتھ جو عہد کیا تھا بنو قریظہ اس عہد کو توڑ چکے ہیں حالانکہ مِنْ فَوْقِكُمْ کی تفسیر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اوپر کی جانب سے بنی قریظہ آ گئے تھے اور ان لوگوں کو حُیَی بن اخطب نے اپنے ساتھ ملانے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو

قریظہ قریش کے ساتھ تھے اس کا جواب یہ ہے کہ بنی قریظہ نے قریش مکہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کا وعدہ تو کر لیا تھا لیکن نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تدبیر سے بنو قریظہ مشرکین مکہ اور ان کے ساتھیوں کی امداد سے بھی پھر گئے تھے ہوا یہ کہ نعیم بن مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن میری قوم کو اس کا پتہ نہیں ہے آپ مجھے جو کچھ حکم فرمائیں میں حاضر ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ایسی صورت نکالو جس سے یہ جماعتیں ایک دوسرے کی مدد سے منحرف ہو جائیں۔ حضرت نعیم بن مسعودؓ بنی قریظہ کے پاس گئے جاہلیت میں تو ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا تھا ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے میری تمہاری کیسی دوستی ہے اور کیسے خصوصی تعلقات ہیں؟ بنو قریظہ نے جواب میں کہا کہ واقعی تم ہمارے دوست ہو ہم اس بات کو مانتے ہیں اس پر ان سے فرمایا کہ دیکھو قریش اور بنی غطفان تمہاری طرح سے نہیں ہیں تم شہر مدینہ میں رہتے ہو اس میں تمہارے اموال ہیں بچے ہیں عورتیں ہیں اس شہر کو چھوڑ کر تم کہیں نہیں جا سکتے رہے قریش اور بنی غطفان سو وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم ان کی مدد کر رہے ہو اب دیکھو بات یہ ہے کہ انہیں اگر موقع مل گیا تو غلبہ پالیں گے اور اگر شکست ہو گئی تو اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اس کے بعد تم بے یارو مددگار رہ جاؤ گے اور محمد رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم قریش مکہ سے یوں کہو کہ تم لوگ اپنے سرداروں کو بطور رہن ہمارے پاس چھوڑ دو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں گے انہیں اپنے آدمیوں کی فکر لاحق ہوگی یہ بات سنکر بنو قریظہ نے کہا واقعی تمہاری رائے تو ٹھیک ہے۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ یہودی اس بات پر پچھتا رہے ہیں کہ انہوں نے تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کیوں کر لیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ تھا وہ توڑ دیا اب انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر بھیجی ہے کہ آپ ہم سے اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ہم قریش اور بنی غطفان کے سرداروں پر قبضہ کر کے آپ کے پاس بھیج دیں اور آپ ان کی گردنیں مار دیں اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ مل کر ان لوگوں کو بالکل ہی ختم کر دیں گے اور ساتھ ہی قریش اور بنی غطفان سے یہ بھی کہا کہ دیکھو اگر یہودی تم سے یہ مطالبہ کریں کہ بطور رہن ہمیں اپنے آدمی دے دو تو تم بات مت ماننا اور انہیں اپنا ایک آدمی بھی نہ دینا پھر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنی غطفان کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی کہا کہ دیکھو تمہارے سرداروں میں سے یہودی بطور رہن کچھ افراد طلب کریں گے تم اپنا ایک شخص بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔

اس کے بعد ابو سفیان نے اور بنی غطفان کے چودھریوں نے بنی قریظہ کے پاس عکرمہ بن ابی جہل کو قریش وغطفان کے چند افراد کے ساتھ پیغام دے کر بھیجا انہوں نے یہود سے کہا کہ دیکھو ہمارے ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا ہمارے پاس جو اونٹ اور گھوڑے تھے وہ ہلاک ہو چکے ہیں آؤ صبح صبح سب مل کر یکبارگی محمد ﷺ پر حملہ کر دیں اور معاملہ کو نمٹا دیں یہودیوں نے جواب میں کہا کہ ہم اس وقت تک تمہارا ساتھ نہیں دیں گے جب تک تم اپنے چند آدمی بطور رہن ہمیں نہ دے دو جب تمہارے آدمی ہمارے ساتھ ہوں گے تو ہمیں بھروسہ رہے گا ہمیں ڈر ہے کہ تم لوگ لڑائی میں شکست کھا گئے تو ہمیں چھوڑ کر اپنے شہروں کو بھاگ جاؤ گے جب یہ لوگ بنی قریظہ کا جواب لے کر قریش اور بنی غطفان کے پاس واپس پہنچے تو کہنے لگے کہ واقعی نعیم بن مسعودؓ نے سچ کہا تھا کہ بنو قریظہ تم سے بطور رہن آدمی طلب کریں گے اس پر قریش اور بنی غطفان نے بنی قریظہ کو ٹکا سا جواب بھجوا دیا کہ ہم اپنا ایک شخص بھی تمہیں نہیں دیں گے لہٰذا بنو قریظہ نے جواب دے دیا کہ ہم اس کے بغیر محمد (ﷺ) سے

جنگ نہیں کر سکتے لہٰذا اب صورتحال یہ پیدا ہوگئی کہ بنوقریظہ نے وہ معاہدہ بھی توڑ دیا جو رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا اور قریش وبنی غطفان کی مدد سے بھی دستبردار ہوگئے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی زد سے بھی نہ بچ سکے۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ تدبیر ابن ہشامؒ نے لکھی ہے، اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی "البدایہ والنہایہ" میں سے اس کو ذکر کیا ہے۔ **قولہ تعالیٰ:** (مِنْ صَيَاصِيهِمْ) ای من حصونهم جمع صيصية وهی كل ما يمتنع به ويقال لقرن الثور والظباء ولشوكة الديك التی فی رجله كالقرن الصغير، وتطلق الصياصی على الشوك الذی للنساجين ويتخذ من حديد. (روح المعانی) (اللہ تعالیٰ کا قول (مِنْ صَيَاصِيهِمْ) یعنی ان کے قلعوں سے یہ صیصیۃ کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو رکاوٹ بنے اور بیل کے سینگ، مرغ کے ناخن کو بھی کہا جاتا ہے گویا کہ وہ چھوٹا سینگ ہے اور صیاصی کا لفظ لوہے کے اس کانٹے پر بھی بولا جاتا ہے جو کپڑا بننے والوں کے پاس ہوتا ہے)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا والی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں

وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ

اور تمہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دوں۔ اور اگر تم اللہ کو اور اس کے رسول کو چاہتی ہو اور دارِ آخرت کو تو بلاشبہ اللہ نے

لِلْمُحْسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

ان عورتوں کے لئے جو تم میں اچھے کام کرنے والی ہوں بڑا اجر تیار فرمایا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بیوی بے ہودگی کرے گی

يُضَٰعَفْ لَهَا ٱلْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ

اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ اور تم میں سے جو عورت

لِلَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتَعْمَلْ صَٰلِحًا نُّؤْتِهَآ أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾ يَٰنِسَآءَ

اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اس کا ثواب دوہرا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے رزق کریم تیار کیا ہے۔ اے

ٱلنَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ۚ إِنِ ٱتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِٱلْقَوْلِ فَيَطْمَعَ ٱلَّذِى فِى قَلْبِهِۦ

نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو ایسا شخص لالچ نہ کرنے لگے جس کے دل میں

مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ وَقَرْنَ فِى بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ

مرض ہو اور مناسب طریقہ پر بات کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جہالت کے

ٱلْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتِينَ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ

دستور کے موافق نہ پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اللہ یہی چاہتا ہے

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى

کہ اپنے نبی کے گھر والوتم سے گندگی کو دور فرما دے اور تم کو اچھی طرح پاک کر دے۔ اور گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں

فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ان آیات کو اور حکمت کو یاد کرو، بلاشبہ اللہ مہربان ہے باخبر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو نصائح ضروریہ

تفسیر: آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے اَجْرًا عَظِيْمًا تک کا سبب نزول حضرات مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ خرچہ ملنے کی درخواست کی' اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں۔ (۱) عائشہ بنت ابوبکر صدیق (۲) حفصہ بنت عمر (۳) اُم حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) ام سلمہ بنت ابی اُمیہ (۵) سودہ بنت زمعہ (۶) زینب بنت جحش (۷) میمونہ بنت حارث (۸) صفیہ بنت حی بن ابی اخطب (۹) جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ مطالبہ اچھا نہ لگا (بڑوں کی بڑی باتیں ہیں' وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں اُنہیں آپ کے ساتھ صبر وشکر کے ساتھ رہنا چاہئے تھا اور بعض مرتبہ جو فاقہ کی نوبت آجاتی تھی' اس کو درجات کی بلندی کے لئے برداشت کرنا چاہئے تھا اور خرچہ کا سوال زبان پر نہیں لانا چاہئے تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے خرچہ کا سوال کیا تو آپ نے قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا' حضرات صحابہ میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے' اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کی خبر لاتا ہوں' انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ وہاں مسلمان موجود ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے' آپ نے فرمایا میں نے طلاق نہیں دی' عرض کیا تو کیا میں مسلمانوں کو یہ بات بتا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہو تو بتا دو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی۔

جب اُنتیس دن گذر گئے تو آیت تخییر یعنی يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ (آخر تک) نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کا سامان دے دیتا ہوں اور ساتھ ہی تمہیں خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دوں گا یعنی اپنے نکاح میں نہیں رکھوں گا اور اگر تم اللہ کو اور اس کے رسول کو چاہتی ہو اور آخرت کی طلبگار ہو تو تم سمجھ لو کہ اللہ نے نیک کام کرنے والی عورتوں کے لئے اجرِ عظیم تیار فرمایا ہے' یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی گذارتی رہو' اچھے اعمال کرتی رہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائے گا (اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا کوئی مسئلہ نہیں) جب آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت شریفہ کے مضمون کے مطابق اپنی بیویوں کو اختیار دے دیا کہ اگر چاہو تو دُنیا کا سامان لے لو اور ساتھ ہی یہ سمجھ لو میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور

اگر چاہو تو میرے ہی پاس رہو لیکن اس صورت میں مطلوبہ اخراجات کا کوئی وعدہ نہیں' ہاں یہ وعدہ ہے کہ نیک کام کرتی رہو گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجرِ عظیم دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرتا ہوں جب تک اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ کر لو جواب دینے میں جلدی نہ کرنا (آپ کو معلوم تھا کہ ان کے والدین انہیں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتے تھے) یہ فرما کر آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو دونوں آیتیں سنا دیں جن میں اختیار دینے کا مضمون ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت سمجھدار اور مزاج شناسِ نبوت تھیں فوراً عرض کیا کیا میں آپ ﷺ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ لوں گی؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا کہ آپ ﷺ دوسری بیویوں میں کسی کو میرے جواب سے مطلع نہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ نے مجھے تکلیف میں ڈالنے والا اور تکلیف میں پڑنے والا بنا کر نہیں بھیجا مجھے تو سکھانے والا اور سہولت کا طریقہ بتانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد آپ نے باقی آٹھ ازواجِ مطہرات کے سامنے بھی آیت بالا کا مضمون پیش فرمایا ان سب نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہیں۔ جب اُنتیس دن گذر گئے تو آپ عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو یہ قسم کھائی تھی کہ پورے ایک ماہ ہمارے ہاں تشریف نہیں لائیں گے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مہینہ اُنتیس دن کا تھا' اُنتیس دن گذر گئے نیا مہینہ شروع ہو گیا۔ جب آپ کی تمام بیویوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو اختیار کر لیا تو آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے انوار ظاہر ہو گئے اور آپ ﷺ نے ان کی قدردانی فرمائی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۵' ۵۲۶ ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۵ ، صحیح مسلم ص ۴۸۰ تا ۴۸۲)

فائدہ: بیوی کو اگر طلاق کا اختیار دیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں' ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے' اگر وہ چاہے تو اپنے اوپر طلاق واقع کر کے آزاد ہو جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مرد طلاق کو اپنے ہی ہاتھ میں رکھے اور عورت سے یوں کہے کہ اگر تو چاہے تو میں تجھے طلاق دیدوں۔

رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی بیویوں کو اختیار دیا تھا وہ یہی دوسری صورت تھی یعنی بطور مشورہ ایک بات پیش فرمائی تھی' اگرچہ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ آیت کے سیاق میں دونوں باتوں کا احتمال ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تھا ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ رہنا منظور کر لیا اور آپ کی زوجیت اختیار کر لی' اور آپ ﷺ کا اختیار دے دینا کسی بھی طلاق میں شمار نہیں کیا گیا۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ محض اختیار دیدینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں تخییر کو طلاق میں شمار نہیں کیا گیا' اس کے ذیل میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی هٰذه الاحاديث دلالة لمذهب مالک والشافعی وابی حنيفة واحمد وجماهير العلماء زوجته فاختارته لم يكن ذٰلک طلاقًا ولا يقع به فرقة وروی عن علی وزيد بن ثابت والحسن والليث بن سعد ان نفس التخيير يقع بِه طلقة بائنة سواء اختارت زوجها ام لا وحكاه الخطابی والنقاش عن مالک قال القاضی لا يصح هٰذا عن مالک ثم هو مذهب ضعيف مَرْدُوْد بِهٰذ والاحاديث الصّريحة وبعل القائلين به لم تبلغهم هٰذه الاحاديث. والله اعلم

(ان احادیث میں حضرت امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کی دلیل ہے اگر کسی نے اپنی بیوی کو اختیار دیا تو محض یہ اختیار دینا طلاق نہیں ہوگا اور نہ اس سے فرقت ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ حضرت زیدؓ حضرت حسن اور حضرت لیث بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ نفس تخییر سے طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے خواہ عورت نے اپنے آپ کو اختیار کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اس بات کو خطابی اور نقاش نے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ قاضی فرماتے ہیں حضرت امام مالک سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ پھر یہ کہ یہ مذہب ضعیف ہے اور ان مذکورہ صریح احادیث کی وجہ سے مردود ہے۔ شاید اس مذہب کے قائلین کو یہ احادیث نہیں پہنچیں)

حنفیہ میں سے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کوئی شخص طلاق کی نیت سے اپنی بیوی سے اِخْتَارِیْ (تو اختیار کر لے) کہہ دے یا یوں کہہ دے کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے دے تو جب تک وہ اپنی مجلس میں رہے گی اُسے طلاق دینے کا اختیار رہے گا، اگر مجلس سے اٹھ گئی یا وہیں بیٹھے بیٹھے کسی کام میں لگ گئی (جس سے اعراض سمجھا جاتا ہو) تو اس کے ہاتھ سے اختیار جاتا رہا، اگر اِخْتَارِیْ کے جواب میں (جبکہ شوہر نے طلاق کی نیت سے کہا ہو) عورت نے یوں کہہ دیا کہ اخترت نفسی (میں اپنی جان کو اختیار کرتی ہوں) تو ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی۔ (باب تفویض الطلاق)

دوہرے عذاب وثواب کا استحقاق: تخییر کا مضمون بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ (الآیۃ) اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو عورت واضح طور پر کسی معصیت کا ارتکاب کرے گی تو اُسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے) ''واضح طور پر معصیت'' یہ لفظ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ کا ترجمہ ہے۔ صاحب بیان القرآن نے اس کا ترجمہ کھلی ہوئی بیہودگی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے وہ معاملہ مراد ہے جس سے رسول اللہ ﷺ تنگ اور پریشان ہوں۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا یہی مطلب نقل کیا ہے، فقال المراد بالفاحشۃ النشور وسوء الخلق۔ صاحب روح المعانی نے بھی بعض حضرات سے یہی تفسیر نقل کی ہے، فقال وقیل: ذٰلِکَ طلبھنّ ما یشق علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام او مایضیق بہ ذرعہ ویغتم صلّی اللہ علیہ وسلم لا جلہ۔ یعنی فاحشۃ سے یہ مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیزیں طلب کی جائیں جس سے آپ تنگ دل ہوں اور آپ کو گھٹن محسوس ہو۔ اور بعض حضرات نے بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ کا ترجمہ مَعْصِیَۃٍ ظَاہِرَۃٍ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ علی السبیل الفرض ہے کما فی قولہ تعالیٰ: لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ.

یہ دُھرا عذاب دیئے جانے کی وعید اس لئے ہے کہ جن کے مرتبہ بلند ہوتے ہیں ان کا مواخذہ زیادہ ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بعض ان چیزوں پر عتاب ہوا جن پر دوسرے مؤمنین پر عتاب نہیں ہوتا۔ ایک جاہل شخص ایک عمل کرے اور کوئی عالم شخص اس عمل کو کرلے تو اُس عالم کا مواخذہ جاہل کے مواخذہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دیا کہ آپ تو اہل بیت کے فرد ہیں جو بخشے بخشائے ہیں، اُس پر وہ غصہ ہونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ہم اپنے کو اُسی کا مستحق سمجھتے ہیں ہم میں سے جو محسن ہیں اُن کے لئے دوہرے اجر کی اُمید رکھتے ہیں اور ہم میں سے جو شخص کوئی گناہ کرے اس کے لئے دوہرے عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں، اس کے بعد انہوں نے آیت کریمہ

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ اور اس کے بعد والی آیت وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ تلاوت فرمائی۔(روح المعانی جلد ۲۱ص ۱۸۴)

اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِیْمًا (اور تم میں سے جو عورت اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اسے اس کا دوہرا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے رزق کریم تیار کیا ہے)

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں علت اس تضعیفِ اجر اور اسی طرح تضعیف وزر کی جو اسکے قبل ارشاد ہے شرف زوجیت نبی ہے جس پر یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ دال ہے کیونکہ اہل خصوصیت کا عصیان بھی اوروں کے عصیان سے اشد ہوتا ہے اسی طرح ان کی اطاعت بھی اوروں کی طاعت سے زیادہ مقبول ہوتی ہے پس وعدہ و وعید دونوں میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں اور خصوصاً مقامِ کلام میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حضرات اُمّ المؤمنین سے خدمت واطاعت کا صدور حضور ﷺ کے قلب کو راحت افزا زیادہ ہوگا پس آپ کی راحت رسانی موجب اجر تھی زیادہ راحت رسانی موجبِ زیادتی اجر ہوگئی علیٰ ھٰذا اس کی ضد میں سمجھنا چاہئے۔

ایک ہی مرتبہ حضرات ازواج مطہرات کی طرف سے خرچہ میں اضافہ اور خوشحالی کی بات اٹھائی گئی اس پر آیات بالا نازل ہوگئیں، اس کے بعد کوئی واقعہ اس قسم کا پیش نہیں آیا جس میں خرچہ کی تنگی کا سوال اٹھایا گیا ہو، ازواج مطہرات برابر زندگی بھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں اور عبادت الٰہی میں لگی رہیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی احادیث کو اور آپ کی تعلیمات کو آگے بڑھاتی رہیں۔ رضی اللہ عنهنّ وارضاهنّ۔

ازواج مطہرات کی فضیلت: اس کے بعد فرمایا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح سے نہیں ہو) اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں فضیلت دی ہے وہ بہت بڑی ہے جو اور کسی بھی عورت کو حاصل نہیں ہے، اپنے شرف اور بلند مقام کو سمجھو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی خوشنودی کے اعمال میں لگی رہو۔ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (اگر تم تقویٰ اختیار کرتی ہو) یعنی تقویٰ ہی پر آئندہ زندگی گذارنی ہے تو اس بات کا بھی دھیان رکھو کہ جب کسی نامحرم مرد سے کسی ضرورت سے بات کرنی پڑ جائے تو لب ولہجہ میں نزاکت کا انداز مت اختیار کرو اگر ایسا انداز ہوگا تو بعض ایسے لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے لالچ کر لیں گے یعنی تم سے بار بار اور بلا ضرورت بات کریں گے اور تمہارے لب ولہجہ سے اپنے کانوں کو لذت پہنچائیں گے۔ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (اور مناسب طریقہ پر بات کرو) نامحرموں سے بات کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ درشتی کے طور پر روکھا پن اختیار کر کے جواب دیا جائے، جب یہ صورت اختیار کی جائے گی تو جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے وہ خود بات کرنے سے بچیں گے اور بلا ضرورت تو بالکل ہی پرہیز کریں گے۔ اور بعض حضرات نے قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ کے ذکر میں لگی رہو اور جو کوئی بات کرنی ہو تو بوقت ضرورت بات کر لو۔

نامحرموں سے بات کرنے کا طریقہ: معلوم ہوا عند الضرورت نامحرم سے بات کرنے کی اجازت تو ہے کیونکہ کبھی اس کی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے لیکن ایسے موقع پر زیادہ آواز بلند نہ کرے نہ آواز کو دراز کرے نہ نرم کرے نہ آواز کے اُتار چڑھاؤ کی صورت اختیار کرے کیونکہ اس سے نامحرموں کے دل مائل ہوں گے اور نفسانی خواہشوں کو تحریک ہوگی، اسی لئے عورت کو اذان دینا اور حج کے موقع پر زور سے تلبیہ پڑھنا ممنوع ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابو

العباس قرطبیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فانا نجیز الکلام مع النساء للاجانب و محاورتھن عند الحاجۃ الیٰ ذٰلک ولا نجیز لھن رفع اصواتھن ولا تمطیطھا ولا تلیینھا ولا تقطیعھا لما فی ذٰلک من استمالۃ الرجال الیھن وتحریک الشھوات منھم ومن ھٰذا الم یجزان تؤذن المرءۃ. اھ (شامی جلد ۱ صفحہ ۲۷۲) (لہٰذا ہم غیر محرم سے عورتوں کے بات کرنے اور جواب دینے کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ اس کی ضرورت ہو البتہ آواز کو بلند کرنا' لمبا کرنا اور نرم کرنا اور بات میں اتاچڑھاؤ کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے مردوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں گے اور ان کے جذبات کو تحریک ملے گی اسی لئے عورت کے لئے اذان دینا جائز نہیں ہے)

گھروں میں ٹھہرے رہنے کا حکم: اس کے بعد فرمایا: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ (اور تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو) وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى (اور قدیم جہالت کے دستور کے موافق بن ٹھن کر نہ پھرو) اس میں اوّل تو یہ حکم فرمایا کہ گھروں میں قرار پکڑے رہو اور دوسرے یہ فرمایا کہ جاہلیت اُولیٰ کے طریقہ پر باہر نہ نکلو جس سے کہ سر' سینہ چہرہ' گردن' کان کانوں کی بالیاں وغیرہ ظاہر ہوں۔ جاہلیت اُولیٰ سے عرب کا اسلام سے پہلے والا زمانہ مراد ہے' اس زمانہ میں عورتیں بلا پردہ بے محابا باہر نکلتی تھیں' سر اور سینے کھلے ہوئے ہوتے تھے اور بلا کھٹک مردوں کے درمیان سے گذر جاتی تھیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جاھلیۃ اولیٰ جاھلیۃ اُخریٰ کے مقابلہ میں ہے' مطلب یہ ہے کہ اسلام سے پہلے لوگ جاہلیت میں مبتلا تھے' زمانہ اسلام میں فسوق اور فجور اختیار کریں گے تو یہ دوسری جاہلیت ہوگی جو جاہلیت اولیٰ کی نقل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہری رہیں اور اگر کسی ضرورت سے باہر جانا ہی ہو تو پردہ کا خاص اہتمام کیا کریں' اپنے اعضاء کو اور زیور اور زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں۔

مذکورہ بالا خطاب گو ازواج مطہراتؓ کو ہے لیکن تمام مسلمان عورتوں کے لئے یہی حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے گھروں میں رہیں اور اگر باہر نکلنا ضروری ہو تو پردۂ شرعی کا خوب زیادہ اہتمام کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' اَلْمَرْءَۃُ عورۃٌ فَاِذَا خَرَجَتِ استشرفھا الشَّیْطٰن (کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے' جب باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے) (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۹)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ عورت مرد راستہ میں اکٹھے چل رہے ہیں' آپ نے فرمایا کہ اے عورتو! پیچھے ہٹو تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ راستوں کے درمیان میں چلو تم راستہ کے کناروں پر چلو' آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد عورتوں کا یہ حال تھا کہ بالکل دیوار کے ساتھ مل کر چلتی تھیں یہاں تک کہ اُن کا کپڑا دیوار سے اٹک جاتا تھا۔ (رواہ ابوداؤد)

اگر کسی عورت کو کسی مجبوری سے باہر نکلنا ہو تو بن ٹھن کر خوشبو لگا کر نہ نکلے اور مردوں سے دور ہو کر گذر جائے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار ہے (یعنی بے جگہ نظر ڈالنا' مرد کی نظر ہو یا عورت کی' زنا میں شمار ہے) اور بلاشبہ جب کوئی عورت عطر لگائے اور مجلس پر گذرے تو ایسی ہے ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۶)

قولهٗ تعالیٰ: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ قال صاحب الروح من قریقر من باب علم اصله اقررن فحذفت الراء الاولٰی والقیت فتحها علٰی ما قبلها وحذفت الھمزة لاستغناء عنها بتحرک القاف، وذکر ابو الفتح الھمدانی فی کتاب التبیان وجها اخر قال: قاریقار اذا اجتمع ومنه القارة لا جتماعها، الا تری الٰی قول عضل والدیش اجتمعوا فکونوا قارة فالمعنی واجمعھن انفسکن فی البیوت. وقرأ الاکثر (وقرن) بکسرا لقاف من وقریقر وقارًا اذا سکن وثبت واصله اوقرن ففعل به مافعل بعدن من وعدأ ومن قریقر المضاعف من باب ضرب واصله اقررن حذفت الزاء الاولٰی والقیت کسرتها الی القاف وخذفت الھمزة للاستغناء عنها. اھ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں قَـرْنَ قَرَّ یَقَرُّ باب عَلِمَ سے بنا ہے یہ اصل میں اِقْرَرْنَ تھا۔ پہلی راء حذف کی گئی اور اس کا فتحہ ماقبل کو دیدیا اور قاف کے متحرک ہو جانے کی وجہ سے ہمزہ وصلی کی ضرورت نہیں رہی اس لئے ہمزہ کو حذف کر دیا۔ اور ابو الفتح الھمدانی نے کتاب النبیان میں ایک اور صورت ذکر کی ہے اس نے کہا ہے قَارَ یَقَارُ کا معنی ہے جمع ہونا، مجتمع ہونا اکقارَۃ اسی سے ہے کیونکہ وہ بھی مجتمع ہوتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے پس وہ ہو گئے۔ پس اس طرح قَرْنَ کا معنی ہوا کہ تم اپنے آپ کو گھروں میں ہی مجتمع رکھو۔ اور اکثر نے وَقِرْنَ پڑھا ہے قاف کے کسرہ کے ساتھ وَقَـرَ یَقِرُ وَقَارًا سے جس کا معنی ہے ساکن ہونا، قائم ہونا اور یہ اصل میں اوْقِرْنَ تھا پھر اس میں وَعدوالے باب کے صیغہ عِدْنَ والی تعلیل ہوئی یا یہ قَـرَّ یَقِرُّ سے ہے جو کہ مضاعف ہے اور باب ضَــرَبَ ہے اور اصل میں تھا اقْــرِرْنَ پہلی حذف کردی گئی اور اس کا کسرہ قاف کو دیدیا گیا اور ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ہمزہ بھی حذف کر دیا گیا)

پھر فرمایا: وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ (اور نمازیں قائم کرتی رہو اور زکوتیں ادا کرتی رہو اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی) نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم تو ہر مسلمان مرد و عورت کو ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ کہیں وہ اپنے رشتہ زوجیت پر فخر کر کے نہ بیٹھ جائیں اور اعمال دینیہ میں کوتاہی نہ کرنے لگیں۔

پھر فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (اللہ کو یہی منظور ہے کہ اے اہل بیت تم سے گندگی کو دور رکھے اور تم کو اچھی طرح پاک کر دے)

آیت تطہیر یعنی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ (الآیۃ) میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے گندگی کو دور کرنے کا اور پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ گندگی سے فسق اور گناہ کے کام مراد ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اخلاق رذیلہ، بخل، طمع، حسد وغیرہ مراد ہیں اور درحقیقت قول اول ہی میں یہ سب چیزیں داخل ہو جاتی ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ سے تخلیہ عن الرذائل اور وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا سے تحلیہ بالفضائل والفواضل مراد ہے، جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو اَھْلَ الْبَیْتِ یعنی اہل بیت النبی (ﷺ) کا لقب دے دیا اور انہیں معصیتوں سے اور گندگیوں سے پاک کرنے کا ارادہ فرمالیا تو اس کے بعد کوئی گمراہ اور منکر قرآن ہی ازواج مطہراتؓ کے خلاف کوئی بات لکھ سکتا ہے اور جہالت کی زبان سے کوئی نازیبا کلمہ نکال سکتا ہے۔

روافض جن کو (اپنے ایمان کی فکر نہیں اور) حضرات صحابہؓ سے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین سے دشمنی ہے انہیں ان حضرات کی دشمنی میں قرآن کو جھٹلانے اور قرآنی تصریحات کو رد کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی' یہ لوگ کہتے ہیں کہ تین چار کے علاوہ سب صحابہ کافر تھے اور (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ) رسول اللہ ﷺ کی سب بیویاں کافرہ تھیں (العیاذ باللہ' نقل کفر کفر نہ باشد) یہ قرآنی آیات کے منکر ہیں' پھر بھی ان لوگوں سے ناراض ہوئے جو انہیں خارج عن الاسلام سمجھتے اور جانتے ہیں اور امت مسلمہ کو ان کے عقائد کفریہ سے باخبر کرتے ہیں۔

روافض کہتے ہیں کہ اَهْلَ الْبَيْتِ سے رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت یعنی حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ ہمیں تو ان حضرات سے بھی محبت ہے اور ہمارے نزدیک یہ حضرات بھی رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہیں' البتہ قرآن مجید کے سیاق اور سباق سے یہ بالکل واضح ہے کہ یہاں اہل بیت سے حضرات ازواجِ مطہرات ہی مراد ہیں اور اس کا انکار کرنا زبردستی آنکھیں بند کرنے اور اندھا بننے کے مترادف ہے۔

روافض کو اپنی بات آگے بڑھانے کے لئے کچھ نہ ملا تو جاہلوں کو سمجھانے کے لئے یہ نکتہ نکالا کہ آیت شریفہ میں ضمیر جمع مذکر عَنْكُمُ اور وَيُطَهِّرَكُمْ لائی گئی ہے اگر ازوجِ مطہراتؓ مراد ہوتیں تو عَنْكُنَّ اور وَيُطَهِّرَكُنَّ ہوتا۔ ڈوبنے والے کو جب کچھ نہیں ملتا تو تنکے ہی کا سہارا لے لیتا ہے' ان لوگوں کو چونکہ ازواجِ مطہراتؓ سے بغض ہے اور قرآن کے خلاف سوچنے ہی کو ہنر سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے قرآن مجید کی دوسری آیات کی طرف ذہن لے جانا مناسب نہ جانا' حالانکہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے واپس ہونے کا قصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا' اس میں اُمْكُثُوا صیغہ میں جمع مذکر حاضر ہے اور خطاب بیوی کو ہے۔ اور سورۂ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اس میں صرف ایک عورت کو لفظ عَلَيْكُمْ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے جو جمع مذکر کی ضمیر ہے اور اسی عورت کو اھل البیت کے معزز لقب سے بھی نوازا ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کو کبھی کبھی مذکر کے صیغہ سے بھی خطاب کیا جاتا ہے اور یہ بھی بالتصریح معلوم ہوا کہ بیوی اہل بیت میں بھی شامل ہے' پھر ازواجِ مطہراتؓ کے پاکیزہ ہونے کا ذکر سورۂ نور میں بھی ہے' وہاں ارشاد فرمایا ہے: وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ' حسب تصریح سورۂ نور رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ طیبات تھیں اور آپ ﷺ خود طیب تھے' آپ ﷺ کی ازوج بھی طیبات تھیں۔ روافض نے صرف عَنْكُمْ اور وَيُطَهِّرَكُمْ کی ضمیر جمع مذکر دیکھا اور انہیں یہ نظر نہ آیا کہ اس کے بعد پھر جمع مؤنث کا صیغہ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى آرہا ہے اور یہ جملہ ماقبل پر معطوف ہے اور جو حضرات اس کے مخاطب ہیں وہی اس سے پہلے آیت میں بھی مخاطب ہیں۔ قال الحافظ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۶ ثم الذی لا شک فیه من تدبّر القران أن نساء النبی صلّی اللّٰہ علیه وسلّم داخلات فی قوله: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. فان سیاق الکلام معھنّ و لھٰذا قال تعالیٰ بعد ھٰذا کله وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں قرآن میں غور و فکر رکھنے والے کو اس بات سے کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ میں داخل ہیں۔ چنانچہ سیاق کلام کا تعلق ازواج مطہرات کے متعلق ہے اسی وجہ سے اس سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ تمہارے گھروں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی جو تلاوت ہوتی ہے اسے تم یاد رکھو)

سورۂ احزاب والی آیتِ تطہیر کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے نزلت فی نساء النبیّ صلّی اللہ علیه وسلّم خاصة۔ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا من شاء باهلته انها نزلت فی ازواج النبیّ صلّی اللہ علیه وسلّم کہ جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کرسکتا ہوں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کی ازواج کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بازار میں پکار پکار کر یہ فرماتے تھے آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے تھے کہ آیت شریفہ میں ازواجِ مطہرات ؓ ہی مراد ہے۔ (روح المعانی ج۲۱ ص۱۴۰)

البتہ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ سنن ترمذی میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل ہے کہ جب آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا نازل ہوئی اس وقت آپ اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ ؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے آپ نے فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر اوڑھادی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِ بَیْتِیْ فَاذْهِبِ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا۔ (اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس کو یعنی گندگی کو دور فرمادے) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا نبی اللہ میں بھی ان میں سے ہوں، آپ نے فرمایا انت علیٰ مکانک وانت علیٰ خیر کہ تم اپنی جگہ پر ہو اور خیر پر ہو۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو (جو ازواجِ مطہرات میں سے تھیں) آپ ﷺ نے اہل بیت میں شامل نہیں فرمایا، لیکن ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام آیات اور احادیث کو سامنے رکھ کر چلے اور کسی حدیث کا ایسا مفہوم مراد نہ لے جو کسی بھی آیت سے معارض ہو یا اس سے کسی بھی آیت کا انکار لازم آتا ہو۔ روافض تو قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہیں انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کسی آیت کے خلاف کیا کہہ دیا اور کیا عقیدہ بنالیا، مسلمان تو ایسا نہیں کرسکتے کہ کسی آیت کے مضمون کو رد کردیں، اس لئے اکابر علماء اور محققین مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازوجِ مطہرات ؓ بھی اہل بیت میں شامل ہیں جس کی تصریح آیت بالا میں مذکور ہے اور جن حضرات کو آپ ﷺ نے چادر اوڑھا کر فرمایا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ جب حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے بھی چادر میں داخل فرمالیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اَنْتِ مِنْ اَهْلِیْ، (تم بھی میرے اہل میں سے ہو) اور ایک روایت میں ہے فقلت وانا یا رسول اللہ؟ فقال صلّی اللہ علیه وسلم وانت. (ابن کثیر ج۳ ص۴۸۴، ۴۸۵) (تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور تم بھی اہل بیت میں ہو)

اس سے معلوم ہو کہ چادر اوڑھانے کا واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا، بعض مرتبہ انک علیٰ خیر فرمادیا اور بعض مرتبہ انتِ من اهلی فرمایا اور بعض مرتبہ صرف وانتِ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے بعض ایسے افراد کو بھی اہل بیت میں شمار فرمایا جن سے کوئی نسبی یا ازدواجی رشتہ نہ تھا چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ سلمان منا اهل البیت[1]۔ اور حضرت واثلہ بن اسقعؓ کے بارے میں

[1] ذکرہ صاحب الرّوح عن ابن عباسؓ وعن قتادة قل دفسرت بنصائحه صلّی اللہ تعالیٰ علیه وسلم. (ج۲۲ ص۲۰) (یہ روایت روح المعانی کے مصنفؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور حضرت قتادہؒ سے نقل کی ہے حضرت قتادہ نے فرمایا میں نے اہل البیت کی یہ تفسیر حضور ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں کی ہے)

بھی ایسا فرمایا ہے بس جب یہ حضرات اہل بیت میں شمار ہو سکتے ہیں تو آپ ﷺ کے ہمراہ گھروں میں ساتھ رہنے والی بیویاں کیونکر اہل بیت میں شامل نہ ہوں گی؟

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں: اس میں محقق بات یہ بھی ہے کہ آیت اور حدیث میں اہل بیت کا مفہوم متحد نہیں بلکہ حدیث میں عترت مراد ہے اور آیت میں یا تو عام مراد ہے جس کی ایک نوع تو آیت ہی کی مدلول ہے اور دوسری نوع کا مدلول ہونا آپ ﷺ نے اپنے فعل سے ظاہر فرما دیا اور حضرت اُم سلمہؓ کا (چادر میں) داخل نہ کرنا اس لئے ہوگا کہ تمہارا تو مدلول آیت ہونا ظاہر ہی ہے جن کا خفی ہے[1] ان کو ظاہر کرتا ہوں پھر تم کو اس کا اہتمام کیا ضرور اور خیر سے بھی مدلولیت مراد ہو گی۔ قال صاحب الرّوح (ج۲۲ص۱۵) وما اجاب به اُم سلمة وعدم ادخالها فی بعض المرأت تحت الكساء ليس لا نها ليست من اهل البيت اصلاً بل لظهور أنها منهم حيث كانت من الازواج اللاتی يقتضی سياق الأية وسباقها دخولهن فيهم بخلاف من ادخلوا تحته رضی الله تعالىٰ عنهم فانه عليه الصّلوٰة والسلام لولم يدخلهم ويقل ما قال لتوهم عدم دخولهم فی الأية لعدم اقتضاء سياقها وسباقها ذٰلک.

(تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو جواب دیا گیا اور بعض دفعہ چادر کے تحت ان کو داخل نہ کرنا اس لئے نہیں تھا کہ وہ اہل بیت میں ہیں ہی نہیں بلکہ یہ تو اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ حضرت ام سلمہ تو ازواج میں سے ہیں جن کا اہل بیت میں داخل ہونا آیت کے سیاق سے ثابت ہے بخلاف ان حضرات کے جنہیں چادر کے تحت داخل کیا گیا کہ اگر حضور ﷺ چادر کے تحت ان کو لا کر اور ان کے بارے میں اہل بیت کا لفظ نہ فرماتے تو اہل بیت میں سے ان کے نہ ہونے کا خیال ہوتا کیونکہ آیات کا سیاق سباق ان کے اہل بیت میں سے ہونے کا تقاضا نہیں کرتا)

آخر میں فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ آیات اللہ سے قرآن حکیم اور حکمت سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنتیں مراد ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین نے تفسیر کی ہے، اور واذکرن کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان چیزوں کو خود یاد رکھنا جن پر عمل کرنا ہے دوسرے یہ کہ جو کچھ قرآن انکے گھروں میں ان کے سامنے نازل ہو یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیں اس کا ذکر امت کے دوسرے لوگوں سے کریں اور ان کو پہنچائیں۔

جس طرح قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس لازم ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور اعمال کی تحدیث اور تبلیغ بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کے مجمل احکام کی رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے تشریح اور توضیح ہوتی ہے۔ اگر احادیث شریفہ کو سامنے نہ رکھا جائے تو پانچوں نمازوں کے اوقات اور زکوتوں کی مقادیر اور نصاب معلوم نہیں ہو سکتے اور حدیث نبوی پر عمل کئے بغیر قرآن کریم پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی کثرت میں جہاں دوسری حکمتیں ہیں وہاں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن وارضاھن کے ذریعہ ان احکامِ شرعیہ کی تبلیغ ہوئی جو گھر میں رہتے ہوئے صادر ہوتے تھے اور خاص کر وہ احکام جن کا تعلق ازدواجی امور سے تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ مہربان ہے تمہیں یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ اپنے نبی کریم ﷺ کی زوجیت کا شرف بخشا اور ان گھروں میں تمہیں نصیب فرمایا جن میں اللہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر بھی ہے تم جو خیر کے کام کرو گی اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اور وہ اجر و ثواب سے نوازے گا۔

[1] یعنی جن کا مدلول آیت ہونا خفی ہے

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ

بلاشبہ مسلم مرد اور مسلم عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں

وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ

اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد

وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِیْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ

اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو

كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾

بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں اُن کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے

مومن مردوں اور عورتوں کی صفات اور اُن کے لئے اجر عظیم کا وعدہ

تفسیر: مفسر ابن کثیر نے (جلد ۳ ص ۴۸۷) کتب حدیث سے متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آیتِ بالا حضرت اُمِ سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال پر نازل ہوئی انہوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! قرآن مجید میں مردوں کا ذکر تو آتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں آتا (یعنی جو احکام ہیں وہ مردوں کے خطاب کے ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں عورتوں سے علیحدہ خطاب یا مؤنث کے صیغے نہیں لائے جاتے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیتِ کریمہ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ آخر تک نازل فرمائی[1]۔ اور تانیث کے صیغے لا کر ان کی بھی دلداری فرما دی۔

مذکورہ آیت میں مسلمان مرد اور عورتوں کی صفات بتائی ہیں جن میں یہ بتایا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان صفات سے متصف ہونا چاہئے اور آیت کے ختم پر مؤمنین و مؤمنات کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔

مسلمین اور مسلمات سے احکام پر اعضاء و جوارح سے عمل پیرا ہونا مراد ہے اور مؤمنین و مؤمنات سے دل سے صاحب ایمان ہونا اور اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام نے جو کچھ بتایا اور فرمایا دل سے اس کی تصدیق کرنا اور ماننا مراد ہے، اور گو فرمانبرداری میں وہ صفات بھی داخل ہیں جو آئندہ بیان فرمائیں تاہم ان کو مستقل بھی مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ذکر فرما دیا۔ اسلام اور ایمان بیان کرنے کے بعد جو دوسری صفات بیان فرمائیں' ان میں سے اولاً وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ فرمایا' یہ لفظ قُنُوت سے لیا گیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان دونوں لفظوں کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ المداومین علی الطاعات و القائمین بها کہ یہ لوگ پابندی کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے بعد وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ فرمایا یعنی یہ حضرات قول و عمل میں سچائی اختیار کرنے والے ہیں۔ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ اور طاعات کی ادائیگی میں مصائب کے آنے پر صبر اختیار کرنے والے ہیں۔ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ اور یہ حضرات خشوع اختیار کرنے والے ہیں' خشوع قلب کی جھکاؤ کو کہا جاتا ہے' اگر مطلق خشوع مراد لیا جائے تو خشوع فی العبادات'

[1] واخرجها الترمذی فی تفسیر سورة الاحزاب من کتابه

خشوع فی الاعمال اور خشوع فی المعاملات سب کو شامل ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے' قلب و جوارح کو عناد سے اور ہر ایسی چیز سے پاک اور صاف رکھتے ہیں جس میں کبر اور نخوت والی چیز ہو۔ خشوع فی الصلوٰۃ کی فضیلت کے لئے آیت کریمہ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (سورۂ بقرہ) اور آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (شروع پارہ ۱۸) کی مراجعت کرلی جائے۔

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور یہ حضرات صدقہ کرنے والے ہیں' اس میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے' ضعیف اور مسکینوں کی حاجات پوری کرنے' فرض زکوٰۃ اور واجب اور نفل صدقات کے اموال مستحقین کو دینے کی فضیلت آجاتی ہے۔

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ یعنی یہ حضرات روزہ رکھنے والے ہیں۔ اس میں روزے رکھنے کا اہتمام کرنے کی فضیلت بتائی ہے۔ الفاظ کے عموم میں فرض اور نفل روزے سب ہی داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد بتائی ہیں اس میں رمضان شریف کے روزے رکھنا بھی ہے۔ سورۂ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت بتا کر فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ فرمادیا ہے جس میں نفل روزوں کی ترغیب بھی دے دی ہے' روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زد پڑتی ہے اور صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے' نفس کا ابھار کم ہوجاتا ہے اور شہوات اور لذات کی اُمنگ کم ہوجاتی ہے۔ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ (اور اپنی شرمگاہوں کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں) اس میں شرم کی جگہوں کو حرام جگہ استعمال کرنے سے منع فرمایا' انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ گناہ کا باعث دو چیزیں ہوتی ایک منہ دوسرے شرمگاہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ ہے' پھر خود ہی جواب میں فرمایا اَلْـفَـمُ وَالْـفَرْجُ یعنی منہ اور شرم کی جگہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲) اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو مجھے اس کی ضمانت دے کہ وہ مجھے اپنے جبڑوں کے درمیان کی چیز اور اپنی دونوں رانوں کے درمیان کی چیز کی حفاظت کرے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

سورۃ المعارج میں نیک لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (اور جو لوگ اپنے شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے' کیونکہ بیویوں اور باندیوں کے بارے میں ان پر ملامت نہیں ہے)

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (اور جو اللہ کا ذکر زیادہ کرنے والے مرد ہیں اور جو زیادہ ذکر کرنے والی عورتیں ہیں) اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے' نماز جو اسلام کا سب سے بڑا عمل ہے وہ خود ذکر ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا کہ اَقِـمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو) اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے' وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے)۔ قرآن مجید میں کثرتِ ذکر کا حکم دیا ہے جیسا کہ چند صفحات کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا میں فرمایا ہے' اور سورہ جمعہ میں ارشاد ہے: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ)

حدیث شریف میں بھی ذکر اللہ میں کثرت کے ساتھ مشغول ہونے کی ترغیب دی گئی ہے' حضرت ابوسعید خدری رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ بندوں میں سب سے زیادہ کون افضل ہیں اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون سب سے زیادہ بلند درجہ والا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ کہ یہ فضیلت اور مرتبہ ان لوگوں کو حاصل ہے جو (مرد و عورت) اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے ہیں، کسی نے عرض کیا کیا یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی افضل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاد کرنے والا اگر کافروں اور مشرکوں میں اتنی کثرت کے ساتھ اپنی تلوار مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خود یہ شخص خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا ہی درجہ کے اعتبار سے افضل رہے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اسلام کے کام تو بہت ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے میں جس میں لگا رہوں آپ نے فرمایا لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸)

مومن بندوں کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ کی یاد میں لگے رہیں، فضول باتوں اور فضول کاموں سے بچیں ذکر و تلاوت کی کثرت کو اپنے درجات کو بلند کرنے کا ذریعہ بنائیں، تلاوت قرآن مجید، تسبیح تہلیل، تکبیر و تحمید اور درود شریف میں لگے رہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر آفتاب طلوع ہوا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۵)

ذکر کے فضائل ہم آیت کریمہ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ اور دوسری آیت کریمہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ کے ذیل میں ذکر کر آئے ہیں۔ (انوار البیان ج ا ج ۷ ص ۲۴۲)

زندگی کے مختلف احوال و اعمال کے وقت کی جو دعائیں مشروع کی گئی ہیں حسب مواقع انہیں پڑھتے رہا کریں تو کثرتِ ذکر کی نعمت با آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے، اللہ کا ذکر تمام عبادات میں سب سے زیادہ سہل ہے لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے، وضو بے وضو، تلاوت کرو، تسبیح پڑھو، درود شریف پڑھو سب درست ہے البتہ قرآنِ مجید کو بے وضو چھو نہیں سکتے اور حالتِ جنابت میں پڑھ بھی نہیں سکتے، ایسا سستا اور آسان شغل تو کبھی کسی حالت میں نہیں چھوڑنا چاہئے، جو لوگ کاروبار سے فارغ ہو چکے ہیں، ملازمتوں سے ریٹائر ہو چکے ہیں وہ اپنی زندگیوں کو فضول باتوں میں لگا کر برباد نہ کریں، ہر لمحہ کی قدر کریں اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں لگے رہیں۔

اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ ان مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے پس مؤمنین اور مؤمنات کا یہی شغل ہونا چاہئے کہ مذکورہ بالا کاموں میں لگے رہیں۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَۃُ

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو انہیں اپنے

مِنْ اَمْرِهِمْؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ

کام میں اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے

لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ

جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے انعام کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں

فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا

اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا' اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ سے ڈریں'

وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا

پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس عورت کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں

مِنْهُنَّ وَطَرًاؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ

کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم پورا ہونے ہی والا تھا۔ نبی پر اس بارے میں کوئی تنگی نہیں ہے جو اللہ

لَهٗؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ

نے ان کے لئے مقرر فرما دیا' جو لوگ اس سے پہلے گذرے ہیں ان کے بارے میں اللہ نے یہی معمول رکھا ہے' اور اللہ کا حکم مقرر کیا ہوا ہے۔

يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو جائے تو اُس پر عمل کرنا لازم ہے' خلاف ورزی کرنا جائز نہیں

تفسیر: عرب میں یہ دستور تھا کہ دوسروں کی اولاد کو بیٹا بنا لیا کرتے تھے اور جو شخص بیٹا بناتا تھا اسی کی طرف نسبت کر کے اِبنِ فُلَانٍ کہتے تھے' اور ایک رواج یہ بھی تھا کہ لوگ چلتے پھرتے کسی بچہ کو لے کر کسی ایسے شہر میں لے جاتے جہاں کوئی پہچانتا نہ ہوتا وہاں اسے اپنا غلام بتا کر بیچ دیتے تھے۔

زید بن حارثہؓ کا تعارف زید بن حارثہؓ اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے ان پر قبضہ کر لیا جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی' پھر انہیں مکہ معظمہ لے آئے اور سُوق بنی عکاظ میں (جو مکہ معظمہ کے قریب ایک بازار لگتا تھا) میں اپنا غلام بتا کر فروخت کر دیا' حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے چار

سودرہم میں خرید لیا' جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر لیا تو زید بن حارثہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ کو ہبہ کر دیا' رسول اللہ ﷺ انہیں اپنا بیٹا بنا لیا اور انہیں زید بن محمد ﷺ کے نام سے بلایا جانے لگا۔ حضرت زید بن حارثہ کے والد کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے کو فلاں قوم کے لوگوں نے مکہ معظمہ میں لے جا کر بیچ دیا ہے اور وہ وہاں موجود ہے تو وہ حضرت زیدؓ کو چھڑانے کے لئے مکہ معظمہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اس کے عوض اتنا اتنا مال لے لیں اور اسے چھوڑ دیں تا کہ ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا گوارہ کرے تو مفت میں ہی لے جاؤ' ہمیں کوئی پیسہ دینے کی ضرورت نہیں' زید کے والد نے کہا: **لقد زدتنا علی النصفة،** یہ بات تو آپ نے انصاف سے بھی آگے بڑھ کر فرما دی' آپ ﷺ کو رواج کے مطابق نہ چھوڑنے کا بھی حق تھا اور پیسے لے کر چھوڑ دینا آپ کا کرم تھا لیکن جب آپ ﷺ نے یہ فرما دیا کہ مفت میں ہی لے جاؤ تو یہ تو کرم بالائے کرم اور احسان پر احسان ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں' آپ نے فرمایا تم مجھے بھی جانتے ہو اور انہیں بھی پہچانتے ہو' میری صحبت بھی اٹھا چکے ہو اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو میرے پاس رہو چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ' اس پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور اپنے باپ کے ساتھ جانا گوارا نہ کیا' رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ حسنِ سلوک اور شفقت و محبت کے سامنے انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ جانا اور کنبہ وقبیلہ میں رہنا منظور نہ کیا اور عرض کیا کہ آپ میرے لئے باپ اور چچا کی جگہ ہیں' باپ اور چچا نے کہا کہ اے زید افسوس کی بات ہے کہ تم نے آزادی کے مقابلہ میں غلامی کو پسند کیا اور اپنے باپ اور چچا اور سب گھر والوں پر کسی دوسرے شخص کو ترجیح دیتے ہو' حضرت زیدؓ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں ایسی صفات دیکھی ہیں کہ ان کو جانتے ہوئے کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

یہ پورا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے نبوت سے سرفراز کئے جانے سے پہلے کا ہے' جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی تو جن حضرات نے قبولِ اسلام کی طرف سبقت کی ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' ایک اور قول کے مطابق مردوں میں سے وہ سب سے پہلے فرد تھے جنہوں نے قبول اسلام کی طرف سبقت کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی بَرَکہ حبشیہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا جن کی کنیت اُم ایمن تھی' یہ آپ ﷺ کو اپنے والد ماجد کی میراث میں (اور ایک قول کے مطابق والدہ کی میراث میں) ملی تھیں اور یہی وہ خاتون ہیں جو آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد مقام اَبْوَہ سے آپ کو چھوٹی سی عمر میں مکہ معظمہ لے کر آئی تھیں' حضرت اُمِ ایمنؓ سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوتے جنہیں حِبّ رسول اللہ (رسول اللہ ﷺ کا پیارا) کہا جاتا تھا۔

ایک عرصہ تک حضرت زیدؓ کو زید بن محمد ﷺ ہی کہا جاتا رہا پھر جب قرآن مجید کی آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی (جو کہ اسی سورت کے پہلے رکوع کی آیات میں سے ہے) تو زید بن حارثہ کہا جانے لگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو منہ بولے بیٹے ہیں ان کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو۔

زید بن حارثہ سے زینب بنت جحش کا نکاح اور طلاق: پھر آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کا نکاح اپنے پھوپھی کی بیٹی زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ کر دیا تھا' حضرت زینبؓ نے آپ ﷺ کے فرمانے پر اس نکاح کو

قبول تو کرلیا تھا لیکن باہمی مزاج میں موافقت نہ ہوئی' حضرت زیدؓ چاہتے تھے کہ ان کو طلاق دے دیں لیکن رسول اللہ ﷺ انہیں اس سے باز رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکے رکھو لیکن انہوں نے طلاق دے ہی دی' جب انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے زینب بنت جحشؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ یہاں اسی کو فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (جب زید نے ان سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا) جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپ بلا اذن واجازت حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اس سے پہلے بھی (زید کی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد) آپ نے حضرت زیدؓ ہی کو اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا لیکن حضرت زینبؓ نے جواب میں یوں کہہ دیا تھا کہ میں استخارہ کر کے جواب دوں گی۔ اللہ نے آپ ﷺ سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا' اس پر وہ بھی فخر کیا کرتی تھیں اور دوسری ازواجِ مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے اولیاء نے کئے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر آیات بالا کی تفسیر سمجھئے' پہلے آیتِ کریمہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ کا ترجمہ دیکھ لیجئے جو اوپر مذکور ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ کے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے پاس تشریف لے گئے' انہوں نے عرض کیا کہ میں ان سے نکاح نہیں کروں گی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم انکار نہ کرو ان سے نکاح کر لو' کہنے لگیں کہ اچھا میں پھر اپنے نفس سے مشورہ کر لوں یعنی مجھے سوچ بچار کا موقع دیا جائے' ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیتِ کریمہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ (آخر تک) نازل فرما دی' اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کر دیا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کروں گی میں نے زید سے اپنا نکاح کر دیا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ سببِ نزول لکھا ہے (جلد۳ ص ۴۸۹) اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے زینب بنتِ جحشؓ کو زید بن حارثہ کے لئے پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ زید میرے میل کے نہیں میں مرتبہ کے اعتبار سے ان سے بہتر ہوں' اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش بھی یہی بات کہنے لگے (یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ حضرت زیدؓ پر غلامی کا دھبہ لگ گیا تھا اور قریشی بھی نہ تھے) پھر جب آیت کریمہ نازل ہوگئی تو دونوں بہن بھائی راضی ہو گئے۔ (جلد۲۲ ص ۲۳)

آیت شریفہ کا سببِ نزول گو خاص ہے لیکن اس کا مفہوم عام ہے جیسا کہ دیگر آیات کے اسبابِ نزول کے بارے میں مفسرین یہی فرماتے ہیں۔ آیتِ کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ کسی بھی مومن مرد اور عورت کیلئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم آ جائے تو اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی رہے' جو حکم مل جائے اس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے' اسلام سراپا فرمانبرداری کا نام ہے' یہ جو آجکل لوگوں کا طریقہ ہے کہ مسلمانی کے دعویدار بھی ہیں لیکن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کو تیار نہیں' یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں' جب قرآن وحدیث کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آجکل اس پر عمل نہیں ہو سکتا (العیاذ باللہ) معاشرت اور معاملات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں قصداً وارادۃً قرآن وحدیث کے خلاف چلتے ہیں یہ سراسر بے دینی ہے' جیسا کہ آیت کریمہ کے ختم پر فرمایا: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا)

فرائض اور واجبات کو چھوڑنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور سُنن ونوافل کی ادائیگی کی بھی حرص کرنا چاہئے' جس کا فرمانبرداری کا مزاج نہیں ہوتا وہ پہلے سنتوں سے بچتا ہے پھر واجبات چھوٹنے لگتا ہے پھر فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ شیطان وسوسے ڈال کر ایمان سے بھی ہٹانے کی کوشش کرتا ہے' خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حکم ملا ہے دل وجان سے قبول کرے' نیم دروں نیم بروں مسلمان بھی ہیں اور نہیں بھی' یہ گمراہی کا طریقہ ہے۔

زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنا: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (اور اس وقت کو یاد کرو جب آپ اس شخص سے (بطور فہمائش اور مشورہ) فرمار ہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ تم اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو) حضرت زید بن حارثہؓ پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ انہیں اپنے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچایا' غلامی سے چھڑایا اور اسلام کی توفیق دی' اور آپ ﷺ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ محبتوں اور شفقتوں کے ساتھ اپنے پاس رکھا' دین سکھایا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے نکاح کرایا'

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ (اور آپ اپنے جی میں اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا)

وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (اور آپ لوگوں سے اندیشہ کر رہے تھے اور اللہ سے ڈرنا ہی آپ کو زیادہ سزاوار ہے) وہ کیا چیز تھی جسے آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے؟ بعض لوگوں نے تو اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ ﷺ ظاہر میں تو یہ فرمار ہے تھے اور اندر سے دل میں یہ بات تھی کہ زید طلاق دے دے تو میں ان سے نکاح کرلوں گا۔ تفسیر جلالین میں بھی یہی بات لکھی ہے' لیکن یہ بات شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ قال القشیری ھٰذا اقدام عظیم من قائله وتفریط بحق النبی صلی اللہ علیه وسلم وبفضله. (ذکرہ فی حاشیة الجلالین) (امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بات کہنے والے کی بہت بڑی جرأت ہے اور حضور ﷺ کے حق میں اور شان میں کوتاہی ہے)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے تو ہم زینب سے آپ کا نکاح کر دیں گے' یہ بات آپ ﷺ کے ذہن میں تھی آپ اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور زید سے فرمار ہے تھے کہ تم اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھو' یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ زید ضرور طلاق دے دیں گے اور زینب میرے نکاح میں آتی ہی ہے پھر بھی یہ مشورہ دینا کہ روکے رکھو' اس پر اللہ تعالیٰ نے ہلکا سا عتاب فرمایا' آپ نے تو اپنے نکاح میں آنے والی بات کو چھپایا لیکن اللہ تعالیٰ نے زَوَّجْنٰكَهَا نازل فرما کر زینب کو آپ کے نکاح میں دے ہی دیا۔ قال صاحب الرّوح (ج ۲۲ ص ۲۴) والمراد بالموصول علٰی مَا اخرج الحکیم الترمذی وغیرہ عن علی بن حسین رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما ما اوحی اللّٰہ تعالٰی به الیه ان زینب سیطلّقھا زید ویتز وّجھا بعدہ علیه الصّلٰوۃ والسلام' الٰی ھٰذا ذھب اھل التحقیق من المفسّرین کالزھری وبکر بن العلاء والقشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم. (تفسیر روح المعانی والے لکھتے ہیں کہ یہاں حکیم ترمذیؒ وغیرہ نے جو حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے کہ یہاں اسم موصول سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی فرمائی تھی کہ عنقریب حضرت زید' حضرت زینب کو طلاق دیدیں گے اور اس کے بعد ان سے آپ ﷺ کا نکاح ہوگا۔ محقق مفسرین اسی کی طرف گئے ہیں جیسا کہ زہری' بکر

بن العلا' قشیری اور قاضی ابوبکر بن العربی وغیرہ)

مُتبنّٰی کی سابقہ بیوی سے نکاح کرنے کا جواز: مفسرین نے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ اہل عرب جسے بیٹا بنا لیتے تھے اُس کی بیوی سے نکاح کرنے کو (جبکہ وہ مر جائے یا طلاق دے دے) ایسے ہی حرام سمجھتے تھے جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو حرام جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ اگر میں نے زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا تو عرب کے جاہل اعتراض کریں گے اور یوں کہیں گے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی بیٹا قرار نہیں دیا تو اب زید کی مطلقہ بیوی زینب سے نکاح کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہئے' جب اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دے دیا تو جاہلوں کے اعتراض کا خیال کرنا اور ان کے طعن و تشنیع سے ڈرنا آپ ﷺ کے مقام رفیع کے خلاف تھا' اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اُسے خوب واضح طریقہ پر حلال بتانا چاہئے عملاً بھی اور قولاً بھی تاکہ حکم شرعی پوری طرح واضح ہو جائے اور اہل ایمان کے دلوں میں اس کے حلال ہونے کے بارے میں کوئی شک و شبہ اور کوئی کسک باقی نہ رہے آپ کے دل میں جو لوگوں کے اعتراض کا خیال آیا اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ سے ڈریں)

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اُس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا) حاجت پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زینب کی طرف سے بالکل ہی دل بھر گیا اور انہیں نکاح میں رکھنے کی ذرا سی بھی خواہش نہیں رہی اور بالآخر علیحدگی کے تقاضے پر عمل کر ہی لیا اور طلاق دے دی۔ **قال صاحب الرّوح فكانّه قيل فلمّا قضى زيد حاجته من نكاحها فطلّقها و انقضت عدّتها فلم يكن فى قلبه ميل اليها و لا وحشة من فراقها۔**

لِكَىْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۔ (تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیوی کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں) یعنی طلاق دے دیں اور عدت گذر جائے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ منہ بولے بیٹوں کے مطلقہ بیویوں سے نکاح جائز ہو جانا آپ ﷺ کے عمل سے بھی ظاہر ہو جائے اور آپ کی اُمت کے افراد اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے بارے میں ذرا بھی دل میں تنگی محسوس نہ کریں' اگر مذکورہ مطلقہ یا بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کی رغبت ہو اور کوئی دوسرا مانع شرعی نہ ہو تو بلا تکلف ان سے نکاح کر لیا کریں۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (اور اللہ کا حکم پورا ہونے والا ہی تھا) یعنی اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر یہ طے فرما دیا تھا کہ زینبؓ کو آپ ﷺ کے نکاح میں ضرور ہی آنا ہے چنانچہ تکوینی طور پر جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا وہ پورا ہو کر ہی رہا اور اس میں جو تشریعی حکم تھا اپنے نبی ﷺ کے عمل سے اس کے جواز کا فیصلہ کرا دیا۔

سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی کا کچھ بھی حصہ چھپا سکتے تو آیت کریمہ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِىْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (آخر تک) کو ضرور ہی چھپا لیتے (جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مخاطب فرما کر وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فرمایا ہے)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ (نبی پر اس بارے میں کوئی تنگی نہیں ہے جو اللہ نے ان کے لئے مقرر فرما دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے جو مقدور مقرر فرما دیا اور حلال قرار دے دیا اسکے بارے میں نبی پر کوئی الزام و مواخذہ نہیں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی الزام نہیں تو مخلوق کو اعتراض کرنے کا اور طعن و تشنیع کا کوئی حق نہیں۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہی طریقہ رکھا ہے) یعنی سابقین انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہا ہے کہ ان کے لئے بہت سی چیزوں کو حلال قرار دیا ان پر انہوں نے بے تکلف عمل کیا اور مخلوق کے طعن و تشنیع کا بالکل خیال نہ کیا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے بھی اسی پر عمل کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عورت آپ ﷺ کے لئے حلال تھی اُسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ قال صاحب الروح:

سنّة الله ای سن الله تعالیٰ ذٰلک سنة فهو مصدر منصوب بفعل مقدر من لفظه والجملة مؤكدة لما قبلها من نفی الحرج فی الذین من قبل، ای من قبلک من الانبیاء علیهم الصّلوٰة والسلام من حیث لم یحرج جل شانهٗ علیهم فی الاقدام علیٰ ما حللهم ووسع لهم فی باب النكاح وغیره۔ (جلد ۲۲ ص ۲۷)

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (اور اللہ کا حکم مقرر کیا ہوا ہے) یہ مضمون سابق کی تاکید ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی بات طے کر دی ہے کہ ایسا ہونا ہی ہونا ہے اور فلاں حکم دینا ہے اور اس پر عمل کرانا ہے تو اس کا وجود بھی ضروری ہے اور شرعی اصول کے مطابق اس کی حلت اور جواز کو بھی ظاہر کرنا ہے پس ایسی صورت میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ (جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں) وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ (اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) یہ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم مقدر اور مقرر فرما دیا ہے اس پر بغیر کسی جھجک کے عمل کر لیا یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ رہا ہے، ان حضرات کی شان یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے پیغاموں کی تبلیغ کرتے تھے اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، مخلوق کی کسی قسم کی کوئی ملامت اُنہیں تبلیغ حق سے نہیں روکتی تھی وہ قول سے بھی عمل کرتے تھے اور عمل کر کے بھی دکھاتے تھے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا (اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا) جو لوگ آپ پر طعن کر رہے ہیں آپ اُن کے طعن و تشنیع سے مغموم نہ ہوں اللہ تعالیٰ کو سب کے اعمال واقوال کا علم ہے اور وہ حساب لینے کے لئے کافی ہے وہ جب حساب لے گا تو انہیں ان کے اعمال بد کی سزا دے گا۔

فوائد ضروریہ

(۱) شریعت اسلامیہ میں کفاءت کی بھی رعایت رکھی گئی ہے جس کا معنی برابری کا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی تین چیزیں ایسی ہیں جب ان کا وقت آ جائے تو ان میں تاخیر نہ کی جائے (۱) جب نماز کا وقت ہو جائے (۲) جب جنازہ حاضر ہو جائے (۳) جب تم بے نکاحی عورت کے لئے اس کے برابر کا آدمی پالو۔ (رواہ الترمذی ص ۵۲) مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرو، اور جب جنازہ حاضر ہو جائے تو نماز جنازہ ادا کر کے اُسے فوراً دفن کر دو اور جب کوئی عورت بے شوہر کی ہو (خواہ کنواری ہو خواہ مطلقہ ہو خواہ اس کا شوہر مر گیا ہو) جب اس کے میل کا آدمی مل جائے تو اُس مرد سے اس کا نکاح کر دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کی برابری اور باہمی میل کا دیکھنا بھی دینی اور شرعی بات ہے۔ یہ میل اور برابری نسبوں میں اور آزاد ہونے میں اور مسلمان ہونے میں اور دیندار ہونے میں اور پیشوں میں اور مال میں دیکھی جائے گی۔ کفاءت کا لحاظ اس لئے رکھا گیا ہے کہ عورت اور اس کے اولیاء کے لوگ عار نہ دلائیں کہ گھٹیا آدمی سے اس کا نکاح ہو گیا' تفصیلات فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے۔ یہاں اس سوال کا جواب دینا مقصود ہے کہ جب حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے حضرت زیدؓ سے نکاح کرنے کے بارے میں یہ عذر پیش کر دیا کہ زیدؓ زینبؓ کے میل کے نہیں ہیں کیونکہ وہ قریشی بھی نہیں اور ان میں غلامی کا بٹہ بھی لگا ہوا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کا عذر کیوں قبول نہیں فرمایا؟ بات یہ ہے کہ شرعاً کفاءت کا اعتبار تو ہے لیکن بعض مرتبہ دوسری مصالح ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے کفاءت کا خیال چھوڑ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں ایک مصلحت مضمر تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ زیدؓ سے زینبؓ کا نکاح ہو جانے کے بعد طلاق ہو پھر رسول اللہ ﷺ کا زینبؓ سے نکاح ہو جس سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے قول سے بلکہ عمل سے یہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے اس کی طلاق اور عدت کے بعد نکاح کیا جا سکتا ہے۔ عملی تعلیم و تبلیغ کے پیش نظر کفاءت کی مصلحت کو چھوڑ دیا گیا اور آپ ﷺ نے زینب اور ان کے بھائی کو حکم دیا کہ زید کا زینبؓ سے نکاح ہو جانے میں کوئی حجت نہ کریں اور آپ نے جو پیغام دیا ہے اسے قبول کر لیں۔ چونکہ آپ کا یہ حکم تھا بطور مشورہ ایک رائے نہیں تھی اس لئے آیت کریمہ میں اس سے انحراف کرنے کو عصیان سے تعبیر فرمایا اور فرمایا وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ اولیاء سے بلکہ ہر مومن کے اپنے نفس سے بھی زیادہ ہے جسے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں بتا دیا ہے' اس صورت میں آپ ﷺ کے حکم کا ماننا ہی لازم تھا' اگر امیر المؤمنین یا کوئی بھی بادشاہ یا حاکم یا ماں یا باپ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف حکم دے یا خود کسی عورت و مرد کا نفس آپ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنا چاہے تو آپ کے حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں' آپ ﷺ نے جو حکم دے دیا جو درجہ وجوب میں ہو اُس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے۔ اگر آپ کا کوئی حکم عام مسلمانوں کے لئے درجہ استحباب میں ہو اور آپ کسی مسلمان کو اس کے بارے میں بطور وجوب حکم دے دیں تو اس مسلمان کو اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر نظر رکھنا لازم ہے۔ لوگ کیا کہیں گے اس کو نہ دیکھیں قرآن و حدیث میں جو حکم ہو اس پر نظر رکھیں۔ جو لوگ علماء اور مبلغ اور داعی ہوں خصوصیت کے ساتھ اس کا خیال رکھیں۔ آجکل لوگوں کا یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ شرعی احکام کو اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے' وضع قطع میں اور لباس میں اور بیاہ شادی اور مرنے جینے کی رسموں میں عوام ہی کو خوش کرنے کے کام کرتے ہیں اور صریحاً شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی کر جاتے ہیں' اچھے اچھے نام نہاد نیک اور نمازی بیاہ شادی میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر لیتے ہیں جب توجہ دلائی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں جی! دور ہی ایسا ہے' مخلوق کو بھی راضی رکھنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی باتوں کا خیال کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا دعوائے ایمان کے سراسر منافی ہے' رسول اللہ ﷺ نے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی لیکن لوگوں کے طعن و تشنیع کا خیال آ گیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے عتاب فرما دیا کیونکہ ایسا خیال کرنا بھی آپ کی شانِ اقدس کے خلاف تھا۔

ہاں بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی عمل کے کرنے سے لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اور اس کی وجہ سے ان کے دین و ایمان میں نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ سو اگر وہ عمل فی نفسہ محمود ہو لیکن شرعاً مامور بہ نہ ہو تو اسے ترک کرنا درست ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم (قریش) نئی نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ شریف کو پھر سے تعمیر کر دیتا اور حطیم کو تعمیر کے اندر چھت والے حصہ میں شامل کر دیتا اور کعبہ شریف کے دو دروازے بنا دیتا۔ لیکن آپ نے اس کو اچھا عمل جانتے ہوئے بھی انجام نہیں دیا تاکہ کہنے والے یہ نہ کہیں کہ دیکھو یہ کیسا نبی ہے کہ کعبہ شریف کو گرا دیا۔ چونکہ آپ کو تعمیر جدید کا حکم نہیں دیا گیا تھا اس لئے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور اس میں تکوینی طور پر یہ حکمت تھی کہ جن لوگوں کو کعبہ شریف کے اندر داخلہ میسر نہ ہو وہ حطیم میں داخل ہو جائیں اس میں داخل ہونا بھی دخولِ کعبہ ہی کے حکم میں ہے کیونکہ حطیم بھی کعبہ شریف کا حصہ ہے۔

(۴) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا اسم گرامی قرآن مجید میں وارد ہوا ہے آپ کے علاوہ کسی صحابی کا نام قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ حکم قرآنی اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ کی وجہ سے مسلمانوں نے انہیں زید بن محمد کہنا چھوڑ دیا۔ اور اس طرح سے وہ ایک بہت بڑے اعزاز سے محروم ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں دوسری طرح نواز دیا کہ ان کا نام قرآن مجید میں نازل فرما دیا۔ جب آیت قرآنیہ کی تلاوت کی جائے گی جس میں لفظ زَیْدٌ واقع ہوا ہے تو قرآن حکیم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملنے کے وعدہ کے مطابق اس لفظ کے پڑھنے پر تیس نیکیاں مل جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی اس طرح بھی دلداری فرمائی کہ انہیں جس کسی لشکر میں بھیجتے تھے تو اُنہیں اس لشکر کا امیر بنا دیتے تھے۔ ۸ھ میں پچپن سال کی عمر میں غزوۂ موتہ میں انہوں نے شہادت پائی۔ اُس وقت بھی وہ لشکر کے امیر تھے۔ حضور ﷺ نے بعض مرتبہ انہیں اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا امیر بھی بنایا اور اپنی آخری عمر میں اُن کے بیٹے حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایک لشکر کا امیر بنایا تھا پھر اس لشکر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روانہ فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

تمہارے مردوں میں سے محمد کسی کے باپ نہیں ہیں اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں اور اللہ ہر

شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝

چیز کا جاننے والا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین ہیں

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اوّل تو یہ فرمایا کہ تم میں جو مرد ہیں یعنی بالغ افراد ہیں محمد رسول اللہ ﷺ اُن میں سے کسی کے نسبی والد نہیں ہیں اس میں اس بات کی نفی ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی بھی ایسے شخص کے والد ہوں جو رجولیت کے حدود میں داخل ہو گیا ہو اس کے عموم میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ آیت میں یہ بتا دیا

کہ نسبی والد ہونے سے جو باپ بیٹے کے درمیان احکامِ شرعیہ مرتب ہوتے ہیں مثلاً میراث جاری ہونا اور حرمت مصاہرت ثابت ہونا' آپ ﷺ کے اور زید بن حارثہؓ یا کسی بھی صحابی کے درمیان ان میں سے کوئی حکم بھی جاری نہیں ہے' اور رِجَالِکُمْ اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ چار صاحبزادیوں کے باپ تھے جو آپ ﷺ کے سامنے بالغ بھی ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ باقی صاحبزادیوں کی آپ کے سامنے وفات بھی ہوگئی۔ آپ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی وفات ہوگئی' حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واسطہ سے آنحضرت ﷺ کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی سے چلی' آپ ﷺ کی اولاد میں صاحبزادے بھی تھے لیکن چونکہ وہ سب بچپن ہی میں وفات پاگئے اس لئے اس بات میں کوئی اشکال نہیں کہ آپ مردوں یعنی بالغ افراد میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ بتائی کہ گو وہ کسی بالغ مرد کے نسبی باپ نہیں ہیں لیکن رُوحانی باپ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں بحیثیت رسول ہونے کے ساری امت پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے اکرام اور توقیر کا ہمیشہ لحاظ رکھیں' اور ساتھ ہی آپ ﷺ کو خاتم النّبیّن بھی بتایا اور یہ اعلان فرمادیا کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی بھی نبی قیامت تک آنے والا نہیں ہے۔ اس تصریح سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ کی روحانی نبوت نسبی نبوت سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور افضل ہے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں جو صحابہؓ تھے صرف انہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آپ خاتم النّبیّین ہیں قیامت تک آپ کے بعد نبی آنے والا نہیں ہے لہٰذا موجودہ افراد اور ان کی آنے والی نسلیں اور ان کے علاوہ جو بھی اقوام اور قبائل اور افراد ذکور اور اناث (مردوعورت) آپ پر ایمان لائیں گے' آپ سب کے روحانی باپ ہیں' آپ کی یہ فضیلت ومنقبت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اپنی دنیاوالی زندگی میں چند افراد کے نسبی باپ ہوتے۔ قال صاحب الروح فکانہ قیل: (مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ) بحیث تثبت بینہ وبینہ حرمۃ المصاھرۃ ولکن کان اباکل واحد منکم وابا ابناء کم وابناء ابناء کم وھٰکذا الٰی یوم القیامۃ بحیث یجب لہ علیکم وعلٰی من تناسل منکم احترامہ وتوقیرہ ویجب علیہ لکم ولن تناسل منکم الشفقۃ والنصح الکامل. (تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں گویا یہاں مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اس طرح تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں کہ اس کے اور حضور ﷺ کے درمیان مصاہرت کی حرمت ثابت ہو ورنہ تو حضور ﷺ تم میں سے ہر ایک کے باپ ہیں اور تمہاری اگلی نسلوں کے بھی باپ ہیں اسی طرح قیامت تک سب کے باپ ہیں کہ تم پر اور تمہاری نسلوں پر حضور ﷺ کا اعزاز واحترام واجب ہے اور حضور ﷺ پر تمہارے لئے شفقت اور کامل ہمدردی ہے)

آپ ﷺ سے پہلے جو انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تھے وہ خاص قوم کیلئے اور محدود وقت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے' خاتم النّبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک تمام جنات اور تمام انسانوں اور تمام قوموں اور قبیلوں اور تمام زمانوں اور تمام مکانوں کے بسنے والوں کے لئے رسول ہیں اور نبی ہیں کیونکہ نبی عام ہیں اور رسول خاص ہیں (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ رسول کا اطلاق صاحبِ شریعت جدیدہ کے لئے ہے اور نبی ہر پیغمبر پر صادق آتا ہے صاحب شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو) لہٰذا خاتم النّبیین فرمانے سے آپ کے خاتم الرسل ہونے کا بھی اعلان ہوگیا' سورۂ سباء

میں فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر وقفِ نبوت سے متصف ہونا یعنی نبوتِ جدیدہ سے سرفراز کیا جانا ختم ہو گیا ہے اور سلسلۂ نبوت آپ کی ذاتِ گرامی پر منقطع ہو گیا اب نبوتِ جدیدہ سے کوئی بھی شخص متصف نہیں ہو گا۔

ختم نبوت کے منکر قرآن کے منکر ہیں اسلام سے خارج ہیں: آپ ﷺ کے بعد جو بھی کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے، گمراہ ہے، کافر ہے اور اُس کی تصدیق کرنے والے بھی گمراہ اور کافر ہیں اور آیت قرآنیہ کے منکر ہیں جس میں صاف اس بات کا اعلان فرما دیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں، احادیث شریفہ صحیح اسانید کے ساتھ بہت زیادہ کثیر تعداد میں کتب حدیث میں مروی ہیں جن میں واضح طور پر بتایا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت اور رسالت ختم ہے۔ ان احادیث کو بعض اکابر نے اپنے رسائل میں جمع بھی فرمایا ہے، قرآن وحدیث کی تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا خود بھی کافر ہوئے اور اپنے ماننے والوں کو بھی کفر پر ڈالا۔ مفسر ابن کثیرؒ (جلد ۳ ص ۴۹۴) بہت سی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **فمن رحمة الله تعالٰى بالعباد ارسال محمد ﷺ اليهم ثم من تشريفه لهم ختم الانبياء والمرسلين به واكمال الدين الحنيف له وقد اخبر الله تبارك وتعالٰى فى كتابه ورسوله ﷺ فى السنة المتواترة عنه انه لا نبى بعده ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افاك دجال ضال مضل ولو تحرق وشعبذ واتى بانواع السحر والطلاسم والنير نجيات فكلها محال وضلال عند اولى الالباب۔** (یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف بھیجا پھر حضور ﷺ کی شان ختم نبوت بھی اور آپ پر دین حنیف کی تکمیل بھی بندوں پر رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور حضور ﷺ نے اپنی احادیث میں جو کہ متواتر ہیں خبر دیدی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، تاکہ سب پر واضح ہو جائے کہ حضور ﷺ کے بعد جو اس مقام کا دعویٰ کرے گا وہ مکار دجال، جھوٹا ہے خود بھی گمراہ ہے دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے اگر وہ جادوگریوں کے کرشمے دکھائے جو بھی طلسم و نرنگیاں دکھائے سب عقل مندوں کے نزدیک بے کار و گمراہی ہیں)

خاتم النبیین بھی قراءتِ متواترہ ہے: یاد رہے کہ خاتم النبیین حضرت امام عاصم کوفی کی قرأت میں بفتح التاء ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے قراءت بکسر التاء یعنی خاتِم النبیین ہے۔ خاتَم (ت کے زبر کے ساتھ) مہر کے معنی میں آتا ہے اور خاتِم (ت کے زیر کے ساتھ) صیغہ اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے ختم کرنے والا، دونوں قراءتوں کا مآل ایک ہی ہے یعنی آخر الانبیاء پس سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ خاتِم النّبیّن بھی ہیں یعنی آپ کی تشریف آوری سے سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، اور خاتَم النّبیّن بھی ہیں یعنی آپ کی ذاتِ گرامی کو نبیوں کے لئے مہر بنا دیا گیا، جیسے مہر آخر میں لگائی جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا اب آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔

یہ دوسری قراءت جو تا کے زیر کے ساتھ ہے قراءت متواترہ ہے اس کا انکار بھی کفر ہے، ہم نے خصوصیت کے ساتھ یہ

قرأت اس لئے ذکر کی ہے کہ بعض ملحدوں نے خاتَم النبیّن (بفتح التاء) کا ترجمہ افضل النبیّن کر کے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کا انکار کیا۔

گزشتہ صدی میں نصاریٰ کے کہنے سے پنجاب کے ایک آدمی (مرزا قادیانی) نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا نصاریٰ کو اس سے اپنا مقصد نکالنا مقصود تھا' انہوں نے اس جھوٹے نبی سے جہادِ شرعی منسوخ کرنے کا اعلان کرایا اور اُسے اور اس کے ماننے والوں کو دنیاوی لالچ دے کر اپنا ہمنوا بنالیا' دنیا کے طالب اس شخص کی جھوٹی نبوت کا اقرار کرتے چلے گئے اور جب ان کے سامنے آیتِ قرآنیہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ پیش کی گئی تو طرح طرح کی تاویلیں کر کے اس کو رد کر دیا اور آیت کے معانی اور مفاہیم اپنی طرف سے تجویز کر دیئے اور نبوت کی قسمیں بنالیں' حقیقی اور ظلی و بروزی کی تقسیم جاری کر دی تاوقت تحریر ان لوگوں کی جماعت موجود ہے جو یہود و نصاریٰ کی سرپرستی میں پرورش پاتی ہے اور اسلام اور قرآن اور مسلمانوں کی دشمنی میں برابر لگی ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ان کے شر سے بچائے۔ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کا منکر ہو وہ نبی تو کیا ہو گا ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی نہیں' وہ تو ملحد اور زندیق اور کافر ہے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ ان ملحدوں اور زندیقوں سے چوکنا رہیں یہ لوگ ایمان کے ڈاکو ہوتے ہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) اس میں قرآنی اعلان کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے اور وعید ہے' جو لوگ حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے بعد کسی دوسرے شخص کی نبوت کے قائل ہیں یا اسلام کے خلاف کوئی بھی عقیدہ رکھتے ہیں' ایسے لوگ یوں نہ سمجھیں کہ یہ دنیا ہی سب کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو سب کا حال ظاہر و باطن' عقیدہ و عمل معلوم ہیں وہ اس کے مطابق سزا دے گا۔ حقیر دنیا کے لئے کفریہ عقائد اختیار کرنے والے اور کفریہ اعمال اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی وعید سے غافل نہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تشریف آوری ختم نبوت کے منافی نہیں: احادیث صحیحہ کثیرہ متواترہ سے صراحتاً اور آیتِ قرآنیہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے (علی احد القولین) اور آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ سے (علی احد التفسرین) یہ بات ظاہر ہوتی ہے حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے' تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اجماع ہے۔ چونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے اور آپ ﷺ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور امتِ محمدیہ سے بھی اسی شریعت پر عمل کرائیں گے اور وہ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی نبوت سے سرفراز تھے ایسا نہیں کہ وہ نئی نبوت لے کر آئیں گے بلکہ وہ پہلے ہی سے نبی ہیں جنہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا' دنیا میں آ کر دجال کو قتل کریں گے اور شادی کر کے مسلمانوں کے ساتھ رہ کر وفات پا جائیں گے' اس سے جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا' شریعت محمدیہ میں جزیہ لینا مشروع ہے وہ اسے منسوخ کر دیں گے' اس منسوخ کرنے کی خبر رسول اللہ ﷺ نے پیشگی دے دی ہے لہٰذا یہ بھی آپ ﷺ ہی کا منسوخ کرنا ہوا۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "نزولِ عیسیٰ بن مریم آخر الزمان" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں "معجم الکبیر للطبرانی" اور "کتاب البعث والنشور للبیہقی" سے حدیث نقل کی ہے اور اس کی سند جید بتائی ہے جس میں اس

بات کی تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی ملت پر ہونگے‘ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یلبث الدجال ماشاء اللہ ثم ینزل عیسیٰ بن مریم مصدقا بمحمد وعلیٰ ملتہ اماما مھدیا وحکما عدلا فیقتل الدّجال ۔ (حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ چاہے گا دجال رہے گا پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اس حال میں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کریں گے اور آپ ﷺ کی ملت پر ہوں گے ہدایت کے امام ہوں گے حاکم عادل ہوں گے اور پھر آپ دجال کو قتل کر دیں گے)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِیْ نفسی بیدہٖ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلًا ۔ (الحدیث) (باب نزول عیسیٰ علیہ السلام ص۴۹۰) (قسم اس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے)

لفظ حکمًا کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''فتح الباری جلد ۶ ص ۴۹۱'' میں لکھتے ہیں: والمعنی انہٗ ینزل حاکما بھٰذہ الشریعۃ فان ھذہ الشریعۃ باقیۃ لا تنسخ بل یکون عیسیٰ علیہ السلام حاکمًا وفیہ روایۃ اللیث عن ابن شھاب عند مسلم حکمًا مقسطًا والمدطبرانی من حدیث عبداللہ بن مغفل ینزل عیسیٰ ابن مریم مصدقًا بمحمد علی ملتہ. اھ (معنی یہ ہے کہ آپ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کرنے والے بن کر نازل ہوں گے کیونکہ یہ شریعت باقی ہے منسوخ نہیں ہوسکتی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کے مطابق حکومت کریں گے۔ اور اسی بارے میں امام مسلم نے لیث عن ابن شہاب کی روایت لی ہے کہ حاکماً سے مراد ہے عادل حکمران اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہوکر اور آپ کی ملت کے تابع ہوکر نازل ہوں گے)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: ای ینزل حاکما بھٰذہ الشریعۃ لا ینزل نبیا برسالۃ مستقلۃ وشریعۃ ناسخۃ بل ھو حاکم من حکام ھٰذہ الامۃ ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷) (یعنی آپ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کرنے والے بن کر نازل ہوں گے مستقل نبوت ورسالت اور شریعت محمدیہ کو منسوخ کرنے والی شریعت لیکر نازل نہیں ہوں گے۔ بلکہ وہ اسی امت محمدیہ کے حاکموں میں سے ایک حاکم ہوں گے)

مطلب یہ ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور شریعت اسلامیہ محمدیہ کے مطابق ہی فیصلہ دیں گے‘ مستقل نبی نہ ہوں گے اور نہ مستقل شریعت لے کر آئیں گے جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر دے‘ وہ اسی اُمت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔ قادیانی جماعت آیت کریمہ کی تصریح کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہے اور اس وجہ سے بھی کافر ہے کہ انہوں نے خاتم النبیین کے معنی میں تحریف کی ہے اور اس کا معنی افضل النبیین بتایا ہے۔ ان جاہلوں کو معلوم نہیں کہ قراءت میں ایک قراءت تاء کے زیر کے ساتھ بھی ہے اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

قادیانی زندیقوں کا جھوٹ: قادیانیوں نے ختم نبوت کا انکار کرنے کے لئے ایک یہ بات نکالی تھی کہ چونکہ

حضرت مسیح علیہ السلام کے تشریف لانے کی خبر ہے اس لئے نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا اور ہم جسے نبی مانتے ہیں وہی مسیح ہے۔ ان لوگوں کی تردید کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جگہ جگہ مسیح ابن مریم فرمایا ہے' دنیا جانتی ہے اور قادیانیوں کو بھی اس کا علم ہے کہ مرزا قادیانی کی ماں کا نام مریم نہیں تھا' ملحدوں اور زندیقوں کو قرآن وحدیث ماننا نہیں ہوتا' اپنی تاویلات وتحریفات کے پیچھے چل کر ملعون ہوتے ہیں۔

یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کا عقیدہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کی اس بات کی تردید حضرات مفسرین کرام اور علماء عظام پہلے ہی کر گئے اور انہوں نے بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل رسالت ونبوت کے ساتھ نہیں آئیں گے وہ اسی شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے مطابق عمل کریں گے اور اُمت محمدیہ سے متعلق اسی سے عمل کرائیں گے جبکہ قادیانی جماعت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے دین وشریعت پر نہیں ہے' اگر آنحضرت ﷺ کے دین وشریعت پر ہوتے تو جہاد کو کیوں منسوخ کرتے' جہاد کو منسوخ کرنا ہی تو مرزا قادیانی کا اصل کارنامہ ہے جو اُس نے نبوت کا دعویٰ کرانے والی حکومت برطانیہ کو خوش کرنے کے لئے انجام دیا تھا۔ ارے قادیانیو! شرم کرو' اللہ کے سچے نبی خاتم النبیین ﷺ کے سچے اُمتی بنو اور جھوٹے نبی کی نبوت کے اقرار سے توبہ کر کے اپنی جانوں کو دوزخ سے محفوظ کر لو' یہ تمہاری خیر خواہی کے طور پر کہا جا رہا ہے۔ واللہ علیٰ ما نقول وکیل۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ
اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو خوب کثرت کے ساتھ۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔ وہی ہے
يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾
جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔ اور وہ ایمان والوں پر رحم فرمانے والا ہے۔
تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾
جس دن یہ لوگ اس سے ملاقات کریں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا اور اس نے ان کے لئے اجر کریم تیار فرمایا ہے۔

ایمان والوں کو ذکر اللہ کی کثرت کرنے کا حکم اور اس بات کی بشارت کہ اللہ اور اُس کے فرشتے مؤمنین پر رحمت بھیجتے ہیں

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی اور دوسری آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوب زیادہ ذکر کریں اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کریں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ صبح وشام تسبیح بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صبح سے دن کو اور شام سے رات کی ابتداء ہوتی ہے اس لئے خصوصیت کے لئے لیل ونہار کے ابتدائی اوقات میں ذکر کرنے کا خصوصی حکم دیا تا کہ لیل ونہار کے باقی اوقات میں بھی

ذکر کے لئے ذہن حاضر رہے اور قلب ولسان ذکر اللہ میں مشغول رہیں۔

ذکر اللہ کے فضائل: درحقیقت ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور ہر وقت اس میں مشغول رہنے کی ضرورت ہے' سورۂ نساء میں فرمایا: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا۔ سو جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر یعنی لیٹے ہوئے' انسان کی یہی تین حالتیں ہیں اور ان تینوں حالتوں میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ درحقیقت ذکر ہی اس عالم کی جان ہے اور اس کے بقاء کا ذریعہ ہے۔ صحیح مسلم جلد نمبر ۱ ص ۸۴ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ دوسری عبادتوں کی روح بھی اللہ کا ذکر ہی ہے' سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔ ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلب سے بھی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان اور چین وسکون ملتا ہے جیسا کہ سورۂ رعد میں فرمایا: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مثل الذی یذکر ربه والذی لا یذکر کمثل الحیّ والمیّت مثال اُس شخص کی جو اپنے ربّ کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی مثال ہے۔ (رواہ البخاری) معلوم ہوا کہ کھاتے پیتے رہنا اور دُنیاوی مشاغل میں زندگی گذار لینا یہ کوئی زندگی نہیں ہے' زندہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہتے ہیں جہاں تک ممکن ہو لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہیں اور زبان کو ذکر اللہ میں لگائے رہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جنت والوں کو کسی بھی چیز کی حسرت نہ ہوگی سوائے اس ایک گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کی یاد کئے بغیر گذر گئی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے کہ چند لوگ کسی جگہ بیٹھے اُنہوں نے اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا سبب ہوگی' پھر اگر اللہ چاہے تو اُن کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اُن کی مغفرت فرمادے' اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اس نے لیٹنے میں اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے نقصان کا سبب ہوگا اور جو شخص کسی جگہ چلا اور اس چلنے میں اُس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اُس کا یہ چلنا نقصان کا باعث ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن اُن کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا اگرچہ ثواب کے لئے جنت میں داخل ہو جائیں۔ (الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۱۰'۴۰۹)

ہوشیار بندے وہی ہیں جو اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی ضائع نہیں جانے دیتے' دنیا میں جینے کیلئے جو تھوڑے بہت شغل کی ضرورت ہے' اس میں تھوڑا بہت وقت لگایا اور اس میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہے اس کے بعد سارے وقت کو اللہ ہی کی یاد میں تلاوت میں تسبیح میں' تہلیل میں' تحمید میں' تکبیر میں' درود شریف میں' لگاتے رہتے ہیں لایعنی باتوں میں مشغول ہوکر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے اور اپنے دل کا ناس نہیں کھوتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ نہ بولا

کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنا قساوتِ قلب یعنی دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

اُم المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا ہر بول اس کے لئے وبال ہے سوائے اس بات کے کہ بھلائی کا حکم کرے یا کسی برائی سے روکے یا اللہ کا ذکر کرے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی یعنی دیہات کا رہنے والا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں، اس نے عرض کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ کی یاد میں تر ہو۔ (رواہ الترمذی)

سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے) نماز سے پہلے اذان بھی ذکر ہے اور اقامت بھی، اذان کا جواب بھی، وضو کی دعا بھی، فرضوں سے پہلے سنتیں بھی، پھر تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نمازی برابر ذکر میں مشغول رہتا ہے، کبھی اللہ کی حمد و ثناء میں مشغول رہتا ہے، کبھی تکبیر کہتا ہے کبھی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، کبھی اللہ کی حمد بیان کرتا ہے، کبھی تنزیہ کلمات ادا کرتا ہے اور اپنے رب کو ہر طرح کے عیب و نقص سے پاک بتاتا ہے اور اس کے بارے میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتا ہے اور کبھی دعا مانگتا ہے نمازی کی زبان بھی اللہ کی یاد میں لگی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل بھی اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، قلب حاضر ہے، اعضاء متواضع ہیں۔ کبھی قیام میں قراءت پڑھ رہا ہے، کبھی رکوع میں تسبیح ہے، کبھی قومہ میں تحمید ہے، کبھی سجدہ میں گیا جبینِ نیاز زمین پر رکھ دی اور رب تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح میں مشغول ہو گیا، بندہ کے پاس اپنا عجز و نیاز اور تذلل اور عبودیت کا عملی اقرار ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اشرف الاعضاء یعنی اپنے سر کو ارذل العناصر یعنی مٹی پر رکھ دیا اور اپنے رب کریم کے حضور اپنی ذات کو بالکل ذلیل کر کے پیش کر دیا۔ پھر نماز کے بعد سنن و نوافل بھی ذکر ہیں اور نماز کے بعد تسبیحات بھی، درحقیقت پانچوں نمازیں اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف کھینچتی ہیں، مومن کی زندگی سراپا ذکر ہے۔

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر بازار میں جانے کی اجازت دی اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا، سورۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پھر جب نماز پوری کر چکو تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کے فضل سے تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

اللہ تعالیٰ ذاکرین کو یاد فرماتا ہے: سورۂ بقرہ میں فرمایا فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) دیکھو کتنی بڑی سعادت ہے کہ فرشِ خاکی کا رہنے والا جس کے اندر خون وغیرہ بھرا ہوا ہے اسے صاحبِ عرش اپنے دربار میں یاد فرمائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں کہ وہ جب چاہے مجھے یاد کرے سو اگر وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اسے تنہا یاد کرتا ہوں

اور اگر وہ گروہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس جماعت سے بہتر ہوتی ہے[1] جس میں اس نے مجھے یاد کیا۔ (رواہ البخاری)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے کیسی عمدہ بات نقل فرمائی ہے انہوں نے فرمایا: ان اللہ تعالٰی لم یفرض علٰی عبادہ فریضۃ الاجعل لھا حدًا معلوما ثم وعذر اھلھا فی حال العذر غیر الذکر فانّ اللہ تعالٰی لم یجعل لہٗ حدا ینتھی الیہ ولم یعذر احدا فی ترکہ الا مغلو باعلٰی ترکہ فقال (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ) بالليل والنھار فی البرّوا لبحزو فی السّفروا لحضر، والغنی والفقر، والسقم والصحۃ، والسّروا لعلانیۃ وعلٰی کل حال. مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر جو عبادات فرض فرمائی ہیں ان کی حد مقرر ہے اور اصحاب عذر کو (معافی یا تخفیف کی صورت میں) معذور قرار دیا ہے مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ اس کی نہ کوئی حد اور تعداد متعین ہے اور نہ کوئی خاص وقت اور زمانہ مقرر ہے نہ اس کے لئے کوئی خاص ہیئت قیام یا نشست کی مقرر فرمائی ہے نہ اس کے لئے طاہر اور باوضو ہونا شرط ہے ہر وقت اور ہر حال میں بکثرت اللہ تعالٰی کا ذکر کرنے کا حکم ہے سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری، خشکی میں ہو یا دریا میں، رات ہو یا دن ہر حال میں ذکر اللہ کرتے رہیں، اسی لئے اس کے ترک میں انسان کا کوئی عذر مسموع نہیں بجز اس کے کہ عقل وحواس ہی نہ رہیں اور بے ہوش ہو جائے۔

تیسری آیت میں یہ فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ کہ اللہ تعالٰی تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (تمہارے لئے استغفار کرتے ہیں) اس میں جو لفظ یُصَلِّیْ وارد ہوا ہے اس کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف بھی ہے اور فرشتوں کی طرف بھی حضرات اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جو اللہ تعالٰی کی طرف ہے اس سے رحمت مراد ہے یعنی اے مومنو! اللہ تم پر رحمت بھیجتا ہے۔ اور فرشتوں کی طرف جو صلوٰۃ کی نسبت ہے اس سے استغفار مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے فرشتے تمہارے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں (کما فی سورۃ المومن) وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مزید فرمایا لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کہ تم پر اللہ کی رحمت ہونا اور تمہارے لئے فرشتوں کا استغفار کرنا اس لئے ہے کہ اللہ تمہیں اندھیروں سے روشنیوں کی طرف نکالے یعنی جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت اور یقین کے نور سے منور فرمائے۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۔ (اور اللہ مؤمنین پر رحم فرمانے والا ہے) یعنی وہ اہل ایمان پر دنیا میں بھی رحم فرماتا ہے اور آخرت میں بھی رحم فرمائے گا، دنیا میں ایمان کی دولت سے نوازا، کفر سے اور شرک سے اور بدعت سے بچایا، کھانے پینے اور پہننے اور برتنے کے لئے پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں اور آخرت میں انہیں امن وچین، اطمینان اور نجات عطا فرمائے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور فرشتے

---

[1] قال الطیبی، المراد ملأمن الملٰئکۃ المقرّبین وارواح المرسلین فلاد لالۃ علٰی کون الملٰئکۃ افضل والاحسن ان یقال الخیریۃ من جھۃ النزاھۃ والتقدّس والعلوّ وھی لا تنافی افضلیۃ البشر من جھۃ کثرۃ الثواب. (کذا فی حاشیۃ المشکوٰۃ عن اللمعاف) (علامہ طیبی فرماتے ہیں اس سے مراد مقرب فرشتوں اور بھیجی ہوئی روحوں کی جماعت ہے۔ یہ بات فرشتوں کے افضل واحسن ہونے کی دلیل نہیں ہے کہ کہا جائے فرشتے اپنی بے خواہشی اور معصومیت وبلندی کی وجہ سے انسان سے افضل وبہتر ہیں کیونکہ انسان کے کثرت ثواب کی وجہ سے یہ چیزیں بشریت کو کم قیمت کرنے والی نہیں ہیں)

بشارت دیتے ہوئے ان سے ملاقات کریں گے۔

چوتھی آیت میں فرمایا تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (جس دن اللہ سے ملاقات کریں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا) یعنی اللہ تعالیٰ کے طرف سے ان پر سلام بھیجا جائے گا۔ کما قال فی سورۃ یٰسٓ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ۔ اور فرشتے بھی ان پر داخل ہوں گے اور ان پر سلام پیش کریں گے۔ کما فی سورۃ الرّعد وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے روح قبض ہونے کے وقت کا تحیہ مراد ہے کیونکہ جب فرشتہ مومن بندہ کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ کہہ کر خطاب کرتا ہے۔ (ذکر فی الرّوح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا (اور اللہ نے ان کے لئے اجر کریم تیار فرمایا ہے) یعنی ان کے لئے عزت والا ثواب تیار فرمایا ہے۔ مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اجر کریم سے جنت اور وہاں کی نعمتیں اور ہر طرح کی لذتیں مراد ہیں۔ اول تو جنت کا داخلہ ہی بڑا اعزاز و اکرام ہے پھر اس میں جو کچھ پیش کیا جائے گا وہ بھی اعزاز کے ساتھ پیش ہوگا وہاں ہمیشہ مکرم اور معزز ہی رہیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ
اے نبی بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا
وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ
اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی طرف سے ان پر بڑا فضل ہے اور آپ کافروں
وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝
اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور ان کی ایذاء کو چھوڑ دیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جمیلہ

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے، پہلی دو آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائی ہیں اور تیسری آیت میں آپ کو بشارت دینے کا حکم دیا ہے اور چوتھی آیت میں کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننے کا اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں ان کی طرف دھیان نہ دینے کا اور اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اول تو یوں فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا کہ اے نبی ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے، شاہد گواہ کو کہتے ہیں، سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا جو اعتدال والی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) اور سورۂ نساء میں فرمایا فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ۔ (سو کیا حال ہوگا

جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان پر گواہ بنائیں گے) اور سورۂ حج میں فرمایا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى (تا کہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بن جاؤ)۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ آپ قیامت کے دن اپنے سے پہلے امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے' سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء کی آیات کے ذیل میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کی مراجعت فرمالیں۔ (انوار البیان ص ۲۲۶ جلد ۲)

پھر فرمایا وَمُبَشِّرًا کہ آپ کو بشارت دینے والا بنا کر بھیجا' اہل ایمان کو ایمان کے منافع اور اعمال صالحہ کے اجر و ثواب کی خوشخبری دینا آپ کے کار مفوضہ میں شامل ہے۔ وَنَذِیْرًا اور آپ کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ اہل ایمان کو بشارت دینا آپ کے فرائض منصبی میں سے ہے اسی طرح اہل کفر اور اہل معصیت کو ڈرانا اور وعیدیں سنانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ذمہ کیا گیا ہے۔

عرب و عجم کے لئے' تمام ادیان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا' سورۂ سباء میں ارشاد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ (اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے) رسول اللہ ﷺ نے تمام انسانوں کو اور تمام اہل ادیان کو ایمان قبول کرنے پر آخرت کی بھلائی کی بشارت دی اور ایمان سے منحرف اور منکر ہونے پر آخرت کے عذاب سے باخبر فرمایا' یہود و نصاریٰ بھی اسی میں شامل ہیں جو اپنے پاس دین سماوی ہونے کے مدعی ہیں' سورۂ مائدہ میں فرمایا: یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آپہنچے جو کہ تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں)۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو بشیر اور نذیر کی صفات عظیمہ سے متصف فرمایا ہے اور آپ ﷺ کو شاہد بھی بتایا ہے' توریت شریف میں بھی آپ ﷺ کی یہ صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔

صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۸۵ میں حضرت عطا بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ توریت میں جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے اس سے مجھے باخبر فرمایئے' انہوں نے فرمایا جو آپ کی صفات قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت میں مذکور ہیں۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ (یہ الفاظ قرآنیہ کا ترجمہ ہے) اور توریت میں مزید یہ باتیں بھی ہیں کہ آپ ﷺ کو امیین یعنی عرب کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا' تو میرا بندہ ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعہ کجی والی ملت کو سیدھی نہ کر دے اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ (اور ہم نے آپ کو اللہ کی طرف بلانے والا بھیجا اللہ کے حکم سے) آپ سارے انسانوں اور سارے جنات کو توحید کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں' آپ نے بڑی محنت سے اللہ کی طرف بلایا اور اللہ کا بول بالا کیا اور اسبارے میں بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ اس میں جو لفظ بِإِذْنِهِ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ای بتسهیله و تیسرهٖ تعالیٰ' یعنی اللہ تعالیٰ نے دعوت کا کام آپ کے لئے آسان کر دیا' تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے آپ آگے بڑھتے رہے اور آپ ﷺ کے سامنے ہی امت مسلمہ کی بھاری تعداد وجود میں آ گئی' دعوت کا کام ہمیشہ جاری رکھا جائے آپ کی امت بھی اس کی مخاطب ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (اور تم میں سے ایسی جماعت ہو جو خیر کی طرف بلاتے ہوں اور بھلائی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں)

آپ ﷺ کی صفات بیان فرماتے ہوئے آیت کے ختم پر وَسِرَاجًا مُّنِيرًا بھی فرمایا یعنی ہم نے آپ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا' اس چراغ کی وجہ سے لوگ جہالت و گمراہی کی تاریکیوں سے نکلتے ہیں اور انوارِ ہدایت حاصل کرتے ہیں' حضرات اکابر نے فرمایا ہے کہ آپ کو سِرَاجًا مُّنِيرًا سے تشبیہ دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے صرف آپ کے زمانے کے انسانوں اور جنات ہی نے روشنی حاصل نہیں کی بلکہ آپ کے بعد بھی یہ روشنی رہے گی اور آپ کے علوم اور اعمال کو پہنچانے والے برابر رہیں گے۔ جس طرح ایک چراغ سے بہت سے چراغ روشن ہو جاتے ہیں پھر ان چراغوں سے دوسرے بہت سے چراغوں کو روشنی ملتی چلے جاتی ہے' اسی طرح آپ کا نور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ملا پھر انہوں نے اسے آگے بڑھایا اور آج تک ہر استاد سے شاگرد تک پہنچ رہا ہے اور آپ ﷺ کے جلائے ہوئے چراغوں سے برابر چراغ روشن ہیں' گو آپ کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کہیں زیادہ ہے لیکن چونکہ ہمیشہ سے آفتاب ایک ہی آفتاب ہے پھر اسکی روشنی بھی دائمی نہیں' رات کو اندھیرا ہو جاتا ہے اور اس سے روشنی حاصل کرنا بندوں کے اختیار میں بھی نہیں اس لئے آپ کی ذاتِ گرامی کو سراجِ منیر سے تشبیہ دینا مناسب ہوا' ایک چراغ سے بہت سے چراغ جل سکتے ہیں اور جس وقت چاہیں اس سے روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا آپ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے' وہ فضل دنیا میں ایمان کی دولت سے اور آخرت میں دخولِ جنت اور وہاں کی نعمتوں سے نوازش فرمانا ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ (اور آپ کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے) انہیں گوارا نہیں ہے کہ آپ دعوت الی اللہ کا کام کریں اور جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے یعنی تبشیر اور انذار' آپ اسے چھوڑ دیں' اس سلسلے میں آپ ان کی کوئی بات نہ مانیں اور کسی طرح کی مسامحت اور مدارات اختیار نہ فرمائیں۔ قال صاحب الروح: نهی عن مداراتهم فی امر الدعوة و لین الجانب فی التبلیغ والمسامحة فی الانذار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں کافروں کی مدارات' اور ان کی رعایت اور چشم پوشی سے منع کیا گیا ہے)

وَدَعْ أَذَاهُمْ (اور ان کی ایذا کو چھوڑیئے) یعنی ان کی طرف سے جو تکلیفیں آپ کو پہنچی ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے اور ان پر صبر کیجئے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (اور اللہ پر بھروسہ کیجئے) وہی مدد فرمائے گا۔ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا (اور اللہ کافی کارساز ہے) سب

کچھ اسی کے سپرد کیجئے' وہی نفع کا مالک ہے' دشمنوں کی ایذاؤں سے بھی بچائے گا اور آپ کو خیریت اور عافیت سے بھی رکھے گا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾

ان پر کوئی عدت نہیں جسے شمار کرو تم ان کو کچھ متاع دے دو اور انہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دو۔

عدّت کے بعض مسائل

تفسیر: شریعت اسلامیہ میں نکاح اور طلاق' ادائے مہر نان نفقہ اور طلاق کے بعد عدت گذارنے کے بہت سے احکام ہیں جو قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہیں اور فقہاء کرام نے ان کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ نکاح تو بہت مبارک اور مستحسن اقدام ہے اور بعض صورتوں میں واجب بھی ہوتا ہے اور طلاق بھی شریعت اسلامیہ میں مشروع ہے لیکن اسے ابغض المباحات قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرلے جس سے نکاح حلال ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے' اب وہ اس کے نکاح سے اُسی وقت نکلے گی جب یہ شخص مر جائے یا طلاق بائن یا مغلظہ دے دے یا طلاقِ رجعی دے کر عدت گذرنے تک رجوع نہ کرے۔

لفظِ عِدّت عَدَّ يَعُدُّ کا مصدر ہے جس کا معنی ہے شمار کرنا' چونکہ مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کو مہینے اور حیض شمار کرنے ہوتے ہیں تاکہ ان کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے' اس لئے دوسرے نکاح کے انتظار کے زمانہ کو عدت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کسی مرد نے نکاح کر کے جماع کرلیا پھر کسی وجہ سے طلاق دے دی اور عورت ایسی ہے جسے حیض آتا ہے اور حاملہ بھی نہیں ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر حیض والی نہیں ہے تو اس کی عدت کی مدت تین مہینے ہے اور جس عورت کو حالت حمل میں طلاق ہو جائے اُس کی عدت وضع حمل پر ختم ہو جائے گی۔ اور جس منکوحہ عورت کا شوہر مر جائے جو حمل والی نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے شوہر نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر حمل والی ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

اگر کسی عورت سے نکاح کیا اور اس سے جماع کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو کوئی عدت واجب نہیں یعنی ایسی عورت طلاق ہونے کے ساتھ ہی کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

طلاق دینے والے شوہر کو کوئی حق نہیں کہ اس کو عدت گذارنے کو کہے اور دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکے' اور اسے کچھ متاع بھی دے دیں۔ لفظ مَتَاعٌ مال کو کہتے ہیں' صورت مذکورہ میں کتنا مال دینا ہے؟ سورۂ بقرہ میں اس کو بیان فرمایا:
وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یعنی اگر تم انہیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انہیں ہاتھ لگاؤ اور حال یہ ہے کہ ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو جو کچھ مقرر کیا ہے اس کا آدھا دے دو' اور اگر ہاتھ لگائے بغیر طلاق دے دی اور مہر مقرر نہیں کیا تھا تو ایک جوڑا کپڑے دینا واجب ہے۔ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت

سے پہلے جو وَمَتِّعُوْهُنَّ فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے‘ فقہاء کی اصطلاح میں اس جوڑے کو متاع کہتے ہیں۔ یہ جوڑا تین کپڑوں پر مشتمل ہوگا‘ ایک خوب بڑی چادر جس میں سر سے پاؤں تک لپٹ سکے‘ دوسرے دوپٹہ‘ تیسرے کرتہ‘ اور یہ متاع مرد کی حیثیت کے مطابق دیا جائے گا۔ اور اگر کسی عورت سے نکاح کے بعد جماع بھی کر لیا لیکن مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت سے نکاح کیا بھی ہو اور اس کے ساتھ جماع بھی کیا اور پھر طلاق دے دی اور حال یہ ہے کہ مہر بھی مقرر کیا تھا تو اس صورت میں پورا مہر دینا واجب ہوگا۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جماع اور خلوتِ صحیحہ کا ایک ہی حکم ہے یعنی نکاح شدہ عورت سے خلوتِ صحیحہ ہوگئی تو اس میں بھی عدت واجب ہوگئی اور مقررہ مہر بھی پورا دینا ہوگا۔

قال ابن قدامة في المغني ج ٩ ص ٨٠: ولا خلاف بين اهل العلم في وجوبها على المطلّقة بعد الدخول فاما أن خلابها ولم يعبها ثم طلقها فان مذهب احمد وجوب العدة عليها وروى ذٰلك عن الخلفاء الرّاشدين وزيد و ابن عمر و به قال عروة وعلى بن حسين وعطاء والزهرى والثورى والا وزاعى والاسحٰق واصحاب الرائيو الشافعي في قديم قوليه وقال الشافعي في الجديد لا عدة عليها‘ لقوله تعالىٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ وهٰذا نص‘ ولا نها مطلقة لم تمس فاشبهت من يخل بها‘ ولنا اجماع الصحابة روى الامام احمد والاثرم باسنادهما عن زرارة بن اوفٰى قال قضى الخلفاء الراشدون ان من اوخى سترا اَوْا غلق بَابًا فقد وجب المهر ووجبت العدة ورواه الاثرم ايضًا عن الا حنف عن عمرو على وعن سعيد بن المسيب عن عمرو زيد بن ثابت‘ وهٰذه قضايا اشهرت فلم تنكر فصارت اجماعا‘ وضعف احمد ماروى في خلاف ذاك. اهـ (علامہ ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں لکھا ہے کہ دخول کے بعد جس عورت کو طلاق دیدی جائے تو اس کے لئے حق مہر واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن اگر خاوند نے خلوت تو کی مگر وطی نہیں کی پھر طلاق دیدی تو اس کے بارے میں امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ اس پر عدت واجب ہے اور یہی بات حضرات خلفائے راشدین‘ حضرت زید اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور عروہ‘ علی بن حسین‘ عطاء‘ زہری‘ ثوری اور زاعی‘ اسحاق‘ رائے والے اور امام شافعی اپنے پرانے قول کے مطابق یہ سب بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس پر عدت واجب ہے‘ امام شافعی کا جدید قول یہ ہے اس پر عدت نہیں ہے اس آیت کی وجہ سے (آیت دیکھ کر لکھ لیں) اور یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ دخول سے پہلے طلاق میں عدت نہیں ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ ایسی مطلقہ ہے جس کے ساتھ وطی نہیں ہوئی لہٰذا اس کی خلوت مشتبہ ہوگئی ہے۔ اور ہماری دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ امام احمد اور اثرم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت زرارۃ بن اوفی سے نقل کیا ہے کہ خلفائے راشدین کا فیصلہ یہ تھا کہ جس نے پردہ لٹکا لیا یا دروازہ بند کر دیا تو مہر بھی واجب ہے اور عدت بھی اور اثرم نے احنف سے انہوں نے عمر و علی سے اور سعید بن المسیب سے انہوں نے عمر اور زید بن ثابت سے بھی یہی روایت کی ہے اور یہ مشہور فیصلے ہیں ان پر کسی صحابی نے نکیر نہیں کی لہٰذا اجماع ہوگیا اور اس کے خلاف جو مروی ہے امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)

قال العبد الفقير: مذهب الجمهور مخالف في الظاهر الاٰية وهوا لتصريح بعدم وجوب العدة اذا طلقها ولم يمسها، وكيف ساغ للصحابة والتابعين وجمهور الفقهاء ان يختار واخلاف ماصرحت به الاٰية الكريمة، هٰذا ماكان يختلج في قلبي، ثم ان الله تعالٰى القى في روعي ان الله تعالٰى انما خاطب الزوج الاول الذي طلقها انه ليس لك ان تامرها بالعدة كان لان صلته انقطعت عنها، فاما عدم الاعتداد في حق الزوج الثاني الذي يريد نكاحها بعد طلاق الزوج الاوّل وجواز النكاح بعد طلاق مباشرة فالآية الكريمة ساكتة عن ذٰلك، وانما جعل الجمهور الخلوة الصحيحة مثل المسيس في ايجاب العدة قطعًا للاحتمال فقد يحتمل ان يكون هاوعد سرًّا مع رجل يرغب في نكاحها وتستعجل في ذٰلك وَتكذب في انه لم يمسها الزوج الاوّل مع وجود المسيس وقد يمكن انه جامعها الزوج الاول وعلقت منه وانكرت المسيس وامر المسيس لا يعلمه الّا هي والزوج الاوّل، فلو اخذبقولها واجيز لها ان تنكح زوجًا اٰخر بغير اعتداد عدة وجامعها الزوج للثاني بعد نكاحه يختلط النسب لانه اذا وُلِدَ وَلَدٌ يظن الزّوج الثاني انه ولده ولد علٰى فراشه فيكون ذٰلك ادخالًا لي قوم من ليس منهم وهو محترم، فقد روىٰ ابو داؤد عن ابي هريرة رضي الله عنه انه سمع النبيّ صلى الله عليه وسلم يقول لما نزلت اٰية الملاعنة ايما امرأة ادخلت علٰى قوم من ليس منهم فليست من الله في شيءٍ ولن يدخلها الله الجنة فان قيل انها كيف تتيقن بالعلوق من الزوج الاوّل؟ قلنا يحتاط في الانساب مالا يحتاطفي غيرها فنزل الجماع منزلة العلوق، بقي انه لم خوطب الزوج الاول بانهٗ ليس لك عليها عدة تعتدها؟ فوجهه—والله تعالٰى اعلم. (بندہ عاجز کہتا ہے کہ جمہور کا مذہب آیت کے ظاہر کا مخالف نظر آتا ہے آیت میں تو وطی کے بغیر عدت نہ ہونے کی تصریح ہے تو صحابہ تابعین اور جمہور فقہاء نے' آیت کی تصریح کے خلاف کیسے کیا ہے؟ یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے' والے پہلے خاوند سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تو ایسی صورت میں اسے عدت کا حکم نہیں کر سکتا کیونکہ اس خاوند کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ مگر دوسرا خاوند جو اب پہلے کی طلاق کے بعد نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس طلاق کے فوراً بعد نکاح کے بارے میں آیت کریمہ خاموش ہے۔ لہٰذا جمہور نے خلوۃ صحیحہ کو عدت کے واجب ہونے کے بارے میں واقعۃً وطی کے قائم مقام قرار دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے خاوند نے وطی کی ہو مگر یہ عورت دوسرے خاوند کی طرف رغبت کی وجہ سے کہتی ہو کہ وطی نہیں ہوئی جلدی نکاح ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے خاوند کے جماع سے حمل ہو گیا ہو اور جماع کے معاملہ کو یہ عورت جانتی ہے یا پہلا خاوند جس نے طلاق دیدی ہے اور عورت اب اس کو چھپاتی ہے تاکہ جلدی دوسرا نکاح ہو جائے۔ اب اگر عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے اور عدت گذارے بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کی اجازت دیدی جائے اور نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے جماع کر لیا تو نسب خلط ہو جائے گا تو یہ اس عورت کی طرف سے ایک قوم کے نطفہ کو دوسری قوم میں شامل کرنا ہوا ہو جو کہ حرام ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جب لعان والی آیت اتری تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس عورت نے کسی اور کا بچہ دوسری

قوم میں داخل کر دیا تو اس عورت کا اللہ کے ہاں کوئی مقام نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اگر کوئی کہے کہ پہلے خاوند سے حمل کا یقین کیسے ہوا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں نسب کے معاملہ میں دوسرے معاملات سے زیادہ احتیاط کی جاتی ہے لہٰذا یہاں جماع ہی کو طلاق کے قائمقام سمجھا گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ جب دوسرے خاوند سے نکاح کیلئے احتیاط اسی میں تھی کہ وہ عورت عدت گذارے تو پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے خاوند کو عدت گذروانے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے)

انه مامور بالسراج الجميل فلا يعترض بشيء لا صلة له به بعد قطع صلة المرء ة عن نفسه. والعلم عند الله الكريم. (ہوسکتا ہے یہ وجہ ہو کہ پہلا خاوند تو طلاق کے بعد حسن سلوک کا مامور ہے لہٰذا اب اسے ایسے معاملہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے کہ جس کے بارے میں اس کا تعلق عورت سے نہیں رہا کیونکہ وہ خود عورت سے اپنا تعلق کاٹ چکا ہے)

آخر میں فرمایا: وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (اور انہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دو) یعنی انہیں تنگ نہ کرو اُن کا حق نصف مہر یا متاع خوش دلی کے ساتھ اور کوئی سخت بات نہ کہو اور اس کا حق دے چکے ہو وہ واپس نہ لو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ

اے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ بیویاں حلال کر دیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی حلال کیں جو آپ کی مملوکہ ہیں اُن اموال میں سے

اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ

جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں سے دلوائے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں

مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً

نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ عورتیں حلال کیں جو بغیر عوض کے اپنی جان نبی کو بخش دیں اگر پیغمبر اُن سے نکاح کرنا چاہیں یہ آپ کے لئے مخصوص

لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

ہے نہ کہ مؤمنین کے لئے ہم نے جان لیا جو کچھ ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور باندیوں

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

کے بارے میں احکام مقرر کئے تا کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

نکاح کے بعض احکام ○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض خصوصیات

تفسیر: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد عورتوں سے نکاح فرمایا جن کے اسمائے گرامی آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا کے ذیل میں بیان کئے جا چکے ہیں اُن بیویوں

میں اکثر بیویاں مہاجرات تھیں' البتہ صفیہؓ بنت حی بن اخطب یہود خیبر کے قیدیوں میں سے اور حضرت جویریہ غزوۂ بنی المصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں ان بیویوں کو آیت بالا میں الّٰتِیٓ اٰتَیۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ میں بیان فرمایا اور آپ کی بعض سراری یعنی باندیاں بھی تھیں جنہیں وَمَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیۡكَ میں بیان فرمایا' ان باندیوں میں سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں جن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور زمانہ رضاعت ہی میں وفات پا گئے۔

آیتِ بالا میں فرمایا کہ اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیویاں حلال کر دیں' یہ وہ بیویاں ہیں جنہیں آپ اُن کے مہر ادا کر چکے ہیں' مہر ادا کر دینا ازدواجی تعلقات حلال ہونے کی شرط نہیں لیکن جتنا جلدی ادا کر سکے وہ بہتر ہے خاص کر مہر معجّل تو ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے ہی دے دیں۔ **قال صاحب الروح' وتقييد الا حلال له باطائها معجلة ليس لتوقف الحل عليه بل لا يثار الافضل له صلى الله عليه وسلم فان فى التعجيل براء ة الذمة وطيب النفس ولذا كان سنة السلف لا يعرف منهم غيره.** (تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں کہ عورتوں کے حلال کرنے کو مہر جلدی ادا کرنے کے ساتھ مقید کرنا اس لئے نہیں ہے کہ عورت کا حلال ہونا ادائیگی مہر پر موقوف ہے نہیں بلکہ یہ اس لئے کہا کہ حضور ﷺ کے لئے افضل صورت کو پسند کیا گیا ہے کیونکہ جلدی مہر ادا کرنے میں ذمہ داری سے براءت ہے اور دل کی پاکیزگی ہے اسی لئے اسلاف کا طریقہ ایسا تھا کہ دوسرے اس سے قاصر ہیں)

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے آپ کے لئے آپ کے چچا کی لڑکیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی لڑکیاں اور آپ کے ماموں کی لڑکیاں اور آپ کی خالاؤں کی لڑکیاں حلال کر دیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' اس مضمون کو وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیۡ هَاجَرۡنَ مَعَكَ بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ان رشتہ داروں کی بیٹیوں کو حلال تو فرما دیا لیکن ان میں سے آپ کے نکاح میں صرف حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا آئیں جو آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں' چچا کی بیٹیوں میں سے آپ ﷺ کے نکاح میں کوئی بی بی نہیں آئیں' ان میں سے حضرت اُم ہانیؓ بھی تھیں جو آپ کے چچا ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں' آپ نے مکہ معظمہ میں ان کو نکاح کا پیغام دیا تھا اُس وقت انہوں نے عذر پیش کر دیا' وہ فرماتی ہیں کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو میں آپ کے لئے حلال نہ تھی کیونکہ میں ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے نہ تھی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ام ہانیؓ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئی تھیں اور ان عورتوں میں سے نہ تھیں جنہوں نے پہلے سے اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ کسی عورت کا مہاجرہ ہونا حلّت کی شرط نہیں تھی' حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا کہ میں آیت بالا نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کیلئے حلال نہ تھی کیونکہ میں مہاجرات میں سے نہ تھی' یہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے فرمایا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہجرت کو شرط حلت قرار دیا۔ (**كما رواه الترمذى فى تفسير الآية الكريمه**)

اور الّٰتِیۡ هَاجَرۡنَ اِلَیۡکَ بطور تغلیب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ مدینہ منورہ ہی کی تھیں لہٰذا ان کے بھائیوں اور بہنوں کے ہجرت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' پھر سیرت کی کتابوں سے آپ ﷺ کے ماموں اور

خالاؤں کی بیٹیوں اور ان کی اولاد کا واضح پتہ نہیں چلتا۔ گو صاحب روح المعانی نے رجال اور سیر کی کتابوں سے تلاش کر کے بعض ماموؤں اور خالاؤں کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے کسی کی بیٹی سے آنحضرت علیہ کا نکاح نہیں ہوا اور ہر حال میں آیت کے مضمون پر کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ آیت میں تو چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے کوئی امر وجوبی نہیں ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ علیہ کو خطاب فرما کر آپ کی اُمت کو بتایا گیا ہے کہ تمہارے لئے چچا' پھوپھی' خالہ اور ماموں کی لڑکیوں سے نکاح کرنا درست ہے جیسا کہ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ میں مسلمانوں کو بھی طلاق دینے کا سنت طریقہ بتایا ہے بظاہر خطاب آپ علیہ کو ہے۔

پھر فرمایا: وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور وہ عورت حلال کی جو بغیر عوض کے اپنی جان نبی کو بخش دے اگر پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہے نہ کہ مؤمنین کے لئے) اس آیت میں رسول اللہ علیہ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان عورت رسول اللہ علیہ کو اپنا نفس ہبہ کر دے یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہیں اور آپ اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کے لئے یہ نکاح حلال ہے اور یہ خاص آپ علیہ کے لئے ہے دوسرے مؤمنین کے لئے نہیں اگر کوئی دوسرا مسلمان کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اور عورت یوں کہہ دے کہ میں مہر نہیں لوں گی تب بھی مہر دینا ہوگا اور مہر مثل کے بقدر ہوگا۔

آیت کریمہ میں جواز نکاح کا ذکر ہے یعنی یہ فرمایا ہے کہ نبی کے لئے ایسی عورت سے نکاح کرنا حلال ہے جو بغیر مہر کے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے' لیکن علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایسا کوئی واقعہ پیش آیا بھی تھا یا نہیں یعنی کیا آپ نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس نے اپنے نفس کو بطور ہبہ پیش کیا ہو اور آپ نے نکاح فرما لیا ہو ایسی صورت پیش آئی تھی یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے جائز ہونے کا اعلان ہے لیکن ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا' دوسرا فریق کہتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آئے تھے بعض عورتوں کو آپ نے اپنے نکاح میں قبول فرما لیا اور بعض کو قبول فرمانے سے انکار فرما دیا۔ بعض حضرات نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے زینب بنت خزیمہؓ کا نام بھی لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان کے علاوہ دوسرے نام بھی لکھے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ کے پاس کوئی ایسی عورت نہیں تھی جس نے اپنے نفس کو ہبہ کیا ہو۔

لفظ اِمْرَاَۃ کے ساتھ جو لفظ مُؤْمِنَةً کا اضافہ فرمایا ہے اس سے حضرات مفسرین کرام نے یہ استنباط کیا ہے کہ کتابی عورتوں سے نبی اکرم علیہ کو نکاح کرنا جائز نہیں تھا گو دیگر مسلمانوں کے لئے یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کرنا جائز ہے (گو بہتر نہیں ہے) اور اگر ان کے میل جول سے اپنے ایمان اور اعمال اسلام میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہو تو بقدر خطر کراہت میں شدت آ جائے گی۔

پھر فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ (ہم نے جان لیا جو کچھ ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور باندیوں کے بارے میں احکام مقرر کیے) یعنی آپ کے علاوہ باقی مؤمنین کے لئے جو احکام ہم نے مقرر کئے ہیں وہ ہم جانتے ہیں' آپ کے ساتھ جو خصوصی احکام ہیں وہ ان میں شریک نہیں ہیں' مثلاً عام مسلمانوں کا نکاح بطور ہبہ

یعنی بغیر مہر کے نہیں ہوسکتا اور کتابی عورتوں سے انہیں نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح سے جو مملوکہ باندیاں ہیں ان سے عام مؤمنین کا نکاح درست ہے۔

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ (یعنی اوپر جو آپ کے لئے خصوصی احکام بیان کئے گئے یہ اس لئے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا تعلق ان وھبت نفسھا سے ہے' مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو بلا مہر ہبہ کرنے والی عورت سے نکاح کرنا آپ کے لئے جائز قرار دیا' یہ اس لئے ہے کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو۔ اور بعض حضرات نے جملہ احکامِ مذکورہ سے متعلق کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اوپر جو احکام بیان ہوئے یہ اس لئے مشروع کئے گئے کہ آپ تنگی میں نہ پڑیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ غفور ہے رحیم ہے) اس کی مغفرت اور رحمت بہت بڑی ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

آپ ان میں سے جسے چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جسے چاہیں اپنے نزدیک ٹھکانہ دیں اور جسے آپ دور کردیں اُسے طلب کریں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ

تو اس بارے میں آپ پر کوئی گناہ نہیں یہ اس بات سے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ آپ

كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

ان کو دیں وہ سب اس پر راضی رہیں اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے حلم والا ہے۔

ازواج مطہرات کے بارے میں آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے چاہیں دور کردیں

تفسیر: آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور یہ فرمایا ہے کہ آپ کے نکاح میں جو عورتیں ہیں اُن میں باری مقرر کرنے یا نہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں باری دینے میں شامل فرمادیں اور جس کو چاہیں شامل نہ فرمائیں یعنی ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنا آپ پر واجب نہیں ہے جیسا کہ اُمت کے افراد پر واجب ہے' اگر آپ نے کسی کو باری میں شمار نہیں فرمایا اور اس کے بعد پھر اس کے لئے باری مقرر کرنا چاہیں تو پھر سے باری میں شامل فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو مذکورہ بالا اختیار دے دیا اور آپ کی ازواج کو یہ معلوم ہوگیا کہ آپ کے ذمہ باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ جو کچھ انہیں مال عطا فرمائیں گے وہ بھی محض تبرع ہوگا۔ تو یہ سب باتیں جانتے ہوئے اگر ان میں سے کسی کو مال نہ ملا یا باری میں شمار نہیں کی گئیں تو اس سے رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ ملے گا اس سے راضی رہیں گی اور اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ اور بعض حضرات نے اٰتَيْتَهُنَّ سے مال مراد نہیں

لیا بلکہ ان کے درمیان باری مقرر کرنا اور باری کا چھوڑ دینا مراد لیا ہے۔ قال صاحب الرّوح (ج ۲۲ ص ۶۳) أی تفویض الامر الٰی مشیئتک اقرب الٰی قرة عیونهنّ وسرورهن ورضاهنّ جمیعا لانه حکم کلهن فیه سواء ثم ان سویت بینهنّ وجدن ذٰلک تفضلًا منک وان رجحت بعضهن علمن انه بحکم اللّٰه تعالٰی فتطمئن به نفوسهن' وروی هٰذا عن قتادة والمراد بما اٰتَیْتَهُنَّ علیه ما صنعت معهنّ فیتناول ترک المضاجعة والقسم۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں یعنی معاملہ کا آپ کے سپرد ہونا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اوران کی خوشی ورضا کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں سب کا حکم برابر ہے۔ پھر اگر آپ ان میں برابری کریں گے تو وہ آپ کی طرف سے احسان سمجھیں گی۔ اور اگر آپ ان میں سے کسی کو ترجیح دیں گے تو وہ یہی سمجھیں گی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اوران کے دل مطمئن رہیں گے۔ اور یہ قتادہ سے مروی ہے۔ اور بما اٰتَیْتَهُنَّ سے مراد ہے وہ معاملہ وسلوک جو آپ ان سے کریں گے پس یہ ساتھ لیٹنے کے ترک اور باری کی تقسیم کو شامل ہے)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے ازواجِ مطہراتؓ کو خطاب ہے (جو علیٰ سبیل التغلیب ہے) اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کے قلب مبارک میں بعض ازواج کی طرف میلان ڈالا اور ازواجِ مطہراتؓ کے بارے میں جو حکم نازل ہوا جسے انہوں نے خوشی کے ساتھ قبول کیا اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اجازت تھی کہ جسے دور رکھیں اور جسے چاہیں قریب رکھیں پھر بھی آپ تقسیم میں برابری فرماتے تھے اور غیر اختیاری رُجحان جو کسی کی طرف تھا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا: اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فیما اَملک فلا تَلُمنی فیما تملک ولا املک اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے لہٰذا آپ اس پر ملامت نہ فرمائیے جو کہ آپ کے اختیار میں ہے (یعنی قلبی میلان) اور جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ ﷺ تمام بیویوں کے لئے باری مقرر کرتے تھے اور برابری فرماتے تھے البتہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی لہٰذا آپ ﷺ ان کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیتے تھے اور سفر میں میں تشریف لے جاتے تھے تو قرعہ ڈالتے تھے اس طرح آپ سب کی دلداری فرماتے تھے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اُسے سب کچھ معلوم ہے اور حلیم بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اُسے سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ

اس کے بعد آپ کے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ بات حلال ہے کہ آپ ان بیویوں کے بدلہ دوسری بیویوں سے نکاح کریں

حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ﴿۵۲﴾

اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھلا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو اور اللہ ہر چیز کا نگران ہے

اس کے بعد آپ کے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ آپ ان بیویوں کے بدلے دوسری عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں

تفسیر: اس آیت کا مطلب ظاہری الفاظ اور سباق کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس وقت (اس آیت کے نزول کے وقت) جو آپ کے نکاح میں عورتیں ہیں آپ انہیں کو اپنے نکاح میں رکھیں ان کے علاوہ کسی عورت سے آپ کو نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ ان میں سے کسی عورت کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور عورت سے نکاح کر لیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دیگر ائمہ تفسیر سے آیت بالا کی یہ تفسیر منقول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواجِ مطہرات کو اختیار دے دیا کہ چاہو تو دُنیا لے لو اور چاہو تو میرے پاس رہو (جس کا ذکر آیت کریمہ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ) میں گذر چکا ہے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے نفقہ کا مطالبہ چھوڑ کر آپ ہی کی زوجیت میں رہنا پسند کر لیا تو اللہ جل شانہٗ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ اپنے نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی انہیں بیویوں کے لئے مخصوص فرما دیا جو اُس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں جن کی تعداد نو تھی اُن کے سوا کسی سے آپ کے لئے نکاح جائز نہیں رکھا گیا۔ صاحب روح المعانی نے سننِ بیہقی سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے پھر حضرت ابنِ عباسؓ سے بھی یہی بات نقل کی ہے (جسه الله تعالى عليهن كما جسهنّ عليه عليه الصلوٰة والسّلام) جب انہوں نے آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنے کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبہ کی قدردانی فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دے دیا کہ اُنکے نکاح میں ہوتے ہوئے یا ان میں سے کسی کو چھوڑ کر ان کے بدلہ میں کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، ساتھ ہی وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ بھی فرما دیا یعنی ان کے علاوہ کسی عورت سے نکاح کرنا آپ کے لئے اب حلال نہیں ہے اگرچہ کسی عورت کا حسن آپ کو پسند آ جائے۔

بعض حضرات نے آیت بالا کی دوسری تفسیر کی ہے وہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع آیت میں آپ کے لئے عورتوں کی جتنی اقسام حلال کی ہیں ان کے بعد یعنی ان کے علاوہ کسی اور قسم کی عورتوں سے آپ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، اپنے خاندان کی عورتوں میں سے آپ ﷺ کے لئے صرف وہ عورتیں حلال کی گئیں جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں غیر مہاجرات سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح غیر مومنہ یعنی اہل کتاب کی عورتوں سے آپ ﷺ کا نکاح جائز نہیں رکھا گیا۔ اور مِنْ بَعْدُ کا مطلب یہ ہوا کہ جتنی قسمیں آپ کے لئے حلال کر دی گئیں آپ انہیں میں سے کسی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں، اگر یہ مطلب لیا جائے تو یہ کسی نئے حکم کا اعادہ نہیں ہے بلکہ پہلے حکم ہی کی تاکید اور توضیح ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے نکاح میں جو موجودہ نو عورتیں ہیں ان کے علاوہ کسی اور سے نکاح درست نہیں، اگر پہلی تفسیر مراد لی جائے تب بھی اس حکم کو منسوخ مانا گیا ہے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا وصال ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے دیگر خواتین سے نکاح کی اجازت دے دی تھی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الاحزاب)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرتِ ازواج کی حکمت اور مصلحت

یہود اور نصاریٰ اور دیگر مشرک اقوام جنہیں اسلام اور داعی اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی ہے اسلام کا مقابلہ کرنے میں دلائل سے عاجز ہیں۔ عقائد اسلامیہ اور اعمال اسلامیہ کی خوبی پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے خلاف کوئی معقول اعتراض نہ کر سکے لیکن ان کے اکابر نے اپنے عوام کو اسلام سے دور رکھنے اور خود بھی دور رہنے کے لئے دو چار ایسے نامعقول قسم کے اعتراضات تراش لئے جو ان کے خیال میں بہت وزنی ہیں۔ اُن اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی شادیاں کی تھیں اور آپ کے نکاح میں بہت سی بیویاں تھیں۔ درحقیقت سب سے پہلے بنیادی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور آپ کے معجزات کو دیکھنا چاہئے جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم نے چیلنج کیا ہے کہ قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر لاؤ اگر تم سچے ہو! آج جبکہ قرآن کے اس چیلنج کو ڈیڑھ ہزار سال کے قریب ہو رہے ہیں کوئی فرد یا جماعت اس کی مثل بنا کر نہیں لا سکی اور لا بھی نہیں سکتے کیونکہ قرآن نے ساتھ ہی وَلَنْ تَفْعَلُوْا بھی فرمادیا ہے۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل اور جامع دین پیش کیا۔ انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی حالات کے قوانین بتائے آداب بھی بتلائے اور اخلاق بھی سکھائے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا تھا کیا یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبی ہیں۔ **لکن الناس یعاندون الحق۔**

جب دلیل سے ثابت ہو گیا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اور بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبی ہیں تو آپ کی ہر بات اور ہر عمل صحیح ہے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے موافق ہے بندوں کے لئے قانون وضع فرمانے والا اور احکام بھیجنے والا اور بعض کو بعض احکام سے مستثنیٰ فرمانے والا وہی ہے۔ چونکہ وہ خالق اور مالک ہے اور سارے بندے اُسی کی مخلوق ہیں اس لئے اُسے اختیار ہے کہ جو احکام نافذ فرمائے اور جسے جس عمل کی اجازت دے دے جو دوسروں کے لئے نہ ہو۔

انہی امور میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرتِ ازواج کا حلال ہونا بھی ہے عام مؤمنین کو بشرطِ عدل چار بیویوں کی اجازت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

پھر یوں فرمادیا لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ آپ ان کے بدلہ دوسری بیویاں حاصل کر لیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھاتا ہو الا یہ کہ کوئی آپ کی باندی ہو)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر آپ بالفرض اللہ کے نبی نہیں تھے اور زیادہ بیویاں رکھنا محض نفسانی خواہشات کیلئے تھا تو آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھ پر آیت کریمہ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ نازل ہوئی ہے اور مجھے اب آئندہ نکاح کرنے سے منع فرمادیا ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص نفس ہی کا پابند ہو گا وہ اپنے اوپر ایسی پابندی کیوں لگائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے چچا حمزہؓ کی فلاں لڑکی بہت خوبصورت ہے اُس سے نکاح فرما لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں اُن کی لڑکی سے میرا نکاح حلال نہیں ہے اسی طرح بعض ازواج

نے اپنی بہن سے نکاح کرنے کی گذارش کی جسے آپ ﷺ نے نامنظور فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ جس کو شہوت رانی سے مطلب ہو وہ قاعدہ قانون اور حرام وحلال کی پرواہ نہیں کرتا خصوصاً جبکہ جو کچھ اس کی زبان سے نکل جاتا ہو اس کے معتقدین کے نزدیک وہی قانون بن جاتا ہو۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب آپ کے فرمانبردار ہی نہیں بلکہ جان نثار بھی تھے اگر آپ ﷺ چاہتے تو بہت سی کنواری لڑکیوں سے نکاح ہو سکتا تھا لیکن آپ کے نکاح میں صرف ایک بیوی ایسی تھی جس سے کنوار پن میں نکاح ہوا یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ان سے نکاح کرنے سے اُمت کے لئے بہت احکام مشروع ہو گئے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑی عمر والے شخص کا کم عمر لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مستقل باب قائم کیا ہے' پھر یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ سسرال ہی میں میاں بیوی کا میل ہو سکتا ہے اور دن میں بھی ہو سکتا ہے۔ روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لائے اور وہیں تنہائی اور یکجائی کا موقع دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ثابت ہوئے' آپ ﷺ قول سے بھی تعلیم دیتے تھے اور عمل سے بھی' آپ ﷺ اُمت کی رہبری نہ فرماتے تو کون بتانے والا تھا جبکہ سب کو آپ ہی کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نو سال آپ کے ساتھ رہیں' اس نو سال کے عرصہ میں انہوں نے بڑی بھاری تعداد میں روایاتِ قولیہ اور فعلیہ کو محفوظ کیا اور پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد اڑتالیس سال تک ان کی تبلیغ فرمائی بڑی بھاری تعداد میں حضرات تابعینؒ نے آپ سے علم حاصل کیا' آپ سے جو روایات مروی ہیں ان کی تعداد ۲۲ سو سے زیادہ ہے' ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتی تھیں منیٰ میں جو آپ کا خیمہ ہوتا تھا وہ ایک بہت بڑا مرکزی دار العلوم بن جاتا تھا' ہمیشہ سے پوری امت مسلمہ آپ کی روایت کردہ قولی اور فعلی احادیث سے مستفید ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ تعداد ازواج کی وجہ سے تعلیمی اور تبلیغی فوائد جو اُمت کو حاصل ہوئے اور جو احکام اُمت تک پہنچے اس کی جزئیات اس قدر کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کا احصاء دشوار ہے کتب احادیث اس پر شاہد ہیں' البتہ بعض دیگر فوائد کی طرف یہاں ہم اشارہ کرتے ہیں۔

انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کی رہبری کی ضرورت نہ ہو' نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات' آل واولاد کی پرورش اور پاخانہ و پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ ﷺ کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتبِ حدیث بھرپور ہیں' اندرونِ خانہ کیا کیا کام کیا' بیویوں سے کیسے میل جول رکھا' اور گھر میں آ کر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا کیا جواب دیا۔ اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواجِ مطہراتؓ کے ذریعہ ہی اُمت کو راہنمائی ملی ہے' تعلیم وتبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر حضور اقدس ﷺ کے لئے کثرتِ ازواج ایک ضروری امر تھا۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے اُن سے نکاح کر لیا تھا' وہ اپنے سابق شوہر کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر تشریف لائیں' ان کے بچوں کی آپ ﷺ نے پرورش کی اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ کس پیار ومحبت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہئے۔ آپ ﷺ کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچوں کے ساتھ آئیں' اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کی تعلیم کا خانہ خالی رہ جاتا اور اُمت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی۔ ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی گود

میں پرورش پاتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالہ میں ہر جگہ ہاتھ ڈال رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا سَمِّ اللّٰہَ وَ کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْکَ۔ (اللہ کا نام لے کر کھا اپنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا) بخاری و مسلم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچی ہوئی ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھی، دوسرے قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آ گئیں، اور ثابت بن قیس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں ان کو لگا دیا گیا، لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کر لیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دوں گی مجھے آزاد کر دو، یہ معاملہ کر کے حضور ﷺ کے پاس آئیں اور مالی امداد کی درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا اس سے بہتر تمہیں بات نہ بتا دوں؟ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں، انہوں نے بخوشی منظور کر لیا، آپ ﷺ نے ان کی طرف سے مال ادا کر کے نکاح فرما لیا، ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہ کی ملکیت میں آ چکے تھے کیونکہ وہ سب لوگ قیدی ہو کر آئے تھے، جب صحابہ کو پتہ چلا کہ جویریہؓ آپ ﷺ کے نکاح میں آ گئی ہیں تو آنحضرت ﷺ کے احترام کے پیش نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کر دیئے۔ سبحان اللہ! حضرات صحابہ کرامؓ کے ادب کی کیا شان تھی، اس جذبہ کے پیش نظر کہ یہ لوگ اب سرکار دو عالم ﷺ کے سسرال والے ہو گئے ہیں ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں، سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں: **فلقد اعتق بتزوجہ ایاھا مائۃ اھل بیت من بنی المصطلق فما اعلم امراۃ اعظم برکۃ علٰی قومھا منھا. الاستیعاب والاصابہ** (آنحضرت ﷺ کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لئے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ابتداء اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے قافلے کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے وہاں ان کا شوہر نصرانی ہو گیا اور چند دن کے بعد مر گیا، آنحضرت ﷺ نے شاہِ حبشہ نجاشی کے واسطہ سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا جسے انہوں نے قبول کر لیا اور وہیں حبشہ میں نجاشی ہی نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت ابوسفیانؓ اس وقت اُس گروہ کے سرخیل تھے جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا اور وہ مسلمانوں کو اور پیغمبرِ خدا ﷺ کو اذیت دینے سے باز نہیں آتے تھے اور انہیں فنا کے گھاٹ اتار دینے کی فکر میں رہتے تھے، جب اُن کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ھُوَ الْفَحْلُ لَا یُجْدَعُ اَنْفُہٗ (یعنی محمد ﷺ جوان مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی) مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں، ادھر تو ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

غرض اس نکاح سے کفر کے ایک قائد کے حوصلے پست ہو گئے اور اس نکاح کی وجہ سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اُس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے مُدبّر اور حکیم رسول (ﷺ) نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہوگا۔

اور اس کثرتِ ازواج کی حقیقت بھی سن لیجئے کہ کس طرح وجود میں آئی پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ رہیں' انکی وفات کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا لیکن صغر سنی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ اپنے والد کے گھر ہی رہیں' پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی عمل میں آئی' اُس وقت آپ ﷺ کی عمر چون سال ہو چکی ہے اور دو بیویاں اس عمر میں جمع ہوئی ہیں' یہاں سے تعددِ ازواج کا معاملہ شروع ہوا' اسکے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا' انہوں نے صرف اٹھارہ ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی' ایک قول کے مطابق تین ماہ آپ ﷺ کے نکاح میں زندہ رہیں پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اُس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی اور اتنی بڑی عمر میں آ کر چار بیویاں جمع ہوئیں' ان کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ یہ کہ چون برس کی عمر تک آپ ﷺ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گذارہ کیا یعنی پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہؓ کے ساتھ گذارے' پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواجِ مطہراتؓ دو تین سال کے اندر حرم نبوت میں آئیں اور ۱۰ھ میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔

اور یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' ان کے علاوہ باقی سب ازواجِ مطہراتؓ بیوہ تھیں جن میں بعض کے دو شوہر پہلے گذر چکے تھے' اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آ کر جمع ہوئی۔

اسلام کے بلند مقاصد اور پورے عالم کی انفرادی و اجتماعی' خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکر کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں' وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں' اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخر عالم ﷺ کے تعدد ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دے رکھا ہے۔ اگر حضور اقدس ﷺ کی سیرت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ ﷺ کی کثرتِ ازواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ کی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گذری کہ سب سے پہلے پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحبِ اولاد بیوہ (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کیا اور پچیس سال تک ان ہی کے ساتھ گذارہ کیا' وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غار حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے' اس کے بعد جو دوسرے نکاح ہوئے پچاس سالہ عمر شریف گذر جانے کے بعد ہوئے' یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوانِ شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا' کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے' آپ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ پر ساحر' شاعر' مجنون' کذاب' مفتری جیسے الزامات تراشنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی لیکن آپ ﷺ کی معصوم زندگی کے بارے میں کوئی ایک حرف کہنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور

نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں کیا یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ چڑھتی جوانی سے لیکر پچاس سال کی عمر ہو جانے تک اس زہد و تقویٰ اور لذائذ دنیا سے یکسوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپ ﷺ کو متعدد نکاحوں پر آمادہ کیا' اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں بتلائی جاسکتی جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے

نَٰظِرِينَ إِنَىٰهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَٱدْخُلُوا۟ فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَٱنتَشِرُوا۟ وَلَا مُسْتَـْٔنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ

منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جایا کرو' پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو'

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى ٱلنَّبِىَّ فَيَسْتَحْىِۦ مِنكُمْ ۖ وَٱللَّهُ لَا يَسْتَحْىِۦ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ وَإِذَا

اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں فرماتا' اور جب تم

سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ

ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو' یہ بات تمہارے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ رسول کو کلفت پہنچاؤ

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا۟ رَسُولَ ٱللَّهِ وَلَآ أَن تَنكِحُوٓا۟ أَزْوَٰجَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦٓ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ

اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو' بیشک تمہاری یہ بات خدا کے نزدیک بڑی بھاری ہوگی'

عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِن تُبْدُوا۟ شَيْـًٔا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾

اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اُسے پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

نزول آیت حجاب کا واقعہ

تفسیر: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول خدا ﷺ نے حضرت زینب ؓ (بنت جحش) سے نکاح کیا (اور ولیمہ کھانے کیلئے آپ ﷺ کے دولت کدہ پر) لوگ حاضر ہوئے تو طعامِ ولیمہ کھا کر وہیں باتیں کرتے ہوئے بیٹھے رہ گئے' حضور اقدس ﷺ نے (چاہا کہ وہ لوگ اُٹھ جائیں لہٰذا آپ نے) ایسا طرز اختیار فرمایا جیسے کہ آپ اُٹھ رہے ہیں (اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ ﷺ کے مزاج میں وسعت اخلاق کے باعث لحاظ بہت تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے صاف طور سے یہ نہ فرمایا کہ چلے جاؤ) وہ آپ ﷺ کو اٹھتے دیکھ کر بھی نہ اٹھے' جب آپ ﷺ نے یہ حال دیکھا تو اُٹھ کر چلے گئے' آپ ﷺ کے اٹھ جانے پر کچھ آدمی تو چلے گئے اور کچھ رہ گئے' حضور اقدس ﷺ (حضرت عائشہ ؓ

کے دروازے تک جا کر یہ سمجھتے ہوئے) واپس ہوئے کہ وہ لوگ نکل گئے ہوں گے۔ جب تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں (لہٰذا آپ ﷺ پھر واپس ہو گئے) اس کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوئے اور چلے گئے، میں نے اُن کے چلے جانے کی خبر آپ ﷺ کو دی، آپ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہونے لگا تو آپ ﷺ نے (مجھ کو روک دیا اور) میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (آخر تک) نازل فرمائی۔

یہ قصہ بخاری شریف میں کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً کئی جگہ مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کہ مدینہ منورہ تشریف لائے اُس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال تھی اور آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ۵ھ میں نکاح فرمایا لہٰذا اس حساب سے اس واقعہ کے وقت حضرت انسؓ کی عمر پندرہ سال ہوئی۔ چونکہ وہ پہلے سے آنحضرت ﷺ کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے اسی وجہ سے جب آنحضرت ﷺ لوگوں کے چلے جانے کے بعد گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت انسؓ نے بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اندر جانے کا ارادہ کیا مگر چونکہ اس اثناء میں پردہ کا حکم آ چکا تھا اسلئے آنحضرت ﷺ نے اُن کو گھر کے اندر جانے سے روک دیا۔ حضرت انسؓ چونکہ شروع واقعہ سے آخر تک موجود تھے اس لئے فرمایا کرتے تھے انا اعلم الناس بھٰذہ (یعنی میں پردہ کی آیت کے متعلق سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں)۔

اس آیت میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ نبی کے گھروں میں داخل مت ہوا کرو، ہاں اگر تمہیں کھانے کیلئے بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ لیکن اس صورت میں بھی ایسا نہ کرو کہ جلدی پہنچ جاؤ اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہو۔ دوسرا حکم یہ فرمایا کہ جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے منتشر ہو جاؤ وہاں سے اُٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہو اور باتوں میں جی لگائے رہو کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں صاف بتاتا ہے اور صاف حکم دیتا ہے کہ تم کھانا کھا کر چلے جاؤ نبی کریم ﷺ کو تکلیف نہ دو۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ جب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کرو، اس میں پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم فرما دیا کہ مردوں کو کوئی چیز طلب کرنا ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے طلب کریں اور عورتیں بھی سامنے نہ آئیں، کوئی چیز دینا ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے دیں۔ پردہ کے اس اہتمام پر مزید زور دیتے ہوئے فرمایا ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

چوتھا حکم یہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کو ایذا مت پہنچاؤ جو لوگ گھر میں بیٹھے رہ گئے تھے ان سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچی تھی، وہ ایک وقتی اور خاص قسم کی ایذا تھی اس کے بعد عمومی حکم فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی کسی بھی قسم کی ایذا مت پہنچاؤ۔

پانچواں حکم فرمایا کہ نبی کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح مت کرنا، اس سورت کے پہلے رکوع میں فرمایا کہ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کہ آپ ﷺ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں اور یہاں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی بیویوں سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ حکم ان پاک بیبیوں کے اکرام و احترام کی وجہ سے ہے، مزید فرمایا: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

عَظِيمًا (بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے) یعنی بہت بڑی معصیت ہے نہ گناہ کا ارادہ کرو نہ کر گناہ کرو۔ اسی کو فرمایا اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ اگر تم ظاہراً کوئی گناہ کرو گے یا اسے پوشیدہ رکھو گے تو دونوں گناہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونگے وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ کو بھی فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے)

واضح رہے کہ جو احکام اوپر مذکور ہوئے ہیں ان میں صرف ایک حکم ایسا ہے جو آنحضرت سرور عالم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی کسی بیوی سے کسی کا بھی نکاح جائز نہیں باقی احکام سب کے لئے برابر ہیں نہ تو کسی کے یہاں بغیر بلائے دعوت میں جائے اور نہ بلائے جانے کی صورت میں کھانا پکنے کے انتظار میں اس کے گھر میں جا کر بیٹھا رہے اور نہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہے بلکہ کھانا کھا کر وہاں سے چلا جائے اگر کسی نامحرم عورت سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کریں نہ عورت سامنے آئے نہ مرد عورت کو دیکھیں۔ آجکل کے بعض جاہل جو پردہ کے دشمن ہیں انہوں نے یہ جاہلانہ نکتہ نکالا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنے کا حکم صرف آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ کے لئے ہے غور کرنے کی بات ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات ؓ کے بارے میں اُمت کے افراد کو یہ حکم ہے کہ پردہ کے پیچھے سے سوال کریں حالانکہ ان کو مسلمانوں کی مائیں بتایا گیا ہے تو دوسری عورتوں سے بغیر پردہ کے سامنے ہو کر بات چیت یا کوئی چیز طلب کرنے کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے خصوصاً اس زمانے میں جو فساد اور فتنوں کا دور ہے۔

پردہ کے بارے میں ہم نے ضروری مضمون سورہ مؤمنوں کی آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اور اس سورت کی آیت وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کے ذیل میں لکھ دیا ہے اور آئندہ رکوع کی پہلی آیت کے ذیل میں بھی اس بارے میں کچھ لکھیں گے۔ اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ
ان بیویوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اپنے باپوں کے بارے میں اور اپنے بیٹوں کے بارے میں اور اپنے بھائیوں کے بارے میں اور اپنے بھتیجوں کے
اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ
بارے میں اور اپنے بھانجوں کے بارے میں اور اپنی عورتوں کے بارے میں اور اپنی لونڈیوں کے بارے میں اور اللہ سے ڈرتی رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر
شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾
چیز پر حاضر ہے۔

عورتوں کو اپنے محرموں کے سامنے آنے کی اجازت ہے

تفسیر: روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب آیت حجاب نازل ہوئی تو ازواج مطہرات ؓ کے آباؤ ابناء اور اقارب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم بھی ان سے پردہ کے پیچھے سے بات کیا کریں اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور ازواج مطہرات کو

اجازت دے دی گئی کہ اپنے باپوں اور بیٹوں اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور بہنوں کے بیٹوں کے سامنے آ سکتی ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وفی حکمھم کل ذی رحم محرم من نسب او رضع علی ماروی ابن سعد عن الزھری (ج ۲۲ ص ۷۴) یعنی آیت کریمہ میں چار رشتوں کا ذکر ہے دوسرے جو محرم ہیں نسب سے ہوں یا رضاع سے اُن کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں والدین کی طرح سے ہیں۔

محرموں سے پردہ نہ کرنے کی اجازت کے ساتھ ہی وَلَا نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے یعنی مسلمان عورتوں سے بھی ان کا کوئی پردہ نہیں ہے البتہ کافر عورتوں کے سامنے نہ آئیں اگرچہ کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہوں۔

مزید فرمایا وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ اور جن کے مالک ہیں اُن کے سامنے آنے میں بھی پردہ نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے باندیاں مراد ہیں، اپنے غلاموں کے سامنے بھی آنا جائز نہیں ہے۔ سورۂ نور کی آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ میں بھی ان رشتہ داروں کا ذکر ہے جن سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے وہاں چند مزید رشتے ذکر فرمائے سورۂ نور کی آیت کی تفسیر ملاحظہ کرلی جائے۔ سورۂ نور میں جو أَوْ نِسَآئِهِنَّ اور یہاں سورۂ احزاب میں وَلَا نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے اس میں جو ضمیر مضاف الیہ ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان عورت کو کافر عورت کے سامنے آنا جائز نہیں۔

سورۂ نور میں مومن عورتوں کو جو پردہ کا حکم دیا ہے اور محارم کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے اس کے عموم میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی آ جاتی ہیں اس کے باوجود یہاں خصوصیت کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا محارم کے سامنے آنا علیحدہ سے بھی ذکر فرما دیا جس سے یہ احتمال رفع ہو گیا کہ شاید انہیں محارم کے سامنے بھی آنا جائز نہ ہو۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرتی رہو) اس میں التفات ہے جو غیوبت سے خطاب کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ نے خطاب کے صیغے کے ساتھ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کیونکہ تقویٰ ہی ہر نیکی کی بنیاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر حاضر ہے یعنی وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے) اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، درحقیقت یہ یقین اور استحضار کہ اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے دلوں میں تقویٰ پیدا ہونے اور اس کے استحضار کے لئے بڑا اکسیر ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی نبی پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو

تفسیر: اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر و بیان میں یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو مزید بلند فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا جو حکم

مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں عام مؤمنین جن پر رسول اللہ ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس کام میں شریک فرما لیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔

آیت شریفہ میں لفظ یُصَلُّوْنَ وارد ہوا ہے جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اللہ اور اُسکے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں۔ لفظ یُصَلُّوْنَ صلوٰۃ سے ماخوذ ہے مفسرین و محدثین نے فرمایا ہے کہ لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ رحمت، دُعا، مدح و ثناء پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اسکی شان اور مرتبہ کے مناسب ثنا، تعظیم اور رحمت و شفقت مراد لیں گے، جیسے کہا جاتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے محبت کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ جو محبت باپ کو بیٹے سے ہے بیٹے کو باپ سے اس طرح کی محبت نہیں ہے۔ نیز بھائی بھائی کی محبت اور باپ بیٹے کی محبت جدا ہوتی ہے لیکن محبت سب کو ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صلوٰۃ کو سمجھ لو کہ اللہ جل شانہٗ نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور فرشتے بھی اور عام مؤمنین بھی، مگر سب کے صلوٰۃ کے معنی ایک ہی نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کی شان کے مناسب صلوٰۃ کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار ہے اور مومنوں کی صلوٰۃ دُعائے رحمت ہے اور ایک میں مدح و ثناء اور تعظیم و توقیر کے معنی ملحوظ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کا ذکر بلند فرمایا اور آپ کے دین کو غالب کیا اور قیامت تک اس کو باقی رکھا اور آخرت میں آپ ﷺ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کو شفاعتِ کبریٰ نصیب فرمائی اور مقامِ محمود عطا فرمایا اور تمام مقربین اور اولین و آخرین پر آپ کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اور لفظ سلام مصدر بمعنی السلامۃ ہے اور مراد اس سے نقائص و عیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے، سلام معنی ثناء کو متضمن ہے اس لئے حرف عَلٰی کے ساتھ عَلَیْکَ یا عَلَیْکُمْ کہا جاتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہاں لفظ سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنٰی میں سے ہے تو مراد اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ سے یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و رعایت کا متولی اور کفیل رہے۔ (از روح المعانی)

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ سرورِ عالم ﷺ پر درود بھیجا کریں علمائے اُمت کا ارشاد ہے کہ اس صیغۂ امر (صَلُّوْا) کی وجہ سے عمر بھر میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے، اور اگر ایک مجلس میں کئی بار آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک کرے یا سُنے تو ذکر کرنے اور سننے والے پر حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ ایک بار واجب ہے پھر مستحب ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ ہر بار درود شریف پڑھے اور آقائے دو جہاں ﷺ کی محبت کا ثبوت دے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ

اس آیت میں لفظ صلوٰۃ وارد ہوا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صلوٰۃ علی النبی کے معنی یہ ہیں کہ شفقت و رحمت کے ساتھ نبی ﷺ کی ثناء کی جائے، پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب ثناء تعظیم اور رحمت و

شفقت مراد لیں گے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ باپ۔

درود شریف کے فضائل: سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا بہت بڑی فضیلت والا عمل ہے، قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے (جیسا کہ آیت بالا میں نظروں کے سامنے) اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی بہت سی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۶۶ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ جل شانہٗ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

سنن نسائی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دس درجات بلند فرماتے ہیں اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس کے دس گناہ (نامۂ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بہت سے فرشتے زمین میں گشت لگاتے پھرتے ہیں اور مجھ کو میری امت کا سلام پہنچا دیتے ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے پاس پہنچ جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ (یہ سب روایت مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۶ ''باب الصلوٰۃ علی النبی وفضلہا'' سے لی گئی ہیں)

''گھروں کو قبریں مت بناؤ'' (اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قبریں عبادت سے خالی ہوتی ہیں اس طرح گھروں کو عبادت سے خالی مت رکھو بلکہ نفل نمازیں ادا کرتے رہو) ''میری قبر کو عید مت بناؤ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عید کے روز زیب و زینت کے ساتھ خصوصی اجتماع ہوتا ہے میری قبر کی اس طرح زیارت نہ کرو بلکہ توقیر و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حاضری دو، آپ ﷺ کا دربار کوئی معمولی دربار نہیں ہے کہ وہاں ہنستے ہوئے جاؤ بلکہ وہ تو شاہ دو جہاں سید الانبیاء ﷺ کا درِ اطہر ہے، اس کی توقیر و عظمت دل میں لے کر حاضر ہونا چاہئے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس شخص پر ستر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ (یعنی ایک درود کے بدلے میں ستر رحمتیں نازل فرمانا) غالباً جمعہ کے روز کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بعض اوقات اعمال کا ثواب وقت کی فضیلت و عظمت کی وجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے، لہٰذا جمعہ کے روز دس رحمتوں کی بجائے ستر رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے دنوں میں سب دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی روز آدم پیدا کئے گئے اور اسی روز انہوں نے وفات پائی، جمعہ کے روز ہی صور پھونکا جائے گا۔ اور جمعہ ہی کے روز صور کی آواز سنکر مخلوق بے ہوش ہوگی، چونکہ جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اسلئے اس روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۵۰)

ارشاد فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے کہ جو بھی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اب اختیار ہے کہ

کوئی بندہ مجھ پر زیادہ درود بھیجے یا کم۔ (ابن ماجہ) مطلب یہ ہے کہ کثرت سے درود بھیجا کرو جیسا کہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں عمل اچھا ہے آگے اختیار ہے کوئی کم کرے یا زیادہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول خدا ﷺ موجود تھے آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب میں نماز پڑھ کر بیٹھا تو اللہ کی تعریف بیان کی پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا' بعد میں اپنے لئے دعا کی' یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مانگ جو مانگے گا ملے گا۔ (ترمذی)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر اس نے دعا شروع کر دی اور کہا ''اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تو نے دعا کرنے میں جلدی کی' آئندہ کے لئے یاد رکھ کہ جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ کر اللہ کی حمد بیان کر جیسی اس کی ذات کے لائق ہے پھر مجھ پر درود بھیج پھر اللہ سے دعا کر۔

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ایک اور شخص نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے دعا کر تیری دعا قبول ہوگی۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر اللہ سے دعا کرے' دعا کے قبول ہونے میں درود شریف کو بڑا دخل ہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے دعا آسمان وزمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ درود شریف کے علاوہ جو دوسرے اذکار و عبادات ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا ثواب نہ دیا جائے لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہی ہوتا ہے' جب دعا کرے تو دعا سے پہلے بھی درود شریف پڑھے اور دُعا کے اخیر میں بھی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے جب دونوں درودوں کو قبول فرمائے گا تو درمیان میں جو دعا واقع ہوگی اُسے بھی قبول فرمائے گا۔ (ذکرہ فی الحصن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا باعث ہوگی۔ اب اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی مغفرت فرمادے۔ (رواہ الترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے اور درود شریف سے خالی نہ رہ جائے۔

جب کسی مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک آئے خواہ خود ذکر کرے یا دوسرے شخص سے سنے تو درود شریف ضرور پڑھے۔ گو کسی مجلس میں آپ کا اسم گرامی سن کر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن اکمل اور افضل یہی ہے کہ جب بھی آپ کا اسم گرامی سنے ہر بار درود شریف پڑھے' احتیاط اسی میں ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھے کیونکہ درود شریف نہ پڑھنے پر وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصلی بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا

ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑا بخیل نہ بتا دوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور ضرور ارشاد فرمائیں، فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ سب سے بڑا بخیل ہے۔ (ترغیب)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ چنانچہ ہم حاضر ہو گئے (اور آپ منبر پر چڑھنے لگے) جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ''آمین'' پھر جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین'' جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین'' جب آپ منبر سے اُترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنیں جو پہلے نہ سنتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ سبب اس کا یہ ہوا کہ جبریل میرے سامنے آئے اور جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا آمین، پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین، پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے دونوں والدین یا ان میں سے ایک بوڑھا ہو جائے اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کریں۔ (الترغیب والترہیب)

ضروری مسئلہ: جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر خود کرے یا کسی سے سنے تو درود شریف پڑھے، اسی طرح جب کوئی مضمون یا تحریر لکھنے لگے تو اس وقت بھی درود شریف کے الفاظ لکھنا واجب ہے، کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم تو ضرور لکھ دے، بعض لوگ اختصار کے طور پر ''صلعم'' یا ''ص'' لکھ دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں پورا صلی اللہ علیہ وسلم لکھیں یا علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھ دیں، صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی بھیجنا چاہئے دونوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے تھے، انہوں نے کہا کہ بیشک آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ اے محمد! کیا یہ بات آپ کو خوش کرنے والی نہیں ہے کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں گا اور آپ کی اُمت میں سے جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اُس پر دس سلام بھیجوں گا۔ (رواہ النسائی)

مسئلہ: صلوٰۃ وسلام دونوں ہی ایک ساتھ پڑھنا چاہئے۔ اگر ایک پر اکتفا کرے تو بعض حضرات نے اس کو خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی بتایا ہے، درود شریف کے بہت سے صیغے احادیث شریف میں وارد ہوئے ہیں اور بہت سے صیغے اکابر سے منقول ہیں، جو صیغے سنت سے ثابت ہیں ان کے مطابق عمل کرنا افضل ہے اور دوسرے صیغوں کے ذریعہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر کس طرح درود بھیجیں، آپ پر سلام بھیجنا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا (یعنی نماز میں جو تشہد پڑھتے ہیں اس میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ بتا دیا) آپ نے فرمایا درود اس طرح پڑھو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اے اللہ درود بھیج محمد پر اور محمد کی آل پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر بیشک آپ مستحق حمد ہیں اور صاحب مجد ہیں' اے اللہ برکت نازل فرمایئے محمد پر اور آل محمد پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آلِ ابراہیم پر بیشک آپ مستحق حمد ہیں اور صاحب مجد ہیں۔ (رواہ البخاری ج ا ص ۴۷۷) یہ درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں' آپ نے فرمایا کہ یوں کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (اے اللہ درود بھیجئے محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل واولاد پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا آلِ ابراہیم پر اور اے اللہ برکت دیجئے محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل واولاد پر جیسا کہ برکت بھیجی آپ نے آلِ ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحب مجد ہیں (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے یہ خوشی ہو کہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود بھیج کر بھر پور طریقے پر ناپ تول کر ثواب لے تو وہ یوں کہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (اے اللہ درود بھیج محمد پر جو نبی اُمّی ہیں اور آپ کے ازواج پر جو اُمہات المؤمنین ہیں اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے اہل بیت پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحب مجد ہیں)(رواہ ابوداؤد ص ۱۴۱)

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے محمد ﷺ پر درود بھیجا اور پھر یوں دعا کی اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اے اللہ ان کو (یعنی حضور اقدس ﷺ کو) قیامت کے روز اپنے قریب مقام میں نازل کیجئو) تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

فائدہ: بعض بزرگوں نے کثرت سے درود شریف پڑھنے کے لئے یہ مختصر درود شریف تجویز کیا ہے: صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَدَدَ مَا فِيْ عِلْمِهٖ۔

درود شریف پڑھنے کی حکمتیں: حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ''نشر الطیب'' میں درود شریف کی مشروعیت کی حکمتیں درج فرمائی ہیں جن میں بعض حضرت ممدوح نے مواہب سے نقل فرمائی ہیں اور بعض ان مواہب خداوندیہ سے ہیں جو حضرت ممدوح کو عطا کی گئیں تھیں۔

(۱) اُمت مرحومہ پر آنحضرت ﷺ کے احسانات بیشمار ہیں کہ آپ نے صرف حکم خداوندی پورا کر دینے کے طور پر تبلیغ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اصلاحِ امت کے لئے تدبیریں سوچیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان کے لئے دُعائیں کیں اور ان کے احتمال مضرت سے رنجیدہ ہوئے لہٰذا آپ محسن بھی ہیں اور احساناتِ خداوندی کا واسطہ بھی ہیں' اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس محسن اور واسطۂ احسان کے لئے رحمت کاملہ کی دعا کرے بالخصوص جبکہ احسانات کے بدلہ سے قاصر اور عاجز بھی ہے لہٰذا شریعت مطہرہ نے اسی فطرت سلیمہ کے مطابق کہیں وجوباً اور کہیں استحباباً درود شریف کا حکم دیا۔

(۲) آنحضرت ﷺ خدا کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے محبت سے کسی چیز کی درخواست کرنا اس درخواست کرنے والے کو اس محبّ کا محبوب بنا دیتا ہے' اگرچہ خداوند قدوس خود اپنے محبوب پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور خدا کی رحمت ملنے کے لئے آنحضرت ﷺ کو ہماری دعائے رحمت کی حاجت نہیں ہے مگر خدا کی جناب میں آپ کے لئے رحمت کی دُعا کر کے خود ہم کو خدا کا قرب اور اس کی رضا میسر ہوتی ہے۔

(۳) آپ کے لئے دعائے رحمت کرنے میں آپ کے کمال عبدیت کے شرفِ خاص کا اظہار ہے کہ آپ کو بھی رحمت خداوندی کی حاجت ہے' نیز اس سے اُن لوگوں کے ظنِ فاسد کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات دیکھ کر امورِ تکوین میں آپ کا دخل سمجھتے ہیں یا احکام شرعیہ کو آپ کے اختیار میں جانتے ہیں۔

(۴) آنحضرت ﷺ بھی انسان ہیں اور بشریت میں اُمت کے ساتھ شریک ہیں کہ اُمت کی طرح کھانے پینے اور دیگر حوائج زندگی کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی تھی بلکہ بعض امور میں اُمت کے افراد آنجناب ﷺ سے بڑھے ہوئے ہیں' مثلاً کثرۃ المال وغیرہ' تو اس وجہ سے ممکن تھا کہ بعض افرادِ اُمت آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر بلکہ بعض امور میں کم دیکھ کر آپ کے اتباع سے گریز کرتے' لہٰذا شریعت مطہرہ نے اس کا علاج کیا اور آپ پر درود شریف بھیجنے کا حکم دیا تاکہ بشری اشتراک اور اپنا مالی امتیاز دیکھ کر کوئی دھوکہ نہ کھائے بلکہ آنحضرت ﷺ پر جو خدا کی رحمت خاص ہے اس کا استحضار کرے اور یہ سمجھے کہ یہ مال و دولت رحمت خداوندی کے سامنے کچھ بھی نہیں بالخصوص جبکہ آپ کے اسمِ گرامی سے قبل لفظ سیدنا و مولٰنا بڑھائے اور تبلیغ دین کی جدوجہد کے بعض احوال آپ کی صفات میں ذکر کرے تو خود کو آپ کا احسان مند ہی پائے گا اور بجائے اپنے نفس کو بڑا سمجھنے کے اپنی ذات کو آنحضرت ﷺ کا محتاج سمجھے گا اور آپ کے واسطہ سے قرب خداوندی حاصل کرے گا۔

(۵) بعض طبائع میں مذاقِ توحید کا غلبہ ہوتا ہے اور اس غلبہ کی وجہ سے واسطوں سے زیادہ متعلق نہیں ہوتیں جن میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں' گو اس اعتقاد و انقیاد کے بعد جو شرعاً واجب ہے یہ عدم زیادت مضر فی الایمان نہیں ہے لیکن کمال یہی ہے کہ جس واسطہ کی طرف التفات کو واحد حقیقی نے اپنی رضا کا ذریعہ بنایا ہے اس کی طرف التفات کرنے کو ذوقاً اور طبعاً بھی شاغل عن التوحید نہ سمجھے' بلکہ مکمل توحید جانے' جیسا کہ محبوب کے قاصد کا اکرام اور اس کی خدمت و مدارت جس قدر عاشق کی جانب سے زیادہ تر ہوگی اُسی قدر محبوب عاشق سے خوش ہوگا اور عاشق بیش از بیش قاصد کی مدارت کرے گا اور اس خدمت کو یہ نہ سمجھے گا کہ محبوب کے لئے میری محنت نہیں ہو رہی ہے بلکہ جس قدر محبوب کی خوشی دیکھے گا اُسی قدر قاصد کی زیادہ خدمت کرے گا۔

پس شریعت مطہرہ نے ذوقی نقص کے دفع کرنے کے درود شریف شروع فرمایا اور صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کا حکم دے کر یہ بتایا کہ خدا تک پہنچانے والے واسطہ کی طرف جس قدر بھی احترام کے ساتھ توجہ کرو گے اللہ جل شانہٗ کی رضا نصیب ہوگی لہٰذا واسطہ کی جانب توجہ کرنے کو خلاف مقصود نہ سمجھو۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ

بلاشبہ جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے دُنیا میں اور آخرت میں ان پر لعنت کی اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا

[1] یہاں ہم نے مختصر لکھ دیا ہے "فضائل صلوٰۃ وسلام" کے نام سے ہمارا ایک رسالہ بھی ہے اُسے بھی ملاحظہ کر لیا جائے

عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ

عذاب تیار فرمایا ہے۔ اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر گناہ کئے ایذا پہنچاتے ہیں

احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾

وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار اُٹھاتے ہیں۔

ایذا دینے والے اور تہمت لگانے والوں کا برا انجام

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کے اکرام واحترام کا حکم دینے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم فرمانے کے بعد آپ کو تکلیف دینے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول (ﷺ) کو تکلیف دیتے ہیں اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کر دی۔ لعنت پھٹکار ڈالنے اور اللہ کی رحمت سے دور ہونے کو کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی لعنت کافروں ہی پر ہے۔ گو بعض معصیتوں پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔ (کن کن افراد پر لعنت وارد ہوئی ہے انہیں ہم نے چہل حدیث میں جمع کر دیا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے) اللہ تعالیٰ تاثر اور انفعال سے پاک ہے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ ایسے افعال کے ارتکاب کو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے سے تعبیر فرمایا ہے جن سے مخلوق کو تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے وہ زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ میں زمانہ ہوں (یعنی میں نے زمانے کو پیدا کیا ہے) سب امور میرے قبضۂ قدرت میں ہیں میں رات اور دن کو اُلٹتا پلٹتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف کی بات سن کر صبر کرنے والا اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں' لوگ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں (حالانکہ وہ اس سے پاک ہے) پھر بھی وہ انہیں عافیت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے۔

حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص کچھ لوگوں کا امام بنا اُس نے قبلہ کی جانب تھوک دیا' رسول اللہ ﷺ اس کی طرف دیکھ رہے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اُس کی قوم سے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے' اس کے بعد اُس نے نماز پڑھانا چاہی تو ان لوگوں نے اسے منع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے باخبر کر دیا۔ اُس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا (یعنی یہ دریافت کیا کہ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے) آپ نے فرمایا ہاں! حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال ہے کہ آپ نے یوں بھی فرمایا کہ بلاشبہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی۔ (رواہ ابوداؤد)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ کو ایذا دینے سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا مراد ہے اور اس میں اور زیادہ آپ کا اکرام ہے کہ آپ کی ایذا دینے کو اللہ تعالیٰ کو ایذا دینے سے تعبیر فرمایا۔ روایات حدیث سے اس معنی کی بھی تائید ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو' اللہ سے

ڈرو،ان کو میرے بعد اپنے اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ نہ بناؤ کیونکہ ان سے جس نے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا میرے بغض کی وجہ سے رکھا' اور جس جس نے ان کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۴ عن الترمذی)

آیت شریفہ میں رسول اللہ ﷺ کو ہر قسم کی ایذا پہنچانے پر ملعون ہونے کا ذکر ہے' بعض حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان باندھا گیا (جس کا ذکر سورۂ مومنون کے دوسرے رکوع میں گذر چکا ہے) تو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہوئے جو اس بہتان کو پھیلانے اور چلتا کرنے کی باتیں کرتے تھے' اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے اس کی شکایت فرمائی کہ یہ شخص مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔

سنن ترمذی کی جو حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے میرے صحابہ کو ایذا دی اس نے ہمیں بھی ایذا دی۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو لوگ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین کو برا کہتے ہیں اور اُن پر تبرا کرتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کا عمل کرتے ہیں لہٰذا قرآن کریم کی رو سے یہ لوگ ملعون ہیں' اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانے والے مستحق لعنت ہیں' پھر اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جو لوگ تکلیف پہنچاتے ہیں اور وہ کام اُنکے ذمہ لگاتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیے یعنی ان پر تہمت باندھتے ہیں' ان لوگوں نے بہتان کا اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے ذمہ اُٹھایا۔ (جس کا وبال آخرت میں بہت زیادہ ہے)

بدزبانی اور بدگوئی پر وعید: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے وہ لوگو! جنہوں نے زبان سے اسلام قبول کیا ہے اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور اُن پر عیب نہ لگاؤ اور ان کے پوشیدہ حالات کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی چھپی ہوئی عیب کی بات کے پیچھے پڑے گا اللہ اُس کے پوشیدہ عیب کے پیچھے لگے گا اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے لگے اُسے رسوا کر دے گا اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی کرے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا سود یہ ہے کہ ناحق کسی مسلمان کی آبرو میں زبان درازی کی جائے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گذرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اُن سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

لوگوں میں غیبت' بدگوئی' چغل خوری اور ایذا رسانی کی جو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں سب اس آیت کریمہ اور حدیث شریف کے مضمون پر غور کریں اور اپنی اصلاح کریں اور زبان پر پابندی لگائیں کہ زبان کا یہ بھیڑیا صاحب زبان ہی کو پھاڑ کھا

جائے گا۔ اگر کبھی کسی چغل خور بدگو کی طرف سے کسی مسلمان کی بے آبروئی ہوتی دیکھیں تو اس کا دفاع کریں اور پارٹ لیں۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے منافق کی باتیں سن کر کسی مومن کی حمایت کی اللہ اُس کے لئے ایک فرشتہ بھیج دے گا جو قیامت کے دن اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا' اور جس شخص نے کسی مسلمان کو عیب لگانے کے لئے کوئی بات کہی تو اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ کے پل (یعنی پل صراط) پر روک دے گا یہاں تک کہ اپنی کہی ہوئی بات سے نکل جائے (یا اُسے راضی کرے جس کی بے آبروئی کی تھی یا عذاب بھگتے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ
اے نبی اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ
جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ
اپنی چادریں نیچی کرلیا کریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی' اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے'
لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ
اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اُڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو اُن پر مسلط کردیں گے'
ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۚۛ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚۛ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا
پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے جو پھٹکارے ہوئے ہوں گے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ ہوگی اور قتل کئے
تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾
جائیں گے۔ جو لوگ پہلے گذرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا یہی دستور رکھا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ردّ و بدل نہ پائیں گے۔

ازواج مطہّرات اور بنات طاہرات اور عام مؤمنات کو پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم' اور منافقین کے لئے وعید

تفسیر: مفسرین نے لکھا ہے کہ رات کے وقت (جب گھروں میں بیت الخلا نہیں بنائے گئے تھے) عورتیں قضائے حاجت کے لئے کھجور کے باغوں میں نشیبی علاقوں میں جایا کرتی تھیں ان میں حرائر (آزاد) عورتیں اور اماء (باندیاں) دونوں ہوتی تھیں۔ منافقین اور بدنفس لوگ راستوں میں کھڑے ہو جاتے تھے اور عورتوں کو چھیڑتے تھے یعنی اشارے بازی کرتے تھے' ان کا دھیان باندیوں کی طرف ہوتا تھا اگر کبھی کسی آزاد عورت کو چھیڑتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو کہہ دیتے تھے کہ ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید یہ باندی ہے۔ نیز دشمنانِ اسلام (جن میں مدینے کے رہنے والے یہودی بھی تھے اور منافق بھی) یہ حرکت بھی کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر میں جب کہیں جاتے تو لوگوں میں رُعب پیدا کرنے والی باتیں پھیلاتے اور شکست کی خبریں اُڑا دیتے اور خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے یوں کہتے تھے کہ دشمن آ گیا دشمن آ گیا۔

آیات بالا میں اول تو یہ حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی بڑی بڑی چادریں جو اتنی چوڑی چکلی ہوں جس میں عورت سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو لپیٹ سکے، اپنی ان چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں) یعنی سر بھی ڈھکے رہیں اور چہرے بھی اور سینے بھی، جب پردہ کا یہ اہتمام ہوگا تو آزاد عورتیں اور باندیاں الگ الگ پہچانی جاسکیں گی کیونکہ کام کاج کے لئے نکلنے کی وجہ سے باندیوں کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے، جس سے چلنے پھرنے اور دیکھنے بھالنے کی ضرورت پوری ہو جائے اور پورا پردہ کرنے کی وجہ سے آزاد عورتوں اور باندیوں میں امتیاز ہو جائے تاکہ بدنفس چھیڑ چھاڑ نہ کرسکیں، گو باندیوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کرنا ممنوع تھا لیکن آزاد عورتوں کو پورے پردہ کا حکم دینے سے ان بدنفسوں کا یہ بہانہ ختم ہوگیا کہ ہم نے باندی سمجھ کر آوازہ کسا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۹)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو حکم دے دو کہ اپنے اوپر چوڑی چکلی چادریں ڈالے رہا کریں۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں، جس سے واضح طور پر روافض کی بات کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ تھیں۔ (احقر نے بنات طاہرات کے احوال میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اُسے ملاحظہ کرلیا جائے) اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو پردہ کرنے کا حکم تھا اسی طرح دیگر مؤمنین کی بیبیوں کو بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔ بعض فیشن ایبل جاہل جو عورتوں کو بے پردہ بازاروں اور پارکوں میں گھمانے کو قابل فخر سمجھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواجِ مطہرات کے لئے تھا عام عورتوں کے لئے نہیں ہے آیت کریمہ سے ان لوگوں کی ان جاہلانہ باتوں کی تردید ہو رہی ہے۔

یہودیوں اور منافقوں کی یہ جو حرکت تھی کہ وہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کریں، اسکے بارے میں فرمایا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ (الآیۃ) اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی ایمان کا ضعف[1] ہے ٹھیک طرح سے مسلمان نہیں ہوئے، اور وہ مدینہ منورہ میں خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو آمادہ اور برانگیختہ کریں گے کہ آپ اُن کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو دُشمن کے ساتھ ہوتا ہے، جب آپ ایسا کریں گے تو وہ آپ کے ساتھ مدینہ منورہ میں تھوڑے ہی وقت تک رہ سکیں گے۔ اس میں خطاب تو ہے رسول اللہ ﷺ کو لیکن تنبیہ ہے اُن لوگوں کو جو بری حرکتیں کرتے ہیں اگر انہوں نے اپنی حرکتیں نہ چھوڑیں تو ہم اپنے نبی کو اُن پر مسلط کردیں گے۔

مَلْعُوْنِیْنَ جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کئے جائیں تو حالتِ لعنت میں پھرتے رہیں گے اُن پر اللہ کی پھٹکار ہوگی۔ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا پھر جہاں کہیں بھی ہوں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کئے جائیں گے۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اللہ نے ان لوگوں میں طریقہ مقرر فرما دیا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں کہ فسادیوں کو قتل کیا جاتا رہے گا اور وہ جلاوطن کئے جاتے رہیں گے اور جہاں کہیں بھی ہوں گے ملعون و ماخوذ اور مقتول ہوتے رہیں گے۔

---

[1] وھم قوم کان فیھم ضعف ایمانھم وقلۃ ثبات علیہ عماھم علیہ من التزلزل وما یستتبعہ مالا خیر فیہ. (روح المعانی)
اور وہ ایسی قوم ہے کہ جس میں ایمان کی کمزوری ہے اور نہ ہی ایمان پر استقامت ہے اس لئے کہ وہ متزلزل ہیں اور اس کے علاوہ ان میں بھی غیر ایمانی رویے ہیں

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا اور آپ اللہ کے طریقہ یعنی عادت مستمرہ میں تبدیلی نہ پائیں گے۔ چونکہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق تکوینی فیصلے ہونا امور فرعیہ میں سے نہیں ہیں اسلئے اس میں نسل کا احتمال نہیں۔

صاحب روح المعانی نے جو اقوال لکھے ہیں اُن میں سے ایک تو یہ ہے کہ منافقین ایذا کے کاموں سے رُک گئے تھے اور جو وعید نازل ہوئی تھی اُس کے ڈر سے اپنے کاموں سے باز آ گئے تھے لہٰذا اغراء اور اخراج اور قتل کا وقوع نہیں ہوا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو تنبیہ کی گئی تھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور مسجد سے نکال کر انہیں ذلیل کیا گیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے بھی آنحضرت ﷺ کو منع فرمادیا اور اس طرح وہ سب کی نظروں میں ملعون ہو گئے۔ یہ تو منافقین کے ساتھ ہوا البتہ یہودیوں کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا یہ قبیلہ بنی نضیر تھا' اور یہود کے قبیلہ بنی قریظہ کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ (خوف وہراس کی خبریں اڑانے میں یہود کا زیادہ حصہ تھا)

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی زمانہ میں

تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ

واقع ہو جائے۔ بے شک اللہ نے لعنت کردی ہے کافروں پر اور ان کے لئے دہکنے والی آگ تیار کی ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ

وہ کوئی یار و مددگار نہ پائیں گے۔ جس دن اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کئے جائیں گے یوں کہیں گے اے کاش کہ ہم نے اللہ کی

اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا

اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی فرمانبرداری کی سو انہوں نے

السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾

ہمیں راستہ سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب انہیں عذاب کا دوہرا حصہ دیجئے اور ان پر لعنت کر دیجئے بڑی لعنت

کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے وہ بھی دوزخ میں اپنے سرداروں پر لعنت کریں گے اور ان کے لئے دوہرے عذاب کی درخواست کرینگے

تفسیر: کافروں اور منافقوں کے سامنے جب قیامت کا ذکر آتا تھا تو اس کے واقع ہونے کا انکار کرتے ہوئے یوں کہتے تھے یہ تو بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے' اس کے واقعہ ہونے کا وقت متعین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتایا نہ کسی فرشتہ کو نہ کسی نبی کو' لیکن اس کا یہ

مطلب نہیں کہ وہ واقع ہی نہ ہوگی' اس کا وقوع مقرر اور مقدر ہے' اس کے آنے میں دیر لگنا اور تمہارے سامنے واقع نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ واقع نہ ہو گی۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا (اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی زمانہ میں واقع ہو جائے) جب آپ کو اس کا وقتِ مقررہ معلوم نہیں اور قرب وقوع کا ہر وقت احتمال ہے تو ان جھٹلانے والوں کو تو بطریق اَولیٰ اس کا وقت مقررہ معلوم نہیں جب ہمیشہ قریب الوقوع ہونے کا احتمال ہے تو ان پر لازم ہے کہ اس سے ڈرتے رہیں اور تیاری کرتے رہیں نہ یہ کہ جلدی مچائیں' مذاق اڑائیں' اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور تنبیہ ہے منکرین کو۔

اس کے بعد کافروں کی بدحالی بتائی اور ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ (الآیۃ) بلاشبہ اللہ نے کافروں پر لعنت کر دی وہ دنیا میں بھی ملعون ہیں اور آخرت میں بھی' اگر دنیا میں کچھ مزے اڑاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور پھٹکار میں ہوتے ہوئے جیتے ہیں' اور ملعونیت کی زندگی کوئی زندگی نہیں اور آخرت میں ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے وہ بھی تھوڑے دن کا یا بہت ذرا دیر کا نہیں بلکہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے' وہاں کوئی یار اور مددگار نہ ملے گا' جس روز اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے' چہروں کے بل دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے تو حسرت کے ساتھ یوں کہیں گے کہ ہائے کاش ہم نے اللہ کی فرمانبرداری کی ہوتی اور رسول کی بات مانی ہوتی' اگر ہم اطاعت کرتے تو آج عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

اس کے بعد یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی فرمانبرداری کی انہوں نے ہمیں ایمان قبول نہ کرنے دیا اور کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے رہے' اس طرح سے انہوں نے ہمیں صحیح راستہ سے اور دین حق سے ہٹا کر گمراہ کر دیا۔

سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا کے عموم میں چھوٹے بڑے چودھری' کفر کے سرغنے' گمراہی کے لیڈر سب ہی داخل ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں ایمان کی فضا بنتی ہے تو قوموں کے لیڈر اور چودھری ایمان سے روکتے ہیں جو شخص اسلام قبول کرلے اُسے واپس کفر میں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں' کفر کی دعوت دینے کیلئے اور اپنی قوموں کو کفر پر جمانے کے لئے ان کے ملوک اور رؤسا اور امراء اور وزراء و اغنیاء بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور اربوں کی تعداد میں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور دنیا میں اپنی بڑائی اور چودھراہٹ باقی رکھنے کے لئے کروڑوں انسانوں کو دوزخ کا ایندھن بنانے اور بنائے رکھنے کی کوششیں جاری رکھتے ہیں' دنیا میں یہ حال ہے لیکن وہاں جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اپنے ماننے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور چھوٹوں بڑوں میں ہر قسم کے تعلقات ختم ہو جائیں گے اور چھوٹے بڑوں پر اور بڑے چھوٹوں پر لعنت کریں گے کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا' یہی عوام اور پبلک کے افراد جو دنیا میں اپنے بڑوں اور چودھریوں کی بات مانتے ہیں دوزخ میں پہنچ کر اپنے بڑوں' لیڈروں اور چودھریوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ان کو دوہرا عذاب دے' خود جو گمراہ تھے عذاب تو انہیں ہونا ہی ہے ہمیں جو انہوں نے گمراہ کیا اس کے عوض بھی ان کو عذاب دے۔

دوزخی لوگ اپنے بڑوں کے لئے یوں بھی دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ان پر بڑی لعنت کیجئے۔ (جو شخص کفر پر مر گیا اس پر لعنت ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا لیکن عوام الناس اپنے بڑوں اور چودھریوں کے لئے خوب بڑی لعنت کا سوال کریں)

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ اٰذَوْا مُوسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا ۭ وَكَانَ عِنْدَ

اے ایمان والو! الوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی سو اللہ نے انہیں اس بات سے بری کر دیا جو ان لوگوں

اللّٰهِ وَجِيهًا ﴿۶۹﴾ يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۷۰﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ

نے کہی تھی، اور موسیٰ اللہ کے نزدیک باوجاہت تھے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال کو صحیح بنا دے گا

اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۷۱﴾

اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے سو وہ کامیاب ہو گیا بڑی کامیابی کے ساتھ۔

ایمان والوں کو خطاب کہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی

تفسیر: صحیح بخاری ص ۴۲، ص ۴۸۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام شرمیلے آدمی تھے اور پردہ کرنے کا خوب زیادہ اہتمام کرتے تھے حتیٰ کہ اگر ان کے جسم کی کھال بھی نظر آ جائے تو اس سے بھی شرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل ننگے نہاتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے، بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے انہیں تکلیف پہنچائی اور یوں کہا کہ یہ شخص اس قدر پردہ کرتا ہے ہو نہ ہو اس کی کھال میں کوئی عیب ہے یا جسم میں برص کے داغ ہیں یا اس کے فوطے پھولے ہوئے ہیں یا کوئی اور تکلیف کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی بات سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا اور قصہ یہ پیش آیا کہ ایک دن انہوں نے تنہائی میں پتھر پر اپنے کپڑے رکھ دیئے پھر غسل فرمانے لگے، غسل کر کے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کا ارادہ کیا ابھی کپڑے لینے نہ پائے تھے کہ جس پتھر پر کپڑے تھے وہ کپڑوں کو لیکر تیزی سے چلا گیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی لی اور پتھر کے پیچھے چل دیئے اور فرمانے لگے کہ اے پتھر میرے کپڑے دے میرے کپڑے دیدے، اسی طرح بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے کیونکہ کپڑے پہنے ہوئے نہیں تھے اس لئے آپ کو انہوں نے برہنہ دیکھ لیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ ان کے جسم پر کوئی بھی عیب نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی اچھی حالت میں پیدا فرمایا ہے، جب ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور مان لیا کہ ان کے جسم میں کوئی عیب نہیں ہے تو پتھر کھڑا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ کی قسم ان کے مارنے سے پتھر میں تین یا چار یا پانچ یا چھ یا سات نشانات پڑ گئے تھے۔

قرآن مجید میں جو یَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَكُونُوا فرمایا ہے اس میں اسی قصے کو بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ایمان والو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی سو اللہ نے انہیں اُن کی باتوں سے بری کر

دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باوجاہت تھے۔

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے لیکن امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو لوگوں نے کیا تکلیفیں دی تھیں؟ اس کے بارے میں بھی صحیح بخاری جلد نمبر ا ص ۴۴۶ اور ص ۴۸۳ میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع پر عرب کے بعض سرداروں میں مال تقسیم فرمایا تھا اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دے دیا۔ وہیں حاضرین میں سے کسی نے یوں کہہ دیا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں انصاف نہیں کیا گیا یا یوں کہہ دیا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان لوگوں کی یہ بات نقل کر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرے گا تو پھر کون انصاف کرے گا؟ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے اُنہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر بھی انہوں نے صبر کیا۔

بات یہ ہے کہ جو مال آنحضرت ﷺ نے تقسیم فرمایا وہ کسی کی ملکیت نہیں تھا وہ اموال فئے تھا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اپنی صوابدید سے تقسیم فرمالیں' کسی کا حق روک کر مال تقسیم نہیں فرمایا تھا اور یہ بات نہ تھی کہ ایک کا حق دوسرے کو دے دیا' پھر اس کو انصاف کے خلاف کہنا ہی ظلم ہے۔ حدیث کی شرح لکھنے والے حضرات نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرنا کفر ہے جس کی سزا قتل ہے لیکن آپ نے مذکورہ بالا بات کہنے والے شخص کو مصلحتاً قتل نہیں کیا کیونکہ تالیف قلب کی ضرورت تھی۔ اہل عرب میں یہ شہرت ہو جاتی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں' اس شہرت کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ اسلام جو پھیل رہا تھا اس میں رکاوٹ ہو جاتی۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اتنی بڑی تکلیف دینے والی بات کو برداشت کر لیا اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی اور انہوں نے صبر کیا' یہ تو ایک تکلیف تھی اس کے علاوہ منافقین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں آپ درگذر فرماتے تھے' جب بھی کوئی شخص دعوت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اسے تکلیفیں پہنچتی ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے برداشت کر کے بتا دیا اور قول سے سمجھا دیا کہ پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ''اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی'' مسلمانوں کو مزید خطاب فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو' ٹھیک بات میں سب کچھ آ گیا سچی بات بھی اور صحیح بات بھی اور عدل و انصاف کی بات بھی اور ہر دینی بات بھی۔ اسی لئے حضرت عکرمہؒ نے فرمایا (کما فی معالم التنزیل) کہ قَوْلًا سَدِيْدًا سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا مراد ہے۔ ترتیب میں اوّلاً تقوے کا ذکر کیا پھر قولِ سدید کہنے کا حکم فرمایا' اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ تقویٰ ہو گا تو بندہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے گا اگر تقویٰ نہ ہو تو اعمال صالحہ اختیار کرنے اور گناہ سے بچنے کی بندہ کو ہمت نہیں ہوتی' اللہ سے ڈرے اور آخرت کی فکر کرے تب قول اور فعل ٹھیک ہوتا ہے۔

پھر تقویٰ اختیار کرنے اور ٹھیک بات کہنے کا انعام بتایا يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول فرمالے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا۔

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں کامیابی ہے: اس کے بعد یہ فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا

(اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے تو وہ بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوگا)

لوگوں میں کامیابی کے بہت سے معیار معروف ہیں، کوئی شخص مال زیادہ ہونے کو کامیابی سمجھتا ہے اور کوئی شخص بادشاہ بن جانے کو کوئی شخص وزارت مل جانے کو اور کوئی شخص جائیداد بنا لینے کو اور کوئی شخص زیادہ پیسوں والی ملازمت مل جانے کو کامیابی سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا معیار بتادیا کہ کامیاب وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

خطبۂ نکاح میں رسول اللہ ﷺ شہادتین کے بعد آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (الآیۃ) اور آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (الآیۃ) اور آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا پڑھا کرتے تھے (پورا خطبہ حصن حصین میں مذکور ہے) آپ ﷺ نے خطبۂ نکاح میں جو تین آیات اختیار فرمائیں ان میں چار جگہ تقویٰ کا حکم ہے اس سے تقویٰ کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوگئی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ
بلاشبہ ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ
انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا، بے شک وہ ظلوم ہے جہول ہے تاکہ اللہ منافقوں کو
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ
اور منافقات کو اور مشرکوں کو اور مشرکات کو سزا دے اور مؤمنین اور مؤمنات پر توجہ فرمائے اور
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۷۳﴾
اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے بارِ امانت اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اُسے اُٹھالیا

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے، پہلی آیت میں امانت سپرد کرنے کا اور دوسری آیت میں نافرمانوں کے لئے عذاب دینے کا اور اہل ایمان پر مہربانی فرمانے کا ذکر ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر امانت پیش کی اور انہوں نے اس کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ اس میں امانت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سے حکم کی فرمانبردی کرنا یعنی فرائض کا انجام دینا مراد ہے، آسمانوں سے اور زمین سے اور پہاڑوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم امانت کو قبول کر لو یعنی احکام کی فرمانبرداری کی ذمہ داری کا اقرار کرو اور ان کی ادائیگی کا بوجھ اٹھاؤ تو ان چیزوں نے کہا کہ اگر ہم ذمہ داری کو برداشت کر

لیں اور احکام پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کرلیں تو اس کا انجام کیا ہوگا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اچھے عمل کرو گے تو اس کا اچھا اجر ملے گا اور اگر نافرمانی کرو گے تو عذاب دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں نہ ہمیں ثواب چاہئے نہ عذاب میں مبتلا ہونے کو تیار ہیں' (تشریعی طور پر اوامر اور احکام کا بوجھ اٹھانا ہمارے بس کا روگ نہیں ہاں ہم تکوینی طور پر مسخر ہیں' آپ کے حکم کے مطابق رہیں گے' اس میں نہ مخالفت کا اندیشہ ہے اور ثواب بھی نہیں عذاب بھی نہیں' ہمیں بے ثواب رہنا منظور ہے عذاب کی برداشت نہیں) ان پر خوف اور خشیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ عذاب کے ڈر سے ثواب چھوڑنے پر بھی آمادہ ہو گئے۔ ان چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ نے امانت پیش فرمائی تھی وہ بطور تخییر کے تھی یعنی اختیار دیا گیا تھا کہ چاہو تو اس کو اپنے ذمہ لے لو چاہو تو نہ لو' لہٰذا انہوں نے تخییر سے فائدہ اٹھایا اور تحمل امانت سے انکار کر دیا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال اٹھائے کہ آسمان و زمین اور پہاڑ تو جمادات ہیں ان سے سوال جواب کیسے ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمارے نزدیک بے فہم ہیں خالق اور مالک سے جو اُن کا تعلق ہے وہ ادراک اور سمجھ کے ساتھ ہے' جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّہِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی' اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں' اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

سورۃ حٰم السجدہ میں فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں تھا' سو اس سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے' دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں)

سورۃ البقرہ میں پتھروں کے بارے میں فرمایا وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ (اور ان میں بعض وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں)

اصل بات یہ ہے کہ پتھروں میں اور دوسری جمادات میں ہمارے خیال میں ادراک اور شعور نہیں ہے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے اور ہمیں وہ احوال معلوم نہیں جو ان پر گذرتے ہیں' اور ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک اور عبادت گذار ہونے کا جو تعلق ہے انسان اس سے واقف نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (جلد۲ ص ۵۸۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اسے پہچانتا ہوں جن دنوں میں میری بعثت ہوئی وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم جلد۲ ص ۲۴۵)

امانت کی تشریح اور توضیح و تفصیل: جب انسان پر امانت پیش کی گئی اور احکامِ الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داری سونپی گئی تو انسان نے اسے قبول کرلیا اور برداشت کرلیا اور یہ مان لیا کہ میں احکامِ الٰہیہ پر عمل کروں گا۔ فرائض کی

پابندی کروں گا واجبات ادا کروں گا۔

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ میں الْإِنْسَانُ سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین کے بیان کے مطابق یہ امانت کی پیشی حضرت آدم علیہ السلام پر ہوئی تھی جذبۂ ثواب میں آ کر انہوں نے قبول کر لیا معصیت کے عقاب کی طرف گویا خاص دھیان نہیں دیا اور تکوینی طور پر بھی انہیں قبول کرنا تھا کیونکہ انہیں خلافت کے لئے پیدا کیا گیا۔ یہ امانت کی پیشی کب ہوئی؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ بھی یوم المیثاق میں ہوا جس کا ذکر آیت کریمہ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ میں مذکور ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ یوم المیثاق سے پہلے کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں پہلے شرمگاہ پیدا فرمائی اور فرمایا کہ یہ امانت ہے اور تیرے پاس ودیعت رکھی جا رہی ہے اسے ضائع مت کرنا صرف حلال جگہ میں استعمال کرنا اگر تو نے اس کی حفاظت کی تو میں تیری حفاظت کروں گا (اس کے بعد فرمایا) لہٰذا شرمگاہ امانت ہے کان امانت ہیں آنکھیں امانت ہیں زبان امانت ہے پیٹ امانت ہے ہاتھ امانت ہیں پاؤں امانت ہیں یعنی ان چیزوں سے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں ان کی خلاف ورزی خیانت ہے اور انہیں احکام الٰہیہ کے مطابق استعمال کرنا ادائے امانت ہے۔ (روح المعانی جلد ۲۲ ص ۹۶ تا ۹۸)

آیت کریمہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا تخونوا الله بترک فرائضه والرسول بترک سنته یعنی فرائض کو چھوڑ کر اللہ کی خیانت نہ کرو اور سنتوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرو۔ (درمنثور جلد ۳ ص ۱۷۸)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت کرنے کے بعد فرمایا وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ اور آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو چونکہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر طرح کی امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے اس لئے ہر خیانت سے نہایت اہتمام کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔ مالی خیانت کو تو سبھی جانتے ہیں مثلاً کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھے اور وہ اس کو کھا جائے یا استعمال کرے یا کم کر دے یا دو شریک آپس میں خیانت کر لیں جو شخص قرض دے کر یا کسی بھی طرح اپنا مال دے کر بھول جائے اس کا حق رکھ لیں وغیرہ وغیرہ یہ سب خیانتیں ہیں اور ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کس کا حق مارا ہے اور کس کی خیانت کی ہے فکر آخرت اور اللہ کا ڈر ہو تو انسان خیانت سے بچ سکتا ہے ورنہ دنیاوی نفع کو دیکھ کر بڑے بڑے دینداری کے دعویدار اس مسئلہ میں کچے پڑ جاتے ہیں ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں دیانتدار ہے چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانتدار ہیں انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی پڑوسی میاں بیوی ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدانِ آخرت میں پکڑا جائے گا مالیات کے علاوہ دیگر امور میں بھی خیانت ہوتی ہے جن کا ذکر احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔

سورۂ نساء میں فرمایا إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں دے دیا کرو) اور سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ (سو اگر

تم میں سے ایک شخص دوسرے شخص پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے وہ دوسرے کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے) سورۂ معارج میں نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ (اور وہ لوگ جو اپنی امانتیں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا ہو اور یوں نہ فرمایا ہو لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (اُس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)

مؤمن کا کام یہ ہے کہ پوری طرح امانت دار رہے' اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کو بھی ادا کرے' سنتوں کا بھی اہتمام رکھے' بندوں کے حقوق بھی ادا کرے اور عہد کی بھی پابندی کرے۔

امانتوں کی کچھ تفصیل ہم نے سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا کے ذیل میں بیان کر دی ہے۔ (انوار البیان ج ۲) اور مستقل ایک رسالہ بھی "امانت وخیانت" کے عنوان سے لکھ دیا ہے اُس کو ملاحظہ کرلیا جائے۔

اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا (بیشک انسان ظلوم ہے جہول ہے) ظلوم کا معنی ہے ظلم کرنے والا ہے۔ اور جھول کا معنی ہے "نادان"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ظلوم کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے۔ اور جہول کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جو امانت کی ادائیگی کا بوجھ اٹھایا وہ اسکے انجام کو نہیں جانتا تھا۔ یہ افراد کے اعتبار سے فرمایا کیونکہ انسانوں میں صالح بھی ہیں' علماء بھی ہیں عارفین بھی ہیں۔ اسی لئے مجموعہ افراد کا انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا لِیُعَذِّبَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ (تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں کو اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو) وَیَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (اور تاکہ رحمت کے ساتھ اللہ متوجہ ہو مومن مردوں اور مومن عورتوں پر) یعنی انسان نے امانت کے بوجھ کو اُٹھالیا' پھر اس ذمہ داری کو نباہنے والے بھی ہوئے اور خلاف ورزی کرنیوالے بھی ہوئے جس کا انجام یہ ہوا کہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب ہو (اس میں اَلْکَافِرِیْنَ وَالْکَافِرَاتِ کا ذکر نہیں ہے کیونکہ جب ان کافروں کا انجام عذاب ہے جو منافق ہیں یعنی زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے انکاری ہیں تو جو لوگ کھلے کافر ہوں گے وہ بطریق اُولیٰ مستحق عذاب ہوں گے) اور ایمان والے مردوں اور عورتوں پر اللہ رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ اس میں ویرحم اللہ کی بجائے ویتوب فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص نافرمانی کے بعد توبہ کرلے گا وہ بھی رحمت اور مغفرت کا مستحق ہوگا۔

آخر میں جو وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا فرمایا اس میں یہ بات بتادی کہ مغفرت فرمانا اور رحم فرمانا اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ ہیں' کافر اور مشرک کی تو مغفرت نہیں جیسا کہ دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے' دنیا میں تو سب ہی پر رحمت ہے اور آخرت میں صرف اہل ایمان پر رحمت ہوگی۔

تم تفسیر سورۃ الاحزاب' والحمد للہ الملک الوھاب' والصّلوٰۃ والسلام

علیٰ رسولہ سیدنا من اُوتی الکتاب' وعلیٰ الہٖ خیر اٰل واصحاب

سُوۡرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرۡبَعٌ وَّخَمۡسُوۡنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوۡعَاتٍ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سورۂ سبا مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں چون آیات اور چھ رکوع ہیں

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِي الۡاٰخِرَةِ ؕ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہے جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے اور اسی کے لئے حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں،

وَهُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ① يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِي الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ

دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ حکیم ہے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ اس میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے اور جو کچھ

السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيۡمُ الۡغَفُوۡرُ ② وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا

آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ اور وہ رحیم ہے غفور ہے۔ اور کافروں نے کہا کہ ہمارے پاس قیامت نہیں

السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّيۡ لَتَاۡتِيَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَيۡبِ ۚ لَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِي

آئے گی۔ آپ فرما دیجئے۔ ہاں میرے رب کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی، میرا رب عالم الغیب ہے، اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِيۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ③ ۙ

آسمانوں میں اور زمین میں غائب نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز ہے نہ بڑی چیز مگر کتاب مبین میں موجود ہے۔

لِّيَجۡزِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ④ وَالَّذِيۡنَ

تاکہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے، اور جن لوگوں نے

سَعَوۡ فِيۡۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيۡنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِيۡمٌ ⑤ وَيَرَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ

ہماری آیات کے بارے میں عاجز کرنے کی کوشش کی اُن لوگوں کے لئے سختی والا دردناک عذاب ہے۔ اور جن کو علم دیا گیا

الَّذِيۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَقَّ ۙ وَيَهۡدِيۡۤ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ⑥

وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور عزیز حمید کے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مستحق حمد ہے اُسے ہر چیز کا علم ہے

اہل ایمان کیلئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے

تفسیر: یہاں سے سورۂ سباء شروع ہو رہی ہے۔ سباء ایک قوم تھی جو یمن میں رہتی تھی اس سورت کے دوسرے رکوع میں ان لوگوں کی بود و باش اور باغوں سے متمتع ہونے کا پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے اس لئے

سورۃ کا نام سورۂ سباء معروف ہوا۔

شروع سورۃ میں ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی مستحق حمد ہے اس دنیا میں بھی اسی کے لئے حمد ہے اور آخرت میں بھی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ بیان فرمائی، اولاً تو یہ فرمایا کہ وہ حکیم ہے، حکمت والا ہے اُس کا کوئی فعل اور کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں، پھر فرمایا کہ وہ خبیر بھی ہے اُسے اپنی مخلوق کی اور مخلوق کی مصالح اور منافع اور مضار کی پوری طرح خبر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے علم کی کچھ تفصیل بیان فرمائی کہ زمین میں جو کچھ داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے وہ ان سب کو جانتا ہے وہ رحمت والا بھی ہے اور مغفرت کرنے والا بھی ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ کی حمد بیان ہوئی جس میں اس کی صفت علم اور صفتِ رحمت اور صفتِ حکمت اور صفت مغفرت کا ذکر آیا ہے اور اس سے توحید بھی ثابت ہوگئی۔ اس کے بعد منکرین قیامت کا قول نقل فرمایا اور ان کی تردید فرمائی۔ ارشاد فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ (اور کافروں نے کہا کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی) قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ (آپ فرما دیجئے کہ ہاں میرے رب کی قسم قیامت ضرور آئے گی) عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (میرا رب عالم الغیب ہے اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں غائب نہیں ہے، اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز ہے نہ بڑی چیز مگر کتاب مبین میں موجود ہے) اس میں منکرین قیامت کی اس بات کا جواب دے دیا کہ جب اموات کی ہڈیاں گل سڑ جائیں گی، اُن کے ذرات کہاں کے کہاں پہنچے ہوں گے، بعض دریا میں مرکر دریائی جانوروں کی غذا بنے ہوں گے اور بعض کو خشکی کے جانوروں نے کھایا ہوگا تو اُن کے اجزاء کس طرح جمع ہوں گے؟ ان کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، کوئی چیز ذرہ بھر بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے، آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، کوئی بھی چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی کتاب مبین میں محفوظ ہے۔

پھر قیامت قائم فرمانے کی غایت بتائی لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (تاکہ اللہ اُن لوگوں کو صلہ دے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (یہ وہ لوگ ہیں جنکے لئے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے) وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے بارے میں عاجز کرنے کی کوشش کی اُن لوگوں کے لئے سختی والا دردناک عذاب ہے) اس میں ان لوگوں کی سزا کا تذکرہ فرمایا ہے جو اہل ایمان کے مخالف ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا کر باطل کر دیں یعنی قیامت کے وقوع کو نہ مانیں اور قیامت کی خبر دینے والے (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو ہرا دیں۔ قیامت قائم ہو کر جس طرح اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کو مغفرت اور رزقِ کریم کا انعام ملے گا اسی طرح منکرین کو دردناک عذاب ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کی غایت جزا اور سزا دینے کے لئے ہے۔

اس کے بعد اہل علم کی تعریف فرمائی: وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (الآیۃ) کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف بھیجا گیا ہے حق سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ بتاتا ہے جو غالب ہے اور مستحق حمد ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ

اور کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسا شخص نہ بتا دیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے

اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۷ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

تو تم ضرور ایک نئی پیدائش میں آ جاؤ گے۔ کیا اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ جو لوگ

بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝۸ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔ کیا انہوں نے اُسے نہیں دیکھا جو ان کے سامنے ہے

مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ

اور جو اُن کے پیچھے ہے یعنی آسمان اور زمین، اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم اُن پر

السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۹

آسمان کے ٹکڑے گرا دیں، بلاشبہ اس میں متوجہ ہونے والے ہر بندہ کیلئے نشانی ضرور ہے۔

کافروں کی طرف سے وقوعِ قیامت کا انکار اور اُن کیلئے عذاب کی وعید

تفسیر: جو لوگ قیامت کے منکر تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آپس میں کہتے تھے کہ کیا ہم تمہیں ایسا آدمی نہ بتا دیں جو تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم بالکل ہی چورہ چورہ ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے طریقے سے پیدا ہو گے، انہیں نئے طور پر پیدا ہونے سے جو تعجب ہوتا تھا اپنے اس تعجب کو اس طرح ظاہر کیا اور اس میں کچھ استہزاء اور تمسخر کا بھی پہلو ہے۔ چونکہ یہ لوگ رسالت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے وقوع قیامت کی خبر کو دو باتوں میں منحصر کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے یعنی وہ بات کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بتائی گئی، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ شخص دیوانگی میں مبتلا ہے، خبر کے سچا ہونے کا اُنکے نزدیک احتمال ہی نہیں تھا اس لئے انہوں نے تیسری بات کا تذکرہ ہی نہیں کیا یعنی یوں نہیں کہا کہ ممکن ہے اس کی بات سچی ہو بلکہ دو ہی باتوں میں منحصر کر دیا حالانکہ ان کی دونوں باتیں غلط ہیں، نہ آپ ﷺ نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور نہ آپ کو دیوانگی ہے۔ اُن کے جواب میں فرمایا: بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ مطلب یہ ہے کہ ہمارا نبی نہ افتراء کرنے والا ہے نہ دیوانہ ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، گمراہی میں اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خبر انہیں جھوٹی معلوم ہوتی ہے اور انہیں دیوانگی کی طرف منسوب کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر ان لوگوں کا تعجب دور کرنے کے لئے فرمایا: اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ،

اس میں یہ بتایا کہ دیکھو تمہارے سامنے آسمان ہیں اور زمین ہے، تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کتنا وجود ہے، کتنی وسعت ہے، یہ بھی مانتے ہو کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا جس نے انہیں پیدا فرمادیا اس کے بارے میں یہ غلط خیال کیسے کرنے لگے کہ وہ چھوٹی سی مخلوق کو یعنی تمہارے وجود کو دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا۔ اسی کو سورۃ المومن میں یوں فرمایا۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (البتہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا لوگوں کے پیدا فرمانے کی بہ نسبت بڑا کام ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) اور سورۃ یٰسٓ میں فرمایا۔ اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اس پر قادر نہیں ہے کہ انکے جیسے پیدا فرمادے) اور سورۂ احقاف میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ فرمائے، کیوں نہیں، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

پھر فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اگر چاہیں تو ان پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں) یعنی آسمان اور زمین کو دیکھ کر یہ لوگ عبرت و بصیرت حاصل نہیں کرتے، ان کے اس انکار و تکذیب کی سزا میں ہم اسی زمین کو اور اسی آسمان کو اُن کے لئے عذاب کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ حکمت کے مقتضا کے باعث گرفت میں جو دیر لگ رہی ہے اس سے دھوکہ نہ کھائیں۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (بلاشبہ اس میں اُس بندے کے لئے بڑی نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو) اور حق کا طالب ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی، اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا، اور ہم نے

اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ان کے لئے لوہے کو نرم کردیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو بلاشبہ میں ان کاموں کو دیکھ رہا ہوں جنہیں تم کرتے ہو۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ

اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کیا اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا اور اس کا شام کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا، اور

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ

جنات میں بعض وہ تھے جو اُن کے سامنے اُن کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، اور ان میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے دوزخ کا عذاب

السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ

چکھائیں گے۔ جنات ان کے لئے ان کی فرمائش کے مطابق بڑی بڑی عمارتیں اور مجسمے اور حوضوں کے برابر بڑے بڑے لگن اور ایسی دیگیں بناتے تھے جو ایک ہی جگہ

رَّسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

جمی رہیں اے داؤد کے خاندان والو تم شکر کا کام کرو اور میرے بندوں میں شکر گذار کم ہوتے ہیں

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام والے انعامات کا تذکرہ

تفسیر: یہاں حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں جس اقتدار اور اختیار اور جن نعمتوں سے نوازا تھا ان میں سے بعض کا تذکرہ ہے۔ سورۂ انبیاء (رکوع نمبر ۵) میں دونوں حضرات کا تذکرہ گذر چکا ہے اور سورۂ صٓ میں بھی (رکوع نمبر ۲ اور رکوع نمبر ۳ میں) آ رہا ہے۔

پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح میں مشغول ہونا: اولاً تو یہ فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ہماری طرف بار بار رجوع ہوں اور ان کے ساتھ ہماری ذکر و تسبیح میں مشغول رہیں۔ لفظ اَوِّبِیْ باب تفعیل سے ہے اور چونکہ مجرد سے بھی اس کا معنی رجوع کرنے کا ہے اس لئے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ رَجِّعِیْ مَعَهٗ التَّسْبِیْحَ وَرَدِّدِیْ بِهٖ کہ داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو۔ اور پرندوں کو بھی حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہیں۔ سورۂ صٓ میں فرمایا ہے: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی حکم دیا تھا جو جمع ہو جاتے تھے سب اس کی وجہ سے ذکر میں مشغول رہتے تھے)۔

یوں تو ہر چیز اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہے جیسا کہ متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے لیکن پہاڑوں اور پرندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی حکم تھا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول رہیں، یہ تسبیح حروف اور کلمات کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس طرح کے معجزات نبویہ بھی کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے جس وقت وہ کھایا جاتا تھا۔ (رواہ البخاری کمافی المشکوٰۃ المصابیح ص ۵۳۸)

جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے تھے اور پرندے بھی آپ کے پاس جمع ہوتے اور مشغول تسبیح ہو جاتے تھے، حضرتِ داؤد علیہ السلام نہایت خوش آواز تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش آوازی کو تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا لقد اُوتی مزمارا من مزامیر آل داود۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۵ عن البخاری و مسلم) (کہ ان کو داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا حصہ دیا گیا)

لوہے کو نرم فرمانا: ثانیاً یہ فرمایا: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ کہ ہم نے لوہے کو داؤد علیہ السلام کے لئے نرم کر دیا، اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ اور انہیں حکم دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ۔ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ اور ان کے جوڑنے میں اندازہ رکھو۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے جو تلواروں کا حملہ روکنے کے لئے زرہیں بنائی جاتی تھیں وہ لوہے کے تختے ہوتے تھے جو جنگ کرنے والا اپنے آگے پیچھے باندھ لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانے کا یہ طریقہ سکھایا کہ پہلے وہ لوہے کے زنجیر نما حلقے بنالیں پھر انہیں آپس میں ایک اچھے اور مناسب انداز میں جوڑ دیا کریں۔ اسی کو سورۃ الانبیاء میں فرمایا:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ (اور ہم نے انہیں زرہ بنانے کی کاریگری سکھائی تا کہ وہ تمہیں تمہاری جنگوں میں محفوظ رکھیں)۔

معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۰۵ میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب حکومت ملی تو آپ ہیئت بدل کر گھوما پھرا کرتے تھے اور اِکا دُکا جو کوئی شخص مل جاتا اُس سے دریافت فرماتے تھے کہ کہو بھائی داؤد کیسے ہیں؟ عام طور سے اس کے جواب میں لوگ ان کی تعریف ہی کر دیتے تھے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے انسانی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا' داؤد علیہ السلام نے اس سے بھی وہی سوال کیا جو دوسرے لوگوں سے کیا کرتے تھے' فرشتے نے کہا کہ ہاں آدمی تو وہ اچھے ہیں اگر اُن میں ایک خصلت نہ ہوتی یہ سنکر حضرت داؤد علیہ السلام متفکر ہوئے اور دریافت کیا کہ وہ کون سی خصلت ہے؟ فرشتے نے جواب دیا وہ یہ ہے کہ وہ خود بھی بیت المال سے کھاتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو بھی اسی میں سے کھلاتے ہیں' یہ بات سنکر آپ کو تنبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میرے لئے کوئی ایسا سبب بنا دیجئے جس سے میرا اور میرے اہل و عیال کا گذارہ ہوتا رہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانی سکھائی اور آپ کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ زرہ بنانے کے لئے انہیں لوہے کو آگ میں ڈال کر نرم کرنے اور ہتھوڑوں سے کوٹنے پیٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی' ان کے ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح پگھل جاتا تھا اور گوندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہو جاتا تھا' روزانہ ایک زرہ بنا لیتے تھے جو چار ہزار درہم (اور ایک قول کے مطابق چھ ہزار درھم) میں فروخت کر دیتے تھے' اُن میں سے اپنی جان پر' اپنے اہل و عیال پر خرچ فرماتے تھے اور فقراءِ بنی اسرائیل پر بھی صدقہ فرماتے تھے۔

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص نے اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اس سے جو حاصل ہو اُس میں سے کھائے' اور فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کھاتے تھے (رواہ البخاری ص ۲۷۸)

اس کے بعد فرمایا: وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور اے داؤد کے گھر والو نیک عمل کرو' اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (بلاشبہ میں تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہوں)

ہوا کی تسخیر: اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو انعامات تھے ان کا تذکرہ فرمایا' انہیں میں سے ایک انعام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر فرما دیا تھا' جہاں جانا ہوتا تھا ہوا کو حکم دے دیتے تھے وہ ان کو اور ان کے لشکر کو لے کر چل دیتی تھی' اور اس کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ صبح کو چلتی تھی تو اُس زمانہ کے مسافروں کی عام رفتار کے مطابق ایک مہینے کی مسافت تک پہنچا دیتی تھی اور شام کو چلتی تو مزید ایک ماہ کی مسافت کو پہنچا دیتی تھی۔

معالم التنزیل میں حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ صبح کو دمشق سے چل کر شام تک اصطخر پہنچا دیتی تھی پھر شام کو اصطخر سے چل کر صبح تک کابل پہنچا دیتی تھی۔ تیز رفتار سوار کے لئے دونوں مسافتیں ایک ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کا کھانا مقام رَے میں کھاتے تھے اور شام کا کھانا سمرقند میں کھاتے تھے۔

تانبے کا چشمہ بہا دینا: دوسرا انعام ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ تانبا مشہور معدنی چیز ہے اور جامد ہے' اُسے برتن وغیرہ بنانے کے لئے پگھلانا پڑتا ہے'

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ کو پگھلے ہوئے تانبے کی نعمت دی اور تھوڑا بہت نہیں بلکہ اس کا چشمہ جاری فرما دیا۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تانبے کا یہ چشمہ یمن کی سرزمین میں تھا۔

جنات کی تسخیر: تیسری نعمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (اور جنات میں سے بعض وہ تھے جو اُن کے سامنے اُن کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے) اللہ تعالیٰ نے جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں لگا دیا تھا' یہ شیاطین ان کے حکم کے مطابق کام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم جنات کے لئے یہ تھا کہ سلیمان (علیہ السلام) کی اطاعت کرو۔ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ (ہمارے اس حکم سے جو سرتابی کرے گا یعنی سلیمان کی حکم عدولی کرے گا ہم اُسے دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے) شیاطین تو تھے ہی ان کو تشریعی طور پر بھی حضرت سلیمان کی اطاعت کا حکم تھا اسکی خلاف ورزی پر عذاب آخرت کی وعید ذکر فرمائی۔

محاریب اور تماثیل کا تذکرہ: يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ یہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کی فرمائش کے مطابق بڑی بڑی عمارتیں اور مجسمے یعنی مورتیاں بناتے تھے۔

لفظ مَحَارِيْبَ محراب کی جمع ہے جس کا ترجمہ عمارتیں کیا گیا ہے' بعض حضرات نے اس کا ترجمہ قصور یعنی محلات کیا ہے' اور بعض حضرات نے مساکن یعنی رہنے کی جگہیں' اور بعض نے اُونچی جگہ یعنی بالاخانہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اور تَمَاثِيْلَ تمثال کی جمع ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات تصویریں بناتے تھے جو تانبا' پیتل' شیشہ اور سفید پتھروں کی ہوتی تھیں۔

جِفَانٍ اور قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ: وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ اور بڑے بڑے لگن بناتے تھے جو حوضوں کی طرح ہوتے تھے۔ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ اور ایسی دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہنے والی تھی۔ جِفَانٌ' جَفْنَةٌ کی جمع ہے جو پیالہ کے معنی میں آتا ہے اور اَلْجَوَابُ جمع ہے جَابِيَةٌ کی۔ جیسے نَوَاصِيْ' نَاصِيَةٌ کی جمع ہے اس کے آخر سے یاء حذف ہوگئی۔ جابیہ بڑے پیالہ کے معنی میں آتا ہے کیونکہ وہ پیالے بڑے بڑے ہوتے تھے اس لئے اوپر لگن کا ترجمہ کیا گیا۔

جنات جو دیگیں بناتے تھے وہ بھی بہت بڑی بڑی ہوتی تھیں جو اپنی جگہوں پر جام رہتی تھیں معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۵۲ میں لکھا ہے کہ ایک پیالہ سے ہزار آدمی کھاتے تھے اور یہ پیالے پایوں والے تھے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے تھے اور سیڑھیوں کے ذریعہ ان تک پہنچتے تھے۔ ظاہر ہے کہ پیالے اتنے بڑے تھے تو دیگیں کتنی بڑی ہوں گی جو اپنی جگہ جمی رہتی تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کا یہ سلسلہ یمن میں تھا۔

ادائیگی شکر کا حکم: اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا 'اے داؤد کے گھر والو شکر کا کام کرو (یعنی تمہیں جو نعمتیں ملی ہیں قولاً وفعلاً ان کا شکر ادا کرو اعمال صالحہ میں لگے رہو) وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (اور میرے بندوں میں شکر گذار کم ہیں)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی (یعنی نماز تہجد) وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے تھے اور رات کے چوتھے حصہ میں پھر سو جاتے تھے۔ (راجع صحیح البخاری کتاب الانبیاء)

اور معالم التنزیل میں حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے رات اور دن کے حصوں کو

اپنے اہل وعیال پر تقسیم کر رکھا تھا' رات اور دن میں جو بھی کوئی وقت ہوتا تھا ان کے گھر کا کوئی نہ کوئی شخص نماز میں مشغول رہتا تھا۔

شریعت محمدیہ میں تماثیل اور تصاویر کا حرام ہونا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جنات اُن کے تابع کر دیئے گئے تھے' ان کے بعض اعمال سورۂ سباء میں اور بعض اعمال سورۂ صٓ میں مذکور ہیں۔ یہاں جنات کے جن اعمال کا ذکر ہے ان میں تماثیل یعنی مورتیاں بنانے کا بھی تذکرہ فرمایا۔ بعض وہ لوگ جنہیں تصاویر سے اور مورتیوں سے محبت ہے وہ تصاویر اور تماثیل کے جواز پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں' یہ ان لوگوں کی غلطی ہے' جب رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا جو قرآن کو اور احکام الٰہیہ کو سب سے زیادہ جانتے تھے تو کسی دوسرے کو کیا اختیار ہے کہ آپ کے حکم سے سرتابی کرے اور جس چیز کو آپ ﷺ حرام قرار دیں اُسے حلال کہے' بات یہ ہے کہ سابقہ امتوں کے لئے بعض چیزیں حلال کر دی گئیں تھیں اور بعض چیزیں ان پر حرام تھیں' شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نے ان حلال چیزوں میں سے بہت سی چیزیں حرام قرار دے دیں' یہ منسوخ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے' خود اس اُمت کیلئے ابتدائے اسلام میں بہت سی چیزیں جائز تھیں پھر ان کو حرام کر دیا گیا' اس میں سے شراب کی ابتداءً حلال ہونا پھر حرام ہونا تو تقریباً سب ہی جانتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۰ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر تصویر بنانے والا دوزخ میں ہوگا' جو بھی صورت اس نے بنائی تھی وہ ایک جان بنا دی جائے گی جو اُسے دوزخ میں عذاب دیتی رہے گی۔ (رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۳۸۵)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ بنایا تھا اس میں جان ڈالو اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۱)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت اور کتے کی قیمت اور زنا کے ذریعہ مال کمانے سے منع فرمایا اور سود کھانے والے اور سود کھلانے والے پر اور گودنے والی اور گدوانے والی پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۲۸۰)

یہ چند حدیثیں ہم نے صحیح بخاری سے نقل کر دی ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں تصویر بنانے اور تصویر رکھنے کی ممانعت ہے' مجموعی حیثیت سے ان کی تعداد تو اتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہے۔ جو لوگ تصاویر و تماثیل کو جائز کہہ رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور وجہ ممانعت کو نہیں دیکھتے اور اپنی طرف سے علتیں نکالتے ہیں پھر یوں کہتے ہیں کہ علت نہ رہی تو حکم بھی باقی نہیں رہا اور خود سے یہ علت نہ نکالی کہ اہل عرب مشرک تھے' اُن کے دلوں میں تصاویر کی اہمیت تھی لہٰذا ان کے دلوں سے تصاویر کی محبت نکالنے کے لئے تصاویر و تماثیل کو حرام قرار دے دیا تھا اب جب علت نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا۔ العیاذ باللہ

آنحضرت ﷺ نے تو یہ علت نہیں بتائی۔ آپ نے تو یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو عذاب ہوگا جو اللہ

تعالیٰ کی صفت خالقیت کے مشابہ بنتے ہیں۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری صفت خالقیت سے ساجھا کرے۔ اگر ایسے ہی پیدا کرنے والے ہیں تو ایک ذرہ پیدا کر دیں یا ایک حبہ یا ایک جو پیدا کر دیں۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۰ ج ۲)

آخر میں ایک اور حدیث سنتے چلیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی، اُس کی آنکھیں ہوں گی ان سے دیکھتی ہوگی اور دو کان ہوں گے جن سے سنتی ہوگی اور ایک زبان ہوگی جس سے بات کرتی ہوگی اور یوں کہے گی کہ میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں، (۱) ہر وہ شخص جو ظالم ہو، عناد کرنے والا ہو (۲) وہ شخص جس نے اللہ کے ساتھ معبود بنا کر کسی کو پکارا ہو (۳) جو تصویر بنانے والا ہو۔ (رواہ الترمذی)

ایک شخص داڑھی منڈی ہوئی، پتلون پہنے ہوئے نصرانی صورت میں احقر سے بھڑ گیا کہنے لگا کیمرہ تو بہت سے بہت ڈیڑھ سو سال پہلے کی ایجاد ہے، میں نے کہا گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرو تو توبہ کی توفیق بھی ہو جائے گی اور اگر گناہ کو حلال کرنے کی کوشش کی جائے گی تو گناہ ڈبل ہو جائے گا اور گناہ حلال نہیں ہوگا اور حلال سمجھنے کی وجہ سے توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے کسی آلہ کی تخصیص تو نہیں فرمائی کہ تصویر ہاتھ سے بناؤ گے تو فرشتے گھر میں داخل نہ ہوں گے اور کسی آلہ کے ذریعہ سے تصویر کھینچو گے تو فرشتوں کو ناگواری نہ ہوگی، اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ عمل یضاھؤن خلق اللہ میں شامل نہیں۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو اُن کو سلیمان کی موت کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا،

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

سو جب وہ گر پڑے تو جنات کو پتہ چلا کہ اگر جن غیب کو جانتے ہوتے تو ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ ٹھہرے رہتے۔

جنات غیب کو نہیں جانتے، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات سے بے خبر رہے

تفسیر: جیسا کہ پہلے معلوم ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے بڑے بڑے کام لیتے تھے، ان میں سخت کام بھی ہوتے تھے اور ان میں سے بعض شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ کر بھی ڈالتے تھے، کما ذکر اللہ فی سورۃ صٓ (وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ) جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وہ ایک لاٹھی لے کر اپنی ٹھوڑی سے لگا کر تخت پر بیٹھ گئے، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی موت آنے کا فیصلہ فرما دیا لہٰذا اُن کو موت آ گئی، جنات یہ سمجھ کر کہ آپ بیٹھے ہیں اور ہمیں دیکھ رہے ہیں برابر کاموں میں لگے رہے اور تکلیفیں اٹھاتے رہے ان میں سے چھوٹے درجے کے جنات کو ایسا خیال تھا کہ جو ہمارے بڑے ہیں وہ غیب کو جانتے ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں جو بڑے جنات تھے وہ خود بھی اپنے بارے میں غیب

دانی کا دعویٰ کرتے ہوں، حضرت سلیمان علیہ السلام کو موت بھی آ گئی اور بدستور لاٹھی سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے اور لاٹھی کو گھن کا کیڑا کھاتا رہا۔ جب ایک سال گذرا تو گھن کھانے کی وجہ سے لاٹھی ٹوٹ گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاش گر پڑی اب جو لاش گری تو جنات کو پتہ چل گیا کہ ارے یہ تو مرے ہوئے تھے ان کا بیٹھا رہنا اور ٹکا رہنا لاٹھی کی ٹیک کی وجہ سے تھا' پھر حساب لگایا کہ گھن کے کیڑے نے کتنے دن تک لاٹھی کو کھایا ہوگا تو اندازہ ہوا کہ ایک سال تک کیڑے نے لکڑی کو کھایا ہے جس کا ہمیں اب پتہ چلا ہے' اگر ہم پہلے ہی سے اس بات کو جان لیتے کہ ان کو موت آ چکی ہے تو مشقت کے کاموں میں کیوں لگے رہتے جو ہمارے لئے باعث عذاب بنے ہوئے تھے اور ہماری ذلت کا باعث تھے' اُن کا غیب دانی کا جو دعویٰ تھا وہ غلط نکلا اور پوری طرح یہ واضح ہو گیا کہ جنات غیب کو نہیں جانتے' یہ غلط فہمی اس اُمت کے بعض لوگوں کو بھی ہے' حالانکہ علم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے لئے مخصوص ہے' کسی رسول یا فرشتے کو جو کچھ علم حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ ہی کے عطا فرمانے سے ملا' سورۂ آل عمران میں فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے واقعہ سے پوری طرح عیاں ہو گیا کہ جنات غیب دان نہیں ہیں۔

قولہٗ تعالیٰ مِنسَأَتَهٗ قال صاحب الرّوح وَالمنسأة من نسأت البعيرا ذا طردته' لانها يطردبها أومن نسأته اذا اخرته ومنه النسئ' ويظهر من هٰذا انها العصا الكبيرة الّتى تكون مع الراعى واضرابه.

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ

واقعی بات ہے کہ قوم سبا کے لئے ان کے ٹھہرنے کی جگہ میں بڑی نشانی تھی' دائیں بائیں دونوں طرف باغوں کی قطاریں تھیں'

رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝١٥ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

کھاؤ اپنے رب کے رزق سے اور اس کا شکر ادا کرو عمدہ شہر ہے اور رب بخشنے والا ہے۔ سو انہوں نے روگردانی کی لہٰذا ہم نے ان پر بند کا سیلاب

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝١٦ ذٰلِكَ

بھیج دیا اور ہم نے ان کے باغوں کے بدلہ میں دو ایسے باغ دے دیئے جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت تھے۔ ہم نے

جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝١٧ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ

انہیں یہ سزا ان کے کفر کی وجہ سے دی اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اُن کے درمیان اور اُن بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے

بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝١٨

برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان کے درمیان اُن کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا ان میں راتوں کو چلو اور دن میں چلو امن و امان کے ساتھ۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ

سو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب دوری کر دیجئے ہمارے سفروں کے درمیان' اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' سو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور انہیں

كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ

پوری طرح تتر بتر کر دیا بیشک اس میں ہر صابر وشاکر کے لئے بڑی عبرتیں ہیں' اور یہ بات واقعی ہے کہ ان کے بارے میں ابلیس نے

ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا

اپنا گمان صحیح پالیا سو سب اسکے اتباع میں لگ گئے سوائے مومنین کی تھوڑی سی جماعت کے۔ اور ابلیس کا ان لوگوں پر کوئی زور نہ بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِىْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٢١﴾

یہ جان لیں کہ آخرت پر ایمان لانے والا کون ہے جو اُن لوگوں سے علیحدہ ہے جو اُس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز پر نگران ہے۔

قوم سباء پر اللہ تعالیٰ کے انعامات'
پھر ناشکری کی وجہ سے نعمتوں کا مسلوب ہونا

تفسیر: سبا ایک قوم تھی جو اپنے جدِ اعلیٰ سبا ابن یشجب کی طرف منسوب تھی' یہ لوگ یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھے اور یمن میں رہتے تھے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو بہت نوازا تھا' دائیں بائیں باغوں کی قطاریں چلی گئی تھیں' انہیں میں رہتے سہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرتے تھے' ان کے علاقہ کا نام مارب تھا جو شہر صنعاء سے (جواب بھی موجود ہے) تین دن کی مسافت پر تھا' ان کو حکم دیا تھا کہ اپنے رب کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر بھی کیا کرو۔ روح المعانی میں مجمع البیان سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تیرہ بستیاں تھیں اور ہر ہر بستی میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایک نبی مبعوث ہوا تھا جو انہیں اس بات کی ترغیب دیتا تھا کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس شکر ادا کرو۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ (کہ یہ جگہ جہاں تم بستے ہو عمدہ جگہ ہے) جس کی آب وہوا بھی اچھی ہے اور سرزمین بھی کاشت وغیرہ کے اعتبار سے بہترین ہے نہ اس میں جوئیں ہیں نہ کھٹمل نہ دوسرے کیڑے مکوڑے۔ (من روح المعانی)

وَرَبٌّ غَفُوْرٌ اور تمہارے رب بخشنے والا ہے۔ اس کی عبادت اور شکر گذاری میں لگے رہو' کوئی قصور اور گناہ ہو جائے تو معافی مانگ لو وہ بخش دے گا۔

یہ لوگ ان نعمتوں میں مست تھے' جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اُسے خود اپنے ہوش گوش کے ساتھ اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے لیکن ان لوگوں نے توجہ دلانے پر بھی شکر ادا نہ کیا' جسے فَاَعْرَضُوْا سے تعبیر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ناشکری کی سزا دے دی اور ان پر عذاب بھیج دیا' یہ عذاب کیا تھا ایک سیلاب تھا اور یہ سیلاب بھی سخت تھا' جو بند بنا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا اور سیلاب نے ان کے گھروں کو' مکانوں کو' باغوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ وہ جو باغوں کی قطاریں تھیں سب برباد ہو گئیں اور ان کی جگہ ایسے باغ نکل آئے جن کے پھل کڑوے تھے اور کچھ جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیری کے' اب تو افسوس کے ساتھ ہاتھ ملتے ہوئے رہ گئے لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت جب سب کچھ بہا کر لے گیا سیلاب''۔ سیلاب کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا: وَهَلْ نُجٰزِىْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (اور ہم سزا نہیں دیتے مگر ناشکرے ہی کو)

لفظ الْكَفُوْرَ میں سب سے بڑی ناشکری یعنی کفر بھی داخل ہے اور مدعیان اسلام کی قولی و عملی ناشکری بھی ناشکرا آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ میری نعمتیں چھینی بھی جا سکتی ہیں اپنی نعمتوں میں مست رہتا ہے اُنہیں گناہوں میں خرچ کر کے ناشکری میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے پھر سزا میں پکڑ لیا جاتا ہے۔

سورۃ النحل میں فرمایا ہے: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں سو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی حرکات کے سبب انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا)

اس کے بعد ان لوگوں کے انعامات کا اور ان کی ناشکریوں کا کچھ مزید تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً (اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو ظاہر تھے) یہ گاؤں برلب سڑک تھے جب ایک بستی سے دوسری بستی تک گذرنا ہوتا تھا تو یہ گاؤں نظر آتے تھے اگر کوئی ٹھہرنا چاہتا تو ان میں ٹھہر سکتا تھا اور یوں بھی بار بار آبادی نظر آنے سے سفر کی وحشت اور دہشت کم ہو جاتی ہے آبادیوں کا برابر مسلسل اور متصل ہونا یہ بھی اہل سباء پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا سے ملک شام کی بستیاں مراد ہیں جب یہ لوگ اپنے علاقہ سے ملک شام جاتے تھے تو راستہ میں قریب قریب بہت سی بستیاں آتی تھیں جن کے قریب سے گذرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ برکت والی بستیوں سے خود اہل سبا ہی کی بستیاں مراد ہیں جو بڑی بڑی بستیاں تھیں اور قُرًى ظَاهِرَةً سے چھوٹی بستیاں مراد ہیں جو بڑی بستیوں سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں اور سفر کرنے والے کو عموماً نظر آتی تھیں۔

وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ (اور ہم نے ان کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا) یعنی ان بستیوں کے درمیان جو مسافت تھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقدار معین کے ساتھ رکھی تھی مثلاً کوئی شخص صبح کو روانہ ہوتا تو دوپہر ہونے تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا اور ظہر کے بعد چلتا تو غروب آفتاب تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا تھا۔ کھانا دانہ ساتھ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور دشمن کا بھی کوئی خوف نہ تھا۔ بعض مفسرین نے بطور مثال مناسب اندازہ کے رفتار کا مطلب بتاتے ہوئے یہ بات کہی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک بستی سے لے کر دوسری بستی تک ایک میل کی مسافت تھی۔

سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ تم ان بستیوں کے درمیان راتوں کو اور دن کو یعنی جب چاہو امن و امان کے ساتھ سفر کرو) تمہارے راتوں کے سفر بھی پر امن ہیں جبکہ ان میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے اور دن کے اسفار بھی پر امن ہیں بغیر کسی خوف کے جب تک اور جہاں تک چاہو سفر کرو۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا (سو اُن لوگوں نے کہا کہ اے ہمارے رب دوری کر دیجئے ہمارے سفروں کے درمیان) جب انسانوں کو مال مل جاتا ہے اور نعمتیں بہت ہو جاتی ہیں تو اترانے لگتے ہیں بغاوت پر اُتر آتے ہیں اور نعمتوں کی ناقدری کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال اہل سباء کا ہوا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جو حکم ہوا تھا اُس پر تو عمل نہ کیا اور

ایسی سمجھ اُلٹی اور عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے یوں بددعا کی کہ یہ جو ہمارے علاقہ میں آسانیاں ہیں، قریب قریب آبادیاں ہیں اور طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں اور سب کا حال برابر ہے ہمیں یہ منظور نہیں، ہماری تجارت گاہیں دور ہو جائیں تو اچھا ہے تاکہ دور دراز شہروں بازاروں اور منڈیوں سے اپنی ضرورت کی چیزیں لایا کریں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں فخر و کبر کا دخل تھا، مطلب یہ تھا کہ جب بھی برابر ہیں تو کسی کو کسی پر بڑائی جتانے اور مالداری کا غرور ظاہر کرنے کا موقع بالکل نہیں ہے اب جب دور کے سفر کرنے پڑیں گے تو سب لوگ تو نہیں جاسکیں گے، بڑے بڑے مالدار جو سواریوں کے مالک ہوں گے وہی جاسکیں گے اور مال لاسکیں گے، فقراء اور کم پیسے والے ان کے محتاج ہوں گے تو ذرا تمکنت اور غرور اور بڑائی ظاہر کرنے کا موقع ملے گا، یہ بددعا اپنے حق میں کر بیٹھے وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرلیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ (سو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی بستیوں کو برباد کر دیا، دنیا والوں میں جو اُن کی نعمتوں کی اور باغوں اور شہروں کی شہرت تھی بس دوسروں کے لئے وہ ایک افسانہ بن کر رہ گئی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اَحَادِيْث جمع ہے اُحْدُوْثَة کی، اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے احوال کے تذکرے زبانوں پر رہ گئے جیسے وقت گذاری کے طور پر لوگ قصے کہانیاں بیان کیا کرتے ہیں۔

وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (اور انہیں پوری طرح تتر بتر کر دیا) ان کا ملک بھی برباد ہو گیا اور قبیلے بھی منتشر ہو گئے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (بلاشبہ اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لئے جو خوب صبر کرنے والا ہو اور خوب شکر کرنے والا ہو) قوم سبا کا حال سن کر جو کوئی شخص سرکشی سے بچا رہے اطاعت پر جمارہے، شکر کی شان رکھتا ہو وہ ان لوگوں کے قصہ سے بڑی عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ (الآیتین) (اور یہ بات واقعی ہے ان کے بارے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پا لیا، سو اُسی کے اتباع میں لگ گئے سوائے اہل ایمان کی تھوڑی سی جماعت کے، اور ابلیس کا ان لوگوں پر جو کچھ زور تھا صرف اس لئے تھا کہ ہم یہ جان لیں کہ آخرت پر ایمان لانے والا کون ہے جو ان لوگوں سے علیحدہ ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہے اور آپ کا رب ہر چیز پر نگراں ہے) ابلیس نے ملعون قرار دیئے جانے کے بعد جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں یوں عرض کیا تھا کہ میں بنی آدم کو بہکاؤں گا، ورغلاؤں گا اور ان میں سے اکثر کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہوں گے (وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ) اُس نے اپنے اس گمان کو سچ کر دکھایا یعنی اُس نے جو کچھ کہا تھا صحیح پایا اکثر بنی آدم اس کے اتباع میں لگ گئے مگر تھوڑے سے افراد جو مومن بندے ہیں اُنہوں نے اس کا اتباع نہیں کیا۔

شیطان نے جو ان لوگوں پر غلبہ پایا اُس کا سبب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قوت دی اور انسان کو امتحان میں ڈالا، اس میں خیر اور شر کو قبول کرنے کی استعداد رکھی تاکہ ثواب یا عتاب کا مستحق ہو سکے، موت اور حیات امتحان کے لئے رکھی ہے، انسان پر جبر اور اکراہ نہیں رکھا تاکہ وہ جو کچھ کرے اپنے اختیار سے کرے اور ابلیس کا تسلط بھی اسی سلسلۂ امتحان کی ایک کڑی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں ایک ممنوع درخت کے کھانے پر نکالے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا: فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (پس اگر تمہارے پاس میری ہدایت آئے تو جو لوگ اس کا اتباع کریں گے اُن پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو وہ آگ میں جانے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

جب بنی آدم دنیا میں آئے تو اختیار بھی ساتھ لائے' ہوش گوش بھی ملا اور امتحان کے لئے شیطان کو بھی وسوسے ڈالنے کا موقع دے دیا گیا اور ساتھ ہی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت بھی سامنے آتی رہی اور لوگ ان کے معجزات بھی دیکھتے رہے' لہٰذا انسانوں کے لئے اپنے خالق اور مالک کی الوہیت اور اس کے رسولوں کی دعوت کی حقانیت میں کسی طرح کا کوئی شک کرنے کا موقع نہ تھا لیکن بہت سے لوگوں نے شک کیا' حق میں شک کرنا کفر ہے جس کی وجہ سے مستحق عقاب وعذاب ہوئے۔

اس آیت میں بتا دیا کہ شیطان کو جو تسلط دیا گیا کہ وہ وسوسہ ڈال سکے اُس کی حکمت یہ تھی کہ ہمیں علم ظہوری کے طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ کون لوگ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں اور کون لوگ شک میں پڑنے والے ہیں' لیکن یہ تسلط ایسا نہیں ہے کہ جبر اور اکراہ کے درجہ میں ہو جس سے انسان مجبور محض بن جائے اور ہوش و گوش اور اختیار باقی نہ رہے۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۔ (اور آپ کا رب ہر چیز کا نگران ہے) اُسے سب کے حال کی خبر ہے وہ ہر ایک کو ایمان اور عدم ایمان کی صفت کے اعتبار سے جزا اور سزا دے گا۔ **قولہٗ تعالیٰ: سَيْلَ الْعَرِمِ اى الصعب من عرم الرجل المثلث الراء فهو عارم وعرم اذا شرس خلقهٗ وصعب وفى معناه ما جاء فى رواية عن ابن عباس من تفسيره بالشديد' وقيل: العرم المطر الشديد وقال ابن جبير العرم المسناة بلسان الحبشة' وقولهٗ تعالىٰ: خمط اى حامض اومر' وعن ابن عباس الخمط الأراك ويقال لثمره مطلقا او اذا اسود و بلغ البربر' وقيل شجرة الغضا ولا اعلم هل لهٗ ثمرام لا' وقال ابو عبيدة كل شجرة مرة ذات شوك' وقولهٗ تعالىٰ: وَاَثْلٍ هو ضرب من الطرفاء على ماقاله ابو حنيفة اللغوى فى كتاب النبات لهٗ ونقل الطبرسى قولا انه سمر. (من روح المعانى ج ۲۲ ص ۱۲۶' ۱۲۷)** (اللہ تعالیٰ کا قول سَيْلَ الْعَرِمِ یعنی سخت وشدید سیلاب کہتے ہیں عرم الرجل راء کے زبر' زیر اور پیش کے ساتھ عارِمٌ جبکہ کوئی آدمی تند خو اور بد اخلاق ہو۔ اور اس کا وہ معنی بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے اس کی تفسیر شدید سے کی ہے اور بعض نے کہا اَلْعَرِم' شدید بارش کو کہتے ہیں ابن جبیر کہتے ہیں حبشیوں کی زبان میں کوہان کو کہتے ہیں اور "خمط" یعنی کھٹا یا کڑوا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ خمط کا معنی ہے "پیلو" اور پیلو کے پھل کو بھی کہتے ہیں خواہ کچا ہو یا پکا یا اس وقت کہتے ہیں جب وہ سیاہ ہو جائے اور بعض نے کہا جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا پھل بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں خمط ہر اس درخت کو کہتے ہیں جو کڑوا ہو اور کانٹے دار ہو اور اَثْلٍ یہ بھی جھاؤ کی طرح کے ایک درخت کو کہتے ہیں یہ معنی ابو حنیفہ بغوی نے اپنی کتاب النبات میں لکھا ہے اور طبرسی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اَثْلٍ کا معنی ہے کیکر)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے سوا تم نے جنہیں معبود سمجھ رکھا ہے انہیں پکارو' وہ ایک ذرّہ کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ

الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝۲۲ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

زمینوں میں اور ان دونوں میں ان کا کچھ ساجھا نہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار نہیں۔ اور اس کے پاس سفارش کام نہیں دے سکتی

عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ

سوائے اس کے جس کے لئے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب میں کہتے ہیں کہ حق ہی فرمایا اور وہ

الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۲۳

برتر ہے بڑا ہے۔

مشرکین نے جن کو شریک قرار دیا ہے نہ انہیں کچھ اختیار ہے نہ آسمان و زمین میں ان کا کوئی ساجھا

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں مشرکین کی تردید فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا تم نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے اور یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ خدائی میں دخیل ہیں ذرا انہیں اپنی کسی حاجت کے لئے پکارو تو سہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ ذرّہ برابر بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور یہ بھی سمجھ لو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی کوئی شرکت نہیں ہے اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا مددگار نہیں ہے، نہ ایجادِ عالم میں ان کا کوئی دخل ہے نہ اس کے باقی رکھنے میں نہ تصرفات میں۔

اور یہ بھی سمجھ لو کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ عالی میں کسی کے لئے کوئی شفاعت کام نہیں دے سکتی، تم لوگ جو یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے تجویز کردہ معبود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر دیں گے تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ (کیونکہ ان میں بہت سے تو بے جان ہیں وہ شفاعت کو کیا جانیں، ان میں اس کی قابلیت ہی نہیں) اور ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہم السلام کی سفارش کی بھی کوئی اُمید نہ رکھو جن کو تم نے معبود بنایا ہے اور سفارش کرنے والا سمجھا ہوا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس شخص کے بارے میں اجازت دی جائے گی مقبولان بارگاہ الٰہی اُسی کے لئے سفارش کر سکیں گے، اور مشرکین اور کافروں کے لئے اجازت نہ ہو گی لہٰذا تم جو اُن کی شفاعت کے اُمیدوار ہو تمہاری یہ اُمید بھی غلط ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (اور وہ اسی کیلئے سفارش کریں گے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو گی اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں)

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ اس میں فرشتوں کی گھبراہٹ، خوف اور خشیت کا تذکرہ فرمایا، مطلب یہ ہے کہ یہ فرشتے جنہیں معبود تجویز کر کے ان کی شفاعت کی اُمید لئے بیٹھے ہو ان کا اپنا خود یہ حال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا حکم ہوتا ہے تو ہیبت کے مارے گھبرا اُٹھتے ہیں شدت ہیبت کی وجہ سے ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے جب فرمانِ عالی پورا ہو جاتا ہے اور ہیبت کی کیفیت دور ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا۔

پھر بعض بعض سے کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے حق ہی فرمایا۔

جہاں ہیبت کا یہ عالم ہے وہاں شفاعت کی کیا مجال ہو سکتی ہے' ملائکہ مقربین گھبراتے ہیں اور خوف زدہ ہوتے ہیں تو اصنام اور شیاطین کس شمار میں ہیں' اسی سے سمجھ لیا جائے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (وہ بلند ہے بڑا ہے) اس کی بارگاہ میں وہی شفاعت کر سکتا ہے جسے شفاعت کی اجازت ہو اور اُسی کے لئے شفاعت کر سکتا ہے جس کے لئے شفاعت کی اجازت ہو' مشرکوں کی حماقت دیکھو کہ خود ہی اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کئے اور خود ہی یہ تجویز کر لیا کہ وہ ہماری سفارش کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آسمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ ہوتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کی وجہ سے بطور تواضع وانقیاد اپنے پروں کو مارتے ہیں جس سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے کہ گویا چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جا رہی ہے' پھر جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ پھر آپس میں جواب دیتے ہیں کہ وہ برتر ہے بڑا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷۰۶ ج ۲)

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي
آپ فرما دیجئے کہ کون تمہیں رزق دیتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے' آپ فرما دیجئے کہ اللہ! اور بے شک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا
ضَلٰلٍ مُبِينٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ
صریح گمراہی میں ہیں۔ آپ فرما دیجئے ہم نے جو جرم کئے تم سے اس کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے اُن کاموں کے بارے میں سوال نہ ہوگا جو تم کرتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ
بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ أَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ أَلْحَقْتُمْ
ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ فرمانے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے مجھے دکھا دو وہ لوگ جنہیں تم نے شریک بنا کر
بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾
اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے' ہرگز نہیں بلکہ وہ اللہ ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

قیامت کے دن صحیح فیصلے ہونگے' اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے

تفسیر: ان آیات میں بھی توحید کا اثبات ہے' اوّل تو یہ فرمایا کہ تم یہ بتا دو کہ آسمانوں سے اور زمین سے تمہیں کون روزی دیتا ہے' آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین سے درخت نکلتے ہیں اور کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں بتاؤ یہ کس کی قدرت کا مظاہرہ ہے' اور ان چیزوں کو کسی نے پیدا کیا' جواب اُن کے نزدیک بھی متعین ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیئت و ارادہ سے ہوتا ہے' اگر وہ جواب نہ دیں یا دیر سے جواب دیں تو آپ ہی فرما دیجئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے ہے۔

وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ (اور بیشک ہم یا تم ضرور راہِ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں) یہ بطور تلطف کے فرمایا اور فکر کی دعوت دی اور مطلب یہ ہے کہ ہم تو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور تم توحید کے منکر ہو' اور ظاہر

ہے کہ دونوں باتیں درست نہیں ہو سکتیں اور یہ سمجھ لو کہ جو ہدایت پر ہے موت کے بعد اسی کی خیر ہوگی اور اسی کو انعامات ملیں گے اور جو گمراہ ہوگا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اب تمہیں فکر مند ہونا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ ہم ہدایت پر ہیں یا تم ہو اور ہم گمراہی پر ہیں یا تم ہو ہم نے تو غور کر لیا ہے دلائل سے دین توحید کو سمجھ لیا ہے اور تم کو بھی اس کی دعوت دی ہے اب تم اپنی خیر خواہی کے لئے غور و فکر کر لو ہم نے جو دلائل دیئے ہیں ان میں غور کر لو ہمیں بھی مرنا ہے تمہیں بھی مرنا ہے اگر موت کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ تم برائی پر تھے تو وہاں دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہو گے (جہاں سے واپس ہونے اور نکلنے کا امکان ہی نہیں) عذاب دائمی میں رہنا پڑے گا۔ اس وقت کا پچھتاوا اور غور کرنا کام نہ دے گا لہٰذا اسی دنیا میں سمجھ لو غور و فکر کر لو اور مان لو آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ توحید والے ممکن ہے گمراہی پر ہوں بلکہ مخاطب کو قریب کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (آپ فرما دیجئے ہم نے جو جرم کئے تم سے ان کا سوال نہ ہوگا اور جو تم کام کرتے ہو ہم سے ان کی پرسش نہ ہوگی) ہر فریق کا الگ الگ معاملہ ہے اہل توحید بخشے جائیں گے اور کفر و شرک والے عذاب میں داخل ہوں گے گو تمہارے اعمال کے بارے میں ہم سے سوال نہ ہوگا لیکن کسی عوض کا مطالبہ کیے بغیر تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہیں حق کی دعوت دے رہے ہیں اب تم خود اپنی فکر کر لو۔

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ (آپ فرما دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا) جب قیامت کے دن توحید والوں کے لئے انعام و اکرام کا اور مشرکین و کافرین کے لئے عذاب کا فیصلہ ہوگا اس وقت تمہیں اپنی گمراہی کا پتہ چل جائے گا۔

وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ (اور وہ بڑا فیصلہ فرمانے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے) چونکہ ہر ہر شخص کا ہر ہر عمل اسے معلوم ہے اور ہر ایک کے عقیدوں کا بھی اسے پتہ ہے اس لئے اس کے سارے فیصلے حق ہوں گے اور حقیقت کے مطابق ہوں گے۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ (آپ فرما دیجئے مجھے دکھاؤ وہ لوگ جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے) یعنی تم نے جو باطل معبود بنا رکھے ہیں اور انہیں مستحق عبادت سمجھ کر خدائی کا درجہ دے رکھا ہے ذرا مجھے دکھاؤ وہ کون ہیں یعنی وہ تو خود مخلوق ہیں اس لائق کہاں ہیں کہ الوہیت میں شریک ہوں کوئی دلیل اور حجت ہے تو سامنے لاؤ۔

قال صاحب الروح والمراد أعلمونی بالحجة والدلیل کیف وجدت الشرکة۔

كَلَّا (ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو) تمہاری بیوقوفی ہے جو تم نے اس کے لئے شریک تجویز کر رکھے ہیں۔ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (بلکہ وہی اللہ ہے یعنی معبود برحق ہے زبردست ہے حکمت والا ہے)

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کا اعلان

تفسیر: اس آیت کریمہ میں نبی اُمی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کا ذکر ہے چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے

اس لئے ہر فرد و بشر کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں' آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتا خواہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو' جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول الانس والجان کے اتباع میں مرکوز ہے اور منحصر ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے' سورۂ اعراف میں فرمایا: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' جس کے لئے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے' سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی اُمی ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر' اور اسکا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ وہ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

۱- رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی' ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

۲- پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہو جاتی ہے' پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری اُمت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

۳- میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے۔

۴- اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ) جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لئے ہوگی۔

۵- اور مجھ سے پہلے نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عامۃً تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری جلد ۱ ص ۴۸)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہٖ لا یسمع بی احد من ھٰذہ الامّۃ یھودی ولا نصرانی ثمّ یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہٖ الا کان من اصحاب النّار ۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۸۶) (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس اُمت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہو خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر وہ اس حالت میں مر جائے کہ میں جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں اُس کو نہ مانا تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا)

سورۂ آل عمران میں فرمایا: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے) اور فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہوگا)

جب سے آپ کی بعثت ہوئی ہے یہودی' نصرانی' فرقہ صابئین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لئے معیار نجات

صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قسم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اُس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے اس سے

عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔

قیامت کا وقت مقرر ہے اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی ہے

تفسیر: قیامت کے منکرین وقوع قیامت کا انکار کرتے ہوئے یوں بھی کہتے تھے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور قیامت کس دن آئے گی؟ مقصود اُن کا یہ تھا قیامت آنے والی ہوتی تو آجاتی اور اگر آنے میں دیر ہے تو اس کی تاریخ بتادو، مقصد یہ تھا کہ نہ تو اب تک قیامت آئی ہے نہ آنے کی تاریخ بتاتے ہو، معلوم ہوا کہ یہ محض باتیں ہی باتیں ہیں، ان کے جواب میں فرمایا کہ تمہارے لئے ایک خاص دن مقرر ہے وہ اسی دن آئے گی نہ اس سے پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو، اپنے مقررہ وقت پر آہی جائے گی، تمہیں تاریخ نہ بتائی جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا وقوع ہی نہیں ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى

اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز اس قرآن پر اور اس سے پہلے جو کتابیں تھیں ان پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر آپ اس وقت کی حالت دیکھ لیں

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ

جبکہ یہ ظالم لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، ہر ایک دوسرے پر بات کو ڈال رہا ہوگا۔ نیچے درجہ والے لوگ بڑے

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

لوگوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوتے، بڑے لوگ چھوٹے درجے کے

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

لوگوں سے کہیں گے کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا اس کے بعد کہ تمہارے پاس ہدایت آئی، بلکہ بات یہ ہے کہ تم مجرم تھے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ

اور نیچے درجہ والے اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے تھے بلکہ رات دن تمہاری مکاری نے روکا تھا جبکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ

تَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ

شرک کریں اور اس کے لئے شریک قرار دیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپالیں گے' اور ہم کافروں کی گردنوں

فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ

میں طوق ڈال دیں گے' انہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے' اور کسی بستی میں ہم نے کوئی ڈرانے والا نہیں

نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا

بھیجا مگر ہوا یہ کہ ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ تم جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہو ہم اُسے نہیں مانتے' اور انہوں نے کہا کہ ہمارے اموال

وَّ اَوْلَادًا ۙ وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ

واولاد تم سے زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ میرا رب جس کے لئے چاہے روزی کو فراخ کردیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کردیتا ہے

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ مَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا

اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارے اموال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تمہیں ہمارا مقرب بنادیں مگر ہاں جو ایمان لائے

زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ؗ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي

اور نیک عمل کرے' سو اُن لوگوں کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے ایسا صلہ ہے جو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور وہ بالاخانوں میں

الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

امن وچین سے ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو عذاب میں حاضر کئے جائیں گے'

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ

آپ فرمادیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی کو فراخ کردیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کردیتا ہے اور جو بھی کوئی

شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

چیز تم خرچ کرو گے سو وہ اس کے بعد اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

عذاب کیوجہ سے کافروں کی بدحالی اور ایک دوسرے پر جرم کو ٹالنے کی گفتگو

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کا ایک منظر بیان فرمایا ہے جو کافروں کے آپس کے سوال وجواب سے متعلق ہے وہاں سبھی چھوٹے بڑے موجود ہوں گے' کفر کی سزا سامنے ہوگی' دوزخ کا داخلہ یقینی ہو چکا ہوگا' ان میں سے جو لوگ دنیا میں چھوٹے یعنی کم درجہ کے لوگ تھے وہ اپنے بڑوں سے (جن کی دنیا میں بات مانتے تھے) کہیں گے کہ تم نے ہی ہمیں

برباد کیا اگر تم نہ ہوتے تو ہم اللہ کے نبیوں پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لے آتے اور آج کے دن پر بھی ایمان لاتے' اُن کے بڑے کہیں گے کہ اپنا قصور ہمارے سر کیوں منڈھ رہے ہو' اپنی کرنی ہمارے ذمہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ جب تمہارے پاس ہدایت آ گئی تو ہم نے کوئی زبردستی نہیں کی تھی اور کسی جبر واکراہ سے کام لے کر تمہیں ایمان سے نہیں روکا تھا' ایسا تو نہیں ہوا کہ تم نے ایمان قبول کرنے کا ارادہ کیا ہو اور ہم نے تمہیں جبر واکراہ کے ساتھ روک دیا ہو' اپنی آئی ہم پر کیوں لگاتے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم خود ہی مجرم ہو۔

یہ جواب سن کر چھوٹے بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے تلوار لیکر جبر واکراہ کے ساتھ تو ہمیں ایمان سے نہیں روکا لیکن رات دن تم مکاری کرتے تھے اور ایسی تدبیریں کرتے تھے کہ ہم ایمان نہ لائیں اور کفر پر جمے رہیں تاکہ تمہاری جماعت سے نہ نکلیں تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اللہ کے لئے شریک تجویز کریں۔ تمہاری یہ محنتیں اور تدبیریں اپنا کام کر گئیں اور ہم کفر پر جمے رہے اور موت آنے تک کفر ہی پر رہے' تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے آج ہم اس مصیبت میں پھنسے ہیں دونوں فریق چھوٹے اور بڑے جب عذاب دیکھیں گے تو نادم و پشیمان ہوں گے لیکن ندامت کا اظہار نہ کریں گے اپنے دلوں ہی میں پشیمان ہوتے رہیں گے۔ (لیکن پشیمانی کچھ فائدہ نہ دے گی)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے اور اسی حالت میں دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اور ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا ایسا نہ ہوگا کہ بغیر کسی جرم کے سزا مل جائے یا جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ. (الآیۃ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جس کسی بھی بستی میں کوئی ڈرانے والا یعنی اپنا کوئی رسول بھیجا تو وہاں کے خوشحال لوگوں نے (جنہیں مال اور دولت پر گھمنڈ تھا اور رزق کی وسعت اور نعمت کثیرہ کی وجہ سے مست تھے) یوں کہا کہ تم لوگ جو دین لیکر آئے ہو ہم اُسے نہیں مانتے' مال کے غرور نے انہیں نبیوں پر ایمان لانے سے روکا اور کہنے لگے کہ ہم ہی اللہ کے مقبول بندے ہیں' اگر ہم سے اللہ ناراض ہوتا تو ہمیں زیادہ مال اور زیادہ اولاد سے کیوں نوازتا' مال اور اولاد میں ہم تم سے بڑھ کر ہیں' جب دنیا میں ہمارا یہ حال ہے تو آخرت میں بھی ہمارا حال اچھا ہی رہے گا نہ یہاں تکلیف ہے نہ وہاں عذاب ہوگا۔ (اوّل تو وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے لیکن بطورِ فرض وتقدیر انہوں نے کہا کہ اگر قیامت آ ہی گئی تو ہم وہاں بھی عذاب سے محفوظ رہیں گے)

ان کی تردید میں فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ (الآیۃ) آپ فرما دیجئے کہ میرا رب جس کے لئے چاہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ دنیا میں رزق کا زیادہ ہونا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ رزق کا تنگ ہونا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نامقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے' وہ اپنی حکمت کے مطابق کبھی نافرمان کی روزی وسیع فرما دیتا ہے اور فرمانبردار کی روزی تنگ فرما دیتا ہے اور اس کا عکس بھی ہوتا رہتا ہے' بات یہ ہے کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو نہیں جانتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ رزق کی فراخی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے کی اور رزق کی تنگی اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ (الآیۃ) ارشاد فرمایا کہ تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ہمارا مقرب بنانے والے نہیں ہیں' جو کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میرے پاس مال و اولاد زیادہ ہے اس لئے اللہ کا

مقرب ہوں' اور اپنے اعمال کو نہیں دیکھتا وہ شخص احمق ہے اور گمراہ ہے' اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا اللہ تعالیٰ کے ہاں تو وہ مقرب ہے جو ایمان لایا اور اعمال صالحہ میں لگا۔

جو مؤمن بندے ہوں گے اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ میں بھی لگے ہوں گے' ان کے ایمان اور اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بڑھ چڑھ کر بدلہ دیا جائے گا جس میں نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہوگا اور یہ حضرات جنت کے بالا خانوں میں امن وچین کے ساتھ رہیں گے۔ آگے مخالفین کی سزا کا تذکرہ ہے وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا (الآیۃ) اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی ہماری آیتوں میں طعن کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انکار کر کے کہیں دور نکل جائیں گے اور (العیاذ باللہ) اللہ کو ہرا دیں گے اور اسکی قدرت اور گرفت سے باہر ہو جائیں گے' یہ لوگ عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے' یہ اُن لوگوں کے لئے وعید ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر تکذیب بھی کرتے تھے' اُن کا مذاق بھی اُڑاتے تھے۔ اور طعن و تشنیع بھی کرتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا' انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ تم پکڑے جاؤ گے اور عذاب میں حاضر کئے جاؤ گے' بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ (الآیۃ) اس میں اہل ایمان کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب بھی ہے اور جو کچھ اللہ فی اللہ خرچ کریں گے اس کا بدلہ دیئے جانے کا وعدہ بھی ہے' جو شخص اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے بہت کچھ ملتا ہے' دنیا میں بھی صلہ دیا جاتا ہے اور آخرت میں تو بہت زیادہ دیا جائے گا۔ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے) حقیقی رزاق تو وہی ہے' عربی کے محاورات میں خیر اللہ کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے کہتے ہیں کہ رزق الامیر الجندی اس لئے مفسرین نے خیر الرّازقین کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ رزق پہنچانے والوں میں وہ سب سے بہتر ہے۔ قال صاحب الروح: ومعنی الرّازقین الموصلین للرّزق والموھبین لهٗ فیطلق الرزاق حقیقة علی اللہ عزّوجل وعلیٰ غیرہ ویشعر بذٰلک۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی صبح ہوتی ہے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں' ایک کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا (اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کے بعد اور مال دے) اور دوسرا کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال تلف فرما دے) (رواہ البخاری و مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۱۶۴)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرنے سے کبھی مال میں کمی نہیں ہوتی' اور جس کسی بندے نے کسی کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی عزت بڑھا دے گا' اور جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا تو اللہ اس کو بلند فرمائے گا۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۱)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝٤٠ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

اور جس دن اللہ ان سب کو جمع فرمائے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں'

اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝٤١ فَالْيَوْمَ

آپ ہمارے ولی ہیں ان سے ہمارا کچھ تعلق نہیں' بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ سو آج تم

لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ

میں سے بعض بعض کے لئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں' اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کا عذاب چکھ لو

الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ

جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو یہی چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو اُن چیزوں

اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سے روک دے جن کی تمہارے باپ دادے عبادت کیا کرتے تھے' اور انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے' اور کافروں نے

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ

حق کے بارے میں کہا جب ان کے پاس آ گیا کہ یہ محض ایک جادو ہے کھلا ہوا۔ اور ہم نے انہیں کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے پڑھاتے ہوں'

اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ

اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا' اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو

اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

بھی نہیں پہنچے' سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا' سو کیسا ہوا میرا عذاب؟

کافروں کا عناد اور انکار اور عذاب وانجام کار

تفسیر: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع فرمائے گا ان میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والے بھی ہوں گے' ان میں وہ لوگ بھی موجود ہوں گے جو دنیا میں فرشتوں کی عبادت کرتے تھے' اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال فرمائیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ یہ سوال مشرکین کی سرزنش کرنے اور ان کی گمراہی ظاہر کرنے کے لئے ہوگا فرشتے عرض کریں گے کہ سُبْحٰنَكَ آپ پاک ہیں (آپ کا کوئی شریک نہیں) اَنْتَ وَلِيُّنَا آپ ہمارے ولی ہیں' مِنْ دُوْنِهِمْ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں (نہ ہم نے انہیں شرک پر ڈالا نہ ہم ان کے اس عمل سے راضی ہیں) بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی یعنی شیاطین کی پرستش کرتے تھے) شیاطین جو ڈراونی صورتیں بنا بنا کر ان کے سامنے آتے تھے اُن کی شکلوں کی مورتیاں بنا کر پوجا کرتے تھے اور دوسروں کی عبادت بھی اسی لئے کرتے تھے کہ شیاطین انہیں اس کا حکم دیتے تھے' فرمانبرداری کے اعتبار سے یہ بھی شیاطین کی عبادت ہوئی' شیاطین ہی کی بات مانتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود تجویز کیے اور ان کی عبادت کی اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (ان میں اکثر شیاطین پر ہی ایمان لائے) یعنی ان ہی کے معتقد تھے' ان ہی کی بات مانتے تھے۔

چونکہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت اس عقیدہ سے بھی کرتے تھے کہ وہ آخرت میں سفارش کریں گے اور عذاب سے بچا

لیں گے اس لئے اُن کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا (سو آج تم میں سے بعض بعض کیلئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں) لہٰذا غیر اللہ کی عبادت کر کے جو امیدیں باندھ رکھی تھیں وہ سب جھوٹی نکلیں اور اپنے بنائے ہوئے خیال سب باطل نکلے۔ وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ (اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کے عذاب کو چکھ لو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے)

اس کے بعد مشرکین کی تکذیب والی باتیں نقل فرمائیں: وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ (الآیۃ) اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص (جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے) یہ تو بس ایک ایسا ہی آدمی ہے جو تمہیں ان چیزوں سے روکتا ہے جن کو تمہارے باپ دادے پوجتے تھے اور دوسری بات یہ کہتے تھے کہ یہ تو ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے اور تیسری بات یہ کہتے تھے کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) جو کچھ سناتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ان کے بارے میں فرمایا: وَمَا آتَيْنَاهُم مِّن كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ (اور ہم نے انہیں کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے پڑھاتے ہوں اور ہم نے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا تھا) لہٰذا انہیں اللہ کی اس نعمت کی قدر کرنا لازم تھا کیونکہ اُس نے اُن کی طرف نبی کو مبعوث فرمایا اور نبی بھی وہ ہے جو انہیں میں سے ہے اس سے پہلے تو قسم کھا کھا کر کہتے تھے کہ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ (اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ جائے تو ہم دوسری اُمتوں کے مقابلے میں ہر اُمت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے) ان لوگوں نے وعدہ پورا نہ کیا اور الٹے تکذیب پر اُتر آئے اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے لگے۔

اس کے بعد مشرکین مکہ کے لئے وعید ذکر فرمائی: وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ (اور ان لوگوں نے جھٹلایا جو اُن سے پہلے تھے اور حال یہ ہے کہ اُن لوگوں کو جو کچھ ہم نے دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے) فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (سو اُن لوگوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب) مطلب یہ ہے کہ سابقہ اُمتیں تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں اُن کے پاس تو حکومتیں بھی تھیں اموال بھی بہت تھے طرح طرح کے سامان بھی ان کے پاس تھے قلعے تھے بڑے بڑے مکانات تھے اور اُن کی عمریں بھی بڑی تھیں اُنہیں اُن پر گھمنڈ بھی تھا یہ لوگ جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں اور عناد پر جمے ہوئے ہیں ان کے پاس تو اُن نعمتوں کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے جو ہم نے گزشتہ اُمتوں کو دی تھیں اُن لوگوں کے احوال انہیں معلوم ہیں اسفار میں جاتے ہیں تو ان کے نشانات دیکھتے ہیں تکذیب رُسل کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے انہیں بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہئے جبکہ اُن کے سامنے اُن کی اہمیت کچھ بھی نہیں۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُم

آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر تم سوچو تمہارے ساتھی کو کوئی

مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ

دیوانگی نہیں ہے۔ وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں ڈرانے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں نے جو کچھ تم سے

أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي

معاوضہ کا سوال کیا ہو سو وہ تمہارے لئے ہی ہے میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے اور وہ ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ بے شک میرا رب

يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾

حق کو غالب کر دیتا ہے وہ پوری طرح غیبوں کا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا۔

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۖ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي ۚ إِنَّهُ

آپ فرما دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی پر پڑے گی اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو اسی وحی کی بدولت جو اللہ میرے پاس بھیج رہا ہے بے شک

سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوا مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٥١﴾ وَقَالُوا

وہ سننے والا ہے قریب ہے۔ اور اگر اس وقت کو آپ دیکھیں جب یہ لوگ گھبرا جائیں گے پھر چھوٹنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اور کہیں گے

آمَنَّا بِهِ وَأَنَّىٰ لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۖ

کہ ہم اس پر ایمان لائے اور اتنی دور جگہ سے ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے اس کا انکار کر چکے ہیں'

وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ

اور دو ہی دور سے بے تحقیق باتیں پھینکا کرتے ہیں۔ اور اُن کے اور اُن کی آرزوؤں کے درمیان آڑ کر دی جائے گی جیسا کہ اُن سے پہلے

بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ﴿٥٤﴾

اُن کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا' بلاشبہ وہ تردد میں ڈالنے والے شک میں تھے

انفرادی اور اجتماعی طور پر غور و فکر کرنے کی دعوت

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کے اولین مخاطبین جو آپ کی تکذیب کرتے تھے وہ آپ کو دیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے' اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں یہ نصیحت محض تمہاری ہمدردی کے لئے ہے' تم دو دو آدمی مل کر یا علیحدہ علیحدہ تنہائیوں میں سوچو اور غور و فکر کرو تمہارا یہ سوچنا صرف اللہ کی رضا کیلئے ہو' اس میں نفسانیت اور تعصب کا دخل نہ ہو' تم لوگ یہ سوچ لو کہ جو شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میں نبی ہوں اور تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہے وہ دیوانہ نہیں ہے' اُس کے احوال دیکھ لو' اُس کی بات سن لو' وہ جو قرآن سناتا ہے اُسے سنو اور یہ بھی سمجھ لو کہ باوجود چیلنج کے تم اس جیسا بنا کر نہیں لا سکتے اگر تم غور و فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ دعوت دینے والا شخص دیوانہ نہیں ہے وہ تو تم کو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈراتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چند باتوں کا حکم دیا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں: **اوّل** یہ کہ تم یہ بتاؤ کہ میں نے تم سے کوئی

معاوضہ تو طلب نہیں کیا؟ اگر میں نے تم سے معاوضہ کا کوئی سوال کیا ہو تو وہ مجھے نہیں چاہئے وہ تم ہی رکھو میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اُس نے مجھ سے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے وہ مجھے ضرور عطا فرمائے گا اور یہ بھی سمجھ لو کہ وہ ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے' جو میری محنتیں ہیں اس کا بھی اُسے علم ہے اور جو تمہاری حرکتیں ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔

دوسری بات کہہ دیں کہ میرا رب حق کو غالب فرما دیتا ہے' میں جو حق لے کر آیا ہوں وہ غالب ہو کر رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ' تم اپنی مغلوبیت کو سوچ لو وہ علام الغیوب ہے اُسے پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ **تیسری** بات یہ فرمائی کہ آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل کسی کام کا نہ رہا یعنی اس کا ذکر فکر ختم ہو گیا' فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا اور یہ آیت قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ تلاوت فرمائی تھی۔ (کما روی البخاری فی تفسیر سورۃ الاسراء ج۲ص۶۸۶) کیونکہ اس وقت بالکل اس کا مظاہرہ ہو گیا تھا کہ حق ظاہر ہوا اور باطل چلتا بنا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو اس کا وبال مجھ ہی پر ہو گا (میں جو دین لایا ہوں وہ حق ہے جو اس کا منکر ہو گا گمراہ ہو گا) بالفرض اگر میں بھی اس دین کو چھوڑوں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا اور مجھ پر اس کا وبال پڑے گا اس میں نام اپنا ہے اور سنانا اُن کو ہے جو علیٰ اسلوب الحکیم ہے' یعنی میں تو اسی راہ پر ہوں تم اس کے منکر ہو لہٰذا تم گمراہ ہو اور اس کا وبال تم پر پڑے گا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس قرآن کی بدولت ہوں جس کی وحی میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے' یہ بھی علیٰ اسلوب الحکیم ہے' مطلب یہ ہے کہ تم ہدایت چاہو تو تمہیں بھی اسی راہ پر آنا پڑے گا۔ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ (بے شک میرا رب سننے والا ہے بہت نزدیک ہے) میری باتیں بھی سنتا ہے اور تمہاری باتیں بھی۔

آخری آیتوں میں منکرین کے لئے وعید ہے' فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا (الٰی اخر السّورۃ) (اور اگر آپ اُس وقت کو دیکھیں جب یہ لوگ گھبرا جائیں گے تو پھر چھوٹنے کی کوئی صورت نہ ہو گی اور قریبی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے اور اتنی دور سے اُن کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے اس کا انکار کر چکے ہیں' اور دور ہی دور سے بے تحقیق باتیں پھینکا کرتے ہیں اور اُن کے اور اُن کی آرزو کے درمیان آڑ کر دی جائے گی۔ بلاشبہ وہ تردّد میں ڈالنے والے شک میں تھے۔

بتوفیق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سورۂ سبا کی تفسیر تمام ہوئی۔

والحمد للہ اوّلًا واخرًا وباطنًا وظاهرًا
والسّلام علٰی من ارسل طیبًا وطاهرًا

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی اس میں پینتالیس آیات اور پانچ رکوع ہیں ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے وہ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین

وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾ مَا یَفْتَحِ

اور چار چار بازو ہیں، وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے، بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو بھی کوئی

اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ

رحمت اللہ انسانوں کے لئے کھول دے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو وہ بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور

هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ

وہ غالب ہے حکیم ہے۔ اے لوگو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے

اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ

جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق عطا فرماتا ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، سو تم کہاں اُلٹے جا رہے ہو۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں

فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹائے جائیں گے، اے لوگو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ

حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٝ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ

حق ہے سو تمہیں ہرگز دُنیا والی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کا نام لے کر دھوکہ باز ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے

فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ﴿۶﴾ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

سو تم اُسے اپنا دشمن سمجھتے رہو وہ اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔ جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے سخت

عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ۬ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۷﴾

عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے لئے مغفرت ہے اور اجرِ کبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ ارض و سما ہے ہر چیز پر قادر ہے
اسکے سوا کوئی پیدا کرنیوالا نہیں اور اسکے سوا کوئی معبود نہیں

تفسیر: یہاں سے سورۂ فاطر شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الملائکہ بھی ہے۔ سورۃ الفاتحہ سورۃ الکہف اور سورۂ سباء کی طرح یہ سورت بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف سے شروع ہے' فرمایا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے' اس کی مخلوق میں فرشتے بھی ہیں ان فرشتوں کو بھی اس نے پیدا فرمایا اور کاموں پر مقرر فرمایا' ان کاموں میں سے ایک یہ کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے نبیوں کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے رہے ہیں' اُن کی تخلیق بھی دوسری مخلوق سے علیحدہ ہے' ان کے جو بازو ہیں وہ دو دو بھی ہیں تین تین بھی ہیں اور چار چار بھی' فرشتے ان بازوؤں کے ساتھ جاتے اور آتے ہیں' چڑھتے اور اُترتے ہیں۔ اور صرف چار بازوؤں پر ہی منحصر نہیں ہے اس اس سے زیادہ بازوؤں کا بھی صحیح بخاری میں ذکر ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرتِ جبریل علیہ السلام کو دوبار اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے۔

یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ (اللہ تعالیٰ پیدائش میں جو چاہے زیادہ فرما دیتا ہے) اور یہ زیادتی کمیت اور کیفیت دونوں میں ہوتی ہے' مخلوق میں جو کمی بیشی نظر آتی ہے اجسام میں بھی ہے اور اوصاف میں بھی' یہ سب محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شانِ رحمت کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی کوئی رحمت کھول دے یعنی لوگوں پر رحم فرمائے اس رحمت کو کوئی روکنے والا نہیں' جس شخص پر بھی جس طرح کی نعمت اللہ تعالیٰ بھیجنا چاہے اُسے اس پر پوری پوری قدرت ہے' کسی بھی مخلوق کی مجال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو روک دے' بعض چھوٹے درجہ کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے وہ بڑھتے اور ترقی کرتے چلے جاتے ہیں جلنے والے ان سے جلتے ہیں' حسد کرنے والے ان سے حسد کرتے ہیں لیکن کچھ کر نہیں سکتے' اللہ تعالیٰ کی رحمت برابر جاری رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو جس سے روک لے کسی میں طاقت نہیں کہ اس کو جاری کر دے' وہ غالب ہے جس کو چاہے دے' جس سے جو چاہے چھین لے' وہ غالب بھی ہے اور حکیم بھی ہے' جس کو جو کچھ وہ دیتا ہے اور جس سے واپس لیتا ہے یہ سب کچھ حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اور جو نعمتیں دی ہیں ان کو یاد کرو' نعمتوں کو یاد کرنے میں ان کا شکر ادا کرنا بھی شامل ہے' جب نعمتوں کو یاد کریں گے اور غور کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فلاں فلاں نعمتیں دی ہیں' جان بھی دی اولاد بھی عنایت فرمائی' مال بھی دیا اور حسن و جمال بھی' علمی و عملی کمال بھی' اور جاہ و اقتدار بھی' تو اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کی طرف طبیعت چلے گی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ذہن' دل اور دماغ متوجہ ہو گا۔

یہ بھی فرمایا کہ تم غور کرلو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور پیدا کرنے والا ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہو' غور کرو گے تو سمجھ میں آجائے گا اور یقینی طور پر یہ بات دل میں بیٹھ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی پیدا کرنے والا نہیں

ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش برساتا ہے۔ اور زمین میں اُس نے غلے میوے اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں پیدا فرمائی ہیں' یہ سب چیزیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' جب اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے۔

اثباتِ توحید کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ کے مخالفین آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں' آپ نے اپنا کام پورا کر لیا حجت تمام کر دی' آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا گیا اُنہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے سب امور اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوں گے اور کافرین و منکرین کو عذاب دے گا۔

اس کے بعد توحید اور رسالت کے منکرین سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے کہ قیامت قائم ہو گی اور ایمان اور کفر کا بدلہ دیا جائے گا یہ وعدہ حق ہے اور پورا ہو کر رہے گا' تمہیں دنیا والی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (جس کا ہرا ابھرا ہونا تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے اور آخرت کے ماننے سے اور آخرت میں نفع دینے والے کاموں سے روکتا ہے) ایک طرف تو دنیا کی سرسبزی ہے دوسری طرف شیطان تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے اُس سے چوکنے اور ہوشیار رہو وہ تمہارا دشمن ہے اُسے دشمن ہی سمجھو وہ تمہیں دھوکہ نہ دے' اُس کے دھوکہ دینے کے جتنے طریقے ہیں اُن میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر دھوکہ دیتا ہے اور یہ سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے' ابھی تو بہت بڑی زندگی پڑی ہے رنگ رلیوں میں رہو اور بدمستیاں کرو' آخر میں توبہ کر لینا' حالانکہ بندہ کو یہ معلوم نہیں کہ کتنی زندگی باقی ہے' موت اچانک آ جاتی ہے اور بغیر ایمان کے اور بغیر توبہ کے مر جاتے ہیں' شیطان دشمن ہے اگر ہم نے اُس کی بات مانی تو وہ پٹک دے گا' دشمن کو دشمن ہی سمجھتے رہیں' وہ ہر وقت دشمنی میں لگا ہوا ہے' اپنی جماعت کو دوزخ ہی کی طرف بلاتا ہے اور اپنا بناتا ہے لہٰذا انسانوں کو بہت ہی بیدار مغزی کے ساتھ زندگی گذارنا لازم ہے۔

اس کے بعد اہل کفر کا عذاب اور اہل ایمان کا ثواب بیان فرمایا' ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ میں مشغول ہوئے اُن کیلئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ
سو کیا جس شخص کے لئے اس کا عمل بد اچھا کر کے رکھ دیا گیا ہو سو اُس نے اس کو اچھا سمجھا ہو سو بے شک اللہ گمراہ فرماتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے
فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۞۸ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ
سو اُن پر حسرتیں کرنے کی وجہ سے آپ کی جان نہ جاتی رہے' بلاشبہ جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ وہ ہے
اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
جس نے ہواؤں کو بھیجا جو اُٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہم نے اُسے ایسے قطعہ زمین کی طرف ہانک دیا جو خشک تھا پھر ہم نے اس کے ذریعہ زمین کو
مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۞۹
زندہ کر دیا اسی طرح جی اُٹھنا ہو گا۔

بُرے عمل کو اچھا سمجھنے والا اچھے عمل والے کے برابر نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو جانتا ہے

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے، پہلی آیت میں یہ بتایا کہ بہت سے لوگ برے عمل کرتے ہیں کفر اختیار کئے ہوئے ہیں اور شیطان نے اور ان کے ماحول نے اور ان کے نفوس نے کفر ہی کو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کو ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کیا ہے، جس کی وجہ سے کفر کو اور برے اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں اور ایمان سے اور اعمال صالحہ سے بچتے ہیں اور ان کو قبیح جانتے ہیں، ارشاد فرمایا ایسا شخص جس کے لئے برے اعمال کو مزین بنا دیا گیا ہو اور اُس نے برے اعمال ہی کو اچھا سمجھ لیا ہو کیا یہ شخص اور وہ آدمی دونوں برابر ہو سکتے ہیں جو برے اعمال کو برا جانتا ہو اور اچھے اعمال کو اچھا سمجھ کر اپنی زندگی میں اختیار کئے ہوئے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کیلئے برے اعمال کو اچھا بنا کر پیش کر دیا گیا اور اس نے برے عمل کو اچھا سمجھ لیا یہ شخص اور اس کا مقابل وہ شخص جو برے اعمال کو برا اور اچھے اعمال کو اچھا سمجھتا ہو دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

فَإِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (پس اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (سو ان پر حسرتیں کرنے کی وجہ سے آپ کی جان نہ جاتی رہے) رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ ساری امت دعوت مسلمان ہو جائے لیکن مخاطبین کی طرف سے تکذیب تھی اور عناد تھا اور اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کی جان نہ جاتی رہے، جیسا کہ سورۃ الشعراء میں فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (کیا ایسا ہونے کو ہے کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے)۔

پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کا خوب علم ہے) وہ اپنے علم و حکمت کے مطابق بدلہ دے گا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت بیان فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے یہ ہوائیں بادلوں کو اُن کی جگہوں سے ہٹاتی ہیں، پھر ان بادلوں کو اللہ تعالیٰ مردہ یعنی خشک زمین کی طرف بھیج دیتا ہے وہ وہاں جا کر پانی برساتے ہیں جس سے خشک زمین زندہ ہو جاتی ہے، گھاس پھونس پیدا ہوتا ہے جو مویشیوں کے کام آتا ہے، انسان اپنی ضرورت کی پیداوار کے لئے زمین میں بیج ڈالے ہوئے ہوتے ہیں بارش ہونے سے کھیتیاں نکلتی ہیں اور بقدر ضرورت بلند ہوتی ہیں، چھوٹی بڑی بالیں نکلتی ہیں جن میں دانے ہوتے ہیں، یہ دانے پکتے ہیں پھر کھیتی کاٹی جاتی ہے، بھوسہ اور دانہ الگ الگ کیا جاتا ہے، پھر دانوں کو پیس کر پکاتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ آیت کے ختم پر جو كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ہے اس میں ایک مزید فائدہ کی طرف اشارہ فرما دیا اور وہ یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ فرماتا ہے اسی طرح تم لوگ دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے نکلو گے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے، اچھے کلمات اُس کی طرف پہنچتے ہیں اور نیک عمل

یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓىِٕكَ هُوَ یَبُوْرُ ﴿۱۰﴾
اُنہیں بلند کر دیتا ہے اور جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کی تدبیر برباد ہو گی۔
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا
اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر نطفہ سے پھر اُس نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا اور جس کسی عورت کو حمل رہ جاتا ہے اور جو کوئی عورت جنتی ہے تو یہ سب
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
اُس کے علم میں ہوتا ہے اور جس کسی عمر والے کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور جس کی عمر کم کر دی جاتی ہے وہ سب کتاب میں ہے بلاشبہ
عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۱﴾
یہ اللہ پر آسان ہے۔

ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے، کلماتِ طیبات اسکی طرف جاتے ہیں اُسے بندوں کی عمروں میں کمی بیشی کا علم ہے

تفسیر: لوگ دنیا میں عزت چاہتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ بڑے بن کر رہیں اور اس کے ذریعہ دنیاوی مصائب اور مشکلات سے بھی بچنا چاہتے ہیں اس بارے میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور مخلوق کو راضی کرنے کے لئے ایسا اعمال کرتے ہیں جن سے خالق کائنات جل شانہٗ راضی نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا یعنی جسے عزت چاہئے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے وہ عزیز ہے اور ساری عزت اسی کے لئے ہے اپنی مخلوق میں جس کو چاہے عزت دے سکتا ہے اور جس کی عزت چاہے کم کر سکتا ہے اور ختم کر سکتا ہے لہٰذا اللہ ہی کی فرمانبرداری کرے اور اُسی سے سب کچھ مانگے۔

بعض حضرات نے لفظ عِزَّةٌ کا ترجمہ غَلَبَةٌ سے کیا ہے یہ بھی درست ہے اور حقیقت میں اللہ ہی سب پر غالب ہے اور جسے چاہے غلبہ دے سکتا ہے۔ ایک مرتبہ منافقین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں چلے گئے وہاں آپس میں کہنے لگے: لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (اگر ہم مدینہ واپس ہو گئے تو جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال دے گا) مطلب یہ تھا کہ ہم پردیسی مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے اور لیکن منافقین نہیں جانتے) سورۃ النساء میں فرمایا ہے۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے جن کی حالت یہ ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سو اعزاز تو سارا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے)

ان آیات میں اُن سب لوگوں کو تنبیہ ہے جو اللہ کے دشمنوں کو راضی کرنے کے لئے حکومت اور سیاست اور معیشت خوراک پوشاک وضع قطع اور شکل وصورت میں کافروں کی مشابہت اور ان کے طور طریق اختیار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سے ہم باعزت سمجھے جائیں گے حالانکہ عزت ایمان اور اعمال صالحہ میں ہے اور ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے اللہ جسے چاہے گا عزت دے گا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں کوئی عزت نہیں ہے دنیا میں اگر کسی کافر فاسق کو کوئی عزت حاصل ہے تو بے حقیقت ہے اور ذرا سی سے ہے اور ذرا سی دیر کے لئے ہے۔

پھر فرمایا اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ (اور اچھے کلمات اس کی طرف پہنچتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرماتا ہے اچھے کلمات کلمہ توحید اور تمام اذکار الٰہیہ کو شامل ہیں۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ (اور نیک عمل انہیں بلند کر دیتا ہے) نیک عمل سے اعمال صالحہ ظاہرہ باطنہ مراد ہیں تصدیق قلبی یعنی ایمان تو ہر عمل کے مقبول ہونے کی شرط ہی ہے دوسرے اعمال صالحہ کو بھی کلمات طیبات کی مقبولیت میں دخل ہے اور جن لوگوں کے اعمال واذکار عنداللہ مقبول ہوتے ہیں حقیقی عزت انہیں کو ملتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ (اور جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے) اس میں اُن لوگوں کے لئے وعید ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے تھے اور آپ کی دعوت کو روکنے کے لئے مشورے کرتے تھے ایک مرتبہ وہ لوگ جمع ہو کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ آپ کو قید کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا مکہ معظمہ سے نکال دیا جائے جسے سورۂ انفال کی آیت کریمہ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ میں بیان فرمایا ہے۔

وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ (اور اُن لوگوں کی تدبیر برباد ہو گی) چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کے خلاف تدبیریں کرنے والے غزوۂ بدر میں مقتول ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مستقل یہ تکوینی قانون بتادیا وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (اور بری تدبیروں کا وبال انہیں لوگوں پر پڑتا ہے جو ایسی تدبیریں کرتے ہیں) ہر صاحب عقل وفہم کو یہ نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بیان فرمائی وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا) یعنی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے بنایا پھر اس میں روح پھونکی چونکہ ان کی تخلیق میں ان کی ساری اولاد کی تخلیق مضمر تھی اس لئے ان کی ساری اولاد کے بارے میں فرمایا کہ مٹی سے تمہاری پیدائش فرمائی پھر چونکہ سلسلۂ توالد و تناسل نطفہ کے ذریعہ ہوتا رہا اور ہوتا ہے اس لئے ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ بھی فرمایا یعنی مٹی سے تمہاری تخلیق فرمائی اس کے بعد تمہاری پیدائش کا سلسلہ اس طرح جاری فرمایا کہ مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے پھر اس سے انسان پیدا ہوتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا (پھر تمہیں جوڑے بنا دیا) یعنی مرد بھی پیدا فرمائے اور عورتیں بھی جو ایک دوسرے کی زوجیت میں آتے ہیں اور ان سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفت علم بیان فرمائی کہ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ جس کسی بھی عورت کو حمل قرار پاجاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ (اور جس کسی عمر والے کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور جس کی عمر کم کر دی جاتی ہے وہ سب کتاب میں ہے) یعنی جس کسی کی عمر زیادہ مقرر کی گئی اور جس کی عمر دوسروں کے مقابلہ میں کم مقرر کی گئی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ (بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے) یعنی لوح

محفوظ میں انسانوں کی تخلیق سے پہلے ہی ان کی عمروں کی کمی بیشی لکھ دینا یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے کیونکہ اُسے ازل سے ابد تک ہر چیز کا علم ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ

اور دو سمندر برابر نہیں' یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا آسان ہے اس کا پینا' اور یہ شور ہے کڑوا' اور ہر ایک میں سے تم تازہ

لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ

گوشت کھاتے ہو اور نکالتے ہو زیور جسے تم پہنتے ہو۔ اور اے مخاطب تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اس کے فضل سے تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں' اور اُس نے سورج کو

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

اور چاند کو مسخر فرمایا۔ ہر ایک مقررہ وقت کے لئے چلتا ہے۔ یہ اللہ رب ہے تمہارا اسی کے لئے ملک ہے اور اس کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو

دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا

وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم اُن کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمہاری بات نہ مانیں گے

لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے اور خبر رکھنے والے کے برابر تجھے کوئی نہیں بتا سکتا۔

سمندر کے سفر کے فوائد اور چاند سورج کی تسخیر کا بیان' مشرکین کو تنبیہ کہ تمہارے معبود گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں

تفسیر: سمندر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بعض سمندر میٹھے پانی کے ہیں ان کا پانی پیو تو خوب میٹھا اور شیریں ہوتا ہے جو پیاس کو بجھاتا ہے اور اس کا پانی بھی آسانی کے ساتھ گلے میں اتر جاتا ہے اور بعض سمندر ایسے ہیں کہ ان کا پانی بہت زیادہ نمکین اور شور ہے وہ پیا ہی نہیں جا سکتا نہ گلے سے اُترتا ہے نہ اُس سے پیاس بجھتی ہے۔ بعض دریاؤں میں شیرینی اور مٹھاس اور بعض میں یہ نمکینی اور کڑواپن سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے' دونوں سمندر برابر نہیں اور میٹھے سمندر کا میٹھاپن اور کڑوے سمندر کا کڑواپن محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے' ان سمندروں سے انسانوں کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان سے تازہ تازہ گوشت کھاتے ہیں یعنی مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں پھر انہیں پکا کر اور تل کر کھاتے ہیں۔ بعض حضرات نے مچھلی کے ساتھ پرندوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

دریاؤں کا ایک نفع یہ بتایا کہ تم ان میں سے زیور نکالتے ہو اور اُن کو پہنتے ہو اس سے موتی اور سیپی وغیرہ مراد ہے' ان کے پہننے اور استعمال کے طریقے مختلف علاقوں میں مختلف پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں جو پانی کو پھاڑتی ہوئی جاتی ہیں' ان کشتیوں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور بہت بڑی نعمت ہے' ان کے ذریعہ دور دراز ملکوں کے سفر ہوتے ہیں' ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک مال پہنچایا جاتا ہے اور طرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں' جو اموال اور اثقال باہر سے کشتیوں سے لائے جاتے ہیں اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں' اسی کو فرمایا کہ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تا کہ تم اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ اور جب اس کی نعمتیں استعمال کرو تو اس کا شکر بھی ادا کرو آخر میں اسی کی یاد دہانی فرمائی: وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

پھر فرمایا اللہ دن میں رات کو اور رات میں دن کو داخل فرماتا ہے' کبھی یہ کم ہو کر وہ بڑھ جاتا ہے اور کبھی وہ کم ہوتا ہے تو یہ بڑھ جاتا ہے' اور چاند اور سورج کو بھی اُس نے مسخر فرمایا ہے یعنی ہر ایک کو اس سے متعلقہ کام میں لگا دیا ہے' ان کی روزانہ کی جو حرکات مقرر فرمائی ہیں اور ان کے لئے جو مدار معین فرمایا ہے وہ اس کے خلاف نہیں چل سکتے۔

ان کی یہ رفتار اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی مقررہ مدت تک اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اللہ نے مقرر فرمادی اور مقررہ مدت سے یوم قیامت مراد ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ یہ ذات پاک جس کی مخلوقات اور مصنوعات کا اوپر تذکرہ ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' وہ تمہارا رب ہے اُسی کے لئے ملک ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اور جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ (جن لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ تم عبادت کرتے ہو اُن کی بے بسی اور عاجزی کا یہ حال ہے کہ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سن بھی نہ سکیں گے) وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ (اور اگر بالفرض تمہاری بات سن بھی لے تو تمہاری بات نہ مانیں) یعنی تمہاری پکار تمہارے کچھ بھی کام نہ آئیں' نہ جواب میں ہاں کہیں نہ اُسی وقت کوئی مدد کر سکیں نہ بعد میں (یہ تو رہی دنیا کی حالت اور) رہا آخرت کا معاملہ سو سمجھ لو کہ تم نے جو اُن کی مدد کا خیال جما رکھا ہے یہ خیال غلط ہے' وہ تو وہاں تم سے بیزار ہو جائیں گے اور تم جو انہیں اللہ کا شریک بناتے ہو اس کے وہ منکر ہو جائیں گے۔ اسی کو یہاں فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے)۔ سورۃ النحل میں فرمایا ہے: وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ ہمارے شریک ہیں' آپ کو چھوڑ کر ہم ان کی پوجا کرتے تھے سو وہ اُن کی طرف کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو)۔

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (اور اے مخاطب تجھے خبر رکھنے والے کے برابر کوئی نہیں بتائے گا) علیم و خبیر جل مجدہٗ نے تجھے بتایا ہے جسے سب کچھ علم ہے اُس نے جو کچھ بتایا ہے اس کو مان لے اسی میں تیرا بھلا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرمادے۔ اور یہ

بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ

اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا

مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو' آپ صرف انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو بن دیکھے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی' اور جو شخص پاکیزہ بنا تو وہ اپنی جان کے لئے پاکیزگی اختیار کرتا ہے'

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾

اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور نابینا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اور نہ اندھیریاں اور روشنی برابر ہے۔ اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي

اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں۔ بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے سنوا دیتا ہے' اور آپ اُن لوگوں کو سنانے والے نہیں

الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا

جو قبروں میں ہیں آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشیر اور نذیر بنا کر' اور کوئی بھی اُمت ایسی نہیں ہے

فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے جو لوگ تھے وہ بھی جھٹلا چکے ہیں اُن کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے معجزات

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے۔ پھر میں نے اُن لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے کفر کیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔

سب اللہ کے محتاج ہیں' قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھائیگا' بینا اور نابینا' اندھیریاں اور روشنی' زندہ اور مردہ برابر نہیں' ہر اُمت میں نذیر بھیجا گیا ہے

تفسیر: یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے جس میں بہت سے امور پر تنبیہ فرمائی ہے اور متعدد نصیحتیں فرمائیں۔

اوّلاً یہ فرمایا کہ اے لوگوں تم سب اللہ ہی کے محتاج ہو' اللہ تعالیٰ غنی ہے جسے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے' کوئی بھی ایمان لانے والا اور اس کی عبادت کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ اُسے میری حاجت اور ضرورت ہے' بلکہ یہ سمجھ کر اس کی عبادت

کرے کہ مجھے اُسے راضی کرنے کی حاجت ہے وہ غنی ہے بے نیاز ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور صفاتِ جلیلہ سے متصف ہے۔

ثانیا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ تمہیں باقی رکھے زندہ رہنے دے اور اگر چاہے تو تمہیں بالکل نیست و نابود کر دے، تمہیں پیدا فرمانے کے بعد اُس کی قدرت اور صفتِ خالقیت اسی طرح باقی ہے جیسے پہلے تھی، وہ تمہیں ختم فرما کر دوسری مخلوق پیدا فرمانے پر اور اس دنیا میں بسانے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے، تمہیں ختم کرنا اور دوسری مخلوق پیدا کرنا اس کیلئے ذرا بھی مشکل نہیں۔

ثالثا یہ فرمایا کہ ہر ایک کو اپنا اپنا بوجھ اٹھانا ہے قیامت کے دن کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اُٹھائے گی وہاں بڑے بڑے بوجھل انسان حاضر ہوں گے، گناہوں سے لدے ہوئے ہوں گے اگر کوئی شخص کسی سے یوں کہے کہ آ میرا کچھ بوجھ اُٹھالے تو اس کا ذرا سا بوجھ بھی کوئی نہ اُٹھائے گا اگر کوئی شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار سے کہے گا کہ تم میرے بوجھ میں شریک ہو جاؤ تو وہ بھی صاف انکار کر دے گا۔ سورۂ عبس میں فرمایا: یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (جس دن بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے، ان میں سے ہر شخص کا حال جدا ہوگا جو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا)

رابعا یہ فرمایا کہ آپ انہی لوگوں کو ڈراتے رہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، یعنی جو اہل ایمان ہیں اور ایمان کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں وہی آپ کے ڈرانے سے منتفع ہوتے ہیں، ڈراتے تو آپ سب ہی کو ہیں لیکن ڈرانے کا فائدہ اُنہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر ہے اور جو نماز میں لگے رہتے ہیں، ساری ہی عبادت اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ادا کی جاتی ہے لیکن چونکہ نماز میں بہت سی خصوصیات ہیں جو صرف خوف و خشیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے نماز کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔

خامسا یہ فرمایا کہ پاکیزہ ہونا، گناہوں سے بچکر رہنا، ظاہری باطنی عیوب سے محفوظ رہنا اس میں کوئی شخص کسی پر احسان نہ دھرے، جو شخص پاکیزہ ہوگا وہ اپنی ہی جان کے لئے پاکیزگی اختیار کرے گا یعنی اس کا صلہ پائے گا، اور سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنا ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملنا ہے۔

سادسا یہ فرمایا کہ اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ (یہاں اندھے سے مراد کافر اور دیکھنے والے سے مومن مراد ہے) اور اندھیریاں اور روشنی برابر نہیں یعنی حق اور باطل برابر نہیں ہو سکتے اور سایہ اور گرمی برابر نہیں یعنی ثواب و عقاب برابر نہیں ہو سکتے۔ (اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت اور دوزخ مراد ہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے (زندوں سے اہل ایمان اور مردوں سے کافر مراد ہیں) اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ جس کو چاہے سنا دے، یعنی ہدایت کی بات سنا کر سننے والے کے لئے سبب ہدایت بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ قبروں میں ہیں آپ انہیں نہیں سنا سکتے یعنی جنہیں کفر پر اصرار ہے انہوں نے اپنا حال ایسا بنا لیا ہے جیسے قبروں میں ہیں، قبروں میں جو لوگ چلے گئے آپ انہیں نہیں سنا سکتے اور یہ لوگ بھی آپ کی باتیں سن کر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

سماعِ موتی کے بارے میں ضروری تحقیق سورۂ نمل (رکوع نمبر ۶) میں گذر چکی ہے، حقیقی سنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے،

وہ جب چاہے جس کو چاہے سنائے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

سابعًا یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو حق دے کر بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جتنی بھی اُمتیں گذری ہیں اُن میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا ضرور گذرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون رہا ہے کہ بستیوں میں پیغامبر بھیجے جو حق پہنچانے والے ہوتے تھے۔ وہ خوب اچھی طرح واضح طور پر حق اور ناحق بتا دیتے تھے' توحید کی دعوت دیتے تھے اور شرک سے روکتے تھے' جب لوگ سرکشی پر اُتر آتے تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیں) اور سورۃ القصص میں فرمایا ہے' وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ اُن کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے' اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں)

لہٰذا جتنی بھی اُمتیں گذری ہیں اُن سب میں ڈرانے والا ضرور پہنچا اُس نے تبلیغ کی اور حق کی دعوت دی' ضروری نہیں ہے کہ جو مبلغ اور داعی پہنچا ہو وہ نبی ہی ہو' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے جو اپنے نمائندے اور قاصد بھیجے آیت کا مفہوم اُن کو بھی شامل ہے' یہاں اتنی بات سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت دنیا میں جو قومیں مذہبی کہلاتی ہیں وہ کسی ایک شخص کی طرف اپنی نسبت کرتی ہیں اُن میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت ورسالت تو قرآن مجید سے ثابت ہے' ان کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا فرض ہے البتہ ان حضرات کی شریعت منسوخ ہے' اور ہر فرد وبشر پر فرض ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لائے' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ جو دوسری مذہبی قومیں اپنے جن اکابر کی طرف منسوب ہیں اُن کے بارے میں یہ یقین کر لینا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور اس بارے میں الفاظ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان کا نام نہیں لیا اور کسی سند کے ساتھ ان لوگوں کا نبی و رسول ہونا ثابت نہیں ہے' کسی کو متعین کر کے نبی ورسول ماننے کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے جو یہاں مفقود ہے' ان لوگوں کی صحیح تاریخ بھی معلوم نہیں ہے اور اُن کے جو قصے مشہور ہیں اُن کے پیش نظر یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ نبی نہیں ہو سکتے' بلکہ ان میں سے بعض کی تصویریں اور مورتیاں جو اُن کے ماننے والوں میں رواج پائے ہوئے ہیں وہ تو ننگی تصویریں ہیں' اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی ننگا نہیں ہو سکتا' خوب سمجھ لیا جائے۔

ثامنًا یہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو یہ کوئی تعجب کرنے اور رنجیدہ ہونے کی بات نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آچکے ہیں اُن کی اُمتوں نے انہیں جھٹلایا حالانکہ وہ حضرات اُن کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر پہنچے صحیفے لے کر آئے' بڑی کتابیں بھی لائے جیسے تورات' انجیل وغیرہ' لیکن جنہیں ماننا نہ تھا انہوں نے نہ مانا' اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

تاسعًا یہ فرمایا کہ میں نے کافروں کو پکڑ لیا یعنی ان کو عذاب دیدیا۔ اور مزید فرمایا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ کہ غور کر لو میرا عذاب کیسا تھا۔ اس میں مخاطبین کو تنبیہ ہے کہ پہلی اُمتوں پر تکذیب کی وجہ سے عذاب آتا رہا ہے' یہ عذاب عبرتناک تھا' اس کے بارے میں ان مخاطبین کو کچھ نہ کچھ علم بھی ہے لہٰذا عبرت حاصل کریں اور غور کریں کہ ان کا کیا انجام ہوا اور یہ کہ یہی

انجام ہمارا بھی ہوسکتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ

اے مخاطب کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ پھل نکالے جن کے رنگ مختلف ہیں اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں،

جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ

سفید ہیں اور سُرخ ہیں اُن کے رنگ مختلف ہیں اور ان میں گہرے سیاہ رنگ والے بھی ہیں۔ اور انسانوں میں اور چوپایوں میں اور جانوروں میں ایسے ہیں

مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

جن کے رنگ مختلف ہیں، اسی طرح اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے بخشنے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور ہم نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کیا چھپے سے اور ظاہری طور پر

يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾

یہ لوگ ایسی تجارت کی اُمید رکھتے ہیں جو کبھی ہلاک نہ ہوگی۔ تاکہ اُن کا رب اُنہیں پورے اجر عطا فرمادے اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے بلاشبہ وہ خوب بخشنے والا ہے بہت قدردان ہے۔

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے بالکل حق ہے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں۔ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی پوری

لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ

خبر رکھنے والا ہے خوب دیکھنے والا ہے۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا سو ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں،

وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾ جَنَّاتُ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو درمیانہ درجہ والے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو باذن اللہ بھلائی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں

عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾

جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے اس میں اُنہیں سونے کے کنگن اور موتی زیور کے طور پر پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم سے غم کو دور فرمادیا۔ بلاشبہ ہمارا رب بڑا بخشنے والا ہے خوب قدردان ہے جس نے ہمیں

مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾

اپنے فضل سے رہنے کی جگہ میں نازل فرمادیا، ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں اس میں کوئی تھکن پہنچے گی۔

بارش کے منافع، نیک بندوں کی صفات اور ان کا اجر وثواب

تفسیر: یہ متعدد آیات ہیں، پہلی دو آیتوں میں بعض علوی اور بعض سفلی انعامات کا تذکرہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی قدرت قاہرہ پر دلالت کرتے ہیں۔

اوّل تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، اس پانی کے جہاں بہت سے فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے درخت نکال دیئے، پھر ان درختوں پر پھل لگادیئے، ان پھلوں کے اقسام بھی بہت ہیں اور الوان یعنی رنگ بھی، مزے بھی مختلف ہیں اور ہر قسم میں مختلف قسمیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ بتائی کہ پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں، اُن کے رنگ بھی مختلف ہیں بعض سفید ہیں اور بعض بالکل سیاہ ہیں پہاڑوں سے بنی آدم کو مختلف قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جُــدَدٌ کی تفسیر معلوم کی گئی تو فرمایا کہ اس سے پہاڑوں کے راستے مراد ہیں، بنی آدم پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، ان کے راستوں میں سفر کرتے ہیں، منافع حاصل کرتے ہیں۔ غرابیب جمع ہے غِرْبِیْب کی، جو بہت زیادہ سیاہ ہو عربی میں اسے غِرْبِیْب کہا جاتا ہے، اور سُوْدٌ اَسْوَدُ کی جمع ہے جو سیاہ کے معنی میں آتا ہے، دونوں لفظوں کو ملا کر مبالغہ کا معنی پیدا ہو جاتا ہے، اسی لئے اوپر گہرے سیاہ رنگ والے کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ قال صاحب الرُّوح و کثر فی کلامھم اتباع للاسود علی انه صفة له او تاکید لفظی فقالوا اسود غِرْبِیْب کما قالوا بیضٌ یَقَقٌ واصفر فاقع واحمرُ قانٍ۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں عرب کے کلام میں اَلْاَسْوَد کے ساتھ غِرْبِیْبٌ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس طرح کہ غربیب اسود کی صفت بنتا ہے یا تاکید لفظی چنانچہ کہتے ہیں اسود غربیب جیسا کہ کہا جاتا ہے ''بیض یقق'' بہت ہی سفید اور ''اصفر فاقع'' زرد خالص اور ''احمر قان'' بہت ہی سرخ)

بارش اور پھلوں اور پہاڑوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ انسانوں میں اور چوپایوں میں اور جانوروں میں بھی مختلف اقسام کی چیزیں ہیں، ان کی اقسام بھی مختلف ہیں اور انواع بھی اور رنگتیں بھی، اس سب میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا مظاہرہ بھی ہے اور انسانوں پر انعامات بھی ہیں، انسان جانوروں سے اور جانور انسانوں سے مستفید اور متمتع ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (اللہ سے علم والے ہی ڈرتے ہیں) جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے خواہ علم الآفاق ہو خواہ علم الانفس، خواہ علم المصنوعات ہو خواہ علم الکتاب، یہی لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کیونکہ علم ذریعہ معرفت ہے، جسے جتنی معرفت حاصل ہوگی اُسی قدر اپنے خالق و مالک سے ڈرے گا اور معاصی سے باز رہے گا ہاں اگر کوئی شخص علم ہوتے ہوئے بھی اپنے نفس کا اتباع کرے تو وہ گمراہ ہی رہے گا، کما قال اللہ تعالیٰ: اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ۔

رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے عالم بھی تھے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بھی تھے، آپ نے فرمایا: اما واللّٰهِ انی لأخشاکم للّٰه واتقاکم له۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۷۵۷ و مسلم ج ۱ ص ۴۴۹) (خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں)

آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ (بلاشبہ اللہ عزت والا ہے خوب بخشنے والا ہے)

اس کے بعد نیک بندوں کی تعریف فرمائی اور ان کے اجر وثواب کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور پوشیدہ اور ظاہری طور پر ہمارے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی بھی ہلاک نہ ہوگی' اُن کی عبادتوں کے اُجور اللہ تعالیٰ انہیں پورے پورے عطا فرمائے گا' (جانی عبادتیں ہوں یا مالی) اور انہیں اپنے فضل سے مزید عطا فرمائے گا' وہ بہت بخشنے والا بھی ہے' کمی کوتاہی کو معاف فرما دے گا اور وہ بڑا قدر دان بھی ہے ہر نیکی کا اجر کم از کم دس گنا کر کے عطا فرمائے گا' اسی تجارت میں لگنے میں نفع عظیم ہے جس کے تباہ ہونے کا خطرہ نہیں اور نقصان کا اندیشہ نہیں۔

اس کے بعد قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو وحی بھیجی ہے وہ حق ہے' اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں' بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی پوری طرح خبر رکھنے والا ہے پوری طرح دیکھنے والا ہے۔

اس کے بعد اُن بندوں کا تذکرہ فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا فرمائی' اُن کے بارے میں لفظ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ جسے اللہ تعالیٰ کی کتاب مل گئی وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے' (خواہ عمل کے اعتبار سے اس نے اپنی حیثیت گرا رکھی ہو)

حدیث شریف میں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کی نعمت عطا فرما دی پھر اُس نے کسی شخص کے بارے میں یہ خیال کیا کہ اُسے مجھ سے افضل چیز عطا کی گئی ہے تو اُس نے سب سے بڑی نعمت کو حقیر جانا (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج۶ص۷۵)

پھر ان کی تین قسمیں بتائیں کہ ان میں بعض وہ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی گناہوں میں مشغول رہتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو متوسط درجہ کے لوگ ہیں' اور بعض وہ ہیں جو باذن اللہ نیکیوں میں آگے بڑھے ہوئے ہیں' یہ وہ حضرات ہیں جو گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور فرائض و واجبات کے علاوہ دوسرے نیک کاموں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (یہ اللہ کا بڑا فضل ہے) معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عطا فرمائی ہے اُن میں جو لوگ گنہگار ہیں ان کا بھی اکرام کرنا چاہئے' ان کے گناہوں پر نظر نہ کریں بلکہ اللہ کے فضل کو دیکھیں اُس نے اُنہیں اپنی کتاب دے کر فضل کبیر سے نوازا ہے۔

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تینوں قسم کے لوگ ایک ہی مرتبہ میں ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ کے نوازے ہوئے ہیں اور یہ سب جنت میں ہوں گے۔ (راجع تفسیر سورۃ فاطر من سُنن الترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت بالا منبر پر پڑھی اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا سابقنا سابق مقتصدنا ناج وظالمنا مغفور لهٗ یعنی ہم میں جو آگے بڑھنے والے ہیں وہ (اجر وثواب اور رفع درجات میں) آگے بڑھنے والے ہیں اور جو متوسط طبقہ کے ہیں وہ نجات پانے والے ہیں اور جو ظالم ہیں اُن کی مغفرت ہو جائے گی۔

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور یوں فرمایا کہ جو سابق بالخیرات ہو گا وہ بلا حساب جنت میں داخل ہو گا اور جو متوسط درجہ کے ہوں گے' اُن سے ہلکا سا حساب لیا جائے گا' اور

جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے انہیں حساب کے مقام پر روک لیا جائے گا یہاں تک کہ انہیں رنج لاحق ہو جائے گا پھر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (راجع للمحدیثین معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۷۱)

ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات کی تعیین اور تشریح میں متعدد اقوال ہیں جو روح المعانی و معالم التنزیل میں مذکور ہیں۔

اس کے بعد جنتیوں کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ رہنے کے باغیچوں میں ہوں گے جن میں انہیں سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ یہ مضمون سورۃ الحج (رکوع نمبر ۳) میں بھی گذر چکا ہے' یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ زیور تو عورتوں پر اچھا لگتا ہے مردوں کو کیا زیب دے گا؟ بات یہ ہے کہ ہر جگہ کا ایک ایک مزاج اور رواج ہوتا ہے' اہل جنت کا یہ مزاج ہوگا کہ مرد بھی رغبت سے زیور پہنیں گے جیسا کہ دنیا میں بھی راجہ اور بادشاہ پہنتے رہے ہیں' شریعت اسلامیہ میں مردوں کو زیور پہننا منع ہے لیکن وہاں ان کے لئے حلال بھی ہوگا اور ان کو مرغوب بھی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوگا' اسی طرح ریشم کو سمجھ لیا جائے کہ مردوں کے لئے اس کا لباس پہننا اس دنیا میں جائز نہیں ہے لیکن جنتی مردوں کو وہاں ریشم کا لباس عطا کیا جائے گا۔

متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دُنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا آخرت میں ریشم کا لباس نہیں پہنے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۳ از بخاری و مسلم)

اس کے بعد اہل جنت کے شکر گذاری کے کلمات نقل فرمائے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہم سے غم کو دور فرما دیا) اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ (بلاشبہ ہمارا رب بہت بخشنے والا ہے) اس نے ہمارے گناہوں کو اور لغزشوں کو بخش دیا۔ شَكُوْرٌ (بڑا قدردان ہے) ہماری نیکیوں کی قدردانی فرمائی اور وہ وہ نعمتیں عطا فرمائیں جن کے ہم بالکل مستحق نہ تھے۔ الَّذِيٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (جس نے ہمیں اپنے فضل سے رہنے کی جگہ میں اُتار دیا) اس میں یہ بتایا کہ جنت رہنے کی جگہ ہے جس کے بارے میں فرمایا ہے لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا کہ جنتی وہاں سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔ اور تعریضاً یہ بھی بتا دیا کہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ جو جنت میں پہنچا۔ اس نے صحیح ٹھکانہ پکڑا جہاں سے کہیں اور جانا ہی نہیں اور نہ اس سے کوئی اچھی جگہ ہے جہاں جانے کا خیال آئے۔

لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (ہمیں یہاں کوئی دُکھ نہیں پہنچے گی اور نہ ہمیں یہاں کوئی تھکن محسوس ہو گی) وہاں آرام ہی آرام ہے' کسی طرح کی کمائی کی کوئی حاجت نہیں اس لئے نہ محنت ہوگی نہ مشقت' نہ دُکھن ہوگی نہ تھکن سے واسطہ پڑے گا۔ سورۃ الحجر میں فرمایا' لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (نہ انہیں وہاں تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ

اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے' نہ تو اُن کی قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ اُن سے اس کا

عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

عذاب ہلکا کیا جائے گا' ہر کافر کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ دوزخ میں چلائیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکال لیجئے ہم ان اعمال کے

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا

علاوہ دوسرے عمل کریں گے جو کیا کرتے تھے' کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص سمجھ سکتا تھا جو سمجھنا چاہتا' اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا'

فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

سو تم چکھ لو سو ظالموں کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں۔

دوزخیوں کو نہ موت آئے گی نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا نہ اس میں سے کبھی نکلیں گے

تفسیر: اہل ایمان کا انعام واکرام بیان فرمانے کے بعد اہل کفر کی سزا بیان فرمائی اور ان کے لئے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا تذکرہ فرمایا' نہ تو ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوگا کہ مرجائیں اور نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ اسی طرح ہم ہر کافر کو جزا دیتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ جب اہل کفر دوزخ میں مبتلائے عذاب ہوں گے تو وہاں چیخیں گے اور چلائیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں درخواست پیش کریں گے کہ ہمیں اس سے نکال دیجئے ہم پہلے جو عمل کیا کرتے تھے اب ان کے علاوہ عمل کریں گے یعنی آپ کے حکم کے مطابق چلیں گے' اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا' اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا' نہ تو تم نے اپنی عمر کو نیکیوں میں لگایا اور نہ ہماری طرف سے بھیجے ہوئے رسول اور نبی کی بات مانی جس نے تمہیں سمجھایا اور اُس مصیبت سے ڈرایا جس میں تم آج مبتلا ہو۔ لہٰذا اب عذاب چکھو اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا جس کی عمر میں اتنی ڈھیل دے دی کہ ساٹھ سال تک پہنچا دیا۔ (رواہ البخاری کما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۰)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا یوں پکارے گا کہ ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں؟ (پھر فرمایا) یہی وہ عمر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱)

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

بلاشبہ اللہ آسمانوں کے اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہے' بلاشبہ وہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے

خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کے بعد آباد فرمایا' سو جو شخص کفر اختیار کرے اس کا کفر اُسی پر ہے' اور کافروں کے لئے ان کا کفر اُن کے رب

اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

کے نزدیک ناراضگی ہی کو بڑھاتا ہے' اور کافروں کے لئے اُن کا کفر صرف خسارہ ہی میں اضافہ کرتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم جنہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کا حال بتاؤ' مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا' کیا آسمانوں میں ان کا کوئی ساجھا ہے' کیا ہم نے

كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ

انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اُس کی دلیل پر قائم ہوں' بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو صرف دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ

يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ

آسمانوں کو اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائے اور اگر وہ ٹل جائیں تو اُس کے سوا ان دونوں کو کوئی بھی تھامنے والا نہیں' بلاشبہ

كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

وہ حلیم ہے غفور ہے۔

کفر کا وبال اہل کفر ہی پر پڑے گا' کافر آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں' آسمانوں اور زمین کو اللہ تعالیٰ ہی روکے ہوئے ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم وقدرت کو بیان فرمایا ہے اور مشرکوں اور کافروں کی گمراہی اور بدحالی بیان فرمائی ہے۔ **اول** تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے یعنی جو چیزیں مخلوق کے علم سے غائب ہیں وہ ان سب کو پوری طرح جانتا ہے **دوم** یہ فرمایا کہ وہ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے' **سوم** یہ فرمایا کہ تم لوگوں کو اس نے زمین میں خلیفہ بنایا ہے یعنی تم سے پہلے جو لوگ زمین میں رہتے اور بستے تھے اُن کے بعد تمہیں بسا دیا' سارے انسانوں پر لازم ہے کہ اس کا شکر ادا کریں' اس کی ذات وصفات پر' اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں لیکن لوگ اکثر کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ (سو جو شخص کفر اختیار کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے) وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا اور کافروں کا کفر انہی کے حق میں مضر ہے جس کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے کہ ان کا رب ان سے ناراض ہے اور جیسے جیسے یہ لوگ کفر میں آگے بڑھتے ہیں برابر پروردگارِ عالم جل مجدہٗ کی ناراضگی بڑھتی چلی جاتی ہے' کافر خواہ یہ سمجھتے ہوں کہ ہم بڑے نفع میں ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا کفر اُن کے لئے خسارہ میں اضافہ کا باعث بنتا چلا جارہا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ جو لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں جن کی پوجا کرتے ہیں اور جن کو پکارتے ہیں ان کے بارے میں ان سے دریافت کیجئے کہ ان کا کیا حال ہے' انہیں جو تم نے معبود بنایا ہے ان میں کون سی صفت دیکھ رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ مستحق عبادت سمجھے گئے؟ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے؟ کیا آسمانوں میں ان کا کچھ ساجھا ہے؟ اس میں سے کوئی بات نہیں ہے! زمین اللہ کی ہے جس پر رہتے سہتے ہو' آسمان اللہ کے ہیں جن کے نیچے زندگی گذارتے ہو' یہ سب کچھ جانتے ہوئے غیروں کی عبادت کرنا کون سی سمجھداری ہے۔

اَمۡ اٰتَیۡنٰہُمۡ کِتٰبًا فَہُمۡ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنۡہُ (کیا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کی دلیل پر یہ لوگ قائم ہیں) یہ استفہام انکاری ہے' مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس کی رو سے شرک اختیار کرنے کو درست سمجھتے ہیں۔ بَلۡ اِنۡ یَّعِدُ الظّٰلِمُوۡنَ بَعۡضُہُمۡ بَعۡضًا اِلَّا غُرُوۡرًا شرک کے درست ہونے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو شرک پر جماتے ہیں اور توحید پر نہیں آنے دیتے اور شرک میں فائدہ بتا بتا کر ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ باطل معبود ہماری سفارش کریں گے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہٗ کی قوت قاہرہ ایک اور طریقہ پر بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے' ان کی جو جگہ مقرر ہے وہاں سے نہیں ٹل سکتے (اپنے محور ہی میں رہتے ہیں) اور اگر بالفرض اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ دیں تو اُس کے علاوہ کوئی ان کو تھام نہیں سکتا' آسمان وزمین اسی کی مخلوق ہیں' اُسی نے اُن کی جگہ مقرر فرمائی ہے' کسی کو ان میں ذرا سے تصرف کا بھی اختیار نہیں ہے وہی اُن کی حفاظت فرماتا ہے وہی ان کا مالک ہے' ان میں جو چیزیں ہیں وہ ان کا بھی خالق و مالک ہے پھر اس کے علاوہ دوسرا کوئی مستحق عبادت کیسے ہوسکتا ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا (بے شک وہ حلیم ہے (عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا) غفور بھی ہے) سب کچھ معاف کرنے والا ہے۔

آسمان وزمین کے تھامنے کی تشریح میں یہ جو عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اُن کی جگہ مقرر فرما دی ہے اُس کے علاوہ دوسری جگہ منتقل نہیں ہوسکتے' اس معنی کو لینے سے آسمان اور زمین کی حرکت کے بارے میں کوئی اشکال نہیں رہتا وہ اسی جگہ میں رہتے ہوئے حرکت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمائی ہے دونوں حرکت کرتے ہوں یا ایک متحرک ہو حسب ما یقول اصحاب الفلسفة القديمة و الجديدة بہرحال اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حد میں رہتے ہیں۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ اِحۡدَی الۡاُمَمِ

اور ان لوگوں نے مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آجائے تو دوسری اُمتوں کے مقابلہ میں ہر ایک سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے

فَلَمَّا جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا زَادَہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ﴿۴۲﴾ اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَمَکۡرَ السَّیِّیٴِ ؕ وَلَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ

پھر جب اُن کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو اُن کی نفرت زیادہ ہوگئی زمین میں تکبر کرنے اور بُری تدبیریں اختیار کرنے کی وجہ سے اور بُری تدبیر

السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ

کا وبال اُسی پر ہے جو یہ کام کرے، سو کیا وہ پرانے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں، سو آپ ہرگز اللہ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

اور آپ ہرگز اللہ کے دستور میں منتقل ہونا نہ پائیں گے۔

قریش مکہ نے قسم کھا کر کہا کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ گیا تو ہم دوسروں سے بڑھ کر ہدایت والے ہونگے، پھر جب ڈرانے والا آ گیا تو متکبر بن گئے اور حق سے منحرف ہو گئے

تفسیر: قریش مکہ مشرک تھے، تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے وہاں نصاریٰ کی حکومت تھی اور یہودیوں کا بھی انہیں کچھ علم تھا جب اُنہیں یہ پتہ چلا کہ ان دونوں قوموں نے اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے تو کہنے لگے کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو ان کے پاس اللہ کے رسول آئے تو انہیں جھٹلا دیا ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آ گیا تو ان لوگوں سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے، یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کہی تھی، پھر جب آپ کی بعثت ہوئی تو نہ صرف یہ کہ آپ کی تکذیب کی بلکہ آپ کی تکذیب کی اور تنفر ہی کو اختیار کر لیا، اور نفرت اختیار کرنے کا باعث یہ تھا کہ ایمان قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے جو سراسر تکبر تھا، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خلاف بری بری تدبیریں کرتے تھے، پھر جو تدبیریں کیں وہ خود الٹی اُنہیں کے گلے پڑیں، جن حضرات کو اسلام سے روکتے تھے ان کے روکنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے اور یہ روکنے والے غزوۂ بدر میں مقتول ہوئے اور سارا تکبر دھرا رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور قاعدہ کلیہ اس کو یوں بیان فرمایا: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے) یہ تکوینی قانون ہے کہ جو شخص کسی کو دکھ دینے کی تدبیریں کرے گا وہ خود اسی پر پڑیں گی، عموماً ایسا دیکھا جاتا رہا ہے اور اس کے بارے میں یہ جملہ مشہور ہو گیا ہے: من حفر بئرا لاخيه فقد وقع فيه ۔ (جو شخص اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودے وہ خود اسی میں گرے گا)

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ (سو کیا وہ پرانے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں) فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (سو آپ ہرگز اللہ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (اور آپ ہرگز اللہ کے دستور میں منتقل ہونا نہ پائیں گے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ کافروں پر عذاب ہوگا خواہ دنیا و آخرت دونوں میں ہو، خواہ صرف آخرت میں ہو، اور یہ بھی دستور ہے کہ جو عذاب کا مستحق ہو اُسی کو عذاب ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ انہیں چھوڑ کر کسی دوسری قوم کو عذاب ہو جائے جو مستحق عذاب نہ ہو، ان کا ڈھنگ اور طریقہ کار ایسا ہے جیسے عذاب کے منتظر ہوں اور وجہ اس کی عناد اور باطل پر اصرار ہے، چونکہ عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین نہیں اس لئے عذاب کے انتظار میں بیٹھے ہیں، انتظار کرنے سے

عذاب سے حفاظت نہ ہو جائے گی آنے والا عذاب آ کر رہے گا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ

کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو اُن سے پہلے تھے اور وہ اُن سے

قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾

قوت میں بڑھے ہوئے تھے اور آسمانوں میں اور زمین میں اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، بلاشبہ وہ جاننے والا ہے قدرت والا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

اور اگر اللہ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین کی پشت پر کسی ایک چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑے، اور لیکن وہ ایک میعادِ مقررہ تک

مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾

مہلت دے رہا ہے سو جب اُن کی مقررہ میعاد آ جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

زمین میں چل پھر کر دیکھتے ہیں پھر بھی سابقہ اُمتوں کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے، لوگوں کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتا تو زمین کی پشت پر کسی کو بھی نہ چھوڑتا

تفسیر: مکہ والے تجارت کیلئے شام کے اسفار میں جایا کرتے تھے راستہ میں قوم ثمود کی برباد شدہ بستیاں پڑتی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بستی (سدوم) کے پاس سے بھی گذر ہوتا تھا اس لئے انہیں یاد دہانی فرمائی، اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو اُن سے پہلے تھے، یعنی جن قوموں پر عذاب آیا اور ہلاک کئے گئے ان کا حال انہیں معلوم ہے؟ ان کی آبادیوں کے نشان دیکھتے ہوئے گذرتے ہیں پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے، اور عبرت کے لئے مزید بات یہ ہے کہ وہ لوگ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے جب وہ ہلاک کر دیئے گئے تو ان کی تو ہستی ہی کیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ اور اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے جو چاہے کرے اور جسے چاہے عذاب دے، آسمانوں اور زمین میں اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (بلاشبہ وہ بڑے علم والا ہے بڑی قدرت والا ہے) کوئی شخص یا کوئی جماعت یہ نہ سمجھے کہ اسے ہمارے کرتوتوں کا علم نہیں ہے اور یہ بھی نہ سمجھے کہ وہ عذاب دینے پر قدرت نہیں رکھتا، وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اُس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہیں نہیں جا سکتا۔

سورت کے ختم پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا' دنیا میں لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے کفر کی وجہ سے بربادی کے مستحق ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے' لیکن اس کے یہاں تاخیر ہے اور ڈھیل ہے اُس نے جو اجل اور میعاد مقرر فرمار کھی ہے جب وہ آئے گی تو عذاب آ جائے گا۔ اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کتنے کافر گذر گئے اور کتنوں نے بدعملی کر لی اُن سب کی فہرست کہاں ہے اور ہر ایک کا مواخذہ کیسے ہوگا' جو شخص ایسا خیال کرتا ہے یہ اس کی جہالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے ہر ہر بندہ کو دیکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے' جب مقررہ میعاد آ جائے گی اپنے علم کے مطابق سزا دے دے گا۔ اسی کو فرمایا: فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا (سو جب اُن کی اجل آ جائے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے)۔

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ زمین کے باشندوں میں سب کی ہلاکت ہوگی تو اہل ایمان کو بھی شامل ہوگی' وہ ہلاکت میں کیوں شریک کئے جائیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی قانون کے مطابق ہلاک تو سبھی ہوں گے لیکن قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے' اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو جو بھی لوگ وہاں موجود ہوں ان سب کو عذاب پہنچ جاتا ہے پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۵۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک لشکر کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لئے آئے گا جب وہ میدان میں ہوں گے تو اوّل سے آخر تک سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اوّل سے آخر تک سب کو کیسے دھنسا دیا جائے گا حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو خرید و فروخت کے لئے نکلے ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اُن میں شامل نہ ہوں گے' آپ نے فرمایا کہ دھنسائے تو جائیں گے سب ہی پھر اپنی اپنی نیت پر اُٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۸۴)

کہیں لکھا تو نہیں دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کے لئے یہ ہلاکت باعث اجر و ثواب ہوگی اور محض ایمان و اعمال صالحہ پر جو اجر ملتا ہے اس مجموعی عذاب میں شامل کئے جانے کی وجہ سے مزید اجر ملے گا اور اس تکلیف کو مستقل ثواب کا سبب بنا دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وهذا اٰخر التفسير من سورة فاطر

فی السّابع من ايّام ربيع الاوّل

۱۴۱۷ من الهجرة النّبوية على صاحبها الصلوة و التحيه

سُوۡرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ وَّ ھِیَ ثَلٰثٌ وَّ ثَمَانُوۡنَ اٰیَۃً وَّ خَمۡسُ رُکُوۡعَاتٍ

سورۂ یٰسٓ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾

یٰسٓ قسم ہے قرآن حکیم کی' بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں' سیدھے راستہ پر ہیں' یہ قرآن ایسی ذات کی طرف سے

تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۵﴾ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾ لَقَدۡ

نازل کیا گیا ہے جو زبردست ہے رحم والا ہے' تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا سو وہ غافل ہیں۔ البتہ

حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی اَکۡثَرِہِمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا

یہ بات واقعی ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ بلاشبہ ہم نے اُن کی گردنوں میں

فَہِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَہُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ جَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ

طوق ڈال دیئے ہیں سو وہ اوپر ہی کو رہ گئے ہیں۔ اور ہم نے اُن کے آگے آڑ بنا دی اور اُن کے پیچھے

خَلۡفِہِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ

آڑ بنا دی سو ہم نے اُن کو گھیر دیا لہٰذا وہ نہیں دیکھ سکتے' اور ان کے حق میں بات برابر ہے آپ انہیں ڈرائیں

اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ

یا نہ ڈرائیں ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ اُسی شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کا اتباع کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے'

فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ وَّ اَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ ؕ

سو آپ اُسے مغفرت کی اور اجر کریم کی خوشخبری سنا دیجئے' بیشک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اُن لوگوں نے جو آگے بھیجا اُسے اور اُن کے نشانوں کو لکھ لیتے ہیں'

وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ ع

اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب میں پوری طرح لکھ دیا۔

آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تا کہ آپ اُن لوگوں کو تبلیغ کریں جن کے باپ دادوں کے پاس ڈرانے والے نہیں آئے

تفسیر: لفظ یٰسٓ متشابہات میں سے ہے، جس کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، منکرین جو آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم کھا کر اُن کی تردید فرمائی اور فرمایا اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں) اور مزید فرمایا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (کہ آپ سیدھے راستہ پر ہیں) آپ کے دشمن جو آپ کے بارے میں غلط باتیں کہتے ہیں اور آپ جس راہ پر ہیں یعنی توحید اور عبودیت للہ اس سے جو مخاطبین بدکتے ہیں اُن کا خیال نہ کیجئے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں۔

جو لوگ آپ کی رسالت کے منکر تھے اور قرآن کریم کو بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں مانتے تھے اُن لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ اس میں مصدر مفعول مطلق ہے جو نَزَّلَ محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن ایسی ذاتِ پاک کی طرف سے اُتارا گیا ہے جو زبردست ہے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اَلْعَزِيْزُ فرما کر یہ بتا دیا کہ منکرین چین سے نہ بیٹھیں، نڈر نہ ہوں جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ باعزت ہے غلبہ والا ہے اور انکار پر سزا دینے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے، اور اَلرَّحِيْمُ فرما کر یہ بتا دیا کہ گرفت میں جو دیر لگ رہی ہے وہ اُس کی شانِ رحمت کا مظاہرہ ہے اس دیر لگنے سے یہ نہ سمجھیں کہ عذاب میں مبتلا ہونا ہی نہیں ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ آپ کو جو نبوت سے نوازا گیا ہے اور آپ پر جو قرآن مجید نازل کیا گیا ہے یہ اس لئے ہے کہ آپ اُن لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا یعنی آپ کے اوّلین مخاطب اہل مکہ ہیں ماضی قریب میں اُن کے پاس کوئی نبی نہیں آیا جو انہیں ڈراتا، یوں تو یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ کی اولاد ہیں اُنہوں نے انہیں دین حق کی تبلیغ کی تھی، توحید سمجھائی تھی، شرک سے بچنے کی تاکید کی تھی لیکن بعد میں یہ لوگ کفر اور شرک پر لگ گئے۔ **هٰذا اذا كانت ما نافية كما هوا المتبادر وقال ابن عطية يحتمل ان تكون مَا مصدرية تكون نعتًا لمصدرٍ مؤكداى لتنذر قومًا انذارًا مثل انذار الرّسل اٰبآئهم الا بعدين** ـ (یہ اس وقت ہے جب مَا نافیہ ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ابن عطیہ نے کہا ہو سکتا ہے کہ ما مصدریہ ہو کر مصدر مؤکد کی صفت ہو یعنی تا کہ آپ قوم کو ڈرائیں جیسا کہ ان کے دور کے آباء کو رسولوں نے ڈرایا)

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (سو یہ لوگ غافل ہیں) ان کے باپ دادوں کو ڈرانے کے لئے کوئی نبی نہیں بھیجا گیا لہٰذا وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اب آپ ان کو ڈرایئے اور سمجھایئے۔

پھر فرمایا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ (الآیۃ) جب رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو تبلیغ کرتے تھے تو وہ آپ کی تکذیب کرتے تھے

اور آپ کی بات نہیں مانتے تھے‘ اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا‘ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے یعنی ان کے بارے میں یہ طے ہو چکا ہے کہ عذاب میں جائیں گے۔ تکوینی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ اکثر ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا آپ کار رسالت انجام دیں اور ان کے انکار اور عناد سے دلگیر نہ ہوں۔

اس کے بعد منکرین کے ایک عذاب کا تذکرہ فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ (الآیة) کہ ہم اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے یہ طوق ٹھوڑیوں تک ہیں (اور ہاتھ بھی اوپر ہی ان طوقوں میں بندھے ہوئے ہوں گے) لہٰذا ان لوگوں کی کیفیت ایسی ہو جائے گی کہ اُن کے سر اُوپر ہی کو اٹھے ہوئے رہ جائیں گے نیچے کو نہ جھکا سکیں گے۔

علامہ قرطبیؒ (جلد ۱۵ص ۹) نے بعض حضرات سے آیت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اہل کفر کے ساتھ یہ معاملہ دوزخ میں ہوگا اور سورۃ المومن کی آیت کریمہ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ سے استدلال کیا ہے‘ بظاہر یہ رائے ٹھیک ہے اس میں مجاز اور تمثیل کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا۔

آیات بالا کا شانِ نزول: اور صاحب روح المعانی نے بحوالہ دلائل النبوۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن (مسجد میں) بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے قریش مکہ کو اس سے تکلیف ہوئی وہ لوگ جمع ہو کر آپ کے قریب آئے تا کہ آپ کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود اُن کی پکڑ ہو گئی‘ اُن لوگوں کے ہاتھ گردنوں تک پہنچ کر جام ہو گئے اور نظر آنا بھی بند ہو گیا۔ جب یہ حال ہوا تو نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کے واسطہ دیتے ہیں دُعا کیجئے کہ ہماری مصیبت دور ہو جائے‘ آپ نے اُن کے لئے دعا کر دی جس سے اُن کی وہ حالت ختم ہو گئی اور یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ سے لے کر اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ تک آیات نازل ہوئیں‘ لیکن اُن میں سے ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔

اس قصہ میں یہ تصریح ہے کہ جب اُن لوگوں نے آپ کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اُن کی یہ حالت ہوئی کہ اُن کے ہاتھ گردنوں سے چپک کر رہ گئے[1]۔ اگر دنیا میں بھی ایسا واقعہ ہوا ہو جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور آخرت میں اس سے بڑھ کر ہو جائے تو اس میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔

صاحب روح المعانی نے ایک یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ابو جہل نے پتھر اٹھایا تا کہ آپ پر حملہ کرے‘ آپ نماز پڑھ رہے تھے‘ ابو جہل کا ہاتھ گردن تک اٹھا اور وہیں جا کر چپک گیا‘ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا‘ کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر اُس کے ہاتھ میں اور اس کا ہاتھ گردن سے چپکا ہوا ہے‘ اُن لوگوں نے بڑی محنت اور مشقت سے اس کا ہاتھ گردن سے چھڑایا‘ پھر اُس پتھر کو بنی مخزوم کے آدمی نے لے لیا جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھی اُسے نظر نہ آ رہے تھے اُنہوں نے آواز دے کر اُسے اپنے پاس بلا لیا‘ اب تیسرا شخص اُٹھا اُس نے پتھر لیا اور یوں کہتا ہوا چلا کہ میں اُن کا سر پھوڑوں گا‘ تھوڑا سا چلا تھا کہ فوراً ایڑھیوں کے بل پیچھے لوٹا یہاں تک کہ گدی کے بل گر پڑا کسی نے کہا ارے تجھے کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ بہت بڑا حادثہ ہو گیا وہ یہ کہ میں جب اُن کے قریب گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک بہت بڑا اونٹ ہے‘ ایسا اونٹ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا‘ یہ اونٹ میرے اور اُن کے درمیان حائل ہو گیا‘ پھر بتوں کی قسم کھا کر کہا اگر میں اُن کے قریب چلا جاتا تو یہ اُونٹ مجھے کھائے بغیر نہ چھوڑتا۔

[1] اُوپر جو ترجمہ لکھا گیا ہے اسی کے مطابق ہے ۱۲ مولف عفا اللہ عنہ

یہ قصہ لکھ کر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ (اگر اس قصے کو سبب نزول مانا جائے تو) طوق ڈالنا اور آگے پیچھے آڑ بن جانا یہ سب استعارہ ہوگا یعنی وہ تینوں حملہ کرنے والے پیچھے ہٹ گئے اور حملہ نہ کر سکے ایسے بے بس ہو گئے جیسے کسی کا ہاتھ گردن سے بندھ جائے اور آنکھوں کی روشنی چلی جائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے ان کو ایمان لانا نہیں ہے یعنی یہ لوگ آپ کے انذار کا اثر نہ لیں گے جو لوگ انذار کا اثر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا نصیحت قبول کرنے کا مزاج ہے جو حق بات سنتے ہیں اور فکر کرتے ہیں اور وضوحِ حق کے بعد حق کو مان لیتے ہیں: ھٰذا علی احد القولین۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ سے مؤمنین مراد ہیں اور ویؤید ما بعدہ۔ جو وہ بن دیکھے رحمان سے ڈرتے ہیں وہ رحمان کو رحمٰن بھی مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی نافرمانی اور تقصیر اور کوتاہی کے سبب سے اس کی گرفت سے بھی ڈرتے ہیں۔

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ (سو اس شخص کو مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دے دو) اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى (الآیۃ) بلاشبہ ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور ہم اُن کے آثار کو یعنی اچھے اور برے اعمال کو لکھ رہے ہیں جو وہ آگے بھیج رہے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو واضح کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں پوری طرح محفوظ کر دیا ہے۔

لفظ وَاٰثَارَهُمْ اچھے برے تمام اعمال کو شامل ہے اور اعمال کی بجائے اٰثَارَ کا لفظ لانے میں یہ نکتہ ہے کہ جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا (اچھا ہو یا برا) جس کا اتباع بعد کے آنے والے لوگ کرتے ہیں اور جس سے نفع حاصل کرتے رہے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہو جائے جو اپنی نماز خود پڑھی یا قرآن مجید کی تلاوت کی اس کا ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن اگر کسی کو نماز سکھا دی، قرآن مجید پڑھا دیا، نماز پڑھنے والوں کے لئے مسجد بنا دی، کوئی دینی کتاب لکھ دی، تو یہ سب آثار میں شامل ہے جب تک فیض جاری رہے گا ثواب بھی ملتا رہے گا۔ یہی حال معصیتوں، بدعتوں اور بری رسوم کے جاری کرنے کا ہے جس کسی نے یہ چیزیں جاری کر دیں بعد میں عمل کرنے والے کے گناہوں میں ان کا جاری کرنے والا بھی شریک رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک اُن چیزوں میں جو مومن کو موت کے بعد پہنچتی ہیں یعنی اُس کا عمل اور اس کی نیکیاں، اُن میں ایک تو علم ہے جسے اُس نے حاصل کیا اور پھیلایا اور اولادِ صالح ہے جسے چھوڑ گیا یا قرآن ورثہ میں چھوڑ گیا یا مسافر خانہ تعمیر کر گیا یا نہر جاری کر گیا یا اپنے مال سے زندگی میں اور تندرستی کے زمانے میں ایسا صدقہ نکال گیا جو مرنے کے بعد اس کو پہنچتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۲۲)

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس کسی نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اُسے اُس کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے اُسے اُن کے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور اُن کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا اُسے اُس کا گناہ ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے اُن کے عمل کا گناہ بھی اُسے ملے گا اور ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ (رواہ مسلم)

بعض حضرات نے وَاٰثَارَهُمْ کے عموم میں مساجد کو جانے آنے کے نشان ہائے قدم کو بھی شمار کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے آس پاس جگہیں خالی ہو گئیں تو قبیلہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ اپنے دور

والے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی کے قریب آباد ہو جائیں رسول اللہ ﷺ کو اُن کے اس ارادہ کی خبر ملی تو ارشاد فرمایا کہ اے بنی سلمہ تم اپنے گھروں ہی میں ٹھہرے رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸ از مسلم)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ
اور آپ اُن کے سامنے بستی والوں کا قصہ بیان کیجئے جبکہ اُن کے پاس رسول آئے جبکہ ہم نے اُن کے پاس
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا
دو پیامبروں کو بھیجا سو انہوں نے انہیں جھٹلا دیا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ذریعہ اُن کو تقویت دے دی ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اُن لوگوں نے کہا کہ
بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ
تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو اور رحمٰن نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم تو جھوٹ ہی بول رہے ہو۔ انہوں نے کہا بلاشبہ یہ بات واقعی ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں
اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ
اور ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ کھول کر بات پہنچا دیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیں گے
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ
اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور ضرور دردناک تکلیف پہنچے گی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس بات کو تم نے نحوست سمجھ لیا کہ تم کو
ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
نصیحت کی گئی بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔

ایک بستی میں پیامبروں کا پہنچنا اور بستی والوں کا معاندانہ طریقہ پر گفتگو کرنا

تفسیر: ان آیات میں ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ایک بستی (جس کا نام مفسرین نے انطاکیہ بتایا ہے) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرستادہ گئے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں نبی نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے آدمی تھے جو انہوں نے اپنے حواریین میں سے بھیجے تھے' چونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول نے انہیں بھیجا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمائی اور اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ فرمایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حضرات مستقل نبی تھے' پہلے دو حضرات تشریف لے گئے اور انہوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ہماری بات سنو' دین اسلام قبول کرو اور توحید پر آؤ' یہ بات سنکر بستی والوں نے انہیں جھٹلا دیا اور کہا کہ نہیں تم لوگ اللہ کے رسول نہیں ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے آدمی کو بھیجا جس کے ذریعہ پہلے دو آدمیوں کی تائید کرنا مقصود تھا' اب ان تینوں نے مل کر وہی بات کہی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تم ایمان لاؤ توحید کو قبول کرو' بستی والوں نے کہا کہ تم کو کیسے اللہ کا فرستادہ مانیں تم تو ہمارے ہی جیسے ہو تم میں ایسی کونسی فضیلت کی بات ہے جس کی وجہ

سے تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بنائے گئے۔ تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہے ہم اسے نہیں مانتے' ہمارے نزدیک تو رحمٰن نے تم پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا' تم جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں یہ جھوٹ ہے۔

اُن تینوں حضرات نے کہا کہ تم مانو یا نہ مانو ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم ضرور ضرور تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تمہارے ماننے نہ ماننے سے ہمارے کام پر کچھ اثر نہیں پڑتا' ہم نتیجہ کے مکلف نہیں ہیں ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان کریں ماننا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے' بستی والے کہنے لگے کہ تمہارا آنا تو ہمارے لئے منحوس ہو گیا' ایک تو تمہارے آنے سے ہمارے اندر دو فرقے ہو گئے کوئی تمہارا مخالف اور منکر ہے اور کوئی تمہارا موافق ہے (اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اُن لوگوں کے انکار کی وجہ سے بطور عذاب بعض چیزوں کا وقوع ہو گیا تھا اس کو انہوں نے نحوست بتایا) گاؤں والوں نے مزید کہا کہ تم اپنی باتیں بس کرو اگر باز نہ آئے تو تمہاری خیر نہیں اگر تم نے اپنی باتیں نہ چھوڑیں تو ہم پتھروں سے مار مار کر ختم کر دیں گے اور اس کے علاوہ بھی ہم تمہیں سخت تکلیف پہنچائیں گے۔

اُن تینوں حضرات نے کہا کہ تم نحوست کو ہماری طرف منسوب کر رہے ہو' تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے نہ تم کفر پر جمے رہتے نہ پھوٹ پڑتی نہ کوئی اور تکلیف آتی کرتوت تمہارے ہیں اور ان کا نتیجہ ہمارے ذمہ لگا رہے ہو' ہم نے تو اتنا ہی کیا ہے کہ تمہیں توحید کی دعوت دی ہے اور ایمان قبول کرنے کو کہا ہے اس میں کون سی ایسی بات ہے جسے نحوست کا سبب بنا لیا جائے۔ **قال صاحب الرّوح اَئِنْ ذُکِّرْتُمْ ووعظتم مَا فیہ سعادتکم تطیّرون او تتوعدون او نحو ذٰلک ویقدر مضارع وان شئت قدرت ماضیًا کتطیرتم۔** (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں کیا اس لئے کہ تمہیں اس چیز کی وعظ و نصیحت کی گئی ہے جس میں تمہاری کامیابی ہے تم نحوست کی فال لیتے ہو یا یہ کہ تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو یا اسی جیسی کوئی اور عبارت محذوف ہو سکتی۔ اور فعل محذوف مضارع بھی مانا جا سکتا ہے اور اگر چاہو تو ماضی مان لو جیسے تطیّرون کی جگہ تطیّرتم)

اُن تینوں حضرات نے آخر میں فرمایا بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے ہو تمہارا حد سے آگے بڑھنا یعنی کفر پر جمے رہنا ان چیزوں کا سبب ہے جنہیں ہماری آمد کی نحوست بتا رہے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلام میں نحوست کوئی چیز نہیں ہے' تینوں حضرات نے جو یہ فرمایا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے' یہ ان کے جواب میں **علی سبیل المشاکلہ** فرمایا' کفر کی وجہ سے جو اُن لوگوں کی کچھ گرفت ہوئی تھی اُسے انہوں نے نحوست بتا دیا' تینوں حضرات نے ان کے الفاظ ان پر لوٹا دیئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **الطیرۃ شرک** یعنی بدشگونی شرک ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۲)

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ

اور ایک شخص اُن شہر کے دور والے مقام سے دوڑتا ہوا آیا' اُس نے کہا کہ اے میری قوم ان فرستادہ آدمیوں کا اتباع کرو

لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا لِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کسی اُجرت کا سوال نہیں کرتے اور وہ خود راہِ ہدایت پر ہیں۔ اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْــًٔا وَّلَا

جس نے مجھے پیدا فرمایا اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اُس کے سوا ایسے معبود مان لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے

يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّىْٓ اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّىْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ

تو ان کی سفارش مجھے ذرا بھی کام نہ دے سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑوں گا بیشک میں تمہارے رب پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سنو۔ اس سے کہا گیا کہ

الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِىْ رَبِّىْ وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

جنت میں داخل ہو جاؤ وہ کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت بندوں میں شامل فرما دیا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ

اور ہم نے اس کے بعد اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ نہیں تھی

اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

مگر ایک چیخ سو وہ بجھ کر رہ گئے۔ افسوس ہے بندوں کے حال پر جب اُن کے پاس کوئی رسول

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ

آیا تو انہوں نے ضرور اس کا مذاق بنایا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم اُن سے پہلے بہت سی اُمتیں ہلاک کر چکے ہیں بے شک وہ اُن کی طرف واپس

لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

نہیں ہوں گے۔ اور یہ سب مجتمع طور پر ہمارے پاس ضرور حاضر ہوں گے

مذکورہ بستی کے باشندوں میں سے ایک شخص کا پیامبروں کی تصدیق کرنا اور بستی والوں کو توحید کی تلقین کرنا

تفسیر: تینوں حضرات بستی والوں کو ہدایت دے رہے تھے اور وہ لوگ ان حضرات سے اُلجھ رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ تمہارا آنا ہمارے لئے نحوست کا سبب ہے' یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک شخص اُس بستی کی ایک جانب سے جو بہت دور تھی دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا اُس نے تینوں حضرات کی تائید کی اور بستی والوں سے کہا کہ اے میری قوم یہ حضرات ٹھیک فرما رہے ہیں' یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تم ان کی بات مان لو اور ان کا اتباع کرو' یہ حضرات ایک تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں دوسرے تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتے تیسرے یہ خود ہدایت پر ہیں' ان کا عمل ان کے قول کے مطابق ہے۔ (لہٰذا ان کا اتباع تم پر لازم ہے)

یہ باتیں کہہ کر اُس شخص نے اُن لوگوں کو عبادت خداوندی کی دعوت دی اور اپنے اوپر بات رکھ کر کہا کہ کیا وجہ ہے کہ

میں اُس ذات پاک کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس میں یہ بتادیا کہ جس نے پیدا کیا وہی عبادت کا مستحق ہے جب پیدا فرمانا استحقاقِ عبودیت کی دلیل ہوا تو ضروری ہے کہ تم بھی اللہ ہی کی عبادت کرو میں بھی اُسی کی عبادت کروں' اسی لئے آخر میں والیہ ارجع (اور میں اُسی کی طرف لوٹایا جاؤں گا) نہیں کہا بلکہ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) کہا۔ جب اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جس نے پیدا کیا تو اس کی عبادت چھوڑنا یا دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرنا یہ تو بالکل ہی حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے۔

چونکہ اس بستی کے لوگ مشرک تھے اس لئے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اُس شخص نے مزید کہا: ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً (الآیتین) (کیا میں اپنے پیدا کرنے والے کے علاوہ دوسرے معبود تجویز کرلوں) یہ جو تم نے اُس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں وہ تو بالکل ہی بے حقیقت ہیں اگر رحمٰن تبارک وتعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اُس کی بارگاہ میں سفارش کر کے میری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود مجھے اس ضرر سے چھڑا سکتے ہیں' یعنی نہ تو یہ شفاعت کے اہل ہیں اور نہ خود ان میں کوئی قوت اور طاقت ہے' اگر رحمان جل مجدہٗ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالوں تو میں کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا۔ (یہ سب باتیں اُس دور سے آنے والے آدمی نے اپنے اوپر رکھ کر کہیں اور انہیں بتادیا کہ تم لوگ مشرک ہو' کھلی گمراہی میں ہو اور خالق جل مجدہٗ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے)۔

اس کے بعد اس شخص نے اپنے دین توحید کا کھل کر اعلان کر دیا کہ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ (بلاشک وشبہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے اس اعلان کو سن لو) اس اعلان میں بِرَبِّیْ نہیں کہا بلکہ بِرَبِّکُمْ کہا جس میں اُنہیں تنبیہ کر دی اور یہ بتادیا کہ جو تمہارا رب ہے وہی مستحق عبادت ہے' دوسرے یہ بتایا کہ تم اُسی کی طرف واپس جاؤ گے' تیسرے یہ بتایا کہ تم نے جو اس کے علاوہ معبود بنا رکھے ہیں بے حقیقت ہیں' چوتھے یہ بتایا کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو' اور پانچویں یہ بتادیا کہ میں نے یہی دین اختیار کیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کروں تم بھی یہ دین اختیار کرلو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب اُس شخص نے یہ باتیں کہیں تو وہ لوگ یکبارہی اُس پر پل پڑے اور اُسے قتل کر دیا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُسے پاؤں سے اتنا روندا کہ اسکی آنتیں نکل پڑیں۔

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایمان اور دعوتِ توحید اور شہادت کا انعام دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا۔

قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ جنت میں داخل ہو کر اس شخص نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ میری قوم کو اس کا پتہ چل جاتا جو میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور جو مجھے معزز بندوں میں شامل فرمایا (یہ بات اُس نے آرزو کے طور پر کہی کہ میری قوم کو اللہ کے انعام واکرام کا پتہ چل جاتا تو وہ بھی مسلمان ہو جاتے)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بستی والوں نے اُس آدمی کو قتل کر دیا جو بستی کے آخر والے حصہ سے آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب بھیج دیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو اُن کے ہلاک کرنے کا حکم دیا انہوں نے وہاں زور سے ایک چیخ ماری جس کی وجہ سے وہ سب لقمۂ اجل بن گئے' ان لوگوں کی ہلاکت کے بارے میں فرمایا: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِہٖ مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا مُنْزِلِیْنَ ۝ اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ھُمْ خٰمِدُوْنَ ۝ (اور ہم نے اس شخص

کی قوم پر اس کے بعد آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا اور ہم لشکر کے نازل کرنے والے نہ تھے وہ تو صرف ایک چیخ تھی سو اچانک وہ بجھ کر رہ گئے) یعنی مذکورہ بستی والے جو ہلاک کئے گئے اُن کی ہلاکت کے لئے ہمیں کوئی لشکر اور جماعت کبیرہ بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی بس ایک چیخ ہی کے ذریعے ہلاک کر دیئے گئے۔ اس میں عبرت ہے دوسرے منکرین و مکذبین کے لئے' کوئی فرد یا جماعت یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے انتقام نہیں لے سکتا اگر وہ انتقام لینا چاہے گا تو العیاذ باللہ اُسے دشواری نہ ہوگی نہ اُسے کوئی لشکر بھیجنا پڑے گا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے اُس کے صرف کُنْ کے خطاب سے سب کچھ ہو جاتا ہے جو چیخ بھیجی اُس کی بھی ضرورت نہ تھی لیکن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ اُنہیں ایک چیخ کے ذریعے ہلاک کر دیا جائے' ایک چیخ آئی اور یہ لوگ بجھے ہوئے رہ گئے' بڑے غرور اور طمطراق میں بھرے ہوئے تھے نہ خود رہے نہ جماعت رہی نہ غرور رہا' بالکل ایسے ہو گئے جیسے آگ کسی لکڑی کو بجھا کر راکھ بنا دے۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ جو فرمایا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے اُس شخص کو انہیں میں شامل فرما دیا اور اُسے مزید یہ فضیلت دی کہ وقوع قیامت کا انتظار نہیں کیا گیا ابھی سے جنت میں داخل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ کما قال النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم لقد رأیت رَجُلًا یتقلّب فی الجنّة فی شجرة قطعها من ظهر الطریق کانت تؤذی النّاس. (رواہ مسلم ص ۳۲۸) (جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے جنت میں ایک آدمی کو آزادی سے پھرتے دیکھا جس نے راستہ سے لوگوں کو تکلیف دینے والا درخت کاٹا)

اور بعض حضرات نے قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس سے محض بشارت دینا مقصود ہے اور جنت کا داخلہ قیامت کے دن اپنے وقت پر ہوگا' اگر یہ قول مراد لیا جائے تو قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ موت کے بعد ہی برزخ میں جو حسن سلوک ہوا اُسی سے متاثر ہو کر اُس نے یہ بات کہی۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

اور وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بستی کے ہلاک کرنے کے لئے ہم فرشتوں کو اُتارنے والے نہیں تھے کیونکہ ہمیشہ تعذیب اور ہلاکت کے لئے فرشتے نہیں آتے' اللہ تعالیٰ کبھی فرشتوں کو اتار دیتے ہیں جیسا کہ غزوۂ بدر میں فرشتے نازل کئے گئے اور کبھی نہیں اتارتے' مختلف طریقوں سے ہلاک کیا گیا۔

قال صاحب الروح (ج ۲۳ ص ۲) والظّاهر انّ المراد بهٰذا الجند جند الملٰئكة ای ما انزلنا لاهلاكهم مَلٰئِكَةً مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ وَما صح فی حكمتنا ان ننزّل الجند لا هلاكهم لما انا قدرنا لكلِّ شَیْءٍ سَببًا حیث اهلكنا بعض من اَهلكنا من الاُمم بالحاصب و بعضهم بالصیحة و بعضهم بالخسف و بعضهم بالاغراق و جعلنا انزال الجند من خصائصک فی الانتصار لک من قومک و كفینا امر هٰؤلاءِ بصیحة ملک صاح بهم فهلكوا . یعنی ان ذلک الرجل فوطب بذلک. (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس لشکر سے مراد فرشتوں کا لشکر ہے یعنی ہم نے ان کے ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں اتارے اور نہ ہی ہم فرشتے اتارنے والے تھے کہ ہماری حکمت میں ان کی ہلاکت کے لئے فرشتوں کا اتارنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ہر چیز کے لئے سبب مقرر کیا ہے جیسا کہ بعض قوموں کو ہم نے پتھر برسا کر

ہلاک کیا بعض کو چیخ سے بعض کو زمین میں دھنسا کر بعض کو پانی میں غرق کر کے ہلاک کیا فرشتے نہیں اتارے' لیکن اب یہ تیری قوم میں تیری مدد کیلئے فرشتوں کا اترنا تیری خصوصیات میں سے ہے۔ اور ہم نے ان کے لئے ایک فرشتہ کی چیخ کو کافی کر دیا فرشتے نے چیخ ماری اور یہ سب ہلاک ہو گئے۔ یعنی اس آدمی سے خطاب کر کے یہ کہا گیا)

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ (افسوس ہے بندوں کے حال پر) بیان القرآن میں لفظ ''حسرت'' کا ترجمہ افسوس سے کیا ہے' لفظ حسرت وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی نفع مند چیز فوت ہو جائے اور اس پر ندامت اور شرمندگی ہونے لگے۔ چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے اصلی معنی میں حسرت ہونا محال ہے اسلئے افسوس سے ترجمہ کیا گیا ہے' لیکن احقر کو اس میں بھی اشکال ہے کیونکہ افسوس سے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بلند و برتر ہے' صاحب روح المعانی نے اس موقع پر متعدد اقوال نقل کئے ہیں کہ حسرت کرنے والے کون ہیں اور العباد کون ہیں جن پر حسرت کی گئی' پھر ایک قول یہ لکھا گیا ہے: وجوز ان یکون التحسر منه سبحانهٗ و تعالیٰ مجازًا علی استعظام ماجنوه علی انفسهم۔ (اور ہو سکتا ہے کہ یہ حسرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجازاً ہو ان کے جرم کی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے) پھر چند سطر کے بعد لکھا ہے: وقیل (یا) للنداء والمنادی محذوف و (حسرة) مفعول مُطلق لفعل مضمرو (علی العباد) متعلق بذٰلِکَ الفعل ای یا هٰؤُلَاءِ تحسروا حسرة علی العباد۔ (بعض نے کہا ہے یا ءِ نداء کیلئے ہے اور منادی محذوف ہے اور حسرةً فعلِ محذوف کا مفعول مطلق ہے اور علی العباد اسی فعل محذوف کا متعلق ہے یعنی اے لوگو! ان بندوں پر خوب حسرة کرو) یعنی منادی محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! بندوں کے حال پر حسرت کرو' اُن کے پاس جب کبھی کوئی رسول آیا انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا اور اپنی آخرت برباد کی۔

صاحب رُوح المعانی نے اخیر میں لکھا ہے: ولعل الاوفق للمقام المتبادر الی الافهام ان المراد نداء حسرة کل من یتأتی منه التحسر ففیه من المبالغة مافیه۔ (اور مقام کے زیادہ موافق ذہن کو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے مراد حسرت کی دعوت ہے ہر اس آدمی کو جو حسرت کر سکتا ہے ایسی صورت میں اس میں مبالغہ ہے) یعنی مقام کے مناسب یہ مطلب زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ شخص جو حسرت کرنے کا اہل ہے اُن لوگوں کے حال پر حسرت کرے جنہوں نے نبیوں کو جھٹلایا اور ان کا مذاق بنایا۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کیا اُن لوگوں (یعنی اہل مکہ) نے اس کو نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی اُمتیں ہلاک کر دیں (جس کا انہیں علم ہے اور اقرار ہے) اسفار میں جاتے ہیں تو ہلاک شدہ قوموں کے کھنڈر دیکھتے ہیں' اگر غور کرتے تو جھٹلانے اور نبیوں کا مذاق بنانے سے بچتے اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ یہ ہلاک شدگان ان کی طرف لوٹنے والے نہیں ہیں یعنی جنہیں ہلاک کیا گیا وہ ختم ہو گئے دنیا سے چلے گئے اب انہیں واپس آنا نہیں ہے' جو کچھ محل تعمیر کئے' عمارتیں بنائیں' مال جمع کیا سب کچھ دھرا رہ گیا نہ پہلی زندگی میں ان چیزوں نے ان کی جان بچائی نہ واپس آ کر ان سے منتفع اور مستفید ہو سکتے ہیں۔

وَاِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ (اور یہ سب لوگ مجتمع طور پر ہمارے روبرو حاضر کئے جائیں گے) یعنی جو لوگ کفر کی وجہ سے ہلاک کئے گئے اُن کا جو دُنیا میں ہلاک کیا جانا اور عذاب دیا جانا ہے اسی پر بس نہیں ہے مزید عذاب آخرت میں

دیا جائے گا جو دائمی ہوگا جو لوگ بھی ہلاک کئے جائیں گے وہ سب مجتمع طور پر ہمارے روبرو حاضر ہوں گے حجتیں قائم ہوں گی پھر دائمی عذاب کی جگہ یعنی دوزخ میں جائیں گے۔

فوائد مستنبطہ از قصہ مذکورہ: تین حضرات مذکورہ بستی میں دعوت اور تبلیغ کے کام کے لئے گئے اُن کے بارے میں بیان فرمایا کہ پہلے دو حضرات کو بھیجا تھا پھر تیسرا شخص بھی اُن کی تقویت کے لئے بھیجدیا' اس سے جماعتی طور پر دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کا ایک طریقہ معلوم ہوا' یوں تو ایک شخص تنہا بھی اپنی بساط کے موافق جتنا چاہے کر سکتا ہے اور بعض مرتبہ مخاطبین کی بدسلوکی کی وجہ سے اُسے بہت زیادہ ثواب بھی مل سکتا ہے لیکن جماعت بن کر لوگوں کے پاس جانے اور اُنہیں حق کی تبلیغ کرنے اور ایمان اور ایمانیات کی دعوت دینے کے لئے نکل کر لوگوں کے پاس پہنچنے سے بعض مرتبہ نفع زیادہ ہوتا ہے اور فی نفسہٖ یہ طریقہ بہت مفید ہے۔

قصۂ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات دینی دعوت کے لئے کہیں جائیں تو مقامی لوگوں کو بھی اُن کی تائید میں کھڑا ہونا چاہئے جیسا کہ مذکورہ بستی کے دور دراز حصہ سے آ کر ایک شخص نے اصحاب ثلاثہ کی تائید کی' اس سے دعوت دینے والے حضرات کو تقویت ہوتی ہے۔

ان حضرات کے قصہ سے دو باتیں اور مزید معلوم ہوئیں' اول یہ کہ دور دراز سے جو شخص آیا اُس نے خطاب کی ابتداء کرتے ہوئے یا قوم کہا پھر یوں کہا اتَّبِعُوا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا (کہ اے میری قوم تم اُن لوگوں کا اتباع کرو جو کسی معاوضہ یا اُجرت کا سوال نہیں کرتے) وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (اور وہ لوگ خود بھی ہدایت پر ہیں) معلوم ہوا کہ جو لوگ دعوت کا کام کہیں لے کر جائیں وہ بغیر کسی دنیاوی غرض کے دعوت کے کام کے لئے نکلیں اور جن لوگوں کے پاس پہنچیں اُن سے کسی قسم کا ذرا سا بھی کوئی لالچ نہ رکھیں نہ دعوت وضیافت کا نہ روٹی پانی کا نہ بوریا اور بستر کا' اپنا خرچہ خود ہی کریں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ خاص وصف تھا کہ وہ اپنے دعوت کے کام کا ثواب صرف اللہ تعالیٰ سے چاہتے تھے مخاطبین سے ذرا سی بھی نہ اُمید رکھتے تھے نہ اُن سے کچھ طلب کرتے تھے' ان حضرات کا فرمانا یہ تھا

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور میں تم سے توحید کی دعوت پر کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ کے ذمہ ہے) سورۂ سبا میں ہے: قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ (آپ فرما دیجئے کہ میں نے جو کچھ کوئی عوض تم سے طلب کیا ہو تو وہ تمہارے ہی لئے ہے میرا اجر صرف اللہ پر ہے)۔ سورۂ صٓ کے آخر میں فرمایا: قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ (آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اپنے دعوت کے کام پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو لوگ ہدایت کی دعوت دیں وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہوں' اگر خود بھی ہدایت پر ہوں گے تو مخاطبین اُن کی بات کا اثر جلدی لیں گے اور ان میں سے کوئی شخص یوں نہ کہہ سکے گا کہ نکلے ہو دوسروں کو بتانے اور دینی اعتبار سے تمہارا اپنا حال پلپلا ہے۔

داعیٔ حق کو مخاطبین سے بات کرنے کا اسلوب بھی ایسا اختیار کرنا چاہئے جسے اُن کے کان خوشی سے سن لیں اور قلوب گوارا کر لیں۔ مذکورہ بالا بستی کا جو شخص دور سے دوڑا ہوا آیا تھا ایک تو بستی والوں کا یَا قَوْمِ کہہ کر اپنایا اور یہ بتایا کہ تم اور

میں ایک ہی قوم کے افراد ہیں اُنکے ذہنوں کو قریب کرنے کیلئے یہ بتایا کہ میں تمہیں میں سے ہوں۔

پھر یہ صاحب جب اصحابِ ثلاثہ (تینوں فرستادوں) کی تائید سے فارغ ہوئے تو اپنے اوپر رکھ کر یوں کہا: وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي (اور کیا ہوا کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا) وہ شخص خود تو ہدایت پر تھا، موحد تھا اور جو خاطب تھے وہ مشرک تھے، لیکن بات کرنے میں متکلم کا صیغہ استعمال کیا کہ مجھے کیا ہوا جو میں اپنے خالق کی عبادت نہ کروں، حالانکہ بظاہر یوں کہنا چاہئے تھا وَمَا لَكُمْ لَا تَعْبُدُونَ الَّذِي فَطَرَكُمْ کہ تمہیں کیا ہوا کہ اُس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا، خطاب اُن سے کیا بات اپنے اوپر رکھی اور توحید کی دلیل بھی بتا دی اور شرک کی تردید بھی کر دی کہ جس نے پیدا کیا ہے صرف وہی مستحق عبادت ہے اور اُس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے کیونکہ اُس کی صفتِ خالقیت میں کوئی بھی شریک نہیں، اور چونکہ اصل تبلیغ مخاطبین ہی کو کرنی تھی اس لئے آخر میں وَإِلَيْهِ ارجع نہیں کہا (کہ میں اُس کی طرف لوٹایا جاؤں گا) بلکہ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ کہا کہ تم اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے، اَب تم سمجھ لو کہ تمہارا کیا حال بنے گا، شرک کی پاداش میں سزا بھگتنا ہے تو تم جانو۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے صاحب موصوف نے کہا إِنِّي إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (اگر میں اپنے خالق کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنے لگوں تو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ جاؤں گا) یہ بات بھی اپنے اوپر رکھ کر کہی اور مخاطبین کو بتا دیا کہ دیکھو تم مشرک ہو اور کھلی ہوئی گمراہی میں ہو۔

آخر میں کہا إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ (بلاشبہ میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات سنو) اس میں اپنے ایمان کا واضح طور پر اعلان کر دیا اور اس میں بھی ان کو ایمان کی دعوت دیدی اٰمَنْتُ بِرَبِّيْ کے بجائے اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ کہا اور یہ بتا دیا کہ جو تمہارا پروردگار ہے اسی پر ایمان لانا اور اسی کی عبادت کرنا لازم ہے پرورش تو کرے خالق اور مالک جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور عبادت دوسروں کی کی جائے یہ تو ہلاکت اور ضلالت کی بات ہے۔

بات یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے دعوت وارشاد کا کام کرتے ہیں، ناصح اور امین ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے قلوب میں اس کا طریقہ ڈال دیتے ہیں اور اُن کی زبانیں حسن اسلوب، حسن اداء اور عمدہ سلیقہ سے متصف ہو جاتی ہیں۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا

اور ان لوگوں کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے، ہم نے اُسے زندہ کیا اور ہم نے اُس سے غلے نکالے سو وہ اس میں سے کھاتے ہیں، اور ہم نے اس میں

جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا

کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور ہم نے اُس میں چشمے جاری کر دیئے، تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور اسے اُن کے ہاتھوں

عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ

نے نہیں بنایا، سو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں سے ہر قسم کی چیزیں پیدا فرمائیں

وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۶

اوران لوگوں کی جانوں میں سے اوران چیزوں میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے۔

مردہ زمین کوزندہ فرمانااوراس میں سے کھیتیاں اور پھل پیدافرمانا' یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بعض مظاہرے ہیں'

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہرے تو بہت ہیں اور کثیر تعداد میں ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں' اللہ کی نشانیوں میں سے زمین بھی ہے' زمین کا وجود اور پھیلاؤ اور اس پر جو کائنات آباد ہے ان سب کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں' انہیں نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین مردہ ہوجاتی ہے اس میں کوئی سبزی اور گھاس پھونس باقی نہیں رہتا' پھر اللہ جل شانہٗ پانی برسا دیتے ہیں اور اس پانی کے ذریعے زمین کو زندہ فرمادیتے ہیں' پانی برسا زمین زندہ ہوگئی کسانوں نے بیج ڈالا تو کھیتی ظاہر ہوگئی' آگے بڑھی بالیں نکلیں اُن میں دانے پیدا ہوئے پھر وہ پک گئے' کاٹی گئیں' غلے نکلے پھر لوگوں نے ان کو غذا بنایا' یہ تو سلسلہ کھیتی کا ہے اور کھیتی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بہت سارے باغ بھی پیدا فرمائے ہیں' اُن میں مختلف قسم کے درختوں کے باغ ہیں۔ آیت بالا میں انگوروں اور کھجوروں کے باغوں کا تذکرہ فرمایا' کھجور اور انگور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں ان میں بڑی غذائیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چشمے بھی پیدا فرمادیئے ہیں' جن کا پانی میٹھا ہوتا ہے بارش نہ ہو تو ان چشموں سے کھیتوں کو اور باغوں کو سیراب کردیا جاتا ہے جس طرح کھیتوں سے پیدا ہونے والے غلوں سے خوراک حاصل کرتے ہیں اسی طرح درختوں کے پھل بھی غذائیت کا کام دیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کے میوہ جات بھی بنائے جاتے ہیں۔

کھیتوں اور باغوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ کہ یہ جو چیزیں ہم نے پیدا کی ہیں انہیں ان کے ہاتھوں نے پیدا نہیں کیا یہ سب چیزیں ہماری ہی بنائی ہوئی ہیں' ان نعمتوں کا شکر کرنا لازم ہے اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ کیا پھر بھی شکر ادا نہیں کرتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا (الآیة) یعنی زمین سے جو بھی چیزیں پیدا ہوتی ہیں سب اُس ذات نے پیدا فرمائی ہیں جو بالکل بے عیب ہے' ہر نقص اور ہر کمی کوتاہی سے پاک ہے' یہ چیزیں جو زمین کی پیداوار ہیں ان میں طرح طرح کے انواع واقسام ہیں اور خود انسانوں کی جانوں میں بھی ازواج ہیں یعنی کچھ مذکر ہیں اور کچھ مؤنث ہیں' اپنی جانوں کو اور زمین کی پیداوار کو تو لوگ جانتے ہیں ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو بر و بحر میں پھیلی ہوئی ہیں' درندے ہیں چرندے ہیں' دریائی جانور ہیں' ان میں بھی مختلف قسم کے انواع واقسام ہیں' وَذٰلِکَ کلہ من صنع اللہ تعالیٰ لا دخل فیہ لغیرہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

انسان ہل جوتنے اور بیج ڈالنے اور ٹریکٹر چلانے کی کچھ کوشش تو کرلیتے ہیں لیکن پیدا فرمانا' زمین سے نکالنا' بڑھانا' پھل پھول کے لائق بنانا دانہ نکالنا پھر ثمرات ظاہر ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی قدرت اور تخلیق اور ایجاد سے ہے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۖۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ

اور ان کے لئے ایک نشانی رات ہے ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا ہے یہ اس کا

تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا

مقررہ کیا ہوا ہے جو زبردست ہے علم والا ہے۔ اور اس نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے نہ

الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

تو سورج کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ کر پہلے آسکتی ہے اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

رات دن اور شمس و قمر اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت میں سے ہیں

تفسیر: آیات سفلیہ بیان فرمانے کے بعد آیاتِ علویہ کا بیان شروع ہو رہا ہے رات اور دن کا تعلق چونکہ سورج کے طلوع اور غروب سے ہے اس لئے ان دونوں کو بھی آیاتِ علویہ میں ذکر فرما دیا' ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے لئے رات بھی ایک نشانی ہے رات کے آنے جانے سے بھی اپنے خالق کو پہچان سکتے ہیں' سب کو معلوم ہے کہ رات کے آنے جانے میں صرف اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کو دخل ہے' فرمایا: نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ (ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں) یعنی جس جگہ روشنی ہوتی ہے اور دن ہوتا ہے اُس جگہ سے ہم روشنی کو کھینچ لیتے ہیں[1] جب روشنی ختم ہو جاتی ہے تو دن ختم ہو جاتا ہے اور رات آ جاتی ہے' دن گیا رات آئی اور لوگوں پر اندھیرا چھا گیا' اب ان میں سے کسی میں بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ رات کو ختم کر کے دن کی روشنی لے آئے جس نے رات کو پیدا فرمایا وہی دن کو پیدا فرماتا ہے۔

سورج کی رفتار میں مظاہر قدرت ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا ہے) سورج بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے' اس کا وجود مستقل نشانی ہے اور اس کی روشنی مستقل نشانی ہے پھر اس کا اپنے ٹھکانہ کے لئے چلنا یہ بھی مستقل نشانی ہے' اس کی رفتار اور اس کے محور پر چلنا' ادھر اُدھر نہ ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کی نشانی ہے۔ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ اس کا مقرر کیا ہوا ہے جو زبردست ہے علم والا ہے) سورج پابند ہے کہ اپنے محور پر چلے اور اسی رفتار پر چلے جو اس کی رفتار مقرر ہے' گرمیوں کے زمانہ میں سورج خط استواء پر چلتا ہے اور سردیوں میں ہٹ جاتا ہے اور دوسرا محور اختیار کر لیتا ہے' اس کا جو راستہ خالق جل مجدہ کی طرف سے طے کر دیا گیا ہے اُس کے خلاف نہیں چل سکتا۔

سورج کے مستقر یعنی ٹھکانہ کا کیا مطلب ہے۔ بعض لوگوں نے بلا وجہ اسکو مجاز پر محمول کیا ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ایک سال سے دوسرے سال کے ختم تک اس کا جو دور ہے اسی حد معین کا نام مستقر ہے' اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ لام تعلیلیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ اُسے اپنے مستقر کے مشارق اور مغارب پر

---

[1] قال صاحب الروح ای نكشف ونزيل الضوء من مكان الليل وموضع القاء ظلّه وظلمته وهو الهواء فالنهار عبارة عن الضوء اما على التجوز أو على حذف المضاف وقوله تعالى (منه) على حذف مضاف وذلك لأن النهار والليل عبارتان عن زمان كون الشمس فوق الافق وتحته ولا معنى لكشف احدهما عن الأخر (الى اخر ما ذكر)

پہنچتا ہے اسلئے چلتا رہتا ہے اس کی ایک حد مقرر ہے وہاں تک پہنچنے اور پھر آگے بڑھنے کو مستقر فرمایا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بارہ برجوں میں مخصوص طریقہ پر ٹھہرنا اور پھر آگے بڑھنا یہ مستقر میں پہنچنا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مستقر اسم زمان ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کے مسلسل چلتے رہنے کا جو ایک وقت مقرر ہے اُس وقت تک چلتا رہے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی رفتار ختم ہو جائے گی۔

سورج کا سجدہ کرنا: ان سب باتوں کی بنیاد محض احتمالات ہیں، صحیح بات وہ ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن مجھ سے) سورج چھپ جانے کے بعد فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک یہ چلتے چلتے عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور حسب عادت مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت چاہتا ہے اور اُسے اجازت دے دی جاتی ہے اور ایسا بھی ہونے والا ہے کہ ایک روز یہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور (مشرق سے طلوع ہونے کی) اجازت چاہے گا تو اجازت نہ دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا، چنانچہ سورج (واپس ہو کر) مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا۔ پھر فرمایا کہ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (سورج اپنے ٹھکانے کو جاتا ہے) کا یہی مطلب ہے کہ (اپنے مقررہ ٹھکانے تک جا کر مشرق سے نکلتا ہے) اور فرمایا کہ اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔ (بخاری ومسلم)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سورج چلتا ہے اپنے مستقر پر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے، آگے بڑھنے اور طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے جب اجازت ملتی ہے تو وہ آگے بڑھتا ہے اور طلوع ہوتا ہے، ایک وہ وقت بھی آئے گا جب وہ آگے بڑھنے کی اجازت طلب کرے گا تو اجازت نہ دی جائے گی اور واپس پیچھے لوٹنے کا حکم ہوگا چنانچہ وہ واپس پیچھے لوٹ جائے گا۔ یہاں لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ آلاتِ رصدیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرکت کسی وقت بھی ختم نہیں ہوتی برابر چلتا رہتا ہے، اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ حدیث شریف کی تصریح کے بعد اس کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں، پھر کیا یہ ضروری ہے کہ پورے عالم کا ہر ہر جگہ کا طلوع اور غروب مراد ہو، ممکن ہے کہ خاص مدینہ منورہ اور اس کے محاذی نقطۂ غروب والے مقامات کا غروب مراد ہو اور یہ سجدہ والا سکون ایسا خفیف ہو جس کا آلاتِ رصدیہ سے ادراک نہ ہوتا ہو۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے حرکت سنویہ بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی ہر سال کے ختم پر وہ اپنے مستقر پر جاتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے اور طلوع ہونے کی اجازت لیتا ہے، لیکن یہ اُس مفہوم کے خلاف ہے جو حدیث شریف سے متبادر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرارہٖ وما اودع فی کتابہٖ۔

فائدہ: سورج کا چلنا تو آیت کریمہ سے ثابت ہوا جس کا انکار کفر ہے، رہی یہ بات کہ زمین چلتی ہے یا نہیں! اس کے بارے میں قرآن مجید ساکت ہے، اور سورۂ نمل میں جو اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا فرمایا ہے اس سے قطعی طور پر زمین کے عدم تحرک پر واضح دلالت نہیں ہے کیونکہ قَرَارًا کا ایک یہ معنی بتایا گیا ہے کہ وہ اس طرح حرکت نہیں کرتی کہ اس پر انسانوں کا رہنا مشکل ہو جائے جسے سورۂ لقمان میں وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ میں بیان فرمایا ہے۔

منازل قمر کا تذکرہ: یہ بتانے کے بعد کہ آفتاب کا اپنے مستقر تک جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے چاند کے بارے میں فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ (اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی

ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے) یعنی جس طرح کھجور کی پرانی ٹہنی ٹیڑھی ہو جاتی ہے اسی طرح مہینے کے اول میں اور آخر میں نظر کے سامنے بظاہر خمدار نظر آتا ہے چاند کی جو منزلیں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ترتیب کے ساتھ انہیں میں چلتا رہتا ہے۔

سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا: اس کے بعد چاند اور سورج کی رفتار اور رات اور دن کی آمد کے نظام بے مثال کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (کہ نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا کر پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے) مطلب یہ ہے کہ آفتاب رات کے محو نہیں کر سکتا جو چاند کے منور ہونے کا وقت ہے۔

اور دن جتنا وقت مقرر ہے اُس وقت کے ختم ہونے سے پہلے رات نہیں آ سکتی رات آگے بڑھ کر دن کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لے اور مقررہ نظام کے خلاف دن گھٹ جائے اور رات بڑھ جائے ایسا کوئی اختیار نہ رات کو ہے نہ دن کو ہے وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) فلک گول چیز کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ دائرہ سے کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چاند اور سورج کی حرکت مستدیر ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور ان لوگوں کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى

اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں سو ان کی کوئی بھی فریاد رسی کرنے والا نہ ہو اور نہ انہیں چھٹکارا دیا جائے۔ مگر یہ کہ ہماری مہربانی ہو جائے اور ایک وقت مقررہ تک فائدہ

حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾

دینا منظور ہو۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ

اور اُن کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی اُن کے پاس آتی ہے اُس کی طرف سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں۔ اور جب اُن سے کہا

لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ

جاتا ہے کہ اُس میں سے خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے تو کافر لوگ اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ اُن لوگوں کو کھلائیں جنہیں

اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

اللہ چاہے تو کھلا دے بات یہی ہے کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو

کشتی اللہ کی نعمت ہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے اور ڈوبنے سے بچاتا ہے

تفسیر: ان آیات میں کشتی کی سواری کا ذکر ہے کشتیوں کا دریاؤں میں چلنا (مطلق کشتی ہر چھوٹے بڑے جہاز کو شامل

ہے) انسانوں کا ان پر سوار ہونا اور سامان لادنا' ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک سفر کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کا انعام عظیم بھی ہے اور قدرت قاہرہ پر دلالت بھی ہے۔ کشتی کی سواری کے ساتھ یوں بھی فرمادیا۔ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ (اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی ایسی چیزیں پیدا فرمائیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں) یہ سواریاں گھوڑے' خچر اور گدھے ہیں جن کا سورۃ النحل میں ذکر ہے: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً اور اب تو ریل گاڑی اور پٹرول سے چلنے والی گاڑیاں اور ہوائی جہاز بھی سواریوں کا کام دے رہے ہیں اور بوجھ بھی لے جاتے ہیں۔ سورۃ النحل میں ان نئی سواریوں کی بلکہ انکے بعد جو سواریاں پیدا ہوں گی اُن کے بارے میں پیشینگوئی فرمادی: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اللہ وہ چیزیں پیدا فرمائے گا جو تم نہیں جانتے)

مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو جہازوں اور کشتیوں میں امن وامان کے ساتھ سفر کرتے ہیں' یہ امن وامان سے رکھنا اور ڈوبنے سے حفاظت کرنا ہمارا ہی انعام ہے۔ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ (اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کردیں پھر انہیں کوئی فریادرس نہ ملے) وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ (اور نہ انہیں خلاصی دی جائے) اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (مگر یہ کہ ہماری مہربانی ہو جائے اور ایک وقت معین تک انہیں فائدہ دینا منظور ہو) اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے محفوظ فرماتا ہے اور وقت معین تک فائدہ پہنچاتا ہے۔

اعراض کرنے والوں کی محرومی: پھر فرمایا وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اور جب مکذبین ومنکرین سے کہا جاتا ہے کہ تم اُس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے (یعنی غرق کیا جانا یا زمین میں دھنسایا جانا یا مقتول ہونا وغیرہ) اور اُس عذاب سے ڈرو جو تمہارے پیچھے ہے یعنی آخرت میں آنے والا ہے تمہارا یہ ڈرنا تم پر رحمت کا سبب بن جائے گا' تو وہ لوگ نصیحت پر کان نہیں دھرتے اور اس سے اعراض کرتے ہیں۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (اور اُن کے پاس اُن کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی آتی ہے اُس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں)

یہ تو ان کا معاملہ عقیدۂ توحید کے ساتھ ہوا جسے وہ قبول کرنے کو تیار نہیں۔ آگے مالی انعامات ہوتے ہوئے جو کنجوسی اور ناشکری کرتے تھے اُس کا تذکرہ فرمایا کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اُس میں سے مسکینوں اور حاجت مندوں پر خرچ کرو' تو خرچ کرنے کی بجائے شرارت سے اور مذاق اڑانے کی نیت سے کافروں نے یوں کہا کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں جو تمہارے ساتھ ایمان قبول کرچکے ہیں اللہ چاہے تو انہیں کھلادے اُن کا مطلب یہ تھا کہ تم کہتے ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے تو بس وہی انہیں رزق دے دے گا۔ اُن لوگوں نے یہ بھی کہا کہ تم جو ہمیں خرچ کرنے کو کہہ رہے ہو' یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

کفار بھی یہ بات مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے اور کھلانے والا ہے لیکن اس بات کو انہوں نے بطور طنز کے ذکر کیا اور مقصد ان کا یہ تھا کہ تم تو یوں کہتے ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے کھلادے تو اپنے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ لو اور انہیں کھلادو۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ وہ لوگ بس ایک سخت آواز کے انتظار میں ہیں جو اُن کو پکڑ لے

وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں۔ سو نہ تو وہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے۔ اور صور پھونکا جائے گا

فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ

سو وہ سب یکا یک قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہمیں کس نے ہماری لیٹنے کی جگہ سے اُٹھا دیا'

هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ

یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا اور پیغمبروں نے سچی خبر دی۔ بس وہ ایک چیخ ہوگی سو وہ سب ہمارے پاس حاضر کر

لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾

دیئے جائیں گے۔ سو اُس دن کسی جان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں صرف اُنہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔

منکرین بعث کا قول اور ان کی تردید

تفسیر: توحید کے دلائل اور منکرین کے اعراض کا بیان فرمانے کے بعد وقوع قیامت کے یقینی ہونے کا اور منکرین کے استبعاد کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو) یعنی تم جو یوں کہتے ہو کہ قیامت آئے گی ہمارے خیال میں یہ تمہاری باتیں ہی باتیں ہیں آنی ہوتی تو کب کی آ چکی ہوتی' اس کے واقع ہونے کی جو تم خبر دے رہے ہو اگر تم اس خبر میں سچے ہو تو وقت طے کر دو کہ قیامت فلاں وقت آئے گی' یہ بات کہنے سے ان کا مقصود وقوع قیامت کا انکار کرنا تھا' اس انکار کو انہوں نے استفہام انکاری کے پیرایہ میں بیان کیا' اللہ جل شانہٗ نے فرمایا مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ یہ لوگ جو قیامت کا انکار کر رہے ہیں ان کے انکار کرنے سے قیامت کا آنا رک نہیں جائے گا' بس یہ لوگ ایک چیخ کے انتظار میں ہیں جو انہیں پکڑ لے گی اور اس وقت یہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے اس وقت جو جہاں ہوگا وہیں دھرا رہ جائے گا اور وہیں مر جائے گا' اس وقت نہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔ (یہ نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے کے وقت ہوگا)

نفخ صور کے وقت حیرانی اور پریشانی: مزید فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ (اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ اچانک قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف (یعنی حساب کی جگہ کے لئے) جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ قبروں سے اٹھنے والے (جن کو اللہ تعالیٰ امن و امان نہ دے' گھبراہٹ سے محفوظ نہ فرمائے' وہ) کہیں گے

یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (ہائے ہماری کم بختی ہمیں لیٹنے کی جگہ سے کس نے اٹھادیا) فرشتے جواب میں کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یہ وہی قیامت کا دن ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور پیغمبروں نے سچی خبر دی تھی)

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (بس وہ نفخۂ ثانیہ ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کئے جائیں گے) یہ جمع ہونا حساب کتاب کے لئے ہوگا' حساب ہونے پر جس کو جو سزا ملے گی اس میں کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا' نہ کسی کی کوئی نیکی کم کی جائے گی جو لائق ثواب ہو اور نہ کسی کے گناہوں میں کسی نہ کردہ گناہ کا اضافہ ہوگا۔ سورۂ کہف میں فرمایا: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (اور انہوں نے جو عمل کئے تھے ان کو حاضر پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا)

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ
بلاشبہ آج جنت والے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے' مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے
مُتَّكِئُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾
ہوں گے۔ اس میں اُن کے لئے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا۔ مہربان رب کی طرف سے اُن پر سلام ہوگا۔

اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ' وہ اپنی بیویوں کے ساتھ سایوں میں تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے

تفسیر: ان آیات میں اہل جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا' اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: والمراد به ما هم فيه من النعيم الّذى شغلهم عن كل ما يخطر بالبال یعنی شغل سے وہاں کی نعمتوں میں مشغول رہنا مراد ہے' وہاں کی نعمتیں ہر اس چیز کے تصور سے بے پرواہ کر دیں گی جن کا تصور آ سکتا ہو۔ فٰكِهُوْنَ کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی وہ اپنی نعمتوں میں خوش ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تمتع اور تلذذ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ انکے پاس میوے موجود ہونگے جن میں سے کھایا کرینگے (روح المعانی)

پھر فرمایا کہ اہلِ جنت اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے جہاں ناگوار گرمی ذرا نہ ہوگی اَرَائِك یعنی مسہریوں پر ہوں گے' یہ اَرِيْكَةٌ کی جمع ہے' اریکہ مسہری کو کہتے ہیں۔

مُتَّكِئُوْنَ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ سورۃ الواقعہ میں فرمایا عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ (وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے)

مزید فرمایا لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ (اس میں ان کے لئے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا) اس میں یہ بتادیا کہ اہلِ جنت کی جن نعمتوں کا صریح طور پر تذکرہ کر دیا گیا ہے صرف انہی نعمتوں میں انحصار نہیں ہے' وہ لوگ

وہاں جو کچھ بھی طلب کریں گے سب کچھ حاضر کر دیا جائے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ (اور اس میں وہ چیزیں ملیں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی)۔

اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے گا جسے سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ فرما کر بتایا ہے کیا کہنے ان بندوں کے لئے ان کے رب کا سلام آئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کے درمیان کہ اہلِ جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے اچانک ایک نور کی چمک ہوگی اوپر کو اپنے سر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ رب جل شانہٗ نے ان پر توجہ فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۲ از ابن ماجہ)

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ

اور اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ۔ اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا،

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ

بلا شبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ شیطان نے

جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ

تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج تم اس میں

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا

داخل ہو جاؤ اپنے کفر کی وجہ سے آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے اُن کے ہاتھ کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو کچھ وہ

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَاءُ

کیا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو اُن کی آنکھوں کو مٹا دیتے سو وہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے سو اُن کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے

لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي

تو انہیں اُن کی جگہ پر مسخ کر دیتے اس طرح پر کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے جس کی وجہ سے یہ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے اور ہم جس کو زیادہ عمر دے دیتے ہیں

الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾

اُسے طبعی حالت پر لوٹا دیتے ہیں، کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے

مجرمین سے خطاب اور ان کے عذاب کا تذکرہ

تفسیر: اہل جنت کا اکرام اور انعام بیان فرمانے کے بعد اہلِ دوزخ کی تباہی اور بربادی کو بیان فرمایا جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے خطاب ہوگا کہ اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ، دنیا میں

تم اہلِ ایمان کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور قبروں سے نکل کر بھی میدانِ حشر میں اکٹھے جمع ہوئے ہو اب تم ان سے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ ان کو جنت میں جانا ہے اور تم کو دوزخ میں جانا ہے۔ (یہ آیت بہت زیادہ فکر مند بنانے ولی ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ پوری رات نفل نماز میں کھڑے رہے اور اسی آیتِ مبارکہ کو پڑھتے رہے) اس میں فکر کی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ حکم ہوگا اس وقت میں کن لوگوں میں ہوں گا مجرمین میں ہوں گا یا مؤمنین میں۔

کافروں سے یہ خطاب بھی ہوگا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ (الآیۃ) اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا یعنی اس کی فرمانبرداری مت کرنا اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کرنا' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور تمہیں تاکید کی تھی کہ میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (تم اس سیدھے راستہ سے ہٹ گئے) وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ (الآیۃ) اور یہ بات واقعی ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ (اب اس گمراہی کا بدلہ ملے گا) هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)

مجرمین کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی کافروں کی سزا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (ہم آج کے دن ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے) وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ (اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے) وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرمین کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ہاتھ پاؤں ان کے اعمال بد کی گواہی دیں گے۔ اور سورۃ النور میں فرمایا: يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال بد کی گواہی زبان بھی دے گی اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے' کسی وقات ہاتھ پاؤں بلکہ انکے چمڑے تک ان کے خلاف گواہی دے دیں گے اور زبان نہ بول سکے گی اور جب زبان کھول دی جائے گی تو زبان سے بھی اپنی نافرمانی کے اقراری ہو جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ (الآیۃ) اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں پھر وہ راستے کی طرف دوڑیں سو ان کو کہاں نظر آئے۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ (الآیۃ) اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہوں پر ہی ان کی صورتوں کو مسخ کر دیں تو انہیں نہ گذرنے کی طاقت رہے اور نہ واپس ہو سکیں۔

ان دو آیتوں میں یہ بتایا کہ ہم دنیا میں بھی سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور ان سزاؤں کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں یعنی چہرہ کو سپاٹ بنا دیں آنکھیں باقی ہی نہ رہیں' آگے بڑھنا چاہیں تو کچھ بھی نظر نہ آئے' اسی طرح ہم ان ہی کی جگہ رکھتے ہوئے انہیں مسخ بھی کر سکتے ہیں یعنی ان کی صورتیں بدل سکتے ہیں جیسے گذشتہ امتوں میں سے بعض لوگ بندر اور خنزیر بنا دئے گئے' جب جانور ہی بن جائیں تو جہاں تھے وہیں رہ جائیں نہ آگے بڑھ سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں' جو مقاصدِ دنیا وہ لے کر نکلے تھے ان کا ہوش ہی نہ رہے گا۔

انسان قوّت کے بعد دوبارہ ضعف کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے: اس کے بعد فرمایا وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ (الآیۃ) کہ ہم جسے طویل عمر دے دیتے ہیں اس کی حالتِ طبعی جو اسے پہلے دی گئی تھیں اسے الٹ دیتے ہیں یعنی جوانی میں جو قوتیں

دی گئی تھیں وہ چلی جاتی ہیں اور ضعف بڑھتا چلا جاتا ہے، سننے اور دیکھنے کی قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں، سمجھنے اور سوچنے کی طاقت بھی کمزور ہو جاتی ہیں، گوشت گھل جاتا ہے، کھال لٹک جاتی ہے، یہ تو سب کے سامنے ہے اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ ہم آنکھوں کو ختم کر سکتے ہیں اور صورتیں مسخ کر سکتے ہیں: اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ (کیا یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے ہیں)

قولہٗ تعالیٰ مُضِیًّا اصلہٗ مضوی اجتمعت الواو وساکنۃ مع الیاء فقلبت یاء کما ھو القاعدۃ وادغمت الیاء فی الیاء وقلبت ضمّۃ الضّاد کسرۃ لتخف وتناسب الیاء (اللہ تعالیٰ کا قول مُضِیًّا یہ اصل میں مُضُوِیٌ تھا واؤ ساکنہ اور یاء جمع ہو گئیں تو واؤ کو یا کر دیا جیسا کہ قانون ہے پھر یاء کو یاء میں ادغام کیا اور ضاد کو ضمہ کو تخفیف اولیاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے تبدیل کر دیا)

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ

اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور نہ شعر ان کے لائق ہے، وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے، تاکہ وہ اُسے ڈرائے

حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾

جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے

شاعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں، قرآن کریم زندہ قلوب کے لئے نصیحت ہے اور کافروں کے لئے حجّت ہے

تفسیر: مشرکین عرب اور خاص کر اہلِ مکہ جب قرآنِ مجید سنتے تھے تو یہ جانتے ہوئے کہ نہ اس میں اشعار ہیں نہ شاعرانہ خیالی مضامین ہیں پھر بھی قرآن مجید کے بارے میں یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ شاعرانہ باتیں ہیں، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (ہم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا) وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے) سو جب وہ شعر کہنا جانتے ہی نہیں اور ان کی شان کے لائق ہی نہیں تو تمہارے سامنے شاعرانہ باتیں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ شاعرانہ تخیلات تو جھوٹے ہوتے ہیں، ان میں جب تک ان کہنی نہ ہو اس وقت تک شعر شعر ہی نہیں ہوتا، پھر یوں بھی دیکھنا لازم ہے کہ یہ جو قرآنِ کریم آپ پیش فرماتے ہیں یہ شعر نہیں ہے نہ اس میں خیالی مضامین ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں بلکہ لفظی اعتبار سے نہایت فصیح اور بلیغ اور محکم کلام ہے اور معنوی اعتبار سے اس کے مضامین اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور سراپا سچ ہیں لیکن دشمن جب اعتراض پر آ جائے تو اندھا بن جاتا ہے پھر اسے حق اور ناحق کی کچھ تمیز نہیں رہتی۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے) لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (تاکہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے) یعنی عقل رکھتا ہے اور اسے حق اور ناحق کی سوجھ بوجھ ہے، بے عقلی کی وجہ سے اموات کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے) یعنی جب قیامت کے دن کافروں کو عذاب ہونے لگے تو ان کے عذر پیش کرنے پر صاف صاف کہہ دیا جائے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول پہنچا اس نے اللہ تعالیٰ کی

کتاب سنائی ایمان کی دعوت دی لیکن تم نے نہیں مانا اور خود ہی مستحقِ عذاب ہوئے' آج کوئی معذرت کام دینے والی نہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے اُن چیزوں میں سے جو ہمارے ہاتھوں نے پیدا کیں مویشی پیدا کئے ہیں سو وہ اُن کے مالک ہیں۔ اور ہم نے اُن مویشیوں کو اُن کا فرمانبردار بنا دیا ہے

فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا

سو اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو اُن کی سواریاں ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں وہ کھاتے ہیں۔ اور ان مویشوں میں ان کے لئے منافع ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں' سو کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور انہوں نے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ کے سوا معبود بنا لئے ہیں اس اُمید پر کہ اُن کی مدد کر دی جائے گی۔ وہ اُن کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ اُن کے لئے ایک فریق ہو جائیں گے جو حاضر کر دیئے جائیں گے۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

سو آپ کو اُن کی باتیں رنجیدہ نہ کریں بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

جانوروں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں' ان میں منافع اور مشارب ہیں

تفسیر: ایمانیات کا تذکرہ فرمانے کے بعد بعض دنیاوی منافع کا تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ ہم نے ان کے لئے محض اپنی قدرت سے چوپائے پیدا کئے' یہ لوگ چوپایوں کے مالک ہیں' ہر چیز کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے انسانوں کو بھی اس نے اپنی مخلوق میں سے بعض چیزوں کا مالک بنا دیا ہے' بندے مجازی مالک ہیں اور مالک ہوتے ہوئے ان احکام کے پابند ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں' جو شخص ان کی خلاف ورزی کرے گا گنہگار ہوگا' یوں نہ سمجھے کہ میں اس جانور کا مالک ہوں جو چاہوں کروں۔

جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے قابو میں دے دیا ہے' کچھ جانور ایسے ہیں جو سواری کا کام دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو خوراک کے کام میں آتے ہیں ان کا گوشت کھایا جاتا ہے' جب کوئی جانور بدک جائے' یا چمک جائے' قابو سے باہر ہو جائے اس وقت انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے یہ جانور ہمارے قابو میں ہے اگر بے قابو ہو جائے تو ہم اس سے کام نہیں لے سکتے۔ اسی لئے تو سواری کی دعا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ تعلیم فرمائی۔ (سورۃ الزخرف رکوع نمبر ۱)

وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ (اور چوپایوں میں ان کے لئے منافع ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں سو کیا یہ شکر نہیں کرتے) اوپر دو منافع کا ذکر تھا' ایک یہ کہ جانور سواری کا کام دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ان میں سے بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس آیت میں دوسرے منافع کا بھی اجمالاً ذکر فرما دیا۔ مثلاً ان کی کھالیں دباغت کے بعد کام میں لاتے ہیں اور ان کے بال اور اون کاٹ کر بچھانے اور پہننے کی چیزیں تیار کرتے ہیں اور ان سے کھیتی جوتنے کا کام بھی لیتے ہیں' اور ان کے ذریعے پانی کھینچ کر کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ساتھ ہی مشارب کا بھی ذکر فرمایا' صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس سے دودھ مراد ہے اور

مشارب مشرب کی جمع ہے جو مشروب کے معنی میں ہے اور دودھ کی چونکہ بہت سی اقسام ہیں اس لئے جمع لایا گیا۔
پھر دودھ سے گھی بنتا ہے۔ لسی بھی بنتی ہے دہی بھی بنائی جاتی ہیں جن کو پیتے ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں' یہ بھی جمع لانے کی ایک وجہ ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مشارب ظرف کا صیغہ ہے اور اس سے برتن مراد ہیں' زمانہ قدیم میں جانوروں کے چمڑوں سے مشکیزے تو بناتے ہی تھے پیالے بھی بنا لیتے تھے جس میں دودھ وغیرہ پیتے تھے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو یہ بھی بعید نہیں ہے اور اس سے مشارب کا جمع لانا اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

مشرکین کی بیوقوفی: اس کے بعد فرمایا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ اور ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا لئے ہیں جن سے یہ امید رکھتے ہے کہ یہ ہماری مدد کریں گے۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ (جن لوگوں سے مدد کی امید کر رکھی ہے وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے) وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ (اور وہ ان کے لئے فریق مخالف ہو جائیں گے جو حاضر کر دئے جائیں گے) یعنی اللہ کے سوا جنہیں معبود بنا کر ان سے مددکی امید باندھے ہوئے ہیں وہ تو ان معبود بنانے والوں کے مخالف ہو جائیں گے اور میدانِ قیامت میں بالاضطرار حاضر کر دئے جائیں گے اور وہاں حاضر ہو کر جنہوں نے انہیں معبود بنایا تھا ان کی مخالفت کریں گے۔ سورۂ مریم میں فرمایا: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ ان کے لئے وہ باعثِ عزت ہوں' ہرگز نہیں وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے) وہاں جھوٹی آرزوؤں کی قلعی کھل جائے گی۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (سو ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ منکرین کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں' ان میں عناد ہے بات ماننے کو تیار نہیں' لہٰذا ان سے ایمان قبول کرنے کی امید رکھنا ہی غلط ہے آپ اپنے کام میں لگے رہیں اور ان کی باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں ان کے دل کے حالات اور زبانی باتیں ہمیں سب معلوم ہیں ہم انہیں ان سب چیزوں کی سزا دے دیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ

کیا انسان کو اس کا علم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو اچانک وہ علانیہ طور پر جھگڑالو ہو گیا۔ اور ہمارے بارے میں مثل بیان کرنے لگا اور اپنی

خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ

پیدائش کو بھول گیا' اُس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی' آپ فرما دیجئے کہ انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ

خَلْقٍ عَلِيْمُ ﴿۷۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پیدا کی سو اچانک تم اس میں سے جلاتے ہو۔

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰی ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ
جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرمادے ہاں وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے
الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ
خوب جاننے والا ہے۔ اس کا معمول یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے تو یوں فرمادیتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتی ہے۔ سو پاک ہے وہ ذات
مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان قیامت کا منکر ہے' وہ اپنی خلقت کو بھول گیا

تفسیر: وقوعِ قیامت اور بعث اور حشر نشر کا جو لوگ انکار کیا کرتے تھے ان میں سے ایک شخص عاص بن وائل بھی تھا' یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک گلی سڑی ہڈی لے کر آیا' اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے چورا چورا کیا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) جب میں اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے پھینک دوں تو کیا اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمادے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمادے گا پھر تجھے موت دے گا پھر تجھے زندہ فرمائے گا پھر تجھے دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا۔ اس پر اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ سے لے کر ختمِ سورۃ تک آیات نازل ہوئیں جس شخص سے یہ باتیں ہوئی تھیں اس کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں جو روح المعانی جلد ۲۳ ص ۵۳ میں مذکور ہیں۔

ارشاد فرمایا کیا انسان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ' منی سے پیدا کیا؟ اس کو تو وہ جانتا ہے مانتا ہے' جب نطفہ' منی سے اسے پیدا کر سکتے ہیں تو بوسیدہ ہڈیوں کو مرکب کر کے ان میں جان کیوں نہیں ڈال سکتے؟ قیامت اور حشر نشر کی سچی خبر جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے دی اس کی تصدیق کرنے کی بجائے انسان بڑا جھگڑالو بن گیا اور ایسا جھگڑالو بنا کہ واضح طور پر وقوعِ قیامت اور موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے لگا' جو اسے اپنے مبدءِ فطرت کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل پانی سے پیدا فرمایا ہے تو اسے جھگڑنے اور یہ بات کہنے کا کیا مقام ہے کہ میں بوسیدہ ہڈیوں سے کیسے پیدا کیا جاؤں گا۔

اسی کو فرمایا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا اور اس نے ہمارے بارے میں ایک مثل بیان کر دی اور ایسی بات کہہ دی جو فی نفسہٖ عجیب ہے۔ وَنَسِیَ خَلْقَهٗ اور وہ یہ بھول گیا کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے' قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ یہ ہے وہ عجیب مضمون جسے اس نے اللہ کی شان میں بیان کیا' بجائے یہ سمجھنے کے کہ میں جس طرح پہلے پیدا ہوا ہوں اسی طرح میرا خالق دوبارہ پیدا فرمادے گا ایسی بات کہنے لگا جس سے انکارِ بعث مقصود ہے۔

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (آپ جواب میں فرمادیجئے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا) وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ (اور وہ ہر مخلوق کو جاننے والا ہے) اس میں منکرین کا یہ اشکال دور کر دیا کہ ہڈیاں گل جائیں گی ان کے ریزے کہاں کہاں پہنچے ہوں گے پھر کیسے جمع کئے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ جس نے پیدا کیا تھا

اسے سب پتہ ہے کہ کون سی چیز کہاں ہے، اسے اس کا علم ہے کہ کون سا ذرہ کہاں پہنچا اور کس جگہ میں ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پیدا کی سو اچانک تم اس میں سے جلاتے ہو) یعنی جس ذاتِ پاک نے ہرے درخت میں سے آگ نکالی حالانکہ درخت پانی کے اثر سے ہرا بھرا ہوتا ہے اور درخت کو نچوڑیں تو اس میں سے پانی نکلتا ہے اور آگ اور پانی آپس میں ضد ہیں، اس کے لئے جماد یعنی ایسی بے جان چیز میں جان ڈالنا کیا مشکل ہے جس میں ظاہری اعتبار سے اس کے مخالف اور منافی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور وہ ایک بار زندگی پا چکی ہے۔

صاحبِ روح المعانی نے لکھا ہے کہ مرخ اور عفار دو درخت ہوتے تھے اور سر سبز ہوتے تھے جن میں سے پانی ٹپکتا تھا، ان میں سے ایک کی ٹہنی لے کر دوسری کی ٹہنی پر مارتے تھے تو اس سے آگ نکلتی تھی پھر اس آگ سے اپنی ضرورت کے لئے آگ جلا لیتے تھے۔ ان دو درختوں میں سے ایک کا دوسرے پر مارا جانا چقماق کا کام دیتا تھے۔ اسی کو فرمایا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (سو اچانک تم اس میں سے آگ جلاتے ہو)

اس کے بعد انسانوں کو دوبارہ پیدا فرمانے کی ایک اور دلیل ذکر فرمائی اور سوال کے پیرایہ میں فرمایا اَوَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرما دے) بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (ہاں وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے) جس ذاتِ پاک نے اتنے بڑے بڑے آسمان بنا دیئے اتنی بڑی زمین بنا دی اس کے بارے میں یہ کہنا کہ جب ہم مر جائیں گے تو وہ ہمیں کیسے پیدا کرے گا، یہ سوال سراسر حماقت ہے۔

اللہ پاک قادر مطلق ہے سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (اس کی شان یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے) سو جب صرف کُن فرما دینے سے سب کچھ وجود میں آ جاتا ہے تو زندوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمانا کیونکر مشکل ہو سکتا ہے؟

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس کی ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے کسی بھی چیز کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں، مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ پیدا فرمانا بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں تمہیں لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے، اس کی قدرت کا انکار کرو گے تو سزا پاؤ گے۔

ولقد تمّ تفسیر سُورۃ یٰسٓ والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد الانبیاءِ
والمرسلین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ الیٰ یوم الدّین

سُوْرَۃُ الصّٰفّٰتِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاثْنَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

سورہ صافات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝۱ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝۲ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا ۝۳ اِنَّ اِلٰھَکُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

قسم ہے صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی پھر اُن فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر اُن فرشتوں کی کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے جو رب ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝۵ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَۃِ نِ الْکَوَاکِبِ ۝۶ وَحِفْظًا

اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اور رب ہے مشارق کا۔ بلاشبہ ہم نے قریب والے آسمان کو زینت دی ہے خاص زینت یعنی ستاروں کے ذریعہ اور حفاظت

مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ۝۸ دُحُوْرًا

کی ہے ہر سرکش شیطان سے۔ یہ لوگ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور وہ ہر جانب سے مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں اور اُن کے لئے

وَّلَھُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۹ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَۃَ فَاَتْبَعَہٗ شِھَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰

دائمی عذاب ہے۔ سوائے اُس شیطان کے جو اُچک کر لے بھاگے تو اُس کے پیچھے ایک شعلہ دہکتا ہوا لگ جاتا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے
آسمان و زمین اور مشارق و مغارب کا رب ہے

تفسیر: ابتدائی تین آیات میں تو فرشتوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اولاً صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم کھائی، فرمایا وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (قسم ہے صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم) جو عبادتِ خداوندی کے لئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الا تصفون کم تصف الملٰٓئکۃ عِنْدَ رَبِّھَا (کیا تم اس طرح صف نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بناتے ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا فرشتے اپنے رب کے پاس کیسے صف بناتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں خوب مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (رواہ مسلم کم فی المشکوٰۃ ص ۹۸)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا یہ لفظ زجر سے لیا گیا ہے، زجر جھڑکنے اور منع کرنے کو کہتے ہیں اسی لئے ترجمہ یوں لکھا گیا ہے، پھر ان فرشتوں کی قسم جو بندش کرنے والے ہیں۔ فرشتوں کا زجر کرنا اور روکنا کیا ہے؟ روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ فرشتے اللہ کے بندوں کو گناہوں سے روکتے ہیں اور ان کے دل میں خیر کی باتیں ڈالتے ہیں اور شیاطین کو وسوسے ڈالنے سے روکتے ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا (پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں) اس کا ایک مطلب مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ ان فرشتوں کی قسم جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم اور دوسری کتابیں لاتے رہے اور جس نبی کے پاس لائے اس پر پڑھتے رہے۔ اور ایک مطلب یہ بتایا ہے کہ ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ یہ جواب قسم ہے قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے پھر اس معبود کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی رب ہے اور مشارق کا بھی رب ہے۔

مشارق مشرق کی جمع ہے، یہاں رَبُّ الْمَشَارِقِ فرمایا ہے۔ اور سورۃ المعارج میں فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ فرمایا ہے اور سورۃ الرحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ فرمایا ہے۔

مشارق اور مغارب جمع ہے اور مَشْرِقَيْنِ اور مَغْرِبَيْنِ تثنیہ ہیں، اور سورۃ المزمل میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فرمایا ہے۔ ان میں واحد کا صیغہ تو جنس کے اعتبار سے ہے اور تثنیہ سردی اور گرمی کے موسموں کے اعتبار سے کیونکہ سردی کے دنوں میں آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کی جگہ اس جگہ کے علاوہ ہے جو گرمی میں غروب ہونے اور طلوع ہونے کی جگہ ہے اور جمع اس اعتبار سے ہیں کہ مشرق اور مغرب بدلتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد ستاروں کا تذکرہ فرمایا: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ١لْكَوَاكِبِ (بلاشبہ ہم نے قریب والے آسمان کو ایک خاص زینت کے ساتھ مزین کیا یعنی ستاروں کے ذریعے اسے زینت دی) وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ای وَحَفِظْنٰهَا حِفْظًا اور ہم نے آسمان کو محفوظ کیا ہر سرکش شیطان سے شیاطین اوپر جا کر فرشتوں کی باتیں سننے کی جو کوشش کرتے ہیں ستارے انہیں مار بھگاتے ہیں۔

ستارے آسمان دنیا کے لئے زینت ہیں اور شیاطین سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہیں: رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا اوپر جاتے تھے باتیں سنتے تھے اور باتیں لا کر کاہنوں میں ڈالتے تھے وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے بڑھاتے تھے، اوپر سے سنی ہوئی سچی بات نکل جاتی تھے تو لوگ کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے کہ دیکھو یہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو وہاں پہرہ لگ گیا، اب شیاطین اوپر جاتے ہیں تو مار کھاتے ہیں۔

اسی کو فرمایا لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى (وہ ملاء اعلیٰ کی بات نہیں سن سکتے) وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا (اور وہ مارے جاتے ہیں ہر جانب سے دھتکارے ہوئے) یعنی اوپر پہنچ کر کان تو لگاتے ہیں لیکن مار پڑنے اور دھتکارے جانے کی وجہ سے سن نہیں پاتے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ (اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے) یعنی دنیاوی مار پیٹ اور دھتکار کے علاوہ آخرت میں مستقل عذاب ہوگا جو دائمی ہوگا۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (مگر ان میں سے جس نے کوئی بات اچک لی) یعنی فرشتے جو آپس میں باتیں

کرتے ہیں مار پڑنے سے پہلے ان میں سے کوئی بات کسی نے اچک لی اور وہاں سے لیکر چل دیا تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے یہ روشن شعلہ اس پر پڑتا ہے تو اسے جلا دیتا ہیں یا اس کے بعض اعضاء کٹ جاتے ہیں یا وہ دیوانہ وہ جاتا ہے۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ستاروں کے ذریعے سرکش شیاطین سے آسمان کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے۔ سورۂ ملک میں واضح طور پر فرمایا: وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ (اور ہم نے ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا) اور سورۃ الحجر اور سورۃ الصّافات میں مزید فرمایا ہے کہ شیطان اوپر بات سننے لگتے ہیں تو انہیں شعلہ مار دیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ ستارے تو اپنی جگہ چھوڑ کر شیاطین کے پیچھے دوڑتے ہوئے نظر نہیں آتے پھر ستاروں کے مارنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ جو ستارے اس کام پر لگے ہوئے ہیں وہ ہمیں نظر آتے ہوں، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ شعلہ جسے سورۃ الحجر میں شِهَابٌ مُّبِيْنٌ اور سورۃ الصّٰفّٰت میں شِهَابٌ ثَاقِبٌ فرمایا ہے یہ شہاب بعض ستاروں کی سخونت (یعنی گرمی) سے پیدا ہوتے ہوں اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ شہاب ثاقب دن کو بھی شیاطین کا پیچھا کرتا ہے لیکن سورج کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتا لہٰذا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ شیاطین رات ہی کو بات سننے کے لئے کیوں اوپر جاتے ہیں؟ اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ ضروری نہیں کہ آسمان پر جو انگارہ نظر آئے وہ شیاطین ہی کے مارنے کے لئے ہو اس کے وجود کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ

سو آپ ان سے دریافت کر لیجئے کیا وہ پیدائش کے اعتبار سے زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی دوسری چیزیں، بیشک انہیں ہم نے چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ

عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ

آپ تعجب کرتے ہیں اور وہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت کو نہیں سمجھتے۔ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ کھلے ہوئے

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰ قُلْ نَعَمْ

جادو کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔ کیا ہمارے پرانے باپ دادے بھی۔ آپ فرما دیجئے ہاں

وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ⑱ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ⑲ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ

اور تم ذلیل ہوگے۔ بس وہ ایک للکار ہوگی سو یکایک وہ سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ اور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی یہ تو روزِ

الدِّيْنِ ⑳ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ㉑

جزا ہے۔ یہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

---

۱ اور ظاہر اُسیاق آیت لا یسمعون سے معلوم ہوتا ہے کہ اول استماع کی نفی کی باعتبار اکثر کے پھر بعد استماع شاذ ونادر کے یقذفون میں سمع کی نفی کی پھر بعد سمع اتفاقی کے اتبعہ سے سماع کی نفی کی اور من کل جانب کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شیطان کو ہر طرف سے رجم کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرف کوئی شیطان جائے ادھر ہی مرجوم ہوتا ہے۔

معجزات کا استہزاء کرنے والوں اور وقوع قیامت کے منکرین کی تردید اور ان کے لئے وعید شدید

تفسیر: ان آیات میں اثبات توحید بھی ہے اور اثبات معاد بھی ہے اور منکرین کے استعجاب کی تردید بھی۔ اول تو یہ فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ یہ لوگ یعنی منکرینِ بعث بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا دوسری چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' ظاہر ہے کہ وہی چیزیں زیادہ سخت ہیں۔ جب انسان یہ جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ مضبوط اور سخت چیزیں موجود ہیں تو پھر دوبارہ اپنے پیدا کئے جانے کا کیسے انکار کرتا ہے؟ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (بے شک ہم نے انہیں چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے) جو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا ہوا ہے جس میں نہ کچھ قوت ہیں نہ صلابت ہے اس کو خود غور کرنا چاہئے کہ جب اتنی بڑی بڑی سخت مخلوق کو رب العالمین جل مجدہ نے پیدا فرما دیا تو مجھ جیسے ضعیف کو پیدا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے' مجھے پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور موت کے بعد دوبارہ بھی وہی پید فرمائے گا۔ قال صاحب الروح: احتجاج علیهم فی امر البعث بان الطّین اللّازب الذی خلقوا منه فی ضمن خلق ابیهم اٰدم علیه السّلام تراب فمن این استنکروا ان یخلقوا منه مرة ثانیة. (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں اس آیت میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر مشرکین کے خلاف دلیل ہے اس طرح کہ چپکتی مٹی جس سے وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے واسطہ سے پیدا کئے گئے وہ مٹی ہی ہے لہٰذا اب اگر وہ دوبارہ مٹی سے اٹھائے جائیں تو اس پر نکیر کی ان کے پاس کوئی وجہ نہیں ہے)

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ آپ تو ان کے انکار پر تعجب کرتے ہیں کیوں کہ یہ قدرتِ الٰہیہ کے منکر ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں مذاق بناتے ہیں) وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ (اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو نہیں سمجھتے) دلائل عقلیہ ان کے سامنے لائے جاتے ہیں تو ان سے بھی منتفع نہیں ہوتے وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ (اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں)۔

جو آپکے نبوت ثابت کرنے کے لئے ان کی نظروں کے سامنے آتا ہے تو اس کا مذاق اڑا دیتے ہیں۔

وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (اور کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے دیکھا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے) بس جب دلائلِ عقلیہ میں بھی غور و فکر نہیں کرتے اور معجزات کو بھی جادو بتادیتے تو ان سے قبولِ حق کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا (الاٰیتین) وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی زندہ ہوں گے۔ (ان کی یہ بات استفہام انکاری کے طور پر ہے) (بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں' انہوں نے کہا کہ مٹی ہو کر اور ہڈیوں کا ریزہ ریزہ بن جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہم اسے نہیں مانتے)

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ ہاں اور تم ذلیل بھی ہو گے) یعنی تمہارے انکار کے باوجود تمہیں قیامت میں زندہ ہونا ہے اور قبروں سے اٹھنا ہے' تمہارے پرانے باپ دادے بھی زندہ کئے جائیں گے اور قبروں سے اٹھیں گے اور تم ذلیل بھی ہو گے' حق بات تمہارے سامنے آتی ہے تو اسکے منکر ہو جاتے ہو' اس دن منکر اور کافر کی ذلت یقینی ہے۔ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ قادرِ مطلق جلّ مجدہٗ کے لئے قیامت قائم کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا ذرا بھی دشوار نہیں ہے' اسکے حکم سے ایک چیخ

وجود میں آئے گی یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے نکل کر دیکھنے لگیں گے جیسا کہ موت سے پہلے سابقہ زندگی میں دیکھا کرتے تھے کما فی سورۃ الزمر: ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ۔

وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ (اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو روزِ جزا ہے) جس کا ہم انکار کیا کرتے تھے باری تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (یہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے) تمہارے جھٹلانے سے اس کی آمد نہیں رکی۔ اب تو تمہیں سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ

ظالموں کو اور اُن کے ہم مشربوں کو جمع کرلو اور اُن معبودوں کو جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے پھر انہیں دوزخ کا راستہ

الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ

دکھا دو۔ اور انہیں ٹھہراؤ بیشک اُن سے سول کیا جائے گا۔ کیا بات ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ بلکہ وہ آج سب کے

مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ

سب ہار مانے ہوئے ہوں گے۔ اور اُن میں سے بعض بعض کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ کہیں گے کہ بے شک تم ہمارے پاس بڑے زور دار

الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا

طریقے سے آیا کرتے تھے متبوعین کہیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔ اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا بلکہ بات یہ ہے کہ تم

طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَیْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ

سرکشی کرنے والے تھے۔ سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی بلاشبہ ہم سب چکھنے والے ہیں۔ سو بلاشبہ ہم نے تمہیں بہکایا بے شک ہم خود ہی گمراہ تھے۔ سو بلاشبہ وہ لوگ آج کے دن

یَوْمَئِذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا

عذاب میں شریک ہوں گے۔ بلاشبہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ ان کا ڈھنگ یہ تھا کہ جب اُن سے کہا جاتا کہ اللہ

قِیْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾

کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک ایسے شخص کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جو شاعر ہے دیوانہ ہے۔

قیامت کے دن مجرمین کا ایک دوسرے پر بات ڈالنا اور چھوٹوں کا بڑوں کو الزام دینا

تفسیر: یہاں سے سورۃ الصّٰٓفّٰت کا دوسرا رکوع شروع ہو رہا ہے اس میں روزِ قیامت کے بعض مناظر اور اہلِ دوزخ کی آپس کی بعض باتیں اور اہلِ جنت کے اکرام و انعام کا اور باہم گفتگو کا تذکرہ فرمایا ہے اور رکوع ختم ہونے سے چند

آیات پہلے زقوم کے درخت کا اور اس کے کھانے والوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الآیات التسع) اول تو یہ فرمایا کہ دوسرا صور پھونکے جانے کے بعد جب میدانِ حشر میں پہنچیں گے تو اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہوگا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اختیار کیا اور اس کے داعی بنے انہیں اور ان کے ہم مشربوں یعنی ان کا اتباع کرنے والوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے ان سب کو جمع کرو انکو ایک جگہ جمع کر کے دوزخ کا راستہ بتادو کہ جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ' اور وہاں ان کو ذرا ٹھہرالو ان سے سوال کیا جائے گا' جب ان کو ٹھہرالیا جائے گا تو یہ سوال ہوگا کہ آج آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ دنیا میں تو بڑے یار یار بنے ہوئے تھے اور مدد کے وعدے بھی کرتے تھے۔ جو لوگ کفر کی دعوت دیتے تھے وہ تو یہاں تک کہہ دیتے تھے: اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ (کہ تم ہماری راہ کا اتباع کرلو تمہاری خطاؤں کو ہم اٹھالیں گے) کیا بات ہے آج تم میں سے کوئی بھی کسی کی مددگار نہیں؟ وہاں تو ہر ایک خود ہی مبتلائے عذاب ہوگا دوسرے کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکے گا اور سب شرم کے مارے سر جھکائے ہار مانے ہوئے کھڑے ہوں گے اور یہ مان لیں گے اور جان لیں گے کہ واقعی ہم مستحق عذاب ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص نے (دنیا میں) کسی بھی چیز کی طرف دعوت دی ہوگی تو یہ شخص قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا جس کو دعوت دی ہوگی وہ اُسے پکڑے رہے گا اُس سے جدا نہیں ہوگا' اگرچہ ایک ہی شخص نے ایک ہی شخص کو دعوت دی ہوگی' اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت)

آپس میں ایک دوسرے کی مدد تو کیا کرتے وہاں تو چھوٹے بڑوں کو الزام دیں گے اور بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے تو ہمارا ناس کر دیا' دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ ہمارے پاس بڑے زوردار طریقے سے آتے تھے اور ہم پر خوب زور ڈال کر کفر و شرک کی راہ دکھاتے تھے اور اپنی چودھراہٹ اور سرداری کو استعمال کرتے تھے' آج جب ہم مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں تو تمہاری طرف سے کچھ بھی مدد نہیں؟ ان کے بڑے سردار اور چودھری کہیں گے بات یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ اپنی جگہ ہے تمہاری گمراہی صرف ہمارے ہی گمراہ کرنے پر منحصر نہ تھی بلکہ تم خود ہی مومن نہیں تھے' ہم نے تم سے جو کچھ کہا اور تمہیں جو کچھ بتایا وہ بہت سے بہت ایسی بات تھی کہ تم کو کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے رہے' کافر تو تم خود ہی تھے اگر ہم تمہیں نہ بہکاتے اپنے کفر کی وجہ سے پھر بھی تم آج سزا پاتے' اور اس بات کا بھی تو خیال کرو کہ ہم نے تمہیں جو کچھ بتایا اور کفر پر ابھارا اس میں ہماری باتیں ہی باتیں تو تھیں تم پر ہمارا ایسا کوئی تسلط نہیں تھا کہ لٹھ مارتے اور تلوار دکھا کر کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے' بات یہ ہے کہ تم خود ہی سرکش تھے' تمہارے جذبات اور ہمارے جذبات میں یگانگت تھی لہٰذا تم نے ہماری بات مان لی: قال صاحب الروح: بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ جواب اخر تسلیمی علیٰ فرض اِضلالهم بانهم لم یجبروهم علیه وانما دعوهم لهٗ فاجابوا باختیارهم لموافقة ما دعوا لهٗ هواهم. (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ یہ ایک دوسرا جواب ہے جو اس طرح ہے کہ بالفرض ہم مان لیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ کیا لیکن ہم نے تمہیں اس گمراہی کے ماننے پر مجبور نہیں کیا ہم نے تو فقط دعوت ہی دی اور انہوں نے اپنی مرضی و پسند سے اس دعوت کو قبول کرلیا)

مجرمین کا اقرار کہ ہم عذاب کے مستحق ہیں: فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ (سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی بلاشبہ ہم سب چکھنے والے ہیں) یعنی ہمارے خالق اور مالک نے جو کافروں کے لئے جہنم کا داخلہ طے فرمادیا تھا اسی کے مطابق ہمیں اور تمہیں عذاب چکھنا ہوگا۔ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ (سو ہم نے تم کو بہکا دیا بیشک ہم بھی گمراہ تھے) تم بھی کافر تھے اور ہم بھی اب عذاب سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہمیں الزام دے کر تمہارا بچاؤ نہیں ہوسکتا۔

اتباع اور تابعین سب عذاب میں مشترک ہوں گے: فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ (ارشادِ خداوندی ہے کہ وہ سب لوگ تابع اور متبوع، بڑے اور چھوٹے اس دن عذاب میں شریک ہوں گے) اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ (بلاشبہ ہم مجرمین کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں) مشرکوں اور کافروں کے لئے عذاب طے شدہ ہے جس میں وہ ضرور مبتلا ہوں گے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (بے شک جب انکے سامنے معبود برحق کی اُلوہیت کی دعوت دی جاتی تھی اور ان کے سامنے مضمون لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بیان کیا جاتا تھا تو تکبر کرتے تھے یعنی اس کلمہ کے ماننے سے نفرت کرتے تھے اور اس کے قبول کرنے میں اپنی ہتک سمجھتے تھے، اس طرح توحید کا انکار کرتے تھے) وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (اور یوں کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے) اس میں رسالت کا انکار ہے، انکار توحید اور انکار رسالت دنیا میں دونوں باتوں پر جمے رہتے تھے، اسی طرح مجرم بن کر آخرت میں اللہ کے دربار میں پہنچیں گے اور عذاب بھگتیں گے۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ

بلکہ بات یہ ہے کہ وہ سچ لے کر آیا اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کی۔ بلاشبہ تم دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو۔ اور تمہیں انہی کاموں کا

اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾

بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ہاں جو اللہ کے مخلص بندے ہیں اُن کا حال دُوسرا ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے رزق معلوم

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ

یعنی میوے ہیں۔ اور وہ نعمت کے باغوں میں باعزت رہیں گے۔ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اُن کے پاس شراب کا ایسا جام لایا جائے گا

بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾

جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا ہوا ہوگا۔ وہ شراب سفید ہوگی پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی۔ نہ اُس سے دردِ سر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آئے گا۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

اور اُن کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی بیویاں ہوں گی جن کی نظریں نیچی ہوں گی۔ گویا کہ وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔

کافر دردناک عذاب میں ہونگے اور اللہ کے مخلص بندے عزّت کے ساتھ تختوں پر جنّت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے

تفسیر: اس میں منکرین اور معاندین کی تردید ہے' ارشاد فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ ہمارا رسول شاعر یا دیوانہ ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ حق لے کر آیا ہے اور آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے' تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام توحید کی دعوت دینے کے لئے آئے' ان کی دعوت حق تھی اور اس نبی (یعنی امام الانبیاء ﷺ) کی دعوت بھی حق ہے' تم شرک پر اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر جمے ہوئے ہو اور دعوتِ توحید قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہو' لامحالہ تمہیں دردناک عذاب چکھنا ہی ہوگا اور تمہیں جو عذاب ہوگا وہ صرف تمہارے کئے ہوئے اعمال ہی کا بدلہ ہوگا۔

رہے مومن مخلص بندے سو وہ اپنے ایمان کی وجہ سے عذاب سے محفوظ ہوں گے بلکہ ان کا انعام و اکرام کیا جائے گا' ان کے لئے رزقِ معلوم ہوگا جو ہر اعتبار سے عمدہ ہوگا۔ فواکہ یعنی میوے ہوں گے جنہیں پوری رغبت اور اشتہاء کے ساتھ کھائیں گے کما فی سورۃ الواقعۃ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ یہ حضرات اللہ کے نزدیک معزز اور مکرم ہوں گے' نعمت کے باغیچوں میں ہوں گے' آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے' ان پر جام و شراب کا دور چلے گا۔ وِلْدَانٌ اور غِلْمَانٌ ایسی شراب کے جام بھر بھر کر لائیں گے جو جاری یعنی بہتی ہوئی ہوگی۔ جنت میں جیسے پانی اور دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی ایسے ہی شراب کی بھی نہریں ہوں گی اور رنگ کے اعتبار سے یہ شراب سفید ہوگی اور مزہ کے اعتبار سے پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی۔ اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ شراب میں تو نشہ ہوتا ہے' جس سے آدمی کے ہوش و حواس ٹھیک نہیں رہتے' شراب پی کر اگر نشہ طاری ہوا اور ہوش و حواس صحیح نہ رہے تو کیا مزہ رہے گا؟ اس وسوسہ کو دور کرتے ہوئے فرمایا لَا فِيهَا غَوْلٌ (نہ تو اس میں دردِ سر ہوگا) یہ ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور انہی سے اس کا یہ مطلب بھی منقول ہے کہ لَيْسَ فِيهَا نَتْنٌ وَلَا كَرَاهِيَةٌ كَخَمْرِ الدُّنْيَا' اس میں دنیا والی شراب کی طرح نہ بدبو ہوگی نہ اس سے کراہت ہوگی۔ (ذکرہ صاحب الروح) وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ (اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) خلاصہ یہ ہے کہ شراب لذیذ بھی ہوگی اور کسی قسم کی ظاہری یا باطنی تکلیف بھی نہیں پہنچے گی' شراب پی کر بھی حسبِ سابق ہوش گوش برقرار رہے گا۔

مخلص بندوں کو جو نعمتیں ملیں گی' ان میں بڑی بڑی آنکھوں والی حسین و جمیل بیویاں بھی ہوں گی' وہ صفائی ستھرائی میں ایسی ہوں گی جیسے دنیا میں پرندوں کے انڈے ہوتے ہیں جنہیں جانور اپنے پروں میں چھپا کر رکھتے ہیں جنت کی ان بیویوں کو جو بیض مکنون سے تشبیہ دی ہے یہ تشبیہ صفائی اور گرد و غبار اور داغ دھبے سے محفوظ رہنے میں ہے' اہلِ عرب عورتوں کو انڈوں سے تشبیہ دیتے تھے اور انہیں بیضاتِ خدور کہتے تھے' لہٰذا سورۂ رحمٰن میں جو كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ فرمایا یہ اس کے منافی نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ حور عین کے رنگ مختلف ہوں' سفید بھی ہوں سرخ بھی ہوں۔ لیکن چونکہ خالص سفید رنگ (جو انڈے کی طرح سے ہو) عورتوں میں محبوب و مرغوب نہیں سمجھا جاتا اس لئے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس رنگ میں زردی کی آمیزش ہوگی' سفیدی اور زردی مل کر ایک خوشنما منظر دیکھنے میں آئے گا۔ ھٰذا ملخص ما ذکرہ صاحب الرّوح والّذی سنح فی قلبی انہ لیس من الضروری ان تکون البیضۃ بیضاء فقد رأینا بیضاً

ذات الوانٍ اُخرٰی غیر بیاضٍ وَلَیس فِیْ لفظ الاٰیة مایدل علیٰ وجه الشبه ولمّا کان فی الجنّة کل نعمة حسب رغبات اھلھا یکون لَو نھن احسن واجمل ایّا ما کان. وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَاب. (یہ تو اس کا خلاصہ ہے جو صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے۔ اور جو بات میرے دل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ انڈہ سفید ہی ہو ہم نے سفیدی کے علاوہ کئی رنگوں والے انڈے دیکھے ہیں۔ اور آیت کے الفاظ میں بھی اس پر شبہ کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا جب جنت میں جنتیوں کے حسب منشاء ہر نعمت ہوگی تو حوروں کا رنگ بھی نہایت حسین وخوبصورت ہوگا خواہ کوئی بھی ہو)

جنت کی بیویوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ وہ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ہوں گی جس کا ترجمہ "نیچی نظروں والی" کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف اپنے شوہروں کی طرف نظر رکھیں گی کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں گی، دنیا کی مومن عورتوں کو جنتی حوروں کی طرح قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ہونا چاہئے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٥٠ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ۝٥١

سو ان میں سے بعض بعض پر متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ اُن میں سے ایک کہے گا کہ بلاشبہ میرا ایک ساتھی تھا۔

يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝٥٢ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝٥٣ قَالَ

وہ کہتا تھا کہ یا تو تصدیق کرنے والوں میں ہے۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہمیں اپنے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ کہے گا

هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝٥٤ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝٥٥ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝٥٦

کیا تم جھانک کر اُسے دیکھنا چاہتے ہو۔ سو وہ شخص جھانکے گا تو اس کو جہنم کے بیچ میں دیکھ لے گا۔ کہے گا کہ اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک ہی کردیتا۔

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝٥٧ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝٥٨ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى

اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی اُن لوگوں میں ہوتا جو حاضر کئے گئے ہیں۔ یہی بات ہے نا کہ ہم پہلی بار مرچکنے کے بعد نہیں مریں گے

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝٥٩ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٦٠ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝٦١

اور ہم کو عذاب نہ ہو گا۔ بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اسی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔

ایک جنتی اور ایک دوزخی کا مکالمہ

تفسیر: اہل جنت، جنت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے، آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے آپس میں باتیں بھی ہوں گی، دل لگی کے طور چھینا جھپٹی بھی ہوگی، جیسا کہ سورۃ الطور میں يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا فرمایا۔ انہی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہوگی کہ جنتیوں میں سے ایک جنتی یوں کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جس سے ملاقات ہوتی رہتی تھی وہ خود مومن نہ تھا مجھے بھی سرزنش کرتا تھا اور قیامت پر ایمان لانے کو بیوقوفی سمجھتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کیا تو بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور مردے زندہ ہو کر قبروں سے اٹھیں گے، تو ہی بتا کہ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں

گے تو کیا زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور اپنے اپنے اعمال کی جزا و سزا پائیں گے میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی۔

بات کرتے کرتے وہ شخص کہے گا میں تو جنت میں آ گیا اور میرا وہ ساتھی جو جزا سزا کی تصدیق نہیں کرتا تھا اور مجھے بھی اس سے روکتا تھا وہ دوزخ میں چلا گیا' آؤ ذرا دوزخ میں جھانک کر دیکھیں تو سہی اس کا کیا حال ہے؟ یہ بات کہہ کر جب وہ شخص دوزخ میں جھانکے گا تو اسی ساتھی کو جو ایمان سے روکتا تھا اور خود کافر تھا دوزخ کے درمیان دیکھ لے گا' جب وہ نظر آئے گا تو اس سے کہے گا کہ تو نے اپنا انجام دیکھ لیا' تو تو مجھے بھی ایمان لانے سے روکتا تھا' قریب تھا کہ تو میرا بھی ناس کھو دیتا' اگر میں تیری بات مان لیتا تو آج میں بھی دوزخ میں ہوتا' اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ پر فضل فرمایا کہ اس نے مجھے ایمان کی توفیق دی اور کفر سے بچایا' اللہ کی توفیق اور فضل و کرم نہ ہوتا تو آج میں بھی انہیں لوگوں میں ہوتا جو عذاب کے لئے دوزخ میں حاضر کر دیئے گئے۔

جنت میں ہوتے ہوئے دوزخ میں کیسے نظر جائے گی اور جنتی آدمی کو اپنا دنیا والا ساتھی جو منکرِ بعث تھا کیسے نظر آ جائے گا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اہلِ جنت کی نظر کو تیز پیدا فرما دے اور انہیں ایسی قوت دے دے جس کے ذریعے جس کو چاہیں دیکھ سکیں۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جب جنتی حضرات دوزخ میں نظر ڈالنا چاہیں گے تو اعراف پر کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ اور بعض حضرات سے نقل کرتے ہوئے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ جنت میں کچھ طاقچے ہوں گے ان سے دوزخ والوں کو دیکھ لیں گے' یہ جواب پرانے زمانے کے اعتبار سے ہیں' اب تو دیکھنے' سننے اور بات کرنے کے لئے ایسے نئے آلات نظروں کے سامنے آ گئے ہیں کہ احتمالات بعیدہ نکالنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ پہلا جواب احوالِ حاضرہ کے مناسب ہے۔ وَيَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ وہ جنتی شخص جو اپنے ساتھی کو دوزخ میں دیکھے گا اس سے خطاب کرنے کے بعد پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر یوں کہے گا۔ یہی بات ہے نا کہ اب ہم مرنے والے نہیں ہیں' وہ پہلی موت جو دنیا میں آئی تھی اس کے بعد اب اور کوئی موت نہیں' ہمیشہ ہمیں جنت ہی میں رہنا ہے اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا۔ قال صاحب الروح: والمراد استمرار النفی و تاکیدہ و کذافیما تقدم و استمرار هٰذا النفی نعمة جلیلة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مراد نفی کا استمرار اور تاکید ہے اور گذشتہ میں بھی یہی مراد ہے اور اس نفی کا استمرار بہت بڑی نعمت ہے)

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے) کہ جنت میں داخلہ ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے ہو گیا اور وہاں کی بے مثال نعمتیں ہمیشہ کے لئے مل گئیں۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (اسی جیسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے) یعنی ایمان لائیں اور اعمال صالحہ کرتے رہیں۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ
کیا ضیافت کے اعتبار سے یہ بہتر ہے یا زقوم کا درخت' بیشک ہم نے اُس درخت کو ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک درخت ہے

فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ

جو دوزخ کی گہرائی میں سے نکلتا ہے۔ اُس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپوں کے پھن ہوں۔ سو اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ بالضرور اس میں سے کھائیں گے سو اُس سے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى

اپنے پیٹوں کو بھرلیں گے۔ پھر بلاشبہ اُن کے لئے اُس درخت کے اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی ملا کر دیا جائے گا پھر بلاشبہ اُن کا لوٹنا

الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ

دوزخ کی طرف ہوگا۔ بے شک انہوں نے باپ دادوں کو گمراہی کی حالت میں پایا۔ پھر اُن کے نقش قدم پر تیزی کے ساتھ چلتے رہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے

اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے اُن میں ڈرانے والے بھیجے ہیں۔ سو دیکھ لیجئے جن کو ڈرایا گیا اُن کا کیا انجام ہوا۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

سوا اللہ کے مخلص بندوں کے۔

شَجَرَۃُ الزَّقُّوْم کا تذکرہ جسے اہل جہنّم کھائیں گے

تفسیر: اوپر اہل جنت کی نعمتوں کا اور وہاں کی کامیابیوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان آیتوں میں اہلِ دوزخ کے کھانے کی چیزوں میں سے ایک چیز یعنی زقوم کا تذکرہ فرمایا' اہلِ جنت کے بارے میں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ اور یہاں یوں فرمایا' اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (کیا اہلِ جنت کا رزق بہتر ہے جو بطور مہمانی ان کو دیا جائے گا یا زقوم کا درخت بہتر ہے) زقوم کا درخت بہت ہی زیادہ بدمزہ اور کڑوا ہوگا جو دوزخ کی گہرائی میں سے نکلے گا' اس کے پھل ایسے ہوں گے جیسے سانپوں کے پھن ہوں۔ اس میں درخت کی بدصورتی بیان فرمائی' مزہ بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگا اور صورت بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگی جس کے دیکھنے ہی سے ڈر لگے گا' یہ درخت گو بہت زیادہ کڑوا اور بدصورت ہوگا لیکن دوزخی بھوک کی وجہ سے اتنا کھائیں گے اتنا کھائیں گے کہ پیٹ بھرلیں گے۔

سورۂ محمد ﷺ میں فرمایا کہ انکو سخت گرم پانی پلایا جائے گا۔ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو انکی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا)

سورۂ واقعہ میں فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (پھر اے جھٹلانے والے گمراہ لوگو! تم زقوم کے درخت سے کھاؤ گے اور اس سے پیٹ بھرلو گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں' قیامت کے روز اس طرح ان کی مہمانی ہوگی)

وہ کیا ہی برا منظر ہوگا جب دوزخی اس درخت سے کھائیں گے اور پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور وہ بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ پیاسے اونٹوں کی طرح خوب زیادہ پئیں گے۔ **اعاذنا اللہ تعالیٰ من الزّقوم والحمیم وسائر انواع عذاب الجحیم۔**

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو وہ یقیناً تمام دنیا والوں کی غذائیں بگاڑ ڈالے اب بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔ (الترغیب والترہیب جلد۴ ص ۴۸۰ از ترمذی وابن ماجہ وابن حبان)

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ (پھر انکا لوٹنا دوزخ ہی کی طرف ہوگا) زقوم کھانے اور گرم پانی پینے کے لئے جس جگہ جائیں گے وہ بھی دوزخ ہی میں ہوگی اور یہ چیزیں کھاپی کر بھی دوزخ میں ہی رہیں گے، اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔ **قال صاحب الروح ای الیٰ مقرھم من النّار فانّ فی جھنّم مواضع اعد فی کل موضع منھا نوع من البلاء۔** (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں یعنی جہنم میں ان کے ٹھکانے کی طرف لوٹنا ہے کیونکہ جہنم میں کئی درجہ ہیں ہر جگہ ایک الگ قسم کا عذاب ہے)

زقوم کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اسے ظالموں کے لئے امتحان کی چیز بنایا ہے (یعنی موت کے بعد دوزخ میں داخل ہوکر اہلِ کفر بطور سزا کے زقوم کا درخت کھائیں گے وہاں اسے کھانا پڑے گا، اور دنیا میں اس کا ذکر آیا تو مذاق بنانے لگے جو ان کے لئے فتنہ یعنی امتحان کا سبب بن گیا کہ وہ اسکی خبر پر ایمان لاتے ہیں یا انکاری ہوتے ہیں)

صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ کافروں نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ تمہارے بیان کے مطابق تو دوزخ میں آگ ہی آگ ہے وہاں درخت کا کیا کام؟ اور جب ابوجہل نے زقوم کے درخت کی بات سنی تو مذاق بناتے ہوئے کہنے لگا کہ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ زقوم کھجور اور مسکہ کا نام ہے، وہاں جا کر بھی تو ہمارے مزے ہوں گے۔ یہ بات اس نے اپنے پاس سے بنائی۔ عربی لغت میں زقوم کا ترجمہ کھجور اور مسکہ نہیں ہے، اور یہ بات کہ آگ میں درخت کیسے زندہ رہے گا؟ یہ بھی بیوقوفی کا سوال ہے، آگ تو اللہ کے حکم سے جلاتی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے آگ میں زندہ اور ہرا بھرا رکھ سکتا ہے۔

اہلِ جہنّم آباؤ اجداد کی تقلید کر کے گمراہ ہوئے: اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ یعنی یہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا پھر غور و فکر کئے بغیر اور حق اور باطل میں امتیاز کئے بغیر انہی کے قدم بہ قدم تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں، گمراہوں کی تقلید نے انہیں برباد کیا۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ (اور یہ بات واقعی ہے کہ ان موجودہ ظالموں یعنی کافروں سے پہلے گذشتہ امتوں میں سے اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (اور یہ بات بھی واقعی ہی ہے کہ ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے تھے) یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق کی دعوت لیکر پہنچے اور انہیں بتایا کہ اگر باطل میں لگے رہو گے، حق قبول نہ کرو گے تو تمہارا برا انجام ہوگا، لیکن وہ لوگ نہ مانے دنیا میں بھی ان پر عذاب آیا اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ (سو دیکھ لیجئے جن لوگوں کو ڈرایا گیا ان کا کیا انجام ہوا؟)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ (مگر اللہ کے وہ بندے جنہیں اللہ نے منتخب فرمالیا) وہ برائی سے بھی محفوظ رہے اور ان کا انجام بھی اچھا ہوا۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا

اور یہ بات واقعی ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا سو ہم کیا ہی خوب ہیں فریاد سننے والے اور ہم نے نوح کو اور اس کے گھر والوں کو بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے

ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

اس کی ذریت کو باقی رہنے دیا۔ اور ہم نے اُن کے لئے بعد کے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہے جہانوں میں۔ بلاشبہ ہم

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿٨٢﴾

مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہماری مؤمن بندوں میں ہیں۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السّلام کا دُعا کرنا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا اور ان کی ذرّیت کا نجات پانا

تفسیر: حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو برس رہے انہیں سمجھایا' توحید کی دعوت دی کہ غیر اللہ کی پرستش چھوڑنے کی تلقین کی' لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بس تھوڑے سے ہی آدمی مسلمان ہوئے۔ اہلِ ایمان کی مختصر تعداد کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے وہ ضد پر اڑے رہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کرتے رہے' حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر ان کے لئے بددعا کر دی: لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا (کہ اے رب زمین میں ایک بھی کافر باشندہ مت چھوڑ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ کشتی بنالو انہوں ایک کشتی بنائی' اللہ پاک کی طرف سے پہلے خبر دے دی گئی تھی کہ پانی کا طوفان آئے گا' طوفان آیا' حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے گھر والوں اور دوسرے اہل ایمان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے' یہ حضرات غرق ہونے سے بچ گئے' اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نجات دے دی اور اہلِ کفر سب غرق ہو گئے' ان غرق ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا بھی تھا اور ایک بیوی بھی تھی۔

ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ اور واقعی بات یہ ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا' سو ہم کیا ہی خوب دعا قبول کرنے والے ہیں (یعنی ان کی دعا قبول فرمائی)۔

وَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ (ہم نے نوح کو ان کے گھر والوں کو بڑے غم سے یعنی ڈوبنے کی مصیبت سے نجات دے دی) وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ (اور ہم نے ان کی ذریت کو باقی رکھا) وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ (اور بعد کے آنے والوں میں انکے لئے ہم نے یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو جہانوں میں) اللہ تعالیٰ نے ان پر کئی طرح سے انعام فرمایا' اول تو انہیں اور ان کے اہل وعیال کو غرق ہونے سے بچالیا۔ دوسرے ان کی نسل کو دنیا میں باقی رکھا جو آج تک چل رہی ہے۔ اور تیسرے یہ انعام فرمایا کہ بعد کے آنے والوں میں ان کا ذکر جاری رکھا' ان کے

بعد جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور ان کی امتیں وجود میں آئیں سب نے ان پر سلام بھیجا' اور سلام میں بھی عموم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام جہاں بھی ہوں جس عالم میں بھی ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔

پھر فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (ہم احسان والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں) کسی کام کو اچھی طرح انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے۔ نیت کو درست کرنا' صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کرنا اس کی بڑی اہمیت ہے' اسی لئے ترجمہ میں اَلْمُحْسِنِیْنَ کا ترجمہ مُخْلِصِیْن کیا گیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (بلاشبہ وہ مومن بندوں میں سے تھے) ایمان ہی تو اصل چیز ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقبولیت نہیں' حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے پھر بھی ان کے ایمان کا تذکرہ فرمایا اور اس سے پہلے احسان کا تذکرہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ احسان بھی ضروری ہے انہی سے اللہ کے نزدیک ترقیات ہوتی ہیں' لیکن نبوت وہبی چیز ہے کسبی چیز نہیں' اور رسول اللہ ﷺ پر وہ بالکل ہی ختم ہوگئی۔ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ (پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا) یعنی حضرت نوح علیہ السلام' آپ کے اہل و عیال اور اہلِ ایمان کو نجات دے دی اور ان کے علاوہ کو غرق کر دیا۔

کیا طوفان نوح سارے عالم کو محیط تھا؟ حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ ان کے بعد دنیا میں جو آبادی ہوئی وہ سب ان ہی کی اولاد سے ہے قرآن مجید کی آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کیونکہ یہ الفاظ حصر پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِیْنَ کی تفسیر میں (حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے) یوں فرمایا کہ یہ حام اور سام اور یافث تھے۔ امام ترمذیؒ نے اس کے بارے میں فرمایا: هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ پھر حضرت سمرہؓ ہی سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ سام عرب کا جدِ اعلیٰ اور حام حبشیوں کا جدِ اعلیٰ اور یافث رومیوں کا جدِ اعلیٰ تھا۔ (سنن ترمذی تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت)

اور معالم التنزیل میں حضرت سعید بن المسیبؒ تابعی سے یوں نقل کیا ہے کہ سام عرب اور فارس اور روم کا جدِ اعلیٰ تھا۔ اور حام سوڈان یعنی کالے لوگوں کا جدِ اعلیٰ تھا۔ اور یافث ترکوں کا اور یاجوج ماجوج کا اور جو ان کے قریب اقوام رہتی ہیں ان کا جدِ اعلیٰ تھا۔

اگر طوفان پورے عالم میں آیا ہو اور زمین پر جتنی بھی آبادیاں تھیں ان سب کو غرق کر دیا گیا ہو تو پھر یہی متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے آگے دنیا آباد ہوئی' لیکن اس میں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جن اہلِ ایمان نے نجات پائی تھی کیا ان کی نسلیں نہیں چلیں؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے:

وقد روی انہ مات کل من فی السفینۃ ولم یعقبوا عقباً باقیاً غیر الثلث سام وحام ویافث وازواجھم فانھم بقوا متناسلین الیٰ یوم القیٰمۃ (روایت ہے کہ کشتی میں جو تھے سب مر گئے سوائے حام' سام' یافث اور ان کی بیویوں کے اور کوئی نہیں بچا۔ قیامت تک انہیں میں نسل چلتی رہے گی) یعنی "حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ کشتی

میں تھے وہ لوگ غرق ہونے سے نجات پاکر کشتی سے اتر کر اپنی اپنی اجل کے مطابق مر گئے اور آپ میں سے کسی کی نسل نہیں چلی صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے سام حام اور یافث اور ان کی بیویاں باقی رہیں جن کی قیامت تک نسل جاری رہے گی۔'' صاحب روح المعانی نے لکھ تو دیا لیکن سند پیش نہیں کی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ کس کا قول ہے۔

عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد سے آگے نسل چلی اس کے مقابل دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ دوسری نسلیں بھی دنیا میں چلتی رہی ہیں۔ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے ان کا قول اس پر مبنی ہے کہ طوفانِ نوح (علیہ السلام) عام نہیں تھا' ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام اقوام کے لئے عام نہیں تھی کیونکہ یہ صرف خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے' جب ان کی بعثت عام نہیں تھی تو جو لوگ ان کے مخاطب تھے انہوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور انہی کے لئے بددعا فرمائی اور وہی لوگ ہلاک ہوئے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کے الفاظ سے تو حصر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی ذریت کو باقی رکھا' اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حصر کشتی والوں سے متعلق ہے' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کشتی میں سوار تھے ان میں سے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے نسل چلی' باقی دنیا جو اپنی جگہ آباد تھی اس میں بسنے والوں اور ان کی نسلوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب. (راجع روح المعانی ج ۲۳ ص ۹۸)

وقد وقع فی قلبی بفضل اللہ تعالیٰ و کرمہ انہ یمکن ان یقال انّ الارض لم تکن معمورة ببنی ادم وما کانت اقطارھا کلھا یعیش فیھا الانسان و کان عمر انھا فی مناطق محدودة ولم تکن الّا امة واحدة لعدم الامتداد الطویل من عھد ادم علیہ السلام مکان جمیع النّاس مخاطبین لہٗ فلمّا انکروا اُغرِقُوْا وھذا الاینا فی کون بعثة النّبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عامة لانّھا عمت لجمیع افراد البشر ولسائر الاقوام ولجمیع الامکنة والازمنة. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے دل میں یہ بات آ گئی ہے کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت پوری زمین میں انسان آباد نہیں تھے فقط محدود علاقوں میں آبادی تھی۔ وہ محدود آبادی گویا بس ایک ہی امت تھی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی لمبا عرصہ نہیں گذرا تھا، لہٰذا اس وقت کے سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے مخاطب تھے۔ جب انہوں نے انکار کیا تو سب غرق کئے گئے۔ اور یہ توجیہ حضور ﷺ کی عمومی بعثت کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت تمام انسانی افراد' اقوام اور تمام ممالک و زمانوں کو عام ہے)

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ

اور بلاشبہ نوح کا اتباع کرنے والوں میں ابراہیم بھی تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا

مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو۔ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ

پھر ایک نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا۔ اور کہہ دیا کہ بیشک میں بیمار ہوں۔ سو وہ لوگ ان سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ سو وہ اُن کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے

فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝۹۱ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝۹۲ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝۹۳ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝۹۴

سو کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں۔ پھر اُن پر قوت کے ساتھ متوجہ ہو کر مارنے لگے۔ سو وہ لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝۹۵ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا

انہوں نے کہا کیا تم اس چیز کی پوجا کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔ کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک مکان بناؤ

فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ۝۹۷ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝۹۸

پھر اُسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ سو انہوں نے ان کے ساتھ برا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا سو ہم نے اُن لوگوں کو نیچا دیکھنے والا بنا دیا

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور بتوں کو توڑ دینا پھر آگ میں ڈالا جانا اور صحیح سالم محفوظ رہ جانا

تفسیر: یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔

اتباع کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کی شریعتوں میں اصولِ دین میں تو اتفاق تھا ہی احکام میں بھی اکثر اتفاق تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تابع ہونے کا مطلب یہ کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت کے کام میں بہت محنت کی اور تکلیفیں برداشت کیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جم کر دعوت کا کام کیا اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، حتیٰ کہ آگ میں ڈالے گئے۔

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (جبکہ وہ اپنے رب کے پاس قلبِ سلیم لیکر آئے) سلیم سالم کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا دل لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے کہ عقائد بالکل صحیح تھے، نیت خالص تھی، صفاتِ قبیحہ مثلاً حسد، کھوٹ کپٹ سے خالی تھے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک گفتگو کا تذکرہ فرمایا جو ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں، کما ذکر فی سورۃ الشعراء۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو؟ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تم اس کی عبادت بالکل ہی نہیں کرتے یا اسکی عبادت تو کرتے ہو لیکن ساتھ ہی بتوں کو بھی شریک بنا رکھا ہے یعنی ساتھ ہی انکی بھی عبادت کرتے ہو۔

صاحبِ روح المعانی نے اس کا ایک یہ مطلب لکھا ہے کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا وہ تمہاری اس جرأت پر عذاب نہ دے گا کہ تم نے جھوٹے معبود بنا لئے اور تمہیں کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اور بت پرست اقوام کی طرح میلے لگاتے تھے، ایک مرتبہ قوم اپنے

بتوں کے سامنے کھانا رکھ کر میلے میں شریک ہونے کے لئے چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم بھی چلو، چونکہ یہ لوگ ستاروں کی تاثیرات کے قائل تھے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پیچھا چھڑانے اوران کے پیچھے ان کے بتوں کی توڑ پھوڑ کے لئے ستاروں کے طرف ایک نظر دیکھا اور فرمایا کہ میں تو بیمار ہونے والا ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاؤں، وہ لوگ آپکو چھوڑ کر چلے گئے آپ نے ان کے پیچھے بت خانہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر اول تو ان بتوں کی مذاق بنائی اور فرمایا کیا بات ہے کہ تم کھاتے نہیں ہو؟ (کھانے کی چیزیں وہاں پہلے سے رکھی ہوئی تھیں، مشرکین وہاں متبرک بنانے کے طور پر رکھ کر گئے تھے تاکہ واپس ہو کر کھائیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یہ بھی کہا کیا بات ہے تم بولتے نہیں؟ بت تو بت ہیں کیا جواب دیتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر کلہاڑا لے کر پل پڑے اور مار مار کران کا تیہ پانچہ کر دیا اور توڑ کر رکھ دیا۔ اس میں جو لفظ بالیمین وارد ہوا ہے اس کے دو ترجمے کئے گئے ہیں، اول یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے حملہ کیا اور دوسرے یہ کہ پوری قوت کے ساتھ مار بجائی۔

جب وہ لوگ میلہ سے واپس ہوئے اور بتوں کو اس حال میں پایا کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں، تو اول تو آپس میں پوچھنے لگے کہ یہ کس نے کیا ہے؟ پھر کہنے لگے کہ ہاں وہ ایک نوجوان جسے ابراہیم کہا جاتا ہے وہ ایک دن کہہ رہا تھا کہ میں ایک دن ان کے بارے میں ایک تدبیر نکالوں گا، ہو نہ ہو ایسا کام کرنے والا ابراہیم ہی ہوگا، کہنے لگے اسے بلاؤ سب لوگوں کے سامنے بات ہوگی، اس مشورے کے بعد جلدی جلدی حضرت ابراہیم کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور آپ سے دریافت کیا کیا تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ فرمایا یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے انہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں؟ کہنے لگے تم جانتے ہو یہ تو بولتے نہیں ہیں! فرمایا تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں کچھ بھی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے، تف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر، یہ سوال اور جواب سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔

یہاں سورۃ الصّٰٓفّٰت میں فرمایا ہے: قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود ہی تراش کر اور کاٹ چھانٹ کر کے بنا لیتے ہو وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اور حال یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔

مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا دلیل سے تو جواب نہ دے سکے البتہ آپس میں یہ طے کیا کہ ان کے لئے ایک مکان بناؤ یعنی ایک چار دیواری تیار کرو، پھر اس میں بہت زیادہ آگ جلاؤ اور اس شخص کو اس آگ میں ڈال دو۔

چنانچہ انہوں نے ایک بڑی جگہ بنائی اور اس میں خوب آگ جلائی پھر منجنیق کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا، آگ کو اللہ کا حکم ہوا کہ تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا، ابراہیم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے چنانچہ آگ اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہوگئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بال بھی بیکا نہ ہوا، اب تو دشمنوں نے منہ کی کھائی، سب حیران رہ گئے۔ اسی کو فرمایا: فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ (سو ان لوگوں نے ابراہیم کو تکلیف پہنچانے کی تدبیر کی سو ہم نے ان لوگوں کو نیچا کر دیا) وہ ذلیل ہوئے اور سب نے نیچا دیکھا۔

اس قصہ کی تفصیل سورۃ الانبیاء (رکوع ۴) میں بھی گذر چکی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اِنِّیْ سَقِیْمٌ فرمایا تھا اس کے بارے میں بھی وہاں ضروری بحث لکھ دی گئی، مطالعہ کر لیا جائے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو ستاروں کی طرف دیکھ کر اپنی قوم کو جواب دیا کہ میں

بیمار ہونے والا ہوں' تو ستاروں کی طرف کیوں دیکھا اور کیا ستاروں سے انسانوں کے احوال اور امراض اور اسقام کا کوئی تعلق ہے؟ پہلی بات کا جواب اوپر گذر چکا ہے کہ چونکہ وہ لوگ ستاروں کو مانتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے حالات کا ستاروں سے تعلق ہے اس لئے ستاروں کو بہانہ بنا کر ان لوگوں کو چلتا کر دیا اور خود وہیں رہ گئے۔ اب رہا دوسرا سوال تو اس کے بارے میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ ''بیان القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ علم نجوم شرعاً مذموم ہے خواہ اس وجہ سے کہ وہ باصلہ باطل ہے اور کواکب میں سعادت ونحوست منفی ہے اور یا اس وجہ سے مذموم ہے کہ کواکب کی سعادت اور نحوست میں گو ثبوت عدم نہ ہو مگر عدم ثبوت ہے اور اس کے قواعد کسی دلیل صحیح کی طرف مستند نہیں اور پھر مفاسد کثیرہ اس پر مرتب ہوتے ہیں اعتقاد قبیح اور شرک صریح اور ضعف توکل علی اللہ اور ترکِ علوم نافعہ وغیرہ ذٰلک۔ حاصل یہ ہے کہ نجوم مذموم ہے خواہ قبح لعینہ کی وجہ سے مذموم ہو خواہ قبح لغیرہ کی وجہ سے۔ (انتہی ملخصاً)

وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ

اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف جانیوالا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتادے گا۔ اے میرے رب مجھے نیک فرزند عطا فرما۔ سو ہم نے

بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىْۤ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ

انہیں حلم والے لڑکے کی بشارت دی۔ سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ اے میرے چھوٹے سے بیٹے بیشک میں خواب میں دیکھ رہا ہوں

مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِىْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ

کہ تجھے ذبح کرتا ہوں سو تو غور کر لے تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا کہ اے اباجان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے انشاءاللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ سو جب

اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ

دونوں نے حکم کو مان لیا اور ابراہیم نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا۔ اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم

نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا

مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلا ہوا امتحان ہے۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔ اور بعد کے آنے والوں میں

عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

ان کے لئے یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم اس طرح مخلصین کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ

مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے انہیں اسحٰق کی بشارت دی کہ وہ نبی ہوں گے صالحین میں سے ہوں گے۔ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحٰق پر برکت دی؛

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾

اور ان کی نسل میں سے اچھے لوگ ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو صریحاً اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے علاقہ سے ہجرت کرنا پھر بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ملنا اور فرمانبرداری میں کامیاب ہونا

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن بابل کے قریب تھا انہوں نے وہاں کے مشرکین کو شرک سے باز آنے اور خالق کائنات وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی' یہ لوگ شرک سے باز نہ آئے' آپ نے ہجرت کا اعلان کر دیا اور فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں یعنی کسی ایسی جگہ جا کر آباد ہوتا ہوں جہاں اپنے رب کے احکام ادا کر سکوں اور دوسروں کو بھی راہِ حق دکھا سکوں' میرا رب میری رہبری فرمائے گا اور مجھے ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں رہنے سے اس کی رضا مندی حاصل ہوگی' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کو ہجرت کر گئے اور وہاں جا کر آباد ہو گئے' حضرت لوط علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے' دونوں نے سرزمین شام کے لئے ہجرت کی اور فلسطین کے علاقے میں جا کر آباد ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی تو سفر ہی میں ان کے ساتھ تھیں جن کا نام سارہؓ تھا اور دوسری بیوی ایک بادشاہ نے پیش کر دی تھیں جن کا نام ہاجرہؓ تھا' جس بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو پکڑوا کر بلایا تھا اسی نے حضرت ہاجرہ کو بطورِ خادمہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا (جس کا قصہ سورۃ الانبیاء میں گذر چکا ہے) حضرت سارہؓ اسحٰق علیہ السلام کی والدہ تھیں اور حضرت ہاجرہؓ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ایک ایسا فرزند عطا فرمائیے جو صالحین میں سے ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا۔ مفسر ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں جس بیٹے کی بشارت کا ذکر ہے اس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے' کچھ بڑے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اور ان کی والدہ کو اللہ کے حکم سے مکہ معظمہ کی سرزمین میں چھوڑ دیا' اس وقت مکہ معظمہ چٹیل میدان تھا کعبہ شریف کی عمارت بھی موجود نہ تھی' اللہ کریم نے ان کے لئے زمزم کا چشمہ پیدا فرما دیا پھر بنی جرہم کا قبیلہ بھی وہاں آ کر آباد ہو گیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے اپنی بیوی اور بیٹے کی خبر لینے مکہ معظمہ جایا کرتے تھے' ایک مرتبہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں' انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب سچا ہوتا تھا اور اللہ کی جانب سے ہوتا تھا' ایسی بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیئے جانے کے مترادف سمجھی جاتی تھی اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے تمہاری کیا رائے ہیں؟ بیٹے نے جواب دیا: یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (یعنی اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے آپ مجھے انشاء اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ سے لیکر چلے اور منیٰ میں جا کر ذبح کرنے کی نیت سے ایک چھری ساتھ لی (منیٰ مکہ معظمہ سے تین میل دور دو پہاڑوں کے درمیان بہت لمبا میدان ہے) جب منیٰ میں داخل ہوئے تو ان کے بیٹے کو شیطان بہکانے لگا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا تو اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں جس

کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا' دونوں باپ بیٹے آگے بڑھے تو زمین نے شیطان کو چھوڑ دیا' پھر قریب آ کر ورغلانے لگا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اللہ اکبر کہ کر سات کنکریاں ماردیں' وہ پھر زمین میں دھنس گیا' یہ دونوں آگے بڑھے تو پھر زمین نے اس کو چھوڑ دیا' پھر قریب آ کر ورغلانے لگا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اللہ اکبر کہہ کر اُسے سات کنکریاں ماریں' پھر وہ زمین میں دھنس گیا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل زمین پر لٹا دیا۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا (اور ہم نے ابراہیم کو آواز دی کہ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا) خواب میں جو حکم دیا گیا تھا اپنی طرف سے اس کا انجام دینے میں ذرا بھی کسر نہ چھوڑی۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ (اور ہم مخلصین کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (بلاشبہ یہ کھلا امتحان ہے) وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (اور ہم نے اس کے بدلہ ایک بڑا ذبیحہ دے دیا) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے فرزند کو ذبح ہونے سے بچالیا۔ (انہوں نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی لیکن گلا نہ کٹا' مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گلے کو تانبے کا بنا دیا جس پر چھری نے کچھ کام نہ دیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا ذبیحہ بھیج دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو جنت سے لایا گیا تھا' اور بعض روایات میں ہے کہ اس مینڈھے کو حضرت جبرئیل علیہ السلام لیکر آئے تھے۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِی الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِيْمَ (اور ہم نے بعد کے آنیوالوں میں ابراہیم کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی کہ سلام ہو ابراہیم پر) كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ (ہم مخلصین کو اسطرح صلہ دیا کرتے ہیں) چنانچہ بعد کے آنیوالی تمام امتوں میں ان کا اور انکی قربانی کا تذکرہ ہے اور اہل ایمان ان پر سلام بھیجتے رہتے ہیں' جب ان کا نام لیتے ہیں علیہ السلام کہتے ہیں اور امت محمدیہ کو ان سے خاص تعلق ہے' انکی شریعت کے احکام اس شریعت میں ماخوذ ہیں اور نماز میں جو درودِ ابراہیمی پڑھا جاتا ہے وہ تو نمازیوں کو یاد ہی ہے انہوں نے دعا بھی کی تھی: وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ (اور اے اللہ بعد کے آنیوالوں میں میرا اچھا تذکرہ جاری رکھیے) اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی برابر انکا ذکر خیر جاری ہے اور برابر ان کے لئے سلام کی دعا اہلِ ایمان کی زبانوں سے نکلتی ہے۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں)

نیک نیتی پر ثواب: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت بڑی قربانی دی' اپنے وطن میں آگ میں ڈالے گئے اسے خوشی سے منظور کرلیا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حفاظت فرمائی اور صحیح سالم آگ سے باہر آ گئے' پھر جب ہجرت فرما کر شام آ گئے اور مکہ معظمہ میں اپنی بیوی اور ایک بچے کو آباد کر دیا' پھر جب اس کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو اسے بھی ذبح کر دیا۔ (یعنی اپنی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی) اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مدد فرمائی اور ان کے بیٹے کو بچا لیا اور اس کی جگہ ایک مینڈھا بھیجدیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی شخص سچی نیت سے اور سچے دل سے کسی عمل کا ارادہ کرے اور پھر وہ کام نہ ہو سکے تب بھی اسکا ثواب مل جاتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے لئے (اپنے گھر سے) نکل گیا پھر راستہ میں مرگیا تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ مجاہد اور حاجی اور عمرہ کرنے والوں کا ثواب لکھ دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۳)

قرآن شریف میں وارد ہے: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (سورۃ النّساء) اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کیلئے نکل جائے پھر اسکو موت آ جائے تو اللہ کے ذمہ اسکا ثواب ثابت ہو گیا۔

حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز پڑھنے کی نیت سے سو گیا اور پھر آنکھ نہ کھل سکی تو اس کو تہجد پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (الترغیب و الترھیب ص۴۰۹)

اُمتِ محمّدیہ کے لئے قربانی کا حکم: حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے واقعہ سے قربانی کی ابتدا معلوم ہوئی' اور حج کے موقع پر منیٰ میں جو کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کی ابتداء بھی اسی واقعہ سے ہے۔ انہی تین جگہوں میں کنکریاں مارتے ہیں جہاں شیطان زمین میں دھنس گیا تھا' جگہ کی نشاندہی کے لئے پتھر کے مینار بنا دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے ان جگہوں میں حج کے موقع پر کنکریاں مارنا اور جانوروں کی قربانی کرنا عبادت میں شمار ہو گیا ہے' چنانچہ امتِ محمدیہ کے لئے بھی قربانی شروع ہوگئی' صاحبِ حیثیت پر قربانی واجب ہے اور اگر کسی کی اتنی حیثیت نہ ہو اور قربانی کر دے تب بھی ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ وَّجَدَ سِعَةً لِاَنْ يُّضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرْ مُصَلَّانَا (الترغیب والترھیب ج۲ص۱۰۳) یعنی جو شخص وسعت ہوتے ہوئے بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی فرمائی۔ (مشکوۃ)

ان حدیثوں سے قربانی کی بہت زیادہ تاکید معلوم ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کے پابندی سے قربانی کرنے اور اس کی تاکید کرنے کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ وسعت پر قربانی کو واجب کہا ہے اور فرمایا ہے کہ صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے (واجب کا درجہ فرض کے قریب ہے بلکہ عمل میں فرض کے برابر ہے) صاحب نصاب کون ہے؟ اسکو سمجھنے کے لئے کتبِ فقہ کی مراجعت کی جائے۔

چونکہ اصل خون بہانا یعنی جان' جانِ آفریں کے سپرد کرنا ہے اس لئے قربانی کے ایام میں اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت صدقہ کر دے یا اس کی جگہ غلہ یا کپڑا محتاجوں کو دے دے تو اس سے حکم کی تعمیل نہ ہوگی اور ترکِ قربانی کا گناہ ہوگا اور ہر بال کے بدلہ نیکی ملنے کی جو سعادت تھی اس سے محرومی ہوگی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے' پھر سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ ہمارے لئے قربانی میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' صحابہؓ نے پھر پوچھا کہ یارسول اللہ اُون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا (اگر قربانی کے طور پر ایسا جانور ذبح کیا جو اُون والا ہو مثلاً دُنبہ ہو تو) اس کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی۔ (رواہ احمد ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یوم النحر (ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کے دن) کسی شخص نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو اللہ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو اور ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن قربانی کرنے والا قربانی کے جانور کے سینگوں اور بالوں اور کھروں کو لے کر آئے گا' مزید فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا درجہ پالیتا ہے لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (رواہ ابن ماجہ والترمذی وقال حسن غریب والحاکم وقال صحیح الاسناد فی الترغیب ص۱۰۴ ج۲)

حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ اپنی قربانی کے قریب کھڑی ہو جاؤ کیونکہ قربانی کے خون کا قطرہ جو گرے گا اسکی وجہ سے تمہارے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ ثواب ہمارے لئے یعنی اہلِ بیت کے لئے مخصوص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ثواب ہمارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ (رواہ البزار وابو الشیخ بن حبان فی کتاب الضحایا وغیرہ کما فی الترغیب ص۱۰۴ ج۲)

حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی بشارت: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور ہم نے ابراہیم کو بشارت دی اسحٰق کی کہ وہ نبی ہوں گے صالحین میں سے) وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ (اور ہم نے ابراہیم اور اسحٰق پر برکتیں نازل کیں) وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ (اور ان دونوں کی نسل میں بعض اچھے ہیں اور بعض ایسے ہے جو کھلے طور پر اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو بیٹے عطا فرمائے تھے ان میں سے ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے جن کے ذریعے مکہ معظمہ آباد ہوا ہے اور ان کے ساتھ مل کر انہوں نے کعبہ شریف تعمیر کیا اور جن کی نسل سے خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے دوسرے مشہور صاحبزادہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے' ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا لقب اسرائیل تھا' ان کے بارہ بیٹے تھے' بنی اسرائیل انہیں کی اولاد ہیں' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت برکت دی' ان کی نسل بھی بہت ہوئی اور ان میں انبیائے کرام علیہم السلام بھی کثیر تعداد میں ہوئے' اللہ تعالیٰ کی کتابیں بھی ان پر نازل ہوئیں اور صحیفے بھی۔

آخر میں جو یہ فرمایا کہ ان کی ذریت میں محسنین بھی ہیں اور ظالمین بھی۔ اس میں یہ بتادیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی نسلوں میں ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں ہے' جو ایمان سے محروم ہوگا اور عملِ صالح سے دور ہوگا وہ کسی مقبول بندہ کا بیٹا ہونیکی وجہ سے نجات کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا کون سا فرزند ذبیح تھا: اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم اللہ نے دیا تھا وہ کون سا بیٹا تھا' اہلِ کتاب تو یہی کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے اور امتِ محمدیہ میں سے بھی بعض علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بہت سے اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے' ان حضرات کی دو دلیلیں زیادہ وزنی ہیں' ایک تو یہ کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں اولاً یہ فرمایا کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ پھر متصلاً یوں فرمایا فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ اس کے بعد ذبح کا

قصہ ذکر فرمایا' پھر فرمایا وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ لہٰذا سیاقِ کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کی اولاً خوشخبری دی گئی وہی ذبیح تھے اور وہ اسحق علیہ السلام کے علاوہ تھے' دوسری دلیل جو پہلی دلیل سے زیادہ وزن دار ہے یہ ہے کہ سورۂ ہود میں فرمایا ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ کہ ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی خوشخبری دی اور ہم نے یہ خوشخبری بھی دی کہ اسحق کے بعد یعقوب کا بھی تولد ہوگا' اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس بیٹے کو ذبح فرمایا وہ نابالغ تھا اسی لئے اسے یٰبُنَيَّ کہہ کر خطاب کیا' اور جب کسی کے بارے میں پہلے سے کہہ دیا جائے کہ اس سے اولاد بھی ہوگی اور پھر یوں کہہ دیا جائے کہ اس کو ذبح کردو تو اس میں امتحان کا خاص پہلو نہیں نکلتا جسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے وہ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ ذبح ہونے والا نہیں ہے کیونکہ اسے بالغ بھی ہونا ہے اور اس کی اولاد بھی ہونی ہے۔ صاحب الدر المختار لکھتے ہیں کہ: المختار ان الذبیح اسماعیل' وفی القاموس انہ اصح قال ومعناہ مطیع اللّٰہ' صاحب رد المحتار اس پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قلت وبہٖ قال احمد ورجحہٗ غالب المحدثین۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔ اور اُن دونوں کو اور اُن کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ

اور ہم نے اُن کی مدد کی سو وہ ہی غالب ہونے والے تھے۔ اور ہم نے انہیں واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب دی۔ اور ہم نے انہیں صراط

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى

مستقیم کی ہدایت کی۔ اور ہم نے بعد میں آنے والوں میں اُن دونوں کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی کہ سلام ہو موسیٰ پر اور ہارون پر۔ بلاشبہ ہم اسی طرح

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

مخلصین کو صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت موسیٰ اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے ان دونوں پر احسان کیا یعنی نبوت عطا کی اور اس بڑے انعام سے نوازا اور اس کے علاوہ بھی دوسری نعمتیں عطا فرمائیں' اُنہی نعمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں اور ان کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی کیونکہ یہ لوگ مصر میں رہتے تھے جہاں کا صاحب اقتدار فرعون تھا وہ بڑا ظالم تھا اس کی حکومت میں بنی اسرائیل عاجز محض بنے ہوئے تھے (جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قوم کے لوگ تھے) فرعون ان کے لڑکوں تک کو ذبح کردیتا تھا اور یہ چوں بھی نہیں کرسکتے تھے۔ اس سے بڑی بے چینی اور مظلومیت کیا ہوگی' اللہ تعالیٰ نے اس بے چینی سے اُن کو نجات دی' ان لوگوں کی مدد فرمائی۔ دریا سے پار کردیا' یہ لوگ غالب ہوئے اور فرعون اور اس کے لشکر مغلوب ہوئے جو دریا میں غرق ہوکر ہلاک ہوگئے۔

وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ (اور ہم نے انہیں واضح کتاب دی) یعنی توریت شریف عطاء فرمائی جس میں واضح طور پر احکام شرعیہ بیان فرمائے وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (اور ہم نے ان دونوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دی) جس پر وہ قائم رہے اور بنی اسرائیل کو بھی اسی کی دعوت دیتے رہے۔ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ اور ہم نے بعد کے آنیوالوں میں اُن کے بارے میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر (چنانچہ اُن کے بعد آنے والی ساری اُمتیں خاص کر اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ برابر دعائے سلام کیساتھ اُن کا نام لیتی ہے یعنی انہیں لفظ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یاد کرتی ہے) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (بیشک ہم مخلصین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں بلاشبہ وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں)

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ
اور بلاشبہ الیاس پیغمبروں میں سے ہیں۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے کیا بعل کی عبادت کرتے ہو
اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اور احسن الخالقین کو چھوڑے ہوئے ہو۔ جو اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادوں کا رب ہے۔ سو اُن لوگوں نے انہیں جھٹلایا لہٰذا وہ ضرور حاضر کئے جائیں گے
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾
سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ اور بعد میں آنے والوں میں اُن کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی کہ سلام ہو الیاس پر۔
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾
بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسے ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

حضرت الیاس علیہ السّلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور بُت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرمانا

تفسیر: حضرت الیاس علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے تھے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے آپ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ لوگ مشرک تھے، اُن کا ایک بت تھا جس کا نام بَعْل تھا یہ لوگ اس کی عبادت کرتے تھے اور اُس سے حاجتیں مانگا کرتے تھے۔ روح المعانی میں ایک قول لکھا ہے کہ یہ بت سونے کا تھا جس کا قد بیس ہاتھ تھا اور چار چہرے تھے، شیطان اُس کے اندر داخل ہو جاتا تھا اور اُس کے پجاریوں اور خدمت گاروں سے باتیں کرتا تھا وہ لوگ اُس کی باتیں وہاں آنے والوں کو بتا دیتے تھے جس سے وہ لوگ اور زیادہ معتقد ہو جاتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے اُن کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور استفہام انکاری کے طور پر فرمایا کیا تم اُس ذات پاک کو چھوڑتے ہو جو احسن الخالقین ہے جو اللہ ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور

تمہارے باپ دادوں کا بھی، تم معبودِ حقیقی کی عبادت نہیں کرتے اور اُسے اپنی حاجتوں کے لئے نہیں پکارتے، یہ تمہاری بیوقوفی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرو۔

اس میں جو احسن الخالقین فرمایا ہے اس سے احسن المصورین مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ سب کی صورتیں بناتا ہے، وہی حقیقی مصور ہے، اس کے علاوہ جو لوگ مورتیاں بناتے ہیں وہ مجازی مصور ہیں۔

اُن لوگوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کی بات نہ مانی، شرک کو نہ چھوڑا، توحید پر نہ آئے، اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا: فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (کہ وہ ضرور عذاب میں حاضر کئے جائیں گے) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (سوائے اللہ کے اُن بندوں کے جو اللہ ہی کے خالص بندے تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے چن لیا تھا) اس میں یہ بتادیا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی اُمت میں سبھی کافر و مشرک نہ تھے بعض مخلص مومن بھی تھے: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ اور ہم نے بعد کے آنے والوں میں اُن کے بارے میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو الیاس پر اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ بیشک ہم مخلصین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہماری مومن بندوں میں سے ہیں۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ میں جو لفظ اِلْ یَاسِین ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ بھی حضرت الیاس علیہ السلام کا نام تھا۔ کبھی کبھی کلمہ کے آخیر میں یا اور نون بڑھا دیا کرتے ہیں جیسے سِیْنَآء اور سینین ہے، رعایت فواصل کی وجہ سے اِلْ یاسین لایا گیا ہے۔ وقیل ھو جمع الیاسِ علٰی طریق التغلیب علٰی قومہٖ واتباعہٖ کالمھلبین للمھلب وقومہٖ وقیل جمع الیاسیِّ بیاء النسبۃ فخفف والمراد بِالیاسین قوم اِلیاسین المخلصون فَاِنھم الا حقآء بأن ینسبوا الیہ وَضُعِّفَ ھٰذا القول. وقرأ نافع وابن عامر ویعقوب وزید بن علی (آل یاسین) بالاضافۃ، وکتب فی المصحف العثمانی منفصلًا ففیہ نوع تأیید لھٰذہ القرأۃ وجوّزان یکون الآل مقحما علٰی ان یاسین ھو الیاس نفسہٗ۔ (اور کہا گیا ہے کہ وہ الیاس کی جمع ہے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم اور متبعین پر ان کی تغلیب کی وجہ سے جیسے مھلّب اور اس کی قوم کے لئے مھلّبین کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا یہ الیاسی کی جمع ہے جس کے آخر میں یاء نسبت کی ہے پھر اس میں تخفیف کر کے الیاسین ہوا۔ اور الیاسین سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام کے مخلص متبع ہیں کیونکہ وہی حضرت الیاس علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کے مستحق ہیں۔ لیکن اس قول کو ضعیف کہا گیا ہے نافع، ابن عامر، یعقوب اور زید بن علی نے اضافت کے ساتھ آل یاسین پڑھا ہے مصحف عثمانی میں آل اور یاسین الگ الگ لکھا ہوا ہے لہٰذا یہ بات اس قول کی تائید کرتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آل کا لفظ زائد ہو اور یاسین سے مراد خود حضرت الیاس ہی ہوں)

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور بلاشبہ لوط پیغمبروں میں سے ہیں۔ جبکہ ہم نے انہیں اور اُن کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ سوائے بوڑھی عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اور بلاشبہ تم اُن پر ضرور گذرتے ہو صبح کے وقت اور رات کو، سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

حضرت لوط علیہ السّلام کا تذکرہ اور قوم کا ہلاک ہونا اور بیوی کے علاوہ ان کے تمام اہل وعیال کا نجات پانا

تفسیر: ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت اور اُن کی اور اُن کے اہل وعیال کی نجات اور ان کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے' اُن کی قوم کے لوگ کافر تو تھے ہی برے اعمال میں بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے' مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے' حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا وہ لوگ نہ مانے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ اے لوط اگر تم اپنی بات سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنی آبادی سے نکال باہر کردیں گے۔ اُن لوگوں پر جس دن صبح صبح عذاب آنا تھا اللہ تعالیٰ نے اُس صبح سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اپنے اہل وعیال کو لے کر رات کے آخری حصہ میں آبادی سے نکل جائیں البتہ اپنی بیوی کو ساتھ لینا (یہ اس لئے کہ وہ کافرہ تھی جیسا کہ سورۃ التحریم کے آخر میں اس کا کافر ہونا مذکور ہے) چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام رات کو اپنے اہل وعیال کو لے کر آبادی سے نکل گئے' صبح ہوئی قوم پر عذاب آ گیا' زمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور آسمان سے پتھر برسا دیئے گئے' یہ قصہ سورۃ الانعام' سورۃ الحجر' سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں گذر چکا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک شدہ لوگوں میں رہ گئی' اسی کو اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اہل مکہ کو عبرت دلانا: اہل مکہ کا یہ طریقہ تھا کہ سال میں دو مرتبہ ملک شام کا سفر کرتے تھے' ایک سفر سردی میں اور ایک سفر گرمی میں ہوتا تھا' جس کے بارے میں رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فرمایا ہے' یہ سفر تجارت کا ہوتا تھا' شام جانے کے لئے ضروری تھا کہ اُن بستیوں کے پاس سے گذرے جو اُلٹ دی گئی تھیں اُن کے کھنڈر نظر آتے تھے' اُن جگہوں میں کبھی رات کو گذرتے تھے اور کبھی صبح کو' ہلاک شدہ اقوام کے آثار اور نشان دیکھتے تھے لیکن اثر نہیں لیتے تھے' اسی کو فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ وَبِالَّیْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اور بے شک تم اُن پر گذرتے ہو صبح کے وقت اور رات کو' تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جب حجاز کی جانب سے شام کو جاتے تھے تو ان کا گذر ان بستیوں کے قریب صبح کے وقت ہوتا تھا اور جب اُدھر سے حجاز کی جانب واپس آتے تھے تو رات کو ان بستیوں کے پاس سے گذرتے تھے انہیں یاد دلایا کہ دیکھو کفر کی وجہ سے یہ بستیاں ہلاک ہوگئیں' تم آنکھوں سے اُن کی نشانیاں دیکھ رہے ہو پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے' تم اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت سے باز آ ؤ اور ہلاک شدہ قوموں سے عبرت حاصل کرو ورنہ تمہیں بھی عذاب پہنچ سکتا ہے۔

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ

اور بلاشبہ یونس پیغمبروں میں سے ہیں۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر چلے گئے سو قرعہ ڈالا سو وہ ہار جانے والوں میں سے ہوگئے۔ سو مچھلی نے

الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ

ان کا لقمہ بنالیا اس حال میں کہ وہ صاحب ملامت ہوگئے۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو ضرور مچھلی کے پیٹ میں اُس دن تک ٹھہرے رہتے

فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً

جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ سو ہم نے انہیں ایک میدان میں ڈال دیا اس حال میں کہ وہ سقیم تھے۔ اور ہم نے اُن پر ایک بیل دار درخت اگا دیا۔

مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۴۸﴾

اور ہم نے اُنہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا تھا۔ سو وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا۔

حضرت یونس علیہ السّلام کا کشتی سے سمندر میں کود پڑنا، پھر مچھلی کے پیٹ میں تسبیح میں مشغول رہنا

تفسیر: ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کی بعثت اور مصیبت اور اُن کی قوم کی ضلالت اور پھر ہدایت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ ایک عرصہ تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور قوم نے نہ مانا انکار پر تلے رہے تو حضرت یونس علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ دیکھو تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آ جائے گا، اس کے بعد دو دن تک انتظار کیا، تیسرے دن بھی انتظار میں تھے لیکن عذاب کے آثار نہیں دیکھے، جب یہ صورت حال سامنے آئی تو یہ سمجھ کر کہ اگر عذاب نہ آیا تو میں جھوٹا بنوں گا وہاں سے روانہ ہو گئے اور ادھر اُن کی قوم نے عذاب آتا دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے اور گڑگڑائے، زاری کرتے رہے، خوب توبہ کی، معافی مانگی اور ایمان قبول کرلیا، اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا دیا اور ان کا ایمان قبول فرمالیا۔ یہ اُن کی خصوصیت تھی کیونکہ عذاب آنے کے بعد ایمان اور توبہ کی قبولیت نہیں ہوتی۔ سورۂ یونس میں فرمایا: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِیْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ سو کوئی ایسی بستی کیوں ایمان نہ لائی جسکا ایمان لانا اس کو نافع ہوتا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کا دُنیوی زندگی میں اُن پر ٹال دیا اور اُن کو ایک وقت خاص تک عیش دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام یہ دیکھ کر عذاب نہیں آیا اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہوئے تو چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے وہاں جو کشتی والے تھے سواریوں کو کشتی میں بٹھا کر اس کنارہ سے اُس کنارہ تک پہنچاتے تھے اور مسافروں سے کرایہ بھی لیتے تھے، انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر اُجرت کے کشتی میں بٹھا لیا، کشتی میں سوار تو ہو گئے لیکن اب یہ ماجرا ہوا کہ کشتی روانہ ہو کر بیچ منجھدار میں جا کر رُک گئی۔ کشتی والوں نے کہا کہ جو لوگ کشتی میں سوار ہیں ان میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی وجہ سے کشتی بیچ دریا میں آ کر ٹھہر گئی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو دیکھ رہے ہیں کہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی ہیں لیکن آپ جس کشتی میں تھے وہ نہ چلانے سے چلتی ہے نہ ہلانے سے ٹلتی ہے، آپ نے خود ہی دریافت فرمایا کہ اس کشتی کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں تو پتہ نہیں! فرمایا لیکن مجھے اس کا سبب معلوم ہے اس میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی فرمانبرداری چھوڑ کر بھاگ آیا ہے اور جب تک اُس شخص کو سمندر میں نہ ڈال دو یہ کشتی

ٹھہری ہی رہے گی اور وہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں (یہ اس لئے کہا کہ اللہ جل شانہٗ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے آئے تھے) مجھے دریا میں ڈال دو لوگوں نے کہا یا نبی اللہ! ہم آپ کو دریا میں نہیں ڈال سکتے۔ فرمایا اچھا تو پھر قرعہ ڈال لو جس کے نام کا قرعہ نکلے اُسے دریا میں ڈال دینا' چنانچہ انہوں نے تین بار قرعہ ڈالا ہر بار آپ ہی کا نام نکلا' لہٰذا آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگادی۔ عربی زبان میں لفظ سھم تیر کو کہتے ہیں چونکہ تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالا گیا تھا اس لئے اسے فَسَاهَمَ سے تعبیر فرمایا۔ اور طریقہ قرعہ کا یہ تھا کہ ہر شخص اپنا اپنا تیر لے کر پانی میں ڈال دے جس کا تیر اوپر ہی کو رہے اس کو دریا میں ڈال دیا جائے اور جس کا تیر ڈوب جائے اُس کے بارے میں سمجھ لیا جائے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جس کی وجہ سے کشتی رُکی کھڑی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا جو تیر تھا وہ پانی پر ہی تیرتا ہوا رہ گیا' اس پر آپ نے سمجھ لیا کہ مجھ ہی کو سمندر کے حوالے ہونا چاہئے' اور کشتی کے دوسرے سواروں نے بھی اس بات کا یقین کرلیا۔ اس کو یہاں فرمایا فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ (کہ حضرت یونس علیہ السلام مغلوب ہوگئے اور دوسری سواریوں کے مقابلہ میں ہار گئے) (ذکرہ صاحب الروح)

حضرت یونس علیہ السلام نے جیسے ہی دریا میں چھلانگ لگائی ایک مچھلی اللہ کے حکم سے پہلے ہی سے تیار تھی اُس نے آپ کا لقمہ بنالیا لیکن چبایا نہیں صحیح سالم نگل لیا' مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو تین تاریکیوں میں مبتلا ہوئے۔ ایک تاریکی رات کی' دوسری سمندر کے پانی کی' تیسری مچھلی کے پیٹ کی' ان تاریکیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے جیسے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سو تاریکیوں میں پکارتے رہے کہ اے اللہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں بیشک میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوں) مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے' اللہ تعالیٰ نے وہاں اُن کی حفاظت فرمائی اور اُن کو اس مصیبت سے نجات دے دی' سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (سو ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور انہیں گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح اہل ایمان کو نجات دیا کرتے ہیں) اور یہاں سورۃ الصّٰفّٰت میں فرمایا ہے: فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (سو اگر وہ تسبیح بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے)

ایک بیلدار درخت کا سایہ دینا: جب مچھلی کے پیٹ میں آپ نے ذکر کیا' اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تو اللہ جل شانہٗ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو کنارے پر اُگل دے' مچھلی نے آپ کو کنارے پر ڈال دیا۔ اس کے پیٹ سے اور پانی سے باہر تو آگئے لیکن سقیم تھے' سقیم عربی زبان میں بیمار کو کہتے ہیں' جب مچھلی کے پیٹ میں کھانا دانہ نہ ملا تو تندرستی والی حالت برقرار نہ رہی' ضعف ہوجانا لازمی تھا۔ اسی لئے بعض حضرات نے سقیم کا ترجمہ مضمحل کیا ہے' ضرورت تھی کہ سایہ بھی ملے اور غذا بھی پہنچے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے وہاں ایک بیلدار درخت اُگا دیا' مشہور یہ ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جنگل کی بکری کو انہیں دودھ پلانے پر لگا دیا' وہ بکری آتی تھی اور آپ کو دودھ پلا کر چلی جاتی تھی۔

اُمّتیوں کی تعداد: حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ نینویٰ بستی کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو شہر موصل کے قریب تھی' یہاں سورۃ الصّٰفّٰت میں اُن کی تعداد کے بارے میں فرمایا ہے' وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (اور ہم نے اُنہیں ایک لاکھ بلکہ اُس سے کچھ زیادہ افراد کی طرف بھیجا) چونکہ اُن لوگوں نے عذاب کے

آثار دیکھ کر توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب ہٹا دیا اور اس کے بعد انہیں ایک زمانہ تک مزید زندگی بخش دی اور دنیا کی زندگی سے اور دنیا کی دوسری نعمتوں سے بھی منتفع ہونے کا موقع دیا۔ اسی کو یہاں فرمایا: فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (سو وہ لوگ ایمان لے آئے لہٰذا ہم نے انہیں ایک زمانہ تک جینے اور فائدہ اٹھانے کا موقع دے دیا) تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام تندرست ہو گئے تو اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بیل دار درخت تو زمین پر پھیل جاتا ہے اس سے سایہ کیسے مل سکتا ہے؟ بعض حضرات نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ بطور خرق عادت اس درخت کی بیل کسی سہارے کے بغیر اوپر پھیل گئی' کیونکہ معجزہ تھا اس کے لئے چڑھنے اور ٹھہرنے کے لئے کسی درخت یا دیوار کی ضرورت نہ ہوئی' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ وہاں کوئی سوکھا ہوا درخت کھڑا ہوا اس پر بیل چڑھ گئی ہو۔

اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ جو فرمایا ہے کہ اس میں اَوْ شک کے لئے نہیں ہے۔ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مُتَعَالٍ عَنْ ذٰلِكَ اسی لئے فرانحوی نے فرمایا ہے کہ یہاں اَوْ بَلْ کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ واوٗ کے معنی میں ہے اور اخفش اور زجاج نے فرمایا ہے کہ الفاظ قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو دیکھ لیتے تو تمہارے اندازہ میں ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ سمجھ میں آتے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۲ ج ۱۵) اور 'بیان القرآن'' میں لکھا ہے کہ کسر کا اعتبار نہ کرو تو ایک لاکھ کہو اور اگر کسر کا اعتبار کرو تو زیادہ کہو۔

سنن ترمذی میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے' انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک لاکھ سے بیس ہزار زیادہ تھے۔ (قال الترمذی ھٰذا حدیث غریبٌ وفی سندہٖ رجلٌ مجھولٌ)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آجائے تو اُس وقت توبہ کرنے سے واپس نہیں ہوتا لیکن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لئے یہ خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے کے بعد بھی اُن کی توبہ قبول فرمائی' وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی' اور ایمان بھی قبول فرمایا اور عذاب کو ہٹا دیا جس کی تفصیل سورۂ یونس میں گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۴)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

سو آپ اُن سے دریافت فرمائیے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں اور اُن کے لئے بیٹے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے اس حال میں کہ وہ حاضر تھے؟

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

خبردار وہ اپنی سخن تراشی سے یوں کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں' کیا اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلہ میں چن لیا۔

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ

تمہیں کیا ہوا' کیسا حکم لگاتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ سو لے آؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔ اور انہوں

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

نے اللہ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری قرار دے دی' حالانکہ جنات کو معلوم ہے کہ وہ ضرور حاضر کئے جائیں گے۔ اللہ اُن باتوں سے

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ مگر وہ جو اللہ کے خاص بندے ہیں

مشرکین کی تردید جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے

تفسیر: شیطان نے اپنی کوششوں سے انسانوں کو توحید سے ہٹایا اور شرک کا رواج ڈالا اُس سلسلہ میں اُس کی جو کوششیں آگے بڑھیں اُن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے بتوں کی عبادت پر تو ڈالا ہی تھا جنات اور فرشتوں کے بارے میں بھی لوگوں کو یہ سمجھایا کہ ان میں اور خالق کائنات جل مجدہ کے درمیان رشتہ داری ہے چنانچہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا دیا' لوگ شیاطین کی بات مانتے چلے گئے اور اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ باتیں لگا دیں جن سے وہ بری ہے اور پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ہونا اس کی شان یکتا کے خلاف ہے' اُس کی شان لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا' سورة مریم میں فرمایا: وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (اور یہ رحمٰن کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے) مشرکین نے اوّل تو یہ سخت غلطی کی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر دی' پھر جب اولاد تجویز کی تو وہ بھی لڑکیاں' اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں بتا دیا' اللہ تعالیٰ کی اولاد تجویز کرنے میں بھی جھوٹ تراشا اور اولاد بھی وہ تجویز کی جو اپنے لئے ناپسند ہے۔

اسی کو یہاں فرمایا کہ آپ اُن سے پوچھ لیجئے کہ خالق جل مجدہٗ نے اپنے لئے لڑکیوں کو بطور اولاد کے چن لیا اور تمہیں اپنے لئے لڑکے پسند ہیں' اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تمہارا یہ جھوٹ اپنی جگہ رہا اب یہ تو بتاؤ کہ فرشتوں کے لڑکیاں ہونے کا علم تمہیں کہاں سے ہوا؟ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا تو کیا تم حاضر تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ مخلوق جو پیدا ہو رہی ہے مؤنث یعنی مادہ ہے' ایک تو تم نے فرشتوں کو مؤنث بتایا دوسرے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتایا' تیسرے یہ کیا کہ جب خالق جل مجدہٗ کے لئے اولاد تجویز کرنے لگے تو بیٹیاں تجویز کر دیں جبکہ اپنے لئے بیٹی کو ناپسند کرتے ہو۔ یہ ساری باتیں بے دلیل اور سراپا جھوٹ ہیں' اللہ تعالیٰ کے کوئی اولاد نہیں' نہ بیٹی نہ بیٹا' اور اولاد ہونا اُس کی شان اقدس کے خلاف ہے۔ ان مشرکین سے فرمایا مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہیں کیا ہوا تم کیسے حکم لگاتے ہو' کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے؟ کوئی دلیل عقلی یا کوئی دلیل نقلی یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی کوئی کتاب تمہارے پاس ہو جس سے تم نے یہ بات نکالی ہے تو وہ پیش کرو' جب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو یہ شرکیہ باتیں کیوں کرتے ہو اور اپنی طرف سے کیوں جھوٹ بناتے ہو؟

جب مشرکین مکہ نے یوں کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے

دریافت کیا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ اس پر انہوں نے کہہ دیا کہ جنات میں جو سردار ہیں اُن کی بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۵۱ ج ۲۳) اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان قرابت داری تجویز کر دی اور گویا جنات کے سرداروں کو فرشتوں کا نانا بنادیا۔ اس کو فرمایا وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری تجویز کر دی) پھر اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حاضر کئے جائیں گے) یعنی قیامت کے دن گرفتار ہوں گے، ان میں جو کافر ہوں گے دوزخ میں ڈالے جائیں گے جن میں اُن کے سردار بھی ہوں گے، لہٰذا جو گرفتار ہو کر آئے گا اور دوزخ میں ڈالا جائے گا اُس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کیسے رشتہ ہوسکتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ اللہ اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (یہ جملہ معترضہ ہے) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ دوزخ سے بچالئے جائیں گے، انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا

سو بلاشبہ تم اور تمہارے معبود اللہ تعالیٰ سے کسی کو نہیں پھیر سکتے مگر اُسی کو جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے۔ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے

مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا

جس کا مقام معلوم نہ ہو۔ اور بلاشبہ ہم صف بستہ کھڑے ہونے والے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم تسبیح میں مشغول ہونے والے ہیں۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ یہ لوگ

لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۹﴾

یوں کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی اُن نصیحتوں میں سے جو پہلے لوگوں کے پاس تھیں تو ہم ضرور اللہ کے خاص بندے ہوتے۔

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

سو اُن لوگوں نے اس کا انکار کیا لہٰذا عنقریب جان لیں گے۔

فرشتوں کی بعض صفات کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کو خطاب فرمایا کہ تم اور تمہارے سارے معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی توحید سے کسی کو نہیں پھیر سکتے حالانکہ تمہاری کوششیں برابر جاری ہیں ہاں اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں جس کسی کا دوزخ میں جانا مقرر مقدر ہے اسی کو توحید کے راستے سے ہٹا سکتے ہو۔

چونکہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اور اس لئے ان کی شانِ عبدیت انہی کی زبانی بیان فرمائی (پہلے جنات کے بارے میں بتایا جاچکا ہے کہ وہ اپنے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو شخص مجرم ہوگا گرفتار ہو کر حاضر کیا جائے گا) جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے جنات عاجز ہیں اُسی طرح فرشتے بھی اپنا عجز

تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں' فرشتوں کا کہنا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے' جو حکم ہے ہر ایک اسی کی بجا آوری میں لگا ہوا ہے' ہم اللہ کے حضور میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ (فرشتوں کا تو یہ حال ہے لیکن جو لوگ اُن کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی بیٹیاں بتاتے ہیں انہوں نے اپنی حماقت اور سفاہت سے فرشتوں کو کیا کیا سمجھ رکھا ہے)

اس کے بعد کفار عرب کا یہ قول نقل فرمایا کہ یہ لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن سے پہلے یوں کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا ذکر یعنی کتاب آ جاتی جیسی پہلی لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ کے پاس کتابیں آئیں تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے یعنی تصدیق کرتے اور عمل کرتے اور اُن لوگوں کی طرح تکذیب نہ کرتے' جیسا کہ سورہ فاطر میں اُن کا قول نقل کیا گیا ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ (اور ان لوگوں نے خوب زوردار اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ گیا تو گذشتہ اُمتیں جو گذری ہیں اُن کے مقابلہ میں ہر ایک سے بڑھ کر ہم ہدایت والے ہوں گے)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (پس جب اُن کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو اُن کی نفرت اور زیادہ ہوگئی) اوّل تو کفر اور شرک یوں ہی سب سے بڑا گناہ ہے' پھر خود سے کتاب کا مطالبہ کرنا اور وعدے کرنا کہ اگر ہمیں کتاب مل جائے تو ایسے نیک بنیں گے اور ہدایت میں سابقہ اُمتوں کو پیچھے چھوڑ دیں گے' پھر جب کتاب مل گئی' ہدایت آ گئی تو اُس کے منکر ہو گئے' ظاہر ہے کہ اس طرح بڑی سزا کے مستحق ہو گئے' اسی کو فرمایا فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (سو عنقریب جان لیں گے)

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

اور ہمارا قول اپنے بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے پہلے ہی سے طے شدہ ہے' کہ بیشک انہیں کی مدد کی جائے گی اور بیشک ہمارا لشکر ضرور غالب ہوگا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ

سو آپ مختصر زمانہ تک اُن سے اعراض فرمائیے اور اُن کو دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا وہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ سو جب وہ اُن کے میدان میں

بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

نازل ہو جائے گا تو اُن لوگوں کی صبح بری ہوگی جن کو ڈرایا جا چکا تھا۔ اور تھوڑے زمانہ تک آپ اُن سے اعراض کیجئے اور اُن کو دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔

پیغمبروں کی مدد کی جائے گی' اللہ کے لشکر غالب رہیں گے

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبر حضرات کے بارے میں ہماری طرف سے یہ پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ اُن کی ضرور مدد کی جائے گی اور اللہ کا لشکر غالب رہے گا۔ سورۃ المومن میں فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور اُس روز بھی جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے) اور سورۃ المجادلہ میں فرمایا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول

ضرور غالب ہوں گے بلاشبہ اللہ قوی ہے عزیز ہے) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بڑی کثیر تعداد میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے ان میں بہت سے تو ایسے تھے جن کے ماننے والے تھے ہی نہیں یا بہت قلیل مقدار میں تھے۔ (صحیح مسلم قبیل کتاب الطّھارۃ ص ۱۱۷ ج ۱) ان حضرات کا اہل کفر کے ساتھ قتل وقتال والا مقابلہ ہوا ہی نہیں البتہ دلیل وحجت سے یہ حضرات تکذیب کرنے والوں پر ہمیشہ غالب رہے اور پھر تکذیب کی سزا میں اُن کی اُمتیں ہلاک ہوئی، یہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی کا غلبہ ہے۔

پھر جن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے زیادہ تھے جو لشکر اور فوج بنانے کے لائق تھے اُن کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی، اُن کے زمانہ کے کافروں نے حق کو نہ مانا تو وہ کافر مغلوب ہوئے، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی فوجوں کے مقابلہ میں شکست کھائی یا عذاب کے ذریعے ہلاک کر دیئے گئے جو آیات اوپر ذکر کی گئی ہیں اُن میں سے کسی میں بھی اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں کوئی مسلمان شہید نہ ہوگا اور یہ بھی نہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں مسلمان غالب ہو جائیں گے، ہاں انجام یہ ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام اور ان کے لشکر ہی غالب ہوں گے۔ چنانچہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی موجودگی میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا اور دلیل سے غالب ہونا اور آخرت میں فتح یاب ہونا اور کافروں کا شکست کھانا یہ بات تو بہر حال ہے اگر شاذ و نادر کسی نبی کو اس کی قوم نے بلا مقابلہ شہید کر دیا جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ فرمایا ہے تو یہ واقعات اوّل تو شاذ و نادر ہوئے ہیں عسکری قوت کے مقابلہ میں ایسا نہیں ہوا دشمنوں نے بلا مقابلہ قتل کر دیا۔ دوسرے اس میں اللہ کی بعض تکوینی حکمتیں بھی تھیں لہٰذا ان حضرات کا یہ قتل سورۃ الصّٰفّٰت اور سورۃ المومن اور سورۃ المجادلہ کی تصریحات کے خلاف نہیں ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہر موقع پر ہر مقابلہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کا لشکر غالب ہوگا بلکہ لڑائیوں کا خلاصہ اور حاصل بتا دیا ہے۔ غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو لشکر تھا اُس کو شکست تو ہوئی پھر آخر میں انہی حضرات کو بعد میں فتح ہوئی، غزوۂ احزاب میں بھی کافر بھاگے اور فتح مکہ کے موقع پر بھی مغلوب ہوئے، غزوۂ حنین میں بھی شکست کھائی، طائف والے بھی خود سے آئے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، سارا عرب اسلام کا دشمن تھا بالآخر سبھی مغلوب ہوئے، کسریٰ بھی ختم ہوا اور قیصر بھی، انجام کار رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکروں ہی کو فتح یابی حاصل ہوئی۔

پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ غزوۂ اُحد میں جو مسلمانوں نے شکست کا منہ دیکھا وہ اُن کی اپنی غلطی کی وجہ سے تھا، جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ‌ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ‌ (دیکھو انوار البیان جلد ۲)

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اُمت کو عملی تربیت دینے کے لئے تکوینی طور پر ہر طرح کے واقعات پیش آ جاتے تھے۔ غزوۂ بدر میں یہ بتا دیا کہ فتح یابی ہو تو کیا کریں، اب عملی طور پر یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ شکست ہو تو کیا کریں، یہ بات غزوۂ اُحد کے واقعہ نے بتا دی اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ شکست کا سبب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی تھی جس کا صحابہ سے صدور ہو گیا تھا۔

اخلاص اور تقویٰ کی ضرورت: جب تک مسلمان اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ لڑتے رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر اُن کی مدد ہوتی رہی، جب مسلمان اخلاص کھو بیٹھے، دنیادار ہو گئے، دشمنوں سے دوستی کر لی، خیانتیں کرنے لگے، گناہوں میں کامیابی سمجھنے لگے اُس وقت سے تنزل میں آ گئے، دشمن اُنہیں پیٹنے لگے، غزوۂ اُحد میں جو کچھ انہیں بتایا اور سمجھایا تھا اُس کی خلاف ورزی کرنے لگے یعنی گناہوں ہی کو زندگی کا مشغلہ بنا دیا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مدد جاتی رہی اور مغلوب

ہونے لگے' جو ممالک اللہ تعالیٰ نے قبضہ میں دیئے تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ مدد کا وعدہ تو ہے لیکن ایمان کی شرط کے ساتھ ہے۔ سورۂ آل عمران میں جہاں غزوۂ اُحد کا ذکر ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور ہمت نہ ہارو اور غمگین مت ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر مومن ہو) آج کا مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار تو کرتا ہے لیکن مدد کی جو شرط ہے اُسے پورا کرنے کو تیار نہیں' گناہوں کو چھوڑو پھر مدد دیکھو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ان سے اعراض فرمایئے وقت گذرنے دیجئے' آپ ان کو دیکھتے رہیے یہ بھی دیکھ لیں گے' چنانچہ آپ نے دیکھ لیا اور اہل مکہ بدر میں مغلوب ہوئے۔ آپ نے بھی اُن کا انجام دیکھ لیا اور انہوں نے بھی۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ (کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں) یعنی عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) اُن کا یہ تقاضا کرنا اُن کے حق میں اچھا نہیں ہے۔ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ (سو جب وہ اُن کے میدان میں نازل ہو جائے گا تو ان لوگوں کی صبح بری ہوگی جن کو ڈرایا گیا) یعنی عذاب کا تقاضہ کیوں کرتے ہیں وہ کوئی فائدہ کی چیز تو نہیں ہے' جب عذاب آئے گا وہ دن انکے حق میں برا ہوگا۔ عام طور سے اہل عرب کا طریقہ تھا کہ صبح کے وقت ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کیا کرتا تھا اور جس قبیلہ پر حملہ ہوتا تھا وہ يَا صَبَاحَاهُ کی آواز دے کر سب کو مطلع کیا کرتا تھا' اسی محاورہ کے مطابق فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ فرمایا' اُن کی طرف اعراض فرمانے کا حکم دو بار فرمایا اور یہ بھی دو بار فرمایا کہ آپ اُن کو دیکھتے رہیے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

آپ کا رب جو رب العزت ہے اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور سلام ہو پیغمبروں پر۔ اور سب تعریف ہے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے

اللہ رب العزت ہے اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں

تفسیر: یہاں سورۃ الصّٰفّٰت ختم ہو رہی ہے' جو تین آیات اوپر ذکر کی گئی ہیں اُن میں پوری سورۃ کا خلاصہ آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور اس کا رب العزت ہونا بیان فرمایا اور جو بھی لوگ اس کی ذات متعالیہ کے بارے میں غلط باتیں کہتے ہیں یا دل میں اعتقاد رکھتے ہیں اُن کی تردید فرمائی اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو سلام کی نعمت سے نواز دیا جو اللہ کے بندوں کے درمیان خیر پہنچانے کا ذریعہ تھے۔ آخری رکوع سے پہلے دو رکوع میں متعدد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے سلام کا تذکرہ فرمایا تھا یہاں ختم سورۃ پر وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ فرما کر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو سلام کی دولت سے نواز دیا۔

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے: اور آخر میں وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرما دیا کہ ہر طرح کی سب تعریفیں رب العلمین جل مجدہٗ ہی کے لئے ہیں' اس کے سارے افعال محمود ہیں اور وہ ہمیشہ ہر حال میں حمد و ثنا کا مستحق ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد (مذکورہ بالا) تینوں آیتوں کو پڑھ لے تو اُس نے پیمانہ بھر کر ثواب لے لیا۔ اور بعض روایات میں ان آیات کو مجلس کے ختم پر پڑھنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۵۹)

ولقد تم تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت' والحمد للہ رب الصافات والتالیات'

والسلام علٰی رسلہ اصحاب الباقیات الصالحات وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَةً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ صٓ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ

صٓ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے' بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا تعصب میں اور مخالفت میں ہیں' ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی اُمتوں کو ہلاک کر دیا

فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴

سو انہوں نے پکارا اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا اور اُن لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے'

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا

کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا۔ بیشک یہ تو بڑی عجیب بات ہے' اور اُنکے بڑے لوگ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر

عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۖۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

جمے رہو۔ بلاشبہ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی مقصد ہے' ہم نے یہ بات گزشتہ مذہب میں نہیں سنی' بس یہ تو گھڑی ہوئی بات ہے' کیا ہمارے درمیان سے

ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸

اسی شخص پر کلام نازل ہوا' بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی کی وجہ سے شک میں ہیں' بلکہ بات یہ ہے کہ اُنہوں نے میرا عذاب نہیں چکھا

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا

کیا اُن کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں جو غالب ہے بخشش فرمانے والا ہے' کیا اُن کے لئے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھا نکے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے۔ سو چاہئے

فِی الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ

کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں۔ اس مقام پر لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست خوردہ جماعتوں میں سے ہے' ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے

ذُو الْاَوْتَادِ ۝۱۲ۙ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ۝۱۳ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ

جو میخوں والا تھا اور ثمود نے اور لوط کی قوم نے اور ایکہ والوں نے جھٹلایا وہ گروہ یہی لوگ تھے' یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا'

فَحَقَّ عِقَابِ ۝۱۴ ع

سو میرا عذاب واقع ہو گیا۔

منکرین توحید و مکذبین رسالت کیلئے وعید

تفسیر: صٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ابتدائی آیات کا سبب نزول معلوم کر لینا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے تو ان کے پاس قریش مکہ آئے اور رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے۔ قریش نے ابو طالب سے شکایت کی (کہ تمہارا بھتیجا ایسی ایسی باتیں کرتا ہے) ابو طالب نے آپ سے پوچھا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان کے سامنے ایک کلمہ پیش کرتا ہوں وہ اسے قبول کر لیں تو سارا عرب ان کا فرمانبردار ہو جائے گا اور عجمی لوگ ان کو جزیہ دیا کریں گے ابو طالب نے کہا کہ صرف ایک کلمہ کہلوانا چاہتے ہو؟ فرمایا ہاں بس ایک کلمہ! پھر آپ نے فرمایا اے چچا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو! قریش مکہ جو وہاں حاضر تھے انہوں نے کہا کیا ایک ہی معبود کو مان لیں؟ ہم نے تو یہ بات اس سے پہلے کسی مذہب میں نہیں سنی یہ تو اپنے پاس سے بنائی ہوئی ہے' لہٰذا ان کے بارے میں قرآن مجید نازل ہو گیا یعنی صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ سے لے کر اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ تک آیات نازل ہو گئیں۔ (رواہ الترمذی فی اوائل سورۃ ص وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے) کافر لوگ جو قرآن کو اور آپ کو جھٹلا رہے ہیں ان کی بات غلط ہے) بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (بلکہ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ خود ہی تعصب میں اور حق کی مخالف میں پڑے ہوئے ہیں) كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ (ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا) فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ سو ان لوگوں نے پکارا یعنی جب عذاب آیا تو بلند آواز سے توبہ کرنے لگے تاکہ عذاب سے نجات مل جائے اور وہ وقت چھٹکارہ کا نہ تھا (کیونکہ جب عذاب آجاتا ہے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی)۔

فائدہ: مصاحف قرآنیہ میں وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ لکھا ہوا ہے اور محققین کے نزدیک اسی طرح صحیح ہے قدیم اور جدید مصاحف میں لَاتَ بقطع التاء ہی لکھا ہے جو تواتر سے ثابت ہے[1]

اور المناص کا معنی ہے نجات کی جگہ اور، بچنا، چوکنا کہا جاتا ہے ناصہ، ینوصہ جب کوئی چیز فوت ہو جائے اور فراء کہتے ہیں النّوص کا معنی ہے پیچھے رہ جانا اور حضرت مجاہدؒ نے اس کی تفسیر فرار کے ساتھ کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے)

---

[1] (ولات "هی لا" المشبهة بلیس عند سیبویه زیدت علیها تاء التأنیث لتا کیدمعنا ها وهو النفی لان زیادة البناء تدل علی زیادة المعنی أولان التاء تکون للمبالغة کما فی علامة أو لتا کیدشبهها بلیس بجعلها علی ثلاثة أحرف ساکنة الوسط. (روح المعانی ص ۱۶۳ ج ۲۳)

والمناص المنجا والفوت یقال ناصهٗ ینوصهٗ اذا فاتهٗ وقال الفراء النوص التاخر وعن مجاهد تفسیرهٗ بالفرار و کذاروی عن ابن عباس. (روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۲۳)

(سیبویہ کے نزدیک ''لات'' کالا مشبہ بلیس ہے اور اس کے ساتھ تائے تانیث معنی نفی کی تاکید کے لئے بڑھائی گئی ہے کیونکہ بناء کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے یا تاء اس لئے بڑھائی گئی کہ وہ مبالغہ کیلئے ہے جیسے علامۃ کی تاء یا تاء لیس کے ساتھ مشابہت کی تاکید کے لئے بڑھائی گئی ہے تاء نے ''لا'' کے تین حرف بنا دیئے جن کا درمیان والا ساکن ہے اور لیس بھی اسی طرح ہے)

لیکن حضرت ابوعبید قاسم بن سلام کا ارشاد ہے کہ لات حین و صل التاء کے ساتھ رسم قرآنی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مصحف عثمانی میں، میں نے خود موصولاً لکھا ہوا دیکھا ہے لیکن امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ رائیہ میں فرمایا ہے ابو عبید عزا ولا تحین ال امام و الکل فیه اعظم النکرا (یعنی ابوعبید نے ''ولاتحین'' کو مصحف عثمانی کی طرف منسوب کیا ہے اور تمام علماء نے اس بارے میں بڑی نکیر کی ہے) حضرت عبید بھی رسم قرآنی کے امام ہیں لیکن چونکہ یہ نقل خبر واحد کے درجہ میں ہے جس کا تواتر ثابت نہیں ہوا اس لئے ائمہ کرام نے اس کو تسلیم نہیں کیا، حضرت امام جزری نے بھی نام لئے بغیر اپنے مقدمہ میں حضرت ابوعبید کا قول نقل کیا ہے اور آخر میں و وھلا فرمایا یعنی یہ قول ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

لات حین کے مذکورہ وصل و قطع کے اختلاف کی وجہ سے وقف اور ابتداء میں بھی اختلاف ہو گیا، چنانچہ جملہ علماء و قراء فرماتے ہیں کہ ''لا'' پر وقف کر کے تحین سے ابتداء کرنا درست نہیں ہے کیونکہ لا پر تا زائدہ آتی ہے اور دونوں کلمہ واحدہ کے حکم میں ہیں لہٰذا وقف کریں تو لات پر کریں لیکن ابوعبید رحمہ اللہ اپنے اختیار کردہ رسم الخط کی بناء پر کہتے ہیں کہ لا پر وقف کر کے تحین سے ابتدا کر سکتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قرآت شاذ ہے کیونکہ مبنی اور معنی کے اعتبار سے قواعد عربیہ کے خلاف ہے۔

اگر ضرورت کی بناء پر لات پر حسب مذہب جمہور قراء عمل کیا جائے تو تا کو ہا سے بدل کر وقف کریں یا تا کو ت ہی رہنے دیں؟ اس کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسائی'' وقف بالھاء کرتے ہیں اور باقی قراء کرام رسم کے تابع کرتے ہوئے وقف بالتا کرتے ہیں۔ (کیونکہ تا لمبی لکھی ہوئی ہے)

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (اور انہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ انہیں میں ایک ڈرانے والا آ گیا) اس میں ان کے لئے دو باتیں تعجب کی تھیں ایک تو یہ کہ انسان اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہے دوسرے یہ کہ ہمارے ہی اندر سے نبی بھیجا گیا ہے اگر ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بھیجنا تھا تو کوئی سردار آدمی ہوتا کما فی سورۃ الزخرف لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ)

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ (اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے) رسول اللہ ﷺ کے معجزات دیکھ کر انہوں نے یہ بات کہی تھی، کافروں نے یہ بھی کہا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا) اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (بلاشبہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے) چونکہ قریش مکہ اپنے باپ دادوں کو دیکھتے آئے تھے جو بہت سے معبود مانتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اس لئے انہیں یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کی جائے اور ایک معبود کے علاوہ سارے معبودوں کو باطل معبود قرار دیدیا جائے خیر کی بات رواج سے اٹھ جاتی ہے اور بُری بات عام ہو جاتی ہے رواج میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو اچھی بات سن کر جو خلاف رواج ہو تعجب ہونے لگتا ہے اسی لئے قریش مکہ کو توحید کی بات سن کر تعجب ہوا)

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ (اور ان میں جو سردار تھے یوں کہتے ہوئے روانہ ہو گئے کہ یہاں سے چل دو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو) اگر یہاں اور بیٹھے رہے تو ممکن ہے کہ اس شخص کی بات ہمارے دلوں میں اثر کر جائے اور ہمیں ایک ہی معبود کو ماننا پڑے، اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ (بیشک یہ ایسی چیز ہے جس کا ارادہ کیا جا رہا ہے) یہ بھی مشرکین کا قول ہے اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے یعنی یہ شخص جو ہماری جماعت سے نکل کر نئی نئی باتیں کر رہا ہے

اس کا کوئی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اسے عرب وعجم کی سرداری مل جائے اور سب سے اوپر ہو کر رہے، اور بعض مفسرین نے یہ مطلب بتایا ہے کہ اس شخص کا جو کچھ دعویٰ ہے اور اس پر اس کا جو جماؤ ہے اس سے اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا، اس کی طرف سے کسی طرح جھکاؤ کی امید نہیں اور تیسرا مطلب یہ بتایا ہے کہ اس شخص کا وجود اور اس شخص کی دعوت اور اس کا دعویٰ یہ بھی زمانہ کی لائی ہوئی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے ہمارے پاس کوئی ایسی تدبیر نہیں کہ اس شخص کو روک دیں صبر کے گھونٹ پینے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (ذکرہ صاحب الروح)

مشرکین مکہ نے مزید کہا، مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ (ہم نے یہ بات کسی دوسرے دین میں نہیں سنی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے دین نصاریٰ مراد ہے اس وقت تک ادیان سماوی میں وہی آخری دین تھا جس میں نصاریٰ نے تحریف وتغییر کر لی تھی اور مشرکین مکہ نصاریٰ کی باتیں سنتے رہتے تھے اس لئے انہوں نے یہ بات کہی، نصاریٰ نے اپنے دین کو بدل دیا تھا توحید سے منحرف ہو کر تین خدا ماننے لگے تھے۔

ان لوگوں نے یہ بھی کہا اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (یہ جو توحید والی بات کہتے ہیں بالکل ہی گھڑی ہوئی ہے) جس کو انہوں نے اپنے پاس سے بنا لی ہے، اپنی بات میں اضافہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا (کیا نصیحت کی بات یعنی قرآن جس کے نازل ہونے کا ان کو دعویٰ ہے ہمارے درمیان سے انہیں پر نازل کیا گیا) ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ سردار ہیں مال والے ہیں بڑے لوگ ہیں اگر اللہ کی طرف سے کوئی کتاب نازل ہوئی تھی تو ہم میں سے کسی پر نازل ہونی چاہئے تھی اس کی کیا خصوصیت ہے جو اس کو نبی بنایا گیا اور اس پر کتاب نازل کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ (بلکہ بات یہ ہے کہ میرے ذکر کی طرف سے یہ لوگ شک میں ہیں) بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ (بلکہ بات یہ کہ انہوں نے میرا عذاب نہیں چکھا) یہ ساری باتیں اور منہ شگافیاں عذاب آنے سے پہلے پہلے ہیں، جب عذاب آ جائے گا تو تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس وقت کی تصدیق فائدہ نہ دے گی۔ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ (کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو بہت عزت والا ہے بہت عطا فرمانے والا ہے) یعنی یہ لوگ جو یوں کہہ رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر اس شخص کو کیوں پیغمبری ملی اور اس پر قرآن کیوں نازل ہوا انہیں یہ بات کہنے اور اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ عزیز ہے وہاب ہے وہ اپنی رحمت سے جس کسی کو جو چاہے عطا فرما دے نبوت اور رسالت بھی اس کا ایک عطیہ ہے اس نے اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہا نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا، ان لوگوں کو نہ کوئی اختیار ہے نہ پروردگار عالم جل مجدہٗ کے خزانوں کے مالک ہیں انہیں یہ بات کہنے کا کیا اختیار ہے کہ آپ کو نبوت کیوں نہ ملی؟

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا، (کیا ان کے قبضہ میں آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی ملکیت ہے؟ یعنی یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ میں انہیں کچھ بھی دخل اور اختیار نہیں ہے پھر انہیں کیا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور ملکوت میں دخل دیں اور قادر مطلق جل مجدہ پر اعتراض کریں کہ فلاں کو کیوں نبوت دی فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ، آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو چیزیں ہیں اگر انہیں ان کے

بارے میں کسی اختیار کا دعوی ہے تو سیڑھیوں کے ذریعہ اوپر چڑھ جائیں لیکن انہیں تو ذرا سا بھی اختیار نہیں پھر کیوں اعتراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں کیوں دخل دے رہے ہیں۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ، (اس مقام پر ان لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست کھائی ہوئی جماعتوں میں سے ہیں) یعنی یہاں مکہ معظمہ میں ایسے لوگوں کی بھیڑ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ان کا لشکر شکست خوردہ جماعتوں میں سے ایک جماعت ہے، یہ بھی شکست کھائیں گے جیسے ان سے پہلے مخالف جماعتوں نے شکست کھائی، چنانچہ اہل مکہ نے بدر میں شکست کھائی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ احزاب سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو غزوۂ خندق کے موقع پر چڑھ کر آ گئی تھیں انہوں نے بھی شکست کھائی اور بری طرح پسپا ہو کر بھاگے اس مضمون میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ غم نہ کریں فکر مند نہ ہوں دوسری اقوام کی طرح ان کو بھی شکست ہو گی۔ (راجع القرطبی ص ۱۵۲ ج ۱۵)

گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ

اس کے بعد گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کا ذکر فرمایا جس میں مشرکین مکہ کے لئے عبرت ہے ارشاد فرمایا کہ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے اور قوم عاد نے اور فرعون نے جو ذی الاوتاد تھا اور ثمود نے اور لوط علیہ السلام کی قوم نے اور اصحاب الایکہ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا یہ وہ جماعتیں ہیں جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنایا اور اس کی سزا پائی، مزید فرمایا اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ، یہ سب وہی ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا، ان لوگوں کے عذاب کی تفصیلات قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہیں جنہیں عام طور سے عوام اور خواص جانتے ہیں، اصحاب الایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک امت مراد ہے جو ایکہ یعنی جھاڑیوں اور جنگلوں میں رہتے تھے ان پر ظلہ کا عذاب آیا یہ لوگ سخت گرمی کی وجہ سے ایک بادل کے سایہ میں کھڑے ہو گئے تھے اور وہیں ہلاک کر دیئے گئے۔ (دیکھو انوار البیان تفسیر سورۃ شعراء ص ۴۷۹ ج ۶)

ذوا الاوتاد کا معنیٰ

ذوا الاوتاد (میخوں والا) یہ لفظ فرعون کی صفت ہے اس سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ میخوں یعنی کیلوں کے ذریعہ لوگوں کو سزا دیتا تھا، چاروں ہاتھ پاؤں چار ستونوں سے باندھ دیتا تھا اور چاروں میں ایک ایک کیل ٹھوک دیتا تھا پھر اسی طرح چھوڑ دیتا تھا جس کی وجہ سے وہیں پڑے پڑے آدمی مر جاتا تھا، اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اس کی حکومت مضبوط تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ اوتاد سے لشکر مراد ہے مطلب یہ ہے کہ فرعون کے بہت سارے لشکر تھے چونکہ لشکر جہاں پڑاؤ ڈالتے ہیں اپنے خیمے نصب کرنے کے لئے کیلیں گاڑتے ہیں اس لئے لشکروں کو اوتاد سے تعبیر کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (ذکر ہذہ الاقوال صاحب الروح)

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ

اور یہ لوگ بس ایک زوردار چیخ کے انتظار میں ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی اور ان لوگوں نے کہا کہ اے رب ہمارا حصہ حساب کے

يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

دن سے پہلے ہمیں دے دیجئے

تفسیر : اہل مکہ کو جب یہ بات سنائی جاتی تھی کہ انکار اور تکذیب پر عذاب آجایا کرتا ہے اور پہلی قومیں کفر پر جمے رہنے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں تو اس کا مذاق بناتے تھے اور اطمینان کے ساتھ دنیاوی اعمال میں مشغول رہتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ یہ لوگ بس اسی انتظار میں ہیں کہ ایک چیخ آجائے یعنی صور پھونک دیا جائے گا اس وقت جو چیخ ہوگی وہ رُکنے والی نہ ہوگی سمجھداری اسی میں ہے کہ قیامت آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کر لیں اور اپنا حال درست کر لیں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ یٰسین میں فرمایا ہے، مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ (یہ لوگ ایک ایسی سخت آواز کے منتظر ہیں جو انہیں آکر پکڑے گی اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ (سو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف جا سکیں گے) علامہ قرطبی سورۂ ص کی آیت کا مطلب بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب غزوہ بدر کے واقعہ کے بعد انہیں یہی انتظار ہے کہ قیامت قائم ہو جائے (ان کو چاہئے تھا کہ بدر کے واقعہ سے عبرت حاصل کر لیتے اور اہل ایمان کے غلبہ سے سبق لے کر خود بھی مؤمن ہو جاتے قیامت قائم ہوگی تو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوگی اور ذرا سی بھی مہلت نہ دی جائے گی، قیامت کو مانتے بھی نہیں اور ڈھنگ ایسا ہے جیسے وہاں کیلئے بہت کچھ کیا ہو اور عذاب کی بھی بددعاء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہمیں دیدے[1]

یعنی قیامت کے دن کا انتظار کیوں ہے ہمیں جو عذاب دینا ہے ابھی آجائے، بات یہ ہے کہ انہیں قیامت آنے کا یقین نہیں تھا ورنہ اپنے منہ سے کون عذاب مانگتا ہے۔

---

[1] (قوله تعالىٰ ما لها من فواقٍ بفتح الفاء ضمها فی السبعية وهو ما بين الحلبتين لانها ثم تترک سويعة يرضعها الفصيل لتدرثم تحلبُ قال الفراء و ابوعبيدة وغيرهما من فواق بفتح الفاء أی راحة لا يفيقون فيها كما يفيق المريض والمغشى عليهٗ ومن فواق بضم الفامن انتظار، والقط فی كلام العرب الحظ والنصيب او القط اسم للقطعة من الشئی كالقسم والقسم فاطلق على النصيب والكتاب والرزق لقطعه عن غيره الا أنه فی الكتاب اكثر استعمالاً وأقوى حقيقة (المتقطا من القرطبی ص ۱۵۶ ج ۱۵ ص ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مَالَهَا مِنْ فَوَاقٍ یہ فَوَاق فا کے فتحہ کے ساتھ اس وقفہ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے کہ پہلے دودھ دوہ کر تھوڑا سا چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ بچہ تھنوں کو چوسے تو دوبارہ دودھ اُتر آئے اور پھر دوسری دفعہ دودھ لیں فراء اور ابوعبیدہ وغیرہ کہتے ہیں فَـوَاء فاء کے فتحہ کے ساتھ یعنی ایسی راحت وسکون جس میں افاقہ نہ ہوگا جیسے مریض کو افاقہ ہوتا ہے یا بے ہوش کو، اور فُوَاق فاء کے ضمہ کے ساتھ انتظار کے معنی میں ہے۔ اور "قط" کلام عرب میں حصہ اور نصیب کو کہتے ہیں یا "القط" کسی شئی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جیسے القِسم اور القَسم پھر اس کا اطلاق حصہ پر کیا گیا وہ کتاب اور رزق جو الگ کر لیا گیا ہو ان پر بھی بولا جاتا ہے مگر کتاب کے معنی میں اس کا استعمال زیادہ ہے اور حقیقت کے لحاظ سے قط بمعنی کتاب زیادہ قوی ہے)

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ

یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے، بیشک ہم نے اُن کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کردیا وہ تسبیح میں مشغول

بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ

ہوتے تھے شام کو اور اشراق کے وقت، اور پرندوں کو مسخر کردیا جو جمع کئے ہوئے تھے سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کے ملک کو مضبوط کردیا اور انہیں حکمت دیدی

وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

اور فصل خطاب دیدیا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ

تفسیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی باتوں سے رنج ہوتا تھا، آیت بالا میں آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے بندۂ داؤد کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے اور فرمایا کہ وہ اواب تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، پھران کی تسبیح کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح کیا کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا تھا جو جمع ہو جاتے تھے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی اُس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے اسکی مراجعت کرلی جائے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کا ملک مضبوط کردیا تھا اور انہیں حکمت یعنی نبوت دی تھی اور فصل الخطاب سے نوازا تھا یعنی وہ ایسی تقریر کرتے تھے جو خوب واضح ہوتی تھی، سننے والے اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔

اس کے بعد آئندہ آیات میں اُن کا ایک واقعہ ذکر فرمایا جس میں اُن کے صبر کا تذکرہ ہے اور اسی نسبت سے اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کا حکم دیا۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ

اور کیا آپ کے پاس جھگڑا کرنیوالوں کی خبر پہنچی ہے جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آگئے جب وہ داؤد پر داخل ہوئے تو وہ ان کے آنے سے گھبرا گئے

خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

انہوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ حق کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کردیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتادیجئے

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانویں دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے سو یہ کہتا ہے کہ وہ مجھے دیدے اور بات چیت میں مجھے دباتا ہے

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ

داؤد نے کہا کہ بلاشبہ اس نے تجھ پر ظلم کیا کہ تیری دُنبی کو اپنی دُنبیوں میں ملانے کا سوال کیا اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر وہ

عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ

لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں' اور داؤد نے خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے سو انہوں نے اپنے رب سے

رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

استغفار کیا اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے' سو ہم نے وہ ان کو معاف کر دیا اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے پاس نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخصوں کا حاضر ہو کر فیصلہ چاہنا اور آپ کا فیصلہ دینا

تفسیر: ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اس کے بعد والی آیات میں یہ بتایا کہ ہم نے داؤد کو زمین کا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ آپ انصاف کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کریں، یہاں جو قصہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ دو شخص اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آئے بھی کس طرح؟ دروازہ سے آنے کی بجائے دیوار پھاند کر آئے اور تنہائی میں اُن کے پاس پہنچ گئے انہوں نے عبادت کیلئے ایک جگہ بنا رکھی تھی جسے محراب سے تعبیر فرمایا وہ مشغولِ عبادت بھی تھے جب ان دونوں پر نظر پڑی تو بتقاضائے بشریت گھبرا گئے ان دو شخصوں نے ان کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا اور کہنے لگے کہ آپ ہماری وجہ سے خوف زدہ نہ ہوں ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں ہم اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ہیں ہم میں ایک مدعی ہے اور دوسرا مدعیٰ علیہ ہے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، آپ ہمارا مقدمہ سن لیجئے اور انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور فیصلہ میں بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجئے۔

پھر ان میں سے ایک بولا کہ یہ میرا (دینی) بھائی ہے اس کے پاس ننانویں یعنی ایک کم سو دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دیدے، اور کہنے میں بھی وہ طریقہ نہیں اختیار کیا جو سوال کرنے والوں کا ہوتا ہے بلکہ مجھے اس سختی کے ساتھ خطاب کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے جو یہ بات اٹھائی کہ تیری جو ایک دنبی ہے وہ تو اسے دیدے اور یہ اُسے اپنی دنبیوں میں ملا لے اس کا یہ سوال کرنا ظلم ہے، یہ تو ان دونوں کے مقدمہ کا فیصلہ فرمایا اور ساتھ ہی عام لوگوں کا مزاج اور رواج اور طریقہ کار بھی بیان فرما دیا اور وہ یہ کہ بہت سے لوگ جو شریک ہوتے ہیں، یا مل جل کر رہتے ہیں ان کا یہ طریقہ کار رہتا ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں ہاں اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والے لوگ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے ایسے لوگ ہیں تو سہی مگر کم ہیں۔

اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کو اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کے ساتھ شروع فرمایا ہے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کسی ایسی بات میں مبتلا فرمایا تھا جس میں صبر کی ضرورت تھی رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے مخاطبین کی باتوں پر صبر کریں اور داؤد کے قصے کو یاد کریں اس کے بعد یہ بات بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے پھر یہ قصہ بیان فرمایا کہ دو شخص ان کے پاس دیوار پھلانگ کر آ گئے اور دونوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، انہوں نے ان کا فیصلہ سنا دیا، اس میں یہ بات تلاش کرنے کی ہے اس میں صبر کرنے کی کون

سی بات تھی، اس بارے میں روایات حدیث سے کوئی بات واضح نہیں ہوتی، البتہ اتنی بات قرآن مجید کے سیاق اور بیان سے معلوم ہو رہی ہے کہ جو دو شخص ان کے پاس تنہائی میں پہنچ گئے تھے وہ وقت ان کی عبادت کرنے کا تھا فیصلہ خصومات کا وقت نہ تھا پھر وہ دونوں دیواریں کود کر آئے جب داؤد علیہ السلام کو ان سے گھبراہٹ ہوئی تو انہوں نے تسلی تو دیدی کہ آپ گھبرائیے نہیں لیکن بے وقت پہنچے پھر دیوار کود کر آئے اور ساتھ ہی یوں کہہ دیا کہ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ کہ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور مزید یوں کہا کہ بے انصافی نہ کیجئے اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیا کہ سیدھی راہ بتا دیجئے ان باتوں سے ایک طرح کی بے ادبی ظاہر ہوتی تھی جس سے ابہام ہوتا تھا کہ داؤد علیہ السلام ناحق فیصلہ بھی کر سکتے ہیں اور زیادتی بھی کر سکتے ہیں، داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر بادشاہ بھی تھے مدعی اور مدعی علیہ کی باتیں سن کر صبر کیا اور تحمل سے کام لیا ان متواتر گستاخیوں پر کوئی دارو گیر نہیں فرمائی بلکہ بڑی نرمی کے ساتھ اُن کا مقدمہ سنا اور فیصلہ فرما دیا۔

حضرت داؤد کا مبتلائے امتحان ہونا پھر استغفار کرنا

اب رہی یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب صبر کے ساتھ مدعی اور مدعی علیہ کی بات سنی اور فیصلہ فرما دیا جو صحیح فیصلہ تھا تو اس میں وہ کون سی بات تھی جو ان کے امتحان کا سبب بن گئی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کی بات سن کر مدعی علیہ سے دریافت کئے بغیر جو یہ فرما دیا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا کہ اپنی دنبیوں میں ملانے کے لئے تیری دنبی ملانے کا سوال کیا اس میں فریقین میں سے ایک کی جانب جھکاؤ معلوم ہوتا ہے جو آدابِ قضاء کے خلاف ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مدعی علیہ نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ واقعی میں نے اس شخص سے یہ سوال کیا ہے کہ اپنی دنبی مجھے دیدے اگر یہ صورت ہو تو پھر بھی یہ بات رہ جاتی ہے کہ قاعدہ کے مطابق مدعی علیہ سے فرمانا چاہئے تھا کہ تو نے اس پر ظلم کیا ہے بجائے اس سے خطاب کرنے کے مدعی سے فرمایا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا یہ بھی ایک قسم کی مدعی کی تھوڑی سی طرف داری ہوئی جب یہ خیال آیا تو انہوں نے اسے امتحان کی بات سمجھا، بڑوں کی بڑی باتیں ہیں معمولی بات میں بھی ان کی گرفت ہو جاتی ہے اس لئے وہ استغفار کی طرف متوجہ ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور یہ بھی فرما دیا کہ ان کے لئے ہمارے یہاں نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

یہ دونوں شخص جو مقدمہ لے کر آئے تھے اس کی واضح تصریح نہیں ملتی کہ یہ کون تھے؟ صاحبِ روح المعانی نے لکھا ہے (جو بے سند ہے) کہ یہ دونوں حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام تھے، اندر جانا چاہا تو چوکیداروں نے روکا، لہٰذا وہ دیوار کود کر ان کے پاس محراب میں تشریف لے گئے، یہ بات بعید نہیں ہے کہ یہ دونوں فرشتے ہوں کیونکہ اونچی دیوار تھی، پھلانگ کر تنہائی میں پہنچ جانا انسانوں کا کام نہیں ہے لیکن اگر یہ حضرات فرشتے تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کا دنبیوں سے کیا واسطہ اور جھگڑے سے کیا تعلق! ملا اعلیٰ والے دنبیوں کے بارے میں کیوں جھگڑا کرنے لگے اور ننانویں دنبی والے نے ایک دنبی والے سے مطالبہ کیوں کیا کہ یہ ایک دُنبی بھی مجھے دیدے اور نہ صرف یہ کہ سادگی کے ساتھ مطالبہ کیا بلکہ سختی کو استعمال کیا اگر یہ دونوں فرشتے تھے تو انہوں نے جھگڑا کیا تو وہ بھی حقیر دنیا کیلئے اور اگر جھگڑا ہوا ہی نہیں تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات کیوں کہی کہ ہمارا آپس میں جھگڑا ہوا ہے یہ تو کذب بیانی ہوئی اور جھوٹا بیان

ہوا جو گناہ کبیرہ ہے اور فرشتے تو ہر گناہ سے پاک ہیں۔

مفسرین نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ یہ جھگڑا اور دعویٰ کسی حقیقت واقعیہ پر مبنی نہیں تھا بلکہ بطور فرض انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کرنا مقصود تھا اس کے ذریعہ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو امتحان میں ڈالنے کا ایک راستہ نکالا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام جس فتنہ میں مبتلا کئے گئے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا گیا ہے جسے محدث حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی خود پسندی نے امتحان میں مبتلا کیا جس کی صورت حال یوں بن گئی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ رات اور دن میں کوئی بھی ایسی خالی گھڑی نہیں گزرتی جس میں آل داؤد میں سے کوئی شخص نماز یا تسبیح یا تکبیر اور دیگر عبادات میں مشغول نہ ہوتا ہو، اللہ جل شانہٗ کو ان کی یہ بات ناگوار ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ اے داؤد یہ سب کچھ میری ہی مدد سے ہے اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو تمہیں مذکورہ عبادات پر قدرت نہ ہو قسم ہے میرے جلال کی میں ایک دن تجھے تیرے ہی سپرد کرتا ہوں داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب مجھے وہ دن بتا دیجئے گا اس کے بعد اس خاص دن میں وہ فتنہ میں مبتلا کر دیئے گئے۔ (مستدرک حاکم ص ۴۳۳ ج ۲ وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی) اس میں سبب فتنہ کا تو ذکر ہے لیکن فتنہ کا ذکر نہیں بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جتنی دیر فرشتوں سے بات چیت ہوئی اتنی دیر میں چونکہ اللہ کے ذکر سے غافل رہے اس لئے انہوں نے اسے فتنہ سمجھ لیا گو قضاء کا کام اور فیصلے دینا بھی عبادت ہے لیکن چونکہ عبادت بلا واسطہ یعنی تسبیح و تہلیل سے غفلت ہوئی اس لئے انہوں نے اسے اپنے حق میں فتنہ سمجھ لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

شرکاءِ مالیات کا عام طریقہ

حضرت داؤد علیہ السلام نے دو شخصوں کے درمیان جو فیصلہ فرمایا صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی عام شرکاء کی ایک حالت بھی بتا دی جنہیں خلطاء سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں بسنے والے لوگ جو آپس میں مل جل کر رہتے ہیں جن میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا تجارت میں یا کسب اموال کے دوسرے طریقوں میں ساجھا رہتا ہے عام طور سے یہ لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں جو خیانت وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہے عام طور سے لوگوں کا یہی حال ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والے ہیں یہ لوگ اپنے شرکاء پر زیادتی نہیں کرتے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں، یہ لوگ کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے بہت کام کی بات بتائی اور شرکاء کا ایک مزاج بتا دیا اور درحقیقت شرکت میں کوئی دھندا کرنا بہت بڑے امتحان میں پڑنے کا ذریعہ ہے بات بات میں جھگڑے بھی اٹھتے رہتے ہیں اور خیانت کے مواقع بھی سامنے آتے رہتے ہیں، جو شخص خیانت سے بچ گیا بہت ہی مبارک ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ میں دو شریکوں میں تیسرا ہوتا ہوں (یعنی میری طرف سے ان کی مدد ہوتی رہتی ہے) جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے پھر جب دونوں میں سے کوئی شریک خیانت کر لیتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔ (رواہ ابو داؤد) یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دُعاء

حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام بہت بڑے ذاکر و عابد تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور روزوں میں سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کے روزے تھے وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے تھے اور آخری چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بغیر روزہ کے رہتے تھے (رواہ البخاری ص ۴۸۶ ج ۱) اور ایک روایت میں ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے اور جب دشمن سے بھڑ جاتے تھے تو پشت نہیں پھیرتے تھے۔ (ایضاً)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی دُعاؤں میں سے ایک یہ دُعاء بھی تھی **اللھم انی اسالک حبک وحب من یحبک والعمل الذی یبلغنی حبک اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی ومالی واھلی ومن المآء البارد** (اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا اور ان لوگوں کی محبت کا جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت تک پہنچادے اے اللہ آپ اپنی محبت کو مجھے اتنی زیادہ محبوب بنا دیجئے جو میری جان سے اور میرے مال سے اور میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بڑھ کر مجھے محبوب ہو۔ (رواہ الترمذی وحسنہ کمافی المشکوٰۃ ص ۲۲۰)

رسول اللہ ﷺ جب داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے تھے تو یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ انسانوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار تھے۔ (ایضاً)

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کسب کرتے تھے، اسی میں سے کھاتے تھے (رواہ البخاری مرفوعاً) اور انکا ذریعہ کسب یہ تھا کہ لوہے کی زرہیں بناتے تھے انہیں فروخت کر کے اپنا خرچہ بھی چلاتے تھے اور فقراء مساکین پر بھی خرچ کرتے تھے۔

سورۂ صٓ کا سجدہ

سورۂ ص میں شوافع کے نزدیک سجدۂ تلاوت نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک یہاں سجدۂ تلاوت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت ادا کیا اور فرمایا کہ داؤد نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا تھا، اور ہم اس سجدہ کو بطور شکر ادا کرتے ہیں۔ (رواہ النسائی کمافی المشکوٰۃ ص ۴۹)

ایک مشہور قصہ کی تردید

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جو دو شخص فیصلہ لے کر آئے تھے جن کا یہ فیصلہ ان کے امتحان کا سبب بنا اس کے بارے میں بعض کتابوں میں ایک ایسا قصہ لکھ دیا گیا ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے

خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت پر ان کی نظر پڑ گئی تھی جس سے نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور اس خیال کے پیچھے ایسے پڑے کہ اس کے شوہر کو جہاد میں بھیج کر شہید کروانے کا راستہ نکالا اور جب وہ شخص شہید ہو گیا تو آپ نے اس عورت سے نکاح کر لیا، یہ قصہ جھوٹا ہے جسے اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حد یہ ہے کہ محدث حاکم نے بھی مستدرک (مستدرک ص۵۸۶،ص۵۸۷ ج۲) میں لکھ دیا اور تعجب ہے کہ حافظ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اسے ذکر کر کے سکوت اختیار کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہے گا اور اسکا عقیدہ رکھے گا تو میں اس پر حدِ قذف کی دوہری سزا جاری کروں گا یعنی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوڑے لگاؤں گا۔ (روح المعانی ص۱۸۵ ج۲۳)

اور صاحب جلالین نے یوں لکھ دیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانویں بیویاں تھیں اور اس شخص کی ایک بیوی تھی جس نے شکایت کی تھی۔

یہ قصہ بھی اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان کے خلاف بھی ہے اور کسی صحیح سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ

اے داؤد بے شک ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا، سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی مت کرنا وہ آپ کو اللہ کے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

راستہ سے بہکا دے گی، بلاشبہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس سبب سے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کا اعلان

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا خطاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا تھا، ارشاد فرمایا کہ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش نفس کا اتباع نہ کیجئے ورنہ یہ خواہش آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی یوں تو ہر حاکم پر لازم ہے کہ فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے لیکن خاص طور پر جسے اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا اور نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اس کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ حق اور حقیقت اور عدل و انصاف پر قائم رہے۔

اتباع ہویٰ کی مذمت

نیز یہ بھی خطاب فرمایا کہ آپ اتباع ہویٰ سے پرہیز کریں یعنی خواہش نفس کا اتباع نہ کریں ورنہ وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی، درحقیقت دو ہی چیزیں ہیں اتباع ہدیٰ اور اتباع ہویٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو عمل کرنے کے لئے حکم ہو وہ ھدیٰ یعنی ہدایت ہے اور اس کا اتباع کرنا لازمی ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہ ہو اپنے نفس کے تقاضوں کے مطابق ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کے

خلاف ہواس کا اتباع کرنا جائز نہیں ہے یہ نفس کا اتباع ہی تو ہے جو بندوں کو احکام شرعیہ سے روکتا ہے جو لوگ قاضی اور حاکم ہیں اور جج ہیں یہ لوگ خلافِ شرع فیصلے کر جاتے ہیں، رشوت لے لیتے ہیں یا اپنے رشتے دار کی رشتہ داری کو دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں یہ اتباع ہوئی ہی تو ہے سورۃ النساء میں فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا

(اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کیلئے گواہی دینے والے رہو اگر چہ اپنی ہی ذات پر ہو یا والدین یا دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے تو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ) اور بہت سے حکام کسی کی دشمنی میں ظالمانہ فیصلہ دے دیتے ہیں سورۃ المائدہ میں اسی کو فرمایا وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا (اور کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے سایہ کی طرف پہلے پہنچنے والے کون ہیں؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں حق دیا جائے تو قبول کر لیں اور جب ان سے حق کا سوال کیا جائے تو پوری طرح دے دیں اور لوگوں کیلئے اسی طرح فیصلے کریں جیسے اپنے لئے فیصلہ کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۲)

یہ اتباع ہوئی ہی قرآن وحدیث کے احکام میں تاویل کرنے پر آمادہ کرتا ہے علماء سے بدظن کرتا ہے، زکوٰۃ نہ دینے کیلئے حیلے اور بہانے تراشتا ہے بے پردگی اور سود کو حلال کرنے کیلئے ایسے لوگوں کی تحریروں کی آڑ لیتا ہے جو اخلاص سے خالی ہیں تقویٰ سے دور ہیں بھرپور علم سے بعید ہیں، ننگے پہناوے، ناچ رنگ، نفس ونظر کی حرام لذت، جاہ وشہرت کی طلب اور مالِ کثیر کی رغبت شریعت کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ کرنا اتباع ہوئی ہی کا کام ہے، کسی بھی مرنے والے کی میراث شرعی وارثوں کو نہ دینا، بہنوں کو باپ کے ترکہ سے نہ دینا مزدور سے کام لے کر مزدوری نہ دینا یہ اور اسی طرح کی سینکڑوں چیزیں ہیں جنہیں انسان اتباع ہوئی کی وجہ سے اختیار کرتا ہے اور احکام شرعیہ سے منہ موڑتا ہے جو لوگ ہدایت کا اتباع کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلنے ہی کو زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں اور جو حکم سنتے ہیں مان لیتے ہیں۔

خواہشوں کا اتباع گمراہ کر دیتا ہے

یہ جو فرمایا فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اس میں یہ بتا دیا کہ خواہشوں کا اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے جس طرح دنیاوی احکام میں نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنے کی وجہ سے قوانینِ شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اسی طرح امور آخرت میں بھی اتباع ہوئی اللہ کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے نام دین کا اور بزرگی کا ہوتا ہے لیکن کام شریعت کے خلاف ہوتے ہیں، یہ جو قبر پرستی ہے جھوٹی پیری مریدی ہے عرسوں کے خرافات ہیں اپنی طرف سے تجویز کردہ نفل نمازوں کی بدعات ہیں یہ سب اتباع ہوئی کی وجہ سے ہے اور لوگوں کو عموماً اتباعِ سنت سے زیادہ بدعات پر چلنا زیادہ مرغوب ہے

کیونکہ وہ ان کی اپنی نکالی ہوئی ہیں اور شیطان بھی ان کو بدعات پر ابھارتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں پر ڈال کر ہلاک کر دیا اور انہوں نے مجھے استغفار کے ساتھ ہلاک کر دیا، (یعنی میں گناہ کرواتا تھا وہ گناہ کر کے استغفار کر لیتے تھے جس سے میری محنت پر پانی پھر جاتا تھا) لہٰذا میں نے یہ کیا کہ ان کے لئے وہ چیزیں نکال لیں جو دین الٰہی میں نہیں ان کی خواہشوں کے مطابق انہیں وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں لہٰذا وہ ان چیزوں سے توبہ نہیں کرتے (الترغیب والترہیب للحافظ المنذری) جب خواہشاتِ نفس کا اتباع کریں گیا اور ان اعمال کو انہیں نیکی سمجھ کر کریں گے تو توبہ نہ کریں گے لہٰذا عذاب میں مبتلا ہوں گے اور شیطان کا مقصد پورا ہوگا۔

گمراہ لوگ عذابِ شدید کے مستحق ہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَہُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ (بلاشبہ جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے حساب کے دن کو بھول جانے کے سبب سے) اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹنے والوں کیلئے وعید بیان فرما دی اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ لوگ اس لئے مبتلا عذاب ہوں گے کہ دنیا میں رہتے ہوئے حساب کے دن کو بھول گئے تھے اس میں تعمیم ہے کہ اتباع ہویٰ کی وجہ سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹا ہو یا اور کسی وجہ سے، وہ عذابِ شدید کا مستحق ہوا ہو ان گمراہوں میں عام طور سے وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو قیامت کو نہیں مانتے، یا مانتے تو ہیں لیکن وہاں کی حاضری کا خیال نہیں رکھتے اور اُسے بھول بھلیاں کئے رہتے ہیں اس لئے وہاں کے لئے تیاری نہیں کرتے اور اپنی جان کو مستحق عذاب بناتے رہتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنَ

اور ہم آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بلاحکمت پیدا نہیں کیا' یہ گمان ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا' سو ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے یعنی دوزخ کا

النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ

داخلہ ہے، جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے کیا ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں' کیا ہم متقیوں کو فاجروں کی طرح

کَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

کر دیں گے' یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے مبارک ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

مفسدین اور اعمال صالحہ والے مؤمنین اور متقین اور فجار برابر نہیں ہو سکتے!

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے ان سے پہلے داؤد علیہ السلام کا ذکر ہو رہا تھا اور عنقریب حضرت سلیمان اور ان کے بعد حضرت ایوب علیہما السلام کا ذکر آ رہا ہے ان تین آیات میں بطور جملہ معترضہ توحید و رسالت اور معاد کو بیان فرما دیا یہی تینوں چیزیں ہیں جن کی طرف قرآن کریم برابر دعوت دیتا ہے اور ان کے ماننے پر آخرت کی بھلائی کا وعدہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اُسے وجود بخشا یہ سب یوں ہی

خواہ مخواہ اور بلاحکمت نہیں ہیں ان کے وجود کو دیکھ کر اول تو خالقِ کائنات جل مجدہ کی معرفت حاصل ہونا چاہئے اور پھر یہ بھی فکر کرنا چاہئے کہ ان چیزوں کے پیدا فرمانے میں حکمت کیا ہے؟ دنیا میں انسان بھی اور دوسری مخلوق بھی ہے آپس میں رحم بھی ہے، مظالم بھی ہیں، لڑائی جھگڑے بھی ہیں قتل وخون بھی ہیں اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے بھی ہیں اور کافرومشرک بھی ہیں، موت بھی ہے اور حیات بھی ہے، یہ کارخانہ جو جاری اور ساری ہے خالق کائنات جل مجدہٗ نے اسے کیوں پیدا فرمایا اگر اس بات میں غور کیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ اس کارخانہ میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی حکمت پر مبنی ہے ایمان وکفر، خیر وشر کا سلسلہ جاری ہے لیکن ایک دن یہ دنیا ختم ہوجائے گی قیامت واقع ہوگی سب حاضر ہوں گے اس وقت اہلِ ایمان کو ایمان کی جزا اور اہلِ کفر کو کفر کی سزا دی جائیگی جو لوگ وقوعِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک موت کے بعد اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ملنے والا نہیں ہے ان کی بات کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں متقی ہیں گناہوں سے بچتے ہیں وہ اور بڑے بڑے فاجر برابر ہوجائیں گے، یعنی نہ انہیں کوئی ثواب ملے گا نہ انہیں کوئی عذاب ملے گا ان لوگوں کا یہ گمان باطل ہے جو ان کے لئے ہلاکت اور بربادی کا سبب ہے اور وہ بربادی یہ ہوگی کہ یہ لوگ دوزخ میں داخل کردیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ کے یہاں اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ والے بندوں کا بڑا مرتبہ ہے یہ حضرات جنتی ہوں گے اور زمین میں فساد کرنیوالے دوزخ میں جائیں گے اگر ان کافروں اور مفسدوں نے یہ سمجھا ہے کہ اہل ایمان کو نعمتیں نہ ملیں گی اور وہ ہماری طرح ہی ہوں گے مرکھر کر ختم ہوجائیں گے یا یہ سمجھا ہے کہ جو نعمتیں انہیں ملیں گی ہمیں بھی مل جائیں گی یہ ان کی حماقت ہے۔ (یہاں تک توحید اور معاد کا بیان ہوا)

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب نازل کی ہے جو مبارک ہے اس کے ماننے اور پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے میں دنیا اور آخرت کی خیر ہی خیر ہے، آپ کے توسط سے جن لوگوں تک پہنچے ان کو چاہئے کہ اس کی آیات میں فکر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں تاکہ احکام شرعیہ کو جانیں اور ان پر عمل پیرا بھی ہوں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمان بخشش کردیا وہ اچھا بندہ تھا بلاشبہ وہ بہت رجوع کرنے والا تھا جب پیش کئے گئے اس پر شام کے وقت ایسے گھوڑے، جو سامنے کے ایک پاؤں پر کھڑے ہونے والے تھے عمدہ گھوڑے تھے

فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا

سو انہوں نے کہا کہ میں نے مال کی محبت کو ترجیح دی اپنے رب کے ذکر کو چھوڑ کر یہاں تک کہ پردے میں چھپ گئے انہیں مجھ پر واپس کرو سو شروع کردیا

بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کا چھونا

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ وہ اچھے بندہ تھے

تفسیر: حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ مال اور دولت اور ملک اور حکومت سے نوازا تھا اول ان کے بارے میں فرمایا نعم العبد کہ وہ اچھے بندے تھے اور ساتھ ہی انه اواب بھی فرمایا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔

گھوڑوں کا پیش کیا جانا آخر میں متنبہ ہونا

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے پاس گھوڑے بندھے ہوئے تھے اندازہ یہی ہے کہ یہ گھوڑے جہاد کی ضرورت کیلئے پال رکھے تھے گھوڑے بھی اصیل تھے، اور عمدہ تھے صافنات یہ صافنۃ کی جمع ہے صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو سامنے کے ایک پاؤں کو موڑ کر باقی تین پاؤں پر کھڑا ہو، اصیل گھوڑوں کی یہ صفت بتائی جاتی ہے۔

ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے معائنہ فرمانے کے لئے گھوڑوں کو طلب کیا آپ ان کے دیکھنے میں اتنے مشغول ہوئے کہ سورج چھپ گیا اس سے پہلے جو فرض یا نفل نماز پڑھا کرتے تھے وہ رہ گئی (اگر فرض نماز تھی تو بھولنے کی وجہ سے گناہ میں شمار نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ حاضرین میں سے کسی نے یاد بھی نہ دلایا ہو، اور اگر نفل نماز تھی تب تو اس کے چھوٹ جانے میں گناہ ہی نہیں لیکن انہوں نے ہر حال میں اس نماز کے چھوٹنے کو اچھا نہ سمجھا ہو اور گو کہ گھوڑوں کی مشغولیت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تھی لیکن پھر بھی چونکہ ذکر بالواسطہ ذکرِ حقیقی یعنی ذکر بلا واسطہ سے غافل ہونے کا سبب بن گیا اس لئے جب مذکورہ نماز کے فوت ہو جانے کا احساس ہوا تو فرمایا کہ ان گھوڑوں کو واپس کرو جب گھوڑے واپس لوٹائے گئے تو انہیں ذبح کرنا شروع کر دیا ان کی گردنیں تو کاٹی ہی تھیں پنڈلیاں بھی کاٹ دیں اور فرمایا کہ مال کی محبت نے مجھے اپنی طرف اتنا لگایا کہ اپنے رب کی طرف سے غافل ہو گیا یہ ذبح کرنا مال ضائع کرنے کے طور پر نہیں تھا بلکہ بطورِ قربانی کے تھا البتہ یہ اشکال رہ جاتا ہے کہ پنڈلیوں کو کیوں کاٹا؟ یہ تو جانور کو بلاوجہ تکلیف دینا ہوا احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ گردنیں کاٹنے کے بعد پنڈلیاں کاٹی ہوں گی جب کہ ان کی جان نکل چکی ہوگی اور گھوڑے میں چونکہ پنڈلی ہی اصل چیز ہے اس سے گھوڑا دوڑتا ہے اس لئے غیرت کے جوش میں پنڈلیاں بھی کاٹ دیں یعنی اس کام میں جلدی کر دی ورنہ کھانے پینے کیلئے تو کاٹنا ہی تھا چونکہ تقدم ذکری تقدم عملی کو مستلزم نہیں ہے اس لئے یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ آیت شریفہ میں پہلے پنڈلیوں کا ذکر ہے یہاں رعایت فاصلہ کیلئے لفظ الاعناق کو مؤخر کر دیا گیا ہے یہ بلاغت میں ہوتا رہتا ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں رب هرون و موسیٰ فرمایا ہے اور دوسری جگہ رب موسیٰ و هارون فرمایا ہے۔[1]

---

[1] (وفی روح المعانی: وقیل ضمیر (توارت) للخیل کضمیر (ردوها) واختارهجمع، فقیل الحجاب اصطبلاتها ای حتی دخلت اصطبلاتها، وقیل حتی توارت فی المسابقة بما یحجبها عن النظر، وبعض من قال بارجاع الضمیر للخیل جعلعن للتعلیل ولم یجعل المسح بالسوق والاعناق بالمعنی السابق فقالت طائفة: عرض علی سلیمان الخیل وهو فی الصلاة فاشار الیهم انی فی صلاة فازا الوهاعنه حتی دخلت فی الاصطبلات فقال لما فرغ من صلاته: (انی أجبت حب الخیر) ای الذی لی عند اللّٰه تعالیٰ فی الآخرةبسبب ذکرربیکانه یقول فشغلنی ذٰلک عن رؤیة الخیل حتی دخلت اصطبلاتها ردوها علی فطفق یمسح اعرافها وسوقها محبة لها وتکریما، وردی أن المسح کان لذلک عن ابن عباس، والزهری، وابن کیسان ورجحه الطبری، وقبل کان غسلا بالماء ولا یخفی أن تطبیق هذه الطائفة الآیة علی مایقولون رکیک جدا. (ص ۱۹۴ ج۳)

(اور بعض حضرات کہ ''توارت'' کی ضمیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ رُدّوھا کی ضمیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک جماعت نے اسی کو پسند کیا ہے بعض نے کہا ''حجاب'' سے مراد گھوڑوں کے اصطبل ہیں معنی یہ ہوا ''حتی کہ گھوڑے اپنے اصطبلوں میں داخل ہو گئے۔'' بعض نے کہا حتی کہ دوڑ میں آگے بڑھ کر چھپ گئے کہ نظر آنے سے رہ گئے۔ جن لوگوں نے توارت کی ضمیر گھوڑوں کی طرف لوٹائی ہے ان میں سے بعض نے یہاں لَمِنْ کو تعلیل کیلئے بنایا ہے اور گھوڑوں کی پیٹھوں اور گردنوں کے مسح کو سابقہ معنی میں نہیں لیا ہے۔

ایک جماعت نے کہا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے گھوڑے پیش کئے گئے جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے اشارہ کیا کہ میں نماز میں ہوں، تو گھوڑے ہٹا لئے گئے حتی کہ اپنے اصطبل میں پہنچ گئے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میں نے خیر کی محبت کو ترجیح دی یعنی وہ خیر جو میرے ذکر اللہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں ہے گویا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کے ذکر نے گھوڑوں کو دیکھنے سے روکا حتی کہ گھوڑے اصطبلوں میں واپس چلے گئے اب انہیں میرے پاس لے آؤ گھوڑے دوبارہ لائے گئے تو آپ ان کی پیٹھوں اور گردنوں پر ان کی محبت و وقعت کی وجہ سے ہاتھ پھیرنے لگے اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں مسح اسی طرح ہے اور زہری، ابن کیسان کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض نے کہا مسح پانی سے دھونا تھا، اور یہ بات واضح ہے اس گروہ نے آیت سے اپنے قول کو جو تطبیق دی ہے یہ بہت کمزور ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر انہوں نے رجوع کیا عرض کیا اے میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا کیجئے

يَنْۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ

جو میرے بعد کسی دوسرے کو میسر نہ ہو بلاشبہ آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی جہاں ان کو

اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا

جانا ہوتا تھا اور ان کے لئے شیاطین مسخر کر دیئے ہر بنانے والا اور غوطہ لگانے والا اور ان کے علاوہ بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے یہ ہماری بخشش ہے۔

فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

سو آپ احسان کریں یا روک لیں کوئی حساب نہیں، اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے پاس نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ابتلاء اور دُعا، شیاطین کا مسخر ہونا، کاموں میں لگنا، اور زنجیروں میں باندھا جانا

تفسیر: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سلیمان ابن داؤد علیہما السلام نے کہا کہ آج کی رات میں ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا (یعنی ان سے صحبت کروں گا) اُن میں ہر عورت حاملہ ہوگی اور ہر عورت سے ایک شہسوار پیدا ہوگا جو فی سبیل اللہ جہاد کرے گا وہاں جو اُن کے پاس فرشتہ موجود تھا اُس نے کہا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے لیکن انہوں نے (پھر بھی انشاء اللہ نہ کہا اور دل میں جو اعتقاد خالص تھا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہوتا ہے اسی پر اکتفاء کیا) اس کے بعد یہ ہوا کہ ان عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو حمل قرار پایا اُس سے ادھورا بچہ پیدا ہوا جس کا ایک طرف کا دھڑ نہ تھا یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب صحیح و سالم لڑکے پیدا ہوتے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۷ ج ۱)

آیتِ بالا کی تفسیر میں مفسرین کرام نے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ آیت شریفہ میں جو سلیمان علیہ السلام کے امتحان میں ڈالنے کا ذکر ہے اُس سے یہی امتحان مراد ہے کہ انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا تھا اور جو ادھورا بچہ پیدا ہوا تھا اسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر جب اُنہیں اپنی اس لغزش کا احساس ہوا (کہ ان شاء اللہ نہ کہا تھا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور استغفار کیا۔

استغفار بھی کیا اور آئندہ کیلئے اللہ تعالیٰ سے ایسی حکومت اور سلطنت کی دُعاء کی جو ان کے سوا اور کسی کو نہ ملے، دُعاء کے اخیر میں اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ کہا کہ اے اللہ آپ بہت بڑے دینے والے ہیں یہ دُعاء کے آداب میں سے ہے کہ دُعاء کے اول و آخر اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان کی جائیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دُعاء قبول فرمائی پہلے تو گھوڑے ہی قابو میں تھے اب ہوا کو مسخر فرما دیا اور ان کے تابع بنا دیا وہ جہاں جانا چاہتے تھے وہ ہوا انہیں وہاں لے کر چلی جاتی تھی سورۂ سبا میں

فرمایا ہے غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّرَوَاحُھَا شَھْرٌ کہ اس ہوا کا چلنا ایک مہینے کی مسافت تھی اور اس کا شام کا چلنا بھی ایک مہینے کی مسافت تھی، ہوا تیز تو چلتی ہی تھی لیکن نرمی کے ساتھ جاتی تھی اس میں ہلانا جلانا نہیں تھا، اب تو طیاروں کی رفتار نے عام اور خاص سب کو یہ بات بتا دی ہے کہ تیز چلنا اور بیٹھنے والوں کا آرام سے بیٹھے رہنا دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں، سلیمان علیہ السلام کے لئے جس طرح ہوا مسخر کردی گئی تھی جو ان کو لشکروں اور خادموں سمیت حکم کے مطابق لاتی اور لے جاتی تھی اسی طرح اللہ نے شیاطین بھی ان کیلئے مسخر فرمادیئے تھے ان سے وہ عمارتیں بنوانے کا کام لیتے تھے اور انہیں یہ بھی حکم دیتے تھے کہ دریا میں غوطہ لگاؤ اور سمندری چیزیں نکال کر لاؤ نیز ان سے ان کے علاوہ بھی کام لیتے تھے جن کا ذکر سورۂ انبیاء کے چھٹے رکوع میں اور سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے، بہت سے شیاطین ایسے بھی تھے جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیتے تھے یہ قدرت اور قوت اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علی السلام کو دی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو خدمات سپرد کی جاتی تھیں ان میں سے کسی کام کے کرنے میں اگر جنات میں سے کوئی شیطان پہلوتہی یا کوتاہی کرتا تو اسے قید کر کے ڈال دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سلطنت دی، بڑی بڑی چیزیں عطاء فرمائیں، املاک سے اور ملک سے نوازا شیاطین پر قابو دیدیا اور فرمایا کہ ھٰذَا عَطَآءُنَا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے فَامْنُنْ سو اس میں سے کسی کو دے کر احسان کر دو اَوْ اَمْسِکْ یا روکے رکھو یعنی کسی کو کچھ بھی نہ دو تمہیں اختیار ہے تمہیں جو کچھ دیا گیا سب بغیر حساب اور بغیر دار و گیر کے ہے تم اس کے مالک ہو اور آخر میں اسی انعام کا تذکرہ فرمایا جو ان کے والد کیلئے فرمایا تھا وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔

فائدہ: مجموعی حیثیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے حکومت اور سلطنت نصیب فرمائی وہ ان کے بعد کسی کو نہیں ملی انہوں نے جو دُعاء میں لَا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ کہا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعاء کو قبول فرمایا جنات پر تو قابو پالیا جاتا ہے اور مشاہدہ ہے لیکن ہوا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کسی کا تسلط اور قبضہ ہوا ہو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنات میں سے ایک عفریت (بڑا خبیث شیطان) رات کو چھوٹ گیا تھا، (وہ میرے پاس آگیا) تاکہ میری نماز کاٹ دے اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا سو میں نے اسے پکڑ لیا میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھ لو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یاد آگئی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ لہٰذا میں نے اُسے ذلیل کر کے دھکا دے دیا۔ (صحیح البخاری ص ۴۸۷ ج ۱)

معلوم ہوا کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کسی شیطان پر قابو دیدے تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے، اور یہ آپس کے اکرام اور احترام کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قابو کر لینے کے باوجود شیطان کو چھوڑ دیا اور باندھ کر نہ ڈالا تاکہ اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی انفرادی شان میں فرق نہ آجائے جو انہیں مرغوب تھی اور جس کیلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعاء کی تھی۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بیشک مجھے شیطان نے دکھ اور آزار پہنچایا ہے' اپنا پاؤں مارو یہ غسل کرنے کا ٹھنڈا

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی

پانی ہے اور پینے کا' اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ اور ان کے ساتھ ان کے برابر عطاء کئے ہماری رحمت خاصہ کے سبب سے اور عقل والوں کی یادگار کے لئے اور تم اپنے ہاتھ

الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

میں ایک مُٹھا سینکوں کا لےلو اور پھر اسے ماردو اور قسم نہ توڑو' بلاشبہ ہم نے ان کو صابر پایا' اچھے بندے تھے وہ' بیشک وہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور دُعاء اور شفایابی کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء اور امتحان میں ان کے کامیاب ہونے کا ذکر ہے سورۃ الانبیاء رکوع نمبر ۶ میں بھی ان کا یہ تذکرہ گزر چکا ہے قرآن مجید میں ان کے واقعہ کا اجمالی ذکر ہے تفصیلی حالات جاننے کا کوئی راستہ نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے صرف اتنا ثابت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرمارہے تھے سونے کی ٹڈیاں گریں تو انہیں جمع کرنے لگے (جیسا کہ ہم عنقریب ہی پوری حدیث ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ) حضرت اَیوب علیہ السلام کے دکھ تکلیف کے تفصیلی حالات اور مدت ابتلاء اور دیگر اُمور سے متعلق بعض چیزیں حضرت ابن عباس سے اور بعض حضرت قتادہ (تابعیؒ) اور بعض حضرت حسن (تابعیؒ) سے منقول ہیں جنہیں حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے دُرِ منثور میں لکھا ہے لیکن یہ چیزیں اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد کرنے کا کوئی راستہ نہیں [1]۔

قرآن مجید کی تصریحات سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت ایوب علیہ السلام سخت تکلیف میں مبتلا کیے گئے۔

۲۔ شیطان نے انہیں تکلیف پہنچائی۔

۳۔ تکلیف جانی بھی تھی اور مالی بھی۔

۴۔ ان کے اہل وعیال بھی ختم کردیئے گئے تھے۔

۵۔ اس پر انہوں نے بہت صبر کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا نعم العبدُ اچھے بندے تھے ایوب انهٗ اوابٌ (بیشک بہت رجوع کرنیوالے تھے)

اسرائیلی روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند ماہ سخت تکلیف میں مبتلا رہے (فتح الباری میں ۳ سال اور ۱۳ سال اور ۷ سال ذکر کیا ہے اور قول ثانی کو صحیح بتایا ہے (ج ۶ ص ۴۲۲)) مال اور اہل و عیال کچھ بھی پاس نہ رہا تھا جبکہ پہلے طرح طرح کی نعمتوں سے مالامال تھے صرف ان کی بیوی ان کے پاس رہ گئی تھی جوان

---

[1] (واما النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلم یصح عنه انهٗ ذکره بحرف واحد الاقوله بینا ایوب یغتسل اذخر علیه رجل من جراد من ذهب الحدیث واذ الم یصح عنه فیه قران وسنة الا ما ذکرناه فمن الذی یوصل السامع الی أیوب خبرلهٗ ام علی ای لسان سمعه؟ والاسرائیلیات مرفوضةٌ عند العلماء علی البینات، فاعرض عن سطورها بصرک واصمم علی سماعها اذنیک فانها لا تعطی فکرک الاخیالا، ولا تذید فؤادک الاخبالا. (القرطبی ص ۲۱۰ ج ۱۵))

(لیکن حضور اکرم ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک حرف بھی اس بارے میں فرمایا ہو مگر صرف اتنا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نہا رہے تھے تو ان پر ٹڈی کی ایک سونے کی ٹانگ آپڑی پس جب اس بارے میں نہ قرآن سے کوئی ثبوت ہے اور نہ صحیح حدیث سے تو پھر اس بات کی سند حضرت ایوب علیہ السلام تک کیسے پہنچ سکتی ہے یا کون ہے جس نے یہ بات حضرت ایوب علیہ السلام تک کیسے پہنچ سکتی ہے یا کون ہے جس نے یہ بات حضرت ایوب علیہ السلام سے سنی ہو۔ اسرائیلی روایات علماء کے نزدیک دلائل کی محتاج ہیں لہٰذا تم اس قسم کے واقعات کو پڑھنے سے آنکھیں بند کرلو اور ان کے سننے سے کان بھی بند کرلو ان روایات سے تو بس ذہن میں خیال ہی آئیں گے اور دل میں واہیات باتیں پیدا ہوں گی)

کی خدمت کرتی رہتی تھی اس وفادار بیوی کا نام رحمت تھا، انہوں نے جو دُعاء کی تھی اس کے الفاظ سورۃ الانبیاء میں یوں ہیں، اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ، (بیشک مجھے تکلیف پہنچ گئی اور آپ ارحم الراحمین ہیں)

اور سورۂ ص میں یوں ہے اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ (کہ شیطان نے مجھے دکھ پہنچا دیا اور تکلیف پہنچا دی) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ نصب مشقت کے معنی میں آتا ہے اور زیادہ تر کام کاج کی وجہ سے جو تھکن ہو جائے اس کیلئے استعمال ہوتا ہے اور عذاب سے اَلم مراد ہے جیسے سورۃ الانبیاء میں الضر سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ النصب اور الضر سے جسمانی تکلیف اور عذاب سے اہل اور مال ضائع ہونے کی تکلیف مراد ہے۔

جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعاء قبول فرمائی تو فرمایا ارکض برجلک کہ زمین میں اپنا پاؤں مارو، انہوں نے پاؤں مارا تو وہاں سے چشمہ جاری ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (یہ غسل کرنے کی چیز ہے جو ٹھنڈی ہے اور پینے کی چیز ہے) چنانچہ انہوں نے غسل کیا اور پانی پیا جسم درست ہو گیا شفاء کامل حاصل ہو گئی ظاہری اور باطنی طور پر بالکل صحت اور عافیت اور سلامتی والی زندگی مل گئی۔

ان کے اہل و اولاد جو اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے واپس ان کے پاس پہنچا دیئے اور سب کو عیش و عشرت والی زندگی عطا فرما دی۔

پھر ان لوگوں سے آگے نسل چلی اور اتنی زیادہ نسل پھیلی پھولی کہ جس قدر ان کی پہلی نسل کے افراد تھے اسی قدر اللہ تعالیٰ نے مزید افراد پیدا فرما دیئے وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کا ایک مطلب یہی بیان کیا گیا ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میرا میلان بھی اسی طرف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی اولاد لقمہ اجل بن گئی تھی سب مر گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اتنی ہی اولاد دے دی اور اس کے علاوہ مزید اتنی ہی اولاد اور دیدی سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس دن تکلیف پہنچی وہ بدھ کا دن تھا اور جس دن انہیں عافیت ملی وہ منگل کا دن تھا (باب فی ای الایام تحتجم) رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ۔

یہ ہماری طرف سے رحمت خاصہ کے طور پر تھا اور عقل والوں کے لئے ایک یادگار تھی (تاکہ اہلِ عقل یہ سمجھیں اور یاد رکھیں کہ صابرین کو اللہ تعالیٰ کیسی اچھی اچھی جزا عطاء فرماتا ہے) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا (الآیہ) حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے تھے۔ ناراضگی کا کیا سبب تھا اس کے بارے میں تفسیر کی کتابوں میں کئی باتیں لکھی ہوئی ہیں اور ہیں سب اسرائیلی روایات۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیطان معالج کی صورت بنائے ہوئے جا رہا تھا ان کی بیوی نے اس سے کہا کہ میرے شوہر کا علاج کر دے شیطان نے کہا کہ میں علاج تو کر دوں گا مجھے کوئی فیس اور دواء کی قیمت کی ضرورت نہیں ہاں جب تیرا شوہر اچھا ہو جائے تو صرف اتنا کہہ دینا کہ تو نے شفا دی حضرت ایوب علیہ لسلام کی بیوی نے اس کو مان لیا پھر ان سے تذکرہ کیا انہیں یہ بات ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ تو نے شیطان سے یہ وعدہ کر لیا کہ اس کے بارے میں یوں کہہ دیا جائے کہ تو نے شفا دی؟ میں اچھا ہو گیا تو تجھے سو کھچیاں ماروں گا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دیدی تو قسم پورا کرنے کا خیال آیا

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لے لو اور اس کو ایک مرتبہ اپنی بیوی کے جسم میں مار دو جب ایسا کر لو گے تو تمہاری قسم پوری ہو جائے گی اور حانث ہونے سے بچ جاؤ گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خود ہی انہیں یہ عمل بتایا اور یہ فرما دیا کہ تم قسم توڑنے والے نہ بنو اور اس عمل کو قسم پورا ہونے کی جگہ قبول فرما لیا اس لئے' ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی شخص سو کوڑے یا سو قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور اکٹھی سو سینکیں مار کر قسم پوری کرنیوالوں میں شمار ہو جائے اور قسم توڑنے کے گناہ سے بچ جائے جو چیزیں خاص ہوتی ہیں ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس سے قسم پورا کرنے کی ضرورت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی قسم کے ٹوٹ جانے کو بالکل ہی معاف فرما دیتا لیکن بالکل معاف نہیں فرمایا کچھ نہ کچھ ایسا عمل کروا ہی دیا جس سے قسم میں پورا اترنے کی شرعی حیثیت باقی رہے اسی طرح کا ایک واقعہ سنن ابی داؤد شریف میں مذکور ہے جو حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جو بہت ہی زیادہ ضعیف ہو چکا تھا وہ ایک باندی کے ساتھ زنا کر بیٹھا پھر اسے احساس ہوا تو انصار کے جو لوگ اس کی عیادت کرنے گئے انہیں صورت حال بتا دی اور کہا کہ میرے لئے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کرو ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے واقعہ پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ شخص اتنا زیادہ نحیف اور ضعیف ہے کہ صرف ہڈیوں پر کھال رہ گئی ہے اگر ہم اُسے آپ کی خدمت میں لے کر آئیں تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں گی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کی ایک ٹہنی کے سو اجزاء لے لو اور ایک ساتھ سب کو ایک مرتبہ مار دو۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۸)

اس سے بھی وہ ہی بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ وہ شخص زنا کرنے کی وجہ سے سو کوڑوں کی سزا کا مستحق تھا لیکن موت کی سزا کا مستحق نہ تھا اب اسے سو کوڑے مارے جاتے تو مر جاتا اور جان سے مار دینا مقصود نہ تھا اور حد کو بالکل ہی ختم کر دینا بھی شریعت کے مزاج کے خلاف تھا کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (اور اللہ کے دین میں تمہیں رحم نہ پکڑے کہ تم زانی اور زانیہ پر رحم کھا جاؤ) لہٰذا حد کو معطل نہیں فرمایا بلکہ کچھ نہ کچھ سزا دلوا ہی دی تاکہ امت ہوشیار اور بیدار رہے اور حد جاری کرنے میں کسی طرح کی ڈھیل کو برداشت نہ کرے۔

فائدہ: دعا کی قبولیت اور برکات

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے' کیا حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی سخت بیماری کے دنوں میں صحت و عافیت کے لئے دعا نہیں کی! اور اگر کی تھی تو کیوں قبول نہ ہوئی' بات یہ ہے کہ بظاہر حضرت ایوب علیہ السلام دعا سے غافل تو نہ رہے ہوں گے لیکن اللہ جل شانہ کی قضا و قدر میں جب تک انہیں مبتلا رکھنا تھا اس وقت تک ابتلاء باقی رہا اور دعا کا ثواب انہیں ملتا رہا اور آخرت میں درجات کی بلندی کے لئے یہ دعائیں ذخیرہ بنتی رہیں' مومن بندہ کی کوئی دعا ضائع نہیں جاتی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان کوئی دعا کرتا ہے جو گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور تین چیزوں میں سے ایک عطاء فرما دیتا ہے۔

۱۔ جو دعاء کی اس کے مطابق اس دنیا میں جلدی مقصد پورا کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ یا اس دعا کو اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے۔

۳۔ یا اس جیسی آنے والی مصیبت اس سے پھیر دی جاتی ہے (یعنی آنے سے رک جاتی ہے) صحابہ نے عرض کیا بس تو ہم پھر خوب زیادہ دعائیں کریں گے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اللہ (بھی) بہت زیادہ دینے والا ہے۔ (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص ۱۹۶)

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر کے موافق ہوتا ہے

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو تکلیف پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دعا کرنا بھلا دیا تھا' گو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرتے تھے لیکن دعا نہ کرتے تھے اور چونکہ دکھ تکلیف میں اللہ کی رضا سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی رغبت اسی میں تھی کہ تکلیف میں رہوں (بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ نے عافیت کی دُعاء کرنے کی بات کہی تو فرمایا ہم ستر سال عیش و آرام میں رہے اب صبر کرو جب ستر سال تکلیف میں گزر جائیں گے اس کے بعد دُعاء کریں گے۔ (روح المعانی ص ۲۰۷ ج ۲۳)) پھر جب اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف دور کرنا منظور ہوا' تو انہیں دعا کرنے کی توفیق دیدی اور انہیں دعا کرنا یاد آ گیا جب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دُعاء قبول فرمالی اور مال و دولت آل و اولاد جو کچھ جاتا رہا تھا اس کا دوگنا عطا فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ إِنَّا وَجَدْنَٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُۥٓ أَوَّابٌ ۔ (ذکرہ فی الدر المنثور ص ۳۲۸ ج ۴)

بات یہ ہے کہ پورے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے موافق ہوتا ہے دعا بھی اسی وقت مقبول ہوتی ہے جب کامیابی کا وقت آ جاتا ہے اور دوا بھی جب ہی اثر کرتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر میں شفا دینا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے کہ جسے چاہے جتنا آرام دے اور جسے چاہے تکلیف کے ذریعہ آزمائے اور مومن بندوں کے لئے چونکہ تکلیف میں بھی خیر ہی خیر ہے (اس پر ثواب ملتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں) اس لئے ان کے لئے تکلیف میں مبتلا ہونا بھی خیر ہی خیر ہے کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ فلاں شخص دیکھنے میں تو اتنا نیک ہے پھر یہ اتنی بڑی تکلیف میں مبتلا ہوا ہے تو ضرور کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہوا ہوگا۔ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب مصیبت والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام و عافیت والے تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں۔ (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ ص ۱۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنے تکلیف کے دنوں میں دعا کو بھولے رہے اس کی تائید میں حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بات سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ روزانہ صبح و شام تین مرتبہ بسم اللّٰہ الذی لا یضر مع اسمه شئ فی الارض ولا فی السماءِ وھو السمیع العلیم پڑھ لیا

---

[1] (قال العینی فی عمدۃ القاری ج۵ ص ۲۸۲ فان قلت فلم لم یدع اول ما نزل به البلاء قلت لانهٗ علم امر اللّٰه فیه ولاتصرف للعبد مع مولاه اواراد مضاعفة الثواب فلم یسال کشف البلاء)

(علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کے شروع ہی میں دُعاء کیوں نہیں مانگی تو میں کہتا ہوں اس لئے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خیال کیا کہ اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں بندہ کا کوئی تصرف نہیں ہے یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے زیادہ ثواب حاصل کرنے کیلئے شروع ہی میں تکلیف دُور ہونے کی دُعاء نہیں مانگی)

کرے تو اسے کوئی چیز بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی حضرت ابان نے حدیث تو بیان کر دی لیکن ان کے جسم پر ایک جگہ فالج کا اثر تھا جس شخص سے انہوں نے حدیث بیان کی وہ ان کی طرف (تعجب کی نظروں سے) دیکھنے لگا حضرت ابان نے اس کی نظروں کو بھانپ لیا اور فرمایا تم مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟ خوب سمجھ لو بلا شک وشبہ حدیث اسی طرح سے ہے جیسا کہ میں نے بیان کی لیکن بات یہ ہے کہ جس دن مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے میں نے اس دعا کو نہیں پڑھا تھا (یعنی بھول گیا تھا) تا کہ اللہ اپنی تقدیر کے فیصلے کو نافذ فرما دے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۲۰۹)

تکمیل تذکرہ حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ ایوب علیہ السلام (تنہائی میں) ننگے غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ٹڈیاں گر گئیں وہ انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا کہ اے ایوب کیا میں نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تمہارے سامنے جو کچھ ہے اس کی ضرورت نہیں عرض کیا آپ کی عزت کی قسم آپ نے مجھے غنی بنا دیا ہے لیکن میں آپ کی برکت سے بے نیاز نہیں ہوں۔

فتح الباری ۴۲۰ جلد ۶ میں بحوالہ احمد وابن حیان حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت دیدی یعنی ان کا مرض دور فرما دیا تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسا دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹڈیوں کا برسنا مرض سے شفایاب ہونے کے بعد کی بات ہے۔

فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام دکھ وتکلیف میں مبتلا ہوئے تو ہر شخص نے انہیں چھوڑ دیا البتہ ان کے دوستوں میں دو شخص ان کے پاس صبح وشام آنا جانا رکھتے تھے ایک دن ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ضرور ایوب نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے ایسی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی اس مصیبت کو ضرور دور فرما دیتا جس شخص سے یہ بات کہی تھی اس نے ایوب علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کر دیا اس پر وہ رنجیدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی پھر قضاء حاجت کے لئے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو ایک چشمہ جاری ہو گیا جس میں انہوں نے غسل کیا اور بالکل صحیح اور تندرست ہو گئے اب جو ان کی بیوی آئی تو انہیں پہچان نہ سکی اور خود انہی سے دریافت کیا کہ یہاں جو مریض تھا وہ کہاں گیا ایسا تو نہیں کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہو حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی تندرستی دے دی اور ان کی بیوی پر بھی جوانی لوٹا دی یہاں تک کہ اس کے بعد ان سے 26 لڑکے پیدا ہوئے فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے (جن میں کھیتی کاٹنے کے بعد غلہ جمع کیا جاتا ہے) ایک کھلیان گیہوں کا اور دوسرا کھلیان جو کا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے گیہوں والے کھلیان میں اتنا سونا برسایا کہ بہنے لگا اور جو کے کھلیان میں اتنی چاندی برسائی کہ وہ بھی بہہ پڑی۔ فللہ الحمد علی انعامہ۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ

اور یاد کیجئے ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے بیشک ہم نے انہیں ایک خاص بات کیساتھ مخصوص کیا تھا

ذِكْرَى الدَّارِ ۝٤٦ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝٤٧ وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ

جو آخرت کی یاد ہے اور بلاشبہ یہ بندے ہمارے نزدیک انتخاب کردہ اچھے لوگوں میں سے ہیں اور یاد کیجئے اسماعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو، اور یہ سب اچھے لوگوں میں سے تھے۔

مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝٤٨ هٰذَا ذِكْرٌ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ۝٤٩ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝٥٠

یہ ایک نصیحت ہے اور بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانہ ہے، ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان کے لئے دروازے کھلے ہوں گے

مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ۝٥١ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ۝٥٢ هٰذَا مَا

وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں طلب کریں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر بیویاں ہوں گی، یہ وہ ہے

تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝٥٣ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَّفَادٍ ۝٥٤

جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا تھا، بلاشبہ یہ ہمارا رزق ہے جس کو ختم ہونا ہی نہیں۔

حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول چند حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ فرمایا اس کے بعد متقیوں کا انعام بیان فرمایا جو باغوں اور ہم عمر بیویوں اور مطعومات اور مشروبات کی صورت میں دیا جائے گا۔

ارشاد فرمایا کہ ہمارے ان بندوں کو یاد کیجئے یعنی ابراہیم اور ان کے بیٹے اسحٰق اور ان کے بیٹے یعقوب کو یاد کیجئے ان حضرات کی نبوت کا تذکرہ قرآن مجید میں دوسری جگہ آچکا ہے حضرت ابراہیم علیہم السلام کا تذکرہ تو بہت جگہ آیا ہے توحید کی دعوت کے سلسلے میں ان کا تکلیفیں اٹھانا آگ میں ڈالا جانا کافروں اور مشرکوں سے مباحثہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا حکم ملنے پر بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دینا یہ سب گزر چکا ہے۔ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مل کر کعبہ شریف بنایا پھر حج کے لئے لوگوں کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب مکہ والوں میں انہیں میں سے ایسا شخص نبی بنا کر بھیجنا جو آپ کی کتاب پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ یہ بیان بھی پہلے گزر چکا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جو ان کی ملت کا اتباع کرنے کا حکم فرمایا ہے سورۂ بقرہ اور سورۂ نحل اور سورۂ حج میں اس کا بیان بھی گزر چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی آئے سب انہی کی نسل میں سے تھے۔ خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نبی اسماعیل میں سے اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی اسحٰق میں سے تھے جنہیں بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا حضرت اسماعیل اور اسحٰق بڑھاپے میں عطاء کئے گئے تھے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور شکریوں کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ إِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ إِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے بوڑھی عمر میں اسماعیل اور اسحٰق عطاء فرمائے بلاشبہ میرا رب دعا کا سننے والا ہے)

ان حضرات کا ایک خاص وصف أُولِي الْأَيْدِيْ وَالْأَبْصَارِ بیان فرمایا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ ہاتھوں والے تھے اور آنکھوں والے تھے اور اس کا مطلب علماء نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اطاعت اور عبادت کی قوت عطاء

فرمائی اور دینی بصیرت اور تفقہ فی الدین کی نعمت سے نوازا تھا۔ (ذکرہ ابن کثیر)

اس کے بعد انکی ایک اور صفت بیان فرمائی اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (یعنی ہم نے انہیں ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا جو آخرت کی یاد ہے

یہ حضرات خالص آخرت کے کاموں میں اور وہاں کی فکر مندی میں لگے رہتے تھے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت مالک بن دینار سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے نزع اللّٰہ تعالیٰ من قلوبھم حب الدنیا و ذکرھا و اخلصھم بحب الاخرۃ و ذکراھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور اسکی یاد کو نکال دیا اور ان کے دلوں میں خالص آخرت کی محبت ڈال دی اور خالص اسی کے فکر سے آراستہ فرما دیا اور حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کانوا یذکرون الناس الدار الاخرۃ و العمل لھا (یعنی یہ حضرات دوسرے لوگوں کو آخرت یاد دلاتے تھے اور اس کے لئے عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

ان حضرات کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (اور بلاشبہ یہ بندے ہمارے نزدیک منتخب کئے ہوئے تھے اچھے لوگوں میں سے تھے (کیا کہنے اُن بندوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا برگزیدہ بنائے اور اچھے لوگوں میں شمار فرمائے۔

حضرت اسمٰعیل حضرت الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ

ان کے بعد حضرت اسماعیل اور حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سب اچھے بندے تھے' ان حضرات کا تذکرہ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے نیز سورۃ الانعام کے رکوع حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔

هٰذَا ذِكْرٌ یعنی یہ جو کچھ بیان ہوا ایک نصیحت کی چیز ہے جسکو یاد رکھنا چاہئے اور اسکے متضاء پر عمل کرنا چاہئے۔

متقی حضرات کی نعمتوں کا ذکر

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ (اور بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے) پھر اس ٹھکانے کی تفسیر بتائی جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (یعنی ہمیشہ رہنے کے باغیچے ہوں گے جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے) جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے پائیں گے جیسا کہ ان لوگوں کا اکرام اور استقبال کیا جاتا ہے جنہیں مہمانی کے طور پر بلایا جاتا ہے سورۂ زمر میں اسی کو فرمایا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اس کے بعد ان حضرات کے بیٹھنے کا اور میووں کا اور پینے کی چیزیں طلب کرنے کا تذکرہ فرمایا مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ پھر ان کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ (ان کے پاس ایسی بیویاں ہوں گی جو نظریں پست کئے ہوں گی یعنی اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں گی اور وہ ہم عمر بھی ہونگی۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ (ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ انعام واکرام جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ حساب کے دن یعنی قیامت کے روز تمہیں یہ چیزیں دی جائیں گی اہل جنت کو خوش کرنے کے لئے یہ بھی کہا جائے گا کہ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ (بلاشبہ یہ ہمارا رزق ہے جس کے لئے ختم ہونا نہیں ہے یعنی یہ رزق ہمیشہ رہے گا کبھی چھینا نہ جائے گا اور کم نہ ہوگا۔ سورۂ ہود میں فرمایا عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (بخشش ہے جو ختم ہونے والی نہیں ہے) اور اہل ایمان کے لئے فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ بھی فرمایا ہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کٹنے والا یعنی ختم ہونے والا نہیں۔

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾
اس بات کو سمجھ لو اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ برا بچھونا ہے یہ عذاب ہے سو تم اس کو چکھ لو حمیم ہے اور غساق ہے
وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ
اور اس کے سوا اس طرح کی انواع عذاب ہیں یہ جماعت ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہی ہے جن کے لئے کوئی مرحبا نہیں ہے بیشک یہ لوگ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں، وہ کہیں گے بلکہ تم ایسے ہو کہ
لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا
تمہارے لئے مرحبا نہیں ہے تم نے اس کو ہمارے لئے آگے بڑھایا سو یہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی، وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب جس نے اسکو ہمارے آگے کیا اسے دوزخ میں دوگنا
ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا
عذاب بڑھا دیجئے، اور وہ کہیں گے کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم اشرار یعنی برے لوگوں میں شمار کیا کرتے ہیں کیا ہم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا
اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾
یا انکے دیکھنے سے آنکھیں چکرا رہی ہیں؟ بلاشبہ یہ حق ہے دوزخ والوں کا جھگڑنا۔

سرکشوں کا برا انجام، دوزخ میں ایک دوسرے سے بیزار ہونا

تفسیر: اہل سعادت کا اکرام اور انعام بیان کرنے کے بعد فرمایا هٰذَا یعنی یہ بات جو اوپر بیان ہو چکی اس کو محفوظ رکھو اور یاد رکھو اس کے بعد اہل شقاوت کا حال معلوم کرو اور وہ یہ ہے کہ سرکشوں کا برا ٹھکانہ ہوگا یعنی یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے اور برا بچھونا ہے (چونکہ دوزخیوں کے نیچے بھی آگ ہوگی اس لئے اسے برا بچھونا فرمایا) یہ عذاب ہے سو اسے چکھ لو، حمیم ہے اور غساق ہے اور اسی طرح کا مختلف قسم کا عذاب ہے۔ مثلاً ضریع ہے اور زمھریر ہے زقوم ہے اور غسلین ہے، صعود ہے اور مقامع ہیں وغیرہ ذالک حمیم گرم پانی کو کہتے ہیں سورۂ محمد میں فرمایا وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا اور غساق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس ایک ڈول دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والے سڑ جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح از ترمذی ص ۵۰۳) غساق کیا چیز ہے اس کے بارے میں صاحب مرقاۃ (شرح مشکوٰۃ) نے چار قول نقل کئے ہیں۔

۱۔ دوزخیوں کی پیپ اوران کا دھواں مراد ہے

۲ ۔دوزخیوں کے آنسو مراد ہیں

۳۔ زمہریر یعنی دوزخ کا ٹھنڈک والا عذاب مراد ہے

۴۔ غساق سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جاسکے گی' (مگر بھوک کیوجہ سے مجبوراً پینی پڑے گی) بہر حال غساق بہت بری چیز ہے جو بہت ہی زیادہ بدبودار ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْهُ.

اس کے بعد اہل دوزخ کا ایک باہمی مکالمہ نقل فرمایا اور وہ یہ کہ جو لوگ پہلے سے دوزخ میں جاچکے ہوں گے علی التعاقب اس طرح کی بہت سی جماعتیں جانیوالی ہوں گی) تو بعد میں آنے والی جماعت کو دیکھ کر پہلے داخل ہونے والی جماعت کہے گی' یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ عذاب بھگتنے کے واسطے یہیں گھسنے کے لئے آرہی ہے ان کیلئے کوئی مرحبا نہیں یعنی ان کے آنے کی کوئی خوشی نہیں یہ بھی جہنمی ہم بھی ہمیں ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بعد میں آنے والی جماعت جواب میں کہے گی جو دنیا میں پہلی جماعت کی پیروکار تھی اور اس کے بہلانے اور ورغلانے سے کفر اختیار کئے ہوئے تھی) بلکہ تمہارے لئے کوئی مرحبا نہیں ہے تم یہ عذاب ہمارے آگے لائے یعنی تم نے ہمیں کفر پر ڈالا اور جمایا جس کے نتیجے میں ہم یہاں عذاب بھگتنے کے لئے داخل کئے گئے اس کے بعد وہ بعد میں آنے والی جماعت (جو اتباع تھے) اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے متبوعین یعنی بڑوں اور سرداروں کی سزا کے لئے یہ درخواست پیش کریں گے کہ اے ہمارے رب جو شخص ہمارے لئے عذاب کو آگے لایا اسے دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے (یہاں دنیا میں ایک دوسرے سے تعلق بھی رکھتے ہیں چھوٹے لوگ اپنے بڑوں کی بات بھی مانتے ہیں اور ان کے کہنے سے کفر پر جمے رہتے ہیں لیکن جب وہاں دوزخ میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چھوٹے لوگ اپنے سرداروں کے لئے دوہرے عذاب کی درخواست کریں گے۔

اہل دوزخ کو حیرت ہوگی جب اہل ایمان کو اپنے ساتھ نہ دیکھیں گے

اہل دوزخ کہیں گے کہ ہم دنیا میں تھے تو اہل ایمان کو اور خاص کر فقرائے مومنین کو ذلیل سمجھتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے کہ یہ اشرار ہیں یعنی برے لوگ ہیں ان میں کوئی خیر نہیں' اور بعض مرتبہ ان سے یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ تم دوزخ میں جاؤ گے ہم جنتی ہوں گے (جیسا کہ یہود اور نصاریٰ اور اہل ہنود سمجھتے ہیں) لیکن جب یہ کفار دوزخ میں پہنچیں گے اور ادھر اُدھر ڈالیں گے تو انہیں اہل ایمان میں سے کوئی بھی نظر نہ آئے گا نظروں کے سامنے سب کافر ہی ہوں گے اس وقت یوں کہیں گے کیا بات ہے ہم ان آدمیوں کو نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم نے ناحق ان کی ہنسی کر رکھی تھی کہ انہیں دوزخی سمجھتے تھے (اور حقیقت میں وہ ایسے نہ تھے جیسا ہم نے سمجھا تھا) یا یہ بات ہے کہ وہ لوگ یہاں موجود تو ہیں لیکن ہماری آنکھیں چکرا رہی ہیں کہ ان پر نظر نہیں پڑتی اس بات کو یاد کر کے انہیں حیرت بھی ہوگی اور حسرت بھی کہ جن کی ہم نے مذاق بنائی تھی وہ تو یہاں نہ پہنچے اور ہمیں یہاں آنا پڑا۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ (یعنی دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا بالکل سچی بات ہے ایسا ضرور ہوگا)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد ہے قہار ہے وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان سب کا رب ہے

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ ۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى

عزیز ہے غفار ہے آپ فرما دیجئے کہ یہ بڑی خبر ہے تم اس سے اعراض کئے ہوئے ہو مجھے ملأ اعلیٰ کا کچھ علم نہیں ہے جبکہ وہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں

اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

میری طرف تو صرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں

صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے وہ واحد و قہار ہے مالک ارض و سماء ہے عزیز و غفار ہے

تفسیر: ان آیات میں توحید اور رسالت کا اثبات فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان فرمائیں۔ آپ کو خطاب فرمایا کہ اپنے مخاطبین سے فرما دیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں زبردستی کسی سے ایمان قبول کرانے والا نہیں' پھر توحید کی دعوت دی کہ معبود صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات و صفات میں تنہا بھی ہے اور قہار بھی ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے تکوینی طور پر اس کی قضاء اور قدر کے مطابق سب کچھ وجود اور ظہور میں آتا ہے وہ آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی' اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے پروردگارِ عالم جل مجدہٗ کو چھوڑ کر تم جو کسی دوسرے کی عبادت کر رہے ہو یہ حماقت اور ضلالت' پھر یہ بھی سمجھ لو کہ وہ عزیز بھی ہے یعنی غلبہ والا ہے اسے تمہاری گرفت فرمانے اور عذاب دینے پر پوری پوری قدرت ہے' وہ غالب ہے اور سب مغلوب ہیں لیکن اگر تم کفر و شرک سے توبہ کر لو گے تو وہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفار یعنی بہت بڑا بخشنے والا بھی ہے۔

اس کے بعد آپ کی نبوت کی ایک دلیل بیان فرمائی کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں یہ جو کچھ میں نے اپنی رسالت کی خبر دی ہے اور تمہیں یہ بتایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں یہ بہت بڑی خبر ہے تمہیں اس کی طرف متوجہ ہونا لازم تھا لیکن تم اس سے اعراض کر رہے ہو تم یہ تو دیکھو کہ میں جو ملأ اعلیٰ (عالمِ بالا) کی خبریں دیتا ہوں یہ خبریں میرے پاس کہاں سے آ گئیں نہ میں نے پرانی کتابیں پڑھی ہیں نہ اہل کتاب سے میرا میل جول رہا ہے یہ باتیں جو میں بتاتا ہوں جن کی اہل کتاب تصدیق کرتے ہیں اور تمہارے سامنے بھی میری بتائی ہوئی خبروں کا صحیح طور پر ظہور ہوتا رہتا ہے یہ علم مجھے کہاں سے ملا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب مجھے وحی کے ذریعہ سے ملا ہے' اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا فرمایا پھر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس سجدہ کرنے سے منکر ہوا ان باتوں کی جو میں نے خبر دی ہے مجھے ان کا کچھ علم نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں سے یوں فرمانا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں پھر ان کا اس پر سوال اٹھانا پھر آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں چیزوں کے نام بتانے سے عاجز ہو کر سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کہنا (کما

مرّ فی سورۃ البقرۃ وھذا داخل فی الاختصام لأن قولہ تعالیٰ اذ قال ربک للملئکۃ بدل من قولہ تعالیٰ اذ یختصمون کما ذکرہ صاحب الروح) (یہ سب تفصیل مجھے صرف وحی سے معلوم ہوئی ہے اس سے پہلے ان چیزوں کو بالکل نہیں جانتا تھا تم اپنے ہوش کی دوا کرو اور بات کو سمجھو اور میری نبوت کے انکار سے باز آؤ میں دوبارہ واضح طور پر تمہیں بتاتا ہوں کہ میری طرف دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں یہی وحی آئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہی ہوں میری بات نہ مانو گے تو اپنا برا کرو گے میں تم سے زبردستی قبول نہیں کرا سکتا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا

جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں کیچڑ سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں، سو جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو

لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا، سو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اسنے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ

اے ابلیس تجھے کس بات سے کس چیز نے روکا کہ تو اُسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ

مجھے آپ نے آگ سے اور اسے کیچڑ سے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلاشبہ تو مردود ہے اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے

اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوْمِ

ابلیس نے کہا اے میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک وقت معلوم کے دن تک

الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ

تجھے مہلت دی گئی، ابلیس نے کہا سو آپ کی عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾

میں سچ کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں۔ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے ضرور بھر دوں گا جو تیرے پیچھے چلیں گے۔

ابلیس کی حکم عدولی اور سرتابی، حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے مستحق لعنت ہونا اور بنی آدم کو ورغلانے کی قسم کھانا

تفسیر: ان آیات میں تخلیق آدم اور پھر فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم اور ان کے سجدہ کرنے کا واقعہ اور ابلیس کے انکار کا تذکرہ فرمایا ہے یہ مضمون سورۂ بقرہ رکوع ۴ اور سورۂ اعراف رکوع ۲ اور سورۂ حجر رکوع ۳ اور سورۂ الاسراء رکوع ۶

میں بھی گزر چکا ہے وہاں جو ہم نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کرلی جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں طین یعنی کیچڑ سے ایک بشر کو پیدا کروں گا جب میں اسے پیدا کردوں اور پوری طرح بنادوں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

اس میں لفظ بشر فرمایا ہے جس کا معنی ہے ایسی کھال والی چیز بالوں سے چھپی ہوئی نہ ہو دوسرے حیوانات ہیں ان کے جسم پر بال ہوتے ہیں جن سے ان کا بدن ڈھکا ہوتا ہے لیکن انسان کے سر اور اس کی ڈاڑھی کے علاوہ اور کسی جگہ پر عام طور سے بڑے بڑے بال نہیں ہوتے کپڑا نہ پہنے تو کھال نظر آتی اور بعض جگہ جو بال نکل آتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں ان کے صاف کرنے کا حکم دیا گیا البتہ داڑھی رکھنا واجب ہے پھر جب جنت میں جائیں گے تو وہاں مردوں کے بھی ڈاڑھی نہ ہوگی وہاں بشر ہونے کا پورا پورا مظاہرہ ہو جائے گا یہاں کیچڑ سے پیدا فرمانے کا ذکر ہے اور سورۂ الانعام میں لفظ تراب وارد ہوا ہے اور سورۂ حجر میں صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی کالی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا اور سورۃ الرحمٰن میں فرمایا من صلصالٍ کالفخار کہ ہم نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی تھی ان آیات میں آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کئے جانے کے تدریجی حالات بتائے ہیں مختلف جگہوں سے مٹی جمع کی گئی پھر اس میں پانی ڈال دیا تو کیچڑ بن گئی اور عرصہ تک اسی طرح پڑے رہنے کی وجہ سے سیاہ اور بدبودار ہو گئی پھر جب پتلا بنا دیا گیا تو وہ پڑے پڑے سوکھ گیا اور ایسا ہو گیا کہ اگر اس پر انگلی ماری جائے بجنے لگے جیسے مٹی سے بنائے ہوئے برتن انگلیاں مارنے سے بجتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ جب میں اس بشر کو پیدا کردوں اور پوری طرح اس کا مجسمہ بنادوں پھر اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنا (اس کی تعظیم کے لئے سجدہ میں گر جانا) فرشتوں نے حکم کے مطابق اس بشر کو جن کا نام پہلے سے آدم تجویز کر دیا گیا تھا تعظیمی سجدہ کرلیا ابلیس بھی وہیں رہتا تھا اسے بھی حکم تھا کہ اس نئی مخلوق یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے وہ سجدہ کرنے سے منکر ہو گیا سورۃ الکہف میں فرمایا ہے كَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ (وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ (کہ اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے یہ بات تھی کہ وہ کفر اختیار کرلے گا کافروں میں سے ہو جائیگا اور سورۃ الاعراف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا (معلوم ہوا کہ وہ بھی عمومی حکم میں شامل تھا یا اسے خطاب فرما کر مستقل طور پر بھی حکم دیا تھا یہاں سورۂ ص میں فرمایا قَالَ يٰۤاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ (کہ اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو اس چیز کو سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا) علماء نے فرمایا کہ ہاتھوں سے پیدا کرنا جو فرمایا اس سے معنی مجازی مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور اعضاء سے پاک ہے اور یہ فرمانا کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اس کی اہمیت بتانے کے لئے ہے جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے اس کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بنایا یہ اہل تاویل کا قول ہے اور سلف کا فرمانا یہ ہے کہ ہم تاویل نہیں کرتے اور یدین (دونوں ہاتھ) کا جو مطلب ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوض کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو یدین کا مطلب ہے جو

اس کی شان کے لائق ہے ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں اس طرح یہ جو فرمایا کہ جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں اس کے بارے میں بعض حضرات نے تاویل کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب میں اس میں جان ڈال دوں گا تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم تاویل نہیں کرتے اس پر ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اس کا مطلب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے ہم اسے مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ابلیس سے فرمایا اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے) یعنی کیا تو غرور میں آ گیا اور واقع میں بڑا نہیں ہے یا کہ تو واقع میں ایسے بڑے درجہ والوں میں سے ہے جس کو سجدہ کا حکم کرنا زیبا نہیں۔

ابلیس نے کہا کہ یہ شق ثانی ہی واقع ہے یعنی اس کو سجدہ کرنا میری شان کے لائق نہیں ہے (جس کی وجہ یہ ہے کہ) مجھے آپ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور اسے کیچڑ سے پیدا فرمایا ہے۔ (لہٰذا میں اس سے بہتر ہوا اور مجھے یہ حکم دینا کہ اسے سجدہ کروں میری شان کے خلاف ہے) اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلاشک تو مردود ہو گیا اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے (اور جس پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی وہ اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کما قال اللّٰہ تعالیٰ شانہٗ فاذن مؤذن بینھم ان لعنة اللّٰه علی الظٰلمین (ابلیس کو تکبر کھا گیا۔ ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے اور معافی مانگنے کے لئے تیار نہ ہوا بلکہ اس نے لمبی عمر ہونے کی درخواست کر دی اور یوں کہا کہ اے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے (یعنی قبروں سے نکلیں گے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے نفخہ ثانیہ کا وقت مراد ہے مطلب ابلیس ملعون کا یہ تھا کہ مجھے لمبی زندگی دیدی جائے اور اتنی لمبی ہو کہ قیامت پر ہی ختم ہو۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے ایک وقت تک مہلت دے دی گئی اب تو اس نے اپنے نفس میں جو بات چھپا رکھی تھی وہ ظاہر کر دی اور کہنے لگا کہ اے رب آپ کی عزت کی قسم میں ان لوگوں کو (جو اس نئی مخلوق کی نسل میں ہونگے (سب کو بہکاؤں گا کفر پر اور آپ کی نافرمانیوں پر ڈالوں گا اور برے کاموں کو اچھا بتاؤں گا مگر جن لوگوں کو آپ نے اپنی اطاعت کے لئے چن لیا اور میرے بہکانے سے بچا دیا ان پر میرا بس نہ چلے گا۔

ابلیس چونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ہوا تھا اس لئے اس نے ان سے اور ان کی اولاد سے انتقام اور بدلہ لینے کا فیصلہ کیا حالانکہ حماقت اس کی تھی رب العلمین جل مجدہٗ کے حکم سے سرتابی کی ملعون ہونے کا کام خود کیا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کیا اس کے حکم کو غلط بتایا اور ٹھان لی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے بدلہ لینے کی چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لئے پیدا فرمایا ہے اس لئے ابلیس کو لمبی زندگی بھی دیدی اور بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرنے کا موقع بھی دیدیا اور انسانوں کو بتا دیا کہ یہ اور اس کی ذریت تمہارے دشمن ہیں تم ان سے چوکنے رہنا' ان

---

[1] (وفی تفسیر القرطبی اراد الملعون ان لایموت فلم یُجب اِلٰی ذٰلک و اُخِر الی الوقت المعلوم وھو یوم یموت الخلق فیه فاخر الیه تھاوناً به (ص ۲۲۹ ج ۱۵)

(تفسیر قرطبی میں ہے کہ شیطان کی خواہش تو یہ تھی کہ اسے موت ہی نہ آئے لیکن اس کی یہ خواہش قبول نہیں ہوئی اور اسے وقت معلوم یعنی تمام مخلوق کی موت کے دن (نفخہ ثانیہ) تک اسے مہلت دینے کیلئے اس کی موت مؤخر کی گئی)

کے بہکاوے میں نہ آنا اور خیر اور شر کے دونوں راستے بتا دیئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے پھر ان کے خلفاء کے ذریعے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جو شخص شیاطین کی باتوں میں آئے گا راہ حق چھوڑے گا وہ اپنی بربادی کا خود ذمہ دار بنے گا۔

ابلیس اور اس کے متبعین سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا

جب ابلیس نے کہا کہ میں بنی آدم کو ورغلاؤں گا اور بہکاؤں گا اور راہ حق سے ہٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں سچ ہی کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں (تو اپنی اور اپنے پیچھے چلنے والوں کی سزا ابھی سے سن لے) میں تجھ سے اور جو لوگ ان میں تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا' یہ بات اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بھی فرما دی اور جب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو زمین پر بھیجا جانے لگا اس وقت ان کو خطاب کر کے صاف صاف بتا دیا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے سو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا ان لوگوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: ابلیس نے جو مہلت مانگی تھی اس میں یوں کہا تھا کہ مجھے اس دن تک مہلت دی جائے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تجھے وقت معلوم تک مہلت ہے' یہ وقت معلوم اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے جب تک ابلیس کی موت کا وقت مقرر نہ آجائے وہ زندہ رہے گا اور کفر پر مرے گا اور دوزخ میں جائے گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ
آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں' یہ تو صرف جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور کچھ عرصہ کے بعد تم
نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ۝
اس کا حال ضرور جان لو گے۔

دعوت حق پر کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں

تفسیر: رسول اللہ ﷺ لوگوں کو قرآن مجید سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے تو لوگوں کو ناگوار ہوتا تھا آپ کی تکذیب کرتے تھے معجزات دیکھ کر بھی حق قبول نہیں کرتے تھے' انہیں ایک اور طریقہ سے سمجھایا اور فکر کی دعوت دی ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں تم سے قرآن کی باتیں سنانے پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا یہ بات تم پر واضح ہے اب تمہیں خود غور کرنا چاہئے کہ جس شخص کو ہم سے کوئی دنیاوی غرض نہیں کسی طرح کے مال ومتاع کا طالب نہیں یہ بار بار ہمیں

تبلیغ کیوں کرتا ہے ظاہر ہے کہ جب اسے کوئی مطلب نہیں ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف اسے دعوت تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے اور آپ ان سے یہ بھی فرمادیں کہ میں تکلف والوں میں سے نہیں ہوں یعنی ایسا نہیں ہے کہ میں نے بناوٹ کی راہ سے نبوت کا دعویٰ کردیا ہو اور غیر قرآن کو قرآن کہہ دیا ہو یہ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے تم اسے نہ مانو گے تو اپنا برا کرو گے اور عنقریب موت کے بعد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ حق تھا اور اس کا انکار کرنا باطل کام تھا لیکن اُس وقت معلوم ہونا فائدہ نہ دے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بَعْدَ حِيْنٍ سے یوم بدر مراد ہے یعنی اس دنیا میں تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ قرآن حق ہے اور اس کا انکار کرنے والے باطل پر ہیں۔

فائدہ:۔ آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ آپ ان سے فرمادیں کہ میں تم سے اپنی محنت اور دعوت پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اس میں تمام مبلغین اور داعی حضرات کو یہ بتادیا کہ دعوت الی الخیر کا کام محض اللہ کی رضا کے لئے کریں مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ ہوں اور امیدوار بھی نہ ہوں اور وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میں یہ بتادیا کہ اہل ایمان اور خاص کر اہل علم تکلف کو اختیار نہ کریں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جسے کوئی چیز معلوم ہو وہ بتادے اور جسے علم نہ ہو وہ کہہ دے کہ اللہ کو معلوم (بغیر علم کے کوئی چیز نہ بتائے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ مجھے علم ہے کیونکہ اس میں تصنع اور تکلف ہے جو جھوٹ کی ایک قسم ہے) جو چیز نہ جانے اس کے نہ جاننے کا اقرار کرلینا اور یہ کہہ دینا کہ اللہ کو معلوم ہے یہ بھی علم کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (صحیح بخاری ۷۱۰ جلد دوم)

بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہوتا اپنے نام کے ساتھ مفتی یا مولانا کا لفظ لگا لیتے ہیں یا ممتاز عالم دین کا لقب اختیار کرکے اخبارات میں اپنا نام اُچھالتے رہتے ہیں پھر جب اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے یا کوئی حدیث دریافت کی جاتی ہے تو یوں کہنا کہ مجھے معلوم نہیں اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ بتادیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے آیت بالا میں تنبیہ ہے۔ بہت سی باتیں جو حق اور حقیقت سے دور ہوتی ہیں جو تصنع جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں مومن آدمی کو ان سب سے بچنا لازم ہے۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میری ایک سوتن یعنی شوہر کی دوسری بیوی ہے کیا مجھے اس بات پر گناہ ہوگا کہ میں جھوٹ موٹ اس پر یہ ظاہر کروں کہ مجھے شوہر نے یہ دیا اور وہ دیا اور حقیقت میں نہیں دیا (تاکہ اسے جلن ہو) آپ نے فرمایا جسے کوئی چیز نہیں دی گئی اگر وہ جھوٹ موٹ یہ ظاہر کرے کہ مجھے دی گئی ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص جھوٹ کے کپڑے پہن لے۔

وقد تم تفسیر سورة ص فی شهر ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ والحمد لله الهاد الی سبیل الرشاد والصلوٰة علی نبیه سید العباد وعلی اله وصحبه و من تبعهم باحسان الی یوم المعاد.

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ زمر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیات اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت ہی رحم والا ہے﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ کی طرف سے جو غلبہ والا ہے حکمت والا ہے۔ بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی

الدِّيْنَ ۝٢ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ

سو آپ اللہ کی عبادت کیجئے اس طرح سے کہ اسی کیلئے دین خالص ہو خبردار اللہ ہی کے لئے دین خالص ہے اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ شرکاء بنا لئے وہ کہتے ہیں

اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ

کہ ہم ان کی عبادت صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا زیادہ مقرب بنادیں۔ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں بلاشبہ اللہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیگا بلاشبہ اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا

كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝٣ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ

جو جھوٹا ہو کافر ہو اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو جسے چاہتا اپنی مخلوق میں سے منتخب فرما لیتا وہ پاک ہے وہ اللہ ہے،

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٤ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

تنہا ہے، زبردست ہے اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝٥ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک جاری ہے، خبردار وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا

وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ

پھر اسی سے اس کا جوڑ بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ قسم کے جوڑے بنائے وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا فرماتا ہے

اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

ایک پیدائش دوسری پیدائش کے بعد ہوتی ہے تین اندھیروں میں۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے اسی کے لئے ملک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝٦

سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو۔

اللہ واحد ہے قہار ہے عزیز ہے غفار ہے، اس نے چاند سورج کو مسخر فرمایا انسان کو تین اندھیریوں میں پیدا فرمایا

تفسیر: یہاں سے سورۂ زمر شروع ہو رہی ہے اوپر سات آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے ان آیات میں انزال قرآن اور اثباتِ توحید اور شرک کی تردید فرمائی ہے اور اللہ جل شانہٗ کی شانِ خالقیت کو بیان فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو عزیز یعنی عزت اور غلبہ والا ہے اور حکیم یعنی حکمت والا ہے پھر غیبوبت سے تکلم کی طرف التفات فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے لہٰذا آپ اپنے دین کو یعنی اعتقاد کو اللہ ہی کے لئے خالص رکھتے ہوئے اللہ ہی کی عبادت کیجئے اس میں بظاہر آپ کو خطاب ہے اور اسی کے ذیل میں دوسرے بندوں سے بھی خطاب ہو گیا جب آپ پر لازم ہے کہ توحید پر جمے رہیں تو دوسروں پر توحید اختیار کرنا کیونکر فرض نہ ہوگا، پھر خطاب عام فرمایا اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ خبردار دین خالص اللہ ہی کے لئے (یعنی سب بندوں پر فرض ہے کہ موحد بنے رہیں)

اس کے بعد مشرکین کی ایک بڑی گمراہی اور ان کے جھوٹے دعوے کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں یعنی شرکاء تجویز کر رکھے ہیں وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے یعنی ہماری عبادات کو اللہ کے حضور میں پیش کر دیں گے یا ہماری حاجت روائی کے لئے سفارش کر دیں گے بات یہ ہے کہ شیطان بڑا چالاک ہے گمراہ کرنے میں ماہر ہے اس سلسلہ کے داؤ پیچ خوب جانتا ہے جب لوگوں کو شرک پر ڈالا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے داعیوں نے توحید کی طرف بلایا اور شرک کی برائی بیان کی تو مشرکین کی سمجھ میں کچھ بات آنے لگی لہٰذا شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھا دی کہ تمہارا یہ غیر اللہ کی عبادت کرنا توحید کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ توحید ہی کی ایک صورت ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں جب تک کوئی واسطہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی تک تم کہاں پہنچ سکتے ہو اللہ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو یہ تو وسائط ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کر دیں گے لہٰذا یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہوئی اور اس کی ذات عالی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوا، دیکھو دنیا میں چھوٹے موٹے وزیروں سے کام لینا ہو تو سفارش کی ضرورت پڑتی ہے جب بلا واسطہ مخلوق تک بات نہیں پہنچ سکتی تو خالق تعالیٰ کی ذات عالی تک بلا واسطہ تمہاری پہنچ کیسے ہو سکتی ہے شیطان کی یہ بات مشرکین کے دلوں میں اتر گئی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شرک کو چھوڑ و اللہ کی عبادت کرو تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں گے جو قومیں فرشتوں کو جنات کو بتوں کو پوجتی ہیں اور ان کے علاوہ جو قبر پرست ہیں، یہی بات کہتے ہیں کہ ہم جو ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کی نیازیں مانتے ہیں یہ کوئی توحید کیخلاف نہیں یہ قبر والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر کے ہمیں بخشوا دیں گے انہیں شرک بھاتا ہے جو دوزخ میں لے جانے والا ہے اور توحید کی بات بُری لگتی ہے الا ساء ما یحکمون اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا ان اللّٰہ یحکم بینھم فیما ھم فیہ یختلفون۔ (کہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا) دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی حق اور باطل کا فیصلہ فرما دیا ہے قیامت کے روز عملی طور پر فیصلہ فرمادے گا کہ اہل حق کو جنت میں اور کفر و شرک والوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔

پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (کہ بلاشبہ اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو اور کافر ہو) ہدایت کی دو صورتیں ہیں ایک ہدایت کا راستہ بتا دینا وہ تو سبھی کے لئے ہے اور ایک حق قبول کرنے کی حد تک پہنچا دینا یہ ہدایت ان لوگوں کو نہیں ہوتی جن میں عناد ہو اقوال کفریہ اور عقائد کفریہ پر اصرار ہو اور حق کی طلب نہ ہو یہاں وہی ہدایت مراد ہے جسے علمی زبان میں ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے بعد ان لوگوں کی تردید فرمائی جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ (اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب فرمالیتا لیکن اولاد ہونا اس کے لئے عیب ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو وہ بالکل ہی یکتا ہے اور قہار ہے یعنی غلبہ والا ہے اسے کسی کی ضرورت اور حاجت نہیں ہیں عموماً مخلوق اس لئے اولاد کی آرزو کرتی ہے کہ آڑے وقت میں اور بڑھاپے میں کام آئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں نہ اس میں کبھی ضعف آئے گا اسے نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ کبھی ضرورت ہوگی کوئی اس کے مماثل اور مجانس نہیں ہے غیر جنس اولاد ہونا یوں بھی نامعقول بات ہے وہ واحد ہے واحد لاشریک ہے اس کے لئے اولاد نہیں ہو سکتی۔

پھر لیل و نہار اور شمس و قمر کا تذکرہ فرمایا اس میں بھی شان خالقیت کا مظاہرہ ہے ارشاد فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ دن کو رات پر اور رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے یعنی دن کی روشنی کو رات چھپا دیتی ہے اور رات کی اندھیری کو دن چھپا دیتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرما دیا یعنی کام میں لگا دیا ان دونوں کو جس کام میں لگایا ہے اس میں لگے ہوئے ہیں ان کا کام بھی مقرر ہے اور ان کی اجل بھی مقرر ہے مقررہ اجل تک چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے پھر جب خالق جل مجدہ کا حکم ہوگا تو بے نور کر دیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ عزیز ہے غلبہ والا ہے اس کی مشیت اور ارادہ اور تکوین کے خلاف کوئی نہیں چل سکتا وہ غفار بھی ہے جو لوگ منکر ہیں اگر وہ انکار سے توبہ کرلیں اور مومن ہو جائیں تو انہیں بخش دیگا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اتنے لوگوں کو اور اتنے گناہوں کو کیسے بخش دیگا جو شخص ایسا سوال اٹھائے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی صفت الغفّار بیان فرمادی کہ وہ بڑا غفار ہے بڑا بخشنے والا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اللہ نے تمہیں ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا) ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا پھر اسی جان سے ان کا جوڑا بنا دیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اُنسیت کے لئے حضرت حواء کو پیدا فرمایا ان کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے فرمادی اور دونوں کی نسل دنیا میں پھیلادی جو کروڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ قسمیں پیدا فرمادی ہیں آٹھ قسموں سے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری کے جوڑے نر اور مادہ مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانعام میں آٹھوں قسموں کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ (وہ ماؤں کے پیٹ میں تمہاری ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش فرماتا ہے) یعنی نطفہ کو عَلَقَه یعنی جما ہوا خون لوتھڑے کی شکل میں بنا دیتا ہے پھر اسے مُضْغَة یعنی بوٹی بنا دیتا ہے پھر اس کو ہڈیاں بنا دیتا ہے پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتا ہے۔

فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ (یہ ساری تخلیق تین اندھیروں میں ہوتی ہے) ایک اندھیری ماں کے پیٹ کی دوسری رحم کی تیسری اس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم کامل پر دلالت کرتا ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ (یہ ہے اللہ تمہارا رب) لَهُ الْمُلْكُ ؕ (اسی کی سلطنت ہے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں) فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (سو تم کہاں پھرے جارہے ہو) حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف رخ کئے ہوئے ہو خالق کائنات جل مجدہ کی توحید سے منہ موڑ کر شرک میں مبتلا ہو رہے ہو جس نے تمہیں تین تاریک کوٹھریوں میں پیدا فرمایا اس کی توحید سے منہ موڑ کر غیروں کو لائق عبادت سمجھنا کیا یہ تمہاری حماقت نہیں ہے؟

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا
اگر تم کفر کرو سو بلاشبہ اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں فرماتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند فرماتا ہے اور کوئی
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔ سو وہ تمہیں تمہارے سب اعمال جتادے گا بلاشبہ وہ سینوں
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کفر سے راضی نہیں، شکر اسے محبوب ہے

تفسیر: گذشتہ آیات میں توحید کی دعوت تھی اور شرک اور کفر اختیار کرنیوالوں کی حماقت اور ضلالت بیان فرمائی تھی اگر کسی کو یہ وہم اور وسوسہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے موحد ہونے کی یا اس کی عبادت کرنے کی ضرورت ہے تو اس وہم اور وسوسہ کو دور فرمادیا کہ اگر تم کفر اختیار کرو اور اسی پر جمے رہو تو اللہ تعالیٰ کے کمالات میں کوئی کمی نہیں آئے گی وہ تم سے بے نیاز ہے تمہارا حاجت مند نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی ہے اگر کوئی شخص کافر ہوگا تو وہ اس کے کفر کی سزا دے گا اور اگر تم شکر کرو گے اس پر ایمان لاؤ گے اس کی توحید کے قائل ہو گے اور دل سے مانو گے تو وہ اس کی قدردانی فرمائے گا جس پر انعامات دے گا کفر میں تمہارا ہی نقصان ہے اور ایمان لانے میں تمہارا ہی نفع ہے۔

اور یہ جو تم کفر اختیار کرتے ہوئے اپنے سرداروں کی بہکاوے میں آتے ہو اس بارے میں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمارے کفر کا وبال ان ہی لوگوں پر پڑے گا اور ہمارا مواخذہ نہ ہوگا اس بات کو واضح کرنے کے لئے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ (کوئی جان کسی جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی) ہر شخص کو اپنے کفر کی سزا دائمی عذاب کی صورت میں بھگتنی ہوگی۔

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ تمہارے اعمال سے آگاہ فرمادے گا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے اعمال کی پیشی نہ ہوگی یا یہ کہ میرے اعمال وجود میں آکر معدوم ہو جائیں گے تو کیونکر پیش ہوں گے بات یہ ہے کہ جس نے پیدا فرمایا ہے جان دی ہے اسے تمہارے سب کاموں کا علم ہے اور نہ صرف ظاہری اعمال کا علم ہے بلکہ دلوں کی باتوں تک کا اسے علم ہے وہ تمہیں بتادے گا اور جتادے گا کہ تم نے یہ یہ اعمال کئے ہیں لہٰذا وہاں کی پیشی کے لئے تیار رہو ایمان لاؤ اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو کر پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے

مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ

جس کیلئے پہلے پکار رہا تھا اور اللہ کے لئے شریک تجویز کرنے لگتا ہے تا کہ اس کی راہ سے گمراہ کرے آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر کے ذریعہ تھوڑا سا نفع حاصل کر لے بلاشبہ تو دوزخ والوں

النَّارِ ۞ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ

میں سے ہے، کیا وہ شخص جو رات کے اوقات میں عبادت میں لگا ہوا ہے حالت سجدہ میں اور حالت قیام میں آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے، آپ فرما دیجئے کیا

يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞

وہ لوگ برابر ہیں جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں، عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تکلیف پہنچتی ہے تو انسان اپنے رب کو توجہ کے ساتھ پکارتا ہے اور نعمت کے زمانہ میں دعاؤں کو بھول جاتا ہے

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں انسان کا مزاج بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچ جائے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے پکارنا شروع کر دیتا ہے دعا پر دعا کرتا چلا جاتا ہے جو دوسرے معبود بنائے ہوئے رہتا ہے ان سب کو یکسر بھول جاتا ہے اور خالص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان جھوٹے معبودوں سے کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس حاجت و ضرورت کو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے اللہ سے دعا مانگی تھی اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرنے لگتا ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور اللہ کی راہ سے ہٹاتا ہے سورۃ العنکبوت میں فرمایا فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۞ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (سو جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ ان نعمتوں کی ناقدری کریں جو ہم نے انہیں دی اور تا کہ نفع حاصل کر لیں، سو عنقریب جان لیں گے۔

ارشاد فرمایا قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا (آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر کے ذریعہ تھوڑا سا نفع حاصل کر لے اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ (بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے) اس میں ان لوگوں کو تنبیہ فرما دی جو کفر کو اس لئے نہیں چھوڑتے کہ اس سے دنیا کے قلیل اور کثیر فوائد اور منافع وابستہ ہوتے ہیں کوئی اقتدار کی کرسی کی وجہ سے اور کوئی جائداد باقی رکھنے کے لئے اور کوئی اعزہ و اقرباء کے تعلقات کے پیش نظر کفر پر جما ہوا ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دنیا کا تھوڑا سا نفع ہے دوزخ کے دائمی عذاب کے سامنے ان چیزوں کی کچھ بھی حیثیت نہیں، دوزخ کی آگ بہت بڑا عذاب ہے اگر کسی سے یوں کہا جائے

کہ دنیا والی آگ کو پانچ منٹ ہاتھ میں لے لو اور اس کے عوض بادشاہ یا وزیر یا بہت بڑے جاگیردار بن جاؤ تو اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتا عجیب بات ہے کہ دوزخ کے دائمی عذاب کے لئے تیار ہیں اور حقیر دنیا کا نقصان گوارا نہیں جو تھوڑی ہے اور تھوڑی مدت کے لئے ہے اگرچہ دیکھنے میں بہت زیادہ معلوم ہوتی ہو۔

صالحین کی صفات

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس طرح رات گزارتا ہو کہ اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے کبھی سجدہ میں کبھی کھڑا ہوا ہے جو آخرت کے مواخذہ سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو کافر ہو گناہوں میں لگا ہوا ہو۔ (یہ بطورِ استفہام انکاری ہے) مطلب یہ ہے کہ عبادت گزار شخص جو راتوں رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے جو آخرت سے ڈرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے یہ شخص اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان کافر بندہ برابر نہیں ہو سکتے' بلکہ مومن صالح اور مسلم فاسق بھی برابر نہیں ہو سکتے جیسا کہ سورۂ صٓ میں فرمایا: أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ پھر فرمایا: **قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون** ۔ (آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟) یعنی برابر نہیں ہو سکتے' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اہلِ علم ہیں جن کے علم نے انہیں ایمان کی روشنی دکھائی ہے' جس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول کیا اور عبادت میں لگے اور جو لوگ جاہل ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں جانتے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے نہ جہل علم کے برابر ہے نہ جاہل عالم کے برابر ہے اور نہ دونوں کا رتبہ برابر ہے جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو اہل علم اصحاب ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (جو لوگ عقل والے ہیں وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) جن لوگوں کو عقل نہیں یا عقل بے جا استعمال کرتے ہیں وہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے قرآن سنتے ہیں قرآن کی دعوت اور اس کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے' بے شمار آدمی ایسے ہیں جو دنیاوی کاموں میں بہت آگے آگے ہیں نئی نئی مصنوعات ایجاد کرتے ہیں انسان کی ترقی کے لئے بہت کچھ سوچتے ہیں طرح طرح کی مشینری مارکیٹ میں لاتے ہیں سائنس اور جغرافیہ کی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں لیکن کافر و مشرک ہیں اپنے خالق کو نہیں پہچانتے بہت سے لوگ تو خالق تعالیٰ شانہ کے وجود ہی کو نہیں مانتے اور جو مانتے ہیں وہ مشرک ہیں اس کے لئے اولاد بھی تجویز کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں یہ عقلمندی بے کار ہے ایسے لوگوں کے عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں ایسی عقل کا کیا فائدہ جو دوزخ میں لے جائے۔

نمازِ تہجد کی فضیلت

آیت کریمہ سے نمازِ تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو رات کے درمیانی حصے میں پڑھی جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے اشراف (یعنی شرافت والے) وہ لوگ ہیں جو

حاملین قرآن ہیں راتوں کو نمازیں پڑھنے والے ہیں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے کسی نے عرض کیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں (گناہوں سے وہ لغزشیں مراد ہیں جن کی خطاء اجتہادی طور پر صادر ہو) آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں (رواہ البخاری) یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کا تقاضا تو یہ ہے کہ اور زیادہ عبادت گزار ہونا چاہئے نہ کہ تھوڑی عبادت پر اکتفا کیا جائے یحذر الآخرۃ ویرجوا رحمۃ ربہ سے معلوم ہوا کہ خوف اور امید ساتھ ساتھ ہونا چاہئے یہ مومن کی صفات میں سورۃ الانبیاء میں چند حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (یہ سب نیک کاموں میں ڈرتے تھے اور امید وبیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے) اور سورۂ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں) ان دونوں آیتوں سے بھی معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں بھی لگے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے امید بھی رکھے ڈرتا بھی رہے۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور عباد صالحین کا طریقہ ہے عمل نہ کرنا اور خالی امید رکھنا یہ ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے یہ ان کی موت کا وقت تھا آپ نے فرمایا کہ تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو عرض کیا کہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں پر مواخذہ ہونے سے ڈرتا ہوں آں حضرت ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا اس جیسے موقعہ میں (یعنی موت کے وقت) جس کسی بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں گی اللہ اس کی امید کے مطابق ضرور اسے (انعام) عطا فرمائے گا اور وہ جس چیز سے ڈر رہا ہے اس سے امن وامان میں رکھے گا۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ

آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے اپنے رب سے ڈرو یہی بات ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کئے ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین

وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ

فراخ ہے صبر کرنیوالوں کو ان کا پورا اجر بغیر حساب دیا جائے گا' آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا کہ اس طرح اللہ کی عبادت کروں کہ عبادت اسی کے لئے

الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

خالص ہو اور مجھے حکم ہوا کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں' آپ فرما دیجئے کہ بیشک میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں' اس طرح سے کہ میری

عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

عبادت اسی کے لئے خالص ہے سو اسے چھوڑ کر تم جس کی چاہو عبادت کرو' آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ نقصان میں پڑنے والے وہی لوگ ہیں

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ

جو قیامت کے دن اپنی جانوں سے اور اپنے اہل وعیال سے خسارہ میں پڑ گئے خبردار یہ صریح خسارہ ہے' ان کے لئے ان کے اوپر سے آگ کے شعلے ہوں گے اور ان

النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۚ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

کے نیچے سے بھی شعلے ہوں گے، یہ وہ بات ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو سو تم مجھ سے ڈرو، اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا کہ شیطان کی

اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ

عبادت کریں اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے ان کے لئے خوشخبری ہے۔ سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی سے

اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ

اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی وہ لوگ ہیں جو عقل والے ہیں، سو جس شخص کے بارے میں عذاب کی بات

اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ

طے ہو چکی ہے کیا آپ اسے چھڑا لیں گے جو دوزخ میں ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے ان کے لئے بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَلَكَهٗ

نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، اللہ وعدہ خلاف نہیں فرماتا، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر

يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ

اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کر دیا پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اسے دیکھتا ہے پیلے رنگ کی حالت میں پھر وہ اسے چورا چورا بنا دیتا ہے،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

اللہ سے ڈرنے اور خالص اس کی عبادت کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو متعدد باتوں کا اعلان کرنے کا حکم دیا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آپ میرے مومن بندوں سے فرما دیجئے کہ تم اپنے رب سے ڈرو، یہ ڈرنا اعمال صالحہ پر ابھارنے اور گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جب کوئی شخص اعمالِ صالحہ ادا کرتا ہے تو اس کی نیکیاں جمع ہوتی رہتی ہیں' ان نیکیوں پر صبر کرنا اور جے رہنا مبارک ہے صبر کرنے والوں کا پورا پورا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرما دے گا' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ (کہ اللہ کی زمین فراخ ہے)۔

اس میں یہ بیان فرمایا کہ جو کوئی ایسی جگہ رہتا ہو جہاں کافر رہتے اور بستے ہیں اور ان کے نرغہ میں رہنے کی وجہ سے دین پر نہیں جم سکتا اور اعمال صالحہ انجام نہیں دے سکتا اور ممنوعات شرعیہ سے نہیں بچ سکتا تو وہاں سے چلا جائے اور کسی ایسی جگہ جا کر آباد ہو جائے جہاں احکام اسلام پر عمل کر سکتا ہو اور کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ میں یہاں سے کہاں جاؤں ہمت و ارادہ کرے گا اور وطن کی محبت سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے پیش نظر نکل کھڑا ہو گا تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت سی جگہ مل جائے

گی' سورۂ النساء میں اسی کو فرمایا وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيْلِ اللهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش)۔

دوم: یہ حکم دیا کہ آپ اعلان فرمادیں کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص اسی کی عبادت میں مشغول رہوں اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں چونکہ یہ امت آخری امت ہے اور آخری نبی ہیں لہٰذا آپ اس کی آخری امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں جیسے دیگر تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دین پیش کرنے والے پر بھی ان احکام کی فرماں برداری لازم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ذات سے متعلق ہیں اس اعلان میں یہ بتا دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور فرماں بردار ہوں اور صرف دوسروں ہی کو ایمان کی دعوت نہیں دیتا خود بھی مومن ہوں اور احکام پر عمل پیرا ہوں معلوم ہوا کہ ہر داعی کو اپنی دعوت پر خود بھی ہونا لازم ہے۔

تیسرا: حکم یہ دیا کہ آپ فرمادیجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) گناہگار اور نافرمان نہیں ہوتے تھے بطور فرض یہ اعلان کروا دیا گیا کہ میں خود نافرمانی کے مواخذہ سے ڈرتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں لہٰذا دیگر افراد کو تو زیادہ خوف زدہ ہونے اور مواخذہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھا: حکم یہ دیا کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ دیکھو میں تو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اور (اور تمہیں بھی اسی کی دعوت دیتا ہوں) تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم جانو اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کر لو لیکن اس کا انجام برا ہوگا۔

پانچویں: حکم میں فرمایا کہ آپ فرمادیجئے اصل خسارہ والے وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنی اہل و عیال کی طرف سے خسارہ میں پڑیں گے یعنی اس کفر و شرک کے وبال میں قیامت کے دن جو ابتلا ہوگا وہ سخت خسارہ کی صورت میں سامنے آئے گا اس دن کا خسارہ معمولی نہ ہوگا اس دن اپنی اس جان کو کوئی نفع نہ پہنچا سکیں گے اور نہ عذاب سے بچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوگا دوزخ میں داخل ہوں گے فرشتے عذاب دیں گے اور جن لوگوں کو انہوں نے کفر و شرک پر ڈالا یعنی ان کے اہل و اولاد اور دوسرے لوگ جو اتباع کرنیوالے تھے وہ بھی ان کے نہ رہیں گے وہ ان پر لعنت بھیجیں گے ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا اور کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا دنیا میں جو اپنے تھے وہ وہاں اپنے نہ رہیں گے۔ جب دنیا میں کفر و شرک پر ڈال کر اپنی جانوں کا ناس کھو دیا تو اپنی جانوں سے بھی گئے اور انکی جانوں سے بھی اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (خبردار خوب سمجھ لو کہ یہ واضح کھلا ہوا خسارہ ہے)۔

اس کے بعد ان کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان کے اوپر آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے بھی آگ کے ان شعلوں کو ظُلَل سے تعبیر فرمایا ظلۃ کی جمع ہے ظلۃ سائبان کو کہا جاتا ہے

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ اعراف میں فرمایا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ نیچے بھی آگ ہوگی اور اوپر بھی اوپر سے بھی جلیں گے اور نیچے بھی مشاکلۃ نیچے کے بستر کو ظلل سے تعبیر فرمایا قال صاحب الروح وتسمیتها ظللا من باب المشاكلة۔

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللهُ بِهٖ عِبَادَهٗ (یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے) يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ (اے میرے بندو تم مجھ سے ڈرو) میری ناراضگی کے کام نہ کرو قال صاحب الروح ولا تتعرضوا لما يوجب سخطي۔

اس کے بعد ان حضرات کی تعریف فرمائی جو کفر و شرک سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى (اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا کہ شیطان کی عبادت کریں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوئے ان کے لئے خوش خبری ہے) لفظ الطاغوت فعلوت کے وزن پر ہے بقول صاحب روح المعانی اس کی اصل طغیوب یا طغورت ہے اور جمع طغاویت ہے۔ بہت زیادہ شریر اور حد سے زیادہ نافرمان کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے اسی لئے اس کا ترجمہ شیطان کیا گیا ہے شیطان لوگوں کو بہکاتا ہے اور توحید سے دور رکھتا ہے اپنی فرماں برداری کراتا ہے اور ڈراؤنی صورتیں بنا بنا کر مشرکین کے سامنے آتا ہے وہ ان صورتوں کے مطابق مورتیاں بناتے ہیں جن کی پوجا کرتے ہیں یہ سب باتیں شیطان کی عبادت میں شامل ہیں جو شیطان سے دور رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور دخولِ جنت کی خوشخبری ہے۔

اس کے بعد مومن بندوں کی ایک خاص صفت بیان فرمائی ارشاد فرمایا فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (سو آپ میرے بندوں کو خوشخبری دے دیجئے جو کلام کو یعنی قرآن کو سنتے ہیں پھر اس کی اچھی سے اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں) یعنی وہ اعمال اختیار کرتے ہیں جن میں زیادہ سے زیادہ ثواب ہے فرائض اور واجبات پر تو عمل کرتے ہی ہیں دوسرے نیک کاموں میں بھی احسن اور افضل کو اختیار کرتے ہیں۔

قال صاحب الروح ص ۲۵۲ ج۲۳ مدح لهم بنهم نقادفي الدين يميزون بين الحسن والاحسن والفاضل والأفضل فاذا اعترضهم امران واجب وندب اختاروا الواجب وكذالك المباح والندب۔

(تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں اس آیت میں مؤمن بندوں کی تعریف ہے کہ وہ دین میں بالغ نظر ہیں اچھے اور سب سے اچھے کی تمیز کر سکتے ہیں افضل اور افضل ترین میں فرق کرتے ہیں جب انہیں تو امر پیش آئیں ایک واجب ہو اور دوسرا مستحب تو وہ واجب کو اختیار کر لیتے ہیں اسی طرح مباح اور مستحب میں بھی فرق کر لیتے ہیں)

مذکورہ بالا حضرات کی تعریف میں دو باتیں اور بیان فرمائیں اولاً فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ثانیاً یوں فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور یہ لوگ عقل والے ہیں ان کی عقلیں سلیم ہیں صحیح ہیں آباء و اجداد کی تقلید میں کفر و شرک پر نہ جمے رہے بلکہ اپنے عقلوں کو کام میں لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ہدایت آئی اسے قبول کیا۔

فائدہ: روح المعانی میں آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ کا سببِ نزول یہ لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو عبدالرحمٰن ابن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید اور زبیر بن عوام ان کے پاس آئے اور سوال کیا کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اور ساتھ ہی ان لوگوں کو نصیحت کی اس پر انہوں نے بھی ایمان قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ (سو کیا جس شخص کے بارے میں عذاب کی بات طے ہو چکی ہے کیا آپ اسے چھڑا لیں گے جو دوزخ میں ہو) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گمراہی پر جمنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے ہے کہ انہیں دوزخ میں جانا ہے اور وہ بھی اپنے بارے میں یہ

طے کر چکے ہیں کہ ہمیں ایمان قبول کرنا نہیں وہ دوزخ کی وعیدیں سنتے ہیں لیکن پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں کیا آپ انہیں دوزخ سے بچا دیں گے یعنی یہ آپ کا کام نہیں ہے لہٰذا جو شخص ہدایت قبول نہ کرے اس کی وجہ سے آپ غمگین نہ ہوں اس کے بعد اس بشارت کا تذکرہ فرمایا جس کا لَهُمُ الْبُشْرٰى میں وعدہ فرمایا ہے ارشاد ہے لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنائے ہوئے ہیں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وَعْدَ اللّٰهِ (یہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے) لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ (اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا) پس متقی بندے یقین کریں کہ انہیں جو بشارت دی گئی ہے وہ حق ہے صحیح ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا جو لوگ حق واضح ہونے کے بعد بھی ایمان قبول نہیں کرتے ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی دنیا اور دنیاوی منافع سے محبت کرنے کی وجہ سے ایمان سے محروم رہتے ہیں اور جانتے ہوئے کہ ایمان سے محروم رہنے کے باعث جنت سے محروم ہونگے اور دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا ہونگے حق کو قبول نہیں کرتے عارضی دنیا کی چہل پہل ہی کو سامنے رکھتے ہیں ایسے لوگوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اے مخاطب کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر اس پانی کو زمین کے سوتوں میں داخل فرما دیا یہ پانی زمین میں جاری رہتا ہے پھر ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے پھر چشموں کنوؤں سے نکالا جاتا ہے جس سے کھیتوں کی آبپاشی ہوتی ہے اس کے ذریعہ اللہ زمین سے کھیتوں کو اگا دیتا ہے ان کھیتوں کی مختلف قسمیں ہیں، کھیتی بڑھ جاتی ہے سرسبز ہوتی ہے پکتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے رنگ زرد ہو جاتا ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے کھیتی کا جو حال ہے دنیا کا اٹھان اور فنا اسی طرح سے ہے، ساری دنیا ہی فنا ہو گی قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو جو کچھ اس میں ہے تہس نہس ہو جائے گا۔

لوگ بڑے محلات بناتے ہیں قلعے تعمیر کرتے ہیں بڑی آرائش و زیبائش اختیار کرتے ہیں کھیتیاں بوتے ہیں باغ بھی لگاتے ہی تجارتیں بھی کرتے ہیں نوٹوں کی گڈیوں سے تجوریاں بھرتے ہیں صدارتوں کے امیدوار رہتے ہیں وزیر بن جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت زیادہ کامیاب ہیں لیکن ایک دن موت آ ہی جاتی ہے سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے اور جو کچھ حاصل کیا تھا سب دھوکہ کا سامان ہوتا ہے جس کے بارے میں سورۂ آل عمران میں وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ فرمایا ہے (یعنی دنیا والی زندگی دھوکہ کے علاوہ کچھ نہیں) یہ سب کچھ دیکھتے ہیں پھر بھی اس کے پیچھے پڑے ہیں اور حب دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت تباہ کر رہے ہیں یہ بے حسی قابل تعجب ہے اس سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے نصیحت ہے اسی میں دل دیئے پڑے ہیں حالانکہ دنیا کے حالات میں سب کے لئے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے اسی کو فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے ضرور نصیحت ہے) لوگ اپنی عقلوں کو دنیا کی ترقی کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اپنی آخرت کو قصداً و ارادۃً خراب کرتے ہیں، یہ بے عقلی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ سورۃ الکہف میں فرمایا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئیں، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے جس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

سو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے سو ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل ذکر اللہ کی جانب سے سخت ہیں،

أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٢٢﴾ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ

یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اللہ نے بڑا اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے جس کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں'

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ

اس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں'

يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ أَفَمَنْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ

یہ اللہ کی ہدایت ہے اسکے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں' جو شخص قیامت کے دن اپنے چہرہ کو برے عذاب سے بچائے گا'

يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ

اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کمائی کرتے تھے اسے چکھ لو ان لوگوں سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے جھٹلایا سو ان کے پاس اس طور سے عذاب آیا

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ

کہ انہیں اس کا خیال بھی نہ تھا سو اللہ نے انہیں دنیا والی زندگی میں رسوائی چکھا دی اور البتہ آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

اگر وہ جانتے ہوتے' اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں'

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ

وہ قرآن ہے عربی ہے جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ یہ لوگ ڈریں' اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں آپس میں ضد اضدی ہے

وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ

اور ایک وہ شخص ہے جو ایک ہی آدمی کے لئے سالم ہے کیا یہ دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہیں؟ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے' بلاشبہ آپ مرنے والے ہیں

مَيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣١﴾

اور بلاشبہ یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں' پھر یقینی بات ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے رب کے پاس پیش ہو کر مدعی اور مدعی علیہ بنو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے جس کا سینہ کھول دیا وہ صاحب نور ہے جن کے قلوب اللہ کے ذکر کی جانب سے سخت ہیں انکے لئے ہلاکت ہے

تفسیر: گزشتہ آیات میں مومنین کے ثواب کا اور کافروں کے عقاب کا ذکر ہے۔ یہ تو دونوں فریق کا انجام کے اعتبار سے فرق ہے جو آخرت میں سب کے سامنے آجائے گا اب یہاں مومن اور کافر کی قلبی کیفیات کو بیان فرمایا' ارشاد

فرمایا کہ ایک وہ شخص ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور اس کے دل میں نور ایمان بھر دیا اور دوسرا وہ شخص ہے جس کا دل تنگ ہے نور ایمان سے خالی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تنگی محسوس کرتا ہے اور ذکر اللہ سے مانوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں سختی ہے، بتاؤ وہ شخص جس کا دل ایمان سے معمور ہے اور اسے اسلام کے بارے میں شرح صدر ہے کیا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کے دل میں کفر ہو جو اللہ کے ذکر کو قبول نہ کرتا ہو اس کے دل کی قساوت اور سختی اسے اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے دے۔ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب آسان ہے سب جانتے ہیں۔

سورۂ انعام میں فرمایا فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر ڈالنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو بے راہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں سے پھٹکار ڈالتا ہے)۔

شرح صدر کی دو نشانیاں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی ہے اور وہ یہ کہ دارالغرور (دھوکہ کے گھر یعنی دنیا) سے دور رہے اور دارالخلود (ہمیشگی کے گھر یعنی جنت) کی طرف رجوع ہو، یعنی ایسے اعمال کرتا رہے جو دخول جنت کا ذریعہ بن جائیں اور ایک نشانی یہ ہے کہ موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری کرلے

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسلام کے لئے شرح صدر ہو جانے کی یہ نشانی ہے کہ دارالغرور سے بچے اور دارالخلود یعنی آخرت کی طرف متوجہ رہے اور موت کے لئے تیاری کرتا رہے۔

سورۂ زمر کی آیت میں شرح صدر والی بات بیان کرنے کے بعد فرمایا فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر کی جانب سے سخت ہیں یعنی اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے اور اس کیلئے نرم ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دل میں اسلام کے لئے شرح صدر نہیں ہوتا ان کے دل ایسے سخت ہوتے ہیں کہ اللہ کی یاد میں لگنا اور اللہ کا ذکر کرنا انہیں شاق گزرتا ہے ان کے دلوں کی سختی انہیں اللہ کی یاد میں نہیں لگنے دیتی۔ درحقیقت اللہ کا ذکر بڑی نعمت ہے مبارک بندے ہی اس میں لگتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اور کثرتِ ذکر ان کی خصوصی غذا بن جاتی ہے۔

ذکر اللہ کی فضیلت اور اہمیت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ مت بولا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنا دل کی سختی کا سبب بن جاتا ہے اور بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ

دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دین کی باتیں تو بہت ہیں ان سب پر مجموعی حیثیت سے عمل کرنا مجھے دشوار معلوم ہو رہا ہے (کیونکہ فضیلت والے اعمال اس قدر ہیں کہ مجھ سے ان سب پر عمل نہیں ہو سکتا) لہٰذا آپ مجھے ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں اسے پکڑے رہوں آپ نے فرمایا کہ تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک اعرابی (دیہات کے رہنے والے) نے سوال کیا یا رسول اللہ تمام اعمال میں افضل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کر تیری زبان اللہ کی یاد سے تر ہو۔ (رواہ الترمذی)

مُتَشَابِهًا مَّثَانِیَ کی تشریح

اس کے بعد قرآن مجید کی فضیلت بیان فرمائی' ارشاد فرمایا کہ اللہ نے سب سے اچھا کلام نازل کیا پھر اس کی ایک صفت کِتَابًا مُتَشَابِهًا اور دوسری صفت مَثَانِیَ بیان فرمائی مُتَشَابِهًا کا مطلب یہ ہے کہ لفظی اعتبار سے فصیح بلیغ بھی ہے اور معجزہ بھی ہے اور معنوی اعتبار سے اسکے مضامین آپس میں مشابہ ہیں اور آیات آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ سب میں عقائد صحیحہ بیان کئے ہیں توحید رسالت کے اقرار اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں مَثَانِیَ کا معنی یہ ہے کہ اس میں احکامِ مواعظ اور نصائح بار بار دہرائے گئے ہیں نیز بار بار اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں' لیکن طبعیت ملول نہیں ہوتی اور ہر مرتبہ نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔

ذاکرین کی صفات

پھر فرمایا تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (اس سے لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں) اس میں ان حضرات کی صفتِ خاص بیان فرمائی جو قرآن کو پڑھتے اور سنتے ہیں اور اس کا یہ اثر لیتے ہیں کہ انکے بدن اور دل کانپ اٹھتے ہیں ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کیطرف متوجہ ہوتے ہیں) یہ دونوں صفات ان مومن بندوں کی ہیں جن کے دلوں میں خوف وخشیت ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے سے ڈرتے رہتے ہو' سورۂ انفال میں فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں) ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے) وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کیا جو شخص قیامت کے دن اپنے چہرے کے ذریعے برے عذاب سے بچ

جائے اور جنت میں داخل ہو جائے کیا اس شخص کے برابر ہے جو دوزخ میں داخل کر دیا جائے؟ چہرہ کے ذریعہ بچنے کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اہل عذاب کے چہروں کو آگ پہنچے گی وہ چاہیں گے کہ چہروں کو ڈھال بنالیں اور اپنی جانوں کو عذاب سے بچالیں لیکن ایسا نہ ہو سکے گا دوزخ میں داخل ہوں گے اور ہر ہر حصہ عذاب میں ڈالا جائے گا اور طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوں گے سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیْلًا (جو لوگ اپنے چہروں کے بل دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے وہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین ہیں اور بہت زیادہ گمراہ ہیں) چہروں کے گھسیٹا جانا بھی ایک عذاب ہے اسی طرح گھسیٹتے ہوئے اسے دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم جو عمل کیا کرتے تھے ان کا عذاب چکھ لو)

كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان دونوں آیتوں میں منکرین کی بدحالی بیان فرمائی کہ وہ یوں نہ سمجھیں کہ عذاب کی وعیدیں ہی ایک تہدید ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ وعیدیں سچی ہیں، جھٹلانے والوں کو عذاب پہنچ کر رہے گا ان سے پہلے بھی لوگوں نے جھٹلایا پھر ان کے پاس عذاب پہنچ گیا اور پہنچا بھی اس طرح کہ انہیں اس کے آجانے کا خیال بھی نہ تھا اللہ نے انہیں دنیا میں بھی رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے ہی جو دنیا والے عذاب سے بہت بڑھ کر ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (الآیتین) ان دو آیتوں میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور یہ بھی فرمایا کہ قرآن عربی میں ہے (جسے اولین مخاطبین اہل عرب سمجھتے اور جانتے ہیں اور اس کی فصاحت اور بلاغت سے بھی واقف ہیں) تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ قرآن میں ذرا بھی کجی نہیں ہے نہ اس میں لفظی رکاکت ہے نہ فصاحت میں اختلال ہے نہ معنوی طور پر اس میں کوئی تناقض ہے آخر میں فرمایا لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ تاکہ یہ لوگ قرآن کی تکذیب سے باز آئیں اور اللہ جل شانہ کے عذاب اور پکڑ سے ڈریں اور اپنی جانوں کو اس سے بچائیں۔

مشرک و موحد کی مثال

اس کے بعد مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام ہے اس میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ بدخلق بھی ہیں کھینچا تان میں ان کی بدخلقی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے ایک اس غلام کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کہتا یہ میرے ماتحت رہے اور میرا ہی کام کرے اور دوسرا اور تیسرا اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس سلسلہ میں ہر ایک بدخلقی کو اختیار کرتا ہے ساتھیوں کی بدخلقی کی لپیٹ میں یہ غلام حیران رہتا ہے اور ساتھیوں کے ساجھے کی سزا بھگتتا رہتا ہے اور ایک غلام وہ ہے جو ایک ہی شخص کا غلام ہے اسے صرف ایک ہی شخص کی خدمت کرنی ہے ان دونوں غلاموں کی زندگی پر نظر ڈالو ایک کی حیرانی اور پریشانی کو دیکھو اور دوسرے کی سلامتی کو دیکھو اور بتاؤ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی سے سمجھ لو کہ جس طرح یہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح سے موحد اور مشرک بھی برابر نہیں ہو سکتے موحد پورا پورا معبود واحد اور معبود حقیقی کا بندہ بنا رہتا ہے اسی کی عبادت کرتا ہے اسی کی یاد میں مگن رہتا ہے ہر حاجت اسی سے طلب کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے بہت سے معبود بنا رکھے ہیں اس کی بھی عبادت کرتا ہے اور اس کی بھی عبادت کرتا ہے اس کے سامنے بھی سر جھکاتا ہے اور اس کے

سامنے بھی جبین نیاز رگڑتا ہے۔ موحد و مشرک میں اتنا عظیم فرق ہے، شرک اختیار کرنے والے سراپا گمراہ ہیں اور سراپا بیوقوف بھی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہدایت نازل فرمائی اور توحید کی دعوت دی اور مشرکوں کو گمراہی اور حماقت سے آگاہ فرمایا۔

بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (بلکہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے) حق اور ناحق میں تمیز کرنا ہی نہیں چاہتے۔

قوله تعالیٰ متشاكسون قال الراغب فی مفرداته الشكس: السیئ الخلق و قوله شركاء متشاكسون ای متشاجرون لشكاسة خلقهم اھ قال صاحب الروح والمعنی ضرب اللّٰه تعالیٰ مثلا للمشرک حسبما یقود الیه مذهبه من ادعاء كل من معبودیه عبودیته عبد اینشارک فیه جماعة متشاجرون لشكاسة اخلاقهم وسوء طبائعهم یتجاذبونه ویتعاورونه فی معماتهم المتباینة فی تحیره و توزع قلبه.

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد "متشاکسون" اس کے بارے میں امام راغب اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں "الشکس" کا معنی ہے بدخلق اور اللہ تعالیٰ کے قول "شرکاء متشاکسون" یعنی ایسے شرکاء جو اپنی بدخلقی کیوجہ سے آپس میں لڑنے والے ہیں اھ)

تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں اس کا معنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک کی مثال بیان فرمائی ہے کہ مشرک کو جب اس کا مذہب اپنے معبودوں میں سے ہر ایک کی عبادت کی دعوت دیتا ہے تو اس کی حیرانی اور بے یقینی کی حالت کی مثال اس غلام کی ہے جس کی ملکیت میں ایک گروہ ایک دوسرے کے ساتھ اپنی بدخلقی کی وجہ سے لڑتا رہتا ہو ہر ایک غلام کو اپنی طرف کھینچتا ہو اور ہر کوئی دوسرے سے کام سے مختلف اپنے کام میں استعمال کرنا چاہتا ہو)

آخر میں فرمایا اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (بلاشبہ آپ مرنیوالے ہیں اور بلاشبہ یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں)

مطلب یہ ہے کہ آپ منکرین کے بارے میں غمگین نہ ہوں یہ لوگ دنیا میں آپکی بات نہیں مانتے قیامت کے دن فیصلہ ہو جائے گا اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہونگے جیسا کہ آئندہ آیات میں بیان فرمایا۔

تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ اہلِ مکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا انتظار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اس شخص کو موت آجائے تو ہماری جان چھٹ جائے گی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ بھی وفات پانے والے ہیں اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔ دنیا سے تو سب کو ہی جانا ہے اگر یہ لوگ نہ مرتے تو آپ کی وفات ہو جانے سے ان کی جان چھوٹ جاتی۔

سورۃ الانبیاء میں فرمایا اَفَاِئْنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ (اگر آپ کی وفات ہو جائے گی تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے) ان کو بھی مرنا ہے اور پیشی بھی ہونی ہے۔

قیامت کے دن ادعاء اور اختصام

ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (پھر یقینی بات ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے رب کے پاس پیش ہو کر مدعی اور مدعی علیہ بنو گے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ عرصہ دراز تک ہم اس آیت کو پڑھتے رہے لیکن یہ سمجھ میں

نہیں آتا تھا کہ ہم میں جھگڑے کیوں ہوں گے جبکہ ہماری کتاب ایک ہے، قبلہ ایک ہے، حرم ایک ہے نبی ایک ہے (ﷺ) پھر جب ہم میں آپس میں قتل و قتال ہوا تو سمجھ میں آ گیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (درمنثور از مستدرک حاکم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب جنگِ صفین کے موقعہ پر ہم آپس میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اس وقت ہم نے سمجھا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں ہے۔ (درمنثور)

حضرت ابن عمر و حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کو آیت شریفہ کا مصداق قرار دیا، لیکن الفاظ کا عموم ان سب جھگڑوں کو شامل ہے جو قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں گے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جو لوگ جھگڑے لے کر اٹھیں گے ان میں سب سے پہلے دو پڑوسی ہوں گے جس کا جو حق مارا گیا ہوگا اپنے حق کے لئے جھگڑا کرے گا۔ رعیت امیر وزیر اور بادشاہ پر دعویٰ کرے گی، مالی حق رکھنے والوں پر اصحابِ حقوق دعویٰ کریں گے، مظلوم ظالم سے اپنا حق طلب کرے گا جن کے قرضے تھے وہ قرضے طلب کریں گے جن کی غیبت تھی یا جن پر تہمت دھری تھی وہ بھی مدعی بن کر کھڑے ہو جائیں گے اس مضمون میں تفصیل بہت ہے جاننے والے جانتے بھی ہیں بہر حال اگر وہاں مدعی علیہ ہونے سے بچنا ہے تو کسی بندے کا کوئی حق مار کر نہ جائیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ

سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جبکہ وہ اس کے پاس آیا۔ کیا

فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۞ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ

دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے، اور جو شخص سچ کو لیکر آیا اور سچ کی تصدیق کی یہ وہ لوگ ہیں

الْمُتَّقُوْنَ ۞ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۞ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ

جو متقی ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہی ہے جو وہ چاہیں یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا تاکہ اللہ اُن کے

عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

برے کاموں کا کفارہ کر دے اور انہیں اعمال کا اچھے سے اچھا اجر دے جو وہ کیا کرتے تھے۔

جھوٹوں سے بڑھ کر ظالم کون ہے

تفسیر: گزشتہ آیات میں مؤمنین موحدین اور مشرکین معاندین اور کافرین مکذبین کا ذکر تھا ان آیات میں ہر دو فریق کا انجام بتایا ہے مؤمنین کے اجر و ثواب سے اور کافروں کے عذاب سے باخبر کیا ہے فرمایا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ (سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، جو اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی انہیں باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شریک بنا لئے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے

اولاد تجویز کرلی ہے نیز مشرکین کا یہ مزاج بھی ہے کہ جب کسی برے کام سے روکا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کما فی سورۃ الاعراف قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ظالم لوگ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا ظلم ہے جس کی سزا بھی بہت بڑی ہے۔

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو سچی بات کو یعنی قرآن کو جھٹلائے جبکہ وہ اس کے پاس آگیا۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ (کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ (یہ استفہام تقریری ہے یعنی کافروں کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔

اس کے بعد اہل ایمان کا حال بتایا وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (اور جو شخص سچی بات کو لے کر آیا اس کا عموم تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جو حضرات ان کے کام میں لگے حق کے داعی بنے ان سب کو شامل وَصَدَّقَ بِهٖۤ اور جس نے سچی بات کی تصدیق کی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (یہ لوگ پرہیز کرنے والے ہیں) شرک سے کفر سے گناہوں سے بچتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے الصدق سچی بات سے کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ اور الذی جآء سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے آگے ان کی جزا بتائی لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے) وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ (اور یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا)

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (تاکہ اللہ ان کے برے کاموں کا کفارہ کردے اور انہیں ان اعمال کا اچھے سے اچھا اجر دے جو وہ کیا کرتے تھے) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کا انعام جو پہلے ہی سے اس دنیا میں بتا دیا ہے یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے اچھے اچھے کام کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے بموجب ان کے برے اعمال کا کفارہ فرما دے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دیدے۔ قال صاحب الروح ای وعدھم اللّٰہ جمیع ما یشآء ونہ من زوال المضار و حصول المسار لیکفر عنھم بموجب ذلک الوعد اسوأ الذی عملوا الخ.

(صاحب روح المعانی نے کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے ہر تکلیف کو دور کرنے اور ہر راحت کا حصول جسے وہ چاہتے ہیں سب کچھ کا وعدہ کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کے ذریعہ ان کے بُرے اعمال کا بدلہ کردے)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے، اور وہ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں، جو اللہ کے علاوہ ہیں اور اللہ

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۞

جسے گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے اللہ ہدایت دیدے سو اس کو کوئی گمراہ کرنیوالا نہیں' کیا اللہ عزت والا بدلہ لینے والا نہیں ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو تو ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا آپ فرما دیجئے کہ تم ہی بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ

اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کیا یہ اس کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اگر وہ مجھے رحمت سے نوازنے کا ارادہ فرمائے تو کیا

هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ یٰقَوْمِ

یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ کافی ہے مجھے اللہ! اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم

اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ

تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بیشک میں عمل کر رہا ہوں سو تم عنقریب جان لوگے کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اس کو ذلیل کر دے گا اور اس پر ایسا

عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ ۚ

عذاب نازل ہوتا ہے جو ٹھہر کر رہ جائے' بے شک ہم نے لوگوں کے لئے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی ہے سو جو ہدایت پر آ جائے یہ اس کی اپنی جان کے لئے ہے

وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۴۱﴾ ع

اور جو شخص گمراہی اختیار کرے سو وہ اپنی جان کو ضرر پہنچانے کے لئے گمراہی کو اختیار کرتا ہے' اور آپ ان پر مسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

بندہ کو اللہ کافی ہے' اللہ کے سوا تکلیف کو کوئی دُور نہیں کر سکتا اور اس کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا

تفسیر: جب رسول اللہ ﷺ مشرکین کو توحید کی دعوت دیتے تھے تو وہ لوگ برا مانتے تھے ایک دن ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ دیکھو ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو ورنہ ہم اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ تمہیں ایسا کر دیں کہ تمہارے ہوش و حواس قائم نہ رہیں' اس پر آیت کریمہ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ نازل ہوئی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ عُزّیٰ بت کو توڑ دیں جب یہ وہاں پہنچے تو وہاں کے بت خانہ کا جو ذمہ دار بنا ہوا تھا اس نے کہا کہ دیکھو میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں اس بت کی طرف سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے گی۔ حضرت خالد بن ولید نے اس کی کوئی بات نہ مانی آگے بڑھے اور جو کلہاڑا لیکر گئے تھے وہ اس بت کی ناک پر مار کر تیا پانچا کر دیا اس پر وَ یُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ کا نزول ہوا (ذکرھما فی الدر المنثور عن قتادة)

مشرکین خود تو اپنے معبودوں سے ڈرتے ہی ہیں مؤمن بندوں کو بھی ڈراتے ہیں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی ہے جو ہر شر اور ضرر اور آفت و مصیبت سے بچائے گا بت تو بے جان ہیں ان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی جو انسان اور جن کچھ اختیار رکھتے ہیں وہ بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں۔

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں) وَ مَنْ یَّهْدِ

اللّٰہُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ (اور جسے اللہ ہدایت دے دے اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ عزت والا بدلہ لینے والا نہیں ہے؟) جو لوگ بت پرست ہیں وہ اپنے معبودوں کے ضرر پہنچانے سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قادر اور کافی اور عزیز (غالب) ہونے اور انتقام لینے کی قدرت ہونے پر ان کی نظر نہیں' جو باطل معبود انہوں نے خود تجویز کر رکھے ہیں اپنی گمراہی سے ان میں نفع وضرر سمجھتے ہیں اور ان سے خود بھی ڈرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ ان مشرکین سے دریافت فرمایئے کہ یہ بتاؤ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اس سوال کا جواب ان کے پاس اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے جب وہ جواب دیدیں (زبان حال سے یا قال سے تو آپ ان سے فرمائیں کہ اب یہ بتاؤ کہ تم نے جو اللہ تعالیٰ کے سواء معبود بنا رکھے ہیں کیا انہیں ایسی قدرت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اسے دور کر دیں یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر رحمت فرمانا چاہے تو یہ اس کی رحمت کو روک دیں' اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دکھ تکلیف کو اس کے سواء کوئی دور نہیں کر سکتا اور اس کی رحمت کو کوئی نہیں روک سکتا' جب یہ بات ہے تو تمہارے معبودوں سے میں کیوں ڈروں؟ مجھے صرف اللہ کافی ہے صحیح معنی میں توکل کرنیوالے صرف اسی پر توکل کرتے ہیں اور میرا بھی اسی پر توکل ہے۔

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کئے جاؤ میں اپنے طور پر عمل کر رہا ہوں۔ تم اپنا مشرکانہ طرز عمل نہیں چھوڑتے اور مجھے تو اپنا دین بہر حال چھوڑنا ہی نہیں ہے۔ تم جو مجھے غلطی پر سمجھ رہے ہو تو تمہیں جلدی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر عذاب آنے والا ہے جو اُسے رُسوا کر دے گا اور جس پر ایسا عذاب نازل ہوگا جو دائمی ہوگا مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مشرکین کا بدر میں مقتول ہونا مراد ہے' بدر کے مقتولین نے دنیا میں بھی سزا پائی ذلیل ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے لئے دائمی عذاب ہے اور ہر کافر کے لئے عذاب دائمی ہی ہے۔

قال صاحب الروح فان الاول اشارة الی العذاب الدنیوی وقدنا لهم یوم بدر و الثانی اشارة الی العذاب الاخروی فان العذاب المقیم عذاب النار.

(صاحب روح المعانی" فرماتے ہیں پہلے عذاب سے دنیوی عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ان کیلئے بدر کے دن میں مقرر کیا تھا اور دوسرے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے کیونکہ عذابِ مقیم جہنم ہی کا عذاب ہے)

آخر میں فرمایا اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ (بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب نازل کی) فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ (سو جو ہدایت پر آ جائے یہ اس کی اپنی جان کے لئے ہے) وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا (اور جو شخص گمراہی اختیار کرے سو وہ اسے اپنی جان کو ضرر پہنچانے کے لئے اختیار کرتا ہے) وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ (اور آپ ان پر مسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے اس میں آپ کو تسلی دی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذمہ یہ نہیں کیا گیا کہ لوگوں کو زبردستی دین پر لائیں اور اپنی بات منوائیں آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔ عمل کرنا نہ کرنا ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ آپ انکی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی

اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت' اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سوتے وقت' پھر اسے روک لیتا ہے

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

جس کے بارے میں موت کا فیصلہ فرما دیا اور دوسری کو اجلِ مقرر تک چھوڑ دیتا ہے بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا

جو فکر کرتے ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا سفارش کرنے والے تجویز کر رکھے ہیں آپ فرما دیجئے اگر چہ وہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی نہ

يَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۴۴﴾

سمجھتے ہوں؟ آپ فرما دیجئے کہ سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ

پھر جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر

مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۴۵﴾

کیا جاتا ہے تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض فرماتا ہے، سفارش کے بارے میں صرف اسی کو اختیار ہے، مشرکین کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل منقبض ہوتے ہیں

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے ان تصرفات کا تذکرہ فرمایا جو انسانوں کی جانوں سے متعلق ہیں، ارشاد فرمایا کہ انسانوں کی جانوں کو اللہ تعالیٰ ان کی موت کے وقت قبض فرما لیتا ہے اور یہ قبض کامل ہوتا ہے اس کے بعد جسم انسانی میں کوئی حس و حرکت باقی نہیں رہتی، اور جب نبی آدم سو جاتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ ان کی جانوں کو قبض فرما لیتا ہے لیکن چونکہ قبض کامل نہیں ہوتا روح باقی رہتی ہے (اگر چہ افعال و حرکات پر ارواح کا قبضہ نہیں رہتا) اس لئے ان کی موت کا مقررہ وقت آنے تک سونے والوں کی جانوں کو اللہ تعالیٰ چھوڑ دیتا ہے یعنی جو ہوش گوش اور حس و حرکت اور اختیار والی زندگی عارضی طور پر جا چکی تھی اسے واپس لوٹا دیتا ہے، ان تصرفات میں اللہ تعالیٰ بالکل مختار مطلق ہے کسی کو اس میں کوئی دخل نہیں دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور روزانہ اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں انسان کو ہر سونے اور جاگنے کے وقت سوچنا چاہئے کہ میں ایسا ضعیف ہوں کہ سونے جاگنے تک پر مجھے قدرت نہیں اگر انسان اپنی عاجزی پر غور کرے تو سمجھ میں آ جائے گا کہ واقعی مجھے جس نے پیدا فرمایا ہے میں صرف اسی کا بندہ ہوں۔

دوسری آیت میں مشرکین کی اس بے وقوفی کو بیان فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں ان شرکاء کو شُفَعَاءَ سے تعبیر فرمایا کیونکہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ جن کو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کر کے ہماری بخشش کرا دیں گے پہلے تو غیر اللہ کو معبود بنانے کی نکیر فرمائی پھر فرمایا کہ جن کو تم نے سفارشی سمجھا ہے انہیں تو کچھ بھی قدرت نہیں اور کچھ بھی سمجھ نہیں یہ تو پتھر کی مورتیاں ہیں نہ انہیں کچھ قدرت ہے نہ کسی بات کا علم ہے یہ کیا جانیں کہ سفارش کیا ہوتی ہے اور یہ کہ سفارش کس کی کی جائے اور کس سے سفارش کی جائے جب ان کے عجز اور جہل کا یہ حال ہے تو کیا سفارش کر سکتے ہیں؟

یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ سفارش کے بارے میں ہر طرح کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے وہ جسے چاہے گا اور جس کے لئے چاہے گا سفارش کرنے کی اجازت دے گا' اس کے یہاں مشرک اور کافر کی بخشش نہیں۔ اس لئے جو بندے اس کے نزدیک شفاعت کرنے کے اہل ہیں انبیاء کرام اور ملائک عظام علیہم السلام انہیں کافروں اور مشرکوں کی سفارش کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی لہٰذا شرک و کفر میں مبتلا رہنا اور اپنے معبودوں کی سفارش کا بخشش کے لئے سہارا لینا یہ سراپا جہالت اور حماقت اور گمراہی ہے' اس بیان سے مشرکین کے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو گیا ہے کہ ہم نے تو فرشتوں کو اور بعض پیغمبروں کو بھی الوہیت میں شریک کر رکھا ہے وہ تو شفاعت کے اہل ہیں اوپر کے بیان میں واضح ہو گیا کہ جس کی بخشش نہیں اس کے لئے نہ کوئی سفارش کرے گا نہ اس کے لئے سفارش کی اجازت دی جائے گی اور بلا اجازت کسی کو سفارش کا اختیار نہیں سورۂ بقرہ میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اور سورہ طٰہٰ میں فرمایا یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو)

اور سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (اور وہ بجز اس کے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے) مزید فرمایا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک ہے دنیا و آخرت سب اسی کی مملوک ہیں اور ہر طرح کا پورا اختیار اور اقتدار اسی کا ہے تیسری آیت میں مشرکین کا مزاج بتایا اور وہ یہ کہ شرک ان کے دلوں میں اس درجہ گھر کر گیا ہے اور انہیں توحید اس قدر ناگوار ہے کہ جب ان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی دعوت بھی ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے تجویز کردہ شرکاء کے بغیر اللہ کا نام کیوں لیا گیا' اور ان لوگوں نے اللہ کے سواء جو دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں جب ان کا تنہا ذکر ہوتا ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا ذکر کئے بغیر ان کو کیوں یاد کیا گیا ان کے دلوں میں اس درجہ شرک رچ بچ گیا ہے کہ تنہا اللہ کا ذکر ہو تو انہیں بہت ناگواری ہوتی ہے اور جو باطل معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں ان کا ذکر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو تو اس وقت ان کی خوشی کی انتہاء نہیں رہتی قال صاحب الروح فان الاستبشار ان یمتلی القلب سرورا حتی ینبسط له بشرة الوجه، والا شمئزاز ان یمتلی غیظا و غما ینقبض عنه ادیم الوجه کما یشاهد فی وجه العابس المحزون.

(تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں استبشار یہ ہے کہ دِل خوشی سے بھر جائے یہاں تک کہ دل کی اس خوشی سے چہرہ پر خوشگوار اثرات ظاہر ہو جائیں اور اشمئز از یہ ہے کہ دِل غصہ اور غم سے بھر جائے جس سے چہرہ منقبض ہو جائے جیسا کہ غمگین وغصہ کرنے والے کے چہرے پر دیکھا جاتا ہے)

یہی حال ان مبتدعین ومشرکین کا ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اور اتباع سنت کی تلقین کی جاتی ہے تو انہیں اچھی نہیں لگتی بدعتوں کا بیان کیا جائے اور پیروں فقیروں کی جھوٹی کرامات اور خود تراشیدہ قصے بیان کئے جائیں تو اس سے خوش ہوتے ہیں راتوں رات قوالی سنتے ہیں ہارمونیم اور طبلہ کی آواز پر انہیں وَجد آتا ہے اور اسی رات کے ختم پر جب فجر کی آذان ہوتی ہے تو مسجد کا رُخ کرنے کی بجائے بستروں کی طرف رُخ کرتے ہیں اور گھروں میں جا کر سو جاتے ہیں۔

قال صاحب الروح وقد رأينا كثيراً من الناس على نحو هذه الصفة التى وصف الله تعالىٰ بها المشركين يهشون لذكر اموات يستغيثون بهم ويطلبون منهم ويطربون من سماع حكايات كاذبة عنهم توافق هوا هم واعتقادهم فيهم ويعظمون من يحكى لهم ذلك وينقبضون من ذكر الله تعالىٰ وحده، (الى (أن قال) وقد قلت يوما لرجال يستغيث فى شدة ببعض الاموات وينادى يا فلان اغثنىٰ فقلت لهٗ قل يا الله فقد قال سبحانه واذا سالك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فغضب وبلغنى انه قال فلان منكر على الاولياء وسمعت عن بعضهم انه قال الولى اسرع اجابة من الله عزوجل وهذا من الكفر بمكان نسأل الله تعالىٰ أن يعصمنا من الزيغ والطغيان. (ص ۱۱ ج ۲۴)

(تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں ہم نے بہت سارے لوگوں کو ایسی ہی حالت پر دیکھا جو حالت اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرکین کی بیان فرمائی ہے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں ان سے مدد مانگتے ہیں ان سے سوال کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اپنی خواہشاتِ نفس اور اپنے اعتقاد کے موافق جھوٹے قصے سن کر خوش ہوتے ہیں جو لوگ اس طرح کی قصہ خوانی کرتے ہیں یہ ان کو عزت واحترام دیتے ہیں اور اکیلے اللہ کے ذکر سے منہ بناتے ہیں مصنفؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک آدمی جو مصیبت میں بعض مردوں سے مدد مانگتا تھا اور اغثنی یا فلان کہہ کر پکارتا تھا ایک دن میں نے اس سے کہا یا اللہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب میرا کوئی بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں قریب ہوں جب مجھے کوئی پکارے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں تو وہ آدمی غضبناک ہو گیا اور مجھے یہ بات پہنچی کہ اس نے کہا فلاں آدمی اولیاء پر نکیر کرتا ہے بعض لوگوں سے میں نے سنا کہ وہ کہتے ہیں اللہ کی نسبت ولی جلدی دُعاء قبول کرتا ہے یہ کفر ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں گمراہی وسرکشی سے محفوظ رکھے)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ

آپ یوں کہیے۔ اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے غیب اور شہادت کے جاننے والے آپ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان باتوں کے

فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

بارے میں جن میں اختلاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر ان کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس

لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

جیسا اور ہو تو قیامت کے دن عذاب کی بدحالی کی وجہ سے وہ اس سب کو جان کے بدلہ میں دیدیں گے اور ان کے لئے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہو جائے گا جو ان کے

يَحْتَسِبُوْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

گمان میں نہ تھا اور انہوں نے جو عمل کئے تھے ان کے برے نتیجے ان کے لئے ظاہر ہو جائیں گے اور انہیں وہ چیز گھیر لے گی جس کا وہ مذاق بناتے تھے

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ

سو جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت دے دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے ہنر کی وجہ سے ملا ہے

بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ

بلکہ بات یہ ہے کہ وہ امتحان ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے، یہ کلمہ ان سے پہلے لوگوں نے کہا سو جو کچھ کمائی کرتے تھے

اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ

اس نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا سو انہوں نے جو برے اعمال کئے تھے ان کا بدلہ انہیں پہنچ گیا اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا عنقریب انہیں ان کے

هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ

اعمال کا بدلہ پہنچ جائے گا اور وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ رزق پھیلا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص دعا کی تلقین

انسان کی بدخلقی اور بدحالی کا تذکرہ

تفسیر: یہ سات آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ.

(اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے غیب اور شہادۃ کے جاننے والے آپ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان باتوں کے بارے میں جن میں اختلاف کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین جو رویہ اختیار کرتے، تکلیف پہنچاتے، اور تکذیب کرتے تھے اس سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی، تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دعا سکھائی آپ کے توسط سے امت کو بھی یہ دعا معلوم ہوگئی جس کسی کو دین کے دشمنوں سے تکلیف پہنچے یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اسے سب کا حال معلوم ہے وہ اپنے علم کے

مطابق جزا سزا دے گا اور لوگوں میں جو اختلاف ہے حق بات نہیں مانتے اور باطل ہی کو حق سمجھتے ہیں اس بات کا آخرت کے دن فیصلہ ہو جائے گا اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں چلے جائیں گے۔

دوسری آیت میں اہل کفر کی قیامت کے دن کی بدحالی بیان فرمائی اور فرمایا کہ زمین میں جو کچھ ہے اگر کسی کافر کے پاس یہ سب کچھ ہو اور اس کے علاوہ اور بھی اسی قدر ہو تو قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اس سب کو جان کے بدلہ دینے کو تیار ہو جائے گا اس سے ان کی بدحالی معلوم ہوگئی نہ وہاں کسی کے پاس کچھ ہوگا نہ جان کا بدلہ قبول ہوگا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کی مدد کی جائے گی)۔

یہ لوگ جب دنیا میں تھے تو قیامت قائم ہونے ہی کے منکر تھے دوزخ پر اجمالی ایمان لانے کو تیار نہ تھے وہاں کی عقوبات اور سزاؤں کی تفصیل کو کیا جانتے اب جب وہاں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہونگے تو عذاب کی وہ چیزیں ان کے سامنے آجائیں گی جن کا انہیں خیال بھی نہ تھا لہٰذا جان کا فدیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن وہاں کچھ پاس نہ ہوگا اور اگر بالفرض کچھ پاس ہو تو قبول نہ ہوگا۔

تیسری آیت میں یہ فرمایا کہ دنیا میں جو انہوں نے برے عمل کئے وہ وہاں ظاہر ہو جائیں گے اور جس چیز کا مذاق بنایا کرتے تھے یعنی عذاب جہنم وہ ان کو وہاں گھیر لے گا۔

چوتھی آیت میں انسان کا مزاج بیان فرمایا اور وہ یہ کہ اسے کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے اور نعمت نصیب ہو جاتی ہے تو یوں نہیں کہتا کہ یہ نعمت مجھے اللہ نے دی ہے بلکہ اس میں بھی اپنا کمال ظاہر کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے اپنے علم کو استعمال کیا اپنے ہنر کو کام میں لایا تدبیریں سوچیں مال کمانے کے گر سیکھے یہ نعمت مجھے اسی کے ذریعہ ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ یہ بات نہیں ہے کہ یہ مال اسے اس کے علم اور ہنر سے ملا یہ مال اسے ہم نے دیا ہے جب اس کے پاس مال نہیں تھا اس وقت بھی تو علم اور ہنر والا تھا اس وقت کیوں مال حاصل نہیں کرسکا یہ مال جو ہم نے اسے دیا یہ فِتْنَہ ہے یعنی امتحان ہے کہ مال ملنے پر شکر گزار ہوتا ہے یا ناشکری اختیار کرتا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو نہیں پہچانتے، شکر کی ضرورت نہیں سمجھتے، ناشکری پر ہی جمے رہتے ہیں اور امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں،

قولہ تعالیٰ انما اوتیته علی علم بل هی فتنة ذکرا لضمیر الاول لان النعمة بمعنی الانعام وقیل لان المراد بها المال وأنث الضمیر الثانی لرجوعها الی النعمة واختیر لفظها کما اختیر فی الاول المعنی .

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد "انما أوتیته علی علم بل هی فتنة" اس میں پہلی ضمیر کو مذکر اس لئے لایا گیا ہے کیونکہ یہاں نعمۃ انعام کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا اس لئے کہ یہاں نعمۃ سے مراد مال ہے اور دوسری ضمیر کو اس لئے مذکر لایا گیا ہے کیونکہ وہ نعمۃ کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہاں نعمۃ کا لفظ مراد ہے جیسا کہ پہلی ضمیر لوٹانے کے وقت نعمۃ کا معنی مراد لیا گیا ہے)

پانچویں آیت میں یہ بیان فرمایا کہ یہ جملہ ایسے شخص نے کہا ہے جسے مال دے کر نوازا گیا اس سے پہلے بھی لوگ اس طرح کہتے رہے ہیں اور اسے زبان پر لاتے رہے ہیں وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا یہ مال ہمیں فائدہ پہنچا دے گا لیکن یہ مال نہ دنیا کے عذاب سے بچا سکا اور نہ انہیں آخرت کے عذاب میں اس سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔

چھٹی آیت میں فرمایا ان لوگوں نے جو برے اعمال کئے انہیں کا بدلہ مل گیا اور جو وہ موجودہ لوگ ہیں ان میں جو ظالم ہیں وہ بھی عنقریب اپنے اعمال کا بدلہ پالیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی چنانچہ بدر میں سرداران قریش میں سے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر قیدی ہوئے اور جو زندہ بچ گئے تھے بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ واپس ہوئے' ساتھ ہی وَمَاهُمْ بِمُعْجِزِيْنَ بھی فرمایا یعنی ہم جن لوگوں کو عذاب دینا چاہیں عذاب دے دیں گے ایسا نہیں ہے کہ مشرکین کافرین میں سے کوئی شخص کہیں بھاگ کر چلا جائے اور ہمارے قبضہ قدرت سے نکل جائے۔

ساتویں آیت میں فرمایا کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے یہ سب اس کی مشیت اور حکمت پر مبنی ہے ہُنر مند کو بھی دیتا ہے اور بے ہنر کو بھی' علم والے تنگی اٹھاتے ہیں اور جاہل جٹ سیٹھ جی بنے رہتے ہیں جس کے پاس جو کچھ ہے اللہ کے فضل سے ہے اس میں اپنے کسب اور ہنر کا دخل نہ جانیں۔

بنا داناں چناں روزی رساند　　　که دانا اندراں حیراں بماند

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ

آپ فرما دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ' بلاشبہ اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا

جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے نہایت رحم والا ہے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے پہلے کہ تمہارے پاس

الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر

يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا

اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو کبھی کوئی جان یوں کہنے لگے کہ ہائے میری حسرت اس چیز پر جو میں نے

فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

اللہ کے بارے میں تقصیر کی' اور بے شک بات یہ ہے کہ میں مذاق بنانے والوں میں سے تھا' یا کوئی جان یوں کہنے لگے

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ

کہ اگر میری واپسی ہو جاتی تو میں نیک کام کر نیوالوں میں سے ہو جاتا' ہاں بات یہ ہے کہ تیرے پاس

الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

میری آیتیں آئیں تو نے انہیں جھٹلا دیا اور تو نے تکبر اختیار کیا اور تو کافروں میں سے تھا اور اے مخاطب تو

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
قیامت کے دن دیکھے گا جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے کیا دوزخ میں
لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۞ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞
تکبر والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے اور اللہ تقوے والوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا انہیں تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے
اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۞ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
اللہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ ہر چیز میں تصرف کرنیوالا ہے' اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں'
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞
اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا اعلان
انابت الی اللہ کا حکم' مکذبین اور متکبرین کی بدحالی

تفسیر: اللہ تعالیٰ حکیم ہے سمیع ہے بصیر ہے علیم ہے' خبیر ہے' قہار ہے' غفار ہے' وہ گناہوں پر مواخذہ بھی فرماتا ہے اور معاف بھی فرما دیتا ہے اس کی مغفرت بہت بڑی ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کا عام اعلان کیا اور فرمایا۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ (آپ میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں) کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت بڑا گناہگار ہوں میری بخشش کیسے ہوگی جتنا بڑا بھی جو شخص گناہگار ہو اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں آیت شریفہ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ سے بڑھ کر کوئی دوسری آیت نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کا اعلان ہو (روح المعانی)

البتہ کافر اور مشرک کی مغفرت ہونے کے لئے اسلام قبول کرنا شرط ہے کفر پر برقرار رہتے ہوئے معافی اور مغفرت نہیں ہو سکتی جیسا کہ سورۃ النساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا اس کے گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا) اور سورۃ آل عمران میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر گئے حالت کفر ہی میں سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا قبول نہ کیا جاوے گا اگرچہ وہ معاوضہ میں اس کو دینا بھی چاہے ان لوگوں کو دردناک سزا ہوگی اور ان کے حامی بھی نہ ہوں گے) کوئی کتنا ہی بڑا کافر و مشرک ہو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا

ہے بشرطیکہ توبہ کرلے یعنی اسلام قبول کرلے مشرکین میں سے بہت سے لوگوں نے اور بہت سارے قتل کئے تھے اور اس میں بہت زیادہ آگے بڑھ گئے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں سے زنا بھی کثرت سے صادر ہوا تھا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ تو اچھی چیز ہے لیکن ہمیں یہ تو بتایئے کہ ہم نے جو بڑے بڑے گناہ کئے ہیں کیا ان کا کفارہ ہوسکتا ہے اس پر سورۂ فرقان کی آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ اور سورۂ زمر کی آیت يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری ص۷۱۰ ج۲)

جب کسی شخص نے اسلام قبول کرلیا کفر وشرک سے توبہ کرلی تو اس کے پچھلے گذشتہ سب گناہ معاف ہوگئے البتہ حقوق العباد کی ادائیگی کی فکر کرے اور جو شخص پہلے سے مسلمان ہے وہ کتنے ہی گناہ کرلے جب توبہ کرلے گا اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف کردے گا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں البتہ حقوق العباد کی تلافی کریں یہ بھی توبہ کا جُز ہے اگر توبہ سچی ہو اور صحیح ہو تو ضرور قبول ہوتی ہے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت شریفہ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کی تلاوت کی پھر فرمایا ولا یبالی کہ اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا (وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس بڑے گناہ کو بخش دے اور جتنے بڑے گنہگار کو بخش دے اس کے لئے کچھ بھاری نہیں ہے اور اس کے کرم اور فضل اور رحمت اور مغفرت سے اسے کوئی روکنے والا نہیں صحیح طریقہ یہی ہے کہ برابر توبہ کرتے رہیں اگر توبہ ٹوٹ جائے پھر کرلیں توبہ ٹوٹتی رہے بار بار کرتے رہیں) سورۂ زمر کی مذکورہ بالا آیت بندوں کے لئے بہت بڑی ڈھارس ہے اور اس میں بندوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کروڑوں گناہ بھی اللہ کی رحمت اور مغفرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے سورۂ یوسف میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بے شک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ اور سورۂ حجر میں ارشاد ہے: قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے گفتگو فرماتے ہوئے کہا) کہ گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے۔

صغیرہ گناہوں کی مغفرت اور ان کا کفارہ تو اعمال صالحہ سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہوں کی یقینی طور پر مغفرت ہوجانا توبہ کے ساتھ مشروط ہے اگر توبہ نہ کی اور اسی طرح موت آگئی تو بشرط ایمان مغفرت تو پھر بھی ہوجائے گی لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ بلا عذاب کے مغفرت ہوجائے، اللہ تعالیٰ بلا توبہ بھی مغفرت فرما سکتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ گناہوں کی سزا دینے کے لئے دوزخ میں ڈال دے پھر عذاب کے ذریعہ پاک وصاف کرکے جنت میں بھیجے چونکہ عذاب کا خطرہ بھی لگا ہوا ہے اس لئے پکی توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مغفرت کی امید رکھیں اس کی رحمت سے ناامید کبھی نہ ہوں تاکہ اس حال میں موت آئے کہ توبہ کے ذریعہ سب کچھ معاف ہوچکا ہو۔

وفادار بندوں کا یہ شعار نہیں کہ مغفرت کا وعدہ سن کر بے خوف ہوجائیں بلکہ مغفرتوں کی بشارتوں کے بعد اور زیادہ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں میں ترقی کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے حضور اقدس ﷺ سے بڑھ کر کسی کے

لئے بشارتیں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی سب لغزشوں کی مغفرت فرمادی جس کا اعلان سورۃ الفتح کے شروع میں فرمادیا اس کے باوجود آپ راتوں رات نمازیں پڑھتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے قدم مبارک سوج گئے تھے جب کسی نے عرض کیا کہ آپ عبادت میں اتنی محنت فرماتے ہیں حالانکہ اللہ پاک نے آپ کا سب کچھ اگلا پچھلا (لغزش والا عمل) معاف فرما دیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا افلا اکون عبداً شکورا (کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) (رواہ البخاری ص ۱۵۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے اتنی بڑی مہربانی فرمائی کہ میرا سب کچھ معاف فرمادیا تو اس کی شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ میں مزید طاعت اور عبادت کے ذریعہ اللہ کے قرب میں ترقی کرتا چلا جاؤں۔

کتنے ہی صحابہؓ ایسے تھے جن کو حضور اقدس ﷺ نے اسی دنیا میں خوشخبری دیدی تھی کہ وہ جنتی ہیں عشرہ مبشرہ (دس جنتی) تو مشہور ہی ہیں عموماً ان کو سب جانتے ہیں اور غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے حضرات کو اللہ جل شانہ کی طرف سے حضور اقدس ﷺ نے یہ خوشخبری دی کہ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم یعنی تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی صحابہ ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے جنت کی بشارت دی لیکن ان حضرات نے اس کا یہ اثر بالکل نہیں لیا کہ گناہ کرتے چلے جائیں اور فرائض کو ضائع کرتے رہیں بلکہ یہ حضرات برابر گناہوں سے پرہیز کرتے رہتے تھے اور نیکیوں میں ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے اور معمولی سا گناہ ہو جانے پر فکر مند ہو جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے ہم کو انہی حضرات کا اتباع کرنا لازم ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی (اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کرتے رہیں پھر راہ پر قائم رہیں یعنی مزید عملِ صالح پر مداومت کریں)

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح اور توبہ پر استقامت ضروری ہے یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور عمومِ مغفرت کی بات سن کر گناہوں میں ترقی نہ کرتا چلا جائے اور توبہ میں دیر نہ لگائے کیونکہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بہت سے اہل ایمان بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے پھر عذاب بھگت کر حضرات ملائکہ کرام اور حضرات انبیاء عظام علیہم السلام اور دیگر اہل ایمان کی شفاعت سے اور محض ارحم الراحمین جل مجدہ کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (کمافی مشکوٰۃ المصابیح ۴۹۰ ۴۹۱)

پھر فرمایا وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّكُمْ (اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے) اس آیت میں اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اس کا فرماں بردار بننے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا تو اس وقت مدد نہ کی جائیگی لفظ "اَنِیْبُوْا" اِنَابَۃ سے مشتق ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اِنَابَۃ اور تَوْبَۃ میں یہ فرق ہے کہ توبہ کرنے والا عذاب کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور انابت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل سے متاثر ہو کر شرما جاتا ہے اور یہ حیاء اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے پر آمادہ کرتی ہے پھر وَاَسْلِمُوْا لَهٗ کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی طاعت میں اخلاص کے ساتھ لگا رہے۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (اور اپنے

رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو)
اس آیت میں قرآن کریم کا اتباع کرنے کا حکم دیا ہے لفظ اَحْسَنَ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حَسَنٌ کے معنی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے عزائم مراد ہیں جو رخصتوں اور اجازتوں کے مقابلے میں اختیار کئے جاتے ہیں اور ان کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر عبادت میں جو افضل ترین اعمال ہیں ان پر عمل کر کے ثواب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو حکم منسوخ ہیں ان کی جگہ اس حکم پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جو منسوخ نہیں ہے حضرت عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ سے لیکر وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ تک تینوں آیات مدینہ منورہ میں وحشی بن حرب اور ان کے جیسے افراد کے بارے میں نازل ہوئیں (وحشی بن حرب وہی ہیں جنہوں نے بحالتِ کفر غزوۂ احد کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کو شہید کیا تھا)

آیات بالا کا مضمون سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ کتنا بھی کوئی بڑا گناہ کرے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت اور مغفرت کا یقین رکھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو۔ احکام قرآنیہ پر عمل کرتے رہیں اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ آجائے انیبوا واسلموا میں بتادیا کہ باوجود وعدہ مغفرت کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اعمالِ خیر میں لگے رہیں۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ (الآیات الثلاث) (ان آیات میں یہ بتادیا کہ اسی دنیا میں اپنے اعمال درست کر لئے جائیں گناہوں سے پرہیز کیا جائے تا کہ قیامت کے دن کوئی شخص پچتاتے ہوئے یوں نہ کہے کہ ہائے ہائے میں نے کیا کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ کے احکام کے بارے میں تقصیر کی اب مجھے یہاں اس کی سزا مل رہی ہے اور نہ صرف یہ کہ میں نافرمان تھا بلکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے دین کا مذاق بنانے والوں میں سے تھا اور اس کے نیک بندوں کی ہنسی اُڑاتا تھا اور کوئی شخص میدان قیامت میں یوں نہ کہنے لگے کہ اے اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوتا یعنی گناہ نہ کرتا (اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج دیا قرآن نازل فرمادیا ایمان کی دعوت دیدی اور اس کی جزا بھی بتادی اور کفر کا جرم عظیم ہونا بیان کر دیا اور اس کی سزا بھی بتادی اب یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوتا اس بات کے کہنے کا موقعہ نہیں رہا۔

قیامت کے دن کسی کے لئے یہ بات کہنے کا موقعہ نہیں رہا کہ مجھے واپس لوٹا دیا جائے اگر مجھے واپسی مل جائے تو دنیا میں جا کر خوب نیک بن جاؤں، جس نے پہلی زندگی ضائع کر دی اب دوسری زندگی میں کیا ہدایت قبول کرے گا جبکہ اس مرتبہ بھی اموال اور اولاد کا فتنہ موجود ہوگا اسی لئے سورۃ الانعام میں فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور اگر انہیں واپس کر دیا جائے تو ضرور پھر وہی عمل کریں گے جس سے منع کیا گیا اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (ہاں تیرے پاس میری آیات آئیں سو تو نے انہیں جھٹلا دیا اور تو کافروں میں سے تھا)

اس کے بعد قیامت کے دن کی بدحالی بیان فرمائی جو کافروں کو درپیش ہوگی، فرمایا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کفر اختیار کیا (اور وہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیں جن سے وہ بری اور

بیزار ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے ہدایت سامنے آجانے کے بعد ہدایت کو قبول نہ کرنا چونکہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی کافر آدمی حق کو اس لئے قبول نہیں کرتا کہ میری قوم اور سوسائٹی کے لوگ کیا کہیں گے اس لئے فرمایا اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ (کیا جہنم میں تکبر والوں کا ٹھکانا نہیں ہے) یعنی اہل تکبر کا تکبر انہیں لے ڈوبے گا جس نے دنیا میں ایمان قبول نہ کرنے دیا، تکبر کیوجہ سے یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔

اس کے بعد اہل ایمان کا ثواب بیان فرمایا وَيُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (الآیہ) ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا کفر اور شرک سے بھی بچے اور گناہوں سے بھی، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اور اہل تکبر کے ٹھکانہ یعنی دوزخ سے بچالے گا انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے) چونکہ ہر چیز کو اسی نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز میں اس کا تصرف بھی پورا پورا ہے

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں) وہ تصرف کرنے والا بھی ہے اور محافظت فرمانے والا بھی ہے)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں)۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ
آپ فرمادیجئے کہ اے جاہلو! کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کروں؟ اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو رسول تھے ان کی
مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ
طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ اے مخاطب اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل حبط ہو جائے گا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا بلکہ اللہ ہی کی عبادت کر اور
مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾
شکر گزاروں میں سے ہو جا۔

آپ فرمادیجئے کہ اے جاہلو میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کر سکتا

تفسیر: مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اپنی جہالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ ہمارے معبودوں کی عبادت کرنے لگو اگر ایسا کرو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے، اس پر آیت کریمہ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ آخر تک) نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو حکم دیا ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا مجھے حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے لگوں؟ مزید

فرمایا وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سب کی طرف ہم نے یہ وحی بھیجی ہے کہ اگر بالفرض اے مخاطب تو نے شرک اختیار کرلیا تو اللہ جل شانہٗ تیرا عمل حبط فرمادے گا یعنی بالکل اکارت کردیا جائے گا جس پر ذرا بھی ثواب نہ ملے گا وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائے گا) یعنی اعمال کا بھی کچھ نہ ملے گا اور جان بھی ضائع ہوگی اس کی کچھ قیمت نہ ملے گی، جان کی مکمل بربادی ہوگی، کیونکہ دوزخ میں داخلہ ہوگا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو گناہوں سے بھی معصوم تھے شرک اور کفر کا ارتکاب ان سے ہو ہی نہیں سکتا لیکن بر سبیل فرض اگر کسی نبی نے بھی شرک کرلیا تو اس کی بھی جان بخشی نہ ہوگی غیروں کا تو سوال ہی کیا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خطاب کرکے ان کی امتوں کو بتادیا کہ دیکھو شرک ایسی بری چیز ہے کہ اگر کسی نبی سے بھی صادر ہوجائے تو اس کے اعمال صالحہ برباد ہوجائیں گے اور وہ تباہ برباد ہوگا لہٰذا امتیوں کو تو اور زیادہ شرک سے دور رہنا اور بیزار رہنا لازم ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ (بلکہ آپ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں) وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ (اور شکر گزروں میں سے ہو جائیں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کے ماحول میں پیدا فرمایا لیکن شرک سے بچایا موحد بنایا توحید کی دعوت کا کام آپ کے سپرد کیا لہٰذا آپ پر شکر ادا کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کیجئے اور اس کا شکر بھی ادا کرتے رہیے یہ لوگ جو آپ کو معبودوں کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں اس کی طرف متوجہ نہ ہوجائیے اور ان کی باتوں میں نہ آئیے اللہ کی عبادت کرانے کے لئے خود غیر اللہ کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے جو لوگ حق قبول نہیں کرتے ان کا وبال ان پر پڑے گا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ
اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہیں کی جیسی عظمت کرنا لازم تھا حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے
بِیَمِیْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ
ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں میں
وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ۝
اور زمین میں ہوں گے سب بے کار ہوجائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ اچانک سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے
وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ
اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوجائے گی اور اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے اور پیغمبروں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے سامنے
بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝
حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ہر جان کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کاموں کو خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہٗ کی ذات بہت بڑی ہے اس کو اس دنیا میں دیکھا نہیں ہے لیکن اس کی صفات کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اس کی صفت خالقیت کو سب عقل مند جانتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ سب کچھ اسی نے پیدا کیا ہے اس کا حق ہے کہ

صرف اسی کی عبادت کی جائے جن لوگوں نے کسی کو اس کا ساجھی ٹھہرایا اور عبادت میں شریک بنایا اور نہ صرف یہ کہ خود مشرک بنے بلکہ اس کے رسول کو بھی شرک کی دعوت دے دی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہیں کی جس تعظیم کا وہ مستحق ہے اس کی ذاتِ پاک کے لئے شریک تجویز کرنا بہت بڑی حماقت اور ضلالت ہے' دنیا میں اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور قیامت کے دن ایک مظاہرہ اس طرح سے ہوگا کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور ان لوگوں کے شرکیہ اقوال وافعال سے بھی پاک ہے۔

چونکہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے) اس لئے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اگر آیت کریمہ کا معنی ہاتھ کی مٹھی لیا جائے اور بیمینہ سے داہنا ہاتھ مراد لیا جائے تو اس سے جسمیت اور مثلیت لازم آتی ہے اس لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ کے مضمون کے بارے میں یوں عقیدہ رکھو کہ اس کا جو بھی مطلب اللہ کے نزدیک ہے وہ حق ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا معنی اور مفہوم اسی کی طرف تفویض کرتے ہیں بعض علماء نے تاویل بھی کی ہے لیکن محققین تاویل کے بجائے تفویض کو اختیار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اور جو کچھ بھی قرآن حدیث میں آیا ہے وہ سب حق ہے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہم اپنی طرف سے مطلب تجویز نہیں کرتے اس طرح کا مضمون جہاں کہیں بھی آئے اس کے بارے میں تفویض والی صورت اختیار کی جائے۔ آئندہ جو احادیث نقل کی جائیں گی جو آیتِ بالا سے متعلق ہیں ان کے معنی کی تفویض بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اے محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، اور زمینوں کو ایک انگلی پر، اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر، اور (باقی) ساری مخلوق کو ایک انگلی پر روک لے گا پھر فرمائے گا کہ اَنَا الْمَلِكُ (میں بادشاہ ہوں) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو ہنسی آگئی یہاں تک کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں اس کے بعد آپ نے آیت (بالا) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ تلاوت فرمائی آپ کا ہنسنا اس یہودی کی تصدیق کے طور پر تھا۔ (صحیح بخاری ۱۱۰۲٬۱۱۰۳)

قیامت کے دن صور پھونکے جانے کا تذکرہ

پھر فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ (الآیہ) اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے) جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی ابتداء صور پھونکے جانے سے ہوگی اور دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسرافیل علیہ السلام کان لگائے ہوئے ہیں اور پیشانی کو جھکائے ہوئے انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہو آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہوگی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان (خرید وفروخت کے لئے) کپڑا کھول رکھا ہوگا ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا

لپیٹنے بھی نہ پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی (پھر فرمایا کہ) البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر لے جا رہا ہوگا اور پی بھی نہ سکے گا اور قیامت یقیناً اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنا حوض لیپ رہا ہوگا اور ابھی اس میں مویشیوں کو پانی پلانے بھی نہ پائے گا اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ سکے گا۔ (رواہ البخاری)

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ زندہ ہونگے وہ مر جائیں گے اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جائیگی اور جو اس سے پہلے مر چکے تھے وہ بے ہوش ہو جائیں گے آسمانوں میں اور زمینوں میں جو لوگ ہونگے سب پر بے ہوشی طاری ہو جائیگی پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو سب اُٹھ کھڑے ہوں گے، قبروں سے نکل کر موقف (یعنی حساب کی جگہ) کی طرف چل دیں گے، دونوں بار جو صور پھونکا جائے گا ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے چالیس کا عدد ذکر کیا حاضرین نے عرض کیا اے ابو ہریرہ کیا چالیس دن کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں عرض کیا گیا کہ چالیس مہینے کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں، عرض کیا گیا چالیس سال کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۴۸۱)

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کا استثناء

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ میں کن حضرات کا استثناء ہے اس کے بارے میں احادیث مرفوعہ صحیحہ میں کوئی واضح بات نہیں ملتی البتہ ایک حدیث میں یوں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان کچھ گالی گلوچ ہوگئی، باتوں باتوں میں مسلمان نے یوں کہہ دیا کہ قسم اس ذات کی جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر یہودی نے یوں کہا قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر اس مسلمان نے یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دیا وہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں چلا گیا اور واقعہ بیان کیا نبی اکرم ﷺ نے اس مسلمان کو بلایا جس نے طمانچہ مار دیا تھا اور اس سے صورت حال معلوم کی، اس نے صورت حال بیان کردی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو (یعنی اس طرح کی کوئی بات نہ کہو جس سے ان کے مرتبہ کی تنقیص ہوتی ہو) کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا پھر سب سے پہلے مجھے ہی ہوش آئے گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کی جانب کو پکڑے کھڑے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان لوگوں میں ہونگے جو بے ہوش ہو گئے تھے اور انہیں مجھ سے پہلے ہوش آ گیا یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کا استثناء کیا گیا ہے یعنی اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کے عموم میں وہ بھی شامل ہوں گے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ طور پر انہیں جو بے ہوشی طاری ہوئی تھی اس کو اس وقت کی بے ہوشی کے حساب لگا دیا گیا (اور اُن پر بے ہوشی ہی نہ ہو) یا بے ہوش تو ہوں گے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آ چکے ہوں گے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۵ ج ۱، ص ۹۶۵ ج ۲، ص ۶۸۸ ج ۲)

چونکہ اس کی تصریح نہیں ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کا مصداق کون ہے اس لئے مفسرین میں سے کسی نے یوں کہا کہ جو حضرات بے ہوش نہ ہونگے ان سے جبرئیل، اسرافیل اور میکائیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اور بعض مفسرین

نے فرمایا ہے کہ اس سے عاملین عرش مراد ہیں اور یوں بھی لکھا ہے کہ پہلی بار صور پھونکے جانے پر حضرات بے ہوشی سے محفوظ رہیں گے بعد میں ان کو بھی موت آجائے گی۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (اور زمین روشن ہو جائے گی اپنے رب کے نور سے) یعنی شمس وقمر کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر روشنی پھیل جائے گی۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ (اور کتاب رکھ دی جائے گی) یعنی اعمال نامے سامنے آجائیں گے اور عمل کرنے والوں کے ہاتھوں میں ان کے اعمالنامے رکھ دیئے جائیں گے وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ اور نبیوں کو لایا جائے گا تاکہ وہ اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں اور خود ان سے تبلیغ کے بارے میں سوال کیا جائے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ

وَالشُّهَدَآءِ (اور شہداء کو لایا جائے گا) لفظ الشہداء کا عموم تمام گواہی دینے والوں کو شامل ہے جن میں تمام امتوں کے انبیاء کرام علیہم السلام اور اعمالنامے لکھنے والے فرشتے اور انسانوں کے اپنے اعضاء ہاتھ پاؤں اور زبانیں سب داخل ہیں۔

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ (اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ یعنی انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا) وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ (اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا)

وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (اور ہر جان کو اسکے عمل کا پورا بدلہ دیا جائیگا) وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ (اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں) یعنی اسے سب کے اعمال معلوم ہیں وہ اپنی حکمت کے مطابق جزاو سزا دے گا' یہ جو فرمایا کہ ہر شخص کو پورا بدلہ دیا جائیگا اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے بدلے میں کمی نہ ہوگی البتہ نیکیوں میں اضافہ کر کے ثواب میں اضافہ کر دیا جائیگا جیسا کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (میں بیان فرمایا ہے اور برے اعمال کا پورا بدلہ دینے کا یہ مطلب ہے کہ جس قدر برے عمل ہوں گے ان کے بقدر عذاب دیا جائے گا اور انکی جزائے موعود میں اضافہ نہ کیا جائیگا جسکو وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا اور وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا میں بیان فرمایا ہے۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

اور کافر لوگ گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے

خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ

دوزخ کے محافظ کہیں گے کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم ہی میں سے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیات سناتے تھے جو تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے

هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ قِیْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

ڈراتے تھے وہ کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے لیکن عذاب کا کلمہ کافروں پر ثابت ہو کر رہا' کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں تم

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى

ہمیشہ رہو گے سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنیوالوں کا اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرے انہیں جنت کی طرف گروہ گروہ بنا کر روانہ کر دیا جائے گا' یہاں تک کہ

إِذَا جَآءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِينَ ﴿۷۳﴾

جب جنت کے قریب پہنچ جائیں گے اس حال میں کہ اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے اوران سے جنت کے محافظ کہیں گے کہ تم پر سلام ہو تم خوشی کے ساتھ رہو سو تم اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے ہم سے سچا وعدہ کیا اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں،

فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِينَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ

سو اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہوں گے

رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۷۵﴾

اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ سب تعریف ہے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے۔

اہل کفر اور اہل ایمان کی جماعتوں کا گروہ گروہ اپنے اپنے ٹھکانوں تک پہنچنا

تفسیر: اس رکوع میں اہل کفر اور اہل ایمان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ اول کافروں کا حال بیان فرمایا کہ کافروں کو گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا سورۃ الطور میں فرمایا یَوْمَ يُدَعُّونَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (جس روز انہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا) جب دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا تو ان کے مختلف گروہ ہوں گے کیونکہ کفر کے بہت سے اقسام ہیں اور کفر کے مراتب بھی جُدا جُدا ہیں اس لئے ایک ایک طرح کے کافروں کا ایک گروہ ہوگا۔ قال صاحب الروح ای سیقوا الیھا بالعنف والاھانۃ افوا جامتفرقۃ بعضھا فی اثر بعض مترتبۃ حسب ترتب طبقاتھم فی الضلالۃ والشرارۃ۔ (تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں: یعنی جہنم کی طرف سختی اور ذلت کے ساتھ ہانکے جائیں گے مختلف گروہوں کی شکل میں گمراہی و شرارت میں اپنے اپنے درجہ کے مطابق ترتیب سے) اسی طرح چلائے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو اس میں داخل کرنے کے لئے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اس سے پہلے دوزخ کے دروازے بند ہوں گے جیسے کہ دنیا میں بھی جیل خانوں کے دروازے بند رہتے ہیں جب کوئی قیدی لایا جاتا ہے تو کھول دیئے جاتے ہیں دوزخ کے جو ذمہ دار فرشتے ہوں گے وہ ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم ہی میں سے تھے (جن سے علم حاصل کرنا اور عمل سیکھنا اور ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا تمہارے لئے آسان تھا وہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے تھے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے اس کے جواب میں وہ لوگ کہیں گے کہ ہاں اللہ کے رسول آئے تھے تو انہوں نے ہمیں پروردگار جل مجدہٗ کی آیات بھی سنائیں اور آج کے دن کی ملاقات سے بھی ڈرایا لیکن عذاب کا کلمہ کافروں کے حق میں ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ فرمایا تھا کہ کافر دوزخ میں جائیں گے اس کے مطابق ہمیں یہاں آنا پڑا نہ کافر ہوتے نہ یہاں آتے' ان سے کہا جائیگا کہ تم دوزخ

کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم اس میں ہمیشہ رہو گے اس میں داخل ہونے کے بعد اب تمہیں یہاں سے نکلنا نہ ہوگا۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا) تکبر نے ان لوگوں کا ناس کھویا اور حق قبول کرنے نہ دیا' کافرین جب دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو اس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور وہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ (وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ) اس کے بعد اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف لے جائے جائیں گے تقویٰ کا ابتدائی درجہ تو یہ ہے کہ کفر کو چھوڑ کر ایمان قبول کرے پھر اعمال صالحہ اختیا کرنے اور گناہوں سے بچنے کے اعتبار سے اہل تقویٰ کے مختلف درجات ہیں اور ان میں فرق مراتب ہے ان درجات کے مراتب کے اعتبار سے گروہ گروہ بنا دیےء جائیں گے جنت کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے پائیں گے جیسا کہ مہمان کے اکرام کے لئے ایسا ہی کیا جاتا ہے اور وہاں کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ تم پر سلامتی ہو تم اچھی طرح رہو مزے میں رہو اور اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ' یہاں سے کہیں جانا اور نکلنا نہیں ہے' نہ یہاں سے نکلو گے نہ نکالے جاؤ گے لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ

اہل جنت' جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مشغول ہو جائیں گے اور عرض کریں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا یعنی جو وعدہ فرمایا تھا پورا فرما دیا وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ اور ہم کو اس زمین کا روارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانہ بنائیں ہمیں بہت بڑی اور عمدہ جگہ ملی ہے جہاں چاہیں چلے پھریں قیام کریں۔

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (سو اچھا بدلہ ہے عمل کرنیوالوں کا) جنہوں نے نیک عمل کئے انہیں یہاں آنا نصیب ہوا۔

سورت کے ختم پر روز قیامت کے فیصلوں کو مختصر الفاظ میں بیان فرما دیا کہ آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگر حلقہ باندھے ہوئے ہوں گے اپنے رب کی تسبیح وتحمید بیان کرتے ہونگے وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور کہا جائے گا کہ ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں جس نے حق کے ساتھ سارے فیصلے فرما دیئے)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک سورۂ زمر اور سورۂ بنی اسرائیل (رات کو) نہیں پڑھ لیتے تھے اس وقت تک نہیں سوتے تھے۔ (رواہ الترمذی فی الواب الدعوات)

وقد تم تفسیر سورۃ الزمر والحمد للہ اولا
وآخرًا والسلام علی من ارسل طیبا وطاهراً

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ مومن مکی ہے اس میں پچاسی آیات ہیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۞ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ

حٰمٓ○ یہ کتاب اُتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۞

سخت سزا دینے والا قدرت والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا ہے توبہ قبول کرنیوالا ہے، سخت عذاب والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ المومن شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الغافر بھی ہے یہ پہلی سورت ہے جو حٰم سے شروع ہوئی ہے اس کے بعد سورۂ حٰم سجدہ اور سورۃ الشوریٰ اور سورۃ الزخرف اور سوۃ الدخان اور سورۃ الجاثیہ اور سورۃ الاحقاف بھی حٰم سے شروع ہیں انہیں حوامیم سبعہ کہا جاتا ہے روح المعانی نے بحوالہ فضائل القرآن لابی عبید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے اور بلاشبہ قرآن کا خلاصہ وہ سورتیں ہیں جو حٰمٓ○ سے شروع ہوتی ہیں سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح کو سورۃ المومن اول سے لے کر الیہ المصیر تک تلاوت کی اور ساتھ ہی آیۃ الکرسی بھی پڑھی تو یہ شخص شام تک اس کی وجہ سے (مصائب اور تکالیف سے) محفوظ رہے گا اور جس نے ان دونوں کو شام کے وقت پڑھا وہ صبح ہونے تک محفوظ رہے گا حٰمٓ○ حروف مقطعات میں سے جو متشابہات ہیں ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اوپر سورۃ المومن کی دو آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری گئی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی چھ صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ عزیز ہے یعنی زبردست دوم یہ کہ وہ علیم ہے یعنی ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے سوم یہ کہ وہ گناہوں کا بخشنے والا ہے اور چہارم یہ کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے پنجم یہ کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے ششم یہ کہ وہ قدرت والا ہے اللہ تعالیٰ کی صفت عزت اور علم بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ گناہ بھی بخشتا ہے توبہ بھی قبول فرماتا ہے مومن بندہ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے حضور میں توبہ کرے اور اپنے گناہ معاف کرائے اگر کوئی شخص گناہ کرتا رہے توبہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں اور آخرت میں میری کوئی گرفت نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا بھی اور سخت سزا دینے والا بھی ہے نیز وہ قدرت والا بھی ہے وہ جسے جو سزا دینا چاہے اسے اس پر پوری طرح قدرت ہے کوئی

اسے روک نہیں سکتا لَآ اِلٰــهَ اِلَّا هُوَ ط اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو لوگ اس کے سوا کسی کو معبود بناتے ہیں وہ سخت عذاب کے مستحق ہیں ان پر لازم ہے کہ شرک سے توبہ کریں تاکہ عذاب شدید سے بچ جائیں الیه المصیر (سب کو اسی کی طرف واپس ہو کر جانا ہے) دنیا میں آ تو گئے ہیں لیکن ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے مرنا ہے یہاں سے جانا ہے اسی وحدہ لاشریک لہ کے سامنے پیش ہونا ہے لہٰذا دنیا سے ایسی حالت میں جائیں کہ عقائد اعمال و احوال دُرست ہوں جن پر اجر و ثواب ملے اور وہاں کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ

اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا، ان سے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا

پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے جھٹلایا اور ہر اُمت نے ارادہ کیا کہ اپنے رسول کو پکڑ لیں

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

اور باطل کے ذریعہ جھگڑا کریں تاکہ اُس کے ذریعہ حق کو باطل کر دیں، سو میں نے اُن کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب، اور اسی طرح آپ کے رب

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

کا قول کافروں پر ثابت ہو چکا کہ وہ دوزخ والے ہیں۔

کافر لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں شہروں میں ان کا چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے، سابقہ امتوں اور جماعتوں نے جھٹلایا جسکی وجہ سے انکی گرفت کر لی گئی

تفسیر: قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی تھیں تو جو لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور اپنے کفر پر جمے رہتے تھے ان آیات کے بارے میں یہ لوگ طرح طرح کی باتیں نکالتے تھے اور جھگڑے کی باتیں کرتے تھے ان لوگوں کی باتوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے کھاتے پیتے اور مالدار تھے ان کے پاس سواریاں بھی تھیں اس شہر سے دوسرے شہر میں جاتے تھے اور زمین میں گھومتے پھرتے تھے، جو لوگ آپ کے ساتھی تھے ان کو خیال ہو سکتا تھا کہ ہم اہل ایمان ہیں غریب ہیں اور یہ لوگ کافر اور منکر ہیں ان کے پاس دنیا ہے عیش کے اسباب ہیں مال کی فراوانی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے یہ ان کی چند روزہ زندگی ہے آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب ہی ہے اور دنیا میں بھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معاندوں اور منکروں اور جدال کرنے والوں پر عذاب آتا رہا ہے اور ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم گزری ہے اور ان کے بعد بہت سی جماعتیں گزری ہیں مثلاً عاد و ثمود وغیرہ

انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور مبتلائے عذاب ہوئے۔

جو امتیں پہلے گزری ہیں ان میں سے ہر امت نے اپنے نبی کو پکڑنے کا ارادہ کیا تا کہ قتل کر دیں اور بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو تو قتل بھی کر دیا اور ان لوگوں نے باطل کے ذریعہ جھگڑا کیا تا کہ حق کو مٹا دیں کچھ دن ان کا یہ طریقہ کار رہا بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی انہیں پکڑ لیا اور عذاب چکھا دیا اور عذاب بھی معمولی نہیں ان پر سخت عذاب آیا' ہلاک اور برباد ہوئے اسی کو فرمایا فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ سو میں نے ان کی گرفت کر لی' سو کیسا ہوا میرا عذاب) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ ان لوگوں کے جدال اور عناد اور کفر و انکار کی وجہ سے غمزدہ نہ ہوں سابقہ امتوں نے بھی اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ جدال و عناد کا معاملہ کیا ہے۔

دنیا میں کافروں کو جو عذاب ہوگا اسی پر بس نہیں ہے کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ثابت ہو چکا ہے کہ ان کو دوزخ میں ضرور جانا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے ان کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ

لوگوں کے لئے استغفار کرتے ہیں جو ایمان لائے اے ہمارے رب آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز کو شامل ہے سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کی اور آپ کے راستے کا اتباع کیا

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ

اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے اے ہمارے رب اور انہیں ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل فرمائیے جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے

اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ

آباء ازواج ذریتوں میں جو صالح ہوئے ان کو بھی داخل فرمائیے بلاشبہ آپ زبردست ہیں' حکمت والے ہیں اور ان کو تکلیفوں سے بچائیے

السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

اور اس دن جسے آپ نے تکلیفوں سے بچا لیا سو آپ نے اس پر رحم فرما دیا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

حاملین عرش کا مؤمنین کے لئے دعاء کرنا' اہل ایمان اور ان کی ازواج اور ذرّیات کے لئے جنت میں داخل ہونے کا سوال

تفسیر: اوپر اہل کفر کی سزا کا بیان ہوا' ان آیات میں اہل ایمان کی فضیلت بیان فرمائی اور یہ فرمایا کہ اہل ایمان کے لئے حاملینِ عرش اور وہ فرشتے جو ان کے آس پاس ہیں دعاء کرتے ہیں یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں اللہ پر ایمان لائے ہیں اور دنیا میں جو اہل ایمان ہیں ان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور یوں دعا کرتے

ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز کو شامل ہے لہٰذا آپ ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے شرک و کفر سے توبہ کی اور آپ کے راستہ پر چلتے رہے ان کو آپ عذاب جہنم سے بھی بچا لیجئے اور ان کو ان بہشتوں میں داخل فرمائیے، ہمیشہ رہنے کے لئے داخل فرمائیے جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے یہ لوگ اہل ایمان ہیں اور رحمت کے مستحق بھی ہیں لہٰذا ان کو بخش ہی دیا جائے۔

حاملین عرش اور ان کے آس پاس جو فرشتے ہیں ان کی دعا اہل ایمان کے آباء واجداد اور ازواج واولاد کے لئے بھی ہے کہ ان کو بھی ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل فرمائیے اس مضمون کو وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ میں بیان فرمایا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَمَنْ صَلَحَ کا عطف ادخلھم کی ضمیر منصوب پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے ساتھ ان کے آباء وازواج اور ذریات کو بھی جنات عدن میں داخل فرمائیے ان میں سے جو جنت میں داخل ہونے کے قانون میں آسکیں انکی صلاحیت اگرچہ متبوع کی صلاحیت سے کم ہو پھر بھی انہیں ان کے ساتھ داخل جنت فرما دیجئے تا کہ ان کی خوشی مکمل ہو بلکہ خوشی میں خوب زیادہ اضافہ ہو جائے۔

اٰبَآء اَبٌ کی جمع ہے جس سے باپ دادے مراد ہیں اور اَزْوَاجٌ زَوْجٌ کی جمع ہے یہ لفظ جوڑے کے لئے بولا جاتا ہے اس کا عموم مرد اور عورت دونوں کے لئے شامل ہے اور ذریّات ذُرِّيَّت کی جمع ہے ذریت آل واولاد کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

سورۂ والطور میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہم ذریت کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اس میں جو وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ فرمایا ہے یہاں سورۃ المومن میں اسی کو وَمَنْ صَلَحَ سے تعبیر فرمایا ہے جو شخص باایمان نہ ہو وہ دخول جنت کا مستحق نہیں ہے لہٰذا کسی کے تعلق کی وجہ سے وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا اہل ایمان کی اہلِ ایمان اولاد ہی جنت میں داخل ہوگی اسی طرح آباء وازواج بھی وہی جنت میں داخل ہو سکیں گے جو اہل ایمان ہوں۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ اور ان کو بدحالیوں سے بچائیے وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ (اور اس دن آپ نے جسے بدحالیوں سے بچالیا تو آپ نے اس پر رحم فرما دیا وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (اور یہ بڑی کامیابی ہے) يَوْمَىِٕذٍ سے قیامت کے دن کی اور اس کے بعد عذاب جہنم کی تکلیف مراد ہیں بعض حضرات نے يَوْمَىِٕذٍ سے دنیا والی زندگی مراد لی ہے اور اس صورت سیآت کے معنی معروف مراد ہوں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو دنیا میں گناہوں سے بچائیے اور جسے آپ نے دنیا میں گناہوں سے بچالیا آپ اس پر آخرت میں رحم ہی فرما دیں گے۔

جن حضرات سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے ان کے لئے داخلِ جنت ہونے کی دعا ان لوگوں کے اظہارِ فضیلت اور تقرب الی اللہ کے لئے ہے، مومنین کو ہمیشہ اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے خیر ہی کی دعا کرتے رہنا چاہیے جن حضرات صحابہ کو رسول اللہ ﷺ نے دخول جنت کی بشارت دیدی تھی وہ بھی اعمال صالحہ اور دعاؤں سے غافل نہیں ہوئے اور ارتکاب سیآت سے بچتے رہے بندگی کا تقاضا یہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ

بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا ان کو پکارا جائے گا کہ یہ بات واقعی ہے کہ اللہ کا جو تم سے بغض ہے وہ اس بغض سے بہت بڑا ہے جو تمہیں خود اپنی جانوں سے ہے جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے

فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ

تو کفر اختیار کرتے تھے وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمیں دوبار موت دی اور دوبار زندگی دی سو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے

سَبِيْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝

یہ اس وجہ سے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جاتا تھا تو اسے مان لیتے تھے سو فیصلہ اللہ ہی کے لئے ہے جو بلند ہے بڑا ہے۔

کافروں کا اقرارِ جُرم کرنا اور دوزخ سے نکلنے کا سوال کرنے پر جواب ملنا کہ تم نے توحید کو ناپسند کیا اور شرک کی دعوت پر ایمان لائے

تفسیر: دنیا میں اہل کفر اپنے کو اچھا جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں ایمان والوں سے بہتر ہیں اور برتر ہیں، لیکن جب قیامت کے دن اپنی بدحالی دیکھیں گے تو خود اپنے نفسوں سے اور اپنی جانوں سے بغض کرنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تمہیں جتنا اپنے نفسوں سے بغض ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفسوں سے اس بغض سے بھی زیادہ بغض ہے اور یہ بغض اب سے نہیں جب سے تم دنیا میں تھے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ کو تم سے بغض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم اس کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور کفر پر جمے رہتے تھے تمہیں بار بار ایمان کی دعوت دی گئی لیکن تم نے ہر بار حق کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

مَقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے **وجوز ان یراد به مقت بعضهم بعضا** (یعنی آپس میں تم میں جو آج ایک دوسرے سے بغض اور نفرت ہے کہ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو الزام دے رہے ہیں اور ایک دوسرے سے برأت ظاہر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے زیادہ بغض ہے یہ تفسیر يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا کے ہم معنی ہے جو سورۂ عنکبوت میں مذکور ہے۔

کافر عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی پہلی بار جب ہمیں پیدا کیا اس وقت ہم بے جان تھے کیونکہ منی کا نطفہ تھے آپ نے ہمیں زندہ فرما دیا ماؤں کے پیٹوں میں روح پھونک دی پھر ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اور آپ کی مشیت کے مطابق زندگی بڑھتی رہی پھر آپ نے ہمیں موت دیدی جس کی وجہ سے ہم قبروں میں چلے گئے پھر آج آپ نے ہمیں قیامت کے دن زندہ فرمایا ہم پر دو موتیں طاری ہوئیں اور دو زندگیاں آئیں ایک پہلے تھی اور ایک اب ہے یہ آپ کے تصرفات ہیں ہمیں چاہئے تھا کہ ہم دنیا والی زندگی میں ایمان قبول کرتے اور شرک اور کفر سے بچتے ہم یہی سمجھتے رہے کہ دنیا والی زندگی کے بعد جو موت آئے گی اس کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے یہ ہماری غلطی تھی اب ہم اس زندگی میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اب تو ہمیں عذاب سے چھٹکارہ کی ضرورت ہے تو کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ ہمارا چھٹکارہ ہو جائے اور عذاب کی مصیبت سے نکاسی ہو جائے گی اگر ہمیں چھٹکارہ مل جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہاں ایمان قبول کریں گے اور نیک اعمال اختیار کریں گے اور اس کے بعد پھر جب موت آئے تو اچھی حالت میں میدان

حشر میں حاضر ہوں۔ وھٰذا کما حکی اللّٰہ تعالیٰ فی قولہ فی سورۃ الٓمّٓ السجدۃ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا۔

اللہ کا ارشاد ہوگا ذٰلِکُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ کَفَرْتُمْ وَاِنْ یُّشْرَکْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (تمہارا یہ عذاب میں مبتلا ہونا اس وجہ سے ہے کہ جب دنیا میں اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارا جاتا تھا تو تمہیں اچھا نہیں لگتا تھا تم اللہ کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے اور اسی انکار پر جمے رہتے تھے اور اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا موقع آجاتا کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم اسے مان لیتے تھے اور اسے صحیح کہتے تھے اور اس کے اقراری ہو جاتے تھے، وہ دنیا گزر گئی تم اس میں برابر کافر ہی رہے آج چھٹکارہ کا راستہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ تمہیں عذاب میں ہی رہنا ہے اللہ تعالیٰ برتر بھی ہے اور بڑا بھی ہے اس کے سارے فیصلے حق ہیں حکمت کے مطابق ہیں اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا اس کی صفت علو اور کبریا کی طرف تم نے نہیں دیکھا اور اپنے من مانے خیالات اور اعتقادات میں منہمک رہے اب عذاب اور عقاب کے سوا تمہارے لئے کچھ نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا

وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اُتارتا ہے، اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو رجوع کرتے ہیں سو تم

اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ

اللہ کو پکارو۔ دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ وہ رفیع الدرجات ہے عرش والا ہے وہ اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے

مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ

اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے جس دن وہ لوگ ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہ ہوگی

مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا کَسَبَتْ ؕ

آج کس کے لئے مُلک ہے اللہ واحد قہار کے لئے ہے۔ آج کے دن ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا

لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

آج کے دن ظلم نہیں ہے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ رفیع الدرجات ہے ذوالعرش ہے جس کی طرف چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے، قیامت کے دن سب حاضر ہوں گے اللہ سے کوئی بھی پوشیدہ نہ ہوگا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہوگی

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات اور صفات جلیلہ اور قیامت کے دن کے بعض مناظر بیان فرمائے ہیں، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اس کی مخلوق میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اس کے قادرِ

مطلق اور وحدہ لاشریک ہونے پر دلالت کرتی ہیں پھر فرمایا کہ وہ تمہارے لئے آسمانوں سے رزق نازل فرماتا ہے اس میں بیان قدرت بھی ہے اور اظہار انعام بھی پھر فرمایا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ اور نشانیوں کو دیکھ کر وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو رجوع کرتے ہیں یعنی اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں اور فکر کو کام میں لاتے ہیں اور نشانیوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کا یہ غور وفکر انہیں قبول حق تک پہنچا دیتا ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (سو تم اللہ کو پکارو اسی کی عبادت کرو اور دین کو اس کے لئے خالص رکھو یعنی اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ) وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو) تم اللہ کے بندے ہو خالص اسی کی عبادت کرو توحید اور ایمان پر مستقیم رہنا اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا یہ تمہارا فریضہ ہے جو لوگ تمہارے دین کو قبول نہیں کرتے وہ تم سے اور تمہارے عقیدۂ توحید اور اخلاص فی العبادۃ سے راضی نہیں انہیں ناراض رہنے دو ان کی ناراضگی اور ناگواری کی کوئی پرواہ نہ کرو۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ (یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے) مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں اول یہ کہ وہ درجات کو بلند فرمانے والا ہے جو بندے مومن ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان کے درجات بلند فرمائے گا اور اس دنیا میں بھی اس نے اپنے بندوں میں فرق مراتب رکھا ہے کما قال تعالیٰ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وقال تعالیٰ ! يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (یہ معنی زیادہ واضح ہے اس میں رفیع بمعنی رافع ہوگا (گو صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے کہ اس میں بُعد ہے) اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتفع الدرجات ہے یعنی عظیم الصفات ہے۔(قال صاحب الروح عن ابی زید انه قال ای عظیم الصفات و کانه بیان لحاصل المعنی الکنائی)

ذُو الْعَرْشِ (وہ عرش والا ہے) يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (وہ نازل فرماتا ہے روح کو یعنی وحی کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی کو روح اس لئے فرمایا کہ اس کے ذریعہ قلوب کو حیات حاصل ہوتی ہے اور لفظ مِنْ اَمْرِهٖ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ روح کا بیان ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ من ابتدائیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ روح یعنی وحی کا نازل ہونا اس کے حکم سے ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ روح سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو اپنا حکم پہنچانے کے لئے نازل فرماتا ہے۔

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ جو فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ وہ خود ہی اپنی رسالت کے لئے اپنے بندوں میں سے اشخاص اور افراد کو چن لیتا ہے کما قال تعالیٰ فی سورۃ الحج اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ نبوت اور رسالت کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے جسے ہنر اور کسب کے ساتھ حاصل کر لیا جائے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک جس کو چاہا منتخب فرمایا اور نبوت و رسالت سے نواز دیا۔

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ (تا کہ اللہ کا یہ بندہ جس کی طرف وحی بھیجی ملاقات کے دن سے ڈرائے) لفظ التلاق لَقِيَ يَلْقٰى سے باب تفاعل کا مصدر ہے جو جانبین سے ملاقات کرنے پر دلالت کرتا ہے اس کے آخر سے یا حذف کر دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندہ پر چاہا وحی بھیج دی تا کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرائے اس دن نیک بندے اپنے اچھے اعمال کی جزاء سے اور برے بندے اپنی بداعمالیوں کی سزا سے ملاقات کریں گے۔

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا کَسَبَتْ (آج کے دن ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے کسب کیا یعنی جو کچھ کمایا خیر ہو یا شر ہو اس کا بدلہ دیا جائے گا لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ (آج کے دن کوئی ظلم نہیں) نہ کسی کی کوئی نیکی ضائع جائے گی اور نہ کسی کے اعمالنامے میں کسی برائی کا اضافہ کیا جائے گا جو اس نے نہ کی ہو اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے) وہ سب کا حساب بیک وقت لینے پر قادر ہے ایسا نہیں ہے کہ ترتیب وار حساب لینے کی ضرورت ہو اور ایک کا حساب لینا دوسرے کے حساب سے مانع ہو۔

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا

اور آپ ان کو قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرایئے جس وقت قلوب گلوں کے پاس ہوں گے گھٹن میں پڑے ہوئے ہوں گے ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ

شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ

کوئی سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے وہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور ان چیزوں کو جنہیں سینے پوشیدہ رکھتے ہیں اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور

یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾

اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے بلاشبہ اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔

انہیں قیامت کے دن سے ڈرایئے جس دن دل گھٹن میں ہونگے ظالموں کے لئے کوئی دوست یا سفارش کرنے والا نہ ہوگا

تفسیر: ان آیات میں بھی قیامت کا منظر بتایا ہے ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں یوم الْاٰزفۃ سے ڈرایئے یہ ازِفِ یازَفُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو قرب کے معنی پر دلالت کرتا ہے سورۃ النجم میں فرمایا اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (قریب آنے والی قریب آگئی) اس سے قیامت مراد ہے جو جلد ہی آجانے والی ہے آیت بالا میں فرمایا کہ آپ ان کو قیامت کے دن سے ڈرایئے یہ ایسا دن ہوگا کہ قلوب حلقوم کو پہنچے ہوئے ہوں گے اور ایسا معلوم ہوگا کہ دل اندر سے اٹھ کر گلوں میں آکر پھنس گئے ہیں اور باہر آنا چاہتے ہیں یہ قلوب بڑی گھٹن میں ہوں گے اس وقت سخت تکلیف' گھٹن اور غم اور بے چینی بہت زیادہ ہو گی جو لوگ دنیا میں ظلم والے تھے وہ وہاں مصیبت سے چھٹکارہ کے لئے دوست اور سفارشی تلاش کریں گے تو کوئی بھی دوست نہ ملے گا اور نہ کوئی سفارشی ملے گا جس کی بات مانی جائے' صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ ظالمین سے کافر مراد ہیں کیونکہ ظلم میں کامل ہونا انہیں کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے

یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ قیامت کے دن محاسبہ ہوگا نیکیوں کی جزا ملے گی اور برائیوں پر سزایاب ہوں گے اعضاء ظاہرہ کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور سینوں میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں برے عقیدے' بری نیتیں' برے جذبات' اللہ تعالیٰ

ان سب سے بھی باخبر ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے باطن کا حال پوشیدہ ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا اعضاء ظاہرہ میں آنکھیں بھی ہیں بری جگہ نظر ڈالنا جہاں دیکھنے کی اجازت نہیں اور بد اعمالیوں میں آنکھوں کا استعمال کرنا یہ سب گناہ ہے آنکھوں کے اعمال میں سے ایک عمل خیانت بھی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں میں پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے آنکھ کے گوشے سے نامحرم کو دیکھ لیا چپکے سے گناہ کی نظر کہیں ڈال لی آنکھ کے اشارہ سے کسی کی غیبت کر دی یہ سب گناہ میں شمار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے۔

حضرت اُم معبد رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّیَآءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کما فی المشکوٰۃ ص ۲۲۰) ترجمہ دُعاء یہ ہے

(اے اللہ میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دے کیونکہ آپ آنکھوں کی خیانت اور ان چیزوں کو جانتے ہیں جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں)

وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ (اور اللہ حق کے ساتھ فیصلے فرماتا ہے) وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں یعنی معبودان باطلہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے) اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بلاشبہ اللہ سننے والا دیکھنے والا) اسی کا فیصلہ حق ہے جو واقعی علم کے مطابق ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ کَانُوْا ھُمْ
کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے وہ قوت کے اعتبار سے ان سے زیادہ
اَشَدَّ مِنْھُمْ قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ؕ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾
سخت تھے اور زمین میں نشانوں کے اعتبار سے بھی بڑھ کر تھے سو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت فرمائی اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی بھی نہ تھا'
ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْھِمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ ؕ اِنَّہٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾
یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو انہوں نے کفر کیا پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا' بے شک وہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔

کیا زمین میں چل پھر کر سابقہ اُمتوں کو نہیں دیکھا' وہ قوت میں بہت بڑھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت فرمائی

تفسیر: کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ایمان لاؤ ورنہ کفر پر عذاب آجائے گا تو اس کا بھی مذاق بناتے تھے، حالانکہ ایک سال میں دو مرتبہ تجارت کے لئے ملک شام جاتے تھے راستے میں ان قوموں کی تباہ شدہ عمارتوں اور کھنڈروں پر گزرتے تھے جو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئیں آیت بالا میں ان کو اسی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے

لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ عاد اور ثمود کی بستیوں پر گزرتے ہیں وہ لوگ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور بڑی قوت رکھتے تھے زمین میں ان کے بڑے بڑے نشان تھے جواب بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں نظروں کے سامنے ہیں انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے' شہروں کو آباد کیا لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کی بات نہ مانی' ایمان نہ لائے اور کفر کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہوئے ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا ان کا گھمنڈ رکھا رہ گیا جو یوں کہتے تھے کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟) ان کی ساری قوت دھری رہ گئی' عذاب آیا اور ہلاک ہوئے' جب اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیجا تو کوئی بھی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں تھا' اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جو ان کی گرفت ہوئی اور مبتلائے عذاب ہوئے اس کا یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول ان کے پاس بھیجے وہ کھلی ہوئی نشانیاں معجزات لے کر آئے انہوں نے ان کی دعوت پر کان نہ دھرا برابر انکار کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے پکڑا تو کہاں بچ سکتے تھے اللہ تعالیٰ قوی ہے اور شدید العقاب ہے' گزشتہ امتوں کے حالات اور واقعات سے ہر زمانے کے کافروں کو عبرت لینا ضروری ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

سو جب ان کے پاس ہمارے پاس سے حق لے کر آیا تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی' اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکارے بلاشبہ میں ڈرتا ہوں

اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے یا زمین میں فساد پھیلا دے اور موسیٰ نے کہا بلاشبہ میں اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں جو میرا بھی رب ہے

مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

اور تمہارا بھی ہر متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

ہم نے موسیٰ کو فرعون' ہامان' قارون کی طرف بھیجا انہوں نے ان کو ساحر اور کذاب بتایا' فرعون کے برے عزائم کا تذکرہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب کی پناہ مانگنا

تفسیر: گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر بعض اقوام کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب کا تذکرہ فرمایا آیات بالا میں اور ان

کے بعد ڈیڑھ رکوع تک فرعون اور اس کی قوم کے عناد اور تکذیب کا اور بالآخران کے غرق اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا درمیان میں ایک ایسے شخص کی نصیحتوں کا تذکرہ بھی فرمایا' جو آلِ فرعون میں سے تھا' یہ شخص ایمان لے آیا تھا اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات یعنی معجزات کے ساتھ اور واضح حُجت کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو معجزات دکھائے توحید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے جمود اور عناد اور انکار سے کام لیا کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تکذیب کی کوئی پرواہ نہ کی اور برابر تبلیغ فرماتے رہے۔

فرعونیوں نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات اثر کر رہی ہے اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اور کچھ لوگ متاثر ہوتے جا رہے ہیں تو باہم مشورہ کر کے کہنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو باقی رکھو (یعنی وہی عمل لڑکوں کے قتل کرنے کا پھر شروع کر دو جو کاہنوں کے خبر دینے پر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا تاکہ ان کا کوئی بچہ ایسی پرورش نہ پا جائے جو فرعونی حکومت کو تہہ و بالا کرنے کا ذریعہ بن جائے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید کو دبانے کے لئے مشورہ تو کر لیا اور ممکن ہے اس پر عمل بھی کر لیا ہو لیکن ان کی سب تدبیریں ضائع ہوئیں جسے وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ میں بیان فرمایا ہے۔

فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے کہا کہ تم مجھے چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور جب میں اسے قتل کرنے لگوں تو وہ اپنے رب کو پکارے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کی قوم کے سرداروں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکا اور یہ سمجھایا کہ تو انہیں قتل کر دے گا تو عامۃ الناس یہ سمجھ لیں گے تو دلیل سے عاجز آ گیا اس لئے قتل کے درپے ہو گیا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ ان کے قتل کر دینے ہی سے میرا ملک بچ سکتا ہے)

فرعون نے یہ جو کہا کہ میں جب اُسے قتل کرنے لگوں تو یہ اپنے رب کو پکارے یہ ظاہری طور پر ڈینگ مارنے والی بات ہے اندر سے گھبرایا ہوا تھا اور ان کی بددُعاء سے ڈر رہا تھا اور ظاہر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اُڑانے کیلئے یہ الفاظ بول رہا تھا۔

فرعون نے اپنے ماننے والوں سے یہ بھی کہا کہ اگر موسیٰ کو چند دن اور بھی چھوڑ دیا تو ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے میری عبادات چھڑا دے اور بتوں کی عبادت سے ہٹا دے اور یہ بھی ڈر ہے کہ یہ زمین میں کوئی فساد کھڑا کر دے کیونکہ جب اس کی بات بڑھے گی اس کے ماننے والے تعداد میں بہت ہو جائیں گے تو اس کے ماننے والوں میں اور میرے ماننے والوں میں لڑائی جھگڑے ہوں گے اور اس سے نظام معطل ہو گا جو لوگ دنیادار ہوتے ہیں اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کے سوچنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے مقابل کو قتل کرا دیں اور خود دنیاوی مال و جائیداد اور اختیار و اقتدار پر قابض رہیں اور یہ اس بارے میں عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ میں تمہارے بھلے کے لئے ایسا کر رہا ہوں اس شخص کے وجود سے تمہارے دین و دنیا کو خطرہ ہے لہٰذا اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بات کا جب علم ہوا تو فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے کہ وہ مجھے ہر متکبر سے محفوظ رکھے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی

حفاظت کی دعا کی اور لوگوں کو بتادیا کہ جو میرا رب ہے وہی تمہارا رب ہے جو بھی کوئی شخص تکبر کرے آخرت کے دن کو نہ مانے ایسا منکر اور معاند کافر ہے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے گا' مجھے اس کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ

اور آل فرعون میں سے ایک مومن نے کہا جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے

وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا

حالانکہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوگا

يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ

تو تمہیں بعض وہ مصائب پہنچ جائیں گے جن کی وہ بطور پیشین گوئی خبر دے رہا ہے بلاشبہ اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا ہو بہت جھوٹا ہو اے میری قوم

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ

آج زمین میں تمہاری حکومت ہے تم غلبہ پائے ہوئے ہو سو اگر اللہ کا عذاب ہم تک آپہنچا تو ہمیں اس سے بچانے کے لئے کون مدد کریگا؟ فرعون نے کہا

مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں خود ٹھیک سمجھ رہا ہوں اور میں تمہیں وہی راہ بتاؤں گا جو ہدایت کا راستہ ہے۔

آل فرعون میں سے ایک مومن بندہ کی حق گوئی نیز تنبیہ اور تہدید

تفسیر: آل فرعون میں سے ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا (جیسا کہ فرعون کی بیوی مسلمان ہوگئی تھی) کہا جاتا ہے کہ یہ شخص فرعون کے چچا کا لڑکا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ فرعون کا ولی عہد سمجھا جاتا تھا اور محکمہ پولیس کا ذمہ دار تھا یہ مومن تو تھا لیکن اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اس نے بطور ہمدردی فرعون سے اور اس کے ساتھیوں سے جو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے یوں کہا کہ تم جو اس شخص کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہو یہ کوئی سمجھداری کی بات نہیں اول تو اس کا کوئی قصور نہیں کوئی چوری نہیں کی کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا اس نے ایک حق بات کہی ہے اور یوں کہا کہ میرا رب اللہ ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے قتل کرنے کا سبب بنالیا جائے پھر وہ جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے لئے دلائل بھی پیش کرتا ہے دلائل واضح اور معجزات دیکھتے ہوئے جو تمہارے رب کی طرف سے اسے دیئے گئے ہیں قتل کردو گے تو تمہارا کیا بنے گا؟ سمجھداری کی بات یہ ہے کہ اسے قتل نہ کرو اگر یہ اپنی باتوں میں جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر پڑ جائے گا یعنی اسی دنیا میں اس کی سزا پالے گا تمہیں اس کے قتل میں ہاتھ ملوث کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ یہ تو ایک رخ کی بات ہوئی اب دوسرے رخ پر بھی غور کرلو اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہو واقعی پرودگار جل مجدہ کا پیغمبر ہو اور تم برابر اسے جھٹلاتے رہے اور جھٹلانے کی وجہ سے پروردگار جل مجدہ کی طرف سے تم پر عذاب آگیا جس کا اس شخص نے اپنی باتوں میں تذکرہ کیا ہے اور تمہیں یہ بتایا ہے کہ میری بات نہ مانو گے تو ایسے ایسے عذابوں میں مبتلا ہوگے) تو تم کہیں کے نہ رہو گے یہ

دنیا بھی برباد ہوگی اور موت کے بعد بھی عذاب کا سامنا ہوگا۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بندہ مومن نے یہ بھی کہا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (بلاشبہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا ہو بہت جھوٹا ہو) اس میں یہ بتا دیا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اگر یہ سچے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات کے ذریعے ان کی تائید نہ کی جاتی اور یہ جو دلائل پیش کرتے ہیں یہ دلائل ان کو نہ دیئے جاتے اور اس میں اس طرح بھی اشارہ کر دیا کہ فرعون مسرف ہے حد سے بڑھنے والا ہے بات بات میں لوگوں کو قتل کرتا ہے فساد پر تلا ہوا ہے اپنے معبود ہونے کا دعویٰ کر کے بہت بڑا کذاب یعنی جھوٹا بھی ہے اس کی سب تدبیریں فیل ہوں گی اور یہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے گا بندہ مومن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یوں بھی کہا کہ آج تم لوگ اس سرزمین یعنی مصر میں حکومت والے ہو تمہارا غلبہ ہے لیکن اللہ کی گرفت کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ جائے تو یہ ساری حکومت اور سلطنت دھری رہ جائے گی اور ہمیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا وعید اور تھدید کو استفہام کے پیرائے میں بیان کیا جو اصحاب حکمت و موعظت کا طریقہ ہے فرعون پر یہ باتیں سن کر مزید خوف طاری ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات بڑھتی رہی تو لوگوں میں اسلام پھیل جائے گا اور میری حکومت اور دعوائے خدائی سب کچھ خاک میں مل جائے گا اس لئے بندہ مومن کی بات سن کر حاضرین سے کہنے لگا کہ میں تو تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جسے اپنی رائے میں درست سمجھتا ہوں میرے نزدیک تو موسیٰ کو قتل ہی کر دینا چاہئے میں جو تمہیں رائے دے رہا ہوں یہی رائے ٹھیک ہے جو مصلحت کے موافق ہے۔ (لعنہ اللہ تعالیٰ)

وَقَالَ الَّذِىْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ

اور اس شخص نے کہا کہ جو ایمان لایا تھا کہ اے میری قوم میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر سابقہ جماعتوں جیسا دن نہ آ پڑے جیسا کہ قوم نوح

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا اور اللہ بندوں پر کسی طرح بھی ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا اور اے میری قوم بلاشبہ میں تمہارے بارے میں

يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

یوم التناد کا اندیشہ رکھتا ہوں جس دن تم پشت پھیر کر واپس لوٹو گے تمہارے لئے اللہ سے بچانے والا کوئی بھی نہ ہوگا اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی بھی

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

ہدایت دینے والا نہیں۔

بندہ مومن کا سابقہ امتوں کی بربادی کو یاد دلانا اور قیامت کے دن کی بدحالی سے آگاہ کرنا

تفسیر: بندہ مومن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے تہدید اور تخویف سے بھی کام لیا اور یوں کہا کہ اے میری قوم تم جو حق کے انکار پر اور اس شخص کی تکذیب پر تلے ہوئے ہو تمہارا یہ رویہ خود تمہارے حق میں صحیح نہیں ہے تم سے پہلے بھی

قومیں گزری ہیں ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے قوموں نے ان کی تکذیب کی اور برباد ہوئے اس طرح کی ہلاک شدہ جو جماعتیں گزری ہیں ان میں سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی گزری ہے عاد اور ثمود بھی اس دنیا میں آئے اور بسے یہ سب قومیں حق کو ٹھکرانے کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہوئیں ان کے بعد بہت سی قومیں آئیں جنہوں نے اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور جھٹلانے کا مزہ پایا یعنی ہلاکت اور بربادی کے گھاٹ اتر گئے اللہ تعالیٰ نے جن قوموں کو ہلاک کیا ہے ان لوگوں کی بری حرکتوں کی وجہ سے ہلاک فرمایا ہے وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

بندۂ مؤمن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید یوں کہا کہ دیکھو تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں نہیں رہنا ہے مرنا بھی ہے قیامت کے دن پیشی بھی ہونی ہے وہاں حساب کتاب ہوگا، فیصلے ہوں گے اور پکارا جائے گا (اسی پکارے جانے کی وجہ سے یوم القیامۃ کو یوم التناد کے نام سے موسوم کیا، اُس دن بہت سی ندائیں ہوں گی)

پہلی پکار نفخ صور کے وقت ہوگی جسے یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ میں بیان فرمایا اور میدان حشر میں مختلف قسم کے لوگ ہوں گے انہیں ان کے اپنے اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا جسے یوم نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ میں بیان فرمایا ہے اور جب اہل ایمان کو داہنے ہاتھ میں کتاب دی جائے گی تو پکار اُٹھیں گے هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ نیز اہل جنت دوزخ والوں کو اور اہل دوزخ جنت والوں کو اور اہل اعراف بہت سے لوگوں کو پکاریں گے جیسا کہ سورۂ اعراف رکوع ۵ اور ۶ میں ذکر فرمایا ہے۔)

جب پکار پڑے گی تو تم پشت پھیر کر چل دو گے یعنی محشر سے دوزخ کی طرف روانہ ہو جاؤ گے دوزخ سے بھاگنا چاہو گے تو بھاگ نہ سکو گے اس میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ جب فیصلہ فرما دے گا کہ تمہیں دوزخ میں جانا ہی ہے تو کوئی بھی چیز تمہیں عذاب سے نہیں بچا سکتی اور اس کے حکم کو نہیں ٹال سکتی۔

دیکھو تم راہِ حق قبول کر لو ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری گمراہی کا فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو پھر تمہیں کوئی ہدایت دینے والا نہیں وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ بندہ مومن نے اپنے مخاطبین کی ہدایت سے ناامید ہو کر ایسا کہا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ
اور یہ بات واقعی ہے کہ یوسف تمہارے پاس اس سے پہلے واضح معجزات لے کر آئے سو وہ جو کچھ تمہارے پاس لائے تم اس میں برابر شک کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی
لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚ۟ۖ ﴿۳۴﴾ الَّذِیْنَ
وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد کسی کو مبعوث نہ فرمائے گا اللہ ایسے ہی گمراہ کر دیتا ہے اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا ہو شک میں
یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ
پڑنے والا ہو جو اللہ کی آیات میں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑے بازی کرتے ہیں اللہ کے نزدیک اور اہل ایمان کے نزدیک
كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾
یہ بڑے بغض کی چیز ہے اسی طرح اللہ مہر لگا دیتا ہے ہر متکبر جبار کے دل پر۔

مسرف ومرتاب کا گمراہ ہونا اور ہر متکبر جبار کے دل پر اللہ کی طرف سے مہر لگ جانا

تفسیر: مرد مومن کا سلسلہ کلام جاری ہے اس نے پہلے تو فرعون اور اس کی قوم کو ڈرایا اور یاد دلایا کہ دیکھو تم سے پہلے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلا کر گزشتہ امتیں ہلاک ہو چکی ہیں اس کے بعد ان سے خصوصی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی بعثت کا تذکرہ کیا جو اہل مصر کی طرف مبعوث ہوئے تھے انہیں یاد دلایا کہ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام دلائل کے ساتھ تمہارے پاس آئے لیکن تم نے ان کو بھی جھٹلایا اور انہوں نے جو دعوت پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام بتلائے تم اس میں برابر شک کرتے رہے تم نے یہ تسلیم نہ کیا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی دعوت حق ہے اور تم نے نہ صرف یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا بلکہ ان کی وفات ہو جانے پر یوں کہہ دیا کہ اگر یہ بالفرض رسول تھے تو اب ان کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہ بھیجے گا اللہ کے رسول کی رسالت کا انکاری ہونا اور اپنی طرف سے یہ تجویز کر دینا کہ اللہ تعالیٰ اب کوئی بھی رسول نہ بھیجے گا عناد در عناد اور بغاوت در بغاوت ہے۔

جو لوگ بغاوت اور سرکشی میں حد سے بڑھ جائیں اور انکا مزاج شک کرنے کا بن جائے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ فرما دیتا ہے ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ بلا دلیل اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے رہیں ان کی یہ جھگڑے بازی اللہ کے نزدیک اور اہل ایمان کے نزدیک بہت زیادہ بغض اور نفرت کی چیز ہے۔

مرد مومن نے مزید کہا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اب تمہیں حق قبول کرنا نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے وہ اسی طرح ہر متکبر مغرور اور جابر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے ایسے شخص کے دل میں ذرا بھی حق قبول کرنے کی طرف جھکاؤ نہیں رہتا' اس میں حق سمجھنے اور حق قبول کرنے کی بالکل ہی گنجائش نہیں رہتی۔

فائدہ: صاحب روح المعانی نے اول تو حضرت یوسف علیہ السلام کے نام کے ساتھ بن یعقوب لکھ دیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام جو کنعان سے آکر مصر میں صاحب اقتدار ہو گئے تھے اور ان کے سامنے ہی ان کے والدین اور بھائی تمام اہل وعیال کے ساتھ مصر میں آکر بس گئے تھے انہیں یوسف علیہ السلام کو مراد لیا ہے اور جَآءَكُمْ میں جو ضمیر خطاب ہے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس سے اہل مصر کے آباؤ اجداد مراد ہیں پھر ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت بالا میں جس یوسف کا ذکر ہے وہ حضرت یوسف الصدیق علیہ السلام کے پوتے تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا تھا انہوں نے بھی مصر میں بیس سال قیام کیا اور یہ لوگ انکی دعوت میں شک ہی کرتے رہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى

اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان میرے لئے ایک محل بنا دے ہو سکتا ہے کہ میں راستوں میں پہنچ جاؤں یعنی آسمان کے راستوں تک میری رسائی ہو جائے پھر میں

اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا

موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں اور بے شک میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لئے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا اور وہ راستہ سے روک دیا گیا

كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝

اور فرعون کی تدبیر ہلاکت ہی میں لے جانے والی تھی۔

فرعون کا اُوپر چڑھنے کیلئے اُونچا محل بنانے کا حکم دینا اور اسکی تدبیر کا بربادی کا سبب بننا

تفسیر: جب فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت پیش کی تو اس نے سوال وجواب کئے قتل کی دھمکی دی بڑی ڈینگیں ماریں اور اپنے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے طرح طرح کی باتیں نکالیں انہیں باتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ اُس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ ذرا ایک محل یعنی اُونچی عمارت تو بناؤ میں اُوپر چڑھوں گا۔ آسمانوں کے راستوں پر پہنچوں گا اور موسیٰ علیہ اسلام کے معبود کا پتہ چلاوں گا جھوٹے معبود ایسے ہی ہوتے ہیں دعویٰ تو اس کا یہ تھا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں اور حال اس کا یہ تھا کہ آسمانوں کی خبر جاننے کے لیے اُونچی عمارت کا اور سیڑھیوں کا محتاج تھا چونکہ صرف عوام کو دھوکا دینا مقصود تھا اس لیے بلند عمارت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اس نے پہلے ہی سے یوں کہہ دیا کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ (فرعون نے جو اُونچا محل بنانے کو کہا تھا اس کا ذکر سورۃ القصص میں بھی گزر چکا ہے فَاَوْقِدْ لِیْ یٰا ھَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ (ع۴) کی تفسیر کا مطالعہ بھی کرلیا جائے۔ (دیکھو انوار البیان ص ۲۸ ج ۷))

وَکَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ اور اسی طرح فرعون کے لئے اُس کی بدکرداری مزین کردی گئی جسے وہ اچھی سمجھتا تھا۔

وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ اور وہ راہ حق سے روک دیا گیا موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے تدبیریں سوچتا رہا مگر کوئی تدبیر کام نہ آئی وَمَا کَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ اور فرعون کی تدبیر ہلاکت ہی میں لے جانے والی تھی جو سوچا سب اُلٹا پڑا بالآخر ہلاک ہوا خود بھی ڈوبا اپنے لشکروں کو بھی لے ڈوبا۔

قال تعالیٰ فی سورۃ طٰہٰ، فَغَشِیَھُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَہٗ وَمَا ھَدٰی (سو فرعون کو اور اس کے لشکروں کو سمندر کے ایک بڑے حصہ نے ڈھانپ لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور صحیح راہ نہ بتائی)۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا

اور جو شخص ایمان لایا اس نے کہا کہ اے میری قوم میرا اتباع کرو میں تمہیں ہدایت والا راستہ بتاؤں گا اے میری قوم یہ دنیا والی زندگی

مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا وَمَنْ عَمِلَ

تھوڑے سے نفع کی زندگی ہے اور بلاشبہ آخرت ہی رہنے کی جگہ ہے۔ جس نے کوئی بھی برائی کی تو اس کا بدلہ صرف اسی قدر دیا جائے گا اور جس نے

صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

نیک عمل کیا مرد ہو یا عورت اور حال یہ ہو کہ وہ مومن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا

وَیٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَاُشْرِکَ

اور اے میری قوم کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک بناؤں

بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ

جس کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور میں تمہیں عزیز غفار کی طرف بلاتا ہوں' یہ یقینی بات ہے کہ تم مجھے جس چیز کی دعوت دیتے ہو

لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ

اس کی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں اور بلاشبہ ہمارا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور بلاشبہ جو لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں وہ

النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

دوزخ والے ہیں سو تم یاد کرو گے جو میں تم سے کہتا ہوں' اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے'

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ

سو اللہ نے اس شخص کو ان لوگوں کی تدبیروں کی مضرتوں سے بچالیا اور آلِ فرعون پر بُرا عذاب نازل ہوا صبح شام یہ لوگ آپ کے سامنے

عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔

مردِ مومن کا فناءِ دنیا اور بقاءِ آخرت کی طرف متوجہ کرنا' اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا

تفسیر: مردِ مومن کا سلسلہ کلام جاری ہے درمیان میں فرعون کی اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ اس نے اپنے وزیر ہامان سے ایک اونچی عمارت بنانے کا حکم دیا اور یوں کہا کہ میں اس عمارت پر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں گا، مردِ مؤمن نے فرعون کی بات سنی اور قوم فرعون کو مزید نصیحت کی اوّل تو اس نے یہ کہا کہ تم لوگ میرا اتباع کرو میں تمہیں ہدایت کا راستہ بتاؤں گا جیسے میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ایسے ہی تم بھی ایمان لاؤ اور یہ دنیا جس پر تم دل دیئے پڑے ہو اور اسی کو سب کچھ سمجھ رہے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے ہماری دنیا جاتی رہے گی اس کے بارے میں تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ دنیا والی زندگی تھوڑی سی ہے چند روزہ ہے اس میں جو کچھ سامان ہے وہ بھی تھوڑا سا ہے اور تھوڑے دن کام آنے والا ہے اس ذرا سی دنیا کے لئے تم اپنی آخرت برباد نہ کرو' جو شخص کفر پر مرے گا اس کے لئے وہاں دائمی عذاب ہے وہاں کے عذاب کے لئے اپنی جان کو تیار کرنا نا سمجھی کی بات ہے۔ سب کو مرنا ہے میدان آخرت میں جانا ہے جو لوگ ایمان کے ساتھ پہنچیں گے وہ وہاں جنت میں جائیں گے اور جنت ایسی جگہ ہے جو دار القرار ہے حقیقت میں وہی رہنے کی جگہ ہے۔ مردِ مومن نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ دیگا برائی کا بدلہ تو اتنا ہی ملے گا جس درجہ برائی کی تھی اور نیک عمل کا بدلہ بہت زیادہ ملے گا کسی بھی مرد یا عورت نے بحالت ایمان کوئی بھی نیک عمل کر لیا تو اس کے لئے اللہ نے یہ صلہ رکھا ہے کہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا تم لوگ اسی جنت کے لئے فکر مند بنو اور ایمان قبول کرو۔

مردِ مومن نے یوں بھی کہا کہ میں تمہیں ایسے کام کی طرف بلاتا ہوں جس میں آخرت کی نجات ہے اور تم مجھے اس چیز کی طرف بلاتے ہو جو دوزخ کے داخلے کا سبب ہے میں ایمان کی دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے یہ دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کیساتھ کسی کو شریک بناؤں جبکہ شرک کے جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس میں مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ کہا اور انہیں یہ بتادیا کہ تمہارے پاس بھی شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بات رکھی اپنے اوپر اور سمجھا دیا ان کو قوم کو خطاب کرتے ہوئے مزید کہا وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ (یعنی میں تمہیں اپنے معبود کی طرف بلاتا ہوں وہ عزیز ہے زبردست ہے بہت مغفرت کرنیوالا ہے) اگر کسی کو عذاب دینا چاہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور وہ غفار بھی ہے کوئی شخص کیسے ہی گناہ کرلے وہ معاف کرنا چاہے تو اسے کوئی بھی روکنے والا نہیں لہٰذا تم کفر سے توبہ کرلو اور بخشش کے دائرہ میں آجاؤ یہ نہ سوچو کہ ہم نے جواب تک کفر و شرک کیا ہے اور اعمال بد کا ارتکاب کیا ہے اس کی معافی کیسے ہوگی۔

مردِ مومن نے یہ بھی کہا کہ تم لوگ جو مجھے کفر و شرک کی طرف بلاتے ہو یہ باطل چیز ہے اور اس میں بربادی ہے یہ جو تم شرک اور کفر کی دعوت دے رہے ہو یہ محض ایک جاہلانہ بات ہے تم نے جو بت تراش رکھے ہیں یہ تو ذرا بھی نہیں سنتے ہیں نہ ہاں کرتے ہیں نہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں یہ تو دنیا میں تمہاری دعوت کی حقیقت ہے اور آخرت میں اس کا کوئی نفع پہنچنے والا نہیں ہے۔ **قال صاحب الروح فالمعنى ان ماتدعونني اليه من الاصنام ليس لهٗ استجابة دعوة لمن يدعوه اصلا اوليس لـه دعوة مستجابة اى لا يدعى دعا يستجيبه لدا عيه فالكلام اما على حذف المضاف او على حذف الموصوف.** (تفسیر روح المعانی کے مصنف لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کی طرف تم مجھے بلاتے ہو انہیں جو پکارے وہ اس کی پکار کا جواب ہرگز نہیں دے سکتے یا ان کو پکارنے والے کی کوئی دُعاء مقبول نہیں ہے یعنی کوئی ایسی دُعا نہیں ہے جو مانگنے والے کیلئے قبول ہو، یہاں لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ میں یا تو مضاف محذوف ہے یا موصوف محذوف ہے)

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ (مردِ مومن نے مزید کہا کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (اور بلاشبہ حد سے آگے بڑھ جانے والے ہی دوزخی ہوں گے) اس میں ترکیب سے یہ بتادیا کہ تم لوگ مسرف ہو حد سے آگے بڑھنے والے ہو ایمان قبول کرو تا کہ آگ کے عذاب سے بچ سکو۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ (سو تم عنقریب جان لوگے کہ جو میں تم سے کہتا ہوں) وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ (اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں) اگر تم نے مجھے تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری حفاظت فرمائے گا۔

مردِ مومن کا قوم کی شرارتوں سے محفوظ ہو جانا اور قوم فرعون کا برباد ہونا

یہاں تک مردِ مومن کا کلام تھا آگے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی حفاظت کا اور آلِ فرعون کے مبتلائے عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا (سو اللہ نے اس کو ان لوگوں کے مکر اور تدبیر کی مصیبتوں سے محفوظ فرما دیا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اور فرعون اور آلِ فرعون پر برا عذاب نازل ہو گیا یہ لوگ دریا میں غرق ہوئے اور ڈوب مرے اگر وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سے اسی غرق کو مراد لیا جائے تو سیاق کلام سے بعید نہیں ہے گو صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مردِ مومن کو قتل کرنے کا فرعون نے منصوبہ بنایا (جن کا مومن ہونا بعد میں ظاہر ہو گیا تھا) تو وہ ایک

پہاڑ کی طرف چلے گئے ان کے پیچھے فرعون نے ہزار آدمی بھیج دیئے ان آدمیوں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان لوگوں کو درندے کھا گئے اور ان میں سے بعض پہاڑ میں پیاسے مر گئے اور بعض لوگ فرعون کے پاس واپس آ گئے اس نے ان کو یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ تم قصداً اس شخص کو لے کر نہیں آئے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آخر میں فرمایا اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا (یہ لوگ صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں آل فرعون غرق ہو گئے، مر گئے، برزخ میں پہنچ گئے وہاں وہ صبح شام دوزخ کی آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اس پیش کرنے میں ان کی سزا بھی ہے آگ پر پیش کئے جاتے ہیں تو اس کی لپٹ پہنچتی ہے اور انہیں بھی بتایا جاتا ہے کہ تمہیں اسی میں داخل ہونا ہے یہ تو برزخ کا معاملہ ہوا اور قیامت کے دن انہیں اصلی دوزخ میں داخل کیا جائے گا ارشاد فرمایا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرشتوں سے کہا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

عذاب قبر کا تذکرہ

کافروں اور فاسقوں کیلئے عذاب قبر میں مبتلا ہونا احادیث شریفہ سے ثابت ہے حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا اور دوسری آیت مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا سے برزخ کا عذاب ثابت ہوتا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اگر اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر اہل دوزخ میں سے ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے ہر ایک کا ٹھکانہ پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا اصلی ٹھکانہ ہے جب تک کہ اللہ تجھے قیامت کے دن اس میں داخل کرنے کے لئے نہ اٹھائے (اس وقت تک یہاں رہنا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵ عن الصحیحین)

وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْۤا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ کافر لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے سو جو لوگ کمزور تھے وہ اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے بیشک ہم تمہارے تابع تھے تو کیا

مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْۤا اِنَّا کُلٌّ فِیْهَاۤ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ

تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو جو لوگ بڑے تھے وہ کہیں گے بیشک ہم سب دوزخ میں ہیں بیشک اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا

الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغاؤں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے دعا کرو وہ ہم سے ایک دن عذاب کا کچھ حصہ ہلکا کر دے

قَالُوْۤا اَوَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰی قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا

وہ جواب دیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے ہوئے دلائل لیکر نہیں آئے تھے وہ لوگ کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے اس پر داروغہ ہائے دوزخ جواب دیں گے کہ پھر تو تم ہی دعا کر لو اور کافروں کی دعا

فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

محض بے اثر ہے۔

دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا چھوٹوں کا بڑوں پر الزام دھرنا

تفسیر: دوزخی لوگ آپس میں جھگڑے بازی کریں گے جو لوگ چھوٹے تھے دنیا میں خوب بڑھ چڑھ کر اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اور ان کے متبعین سے لڑتے تھے اور ان کی تکذیب کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول کرنے سے روکتے تھے' جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو بڑے چھوٹے سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اور دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو یہی اتباع یعنی چھوٹے لوگ جو دنیا میں سرداروں اور لیڈروں کے کہنے اور تھپکی دینے سے حق اور اہل حق سے دشمنی کرتے تھے اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم نے تمہاری بات مانی اب تم یہاں ہمیں کچھ فائدہ پہنچا دو بالکل تو دوزخ سے کیا نکلوا سکتے آگ کا تھوڑا سا عذاب ہی ہٹوا دو' ان کے بڑے جواب میں کہیں گے کہ بلا شبہ ہمیں اور تم کو اسی میں رہنا ہے اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تم بھی یہیں رہو گے اور ہم بھی یہیں رہیں گے جب یہاں رہنا ہے تو یہاں کے قانون کے مطابق رہنا ہوگا (اور قانون یہ ہے کہ کوئی دوزخی کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکتا) سورۂ ابراہیم میں بھی یہ مضمون مذکور ہے کہ چھوٹے وہاں اپنے بڑوں سے یہ بات کہیں گے اور وہ اس کا یہ جواب دیں گے لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ (اگر اللہ ہم کو کوئی راہ بتاتا تو ہم بھی تم کو وہ راہ بتا دیتے) سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ (ہمارے حق میں ہے ہم پریشانی کا اظہار کریں یا صبر کریں ہمارے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہیں)

دوزخیوں کا فرشتوں سے تخفیف عذاب کے لئے عرض و معروض کرنا

دوزخی عذاب ہلکا کروانے کے لئے دوزخ پر مقررہ فرشتوں سے بھی عرض معروض کریں گے اور ان سے کہیں گے تم اپنے رب سے دعا کر دو کہ وہ ایک ہی دن ہمارا عذاب ہلکا کر دے وہ سوال کریں گے کہ یہاں تمہارے آنے کا جو سبب بنا ہے وہ کیا ہے؟ تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے تھے انہوں نے ایمان کی دعوت دی تھی وہ جب تمہارے پاس آئے تم نے ان کو جھٹلایا اور ان کی بات نہ مانی بولو کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ اس پر وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہاں واقعی یہ بات صحیح ہے داروغہائے دوزخ کہیں گے کہ ہم ایسے لوگوں کے لئے کچھ بھی سفارش نہیں کر سکتے تم ہی دعا کر لو وہاں انکا دعا کرنا بیکار ہوگا ان کی دعا ضائع ہوگی' کافروں کی کوئی دعا وہاں قبول نہیں ہو سکتی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا والی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے' جس دن

الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

ظالموں کو ان کی معذرت کام نہ دیگی اور ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برے گھر میں رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں اور اہل ایمان سے نصرت کا وعدہ فرمانا اور ظالمین کے ملعون ہونے کا اعلان فرمانا

تفسیر: دو آیتوں کا ترجمہ ہے ان میں دو باتیں بتائی ہیں اول یہ کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا والی زندگی میں مدد کرتے ہیں) مدد تو ہوتی ہے بعض مرتبہ دیر لگ جاتی ہے اور اس دیر لگنے میں بڑی حکمتیں ہوتی ہیں انہی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کافروں کو مہلت دی جاتی ہے جو ان کے حق میں استدراج ہوتا ہے اور اسی استدراج کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ چڑھ کر شرارت اور بغاوت کرتے ہیں پھر دنیا میں ان سے انتقام لے لیا جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (اور ہم اس دن بھی رسولوں اور ایمان والوں کی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی فرشتے گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کی اور کافروں نے جھٹلایا۔

دوسری بات یہ واضح فرمائی کہ قیامت کے دن ظالموں کو ان کی عذر خواہی نفع نہ دے گی وہ دنیا میں بھی مستحق لعنت ہیں اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے۔

اور جو انہیں رہنے کا گھر ملے گا وہ برا گھر ہوگا یعنی دوزخ میں جائیں گے جو آگ والا گھر ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي
اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا' یہ کتاب ہدایت اور نصیحت تھی عقل
الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ
والوں کے لئے' سو آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اپنے گناہ کے لئے استغفار کیجئے اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے
وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
جو حمد کے ساتھ ہو بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ان کے سینوں میں تکبر
اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾
ہی ہے وہ کبھی بھی اس تک پہنچنے والے نہیں' سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے بلاشبہ وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔

صبر کرنے اور استغفار کرنے اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔ (یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے واسطہ سے انہیں ملی تھی جو سراپا ہدایت تھی) یہ کتاب ہدایت تھی اور عقل والوں کے لئے نصیحت بھی تھی انہوں نے (قدردانی نہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایذائیں پہنچائیں اور توریت شریف پر بھی عمل نہ کیا) جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے

اور اپنے گناہ کے لئے بھی استغفار کیجئے (اگر صبر میں کمی آ جائے تو اس کی استغفار کے ذریعہ تلافی کر دیجئے کیونکہ صبر کی کمی آپ کے شان عالی کے لائق نہیں ہے اس لئے مجازاً اس کو گناہ سے تعبیر فرمایا اور استغفار سے اس کے تدارک کا حکم دیا اور صبح شام یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں لگے رہیے۔

اللہ کی آیات میں جھگڑا کرنے والوں کے سینے میں کبر ہے

پھر فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی آیات میں بغیر کسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں قرآن کو نہیں مانتے اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں ان کے سینوں میں بس تکبر گھسا ہوا ہے وہ اپنے تکبر کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ ہم غالب ہو جائیں گے حالانکہ وہ غالب ہونے والے نہیں ہیں آپ اللہ کی پناہ لیجئے بلاشبہ وہ سمیع اور بصیر ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارا مسیح یعنی دجال آخر زمانے میں نکلے گا اس کے ذریعہ ہمارا ملک واپس مل جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ انکے سینوں میں تکبر نے جگہ پکڑ رکھی ہے اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم غالب ہو جائیں گے حالانکہ وہ غالب نہیں ہو سکتے ان کے لئے تو یہ فرمایا کہ وہ جس چیز کا لالچ کر رہے ہیں اُس تک نہیں پہنچ سکتے اور آپ کو حکم دیا کہ آپ اللہ کی پناہ لیں اس میں دجال سے پناہ لینا بھی داخل ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

البتہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا

اور برابر نہیں نابینا اور دیکھنے والا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے برے لوگوں کے برابر نہیں ہیں، لوگ کم

تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بلا شبہ قیامت ضرور آنے والی ہے اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

بینا اور نابینا اور مومنین صالحین اور برے لوگ برابر نہیں ہو سکتے

تفسیر: ان آیات میں قیامت کا آنا ثابت فرمایا ہے اور جو لوگ وقوع قیامت کو مستبعد سمجھتے تھے ان کا استبعاد دور فرمایا قیامت کا انکار کرنے والے یوں کہتے تھے کہ قبروں سے نکل کر دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے یہ ان لوگوں کی ناسمجھی اور بیوقوفی کی بات تھی اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ آسمان اور یہ زمین اتنی بڑی بڑی چیزیں ہم نے پیدا کیں ایک سمجھ دار منصف آدمی غور کرے گا اسکی سمجھ میں یہی آئے گا کہ مردہ جسم میں جان ڈالنا خالق ارض وسماء کے لئے ذرا بھی بڑی بات نہیں ہے بات تو سیدھی سادی ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ مردوں میں روح دوبارہ آ سکتی ہے مزید فرمایا کہ نابینا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے اس کو تو سبھی سمجھتے ہیں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے مقابلہ میں بدکردار برابر نہیں ہو سکتے جب

یہ بات سمجھتے ہوتو یہ بھی سمجھو کہ اچھوں کو اچھا بدلہ ملنا ہے اور بروں کو برا بدلہ ملنا ہے لہٰذا قیامت قائم ہونا ضروری ہے تاکہ ہر ایک اپنے اپنے کئے کا بدلہ پالے حقائق سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں لیکن تم لوگ کم نصیحت حاصل کرتے ہو بلاشبہ قیامت ضرور قائم ہوگی اس کے آنے میں ذرا شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ
اور تمہارے رب نے فرمایا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب بحالت ذلت
جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾
جہنم میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کرنے کا حکم اور قبول فرمانے کا وعدہ

تفسیر: اس آیت کریمہ میں حکم فرمایا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا بہت بڑا انعام اور احسان ہے کہ بندوں کو اپنی ذات عالی سے مانگنے کی اجازت دیدی اور پھر قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمالیا دعا مانگنے میں جو کیف ہے اسے وہی بندے جانتے ہیں جو دعا کے طریقہ پر دعا کرتے ہیں دعا سراپا عبادت ہے جیسا کہ آیت ختم پر فرمایا إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾ بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں یعنی دعا سے منہ موڑتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہونے کی حالت میں جہنم میں داخل ہوں گے۔

دُعاء کی ضرورت اور فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **الدعاء مخ العبادۃ** (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۹۴) کہ دُعاء عبادت کا مغز ہے چھلکے کے اندر جو اصل چیز ہوتی ہے اسے مغز کہتے ہیں اور اسی مغز کے دام ہوتے ہیں اگر بادام کو پھوڑ و تو اس میں سے گری نکلتی ہے اور اسی گری کی اصل قیمت ہوتی ہے اگر چھلکوں کے اندر گری نہ ہوتو بادام بے دام ہو جاتے ہیں عبادتیں بہت سی ہیں اور دعا بھی ایک عبادت ہے لیکن یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے عبادت ہی نہیں عبادت کا مغز ہے اور اصل عبادت ہے عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے حضور میں بندہ اپنی عاجزی اور ذلت پیش کرے اور خشوع وخضوع یعنی ظاہر اور باطن کے جھکاؤ کے ساتھ بارگارہ بے نیاز میں پوری نیازمندی کے ساتھ حاضر اور چونکہ یہ عاجزی والی حضوری دعا میں سب عبادتوں سے زیادہ پائی جاتی ہے اس لئے دعا کو عین عبادت اور عبادت کا مغز فرمایا دعا کرتے وقت بندہ اپنی عاجزی حاجت مندی کا اقرار کرتا ہے اور سراپا نیاز ہو کر بارگاہ خداوندی میں اپنی حاجت پیش کر کے للچاتا اور للکتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ صرف اللہ ہی دینے والا ہے وہ داتا ہے اس کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے وہ قادر ہے کریم ہے جتنا چاہے دے سکتا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے وہ بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے اور مخلوق سراسر عاجز اور محتاج ہے جب اپنے اس یقین کے ساتھ قادر وقیوم کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا کر سوال کرتا ہے تو اس کا یہ شغل

سراپا عبادت بن جاتا ہے اور یہ دعا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی کا سبب بن جاتی ہے اس کے برعکس جو شخص دعا سے گریز کرتا ہے وہ اپنی حاجب مندی کے اقرار کو خلاف شان سمجھتا ہے چونکہ اس کے اس طرز عمل میں تکبر ہے اور اپنی بے نیازی کا دعویٰ ہے اس لئے اللہ جل شانہٗ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

چونکہ دعا عبادت ہی عبادت ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لیس شئ اکرم علی اللّٰہ من الدعاء (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۴ عن الترمذی) کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز بزرگ و برتر نہیں ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے من لم یسئل اللّٰہ یغضب علیہ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۵) (جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے)

انسان اپنی بھلائی اور بہتری کے لئے جتنی تدبیریں کرتا ہے اور دکھ تکلیف نقصان اور ضرر سے بچنے کے لئے جتنے طریقے سوچتا ہے ان میں سب سے زیادہ کامیاب اور آسان اور موثر طریقہ دعا کرنا ہے نہ ہاتھ پاؤں کی محنت نہ مال کا خرچہ' بس دل کو حاضر کر کے دعا کر لی جائے' غریب' امیر' بیمار اور صحت مند مسافر اور مقیم بوڑھا اور جوان مرد ہو یا عورت مجمع ہو یا تنہائی ہر شخص دعا کر سکتا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لا تعجزوا فی الدعاء فانہ لن یھلک مع الدعاء احد (الترغیب والترہیب للحافظ المنذری) (دعا کے بارے میں عاجز نہ بنو کیونکہ دعا کے ساتھ ہوتے ہوئے ہرگز کوئی شخص ہلاک نہ ہوگا)

جو لوگ دعا سے غافل ہوتے ہیں گویا اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں سمجھتے اور ان سے بڑھ کر وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خناس گھسا ہوا ہے وہ دعا کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں آیت بالا میں فرمایا کہ جو لوگ میری عبادت سے یعنی مجھ سے دعا کرنے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور دعا نہ کرنے میں اپنی شان سمجھتے ہیں' ایسے لوگ ذلت کی حالت میں جہنم میں داخل ہوں گے لوگوں کا یہ طریقہ رہ گیا ہے کہ دنیاوی اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اگر دعا کرتے بھی ہیں تو بس ذرا نام کو ہاتھ اٹھا لیتے ہیں نہ دل حاضر نہ آداب دعا کا خیال' ہاتھ اٹھائے اور منہ پر پھیر لئے' یہ بھی پتہ نہیں کہ زبان سے کیا کلمات نکلے اور کیا دعا مانگی' فضائل دعا کے بارے میں ہم نے مستقل کتاب لکھ دی ہے اس کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

اللہ ہی ہے جس نے رات کو پیدا فرمایا' تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو ایسی چیز بنائی جس میں دیکھتے بھالتے ہیں' بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ

والا ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے' یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو تم

اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ

کہاں الٹ کر جا رہے ہو' اسی طرح الٹے چلائے جاتے ہیں وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں اللہ وہ ہے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہری ہوئی چیز بنا دیا اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو تمہاری اچھی صورتیں بنا دیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا

الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے۔ سو بابرکت ہے اللہ جو رب العلمین ہے وہ زندہ ہے کوئی معبود نہیں اسکے سو تم اسے پکارو اس طرح سے کہ

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

خالص اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہو سب تعریف ہے اللہ کیلئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیل ونہار ارض وسماء اُسی نے پیدا فرمائے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمائیں' ارشاد فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات دن بنائے رات میں آرام کرتے ہو سکون اور چین سے رہتے ہو اور دن کو ایسی چیز بنا دی جس میں دیکھتے بھالتے ہو آتے جاتے ہو رزق تلاش کرتے ہو' رات اور دن دونوں اسکی بڑی نعمتیں ہیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رب ہے وہ ہر چیز کو پیدا فرمانے والا ہے اسی کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ان باتوں کا تقاضا ہے کہ تم اسی کی طرف متوجہ ہو اسی کی عبادت کرو اس کو چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو تمہارا کدھر کو رخ ہے معبود برحق کی طرف سے ہٹ کر تمہارا کدھر کو ہے؟ اس کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے وہ لوگ ہٹا دیئے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں یہ اس کی آیات کا انکار کرنا اس بات کا ذریعہ بن جاتا ہے کہ شیاطین الانس والجن ان کو حق سے ہٹا کر دوسری طرف لے جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی مزید چند نعمتوں کا ذکر فرمایا اول یہ کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین بنائی جس پر آرام سے رہتے سہتے ہو وہ ہلتی جلتی نہیں ہے اور اس نے آسمان کو تمہارے لئے ایک چھت بنا دیا اوپر دیکھتے ہو تو دل خوش ہوتا ہے اور فرمایا کہ اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور اچھی صورتیں بنائیں پھر مزید یہ کرم فرمایا کہ پاکیزہ عمدہ چیزیں عطاء فرمائیں جو کھانے کی چیزیں بھی ہیں اور پہننے کی بھی ہیں اور دوسرے مواقع پر بھی استعمال ہوتی ہیں جس نے تمہیں ان چیزوں سے نوازا یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے بابرکت ہے رب العلمین ہے وہ زندہ ہے اس کی حیات ذاتی ہے حقیقی ہے ازلی ابدلی ہے ان باتوں کو سمجھو اور یقین کرو کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا اسی کو پکارو اسی سے مانگو اسی کی عبادت کرو اور ایسی عبادت کرو کہ عبادت اور طاعت خالص اسی کے لئے ہو آخر میں فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ

آپ فرما دیجئے بلاشبہ میں اس سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جن کی اللہ کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو جبکہ میرے رب کی

وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

طرف سے میرے پاس واضح نشانیاں آچکی ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العلمین ہی کا فرمانبردار بنوں اللہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ

پھر جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا پھر تمہیں اس حالت میں نکالتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو پھر تاکہ اپنی طاقت کو پہنچ جاؤ تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے

مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ

بعض کو اس سے پہلے اٹھا لیتا ہے اور تاکہ تم اجل مسمیٰ کو پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھ حاصل کرو، اللہ وہی ہے جو زندہ فرماتا ہے

وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی حکم کا فیصلہ فرماتا ہے تو یہی فرمادیتا ہے کہ ہوجا لہٰذا وہ ہوجاتا ہے۔

میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کر سکتا
مجھے حکم ہوا ہے کہ رب العالمین کی فرمانبرداری کروں

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مشرکین سے فرمادیں کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آچکے ہیں میں تو صرف اللہ جل مجدہ ہی کی عبادت کروں گا تم اللہ تعالیٰ شانہ کو چھوڑ کر جو غیروں کی عبادت کرتے ہو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں شرک اختیار کروں مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین جل مجدہ کی خالص فرمانبرداری کروں یہ اعلان کر کے مشرکین کو یہ بتادیا کہ تم جو یہ امید لئے بیٹھے ہو کہ میں اپنی توحید کی دعوت کو چھوڑ دوں گا یا تمہاری طرف کچھ جھک جاؤں گا یہ تمہارا جھوٹا خیال ہے)

دوسری آیت میں انسان کی تخلیق کے مختلف ادوار بتائے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا یعنی انسان کی ابتدائی تخلیق مٹی سے ہے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمادیا اس طرح سے ان کی پوری نسل کی اصل مٹی سے ہوگئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد انکی نسل کی پیدائش کا اللہ تعالیٰ نے یوں سلسلہ چلایا کہ ہر فرد مرد کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے کچھ عرصے کے بعد یہ نطفہ علقہ یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر یہ جما ہوا خون چبانے کے قابل ایک گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ وہیں رحم مادر میں اسکی صورت بنادیتا ہے اور وہیں پر ہڈیاں بنادیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق وہ باہر آجاتا ہے جب باہر آجاتا ہے تو اس وقت طفل ہوتا ہے اس شان طفولیت سے ہر بچہ گزرتا ہے اس تفصیل کو ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا میں بیان فرمایا ہے۔

انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی کے مختلف اطوار و ادوار

اس تفصیل اور تفسیر کو بیان کرتے ہوئے سورۃ الحج کے پہلے رکوع اور سورہ المومنون کے پہلے رکوع کو سامنے رکھا گیا ان دونوں جگہ اجمال کی تفصیل ہے اس کے بعد زندگی کے مزید ادوار بیان فرمائے، اولاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ فرمایا ای ثم

یبقیکم لتبلغوا أشد کم یعنی اللہ نے تمہیں حالت طفلی میں پیدا فرمایا پھر تم کو اتنی زندگی دی کہ طاقت کے زمانہ یعنی جوانی کے زمانہ کو پہنچ گئے جسمانی قوت بھی دی سمجھ بھی دی عقل بھی عنایت فرمائی اور قوت گویائی بھی عطا فرمائی ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا پھر تمہاری جوانی آگے بڑھتی رہی بڑھاپا قریب آتا چلا گیا حتیٰ کہ تم بوڑھے ہو گئے۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص جوان ہو یا ہر شخص بوڑھا ہو اللہ تعالیٰ بعض کو پہلے ہی اٹھا لیتا ہے بہت سے لوگ بڑھاپے پانے سے پہلے ہی جوانی آنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھا لئے جاتے ہیں اور موت ان کا صفایا کر دیتی ہے اس کو وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ میں بیان فرمایا پھر فرمایا وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى یعنی مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے آخر میں سب کو مقررہ اجل یعنی قیامت کے دن تک پہنچنا ہے یعنی اُس دن حاضر ہونا ہے وہاں سب کی حاضری ہو گی اور جو زندگی دی گئی تھی اس میں جو اعمال کئے اُن کا محاسبہ ہو گا۔

وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور تا کہ تم سمجھ لو کہ مختلف ادوار سے جو گزرتے ہو یہ کیوں گزارے جا رہے ہیں اور اس میں حکمتوں اور عبرتوں کی کیا کیا باتیں ہیں۔

تیسری آیت میں یہ بتایا کہ اللہ ہی موت دیتا ہے اور وہی زندہ فرماتا ہے اور اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں ہے جب کسی چیز کو وجود میں لانا ہو تو اس کا کن (ہو جا) فرما دینا ہی کافی ہے اُس کا حکم ہوا اور چیز وجود میں آئی فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جو فرمایا اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے پیدا فرمانے میں اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے اس کا ارادہ ہی کافی ہے مزید توضیح کے لئے انوار البیان ص ۱۹۵ ج ا کا مطالعہ کیا جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ

اے مخاطب کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو جھٹلایا

اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾

جس کو ہم نے رسولوں کے واسطہ سے بھیجا سو عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جبکہ انکی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں وہ گھسیٹے جائیں گے

فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ

گرم پانی میں پھر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا پھر اُن سے کہا جائے گا کہ وہ معبود غیر اللہ کہاں گئے جنہیں تم شریک بناتے تھے

دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

وہ جواب دیں گے کہ وہ تو ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کی عبادت کرتے ہی نہ تھے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

گمراہ فرماتا ہے یہ اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے اور اس وجہ سے تم اکڑ مکڑ کرتے تھے داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ ۞ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ

اس میں ہمیشہ رہو گے سو بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے سو اگر ہم آپ کو اس میں سے

بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ۞

بعض چیزیں دکھا دیں جس کے بارے میں ہم نے انہیں پہلے سے بتا دیا ہے یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف سب لوٹائے جائیں گے

دوزخیوں کا طوقوں اور زنجیروں میں گھسیٹا جانا دوزخ میں داخل ہونا اور ان سے یہ سوال ہونا کہ تمہارے باطل معبود کہاں ہیں

تفسیر: اوپر چند آیات کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے اوّلاً اُن لوگوں کی وعید ذکر فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑے بازی کرتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اللہ کے پیغام کو جھٹلاتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ عنقریب اپنی سزا کو جان لیں گے جبکہ انکی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی اسی حالت میں فرشتے انہیں گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جائیں گے پھر یہ لوگ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے وہاں اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ اللہ کے سوا تم نے جو معبود بنا رکھے تھے وہ سب کہاں گئے یہ لوگ اول تو یوں کہیں گے کہ وہ سب غائب ہو گئے ہمیں اُن سے کچھ نفع نہیں پہنچا پھر کہیں گے کہ ہم تو کسی کو پوجتے ہی نہ تھے صاحب روح المعانی نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں اول یہ کہ آج ہمیں پتہ چلا کہ ہم اللہ کے سوا جن لوگوں کی پوجا کرتے تھے وہ لوگ کچھ بھی نہ تھے معلوم ہوا کہ ہم سب غلطی پر تھے ایسی چیز کی پرستش کی جو لاشی محض تھی دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ وہ لوگ وہاں غیر اللہ کی پرستش سے انکاری ہو جائیں گے اور قصداً و ارادۃً جھوٹ بولیں گے جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے کہ وہ یوں کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ۔

ان لوگوں کا جواب ذکر کرنے کے بعد فرمایا كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو گمراہ کرتا ہے یہاں اس دنیا میں جس چیز کے نافع ہونے کا خیال باندھے ہوئے ہیں اور اسی خیال سے غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں قیامت کے دن ان معبودان باطلہ کو لاشئی محض قرار دے دیں گے بلکہ ان کی پوجا ہی سے منکر ہو جائیں گے حیرت اور پریشانی کی وجہ سے جھوٹ پر اتر آئیں گے ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (یہ عذاب اس لئے ہے کہ تم ناحق زمین پر اتراتے پھرتے تھے) وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ اور اس وجہ سے یہ عذاب ہے کہ تم اکڑ مکڑ کرتے تھے) دنیا میں جو نعمتیں تمہیں دی گئیں ان میں لگ کر تم منعم حقیقی سے غافل ہو گئے اور آخرت کو بھول گئے' فرح اور مرح دونوں نے تمہارا ناس کھو دیا اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے) فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ (سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا جب تمہارے سامنے حق آتا تھا تو حید پیش کی جاتی تھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمہارے پاس دعوت حق لے کر آتے تھے تو تم ان کی بات قبول کرنے میں اپنی ہیٹی سمجھتے تھے اور انسلٹ جانتے تھے آج اس تکبر کا بدلہ چکھ لو جہنم میں عذاب بھی ہے اور ذلت بھی۔

اوپر جو یسحبون فی الحمیم ثم فی النار یسجرون فرمایا ہے اس پر بعض اہل علم نے یہ اشکال کیا

ہے کہ سورۂ دخان کی آیت ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ سے معلوم ہوتا ہے کہ جحیم کا عذاب حمیم سے پہلے ہے حقیقت میں اس میں کوئی تعارض اور تنافی نہیں ہے کیونکہ سورۂ زمر کی آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ بالکل ابتداء میں داخلہ جحیم سے پہلے حمیم کا عذاب ہوگا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کبھی حمیم ہو کبھی جحیم ہو اس طرح تقدم اور تاخر ہوتا رہے اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے کفر پر جو کافروں کو عذاب ہوگا وہ یقینی ہے فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ہم ان سے جس عذاب کا وعدہ کررہے ہیں اگر ہم آپ کے سامنے اس میں سے کچھ حصہ آپ کو دکھلا دیں یعنی آپ کی حیات میں اس کا نزول اور ظہور ہو جائے یا اس کے نزول سے پہلے ہی ہم آپ کو وفات دیدیں تو یہ دونوں باتیں ہوسکتی ہیں جو بھی صورت ہو بہر حال ان سب کو ہمارے ہی پاس آنا ہے لہٰذا ہم ان کو آخرت میں کفر کی سزا دے دیں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ
اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ سے بیان کردیا اور ان میں بعض ایسے ہیں جن کا تذکرہ ہم نے
عَلَیْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ
آپ سے بیان نہیں کیا، اور کسی رسول کو یہ قدرت نہیں کہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ کے اذن سے، پھر جب اللہ کا حکم آجائے گا تو حق کے ساتھ
بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾
فیصلہ کردیا جائے گا اور اس وقت باطل والے خسارہ میں رہ جائیں گے۔

ہم نے آپ سے بعض رسولوں کا تذکرہ کردیا ہے اور بعض کا نہیں کیا' کسی نبی کو اختیار نہ تھا کہ اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی نشانی لے آئے

تفسیر: آیت بالا میں دو باتیں ذکر فرمائیں اولاً رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بڑی تعداد میں رسول بھیجے جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ سے کردیا اور بعض کا تذکرہ نہیں کیا (جن حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے سورۂ بقرہ سورۂ مائدہ' سورۂ انعام اور سورۂ اعراف وسورہ ہود اور سورۃ الانبیاء میں اور بعض دیگر سورتوں میں مذکور ہیں یہ اس کے معارض نہیں ہے کہ اجمالی طور پر ان حضرات کی تعداد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو باخبر فرمادیا ہو تفصیلی اخبار وآثار کا بیان نہ فرمانا اجمالی عدد جاننے کے منافی نہیں' مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ انبیاء کرام کی کتنی تعداد ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار (مزید فرمایا کہ) ان میں تین سو پندرہ رسول تھے۔ (مشکوۃ المصابیح ۱۵۱)

چونکہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے اس لئے علماء نے فرمایا کہ ایمان لانے میں حضرات انبیاء کرام علیہم کا خاص عدد ذکر نہ کرے بلکہ یوں عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں ﷺ اور نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں۔

دوسری بات یہ بتائی کہ کسی نبی کو یہ قدرت نہ تھی اور نہ یہ اختیار تھا کہ خود سے کوئی معجزہ لے آئے جتنے بھی معجزات امتوں کے سامنے لائے گئے وہ سب اللہ کے اذن اور مشیت سے تھے سابقین انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی ان کی امتوں نے اپنی خواہشوں کے مطابق معجزات طلب کئے وہ حضرات خود مختار نہ تھے جو خود سے معجزات پیش کر دیتے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ چاہا ظاہر فرما دیا (آپ سے بھی امت کے لوگ خود تراشیدہ معجزات طلب کرتے ہیں اور اس کے ظاہر نہ ہونے پر آپکی تکذیب کرتے ہیں یہ کوئی بات نہیں ہے انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے آپ تسلی رکھیے اور ان کے حضرت کی طرح صبر کیجئے فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ پھر جب اللہ کا حکم آئے گا یعنی دنیا میں یا آخرت میں عذاب کا نزول ہو جائے گا تو اس وقت فیصلہ کر دیا جائے گا جو حضرات حق پر ہوں گے انکی نجات ہوگی اور اجر و ثواب ملے گا اور اہل باطل عذاب میں مبتلا ہوں گے وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ اور اس وقت باطل والے خسارہ یعنی ہلاکت اور بربادی میں پڑ جائیں گے لہٰذا آپ انتظار فرمائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور فیصلہ ہوگا اور حق فیصلہ ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تا کہ تم اُن میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں بعض کو کھاتے ہو اور تمہارے لئے ان میں منافع ہیں

وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ

اور تا کہ تم اُن پر سوار ہو کر اپنی حاجت پر پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے ہوئے پھرتے ہو اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

سو اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو وہ دیکھ لیتے کیا انجام ہوا اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا

وہ ان سے زیادہ تھے اور ان سے قوت میں بھی سخت تھے اور زمین میں بھی انکی نشانیاں بہت ہیں سو انکی کمائی اُن کے

كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ

کچھ کام نہ آئی سو جب اُنکے پاس ہمارے رسول دلیلیں لے کر آئے تو جو علم انکے پاس تھا اسکی وجہ سے بڑے اترائے اور ان پر وہ

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا

عذاب نازل ہو گیا جس کا مذاق بنایا کرتے تھے سو جب اُنہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اللہ پر جو تنہا ہے

كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ

اور ہم جن چیزوں کو اللہ کا شریک بناتے تھے اُن کے منکر ہیں سو اُن کے ایمان نے انکو کچھ نفع نہ دیا جب اُنہوں نے ہمارا عذاب دیکھا اللہ کی سنت ہے جو اس کے

خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

بندوں میں گزر چکی ہے اور اس موقع پر کفر کرنے والے خسارہ میں رہ گئے۔

چوپائیوں اور کشتیوں کی نعمت کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور مخاطبین کو توجہ دلائی کہ زمین میں چل پھر کر پرانی اُمتوں کے نشانات دیکھیں اور ان کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں فرمایا اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا فرمائے ان چوپاؤں پر سوار بھی ہوتے ہو اور انکا گوشت بھی کھاتے ہو اور انمیں دیگر منافع بھی ہیں مثلاً دودھ پیتے ہو ان کے بالوں سے اور اُون سے اور چمڑوں سے نفع حاصل کرتے ہو ان پر جو سفر کرتے ہو یا اسفار ایسے نہیں کہ صرف تم ہی کو یہ جانور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچادیں بلکہ تم انہیں بوجھ منتقل کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہو ان پر مال لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہو پھر اُسے وہاں فروخت کرتے ہو پھر وہاں سے مال خرید کر انکی کمروں پر باندھ کر لے آتے ہو اس طرح سے تمہاری حاجتیں پوری ہوتی ہیں صاحب روح المعانی نے بعض مفسّرین سے نقل کیا کہ چونکہ اس پہلی آیت میں جانوروں پر سوار ہونے کا ذکر آچکا ہے اس لئے یہاں بچوں اور عورتوں کے سوار کئے جانے کا ذکر ہے کیونکہ یہ دونوں ضعیف مخلوق ہیں بڑے تو ہمت کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر بھی جاسکتے ہیں لیکن ان دونوں جنسوں کے افراد سفر نہیں کر سکتے اسلئے اس میں مجہول کا صیغہ تُحْمَلُوْنَ لایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم چھوٹے چھوٹے تھے تم کو ان جانوروں پر سوار کیا جاتا تھا۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ سو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بہت ہیں اور وہ خوب ظاہر بھی ہیں سب کے سامنے ہیں انکار کرنے کا کوئی موقعہ نہیں صحیح عقل والا انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا جب ان سے انکار نہیں تو توحید کے کیوں قائل نہیں ہوتے اور شرک پر کیوں جمے ہوئے ہو۔

گزشتہ قوموں کی بربادی کا تذکرہ

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ (الٰی اٰخر السورة) کیا ان لوگوں نے سفر نہیں کیا اور نافرمان پرانی اُمتوں کے مکان اور کھنڈر اور کنوئیں اور اینٹ پتھر نہیں دیکھے؟ دیکھے ہیں اور بار بار دیکھے ہیں اُن امتوں کا انجام بھی دیکھ چکے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لوگ ان سے عدد میں بڑھ کر تھے اور طاقت میں بھی زیادہ تھے اور زمین میں انکے نشانات بھی بہت ہیں انہوں نے مضبوط قلعے بنائے پتھروں کو تراش کر گھر بنائے لیکن رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے عذاب آیا تو سب چیزیں دھری رہ گئیں جو کچھ کماتے تھے وہ کچھ بھی کام نہ آیا۔

جب اللہ کے رسول کھلے ہوئے معجزات اور آیات واضحات لے کر آئے تو ان لوگوں نے رسولوں کی باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا اور اپنے پاس جو دنیاوی چیزوں کا علم تھا یا جہل کو علم سمجھ رکھا تھا اسی پر اتراتے رہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جو تکذیب پر عذاب آنے کی خبر دی گئی تھی اس کا مذاق اُڑاتے تھے اُس نے ان کو تباہ کر دیا قرآن کے مخاطبین پر لازم ہے کہ اُن لوگوں کے حالات اور ان لوگوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

جب اُن لوگوں پر عذاب آیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کے سوا ہم نے جنکی عبادت کی اور انہیں عبادت الٰہیہ میں شریک کیا آج ہم اُسکے منکر ہوتے ہیں لیکن جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا تو ایمان کی باتیں کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا ایمان اس وقت نافع ہوتا ہے جب عذاب آنے سے پہلے ایمان قبول کر لیا جائے اللہ تعالیٰ کی یہی عادت رہی کہ تکذیب کی وجہ سے جب بندوں پر عذاب آیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا مقبول نہ ہوا بہر حال ہلاک کر دیئے گئے وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ اور اس موقعہ پر کافر لوگ خسارہ ہی میں پڑ گئے) ولا يستثنى من ذٰلك الا قوم يونس عليه السلام كما جآء مصر حاً فی سورة يونس عليه السلام . پس مخاطبین قرآن پر لازم ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک پر اور اس کے آخری نبی پر اور اس کے دین پر ایمان لائیں تاکہ سابقہ امتوں کی طرح ہلاک نہ ہو جائیں۔

وهذا آخر تفسير سورة الغافر، والحمد لله العزيز الغافر والصلوة على النبى الطيب الطاهر، وعلى من اتبع سنة من كل ذاكر و شاكر

سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ حٰمٓ السجدۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چون آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۲﴾ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

حٰمٓ ۔ یہ کلام ہے نازل کیا گیا ہے رحمٰن رحیم کی طرف سے یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل طریقہ پر بیان کی گئی ہیں یعنی یہ قرآن ہے جو عربی ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں،

بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، سو ان میں سے اکثر لوگوں نے اعراض کیا سو وہ لوگ نہیں سنتے، اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں اس کے بارے میں ہمارے دل پردوں میں ہیں

وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾

اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے سو تم کام کئے جاؤ بیشک ہم کام کرنے والے ہیں۔

قرآن کی آیات مفصل ہیں، وہ بشیر ہے اور نذیر ہے، منکرین اس سے اعراض کرتے ہیں

تفسیر: حٰمٓ ۔ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اسکے بعد دو آیتوں میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی، اول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو رحمٰن ہے اور رحیم ہے یعنی بہت بڑا مہربان ہے بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے اسکی رحمت کا تقاضا ہوا کہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے کتاب نازل فرمائے دوم یہ کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات مفصل ہیں یعنی خوب صاف صاف بیان کی گئی ہیں سوم یہ فرمایا کہ یہ قرآن کی آیات ہیں جو عربی ہے اس کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اسکا سمجھنا ان کے لئے آسان ہے اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے چونکہ بہت اعلیٰ ہے اس لئے بطور معجزہ اہل عرب پر اس کے ذریعہ حجت قائم ہو چکی ہے اب جو شخص ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا یوں تو قرآن سب ہی کو حق کی دعوت دیتا ہے اور سب ہی پر اس کا ماننا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اہل علم ہی اس سے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں اس لئے لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ فرمایا چہارم بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا فرمایا کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجود یہ کہ قرآن خوب اچھی طرح واضح طور بیان فرماتا ہے بشیر بھی ہے اور نذیر پھر بھی اکثر لوگ اس کی طرف سے اعراض یعنی روگردانی کرتے ہیں اور ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں اسی کو فرمایا فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے اور جو کچھ سنا تھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے یوں کہنے لگے کہ

ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے تمہاری دعوت نہ ہمارے کان سننے کو تیار ہیں اور نہ ہمارے دلوں کو اس کا قبول کرنا گوارہ ہے اور مزید یوں کہا کہ تم اگرچہ حسی اور جسمانی طور پر قریب ہو لیکن حقیقت میں ہمارے اور تمہارے درمیان بُعد ہے اور پردہ ہے جو کچھ کہو ہم سننے اور ماننے والے نہیں ان لوگوں نے یہ بھی کہا فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ کہ آپ اپنا عمل کرتے رہیں ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تمہارا کاٹ کریں گے یہ کہہ کر دعوت حق سننے اور قبول کرنے سے بالکل ہی انکاری ہو گئے۔ ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ہے چونکہ اس سے اصرار علی الکفر مقصود تھا اس لئے وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً وَّفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اس کے منافی نہیں ہے جس میں جَعْلُ الْاَكِنَّةِ عَلَى الْقُلُوْبِ کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف کی گئی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ

آپ فرما دیجئے میں تو تمہارا ہی جیسا بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے لہٰذا تم ٹھیک طریقہ پر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے استغفار کرو،

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو شرک کرنے والے ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں، بلاشبہ جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

آپ فرما دیجئے میں تمہارا ہی جیسا بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، مشرکین کیلئے ہلاکت ہے اور اہلِ ایمان کیلئے ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا

تفسیر: قرآن کے مخاطبین جو یہ کہتے تھے کہ ہم تمہیں کیسے اللہ کا نبی مانیں تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو اس کا جواب دے دیا کہ میں ہوں تو تمہارا ہی جیسا آدمی لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی فضیلت اور خصوصیت عطاء فرمائی ہے جو تم میں نہیں ہے اور وہ یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے نوازا ہے چونکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اس لئے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی بات پہنچاتا ہوں تمہارا معبود ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ شانہ جس نے سب کو پیدا فرمایا عقلِ صحیح کا بھی تقاضا ہے کہ خالق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے حکموں کو مانیں اور ہر طرح کی کجی اور بے راہی اور ٹیڑھے پن سے دور رہا جائے تم سیدھی راہ چلو اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور صحیح طریقہ پر اس کا دین اختیار کرو اور یہ نہ سمجھو کہ ہماری بخشش کیسے ہوگی، شرک اور کفر ہے تو بہت بڑی بغاوت لیکن جب کوئی کافر اور مشرک توبہ کر لے یعنی کفر اور شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لے تو پچھلا سب کچھ معاف ہو جاتا ہے لہٰذا تم ایمان قبول کرو اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔

اس کے بعد مشرکین کی ہلاکت اور بربادی بیان فرمائی فَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ اور بربادی ہے مشرکوں کے لئے

الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ ادا نہیں کرتے (نماز کی تو کیا پابندی کریں گے جو بڑا کام ہے وہ تو مال خرچ نہیں کر سکتے جو معمولی چیز ہے ہاتھ کا میل ہے بخل ان پر مسلط ہے وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔

بعض حضرات نے لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ کا معروف معنی نہیں لیا لغوی معنی لے کر اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو شرک سے پاک نہیں کرتے اور ایمان سے متصف نہیں ہوتے اس کے بعد اہل ایمان کا ثواب بتایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کیلئے اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِکَ رَبُّ

آپ فرما دیجئے کیا تم ایسی ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا اور تم اس کے لئے شریک تجویز کرتے ہو وہ سارے

الْعٰلَمِیْنَ ۝۹ وَجَعَلَ فِیْہَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِہَا وَبٰرَکَ فِیْہَا وَقَدَّرَ فِیْہَآ اَقْوَاتَہَا فِیْٓ اَرْبَعَۃِ

جہانوں کا رب ہے اور اس نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے جو اس کے اوپر موجود ہیں اور اس نے زمین میں برکت دی اور اس نے زمین میں اس کی غذائیں مقرر کردیں چار

اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا

دن میں یہ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا سو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ

اَوْ کَرْہًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝۱۱ فَقَضٰہُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ

یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی کے ساتھ حاضر ہیں، سو اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب

اَمْرَہَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝۱۲

حکم بھیج دیا، اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دے دی اور حفاظت کی چیز بنا دی یہ تقدیر ہے عزیز کی علیم کی۔

زمین و آسمان کی تخلیق کا تذکرہ، ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کا خطاب، اور ان کا فرمانبرداری والا جواب

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کی دعوت دی ہے اور شرک کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی نیز آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے اور آسمان و زمین سے متعلقہ امور بیان فرمائے۔

ارشاد فرمایا کیا تم اس ذات پاک کی توحید کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرما دیا اتنی بڑی زمین کا وجود سمجھدار عقلمند انسان کے لئے یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ اس کا پیدا فرمانے والا وحدہ لاشریک ہے اس کی توحید کے قائل ہونے کے بجائے تم نے یہ کر رکھا ہے کہ اس کے لئے شریک ٹھہرا دیئے جنہیں تم اس کے برابر سمجھتے ہو انہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور وہ خود پیدا فرمانے والے کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں وہ اپنے خالق کا برابر اور ہمسر اور شریک اور مقابل کیسے ہو سکتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے جس ذات پاک نے زمین کو پیدا فرمایا ہے وہ سارے جہانوں

کا مالک ہے اور پروردگار ہے تم اور تمہارے باطل معبود اسی خالق جل مجدہ کی مخلوق اور مملوک ہیں۔

خالقِ کائنات جل مجدہ نے صرف زمین ہی کو پیدا نہیں فرمایا زمین میں طرح طرح کی چیزیں پیدا فرمائیں دیکھو اس نے زمین کے اوپر بوجھل اور بھاری پہاڑ پیدا فرما دیئے اور زمین میں برکت رکھ دی صاحب روح المعانی ارشاد فرماتے ہیں: قدر سبحانہٗ ان یکثر خیرھا بان یکثر فیھا النباتات وانواع الحیوانات التی من جملتھا الانسان (یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں خیر و برکت رکھ دی اور وہ اس طرح سے کہ اس میں طرح طرح کے نباتات اور حیوانات پیدا فرما دیئے جاندار چیزوں میں انسان بھی ہے۔

زمین میں غذائیں بھی رکھ دیں جو انسانوں اور حیوانوں کے کام آتی ہیں یہ غذائیں زمین سے نکلتی ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے پھل میوے سبزیاں اور دیگر کھانے کی چیزیں پیدا فرمائیں اور پہلے سے تجویز فرما دیا کہ کتنی کتنی چیزیں پیدا ہوں گی اور کہاں کہاں کس کس علاقہ میں پائی جائیں گی اور کس کے حصہ میں کتنی خوراک آئے گی فی روح المعانی بین کمیتھا واقدارھا وقال فی الارشاد ای حکم بالفعل بأن یوجد فیما سیاتی لاھلھا من الانواع المختلفة اقواتھا المناسبة لھا علی مقدار معین تقتضیه الحکمة. (روح المعانی میں ہے کہ روزی کی مقدار و انداز واضح فرما دیا اور الارشاد میں ہے یعنی بالفعل حکم دیدیا کہ اہل زمین کیلئے مختلف انواع کی روزی جو ان کے مناسب ہوگی حکم کے مطابق معین مقدار میں موجود رہے گی)

فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ یہ مذکورہ کام چار دن میں ہوئے یعنی دو دن میں زمین پیدا فرمائی اور دو دن میں پہاڑوں کی پیدائش فرمائی اور برکت کا رکھ دینا اور روزیوں کا مقرر فرمانا ہوا چونکہ دیگر آیات میں آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان چیزوں کی تخلیق چھ دن میں بتائی ہے اس لئے مفسرین کرام نے مذکورہ بالا تفسیر اختیار کی ہے دو دن زمین کے پیدا فرمانے کے اور دو دن دوسری چیزوں کے (جو مذکور ہوئیں) اور دو دن آسمانوں کی تخلیق کے جن کا ذکر ابھی آتا ہے۔ ان شاء اللہ۔

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ یہ پورے چار دن ہیں پوچھنے والوں کے لئے تفسیر درمنثور میں بحوالہ حاکم اور بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوال کیا آپ نے انہیں جواب دے دیا پھر اللہ تعالیٰ نے آیتِ بالا نازل فرمائی اور اس کے آخر میں فرمایا سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ کہ یہ چار دن ہیں پورے ان لوگوں کے جواب میں جو سوال کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ (الأیتین) پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ اس وقت دھواں تھا یعنی اس کا مادہ دخان کی صورت میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا فرمایا اور زمین اور آسمان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں کو ہمارے حکم کے مطابق آنا لازم ہوگا خوشی سے آؤ یا زبردستی سے یعنی ہمارے احکام تکوینیہ جو تم دونوں میں جاری ہوں گے ان کے مطابق ہی تمہیں رہنا لازم ہوگا صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ طَوۡعًا اَوۡ کَرۡهًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو تمہارے اندر تاثیر ہوگی اسی کے مطابق ہوگا تم اس کے خلاف نہیں کر سکتے اور یہ مقصد نہیں ہے کہ انہیں ماننے نہ ماننے کا اختیار دے دیا قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ آسمانوں اور زمین دونوں زمین نے عرض کیا کہ ہم خوشی کے ساتھ فرمانبرداری کے لئے حاضر ہیں۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (سو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں سات آسمان بنا دیئے وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا) یعنی جن فرشتوں سے جو کام لینا تھا وہ ان کو بتا دیا۔

وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا (اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور ان ستاروں کو حفاظت کا ذریعہ بنا دیا شیاطین اوپر کی باتیں سننے کے لئے اوپر جاتے ہیں تو یہ ستارے انہیں مارتے ہیں جیسا کہ سورۃ الملک کی آیت وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ میں بیان فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ تقدیر ہے یعنی طے کردہ امر ہے اس ذاتِ پاک کی طرف سے جو عزیز یعنی زبردست ہے اور علیم ہے)

سورۂ بقرہ کی آیت هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اور سورۂ حٰمٓ سجدہ کی آیت بالا اور سورۃ النازعات کی آیت وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ان سب کو ملانے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کا مادہ بنایا اور اس کے اوپر بھاری پہاڑ پیدا فرما دیئے پھر سات آسمان بنا دیئے جو بنانے سے پہلے دھوئیں کی صورت میں تھے اس کے بعد زمین کے مادہ کو موجودہ صورت میں پھیلا دیا۔

قریش کے انکار و عناد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آیاتِ بالا پڑھ کر سنانا

تفسیر: قرطبیؒ ۳۴۸ ج ۱۵ میں لکھا ہے کہ ایک دن قریش نے آپس میں یوں کہا جن میں ابو جہل بھی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہمارے لئے اشکال کا باعث بن گیا ہے (واضح طور پر ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں) تم ایسا کرو کہ ایسے شخص کو تلاش کرو جو شاعر بھی ہو اور کاہن بھی اور ساحر بھی ایسا شخص ان کے پاس جائے اور گفتگو کر کے واپس آئے اور ہمیں واضح طور پر بتا دے کہ ان کے دعوی کی کیا حقیقت ہے یہ سن کر عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں کہانت اور شعر اور سحر تینوں سے واقف ہوں اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز ہوگی تو مجھے پتہ چل جائے گا ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تم محمد (علیہ السلام) کے پاس جاؤ اور بات چیت کرو۔

عتبہ بن ربیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد آپ بہتر ہیں یا قصی بن کلاب؟ آپ بہتر ہیں یا ہاشم؟ آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ آپ کے آباؤ اجداد ہیں آپ ان کے دین کو باطل بتاتے ہیں) آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتے ہیں اور ناسمجھ بتاتے ہیں اور ہمارے دین کو برا کہتے ہیں (ان سب باتوں سے آپ کا مقصد کیا ہے اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار بنا لیتے ہیں جب تک آپ زندہ رہیں اور اس کے اظہار اور اعلان کے لئے جھنڈے کھڑے کر دیتے ہیں اور اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی شادی ہو جائے تو ہم قریش کی دس لڑکیوں سے آپ کا نکاح کر دیتے ہیں جنہیں آپ چاہیں اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ اس کی وجہ سے آپ اور آپ کے بعد آنے والے آل و اولاد سب کو بے نیاز کر دیں گے اور اگر یہ بات ہے کہ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا ہے یہ جنات کا کوئی اثر ہے تو بتا دیجئے ہم مال جمع کریں گے اور آپ کا علاج کرا دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتے رہے

جب عتبہ اپنی باتیں کہہ چکا تو آپ نے فرمایا کہ اے ابو ولید تو اپنی باتوں سے فارغ ہو گیا؟ (ابو ولید عتبہ کی کنیت تھی) عتبہ نے کہا کہ ہاں میں کہہ چکا! آپ نے فرمایا سن! کہنے لگا سُنایئے آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورہ حٰمٓ السجدۃ پڑھنا شروع کیا اور فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تک پڑھتے چلے گئے آپ یہاں تک پہنچے تھے کہ عتبہ کود پڑا اور آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور اللہ کی قسم دی کہ آپ خاموش ہو جائیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور قریش کی مجلس میں نہ آیا ابو جہل نے اس سے کہا کیا تو بے دین ہو کر محمد ﷺ کی طرف ڈھل گیا یا تجھے محمد ﷺ کا کھانا پسند آ گیا' یہ سن کر عتبہ غصہ ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ محمد ﷺ سے کبھی بھی بات نہ کروں گا۔

اس کے بعد عتبہ نے کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال والے لوگوں میں سے ہوں (مال یا طعام کی وجہ سے میں خاموش نہیں ہوا) لیکن بات یہ ہے کہ جب میں نے محمد علیہ السلام سے گفتگو کی انہوں نے جو مجھے جواب دیا اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ نہ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ جادو ہے۔ اس کے بعد عتبہ نے (مِثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ) تک آیات سنا دیں جو رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں اور اس نے بتایا کہ میں نے ان کا منہ پکڑ لیا اور قسم دی کہ آگے نہ پڑھیں' سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عتبہ نے مزید کہا کہ تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ نے جب کبھی بھی کوئی بات کہی ہے جھوٹ نہیں بولا میں ڈر گیا کہ تم لوگوں پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کے سامنے سورۂ حٰمٓ سجدہ کے شروع سے آیت سجدہ تک تلاوت کی' عتبہ کان لگا کر سنتا رہا آنحضرت ﷺ نے جب قرأت ختم کر دی تو فرمایا اے ابوالولید تو نے سن لیا جو میں نے کہا آگے تو جانے (یا تو ایمان لائے یا نہ لائے' عذاب میں گرفتار ہو تو جانے۔

عتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھا اور قریش کی مجلس میں پہنچا وہ اس کی صورت دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ابو ولید کا رخ بدلا ہوا ہے یہ دوسرا چہرہ لے کر آیا ہے اس کے بعد عتبہ سے قریش نے کہا اے ابوالولید تو کیا خبر لایا؟ کہنے لگا اللہ کی قسم محمد ﷺ سے میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس جیسا کبھی نہیں سنا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تم میری بات مان لو محمد ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دو (ﷺ) اور انہیں کچھ نہ کہو اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کی باتوں کا ضرور چرچا ہوگا کہ اگر اہل عرب نے ان کو ختم کر دیا تو دوسروں کے ذریعہ تمہارا کام چل جائے گا اور اگر محمد ﷺ بادشاہ بن گئے یا ان کی نبوت کا مظاہرہ ہو گیا تو تمہیں اس کی سعادت پوری طرح نصیب ہو جائیگی کیونکہ ان کا ملک تمہارا ہی ملک ہوگا اور ان کا شرف تمہارا ہی شرف ہے یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ اے ابوالولید محمد ﷺ نے تجھ پر جادو کر دیا ہے عتبہ نے کہا کہ یہ میری رائے ہے آگے تم جو چاہو کرو۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ

پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت عاد و ثمود پر آئی جبکہ ان کے پاس ان کے آگے سے اور پیچھے سے رسول

مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا

آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل فرما دیتا سو بلاشبہ

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا

ہم اس چیز کے منکر ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو، پھر وہ لوگ جو عاد والے تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کہ

قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

قوت میں ہم سے زیادہ کون ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ قوت میں ان سے زیادہ ہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے،

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ

سو ہم نے ان کے اوپر منحوس دنوں میں تیز ہوا بھیج دی تاکہ ہم انہیں دنیا والی زندگی

الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

میں ذلت کا عذاب چکھا دیں، اور یہ بات واقعی ہے کہ آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر رسوائی والا ہے اور ان کی مدد نہ کی جائے گی، اور وہ لوگ جو قوم ثمود والے تھے سو ہم نے

الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا

انہیں ہدایت دی تو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھے پن کو پسند کیا سو انہیں عذاب کی آفت نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے، اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

جو ایمان لائے اور ڈرا کرتے تھے۔

حق سے اعراض کرنیوالوں کو تنبیہ اور تہدید عاد و ثمود کی بربادی کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں قرآن کریم کے مخاطبین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ تمہارے سامنے واضح طور پر دلائل آچکے ہیں نشانیاں دیکھ چکے ہو ان سب کے باوجود پھر بھی اعراض کرتے ہو ایمان نہیں لاتے لہٰذا سمجھ لو کہ عذاب آجائے گا تم سے پہلے ایسی امتیں گزری ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا پھر ان کو عذاب نے آدبایا' عاد و ثمود (دو قومیں گزر چکی ہیں انہوں نے اپنے اپنے رسول کی تکذیب کی پھر مبتلائے عذاب ہوئے اور ہلاک ہوئے ان پر جو عذاب کی مصیبت آئی میں تمہیں اس جیسی آفت سے ڈراتا ہوں' اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس آئے انہوں نے ان کو توحید کی دعوت دی کہ اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کرو یہ لوگ دلیل سے دین توحید کی تردید نہ کر سکے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شخصیات پر اعتراض کرنے لگے' کہنے لگے کہ تم تو آدمی ہو جیسے ہم ویسے تم اگر اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنے ہی تھے تو کیا اس کے لئے تم ہی رہ گئے ہو اگر وہ چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتا تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم اللہ کے پیغمبر ہیں اور ایسے ایسے احکام لے کر آئے ہیں اور توحید کی دعوت ہمارا کام ہے ہم ان سب باتوں کے منکر ہیں۔

یہ تو دونوں قوموں کی مشترکہ باتیں تھیں اب الگ الگ بھی ان کا حال سنیں قوم عاد بڑے ڈیل ڈول والے تھے انہیں اپنی قوت اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اس کی وجہ سے انہوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور بڑے غرور کے ساتھ کہنے لگے کہ

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (کہ وہ کون ہے جو طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہے) انسان کی بے وقوفی دیکھو کہ وہ دنیا میں اموال واولاد اور قوت اور طاقت پر گھمنڈ کر لیتا ہے اور تکبر میں آکر بڑی بڑی باتیں کہہ جاتا ہے فرض کرو موجودہ مخلوق میں کوئی بھی مقابل نہ ہو تو جس نے پیدا فرمایا اس کی قوت تو بہرحال سب سے زیادہ ہے اور بہت زیادہ ہے ان لوگوں نے اپنے خالق تعالیٰ شانہ پر نظر نہ کی اور تکبر کی بات کہہ دی ان کی اس بیوقوفی کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ طاقت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے جس نے انہیں پیدا فرمایا۔

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (اور یہ لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے واضح دلائل دیکھتے ہوئے اور جانتے بوجھتے انہوں نے حق سے منہ موڑا اور اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا (سو ہم نے ان پر تیز ہوا بھیج دی فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (منحوس دنوں میں) لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ تاکہ ہم انہیں دنیا والی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں اور اسی عذاب پر بس نہیں ان کے لئے آخرت میں بھی عذاب ہے اور وہ اس دنیا والے عذاب سے بڑھ کر زیادہ ذلت اور رسوائی والا ہوگا وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ اور وہاں ان کی مدد نہ کی جائے گی یہ جو مال و دولت اور افراد اولاد پر گھمنڈ ہے سب دھرا رہ جائے گا سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (قوم عاد پر جو تیز ہوا بھیجی تھی وہ سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط فرما دی تھی سوائے مخاطب تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں) یہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تھے اپنی قوت پر گھمنڈ کئے ہوئے تھے تند و تیز ہوا نے بالکل ہی ان کا ناس کھو دیا کھجوروں کے تنوں کی طرح زمین پر گر گئے سورۃ القمر میں اسی کو كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ فرمایا ہے۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نحوست کوئی چیز نہیں ہے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو گھر میں اور گھوڑے میں اور عورت میں ہوتی (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ۳۹۲) قوم عاد کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ منحوس دنوں میں ان پر تیز ہوا بھیج دی یہ ان کیساتھ خاص ہے یہ بات نہیں ہے کہ وہ دن سب کیلئے منحوس ہیں اگر ایسا ہوتا تو سارے ہی دن منحوس ہوتے کیونکہ یہ ان پر ایک ہفتہ سے زیادہ تیز ہوا چلی۔

اس کے بعد قوم ثمود کا حال بیان فرمایا وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ اور رہے ثمود سو ہم نے انہیں ہدایت دی یعنی ان کی طرف نبی بھیجا جس نے انہیں حق کا راستہ بتایا اور توحید کی دعوت دی انہوں نے سمجھ سے کام نہ لیا ہدایت کو اختیار نہ کیا اور اندھا رہنے یعنی گمراہی کو ترجیح دی جب ہدایت کو نہ مانا تو انہیں عذاب کی مصیبت نے پکڑ لیا اور وہ اپنے برے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے' صاعقہ کا اصل معنی بجلی کا ہے' جو بارش کے دنوں میں چمکتی ہے اور کبھی کبھی اس سے مطلق آفت بھی مراد لے لیتے ہیں۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے) یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف کھاتے تھے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ

اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے پھر وہ روکے جائیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس آجائیں گے تو ان کے کان

وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا

اور آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب میں کہیں گے

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ

کہ ہمیں اللہ نے بولنے والا بنا دیا جس نے ہر چیز کو بولنے والا بنایا ہے اور اس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور تم اس وجہ سے

تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ

پوشیدہ نہیں ہوتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور لیکن تم نے یہ خیال کیا تھا

اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ

کہ اللہ بہت سے اُن اعمال کو نہیں جانتا جنہیں تم کرتے ہو اور تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا اس نے تمہیں ہلاک کر دیا،

فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ

سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے، سو اگر صبر کریں تو آگ ٹھکانہ ہے ان کے لئے، اور اگر راضی کرنا چاہیں تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی،

الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ

اور ہم نے ان کے لئے ساتھیوں کو مسلط کر دیا سو انہوں نے ان کے لئے ان چیزوں کو مزین کر دیا جو ان کے آگے اور پیچھے ہیں اور ان پر بات ثابت ہو گئی

الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

ان جماعتوں میں شامل ہو کر جو اُن سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہے بے شک وہ خسارہ والے ہیں

اللہ کے دشمنوں کا دوزخ کی طرف جمع کیا جانا ان کے اعضاء کا ان کے خلاف گواہی دینا اور عذاب سے کبھی چھٹکارہ نہ ہونا

تفسیر: ان آیات میں اللہ کے دشمنوں یعنی کافروں کی مصیبت بیان فرمائی کہ قیامت کے دن انہیں دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا جماعتیں جماعتیں بن کر اس کے قریب پہنچیں گے ایک جماعت آئے گی وہ روک لی جائے گی پھر دوسری جماعت آئے گی وہ بھی روک لی جائے گی جب یہ جماعتیں جمع ہو جائیں گی اور دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی دنیا میں جو جو حرکتیں کی تھیں یہ اعضاء سب بتا دیں گے کہ اس شخص نے ہمیں ایسے ایسے کاموں میں استعمال کیا آنکھیں اور کان تو اعضاء ہیں اس دن کھالیں یعنی چمڑے بھی گواہی

دین گے کہ یہ لوگ ایسے ایسے اعمال کرتے تھے۔ چمڑا تو پورے بدن کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ہر گناہ میں استعمال ہوتا ہے سورۂ النور اور سورۂ یٰسین میں ہاتھوں اور پاؤں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جب کافروں کے اعضا ہی ان کے خلاف گواہی دے دیں گے جن کے بارے میں انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا تو وہ کہیں گے کہ لِمَ شَهِدْتُّمْ علینا کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی اس گواہی کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہیں بھی عذاب ہوگا اور ہمیں بھی' کیونکہ ہمارے جسم کے اجزاء میں تم بھی شامل ہو ہمارے برے اعمال سے منکر ہونا تمہارے بچانے کے لئے ہی تو تھا اگر گواہی دے کر تم عذاب سے بچ جاتے تو تمہیں گواہی دینے کا کچھ فائدہ پہنچ جاتا۔ اعضا کہیں گے کہ ہماری کیا مجال تھی کہ نہ بولتے اور خاموش رہ کر گواہی کو چھپا لیتے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان دے دی اور حکم دے کر کہلوایا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم گواہی نہ دیتے تمہارا جو خیال تھا کہ ہم بول نہیں سکتے یہ خیال غلط تھا اللہ جسے چاہے بولنے کی قوت دے سکتا ہے جس نے ہر ہر بولنے والی چیز کو بولنے والا بنایا اسی نے ہمیں بھی قوت گویائی عطا فرما دی۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ کو ہنسی آگئی آپ نے فرمایا تم جانتے ہو میں کس بات سے ہنس رہا ہوں ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا (قیامت کے دن) بندہ جو اپنے رب سے مخاطب ہوگا اس کی وجہ سے مجھے ہنسی آگئی بندہ کہے گا اے رب کیا آپ نے مجھے اس بات کا وعدہ نہیں دے دیا کہ مجھ پر ظلم نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ہاں تجھ سے یہ وعدہ ہے اس پر وہ کہے گا کہ بس تو میں اپنے خلاف کسی کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتا سوائے ایسے گواہ کے جو مجھ ہی میں سے ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ آج تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہے' اور کرام' کاتبین بھی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہیں' اس کے بعد اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا سے کہا جائے گا کہ بولو لہٰذا اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے پھر اُسے بولنے کی قوت دے دی جائے گی۔ لہٰذا وہ اپنے اعضاء سے کہے گا کہ دور ہو تمہارے لئے ہلاکت ہے تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑا کر رہا تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۵) (یعنی میں نے جو یہ کہا تھا کہ اپنے نفس کے خلاف کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا) الا یہ کہ میرے اندر کی کوئی چیز ہو اس کا مقصد ہی تو تھا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منافق قیامت کے دن یوں کہے گا کہ اے رب میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی کتاب پر اور آپ کے رسولوں پر ایمان لایا اور میں نے نمازیں پڑھیں' روزے رکھے اور صدقات دیئے اور جہاں تک ممکن ہوگا اپنی تعریف کرے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا یہاں ابھی پتہ چل جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ ہم ابھی گواہ پیش کرتے ہیں اس پر وہ اپنے نفس میں سوچے گا کہ کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے گا پھر اسکے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران سے اور گوشت سے ہڈیوں سے کہا جائے گا کہ بولو! لہٰذا اس کی ران اور اسکا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال پر گواہی دیں گی یہ گفتگو اس لئے کرائی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ رہے یہ جو کچھ مذکور ہوا منافق سے متعلق ہے اس سے اللہ تعالیٰ کو ناراضگی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۴۰۹)

یہاں جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ النور میں فرمایا کہ مجرمین کی زبانیں بھی گواہی دیں گی اور سورۃ یٰسین میں اور مسلم

شریف کی حدیث میں فرمایا کہ منہ پر مہریں لگادی جائیں گی اس میں بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے بعض احوال میں زبانیں گواہی دیں گی اور بعض مواقع میں ان پر مہر لگادی جائے گی۔

وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی بار دنیا میں پیدا فرمایا پھر مرجاؤ گے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اسی نے دنیا میں زبان کو بولنا سکھایا آخرت میں دوسرے اعضاء کو بھی بولنے کی طاقت دے دیگا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ (الایۃ) یہ بھی کافروں سے خطاب ہے وہاں ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو کام کرتے تھے اس کا تمہیں ذرا بھی احتمال نہ تھا کہ قیامت کے دن تمہارے کان اور آنکھیں اور چمڑے تمہارے خلاف گواہی دے دیں گے لہٰذا تم ان سے نہ چھپتے تھے نہ چھپ سکتے تھے جس کی وجہ سے تم دلیری کے ساتھ گناہ کرتے تھے تم سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف گواہی دینے والا کوئی نہ ہوگا مخلوق کے بارے میں تو تمہارا خیال تھا ہی تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی خیال کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا۔

قال القرطبی و معنی "تَسْتَتِرُوْنَ" تستخفون فی قول اکثر العلماء أی ما کنتم تستخفون من أنفسکم حذرًا من شهادة الجوارح علیکم، لأن الانسان لا یمکنه أن یخفی من نفسه عمله، فیکون الا ستخفاء بمعنی ترک المعصیة وقیل: الاستتار بمعنیٰ الاتقاء أی ما کنتم تتقون فی الدنیاأن تشهد علیکم جوارحکم فی الأخرة فتترکوا المعاصی خوفا من هذه الشهادة. (علامہ قرطبی نے کہا اکثر علماء کے قول کے مطابق "تَسْتَتِرُوْنَ" کا معنی ہے "تم چھپتے تھے" یعنی تم جو اپنے آپ سے چھپتے تھے اعضاء کی اپنے خلاف گواہی کے خوف سے، چونکہ انسان کیلئے اپنے عمل کو اپنے آپ سے چھپانا ممکن نہیں ہے اس لئے یہاں استخفاء معصیت کے ترک کے معنی میں ہوگا، اور بعض نے کہا الاستتار بمعنی اتقاء ہے یعنی تم جو دنیا میں بچتے تھے اس سے کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں لہٰذا اس گواہی کے خوف سے تم نے گناہ چھوڑ دیئے)

صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا تھا تین آدمی آئے ان میں سے ایک ثقفی تھا اور دو قریشی تھے ان کے پیٹ بھاری تھے اور کم سمجھ تھے انہوں نے کچھ ایسی باتیں کیں جنہیں میں (ٹھیک سے) نہ سن سکا ان میں سے ایک نے کہا کہ بتاؤ کیا اللہ ہماری باتوں کو سنتا ہے دوسرے نے کہا بلند آواز ہو تو سنتا ہے اور بلند نہ ہو تو نہیں سنتا تیسرے نے کہا کہ اگر وہ سنتا ہے تو سب کچھ سنتا ہے میں نے یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کو سنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ سے مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تک آیت کریمہ نازل فرمائی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے اور اس کے سننے اور جاننے کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ تمہارے اعضاء بھی تمہارے خلاف گواہی دے دیں گے لہٰذا ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔

کافروں کو ان کے گمان بد نے ہلاک کیا

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ اور یہ تمہارا گمان کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا اس نے تمہیں ہلاک کر دیا فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (سو تم خسارے والے ہو گئے) تم نے جو یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو

ہمارے بہت سے اعمال کا علم نہیں ہے اسی گمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہے اگر اللہ تعالیٰ کو علم والا جانتے اور یہ یقین کرتے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے تو خلوتوں میں اور جلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے اور اس نے جو اعضاء کی نعمتیں دی تھیں ان کو نیکیوں میں استعمال کرتے، تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط گمان کیا اور اعضاء کو بھی غلط استعمال کیا آج یہاں خسارہ میں یعنی پوری ہلاکت میں پڑ گئے۔

فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ (سو یہ لوگ جو دوزخ میں داخل کرنے کے لئے جمع کر دیئے گئے ہیں ان کو دوزخ میں داخل ہونا ہی ہے اور انہیں اس میں رہنا ہی ہے اور ہمیشہ رہنا ہے صبر کریں یا نہ کریں دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں تکلیف پر صبر کر لیتے تھے تو بعد میں اچھی حالت آ جاتی تھی وہاں صبر کرنا کوئی کام نہیں دے گا

وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ (اور اگر وہ یہ چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں اور اس کے لئے درخواست کریں تو ان کی یہ درخواست منظور نہیں کی جائے گی راضی کرنے کا موقع موت سے پہلے تھا، ایمان لاتے اعمالِ صالحہ کرتے نافرمانیوں سے بچتے تو آج عذاب کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

مشرکین اور کافرین پر برے ساتھی مسلط کر دیئے گئے

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ اور ہم نے ان کے اوپر ساتھی مسلط کر دیئے جو انسانوں میں سے بھی ہیں اور جنات میں سے بھی اور ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (ان ساتھیوں نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا اور ان کو اچھا بتا کر پیش کیا گناہوں کو اچھا کر کے دکھایا لذتوں پر ابھارا شہوتوں میں پڑنے کی ترغیب دی اور انہیں یہ بھی سمجھایا جو مزے اڑا سکتے ہو اڑا لو موت کے بعد نہ جی اٹھنا ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ، ان ساتھیوں کی باتوں میں آ کر کفر و شرک اختیار کیا گناہوں میں منہمک رہے۔ لہٰذا عذاب کے مستحق ہوئے مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے لفظ سے آخرت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ سمجھایا کہ حساب کتاب اور جنت و دوزخ کچھ نہیں اور وَمَا خَلْفَهُمْ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے دنیا والی زندگی مراد ہے انہوں نے اس دنیا میں کفر کو اچھا بتایا اور خواہشوں اور لذتوں پر ڈالا اور ابھارا۔

سورۃ الزخرف میں فرمایا وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۝ (اور جو شخص اندھا بنتا ہے رحمٰن کی یاد سے ہم اس پر تعینات کر دیا کرتے ہیں ایک شیطان سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے شیاطین ان کو روکتے ہیں راہ سے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ اور ان پر عذاب والی بات ثابت ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کر دیا گیا کہ ان کو عذاب میں داخل ہونا ہے، ان سے پہلے جو امتیں جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں یہ بھی انہیں میں شامل کر دیئے گئے یعنی وہ بھی عذاب میں داخل ہوئے، اور یہ بھی إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ (بلاشبہ یہ سب لوگ خسارے والے تھے) دنیا میں آئے زندگی ملی جان ملی اعضا دیئے گئے، اموال کے مالک ہوئے لیکن سب کچھ کھو دیا اور ضائع کر دیا اب تو عذاب ہی عذاب ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ

اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس کے درمیان شور مچایا کرو، شاید تم غالب رہو، سو جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

کفر کیا ہم انہیں ضرور ضرور سخت عذاب چکھادیں گے اور ضرور ضرور انہیں برے کاموں کی سزا دیں گے جنہیں وہ کیا کرتے تھے۔ یہ سزا ہے

جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ کے دشمنوں کی جو آگ ہے، ان کے لئے اس میں ہمیشہ کا رہنا ہے اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنات میں سے اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ہم کو انہیں دکھا دیجئے ہم انہیں

تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ

اپنے قدموں کے نیچے کرلیں تاکہ یہ دونوں گروہ خوب زیادہ ذلیلوں میں سے ہو جائیں، بلاشبہ جن لوگوں نے یوں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے ان پر

عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

فرشتے نازل ہوں گے کہ تم خوف نہ کرو اور رنج نہ کرو اور خوش ہو جاؤ جنت کی خبر سے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ

ہم دنیا والی زندگی میں تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کی تمہارے نفسوں کو خواہش ہوگی

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو گے، یہ مہمانی کے طور پر ہے غفور رحیم کی طرف سے۔

کافروں کا قرآن سننے سے روکنا اور شور و شغب کرنے کا مشورہ دینا

تفسیر: یہ سات آیات کا ترجمہ ہے اول کی چار آیتوں میں کافروں کی شرارت اور حماقت کا اور ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے اور آپس میں جو وہاں بڑوں اور چھوٹوں میں دشمنی کا مظاہرہ ہوگا اس کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ جب قرآن مجید تلاوت کرتے اور لوگوں کو سناتے تو مکہ کے مشرکین میں سے جو بڑے بڑے لوگ تھے وہ اپنے نیچے والوں کو حکم دیتے تھے کہ اس قرآن کو نہ تو خود سنو اور نہ دوسروں کو سننے دو جب محمد رسول اللہ ﷺ قرآن پڑھیں تو تم لوگ اس میں شور و غل مچاؤ، لایعنی باتیں کرو، بے تکی آوازیں نکالو لہٰذا وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی تلاوت کے وقت سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے اور شور کرتے تھے اور اونچی آواز سے اشعار بھی پڑھتے تھے رؤسا مشرکین جو اپنے نیچے کے لوگوں کو ان

باتوں کا حکم دیتے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کی آواز دب جائے اور چیخ و پکار کرنے والے غالب ہو جائیں تا کہ قرآن آگے نہ بڑھے اور اس کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو۔

مشرکین کی حرکتوں کو بیان فرمانے کے بعد جن کا وہ دنیا میں ارتکاب کرتے تھے ان کی سزا بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے یہ لوگ جو برے اعمال کیا کرتے تھے انہیں ضرور ان کی سزا دیں گے آیت کریمہ میں عذاب دنیا یا عذاب آخرت کا ذکر نہیں ہے مطلق عذاب کی وعید ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے دونوں جہان کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کا بھی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عَذَابًا شَدِيدًا سے غزوۂ بدر کا عذاب مراد ہے اور اَسْوَاَ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے آخرت کا عذاب مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے دنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا ہونگے اور آخرت میں بھی برے اعمال کی سزا پائیں گے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں کو (آخرت میں جو) سزا ملے گی آگ کی صورت میں ان کے سامنے آئے گی یعنی نارِ جہنم میں داخل ہوں گے اور ایسا نہیں کہ تھوڑے سے دن سزا بھگت لیں تو جان بخشی ہو جائے بلکہ انہیں اس آگ میں ہمیشہ رہنا ہوگا ان کا یہ عذاب اس کا بدلہ ہوگا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

گمراہ لوگ درخواست کریں گے کہ ہمارے بڑوں کو سامنے لایا جائے، تا کہ قدموں سے روند ڈالیں

دنیا میں تو یہ حال تھا کہ چھوٹے موٹے لوگ اپنے بڑے اور سرداروں کے بہکانے سے کفر پر جمے رہے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے ان کے بہکانے والوں میں جنات بھی تھے اور انسان بھی تھے جو انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ قرآن پڑھا جائے تو تم شور و غل کرو یہ لوگ ان کی بات مان لیتے تھے یہ تو ان کا دنیا میں حال تھا پھر جب آخرت میں حاضر ہوں گے تو اپنے بڑوں پر غصہ ہوں گے اور دانت پیسیں گے کہ انہوں نے ہمارا ناس کھویا لہٰذا بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنات میں سے اور انسانوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا انہیں ہمارے سامنے لایئے آج ہم انہیں بہکانے اور ورغلانے کا مزہ چکھا دیں، بتایئے وہ لوگ کہاں ہیں ہم انہیں اپنے پاؤں میں روند ڈالیں۔ انہوں نے ہمارا ناس کھویا آج ہم ان سے بدلہ لے لیں انہیں اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیں اور کچل دیں تا کہ وہ خوب زیادہ ذلت والوں میں سے ہو جائیں۔

اہل استقامت کو بشارت

اس کے بعد اہل ایمان کی فضیلت بیان فرمائی اور ان کی اجمالی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور پھر ایمان پر جمے رہے یعنی اس کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو بشارت دیتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور رنج نہ کرو اور جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے اللہ کے نبی نے اور اللہ کی کتاب نے وعدہ کیا ہے۔

فرشتوں کے جس نزول اور بشارت کا ذکر ہے اس کا وقوع کب ہوتا ہے؟ صاحب روح المعانی نے حضرت زید بن اسلم تابعی سے نقل کیا ہے کہ موت کے وقت اور قبر میں نازل ہوتے وقت فرشتے آتے ہیں اور مذکورہ بالا بشارت دیتے ہیں اور قیامت کے دن جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس وقت بھی فرشتے یہ بشارت دیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بشارت مذکورہ بالا تینوں احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام حالات میں بھی اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہتا ہے کہ فرشتے بطریقہ الہام ان کے دلوں میں سکون اور اطمینان کا القاء کرتے رہتے ہیں جس سے وہ اور زیادہ خیر کے کاموں میں آگے بڑھتے رہتے ہیں حضرت عطاء ابن ابی رباح نے فرمایا کہ اَلَّا تَخَافُوْا کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری نیکیاں مقبول ہیں یہ خوف نہ کرو کہ وہ رد کردی جائیں گی اور وَلَا تَحْزَنُوْا کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے بارے میں رنجیدہ مت ہو وہ بخش دیئے جائیں گے۔

فرشتوں کا اہل ایمان سے خطاب

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ فرشتے اہل استقامت مومنین سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم دنیا اور آخرت میں تمہارے ولی ہیں یعنی ہم تمہارے مددگار ہیں تمہارے دلوں میں حق کی بات ڈالتے ہیں اور تمہیں خیر و صلاح کا مشورہ دیتے رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ موت سے پہلے بھی ملائکہ کا نزول ہوتا رہتا ہے جو اہل ایمان کو تسلی دیتے ہیں اور خیر و صلاح کی باتیں بتاتے ہیں اور شرور سے بچاتے ہیں دنیا میں انکی یہ دوستی ہے اور آخرت میں بھی دوستی کا ظہور ہوگا' شفاعت بھی کریں گے اور اکرام کیساتھ پیش آئینگے اور انکے پاس پہنچیں گے اور سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ کہہ کر سلامتی کی دعا بھی دیں گے اور مبارکباد بھی۔

فرشتے جو جنت کے داخلے کی پیشگی بشارت دیں گے اس بشارت کے ساتھ اجمالی طور پر نعمتوں کا تذکرہ بھی فرمایا وہ کہیں گے کہ آخرت میں تمہیں جو جنت کا داخلہ ملے گا وہ داخلہ بہت بڑی نعمت ہے وہ ہر قسم کی خواہش پوری ہونے کی جگہ ہے جنت میں تمہاری جو بھی خواہش ہوگی وہ سب پوری کردی جائیگی اور وہاں جو بھی کچھ مانگو گے اور طلب کرو گے سب کچھ موجود ہوگا ایسا نہ ہوگا کہ کوئی خواہش رُکی رہ جائے اور کوئی مطلوبہ شئے عطا نہ کی جائے۔

غفور رحیم کی طرف سے مہمانی

آخر میں فرمایا نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ وہاں جو کچھ عطا کیا جائے گا غفور رحیم کی طرف سے بطور مہمانی کے ہوگا دیکھو سب سے بڑی ذات کے مہمان بن رہے ہو جس نے تمہارے سب گناہ اور خطائیں معاف فرمادی ہیں اور مہربانی فرما کر تمہیں یہاں داخلہ دے دیا ہے جس ذات عالی کے مہمان ہو اس کی مہمانی اسی کے شان کے لائق ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مہمان کی جو خواہش ہو پوری کی جائے اور جو کچھ طلب کرے وہ اسے دیا جائے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا

اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کئے اور یوں کہا کہ بلاشبہ میں مسلمین میں سے ہوں' اور

تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ

اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوتی آپ ایسے برتاؤ کے ساتھ دفع کیجئے جو اچھا طریقہ ہو پھر یکایک ایسا ہو گا جس شخص کو آپ سے دشمنی تھی

كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ

گویا کہ وہ خالص دوست ہے اور اس بات کا صرف انہیں لوگوں کو القا کیا جاتا ہے جو صبر والے ہیں اور اس بات کا القا اسی شخص کو ہوتا ہے

عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾

جو بڑے نصیب والا ہو، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ لیجئے، بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

داعی الی اللہ کی فضیلت، اخلاق عالیہ کی تلقین

شیطان سے محفوظ ہونے کے لئے اللہ کی پناہ لینا

تفسیر: ان آیات میں داعی الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے اشخاص وافراد کی فضیلت بیان فرمائی اور بعض امور پر تنبیہ کی ہے ارشاد فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کس کی بات اچھی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں، اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو شخص بلائے یعنی توحید کی دعوت دے اور اس کے دین اور احکام دین قبول کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دے اسے خود بھی اعمال صالحہ میں لگنا چاہئے جب خود عمل کرے گا تو دوسروں کو اعمال صالحہ کی دعوت دینا بھی مفید اور نافع ہوگا اور جو شخص داعی ہو اس میں تواضع بھی ہونی چاہئے حق کی دعوت بھی دے اور اپنے کو بڑا بھی نہ سمجھے اپنے بارے میں یوں کہے کہ میں بھی مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اپنے علم و عمل کو تکبر اور غرور کا ذریعہ نہ بنالے جب کوئی شخص حق کی دعوت لئے کھڑا ہوتا ہے تو تکے بے تکے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے معاندین اور متکبرین سامنے آتے ہیں زبان سے اور ہاتھ سے تکلیف دیتے ہیں ایسے مواقع پر صبر کرنا درگزر کرنا مناسب ہوتا ہے اور ترکی بہ ترکی جواب دینا برائی کا بدلہ برائی سے دینا مناسب نہیں ہوتا، اگر برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے اور اسی قدر دیا جائے جتنی زیادتی دوسرے نے کی ہے تو یہ جائز تو ہے لیکن خوبی اور بہتری حلم اور برداشت ہی میں ہے۔ اسی کو فرمایا وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ کہ اچھا برتاؤ اور برا برتاؤ برابر نہیں ہے پھر فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ جو اچھی خصلت ہے اور عمدہ طریقہ ہے اس کو اختیار کیجئے اس کے ذریعہ مخالف کی بدمعاملگی اور برے برتاؤ کو دفع کیجئے فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ جب ایسا کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس شخص سے آپ کی دشمنی تھی وہ آپ کا خالص دوست بن جائے گا۔

اس کے بعد اچھی خصلت یعنی حلم اور بُردباری، حسن خلق عفو اور درگزر کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہت عمدہ اور بہت بلند صفت ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (اور یہ بلند اخلاقوں کی صفت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

حَظٍّ عَظِيْمٍ (بڑا نصیب) کیا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ثواب کا بڑا حصہ مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے جنت مراد ہے (ذکرہما فی الروح)

جب کوئی شخص نیک کاموں میں لگتا ہے تو شیطان اس کے نفس میں برے برے وسوسے ڈالتا ہے اس کے بارے میں فرمایا وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو آپ اللہ کی پناہ مانگیں اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ لفظ نزغ عربی زبان میں کسی لکڑی یا انگلی سے چبھانے کے لئے بولا جاتا ہے جسے اردو کے محاورے میں کچوکہ دینا کہہ سکتے ہیں ذرا ذرا سے وسوسے تو آتے ہی رہتے ہیں شیطان کبھی زوردار وسوسہ بھی ڈال دیتا ہے اسی لئے اسے نَزْغٌ سے تعبیر فرمایا جب کوئی شخص دعوت حق دے گا خیر کی بات کرے گا اور مخالف اور منکر کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرے گا تو شیطان اس موقع پر کچوکا دے گا اور مثلاً یوں سمجھائے گا کہ تم تو حق بات کہہ رہے ہو۔ تمہیں چھوٹا بننے اور دبنے کی کیا ضرورت ہے ایسے موقع پر اللہ کی پناہ لے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر آگے بڑھ جائے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے رات ہے اور دن ہے اور چاند ہے اور سورج ہے مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ

اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو پیدا فرمایا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو سو اگر وہ تکبر کریں تو جو

عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى

تیرے رب کے مقرب ہیں وہ رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اکتاتے نہیں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ

الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ

تو زمین کو دبی ہوئی حالت میں دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو وہ ابھر آتی ہے اور بڑھتی ہے

الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

رات اور دن چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر بعض دلائل قائم فرمائے ہیں اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی

قدرت اور مشیت سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اور سورج اور چاند بھی اس کی نشانیوں میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا اور روشنی بخشی اور ان کے گردش کرنے کا مدار مقرر فرمایا اور طلوع و غروب کے اوقات مقرر فرمائے جس ذات پاک نے ان کو پیدا فرمایا صرف وہی مستحق عبادت ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (یہ مشرکین کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ تم سورج کو سجدہ نہ کرو ان کو بڑی چیزیں سمجھ کر سجدہ کرتے ہو حالانکہ جس نے انہیں پیدا کیا وہ سب سے بڑا ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اسی کو فرمایا وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ (اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا) اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (اگر تم ان کے پیدا کرنے والے کی عبادت کرتے ہو) مطلب یہ ہے اگر خالق کی عبادت کرتے ہو تو مخلوق کی عبادت نہ کرو خالق کی وہ عبادت معتبر نہیں جس کے ساتھ مخلوق کی بھی عبادت کی جاتی ہو لہٰذا شرک اختیار کرتے ہوئے تمہارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم اللہ کے عبادت گزار ہیں یہ غلط ہے۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا (الآیۃ) سو اگر وہ لوگ تکبر اختیار کریں اور آپ کی بات ماننے میں عار سمجھیں اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے باز نہ آئیں تو انہیں بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت اور سجود کا محتاج نہیں ہے تم اسے سجدہ کرو یا نہ کرو اس کی ذات عالی صفات بہر حال بلند اور برتر ہے اس کی بارگاہ اقدس میں جو فرشتے حاضر ہیں وہ ہمہ تن اور ہر وقت تسبیح میں مشغول رہتے ہیں ذرا بھی نہیں اکتاتے اور اسے ان کی تسبیح اور عبادت کی بھی حاجت نہیں ہے)

زمین کا خشک ہو کر زندہ ہو جانا بھی اللہ کی نشانی ہے

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نشانیوں میں سے زمین بھی ہے جس پر یہ لوگ رہتے ہیں اور اس پر جن تغیرات کا ظہور ہوتا رہتا ہے انہیں یہ لوگ دیکھتے رہتے ہیں انہی تغیرات میں سے ایک یہ ہے کہ زمین خشک ہو جاتی ہے سبزی بالکل نہیں رہتی سوکھی ہوئی حالت میں پڑی رہتی ہے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے بارش برستی ہے زمین پر پانی پڑتا ہے اندر پہنچتا ہے جیسے ہی یہ زمین پانی سے متاثر ہوتی ہے اس میں تازگی آجاتی ہے زمین پھولتی ہے اندر سے پودے زور لگاتے ہیں باہر نکلتے ہیں تھوڑا ہی سا وقت گزرتا ہے کہ زمین ہری بھری ہو جاتی ہے اس میں کھیتیاں بھی ہوتی ہیں جن سے انسانوں کو غذائیں ملتی ہیں بڑے بڑے درخت بھی ہوتے ہیں جن پر کچھ عرصے کے بعد پھل آتے ہیں ان میں سے انسان کھاتے ہیں اور گھاس بھی نکلتی ہے جو مویشیوں کی غذا بنتی ہے اس میں کئی طرح سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ظاہر ہوتی ہے اور توحید بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان تصرفات کا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس سے وقوع قیامت کا استبعاد بھی دور ہو جاتا ہے قیامت قائم ہونے اور زندہ ہو کر قبروں سے نکلنے اور دوبارہ زندگی حاصل ہونے کو جو لوگ بعید اور عجیب سمجھتے ہیں ان کے لئے زمین کی حالت بدلنا خشک زمین کا تروتازہ ہو جانا اس میں پودے نکل آنا یہ اس بات کی نظیر ہے کہ انسان بھی مر کھپ کر اسی طرح زندہ ہو کر قبروں سے باہر آجائیں گے اسی کو فرمایا اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى (بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندگی بخشی وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن

بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں' کیا جو شخص آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ

يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

شخص جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا' تم کرلو جو چاہو بے شک وہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے' بیشک جن لوگوں نے ذکر کے ساتھ کفر کیا

بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

جب وہ انکے پاس آگیا اور بے شک حال یہ ہے کہ وہ کتاب عزیز ہے اس کے پاس باطل نہیں آتا آگے سے اور نہ

خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ

پیچھے سے' وہ اتاری ہوئی ہے حکمت والے کی طرف سے جو ستودہ اوصاف ہے' آپ سے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لئے کہا گیا' بلاشبہ

رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ

آپ کا رب مغفرت والا ہے اور دردناک عذاب دینے والا ہے' اور اگر ہم اس کو قرآن عجمی بنادیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کو کیوں واضح طریقہ پر بیان نہیں کیا گیا'

آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

یہ کیا بات ہے کہ رسول عربی ہے اور کتاب عجمی ہے' آپ فرمادیجئے کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے اور شفا ہے' اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے

فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾

ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان پر گمراہی کا سبب بنا ہوا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دور سے پکارا جاتا ہے۔

ملحدین ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں' جو چاہو کرلو اللہ دیکھتا ہے!

تفسیر: قرآن مجید سے نفع حاصل کرنے والے اہل ایمان ہیں اور دو جماعتیں ایسی ہیں جو قرآن کی دشمن ہیں ایک جماعت تو وہ ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہی نہیں یہ لوگ منکرین ہیں اور دوسری جماعت وہ ہے جو یوں نہیں کہتے کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے لیکن ان کی دشمنی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ قرآن کا مطلب اپنی طرف سے تجویز کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کے مطابق آیات اور کلمات کا مطلب بتاتے ہیں یہ لوگ ملحدین ہیں جو قرآن میں کجروی نکالتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے الحاد کا یہی مطلب بتایا اور فرمایا یَضَعُونَ الکلام فی غیر موضعہ یعنی آیات کا مطلب اپنی طرف سے تجویز کرتے ہیں متشابہات کے پیچھے پڑنا اپنی نکالی ہوئی بدعتوں اور خواہشوں کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنا یہ سب الحاد کی صورتیں ہیں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل سلوک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں و دخل فیہ غلاۃ الصوفیۃ فی نفیھم التفسیر المنقول واختراعھم ما یخالف الاصول یعنی اس میں غلو والے صوفی بھی داخل ہیں جو منقول تفسیر کی نفی کرتے ہیں اور اپنے پاس سے وہ چیزیں

نکالتے ہیں جو اصول کے خلاف ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات میں کجروی اختیار کرتے ہیں ان کا حال ہم پر پوشیدہ نہیں ہے انہیں الحاد اور بے دینی کی سزا ملے گی اس کے بعد فرمایا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ قیامت کے دن دو قسم کے لوگ ہوں گے بعض وہ لوگ ہوں گے جو امن واطمینان کے ساتھ بے خوف ہوں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو حیرانی پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے پھر دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اب بتانے والے بتائیں اور سمجھدار لوگ جواب دیں کہ جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جو امن وچین اور اطمینان اور سکون سے قیامت کے دن حاضر ہو گا اور پھر جنت میں بھی اسی شان سے داخل ہو گا قیامت کے دن بھی سکون اور اطمینان اور اس کے بعد بھی امن وچین کے ساتھ خوش وخرم رہے گا (جَعَلَنَا اللہ منھم)

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (کرلو جو چاہو بے شک اللہ تمہارے کاموں کا دیکھنے والا ہے اس میں تہدید ہے کہ قرآن کے مخالفین اور منکرین جو چاہیں کرلیں، اپنے کئے کی سزا پائیں گے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو کچھ کرلیں گے اسکی خبر نہ ہوگی اللہ جل شانہ انکے اعمال کو دیکھتا ہے وہ انکے اعمال کی سزا دے گا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ (الآیۃ) (بلاشبہ جن لوگوں نے ذکر یعنی قرآن کا انکار کیا، جب کہ وہ ان کے پاس آگیا تو انہوں نے غور وفکر نہ کیا) اگر غور وفکر کرتے تو منکر نہ ہوتے وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ (اور بلاشبہ وہ عزت والی کتاب ہے) لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (باطل بات نہ اس کے آگے سے آسکتی ہے نہ اس کے پیچھے سے) یعنی کسی پہلو اور کسی جہت سے اس کا احتمال نہیں تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ وہ اتاری گئی ہے حکمت والے کی طرف سے جس کی ذات وصفات محمود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے بارے میں جو کافر لوگ معاندانہ طریقے پر کچھ کہتے ہیں جس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کے بارے میں ایسی باتیں کہی گئی ہیں ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ (بلاشبہ آپ کا رب بڑی مغفرت والا ہے) وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ (اور دردناک عذاب والا ہے) آپ کے مخالفین اگر اپنی حرکتوں سے باز آگئے اور ایمان قبول کرلیا تو دیگر اہل ایمان کے ساتھ ان کی بھی مغفرت ہو جائے گی اور اگر ان لوگوں نے توبہ نہ کی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے ایمان قبول نہ کیا تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

مکذّبین کا عناد

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ (اور اگر ہم اس کو قرآن عجمی بنا دیتے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی آیات کو کیوں واضح طریقہ پر بیان نہیں کیا گیا)

جس کو حق سے بیر ہو اور عناد پر کمر باندھ لے اس کا نفس اور شیطان طرح طرح کے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں قریش مکہ نے ایک یہ شوشہ چھوڑا کہ یہ قرآن عربی ہی میں کیوں ہے عجمی یعنی غیر عربی عجمی زبان میں بھی ہوتا تو اس کا معجزہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان لانے والے نہ تھے۔ یہ لوگ اس وقت یہ حجت نکالتے کہ ہم تو عرب ہیں ہمارے سامنے تو عربی ہی میں آیات ہوتیں جن میں صاف صاف بیان ہوتا اور یہ اعتراض اٹھاتے ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ یعنی یوں کہتے کیا بات ہے کتاب عجمی اور رسول عربی ہے؟ اب جو قرآن عربی میں ہے تو کہتے ہیں کہ عربی کیوں ہے اور عجمی ہوتا تو کہتے کہ عربی کیوں نہیں مقصود محض اعتراض ہے قبول حق نہیں اسی لئے بے تکی باتیں کرتے ہیں۔ قال صاحب الروح و حاصله انه لو نزل كما يريدون لا نكروا ايضاً وقالوا مالک وللعجمة او ما لنا وللعجمة .(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور حاصل یہ ہے کہ اگر قرآن انہیں کی خواہش کے مطابق نازل کیا جاتا تو بھی یہ انکار کرتے اور کہتے آپ کیا لگیں اور عربی کیا لگے یا کہتے ہمیں غیر عربی زبان سے کیا واسطہ؟) (ص ۱۲۹ ج ۲۴)

قرآن مومنین کے لئے ہدایت ہے اور شفا ہے

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ (آپ فرما دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے) وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھے پن کا سبب بنا ہوا ہے اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (یہ لوگ دور جگہ سے بلائے جاتے ہیں) یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ جیسے کسی کو پکارا جائے وہ آواز تو سنے لیکن بات نہ سمجھے حق کی آواز کانوں میں پڑتی ہے لیکن اسے سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ کی تفسیر

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ کا یہ مطلب (جو اوپر لکھا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت مجاہد سے مروی ہے اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ قیامت کے دن یہ لوگ کفر اور اعمال بد کی وجہ سے برے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے اور یہ پکار دور سے ہوگی تاکہ اہل موقف بھی اس آواز کو سن لیں جس سے ان لوگوں کی شہرت ہو جائے کہ یہ لوگ ایسے ایسے تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے طے ہو چکی ہے تو ان کے درمیان فیصلہ

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ

کر دیا جاتا اور بلاشبہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، جس نے نیک عمل کیا سو وہ اس کی جان کے لئے ہے اور جس نے برا عمل کیا تو اس کا

فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

وبال اسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

ہر شخص کا نیک عمل اس کے لئے مفید ہے اور برے عمل کا وبال برا عمل کرنیوالے پر ہی ہے

تفسیر: اوپر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ معاندین کی طرف سے آپ کے بارے میں وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی گئیں اس کے بعد گذشتہ رسولوں میں سے ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی توریت شریف دی اس کتاب میں اختلاف کیا گیا کسی نے اس کی تصدیق کی اور کسی نے اسے جھٹلایا آپ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ جو آپ کے مخاطبین کا معاملہ ہے یہ پہلے بھی ہو چکا ہے پھر فرمایا کہ آپ کے رب کی طرف سے ایک بات طے ہو چکی ہے اور وہ یہ کہ جھٹلانے والوں پر مقررہ وقت پر عذاب آئے گا اگر یہ طے شدہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی گزشتہ امتوں کی طرح عذاب بھیج کر ان کو ختم کر دیا جاتا وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ اور یہ لوگ قرآن کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ شک باعث تردد اور باعثِ اضطراب بنا ہوا ہے)۔

بعض حضرات نے مِنْهُ کی ضمیر عذاب کے فیصلے کی طرف راجع کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذابِ موجود کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اس شک نے ان کو تردّد میں ڈال رکھا ہے عذاب کی وعید سنتے ہیں لیکن یقین نہیں کرتے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ (جو شخص نیک کام کرے گا اس کا یہ عمل اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس پر ثواب ملے گا) وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (اور جو شخص برا عمل کرے گا تو اس کا وبال اور ضرر اسی پر پڑے گا) وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہے) وہ ہر چھوٹی بڑی نیکی کا بدلہ دے گا اور ایسا نہ ہوگا کہ جو کوئی برائی نہ کی ہو وہ اس کے اعمال نامہ میں لکھ دی جائے اور پھر اس کی وجہ سے عذاب دیا جائے۔

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ

اسی کی طرف قیامت کا علم حوالہ کیا جاتا ہے اور جو پھل اپنے خولوں سے نکلتے ہیں اور جو کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور جو بچہ جنتی ہے یہ سب

إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا

اس کے علم میں ہے اور جس دن وہ پکارے گا کہاں ہیں میرے شرکاء وہ کہیں گے کہ ہم اعلان کے ساتھ آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی دعویدار نہیں ہے اور اس سے پہلے وہ جن کو پکارا کرتے تھے

يَدْعُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾

وہ سب غائب ہو جائیں گے اور یہ لوگ یقین کر لیں گے کہ ان کے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' اس دن مشرکین کی حیرانی و بربادی

تفسیر: قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف حوالہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں سورۃ الاعراف میں فرمایا یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (وہ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کب ہے اس کا واقع ہونا' آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اس کو ظاہر نہیں فرمائے گا مگر وہی) ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس انسانی صورت میں آئے اور متعدد سوالات کئے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایئے وہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ (کہ جس سے دریافت کیا وہ دریافت کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں) یعنی اس معاملہ میں میں اور تم برابر ہیں نہ مجھے اس کے وقوع کا وقت معلوم ہے اور نہ تمہیں پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ قیامت کب آئے گی تو یہی جواب دے دو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ ای اذا سئل عنها قیل اللّٰہ تعالیٰ یعلم اولا یعلمها الا اللّٰہ عزوجل (یعنی جب قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو کہا جائے اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا کہا جائے اسے نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ ہی)

اس کے بعد بعض دیگر اشیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جب درخت پر پھل آتے ہیں اولاً ایک غلاف کی سی صورت بنتی ہے ابتداء میں پھل ذرا سا ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اپنے غلاف سے باہر آجاتا ہے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نکلتا ہے اور جس کسی عورت کو حمل قرار پاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اس میں چند چیزوں کا ذکر ہے دوسری آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

جو لوگ دنیا میں شرک کرتے ہیں دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی توحید کے قائل نہیں ہوتے یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم نے جو اپنے خیال میں میرے شرکاء بنا رکھے تھے' وہ کہاں ہیں وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم آپ کو خبر دے رہے ہیں کہ یہاں اس وقت ہم میں کوئی بھی اس بات کی گواہی دینے والا نہیں کہ آپ کا کوئی شریک تھا دنیا میں تو پوری ضد کے ساتھ شرک کرتے تھے اور جب سمجھایا جاتا تھا تو حق نہیں مانتے تھے لیکن میدان قیامت میں شرک سے منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ اور جب سمجھ لیں گے کہ انکار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو اقراری ہو کر یوں کہیں گے هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ کہ یہ وہ ہیں جن کی ہم آپ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے اور ان سے جو مدد کی امید رکھتے تھے وہ کوئی بھی مدد نہ پہنچا سکیں گے وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ (اور یقین کرلیں گے کہ ان کے لئے بھاگنے کا کوئی موقع نہیں)۔

لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ

انسان خیر کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا اور اگر اسے تکلیف پہنچ جائے اور پوری طرح ناامید ہو جاتا ہے اور تکلیف پہنچ جانے کے بعد اگر ہم اسے اپنی رحمت چکھا دیں

بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ

تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ چاہئے اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اس کے پاس

عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَاِذَآ

بہتری ہوگی سو جن لوگوں نے کفر کیا ہم ضرور ضرور ان کے اعمال سے انہیں باخبر کردیں گے اور ہم انہیں ضرور سخت عذاب چکھادیں گے اور جب ہم انسان کو

اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝

نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور ایک جانب کو دور چلا جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعا والا ہو جاتا ہے۔

انسان کا حُبِّ دنیا اور ناشکری کا مزاج اور وقوع قیامت کا انکار

تفسیر: ان آیات میں انسان کا ایک مزاج بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انسان برابر اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کرتا ہے مال بھی مانگتا ہے اور صحت بھی اور دوسری چیزیں بھی' جب تک یہ چیزیں پاس رہتی ہیں تو خوب خوش رہتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے' مریض ہو جائے تنگ دستی آ جائے تو اس پر ناامیدی چھا جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ بس اب تو میں مصیبت ہی میں رہوں گا کبھی میری حالت ٹھیک ہونے والی نہیں ہے (یہ ان لوگوں کا حال ہوتا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں پڑھا اس کے رسول ﷺ کی ہدایات پر عمل نہیں کیا' نیک بندوں کی صحبت نہیں اٹھائی)۔

پھر فرمایا کہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھادیں خیر اور عافیت اور مالداری سے نواز دیں اس کے بعد کہ اسے تکلیف پہنچ چکی تھی تو کہتا ہے کہ ہاں مجھے یہ چاہئے اور میں اس کا حقدار ہوں اللہ تعالیٰ کی جو نعمت ملی اسے اللہ کا فضل نہیں بلکہ اپنے ہنر کا نتیجہ سمجھتا ہے جیسا کہ قارون نے کہا تھا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (یہ تو مجھے میرے علم کی وجہ سے دیا گیا) حالت ٹھیک ہوتی ہے اور مال مل جاتا ہے تو انسان قیامت ہی کا منکر ہو جاتا ہے کہتا ہے کہ میرے خیال میں تو قیامت آنے والی نہیں ہے اور اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی اور میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو میں وہاں بھی عزت اور کرامت سے نوازا جاؤں گا جیسا کہ دنیا میں مجھے نوازا گیا ہے وہاں بھی میرا حال اچھا ہوگا دنیا میں بھی اچھی حالت کا مستحق ہوں اور آخرت میں بھی' یعنی یہ ناشکرا انسان یہ نہیں مانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل فرمایا ہے دنیا اور آخرت میں اچھی حالت میں رہنے کو اپنا ذاتی استحقاق مانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو ہم ان کے اعمال سے باخبر کردیں گے اور بتادیں گے کہ تم نے غلط سمجھا تھا تم اپنے اعمال کے اعتبار سے عزت اور کرامت کے مستحق نہیں ہو' ذلت اور اہانت کے مستحق ہو وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (اور ہم انہیں ضرور ضرور سخت عذاب چکھائیں گے) اس وقت جھوٹی باتوں اور جھوٹے دعووں کا پتہ چل جائے گا۔

اس کے بعد انسان کے مزاج کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں یعنی جب اسے نعمتیں دیتے ہیں تو تکبر کے انداز میں ایک طرف کو دور چلا جاتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوتا یہ مال اور نعمتیں جو موجب شکر تھیں ان کو تکبر کا ذریعہ بنالیتا ہے نعمتوں کے زمانے میں اس کا یہ حال ہوتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی چوڑی [1] دعائیں کرنے لگتا ہے انسانوں کا جو حال ان آیات میں بیان فرمایا ہے عموماً مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ ۢ بَعِيْدٍ ۝

آپ فرمادیجئے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو دور کی مخالفت میں پڑ گیا

[1] صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دعاء کی جو صفت بیان کی گئی ہے اس سے لازم آتا ہے کہ دعاء لمبی بھی ہو کیونکہ دعاء طویل جب ہی ہوتی ہے جبکہ وہ چوڑائی سے زیادہ لمبی بھی ہو ورنہ تو طویل نہ ہوگی۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

ہم عنقریب انہیں آفاق میں اوران کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے کہ بلاشبہ وہ حق ہے کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے

أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۵۳﴾ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ﴿۵۴﴾

کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے، خبردار وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کی طرف سے شک میں ہیں خبردار اس میں شک نہیں کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

منکرین کو قرآن حکیم کے بارے میں غور وفکر کی دعوت، اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے

تفسیر: سورۂ حٰمٓ سجدہ ختم ہو رہی ہے شروع سورت میں قرآن مجید کی تنزیل اور تفصیل بیان فرمائی اور درمیان میں بھی قرآن مجید کی توصیف فرمائی اب آخر میں ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے مخاطبین سے فرما دیجئے کہ تم عقلمندوں کے طریقے پر سوچ لو اور اپنے نفع نقصان کو سمجھ لو یہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے میرا یہ دعویٰ ہے اور دلیل سے ثابت ہو چکا تم اس کے منکر ہو اب تم غور کرلو اور سوچ کر بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوا (یعنی آخرت میں ان کا من عند اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور تم اس کا انکار کر بیٹھے تو یہ مخالفت تم پر کس قدر بھاری پڑے گی تم عناد کی وجہ سے آج اس کے منکر ہو رہے ہو اور یہ صریح گمراہی ہے بتاؤ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو حق سے دور ہوتا چلا جائے، جو شخص حق سے دور ہو گا وہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گا آخرت میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں غور کرلو اور اپنے انکار کا انجام خود سوچ لو۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ (ہم عنقریب انہیں آفاق میں اور ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے) آفاق جمع ہے افق کی، افق کنارے کو کہتے ہیں اس سے آسمانوں اور زمین کے کنارے چاند سورج ستارے اشجار وانہار مراد ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے امم سابقہ کے واقعات مراد ہیں یعنی زمین میں جو سفر کرتے ہیں اور ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈروں پر گزرتے ہیں یہ بھی آفاق میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھا دیں گے اور ان کے نفسوں میں بھی انسانوں کے نفسوں میں جو امراض آتے رہتے ہیں اور حالات بدلتے رہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے یہ سب چیزیں سامنے آتی ہیں اور سامنے آتی رہیں گی سمجھ دار انسان کا کام ہے کہ وہ آیات آفاقیہ سے بھی عبرت حاصل کرلے اور آیات انفسیہ سے بھی۔

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے) قرآن کا حق ہونا سمجھداروں پر ظاہر ہو گیا، ماننا نہ ماننا اور بات ہے دشمن بھی جانتے ہیں گو مانتے نہیں۔

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے) اس نے آپ کی رسالت کی بار بار گواہی دی ہے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا گواہی دینا کافی ہے آپ ان لوگوں کے انکار اور عناد سے مغموم نہ ہوں۔

أَلَا إِنَّهُمْ (الآیۃ) (خبردار یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کی طرف سے شک میں پڑے ہیں انہیں وقوع قیامت کا یقین نہیں اس لئے انکار پر کمر باندھ رکھی ہے لیکن یہ نہ سمجھیں کہ انکی حرکتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہے وہ ہر چیز کو اپنے احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے لہٰذا وہ انکی حرکتوں اور کرتوتوں پر سزا دیگا۔

وھٰذا اٰخر ما یسر اللہ تعالیٰ لنا فی تفسیر سورۃ حٰمٓ السجدۃ لیلۃ الثانی والعشرین فی محرم الحرام سنۃ ۱۴۱۸ھ من ھجرۃ سید الانام البدر التمام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یوم القیام وعلیٰ اٰلہ واصحابہ البررۃ الکرام۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الشوریٰ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ اسی طرح وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے اللہ جو عزیز ہے حکیم ہے اسی کیلئے ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ برتر ہے بڑا ہے، کچھ بعید نہیں کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ

اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور اہل زمین کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں خبردار! اللہ ہی

الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦

مغفرت کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز تجویز کر رکھے ہیں وہ اللہ کی نگاہ میں ہیں آپ ان کے ذمہ دار نہیں

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی کی وحی بھیجی تاکہ آپ ام القریٰ اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں اور جمع

رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝٧ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں، ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں، اور اگر

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝٨ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے ظالموں کے لئے کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار کیا ان لوگوں نے اللہ کے

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٩

سوا کارساز بنا رکھے ہیں سو اللہ ہی کارساز ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز ہے حکیم ہے علی ہے عظیم ہے غفور ہے رحیم ہے

تفسیر: یہ سورۃ الشوریٰ کے پہلے رکوع کا ترجمہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی

صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرح یہ سورت اپنے فوائد پر مشتمل ہو کر آپ کی طرف نازل کی جارہی ہے اسی طرح آپ پر دوسری سورتوں کی بھی وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے جو حضرت انبیائے کرام علیہم السلام تھے ان پر وحی کی گئی یہ وحی اللہ تعالیٰ نے بھیجی جو عزیز یعنی زبردست اور غالب ہے اور حکیم یعنی حکمت والا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اُسی کا ہے اسکی مخلوق بھی ہے اور مملوک بھی ہے وہ برتر ہے اور عظیم الشان ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اس میں مشرکین کی حرکت بد کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی ہے کیونکہ آگے مشرکین کے شرک کا ذکر آرہا ہے اس لئے پہلے ہی اُن کی تردید فرمادی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ مریم میں فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (اور کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد رکھتا ہے یہ تو تم ایسی بھاری بات لائے کہ عجب نہیں آسمان پھٹ پڑیں اس کے باعث اور زمین شق ہو جائے اور گر پڑیں پہاڑ ٹوٹ کر' کہ ثابت کیا رحمٰن کے لئے فرزند) آیت کی یہ تفسیر صاحب معالم التنزیل نے اختیار کی کہ بعض دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بہت بڑی کثیر تعداد میں ہیں وہ آسمانوں میں سجدہ کئے ہوئے پڑے ہیں اور بہت سے فرشتے دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان فرشتوں کا بوجھ اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا کوئی بعید بات نہیں آیت کا یہ معنی لینا بھی بعید نہیں ہے چونکہ اس کے بعد فرشتوں کی تسبیح و تحمید کا ذکر ہے اس لئے اس کا یہ معنی بھی مرتبط ہوتا ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اَطَّتِ السماء وحُق لها ان تَاط والذی نفسی بیدہٖ ما فیها موضع اربع أصابع اِلاّ وملکٌ واضع جبهتهٗ ساجد اللّٰہ. (آسمان چُرچُر بولتا ہے اور لازم ہے کہ وہ ایسی آوازیں نکالے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے آسمان میں چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں فرشتے نے سجدہ میں اپنی پیشانی نہ رکھ رکھی ہو) (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۴۵۷)

اور مِنْ فَوْقِهِنَّ جو فرمایا اس کا یہ مطلب ہے کہ آسمان پھٹنا شروع ہوں تو اوپر سے پھٹیں گے پہلے سب سے اوپر والا آسمان پھر اس سے نیچے والا پھر اس سے نیچے والا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شانِ عالی کے لائق نہیں ان سے اس کی تنزیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کی صفات عالیہ بیان کرتے ہیں جن سے وہ متصف ہے تفسیر قرطبی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ وہ تعجب سے سبحان اللہ کہتے ہیں کہ مشرکین کو کیا ہو گیا وحدہٗ لاشریک کے ساتھ غیروں کو شریک کرتے ہیں اور خالق جل مجدہ کی ناراضگی اپنے سر لیتے ہیں۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں) یعنی اہل ایمان جو دنیا میں بستے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (خبردار اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ غفور ہے رحیم ہے) اس کے بعد مشرکین کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے کارساز بنالئے یعنی یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نگران ہے یعنی ان

کے اعمال سے باخبر ہے وہ ان کو سزا دے گا اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا اللہ تعالیٰ ہی جب چاہے گا سزا دے دیگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے آپ کو یہ قرآن وحی کے ذریعہ دیا جو عربی میں ہے تا کہ آپ اُم القریٰ یعنی مکہ والوں کو ڈرائیں (جو آپ کے اولین مخاطب ہیں) اور ان لوگوں کو بھی ڈرائیں جو مکہ کے چاروں طرف رہتے ہیں یعنی دیگر اہل عرب ان سب کو کفر کی سزا سے ڈرائیں اور بتادیں کہ اگر ایمان نہ لائیں تو اس کی سخت سزا ہے' اور آپ ان سب کو جمع ہونے کے دن سے بھی ڈرائیں اس سے قیامت کا دن مراد ہے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں' اس دن بندوں کے درمیان فیصلے کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلے کو کوئی رد کرنیوالا نہیں' پہلے سے اسکا فیصلہ ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا) یہ اجمالی فیصلہ دنیا میں سنا دیا ہے اور قیامت کے دن ہر فریق کو الگ الگ کر دیا جائے گا اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں چلے جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ (الآیہ) یعنی ہر فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا یعنی سب اہل ایمان ہی ہوتے ہیں' وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرما دیتا ہے اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی رہیں اور اہل کفر بھی سورۂ الٓمٓ سجدۃ میں فرمایا وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا اور اگر ہم چاہتے ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (اور ظالموں کے لئے کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا) اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت اپنی جگہ ہے لیکن انسانوں کو ہوش اور گوش اختیار دیا ہے اور ایمان و کفر کا فرق بتادیا ہے اور دونوں کی جزا و سزا بھی بتادی ہے اس لئے قیامت کے دن اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے پکڑے جائیں گے کفر و شرک ظلم ہے جب ظلم کی سزا ملے گی تو کوئی بھی حمایتی اور مددگار نہ ملے گا۔

مشرکین کی تردید

اسکے بعد شرک کا ابطال کیا اور اسکی قباحت بیان فرمائی اور فرمایا اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بنالئے) یہ انہوں نے برا کیا فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ (کارساز اللہ ہی ہے) وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى (اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے) اس کے سوا کسی کو اسکی قدرت ہی نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور نہ صرف یہ کہ وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو قادر مطلق ہے اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو کارساز بنانا حماقت کی بات ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَاِلَيْهِ

اور جس کسی چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے' وہ اللہ میرا رب ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع

اُنِيْبُ ۞ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ

ہوتا ہوں' وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس میں تمہارے نفسوں میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں میں سے

اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۞ لَهٗ مَقَالِيْدُ

جوڑے بنائے وہ تمہیں مادر رحم میں پیدا فرماتا ہے' اس جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے' اسی کے اختیار میں ہیں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں، وہ رزق بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور کم کر دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تم جس چیز میں اختلاف کرو اسکا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے اس نے تمہارے جوڑے پیدا فرمائے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ کی صفات جلیلہ عظیمہ بیان فرمائی ہیں، پہلے تو یہ فرمایا کہ تم جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہو انہیں اللہ کی طرف لوٹا دو یعنی اس کی کتاب جو فیصلہ دے اسے مان لو اور اسی کے مطابق عمل کرو، پھر رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ فرما دیں کہ اللہ ہی میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، توحید کی دعوت دینے میں تمہاری طرف سے کسی تکلیف کے پہنچ جانے سے میں نہیں ڈرتا۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس کی تخلیق میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس نے تم کو بھی پیدا فرمایا ہے تمہاری جانوں سے تمہارے جوڑے بنائے ہیں یعنی حضرت آدمؑ اور حضرت حوا علیہما السلام سے لے کر آج تک جو نسلاً بعد نسلٍ بنی آدم پیدا ہو رہے ہیں اور جو پیدا ہوں گے ان میں یہ سلسلہ رکھا ہے کہ مرد بھی پیدا فرمائے ہیں اور عورتیں بھی، مرد عورتوں کے جوڑے ہیں اور عورتیں مردوں کے، اسی طرح اس نے مویشیوں میں بھی کئی قسمیں پیدا فرمائیں اور ان میں بھی نر و مادہ پیدا کئے جن سے ان کی نسلیں چل رہی ہیں۔

يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ (وہ اس تخلیق کے ذریعے تمہاری تکثیر فرماتا ہے) اور اس کی قدرت سے تمہاری نسلیں چلتی ہیں۔

قال القرطبیؒ أی یخلقکم وینشئکم "فیه" أی فی الرحم، وقیل فی البطن، وقال الفراء وابن کیسان "فیه" بمعنی به وکذلک قال الزجاج معنی "یذرؤکم فیه" یکثرکم به، أی یکثرکم یجعلکم أزواجا، أی حلائل، لانهن سبب النسل، وقیل ان الهآء فی "فیه" للجعل و دل علیه جعل فکانه قال یخلقکم ویکثرکم فی الجعل. (علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں یعنی تمہیں پیدا کرتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش دیتا ہے اور بعض نے کہا "فیہ" سے مراد ہے پیٹ میں فراء اور ابن کیسان نے کہا ہے "فیہ" بہ کے معنی میں ہے اور اسی طرح زجاج کہتے ہیں "یَذْرَءُکُمْ فِیْہِ" کا معنی ہے تمہیں اس کے ذریعہ بڑھاتا ہے یعنی تمہیں خاوند جوڑے بنا کر بڑھاتا ہے کیونکہ بیویاں نسل کا سبب ہیں بعض نے کہا "فیہ" میں "ھاء" جَعل کے لئے ہے اور جَعل اس پر دلالت کرتا ہے گویا کہ فرمایا وہ تمہیں پیدا کرتا ہے اور بنانے میں تمہیں زیادہ کرتا ہے)

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اللہ کی طرح کوئی بھی چیز نہیں ہے خالق تعالیٰ شانہٗ ہی کا وجود حقیقی ہے وہ ہمیشہ سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں وہ ہمیشہ رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں تنہا ہے بے مثال ہے اسکی ذات کی طرح

کوئی ذات نہیں اسکی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں صفات کے اعتبار سے اگر کوئی لفظ کسی کے لئے بول دیا گیا ہے تو وہ محض اشتراک لفظی کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی متوحد اور یکتا ہے اور اور اپنی صفات میں بھی متفرد ہے اور اپنے اسماء میں بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم کی نسبت کرتے ہیں یا اُسکے لئے مکان اور زمان اور جہت تجویز کرتے ہیں اور جو اُسے تشبیہ اور تعطیل سے متصف کرتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں خالق شانہٗ کی توحید کے منکر ہیں خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی مشابہت نہیں۔

قال القرطبیؒ والذی یعتقد فی ھذا الباب أن اللّٰہ جل اسمہ فی عظمتہ و کبریائہ و ملکوتہ وحسنی أسمائہ وعلی صفاتہ لا یشبہ شیئا من مخلوقاتہ و لا یشبہ بہ فلا تشابہ بینھما فی المعنی الحقیقی، اذ صفات القدیم جل وعز بخلاف صفات المخلوق اذ صفاتھم لاتنفک عن الاعراض والاعراض، وھو تعالیٰ منزہ عن ذلک، بل لم یزل باسمائہ وبصفاتہ علی ما بینا ہ فی (الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ) و کفی فی ھذا قولہ الحق: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ " وقد قال بعض العلماء المحققین : التوحید اثبات ذات غیر مشبھۃ للذوات و لا معطلۃ من الصفات وزاد السیوطی رحمہ اللّٰہ بیانا فقال: لیس کذاتہ ذات، ولا کاسمہ اسم، ولا کفعلہ فعل، ولا کصفتہ صفۃ الا من جھۃ موافقۃ اللفظ ، وجلت الذات القدیمۃ ان یکون لھا صفۃ حدیثۃ، کما استحال ان یکون للذات المحدثۃ صفۃ قدیمۃ، وھذا کلہ مذھب أھل الحق والسنۃ والجماعۃ رضی اللّٰہ عنھم. (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس باب میں جو اعتقاد رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بزرگی والا ہے اپنی عظمت و کبریائی اور مالکیت میں اور اپنے اسماء حسنیٰ میں اور اپنی صفات میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کے بالکل مشابہ نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ ہے لہٰذا حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے کہ قدیم ذات کی صفات بلند ہیں اور بزرگی والی ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے کیونکہ مخلوق کی صفات تو اغراض اور اعراض سے جدا نہیں ہوسکتیں اور اللہ تعالیٰ اعراض و اغراض سے منزہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو قدیم ہیں جیسا کہ ہم نے الکتاب الأسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں بیان کیا ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حق ذات کا یہ ارشاد کافی ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ بعض محققین علماء نے کہا ہے توحید ایسی ذات کے یقین سے مان لینے کا نام ہے کہ جو ذات کسی اور ذات کے مشابہ نہیں ہے اور کسی صفت سے معطل ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک بیان کا اضافہ کیا ہے کہتے ہیں اللہ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں ہے نہ اس کے نام جیسا کوئی نام ہے اور نہ اس کے فعل جیسا کوئی فعل ہے اور نہ اس کی صفت جیسی کوئی صفت ہے مگر صرف لفظی موافقت۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ اس کی کوئی صفت نئی پیدا شدہ ہو جیسا کہ یہ محال ہے کہ کسی فانی ذات کی کوئی قدیم صفت ہو یہ اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے)

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (اور وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے وہ ہر بات کو سنتا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے)

اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں یعنی سارے خزانوں کا وہی مالک ہے يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وہ پھیلا دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا ہے جس کی اس نے نوح کو وصیت فرمائی اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا اور ہم نے جس کی وصیت کی ابراہیم کو

وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ

اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ تم دین کو قائم کرو اس میں تفرقہ نہ ڈالو! مشرکین کو وہ بات گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں، اور

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ

اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرتا ہے اسے اپنی طرف سے ہدایت دے دیتا ہے اور یہ لوگ متفرق نہیں ہوئے مگر ضد اضدی میں اس کے بعد ان کے

الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ

پاس علم آ گیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے وقت معین تک ایک بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝

اور بلاشبہ ان کے بعد جنہیں کتاب دی گئی وہ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا ہے جس کی وصیت فرمائی نوح اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی توحید اور فرمانبرداری اور اس کے رسولوں اور کتابوں اور فرشتوں اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لانا یہ اصل دین ہے اور یہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ہے ان امور پر متفق ہوتے ہوئے مسائل فرعیہ متعلقہ عبادات اور معاشرت وغیرہ میں اختلاف رہا ہے اس بات کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے اسی دین کو مشروع یعنی مقرر فرمایا جس کی نوح کو وصیت کی اور ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو وصیت کی اور یہی دین آپ ﷺ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا اسی دین پر قائم رہو اسی دین کی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ آخر الانبیاء محمد رسول ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین کامل عطا فرما دیا ہے جو عقائد کے اعتبار سے ان بنیادی عقائد پر مشتمل ہوتے ہوئے جو انبیائے سابقین علیہم السلام کے تھے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے احکام و اخلاق و آداب پر مشتمل ہے۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کے ساتھ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ بھی فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اس کو ترک مت کرو اس میں تبدیلی نہ کرو ایسا نہ کرو کہ کسی بات پر ایمان لائے کسی پر نہ لائے اور کسی بات کو مانا کسی کو نہ مانا اور (بنی اسرائیل ایسا کیا کرتے تھے جنہیں تنبیہ فرمائی تھی اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ)

مشرکین کو آپکی دعوت نا گوار ہے

کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ مشرکوں کو یہ بات گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ کو دعوت دیتے ہیں ان کا ناگوار گزرنا دو طرح سے تھا اول اس طرح کہ مشرکین نے توحید کو چھوڑ دیا تھا اور اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لئے تھے رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں توحید کی دعوت دی تو انہیں بڑی ناگوار گزری اور بری لگی اور دوسری بات یہ تھی کہ وہ لوگ یوں کہتے تھے کہ اللہ نے آپ ہی کو نبی کیوں بنایا ہم میں سے کسی مالدار کو نبی بنانا چاہیئے تھا ان کے جواب میں فرمادیا

اللہ جسے چاہے اپنا بنالیتا ہے

اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یعنی اپنا بنالیتا ہے اور جو کوئی فضیلت کسی کو دینا ہو اس کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ اور جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اسے اپنا راستہ بتادیتا ہے یعنی اسے ہدایت دے دیتا ہے اراۃ الطریق کے بعد ایصال الی المطلوب بھی فرمادیتا ہے یعنی قبول ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے۔

علم آنے کے بعد لوگ متفرق ہوئے

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اور لوگ ضد اضدی کے باعث اس کے بعد متفرق ہوئے جبکہ اُن کے پاس علم آچکا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ قریش مکہ کے بارے میں فرمایا ہے یہ لوگ آرزو کرتے تھے کہ انکی طرف کوئی نبی بھیجا جائے اور قسمیں کھاتے تھے کہ ہمارے پاس کوئی نبی آگیا تو ہم پرانی امتوں سے بڑھ کر ہدایت والے ہوں گے جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوگئی تو منکر ہوگئے آپس کی ضد اضدی نے انکے فرقے بنادیئے کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کچھ لوگ کفر و شرک پر جمے رہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں یہودیوں کو حسد کھا گیا اور جانتے بوجھتے ایمان نہ لائے اور نصاریٰ بھی انہیں کی راہ پر چل پڑے ان لوگوں کو متفرق ہونا اور رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ کے بیان میں اور اظہار حجت میں کوئی کمی تھی حُب دنیا اور مال و جاہ کی طلب نے انہیں ایمان سے روکا۔ (هذا ما ذکره القرطبی ص ۱۲ ج ۱۶ وذکر قولا ثالثا وقال قیل اُمم الانبیاء المتقدمین فانهم فی بینهم اختلفوا لما طال بهم المدی فامن قوم فکفر قوم ا ھ) (یہ وہ ہے جو علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے اور ایک تیسرا قول بھی ذکر کیا ہے کہ بعض نے کہا ہے سابقہ انبیاء کی امتوں میں اختلاف ہوا جب لمبا عرصہ گذرا تو ایک گروہ ایمان والا رہا اور ایک کافر ہوگیا)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے بات نہ کی جاتی (یعنی یہ فیصلہ نہ ہوگیا ہوتا کہ انہیں قیامت کے دن عذاب دینا ہے دنیا میں عذاب نہیں دیتا تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا یعنی عذاب

آچکا ہوتا) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اجل مسمّی سے دنیا میں عذاب بھی آ گیا کما کان فی بدر وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ (اور بلاشبہ جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہیں ان لوگوں کے بعد کتاب دی گئی جو حق میں ان سے پہلے اختلاف کر چکے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ سے قریش مراد ہیں جن کے پاس قرآن مجید آیا اور مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور منہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف یا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ

سو آپ اس کی طرف بلائیے اور جیسا آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہیے اور انکی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے اور آپ فرمائیے کہ اللہ نے جو کتابیں نازل فرمائیں میں ان پر ایمان لایا

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ۖ

اور مجھے حکم دیا گیا کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں

اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ

اللہ ہمیں اور تمہیں جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف جانا ہے اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی دعوت کو مان لیا گیا ہے انکی

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ

حجت انکے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب اور انکے لئے سخت عذاب ہے اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل فرمایا

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ۗ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿١٧﴾ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

اور آپکو کیا پتہ ہے عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے

بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی

وہ اس سے ڈرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے خبردار اس میں شک نہیں کہ جو لوگ قیامت کے بارے شک کرتے ہیں وہ دور کی

السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ﴿١٨﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿١٩﴾

گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ بندوں پر مہربان ہے وہ رزق دیتا ہے جسے چاہے اور وہ قوی ہے عزیز ہے۔

استقامت اور عدل کا حکم، کافروں سے برأت کا اعلان

تفسیر: اوپر جس دین کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسکی نوح اور ابراہیم اور موسیٰ عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وصیت کی اور آپکی طرف اسکی وحی بھیجی اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ اسی کی طرف دعوت دیتے رہیں اور آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح مستقیم رہیں اور مشرکین کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں انہیں آپ کا دین ناگوار ہے اور یہ بھی ناگوار ہے کہ آپ انہیں دین توحید کی دعوت دیں اگر آپ کی دعوت میں ذرا سی بھی لچک آ گئی اور انکی کسی بات کو مان لیا

تو استقامت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

مزید فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتابیں نازل فرمائیں ہیں سب پر ایمان لاتا ہوں جن میں قرآن مجید بھی ہے اور ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تم سے کوئی بات کہوں اور خود عمل نہ کروں اور تمہیں تکلیف میں ڈالوں اور خود آزاد رہوں لہٰذا تم میری بات مانو اسے وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ میں بیان فرمایا:

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے جب سب اُسی کے بندے ہیں تو لازم ہے کہ سب ایمان لائیں اور اس کے بھیجے ہوئے دین کا اتباع کریں گے اگر تم نہیں مانتے تو دیکھ لو سامنے آخرت کا دن بھی ہے سب اپنے اپنے اعمال لے کر حاضر ہوں گے ہمیں جو کچھ پیغام پہنچانا تھا پہنچا دیا ہمارا کام پورا ہو گیا اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع فرمائے گا اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے وہ اصحاب توحید کو جزا دے گا اور اصحاب شرک کو سزا دے گا ہم اظہار حق اور دعوت توحید کے سوا کیا کر سکتے ہیں نہ ماننے کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔

معاندین کی دلیل باطل ہے

وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ (الآیات) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنے میں حجت بازی کر رہے ہیں حالانکہ بہت سے عقل و فہم والے لوگوں نے اسے مان لیا ہے ان جھگڑا کرنے والوں کی دلیلیں باطل ہیں ان کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو توحید کے خلاف عقیدہ رکھنے کو ثابت کر دے اگرچہ وہ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری دلیل کام دینے والی ہے لیکن جب بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو اس وقت پتہ چل جائے گا کہ انکی دلیل باطل تھی اس باطل پر بھروسہ کئے رہے اور دنیا میں کفر و شرک پر جمے رہے اللہ تعالیٰ کا اُن پر بڑا غصہ ہے اور قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ میں یہ بتایا کہ اللہ کے نبی نے جو توحید کی دعوت دی بہت سے لوگوں نے اُسے قبول کیا آپ کے معجزات دیکھ کر دین اسلام میں داخل ہو گئے معاندین کو بھی غور کرنا چاہیے کہ جن لوگوں نے توحید کی دعوت قبول کر لی ہے کوئی دیوانے تو نہیں ہیں یہ بھی تو سمجھدار ہیں ہم ہی کو ضد کرنے کی کیا ضرورت ہے، **قال فی معالم التنزیل ای استجاب له الناس فاسلموا ودخلوا فی دینه لظهور معجزته.**

اللہ تعالیٰ نے کتاب کو میزان کو نازل فرمایا

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں اور میزان کو نازل فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ میزان سے عدل و انصاف مراد ہے کیوں کہ میزان یعنی ترازو عدل و انصاف کا آلہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جزا و سزا مراد ہے یعنی طاعت پر جو ثواب ملے گا اور معصیت پر جو عذاب ہوگا اسے میزان سے تعبیر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ میزان سے ترازو ہی مراد ہے کیونکہ اس کے ذریعے وزن کیا جاتا ہے اور کمی بیشی کا پتہ چلایا جاتا ہے۔

عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ اور آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو اس میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن واقعی طور پر ہر مکلف اس کا مخاطب ہے ہر شخص فکر مند ہو کہ قیامت آنے پر میرا کیا بنے گا عقائد اور اعمال کا حساب ہوگا تو میں کن لوگوں میں ہونگا قیامت کی تاریخ نہیں بتائی گئی ہو سکتا ہے کہ عنقریب ہی واقع ہو جائے لہٰذا ہر وقت فکر مند ہونا چاہیے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ قیامت آنے کی جلدی مچاتے ہیں چونکہ اس کے آنے کا یقین نہیں ہے اس لئے بار بار یوں کہتے ہیں کہ وہ کیوں نہیں آ جاتی جلدی آ جانی چاہئے وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ (اور جو لوگ ایمان لائے وہ وقوع قیامت سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے) أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ خبردار جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے بارے میں وہ دور کی گمراہی میں ہیں، دلائل کے قائم ہو جانے کے باوجود بھی انکار پر اصرار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ (اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ قوی ہے عزیز ہے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے نیک بندوں کو بھی کھلاتا ہے اور کفار و فجار کو بھی کھانے کی چیزیں دیتا ہے، کفر اور معصیت کی وجہ سے وہ اپنا رزق نہیں روکتا مہربانی کی یہ ایک صورت ہے اور اس کے علاوہ اس کی بہت سی مہربانیاں ہیں دنیا میں بھی ان کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی مہربانی کا مظاہرہ ہوگا، علامہ قرطبی نے لطیف کی تشریح کرتے ہوئے آٹھ دس معانی لکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تھوڑے عمل پر بہت زیادہ ثواب دیتا ہے اور ایک یہ ہے کہ اس نے طاقت سے زیادہ اعمال کا مکلف نہیں بنایا اور ایک یہ ہے کہ وہ سوال رد نہیں فرماتا اور امیدوار کو نا اُمید نہیں کرتا۔

وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ (وہ قوی بھی ہے اور عزیز ہے) اس کی مہربانی اور داد و دہش کو کوئی نہیں روک سکتا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا
جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس میں سے اسے دے دیں گے
وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ⑳
اور آخرت میں اس کے لئے کوئی بھی حصہ نہیں۔

طالب آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوگا اور طالب دنیا کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا

تفسیر: اس آیت کریمہ میں آخرت کے طلب گاروں اور دنیاداروں کی نیتوں کا اور اعمال کا اور ان کا جو بدلہ ملے گا اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے یعنی دنیا میں ایمان سے متصف ہے۔ اور اعمالِ صالحہ میں لگا رہتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ میرے ان اعمال کا آخرت میں ثواب دیا جائے اللہ تعالیٰ اُسے بہت زیادہ ثواب دے گا ایک نیکی کی کم از کم دس نیکیاں تو لکھی ہی جاتی ہیں اور ایک نیکی کا عوض سات سو گناہ دینے کا قرآن مجید میں ذکر ہے کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ سات سو گنا ثواب بتانے کے بعد وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ بھی فرمادیا حضرات علمائے کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ نیکیوں میں اضافہ ہونا اور بڑھا چڑھا کر ان کا ثواب ملنا کوئی سات سو پر منحصر نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دے گا جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں علم و عمل پھیلانے والوں اور دین کا چرچا کرنے والوں اور اعمالِ صالحہ کو آگے بڑھانے والوں کا ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے جب تک معلمین و مبلغین کے بتائے ہوئے اعمال اور پڑھائے ہوئے امور کے مطابق لوگ عمل کرتے رہیں گے ان حضرات کو ان کے عمل کا بھی ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی جس طرح دانہ ڈالنے کے بعد کھیتی بڑھتی ہے اور ایک دانہ بونے سے بہت سے دانے حاصل ہو جاتے ہیں اسی طرح آخرت کے اعمال میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی لئے آخرت کے لئے عمل کرنے والوں کے عمل کو آخرت کی کھیتی سے تعبیر فرمایا پھر فرمایا کہ جو لوگ دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی کو چاہتے ہیں اسی کے لئے عمل کرتے ہیں ہم انہیں دنیا میں سے کچھ دے دیں گے جتنا وہ چاہتے ہیں اتنا دیں یا اس سے کم و بیش دیں بہر حال جو کچھ ملے گا تھوڑا ہی ہوگا آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں تو کسی دنیا دار کا بڑے سے بڑا حصہ پاسنگ کے درجہ میں بھی نہیں آسکتا جتنی بھی دنیا مل جائے تھوڑی ہی ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ طالب دنیا کو دنیا مل ہی جائے جو کچھ ملے گا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور چونکہ اصلی دنیا دار مومن نہیں ہوئے اس لئے آخرت میں انہیں کچھ بھی نہیں ملنا' سورۃ الاسراء آیت کی تصریح اور تشریح دوبارہ پڑھ لیں ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا (جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے لئے چاہیں گے دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندا ہوا داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش کرے گا جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہئے اور وہ مومن بھی ہوگا سو یہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی کی جائے گی۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ

کیا ان کے لئے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ چیزیں مشروع کردی ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی اگر فیصلہ کی بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان

بَیْنَهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ

فیصلہ کر دیا جاتا' اور بلاشبہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے حالانکہ وہ ان پر

وَاقِعٌ بِهِمْ ۗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ

واقع ہو کر رہے گا' اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنتوں کے باغیچوں میں ہوں گے وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے

رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ

رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا یہ بڑا فضل ہے۔ یہ وہی ہے جس کی بشارت اللہ اپنے بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى ۗ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ۗ

آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو کوئی شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں زیادہ خوبی کر دیں گے

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ

اور بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے قدردان ہے کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے سو اگر اللہ چاہے آپ کے دل

عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

پر مہر لگا دے' اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ ثابت کرتا ہے' بلاشبہ وہ سینوں کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔

قیامت کے دن ظالم لوگ اپنے اعمال بد کی وجہ سے ڈر رہے ہونگے اور اہل ایمان اعمالِ صالحہ والے جنتوں کے باغیچوں میں ہونگے

تفسیر: اوپر تین آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے پہلی آیت میں مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جنہوں نے اللہ کے لئے شریک تجویز کر رکھے ہیں کیا انہوں نے ان آیات کے لئے ایسے دینی احکام مشروع و مقرر کئے ہیں جنکی اللہ نے اجازت نہ دی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں جو مخلوق کے لئے کوئی دین مشروع و مقرر کر دے نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کا حق ہے اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا حق ہے کہ اپنی مخلوق کے لئے دین مشروع فرمائے جب ان بنائے ہوئے شریکوں میں سے کسی نے ان کیلئے دین مشروع نہیں کیا تو ان کی عبادت کرنا حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ مشرکین پر لازم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اسے وحدہ لاشریک جانیں۔

ان لوگوں نے شرک اختیار کر کے اپنی جانوں کو عذاب کا مستحق بنا دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا ہے کہ عذاب دنیا میں فلاں وقت ہوگا اور آخرت میں ضرور ہوگا اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کو دنیا میں ابھی عذاب دے دیا جاتا' عذاب کی تاخیر سے خوش نہ ہوں خوب سمجھ لیں کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے جس میں ضرور ہی مبتلا ہوں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ ایک وہ وقت بھی آنے والا ہے یعنی قیامت کا دن) جب ظالمین یعنی مشرکین اور کافرین

اپنی کرتوتوں کی وجہ سے عذاب سے ڈر رہے ہوں گے لیکن یہ ڈرنا کچھ مفید نہیں ہوگا ان پر عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا اور اہل ایمان اعمال صالحہ والے بہشتوں کے باغوں میں نعمتوں میں مشغول ہوں گے وہاں جو کچھ چاہیں گے ان کے پاس ان کے لئے موجود ہوگا یہ جنتوں کا داخلہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے (یہ دنیا کی چہل پہل اس کے سامنے کچھ بھی نہیں)

تیسری آیت میں اول تو مومنین اعمالِ صالحہ والوں کی فضیلت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بشارت دیتا ہے کہ ان کو ایسی نعمتیں ملیں گی۔

دعوت و تبلیغ کے عوض تم سے کچھ طلب نہیں کرتا

اس کے بعد فرمایا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا بجز رشتہ داری کی محبت کے) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کچھ تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں اور ایمان لانے کی باتیں کرتا ہوں میری یہ محنت اور کوشش صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے میں تم سے کچھ بھی نہیں چاہتا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میری تمہاری رشتہ داریاں ہیں رشتہ داری کے اصول پر جو تمہاری ذمہ داری ہے اسے پوری کرو صلہ رحمی کو سامنے رکھ کر مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ تو یہ دوسری بات ہے فھو استثناء منقطع و لیس بمتصل حتی تکون المودۃ فی القربیٰ أجراً فی مقابلة اداء رسالةٍ.

رشتہ داری کے اصول پر تم میرے حق کو پہچانو اور ایذا رسانی سے باز آؤ تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان بھی نہیں لاتے اور رشتہ داری کا بھی خیال نہیں کرتے ایذا رسانی پر تلے ہوئے ہو یہ تو عربوں کی روایت کے بھی خلاف ہے۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا ایک مطلب معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ میرا تم سے بس یہی سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو عمل صالح اختیار کر کے اس کی دوستی کی طرف بڑھتے رہو (جب ایسا کرو گے تو میرا اجر بھی چند در چند ہو کر مجھے ملے گا اور تم لوگ بھی اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے)

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (اور جو کوئی شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے) یعنی اسے دو چند کر کے اس کا ثواب بڑھا دیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے قدر دان ہے) لہٰذا گناہوں سے توبہ کرو اور نیکیوں میں لگ جاؤ اور خوب زیادہ ثواب پاؤ۔

قرآن کو افتراء علی اللہ بتانے والوں کی تردید

چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یہ استفہام تقریری ہے یعنی یہ لوگ ایسا کہتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے) یعنی آپ کو قرآن بھلا دے (لیکن وہ آپ پر برابر قرآن نازل فرما رہا ہے جو رحمتیں ابتدائے نبوت سے جاری تھیں وہ اب بھی جاری ہیں لہٰذا ان لوگوں کے قول سے رنجیدہ نہ ہوں آپ پر برابر وحی

آتی رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ آپ نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دیتا ہے لہٰذا وہ ان کی باتوں کو مٹا دے گا ویحق الحق بکلماتہ اور وہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعے غالب کر دیتا ہے) لہٰذا وہ اپنے دین حق کو کلمات کے ذریعہ ثابت فرما دیگا۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بلاشبہ اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے (اگر کسی نے کوئی اچھی یا بُری بات سینہ میں چھپا کر رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کی جزا و سزا دیدے گا)

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہ ایسا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور برائیوں کو معاف فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اور ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے انکے اعمال میں اضافہ فرماتا ہے اور جو کافر ہیں ان کیلئے

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ

سخت عذاب ہے اور اگر اللہ اپنے بندوں کیلئے روزی فراخ کر دے تو وہ زمین میں بغاوت کرنے لگیں اور لیکن وہ نازل فرماتا ہے ایک اندازہ

بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا

کیساتھ جو وہ چاہتا ہے بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش برساتا ہے

وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے اور وہ ولی ہے مستحق حمد ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے اپنی مشیت کے مطابق رزق نازل فرماتا ہے اور جب ناامید ہو جائیں بارش برساتا ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات جلیلہ اور نعمہائے عظیمہ بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے دوم یہ فرمایا کہ تم جو بھی کچھ عمل کرتے ہو وہ اسے جانتا ہے (اسے سچی توبہ کا بھی علم ہے اور صرف زبانی توبہ کو بھی جانتا ہے) سوم یہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے (نیک اعمال میں یہ بھی داخل ہے کہ دعا کرنے والا حرام روزی سے بچتا ہو) چہارم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اہل ایمان کے اعمال میں اضافہ فرماتا یعنی مختصر سے عمل کا بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے

اور ایک عمل کو کئی گنا کر کے خوب بڑھا چڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے پنجم یہ فرمایا کہ کافروں کے لئے سخت عذاب ہے (وہ دنیا کی زندگی سے دھوکہ نہ کھائیں اور آخرت کے عذاب سے ڈریں ششم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے خاص اندازہ کے مطابق رزق عطا فرماتا ہے اگر وہ بندوں کے لئے رزق کو پھیلا دے یعنی بہت زیادہ دے دے اور سبھی کو بہت زیادہ مال مل جائے) تو زمین میں بغاوت کرنے لگیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کچھ لوگ زیادہ پیسے والے ہیں کچھ کم پیسے والے ہیں کچھ فقیر ہیں اور مسکین ہیں سب کو اس نے اپنی حکمت کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت کے مطابق موجودہ حال میں رکھا ہے وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے ہفتم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے اس وقت بارش برساتا ہے جب وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں وہ بارش بھی برساتا ہے رحمت بھی پھیلاتا ہے بارش میں دیر ہوتی ہے تو بندے ناامید ہو جاتے ہیں اور جب بارش ہو جاتی ہے تو خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پھیل جاتی ہے اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ہشتم دو عظیم صفات بتاتے ہوئے فرمایا وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (اللہ تعالیٰ ولی ہے کارساز ہے) مخلوق کی حاجتیں پوری فرماتا ہے اور اس کے سارے افعال لائق ستائش ہیں وہ بہر حال تعریف کا مستحق ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور ان جانوروں کا پیدا فرمانا جو اس نے ان دونوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ ان کے

جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا

جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے اور تمہیں جو بھی کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور وہ بہت کچھ معاف

عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

فرما دیتا ہے اور تم زمین میں عاجز بنانے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سواء کوئی ولی اور

نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ

مددگار نہیں ہے اور اس کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح ہیں اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے سو یہ کشتیاں سمندر کی

رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا

پشت پر رکی ہوئی رہ جائیں بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کیلئے یا وہ انہیں کے اعمال کی وجہ سے ہلاک فرما دے

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

اور بہت سوں کو معاف کر دے اور وہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں ان کیلئے کوئی بھی بچنے کی جگہ نہیں ہے۔

آسمان وزمین اور چوپایوں کی تخلیق میں اللہ کی نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شانِ تخلیق اور شان ربوبیت بیان فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کا

اور زمین کا پیدا فرمانا اور ان کے اندر جو جاندار چیزیں پیدا فرمائی اور پھیلائی ہیں ان کو وجود بخشنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ مخلوق جو آسمانوں میں اور زمین میں پھیلی ہوئی ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ان کو جمع کرنا کیسے ہوسکتا ہے؟ ان کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے اسے اس پر قدرت ہے کہ ان سب کو جمع فرما دے اور قیامت کے دن ایسا ہوگا۔

جو بھی کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے

پھر فرمایا کہ میں سے جس کسی کو جو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تکلیف نہیں بھیجتا اگر ہر گناہ کی وجہ سے مصیبت بھیجی جائے تو ہوسکتا ہے کہ آرام و راحت کا نمبر ہی نہ آئے بہت سے گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لہٰذا ان کی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو کوئی ذرا سی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تکلیف نہیں بھیجتا اگر ہر گناہ کی وجہ سے مصیبت بھیجی جائے تو ہوسکتا ہے کہ آرام و راحت کا نمبر ہی نہ آئے بہت سے گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لہٰذا ان کی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو کوئی ذرا سی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے وہ ان گناہوں سے زیادہ ہوتے ہیں جن پر مواخذہ ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن مرد اور مومن عورت کو جان و مال اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر جو تکلیفیں آتی ہیں ان سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے کیونکہ آخرت میں گناہوں پر جو عذاب ہے وہ بہت سخت ہے دنیا میں جو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہے وہ معمولی چیزیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے کوئی بلند مرتبہ دینے کا فیصلہ فرما دیتا ہے لیکن وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں مبتلا فرما دیتا ہے یہ تکلیف اس کے مال جان اور اولاد میں پہنچ جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر صبر عطا فرما دیتا ہے یہاں تک کہ اس مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لئے پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۳۷ از احمد و ابوداؤد)

یاد رہے کہ وَمَآ اَصَابَكُمْ میں جو خطاب ہے یہ عام مومنین سے ہے لہٰذا یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو معصوم تھے ان پر تکلیفیں کیوں آئیں ان حضرات کو جو تکلیفیں پہنچیں گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ رفع درجات کی وجہ سے پہنچیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جس حال میں رکھے اس میں رہو گے اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے' اور غیر اللہ سے امیدیں باندھنا بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی ولی (یعنی کارساز) نصیر (یعنی مددگار) نہیں ہے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کشتیاں بھی ہیں' پہاڑوں کے برابر بڑی بڑی کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں جنہیں آج کل باخرہ اور بحری جہاز کہتے ہیں ان کشتیوں میں خود بھی سوار ہو کر سفر کرتے ہیں اور ان پر مال بھی لے جاتے ہیں بھاری بھاری کشتیاں سامان سے لدی ہوئی سمندر میں جاری ہیں کشتیاں ہوا کے ذریعہ ان کو چلاتے ہیں یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے اور یہ کشتیاں سمندروں میں کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اس میں صبر اور شکر کرنے والے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ اب تو بڑے بڑے جہاز پٹرول سے چلتے ہیں' ہواؤں کا ان کے چلنے میں دخل نہیں ہے اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور بندوں کا احتیاج بیان کرنا ہے پٹرول بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا اور مشینوں اور انجنوں کی سمجھ اور ان کے چلانے کے طریقے بھی تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائے ہیں۔

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ میں یہ فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ ہوا کو روک دے جس کی وجہ سے کشتیاں سمندر میں کھڑی رہ جائیں تو اسے یہ بھی قدرت ہے کہ جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کشتیوں کو تباہ کر دے (جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہوائیں خوب تیز چلنے لگیں اور اس کی وجہ سے کشتیوں میں بھونچال آ جائے اور جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ بہت سوں کو معاف فرما دے یعنی غرق نہ فرمائے دنیا میں مواخذہ نہ فرمائے پھر اپنے قانون کے مطابق جسے چاہے آخرت میں سزا دے۔

وَيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ (اور جب کشتی والوں کی ہلاکت ہونے لگے تو وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑے کرتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں ہے جو لوگ قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے مشرک ہیں بتوں کی دہائی دیتے ہیں ان کے سامنے جب کشتیوں اور کشتیوں میں سوار ہونے والوں کی تباہی کا منظر سامنے آ جائے تو وہ سمجھ لیں کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں اور غیر اللہ کو پکارنے کا کوئی نفع نہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل (وَيَعْلَمَ) قرأ أهل المدينة والشام وَيَعْلَمُ برفع الميم على الاستئناف كقوله عزوجل فی سورة براة "وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ" وقرأ الآخرون بالنصب على الصرف والجزم اذا صرف عنه معطوفه نصب، وهو كقوله تعالىٰ "وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ" صرف من حال الجزم الى النصب استخفافاً وكراهيةً لتوالي الجزم. (علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں کہا ہے "وَيَعْلَمَ" مدینہ اور شام کے قراء نے وَيَعْلَمُ میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے یہ نیا جملہ ہے جیسا کہ سورۂ براءۃ میں ہے "وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ" اور دوسروں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے صَرف کی بنیاد پر کیونکہ جب جزم سے اس کا معطوف پھیرا جاتا ہے تو نصب دی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ہے۔ جزم سے نصب کی طرف اس لئے پھیرا گیا ہے تا کہ تخفیف بھی ہو جائے اور مسلسل دو جزم میں بھی نہ آئیں)

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور تم کو جو بھی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیا والی زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا

اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب انہیں

غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى

غصہ آ جائے تو معاف کر دیتے ہیں اور جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا اور نماز قائم کی اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں

بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ظلم پہنچ جاتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔

جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اہل ایمان اور اہل توکل کے لئے بہتر ہے

تفسیر: ان آیات میں دنیا کی بے ثباتی بتائی ہے اور آخرت کے اجور اور ثمرات کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ یہ اجور و ثمرات اہل ایمان کو ملیں گے پھر اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے (۱) یہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (۲) کبیرہ گناہوں سے اور فحش باتوں اور فحش کاموں سے پرہیز کرتے ہیں (۳) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں (۴) اور یہ لوگ اپنے رب کا حکم مانتے ہیں یعنی دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں (۵) اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے امور آپس میں باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں (۶) انہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۷) اور جب ان پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں (ظلم نہیں کرتے جتنا ظلم ہوا اسی قدر بدلہ لیتے ہیں) یہ ایسے امور ہیں جن کا پابند ہونا زندگی بھر نباہتے چلے جانا اہم کام ہے ان میں توکل کرنا بھی ہے اور گناہوں اور فحش کاموں سے بچنا بھی اور غصہ آ جائے تو معاف کرنا بھی اور مشورے سے کاموں کو انجام دینا بھی ہے صحیح طریقے پر نماز ادا کرنا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور مالی فرائض اور واجبات ادا کرنا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں بیان فرما دیا ایسے جامع الاوصاف اہل ایمان کے لئے آخرت کے اجر و ثواب کا خیر ہونا اور باقی ہونا ظاہر ہے۔

دنیا کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ تمہیں جو کوئی چیز دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی میں کام آنے والی ہے اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا اول یہ کہ جو لوگ دنیا میں جیتے اور بستے ہیں ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں دنیا سے فائدہ حاصل کرنے میں مومن یا کافر اور نیک بد کی کوئی تخصیص نہیں سب اس سے متمتع اور مستفید ہوتے ہیں اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ دنیا میں جسے جو کچھ ملا ہے وہ دنیا ہی کی حد تک ہے جب دنیا سے چلے جائیں گے سب یہیں دھرا رہ جائے

(ہاں جو کچھ اللہ کے لئے خرچ کیا اس کا ثواب وہاں مل جائے گا جسے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں بتا دیا)۔
آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ (جب ان کو ظلم پہنچتا ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں) اس میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت دی ہے سیاق کلام سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ جتنا ظلم ہوا ہے اسی قدر بدلہ لیا جا سکتا ہے مزید تفصیل آئندہ آیات کی تفسیر کے ذیل میں پڑھیے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
اور برائی کا بدلہ برائی ہے اُسی جیسی' سو جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے' بلاشبہ وہ ظالموں کو
الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا
پسند نہیں فرماتا اور البتہ جو شخص مظلوم ہو جانے کے بعد بدلہ لے لے سو یہ ایسے لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں'
السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ
الزام انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور دنیا میں ناحق سرکشی کرتے ہیں' یہ وہ لوگ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے' اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

برائی کا بدلہ برائی کے برابر لے سکتے ہیں' معاف کرنے اور صلح کرنے کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے

تفسیر: اوپر جو آیات مذکور ہوئیں ان میں سے آخری آیت میں نیک بندوں کی صفات میں یہ بتایا تھا کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لے لیتے ہیں اس میں چونکہ کمی بیشی کا ذکر نہیں ہے اور یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ معاف کر دینا اور بدلہ نہ لینا افضل ہے اس لئے بطور استدراک ان آیات میں اولاً تو یہ بتایا کہ برائی کا بدلہ بس اسی قدر لینا جائز ہے جتنی زیادتی دوسرے فریق نے کی ہو اگر کسی نے اس سے زیادہ بدلہ لے لیا جو اس پر زیادتی کی گئی تھی تو اب وہ اسی قدر ظلم کرنے والا ہو جائے گا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ بدلہ لینا جائز تو ہے لیکن افضل یہ ہے کہ بدلہ نہ لیا جائے معاف کر دیا جائے' جو شخص معاف کر دے گا اس کا یہ معاف کر دینا ضائع نہ جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس کا اجر عطا فرمائے گا معاف نہ کرے تو زیادتی بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ثالثاً یہ فرمایا کہ جس شخص پر کوئی ظلم کیا گیا اور اس نے اسی قدر بدلہ لے لیا جتنا اس پر ظلم ہوا تھا تو اب اسکا مواخذہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نے اپنا حق لیا ہے ظالم یا ظالم کی مدد کرنے والا دوست احباب کنبہ وقبیلہ کے لوگ اب اگر اس سے بدلہ کا بدلہ لینگے تو یہ لوگ ظالم ہو جائیں گے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ ان کی گرفت ہوگی یہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان کے

لئے دردناک عذاب ہے رابعاً ایک عام اعلان فرمادیا کہ صبر کرنا اور معاف کرنا بڑی ہمت اور صبر کے کاموں میں سے ہے' ہر شخص اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتا حالانکہ اس کا اجر و ثواب بہت بڑا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ ابن عمران علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص (بدلہ لینے کی) قدرت رکھتے ہوئے معاف کردے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۴)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور اللہ جس کو گمراہ کرے اس کے لئے اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو اے مخاطب تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ

يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ

یوں کہہ رہے ہوں گے کیا واپس کئے جانے کا کوئی راستہ ہے؟ اور تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ دوزخ پر پیش کئے جارہے ہوں گے ذلت کی وجہ سے

يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جھکے ہوئے چھپی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوں گے' اور ایمان والے کہیں گے بلاشبہ پورے خسارہ میں پڑ جانے والے وہ ہیں جو اپنی جانوں سے

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ

اور اپنے گھر والوں سے قیامت کے دن خسارہ میں پڑ گئے' خبردار اس میں شک نہیں کہ ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے' اور ان کے لئے اللہ کے سوا

يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

مددگار نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ کو چھوڑ کر' اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

قیامت کے دن ظالموں کی بدحالی' ہلاکت اور ذلت کا سامنا

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے یعنی ہدایت سے محروم فرما دے تو اس کے لئے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کا ولی اور کارساز بنے' کوئی شخص اسے ہدایت نہیں دے سکتا اور کوئی اس کی مدد نہیں کرسکتا پھر ظالموں یعنی کافروں کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کے دن جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ کیا ایسا کوئی راستہ ہے کہ ہم واپس کردیئے جائیں یعنی دنیا میں چلے جائیں پھر وہاں ایمان لائیں کفر اختیار نہ کریں' لیکن وہاں سے واپسی کا کوئی قانون نہیں مزید فرمایا کہ یہ لوگ جب دوزخ پر پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں داخل کئے جانے لگیں گے تو ذلت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نیچی نظر سے دیکھ رہے ہوں گے اہل ایمان کہیں گے کہ آج تو علی العیان پتہ چل گیا کہ اہل کفر سراسر خسارہ میں ہیں یہ اپنی جانوں کا بھی نقصان کر بیٹھے اور اپنی اہل وعیال کا بھی ان کی جانیں بھی ہلاک ہوئیں اور ان کے متعلقین کی بھی' تمام کافروں کے لئے دوزخ ہے چھوٹے درجہ کے لوگ ہوں یا سردار ہوں یہ

لوگ اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور اہل وعیال سے بھی اور وہاں کا عذاب تھوڑا سا نہیں اور تھوڑے سے دن کا نہیں ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور دائمی عذاب ہے اسی کو فرمایا وَمَا كَانَ لَهُم مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ (اور ان کے لئے مددگار نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ کو چھوڑ کر) یعنی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ اللہ کے فیصلے کے خلاف کوئی ان کی مدد کردے یعنی انہیں دوزخ سے چھڑا دے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن سَبِيلٍ (اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں)

یعنی اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں کما قال تعالیٰ فی سورۃ الکھف وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا اس آیت میں سابق مضمون کو دہرا دیا ہے جو تاکید کے لئے ہے۔

اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ

تم اپنے رب کا حکم مانو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں اللہ کی طرف سے واپس کرنا نہ ہوگا' تمہارے لئے اس

يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ ﴿٤٧﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ عَلَيْكَ

دن پناہ لینے کی جگہ نہ ہوگی نہ کوئی نکیر کرنے والا ہوگا' پس اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا آپ کے ذمہ

إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

صرف پہنچانا ہے' اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ جب ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھا دیتے ہیں تو اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں

أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنسَانَ كَفُورٌ ﴿٤٨﴾ لِّلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ

کوئی مصیبت پہنچ جائے تو بلاشبہ انسان ناشکری کرنے لگتا ہے' اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں کا اور زمین کا ملک وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہے

إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ

جسے چاہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں جنسوں کو جمع کر دیتا ہے اور جسے چاہے

عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾

بانجھ بنا دیتا ہے بلاشبہ وہ جاننے والا ہے اور قدرت والا ہے۔

قیامت آنے سے پہلے اپنے رب کا حکم مانو

تفسیر: ان آیات میں اولاً یہ ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا وہ واقع ہو گیا سو ہو گیا اس دن کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بات مان لو ایمان بھی قبول کرو اور عمل صالحہ بھی اختیار کرو جب قیامت کا دن ہوگا تو کسی کے لئے کوئی پناہ نہ ہوگی اللہ جس کو پناہ دے اسی کو پناہ مل سکے گی اور کافروں کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں' اس دن جس شخص کے ساتھ جو بھی معاملہ ہوگا اس میں کسی کو کچھ بھی کسی کے بارے میں یہ کہنے کا اختیار نہ ہوگا کہ یہ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے۔

قولہٗ تعالیٰ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ قال القرطبیؒ ای لا تجدون منکرا یومئذٍ بما ینزل بکم من العذاب اس کے بعد رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی دعوت اور تبلیغ کے بعد مخاطب لوگ اگر اعراض کریں تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ فکر نہ کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا اگر ایمان نہ لائیں تو آپ سے اس کی کوئی باز پرس نہیں آپ نے پہنچا دیا آپ کا کام ختم ہوا آپ کی ذمہ داری اتنی سی ہے کہ آپ پہنچا دیں اور بس۔

انسان کا خاص مزاج رحمت کے وقت خوش اور تکلیف میں ناشکرا!

اس کے بعد انسان کا ایک مزاج بتایا اور وہ یہ ہے کہ جب اسے نعمت ملتی ہے اور رحمت الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہے تو خوب خوش اور مگن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے جو انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے اور ایسے بول بولتا ہے کہ جو سابقہ نعمتیں تھیں گویا وہ اسے ملی ہی نہ تھیں‘ اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور معاصی سے توبہ بھی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت کا بیان وہ اپنی مشیت کے مطابق اولاد عطا فرماتا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا ملک اللہ ہی کیلئے ہے وہی ان کا خالق اور مالک ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے انسانوں کی جو اولاد ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتی ہے کسی کو مجال نہیں جو اس کی مشیت کے سامنے دم مار سکے‘ دیکھو اللہ تعالیٰ نے جو جوڑے بنائے ہیں یعنی مرد اور عورت ان میں کسی کے ہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور کسی کے ہاں صرف لڑکے پیدا ہوتے ہیں اور کسی کو اللہ تعالیٰ بیٹا‘ بیٹی دونوں جنسیں عطا فرما دیتا ہے اور ضروری نہیں کہ مرد عورت کا میل ملاپ ہو جائے تو اولاد ہو ہی جائے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے وہ علیم بھی اور قدیر بھی ہے وہ سب کے حال جانتا ہے حکمت کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اسے ہر چیز پر قدرت ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اس کی قدرت سب پر غالب ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ

اور کسی بشر کے لئے یہ موقعہ نہیں ہے کہ وہ اللہ سے بات کرے ہاں وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے یا اس طرح بات ہو سکتی ہے کہ اللہ کسی رسول کو بھیج دے پھر وہ رسول اس کی اجازت

مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي

سے اس کی مشیت کے مطابق وحی پہنچا دے بے شک وہ برتر ہے حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن کی وحی کی آپ نہیں جانتے تھے کہ

مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي

کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان؟ اور لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا ہے اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور بلاشبہ آپ

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ
صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں جو اللہ کا راستہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے خبردار
اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾
اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔

بندے اللہ تعالیٰ سے کیسے ہمکلام ہو سکتے ہیں؟

تفسیر: معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ نبی ﷺ ہیں تو آپ اللہ سے بات کیوں نہیں کرتے اور اللہ کو دیکھتے کیوں نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھا آپ کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی بشر کے لئے یہ بات حاصل نہیں کہ اللہ سے بات کرے بجز تین طریقوں کے ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو الہام فرمادے یعنی قلب میں کوئی بات ڈال دے یا خواب میں کوئی بات بتا دے (مفسرین نے وحیاً کا مصداق بتاتے ہوئے یہ دو صورتیں لکھی ہیں یا اللہ تعالیٰ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کلام فرمایا تھا) یا کسی فرشتہ کو بھیج دے جو اللہ کا پیغام لے کر آجائے اور اللہ کے حکم سے اللہ کی مشیت کے مطابق کسی رسول کو بطور وحی پیغام پہنچادے یہ تین صورتیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ (بے شک اللہ برتر ہے مخلوق کو اس سے بات کرنے کا معائنہ کے طور پر تحمل نہیں ہے اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق مذکورہ تین طریقوں میں سے اس نے جس طرح چاہا کلام فرمایا۔

فائدہ نمبر۱:۔ وَحْیًا کی تفسیر منام اور الہام سے جو کی گئی ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منام اور الہام تو قطعی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کو جو خواب میں بتایا گیا یا بطور الہام دل میں ڈالا گیا ہو وہ ظنی ہے اور کسی کو اس پر شریعت کے خلاف عمل کرنا اور دوسروں سے عمل کرانا جائز نہیں ہے۔

فائدہ نمبر۲:۔ آیت کریمہ میں جو او من وراء حجاب فرمایا ہے اس سے نورانی حجاب مراد ہے صحیح مسلم میں ہے۔

حجابہ النور (اس کا پردہ نور ہے) لو کشفه لا حرقت سبحات وجهه ما انتهیٰ الیه بصرهٗ من خلقه (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱) (اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے وجہ کریم کے انوار اس کی مخلوق کو وہاں تک جلادیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پردہ کے پیچھے سے کلام کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا تحمل نہیں دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں اور دیکھنے کی حالت میں بات چیت کرلیں جنت میں اللہ تعالیٰ شانہ قوت برداشت عطا فرمادے گا وہاں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور جس طرح ہم نے آپ سے پہلے انبیاء کرام کی طرف

وحی بھیجی اسی طرح آپ کی طرف بھی روح یعنی نبوت کی وحی بھیجی بعض مفسرین نے روح سے نبوت اور بعض حضرات نے روح سے قرآن مراد لیا ہے مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے) یعنی نبوت ملنے سے پہلے آپ کو یہ پتہ نہ تھا کہ اللہ کی کتاب کیا ہے اور نہ آپ کو ایمانیات کا تفصیلی علم دیا گیا تھا جب آپ کو نبوت عطا کی گئی اللہ کی کتاب نازل ہوئی اور ایمان کی تفصیلات بتا دی گئیں اس وقت آپ کو اللہ کی کتاب کا اور ایمانیات کا علم ہوا گو اجمالی ایمان پہلے سے حاصل تھا۔

قال القرطبی والصواب انهم معصومون قبل النبوة من الجهل بالله وصفاته والتشكك فی شیء من ذلک وقد تعاضدت الاخبار والأثار علی الانبياء بتنزيههم عن هذه النقيصة منذ ولدوا، ونشأتهم علی التوحيد والايمان بل علی اشراق انوار المعارف و نفحات الطاف السعادة ومن طالع سيرهم منذ صباهم الی مبعثهم حقق ذلک. (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جہالت اور کسی قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوتے ہیں۔ ولادت سے ہی اس قسم کی نقائص سے پاک ہونے کے بارے میں خود انبیائے کرام سے احادیث وآثار کثرت سے مروی ہیں۔ ان کی نشو ونما توحید وایمان ہی پر ہوتی ہے بلکہ انوارات ومعارف اور سعادت کے الطاف کے ساتھ ہوتی ہے جس نے ولادت سے نبوت تک ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے)

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (اور لیکن ہم نے آپ کو قرآن دیا اور اس قرآن کو ایک نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت دیں) وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور بلاشبہ آپ سیدھے راستہ کی ہدایت بتاتے ہیں جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

(جو اللہ کا راستہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یہ راستہ اسی کا تجویز کیا ہوا ہے اور وہ اس پر چلنے والوں سے راضی ہے لہٰذا اسی پر چلیں) اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (خبردار تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے) وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

ولقد تم تفسير سورة الشوریٰ بحمد الله تعالی وحسن توفيقه والحمد لله تعالیٰ علی التمام وحسن الختام والصلوٰة والسلام علی سيد الانام وعلی اله وصحبه البررة الكرام.

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ زخرف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں نواسی آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ﴿١﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِنَّهٗ فِيْٓ

حٰمٓ قسم ہے واضح کتاب کی بلاشبہ ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا ہے تا کہ تم سمجھو اور بلاشبہ وہ

اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٤﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿٥﴾

ام الکتاب میں ہمارے پاس ہے بلند ہے حکمت والا ہے کیا ہم نصیحت کو تم سے اس وجہ سے ہٹالیں گے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے ہو

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٧﴾

اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے اور ان کے پاس جو بھی کوئی نبی آتا تھا اس کا مذاق بناتے تھے پھر ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾

جو زور آوری میں خوب بڑھ کر تھے اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر چکی ہے۔

قرآن کتاب مبین ہے، عربی میں ہے، نصیحت ہے
انبیائے سابقین کی تکذیب کرنیوالوں کو ہلاک کر دیا گیا

تفسیر: اوّلاً...... قرآن ہی کی قسم کھا کر قرآن کی تعریف فرمائی ارشاد فرمایا کہ کتاب مبین کی قسم ہے ہم نے اپنی اسی کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا یعنی یہ قرآن عربی زبان میں ہے اس کے اولین مخاطبین عرب ہیں یہ لوگ قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں، سمجھنا چاہیں گے تو سمجھ لیں گے اور ہدایت پالیں گے اس کے بعد قرآن کی برتری بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ ہمارے پاس ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں محفوظ ہے وہ بلند بھی ہے اور حکمتوں سے پر ہے اور بعض حضرات نے حکیم کا ترجمہ ''محکم'' کیا ہے مطلب یہ ہے کہ لفظی اور معنوی اعتبار سے استحکام ہے یعنی اس میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے سورۃ الواقعہ میں فرمایا اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ اور سورۃ البروج میں فرمایا بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ اس کے بعد فرمایا کہ ہم جو قرآن نازل کر رہے ہیں جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، یہ قرآن نازل ہوتا رہے گا تم یہ نہ سمجھنا کہ چونکہ ہم قرآن کو نہیں مانتے اس لئے قرآن کا نازل ہونا بند ہو جائے گا تمہارا یہ خیال غلط ہے اس میں تمہارے لئے نصیحت بھی ہے اور اس کے نازل ہونے میں تم پر حجت بھی قائم ہوتی ہے اور اہل ایمان کے لئے نافع اور مفید ہے۔

قال القرطبی وانتصب صفحاً علی المصدر لان معنی افنضرب افنصفح وقیل التقدیر افنضرب عنکم الذکر صافحین. (علامہ قرطبیؒ نے فرمایا صفحاً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اَفَنَضْرِبُ کا معنی ہے اَفَنَصْفَحُ بعض نے کہا اصل عبارت یوں ہے اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکر صافحین.)

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے ہیں (لفظ کم تکثیر کے لئے ہے) مطلب یہ ہے کہ ہم نے کثیر تعداد میں نبی بھیجے لیکن امتوں کا طریقہ یہ رہا کہ جو بھی نبی بھیجا جاتا اس کا مذاق بناتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں جو لوگ بہت زیادہ زور آور تھے، موجودہ مخاطبین سے قوت میں بڑھ کر تھے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' ان مخاطبین کی ان لوگوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں وَمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ اور پہلے لوگوں کی حالت گزر چکی ہے ان میں سے بعض کا انہیں علم بھی ہے پھر بھی قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اپنے انجام کی طرف نظر نہیں کرتے وھذا مثل قولہٖ تعالیٰ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا اور انہیں ہم نے جو کچھ دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا عذاب ہوا میرا)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِيْ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ انہیں عزیز علیم نے پیدا فرمایا

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنا دیا اور تمہارے لئے اس نے راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پاؤ اور جس نے ایک انداز سے

السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ

آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے' اور جس نے تمام اقسام کو پیدا فرمایا

كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ

اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانوروں میں سے وہ چیزیں پیدا فرمائیں جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ پھر

تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا

اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر بیٹھ جاؤ اور تم یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا اور ہم اس کو قابو میں کرنے والے

كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

نہ تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

آسمان وزمین کی تخلیق، زمین کو بچھونا بنانا کشتیوں اور چوپایوں کی نعمت عطا فرمانا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی اور بندوں کے لئے جو نفع کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ فرمایا ان سب چیزوں کو وجود بخشنے اور بندوں کے لئے مسخر کرنے میں توحید

کے دلائل ہیں، ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ان سے یہ دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا تو یہ لوگ خود ہی اقراری ہونگے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے جو عزیز بھی ہے یعنی غالب اور زبردست ہے اور علیم بھی ہے جو سب کچھ جانتا ہے پھر فرمایا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (جس پر آرام سے رہتے ہو اور بستے ہو) وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا (اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ تا کہ تم ہدایت پاؤ یعنی تم اپنے اسفار میں جاؤ تو ان راستوں سے گزرو اور اپنے مقاصد پورے کرو اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تم فکر کرو اور ہدایت پاؤ اور توحید پر آؤ کہ جس ذات پاک نے یہ زمین پیدا فرمائی اور اس میں راستے بنائے وہ وحدہ لاشریک ہے۔

مزید فرمایا وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ (اور وہ ذات پاک ہے جس نے آسمان سے ایک خاص مقدار کے ساتھ پانی نازل فرمایا) فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا (پھر ہم نے اس کے ذریعے زمین کے مردہ حصہ کو زندہ کر دیا کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ (جیسے اس نے مردہ زمین کو زندگی بخشی خشک ہونے کے بعد سرسبز اور شاداب ہوگئی اسی طرح سے تم قبروں سے نکالے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اس کا نمونہ تمہارے سامنے ہے زمین کی موت اور حیات کو دیکھ لو اور اس سے سمجھ لو کہ تمہارا زندہ فرمانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا (اور وہی ذات ہے جس نے مخلوق میں طرح طرح کے انواع و اقسام پیدا فرمادیئے مذکر بھی ہیں مونث بھی ہیں میٹھی چیزیں بھی ہیں اور کھٹی بھی، سفید بھی ہیں اور سیاہ بھی، اوپر بھی ہیں اور نیچے بھی، دائیں جانب بھی ہیں، اور بائیں جانب بھی وغیرہ وغیرہ۔

وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْکِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ (اور اس نے کشتیاں اور سواریاں پیدا فرمائیں جن پر تم سوار ہوتے) لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُھُوْرِهٖ تا کہ تم اچھی طرح ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ جب خوب اچھی طرح جم کر جانوروں کی پشت پر بیٹھ جاتے ہیں تو اس کو ایڑھ مار کر چلاتے ہیں اور ان کی پشتوں پر بیٹھنے اور جمنے کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیئے ہیں، گھوڑے پر زین کستے ہیں اور اونٹ پر کجاوہ باندھتے ہیں اس کے اٹھے ہوئے کوہان کے باوجود اس کی کمر پر بیٹھتے ہیں اور اس پر سفر کرتے ہیں۔

وقولهٗ تعالیٰ ما ترکبون ما موصوله والعائد محذوف والضمیر المجرور فی ظهورهٖ عائد الی لفظ ما وجمع الظهور رعایة للمعنی.

(اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا تَرْکَبُوْنَ میں مَا موصولہ ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور ظُھُوْرِهٖ کی ضمیر مجرور لفظِ ما کی طرف لوٹتی ہے اور ظُھُوْر کو معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے۔)

سوار ہونے کی دعاء

ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر ٹھیک طرح سے بیٹھ جاؤ (یہ یاد کرنا زبان سے اور دل دونوں سے ہونا چاہئے زبان سے یاد کرنے کی دعا بھی بتادی فرمایا وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ (اور تم یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لئے مسخر کر دیا اور ہم اسے قابو میں کرنے والے نہ تھے وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

(اور بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور ساتھ ہی اس بات کا بھی دھیان رکھیں اور بار بار مراقبہ کریں کہ اسی دنیا میں نہیں رہنا مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے زندگی کا اور نعمتوں کا حساب بھی ہونا ہے۔

جب جانور پر سوار ہو تو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہئے سنن ترمذی (کتاب الدعوات) میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سواری کے لئے جانور لایا گیا' جب رکاب میں پاؤں رکھا تو بِسْمِ اللّٰهِ کہا پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا پھر یہ آیت پڑھی' سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے) اس کے بعد تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور تین بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا پھر یہ دعا پڑھی: سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ (اے اللہ تو پاک ہے بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے) اس کے بعد آپ ہنسے عرض کیا گیا امیر المومنین آپ کیوں ہنسے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا جیسا میں نے کیا آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کس بات سے ہنسے؟ آپ نے فرمایا رب تعالیٰ شانہٗ کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے جب بندہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ کہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو معلوم ہے کہ میرے علاوہ گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا۔ (وھو فی المشکوٰۃ ص ۲۱۴)

سَخَّرَ لَنَا کی تشریح

سواری کی جو دعا قرآن و حدیث میں بتائی اس میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے جو فائدہ اٹھاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے' جانور پیدا فرمائے...... پھر جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا' یہ مستقل نعمت ہے ان پر سواری کرو' سامان لادو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاؤ' اگر اللہ تعالیٰ ان کو مسخر نہ فرماتا تو ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے (جب جانور بدک جاتا ہے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسخیر کا پتہ چلتا ہے)

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ؕ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ

اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے جزء ٹھہرا دیا' بلاشبہ انسان واضح طور پر ناشکرا ہے' کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں پسند کیں

وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ

اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور جب ان میں سے کسی ایک کو اس کی بشارت دی جاتی ہے جسے اس نے بطور رحمان کے لئے تجویز کیا ہے تو

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا

اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل میں گھٹتا ہے' کیا جو زیور میں نشو و نما پائے اور وہ مباحثہ میں واضح بیان نہ دے سکے' اور ان لوگوں نے

الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

فرشتوں کو عورتیں قرار دے دیا جو اللہ کے بندے ہیں' کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور اُن سے باز پرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید

فرشتوں کو بیٹیاں بتانے والوں کی جہالت اور حماقت

تفسیر: مشرکین عرب اور دیگر مشرکین جو دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور اب بھی پائے جاتے ہیں جن میں نصاری بھی ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر لی' سب جانتے ہیں کہ اولاد اپنے باپ کا جزو ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے جزو تجویز کرنا ہوا اہل عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے جیسا کہ نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں' اللہ تعالیٰ شانہ' نے مشرکین کا یہ عقیدہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (بلاشبہ انسان صریح ناشکرا ہے) اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے لیکن وہ تو توحید کے خلاف بات کرتا ہے' اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد تجویز کرتا ہے۔ یہ منعم حقیقی کی شکر گزاری کے تقاضوں کے خلاف ہے اور صریح ناشکری ہے۔

اس کے بعد فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتانے والوں کی تردید کی اور بطور استفہام انکاری ارشاد فرمایا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو کیا اس نے اپنے لئے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اس کے لئے اولاد ہونا عیب کی بات ہے وہ اس عیب سے پاک ہے لیکن تم اپنی بے وقوفی تو دیکھو کہ رحمان جل مجدہ کے لئے اولاد تجویز کر نے بیٹھے تو اس کے لئے بیٹیاں تجویز کر دیں اسی کو سورۃ النجم میں فرمایا اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں یہ تو اس حالت میں بے ڈھنگی تقسیم ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب انہیں خبر دی جاتی ہے کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس خبر سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم میں گھٹنے لگتا ہے جس چیز کو اپنے لئے اتنا زیادہ مکروہ سمجھتے ہیں اس کو اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں اور یہ نہ سوچا کہ جو چیز زینت میں اور زیور میں نشو ونما پاتی ہے یعنی لڑکی اور کسی سے جھگڑا ہو جائے تو ٹھیک طرح اپنا دعوی بھی بیان نہ کر سکے کیا ایسی چیز کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں؟ ایسی کمزور چیز کو اللہ کی اولاد تجویز کر بیٹھے حماقت پر حماقت کرتے چلے گئے۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ (کیا یہ اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا) یعنی یہ تو موجود نہیں تھے انہوں نے اللہ کی مخلوق کے بارے میں کیسے تجویز کر لیا کہ وہ عورتیں ہیں یہ ان کی جرأت جاہلانہ اور مشرکانہ ہے سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ (ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں لکھا جاتا ہے قیامت کے دن اسے اپنے اعمال نامہ میں پائیں گے وَيُسْئَلُوْنَ (اور ان سے سوال کیا جائے گا) کہ تم نے جو یہ بات کہی تھی اس کی کیا دلیل تھی۔ (والسین فی قوله تعالیٰ ستکتب زیدت للتاکید کما ذکرہ صاحب الروح ص ۷۲ ج ۲۵) (اور سَتُكْتَبُ میں جو سین ہے یہ تاکید کیلئے زیادہ کی گئی ہے جیسا کہ صاحبِ روح المعانی نے ذکر کیا ہے)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ؕ﴿۲۰﴾

اور ان لوگوں نے کہا کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس بات کی کچھ بھی تحقیق نہیں وہ محض اٹکل سے بات کرتے ہیں'

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کتاب دی ہے جس سے وہ دلیل پکڑتے ہیں؟ بلکہ انہوں نے یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے

وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا

اور ہم انکے طریقوں کے مطابق راہ یاب ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے

قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قَالَ أَوَلَوْ

یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے طریقوں کا اقتداء کرنے والے ہیں اُن کے پیغمبر نے کہا کیا اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بڑھ

جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانتَقَمْنَا

کر ہدایت والی چیز لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز کو دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں سو ہم نے ان سے انتقام

مِنْهُمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

لے لیا۔ سو دیکھ لیجئے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

مشرکین کی ایک جاہلانہ بات کی تردید

آباء اجداد کو پیشوا بنانے کی حماقت اور ضلالت

تفسیر: جب مشرکین کو متنبہ کیا جاتا اور بتایا جاتا تھا کہ تم جو شرک میں پڑے ہوئے ہو یہ گمراہی ہے اور تمہارا خالق اور مالک جل مجدہ اس سے راضی نہیں ہے تو کٹ حجتی کے طور پر یوں کہتے تھے کہ اگر ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے تو ہمیں اپنے علاوہ دوسروں کی عبادت کیوں کرنے دیتا ہے ان لوگوں کے نزدیک بت پرستی کا عمل صحیح ہونے کی یہ ایک بہت بڑی دلیل تھی اللہ جل شانہ نے فرمایا مَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ (ان کو اس بات کی کچھ تحقیق نہیں) إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (یہ لوگ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) مشرکین کی یہ بات سورۂ انعام کی آیت سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا (الآیۃ) اور سورۂ نحل کی آیت وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ (الآیۃ) میں گزر چکی ہے ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا جب اس نے ہمیں غیر اللہ کی عبادت کا موقع دیا یعنی ہمیں جبراً اس عمل سے نہیں روکا تو معلوم ہو گیا کہ وہ ہمارے عمل سے راضی ہے یہ ان لوگوں (کی جاہلانہ اور احمقانہ دلیل ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو ابتلاء اور آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے اور آزمائش جب ہی ہو سکتی ہے جب حق اور ناحق بیان کر دیا جائے اور اچھے برے اعمال بتا دیئے جائیں اور کرنے نہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے اگر جبراً کوئی کام کروالیا جائے تو اس میں امتحان نہیں ہوتا لہٰذا ان

لوگوں کا یہ کہنا کہ کفر وشرک کے اعمال پر ہم کو قدرت اور اختیار دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی ہے یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے کیونکہ امتحان کے لئے قدرت دے دینا راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے یہ لوگ اپنے کفر وشرک کو جائز کرنے کے لئے اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ (کیا ہم نے انہیں اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس سے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں) یعنی مشرکین عرب کے پاس ہم نے قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں کی اگر اس سے پہلے ان پر کوئی کتاب نازل کی جاتی اور اس میں شرک کی اجازت ہوتی تو اس کو دلیل میں پیش کرتے' ان کے پاس باپ دادوں کی تقلید کے علاوہ کچھ نہیں ہے' جب انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم باطل پر ہو تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے ہم انہیں کے پیچھے چل رہے ہیں اور اسی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں۔

دلائل صحیحہ قاہرہ کو نہ ماننا اور باپ دادوں کا اتباع کرنا دنیا میں پرانی رسم ہے اسی کو فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اور جس طرح یہ لوگ جواب دیتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا تھا جن کی طرف ہم نے آپ سے پہلے ڈرانے والے بھیجے تھے ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور انہیں کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں وہ ہمارے امام تھے' اور ہم ان کے مقتدی ہیں۔

لوگوں کی یہ جاہلانہ بات سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ اور سورۂ لقمان میں بھی ذکر فرمائی سورۂ بقرہ میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ سمجھ نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) اور سورۃ لقمان میں فرمایا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو) خلاصہ یہ کہ باپ دادوں کی تقلید کوئی چیز نہیں' ہاں اگر وہ ہدایت پر ہوں تو ان کا اتباع کیا جائے گمراہی میں کسی کا بھی اتباع کرنا گمراہی ہے' اتباع اس کا کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو کما قال تعالیٰ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى (الآیۃ) سابقہ امتوں کی طرف جو نذیر بھیجے گئے ان کے مالدار لوگوں نے جو انہیں جواب دیا کہ ہم اپنے باپ داد کے طریقے پر ہیں اسی کا اقتداء کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات نے سوال کیا کہ تم نے جن طریقوں پر اپنے دادوں کو پایا ہے اگر ہم اس سے بڑھ کر اور بہتر ہدایت لے کر آئے ہوں کیا پھر بھی تم اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے رہو گے اس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم جو کچھ لیکر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے جب ان لوگوں نے حق کو نہ مانا اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا فرما دیا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو دیکھ لیجئے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا سو اس میں کوئی شک نہیں کہ

سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ

وہ مجھے ہدایت دیتا ہے' اور اس نے اپنے بعد میں آنے والی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ چھوڑ دیا تاکہ وہ باز آئیں' بلکہ میں نے انہیں اور ان کے

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا

باپ دادوں کو سامان دے دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور رسول مبین آ گیا اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے اور بے شک

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ہم اس کے منکر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شرک سے برأت کا اعلان فرمانا اور دعوتِ حق کا ان کی نسل میں باقی رہنا

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے قریب مشرکین کے علاقے میں پیدا ہوئے تھے ان کے علاقہ کے لوگ بت پرست بھی تھے اور ستارہ پرست بھی' ان کا باپ بھی مشرک بت پرست تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور حق کو قبول نہ کیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری اور بیزار ہوں' میں تو صرف اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا اسی نے مجھے ہدایت دی اور مجھے ہدایت پر رکھے گا لفظ فَطَرَنِیْ میں تعریض ہے کہ تم لوگ حماقت کے کام میں لگے ہوئے ہو تمہیں بھی اسی نے پیدا کیا جس نے مجھے پیدا کیا لہٰذا پیدا کرنے والے کی عبادت کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور اپنی بیوی کو لے کر فلسطین چلے گئے راستہ میں ایک اور بیوی بھی مل گئی (جس کی تفصیل سورۃ الانبیاء میں بھی گزر چکی ہے) دونوں بیویوں سے اولاد ہوئی بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل ان کی اولاد ہیں وہ جو انہوں نے کلمہ توحید کی دعوت دی اور شرک سے بیزاری کا اعلان کیا ان کی یہ بات ان کی اولاد میں بھی باقی رہی جسے یہاں وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ سے اور سورۂ بقرہ میں وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید کی دعوت دی اور اسے اپنی نسل میں باقی رکھا تاکہ ان کی نسل کے لوگ شرک سے باز آئیں لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ میں یہ بات بتائی ہے۔

قریش مکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور شرک اختیار کئے ہوئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو توحید پر جمنے کی وصیت فرما کر اپنی ذمہ داری پوری فرما دی تھی لیکن اہل عرب اکثر مشرک ہو گئے تھے پھر جب نبی عربی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو برس ہا برس کی محنت کے بعد قریش مکہ نے شرک چھوڑا اور توحید پر آ گئے فصلی اللّٰہ علی خلیلہ و حبیبہ۔

اس کے بعد فرمایا بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ (الآیۃ) ان لوگوں کے پاس حق تو آ گیا ہے لیکن قبول کرنے سے گریز کر رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کو اور ان کے باپ دادوں کو میں نے دنیا کا سامان دے دیا یہ لوگ اس میں مشغول ہیں اس

مشغولی نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا کہ جب ان کے پاس حق آ گیا اور رسول مبین یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جنہوں نے واضح طور پر توحید کی دعوت دے دی جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھا تھا تب بھی حق کو قبول کرنے سے اعراض کر رہے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ (اور جب ان کے پاس حق آ گیا تو کہنے لگے یہ جادو ہے ہم اسے نہیں مانتے) قرآن کو ان لوگوں نے جادو بتا دیا اور اس کی دعوت حق کو ماننے سے منکر ہو گئے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت

رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

کو تقسیم کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے درمیان دنیا والی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے

لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ

تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب

اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کی کر دیتے

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـــُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ

اور زینے بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں اور گھروں کیلئے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ صرف دنیا والی

الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

زندگی کا سامان ہے۔ اور آپ کے رب کے پاس آخرت متقیوں کیلئے بہتر ہے۔

مکہ والوں کا جاہلانہ اعتراض کہ مکہ یا طائف کے بڑے لوگوں میں سے نبی کیوں نہ آیا اہل دنیا کو دنیا ہی محبوب ہے سونے چاندی کے اموال دنیا میں کام آتے ہیں اور آخرت متقیوں کیلئے ہے

تفسیر: دنیا دار دنیا ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں جس کے پاس دنیاوی مال و اسباب زیادہ ہوں یا چودھری قسم کا آدمی ہو کسی قسم کی سرداری اور بڑائی حاصل ہو اسی کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں، خواہ کیسا ہی بڑا ظالم خائن، سود خور، کنجوس مکھی چوس ہو، جب کسی بستی یا محلہ میں داخل ہو اور دریافت کرو کہ یہاں کا بڑا آدمی کون ہے تو وہاں کے رہنے والے کسی ایسے ہی شخص کی طرف

اشارہ کرتے ہیں جو مالدار اور صاحب اقتدار ہو' اخلاق فاضلہ والے انسان اللہ کے عبادت گزار بندے علوم و معارف کے حاملین کی بڑائی کی طرف لوگوں کا ذہن جاتا ہی نہیں' عموماً انسانوں کا یہی مزاج اور حال رہا ہے رسول اللہ ﷺ کی اخلاق فاضلہ اور خصال حمیدہ کے سب معتقد اور معترف تھے لیکن جب آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا جہاں تکذیب اور انکار کے لئے لوگوں نے بہت سے بہانے ڈھونڈے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ پیسے والے آدمی نہیں اور آپ کو دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں لہٰذا آپ کیسے نبی اور رسول ہو گئے؟ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہی تھا اور قرآن نازل کرنا ہی تھا تو شہر مکہ یا شہر طائف کے بڑے بڑے آدمیوں میں سے کسی شخص کو رسول بنانا چاہئے تھا وہی رسول ہوتا اسی پر قرآن نازل ہوتا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو رسول بنایا جو پیسہ کوڑی کے اعتبار سے برتر نہیں اور جسے کوئی اختیار اور اقتدار کی برتری بھی حاصل نہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کا اشارہ ولید بن المغیرۃ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا پہلا شخص اہل مکہ میں سے اور دوسرا شخص اہل طائف میں سے تھا یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے تھے ان ناموں کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں کی بات کی تردید فرمائی اور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرتے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ منصب نبوت کو اپنے طور پر کسی کیلئے تجویز کریں رسول بنانے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے کہ یہ جس کیلئے چاہیں عہدہ نبوت تجویز کریں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نبوت ورسالت سے سرفراز فرمائے وہ جسے منصب نبوت عطا فرماتا ہے اسے ان اوصاف سے متصف فرما دیتا ہے۔ جن کا نبوت کیلئے ہونا ضروری ہے سورۂ انعام میں فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اپنے پیغام کو جہاں بھیجے) ان لوگوں کو نہ کسی کو نبی بنانے کا اختیار ہے اور نہ نبی کے اوصاف تجویز کرنے کا ...... پھر فرمایا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ہم نے ان کے درمیان معیشت یعنی زندگی کا سامان دنیا والی زندگی میں بانٹ دیا) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور درجات کے اعتبار سے ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دے دی کسی کو غنی بنایا کسی کو فقیر کسی کو مالک اور کسی کو مملوک لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں کو اپنے کام میں لاتے رہیں) اگر سبھی برابر کے مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا' اب صورت حال یہ ہے کہ کم پیسے والے مالداروں کے باغوں اور کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور طرح طرح کے کاموں کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح سے عالم کا نظام قائم ہے مالدار کام لیتے ہیں کم پیسے والے مزدوری لیتے ہیں دنیا اس طرح چل رہی ہے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دنیاوی معیشت کو انسانوں کی رائے پر نہیں رکھا جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور اپنی حکمت کے موافق بندوں کی مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہوئے خود ہی مال تقسیم فرما دیا تو نبوت کا منصب کسی کو لوگوں کی رائے کے موافق کیسے دے دیا جاتا' جو بہت ہی بلند و بالا چیز ہے۔ قال القرطبی فاذا لم یکن امر الدنیا الیھم فکیف یفوض امر النبوۃ الیہ، وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت اس کے اختیار میں کیسے دی جاسکتی ہے) (اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی جن لوگوں کو دنیاوی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں جمع کرنے سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ پروردگار جل مجدہ کی رحمت یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اس سے بہتر ہیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ (الآیات الثلث) ان تینوں آیتوں میں دنیا کی حقارت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایک ہی طریقہ اختیار کرلیں گے اور ایک ہی جماعت بن جائیں گے یعنی دنیا کی رغبت رکھنے کی وجہ سے عام طور سے لوگ کفر ہی اختیار کرلیں گے تو ہم کافروں کو اتنا سونا چاندی دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کے زینے اور سیڑھیاں جن کے ذریعے وہ اوپر چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں ان سب کو سونے چاندی کا بنا دیتے (انسان کا مزاج چونکہ دنیا کی چیزوں کو ترجیح دیتا ہے اس لئے یہ دیکھ کر کہ کافر ہونے میں دولت ملتی ہے ایمان قبول نہ کرتے اور کفر کو اختیار کئے رہتے اس لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ مال و دولت صرف کافروں ہی کو دیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام رکھا ہے کہ اہل ایمان بھی مالدار رکھے ہیں اور کافروں میں بھی اور دونوں جماعتوں میں تنگدست بھی ہیں اور فقیر بھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بہت ہی زیادہ حقیر ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بھیڑ کے ایک بچہ کے پاس سے گزرے جو مرا ہوا تھا اور اس کے کان بھی کٹے ہوئے تھے اس کو دیکھ کر آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ ایک درہم کے عوض اس کو لے لے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ اسے تو ہم مفت میں لینا بھی پسند نہیں کرتے! آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک پوری دنیا اس سے زیادہ ذلیل ہے جتنا یہ (مرا ہوا بچہ) تمہارے نزدیک ذلیل ہے (رواہ مسلم)
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۱)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اتنی زیادہ ذلیل ہے اگر وہ اسے اپنے دشمنوں کو بھی دیدے تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے پھر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں انہیں آخرت میں کوئی نعمت نہیں ملنی لہٰذا انہیں دنیا میں بہت کچھ دے دیا جاتا ہے مومن بندوں کو کافروں کی دنیا دیکھ کر رال ٹپکانا مومنانہ سمجھداری کے خلاف ہے۔

حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! یہ بات بلاشک وشبہ ہے کہ دنیا ایک سامان ہے جو سب کے سامنے حاضر ہے اس میں سے نیک و بد سب کھاتے ہیں اور بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلہ کرے گا جو عادل ہے قادر ہے وہ حق ثابت فرمائے گا اور باطل کو باطل کردے گا تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے مت بنو کیونکہ ہر ماں کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۵)

قولہ تعالیٰ (وَزُخْرُفًا) قال القرطبی الزخرف ھنا الذھب والنتصب زُخْرُفًا علی معنی وجعلنا لھم مع ذلک زخرفاً: وقیل بنزع الخافض والمعنی فجعلنا لھم سُقُفًا وابوابا وسرراً من فضۃ ومن ذھب فلما حذف "مِنْ" قال "وَزُخْرُفًا" فنصب. (اللہ تعالیٰ کا قول زُخْرُفًا کے بارے میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں یہاں زُخْرُف سے مراد سونا ہے اور زُخْرُفًا اس لئے منصوب ہے کہ معنی یہ بنے گا اور ہم نے ان کیلئے اس کے علاوہ سونا بنایا ہے۔ بعض نے کہا حرفِ جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے معنی اس طرح ہے کہ ہم نے ان کیلئے چھتیں، دروازے اور تخت چاندی وسونے کے بنائے (مِنْ ذَھَبٍ) جب مِنْ حذف کیا تو زُخْرُفًا کو نصب دیدی گئی)

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (اور یہ سب دنیا والی زندگی کے سامان کے سوا کچھ نہیں دنیا حقیر ہے اور

فانی ہے یہ چیزیں بھی حقیر ہیں اور فانی ہیں)۔
وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (اور آخرت یعنی اس کی باقی رہنے والی نعمتیں آپ کے رب کے نزدیک متقین کے لئے ہیں وہ وہاں ان سے متمتع ہوں گے اور وہ نعمتیں دائمی ہوں گی)

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ
اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں' سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور بلاشبہ وہ ان کو راستہ سے
السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ
روکتے ہیں' اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں' یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا کہ اے کاش میرے اور تیرے درمیان
الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾
مشرق اور مغرب والی دوری ہوتی سو تو برا ساتھی تھا' اور جب تم نے ظلم کیا تو آج تمہیں یہ بات ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم عذاب میں شریک ہو'
اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ
کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے یا اندھوں کو ہدایت دے دیں گے اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں' سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو
فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ
بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں یا ہم آپ کو وہ چیز دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے سو بلاشبہ ہم ان پر قدرت رکھنے والے ہیں' سو آپ کی
بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾
طرف جو وحی کی گئی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہئے بلاشبہ آپ صراط مستقیم پر ہیں اور بلاشبہ یہ قرآن شرف ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا
وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾
اور اپنے رسولوں میں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے ان سے دریافت کر لیجئے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود تجویز کئے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟

جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے قیامت کے دن اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا کہ دوسروں کو بھی تو عذاب ہو رہا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ان پر عذاب آسکتا ہے

تفسیر: لفظ يَعْشُ عَشِيَ يَعْشُوْ سے يَدْعُوْ کے وزن پر مضارع کا صیغہ ہے مَنْ شرطیہ داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے' جس کی وجہ سے واؤ حذف ہو گیا اس کا لغوی معنیٰ یہ ہے کہ آنکھوں میں کوئی بیماری نہ ہو تب بھی نظر نہ آئے اور

بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ نظر کمزور ہو جائے جس سے اچھی طرح نظر نہ آئے آیت کا مطلب یہ ہے بہت سے لوگوں کے پاس حق آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آئی یعنی انہوں نے قرآن کو سنا اور سمجھا لیکن قصداً وارادۃً اس کی طرف اندھے بن گئے جو لوگ اس طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اب یہی شیطان ان کا ساتھی بنا رہتا ہے اور ان کو حق قبول نہیں کرنے دیتا اور حق پر نہیں آنے دیتا یہ شیاطین جو اس قسم کے لوگوں کے ساتھی بن جاتے ہیں ان گمراہی اختیار کرنے والے لوگوں کو راہ حق سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ جن کے ساتھی شیاطین بن جاتے ہیں راہ حق سے ہٹ جانے اور گمراہی میں پڑ جانے کے باوجود یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ شیطان اس قرین کے علاوہ ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک قرین فرشتہ اور ایک قرین شیطان مقرر ہے۔ (رواہ مسلم)

ان گمراہوں کی دنیا میں تو شیاطین سے دوستی ہے لیکن جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو گمراہ ہونے والا آدمی اپنے ساتھی یعنی شیطان سے کہے گا کہ تو نے میرا ناس کھویا کاش دنیا میں میرے اور تیرے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہوتا جتنا مغرب اور مشرق کے درمیان ہے تو میرا برا ساتھی تھا تو نے مجھے گمراہ کیا اور کفر و شرک اور برے اعمال کو اچھا کر کے بتایا۔ **کما فی السورۃ حم السجدہ** وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں اچھے بنا کر دکھار کھے تھے)۔

دنیا میں تو گمراہوں کا دوستانہ تھا شیاطین بھی کافر تھے اور جن انسانوں کو بہکاتے تھے وہ بھی ان کے بہکانے کی وجہ سے کفر پر جمے رہتے تھے پھر جب قیامت کے دن موجود ہوں گے تو سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہاں ایک دوسرے کو عذاب میں دیکھیں گے لیکن اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب دوزخ میں ہیں اور سب عذاب میں ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر تسلی ہو جاتی ہے کہ ہم تنہا مصیبت میں نہیں ہیں، دوسرے لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں جو ہم پر آتی ہے وہاں اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب عذاب میں شریک ہیں کیونکہ وہاں کا عذاب بہت سخت ہے۔

دنیا میں جو بہت سے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو حق جانتے اور پہچانتے ہوئے اسلام قبول نہیں کرتے اور نفس و شیطان ان کو یہ سمجھا دیتا ہے کہ اور بھی تو کروڑوں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں جو ان کا حال ہوگا وہی ہمارا ہو جائے گا ایسے لوگوں کو بتا دیا کہ عذاب میں پڑنے والوں کے ساتھ عذاب میں جانا یہ کوئی سمجھداری نہیں ہے جب سب عذاب میں جائیں گے تو یہ دیکھ کر کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ دوسرے لوگ بھی عذاب میں ہیں۔

بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کا بھی یہ طریقہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فرائض انجام دو حرام سے بچو اور گناہوں کو چھوڑو تو کہہ دیتے ہیں کہ اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں' یہ جاہلانہ جواب ہے یہاں تو گناہگاروں کی جماعت میں شریک ہونا نفس کو اچھا لگ رہا ہے لیکن روز قیامت جب گناہگاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت اس بات سے کسی کو کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ ہم بھی عذاب میں ہیں تو کیا ہوا اور ہزاروں آدمی بھی تو عذاب میں ہیں اس بات کا خیال کرنے سے کسی کا عذاب ہلکا نہیں ہو جائے گا۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ (الآیۃ) (کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو راہ پر لا سکتے ہیں جو صریح گمراہی میں ہیں اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ جو لوگ بہرے اور اندھے ہیں اور صریح گمراہی میں ہیں آپ انہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے یعنی ان کو ہدایت دینا آپ کے اختیار سے خارج ہے آپ اپنی دعوت کا کام جاری رکھیں آپکی اتنی ہی ذمہ داری ہے۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ (الآیۃ) (سو اگر ہم آپ کو لے جائیں یعنی دنیا سے اٹھالیں (یا مکہ معظمہ سے نکال کر لے جائیں) تو ان لوگوں کا پھر بھی عذاب سے چھٹکارہ نہیں ہم ان سے انتقام لے لیں گے آپ کے سامنے ہو جسے ہم آپ کو دکھادیں یا آپ کے بعد ہو ہمیں سب پر قدرت ہے یعنی انہیں کفر کی سزا ضرور ملے گی بعض مفسرین نے فرمایا کہ غزوہ بدر میں جو مشرکین مکہ کو شکست ہوئی قتل بھی ہوئے قیدی بھی ہوئے آیت کریمہ میں اس انتقام کا تذکرہ ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ (سو جو وحی آپ کی طرف بھیجی ہے یعنی قرآن نازل کیا گیا اس پر آپ مضبوطی سے قائم رہئے آپ سیدھے راستے پر ہیں دعوت کے کام میں لگا رہنا اور جما رہنا یہ آپ کی ذمہ داری ہے اس میں اللہ کی رضا ہے کوئی مانے نہ مانے آپ اپنا کام کئے جائیں۔ (کذا فسرہ القرطبی)

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (اور بلاشبہ یہ قرآن شرف ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے) اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے امتنان فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ مالک الملک ہے اور ملک الملوک ہے سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کا کسی سے خطاب فرمانا یہ بہت بڑا شرف ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی اور بار بار آپ کو مخاطب فرمایا اس میں آپ کے لئے بڑے شرف اور فخر کی بات ہے پھر آپ کے واسطہ سے آپ کی قوم کو خطاب فرمایا اور ان کی زبان میں اور ان کی لغت میں قرآن مجید نازل فرمایا ان کے لئے بھی یہ بات بڑے شرف کی ہے بہت سوں نے اس کی قدردانی نہ کی اور کفر پر مر گئے اور بہت سوں نے قدردانی کی اس پر ایمان لائے اس کی تلاوت کی اس کو پڑھا اور پڑھایا اور آگے بڑھایا یہ سب اہل عرب کے لئے بڑے شرف اور فخر کی چیز ہے نزول قرآن سے لے کر آج تک پورے عالم میں قرآن مجید پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جتنے بھی پڑھانے والے ہیں سب کی سند حضرات صحابہ تک پہنچی ہے جنہوں نے قرآن کو سیکھا اور سکھایا اور اس کی قراءت اور روایات اور طرق ادا کو آگے بڑھایا قرآن مجید کی وجہ سے عربی زبان کی پوری دنیا میں اہمیت ہوگئی اس کے قواعد لکھے گئے بلاغت پر کتابیں تصنیف کی گئیں قرآن کی وجہ سے خود عرب بھی بلند ہو گئے ورنہ نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی یمن میں کسریٰ کا اقتدار تھا اور شام میں قیصر نصرانی کا اور مدینہ منورہ میں یہودی صاحب اقتدار بنے ہوئے تھے۔

لِقَوْمِكَ سے بعض حضرات نے قریش مکہ کو مراد لیا کیونکہ قرآن مجید ان کی لغت میں نازل ہوا اور بعض حضرات نے مطلقاً عربی بولنے والوں کو مراد لیا ہے یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ ذکر سے تذکرہ مراد لیا جائے جس کا حاصل ترجمہ شرف اور فخر کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے قَوْمِكَ سے عام مومنین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن آپ کے لئے ہے اور آپ کی قوم یعنی اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے۔

وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ (اور تم لوگوں سے سوال ہوگا) کہ اس قرآن کا کیا حق ادا کیا اور اس پر کیا عمل کیا اور اس کی کیا قدر کی۔

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے دریافت کر لیجئے کیا ہم نے رحمان کے علاوہ معبود ٹھہرائے جن کی عبادت کی جائے) یعنی ایسا نہیں ہے اس میں بظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن اصل مخاطب یہود اور نصاریٰ اور مشرکین ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام سے دریافت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کتابوں کے بعض حصے موجود ہیں انہیں دیکھ کر تحقیق کر لی جائے تحقیق کریں گے تو یہ واضح ہو جائے کہ کسی بھی نبی نے شرک کی تعلیم نہیں دی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ توریت اور انجیل جاننے والوں میں سے جو حضرات ایمان لے آئے تھے ان سے سوال کرنا مراد ہے۔ کما ذکر القرطبی، وقال ایضاً والخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد أمته.

(جیسا کہ علامہ قرطبیؒ نے فرمایا اور یہ بھی کہ خطاب حضور ﷺ سے ہے اور مراد اُمتِ محمدیہ ہے)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگوں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا لہٰذا موسیٰ نے کہا کہ بیشک میں رب العلمین کا رسول ہوں سو جب وہ ان کے پاس

بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ

ہماری نشانیاں لے کر آئے تو یکایک وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے اور ہم انہیں جو بھی کوئی نشانی دیتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے

بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

انہیں عذاب کے ساتھ پکڑا تاکہ وہ باز آجائیں اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر تو ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کیا ہے بلاشبہ ہم ہدایت پانے والے بن جائیں گے

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ

سو جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو یکایک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرا دی اس نے کہا کہ اے میری قوم

اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ

کیا میرے لئے مصر کا ملک نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جاری ہیں میرے نیچے کیا تم نہیں دیکھتے' بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں

هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ

جو ذلت والا ہے' اور وہ واضح طور پر بات بھی نہیں کر سکتا' سو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے' یا اس کے ساتھ

الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ

فرشتے آجاتے لگاتار جماعتیں بنا کر' سو اس نے اپنی قوم کو مغلوب کر لیا سو انہوں نے اسکی اطاعت کی' بلاشبہ وہ لوگ فاسقین تھے سو جب

اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔ سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا پھر ہم نے انہیں آئندہ آنے والوں کے لئے سلف اور نمونہ بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم فرعون کے پاس پہنچنا' اور ان لوگوں کا معجزات دیکھ کر تکذیب اور تضحیک کرنا' فرعون کا اپنے ملک پر فخر کرنا اور بالآخر اپنی قوم کے ساتھ غرق ہونا

تفسیر: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و رسالت اور فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں اور چوہدریوں کی تکذیب پھر ہلاکت اور تعذیب کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے اشراف قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں یعنی معجزات لے کر پہنچے تو ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اژدھا بن گئی تو فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ اجی یہ کیا معجزہ ہے یہ تو جادو کا کرشمہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جادوگر بلائے ان سے مقابلہ کرایا جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں جو حاضرین کو دیکھنے میں دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ان کے بنائے ہو دھندے کو چٹ کرنے لگا اس پر جادوگر ہار مان ہو گئے جس کا واقعہ سورۃ الاعراف' سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الشعراء میں مذکورہ ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ ید بیضا تھا اس کا مقابلہ کرنے کی تو ہمت ہی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی' کیونکہ وہ امر غیر اختیاری تھا ان کے علاوہ اور بھی معجزات تھے جو فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے' جن کا ذکر سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا ہے وَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (یعنی ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیج دیا توضیح و تشریح کیلئے آیت بالا کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے' یہ چیزیں ان پر عذاب کے طور پر تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات تھے جب کوئی نشانی ظاہر ہوتی تھی تو وہ اپنی ساتھ والی دوسری نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی عذاب آتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اسے جادو ہی سمجھ رہے ہیں تم کہتے ہو یہ میرے رب کی طرف سے ہے جو مجھے بطور معجزہ عطاء کیا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میرا رب تمہارے اس عذاب کو ہٹا دے گا ہماری سمجھ میں یہ بات آتی تو نہیں ہے ہم تو تمہیں جادوگر ہی سمجھ رہے ہیں لیکن اگر تمہارے رب نے ہمارا عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہٹا دیا جاتا تھا تو اپنا عہد توڑ دیتے تھے اور کافر کے کافر ہی رہتے تھے فرعون کو فکر لگی ہوئی تھی کہ یہ شخص بڑے بڑے معجزات دکھاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قوم کے لوگ اس بات کو قبول کر لیں اور میری حکومت اور سلطنت جاتی رہے اور یہی بڑا بن جائے لہٰذا اس نے اپنی قوم میں ایک منادی کرا دی اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ دیکھو میں مصر کا بادشاہ ہوں میرے نیچے نہریں بہتی ہیں میں اس شخص سے بہتر ہوں جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے یہ میرے مقابلے میں ذلت والا ہے اس کی مالی حیثیت بھی نہیں اور یہ اور اس کا بھائی اس قوم میں سے ہے جو ہمارے خدمت گزار ہیں فرمانبردار ہیں فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ یہ اول تو دنیاوی اعتبار سے مجھ سے کم ہیں اس کی کچھ حیثیت نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اچھی طرح بیان بھی نہیں کر سکتا (حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی زبان میں جولکنت تھی اس کی طرف اشارہ کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ شخص نبی ہے تو بہت بڑا مالدار ہونا چاہئے اگر نبی ہوتا تو اس پر سونے کے کنگن ڈالے جاتے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی تائید کے لئے فرشتے آنے چاہئیں تھے جو لگاتار صفیں بنا کر آجاتے اس کی تائید اور مدد کرتے۔

ہر قوم کے چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی طرف دیکھا کرتے ہیں بڑے لوگ فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے ان کی دیکھا دیکھی قوم کے دوسرے لوگ بھی مغلوب ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے فرعون کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اس کی قوم کے چھوٹے بڑے لوگ فاسق اور نافرمان تھے شرارت سے بھرے ہوئے تھے انہوں نے کفر پر رہنے کا فیصلہ کیا سمجھانے سے باز نہ آئے' موسیٰ علیہ السلام کی اور معجزات کی بے ادبی کی اور معجزات کو جادو بتایا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل کرنے والی تھیں' اللہ تعالیٰ نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا غرق کرنے تک کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا کہ ہم نے انہیں بعد میں آنے والوں کے لئے سلف یعنی پہلے گزر جانے والا نمونہ بنا دیا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں پہلے آئے سرکشی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے ڈبو دیئے گئے بعد میں آنے والوں کے لئے ان کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے قصص الاولین مواعظ الاخرین' پہلے لوگوں کے واقعات جنہیں سلف کہا جاتا ہے بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت ہوتے ہیں اور اس بات کا نمونہ بن جاتے ہیں کہ جو قوم ان کی طرح اعمال کرے گی ان کے ساتھ پرانے لوگوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

قولهٔ تعالیٰ ام انا خیرٌ قال ابو عبیدة اَمْ بمعنی بل لیس بحرف عطفٍ ، وقال الفراء اِن شئت جعلتها من الاستفهام و ان شئت جعلتها من النسق علی قوله الیس لی ملک مصر ، وقیل هی زائدة وقوله مُقْتَرِنِیْن معناه قال ابن عباس رضی الله عنه یعاونونه علی من خالفهٗ وقال قتادة متتا بعین قال مجاهدٌ یمشون معه والمعنی هل ضم الیه الملائکة التی یزعم أنها عند ربه حتی یتکثر بهم ویصرفهم علی امره ونهیه فیکون ذلک اهیب فی القلوب.

وقوله تعالیٰ فاستخف قَوْمَهٗ قال ابن الاعرابی المعنی فاستجهل قومه لنخفة احلامهم وقلة عقو لهم، وقیل استخف قومه قهرهم حتی اتبعوه یقال استخفهٗ خلاف استثقلهٗ واستخف به اهانه.

قوله تعالیٰ فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا عن ابن عباس أی غاظونا واغضبونا والغضب من الله اما ارادة العقوبة فیکون من صفات الذات واما عین العقوبة فیکون من صفات الفعل. (من القرطبی ص ۱۰۱ ج ۱۶)

(ارشادِ الٰہی اَمْ اَنَا خَیْرٌ، ابوعبیدہؒ نے کہا اَمْ بَلْ کے معنی میں ہے، حرفِ عطف نہیں ہے، فراء کہتے ہیں اگر چاہو تو استفہام کیلئے سمجھو چاہو تو اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ پر عطف مان لو، بعض نے کہا زائد ہے۔

"مُقْتَرِنِیْنَ" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے وہ مخالفوں کے خلاف اس کی مدد کرتے، قتادہؒ کہتے ہیں اس کا معنی ہے مُتَتَابِعِیْنَ یعنی اس کی پیروی کرتے، مجاہدؒ کہتے ہیں اس کے ساتھ چلتے مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ فرشتے ہوئے جو اس بات کی دلیل ہوتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان فرشتوں سے کثرت حاصل کرتا اور امر و نہی کا ان پر تصرف کرتا تو اس سے دلوں میں رعب پڑتا۔

"فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ" ابن الاعرابی کہتے ہیں اس کا معنی ہے اس کی قوم کم عقلی و بے وقوفی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نا سمجھ سمجھتی رہی، بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعونیوں کے ظلم کو ہلکا سمجھا اور اس کی اطاعت میں لگے رہے کہا جاتا ہے مخالفت نے اسے ہلکا کر دیا، اور اس نے اس کی اہانت کی۔

"فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا" حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے انہوں نے ہمیں غضبناک کیا اور غصہ دلایا۔ (اور اللہ تعالیٰ کے غصہ کا مطلب اگر سزا دینے کا ارادہ ہو تو یہ ذات الٰہی کی صفت ہے اگر مراد سزا ہے تو یہ فعل کی صفت ہے)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مَا

اور جب ان کے سامنے ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ اس کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور انہوں نے کہا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ ان لوگوں نے یہ بات جو آپ سے

ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

بیان کی ہے صرف جھگڑنے کے طور پر ہے بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں، وہ نہیں ہے مگر ایک ایسا بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے اسے

مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ

بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنا دیا، اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو یکے بعد دیگرے رہا کرتے اور بے شک

لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ

وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہیں سو تم لوگ اس میں شک نہ کرو اور میرا اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے، اور شیطان تمہیں ہرگز نہ روک دے

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ

بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے لئے بعض

بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ

وہ باتیں بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بلاشبہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، سو تم اس کی عبادت کرو،

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ

یہ سیدھا راستہ ہے، سو جماعتوں نے آپس میں اپنے درمیان اختلاف کر لیا۔ سو جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے ہلاکت ہے

عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

اس دن کے عذاب سے جو دردناک ہوگا، یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾

جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ہیں ڈرنے والے

قریش مکہ کی ایک جاہلانہ بات کی تردید حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا تعارف، اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہی صراط مستقیم ہے

تفسیر: تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ قریش نے عبداللہ بن زِبَعْرِی سے کہا (اس وقت اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا کہ محمد ﷺ یہ سناتے ہیں۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ بلاشبہ تم لوگ اور وہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو (یہ سورۃ الانبیاء کی آیت ہے) تو عبداللہ بن زبعری یہ سن کر کہنے لگا کہ میں موجود ہوتا تو اس کی تردید کر دیتا قریش نے کہا کہ تو کیا کہتا، اس پر عبداللہ نے کہا کہ میں یوں کہتا کہ یہ مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ عزیر ہیں جن کی یہود عبادت کرتے ہیں تو کیا یہ دونوں دوزخ کا ایندھن ہیں قریش کو یہ بات پسند آئی اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ لاجواب کرنے والا سوال ہے یہ بات سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور خوشی کے مارے چیخنے لگے سورۃ الانبیاء میں ان لوگوں کا جواب گزر چکا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (بلاشبہ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن یوں فرمایا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ لَا خَیْرَ فِیْ اَحَدٍ یُّعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اے قریش کی جماعت اس میں کوئی خیر نہیں ہے اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہو) یہ سن کر قریش کہنے لگے کیا آپ یہ نہیں فرماتے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور عبد صالح تھے آپ کے کہنے کے مطابق وہ بھی دوزخ میں جانے والوں میں شمار ہوئے کیونکہ ایک جماعت نے ان کی عبادت کی ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کی گئی، اگر وہ سب دوزخ میں ہوں گے تو ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ (علیہم السلام) کے ساتھ ہو جائیں یعنی ان حضرات کا جو انجام ہوگا وہی ہمارے معبودوں کا ہو جائے گا۔

ان لوگوں کا مقصد صرف جھگڑنا اور الزام دینا تھا حق اور حقیقت سے انہیں کچھ واسطہ نہ تھا یہ تو ایک سیدھی بات ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کے محبوب مقرب ہیں وہ دوزخ میں کیوں جانے لگے؟ لیکن محض جھگڑے بازی کے لئے انہوں نے ایسی بات کہی، اس کو سامنے رکھ کر اب پہلی دو آیتوں کا مطلب سمجھ لیں وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ اور جب ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک اعتراض کرنے والے نے ایک عجیب مضمون بیان کیا یعنی یوں کہا کہ ہمارے معبود دوزخ میں ہوں گے اور عیسیٰ بھی دوزخ میں ہوں گے تو اس بات کو سن کر قریش مکہ خوشی میں چیخنے لگے اور حضرت رسول اکرم ﷺ سے کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب عیسیٰؑ خیر ہیں حالانکہ ان کی عبادت کی گئی تو ہمارے جو دوسرے معبود ہیں وہ خیر ہوں یہ کیوں نہیں ہو سکتا ان لوگوں کو چونکہ صرف جھگڑنا ہی مقصود تھا اسی لئے فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا کہ ان لوگوں نے جو آپ کے سامنے ابن مریم کی بات بیان کی ہے یہ محض جھگڑے کی غرض سے ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ یعنی ان کا جھگڑنا کچھ اسی مضمون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں، ان کا طریقہ یہ ہے کہ حق باتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہدات کے بعد جن لوگوں نے بھی گمراہی اختیار کی انہیں جھگڑے بازی دے دی گئی یعنی ان کا مزاج جھگڑے بازی کا بن گیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی)

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (عیسیٰ بن مریم علیہ السلام محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے انعام کیا یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر ہم نے انعام کیا انہیں نبوت سے سرفراز کیا نبی تو اس لئے آتے تھے کہ وہ اللہ کی توحید کی دعوت دیں نہ یہ کہ وہ اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف بلائیں جن لوگوں نے ان کی عبادت کی وہ اُن کی حماقت ہے ان کے اعمال کی سزا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں ملنے لگی؟ جنہوں نے ان کی عبادت کی وہی دوزخ میں جانے والے ہیں اور جن بتوں کی عبادت کی گئی وہ بھی دوزخ میں داخل ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اللہ کے نزدیک منعم ومکرم ہیں۔

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کیلئے ایک نمونہ بنا دیا تھا) انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا جس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کا لوگوں کو علم ہو گیا وہ بغیر باپ کے بھی پیدا فرمانے پر قدرت رکھتا ہے قال القرطبی ای اٰیة وعبرة یستدل بھا علی قدرة اللہ تعالیٰ فان عیسی کان من غیر اب.

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ (الآیة) (اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو یکے بعد دیگرے زمین میں رہا کرتے) یعنی انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں رہتے ان کی پیدائش بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور موت بھی یعنی وہ دنیا میں آتے جاتے رہتے یہ الفاظ کا ظاہری ترجمہ ہے وھو قبول فی تفسیرہ اس کا دوسرا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو زمین میں آباد کر دیتے اپنی مخلوق کو ہم جہاں چاہیں آباد کریں مخلوق مخلوق ہی ہے' کہیں بھی رہے وہ عبادت کے لائق نہیں ہو سکتی فرشتوں کا آسمان میں ٹھہرانا کوئی ایسا شرف نہیں ہے کہ وہ معبود ہو گئے یا یہ کہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہا جا سکے والمعنی لونشآء لا سکنا الارض الملئکة ولیس فی اسکا ننا ایاھم السماء شرف حتیٰ یعبد وا اَویقال لھم بنات اللہ. (معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم فرشتوں کو زمین میں ٹھہرا دیتے، ان کے آسمان میں ٹھہرانے میں کوئی ان کا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت شروع کر دی جائے یا انہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جائے)

آیت بالا کا ایک مطلب معالم التنزیل ج۴ ص۱۴۳ میں یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہلاک کر دیں اور تمہارے بدلہ زمین میں فرشتے پیدا کر دیں جو زمین کے آباد کرنے میں تمہارے خلیفہ ہو جائیں اور میری عبادت اور فرمانبرداری کریں فیکون لفظة منکم بمعنی بدلا منکم قال القرطبی ناقلا عن الذھری ان من قد تکون للبدل بدلیل ھذه الآیة.

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (اور بلاشبہ وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہے)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید قرب قیامت کی نشانی ہے (کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا تشریف لانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اب قیامت قریب ہے کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعة کھاتین (میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں

قریب قریب ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اِنَّـهٗ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے ان کا نزول قربِ قیامت کی دلیل ہوگا (یاد رہے کہ قرب اور بعد اُمور اضافیہ میں سے ہیں۔

اور بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں مردوں کا زندہ کرنا بھی تھا جسے ان کے زمانہ کے لوگوں نے دیکھا یہ مُردوں کا زندہ ہونا قیامت کے دن اموات کے زندہ ہونے کا نمونہ بن گیا۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ سو تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میرا اتباع کرو هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہ سیدھا راستہ ہے وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ (اور تمہیں ہرگز شیطان صراط مستقیم سے نہ روک دے) اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے اتَّبِعُوْنِ سے پہلے لفظ قُلْ مقدر ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ (الاية) (اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی نبوت اور اللہ کی کتاب یعنی انجیل لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ میں تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو بیان کردوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو) یعنی امور شرعیہ دینیہ بیان کرتا ہوں جن کی تمہیں ضرورت ہے اور تم نے جو توریت شریف میں تحریف کرلی ہے اسے واضح کرتا ہوں۔ من روح المعانی

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (بلاشبہ اللہ ہی تمہارا رب ہے اور میرا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو) هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یہ سیدھا راستہ ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو معجزات ظاہر فرمائے تھے (جن میں مُردوں کا زندہ کرنا اور مٹی کی چڑیا بنا کر اس میں پھونک کر اڑا دینا بھی تھا ان کی وجہ سے اندازہ فرمالیا تھا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگ میرے معبود ہونے کا عقیدہ بنا سکتے ہیں لہٰذا انہوں نے پہلے ہی تردید کردی' نصاریٰ پر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے اور تم اسی کی عبادت کرو پھر بھی ان کو معبود مانتے ہیں۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ (آپس میں جماعتوں کے درمیان اختلاف ہوگیا) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عقیدت رکھنے والوں نے ان کے بارے میں گروہ بندی کردی اور مختلف جماعتیں بن گئیں ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ تین معبود ہیں (جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ان کے قول نقل فرمائے ہیں) اور ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں (جیسا کہ سورۃ التوبہ میں نصاریٰ کا یہ قول نقل فرمایا ہے) پھر جن لوگوں نے ان تینوں باتوں کو نہیں مانا انہوں نے بھی اس اعتبار سے کفر اختیار کرلیا کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے تو آپ کی رسالت کے منکر ہوگئے جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی وہ مسلمان ہوگئے جیسا کہ شاہ حبشہ نجاشی اور وہاں کے دوسرے افراد کا واقعہ مشہور ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (سو جن لوگوں نے ظلم کیا یعنی شرک اور کفر کو اختیار کیا ان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے جو دردناک عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگی یعنی قیامت کے دن عذاب میں جائیں گے

هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَۃَ اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ (بس یہ لوگ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اچانک قیامت آ جائے اور انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو) ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ کی ضمیر مستتر کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ احزاب کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو لوگ اختلاف رکھتے ہیں راہِ حق پر نہیں آتے حق کو قبول نہیں کرتے ان کا طریقہ کار ایسا ہے کہ انہیں قیامت کا انتظار ہے اچانک قیامت آ جائے (جس کا انہیں پتہ بھی نہ ہو کیونکہ پہلے سے اس کی آمد کا وقت نہیں بتایا گیا) تو اس وقت توحید پر آئیں گے اور کفر و شرک چھوڑ دیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ فعل مضارع ینظرون کی ضمیر قریش کی طرف راجع ہے ان کے سامنے توحید کے دلائل ہیں قرآن کا معجزہ سامنے ہے پھر بھی توحید پر نہیں آتے انہیں اس کا انتظار ہے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے اور انہیں پتہ بھی نہ ہو کہ وہ بھی اچانک آنے والی ہے چونکہ وہ لوگ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہ تھے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کی کم فہمی بیان فرمائی، جیسے کوئی شخص اس چیز کے انتظار میں ہو جو ضرور واقع ہونے والی ہو اور جب وہ واقع ہو جائے تو مصیبت بن جائے) حالانکہ وہ اس کے وقوع کو اپنے لئے خیر سمجھتا رہا ہو۔

قولہ تعالیٰ اذا قَوۡمُکَ مِنۡہُ یَصِدُّوۡنَ.

قال القرطبی ج۱۶ ص۱۰۳. قرأ نافع و ابن عامر و الکسائی "یَصُدون" (بضم الصاد) ومعناه یعرضون، قاله النَّخَعِی، و کسر الباقون، قال الکسائی: هما لغتان، مثل یَعُرِشون، وَینمُون و ینُمُون، ومعناه یضجُون، قال الجوهری: وصَدّ یَصُدّ صدیدا، ای ضَجّ وقیل انه بالضم من الصدود وهو الاعراض، وبالکسر من الضجیج، قاله قُطرب، قال أبوعبید: لو کانت من الصدود عن الحق لکانت: اذا قومک عنه یصدون قال الفراء هما سواء، منه وعنه، ابن المسیب: یصدون یضجون، الضحاک یعجون، ابن عباس: یضحکون، أبوعبیدة: من ضَم فمعناه یعدلون، فیکون المعنی: من أجل المیل یعدلون ولا یُعَدّی "یصدون" بمن، ومن کسر فمعناه یضجون، "فمن" متصله به "یصدون" والمعنی یضجون منه، انتهیٰ.

وقوله تعالیٰ وَلِاُبَیِّنَ لَکُمۡ متعلق بمقدر وجئتکم لِاُبین لکم (ذکره فی الروح)

یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۶۹﴾

اس دن دوست آپس میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے اے میرے بندو آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے

اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ وَّ اَکۡوَابٍ

اور وہ فرمانبردار تھے تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی داخل ہو جاؤ۔ ان پر سونے کی رکابیاں اور آبخورے لائے جائیں گے

وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ وَ اَنۡتُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَ تِلۡکَ الۡجَنَّۃُ الَّتِیۡۤ

اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جنہیں نفس چاہتے ہوں گے اور جن سے آنکھیں لذت پائیں گے اور تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو اور یہ جنت جس کے تم

أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾

وارث بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کے بدلہ میں ہے جو تم کرتے تھے، تمہارے لئے اس میں بہت میوے ہیں ان میں سے تم کھا رہے ہو۔

قیامت کے دن دنیا والے دوست آپس میں دشمن ہوں گے نیک بندوں کو کوئی خوف اور رنج لاحق نہ ہوگا انہیں جنت میں جی چاہی نعمتیں ملیں گی جن سے آنکھوں کو بھی لذت حاصل ہوگی

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض انعامات کا اور اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں دوست تھے قیامت کے دن آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ایک دوسرے پر لعنت کریں گے يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا یہ جو دنیا میں دوستی ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو ایمان پر نہیں آنے دیتے قیامت کے دن وبال بن جائے گی اور آپس کی دوستی کرنے والے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ہاں جو لوگ متقی تھے کفر و شرک سے بچتے تھے یعنی اہل ایمان تھے ان لوگوں کی دوستی قائم رہے گی خاص کر وہ متقی حضرات جو چھوٹے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے تھے وہ تو مسلمانوں کو بخشوانے کی کوشش کریں گے اور ان کے لئے سفارش کریں گے مومنین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا اپنے بندوں کیلئے مہربانی کا اعلان ہوگا کہ اے میرے بندوں آج تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے نہ غمگین ہو گے آئندہ خوشی ہی خوشی ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے) پھر فرمایا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ (یعنی فرمانبرداروں سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ وہاں داخل ہو کر جو بہت سے انعامات سے نوازے جائیں گے ان میں سے ایک یہ انعام بھی ہوگا کہ نوعمر لڑکے ان کے پاس ماکولات سے بھری ہوئی سونے کی رکابیاں (پلیٹیں) اور مشروبات سے بھرے ہوئے سونے کے آبخورے لیکر آتے جاتے رہیں گے یہ تو ایک جزوی نعمت ہوئی پھر ایک قائدہ کلیہ کے ارشاد فرمایا وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ (اور جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جس کی نفسوں کو خواہش ہو اور جس سے آنکھیں لذت پائیں) دنیا میں کوئی شخص کتنا بھی مالدار اور صاحب اقتدار ہو جائے اسے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی کہ جو بھی کوئی نفس چاہے وہ سب کچھ مل جائے بلکہ یہ لوگ تو مختلف احوال کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان رہتے ہیں ان کو کھانے پینے اور اوڑھنے بچھانے کی چیزیں منگانی پڑتی ہیں جو بعض مرتبہ حاصل بھی نہیں ہوتیں اور حاصل ہو بھی جائیں تو صحت کی خرابی کی وجہ سے اچھی نہیں لگتی اور ہر خواہش کے پورا ہونے کا تو کسی کے لئے بھی دنیا میں موقعہ نہیں ہے، یہاں سونے کی پلیٹوں اور پیالوں کا ذکر ہے اور سورۃ الدھر میں چاندی کے برتنوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے یہ سونا چاندی وہاں کا ہوگا یہاں کے حقیر سونے چاندی پر قیاس نہ کیا جائے جسے صاف کرنا اور مانجھنا پڑتا ہے دنیا میں مردوں اور عورتوں کے لئے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے جنت میں اہل ایمان کے لئے ماکولات اور مشروبات

سونے چاندی کے برتنوں میں پیش کیے جائیں گے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور نہ ان میں کھاؤ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ہی بھرتا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سونے چاندی کے برتن میں نہ کھاؤ پیو کیونکہ وہ کافروں کیلئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔

اہل جنت کے انعامات بتاتے ہوئے وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ بھی فرمایا کہ جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی یعنی جنت میں ایسی کوئی چیز سامنے نہ آئیگی جسکا دیکھنا ناگوار ہو جو بھی کچھ ہوگا جس پر بھی نظر پڑے گی آنکھوں کو مزہ ہی آئیگا وہاں ایسے مواقع بھی نہ ہوں گے کہ کوئی چیز سامنے آئے اور اسکے دیکھنے سے روکا جائے یہ ابتلا اور امتحان دنیا ہی میں ہے وہاں بدنظری کا کوئی موقعہ نہ ہوگا بلکہ نظر ہی بد نہ ہوگی مزید فرمایا وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔

اہل جنت کے ایمان اور اعمال صالحہ کی قدردانی کرتے ہوئے ارشاد ہوگا وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور یہ جنت ہے جو تمہیں تمہارے اعمال کے عوض دی گئی ہے)

آخر میں فرمایا لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ تمہارے لئے جنت میں بہت سارے میوے ہیں مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (جن میں سے تم کھا رہے ہو)

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

بلاشبہ مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا

وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

لیکن وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمارا کام تمام کردے وہ جواب دیں گے کہ بے شک تم اسی میں رہو گے بلاشبہ ہم تمہارے پاس

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ

حق لائے اور لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے ہیں کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کر لی ہے سو ہم مضبوط تدبیر اختیار کرنے والے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے

يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

ان کی چپکی باتوں کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو ہاں ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرستادے) ان کے پاس لکھتے ہیں۔

مجرمین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' ان کا عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا دوزخ کے داروغہ سے ان کا سوال و جواب

تفسیر: اہل ایمان کی نعمتیں بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ مجرمین یعنی کافر لوگ دوزخ کے عذاب میں پڑے ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ عذاب بہت سخت ہوگا جیسا

کہ دوسری آیت میں ذکر فرمایا ذرا دیر کو بھی ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں نا امید ہو کر پڑے رہیں گے یہ مبلسون کا ایک ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے حزینون من شدہ الباس یعنی سخت عذاب کی وجہ سے رنجیدہ ہوں گے۔

وَمَا ظَلَمْنَا هُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ ہی ظلم کرنے والے تھے دنیا میں ان کے پاس حق آیا ایمان کی دعوت پیش کی گئی انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اپنی جانوں کو انہوں نے خود ہی مبتلائے عذاب کیا۔

اس کے بعد انکی ایک درخواست کا ذکر ہے حضرت مالک علیہ السلام جو دوزخ کے خازن یعنی ذمہ دار ہیں ان سے عرض معروض کریں گے وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اور اہل دوزخ پکار کر کہیں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے گا یعنی ہمیں موت ہی دیدے) تا کہ ہم اس عذاب سے چھوٹ جائیں وہ جواب دیں گے اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (بلاشبہ تم کو اسی میں رہنا ہے)

سنن ترمذی میں ہے کہ اہل دوزخ آپس میں مشورہ کریں گے کہ داروغہ ہائے دوزخ سے عرض و معروض کریں لہٰذا وہ ان سے کہیں گے ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ (تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے) وہ جواب دیں گے اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے تھے اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلاتے تھے؟) اس پر دوزخی جواب دیں گے کہ بلٰی یعنی ہاں آتے تو تھے لیکن ہم نے ان کا کہنا نہ مانا' فرشتے جواب میں کہیں گے فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ تو پھر (ہم تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتے تم ہی دعا کرلو اور وہ بھی بے نتیجہ ہوگی کیونکہ کافروں کی دعا (آخرت میں) بالکل بے اثر ہے يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اے مالک (تم دعا کرو کہ) تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام تمام کردے وہ جواب دیں گے اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (نہ نکلو گے نہ مرو گے)۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ مالک علیہ السلام کے جواب میں اور دوزخیوں کی درخواست میں ہزار برس کی مدت کا فاصلہ ہوگا۔

(عزاه صاحب المشكوٰة الى الترمذى وقال قال عبد الله بن عبد الرحمن والناس لا يرفعون هذا الحديث، قال على القارى فى المرقاة اى يجعلون مرقوفاً على أبى الدراء لكنه فى حكم المرفوع فان امثال ذٰلك ليس مما يمكن أن يقال من قبل الراى ١ ھ)

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ مشرکین کو خطاب ہے کہ ہم نے تمہارے پاس حق پہنچا دیا حق واضح کر دیا توحید کی دعوت سامنے رکھ دی اس کے دلائل بیان کر دیئے لیکن تم نہیں مانتے تم میں سے اکثر لوگ حق کو برا جانتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں یہ حق سے دور بھاگنا انہی حالات کا پیش خیمہ ہے جو اہل دوزخ کے احوال میں بیان کئے گئے ہیں۔

قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے کے مشورے کرتے رہتے تھے موقع ملنے پر تکلیف بھی پہنچاتے تھے آپ کو شہید کرنے کا بھی مشورہ کیا آپ کی دعوت انہیں بہت ہی ناگوار تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا (کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کر لی ہے اور اس کے مطابق آپ کو تکلیف دینے کا پختہ مشورہ کر چکے ہیں) فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (سو ہم

مضبوط تدبیر کرنے والے ہیں) یعنی ان لوگوں کو اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ ہم آپ کی مخالفت میں کامیاب ہو جائیں گے یا آپ کو شہید کر دیں گے یہ ان کی ناسمجھی ہے بے وقوفی کی باتیں ہیں ہماری مدد آپ کیساتھ ہے ہمارے مقابلہ میں ان کی تدبیر کامیاب نہیں' اس میں جہاں مشرکین کو تنبیہ ہے رسول اللہ ﷺ کو بھی تسلی ہے کہ ان کی تدبیر آپ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوگی سورۃ الطور میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا وہاں ارشاد فرمایا اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ کیا یہ لوگ تدبیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سو جن لوگوں نے کفر کیا وہی تدبیر میں گرفتار ہونے والے ہیں)

پھر فرمایا اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ (کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خفیہ باتیں اور وہ مشورے جو چپکے چپکے کرتے ہیں ہم نہیں سنتے) ان کا یہ سمجھنا غلط ہے بلیٰ ہم ان کی باتیں سنتے ہیں اور خفیہ باتوں کو اور سرگوشیوں کو جانتے ہیں وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھ رہے ہیں لہٰذا ایسا خیال کرنا کہ چپکے چپکے جو باتیں کرلیں گے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں یہ جہالت کی بات ہے اللہ تعالیٰ کو ظاہر کا اور باطن کا زور کی آواز کا اور آہستہ کی آواز کا سب کا علم ہے وہ اپنی حکمت کے موافق سزا دے گا۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ

آپ فرما دیجئے کہ اگر رحمٰن کیلئے اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنیوالا ہوں' آسمانوں اور زمین کا رب جو عرش کا بھی رب ہے

الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

وہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں سو آپ انکو چھوڑ دیئے باتوں میں لگیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ اس دن سے ملاقات کرلیں جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

اور اللہ وہ ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے اور وہ حکمت والا ہے اور علم والا ہے اور بابرکت ہے وہ ذات جس کیلئے ملک ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسکے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے' اور جن کو یہ لوگ

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ جانتے ہیں' اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ

مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ

انہیں کس نے پیدا کیا یہی کہیں گے کہ انہیں اللہ نے پیدا کیا سو یہ لوگ کدھر الٹے جا رہے ہیں اور اسے رسول کی اس بات کی خبر ہے کہ اے میرے رب بلاشبہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ سو آپ ان سے

عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اعراض کیجئے اور کہہ دیجئے کہ میرا اسلام ہے سو وہ عنقریب جان لیں گے۔

اللہ جل شانہٗ کی صفات جلیلہ کا بیان اور شرک سے بیزاری کا اعلان

تفسیر: چند آیات پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا اور اس سے پہلے یہ ذکر آیا تھا کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتاتے ہیں ان لوگوں کی تردید وہیں کر دی گئی تھی یہاں مکرر تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر رحمٰن جل شانہ کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا رحمٰن جل شانہ کے لئے کوئی اولاد نہیں ہے اس لئے صرف رحمٰن جل مجدہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کی دعوت دیتا ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کی کہ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور عرش کا رب ہے وہ ان سب باتوں سے پاک ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ان لوگوں کو آپ چھوڑ دیں یہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں دنیا میں ساری لہو ولعب ہے جیسا کہ سورۃ الحدید میں فرمایا اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ان لوگوں کا باطل میں لگا رہنا اور کھیل میں مشغول رہنا یہاں تک آگے بڑھتا رہے گا کہ یہ لوگ اس دن سے ملاقات کریں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے یعنی بعض حضرات نے موت کا دن اور بعض حضرات نے یوم بدر اور بعض حضرات نے یوم القیامۃ مراد لیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے یعنی معبود حقیقی وہی ہے اور مستحق عبادت بھی وہی ہے جو لوگ اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جگہ جبین سائی کرتے ہیں اور غلط جگہ پیشانی کو رگڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے یعنی بڑی حکمت والا ہے اور علیم بھی ہے یعنی بڑے علم والا ہے اس کے علاوہ کوئی ان صفات سے متصف نہیں اور اس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ اور وہ ذات عالی شان ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی سلطنت ہے اور اس کے پاس قیامت کے یعنی اس کے وقت مقرر کا علم ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے وہاں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی جزا اور کفر و معاصی کی سزا سامنے آ جائے گی۔

مشرکین سے جب یہ کہا جاتا تھا کہ شرک بری چیز ہے تو شیطان کے پٹی پڑھا دینے سے یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم انکی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے لئے سفارش کر دیں گے۔

یہ ان کا ایک بہانہ تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جن کو شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی وہ کیا سفارش کر سکتے ہیں اور بے جان کیسے سفارش کریں گے جس کی بارگاہ میں سفارش کی ضرورت ہوگی اس نے کب فرمایا کہ یہ میرے ہاں سفارشی بنیں گے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس کے نبیوں نے توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا ان کی بات نہ مانی مشرک بنے اور جوازِ شرکت کا حیلہ بھی تراش لیا ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ کی بارگاہ میں کوئی سفارش نہیں کر سکیں گے ہاں اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں وہ شفاعت کر سکیں

گے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دی جائے گی لیکن وہ بھی ہر شخص کی سفارش نہیں کریں گے جس کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اسی کی سفارش کریں گے اس مضمون کو یہاں سورۂ زخرف میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور سورۂ بقرہ میں مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اور سورۂ انبیاء کی آیت وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى میں بیان فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے حضرات ملائکہ اور حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر علیہ السلام اور ان جیسے حضرات مراد ہیں گو ان حضرات کی عبادت کی گئی لیکن اس میں ان کا کوئی دخل نہ تھا یہ حضرات شفاعت کر سکیں گے لیکن کافروں کے لئے شفاعت نہ کریں گے اور نہ ہی انہیں اس کی اجازت ہوگی۔

پھر فرمایا وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ (الآیة) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو یہ لوگ یہی جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اس بات کے بھی اقراری ہیں کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر اپنی حماقت سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسی کو فرمایا فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ سو یہ لوگ کہاں الٹے جا رہے ہیں پیدا کیا اللہ نے اور عبادت کریں غیر اللہ کی یہ تو عقل اور فہم سے بہت دور ہے۔

ختم سورت پر فرمایا وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ اس میں لفظ قیلہ قول سے لیا گیا کہ یعنی قاف کے کسرہ کی وجہ سے واؤ یا سے بدل گیا ہے حضرت امام عاصم کی قرأت میں وقیلہ جر کے ساتھ ہے کہ ضمیر مجرور مضاف الیہ رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ میں لفظ السَّاعَةِ (مضاف الیہ مجرور) ہے اس پر عطف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے وقت کا بھی علم ہے اور وہ اپنے رسول کی اس بات کو بھی جانتا ہے کہ جو انہوں نے اپنے مخاطبین کا حال بتاتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کی درخواست کے جواب میں فرمایا فَاصْفَحْ عَنْهُمْ (سو آپ ان سے اعراض کیجئے) یعنی ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھیے (کمافی الروح) وَقُلْ سَلٰمٌ اور آپ ان سے فرمایئے کہ میرا سلام ہے یہ سلام وہ نہیں جو ملاقات کے وقت دعا دینے کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ سلام متارکت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اسی کو سورۃ القصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں تمہارے لئے تمہارے اعمال تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ سو یہ لوگ عنقریب جان لیں گے یعنی کفر و شرک کا عذاب ان کے سامنے آ جائے گا۔

ولقد تم تفسير سورة الزخرف والحمد لله اوّلاً واٰخرًا
والصلوٰة والسلام على من اُرسل طيّباً وطاهرًا وعلىٰ من تبعه باطناً و ظاهراً.

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الدخان مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اس میں انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ

حٰمٓ قسم ہے کتاب مبین کی بلاشبہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے بلاشبہ ہم ڈرانے والے ہیں اس رات میں

كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

ہر امر حکیم کا فیصلہ کیا جاتا ہے جو ہماری طرف سے بطور حکم کے صادر ہوتا ہے بلاشبہ ہم بھیجنے والے ہیں آپ کے رب کی طرف سے رحمت کے طور پر بلاشبہ وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ

وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے وہ تمہارا اور تم سے پہلے

اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝

جو تمہارے باپ دادے گزر گئے ان کا رب ہے بلکہ وہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔

قرآن مجید مبارک رات میں نازل کیا گیا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، اگلے پچھلے تمام لوگوں کا رب ہے

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قرآن حکیم کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا مبارک رات سے کون سی رات مراد ہے اس بارے میں محققین نے فرمایا ہے کہ اس سے شب قدر مراد ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور سورۂ قدر میں فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں کہ اس سے شعبان کی پندرھویں شب مراد ہے جسے لیلۃ البرأۃ کہا جاتا ہے چونکہ بعض روایت حدیث میں شب برأت کے بارے میں یہ آیا ہے کہ اس میں آئندہ سال کے ارزاق وآجال لکھ دیئے جاتے ہیں حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے اس لئے بعض حضرات نے لیلۃ المبارکۃ کا مصداق شب برأت ہے یعنی شعبان کی پندرہ تاریخ کو بتا دیا ہے لیکن کسی حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ قرآن مجید شب برأت میں نازل کیا گیا اور شب برات میں ارزاق وآجال لکھے جانے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو ۲۳ سال میں نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا پھر رمضان میں اور شب قدر

میں نازل ہونے کا کیا معنی؟ اس کا ایک جواب تو بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ قرآن مجید نازل ہونے کی ابتداء شب قدر میں ہوئی اور اکثر حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ پورا قرآن مجید شب قدر میں لوح محفوظ سے سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں نازل کی گیا اس کے بعد ۲۳ سال میں وقتاً فوقتاً حسب احوال نازل ہوتا رہا کیونکہ شب قدر خیرات اور برکات والی رات ہوتی ہے اس لئے اسے لیلۃ مبارکہ سے تعبیر فرمایا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ بلاشبہ ہم ڈرنے والے ہیں یعنی رسول اور قرآن کے ذریعے اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کی جزاء اور برے اعمال کی سزا سے آگاہ کرنے والے ہیں تاکہ خیر کو اختیار کریں اور شر سے بچیں۔

فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ اس رات میں ہر امر حکیم کا فیصلہ کردیا جاتا ہے صاحب معالم التنزیل نے حکیم کو محکم کے معنی میں لیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ شب قدر میں ام الکتاب (لوح محفوظ) سے وہ چیزیں علیحدہ کرکے لکھ دی جاتی ہیں جو آئندہ پورے سال میں وجود میں آئیں گی۔ خیر اور شر اور ارزاق و آجال سب کچھ لکھ دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاح شخص حج کرے گا اور علیحدہ لکھ کر تقوین الٰہی کے مطابق کام کرنے والوں یعنی فرشتوں کے حوالہ کردیا جاتا ہے۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (یہ فیصلہ ہماری طرف سے امر کے طور پر صادر کیا جاتا ہے)

قال الفراء: نُصب علی معنی "فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ" فرقاً و امرًا ای نامرا مرًا ببیان ذٰلک (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۹) اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ بے شک ہم رسالت کے طور پر آپ کو اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھیجنے والے تھے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (یعنی اس قرآن کا نازل فرمانا آپ کے رب کی طرف سے رحمت فرمانے کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی مخلوق پر رحم فرمایا ان کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب نازل فرمائی فی معالم التنزیل ناقلاً عن الزجاج أنزلنهُ فی لیلة مبرکة للرحمة)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے) رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا (وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی رب ہے) اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ اگر تم یقین کرنے والے ہو تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا اور کتابوں کو نازل فرمایا۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے) رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ وہ تمہارا رب ہے اور جو تم سے پہلے باپ دادے گزرے ہیں ان کا بھی رب ہیں۔

بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں نہ آخرت کے فکرمند ہیں نہ دلائل میں غور کرتے ہیں اور نہ اپنی جان کو نقصان اور ضرر سے بچانے کا دھیان ہے بچوں کی طرح کھیل کود میں مصروف ہیں۔ انجام کی فکر نہیں۔

فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس دن آسمان کی طرف دیکھنے والے کو واضح طور پر دھواں نظر آئے گا وہ لوگوں پر چھا جائے گا یہ دردناک عذاب ہے اے ہمارے رب ہم سے

الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ

عذاب کو دور کردیجئے بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے کہاں ہے ان کو نصیحت حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آگیا پھر اس سے انہوں نے اعراض کیا

وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ

اور کہنے لگے کہ یہ شخص سکھایا ہوا دیوانہ ہے بلاشبہ ہم عذاب کو تھوڑے وقت کے لئے ہٹا دیں گے، بے شک تم لوٹنے والے ہو، جس روز ہم

الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

بڑی پکڑ کریں گے بلاشبہ ہم انتقام لینے والے ہیں۔

اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان کی طرف سے لوگوں پر دھواں چھا جائے گا ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں

تفسیر: یہ سات آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں فرمایا آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس میں آسمان کی طرف ایک دھواں نظر آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ اسے دخان مبین کہتے ہیں۔

دخان سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دھواں قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا جب ظاہر ہوگا تو زمین میں چالیس دن رہے گا اور آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دے گا۔ اس کی وجہ سے اہل ایمان کی کیفیت زکام جیسی ہو جائیگی اور کفار اور فجار کی ناکوں میں گھس جائے گا اور سانس لینے میں انہیں سخت تکلیف ہوگی حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن علی اور حسن اور ابن ابی ملیکہ کا یہی فرمانا ہے کہ دھواں اب تک ظاہر نہیں ہوا قیامت کے قریب ظاہر ہوگا صحیح مسلم میں دس نشانیوں کے ذیل میں دھوئیں کا تذکرہ موجود ہے جس کے راوی حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ ہیں (صحیح مسلم ص۳۹۲ ج۲) ان جن حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں جس دھوئیں کا ذکر ہے وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا ان حضرات کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔

دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے۔ جسے حضرت امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں نقل کیا ہے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا گیا کہ مذکورہ دخان سے قرب قیامت کا دھواں مراد ہے، تو حضرت ابن مسعودؓ کو یہ سن کر ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ جسے علم ہو وہ علم کی بات بتا دے اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہہ دے کہ اللہ کو معلوم ہے کیونکہ نہ جاننے کا اقرار کرنا علم کی بات ہے اس کے بعد فرمایا جب قریش مکہ نے رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کو بد دعا دے دی اَللّٰھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف (اے اللہ ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما ان پر سات سال تک قحط بھیج دے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط آیا تھا) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی جب قحط پڑا اور قریش مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ان کی ہر چیز ختم ہوگئی یہاں تک کہ وہ مردار اور ہڈیاں کھانے لگے بھوک کی مصیبت کی وجہ سے ان کا یہ حال ہوگیا کہ آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں نظر آتا تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرما دیا تھا فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ جب قریش مکہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے دعا کی

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ اے ہمارے رب عذاب دور فرما دیجئے بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے۔

حضرت عبداللہ نے إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ تک تلاوت کی پھر فرمایا کہ قیامت کے دن عذاب بھی دور کر دیا جائے گا؟ یعنی آیت کریمہ کے عذاب دور کرنے کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کا عذاب دور نہیں کیا جائیگا لہٰذا معلوم ہوا کہ سورت الدخان میں دخان مبین سے قیامت کے دن کا عذاب مراد نہیں' اس کے آگے قصہ یہ ہے کہ جب قریش مکہ بہت زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں ابوسفیان کو بھیجا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے عرض کیا اے محمد آپ صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ اس عذاب کو ہٹا دے آپ نے دعا کر دی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش بھیج دی گئی وہ لوگ اچھی حالت میں ہو گئے لیکن کفر پر ہی باقی رہے جیسے إِنَّكُمْ عَائِدُونَ میں بیان فرمایا جب کفر پر ہی جمے رہے تو آیت کریمہ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ نازل ہوئی جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ' بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں بڑی پکڑ سے غزوہ بدر مراد ہے ان لوگوں نے وعدہ تو کیا تھا کہ ہم عذاب دور ہونے پر مومن ہو جائیں گے لیکن عذاب ٹل جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اس لئے فرمایا أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ کہاں ہے ان کو نصیحت اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس رسول آ چکا ہے جس کی دعوت و دلائل سب واضح ہیں ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ (الآیۃ) پھر انہوں نے اس کی طرف سے روگردانی کی اور اعراض کیا۔ اور کہنے لگے کہ اس کو دوسروں نے سکھایا ہے اور یہ دیوانہ ہے یعنی رسول مبین کی واضح دعوت اور دلائل سے اعراض کر چکے ہیں اور اس کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ دوسروں کا پڑھایا ہوا ہے اور دیوانہ ہے ان سے یہ امید کرنا کہ عذاب چلے جانے پر ایمان لے آئیں گے بے جا امید ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس رسول کریم آیا کہ تم اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کر دو بلاشبہ میں تمہارے لئے

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي

رسول امین ہوں' اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو بلاشبہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں اور بلاشبہ میں اپنے رب سے

وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿٢٠﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ ﴿٢١﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ

اور تمہارے رب سے اس بات کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو' اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے علیحدہ رہو' پھر موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ

مُّجْرِمُونَ ﴿٢٢﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾

مجرم قوم ہیں' سو تم میرے بندوں کو رات کو لے کر روانہ ہو جاؤ' بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ اور سمندر کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا'

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ ۖ

بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جانے والا ہے' ان لوگوں نے کتنے ہی باغ و چشمے اور کھیتیاں اور اچھے مکانات اور عیش کے سامان چھوڑ دیئے جن میں

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ

وہ خوشی کی حالت میں رہا کرتے تھے اور ہم نے ان چیزوں کا دوسرے لوگوں کو وارث بنادیا' سو نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین' اور ان کو مہلت نہیں دی گئی اور یہ بات واقعی ہے

نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھا' بیشک وہ بڑا سرکش اور حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا'

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے جہاں والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں انعام تھا واضح طور پر۔

قوم فرعون کے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول آنا' اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا غرق ہونا' بنی اسرائیل کا فرعون سے نجات پانا اور انعامات ربانیہ سے نوازا جانا

تفسیر: ان آیات میں فرعون کی نافرمانی کا اور بطور سزا لشکروں سمیت سمندر میں ڈوب جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے یعنی قریش مکہ سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا ان کے پاس رسول کریم یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و معظم تھے انہوں نے فرعون سے اور اس کی جماعت سے کہا کہ بنی اسرائیل کو تم دکھ تکلیف دیتے ہو انہیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے ان اللہ کے بندوں کو تم میرے حوالے کر دو اور میرے ساتھ بھیج دو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے میں اس کا رسول امین ہوں میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سرکشی نہ کرو۔ اللہ کے مقابلے میں مت آؤ۔ اس کی اطاعت کرو میں تمہارے پاس واضح دلیل ہے یعنی معجزات کثیرہ لے کر آیا ہوں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی اور حق بات پہنچائی تو فرعون اور اس کی جماعت ان کے قتل کے مشورے شروع کر دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو یعنی مجھے پتھروں سے مار کر ہلاک کرو مزید فرمایا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم یہ کرو کہ مجھ سے دور رہو مجھے کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ کیونکہ اس سے تمہارا جرم اور زیادہ شدید ہو جائے گا وہ لوگ ہدایت پر نہ آئے اور سرکشی کرتے رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم ہیں ان کو سزا دی جائے اللہ تعالیٰ شانہ' نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو جاؤ آبادی سے نکل جاؤ اور سمندر کی راہ لے لو جب تم روانہ ہو جاؤ گے تو تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارے پیچھے آپہنچے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہو گئے فرعون کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چل دیا اللہ تعالیٰ شانہ' نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے ہی ہدایت کر دی تھی کہ جب سمندر پر پہنچوں تو

سمندر میں اپنی لاٹھی مار دینا اس کا معجزہ والا اثر یہ ہوگا کہ پانی رک جائے گا اور جگہ خشک ہو جائے گی اور اس میں راستے نکل آئیں گے تم اس سمندر کو اس کی حالت پر ٹھہرا چھوڑ کر پار ہو جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ ٹھاٹھے مارتے سمندر میں راستے بن گئے جگہ خشک ہو گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کیساتھ ان راستوں میں داخل ہو گئے اور سمندر اپنی ہیبت اور حالت پر سکون کے ساتھ ٹھہرا ہوا رہ گیا پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر آیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے اپنی فوجیں ڈال دیں بنی اسرائیل پار ہو گئے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت ڈوب گیا سمندر راستے بن جانے کی وجہ سے جو قرار و سکون ہو گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا پانی آپس میں مل گیا جیسا کہ پہلے ہی فرما دیا تھا جو راستے بن گئے تھے وہ ختم ہو گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا اسی کو فرمایا وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ۔

اہل دنیا کو اپنی دنیا اور دولت پر کھیتیوں پر باغوں پر مال و خزانوں پر بہت غرور اور گھمنڈ ہوتا ہے فرعونیوں کو بھی بڑا گھمنڈ تھا جب ڈوب گئے تو سب کچھ دھرا رہ گیا فرمایا كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اور وہ لوگ کتنے ہی باغ کتنے ہی چشمے اور کتنی ہی کھیتیاں اور کتنے ہی عمدہ مکانات اور کتنے ہی آرام کے سامان چھوڑ گئے جن میں وہ خوش ہو کر رہا کرتے تھے۔

كَذٰلِكَ (یہ اسی طرح ہوا) وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (اور ان چیزوں کا وارث دوسری قوموں کو بنا دیا دوسری قوم سے بنی اسرائیل مراد ہے جیسا کہ سورۃ الشعراء میں وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ فرمایا ہے کہ اس کے بارے میں ضروری بحث سورۃ شعراء کی آیات بالا کی تفسیر میں دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (سو ان پر آسمان اور زمین کو رونا نہ آیا اور وہ مہلت دیئے جانے والے نہ تھے) یعنی اللہ تعالیٰ نے مبغوض اور مغضوب علیہم ہونے کیوجہ سے ہلاک فرما دیا اور یہ لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے مبغوض تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی ان سے بغض تھا گو تکوینی طور پر بامر الٰہی ان پر بارش بھی ہوتی تھی اور زمین بھی ان کا رزق اگاتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے عظیم (آسمان و زمین) ان سے راضی نہ تھے لہٰذا ان کے بیک وقت غرق ہونے پر انہیں ذرا بھی ترس نہ آیا اور ان کی ہلاکت کی وجہ سے وہ ذرا بھی نہ روئے۔

مومن کی موت پر آسمان و زمین کا رونا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھی کوئی مومن بندہ ہے اس کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل اوپر جاتا ہے اور ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے۔ جب اس کی موت ہو جاتی ہے تو دونوں دروازے اس پر رونے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الدخان)

بنی اسرائیل پر انعام اور امتنان

اس کے بعد بنی اسرائیل پر امتنان فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنیوالے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے دنیا و جہان والوں پر فوقیت دی۔ یعنی ان کے زمانے میں جو لوگ تھے ان سب کے مقابلے میں انہیں برتری عطا فرمائی۔ (فی معالم التنزیل علی عالمی زمانهم)

مزید فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنی قدرت کی ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔ یعنی وہ ایسی چیزیں تھی جوان کے لئے نعمت تھیں اور قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں تھیں۔ مثلاً انہیں فرعون کے چنگل سے نکالنا جوان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کے لئے سمندر کو پھاڑ دینا اور بادلوں کا سایہ کرنا اور من وسلویٰ نازل کرنا پھر انہیں زمین میں اقتدار بخشنا ان میں انبیاء اور ملوک پیدا فرمانا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ
بلاشبہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس یہی ہماری پہلی موت ہے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں ہیں' سوتم ہمارے باپ دادوں
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾
کو لے آؤ اگر تم سچے ہو' کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کیا بلاشبہ وہ مجرم تھے
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر پیدا نہیں کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں ہم نے ان کو نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا
نہیں جانتے' بلاشبہ فیصلہ کا دن اُن سب کا وقت مقرر ہے' جس دن کوئی تعلق رکھنا والا کسی تعلق رکھنے والے کو کچھ بھی نفع نہ دے سکے گا اور نہ
هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾
اُن کی مدد کی جائیگی مگر جس پر اللہ رحم فرمائے بیشک وہ عزیز ہے رحیم ہے۔

منکرین قیامت کی کٹ حجتی' یہ لوگ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں جو ہلاک کردیئے گئے

تفسیر: ان آیات میں اول تو منکرین بعث کا قول نقل فرمایا ہے پھر انکی بات کی تردید فرمائی ہے منکرین نے یہ کہا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ مرنا ہے اور مر کر پھر جی اٹھنا ہے اور حساب و کتاب ہے یہ ہم نہیں مانتے ہمارے نزدیک بس یہی بات طے شدہ ہے کہ ہم پہلی بار جو مریں گے تو بس مر گئے اسکے بعد دوبارہ زندہ ہونے والی بات نہیں مانتے' ان لوگوں نے مزید یوں بھی کہا کہ تم دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے ہو چلو ہمارے باپ دادوں کو لا کر دکھا دو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو (کہ دوبارہ اٹھنا ہے اور قیامت قائم ہونی ہے) ان کی تردید میں فرمایا اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبَّع کی قوم بہتر تھی اور جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بہتر تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ وہ مجرم تھے یعنی یہ جو ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ اللہ کے رسول کی رسالت اور دعوت کے منکر ہیں اپنے کو دنیاوی طور پر بڑی قوت والا سمجھ رہے ہیں اور اسی بنیاد پر منکر ہو رہے ہیں یہ سوچنا

اور سمجھنا بالکل ہی غلط ہے ان کی کیا حیثیت ہے ان سے پہلے (یمن کے بادشاہ) تُبَّع کی قوم گزر چکی ہے اور ان میں بھی بہت سی قومیں گزری ہیں جنہیں اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا رسولوں کی تکذیب کیوجہ سے جب ان پر عذاب آیا تو شوکت وقوت نے کچھ بھی کام نہ دیا سوۂ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب۔

تُبَّع کون تھے؟

یہ تُبَّع کون تھا جس کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے صاحب معالم التنزیل ص ۱۵۳ج ۴ نے اس پر لمبا مضمون سپرد قلم فرمایا ہے اتنی بات تو تقریباً سبھی نے لکھی ہے کہ تُبَّع یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا جیسے قیصر و کسریٰ اور نجاشی اپنے اپنے علاقوں کے بادشاہوں کے القاب تھے اس طرح یمن کے بادشاہ کو تُبَّع کہا جاتا تھا یہ کون سا تُبَّع تھا جس کا آیت بالا میں ذکر ہے؟ اس کا نام اسعد بن ملیک اور کنیت ابو کرب لکھی ہے محمد بن اسحٰق (صاحب السیرۃ) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ تُبَّع مدینہ منورہ کے راستے سے گزر رہا تھا اس نے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا جب اہل مدینہ کو اس کا پتہ چلا تو یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ میں سے دو عالم کعب اور اسد نامی اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ تو ایسا نہ کر اگر تو ہماری بات نہیں مانتا تو جان! ہمیں ڈر ہے کہ تجھ پر جلد ہی عذاب نازل ہو جائے گا کیونکہ یہ ایک نبی کا دار الھجرۃ ہے وہ قریش سے ہوں گے نام محمد ہوگا ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی یہ سن کر وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا پھر ان دونوں عالموں نے اسے اپنے دین کی دعوت دی اس نے ان کا دین قبول کر لیا یعنی یہودیت کو اپنا دین بنا لیا یعنی یہودیت کو اپنا دین بنا لیا اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے چلا گیا اس کے ساتھ کچھ یہودی جن میں وہ دونوں عالم بھی تھے (جنہوں نے اسے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے سے روکا تھا) یمن جانے کے لئے روانہ ہو گئے راستے میں قبیلہ بنی ہذیل کے کچھ لوگ ملے انہوں نے تُبَّع سے کہا کہ ہم تمہیں ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس میں موتی زبرجد اور چاندی کا خزانہ ہے اس نے سوال کیا کہ وہ کون سا گھر ہے انہوں نے بتایا کہ وہ گھر مکہ معظمہ میں ہے بنی ہذیل کا مقصد اس کی خیر خواہی نہ تھی بلکہ اسے ہلاک کروانا مقصود تھا وہ جانتے تھے کہ اس بیت پر جس نے بھی حملہ کا ارادہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا۔

تُبَّع نے لوگوں کی بات سن کر انہیں یہودی علماء سے مشورہ لیا جو اس کے ساتھ تھے ان لوگوں نے کہا تو اس پر حملہ آور مت ہو ہمارے علم میں صرف یہی ایک گھر ہے جس کی اللہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو وہاں نماز بھی پڑھ' قربانی بھی کر' اور سر بھی مونڈ یہ لوگ تیری دشمنی کے لئے ایسا مشورہ دے رہے ہیں' علماء یہود نے جب اسے ایسا مشورہ دیا تو اس نے بنی ہذیل کے چند لوگوں کو پکڑا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے اور اندھا کرنے کے لئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی اور انہیں سولی پر چڑھا دیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر اس نے کعبہ شریف کو پردہ پہنایا اور وہاں جانور ذبح کئے وہاں چند دن قیام بھی کیا' طواف بھی کیا اور حلق بھی کیا جب تبع مکہ معظمہ سے جدا ہوا اور یمن کے قریب پہنچا تو قبیلہ بنی حمیر کے لوگ آڑے آ گئے تُبَّع اسی قبیلہ سے تھا اور کہنے لگے کہ تو ہمارے پاس ہر گز نہیں آ سکتا کیونکہ تو ہمارے دین سے جدا ہو گیا' تُبَّع نے انہیں اپنے

دین کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ میں نے جو دین اختیار کیا ہے تمہارے دین سے بہتر ہے پھر انہوں نے آگ کو حکم یعنی فیصلہ کرنے والی چیز بنایا اس پر آگ نے اہل یمن کے بتوں کو اور جو کچھ انہوں نے بتوں پر چڑھاوے چڑھائے تھے ان سب کو جلا دیا اور یہودی علماء کو دیکھ کر آگ پیچھے ہٹ گئی یہاں سے یمن میں دین یہودیت پھیلنے کی ابتداء ہوئی تبع نے نبی اکرم ﷺ پر آپ کی بعثت سے سات سو سال پہلے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً ایک سو سال پہلے ایمان قبول کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی تھیں کہ تبع کو برا نہ کہو وہ نیک آدمی تھے اس کے بعد صاحب معالم التنزیل نے حضرت سہل بن سعد سے یہ حدیث نقل کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تبع کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا یہ حدیث مسند احمد ص ۳۴۰ جلد ۵ میں مذکور ہے۔ پھر بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث نقل کی ہے کہ (جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا غیر نبی۔

ان روایات سے یہ تو ثابت ہوا کہ تبع اچھے آدمی تھے لیکن ان کی قوم کب اور کیسے ہلاک ہوئی اس کا پتہ نہیں چلتا جب کہ سورۂ قٓ میں اور سورۂ دخان میں قوم تبع کے ہلاک کئے جانے کی تصریح ہے اگر معالم التنزیل کے بیان سے یہ سمجھ لیا جائے کہ باوجود یہ کہ آگ نے فیصلہ کر دیا تھا پھر بھی تبع کی قوم ایمان نہ لائی اور کفر پر جمی رہی اور اس کی وجہ سے ہلاک ہوئی تو یہ قرین قیاس ہے یہاں تک لکھنے کے بعد تفسیر ابن کثیر میں دیکھا انہوں نے اس تبع کا نام اسعد بتایا ہے اور کنیت ابوکریب لکھی ہے اور باپ کا نام ملیکیکو لکھا ہے اور یہ بھی لکھا کہ اس نے ۳۲۶ سال تک حکومت کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی قوم نے اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن جب اس کی وفات ہو گئی تو وہ لوگ مرتد ہو گئے آگ اور بتوں کی پوجا کرنے لگے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا فرما دیا جیسا کہ سورۂ سبا میں مذکور ہے مفسر ابن کثیر کا فرمانا ہے کہ قوم تبع اور سبا ایک ہی قوم کا مصداق ہے۔ (ابن کثیر ص ۱۴۳، ۱۴۴ جلد ۴ واللہ اعلم بحقیقۃ احوال)

پھر فرمایا وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر پیدا نہیں کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (ہم نے ان دونوں کو حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) ان کے بنانے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ اس سے ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت کاملہ پر استدلال کریں سورۂ یٰس میں فرمایا اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرما دے ہاں وہ قادر ہے اور بہت پیدا کرنے والا ہے بڑے علم والا ہے۔

قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (بلاشبہ فیصلوں کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے یہ مانیں یا نہ مانیں بہرحال قیامت اپنے مقررہ وقت پر آجائے گی اور حساب کتاب ہوگا۔ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا اس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کو کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے اہل ایمان کا تعلق ایک دوسرے کو نفع

دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کر دیں گے اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بے شک وہ زبردست ہے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے الرَّحِيْمُ وہ مومن بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔

لفظ مَوْلىٰ وَلِيَ يَلِي سے ماخوذ ہے آپس میں جن دو آدمیوں میں دوستی ہو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مولیٰ ہوتا ہے دنیاوی تعلقات قیامت کے دن ختم ہو جائیں گے کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا اور دوستی اور قریبی تعلق کچھ کام نہ دے گا ہاں اللہ کی رحمت جس پر ہو جائے گی اسی کے لئے خیر ہوگی اور وہ صرف اہل ایمان کے لئے مخصوص ہے اس دن کوئی کافر کسی کافر کو نفع نہیں پہنچا سکتا ساری دوستیاں ختم ہو جائیں گی اہل ایمان میں سے جسے اور جس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی اس کو نفع پہنچ جائے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ
بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا' وہ پیٹوں میں ایسا کھولے گا جیسے گرم پانی کھولتا ہے اس کو پکڑو
فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
پھر اسے گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر گرم پانی کے عذاب سے ڈال دو' تو چکھ لے بے شک تو
الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾
معزز مکرم ہے۔ بیشک یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے

دوزخیوں کے لئے طرح طرح کا عذاب ہے
زقوم ان کا کھانا ہوگا' سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا

تفسیر: گذشتہ آیات میں منکرین قیامت کا انکار ذکر فرمایا پھر قیامت کا اثبات فرمایا قیامت قائم ہونے پر جو کافروں کی دوزخ میں بدحالی ہوگی ان آیات میں اس کو بیان فرمایا دوزخیوں کو جہنم میں سخت بھوک لگے گی اور وہ کھانے کے لئے طلب کریں گے انہیں کھانے کے لئے جو چیزیں دی جائیں گی ان میں سے زقوم کا درخت بھی ہوگا سورۃ صافات میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ درخت دوزخ کے درمیان میں سے نکلے گا اس کے گچھے ایسے ہوں جیسے سانپوں کے پھن ہوتے ہیں یہ بہت زیادہ کڑوا ہوگا جب ان کو کھانے کو دیا جائے گا تو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا (کسی بوتل وغیرہ میں ایک عرصہ تک تیل رکھا جائے اور تیل میں دوسری کسی چیز کے ذرات تیل کے گاڑھے حصے میں جم جائیں اسے تلچھٹ کہتے ہیں) زقوم دیکھنے میں بھی بہت زیادہ بدنما ہوگا اور مزے میں بھی بہت زیادہ برا ہوگا لیکن بھوک کی مجبوری میں دوزخیوں کو کھانا ہی پڑے گا وہ پیٹ میں پہنچ جائے گا تو وہاں جا کر تیز گرم پانی کی طرح کھولے گا اس سب کے باوجود پیٹ بھر کر کھائیں گے جیسا کہ سورۃ الواقعہ میں فرمایا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپک جائے تو دنیا والوں کی کھانے کی چیزوں کو بگاڑ کر رکھ دے اب غور کر لو کہ اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا زقوم ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ج۴ص۴۸۰)

اہل دوزخ کو دوزخ میں جو زقوم کھانے کو ملے گا وہ پیٹ میں جا کر گرم پانی کی طرح کھولے گا پھر اوپر سے ان کے سر پر گرم پانی ڈالنے کا حکم ہوگا یہ گرم پانی ڈالا جانا مستقل عذاب ہوگا یہاں فرمایا ہے ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ اور سورۂ حج میں فرمایا يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا جو کاٹ دے گا ان چیزوں کو جو ان کے پیٹوں میں ہوگی اور ان کے چمڑوں کو)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اسے پکڑ لو پھر دوزخ کے بیچ والے حصے میں گھسیٹ کر لے جاؤ پھر اس کے سر پر گرم پانی کا عذاب ڈال دو یعنی گرم پانی ڈال دو جو سراپا عذاب ہے۔

قال القرطبی والعتل أن تأخذ بتلا بيب الرجل فتعتله أى تجرهٔ اليک لتذهب به الى حبس أو بلية. عتلت الرجل اعتله و أعتلهٗ عتلاً اذا جذبته جذبا عنيفا. (علامہ قرطبی کہتے ہیں عُتُل کا معنی یہ ہے کہ تو کسی آدمی کو اس کے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچے تا کہ اسے جیل میں یا آزمائش میں لے جائے، عتلت الرجل أعتلهٗ و أعتُله عتلاً جب تو اسے سختی کے ساتھ کھینچے)

دنیا کی بڑائی کا انجام

دوزخی وہاں ایسے عذاب میں مبتلا ہوگا حالانکہ دنیا میں بڑا عزت والا سمجھا جاتا تھا اس کا بڑا نام تھا اور شہرت تھی بادشاہ تھا صدر تھا یا وزیر تھا بڑے بڑے القاب تھے وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتا تھا دوزخ میں سخت عذاب کی وجہ سے اس کا برا حال ہوگا اس کی دنیا والی حالت یاد دلانے کے لئے (جس کو بہت بڑی کامیابی سمجھتا تھا) کہا جائے گا ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ تو یہ عذاب چکھ لے دنیا میں تو بڑی عزت والا اور بڑے اکرام والا سمجھا جاتا تھا یہ چند دن کی بڑائی اور چہل پہل پر جو لوگ جان اور دل سے فدا ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (اہل دوزخ سے یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

بلاشبہ متقی لوگ امن والی جگہ میں ہوں گے، باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے، وہ سندس اور استبرق کا لباس پہنے ہوں گے

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، یہ بات اسی طرح سے ہے، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے وہ لوگ اس میں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگائیں گے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا

پہلی موت جو انہیں دنیا میں آ چکی تھی اس کے سوا موت کو نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا، جو آپ کے

مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

رب کی طرف سے فضل ہوگا یہ بڑی کامیابی ہے

متقیوں کے انعامات' باغ اور چشمے' لباس اور ازواج' ہر قسم کے پھل اور حیات ابدی

تفسیر: دوزخیوں کے عذاب بتانے کے بعد اہل جنت کے بعض انعامات ذکر فرمائے۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ متقی لوگ امن وامان کی جگہ میں ہوں گے یعنی جنت ایسی جگہ ہے کہ جہاں کسی قسم کا خوف وہراس' بے اطمینانی' بے چینی نہیں ہوگی اور ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے انہیں کبھی خوف یا غم نہ ہوگا نہ وہاں سے نکالے جانے کا خطرہ ہوگا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ یہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہونگے ثالثاً یہ فرمایا کہ سندس اور استبرق کا لباس پہنے گے سندس باریک ریشم کو اور استبرق موٹے ریشم کو کہتے ہیں رابعاً یہ فرمایا کہ آپس میں مقابل ہوکر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے گے مفسرین نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے **لا یری بعضھم قفا بعض** یعنی اس ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کہ کسی کی پشت کسی طرف نہ ہوگی خامساً یہ فرمایا کہ ہم حورعین سے ان کا نکاح کردیں گے لفظ حور' حورا کی جمع ہے (اگرچہ اردو استعمال میں حور کو مفرد سمجھا جاتا ہے حوراء گورے رنگ کی عورت کو کہتے ہیں جس کا رنگ خوب آنکھوں میں بچ رہا ہو اور اچھا لگ رہا ہو اور عین عیناء کی جمع ہے اس کا معنی ہے بڑی آنکھوں والی عورت' اللہ تعالیٰ حورعین کو اہل جنت کے نکاح میں دے دیں گے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان اور زمین کے درمیان کو روشن کردے اور ان دونوں کے درمیان کو خوشبوؤں سے بھردے اور فرمایا کہ یہ واقعی بات ہے کہ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ہر جنتی کی (کم از کم[1]) دو بیویاں ہوگی ان میں سے ہر ایک ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی اس کی پنڈلی کا گودا باہر سے نظر آئے گا (رواہ الترمذی)

سادساً یہ فرمایا کہ اہل جنت ہر قسم کے میوے طلب کریں گے سابعاً یوں فرمایا کہ وہاں انہیں کبھی بھی موت نہیں آئے گی دنیا میں جو موت آگئی تھی اس کے بعد اور کسی موت پر خطرہ نہ ہوگا ثامناً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دوزخ سے بچالے گا عذاب دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل فرمانا یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا (اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایمان پر اور اعمال صالحہ پر جنت دینے کا اور دوزخ سے محفوظ فرمانے کا وعدہ فرمالیا ہے۔

آخر میں فرمایا ہے ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ جو کچھ مذکور ہوا بڑی کامیابی ہے اس میں اہل دنیا کو تنبیہ ہے کہ تم جس چیز کو کامیابی سمجھ رہے ہو وہ فانی چیزیں ہیں جنت کی طرف رخ کرو اور اس کے اعمال میں لگو وہاں جو ملے گا وہ بڑی کامیابی ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

سو بات یہی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کردیا تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں سو آپ انتظار کیجئے' بلاشبہ وہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ ہر جنتی کیلئے کم از کم دو بیویاں ہوں گی۔

ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے
آپ انتظار کریں' یہ لوگ بھی منتظر ہیں

تفسیر: یہ سورۃ الدخان کی آخری دو آیتیں ہیں یہ سورت قرآن کریم کی قسم کھانے اور مبارک رات میں نازل فرمانے کے ذکر سے شروع ہوئی تھی آخری سورت میں پھر قرآن کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے آپ کی زبان عربی ہے یہ بھی عربی ہے آپ اسے پڑھیں اور ان کے سامنے بیان کریں تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں نیز یہ فرمایا کہ آپ انتظار فرمائیں یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں یعنی اگر یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے اور اس انتظار میں ہیں کہ آپ کو تکلیف پہنچ جائے تو آپ سمجھ لیں ان کے انتظار اور آرزو سے کچھ ہونے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا جیسا کہ سورۃ الطور میں فرمایا اَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُونِ قُلْ تَرَبَّصُوا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ (بلکہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم اس کے بارے میں موت کے حادثہ کا انتظار کر رہے ہیں آپ فرما دیجئے تم انتظار کرو سو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

وھذا آخر ما وفق اللّٰہ تعالیٰ فی تفسیر سورۃ الدخان والحمد للّٰہ الرحمن المنان، والصلوٰۃ والسلام الاتمان الا کملان علی سید ولد عدنان، وخیر الانس والجان، وعلی اٰلہ وصحبہٖ أصحاب العلوم والعرفان، ومن تبعھم باحسان اِلیٰ اَن یتنا وبَ الملوان ویتعاقب النیران. (وکان ذلک فی الیوم الرابع من الشھر الثالث من ۱۴۱۸ھ)

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الجاثیہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں سینتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

حٰمٓ ۝ اتارنا ہے کتاب کا اللہ کی طرف سے جو عزیز ہے حکیم ہے بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں نشانیاں ہیں مومنین کے لئے

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ

اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے اللہ تعالیٰ پھیلاتا ہے ان کے پیدا کرنے میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں اور رات اور دن کے آگے پیچھے

اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ

آنے میں اور جو رزق اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ فرمادیا اور ہواؤں کے پھیرنے میں نشانیاں

يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں سو یہ لوگ اللہ کے اور اس کی آیات کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے

یہ کتاب عزیز وحکیم کی طرف سے ہے، آسمان اور زمین، انسان کی تخلیق، لیل ونہار کے اختلاف اور بارش کے نزول میں معرفت الٰہیہ کی نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ عزیز بھی ہے حکیم بھی ہے اس کے بعد توحید کی نشانیاں بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اہل ایمان ان کو دیکھتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے زمین میں پھیلا رکھے ہیں ان سب میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں اور دلائل ہیں جو لوگ یقین رکھتے ہیں اس طرح رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو آسمانوں سے رزق نازل فرمایا یعنی بارش جس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرمایا یعنی اس کی خشکی کو دور فرما کر اس میں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اور سبزیاں پیدا فرمادی اور ہوا کو بھیج کر جو مختلف کاموں میں لگایا جو کبھی پورب کو جاتی ہیں اور کبھی پچھم کو کبھی گرم ہیں، کبھی ٹھنڈی، کبھی نفع دینے والی ہے، کبھی ضرر

پہنچانے والی ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں عقل والے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ سب امور قادر مطلق جل شانہٗ کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آیات جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچتی ہیں یہ آپ کو فرشتہ سناتا ہے پھر آپ کے ذریعے آپ کے مخاطبین کو پہنچتی ہیں لیکن یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ان آیات کو سننے کے بعد ان کو کیا انتظار ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سامنے آگئے۔ اس کی آیات جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچیں آپ سے ان لوگوں نے سنیں ان پر وہ ایمان نہیں لائے اس سب کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ

بڑی خرابی ہے ہر جھوٹے کے لئے جو نافرمان ہے اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں۔ پھر وہ تکبر کرتے ہوئے اصرار کرتا ہے گویا کہ اس نے اُن کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا اِتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹﴾ ۭ

آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کو جان لیتا ہے تو ان کا مذاق بناتا ہے ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے

مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ

ان کے آگے دوزخ ہے انہوں نے دنیا میں جو کچھ کمایا اور اللہ کے سوا انہوں نے جو کارساز بنائے ان میں سے انہیں کوئی بھی کچھ نفع نہیں دے گا اور ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ ۧ

بڑا عذاب ہے یہ ایک بڑی ہدایت ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے عذاب ہے سختی والا دردناک۔

ہر جھوٹے، گناہگار اور متکبر اور منکر کے لئے عذاب الیم ہے

تفسیر: قریش مکہ میں جو لوگ ایمان نہیں لائے ان میں بعض لوگ کفر و شرک کے سرغنہ بنے ہوئے تھے جو اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی قبول نہیں کرنے دیتے تھے ان میں سے ابوجہل بھی تھا اور نضر بن حارث تھا، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی یہ عجمیوں کی باتیں (قصے کہانیاں) خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سناتا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جائیں اور قرآن شریف نہ سنیں۔ جس کا کچھ بیان سورۂ لقمان کے پہلے رکوع میں آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے ذیل میں گزر چکا ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ شان نزول خواہ کسی ایک شخص کے بارے میں ہو لیکن الفاظ کا عموم ہر اس شخص کو شامل ہے جو اپنے عمل اور کردار سے آیت کے مفہوم کا مصداق ہو ارشاد فرمایا کہ ہر اَفَّاكٍ یعنی خوب جھوٹ بولنے والے اور ہر اَثِيْمٍ یعنی بڑے گنہگار کے لئے ویل ہے یعنی خرابی اور بربادی اور ہلاکت ہے (جس شخص کے بارے میں آیت نازل ہوئی وہ چونکہ بہت جھوٹا اور بہت بڑا گنہگار تھا اس لئے یہ دونوں لفظ لائے گئے اسکا یہ معنی نہیں ہے کہ تھوڑا جھوٹ اور تھوڑے گناہ جائز ہیں)

اس بڑے جھوٹے اور بڑے گنہگار کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا یَسۡمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰی عَلَیۡهِ (یہ اللہ کی آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں) ثُمَّ یُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا پھر وہ اپنے کفر پر اور شرارت پر اور گنہگاری پر اصرار کرتا ہے اس کا یہ اصرار تکبر کرنے کی حالت میں ہے كَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡهَا (وہ تکبر کرتے ہوئے اس طرح بے رخی اختیار کر لیتا ہے کہ گویا اس نے اللہ کی آیات کو سنا ہی نہیں) فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں) یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں بڑا ہوں سردار بنا ہوا ہوں ہمیشہ اسی حال میں رہوں گا یہ دنیا فانی ہے تھوڑی سی ہے مرنا بھی ہے، موت کے بعد اللہ کے رسولؐ اور کتاب کو جھٹلانے والے دردناک عذاب میں داخل ہوں گے۔

اَفَّاكٍ اور اَثِیۡمٍ (جس کا ذکر اوپر ہوا) اس کی مزید بے ہودگی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا شَیۡئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا (یعنی ہماری آیات میں سے کوئی آیت اس کے پاس پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کا مذاق بناتا ہے یعنی تمسخر کرتا ہے) اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ (ان کے آگے دوزخ ہے اپنے شرک کی وجہ سے اس میں داخل ہوں گے) وَلَا یُغۡنِیۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَیۡئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِیَآءَ اور انہوں نے جو بھی کچھ کمایا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور اللہ کے سوا جو انہوں نے اپنے خیال میں اولیاء یعنی کارساز بنا رکھے تھے وہ بھی کچھ نفع نہ دیں گے وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)

هٰذَا هُدًی (یہ قرآن سراپا ہدایت ہے اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا لازم ہے) مذکورہ صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے تینوں طرح کا عذاب بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ (الایۃ) اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب کا بڑا حصہ ہوگا جو دردناک ہوگا وہاں کا عذاب الیم بھی ہے یعنی دردناک اور مُهِیۡنٌ ہے یعنی ذلیل کرنے والا اور عظیم یعنی بڑا بھی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡكُ فِیۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ
اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل سے تلاش کرو اور تا کہ تم
تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ
شکر کرو، اور جو چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر بنا دیا بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے
یَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾
جو فکر کرتے ہیں۔

تسخیر بحر اور تسخیر مافی السمٰوٰت والارض میں فکر کرنیوالوں کیلئے نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور دلائل توحید بیان فرماتے ہیں۔

اولاً سمندر کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر فرما دیا یعنی تمہاری ضرورتوں میں کام آنے والا بنا دیا اس تسخیر کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں ان کشتیوں میں سفر کرتے ہو اور ایک جگہ سے دوسری

جگہ سامان بھی لے جاتے ہو اور اللہ کا فضل بھی تلاش کرتے ہو تجارت کے ذریعے فائدہ اٹھاتے ہو سمندر میں غوطے مارتے ہو موتی نکالتے ہو شکار پکڑتے ہو یہ سب اللہ کا فضل ہے تمہیں چاہئے کہ اللہ کا شکر ادا کرو' ثانیاً یہ فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں اللہ نے ان کو تمہارے کام میں لگا دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں آنے والا بنا دیا' یہ چیزیں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے مسخر ہیں اللہ کی مشیت اور ارادہ کے مطابق تمہارے منافع کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں بعض منافع آخرت سے متعلق ہیں اور بعض دنیا سے متعلق ہیں آخر میں فرمایا کہ یہ جو سب کچھ مذکور ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے (جو لوگ فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کرتے ہیں)

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے ایام کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ہر قوم کو اس کی جزا دے جو کماتے ہیں'

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو شخص نیک کام کرے سو وہ اسی کی جان کے لئے ہے اور جو شخص کوئی برا کام کرے اس کا وبال اسی کے نفس پر ہے' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

آپ اہل ایمان سے فرمادیں کہ منکرین سے درگزر کریں' ہر شخص کا نیک عمل اسی کے لئے ہے' اور برے عمل کا وبال بھی عمل کرنے والے پر ہے

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یَغْفِرُوْا جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے تقدیر عبارت یوں ہے قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اغفروا یَغْفِرُوْا یعنی آپ اپنے ایمان والوں سے فرمادیں کہ درگزر کرو وہ اس پر عمل کرتے ہوئے ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دِنوں کی امید نہیں کرتے یعنی کافر لوگ جنہیں اس خیال کا نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنوں کو پلٹ دیتا ہے ہمیشہ یکساں زمانہ نہیں رہتا وہ دشمنوں سے انتقام لے لیتا ہے' صاحب روح المعانی نے اس کی دوسری تفسیر حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے یوں نقل کی ہے کہ ان لوگوں سے درگزر فرمائیں جنہیں ان اوقات کی امید نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ثواب دینے کے لئے مقرر فرمائے ہیں جن میں مومنین کو کامیابی حاصل ہوگی یعنی وہ لوگ آخرت کو مانتے ہی نہیں ان سے درگزر کریں' پھر بعض علماء کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ یہ آیت قتال کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ نسخ نہیں ہوا بلکہ چھوٹی چھوٹی باتیں جو دشمنوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں جن سے ایذاء پہنچتی ہے یا وحشت ہوتی ہے ان باتوں سے درگزر کرنا مراد ہے۔

لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (یعنی آپ ایمان والوں کو درگزر کرنے کا حکم دیں وہ درگزر کریں' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی انہیں جزا دے گا اور کافروں کے عمل کی کافروں کو سزا دے گا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (جو شخص نیک عمل کرے سو وہ اسی کے جان کے لئے ہے) وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا اور جس نے برے کام کئے ان کا وبال اسی پر ہوگا) ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اہل ایمان کو ایمان کا اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا ثواب ملے گا اور ان کے مخالفین کافرین اور مشرکین اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم عطا کیا اور نبوت دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور جہانوں پر فضیلت دی

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

اور ہم نے دین کے بارے میں انہیں کھلی کھلی دلیلیں عطا کیں، سو انہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضدا ضدی

بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾

کی وجہ سے، بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔

بنی اسرائیل پر طرح طرح کے انعامات' کتاب حکم اور نبوت سے سرفراز فرمانا' طیبات کا عطیہ اور جہانوں پر فضیلت

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم دیا......... بعض حضرات نے حکم کا ترجمہ فقہ فی الدین کیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے حکمتیں مراد لی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت بھی دی یعنی ان میں کثرت سے نبی بھیجے سورۂ مائدہ میں فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں)

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں دیں) یعنی عمدہ اور حلال اور لذت والی چیزیں عطا فرمائیں وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (اور ہم نے انہیں جہانوں پر فضیلت دی یعنی ان کے زمانہ میں جو لوگ تھے بنی اسرائیل کو ان پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ (اور ہم نے انہیں دین کے بارے میں کھلے ہوئے واضح دلائل عطا فرمائے) جن میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی تھے صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی نشانیاں مراد ہیں یہودیوں کو آپ کی بعثت کی نشانیاں معلوم تھیں لیکن جب آپ تشریف لائے تو یہ لوگ یہ جانتے ہوئے آپ کی بعثت اور رسالت کا یقین ہوتے ہوئے منکر ہو گئے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں اس کا انکار کر بیٹھے)

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (سو انہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضدا ضدی کی وجہ سے)

بَغْیًا کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے اختلافات میں لگ گئے دلائل واضح سامنے ہوتے ہوئے حق سے منہ موڑا اور ریاست اور چوہدراہٹ کی وجہ سے اختلافات میں پڑ گئے اور ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر حسد کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا پہلے تو آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے تو کہنے لگے کہ عرب میں سے کیسے کوئی شخص نبی ہو سکتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ تم میں سے ہمیشہ نبی آتا رہے گا ان میں سے صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے اور آج تک اسلام اور مسلمانوں کیخلاف ان کی سرگرمیاں جاری ہیں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے دنیاوی ریاست اور چوہدراہٹ کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے بغاوت کی اور انبیاء کرام کو قتل کر دیا یہی حال آپ کے زمانہ کے مشرکین کا ہے ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آ گئی ہیں لیکن دنیاوی ریاست کے چلے جانے کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کرتے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے)۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٨ اِنَّهُمْ لَنْ

پھر ہم نے آپ کو ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اس کا اتباع کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے جو نہیں جانتے' بلاشبہ وہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں

يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝١٩ هٰذَا

آپ کو کچھ نفع نہیں دے سکتے اور بے شک ظلم کرنے والے ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور اللہ متقیوں کا دوست ہے یہ قرآن

بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝٢٠

لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

ہم نے آپکو مستقل شریعت دی ہے' کفار آپ کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے' وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اور اللہ متقیوں کا ولی ہے

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے بعد ہم نے آپ کو ایک شریعت دی ہے جو دین سے متعلق ہے (قال القرطبی ای علی منهاج واضح من امر الدین یشرع بک من الحق) (علامہ قرطبی فرماتے ہیں یعنی آپ کو دین حق کی جو شریعت (قانون) دی ہے اس کے واضح راستہ پر (چلتے رہیں) سو آپ اس کا اتباع کریں اور ان لوگوں کا اتباع نہ کریں جو نہیں جانتے یعنی قریش مکہ جو آپ کا دین قبول کرنے کے بجائے اپنے باپ دادوں کا دین قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں ان کا اتباع نہ کیجئے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے یعنی اگر آپ نے ان کے دین کا اتباع کر لیا اور اس پر اللہ کی طرف سے گرفت ہو گئی تو یہ لوگ ذرا بھی آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (ظالم لوگ یعنی کفار مشرکین اور منافقین اور یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے

دوست ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی نیت رکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (اور اللہ متقیوں کا ولی ہے وہ دنیا میں بھی ان کی مدد فرماتا ہے اور آخرت میں بھی مدد فرمائے گا۔

تیسری آیت میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا ذریعہ ہے اس میں غور کریں تو بصیرت کی باتیں پائیں گے۔ مزید فرمایا کہ قرآن ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ

جن لوگوں نے برے کام کئے کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے کہ ان کا مرنا

وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ

اور جینا برابر ہو جائے' یہ برا فیصلہ کرتے ہیں' اور اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ اور تا کہ ہر جان کو

بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اس کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے' اور ان لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

کیا گناہگار یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے برابر کر دیں گے

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں اہل باطل کے اس گمان کی تردید فرمائی کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے ہم سے بڑھ کر درجہ والے نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہمیں مال دیا ہے آخرت میں بھی ہمیں نعمتیں دی جائیں گی جیسا کہ سورۂ حٰم سجدہ میں بعض لوگوں کا قول نقل کیا ہے وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (اور اگر میں اپنے رب کی طرف واپس کر دیا گیا تو بلاشبہ میرے لئے اچھی حالت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجرمین کفار مشرکین یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کا یہ خیال غلط ہے یہ بات نہیں ہے کہ ہم دونوں فریق کی زندگی اور موت کو برابر کر دیں گے دنیا میں مومنین کی زندگی اور ہے وہ فرمانبردار ہیں اور موحد ہیں اللہ کے دین پر ہیں اگر چہ مال نہ ہو اور کافر منکر ہیں اپنے خالق کے باغی اور نافرمان ہیں پھر موت کے بعد مومن کو نعمتیں ملیں گی جنت میں داخل ہوں گے اور کافر عذاب میں مبتلا ہوں گے' دوزخ میں جائیں گے لہٰذا نہ دونوں کی زندگی برابر ہے اور نہ دونوں کی موت برابر۔ مومن دنیا میں بھی کافر سے بہتر ہے اور آخرت میں بھی کافر سے بہتر ہوگا کافروں کا یہ خیال کرنا کہ موت کے بعد بھی ہم مومنین سے اچھی حالت میں رہیں گے یہ ان کی جہالت کی بات ہے جھوٹا اور غلط خیال ہے اسی کو فرمایا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں) قال صاحب الروح قولهٗ عزوجل سَوَاءً بدل من الکاف بناء علی انها بمعنی مثل و قوله تعالیٰ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ فاعل سواء اجری مجری مستو کما قالو مررت برجل سواء هو والعدم اھ۔

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں سواءً بدل ہے کاف سے اس بنیاد پر کہ کاف مثل کے معنی میں ہے۔ اور مَحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ، سَوَاءً کا فاعل ہے جو کہ مُستو کا قائم مقام ہے جیسا کہ کہتے ہیں مررت برجل سواء ھو والعدم میں ایسے آدمی کے پاس سے گذرا کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے) (دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو حق (یعنی حکمت) کیساتھ پیدا فرمایا اور اس لئے پیدا فرمایا کہ انہیں دیکھنے والے یہ سمجھ لیں کہ ہر نفس کو اس کے اپنے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو دیکھنے والے پیدا کرنیوالے کی قدرت کاملہ پر استدلال کریں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جس ذات پاک نے ان کو پیدا فرمایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ فرما دے حساب کتاب کے لئے حاضر کر دے اور ان کے اعمال کی جزا سزا دیدے سورۃ الاحقاف میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے (کیوں نہیں بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

وقوله تعالیٰ لتجزیٰ کل نفسٍ بما کسبت معطوف علی لفظة بالحق ای خلقها لیدل سبحانه و تعالیٰ بها علی قدرته ولیعلم الناس أنه تعالیٰ یجزی کل نفس بما کسبت فان الخالق جل مجده لم یخلق السمٰوٰت والارض عبثا بلا حکمةٍ ولا الانس والجان عبثاً بل خلقهم لیجزیهم باعمالهم قال تعالیٰ افحسبتم انما خَلَقْنَا کُمْ عَبَثاً وَانَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْن۔

(لِتُجْزیٰ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ، بِالْحَقِّ کے لفظ پر معطوف ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی قدرت کی دلیل دے اور تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو بے فائدہ اور بے حکمت پیدا نہیں فرمایا اور نہ انسان وجن بے کار پیدا ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا تا کہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے افحسبتم انما خلقنا کم عَبَثاً وَاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَاتُرْجَعُوْنَ)

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی

عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا

آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سو کون ہے جو اللہ کے بعد اس شخص کو ہدایت دے گا کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور ان لوگوں نے کہا کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری

الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

دنیا والی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ اور انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں یہ لوگ صرف گمان کرتے ہیں

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب ان کے اوپر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی حجت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ اگر تم سچے ہو'

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں زندگی بخشتا ہے پھر موت دیتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں اور لیکن بہت سے لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

نہیں جانتے۔

اے مخاطب کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا

تفسیر: ان آیات میں مشرکین کی گمراہی بتائی کہ وہ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی خواہش ہی کو معبود بنا رکھا ہے جس کی عبادت کرنے کو جی چاہتا ہے اسی کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں کبھی اس پتھر کے سامنے جھکے عاجزی کر رہے ہیں کبھی اس پتھر کو سجدہ کئے ہوئے نظر آتے ہیں' علامہ قرطبی نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ عرب کے مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ کسی پتھر کو پوجنے لگتے تھے پھر جب اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تھا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے تھے اور دوسرے پتھر کو پوجنے لگتے تھے یعنی ان کا معبود ان کی نفس کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا۔

آیت کا دوسرا معنی مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے انہیں دیکھا جو اپنے نفس کے پابند ہیں؟ انہیں ہدایت سے کوئی محبت نہیں اور گمراہی سے کوئی نفرت نہیں جو نفس چاہتا ہے وہی کہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں یہ تفسیر پہلے مفہوم کو بھی شامل ہے عربی میں ھَوٰی خواہش نفس کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جتنی جگہ بھی ھَوٰی کا ذکر ہے مذمت کے ساتھ ہی ہے سورۃ القصص میں فرمایا وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کا اتباع کیا)

اتباع ھَوٰی کے بارے میں ضروری تنبیہ

جیسا کہ نفس کی خواہش کفر پر جما کر رکھتی ہے اور اسلام قبول کرنے سے باز رکھتی ہے اسی طرح بہت سے مدعیان اسلام بھی نفس کے پابند ہونے کی وجہ سے بڑھ چڑھ کر گناہ کرتے ہیں جو نفس کی خواہش ہوتی ہے وہی کرتے ہیں نمازیں بھی چھوڑتے ہیں' زکوتیں بھی حساب کر کے نہیں دیتے حرام مال بھی کماتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں دشمنوں کی طرح شکل و صورت بناتے ہیں اور ان کے جیسا لباس پہنتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں کے مرتکب رہتے ہیں اتباع ھَوٰی یعنی نفس

کی خواہش پر چلنا برباد کر دینے والی چیز ہے اور نفس کی مخالف کرنا کامیابی کا راستہ ہے سورۃ النازعات میں فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى (اور لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے)

مومن بندہ پر لازم ہے کہ نفس کی خواہشوں سے خبردار رہے جائز اور حلال خواہش پوری کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر نفس کی ہر خواہش پورا کرنے کے پیچھے پڑا تو نفس تباہ کر کے چھوڑے گا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہوشیار وہ ہے کہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو کرے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھتا رہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں نجات دینے والی یہ چیزیں ہیں۔

۱۔ پوشیدہ اور ظاہر طریقے پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا

۲۔ رضامندی اور ناراضگی میں حق بولنا

۳۔ مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی یہ ہیں۔

۱۔ نفس کی خواہش جس کا اتباع کیا جائے

۲۔ کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے۔

۳۔ انسان کا اپنے نفس پر اترانا اور یہ ان میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

مومن پر لازم ہے کہ اپنے نفس کی خواہشوں کو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے تابع کر دے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) (البتہ اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے نفس کو دبانا پڑتا ہے اور اسے خیر کے لئے آمادہ کرنا پڑتا ہے۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اور اسے اللہ نے علم والا ہوتے ہوئے گمراہ کر دیا) وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً یہ تینوں جملے پہلے جملہ پر معطوف ہیں چاروں جملوں کا ترجمہ یوں ہوا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ فرما دیا اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (سو اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے گا) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) درحقیقت نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنا انسان کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے اتباع ھویٰ کرتے کرتے اور جی چاہی زندگی پر چلتے چلتے قبول حق کی استعداد ختم ہو جاتی ہے پھر علم بھی کام نہیں دیتا جانتے اور سمجھتے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتا کان بھی حق سننے کو تیار نہیں اور دل بھی قبول نہیں کرتا اور آنکھوں پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے اتنی دور کی گمراہی میں پڑ جانے کے بعد ہدایت پر آنے کی کوئی بھی امید نہیں رہتی۔

قولہٗ تعالیٰ: علیٰ عِلْمٍ یجوز ان یکون حالا من الفاعل ای اضله الله عالما بانه من اهل الضلال

فی سابق علمہ، ویجوز ان یکون حالا من المفعول أی أضلہ عالما بطریق الھدی.

(”عَلٰی عِلْمٍ“ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فاعل سے حال ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اپنے ازلی علم سے یہ جانتے ہوئے کہ یہ گمراہوں میں سے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مفعول سے حال ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں یہ ہدایت کا راستہ جانتا تھا۔ ”فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ بعض نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسے کون ہدایت دے سکتا ہے)

وقولہ تعالیٰ: فمن یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ أی من بعد اضلال اللّٰہ ایاہ وقیل معناہ فمن یھدیہ غیر اللّٰہ.

دہریوں کی جاہلانہ باتیں اور ان سے ضروری سوال

اس کے بعد مشرکین کے انکار قیامت کے کا تذکرہ فرمایا وَقَالُوْا مَا ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا ان لوگوں نے کہا کہ جس کا نام زندگی ہے وہ ہماری اس دنیا والی زندگی کے سوا کچھ نہیں ہے ہمیں ایک ہی بار یہ زندگی ملی ہے مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا نہیں نَمُوْتُ وَنَحْیَا موت وحیات کا یہ سلسلہ جاری ہے ہم مر جائیں گے اور ہماری اولاد اس دنیا میں پیچھے زندہ رہ جائے گی پھر وہ بھی مر جائیں گے اور ان کی اولاد زندہ رہ جائے گی یہ قیامت کا آنا اور حساب کتاب ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا وَمَا یُھْلِکُنَآ اِلَّا الدَّھْرُ اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ عموماً منکرینِ اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ زمانہ ہی سب کچھ کرتا ہے دنیا میں آتے ہیں مر جاتے ہیں قیامت اور حساب کتاب کچھ نہیں ان میں بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بھی قائل ہیں لیکن موت اور حیات اور انقلابات اور حوادث اور مصائب کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ زمانہ نے ایسا کیا اور زمانہ کو جو برا کہتے ہیں یہ برا کہنا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے کیونکہ سب کچھ حوادث اور انقلابات اسی کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں اور زمانہ خود اسی کی مخلوق ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے اور ہر نشیب و فراز کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ عالم کی ابتداء کے قائل ہیں اور نہ انتہاء کے، ان کو عرف عام میں دہریہ کہا جاتا ہے ان لوگوں سے اگر بات کی جائے کہ زمانہ تو رات دن گزرنے کا نام ہے اس میں کوئی تاثیر نہیں پھر زمانہ میں تو خود تغیرات ہیں وہ فاعل مختار کیسے ہوسکتا ہے اور یہ جو مخلوق کی انواع و اقسام ہیں اور آپس میں امتیازات ہیں انسانوں میں قلب ہے اور جوارح ہیں، اور درخت ہیں ان کے پھل مختلف ہیں مزے مختلف ہیں، جانور کی صورتیں اور ان کے اعمال مختلف ہیں اور اس طرح کے ہزاروں امتیازات ہیں یہ صرف رات دن کے گزرنے سے وجود میں آگئے، آم کا پھل بڑا اور جامن کا پھل چھوٹا کیوں ہے کھجور کا تنا لمبا کیوں ہے اس کے پھل چھوٹے کیوں ہیں بڑے بڑے سمندروں کا پانی شور کیوں کرتا ہے میٹھا کیوں نہیں ہوتا، کسی کے اولاد ہوتی ہی نہیں کسی کے صرف لڑکے ہوتے ہیں کسی کے صرف لڑکیاں ہوتی ہیں تو ان سب باتوں کے جواب سے دہریہ عاجز رہ جاتے ہیں۔

وَمَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ (اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے) اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (بس اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) ان لوگوں کی ان باتوں کی وجہ سے قیامت رک نہ جائے گی، وہ ضرور واقع ہوگی جو اس کے منکروں کے لئے عذاب شدید کا باعث بنے گی۔

منکرین قیامت کی حجت بازی

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اور جب ان کے اوپر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت واقع ہونے کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اور اس کا امکان اور وقوع کے دلائل دیئے جاتے ہیں تو اصلی دلیل سے عاجز ہو کر کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت آنے کی جو خبر دے رہے ہو اگر تمہارا یہ خبر دینا سچ ہے تو ہمارے باپ دادوں کو سامنے لے آؤ جنہیں مرے ہوئے زمانہ دراز گزر چکا ہے اگر وہ لوگ زندہ ہو کر سامنے آجائیں تو ایک تو ہمیں موت کے بعد زندہ ہونے کا یقین آجائے گا دوسرے ہم ان سے پوچھ لیں گے کہ موت کے بعد کیا کیا ہوا اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں زندگی دیتا ہے یعنی بے جان نطفہ سے پیدا فرماتا ہے) ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ (پھر تمہیں موت دے گا) ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں یعنی تم مانو یا نہ مانو ایسا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو تمہارے کہنے کے مطابق تمہارے باپ دادوں کو زندہ فرمائے' اس نے وقوع قیامت کی خبر دیدی امکان اور وقوع کے دلائل بیان فرما دیئے سب پر حجت پوری ہو گئی وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اور ہدایت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نبیوں نے جو وقوع قیامت کی خبر دی ہے وہ سچ ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى

اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا' اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل والے خسارہ میں پڑ جائیں گے' اور اے مخاطب تو

كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

ہر امت کو دیکھے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی' ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائیگی' آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے' یہ ہماری کتاب

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہے جو تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے' بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے' سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ

ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے' اور جن لوگوں نے کفر کیا کیا تمہارے پاس میری

تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

آیات نہیں آئیں جو تم پر پڑھی جاتی تھیں؟ سو تم نے تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے' اور جب کہا گیا کہ بے شک اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ

حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم نے کہا ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے' ہم تو بس یوں ہی خیال کرتے ہیں اور ہم

بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ

یقین کرنے والے نہیں ہیں' اور جو عمل انہوں نے کئے تھے ان کے برے نتیجے ظاہر ہو گئے اور جس چیز کی وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہو گئی' اور کہہ دیا جائے گا

اَلْیَوْمَ نَنْسٰکُمْ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا وَمَاْوٰکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِکُمْ
کہ آج ہم تمہیں بھولتے ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہیں یہ اس وجہ سے ہے
بِاَنَّکُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ھُزُوًا وَّغَرَّتْکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا ھُمْ
کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق کی چیز بنالیا اور دنیا والی زندگی نے تمہیں دھوکہ دیا سو آج وہ اس میں سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ
یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْکِبْرِیَآءُ فِی
راضی کرلو سو اللہ ہی کے لئے ہے سب تعریف جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمینوں کا اور رب ہے سارے جہانوں کا اور اسی کے لئے بڑائی ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۳۷﴾
آسمانوں میں اور زمین میں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے۔

قیامت کے دن اہل باطل خسارہ میں ہوں گے ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی اور اپنی اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی اہل ایمان رحمت میں اور اہل کفر عذاب میں ہونگے

تفسیر: یہ سورۃ الجاثیہ کے آخری رکوع کی آیات ہیں اول تو یہ فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا ملک صرف اللہ ہی کے لئے ہے اسی نے سب کچھ پیدا فرمایا وہی خالق ہے اور مالک ہے اور باشادہ ہے ملک اور ملکوت سب اسی کا ہے پھر آخری دو آیتوں میں بھی اس مضمون کو دہرایا ہے درمیان میں قیامت کے احوال واہوال بیان فرمائے اور مومنین اور کافرین میں جو قیامت کے دن امتیاز ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا اور مجرمین سے جو گفتگو ہوگی اس کو بتایا۔

ارشاد فرمایا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی باطل والے یعنی مجرمین، منکرین، مشرکین، اور کافرین نقصان میں پڑ جائیں گے) ان لوگوں نے دنیا میں بہت کچھ کمایا مال حاصل کیا، جاہ اور شہرت کے لئے کوششیں کیں اپنی دنیاوی اغراض کے لئے حضرت انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور اس انداز سے زندگی گزاری جیسے ہمیشہ اسی دنیا میں رہیں گے، جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو تنہا ہوں گے نہ اولاد ہوگی نہ اصحاب ہوں گے نہ احباب ہوں گے جو جرم کئے تھے ان کی سزا ملے گی جو کچھ کمایا تھا وہ دنیا میں دھرا رہ گیا اب جرم ہی جرم ہے خسارہ ہی خسارہ ہے بربادی ہی بربادی ہے۔

وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً (اور جو بھی امتیں دنیا میں گزریں ان میں سے ہر امت گھٹنوں کے بل پڑی ہوئی ہوگی یعنی ہر شخص خائف اور پریشان ہوکر مذکورہ صورت اور حالت میں ہوگا یہ جاثیہ کا لفظی ترجمہ ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جاثیہ یعنی مُجْتَمِعَة ہے یعنی سب امتیں جمع ہوں گی۔

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا (ہر امت کو اس کی کتاب یعنی اعمالنامے کی طرف بلایا جائے گا جو پہلے سے فرشتوں نے لکھ رکھے ہوں گے) یہ بلانا ہر ایک کا اعمالنامہ ہاتھ میں دینے کے لئے ہوگا جس کے بعد حساب کتاب شروع ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے مزید ارشاد ہوگا هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ (یہ ہماری کتاب ہے (یعنی تمہارے اعمالنامے ہیں) جو تمہارے اعمال کے بارے میں بالکل صحیح گواہی دے رہے ہیں اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو تم کرتے تھے) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور تھے بندوں کے اعمال لکھنا ان کے سپرد تھا یہ انہیں کے لکھے ہوئے اعمالنامے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔

فائدہ:۔لفظ جاثیہ کا ترجمہ اگر مُجْتَمِعَة ہو تو اس میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اور اگر یہ معنی لئے جائیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوزانوں بیٹھے ہوں گے تو اس پر بھی کوئی اشکال نہیں اگر یہ معنی لئے جائیں کہ حساب کے ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کے صالحین کو ان میں سے عام مخصوص منہ البعض کے طور پر مستثنیٰ مان لیا جائے تب بھی اشکال باقی نہیں رہتا اگر لفظ کُلّ کا مصداق سب ہی کو لیا جائے تو یہ بظاہر وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ کے معارض معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کیفیت کی مدت اور مقدار بیان نہیں کی گئی اس لئے اگر ذرا دیر کو صالحین کی بھی یہ کیفیت ہو جائے تو یہ بھی معارض نہیں ہے۔

اس کے بعد اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں یعنی جنت میں داخل فرمائے گا' جہاں رحمت ہی رحمت ہوگی یہ جنت اور رحمت کھلی ہوئی کامیابی ہے پھر کافرین کی سزا کا تذکرہ فرمایا وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (الآیات) جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے دن عذاب میں داخل ہوں گے جب مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو چھٹکارہ کے لئے معذرت کریں گے اس وقت ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا جائیگا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ کیا تمہارے اوپر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ جب یہ آیات تمہارے پاس پہنچیں تو تم نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا، کفر پر قائم رہنے ہی میں تم اپنی بڑائی سمجھتے رہے وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ (اور تم جرم کرنے والے لوگ تھے) تم نے تکبر کیا حق کو ٹھکرایا مجرمانہ زندگی اختیار کی آج تمہارے لئے اسی جرم کی سزا کا فیصلہ کیا گیا ہے ان سے مزید خطاب ہوگا کہ دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ جب تم سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت ضرور آئے گی اس میں شک نہیں ہے تو جواب یوں دے دیتے تھے۔

مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ (ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے) اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا (ہم خیال نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) مطلب یہ تھا کہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا کہ قیامت قائم ہوگی تم لوگوں کے کہنے سے یوں ہی چلتا ہوا خیال دل میں آجاتا ہے وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ (اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں)

یہ لوگ قیامت کا صرف انکار ہی نہیں کرتے تھے۔اس کا مذاق بھی بناتے تھے اسی لئے فرمایا وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا (اور انہوں نے جو برے کام کئے تھے ان کے برے نتائج وہاں ان کے سامنے آجائیں گے) وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ

(اوران پر وہ عذاب نازل ہو جائے گا جس کا استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے) جب ان سے کہا جاتا تھا کہ قیامت پر ایمان لاؤ اور برے اعمال سے بچو تو حق کی دعوت کا مذاق بناتے تھے اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ (اور مجرمین سے کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیتے ہیں (یعنی تمہیں عذاب میں ڈال کر چھوڑ دیتے ہیں جیسے کوئی چیز بھول بھلیاں کر دی جاتی ہیں' یہ نہ سمجھنا کہ کبھی عذاب سے چھٹکارہ ہو جائے گا) جیسے تم نے آج کے دن کو بھلایا ایسے ہی ہمیشہ کے لئے تمہیں رحمت سے محروم کر دیا گیا اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

مجرمین سے مزید خطاب ہوگا کہ یہ جو کچھ نتیجہ (عذاب کی صورت میں) تمہارے سامنے ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کا مذاق بنایا تھا اور تمہیں دنیا والی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا تھا' آج جب یہاں دوزخ میں ڈال دیئے گئے تو نہ عذاب سے نکالے جاؤ گے اور نہ یہ موقعہ دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو یہ موقعہ دنیا میں تھا وہاں توبہ کر سکتے تھے اور اپنے رب کو راضی کر سکتے تھے' جب موت آ گئی اور اس کے بعد میدان حشر میں پہنچ گئے تو کوئی طریقہ خالق و مالک جل مجدہ کے راضی کرنے کا نہیں رہا۔

اللہ ہی کے لئے حمد ہے اور اسی کے لئے کبریاء ہے

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (الی اخر السورۃ) (سو اللہ ہی کے لئے حمد ہے' جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے اور سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں زمین میں اور وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں)۔

وھذا اٰخر تفسیر سُورۃ الجاثیۃ، والحمد للّٰہ رب کل راکبۃٍ وما شیۃ والسلام علی من علم اعمالاً لھا اُجورٌ باقیۃٌ و علی اٰلہٖ و اصحابہٖ الذین جاھدوا کل باغیۃ وطاغیۃ.

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الاحقاف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پینتیس (۳۵) آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
حٰمٓ ۔ یہ کتاب ہے اُتاری ہوئی اللہ کی طرف سے جو عزیز ہے حکیم ہے ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
مگر حق کے ساتھ اور ایک میعاد معین کے لئے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ اس چیز سے اعراض کئے ہوئے ہیں جس سے ڈرائے گئے آپ فرما دیجئے کہ جن کو
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ
تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو ان کے بارے میں بتاؤ مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کے اجزاء میں سے کیا پیدا کیا؟ کیا انکے لئے آسمانوں میں
اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴ وَمَنْ اَضَلُّ
کوئی ساجھا ہے؟ لے آؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے ہو یا کوئی ایسا علم لے آؤ جو منقول ہو کر آیا ہو اگر تم سچے ہو اور اس سے
مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ
بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کے سوا اسے پکارتا ہو جو قیامت کے دن تک اس کا جواب نہ دے اور وہ ان کے پکارنے سے
غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
غافل ہیں، اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے اور جب ان پر واضح
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ ۭ
آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ حق کے بارے میں کہتے ہیں جب انکے پاس آ گیا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

مشرکین کے باطل معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا وہ جن کو پکارتے ہیں قیامت تک بھی جواب نہ دیں گے!

تفسیر: یہاں سے سورۃ الاحقاف شروع ہو رہی ہے اس سورت کے تیسرے رکوع میں احقاف کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت اس نام سے موصوف اور مشہور ہوئی اوپر جن آیات کا ترجمہ کیا گیا اس میں تنزیل قرآن اور آسمان اور زمین

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان سب کی تخلیق حکمت کے ساتھ ہے اور اجل مسمّٰی یعنی مقررہ وقت تک کے لئے ہے جب مقررہ معیاد پوری ہو جائے تو یہ چیزیں فنا ہو جائیں گی قال فی معالم التنزیل یعنی یوم القیامة وهو الاجل الذی تنتهی الیه السموٰت والارض ، وهو اشارة الی فنائها (معالم التنزیل میں ہے "یعنی قیامت کا دن ہی وہ مقررہ وقت ہے جس پر آسمان وزمین اپنی انتہاء کو پہنچ جائیں گے اور یہ ان کے فناء ہونے کا اشارہ ہے") یہ سب کچھ توحید کے دلائل میں سے ہیں اس کے بعد مشرکین کی حماقت اور ضلالت بتائی کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے ان چیزوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کا جواب نہیں دے سکتیں بلکہ انہیں خبر بھی نہیں ہے کہ ہمیں کوئی پکار رہا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اپنی حاجات کے لئے پکارتے ہیں ان سے دریافت کیجئے کہ بتاؤ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا؟ کیا زمین کا کوئی حصہ انہوں نے پیدا کیا ہے یا زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کیا انکا آسمانوں میں کوئی ساجھا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ نہ انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا اور نہ آسمانوں میں ان کی شرکت ہے پھر وہ لائق عبادت کہاں سے ہو گئے؟ ان میں سے کوئی خالق نہیں اس کو تو تم بھی مانتے ہو اور خالق تعالیٰ شانہ' کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرنا بہت بڑی حماقت ہے اس کو تو تمہاری عقل بھی تسلیم کرے گی اگر اسے کام میں لاؤ گے' عقل کے علاوہ کسی بات کے ماننے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہو جو قرآن سے پہلے تمہارے پاس آئی ہو جس نے غیر اللہ کی عبادت کی تعلیم دی ہو یا تمہارے پاس کوئی بات اکابر واسلاف سے نقل در نقل پہنچی ہو جس نے شرک کی تعلیم دی ہو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے بھی کوئی بات نہیں ہے پھر شرک کرنا انتہاء درجہ کی گمراہی ہوئی یا نہیں۔ قوله تعالیٰ أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ فی معالم التنزیل ای بقية من علم یوثر عن الاولین ای یسند الیهم قال مجاهد و عکرمة ومقاتل رواية عن الانبياء وقال قتادة خاصة من علم واصل الكلمة من الاثر وهو الرواية. (معالم التنزیل میں ہے "یعنی باقی رہا ہوا علم جو پہلے لوگوں سے روایت کیا جائے یعنی جس کی سند اولین تک پہنچتی ہو عکرمہ، مجاہد اور مقاتل نے کہا مراد ہے انبیاء کرام سے روایت، قتادہ کہتے ہیں مخصوص علم اور اس کلمہ کی اصل اثر سے ہے جو کہ روایت ہی کو کہتے ہیں)

اس کے بعد فرمایا وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ (الآية) (اور جب قیامت کے دن لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کے دشمن ہو جائیں گے یہ مفہوم اس صورت میں ہے جبکہ کانوا کی ضمیر مرفوع عَابِدِیْنَ کی طرف اور لَهُمْ کی ضمیر معبودین کی طرف راجع ہو اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس کا عکس مراد ہو اور مطلب یہ کہ معبودین اپنے عابدوں کے دشمن ہو جائیں گے جیسا کہ سورۃ قصص میں ہے۔ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ۔

منکرین قرآن کی ایک جاہلانہ بات

اس کے بعد منکرین قرآن کی ایک جاہلانہ بات نقل فرمائی اور وہ یہ کہ جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو قرآن کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے جب دلیل کا جواب دلیل سے نہ دے سکے اور قرآن کے بارے

میں کوئی سورت بنانے سے عاجز رہ گئے تو اسے جادو بتادیا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے حضرات انبیاء سابقین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے سورۃ الذاریات میں فرمایا كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا اس کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا' آپ فرما دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا تو تم مجھے اللہ سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے' وہ خوب جانتا ہے

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ قُلْ مَا كُنْتُ

جن باتوں میں تم رہتے ہو وہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے وہ بڑی مغفرت والا ہے اور بڑی رحمت والا ہے' آپ فرما دیجئے کہ میں

بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا

رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے

اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

اور میں صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں' آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو گئے

مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞

اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر کرو' بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

قریش مکہ کی اس بات کا جواب کہ آپ نے قرآن اپنے پاس سے بنالیا ہے

تفسیر: قریش مکہ کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا تھا تو طرح طرح کی باتیں بناتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ یہ قرآن مجید محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے اور اس کی نسبت اللہ کی طرف کردی ہے یہ اللہ پر افتراء ہے اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا (العیاذ من ذالک) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیں کہ اگر میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ میرا مواخذہ فرمائے گا اور مجھے اس کی سزا دے گا جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ میں صحیح راستہ پر ہوں اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر وحی بھیجی ہے وہی سناتا ہوں اگر میں اس کا حکم نہ پہنچاؤں اور تمہیں راضی رکھنے کے لئے اس کی نافرمانی کروں تو تم مجھے اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے جب مجھے تم سے کوئی نفع پہنچ ہی نہیں سکتا تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمہیں راضی کروں۔ هذا ما ظهر لی فی معنی الآیة الکریمة قال صاحب روح المعانی جواب ان فی الحقیقة محذوف وهو عاجلنی وما ذکر مسبب عنه اقیم مقامه أو تجوز به عنه. (یہ وہ ہے جو آیت کریمہ کے معنی میں مجھ پر واضح ہوا، صاحب روح المعانی

فرماتے ہیں درحقیقت ان کا جواب محذوف ہے اور وہ لَمَّا جلنی ہے اور جو مذکور ہے وہ اسکا مسبب ہے جسے محذوف کا قائم مقام بنایا گیا ہے یا اس مذکور کیوجہ سے محذوف سے صَرفِ نظر کیا ہے)

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ (وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم لگے رہتے ہو) یعنی اللہ کی وحی کے بارے میں جو تم باتیں بناتے ہو کبھی اسے جادو بتاتے ہو کبھی افتراء سے تعبیر کرتے ہو ان سب باتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھو کہ یہ صرف باتیں ہیں خوب سمجھ لو کہ ان کا بدلہ لے گا اور سزا دی جائے گی۔

كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ (میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے وہ میرے بارے میں اس بات کا گواہ ہے کہ میں اس کا رسول ہوں اور اس کی کتاب لایا ہوں اور تمہارے بارے میں اسکا گواہ ہے کہ تم حق کو جھٹلا رہے ہو اور اس کے قبول کرنے سے انکاری ہو میرے امر کا بدلہ مجھے ملے گا اور تمہاری تکذیب کی سزا تمہیں ملے گی وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی) تم توبہ کرو ایمان لاؤ وہ بخش دے گا یہ جو کفر کے ساتھ تمہیں رزق مل رہا ہے اور زندگی گزر رہی ہے یہ اس کی رحمت ہے اگر وہ رحم نہ فرماتا تو تمہیں وہ جلد ہی سزا دے دیتا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (آپ فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں سے انوکھا رسول نہیں ہوں) مجھ سے پہلے بھی رسول آئے جن کے بارے میں تمہیں علم ہے اور تواتر کے ساتھ ان کی خبریں پہنچی ہیں توحید کی جو دعوت انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہیں وہی دعوت میں تمہیں دیتا ہوں ان سے بھی معجزات ظاہر ہوئے تم نے بھی میرے معجزات دیکھ لئے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے بندوں کے تجویز کردہ معجزات کا ظہور ہونا ان کے نبی ہونے کے لئے شرط تھا نہ میری نبوت کے لئے ثبوت شرط ہے اگر تم غیب کی خبریں پوچھنا چاہتے ہو تو میں غیب دانی کا مدعی نہیں ہوں اور نہ غیب جاننا نبوت اور رسالت کے لئے شرط ہے وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اور چونکہ میں غیب نہیں جانتا اس لئے مجھے یہ علم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا یعنی دنیا میں کیا حالات پیش آئیں گے اور میں نہیں جانتا کہ میری تکذیب کرنے کی وجہ سے تمہارا کیا حال ہوگا گذشتہ امتیں مختلف عذابوں کے ذریعے ہلاک کی گئیں اگر تم میری مخالفت پر قائم رہے ایمان نہ لائے تو تمہیں دنیا میں کیا سزا ملے گی میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے) وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میں نے حق واضح کر دیا دلائل پیش کر دیئے اب نہ مانو تو تم جانو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آپ فرما دیجئے کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب کے صدق پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی میں رہو بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اس آیت میں مشرکین مکہ سے ایک سوال فرمایا اگر وہ اس میں غور کرتے اور جواب کے فکرمند ہوتے تو انہیں ایمان لانے کا راستہ مل جاتا اور کفر پر نہ جمے رہتے اس آیت سے پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن انہوں نے خود بنا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت کر دی ہے اس آیت میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم اس قرآن کے منکر ہو رہے ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس کی گواہی دے دی کہ اس جیسی کتاب اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم تکبر میں مبتلا ہونے کیوجہ سے کفر پر ہی اڑے

رہے تو کیا یہ گمراہی نہیں ہے گمراہی پر جمے رہنا اور بڑی گمراہی ہے۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور تم اپنے انکار تکذیب کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو عذاب آجائے گا تو کچھ نہ کرسکو گے لہٰذا سوچو اور غور کرو اور ایمان لے آؤ مزید تشریح یہ ہے کہ اے منکرو تمہارے سامنے محمد رسول ﷺ کی نبوت کے ثابت کرنے اور قرآن کے اللہ کی کتاب ہونے کی بہت سی دلیلیں آچکی ہیں...... اب ایک اور بات تمہارے سامنے پیش کی جارہی ہے اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل یعنی یہودی توریت شریف کے حامل تھے توریت شریف کو گم کرنے کے باوجود اس کے منتظر تھے کہ عرب میں سے ایک نبی تشریف لائیں گے ان میں سے کئی آدمی ایمان لاچکے ہیں اور وہ گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن جیسی کتاب اللہ ہی کی طرف سے ہوسکتی ہے اپنی اس معرفت کی وجہ سے انہوں نے اسلام قبول کیا تم مانتے ہو کہ یہودی اہل علم ہے اور ان سے پوچھ کر سوالات بھی کرچکے ہو مثلاً یہ کہ روح کیا ہے اور اصحاب کہف کون تھے اور ذوالقرنین کون تھے تمہیں ان سوالات کے جوابات بھی مل گئے بنی اسرائیل میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے انہوں نے بھی جوابوں کی تصدیق کی اب تمہیں ایمان سے روکنے والی کیا چیز ہے یہ روکنے والی چیز تکبر ہے جو تمہارے دلوں میں گھسا ہوا ہے اس تکبر کو چھوڑ دو ایمان قبول کرو ورنہ تمہارا برا انجام ہوگا جب حق سامنے آگیا تو بنی اسرائیل کے نیک دل افراد نے اسلام قبول کرلیا تمہیں بھی قبول کرنا لازم ہے اگر کفر پر جمے رہے حق کو نہ مانا تو اسی پر مرجاؤ گے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر نہ آئے تو گمراہی کی سزا ملے گی۔

قال صاحب الروح: ای وشهد شاهد عظيم الشأن من بنى اسرائيل الواقفين على شئون الله تعالىٰ واسرار الوحى بما أوتوا من التوراة على مثل القرآن من المعانى المنطوية فى التوراة من التوحيد والوعد والوعيد وغير ذلك فانها فى الحقيقة عين ما فيه كما يعرب عنه قوله تعالىٰ (وانه لفى زبر الاولين) على وجه وكذا قوله سبحانه: (ان هذا لفى الصحف الاولىٰ) (صاحب روح المعانی نے کہا ہے: یعنی بنی اسرائیل میں سے عظیم الشان گواہ نے گواہی دی، بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی سنتوں اور وحی کے اسرار سے توراۃ ملنے کی وجہ سے واقف تھے توراۃ میں قرآن کریم جیسے مضامین تھے مثلاً توحید، وعد و وعید وغیرہ بلکہ توراۃ کے مضامین بعینہٖ قرآن کریم کے مضامین میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد نے بھی اسے بیان فرمایا کہ **وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ** جیسا کہ یہ ارشادِ الٰہی ہے کہ **اِن هذا لفى الصحف الأولىٰ**)

عَلٰی مِثْلِهٖ کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ لفظ مثل زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے گواہی دے دی کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور ان کان من عند اللہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کی جزا محذوف ہے **وهو اليس قد ظلمتم يدل علىٰ هذا المحذوف قوله ان الله لا يهدى القوم الظالمين.** (اور وہ **اَلَيْسَ قَدْ ظَلَمْتُمْ** ہے اس پر **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** دلالت کرتی ہے)

اس کے بعد حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ اس کی جزا محذوف ہے اور وہ **فَمَنْ اضل منكم** ہے جیسا کہ سورۂ حم سجدہ کی آخری دو آیتوں سے پہلے فرمایا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ (آپ فرمادیجئے کہ یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم نے اس کا انکار کیا تو کیا اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو دور دراز کی مخالفت میں پڑ گیا ہو)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ

اور کافروں نے ایمان والوں کے بارے میں یوں کہا کہ اگر یہ ایمان لانا کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے کیوں بڑھ جاتے اور جب قرآن کے ذریعہ انہوں نے ہدایت نہ پائی تو یوں کہیں گے

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا

کہ یہ پرانا جھوٹ ہے' اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو پیشوا تھی اور رحمت تھی اور یہ کتاب ہے جو تصدیق کرنے والی ہے

عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

عربی زبان میں ہے' تاکہ ظالموں کو ڈرائے' اور خوشخبری ہے اچھے کام کرنے والوں کے لئے' بلاشبہ جن لوگوں نے یوں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ

تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے' یہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' ان کاموں کی عوض

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جو وہ کیا کرتے تھے۔

کافروں کی کٹ حجتی کی تردید' توریت شریف کا امام اور رحمت ہونا اہل ایمان اور اہل استقامت کا انعام الٰہیہ سے سرفراز ہونا

تفسیر: انسانوں میں چھوٹائی بڑائی کو دیکھنے کا مزاج ہے مالدار لوگ اپنے کو غریبوں سے بہتر اور زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں اسی طرح بعض قبائل اپنے قبیلے کو دوسرے قبیلے سے برتر جانتے ہیں اسی سلسلہ کی ایک بات اللہ تعالیٰ نے یہاں نقل فرمائی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید پر جب کچھ لوگ ایمان لے آئے تو جو لوگ کفر پر جمے رہے تو انہوں نے کہا کہ عقل وفہم اور احوال دنیاویہ کے اعتبار سے ہم ان لوگوں سے بہتر ہیں ہم ہر خیر کے مستحق ہیں اگر یہ دین بہتر ہوتا تو جو محمد رسول اللہ ﷺ پیش کرتے ہیں تو ہم اس کی طرف سبقت کرتے جب ہم اس کی طرف آگے نہ بڑھے اور یہ لوگ آگے بڑھ گئے جو دنیاوی احوال کے اعتبار سے پھسڈی ہیں اور ہم سے پیچھے ہیں تو معلوم ہوا کہ جس دین کو ان لوگوں نے قبول کیا ہے وہ بہتر نہیں ہے کوئی شخص ہم سے خیر میں آگے بڑھ جائے اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا جن کافروں نے یہ بات کہی انہوں نے اپنی جانوں کو بہت بڑا سمجھا' تکبر نے ان کا ناس کھو دیا اور ہدایت پر نہ آنے دیا اپنی جہالت اور حماقت سے کفر پر ہی جمے رہے اور ایمان قبول کرنے والوں کو حقیر سمجھا جب قرآن کے ذریعے ہدایت کا راستہ نہ پایا تو قرآن کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ پرانا جھوٹ ہے وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے لکھوالی ہیں۔

یہ سب کچھ عناد کے طور پر تھا۔ قرآن کے چیلنج فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا جواب تو نہ دے سکے البتہ اسے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہ کفر میں مزید ترقی کر لی دوسری آیت میں توریت شریف کا تذکرہ فرمایا کہ قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ

السلام کو کتاب دی گئی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مخاطبین کے لئے امام یعنی پیشوا اور رحمت بنایا تھا یہ کتاب یعنی قرآن گذشتہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے والا ہے عربی زبان میں ہے تاکہ یہ قرآن ظالموں کو یعنی مکہ معظمہ کے مشرکوں کو ڈرائے نیز اچھے کام کرنے والوں کے لئے بشارت ہے صاحب روح المعانی نے اس آیت کریمہ کا مطلب لکھا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ یہ قرآن پرانا جھوٹ ہے تمہارا یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ تم یہ مان چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی اور قرآن اس کی تصدیق کرنیوالا ہے دونوں کے مضامین متحد ہیں جیسے توریت شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادیا اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرنے سے کیا چیز مانع ہے جبکہ وہ عربی زبان میں ہے اس کے مضامین کو سمجھتے ہو اس جیسا بنا کر لانے سے عاجز ہو چکے ہو۔ (انتھی مع زیادۃ شرح من ھذا العبد الفقیر)

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی اور یہ مطلب ہو کہ اس کتاب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر بھی کتاب نازل ہوئی تھی وہ پیشوا تھی اور رحمت تھی اسکو ماننے والے بھی تھے اور عمل کرنے والے بھی تھے اور ان کے مخالفین بھی تھے اسی طرح آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اس کے ماننے والے بھی ہیں اور منکرین بھی، پس منکرین ومکذبین کی طرف سے جو ایذا پہنچے مثلاً اس کتاب کو پرانا جھوٹ بتائیں تو آپ صبر کریں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا۔

اس کے بعد اصحاب استقامت کے بارے میں فرمایا کہ جن لوگوں نے رَبُّنَا اللّٰهُ کہا اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کا اقرار کیا اور یہ اقرار زبانی نہیں تھا دل سے تھا اور محض وقتی طور پر نہ تھا اس پر وہ استقامت کے ساتھ جمے رہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے ان لوگوں کے لئے وعدہ ہے کہ انہیں کوئی خوف لاحق نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے درحقیقت استقامت بہت بڑی چیز ہے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسلام کے احکام تو بہت ہیں مجھے آپ ایک بتادیں جسے میں مضبوطی سے تھامے رہوں آپ نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تم اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہہ دو (پھر اس پر جمے رہو)۔

ان حضرات کو بشارت دیتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے دنیا میں جو نیک اعمال کرتے ہیں انہیں ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ

اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس کی ماں نے اسے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کا حمل میں رہنا اور دودھ

ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ

چھڑانا تیس ماہ کی مدت میں ہے، یہاں تک کہ وہ جب اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے اس بات پر قائم رکھئے کہ میں آپ کی

أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ

نعمت کا شکر ادا کروں جس کا آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا ہے اور اس بات پر بھی مجھے قائم رکھئے کہ میں نیک عمل کروں جس سے آپ راضی ہوں

وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا فرما دیجئے! بے شک میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور بلاشبہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں

نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ

جن کے اچھے کاموں کو ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر کر دیں گے جنت والوں میں شامل کرتے ہوئے سچے وعدہ

الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا' اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف ہے تمہارے لئے کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ

مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ

مجھ سے پہلے امتیں گزر چکی ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لے آ' بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچ ہے اس پر وہ کہتا ہے کہ

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ

یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے

قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ

پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں' بلاشبہ یہ لوگ خسارہ والے ہیں' اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے درجات ہیں' اور تاکہ اللہ ان کے

اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اعمال کی پوری جزا دیدے' اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

والدین کے بارے میں وصیت' نیک بندوں کی دعا اور ان کا اجر' نافرمانوں کا عناد و انکار اور انکی سزا

تفسیر: یہ پانچ آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسانوں کو تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں یہ مضمون سورۃ العنکبوت رکوع اول اور سورۃ لقمان رکوع دو میں بھی گزر چکا ہے ماں باپ چونکہ ظاہری طور پر دنیا میں آنے کا سبب ہیں اور اپنے بچے کی دیکھ بھال اور پرورش اور پرداخت میں جان و مال لگاتے ہیں اپنا آرام کھوتے ہیں ان کے لئے مشقت برداشت کرتے ہیں اس لئے ان کی اطاعت کا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔

انسان کی والدہ جو تکلیف اٹھاتی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا انسان کو اس کی والدہ مہینوں پیٹ میں رکھتی ہیں حمل کے زمانے میں مشقت برداشت کرتی ہے پھر جب بچہ پیدا ہونے لگتا ہے تو عموماً وہ بھی مشقت اور تکلیف کے ساتھ پیدا ہوتا ہے بچہ جننے والی ماں کو درد زہ کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہے اور عین ولادت کے وقت بھی مصیبت کو سہنا پڑتا ہے۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ انسان کا ماں کے پیٹ میں رہنا پھر پیٹ سے باہر آ کر دودھ پینا اس میں تیس مہینے لگ جاتے ہیں یہ عام حالات کے اعتبار سے ہے۔ دودھ پلانے کے زمانہ میں بھی والدہ کو دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے باپ ضرورت کی

چیزوں کا اہتمام کرتا ہے مال کما کر لاتا ہے یہ دن بھی ماں باپ کے مشقت اور تکلیف سے گزرتے ہیں۔

اس کے بعد ان انسانوں کا حال بیان فرمایا جو اہل ایمان ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی احساس ہے اور ماں باپ کے خدمتوں کا بھی' ان کے بارے میں فرمایا کہ جب یہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتے ہیں اور جوانی سے آگے بڑھ کر چالیس سال عمر ہو جاتی ہے (جو ہوش گوش سمجھ کے اعتبار سے بہت اچھی عمر ہوتی ہے نہ اس میں جوانی کی بہکانے والی امنگیں ہوتی ہیں اور نہ بڑھاپے والا ضعف ہوتا ہے) ایسے نیک آدمی کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں یوں دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب مجھے اس بات کا پابند رکھیے اور استقامت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کروں جن سے آپ نے مجھے بھی نوازا ہے اور میرے والدین کو بھی (والدین کے نوازنے سے ظاہری اسباب کے طور پر میں وجود میں آیا) اور مجھے یہ بھی توفیق دیجئے اور اس پر قائم رکھیے کہ میں ایسے عمل کروں جن سے آپ راضی ہوں اور یہ نیک عمل کرنا جن میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ہے مجھ ہی تک محدود نہ رہے میری ذریت میں بھی میرے نفع کے لئے صلاحیت پیدا فرما دیجئے (اس میں اولاد کے لئے اور اپنے لئے دنیا اور آخرت کی خیر کی دعا ہے' اولاد میں صلاحیت ہوگی تو نیک عمل کریں گے جن سے ماں باپ کی خوشی ہوگی اور ماں باپ کی جو خدمت کریں گے اس سے انہیں راحت ہوگی) اولاد مومن نیک صالح ہوگی (جن کے نیک بنانے میں ماں باپ کو بھی دخل ہوگا) تو آخرت میں بھی ان کے اعمال کا ثواب ماں باپ کو ملے گا (جبکہ اولاد کے ثواب میں کچھ کمی نہ آئے گی) نیز صالح اولاد ماں باپ کے لئے نیک دعا بھی کرتی ہے والدین کو اس کا نفع بھی پہنچے گا لفظ اَصْلِحْ لِیْ میں لام ہے اس کے معنی کی طرف یہ تھوڑا سا اشارہ کیا ہے نیک انسان اللہ تعالیٰ سے نیک عمل کی بھی دعا کرتا ہے اور نیک اولاد کی بھی' اور اللہ کے حضور میں توبہ بھی کرتا رہتا ہے' نیز اپنی فرمانبرداری کا بھی اقرار کرتا رہتا ہے۔ اسی کو ان الفاظ میں نقل فرمایا اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اے رب بے شک میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں)۔

جن مومن بندوں کا اوپر تذکرہ ہوا ان کو خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے اچھے کاموں کو ہم قبول کریں گے) وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ (اور ہم ان کی برائیوں سے درگزر کردیں گے) فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ (یہ لوگ جنت والوں میں شمار ہوں گے)۔

قال صاحب الروح: کائنین فی عدادھم منتظمین فی سلکھم، (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اہل جنت کے شمار میں ہوں گے اور انہیں کے نظم سے وابستہ ہوں گے) وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ (ان کا یہ جنت کا داخلہ اس وعدہ کے مطابق وموافق ہوگا جو وعدہ ان سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زبانی کیا جاتا تھا' یہ وعدہ اللہ کی طرف سے تھا۔ سچا تھا پورا ہونا ہی تھا۔

فائدہ اُولیٰ

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی جوانی میں اور خاص کر جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی طرف متوجہ ہونا چاہئے' یوں تو ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر واجب ہے لیکن ہوش گوش

اور وقت وطاقت کے زمانہ میں اس طرف توجہ کرنا اور زیادہ ضروری ہے جو نعمت اپنی ذات پر ہے اور جو نعمت والدین پر ہے اس کا بھی شکر ادا کرے اور اپنی اولاد اور صلاح اور فلاح کے بارے میں فکر مند ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے لئے دعا گو رہے۔

فائدہ ثانیہ

آیت کریمہ میں مدت حمل اور مدت رضاع (یعنی دودھ پلانے کا زمانہ) تیس ماہ بتایا ہے عامۃ الفقہا نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس میں چھ ماہ حمل کے اور چوبیس ماہ دودھ پلانے کے زمانے کے ہیں لہٰذا حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینہ اور دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چوبیس ماہ یعنی دو سال ہوئی دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اس کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے دودھ پلائیں (یہ) اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے) نیز سورۂ لقمان میں فرمایا ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے) اس میں بھی یہ بتا دیا کہ دودھ پلانے کا زمانہ دو سال ہے۔

قرآن حکیم میں حمل کی اکثر مدت نہیں بتائی صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے استدلال کیا ہے کہ بچہ پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکلہ کے سایہ کے برابر ہو حضرت عائشہ کا یہ قول امام دار قطنی نے روایت کیا ہے لیکن جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ یہ ہماری پڑوسن ہے اس کا ہر بچہ چار سال میں پیدا ہوتا ہے خود حضرت امام مالک کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تین سال رہے وہیں ان کے دانت نکل آئے تھے چونکہ اس پر عامۃ الورود مسائل میں سے کوئی مسئلہ موقوف نہیں ہے اس لئے زیادہ بحث میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔

مدت حمل جو چھ ماہ بتائی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چھ ماہ سے زیادہ حمل نہیں رہ سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ پورا ہونا تو ضروری ہی ہے اس سے زیادہ بھی حمل کی مدت ہو سکتی ہے جیسا کہ عام طور پر نو ماہ میں بچے پیدا ہوتے ہیں۔

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور تاریخ نکاح سے (چاند کے حساب سے) چھ ماہ پورے ہونے سے پہلے اس عورت کے بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ اس مرد کا نہیں مانا جائے گا اور اس شخص کی میراث کا مستحق نہیں ہوگا۔

فائدہ ثالثہ

كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (کہ ماں نے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ جنا) پھر اس کے بعد دودھ پلانے کا ذکر فرمایا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا دودھ پلانا اور اس زمانے میں بچہ کی خدمت کرنا یہ بھی ماں پر پڑتا ہے باپ کا کام اتنا ہے کہ پیسے کما کر لے آئے اور تھوڑی بہت بچے کی دیکھ بھال کر لیا کرے اور ماں کو بہت دیکھنا سنبھالنا

پڑتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں ماں کی خدمت کرنے کی زیادہ تاکید فرمائی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمایئے میری حسن مصاحبت (اور خدمت) کے اعتبار سے سب سے زیادہ کون مستحق ہے آپ نے فرمایا تیری والدہ' اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون ؟ فرمایا تیری والدہ! سائل نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ۔ (صحیح البخاری ص ۸۸۳)

علماء کرام نے فرمایا کہ تین بار ماں کا حق اس لئے بیان فرمایا کہ وہ تین تکلیفیں اٹھاتی ہے۔ جن کا اوپر ذکر ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ مال خرچ کرنے میں والدہ کا زیادہ خیال رکھنا لازم ہے

نیک بندوں کا جو اپنے والدین سے حسن تعلق ہونا چاہئے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جن میں بغاوت کی شان ہوتی ہے بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں بلکہ ایمان ہی نہیں لاتے جب والدین ان میں سے کسی سے کہتے ہیں کہ تو اللہ پر اور قیامت کے قائم ہونے پر ایمان لا تو وہ برے انداز میں انہیں جواب دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تف ہے تم دونوں پر کیا باتیں کرتے ہو تم مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں قیامت کے دن قبروں سے نکالا جاؤں گا یہ بھی کوئی ماننے والی بات ہے مجھ سے پہلے کتنی امتیں گزر چکی ہیں ان کو بھی تمہارے جیسے لوگوں نے یہی کہا تھا کہ مر کر زندہ ہو جاؤ گے آج تک تو ان میں سے کوئی زندہ ہوا نہیں میرے نزدیک تو یہ صرف باتیں ہی باتیں ہیں' اس کی یہ بات سن کر ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس سے کہتے ہیں وَیْلَكَ اٰمِنْ (تیرے لئے ہلاکت ہے ایمان لے آ) یعنی ان باتوں سے تو ہلاکت کے دھانہ پر کھڑا ہے ایمان لے آ تاکہ ہلاکت سے بچ جائے۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے) اس نے جو بتایا ہے اور پیشگی خبر دی ہے کہ مردے زندہ ہوں گے قبروں سے اٹھیں گے یہ وعدہ حق ہے ضرور پورا ہوگا قیامت ضرور آئے گی قبروں سے نکلنا ہوگا پیشی ہوگی' حساب ہوگا' یہ جو تو کہتا ہے کہ بہت سی امتیں گزر گئیں کوئی زندہ ہو کر نہیں آیا یہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کا جو وقت مقرر فرمایا ہے وہ اسی وقت آئے گی اس کے واقع ہونے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ آنی ہی نہیں ہے' یہ بات سن کر وہ شخص کہتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت قائم ہونے کی باتیں پرانے لوگوں کی باتیں ہیں نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں سچائی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے (العیاذ باللہ) ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ (یہ وہ لوگ جن پر اللہ کی بات ثابت ہوگئی) یعنی ان کا عذاب میں مبتلا ہونا لازم ہو گیا) فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (یہ لوگ جنات ہیں اور انسانوں کی اس جماعت میں شامل ہیں جن کو عذاب میں مبتلا ہونا ہے) اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ (بلاشبہ یہ لوگ خسارہ والے ہیں) ایمان لاتے تو جنت میں جاتے اور نعمتیں ملتیں اور کامیابی کی زندگی گزارتے' جب ایمان نہ لائے تو عذاب نار کے مستحق ہوئے ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

پھر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (اور ہر ایک کے لئے درجات ہیں' اہل ایمان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت عالیہ میں درجات ملیں گے اور اہل کفر کو دوزخ کے طبقات سافلہ میں جانا ہوگا۔

قال فی الجلالین فدرجات المؤمن فی الجنة عالیه و درجات الکافر فی النار سافلة

وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ (تفسیر جلالین میں ہے کہ جنت میں مؤمن کے درجات اوپر سے اوپر کو ہوں گے اور جہنم میں کافر کے

درجات نیچے سے نیچے ہوں گے) (اور ان کے لئے درجات اس لئے مقدر اور مقرر کر دیئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی جزا پوری پوری دیدے) وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا) نہ کسی مومن کی نیکی ضائع جائے گی اور نہ کسی غیر مجرم کو سزا دی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ

اور جس دن کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا' ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذتوں کو اپنی دنیا والی زندگی میں ختم کر لیا اور ان سے

بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

نفع حاصل کر لیا سو آج تمہیں سزا کے طور پر ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس سبب سے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے

وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾

اور اس سبب سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے۔

کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں ختم کر دیں آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا

تفسیر: اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا یعنی دوزخ میں داخل کرنے کے لئے آگ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے تمہیں یہاں آنے کا یقین نہیں تھا دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے دنیا ہی کے لئے جئے اسی کے لئے مرے لذت کی چیزوں کے پیچھے پڑے انہیں کو سب کچھ سمجھا' حلال سے حرام سے نفس کی ہر لذت پوری کی' اب تمہارے لئے لذت کی چیزوں میں سے کچھ نہیں ہے' جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ایمان کی دعوت دیتے تھے اور قیامت پر ایمان لانے کو فرماتے تھے تو تم ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور برابر نافرمانی کرتے چلے جاتے تھے زمین میں ناحق تکبر کرنے اور نافرمانیوں میں بڑھتے چلے جانے کی وجہ سے آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا دنیا میں کفر پر جمے رہنے میں اپنی عزت سمجھی۔ آج اس کے عوض تمہارے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی توبیخ فرمائی کہ انہوں نے دنیا میں لذتوں سے استمتاع کیا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے اور دیگر نیک بندوں نے دنیا کی لذتوں سے بچنے ہی کو ترجیح دی تا کہ آخرت میں ثواب ملے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اس پر کوئی بستر نہ تھا آپ کے جسم مبارک میں چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے اور آپ چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تا کہ آپ کی امت کو وسعت دیدے۔

فارس اور روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے' یہ سن کر آپ ﷺ نے

فرمایا اے ابن خطاب کیا تم اب تک اسی میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مزے کی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں اور یہ بھی فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت مل جائے۔ (رواہ البخاری و مسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۷)

حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے کچھ طلب کیا لہٰذا آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا یہ ہے تو عمدہ چیز لیکن میں اسے پیوں گا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خواہشیں پوری کرنے والے قوم کی خواہشوں کا برا انجام بتا دیا ہے ان سے کہا جائے گا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (تم نے اپنی مزے کی چیزوں کو دنیا میں ختم کر دیا اور ان سے نفع حاصل کر لیا) لہٰذا میں لذت کی چیزیں استعمال کرنے سے ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دنیا ہی میں دے دی جائیں یہ فرمایا اور اس شہد کے ملے ہوئے پانی کو نہیں پیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا تو فرمایا اے جابر یہ کیا ہے میں نے عرض کیا گوشت کھانے کی خواہش ہوئی تھی لہٰذا میں نے گوشت خریدا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ ہر چیز خرید لو گے جس کے لئے جی چاہے گا کیا تم اس آیت سے نہیں ڈرتے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا معالم التنزیل

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

اور قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور حال یہ ہے کہ ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے گزر چکے ہیں،

خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا

یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بےشک میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں وہ لوگ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے

عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ

سو تو جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے لے آ اگر سچوں میں سے ہے، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ علم اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تمہیں

مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ

وہ بات پہنچاتا ہوں جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اور لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ جہالت کی باتیں کر رہے ہو سو جب انہوں نے بادل کی صورت میں اسے اپنی وادیوں کے سامنے آتا ہوا دیکھا

قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ

تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے، ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے، وہ اپنے رب کے حکم سے

كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ہر چیز کو ہلاک کر دے گی سو وہ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا، ہم ایسے ہی مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں،

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ فَمَآ

اور ہم نے انہیں ان چیزوں میں قدرت دی تھی جن میں تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کو سننے کی قوت دی اور آنکھیں بھی اور دل بھی سو انہیں

اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ
فائدہ نہ دیا ان کے کانوں نے اور ان کی آنکھوں نے اور ان کے دلوں نے کچھ بھی' اس لئے کہ وہ اللہ کی آیت کا انکار کرتے تھے
اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۠﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
اور انہیں اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق کرتے تھے' اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان بستیوں کو ہلاک کر دیا جو تمہارے آس پاس تھیں
وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ باز آجائیں سو اللہ کے سوا ان لوگوں کی انہوں نے کیوں مدد نہیں کی جنہیں انہوں نے
قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴿۲۸﴾
تقرب حاصل کرنے کے لئے معبود بنا رکھا تھا بلکہ وہ لوگ ان سے غائب ہو گئے اور یہ ان کی تراشی ہوئی بات ہے اور وہ بات ہے جس کو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔

قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت' قوم کا انکار اور تکذیب' پھر ہلاکت اور تعذیب'

تفسیر: یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے اس میں قوم عاد کے کفر وعناد کا اور حضرت ہود علیہ السلام کے تبلیغ کرنے کا پھر قوم عاد کے ہلاک ہونے کا تذکرہ ہے اس قوم کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تھے جن کو یہاں اَخَا عَادٍ کے عنوان سے ذکر ہے چونکہ حضرت ہود علیہ السلام عاد ہی کے قوم میں سے تھے اس لئے اَخَاعَاد فرمایا' لفظ 'الاحقاف' حِقْفٌ کی جمع ہے۔قوم عاد کا رہنا سہنا اور بود و باش یمن میں تھی جس علاقہ میں یہ لوگ رہتے تھے وہاں ریت کے پہاڑ تھے اس لئے اسے احقاف سے تعبیر فرمایا حقف اس پہاڑی کو کہتے ہیں جو گولائی لئے ہوئے اور نیچے جھکی ہوئی ہو ریت کی پہاڑیاں ایسی ہی ہوتی ہیں چونکہ ریت میں مضبوطی سے ٹھہرنے اور قرار پانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے ڈھلتا چلا جاتا ہے۔

اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ جبکہ ہود علیہ السلام نے احقاف کے علاقہ میں اپنی قوم کو ڈرایا اور انہیں سمجھایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ان سے پہلے بھی اللہ کی طرف سے پیغمبر آئے تھے جنہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی توحید کی دعوت دی اور انکار پر عذاب کی وعید سنائی حضرت ہود علیہ اسلام کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے اسی کو وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ سے تعبیر فرمایا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (میں تم سے بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں) یعنی اگر تم نے حق کو قبول نہ کیا تو تم پر بڑا عذاب آئے گا۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمارے جو معبود ہیں ہم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور تم ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا دو تم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو کہ میری دعوت پر عمل نہ کیا تو عذاب آجائے گا تم نے عذاب کی بڑی

رٹ لگالی اگر تمہارا یہ ڈرانا صحیح ہے اور واقعی تمہاری بات ہے کہ نہ ماننے پر ہم عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے تو بس لے آؤ......اگر قول سچا ہے تو دیر کی کیا ضرورت ہے؟

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے وہی جانتا ہے کہ کسی قوم پر کب عذاب آئے گا اور کب ہلاک ہوگی میرا کام عذاب لانا نہیں ہے مجھے اللہ نے جو پیغام دے کر بھیجا ہے میں تو اس کے پہنچانے کا پابند ہوں اور تمہیں اسی کی تبلیغ کرتا ہوں میں تو تمہیں حق کی دعوت دیتا ہوں اور تم جہالت کی باتیں کرتے ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ (الآیة) (ان لوگوں پر عذاب آنے کی یہ صورت ہوئی کہ سخت گرمی کی وجہ سے گھروں کو چھوڑ کر باہر میدان میں آ گئے اسی حال میں انہیں ایک بادل آتا ہوا نظر آیا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ بادل تو ہم پر پانی برسائے گا وہ پانی برسانے والا بادل کہاں تھا وہ تو وہی عذاب تھا جسکی جلدی مچا رہے تھے وہ عذاب ہوا کی صورت میں آ گیا یہ ہوا بہت سخت تھی جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کرتی جارہی تھی۔

سورۂ ذاریات میں فرمایا مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ (وہ ہوا جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چورا ہو) سورۃ الحاقہ میں فرمایا وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰی كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ فَهَلْ تَرٰی لَهُمْ مِّنْ بَاقِیَةٍ (اور لیکن عاد سو ہلاک کے گئے تیز ہوا کے ذریعہ اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگاتار مسخر فرما دیا' اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ گری ہوئی کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں' کیا تو ان میں دیکھتا ہے کوئی باقی رہا)

فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰی اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہوئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔

كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ (ہم اسی طرح مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے' جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت جاتی رہتی تھی میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو ان کی وادیوں کی طرف آ رہا تھا کہ یہ بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانے والا بادل نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو ان پر نازل ہوا۔ (رواہ مسلم ص ۲۹۴/۲۹۵ ج ۱)

قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد اہل مکہ کو توجہ دلائی وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ (الآیة) اور ہم نے قوم عاد کو ان چیزوں کی قوت دی تھی جن کی قوت وقدرت تمہیں نہیں دی' ان کے پاس جو مالی وجسمانی قوتیں تھیں وہ تم سے کہیں زیادہ تھی' جب وہ کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے تو تمہاری کیا حیثیت ہے......؟ وہ لوگ نہ تو بہرے تھے نہ اندھے تھے نہ باولے بے وقوف تھے ہم نے انہیں کان بھی دیئے تھے اور آنکھیں بھی اور دل بھی لیکن جب ان پر عذاب آیا ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آئی نہ ان کے حواس ظاہرہ بچا سکے اور نہ کسی تدبیر سے عذاب سے محفوظ ہو سکے جس کا دل اور دماغ سے ادراک ہوتا ہے یہ عذاب کا ابتلاء اور عدم اغناء الجوارح والا معاملہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے (کوئی دنیاوی مصیبت عام حالات میں آ جائے تو کچھ حواس ظاہرہ سے اور کچھ عقل وفہم کے ذریعہ سوچ بچار کر

کے اور کوئی تدبیر نکال کر بھی کبھی کبھار مصیبت سے نکلنے کا کچھ راستہ نکل آتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو آنکھ کان سوچ سمجھ کچھ چیز فائدہ نہیں دیتی۔

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور ان پر وہ عذاب نازل ہو گیا جس کا مذاق بناتے تھے) یعنی اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام سے جو ٹھٹھہ کرتے تھے اور کہتے تھے کیا عذاب' عذاب کی رٹ لگاتے ہو عذاب آتا ہے تو لے آؤ اپنی اس بات کا انہوں نے نتیجہ دیکھ لیا' عذاب میں مبتلا ہوئے اور بالکل برباد ہو گئے۔

اس کے بعد اہل مکہ سے مزید خطاب کرتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى (ہم نے تمہارے چاروں طرف کی بستیاں ہلاک کر دیں) اس سے یمن اور شام کی بستیاں مراد ہیں یمن کی بستیاں تو وہی قوم عاد والی بستیاں تھیں، اور جب اہل مکہ تجارت کیلئے ملک شام جاتے تھے تو قوم ثمود کی بستیوں پر اور حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دیکھا کرتے تھے ان کی تباہی و بربادی سے عبرت حاصل کرنا ضروری تھا لیکن عبرت نہیں لیتے تھے۔

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (اور ہم نے انہیں بار بار نشانیاں بتا دی تھیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں) لیکن وہ باز نہ آئے بالآخر وہ ہلاک ہو گئے یہ ہلاک ہونے والے مشرک تھے اللہ کے سوا انہوں نے معبود بنا رکھے تھے اور ان کے تقرب کو اپنی مشکلات دور ہونے کا ذریعہ سمجھتے تھے جب عذاب آیا تو انہوں نے ذرا بھی مدد نہ کی بلکہ ان سے غائب ہو گئے ان لوگوں کی یہ بات کہ یہ معبود ہیں ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا جھوٹ تھی اپنی تراشی ہوئی تھی' جھوٹ سے کچھ فائدہ نہ پہنچا اسی کو فرمایا فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً سو اللہ کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات تھی)

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا

اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو پھیر دیا جو قرآن سننے لگے سو جب یہ لوگ قرآن کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو پھر جب

قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ

قرآن پڑھا جا چکا تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے' کہنے لگے اے ہماری قوم بے شک ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ

موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں' وہ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے اے ہماری قوم

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیگا اور تمہیں سخت عذاب سے بچا دے گا'

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۚ

اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات نہ مانے تو زمین میں عاجز کرنے والا نہیں ہے اور اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی نہ ہو گا'

اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ
یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں کو اورزمین کو پیدا کیا وہ ان
يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ
کو پیدا کرنے سے نہیں تھکا' وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے' ہاں اسے ضرور قدرت ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے' اور جس روز
يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا
کافرلوگ آگ پر پیش کئے جائیں گے کیا یہ حق نہیں ہے؟ کہیں گے کہ قسم ہے ہمارے رب کی یہ ضرور امر واقعی ہے! ارشاد ہوگا تو چکھ لو
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾
عذاب اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جنات کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا!

تفسیر: رسول اللہ ﷺ رسول الثقلین تھے یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جنات کی طرف بھی یہاں سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنات کا خدمت عالی میں حاضر ہونا اور آپ سے قرآن مجید سننا مذکور ہے علمائے حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی آبادی میں تشریف لے گئے اور انہیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں انہیں ایمان لانے کی دعوت دیں اور قرآن سنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا بستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیج دیا آپ تشریف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ چلے گئے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے (المعلیٰ کے علاقے کا پرانا نام الحجون ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے خط کھینچ کر میرے لئے جگہ تجویز فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا آپ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا، آپ کے آس پاس گِدھوں جیسی چیزیں جمع ہو گئیں اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں یہاں تک کہ مجھے آپ کی جان کا خطرہ ہو گیا آپکی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہو گئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جارہے ہیں رسول اللہ ﷺ ان سے فارغ ہو کر فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں نیند آگئی تھی میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جان عزیز کا خیال آرہا تھا بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تا کہ آپ کا حال معلوم کریں فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے

چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا' پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کچھ بطور خوراک تجویز فرما دیجئے لہٰذا میں نے ان کے لئے ہڈی اور گھوڑے وغیرے کی لید' نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کر دی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں اس پر اتنا ہی گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سخت آوازیں سنیں یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنات میں ایک قتل ہو گیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے وہ میرے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ہڈی کو جنات کی خوراک اور مینگنی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا اور اس کی وجہ سے ان سے استنجا کرنے کی ممانعت فرما دی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن کی صبح کو رسول اللہ ﷺ غار حرا کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی' فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری آپ نے فرمایا کہ جنات کی طرف سے ایک بلانے والا میری طرف آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اور ان کو قرآن مجید سنایا۔

جنات نے قرآن مجید سنا تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو دھیان سے سنو جب آپ نے تلاوت ختم فرما دی تو جنات واپس ہو گئے اور ساتھ ہی مبلغ اور داعی بھی بن گئے واپس ہو کر انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے یہ کتاب واقعی اللہ کی کتاب ہے جو کتابیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں ان کی تصدیق کرنے والی اور حق کی طرف اور راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتی ہے اس سے بعض مفسرین نے یہ بات ثابت کی کہ یہ جنات جنہوں نے آپ سے قرآن مجید سنا پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی یہ لوگ یہودی تھے) جنات کی مذکورہ بالا کی جماعت نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ اللہ کے داعی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بات مانو ان پر ایمان لاؤ جب ایمان لے آؤ گے اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے گا جو جنات ایمان لے آئے ان کا اجر و ثواب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا اور عذاب سے محفوظ فرما دے گا اس میں داخلہ جنت کا ذکر نہیں ہے چونکہ مومن جنات کے جنت میں داخل ہونے کا کسی آیت کریمہ میں واضح اور صریح تذکرہ نہیں ہے اور کوئی حدیث مرفوع صحیح صریح بھی اس بارے میں نہیں ملتی اس لئے مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ایمان کا صلہ بس یہی ہے کہ دوزخ سے محفوظ کر دیئے جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ جیسا کہ جانوروں کے لئے یہی ارشاد ہو گا لہٰذا وہ مٹی ہو جائیں گے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے اس میں توقف فرمایا ہے جنت میں داخل ہونے نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ (الآیہ) (یہ جنات کے کلام کا تتمہ ہے یا جملہ مستانفہ ہے؟ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں اس میں یہ اعلان فرما دیا کہ جو کوئی شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے یعنی ایمان نہ لائے تو وہ اپنا ہی نقصان کریگا اور عذاب میں گرفتار ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف جب گرفت ہوگی تو کہیں بھاگ کر نہیں جاسکے گا اور اللہ کے سوا کوئی مدد نہ کر سکے گا جس نے اللہ کے داعی کی نافرمانی کی وہ واضح گمراہی میں ہے۔

جو لوگ توحید کے منکر ہوتے ہیں وقوع قیامت کے بھی قائل نہیں ہوتے لہٰذا دعوت توحید کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرمایا اور منکرین کا استبعاد دور کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا' اس کو تو تم مانتے ہو اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا فرمایا اور اسے ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی جس نے ان کو پیدا فرما دیا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اور دوسری چیزوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمائے؟ تم تو غور ہی نہیں کرتے اگر غور کرو گے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی بَلٰی وہ ضرور دوبارہ پیدا کر سکتا ہے مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

اس کے بعد کافروں کو یاد دہانی فرمائی کہ قیامت کے دن جب اہل کفر آگ پر پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں داخل ہونے لگیں گے تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے)؟ (دنیا میں جب تم سے کہا جاتا تھا کہ کفر کی سزا دوزخ ہے تو تم اسے نہیں مانتے تھے اور جو حضرات اس بات کی خبر دیتے تھے تم اس کا مذاق بناتے تھے اب بولو کیا کہتے ہو کیا یہ آگ جو تمہارے سامنے ہے اس کا سامنے ہونا اور تمہارا اس میں داخل ہونا حق ہے یا نہیں قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا وہ اس پر کہیں گے کہ ہاں واقعی یہ حق ہے ہم مانتے ہیں تصدیق کرتے ہیں وہ اس بات کو قسم کھا کر کہیں گے لیکن اس وقت اقرار اور قسم سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ارشاد ربانی ہوگا کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا

سو آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا' اور ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے جس دن یہ لوگ

یُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا صرف دن کی ایک گھڑی ٹھہرے تھے یہ پہنچا دینا ہے سو ہلاک نہیں ہوں گے مگر نافرمانی کرنے والے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور صبر کی تلقین

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور محنت اور جدوجہد برابر جاری رہی آپ کے مخاطبین انکار و عناد پر تلے ہوئے تھے اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کے لئے فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سو آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا) وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے) یعنی ان پر جلدی عذاب آجائے اس فکر میں نہ پڑیئے كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (جس دن یہ لوگ وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا کہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے یعنی عذاب میں جو دیر لگ رہی ہے وہ اس کی وجہ سے یہ سمجھ

رہے ہیں کہ عذاب نہیں آئے گا لیکن جب عذاب آ جائے گا تو وہ یوں سمجھیں گے کہ دنیا میں جو زندگی گزاری وہ صرف ایک گھڑی ہی تھی دنیا کی لمبی زندگی کو جس میں خوب مزے کئے اسے شدت عذاب کی وجہ سے بھول جائیں گے بَلٰغٌ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی یہ جو کچھ تمہیں بتایا گیا سنایا گیا نصیحت اور موعظت کے اعتبار سے کافی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ ھٰذا جو محذوف ہے اس کا مشارالیہ قرآن مجید ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اللہ کی طرف سے تمہیں حق پہنچا دیا ثواب کی چیزیں بھی بتا دیں گناہ کے کاموں سے بھی آگاہ کر دیا تبلیغ کا حق ادا کر دیا اب عمل نہ کرو گے تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (سو عذاب کے ذریعہ فاسق لوگ ہی ہلاک ہوں گے) جو اللہ کے باغی ہیں اس کی فرماں برداری سے دور ہیں۔

فائدہ: آیت کریمہ میں جو اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ فرمایا ہے بعض حضرات کے نزدیک مِنْ بیانیہ ہے اور ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول اولوالعزم یعنی ہمت اور حوصلہ والے تھے جیسے ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے اس کی تفسیر کی بناء پر تمام انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اولوالعزم کی صفت سے متصف تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مِنْ تبعیضیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے تھے ان میں جو اولوالعزم تھے آپ ان کا اتباع کیجئے جب یہ تفسیر کر دی گئی تو یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان حضرات میں کون کون اولوالعزم تھے پھر ان حضرات کے نام تجویز کئے گئے کسی نے صرف حضرت یونس علیہ السلام کا استثناء کیا اور کہا کہ وہ اہل عزم نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے میں جلدی کی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ فرمایا ہے (اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اولوالعزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو سورۃ انعام کی آیات وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ میں مذکور ہیں اور یہ اٹھارہ ہیں ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کیجئے اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اولوالعزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو اصحاب شرائع تھے یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ چار ہیں پانچویں صاحب شریعت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قال العبد الفقیر ان القول الاوّل اصح لان سیاق الکلام یدل علی کثرتھم لا علی عدد قلیل فتدبرْ۔
(بندہ عاجز کہتا ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سیاق کلام ان کی کثرت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ قلت پر، بس غور کرنا چاہئے)

وھذا آخر تفسیر سورۃ الاحقاف انعم اللّٰہ بتمامہ وحسن ختامہ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سید رسلہ محمد المصطفیٰ وعلی آلہ وصحبہ اولی الاحلام والنھی۔

سُوۡرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَلٰثُوۡنَ اٰيَةً وَّاَرۡبَعُ رُكُوۡعَاتٍ

سورۂ محمد (ﷺ) جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جس میں اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۝ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع فرما دیا' اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۙ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَاَصۡلَحَ

اور جو کچھ محمد پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے امر واقعی ہے اللہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور ان کے حال کو درست

بَالَهُمۡ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ

فرمادے گا' یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے باطل کا اتباع کیا' اور بے شک جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کا اتباع کیا جو ان کے

رَّبِّهِمۡ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَهُمۡ ۝

رب کی طرف سے ہے اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے ان کے احوال بیان فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والوں کی بربادی' اور اہل حق پر انعام کا اعلان

تفسیر: یہاں سے سورۂ محمد ﷺ شروع ہو رہی ہے۔

آیات مذکورہ بالا میں اہل کفر اور اہل ایمان کے درمیان فرق واضح فرمایا ہے اور اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے کفر و شرک پر تو کسی خیر کی امید رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں اہل کفر جو بعض مرتبہ صلہ رحمی یا خدمت خلق کے کام کرتے ہیں آخرت میں ان چیزوں کا بھی کچھ نہیں ملے گا اعمال ضائع کرنے کا سبب کفر ہی بہت ہے پھر اوپر سے جنہوں نے اللہ کے راستے روکنے کا جو کام کیا یہ ان کے اعمال ضائع ہونے کا ایک مزید سبب بن گیا مومنین کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرمادے گا آیت کریمہ میں ایمان کی تعریف فرماتے ہوئے وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے اور ساتھ ہی وَهُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ فرمایا جس میں محمد رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے کی اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے اللہ کی طرف سے اس کے اتارے جانے کی توثیق اور تصدیق فرمائی اور یہ بتا دیا کہ آپ کا دعویٰ رسالت اور دعوی نزول کتاب من اللہ حق ہے اور صحیح ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ جو اہل کفر کی بدحالی ہوگی اور اہل ایمان کے حال کو اللہ تعالیٰ سدھار دے گا یہ اس وجہ سے ہے کہ

کافروں نے باطل کا اتباع کیا اور اہل ایمان نے حق کا اتباع کیا' اتباع الحق کے ساتھ لفظ مِنْ رَّبِّهِمْ بھی فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو (اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہئے)

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ (اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے امثال بیان فرماتا ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ امثال سے احوال مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مومنین اور کافرین کے احوال بیان فرماتا ہے مومنین کو حق پر بتاتا ہے اور ان کے نتیجے میں فلاح اور فوز کی بشارت دیتا ہے اور کافروں کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ باطل کا اتباع کرتے ہیں جس کا نتیجہ خیبت اور خسران ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا

سو جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم اچھی طرح سے ان کی خوں ریزی کر دو تو خوب مضبوط باندھ دو پھر

مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ؕۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ

اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا ان کی جانوں کا بدلہ لے کر چھوڑ دو جب تک کہ لڑائی اپنے ہتھیاروں کو نہ رکھ دے' یہ اسی طرح ہے' اور اگر اللہ چاہے تو ان سے انتقام لے لے

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴

اور لیکن تاکہ تم میں بعض کا بعض کے ذریعہ امتحان فرمائے' اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے سو اگر ہرگز ان کے اعمال ضائع نہ فرمائے گا'

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

وہ انہیں عنقریب مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کا حال درست فرما دے گا اور انہیں جنت میں داخل فرما دے گا جس کی انہیں پہچان کرا دے گا۔ اے ایمان والو!

تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا' اور جن لوگوں نے کفر کیا سو ان کے لئے ہلاکت ہے اور اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا'

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو مکروہ جانا جو اللہ نے نازل فرمائی سو اس نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو انہوں نے

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى

نہیں دیکھا کیسا ہوا ان کا انجام جو ان سے پہلے تھے اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لئے اسی قسم کی چیزیں ہیں' یہ اس وجہ سے کہ اللہ ایمان والوں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کا مولیٰ ہے اور بے شک کافروں کے لئے کوئی بھی مولیٰ نہیں' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ انہیں

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا

ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے

تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيٓ

کھاتے ہیں اور جہنم انکا ٹھکانہ ہے اور بہت سی بستیاں تھیں جن کے رہنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا یہ بستیاں آپ کی بستی سے زیادہ سخت تھیں جنہوں نے

أَخْرَجَتْكَ ۚ أَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْٓءُ

آپ کو نکال دیا ان بستیوں کا کوئی مددگار نہ ہوا جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی

عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوْٓا أَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

بدعملی ان کو اچھی چیز بتائی گئی اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

جہاد و قتال کی ترغیب' قیدیوں کے احکام' مجاہدین اور مقتولین کی فضیلت

تفسیر: یہ آیات متعدد مضامین پر مشتمل ہیں جہاد اور قتال کے بعض مسائل بتائے ہیں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی فضیلت ظاہر فرمائی ہے اور کافروں کی بدحالی اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے اور قتل و قتال کی نوبت ہو جائے تو دشمنان اسلام کے قتل کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرو ان میں سے جو قتل ہو جائیں ان کے علاوہ جو زندہ ہوں ان کو قید کر لو اور اچھی طرح کس کے ان کو باندھو اس کے بعد ان کو احسان کے طور پر یا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے بدلہ ان کو چھوڑ دو۔

اس کی تشریح اور تفسیر یہ ہے کہ جب دو قوموں میں جنگ ہوتی ہے تو جنگ کرنے والے مقتول بھی ہوتے ہیں اور ایک فریق دوسرے فریق کے افراد کو قید بھی کر لیتا ہے مجاہدین اسلام دشمن کے افراد کو قید کر لیں تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اس کے بارے میں یہاں سورۂ محمد (ﷺ) میں دو حکم بیان فرمائے ہیں اول یہ کہ ان پر احسان کر دیا جائے یعنی بغیر کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے یا دوم یہ کہ اپنے قیدیوں کے بدلہ میں انہیں چھوڑ دیں یعنی امیر المومنین اپنے قیدی ان سے واپس لے لے اور ان کے بدلہ کافر قیدیوں کو واپس کر دے تیسری صورت یہ ہے کہ مالی عوض لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور چوتھی صورت یہ کہ انہیں قتل کر دیا جائے قتل کرنا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینا سورۂ انفال میں مذکور ہے۔

اور پانچویں صورت یہ ہے کہ انہیں غلام باندی بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے اور ایک صوت یہ ہے کہ ان قیدیوں کو ذمی بنا کر دار الاسلام مین رکھ لیا جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا کہ نہ قیدیوں کا تبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے یہ جائز نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن جلد دوم ص ۳۹۲ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ انفال سورۂ (محمد ﷺ) کے بعد نازل ہوئی سورۂ محمد میں جو مَنّ اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۂ برأت کی آیات فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ نے منسوخ کر دیا لہٰذا فدا اور مَن کی اجازت نہیں رہی فو جب ان

یکون الحکم المذکور فیھا ناسخاللفداء المذکور فی غیرھا اھ (پس ضروری ہے کہ اس میں مذکور حکم فدیہ کے اس حکم کیلئے ناسخ ہو جو دوسری جگہ مذکور ہے) کافر قیدیوں کو بلاعوض مالی یا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور مبادلہ چھوڑ دیا جائے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور حضراتِ صاحبین اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے رہی یہ بات کہ کافر قیدیوں کو مال لیکر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ بھی جائز نہیں ہے البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ہے وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانْتَصَرَ مِنْھُمْ (اور اگر اللہ چاہے تو کافروں سے انتقام لے) یعنی کسی طرح کا کوئی بھی عذاب دے کر ہلاک فرما دے وَلٰکِنْ لِّیَبْلُوَا بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ اور لیکن تا کہ تم میں سے بعض کا بعض کے ذریعے امتحان فرمائے یعنی تمہیں جو جہاد کا حکم دیا اس میں تمہارا امتحان ہے کہ وہ کون ہے جو جانتے ہوئے بھی کہ مقتول بھی ہو سکتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتا ہے اور جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے اور اس میں کافروں کا بھی امتحان ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں آ کر مقتول ہونے اور شکست کھانے اور مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا معاملہ دیکھ کر حق کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَھُمْ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اللہ ہرگز ان کے اعمال ضائع نہ فرمائے گا) اس میں یہ بتا دیا کہ جہاد میں امتحان کی حکمت کے ساتھ ساتھ تمہارا فائدہ بھی ہے اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ گے تو یہ صرف امتحان کی کامیابی تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تمہارے اعمال کے عوض بڑے بڑے انعامات ملیں گے) شہادت کا درجہ عطا کیا جائے گا۔

سَیَھْدِیْھِمْ وَیُصْلِحُ بَالَھُمْ (اللہ انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کا حال درست فرما دے گا) قبر، حشر اور تمام مواقع میں ان کا حال درست فرما دے گا وَیُدْخِلُھُمُ الْجَنَّۃَ اور انہیں جنت میں داخل فرما دے گا جو ان کی منزل مقصود ہے عَرَّفَھَا لَھُمْ (اللہ نے انہیں جنت کی پہچان کرا دی) یعنی دنیا میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ انہیں اس کی پہچان کرا دی ہے جنت کی پہچان کرانے کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو اپنے اپنے مقرر کردہ مقام کو وہ اس طرح جانتے ہوں گے جیسے اپنے دنیا والے گھروں میں اس کو پہچانتے تھے بلکہ ان سے زیادہ اپنی جنت والی مقررہ جگہ کے راستے کو پہچانتے ہوں گے۔ (کما ورد فی الحدیث)

اس کے بعد مسلمانوں سے مدد کا وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ اس میں یہ بتا دیا کہ تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی اس کے دین کی بلندی کے لئے کوششوں میں لگو گے (جس کا وہ محتاج نہیں ہے) تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور ثابت قدم رکھے گا۔

مومنین کا انعام بیان کرنے کے بعد کافروں کی بدحالی بیان فرمائی وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا ہلاکت ہے ان کے لئے اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے) دنیا میں بھی مومنین کے ہاتھوں ان کی تباہی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے ہلاکت یعنی عذاب شدید اور دائمی ہے ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ (ان لوگوں کی یہ ہلاکت اور اعمال کا حبط ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کو ناپسند کیا جو کچھ اللہ نے نازل کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال حبط فرما دیئے)

دنیا میں چل پھر کر عبرت حاصل کریں

اس کے بعد منکرین کو تنبیہ فرمائی کہ اپنی دنیا اور ساز وسامان اور عمارت سے دھوکہ نہ کھائیں ان سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں جو ہلاکت و بربادی کا منہ دیکھ چکی ہیں' ارشاد فرمایا اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے) دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ (اللہ نے ان کو ہلاک فرما دیا) وَلِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا (اور کافروں کے لئے ایسی کئی چیزیں ہیں) یعنی موجودہ جو کفار ہیں اور ان کے بعد جو بھی کافر بھی ہوں گے ان کے لئے دنیا میں اسی طرح عذاب ہوگا اور ہلاک کر دیئے جائیں گے اور آخرت میں شدید اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مولیٰ ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (یہ جو کچھ مذکور ہوا یعنی اہل ایمان کا جنت میں داخل ہونا اور اہل کفر کا دنیا و آخرت میں برباد ہونا اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مولیٰ ہے یعنی ان کا ولی ہے مددگار ہے کارساز ہے) وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (اور کافروں کا کوئی کارساز مددگار نہیں)۔

اہل ایمان کا انعام اور کفار کی بدحالی

اس کے بعد اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی طرز زندگی (دنیا میں) اور ان کا عذاب بیان فرمایا جو آخرت میں ان کے لئے تیار کیا گیا ہے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بلاشبہ اللہ داخل فرمائے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی) وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ نفع حاصل کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں یہ ان کا دنیاوی حال ہے) وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) اہل کفر کے سامنے دنیا ہی ہے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے کسی بھی طرح کی دنیاوی لذت اور دنیاوی طمع اور دنیاوی ترقی اور دنیاوی مال حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ انہیں صرف دنیا ہی مطلوب ہے اس لئے کمانے اور کھانے پینے میں ہر طرح کی لذت حاصل کرنے میں کوئی حیا اور شرم انسانیت و مروت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی' جس طرح جانور اور چوپائے کھانے پینے میں ہر جگہ منہ مار لیتے ہیں اور جنسی لذت حاصل کرنے کے لئے سب کے سامنے سب کچھ کر لیتے ہیں' اسی طرح یہ دنیاوی لذتوں کے متوالے سب کچھ کر گزرتے ہیں یورپ اور امریکہ میں دیکھو قانونی طور پر عورت اور مرد کے میل ملاپ کے لئے نکاح کی شرط کو ختم کر دیا ہے اور دوستانہ زندگی کا رواج ہو گیا ہے عورت اور مرد دوست (فرینڈ) بن کر گھومتے پھرتے ہیں کبھی اس سے جوڑ بیٹھ گیا کبھی دوسرے سے دوستی ہو گئی' پارکوں میں اور ہوٹلوں میں بلکہ

سڑکوں پر مرد وعورت آپس میں لطف اندوز ہوتے ہیں حرام حلال کا شرم وحیا کا کوئی دھیان نہیں اور اب تو قانونی طور پر ان کی بعض حکومتوں نے مرد کا مرد سے استمتاع اور استلذاذ جائز قرار دے دیا ہے اب یہ لوگ یہاں تک اتر آئے کہ آدمیت اور انسانیت باقی نہ رہی تو کیا حرج ہے مزہ تو مل رہا ہے انسانیت اور شرافت کو دیکھیں تو بہت سی لذتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے لہٰذا وہ ایسی انسانیت سے بھر پائے جس سے مزہ میں فرق آئے اور لذت کو بٹہ لگے' یہ یورپ اور امریکہ کے کافروں کے احساسات ہیں' ایشیاء والوں نے بھی ان کی راہ اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔

جس طرح جنسی لذت کے لئے کافر لوگ دیوانے ہو رہے ہیں اس طرح مال کمانے اور کھانے پینے میں جانوروں کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں حلال وحرام سے کوئی بحث نہیں جو ملا کھالیا جو چاہا کھالیا سور اور شراب تو ان کی روزانہ کی غذا ہے قرآن کریم میں ان کی اس دنیا والی زندگی کو یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس مضمون کو سورۂ زمر میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ (آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا نفع حاصل کر لے بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے)

اہل مکہ کو تنبیہ

اس کے بعد اہل مکہ کو تنبیہ فرمائی اس میں خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے کیونکہ آپ کو اس میں تسلی دی ہے اور سنانا منکرین کو بھی ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں ارشاد فرمایا وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے آپ کی اس بستی کے رہنے والوں سے قوت میں زیادہ سخت تھے جس نے آپ کو نکال دیا ہے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا کوئی بھی ان کا مددگار نہ تھا ان کو بھی اپنی قوت اور طاقت پر غرور کرنے کا کوئی مقام نہیں۔

اہل ایمان اور اہل کفر برابر نہیں ہو سکتے

پھر فرمایا اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الآیۃ) جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوگا کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا برا عمل اس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے (اس نے کفر کو اچھا سمجھا اور ایمان سے دور بھاگا اور جن لوگوں نے اپنی خواہشوں کا اتباع کیا یعنی توحید کو چھوڑا اور شرک کو اختیار کیا یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جن کے پاس ان کے رب کی طرف سے دلیل موجود ہے اور کافر لوگ جن کے برے اعمال کفر اور معاصی انہیں اچھے لگتے ہیں اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ دونوں فریق یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا

طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ

ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں

كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ۝۱۵

ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی کیا ایسے لوگ ان جیسے ہوسکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا سو وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

اہل جنت کے مشروبات طیبہ اور اہل نار کا مشروب ماء حمیم

تفسیر: اس آیت میں بھی مومنین کے انعامات اور کافروں کی سزا بیان فرمائی ہے اول تو جنت کا حال بیان فرمایا جس کا متقیوں سے وعدہ ہے جنت میں بہت سی نعمتیں ہیں ان میں نہریں بھی ہیں ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو متغیر نہ ہوگا اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ بدلہ ہوا نہ ہوگا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراپا لذت ہوگی اور بالکل صاف شہد کی نہریں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے تیار فرمایا ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ ہے اور اسی کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے نہریں جاری ہیں۔ (صحیح البخاری ص ۳۹۱)

یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس میں یوں ہے منها تفجر انهار الجنة الاربعة یعنی جنت الفردوس سے چاروں نہریں جاری ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھتے ہیں یہی وہ چار نہریں ہیں جو قرآن مجید میں مذکورہ ہیں یعنی پانی اور دودھ اور شراب اور شہد کی نہریں حدیث شریف کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جنت الفردوس سے چار نہریں نکلتی ہیں ان کا منبع اور مرکز جنت الفردوس ہے (پھر ان کی شاخیں پھوٹتی ہوئی دوسری جنتوں میں پہنچتی ہیں اس میں جو شراب کی نہریں بتائی ہیں ان کے ساتھ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ بھی فرمادیا یعنی یہ بتادیا کہ یہ شراب سراپا لذت ہوگی اسکو پینے سے نشہ نہ آئے گا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی سورۃ الصافات میں فرمایا يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا سفید ہوگی، پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی، نہ اس میں دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے آبخورے اور آفتاب اور ایسا جامِ شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو دردسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جنت میں جو کچھ پینے پلانے کے لئے دیا جائے گا اس میں لذت ہی لذت ہوگی نہ عقل میں فتور آئے گا نہ نشہ ہوگا، نہروں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور ان کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی)

اس کے بعد فرمایا كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (الآیۃ) یہاں عبارت حذف ہے یعنی من كان في هذا النعيم كمن

ھو خالد فی النار جو شخص ان مذکورہ بالا نعمتوں میں ہوگا کیا ان لوگوں کی طرح ہوسکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اور جنہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخیوں کو اتنی زبردست بھوک لگادی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو ان کو بھوک کے علاوہ ہو رہا ہوگا لہٰذا وہ کھانے کے لئے فریاد کریں گے اس پر ان کو ضریع کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے۔ پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو طَعَامٍ ذِیْ غُصَّةٍ گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا اس کے اتارنے کے لئے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں تھے تو گلے میں اٹک جانے والی چیزوں کے اتارنے کے لئے پینے کی چیز پیا کرتے تھے لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے، چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کے سنڈاسیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کردیا جائے گا۔ وہ سنڈاسیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گے پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۴ الترمذی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس سے نفرت کرے گا پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرے کو بھون ڈالے گا اور بالآخر پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا۔

اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائی (اول آیت سورہ محمد ﷺ یعنی) وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ دوسری سورہ کہف کی آیت یعنی وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳ از ترمذی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات

اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں، اور جو لوگ صحیح راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے

وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى

اور ان کو انکے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آپڑے سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں سو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوئی اس وقت

لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ

ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ تو آپ اس کا یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی لائق عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

منافقین کی بعض حرکتیں ان کے قلوب پر مہر ہے' یہ لوگ اپنی خواہشوں کے پابند ہیں

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں منافقین کی ایک خصلتِ بد کا تذکرہ فرمایا ہے منافقین ظاہر میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے اور اندر سے کافر تھے جس کسی کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہو اس کے رنگ ڈھنگ خدو خال اور چال ڈھال سے اس کے دورنگی معلوم ہو جاتی ہے اسی سلسلے کی یہ ایک کڑی ہے کہ منافقین جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تھے تو آپ کی باتوں کی طرف بظاہر کان لگا کر ایسے بیٹھتے تھے جیسے بڑے دھیان سے سن رہے ہیں یہ طریقہ صرف دھوکہ دینے کے لئے تھا دلوں سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے جب مجلس سے باہر آتے تو دوسرے حضرات یعنی اہل علم صحابہ سے کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابھی ابھی کیا فرمایا؟ پہلی منافقت تو یہ تھی کہ جھوٹ موٹ کان لگا کر بیٹھے اور دھیان سے باتیں نہ سنیں اور دوسری منافقت یہ تھی کہ مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنے کے لئے ہمیں آنحضرت ﷺ کی باتیں سننے کا اشتیاق ہے یہ معلوم کرتے تھے کہ آپ نے ابھی ابھی کیا فرمایا' اللہ تعالیٰ شانہ' نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں انہیں راہ حق پر آنا نہیں ہے۔

دوسری آیت میں اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہدایت دیتا ہے (جیسے جیسے احکام نازل ہوتے ہیں وہ ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور عمل کرتے جاتے ہیں) اور اللہ ان کو ان کا تقویٰ نصیب فرماتا ہے (احکام پر بھی عمل کرتے ہیں اور جن افعال و اعمال سے منع فرمایا ہے ان سے بھی بچتے ہیں)

تیسری آیت میں منکرین اور منافقین کو توبیخ فرمائی کہ ان لوگوں کا طور طریقہ ایسا ہے کہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں (نہ ایمان لاتے ہیں نہ اعمال خیر میں مشغول ہوتے ہیں نہ گناہوں سے بچتے ہیں اور نہ انذار و تبشیر ان کے حق میں مفید ہوتا ہے نہ عذاب کی وعید سے متاثر ہوتے ہیں نہ جنت کی بشارت کا یقین کرتے ہیں اب کیا رہ گیا؟ بس قیامت کا آنا باقی ہے اس کے انتظار میں ہیں کہ وہ اچانک آجائے اور قیامت آجائے تو نصیحت حاصل کریں سو قیامت کی علامتیں آ چکی ہیں خود نبی کریم ﷺ کا مبعوث ہونا بھی علامات قیامت میں سے ہے اور معجزہ شق القمر بھی علامات قیامت میں سے ہے جیسے سورۃ القمر کی پہلی آیت میں بیان فرمایا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ جب قیامت آجائے گی تو اس وقت سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے کا نہ موقعہ ہوگا نہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا اس مضمون کو فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ میں بیان فرمایا' یہ مضمون سورۃ الفجر کی آیت کریمہ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى میں بھی بیان فرمایا ہے اس دن جہنم کو لایا جائے گا اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب کہاں ہے نصیحت حاصل کرنا یعنی اب اس کا فائدہ کچھ نہیں۔

توحید پر جمے رہنے اور استغفار کرنے کی تلقین

چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اپنے اس علم اور یقین پر جمے رہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کے

لئے استغفار کریں اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے اور آپ کے توسط سے دیگر اہل ایمان کو بھی خلاف شان نبوت جو کوئی امر آپ سے صادر ہو گیا اسے لِذَنْبِکَ سے تعبیر فرمایا جیسا کہ خطاء اجتہادی سے کبھی ایسا واقع ہوا معصیت حقیقت کا صدور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نہیں ہو سکتا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں امر بالاستغفار مع انه مغفور له لیستن به امته (یعنی آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا حالانکہ آپ کا سب کچھ بخشا جا چکا ہے تاکہ امت آپ کا اتباع کرے) آپ نے فرمایا ہے کہ بیشک میرے دل پر مَیل سا آتا ہے اور بیشک میں اللہ سے روزانہ سو دفعہ استغفار کرتا ہوں اور بعض روایت میں ہے کہ آپ ہر مجلس میں سو مرتبہ استغفار فرماتے ہیں۔

صاحب معالم التنزیل مزید لکھتے ہیں هذا اکرام من اللہ تعالیٰ لهذه الامة حیث امر نبیهم ان یستغفر لذنوبهم وهو الشفیع المجاب فیه (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اکرام ہے کہ ان کے نبی کو حکم فرمایا کہ ان کے گناہوں کے لئے استغفار کریں آپ کی ذات گرامی کو اللہ نے شفاعت کرنے والا بھی بنایا اور شفاعت قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا۔ (معالم التنزیل ص۱۸۳ ج۴)

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ کی تفسیر

مفسرین کرام نے اس کے متعدد معنی بیان کئے ہیں، پہلے ترجمہ غور سے پڑھیئے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے) یہ ترجمہ مفسر ابن جریر کے قول کے مطابق ہے جسے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے دنیاوی اعمال میں مشغول رہنا اور اس میں چلنا پھرنا مراد ہے اور مَثْوٰىكُمْ سے ہر ایک کا آخرت کا ٹھکانہ مراد ہے اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے ارحام الامہات کی طرف منتقل ہونا اور مَثْوٰىكُمْ سے زمین میں ٹھہرنا مراد ہے اور ابن کیسان سے نقل کیا ہے مُتَقَلَّبَكُمْ سے لیٹتے وقت پلٹیاں کھانا اور مَثْوٰىكُمْ سے قبروں میں ٹھہرنا مراد ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوئی سو جس وقت کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے

رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ

تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو گئی ہو،

لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ

سو عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچا وعدہ کرتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا سو اگر تم

عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

والی بن جاؤ تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ دنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع رحمی کر دو، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا

فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

پھران کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا' سو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے قفل ہیں۔

منافقین کی بدحالی اور نافرمانی

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کا شوق جہاد منافقین کا حکم جہاد سن کر گھبراہٹ اور پریشانی میں پڑنے کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی نئی سورت کیوں نازل نہ ہوئی یہ احکام جدیدہ کے نازل ہونے اور ان پر عمل کرنے کے اشتیاق میں کہہ دیتے تھے جب کوئی بھی سورت نازل ہوتی تو ایمان والے خوش ہو جاتے تھے لیکن جو منافقین تھے وہ نزول احکام سے ڈرتے رہتے خصوصاً جب کسی سورت میں قتال کا حکم نازل ہوتا تو بس ان کا برا حال ہو جاتا تھا ان کے دلوں میں مرض یعنی نفاق تھا نہ سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے تھے نہ قرآن کو مانتے تھے نہ وقوع قیامت کا یقین رکھتے تھے لہٰذا جہاد والی سورت کا مضمون سن کر گھبرا اٹھتے تھے اور ان کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتا تھا رسول اللہ ﷺ کو بھیانک نظروں سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو جائے یہ لوگ سمجھے تھے اب رکھ رکھاؤ کے لئے جہاد میں جانا ہی پڑے گا دل چاہتا نہیں' لیکن شریک ہونا ہی ہے بددلی کی شرکت تو مستقل عذاب ہے اور اگر میدان جہاد میں مقتول ہو تو یہ اس سے بڑا عذاب ہو گیا اسی کو فرمایا فَاَوْلٰى لَهُمْ کہ عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے۔ صاحب معالم التنزیل رحمۃ اللہ لکھتے ہیں اولیٰ لک ای ولیک وقاربک ماتکرہ۔ (یہ "اولیٰ لھم" کا ایک مطلب ہے اس صورت میں طاعۃ وقول معروف علیحدہ جملہ ہوگا اور ایک صورت یہ ہے کہ اولیٰ لھم مبتدا ہو اور طاعۃ اس کی خبر ہو گی کما ذکر البغوی، فلیتد بر)

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (یعنی منافقین کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو تو تنگ دل ہونے کی بجائے کہیں کہ ہمارا کام تو فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا یعنی دل سے اور زبان سے تسلیم کرنا ہے۔ قال صاحب معالم التنزیل ای لو اطاعوا وقالوا قولاً معروفاً کان امثل واحسن، ثم قال وقیل ھو متصل بما قبلہ واللام بمعنی الباء فاولیٰ بھم طاعۃ اللّٰہ ورسولہ و قول معروف بالاجابۃ وھذا قول ابن عباس فی روایۃ عطاء (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں یعنی اگر وہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے تو بہت ہی درست اور بہتر ہوتا پھر کہا کہ بعض نے کہا ہے یہ جملہ ماقبل سے متصل ہے اور لام باء کے معنی میں ہے یعنی ان کے لائق یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور قبول کر کے اچھی بات کہتے اور یہ عطاء کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔)

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا' یعنی جہاد کرنے کا واقعی حکم ہو گیا تو اس وقت یہ لوگ اپنے دعوئ ایمان اور دعوی فرماں برداری میں سچے ثابت ہوتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ (سو کیا یہ صورت حال پیش آنے والی ہے کہ اگر تم والی بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور آپس میں قرابت کے تعلقات کو قطع کر دو)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ منافقین کو خطاب ہے جسے استفہام کی صورت میں لایا گیا ہے اس میں ان کو توبیخ ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے جو احوال معلوم ہیں یعنی دنیا پر حرص کرنا اور جہاد کی بات سے گھبرانا اور شرکت جہاد سے کترانا اس بات کو جاننے کے بعد کیا کوئی شخص تم سے سوال کر سکتا ہے کہ اگر تمہیں ولایت فی الارض مل جائے یعنی عامۃ الناس کے والی اور متولی بنا دیئے جاؤ اور تمہیں اقتدار سپرد کر دیا جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتہ داریوں کو کاٹ پیٹ کر رکھ دو گے یعنی تمہارا یہ فساد اتنا آگے بڑھے گا کہ تمہیں رشتہ داریوں کی پاسداری بھی نہ رہے گی اور آپس کے تعلقات کو ختم کر ڈالو گے یعنی تم سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے اور سائل کا یہ سوال کرنا درست ہے۔

قال صاحب الروح: فالمعنى انكم لما عهدمنكم من الاحوال الدالة على الحرص على الدنيا حيث امرتم بالجهاد الذى هو وسيلة الى ثواب الله تعالىٰ العظيم كرهتموه وظهر عليكم ما ظهر حقاء بأن يقول لكم كل من ذاقكم وعرف حالكم ياهٰؤلاء ماترونَ هل يتوقع منكم ان توليتم ان تفسدوا فى الارض الخ. (صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے دنیا پر تمہاری حرص کے جو حالات ظاہر ہو چکے ہیں کہ تمہیں جہاد کا حکم ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثوابِ عظیم کا ذریعہ ہے تو تم نے اسے ناپسند کیا اور تمہاری جو حالت ہوئی سو ہوئی لہٰذا جو آدمی تمہیں جانتا ہو اور تمہارے حالات سے آگاہ ہو تو وہ تمہیں کہہ سکتا ہے کہ اے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہیں والی بنایا جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے۔)

یہ ترجمہ اور تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ تولیتم کا ترجمہ والی اور صاحب اقتدار ہونے کا لیا جائے اور بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ اَعْرَضْتُم لیا ہے صاحب بیان القرآن نے اسی کو اختیار کیا ہے انہوں نے اس کو استفہام تقریری قرار دیا ہے اور مطلب یہ لکھا ہے کہ اگر تم جہاد سے کنارہ کش رہو تو تم کو یہ احتمال بھی چاہئے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطع قرابت کر دو گے یعنی اگر جہاد کو چھوڑ دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے گا اور کوئی انتظام باقی نہ رہے گا جس میں تمام مصلحتوں کی رعایت ہو اور ایسا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے فساد ہوگا اور حقوق کی اضاعت ہوگی۔

پھر فرمایا: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے رحمت سے دور فرما دیا سو انہیں بہرا کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا لہٰذا ان سے قبول حق کی اور راہ حق پر چلنے کی کوئی امید نہ کی جائے۔

تدبر قرآن کی اہمیت اور ضرورت

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے) أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا یا ان کے دلوں پر قفل ہیں اس میں توبیخ ہے اور منافقوں کے حال کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں قرآن میں تدبر کرنا چاہئے تھا قرآن کے اعجاز اور معانی اور دعوت حق کے بارے غور کرتے تو نہ تو منافق ہوتے اور نہ وہ حرکتیں کرتے جو ان سے صادر ہوتی رہی ہیں ان کے تدبر نہ کرنے کا انداز یہ ہے کہ جیسے ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

قال صاحب الروح: واضافة الاقفال اليها للدلالة على انها اقفال مخصوصة بها مناسبة لها

غیر مجانسة لسائر الاقفال المعهودة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اقفال کی ان کی طرف اضافت اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ یہ مخصوص تالے ہیں جو انہیں کے مناسب ہیں مشہور و معروف تالوں کی طرح ہیں۔)

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى
بے شک جو لوگ پشت پھیر کر پلٹ گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو گئی تھی شیطان نے ان کے سامنے مزین کر دیا اور انہیں تاخیر والی باتیں
لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ
سمجھادیں یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ کے نازل کئے ہوئے فرمان کو ناپسند کیا کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ ان کے
اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا
خفیہ باتیں کرنے کو جانتا ہے سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانوں کو قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کے پشتوں پر مار رہے ہوں گے یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا
مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾
جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اللہ کی خوشی کو ناپسند کیا پھر اس نے اکارت کر دیئے ان کے اعمال

مرتدین کیلئے شیطان کی تسویل اور موت کے وقت ان کی تعذیب

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان آیات میں بھی منافقین کا ذکر ہے ان سے جو مخالفانہ اور باغیانہ حرکتیں ظاہر ہوئیں ان کی وجہ سے ان کے لئے دعوائے اسلام پر باقی رہنے کا بھی کوئی راستہ نہ رہا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر پہچان لیا جو اپنی کتابوں میں پاتے تھے پھر بھی کفر پر جمے رہے (اس کو **ارتدو اعلی ادبار ھم** سے تعبیر فرمایا کیونکہ آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دعوی کیا کرتے تھے کہ ہم ضرور اتباع کریں گے اس دعوے کے مطابق جو کچھ کرنا تھا اس سے پھر گئے) آیات کا نزول جن لوگوں کے بارے میں بھی ہوا الفاظ کا عموم ہر طرح کے مرتدین کو شامل ہے ارشاد فرمایا کہ بے شک جو لوگ پشت پھیر کر دین حق سے پھر گئے حالانکہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی تھی شیطان نے ان کا ناس کھویا اس نے کفر اور ارتداد کو اور برے اعمال کو ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کیا حق اور حقیقت کو جانتے ہوئے دنیا کی ظاہری زینت کو انہوں نے ترجیح دی شیطان نے مزید یہ کیا کہ ان کو یہ بتایا کہ دیکھو کہ ابھی دنیا میں تمہیں بہت رہنا ہے اور زیادہ دن جینا ہے اسلام قبول کر کے یہ لمبی زندگی آرام سے کیسے گزارو گے؟ دیکھو جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے کتنی تکلیفوں میں پڑ جاتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ اس میں ذٰلِکَ کا مشار الیہ اور اَنَّھُمْ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اور اَلَّذِیْنَ كَرِهُوْا سے کون لوگ مراد ہیں اور بَعْضِ الْاَمْرِ سے کیا مراد ہے اس بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں بِاَنَّھُمْ کی با کو سببیہ لینے کی صورت میں وہی قول قرین قیاس ہوگا جس سے ذٰلِکَ کا مشار الیہ مسبب اور با کا

مدخول سبب بن سکتا ہو علامہ قرطبی نے ذٰلِکَ کا مشارالیہ اَمْلٰی لَھُمْ کو قرار دیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ شیطان کا انہیں لمبی عمر والی باتیں سمجھانا اس سبب سے ہے کہ انہوں یعنی منافقوں اور یہودیوں نے مشرکین سے کہا جن کو اللہ کا نازل فرمودہ ناگوار ہے کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کرلیں گے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں (مثلاً) آپ سے دشمنی رکھنے میں اور جہاد میں شرکت نہ کرنے میں اور دین اسلام کو کمزور کرنے میں ہم تمہاری بات مان لیں گے تمہاری سب باتوں کی اطاعت کا وعدہ نہیں کرتے یہ لوگ کافر تو پہلے ہی سے تھے مزید صفات کفریہ کا اظہار اور اعلان بھی کر دیا اس لئے شیطان کو انہیں ڈھیل دینے اور کفر میں آگے بڑھانے کا موقع مل گیا (تفسیر قرطبی ۲۵۰ ج ۱۶)

معالم التنزیل میں بھی یہ تفسیر لکھی ہے لیکن ذٰلِکَ کا مشارالیہ متعین نہیں کیا صاحب روح المعانی اس سے متفق نہیں ذٰلِکَ کا اشارہ اَمْلٰی لَھُمْ ہے لیکن احقر کے نزدیک تمام احتمالات میں یہی راجح ہے صاحب بیان القرآن نے ذٰلِکَ کا مشارالیہ ارتدادعلی الادبار کو لیا ہے اور سَنُطِیْعُکُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ کا یہ مطلب لیا ہے کہ منافقین نے رؤسا یہود سے کہا کہ ہم عدم اتباع ظاہر کرنے کے بارے میں تمہارا حکم نہیں مانیں گے کیونکہ وہ ہماری مصلحت کے خلاف اور عدم اتباع باطناً کا جو حکم دیتے ہو ہم اس میں تمہارا اتباع کرلیں گے کیونکہ ہم اس میں تمہارے ساتھ ہی ہیں۔

موت کے وقت کافر کی مار پیٹ

پھر فرمایا فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (الآیۃ) اس میں منافقین کی موت کے وقت کی بدحالی کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں ان کو عذاب نہ ہوا تو یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے محفوظ ہو گئے ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے جو موت کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے ارشاد فرمایا کہ ان منافقین کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کر رہے ہونگے اور ان کے چہروں اور پشتوں کو مار رہے ہوں گے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دنیا میں یہ لوگ جہاد سے بچ رہے ہیں ان کا یہ بچاؤ کتنے دن چلے گا بالآخر مریں گے اور موت کے وقت سے ہی ان کی پٹائی شروع ہو جائے گی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی شخص گناہگاری کی حالت میں مرتا ہے فرشتے اس کی موت کے وقت اس کے چہرے پر اور پچھلے حصہ پر مارتے رہتے ہیں اس مار پیٹ کو حاضرین محسوس نہیں کرتے مگر ایسا ہوتا ضرور ہے جیسا کہ برزخ کے احوال مرنے والے پر گزرتے ہیں اور دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتے سورۃ الانفال میں فرمایا۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (اور اگر آپ دیکھیں جب کہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جلنے کا عذاب چکھ لو یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے)

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا ان کی یہ سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور اس کی رضا مندی کو اچھا نہ جانا سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے) یعنی انہوں نے کفر کو اختیار کیا (جو اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے) اور ایمان قبول نہ کیا (جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے) اللہ کو راضی کرنے والے عمل سے ان کو نفرت اور کراہت تھی ان کے موت کے وقت یہ سزا ملے گی اور اس کے بعد بھی برا عذاب ہی عذاب ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کوئی عمل ایسا کیا تھا جس پر ثواب دیا جا سکے ان اعمال کو بھی اللہ نے اکارت کر دیا یعنی آخرت میں ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ
کیا ان لوگوں نے خیال کیا ہے جن کے دلوں میں مرض ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو نہ نکالے گا اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو انہیں دکھا دیتے'
فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
سو آپ انہیں ان کی نشانی سے پہچان لیتے اور آپ انہیں ضرور بالضرور بات کرنے کے ڈھنگ سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور بلاشبہ ہم ضرور تم کو آزمائیں گے
حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾
تا کہ ہم تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور تا کہ ہم تمہارے اعمال کو جانچ لیں۔

منافقین کے دلوں میں مرض ہے' طرز کلام سے ان کا نفاق پہنچانا جاتا ہے!

تفسیر: جو لوگ منافقین تھے انہیں اسلام سے اور مسلمانوں سے دشمنی تھی' بظاہر دوست بنے ہوئے تھے اور اندر سے دشمن تھے اس دشمنی کا کسی نہ کسی طرح ظہور ہوتا رہتا تھا لیکن ان کا دعویٰ یہی تھا کہ ہم مسلمان ہیں یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تم میں سے ہیں اور یوں سمجھتے تھے کہ ہمارا باطن پوشیدہ رہے گا اور اسی طرح اپنے کفر کو چھپا کر مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے اور ان سے جو منافع متعلق ہیں حاصل کرتے رہیں گے یہ ان کا خیال تھا منافق اپنے نفاق کو چھپاتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوشیار اور چالاک ہوں اللہ تعالیٰ شانہ نے ایک عرصہ تک اشخاص کی تعیین کر کے ان کی پہچان نہیں کرائی ہاں ان کے احوال اور اعمال بیان فرما دیئے سورۂ برأت میں ان کے تفصیلی احوال بیان فرمائے ہیں اسی لئے اس سورت کا ایک نام فاضحہ...... (یعنی رسوا کرنے والی بھی ہے بعض دوسری سورتوں میں بھی ان کی حرکتیں اور ان کے اعمال بیان فرمائے ہیں وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ

(اور اگر ہم چاہیں آپ کو واضح طور پر ان منافقین میں سے ہر ایک کی الگ الگ پہچان کرا دیں مگر اس کی ضرورت نہیں ہے) آپ ان کے رنگ ڈھنگ سے انہیں پہچان لیں گے ان کا لب ولہجہ اور بات کرنے کا ڈھنگ بتا دے گا کہ یہ منافق ہیں اندر سے مومن نہیں ہیں کیونکہ غیر مخلص کا طریقہ کار اور طرز زندگی اور میل جول اور بول چال کا ڈھنگ مخلصین سے مختلف ہوتا ہے بلاوجہ قسمیں کھانا رک رک کر بات کرنا سوچ سوچ کر جواب دینا تا کہ الفاظ اور طرز گفتگو سے مخاطب کو بدعقیدگی کا پتہ نہ چل جائے یہ منافقین کے ڈھنگ ہوتے ہیں ایک عرصہ تک تو ایسا ہی رہا پھر بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نکال دیئے گئے جس کی تفصیل سیرت ابن ہشام کے جلد ثانی کے اوائل میں مذکور ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ (اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے) اسے اہل ایمان کے اخلاص کا اور اہل نفاق کی منافقت اور مکروفریب کا علم ہے' منافقین یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم مسلمانوں سے اپنی منافقت کو چھپا کر اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے اگر مومنین مخلصین کو پتہ نہ چلا تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ علم ہے اس کے عذاب اور عقاب سے کیسے مطمئن ہو گئے؟

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ (یعنی اعمال شرعیہ جہاد وغیرہ کے جو احکام نافذ کئے جاتے ہیں ان کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی جاتی ہے ہم ضرور ضرور تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ مخلص مجاہدین اور صابرین کا ظاہری طور پر علم ہو جائے وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ (اور تاکہ ہم تمہارے احوال کو جانچ لیں)۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو گئی
لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور وہ عنقریب ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا' اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی
وَلَا تُبْطِلُوْٓا أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو' بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا پھر وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ہرگز اللہ ان کی
يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ
مغفرت نہ فرمائے گا' سو تم سست نہ بنو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے
أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾
اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے' ان کے اعمال حبط کئے جائیں گے

تفسیر: اوپر چار آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اور ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اس سے پھر گئے ایسے لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے (یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو نقصان پہنچائیں گے اور انہیں قیامت کے دن بربادی کا سامنا ہوگا) دنیا میں انہوں نے جو کوئی عمل ایسا کیا تھا جس پر اللہ کی طرف سے اہل ایمان کو ثواب ملتا ہے قیامت کے دن کافروں کو اس کا کچھ بھی ثواب نہ ملے گا یہ اعمال بالکل اکارت چلے جائیں گے۔

دوسری آیت میں یہ حکم فرمایا کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو' اعمال صالحہ

سابقہ ایمان میں شک کرنے اور کفر و شرک اختیار کرنے اور بعض کبیرہ گناہوں کی وجہ سے باطل ہو جاتے ہیں یعنی ان کا ثواب ختم ہو جاتا ہے صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لا تبطلوا بالریاء والسمعۃ (کہ ریاکاری اور شہرت کی طلب کے ذریعہ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو آیت عام ہے اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم یعنی صحابہ کرام یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی ضرور مقبول ہوتی ہے جب آیت کریمہ اطیعوا اللّٰہ و اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ نازل ہوئی تو ہم نے کہا کہ وہ کیا چیز ہے جو ہمارے اعمال کو باطل کرے گی پھر ہم نے سمجھ لیا کہ اسی سے کبیرہ گناہ اور فواحش مراد ہیں یعنی ان سے اعمال صالحہ باطل ہو سکتے ہیں اس کے بعد جب ہم کسی کو دیکھتے تھے کہ کوئی گناہ یا فحش کام اس سے سرزد ہو گیا تو ہم کہتے تھے کہ یہ شخص تو ہلاک ہو گیا یہاں تک کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ نازل ہو گئی تو اس کے بعد ہمارا طریقہ یہ ہوا کہ جب کوئی شخص کبیرہ گناہ کر لیتا تھا تو اس کے بارے میں مواخذہ کا خوف رکھتے تھے (یعنی اس کا مواخذہ یقینی جانتے تھے) اور جس سے کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوتا اس کے بارے میں بخشش کی امید رکھتے تھے۔ (ذکرہ صاحب الروح ص۷۹ ج۲۶)

تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا پھر حالت کفر میں مر گئے اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا ہاں اگر کسی کافر نے اسلام کی مخالفت کی اور اللہ کے دین سے روکتا رہا پھر توبہ کر لی یعنی اسلام قبول کر لیا پھر حالت اسلام ہی میں مر گیا تو اس کے زمانہ کفر کا سب کچھ معاف ہو جائے گا اسی بات کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اما علمت یا عمرو ان الاسلام یھدم ما کان قبلہ مشکوٰۃ المصابیح ص۱۴ از مسلم (اے عمرو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو (جو زمانہ کفر میں کئے ختم کر دیتا ہے)

نفلی نماز، روزہ فاسد کرنے کے بعد قضاء واجب ہونا

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ شروع کر کے توڑ دے تو اس کی قضا واجب ہے اس کے دلائل بھی لکھے ہیں ان میں سے آیت بالا کو بھی دلیل میں پیش کیا ہے تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو جب کسی نے ایک رکعت پڑھ لی یا گھنٹہ دو گھنٹہ روزہ رکھ لیا پھر توڑ دیا تو اس سے وہ عبادت بیچ میں رہ گئی جس کو شروع کیا تھا پوری عبادت کر کے کسی عمل سے باطل کر دے یا پوری کرنے سے پہلے ہی باطل کر دے دونوں طرح سے ابطال کی ممانعت پر آیت کریمہ کی دلالت ہوتی ہے شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں قال تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم وھوا عم من ابطالھا قبل اتمامھا بالافسادا و بعدہ بفعل ما یحبطہ و نحوہ۔

کمزور نہ بنو اور دشمنوں کو صلح کی دعوت نہ دو

چوتھی آیت میں فرمایا فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ (اے مسلمانو! تم ہمت مت ہارو اور اپنے دشمنوں کو صلح کی طرف مت بلاؤ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جب کافروں سے جنگ ٹھن جائے تو تم جنگ پر آمادہ رہو اور جہاد فی سبیل اللہ میں کوئی

کمزوری نہ کھاؤ کمزور پڑ جانے میں یہ بھی داخل ہے کہ خود سے دشمنوں کو صلح کی دعوت دی جائے اگر دشمن صلح کی بات اٹھائیں تو بعض احوال میں صلح کر لینا جائز ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع ہو جیسا کہ سورۂ انفال میں فرمایا وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ مزید توضیح کے لئے سورۃ انفال کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

تم ہی بلند رہو گے اگر مومن ہو

پھر فرمایا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ یہاں صرف یہی الفاظ ہیں اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اس میں یہ وعدہ فرمایا کہ تم غالب رہو گے اگر تم مومن ہو لہٰذا صفات ایمان تقویٰ جب آخرت اور فکر آخرت امانت داری ادائے فرائض وواجبات ترک معاصی کی صفات سے متصف رہیں اگر ایسا ہوگا تو مسلمان ہی غالب رہیں گے اگر ایمانی صفات کھو بیٹھیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں پر غلبہ پانے کا وعدہ نہیں بعض حالات میں قلت عدد کی وجہ سے جو ترک قتال کی اجازت ہے وہ اس کے معارض نہیں اس بات کے سمجھنے کے لئے آیت کریمہ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ مَعَكُمْ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے لہٰذا جم کر پوری قوت کے ساتھ دشمنوں سے مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے دین کی مدد کرنے کی نیت سے قتال کریں اسی سورت کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (اے ایمان والو اگر تم اللہ کی یعنی اس کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔

پھر فرمایا وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (اور وہ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا) وہ ہر عمل صالح کا ثواب دے گا بشرطیکہ اسے باطل نہ کر دیا ہو اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ پر وعدہ فرمایا ہے کہ ایک عمل کا ثواب کم از کم دس گنا دیا جائے گا اور اس سے زیادہ جتنا چاہے اپنے فضل ورحمت سے عطاء فرمائے گا۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا

قال القرطبی فی تفسیرہ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ای لن ینقصکم، عن ابن عباس وغیرہٗ ومنه الموتور الذی قتل له قتیل فلم یدرک بدمه، تقول منه وترہ یَتِرہ وترا وتِرَةً ومنه قوله علیه السلام "من فاتته صلاۃ العصر فکانما وتر اهله وماله" أی ذهب بهما. (علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یعنی تمہارے اعمال میں کمی نہ ہوگی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور اس سے موتور ہے وہ شخص جس کا کوئی آدمی قتل ہو گیا اور اسکا خون بہا اسے نہ ملا ہو تم کہتے ہو وترہ یتر، وترا و ترۃً اور اسی سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کا اہل اور مال (وتر) ہلاک ہو گیا۔)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ

دنیا والی زندگی بس لہو ولعب ہے اور اگر تم ایمان پر جمے رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو وہ تمہیں تمہارے اجور عطاء فرمادے گا اور وہ تم سے

اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔــلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۗءِ

تمہارے مال طلب نہ فرمائے گا اگر وہ تم سے مال طلب کرے پھر انتہاء درجہ تک طلب فرمائے تو تم بخل کرنے لگو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ
ناگواری کو ظاہر فرما دے گا خبردار تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے سو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ
عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا
اپنی جان کی طرف سے بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے تم محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر
يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾
وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔

دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے، کنجوسی کا وبال بخل کرنیوالے پر ہی ہے، اللہ غنی ہے اور تم فقراء ہو!

تفسیر: گزشتہ آیت میں مومنین سے خطاب تھا کہ تم ست نہ بنو اور کافروں سے صلح کرنے کی طرف نہ جھکو اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ فرمائے گا ان آیات میں مسلمانوں کو چند تنبیہات فرمائی ہیں کچھ عام احوال سے اور کچھ فی سبیل اللہ اموال خرچ کرنے سے متعلق ہیں اول تو یہ فرمایا کہ دنیا کھیل ہے نفوس کو بہلانے والی چیز ہے سورۃ العنکبوت میں بھی یہ مضمون ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور بلاشبہ آخرت والا گھر ہی زندگی ہے) کھیل کود سے مقاصد حقیقیہ حاصل نہیں ہوتے مقصد حقیقی یعنی ہمیشہ نعمتوں اور فرحتوں اور لذتوں میں رہنا یہ موت کے بعد دار آخرت ہی میں نصیب ہوگا اسی کے لئے کوشش کرنا لازم ہے انہیں اعمال میں مشغول ہو جو وہاں کام آئیں پھر فرمایا وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ اور اگر تم ایمان پر جمے رہے اور تقویٰ اختیار کیا (جس میں فرائض اور واجبات کی ادائیگی اور ترکِ معاصی سب داخل ہے) تو اللہ تمہارے اعمال کے اجور عطاء فرمائے گا مفسر قرطبی نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں اول یہ کہ اللہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ پورے اموال زکوٰۃ میں دے دو، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اموال کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا ثواب تمہیں کو مل جائے گا اور ایک یہ مطلب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کسی جگہ مال خرچ کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ تمہارے اموال کا سوال نہیں ہے وہ تو اسی کا مال ہے اسی نے تم کو عطاء فرمایا وہی مالک حقیقی ہے اپنی رضا کے لئے جو مال بھی خرچ کرنے کا حکم فرمائے اس پر راضی رہنا چاہئے کیونکہ اس نے اپنا مال طلب فرمایا۔ (لا یسئلکم اموالک کا ترتب اِنْ تُؤْمِنُوْا پر جیسا کہ اس کے جزا ہونے کا مقتضا ہے بایں معنی نہیں ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو تمہارا مال لے لے گا بلکہ بایں معنی ہے کہ ایمان نہ لانے والے سے تو ہماری کوئی خصوصیت ہی نہیں اس میں تو سوال اموال کا احتمال ہی نہیں، البتہ شاید ایمان لانے کی صورت میں ڈرتا کہ کہیں دوستی میں فرمائشیں نہ ہونے لگیں جیسا کہ اکثر اہل دنیا میں مشاہدہ کیا جاتا ہے)

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ (اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور انتہاء درجہ تک طلب

فرمائے تو تم بخل کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری کو ظاہر فرما دے گا یعنی تم اس صورت میں مال خرچ نہ کرو گے اور خرچ کرنے کا حکم ہوتے ہوئے خرچ نہ کرنے کی ظاہری بے عملی سے تمہارے اندر کی ناگواری ظاہر ہو جائے گی اور یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ حکم کے مطابق عمل کرنے پر دل سے راضی نہیں ہو (مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے طور پر 1/40 خرچ کرنے کا حکم ہوا ہے اسے خرچ کرنے سے بھی جان چراتے ہیں دینداری کے دعویدار بھی پورا حساب کر کے پوری زکوٰۃ دینے کو تیار نہیں اگر پورے اموال کا خرچ کرنے کا حکم ہوتا تو کیا حال ہوتا خوب سمجھ لیا جائے اس مضمون کو بعد والی آیت میں بیان فرمایا ارشاد ہے هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِۚ فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ (خبردار تم ایسے لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض وہ ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں)

وَمَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ (اور جو شخص بخل اختیار کرے گا کنجوس بنے گا تو وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے یعنی اپنی ہی جان کو خرچ کرنے کے منافع سے محروم رکھتا ہے خرچ نہ کرنے کا ضرر خود اسی کو پہنچتا ہے۔

وَاللّٰهُ الۡغَنِیُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ (اور اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو) اللہ تعالیٰ تمہیں عطاء فرماتا ہے اسے نہ حاجت ہے نہ ضرورت ہے وہ بے نیاز ہے تم سب اس کے محتاج ہو اس غلط فہمی میں کوئی نہ رہے کہ شرعی قوانین کے مطابق جو اموال خرچ کرنے کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی نفع ہے (العیاذ باللہ)

اگر تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ دوسری قوم کو لے آئے گا

آخر میں فرمایا وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَكُمۡ (اور اگر تم روگردانی کرو دین اسلام کی طرف سے بے رخی اختیار کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا)

ثُمَّ لَا یَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ (پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے) اس میں ان مسلمانوں کو جو نزول آیت کے وقت موجود تھے خصوصاً اور تمام بعد آنے والے مسلمانوں کو عموماً تنبیہ فرما دی کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ دین اسلام کی نصرت اور اس کے اعمال انفاق مال اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔

مجھ پر یا میری قوم پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے وہ خالق اور مالک بھی ہے غنی بھی ہے قادر مطلق بھی ہے جس کو چاہے جس کام میں چاہے استعمال فرما سکتا ہے۔

عجمی اقوام کی دینی خدمات

سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ہم لوگ روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے بدلہ ان کو اختیار فرمالے گا پھر وہ ہمارے جیسے نہ ہوں گے اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے آپ نے فرمایا حضرت سلمان فارسی کے مونڈھے پر اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ شخص اور اس کی قوم اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اور ان کے اصحاب قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ستاروں) پر

بھی لٹکا ہو تو فارس کے بہت سے لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔ (سنن ترمذی ابواب تفسیر سورۃ محمد ﷺ)

درحقیقت ایسا ہی ہوا جب اہل عرب کو اسلامی خدمات کی طرف توجہ نہ رہی تو اللہ جل شانہ نے فارس کے شہروں اور بستیوں سے ایسے افراد پیدا فرمائے جنہوں نے خوب بڑھ چڑھ کر علوم اسلامیہ کی خدمت کی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو لے لو جن کا علم اور تقویٰ اور شان تفقہ عوام اور خواص سب کو معلوم ہے پھر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پڑھ لو اور مکی بن ابراہیم بلخی کا ترجمہ بھی پڑھ لو جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے ان سے امام بخاری نے گیارہ ثلاثیات کی روایت کی ہے ابوعبید قاسم بن سلام ہروی، نعیم بن حماد مروزی، اسحٰق بن ابراہیم مروزی، زہیر بن حرب قتیبہ بن سعید بلخی، ابوجعفر محمد بن مہران رازی، ابوزکریا یحیٰ بن موسیٰ البلخی السجستانی، حافظ زکریا بن یحیٰ بلخی، امام ابوزرعہ رازی، امام ابوحاتم الرازی، امام ابوداؤد، (صاحب السنن) سلیمان بن اشعث السجستانی، صاحب السنن امام ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ، صاحب السنن امام احمد بن شعیب النسائی، امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری الحافظ الکبیر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ النیساپوری، الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یحیٰ بن مندہ الاصبہانی بلادِ فارس کے رہنے والے تھے، حضرت امام مسلم بن الحجاج (صاحب الصحیح) بھی نیساپوری تھے ان کو قشیری بھی کہا جاتا ہے تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی قشیر کی طرف منسوب ہے جو عرب کا ایک قبیلہ تھا اگر وطن کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اہل عجم کی فہرست میں ان کا اسم گرامی بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔

یہ چند اسماء محدثین کرام کے ہم نے حافظ ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ سے منتخب کر کے لکھے ہیں مزید مطالعہ کیا جائے تو فارس کے محدثین کی بڑی تعداد سامنے آجائے گی حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے جو تذکرۃ الحفاظ کا تکملہ لحظ الالحاظ کے نام سے لکھا ہے اس سے بھی انتخاب کرلیا جائے، حافظ ابوالقاسم طبرانی، صاحب المعاجم اور حافظ ابوحاتم محمد بن حبان البستی اور ابن السنی ابوبکر دینوری اور حافظ ابونعیم اصبہانی اور صاحب السنن امام بیہقی کا اضافہ تو کرہی لیں۔

یہ ہم نے چند محدثین کرام کے اسماء گرامی لکھے ہیں جو بلاد فارس کے رہنے والے تھے دوسرے بلاد عجم کے محدثین ان کے علاوہ ہیں اہل مغرب کے جن حضرات نے کتاب وسنت کی خدمت کی ہے ان کو بھی فہرست میں لے لیا جائے، حضرت امام ابوعمرو دانی، امام شاطبی امام ابن الجزری کے اسماء گرامی کو بھی فہرست میں لکھ لیں مفسرین عظام اور فقہائے کرام کا تذکرہ باقی ہے ان کی بھی فہرست بنالی جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے فقہ کو آگے بڑھانے والے تو اہل فارس ہی تھے جنہیں علمائے ماوراء النہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد تاتاریوں نے جو اسلام کی خدمت انجام دی ہیں اور ترکوں نے جو صلیبی جنگیں لڑی ہیں ان کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ کے عموم میں تمام عجمی اقوام آجاتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے بطور مثال فارس کا تذکرہ فرمادیا ہے۔

وَهٰذا آخر الكلام فِيْ تفسير سورة محمد عليه الصلوٰة والسلام

وَعَلىٰ آلِهٖ وصَحبه البررة الكرام والحَمد للّٰه تعَالىٰ علىٰ التَمام.

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الفتح مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں انتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ

بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت

عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ

پوری کردے اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے اور اللہ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہو اللہ وہی ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون نازل فرمایا

فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ

تا کہ ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور

اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ علیم ہے حکیم ہے تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تا کہ اللہ منافق مردوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ

اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں برا گمان رکھنے والے ہیں ان پر برائی کی مصیبت پڑنے والی ہے

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ ان پر غصہ ہوا اور ان پر لعنت کردی اور ان کے لئے جہنم تیار کردیا اور وہ برا ٹھکانہ ہے اور اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں کے

وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور زمین کے اور اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔

فتح مبین کا تذکرہ نصر عزیز اور غفران عظیم کا وعدہ

تفسیر: یہ سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے اس سورت میں فتح مبین کا اور صلح حدیبیہ کا اور فتح خیبر کا

تذکرہ ہے اور آخر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی توصیف اور تعریف ہے اس سورت کا ابتدائی حصہ سفر میں نازل ہوا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ منورہ کے لئے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ کے دلوں میں اس بات کا رنج تھا کہ عمرہ نہ کر سکے اس وقت سورۃ الفتح نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔ جب آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ پڑھ کر سنائی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مبارک ہو اس میں تو آپ کے بارے میں فرمایا کہ ایسا ایسا ہوگا سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا بنے گا اس کا بھی پتہ چلنا چاہیے اس پر آیت کریمہ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ نازل ہوئی۔ (ذکرہ البغوی معالم التنزیل ص ۱۸۸ ج ۴ وھو فی صحیح البخاری مختصراص ۶۰۰ ج ۲)

حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے ایک روز رات کے وقت ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کچھ سوال کیا آپ نے جواب نہ دیا پھر سوال کیا آپ نے پھر خاموشی اختیار فرمائی پھر تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے نفس سے کہا تیری ماں تجھے گم کرے پریشانی کے وقت اہل عرب اپنے بارے میں یہ کلمات بول دیا کرتے تھے تو نے تین بار سوال کر کے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف میں ڈالا تین بار سوال کیا آپ نے جواب نہیں دیا یہ سوچتے ہوئے میں جلدی سے اپنے اونٹ کو حرکت دے کر سب مسلمانوں سے آگے بڑھ گیا اور میں اس بات سے ڈرنے لگا کہ میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیات نازل نہ ہو جائے تھوڑی دیر میں ایک آواز سنی ایک شخص زور سے پکار کر کہہ رہا ہے اے عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ میں ڈرا کہ واقعۃً میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا کہ اس رات میں مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری ص ۶۰۰، ۷۱۶)

صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ

رسول اللہ ﷺ کو قریش مکہ نے بہت زیادہ تکلیفیں دی تھیں حتیٰ کہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے لئے اپنے پیچھے نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر روانہ ہو گئے مدینہ منورہ کے رہنے والے اور آس پاس کے دیہات کے باشندوں کو بھی سفر میں ساتھ چلنے کے لئے فرمایا آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور حضرات صحابہؓ نے بھی، تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا مقصود ہے آپ اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لے گئے تھے (جو حج و عمرہ میں حرم مکہ میں ذبح کئے جاتے ہیں) جب آپ مقام عفسان میں پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش مکہ کو آپ کی روانگی کا پتہ چل گیا ہے وہ مقام ذی طویٰ میں جمع ہو گئے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے سواروں کو لیکر کراع الغمیم (ایک مقام کا

نام ہے) میں پہنچ چکے ہیں آپ نے یہ سن کر راستہ بدل دیا اور داہنی ہاتھ کی طرف روانہ ہو گئے یہ با قاعدہ راستہ نہیں تھا گھاٹیاں تھیں دشوار گزار مقامات سے گزرنا پڑا یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ گئے اور مقام حدیبیہ کے راستہ پر پڑ گئے' حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ہے حرم کے حدود وہاں ختم ہو جاتے ہیں (عسفان سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے حدیبیہ واقع نہیں ہوتا لیکن چونکہ قریش کے آڑے جانے کا امکان تھا اس لئے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے۔

جب قریش کے سواروں کو پتہ چلا کہ اپنے راستہ بدل دیا ہے تو واپس قریش کے پاس مکہ معظمہ چلے گئے ادھر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے وہاں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی صحابہ نے کہا یہ تو آگے بڑھنے سے ہٹ کرنے لگی آپ نے فرمایا ہٹ کرنا اسکی عادت نہیں ہے اسے اسی ذات پاک نے روک دیا جس نے ہاتھی والوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ قریش مکہ کے آڑے آجانے اور مکہ معظمہ کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنے کا گمان تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ اگر آج قریش نے مجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جو صلہ رحمی کی بنیاد پر ہو تو میں اس میں اسکی موافقت کرلوں گا اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ اگر مجھے کسی ایسی بات کی دعوت دیں گے جس میں ان چیزوں کی حرمت کا مطالبہ ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے معظم قرار دیا ہے تو ان کی بات مان لوں گا۔

حدیبیہ میں قیام تو فرما لیا لیکن وہاں پانی بہت ہی کم تھا حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں تو پانی نہیں ہے نہ وضو کر سکتے ہیں نہ پینے کا انتظام ہے بس یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے پیالہ میں ہے آپ نے اپنا دست مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے پانی پیا وضو کیا کسی نے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی کتنی تعداد تھی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لئے کافی ہو جاتا۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (آیت کریمہ میں جو فتح کا ذکر ہے آپ لوگ اس سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں اور ہم بیعت رضوان کو فتح کا مصداق شمار کرتے تھے جو حدیبیہ کے موقعہ پر ہوئی ہم تعداد میں چودہ سو یا کچھ زیادہ تھے' حدیبیہ کے ایک کنوئیں میں تھوڑا سا پانی تھا ہم نے سارا پانی کھینچ کر استعمال کر لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور اس کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ اس میں سے نکالا ہوا ایک ڈول پانی لاؤ وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے کہ وضو فرمایا اور کلی کی اور اس کنوئیں میں پانی ڈالا پھر فرمایا اسے کچھ دیر چھوڑ دو کچھ دیر کے بعد اس میں پانی لینا شروع کیا اور تمام حاضرین اپنی سواریاں سمیت سیراب ہو گئے) اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے چودہ سو سے اوپر جو افراد تھے ان کو بعض صحابہ نے پندرہ سو بتا دیا اور بعض نے چودہ سو بتا دیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اور اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہو گئے اور کنوئیں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا...... جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرما لیا تو قریش مکہ نے یکے بعد دیگرے بدیل بن ورقاء اور مکرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے لڑائی لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضراتِ صحابہ کی محبت اور جانثاری

عروہ بن مسعود حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تھے تو جو پانی آپ کے اعضاء سے جدا ہوتا حضرات صحابہؓ اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے جب آپ ناک کی ریزش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپ کا اگر کوئی بال گرتا تھا تو اسے بھی گرنے سے پہلے ہی اچک لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس ہو کر قریش مکہ سے کہا کہ دیکھو میں کئی بار کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ وہاں قریش کو بتادو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت پیش کر دی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کر سکیں میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر اشراف قریش کے پاس بطور نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتادیں کہ آپ جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں البتہ تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کر سکتا رسول اللہ ﷺ طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا حضرت عثمان کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بیعت رضوان کا واقعہ

جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کر لی جائے چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضا بن گئی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ سے بیعت لینا شروع کیا اور ایک شخص کے علاوہ آپ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کر لی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ہی بیعت کر لی اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے (یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقام حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیت کریمہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ نازل ہوئی اس لئے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان معروف ہو گیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں) اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط ہے لیکن اس خبر کی وجہ سے جو

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اس کا ثواب بھی مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا تمغہ بھی نصیب ہو گیا جس کا قرآن مجید میں اعلان ہو گیا جو رہتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہو گی اور اہل عرب یوں کہیں گے کہ دیکھو محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہو گئے سہیل ابن عمرو نے خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہو گئیں (صحیح بخاری (باب الشروط فی الجہاد ص ۳۷۷ ج ۱ اور اجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ ج ۴ تا ص ۲۰۳) جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کی جائیں گی۔

صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط

صحیح بخاری ۳۷۱، ۳۸۲ اور صحیح مسلم ۱۰۴ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطور عنوان لکھ دیا ھذا ما قضیٰ علیہ محمد رسول اللہ اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو مانتے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟ آپ محمد بن عبداللہ لکھیے آپ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبداللہ بھی ہوں پھر حضرت علی سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو حضرت علی نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے ناز و انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں "هذا ما قاضى عليه محمد بن عبدالله" لکھا گیا۔

صحیح مسلم ۱۰۵ ج ۲ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ باسمک اللھم ہے (آپ نے اس کو بھی منظور فرمالیا کما ذکرہ النوری)

البدایہ والنہایہ ۱۶۸ ج ۴ میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے

هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله سهيل بن عمرو، اصطلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيهن الناس ويكف بعضهم عن بعض و على انه من اتى محمداً من قريش بغير اذن وليه رده عليهم ومن جاء قريشاً ممن مع محمد لم يردوه عليه، وان بيننا عيبة مكفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال، وانه من احب ان يدخل فى عقد محمد وعهده دخل فيهٔ ومن احب ان يدخل فى عقد قريش وعهد هم دخل فيهٔ وانک ترجع عامک هذا فلاتدخل علينا مكة، وانه اذا كان عام قابل خرجنا عنک فدخلتها باصحابک فاقمت بها ثلاثاً معک سلاح الراكب السيوف فى القرب لا تدخلها لغيرها.

ترجمہ: یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ان باتوں پر صلح کی گئی۔

۱۔ دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے ان دس سالوں میں لوگ امن و امان سے رہیں گے اور ایک دوسرے

(پر حملہ کرنے) سے رکے رہیں گے۔

۲۔ قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد علیہ السلام کے پاس آ جائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

۳۔ اور محمد علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۴۔ اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے درمیان گٹھڑی بندر ہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے) لڑائی والی بات کو گٹھڑی کی طرح باندھ کر ڈال دیں گے اور بعض حضرات نے گٹھڑی بندر رکھنے کا یہ معنی بتایا ہے جو کچھ ہم نے صلح کی ہے یہ سچے دل سے ہے دل گٹھڑیوں کی طرح ہیں جن میں راز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں لہٰذا ہماری یہ گٹھڑی نہ کھلے گی اور کوئی فریق دھوکہ یا خیانت کا کام نہ کرے گا۔

۵۔ نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر شرط کی پابندی کی جائے گی)

۶۔ اور جو شخص محمد علیہ السلام کے ساتھ کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔

۷۔ اور جو جماعت قریش سے کوئی معاہدہ و معاقدہ کرنا چاہئے اسے اس کا اختیار ہے۔

۸۔ آپ اس سال واپس ہو جائیں مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں۔

۹۔ اور آئندہ سال اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے آئیں اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن رہیں۔

۱۰۔ اس وقت جب عمرہ کے لئے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے تلواریں نیاموں میں ہوں گی اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہو سکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر ۴ کے مطابق بنو خزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہیں اور بنو بکر نے اعلان کر دیا کہ ہم قریش میں ہیں پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنو بکر کی مدد کر دی جب بنو خزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی) معاہدہ کی جو شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری (صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ص ۳۷۷ ج ۱ اور راجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ ص ۲۰۳ ج ۴) میں اور بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا تردد اور سوال وجواب

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض شرطوں کا قبول کرنا ناگوار ہوا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا قریش مکہ باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں! پھر سوال کیا کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں ہیں اور کیا ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں، عرض کیا پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت گوارا کریں اور ہم کیوں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو ہمارے ان کے درمیان (قتال کے ذریعہ) ہو واپس ہو جائیں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں وہ میری مدد فرمائے گا حضرت عمر نے عرض کیا، کیا

آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا میں نے اسی سال کے بارے میں کہا تھا؟ اس کے بعد حضرت ابوبکر سے بھی ان کا یہی سوال و جواب ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے صلح کر لی اور پورا صلح نامہ لکھ دیا گیا ابوجندل نے مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو میں مسلمان ہو کر آیا ہوں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہوں مجھے بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو لیکن مسلمان رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے صلح کی جو شرطیں آپ نے منظور فرمائی تھیں سب کے مطابق عمل کرنا لازم تھا بالآخر ابوجندل کو وہیں چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارا بن کر ہم کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے دور فرما دے گا اس کی ہمیں ضرورت نہیں) اور جو شخص ان میں سے ہو گا اور ہمارا بن کر آئے گا (پھر ہم شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں گے تو) اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۰۵ ج ۱)

حلق رؤس اور ذبح ہدایا

جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے ہدایا کو ذبح کر دو اور سر منڈا لو یہ بات سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا کیونکہ حضرت صحابہؓ اس امید میں تھے کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وقت سے پہلے احرام کھولنا نہ پڑے اور عمرہ کرنے کا موقع مل ہی جائے) آپ کے تین بار ارشاد فرمانے کے بعد بھی جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوری صورت حال بیان کی (کہ میں ہدایا کے ذبح کرنے کا اور سر مونڈنے کا حکم دے چکا ہوں لیکن صحابہ اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ ذبح اور حلق والا کام کر گزریں تو آپ باہر تشریف لے جا کر کسی سے بات کئے بغیر اپنے اونٹوں کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈوا دیں آپ باہر تشریف لائے اور ایسا ہی کیا جب آپ کو حضرات صحابہ نے دیکھا کہ آپ ہدایا ذبح فرما رہے ہیں اور حلق کروا لیا ہے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ہدایا کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۰)

حضرت ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ

وہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اہل مکہ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اور اسے شرط کے مطابق واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا اس کے مطابق اس کا حل یہ نکلا حضرت ابوبصیرؓ ایک صحابی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے مکہ والوں نے ان کو واپس کرنے کے لئے دو آدمی بھیجے، رسول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق ان کو واپس کر دیا واپسی میں جب ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں میں سے جو انہیں لینے آئے تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور اسے کوئی خوفناک بات پیش آئی ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی تو قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں پیچھے سے حضرت ابوبصیر بھی حاضر خدمت ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ

کی جو ذمہ داری تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی ہے آپ نے مجھے واپس کر دیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا یہ سن کر ابو بصیرؓ نے سمجھ لیا کہ آپ مجھے پھر واپس کر دیں گے لہٰذا وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پر پڑاؤ ڈال لیا۔ جب ابو جندل کو اس کا پتہ چلا تو وہ بھی ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور اب جو بھی کوئی شخص قریش مکہ میں سے مسلمان ہوتا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاتا یہاں تک کہ وہاں کے سمندر کے کنارے ایک جماعت اکٹھی ہو گئی قریش کا جو بھی قافلہ شام کی طرف جاتا تھا یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلے کے آدمیوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال چھین لیتے تھے جب یہ صورت حال سامنے آئی تو قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو بلا لیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس پہنچے گا اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو پیغام بھیج دیا کہ واپس آجائیں۔ (صحیح البخاری ص ۳۸۰، ۳۸۱ ج ۱)

رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر کے نام خط لکھ دیا کہ مدینہ منورہ آجائیں جب گرامی نامہ پہنچا تو وہ سیاق موت میں تھے ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی ان کے ہاتھ میں تھا حضرت ابو جندلؓ نے انہیں دفن کر دیا اور وہاں ایک مسجد بنا دی اور پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہو گئے اور برابر وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی طرف چلے گئے اور وہیں جہاد میں شہید ہو گئے۔ (فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۵)

صلح حدیبیہ کی مذکورہ تفصیل کے بعد اب آیات بالا کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے ان میں فتح مبین کی خوشخبری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کی معافی کا اور تکمیل نعمت کا اور صراط مستقیم پر چلانے کا اور نصر عزیز کا اعلان ہے۔

اہل ایمان پر انعام کا اعلان' اور اہل نفاق اور اہل شرک کی بدحالی اور تعذیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دل میں سکون واطمینان نازل فرما دیا تاکہ ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جائے اور یہ بھی فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اہل ایمان کو مرد ہوں یا عورت ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا ان کے بارے میں پانچ باتیں بتائیں اول الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ برا گمان رکھتے ہیں اس برے گمان میں یہ بھی داخل ہے یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اس کے رسول کی تکذیب نہیں کرتے ہیں کہ مومنین مغلوب ہوں گے اور کافروں کے حملے سے محفوظ ہو کر واپس مدینہ نہ آئیں گے چونکہ اپنے قلبی جذبات میں اور اعتقادات میں منافق عورتیں اور مشرک عورتیں بھی اپنے مردوں کے ساتھ ہوتیں ہیں اس لئے انہیں بھی وعید میں شریک کر لیا گیا۔

دوسری بات یہ بتائی کہ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ کہ ان پر برائی کی چکی گھومنے والی ہے یعنی دنیا میں مقتول اور ماخوذ ہوں گے اور اسلام کی ترقی ان کے قلبی احساسات کے لئے سوہان روح بنی رہے گی۔

تیسری اور چوتھی بات بتائی وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَلَعَنَھُمْ اور اللہ ان پر غصہ ہوا اور ان پر لعنت کر دی اور پانچویں بات بتائی وَاَعَدَّ لَھُمْ جَھَنَّمَ کہ ان کے لئے جہنم تیار کر دیا اور آخر میں اس مضمون کو وَسَآءَتْ مَصِیْرًا پر ختم فرمایا کہ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔

پھر فرمایا وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں کے اور زمینوں کے لشکر ان آیات میں یہ مضمون دو مرتبہ بیان فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے ان میں کافروں کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان تھوڑے سے ہیں ہم انہیں دبالیں گے چونکہ ان کے علاوہ بھی اللہ کے لشکر ہیں اس لئے ان کی تعداد کو نہ دیکھیں اللہ اپنے دوسرے لشکروں سے بھی کام لے سکتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے بھی تذکیر ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ تمہاری تائید کے لئے اور کافروں کو زک دینے کے لئے اپنی دوسری مخلوق کو بھی استعمال فرما سکتا ہے۔

فائدہ: ان آیات میں ایک جگہ وَكَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا اور ایک جگہ وَكَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اسے اپنے دوستوں کا بھی علم ہے اور دشمنوں کا بھی وہ سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے وہ عزیز بھی ہے یعنی وہ زبردست ہے اس کے فیصلے اور ارادے کوئی پلٹ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے انعام دیتا ہے جسے چاہتا ہے عقاب و عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے۔

فائدہ: آیت کریمہ میں جو لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فرمایا ہے باجماع امت اس سے گناہ حقیقی واقعی مراد نہیں ہے کیونکہ حضرت انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور نہیں ہو سکتا بلکہ بعض وہ امور مراد ہیں جن میں خطاء اجتہادی ہو گئی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرمایا جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے میں آپ نے فدیہ لینے والوں کی رائے سے موافقت فرمائی اور جیسا کہ بعض منافقین نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت فرما دی جیسے عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ میں بیان فرمایا اور جیسا کہ حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی کے آنے پر آپ کو خیال ہوا کہ اس وقت نہ آتے تو اچھا تھا اور اس کا اثر آپ کے چہرہ انور پر ظاہر ہو گیا کیونکہ آپ اس وقت کافروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اس پر عَبَسَ وَتَوَلّٰی نازل ہوئی اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کا سب کچھ معاف فرمایا پھر بھی آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے آپ رات کو نماز تہجد میں لمبا قیام کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آ گیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ پاؤں پھٹنے لگے تھے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ یہ کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کا سب کچھ معاف فرما دیا؟ آپ نے فرمایا کہ تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح البخاری ص ۱۵۰ ج ۱ ص ۷۱۶ جلد دوم)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا اکرم فرمایا تو اس کا تقاضا یہ تو نہیں ہے کہ عبادت کم کر دوں احسان مندی کا تقاضا تو یہی ہے کہ اور زیادہ عبادت میں لگ جاؤں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ

بلاشبہ ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو

وَتُسَبِّحُوْہُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ۝

اور اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

رسول اللہ ﷺ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں

تفسیر: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی تین بڑی صفات بیان فرمائی اول شاہد ہونا دوسرے مبشر ہونا تیسرے نذیر ہونا عربی میں شاہد گواہ کو کہتے ہیں' قیامت کے دن آپ اپنی امت کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا اور سورۃ الحج لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ میں بیان فرمایا ہے دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ مبشر ہیں جس کا معنی ہے بشارت دینے والا اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ نذیر ہیں یعنی ڈرانے والے ہیں تبشیر یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ کی رضا اور اللہ کے انعامات کی بشارت دینا اور کفر پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے ڈرانا یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا خاتم الانبیاء ﷺ نے بھی اسے پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا احادیث شریفہ میں آپ کے انذار اور تبشیر کی سینکڑوں روایات موجود ہیں اور الترغیب والترہیب کے عنوان سے علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات توریت شریف میں بھی مذکور ہیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی مذکورہ صفات بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا کہ ہم نے ان کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو اس کے موصوف بالکمالات ہونے کا عقیدہ رکھو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو' عقیدۂ تعظیم کے ساتھ عیوب اور نقائص سے اس کی تسبیح اور تقدیس میں لگے رہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ
بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں' اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے' سو جو شخص عہد توڑ دے گا اس کا
عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾
توڑنا اسی کی جان پر ہوگا' اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے سو وہ اسے بڑا اجر عطاء فرمائے گا۔

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا ہے

تفسیر: جس وقت مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا مقام حدیبیہ میں قیام تھا اور حضرات صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اس وقت مکہ والوں کے آڑے آجانے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سے کچھ ایسی فضاء بن گئی تھی کہ جیسے جنگ کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی جس میں یہ تھا کہ جم کر جہاد کریں گے پشت پھیر کر نہ بھاگیں گے بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ سے جو بیعت کر رہے ہیں ان کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور دعوت قبول کرنے والوں کو خود بھی اللہ کے دین پر چلاتے ہیں جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار بھی آجاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا بھی' قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے سورۃ النساء میں واضح طور پر فرمایا مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۔

بیعت کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی ہو زبانی اقرار عہد و پیمان بھی بیعت ہے لیکن چونکہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت فرمائی اور بیعت اسی طرح مروج تھی (اور اب بھی اسی طرح مروج ہے) اس لئے ارشاد فرمایا يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) اللہ تعالیٰ شانہٗ اعضا اور جوارح سے تو پاک ہے لیکن بیعت کی ذمہ داری کو واضح فرمانے کے لئے اور اس بات کو مؤکد کرنے کے لئے جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فرمایا۔

چونکہ بیعت کرنے والے کی اندرونی حالت کو وہ شخص نہیں جانتا جس سے بیعت کی جارہی ہو اس لئے بیعت کرنے والے کی ذمہ داری بتانے کے لئے فرمایا فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ (کہ جو شخص بیعت کو توڑ دے اس کے توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا) معاہدہ کر کے توڑ دینا تو ویسے بھی گناہ کبیرہ ہے پھر جبکہ معاہدہ کو بیعت کی صورت میں مضبوط اور مؤکد کر دے تو اور زیادہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے جب اللہ کے رسول سے بیعت کر لی تو اس کو پورا کرنا ہی کرنا ہے۔

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا)

فائدہ:۔ اصحاب طریقت کے یہاں جو سلسلہ جاری ہے یہ مبارک و متبرک ہے اگر کسی متبع سنت شیخ سے مرید ہو جائے تو برابر تعلق باقی رکھے لیکن اگر شیخ خلاف شریعت کسی کام کا حکم دے تو اس پر عمل کرنا گناہ ہے' اگر کسی فاسق یا بدعتی پیر سے بیعت ہو جائے تو اس بیعت کو توڑنا واجب ہے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ

عنقریب دیہات کے وہ لوگ جو پیچھے ڈال دیئے گئے آپ سے کہیں گے کہ ہمارے مالوں نے اور اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر دیا سو آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے' وہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں

بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

جو ان کے دلوں میں نہیں ہے' آپ فرما دیجئے سو وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے کسی بھی چیز کا اختیار رکھتا ہو اگر وہ تمہیں کوئی نقصان

أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ

یا نفع پہنچانا چاہے' بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارا خیال تھا کہ رسولؐ

وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا

اور مؤمنین کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کر دی گئی اور تم نے برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے

بُوْرًا ۝ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

والے لوگ ہو اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور زمین کا' وہ بخش دے جسے چاہے' اور عذاب دے جسے چاہے' اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں نہ جانے والے دیہاتیوں کی بدگمانی اور حیلہ بازی کا تذکرہ

تفسیر: معالم التنزیل ۱۹۱ج ۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس سال صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے آس پاس دیہاتوں میں یہ منادی کرادی کہ ہم عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں' مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ بھی عمرہ کر لیں اور قریش مکہ کی طرف سے کوئی جنگ کی صورت پیدا ہو جائے یا وہ بیت اللہ سے روکنے لگیں تو ان سے نمٹ لیا جائے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ھدی بھی ساتھ لی تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہو رہے اس وقت ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ روانہ ہوگئی (جن کی تعداد چودہ سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی) اس موقع پر دیہات میں رہنے والوں میں بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے اور آپ کے ساتھ سفر میں نہ گئے ابھی رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس نہیں پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں پہلے سے آپ کو خبر دے دی اور فرمایا سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا کہ دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے (جن کی شرکت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی) وہ شرکت نہ کرنے کا عذر بیان کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے اہل وعیال نے ہمیں مشغول رکھا ہم ان کی ضروریات میں لگے رہے پیچھے گھروں میں چھوڑنے کے لئے بھی کوئی نہ تھا لہٰذا آپ ہمارے لئے اللہ سے درخواست کر دیجئے کہ وہ ہماری مغفرت فرما دے' جب آنحضرت سرور عالم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو یہ لوگ حاضر خدمت ہو گئے اور انہوں نے ساتھ نہ جانے کا وہی عذر بیان کر دیا کہ ہمیں بال بچوں سے متعلق کام کاج کی مشغولیتوں نے آپ کے ساتھ جانے نہ دیا اب آپ ہمارے لئے استغفار کر دیں' اللہ جل شانہ' نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہمارا شریک ہونے کا ارادہ تو تھا لیکن گھر بار کی مشغولیت کی وجہ سے نہ جا سکے اور یہ کہنا کہ آپ ہمارے لئے استغفار کر دیں یہ ان کی زبانی باتیں ہیں جو ان کے قلبی جذبات اور اعتقادات کے خلاف ہیں نہ ان کا شریک ہونے کا ارادہ تھا اور نہ استغفار کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہے' یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں لائے پھر گناہ اور ثواب اور استغفار کی باتوں کا کیا موقع ہے؟

پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو جھوٹی عذر خواہی اور حیلہ بازی کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی ضرر یا نفع پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے آنے والے کسی فیصلے کے بارے میں کچھ بھی اختیار رکھتا ہو' جب اللہ کے رسول ﷺ کے

ساتھ چلنے کے لئے حکم ہوگیا تو ساتھ جانا ضروری تھا آپ کے ساتھ نہ جانے کی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرر پہنچ جائے تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کرسکتا بات وہ نہیں ہے جو بطور معذرت پیش کررہے ہو اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے تم تو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی اہل ایمان جو سفر میں جارہے ہیں یہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے دشمن ان کو بالکل ختم کردیں گے یہ بات تمہارے لئے شیطان نے مزین کردی اور تمہارے دلوں میں بیٹھ گئی اور تم نے برا خیال کرلیا کہ یہ لوگ ہلاکت کی راہ پر جارہے ہیں اگر کسی کے جانے کا ارادہ بھی تھا تو تم نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ کہاں جارہے ہو ذرا انتظار کرو دیکھو ان کا کیا ہوتا ہے؟

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا اور تم اپنے اس گمان کی وجہ سے اور ساتھ نہ جانے کی وجہ سے بالکل تباہ و برباد ہوگئے۔ (معالم التنزیل)

قولہ تعالیٰ وکنتم قوما بورا قال صاحب الروح ای ھالکین لفساد عقیدتکم وسوء نیتکم مستوجبین سخطہ تعالیٰ وعقابہ جل شانہ وقیل ای فاسدین فی انفسکم وقلوبکم ونیاتکم اھ یقال قوم "بور" ھلکی وھو جمع بائر مثل حائل وحول وقدبار فلان ای ھلک وأباره اللہ ای اھلکہ ومنہ قولہ تعالیٰ تجارۃ لن تبور وقولہ تعالیٰ واحلوا قومھم دار البوار (راجع مفردات الراغب و تفسیر القرطبی)

(صاحب روح المعانی لکھتے ہیں قَوْمًا بُوْرًا کا مطلب ہے تم ہلاک ہونے والے تھے اپنے عقیدے کے فاسد ہونے اور اپنی نیتوں کے بد ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عتاب کے مستحق تھے بعض نے کہا تم اپنے نفسوں اور دلوں میں فاسد تھے، کہا جاتا ہے "قوم بور" یعنی ہلاک شدہ، بُور جمع ہے بائر کی جیسے حائل کی جمع حول ہے بَارَ فُلَاق کا معنی ہے ہلاک ہوگیا اور أباره اللہ کا معنی ہے اللہ اسے ہلاک کرے اور اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ اور وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ)

اس کے بعد کافروں کے لئے وعید بیان فرمائی وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لائے سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کیا ہے۔)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان مالکیت اور مغفرت اور مؤاخذہ کا تذکرہ فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا) يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (وہ مغفرت فرمائے جس کی چاہے اور عذاب دے جس کو چاہے) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی اور کفر پر جمے رہے اور جھوٹے منہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے استغفار کیجئے اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادے گا کافر کی توبہ بغیر ایمان کے قبول نہیں ہوتی۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا

جب تم اموال غنیمت لینے کے لئے چلو گے تو وہ لوگ کہیں گے جو پیچھے ڈال دیئے گئے کہ ہمیں چھوڑ دو تمہارے پیچھے چلیں، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے

كَلٰمَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا بَلْ

کلام کو بدل دیں، آپ فرما دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ چلو، اللہ نے پہلے سے یہی فرمایا ہے، سو وہ لوگ کہیں گے بلکہ

كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۝

تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا سا۔

جو لوگ حدیبیہ والے سفر میں ساتھ نہ گئے تھے ان کی مزید بدحالی کا بیان!

تفسیر: صلح حدیبیہ کے بعد تھوڑی ہی سی مدت کے بعد خیبر فتح ہو گیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ عنقریب شرکاء حدیبیہ کو اموال غنیمت ملیں گے رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے اموال غنیمت شرکاء حدیبیہ کے لئے مخصوص فرما دیئے تھے تاکہ ان اموال کی محرومی کی تلافی ہو جائے جو انہیں اہل مکہ سے جنگ کر کے بطور غنیمت حاصل ہو سکتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پہلے سے خبر دیدی کہ جب تم لوگ مغانم خیبر کے لئے چلو گے یعنی جنگِ خیبر کے لئے روانہ ہونے لگو گے جس کا نتیجہ فتح اور اموال غنیمت حاصل ہونے کی صورت میں کچھ قتال ظاہر ہو گا تو یہ لوگ جو صلح حدیبیہ کی شرکت سے قصداً رہ گئے تھے یوں کہیں گے کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں کچھ قتال میں حصہ لے لیں گے اور اموال غنیمت میں بھی شریک ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ حکم فرما دیا ہے درمیان میں یہ بھی فرمایا يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے کہ مخلفین کو ساتھ نہ لیں اس کو بدلنا چاہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ مغانم خیبر جو صرف اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے اس حکم کو بدلنا چاہتے ہیں۔

چونکہ ان لوگوں کا مقصد مال حاصل کرنا تھا اور یہ سمجھ رہے تھے کہ ذرا سی محنت سے اموال غنیمت حاصل ہو جائیں گے اس لئے سفر خیبر میں ساتھ لگنے کی خواہش ظاہر کر رہے تھے۔

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا یہ خبر بامعنی النھی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ سفر خیبر میں ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے یعنی ہم تمہیں ساتھ نہ لیں گے۔[1]

پھر فرمایا فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا کہ جب تم ان سے یوں کہو گے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے تو یوں کہیں گے کہ اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ہے بلکہ تم یہ نہیں چاہتے کہ ہمیں اموال غنیمت میں شریک کرو تمہارا یہ جذبہ اور قول و فعل حسد پر مبنی ہے تم ہم سے حسد کرتے ہو اسی لئے یہ بات کر رہے ہو۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (اے مسلمانو بات یہ نہیں ہے کہ تم حسد کر رہے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ وہ بس تھوڑی سی سمجھ رکھتے ہیں صرف دنیاوی امور کو سمجھتے ہیں نصرت دین اور فکر آخرت سے ان کے قلوب خالی ہیں۔

یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے اموال غنیمت میں سے بعض مہاجرین حبشہ کو بھی اموال عطاء فرمائے تھے پھر اہل حدیبیہ کے استحقاق اور اختصاص کہاں رہا؟ حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے انہیں خمس یعنی 1/5 میں سے دیا تھا جس میں مجاہدین غانمین کا حق نہیں ہوتا وہ ۴/۵ کے مستحق ہوتے ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غانمین سے اجازت لے کر ان حضرات کو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ مال عطاء فرما دیا۔ (راجع معالم التنزیل ص۱۹۲ ج۴ و روح المعانی ص۱۰۱ ج۲۶)

[1] (فامر اللہ تعالیٰ ان لا یأذن لھم فی ذلک معاقبة لھم من جنس ذنبھم (ابن کثیر ص۱۸۹ ج۴)

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ

آپ ان دیہاتیوں سے فرمائیے جو پیچھے ڈال دیئے گئے تھے کہ تمہیں ایک ایسی قوم کی طرف بلایا جائے گا جو سخت قوت والے ہوں گے تم ان سے قتال کرو گے یا

يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ

وہ مسلمان ہو جائیں گے سو اگر تم فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا عوض عطا فرمائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا اس سے پہلے روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تمہیں

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

دردناک عذاب دے گا۔

حدیبیہ کی شرکت سے بچھڑ جانیوالے دیہاتیوں سے مزید خطاب

تفسیر: اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے بطور پیشن گوئی ان دیہاتیوں کو بتایا ہے۔ جو حدیبیہ کی شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے کہ عنقریب ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے تمہیں بلایا جائے گا جو بڑی قوت والے ہوں گے سخت جنگ جو ہوں گے (خیبر کی جنگ میں تمہیں نہ لے جایا گیا جو حدیبیہ میں شریک نہ ہونے کیوجہ سے تمہارے لئے ایک قسم کی سزا ہے) جنگ لڑنے کے اور بھی مواقع آئیں گے آنے والی قوموں سے تم لڑتے رہو گے یا وہ فرمانبردار ہو جائیں گے جب تمہیں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے بلایا جائے گا تو اس وقت اطاعت کرو گے (یعنی دعوت دینے والے امیر کی فرمانبرداری کرو گے) اللہ تعالیٰ تمہیں اجر حسن یعنی نیک عوض عطاء فرمادے گا اور اگر تم نے اس وقت روگردانی کی جہاد سے پشت پھیری جیسا کے حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

جن مواقع میں اعراب مذکورین کو قتال کے لئے دعوت دی گئی یہ مواقع کب پیش آئے اور جس قوم سے جنگ کرنے کے لئے حکم دیا گیا وہ کون سی قوم تھی؟ اس بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس آیت کو پڑھتے تو تھے لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں جب قبیلہ بنوحنیفہ سے جنگ کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دعوت دی تو سمجھ میں آگیا کہ آیت کا مصداق یہی بنوحنیفہ سے جنگ کرنا ہے۔ بنوحنیفہ یمامہ کے رہنے والے تھے اور مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے جس نے نبوت کا دعوی کیا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس قوم سے فارس اور روم مراد ہیں جن سے جنگ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے دعوت دی تھی اور لشکر بھیجے تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی ہوازن مراد ہیں جن سے غزوہ حنین میں جہاد ہوا اور ایک قول یہ کہ اس سے رومی کفار مراد ہیں جن کے حملہ کرنے کی خبر سن کر رسول اللہ ﷺ تبوک تشریف لے گئے تھے صاحب روح المعانی نے یہ اقوال لکھے ہیں ان میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت مراد ہونا اقرب ہے کیونکہ انہوں نے جو قتال بنوحنیفہ کے لئے دعوت دی تھی۔ وہ امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے تھی اور امیر المومنین کی اطاعت نہ کرنے پر عذاب کی وعید دی گئی ہے اور ساتھ ہی تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ بھی اس پر صادق آتا ہے کیونکہ مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں سے جنگ ہوئی تو اس کے ساتھیوں میں سے بہت سوں نے اسلام بھی قبول کرلیا تھا (وھذا علی ان تکون لفظة او للتنویع والحصر کما ھو الظاھر)

(اور یہ اس وقت ہے جبکہ لفظ اَوْ تنویع کے لئے ہو اور حصر کیلئے ہو جیسا کہ ظاہر ہے)

قبیلہ بنی ہوازن سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں دعوت نہیں دی گئی فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ حنین تشریف لے گئے تھے جہاں بنی ہوازن مقابلہ کے لئے جمع ہوئے تھے اور غزوہ تبوک کی شرکت بھی مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ وہاں قتال نہیں ہوا اور نہ رومی مسلمان ہوئے۔ کیونکہ وہ سامنے ہی نہیں آئے اور حضرت عمرؓ نے جو فارس اور روم کے جہادوں کے لئے دعوت دی تھی چونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ جہاد فرض عین تھا۔ اس لئے اس کو ترک وعید کا مصداق نہیں بنایا جاسکتا امیر کا جو حکم جہاد فرض کفایہ کے لئے ہو وہ ایجابی نہیں ہوتا یاد رہے کہ اَوْ یُسْلِمُوْنَ کا ایک ترجمہ تو یہ کیا گیا ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے اور ایک ترجمہ یہ ہے کہ وہ فرمانبردار ہو جائیں گے۔ یعنی جزیہ دے کر جھک جائیں گے اگر قتال بنی حنیفہ مراد لیا جائے تو پہلا معنی اقرب الی السیاق ہے کیونکہ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ میں بنی حنیفہ کے قتال کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ بنی حنیفہ میں سے دس گیارہ ہزار آدمی مارے گئے اور بہت سوں نے حضرت خالد بن ولید کے دعوت دینے پر اسلام قبول کرلیا اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھی حاضر ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۶۵ ج ۶) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب.

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

نابینا پر کوئی گناہ نہیں، اور لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں، بیمار پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص اللہ

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص روگردانی کرے وہ اسے دردناک عذاب دے گا۔

معذوروں سے کوئی مواخذہ نہیں، فرمانبرداروں کے لئے جنت اور روگردانی کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر: تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا نازل ہوئی (جس میں حکم جہاد سن کر روگردانی کرنے والوں کے لئے عذاب کی وعید ہے) تو جو لوگ اپاہج قسم کے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمارا کیا بنے گا ہم تو جہاد میں شرکت نہیں کرسکتے اس پر آیت کریمہ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى (آخر تک) نازل ہوئی جس میں یہ بتادیا کہ جو لوگ مجبوری کی وجہ سے جہاد میں نہ جاسکے مثلاً نابینا ہوں یا لنگڑے ہوں یا بیمار ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے یہ مضمون سورۃ التوبہ میں بھی گزرا ہے وہاں فرمایا ہے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ (دیکھو انوار البیان ص ۳۲۳ ج ۴)

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمادے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے روگردانی کرے گا یعنی ہٹے گا اور بچے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

بالتحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے سو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو معلوم تھا

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل فرمادیا اور ان کو لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست

حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

بڑا حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لوگے سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے

عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ

روک دیئے اور تاکہ یہ اہل ایمان کے لئے نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو

اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ

احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تو پشت پھیر لیتے

ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

پھر نہ کوئی کارساز پائے اور نہ کوئی مددگار، یہ پہلے سے اللہ کا دستور رہا ہے اور اے مخاطب تو اس کے دستور میں

اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

تبدیل نہ پائے گا۔

بیعت رضوان والوں کی فضیلت ان سے فتح و نصرت اور اموال غنیمت کا وعدہ

تفسیر: ان آیات میں بیعت رضوان کا ذکر ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر لی تھی کہ جنگ ہونے کی صورت میں ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے جم کر لڑیں گے اللہ جل شانہٗ نے اعلان فرمادیا کہ جن مومنین نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ان حضرات کے لئے اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ مل گیا رہتی دنیا تک کے لئے قرآن پڑھنے والے تمام اشخاص وافراد کے سامنے بار بار اعلان سامنے آتا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ دوزخ میں ان لوگوں سے کوئی بھی داخل نہ ہوگا جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت کی۔

رضامندی کا اعلان فرماتے ہوئے فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی حالت کو جان لیا جس سے ان کے قلوب معمور تھے پھر اپنی مزید نعمت کا اظہار فرمایا فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ

نازل فرمادی ان کے قلوب کو پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ مصالحت کی ہے اور قریش مکہ سے جو معاہدہ فرمایا ہے یہ بالکل صحیح ہے درست ہے اہل ایمان کے لئے باعث خیر ہے اور مبارک ہے پھر فتح قریب کی بشارت دی مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اس سے خیبر کی فتح مراد ہے ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور اس کے دو ماہ بعد خیبر فتح ہو گیا جہاں یہود بنی نضیر مدینہ منورہ سے جلاوطن کئے جانے کے بعد آباد ہو گئے تھے وہاں بھی انہوں نے شرارتیں جاری رکھیں لہٰذا رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر تشریف لے گئے خیبر فتح ہو گیا اور یہود کے اموال بھی غنیمت کی صورت میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مل گئے۔

اس مضمون کے ختم پر وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے وہ سب پر غالب ہے وہ جس کو چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے اور حکمت والا بھی ہے (اس کا ہر فیصلہ جلدی ہو یا دیر سے ہو سب کچھ حکمت کے مطابق ہوتا ہے)

اس کے بعد فرمایا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا (اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (سو یہ اموال غنیمت جو تمہیں خیبر سے ملے ان کو جلدی عطا فرما دیا (اور ان کے علاوہ اور بہت سے مال غنیمت ملیں گے)۔

وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ (اور لوگوں کے ہاتھوں کو تمہاری جانب سے روک دیا یعنی جن لوگوں نے تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا ان کی دست درازی سے تمہیں محفوظ فرما دیا جب رسول اللہ ﷺ خیبر تشریف لے گئے اور وہاں اہل خیبر کا محاصرہ فرمایا تو یہاں قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں مسلمان تھوڑے سے ہیں اکثر غزوہ خیبر کے لئے گئے ہیں لہٰذا مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اہل و عیال اور بال بچوں کو لوٹ لیا جائے اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادہ کو ارادہ تک ہی رکھا ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے نہ آسکے۔ (معالم التنزیل)

روح المعانی ۱۰۹ ج ۲۶ میں یوں لکھا ہے کہ یہودی لوگ مسلمانوں کے پیچھے ان کے اہل و عیال پر حملہ کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں باز رکھا اور ارادہ کے باوجود وہ حملہ نہ کر سکے ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی اسد اور بنی غطفان اہل خیبر کی مدد کے لئے نکلے تھے پھر واپس ہو گئے اور حضرت مجاہد تابعی نے وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی صورت پیدا فرما کر اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک لیا جو اہل ایمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار تھے۔

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اموال غنیمت عطاء فرما دیئے تاکہ تم اس سے نفع حاصل کرو اور تاکہ یہ اموال مومنین کی اثبات کی نشانی بن جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہے اور اس سے ایمان مزید موکد ہو جائے۔

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا اور تاکہ تمہیں صراط مستقیم پر چلائے یعنی ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے بنا دے قال فی الروح ای فعجل لکم ھذہ و کف ایدی الناس عنکم لتنتفعوا بذلک ولتکون آیة (وفیہ أیضا) والآیة الامارة ای ولتکون امارة للمؤمنین یعرفون بھا انھم من اللّٰہ تعالیٰ بمکان اویعرفون بھا صدق الرسول فی وعدہ ایھم فتح خیبر وما ذکر من المغانم وفتح مکة ودخول المسجد الحرام. (روح المعانی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ جلدی دیدی اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا تاکہ تم اس صورت حال سے نفع حاصل کرو اور یہ نشانی

بنے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیۃ کہتے اَمارۃ کو یعنی یہ مؤمنین کیلئے نشانی ہے اس سے انہیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایک مقام پر فائز ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح خیبر غنیمت اور فتح مکہ اور مسجد حرام میں داخلہ کے بارے میں حضور ﷺ کا ان سے وعدہ سچا تھا۔

ویھدیکم صراطاً مستقیماً، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح راہ نما ہے اور ہر کام کے کرنے یا چھوڑنے میں اسی پر ہی اعتماد ہے)

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا هو الثقة بفضل الله تعالیٰ والتوکل علیه فی کل ما تأتون وتذرون.

وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا اور ان کے علاوہ بھی فتوحات ہوں گی جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے وہ فتوحات مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کو نصیب ہوئیں مثلاً فارس اور روم فتح ہوئے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے علاقے اور ممالک ان کے قبضے میں آئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے اور حضرت عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے فتح حنین مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ قیامت تک مسلمانوں کو جو بھی فتوحات نصیب ہوں گی وہ سب مراد ہیں یہ اقوال مفسر قرطبی نے لکھے ہیں۔

لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا (ظاہری معنی تو یہ ہے کہ اس وقت تو تم کو ان پر قدرت حاصل نہیں ہوئی اور بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ لن تکونو ترجوانها کہ تمہیں ان کے فتح ہونے کی امید نہ تھی بعض حضرات نے اسی کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے کہ وہ فتوحات تمہارے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں۔

قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے اس نے مقدر فرمادیا ہے کہ ان پر تمہارا قبضہ ہوگا۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ جب چاہے جسے چاہے جو ملک اور مملکت نصیب فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو پشت پھیر کر چلے جاتے) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے کفار قریش مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بنی غطفان اور بنی اسد مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خیبر تشریف لے جانے کے بعد مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (پھر وہ کوئی اپنا دوست اور مددگار نہ پاتے)

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ (یہ پہلے سے اللہ کی عادت رہی ہے کہ کار خیر کے ساتھ انجام حضرات انبیاء اکرام علیہم الصلوٰۃ کے حق میں رہا ہے اپنے اولیا کی اس نے مدد فرمائی ہے اور دشمنوں کو مغلوب کیا ہے) وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا اور تم اللہ کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ اچھا انجام ہمیشہ حضرات انبیاء کے حق میں ہی ہوا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب کبھی بھی کافروں سے قتال ہوا تو کافروں پر غلبہ ہوا ہو،

ولعل المراد ان سنته تعالیٰ ان تکون العاقبة للانبیاء علیهم السلام لا انهم کلما قاتلوا الکفار غلبوهم وهزموهم ا ھ۔ (شاید مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ انجام کار فتح انبیاء کی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ جب بھی کفار سے لڑائی ہو تو یہ ان پر غالب آجائیں اور انہیں شکست دیدیں)

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ

اور اللہ وہ ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ میں ہوتے ہوئے روک دیا اس کے بعد کہ تمہیں

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۲۴

ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کو ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رکھا

تفسیر: علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں صحیح مسلم میں ایک واقعہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے اور دوسرا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور دونوں کو آیت بالا کا سبب نزول بتایا ہے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہمارے اور اہل مکہ کے درمیان صلح ہو گئی تو میں ایک درخت کے نیچے کانٹے ہٹا کر لیٹ گیا اس وقت اہل مکہ میں سے چار مشرکین وہاں پہنچ گئے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ناشائستہ کلمہ کہنے لگے مجھے برا لگا اور میں جگہ چھوڑ کر دوسرے درخت کے نیچے چلا گیا ان لوگوں نے اپنے ہتھیار لٹکا دیئے اور لیٹ گئے میں نے اپنی تلوار لی اور ان چاروں آدمیوں کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا اور ان سے کہا کہ دیکھو قسم اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو عزت بخشی ہے اگر تم میں سے کوئی شخص سر اٹھائے گا اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا اس کے بعد میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور میرے چچا ستر آدمی قید کر کے لائے جن کا نام عامر تھا ان کے گرفتار کردہ لوگوں میں مکرز نامی بھی ایک شخص تھا اس کے ساتھ اور افراد بھی تھے جو مشرکین میں سے تھے جن کی تعداد ستر افراد تھی آپ نے ان کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (الأية) نازل فرمائی صحیح مسلم۔

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی ۸۰ آدمی جبل تنعیم سے اتر کر آ گئے یہ لوگ ہتھیار پہنے ہوئے تھے ان کا ارادہ یہ تھا کہ غفلت کا موقع پا کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر حملہ کر دیں آپؐ نے ان لوگوں کو پکڑ لیا وہ لوگ قابو میں آ گئے تو اپنی جانوں کو سپرد کر دیا آپ نے ان کو زندہ چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی (صحیح مسلم ۱۱۶ ج ۲) مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے مومن بندوں پر احسان جتایا ہے کہ اس نے مشرکین کے ہاتھوں سے تمہیں محفوظ رکھا اور ان کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی اور مومنین کے ہاتھوں کو بھی مشرکین تک نہ پہنچنے دیا۔

اس کے بعد آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ کس کی کس طرح حفاظت فرمائے اور مخالف کے قبضہ ہونے کے بعد اس کے حملہ سے کس طرح بچائے اور قلوب کو جس طرح چاہے پلٹ دے رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں سے نرمی کا معاملہ فرمایا اور معاف کر دیا عموماً وہ لوگ بعد میں مسلمان ہی ہو گئے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو روک دیا جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا'

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ

اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بے خبری میں

مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

ضرر پہنچ جاتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا' تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ یہ مسلمان مرد و عورت جدا ہو جاتے تو ہم ان کو

عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

دردناک عذاب دیتے جو اہل مکہ میں سے کافر تھے۔ جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی تھی سو اللہ تعالیٰ

سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ

نے اپنے رسول کو اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝٢٦

اور اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

کافروں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا ان پر حمیت جاہلیہ سوار ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سکینہ نازل فرمائی اور انہیں تقویٰ کی بات پر جمادیا!

تفسیر: ان آیات میں چند امور بیان فرمائے اول مشرکین کی مذمت فرمائی کہ انہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام تک پہنچنے سے روک دیا اور وہ جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے ان کو ان کے موقع ذبح میں نہ جانے دیا (ان کی حرکتوں کا تقاضا یہ تھا کہ ان سے جنگ کی جاتی اور انہیں سزا دے دی جاتی)

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ہدی کے جانور جو رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ لے گئے تھے ان کی تعداد ستر تھی عمرہ کر کے انہیں مکہ معظمہ میں ذبح کیا جانا تھا قریش آڑے آئے لہٰذا حدیبیہ ہی میں حلق کرنا پڑا اور ہدی کے جانور وہیں ذبح فرما دیئے دوسرے یہ فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں موجود تھیں جن کا تمہیں علم نہ تھا ہو سکتا تھا کہ تم بے علمی میں اپنے قدموں سے انہیں روند ڈالتے اور اس کی وجہ سے تم کو ضرر پہنچ جاتا اللہ تعالیٰ شانہ نے ضعیف مومنین اور مومنات کی وجہ سے صلح کی صورت پیدا فرما دی اگرچہ قریش مکہ کی حرکت ایسی تھی کہ ان سے جنگ کی جاتی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں

کہ لولا کا جواب محذوف ہے۔

وجواب لولا محذوف لدلالة الکلام علیه، والمعنی علی ماسمعت اولا لولا کراهة ان تهلکوا انا سامؤمنین بین ظهرانی الکفار جاهلین بهم فیصیبکم باهلاکهم مکروه لما کف ایدیکم عنهم، وحاصله انه تعالیٰ ولولم یکف ایدیکم عنهم لانجر الامر الیٰ اهلاک مؤمنین بین ظهرا نیهم فیصیبکم من ذلک مکروه وهو عزّوجل یکره ذٰلک. (لَوْلَا کا جواب محذوف ہے۔ اس بناء پر معنی یہ ہے کہ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ ان جانے میں تم کافروں کے درمیان مؤمن لوگوں کو قتل کرو گے اور ان کی ہلاکت سے تمہیں تکلیف ہوگی تو ان سے تمہارے ہاتھ نہ روکے جاتے حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے تمہارے ہاتھ نہ روکتا تو معاملہ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کافروں کے درمیان رہنے والے مؤمن ہلاک ہوتے اور اس سے تمہیں تکلیف ہوتی اور اللہ تعالیٰ بھی اس بات کو ناپسند کرتے ہیں)

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ جو فرمایا اس میں لفظ مَعَرَّةٌ وارد ہوا ہے اس کا ترجمہ ضرر اور مکروہ اور مشقت اور گناہ کیا گیا ہے بعض حضرات نے اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ اگر جنگ ہوتی تو مومن مرد اور عورتیں اس کی زد میں آجاتے تو اہل ایمان کو رنج پہنچتا اور دکھ ہوتا اور کافروں کو یوں کہنے کا موقعہ مل جاتا کہ دیکھو مسلمانوں نے اپنے اہل دین ہی کو قتل کر دیا بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ ان کے قتل کرنے سے گناہ میں مبتلا ہو جاتے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دیت واجب ہو جاتی لیکن صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں قول ضعیف ہیں طبری کا قول ہے کہ اس سے قتل خطا کا کفارہ مراد ہے صاحب روح المعانی نے اس پر کلام کیا ہے اور بعض حضرات کا تعقب نقل کیا ہے۔ (فراجعه ان شئت)

تیسرے لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فرمایا یعنی اللہ شانہ نے اہل ایمان کو جنگ کرنے سے بچا دیا تاکہ وہ اس کے ذریعہ جنگ کے بغیر جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمادے یعنی اس نے اہل ایمان کو جنگ سے بھی بچالیا اور انہیں اپنی رحمت میں بھی داخل فرما دیا جو ضعیف مومن اور مومنات مکہ میں تھے ان کے پر امن رہنے کی بھی صورت نکل آئی اور مشرکین کی طرف سے جو انہیں ضعیف سمجھ کر تکلیفیں دی جاتی تھیں ان سے بھی چھٹکارہ حاصل ہو گیا اور پوری طرح عبادت کرنے کے مواقع بھی نکل آئے بعض حضرات نے فرمایا کہ مَنْ يَّشَآءُ سے اہل ایمان بھی مراد ہیں جنہیں اللہ کی رحمت شامل حال ہو گئی اور مشرکین بھی مراد ہیں کیونکہ انہیں سوچنے اور سمجھنے اور اسلام قبول کرنے کا موقعہ دے دیا گیا (راجع روح المعانی ص ۱۱۵ ج ۲۶)

چوتھے یہ فرمایا لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اگر وہ مومنین اور مومنات کافروں سے علیحدہ ہو جاتے جو مکہ معظمہ میں موجود تھے اور ضعف کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے تھے تو ہم کافروں کو دردناک عذاب دے دیتے یعنی کافر مقتول ہوتے اور قیدی بنا لئے جاتے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جو مومن مرد وعورت مکہ معظمہ میں موجود تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جنگ سے محفوظ رکھا یہ نو افراد تھے جن میں سات مرد اور دو عورتیں تھیں۔

پھر فرمایا اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیۃ) کہ ان لوگوں نے تمہیں ایسے وقت میں روکا جبکہ اپنے دلوں میں انہوں نے حمیت کو جگہ دے دی یہ جاہلیت کی حمیت تھی جس کسی چیز کو انسان اپنے لئے عار اور عیب سمجھے پھر اس کی بنیاد پر اپنی جان کو بچانے کے لئے کوئی حرکت یا کوئی بات کرے۔ اسے حمیت کہا جاتا ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم

اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے اور قریش مکہ کو اس کا پتہ چل گیا تو ان پر جہالت سوار ہو گئی اور حمیت جاہلیہ کو سامنے رکھ کر انہوں نے طے کر لیا کہ آپ کو عمرہ کرنے نہیں دیں گے ورنہ عرب میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد ﷺ مکہ والوں کی رضامندی کے بغیر زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے اس طرح سے اہل عرب ہمیں طعنہ دیں گے ان لوگوں نے حمیت جاہلیہ کی وجہ سے صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنے دیا اور محمد رسول اللہ جو لکھ دیا گیا تھا اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوانے کی ضد کی۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (سو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اطمینان نازل فرما دیا اور انہوں نے لڑائی لڑنے پر اور اسی سال عمرہ کرنے پر ضد نہ کی۔ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (اور اللہ نے تقویٰ کا کلمہ ان کے ساتھ لازم فرما دیا وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا اور یہ لوگ کلمہ تقویٰ کے زیادہ حق دار تھے اور اس کے اہل تھے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کلمۃ التقویٰ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام ترمذی نے بروایۃ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اس سے کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے اس کو تقویٰ کا کلمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ شرک سے کفر سے اور گناہوں سے بچاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے کلمہ کو اپنا لیا اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اسے ان کا ساتھی بنا دیا اور اب یہ اس کے ذریعہ اللہ کو بھی یاد کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ یہ لوگ اس کلمہ کے احق تھے اور اہل تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ یہ لوگ کلمہ قبول کریں گے اور اس کے تقاضوں پر چلیں گے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کا مزاج قبول حق کا بنا دیا تھا اسی مزاج اور طبیعت کے مطابق وہ اسی کی طرف آگے بڑھے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے) وہ اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے اہل بناتا ہے اور پھر اہلیت کے مطابق محض اپنے فضل سے خیر اور رشد و ہدایت پر جما کر رکھتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقع کے مطابق ہے ان شاء اللہ تم ضرور ضرور مسجد حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو گے
اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ
اپنے سروں کو مونڈنے والے ہو گے اور اپنے بالوں کو کترانے والے ہو گے تمہیں کوئی خوف نہیں ہو گا سو اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا سو اس سے پہلے
ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ
عنقریب ہی ایک فتح نصیب فرما دی اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾
اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا
اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا

تفسیر: مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خواب دکھا دیا گیا تھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ امن و امان سے مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور وہاں کچھ لوگ سر مونڈیں گے اور کچھ لوگ بال کتروائیں گے آپ نے یہ خواب صحابہ کو بتا دیا تھا خواب سن کر سب بہت خوش ہوئے اور اس امید پر روانہ ہو گئے کہ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ نصیب ہوگا جب حدیبیہ میں پہنچے اور مشرکین مکہ آڑے آ گئے جس کی وجہ سے صلح کر لی گئی اور مکہ معظمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلح کرنے کو حق جانتے اور مانتے ہوئے طبعی طور پر اس بات سے صحابہ کو رنج ہو رہا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہو سکے بلکہ صلح کے وقت ہی حضرت عمرؓ نے سوال کر لیا تھا کہ آپ نے تو یہ خبر دی تھی کہ مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے یہ تو اس کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس کا جواب دے دیا تھا اس جواب سے حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے تھے (کمافی صحیح مسلم خطابت نفسہ ص ۱۰۶ ج ۲)

اطمینان عقلی کے ہوتے ہوئے طبعی طور پر جو رنج تھا اس کو دور فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو خواب دکھایا تھا تم انشاء اللہ مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے وہاں کوئی بال منڈوائے گا اور کوئی بال کتروائے گا اور کسی کو کسی کا ڈر نہیں ہوگا یہ خواب اللہ تعالیٰ نے صحیح دکھایا تھا۔ واقعہ کے مطابق تھا جس کا آئندہ سال مظاہرہ ہوا اور چونکہ خواب میں اسی سال داخل ہونے کی خبر نہیں دی گئی تھی اسی لئے خواب کے سچا ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑا اس میں جو لفظ انشاء اللہ فرمایا ہے یہ شک کے لئے نہیں ہے بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے۔ اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ان یہاں اِذ کے معنی میں ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ چاہے داخل ہو جاؤ گے۔

اور یہ جو فرمایا فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (سو اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا) اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے داخل ہونے میں جو تاخیر کی گئی اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی جس کا تمہیں علم نہ تھا بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اسی سال عمرہ کرنے کی ضد کرتے اور مشرکین مکہ سے قتل و قتال کیا جاتا اور صلح نہ ہوتی تو دو ڈھائی مہینے بعد جو خیبر فتح ہوا اس کے لئے سفر کرنا مشکل ہو جاتا اور اگر سفر میں چلے جاتے تو یہ خطرہ رہتا کہ اہل مکہ کہیں پیچھے سے حملہ نہ کر دیں پس صلح کرنے میں اور دخول مکہ کی تاخیر میں جو فائدہ پہنچا اس کا تمہیں علم نہیں تھا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (سو اللہ نے مکہ معظمہ کے داخل ہونے سے پہلے عنقریب ہی ایک فتح دے دی) یعنی خیبر کو فتح فرما دیا اور وہاں کے اموال غنیمت شرکاء حدیبیہ کو مل گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرما دیا اس مضمون کی آیت سورۃ التوبہ میں بھی گزر چکی ہے وہاں تفسیر اور تشریح دیکھ لی جائے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا کافی ہے) مشرکین نے صلح نامہ میں جو ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ لکھنے سے انحراف کیا تو اس کی وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (تفسیر قرطبی ص۲۹۲ ج۱۶)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ کبھی رکوع میں ہیں کبھی سجود میں ہیں

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ښ

وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کو تلاش کرتے ہیں ان کی شان یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں ان کی یہ مثال توریت

وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ

میں ہے اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسی کھیتی ہو اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اسے قوی کیا پھر وہ کھیتی موٹی ہوگئی پھر اپنے تنا پر سیدھی کھڑی ہوگئی

الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً

جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ اللہ ان کے ذریعے کافروں کے دلوں کو جلائے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے مغفرت

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت

تفسیر: اس سورت میں جگہ جگہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر یہاں سورت کے ختم پر ان کی مزید توصیف و تعریف فرمائی ہے اولاً ارشاد فرمایا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں' اس مضمون کو سورۂ مائدہ میں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ میں بھی بیان کیا ہے' اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں سخت رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں یہ صفت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بہت زیادہ نمایاں تھی آج کل دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کے آگے بچھے جاتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں ان سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کرتے دنیاوی محبت نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا اے مخاطب تو انکو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کیے ہوئے ہیں کبھی سجدہ کیے ہوئے اس میں کثرت سے نماز پڑھنا اور نمازوں پر مداومت کرنا نوافل کا اہتمام کرنا راتوں کو نمازوں میں کھڑا ہونا سب داخل ہے۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ حضرات اللہ کا فضل اور اسکی رضا مندی تلاش کرتے ہیں) جو اعمال اختیار کرتے ہیں ان کے ذریعہ کوئی دنیاوی مقصد سامنے نہیں ہے ان کے اعمال اللہ کا فضل تلاش کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیں۔

چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اس کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے جو ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے کہ مٹی پر سجدہ کرنے کی وجہ سے ان کے ماتھوں پر کچھ مٹی لگ جاتی ہے اور بعض حضرات سے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کے ذریعہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ نماز پڑھنے میں زیادہ مشغول رہتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی عادت اور خصلت اور خشوع و تواضع مراد ہے جو لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں انہیں جو نماز کی برکات حاصل ہوتی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی صفت خوش خلقی اور تواضع بھی ہے ان کے چہروں سے ان کی یہ صفت واضح ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ (ان کی مذکورہ صفت توریت میں بھی بیان کی گئی ہے) پھر انجیل میں جو ان کی صفت بیان کی گئی اس کو بیان فرمایا ارشاد ہے وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ (الی آخرہ) کہ انجیل میں ان لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسان نے نرم زمین میں بیج ڈالا اس زمین سے کھیتی کی سوئی نکلی یعنی ہلکا بہت پتلا تنا ظاہر ہوا پھر یہ آگے بڑھا تو اس میں قوت آگئی پھر اور آگے بڑھا تو موٹا ہو گیا ان حالتوں سے گزر کر اب وہ ٹھیک طریقے سے اپنی پنڈلی پر اچھی طرح کھڑا ہو گیا اب یہ ہرا بھرا بھی ہے اندر سے نکل کر بڑھ بھی چکا ہے اور اس کا تنا اپنی جڑ پر کھڑا ہے کسان لوگ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اس مثال میں یہ بتا دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اولاً تھوڑے سے ہوں گے پھر بڑھتے رہیں گے اور کثیر ہو جائیں گے اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بڑی قوت بن جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پہلے تھوڑے سے تھے پھر بڑھتے رہے بڑھتے بڑھتے ہزاروں ہو گئے زمانہ نبوت ہی میں ایک لاکھ سے زیادہ ان کی تعداد ہو گئی پھر انہوں نے دین اسلام کو خوب پھیلایا قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے ان کے مقابلہ میں کوئی جماعت جم نہیں سکتی تھی۔

لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو بڑھایا چڑھایا قوت و طاقت سے نوازا تاکہ ان کے ذریعہ کافروں کے دلوں کو جلا دے کافروں کو یہ گوارا نہیں تھا اور نہ اب گوارا ہے کہ اسلام اور مسلمان پھلیں پھولیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بھی بڑھا دیا اور مسلمانوں کو بھی قوت دے دی جیسا کہ سورۃ الصف میں فرمایا یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اللہ وہی ہے جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب پر غالب فرما دے اگرچہ مشرکوں کو

ناگوار ہو) یہ دوسری آیت ھُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ سورۂ توبہ اور سورۃ الفتح میں بھی ہے جس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی مغفرت ہوگی اور انہیں اجر عظیم دیا جائے گا) یہ بات بطور قاعدہ کلیہ بیان فرمائی ہے لفظوں کا عموم حضرات صحابہ کو بھی شامل ہے اور ان کے بعد آنے والے اعمال صالحہ والے مومنین کو بھی۔

فائدہ: سورۃ الفتح میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کئی جگہ تعریف فرمائی ہے اول فرمایا ھُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ پھر فرمایا لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَیُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا پھر فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ پھر فرمایا لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا پھر فرمایا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔

پھر فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الآیۃ) پھر فرمایا لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ پھر فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا اور سورۂ توبہ میں فرمایا وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (الآیۃ)

قرآن مجید کی ان تصریحات کو دیکھ لو اور روافض کی دشمنی کو دیکھ لو جو دو تین اصحابہ کے علاوہ باقی سب کو کافر کہتے ہیں اس فرقہ کی بنیاد ہی بعض صحابہؓ پر ہے جو لوگ حضرات صحابہ کو کافر کہتے ہیں وہ قرآنی تصریحات کے منکر ہونے کی وجہ سے خود کافر ہیں قرآن کے جھٹلانے کی وجہ سے جب ان لوگوں پر کفر عائد ہو گیا تو کہنے لگے یہ قرآن ہی وہ نہیں ہے جو محمد رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے یہ کہنا خود کفر ہے اور قرآن نے بھی ان لوگوں کو کافر بتا دیا جن کے دل میں صحابہ کی طرف سے بغض ہوگا لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کو بار بار پڑھ لیا جائے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے سامنے کسی نے حضرات صحابہؓ کی شان میں کچھ کہہ دیا اس پر ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے دل میں کسی بھی صحابی کی طرف سے بغض ہوگا آیت کریمہ کا عموم اس کو شامل ہوگا (یعنی وہ آیت کا مصداق ہوگا (یعنی اس پر کفر عائد ہوگا) (تفسیر قرطبی)

بعض شیعوں نے نکتہ نکالا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کیساتھ جو مِنْهُم کا اضافہ فرمایا ہے اس میں مِنْ تبعیضیہ ہے یہ ان لوگوں کی جہالت ہے حضرات صحابہ کے بغض میں یہ بات کہہ رہے ہیں اور مزید کفر کی چادر میں لپٹ رہے ہیں سیاق کلام سے واضح ہو رہا ہے کہ من بیانیہ ہے۔ اگر بالفرض مِنْ تبعیضیہ ہو تو کیا آیات قرآنیہ سے دو تین صحابہ کا ایمان ثابت ہوتا ہے جن کے ایمان کے روافض قائل ہیں اللہ تعالیٰ نے جو لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فرمایا ہے کہ اس سے ان چودہ پندرہ سو صحابہ کا ایمان اور وعدہ رضوان ثابت نہیں ہوتا جنہوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے جن کے بغض میں شیعہ جل کر خاک ہوئے جا رہے ہیں

سورۃ توبہ میں جو مہاجرین اور انصار ان کے متبعین (اہل السنۃ والجماعۃ) سے رضا مندی کا اعلان فرمایا ہے اس میں تو کہیں بھی منھم نہیں ہے یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی سابقین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور شیعہ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں جو حضرات انصار اور مہاجرین سے راضی ہے جو شخص قصداً قرآن کو جھٹلائے ایمان سے منہ موڑے اس سے کیا بات کی جاسکتی ہے شیعوں کا عقیدہ ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مومن نہیں تھے شیعوں کو خود اپنے ایمان کی فکر نہیں ہے کہ بغض صحابہ انہیں کچھ سوچنے نہیں دیتا عامۃ المسلمین سے ہمارا خطاب ہے ان آیات میں غور کریں تاکہ شیعوں کے کفر میں کوئی شخص شک نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو (دو بار فرمایا) میرے بعد تم انہیں نشانہ نہیں بنالینا' سو جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی' اور جس نے ان سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا' اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی' اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی' اور جس نے اللہ کو اذیت دی قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے گا (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ ۵۵۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہہ رہے ہیں تو کہہ دو کہ تم پر اللہ کی لعنت ہے تمہارے شر کی وجہ سے۔ (ایضاً)

حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ (ان کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص اگر اُحد (پہاڑ) کی برابر سونا خرچ کردے تو یہ (ثواب کے اعتبار سے) ان میں سے کسی کے ایک مُد یا نصف مُد کو بھی نہیں پہنچے گا۔ (کذافی المشکوٰۃ ۵۵۳ عن البخاری ومسلم)

اس زمانہ میں غلہ ناپنے کا ایک برتن ہوتا تھا اسے مُد کہتے تھے۔ (نئے اوزان سے ایک مُد کا وزن سات سو گرام کے لگ بھگ بنتا ہے ۱۲)

اللہ تعالیٰ شانہٗ روافض کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

وھو الھادی الی سبیل الرشاد، ھذا آخر تفسیر سورۃ الفتح، الحمد للّٰہ الذی فتح علینا اسرار القرآن وجعلنا ممن یدخل الجنان والصلوٰۃ والسلام علی خیر رسلہ محمد سید ولد عدنان، وعلی آلہ وصحبہ ما طلع النیران و تعاقب الملوان.

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ حجرات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں دو رکوع اور اٹھارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اے ایمان والو تم اللہ اور رسول سے پہلے سبقت مت کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ نبی سے اس طرح اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

بعض بعض سے اونچی آواز سے بات کرتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے، ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى

بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے، اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ

تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

آپ ان کی طرف نکل آتے تو ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور خدمت عالی میں حاضری کے احکام وآداب کی تلقین!

تفسیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جن گھروں میں رہتی تھیں انہیں حجرات سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ یہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے اور پختہ عمارتیں بھی نہ تھیں کھجوروں کی ٹہنیوں سے بنادی گئی تھیں چونکہ اس سورت کے پہلے رکوع میں ان حجروں کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت سورۃ الحجرات کے نام سے موسوم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ شانہ نے توقیر اور احترام کی تلقین فرمائی اور اس سلسلے میں چند آداب ارشاد فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ اور رسول سے سبقت مت کرو یہ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کا ترجمہ ہے ان الفاظ میں بڑی جامعیت ہے حضرات مفسرین کرام نے اس کے متعدد معنی لکھے ہیں حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تم پہلے سے کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہہ دو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو وہ اپنے رسول کی زبانی جو فیصلہ فرمادے اس کے مطابق عمل کرو حضرت سفیان ثوری نے بھی تقریباً یہی مطلب بتایا ہے' حضرت قتادہ نے فرمایا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو یوں کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں کچھ حکم نازل ہو جاتا اور فلاں مسئلہ میں کوئی قانون نازل ہو جاتا تو اچھا تھا اللہ تعالیٰ کو ان کی بات پسند نہ آئی اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے سبقت نہ کرو (معالم التنزیل ص ۲۰۹ ج ۴' ابن کثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

ساتھ ہی وَاتَّقُوا اللّٰهَ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے بواسطہ عبداللہ بن الزبیر نقل کیا ہے کہ بنی تمیم کا ایک قافلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور انہوں نے عرض کیا کہ کسی شخص کو ہمارا امیر بنا دیجئے (ابھی تک آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا تھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ نے قعقاع بن معبد کو امیر بنانے کا مشورہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کے امیر بنانے کی رائے پیش کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تمہارا اس کے علاوہ کچھ مقصد نہیں ہے کہ میری مخالفت کرو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی مخالفت کے طور پر اپنی رائے نہیں پیش کی' اس پر جھگڑا ہونے لگے جس سے دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں' لہٰذا آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا (آخر تک) نازل ہوگئی۔

معالم التنزیل میں ہے کہ اس موقعہ پر شروع سورت سے لے کر اجر عظیم تک آیات نازل ہوگئیں' جن میں اللہ اور رسول ﷺ کے حکم سے آگے بڑھنے کی اور آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے آوازیں بلند کرنے کی ممانعت فرمادی اور یہ حکم بھی فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے باتیں کرو تو ادب کا خیال رکھو اور اس طرح اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو' ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز پر تمہاری آواز بلند ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے اعمال حبط ہو جائیں یعنی تمہاری نیکیاں ختم کر دی جائیں اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ ہو' صحیح بخاری میں ہے کہ آیات مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اتنا آہستہ بولتے تھے کہ پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۷۱۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلس سے غیر حاضر پایا تو آپ کو اس کا احساس ہوا' ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کا پتہ چلاتا ہوں وہ حضرت ثابت کے پاس آئے اور انہیں اس حال میں دیکھا کہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں' دریافت کیا کہ آپ کو کیا ہوا؟ جواب دیا کہ میری آواز بلند ہے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کر چکا ہوں (جو اپنی عادت کے طور پر تھی) لہٰذا میں اہل نار میں سے ہوں' اس شخص نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو جا کر بتا دی آپ نے فرمایا کہ جاؤ انہیں جا کر بتا دو کہ وہ اہل نار میں سے نہیں ہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۵۱۰' ۷۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد

حضرت ابوبکرؓ نے یہ طریقہ اختیار کرلیا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص رازداری کی باتیں کررہا ہو اور حضرت ابن زبیر نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضرت عمرؓ اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ صرف رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن سکیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ آپ سوال فرماتے تھے کہ کیا کہا؟ یہاں تک کے اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی نازل فرمائی۔

(بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کردیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔

امْتَحَنَ لفظ امتحان سے ماضی کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ''جانچ کرنا'' کیا گیا ہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں اِمْتَحَنَ اَخْلَصَ کے معنی میں ہے جس طرح سونے کو پگھلا کر خالص کردیا جاتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قلوب کو تقویٰ کے لئے خالص کردیا ہے ان کے قلوب میں تقویٰ ہی تقویٰ ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے آداب واحترام کو دیکھو اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کو اور مدح اور توصیف کو دیکھو اور شیعوں کے بغض اور دشمنی کو دیکھو وہ کہتے ہیں کہ تین چار صحابہ کے علاوہ سب کافر تھے۔ (العیاذ باللہ)

فائدہ: حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں ایسا کرنا مکروہ تھا کیونکہ آپ کا احترام اب بھی واجب ہے اور آپ کو برزخی حیات حاصل ہے۔

جب خدمت عالی میں سلام پیش کرنے کے لئے حاضر ہو تو دھیمی آواز میں سلام پیش کرے اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ (الآیۃ) اس آیت کے سبب نزول میں صاحب معالم التنزیل نے متعدد قصے لکھے ہیں جو حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت زید بن الارقم رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ..... حضرت زید بن الارقم رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ عرب کے کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ آج اس شخص کے پاس چلیں جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ واقعی نبی ہیں تو ہمیں سب لوگوں سے آگے بڑھ کر ان پر ایمان لا کر سعادت مند ہونا چاہئے اگر وہ نبی نہیں ہے بلکہ انہیں بادشاہت ملنے والی ہے تو ہمیں ان کے زیر سایہ زندگی گزارنی چاہئے (بہرحال ان سے تعلق قائم کرنے میں فائدہ ہے) اس کے بعد حاضر ہوتے تو یا محمد یا محمد کہہ کر آوازیں دینے لگے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے۔ کہ قبیلہ بنی عنبر کے آدمی دوپہر کے وقت آئے تھے انہوں نے پکارا یا محمد اخرج الینا (کہ اے محمد ہماری طرف نکلئے) دوپہر کا وقت تھا آپ آرام فرمارہے تھے ان لوگوں کی چیخ وپکار سے آپ کی آنکھ کھل گئی اور حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ یہ لوگ قبیلہ بنی تمیم کے تھے جنہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ کو باہر آنے کے لئے پکارا اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں) وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّھُمْ اور اگر وہ لوگ صبر کرلیتے یہاں تک کہ آپ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے جس کسی سے جو بھی کوئی خطا سرزد ہوگئی ہو توبہ کر کے معاف کرالے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا

اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ تم نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر

عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾

پہنچا دو پھر اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

کوئی فاسق خبر دے تو اچھی طرح تحقیق کرلو ایسا نہ ہو کہ نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر پہنچا دو

تفسیر: معالم التنزیل ۲۱۲ ج ۴ میں لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی واقعہ یوں پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنی المصطلق کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا جب ان لوگوں کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص ہمارے قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے پہنچ رہا ہے تو لوگوں نے آبادی سے باہر آکر اکرام کے طور پر ان کا استقبال کیا چونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید ابن عقبہ اور قبیلہ مذکورہ کے درمیان عداوت تھی اس لئے شیطان کو ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالنے کا موقعہ مل گیا کہ لوگ تمہیں قتل کرنے کے لئے آ رہے ہیں انہوں نے شیطانی وسوسہ کو حقیقت پر محمول کر لیا اور راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کر دیا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور مجھے قتل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت ناگواری ہوئی آپ نے ان سے جہاد کرنے کا ارادہ فرما لیا جب آپ کے ارادہ کا ان لوگوں کو علم ہوا تو خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ آپ کا قاصد پہنچا ہے ہم بطور استقبال اکرام کے لئے باہر نکلے تھے ہمارا ارادہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے موافق زکوٰۃ کے اموال آپ کے قاصد کے سپرد کر دیں لیکن آپ کے قاصد نے واپس ہونا مناسب جانا ہمیں اندیشہ ہوا کہ آپ نے ناراض ہو کر کوئی خط لکھ کر انہیں واپس بلا لیا ہو ہم اللہ کے غصہ اور اس کے رسول ؐ کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں آپ نے ان لوگوں کی بات کا بھروسہ نہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خفیہ طریقہ پر بھیج دیا اور فرمایا کہ جاؤ اگر وہ لوگ ایمان پر باقی ہیں تو ان کے اموال کی زکوٰۃ لے لینا اور اگر دوسری کوئی صورت ہے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہیں فرمانبردار پایا لہٰذا ان سے اموال زکوٰۃ وصول کر لئے اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے باخبر کر دیا' اس پر آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ (الآیۃ) نازل ہوئی' جس میں ایمان والوں کو یہ بتا دیا کہ ہر بھروسہ کرنے کی نہیں ہوتی اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی بات سن کر کوئی اقدام نہ کریں بلکہ پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لیں اور چھان بین کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھائیں ایسا نہ ہو کہ صرف خبر سن کر تحقیق کئے بغیر کسی قوم پر حملہ کر بیٹھیں اور پھر بعد میں ان کے بے قصور ہونے کا پتہ چلے تو ندامت اٹھانی پڑے اور بے جا اقدام کرنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے۔

واقعہ تو ایک جزئی تھا لیکن قرآن حکیم میں ایمان والوں کو ہمیشہ کے لئے نصیحت فرمادی اور متنبہ فرمادیا کہ ہر خبر سچی نہیں ہوتی خبر کی تحقیق ضروری ہے اور تحقیق کے بعد ہی کوئی اقدام کیا جاسکتا ہے آیت کے عموم نے بتادیا کہ یہ ہدایت امور دنیا اور امور آخرت سب سے متعلق ہے اسی لئے احادیث شریف کی روایات میں سچے اور متقی آدمی کی روایت قبول کی جاتی ہے جس راوی کا حال معلوم نہ ہو اسے مستور الحال کہتے ہیں اور اس کی روایت قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس آیت کو ذکر کیا ہے اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق کی خبر ساقط ہے مقبول نہیں ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ

اور تم جان لو بے شک تمہارے اندر اللہ کے رسول موجود ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشقت میں پڑجاؤ اور لیکن اللہ نے

الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے قلوب میں مزین کردیا اور کفر اور فسوق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ بنادیا، یہ لوگ

الرّٰشِدُوْنَ ۙ۝۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

ہدایت والے ہیں اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کی وجہ سے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وانعام سے تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین فرمادیا اور کفر وفسوق اور عصیان کو مکروہ بنادیا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے امت مسلمہ کو اپنا ایک بہت بڑا انعام یاد دلایا اور فرمایا کہ دیکھو تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تمہارے اندر اپنے رسول کو مبعوث فرمادیا **وھذا کقولہ تعالیٰ** لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ دوسری بات یہ بتائی کہ ہمارا رسول جو عمل کرتا ہے اور تمہیں جو حکم دیتا ہے اس میں ان کی اپنی مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد بھی ہوتی ہے بعض مواقع میں تم مشورہ بھی دیتے ہو تمہارے بہت سے مشورے نتائج کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہوتے لہٰذا رسول اللہ ﷺ ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تم اس سے دلگیر نہ ہوا گر وہ تمام امور میں تمہاری رائے پر چلیں تو بہت سی باتیں ایسی ہوں گی ان کے بارے میں تمہاری رائے قبول کرلی جائے گی تو تم مشقت میں پڑجاؤ گے اور تمہیں اس کا نقصان پہنچ جائے گا۔

تیسری بات یہ فرمائی (جو بطور امتنان ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اسے تمہارا محبوب بنادیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرمادیا تمہارے دل نور ایمان سے منور ہیں اور اس جگمگاہٹ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سچا مومن بندہ کسی قیمت پر بھی ایمان کی نعمت سے محروم ہوجانے پر راضی نہیں ہوتا مزید انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں کفر کو اور فسوق اور نافرمانی کو مکروہ بنادیا تمہیں کفر سے بھی نفرت ہے اور گناہوں سے بھی۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا۔
۱۔ جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوں
۲۔ دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔
۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچا دیا تو اب وہ کفر میں واپس جانے کو اتنا ہی برا جانتا ہے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو مکروہ جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ۷ ج ۱)

جن لوگوں کے دلوں میں ایمان محبوب اور مزین ہو گیا اور نافرمانی سے نفرت ہوگئی ان کے بارے میں فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (یہ لوگ راہ ہدایت پر ہیں) فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخششیں فضل اور انعام کے طور پر ہیں اللہ کے ذمہ کسی کا کوئی واجب نہیں ہے وہ جسے جو بھی نعمت عطا فرمائے وہ اس کا فضل ہی فضل ہے اور انعام ہی انعام ہے آخر میں فرمایا وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اور اللہ علیم ہے اسے سب کا ظاہر باطن معلوم ہے اور حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق انعام سے نوازتا ہے۔

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس سے

الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

جنگ کرو جو زیادتی کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے سو اگر وہ رجوع کرلے تو ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو

وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ

اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو،

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾

اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مومنین کی دو جماعتوں میں قتال ہو تو انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں

تفسیر: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جاتے تو اچھا ہوتا (عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اسلام کے اور مسلمانوں کے خلاف خود یہ اور اس کے ساتھی کچھ نہ کچھ حرکتیں کرتے رہتے تھے جس شخص نے اس کے پاس آنے کی رائے دی تھی اس کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ آپ خود ہی اس کے پاس تشریف لے جائیں گے تو ممکن ہے اس کا مخالفانہ جذبہ ختم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ

مسلمان ہی ہو جائے رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان بھی تھے جو پیدل چل رہے تھے آپ ایک شور زمین سے گزرے جب عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا اجی تم مجھ سے دور رہو تمہارے گدھے کی بدبو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے اس کے جواب میں ایک انصاری صحابی نے کہا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا گدھا خوشبو کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہے' یہ بات سن کر عبداللہ بن ابی کی قوم میں سے ایک آدمی کو غصہ آ گیا اور دونوں میں گالم گلوچ ہونے لگی اور دونوں میں سے ہر شخص کے ساتھیوں کو غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ٹہنیوں اور ہاتھوں اور چپلوں سے کچھ مار پیٹ ہو گئی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آیت کریمہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا واقعہ مذکورہ کے بعد نازل ہوئی یہ صحیح بخاری ۳۷۰ کی روایت ہے صاحب درمنثور نے آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے دوسری روایت بھی نقل کی ہیں (اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ کسی آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں)۔

آیت کریمہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دینے کا اور اگر صلح ہو جانے کے بعد دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت زیادتی کرے تو اس سے جنگ کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے یعنی لڑائی کو چھوڑ دے اور اللہ کے دین کے مطابق جینے کا فیصلہ کرلے اور صلح کرانے والوں کو بتادے اور یقین دلا دے کہ اب ہمیں لڑنا نہیں ہے۔

بغاوت کو دبانے کے لئے جو جنگ لڑی جائے اس میں جو فریق زیادتی پر اتر آیا تھا وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا تو یہ صلح کرانے والے ان رجوع کرنے اور لڑائی چھوڑ دینے والوں کو نہ دبائیں حق اور ناحق کو دیکھیں اور عدل و انصاف کے ساتھ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرا دیں انصاف بہت بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے محض جنگ رکوا دینا کافی نہیں ہے آپس میں صلح بھی کرا دی جائے اور یہ جو بات مابہ النزاع ہے اس کو ختم کرا دیا جائے ورنہ آئندہ پھر لڑائی کا امکان رہے گا اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہونے لگے تو امام المسلمین پر واجب ہے کہ ان کے درمیان صلح کرا دے اور دونوں فریق کو کتاب و سنت کے احکام قبول کرنے پر آمادہ کرے اگر کوئی جماعت امام المسلمین ہی سے باغی ہو جائے تو امام ان سے گفتگو کرے ان کی شکایت سنے ان کو کوئی شبہ ہے یا غلط فہمی ہے تو اس کو دور کرے اگر یہ باغی جماعت امام اور امیر کی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کرے جن سے امام کا ظالم ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے تو عامۃ المسلمین اس جماعت کی مدد کریں جو امام کی اطاعت سے منحرف ہو گئی تاکہ امام اپنے ظلم سے باز آ جائے اگر باغی فرقہ ایسی وجوہ نہ بتا سکے جن سے امام المسلمین کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہو اور یہ باغی جماعت سمجھانے سے بھی باز نہ آئے اور امام المسلمین سے جنگ کرنے ہی پر تلی رہے تو امام المسلمین اور عامۃ المسلمین اس جماعت سے قتال کریں تاکہ امام المسلمین کے باغی لوگ اطاعت میں آ جائیں...... اس سلسلہ کی تفصیلات ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

آخر میں فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کہ سارے مومن آپس میں ایمانی رشتہ کی وجہ سے آپس میں بھائی بھائی ہیں (اول تو انہیں خود ہی بھائی بھائی ہونے کا لحاظ رکھنا لازم ہے آپس میں لڑائی نہ کریں میل محبت کے ساتھ رہیں کسی کی طرف سے کوئی خطا ہو جائے حقوق کی ادائیگی میں بھول چوک ہو جائے تو درگزر کرتے رہیں لفظ اِخْوَةٌ میں اس بات کو واضح فرما دیا) اور اگر دو جماعتوں میں کوئی بگاڑ ہو جائے اور کوئی فریق درگزر کرنے کو تیار نہ ہو جس سے جنگ و جدال کی نوبت آ سکتی

ہے تو دوسرے مسلمان اس وقت کے اہم تقاضے کو پورا کریں یعنی دونوں فریق کے درمیان باہمی صلح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ان دونوں کی اصلاح اوران کے درمیان صلح کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں اس کے لئے تدبیریں سوچیں اور آپس میں جوڑ بٹھادیں اور آپس میں تعلقات استوار کرادیں ان ساری کوششوں میں اور زندگی کے ہر موڑ میں اللہ سے ڈرتے رہیں اگر خوف خدا ہوگا تو حدود شرعیہ کی رعایت کرسکیں گے اصلاح کی کوششیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لانے والی چیزیں ہیں اسی لئے آخر میں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرمایا

سورۃ النساء میں فرمایا لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے گا سو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے) آیت میں فرمایا کہ صدقہ کا حکم اور امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دینا اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا ان کاموں کا مشورہ ہونا چاہئے، اصلاح بین الناس یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرادینا ان کی رنجشیں دور کردینا اور ان کے دلوں کے جوڑنے کی کوشش کرنا روٹھے ہوئے دوستوں کو منادینا میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کرنا بہت بڑی ثواب کی چیزیں ہیں، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو نفلی روزوں اور صدقہ دینے اور نفلی نماز پڑھنے کے درجے سے بھی افضل چیز نہ بتادوں؟ ہم نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے' آپ نے فرمایا کہ یہ چیز آپس میں صلح کرادینا ہے (پھر فرمایا کہ بغض یعنی آپس کا بگاڑ) مونڈ دینے والا ہے۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وقال ہذا حدیث صحیح)

دوسری روایت میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا بغض بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۸ از احمد و ترمذی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ

اے ایمان والو نہ تو مرد' مردوں کی ہنسی اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ

نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ

عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں، ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ اپنی جانوں کو عیب لگاؤ' اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے

الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

یاد کرو' اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے اور جو شخص توبہ نہ کرے یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے

اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ

ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو' بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں' اور تجسس نہ کرو' اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت

بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نہ کریں' کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو برا سمجھتے ہو' اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ

تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔ اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ آپس میں

لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

شناخت کر سکو بے شک تم میں سب سے بڑا عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں سب سے بڑا پرہیزگار ہے، بے شک اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے۔

باہمی مل کر زندگی گزارنے کے چند احکام

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کو چند نصیحتیں فرمائی اولاً تو یہ فرمایا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ بنائیں اور کوئی کسی کے ساتھ تمسخر نہ کرے چونکہ مردوں کا آپس میں زیادہ ملنا جلنا رہتا ہے اور عورتوں کا عورتوں سے زیادہ میل جول رہتا ہے اس لئے طرز خطاب یوں اختیار فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ بنائیں اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ بنائیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مذاق اڑانے کی اجازت دی گئی ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ ہنسی کرنے والوں کو اس کا کیا حق ہے کہ کسی کا مذاق بنائیں اصل بڑائی ایمان اور اعمال صالحہ سے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے سے ہے کوئی شخص دوسرے آدمی کے اعمال اور باطنی جذبات اخلاص و حسن نیت کو نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے یا نہیں؟ موت کے بعد کون کس سے افضل ہوگا اس کا بھی علم نہیں ہو سکتا ہے یا جس کا مذاق بنایا جا رہا ہے وہ مذاق بنانے والے سے بہتر ہو مردوں میں بھی یہی بات ہے اور عورتوں میں بھی اگر موت کے بعد اپنے اچھے حال کا اور جس کا مذاق بنا رہے ہیں اس کی بدحالی کا یقین ہو جاتا تو تمسخر کرنے کی کوئی وجہ بھی تھی، لیکن جب اپنے ہی بارے میں علم نہیں کہ میرا کیا بنے گا تو دوسرے کا مذاق بنانے کا کیا مقام ہے؟ کسی کی مذاق بنانے میں ایک تو تکبر ہے کیونکہ مذاق بنانے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ ہے اگر اپنے حالات کا استحضار ہو تو کبھی کسی کی برائی اور غیبت کرنے اور کسی کا مذاق بنانے کی نہ ہمت ہو نہ فرصت ملے، دوسرے کا مذاق بنانے میں ایذاء رسانی بھی ہے اس سے اس کو قلبی تکلیف ہوتی ہے جس کا مذاق بنایا گیا ایذاء دینا حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر اور اس سے مذاق نہ کر (جس سے اسے تکلیف پہنچے) اور اس سے کوئی ایسا وعدہ نہ کر جس کی تو خلاف ورزی کرے (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۴)

خوش طبعی کے طور پر جو آپس میں مذاق کیا جائے جسے عربی میں مزاح کہتے ہیں وہ درست ہے مگر جھوٹ بولنا اس میں بھی جائز نہیں ہے اور اگر مزاح سے کسی کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی مزاح فرما لیتے تھے آپ نے فرمایا میں اس موقع پر بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶)

یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مذاق بنانا زبان سے ہی ہو، آنکھ سے یا ہاتھ سے یا سر سے اشارہ کر کے کسی کا مذاق بنانا اسے معلوم ہو یا نہ ہو یہ سب حرام ہے سورۃ الہمزہ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

فقال اللہ تعالیٰ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ

دوسری نصیحت: یہ فرمائی وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اور اپنی جانوں کو عیب نہ لگاؤ) یہ بھی بہت جامع نصیحت ہے کسی کو طعنہ دینا اس کے جسم میں، بول چال میں قد میں عیب ظاہر کرنا زبان سے ہو یا اشارہ سے خط میں لکھ کر یا مضمون شائع کر کے لفظوں کے عموم میں یہ سب باتیں آ گئیں اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو تب بھی عیب ظاہر کرنے کے طور پر بیان کرنا حرام ہے کسی دراز قد کو لمڈھیک یا لمبو یا پستہ قد کو ٹھگنا بتادیا کسی کے ہلکے پن کی نقل اتاردی جس کی چال میں فرق ہے اسے لنگڑا کہہ دینا نابینا کو اندھا کہہ کر پکارنا سیدھے آدمی کو بدھو کہنا یہ سب عیب لگانے کے زمرے میں آتا ہے یہ سب اور اس طرح کی جو باتیں عام طور پر رواج پذیر ہیں ان سب باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا کہ صفیہ کا قد بس اتنا سا ہے (اور یہ بطور عیب لگانے کے کہا) آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ بولا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر کے رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۴)

یاد رہے کہ وَلَا تَلْمِزُوْا غَیْرَکُمْ نہیں فرمایا بلکہ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں جب کسی کو کچھ کہیں گے تو وہ الٹ کر جواب دے گا اس طرح سے اپنا عمل اپنے ہی طرف لوٹ کر آجائے گا دوسرے کو عیب لگانے والا خود اپنی بے آبروئی کا سبب بنے گا۔

تیسری نصیحت یہ فرمائی وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو) ایک دوسرے کو برا لقب دینے اور برے القاب سے یاد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے مثلاً کسی مسلمان کو فاسق یا منافق یا کافر کہنا یا اور کسی ایسے لفظ سے یاد کرنا جس سے برائی ظاہر ہوتی ہو اس سے منع فرمایا، کسی کو کتا، یا گدھا یا خنزیر کہنا کسی نو مسلم کو اس کے سابق دین کی طرف منسوب کرنا یعنی یہودی یا نصرانی کہنا یہ سب تنابز بالالقاب میں آتا ہے یہ بھی حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے یہودی دین پر تھیں ان کا اونٹ مریض ہو گیا تو آپ نے اپنی دوسری اہلیہ زینب بنت جحشؓ سے فرمایا کہ اسے ایک اونٹ دے دو، انہوں نے کہا کیا میں اس یہودی عورت کو دے دوں؟ رسول اللہ ﷺ ان کے اس جواب کی وجہ سے غصہ ہو گئے اور ذی الحجۃ اور محرم اور کچھ ماہ صفر کا حصہ ایسا گزرا کہ آپ نے زینب سے تعلقات نہیں رکھے (رواہ ابوداؤد ص ۲۷۶ جلد ۲) مسند احمد ۳۳۷، ۳۳۸ ج ۶ میں ہے یہ واقعہ سفر حج کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا اس کے بعد اس کو اس برے عمل کے عنوان سے پکارا جائے مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ کہہ دیا جائے (معالم التنزیل) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عیب دار بتایا یعنی عیب لگایا تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ کو نہ کر لے (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۴)

پھر فرمایا بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مومن ہو اگر کسی کا مذاق بناؤ گے، عیب لگاؤ گے، برے لقب سے یاد کرو گے تو یہ فسق کا کام ہوگا، کہنے والے کہیں گے کہ دیکھو وہ آدمی فاسق ہے مسلمان ہو کر فسق اور گناہگاری کا کام کرتا ہے اپنی ذات کو برائی سے موصوف اور معروف کرنا بری بات ہے کوئی شخص مومن ہو اور اس کی شہرت گناہگاری کے ساتھ ہو یہ بات اہل ایمان کو زیب نہیں دیتی جب اسلام کو اپنا دین بنا

لیا تو اسلام ہی کے کاموں پر چلیں اور صالحین میں شمار ہوں فاسقین کی فہرست میں کیوں شمار ہوں، تفسیر قرطبی میں بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ کا ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جب کسی شخص نے گناہ کرلیا پھر توبہ کر لی تو اس کو فسق کے نام سے یاد کرنا بری بات ہے اور مثلاً نومسلم کو کافر بتانا سابق گناہ کی وجہ سے زانی یا سارق یا چور کہنا بری بات ہے یعنی جس کے حق میں یہ بات کہہ رہے ہو اس کو بُرے لقب سے کیوں یاد کر رہے ہو؟ اس کی آبرو کے خلاف لقب کیوں دے رہے ہو؟

چوتھی نصیحت پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو گناہوں سے توبہ نہ کرے سو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ان کا ظلم ان کی جانوں پر ہے تمام گناہوں سے توبہ کریں عموم حکم ان تینوں گناہوں سے توبہ کرنے کو بھی شامل ہے جن کا آیت بالا میں ذکر گزرا۔

پانچویں نصیحت پھر فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) بات یہ ہے کہ بدگمانی بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے بہت سے لوگوں میں وہ بات ہوتی ہی نہیں جسے محض اٹکل اور گمان سے طے کرلیا جاتا ہے اور پھر اپنے گمان کے مطابق تہمتیں لگاتے ہیں اور غیبتیں کرتے ہیں بدگمانی کی بنیاد پر جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں اس سے آپس میں فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے حالانکہ گمان اپنا ایک ذاتی خیال ہوتا ہے خیال کا صحیح ہونا ضروری نہیں اسی لئے سورۃ النجم میں فرمایا ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (گمان حق کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا) مومنین سے اچھا گمان رکھیں اور بدگمانی سے پرہیز کریں ایک حدیث میں ارشاد ہے ایاکم والظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان سب باتوں سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۷)

یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے میل جول میں احتیاط کرنا اور اس کے شر سے بچنے کے لئے یہ خیال کرنا کہ ممکن ہے کہ یہ مجھے کوئی تکلیف پہنچا دے یہ اس گمان میں نہیں آتا جو گناہ ہے اپنی احتیاط کرلے غیبت نہ کرے اور گمان کو یقین کا درجہ بھی نہ دے۔

(آیت کریمہ میں فرمایا کہ اے ایمان والو بہت سے گناہوں سے بچو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے بلکہ محمود اور مستحسن بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھے کہ وہ بخش دے گا معاف فرما دے گا اور ساتھ ہی گناہوں سے بھی پرہیز کرتا رہے نیز مسلمانوں کے ساتھ خاص کر جو مومنین صالحین ہوں اچھا گمان رکھا جائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ (کہ حسن ظن عبادت کی ایک صورت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۹ از احمد و ابوداؤد)

البتہ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ ایسے احوال اور ایسے مواقع سے بچیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اور ساتھ رہنے والوں کو بدگمانی ہوسکتی ہے اپنے اعمال و احوال چال ڈھال اور اقوال میں ایسا انداز اختیار نہ کرے جس سے لوگوں کی بدگمانی کا شکار ہو جائے کیونکہ لوگوں کی نظروں میں برا بن کر رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

چھٹی نصیحت یوں فرمائی وَلَا تَجَسَّسُوْا (اور تم تجسس نہ کرو) یعنی لوگوں کے عیوب کا سراغ نہ لگاؤ اور اس تلاش میں نہ رہو کہ فلاں شخص میں کیا عیب ہے اور تنہائی میں کیا عمل کرتا ہے یہ تجسس کا مرض بھی بہت برا ہے بہت سے لوگ اس میں مبتلا

رہتے ہیں حالانکہ اس کا وبال بہت بڑا ہے دنیا اور آخرت میں اس کی سزا مل جاتی ہے اور تجسس کرنے والا ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے بہت سی مرتبہ تجسس میں بدگمانی کو استعمال کرنا پڑتا ہے جس کی ممانعت ابھی معلوم ہوئی مومن کا کام یہ ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب دیکھے تو اسے چھپائے نہ یہ کہ کسی کے عیب کے پیچھے پڑے اور ٹوہ لگائے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی ایسی چیز دیکھ لی جس کے ظاہر ہونے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس کو چھپالیا تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۴)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا کہ اے وہ لوگو جو زبانی طور پر مسلمان ہو گئے اور ان کے دلوں میں ایمان نہیں پہنچا مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور انہیں عیب نہ لگاؤ ان کے چھپے ہوئے حالات کی تلاش میں نہ لگو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ عیب کے ظاہر ہونے کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کے چھپے ہوئے عیب کا پیچھا کرتا ہے یہاں تک کہ اسے رسوا کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔ (رواہ الترمذی)

یاد رہے کہ جس طرح سے کسی کے عیب یا گناہ یا بدحالی کا پتہ چلایا جائے یہ سب تجسس میں داخل ہے چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے کسی کی باتیں معلوم کر لینا یہ سب تجسس ہے جو ممنوع ہے۔

ساتویں نصیحت یہ فرمائی وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا (کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو) مزید فرمایا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ (کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو) یعنی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے جیسے تمہیں مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارا نہیں اسی طرح غیبت کرنا بھی ناگوار ہونا لازم ہے بات یہ ہے کہ غیبت بہت بری بلا ہے نمازی اور تقویٰ کے دعویدار اور اپنی بزرگی کا گمان رکھنے والے تک اس میں مبتلا ہوتے ہیں دنیا میں کچھ محسوس نہیں ہوتا قیامت کے دن جب اتنی چھوٹی سی زبان کی کھیتیاں کاٹنی پڑیں گی اس وقت احساس ہوگا کہ ہائے ہم نے کیا کیا لیکن اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ دے گا اب اس بات کو سمجھیں کہ غیبت کیا چیز ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَهُ کہ تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا کہ اسے برا لگے یہ غیبت ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں اگر وہ میرے بھائی کے اندر موجود ہو تو اسے بیان کرنے کے بارے میں کیسا ارشاد ہے؟ فرمایا اگر تیرے بھائی میں وہ عیب کی بات موجود ہے جسے تو بیان کر رہا ہے تب ہی تو غیبت ہوئی اور اگر تو نے کوئی ایسی بات بیان کی جو اس کے اندر نہیں ہے تب تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۳، ج ۲)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی کا واقعی عیب یا گناہ بیان کرنا ہی غیبت ہے اگر جھوٹی بات کسی کے ذمہ لگا دی تو وہ تہمت دھرنا ہوا اس میں دو گنا گناہ ہے ایک گناہ تہمت دھرنے کا دوسرا غیبت کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اپنے بھائی کو ایسے طریقہ پر یاد کرنا جس سے اسے ناگواری ہو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سامنے کہنا بھی غیبت ہے اور تہمت دھرنا بھی غیبت میں شامل ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں سننے والے کو ناگوار ہوتی ہیں غیبت کی بنیاد یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں کچھ کہا جا رہا ہے وہ اسے برا لگے سامنے ہو یا پیچھے جو لوگ غیبتیں کرتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ میں غلط

نہیں کہہ رہا ہوں میں اس کے منہ پر کہہ سکتا ہوں حدیث بالا سے ان کی جرأت بے جا کا پتہ چلا' ایسے لوگ نفس اور شیطان کے دھوکے میں ہیں' گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جس کا عذاب اور وبال بہت بڑا ہے اور سمجھتے یوں ہیں کہ ہم گناہ سے بَری ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ سمجھ دے۔

غیبت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے بھی ہے اس اعتبار سے غیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا بہت زیادہ ضروری ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا ایک شخص زنا کر لیتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے اور اگر کوئی شخص غیبت کر لے تو اس وقت تک اس کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

بات یہ ہے کہ غیبت کرنے میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا ضائع کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے غیبت کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور چونکہ بندہ کی بھی بے آبروئی کی ہے اس لئے اس کا حق بھی ضائع کیا اس کا نام احترام سے لیا جاتا ہے کم از کم اس کی برائی (نہ کی جاتی' جب غیبت کر لے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگ لے البتہ بعض اکابر نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اسے اطلاع پہنچ گئی ہو تو معافی مانگ لے اور اگر اطلاع نہ پہنچی ہو تو اس کے لئے اتنی بار مغفرت کی دعا کرے کہ دل یہ گواہی دے دے کہ غیبت کی تلافی ہوگئی' ایک حدیث میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کے لئے استغفار کرے جس کی غیبت کی ہے اور یوں دعا کرے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرما دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی ایسے لوگوں پر میرا گزر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی بے آبروئی کرتے تھے (رواہ ابوداؤد ص ۳۱۳ ج ۲)

غیبت کرنے والے آیت کریمہ اور احادیث شریفہ کے مضامین پر اور اس سلسلہ کی وعیدوں پر غور کریں۔

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو سننے والے پر لازم ہے کہ اس کا کاٹ کرے اور جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کی طرف سے دفاع کرے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کی طرف سے دفاع کیا جس کا غیبت کے ذریعہ گوشت کھایا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اسے دوزخ سے آزاد کر دے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس سے دور رکھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرمائی۔ (ذکرھما صاحب المشکوٰۃ ۴۲۴)

اور حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی منافق کی باتوں سے کسی مومن کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا اور جس کسی شخص نے مسلمان میں کوئی عیب ظاہر کیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے پل پر روک دے گا جب تک

اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل جائے یعنی معافی مانگ کر اسے راضی نہ کرلے جس کو عیب دار بتایا تھا (رواہ ابوداؤد ص ۳۱۳ ج ۲)

اور حضرت جابر اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی کسی جگہ بے حرمتی کی جارہی ہو اور اس کی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور وہاں جو شخص موجود ہو اس کی مدد نہ کرے (یعنی برائی کرنے والے کو اس کے عمل سے نہ روکے) اللہ تعالیٰ ایسی جگہ میں اسے بغیر مدد کے چھوڑ دے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا اور جس کسی نے مسلمان کی ایسی جگہ مدد کی جہاں اس کی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور بے حرمتی کی جارہی ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ایسی جگہ میں مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۴)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے اور غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کسی کے سامنے کوئی شخص کسی کی غیبت کرنے لگے تو اس کا دفاع کرے۔

یہ جو ارشاد فرمایا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ مروی ہے اور وہ یہ کہ ایک صحابی نے زنا کر لیا تھا جن کا نام ماعز رضی اللہ عنہ تھا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے پھر ان کو سنگسار کر دیا گیا ایک شخص نے اپنے ساتھی سے راہ چلتے ہوئے کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی لیکن اسے رہا نہ گیا یہاں تک کہ کتے کی طرح اس کی رجم کی گئی یعنی پتھروں سے مارا گیا رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن لی اور خاموشی اختیار فرمائی پھر کچھ دور آگے بڑھے تو ایک مردہ گدھے پر گزار ہوا جو اوپر کو ٹانگ اٹھائے ہوئے تھا آپ نے فرمایا فلاں فلاں کہاں ہیں (ایک بات کہنے والا دوسرا بات سننے والا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں، فرمایا تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کی نعش سے کھاؤ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے آپ نے فرمایا وہ جو ابھی ابھی تم نے اپنے بھائی کی بے آبروئی کی ہے وہ اس گدھے کی نعش کھانے سے زیادہ سخت ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۵۲ ج ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ شخص کی غیبت کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ زندہ کی غیبت کرنا حرام ہے۔

فائدہ: یہ ضروری نہیں کہ زبان سے جو غیبت کی جائے وہی غیبت ہو آنکھ کے اشارہ سے ہاتھ کے اشارہ سے نقل اتارنے سے بھی غیبت ہوتی ہے کسی کی اولاد میں عیب نکالے کسی کی بیوی کا کوئی عیب بیان کردے اس میں ڈبل غیبت ہے باپ کی بھی اور اولاد کی بھی اور بیوی کی بھی اور شوہر کی بھی، بہت سے لوگوں کو غیبت کا ذوق ہوتا ہے جس سے ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں کسی نہ کسی کا برائی سے تذکرہ کر دیتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔

فائدہ: اگر کسی شخص کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی ظالم کا حال بیان کر دیا جائے تو یہ غیبت حرام میں نہیں آتا۔

آٹھویں نصیحت: پھر فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرو) اس میں سب گناہوں سے بچنے کا حکم فرما دیا اور ساتھ ہی اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے، جس کسی سے جو گناہ ہو گیا ہو اس سے توبہ کرے اور کسی بندہ کا کوئی حق مار لیا ہو غیبت کی ہو بے آبروئی کی ہو اس سے بھی معاف کرا لے اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا معاف فرما دے گا۔

نویں نصیحت: اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے

چھوٹے بڑے قبیلے بنا دیئے تا کہ آپس میں جان پہچان ہو کہ یہ فلاں قبیلہ کا ہے اور یہ فلاں خاندان کا ہے آدمی ہونے میں برابر ہو کیونکہ سب آدم اور حوا علیہما السلام کی اولاد ہو لہٰذا آدمیت میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اصل فضیلت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اور وہ فضیلت تقویٰ سے ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اس آیت کریمہ میں فضیلت اور عزت کا معیار بتا دیا ہے اس کے برخلاف لوگوں کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں نمازوں کے بھی تارک ہیں زکوٰتیں بھی نہیں دیتے فسق و فجور میں مبتلا ہیں حرام کھاتے ہیں اور حرام کھلاتے ہیں لیکن نسب کی بڑائی بگھارتے ہیں سید اور ہاشمی اور صدیقی اور فاروقی، عثمانی، علوی، انصاری، شیخ، ملک، چوہدری، اور دیگر نسبتوں کے بغیر اپنا نام ہی نہیں بتاتے آرہے ہیں سید صاحب ڈاڑھی مونڈی ہوئی ہے پتلون پہنے ہوئے ہیں ٹائی لگی ہوئی ہے بینک کے منیجر ہیں اپنے نانا جان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اعمال سے کچھ بھی نسبت نہیں، ظاہر اور باطن دشمنوں کے ہاتھ بکا ہوا ہے اور ہیں سید صاحب، یہی حال دوسری نسبتیں استعمال کرنے والوں کا ہے یہ لوگ جن قوموں کو کم تر جانتے ہیں ان کے علماء و صلحاء نمازی اور متقی حضرات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کچھ لوگ سفید سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اور کچھ لوگ عربی ہونے کی وجہ سے اپنی فضیلت کی خام خیالی میں مبتلا ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انک لست بخیر من احمر ولا اسود الا أن تفضله بتقوی (بے شک تو کسی گورے اور کالے سے بہتر نہیں ہے اِلّا یہ کہ تو تقویٰ میں بڑھ جائے) (رواہ احمد فی مسندہ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ۱۰۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صفا پر چڑھ کر قریش سے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچالو میں قیامت کے دن تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا بنی کعب بنی مرۃ بنی عبد شمس بنی عبد مناف بنی ہاشم بنی عبد المطلب، اے جماعت بنی قریش سب سے الگ الگ خطاب فرمایا اور ان سے یہی فرمایا انقذوا انفسکم من النار کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ اپنے چچا عباس بن مطلب اور اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بھی خاص طور سے یہ خطاب فرمایا۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی مشکوٰۃ المصابیح ۴۶۰)

نسب کی بنیاد پر نجات نہیں ہوگی ایمان کی بنیاد پر نجات ہوگی اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر رفع درجات ہوگا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی اہل ایمان ہی کے لئے ہوگی۔

جزوی طور پر جو نسبی شرف کسی کو حاصل ہے اس کے بل بوتہ پر گناہ کرتے چلے جانا اور اپنے کو دوسری قوموں کے متقی لوگوں سے برتر سمجھنا یہ بہت بڑے دھوکہ کی بات ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت (یعنی متکبرانہ مقابلہ بازی) کو اور باپوں پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے اب تو بس مومن متقی ہے یا فاجر شقی ہے انسان سب آدم کے بیٹے ہیں آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی کما فی المشکوٰۃ ۴۱۸)

دسویں نصیحت: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ بے شک اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے۔

استحضار ہے کہ کیونکہ اللہ علیم و خبیر ہے کس کا کیا درجہ ہے کون ایمان دار ہے کون بے ایمان ہے کون گناہوں میں لت پت ہے اور آخرت میں کس کا کیا انجام ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے سب تقویٰ اختیار کرنے کے لئے فکر مند ہوں تا کہ متقیوں میں حشر ہو اور ان کا جیسا معاملہ ہو۔

لِتَعَارَفُوْا کی تشریح کرتے ہوئے صاحب بیان القرآن فرماتے ہیں ''تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں مثلاً ایک نام

کے دو شخص ہیں خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتی ہے اور یہ کہ اس سے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے اور بقدر قرب و بعد نسب کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں اور مثلاً اس سے عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے تو حاجب اور محجوب متعین ہوتا ہے مثلاً یہ کہ اپنا خاندان ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندانوں کی طرف منسوب نہ کرے گا جس کی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے آیت کریمہ میں لفظ شُعُوْبٌ اور لفظ قَبَائِل مذکور ہے شعب خاندان کی جڑ کو یعنی اوپر والے خاندان کو اور قبیلہ اس کی شاخ کو کہتے ہیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ

دیہات کے رہنے والوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم ظاہری فرمانبردار ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے

قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ غفور ہے

رَّحِیْمٌ ۝۱۴ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

رحیم ہے ایمان والے وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور جانوں سے جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں، آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو اپنا دین بتا رہے ہو اور اللہ

یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۱۶ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، وہ آپ پر احسان دھرتے ہیں کہ اسلام لے آئے

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ

آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر احسان نہ دھرو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دے دی اگر تم

صٰدِقِیْنَ ۝۱۷ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

سچے ہو، بے شک اللہ آسمان اور زمین کی غیب کو جانتا ہے اور اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔

محض زبانی اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو تنبیہ

تفسیر: معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قبیلہ بنی اسد کے چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ خشک سالی کا زمانہ تھا ان لوگوں نے ظاہر کیا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے حالانکہ دل سے مومن نہ تھے انہوں نے مدینہ منورہ کے راستوں میں گندگیاں ڈال کر خراب

کردیا اور مالوں کے بھاؤ بھی مہنگے کردیئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صبح شام جاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کے پاس عرب کے لوگ اپنی جانوں کو لے کر آ گئے اور ہم اپنا سارا سامان اور بال بچوں کو لے کر آ گئے اور ہم نے آپ سے جنگ نہ کی جیسا کہ فلاں فلاں قبیلہ نے آپ سے جنگ کی یہ باتیں کہہ کر آپ پر احسان رکھتے تھے اور صدقات کے اموال آپ سے طلب کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی ارشاد فرمایا قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا دیہات کے لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے یعنی دل سے ہم نے آپ کی تصدیق کر لی اور آپ کے دین کو مان لیا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے (یہ تمہارا زبانی دعویٰ ہے وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (لیکن تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے ظاہری طور پر بات مان لی ہے اور فرمانبرداری کا اعلان کر دیا ہے) وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (اور تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا) محض زبانی اقرار اور ظاہری طور پر اعمال اسلام اپنا لینے سے بندہ مومن نہیں ہوتا اسلام تصدیق قلبی کا نام ہے منافقین کے بارے میں ارشاد ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہیں، بات یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے رسول کو دل سے سچا جاننے اور ماننے سے مومن ہوتا ہے اگر یقین نہ ہو یا یقین تو ہو لیکن تسلیم نہ ہو یعنی مانتا نہ ہو تو مومن نہیں ہوتا جیسا کہ فرعون کی قوم کے بارے میں فرمایا وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور انہوں نے ان آیات کا انکار کیا حالانکہ انہیں ان کے سچا ہونے کا یقین تھا اور انکار ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا)

بہت سے لوگ دنیاوی اغراض کیلئے یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن اندر سے تصدیق نہیں کرتے مسلمان انہیں ظاہری دعویٰ کی وجہ سے مسلمان سمجھ لیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن نہیں ہوتے۔

پھر فرمایا وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے دل و جان سے ظاہر سے بھی باطن سے بھی لوگوں کے سامنے بھی تنہائیوں میں بھی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کوئی کمی نہ فرمائے گا یعنی تمہارے اعمال کا پورا پورا ثواب دے گا بلکہ کم از کم دس گنا بڑھا کر دے گا اس میں یہ بات بتا دی کہ ایمان اعمال صالحہ پر آمادہ کرتا ہے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی آخرت میں کام آئیں گے طلب دنیا کے لئے یہ کہنا کہ ہم مومن ہیں اور ظاہری طور پر ایمان قبول کر لینا آخرت میں مفید نہیں ہے وہاں کی نجات اور اجر و ثواب ایمان حقیقی پر موقوف ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اگر سچے دل سے ایمان قبول کر لو گے تو اس سے پہلے جو کیا ہے اس سب کی معافی ہو جائے گی۔

قولہ تعالیٰ: لا یلتکم قرأ أبو عمرو ویالتکم بالألف کقولہ تعالیٰ: وما التناھم والآخرون بغیر الف وھما لغتان ومعنا ھما لا ینقصکم یقال: ألت یالت ألتاً ولاث یلیت لیتاً اذا نقص (ذکرہ فی معالم التنزیل) (معالم التنزیل میں ہے لَا يَلِتْكُمْ اسے ابو عمرو نے لَا يَاْلِتْكُم پڑھا ہے، الف کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ اور دوسروں نے بغیر الف کے پڑھا ہے، اور دونوں صورتوں میں معنی ہے، تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا

کہا جاتا ہے اَلَت یالت اَلتاً و لاَت یَلِیتَ لیتاً جب نقصان ہو جائے)

اس کے بعد فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الآیة) (اس آیت میں یہ بتایا کہ واقعی اور سچے مومن وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یعنی انہوں نے سچے دل سے تصدیق کی ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا پھر انہوں نے شک نہیں کیا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا) اس میں کافروں سے اور اپنے نفس سے جہاد کرنا اور اپنے کو غیر شرعی کاموں سے اور اپنے خاندانوں اور دیگر افراد کو شریعتِ اسلامیہ پر چلانے کے سلسلہ میں محنت اور کوشش کرنا سب داخل ہے اپنے نفس کو دینی تقاضوں پر لگانا اس بارے میں مال و جان خرچ کرنا بڑے مجاہدہ کی بات ہے نفس پر قابو پانے کے لئے فکر مند رہنا لازم ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں . فی سبیل اللّٰہ فی طاعة اللّٰہ عزوجل علی تکثیر فنونها من العبادات البدنية المحضة والمالية الصرفة والمشتملة عليهما معاً كالحج والجهاد. (فی سبیل اللہ کا مطلب ہے مختلف شکلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خواہ وہ محض عبادت بدنی ہو خواہ محض مالی خواہ مالی و بدنی دونوں قسم کی ہو جیسے جہاد اور حج)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں یعنی ان کا دعوائے ایمان سچا ہے وہ دیہاتی لوگ جنہوں نے اوپر کے دل سے دنیا سازی کے لئے اٰمنا کہہ دیا یہ لوگ مومن نہیں ہیں لفظ انما جو حصر پر دلالت کرتا ہے اس سے یہ معنی مفہوم ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ آیت بالا میں ان لوگوں کو مومن بتایا ہے جو اللہ پر بھی ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر اور انہیں اپنے ایمان میں شک بھی نہ ہو اس میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ محض اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور توحید کا قائل ہو جانا ایمان نہیں ہے جو اللہ کے یہاں معتبر ہے اور جس پر نجات کا وعدہ ہے مومن ہونے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا بھی فرض ہے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو وحدت ادیان کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بس اللہ کو مان لینا آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔

معالم التنزیل اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو وہ دیہاتی لوگ جنہوں نے اٰمنّا کہا تھا خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ واقعی ہم سچے دل سے اسلام لائے ہیں اس پر آیت کریمہ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (الآیة) نازل ہوئی یعنی وہ آپ پر اس بات کا احسان دھرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان مت جتاؤ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دیدی اگر تم واقعی ایمان میں سچے ہو) جس کا اب دوبارہ دعویٰ کر رہے ہو تو تمہیں اللہ کا احسان ماننا لازم ہے اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور باطن سب کا پتہ ہے تمہارے دین کا بھی علم ہے اللہ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمارا دین اسلام ہے اگر سچے مسلمان ہو گے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمان شمار ہو جاؤ گے پھر وہ اس کی جزا دیدے گا تمہیں اپنے دلوں کی تلاشی لینا چاہئے کہ واقعی مومن ہیں یا نہیں؟

اس آیت میں جو یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا فرمایا ہے اس کے بارے میں یہ سوال ہوتا ہے کہ انہوں نے تو آمنّا کہا تھا ان کی بات کو لفظ اسلموا سے تعبیر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ سمجھ میں آئی کہ انہوں نے جو امنا کہا تھا ان کا پہلی بار بھی دعوائے ایمان صحیح نہ تھا اور دوبارہ جو انہوں نے یوں کہا کہ ہم واقعی سچے دل سے اسلام لائے ہیں یہ بھی اوپر ہی کے دل سے تھا لفظ اسلموا نے اس بات کو ظاہر کر دیا اور ایک بات اور سمجھ میں آئی وہ یہ کہ اس میں احسان دھرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب سچے دل سے ایمان لانے والوں کیلئے اسلام قبول کرنے پر احسان دھرنا صحیح نہیں تو اوپر کے دل سے اسلام کا دعویٰ قبول کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر احسان دھرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اس میں رہتی دنیا تک آنے والوں اور دین اسلام قبول کرنے کا دعوی کرنے والوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے اگر سچے دل سے قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام کا ماننے والا فرد تسلیم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ یہ بات بھی بتادی کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لئے قبول کرتا ہے وہ مسلمان پر احسان نہ دھرے کہ میں مسلمان ہو گیا لہٰذا تم لوگ میرے لئے چندہ کرو اور روٹی رزق کا انتظام کرو، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن اسے چاہئے کہ مسلمانوں پر احسان نہ دھرے اور نہ ان سے کچھ طلب کرے خود کمائے کھائے آخر زمانہ کفر میں بھی تو کسب کرتا تھا۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور بے شک اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے غیب کو) یعنی چھپی ہوئی باتوں اور چھپی ہوئی چیزوں کو وہ خوب جانتا ہے وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

وهذا آخر تفسير سورة الحجرات ، والحمد لله الذى بعزته ونعمته تتم الصالحات وقد فرغت منه فى الليلة السابعة من شهر شعبان فى ۱۴۱۸ھ والحمد لله اولا واخرا باطناً و ظاهرا.

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ قٓ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پینتالیس آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝١ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ

قٓ قسم ہے قرآن مجید کی، بلکہ ان کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا، سوکافر لوگ کہنے لگے کہ یہ عجیب

عَجِيْبٌ ۝٢ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝٣ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ

بات ہے، جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے، یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید بات ہے، ہم ان کے ان اجزاء کو جانتے ہیں جن کو زمین کم کرتی ہے اور

عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝٤ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝٥ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى

ہمارے پاس کتاب محفوظ ہے، بلکہ سچی بات کو جبکہ وہ ان کو پہنچی ہے جھٹلاتے ہیں غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں، کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر

السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝٦ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا

آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ نہیں، اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٧ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝٨ وَنَزَّلْنَا

پہاڑوں کو جمادیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگائیں جو ذریعہ ہے دانائی کا اور نصیحت کا ہر رجوع ہونے والے بندہ کے لئے، اور ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝٩ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝١٠ رِّزْقًا

آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت سے باغ اگائے اور کھیتی کا غلہ اور لمبے لمبے کھجور کے درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں،

لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝١١

بندوں کو رزق دینے کے لئے، اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح نکلنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق کا بیان، نعمتوں کا تذکرہ منکرین بعث کی تردید

تفسیر: یہاں سے سورہ قٓ شروع ہو رہی ہے۔ اس میں دلائلِ توحید اور وقوع قیامت اور قیامت کے دن کے احوال اور مؤمنین و کافرین کا انجام بتایا ہے۔ درمیان میں باغی اور طاغی قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ بھی فرمادیا ہے۔

قٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ قسم ہے قرآن مجید کی تم ضرور اٹھائے جاؤ گے اور قیامت کے دن حاضر ہوگے یہ جواب قسم لَتُبْعَثُنَّ محذوف کا ترجمہ ہے۔

پھر فرمایا بَلْ عَجِبُوْا (الآیات الثلاث) بَلْ کا عطف کس پر ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:
فکانہ قیل انا انزلناہ لتنذر بہ الناس فلم یؤمنوا بہ بل جعلوا کلا من المنذر والمنذر بہ عرضۃ للتکبر والتعجب (یعنی ہم نے یہ قرآن نازل کیا تا کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں لیکن وہ لوگ اس پر ایمان نہ لائے انہوں نے ڈرانے والے کو بھی جھٹلایا اور جس چیز سے ڈرایا اس کو بھی جھٹلایا، حق کو نہ مانا تکبر اختیار کیا اور تعجب کرنے لگے) کیا ہم ہی میں سے ڈرانے والا آ گیا؟ اور کہنے لگے کہ یہ تو عجیب چیز ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے پھر زندہ ہو کر اٹھیں گے یہ تو بہت ہی بعید بات ہے ہماری سمجھ سے باہر ہے ہمارے نزدیک تو ایسا نہیں ہو سکتا، ان لوگوں نے جو موت کے بعد واپس ہونے کو بعید کہا اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ کہ ہم جانتے ہیں زمین جو ان کے اعضا کو کم کرتی ہے یعنی ان کے گوشتوں کو اور ہڈیوں کو اور بالوں کو زمین جو کم کر دیتی ہے ہمیں اس سب کا علم ہے وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ اور ہمارے پاس کتاب ہے جس نے ان سب چیزوں کو محفوظ کر رکھا ہے (زمین نے جو جزو کم کیا، ہڈیوں کی مٹی بن گئی (جانوروں کی غذا ہو گئی) ان سب کا ہم کو پتہ ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو یہ چیزیں زندہ ہو جائیں گی، اجسام تیار ہو کر روح داخل ہو جائیں گی، اور مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے، جو پیدا کرنے والا ہے وہی موت دینے والا ہے، وہی موت کے بعد زندہ فرمائے گا، اس کو سب کا علم ہے اور دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو لوگ دفن کئے جاتے ہیں ان کی سب چیزیں گل جاتی ہیں یعنی مٹی میں ملکر مٹی ہو جاتی ہیں سوائے ایک ہڈی کے وہ باقی رہ جاتی ہے یعنی ریڑھ کی ہڈی کا تھوڑا سا حصہ قیامت کے دن اسی سے نئی پیدائش ہو گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۱)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ (بلکہ بات یہ ہے کہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جبکہ ان کے پاس آ گیا) موت کے بعد زندہ ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو بھیج دیا اور آپ کی نبوت کے دلائل اور معجزات سامنے آ گئے تو وہ اس کے بھی منکر ہو گئے، وقوع قیامت کا انکار بھی گمراہی ہے اور رسول ﷺ کی ذات شریفہ سامنے ہوتے ہوئے معجزات و دلائل کو دیکھتے ہوئے آپ کی نبوت کو نہیں مانتے یہ بھی گمراہی ہے اور شناعت و قباحت میں پہلے تعجب سے بھی بڑھ کر ہے۔

فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ (سو یہ لوگ ایک متزلزل حالت میں ہیں) کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ بشر نبی ہو ہی نہیں سکتا کبھی کہتے ہیں مالدار اور قوم کا بڑا آدمی نبی ہونا چاہیئے، کبھی صاحب نبوت کو جادوگر بتاتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کا اعجاب دور کرنے کے لئے مزید فرمایا اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ (الآیۃ) کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا ہم نے اسے کیسا بنایا ہے (بغیر کسی ستون کے کھڑا ہے) اور ہم نے اسے زینت دی ہے یعنی ستاروں کے ذریعہ اس کو مزین کر دیا ہے۔

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (اور آسمانوں میں شگاف نہیں ہے)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا (اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا) وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ. (اور ہم نے زمین میں بوجھل چیزیں یعنی پہاڑ ڈال دیئے) وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کے پودے اور درخت پیدا کر دیئے جو دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں) تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (ہم نے ان سب چیزوں کو بصیرت اور نصیحت کا ذریعہ بنا دیا

جو بھی بندہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو وہ اس کے مظاہر قدرت میں غور و فکر کر کے اللہ کی معرفت حاصل کرے گا)

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا)۔

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ (سو ہم نے اس کے ذریعہ باغیچے اگا دیئے اور ایسی کھیتی اگا دی جسے پک جانے کے بعد کاٹ کر دانے نکالے جاتے ہیں) وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ. (اور ہم نے کھجور کے درخت اگائے جو لمبے ہیں اپنے تنہ پر کھڑے ہیں۔ ان کھجوروں کے درختوں سے گچھے نکلتے ہیں جو ترتیب سے دیکھنے میں ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں) رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ (یہ سب چیزیں بندوں کے رزق کے لئے پیدا فرمائی ہیں) وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (اور ہم نے اس بارش کے ذریعہ زمین کے مردہ ٹکڑوں کو زندہ کر دیا)۔

كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ. (اسی طرح قبروں سے نکلنا ہوگا)۔ یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکال دے گا جیسا کہ مردہ زمین کو زندہ فرما کر اس سے مذکورہ بالا چیزیں نکالتا ہے، اس آخری جملہ سے پوری آیت کا ماسبق سے ارتباط سمجھ میں آ گیا یعنی منکرین بعث وقوع قیامت کو نہیں مانتے حالانکہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں جیسے وہ ان چیزوں پر قادر ہے ایسے ہی مردوں میں جان ڈال کر اور قبروں سے نکال کر میدان حشر میں جمع کرنے پر بھی قادر ہے سورۃ الروم میں فرمایا فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے کچھ شک نہیں کہ وہی مردوں کو زندہ کرنیوالا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾
ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے اور اصحاب رس نے اور ثمود نے اور عاد نے اور فرعون نے اور لوط کی قوم نے
وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ
اور ایکہ والوں نے اور تبع کی قوم نے جھٹلایا ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میری وعید ثابت ہوگئی، کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے؟
بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾
بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شبہ میں ہیں

اقوام سابقہ ہالکہ کے واقعات سے عبرت حاصل کریں

تفسیر: ان آیات میں قرآن کریم کے مخاطبین کو تنبیہ فرمائی ہے اور انہیں بتایا ہے کہ اپنے کفر اور تکذیب کے باوجود یہ لوگ مطمئن ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم صحیح راہ پر ہیں اور ہمارا مواخذہ نہ ہوگا یہ ان لوگوں کی غلطی ہے ان سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں۔ جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا (جس میں وقوع قیامت کا انکار بھی تھا لہٰذا یہ لوگ ہلاک کر دیئے گئے) جن لوگوں کی ہلاکت و بربادی کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے ان کی ہلاکت کے تفصیلی حالات متعدد سورتوں میں گزر چکے ہیں۔ اصحاب الرس کا تذکرہ سورہ فرقان میں اور اصحاب الایکہ کا تذکرہ سورۃ الشعراء میں اور قوم تبع کا ذکر سورۃ الدخان میں گزر چکا ہے ارشاد فرمایا كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ (ان لوگوں نے نبیوں کو جھٹلایا لہٰذا ان پر میری وعید ثابت ہوگئی) یعنی ان کو جو پیشگی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ ایمان نہ لانے

پر مبتلائے عذاب ہونگے اس وعید کے مطابق ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

یہ لوگ جو کہتے تھے کہ ہم مر کھپ جائیں گے اور ہماری ہڈیاں اور گوشت پوست مٹی بن جائے گا تو پھر کیسے زندہ ہوں گے ان کے تعجب کو دفع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ** (کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے) مطلب یہ ہے کہ جس نے تمہیں اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا جس میں زمین و آسمان بھی ہیں وہ قادر مطلق کیا پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گیا ہے؟ ہرگز نہیں وہ ہرگز نہیں تھکا، اسے ہمیشہ سے پوری پوری قدرت ہے جس نے پہلی بار پیدا فرمایا وہی دوبارہ بھی پیدا فرمادے گا **بَلْ هُمْ فِىْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** (بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ نئی پیدائش کی طرف سے شبہ میں ہیں)

دلائل عقلیہ تو ان کے پاس ہیں نہیں جن کی بنیاد پر دوبارہ پیدا کرنے کے عدمِ وقوع کو ثابت کر سکیں، ان کے پاس بس شبہ ہی شبہ ہے اسی شبہ کو بنیاد بنا کر انکار کرتے رہتے ہیں جس کا ازالہ بار بار کیا جا چکا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾
اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں ان وسوسوں کو جو اس کے جی میں آتے ہیں اور ہم اس کی گردن کی رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں
اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ
جبکہ دو لینے والے لے لیتے ہیں جو داہنی طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک
رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾
نگران تیار ہے، اور موت کی سختی حق کے ساتھ آگئی یہ وہ ہے جس سے تو ہٹتا تھا۔

اللہ انسان کے وساوس نفسانیہ سے پوری طرح واقف ہے اور انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

تفسیر: یہ چار آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے جی میں جو وسوسے آتے رہتے ہیں (جو بہت ہی زیادہ مخفی چیز ہے) ہم ان سب کو جانتے ہیں، پھر فرمایا کہ انسان کی گردن کی جو رگ ہے ہم انسان سے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم انسان کے تمام احوال سے باخبر ہیں اس کی کوئی بھی حالت جو پوشیدہ سے پوشیدہ ہو اور اس کی بات جو آہستہ سے بھی آہستہ ہو اس میں سے کچھ بھی ہم پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کو بیان فرمایا ہے **حَبْلِ الْوَرِيْدِ** گردن کی رگ کو کہا جاتا ہے۔ یہ وہ رگ ہے جس کے کٹ جانے سے انسان کی زندگی باقی نہیں رہتی۔

انسانوں پر اعمال لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں دوسری آیت میں اعمال نامے لکھنے والے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا اور اس میں یہ بتایا کہ انسان کی طبیعت اور احوال کو اللہ تعالیٰ جانتا تو ہے ہی اس علم کے ساتھ ساتھ اس نے ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے بھی مقرر فرما رکھے ہیں جو انسان کے اعمال کو لکھتے ہیں جیسے ہی کوئی بات کرتا ہے یا کوئی عمل کرتا ہے اسے لے کر فرشتے لکھ لیتے ہیں ایک فرشتہ دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔

سورۃ الانفطار میں فرمایا ہے **وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ** (اور یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب افعال کو جانتے ہیں) یہ اعمال نامے جو فرشتے تیار کرتے ہیں قیامت کے دن

انسان کے سامنے آجائیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ھٰذَا کِتَابُنَا یَنْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ (یہ ہمارا لکھا ہوا نوشتہ ہے جو تم پر حق کے ساتھ بولتا ہے) اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو عمل تم کرتے تھے)۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ انسان جو بھی کوئی لفظ بولتا ہے اس کے پاس انتظار کرنے والا فرشتہ تیار رہتا ہے جو منہ سے نکلتے ہی لکھ لیتا ہے اگر کلمہ خیر ہو تو دائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے اور اگر شر ہو تو بائیں طرف والا فرشتہ لکھ لیتا ہے الفاظ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل لکھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ سے منقول ہے کہ فرشتے خیر اور شر کی باتیں لکھتے ہیں جن پر عقاب وثواب کا دار و مدار ہوتا ہے، مباحات کو نہیں لکھتے اور حضرت ابن عباس کا ایک یہ قول ہے کہ لکھا تو سب کچھ جاتا ہے پھر ہر جمعرات کو بارگاہِ الٰہی میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں خیر اور شر کو باقی رکھا جاتا ہے باقی اعمال یعنی مباح کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے سورۂ رعد کی آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ تلاوت فرمائی۔ آیت کے عموم الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں۔ صاحبِ روح المعانی نے یہ باتیں لکھی ہیں پھر شرح جوہرہ سے نقل کیا ہے کہ بچہ کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دیوانہ پر لکھنے والے فرشتے مقرر نہیں ہیں۔ جنات پر فرشتے مقرر ہیں یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان پر بھی مقرر ہیں، پھر لکھا ہے کہ اس بارے میں کوئی بات منقول نہیں ہے۔ (روح المعانی ۱۸۰ ج ۲۶)

موت کی سختی کا تذکرہ چوتھی آیت میں موت کی سختی کا تذکرہ فرمایا ہے وَجَآءَتْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (اور حق کے ساتھ موت کی سختی آجائے گی)۔

ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْہُ تَحِیْدُ نافرمان لوگ جو موت سے گھبراتے ہیں ان سے کہا جائے گا دیکھو یہ وہ موت ہے جس سے تم بچتے اور گھبراتے تھے آخر اس نے تمہیں پکڑ ہی لیا، اللہ تعالیٰ نے جو موت آنے کا فیصلہ فرما دیا ہے اس سے کسی کو چھٹکارہ نہیں اس کے بعد جو برزخ اور حشر کے احوال ہیں وہ بھی انسانوں پر گزریں گے ان سے بھی چھٹکارہ نہیں آئندہ آیات میں ایامِ قیامت کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ذٰلِکَ یَوْمُ الْوَعِیْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّعَہَا سَآئِقٌ وَّشَہِیْدٌ ﴿۲۱﴾

اور صور پھونکا جائے گا، یہ وعید کا دن ہے، اور ہر شخص اسطرح سے آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک سائق اور ایک شہید ہوگا، واقعی بات یہ ہے کہ تو اس کی

لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِیْنُہٗ

طرف سے غفلت میں تھا سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ تیز ہے اور اس کا ساتھی کہے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے، ڈال دو، ڈال

ھٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِیَا فِیْ جَہَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِیْ

دو جہنم میں ہر کفر کرنے والے کو ضدی کو خیر سے منع کرنے والے کو، حد سے بڑھنے والے کو، شبہ میں ڈالنے والے کو، جس نے اللہ کے سوا دوسرا معبود تجویز

جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰہُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِیْنُہٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُہٗ وَلٰکِنْ کَانَ فِیْ

کر دیا، سو اسے سخت عذاب میں ڈال دو، اس کا ساتھی کہے گا کہ اے ہمارے رب میں نے اسے گمراہ نہیں کیا لیکن یہ دُور کی گمراہی میں تھا، اللہ تعالیٰ کا

ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ

فرمان ہوگا میرے سامنے جھگڑا مت کرو اور میں نے تمہارے پاس پہلے سے وعید بھیج دی تھی، میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی

لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾

اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں

نفخ صور اور میدانِ حشر میں حاضر ہونے والوں کا ذکر

تفسیر: ان آیات میں نفخ صور اور اس کے بعد کے بعض حالات ذکر فرمائے ہیں ارشاد فرمایا **وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ** (اور صور پھونکا جائے گا) **ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ** (یہ وہ دن ہوگا جس میں وعید کا ظہور ہوگا یعنی دنیا میں جو وعیدیں بتادی گئی تھیں آج ان کا ظہور ہوگا۔ **وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ** (اور ہر شخص اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک سائق اور ایک شہید ہوگا) سائق ساتھ لانے والا فرشتہ اور شہید گواہی دینے والا فرشتہ۔

صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور حافظ ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء سے حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو اعمال نامے لکھا کرتے تھے ان میں سے ایک سائق اور ایک شہید ہوگا۔

اس دن اسے خطاب کر کے کہا جائے گا **لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا** (تو اس دن کے واقع ہونے کی طرف سے غافل تھا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ خطاب کافر کو ہوگا۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ (سو ہم نے تیرا پردہ اٹھادیا) جس نے تجھے ڈھانک رکھا تھا۔

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (سو آج تیری نظر تیز ہے) دنیا میں جو کچھ ایمان کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور کفر و شرک سے روکا جاتا تھا اور معاصی کا عذاب بتایا جاتا تھا تو، تو متوجہ نہیں ہوتا تھا اور غفلت کے پردوں نے تجھے ڈھانپ رکھا تھا آج وہ پردے ہٹ گئے جو کچھ سمجھایا بتایا جاتا تھا سامنے آ گیا۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ (اور اس کا ساتھی کہے گا کہ یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے) قرین یعنی ساتھی سے کون مراد ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) نے تو یہ فرمایا کہ اس سے اس کی برائیوں کا لکھنے والا کاتب مراد ہے وہ اپنے لکھے ہوئے صحیفہ کی طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ یہ اس کے اعمال ناموں کا کتابچہ ہے جو میرے پاس لکھا ہوا تیار ہے۔ اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس سے وہ شیطان مراد ہے جو ہر انسان کے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس کا ایک ساتھی جنات میں اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے آپ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی اسی طرح تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اب وہ مجھے صرف خیر کا حکم کرتا ہے۔ اس قول کی تائید سورہ حٰم سجدہ کی آیت شریفہ **وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** سے بھی ہوتی ہے اور آئندہ آیت بھی اس کی مؤید ہے۔

ہر ضدی کافر کو دوزخ میں ڈال دو مزید ارشاد فرمایا **اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ☆ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ☆ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ** یعنی ہر کافر کو ضرور دوزخ میں ڈال دو جو حق کو قبول نہیں کرتا تھا خیر کو روکنے والا تھا (یعنی دوسرے لوگوں کو اسلام لانے سے روکتا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں دیتا تھا) حد سے بڑھ جانے والا تھا شک میں ڈالنے والا تھا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں اور اس کے دین کے بارے میں اور قیامت واقع ہونے کے بارے میں لوگوں کو شک میں ڈالتا تھا اور مشرک بھی تھا۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود اور شریک ٹھہرا رکھا تھا۔

فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ (سو اسے ضرور ضرور سخت عذاب میں ڈال دو)

قال صاحب الروح: خطاب من الله تعالىٰ للسائق والشهيد بناء على انهما اثنان لا واحد جامع للوصفين اوللملكين من خزنة النار، اولواحد علي ان الالف بدل من نون التوكيد علىٰ اجراء الوصل مجرى الوقف وايد بقرائة الحسن(القين) بنون التوكيد الخفيفة، و قيل ان العرب كثيرا ما يرافق الرجل منهم اثنين فكثر على السنتهم ان يقولوا خليلي و صاحبي قفا واسعدا حتى خاطبوا الواحد خطاب الاثنين،

وما فی الآیة محمول علی ذلک کما حکی عن الفراء او علی تنزیل تثنیة الفاعل منزلة تثنیة الفعل بان یکون اصله الق الق ثم حذف الفعل الثانی وابقی ضمیرہ مع الفعل الاول فثنی الضمیر للدلالة علی ما ذکر. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ ہانکنے والے اور گواہی دینے والے دو فرشتوں سے خطاب ہے اس لئے کہ یہ دو فرشتے ایک نہیں جو دونوں وصفوں کا جامع ہو یا جہنم کے داروغوں میں سے دو فرشتوں سے خطاب ہے یا یہ خطاب ایک ہی کو ہے اس بناء پر کہ القیا میں الف نون تاکید کی جگہ پہ ہے اس بنیاد پر کہ وقف کی جگہ وصل (کا قانون) جاری کیا گیا ہے۔ اور حسن کی قراءت جس میں یہ لفظ القین ہے نون خفیفہ کے ساتھ وہ اس بات کی تائید کرتی ہے اور بعض نے کہا عرب اکثر ایسا کرتے ہیں کہ ایک آدمی کو دو کر کے بولتے ہیں ان کی زبانوں پر یہ کثرت سے استعمال ہے کہ یا خلیلی وصاحبی قفا واسعدا (اے میرے دوست اور ساتھی ٹھہر اور خوش بخت ہو جا) یہاں تک کہ وہ ایک کو تثنیہ کے صیغہ سے خطاب کرتے ہیں اور اس آیت میں جو تثنیہ کا صیغہ ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے جیسا کہ فراء سے منقول ہے یا تثنیہ کا صیغہ اس بناء پر ہے کہ فعل کے تکرار کی جگہ فاعل کو تثنیہ کیا گیا ہے۔ اصل میں تھا الق الق پھر دوسرا فعل حذف کیا گیا اور اس کی ضمیر پہلے فعل کے ساتھ باقی رکھی گئی ہے چنانچہ فعل کے تکرار پر دلالت کے لئے ضمیر کو تثنیہ رکھا گیا ہے)

قَالَ قَرِیۡنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَیۡتُهٗ کافر کو جب دوزخ میں داخل کئے جانے کا حکم ہوگا تو اس کا قرین یعنی اس کا ساتھی (جس کے ساتھ رہنے اور برے اعمال کو مزین کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوا اور دوزخ میں جانے کا مستحق ہوا) یوں کہے گا کہ اے میرے رب میں نے اسے گمراہ نہیں کیا یعنی میں نے اسے جبراً وقہراً زبردستی کافر نہیں بنایا بلکہ بات یہ ہے یہ خود ہی دور کی گمراہی میں تھا اگر اس کا مزاج گمراہی کا نہ ہوتا اور اس کو گمراہی پسند نہ ہوتی تو میری مجال نہ تھی کہ میں اس کو کفر پر ڈالتا اور جمائے رکھتا، جب یہ گمراہ تھا تو میں نے اس کی گمراہی پر مدد کر دی۔

قال صاحب الروح: فاعنته علیه بالاغواء والدعوة الیه من غیر قسر ولا الجاء فهو نظیر وما کان لی علیکم من سلطان. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پس میں نے اس کو گمراہ کر کے اور کفر کی دعوت دیکر اس کے کفر پر اس کی مدد کی بغیر کسی جبر واکراہ کے اور یہ جملہ وما کان لی علیکم من سلطان کی طرح کا ہے)

کافر کا جو قرین ہوگا وہ بھی کافر ہی تھا وہ دوزخ سے بچ جائے اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر اس کے **مَاۤ اَطۡغَیۡتُهٗ** کہنے کا کیا مقصد ہوگا؟ اس کے بارے میں بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ یہ چاہے گا کہ میری گمراہی کا اثر صرف مجھ پر پڑے اور مزید فرد جرم مجھ پر نہ لگے اور دوسروں کی گمراہی کی وجہ سے عذاب میں اضافہ نہ ہو، لیکن ایسا نہ ہوگا۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا **لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَیَّ** (میرے سامنے جھگڑا نہ کرو) **وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَیۡكُمۡ بِالۡوَعِیۡدِ** (اور میں نے تو پہلے ہی ہر کافر اور کافر گر کے بارے میں وعید بھیج دی تھی کہ یہ سب دوزخ کے مستحق ہیں، ابلیس کو خطاب کر کے اعلان کر دیا تھا: **لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ** (میں ضرور ضرور تجھ سے اور تیرا اتباع کرنے والے سے دوزخ کو بھر دوں گا)۔

مَا یُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ (میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں) اب وعید کے مطابق تمہیں سزا ملنا ہی ہے اور دوزخ میں جانا ہی ہے۔

فائدہ: شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض فرمائی تھیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے پر رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں کم کرنے کی درخواست کی تو پانچ رہ گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ گنتی میں پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس ہی رہیں گی کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا کر کے دیا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا **مَا یُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ** (میرے سامنے بات نہیں بدلی جاتی) (مشکوٰۃ المصابیح (۵۲۹) عن البخاری)۔

یَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَاۡتِ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِیۡدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ غَیۡرَ بَعِیۡدٍ ﴿۳۱﴾

جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟ اور متقیوں کے لئے جنت قریب کی جائے گی دور نہ رہے گی

هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیۡظٍ ﴿۳۲﴾ مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ وَجَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِیۡبِ ﴿۳۳﴾

یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر ایسے شخص کے لئے جو رجوع کرنے والا پابندی کرنے والا ہو، جو بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا،

ادْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝

اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہ ہیشگی والا دن ہے ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔

دوزخ سے اللہ تعالیٰ کا خطاب! کیا تو بھر گئی؟ اسکا جواب ہوگا کیا کچھ اور بھی ہے

تفسیر: ان آیات میں جنت اور دوزخ کا حال بتایا ہے دوزخ کی وسعت اور لمبائی، چوڑائی اور گہرائی مجموعی حیثیت سے اتنی زیادہ ہوگی کہ کروڑوں افراد جنات میں سے اور انسانوں میں سے داخل کئے جانے کے بعد بھی خالی ہی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا هَلِ امْتَلَئْتِ (کیا تو بھر گئی) اس کا جواب ہوگا کیا کچھ اور بھی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت اور دوزخ میں آپس میں مباحثہ ہوا دوزخ نے (فخر کے طور پر) کہا کہ تکبر والے اور تجبّر والے میرے اندر داخل ہوں گے، اور جنت نے کہا کیا بات ہے کہ میرے اندر صرف کمزور لوگ اور گرے پڑے اور بھولے بھالے لوگ داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ شانہ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں تیرے ذریعہ رحم کروں گا اور دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں عذاب دوں گا۔ اور تم دونوں سے بھر دینے کا وعدہ ہے۔ (رواھما البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۵۰۵)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم میں برابر دوزخیوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور وہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کہتی رہے گی (یعنی یوں کہتی رہے گی کیا کچھ اور بھی ہے کیا کچھ اور بھی ہے) یہاں تک کہ رب العزت تعالیٰ شانہ اس میں اپنا قدم رکھ دیں گے اور وہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس میں آپ کی عزت و کرم کا واسطہ دیتی ہوں اور جنت میں بھی برابر جگہ خالی بچتی رہے گی اسے بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نئی مخلوق کو پیدا فرمائے گا اور اس خالی جگہ میں ان کو آباد فرمادے گا۔

یہ جو اللہ تعالیٰ شانہ کے قدم کا ذکر آیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے اس کا معنی سمجھنے کی فکر میں نہ پڑیں اللہ تعالیٰ شانہ اعضاء و جوارح سے پاک ہے۔

وقد استشكل بعض العلماء بان الله تعالىٰ قال لابليس "لاملئن جهنم منك و ممن تبعك منهم اجمعين فاذا امتلات بهؤلاء فكيف تبقى خالياً؟ و قد الهمنى الله تعالىٰ جواب هذا الاشكال انه ليس فى الآية انها تملاء كلها بالانس والجن فان الملاء لا يستلزم ان يكون كاملا لجميع اجزاء الاناء. (اور بعض علماء نے اشکال کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا کہ میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے تمام پیروکاروں سے ضرور بھر دوں گا۔ پس جب ان سے جہنم بھر جائے تو خالی کہاں سے رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس اشکال کا یہ جواب الہام فرمایا ہے کہ آیت میں یہ ہے کہ جہنم پوری کی پوری انسانوں اور جنوں سے بھر جائے گا کیونکہ الملا (بھرنا) کے لئے برتن کے تمام اجزاء کا بھر جانا لازمی نہیں ہے۔)

یہ جو جنت میں خالی جگہ بچنے کی وجہ سے نئی مخلوق پیدا کر کے بسائی جائے گی اس کے بارے میں بعض اکابر سے کہا گیا کہ وہی مزے میں رہے کہ پیدا ہوتے ہی جنت میں چلے گئے۔ انہوں نے فرمایا انہیں جنت کا کیا مزہ آئے گا انہوں نے دنیا نہیں بھگتی، تکلیف نہیں جھیلی، مصیبتیں نہیں کوٹیں، انہیں وہاں کے راحت و آرام کی کیا قدر ہوگی؟ مزہ تو ہمیں آئے گا، آرام کی قدر ہم کریں گے جو دنیا کی تکلیفوں سے دوچار ہوئے اور مشقت و دکھ تکلیف کو دیکھا اور سہا، جھیلا اور بھگتا۔

جنت اور اہل جنت کا تذکرہ: اس کے بعد جنت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ متقیوں سے قریب کر دی جائے گی کچھ دور نہ رہے گی پھر وہ جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ نعمتوں اور لذتوں کی وہ جگہ ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا رہا، یہ وعدہ ہر اس شخص سے تھا جو اَوَّابٌ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف خوب رجوع کرنے والا اور حَفِيْظٌ یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کا خاص دھیان رکھنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگا رہتا تھا۔ اہل جنت کی مزید صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ

لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے تھے۔ دنیا میں اس حالت پر رہے اور یہاں جو پہنچے تو قلب منیب لے کر آئے ان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رہتا تھا اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی فکر میں رہتے تھے اور متقیوں سے کہا جائے گا کہ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ آج وہ دن ہے جس میں ہمیشگی کا فیصلہ کر دیا گیا یعنی تم لوگ اس جنت میں ہمیشہ کے لئے جا رہے ہو۔

جنت میں دیدارِ الٰہی: پھر فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے والوں کے لئے وہاں سب کچھ ہوگا جس کی انہیں خواہش اور چاہت ہوگی اور نہ صرف ان کی خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی بلکہ ان کی خواہشوں سے زیادہ انہیں وہ وہ نعمتیں ملیں گی جہاں ان کی خواہش بھی نہ پہنچے گی۔ علامہ قرطبیؒ نے حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مزید سے مراد باری تعالیٰ شانہ کا دیدار ہے۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے جو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اہلِ جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے کیا تم اور کچھ چاہتے ہو جو میں تمہیں مزید دے دوں یہ سن کر اہل جنت کہیں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے روشن نہیں فرما دیئے کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا کیا آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (ہمیں اور کیا چاہیے) اس کے بعد پردہ اٹھا دیا جائے گا پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار میں مشغول ہو جائیں گے اپنے رب کے دیدار سے بڑھ کر انہیں عطا کی گئی چیزوں میں سے کوئی چیز محبوب نہ ہوگی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یونس کی آیت کریمہ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل پر ان کا گزر ہوا۔

پھر فرمایا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سو کسی شخص کو علم نہیں کہ ان لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ (وجعلنا اللہ من اھلھا وادخلنا فیھا)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر دیا جو گرفت کرنے میں ان سے زیادہ سخت تھیں، سو وہ شہروں میں چلتے پھرتے رہے کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

بلاشبہ اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا جو ایسی حالت میں ہو کہ کان لگائے ہوئے حاضر ہو اور یہ واقعی بات ہے کہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا اور ہم کو تھکن نے چھوا تک نہیں، سو آپ ان باتوں پر صبر کیجئے جو یہ لوگ کہتے ہیں اور

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اپنے رب کی تسبیح و تحمید بیان کیجئے اور رات کے حصہ میں بھی اس کی تسبیح بیان کیجئے اور سجدوں کے بعد بھی۔

گزشتہ امتوں کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

تفسیر: اول تو ان آیات میں گزشتہ اقوام کی بربادی کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کے مخاطبین سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا وہ لوگ گرفت کرنے میں ان لوگوں سے زیادہ سخت تھے، جیسا کہ قوم عاد کے بارے میں فرمایا وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (اور جب تم پکڑتے ہو تو بڑے جابر بن کر پکڑتے ہو)۔

اور سورہ محمد میں فرمایا وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ ہِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِّنۡ قَرۡیَتِکَ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَتۡکَ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَہُمۡ (اور بہت سی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا ہم نے ان کو ہلاک کر دیا سو ان کا کوئی مددگار نہیں ہوا)

فَنَقَّبُوۡا فِی الۡبِلَادِ ہَلۡ مِنۡ مَّحِیۡصٍ (سو وہ لوگ شہروں میں چلتے پھرتے رہے جب ہلاک ہونے کا وقت آیا تو ان کی قوت اور سیر و سیاحت نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا، عذاب آنے پر کہنے لگے کہ کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے) لیکن بھاگنے کا کوئی موقعہ نہیں ملا اور بالآخر ہلاک ہو گئے۔ صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ لکھا ہے کہ فَنَقَّبُوۡا کی ضمیر اہلِ مکہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ سے پہلے جو قومیں ہلاک ہو چکی ہیں یہ لوگ اپنے اسفار میں ان تباہ شدہ شہروں سے گزرتے ہیں کیا انہیں کوئی ایسی صورت نظر آتی ہے کہ عذاب آئے تو بھاگنے کی جگہ مل جائے جس کی وجہ سے اپنے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ ہم بھی انہیں کی طرح راہ فرار حاصل کر لیں گے (یعنی ایسا نہیں ہے) جب ایسا نہیں ہے تو یہ لوگ کفر پر کیوں جمے ہوئے ہیں؟

اس کے بعد فرمایا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ہُوَ شَہِیۡدٌ (یہ جو کچھ سابق مضمون بیان کیا گیا اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہو جو سمجھتا ہو اور حقائق سے آگاہ ہو یا ایسی حالت میں کان لگاتا ہو کہ وہ وہاں اپنے دل سے حاضر ہو) یہ بطریق مانعۃ الخلو ہے، جو لوگ نصیحت حاصل کرنے والے دل نہیں رکھتے اور صحیح طریقہ پر حضور قلب کے ساتھ بات نہیں سنتے ایسے لوگ عبرت اور نصیحت حاصل کرنے سے دور رہتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان دوسری مخلوق ہے ان سب کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ذرا سی بھی تھکن نے ہمیں نہیں چھوا، جو کمزور ہوتا ہے وہ کام کرنے سے تھک جاتا ہے اللہ جل شانہ قوی قادر مقتدر ہے اسے ذرا بھی تھکن نہیں پہنچ سکتی، صاحب روح المعانی نے حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے اس میں جاہل یہودیوں کی تردید ہے جو یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سنیچر کے دن سے پیدا فرمانا شروع کیا اور جمعہ کے دن فارغ ہوا اور سنیچر کے دن آرام کیا (العیاذ باللہ) یہ ان لوگوں کی جہالت ہے اور کفر ہے۔

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ (اور اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جس کے ساتھ حمد بھی ہو سورج نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے) مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے فجر اور عصر کی نماز مراد ہے ان دونوں کی حدیث شریف میں خاص فضیلت وارد ہوئی ہے حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے سورج نکلنے سے پہلے اور چھپنے سے پہلے نماز پڑھی (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۲)

وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡہُ (اور رات کو اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے) علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے قیام اللیل یعنی رات کو نماز پڑھنا مراد ہے وَ اَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ (اور سجدوں کے بعد اللہ کی تسبیح بیان کیجئے) اس سے فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا مراد ہے اور بعض حضرات نے نماز کے بعد تسبیحات پڑھنا مراد لیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ **قبل طلوع** سے نماز فجر اور **قبل الغروب** سے ظہر اور عصر اور **من اللیل** سے مغرب اور عشاء اور **ادبار السجود** سے فرضوں کے بعد کے نوافل مراد ہیں۔

وَ اسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۴۱﴾ یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَۃَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ ﴿۴۲﴾

اے مخاطب اس بات کو سن لے کہ جس دن پکارنے والا قریب ہی جگہ سے پکارے گا جس روز چیخ کو حق کے ساتھ سنیں گے یہ نکلنے کا دن ہوگا۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝٤٤

بے شک ہم زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین ان کے اوپر سے پھٹ جائے گی جبکہ دوڑتے ہوں گے، یہ جمع کرنا ہم پر آسان ہے

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ ۝٤٥

ہم خوب جانتے ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں سو آپ قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کیجئے جو میری نصیحت سے ڈرتا ہے۔

وقوعِ قیامت کے ابتدائی احوال اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

تفسیر: ان آیات میں اولاً وقوع قیامت کے ابتدائی احوال بیان فرمائے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ معاندین کی باتوں سے دلگیر نہ ہوں ہمیں ان کی سب باتوں کی خبر ہے۔

وَاسْتَمِعْ (اور اے مخاطب سن لے) یعنی آئندہ جو قیامت کے احوال بیان ہونے والے ہیں انہیں دھیان سے سن، **يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ** (جس دن پکارنے والا پکارے گا) یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونک دیں گے، صور کی یہ آواز دور اور قریب سے سنی جائے گی یعنی ہر سننے والے کو ایسا معلوم ہوگا کہ یہیں قریب سے پکارا جارہا ہے۔ پوری زمین کے رہنے والے زندہ اور مردے سب کے سب یکساں سنیں گے۔

پہلے زمانہ میں تو لوگ اس کو سنکر کچھ تامل کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ ایک آواز کو پوری دنیا میں اور آسمانوں میں یکساں کیسے سنا جاسکتا ہے۔ لیکن آج کے حالات اور آلات نے بتادیا کہ اس میں کچھ بھی اشکال کی بات نہیں ہے، آلات تو بہت ہیں ایک ٹیلیفون ہی کو لے لو بآسانی اس کے ذریعہ ہلکی سی آواز بھی ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں سنی جاتی ہے دور اور نزدیک کے سننے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ (جس دن حق کے ساتھ چیخ کو سنیں گے) اس سے نفخہء ثانیہ مراد ہے اور **بِالْحَقِّ** فرما کر یہ بتادیا کہ اس چیخ کو یقین کے ساتھ سنیں گے جس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہ ہوگی۔ یہ جو دنیا میں کسی کو آواز پہنچتی ہے کسی کو نہیں پہنچتی ایسا نہ ہوگا۔

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ (یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا) **اِنَّا نَحْنُ نُحْيِيْ وَنُمِيْتُ** (بے شک ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم موت دیتے ہیں) **وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ** (اور ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) کہیں کسی کو بھاگ جانے اور جان بچانے کا موقعہ نہیں ملے گا۔ **يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** (جس روز زمین ان پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہونگے) **ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ** (ہمارے نزدیک یہ جمع کرنا آسان ہے) **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ** (جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں ہم خوب جانتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں) **فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ** (سو آپ قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہے)

آپ کی تذکیر تو عام ہے جو قبول کرنے والوں اور نہ قبول کرنیوالوں کے لئے برابر ہے تاہم جو لوگ وعید کو سنتے ہیں پھر ڈرتے ہیں ان کی طرف خاص توجہ فرمایئے یوں زبردستی منوالینا آپکے ذمہ نہیں ہے۔

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الذاریات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ساٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝۱ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝۲ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝۳ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝۵

قسم ہے ہواؤں کی جو (غبار وغیرہ کو) اڑاتی ہیں پھر ان بادلوں کی جو بوجھ کو اٹھاتے ہیں، پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں تم سے جس کا وعدہ کیا

وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ

جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے اور جزا ضرور ہونے والی ہے، قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں کہ تم لوگ مختلف گفتگو میں ہو، اس سے وہی پھرتا ہے جس کو

اُفِكَ ۝۹ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲

پھرنا ہوتا ہے، غارت ہوجائیں اٹکل پچو باتیں کرنیوالے جو جہالت میں بھولے ہوئے ہیں غارت ہوجائیں پوچھتے ہیں کہ روز جزا کب ہوگا

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴

جس دن وہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے اپنی اس سزا کا مزہ چکھو، یہی ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے

قیامت ضرور واقع ہوگی، منکرین عذابِ دوزخ میں داخل ہوں گے

تفسیر: یہاں سے سورۃ الذاریات شروع ہو رہی ہے اس میں الذاریات، اور الحاملات اور الجاریات اور المقسمات کی قسم کھائی ہے اس میں ذرواً اور یُسرًا تو مفعول مطلق ہیں، اور وِقراً اور امراً مفعول بہ ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر نقل کی ہے جو ترجمہ میں لکھ دی گئی ہے چاروں چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تم سے جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ سچ ہے اور جزا یعنی اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے یعنی قیامت ضرور قائم ہوگی بنی آدم میدانِ حشر میں حاضر ہوں گے اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے، جن چیزوں کی قسم کھائی ہے ان میں فرشتے ہیں، جو آسمان میں رہنے والی مخلوق ہے اور بادل ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان ہوتے ہیں اور ہوائیں ہیں جو زمین کے اوپر چلتی ہیں اور اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر آتی جاتی رہتی ہیں، اور کشتیاں ہیں جو سمندروں اور نہروں میں چلتی ہیں۔ ان چیزوں کے جاننے والے اور دیکھنے والے غور وفکر کریں گے تو یہ سمجھ میں آجائے گا کہ قیامت قائم ہونے میں شک کرنا غلط ہے، جس ذات پاک کے یہ تصرفات ہیں اس کے لئے قیامت قائم کرنا کوئی مشکل نہیں اس نے وقوع قیامت کی خبر اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعہ دی ہے یہ خبر سچی ہے۔

اس کے بعد آسمان کی قسم کھائی اور فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ کہ قسم ہے آسمان کی جس میں (فرشتوں کے آنے جانے کے) راستے ہیں تم لوگ ایک ایسی گفتگو میں لگے ہوئے ہو جس میں اختلاف ہو رہا ہے کوئی قیامت کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی جھٹلاتا ہے اس میں جو لوگ قولِ حق کے مخالف ہیں یعنی وقوع قیامت کی تکذیب کر رہے ہیں وہ اس قول سے ہٹائے جا رہے ہیں یعنی جس کو بالکل ہی خیر سے اور حق سے محروم ہونا ہے وہی اس قولِ حق سے ہٹتا اور بچتا ہے۔

پھر فرمایا قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ غارت ہو جائیں اٹکل پچو باتیں کرنے والے (یعنی جھوٹے لوگ) جو قرآن کو جھٹلاتے ہیں دلائل سامنے ہوتے ہوئے ان میں غور نہیں کرتے اپنی جاہلانہ اٹکل کو سامنے رکھ کر تکذیب کرتے ہیں۔

الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (جو جہل عظیم میں پڑے ہوئے ہیں، غافل ہیں) یَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ (تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کب ہوگا جزا کا دن) یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ (یہ بدلہ کا دن اس دن ہوگا جس دن یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے)۔ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے) دنیا میں تم باتیں بناتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ دن کب ہوگا کب ہوگا، کب ہوگا؟ اب یہ دن آ گیا انکار کی سزا بھگت لو اور جلدی مچانے کا مزہ چکھ لو۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ
بلاشبہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے، ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اسے لینے والے ہوں گے، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے اچھے کام کرنے
مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ
والے تھے، یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے، اور رات کے آخری اوقات میں استغفار کرتے تھے، ان کے مالوں میں
حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾
حق تھا سوال کرنے والے کے لئے اور محروم کیلئے۔

متقی بندوں کے انعامات کا اور دنیا میں اعمالِ صالحہ میں مشغول رہنے کا تذکرہ

تفسیر: مکذبین کی سزا بتانے کے بعد مومنین متقین کا انعام بتایا اور فرمایا کہ متقی لوگ باغوں میں چشموں میں ہوں گے ان کے رب کی طرف سے انہیں وہاں جو کچھ دیا جائے گا اسے (بڑی خوشی سے) لینے والے ہوں گے، دنیا میں یہ حضرات گناہوں سے تو بچتے ہی تھے جس کی وجہ سے انہیں متقین کے لقب سے سرفراز فرمایا، اعمالِ صالحہ بھی بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور اس کی وجہ سے انہیں مُحْسِنِیْنَ کے لقب سے ملقب فرمایا ان کے نیک کاموں میں ایک بڑا قیمتی عمل یہ تھا کہ رات کو بہت کم سوتے تھے نمازیں پڑھتے رہتے تھے دنیا سوتی رہتی اور یہ لوگ جاگتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے لو لگاتے تھے۔

قال صاحب الروح ناقلاً عن الحسن: كابدوا قيام الليل لا ينامون منه الا قليلا، و عن عبدالله بن رواحة رضی اللہ عنہ هجعوا قليلاً ثم قاموا. (صاحب روح المعانی نے حسنؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے رات کے قیام میں بڑی مشقت جھیلی کہ رات کو بس تھوڑی دیر ہی سوتے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے مروی ہے کہ وہ بہت تھوڑا سوتے تھے پھر کھڑے ہو جاتے تھے)

یہ لوگ راتوں کو نماز پڑھتے اور راتوں کے آخری حصہ میں استغفار کرتے تھے (انہیں راتوں رات نماز پڑھنے پر غرور نہیں تھا اپنے اعمال کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے کے لائق نہیں سمجھتے تھے کوتاہیوں کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔ اہلِ ایمان کا یہ طریقہ ہے کہ نیکی بھی کرے اور استغفار بھی کرے تاکہ کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔

ان حضرات کی جسمانی عبادت کا تذکرہ فرما کر ان کے انفاق مالی کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے مالوں میں حق ہے سوال کرنے

والوں کے لئے اور محروم کے لئے یعنی اپنے مالوں کا جو حصہ اہلِ حاجت کو دیتے ہیں اس کے دینے کا ایسا اہتمام کرتے ہیں جیسے ان کے ذمہ واجب ہو اسلئے اسے حق سے تعبیر فرمایا۔

لفظ **سائل** کا ترجمہ تو معلوم ہی ہے **محروم** کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ سائل کے مقابلہ میں ہے یعنی جو شخص سوال نہیں کرتا وہ محروم ہے جو سوال نہیں کرتا اس لئے محروم رہ جاتا ہے کہ لوگ اس کا حال جانتے نہیں اور وہ خود بتاتا نہیں لہٰذا دینے والے اس کی طرف دھیان نہیں کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ اور ایک کھجور اور دو کھجور لئے لئے پھرتے ہوں لیکن مسکین وہ ہے جس کے پاس حاجت پوری کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور لوگوں کو اس کا پتہ بھی نہ چلے (پتہ چل جاتا تو صدقہ کر دیتے) اور وہ سوال کرنے کے لئے کھڑا بھی نہ ہوتا (رواہ البخاری ج ۱)

یعنی وہ اسی طرح اپنی حاجت دبائے ہوئے وقت گزار دیتا ہے، صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس سے **محروم** کا یہ معنی لکھا ہے کہ وہ کمانے کی تدبیریں تو کرتا ہے لیکن دنیا اس سے پشت پھیر لیتی ہے اور وہ لوگوں سے سوال بھی نہیں کرتا۔

پھر حضرت زید بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ **محروم** وہ ہے جس کے باغوں کا پھل ہلاک ہو جائے اور ایک قول یہ لکھا ہے کہ جس کے مویشی ختم ہو جائیں جن سے اس کا گزارا تھا۔ واللہ تعالیٰ بالصواب۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾
اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے، اور تمہاری جانوں میں، کیا تم نہیں دیکھتے، اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے
فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾
سو قسم آسمان اور زمین کے رب کی بے شک وہ حق ہے جیسا کہ تم بول رہے ہو۔

زمین میں اور انسانوں کی جانوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خالقیت اور رازقیت بیان فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہاری جانوں میں بھی نشانیاں ہیں ان میں غور کرنے سے تمہاری سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اپنی مخلوق میں جو ایسے ایسے تصرفات کرنے والا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے، بصیرت کی آنکھوں سے دیکھنے والا اس بات کو کچھ سمجھ سکتا ہے کہ قیامت قائم کرنا اس ذات کے لئے کچھ مشکل نہیں جس کے یہ تصرفات ہیں۔ **اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی** اور **اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی** میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے)

پھر فرمایا کہ آسمانوں میں تمہارا رزق ہے اور جو کچھ وعدہ کیا جاتا ہے وہ بھی ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رزق سے بارش مراد ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور وہ انسانوں کی خوراک یعنی کھانے پینے کی چیزیں پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے اور **وَمَا تُوْعَدُوْنَ** کے بارے میں حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس سے خیر اور شر مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ثواب اور عقاب مراد ہے یہ دونوں مقرر ہیں اور مقدور ہیں۔

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ: پھر فرمایا کہ آسمان اور زمین کے رب کی قسم یہ اسی طرح حق ہے جیسے تم باتیں کرتے ہو، تمہیں اپنی باتیں کرتے وقت اس بات میں کوئی شک نہیں ہوتا کہ ہم بول رہے ہیں باتیں کر رہے ہیں اور یہ بات بہت واضح ہے،

اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اس کے بارے میں صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ رزق کی طرف یا نبی کریم ﷺ کی طرف یا قرآن کی طرف یا دین (جزاء) کی طرف راجع ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے سب حق ہے لیکن ثواب اور عقاب کی طرف راجع ہونا زیادہ اوفق اور اظہر ہے۔ ان دونوں کا تعلق چونکہ یوم جزاء سے ہے اس لئے ان کے مراد لینے سے یوم الدین کے واقع ہونے کا تذکرہ مزید مؤکد ہو جاتا ہے جس کے وقوع کا مخاطبین انکار کرتے تھے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝۲۴ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝۲۵

کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ کو پہنچی ہے، جب وہ ان پر داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، ابراہیم نے بھی کہا سلام ہو انجان لوگ ہیں،

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝۲۶ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝۲۷ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ

پھر اپنے گھر والوں کی طرف چلے تو ایک موٹا بچھڑا لے آئے، پھر اسے ان کے پاس لا کر رکھا، کہنے لگے، کیا تم نہیں کھاتے؟ پھر ان کی طرف سے دل میں ڈر محسوس کیا

قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝۲۸ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ

انہوں نے کہا ڈرو نہیں اور انہوں نے ایک صاحبِ علم لڑکے کی بشارت دی، اور پھر ان کی بیوی زور سے پکارتی ہوئی آئی پھر اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی بڑھیا ہوں،

عَقِيْمٌ ۝۲۹ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝۳۰ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۱

بانجھ ہوں! فرشتوں نے کہا کہ تمہارے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے بیشک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے ابراہیم نے کہا اے بھیجے ہوئے لوگو! تمہیں کیا بڑا کام کرنا ہے؟

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝۳۳ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ

انہوں نے کہا بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر ایسے پتھر برسائیں جو مٹی سے بنائے گئے ہیں، جن پر آپ کے رب کے پاس سے خاص نشان بھی

رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۴ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳۵ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ

ہے ان کے لئے جو حد سے گزرنے والوں میں سے ہیں، سو ان میں جتنے ایمان والے تھے انہیں ہم نے نکال دیا سو اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ

مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۶ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۳۷ ؕ

پایا اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لئے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کا آنا اور صاحبزادہ کی خوشخبری دینا، اور آپ کی بیوی کا تعجب کرنا

تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آبائی وطن سے (جو بابل کے آس پاس تھا) ہجرت فرما کر فلسطین میں قیام فرمایا تھا آپ کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی ہجرت کر کے ملک شام میں آ کر بس گئے تھے۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا تھا، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم جن بستیوں میں رہتی تھی وہ شام کے علاقہ میں نہر اردن کے آس پاس تھیں۔ یہ لوگ بڑے نافرمان تھے برے کام میں لگے رہتے تھے۔ مردوں سے قضاء شہوت کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط نے بہت سمجھایا لیکن یہ لوگ ایمان نہ لائے نہ اپنی حرکتوں سے باز آئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرنے کے لئے

فرشتوں کو بھیجا، یہ فرشتے انسانی شکل میں اولاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے چونکہ یہ حضرات اللہ کے مقرب اور مکرم بندے تھے اس لئے یوں فرمایا کہ کیا آپ کے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ یہ حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دے دیا۔ لیکن چونکہ ان حضرات سے ابھی ابھی نئی ملاقات ہوئی تھی، اس لئے **قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ** فرمایا یعنی آپ حضرات بے جان پہچان کے لوگ ہیں۔ ابھی آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اندر اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لے گئے اور بھنا ہوا فربہ بچھڑا لے کر باہر تشریف لائے اور مہمانوں کے پاس رکھ دیا اور کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا **اَلَا تَاْكُلُوْنَ** کیا آپ حضرات نہیں کھاتے، زبان سے کہنے پر بھی انہوں نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ یہ ماجرا دیکھا تو مزید توحش ہوا، یہاں سورۃ الذاریات میں ہے **فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً** فرمایا کہ ان کی طرف سے دل میں خوف محسوس کیا اور سورۃ الحجر میں ہے کہ زبان سے بھی **اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ** فرمادیا کہ ہم آپ سے خوف زدہ ہو رہے ہیں مہمانوں نے کہا **لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ** کہ آپ نہ ڈریئے ہم آپ کو ایک صاحبِ علم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اب مجھے کیسی بشارت دے رہے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی وہیں کھڑی تھیں ان کو خوشخبری سنائی کہ تمہارا ایک بیٹا اسحاق ہوگا اور اس کا بھی ایک بیٹا ہوگا وہ کہنے لگیں ہائے خاک پڑے کیا میں اب جنوں گی اور حال یہ ہے کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اتنا ہی نہیں بلکہ یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں یہ تو عجیب بات ہے۔ یہ مضمون سورہ ہود میں مذکور ہے یہاں سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے **فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ** کہ ان کی بیوی بولتی ہوئی پکارتی ہوئی آئیں **فَصَكَّتْ وَجْهَهَا** انہوں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا **وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ** اور کہنے لگیں میں بڑھیا ہوں، بانجھ ہوں۔ یہاں سورۃ الذاریات میں لفظ **عَقِیْمٌ** یعنی بانجھ کا بھی اضافہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی بوڑھے تو تھے ہی اس سے پہلے اس خاتون سے کبھی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ فرشتوں نے کہا **كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ** تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے بیشک وہ جب چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے فرشتوں کی بشارت کے مطابق لڑکا پیدا ہوا اور اس بیٹے کا بیٹا یعقوب بھی وجود میں آیا جس کا لقب اسرائیل تھا اور سب بنی اسرائیل ان کی اولاد ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ یقین کر لیا کہ یہ فرشتے ہیں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں تو سوال فرمایا کہ آپ حضرات کیا مہم لے کر آئے ہیں تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یہ مجرم لوگ ہیں ہمیں ان کو ہلاک کرنا ہے انکی ہلاکت کا یہ طریقہ ہوگا کہ ہم ان پر آسمان سے پتھر برسا دیں گے یہ پتھر مٹی سے بنائے ہوئے ہوں گے (جن کا ترجمہ (کھنکھر) کیا گیا ہے) ان پر نشان لگے ہوئے ہوں گے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پتھروں پر نام لکھے ہوئے تھے جس پتھر پر جس کا نام لکھا ہوا تھا وہ اسی پر گرتا تھا یہ **مُسَوَّمَةً** کا مطلب ہے (وفیہ اقوال اٰخر) فرشتوں نے کہا کہ یہ پتھر **مُسْرِفِیْنَ** یعنی حد سے گزر جانے والوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں سورۃ العنکبوت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا **اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ** (بے شک ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں بلاشبہ اس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں) جب فرشتوں نے بستی کا نام لیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فکر مند ہوئے **قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا** (کہ اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں) فرشتوں نے جواب میں کہا: **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا** (ہمیں ان لوگوں کا خوب پتہ ہے جو اس بستی میں ہیں) **لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ** (ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے) یہ سورہ عنکبوت کا مضمون ہے اور یہاں سورۃ الذاریات میں ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ **فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِیْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ** (اس بستی میں جو اہل

ایمان ہیں ان کو ہم نے مجرمین سے علیحدہ کر دیا ہے) یہ لوگ ہمارے علم میں ہیں جو تھوڑے ہی سے ہیں، جس گھر کا تذکرہ فرمایا ہے یہ گھر حضرت لوط علیہ السلام کا تھا جس میں ان کے آل واولاد تھے جو مومن تھے ہاں ان کی بیوی مسلمان نہ ہوئی تھی، معالم التنزیل میں لکھا ہے یَعْنِی لُوْطًا وَّابْنَتَیْهِ یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیاں تینوں افراد نجات پا گئے اور عذاب سے بچا لئے گئے روح المعانی میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اہل ایمان میں تیرہ افراد تھے اگر اس بات کو لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ باقی دس افراد حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی میں پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہہ دیا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں بستی سے نکل جائیں اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہ جانا اسے بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو دوسرے مجرمین کو پہنچے گا۔ جب یہ حضرات رات کو بستی سے باہر نکل گئے تو سورج نکلتے وقت ان کی قوم کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور ان کا تختہ الٹ دیا گیا یعنی اوپر کا حصہ نیچے کر دیا گیا اور ان پر کھنگر کے پتھر برسا دیئے گئے یہ تینوں عذاب سورۃ الحجر میں مذکور ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود تھے ان کو چیخ نے بھی پکڑا اور زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا اور جو لوگ ادھر ادھر باہر نکلے ہوئے تھے وہ اسی پتھروں کی بارش سے ہلاک ہو گئے۔ آخر میں فرمایا وَتَرَكْنَا فِيهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لئے عبرت رہنے دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں) واقعہ کا تذکرہ عبرت دلانے کے لئے ہے) لیکن لوگوں نے ان کی ہلاک شدہ بستیوں کو سیر و سیاحت کی جگہ بنا رکھا ہے۔ ان بستیوں کی جگہ بحر میت کھڑا ہے، لوگ تفریح کے طور پر سفر کرتے ہیں عبرت حاصل نہیں کرتے۔ سارے انسانوں پر لازم ہے کہ سابقہ امتوں کے واقعات سے عبرت لیں اور نصیحت حاصل کریں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ سورہ انعام (۱۰ع) اور سورہ ہود (۷ع) اور سورۃ الحجر (۴ع، ۵ع) اور سورۃ النمل (۵ع) اور سورۃ الانبیاء (۵ع) اور سورہ الشعراء (۹ع) اور سورۃ العنکبوت (۳ع، ۴ع) میں بھی مذکور ہے۔

وَفِیْ مُوْسٰٓی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰی بِرُکْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾

اور موسیٰ کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ہم نے انہیں فرعون کے پاس کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ بھیجا، سو فرعون نے اپنی جماعت کے ساتھ روگردانی کی اور کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾

سو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا سو ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اس حال میں کہ وہ ملامت کا کام کرنے والا تھا، اور عاد کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر ہوا بھیج دی

مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ کَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾

جو ہر خیر سے خالی تھی، وہ جس چیز پر بھی گزرتی تھی اسے ایسی بنا دیتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جائے، اور ثمود کے قصہ میں عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا کہ تھوڑے سے وقت

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّمَا

تک نفع حاصل کر لو، سو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، لہٰذا انہیں عذاب نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے، سو وہ کھڑے نہ

کَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۴۶﴾

ہو سکے اور نہ بدلہ لے سکے اور ان سے پہلے نوح کی قوم کا ایسا ہی حال ہوا بے شک وہ نافرمان لوگ تھے

فرعون اور قومِ عاد وثمود کی بربادی کا تذکرہ

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرعون اور عاد اور ثمود کی سرکشی اور ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی عبرت ہے ہم نے انہیں کھلی ہوئی دلیل دے کر بھیجا یعنی انہیں متعدد معجزات دیئے انہیں دیکھ کر ہر صاحبِ عقل فیصلہ کرسکتا تھا کہ یہ شخص واقعی اپنے دعوائے نبوت میں سچا ہے اور اس کا حق کی دعوت دینا اور خالق اور مالک جل مجدہ کی توحید اور عبادت کی طرف بلانا حق ہے لیکن فرعون نے حق سے اعراض کیا موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور انہیں جادوگر اور دیوانہ بتادیا اس نے جو یہ حرکت کی یہ اس بنیاد پر تھی کہ اس کے ساتھ اس کی جماعت کے لوگ اور درباری سردار تھے غرور اور تکبر اسے لے ڈوبا وہ بھی ڈوبا اس کے ساتھ اس کے لشکر بھی ڈوبے اس نے ایسی حرکتیں کی تھیں جن کی وجہ سے اس پر ملامت آ گئی، اپنے نفس کی طرف سے بھی مستحق ملامت ہوا اور اپنے عوام کی طرف سے بھی۔

فرعون کی ہلاکت اور بربادی اور ڈوبنے کا قصہ کئی سورتوں میں گزر چکا ہے اور سورہ نازعات میں بھی آ رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا سورہ انعام، سورہ ہود، سورۃ الشعراء، اور سورہ حٰم سجدہ میں ان کی ہلاکت کا تذکرہ گزر چکا ہے اور سورۃ القمر اور سورۃ الحاقہ میں بھی آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا ان لوگوں نے بڑی سرکشی کی اور کبر اور طاقت کے گھمنڈ میں یہاں تک کہہ گئے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر طاقت میں کون ہے) اللہ تعالیٰ نے ان پر سخت تیز ہوا بھیج دی جو سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی ہوا میں خیر ہوتی ہے جو بارش لے کر آتی ہے لیکن جو ہوا ان پر بھیجی گئی تھی وہ بالکل ہی ہر خیر سے خالی تھی۔ اسی لئے اسے یہاں سورۃ الذاریات میں ''الرِّيحَ الْعَقِيمَ'' فرمایا، عربی میں عقیم بانجھ کو کہتے ہیں جیسے بانجھ عورت سے کوئی بھی اولاد پیدا نہیں ہوتی اسی طرح عاد کو برباد کرنے والی ہوا میں کچھ بھی خیر نہ تھی۔ سورۃ الحاقہ میں فرمایا کہ جب ہوا چلی تو وہ لوگ ایسے گرے ہوئے پڑے تھے جیسے کھجور کے درخت کے وہ تنے پڑے ہوئے ہوں جو اندر سے خالی ہوں، یہاں سورۃ الذاریات میں اس ہوا کی سختی بتاتے ہوئے فرمایا کہ وہ جس چیز پر بھی گزرتی اسے رَمِیم یعنی چورا چورا بنا کر رکھ دیتی تھی، جو ہڈیاں گل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں یا گھاس پھونس دبدبا کر گھس پٹ کر بھوسہ بن جائے اس کو رمیم کہا جاتا ہے:

قال صاحب الروح ناقلاً عن الراغب: يختص الرم بالفتات من الخشب والتبن والرمة بالكسر تختص بالعظم البالي. (صاحب روح المعانی امام راغبؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ الرم ٹوٹی پھوٹی ہوئی لکڑیوں اور گھاس کے لئے خاص ہے) اور الرمۃ بوسیدہ ہڈیوں کے لئے خاص ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے افراد تو کھجوروں کے تنوں کی طرح گر گئے تھے اور باقی چیزیں (جانور وغیرہ) ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے جثے بھی بعد میں ریزہ ریزہ ہو گئے ہوں یہ ہوا کہ پچھم کی طرف سے آنے والی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ (مشکوٰۃ المصابیح: صفحہ ۱۳۲ عن البخاری)

بادِ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی (جو غزوہ خندق کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے بھیج دی تھی) اور دبور کے ذریعہ قوم عاد ہلاک کی گئی، صبا وہ ہوا جو مشرق کی طرف سے چل کر آئے اور دبور وہ ہوا جو مغرب کی طرف سے چل کر آئے۔

اس کے بعد ثمود کی بربادی کا ذکر فرمایا ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے انہوں نے انہیں توحید کی دعوت دی سمجھایا بجھایا لیکن یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے انکا تذکرہ بھی ان سورتوں میں گزر چکا ہے جن کا حوالہ اوپر دیا گیا۔ بطور معجزہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پہاڑ سے اونٹنی برآمد فرمائی تھی اور ان لوگوں کو بتادیا کہ یہ اونٹنی ایک دن تمہارے کنویں کا پانی پیئے گی اور ایک

دن تمہارے مویشی پئیں گے، یہ بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی اور اونٹنی کو قتل کرنے کا مشورہ کیا حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اور تم اسے برائی کے ساتھ نہ چھونا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا) وہ لوگ نہ مانے بالآخر اس اونٹنی کو قتل کر ہی دیا اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (تم اپنے گھروں میں تین دن تک نفع اٹھا لو) یعنی زندہ رہ لو اور کھا پی لو، اس کے بعد تمہاری بربادی اور ہلاکت ہے۔ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے بالکل سچا ہے) چنانچہ ان پر عذاب آیا اور انہیں ہلاک کر کے رکھ دیا اس عذاب کو یہاں الصَّاعِقَة فرمایا اور سورہ حم سجدہ میں صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ سے تعبیر فرمایا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ صاعقہ ہر عذاب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا اصل لغوی معنی وہ عذاب ہے جو بجلی کے گرنے یا بادلوں کے گرجنے سے ہو سورہ ہود اور سورہ قمر میں ان کے عذاب کو صَيْحَةٌ سے تعبیر فرمایا ہے وہ چیخ کے معنی میں ہے۔

بہر حال ان لوگوں پر تین دن بعد عذاب آیا اور یہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے اسی کو فرمایا فَاَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ. سورہ ہود میں فرمایا فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا کہ وہ گھٹنوں کے بل اپنے گھروں میں ایسے گرے کہ گویا کہ وہ ان گھروں میں رہے ہی نہیں تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو عذاب کو دفع نہیں کر سکے، کسی سے مدد نہیں لے سکے، اللہ تعالیٰ سے انتقام نہیں لے سکے وَمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرمایا یعنی ان لوگوں سے پہلے قوم نوح بھی عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے یہ لوگ بھی فاسق یعنی نافرمان تھے۔ قال فی معالم التنزیل:

"وقوم نوح" قرا ابو عمرو وحمزة والكسائی "وقوم" بجر الميم ای وفی قوم نوح وقرا الآخرون بنصبها بالحمل على المعنى و هو ان قوله "فاخذناه و جنوده فنبذناهم فی اليم" معناه اغرقناهم كانه . واغرقنا قوم نوح "من قبل" ای من قبل هؤلا و هم عاد و ثمود و قوم فرعون اھ۔ (وقوم نوح: ابو عمرو، کسائی اور حمزہ نے قوم میم کے زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وفی قوم نوح اور قوم نوح میں اور دیگر حضرات نے معنی پر محمول کرتے ہوئے میم کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہم نے اسے پکڑا اور اس کے لشکروں کو اور ہم نے انہیں دریا میں پھینکا یعنی ہم نے انہیں غرق کیا گویا کہ یہاں بھی یہی معنی ساتھ لگتا ہے کہ ہم نے قوم نوح کو غرق کیا اس سے پہلے یعنی ان لوگوں عاد، ثمود اور قوم فرعون سے پہلے)

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ پیدا فرمایا اور بے شک ہم وسیع قدرت والے ہیں اور زمین کو ہم نے فرش بنایا سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں، اور ہر چیز سے ہم نے

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ

دو قسمیں بنائی ہیں تاکہ تم سمجھو، سو تم اللہ کی طرف دوڑو، بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں، اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار نہ دو

اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ

بے شک میں تمہیں اس کی طرف کھلا ڈرانے والا ہوں، اسی طرح اس سے پہلے ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جسے انہوں نے دیوانہ یا جادوگر نہ بتایا ہو،

مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى

کیا وہ لوگ آپس میں اس بات کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ وہ سب سرکش لوگ ہیں سو آپ ان کی طرف سے اعراض کیجئے کیونکہ آپ پر کوئی ملامت نہیں، اور نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت

تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔

آسمان وزمین کی تخلیق کا ذکر، اور اللہ کی طرف دوڑنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں آسمان وزمین اور دوسری مخلوقات کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور موحد بننے اور توحید پر قائم رہنے کا حکم فرمایا، **اولاً:** آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ (اور ہم نے آسمان کو قوت کے ساتھ پیدا فرمایا) یعنی ہماری قوت اور قدرت بہت زیادہ ہے اپنے ارادہ کے مطابق جو چاہیں کرسکتے ہیں اتنے بڑے آسمان کا پیدا فرمانا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے یہ وہی بات ہے جو سورۃ قٓ کی آیت وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ میں مذکور ہے۔ حضرت حسن سے لَمُوْسِعُوْنَ کا ترجمہ یہ منقول ہے کہ ہم رزق میں وسعت دینے والے ہیں۔

ثانیاً زمین کا تذکرہ فرمایا کہ زمین کو ہم نے بچھادیا سو ہم بہترین بچھانے والے ہیں۔ زمین کے بچھونے پر انسان لیٹتے ہیں سوتے ہیں اسی کو سورۃ الغاشیہ میں فرمایا وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (اور کیا زمین کو نہیں دیکھتے کیسے بچھادی گئی)۔

ثالثاً یہ فرمایا کہ ہم نے ہر قسم سے دو دو چیزیں بنائی ہیں حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس سے متقابلات مراد ہیں یعنی رات دن اور شقاوت سعادت اور ہدایت اور ضلال اور آسمان وزمین اور سیاہی وسفیدی اور صحت اور مرض وغیر ذلک۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) یعنی ہماری ان نعمتوں کو دیکھ کر رب ذوالجلال قادر مطلق کی طرف متوجہ ہو اور اس کی عبادت میں لگو۔

رابعاً فرمایا فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (سو تم اللہ کی طرف دوڑو) اس کی عبادت بھی کرو اور نافرمانی سے بھی باز رہو۔

خامساً فرمایا اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (کہ اے رسول آپ ان سے فرمادیں کہ میں تمہیں کھلا ڈرانے والا ہوں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں۔

سادساً فرمایا وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت قرار دو)۔

سابعاً اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ کو پھر دہرادیا۔

ثامناً یہ فرمایا کہ اے رسول تمہارے بارے میں جو کچھ مخالفین کہتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ (اسی طرح ان سے پہلے ان لوگوں کے پاس جو بھی کوئی رسول آیا اس کے بارے میں انہوں نے یہ ضرور کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے (جس طرح ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں)۔

تاسعاً فرمایا اَتَوَاصَوْا بِهٖ (کیا آپس میں ایک قوم نے دوسری قوم کو وصیت کی تھی کہ ہماری طرح تم بھی ایسی ایسی باتیں کرنا) یہ استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو وصیت تو نہیں کی لیکن چونکہ سرکشی میں سب ہی مشترک ہیں اس لئے دور حاضر کے مکذبین اور ان سے پہلے معاندین سب ہی کو ان کی طغیانی اور سرکشی نے رسولوں کی تکذیب پر ابھارا اور آمادہ کیا۔

عاشراً آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ آپ ان کی طرف سے اعراض کریں، آپ کا کام پہنچادینا ہے آپ نے پہنچا دیا محنت کرلی جو شخص ان میں سے ایمان نہ لائے وہ اس کی شقاوت کی بات ہے فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں بنایا۔

آخر میں وعظ اور نصیحت کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت کرنا ایمان والوں کو نفع دیتا ہے) یعنی جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان مقدر فرمایا ہے آپ کا نصیحت کرنا ان کے لئے نفع مند ہوگا اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں ان کو مزید بصیرت حاصل ہوگی اور یقین میں قوت حاصل ہوگی۔ (ذکرہ صاحب الروح)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں، میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور یہ نہیں چاہتا کہ مجھے کھلائیں، بلاشبہ اللہ وہ ہے جو خوب

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ

رزق دینے والا ہے قوت والا ہے، نہایت ہی قوت والا ہے سو بیشک ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا ان کے لئے عذاب کا بڑا حصہ ہے جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کا تھا

فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

سو وہ مجھ سے جلدی نہ کریں، سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے

اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ بڑا رزق دینے والا ہے کسی سے رزق کا طالب نہیں

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں پہلی آیت میں نہایت واضح طور پر ارشاد فرمادیا کہ ہم نے جنات کو اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جنہیں عقل اور فہم سے نوازا ہے ان میں فرشتے بھی ہیں اور جنات و انسان بھی ہیں، انسان اور جنات کا اختیار اور اقتدار بھی بہت زیادہ ہے۔ ان دونوں قوموں کے لئے فرمایا کہ ہم نے انہیں صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن ان میں عبادت کرنے والے کم ہیں شر اور شرارت اور سرکشی والے زیادہ ہیں حالانکہ انہی کا سب سے زیادہ فرمانبردار عبادت گزار ہونا لازم ہے ایک طرف تو انہیں متوجہ فرمادیا کہ تم صرف میری عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور دوسری طرف نافرمانی کی سزا بھی بتادی سورہ ہود میں فرمایا لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ انسانوں اور جنات پر لازم ہے کہ خالق جل مجدہ کی عبادت اختیار کریں۔ فسق اور کفر سے بچیں اور اپنے کو دوزخ میں جانے والا نہ بنائیں۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلائیں اس میں شان بے نیازی کا اظہار فرمایا کہ جس طرح دنیا والے اپنے غلاموں سے کسب اور کمائی چاہتے ہیں اور ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ یہ ہمیں کما کر دیں تاکہ ہمارا رزق کا کام چلے یہ صرف اہل دنیا کی اپنی خواہشیں اور تقاضے ہیں میں نے جو جن اور انس کو عبادت کا حکم دیا ہے اس میں میرا کوئی فائدہ نہیں میں ان سے رزق کا امیدوار نہیں ہوں۔

پھر فرمایا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (بلاشبہ اللہ بہت زیادہ رزق دینے والا ہے وہ قوت والا ہے اور نہایت ہی قوت والا ہے) وہی سب کو رزق دیتا ہے اور خوب زیادہ رزق دیتا ہے وہ قوت والا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی قوت والا نہیں پھر بھلا وہ بندوں سے رزق کا کیا امیدوار ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد ظالموں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ظالموں کے لئے عذاب کا بڑا حصہ ہے جیسا کہ ان سے پہلے ان جیسے لوگوں کا حصہ تھا لہٰذا عذاب آنے کی جلدی نہ مچائیں کفر کے باعث ان پر عذاب آنا ہی آنا ہے۔ دیر لگنے کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارہ نہ ہوجائے گا۔

لفظ ذنوب بھرے ہوئے ڈول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بطور استعارہ یہاں نصیب کے معنی میں آیا ہے۔ آخر میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ (سو کافروں کے لئے بڑی خرابی ہے اس دن کے آنے سے جس کا

ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بدر کا دن مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیامت کا دن مراد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والماب۔

وقد انتهى تفسير سورة الذاريات بفضل المليك الحنان المنان والصلوٰة والسلام على رسوله سيد الانسان والجان وعلى من تبعه باحسان الى يوم يدخله فيه المؤمنون الجنان و يجارون من عذاب النيران.

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الطور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انچاس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالطُّوْرِ ۝١ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝٤ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝٥ وَالْبَحْرِ

قسم ہے طور کی اور کتاب مسطور کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہوئی ہے اور بیت معمور کی، اور سقف مرفوع کی، اور بحر مسجور کی،

الْمَسْجُوْرِ ۝٦ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝٧ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝٨ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝٩ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠

بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے، اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں، جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ چل پڑیں گے،

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝١٢ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ

سو اس دن بڑی خرابی ہے جھٹلانے والوں کے لئے جو بیہودگی میں لگے رہتے ہیں، جس دن انہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دیئے

دَعًّا ۝١٣ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝١٤ اَفَسِحْرٌ هٰذَا اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝١٥ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا

جائیں گے، یہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے، کیا یہ جادو ہے یا تم نہیں دیکھتے، اس میں داخل ہوجاؤ صبر کرو

اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝١٦

یا نہ کرو برابر ہے تمہارے حق میں، تمہیں انہی اعمال کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے

قیامت کے دن منکرین کی بدحالی، انہیں دھکے دے کر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق میں سے بعض ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جن کی بڑی اہمیت ہے، اس کے بعد فرمایا ہے کہ بیشک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے، قیامت کو جھٹلانے والے اس کے وقوع کے منکر ہیں، ان کے شک

اور انکار کو رد کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار قسمیں کھائی ہیں، سورۃ الذاریات کا افتتاح اور سورہ النازعات کی ابتدا بھی اسی طرح سے ہے، ان آیات میں اولاً طور پہاڑ کی قسم کھائی یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا، اس کے بعد **کتاب مسطور** کی قسم کھائی **مسطور** بمعنی مکتوب ہے یعنی لکھی ہوئی کتاب صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں چند اقوال نقل کئے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے بندوں کے اعمال نامے مراد ہیں جو قیامت کے دن کسی کو داہنے ہاتھ میں اور کسی کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بعض حضرات نے اس سے قرآن کریم مراد لیا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے، کتاب مسطور کی صفت بتاتے ہوئے **فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ** فرمایا۔ ''رق'' جلد رقیق یعنی پتلے چمڑے کو کہا جاتا ہے جب دنیا میں کاغذ نہیں تھے تو اس میں لکھا کرتے تھے، اور منشور کا معنی ہے کھلی ہوئی چیز، جن حضرات نے کتاب مسطور سے اعمال نامے مراد لئے ہیں ان کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ سورۃ الاسراء میں اعمال ناموں کے بارے میں **وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا** فرمایا ہے۔

اس کے بعد بیت معمور کی قسم کھائی شبِ معراج میں اسے رسول اللہ ﷺ نے عالمِ بالا میں دیکھا تھا آپ نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا یہ بیتِ معمور ہے اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب اس سے نکل کر واپس جاتے ہیں تو ان کی باری دوبارہ کبھی نہیں آتی (صحیح مسلم صفحہ ۹۴ ج ۱)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آسمان میں بیت المعمور کی حرمت وہی ہے جو زمین میں کعبہ معظّمہ کی حرمت ہے، اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں اور اس میں نماز پڑھتے ہیں پھر کبھی ان کے دوبارہ داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی۔

اس کے بعد فرمایا **اَلسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ** یعنی بلند چھت کی قسم کھائی۔ روح المعانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے عرشِ الٰہی مراد ہے جو جنت کی چھت ہے۔

اس کے بعد **اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ** کی قسم کھائی جس کا ترجمہ ہے ''وہ سمندر جو دہکایا گیا''۔ یعنی خوب اچھی طرح تنور کی طرح جلایا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر منقول ہے سورۃ التکویر میں قیامت کے دن کے احوال میں **وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ** جو فرمایا ہے اس کی تفسیر میں مفسرین نے **سُجِّرَتْ** بمعنی اُوْقِدَتْ لکھا ہے کہ جب سمندروں کو جلایا جائے گا اور البحر المسجور کا ایک ترجمہ البحر المملوء یعنی بھرا ہوا سمندر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سمندر کا سفر صرف وہ آدمی کرے جو حج یا عمرہ کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے روانہ ہو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۳۳۷: ج ۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے چند امور کی قسم کھائی ہے اول کوہ طور کی قسم کھائی جو وادیٔ مقدس ہے پھر کتاب مستور کی قسم کھائی جس میں بندوں کے اعمال درج ہیں اس کے بعد بیت المعمور کی قسم کھائی جو فرشتوں کے طواف کی جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں مشغول ہونے کا مقام ہے پھر اَلسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ کی قسم کھائی جو فرشتوں کے رہنے کی جگہ ہے وہاں سے آیات نازل ہوتی ہیں اور جنت بھی وہیں ہے پھر **اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ** کی قسم کھائی جو آگ کی جگہ ہے۔

ان قسموں کے بعد فرمایا **اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ** (بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے) **مَا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ** (اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں) یہ جواب قسم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے جو عظیم الشان ہیں اور کائنات میں بڑی چیزیں ہیں اس کی قدرت سے یہ باہر نہیں ہے کہ صالحین کو ثواب اور منکرین کو عذاب دینے کے لئے قیامت قائم کرے، جب قیامت قائم ہوگی تو اسے کوئی بھی دفع کرنے والا نہیں ہوگا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تا کہ رسول اللہ ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں (اس وقت یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) میں آپ کے قریب پہنچا تو آپ مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور مسجد کے باہر آپ کی آواز آ رہی تھی میں نے وَالطُّوْرِ سے لے کر مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ تک آپ کی قراءت سنی تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے میرا دل پھٹا جا رہا ہے، میں عذاب نازل ہونے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔ میں ایسا خوفزدہ ہوا کہ یوں سمجھنے لگا کہ گویا یہاں سے اٹھنے سے پہلے ہی عذاب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ (معالم التنزیل ص ۲۴۷ ج ۴)

اس کے بعد قیامت کے بعض احوال بیان فرمائے یَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (جس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا) وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا (اور پہاڑ چل پڑیں گے) یعنی اپنی جگہ چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے اس کو سورہ تکویر میں یوں فرمایا وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ اور سورہ نمل میں فرمایا وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (اور تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کر رہا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں اور حال یہ ہوگا کہ وہ بادلوں کی طرح گزریں گے)۔

اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا (اور جس دن زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ سو وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے)۔

اس کے بعد جھٹلانے والوں کی بدحالی بیان فرمائی فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (سو اس دن بڑی خرابی ہے یعنی بربادی ہے اور عذاب میں گرفتاری ہے ان لوگوں کے لئے جو حق کو جھٹلاتے ہیں) اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ (جو بیہودہ باتوں میں گھسے ہوئے ہیں اور اس شغل کو انہوں نے کھیل کے طور پر اختیار کر رکھا ہے) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں۔ یخوضون فی الباطل یلعبون غافلین لاھین یعنی یہ لوگ باطل چیزوں میں گھستے ہیں حق کے خلاف بولتے ہیں اور مشورے کرتے ہیں، غافل ہیں اپنے شغل کو کھیل بنا رکھا ہے۔ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا یہاں ان کا یہ حال ہے اور قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ جب دوزخ کے قریب لے جائے جائیں گے تو فرشتے انہیں دھکے دے دے کر اس میں داخل کر دیں گے ان کے ہاتھ گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں گے اور موڑ توڑ سروں کو قدموں سے ملا دیا ہوگا۔

سورۃ الرحمٰن میں ہے: يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ (مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے سو سر کے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے)۔

ان سے کہا جائے گا هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ. (یہ وہ آگ ہے جسے تم دنیا میں جھٹلاتے رہے) جب تمہارے سامنے اللہ کے رسول ﷺ حق کی دعوت پیش کرتے تھے اور قیامت قائم ہونے کی خبر دیتے تھے اور معجزات پیش کرتے تو تم کہتے تھے کہ انہوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ اب یہ دوزخ تمہارے سامنے ہے کیا یہ جادو ہے؟ اب بھی دیکھ رہے ہو یا نہیں؟

قال صاحب الروح ای ام انتم عمی عن المخبر به کما کنتم فی الدنیا عمیا عن الخبر (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: یعنی تم مخبر بہ سے بھی اندھے ہو جیسا کہ تم دنیا میں اس کی خبر سے اندھے تھے)

ان سے مزید کہا جائے گا اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا (تم اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ پھر چاہے صبر کرو یا نہ کرو) سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ تمہارے لئے دونوں چیزیں برابر ہیں) نہ جبر سے عذاب دفع ہوگا اور نہ بے صبری سے، دنیا میں جو مصیبت پر صبر کرنے سے کبھی کبھی تکلیف دور ہو کر آرام مل جاتا تھا یہاں وہ بات نہیں ہے۔

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے کسی قسم کا کوئی ظلم نہ ہوگا۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾

بے شک متقی لوگ باغوں میں اور نعمتوں میں ہونگے، جو کچھ ان کے رب نے انہیں دیا ہوگا خوشی کے ساتھ اس میں مشغول ہوں گے، اور ان کا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾

رکھے گا۔ کھاؤ اور پیو مبارک طریقہ پر ان اعمال کے بدلہ جو تم کیا کرتے تھے یہ لوگ ایسے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جو برابر بچھے ہوئے ہوں گے، اور ہم گورے رنگ والی بڑی آنکھوں والی

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ

عورتوں سے ان کا بیاہ کردیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا تو ہم ان کی ذریت کو ان کے ساتھ ملادیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز بھی کم

شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿٢١﴾ وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢٢﴾ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا

نہیں کریں گے، ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے محبوس ہوگا، اور ہم ان کو میوے اور گوشت بڑھا کردیتے رہیں گے جس کی انہیں خواہش ہوگی، وہ اس میں جام کی چھینا جھپٹی کریں گے،

لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

نہ اس میں کوئی لغو بات ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات، اور ایسے لڑکے ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں، اور یہ لوگ آپس میں ایک

عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾

دوسرے سے سوال کریں گے، وہ کہیں گے کہ بے شک ہم پہلے اپنے اہل و عیال میں رہتے ہوئے ڈرا کرتے تھے سو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں دوزخ سے بچالیا

إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾

بلاشبہ ہم پہلے اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے، بیشک وہ بڑا محسن ہے مہربان ہے

متقی بندوں کی نعمتوں کا تذکرہ، حورِ عین سے نکاح
آپس میں سوال و جواب

تفسیر: تکذیب کرنے والوں کی سزا کا تذکرہ فرمانے کے بعد متقیوں کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔ اول تو یہ فرمایا کہ تقویٰ والے بندے باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے ان میں ان کا رہنا فرحت اور لذت کے ساتھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں انہیں عطا ہوں گی ان میں مشغول رہیں گے اور محظوظ ہوتے رہیں گے، ان پر جو نعمتوں کا انعام ہوگا دائمی ہوگا اور ہمیشہ کے لئے انہیں دوزخ سے محفوظ کردیا جائے گا، ان سے کہہ دیا جائے گا کہ تم دنیا میں جو نیک عمل کرتے تھے ان کے بدلے خوب کھاؤ پیو، یہ کھانا پینا تمہارے لئے مبارک ہے اس سے کوئی تکلیف نہ ہوگی اور کھانے پینے سے دنیا میں جو شکایتیں پیدا ہوجاتی تھیں ان میں سے کوئی بات بھی پیش نہیں آئے گی کھانا بھی مبارک، پینا بھی مبارک ہر طرح سے خیر ہی خیر ہوگی۔

متقی حضرات کی نعمتیں بتاتے ہوئے مزید فرمایا کہ یہ لوگ ایسے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جو برابر قطار میں بچھے ہوئے ہوں گے، سورۃ الدخان میں اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ یہ تخت قطار سے بھی لگے ہوئے ہوں گے اور آمنے سامنے بھی ہوں گے۔ اس کے بعد زوجیت کی نعمت کا تذکرہ فرمایا، اللہ تعالیٰ شانہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کے جوڑے کے لئے حضرت

حواء کو پیدا فرمایا پھر ان دونوں سے نسل چلی اور دنیا میں زن وشوہر کا نظام چلتا رہا چونکہ فطری طور پر انسانوں میں اس بات کی اشتہاء رہتی ہے کہ انس والفت کے لئے بیویاں بھی ساتھ ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں بھی اہل جنت کے جوڑے بنا دیئے جائیں گے دنیا والی عورتیں بھی ان کے پاس ہوں گی اور نئی مخلوق میں سے حور عین بھی ان کی زوجیت میں دیدی جائے گی، لفظ حور، حُوراء کی جمع ہے جس کا ترجمہ گورے رنگ والی عورت کیا گیا ہے اور عین عیناء کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے بڑی آنکھوں والی عورت۔

اہل ایمان کی ذریت: اس کے بعد ایک مزید انعام کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اہلِ ایمان جو جنت میں جائیں گے ان کی ایمان والی ذریت یعنی اہل واولاد بھی جنت میں ان کے درجات میں پہنچا دی جائے گی اگر چہ وہ لوگ یعنی اہل واولاد اعمال کے اعتبار سے اپنے آباء سے کم ہوں، بڑوں کی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لئے چھوٹوں کو بھی ان کا درجہ دے دیا جائے گا اور یہ جو کچھ دیا جائے گا محض انعام اور فضل ہوگا۔ بڑوں کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کی جائے گی، ان کا پورا پورا اجر اور انعام دیتے ہوئے ان کی ذریت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہوگی۔

روح المعانی میں بحوالہ مستدرک حاکم اور سنن بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ مومن بندہ کی ذریت کو اسی کے درجہ میں بلند فرمادے گا اگر چہ اس سے عمل میں کم ہوں تا کہ اہلِ ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اس کے بعد آیت بالا تلاوت فرمائی۔

اس کے بعد بحوالہ طبرانی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص جنت میں داخل ہو جائے گا تو وہ اپنے ماں باپ بیوی اور اولاد کے بارے میں سوال کرے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ وہ عمل کے اعتبار سے تیرے درجہ کو نہیں پہنچے اس پر وہ دعا کرے گا تو اللہ پاک کی طرف سے حکم ہوگا کہ انہیں بھی اسی کا درجہ دے دیا جائے۔

اس کے بعد اہل ایمان کے ایک اور انعام کا تذکرہ فرمایا، ارشاد ہے:

وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ (اور ہم ان کو میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا بڑھا کر دیتے رہیں گے) اس میں اہلِ جنت کو فَاكِهَةٌ یعنی میوے پیش کئے جانے کا تذکرہ فرمایا ہے سورۃ الزخرف میں فرمایا لَكُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِيۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ. تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھا رہے ہو) اور سورۃ مرسلات میں فرمایا: اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ (پرہیز گار لوگ سایوں میں اور چشموں اور مرغوب میووں میں ہوں گے) اور سورہ واقعہ میں فرمایا وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوۡنَ وَلَحۡمِ طَيۡرٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ (اور وہ میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا) سورہ واقعہ میں فرمایا کہ ان کے لئے ایسے میوے ہوں گے جن کو وہ خود اپنے اختیار سے چن چن کر کھائیں گے اور سورۃ المرسلات میں وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ جن میووں کی خواہش ہوگی ان میں سے کھائیں گے، سورۃ الطّور میں وَلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ فرمایا جس میں مطلق لحم (گوشت) مذکور ہے اور سورۃ واقعہ میں وَلَحۡمِ طَيۡرٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ فرمایا دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ پرندوں کے علاوہ بھی دوسری انواع کے گوشت ہونگے اور جو بھی نعمت وہاں پیش کی جائے گی مرضی کے مطابق پیش کی جائے گی دنیا میں بعض چیزیں خلاف طبیعت اور خواہش کے خلاف کسی مجبوری کی وجہ سے کھانی پڑتی ہیں وہاں ایسا نہ ہوگا۔

جام کی چھینا جھپٹی: اس کے بعد اہلِ جنت کے جام پینے کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا: يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ (کہ یہ لوگ جنت میں دل لگی کے طور پر آپس میں جامِ شراب کی چھینا جھپٹی کریں گے وہاں کسی چیز کی کمی نہ ہوگی یہ چھینا جھپٹی بطور دل لگی کے ہوگی۔ **کاس:** بھرے ہوئے جام کو کہا جاتا ہے یہ جام خوب بھرے ہوئے ہوں گے جنہیں سورہ نباء میں

وَكَاْسًا دِهَاقًا سے تعبیر فرمایا ہے اور ہر شخص کے لئے وقت کی خواہش کے مطابق بھرے ہوئے ہوں گے اس کو سورہ دھر میں قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا میں بیان فرمایا ہے۔ان جاموں میں تسنیم زنجبیل کافور کی آمیزش ہوگی۔اس شراب کو پینے کی وجہ سے نشہ نہیں آئے گا اسی کو لَا لَغْوٌ فِيْهَا میں بیان فرمایا۔دنیا میں شراب پی کر نشہ آجاتا ہے اور اول فول بکتے ہیں اور بیہودہ باتیں کرتے ہیں وہاں کی شراب میں یہ بات نہ ہوگی۔یہ شراب چونکہ بطور انعام ملے گی اور اس میں نشہ بھی نہ ہوگا (جو دنیا میں اس کے حرام ہونے کا سبب ہے) اس لئے اس کے پینے میں کوئی گناہ بھی نہ ہوگا جسے وَلَا تَاْثِيْمٌ فرما کر بیان فرما دیا۔

مذکورہ بالا شراب کے لانے والے اور پیش کرنے والے نوعمر لڑکے ہوں گے۔ارشاد فرمایا وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ (اور ان کے خدمتگار لڑکے ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے۔ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ (جو خوبصورتی اور رنگت کی صفائی ستھرائی میں ایسے ہونگے جیسے محفوظ رکھا ہوا چھپا ہوا موتی ہو) سورۃ الدھر میں فرمایا وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا. (اور ان کے پاس ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اے مخاطب! اگر تو ان کو دیکھے تو یوں سمجھے جیسے بکھرے ہوئے موتی ہوں) وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ (اور اہل جنت آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال جواب کریں گے (آپس میں یہ پوچھیں گے کہ کہو بھئی یہاں آنے کا کیا سبب بنا اور ہم لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے؟ وجہ تو سبھی کو معلوم ہوگی لیکن پرانی باتیں یاد کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور انعام الٰہی یاد کرنے کی تجدید کے لئے سوال کریں گے اور جواب میں مشغول ہوں گے۔

جن سے سوال ہوگا ان کا جواب یوں نقل فرمایا: قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ وہ جواب دیں گے بے شک ہم اس سے پہلے جو اپنے گھر بار اور اہل وعیال میں رہتے تھے وہ ہمارا رہنا اور بسنا ڈرتے ڈرتے تھا۔یعنی ہم ڈرتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہ ہو جائے جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے آخرت کی پیشی اور محاسبہ ومواخذہ کی فکر تھی اس مضمون کو سورۃ الحآقہ میں یوں بیان فرمایا اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (مجھے یقین تھا کہ میرا حساب میرے سامنے آئے گا) آخرت کا یقین اور وہاں کے لئے فکر مند ہونا یہی تو مومن کی اصل پونجی ہے جسے یہ دولت مل گئی وہ وہاں پار ہو جائے گا۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (سو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور دوزخ کے عذاب سے بچالیا) مومن آدمی جتنا بھی عمل کرے اسے اپنے ہنر کا کمال نہیں سمجھتا ہے۔دل کی گہرائی سے وہ یہی جانتا اور مانتا ہے کہ اعمال صالحہ ایمان اور تقوی پرہیز گاری اور آخرت کی فکر یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا انعام ہے اس نے جنت میں بھی داخل فرمایا اور دوزخ کے عذاب سے بھی بچایا۔

شکر خدا کن کہ موفق شُدی بخیر ز فضل وانعامش معطل نہ گزاشتت

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ (بے شک ہم دنیا میں اللہ کو پکارتے تھے اور اس سے دعائیں کیا کرتے تھے) اس لئے ہماری دعائیں قبول فرمائیں۔

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ (واقعی وہ بڑا محسن مہربان ہے) اسی کے احسان اور اسی کی مہربانی کی وجہ سے ہم یہاں پہنچے ہیں۔

فللّٰہ المنة و منه النعمة۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾

سو آپ سمجھاتے رہیں کیونکہ آپ بفضلہ تعالیٰ نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں، کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس کی موت کے حادثہ کا انتظار کر رہے ہیں،

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾

آپ فرما دیجئے انتظار میں رہو سو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔کیا ان کی عقلیں انہیں اس کا حکم دے رہی ہیں یا یہ ایسے لوگ ہیں جو سرکش ہیں

أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ

کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے بات بنالی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے، سو اس طرح کا کوئی اور کلام لے آئیں اگر سچے ہیں، کیا وہ کسی خالق

غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِندَهُمْ

کے بغیر پیدا کئے گئے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، بلکہ یہ لوگ یقین نہیں لاتے، کیا ان کے پاس آپ کے رب

خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ

کے خزانے ہیں یا یہ لوگ غلبہ والے ہیں یا کیا ان کے پاس کوئی زینہ ہے جس سے باتیں سنتے ہیں، سو ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے آئے،

مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِندَهُمُ

کیا اس کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں، کیا آپ ان سے کسی معاوضہ کا سوال کرتے ہیں سو وہ تاوان سے گراں بار ہو رہے ہیں، کیا ان کے پاس غیب ہے

الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ

جسے وہ لکھ لیتے ہیں، کیا وہ لوگ کسی برائی کا ارادہ رکھتے ہیں سو جن لوگوں نے کفر کیا وہ خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے کیا ان کا کوئی معبود ہے اللہ کے سوا،

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾

اللہ پاک ہے اس چیز سے جو شرک کرتے ہیں

منکرین اور معاندین کی باتوں کا تذکرہ اور تردید

تفسیر: ان آیات میں ابتدائی خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے پھر اسی ذیل میں اہل مکہ سے سوال جواب ہے گویا آپ کے واسطہ سے ان لوگوں سے بات ہو رہی ہے ارشاد فرمایا کہ آپ نصیحت حق فرماتے رہیں دشمنوں کی باتوں کی طرف دھیان نہ دیں یہ لوگ آپ کو کاہن اور دیوانہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل و انعام ہے آپ نہ کاہن ہیں نہ دیوانہ ہیں، نیز ان منکرین کا کہنا یہ بھی ہے کہ آپ شاعر ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ ہمیں انتظار ہے کہ ان کی موت کا حادثہ ہو جائے تا کہ یہ ان سے ہمارا چھٹکارا ہو جائے اور ہم سے جو خطاب کرتے ہیں اور اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں وہ بند ہو جائے جیسے بہت سے شاعر دنیا میں آئے شاعری کی اور دنیا سے گزر گئے ان کا بھی یہی حال بننے والا ہے نہ ان کا کوئی ماننے والا رہے گا نہ جاننے والا نہ ان کی راہ پر چلنے والا، ارشاد فرمایا قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ (آپ فرما دیجئے کہ تم لوگ انتظار کرتے رہو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں) دیکھو تمہارا کیا حال بنتا ہے اور حق قبول کرنے سے پہلو تہی کرنے پر کیسے عذاب میں مبتلا ہوتے ہو، میری محنتوں کا انجام فلاح اور کامیابی ہے اور تمہارا انجام ناکامی بربادی اور ہلاکت ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے مشرکین کا غزوہ بدر میں مقتول ہونا مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کیا ان کی عقلیں ان کو یہ بتا رہی ہیں کہ شرک میں مبتلا رہیں جو باطل چیز ہے اور دعوت توحید کو قبول نہ کریں جو حق ہے، اپنی عقلوں کو بہت بڑی سمجھتے ہیں حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ باطل کو ترک کریں اور حق کو قبول کریں اگر غور و فکر کرتے تو حق کو نہ ٹھکراتے، وہاں تو بس شر ہے اور شرارت ہے اسی کو اپنائے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن انہوں نے خود ہی بنالیا ہے اور اپنی طرف سے بنا کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ

کی کتاب ہے ان کا یہ قول شرارت پر مبنی ہے۔ ایمان نہیں لاتے ایسی باتیں کر کے دور ہوتے چلے جاتے ہیں یہ لوگ عربی جانتے ہیں فصیح و بلیغ ہونے کے دعویدار ہیں اگر اپنی بات میں سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا کر لے آئیں، ان کو چیلنج کیا جا چکا ہے کہ قرآن جیسی ایک سورت بنا کر لے آئیں لیکن نہیں لائے اور نہ لا سکیں گے (لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا) منکرین قرآن پر یہ بہت بڑی مار ہے ڈیڑھ ہزار سال سے چیلنج ہے، کوئی بھی آج تک اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر کے لا سکا اور نہ لا سکے گا۔

پھر فرمایا اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ (کیا یہ لوگ یوں ہی بغیر خالق کے پیدا کر دیئے گئے ہیں) ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے انہیں خود اقرار ہے کہ ہمارا خالق ہے اور ہم مخلوق ہیں اگر یوں کہیں کہ ہمارا کوئی خالق نہیں تو پھر بتائیں یہ کیسے پیدا ہوئے کیا انہوں نے اپنی جانوں کو خود پیدا کر لیا، ظاہر ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے کیونکہ جو شخص موجود نہ ہو نہ اپنی ذات کو پیدا کر سکتا ہے نہ اور کسی کو، جب مخلوق ہیں تو اپنے خالق پر ایمان بھی لائیں اس کی توحید کا بھی اقرار کریں، اور اس پر ایمان بھی لائیں۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے)۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی انہوں نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا، ان چیزوں کو بھی اسی نے پیدا فرمایا جس نے ان لوگوں کو پیدا کیا، یہ سب باتیں ظاہر ہیں۔

بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ (بلکہ ان باتوں کو جانتے اور مانتے ہوئے یقین نہیں کرتے) کفر اور شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ (کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں) اگر ان کے پاس رحمت الٰہیہ کے خزانے ہوتے تو جسے چاہتے نبوت دے دیتے۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اگر نبی اور رسول بنانا ہی تھا تو محمد بن عبداللہ کو کیوں بنایا مکہ معظمہ اور طائف میں بڑے بڑے مالدار اور سردار پڑے ہیں ان میں سے کسی کو نبوت ملنا چاہیئے تھا بطور سوال ان کا جواب دے دیا (جو استفہام انکاری کے طور پر ہے)۔

اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ کیا ان کے پاس حکومت اور طاقت اور ایسا غلبہ ہے کہ اپنے اختیار سے کسی کو نبوت دلا دیں جب یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو انہیں کیا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی رسالت پر اعتراض کریں اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو نبوت ملنے کے لئے پیش کریں۔

سورۃ الانعام میں فرمایا اللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اللہ خوب جانتا ہے جہاں چاہے کر دے اپنی رسالت کو)۔

پھر فرمایا اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ (کیا ان کے پاس زینہ ہے جس میں وہ باتیں سنتے ہیں۔ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (سو ان کا سننے والا کوئی واضح دلیل لے کر آئے) علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ای حجة بینة ان هذا الذی هم علیه حق مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پیش کرتے ہیں، اس کا کتاب اللہ ہونا تو اسی سے ثابت ہو گیا کہ تم اس جیسی کتاب بنا کر لانے سے عاجز ہو، اب تم اپنے دین حق کو ثابت کر و اس کو ثابت کرنے کے لئے کوئی واضح دلیل ہونی لازمی ہے، وہ کون سا زینہ ہے جس پر چڑھ کر تمہارا کوئی شخص اپنے دین کے حق ہونے کی حقانیت معلوم کر چکا ہے۔ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ بطریق وحی کلام حاصل کرتے ہیں پھر تمہیں سناتے ہیں اور حق کی تبلیغ کرتے ہیں اور دلائل پیش کرتے ہیں تم بھی دلیل پیش کرو۔

پھر فرمایا اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ (کیا اس کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں) قریش مکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے اور فرشتوں کو بنات اللہ کہتے تھے اور جب ان کے سامنے ان کے اپنے ہاں بیٹیاں پیدا ہونے کی بات آتی

تھی تو اس کو برا مانتے تھے اس آیت میں ان کی بیوقوفی بتادی کہ جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہوا سے اللہ کے لئے تجویز کرتے ہو، جن لوگوں کی سمجھ کا یہ حال ہے کیا انہیں یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کریں کہ ہماری سمجھ کے مطابق کسی کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا، نیز یہ لوگ وقوعِ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کی بیوقوفی ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سفه احلامهم توبيخالهم و تقريعا ای اتضيفون الی الله البنات مع انفتكم منهن ومن كان عقله هكذا خلا يستعدمنه انكالي البعث. (اللہ تعالیٰ نے ان کے عقلمندوں کو بیوقوف کہا ہے انہیں ملامت کرنے اور بیدار کرنے کے لئے یعنی تم لڑکیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو باوجود یہ کہ تم خود اپنی طرف ان کی نسبت کو ناپسند کرتے ہو تو جن کی عقل اس طرح کی ہو انہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے کے انکار کا کیا حق ہے)

پھر فرمایا اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ (کیا آپ ان سے کسی معاوضہ کا سوال کرتے ہیں ان پر اس تاوان کی ادائیگی بھاری پڑ رہی ہے) اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لے آئے تو کیا کچھ دینا پڑے گا تو یہ ان کا غلط خیال ہے ان کی دنیا سے ذرا سا بھی سوال نہیں اور ان کے آخرت کے نفع کے لئے ان کو ایمان و اعمالِ صالحہ کی دعوت دی جارہی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایمان سے منہ موڑیں۔

قال فی معالم التنزيل اثقلهم ذلك المعزم الذی تسالهم فمنعهم ذلک عن الاسلام. (تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔ انہیں اس قرض نے بوجھل کر دیا ہے جو آپ ان سے طلب کرتے ہیں پس اس نے انہیں اسلام لانے سے روک رکھا ہے)

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ یعنی یہ جو کہہ رہے ہیں کہ ہمیں انتظار ہے کہ محمد ﷺ موت کے حادثہ میں دنیا سے رخصت ہو جائیں گے جسے یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے ان کی اس بات کی بنیاد کیا ہے کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے اور انہیں پتہ ہے کہ داعی اسلام ﷺ کی موت ہمارے سامنے ہوگی اور یہ خود اس کے بعد زندہ رہیں گے اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ نہ یہ رہے گا اور نہ ان کا دین رہے گا۔ (ذکرہ القرطبی)

پھر فرمایا اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ (کیا وہ لوگ کسی بری تدبیر کا ارادہ رکھتے ہیں سو جن لوگوں نے کفر کیا وہ خود ہی تدبیر کی زد میں آنے والے ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت بالا نازل ہونے کے کئی سال بعد اس پیشین گوئی کا ظہور ہوا جس کا اس آیت میں اظہار فرمایا ہے، مشرکین مکہ مشورہ لے کر بیٹھے تھے کہ محمد رسول اللہ کے ساتھ کیا کریں اس پر تین باتیں آئیں جن کو سورہ انفال کی آیت کریمہ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں بیان فرمایا ہے ان لوگوں کی سب تدبیریں دھری رہ گئیں اور رسول اللہ ﷺ صحیح سلامت مدینہ منورہ پہنچ گئے آپ کا مدینہ منورہ تشریف لانا غزوہ بدر کا سبب بنا اور غزوہ بدر میں قریش مکہ میں سے ستر افراد مقتول ہوئے جن میں ان کے بڑے بڑے سردار بھی تھے مکر اور تدبیر والے خود ہی مکر کی زد میں آگئے (روح المعانی صفحہ ۲۹ ج ۲۷)

هم المكيدون ای الذين يلحق بهم كيدهم و يعود عليهم وباله لا من ارادوا ان يكيدوه و كان وباله فی حق اولئک قتلهم يوم بدرفی السنة الخامسة عشر من النبوة. (مکر کئے ہوئے خود ہی ہیں یعنی یہی ہیں جنہیں ان کا مکر گھیر لے گا اور اس کا وبال خود انہیں پر پڑے گا۔ جن کے ساتھ دھوکہ کا انہوں نے ارادہ کیا ہے ان پر نہیں پڑے گا اور سن ۱۵ نبوی میں بدر والے دن ان کے قتل کی صورت میں ان کے حق میں ان کے مکر کا وبال ثابت ہو گیا)

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ کیا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی معبود ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں)۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ

اور اگر وہ آسمان سے کسی ٹکڑے کو دیکھ لیں کہ گرتا ہوا آرہا ہے تو کہیں گے کہ یہ تو تہ بتہ جما ہوا بادل ہے، سو آپ انہیں چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے ملاقات کریں جس

يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ

میں وہ بے ہوش ہو جائیں گے، جس دن ان کی کوئی تدبیر ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور ان کی کچھ بھی مدد نہ کی جائے گی، اور بلاشبہ جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے عذاب ہے

ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٤٨﴾

اس سے پہلے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے اور آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر کیجئے، سو بے شک آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں اپنے رب کی تسبیح اور حمد کیجئے

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٤٩﴾

اور رات کے حصہ میں بھی اس کی تسبیح بیان کی جائے، اور ستاروں کے چھپنے کے بعد بھی۔

قیامت کے دن منکرین کی بدحالی اور بدحواسی

تفسیر: ان آیات میں معاندین کی بدحالی اور سرکشی بتائی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی ہے اور آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی سرکشی کا یہ حال ہے کہ اگر آسمان کا ٹکڑا اوپر سے گرتا ہوا دیکھیں جو ان کو عذاب دینے کے لئے گرتا چلا آ رہا ہو تب بھی متاثر نہ ہوں گے اور ایمان نہ لائیں گے۔ حالانکہ خود ہی ایمان لانے کی شرطوں میں آسمان کا ٹکڑا گرنے کی بھی شرط یہ لگائی تھی (حیث قالوا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا) اور یوں کہیں گے کہ اجی یہ نہ تو آسمان کا کوئی ٹکڑا ہے اور نہ ہی ان کے کہنے سے اتر رہا ہے بلکہ یہ تو بادل ہے۔ بادل پر بادل جم کر موٹا ہو جاتا ہے اور اوپر نیچے ہو جاتا ہے نہ یہ کوئی عذاب کی بات ہے اور نہ آپ کی نبوت کا معجزہ ہے (العیاذ باللہ)

سورۃ الحجر میں ان کے اسی عناد کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ. (اور اگر ہم ان کے لئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں چڑھ جائیں، تب بھی یوں کہہ دیں گے ہماری نظر بند کر دی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر تو جادو کر رکھا ہے۔)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ (آپ ان کو چھوڑیں ان کی طرف التفات نہ فرمائیں یہاں تک کہ وہ دن آ جائے جس میں یہ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے) بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یوم بدر مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نفخہ اولیٰ مراد ہے (یعنی جب صور پھونکا جائے گا اس میں جو بے ہوشی ہو گی، اس دن تک انہیں چھوڑے رکھیے۔ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (جس دن ان کی کوئی تدبیر ان کے کوئی کام نہ آئے گی) وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی)۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ (اور جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے اس سے پہلے عذاب ہے) اس عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے یوم بدر مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ وہ قحط مراد ہے جو سات سال تک مکہ معظمہ کے مشرکین کو پیش آیا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ بطور وعید جس عذاب کا تذکرہ کیا جا رہا ہے محض دھمکی نہیں ہے بلکہ واقعی ہو جانے والی چیز ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (اور آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر کیجئے) ان کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے۔ اس پر صبر کیجئے، انتقام کے لئے جلدی نہ کیجئے، وقت معین پر مبتلائے عذاب ہوں گے فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (سو بیشک آپ ہماری حفاظت میں ہیں) آپ کے خلاف ان کی تدبیریں کامیاب نہ ہوں گی۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (اور آپ اپنے

رب کی تسبیح بیان کیجئے جس کے ساتھ حمد بھی ہو جب آپ کھڑے ہوں)۔

صاحب روح المعانی حضرت عطاء اور مجاہد سے اور ابن جریج سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ جب بھی کسی مجلس سے کھڑے ہوں اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کیجئے اس موقعہ پر ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے کھڑے ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

سُبۡحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِکَ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُکَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡکَ۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ وہ کلمات ادا فرماتے ہیں جو اس سے پہلے آپ کے معمول میں نہیں تھے آپ نے فرمایا کہ یہ کلمات ان سب باتوں کا کفارہ ہیں جو مجلس میں ہوئی ہوں۔ (رواہ ابوداؤد)

وَمِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ (اور رات کے حصہ میں اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے اور ستاروں کے چھپنے کے بعد) اس میں رات کے اوقات میں تسبیح بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے اور ستاروں کے غروب ہوجانے کے بعد بھی بعض حضرات نے وَمِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡهُ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد لی ہے اور ادبار النجوم سے فجر کی دو رکعتیں مراد لی ہیں اور بعض حضرات نے وَمِنَ الَّیۡلِ سے رات کو نفل پڑھنا مراد لیا ہے۔

وباللّٰہ التوفیق و ھو خیر عون و خیر رفیق

سُوۡرَۃُ النَّجۡمِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِثۡنَتَانِ وَّسِتُّوۡنَ اٰیَۃً وَّثَلٰثُ رُکُوۡعَاتٍ

سورہ النجم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں باسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ﴿۲﴾ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی ﴿۳﴾ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴿۴﴾

قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے تمہارا ساتھی نہ راہ سے بھٹکا ہے اور نہ غلط راستہ پر پڑا ہے، اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتا۔ وہ نہیں ہے مگر جو وحی

عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ﴿۵﴾ ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ﴿۶﴾ وَھُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَکَانَ قَابَ

کی جاتی ہے، اس کو سکھایا ہے بڑے طاقت والے نے، وہ طاقتور ہے، پھر وہ اصلی صورت میں نمودار ہوا، اور وہ بلند کنارہ پر تھا پھر وہ اس حال میں تھا کہ دونوں کمانوں

قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ﴿۹﴾ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ﴿۱۲﴾

کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، پھر اللہ نے اپنے بندہ کی طرف وحی نازل فرمائی جو نازل کرنی تھی، دل نے جو کچھ دیکھا اس میں غلطی نہیں کی، کیا تم اس چیز میں

وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ﴿۱۳﴾ عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَھٰی ﴿۱۴﴾ عِنۡدَھَا جَنَّۃُ الۡمَاۡوٰی ﴿۱۵﴾ اِذۡ یَغۡشَی

جھگڑتے ہو جو کچھ اس نے دیکھا اور یہ تحقیقی بات ہے کہ انہوں نے اس کو ایک بار اور دیکھا، سدرۃ المنتھٰی کے قریب، اس کے قریب جنۃ الماوٰی ہے، جبکہ سدرۃ المنتھٰی

السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدۡ رَاٰى مِنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى ﴿۱۸﴾

کو وہ چیزیں ڈھانپ رہی تھیں جنہوں نے ڈھانپ رکھا تھا نہ تو نگاہ ہٹی نہ بڑھی، یہ تحقیقی بات ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی آیات کو دیکھا

رسول اللہ ﷺ صحیح راہ پر ہیں، اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے، وحی کے مطابق اللہ کا کلام پیش کرتے ہیں، آپ نے جبرئیل کو دوبار ان کی اصلی صورت میں دیکھا

تفسیر: یہاں سے سورۃ النجم شروع ہے اس کے پہلے رکوع کے اکثر حصہ میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور وحی کی حفاظت اور وحی لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت اور ان کی رؤیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ارشاد فرمایا وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى (قسم ہے ستارہ کی جب غروب ہونے لگے)

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰى (تمہارا ساتھی نہ راہ سے بھٹکا ہے اور نہ غلط راستہ پر پڑا ہے)

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى (اور وہ اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتا)

اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى (وہ نہیں ہے مگر جو وحی کی جاتی ہے)

آیت شریفہ میں جو لفظ اَلنَّجۡمِ وارد ہوا ہے بظاہر یہ صیغہ مفرد کا ہے لیکن چونکہ اسم جمع ہے اس لئے تمام ستارے مراد ہیں۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے ثریا مراد ہے جو سات ستاروں کا مجموعہ ہے، ستارے چونکہ روشنی دیتے ہیں اور ان کے ذریعہ لوگ ہدایت پاتے ہیں اس لئے ان کی قسم کھا کر نبوت اور رسالت اور وحی کو ثابت فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں قلوب کے منور ہونے کا ذریعہ ہیں، رسول اللہ ﷺ تو کبھی بھی مشرک نہ تھے نبوت سے پہلے بھی موحد تھے اور نبوت کے بعد بھی آپ کا موحد ہونا توحید کی دعوت دینا قریش کو نا گوار تھا اور وہ یوں کہتے تھے کہ انہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں اور آپ کو کاہن یا ساحر یا شاعر کہتے تھے، ستارہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ بتاتے ہیں اور جو دعوت دیتے ہیں وہ سب حق ہے ان کے بارے میں یہ خیال نہ کرو کہ وہ راہ سے بھٹک گئے اور غیر راہ پر پڑ گئے ان کا دعوائے نبوت اور توحید کی دعوت اور وہ تمام امور جن کی دعوت دیتے ہیں یہ سب حق ہیں سراپا ہدایت ہیں ان میں کہیں سے کہیں تک بھی راہ حق سے ہٹنے کا نہ کوئی احتمال ہے اور نہ یہ بات ہے کہ انہوں نے یہ باتیں اپنی خواہشِ نفسانی کی بنیاد پر کہی ہوں، ان کا یہ سب باتیں بتانا صرف وحی سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان پر وحی کی گئی ہے اسی کے مطابق سب باتیں بتا رہے ہیں ان کا فرمانا سب سچ ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے بطریقہ وحی بتایا گیا ہے، اور چونکہ ستاروں کے غروب ہونے سے صحیح سمت معلوم ہو جاتی ہے اس لئے **والنجم** کے ساتھ **اِذَا هَوٰى** بھی فرمایا، یعنی جس طرح ستارہ ہدایت بھی دیتا ہے اور صحیح سمت بھی بتاتا ہے اسی طرح تمہارے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور سمجھایا حق ہے اور راہِ حق کے مطابق ہے۔ ان کا اتباع کرو گے تو صحیح سمت پر چلتے رہو گے یہ شخص تمہارا ساتھی ہے بچپن سے اس کو جانتے ہو اور اس کے اعمالِ صادقہ اور احوالِ شریفہ سے واقف ہو ہمیشہ اس نے سچ بولا ہے جانتے پہچانتے ہوئے اس کی تکذیب کیوں کرتے ہو (جس نے مخلوق سے کبھی جھوٹی باتیں نہیں کیں وہ خالق تعالیٰ شانہٗ پر کیسے تہمت رکھے گا)

اس کے بعد وحی لانے والے فرشتہ کا تذکرہ فرمایا عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰى (اس کو سکھایا ہے بڑی طاقت والے نے)

ذُوْ مِرَّةٍ (وہ طاقتور ہے)۔

یعنی جبرئیل فرشتہ نے آپ کو یہ قرآن سکھایا جو بڑی قوت والا ہے۔ طاقتور ہے، اس میں اس احتمال کی تردید فرمادی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر چلے ہوں اور درمیان میں کوئی دوسری مخلوق شیطان وغیرہ پیش آ گیا ہو اور اس نے صحیح طور پر وحی پہنچانے سے باز رکھا ہو، ارشاد فرمادیا کہ وحی لانے والا فرشتہ بڑی قوت والا ہے پوری قوت والا ہے اس کے پیغام پہنچانے میں کوئی مانع نہیں ہوسکتا۔

پہلی بار رؤیت: اس کے بعد ارشاد فرمایا فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (کہ وہ فرشتہ ایک مرتبہ افق اعلیٰ میں نمودار ہوا) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور آپ نے اس کو اسکی اصلی صورت میں دیکھ لیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے اور وحی سنادیتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائش کی کہ آپ مجھے اپنی اصلی صورت دکھادیں جبریل علیہ السلام ایسے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے جبکہ آپ حراء پہاڑ پر تھے (اور بعض روایات میں ہے کہ مکہ معظمہ کے محلہ اجیاد میں تشریف فرما تھے) آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو مشرقی افق میں دیکھا ان کے چھ سو باز و تھے اور اسقدر پھیلے ہوئے تھے کہ مغربی افق تک کو گھیر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بیہوش ہو کر گر پڑے اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آپ کے پاس پہنچے اور آپ کو لپٹا لیا اور آپ کے چہرہ انور سے غبار صاف کردیا۔ اس نزدیک آنے کو ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى میں بیان فرمایا ہے۔ (پھر وہ قریب آیا پھر وہ نیچے آیا) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ (اور اتنا قریب ہوگیا جیسا دو کمانوں کے درمیان قرب ہوتا ہے) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جب آپس میں معاہدہ کرتے تھے تو دونوں کمانوں کی تانت کو خوب اچھی طرح ملادیتے تھے اور اس طرح سے ایک دوسرے کو باور کراتے تھے اور یقین دلاتے تھے کہ اب تم ایک ہوگئے آپس میں کوئی بعد نہیں رہا۔

اَوْ اَدْنٰى اس میں یہ بتادیا کہ دو کمانوں کے درمیان جو نزدیکی ہوتی ہے قرب کے اعتبار سے اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا جو اتحاد روحانی اور قلبی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر جب آپ کو افاقہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی جسے فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى میں بیان فرمایا ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اس موقعہ پر جو وحی فرمائی تھی وہ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى سے لیکر وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ تھی، یہ حضرت سعید بن جبیرؒ کا قول ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس وقت یہ وحی فرمائی کہ جب تک آپ جنت میں داخل نہ ہوں گے کوئی نبی داخل نہ ہوگا اور جب تک آپ کی امت اس میں داخل نہ ہوگی کسی امت کو داخلہ نہ ملے گا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى یعنی قلب نے جو کچھ دیکھا اس میں غلطی نہیں کی یعنی جو کچھ دیکھا صحیح دیکھا اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں جھگڑا کرتے ہو) انہوں نے جو دیکھا ہے صحیح دیکھا۔ اس میں کسی انکار اور مجادلہ کا موقع نہیں۔

قال فی معالم التنزیل قرأحمزہ والکسائی و یعقوب اَفَتَمْرُوْنَهٗ بفتح التاء بلا الف ای افتجحدونه تقول العرب مریت الرجل حقه اذا جحدته وقرا الاخرون افتمارونه بالالف و ضم التاء علیٰ معنی افتجادلونه علی مایریٰ.

(تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ حمزہ کسائی اور یعقوب نے اسے افتمرونہ پڑھا ہے تاء کی زبر کے ساتھ الف کے بغیر یعنی کیا پس تم اس کا انکار کرتے ہو عرب کہتے ہیں مریت الرجل حقہ جب تو نے اس کے حق کا انکار کردیا ہو اور دیگر حضرات نے اسے افتمارونہ پڑھا ہے الف کے ساتھ اور میم کے ضمہ کے ساتھ معنی یہ ہے کہ کیا پس تم اس پر اس سے جھگڑتے ہو جو اس نے دیکھا ہے)

دوسری بار رؤیت: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (اور بلاشبہ انہوں نے اس فرشتے کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا) اس میں دوسری مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کی رویت کا ذکر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں اصلی صورت میں دیکھا تھا

اس کے بعد ایک مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اصلی صورت میں دیکھا۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى.

(سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے قریب جنت الماویٰ ہے، جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں لپٹ رہی تھیں)۔

اس میں یہ بتایا کہ دوسری بار رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو عالم بالا میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنت الماویٰ ہے، اس وقت سدرۃ المنتہیٰ کو عجیب عجیب حسین چیزیں لپٹ رہی تھیں۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى یعنی آپ نے جو دیکھا ٹھیک دیکھا صحیح دیکھا آپ کی نظر مبارک دیکھنے کی جگہ سے دائیں یا بائیں نہیں ہٹی اور جن چیزوں کو دیکھنا تھا ان سے آگے نہ بڑھی۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی آیات کو دیکھا، آیت کبریٰ سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صحیح مسلم صفحہ ۹۸: ج ۱ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ اس سے جبرئیل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے۔ ان کو وہاں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔ (جیسا کہ زمین والی رویت میں بھی یہی بات دیکھی تھی)

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ سِدْرَہ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور **المنتہی** کا معنی ہے انتہاء کی جگہ، عالم بالا میں جنۃ الماویٰ کے قریب سدرۃ المنتہیٰ ہے یعنی بیری کا وہ درخت جس کے پاس چیزیں آکر منتہی ہو جاتی ہیں یعنی ٹھہر جاتی ہیں، زمین سے جو کچھ اعمال وغیرہ اوپر جاتے ہیں وہ پہلے وہاں ٹھہرتے ہیں پھر اوپر جاتے ہیں اور اوپر سے جو کچھ نازل ہوتا ہے پہلے وہاں ٹھہرایا جاتا ہے پھر نیچے اترتا ہے۔ (راجع تفسیر القرطبی صفحہ ۹۴: ج ۹)

حدیث شریف کی کتابوں میں معراج شریف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے۔ اس میں سدرۃ المنتہیٰ کا بھی تذکرہ فرمایا ہے صاحب معراج ﷺ کی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے کہ ہجر بستی کے مشکیزے ہوتے ہیں اور اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان اس درخت کو سونے کے پتنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ اسے ایسے الوان (یعنی رنگوں) نے ڈھانپ رکھا تھا جنہیں میں نہیں جانتا اور ایک روایت میں ہے کہ جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ان چیزوں نے ڈھانپ لیا جنہوں نے ڈھانپا تو وہ بدل گیا (یعنی پہلی حالت نہ رہی) اس میں بہت زیادہ حسن آ گیا اس وقت اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ اللہ کی مخلوق سے کوئی بھی اس کے حکم کو بیان نہیں کر سکتا۔

(صحیح مسلم صفحہ ۹۳: ج ۱)

چونکہ اس کے حسن اور سونے کے پتنگوں اور الوان کے ڈھانپنے کی وجہ سے اس کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی اس لئے **تفخیما للشان** **اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى** فرمایا۔

جنۃ الماویٰ کیا ہے؟ آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب جنۃ الماویٰ ہے، ماویٰ لغۃً ٹھکانہ پکڑنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں **جنۃ الماویٰ** سے کیا مراد ہے؟ علامہ قرطبیؒ نے اس کے بارے میں متعدد اقوال لکھے ہیں۔ حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ اس سے وہ جنت مراد ہے جس میں متقی حضرات داخل ہوں گے ایک قول یہ ہے کہ اس جنت میں شہداء کی ارواح پہنچتی ہیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ وہ جنت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام قیام پذیر تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ تمام مومنین کی روحیں جنت ماویٰ میں ٹھہرتی ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام ان کی طرف ٹھکانہ پکڑتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ شب معراج میں دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اور اگر رویت ہوئی تو وہ رویت بصری تھی یا رؤیت قلبی تھی، یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے دیدار کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رؤیت کا انکار کرتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ المعراج میں باری تعالیٰ شانہ کا دیدار کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس بارے میں توقف کیا جائے نفی یا اثبات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کے شاگرد حضرت مسروق نے آیت کریمہ **وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ**، اور **وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی** تلاوت کی اور اس سے رؤیت باری تعالیٰ پر استدلال کیا۔ یعنی یہ ثابت کیا کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس امت میں میری سب سے پہلی شخصیت ہے جس نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل کو ان کی اصلی صورت پر صرف دو مرتبہ دیکھا (صحیح مسلم صفحہ ۹۸: ج ۱)۔ نیز حضرت مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے آیت کریمہ **ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی** بھی پیش کی، انہوں نے اس کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ اس سے جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت مراد ہے وہ آپ کے پاس انسانی صورت میں آیا کرتے تھے اس مرتبہ اپنی اصلی صورت میں آئے اس وقت انہوں نے آسمان کے افق کو گھیر رکھا تھا۔ (صحیح مسلم صفحہ ۹۸: ج ۱)

امام نووی نے شرح مسلم میں کلام طویل کے بعد لکھا ہے:

فالحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ ﷺ رأی ربه بعینی راسه لیلة الاسراء لحدیث ابن عباس وغیره مما تقدم و اثبات هذا لا یاخذونه الا بالسماع من رسول اللہ ﷺ هذا مما لا ینبغی ان یتشکک فیه. (پس حاصل یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو انہیں سر کی آنکھوں سے دیکھا یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث اور اس کے علاوہ جو احادیث پیچھے گزر چکی ہیں ان کی وجہ سے ہے۔ اور اس مسئلہ کے اثبات کے لئے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کو ہی معتبر سمجھتے ہیں کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہوسکتا) (شرح مسلم صفحہ ۹۷: ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اکثر علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

روایات میں غور کرنے سے اور سورۃ النجم کی آیات کے سیاق سے اور ضمائر کے مراجع پر نظر کرنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت مراد ہے، رؤیت اولیٰ جس کا ذکر **ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی** میں ہے اس سے بلا تاویل یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس سے رؤیت جبرئیل مراد ہے۔ اور **مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی** کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا **رای جبرئیل له ستمائة جناح**، (صحیح مسلم صفحہ ۹۷: ج ۱)۔ اس کے بعد جو فرمایا **وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی** اس کی ضمیر منصوب اسی کی طرف راجع ہے جس کی رؤیت پہلے ہو چکی تھی، اس کے بعد جو **لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی** فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کو پڑھ کر بھی **رای جبرئیل فی صورته له ستمائة جناح** فرمایا (صحیح مسلم صفحہ ۹۸: ج ۱)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی **وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی** کی تلاوت فرمائی اور فرمایا رای جبرئیل علیہ السلام (صحیح مسلم صفحہ ۹۸: ج ۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد حضرت مسروق نے جو ان سے سوال کیا تو انہوں نے سورۃ النجم میں ذکر فرمودہ دونوں رؤیتوں کو جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت قرار دیا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ اثبات رؤیت کا جو انہوں نے دعویٰ کیا ہے بظاہر وہ سماع پر مبنی ہے، یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ وہ تو فرما رہی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ **وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی** میں جبرئیل کی رؤیت مذکور ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے جو امام نوویؒ نے فرمایا کہ ظاہر ہے کہ انہوں نے سنا ہی ہوگا یہ ایک محض حسن ظن پر مبنی ہے پھر حضرت ابن عباسؓ نے بھی رؤیت بصری کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ فرمایا **راٰه بفؤاده مرتین**۔ (صحیح مسلم صفحہ ۹۸: ج ۱)

پوری طرح غور وفکر کرنے اور روایات کو دیکھنے سے شبِ معراج میں رؤیتِ باری تعالیٰ شانہ کا مضبوط ثبوت نہیں ہوتا لہٰذا تیسرا قول یعنی توقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری صفحہ ۶۰۸ ج ۸ میں لکھتے ہیں۔

وقد اختلف السلف فی رؤیة النبی ﷺ ربه فذهبت عائشةوابن مسعودالی انکارهاواختلف عن ابی ذر. وذهب جماعة الی اثباتها، وحکی عبدالرزاق عن معمر عن الحسن انه حلف ان محمدارای ربه. واخرج ابن خزیمة عن عروة ابن الزبیر اثباتها، وکان یشتد علیه اذا ذکرله انکار عائشة، وبه قال سائر اصحاب ابن عباس، وجزم به کعب الاحبار والزهری وصاحبه معمر وآخرون، وهو قول الاشعری و غالب اتباعه. ثم اختلفوا هل رآه بعینه اوبقلبه وعن احمد کالقولین قلت:جاء ت عن ابن عباس اخبار مطلقة واخری مقیدة فیجب حمل مطلقها علی مقیدها، فمن ذلک مااخرجه النسائی باسناد صحیح و صححه الحاکم ایضا من طریق عکرمة عن ابن عباس قال: اتعجبون ان تکون الخلة لابراهیم والکلام لموسیٰ والرؤیة لمحمد؟ واخرجه ابن خزیمه بلفظ ان الله اصطفی ابراهیم بالخلة الحدیث واخرج ابن اسحق من طریق عبدالله ابی سلمة ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس: هل رایٔ محمد ربه؟ فارسل الیه ان نعم . ومنها مااخرجه مسلم من طریق ابی العالیة عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ(ما کذب الفؤاد مارای، ولقد راٰه نزلة اُخری) قال: رای ربه بفؤاده مرتین. وله من طریق عطاء عن ابن عباس قال: راه بقلبه واصرح من ذلک ما اخرجه ابن مردویه من طریق عطاء ایضا عن ابن عباس قال: لم یره رسول الله ﷺ بعینه انما راٰه بقلبه. وعلی هذا فیمکن الجمع بین اثبات ابن عباس و نفی عائشة بان یحمل نفیها علی رؤیة البصر واثباته علی رؤیة القلب. ثم المراد برؤیة الفؤاد رؤیة القلب لا مجرد حصول العلم، لانه ﷺ کان عالما بالله علی الدوام. بل مراد من اثبت له انه راٰ بقلبه ان الرؤیة التی حصلت له خلقت فی قلبه کما یخلق الرؤیة بالعین لغیره، والرؤیة لا یشترط لها شیئ مخصوص عقلا ولو جرت العادة بخلقها فی العین، وروی ابن خزیمة باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربه، و عند مسلم من حدیث ابی ذرانه سال النبی ﷺ عن ذلک فقال نورانی اراه، ولاحمد عنه، قال و رایت نورا، ولا بن خزیمة عنه قال راه بقلبه ولم یره بعینه وبهذا یتبین مراد ابی ذربذکره النور ای النور حال بین رؤیته له ببصره، و قد رجع القرطبی فی(المفهم)قول الوقف فی هذه المسالة وعزاه لجماعة من المحققین، و قواه بانه لیس فی الباب دلیل قاطع، و غایة ما استدل به للطائفتین ظواهر متعارضة قابلة للتاویل، قال ولیست المسالة من العملیات فیکتفی فیها بالادلة الظنیة، وانما هی من المعتقدات فلا یکتفی فیها الا بالدلیل القطعی، وجنح ابن خزیمة فی(کتاب التوحید) الی ترجیح الاثبات واطنب فی الاستدلال له بما یطول ذکره، وحمل ما ورد عن ابن عباس علی ان الرؤیاوقعت مرتین مرة بقلبه و مرة بعینه و فیما اوردته من ذلک مقنع و ممن اثبت الرؤیة لنبینا ﷺ الامام احمد فروی الخلال فی (کتاب السنة) عن المروزی قلت لاحمد انهم یقولون ان عائشة قالت: من زعم ان محمد ارای ربه فقد اعظم علی الله الفریة، فبأی شیء یدفع قولها؟ قال: بقول النبی ﷺ رایت ربی قول للنبی ﷺ اکبر من قولها. وقد انکر صاحب الهدی علی من زعم ان احمد قال رای ربه بعینی راسه قال: وانما قال مرة رای محمد ربه و قال بفؤاده. وحکی عنه بعض المتاخرین رآه بعینی راسه و هذا من تصرف الحاکی، فان نصوصه موجودة، انتهی.

قلت: وهذاالذی روی عن الامام احمد رحمه الله تعالیٰ انه یدفع قولها بقوله ﷺ :رایت ربی فانه اذاثبت بسند صحیح دل علی الرؤیة البصریة و مع ذلک لا یثبت بسیاق سورة النجم فاثبات الرؤیة منه ﷺ یحتاج الیٰ روایة صحیحة صریحة دالة علی الرؤیة البصریة الحقیقة فی الیقظة سواء کان فی لیلة الاسراء او غیرها، فاما ما حمل ابن خزیمة ما ورد عن ابن عباس رضیَ الله عنها علی ان الرؤیه وقعت مرتین مرة بعینه و مرة بقلبه فهو خلاف ما نص علیه ابن عباس نفسه انه راه بفؤاده مرتین کما رواه مسلم)

(سلف حضرات کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے رب کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ پس حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما رویت کے انکار کی طرف گئے ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اختلاف مروی ہے اور ایک جماعت اس کے اثبات کی طرف ہے اور عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے حسن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور ابن خزیمہ نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اثبات نقل کیا ہے اور جب حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے رویت کا انکار نقل کیا جاتا ہے تو اس پر شدت سے نکیر کرتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام اصحاب اسی طرف ہیں۔ اور کعب احبار زہری اور ان کے شاگرد معمر اور دیگر حضرات کا اعتقاد اسی پر ہے اور اشعری اور ان کے اکثر اتباع کا قول بھی یہی ہے۔ پھر ان کا اختلاف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا دل سے اور امام احمد سے تو دونوں صورتوں کے مطابق اقوال منقول ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے اس بارے میں مطلق روایات بھی ہیں اور مقید بھی پس ان سے مطلق روایات کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے۔ انہیں میں سے ایک وہ ہے جو امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کی ہے اور امام حاکمؒ نے بھی عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے اس کی تصحیح کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کیا تمہیں اس پر تعجب ہے کہ خلیل اللہ ہونے کا مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا ہو؟ اور ابن خزیمہ نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت کے لئے منتخب فرمایا ہے الخ اور ابن اسحاق نے عبداللہ بن ابی سلمہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف یہ سوال بھیجا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ تو انہوں نے جواب بھیجا کہ ہاں دیکھا ہے اور ان روایتوں میں سے ایک وہ ہے جو مسلم نے ابوالعالیہ عن ابن عباس کے طریق سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ماکذب الفوٰاد مارای ولقد راٰه نزلة اخری کے بارے میں نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا ہے اور مسلم ہی میں عطا عن ابن عباس کے طریقہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا حضور ﷺ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا اور اس سے زیادہ صریح وہ روایت ہے جو ابن مراویہ نے حضرت عطاء عن ابن عباس سے ہی نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے دل سے دیکھا ہے۔ اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عباس کے اثبات رویت اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انکار رویت کو جمع کیا جا سکتا ہے اس طرح کہ نفی سے مراد آنکھوں سے دیکھنے کی نفی ہے اور دیکھنے سے مراد دل

سے دیکھنا ہے۔ پھر دل سے دیکھنے سے مراد واقعۃً دل کا دیکھنا ہی ہے صرف علم کا حاصل ہو جانا مراد نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر وقت تھا۔ بلکہ جس نے دل کی رؤیت کو مانا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آنکھوں سے کسی کو دیکھا جاتا ہے اسی طرح کی کیفیت دل میں پیدا کی گئی کیونکہ دیکھنے کے لئے عقلاً کوئی چیز مخصوص نہیں ہے اگر عام قاعدہ یہ ہے کہ دیکھنے کا کام آنکھیں کرتی ہیں اور ابن عباس نے قوی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک نورانیت میں نے دیکھی ہے اور امام احمد نے حضرت ابوذر سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اور میں نے نور دیکھا ہے اور ابن خزیمہ نے حضرت ابوذر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل سے دیکھا ہے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور اس قول سے حضرت ابوذر کے سابقہ قول میں نور کے ذکر کی مراد واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے سامنے نور مانع ہو گیا۔ اور امام قرطبی نے المفہم میں اس مسئلہ میں توقف کرنے کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی کو محققین کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے اور اس قول کو اس سے مضبوط کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی قطعی دلیل تو ہے نہیں۔ دونوں حضرات کے جو مستدلات ہیں وہ متعارض روایتوں کے ظاہر الفاظ ہیں جن میں تاویل ہو سکتی ہے اور یہ مسئلہ عملیات کا نہیں ہے کہ جس میں ظنی دلائل پر اکتفاء کیا جائے یہ مسئلہ تو اعتقادات میں سے ہے اس میں قطعی دلیل ہی کی ضرورت ہے اور ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں رؤیت کے اعتبار کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے اور اس قدر طویل دلائل پیش کئے کہ یہاں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو مروی ہے اسے اس پر محمول کیا ہے کہ رؤیت دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ دل سے اور ایک دفعہ آنکھوں سے اور اس بارے میں میں نے جو ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کے لئے رؤیت کو ثابت کرنے والوں میں امام احمد بھی ہیں۔ چنانچہ خلال نے کتاب السنۃ میں مروزی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا جس کا خیال ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے اپنے رب پر بہت بڑا جھوٹ باندھا پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کس دلیل سے رد کیا جاتا ہے۔ امام احمد نے کہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے پس حضور ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے بڑا ہے اور صاحب ہدی نے اس کے قول کا انکار کیا ہے جس کا خیال ہے امام احمد نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ انہوں نے تو کہا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے رب کو دیکھا ہے اور فرمایا اپنے دل سے دیکھا ہے اور بعض متاخرین نے آپ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ حکایت کرنے والے کا تصرف ہے کیونکہ امام احمدؒ سے نصوص موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ جو امام احمد سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کا حضور اکرم ﷺ کے قول رأیت ربی سے جواب دیا جاتا ہے یہ بھی جب صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو نگاہوں سے دیکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ النجم کے سیاق سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس حضور ﷺ سے رؤیت کا اثبات صحیح وصریح روایت کا محتاج ہے جو کہ بیداری میں آنکھوں سے دیکھنے پر دلالت کرتی ہو خواہ یہ رؤیت معراج کی رات ہوئی ہو یا کسی اور وقت، اور ابن خزیمہ نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ رؤیت دو دفعہ ہوئی ہے ایک دفعہ آنکھوں سے اور ایک دفعہ دل سے یہ احتمال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صراحت کے خلاف ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا ہے جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے۔)

أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿۲۰﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ إِذًا

کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے مناۃ کے بارے میں غور کیا ہے، کیا تمہارے لئے مذکر ہو اور اللہ کے لئے مؤنث ہے، یہ قسمت تو

قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

بڑی ظالمانہ ہے، یہ تو بس کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی ،

سُلْطٰنٍ ۭ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾

صرف گمان کا اور نفسوں کی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں اور بلاشبہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے،

أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْأُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ

کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ آرزو کرے سو اللہ ہی کے لئے آخرت ہے اور اُولیٰ ہے اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں ان کی سفارش کچھ

شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

بھی فائدہ نہ دے گی مگر اس کے بعد جس کے لئے اللہ اجازت دے اور راضی ہو، بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان

بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ ۚ

نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام مؤنث کے نام پر رکھتے ہیں حالانکہ انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا ؕ

اور بلاشبہ گمان حق کے بارے میں ذرا بھی فائدہ نہیں دیتا۔

مشرکین عرب کی بت پرستی، لات، عزّٰی اور منات کی عبادت اور ان کے توڑ پھوڑ کا تذکرہ

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہلِ عرب مشرک تھے اہل مکہ بھی شرک اختیار کئے ہوئے تھے حالانکہ یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی اولاد تھے جنہوں نے توحید کی دعوت دی اور مکہ معظمہ میں کعبہ شریف بنایا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ (اے رب مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا) انکی اولاد میں ایک عرصہ تک موحدین مخلصین کا وجود رہا پھر شدہ شدہ عرب کے دیگر قبائل سے متاثر ہو کر اہل مکہ بھی مشرک ہو گئے، اہلِ عرب نے بہت سے بتوں کو معبود بنا رکھا تھا خود ہی تراشتے تھے پھر انہیں معبود بنا لیتے تھے ان بتوں میں تین بت زیادہ معروف تھے جن کا آیت بالا میں تذکرہ ہے ایک کا نام لات تھا اور ایک کا نام عُزّٰی تھا اور ایک کا نام مناۃ تھا۔

لات و منات اور عزّٰی کیا تھے؟ فتح الباری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لات طائف میں تھا اور اسی کو اصح بتایا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مقام نخلہ میں اور ایک قول کے مطابق عکاظ میں تھا نیز فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ لات لَتَّ یَلُتُّ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے ایک شخص طائف کے آس پاس رہتا تھا اس کی بکریاں تھیں آنے جانے والوں کو ان کے دودھ کا حریرہ بنا کر کھلاتا تھا اور ستو گھول کر پلاتا تھا اس وجہ سے اسے لات کہا جاتا تھا کثرتِ استعمال کی وجہ سے ت کی تشدید ختم ہو گئی، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عامر بن ظرب تھا اور یہ اہلِ عرب کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا جس شخص کو حریرہ پلا دیتا تھا وہ موٹا ہو جاتا تھا جب وہ مر گیا تو عمرو بن لُحی نے لوگوں سے کہا کہ وہ مرا نہیں ہے پتھر کے اندر داخل ہو گیا ہے لہٰذا لوگ اس کی عبادت کرنے لگے اور اس کے اوپر ایک گھر بنا لیا۔ (فتح الباری صفحہ ۶۱۲ ج ۸)

علامہ قرطبیؒ نے عزّٰی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سفید پتھر تھا، اس کی جگہ بطن نخلہ بتائی ہے ظالم ابن اسعد نے اس کی عبادت کا سلسلہ شروع کیا اس پر لوگوں نے گھر بنا لیا تھا اس میں سے آواز آیا کرتی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عُزّٰی ایک شیطان عورت تھی وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں کے پاس آتی جاتی تھی۔

مشرکین مکہ کا ایک بت ہبل بھی تھا ان کے یہاں اس کی بھی بڑی اہمیت تھی غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو ظاہری شکست ہو گئی تو ان کے لشکر کے سردار ابوسفیان نے پکار کر جیکارہ لگایا۔ اُعۡلُ هُبَلُ (اے ہبل تو اونچا ہو جا) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کا جواب دو عرض کیا کیا جواب دیں فرمایا یوں کہو اَللّٰهُ اَعۡلٰی وَاَجَلُّ (کہ اللہ سب سے بلند ہے اور سب سے بڑا ہے) ابوسفیان نے کہا لَنَا الۡعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمۡ (ہمارے لئے عزیٰ ہے تمہارے لئے کوئی عزّٰی نہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو یوں جواب دو اَللّٰهُ مَوۡلَانَا وَلَا مَوۡلٰی لَکُمۡ (اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا کوئی مولیٰ نہیں) شرک نے ان کا ایسا ناس کھویا تھا کہ خالص موحدین جب اللہ کی عظمت بیان کرتے تھے تو اس کے مقابلہ میں یہ لوگ اپنے بتوں کی دہائی دیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۹۹، ۱۰۰: ج ۱۷)

تیسرا بت (جس کا آیت بالا میں تذکرہ فرمایا) منات تھا یہ بھی عرب کے مشہور بتوں میں تھا۔ تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ اس کا

نام مَنات اس لئے رکھا گیا کہ تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس کثرت سے خون بہائے جاتے تھے یہ بت بنی ہذیل اور بنی خزاعہ کا تھا۔

اور اس کے نام کی دہائی دیتے تھے مقام مشلل میں اس کی عبادت کرتے تھے۔ مشلل قدید کے قریب ایک جگہ ہے (جو آج کل مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستہ میں واقع ہے بنسبت مدینہ منورہ کے مکہ معظمہ کے قریب ہے) نیز فتح الباری میں لکھا ہے کہ عمرو بن لُحی نے منات کو ساحل سمندر پر قدید کے قریب نصب کر دیا تھا قبیلہ ازد اور غسان اس کا حج کرتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے جب بیت اللہ شریف کا طواف کر لیتے اور عرفات سے واپس آ جاتے اور منٰی کے کاموں سے فارغ ہو جاتے تو منات کے لئے احرام باندھتے تھے۔ مذکورہ تینوں بتوں کی عرب قبائل میں بڑی اہمیت اور شہرت تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى** (کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے نمبر کے منات کو دیکھا) یعنی تم نے غور کیا تو کیا سمجھ میں آیا؟ کیا انہوں نے کوئی نفع دیا یا ضرر دیا؟ جب ایسا نہیں ہے تو وہ شریک فی العبادۃ کیسے ہو گئے اور تم ان کی عبادت کیسے کرنے لگے، جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان تینوں کا ناس کھود دیا گیا۔

لات کی بربادی: جیسا کہ پہلے معلوم ہوا کہ لات طائف میں تھا وہاں بنی ثقیف رہتا تھا اس قبیلے کے افراد مدینہ منورہ میں آئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارا سب سے بڑا بت یعنی لات تین سال تک باقی رہنے دیا جائے آپ نے انکار کر دیا اور حضرت ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا انہوں نے اس بت کو گرا دیا اور توڑ تاڑ کے رکھ دیا، بنی ثقیف کے لوگوں نے رسول ﷺ سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے اور ہم سے نماز پڑھنے کے لئے بھی نہ کہا جائے آپ نے فرمایا کہ بتوں کو تم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑو یہ بات تو ہم مان لیتے ہیں، رہی نماز تو (وہ تو پڑھنی ہی پڑے گی) اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔ (سیرت ابن ہشام، ذکر وفد ثقیف واسلامھا)

عزّیٰ کی کاٹ پیٹ اور توڑ پھوڑ: عزیٰ کے بارے میں فتح الباری صفحہ ۶۱۲ ج: ۸ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام الفتح یعنی فتح مکہ کے سال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے اسے گرا دیا۔

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ عزیٰ ایک شیطان (جنّی) عورت تھی بطن نخلہ میں تین ببول کے درختوں کے پاس آتی جاتی تھی رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور بتلایا کہ بطن نخلہ میں جاؤ وہاں ببول کے تین درخت ہیں پہلے درخت کو کاٹ دو انہوں نے اس کو کاٹ دیا جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے کچھ دیکھا عرض کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا فرمایا اب دوسرے درخت کو کاٹ دو وہ واپس گئے اور دوسرے درخت کو کاٹ دیا پھر حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے پھر وہی سوال فرمایا، عرض کیا میں نے تو اب بھی کچھ نہیں دیکھا فرمایا جاؤ تیسرے درخت کو بھی کاٹ دو۔ جب وہ تیسرے درخت کے پاس آئے اور اسے کاٹ دیا تو ایک حبشی عورت کو دیکھا جو اپنے بال پھیلائے ہوئے تھی اور اپنے ہاتھوں کو مونڈھے پر رکھے ہوئے تھی اور اپنے لمبے لمبے دانتوں کو گھما رہی تھی اس کے پیچھے اس کا مجاور بھی تھا جس کا نام دُبیہ تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس شیطان عورت کے سر پر ضرب ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا اور مجاور کو قتل کر دیا۔ واپس آ کر پورا واقعہ عرض کر دیا آپ نے فرمایا یہی عورت عزیٰ تھی آج کے بعد کبھی بھی اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۰ ج ۹)

البدایہ والنہایۃ صفحہ ۳۱۶: ج ۴ میں ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک ننگی عورت بال پھیلائے ہوئے بیٹھی ہے اپنے چہرے اور سر پر مٹی ڈال رہی ہے اسے انہوں نے تلوار سے قتل کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر قصہ سنایا تو آپ نے فرمایا، یہ عورت عُزّیٰ تھی۔

(یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ پہلے تو عزیٰ کو سفید پتھر بتایا تھا اور اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ جنی عورت تھی؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جنات مشرکین کے پاس آتے تھے اور اب بھی آتے ہیں بری بری ڈراؤنی صورتیں لے کر لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں وہ ان کی صورتوں کے مطابق بت بناتے ہیں پھر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ جنات اسے اپنی عبادت سمجھ لیتے ہیں۔ بت خانوں میں اور مشرکین کے استھانوں میں ان کا رہنا سہنا آنا جانا ہوتا ہے اور مشرکین کو بیداری میں اور خواب میں نظر آتے ہیں۔

مَنات کی بربادی اور تباہی: اب رہی یہ بات کہ منات کا انجام کیا ہوا تو اس کے بارے میں تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۵۴: ج ۴ میں لکھا ہے کہ اس کے توڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان ؓ کو بھیجا تھا۔ جنہوں نے اس کا تیاپانچا کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کام کے لئے حضرت علی ؓ ابن ابی طالب کو بھیجا تھا اہل عرب کے اور بھی بہت سارے بت تھے ان میں ایک ذی الخلصہ تھا یہ قبیلہ دوس اور خثعم کا بت تھا اس کو کعبہ یمانیہ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس کے منہدم کرنے کے لئے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کو روانہ فرمایا جنہوں نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

مشرکین کی ضلالت اور حماقت: مشرکین کے بڑے بڑے بتوں کی عاجزی اور محتاجی اور نفع وضرر پر قدرت نہ رکھنے کی حالت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا **اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى** (کیا تمہارے لئے نر ہو اور اللہ کے لئے مادہ ہو) اول تو یہ گمراہی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر دی پھر جو اولاد تجویز کی تو بیٹیاں تجویز کر دیں اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا دیا حالانکہ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے تھے اسی کو سورہ الاسراء میں فرمایا **اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا** (کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کر دیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ بے شک تم بڑی بات کہتے ہو)۔ سورہ نحل میں فرمایا **فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ، اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ** سو ان لوگوں سے پوچھیے کہ کیا اللہ کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں پسند کیں تم لوگوں کو کیا ہو گیا، کیسا حکم لگاتے ہو)۔

ان لوگوں کی اسی تجویز باطل کے بارے میں فرمایا **تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى** ۔ کہ یہ تقسیم بڑی ظالمانہ ہے بھونڈی ہے باطل ہے خود غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے تجویز کیا۔

مشرکین نے اپنے لئے خود معبود تجویز کئے اور ان کے نام بھی خود ہی رکھے:

مشرکین نے جو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھے تھے خود ہی تجویز کئے تھے خود ہی ان کے نام رکھے تھے اسی کو فرمایا **اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ** (یہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نام رکھ لئے ہیں اور انہیں معبود تجویز کر لیا ہے) یہ مستحق عبادت ہو ہی نہیں سکتے غیر معبود کو تم معبود کہنے لگے **مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ** (اللہ تعالیٰ نے ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی)۔ **اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ** (یہ لوگ صرف بے اصل خیالات اور محض گمان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور نفسوں کی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں) جو جی میں آیا کہہ دیا اور تجویز کر لیا اور جو اصحاب اھواء نے بتا دیا (جن میں ان کے باپ دادا بھی ہیں) اسی کو مان لیا۔ **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى** (اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے) اپنی اٹکل پر اور نفس کی تجویز پر ضد کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو واقعی اور یقینی ہدایت آئی ہے اس کو نہیں مانتے۔ ہدایت ربانی سے اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اللہ

کے رسول ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا ہے کہ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس سے منحرف ہو رہے ہیں۔

پھر فرمایا اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰی (کیا انسان کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ تمنا کرے) یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان کی ہر آرزو پوری نہیں ہوتی مشرکین نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہم جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں ان سے دنیا میں ہماری حاجتیں پوری ہوں گی اور آخرت میں یہ معبود ہماری سفارش کر دیں گے اور بخشوا دیں گے یہ ان کی صرف اپنی آرزو اور تمنا جو پوری ہونے والی نہیں، دنیا میں خود دیکھتے ہیں کہ ہر ایک انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی پھر اس بات کا یقین کیسے کئے بیٹھے ہیں کہ ان معبودوں سے فائدہ پہنچے گا جب کہ انہیں خود ہی معبود تجویز کر لیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں نازل کی گئی۔

فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَالۡاُوۡلٰی (سو اللہ ہی کے لئے آخرت ہے اور اولیٰ ہے) اُولیٰ سے دنیا اور اخریٰ سے آخرت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو کچھ بھی تجویز کرنے اور طے کرنے کا اختیار نہیں، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اور آخرت میں بھی اس کی بادشاہت ہوگی، وہ اپنے قوانین تشریعیہ اور تکوینیہ کے مطابق فیصلہ فرمائے گا، کافروں کی سب امیدیں اور آرزوئیں ضائع ہیں اور رائیگاں ہیں۔

مشرکین کا خیال باطل کہ ہمارے معبود سفارش کر دیں گے: مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے ان معبودین میں بت بھی تھے اور فرشتے بھی۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کر دیں ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ یہ شیطان نے انہیں سمجھایا تھا، مطلب ان لوگوں کا یہ تھا کہ ہم جو شرک کرتے ہیں یہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کیلئے کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان لوگوں کی تردید فرمائی بت تو بیچارے کیا سفارش کریں گے وہ تو خود ہی بے حس، بے روح اور بے جان ہیں اپنے نفع ضرر ہی کو نہیں جانتے جو انہیں توڑنے لگے اسی سے بچاؤ نہیں کر سکتے وہ کیا سفارش کریں گے، فرشتے اور انبیائے کرام اور اللہ کے دوسرے نیک بندے اللہ کی بارگاہ میں شفاعت تو کر دیں گے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو کہ فلاں فلاں کی سفارش کر سکتے ہو۔

آیت کریمہ وَكَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ (الآیة) میں اسی مضمون کو بتایا ہے کہ آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں ان کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی ہاں اللہ تعالیٰ جس کے لئے اجازت دے اور جس سے راضی ہو اس کی شفاعت سے فائدہ پہنچ سکے گا۔

اور چونکہ کافر اور مشرک کی بخشش ہی نہیں ہونی اس لئے ان کے لئے شفاعت کی اجازت ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا سورۃ الانبیاء میں ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے، اور ان کی شفاعت کی امید رکھتے تھے۔ ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰى وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ (اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنالی ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ معزز بندے ہیں وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے، اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر جس کے لئے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

مشرکین نے اپنی طرف سے فرشتوں کا مادہ ہونا تجویز کیا: مشرکین جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد بتاتے تھے اور یوں

کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اس کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی (بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو مؤنث یعنی لڑکی کے نام سے نامزد کرتے ہیں) ان کی یہ سب بری حرکتیں ہیں اور برے عقیدے ہیں اور ان کے یہ جو خیالات ہیں فکر آخرت نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اگر آخرت پر ایمان لاتے اور یہ فکر ہوتا کہ موت کے بعد ہمارا کیا بنے گا ایسا تو نہیں کہ ہمارے عقائد اور اعمال ہمیں عذاب میں مبتلا کردیں تو بغیر قطعی دلیل کے فرشتوں کو نہ عورت بتاتے اور نہ ان کو اللہ کی اولاد بتاتے، اپنی عقل کو کام میں نہ لائے ساری باتیں محض گمان سے کرتے رہے نہ دلیل نہ حجت محض اٹکل پچو باتیں بناتے رہے اور خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے رہے۔ اسی کو فرمایا وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ (اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں) اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (صرف بے اصل خیالات اور محض گمان کے پیچھے چلتے ہیں)۔ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (اور بلا شبہ گمان حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا) گمان کا اتباع کرنے کا تذکرہ دوبارہ فرمایا ہے پہلی جگہ باطل معبود تجویز کرنے سے متعلق ہے، اور دوسری جگہ ان کو شفاعت والا سمجھنے سے متعلق ہے۔

ایمان اور فکر آخرت کی ضرورت: اللہ جل شانہ نے جو اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الآیۃ) فرمایا ہے اس میں ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ شرکیہ باتیں کرتے ہیں معلوم ہوا کہ آخرت پر یقین نہ ہونا کفر و شرک اختیار کرنے اور اس پر جمے رہنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ آخرت پر یقین نہیں اور اگر آخرت کا تصور ہے تو یوں ہی جھوٹا سا دھندلا سا ہے پھر ان کے دینی ذمہ داروں نے یہ سمجھا دیا ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو یہ تمہیں قیامت کے دن سفارش کر کے عذاب سے بچالیں گے لہٰذا تھوڑا بہت جو آخرت کا ڈر اور فکر تھا وہ بھی ختم ہوا، مشرکین تو کافر ہیں ہی ان کے علاوہ جو کافر ہیں ان کی بہت سی قسمیں اور بہت سی جماعتیں ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ شانہ کے وجود کو مانتے ہیں نہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی خالق ہے اور نہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونیکا عقیدہ رکھتے ہیں ان کے عقیدہ میں جب کوئی خالق ہی نہیں تو کون حساب لے گا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا یہ ملحدین کا اور دہریوں کا عقیدہ ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کسی دین اور دھرم کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ کو بھی خالق اور مالک مانتے ہیں لیکن شرک بھی کرتے ہیں اور تناسخ یعنی آواگون کا عقیدہ رکھتے ہیں آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ اور عقاب کا تصور ان کے یہاں نہیں ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ یہ لوگ دوسرے کافروں کی نسبت آخرت کا ذرا زیادہ تصور رکھتے ہیں لیکن دونوں قوموں کو عناد اور ضد نے برباد کردیا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت پر ایمان نہیں لاتے یہودیوں کی آخرت سے بے فکری کا یہ عالم ہے کہ یوں کہتے ہیں لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً (ہمیں ہرگز آگ نہ پکڑے گی مگر چند روز) یہ جانتے ہوئے کہ دنیاوی آگ ایک منٹ بھی ہاتھ میں نہیں لے سکتے اپنے اقرار سے چند دن کے لئے دوزخ میں جانے کو تیار لیکن ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں۔ اور نصاریٰ کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ آخرت کے عذاب کا یقین رکھتے ہوئے اپنے دینی پیشواؤں اور پادریوں کی باتوں میں آگئے جنہوں نے یہ سمجھا دیا کہ کچھ بھی کرلو اتوار کے دن چرچ میں آجاؤ بڑے بڑے گناہ جو کئے ہیں وہ پادری کو بتادو وہ انہیں معاف کردے گا اور دوسرے گناہوں کو بتانے کی بھی ضرورت نہیں پادری کے اعلان عام میں معاف ہوجائیں گے ایسی بے وقوفی کی باتوں کو مان کر آخرت کے عذاب سے غافل ہیں اور کفر و شرک میں مبتلا ہیں، بے فکری نے ان سب کا ناس کھویا ہے آخرت کے عذاب کا جو دھندلا سا تصور ذہن میں تھا اسے بھی ان کے بڑوں نے کالعدم کردیا، دھڑلے سے کفر پر بھی جمے ہوئے ہیں اور شرک پر بھی اور کبیرہ گناہوں پر بھی، غور کرنے کی بات ہے کہ نافرمانی کی خالق تعالیٰ جل مجدہ کی اور معاف کردیں بندے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

آخرت کے عذاب سے بچنے کی فکر کرنا لازم ہے: انسانوں کو موت کے بعد کا فکر ہی نہیں اور یہ یقین ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے اپنی طرف سے کوئی دین بھیجا ہے جس کے ماننے اور قبول کرنے پر آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے نہ فکر ہے نہ یقین ہے اسی لئے کفر و شرک اور گنہگاری کی زندگی میں مبتلا ہیں، فکر اور یقین بہت بڑی چیز ہے، اگر کسی کو فکر لاحق ہو جائے اور کفر و شرک پر مرنے سے عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین ہو جائے تو نیند نہ آئے اور نہ کھانے میں مزا آئے جب تک اس دین کو تلاش نہ کرلیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بھیجا ہے اور اس کے انکار پر دوزخ میں داخل کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے اس کی تحقیق کرنے سے پہلے نہ جینے میں مزہ آتا نہ خوشیاں مناتے نہ مستیاں کرتے۔ اگر واقعی فکر کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ سب کی سمجھ میں یہی آئے گا کہ صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے اور اسی میں نجات ہے اس کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں نہ کسی سردار کی نہ پیشوا کی، نہ پوپ کی نہ پادری کی، اور ہر شخص مذہب کے بڑوں کو جواب دے کہ دین کو اختیار کرنا دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے ہے دنیا میں گروہ بندی کرنے کے لئے نہیں ہے تم اپنی بڑائی باقی رکھنے اور ایک جماعت کا سردار اور پیشوا بننے کی حرص میں ہمارا ناس کیوں کھوتے ہو اور اپنے ساتھ ہمیں دوزخ میں لے جانے کی فکر میں کیوں مبتلا ہو؟

درحقیقت آخرت پر پختہ ایمان نہ ہونا خواہشاتِ نفس کا اتباع کرنا، اٹکل پچو اپنے لئے دین تجویز کر لینا ان تین باتوں نے انسانوں کو دوزخ میں ڈالنے کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ بہت سے وہ لوگ مسلمان ہیں آخرت کا یقین بھی رکھتے ہیں لیکن خواہشاتِ نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، یہ لوگ بھی اپنی جانوں کو آخرت کے عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے تیار ہیں، نمازیں چھوڑنے والے زکوٰتیں روکنے والے، حرام کمانے والے، حرام کھانے والے اور دوسرے گناہوں مین جو لوگ پھنسے ہوئے ہیں ان کے ایمان کو خواہشاتِ نفس نے کمزور کر رکھا ہے فکرِ آخرت نہیں اس لئے گناہ نہیں چھوڑتے۔

گمان کی حیثیت: آیاتِ بالا میں گمان کے پیچھے پڑنے کی بھی مذمت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ ''گمان حق کا فائدہ نہیں دیتا''۔ اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت اور نصیحت ہے جو قرآن و حدیث کی تصریحات کے مقابلہ میں اپنے خیال اور گمان کے تیر چلاتے ہیں اور دینی مسائل میں دخل دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یوں ہے یا یوں ہونا چاہیے۔

جو لوگ عموماً دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں اور ان کی یہ بدگمانی انہیں غیبت اور تہمت پر آمادہ کر دیتی ہے (اپنی آخرت کی فکر نہیں کرتے یہ لوگ اپنی بہت سی ایسی ہی) حرکتوں کی وجہ سے رسوا بھی ہو جاتے ہیں اور آخرت میں گناہوں کا نتیجہ سامنے آ ہی جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث** (بدگمانی سے بچو کیونکہ یہ بدگمانی باتوں میں سب سے جھوٹی بات ہے) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۷ عن البخاری ومسلم)

فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۥ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ

سو آپ اس کی طرف سے اعراض کیجئے جس نے ہماری نصیحت سے روگردانی کی اور دنیاوی زندگی کے علاوہ اس نے کوئی مقصد نہ بنایا، یہ ان کے علم کی حد ہے، بیشک

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

آپ کا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹکا اور وہ اسے خوب جانتا ہے جس نے ہدایت پائی اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین

الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿٣١﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ

میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے برے عمل کرنے والوں کو ان کے عمل کا، اور جن لوگوں نے اچھے کام کئے ان کی اچھائی کا بدلہ دے، وہ لوگ ایسے ہیں جو بڑے گناہوں

كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ

سے بچتے ہیں مگر ہلکے گناہ، بے شک آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے، وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں

الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

زمین سے پیدا فرمایا اور جب تم ماؤں کے پیٹوں میں تھے سو تم اپنی جانوں کو پاک باز نہ بتاؤ وہ تقویٰ والوں کو خوب جاننے والا ہے

اہلِ دنیا کا علم دنیا ہی تک محدود ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو اور گمراہوں کو خوب جانتا ہے

تفسیر: یہ چند آیات کا ترجمہ ہے، ان میں اولاً رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جس شخص نے ہماری نصیحت سے اعراض کیا آپ اس کی طرف سے اعراض فرمائیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہ پڑیں اور ان کی حرکتوں سے دلگیر نہ ہوں ان کو دنیا میں جھٹلانے اور انکار کرنے کی سزا مل جائے گی، اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے عذاب ہے ہی اس سے چھٹکارہ نہیں۔

جن لوگوں نے قرآن سے اعراض کیا ان کی ایک صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا **وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** (کہ اس نے صرف دنیا والی زندگی کا ارادہ کیا) اس میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اعراض کرنیوالوں کی یہ صفت بھی ہوتی ہے کہ وہ صرف دنیا ہی کو چاہتے ہیں دنیا ہی ان کا مقصود اور مطلوب ہوتی ہے اسی کے لئے کھاتے ہیں اور کماتے ہیں اور اسی کے لئے جیتے ہیں اور مرتے ہیں جس نے دنیا ہی کو مقصود بنالیا وہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے اور وہاں کام آنے والے اعمال کی طرف متوجہ ہوتا ہی نہیں اس کا سونا جاگنا اٹھنا، بیٹھنا دنیا ہی کے لئے ہوتا ہے، **ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ** (یہی ان کے علم کی پہنچ ہے) جتنی بھی ترقی کرلیں اور جتنا بھی پڑھ لیں اور جتنی بھی ڈگریاں حاصل کرلیں، ان کا سب کچھ غور وفکر اور مقصود اور مطلوب دنیا کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا جو دنیا میں غرق ہو گیا آخرت کی فکر سے اسے واسطہ ہی نہ رہا، سورہ روم میں فرمایا **يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ** (یہ لوگ دنیاوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں) اصحاب دنیا کو دنیا کی محبت ایمان قبول نہیں کرنے دیتی اور جو لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے جتنی دنیا غالب ہوگی۔ اسی قدر آخرت سے غفلت ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **من احب دنیاه اضر بآخرته ومن احب آخرته اضر بدنیاه فاثروا ما یبقیٰ علی من یفنی** (جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرے گا اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت کرے گا اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا لہٰذا تم باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۱) مطلب یہ ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ اسی کو ترجیح دینا ہوش مندی کی بات ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا **حب الدنیا راس کل خطیئة** دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴)

رسول اللہ ﷺ جو دعائیں کیا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ دعا بھی تھی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا

(اے ہمارے اللہ ہمارے دین میں کوئی مصیبت مت بھیج، اور دنیا کو ہماری سب سے بڑی فکر اور ہمارے علم کی پہنچ مت

بنا دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۱۹)

پھر فرمایا اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى (بیشک آپ کا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ خوب جانتا ہے اس شخص کو جس نے ہدایت پائی دونوں فریقوں کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ ہر ایک کے حال کے مطابق جزا سزا دیدے گا۔

برے کام کرنے والوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی اور محسنین کو اچھا بدلہ دیا جائے گا:

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) اسی نے سب چیزوں کو پیدا فرمایا اسی مخلوق میں بنی آدم بھی ہیں جن کے لئے ہدایت بھیجی ہے ہدایت پہنچنے کے بعد دو فریق ہو گئے ایک فریق برے اعمال والا ہے دوسرا فریق اچھے اعمال والا ہے دونوں فریق کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا اس بات کو لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى میں بیان فرمایا ہے پھر اچھے عمل کرنے والوں کی صفت بتاتے ہوئے اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ فرمایا ہے اس میں نیک ہونے کی سلبی صفت بیان فرمادی اور یہ بتادیا کہ جیسے فرائض اور واجبات کا اہتمام کرنا اور دیگر اعمالِ صالحہ اور اخلاق عالیہ کا انجام دینا نیکیوں سے متصف ہونے کی ایک صفت ہے اسی طرح اس کے مقابل بڑے گناہوں اور فحش کاموں کو چھوڑ دینا بھی اچھے بندوں کی صفت ہے، کوئی شخص نیک عمل کرتا رہے اور ساتھ ہی گناہ کبیرہ کا بھی ارتکاب کرے تو یہ شخص کامل طریقہ پر اچھے بندوں میں شمار نہیں ہوگا دونوں پہلو نیکی کا جزو ہیں جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرنا اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے بچنا دونوں چیزیں مل جائیں تو تب ایمان کا کمال حاصل ہوتا ہے اور بندہ اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کا مصداق بنتا ہے بہت سے لوگ نفلیں زیادہ پڑھتے ہیں لیکن گناہ چھوڑنے کی طرف توجہ نہیں کرتے حالانکہ گناہوں کو چھوڑنا بہت بڑی نیکی ہے بلکہ سب سے بڑی عبادت ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اتق المحارم تکن اعبد الناس (تو گناہوں سے بچ لوگوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۰) بات یہ ہے کہ نیکی کرنا بہ نسبت گناہ چھوڑنے کے آسان ہے اور بہت سے لوگ گناہوں سے بچنے میں کوئی خاص زیادہ ثواب نہیں سمجھتے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمادیا کہ گناہوں سے بچنا سب سے بڑی عبادت ہے جن گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے انہیں کرتے ہی رہتے ہیں نیکیوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ ہی گناہوں کے چھوڑنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہے۔

آیت شریفہ میں کبیرہ گناہوں سے اور فواحش سے بچنے والوں کو اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کا مصداق بتایا ہے۔ کبیرہ گناہ کون سے ہیں ان کی تفسیر سورہ نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

بڑے گناہوں سے بچنے کے ساتھ فواحش سے بچنے کا بھی تذکرہ فرمایا۔ فواحش سے بچنا بھی اچھے بندوں کی صفت ہے اور فواحش گو كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ میں داخل ہیں لیکن الگ سے بھی انکا تذکرہ فرمادیا تا کہ ان کبیرہ گناہ سے بھی بچیں جو بے حیائی اختیار کرنے کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں سے جو بے حیائی کے اعمال صادر ہوتے ہیں لفظ الفواحش ان سب کو شامل ہے دیگر گناہوں کے ساتھ بے حیائی والے اعمال سے بچنے کا خاص اہتمام کریں۔ کبائر اور فواحش کے تذکرہ کے ساتھ اِلَّا اللَّمَمَ بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور کبھی کبھی ان سے گناہ صغیرہ سرزد ہو جائے تو اس کی وجہ سے اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کی صفت میں خلل نہیں آتا جو لوگ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں ان سے کبھی کبھی صغیرہ گناہوں کا صدور ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کا دینی مزاج ہوتا ہے اور دل پر خوف و خشیت کا غلبہ رہتا ہے اس لئے جلد ہی

توبہ واستغفار بھی کر لیتے ہیں اور گناہ پر اصرار بھی نہیں کرتے اور چھوٹے گناہ نیکیوں سے بھی معاف ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ سورہ ہود میں اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ فرمایا ہے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں مطلب استثناء کا یہ ہے کہ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا کی جو محبوبیت یہاں بقرینہ مقام مدح مذکور ہے اس کا مصداق بننے کے لئے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اس کے لئے موقوف علیہ نہیں البتہ عدم اصرار شرط ہے اور استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ صغائر کی اجازت ہے اور نہ اشتراط کا یہ مطلب ہے کہ الذین احسنوا کا مجزی بالحسنیٰ ہونا موقوف ہے اجتناب عن الکبائر پر کیونکہ مرتکب کبائر بھی جو حسنہ کرے گا اس کی جزا پائے گا لقولہ تعالیٰ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ پس اشتراط کا معنی یُجْزٰی کے اعتبار سے نہیں بلکہ تلقیب بالمحسن اور محبوبیت خاصہ کے اعتبار سے ہے جس پر عنوان اَحْسَنُوْا دال ہے۔ اھ

بیان القرآن میں یہ جو فرمایا کہ استثناء جو فرمایا ہے اس میں صغیرہ گناہوں کی اجازت نہیں دی گئی یہ تنبیہ واقعی ضروری ہے، صغیرہ گناہ اگرچہ صغیرہ ہیں اور نیکیوں کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں پھر بھی صغیرہ گناہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر کسی چھوٹے بڑے گناہ کی اجازت ہو جائے تو وہ گناہ ہی کہاں رہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہؓ حقیر گناہوں سے بھی بچنا کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اللہ کی طرف سے جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں اور ان کے بارے میں محاسبہ اور مواخذہ ہو سکتا ہے) (رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۸۵)

اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (بلاشبہ آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے) جو لوگ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یوں نہ سمجھیں کہ بس عذاب میں جانا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے بڑی مغفرت والا ہے اس کی طرف رجوع کریں توبہ استغفار کو لازم پکڑیں اور ضائع شدہ حقوق کی تلافی کریں۔ یہ بندہ کا کام ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسے چاہے بغیر توبہ کے بھی معاف فرما دے لیکن کفر و شرک معاف نہیں ہوگا۔

هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ (وہ تمہیں خوب اچھی طرح جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا فرمایا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

یہ بنی آدم کی ابتدائی تخلیق تھی اس کے بعد نسل در نسل انسان پیدا ہوتے رہے بڑھتے رہے پھر ہر انسان کی انفرادی تخلیق کو بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے مرد و عورت جو اپنی ماؤں کے پیٹوں میں مختلف اطوار سے گزرتے ہیں ان کی ان حالتوں کا بھی اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔

اپنا تزکیہ کرنے کی ممانعت: فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ (لہٰذا تم اپنے نفسوں کو پاکباز نہ بتاؤ) هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (جو لوگ شرک اور کفر سے بچتے ہیں وہ انہیں خوب جانتا ہے) جسے تمہاری تخلیق سے پہلے تمہارے حالات کا علم ہے ہر شخص کا اور ہر شخص کے اعمال کا علم ہے اور اعمال کی خوبی اور اچھائی اور اعمال کے کھوٹ اور نقص کا بھی علم ہے، وہ ہر شخص کو اپنے علم کے مطابق اس کے عمل کے موافق جزا دے گا یہ کہتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں نے ایسا ایسا عمل کیا اتنے روزے رکھے اتنی نمازیں پڑھیں اور اتنے حج کئے اور فلاں موقعہ پر حرام سے بچا، بندہ جیسا بھی عمل کرلے وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو ہی نہیں سکتا، عموماً جو متقی اور صالح بندے عمل کرتے ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ لچک خرابی اور کھوٹ کی ملاوٹ رہتی ہی ہے پھر اپنی تعریف کرنے کا کسی کو کیا مقام ہے؟ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں

بندہ ہماں بہ کہ بتقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد،
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد،

اپنا تزکیہ کرنا اور اپنی تعریف کرنا یعنی اپنے اعمال کو اچھا بتانا اور اپنے اعمال کو بیان کر کے دوسروں کو معتقد بنانا یا اپنے اعمال پر اترانا اور فخر کرنا آیت شریفہ سے ان سب کی ممانعت معلوم ہوگئی، رسول اللہ ﷺ کو ایسا نام رکھنا بھی پسند نہ تھا جس سے اپنی بڑائی اور خوبی کی طرف اشارہ ہوتا ہو، حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے بیان کیا کہ میرا نام برہ تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی جانوں کا تزکیہ نہ کرو یعنی یوں نہ کہو کہ میں نیک ہوں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں نیکی والے کون ہیں اس کا نام زینب رکھ دو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۰۸: ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کسی کا نام برّہ (نیک عورت) ہوگا تو اس سے جب پوچھا جائے گا کہ تو کون ہے تو وہ یہ کہے گی کہ انا برّۃ یعنی میں نیک عورت ہوں اس میں بظاہر صورتاً خود اپنی زبان سے نیک ہونے کا دعویٰ ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے منع فرما دیا۔ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ایک لڑکی کا نام زینب رکھ دیا جس کا پہلا نام برۃ تھا اسی طرح آپ نے ایک لڑکی کا نام جمیلہ رکھ دیا جس کا پہلا نام عاصیہ (گناہگار) تھا۔ (رواہ مسلم)

معلوم ہوا کہ اپنی نیکی کا ڈھنڈورا بھی نہ پیٹے اور اپنا نام اور لقب بھی ایسا اختیار نہ کرے جس سے گناہگاری ٹپکتی ہو، مومن نیک ہوتا ہے لیکن نیکی کو بگھارتا نہیں پھرتا، اور کبھی گناہ ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتا ہے نیز اپنی ذات کے لئے کوئی ایسا نام ولقب بھی تجویز نہیں کرتا جس سے گناہ گاری کی طرف منسوب ہوتا ہو۔ بہت سے لوگ تواضع میں اپنے نام کے ساتھ العبد العاصی یا عاصی پُر معاصی لکھتے ہیں یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایات سے جوڑ نہیں کھاتا۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۝۳۳ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝۳۴ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ

اے مخاطب کیا تو نے اسے دیکھا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے، کیا اسے ان مضامین کی خبر نہیں دی

بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰٓى ۝۳۷ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝۳۸ وَاَنْ لَّيْسَ

گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں اور جو ابراہیم کے صحیفوں میں ہیں کہ جس نے پوری بجا آوری کر دی یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور یہ کہ

لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝۳۹ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝۴۰ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝۴۱ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ

انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہی جو کچھ اس نے کمایا، اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھ لی جائے گی، پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور یہ کہ تیرے رب کے پاس

الْمُنْتَهٰى ۝۴۲ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝۴۳ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝۴۴ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

پہنچنا ہے، اور بلاشبہ اسی نے ہنسایا اور لایا بلاشبہ اسی نے موت دی اور زندہ کیا اور یہ کہ اسی نے جوڑے پیدا کئے یعنی مذکر اور

وَالْاُنْثٰى ۝۴۵ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝۴۶ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝۴۷ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝۴۸ وَاَنَّهٗ

مؤنث نطفے سے جبکہ وہ ڈالا جاتا ہے، اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا اور یہ کہ اس نے غنی کیا اور سرمایا باقی رکھا اور یہ کہ

هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝۴۹ وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ۝۵۰ وَثَمُوْدَا فَمَا اَبْقٰى ۝۵۱ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ

وہ شعریٰ کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا اور ثمود کو بھی سو باقی نہیں رکھا، اور اس سے پہلے نوح کی قوم کو، بیشک یہ لوگ

كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝۵۲ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝۵۳ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝۵۴ فَبِاَىِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝۵۵

خوب بڑھ کر ظالم اور سرکش تھے، اور الٹی ہوئی بستیوں کو پھینک دیا، سو ان بستیوں کو ڈھانپ لیا جس چیز نے ڈھانپا ہو تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک کرتا رہے گا

کافر دھوکہ میں ہیں کہ قیامت کے دن کسی کا کام یا عمل کام آجائے گا

تفسیر: روح المعانی صفحہ ۶۵: ج ۲۷ میں حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کی قراءت سنی تو متاثر ہوا اور اسلام کے قریب ہوگیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کے اسلام کے قبول کرنے کی امید بندھ گئی پھر اسے مشرکین میں سے ایک شخص نے ملامت کی اور کہا کیا تو اپنے باپ دادوں کے دین سے ہٹ رہا ہے تو سمجھتا ہے کہ محمد ﷺ کا دین قبول نہ کیا تو موت کے بعد عذاب میں مبتلا ہوگا ایسا کر تو اپنے دین پر واپس آجا اور تجھے جو عذاب کا ڈر ہے تیری طرف سے میں برداشت کرلوں گا مگر یوں ہی مفت میں نہیں شرط یہ ہے کہ تو مجھے اتنا مال دیدے۔ ولید اس پر راضی ہوگیا اور جو کچھ تھوڑا بہت ارادہ اسلام قبول کرنے کا کر لیا تھا اس سے باز آگیا اور جس شخص نے اس سے یہ بات کہی تھی اسے کچھ مال دیدیا ابھی اتنا مال نہیں دیا تھا جتنے مال کی بات ہوئی تھی کہ کنجوسی سوار ہوگئی اور باقی مال جس کا وعدہ کیا تھا وہ روک لیا، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیات کریمہ نازل فرمائیں۔ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى (اے مخاطب کیا تو نے اسے دیکھا جس نے روگردانی کی) وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى (اور تھوڑا مال دیا اور بند کر دیا) اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى (کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے)۔ یعنی اس کو کیسے پتہ چلا کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی کا عذاب اپنے سر لے سکتا ہے اور کافروں نے جو کفر اور شرک کا جرم کیا ہے اس کے بجائے دوسرے شخص کو عذاب دے دے گا ان کے پاس علم غیب تو ہے نہیں پھر قیامت کے دن کے فیصلہ کا انہیں کیسے علم ہوا؟ نہ انہیں علم غیب ہے نہ وہاں ایسا ہونے والا ہے اپنے پاس سے باتیں بناتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم جس طرح چاہیں گے اس طرح ہو جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى ☆ وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ☆ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى ☆ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ☆ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ☆ (کیا اسے ان مضامین کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں اور جو ابراہیم کے صحیفوں میں ہیں جس نے پوری بجا آوری کردی کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہی جو کچھ اس نے کمایا اور یہ کہ اسی کی سعی عنقریب دیکھ لی جائے گی پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا) مشرکین مکہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد تھے اور مدینہ منورہ میں جو یہودی تھے وہ اپنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر بتاتے تھے دونوں قوموں نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا لہٰذا ان دونوں حضرات کے صحیفوں کا تذکرہ فرمایا کہ ان کے صحیفوں میں تو یہ لکھا ہے کہ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا دوسرا کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ہر شخص کو اپنے ایمان اور کفر کی جزا سزا ملے گی۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے عذاب بھگتنے کو تیار نہ ہوگا وَمَا هُمْ بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَىْءٍ اور نہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ بات ہے کہ کسی ایک شخص کو دوسرے شخص کے بدلہ عذاب دیدیا جائے جو شخص جیسا کرے گا ویسا بھرے گا مومن ایمان کا پھل پائے گا اور کافر کو کفر کی سزا ملے گی، ہر شخص کی محنت اور سعی سامنے آجائے گی لہٰذا اس بل بوتہ پر کفر پر جما رہنا کہ میں دنیا میں کسی کو مال دے دیتا ہوں وہ میری طرف سے عذاب بھگت لے گا یا کسی سے یوں کہہ دینا کہ میں تیری طرف سے عذاب بھگت لوں گا۔ قانون الٰہی کے خلاف ہے، دنیا میں بیٹھ کر باتیں بنا لینے اور خود ہی فیصلے کر لینے سے عذاب آخرت سے چھٹکارا نہ ہوگا۔ اس مضمون کی تفصیل کے لئے سورۃ النحل رکوع ۱۳ اور سورۃ العنکبوت رکوع ۱ کی تفسیر کی مراجعت کرلی جائے۔

یہ جو فرمایا ہے: وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (کہ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی) اس پر جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر ایصالِ ثواب کا کوئی فائدہ نہ رہا کیونکہ جو شخص عمل کرتا ہے آیت کریمہ کی رو سے اس کا ثواب صرف اسی کو پہنچنا

چاہیئے نہ کہ کسی دوسرے شخص کو۔ اس اشکال کو حل کرنے کے لئے بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ ہیں جو اِلَّا مَا سَعٰی فرمایا ہے اس سے ایمان مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہی ایمان کا ثواب ملے گا اس بات کو سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کا اشکال ختم ہو جاتا ہے کیونکہ کسی شخص کا ایمان کسی ایسے شخص کو فائدہ نہیں دے سکتا جو کافر ہو اور کافر کو ایصال کرنے سے بھی ثواب نہیں پہنچتا۔ ذریت کو جو آباء کے ایمان کا ثواب پہنچے گا (جس کا سورہ طور میں ذکر ہے اور حضرت ابنِ عباس کی توجیہ میں آ رہا ہے) اس میں اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم کے ساتھ بِاِيْمَانٍ بھی مذکور ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کا مفہوم عام نہیں ہے بلکہ عام مخصوص منه البعض ہے کیونکہ احادیث شریفہ میں حج بدل کرنے کا ذکر ہے اور حج بدل دوسرے شخص کا عمل ہے پھر بھی اس کا حج ادا ہو جائے گا جس کی طرف سے حج ادا کیا ہے اور بعض احادیث میں (جو سند کے اعتبار سے صحیح ہیں) دوسرے کی طرف سے صدقہ کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص ذکر یا تلاوت کا ثواب پہنچائے جبکہ ذکر و تلاوت محض اللہ کی رضا کے لئے ہو کسی طرح کا پڑھنے والے کو مالی لالچ نہ ہو تو اس میں ائمہ کرام علیہم الرحمہ کا اختلاف ہے حضرات حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بدنی عبادات کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور حضرات شوافع اور مالکیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا، جن حضرات کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے وہ حج بدل اور صدقات پر قیاس کرتے ہیں اور اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی مروی ہے۔

فقد روى ابوداود بسنده عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال من يضمن لى منكم ان يضمن لى فى مسجد العشار ركعتين اواربعا و يقول هذه لابى هريره سمعت خليلى اب القاسم صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان الله يبعث من مسجد العشار يوم القيامة شهداء لا يقوم مع شهداء بدر غيرهم قال ابوداؤد هذا المسجد مما يلى النهر (اى القرات صفحہ ۲۳٦: ج۲) (قال فى الد رالمختار الاصل ان كل من اتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره وان نواها عندالفعل لنفسه لظاهر الادلة واما قوله تعالىٰ ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ اى الا اذا وهبه له (انتهى) قال الشامى فى ردالمختار (قوله له جعل ثوابها لغيره) خلافا للمعتزلة فى كل العبادات ولمالك والشافعى فى العبادات البدنية المحصنة كالصلوٰة والتلاوة فلا يقولان بوصولها بخلاف غيرها كالصدقة والحج، وليس الخلاف فى ان له ذلك اولا كما هو ظاهر اللفظ بل فى انه ينجعل بالجعل اولا بل يلغو جعله افاده فى الفتح اى الخلاف فى وصول الثواب وعدمه (قوله لغيره) اى من الاحياء والاموات (بحر عن البدائع) (صفحه ۲۳٦: ج۲) و قد اطال الكلام فى ذلك الحافظ ابن تيمية فى فتاواه (صفحه ۳۰٦ الى صفحه ۳۲۴: ج۲۴) و قال يصل الى الميت قراءة اهله تسبيحهم وتكبيرهم و سائر ذكرهم لله تعالىٰ واجاب عن استدلال المانعين وصول الثواب بآية سورة النجم ثم اطال الكلام فى ذلك صاحبه ابن القيم فى كتاب الروح (من صفحه ۱۵٦ الى صفحه ۱۹۲) واليك ما ذكر فى فتاوى الحافظ ابن تيمية فى آخر البحث، وسئل هل القراءة تصل الى الميت من الولد اولا؟ على مذهب الشافعى. فاجاب: اما وصول ثواب العبادات البدنية: كالقراءة، والصلوٰة، والصوم. فمذهب احمد، و ابى حنيفة، و طائفة من اصحاب مالک، والشافعى، الى انها تصل، و ذهب اكثر اصحاب مالک، والشافعى، الى انها لا تصل، والله اعلم. وسئل: عن قراءة اهل الميت تصل اليه؟ والتسبيح والتحميد، والتهليل والتكبير، اذا اهداه الى الميت يصل اليه ثوابها ام لا؟ فاجاب: يصل الى الميت قراءة اهله، و تسبيحهم، وتكبيرهم، و سائر ذكرهم الله، اذا اهدوه الى الميت، وصل اليه، والله اعلم (صفحه ۳۲۴: ج۲۴) وقال ابن القيم فى آخر البحث (صفحه ۱۹۲) وسرّ المسالة ان الثواب ملک للعامل فاذا تبرع به واهداه الى اخيه المسلم اوصله الله اليه، فما الذى خص من هذا ثواب قراءة القرآن وحجر على العبدان يوصله الى اخيه و هذا عمل الناس حتى المنكرين فى سائر الاعصار والامصار من غير نكير من العلماء اه

(ابوداؤد نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں جا کر دو یا چار رکعت نماز پڑھ کر کہے یہ ابو ہریرہ کے لئے ہیں کہ میں نے اپنے خلیل حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے بیشک اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے قیامت کے دن شہداء اٹھائیں گے کہ ان کے علاوہ بدر کے شہداء کے ساتھ اور کوئی نہیں اٹھایا جائے گا۔ ابوداؤد کہتے ہیں یہ مسجد نہر فرات کے کنارہ پر ہے۔ درمختار میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ جس نے کوئی مالی عبادت کی اور اس کا ثواب کسی اور کو بخش دیا اگر چہ اس عمل کے وقت اپنی نیت کی تھی (تو بھی ثواب پہنچ جائے گا) ظاہر دلائل کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان ليس للانسان الا ما سعى اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جب اس کو کسی نے اسے ھبہ کیا۔ شامی نے ردالمختار میں کہا ہے کہ درالمختار والے کا جعل ثوابها لغيره اس میں تمام عبادات کے ثواب میں معتزلہ کا اختلاف ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ان عبادات کے ثواب میں اختلاف ہے جو محض بدنی ہیں جیسے نماز، تلاوت، وہ ان کے ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں۔ بخلاف دوسری عبادات صدقہ حج وغیرہ کے اور اختلاف اس میں نہیں

ہے کہ ان اعمال کا ثواب ان کے کرنے والے کو ہے یا نہیں بلکہ اختلاف اسی میں ہے کہ اس کی طرف سے ثواب منتقل کرنے سے دوسرے کو منتقل ہوتا ہے یا نہیں بلکہ اس کا انتقالِ ثواب کا عمل لغو ہے۔ اس اختلاف کا تذکرہ فتح الباری میں ہے۔ درمختار کا قول لغیرہ اس سے مراد خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کی تلاوت، تسبیح و تکبیر وغیرہ تمام ذکر اللہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور سورہ النجم کی آیت سے ایصال ثواب کے مانعین کے استدلال کا جواب دیا ہے پھر علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں اس بحث کے آخر میں جو مذکور ہے وہ پیش کیا جاتا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق اولاد کی جانب سے میت کو قرأت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ تو آپ نے جواب دیا عبادات بدنیہ جیسے قراءۃ، نماز اور روزہ کے بارے میں امام احمدؒ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعیؒ کے شاگردوں کی ایک جماعت رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام مالکؒ کے اکثر اصحاب اور امام شافعی کے اکثر اصحاب کا خیال یہ ہے کہ ان کا ثواب نہیں پہنچتا۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ میت کے گھر والوں کی قرأت، تسبیح، تکبیر، تہلیل و تحمید کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں تو آپ نے جواب دیا میت کے گھر والوں کی قرأت، تسبیح تہلیل، تکبیر وغیرہ تمام اذکار کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ علامہ ابن قیم نے اس بحث کے آخر میں کہا ہے اس مسئلہ کی روح یہ ہے کہ ثواب، عمل کرنے والے کی ملکیت ہے جب وہ اس کا تبرع اور ہدیہ اپنے مسلمان بھائی کو کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پہنچا دیتا ہے پس وہ کون سی دلیل ہے کہ جس نے اس اصول سے قراءت قرآن کے ثواب کو خاص کر لیا ہے اور آدمی کو اپنے بھائی کی طرف ثواب بھیجنے سے روکتی ہے۔ نیز اس پر تو تمام شہروں میں تمام مسلمانوں کا عمل ہے حتیٰ کہ منکرین بھی کرتے ہیں۔ علماء اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آیت کریمہ کا عموم منسوخ ہے کیونکہ دوسری آیت میں **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ** فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کے ایمان کا ان کی ذریت کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ والیٔ خراسان نے حضرت حسین بن الفضل سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف **وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ** فرمایا ہے۔ اور دوسری طرف **وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى** فرمایا ہے دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے حضرت حسین ابن الفضل نے فرمایا کہ سورہ نجم کی آیت میں عدلِ الٰہی کا تذکرہ ہے کہ جو بھی کوئی اچھا عمل کرے اسے بقدرِ عمل ضرور ہی اجر ملے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اس کا استحقاق ہے اس کے اجر کو ضائع نہیں فرمائے گا اور **وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ** میں فضل کا بیان ہے وہ جسے جتنا چاہے زیادہ سے زیادہ دیدے اسے اختیار ہے۔

والیٔ خراسان کو یہ جواب پسند آیا اور حضرت حسین بن الفضل کا سر چوم لیا صاحب روح المعانی نے بھی اس جواب کو پسند کیا پھر فرمایا ہے کہ حضرت ابن عطیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ **لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى** صرف گناہ کے ساتھ مخصوص ہے نیکی کا ثواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا جس کی تفصیلات حدیثوں میں آئی ہیں اور قرآن مجید میں جو **وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ** اعمال صالحہ سے متعلق ہے جو شخص گناہ کرے گا اس کا گناہ اتنا ہی لکھا جائے گا جتنا اس نے کیا ہے اور اسی پر مؤاخذہ ہوگا گناہ بڑھا کر نہیں لکھا جاتا (وھذا توجیہ حسن)۔

صاحب معالم التنزیل نے حضرت عکرمہ سے ایک جواب یوں نقل کیا ہے کہ سورۃ النجم کی آیت حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی قوم کے بارے میں ہے کیونکہ یہ مضمون بھی ان حضرات کے صحیفوں میں ہے ان کی قوموں کو صرف اپنے ہی کئے ہوئے عمل کا فائدہ پہنچتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی امت پر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل بھی فرمایا کہ کوئی دوسرا مسلمان ثواب پہنچانا چاہے تو وہ بھی اسے پہنچ جائے گا۔

لیکن اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے اور مومنین کے لئے جو ان کے گھر میں داخل ہوں مغفرت کی دعا جیسا کہ سورہ نوح کی آخری آیت میں مذکور ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کے لئے اور اپنی قوم کے لئے مغفرت کی دعا کی جو سورہ اعراف رکوع ۱۹ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں ایک دوسرے

کے لئے دعاء قبول ہوتی تھی (ہاں اگر دعائے مغفرت کو مستثنیٰ کیا جائے تو یہ دوسری بات ہے)

یہ جو حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے اور تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو (۳) وہ صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو۔ (اور بعض روایات میں سات چیزوں کا ذکر ہے) ان کا ثواب پہنچنے سے کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ مرنے والے کے اپنے کئے ہوئے کام ہیں، اولادِ صالح جو دعاء کرتی ہے اس میں والد کا بڑا دخل ہے کیونکہ اسی کی کوششوں سے اولاد نیک بنی اور دعاء کرنے کے لائق ہوئی۔

وَ اِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توصیف میں **اَلَّذِیْ وَفّٰی** فرمایا انہوں نے مامورات الٰہیہ کو پورا کردیا اللہ تعالیٰ نے جو انہیں رسالت کا کام سپرد کیا اور دعوت و ارشاد کے لئے انہیں مامور فرمایا اور جن اعمال کے کرنے کا حکم فرمایا ان سب کو پورا کیا سورہ بقرہ میں جو **وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ** فرمایا ہے اس کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں حکم دیا **اَسۡلِمۡ** کہ (فرمانبردار ہو جاؤ) انہوں نے عرض کیا **اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** کہ (میں رب العلمین کا فرمانبردار ہو گیا) اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں امتحان میں ڈالا جان مال اور اولاد میں ایسے احوال سامنے آئے جن پر صبر کرنا اور احکام ربانیہ پر قائم رہنا بڑا اہم کام تھا صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں **و فی قصة الذبح مافیه کفایة** یعنی انہوں نے جو اپنے بیٹے کو اپنے رب کے حکم سے ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا اور اپنی طرف سے ذبح کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی رب جل شانہ کے فرمان پر عمل کرنے کی مثال قائم کرنے کے لئے یہی قصہ کافی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے زمانہ کے لوگ ایک شخص کو دوسرے شخص کے عوض پکڑ لیتے تھے جس شخص نے قتل نہ کیا ہوا سے اس کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور چچا اور ماموں اور چچا کے بیٹے اور بیوی اور شوہر اور غلام کے قتل کر دینے کے عوض قتل کر دیتے تھے یعنی قصاص لینے کے لئے قاتل کے کسی بھی رشتہ دار کو قتل کر دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو سمجھایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام پہنچایا کہ **اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى** (کہ ایک جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی)۔

بعض مفسرین نے یہاں دو حدیثیں بھی نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ علی الصباح چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور انہیں اخیر تک پڑھتے رہے۔ یہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ایک حدیث یوں نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیم کے بارے میں **اَلَّذِیْ وَفّٰی** کیوں فرمایا؟ پھر آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ وہ صبح شام **فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ** (الآیۃ) پڑھا کرتے تھے (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۱۳: ج ۹)

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (اور یہ کہ تیرے رب کے پاس پہنچنا ہے) اس دنیا میں جتنی بھی زندگی گزار لے آخر مرنا ہے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے حسنات اور سیئات کا حساب ہے یہ آیت کی ایک تفسیر ہے، دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوقات میں غور کریں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے بارے میں غور نہ کریں کیونکہ اس کا ادراک نہیں ہو سکتا صاحب روح المعانی نے اس بارے میں بعض احادیث بھی نقل کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہی ہنسایا اور رُلایا: **وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى** (اور بلاشبہ اسی نے ہنسایا اور رلایا) ہنسنا اور رونا اور اس کے اسباب سب اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے **وَاَنَّهٗ اَمَاتَ وَاَحْیَا** (اور بلاشبہ اسی نے موت دی اور زندہ کیا) زندگی بخشنے اور موت دینے کی صفات بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں اس کے علاوہ کوئی شخص کسی کو زندہ نہیں کر سکتا اور کسی کو موت نہیں دے سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے جوڑے پیدا کئے: **وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى** (اور بیشک اسی نے دو جوڑے پیدا

پیدا کئے مذکر اور مؤنث، مذکر مؤنث کے لئے اور مؤنث مذکر کیلئے جوڑا ہے۔ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى مرد و عورت دونوں کو نطفہ سے پیدا فرمایا وہ کود کر اندر رحم میں پہنچتا ہے تو اس سے حمل ٹھہرتا ہے۔ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى (اور بلاشبہ اس کے ذمہ ہے دوبارہ پیدا کرنا) یعنی زندگی کے بعد یوں ہی مر کھپ کر ختم نہیں ہو جاتا ہے، دوبارہ پھر زندہ ہوں گے حساب و کتاب، عذاب و ثواب کا مرحلہ درپیش ہوگا اس کو یوں ہی چلتی ہوئی بات نہ سمجھیں دوبارہ زندہ ہونا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ذمہ ضروری قرار دے رکھا ہے۔

قال صاحب روح المعانی ناقلاً عن البحر لما كانت هذه النشاة ينكرها الكفار بولغ لقوله تعالیٰ عليه كانه تعالیٰ اوجب ذلک علیٰ نفسه (صاحب روح المعانی بحر سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ کافر اس اٹھنے کا انکار کرتے تھے اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ذریعہ مبالغہ کیا گیا گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ اسے واجب کرلیا ہے) (روح المعانی صفحہ ۶۹: ج ۲۷)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى (اور یہ کہ اس نے غنی کیا اور سرمایہ باقی رکھا) یعنی اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا اور مالیات میں وہ چیزیں بھی عطا فرمائیں جو باقی رہتی ہیں ذخیرہ کے طور پر کام دیتی رہتی ہیں جیسے باغیچے اور عمارتیں وغیرہا۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (اور یہ کہ وہ شعریٰ کا رب ہے) شعریٰ ایک ستارہ کا نام ہے جس کی اہلِ عرب عبادت کرتے تھے اور اس عالم میں اس کی تاثیر کے معتقد تھے روح المعانی میں لکھا ہے کہ بنی حمیر اور بنی خزاعہ اس کی عبادت میں مصروف رہتے تھے اور نقل کیا ہے کہ بنی خزاعہ میں ایک شخص ابو کبشہ تھا اس نے سب سے پہلے شعریٰ کی عبادت شروع کی تھی جسے ابو کبشہ کہا جاتا تھا۔

اللہ جل شانہٗ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ شعریٰ میں کوئی تاثیر نہیں ہے اللہ تعالیٰ شانہ جیسے سب چیزوں کا رب ہے شعریٰ کا بھی رب ہے لہٰذا شعریٰ کی عبادت کرنے والے غیر اللہ کی عبادت کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں لگیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے عاد اولیٰ اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور لوط علیہ السلام کی بستیوں کو الٹ دیا:

وَاَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَ نِ الْاُوْلٰى (اور بیشک اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک فرمایا) وَثَمُوْدَ فَمَاۤ اَبْقٰى (اور ثمود کو بھی ہلاک کیا سو ان کو باقی نہ چھوڑا)۔

ان دونوں آیتوں میں قوم عاد اور قوم ثمود کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے قوم عاد کے لوگ کہتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کون طاقت ور ہے اور قوم ثمود کے لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے تھے ان دونوں قوموں کی قوت اور طاقت کچھ بھی کام نہ آئی کفر کی سزا میں ہلاک اور برباد کر دیئے گئے وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اور ان سے قبل نوح علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى (بیشک یہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى (اور اللہ تعالیٰ نے الٹی ہوئی بستیوں کو پھینک مارا)۔

اس سے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں مراد ہیں ان کی قوم کے لوگ کافر بھی تھے اور بدکاری میں بہت زیادہ مبتلا تھے مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین کا تختہ الٹ دیا جس کی وجہ سے سب کافر ہلاک ہو گئے چونکہ یہ بہت سخت عذاب تھا تختہ الٹے جانے کے ساتھ ساتھ پتھروں کی بارش بھیج دی گئی اس لئے فرمایا فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى (انہیں اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپا) اس میں عذاب کی سختی اور اور وحشت کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ فرعون اور اس کے لشکروں کی ہلاکت کا تذکرہ فرماتے ہوئے فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ فرمایا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى (سو اے انسان تو اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں شک کرے گا) اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا کیا مرد اور عورت کے جوڑے بنائے ہنسایا اور رلایا، موت دی پھر زندہ فرمائے گا اس نے مال دیا ذخیرہ رکھنے کی چیزیں دیں اور سابقہ امتوں کی بربادی سے باخبر فرمایا اب بھی تو اس کی نعمتوں میں شک کرتا ہے اور عبرت حاصل نہیں کرتا قال القرطبی ای

فبای نعم ربک تشک والمخاطبة للانسان المکذب۔ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔پس اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے ورنہ تو تم پر بھی سابقہ انبیاء کو جھٹلانے والوں کا عذاب آئے گا)

فائدہ: قوم عام کی صفت بیان کرتے ہوئے اَلْاُوْلٰی فرمایا۔صاحب روح المعانی نے الاولی کا ترجمہ القدماء کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد چونکہ قوم عاد ہلاک ہونے میں بعد میں آنے والی امتوں سے پہلے ہلاک کی گئی اس لئے صفت الاولیٰ لائی گئی پھر مفسر طبری سے نقل کیا ہے کہ قبائل سابقہ میں ایک دوسرا قبیلہ تھا اسے بھی عاد کہا جاتا تھا یہ قبیلہ مکہ مکرمہ میں عمالیق کے ساتھ مقیم تھا، پھر مبرد سے نقل کیا ہے کہ عاد اولیٰ ثمود کے مقابلہ میں لایا گیا ہے کیونکہ قوم ثمود عاد اخری تھی۔

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هَٰذَا

یہ ایک ڈرانے والا ہے پرانے ڈرانے والوں میں سے، جلدی آنے والی قریب آ پہنچی ، اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں، کیا اس بات سے

الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور تم تکبر کرتے ہو، سو اللہ کو سجدہ کرو اور عبادت کرو۔

قیامت قریب آ گئی تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور تکبر میں مبتلا ہو، اللہ کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو

تفسیر: هذا کا اشارہ رسول کریم یا قرآن عظیم کی طرف ہے مطلب یہ ہے کہ اوپر جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا جسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں یہ پرانے ڈرانے والوں میں سے ہی ایک ڈرانے والا ہے یعنی قرآن میں جو ڈرانے والے مضامین ہیں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے پہلے بھی حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر کتابیں نازل فرمائی ہیں پرانی اقوام نے بھی تکذیب کی ہے اور انہیں ڈرایا گیا ہے جب انہیں ڈرایا گیا تو ایمان نہ لائے پھر اس کی سزا میں ہلاک ہوئے اب جو قرآن کریم کے مخاطب ہیں انہیں بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہیے۔

قال القرطبی فان اطعتموہ افلحتم والاحل بکم بمکذبی الرسل السابقة.

أَزِفَتِ الْآزِفَةُ (جلد آنے والی چیز یعنی قیامت قریب آ پہنچی) لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ (جب وہ آ جائے گی تو اللہ کے سوا اس کا کوئی ہٹانے والا نہیں ہوگا)۔

قال القرطبی و قد سمیت القیامة غاشیة، فاذا کانت غاشیة کان ردھا کشفاً، فالکاشفة علیٰ ھذا نعت مؤنث محذوف، ای نفس کاشفة اوفرقة کاشفة اوحال کاشفة و قیل ان کاشفة بمعنی کاشف والھاء للمبالغة مثل راویة وداھیة. (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں قیامت کا نام غاشیہ رکھا گیا ہے جب قیامت غاشیہ ہے تو اس کا لوٹانا کاشفہ ہے۔پس اس بناء پر کاشفہ مونث محذوف کی صفت ہے یعنی نفس کاشفہ یا فرقۃ کاشفہ یا حال کاشفہ اور بعض نے کہا کہ کاشفۃ' کاشف کے معنی میں ہے اور ھاء مبالغہ کے لئے ہے جیسے راویت اور واھیۃ ہے)

قیامت پر ایمان نہیں لاتے لیکن اس کا آنا ضروری ہے اور اس کا وقت قریب ہے (قرب اور بعد اضافی چیز ہے)۔اللہ تعالیٰ کے علم اور قضاء وقدر کے مطابق جو چیز وجود میں آنے والی ہے وہ ضرور آئے گی کسی کے نہ ماننے سے اس کا آنا رک نہیں سکتا اور آ ئے

گی بھی، جانک اسے کوئی بھی رد نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہی کو رد کرنے کا اختیار ہے لیکن وہ رد نہیں فرمائے گا لہٰذا اس کے لئے فکرمند ہونا لازم ہے جھٹلانے سے اور باتیں بنانے سے نجات ہونے والی نہیں۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ (کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو) وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ (اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو) وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ (اور تم تکبر کرتے ہو)۔

یہ قرآن اور اس کا ڈرانا اور وقوع قیامت کی خبر دینا۔ کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو اور ساتھ ہی ہنستے بھی ہو اور روتے نہیں تمہیں تو کفر چھوڑ کر ایمان لانا لازم ہے سابقہ زندگی پر روو اور کفر سے توبہ کرو، ایمان اور قرآن کے نام سے ہنستے ہو یہ چیز تمہارے لئے دنیا اور آخرت میں بربادی کا سبب ہے تکبر تمہیں لے ڈوبے گا۔ تکبر کی وجہ سے تم اپنے کفر پر جمے ہوئے ہو اور ایمان لانے میں اپنی بے آبروئی محسوس کرتے ہو تمہارا یہ انکار اور ہنسنا اور تکبر کرنا، دنیا اور آخرت میں عذاب لانے کا سبب ہے۔ سٰمِدُوْنَ کا ترجمہ متکبرون کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس کے دوسرے معانی بھی لکھے ہیں۔ اس کا مصدر سُمُوْدٌ ہے جس کا معنی تکبر کیوجہ سے سر اٹھانا ہے گانا، لہو ولعب میں مشغول ہونا، غصے میں پھول جانا وغیرہا معانی بھی لکھے ہیں۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا (سو اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو)

یہ سورہ نجم کی آخری آیت ہے مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے حقائق بیان کر دیئے گئے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت اور صفتِ علم اور صفت قدرت تمہیں بتادی گئی اور بعض اقوامِ سابقہ کی ہلاکت اور بربادی بیان کردی گئی اور یہ بتادیا گیا کہ قیامت آنی ہے اور ضرور آنی ہے تو ہر عقلمند کی عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ تکذیب اور انکار کو چھوڑے اور قرآن کریم کی دعوت کو تسلیم کرے، اور اپنے رب پر ایمان لائے لہٰذا تمام مخاطبین پر لازم ہے کہ اللہ ہی کے لئے سجدہ کریں اور اسی کی عبادت کریں۔ ایمان لانے کا سب سے بڑا تقاضا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا اور اس کی عبادت کرنا ہی ہے۔

قال صاحب الروح واذا كان الامر كذٰلك فاسجدوا الله تعالىٰ الذى انزله واعبدوه جل جلاله. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں جب معاملہ اس طرح ہے تو تم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو جس نے اسے اتارا ہے اور اسی بزرگ و برتر ذات کی عبادت کرو۔)

بعض حضرات نے فاسجدوا کا ترجمہ اطیعوا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔ سورۃ النجم کی آخری آیت، آیت سجدہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا واجب ہے۔

☆☆☆☆☆

وقدانتهى تفسير سورة النجم بفضل المليک الحنان المنان
والصلوٰة والسلام على رسوله سيدالانسان والجان و على
من تبعه باحسان الى يوم يدخل فيه المؤمنون
الجنان و يجارون ويدخل الكفرة النيران

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ القمر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پچپن آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا، اور یہ لوگ اگر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہو جانے والا ہے اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی

اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ

خواہشوں کا اتباع کیا اور ہر بات قرار پانے والی ہے، اور بلاشبہ ان کے پاس ایسی خبریں آئی ہیں جن میں باز آنے کے لئے عبرت ہے یعنی اعلیٰ درجے کی حکمت ہے

فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

سو ڈرانے والی چیزیں ان کو کچھ فائدہ نہیں دے رہی ہیں۔

قیامت قریب آ گئی چاند پھٹ گیا منکرین کی جاہلانہ بات اور ان کی تردید

تفسیر: ان آیات میں انشقاق قمر یعنی چاند کے پھٹنے کا اور اہل مکہ کے عناد اور انکار کا تذکرہ فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو بہت سے معجزات ظاہر ہوئے ان میں وہ معجزات بھی تھے جنہیں اہل مکہ نے خود طلب کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ انہیں کوئی نشانی یعنی معجزہ دکھا دیں لہٰذا آپ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھا دیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۲: ج ۲)

دوسری روایت میں یوں ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے آ گیا آپ نے فرمایا کہ حاضر ہو جاؤ۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۱: ج ۲)

سنن ترمذی (فی تفسیر سورۃ القمر) میں ہے کہ مکہ معظمہ میں چاند کے پھٹنے کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا جس پر سورہ قمر کی شروع کی دو آیتیں نازل ہوئیں۔ تفسیر معالم التنزیل (صفحہ ۲۵۸: ج ۴) میں ہے کہ اس وقت تو قریش مکہ نے یہ کہہ دیا کہ ہم پر جادو کر دیا ہے پھر جب باہر سے آنے والوں مسافروں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ہم نے چاند کے دو ٹکڑے دیکھے اس پر آیت کریمہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ نازل ہوئی، سنن ترمذی میں ہے کہ (جب مسافروں سے تصدیق ہو گئی تو ان میں بعض مشرکین نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر دیا)۔

بہرحال چاند پھٹا حاضرین نے دیکھا مسافروں کو بھی پھٹا ہوا نظر آیا اور جو چیز انسانوں کے خیال میں نہ ہونے والی تھی وہ وجود میں آ گئی اسی سے قیامت کا وقوع سمجھ میں آ جانا چاہیے۔

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ منکرین کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اعراض

کرتے ہیں۔ حق کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک جادو ہے۔ جس کا اثر دیرپا نہیں ہے عنقریب ہی ختم ہو جائے گا۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ (اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا) اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور ان کے نفسوں میں جو باطل نے جگہ پکڑ رکھی تھی اسی کو امام بنایا اور اسی کے پیچھے چلتے رہے اور انکارِ نبوت پر اصرار کرتے رہے۔

وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ (اور ہر بات قرار پانے والی ہے) یعنی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا متعین ہو جاتا ہے، اگر عناد یا کم فہمی کی وجہ سے اب نہیں سمجھے تو کچھ عرصہ بعد سمجھ میں آ ہی جائے گا کہ یہ سحر نہیں ہے **وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ** کی یہ ایک تفسیر ہے، اور صاحب معالم التنزیل نے حضرت قتادہ سے اس کی تفسیر یوں نقل کی ہے کہ خیر اہلِ خیر کے ساتھ اور شر اہلِ شر کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے، خیر اہلِ خیر کو لے کر جنت میں اور شر اہلِ شر کو لے کر دوزخ میں ٹھہر جائے گا۔

اہلِ مکہ جو توحید اور رسالت کے منکر تھے ان کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنَ الْأَنبَاءِ (الآیة)** یعنی ان کے پاس پرانی امتوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبریں آ چکی ہیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں ان خبروں میں عبرت ہے موعظت ہے، اور نصیحت ہے، یہ چیزیں غافل کو جھڑکنے والی اور چوکنا کرنیوالی ہیں جو سراپا حکمت کی باتیں ہیں اور زجر و توبیخ میں کامل ہیں لیکن یہ لوگ متاثر نہیں ہوتے، کفر و شرک سے باز نہیں آتے جو سنتے ہیں سب ان سنی کر دیتے ہیں ڈرانے والی چیزیں انہیں کچھ نفع نہیں دیتی ہیں۔

کما قال تعالیٰ فی سورۃ یونس **وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ** (اور آیات اور ڈرانے والی چیزیں ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتی ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔

معجزہ شق القمر کا واقعہ صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ ماثور اور مروی ہے، دشمنانِ اسلام کو محض دشمنی کی وجہ سے اسلامی روایات کے جھٹلانے اور تردید کرنے کی عادت رہی ہے، انہوں نے معجزہ شق القمر کے واقع ہونے پر بھی اعتراض کر دیا ان لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند پورے عالم پر طلوع ہونے والی چیز ہے اگر ایسا ہوا ہوتا تو دنیا کی تاریخوں میں اس کا تذکرہ ہونا ضروری تھا۔ یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے۔

اول تو اس زمانہ میں کتابیں لکھنے والے ہی کہاں تھے۔ تصنیف اور تالیف کا دور نہیں تھا پھر اگر کسی نے کوئی چیز لکھی ہو تو قرنوں گزر جانے تک اس کا محفوظ رہنا ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پریس اور کمپیوٹر بلکہ کاغذ کی کثرت کا زمانہ بھی نہ تھا۔ اس سے بڑھ کر دوسری بات یہ ہے کہ چاند ہر وقت پورے عالم پر طلوع نہیں ہوتا کہیں دن ہوتا ہے کہیں رات ہوتی ہے، چاند شق ہونے کے وقت جہاں کہیں دن تھا وہاں تو اس کے نظر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دیکھو عرب میں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے اور امریکہ کا ظہور تو شق القمر کے صدیوں کے بعد ہوا اسی طرح رات کے اوقات مختلف ہوتے ہیں کہیں اول رات ہوتی ہے کہیں درمیانی رات ہوتی ہے اور کہیں آخری شب ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ چاند مکہ معظمہ کے قریب منیٰ میں شق ہوا تھا یعنی وہاں کے لوگ دیکھ سکتے تھے لیکن بہت سے لوگ اپنے کاموں میں تھے بہت سے سو رہے تھے بہت سے گھروں میں تھے بہت سے دوکانوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ دیکھو آج رات چاند پھٹے گا، ان حالات میں لوگوں کو باہر آنے اور چاند پر نظر جمانے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی، چاند پھٹا تھوڑی دیر میں دونوں ٹکڑے ایک جگہ ہو گئے جن لوگوں کو اس کا پھٹا ہوا دکھانا مقصود تھا ان لوگوں نے دیکھ لیا، اگر سارا عالم دیکھ لیتا یا کم از کم سارا عرب ہی دیکھ لیتا اور پھر تاریخ لکھنے والوں تک خبر پہنچ جاتی جس پر وہ یقین کر لیتے اور ان کی کتاب محفوظ رہ جاتی تو تاریخوں میں اس کا کوئی تذکرہ مل جاتا جنہوں نے پھٹا ہوا

دیکھا تھا انہیں تو اس کا یقین نہیں آیا کہ چاند پھٹا ہے اس کو انہوں نے جادو بتایا اور مسافروں کے کہنے سے کسی نے مانا بھی تو اسے پی گیا، اگر تسلیم کر لیتے تو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا پڑتا یہ انہیں گوارا نہ تھا، پھر کیوں وہ کتابیں لکھتے اور کیوں شہرت دیتے؟ یہ ایک صاحبِ بصیرت کے سمجھنے کی بات ہے اگر کسی بھی تاریخ میں اس کا تذکرہ نہ ہو تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں پھر بھی معجزہ شق القمر کا تذکرہ تاریخ فرشتہ میں موجود ہے صاحب فیض الباری صفحہ ۶۰: ج۴ میں فرماتے ہیں:

وقد شاهد ملک بهوپال من الهند اسمه بهوج پال ذکره الفرشته في تاريخه. (محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ اس واقعہ کو ہندوستان میں بھوپال کے راجہ بھوج پال نے دیکھا تھا)

دیکھئے سورج تو چاند سے بہت بڑا ہے لیکن ہر وقت پورے عالم میں وہ بھی طلوع نہیں ہوتا کہیں رات ہوتی ہے کہیں دن ہوتا ہے۔ اس کے گرہن ہونے کی خبریں بھی چھپتی رہتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں ملک میں گرہن ہوگا بیک وقت پورے عالم میں گرہن نہیں ہوتا اور جہاں کہیں گرہن ہوتا ہے وہاں بھی ہزاروں آدمیوں کو خبر نہیں ہوتی کہ گرہن ہوا تھا پہلے سے اخبارات میں اطلاع دیدی جاتی ہے اس پر بھی سب کو علم نہیں ہوتا، اگر کسی سے پوچھو کہ تمہارے علاقہ میں کب گرہن ہوا اور کتنی بار ہوا تو پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں بتا سکتے اور وہ کون سی تاریخ کی کتاب ہے جن میں تاریخ وار سورج گرہن ہونے کا واقعات لکھے ہوں، جب آفتاب کے گرہن کے بارے میں زمین پر بسنے والوں کا یہ حال ہے جو بار ہا ہوتا رہتا ہے تو چاند کا پھٹنا جو ایک ہی بار ہوا اور عرب میں ہوا اور عشاء کے وقت ہوا اور ذرا سی دیر کو ہوا اور اسی وقت پھٹ کر دونوں ٹکڑے مل گئے اور یہ دنیا کی تاریخوں میں نہیں آیا تو یہ کونسی ایسی بات ہے جو سمجھ سے بالاتر ہو۔

بعض لوگوں نے خواہ مخواہ دشمنوں سے مرعوب ہو کر معجزہ شق القمر کا انکار کیا ہے اور یوں کہتے ہیں کہ اس سے قیامت کے دن واقع ہونے والا شق القمر مراد ہے آیت کریمہ میں جو لفظ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ فرمایا ہے۔ یہ ماضی کا صیغہ ہے تاویل کر کے اس کو خواہ مخواہ مستقبل کے معنی میں لینا بے جا تاویل ہے اور اتباع ہویٰ ہے پھر اگر آیت قرآنیہ میں تاویل کر لی جائے تو احادیثِ شریفہ جو صحیح اسانید سے مروی ہیں ان میں تو تاویل کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔

جس ذاتِ پاک جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ کی مشیت اور ارادہ سے نفخ صور سبب شق القمر ہو سکتا ہے۔ اسی کی قدرت اور اذن سے قیامت سے پہلے بھی شق ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا بعد ہے جو خواہ مخواہ تاویل کی جائے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ
سو آپ ان سے اعراض کیجئے جس دن بلانے والا ایسی چیز کی طرف بلائے گا، جو ناگوار ہوگی، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، قبروں سے نکل رہے ہوں گے جیسے
كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾
ٹڈیاں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوئے جا رہے ہوں گے، کافر لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا سخت دن ہے۔

قیامت کے دن کی پریشانی، قبروں سے ٹڈی دل کی طرح نکل کر میدانِ حشر کی طرف جلدی جلدی روانہ ہونا

تفسیر: ان آیات میں اول تو رسول اللہ ﷺ کو بطور تسلی حکم فرمایا کہ آپ ان سے اعراض کریں یعنی ان کے انکار اور تکذیب سے دلگیر نہ ہوں (حق قبول نہ کرنے کا انجام خود ان کے سامنے آ جائے گا) پھر فرمایا کہ جس دن بلانے والا بلائے گا یعنی فرشتہ صور پھونکے گا اس دن قیامت کا ظہور سامنے آ جائے گا جو آنکھوں دیکھا ہوگا اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کے خبر دینے سے اس

وقت نہیں مانتے لیکن جب واقع ہوگا تو ماننا ہی پڑے گا فرشتے کا صور پھونکنا قبروں سے نکلنے کے لئے ہوگا (یہ دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے سے متعلق ہے) جب صور کی آواز سنیں گے تو زندہ ہوکر قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور بڑی تیزی کے ساتھ میدان حشر کی طرف روانہ ہوجائیں گے اور چونکہ کروڑوں افراد ہوں گے اس لئے زمین پر اس طرح پھیلے ہوئے ہوں گے جیسے ٹڈیوں کا دل نکلتا ہے اور جہاں تک نظر ڈالو پھیلا ہوا نظر آتا ہے، نظریں جھکی ہوئی ہوں گی۔ کافر لوگ کہیں گے کہ یہ تو بڑا سخت دن ہے، سورۂ معارج میں فرمایا: يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ☆ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ☆ (جس دن قبروں سے جلدی جلدی نکل کر دوڑیں گے، گویا کہ وہ کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جارہے ہیں، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ

ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا، سوانہوں نے ہمارے بندہ کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ دیوانہ ہے، اور اسے جھڑک دیا گیا، سواس نے اپنے رب سے دعا کی کہ بیشک میں مغلوب

فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝١١ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى

ہوں میری مدد فرمائیے، سو ہم نے آسمان کے دروازے خوب زیادہ برسنے والے پانی سے کھول دیئے اور ہم نے زمین میں چشمے جاری کردیئے پھر پانی اس

اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝١٢ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝١٣ تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝١٤

کام کے لئے مل گیا جس کا فیصلہ کردیا گیا تھا اور ہم نے نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کردیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی یہ اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے کیا گیا جس کی ناقدری کی گئی

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝١٥ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝١٦ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

اور بلاشبہ ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا کر چھوڑ دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور البتہ یہ یقینی بات ہے کہ ہم نے قرآن

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝١٧

کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب قوم کا عناد وانکار، پھر قوم کی ہلاکت اور تعذیب

تفسیر: اہلِ مکہ کا انکار اور عناد بڑھتا جارہا تھا انہیں گزشتہ اقوام کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب کے واقعات بتائے گئے۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد و ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے واقعات ذکر فرمائے ہیں اولاً حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا کہ اہلِ مکہ سے پہلے ہمارے بندہ نوح علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی ان کی قوم نے انہیں دیوانہ بتایا اور ان کی بے ادبی کرتے رہے قوم نے انہیں جھڑکا اور بے ادبی کے ساتھ مقابلہ کیا (جس کی تفصیل سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورۃ الشعراء میں گزر چکی ہے اور سورہ نوح میں بھی آرہی ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

حضرت نوح علیہ السلام ان کے درمیان ساڑھے نوسو سال رہے انہیں توحید کی دعوت دی۔ حق پیش کیا بار بار سمجھایا۔ لیکن انہوں نے نہ مانا بلکہ الٹا انہیں کو گمراہی میں بتانے لگے (کما فی سورۃ الاعراف قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ) ان لوگوں نے ضد پکڑلی عناد پر اتر آئے اور کہنے لگے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ کہ تم جو کچھ

دھمکیاں دے رہے ہو عذاب کی باتیں کررہے ہو اگر سچے ہو تو عذاب کو لے آؤ، ابھی سامنے کر کے دکھاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کی حرکتوں سے بہت عاجز آ چکے تھے بہت کم لوگ ان پر ایمان لائے (سورۃ ہود میں ہے وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ) ان لوگوں نے تو عذاب مانگا ہی تھا حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ان کے لئے بددعا کر دی۔ سورۃ المومنون میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ اور یہاں سورہ قمر میں ہے کہ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (سوانہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب میں مغلوب ہوں سو میری مدد فرمائیے) اور سورۃ نوح میں ہے کہ انہوں نے دعا میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (اے میرے رب کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر چلتا پھرتا مت چھوڑ) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی انہیں حکم دیا کہ کشتی بناؤ اس کشتی کو یہاں سورۃ القمر میں ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ سے تعبیر فرمایا ہے یعنی تختوں سے بنی ہوئی چیز جس میں میخیں یعنی کیلیں لگی ہوتی تھی۔ جب یہ کشتی تیار ہوگئی تو ارشاد فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو اور دیگر اہل ایمان کو اس میں سوار کر لو، جب یہ حضرات سوار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے پانی کا طوفان بھیج دیا آسمان سے بھی پانی برسا اور خوب برسا اور زمین سے بھی چشمے جاری ہوئے دونوں پانی آپس میں مل گئے اور جو فیصلہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر میں لکھا ہوا تھا اسی کے مطابق ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی ہوگئی، کشتی پانی میں بہتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنی نگرانی میں اس کو جاری رکھا، اور جو لوگ ان میں سوار تھے ان کی حفاظت فرمائی اور کافروں کو ڈبو دیا، چونکہ ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بہت ستایا تھا اور ان کی ناقدری کی تھی اس لئے فرمایا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ (ان لوگوں کی غرقابی اس شخص کا بدلہ لینے کے لئے تھی جس کی ناقدری کی گئی)۔

کافروں کی غرق آبی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (اور بلاشبہ ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا کر چھوڑ دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا)۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) مطلب یہ ہے کہ امم سابقہ کے واقعات محض حکایت کے لئے نہیں ہیں ان سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے پرانی امتوں کی جو ہلاکت ہوئی وہ یوں ہی ذرا بہت تھوڑی سی تکلیف نہیں تھی وہ تو بہت بڑا عذاب تھا پڑھنے اور سننے والے سوچیں اور غور کریں اس بھیانک عذاب کی سختی اور ہولناکی کو ذہن میں لائیں اور ساتھ ہی یہ بھی غور کریں کہ اگر ہم برابر انکار کرتے رہیں اور اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کے جھٹلانے پر کمر باندھے رہے تو ہمارا بھی ایسا ہی انجام ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کو آسان فرما دینا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ یہ آیت کریمہ سورۃ القمر میں چار جگہ ہے پہلی بار حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے تذکرہ کے بعد ذکر فرمائی ہے نیز قوم عاد اور قوم ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے ذکر کے بعد بھی مذکور ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی شخص نصیحت حاصل کرنے والا ہے، اس میں قرآن کریم کی تسہیل اور تیسیر کا بھی ذکر ہے اور دعوت فکر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سہل کر دیا تو بندوں پر لازم ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کریں، ذکر و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے) (هذه الكلمة اصلها مذتكر من الافتعال ابدلت التاء والذال كلتا هما ثم ادغم بعضها في بعض. كما في سورة يوسف علیہ السلام وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ)۔ (اس کلمہ کی اصل مذتکر ہے جو باب افتعال سے ہے۔ پھر تاء اور ذال دونوں کو بدلا گیا پھر ایک دوسرے میں ان کا ادغام کیا گیا جیسا کہ سورۃ یوسف میں ہے۔ وادکر بعد امة)

لفظ لِلذِّكْرِ میں نصیحت حاصل کرنا عبرت لینا سب کچھ داخل ہے اور معالم التنزیل میں حضرت سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے حفظ اور قراءت مراد ہے (قرآن کا پڑھنا اور حفظ کرنا بھی آسان ہے اور اس کے معانی اور مضامین اور احکام کا

سمجھنا بھی سہل ہے، رہیں وجوہ استنباط تو ان کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، اور قرآن میں یہ ہے بھی نہیں کہ سارے قرآن کو من کل الوجوہ ہر شخص کے لئے آسان کر دیا ہے بہت سے وہ لوگ جو آیت شریفہ کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کا مطلب اپنے پاس سے تجویز کرتے ہیں اور سلف صالحین کے خلاف تفسیر کرتے ہیں جبکہ عربی لغات اور قواعد عربیہ کو بھی نہیں جانتے ہیں ایسے لوگ شدید گمراہی میں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسہیل اور تیسیر ہے کہ اس نے پورے قرآن کو مومن بندوں کے سینوں میں بالفاظہ وحروفہ محفوظ فرما دیا، اگر بالفرض خدانخواستہ سارے مصاحف ختم ہو جائیں تو قرآن مجید پھر بھی محفوظ رہے گا ایک نوعمر حافظ بچہ کھڑے ہو کر پورا قرآن مجید لکھوا سکتا ہے، اہلِ کتاب نے لکھے ہوئے صحیفوں پر بھروسہ کیا اس لئے اپنی کتاب ضائع کر دی، اب ان کے پاس ترجمے ہی ترجمے ہیں، اصل کتابیں نہیں ہیں جن سے ترجموں کا میلان کیا جا سکے۔

قرآن کا اعجاز اور لوگوں کا تغافل: قرآن مجید کا ایک یہ معجزہ ہے جو سب کے سامنے ہے کہ اسے عورتیں، بوڑھے بچے، جوان سب ہی حفظ کر لیتے ہیں۔ اتنی بڑی کتاب کوئی بھی شخص اپنی زبان کی لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف یاد نہیں کر سکتا۔

دنیا اور دنیا کی محبت نے ایسے لوگوں کو قرآن سے اور اس کے حفظ کرنے سے اس کی تجوید اور قراءت سے محروم کر دیا جو خود بھی آخرت سے بے فکر ہیں اور بچوں کو بھی طالبِ دنیا بنا کر ان کا ناس کھوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عموماً مسلمانوں میں نسلی مسلمان رہ گئے۔ یعنی ان کے باپ دادا مسلمان تھے یہ بھی ان کے گھروں میں پیدا ہو گئے، اسلام کو اس کے تقاضوں کے ساتھ نہ پڑھا نہ سمجھا، جیسے خود ہیں ویسے ہی اولاد کو بنانا چاہتے ہیں۔ جو لوگ اصلی مسلمان ہیں وہ لوگ قرآن کو سینہ سے لگاتے ہیں، حفظ کرتے ہیں، تجوید سے پڑھتے ہیں، بچوں کو بھی حفظ کرواتے ہیں اس کے معانی بتاتے ہیں، عالم بناتے ہیں، علماء کی صحبتوں میں لے جاتے ہیں۔

مسلمانو! اپنے بچوں کو حفظ میں لگاؤ یہ بہت آسان کام ہے۔ جاہلوں نے مشہور کر دیا ہے کہ قرآن **حفظ** کرنا لوہے کے چنے چبانے کے برابر ہے، یہ بالکل جاہلانہ بات ہے۔ قرآن حافظہ سے یاد نہیں ہوتا معجزہ ہونے کی وجہ سے یاد ہوتا ہے۔

بہت سے جاہل کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹانے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ روپے پیسے کو فائدہ سمجھتے ہیں ہر حرف پر دس نیکیاں ملنا اور آخرت میں ماں باپ کو تاج پہنایا جانا اور قرآن پڑھنے والے کا اپنے گھر کے لوگوں کی سفارش کر کے دوزخ سے بچوا دینا فائدہ میں شمار ہی نہیں کرتے کہتے ہیں کہ حفظ کر کے مُلّا بنے گا تو کہاں سے کھائے گا، میں کہتا ہوں کہ حفظ کر لینے کے بعد تجارت اور ملازمت سے کون روکتا ہے، مُلّا بننا تو بہت بڑی سعادت ہے جسے اپنے لئے یہ سعادت مطلوب نہیں وہ اپنے بچے کو تو حفظ قرآن سے محروم نہ کرے جب حفظ کر لے تو اسے دنیا کے کسی بھی حلال مشغلے میں لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم کی برکات: ہم نے تجربہ کیا ہے کہ دنیا کے کام کاج کرتے ہوئے اور اسکول، کالج میں پڑھتے ہوئے بہت سے بچوں نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ بہت لوگوں نے سفید بال ہونے کے بعد حفظ کرنا شروع کیا اللہ جل شانہ نے ان کو بھی کامیابی عطا کی، جو بچہ حفظ کر لیتا ہے اس کی قوتِ حافظہ اور سمجھ میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ آئندہ جو تعلیم بھی حاصل کرے ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے آگے رہتا ہے، قرآن کی برکت سے انسان دنیا و آخرت میں ترقی کرتا ہے۔ افسوس ہے کہ لوگوں نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں کوئی قرآن کی طرف بڑھے تو قرآن کی برکات کا پتہ چلے۔

قرآن کو بھول جانے کا وبال: جس طرح قرآن کو یاد کرنا ضروری ہے اسی طرح اس کا یاد رکھنا بھی ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’قرآن کو یاد رکھنے کا دھیان رکھو (یعنی نماز میں اور خارجِ نماز اس کی تلاوت کرتے رہو) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو اونٹ رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں جس طرح وہ اپنی رسیوں میں بھاگنے کی کوشش میں رہتے ہیں

قرآن ان سے بڑھ کر تیزی کے ساتھ نکل کر چلا جانے والا ہے۔'' (رواہ البخاری ومسلم، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۰)

بات یہ ہے کہ قرآن جس طرح جلدی یاد ہو جاتا ہے اور محبت کرنے والوں کے دل میں سما جاتا ہے اسی طرح وہ یاد رکھنے کا دھیان نہ کرنے والوں کے سینوں سے چلا جاتا ہے کیونکہ وہ غیرت مند ہے جس شخص کو اس کی حاجت ہے جب وہ یاد رکھنے کی کوشش نہ کرے تو قرآن کیوں اس کے پاس رہے، جبکہ وہ بے نیاز ہے۔ قرآن پڑھ کر بھول جانے والے کے لئے سخت وعید ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''جو شخص قرآن پڑھتا ہے، پھر بھول جاتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ جذامی ہوگا'' (یعنی اس کے اعضاء اور دانت گرے ہوئے ہوں گے) (رواہ ابوداؤد والدارمی، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۹۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کئے گئے تو میں نے ثواب کے کاموں میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد میں کوئی تکلیف دینے والی چیز پڑی ہو اور کوئی شخص اسے نکال دے، اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو پھر وہ اس کو بھول جائے۔'' (رواہ الترمذی وابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

بچوں کو قرآن کی تعلیم پر لگانے والے دنیا کی چند دن چھک مہک نہیں دیکھتے بلکہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے آخرت کی کامیابی اور وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لئے فکرمند ہوتے ہیں۔ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا.

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ
جھٹلایا قوم عاد نے سو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا، بیشک ہم نے ان پر سخت ہوا بھیج دی ایسے دن میں
نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾
جو نحوست والا تھا، دیر تک رہنے والا تھا وہ ہوا لوگوں کو اکھاڑ کر پھینک رہی تھی گویا کہ وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں، سو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا،
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾
اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا

قوم عاد کی تکذیب اور ہلاکت اور تعذیب

تفسیر: ان آیات میں قوم عاد کی تکذیب اور تعذیب کا ذکر ہے ان کی طرف اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی توحید کی دعوت دی، یہ لوگ بری طرح پیش آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے خیال میں تو تم کم عقل ہو بیوقوف ہو ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ یہ جو تم نے عذاب، عذاب کی رٹ لگا رکھی ہے یہ دھمکی ہم پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتی اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو چلو عذاب کو بلا لو، بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ شانہ نے ہوا کا عذاب بھیج دیا بہت سخت تیز ہوا آئی جو ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہی یہ دن ان کے لئے نامبارک اور منحوس تھے۔ ہوا چلتی رہی اور یہ لوگ مرتے رہے تیز ہوا نے انہیں اٹھا اٹھا کر پھینک دیا یہ لوگ بڑی جسامت والے تھے قد آور تھے اپنی قوت اور طاقت پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا ان کے سامنے جب دین و ایمان کی بات آئی تو کہنے لگے مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر قوت کے اعتبار سے کون زیادہ سخت ہوگا) اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیجی تو ساری شیخی دھری رہ گئی ہوا نے انہیں اپنی جگہوں سے ایسا اٹھا اٹھا کر پھینکا کہ ان میں کوئی جان ہی نہ

تھی۔ یہاں سورۃ القمر میں فرمایا ہے کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (گویا کہ وہ کھجور کے درختوں کے تنے تھے جو اکھڑ اکھڑ کر زمین پر گر پڑے) اور سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْھَا صَرْعٰی کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃٍ. (سوائے مخاطب تو اس قوم کو مذکورہ ایام میں پچھاڑے ہوئے دیکھتا ہے گویا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو اندر سے خالی ہیں)۔

فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ (سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا سو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا)۔

کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِیَ

قوم ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا، سو انہوں نے کہا کیا ہم ایسے انسان کا اتباع کریں جو ہمیں میں سے ایک شخص ہے، بیشک اس صورت میں تو ہم بڑی گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے، کیا

الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا

ہم سب کے درمیان سے اسی پر وحی نازل کی گئی؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ بڑا جھوٹا ہے شیخی باز ہے، عنقریب کل کو جان لیں گے کہ کون ہے بڑا جھوٹا شیخی باز، بیشک ہم

النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ

اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں ان کی آزمائش کے لئے، سو آپ ان کو دیکھتے رہیے اور صبر کیجئے، اور آپ انہیں بتا دیں کہ بیشک پانی تقسیم ہے ان کے درمیان ہر ایک اپنے پلانے

مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ

کی باری پر حاضر ہوا کرے، سو انہوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اس نے حملہ کردیا اور کاٹ ڈالا، سو کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا، بیشک ہم نے ان پر

صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

ایک چیخ بھیج دی سو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ لگانے والے کا چورا ہو، اور بلاشبہ یہ بات حق ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا

قوم ثمود کی تکذیب، اور ہلاکت وتعذیب

تفسیر: ان آیات میں قوم ثمود کی تکذیب پھر ان کی ہلاکت اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ لوگ قوم عاد کے بعد تھے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر گھر بنا لیتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے ان کو توحید کی دعوت دی خیر کا راستہ دکھایا لیکن ان پر تکبر سوار ہو گیا اور کہنے لگے تم بھی تو انسان ہو اور ہم بھی انسان ہیں پھر ہو بھی تم ہمیں میں سے تم میں کون سی خاص بات ہے جس کی وجہ سے تم نبی بنائے گئے ہم اپنے ہی میں سے ایک آدمی کا اتباع کریں تو یہ بڑی گمراہی کی بات ہے ہم کوئی دیوانے تو نہیں ہیں جو اتنی بات بھی نہ سمجھیں ہم اپنے ہی جیسے آدمی کا اتباع کریں یہ دیوانگی نہیں ہے تو کیا ہے؟ بس جی ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ اس شخص کو رسالت نہیں ملی اپنی بڑائی بگھارنے کے لئے اور بڑا بننے کے لئے اس نے یہ بات نکالی ہے کہ میں رسول ہوں نبی ہوں تاکہ قوم اس کو بڑا ماننے لگے، اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ انہیں عنقریب کل کو پتہ چل جائے گا کہ کون ہے بہت جھوٹا شیخی بگھارنے والا، یعنی خود بڑے جھوٹے ہیں اور شیخی خورے ہیں اسی لئے اللہ کے نبی کو نہیں مانتے۔ اپنے جھوٹ کا اور شیخی بگھارنے کا انجام عنقریب دیکھ لیں گے۔

ان لوگوں نے معجزہ کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ پہاڑ سے ایک اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ اگر تم ایسا کر دو گے تو ہم

تمہاری نبوت کے اقراری ہو جائیں گے، اللہ جل شانہ نے ایک بڑی اونٹنی ظاہر فرمادی سب نے دیکھ لیا کہ اونٹنی پہاڑ سے برآمد ہوئی۔ چونکہ اللہ کی اونٹنی تھی جو بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی اس لئے خوب زیادہ کھاتی پیتی تھی۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ☆ (یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔ سو اسے تم چھوڑے رکھو۔ اللہ کی زمین میں کھاتی رہے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا)۔

ان لوگوں کا ایک کنواں تھا جس سے پانی بھرتے اور اپنے مویشیوں کو پلاتے تھے اللہ کی اس اونٹنی کو بھی پانی پینے کی ضرورت تھی حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتادیا: لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اس کے لئے پانی پینے کی باری ہے اور ایک دن تمہارے پینے کے لئے باری مقرر ہے) اس مضمون کو یہاں سورہ قمر میں یوں بیان فرمایا اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ (کہ ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں ان لوگوں کی آزمائش کے لئے (اے صالح) ان کو دیکھتے رہیے اور صبر کیجئے۔

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (اور انہیں بتادیجئے کہ بیشک پانی ان کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک اپنی باری پر حاضر ہوا کرے۔ یہ لوگ اس اونٹنی سے تنگ آ گئے اس کا اپنے نمبر پر پانی پینا ناگوار ہوا لہٰذا آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے ان میں سے ایک آدمی قتل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لوگوں نے اسے پکارا اس نے ہاتھ میں تلوار لی اور اونٹنی کو مار ڈالا پہلے سے ان کو بتادیا گیا تھا کہ اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ لگاؤ گے تو تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا، جب اسے قتل کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بتادیا تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (اپنے گھروں میں تم تین دن بسر کرلو (اس کے بعد عذاب آجائے گا) ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ (یہ وعدہ سچا ہے جھوٹا نہیں ہے) پورا ہو کر رہے گا۔

چنانچہ تین دن بعد عذاب آیا اور تمام کافر ہلاک کر دیئے گئے اور مومنین عذاب سے محفوظ رہے۔ ارشاد فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ (بلاشبہ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیج دی سو وہ سب اس طرح ہلاک ہو کر رہ گئے جیسے کھیتی کی حفاظت کے لئے باڑ لگانے والے کی باڑ کا چورا چورا ہو جاتا ہے) یعنی ان کی جانیں تو گئیں جسم بھی باقی نہ رہے، چورا چورا ہو کر رہ گئے۔ یہ بات تقریباً وہی ہے جیسے اصحاب فیل کے بارے میں فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ فرمایا ہے۔ انہیں ایسا بنادیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہو)۔ سورہ ہود اور سورہ قمر میں فرمایا ہے کہ ان کے ہلاک کرنے کے لئے ایک چیخ بھیجی گئی اور سورہ الاعراف میں فرمایا فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہ انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا، چونکہ دونوں ہی طرح کا عذاب آیا تھا اس لئے کہیں چیخ کا تذکرہ فرمایا اور کہیں زلزلہ کا، عذاب کا تذکرہ فرمانے کے بعد یہاں بھی فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ فرمایا سو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا) اور آخر میں آیت کریمہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کا اعادہ فرمادیا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، بیشک ہم نے ان پر پتھر لانے والی تیز ہوا بھیج دی، سوائے لوط کے گھر والوں کے، ہم نے انہیں آخری رات میں اپنے فضل سے نجات دے دی ہم ایسا ہی

عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ

بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو شکر ادا کرے، اور لوط نے ان کو ہماری گرفت سے ڈرایا تھا سو انہوں نے ڈرانے کی چیزوں میں جھگڑے بازی کی، اور بے شک بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے لوط کے مہمانوں

عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾

کو برے ارادہ سے لینا چاہا۔ سو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں، سو چکھو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ، اور یہ بات یقینی ہے کہ صبح سویرے ان پر ایسا عذاب آ گیا جو برقرار

فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ﴿۴۰﴾

رہنے والا تھا سو چکھ لو میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ، اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا، اور قوم کا کفر پر اصرار کرنا، معاصی پر جمار ہنا اور آخر میں ہلاک ہونا

تفسیر: ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی اور ہلاکت کا ذکر ہے، حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے وطن سے ہجرت کر کے آئے تھے دونوں نے ملک شام میں قیام فرمایا حضرت لوط علیہ السلام چند بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے ان میں بڑی بستی کا نام سدوم تھا ان بستیوں کے رہنے والے برے لوگ تھے۔ برے اخلاق اور برے اعمال میں مشغول رہتے تھے مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا توحید کی دعوت دی برے افعال سے روکا لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی اور اپنی بدمستی میں مشغول رہے، بالآخر ان پر عذاب آ ہی گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے جو فرشتے بھیجے وہ اولاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے کہا **اِنَّا مُھْلِکُوْا اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَةِ** (کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں تو لوط علیہ السلام ہیں پوری بستی کیسے ہلاک ہوگی؟ فرشتوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس میں کون کون ہے، ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے ہاں ان کی بیوی ہلاک ہو جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی پھر وہاں سے چل کر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے چونکہ یہ فرشتے انسانی صورت میں تھے اور خوبصورت شکل میں آئے تھے اس لئے ان کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام رنجیدہ ہوئے اور انہیں خیال آیا کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ خوبصورت ہیں اندیشہ ہے کہ گاؤں والے ان کے ساتھ بری حرکت کا ارادہ نہ کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ لوگ جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آئے اور اپنا مطلب پورا کرنا چاہا جسے **وَلَقَدْ رَاوَدُوْہُ عَنْ ضَیْفِهٖ** میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں تم مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی امت کی لڑکیاں جو گھروں میں موجود ہیں ان سے کام چلاؤ یعنی نکاح کرو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور یہ بھی بتایا کہ اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ، ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن وہ لوگ نہ مانے حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کرتے رہے اور عذاب آنے میں بھی شک اور تردد کرتے رہے جب انہوں نے بات نہ مانی تو اولاً یہ عذاب آیا کہ ان کی آنکھوں کو مطموس کر دیا گیا یعنی ان کے چہرے بالکل سپاٹ ہو گئے آنکھیں بالکل ہی نہ رہیں۔ اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہو گیا **فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ** (سو تم میرا عذاب اور میرے ڈرانے کا نتیجہ چکھ لو)۔

جب ہلاکت والا عذاب آنے کا وقت قریب ہوا تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنی بیوی کے علاوہ رات کے ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے اور برابر چلتے جائیے تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے صبح کے وقت ان لوگوں پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو اللہ کا حکم آ گیا جو فرشتے عذاب کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے ان بستیوں کا تختہ اٹھا کر پلٹ دیا نیچے کی زمین اوپر اور اوپر کی زمین نیچے ہو گئی وہ سب لوگ اس میں دب کر مر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پتھر

بھی برسا دیئے جو کنکھر کے پتھر تھے وہ لگا تار برس رہے تھے۔ ان پتھروں پر نشان بھی لگے ہوئے تھے، بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے ہر پتھر جس شخص پر پڑتا تھا اس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اس کو سورہ ہود میں مُسَوَّمَةً یعنی نشان زدہ فرمایا ہے (کماذکرہ فی معالم التنزیل وفیہ اقوال آخرہ)۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اس علاقہ میں موجود نہ تھے ان پر زمین الٹنے کا عذاب آیا اور جو لوگ ادھر ادھر نکلے ہوئے تھے ان پر پتھر برسائے گئے اور وہ پتھروں کی بارش سے ہلاک ہوگئے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ سے کسی نے پوچھا کیا قوم لوط میں سے کوئی رہ گیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کوئی باقی نہ رہا تھا ہاں ایک شخص زندہ بچ گیا تھا جو مکہ معظمہ میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا وہ چالیس دن کے بعد حرم سے نکلا تو اس کو بھی پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگیا۔

سورہ ہود میں ان لوگوں کی زمین کا تختہ الٹنے کا اور پتھروں کی بارش کا ذکر ہے اور یہاں سورۃ القمر میں **اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا** فرمایا ہے علامہ قرطبی نے اولاً ابوعبیدہ سے نقل کیا کہ اس سے پتھر مراد ہیں پھر صحاح سے نقل کیا ہے کہ **الحاصب الريح الشديدة التى تطير الحصبا** کہ حاصب اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو کنکریاں اڑاتی ہوئی چلے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے۔ ان پتھروں کو تیز ہوا لے کر آئی تھی۔

پھر جو فرمایا **وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ**.... **عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ** کا ترجمہ عذاب دائمی پھر کیا گیا ہے مستقر کا اصل ترجمہ ہے ٹھہرنے والا، کافر کا عذاب موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے پھر اس سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتا اس سے **مُّسْتَقِرٌّ** کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

فائدہ: حضرت لوط علیہ السلام کے اہل کو نجات دینے کے تذکرہ کے بعد **كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ** فرمایا اس میں یہ مستقل قانون بتا دیا کہ مؤمن شکر گزار بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ کی خاص مہربانی ہوتی ہے مومن بندوں کو چاہئے کہ وہ عبادت گزار بھی رہیں اور شکر گزار بھی پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مظاہر دیکھیں۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ

اور یہ بات واقعی ہے کہ آل فرعون کے پاس ڈرانے کی چیزیں آئی تھیں، انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے انہیں پکڑ لیا زبردست صاحب قدرت کا

مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ

پکڑنا، کیا تمہارے کافر بہتر ہیں ان لوگوں سے یا تمہارے لئے کتابوں میں کوئی معافی ہے؟ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہماری جماعت ہے جو غالب رہے گی، عنقریب جماعت شکست

وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ وَّ

کھا جائے گی اور پشت پھیر کر چل دیں گے، بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی کڑوی چیز ہے، بلاشبہ مجرمین بڑی گمراہی اور

سُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ

بڑی بے عقلی میں ہیں، جس دن دوزخ میں چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے، چکھ لو دوزخ کا عذاب، بیشک ہم نے ہر چیز کو انداز سے پیدا کیا، اور ہمارا

بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾

حکم بس یک بارگی ہوگا جیسے آنکھوں کا جھپکنا، اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے تمہارے جیسے لوگوں کو ہلاک کیا، تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا

وَكُلُّ شَىْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ

اور جو کچھ بھی ان لوگوں نے کیا ہے سب کتابوں میں ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، بیشک پرہیزگار لوگ باغوں میں

وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

اور نہروں میں ہوں گے ایک عمدہ مقام میں بادشاہ کے پاس جو قدرت والا ہے۔

آلِ فرعون کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب

تفسیر: ان آیات میں اولاً آلِ فرعون کا تذکرہ فرمایا ہے یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ شانہ کے باغی تھے۔ فرعون کی بڑی طاقت تھی اس کی جمعیت بھی تھی اسے اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا وہ کہتا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی طرف بھیجا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا فرعون کا دبدبہ تو تھا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگ دربار کے حاضر باش اور قوم کے سردار (جنہیں کئی جگہ مَلَائِهٖ سے تعبیر فرمایا) لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور عوام الناس بھی ان کا اتباع کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈرایا دنیا کی بربادی اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونے کی باتیں بتائیں ان کے ہاتھ پر متعدد معجزات بھی ظاہر ہوئے جن کا سورۃ الاعراف کی آیات وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ (الایات الثلث) میں تذکرہ فرمایا ہے ان لوگوں نے تمام آیات کو جھٹلا دیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آلِ فرعون اور عساکر فرعون یعنی اس کے لشکروں کو ڈبو دیا اس سے پہلے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق ہونے کا تذکرہ کئی جگہ قرآن مجید میں گزر چکا ہے۔ یہاں ان کی تکذیب اور تعذیب کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے۔

اہلِ مکہ سے خطاب تم بہتر ہو یا ہلاک شدہ قومیں بہتر تھیں: اس کے بعد اہلِ مکہ سے خطاب فرمایا اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ کہ اے اہلِ مکہ حضرت نوح اور حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قومیں اور فرعون اور آلِ فرعون یہ سب لوگ جو ہلاک کئے گئے ان کے اور اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تمہارے کافر بہتر ہیں یا وہ لوگ بہتر تھے، یعنی ان کی قوت اور سامان اور تعداد زیادہ تھی یا تم ان سے قوت میں بڑھ کر ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قوت و طاقت اور مال و اسباب میں تم سے کہیں زیادہ تھے، انہوں نے حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی، تکذیب اور انکار کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، تم نے اپنے بارے میں جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم پر کفر کا وبال نازل نہ ہوگا غور کر لو اور سوچ لو کیا تمہارا یہ سمجھنا صحیح ہے؟ خوب سمجھ لو یہ صحیح نہیں ہے۔ گھمنڈ میں مت رہو۔

اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ (کیا تمہارے پاس ایسی کوئی دلیل ہے جو پرانی کتابوں سے منقول ہو) جس پر بھروسہ کر کے تم یہ کہتے ہو کہ پرانی قوموں پر جو عذاب آیا وہ تم پر نہیں آئے گا اور کفر کے باوجود تم محفوظ رہو گے، یہ بھی استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ایسی کوئی بات بھی محفوظ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی سابقہ کتب سے منقول ہو جس میں یہ لکھا ہو کہ تم لوگ عذاب میں مبتلا نہ ہو گے، نہ قوت میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہو نہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو سابقہ کتب سے منقول ہو جو کفر کے باوجود تمہاری حفاظت کی ذمہ داری اور ضمانت لے رہی ہو، جب دونوں باتیں نہیں ہیں تو کفر پر اصرار کرنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟

غزوہ بدر میں اہلِ مکہ کی شکست اور بڑا بول بولنے کی سزا: اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ (کیا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت ہے غلبہ پانے والی) یعنی ہمارے اندر اتفاق اور اتحاد ہے۔ ہمارے سامنے جو بھی دشمن آئے گا شکست کھائے گا اور ذلیل ہوگا۔ کون ہے جو ہمیں زک دے سکے، یہ ان لوگوں نے بہت بڑی بات کہی، اول تو سارے عرب کے سامنے اہلِ مکہ کی تعداد ہی کیا تھی بس اتنی بات تھی کہ حرم میں ہونے کی وجہ سے لوگ ان پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اہلِ عرب کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہ تھی پھر بھی اتنی بڑی بات کہہ دی، تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اہلِ مکہ نے یہ بات غزوہ بدر کے موقع پر کہی تھی ان لوگوں کو اپنی متحدہ جماعت پر گھمنڈ ہو گیا اور یہ نہ سوچا کہ جو ذاتِ خالق اور مالک ہے وہ جسے چاہے اور جس کے ذریعہ چاہے شکست دیدے، ادھر تو ان لوگوں نے اتنا بڑا بول بولا ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں دعا شروع کی اور خوب زیادہ دعا کی اور عرض کیا کہ اے اللہ میں آپ کے عہد اور آپ کے وعدہ کو پیش کر کے عرض کرتا ہوں (کہ مسلمانوں کی مدد فرمائیں) اے اللہ اگر آپ چاہیں (یہ مومن بندے ہلاک ہو جائیں)۔ آج کے دن کے بعد آپ کی عبادت نہ کی جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے انہوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا کر لی۔ اس وقت آپ ایک قبہ میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ آیت پڑھتے ہوئے آپ قبہ سے باہر نکلے سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (دشمنوں کی جماعت عنقریب شکست کھائے گی اور پشتیں پھیر کر بھاگیں گی۔
(صحیح بخاری صفحہ ۴۰۸، ۵۶۴، ۷۲۲)۔

اہل مکہ نے جو غرور کا کلمہ بولا تھا اس کا نتیجہ انہوں نے بھگت لیا۔ ذلیل ہوئے۔ خوار ہوئے ان کی ایک ہزار کی جماعت تھی۔ تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کھا گئی مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر آدمیوں کو قید کر کے مدینہ لایا گیا۔ بڑا بول بولا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رسول کے مقابلہ میں ذلیل نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔

دنیا میں ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں اپنی کثرت پر بھروسہ کر کے مقابلہ میں آئے پھر ذلیل ہوئے ان کی حکومتیں پاش پاش ہوئیں کافروں کی بعض جماعتیں اب بھی اسلام اور مسلمان کے مٹانے کے درپے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ذلت کا منہ دیکھیں گے۔ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ.

یوم قیامت کی سخت مصیبت اور مجرمین کی بدحالی: اس کے بعد ارشاد فرمایا: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمَرُّ (بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے اور قیامت بہت سخت مصیبت کی چیز ہے اور بہت کڑوی ہے) دنیا میں یہ لوگ شکست کھائیں گے ذلت اٹھائیں گے مقتول ہوں گے موت کی سختی جھیلیں گے پھر برزخ کی مصیبت گزار کر قیامت کے دن کی مصیبت میں مبتلا ہوں گے وہ مصیبت بہت ہی زیادہ سخت ہوگی اور بہت ہی زیادہ کڑوی ہوگی جیسے بہت سخت کڑوی چیز کا چکھنا اور نگلنا بہت دشوار ہوتا ہے اسی طرح قیامت کی مصیبت کو سمجھ لو۔ اس سے قیامت کی مصیبت کا تھوڑا سا اندازہ ہو جائے گا۔ قال صاحب الروح واشد مرارة فی الذوق و هو استعارة لصعوبتها علی النفس۔

مزید فرمایا اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ (بلاشبہ جرم کرنے والے لوگ ہلاکت میں اور جلتی ہوئی آگوں میں ہوں گے یہ آیت کا ایک ترجمہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فِیْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ کی تفسیر میں فِیْ خُسْرَانٍ وَّ جُنُوْنٍ فرمایا ہے جس کا ترجمہ ہلاکت اور بے عقلی کیا گیا ہے۔

یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (جس دن یہ لوگ چہروں کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے چھونے کو چکھ لو) دنیا کی آگ کا جلانا دوزخ کی آگ کے جلانے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، وہاں کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ گرم ہے یہاں کی آگ سے ذرا دیر کو بدن

چھو جائے تو کیسی تکلیف ہوتی ہے۔ وہاں کی آگ کیسی ہوگی اس کا اندازہ کرلیا جائے اس آگ کا چھونا ہی بہت سخت عذاب کا سبب ہوگا۔ پھر اس میں جلنا کیسا عذاب ہوگا ہر مجرم کو یہ سوچنا چاہیے۔

ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی تخلیق کے بارے میں خبر دی ارشاد فرمایا: اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (بیشک ہم نے ہر چیز کو ایک انداز پر پیدا کیا ہے) یعنی ہر چیز تقدیر کے مطابق ہے جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، مخلوق کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقدیر کے بارے میں جھگڑنے لگے اس پر یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۳۶: ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیروں کو آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم صفحہ ۳۳۵: ج ۲) اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز مقدر ہے حتیٰ کہ عاجز ہونا اور ہوش مند ہونا بھی مقدر ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۳۶: ج ۲)

پلک جھپکنے کی برابر: پھر فرمایا وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ کَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (اور ہمارا امر یکبارگی ہو جائے گا جیسا کہ آنکھ جھپک جاتی ہے) صاحب روح المعانی نے اس کے تین مطلب لکھے ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہم جو کچھ کرنا چاہیں وہ محض فعل واحد کی طرح سے ہے ہمیں کوئی مشقت لاحق نہیں ہوتی، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم جو بھی کچھ وجود میں لانا چاہیں اس کے لئے کلمہ واحدہ کُن ہی کافی ہے۔

جس چیز کو بھی وجود میں لانا ہو پلک جھپکنے کے برابر ذرا سے وقت میں اس کا وجود ہو جاتا ہے تیسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کا قائم ہونا آناً فاناً ایسے جلدی ہو جائے گا جتنی دیر میں آنکھ جھپکتی ہے۔ اگر یہ معنی مراد ہو تو سورۃ النحل کی آیت کریمہ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ کے مطابق ہوگا۔

وَلَقَدْ اَهْلَکْنَاۤ اَشْیَاعَکُمْ اور تم سے پہلے جو تمہاری طرح کے لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا (جن کے واقعات تم جانتے بھی ہو) فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (سو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا)۔

بندوں نے جو اعمال کئے ہیں صحیفوں میں محفوظ ہیں: وَکُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ (اور لوگوں نے جو بھی کام کئے وہ سب کتابوں میں ہیں (فرشتوں نے لکھ لیا اعمال نامے محفوظ ہیں کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے جو اعمال کئے ہوا میں اڑ گئے لاشیٔ بن گئے۔ وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ (اور ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوا ہے) تفصیل کے ساتھ لوح محفوظ میں ہے۔

متقیوں کا انعام و اکرام: اس کے بعد متقین بندوں کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ (بیشک متقی لوگ باغیچوں اور نہروں میں ہوں گے)۔ ان نہروں کا تذکرہ سورۂ محمد کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے)۔

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ (سچائی کی جگہ میں ہوں گے) مَقْعَدِ صِدْقٍ جو فرمایا ہے (جس کا ترجمہ عمدہ مقام اور سچائی کی جگہ کیا گیا ہے) حقیقت میں یہ استعارہ ہے۔ لفظ صدق اقوال اور اعمال اور عقائد کی سچائی کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو حضرات ان چیزوں میں سچے ہیں انہیں اپنی سچائی کی وجہ سے وہاں بلند مقام ملے گا جہاں بہت زیادہ خوش ہوں گے اس لئے اس کا نام مقعد صدق رکھا گیا ہے۔

ساتھ ہی عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ بھی فرمایا کہ یہ بندے عظیم القدرت بادشاہ کے جوار میں ہوں گے یعنی ان کا مرتبہ بلند ہوگا، اللہ تعالیٰ شانہ مکان اور محل وجہت سے پاک ہے۔ قال صاحب الروح والعندية للقرب الرتبی صفحہ ۹۶: ج ۲۷)

وقد انتهى تفسير سورة القمر بفضل المليك الحنان المنان
والصلوٰة والسلام على رسوله سيد الانسان والجان
وعلى من تبعه باحسان الى اواخر الدهور والازمان

سُوۡرَةُ الرَّحۡمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبۡعُوۡنَ اٰيَةً ثَلٰثُ رُكُوۡعَاتٍ

سورۃ الرحمٰن مدینہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھہتر ۷۸ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلرَّحۡمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۵﴾

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو بیان سکھایا، سورج اور چاند حساب کے ساتھ ہیں،

وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ﴿۸﴾

اور بے تنہ کے درخت اور تنہ آور فرمانبردار ہیں اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو رکھدی کہ تم تولنے میں سرکشی نہ کرو

وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ ﴿۹﴾ وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ

اور وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو، اور تول کو مت گھٹاؤ، اور اس نے زمین کو لوگوں کے واسطے رکھ دیا اس میں میوے ہیں

وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّيۡحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

اور کھجور کے درخت ہیں جن پر غلاف ہوتا ہے اور دانے ہیں بھوسہ والے، اور غذا ہے، سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی انسان کو بیان سکھایا، چاند وسورج آسمان زمین اسی کی مخلوق ہیں، اس نے انصاف کا حکم دیا غذائیں پیدا فرمائیں، تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

تفسیر: یہاں سے سورۃ الرحمٰن شروع ہو رہی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دنیاوی اور اخروی نعمتیں اور مظاہر قدرت اور وعیدیں بیان فرمائی ہیں اس میں اکتیس (۳۱) بار فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ آیا ہے اس آیت کے تکرار سے ایک بہت بڑا

لفظی اور معنوی حسن پیدا ہو گیا ہے۔

فضائل قرآن: مذکورہ بالا آیات میں چند نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو ایمانی، روحانی اور جسمانی غذاؤں پر مشتمل ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ رحمٰن جل مجدہ نے قرآن سکھایا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو مومنین کو عطا فرمائی، پھر اس کے الفاظ بھی سکھائے اور معانی بھی بتائے اس کی فصاحت و بلاغت بھی سمجھائی اس کا سمجھنا اور حفظ کرنا بھی آسان فرمایا، یہ زمین پر رہنے والے عاجز بندے جن کے اندر خون ہی خون بھرا ہوا ہے انہیں یہ شرف عطا فرمایا، یہ زمین پر رہنے والے عاجز بندے جن کے اندر خون ہی خون بھرا ہوا ہے، انہیں یہ شرف عطا فرمایا کہ اللہ کا کلام ان کے دلوں میں محفوظ ہے اور زبانوں پر جاری رہتا ہے، اس کے الفاظ اور کلمات اور معانی کے بیان کے سلسلے میں سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور الحمد للہ یہ سلسلہ برابر جاری ہے، قرآن اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور اپنے بندوں کو سکھایا پھر اس کے سکھانے کا شرف بھی عطا فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کی نعمت دی پھر اس نے کسی دوسری نعمت کی وجہ سے کسی کے بارے میں یہ سمجھا کہ اس کو جو نعمت دی گئی ہے وہ اس نعمت سے افضل ہے جو مجھے دی گئی تو اس نے سب سے بڑی نعمت کی ناقدری کی۔ (السراج المنیر شرح الجامع الصغیر صفحہ ۲۷۰: ج ۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ** کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے (راوہ البخاری صفحہ ۷۵۲: ج ۲)۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ** یعنی میری امت میں سب سے زیادہ شریف لوگ وہ ہیں جو قرآن کے حاملین ہیں اور راتوں کو بیدار رہنے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۰)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ہے یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ان کی زبانوں پر جاری ہے چھوٹے چھوٹے بچے بے تکلف روانی کے ساتھ پڑھتے ہیں متشابہات تک یاد ہیں جنہیں قرآن مجید حفظ یاد ہے، سوتے میں بھی تلاوت کرتے چلے جاتے ہیں "**تَقْرَاهُ نَائِمًا وَّیَقْظَانَ**" (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۶۰)

جس دل میں قرآن نہیں ہے وہ بہت بڑا محروم ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ** (بلاشبہ جس دل میں قرآن کا کچھ حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ (رواہ الترمذی والدارمی وقال الترمذی حدیث صحیح کما فی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۸۶: ج ۱)

بیان کرنے کی نعمت: **خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ** اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اسے بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں انہی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اسے علم دیا، بولنے کی صفت سے نوازا، بات کرنے کا طریقہ بتایا، بیان کرنے کی صفت عطا فرمائی، اظہار مافی الضمیر پر قدرت دی، فصاحت اور بلاغت سکھائی اسالیب کلام کا القاء فرمایا قرآن کریم کے الفاظ اور معانی اور احکام و مسائل بیان کرنے اور دوسروں کو اس کے مفاہیم بتانے اور قرآن مجید کے علاوہ بھی ایک دوسرے سے بولنے اور بات کرنے اور لکھنے اور سمجھانے پر قدرت عطا فرمائی۔ پھر ایک ہی زبان نہیں اسے بہت سی زبانیں سکھائیں اور طرق ادا بتائے، ایک زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی قوت بخشی **فَسُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمَ شَانُهٗ**

چاند و سورج ایک حساب سے چلتے ہیں: **اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ** (چاند اور سورج کے لئے جو رفتاروں کے مدار مقرر فرما دیئے ہیں انہیں کے مطابق چلتے ہیں) اپنی رفتار میں آزاد نہیں ہیں، جیسے چاہیں چلیں جدھر کو چاہیں چلیں اور جب چاہیں چلیں اور جب چاہیں رک جائیں۔ یہ ان کے اختیار سے باہر ہے۔ سورۂ یٰس میں فرمایا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا، ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ☆ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی

عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ☆ (اور آفتاب اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست علم والا ہے، اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں)

نجم اور شجر سجدہ کرتے ہیں: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (اور بے تنہ والا یعنی بیلدار درخت اور تنہ والا درخت (جو کھڑا رہتا ہے) یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے فرمانبردار ہیں جس طرح سجدہ کرنے والا اپنے خالق کے لئے خوشی سے سجدہ کرتا ہے اسی طرح یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں، انقیاد اور فرمانبرداری کو سجدہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔ کدو، تربوز خربوزہ کی بیل کو النجم فرمایا اور دوسرے چھوٹے بڑے درخت جو اپنی ساق یعنی پنڈلی پر کھڑے ہوتے ہیں (جن میں موٹے درخت بھی ہوتے ہیں اور پتلے بھی) ان سب کو شجر سے تعبیر فرمایا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن جبیر سے اسی طرح مروی ہے۔

آسمان کی رفعت اور بلندی: وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا (اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند فرمادیا) شمس وقمر کے بعد آسمان کی بلندی کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ آسمان کی جو بلندی ہے یہ اسے اس کے خالق جل مجدہ نے عطا فرمائی ہے، جب آسمان کی بلندی اس کے خالق تعالیٰ شانہ کی دی ہوئی ہے تو دوسری مخلوق کے بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ جس کسی کو جو کسی قسم کی رفعت ملی ہے یا مل سکتی ہے وہ خالق تعالیٰ شانہ ہی کی طرف سے ہے اور ہوسکتی ہے۔

انصاف کے ساتھ وزن کرنے کا حکم: وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اور اللہ تعالیٰ نے ترازو کو رکھ دیا اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ تاکہ تولنے میں سرکشی یعنی نافرمانی نہ کرو (عدل پر قائم رہو ایسا نہ کرو کہ دوسروں سے اپنے حق میں زیادہ تلواؤ اور دوسروں کے لئے تولو تو ڈنڈی ماردو اور گھٹا کر تولو) جیسا کہ سورۃ التطفیف کے شروع میں تولنے والوں کی زیادتی کا طریقہ بیان فرمایا ہے، سورۃ الانعام اور سورۃ بنی اسرائیل میں بھی حکم ہے (کہ ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ قائم کرو)۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ اور زمین کو رکھ دیا لوگوں کے نفع کے لئے)۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے بچھونا بنادیا اسے نرم بنادیا تاکہ اسے کھود سکیں، حوض و تالاب بنا سکیں، اس پر عمارتیں کھڑی کرسکیں، مردے دفن کرسکیں، درخت لگا سکیں، کھیتی بوسکیں، ریلیں چلائیں، گھوڑے دوڑائیں، بیچاری بے زبان ہے کچھ بھی انکار نہیں کرتی، اسی لئے سورۃ الملک میں اسے ذَلُوْلًا بتایا ہے، اس کے علاوہ بھی زمین سے بنی آدم کے بہت سے فوائد اور منافع وابستہ ہیں، اس کو لفظ للانام میں ظاہر فرمایا، اس کے بعد بعض فوائد کا خصوصی تذکرہ فرمایا فِيْهَا فَاكِهَةٌ (لاٰیتین) اس میں میوے ہیں اور کھجوریں ہیں۔

اَكْمَام، كِمّ کی جمع ہے پھلوں پر جو غلاف ہوتا ہے اسے کِمّ کہا جاتا ہے اس سے ایک تو پھل کی حفاظت رہتی ہے دوسرے خود یہ غلاف بھی کام آتے ہیں، وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ اور زمین میں دانے ہیں (گیہوں، جو وغیرہ) جو انسانوں کی غذا بنتے ہیں اور ان دانوں پر بھی غلاف چڑھے ہوئے ہیں جن کو علیحدہ کیا جاتا ہے، ان دانوں کو انسان کھاتے ہیں اور ان کے اوپر جو غلاف یعنی بھوسہ ہوتا ہے اسے حیوان کھاتے ہیں وَالرَّيْحَانُ اس کا ایک ترجمہ تو خوشبودار نبات کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ پھول کیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے رزق مراد ہے بطور قاعدہ کلیہ انہوں نے ارشاد فرمادیا کہ کل ریحان فی القران فھو رزق (قرآن کریم میں جہاں ریحان کا لفظ آیا ہے اس سے مراد رزق ہے) یہ اقوال لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رزق کو ریحان اس لئے کہا گیا کہ اس سے راحت ملتی ہے، زمین سے نکلنے والی جن نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں وہ چیزیں بھی ہیں جن میں غذا ہے

اور لذت ہے اور وہ چیزیں بھی ہیں جن میں محض غذائیت ہے اور وہ چیزیں بھی ہیں جو بہائم یعنی چوپایوں کے کام آتے ہیں ان نعمتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سواے جنو اور اے انسانو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اوپر جو نعمتیں مذکور ہوئی ہیں ان سے دونوں فریق نفع حاصل کرتے ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾

اللہ نے پیدا کیا انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح سے تھی، اور پیدا کیا جان کو لپٹیں مارتی ہوئی خالص آگ سے، سو اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے اور جنات کو خالص آگ سے پیدا فرمایا

تفسیر: یہ تین آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا یعنی ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام جو سب سے پہلے انسان ہیں اور سب انسانوں کے باپ ہیں ان کا پتلا مٹی سے بنایا یہ پہلے صرف مٹی تھی اس میں پانی ملا دیا گیا تو طین یعنی کیچڑ بن گئی پھر اس سے پتلا بنایا گیا اور وہ سوکھ گیا تو صلصال ہو گیا جیسا فخار ہوتا ہے فخار اس چیز کو کہتے ہیں جو کیچڑ والی مٹی سے بنائی گئی ہو، جب وہ سوکھ جائے تو اس میں انگلی مارنے سے آواز نکلتی ہے اسی آواز دینے والی مٹی کو صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر مختلف ادوار گزرے تھے اس کی تفصیل کے لئے سورۃ الحجر کے تیسرے رکوع کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ (انوار البیان صفحہ ۱۸۳: ج ۵)

جنات کا جو سب سے پہلا باپ تھا اس کے بارے میں فرمایا کہ جانّ کو خالص آگ سے پیدا فرمایا بعض علماء کا کہنا ہے کہ جیسے حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام ہیں ایسے ہی جانّ اَبُو الْجِنّ یعنی جنات کا باپ ہے اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ ابلیس شیطان تمام جنات کا باپ ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے اور جنات آگ سے پیدا کئے گئے ہیں اور ہر فریق اپنے اپنے اصل مادہ کی طرف منسوب ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو جس طرح پیدا فرمانا چاہا پیدا فرما دیا، وجود بخشنا یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کے ساتھ اور بہت سی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کا تقاضا ہے کہ انسان اور جنات اپنے خالق جل مجدہ کے شکر گزار ہوں اور نعمتوں کی قدر دانی کریں اسی لئے اخیر میں فرما دیا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا (سو تم دونوں فریق انسان اور جن اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾

وہ دونوں مغربوں اور دونوں مشرقوں کا رب ہے، سو اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، اس نے دونوں سمندروں کو ملا دیا ان کے درمیان آڑ

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾

ہے، وہ دونوں بغاوت نہیں کرتے، سواے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان دونوں میں سے لؤ لؤ اور مرجان نکلتے ہیں،

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

سواے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، اور اسی کے لئے کشتیاں ہیں جو بلند کی ہوئی ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح، سواے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن

تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے اور آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور اکرام والا ہے، سو

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾

اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

اللہ تعالیٰ مشرقین اور مغربین کا رب ہے، میٹھے اور نمکین دریا اسی نے جاری فرمائے ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں اسی کے حکم سے کشتیاں چلتی ہیں

تفسیر: ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر بیان فرمائے ہیں اور اس کی نعمتیں ذکر کی ہیں اول تو یہ فرمایا کہ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے، اسی نے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کو پیدا فرمایا اور چاند اور سورج کو مقرر فرمایا جو اپنی مقررہ رفتار پر چلتے ہیں مشرقین سے طلوع ہوتے ہیں اور مغربین میں چھپ جاتے ہیں ان کے طلوع اور غروب سے رات اور دن کا ظہور ہوتا ہے اور دن میں دن کے کام اور رات میں رات کے کام انجام پذیر ہوتے ہیں، رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں انسانوں اور جنات کے بڑے منافع ہیں، اس لئے اخیر میں فرمایا کہ اے جنو اور انسانو! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

دو مشرق اور دو مغرب سے کیا مراد ہے اس بارے میں صاحب روح المعانی نے علمائے تفسیر کے چند اقوال لکھے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مشرقین سے گرمی اور سردی کے دونوں مشرق اور مغربین سے سردی اور گرمی کے دونوں مغرب مراد ہیں، اور حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ مشرقین سے مشرق الفجر اور مشرق الشفق مراد ہیں اور مغربین سے مغرب الشمس اور مغرب الشفق مراد ہیں۔

اس کے بعد سمندروں کا تذکرہ فرمایا کہ دونوں سمندروں کو اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا جو آپس میں ملتے ہیں یعنی نظروں کے سامنے ملے ہوئے ہیں اور حقیقت میں ان کے درمیان میں ایک قدرتی حجاب ہے جس کی وجہ سے یہ دونوں اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے کی جگہ نہیں لیتے ان دونوں سمندر میں ایک میٹھا ہے اور ایک نمکین ہے، دونوں سمندروں سے لوگ فوائد حاصل کرتے ہیں ان فوائد کا شکر لازم ہے جنات اور انسان دونوں فریق شکر ادا کریں۔

پھر فرمایا کہ ان دونوں سمندروں سے لؤ لؤ اور مرجان نکلتے ہیں ان دونوں کے منافع بھی ظاہر ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے والوں پر شکر لازم ہے۔ لؤ لؤ اور مرجان میں کیا فرق ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لؤ لؤ سے چھوٹے موتی اور مرجان سے بڑے موتی مراد ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرجان سے سرخ رنگ کے مونگے مراد ہیں اور لؤ لؤ چھوٹے اور بڑے دونوں قسم کے موتیوں کو شامل ہے۔ (ذکرہ صاحب الروح)

دو سمندر جو آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے ان میں ایک میٹھا سمندر اور دوسرا نمکین ہے اس بارے میں سورۃ الفرقان کے تیسرے رکوع میں لکھا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیں۔

بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ لؤ لؤ اور مرجان تو شور یعنی نمکین پانی والے سمندر سے نکلتے ہیں پھر مِنْهُمَا تثنیہ کی ضمیر کیوں لائی گئی؟ اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ مِنْهُمَا کا مطلب من

مجموعھما ہے اور دونوں کے مجموعہ میں بحر ملیح بھی ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ موتی نکالنے والے عموماً دریائے شور ہی سے نکالتے ہیں (میٹھے سمندر سے نکالنے کی طرف توجہ نہیں کرتے (شاید اس وجہ سے کہ اس میں زیادہ مال نہیں ملتا) بہر حال اللہ تعالیٰ کا کلام صحیح ہے بندوں کا علم ہی کتنا ہے جس پر بھروسہ کر کے خالق جل مجدہ پر اعتراض کریں۔

اس کے بعد کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کہ اونچی اونچی کشتیاں پہاڑوں کی طرح سمندروں میں بلند ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے قائم ہیں۔ وہی اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ سمندر کا تلاطم اور تیز ہواؤں کے حملوں سے محفوظ فرماتا ہے، یہ کشتیاں بڑے بڑے وزن کے سامانِ تجارت کو اور تاجروں کو اور انسانوں کی خوراکوں اور دوسری ضروریات کو ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک لے جاتی ہے جیسے سورۃ البقرہ میں یوں فرمایا ہے **وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ** (اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں وہ چیزیں لے کر چلتی ہیں جو انسانوں کو نفع دیتی ہیں، عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے کشتیاں بنانے کا طریقہ بھی الہام فرمایا پھر ان کو سمندر میں جاری کرنے اور ان میں مال لاد کر لے جانے کا طریقہ بتایا یہ سب فوائد اور منافع کی صورتیں ہیں، یہ کشتیاں لاکھوں انسانوں کی ضروریاتِ زندگی کو ادھر سے ادھر پہنچاتی ہیں لہٰذا فائدہ اٹھانے والوں پر لازم ہے کہ خالق جل مجدہ کا شکر ادا کریں اور اس کی نعمتوں کی ناشکری نہ کریں۔

زمین پر جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے: **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ** زمین پر جو بھی کچھ ہے انسان اور جنات اور حیوانات اور ہر نفع یا ضرر کی چیز سمندر اور خشکی، بحار اور اشجار اور پہاڑ اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے سب فنا ہونے والا ہے اور اے نبی علیہ السلام آپ کے رب کی ذات باقی رہنے والی ہے اس کی ذات ذوالجلال بھی ہے اور ذوالاکرام بھی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں **الجلال عظمة الله و كبرياءه** یعنی جلال سے اللہ کی عظمت اور بڑائی مراد ہے اور الاکرام کے بارے میں لکھا ہے کہ **ای هو اهل لان يكرم عمالا يليق به من الشرك** یعنی اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے اور اس کی ذات گرامی کے لائق جو چیزیں نہیں ہیں مثلاً شرک اس سے اس کی تنزیہ کی جائے۔ یہ ترجمہ اور تفسیر اس صورت میں ہے کہ اکرام مصدر مبنی **للمجهول** لیا جائے۔ اور بعض حضراتؒ نے اس کو مبنی للفاعل لیا ہے اور معنی یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس صفت سے متصف ہے کہ وہ انعام فرمائے یعنی اپنی مخلوق پر رحم اور کرم فرمائے یہ معنی سورۃ الفجر کی آیت: **فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَامَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ** سے مفہوم ہو رہا ہے۔

سورۃ الفجر کی آیت میں **اَكْرَمَهٗ** بھی فرمایا اور **نَعَّمَهٗ** بھی فرمایا جو باب تفعیل سے ہے اور سورہ الاسراء میں فرمایا **وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ** اس میں باب افعال سے لفظ انعام وارد ہوا ہے۔ فیض القدیر صفحہ ۲:۱۶۰ شرح الجامع الصغیر میں لکھا ہے کہ اکرام انعام سے اخص ہے کیونکہ انعام کبھی گنہگاروں پر بھی ہوتا ہے اور اکرام صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جن سے کبھی نافرمانی نہ ہو۔ احقر کی سمجھ میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اعتبارات سے ہر انسان مکرم ہے انسان کا وجود ہی اس کے لئے بہت بڑی چیز ہے پھر انسان کو بہت سے اکرامات سے نوازا ہے جیسے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو جو بھی نعمت ملے وہ انعام تو ہے ہی اکرام بھی ہے یہ بات الگ ہے کہ انسان کفر وفسق وفجور اختیار کر کے اس نعمت کو اپنے لئے اہانت کا ذریعہ بنا لے یہ دنیا کا معاملہ ہے اور آخرت میں جو بھی نعمتیں ملیں گی وہ اہل ایمان ہی کو ملیں گی وہاں اہلِ ایمان ہی معزز ومکرم ہوں گے کافر کو تو موت کے وقت سے ذلت گھیر لیتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ ذلیل ہی رہے گا موت کے بعد اس کے لئے نہ انعام ہے نہ اکرام وہاں کا انعام واکرام اہلِ ایمان ہی کے لئے مخصوص ہے۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ۚ﴿۲۹﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

اس سے سوال کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، ہر دن وہ ایک شان میں ہے سواے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ۚ فَبِاَىِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اے دونوں جماعتو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے، سواے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، اے جماعت جنات کی اور انسانوں کی

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ﴿۳۳﴾

اگر تم سے ہوسکے کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل سکو تو نکل جاؤ تم بغیر قوت کے نہیں نکل سکتے،

فَبِاَىِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

سواے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

تفسیر: - ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات عالیہ اور انسان اور جنات کی عاجزی بیان فرمائی ہے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ اس دنیا میں جو کچھ کرتے ہو یہ نہ سمجھو کہ عمل کرنے میں آزاد ہو، اعمال کی پوچھ گچھ ہوگی۔ جزا وسزا کا دن آنیوالا ہے، تمہارے حساب وکتاب کے لئے ہم عنقریب فارغ ہوں گے یعنی تمہارا محاسبہ کریں گے مخلوق کے سمجھانے کے لئے مجازاً ایسا فرمایا ورنہ حق تعالیٰ شانہٗ کو کوئی بھی فعل دوسرے فعل سے مانع نہیں ہوسکتا کُلَّ یَوْمٍ کا ترجمہ کُلَّ وَقْتٍ اس لئے کیا گیا کہ مخلوق میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے تصرفات جاری رہتے ہیں۔

حساب وکتاب کی خبر دے کر پہلے سے آگاہ فرمانا یہ اللہ کی عظیم نعمت ہے اسی لئے فرمایا کہ اے جن وانس اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اس کے بعد انسانوں اور جنوں کی عاجزی بیان فرمائی کہ تم دونوں جماعتوں کو اگر یہ قدرت حاصل ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے نکل سکو تو نکل جاؤ اور یاد رکھو کہ یہ نکل جانا بغیر طاقت وقوت اور زور کے نہیں ہوسکتا اور تم میں یہ طاقت نہیں ہے جس طرح وقوع قیامت سے پہلے عاجز ہو اسی طرح قیامت قائم ہونے کے وقت بھی عاجز ہوگے یہ نہ سمجھنا کہ قیامت قائم ہوئی تو ہم گرفت سے بچ جائیں گے اور خالق اور مالک جل مجدہ کے ملک کی حدود سے باہر چلے جائیں گے، اس بات کو جانتے ہوئے کیسے کفر اختیار کرتے ہو اور گناہوں پر کیوں تلے ہوئے ہو، تمہیں پہلے بتا دیا گیا ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور حساب ہوگا، یہ پیشگی بتا دینا بھی انعام عظیم ہے، اس نعمت کا شکر ادا کرو، سو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ۚ فَبِاَىِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا سو تم اسے ہٹا نہ سکو گے، تو اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے،

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ۚ فَبِاَىِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا سو ایسا ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا ہو، سواے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، سو اس دن کسی

عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ﴿۳۹﴾ۚ فَبِاَىِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ

انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، سواے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ مجرم لوگ

بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ

اپنی نشانی کے ذریعے پہچانے جائیں گے۔ سو پیشانیوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا تو اے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، یہ جہنم ہے جسے

يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

مجرمین جھٹلاتے ہیں۔ دوزخ کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔ سوائے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

قیامت کے دن کفار انس و جانّ کی پریشانی، مجرمین کی خاص نشانی پیشانی اور اقدام پکڑ کر دوزخ میں ڈالا جانا

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کا کچھ حال بتایا ہے اور مجرموں کا دوزخ میں داخلہ اور وہاں جو ان کی بدحالی ہوگی اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ان حالات کا پیشگی اطلاع دینا بھی نعمت ہے تاکہ لوگ کفر سے اور بداعمالیوں سے بچیں اور قیامت کے دن بدحالی اور دوزخ کے داخلہ سے بچیں اس لئے ہر آیت کے ختم پر فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا۔

اول تو یہ فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو تم دونوں پر آگ کے شعلے پھینکے جائیں گے اور دھواں بھی پھینکا جائے گا یہ دھواں بھی آگ ہی سے نکلا ہوا ہوگا چونکہ اس میں روشنی نہ ہوگی اس لئے اسے نحاس یعنی دھویں سے تعبیر فرمایا، اس کے سخت گرم ہونے میں تو کوئی شک نہیں سورۃ المرسلات میں فرمایا ہے: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ☆ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ☆ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ☆ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ☆ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (چلو ایک سائبان کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ والا نہیں ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے، بیشک وہ دوزخ بڑے بڑے انگارے پھینک رہا ہے جیسے بڑے بڑے محل ہوں گویا کہ وہ کالے کالے اونٹ ہیں، اس روز جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہوگی)۔ سورۃ المرسلٰت کی آیات میں بتادیا کہ دوزخ سے جو دھواں نکلے گا بظاہر ایک سائبان معلوم ہوگا، دنیا میں جو سائبان ہوتے ہیں وہ دھوپ اور سردی سے بچنے کے لئے بنائے جاتے ہیں لیکن وہ دھواں اگرچہ تاریک ہوگا لیکن سخت گرم ہوگا اس دھویں سے بچ نہ سکو گے نہ کوئی شخص اپنی مدد کر سکے گا نہ کسی دوسرے کی۔

پھر آسمان کے پھٹنے کا تذکرہ فرمایا کہ جب وہ پھٹ جائے گا تو رنگت کے اعتبار سے ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے لال رنگ کا چمڑا ہوتا ہے، سورۂ الفرقان میں فرمایا ہے وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ☆ (اور جس دن آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ پڑے گا اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے) یہ قیامت کا دن ہوگا جس میں اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

پھر فرمایا اس دن کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ (مجرم سے سوال کبھی تحقیق حال کے لئے ہوتا ہے کیونکہ پوچھنے والے کو پوری طرح صورتِ حال معلوم نہیں ہوتی اور کبھی اسے بتانے اور جتانے کے لئے ہوتا ہے کہ تم نے ایسا ایسا کیا، اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے ہر چیز کی ہمیشہ سے اسے خبر ہے، بندوں کو پیدا فرمانے سے پہلے ہی ان کے احوال سے باخبر ہے، جو بھی مجرمین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اسے اپنے علم میں لانے کے لئے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس آیت میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ مجرمین سے ان کے اعمال کا سوال اس لئے نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کا جرم آ جائے، سورۃ القصص کی آیت وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ میں بھی یہی بات بتائی، اور دوسری قسم کا پوچھنا جو

اقرار کرنے اور جتانے کے لئے ہوتا ہے قیامت کے دن اس کا وقوع ہوگا جسے سورۃ الاعراف کی آیت کریمہ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ میں بیان فرمایا ہے۔

پھر فرمایا کہ مجرموں کو ان کی علامت اور نشانیوں سے پہچانا جائے گا۔ ان نشانیوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے سورۃ الاسراء میں فرمایا ہے وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّ بُكْمًا وَّصُمًّا (اور ہم قیامت کے روز ان کو اندھا اور گونگا اور بہرا کر کے منہ کے بل چلائیں گے) اور سورہ طٰہٰ میں فرمایا وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ. (اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہونگے) کافروں کا چہروں کے بل چلنا پھر اندھا گونگا اور بہرا ہونا اور آنکھیں نیلی ہونا یہ سب ان کی پہچان کی نشانیاں ہوں گی ان کے ذریعہ کافروں کو پہچان لیا جائے گا اور ان کے قدم اور پیشانی کے بال پکڑ کر گٹھڑی سی بنا کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

جب جہنم میں ڈالے جانے لگیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جسے مجرمین جھٹلاتے تھے اب جب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تو مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے دوزخ کے اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر لگاتے ہوں گے۔

جہنم تو آگ ہی آگ ہے اور آگ کے علاوہ بھی اس میں طرح طرح کے عذاب ہیں ان ہی عذابوں میں سے، عَذَابُ الْحَمِیْمِ یعنی گرم پانی کا عذاب بھی ہے گرم پانی ان کے سروں پر بھی ڈالا جائے گا جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا۔ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ اور پینے کے لئے پانی طلب کریں گے تو گرم پانی دیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الکہف میں فرمایا: وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ (اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔

اور سورہ محمد میں فرمایا وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور ان کو گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا) اور سورۃ المومن میں فرمایا ہے یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ (وہ لوگ گرم پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر انہیں آگ میں جلایا جائے گا)۔

یہاں سورہ رحمٰن میں فرمایا یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ (وہ دوزخ کے اور سخت گرم پانی کے درمیان چکر لگائیں گے) مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ کبھی انہیں آگ میں ڈال کر عذاب دیا جائے گا اور کبھی گرم پانی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَی الْجَحِیْمِ سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم پانی پلانے کے لئے انہیں گرم پانی کی جگہ لے جایا جائے گا پھر واپس جحیم یعنی آگ کی جگہ واپس لوٹا دیا جائے گا۔ بعض علماء نے آیت کے ظاہری الفاظ لے کر یہ کہا ہے کہ حمیم یعنی گرم پانی کی جگہ جحیم سے باہر ہوگی لیکن چونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دخولِ جہنم کے بعد پھر خروج ہو اس لئے دیگر علماء نے یہ فرمایا ہے کہ گرم پانی کی جگہ بھی دوزخ ہی کی حدود میں اندر ہی ہوگی۔ گرم پانی پی کر واپس اپنے ٹھکانہ پر لائے جائیں گے جو آگ ہی میں ہوگا حدود جہنم سے باہر جانا مراد نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ لفظ اٰنٍ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حمیم کی صفت ہے اس کا مادہ اَنِیٌ ہے مفسرین نے اس کا ترجمہ بتاتے ہوئے لکھا ہے۔ قد انتھٰی حرہ یعنی وہ انتہائی حرارت کو پہنچ چکا ہوگا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو باغ ہیں، سو اے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ دونوں باغ بہت سی شاخوں والے ہوں گے سو اے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِيهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ

جھٹلاؤ گے، ان میں دو چشمے ہیں بہتے ہوئے سوائے انسان و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان میں دو چشمے ہیں بہتے ہوئے سوائے انسان و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ

زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ

گے ان دونوں باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی، سوائے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان جنتوں میں رہنے والے لوگ ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ

ہوں جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے اور دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے، سوائے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان باغوں میں ایسی عورتیں ہوں

اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾

گی جو نیچی نگاہ رکھنے والی ہوں گی، ان کو ان لوگوں سے پہلے کسی انسان یا کسی جن نے استعمال نہ کیا ہوگا، سوائے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، گویا

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں سوائے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ بھی ہے، سوائے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

اہلِ تقویٰ کی دو جنتیں اور اس کی صفات

تفسیر: ان آیات میں اہلِ جنت کے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا اور ہر نعمت بیان کرنے کے بعد فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا ہے کہ اے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، پہلے رکوع میں دنیاوی جنتوں کا تذکرہ فرمایا اور تیسرے رکوع میں آخرت کی جنت کا تذکرہ کیا اور دوسرے رکوع میں جنات اور انسانوں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جس میں قیامت کے دن اور اس کے بعد دوزخ میں مجرمین مبتلا ہوں گے۔

مذکورہ بالا آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہوں گے، جنت خود بہت بڑا باغ ہے پھر اس باغ میں الگ الگ باغ ہوں گے جو حسب اعمال جنتیوں کو دیئے جائیں گے۔ جو حضرات گناہوں سے بچتے ہیں آخرت کے دن کے حساب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو دو باغ ملیں گے آخرت کا خوف انسان سے گناہوں کو چھڑا دیتا ہے اور طاعات اور عبادات پر لگائے رکھتا ہے سورۃ النازعات میں فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشوں سے روکا سو اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ تلاوت کی پھر فرمایا کہ دو جنتیں سونے کی ہیں جو سابقین کے لئے ہیں اور دو جنتیں چاندی کی ہیں جو ان لوگوں کی ہوں گی جو ان کے تابع ہوں گے (رواہ الحاکم فی المستدرک لہ والذہبی فی التلخیص (م) ای ہو علی شرط مسلم)

مذکورہ بالا دونوں جنتوں کی تین صفات بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ ان میں جو درخت ہوں گے ان کی شاخیں خوب زیادہ ہوں گی جو ہری بھری ہوں گی دیکھنے میں خوب اچھی اور پھیلی ہوں گی ظاہر ہے کہ جب شاخیں اور ٹہنیاں خوب زیادہ ہوں گی تو پھل بھی خوب زیادہ ہوں گے، دوسری صفت یہ بتائی کہ ان دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے، یہ چشمے روانی کے ساتھ بہتے ہوں

گے، دیکھنے سے آنکھیں لطف اندوز ہوں گی، اہلِ جنت کے چشموں کا ذکر سورۃ الدھر اور سورۃ التطفیف میں بھی فرمایا ہے سورۃ الدھر میں ایک چشمہ کا نام سلسبیل بتایا ہے، اور سورۃ التطفیف میں ایک چشمہ کا نام تسنیم بتایا ہے، سورۃ الدھر میں یہ بھی فرمایا ہے

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا

(جو نیک ہیں وہ ایسے جامِ شراب سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے)۔

متقیوں کے دونوں باغوں کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ ان میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی ایک قسم معروف یعنی جانی پہچانی ہوگی جسے دنیا میں دیکھا اور دوسری قسم نادر ہوگی جسے پہلے نہیں جانتے تھے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک قسم رطبا یعنی تازہ اور دوسری قسم یابس یعنی خشک ہوگی اور لذت میں دونوں برابر ہوں گی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ دنیا میں جتنے بھی پھل ہیں میٹھے اور کڑوے سب جنت میں موجود ہوں گے حتیٰ کہ حنظل بھی ہوگا اور جو پھل یہاں کڑوا تھا وہاں میٹھا ہوگا۔

(روح المعانی صفحہ ۱۱۷: ج ۲۷)

متقی حضرات کے بستر: متقی حضرات کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ان کے بستروں اور بیویوں کا بھی تذکرہ فرمایا، بستروں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جس کا استر یعنی اندر کا کپڑا استبرق یعنی دبیز ریشم کا ہوگا، دنیا میں جو بستر بچھائے جاتے ہیں ان میں ایک استر اوپر کا اور ایک استر نیچے کا ہوتا ہے اوپر والا نقش و نگار والا خوبصورت ہوتا ہے اور نیچے والا نقش و نگار والا نہیں ہوتا قیمتاً بھی اوپر والے کی بنسبت گھٹیا ہوتا ہے، آیت میں اہلِ جنت کے بستروں کے نیچے والے حصے کے بارے میں بتایا کہ وہ دبیز یعنی موٹے ریشم کے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں جنت کے بستروں کے نیچے والے استروں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ دبیز یعنی موٹے ریشم کے ہوں گے اسی سے سمجھ لو کہ اوپر والے استر کیسے خوش نما اور آرام دہ ہوں گے (رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین واقر الذہبی فی تلخیصہ)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اندرونی بستر استبرق کے ہوں گے اوپر کے بستروں کا کیا حال ہوگا تو اس کے جواب میں سورہ الم سجدہ کی یہ آیت تلاوت سنادی **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ** (کسی نفس کو معلوم نہیں کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپایا گیا ہے) مطلب یہ تھا کہ اس کے بارے میں دیکھے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جنت میں دیکھ کر ہی پتہ چلے گا کہ وہ کیسے ہیں؟

دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے: **وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ** (اور دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ جنت میں ہوں گے اگر چاہیں گے کھڑے ہو کر پھل توڑ لیں گے اور اگر چاہیں گے بیٹھے بیٹھے توڑ لیں گے اور اگر چاہیں تو لیٹے لیٹے لے لیں گے ہر حال میں درخت ان کے قریب آجائیں گے (روح المعانی)

قوله جنى هو ما يُجتنىٰ من الثمار بالالف المقصورة اصله ياءٌ فى آخره، ودانٍ اسم فاعل من دنا يدنو. (جنیٰ اس کا معنی ہے پھلوں سے جو چنا جائے۔ الف مقصورہ کے ساتھ اور یہ الف اصل میں یاء تھی جو کہ آخر میں تھی اور دان یہ دنا یدنو فعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے)

اہلِ جنت کی بیویاں: اس کے بعد اہلِ جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا یہ بیویاں دنیا والی بھی ہوں گی اور وہ حورِ عین بھی ہوں گی جن سے وہاں نکاح کیا جائے گا، ان سب کا حسن و جمال بھی بہت زیادہ ہوگا، وہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں گی اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کو ذرا سی نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھیں گی۔

مزید فرمایا **لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ** (ان کے جنتی شوہروں سے پہلے کبھی کسی انسان یا جن نے ان کو

اپنے رجولیت والے کام میں استعمال نہیں کیا ہوگا وہ بالکل بکر یعنی کنواری ہوں گی کسی مرد نے انہیں ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا۔ اور ہر مرتبہ ان کے پاس جائیں گے تو کنواری ہی پائیں گے۔ قال صاحب الروح:

واصل الطمث خروج الدم ولذلک یقال للحیض طمث ثم اطلق علی جماع الابکار لما فیه من خروج الدم ثم عمم لکل جماع و هو المروی هنا عن عکرمة و الی الاول ذهب الکثیر، و قیل ان التعبیر به للاشارة الی انهن یوجدن ابکاراً کلما جومعن (اور طمث کا اصل معنی ہے خون کا نکلنا اسی لئے حیض کو طمث کہتے ہیں۔ پھر اس کا اطلاق کنواری عورت سے جماع کرنے پر کیا گیا کیونکہ اس میں بھی خون نکلتا ہے۔ پھر اسے ہر جماع کے لئے عام استعمال کیا گیا۔ اور یہاں یہ حضرت عکرمہ سے مروی ہے پہلے معنی کی طرف اکثر حضرات گئے ہیں اور بعض نے کہا یہاں اس تعبیر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے جب بھی جماع کیا جائے گا تو یہ کنواری پائی جائیں گی) (صفحہ ۱۹۹: ج ۲۷)

پھر ان بیویوں کا حسن و جمال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ** (گویا کہ وہ یاقوت ہیں اور مرجان ہیں یہ دونوں موتیوں کی قسمیں ہیں مرجان کا تذکرہ گزر چکا ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ یاقوت کی صفائی اور لؤلؤ کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چہرے کی سرخی کو یاقوت سے اور باقی جسم کو موتیوں کی سفیدی سے تشبیہ دی ہے،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی ان کی صورتیں ایسی ہوں گی جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔ پھر جو دوسری جماعت جنت میں داخل ہوگی ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے کوئی خوب روشن ستارہ آسمان میں نظر آتا ہو، ان میں سے ہر شخص کے لئے حور عین میں سے دو بیویاں ہوں گی ان کی پنڈلیوں کے اندر کا گودہ حسن کی وجہ سے ہڈی اور گوشت کے باہر سے نظر آئے گا۔ (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے صفحہ ۴۶۱: ج ۱) اور سنن ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے اس کی پنڈلی کا گودا باہر سے نظر آئے گا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۷)۔

حدیث بالا میں دو بیویوں کا ذکر ہے جو کم سے کم ہر شخص کو دی جائیں گی اور ان کے علاوہ جتنی زیادہ جس کو ملیں وہ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم بالائے کرم ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے کم درجہ کے جنتی کو اسی ہزار خادم اور بہتر (۷۲) بیویاں دی جائیں گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۹ از ترمذی)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ دنیا والی عورتوں میں سے دو بیویاں اور حور عین سے ستر بیویاں ملیں گی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

احسان کا بدلہ احسان: **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** (کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ ہے) یعنی جس بندہ نے اچھی زندگی گزاری اچھے عمل کئے موحد رہا شرک سے بچا ایمان لایا اعمال صالحہ میں لگا رہا اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہی ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت نصیب فرمائے گا اور وہاں کی نعمتوں سے نوازے گا جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ حدیث شریف میں جو احسان کے بارے میں ان تعبد الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک فرمایا ہے اس کے مضمون کو بھی آیت بالا کا مضمون شامل ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۷: ج ۱ میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ احسان کیا ہے آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہو سو اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے)

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾

اور ان دو باغوں سے کم درجے کے اور دو باغ ہیں، سو اے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے سو اے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾

ان دونوں باغوں میں خوب جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہوں گے۔ سو اے انس و جن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان دونوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ

سوائے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان باغوں میں اچھی عورتیں ہونگی، سوائے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، وہ عورتیں حوریں

مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ

ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی۔ سوائے انس وجن تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے انہیں استعمال نہ کیا ہوگا

لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾

سوائے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، ان جنتوں میں داخل ہونے والے لوگ سبز رنگ کے نقش ونگار والے خوبصورت بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِکْرَامِ ﴿۷۸﴾

سوائے انس وجن تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام جو عظمت اور احسان والا ہے

دوسرے درجہ کی جنتوں اور نعمتوں کا تذکرہ

تفسیر: گزشتہ آیات میں دو جنتوں کا ذکر فرمایا، اب یہاں سے دوسری دو جنتوں کا ذکر شروع ہو رہا ہے یہ دونوں جنتیں پہلی دو جنتوں سے مرتبہ اور فضیلت میں کم ہوں گی یہ جن بندوں کو دی جائیں گی وہ اپنے احوال اور اعمال کے اعتبار سے ان حضرات سے کم درجے کے ہوں گے جن کو پہلی دو جنتیں دی جائیں گی گو صفت ایمان سے سب متصف ہوں گے، آئندہ سورت واقعہ میں سابقین اولین اور اصحابِ یمین جنت میں جانے والی دو جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی دو جنتیں سابقین اولین کے لئے اور بعد والی دو جنتیں (جن کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اصحابِ یمین کے لئے ہوں گی) جو درجہ کے اعتبار سے سابقین اولین سے کم ہوں گے)۔

لفظ مُدْهَآمَّتٰنِ کی تحقیق: مُدْهَآمَّتٰنِ (یہ دونوں جنتیں بہت گہرے سبز رنگ والی ہوں گی) یہ کلمہ لفظ **اِدْهِیْمَامٌ** باب **اِفعیلال** سے اسم فاعل مؤنث کا تثنیہ کا صیغہ ہے جو لفظ **دُهْمَة** سے مشتق ہے۔ **دهمت** سیاہی کو کہتے ہیں جب سبزی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو سیاہی کی طرف مائل ہو جاتی ہے اس لئے **مُدْهَآمَّتٰنِ** فرمایا جس کا ترجمہ سبز گہرے رنگ کا کیا گیا، قرآن مجید میں یہی ایک آیت ہے جو کلمہ واحدہ پر مشتمل ہے۔

خوب جوش مارنے والے دو چشمے: فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (ان دونوں باغوں میں خوب جوش مارتے ہوئے دو چشمے ہوں گے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں چشمے اہلِ جنت پر خیر اور برکت نچھاور کرتے رہیں گے اور حضرت ابن مسعود اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ چشمے اہلِ جنت کے گھروں میں خوشبوؤں کی چیزیں پہنچاتے رہیں گے، جیسے بارش کی چھینٹیں ہوتی ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان دو چشموں سے جوش مارتا ہوا پانی جاری ہوگا جو برابر جاری رہے گا۔ (معالم التنزیل)

فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ (ان دونوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے) یہ سب چیزیں وہاں کی ہوں گی دنیا کی چیزوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ بعد والی دو جنتوں کی نعمتوں کے تذکرہ میں بھی ہر آیت کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ فرمایا ہے، مذکورہ بالا آیات میں کھانے کی چیزوں کا تذکرہ تھا ان کے بعد بیویوں کا تذکرہ ہے ان کی خوبی اور خوبصورتی

بیان کرتے ہوئے بھی ہر آیت کے ختم پر فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ فرمایا ہے۔

جنتی بیویوں کا تذکرہ: فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ (ان چاروں جنتوں میں اچھی اور خوبصورت عورتیں ہوں گی)

معالم التنزیل میں حضرت ابن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ کا مطلب بتائیے۔ آپ نے بتایا خیرات الاخلاق حسان الوجوہ یعنی وہ اچھے اخلاق والی اور خوبصورت چہروں والی ہوں گی مزید فرمایا حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ (وہ عورتیں حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی) یہ خوبصورت عورتیں پردوں میں چھپی ہوئی ہوں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف کو جھانک لے تو زمین و آسمان کے درمیان جتنی جگہ ہے اس سب کو روشن کردے اور سب کو خوشبو سے بھردے، اور فرمایا کہ اس کے سر کا دوپٹہ ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے ان سب سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۵ عن البخاری)

جنت کے خیموں کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں مومن کے لئے ایک ہی موتی سے بنایا ہوا خیمہ ہوگا جو اندر سے خالی ہوگا اس کی چوڑائی (اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی لمبائی) ساٹھ میل کی مسافت تک ہوگی نہ اس کے ہر گوشے میں اس کے اہل ہوں گے جنہیں دوسرے گوشہ والے دیکھ پائیں گے۔ مومن بندہ اپنے اہل کے پاس آنا جانا کرتا رہے گا۔ مومنین کے لئے دو جنتیں ایسی ہوں گی جن میں برتن اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے سب چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی جن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہے اہل جنت اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف رداء الکبریا حاجب ہوگی یہ سب کچھ جنت عدن میں ہوگا۔ (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۹۵)

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے ان حوروں کو استعمال نہ کیا ہوگا)۔

بیویوں کی خوبی اور ان کا حسن و جمال بیان کرنے کے بعد فرمایا مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ (ان جنتوں میں داخل ہونے والے لوگ سبز رنگ کے نقش و نگار والے خوبصورت بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے) لفظ عَبْقَرِیٍّ کی شرح میں متعدد اقوال ہیں ایک قول کے مطابق اس کا ترجمہ نقش و نگار والا کیا گیا ہے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عمدہ اور بڑھیا فخر کے قابل ہو اہل عرب اسے عبقری کہتے ہیں اسی اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔ فلم ار عبقریا یفری فریه۔

تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ (بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام جو عظمت اور احسان والا ہے) یہ سورۃ الرحمٰن کی آخری آیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اکرام کے بیان پر ختم ہو رہی ہے پہلے رکوع کے ختم پر بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ذوالجلال والاکرام بیان فرمائی ہے وہاں اس کی تفسیر لکھ دی گئی ہے۔

”فوائد ضروریہ متعلقہ سورۃ الرحمٰن“

”فائدہ اُولیٰ“

سورۃ الرحمٰن میں اکتیس جگہ (۳۱) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ فرمایا ہے اس کے بار بار پڑھنے سے ایک کیف اور سرور محسوس ہوتا ہے ایمانی غذا بھی ملتی ہے اور تلاوت کرنے والا اور تلاوت سننے والے پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عروس القرآن یعنی قرآن کی دلہن فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۸۹)

"فائدہ ثانیہ"

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ میں جنات اور انسان دونوں جماعتوں کو خطاب فرمایا ہے اور بار بار یاد دہانی کی ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ان ان نعمتوں سے نوازا ہے سو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ نے اپنے صحابہ کو سورۃ الرحمٰن اول سے آخر تک پڑھ کر سنائی یہ لوگ خاموشی سے سنتے رہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اس سورت کو لیلۃ الجن میں جنات کو پڑھ کر سنائی وہ جواب دینے میں تم سے اچھے ثابت ہوئے۔ میں جب بھی فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پڑھتا تھا تو وہ جواب میں یوں کہتے تھے لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِّعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ اے ہمارے رب ہم آپ کی کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلاتے آپ ہی کے لئے سب تعریف ہے۔ (رواہ الترمذی)

اللہ تعالیٰ شانہ نے سب کو ہر طرح چھوٹی بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان نعمتوں کا اقرار کرنا اور شکر گزاری کا مظاہرہ کرنا یعنی وہ اعمال اختیار کرنا جن سے نعمتیں دینے والا راضی ہو یہ نعمتوں کی قدر دانی ہے، نعمتوں کا انکار کر دینا کہ مجھے نہیں ملی یا اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں دی میں نے اپنی کوششوں سے حاصل کی ہیں یا ایسا طرز عمل اختیار کرنا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ شخص نعمتوں کا اقراری نہیں ہے یہ سب نعمتوں کی تکذیب ہے یعنی ان کا جھٹلانا ہے۔ کفرانِ نعمت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

"فائدہ ثالثہ"

یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ سورۃ الرحمٰن کے دوسرے رکوع میں بعض عذابوں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور ان کے بعد بھی آیت بالا ذکر فرمائی ہے عذاب تو نقمت ہے وہ نعمتوں میں کیسے شمار ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پہلے تنبیہ کر دی گئی ہے کہ گنہگاروں کے ساتھ ایسا ایسا ہوگا تا کہ کفر و شرک اور معصیتوں سے بچیں اس لئے پیشگی خبر دے دینا کہ ایسا کرو گے تو ایسا بھرو گے یہ بھی ایک نعمت ہے اور حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

فائدہ رابعہ

آیات کریمہ سے یہ تو واضح ہو گیا کہ جنات بھی مکلف ہیں اور مخاطب ہیں سورۃ الذاریات میں واضح طور پر فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ☆ اور میں نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا) اور جس طرح انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جنات پر بھی ہیں (گو انسانوں کو فوقیت اور فضیلت حاصل ہے کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ دونوں فریق کے پاس اللہ تعالیٰ کی ہدایات آئیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول آئے دونوں جماعتیں اللہ کے احکام کی مکلف ہیں (گو یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ جنات میں بھی رسول آئے تھے یا نہیں، بنی آدم کی طرف جو رسول بھیجے گئے تھے وہی جنات کی طرف مبعوث تھے یا ان میں سے بھی رسول مبعوث ہوتے تھے)۔

البتہ اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین ہیں یعنی رہتی دنیا تک کے لئے آپ ہی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جس طرح آپ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے اسی طرح آپ جنات کی طرف بھی مبعوث کئے گئے۔ سورۃ الرحمٰن کی آیات سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے اور سورۃ الاحقاف میں ہے کہ جنات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس ہو کر انہوں نے اپنی قوم سے جا کر کہا یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا بِہٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (اے ہماری قوم اللہ کے داعی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے

گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا)۔ رسول اللہ ﷺ کئی بار جنات کے رہنے کی جگہ تشریف لے گئے جس کا کتب حدیث میں تذکرہ ملتا ہے۔

فائدہ خامسہ

یہ تو معلوم ہو گیا کہ جنات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلّف ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا ان کی طرف رسول بھی بھیجے ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، کافروں کے لئے جہنم ہے خواہ انسان ہوں خواہ جنات ہوں جیسا کہ سورہ الم سجدہ میں فرمایا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. (اور اگر ہم کو منظور ہوتا تو ہم ہر شخص کو اس کی ہدایت عطا فرماتے اور لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھروں گا)۔

حضرات محدثین اور مفسرین کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ مومن جنات پر اتنی مہربانی ہوگی کہ صرف دوزخ سے بچا لئے جائیں گے۔ یا انہیں جنت میں بھی داخل کیا جائے گا، سورۃ الرحمٰن کی آیات جن میں اہل جنت کی نعمتیں بتائی ہیں ان میں بار بار جو فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جنات بھی جنت میں جائیں گے۔

آکام المرجان (تالیف شیخ بدرالدین شبلی حنفی رحمۃ اللہ علیہ) نے چوبیسویں باب میں اس سوال کو اٹھایا ہے اور چار قول لکھے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ مومن جنات جنت میں داخل ہوں گے اور اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ وقال وعليه جمهور العلماء و حكاه ابن حزم في الملل عن ابن ابي ليلى و ابي يوسف وجمهور الناس قال و به نقول۔ (اور کہا ہے کہ جمہور علماء اسی پر ہیں اور ابن حزم نے الملل میں اسے ابن ابی لیلیٰ سے اور امام ابو یوسف سے اور جمہور علماء سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اسی کے قائل ہیں)

دوسرا قول یہ ہے کہ جنات جنت میں داخل نہ ہوں گے اس کے باہر ہی دروازوں کے قریب رہیں گے انسان انہیں دیکھ لیا کریں گے وہ انسانوں کو نہ دیکھیں گے۔ (علی عکس ذلک فی الدنیا)۔ اس قول کے بارے میں لکھا ہے:

و هذاالقول ماثور عن مالك والشافعي و احمد و ابي يوسف و محمد حكاه ابن تيميه في جواب ابن مرى و هو خلاف ماحكاه ابن حزم عن ابي يوسف. (یہ قول امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اجمعین سے منقول ہے اسے ابن تیمیہ نے ابن مری کے جواب میں نقل کیا ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جو ابن حزمؒ نے امام ابو یوسف کے حوالہ سے نقل کیا ہے)

تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اعراف میں رہیں گے اور اس بارے میں انہوں نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے لیکن حافظ ذہبی سے نقل کیا ہے۔

چوتھا قول توقف کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے اس کا کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فائدہ سادسہ

سورۃ الرحمٰن کے پہلے رکوع کے ختم پر اور تیسرے رکوع کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی صفت ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ شانہٗ عظمت والا ہے اور اکرام والا ہے یعنی اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتا ہے اور انعام سے نوازتا ہے (اس کی تشریح گزر چکی ہے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اَلِظُّوْا بِيَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یعنی یا ذاالجلال والاکرام میں لگے رہو اس کو پڑھتے رہو اس کے ذریعے دعا کرتے رہو۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد صفحہ ۴۹۹: ج ۱، واقرہ الذہبی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین بار استغفار کرتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اے اللہ تو باسلامت ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ملتی ہے اے جلال اور اکرام والے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا یا **ذَا الجلال و الاکرام** (اے عظمت والے اور بخشش کرنے والے) آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ تیری دعا قبول کرلی گئی لہٰذا تو سوال کرلے (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس شخص نے بعد نماز یہ الفاظ ادا کئے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ.

اے اللہ بے شک میں آپ سے اس بات کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کے لئے سب تعریف ہے کوئی معبود آپ کے سوانہیں ہے۔ آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمانے والے ہیں اے عظمت والے اے عطا فرمانے والے، اے زندہ، اے قائم رکھنے والے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کہ اس شخص نے اللہ کے اس بڑے نام کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے تو عطا فرما دیتا ہے (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۰)

☆☆☆☆☆☆☆

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الواقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھیانوے آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ② خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ④

جب قیامت واقع ہوگی اس کا جھٹلانیوالا کوئی نہ ہوگا۔ وہ پست کر دے گی، بلند کر دے گی، جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ⑦

اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے، اور تم تین قسم ہو جاؤ گے۔

قیامت پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے

تفسیر: اس سورت میں وقوع قیامت اور قیامت واقع ہونے کے بعد جو فیصلے ہوں گے اور ان کے بعد جو اہل ایمان کو انعامات ملیں گے اور اہل کفر جو عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کی کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں، درمیان میں اللہ تعالیٰ کی دینی اور دنیاوی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آیتِ بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا آج تو دنیا میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اس کے وقوع کے منکر ہیں جب وہ آ ہی جائے گی جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں نے خبر دی ہے اسے نظر سے دیکھ لیں گے اور جھٹلانے والے پریشان حال مبتلائے عذاب ہوں گے، اس دن مان لیں گے اور رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا کہیں گے، قیامت کی یہ خاص صفت ہوگی کہ وہ خَافِضَةٌ بھی ہوگی اور رَافِعَةٌ بھی، یعنی پست کرنے والی بھی اور بلند کرنے والی ہوگی، بہت سے لوگ جو دنیا میں اونچے تھے بادشاہ تھے امیر تھے وزیر تھے قوموں کے سردار تھے مال کی ریل پیل کی وجہ سے اہلِ دنیا انہیں بڑا سمجھتے تھے لیکن کافر مشرک منافق یا کم از کم فاسق تھے یہ لوگ قیامت کے دن برے حال میں ہوں گے، اس دن کی گرفت دنیا والی ساری بڑائی کو ملیامیٹ کر کے رکھ دے گی، اور بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر اور کمزور سمجھے جاتے تھے اصحاب دنیا کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہ تھی لیکن ایمان والے تھے متقی اور پرہیزگار تھے اعمالِ صالحہ سے مزین اور متصف تھے قیامت انہیں بلند کر دے گی بہت بڑی تعداد میں تو یہ لوگ بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے، اور بہت سوں سے آسان حساب ہوگا، اور بہت سوں سے تھوڑا بہت حساب ہو کر چھٹکارہ ہو جائے گا۔ حضرات انبیائے عظام اور شہداء کرام اور علماء اصحاب احترام کی سفارشیں کام دے جائیں گی۔

اس کے بعد قیامت کے زلزلہ کا تذکرہ فرمایا اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا (جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا) وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے)۔ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا (پھر وہ پراگندہ غبار ہو جائیں گے)۔

قوله اذا رجت قال المفسرون اذا ثانية بدل من الاولىٰ و قيل ظرف لخافضة رافعة على التنازع ذكره صاحب الكمالين بل اقرب ان يقال اذا الثانية كالشرط و قوله تعالىٰ ورجت عطف عليه و كنتم وجزاءه محذوف اى تنقسمون وتثابون حسب ايمانكم و اعمالكم. (اللہ تعالیٰ کا ارشاد اذا رجت: مفسرین حضرات فرماتے ہیں دوسرا اذا پہلے اذا سے بدل ہے اور بعض نے کہا یہ خافضۃ رافعۃ کے لئے ظرف ہے تنازع فعلین کی بناء پر یہ توجیہ صاحب کمالین نے ذکر کی ہے بلکہ زیادہ قریب یہ ہے کہ یوں کہا جائے دوسرا اذا شرط کے قائم مقام ہے اور رجت اس پر اور کنتم پر عطف ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے یعنی تم تقسیم کئے جاؤ گے اور تمہیں تمہارا ایمان واعمال کے مطابق جزا دی جائے گی)

وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (اور اے لوگو! قیامت کے دن تم تین قسموں پر ہو گے۔ ان تینوں قسموں کا تفصیلی بیان آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ کی دو قسمیں بیان فرمائیں اول سابقین جنہیں مقربین فرمایا، دوم عام مومنین جنہیں اصحاب الیمین سے تعبیر فرمایا سوم تمام کفار جو اصحاب الشمال ہونگے۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝٨ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوْنَ

سو جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں، اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں، اور جو آگے بڑھنے والے وہ

السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ وَقَلِيْلٌ مِّنَ

آگے بڑھنے والے ہیں وہ خاص قرب رکھنے والے ہیں، یہ لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلے

الْاٰخِرِيْنَ ۝١٤ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝١٥ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝١٦ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

لوگوں میں سے ہوں گے، وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں

مُّخَلَّدُوْنَ ۝١٧ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝١٨ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝١٩

گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے، آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ

اور میوے جن کو وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا، اور ان کے لئے بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی جیسے

اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا ﴿٢٥﴾

پوشیدہ رکھا ہوا موتی ہو، یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا، وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ اور کوئی بے ہودہ بات

إِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾ وَأَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ أَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾

، بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی، اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں، وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ

اور تہ بتہ کیلے ہوں گے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا، اور چلتا ہوا پانی ہوگا، اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے

وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ إِنَّآ أَنْشَأْنٰهُنَّ إِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾

اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی، اور اونچے اونچے فرش ہوں گے، ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں

لِّأَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾

یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا

قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی تین قسمیں

تفسیر: ان آیات میں اصحاب المیمنہ کی دونوں قسموں یعنی مقربین اور عام مؤمنین کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے انعامات بتائے ہیں۔ اولاً اجمالاً یوں فرمایا ہے: فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (سو داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے) وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (اور بائیں ہاتھ والے کیا ہی برے ہیں بائیں ہاتھ والے) پہلی قسم کے افراد کو أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (داہنے ہاتھ والے) کس اعتبار سے فرمایا؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے دو قول لکھے ہیں، اول یہ کہ ان حضرات کے صحائف اعمال (یعنی اعمال نامے) داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے، دوم یہ کہ جب یہ حضرات جنت میں جانے لگیں گے تو میدان حشر سے ہٹ کر داہنے ہاتھ کو چل دیں گے۔ صاحب معالم التنزیل نے تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ جب صلب آدم سے نکالے گئے تو یہ لوگ ان کے داہنے طرف سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انہیں جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لفظ یُمن (بمعنی مبارک) سے ماخوذ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات مبارک ہیں۔ ان کی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں گزری ہوں گی، ان کے مقابل اصحاب المشئمۃ کو سمجھ لیا جائے۔ مذکورہ اقوال میں سے ہر بات کا مقابل ذہن میں لے آنا چاہیئے (یعنی اصحب المشئمۃ کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور جب ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے تو میدانِ حشر سے بائیں طرف لے جایا جائے گا جدھر دوزخ ہوگا اور جب انہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا تھا تو یہ ان کے بائیں طرف سے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں نے انہیں دوزخ کے لئے پیدا کیا اور یہ لوگ نامبارک یعنی بدبختی کے کام کرتے تھے اپنی عمریں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہیں لگاتے تھے)

اس کے بعد سابقین (یعنی آگے بڑھنے والوں) کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، اصحب المیمنۃ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے جو صفات بیان کی گئیں ان کے اعتبار سے یہ حضرات مقربین بھی اصحاب المیمنۃ ہی ہیں لیکن اعمال میں سبقت لے جانے کی وجہ سے ان کو سابقین کا لقب دیا گیا ان کے انعامات بھی خوب بڑے بڑے بتائے، اس اعتبار سے میدانِ حشر میں حاضر ہونے والوں کی مذکورہ دو قسموں (اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کے علاوہ تیسری قسم یہی مقربین کی جماعت ہوگی)۔

سابقینَ اولین کون سے حضرات ہیں؟ سابقین کے بارے میں فرمایا وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ (اور آگے بڑھنے والے وہ آگے بڑھنے والے ہیں وہ خاص قرب رکھنے والے ہیں)۔

جن حضرات کو سابقین کا لقب دیا اس سبقت سے کون سی سبقت مراد ہے؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے ہجرت کی طرف سبقت کی اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ اس سے اسلام قبول کرنے کی طرف سبقت کرنے والے مراد ہیں حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے قبلتین کی طرف نماز پڑھی۔

حضرت ربیع بن انسؓ نے فرمایا کہ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے میں سبقت کی، اور حضرت علیؓ نے فرمایا جو حضرات پانچوں نمازوں کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ السابقون سے وہ حضرات مراد ہیں، اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا جو حضرات توبہ کی طرف اور نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں وہ حضرات سابقون ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اور فرمایا اُولٰٓئِکَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ مذکورہ بالا اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے سب سے زیادہ جامع قول حضرت سعید بن جبیرؒ کا ہے جو دیگر اقوال کو بھی شامل ہے۔

سابقین اولین کے لئے سب سے بڑا انعام: حضرات سابقین کے بارے میں اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فرمایا، قرب الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ساتھ ہی فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ بھی فرمایا کہ یہ حضرات نعمت والے باغیچوں میں ہوں گے، پھر ان حضرات کی اجمالی تعداد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ یعنی یہ جو سابقین مقربین بندے ہونگے ان کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے لوگ بعد والوں میں سے ہوں گے، معلوم ہوا کہ پہلی امتوں میں سے بشمول حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سابقین اولین زیادہ ہوں گے جنہیں ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ سے تعبیر فرمایا، اور امت محمدیہ میں سے بھی ایک جماعت سابقین میں سے ہوگی، لیکن یہ لوگ تعداد میں پہلی امتوں کے سابقین سے تعداد سے کم ہوں گے (گو یہ کم تعداد بھی بہت ہی بڑی تعداد ہوگی کیونکہ ان کو امم سابقہ کے اعتبار سے قلیل فرمایا ہے) یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سابقہ امتوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملا کر سابقین اولین کی تعداد اس امت کے سابقین اولین سے زیادہ ہونے سے پوری امت محمدیہ (جس میں عوام وخواص سب ہیں) کا تعداد میں کا کم ہونا لازم نہیں آتا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنتیوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں اسی (۸۰) اس امت کی ہوں گی اور ۴۰ سب امتوں کو ملا کر ہوں گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

سابقین اولین کی مزید نعمتیں: سابقین اولین کی مزید نعمتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ (یہ حضرات ایسے تختوں پر ہوں گے جو بُنے ہوئے ہوں گے) قرآن کریم میں صرف لفظ مَوْضُوْنَةٍ ہے کس چیز سے بُنے ہوئے

ہوں گے اس کا ذکر نہیں ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ سونے کے تاروں سے اور جواہر سے ان کی بناوٹ ہوگی مُتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِيْنَ (ان تختوں پر تکیے لگائے ہوئے آمنے سامنے ہوں گے) اہل جنت کا تختوں پر بیٹھنا اس طرح سے ہوگا کہ کوئی کسی کی پشت نہیں دیکھ پائے گا۔ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے) بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا) اول تو خدام کے بارے میں فرمایا کہ وہ لڑکے ہوں گے اور ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اور ہمیشہ خادم بنے رہیں گے نہ انہیں موت آئے گی اور نہ بڑھاپا۔ ان وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ کو سورۃ الطور میں غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ فرمایا ہے۔ یہ وِلْدَانٌ اہل جنت کے پاس چھوٹے بڑے برتنوں میں پینے کی چیزیں لے کر آئیں گے۔ اَكْوَابٌ کوب کی جمع ہے گول منہ کا پیالہ جس میں پکڑنے کا کڑا نہ ہو اسے کوب کہا جاتا ہے اور اَبَارِيْقَ ابریق کی جمع ہے ان سے وہ برتن مراد ہیں جن میں ٹونٹیاں لگی ہوئی ہوں، ان پینے کی چیزوں میں شراب بھی ہوگی جس کا سورہ محمد کی آیت خَمْرٌ لَّذَّةٌ لِّلشَّارِبِيْنَ میں تذکرہ فرمایا ہے لفظ خمر سے کسی کو نشہ آنے کا شبہ نہ ہو اس شبہ کو دور کرتے ہوئے لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ فرمایا (نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا)۔

پینے کی چیزوں کے بعد کھانے کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ (اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے) وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا)۔

کھانے کی چیزوں کے تذکرہ کے بعد اہل جنت کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ (اور ان کے لئے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی ہو)۔ لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگرچہ اردو والے اس کو مفرد ہی سمجھتے ہیں جس کا معنی ہے گوری سفید رنگت والی عورت اور عِيْنٌ عَيْنَاءُ کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہے بڑی آنکھ والی عورت ان دو لفظوں میں جنتی عورتوں کی خوبصورتی بیان فرمائی ہے پھر ان کے رنگ کی صفائی بیان کرتے ہوئے كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ فرمایا یعنی وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح سے ہوں گی۔

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (یہ ان کے اعمال کے صلہ میں ملے گا)۔

ناگوار کلمات نہ سنیں گے: دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ انسان اچھے حال میں ہے، جمال بھی ہے ازواج بھی ہیں اور اولاد بھی، لیکن بے تکی تکلیف دینے والی اور آرام میں خلل ڈالنے والی کانوں کو تکلیف دینے والی آوازیں بھی آتی رہتی ہیں اور بعض مرتبہ انسان ان کو دفع کرنے اور ناگوار آوازیں بند کرنے پر قدرت نہیں رکھتا جنت میں ایسا نہ ہوگا وہاں کوئی ناگوار بات اور لغویات نہیں سنیں گے اسی کو فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا (وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ اور کوئی بے ہودہ بات)۔

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی) یہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوگا جیسا کہ سورہ یٰسین میں فرمایا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ اور آپس میں بھی سلام کریں گے سورہ یونس میں فرمایا تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ اور فرشتے بھی سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ غرض یہ کہ ہمیشہ باسلامت رہیں گے اور سلام پیش کیا جاتا رہے گا۔

اصحاب الیمین کی نعمتیں: اس کے بعد اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا: وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی خوب ہیں داہنے ہاتھ والے) فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ (وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی) سدر کو لفظ مخضود کے ساتھ متصف فرمایا یعنی ان کے درختوں میں کانٹے نہیں ہوں گے جیسا

کہ دنیا والی بیریوں میں کانٹے ہوتے ہیں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک اعرابی حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ایسے درخت کا ذکر فرمایا ہے جو ایذا دینے والا ہے، آپ نے فرمایا ہے وہ کون سا درخت ہے عرض کیا وہ سدر بیری کا درخت ہے اس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے **فی سدر مخضود** فرمایا ہے یعنی وہ بیری کے درخت ایسے ہوں گے جن میں کانٹے کاٹے ہوئے ہوں گے اللہ اس کے ہر کانٹے کو کاٹ دے گا اور ہر کانٹے کی جگہ پھل لگا دے گا اسمیں ایسے پھل لگیں گے کہ ایک پھل پھٹے گا تو اس سے بہتر (۷۲) رنگ کے پھل نکل آئیں گے ایک رنگ دوسرے رنگ کے مشابہ نہ ہوگا (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی صفحہ ۴۷۶: ج ۲)

دوسری نعمت بیان کرتے ہوئے **وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ** فرمایا (یعنی وہاں تہ بتہ لگے ہوئے کیلے ہوں گے) کیلوں کا مزہ اور مٹھاس اور مخصوص کیف جو یہاں دنیا میں پرلطف ہے دنیا والے اس سے واقف ہیں۔ آخرت کے کیلوں میں جو مزہ ہوگا وہ تو اہلِ دنیا کے تصور سے باہر ہے، تیسری نعمت بیان کرتے ہوئے فرمایا **وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ** کہ اصحاب الیمین خوب زیادہ وسیع پھیلاؤ والے سایہ میں ہوں گے، جنت کا سایہ سراسر آرام دینے والا ہوگا اور سایہ بھی اصلی ہوگا، جھوٹا سایہ نہ ہوگا جیسا کہ دنیا میں دھوین کا سایہ ہوتا ہے اسی لئے سورہ نساء میں فرمایا ہے **وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا** اور ہم انہیں گہرے سایہ میں داخل کریں گے، یہ سایہ چونکہ آرام دہ ہوگا اس لئے اس میں ذرا بھی گرمی اور سردی نہ ہوگی سورۃ الدھر میں فرمایا **مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا** (اس حالت میں کہ وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ وہاں تپش پاویں گے اور نہ سردی)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سواری پر چلنے والا سو سال تک چلتا رہے مگر اس کی مسافت کو قطع نہ کر سکے گا۔ (رواہ البخاری)

مزید فرمایا **وَمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ** کہ اصحاب الیمین کو ماء جاری کی بھی نعمت دی جائے گی صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ پانی برابر زمین پر جاری ہوگا اس میں کھدی ہوئی نہریں، ندی نالے بنے ہوئے نہ ہوں گے جہاں چاہیں گے یہ پانی پہنچ جائے گا۔ ڈول اور رسی کی ضرورت نہ ہوگی (صفحہ ۲۸۰: ج ۴)

وَفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ اور اصحاب الیمین خوب زیادہ فواکہ یعنی میووں میں ہوں گے یہ میوے ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی ختم نہ ہوں گے اور کبھی بھی کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ جب چاہیں گے کھائیں گے، جتنا چاہیں گے کھائیں گے) حدیث شریف میں ہے کہ جنتی آدمی جب بھی جنت میں کوئی پھل توڑے گا اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا۔

(مجمع الزوائد صفحہ ۴۱۴: ج ۱۰)

وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (اور اصحاب الیمین بلند بستروں پر ہوں گے) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے **وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ** کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کی بلندی اتنی ہوگی جیسے آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے یعنی پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر۔ (رواہ الترمذی وقال غریب کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۹۷)

بوڑھی مومنات جنت میں جوان بنادی جائیں گی: اس کے بعد جنتی عورتوں کا تذکرہ فرمایا، وہاں جو بیویاں ملیں گی ان میں حورعین بھی ہوں گی جو مستقل مخلوق ہے اور دنیا والی عورتیں جو ایمان پر وفات پا گئیں وہ بھی اہل جنت کی بیویاں بنیں گی۔ یہ دنیا والی عورتیں وہ بھی ہوں گی جو دنیا میں بوڑھی ہو چکی تھیں اور وہ بھی ہوں گی جو شادی شدہ یا بے شادی شدہ یا چھوٹی عمر میں وفات پا گئی تھیں یہ سب جنت میں اہلِ ایمان کی بیویاں ہوں گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہلِ جنت میں سے جو بھی کوئی چھوٹا یا بڑا وفات پا گیا ہوگا قیامت کے دن سب کو جنت میں تیس سال کی عمر والا بنا دیا جائے گا ان

کی عمر کبھی بھی اس سے آگے نہ بڑھے گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۹)

لہٰذا بوڑھی مومن عورتیں جنہوں نے دنیا میں وفات پائی تھی جنت میں داخل ہوں گی تو جوان ہوں گی تیس سال کی ہوں گی۔ آیت بالا میں اسی کو فرمایا ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ

(ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں محبوبہ ہیں ہم عمر ہیں، یہ سب چیزیں داہنے والوں کے لئے ہیں)۔ جنتی عورتیں حسن و جمال والی بھی ہوں گی محبوبات بھی ہوں گی اور ہم عمر بھی ہوں گی۔

ایک بوڑھی صحابیہ عورت کا قصہ: شمائل ترمذی میں ہے کہ ایک بوڑھی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادے، آپ نے فرمایا کہ اے فلاں کی ماں جنت میں بڑھیا داخل نہ ہوگی، یہ سن کر وہ بڑی بی روتی ہوئی واپس چلی گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اس سے کہہ دو کہ جنت میں جب وہ داخل ہوگی تو بڑھیا نہ ہوگی (یعنی جنت میں بڑھاپا باقی نہ رہے گا داخل ہونے سے پہلے ہی جوان بنادیا جائے گا) اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے۔ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باری تعالیٰ شانہ کے فرمان اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نئے طور سے زندگی دیں گے ان میں وہ عورتیں بھی ہوں گی جو دنیا میں چندھی تھیں اور جن کی آنکھوں میں میل اور چیڑ بھرے رہتے تھے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الواقعہ)

چندھی اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھیں پوری طرح نہ کھلیں عام طور سے آنسو بہتے رہتے ہیں۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (اصحاب الیمین کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا)۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ

اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں، وہ لوگ سموم میں ہوں گے، اور کھولتے ہوئے پانی میں، اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا

وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾

اور نہ فرحت بخش ہوگا، وہ لوگ اس سے پہلے بڑی خوش حالی میں رہتے تھے اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کیا کرتے تھے،

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا

آپ کہہ دیجئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کیے جائیں گے ایک معین دن پر پھر تم کو اے

الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ

گمراہو جھٹلانے والو! درخت زقوم سے کھانا ہوگا، سو اس سے پیٹ بھرنا ہوگا، پھر

عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا، پھر پینا بھی پیاسے اونٹوں کی طرح ہوگا، ان لوگوں کی قیامت کے روز یہ دعوت ہوگی۔

اصحاب الشمال کا عذاب

تفسیر: ان آیات میں اصحاب الشمال کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے جنہیں شروع سورت میں اصحاب المشئمہ سے تعبیر فرمایا تھا، ارشاد فرمایا وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَا اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (اور بائیں جانب والے کیسے ہی برے ہیں بائیں جانب والے)

فِیْ سَمُوْمٍ (یہ لوگ سخت گرم زہریلی ہوا میں ہوں گے) وَّحَمِیْمٍ (اور خوب زیادہ سخت گرم پانی میں ہوں گے) وَظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ (اور ایسے سایہ میں ہوں گے جو یحموم کا سایہ ہوگا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یَحْمُوْم سے دخان اسود یعنی کالا دھواں مراد ہے۔ یہ ظل ممدود کے مقابلہ میں بیان فرمایا ہے، اصحاب الیمین بہت بڑے لمبے چوڑے گھرے سایہ میں ہوں گے اور اَصْحٰبُ الشِّمَالِ اس کے برعکس سخت گرم کالے دھوئیں میں ہوں گے لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ (یہ دھواں نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش ہوگا)۔

دنیا میں کافروں کی مستی اور عیش پرستی: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ (اس سے پہلے یہ لوگ جب دنیا میں تھے بڑی خوشحالی میں رہتے تھے) یعنی دنیا کی خوش حالی نے انہیں تباہ و برباد کیا اور مستحق عذاب بنادیا اپنے مال اور دولت اور عیش و آرام میں مست تھے ایمان قبول نہیں کرتے تھے اپنے مالک اور خالق کی طرف رجوع نہیں ہوتے تھے انہوں نے دنیا والے عیش و آرام ہی کو سب کچھ سمجھا لہٰذا آج عذاب میں گرفتار ہوئے۔

قال صاحب الروح المعنی انھم عذبوالانھم کانوا فی الدنیا مستکبرین عن قبول ماجاء ھم بہ رسلھم من الایمان باللہ عزوجل وما جاء منہ سبحانہ و قیل :ھوالذی اقرفتہ النعمۃ ای ابطرتہ واطغتہ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں انہیں عذاب دیا جائے گا اس لئے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کے ذریعہ لائی ہوئی دعوت ایمان اور دوسرے احکام سے اعراض کرنے والے تھے۔ اور بعض نے کہا یہ وہ ہے جس کو نعمتوں نے خوشحال بنایا اور خوشحالی نے اسے تکبر و سرکشی میں ڈال دیا) (صفحہ ۱۴۵/۲۷)

وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ (اور یہ لوگ بڑے بھاری گناہ پر اصرار کیا کرتے تھے) یعنی شرک اور کفر پر اصرار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ہم ایمان قبول نہیں کریں گے اور ہمیشہ کفر پر جمے رہیں گے۔

ان لوگوں کو توحید قبول کرنے سے بھی سخت انکار تھا اور قیامت قائم ہونے کا بھی سختی سے انکار کرتے تھے اسی لئے اس کے بعد فرمایا: وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے)۔ یہ بات کہنے سے ان کا مطلب وقوع قیامت کا استبعاد بھی تھا اور انکار بھی) وہ یوں بھی کہتے تھے کہ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (کیا ہمارے پرانے باپ دادے بھی اٹھائے جائیں گے) ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا قیامت کی خبر دینے والے اگر یوں کہتے کہ تم مروگے اور مرتے ہی زندہ کردیئے جاؤ گے تو ایک بات بھی تھی ممکن تھا کہ ہم اسے مان لیتے لیکن یہ تو یوں کہتے ہیں کہ تم بھی اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے باپ دادے بھی، یہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

قال فی الروح والمعنی ایبعث ایضا اٰباء نا علی زیادۃ الاثبات یعنون انھم اقدم فبعثھم ابعد وابطل (روح المعانی میں ہے کہ: مطلب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اگر یہ اٹھانا مان بھی لیا جائے تو کیا ہمارے آباؤ اجداد بھی اٹھائے جائیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ پہلے گزر چکے ہیں پس ان کا اٹھایا جانا ناممکن وغلط ہے)

وقوع قیامت کا انکار کرنے والوں کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (آپ فرمادیجئے کہ بیشک اولین اور آخرین مقررہ معلوم دن کی طرف جمع کئے جائیں گے) یعنی قیامت ضرور واقع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کا جو وقت مقرر ہے اسی وقت آئے گی، سب اولین و آخرین اس وقت جمع ہوں گے۔ اس دن بندوں کی پیشی ہوگی ایمان والوں کو جنت دی جائے گی اور اہل کفر و شرک دوزخ میں جائیں گے جہاں طرح طرح

کے عذاب ہیں ان عذابوں میں سے ایک زقوم بھی ہے۔ ارشاد فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (پھر اے گمراہو جھٹلانے والو تم زقوم کے درخت سے ضرور کھاؤ گے) جو سخت کڑوا بدمزہ اور دیکھنے میں بہت بدصورت ہوگا۔ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (باوجودیکہ وہ بہت زیادہ بدمزہ ہوگا پھر بھی بھوک کی شدت کی وجہ سے اس میں سے کھاؤ گے اور تھوڑا بہت نہیں خوب پیٹ بھر کر کھاؤ گے)۔ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (پھر اس زقوم کے درخت پر خوب گرم کھولتا ہوا پانی پیو گے اور یہ پانی اس طرح خوب زیادہ پیو گے جیسے پیاسے اونٹ دنیا میں پانی پیتے ہیں) هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (یہ روز جزاء میں ان کی مہمانی ہوگی)

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں،

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ

ہم ہی نے تمہارے درمیان میں موت کو ٹھہرا رکھا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں

فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾

جن کو تم جانتے بھی نہیں، اور تم کو اول پیدائش کا علم حاصل ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں، پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ کہ ہم پر تاوان ہی پڑ گیا

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ

بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا

نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾

ہم برسانے والے ہیں، اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر دیں سو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں، ہم نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح بیان کیجئے۔

بنی آدم کی تخلیق کیسے ہوئی؟ دنیا میں ان کے جینے اور بسنے کے اسباب کا تذکرہ

تفسیر: بنی آدم کی تینوں قسمیں بیان فرمانے کے بعد بنی آدم کی تخلیق کو بیان فرمایا اور بعض ان چیزوں کا تذکرہ فرمایا جو ان

کے لئے اسباب کے طور پر زندگی کا سامان ہیں، خطاب کا رخ منکرین کی طرف ہے لیکن نعمتوں کی یاددہانی سب ہی کے لئے ہے۔

ارشاد فرمایا نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ہم نے تم کو پیدا کیا (جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے) کمافی سورۃ الدھر: ﴿وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾ سو تم کیوں تصدیق نہیں کرتے، موت کے بعد اٹھائے جانے اور قیامت قائم ہونے پر کیوں ایمان نہیں لاتے) جس ذات پاک نے تمہیں عدم سے نکالا وجود بخشا اس کی قدرت کے کیوں منکر ہو رہے ہو اور یہ بات کیوں کہہ رہے ہو کہ دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتے جیسے اس کو پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت تھی ایسے ہی اسے اب دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت ہے، اور یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ جب اس نے تمہیں پیدا فرمایا زندگی بخشی اپنے رسول بھیجے تمہیں عمل کرنے کا اختیار دیا تو ان اعمال کی جزا و سزا دیئے جانے کے لئے ایک وقت مقرر ہونا چاہیئے اسی جزا ملنے والے دن کو قیامت کا دن کہا جاتا ہے، تمہیں اس کے وقوع کی خبر دی جارہی ہے اور اس پر ایمان لانے کو کہا جارہا ہے تو تم اس کے ماننے کے منکر ہو رہے ہو، حالانکہ اعمال کی جزا و سزا کے بارے میں یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔

انسان کی تخلیق اول مٹی سے تھی اس کے بعد سلسلہ توالد اور تناسل نطفہ منی کے ذریعہ ہوتا رہا ہے مردوں کی منی عورتوں کے رحم میں پہنچتی ہے اس سے حمل قرار پاتا ہے اسی کو فرمایا: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ (تم یہ بتاؤ کہ جس منی کو تم رحموں میں پہنچاتے ہو اس منی سے تم آدمی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں (یعنی ماء مھین (ذلیل پانی) سو جیتی جاگتی تصویر وجود میں آجاتی ہے اسے کون پیدا کرتا ہے کبھی تو حمل قرار پاتا ہی نہیں اور بہت سی مرتبہ قرار پا کر ادھورا بچہ گر جاتا ہے کبھی پیٹ ہی میں مرجاتا ہے کبھی لولا لنگڑا، اندھا بہرا، گونگا پیدا ہوتا ہے اور عموماً اچھی حالت میں بچے پیدا ہوتے ہیں یہ سب کس کے تصرفات ہیں کیا ان میں تمہارا کوئی دخل ہے؟ کسی کا کوئی دخل نہیں ہے صرف اللہ ہی کی قدرت و اختیار سے سب کچھ وجود میں آتا ہے، سب تصرفات اللہ ہی کے ہیں تم سب اسی کی مخلوق ہو، اسکی بھیجی ہوئی ہدایت کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ اس کے رسولوں اور کتابوں کو کیوں نہیں مانتے؟

اس کے بعد موت کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ (کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے) وہ اپنے مقررہ وقت پر آئے گی، یہ موت کا مقدر کرنا اور اس کے وقت کا مقرر فرمانا اور ہر ایک کے مقررہ وقت پر موت دے دینا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، کوئی بھی شخص موت سے نہیں بچ سکتا اور وقت مقررہ سے آگے اس کی زندگی نہیں بڑھ سکتی۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ (الآیۃ) اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہیں ہلاک کر دیں اور تمہاری جیسی دوسری مخلوق تمہارے بدلہ پیدا کر دیں، اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں کہ ہم تمہیں ان صورتوں میں پیدا کر دیں جنہیں تم نہیں جانتے یعنی ہم تمہیں موجودہ صورتوں کے علاوہ دوسری صورتوں میں پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى (اور تمہیں اپنی پہلی پیدائش کا علم ہے) اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا جب کہ تم کچھ بھی نہ تھے فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ (سو تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے) جس نے پہلی بار پیدا فرمایا وہ دوبارہ بھی پیدا فرما سکتا ہے۔ پہلی تخلیق کرنے کے بعد اس کی قدرت ختم نہیں ہوگئی جیسی تھی ویسی ہی ہے کما قال تعالیٰ فی سورۃ قٓ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کے بارے میں شبہ میں ہیں)

کھیتی اگانے کی نعمت: اَفَرَءَ یْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ (الآیات الخمس) ان آیات میں کھیتی کا تذکرہ فرمایا جو عام انسانوں کی زندگی کا ذریعہ ہے، ارشاد فرمایا کہ تم جو کھیتی کرتے ہو یعنی ہل یا ٹریکٹر چلا کر زمین کو نرم کرتے ہو پھر اس میں بیج ڈالتے ہو اس کے بارے میں یہ بتاؤ کہ بیج ڈالنے کے بعد کھیتی کو کون اگاتا ہے؟ تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ یعنی تم تو بیج ڈالکر فارغ ہو جاتے ہو، اب کھیتی کا اگانا ہمارا کام ہے، اگائیں یا نہ اگائیں ہمیں اختیار ہے؟ پھر اگر کھیتی نکل بھی آئی تو اس میں دانے نکلنے تک اس کا بڑھنا ضروری نہیں پہلے بھی ہلاک ہو سکتی ہے اور اگر کھیتی پوری ہو گئی بالیں نکل آئیں تو ضروری نہیں کہ تم اس سے نفع حاصل کر سکو ہم چاہیں تو اس سب کا چورا کر دیں، پھر تم تعجب کرتے ہوئے رہ جاؤ (ہائے ہائے یہ کیا ہوا، اس مرتبہ تو) ہم پر تاوان ہی پڑ کر رہ گیا بلکہ ہم بالکل ہی محروم کر دیئے گئے یعنی بیج بھی خرچ ہوا محنت بھی اکارت گئی اور غلہ بھی کچھ نہ ملا۔

بارش برسانے کی نعمت: اَفَرَءَ یْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ (الآیات الثلاث) ان آیات میں پانی کی نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ: بتاؤ یہ پانی جو تم پیتے ہو تم نے اسے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں (ظاہر ہے کہ پانی کو بادل سے اتارنے میں تمہارا کوئی دخل نہیں جب بارش نہیں ہوتی تو ٹک ٹک آسمان کی طرف دیکھا کرتے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش برسا دیتا ہے۔ کمافی سورۃ الشوریٰ وَھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (اور اللہ وہی ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہونے کے بعد بارش بھیجتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے)۔

مزید فرمایا کہ یہ پانی جو ہم نے بادل سے اتارا ہے اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا بنا دیں اگر ہم ایسا کر دیں تو تم کچھ بھی نہیں کر سکتے، یہ میٹھا پانی پیتے ہو تمہارے مویشی پیتے ہیں اس سے نہاتے دھوتے ہو۔ تم پر اس کے پینے پلانے اور دیگر استعمالات میں لانے کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔

آگ بھی نعمت ہے: اس کے بعد آگ کا تذکرہ فرمایا، انسانوں کے کھانے پکانے اور بہت سے کاموں میں آگ استعمال ہوتی ہے جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے ارشاد ہے: اَفَرَءَ یْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ (سو پھر آگ کے بارے میں بتاؤ جس کو تم جلاتے ہو) ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ (اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں) نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ (ہم نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے) ان آیات میں یہ بتا دیا کہ یہ آگ جسے تم جلاتے ہو یہ بھی تو ہماری ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ بتاؤ اس کا درخت کس نے پیدا کیا ہے تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ اہلِ عرب بعض درختوں سے آگ حاصل کیا کرتے تھے اس لئے اس کا تذکرہ فرمایا (سورہ یٰسٓ کے ختم پر اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ کے ذیل میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے درختوں کے علاوہ پتھروں سے بھی آگ پیدا ہوتی تھی (جنہیں پرانے زمانے میں چقماق کہتے تھے) بہر حال جس ذریعہ سے بھی پیدا ہو، آگ انسانوں کے لئے نعمت ہے (اگرچہ بعض مواقع میں نقمت بھی بن جاتی ہے) آگ کے درخت کے تذکرہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ درخت ہرا بھرا ہوتا ہے اس کے اندر پانی ہوتا ہے آگ اور پانی دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ اس میں سے آگ نکال دیتا ہے، آگ بڑی عبرت اور نصیحت کی چیز ہے اور بڑی نعمت ہے اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اگر آگ نہ ہوتی تو کچا آٹا لئے بیٹھے رہتے اور کچا سالن ہی کھاتے، بتاؤ یہ مٹھائیاں کیک بسکٹ اور طرح طرح کی چیزیں کیسے بناتے، اس نعمت کو یاد کرو اور نصیحت حاصل کرو اور اس آگ سے آخرت کی آگ کی

طرف بھی ذہن لے جاؤ وہ تو اس سے بہت زیادہ گرم ہے کفر و شرک اور گناہوں سے بچو۔

قال فی معالم التنزیل تذکرة للنار الکبری اذا راھا الرای ذکر جھنم قالہ عکرمة ومجاھد، وقال عطاء موعظة یتعظ بھا المومن. (معالم التنزیل میں ہے کہ: یہ آگ بڑی آگ کو یاد دلاتی ہے جب آگ جلانے والا اس آگ کو دیکھتا ہے تو اسے جہنم یاد آتی ہے یہ عکرمہ ومجاہد کا قول ہے اور عطاء فرماتے ہیں یہ ایک نصیحت ہے جس سے مومن نصیحت حاصل کرتا ہے)

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ کا معنی: آخر میں فرمایا وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ یعنی آگ کو ہم نے مسافروں کے لئے نفع کا ذریعہ بنا دیا مسافر جب کہیں جنگلوں میں ٹھہرتے ہیں تو آگ جلا لیتے ہیں روٹی سالن بھی پکاتے ہیں اور سردی میں تاپتے بھی ہیں اسے دیکھ کر درندے بھی بھاگتے ہیں اور جو راستہ بھول گئے ہوں وہ بھی جلتی ہوئی آگ دیکھ کر جلانے والوں کے قریب آجاتے ہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل: المقوی النازل فی الارض والقواء ھو القفر الخالیة البعیدة من العمران یقال قویت الدار اذا خلت من سکانھا والمعنی انہ ینتفع بھا اھل البوادی والاسفار (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں: المقوی کا معنی ہے زمین میں چلنے والا اور القواء کہتے ہیں آبادی سے دور افتادہ میدانوں کو کہا جاتا ہے۔ قویت الدار جبکہ گھر رہنے والوں سے خالی ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اس سے آبادیوں میں رہنے والے اور سفر کرنے والے نفع اٹھاتے ہیں) (صفحہ ۲۸۸: ج ۴)

مختلف نعمتوں کے تذکرہ کے بعد فرمایا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ☆ (سو اے مخاطب اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح بیان کر) جس ذات عالی کی مذکورہ بالا نعمتیں ہیں وہ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے، وہ عظیم ہے اسکی پاکی بیان کرنا لازم ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ

سو میں مَوَاقِعُ النُّجُوْم کی قسم کھاتا ہوں اور بیشک یہ بڑی قسم ہے اگر تم جانتے ہو، بیشک وہ قرآن کریم ہے محفوظ کتاب

مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَنْتُمْ

میں، اسے نہیں چھوتے ہیں مگر پاکیزہ لوگ، یہ اتارا ہوا ہے رَبُّ العٰلَمِیْنَ کی طرف سے کیا تم اس کام کو

مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

سرسری سمجھتے ہو اور تم نے اپنا حصہ یہی تجویز کر لیا ہے کہ جھٹلاتے رہو

بلاشبہ قرآن، کریم ہے رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قرآن کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے۔ مواقع النجوم کی قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ قرآن کریم ہے یعنی عزت والا ہے عمدہ چیز ہے بندوں کو نفع دینے والا ہے (اور) محفوظ کتاب میں ہے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے جیسا کہ سورۃ البروج کے ختم پر فرمایا ہے۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بلکہ وہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں) وہ لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے اس میں تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔

مَوَاقِعُ النُّجُوْم سے کیا مراد ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے آسمان کے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہیں مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ مطالع النجوم مراد ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نجوم سے نجوم القرآن مراد ہیں نجوم نجم کی جمع ہے، جو ستارہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور قسط وار جو کوئی چیز دی جائے اس کی تھوڑی تھوڑی ادائیگی کو بھی نجم کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا قرآن مجید جو نازل ہو رہا ہے جسے فرشتے لوحِ محفوظ سے لے کر آتے ہیں ان نجوم اور اقساط کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن جو بالاقساط نازل ہو رہا ہے کتاب محفوظ میں محفوظ ہے اس کتاب محفوظ تک انسان اور جنات

کی رسائی نہیں ہو سکتی اور ان کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ یہ جملہ معترضہ ہے جو قسم اور جواب قسم کے درمیان واقع ہوا ہے، مطلب یہ ہے کہ مواقع النجوم کی قسم عظیم قسم ہے اگر تم صاحب علم ہوتے تو اس کی عظمت کو جان لیتے۔ پھر جواب قسم فرمایا کہ ''اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ'' مواقع نجوم کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو قرآن کریم ہے ''فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ'' جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس سے لوح محفوظ مراد ہے جیسا کہ سورۃ البروج میں فرمایا ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ اس لوح تک شیاطین نہیں پہنچ سکتے اور تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے۔

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اسے صرف پاکیزہ بندے چھوتے ہیں) ان پاکیزہ بندوں سے فرشتے مراد ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی منقول ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (قرآن کریم رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے) بندوں کا فریضہ ہے کہ قرآن پر ایمان لائیں اس کی عظمت کا حق ادا کریں، اس کو یاد کریں پڑھیں اور پڑھائیں لیکن بہت سے لوگ (جن میں اولین مخاطب اہلِ مکہ تھے) قرآن کی طرف سے بے رخی اور بے توجہی اختیار کرتے ہیں اور اسے یوں ہی سرسری بات سمجھتے ہیں اور اس کے بجائے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں کہ اس نے اپنا کلام نازل فرمایا اس کی تکذیب کرتے ہیں یعنی جھٹلاتے ہیں اور کفر اختیار کرتے ہیں۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ لفظ مُدھنون کا ترجمہ صاحب روح المعانی نے متھاونون کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم قرآن کو معمولی چیز سمجھتے ہو پھر لکھا ہے کہ یہ لفظ ''ادھان'' سے ماخوذ ہے چمڑے کو تیل وغیرہ لگا کر جو نرم کرتے ہیں اس کو ادھان کہتے ہیں، بطور مجاز یا بطور استعارہ یہ لفظ لایا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ قرآن کریم کی طرف جو مضبوط توجہ ہونی چاہئے تمہارے اندر وہ توجہ نہیں ہے اور ہمزہ استفہام لا کر اسپر توبیخ فرمائی۔ ''یوں ہی سرسری بات سمجھتے ہو''۔ یہ اس کا حاصل ترجمہ ہے۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ: اس کا ایک ترجمہ اور مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ تمہیں نزولِ قرآن کی نعمت پر شکر کرنا چاہئے تھا شکر کے بجائے تم نے جھٹلانے ہی کو اختیار کر لیا۔ اب تمہارا نصیب یہی رہ گیا کہ تم تکذیب کیا کرو اس صورت میں رِزْقَكُمْ بمعنی شکر کم یا بمعنی حظکم لیا جائے گا۔

قال صاحب الروح و قيل معنى الآية و تجعلون شكر كم لنعمة القرآن انكم تكذبون به و يشير الى ذلك ما رواه قتادة عن الحسن بئس ما اخذالقوم لانفسهم لم يرزقوا من كتاب الله تعالىٰ الا التكذيب. (صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ: بعض نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ تم قرآن کریم کی نعمت کا یہی شکریہ ادا کرتے ہو کہ تم اسے جھٹلاتے ہو اور حضرت قتادہؒ نے جو حضرت حسنؒ سے روایت کیا ہے وہ اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے جو اختیار کیا ہے وہ بہت برا ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لئے صرف جھٹلانے کا ہی کام نصیب ہوا ہے)

یہ اس صورت میں ہے جبکہ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ سے لیکر وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ تک تمام آیات کا تعلق نزول قرآن مجید ہی سے ہو، صحیح مسلم صفحہ ۵۹: ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ آج صبح کچھ لوگ شاکر ہوئے اور کچھ لوگ کافر ہوئے جن لوگوں نے یوں کہا کہ یہ بارش اللہ کی رحمت ہے وہ لوگ شاکر ہوئے اور جن لوگوں نے یوں کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کے سقوط یعنی نیچے جانے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ لوگ کافر ہوئے اس پر فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ سے وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ تک آیات نازل ہوئیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بارش نازل فرماتا ہے جو تمہارے لئے رزق کا سبب بنتی ہے اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے تم اللہ کی

نعمت کی تکذیب کرتے ہو یعنی بارش کی نعمت کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی نعمت نہیں مانتے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں شیخ ابوعمر ابن الصلاح سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پانچوں آیات ستاروں ہی کے بارے میں نازل ہوئیں، (جن کے سقوط اور غروب کو اہلِ عرب بارش کا ذریعہ سمجھتے تھے) کیونکہ پوری آیات کی تفسیر اس کی موافقت نہیں کرتی، بات یہ ہے کہ بارش کے بارے میں آیت کریمہ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ نازل ہوئی اور باقی آیات میں دوسرے مضامین بیان کئے گئے ہیں، چونکہ سب آیات بیک وقت نازل ہوئی تھیں اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے ان سب کی تلاوت کردی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت کی یہ تفسیر کہ تم نعمت قرآن کا شکر ادا کرنے کے بجائے تکذیب کو اختیار کرتے ہو، سبب نزول کے خلاف نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم میں دنیاوی اور اخروی دونوں قسم کی نعمتوں کا بیان ہے۔

قرآن کریم میں جو نعمتیں بیان کی گئی ہیں ان کو سامنے رکھ کر خالق تعالیٰ شانہ کا شکر ادا کرنا لازم تھا لیکن تم شکر کے بجائے تکذیب اور انکار میں لگے ہوئے ہو اسی ناشکری میں یہ بات بھی ہے کہ بارش ہوتی ہے تو تم اسے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہو حالانکہ قرآن کریم میں بارہا بتایا گیا کہ تمہارا عقیدہ صحیح عقیدہ کے خلاف ہے، بارش برسانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کوئی نہیں۔

قال صاحب الروح: فماجاء من تفسير تكذبون بتقولون مطرنا بنوء كذا و كذا ليس المراد منه الابيان نوع اقتضاه الحال من التكذيب بالقرآن المنعوت بتلك النعوت الجليلة و كون ذلك على الوجه الذى يزعمه الكفار تكذيبا به مما لا ينتطح فيه كبشان، و هذالا تمحل فيه، (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں تکذبون کی جو تفسیر یہ آئی ہے کہ تم کہتے ہو ہمیں ان ان ستاروں کی وجہ سے بارش ملی ہے اس سے مراد فقط مذکورہ صفات سے موصوف قرآن کریم کی تکذیب کی ایک صورت کا بیان ہے جو مشرکین کی حالت کا تقاضہ سے ہے۔ اور اس کا اس طور پر ہونا کہ جسے کافر اس کی تکذیب خیال کرتے تھے) (صفحہ ۱۵۷: ج ۲۷)

قرآن مجید کو پڑھنے اور چھونے کے احکام: لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ جو فرمایا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اسے صرف پاکیزہ بندے ہی چھوتے ہیں) چونکہ یہ صیغہ خبر ہے اس لئے مفسرین کرام نے اس سے فرشتے مراد لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ فرشتے گناہوں سے پاک ہیں وہ ہی لوح محفوظ تک پہنچ سکتے ہیں اور اس کے مضامین پر مطلع ہو سکتے ہیں، اور بعض حضرات نے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کو خبر بمعنی الامر لیا ہے اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ قرآن مجید جو تمہارے پاس لکھا ہوا موجود ہے اس کو صرف وہی لوگ چھوئیں جو حدث اصغر اور حدثِ اکبر دونوں سے پاک ہوں، اگرچہ یہ مسئلہ اس پر موقوف نہیں ہے کہ آیت کریمہ میں جو کلمات ہیں وہ نہی کے معنی ہی میں ہوں کیونکہ احادیث شریفہ سے بھی بلا طہارت قرآن مجید چھونے کی ممانعت ثابت ہے۔

مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔ **عن عبدالله ابى بكر بن حزم ان فى الكتاب الذى كتبه رسول الله ﷺ لعمرو بن حزم ان لا يمس القرآن الا طاهراً۔** (عبداللہ ابوبکر بن حزم سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جو خط لکھا تھا اس میں تھا کہ قرآن کریم کو کوئی نہ چھوئے مگر پاک)

حضرت عمرو بن حزمؓ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں بہت سی باتوں کی نصیحت فرمائی اور لکھ کر دیں ان میں یہ بھی تھا کہ کوئی شخص قرآن کو نہ چھوئے مگر اس حالت میں کہ پاک ہو۔ **(وبسط الكلام على الحديث الزيلعى فى نصب الراية وقال روى من حديث عمرو بن حزم و من حديث عمرو من حديث حكيم بن حزام و من حديث عثمان بن ابى العاص و من حديث ثوبان)** (اور اس حدیث پر علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں تفصیل سے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بات حضرت عمرو بن حزم کی حدیث سے بھی مروی ہے اور حضرت حکیم بن حزام کی حدیث میں بھی اور حضرت عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں بھی اور حضرت ثوبان کی حدیث میں بھی مروی ہے) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **لا يمس القرآن الا طاهر** پاک ہونے میں حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں سے پاک ہونا مراد ہے، قرآن مجید کو ناپاکی کی حالت میں ایسے جزدان اور غلاف سے چھو سکتے ہیں جو اس سے علیحدہ ہوتا رہتا ہے، جلد کے

ساتھ یا مستقل سلے ہوئے کپڑے کے ساتھ اور اس کپڑے کے ساتھ چھونا جائز نہیں ہے جو پہن رکھا ہو۔

حالتِ حیض اور نفاس میں بھی قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے البتہ بے وضو قرآن کو حافظہ سے پڑھ سکتے ہیں اگر دیکھ کر پڑھنا چاہے اور وضو نہ ہو تو کسی رومال سے یا چاقو، چھری سے ورق پلٹ کر پڑھ سکتا ہے اور حالتِ حیض و نفاس اور حدثِ اکبر میں قرآن مجید کو پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت (حدث اکبر) کے علاوہ کوئی چیز قرآن شریف پڑھنے سے روکنے والی نہ تھی (حیض و نفاس بھی جناب کے حکم میں ہیں کیونکہ ان سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے)۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾
سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت تکتے رہتے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں ہو
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ
سو اگر تمہارا حساب و کتاب ہونے والا نہیں ہے تو تم اس روح کو کیوں نہیں لوٹا لیتے اگر تم سچے ہو، پھر جو شخص
مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۰﴾
مقربین میں سے ہوگا اس کے لئے راحت ہے اور غذائیں ہیں، اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص داہنے والوں میں سے ہوگا
فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ
تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے سلامتی ہے تو داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے، اور جو شخص جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہوگا سو
حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۹۵﴾
کھولتے ہوئے پانی سے اس کی ضیافت ہوگی اور وہ دوزخ میں داخل ہوگا، بے شک یہ تحقیقی یقینی بات ہے۔

اگر تمہیں جزا ملنی نہیں ہے تو موت کے وقت روح کو کیوں واپس نہیں لوٹا دیتے

تفسیر: ان آیات میں اولاً انسانوں کی بے بسی ظاہر فرمائی ہے جو موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے، ثانیاً انسانوں کی انہیں تینوں جماعتوں کا عذاب و ثواب بیان فرمایا ہے جن کا پہلے رکوع میں تذکرہ فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور انہیں بہت سے اعمال کرنے کا حکم دیا اور بہت سے اعمال سے منع فرمایا تاکہ بندوں کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا امتحان لیا جائے، سورۃ الملک میں فرمایا: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (موت اور حیات کو پیدا فرمایا تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں اچھے عمل والا کون ہے)

لہٰذا زندگی کے بعد موت بھی ضروری ہے اور ان دونوں میں سے بندوں کو کسی کے بارے میں کچھ بھی اختیار نہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی دی وہی موت دیگا، اس نے دونوں کا وقت مقرر اور مقدر فرما دیا ہے کسی کو اختیار نہیں کہ خود سے پیدا ہو جائے یا وقت مقرر سے پہلے مر جائے۔

خالق تعالیٰ شانہ کی قضاء اور قدر کے خلاف اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

ارشاد فرمایا فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (الآیات الخمس) کہ جب مرنے والے کی روح حلق کو پہنچ جاتی ہے تو تم وہاں موجود ہوتے ہو اسے حسرت کی آنکھوں سے ٹک ٹک دیکھا کرتے ہو اور اس پر ترس کھاتے ہو اور تمہاری آرزو ہوتی ہے کہ اسے موت نہ آئے اور ہم بہ نسبت تمہارے مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں (کیونکہ تم اس کی صرف ظاہری حالت کو دیکھتے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر بھی مطلع ہوتے ہیں) لیکن تم نہیں سمجھتے اگر تم یہ سمجھتے ہو اور اپنے خیال میں سچے ہو کہ تمہیں اعمال کے بدلے دیئے جانے والے نہیں ہیں تو مرنے والے کی موت کو روک کر دکھا دو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت کا وقت مقرر فرمایا ہے وہ اپنے فرشتے بھیجتا ہے جو روح نکالتے ہیں حاضرین بے بس ہیں کچھ نہیں کر سکتے جس طرح یہاں بے بس ہیں اسی طرح اس وقت بھی بے بس ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ شانہٗ اعمال کی جزا دینے کے لئے جسموں میں روحیں ڈالے گا، یہ عاجز بندے نہ دنیا میں کسی مرنے والے روح کو واپس کر سکتے ہیں نہ قیامت کے دن دوبارہ زندگی کو روک سکتے ہیں، یہ دوبارہ زندہ ہونا اور پہلی زندگی کے اعمال کا بدلہ دیا جانا خالق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے طے شدہ ہے تم قیامت ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے اور اعمال کا بدلہ دیا جانے کے منکر ہو اور اس انکار کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اگر تمہیں موت سے بچنے بچانے کی قدرت ہوتی تو یہ کہنے کا بھی موقعہ تھا کہ ہم دوبارہ زندہ نہ ہونگے اور جزا و سزا کے لئے پیشی نہ ہوگی، جب اسی دنیا میں اپنی عاجزی دیکھ رہے ہو تو دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت کی پیشی کا انکار کس بنیاد پر کر رہے ہو جبکہ خالق جل مجدہ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ تم سب کو مرنا ہے اور اعمال کی جزا ملنی ہے۔

كذا فسر حكيم الامة قدس سره في بيان القرآن وان رده صاحب روح المعاني و قال: انه ليس بشيءٍ، ثم فسر بتفسير اٰخر و جعل المدينين بمعنى مربوبين و قال: التقدير فلولا ترجعونها اذا بلغت الحلقوم. و حاصل المعنى انكم ان كنتم غير مربوبين كما تقتضيه اقوالكم و افعالكم فما لكم لا ترجعون الروح الى البدن اذا بلغت الحلقوم و تردونها كما كانت بقدرتكم او بواسطة علاج للطبيعة اه والاقرب الى السياق ما ذكر في بيان القرآن و قال القرطبي صفحه ۲۲۱: ج۱۷ اى فهلا ان كنتم غير محاسبين ولا مجزيين باعمالكم اى و لن ترجعوها فبطل زعمكم انكم غير مملوكين ولا محاسبين ثم قال: ترجعونها جواب لقوله تعالىٰ فلو لا اذا بلغت الحلقوم و لقوله فلو لا ان كنتم غير مدينين اجيبا بجواب واحد قاله الفراء اوربما اعادت العرب الحرفين ومعناهما واحد و قيل حذف احدهما لدلالة الآخر عليه انتهى. (حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے پھر اس کی دوسری تفسیر کی ہے اور مدینین کا ترجمہ مربوبین سے کیا ہے اور کہا ہے کہ تقدیر یوں ہے کہ جب روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو تم اسے لوٹا کیوں نہیں لیتے۔ اس معنی کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم (اللہ تعالیٰ کے) پروردہ نہیں ہو جیسا کہ تمہارے اعمال و اقوال تقاضا کرتے ہیں تو پھر تمہیں کیا ہے کہ تم روح کو اس کے حلقوم تک پہنچ جانے کے وقت بدن کی طرف کیوں نہیں لوٹاتے اور واپس کیوں نہیں کرتے جیسا کہ تمہاری قدرت سے ہو سکے یا طبعی علاج کے ذریعہ اھ۔ اور سیاق آیت کے قریب وہی ہے جو بیان القرآن میں مذکور ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا حساب نہیں ہوگا اور تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ نہیں ملے گا تو اور تم روح کو بھی نہیں لوٹا سکتے تو تمہارا یہ گمان باطل ہو گیا تم کسی کے مملوک نہیں ہو اور تمہارا حساب نہیں ہوگا۔ آگے علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ "ترجعونها" اللہ تعالیٰ کے قول "فلو لا اذا بلغت الحلقوم" اور "فلو لا ان كنتم غير مدينين" کا جواب ہے دونوں کا جواب ایک ہی دیا گیا ہے۔ یہ فراء کا قول ہے۔ یا بعض دفعہ عرب دو حرف لوٹاتے ہیں ان کا معنی ایک ہوتا ہے اور بعض نے کہا ایک کو حذف کر دیا گیا اس لئے کہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا ہے)

مقربین اور صالحین کا انعام: اس کے بعد فرمایا فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ☆ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ☆ کہ قیامت کے دن حاضر ہونے والے بندوں میں جو مقربین ہوں گے وہ بڑے آرام میں ہوں گے ان کو رزق ملتا رہے گا اور نعمتوں والی جنت میں داخلہ ہوگا وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ☆ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اور جو بندے اصحاب یمین ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ اے اصحاب یمین تمہارے لئے سلامتی ہو۔

مکذبین اور ضالین کا عذاب: پھر کافروں و مشرکوں کا عذاب بیان فرمایا: وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوگا (یہ اصحاب الشمال میں سے ہوگا)، اس کے لئے سخت کھولتا ہوا گرم پانی ہوگا، جس کا دوسرے رکوع میں ذکر ہوا) اور دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ☆ (بے شک یہ تحقیقی بات ہے)۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے

تفسیر: یہ آیت سورۃ الواقعہ کی آخری آیت ہے اس سے پہلا رکوع بھی انہیں الفاظ پر ختم ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دنیاوی اور اخروی بیان کرنے اور کافروں کو تذکیر و تنبیہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جو عظیم ہے ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہے اس کی طرف سے جو اخبار اور تبشیر ہے سب صحیح ہے یوں تو ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی جائے اور اس کی حمد و ثناء میں لگے رہیں۔ لیکن جن مواقع میں خصوصیت کے ساتھ تسبیح اور تحمید کا خصوصی اہتمام کرنے کو فرمایا ہے ان مواقع میں خاص طور سے اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب **فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ** ☆ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **اجعلوها في ركوعكم** کہ اسے اپنے رکوع میں مقرر کرلو (یعنی رکوع میں **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ** کہا کرو) پھر جب **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى** نازل ہوئی تو فرمایا کہ اسے اپنے سجدے میں پڑھنے کے لئے مقرر کرلو (یعنی سجدہ میں **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى** کہا کرو)۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ص ۸۲)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھ لے اسے کبھی بھی فاقہ نہ ہوگا یعنی تنگدستی لاحق نہ ہوگی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی لڑکیوں کو حکم دیتے تھے کہ روزانہ ہر رات کو اس سورت کو پڑھا کریں۔ (راجع شعب الایمان صفحہ ۴۹۲: ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مرض وفات میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا **فَمَا تَشْتَهِيْ** (یعنی آپ کیا چاہتے ہیں) فرمایا **رَحْمَةَ رَبِّيْ** (یعنی اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں آپ کے لئے کسی طبیب (معالج) کو بلالوں؟ فرمایا **اَلطَّبِيْبُ اَمْرَضَنِيْ** مجھے طبیب ہی نے بیمار کیا ہے یعنی طبیب حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اسی نے مجھے بیماری دی ہے اس کے سوا کس طبیب کو بلاؤ گے) پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے کوئی عطیہ بھیج دوں، فرمایا مجھے کوئی حاجت نہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا قبول کرلو اپنے گھر والوں کیلئے چھوڑ جانا، فرمایا میں نے انہیں ایک چیز سکھا دی ہے اسے پڑھتے رہیں گے تو کبھی محتاج نہ ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ **من قرء الواقعة كل ليلة لم يفتقر** (جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لے گا کبھی محتاج نہ ہوگا)۔
(البیہقی فی شعب الایمان صفحہ ۴۹۱: ج ۲)۔

علموا نسائكم سورة الواقعة فانها سورة الغنى.

(کہ اپنی عورتوں کو سورۃ واقعہ سکھاؤ، کیونکہ وہ غنی (یعنی مالداری) لانیوالی سورت ہے) (کنز العمال صفحہ ۵۹۲: ج ۱)

وَلَقَد تم تفسير سورة الواقعة بفضل الله تعالىٰ

فالحمد له اولا و آخراً

وباطنا و ظاهراً

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحدید اس میں انتیس آیات اور چار رکوع ہیں یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے، اسی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، وہی حیات دیتا ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ

اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے، اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے، اس

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي

نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ جانتا ہے اس چیز کو جو زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور جو

الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ

اس میں سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ

اور وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے، اسی کی سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹ جائیں گے، وہ رات کو

فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور وہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے

اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے، آسمانوں میں اسی کی سلطنت ہے وہ سب کے اعمال سے باخبر ہے

تفسیر: یہاں سے سورۃ الحدید شروع ہو رہی ہے اوپر چھ آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ شانہ کی صفاتِ جلیلہ عظیمہ بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کے لئے ہے وہ زندہ بھی کرتا ہے اور موت بھی دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ اول بھی ہے اپنی مخلوق سے پہلے بھی تھا اور آخر بھی ہے یعنی جب مخلوق فنا ہو جائے گی تب بھی باقی رہے گا یعنی اس پر نہ عدم سابق طاری ہوا نہ عدم لاحق طاری ہوگا اور وہ ظاہر بھی ہے کہ دلائل قاہرہ سے اسے پہچانا جاتا ہے اور باطن بھی ہے کہ اس کی ذات کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ جو چیزیں زمین میں داخل ہوتی ہیں اور جو چیزیں اس سے نکلتی ہیں اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں چڑھتا ہے وہ ان سب کو جانتا ہے اور وہ اپنے علم کے

اعتبار سے تم سے دور نہیں ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں کا اور زمینوں کا ملک اسی کے لئے ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے) اس میں بندوں کے اعمال بھی ہیں جو قیامت کے دن پیش ہوں گے اور جزا سزا کا فیصلہ ہوگا، وہ رات کو دن میں اور دن میں رات کو داخل فرماتا ہے کبھی دن بڑا اور کبھی رات بڑی ہوتی ہے یہ سب تصرفات اسی ذاتِ عالی کی ہیں وَ هُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور وہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے۔ جس کسی کے دل میں جو بھی کچھ خیال اور وسوسہ آئے اور جو بھی کوئی شخص ایمان قبول کرے یا کفر پر جما رہے اسے ان سب کی خبر ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ

تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور جس مال میں تم کو اس نے دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے۔ اس میں سے خرچ کرو، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں

اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ

ان کو بڑا ثواب ہوگا، اور تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو اس کی طرف بلا رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور اللہ

مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

نے تم سے عہد لیا تھا، اگر تم کو ایمان لانا ہو، وہ ایسا ہے کہ اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تاکہ وہ تم کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا شفیق ہے مہربان ہے، اور تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ

حالانکہ سب آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ برابر نہیں ہیں وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے

دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

کوئی شخص ہے جو اللہ کو قرض حسن دے پھر اللہ اس کو اس کے لئے بڑھائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو

تفسیر: یہ پانچ آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حکم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو ساتھ ہی مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ بھی فرمایا ہے یعنی یہ مال وہ ہے جو تم سے پہلے دوسروں کے پاس تھا ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں خلیفہ بنا دیا اب یہ مال تمہارے تصرف میں ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ خرچ کیا ہوا مال ضائع نہ جائے گا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ (سو جو لوگ تم

میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں ان کے لئے بڑا ثواب ہے) دوسری آیت میں فرمایا کہ تمہارے لئے اس کا کیا سبب ہے کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اللہ نے تمہارے اندر اپنا رسول بھیج دیا وہ تمہیں دعوت دیتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ اور مزید بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لیا تھا جس کے جواب میں تم نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا (اس سے عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ مراد ہے جو سورہ اعراف میں مذکور ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تمہیں ایمان لانا ہے تو ایمان لے آؤ کس بات کا انتظار ہے حجتیں قائم ہو گئیں دلائل بیان کر دیئے گئے براہین سمجھ میں آ گئے اب ایمان لانے میں کیوں دیر کر رہے ہو۔ **في معالم التنزيل ان كنتم مؤمنين يوماً فالأن اخرى الاوقات ان تومنوا لقيام الحجج والاعلام ببعثة محمد ﷺ و نزول القرآن** (تفسیر معالم التنزیل میں ہے اگر تم نے کسی دن ایمان لانا ہے تو اب ایمان لانے کا آخری وقت ہے کیونکہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن کے سبب بہت سارے دلائل اور نشانیاں قائم ہو چکی ہیں) (صفحہ ۲۹۴: ج ۴)

تیسری آیت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا اور آپ پر آیات قرآنیہ نازل فرمانے کی نعمت کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس نے اپنے بندہ پر واضح آیات نازل فرمائیں تاکہ وہ (کفر و شرک کی) اندھیریوں سے نور ایمان کی طرف لائے (یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے) اور بلاشبہ اللہ خوب زیادہ شفقت و رحمت فرمانے والا ہے۔

چوتھی آیت میں فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ تمہیں اس بات سے کیا چیز روکنے والی ہے کہ تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو سب مال اللہ تعالیٰ ہی کا ہے حقیقتاً وہی مالک ہے، مجازی مالکوں کی موت کے بعد تمہیں یہ مال ملا ہے تمہارا نہ حقیقت میں اب ہے اور نہ مجازی طور پر تمہارے پاس ہمیشہ رہے گا۔ **قال في معالم التنزيل اى شئ لكم في ترك الانفاق فيما يقرب من الله و انتم ميتون تاركون اموالكم** (معالم التنزیل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے راستوں میں خرچ کرنے سے تمہیں کون سی چیز روکتی ہے حالانکہ تم اپنے مالوں کو چھوڑ کر کرنے والے ہو) (صفحہ ۲۹۴: ج ۴)

فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ حضرات بھی تھے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا تھا اور کافروں سے جنگ لڑی تھی پھر جب مکہ فتح ہو گیا کافروں کو شکست ہو گئی تو اس کے بعد مسلمانوں کے مغلوب ہونے کا ڈر ختم ہو گیا اسی لئے فرمایا لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے فی سبیل اللہ مال خرچ کئے اور جہاد کئے یہ جماعت اور وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد مال خرچ کئے اور جہاد کئے برابر نہیں ہیں۔ پہلے فریق کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا (یہ لوگ درجہ کے اعتبار سے ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اموال خرچ کئے اور جہاد کئے) اگرچہ بعد میں خرچ کرنے والے اور جہاد میں شرکت کرنے والے بھی محروم نہ ہوں گے ثواب انہیں بھی ملے گا، اسی کو فرمایا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (اور اللہ تعالیٰ نے سب سے خوبی یعنی ثواب کا وعدہ فرمایا ہے) وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے) جس نے جو بھی خیر کا کام کیا اللہ تعالیٰ اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے بارے میں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فرما کر اعلان عام فرما دیا کہ سب کے لئے حُسْنٰی یعنی مغفرت اور جنت ہے، اور سورہ توبہ کی آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (الآیۃ) میں مہاجرین وانصار کے لئے اور جو لوگ ان کا اتباع بالاحسان کریں ان کے لئے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ فرما دیا اور یہ بھی فرما دیا کہ ان کے لئے جنتیں تیار فرمائی ہیں۔ (دیکھو سورہ توبہ)

اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کو دیکھو اور روافض کو دیکھو جنہیں اسلام کا دعویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو صحیح نہیں مانتے، دو چار کے سوا سب صحابہ کو گمراہ اور کافر کہتے ہیں اور ان حضرات سے براءت کا اعلان کئے بغیر ان کو چین نہیں آتا، یاد رہے کہ سابقین اولین میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے جن سے روافض کو انتہائی بغض ہے **ذٰلك هو الضلال البعيد۔**

کون ہے جو اللہ کو قرض دے: پھر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ (وہ کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض پھر وہ اللہ اس کے لئے چند در چند کر کے بڑھا دے اور اس کے لئے اجر کریم ہے) اللہ تعالیٰ شانہ بندوں کا بھی خالق اور مالک ہے اور ان کے اموال کا بھی خالق اور مالک ہے جو بھی کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر اس کا نام قَرْضًا حَسَنًا رکھ دیا اور جتنا بھی کوئی شخص مال خرچ کرے (بشرطیکہ اللہ کی رضا کے لئے ہو) اس کو خوب زیادہ بڑھا کر دینے کا وعدہ فرما لیا، اول تو مال اسی کا ہے پھر بندوں نے خرچ بھی کیا اپنی ہم جنس مخلوق پر اللہ تعالیٰ شانہ غنی اور بے نیاز ہے اسے کسی مال کی حاجت نہیں اس نے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے والوں سے بہت زیادہ ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے کم سے کم ہر صدقہ کا ثواب دس گنا تو ملتا ہی ہے اور سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا چڑھا کر ثواب دیا جاتا ہے اخلاص کے ساتھ خرچ کرنا حلال اور طیب مال خرچ کرنا نفس کی خوشی کے ساتھ خرچ کرنا یہ سب قرض حسنہ کے عموم میں داخل ہے۔

صحیح مسلم صفحہ ۲۵۸: ج ۲ میں ہے کہ روزانہ رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعاء کرے میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو دوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اس کی مغفرت کر دوں، کون ہے جو ایسے کو قرض دے جس کے پاس سب کچھ ہے اور جو ظلم کرنے والا نہیں ہے صبح تک یوں ہی فرماتے رہتے ہیں) یہ جو فرمایا کہ کون ہے جو ایسے کو دے جس کے پاس سب کچھ ہے اس میں یہ بتا دیا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ضرورت مند کو دے رہا ہوں بلکہ اپنا فائدہ سمجھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے اس میں یہ بتایا کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ضائع نہ جائے گا اس کے مارے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ

جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا، آج تم کو بشارت ہے

جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۚ﴿۱۲﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ

ایسے باغوں کی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے، جس روز

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، ان کو جواب دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر

نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ﴿۱۳﴾

روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی جانب میں رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب ہوگا

یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَ

وہ ان کو پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے، اور تم شک کیا کرتے تھے، اور

غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّلَا مِنَ

تم کو تمہاری تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جاوے گا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ؀

اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے، وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے

قیامت کے دن مؤمنین مؤمنات کو نور دیا جائے گا منافقین کچھ دور ان کے ساتھ چل کر اندھیرے میں رہ جائیں گے

تفسیر: ان آیات میں مؤمنین ومؤمنات اور منافقین ومنافقات کی حالت بتائی ہے جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا اہلِ ایمان کے بارے میں فرمایا کہ اے مخاطب تم قیامت کے دن مومنین ومؤمنات کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے لئے ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں تم ہمیشہ رہو گے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یہ بڑی کامیابی ہے)۔

قیامت کے دن حاضر تو سبھی ہوں گے، مومن بھی منافق بھی کھلے ہوئے کافر بھی اور وہ لوگ بھی دنیا میں شرک کرتے تھے، کافروں اور مشرکوں کو تو نور ملے ہی گا نہیں وہ تو اندھیرے ہی میں رہیں گے اور مسلمانوں کو نور دیا جائے گا وہ اس کے ذریعہ پل صراط سے گزریں گے اور یہ نور اعمال کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ منافقین بھی مومنین کے پیچھے پیچھے ہولیں گے چلتے چلتے مومنین آگے بڑھ جائیں گے اور منافق مرد وعورت پیچھے رہ جائیں گے اور اتنے پیچھے ہو جائیں گے کہ بالکل اندھیرے میں رہ جائیں گے، یہ لوگ مؤمنین سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو ہمیں بھی مہلت دو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہاری روشنی میں چلے چلیں ان کو جواب دیا جائے گا۔ اِرْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ وہیں روشنی تلاش کرو) وہ پیچھے لوٹیں گے تو ذرا بھی روشنی نہ پائیں گے اور ساتھ ہی ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جو مومنین اور منافقین کے درمیان آڑ بن جائے گی اب تو وہ لوگ نہ مومنین تک واپس پہنچ سکیں گے اور نہ مومنین کی روشنی سے استفادہ کر سکیں گے۔ منافقین مومنین سے پکار کر کہیں گے اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ (کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے) تمہاری طرح نماز پڑھتے تھے اور تمہارے ساتھ جہاد میں جایا کرتے تھے جب ہم اسلامی اعمال میں تمہارے ساتھ تھے تو آج ہمیں اندھیرے میں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟ مؤمنین جواب دیں گے بَلٰى (ہاں دنیا میں تم ہمارے ساتھ تھے) یہ بات ٹھیک ہے وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ (لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنہ میں ڈالا یعنی گمراہی میں پھنسے رہے وَتَرَبَّصْتُمْ (اور تم نے انتظار کیا (کہ دیکھو مسلمانوں پر کب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے) وَارْتَبْتُمْ (اور تم اسلام کے حق ہونے میں شک کرتے تھے) وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ (اور تمہیں تمہاری آرزوؤں نے دھوکہ میں ڈالا) تم سمجھتے تھے کہ یہ اسلام اور اس کے ماننے والوں کو چند دن کا مسئلہ ہے نہ یہ دین چلنے والا ہے اور نہ اس کے ماننے والے آگے بڑھنے والے ہیں اگر تم اسلام کو سچا جانتے تو اس پر مرمٹتے لیکن تم ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے اس دین کے مخالف تھے اس لئے اس کے مٹ جانے کی آرزوئیں رکھتے تھے حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ (یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا) یعنی تمہیں موت آ گئی جب موت آ جائے تو توبہ بھی نہیں ہو سکتی وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (اور دھوکہ دینے والے یعنی شیطان نے تمہیں دھوکے میں ڈالا) اور تمہارا ناس کھو دیا، اب تو تمہیں عذاب ہی میں جانا ہے، آج تم اور کھلے کافر مستحق عذاب ہونے میں برابر ہو تمہارے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہیں فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (سو آج نہ تم سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جو کھلے کافر تھے)

مَاْوٰكُمُ النَّارُ (تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے) هِيَ مَوْلٰكُمْ (وہ تمہاری رفیق ہے) وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (اور وہ برا ٹھکانہ ہے)۔

یہ تشریح اور توضیح تفسیر درمنثور کی روایات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔

نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اہلِ ایمان کے دائیں اور سامنے نور ہوگا اس سے بائیں طرف نور ہونے کی نفی نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں بائیں طرف نور ملنے کا بھی تذکرہ ہے رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت سے لے کر آپ کی امت تک بہت سی امتیں گزری ہوں گی ان کے درمیان میں آپ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ان کے چہرے روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے ان کی یہ کیفیت وضو کرنے کی وجہ سے ہوگی میری امت کے علاوہ کسی دوسری امت کے لئے یہ نشانی نہ ہوگی اور میں انہیں اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر ہوں گے اور اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ ان کے سامنے اور دائیں اور بائیں تینوں طرف نور ہوگا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک صفحہ ۴۷۸ ج ۲ وقال صحيح الاسناد و سكت عليه الذهبي)۔

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ (سو ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا) بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (اس کے اندر والے حصہ میں رحمت ہوگی اور باہر کی جانب عذاب ہوگا) یہ کون سی دیوار ہے جس کا الفاظِ بالا میں تذکرہ فرمایا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ دیوارِ اعراف ہے جو مومنین اور کفار (بشمول منافقین) کے درمیان حائل کر دی جائے گی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے اعراف کے علاوہ کوئی دوسری دیوار مراد ہے صاحب معالم التنزیل صفحہ ۲۹۶: ج ۴ لکھتے ہیں وهو حائط بين الجنة و النار یعنی وہ ایک دیوار ہوگی جو جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہوگی اس دیوار میں جو دروازہ ہوگا وہ کس لئے ہوگا اور کب تک رہے گا اس بارے میں کوئی تصریح واضح طور پر نہیں ملتی ممکن ہے کہ یہ وہی دروازہ ہو جس کے ذریعہ اہلِ جنت اہلِ دوزخ سے گفتگو کر سکیں گے جیسا کہ سورۃ الصافات میں قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ☆ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ فرمایا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دروازہ مستقل نہ ہو مومنین کے جنت میں جاتے وقت (جبکہ منافقین ان سے علیحدہ ہو جائیں گے) یہ دروازہ کھلا رہے اور بعد میں بند کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

”فائدہ“

مومنین کے نور کا سورۃ التحریم میں بھی تذکرہ فرمایا ہے يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (جس دن اللہ نبی ﷺ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کی داہنی طرف اور ان کے آگے دوڑتا ہوگا، وہ یوں دعا کرتے رہتے تھے کہ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا فرما دے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اعمالِ صالحہ سراپا نور ہیں: اعمالِ صالحہ سراسر نور کا ذریعہ بنیں گے اور بعض اعمال کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ نور کا سبب ہونے کی خصوصی تصریح بھی احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نورِ تام یعنی پورے نور کی خوشخبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیریوں میں مسجدوں کی طرف چلتے ہیں قیامت کے دن۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد ورواہ ابن ماجہ عن سہل بن سعد وانس)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ نے نماز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ جس نے نماز

کی پابندی کی اس کے لئے قیامت کے روز نماز نور ہوگی اور اس کے ایمان کی دلیل ہوگی اور اس کی نجات (کا سامان) ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی اس کے لئے نماز نہ نور ہوگی نہ (ایمان کی) دلیل ہوگی نہ نجات کا سامان ہوگی، اور یہ شخص قیامت کے روز قارون اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان اور (مشہور مشرک) ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد ج ۲: صفحہ ۱۶۹)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جمعہ کے دن سورۃ الکہف پڑھی اس کے لئے دو جمعوں کے درمیان نور روشن ہوگا۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ صفحہ ۲۴۹: ج ۳)۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سفید بال مت اکھاڑو کیونکہ وہ مسلمان کا نور ہے جو کوئی مسلمان ہونے کی حالت میں بوڑھا ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے بدلے نیکی لکھے گا اور اس کے لئے اس کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کرے گا اور اس کا ایک درجہ بلند کرے گا۔ (یہ نیکی اور گناہ کی معافی صرف بڑھاپے کی وجہ سے ہوگی) (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۳۸۲)

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ
جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا سو ان کے دل سخت ہوگئے اور ان میں سے بہت سے فاسق تھے، جان لو کہ بے شک
اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾
اللہ زندہ فرماتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد بیشک ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کیں تاکہ تم سمجھو۔

کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب خشوع والے بن جائیں

تفسیر: اس آیت میں ان اہل ایمان کو خطاب اور عتاب فرمایا ہے جن کے اعمال صالحہ میں کمی آگئی اور جن کے دلوں میں ذکر اللہ اور کتاب اللہ کی طرف توجہ درجۂ مطلوبہ میں نہیں رہی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے وہاں کچھ اصحاب ہنس رہے تھے آپ نے اپنے مبارک چہرہ سے چادر ہٹائی جو سرخ ہو رہا تھا اور فرمایا کہ کیا تم ہنس رہے ہو؟ اور تمہارے رب کی طرف سے یہ امان نازل نہیں ہوئی کہ اس نے تمہیں بخش دیا؟ (اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگاتے اور ہنسی مذاق میں وقت خرچ نہ کرتے) تمہارے ہنسنے کے بارے میں مجھ پر آیت کریمہ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نازل ہوئی ہے صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہمارے اس ہنسنے کا کیا کفارہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس قدر ہنسے ہو اسی قدر روؤ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی اس وقت یمامہ کے رہنے والے کچھ لوگ موجود تھے۔ وہ بہت روئے ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی اسی طرح رویا کرتے تھے حتیٰ کہ بعد میں ایسے لوگ آگئے جن کے دل سخت ہوگئے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۷۹۔۱۸۰، ج: ۲۷)

معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کو اللہ کے ذکر میں اور قرآن کی تلاوت کرنے اور سمجھنے کی طرف پوری طرح متوجہ رہنا چاہئے، جب دل میں خشوع ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی کتاب کی طرف جھکاؤ ہوگا تو ایمان میں پختگی رہے گی۔ اگر دل میں خشوع نہ ہوا

تو شدہ شدہ آہستہ آہستہ دلوں میں قساوت یعنی سختی آجائے گی۔ جب قساوت آجاتی ہے تو دنیا ہی کی طرف توجہ رہ جاتی ہے۔ دین پر چلنے کا اہتمام اور آخرت کی فکر نہیں رہتی نماز بھی یوں ہی چلتی ہوئی پڑھتے ہیں ایک منٹ میں دو رکعتیں نمٹا دیتے ہیں اور نماز میں دوکان کی بکری کا حساب لگاتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ باتیں کرنا قساوتِ قلب یعنی دل کی سختی کا سبب ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی دل ہے جو سخت ہو (رواہ الترمذی)

ایک تاریخی واقعہ: حضرت فُضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث ہیں اکابر صوفیاء میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے یہ پہلے صحیح راستہ پر نہ تھے ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک لڑکی سے عشق ہو گیا اس لڑکی کے پاس پہنچنے کیلئے دیواروں پر چڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک تلاوت کرنے والے شخص کی آواز کان میں پڑ گئی وہ آیت کریمہ **اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ** پڑھ رہا تھا (کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر کے لئے ان کے قلوب جھک جائیں)۔ فضیل نے جب اس آیت کو سنا تو فوراً منہ سے نکلا: **بَلٰی یا رب قدآن** (اے میرے پروردگار ہاں وہ وقت آگیا) یہ کہہ کر واپس لوٹے تو ایک ویران گھر کی طرف چلے گئے وہاں کچھ مسافر ٹھہرے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ چلو سفر شروع کر دیں دوسرے نے کہا کہ صبح تک ٹھہرو کیونکہ یہاں کہیں فضیل ہو گا وہ ڈاکو ہے کہیں ہم پر ڈاکہ نہ ڈال دے، یہ سن کر فضیل اپنے دل میں کہنے لگے ارے میرا یہ حال ہو گیا کہ رات بھر گناہ کے کاموں میں لگا رہتا ہوں اور مسلمان مجھ سے ڈرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آج کی رات یہاں اسی لئے بھیجا ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دوں اس کے بعد بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کیا **اللھم انی قد تبت الیک و جعلت توبتی مجاورۃ البیت الحرام** (اے اللہ میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور اپنی توبہ میں یہ بھی شامل کرتا ہوں کہ اب البیت الحرام یعنی مکہ معظمہ میں زندگی گزاروں گا) اس کے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں پوری زندگی عبادت میں گزاری اور یہ حال تھا کہ جب ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تو اتنا روتے تھے کہ پاس بیٹھنے والوں کو ان پر رحم آنے لگتا تھا۔ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

اقام بالبیت الحرام مجاوراً مع الجھد الشدید والورع الدائم والخوف الوافی والبکاء الکثیر والتخلی بالوحدۃ ورفض الناس وما علیه اسباب الدنیا الی ان مات بھا. (مکہ معظمہ میں قیام کیا سخت مجاہدہ کے ساتھ اور دائمی پرہیزگاری کے ساتھ اور خوب زیادہ خوفِ الٰہی کے ساتھ اور خوب زیادہ رونے کے ساتھ اور تنہائی میں وقت گزارنے کے ساتھ اور لوگوں سے بے تعلق رہنے کے ساتھ، دنیا کے اسباب میں سے موت آنے تک ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

حضرت فُضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ علم حدیث کا اشتغال رکھنے والوں کو دیکھا کہ آپس میں دل لگی کی باتیں کر رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں، ان کو پکار کر فرمایا کہ اے انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثو! بس کرو بس کرو بس کرو، تم امام ہو تمہارا اقتداء کیا جاتا ہے۔ (سیر أعلام النبلاء ص ۴۲۳ تا ۴۲۶ ج۸. تهذیب التهذیب ص ۲۹۴ تا ۲۹۶: ج۸) ایک مرتبہ ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا میں تجھے ایک اچھی بات سناؤں؟ اس نے کہا فرمایئے! آپ نے اس کو یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ (اترایا نہ کر بے شک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا)۔

اہلِ کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ جن کے دلوں میں قساوت تھی: **وَلَا یَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ** (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب ملی تھی (ان

سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں) ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا (دونوں اپنی اپنی کتاب اور اس کے احکام سے غافل ہوگئے معاصی میں منہمک رہے اسی طرح زمانہ گزرتا چلا گیا اور توبہ نہ کی جب یہ حالت ہوگئی) تو ان کے دل سخت ہوگئے) جب دل سخت ہوجاتے ہیں تو نیکی بدی کا احساس نہیں ہوتا اور دینِ حق پر باقی رہنے کی منفعت کا خیال باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے بہت سے لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (اہل کتاب کا یہی حال ہوا کہ ان میں سے اکثر فاسق یعنی کافر ہوگئے جن کا بقیہ آج بھی دنیا میں موجود ہے)۔

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ دلوں کو خشوع والا بنائیں، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں قرآن کی تلاوت میں لگیں اس کے احکام پر عمل کرتے رہیں، خدانخواستہ یہود و نصاریٰ جیسا حال نہ ہوجائے:

قوله تعالىٰ الم يان للذين اٰمَنُوا مضارع من انى الامر أنياً و اناءً و أناءً بالكسر اذا جاء اناه اى وقته اى الم يجئ وقت ان تخشع قلوبهم لذكره عزوجل. (اللہ تعالیٰ کا قول الم يان للذين آمنوا: يان انى الامر انياً اور اناء اناءً سے مضارع ہے۔ یعنی جب اس کا وقت آ گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں) (ذکرہ فی الروح صفحہ ۱۷۹: ج ۲۷)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اس میں زمین کی مثال دے کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قلوب قاسیہ یعنی سخت دلوں کو زندہ فرما دیتا ہے جبکہ وہ ذکر و تلاوت میں لگ جائیں جیسا کہ مردہ زمین کو بارش بھیج کر ہرا بھرا کر دیتا ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کیں تاکہ تم سمجھو)

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾
بلاشبہ صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ان کے لئے اس کو بڑھا دیا جائے گا ان کے لئے اجر کریم ہے
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ
اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ وہ لوگ ہیں جو بڑی سچائی والے ہیں اور جو شہداء ہیں اپنے رب کے پاس ہیں ان کے لئے ان کا
اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾
اجر اور ان کا نور ہوگا اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں

صدقہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کے اجر کریم کا وعدہ اور شہداء کی فضیلت

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں صدقہ کرنیوالے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے لئے مال خرچ کرتے ہیں یہ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا (ثواب کی امید رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا) ان کا بدلہ ان کو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور ان کو اجر کریم یعنی بہت پسندیدہ اجر دیا جائے گا یہ مضمون اسی سورت کے پہلے رکوع کے ختم پر گزر چکا ہے۔

قال صاحب الروح: و قرء ابن كثير و ابوبكر بتخفيف الصاد من التصديق لا من الصدقة وعطف "اقرضوا" على معنى الفعل من المصدقين على ما اختاره ابوعلي والزمخشرى لان ال بمعنى الذين و اسم الفاعل بمعنى الفعل فكانه قيل ان الذين تصدقوا او صدقوا على القراء تين (واقرضوا) و تعقبه ابوحيان و غيره بان فيه الفصل بين اجزاء الصلة اذ "ال" معطوف على الصلة باجنبى و هو المتصدقات. و ذٰلک لا يجوز اه. قلت تعقب ابى حيان لا يصح لان الوارد فى كتاب الله تعالىٰ يرد جميع القواعد التى اسسها النحاة مع ان المصدقات ليس باجنبى اذا النساء دخلت فى المتصدقين كما فى مواضع من كتاب الله تعالىٰ جاء بصيغة التذكير و هو يعم الصنفين ولو لم يذكرهن لكان الكلام مربوطاً بلا ريب، فاختصصن بالذكر لاظهار ان منزلتهن فى التصدق مثل الرجال اذا انفقن باخلاصهن ومثل هذا الوصل ليس بفصل. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ابن کثیر اور ابوبکر نے اسے تصدیق مصدر سے نا کہ صدقہ سے

مان کر صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور ابو علی وزمخشری کی ترجیح کے مطابق 'اقرضوا' کا عطف المصدقین کے معنی فعل پر ہے۔ اس لئے کہ الف لام الذی کے معنی میں ہے اور اسم فاعل فعل کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ بے شک جن لوگوں نے تصدیق کی یا صدقہ کیا اور قرض دیا (دونوں قراتوں کے مطابق) اور ابوحیان وغیرہ نے اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں صلہ کے اجزاء کے درمیان فصل لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ الف لام کا عطف اجنبی صلہ پر ہے اور وہ متصدقات ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اھ میرا خیال ہے کہ ابوحیان کا یہ اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں جو آیا ہے وہ نحویوں کے بنائے ہوئے قوانین کی تردید کرتا ہے۔ نیز متصدقات اجنبی بھی نہیں ہے اس لئے کہ خواتین متصدقین میں شامل ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں کئی جگہ ایسا ہے کہ مذکر کا صیغہ آیا ہے اور مذکر و مونث دونوں کو شامل ہے اگر خواتین کا ذکر یہاں نہ کیا جاتا تو بھی بلاشبہ کلام مربوط ہوتا۔ پس یہاں ان کا خصوصاً ذکر کیا گیا ہے اس اظہار کے لئے کہ تصدق میں ان کا مرتبہ مردوں جیسا ہے جبکہ یہ اخلاق کے ساتھ خرچ کریں اور اس جیسا وصل، فصل نہیں ہوتا)

صدیقین کون ہیں؟ پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ لوگ صدیق ہیں) یعنی بہت زیادہ سچائی اختیار کرنے والے ہیں جو پکی تصدیق ہو جس میں ذرا سا بھی شائبہ شک اور تردد کا نہ ہو وہ ایمان حقیقی ہے۔

پھر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قول فعل میں صدق یعنی سچائی کا دھیان رہے اردو میں تو لفظ سچ اور سچائی عرف عام کے اعتبار سے صرف اقوال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں لفظ صدق اقوال اور افعال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جھوٹ بھی اقوال اور اعمال دونوں میں مستعمل ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک سوکن ہے اگر میں جھوٹ موٹ (اسے جلانے کے لئے) یوں کہہ دوں کہ شوہر نے مجھے یہ کچھ دیا ہے اور حقیقت میں نہ دیا ہو تو کیا اس میں کچھ گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ **المتشبع بما لم يعط كلا بس ثوبى زورٍ** کہ جس شخص نے جھوٹ موٹ یہ ظاہر کیا کہ مجھے یہ چیز دی گئی ہے حالانکہ وہ اسے نہیں دی گئی اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لئے (یعنی سر سے پاؤں تک وہ جھوٹا ہی جھوٹا ہو گیا) اس حدیث کا مفہوم بہت عام ہے ہر قسم کے جھوٹے دعوے داروں کو شامل ہے دعویٰ قولی ہو یا فعلی، علمی ہو یا عملی، وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (اور جو شہداء ہیں ان کے لئے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے) یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ یہ جملہ مستانفہ ہو، اور اگر ماسبق پر معطوف مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ صدیقین اور شہداء اپنے رب کے پاس یعنی اس کے حکم اور علم میں صدیق اور شہید ہیں اور ان کے لئے اس کا اجر ہے اور ان کا نور ہے (معالم التنزیل صفحہ ۲۹۸: ج۴) معنی کے اعتبار سے آیت کے عموم الفاظ میں وہ سب لوگ جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یعنی یہ لوگ صدیق ہیں اور شہداء ہیں۔ روح المعانی میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ تم سب صدیق ہو اور شہید ہو حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اے ابو ہریرہ آپ کیا فرمار ہے ہیں؟ فرمایا کہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (آخر تک پڑھ لو)۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے وہ لوگ مراد لئے جائیں جو کمال ایمان سے متصف ہوں اور یہ اس وقت متحقق ہوگا جب کوئی شخص ایسی طاعات میں لگے جو کمال ایمان والی طاعات ہوں کیونکہ جو شخص مومن ہوتے ہوئے شہوات میں منہمک ہو اور طاعات سے غافل ہو اسے صدیق اور شہید قرار دینا بعید معلوم ہوتا ہے۔ سورہ نساء کی آیت کریمہ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور شہداء اور صالحین بڑے مرتبہ کے لوگ ہیں عام طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو ان حضرات کیساتھ ہونے کا شرف ملے گا جو ان کے اچھے رفیق ہوں گے دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ یوں تو ہر مومن صدیق اور شہید ہے لیکن بہت سے حضرات کو ان کے ایمان اور اعمال کی وجہ سے بڑے درجات حاصل ہوں گے اور بہت سے دوسرے اہل ایمان کو بھی ان

کی معیت حاصل ہو جانے کے مواقع عطا کئے جائیں گے گو درجات میں فرق مراتب بہت زیادہ ہوگا لیکن باوجود باہمی ملاقاتوں اور زیارتوں کے جن کی تصدیق ایمانی بڑے درجہ کے کمال کو پہنچی ہوئی ہو ان کو خصوصی طور پر صدیق کہا گیا ہے یہ بلند مرتبہ کے حضرات ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے صدیق کا لقب دیا جب یہ اسلام کی دعوت سامنے آئی تو انہوں نے فوراً لبیک کہا اور آخری دن تک نہایت اخلاص کے ساتھ اپنی جان و مال سے آپ کی خدمت میں حاضر رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب آپ نے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو سارا ہی مال لا کر خدمت عالی میں حاضر کر دیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ احد پہاڑ پر چڑھ گئے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ حرکت کرنے لگا تو آپ نے اس پر قدم مبارک مار کر فرمایا کہ اے احد ٹھہر جا (اس وقت) تیرے اوپر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں (یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (رواہ البخاری)

اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق فرمایا اور باقی دو حضرات کے شہید ہونے کی پیشین گوئی فرمائی بڑے درجہ کے مومنین صالحین کو صدیقین کی معیت نصیب ہوگی اس بارے میں بعض خصوصی اعمال کا تذکرہ بھی حدیث شریف میں مذکور ہے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانت دار تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الترمذی فی البیوع)

سورۂ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں، صِدِّيْقًا نَّبِيًّا فرمایا ہے اور سورۃ المائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو صدیقہ بتایا ہے (وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ) معلوم ہوا کہ صدیقیت میں فرق مراتب ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تھے ان پر ایمان لانے والے بھی صدیق تھے (اور ان میں فرق مراتب تھا) اور عامۃ المسلمین بھی صدیق ہیں کیونکہ کمال تصدیق کے بغیر کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا۔

سورۂ نساء کی آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لئے صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ ہونے کی جو خوشخبری دی ہے اس سے اونچے درجے کے صدیقین اور شہداء اور صالحین مراد ہیں۔

شہداء سے کون حضرات مراد ہیں؟ یہاں سورۃ الحدید میں شہداء سے کون لوگ مراد ہیں اس کے بارے میں دو قول ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ ان سے جہاد اور قتال کے موقع پر شہید ہونے والے مراد ہیں ان کے بڑے اور بلند درجات ہونے کو سبھی جانتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ شہداء سے بمعنی شاہدین یعنی گواہی دینے والے مراد ہیں قیامت کے دن بہت سی گواہیاں ہوں گی ہر نبی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیگا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں گواہی دیں گے کہ واقعی انہوں نے تبلیغ کی تھی اور امت محمدیہ بھی اس بات کی گواہی دے گی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے تبلیغ کی اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ یہ سچے ہیں ان کی گواہی صحیح ہے، اس کی تفصیل سورۃ بقرہ سورہ نساء اور سورۃ الحج میں گزر چکی ہے (انوار البیان صفحہ ۲۴۱: ج۱، صفحہ ۲۲۶: ج۲، صفحہ ۳۲۶: ج۲، صفحہ ۲۶۸: ج۶)۔ ان گواہیوں کے علاوہ دوسری گواہیاں بھی ہوں گی اور گواہی دینے والوں کو اس فضیلت سے نوازا جائے گا کہ وہ میدانِ آخرت میں دوسرے لوگوں کے خلاف گواہ بن کر آئیں گے۔

جب اللہ نے اتنی بڑی فضیلت دی ہے کہ قیامت کے دن گواہی دینے والے بنیں گے تو اپنے اس مرتبہ کی لاج رکھیں اور ان چیزوں سے پرہیز کریں جو مقام شہادت سے محروم کرنے کا ذریعہ بنیں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ لعنت کی کثرت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہداء ہوں گے نہ شفعاء ہوں گے (یعنی ان کو نہ گواہی دینے کا مرتبہ ملے گا نہ گنہگاروں کو بخشوانے کے لئے شفاعت کرنے کا مقام دیا جائے گا) دونوں چیزوں سے محروم رہیں گے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۲: ج۲) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدیق کے لئے

لعان ہونا ٹھیک نہیں ہے (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۲: ج ۲) یعنی صدیق کو اپنی زبان محفوظ رکھنی چاہیئے تجھ مجھ پر انسانوں پر جانوروں، شاگردوں پر لعنت بھیجتا رہے یہ صدیق کا کام نہیں (بچوں کے بہت سے استاد اس میں مبتلا ہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل اختلفوا فی نظم هذه الأیة منهم من قال: هی متصلة بما قبلها والواو واؤ النسق، واراد بالشهداء المؤمنین المخلصین، و قال الضحاک: هم الذین سمیناهم. و قال مجاهد: کل مومن صدیق وشهید، وتلا هذه الایة و قال قوم: تم الکلام عند قوله: (هم الصدیقون) ثم ابتدا فقال: والشهداء عند ربهم، والواؤ واؤ الاستناف، و هو قول ابن عباس و مسروق و جماعة، ثم اختلفوا فیهم فقال قوم هم الانبیاء الذین یشهدون علی الامم یوم القیامة، یروی ذلک عن ابن عباس و هو قول مقاتل بن حیان. و قال مقاتل بن سلیمان: هم الذین استشهدوا فی سبیل الله (لهم اجرهم) بما عملوا من العمل الصالح (ونورهم) علی الصراط. (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے نظم میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ آیت ماقبل سے متصل ہے اور واؤ نسق کے لئے ہے اور شہداء سے مراد مخلص مؤمنین ہیں۔ اور ضحاک کہتے ہیں ان سے مراد یہی ہیں جن کا ہم نے نام لیا ہے۔ اور مجاہدؒ کہتے ہیں ہر مومن صدیق بھی ہے شہید بھی اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ ہم الصدیقون پر کلام ختم ہو گیا ہے پھر نئی بات شروع کی اور فرمایا ''والشہداء عند ربهم'' اور واؤ استیناف کے لئے ہے اور یہ قول حضرت ابن عباسؓ مسروق اور ایک جماعت کا ہے۔ پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ شہداء سے کون مراد ہیں؟ ایک جماعت نے کہا ان سے مراد انبیائے کرام ہیں جو قیامت کے دن اپنی اپنی امتوں پر گواہی دیں گے یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور مقاتل بن حیان کا قول بھی یہی ہے اور مقاتل بن سلیمان کہتے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے ان کے لئے عمل صالح کا اجر ہوگا اور پل صراط پر ان کے لئے نور ہوگا۔)

آیت کے ختم پر فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (یعنی جن لوگوں نے کفر کیا ہماری آیات کو جھٹلایا وہ لوگ دوزخ کے عذاب میں ہوں گے)۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ

تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب اور زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ

وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ

بتانا ہے، جیسے بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سوائے مخاطب اس کو تو زرد ہونے کی حالت میں دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے

وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے، اور دنیاوی زندگی محض

الْغُرُوْرِ ۝۲۰ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

دھوکہ کا سامان ہے، تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے وہ

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱

ان لوگوں کے واسطے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے۔ اپنا فضل جس کو چاہے عنایت فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے، اور آخرت میں عذاب شدید اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضامندی ہے

تفسیر: ان آیات میں دنیا کی حالت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ دنیا والی زندگی لہو ولعب ہے اور ظاہری زینت ہے،

ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے نظروں کو بھاتی ہے اور نفوس کو بھلی لگتی ہے، جن کے پاس زیادہ دنیا ہو وہ آپس میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کرتے ہیں، اور اموال و اولاد کی کثرت پر مقابلہ کرتے ہیں، یہ تفاخر اور تکاثر ان چیزوں کے خالق و مالک کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا جسے سورہ تکاثر میں بیان فرمایا ہے۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ☆ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ☆ (کثرت پر مقابلہ کرنا تم کو غافل رکھتا ہے یہاں تک کہ قبرستان میں پہنچ جاؤ گے)۔ دنیا کی ظاہری تھوڑی سی تھوڑے دن کی نظروں میں بھانے والی زندگی کی ایک مثال بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ دیکھو تمہارے سامنے بارشیں ہوتی ہیں۔ ان سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے، کھیتی اگتی ہے، پودے نکلتے ہیں، گھانس پھونس پیدا ہوتا ہے ہری بھری زمین دیکھنے میں بڑی اچھی لگتی ہے، کاشتکار اسے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں، کچھ دن ہری بھری رہنے کے بعد وہ پیلی پڑ جاتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے، ہرا رنگ ختم ہو جاتا ہے، زردی آ جاتی ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، جو اس کھیتی کا انجام ہوتا ہے (کہ اخیر میں چورا ہو کر رہ جانا) دنیا کی یہی حالت ہے، دنیا والوں کو دنیا بہت زیادہ مرغوب اور محبوب ہے لیکن ان کے انجام کی طرف سے غافل ہیں، حرام سے حلال سے دھوکہ سے فریب سے، خیانت سے، چوری سے، لوٹ مار سے، اور طرح طرح کے حیلوں سے دنیا کماتے ہیں اور جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اگر مال حلال بھی ہو تو اس میں سے فرائض واجبات ادا نہیں کرتے، نوٹوں کی گڈیاں مرغوب ہیں، بھری ہوئی تجوریاں محبوب ہیں، بہت کم بندے ہیں جو کمانے اور خرچ کرنے میں حلال کا خیال کرتے ہیں اور اس بارے میں گناہوں سے بچتے ہیں، عموماً لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ کسب دنیا کو اپنے لئے وبال ہی بنا لیتے ہیں اور آخرت کے سخت عذاب کو اپنے سر لے لیتے ہیں، اسی کو فرمایا وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ (اور آخرت میں سخت عذاب ہے، ان کے برخلاف وہ بندے بھی ہیں، جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں حرام سے بچتے ہیں حلال کماتے ہیں (اگرچہ تھوڑا سا ہو) حلال ہی کے مواقع میں خرچ کرتے ہیں اور آخرت کے اجور اور ثمرات کے لئے اپنی جیب اور تجوری سے مال نکالتے ہیں ان کا مال ان کے لئے مغفرت کا اور اللہ کی رضامندی کا سبب بن جاتا ہے یہ وہ مبارک بندے ہیں جنہوں نے فانی دنیا کو اپنی باقی رہنے والی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنا لیا، اسی کو فرمایا وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (اور دنیا والی زندگی محض دھوکہ کا سامان ہے) یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے نہ یہ زندگی باقی رہے گی نہ اس کا کمایا ہوا اسباب و سامان باقی رہے گا، جس نے اس پر بھروسہ کیا باقی رہنے والی آخرت سے غافل ہوا وہ آخرت میں مارا گیا سمجھدار بندے وہی ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت کرنے کا حکم: پھر جب یہ دنیا فانی بھی ہے اور دنیاوی مال و متاع دھوکہ کا سامان بھی ہے تو سمجھداری اسی میں ہے کہ اللہ کی مغفرت کی طرف دوڑیں اور اس کی رضامندی کے لئے عمل کریں۔

ارشاد فرمایا سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے)۔

اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (یہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے)۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے) وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

سَابِقُوْا فرما کر یہ فرمایا کہ آپس میں مسابقت کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت حاصل کرنے کے لئے خوب دوڑ دھوپ کرو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھو اعمالِ آخرت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا مندوب اور محبوب ہے کیونکہ اس میں کسی فریق کو نقصان نہیں ہوتا ہر شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے ایمان کا اور اعمال صالحہ کا اجر عطا فرمائے گا کسی کی محنت میں سے

کٹوتی کر کے کسی دوسرے کو ثواب نہیں دیا جائے گا، ہر شخص اپنا اپنا ثواب لے گا، ہاں اعمال میں اخلاص ہو ریاکاری کا جذبہ نہ ہو۔

یہاں سورۃ الحدید میں **سَابِقُوْا** (ایک دوسرے سے آگے بڑھو) فرمایا اور سورہ آلِ عمران میں **سَارِعُوْا** فرمایا ہے جس کا معنی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں جلدی کرو، اس میں یہ بتادیا کہ اعمالِ صالحہ میں دیر نہ لگاؤ، جو نیک کام کر سکتے ہو کر گزرو آج کا کام کل پر نہ ڈالو، نفس و شیطان سمجھائے گا کہ یہ کام کل کو کرلیں گے ان دونوں کی بات نہ مانو اعمالِ صالحہ میں جلدی کرو آگے بڑھو، موقع اور فرصت کے مطابق عمل خیر کرتے رہو کارِ خیر ابھی کرلو پھر کل کو بھی کر لینا، یہاں **عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ** فرمایا ہے اور سورہ آلِ عمران میں **عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ** فرمایا ہے انسانوں کے سامنے چونکہ آسمان و زمین ہی طول و عرض کے اعتبار سے سب سے بڑی چیز ہے اس لئے جنت کی وسعت بتانے کے لئے تقریب الی الفہم کے طور پر ارشاد فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ایسی ہے جیسے آسمان و زمین کی چوڑائی ہے ورنہ جنت تو بہت بڑی چیز ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجہ ہیں سارے جہاں اگر ان میں سے ایک درجہ میں جمع ہو جائیں تو سب کے لئے کافی ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ادنیٰ جنتی کو جو جنت دی جائے گی اسے پوری دنیا اور اس جیسی دس گنا وسیع جنت عطا کی جائے گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۲ عن البخاری ومسلم)

جنت ایمان والوں کے لئے تیار کی گئی ہے: **اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ** (جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر) اس میں یہ بتادیا کہ جن لوگوں نے دعوتِ حق کو قبول نہ کیا رسولوں کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لائے ایسے لوگ جنت سے محروم ہوں گے، اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے خواہ کسی رسول کے امتی ہوں سب جنت کے مستحق ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے) **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** (اور اللہ بڑے فضل والا ہے) اس میں یہ واضح فرمادیا کہ جن لوگوں کو جنت دی جائے گی یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا اپنا ذاتی استحقاق کسی کا نہیں ہے، لہٰذا کوئی شخص اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو۔

ایمان کی دولت سے نوازنا بھی اسی کی مہربانی ہے پھر اعمال کو قبول کرنا بھی فضل ہے اور جنت عطا فرمانا بھی فضل ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ

کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے قبل اس کے کہ ہم ان کو پیدا کریں،

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

یہ اللہ کے نزدیک آسان ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی

كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا، جو ایسے ہیں کہ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو شخص اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ

هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

بے نیاز ہے سزاوار حمد ہے۔

جو بھی کوئی مصیبت پیش آتی ہے اس کا وجود میں آنا پہلے سے لکھا ہوا ہے

تفسیر: دنیا میں انسان آیا ہے محض زندگی گزارنے کے لئے نہیں آیا بلکہ وہ امتحان اور ابتلاء میں ڈالا گیا ہے، سورۃ الملک میں فرمایا خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو پیدا فرمایا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل والا ہے) جب امتحان میں ڈالے گئے ہیں تو ان چیزوں کا پیش آنا بھی ضروری ہے جو امتحان کا ذریعہ بن سکیں امتحان والی دو چیزیں ہیں۔

اول دولت اور نعمت اور آرام و راحت دوم مشکلات و مصائب اور ناگوار چیزیں، جب پہلی چیز یعنی خوش عیش زندگی ملتی ہے تو بہت سے انسان اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اعمالِ صالحہ چھوڑ کر دنیا ہی میں مست رہنے لگتے ہیں، گزشتہ آیات میں تنبیہ فرمائی کہ دنیا لہو ولعب ہے فخر بازی ہے اور مال و اولاد کی کثرت پر مقابلہ کرنے کا سبب ہے لیکن یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے جیسے کھیتی ہری بھری ہوتی ہے کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ پیلی ہوتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے پھر بھوسہ بن جاتی ہے لہٰذا اس میں لگنا سمجھداری نہیں ہے آخرت کی فکر کرنا لازم ہے دوسری چیز مصیبت اور تکلیف ہے اس کے بارے میں ان آیات میں بتادیا کہ جو بھی کوئی مصیبت پہنچ جائے وہ واقع ہونی ہی ہے کیونکہ خالق کائنات جل مجدہ نے اس کے پیدا فرمانے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا وہ ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے یہ مصیبت خواہ زمین میں ہو مثلاً قحط پڑنا زلزلہ آنا کھیتوں میں پالا پڑ جانا ٹڈی کا کھا جانا بارش کے بہاؤ میں بہہ جانا وغیرہ یا جو تمہاری جانوں میں مصیبت آتی ہو مثلاً مرض لاحق ہو جانا زخم ہو جانا لنگڑا لولا اندھا بہرا ہو جانا وغیرہ وغیرہ یہ سب لکھا ہوا ہے لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے ان کا موجود ہونا اور درپیش ہونا لازمی ہے، خالقِ کائنات جل مجدہ نے جب قطعی طور پر طے فرمادیا ہے کہ ایسا ہونا ہی ہونا ہے تو ہو کر رہے گا اس کی وجہ سے اپنے پیدا کرنے والے سے غافل ہو جانا اور اس کے ذکر اور عبادت سے منہ موڑ لینا سمجھدار بندوں کا کام نہیں۔

جو کچھ فوت ہو گیا اس پر رنج نہ کرو: لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ ای اخبرنا لکم بذلک لا تاسوا (الخ) یعنی تمہیں اس بات کی خبر دے دی گئی تاکہ تم یہاں کی تکلیف اور مصیبت اور نقصان وخسران پر توجہ نہ دو اور حسرت اور افسوس میں مبتلا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے روک دے اور اعمالِ آخرت سے ہٹا دے جو مصیبت آتی ہے وہ آنی ہی تھی اس کا یقین ہو تو طبعی رنج ہو سکتا ہے عقلی طور پر رنج نہ ہو (طبعی رنج پر مواخذہ نہیں) اپنے اختیار سے اس میں لگا رہنا اور اس کو بڑھاتے چلے جانا اور ایسی باتیں کرنا جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو یہ ممنوع ہے۔

جو کچھ مل گیا اس پر اتراؤ مت: وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ (اور تاکہ تم ان چیزوں پر نہ اتراؤ جو اللہ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں) کیونکہ جو کچھ ملا ہے وہ مقدر ہے تمہارا کوئی استحقاق نہیں۔ جب ذاتی استحقاق نہیں تو اترانے اور مستی دکھانے کا کیا حق ہے؟ دکھ اور تکلیف اور آرام اور راحت تو سبھی کو پیش آتا ہے لیکن مومن بندے صبر اور شکر کے ذریعہ دونوں کو نعمت بنا لیتے ہیں، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن کا عجیب حال ہے جو اس کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے اگر اس کو خوش کرنے والی حالت نصیب ہو جاتی ہے تو شکر کرتا ہے یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے ضرر دینے والی حالت پیش آ جائے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔

متکبر اور بخیل کی مذمت: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (اور اللہ پسند نہیں فرماتا ہر ایسے شخص کو جو تکبر کرنیوالا فخر کرنے والا ہو) اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ (جو لوگ بخل کرتے ہیں) وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (اور لوگوں کو بخل کا

حکم دیتے ہیں) جن لوگوں کو کوئی دولت اور نعمت مل جاتی ہے اور دنیاوی اعتبار سے خوشی نصیب ہو جاتی ہے ان میں بہت سے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اس نعمت کو تکبر کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر جاننے لگتے ہیں اور دوسروں کے مقابلہ میں فخر بھی کرنے لگتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرما دی کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے نہیں ہیں۔

چونکہ مال پر فخر کرنے والے مال سے محبت بھی کرتے ہیں اور یہ محبت ان کو کنجوسی پر آمادہ کرتی ہے اس لئے **اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ** بھی فرمایا کہ یہ لوگ بخل کرتے ہیں (جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض چیز ہے) **وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ** (اور یہی نہیں کہ خود بخل کرتے ہیں بلکہ لوگوں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے ان کو بھی خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے منع کرتے ہیں دوسرے لوگ اگر اپنا مال اللہ کی رضا کے لئے خرچ کریں تو اس سے بھی کنجوس آدمی کا دل دکھتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ اس کا مال مجھے نہیں مل جائے گا پھر بھی خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے بعض اہلِ خیر کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے کیشیئر اور خزانچی سے کہہ کر چلے گئے کہ فلاں مدرسے کا جو سفیر آیا ہے اس کو اتنے روپے دے دو، کیشیئر نے تجوری سے روپے تو نکال لئے لیکن اس کی انگلیاں نوٹ چھوڑنے کو تیار نہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا دکھے دل سے آگے بڑھا رہا ہے حالانکہ مال دوسرے کا ہے جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم دے چکا ہے۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (اور جو شخص روگردانی کرے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کیونکہ وہ غنی ہے محمود ہے) ہمیشہ لائق حمد ہے کسی کے خرچ کرنے نہ کرنے سے اسے کوئی نفع یا ضرر نہیں پہنچتا جو بخل کرے گا اپنا ہی برا کرے گا اور جو اللہ کے لئے خرچ کرے گا اس کا اجر و ثواب پا لے گا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا، اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور ترازو کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں،
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ
اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں شدید ہیبت ہے، اور لوگوں کے لئے طرح طرح کے فائدے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾
بیشک اللہ تعالیٰ قوی اور زبردست ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو واضح احکام دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں، اور لوگوں کو انصاف کا حکم دیا

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی بعثت کا اور انہیں واضح احکام کے ساتھ بھیجنے کا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے اَلْکِتَاب جنس ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تمام کتابیں مراد ہیں اور عربی میں المیزان ترازو کو کہتے ہیں بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ترازو ہی کیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ صحیح ناپ تول کی جاتی ہے اور وہ آلۂ عدل و انصاف ہے، اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ ''انصاف'' کیا ہے دونوں صورتوں کا مطلب اور مآل ایک ہی ہے، ارسال رسل اور انزال کتاب اور انزال میزان کا مآل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ** تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

لوہے میں ہیبت شدیدہ ہے اور منافع کثیرہ ہیں: اس کے بعد فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں شدید ہیبت ہے، جہاد کے لئے جو ہتھیار بنائے جاتے ہیں۔ نیزہ، تلوار، خنجر، بندوق لوہے ہی سے بنتے ہیں اور ان کے علاوہ جو ہتھیار ہیں حتیٰ کہ آج کل کے میزائل، بم اور دوسرے ہتھیاروں کی تیاری میں بھی لوہے کا کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے ان ہتھیاروں کا ڈر لوگوں پر سوار رہتا ہے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مومن بندے انہیں ہتھیاروں کو استعمال کر کے کفر کو مٹانے کے لئے کافروں پر حملہ کرتے رہتے ہیں اور اس سے اسلام اور مسلمان کی دھاک بیٹھتی ہے ساری دنیا کے کافروں کو ڈر ہے تو یہی ہے کہ مسلمان جہاد شروع نہ کر دیں۔

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (اور لوہے میں لوگوں کے لئے طرح طرح کے منافع ہیں) مشینیں تو لوہے کے ہیں ہی، دوسری جتنی بھی چیزیں بنی آدم کے استعمال میں ہیں تقریباً سب ہی میں کسی نہ کسی درجہ میں لوہے کا دخل ضرور ہے اگر لکڑی کی چیز ہے تو اس میں بھی لوہے کی کیل ٹھونکی ہوئی ہے اور وہ بھی لوہے کے ہتھوڑے سے ٹھونکی گئی ہے، تعمیرات میں لوہے کا استعمال ہے، کھیتی میں ہل اور ٹریکٹر کی خدمات ہیں، جانوروں کے مونہوں میں لوہے کی لگامیں ہیں پائدان بھی لوہے کے ہیں۔ پٹرول لوہے کے آلات کے ذریعہ نکلتا ہے۔ ہوائی جہاز اور گاڑیاں لوہے سے بنتی ہیں وغیرہ وغیرہ الی مالا تحصیٰ۔

وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ (یعنی ہیبت شدیدہ اور دیگر منافع کے علاوہ لوہے کے پیدا کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ (بطور علم ظہور) جان لے کہ بغیر دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے) یعنی اللہ کے دین کو تقویت پہنچانے اور اس کے آگے بڑھانے کے لئے اور اس کی دعوت دینے کے لئے کون تیار ہوتا ہے۔ جب جہاد کی ضرورت ہوتی ہے تو اللہ کے مخلص بندے یہ جانتے ہوئے کہ ہم قتل بھی ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے دین اور اس کے رسولوں کی مدد کرنے کے لئے ہتھیار لے کر نکل کھڑے ہوتے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بھی نہیں پھر بھی جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے پھر جس جس چیز کا ظہور ہوتا ہے اس کے علم میں آتا رہتا ہے کہ یہ بھی وجود آیا ہے بلکہ وجود ہی وہ بخشتا ہے اس علم کو علم ظہور کہا جاتا ہے۔

قوله وليعلم الله عطف على محذوف اى لينفعهم وليعلم الله تعالىٰ علما يتعلق به الجزاء من ينصره و رسله باستعمال آلة الحرب من الحديد فى مجاهدة اعدائه و قوله بالغيب حال من فاعل ينصر او من مفعوله اى غائبا منهم أو غائبين منه (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولیعلم اللہ: اس کا عطف محذوف پر ہے۔ اصل یوں ہے کہ لینفعھم ولیعلم اللہ یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نفع دے اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان کا ایسا علم حاصل کر لے جس سے ان لوگوں کی جزاء متعلق ہو جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لوہے کے آلات کے ساتھ اس کے دشمنوں سے جہاد کر کے اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بالغیب: ینصر کے فاعل یا اس کے مفعول سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ ان سے غائب ہے یا اس حالت میں کہ وہ حضرات اس سے غائب ہیں) (روح المعانی صفحہ ۱۸۹: ج ۲۷)

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (بیشک اللہ تعالیٰ قوی ہے عزیز ہے) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ کے دین کی مدد کا جو ذکر ہوا وہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے وہ تو قوی ہے اور غالب ہے، جو کچھ اس کے دین کی خدمت کرو گے اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی، سو ان لوگوں میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے ان

فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ ۙ وَجَعَلْنَا

میں نافرمان تھے، پھر ہم ان کے بعد دوسرے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے، اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا، اور ہم نے ان کو انجیل دی، اور جن لوگوں

فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا

نے ان کا اتباع کیا تھا ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور ترحم پیدا کیا اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کرلیا ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا، لیکن

ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ

انہوں نے حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے اس کو اختیار کیا تھا، سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی، سو ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کا اجر دیا

وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾

اور ان میں زیادہ نافرمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو رسول بنا کر بھیجا ان کی ذریت میں نبوت جاری رکھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی اور ان کے متبعین میں شفقت اور رحمت رکھ دی

تفسیر: ان آیات میں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی رسالت کا تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ ہم نے ان دونوں کی ذریت میں نبوت جاری رکھی۔ ان کی ذریت میں ہدایت قبول کرنے والے بھی تھے۔ اور بہت سے فاسق یعنی نافرمان تھے، پھر فرمایا کہ ہم نے ان کے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جن کو انجیل بھی عطا فرمائی، بہت سے لوگوں نے ان کا بھی اتباع کیا ان کی لائی ہوئی ہدایت کو قبول کیا ان کے دین پر چلتے رہے ان کو حواریین کہا جاتا تھا (جیسا کہ سورۃ آل عمران اور سورۃ الصف میں ان کا تذکرہ فرمایا) ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رحمت اور شفقت رکھ دی تھی آپس میں محبت تھی اور دوسروں پر بھی رحم کھاتے تھے، مشہور ہے کہ ان کی شریعت میں جہاد مشروع نہ تھا اس لئے أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ والی صفت ان میں نہیں تھی۔

نصاریٰ کا رہبانیت اختیار کرنا پھر اسے چھوڑ دینا: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا (اور عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں نے رہبانیت کو جاری کردیا)۔

علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا آپ نے فرمایا اے ابن ام عبد (یہ حضرت ابن مسعودؓ کی کنیت ہے) تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کہاں سے اختیار کی؟ عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظالم بادشاہوں کا غلبہ ہوگیا، گناہوں میں لگ گئے جس پر اہلِ ایمان ناراض ہوئے، اہلِ ایمان نے ان سے تین بار جنگ کی اور ہر مرتبہ شکست کھائی جب ان میں سے تھوڑے سے رہ گئے تو کہنے لگے کہ اگر اسی طرح مقابلہ کرتے رہے تو یہ لوگ ہمیں فنا کردیں گے اور دینِ حق کا دعوت دینے والا کوئی نہ رہے گا، لہٰذا ہم زمین میں منتشر ہوجائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کو بھیج دے جس کی آمد کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وعدہ فرمایا ہے لہٰذا وہ پہاڑوں کے غاروں میں منتشر ہوگئے اور رہبانیت اختیار کرلی پھر ان میں بعض دینِ حق پر جمے رہے بعض کافر ہوگئے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا تلاوت فرمائی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۳۰۱: ج ۴)

علامہ بغویؒ نے اس روایت کی کوئی سند ذکر نہیں کی اور کسی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا۔ اس میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کے لئے قتال جائز نہیں تھا تو جنگ کیوں کی؟ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ان پر حملہ کیا گیا ہو جس کی وجہ سے انہوں نے مجبور ہو کر جوابی کاروائی کی ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو احکام تھے ان سے آگے بڑھ کر نصاریٰ نے ایسی چیزیں نکال لی تھیں جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا تھا یہ چیزیں نفس کو مشقت میں ڈالنے والی تھیں، یہ لوگ نکاح نہیں کرتے تھے، کھانے پینے میں، اور پہننے میں کمی کرتے تھے، تھوڑا بہت کھاتے تھے جس سے صرف زندہ رہ جائیں، پہاڑوں میں گرجے بنا لیتے تھے وہیں پر زندگیاں گزارتے تھے، ان کے اس عمل کو رہبانیت اور ان کو راہب کہا جاتا ہے۔ انہی راہبوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی اور انہی کی نشاندہی سے وہ مدینہ منورہ پہنچے تھے جس کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیت یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ کے ذیل میں گزر چکا ہے، ان لوگوں نے عوام سے اور ملوک سے علیحدگی اختیار کر لی تھی کیونکہ اہل دنیا ان کو مجبور کرتے تھے کہ ہماری طرح رہو، یہ رہبانیت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں دیا گیا تھا انہوں نے خود رہبانیت کو اختیار کر لیا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے:

قال البغوی فی معالم التنزیل و رھبانیة ن ابتدعوھا من قبل انفسھم ماکتبنا علیھم الاابتغاء رضوان اللہ یعنی ولکنھم ابتغوا رضوان اللہ بتلک الرھبانیة صفحہ ۳۰۰:ج۴ و فی روح المعانی منصوب بفعل مضمر یفسرہ الظاھر ای وابتدعوا رھبانیة ابتدعوھا فھو من باب الاشتغال. (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ تقدیر عبارت یوں ہے ورھبانیة ن ابتدعوھا من قبل انفسھم ماکتبنا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ یعنی لیکن انہوں نے اس رہبانیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کی اور روح المعانی میں ہے کہ رھبانیة فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر فعل ظاہر کر رہا ہے تقدیر عبارت یوں ہے۔ وابتدعو ارھبانیة ابتدعوھا یہ فعل اشتغال کے قبیل سے ہے۔)

راہب لوگ اپنی رہبانیت پر چلتے رہے پھر ان میں بھی دنیاداری گھس گئی ان کے نفوس نے انگڑائی لی اور عوام الناس کی طرح یہ لوگ بھی دنیاداری پر اتر آئے ان لوگوں کو انتظار تھا کہ آخر الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو جائے تو ہم ان پر ایمان لائیں پھر جب آپ کی بعثت ہوگئی اور آپ کو پہچان بھی لیا تو ان پر ضد سوار ہوگئی کہ ہم اپنے ہی دین پر رہیں گے ان میں سے تھوڑے لوگ ایمان لائے جن کے بارے میں فرمایا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ (سو ان میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ان کا اجر ہم نے ان کو دے دیا) وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ☆ (اور ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ لوگ دین بھی بدل چکے تھے انجیل شریف بھی گم کر چکے تھے توحید کو چھوڑ کر تثلیث کا عقیدہ بنا لیا تھا۔ تین خدا ماننے لگے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بھی قائل ہو گئے تھے جبکہ اس سے پہلے یہ مانتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر زندہ اٹھا لیا، جب آپ کے قتل کے قائل ہوئے تو یہ عقیدہ رکھ لیا کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا اس عقیدہ کی بنیاد پر ان کے پادری اتوار کے دن اپنے ماننے والوں کو چرچ میں بلا کر گناہوں کی معافی کرنے لگے، پرانے نصاریٰ کو رومن کیتھلک کہا جاتا ہے ان میں سے ایک فرقہ علیحدہ ہوا جسے پروٹسٹنٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ منکرات، محرمات اور معاصی کے ارتکاب میں بہت زیادہ آگے بڑھ گئے جس کا انشاء اللہ تذکرہ ہم ابھی کریں گے۔

موجودہ نصاریٰ کی بدحالی اور گناہگاری، دنیا کی حرص اور مخلوق خدا پر انکے مظالم: نصاریٰ نے اپنے رسول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع نہ کیا تو ان میں رحمت و شفقت نہ رہی اور نہ وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اب یہودیوں کی طرح وہ بھی اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں کافر تو ہیں ہی کفر کے ساتھ ساتھ دوسرے گناہوں میں موجودہ دور کے تمام انسانوں سے بہت آگے ہیں بلکہ دنیا بھر کے لوگوں کو یہی لوگ گناہ والی زندگی سکھاتے ہیں، ننگے پہناوے، زناکاری، شراب خوری، جوا وغیرہ یہ سب نصاریٰ کے کرتوت ہیں چونکہ انہوں نے اپنا یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قتل (جس کے وہ جھوٹے مدعی

ہیں) ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گیا اس لئے ہر گناہ کر لیتے ہیں ان کے ملکوں میں نکاح ختم ہوتا جا رہا ہے، مردوں اور عورتوں میں دوستی کا رواج ہے، بے حیائی کے کام ہو رہے ہیں۔ بے باپ کے بچوں کی کثرت ہے اور بے نکاح کے مرد اور عورت کے ملاپ کو ان کے ملکوں کی پارلیمینٹ نے قانونی طور پر جائز کر رکھا ہے، بلکہ یورپ کے بعض ملکوں نے اپنے ہم جنسوں سے استلذاذ کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ جو بات پارلیمنٹ پاس کر دے، پوپ اس کے خلاف ذرا سا بھی لب نہیں ہلا سکتے، کیا حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ زنا کو عام کر لینا اور اسے قانونی جواز دے دینا یورپ اور امریکہ کے ممالک کے دیکھا دیکھی ایشیا اور افریقہ کے ممالک بھی انہی کی راہ پر چلنے لگے ہیں پوری دنیا کو گناہگاری کی زندگی سکھانے کے ذمہ داری وہی لوگ ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے نام سے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام اس دین سے بری ہیں جو مسیحیت کے دعویداروں نے اپنا رکھا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی، پاک دامن رہنے کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد ایک نبی آئیں گے ان پر ایمان لانا، وہ نبی تشریف لے آئے یعنی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مسیحی ان پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے فرمان کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اور دنیا بھر میں مشنریوں کا جال پھیلا رکھا ہے اور مسلمانوں کو اپنے بنائے ہوئے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی کی انجیل)۔

بہت سی تحریفات و تغیرات کے باوجود اب بھی انجیل یوحنا میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں۔ باب نمبر ۱۴ میں ہے کہ "میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا"۔

پھر چند سطر کے بعد ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی پیشین گوئی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھو گے اور یہ اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں" بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں سورہ نساء میں مذکور ہے۔

پھر چند سطر کے بعد دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "میں نے تم سے یہ باتیں اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ، دنیا میں مصیبتیں اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں"۔

اے نصرانیو! حضرت مسیح علیہ السلام نے جو فرمایا کہ بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں تم ان کے سوا کسی کے پاس نہ جانا، دنیا بھر میں مشنریاں قائم کر کے اس کی خلاف ورزی نہ کرو اور دین اسلام قبول کرو۔ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دنیا سے اٹھائے جانے کا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں ان کے دوبارہ تشریف لانے کا اور طبعی موت سے وفات پانے کا ذکر ہے، موجودہ انجیل کی عبارتوں سے بھی یہ ثابت ہوتی ہے، مسیحیوں پر لازم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی باتیں مانیں اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور اپنے بنائے ہوئے دین پر نہ جمے رہیں اور مسلمانوں کو اپنے کفریہ دین کی دعوت نہ دیں، تعصب میں آ کر اپنی آخرت برباد نہ کریں۔

یہود و نصاریٰ کا حق سے انحراف اور اسلام کے خلاف متحدہ محاذ: یہود و نصاریٰ نے محمد ﷺ کو پہچان لیا لیکن بہت کم ایمان لائے۔ یہودی مدینہ منورہ ہی میں رہتے تھے بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں اسی لئے آ کر آباد ہوئے تھے کہ یہاں آخر الانبیاء ﷺ تشریف لائیں گے ہم ان پر ایمان لائیں گے لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد آپ کو

پہچان لینے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ چند ہی یہودیوں نے اسلام قبول کیا جن میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے فرمایا عرفت ان وجهه لیس بوجه كذاب کہ میں نے آپ کا چہرہ انور دیکھتے ہیں پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶۸)

نصاریٰ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہے جبشہ کا نصرانی بادشاہ نجاشی اور اس کے علاوہ بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے لیکن عام طور سے نصاریٰ بھی اسلام سے منحرف رہے اور آج تک منحرف ہیں۔ ہندوستان کے مشرکوں نے لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کیا لیکن نصاریٰ ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں، اکا دکا افراد مسلمان ہوتے رہتے ہیں لیکن عموماً انکار پر ہی تلے ہوئے ہیں، اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں جہاں کہیں مسلمان غریب ہوں وہاں مال تقسیم کر کے مانوس کرتے ہیں اور اسکول ہسپتال کھول کر مشنریاں قائم کر کے کفر کی دعوت دیتے ہیں (جس دین کی دعوت مال کا لالچ دے کر ہو اس کے باطل ہونے کے لئے یہی کافی ہے) سورہ آل عمران کی آیت فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ کی تفسیر میں نصاریٰ نجران کا واقعہ گزر چکا ہے۔ وہ لوگ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے مباہلہ کی گفتگو ہوئی ان کا جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ہیں اگر ان سے مباہلہ کرو گے تو تمہارا ناس ہو جائے گا اگر تمہیں اپنا دین چھوڑنا نہیں ہے تو ان سے صلح کرلو اور اپنے شہروں کو واپس چلو۔ یہ لوگ مباہلہ پر راضی نہ ہوئے اور اپنے دین پر قائم رہے، یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے، حضرات علماء کرام نے بارہا مناظروں میں ان کو شکست دی ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی، بارہا ان کے دین کو مصنوعی خودساختہ دین ثابت کر دیا ہے، لیکن وہ دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دین اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے دین کو غلط جانتے ہیں لیکن اسلام اور مسلمان کے خلاف آپس میں گٹھ جوڑ ہے اور اسلام کے مٹانے کے لئے دونوں نے اتحاد کر رکھا ہے لیکن پھونکوں سے یہ چراغ نہیں بجھایا جاسکتا وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً (اور جنہوں نے عیسیٰ بن مریم کا اتباع کیا ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور رحمت رکھ دی) جن لوگوں نے اتباع کیا تھا ان میں رحمت و شفقت تھی اب تو ان سے جھوٹی نسبت رکھنے والوں نے کئی سو سال سے پورے عالم کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے ملک گیری کے حرص نے ان سے ایشیائی ممالک پر حملے کرائے، ملکوں پر قبضے کئے ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے لوگوں کو کس طرح ظلم کا نشانہ بنایا؟ تاریخ دان جانتے ہیں، اور ہیروشیما پر جنہوں نے بم پھینکا تھا کیا یہ وہی لوگ نہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد اللہ تعالیٰ رسول بھیجے گا جس کا نام احمد ہوگا کچھ عرصے تک ان کی آمد کی انتظار میں رہے جب وہ تشریف لے آئے تو ان کی رسالت کا انکار کر دیا۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ نصاریٰ اپنی کتاب بھی کھو بیٹھے اس میں تحریف کر دی اور بالکل ہی گم کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع بھی نہ کیا ہدایت سے بھی رہ گئے اور رحمت اور شفقت بھی دلوں سے نکل گئی، اب تو تین خداؤں کا عقیدہ ہے اور کفارہ کا سہارا ہے اور ہر گناہ میں لت پت ہیں نہ ان میں رہبان ہیں نہ قسیسین ہیں جو ان کے مذہب کے بڑے ہیں وہ بھی ان کی حکومتوں اور سیاستدانوں کا موڈ دیکھتے ہیں، کوئی حق کلمہ نہیں کہہ سکتے اور گناہوں پر نکیر نہیں کر سکتے، سیدھے لفظوں میں یہ لوگ بھی اپنی حکومتوں کے آلہ کار ہیں۔

فائدہ: رہبانیت کا اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو حکم نہیں دیا تھا لیکن انہوں نے یہ سمجھ کر کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اپنے طور

پر اختیار کر لی تھی پھر اس کو نباہ بھی نہ سکے، رہبانیت کو بھی چھوڑ بیٹھے اور جو شریعت انہیں دی گئی تھی اس کی بھی پاسداری نہ کی، بلکہ اسے بدل دیا اعمالِ صحیحہ صالحہ پر تو کیا قائم رہتے توحید کے قائل نہ رہے تین خدا مان لئے، پھر ان میں سے ایک خدا کے مقتول ہونے کا عقیدہ بنالیا اور یہ سمجھ لیا کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوگیا۔

یہ رہبانیت نہ ان کے لئے مشروع تھی نہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیہ کے لئے مشروع ہے۔ شریعتِ محمدیہ میں آسانی رکھی گئی ہے تنگی نہیں ہے۔

سورۃ البقرہ میں فرمایا:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور سختی کا ارادہ نہیں فرماتا)۔ اور سورۃ الاعراف میں فرمایا: وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ (رسول نبی امی ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر بوجھ طوق تھے ان کو دور کرتا ہے)۔

سورۃ المائدہ میں فرمایا: مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ (اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے)۔

سورۃ الحج میں فرمایا: هُوَاجْتَبٰکُمْ وَمَاجَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. (اللہ نے تمہیں چن لیا اور تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی) ان آیات میں اس بات کی تصریح ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیہ کے لئے ایسے احکام مشروع نہیں کئے گئے جن میں تنگی ہو، نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت یا فضیلت نہیں ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خصی ہونے یعنی قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں ہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی بنے، بلاشبہ میری امت کا خصی ہونا (یعنی بیوی نہ ہونے کی صورت میں شہوت کو دبانا) یہ ہے کہ روزے رکھا کریں اس کے بعد عرض کیا کہ ہمیں سیاحت (یعنی سیر و سفر) کی اجازت دیجئے آپ نے فرمایا بے شک میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھے رہا کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

معلوم ہوا کہ اس امت کو نصاریٰ والی رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت نہیں قدرت ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنا، معاش کا انتظام نہ کرنا، مخلوق پر نظر رکھنا، مانگ کر کھانا، سردی گرمی سے بچنے کا انتظام نہ کرنا، بیوی بچوں کے حقوق ادا نہ کرنا، ان چیزوں کی شریعت محمدیہ میں اجازت نہیں ہے۔ شریعت کے مطابق زندگی گزاریں، حرام مال نہ کمائیں، شریعت کے مطابق لباس پہنیں، اسراف (فضول خرچی) اور ریاکاری خودنمائی نہ ہو، کھانے پینے میں حلال و حرام کا خیال ہو کسی کا حق نہ دبائیں کسی طرح کی خیانت نہ کریں اگر کوئی شخص شریعت کے مطابق اچھا لباس پہن لے تو اس کی گنجائش ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کلوا واشربوا و تصدقوا مالم یخالط اسراف ولا مخیلة. (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۷)

یعنی کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک کہ اس میں اسراف (فضول خرچی) اور شیخی بگھارنا نہ ہو۔

اگر کوئی شخص سادگی اختیار کرے معمولی لباس پہنے تو یہ بھی درست ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سادگی پسند تھی، عموماً آپ کا یہی عمل تھا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے قدرت ہوتے ہوئے خوبصورتی کا کپڑا تواضع کی وجہ سے پہننا چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اسے کرامت کا جوڑا پہنائے گا اور جس نے اللہ کے لئے نکاح کیا اللہ تعالیٰ اسے شاہانہ تاج پہنائے گا (مشکوٰۃ صفحہ ۳۷۵)

واضح رہے کہ سادہ کپڑے لوگوں سے سوال کرنے کے لئے یا بزرگی اور درویشی کا رنگ جمانے کے لئے نہ ہوں اور اس کو

طلبِ دنیا کا ذریعہ بنانا مقصود نہ ہو۔ مومن بندہ فرض اور نفل نمازیں پڑھے فرض اور نفل روزے رکھے راتوں کو کھڑے ہو کر نفلی نمازیں پڑھے۔ یہ چیزیں رہبانیت میں نہیں آتی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی سختی فرمائے گا، ایک جماعت نے اپنی جانوں پر سختی کی اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی فرما دی۔ یہ انہیں لوگوں کے بقایا ہیں جو گرجوں میں موجود ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی رَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۱۶: ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونِ خانہ عبادت کے بارے میں معلومات حاصل کریں جب ان کو آپ کی عبادت کے بارے میں باخبر کر دیا گیا تو انہوں نے اسے کم سمجھا (ان کے دلوں میں یہ بات آئی کہ ہم کہاں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں آپ کا تو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب معاف کر دیا یہ تھوڑی عبادت آپ کے لئے کافی ہو سکتی ہے ہمیں تو بہت زیادہ ہی عبادت کرنی چاہیے) پھر ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ راتوں رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا بے روزہ نہ رہوں گا تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا، یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی ہوں لیکن میں (نفلی) روزے بھی رکھتا ہوں بے روزہ بھی رہتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، سو جو شخص میری سنت سے ہٹے وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۵۸: ج ۲)

یاد رہے کہ شریعتِ محمدیہ کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عمل کرنے والے اس پر عمل کر سکتے ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس کی خواہش کے مطابق جو چاہو کر لو۔ اگر ایسا ہوتا تو شریعت میں حلال و حرام کی تفصیلات ہی نہ ہوتیں، نہ نماز فرض ہوتی، نہ گرمی کے زمانوں میں رمضان کے روزہ رکھنے کا حکم ہوتا، نہ جہاد کا حکم ہوتا نہ حج کا، خوب سمجھ لیں، شریعتِ اسلامیہ کے آسان ہونے کا مطلب جو ملحدین نے نکالا ہے کہ جو چاہو کر لو یہ ان کی گمراہی ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کی ایک جماعت میں نکلے وہاں راستہ میں ایک غار پر گزر ہوا وہاں پانی تھا اور سبزی تھی ایک شخص کے دل میں یہ بات آئی کہ وہیں ٹھہر جائے اور دنیا سے علیحدہ ہو کر زندگی گزارے، اس نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، آپ نے فرمایا بے شک میں یہودیت اور نصرانیت لیکر نہیں بھیجا گیا لیکن میں ایسی شریعت لے کر بھیجا گیا ہوں جو بالکل سیدھی ہے اور آسان ہے قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے ایک صبح یا ایک شام کو اللہ کے راہ میں چلا جانا، دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے افضل ہے اور جہاد کی صف میں تمہارا کھڑا ہو جانا ساٹھ سال کی نماز سے افضل ہے۔ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۳۴)

دیکھو اپنی شریعت کو آسان بھی بتایا اور ساتھ ہی جہاد کے صف میں کھڑا ہونے کی فضیلت بیان فرما دی۔ شریعت اسلامیہ میں اعتدال ہے نہ دنیاداری ہے نہ ترک دنیا ہے۔ شریعت کے مطابق حلال چیز سے استفادہ کرنا حلال ہے۔ خبائث اور انجاس سے پرہیز کریں تواضع مامور بہ ہے سادگی مرغوب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ

اے ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تم کو

نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِهٖ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۚ ۙ‏ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعۡلَمَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ اَلَّا يَقۡدِرُوۡنَ عَلٰى

ایسا نور عنایت فرمائے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلو پھرو گے اور وہ تم کو بخش دے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے، تاکہ اہلِ کتاب کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو

شَىۡءٍ مِّنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۲۹﴾

اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں، اور یہ کہ اللہ کے ہاتھ میں فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے دے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

ایمان لانے والے نصاریٰ سے دو حصہ اجر کا وعدہ، اہلِ کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل پر کوئی دسترس نہیں رکھتے

تفسیر: مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں سے متعلق ہے ان سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم اللہ سے ڈرو (کفر پر جمے نہ رہو) اللہ پر اور اس کے رسول یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ یہ تمہارا ایمان لانا تمہارے لئے بہت بڑی خیر کا ذریعہ ہوگا اور اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے دے گا۔

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا خبردار میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتادوں جو تم نہیں جانتے جو اللہ نے مجھے آج بتائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کو اس حال میں پیدا فرمایا کہ وہ سب صحیح دین پر تھے ان کے پاس شیاطین آگئے سو ان کو ان کے دین سے ہٹادیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں وہ ان پر حرام کر دیں، اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں نازل کی، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف دیکھا تو ان سب کو عربی ہوں یا عجمی مبغوض قرار دیدیا سوائے چند لوگوں کے جو اہلِ کتاب میں سے باقی تھے۔ (الحدیث صحیح مسلم صفحہ ۳۸۵: ج۲)

یہ لوگ جو بقایا اہلِ کتاب میں سے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ان کی شریعت پر چلتے تھے تغیر اور تبدیل سے دور تھے ان لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول یعنی آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان لاؤ جن کی بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر دے گا، ایک اجر عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اور ان کے دین پر قائم رہنے کا، دوسرا اجر خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لانے کا۔ جن نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے پھر آپ تشریف لے آئے تو تصدیق پر قائم رہے اور علی الاعلان بھی تصدیق کردی۔ سورۃ القصص میں فرمایا ہے۔

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ هُمۡ بِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ☆ وَاِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِيۡنَ ☆ اُولٰٓـئِكَ يُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَيَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ☆

(جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اس پر یعنی قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ان پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بے شک وہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بلاشبہ ہم پہلے ہی سے اسے مانتے تھے (یعنی آخری نبی پر کتاب نازل ہوگی ہم اس کی تصدیق کرتے تھے) یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دہرا ثواب دیا جائے گا اور وہ لوگ اچھائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں)۔

سورۃ القصص کی آیت شریفہ سے مؤمنین اہل کتاب کو دہرا اجر عطا فرمانے کی خوشخبری دی ہے صحیح بخاری صفحہ ۵: ج ا میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا جو خط لکھا تھا اس میں یہ بھی تھا: اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ (تو اسلام لے آ۔ اللہ تعالیٰ تجھے دہرا اجر عطا فرمائے گا)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں ایک وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو وہ اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لایا اور وہ دوسرا وہ غلام جو کسی کا مملوک ہو اس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اپنے آقاؤں کا بھی، اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس باندی تھی (بحق ملکیت) اس سے صحبت کرتا تھا اس نے اس کو ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا اور اسے تعلیم دی اور اچھی تعلیم دی پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا سو اس شخص کے لئے بھی دو اجر ہیں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۲۰)

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ اہل کتاب نہیں تھے وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کو مستلزم ہے ان میں اور اہل کتاب مومنین میں کیا فرق رہا جس کی وجہ سے اہل کتاب کو دوہرا ثواب دیا گیا؟ ظاہر ہے کہ تمام مؤمنین تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ جو اہل کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے پھر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لائے ان کو جو دوہرا اجر ملے گا اس میں یہ نہیں بتایا کہ اس دہرے کا اکہرا کیا ہوگا، دوہرا اسے کہتے ہیں جو اکہرے کا دوگنا ہو، ضروری نہیں کہ ہر دوگنا دوسرے ہرا کہرے سے زیادہ ہو، دیکھو دس کا دوگنا بیس ہے جو اکہرے چالیس سے کم ہے۔ پھر آیت اور حدیث میں ضِعْفَیْن کا لفظ نہیں ہے۔ مرتین کا لفظ ہے، یعنی دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ یہ دو مرتبہ کتنا کتنا ہوگا اس کی تصریح نہیں ہے۔ یہاں سورۃ الحدید میں لفظ کفلین من رحمته فرمایا ہے کفلین کی مقدار کیا ہے اس کا ذکر نہیں ہے، حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت بھی اجران فرمایا اس میں بھی ضعفین نہیں ہے۔ نیز جو اہل کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے اور اس پر جمے رہے (جبکہ بہت سی مشکلات کا سامنا رہا اور تکلیفیں اٹھائیں (جن کو سورۃ القصص میں بِمَا صَبَرُوْا سے تعبیر فرمایا ہے) پھر آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان لائے ان کا اجر بڑھ گیا تو کیا اشکال ہے قربانیوں اور مشقتوں کی وجہ سے فضیلت بڑھ جاتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایمان پر جمتے ہوئے مار پیٹ برداشت کی، کیا ان کے ایمان کا ثواب ان لوگوں کے ایمان کے برابر ہو سکتا ہے جنہوں نے یہ تکلیفیں نہیں اٹھائیں، ہاں کسی کے ایمان کا ثواب کسی دوسری وجہ سے بڑھ جائے تو وہ اور بات ہے۔ **هذا ما سنح لی، والعلم عندالله الکریم الذی بیده الفضل یوتیه من یشاء۔**

اہل کتاب کے ایمان لانے پر ایک تو دو حصے ثواب ملنے کا وعدہ فرمایا ہے جسے یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَحْمَتِهٖ میں بیان فرمایا ہے اور دوسرا وعدہ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ میں فرمایا (اور اللہ تمہارے لئے ایسا نور عنایت فرمائے گا جسے لئے ہوئے تم چلتے پھرتے رہو گے) یعنی تمہارے دلوں میں ایسی روشنی ہوگی جو ہر وقت ساتھ رہے گی (جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایمانیات پر علیٰ وجہ البصیرت جمے رہو گے اور شرح صدر کے ساتھ اعمال صالحہ انجام دیتے رہو گے)۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ناقلاً عن ابن عباس ان نوره هو القرآن ثم ذکر عن مجاهد هو الهدی والبیان ای یجعل لکم سبیلا واضحا فی الدین تاتون به. (علامہ بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ پھر حضرت مجاہدؒ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد ہدایت اور بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں تمہارے لئے واضح راستہ متعین کر دیا ہے جس پر تم عمل کرتے ہو)

مؤمنین اہل کتاب کی تیسری نعمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَیَغْفِرْ لَکُمْ اور اللہ تمہاری مغفرت فرما دے گا۔

وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتٰبِ (الیٰ آخر السورۃ) اس سے پہلے فَعَلَ یا اَعْلَمَ مقدر ہے اور لا زائدہ ہے اور ان مخففہ من المثقلہ

المشقلہ ، ہے مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں تا کہ قیامت کے دن اہلِ کتاب پر اپنے بارے میں یہ واضح ہو جائے کہ ان کو اللہ کے فضل کے کسی جزو پر بھی دسترس نہیں ہے، اور تا کہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جس کو چاہے دیدے (بیان القرآن میں اس جگہ پر سوال وجواب دیکھ لیا جائے)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ ایمان نہیں لائے انہوں نے کہا کہ چلو جو اہلِ کتاب تمہارے نبی ﷺ پر ایمان لائیں ان کے لئے دہرا اجر ہے اور اہل کتاب کے علاوہ جو شخص ایمان لائے اس کے لئے اکہرا اجر ہے لہٰذا ہم تم برابر ہوئے تمہارے لئے بھی ایک اجر ہے اور ہمارے لئے بھی ایک اجر ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ نازل فرمائی۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتٰبِ میں یہ بتا دیا کہ خود اپنے طور پر باتیں بنانے سے اور اپنے لئے ایک اجر کا دعویٰ کرنے سے آخرت میں کامیابی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جس پر فضل فرمائے گا وہی فضل سے نوازا جائے گا اور اس نے وہاں پر فضل فرمانا اہلِ اسلام ہی کے لئے مخصوص رکھا ہے (لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمیں بھی ایک اجر ملے گا باطل ہے) آیت کے ختم پر جو لِئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْکِتٰبِ فرمایا ہے اس میں یہود ونصاریٰ دونوں قوموں کو متنبہ فرما دیا (گو پہلے سے نصاریٰ کا ذکر تھا) کہ خود سے اپنی نجات کا عقیدہ رکھنا اور یوں سمجھنا کہ ہم ہی یا ہم بھی جنت میں جائیں گے غلط ہے اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق جس کو نوازے گا وہی جنت میں جائے گا۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی خوب سمجھ لیا جائے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

تم تفسیر سورة الحديد، والحمد لله العلی الحمید والصلوٰة والسلام على خير العبيد، وعلى اله و صحبه الذين اختصوا بالاجر الجزيل والثواب المزيد.

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ مجادلہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اس میں بائیس آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی، اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی، اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو

تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ

سن رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے، تم میں جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی

اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ

مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے، اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں،

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ

اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ ایک غلام یا

رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں باہم ایک دوسرے کو چھوئیں اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے، پھر جس کو میسر نہ ہو

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ

تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم ایک دوسرے کو چھوئیں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے،

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

یہ حکم اس لئے ہے تاکہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے

ظہار کی مذمت اور اس کے احکام و مسائل

تفسیر: ان آیات میں ایک صحابی خاتون رضی اللہ عنہا کے ایک واقعہ کا اور شوہر و بیوی سے متعلق ایک مسئلہ کا ذکر ہے، جس عورت کا یہ واقعہ ہے اس کے بارے میں چونکہ اَلَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا فرمایا ہے اس لئے اس سورت کا نام سورۃ المجادلہ معروف اور مشہور ہو گیا، آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ زمانہ اسلام سے پہلے اہل عرب میں لفظ طلاق کے علاوہ عورت اپنے اوپر حرام کرنے کے دو طریقے اور بھی تھے ایک ایلاء اور ایک ظہار، ایلاء اس بات کو کہتے تھے کہ شوہر بیوی کو خطاب کر کے قسم کھا لیتا تھا کہ میں تیرے پاس نہیں آؤں گا اس کا بیان سورۃ البقرہ کی آیت لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ کی تفسیر میں

گزر چکا ہے۔ (انوار البیان جلد ۲ صفحہ ۴۳۲)

اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ یوں کہہ دیتے تھے "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّی" (تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی کمر ہے یعنی حرام ہے) اس کو ظہار کہا جاتا تھا چونکہ اس میں لفظ ظہر آتا تھا جو پشت کے معنی میں ہے اس لئے اس کا نام ظہار معروف ہو گیا، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بھی اس کو ظہار ہی کے عنوان اور نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

آیات ظہار کا شان نزول: اب آیت کا سبب نزول معلوم کیجئے جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ عورت کون تھی جس کا واقعہ یہاں ذکر فرمایا ہے، قصہ یہ ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ اوس بن صامتؓ کی بیوی تھیں ایک دن ان کے شوہر نے اپنا مخصوص کام کرنے کا ارادہ کیا حضرت خولہ نے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ ان کے شوہر کو تکلیف تھی اور شوہر کی خیر خواہی پیش نظر تھی جیسے ہی بیوی نے انکار کیا شوہر نے یوں کہہ دیا کہ "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّی" کہہ تو دیا لیکن بعد میں پچھتائے اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ اب تو مجھ پر حرام ہو گئی ہے۔

یہ سن کر حضرت خولہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ طلاق نہیں ہے اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے شوہر نے جب مجھ سے نکاح کیا تھا اس وقت میں جوان تھی مالدار تھی میرے شوہر نے میرا مال بھی کھا لیا اور میری جوانی بھی فنا کر دی اب جبکہ میرے خاندان والے منتشر ہو گئے اور میری عمر بڑی ہو گئی تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا اب اسے اس پر ندامت ہے تو کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ میں اور وہ مل کر رہتے رہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی۔ حضرت خولہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے میرے شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں بولا اس سے میری اولاد بھی ہے اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ تو اس پر حرام ہو گئی خولہؓ نے کہا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتی ہوں میں اپنے شوہر کے ساتھ عرصہ دراز تک رہی ہوں آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی اور تیرے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، وہ اسی طرح اپنی بات کرتی رہیں اور آنحضرت ﷺ اسی طرح جواب دیتے رہے، آخر میں اس نے کہا کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر شوہر کے پاس چھوڑ دوں تو ضائع ہو جائیں گے اور اگر اپنے پاس رکھ لوں تو بھوکے مر جائیں گے یہ کہا اور آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہنے لگیں کہ اے اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اپنی تکلیف کو پیش کرتی ہوں آپ اپنے نبی ﷺ پر ایسا حکم نازل فرمائیے جس سے میری پریشانی دور ہو جائے یہ زمانہ اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خولہؓ سے کہا کہ تو اپنی بات بس کر دے دیکھتی نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر کیا آثار ظاہر ہو رہے ہیں، (اس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہو گئی تھی) آپ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہلکی سی نیند میں ہوں، جب وحی ختم ہو گئی تو آپ نے خولہؓ سے فرمایا کہ تو اپنے شوہر کو بلا کر لا، جب وہ آ گئے تو آپ ﷺ نے **قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ** سے آیات پڑھ کر سنائیں جن میں ظہار اور کفارہ ظہار کا حکم ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ جو تمام آوازوں کو سنتا ہے، جو عورت رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہی تھی میں اس کی بعض باتیں اسی گھر میں ہوتے ہوئے نہ سن پائی جہاں بات ہو رہی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کی بات سن لی اور آیت کریمہ نازل فرما دی۔

اب پہلی آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھیے بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑ رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

چونکہ حضرت خولہؓ کے شوہر نے ظہار کرلیا تھا اور ان کے شوہر یوں سمجھ رہے تھے کہ طلاق ہوگئی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ طلاق نہیں ہوئی اور اسی بات کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اس لئے اولاً ظہار کی شرعی حیثیت بتائی پھر اس کا کفارہ بیان فرمایا ارشاد فرمایا: اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیتے ہیں (یعنی یوں کہہ دیتے ہیں کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت مجھ پر حرام ہے) ایسا کہہ دینے سے وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتی ہیں، نہ وہ پہلے ان کی مائیں تھیں اور نہ اب ان پر ماؤں کا حکم نافذ ہوگا (جس کی وجہ سے آئندہ کے لئے حرمت آجائے)۔

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ ۔ انکی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے'' مائیں ہونے کے اعتبار سے حرمت مؤبدہ کا تعلق انہیں سے ہے۔

ظہار کی مذمت: وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا. رہی یہ بات کہ شوہر اگر اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تو میرے لئے ماں کی طرح ہے تو ان کا یہ کہنا بری بات ہے اور جھوٹی بات ہے اس بات کے کہنے سے حرمت دائمی کا حکم نہیں دیا جائے گا لیکن گناہ ضرور ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے قانون کو بدلنا لازم آتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لئے حلال کر دیا تو اب وہ کیسے کہتا ہے کہ یہ مجھ پر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے بخشنے والا ہے) گناہ کی تلافی کر لی جائے اور ظہار کا جو کفارہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس کی ادائیگی کردی جائے اللہ تعالیٰ گناہ کو معاف فرما دے گا۔

کفارہ ظہار: اس کے بعد ظہار کا کفارہ بیان فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (الی قوله تعالیٰ) فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا . اس میں علی الترتیب تین چیز ذکر فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ جو بات کہی ہے اس کی تلافی کریں سو جس کسی نے بھی ایسا کیا ہو وہ ایک غلام آزاد کرے اور غلام آزاد کرنے سے پہلے میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو نہ چھوئیں؛ یہ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کا ترجمہ ہے) یہ لفظ فرما کر یہ بتا دیا کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے نہ جماع کریں نہ دواعی جماع یعنی بوس وکنار اور مس وتقبیل کے ذریعہ استمتاع اور استلذاذ کریں، ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ. (یہ وہ چیز ہے جس کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے) یعنی یہ کفارہ گناہ معاف کرانے کا ذریعہ بھی ہے اور آئندہ کے لئے ایسے الفاظ بولنے سے روکنے والا بھی ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) اگر کسی نے حکم کی خلاف ورزی کی کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کا ارتکاب کرلیا تو اس کی سزا مل سکتی ہے)۔

پھر فرمایا فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا (سو جو شخص غلام نہ پائے تو اس کے ذمہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنا ہے اس سے پہلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو چھوئیں) یہ کفارہ ظہار کا حکم نمبر ۲ ہے اور علی سبیل التنزیل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو (مال ہی نہ ہو یا غلام ہی نہ ملتے ہوں جیسا کہ آجکل شرعی جہاد نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان غلاموں اور باندیوں سے محروم ہیں) تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے اور جب تک بلاناغہ پورے دو ماہ کے روزے نہ رکھ لے دونوں میاں بیوی الگ رہیں۔

پھر فرمایا فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا (سو جسے مذکورہ روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اسکے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)۔

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) یعنی اس کے سب احکام کی تصدیق کرو اور ایمان پر جمے رہو)، (اور یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے مطابق عمل کرو حد سے آگے مت بڑھو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے) جو اللہ کے احکام کی تصدیق نہیں کرتے۔

مسائل ضروریہ متعلقہ ظہار

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے پیٹ یا ران یا شرم گاہ سے تشبیہ دیدی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر اپنی بہن یا پھوپھی یا رضاعی والدہ کے مذکورہ بالا اعضاء پشت، پیٹ، ران، شرم گاہ سے تشبیہہ دیدی تب بھی ظہار ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میری ماں کی طرح سے ہو (کسی عضو سے تشبیہ نہیں دی) تو اس کے بارے میں اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تیری نیت کیا تھی اگر یوں کہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے کہا تھا تو طلاق بائن مانی جائے گی اور اگر یوں کہے کہ میری نیت ظہار کی تھی تو ظہار کا حکم نافذ ہوگا اور اگر یوں کہا کہ میری کچھ بھی نیت نہ تھی یا یوں کہا کہ میرا یہ مطلب تھا کہ جیسے میری والدہ محترم ہیں اسی طرح تم بھی قابلِ احترام ہو تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

مسئلہ: غلام آزاد کرنے میں غلام کا مرد اور بالغ ہونا ضروری نہیں ہے مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر مرد بالغ ہو یا نابالغ ہر ایک کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا مگر اندھا یا دونوں ہاتھ یا دونوں پیر کٹے ہوئے نہ ہوں۔

مسئلہ: جب دو مہینے کے روزے رکھے تو اس میں رمضان کے روزے حساب میں نہیں لگ سکتے کیونکہ وہ پہلے سے فرض ہیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی روزہ ان دنوں میں نہ ہو جن میں شرعاً روزہ رکھنا منع ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کفارہ ظہار کے روزے رکھنے کے درمیان رات کو جماع کر لیا تو نئے سرے سے روزے رکھنا لازم ہوگا (اور دن کو جماع کرنے سے تو روزہ ہی ٹوٹ جائے گا جس سے لگاتار والی شرط کا فوت ہو جانا ظاہر ہے اور چونکہ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا کا عموم رات کے جماع کرنے کو بھی شامل ہے اس لئے رات کو جماع کرنے سے بھی لگاتار والی شرط کی مخالفت ہو جائے گی۔

مسئلہ: کھانا کھلانے کی صورت میں اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلایا یا ساٹھ مسکینوں کو ایک دن میں صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا، اگر ساٹھ دن تک کسی مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا ان کی قیمت دیتا رہا تو ان صورتوں میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر ظہار کرنے کے بعد عورت کو طلاق دیدی یا مر گئی تو کفارہ ساقط ہو جائے گا لیکن توبہ کرنا پھر بھی لازم ہے۔

قال صاحب روح المعانی: والموصول مبتدا، و قوله تعالیٰ (فتحریر رقبة) مبتدا آخر خبره مقدر ای فعلیهم تحریر رقبة، او فاعل فعل مقدر. ای فیلزمهم تحریر، او خبر مبتدا مقدر ای فالواجب علیهم (تحریر) و علی التقادیر الثلاثة الجملة خبر الموصول و دخلته الفاء لتضمن المبتدامعنی الشرط وما موصولة او مصدرية، واللام متعلقة (یعودون) و هو یتعدی بها کما یتعدی بالی و بفی. فلاحاجة الی تاویله باحدهما کما فعل البعض، والعود لما قالوا علی المشهور عندالحنفية العزم علی الوطئ کانه حمل العودعلی التدارک مجازاً لان التدارک من اسباب العود الی الشیٔ والذین یقولون ذٰلک القول المنکر ثم یتدارکونه بنقضه و هو العزم علی الوطئ فالوا جب علیهم اعتاق رقبة. (صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ موصول مبتدأ ہے اور فتحریر رقبۃ دوسرا مبتداء ہے۔ جس کی خبر مقدر ہے یعنی فعلیھم تحریر رقبۃ یا یہ فعل مقدر کا فاعل ہے یعنی ان پر تحریر لازم ہے (فیلزمھم تحریر) یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یعنی فالواجب علیھم (تحریر) اور ما موصولہ ہے یا مصدریہ ہے اور لازم یعودون کے متعلق ہے اور یعودون فعل لام کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے جیسا کہ الی اور فی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی الی یا فی کے ساتھ تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ بعض نے کیا ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں مشہور قول کی بناء پر العود سے مراد یہاں وطی کا ارادہ ہے گویا کہ مجازاً العود سے مراد تدارک لیا گیا ہے کیونکہ تدارک کسی شی کی طرف لوٹنے کا سبب ہے اور جو لوگ یہ منکر بات کہتے ہیں پھر اسے توڑ کر اس کا تدارک کرتے ہیں یعنی وطی کا عزم کرتے ہیں تو ان پر گردن کا آزاد کرنا واجب ہے۔)

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنزَلْنَا

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہوں گے جیسے وہ لوگ ذلیل ہوئے جو ان سے پہلے تھے، اور ہم نے

آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا

کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں، اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہوگا، جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ فرمائے گا پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو بتلا دے گا،

عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾

اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے ذلیل ہوں گے

تفسیر: ان آیات میں کافروں کا دنیا میں ذلیل ہونا اور آخرت میں ذلت کے عذاب میں مبتلا ہونا بیان فرمایا ہے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں (جیسے کفار مکہ تھے) وہ دنیا میں ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہو چکے ہیں، چنانچہ غزوات میں کفار مکہ اور ان کے ساتھی ذلیل ہوئے ان کے ذلیل ہونے کا سبب بھی بتا دیا وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (اور ہم نے کھلی کھلی واضح آیات اتاریں) انہوں نے انہیں تسلیم نہ کیا لہٰذا مستحق سزا ہوئے، دنیا میں تو انہوں نے ذلت کا منہ دیکھ ہی لیا آخرت میں بھی ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

قیامت کے دن سب اٹھائے جائیں گے: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا (الآیۃ) اس آیت میں سب کو تنبیہ فرمادی کہ دنیا میں جو کچھ عمل کرتے ہیں قیامت کے دن وہ سب سامنے آجائیں گے اللہ تعالیٰ شانہ انہیں ان کے اعمال کی خبر دے دے گا یعنی یہ بتا دے گا کہ تم نے ایسے ایسے اور یہ یہ اعمال کئے تھے، یہ لوگ دنیا میں عمل کر کے بھول گئے اور اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے اعمال کو محفوظ رکھا، اتنی بڑی زندگی کے اعمال و اقوال بندوں کو یاد نہیں رہتے لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس وہ سب محفوظ ہیں کوئی شخص یہ نہ سمجھے جو کچھ کیا گزر گیا ہمیں تو یاد نہیں کہ کیا کیا۔ بات یہ ہے کہ جزا سزا ملنے کے لئے عمل کرنے والے کو یاد رہنا ضروری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جزا و سزا دے گا اس کے علم میں سب کچھ ہے وہ بھولنے والا بھی نہیں ہے وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ☆ (اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے) لہٰذا وہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو ظاہر فرما دے گا اور جزا سزا کے فیصلے بھی فرمائے گا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ

کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جو بھی خفیہ مشورہ تین آدمیوں کا ہوتا ہے

إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ

وہ ضرور چوتھا ہوتا ہے اور جو پانچ آدمیوں کا مشورہ ہو تو وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے، اور اس سے کم افراد ہوں یا زیادہ وہ

إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ

ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں پھر وہ انہیں قیامت کے دن ان کے اعمال سے باخبر کر دے گا،

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧﴾

بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ ہے ہر خفیہ مشورہ کو جانتا ہے

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بیان فرمایا ہے، ارشاد فرمایا کیا آپ نے نظر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یہ آنحضرت ﷺ کو اور آپ کے واسطے سے تمام انسانوں کو خطاب ہے مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی تین آدمی موجود ہوں جو کوئی خفیہ مشورہ کر رہے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے یعنی اسے ان کی باتوں کا علم ہوتا ہے اور جہاں کہیں پانچ آدمی موجود ہوں تو وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے، اس سے کم افراد ہوں یا زیادہ ہوں بہر حال وہ اپنے علم کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے جو شخص تنہا یا چھوٹی بڑی جماعت کے ساتھ جہاں کہیں بھی ہو وہ یوں نہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو میرا حال معلوم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے سب کے ساتھ ہے سب کو جانتا ہے، دنیا والے جو بھی عمل کرتے ہیں، اس کا اسے سب علم ہے، قیامت کے دن ہر ایک کو سب کے عمل سے باخبر فرما دے گا وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ
کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشی سے منع کیا گیا پھر وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو روکا گیا، اور وہ گناہ کی
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ
اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے لفظ سے آپ کو سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں فرمایا اور
يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ
وہ اپنے نفسوں میں یوں کہتے ہیں کہ ہمارے اس کہنے پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا، کافی ہے ان کے لئے جہنم، وہ اس میں داخل ہوں گے، سو وہ برا
الْمَصِيْرُ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
ٹھکانا ہے اے ایمان والو جب تم سرگوشی کرو تو گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو،
الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۞ اِنَّمَا النَّجْوٰى
اور نیکی اور تقویٰ کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے، بات یہی ہے کہ سرگوشی
مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
شیطان کی طرف سے ہے تاکہ وہ ایمان والوں کو رنجیدہ کرے اور وہ بغیر اللہ کے حکم کے انہیں کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتا
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞
اور مومن بندے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

منافقین کی شرارت، سرگوشی اور یہود کی بیہودہ باتیں

تفسیر: یہودی مکار تو تھے ہی، طرح طرح کی شرارتیں بھی کرتے تھے اور خفیہ مشورے بھی کرتے رہتے تھے، لفظ نجویٰ خفیہ بات چیت کے لئے بولا جاتا ہے، لفظ مناجاۃ بھی اسی سے لیا گیا ہے، مومن بندے آہستہ آہستہ (جسے اللہ تعالیٰ ہی سنے

کوئی دوسرا نہ سنے) اپنے خالق و مالک جل مجدہ سے دعا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر ظاہر اور خفیہ بات کو سنتا ہے اسی لئے خفیہ دعاء کو مناجاۃ کہا جاتا ہے۔

یہودی اور منافقین اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تو تھے ہی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے بری بری حرکتیں کرتے تھے، ان کی ان حرکتوں میں یہ بات بھی تھی کہ راستوں میں کسی جگہ بیٹھ جاتے تھے جب کوئی مسلمان وہاں سے گزرتا تو گہری نظروں سے دیکھتے تھے اور آنکھوں سے اشارہ بازی کرتے تھے اور چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے تھے۔ منافقین بھی ان کے شریک حال تھے، مسلمانوں کو ان کی حرکتوں سے تکلیف ہوتی تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کو پیش کر دیا اور ان لوگوں کی شکایت کی، آپ نے ان لوگوں کو منع کر دیا کہ سرگوشی اور خفیہ بات چیت نہ کریں اس سے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے ان لوگوں نے ہدایت پر عمل نہ کیا ممانعت کے باوجود اپنی حرکتیں کرتے رہے اس پر آیت کریمہ **اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی** (الآیۃ) نازل ہوئی جس میں ان کی حرکتِ بد کا بھی تذکرہ فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ گناہ کے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے مشورے کرتے ہیں۔

یہودیوں کی شرارت: یہودیوں کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب حاضر خدمت ہوتے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کی بجائے اَلسَّامُ کہتے تھے زبان دبا کر لام کو کھا جاتے تھے، سام عربی میں موت کو کہتے ہیں موت کی بددعاء کرتے تھے اور ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم نے سلام کیا، ان کی اس حرکت کو بیان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: **وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِهِ اللّٰهُ۔**

(اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ان الفاظ میں تحیہ کرتے ہیں یعنی سلام کی ظاہری صورت اختیار کرتے ہیں، جن الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا۔

ایک مرتبہ چند یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زبان دبا کر وہی السام علیک کہہ دیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس فرما لیا اور آڑے ہاتھوں لیا اور جواب میں فرمایا عَلَیْکُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَۃُ فرمایا (تم پر موت ہو اور لعنت ہو)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ ٹھہرو (نرمی اختیار کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا تو نے نہیں سنا میں نے کیا کہا؟ میں نے ان کے جواب میں عَلَیْکُمْ کہہ دیا یعنی (ان کی بات ان پر لوٹا دی) انہیں موت کی بددعاء دے دی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۲۵: ج ۲)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے جو جواب دیا وہ تو نے نہیں سنا میں نے ان کو جو بددعاء دی ہے وہ مقبول ہوگی اور انہوں نے جو مجھے بددعا دی ہے وہ قبول نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۹۸)

وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ یعنی یہودی برے الفاظ بھی زبان پر لاتے ہیں پھر اپنے دلوں میں یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں ہماری باتوں پر عذاب کیوں نہیں دیتا، مقصد ان کا یہ تھا کہ اگر یہ اللہ کے نبی ہیں اور ہم ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں تو اب تک اللہ کا عذاب آ جانا چاہیے تھا جب اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب نہیں دیتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی اعلان نہیں فرمایا کہ نبی کے جھٹلانے کی اور گناہوں کی سزا اسی دنیا میں ضرور دیدی جائے گی اور جلد دے دی جائے گی۔ بہت سے کافروں کو دنیا و آخرت دونوں میں سزا ملتی ہے اور بعض کو صرف آخرت میں دی جاتی ہے یہ دلیل بنا لینا کہ چونکہ ہمیں عذاب نہیں دیا جاتا اس لئے ہمارا عمل درست ہے جہالت اور حماقت کی بات ہے۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ اس میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا جواب دے دیا اور بتا دیا کہ ان کو دوزخ میں جانا ہی جانا ہے وہ برا ٹھکانا ہے اگر دنیا میں عذاب نہ دیا گیا تو یوں نہ سمجھیں کہ عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

اہلِ ایمان کو نصیحت کہ یہودیوں کا طریقہ کار استعمال نہ کریں: یہود اور منافقین کی بدحالی بتا کر مؤمنین مخلصین کو نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ۔ (اے ایمان والو! جب تمہیں خفیہ مشورہ کرنا ہو (آہستہ آہستہ باتیں کرنی ہوں) تو گناہگاری اور زیادتی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو)۔ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (اور نیکی اور تقویٰ کا مشورہ کرو)۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ (اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے) یعنی آخرت کے دن میں حاضر ہو گے۔

پھر فرمایا اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (خفیہ سرگوشی شیطان ہی کی طرف سے ہے تاکہ وہ اہلِ ایمان کو رنجیدہ کرے) یعنی جن لوگوں نے مسلمانوں کو تکلیف دینے کے لئے خفیہ مشورہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے اس طریقہ پر انہیں شیطان نے ڈالا ہے، شیطان کا مقصد یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو رنجیدہ کرے۔

وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور ان لوگوں کا یہ مشورہ اہلِ ایمان کو کوئی ضرر نہیں دے سکتا مگر اللہ کے حکم سے اور اہلِ ایمان اللہ پر بھروسہ کریں) یہ توکل علی اللہ انہیں مخلوق کی ایذارسانیوں سے محفوظ رکھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسلام کامل دین ہے، اس میں جیسے عبادات بتائی گئی ہیں ایسے ہی اخلاق و آداب بھی سکھائے گئے ہیں، ان آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ کسی ساتھ کے بیٹھنے والے کو جسمانی اور روحانی تکلیف نہ دی جائے آئندہ آیت میں جسمانی تکلیف کا ذکر ہے اور روحانی تکلیف یہ ہے کہ بعض لوگ آپس میں مل کر چپکے چپکے ایسی باتیں نہ کریں جن سے دوسرے ساتھ بیٹھنے والوں کو تکلیف پہنچے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مجلس میں تین آدمی ہو تو دو آدمی تیسرے آدمی کو چھوڑ کر آپس میں چپکے چپکے باتیں نہ کریں جب تک کہ دوسرے آدمی نہ آجائیں، یہ اس لئے کہ اگر دو آدمی بات کریں گے تو تیسرے آدمی کو رنج ہو گا اور وہ سمجھے گا کہ شاید میرے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۳۲: ج ۲)۔

ہاں اگر تین سے زائد آدمی ہوں تو دو آدمی آپس میں آہستہ بات کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے دوسرے حاضرین کے دلوں میں کوئی وسوسہ نہ آئے گا وہ بھی آپس میں اپنی کوئی بات کرلیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ
اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو، اللہ تعالیٰ تم کو کھلی جگہ دے گا
وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو، جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کے اور ان لوگوں کے
دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾
درجات بلند فرمائے گا جنہیں علم عطا ہوا ہے اور اللہ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے

مجلس کے بعض آداب اور علماء کی فضیلت

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اہلِ ایمان کو دو باتوں کا حکم دیا اول یہ کہ مجلسوں میں بیٹھے ہوں تو بعد میں آنے والوں کو بھی جگہ

دیا کریں اور کھل کر بیٹھ جایا کریں، تاکہ مجلس میں گنجائش ہو جائے اور آنے والوں کو جگہ مل سکے، جب ایسا عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں ان پر کرم فرمائے گا ان کے لئے اپنی رحمت اور مغفرت کو وسیع فرمائے گا۔

آنے والوں کو چاہیئے کہ وہ کسی پہلے سے بیٹھے ہوئے شخص کو نہ اٹھائیں اور بھری ہوئی مجلس میں اندر گھسنے کی کوشش نہ کریں اور بیٹھنے والوں کو چاہیئے کہ آنے والوں کے لئے جگہ نکالیں اور کھل کر بیٹھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کی بیٹھنے کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھ جائے ہاں کھل جایا کرو اور مجلس میں وسعت نکال لیا کرو۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۲۸: ج ۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **خَیْرُ الْمَجَالِسِ اَوْ سَعُھَا** (سب مجلسوں میں بہتر مجلس وہ ہے جو سب سے زیادہ وسیع ہو) اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ (رواہما ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۰۵)

حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپ اس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ گئے اس نے کہا یا رسول اللہ جگہ میں گنجائش ہے (آپ کو تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں) آپ نے فرمایا: کہ بلاشبہ مسلمان کا یہ حق ہے کہ اس کا بھائی اسے آتا ہوا دیکھے تو اس کے لئے ہٹ جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۴)

دوسری نصیحت: یہ فرمائی **وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا** (جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو) اس میں یہ ادب بتایا کہ کسی مجلس میں اتنا زیادہ نہ بیٹھو کہ جس کے پاس بیٹھے ہو جس کے گھر گئے ہو وہ زچ ہو جائے اول تو خود سے موقع شناس ہونا چاہیئے کہ کتنی دیر بیٹھنے کا موقع ہے، اور مجلس کی صورتِ حال کیا ہے اور وقت کا تقاضا کیا ہے اگر خود نہ اٹھے اور یہ کہہ دیا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو ضرور ہی اٹھ جانا چاہیئے اعلان ہو جانے پر بیٹھا رہنا یہ مزید تکلیف دینے والی بات ہے۔

آیت کی یہ ایک تفسیر ہے، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا رہوں اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا میں یہ حکم نازل فرمایا کہ مجلس سے اٹھ جانے کا حکم ہوا کرے تو اٹھ جایا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حاجات بھی ہیں۔

اور ایک تفسیر یوں کی گئی ہے کہ نماز اور جہاد اور امورِ خیر کے لئے اٹھنے کو کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہوا کرو **یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ**. (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا اللہ ان کو درجات کے اعتبار سے بلند فرما دے گا) یعنی جو احکام اوپر بیان کئے گئے ان پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے اور اہلِ علم کے درجات بلند فرمائے گا، اگرچہ اہلِ علم بھی اہلِ ایمان میں داخل ہیں لیکن ان کا مستقل تذکرہ فرما کر ان کی شان کو بڑھا دیا نیز آیت کریمہ میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کے ذریعہ رفع درجات ہوتا ہے پھر علم کی وجہ سے مزید درجات بلند ہوتے ہیں، لیکن اس سے قرآن و حدیث اور اس سے متعلقہ علوم مراد ہیں علماء کی فضیلت نہ صرف عامۃ المسلمین پر بلکہ ان عبادت گزاروں پر بھی ہے جو نوافل میں لگے رہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عالم فرض پڑھ کر بیٹھ جاتا ہے پھر لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اس کی فضیلت اس عابد پر جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور راتوں رات قیام کرتا ہے ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر ہے۔

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جسے اس حال میں موت آ گئی کہ وہ اس لئے علم حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (رواہما الدارمی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۶)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرات انبیاء پھر علماء پھر شہداء شفاعت کریں گے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے، جو بھی خیر کا کام کرلو گے اس کا پھل پالو گے)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو،

ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا

یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے، سو اگر تم نہ پاؤ تو اللہ غفور ہے رحیم ہے، کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے

بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

صدقات دیا کرو، سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تمہارے حال پر مہربانی فرمائی سو نماز قائم کرو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے صدقہ کا حکم اور اس کی منسوخی

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حکم دیا ہے کہ مؤمنین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی بات کرنے کے لئے آئیں اور سرگوشی کے طور پر خفیہ بات کرنا چاہیں تو اس سے پہلے صدقہ دے دیا کریں اور دوسری آیت میں اس حکم کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے۔ مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کیا کرتے تھے۔ جب سوالات کا سلسلہ زیادہ ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزرنے لگا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سوالات میں تخفیف کرانے کے لئے یہ حکم دیا کہ صدقہ کر کے آپ کی خدمت میں آیا کریں جب ایسا ہوا تو بہت سے لوگ سوال کرنے سے رک گئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں وسعت دے دی یعنی بغیر صدقہ کئے بھی حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔

حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں گفتگو کرنے کی درخواست کرتے تھے جب آپ سے سرگوشی کرتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو خیال ہوتا تھا کہ شاید ہمارے بارے میں کوئی بات چیت ہو رہی ہے، جب عامۃ المسلمین کو تنہائی میں وقت لینے والوں کا طریقہ کارنا گوار گزرا تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم فرمایا کہ جنہیں سرگوشی کرنا ہو وہ صدقہ دے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کریں تاکہ خلوت میں وقت مانگنے کا سلسلہ ختم ہوجائے (تفسیر قرطبی صفحہ ۳۰۱: ج ۱۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں ایک آیت ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد اس پر کوئی عمل کرے گا میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اس کو دس درہم میں تڑوالیا تھا۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خفیہ مشورہ کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو ایک درہم صدقہ کر کے آتا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرمادیا۔ (ابن کثیر صفحہ ۳۲۶: جلد ۴)

جن لوگوں کے پاس صدقہ دینے کو کچھ نہ تھا فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرما کر پہلے ہی سے ان کو مستثنیٰ فرما دیا تھا سنن ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً نازل فرمائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے (مسلمان) ایک دینار (صدقہ کر کے آئیں گے) میں نے عرض کیا انہیں اس کی طاقت نہیں، فرمایا آدھا دینار؟ میں نے عرض کیا انہیں اس کی طاقت نہیں، فرمایا پھر کتنا؟ میں نے عرض کیا ایک جو (کے برابر سونا) ہو فرمایا تم تو بہت تھوڑے پر آ گئے اس پر آیت کریمہ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ نازل ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف فرما دی (قال الترمذی حدیث غریب حسن من ھٰذا الوجه و معنی قوله شعیرة یعنی شعیرۃ من ذھب)

صدقہ دینے کے حکم کا منسوخ ہونا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ءَاَشْفَقْتُمْ (الآیۃ) کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات کرو سو اگر اس پر تم نے عمل کیا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (کہ بالکل اس کو منسوخ فرما دیا) تو تم دوسرے احکامِ دینیہ پر پابندی سے عمل کرتے رہو نماز کے پابند رہو زکوٰۃ ادا کرو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ میں بتا دیا کہ صدقہ دینے کا جو حکم ہوا تھا اس سے ڈرنا یہ گناہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا اور فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اِذْ'' ظرفیہ بھی ہو سکتا ہے اور شرطیہ بھی، پھر لکھا ہے: **والمعنیٰ علی الاول انکم ترکتم ذلک فیما مضیٰ فتدارکوہ بالمثابرۃ علی اقامۃ الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ۔**

یعنی جب تم نے حکم پر عمل نہ کیا تو اس کا اس طرح تدارک کرو کہ نمازوں کی خوب پابندی کرو اور زکوٰتیں ادا کیا کرو۔ **قلت و معنیٰ الشرطیۃ یؤل الی ذلک۔**

آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اور اللہ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے)۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن پر اللہ کا غضب ہوا نہ وہ تم میں سے ہیں نہ ان میں سے، اور وہ جانتے ہوئے

عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

جھوٹ پر قسم کھاتے ہیں، اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار فرمایا ہے، بیشک وہ برے کام کیا کرتے تھے

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا سو اللہ کے راستہ سے روک دیا، لہٰذا ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ہرگز کچھ بھی ان

تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا

کے اموال اور اولاد اللہ سے بچانے کے لئے کچھ کام نہ آئیں گے یہ دوزخ والے ہیں اس میں،

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ

ہمیشہ رہیں گے۔ جس روز اللہ ان کو دوبارہ زندہ فرمائے گا سو وہ اس کیلئے بھی ایسی قسمیں کھائیں جیسی قسمیں تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور وہ خیال کر رہے ہیں کہ ہم

عَلٰى شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ

کسی اچھے حال میں ہیں خبردار بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں شیطان نے ان پر غلبہ پالیا، سو انہیں اللہ کا ذکر بھلادیا،

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ

یہ شیطان کا گروہ ہے، خبردار بیشک شیطان کا گروہ خسارے میں پڑجانے والا ہے بے شک جو لوگ

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝۲۰

اللہ کا اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں یہ لوگ بڑی ذلت والوں میں ہیں۔

منافقین کا بدترین طریق کار، جھوٹی قسمیں کھانا، اور یہودیوں کو خبریں پہنچانا

تفسیر: معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں جنہوں نے ظاہراً اسلام کا دعویٰ کیا لیکن اندر سے یہودیوں سے دوستی جاری رکھی مومنین کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے جو ان کے راز معلوم ہوجایا کرتے تھے وہ یہودیوں تک پہنچادیا کرتے تھے، اس کے بعد ایک قصہ یوں نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن نبتل نامی ایک یہودی تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھا کرتا تھا پھر آپ کی باتیں (جو عام کرنے کی نہ تھیں) یہودیوں کو پہنچادیتا تھا ایک دن یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے خود ہی فرمایا کہ ابھی ایک شخص آئے گا جس کا قلب جبار ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اس شخص کی آنکھیں نیلی تھیں جب یہ پہنچ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے برے الفاظ میں کیوں یاد کرتے ہیں وہ قسم کھا گیا کہ نہیں ایسی بات تو نہیں ہے اور اپنے ساتھی کو بھی لے کر آ گیا وہ بھی اسی طرح جھوٹی قسمیں کھا گیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ارشاد فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جن پر اللہ کا غصہ ہے (ان سے یہودی مراد ہیں) ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ یہ لوگ یہودیوں سے ان کا دوست بن کر ملتے ہیں اور تمہارے پاس آ کر یہ بتاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں، اور یقینی قطعی بات یہ ہے کہ یہ لوگ نہ ان میں سے ہیں نہ تم میں سے (جو شخص مطلب کا یار ہوتا ہے وہ ظاہر میں ہر اس شخص اور اس جماعت کا ساتھی بن جاتا ہے جس سے مفاد وابستہ ہو، لیکن اخلاص کے ساتھ وہ کسی کا بھی دوست نہیں ہوتا، منافق ہر فریق کے پاس جا کر یہ کہتا ہے کہ میں تمہارا ہوں لیکن حقیقت میں وہ کسی کا بھی نہیں ہوتا، اسی کو سورۃ النساء میں فرمایا ہے: مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (الآیۃ) نہ وہ ان کی طرف ہیں نہ ان کی طرف، جو اعمال کرتے ہیں وہ بھی دکھاوے کے لئے تاکہ ان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ہمارے ساتھ ہے حالانکہ وہ کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتے۔

ان منافقوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹی قسم کھاتے ہیں اور یہ قسم بھی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ یہ جانتے ہوئے جھوٹی قسم کھاتے ہیں کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں جھوٹی قسم کھا رہے ہیں۔

پھر فرمایا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا (الآیات الثلث) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار فرمایا ہے، یہ برے عمل کرتے تھے جھوٹی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنالیتے تھے اور اس طرح اللہ کی راہ سے روکتے تھے ان کے لئے عذاب شدید بھی ہے اور عذابِ مہین بھی یعنی ''ذلیل کرنیوالا عذاب'' یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے جو منافقانہ طرز اختیار کیا ہے اس میں

ہمارے مالوں کی حفاظت بھی ہے اور ہماری اولاد کی بھی، ان کا یہ سمجھنا غلط ہے جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ انہیں دوزخ میں لے جاؤ تو وہاں عذاب سے چھڑانے کے لئے نہ کوئی مال نفع دے گا نہ اولاد کام آئے گی جن کی حفاظت کے لئے یہ مکرو فریب اختیار کرتے ہیں اور اپنی آخرت خراب کرتے ہیں وہ لوگ اللہ کے عذاب سے چھڑانے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے ان کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اور اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں کی جھوٹی قسم کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو! اتنی ہی سی بات نہیں ہے کہ دنیا میں تمہارے سامنے یہ جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں ان کی بدحالی کا تو یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ انہیں قبروں سے اٹھائے گا اور میدانِ حشر میں حاضر فرمائے گا اور وہاں ان سے ان کے کفر اور ان کی شرارتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھوٹی قسمیں کھا جائیں گے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ خوب سمجھ لیا جائے کہ یہ لوگ جھوٹے ہی جھوٹے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اسے کمال بھی سمجھتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے جھوٹ بولا تو کیا ہے اپنا کام تو نکال ہی لیا، دنیا کی مطلب پرستی کی طرف ان کو دھیان ہے آخرت کے عذاب کی طرف کچھ دھیان نہیں۔

مخالفین پر شیطان کا غلبہ آخرت میں خسارہ اور رسوائی: **اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ** (الآیۃ) (شیطان نے ان پر غلبہ پالیا سو انہیں اللہ کی یاد بھلادی) اللہ کی یاد سے غافل ہیں تو آخرت کے مواخذہ اور محاسبہ سے بھی غافل ہیں بس ان کے سامنے دنیا ہی دنیا ہے چونکہ شیطان کا ان پر غلبہ ہے وہ ان پر برے اعمال کو اچھا کر کے پیش کرتا ہے اور کفر اور شرک اور معاصی میں ان کا فائدہ بتاتا ہے اس لئے یہ لوگ شیطان ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں **اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ** (ان کا گروہ شیطان کا گروہ ہے) یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں ان کی یہ غلط فہمی قیامت کے دن دور ہو جائے گی جب **خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** کا مصداق بنیں گے نہ کچھ مال پاس ہوگا نہ اولاد فائدہ دے گی، اور اپنی جانوں کو عذاب سے چھڑانے کی کوئی راہ نہ پائیں گے بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، اسی کو فرمایا: **اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** (خبردار اس میں کوئی شک نہیں کہ شیطان کا گروہ برباد ہی برباد ہے)۔

اس کے بعد ان سب لوگوں کی بدحالی بیان فرمائی جو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا یہ لوگ ان لوگوں میں ہوں گے جو بہت زیادہ ذلت والے ہوں گے دوزخ میں جو شخص داخل ہوگا ذلیل ہوگا، سورہ آلِ عمران میں مومنین کی دعا نقل فرمائی ہے۔ **رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ** (اے ہمارے رب تو جسے دوزخ میں داخل فرمائے گا، اسے رسوا فرمادے گا) اہلِ دوزخ کے بہت سے گروہ ہوں گے جس جس درجہ کا جو شخص اہل ہوگا اسی کے لائق عذاب اور ذلت اور رسوائی میں مبتلا کیا جائے گا، منافقین کے بارے میں سورہ نساء میں فرمایا۔ **اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ** (بلاشبہ منافقین آگ کے سب سے نیچے والے درجہ میں ہوں گے) بہت سے لوگ منافق نہیں ہوتے کھلے ہوئے کافر ہوتے ہیں اور اپنی دشمنی میں اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر تلے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں پیشگی خبر دے دی اور مستقل قانون بتادیا کہ یہ لوگ ذلیل ترین لوگوں میں ہوں گے۔ **اعاذنا اللّٰہ من عذابہ و سخطہ**

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ

اللہ نے لکھ دیا ہے میں ضرور ضرور غالب رہوں گا اور میرے رسول بے شک اللہ قوی ہے عزیز ہے، آپ نہ پائیں گے ایسے لوگوں کو جو اللہ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ

پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ دوستی رکھتے ہوں اس شخص سے جو مخالفت کرتا ہو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں

اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ

یا بھائی ہوں یا کنبہ کے لوگ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا اور اپنی رحمت کے ذریعہ ان کی تائید فرمادی

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

اور وہ ان کو داخل فرمائے گا ایسی بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا

وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور وہ اللہ سے راضی ہیں، یہ جماعت اللہ کا گروہ ہے، خبردار بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے

ایمان والے اللہ تعالیٰ کے دشمن سے دوستی نہیں رکھتے اگرچہ اپنے خاندان والا ہی کیوں نہ ہو

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے ان سے پہلی آیات میں منافقین کی حرکتوں اور شرارتوں کا اور جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کریں ان کی بدحالی اور بربادی کا ذکر تھا، ان آیات میں اہل ایمان کی بعض صفات خاصہ کا اور ان کی کامیابی کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہیں کر سکتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اس سے دوستی کریں، جب اللہ پر ایمان لے آئے جو پیدا فرمانے والا ہے سب سے بڑا ہے تو اس کے مخالفوں سے دوستی کرنے کا کوئی موقع نہیں رہا سچے مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ پر بھی ایمان لائے اور اس کے دشمنوں سے بھی دوستی کا تعلق رکھے، جو اللہ کا ہو گیا وہ اور کسی کا نہیں رہا اس کی دوستی دشمنی اللہ ہی کے لئے ہے وہ جئے گا اللہ کے لئے مرے گا اللہ کے لئے تعلق رکھے گا اللہ کے لئے تعلق توڑے گا اللہ کے لئے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (رواہ ابوداؤد)

(جس نے محبت کی اللہ کے لئے اور دیا اللہ کے لئے اور روک لیا اللہ کے لئے اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا) آیت بالا میں یہی فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اب وہ اس شخص سے محبت نہیں رکھ سکتے جو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا مخالف ہو، اللہ کے تعلق اور محبت کی وجہ سے اگر انہیں اپنے خاص عزیزوں اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے قبیلوں سے تعلق توڑنا پڑے تو ان سے تعلق توڑ دیں گے اور نہ صرف یہ کہ تعلق توڑ دیں گے بلکہ قتل و قتال کی نوبت آئے تو قتل بھی کر دیں گے جو اللہ کا دشمن ہے اہل ایمان کا بھی دشمن ہے دینی دشمنی کے سامنے رشتے داری کی کوئی حقیقت نہیں۔

غزوۂ بدر میں حضرات صحابہ نے ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کافر رشتہ داروں کو قتل کر دیا:

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسے متعدد واقعات پیش آئے کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دشمن اسلام کو یہ جانتے ہوئے قتل کر دیا کہ یہ میرا باپ ہے یا بھائی ہے یا کنبہ کا فرد ہے چنانچہ غزوہ بدر میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح

نے اپنے باپ جراح کو قتل کر دیا تھا اور حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو قتل کر دیا تھا۔

مفسر ابن کثیر نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہ مثالیں لکھی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے والد سے کہا کہ ابا جان جنگِ بدر کے موقع میں کئی بار ایسا موقع پیش آیا کہ میں آپ کو قتل کر سکتا تھا لیکن میں بچ کر نکل گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میرا موقع لگ جاتا تو میں قتل کر دیتا تجھے چھوڑ کر آگے نہ بڑھتا۔ (ذکرہ فی سیرۃ ابن ہشام)

غزوہ بدر کے موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ جب مشرکین اور مسلمین کا آمنا سامنا ہوا تو مشرکین مکہ نے باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے شخصی مقاتلہ اور مقابلہ کے لئے دعوت دی اس پر حضرات انصار میں سے تین آدمی آگے بڑھے۔ مشرکین مکہ نے کہا تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم انصار میں سے چند آدمی ہیں! وہ کہنے لگے ہمیں تمہاری کوئی حاجت نہیں ہمارے بنی عم یعنی چچازاد بھائیوں کو ہمارے سامنے لاؤ اور زور سے پکار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے قوم میں سے ہمارے برابر کے لوگ مقابلہ کے لئے بھیجئے، آپ نے حضرت عبیدۃ بن الحارث اور حضرت حمزہ اور حضرت علی کو مقابلہ میں آنے کا حکم دیا آپس میں مقابلہ ہوا تو حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے عتبہ پر اور عتبہ نے حضرت عبیدہ پر حملہ کیا ہر ایک کی ضرب سے ایک دوسرا نیم جان ہو گیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کر دیا پھر ان دونوں حضرات نے عتبہ کو بھی قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ کو اٹھا کر لے آئے پھر ان کی روح پرواز کر گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**اشهد انک شهيد**" میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔ (البدایہ والنہایہ ۲۷۳: ج ۳)

یہ واقعہ ہم نے یہ بتانے کے لئے لکھا ہے کہ کافر اپنے کفر پر جم کر کفر کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر اتنے آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ منظور نہیں کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے کسی قبیلے کے افراد سے جنگ کریں، انہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ ہم اپنے چچازاد بھائیوں کو قتل کریں گے جب اہلِ کفر کا یہ جذبہ ہے تو اہلِ ایمان اللہ و رسول کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور ایمان کے دشمنوں کو قتل کرتے وقت یہ کیوں دیکھیں کہ ہم جسے قتل کر رہے ہیں یہ ہمارا کوئی عزیز قریب تو نہیں ہے، جب اللہ ہی کے لئے مرنا ہے اور اللہ ہی کے لئے مارنا ہے تو جو لوگ اللہ کے دشمن ہیں ان پر رحم کھانے کی کوئی وجہ نہیں اور اس موقعہ پر اپنے اور پرائے میں فرق کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کا گروہ ہے ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے: **أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ** (اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو لکھ دیا) یعنی ثابت فرما دیا اور جما دیا۔ **وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ** (انہیں اپنی روح کے ذریعہ قوت دے دی) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ روح سے نور القلب مراد ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے نور ڈال دیتا ہے اس کے ذریعہ اطمینان حاصل ہوتا ہے اور معارج تحقیق پر عروج نصیب ہوتا ہے۔ **وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا** (اور انہیں داخل فرمائے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) **رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ** (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہیں) **أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ** (یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں) **أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** (خبردار اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے)۔

وهذا آخر تفسير سورة المجادله، والحمدلله رب العلمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين و على اله و صحبه اجمعين.

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحشر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں تین رکوع اور چوبیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے اللہ وہی ہے جس نے کافروں کو یعنی

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۗ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

اہل کتاب کو پہلی بار گھروں سے نکال دیا، تمہارا گمان نہ تھا کہ وہ لوگ نکلیں گے اور انہوں نے گمان کیا تھا

مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے سو ان پر اللہ کا انتقام ایسی جگہ سے آ گیا جہاں سے ان کا خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں

الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

رعب ڈال دیا وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے، سو اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ

اور اگر اللہ نے ان کے بارے میں جلا وطن ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو انہیں دنیا میں عذاب دیتا اور ان کے لئے آخرت میں آگ کا

النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

عذاب ہے اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا، سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

یہودیوں کی مصیبت اور ذلت اور مدینہ منورہ سے جلا وطنی

تفسیر: یہاں سے سورۃ الحشر شروع ہو رہی ہے حشر عربی میں جمع کرنے کو کہتے ہیں اپنی جگہ چھوڑ کر جب کسی جگہ کوئی قوم جمع ہو جائے اس کو حشر کہا جاتا ہے قیامت کے دن کو بھی حشر اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا کے مختلف اطراف واکناف کے لوگ جمع ہوں گے۔ یہاں اول الحشر سے یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا مدینہ منورہ سے نکالا جانا اور خیبر میں جمع ہونا مراد ہے۔ جو مدینہ منورہ سے سو میل کے فاصلہ پر شام کے راستہ میں پڑتا ہے ان لوگوں کا یہ ترک وطن رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوا تھا پھر دوبارہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر سے بھی نکال دیا اور شام کے علاقہ اریحاء اور تیماء اور اذرعات میں جا کر بس گئے تھے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اول الحشر سے ان کا پہلی بار مدینہ منورہ سے نکل جانا مراد ہے اور حشر ثانی سے وہ اخراج مراد ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا، اسی لفظ (اول الحشر) کی وجہ سے اس سورہ کو سورۃ الحشر کہا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بنی نضیر کے اخراج کا ذکر ہے اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کو سورہ بنی نضیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

شروع سورت میں یہ بیان فرمایا کہ آسمانوں اور زمین پر جو کچھ ہے سب اللہ کی تسبیح یعنی پاکی بیان کرتے ہیں پھر یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے زبردست ہے غلبہ والا ہے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا اور حکیم بھی ہے وہ حکمت کے مطابق اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے تین قبیلے موجود تھے:۔

۱۔ قبیلہ بنی نضیر ۲۔قبیلہ بنی قریظہ ۳۔قبیلہ بنی قینقاع

یہ قبیلے ذرا قوت والے تھے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہود نے آپ سے معاہدہ کر لیا تھا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی فریق حملہ آور ہو گا تو آپ کے ساتھ مل کر اس کا دفاع کریں گے پھر ان لوگوں نے معاہدہ کو توڑ دیا (قبیلہ بنی قریظہ کا انجام سورۃ الاحزاب کے رکوع نمبر ۳ میں گزر چکا ہے اور قبیلہ قینقاع کا انجام سورۃ آلِ عمران کی آیت شریفہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور اسی سورت کے دوسرے رکوع میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان کا ذکر آئے گا، یہاں ان آیات میں قبیلہ بنی نضیر کا ذکر ہے۔

قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا سبب: ۲ ؁ھ ہجری میں غزوہ بدر کا اور ۳ ؁ھ ہجری میں غزوہ احد کا واقعہ پیش آیا اور قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ کسی نے غزوہ احد سے پہلے اور کسی نے غزوہ احد کے بعد لکھا ہے واقعہ یوں ہوا کہ قبیلہ بنی عامر کے دو شخصوں کی دیت کے بارے میں یہود بنی نضیر کے پاس آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ان دو شخصوں کو عمرو بن امیہ نے قتل کر دیا تھا آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کو ان کی دیت ادا کرنی تھی آپ نے بنی نضیر سے فرمایا کہ دیت کے سلسلہ میں مدد کرو، ان لوگوں نے کہا آپ تشریف رکھیے ہم مدد کریں گے، ایک طرف تو آپ سے یہ بات کہی اور آپ کو اپنے گھروں کی ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا کوئی شخص اس دیوار پر چڑھ جائے اور ایک پتھر پھینک دے ان کی موت ہو جائے تو ہمارا ان سے چھٹکارا ہو جائے، ان میں سے ایک شخص عمرو بن جحاش تھا اس نے کہا یہ کام میں کر دوں گا وہ پتھر پھینکنے کے لئے اوپر چڑھا اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشورہ کی آسمان سے خبر آ گئی کہ ان لوگوں کا ایسا ایسا ارادہ ہے آپ کے ساتھ حضرات ابو بکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم بھی تھے آپ جلدی سے اٹھے اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر مدینہ منورہ تشریف لے گئے شہر میں تشریف لا کر آپ نے اپنے صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے پاس بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ، آپ کی طرف سے تو یہ حکم پہنچا اور منافقین نے ان کی کمر ٹھونکی اور ان سے کہا کہ تم یہاں سے مت جانا اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ ہوئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے (اس کا ذکر سورت کے دوسرے رکوع میں ہے) اس بات سے یہود بنی نضیر کے دلوں کو وقتی طور پر تقویت ہو گئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے جب ان کا یہ جواب پہنچا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کی تیاری کا اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا آپ حضرت ابنِ مکتومؓ کو امیر مدینہ بنا کر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ وہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیدیا جب بنی نضیر کے پاس کھانے کا سامان ختم ہو گیا اور ان کے درخت بھی کاٹ دیئے اور جلا دیئے گئے۔ اور ادھر انتظار کے بعد منافقین کی مدد سے ناامید ہو گئے تو خود رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمیں جلاوطن کر دیں اور ہماری جانوں کو قتل نہ کریں اور ہتھیاروں کے علاوہ جو مال ہم اونٹوں پر لے جا سکیں وہ لے جانے دیں۔ آپ نے ان کی یہ بات قبول کر لی، پہلے تو انہوں نے تڑی دی تھی کہ ہم نہیں نکلیں گے پھر جب مصیبت میں پھنسے تو خود ہی جلاوطن ہونا منظور کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور بہادری کے دعوے اور مقابلے کی ڈینگیں سب دھری رہ گئیں، آپ نے چھ دن ان کا محاصرہ

فرمایا اور مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ پندرہ دن ان کا محاصرہ رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی کہ ہر تین آدمی ایک اونٹ لے جائیں جس پر نمبروار اترتے چڑھتے رہیں۔ مؤرخ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کا اتنا سامان لے گئے جسے اونٹ برداشت کر سکتے تھے۔ سامان ساتھ لے جانے کے لئے اپنے گھروں کو اور گھر کے دروازوں کو توڑ رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اسی کو آیت کریمہ میں **يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِالْمُؤْمِنِيْنَ** سے تعبیر فرمایا ہے، یہ لوگ اونٹوں پر سامان لے کر روانہ ہو گئے ان میں سے بعض لوگ خیبر میں مقیم ہو گئے اور بعض شام کے علاقوں میں داخل ہو گئے جب یہ لوگ خیبر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے اور گانوں اور باجوں سے ان کا استقبال کیا، یہ سب تفصیل حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھی ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم قلعوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچالیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ یہ لوگ نکلنے پر راضی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور خود ہی جلاوطن ہونے پر تیار ہو گئے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا۔

اس تفصیل کے بعد آیاتِ بالا کا ترجمہ دوبارہ مطالعہ کریں۔

ان لوگوں کا ایمان قبول کرنے سے منکر ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کے لئے تیار ہو جانا ایسا عمل تھا کہ ان کو دنیا میں عذاب دے دیا جاتا جیسا کہ قریش مکہ بدر میں قتل کئے گئے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ ان کو دنیا میں جلاوطنی کا عذاب دیا جائے گا (جس میں ذلت بھی ہے اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنا بھی ہے اور اپنے مالوں کو چھوڑ کر جانا بھی ہے) اس لئے دنیا میں اس وقت جلاوطنی کی سزا دی گئی اور آخرت میں بہرحال ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ اس مضمون کو **وَلَوْ لَا اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ** میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا: **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** (الآیۃ) یعنی یہ سزا ان کو اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، بنی قینقاع کو پہلے جلاوطن کر دیا گیا تھا اور بنی نضیر اپنے اس معاہدہ شکنی پر جلاوطن کئے گئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا باہمی مشورہ کر کے خفیہ پروگرام بنایا تھا۔ بنی قریظہ کا حال سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے ان لوگوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر قریش مکہ اور ان کے ساتھ آنے والی جماعتوں کی مدد کی تھی۔ ان تینوں قبیلوں کے علاوہ یہود کے چھوٹے بڑے اور بھی چند قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے۔ جن کے نام ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھے ہیں۔

سارے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا ان میں قبیلہ بنی قینقاع اور قبیلہ بنو حارثہ بھی تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بنی قینقاع سے تھے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۵۷۴: ج ۲، صفحہ مسلم صفحہ ۹۴: ج ۲)

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۝

تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے یا تم نے انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ اللہ کے حکم سے ہوا اور تا کہ اللہ کافروں کو ذلیل کرے

یہودیوں کے متروکہ درختوں کو کاٹ دینا یا باقی رکھنا دونوں کام اللہ کے حکم سے ہوئے

تفسیر: حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور وہ لوگ اپنے قلعوں میں

اپنے خیال میں محفوظ ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیدیا اس پر یہودیوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم آپ تو زمین میں فساد سے منع کرتے ہیں کیا یہ درختوں کا کاٹنا فساد نہیں ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ بعض مہاجرین نے مسلمانوں کو منع کیا کہ کھجوروں کے درختوں کو نہ کاٹیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کو بطور غنیمت مل جائیں گے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے کی اجازت دیدی تھی پھر منع فرمادیا تھا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا ان درختوں کو کاٹنے میں کوئی گناہ ہے یا ان کے چھوڑ دینے پر کوئی مواخذہ کی بات ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۲۳: ج ۴)

یعنی تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے۔

جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور دینی ضرورت سے ہو اس میں گناہ گار ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

ان کھجوروں کے کاٹنے میں جو دینی ضرورت تھی اس کو وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ میں بیان فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان درختوں کے جلانے میں بددین یہودیوں کا ذلیل کرنا بھی مقصود ہے اپنے باغوں کو جلتا ہوا دیکھ کر ان کے دل بھی جلیں گے اور ذلت بھی ہوگی اور اس کی وجہ سے قلعے چھوڑ کر ہار ماننے اور صلح کرنے پر راضی ہوں گے۔

چنانچہ یہودی یہ منظر دیکھ کر راضی ہوگئے کہ ہمیں مدینہ سے جانا منظور ہے پھر وہ مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر چلے گئے جس کا قصہ اوپر گزرا ہے دنیاوی سامان کی حفاظت ہو، تخریب ہو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو اس میں ثواب ہی ثواب ہے گناہ کا احتمال ہی نہیں۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

اور جو کچھ مال فیئ ان سے اللہ نے اپنے رسول کو دلوایا سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ دوڑائے اور لیکن

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ

اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط فرمادیتا ہے، اللہ نے جو کچھ اپنے رسول کو بستیوں کے رہنے والوں سے بطور فیئ مال دلوادیا سو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول

اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

کے لئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ

تاکہ یہ مال ان لوگوں کے درمیان دولت بن کر نہ رہ جائے جو مال دار ہیں اور رسول جو کچھ عطا کریں وہ لے لو اور جس چیز سے

عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اموالِ فیئ کے مستحقین کا بیان

تفسیر: لفظ اَفَاءَ، فَاءَ. یَفِیءُ باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے فاء لوٹا، افاء لوٹایا، چونکہ کافروں کا مال مسلمانوں کو مل جاتا ہے ان کی املاک ختم ہو جاتی ہیں اور مسلمانوں کی ملک میں آجاتی ہیں۔ اس لئے جو مال جنگ کئے بغیر بطور صلح مل جائے اس کو فیئ کہتے ہیں اور جو مال جنگ کر کے ملے اس مال کو غنیمت کہتے ہیں۔

مالِ غنیمت کے مصارف دسویں پارے کے شروع میں بیان فرمادیئے گئے ہیں اور مالِ فَیْ کے مصارف یہاں بیان فرمائے ہیں۔

بنی نضیر کے مال بطورِ صلح مل گئے اور اس میں کوئی جنگ لڑنی نہیں پڑی تھی لہٰذا ان اموال میں کسی کو کسی حصہ کا استحقاق نہیں تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ بات آئی کہ ہمیں ان اموال میں سے حصہ دیا جائے، اس وسوسہ کو دفع فرمادیا اور فرمایا فَمَآ اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ خَیۡلٍ وَّلَا رِكَابٍ (کہ تم نے اس میں اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے) یعنی تمہیں اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑی اور کوئی جنگ نہیں لڑنی پڑی۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ (اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرمادے)۔ یعنی پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جس پر چاہا مسلط فرمادیا اور اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نضیر پر مسلط فرمادیا لہٰذا ان اموال کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ چونکہ بنی نضیر کے اموال قتال کے بغیر حاصل ہوئے تھے اس لئے انہیں اموالِ غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں فرمایا۔ اس کے بعد اموالِ فَیْ کے مصارف بیان فرمائے ارشاد فرمایا۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰی (الآیۃ)

اللہ نے جو کچھ اپنے رسول کو بستیوں کے رہنے والوں سے بطور فَیْ دلوادیا سو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے (اموال بنی نضیر کے علاوہ بعض دیگر بستیاں بھی بطور مالِ فَیْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آگئی تھیں جن میں سے فدک زیادہ مشہور ہے۔ خیبر کے نصف حصہ کا اور بنی عرینہ کے اموال کا ذکر بھی مفسرین کرام نے لکھا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں اموالِ فَیْ کے مصارف بتائے ہیں اول فَلِلّٰهِ فرمایا بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر تبرک کے لئے ہے جیسا کہ خمس کے بارے میں فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ فرمایا ہے، اور بعض حضرات نے اس کی یوں تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ جیسے چاہے ان کو خرچ کرنے کا حکم دے اس میں کسی کو اپنی طرف سے کچھ تجویز کرنے یا کسی کا حصہ بتانے اور طے کرنے کا کوئی حق نہیں، پھر فرمایا وَلِلرَّسُوۡلِ مالِ فَیْ اللہ کے رسول کے لئے ہے یعنی ان اموال کا اختیار اللہ پاک کی طرف سے آپ کو دے دیا گیا ہے اور آپ کو ان کے مصارف بتادیئے ہیں (مالِ غنیمت کی طرح یہ مال صرف نہیں کئے جائیں گے اور نہ ان میں سے خمس نکالا جائے گا۔ (علی ما ذهب الیه الامام ابو حنیفه رحمه الله)

مفسرین نے لکھا ہے کہ مالِ فَیْ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالکانہ اختیار حاصل تھا پھر ان کے جو مصارف بیان فرمائے یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے مالکوں کو اموال کے بارے میں احکام دیئے گئے ہیں کہ فلاں فلاں جگہ پر خرچ کرو، تیسرا مصرف بتاتے ہوئے وَلِذِی الۡقُرۡبٰی ارشاد فرمایا۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت مراد ہیں، اس کے بعد چوتھا اور پانچواں اور چھٹا مصرف بتاتے ہوئے وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰكِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ فرمایا، یعنی اموالِ فَیْ یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر بھی خرچ کئے جائیں۔

حسب فرمان باری تعالیٰ شانہ اموالِ فَیْ کو آپ اپنے ذوی القربی پر اور یتامی اور مساکین اور مسافرین پر اپنی صوابدید سے خرچ کردیتے تھے اسی سلسلہ میں یہ بھی تھا کہ آپ مالِ فَیْ میں سے اپنے گھر والوں کے لئے ایک سال کا خرچہ نکال لیتے تھے اور جو مال بچ جاتا تھا اسے مسلمانوں کی عام ضروریات میں مثلاً جہاد کے لئے ہتھیار فراہم کرنے کے لئے خرچ فرمادیتے تھے۔

گو آپ کو ان اموال پر مالکانہ اختیار حاصل تھا لیکن چونکہ آپ نے وفات سے پہلے یہ فرمادیا تھا کہ لَا نُوۡرَثُ مَا تَرَكۡنَا

صَدَقَةٌ (کہ ہماری میراث مالی جاری نہ ہوگی ہم جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا (صحیح بخاری صفحہ ۴۳۶: ج ۱) اس لئے ان اموال میں میراث جاری نہیں کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرات خلفاء راشدینؓ نے بھی ان اموال کو انہیں مصارف میں خرچ کیا جن میں رسول اللہ ﷺ خرچ فرماتے تھے امام المسلمین کو جب اموالِ فئ حاصل ہو جائیں تو اسے مالکانہ اختیار حاصل نہیں ہوں گے۔ بلکہ حاکمانہ اختیار حاصل ہوں گے اور وہ مذکورہ بالا مصارف میں اور مسلمانوں کی عام ضروریات میں مثلاً جہاد کے لئے ہتھیار فراہم کرنے کے لئے پل تیار کرنے سڑکیں بنانے مجاہدین اوران کے گھر والوں کی حاجتیں پوری کرنے اور علماء کرام پر خرچ کرنے اور قضاۃ اور عمال کی ضرورتیں پوری کرنے میں خرچ کرے گا۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ذوی القربیٰ سے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب مراد ہیں پھر لکھا ہے کہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ ان حضرات کو اموالِ فئ میں سے حصہ دیا جائے گا۔ غنی ہوں یا فقیر ہوں اور لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور حضرت امام مالک کا مذہب نقل کیا ہے کہ امام المسلمین جس طرح چاہے ان حضرات پر خرچ کرے اسے یہ بھی اختیار ہے کہ بعض کو دے بعض کو نہ دے پھر حنفیہ کا مذہب لکھا ہے کہ حضرات ذوی القربیٰ کا حصہ اموالِ فئ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد باقی نہیں رہا۔ کیونکہ حضرات خلفاءِ راشدین نے ان کے لئے علیحدہ حصہ نہیں نکالا ہاں ان حضرات میں جو یتامیٰ اور مساکین وابن السبیل ہوں گے ان کو ان اوصاف ثلاثہ کے اعتبار سے اموال فئ میں سے دیا جائے گا، اور دوسرے مستحقین پر ان کو مقدم کیا جائے گا، پھر یتامیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ اموال فئ میں سے ان یتامیٰ پر خرچ کیا جائے گا، جو مسلمان ہیں اور فقیر یا مسکین ہیں۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ: اموال فئ کے مصارف بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ یعنی اموال فئ کے مصارف واضح طور پر بیان فرما دیئے گئے تاکہ یہ اموال تمہارے مالداروں کے درمیان دولت بن کر نہ رہ جائیں (لفظ دولت دال کے زبر کے ساتھ اور دُولہ دال کے پیش کے ساتھ دونوں طرح عربی زبان کا لغت ہے) مال کو دولت کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں تداول ایدی ہوتا رہتا ہے اور ایک سے ہو کر دوسرے کے پاس جاتا رہتا ہے۔ البتہ اردو کا محاورہ یہ ہے کہ جس کے پاس زیادہ مال ہو اسے دولت مند کہتے ہیں ان الفاظ میں تنبیہ فرما دی کہ اموالِ فئ کی تقسیم جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ اموال مالداروں کے ہی ہاتھوں میں آ کر نہ رہ جائیں۔ جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہے کہ عامۃ الناس کی امداد کے لئے حوادث و مصائب کے مواقع میں بعض مالداروں اور حکومتوں کی طرف سے جو مال ملتا ہے اس میں سے تھوڑا سا اہلِ حاجات پر خرچ کر کے منتظمین ہی مل ملا کر کھا جاتے ہیں جو پہلے سے مالدار ہوتے ہیں، چونکہ تقویٰ نہیں دنیا داری غالب ہے اور مال کی محبت دلوں میں جگہ پکڑے ہوئے ہے اس لئے ایسے مظالم ہوتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے: پھر فرمایا وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (اور رسول اللہ ﷺ جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ)۔ اس میں یہ بتا دیا کہ ہر امر و نہی کا قرآن مجید میں ہونا ضروری نہیں ہے قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بیان فرمائے ہیں اور بہت سے احکام اپنے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ بتائے ہیں ان میں آنحضرت ﷺ کے اعمال بھی ہیں اور اقوال بھی اور تقریرات بھی۔

یعنی کسی نے آپ کے سامنے کوئی عمل کیا اور آپ نے منع نہیں فرمایا تو یہ بھی حجت شرعیہ ہے سورہ اعراف میں آپ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ۔ (یعنی آپ ان کو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور انہیں برائیوں سے روکتے ہیں اور انکے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ان کے لئے خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں)۔

منکرینِ حدیث کی تردید: آجکل بہت سے ایسے جاہل لیڈر پیدا ہوگئے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ حدیث شریف حجۃ شرعیہ نہیں ہے اور اسی لئے بہت سی اسلامی چیزوں کا انکار کرتے ہیں، یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور کفر ہے یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے ماننے والے ہیں اگر قرآن کے ماننے والے ہوتے تو یہ کیوں کہتے کہ حدیث حجتِ شرعیہ نہیں ہے۔ قرآن میں تو اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ. فرمایا ہے (درحقیقت ایسے لوگوں کا مقصد اسلام میں تحریف کرنا ہے قرآن کو ماننا نہیں ہے، ان لوگوں کو دشمنانِ اسلام پیسے دے کر اس پر آمادہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں کفر پھیلائیں (العیاذ باللہ) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ.

یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں پر اور گودوانے والیوں پر اور ان عورتوں پر جو (ابرو یعنی بھنوں کے بال) چننے والی ہیں (تاکہ بھنویں باریک ہو جائیں) اور خدا کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو حسن کے لئے دانتوں کے درمیان کشادگی کرتی ہیں جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ بات سن کر ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں؟ فرمایا کہ میں ان لوگوں پر کیوں لعنت نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی اور جن پر اللہ کی کتاب میں لعنت آئی ہے، وہ عورت کہنے لگی کہ میں نے سارا قرآن پڑھ لیا مجھے تو یہ بات کہیں نہ ملی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تجھے ضرور یہ بات مل جاتی کیا تو نے یہ نہیں پڑھا۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (اور رسول تم کو جو (ہدایت) دے اسے قبول کرلو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ)۔ یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں یہ قرآن میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے جن کاموں کے کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے لہٰذا قرآن کی رو سے بھی ان کاموں کی ممانعت ثابت ہوئی کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن باتوں کا حکم دیں ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکیں ان سے رک جاؤ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۵: ج۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بلا جھجک رسول اللہ ﷺ کے قول کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اور بتا دیا کہ جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہ مضمون اموال فئ کی تقسیم بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کے فرمان سے جدا نہیں ہے تقسیم فئ کا جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اس میں آپ جس طرح تصرف فرمائیں وہ تصرف درست ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضاء کے موافق ہے۔ آخر میں فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے)۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ

فقراء مہاجرین کے لئے ہیں جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کا فضل

اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

اور رضامندی طلب کرتے ہیں، اور اللہ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہ وہ ہیں جو سچے ہیں

حضرات مہاجرین کرام کی فضیلت اور اموال فئی میں ان کا استحقاق

تفسیر: اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اموال فئی میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے، مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے اپنے گھربار اور اموال چھوڑ کر چلے آئے، جب مدینہ منورہ پہنچے تو حاجت مند اور تنگ دست تھے ان پر بھی اموال فئی خرچ کئے جائیں۔ اموال اور گھربار چھوڑ کر ان کا مدینہ منورہ آنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی مطلوب ہے ان کی ہجرت کسی دنیاوی غرض سے نہیں ہے وہ جو تکلیفیں ان کو پہنچی تھیں وہ اپنی جگہ ہیں ان کے علاوہ مدینہ منورہ آ کر بھی جہاد میں شریک ہونے کا سلسلہ جاری ہے اور کافروں سے لڑتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے اور ایمان کے تقاضوں میں سچے ہیں۔

پہلی آیت میں جو یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کا ذکر فرمایا ہے، اس کے عموم میں فقراء مہاجرین بھی داخل ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ بھی ان کا استحقاق ظاہر فرما دیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی راہ میں بہت زیادہ تکلیفیں اٹھائی تھیں۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ

اور ان لوگوں کے لئے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے دار کو اور ایمان کو ٹھکانہ بنا لیا، جو شخص ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے

فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ

سینوں میں اس مال کی وجہ سے کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے جو مہاجرین کو دیا جائے، اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں حاجت ہو،

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں

حضرات انصار رضی اللہ عنہم کے اوصاف جمیلہ

تفسیر: صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مہاجرین پر عطف ہے اور ان سے حضرات انصار مدینہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ فئی کے جو اموال ہیں انصار بھی اس کے مستحق ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے۔ انصار کی تعریف کرتے ہوئے اولاً یوں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کو پہلے ہی سے اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا، یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے برس ہا برس پہلے ہی مدینہ منورہ میں یمن سے آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جو بعد میں دارالایمان بن گیا پھر جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور حج کے موقعہ پر منیٰ میں آپ سے ملاقات ہو گئی تو ایمان بھی قبول کر لیا۔ وہاں تو چند آدمیوں نے قبول کیا تھا پھر سارے مدینہ والوں نے ایمان قبول کر لیا اور ایمان کو بھی ایسے چپکے کہ گویا وہ ان کا گھر ہے (جس سے کبھی بھی جدا ہونا نہیں ہے)۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ جو حضرات ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں ان کے دلوں میں

یہ بات نہیں آتی کہ دوسرے علاقہ کے لوگ ہمارے یہاں آ بسے ان کی وجہ سے ہماری معیشت پر اثر پڑے گا، یہی نہیں کہ ان کے آنے سے دلگیر نہیں ہوتے بلکہ سچے دل سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

تیسری تعریف یوں فرمائی کہ ہجرت کر کے آنیوالوں کو جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے اپنے سینوں میں کوئی حاجت یعنی حسد اور جلن کی کیفیت محسوس نہیں کرتے یعنی وہ اس کا کچھ اثر نہیں لیتے کہ مہاجرین کو دیا گیا اور ہمیں نہیں دیا گیا۔

اور چوتھی تعریف یوں فرمائی کہ حضرات انصار اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں خود حاجت ہو۔

حضرات مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کی باہمی محبت: حدیث شریف کی کتابوں میں حضرات انصار رضی اللہ عنہم کے حب المہاجرین اور ایثار وقربانی کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے اور ان مہاجرین کے درمیان ہمارے کھجوروں کے باغوں کو تقسیم فرما دیجئے، آپ نے فرمایا نہیں (میں ایسا نہیں کرتا) اس پر انصار نے مہاجرین سے کہا اچھا آپ لوگ پیداوار کی محنت میں مدد کریں اور ہم آپ لوگوں کو پھلوں میں شریک کرلیں گے۔ اس پر مہاجرین نے کہا یہ ہمیں منظور ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تکلیف میں ہوں (بھوک سے دوچار ہوں) آپ نے (اس کے کھانے کیلئے) اپنی ازواج مطہرات سے کچھ طلب فرمایا آپ کے گھروں سے جواب آیا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ ایسا کون شخص ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے، یہ سن کر ایک انصاری صحابیؓ نے کہا کہ میں ان کو ساتھ لے جاتا ہوں چنانچہ انہیں ساتھ لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہے اس کا اکرام کرنا ہے۔ بیوی نے کہا کہ ہمارے پاس تو بجز بچوں کی خوراک کے کچھ بھی نہیں ہے۔ شوہر نے کہا کھانا تیار کرو اور بچوں کو سلا دو چنانچہ اس نے کھانا پکایا اور بچوں کو سلا دیا پھر جب کھانے بیٹھے تو عورت اس انداز سے اٹھی کہ گویا چراغ کی بتی درست کرتی ہے لیکن درست کرنے کی بجائے اس نے چراغ بجھا دیا مہمان کھاتا رہا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ دونوں بھی میرے ساتھ کھا رہے ہیں حالانکہ انہوں نے اس کے ساتھ کھانا نہیں کھایا اور رات بھر بھوکے رہے، صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری ہوئی تو یہ میزبان صحابی حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو تمہارا عمل پسند آیا کہ تم بھوکے رہے اور مہمان کو کھلا دیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ نازل فرمائی (صحیح بخاری صفحہ ۵۳۶: ج۱)

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بچے مہمان کی بہ نسبت زیادہ مستحق تھے پھر مہمان کو ان کی خوراک کیوں کھلائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچے اس وقت رات کا کھانا کھا چکے تھے اب خوراک کی ضرورت صبح ناشتہ کے لئے تھی اگر وہ اصلی بھوکے ہوتے تو سلانے سے بھی نہ سوتے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ چراغ جلا کر تین آدمی جو ساتھ بیٹھے اس میں بے پردگی ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

فائدہ: یہ صحابی کون تھے جو مہمان کو ساتھ لے گئے تھے؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا اور بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کا نام بتایا ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دعوت کرنے والے صحابی قیس بن ثابت تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

جو بخل سے بچ گیا وہ کامیاب ہے: آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا دیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں)

اس میں کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے اور نفس کی کنجوسی سے بچنے کو کامیاب ہونے والوں کی ایک امتیازی شان بتائی ہے۔ کنجوسی کی اضافت جو نفس کی طرف کی ہے اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ دل تو خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے لیکن نفس کو مال خرچ کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

مفسر قرطبی لکھتے ہیں کہ بعض اہلِ لغت کا قول ہے کہ شح بخل سے زیادہ بڑھ کر ہے۔ پھر صحاح (لغت کی کتاب) سے نقل کیا ہے کہ شُح اس بخل کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے دن ظلم اندھیریاں بن کر سامنے آئے گا اور شُح (کنجوسی) سے بچو کیونکہ کنجوسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا اس نے انہیں آپس میں خون ریزی کرنے پر اور حرام چیزوں کو حلال کرنے پر آمادہ کر دیا۔ (رواہ مسلم) انسان کے مزاج میں کنجوسی ہے جسے سورہ نساء میں وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بدترین چیز جو انسان کے اندر ہے وہ کنجوسی ہے جو گھبراہٹ میں ڈالدے اور بزدلی ہے جو جان کو نکالدے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ کنجوسی اور ایمان کبھی کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ دو چیزیں بندے میں جمع نہیں ہو سکتیں ایک بخل اور دوسرے بدخلقی (رواہ الترمذی) انسان کا مزاج ہے کہ مال لینے کو تو تیار ہو جاتا ہے دینے کو تیار نہیں ہوتا اسی لئے زندگی میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا زیادہ ثواب ہے۔ نفس خرچ کرنے کو نہیں چاہتا لیکن پھر بھی نفس کے تقاضوں کو دبا کر مومن آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ ثواب کے اعتبار سے کون سا صدقہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ صدقہ سب سے بڑا ہے کہ تو اس حال میں صدقہ کرے کہ تو تندرست ہو نفس میں کنجوسی ہو تنگدستی کا خوف ہو، مالدار بننے کی امید لگا رکھی ہو پھر فرمایا کہ تو خرچ کرنے میں دیر نہ لگا یہاں تک کہ جب روح حلق تک پہنچ جائے تو کہنے لگے گا فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا (اب کہنے سے کیا ہوتا ہے) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا (دم نکلتے ہی دوسروں کا ہے) (رواہ البخاری صفحہ ۱۹۱: ج ۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ موت کے وقت سو درہم کا صدقہ کرے۔ (رواہ ابوداؤد)

بہت سے لوگ دنیاوی ضرورتوں گناہوں اور ریاکاریوں میں تو دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، بے تحاشی فضول خرچی میں مال اڑا دیتے ہیں لیکن مال سے متعلق فرائض و واجبات ادا نہیں کرتے زکوٰۃ کی ادائیگی کو روکے رکھے ہیں حج فرض ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ہمت نہیں کرتے اور اگر ہمت کر بھی لی تو اسے دنیا داری یعنی ریاکاری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جلدی جلدی گزرنے لگے گا عمل کم ہو جائے گا اور (دلوں میں) کنجوسی ڈال دی جائے گی اور

فتنے ظاہر ہوں گے اور قتل زیادہ ہوں گے (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۴۶)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔
۱۔ تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے تقویٰ کے تقاضوں پر چلنا۔ ۲۔ رضامندی میں اور ناراضگی میں حق بات کہنا۔ ۳۔ مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں۔ ۱۔ خواہشوں کا اتباع کیا جانا۔ ۲۔ کنجوسی (کے جذبات) کی فرمانبرداری کرنا۔ ۳۔ انسان کو اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۴)

کنجوسی بری بلا ہے نفس پر قابو پائے اللہ تعالیٰ کی رضا میں مال خرچ کرے اور گناہوں میں خرچ کرنے سے بچے اور فضول خرچی سے بھی بچے یہ کامیابی کا راستہ ہے جسے وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں بیان فرمایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا
اور ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب بخش دے ہم کو اور ان لوگوں کو جو ہمارے بھائی ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے
بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾
گزر گئے اور مت کردے ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ ایمان والوں کے لئے اے ہمارے رب بے شک آپ رؤف ہیں رحیم ہیں۔

مہاجرین وانصار کے بعد آنے والے مسلمانوں کا بھی اموالِ فیٔ میں استحقاق ہے

تفسیر: اکثر علماء کے نزدیک یہ بھی المہاجرین پر معطوف ہے اور اس میں بعد میں آنیوالے حضرات کا اموال فیٔ میں حصہ بتایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ مہاجرین کے بعد دیگر مسلمان جو قیامت تک آئیں گے ان سب پر مال فیٔ میں سے خرچ کیا جائے۔ مفسر ابن کثیر نے تفسیر ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت شریفہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِیْنِ کی آخر تک تلاوت کی، پھر فرمایا کہ یہ صدقات ان لوگوں کے لئے ہیں (جن کا آیت میں ذکر ہوا) اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ آخر تک تلاوت کی پھر فرمایا کہ اموالِ غنیمت ان لوگوں کے لئے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں پھر آپ نے مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ سے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ تک تلاوت کی اور یوں فرمایا کہ یہ آیات تمام مسلمین کو شامل ہیں جو بھی کوئی مسلمان ہوگا اموالِ فیٔ میں اس کا حق ہوگا پھر فرمایا اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک بکریاں چرانے والا جو سرو حمیر (ایک قبیلہ کا نام جو مدینہ منورہ سے دور رہتا تھا) میں چرا رہا ہوگا اپنے حصہ کو وہیں پالے گا، اس کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی میں پسینہ تک نہ آیا ہوگا۔ (ابن کثیر صفحہ ۳۴۰: ج ۴)

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ هؤلاء هم الثالث ممن یستحق فقراء هم من مال الفیٔ و هم المهاجرون ثم الانصار۔ (یہ ان میں سے تیسری قسم کے لوگ ہیں کہ جن کے فقراء مال فیٔ کے مستحق ہیں اور وہ مہاجرین پھر انصار ہیں)

یعنی اموال فیٔ کے مستحقین کی یہ آخری قسم ہے تینوں قسموں میں سے ان میں سے جو فقراء ہوں گے مال فیٔ کے مستحق ہوں گے اول مہاجرین دوم انصار تیسرے وہ لوگ جو ان کے بعد آنے والے ہیں جو صفت احسان کے ساتھ ان کا اتباع کریں (معلوم ہوا کہ اموالِ فیٔ میں روافض کا بالکل حصہ نہیں جو حضراتِ مہاجرین وانصار کا اتباع تو کیا کرتے ان سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں کافر

کہتے ہیں۔ وسیجیئ من قول الامام مالک ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ تو اموال فئ کے مستحقین کا بیان ہوا آیت کریمہ میں بعد میں آنے والے مومنین کی دو دعاؤں کا بھی تذکرہ فرما دیا ہے۔

پہلی دعاء یہ ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب ہماری بھی مغفرت فرما دے اور جو ہمارے بھائی ہم سے پہلے باایمان گزر گئے ان کی بھی مغفرت فرما دے''۔ معلوم ہوا کہ اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنے کے ساتھ ان مسلمان بھائیوں کے لئے بھی دعاء مغفرت کرنا چاہئے جو اس دنیا سے گزر گئے دعاء مغفرت سے مغفرت کا بھی فائدہ ہوتا ہے اور رفع درجات کا بھی۔

دوسری دعاء یہ ہے کہ ''اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کھوٹ پیدا نہ فرما''، لفظ غل جس کا ترجمہ کھوٹ کیا گیا ہے بہت عام ہے کینہ، بغض، حسد، جلن یہ لفظ ان سب باتوں کو شامل ہے اس میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمایا ہے یعنی جو بھی اہل ایمان گزر گئے دنیا سے جا چکے، اور جو موجود ہیں اور جو آئندہ آئیں گے اللہ تعالیٰ ان سب کی طرف ہمارے دلوں کو صاف اور پاک رکھے کسی سے کینہ نہ ہو اور نہ کسی کی طرف سے دل میں برائی لائی جائے۔

حسد، بغض، کینہ اور دشمنی کی مذمت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس کے بگاڑ سے بچو، کیونکہ یہ مونڈ دینے والی چیز ہے۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پرانی امتوں کا مرض چپکے چپکے تمہاری طرف چل کر آ گیا ہے وہ مرض حسد اور بغض ہے یہ مونڈ دینے والی صفت ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دیتی ہیں بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر ہر اس شخص کے بارے میں جس کے دل میں مسلمان بھائی سے دشمنی ہو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) فرمان ہوتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑ دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔ (رواہ الترمذی) (یہ سب روایات مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۸ پر مذکور ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ پرانی امتوں کا مرض تمہارے اندر چل کر آ گیا ہے یہ اس زمانہ میں تھوڑا ہی سا تھا۔ لیکن اب تو اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں لڑائیاں بھی ہیں حسد بھی ہے بغض بھی ہے ایک دوسرے کی مخالفت بھی ہے، مار کاٹ بھی ہے اور قتل و قتال بھی، ان حالات میں سچے دل سے کیا دعاء نکل سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ ہو، دلوں میں کھوٹ بھرا ہوا ہے اور اسے نکالنا بھی نہیں چاہتے۔ جب جمع ہوں گے غیبتیں کریں گے، تہمتیں دھریں گے مسلمانوں کے عیب اچھالیں گے ان حالات میں سینہ کیسے صاف رہ سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص میرے صحابہؓ سے متعلق کوئی بات مجھے نہ پہنچائے (جس سے دل برا ہو) کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ (اپنے گھر سے) ان کی طرف اس حال میں نکل کر آؤں کہ میرا سینہ باسلامت ہو۔ (رواہ الترمذی عن عبداللہ بن مسعود فی فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

روافض کی گمراہی: اللہ تعالیٰ شانہ نے حضراتِ مہاجرین و انصار کے لئے دعا کرنیوالوں کی مدح فرمائی لیکن روافض کا یہ حال ہے جو قرآن کریم کو اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب مانتے ہی نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ امام مہدی کے پاس ہے جو غار میں چھپے ہوئے ہیں) کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغض سے ان کے سینے بھرے ہوئے ہیں اپنے ایمان کی تو فکر نہیں اور تین چار کے علاوہ باقی صحابہ کو کافر کہتے ہیں ان کے دلوں میں حضراتِ صحابہ سے بھی بغض ہے اور ان کے طریقہ پر چلنے والوں سے بھی۔

تفسیر ابن کثیر (ج ۴: ص ۳۳۹) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ

کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا لیکن لوگوں نے انہیں برا کہنا شروع کردیا پھر انہوں نے آیت کریمہ وَالَّذِیْنَ جَآؤُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ آخر تک تلاوت فرمائی۔

حضرت عامر شعبیؒ نے مالک بن مغولؒ سے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ ایک بات میں یہود روافض سے بڑھ گئے جب یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تم میں سب سے بڑھکر کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا حضرت موسیٰ کے اصحاب ہم میں سب سے بہتر ہیں، اور نصاریٰ سے پوچھا گیا کہ تم میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سب سے بہتر ہیں، جب روافض سے پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں سب سے برے لوگ کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سب سے برے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ہے اور وہ انہیں برا کہتے ہیں۔ (معالم التنزیل صفحہ ۳۲۱: ج ۴)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے کیسا اچھا استنباط کیا انہوں نے فرمایا کہ کسی رافضی کا اموال فئ میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ قرآن نے جن لوگوں کو حضرات مہاجرین اور انصار کے بعد اموال فئ کا مستحق بتایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد دنیا میں آئے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعاء کی روافض دعا کے بجائے ان حضرات کو برا کہتے ہیں لہٰذا انہیں اموال فئ میں کوئی استحقاق نہیں کیونکہ ان میں وہ صفت نہیں ہے جو صفت اللہ تعالیٰ نے مستحقین فئ کی بیان فرمائی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ
کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے کہہ رہے تھے جو اہل کتاب میں سے ہیں کہ یقین جانو اگر
اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ
تم نکالے گئے تو ضرور ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کبھی بھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور ضرور تمہاری مدد کریں گے
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور یقینی بات ہے اگر ان سے جنگ کی گئی
لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ
تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر ان کی مدد کریں گے تو پشت پھیر کر چلے جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان کے سینوں
صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ
میں تمہارا ڈر اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے یہ اس وجہ سے کہ بیشک وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں وہ تم سے جنگ نہیں کریں گے اکٹھے ہو کر مگر
قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ
ایسی جگہوں میں جو محفوظ ہوں یا دیواروں کی آڑ میں، آپس میں ان کی لڑائی سخت ہے، آپ خیال کرتے ہیں کہ
جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾
وہ اکٹھے ہیں حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں یہ اس وجہ سے کہ بیشک وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔

یہودیوں سے منافقین کے جھوٹے وعدے

تفسیر: جیسا کہ ابتدائے سورت میں سبب نزول بیان کرتے ہوئے عرض کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہود کے قبیلہ بنی نضیر کو مدینہ منورہ چھوڑنے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے انکار کر دیا اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے دیگر منافق ساتھیوں نے یہودیوں کو یہ پیغام بھیجا کہ تم ہرگز نہ نکلنا ہم تمہارے ساتھ ہیں ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

رئیس المنافقین نے یہود کی کمر ٹھونکی، اور کافرانہ دوستی کو ظاہر کرتے ہوئے یہودیوں کے پاس خبر بھیجی کہ دیکھو تم اپنے گھروں سے ہرگز نہ نکلنا ہمیں تم اپنے سے علیحدہ مت سمجھو اگر تمہیں نکلنا ہی پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اگر کوئی شخص ہم سے یوں کہے گا کہ ان کا ساتھ مت دو تو ہم اس کی بات نہیں مانیں گے اور نہ صرف یہ کہ ہم مدینہ چھوڑ کر تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے بلکہ اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم ضرور ضرور تمہارے ساتھ مل کر لڑیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ (اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) مزید فرمایا لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَھُمْ (اگر یہودی نکالے گئے تو یہ انکے ساتھ نہیں نکلیں گے)۔ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَھُمْ (اور اگر جنگ کی گئی تو ان کی مدد نہیں کریں گے)۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر یہودیوں نے یہ کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے اور حضور اقدس ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا جس میں جنگ کا احتمال تھا تو یہودی منافقین کی مدد کا انتظار کرتے رہے لیکن انہوں نے ان کی کچھ بھی مدد نہ کی جب وہ ان کی مدد سے ناامید ہو گئے اور مقتول ہو جانے کی صورت سامنے آ گئی تو مجبوراً جلاوطنی پر راضی ہو گئے۔ جب وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر کے تھوڑا بہت سامان لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے تو اس موقع پر بھی منافقین نے ان کا ساتھ نہ دیا انہوں نے یہودیوں کو یوں تسلی دلائی تھی کہ ہم تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے لیکن بالکل طوطا چشمی سے کام لیا اور جان بچا کر اپنے گھروں ہی میں جم کر رہ گئے، اور اس کا تو موقع ہی نہ آیا کہ یہودیوں سے جنگ ہوتی تو یہ ان کی مدد کرتے بالفرض اگر جنگ ہوتی اور یہ مدد کرتے تو پشت پھیر کر بھاگ جاتے۔ کما قال تعالیٰ: وَلَئِنْ نَّصَرُوْھُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ.

اس کے بعد مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَھْبَةً فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنَ اللّٰہِ کہ اے مسلمانو! منافقین نے جو یہودیوں سے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے، یہ محض ایک زبانی وعدہ ہے وہ تمہارے مقابلہ نہیں آ سکتے۔ جو شخص ایماندار ہو وہ تو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہے لیکن منافقین کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے بہ نسبت تمہارا خوف ان کے دلوں میں زیادہ بیٹھا ہوا ہے وہ جھوٹ موٹ زبان سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور چونکہ انہیں اس کا یقین تھا کہ اگر ہم نے یہودیوں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں سے مقابلہ ہوا تو یہودی بھی پٹ جائیں گے اور ہمارا ایمان کا دعویٰ بھی دھرا رہ جائے گا اس لئے وہ یہودیوں کا ساتھ دینے والے نہ تھے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ (اور منافقوں کا تم سے ڈرنا اور اللہ سے نہ ڈرنا اس سبب سے ہے کہ وہ سمجھتے نہیں ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت وقوت نہیں سمجھتے اس کے بعد مسلمانوں کو تسلی دی کہ یہ سب لوگ یعنی بنی نضیر اور منافقین اکٹھے ہو کر بھی لڑنے کی ہمت نہیں کریں گے (الگ الگ تو کیا مقابلہ کر سکتے ہیں) ہاں جو ایسی بستیاں ہیں جو قلعوں کے طور پر بنی ہوئی ہیں ان بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں لڑ سکتے ہیں۔

چنانچہ یہود بنی قریظہ اور اہلِ خیبر اسی طرح مقابل ہوئے اور سب نے اپنے منہ کی کھائی اور شکست کی مصیبت اٹھائی۔

پھر فرمایا بَاْسُھُمْ بَیْنَھُمْ شَدِیْدٌ (ان کی لڑائی آپس میں شدید ہے) وہ آپس میں اپنے عقائد کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُھُمْ شَتّٰی (آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ اکٹھے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کے دل متفرق ہیں)۔ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ (ان کے قلوب کا منتشر ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے (اپنی اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے رہتے ہیں)۔

کَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ قَرِیْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۵﴾

ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے کچھ پہلے تھے انہوں نے اپنے کردار کا مزہ چکھ لیا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

یہود کے قبیلہ بنی قینقاع کی بیہودگی اور جلاوطنی کا تذکرہ

تفسیر: جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں یہود کے تین بڑے قبیلے آباد تھے ایک قبیلہ بنی نضیر جن کی جلاوطنی کا تذکرہ اسی سورت کے شروع میں ہوا ہے، دوسرا قبیلہ بنی قریظہ تھا جن کے مردوں کے قتل کیے جانے اور عورتوں اور بچوں کے غلام بنائے جانے کا تذکرہ سورہ احزاب کے تیسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔

تیسرا قبیلہ بنی قینقاع تھا جن کی جلاوطنی کا قصہ اس آیت میں بیان فرمایا ہے تینوں قبیلوں سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ تھا کہ نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے کسی دشمن کی مدد کریں گے ان تینوں قبیلوں نے غدر کیا اور اس کا انجام بھگت لیا۔

قبیلہ بنو قینقاع پہلا قبیلہ ہے جسے سب سے پہلے مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ غزوہ بدر کے بعد کفار مکہ کو شکست دے کر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو سوق بنی قینقاع میں انہیں جمع کیا، اور فرمایا کہ اے یہودیو! تم اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ ورنہ تمہارا ابھی وہی حال ہو سکتا ہے جو قریش کا ہوا، تم اس بات کو جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم اس بات کو اپنی کتاب میں پاتے ہو اور اللہ کا تم سے عہد ہے کہ اس نبی پر ایمان لانا جو تمہاری کتاب میں مذکور ہے۔ انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اے محمد آپ اس دھوکے میں نہ رہیں کہ قریش مکہ کو شکست دینے کے بعد ہمارا کچھ بگاڑ سکیں گے، وہ لوگ تو اناڑی تھے جنگ کرنا نہیں جانتے تھے۔ آپ نے موقع پا کر انہیں شکست دیدی۔ اللہ کی قسم اگر ہم سے جنگ کی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم' ہم ہیں۔

اسی دوران ایک یہ واقعہ پیش آ گیا کہ ایک عورت ایک یہودی سنار کے پاس دودھ بیچنے آئی یہودیوں نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی جو یہود بنی قینقاع اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی ٹھن جانے کا ذریعہ بن گئی۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو پندرہ دن ان کا محاصرہ فرمایا، بالآخر انہوں نے کہا کہ جو آپ فیصلہ فرمائیں وہ ہمیں منظور ہے قریب تھا کہ ان کے قتل کا حکم دیدیا جاتا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول ضد کرنے لگا اور آنحضرت ﷺ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا اور کہنے لگا یہ (بنی قینقاع) سات سو آدمی ہیں میری مدد کرتے رہے ہیں آپ ان کو ایک ہی صبح یا ایک ہی شام میں قتل کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ چلو ان کو تمہاری رائے پر چھوڑ دیا، اس کے بعد مدینہ منورہ سے ان کے جلاوطن کرنے کا فیصلہ کر دیا اور اذرعات (علاقہ شام) کی طرف انہیں چلتا کر دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۳ :ج و فتح الباری صفحہ ۳۳۰ :ج ۷)۔

اس واقعہ کو معلوم کرنے کے بعد اب آیت بالا کا دوبارہ ترجمہ پڑھیں مطلب یہ ہے کہ قبیلہ بنی نضیر کا وہ ہی حال ہوا جو تھوڑے عرصہ پہلے ہی ان لوگوں کا حال ہو چکا ہے جو ان سے پہلے تھے یعنی قبیلہ بنی قینقاع، ان لوگوں نے بھی عہد توڑا اور اسلام قبول نہ کیا الٹے اُلٹے جواب دیئے وہ بھی جلاوطن ہوئے اور بنی نضیر بھی نکال دئے گئے، یہ تو دنیا کی تذلیل تھی آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ

شیطان کی سی مثال ہے کہ وہ انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا، سو وہ جب کافر ہو جاتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں، میں

اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ

اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے سو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ بلاشبہ دونوں دوزخ میں ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور یہ ظالموں کی سزا ہے

شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے پھر انجام یہ ہوتا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والے بن جاتے ہیں

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ قبیلہ بنی نضیر کو جو جلاوطنی کی سزا بھگتنی پڑی اور منافقین کا ان کی پیٹھ ٹھونکنا کام نہیں آیا (کیونکہ منافقین نے بے یارومددگار چھوڑ دیا) یہ کوئی نئی بات نہیں ہے شیطان کا یہ طریقہ ہے کہ انسان کو کفر پر ابھارتا رہتا ہے جب وہ کفر اختیار کر لیتا ہے تو پوری ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہہ کر جدا ہو جاتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں غزوہ بدر کے موقع پر شیطان نے جو بے رخی دکھائی تھی اور بیزاری کا اعلان کیا تھا۔ سورہ انفال میں گزر چکا ہے۔ حالانکہ وہ کافروں کا دوست بن کر آیا تھا۔ (انوار البیان صفحہ۱۹۲: ج۴)

شیطان کی ڈھٹائی دیکھو کہ کافر بھی ہے اور لوگوں کو کفر پر ڈالتا ہے پھر بھی یوں کہتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، قبیلہ بنی نضیر منافقین کی باتوں میں آ گئے جو شیطان کے نمائندے ہیں، انہوں نے بنی نضیر سے وعدے کئے پھر پیچھے ہٹ گئے اور قبیلہ بنی نضیر کو جلاوطن ہونا پڑا۔

جس نے جھوٹ فریب مکر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھ لی اس سے بڑے بڑے جھوٹ صادر ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

جو لوگ دنیادار پیر بنے ہوئے ہیں دنیا سمیٹنے کے لئے اور دنیاداری کی زندگی گزارنے کے لئے گدیاں سنبھالے ہوئے ہیں وہ اپنے مریدوں کے سامنے بزرگ بن کر اور اللہ والے بن کر ظاہر ہوتے ہیں اور اپنے کو متقی ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ان کا سارا دھندہ جھوٹ فریب اور مکر کا ہوتا ہے۔ اپنے پیر یعنی ابلیس کی طرح کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں حالانکہ سر سے پاؤں تک جھوٹے ہوتے ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے بہت دور رہیں۔

شیطان اور اس کے ماننے والے انسان کے بارے میں فرمایا کہ ان دونوں کا انجام یہ ہو گا کہ دونوں دوزخ میں رہیں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ دوزخ کا دائمی عذاب ظالموں کی سزا ہے، اس میں منافقین کو تنبیہ ہے کہ شیطان کو دوست نہ بناؤ اور اس کے کہنے میں آ کر کفر پر جمے ہوئے مت رہو۔ اس کی بات مانو گے تو اس کے ساتھ دوزخ کے دائمی عذاب میں رہو گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان یہ غور کر لے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰىهُمْ أَنْفُسَهُمْ
بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو اللہ کو بھول گئے سو اللہ نے ان کو ان کی جانیں بھلا دیں
أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
یہ لوگ فاسق ہیں برابر نہیں ہیں دوزخ والے اور جنت والے اہل جنت
هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ
ہی کامیاب ہیں، اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اے مخاطب تو اسے دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا
اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثٰلُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾
اور یہ مضامین عجیبہ ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آخرت کیلئے فکر مند ہونے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اہلِ ایمان کو موت کے بعد کے احوال درست کرنے اور وہاں کے لئے فکر مند ہونے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا:- اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان یہ غور کرلے کہ اس نے کل کے لئے اپنے آگے کیا بھیجا ہے پھر دوبارہ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فرمایا اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پہلا اِتَّقُوا اللّٰهَ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے فرمایا ہے اور دوسرا اِتَّقُوا اللّٰهَ جو فرمایا ہے اس میں آئندہ گناہ کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلا حکم ادائے فرائض اور واجبات کی اہمیت دلانے کے لئے ہے اور دوسرا حکم گناہوں سے بچنے کے لئے ہے آیت کے ختم ہونے پر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، اس کا عموم ہر طرح کے اعمال کو شامل ہے اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اچھے اعمال کی بھی خبر ہے وہ ان کی اچھی جزا دے گا اور اسے بندوں کے برے اعمال کا بھی پتہ ہے۔ مشرکین و کفار اور گناہگار و بدکار، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اعمال سے اللہ تعالیٰ شانہ بے خبر ہے اسے سب کچھ علم ہے، اپنے علم اور حکمت کے مطابق سزا دے گا یہ جو فرمایا کہ ہر جان غور کرلے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے؟ یہ بہت اہم نصیحت ہے، لوگ دنیا میں آ گئے یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے سب کو مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے۔ قیامت کے دن حاضری ہوگی حساب کتاب ہوگا اچھے برے اعمال پیش ہوں گے اور دوزخ و جنت میں جانے کے فیصلے ہوں گے۔

زندگی کی قدر کرو: ایمان والوں کو خطاب کر کے فرمایا تم غور کرلو۔ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے لئے کیا بھیجا؟ جو شخص جو بھی کوئی عمل کرلے گا اس کا بدلہ پالے گا اگر نیکیاں بھیجی ہیں اور کم بھیجی ہیں تو اصول کے مطابق ان کا ثواب مل جائے گا اور اگر نیک کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے تو ان کا ثواب بھی خوب زیادہ ملے گا، جو گناہ بھیجے ہیں وہ وبال ہوں گے۔ عذاب بھگتنے کا ذریعہ بنیں گے، انسان اس دنیا میں آیا کھایا پیا اور یہیں چھوڑا، یہ کوئی کامیاب زندگی نہ ہوئی۔ اعمالِ صالحہ جتنے بھی ہوجائیں اور اموال طیبہ جتنے بھی اللہ کے لئے خرچ ہوجائیں اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ فرائض اور واجبات کی ادائیگی کے بعد ذکر تلاوت، عبادت، سخاوت جتنی بھی ہوسکے کرتا رہے اپنی زندگی کو گناہوں میں لایعنی کاموں میں برباد نہ کرے۔

ذکر اللہ کے فضائل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تو مجھے یہ ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (رواہ مسلم کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۲۰۰)

معلوم ہوا کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنی زندگی کے ہر منٹ اور ہر سیکنڈ کو یادِ خدا میں لگائے رکھے اور زندگی کے ان سانسوں کی قدر کرے اور ان کو اپنی آخرت کی زندگی سدھارنے کے لئے صرف کرے، جو لوگ اپنی مجلسوں کو بیکار باتوں اور اشتہاری خرافات اور اخباری کذبات میں صرف کر دیتے ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل رہتے ہیں یہ مجلسیں ان کے لئے سراسر خسران اور گھاٹے کے اسباب ہیں۔

عمر انسان کے پاس ایک پونجی ہے جس کو لے کر دنیا کے بازار میں تجارت کرنے کے لئے آتا ہے، جہاں دوزخ یا جنت کے ٹکٹ خریدے جاتے ہیں اور ہر دن اور رات اور گھنٹہ اور منٹ اسی عمر کی پونجی کے اجزا اور ٹکڑے ہیں جو ہر گھڑی انسان کے پاس سے جدا ہوتے جارہے ہیں کوئی اس کے بدلہ جنت کا پروانہ (عمل صالح) خریدتا ہے اور کوئی دوزخ کا پروانہ (برا عمل) خرید لیتا ہے، افسوس ہے اس شخص پر جس کی پونجی اس کی ہلاکت کا سبب بنے۔ وہاں جب نیکیوں کا اجر و ثواب ملنا شروع ہوگا تو آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی اور افسوس ہوگا کہ ہائے ہائے ہم نے یہ عمل نہ کیا اور وہ عمل نہ کیا، حسرت اور افسوس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا لہٰذا جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کر لیں اور یہیں کر لیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ کہے اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے (الترغیب والترہیب) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس رات مجھ کو سیر کرائی گئی (یعنی معراج کی رات) میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو میرا سلام کہہ دیجیو اور ان کو بتلا دیجیو کہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (مشکوٰۃ)

مطلب یہ ہے کہ جنت میں اگرچہ درخت بھی ہیں، پھل اور میوے بھی مگر ان کے لئے چٹیل میدان ہے جو نیک عمل سے خالی ہیں، جنت کی ایسی مٹی ہے جیسے کوئی زمین کھیتی کے لائق ہو اس کی مٹی اچھی ہو اس کے پاس میٹھا پانی ہو، اور جب اس کو بو دیا جائے تو اس کی مٹی کی اپنی صلاحیت اور پانی کے سینچاؤ اور قدرت خداوندی کی وجہ سے اس میں اچھے عمدہ درخت اور بہترین غلہ پیدا ہو جائے بالکل اسی طرح جنت کو سمجھ لو کہ جو کچھ یہاں بو دوگے وہاں کاٹ لوگے ورنہ وہ خالی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص صبح کو سو مرتبہ سُبحان اللہ کہے اور شام کو سو مرتبہ سبحان اللہ کہے، اس کو سو حج کا ثواب ملے گا اور جو شخص سو مرتبہ صبح کو اللہ کی حمد بیان کرے (الحمد للہ کہے) اور سو مرتبہ شام کو اللہ کی حمد بیان کرے تو اسے مجاہدین کو سو گھوڑے دینے کا ثواب ملے گا اور جس نے سو مرتبہ صبح کو اور سو مرتبہ شام کو لا الہ الا اللہ کہا اس کو اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا اور جس نے سو مرتبہ صبح کو اور سو مرتبہ شام کو اللہ اکبر کہا تو اس دن کوئی دوسرا شخص اس کے برابر عمل کرنے والا نہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ (یہ مذکورہ) کلمات کہے ہوں (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۰۲ عن الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وقال حسن غریب)

عہد نبوت کا ایک واقعہ: حضرت جریر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ہم ایک روز دن کے شروع حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ کے پاس ایسے لوگ آئے جن کے پاس کپڑے نہیں تھے انہوں نے اُون کی چادریں یا عبائیں پہنی ہوئی تھی، گردنوں میں تلواریں لٹکائی ہوئی تھیں ان میں سے اکثر افراد بلکہ سب ہی قبیلہ بنی مُضر میں سے تھے۔ ان کی حاجت مندی

کا حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے۔ (اتنے میں زوال ہو چکا تھا) آپ نے بلال کو اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے اذان دی اقامت کہی آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا اور (سورہ نساء کی آیت یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ آیت کے ختم یعنی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا تک تلاوت فرمائی اور دوسری آیت سورۃ حشر کی یعنی یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ تلاوت فرمائی اور حاضرین کو صدقہ کرنے کا حکم فرمائی (لوگوں نے صدقہ دینا شروع کیا) کوئی شخص دینار لایا کسی نے درہم کا صدقہ کیا، کسی نے کپڑا دے دیا، اور کوئی شخص گیہوں کا ایک صاع لے آیا اور کسی نے چھواروں کا ایک صاع پیش کر دیا (حسب توفیق حاضرین چیزیں لاتے رہے) یہاں تک کہ راوی نے آدھی کھجور کا تذکرہ بھی کیا یعنی بعض لوگ آدھی کھجور لے آئے۔ تھوڑی دیر میں انصار میں سے ایک شخص (دراہم یا دنانیر) کی تھیلی لے کر آیا جو اتنی بھاری تھی کہ اس کا ہاتھ اٹھانے سے عاجز ہو چکا تھا، پھر دیگر افراد بھی لگا تار مختلف چیزیں لاتے رہے یہاں تک کہ میں نے کھانوں کی چیزوں اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھ لئے یہ سب کچھ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا۔ گویا کہ اس پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کر دیا اسے اس کا ثواب ملے گا اور جس نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اسے اس کا بھی ثواب ملے گا اور دوسروں کے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

(مزید فرمایا) جس نے اسلام میں برا طریقہ جاری کر دیا اس کو اس کے جاری کرنے کا بھی گناہ ملے گا اور ان کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اسے گناہ ہوگا۔ اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں سے کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۲۷: ج ۱)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ: (ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے) جنہوں نے اللہ کے حکموں پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور گمراہی کی زندگی اختیار کی اور غفلت میں ایسے پڑے کہ اللہ کو بھول گئے انہیں اللہ نے اس بھولنے پر یہ سزا دی کہ ان کی جانوں ہی کو بھلا دیا یعنی انہیں یہ دھیان نہ رہا کہ موت کے بعد ہمارا کیا بنے گا، دنیا کی لذتوں میں پڑ کر انہوں نے آخرت کی نعمتوں سے محروم ہونا منظور کر لیا اور وہاں کی لذتوں سے محروم رہ گئے۔ (قال صاحب معالم التنزیل فانساھم انفسھم ای حظوظ انفسھم حتی لم یقدموا لھا خیراً)۔ (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا نفس بھلا دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لئے کوئی بھلائی آگے نہ بھیجی)

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہ لوگ فاسق ہیں، صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے الکاملون فی الفسوق یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو انتہائی درجہ کے فاسق ہیں۔

اصحاب الجنۃ اور اصحاب النار برابر نہیں ہیں: لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں) میدان آخرت میں حاضر ہوں گے تو اہل جنت اپنے باغوں میں جائیں گے اور دوزخ والے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں گے ان کو دائمی سزا ملے گی۔

آخر میں فرمایا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (جنت والے ہی کامیاب ہوں گے)

قرآن مجید کی صفت جلیلہ: فاسقون فائزون کے مرتبہ کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ (الآیۃ) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو اے مخاطب تو اسے اس حال میں دیکھتا کہ یہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا)

صاحب روح المعانی (صفحہ ۶۱: ج ۲۸) اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے انسان کی قساوت قلبی اور تلاوت

قرآن کے وقت خشوع و تدبر کی کمی پر متنبہ کیا ہے قرآن میں جو جھنجھوڑنے والی آیات ہیں انسان ان کی طرف دھیان نہیں دیتا حالانکہ اگر یہی قرآن کسی پہاڑ پر اتارا جاتا اور اسے عقل دے دی جاتی تو وہ خشوع اختیار کرتا اور پھٹ جاتا۔

صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۲۳۶:ج ۴) نے بھی یہی بات لکھی ہے اور یہ بات بڑھا دی ہے کہ پہاڑ اپنی سختی کے باوجود اس ڈر سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا کہ قرآن کریم کا جو حق اللہ تعالیٰ نے لازم فرمایا ہے وہ مجھ سے ادا نہ ہو سکے گا۔ یہ انسان ہی ہے جو قرآن کو پڑھتا ہے اور سنتا ہے اور اس کی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتا حالانکہ یہ مضامین عجیبہ اللہ تعالیٰ اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ فکر کریں۔

ولاحاجة ان یفرض ترکب العقل فیه لان الجبال فیها ادراک کما ذکر اللّٰہ تعالیٰ فی آخر سورة الاحزاب" فابین ان یحملنها واشفقن منها و حملها الانسان" و قال تعالیٰ فی سورة البقرة: "وان منها لما یشقق فیخرج منه الماءَ و ان منها لما یهبط من خشیة اللّٰه". (اور پہاڑ میں عقل کے وجود کو فرض کرنے کی حاجت نہیں ہے کیونکہ پہاڑوں میں ادراک موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب کے آخر میں ذکر فرمایا ہے کہ پہاڑوں نے اس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا اور سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور بعض پہاڑ ایسے ہیں جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گرنے لگتے ہیں)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ

وہ اللہ ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ غیب کا اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے وہ رحمٰن ہے وہ رحیم ہے، وہ اللہ ہے

الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ

جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، بہت پاک ہے، باسلامت ہے امن دینے والا ہے، عزیز ہے جبار ہے، بڑی عظمت والا ہے،

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا

اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے اس کے اچھے اچھے نام ہیں جو چیزیں

فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں، اور وہ عزیز ہے حکیم ہے

اللہ تعالیٰ کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں جو اس کی صفاتِ جلیلہ کا مظہر ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شان الوہیت بیان کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو لوگ اس کی ذات و صفات میں اور اس کی شان الوہیت میں جس کسی کو بھی شریک بناتے ہیں وہ ان شرک کرنے والوں کے شرک سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے اولاً عالم الغیب و الشھادۃ فرمایا یعنی وہ غیب کی چیزوں کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں ظاہر ہیں اس کی مخلوق کے سامنے ہیں انہیں بھی جانتا ہے غیب کے مفہوم عام میں سب کچھ آ جاتا ہے جو چیزیں پیدا ہو کر ناپید ہو گئیں اور جو آئندہ وجود میں آئیں گی، ازل سے ابد تک اسے ہر چیز کا علم ہے، جو چیزیں وجود میں کبھی بھی آئیں گی۔ اسے ان کا بھی علم ہے اور جو چیزیں ممتنع الوقوع ہیں اسے ان کا بھی علم ہے۔ الشھادۃ کا مفہوم بھی عام ہے مخلوق کو جن چیزوں کا علم ہے اور جن چیزوں کا مخلوق کو علم نہیں وہ انہیں بھی جانتا ہے اور ان کے نہ جاننے کو بھی جانتا ہے۔

غرضیکہ ہر ممتنع اور ہر موجود اور ہر غیر موجود کا اسے علم ہے۔ جو علم اللہ نے کسی کو دے دیا اور جتنا دیدیا، اسے اسی قدر مل گیا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو کچھ علم غیب دیا گیا وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہی ملا اور اتنا ہی ملا جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ

(الآیۃ) وقال تعالیٰ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الآیہ)

ثانیاً: صفت رحمۃ کو بیان کیا اور فرمایا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ کہ وہ رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے۔ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمۃ سے مشتق ہیں چونکہ دونوں کے معنی میں مبالغہ ہے اسی لئے ترجمہ میں بھی مبالغہ کا خیال رکھا جاتا ہے، اکثر علماء فرماتے ہیں لفظ رحمٰن میں لفظ رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے دنیا میں بھی اس کی رحمت کا بہت زیادہ مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا بہت بڑا مظاہرہ ہوگا۔

ثالثاً: اَلْمَلِکُ فرمایا ملک بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ حقیقی بادشاہ ہے دنیا میں جو بادشاہ ہیں وہ سب اس کے بندے ہیں اور سب اس کی مخلوق ہیں۔ وہ ملک الملوک یعنی سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور سارا ملک اسی کا ہے۔

سورۂ یٰسین میں فرمایا: فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ

رابعاً: اَلْقُدُّوْسُ فرمایا، یعنی وہ ہر نقصان اور ہر عیب سے بہت زیادہ پاک ہے، یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ وتروں کا سلام پھیر کر تین مرتبہ ذرا اونچی آواز سے سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ پڑھا کرتے تھے اور القدوس کی دال کے پیش کو کھینچ کر پڑھتے تھے یعنی واؤ ساکن جو حرف مد ہے۔ اس کے مد کو مد طبعی سے زیادہ ادا کرتے تھے۔

خامساً: اَلسَّلَامُ فرمایا، یہ لفظ مصدر ہے، علماء نے لفظ السلام کے کئی معنی لکھے ہیں اول یہ کہ وہ باسلامت ہے ہر طرح سالم ہے اس کی ذات وصفات میں کبھی بھی کوئی کمی آنے والی نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ وہ سلامتی دینے والا ہے۔

سادساً: اَلْمُؤْمِنُ فرمایا اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ امن وامان دینے والا ہے، دنیا میں اپنے بندوں کو امن وامان سے رکھتا ہے، اہل ایمان کے قلوب کو اطمینان عطاء فرماتا ہے، نیک بندوں کو قیامت کے دن اطمینان عطا فرمائے گا، جس کے بارے میں لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ. اور بعض حضرات نے اَلْمُؤْمِنُ کا یہ معنی بتایا ہے کہ اس نے اپنی مخلوق سے وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

وقال بعضهم معناه هو ذوالامن من الزوال لاستحاله علیه سبحانه و تعالیٰ و فی معناه اقوال اخری ذکرها صاحب الروح. (اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے زوال سے مامون کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ پر زوال کا آنا ناممکن ہے اور اس کے معنی میں دیگر اقوال بھی ہیں جنہیں صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے)

سابعاً: اَلْمُهَیْمِنُ فرمایا اس کے معنی ہے نگران اللہ تعالیٰ شانہ اپنی ساری مخلوق کا نگران اور نگہبان ہے۔ قال صاحب الروح (ص ۲۸) ای الرقیب الحافظ لکل شیٔ مُفیعلٌ من الا من بقلب همزته هاء والیه ذهب غیر واحدٍ ثم استعمل بمعنی الرقیب والحفیظ علی الشیٔ۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کا معنی ہے نگران ومحافظ مفیعل کے وزن پر ہے الامن سے بنا ہے اس کا همزہ یاء سے بدلا گیا متعدد حضرات کا قول یہی ہے پھر رقیب حفیظ کے معنی میں استعمال ہونے لگا)

ثامناً: اَلْعَزِیْزُ، فرمایا یعنی وہ غالب ہے زبردست ہے اس کے ارادہ سے اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں وہ جو چاہے کرے اسے ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ ہر طرح صاحبِ اقتدار ہے۔

تاسعاً: اَلْجَبَّارُ فرمایا، یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے جو جبر یجبر سے ماخوذ ہے بعض حضرات نے اس کو معروف معنی میں لیا ہے یعنی وہ جبار اور قہار ہے وہ اپنی مخلوق میں جو بھی تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے اسے کوئی بھی کسی تصرف سے روک نہیں سکتا۔

اور بعض حضرات نے اس کو مصلح کے معنی میں لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خرابیوں کو درست کرنے والا ہے ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والا ہے۔ احوال کی اصلاح کرنے والا ہے۔

عاشراً: اَلْمُتَكَبِّرُ فرمایا، یہ باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے الکامل فی الکبریاء اسی لئے اوپر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ وہ بڑی عظمت والا ہے۔ مخلوق کے لئے یہ لفظ بولتے ہیں تو یہ باب تفعل تکلف کے معنی میں ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص بڑا بنتا ہے، بڑائی اللہ تعالیٰ ہی کو زیب دیتی ہے مخلوق کو بڑائی بگھارنا جائز نہیں۔ اگر کسی مخلوق میں کوئی بڑائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ جس نے دی ہے اس کا شکر ادا کرے نہ یہ کہ اس کی مخلوق کو حقیر جانے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔

سورۃ الجاثیہ کے ختم پر فرمایا: وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحداً منھما ادخلتہ النار (رواہ المسلم) یعنی کبریاء اور عظمت میری خاص صفات ہیں سو جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی منازعت کرے گا میں اسے دوزخ میں ڈال دوں گا۔

الحادی عشر: اَلْخَالِقُ پیدا کرنے والا الثانی عشر: اَلْبَارِئُ پیدا کرنے والا

ان دونوں کلمات کا ترجمہ قریب قریب ہے بعض حضرات نے الخالق کا معنی بالکل صحیح ٹھیک انداز کے مطابق بنانے والا کیا اور الباری کا معنی کیا ہے کہ وہ عدم سے وجود بخشنے والا ہے۔

علامہ قرطبی نے الخالق ھاھنا المقدر والباری المنشیء والمخترع (خالق یہاں پر مقدر کے معنی میں ہے اور باری کا معنی ہے پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا) لکھا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

الخالق من الخلق واصلہ التقدیر المستقیم و یستعمل بمعنی الا بداع وایجاد شیٔ من غیر اصل کقولہ تعالیٰ: خلق السماوت والارض. وبمعنی التکوین کقولہ عزوجل: خلق الانسان من نطفۃ وقولہ بمعنی انہ مقدرہ اوموجدہ من اصل او من غیر اصل. (خالق، خلق سے ہے اس کا اصل معنی ہے صحیح طور پر مقرر کرنا پھر اس کا استعمال ابداع اور بغیر مادہ کے کسی شی کو پیدا کرنے کے معنی میں ہونے لگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خلق السماوات والارض اور خلق تکوین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ خلق الانسان من نفطۃ (اس کے آخر میں ھمزہ ہے یعنی وہ ذات جس نے مخلوق کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ کسی قسم کے تفاوت سے بری ہے)

اس کے بعد الباری کے بارے میں لکھتے ہیں۔ الھمزۃ فی آخرہ ای الذی خلق الخلق بریٔ من التفاوت۔

اس تصریح سے معلوم ہو گیا کہ خالق کا معنی یہ بھی ہے کہ اس نے بالکل ابتداءً بغیر کسی اصل کے پیدا فرمایا اور یہ بھی ہے کہ اس نے پہلے سے کوئی چیز پیدا فرمائی ہو پھر اس سے کوئی چیز پیدا فرمادی ہو اور ٹھیک اندازہ کے مطابق پیدا فرمانے کا معنی بھی ہے اور باری کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ پیدا فرمایا وہ تفاوت سے بری ہے۔

الثالث عشر: اَلْمُصَوِّرُ، یعنی تصویریں بنانے والا، اجسام کی جتنی بھی تصویریں ہیں وہ سب اللہ کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں یہ سب اس کی قدرت کاملہ کے مظاہرے ہیں۔ سورۃ الانفطار میں فرمایا: خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (جس نے تجھ کو پیدا فرمایا پھر تیرے اعضاء کو درست کیا پھر تجھ کو اعتدال پر بنایا جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دیدیا)۔

پھر فرمایا لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں) جن اسماء وصفات پر یہ اسماء دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ ان سے متصف ہے۔ سورہ الاعراف میں فرمایا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں سو ان کے ذریعہ اس کو پکارو) اور سورۃ الاسراء میں فرمایا: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (آپ فرما دیجئے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو اس کے لئے اچھے اچھے نام ہیں)

صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں جو شخص انہیں اچھی طرح یاد کر لے گا۔ جنت میں داخل ہوگا۔

مزید تشریح و توضیح کے لئے انوار البیان صفحہ ۴۴۹ جلد پنجم اور علامہ جزری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الحصن الحصین اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کرلیں۔ سنن ترمذی میں ننانوے نام مروی ہیں اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہیں ان میں بعض نام وہ ہیں جو سنن ترمذی کی روایت سے زائد ہیں یعنی ان میں سے بہت سے نام وہ ہیں جو سنن ترمذی میں مروی نہیں ہیں۔

یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (سب چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے)

فائدہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر سورہ حشر کی یہ آخری تین آیات پڑھ لے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دے گا جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے رہیں گے اور اگر اس دن مرجائے تو شہید مرے گا اور جو شخص شام کو یہ عمل کرے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دے گا جو اس پر صبح تک رحمت بھیجتے رہیں گے اور اگر وہ اس رات میں مرجائے گا تو شہید مرے گا۔ (ترمذی)

تم تفسیر انتهی سورة الحشر والحمد لله اولاً و آخراً وباطنا و ظاهرا

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں تیرہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ تم ان کی طرف دوستی کرتے ہو

وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّکُمْ

اور حالانکہ وہ حق کے منکر ہو چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے وہ رسول کو اور تمہیں اس وجہ سے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے جو تمہارا رب ہے

اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ

اگر تم نکلے ہو جہاد کرنے کے لئے میری راہ میں اور میری رضا تلاش کرنے کے لئے تم ان کی طرف چپکے سے

بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ

دوستی کی باتیں کرتے ہو اور میں ان باتوں کو خوب جانتا ہوں جنہیں تم چھپاتے ہو اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا سو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا

سَوَآءَ السَّبِيلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ

اگر وہ تمہیں پالیں تو تمہارے دشمن ہوجائیں اور تمہاری طرف برائی کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو اور اپنی زبانوں کو بڑھادیں

بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۞ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ

انہیں اس بات کی خواہش ہے کہ تم کافر ہو جاؤ ہرگز تمہیں نفع نہ دیں گی تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد قیامت کے دن

بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞

اللہ تمہارے درمیان جدائی فرمادے گا اور اللہ تمہارے سارے کاموں کو دیکھتا ہے

اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرنے کی ممانعت

تفسیر: ان آیات کا سبب نزول ایک واقعہ ہے جو حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔

حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ: انہوں نے اہل مکہ کو (جو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے) ایک خفیہ خط لکھا جس کا واقعہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد صفحہ ۴۲۲ اور کتاب المغازی صفحہ ۵۶۷، صفحہ ۲۸۶ اور کتاب التفسیر صفحہ ۷۲۶ میں یوں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے اور زبیر اور مقداد کو (اور بعض روایات میں حضرت ابومرثد غنوی کا نام بھی ہے) (یہ چاروں حضرات گھوڑا سوار تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اور فرمایا کہ تم روانہ ہو جاؤ اور چلتے رہو یہاں تک کہ روضہ خاخ تک پہنچ جاؤ، وہاں تمہیں مشرکین میں سے ایک عورت ملے گی جس کے پاس حاطب کی طرف سے مشرکین کے نام ایک رقعہ ملے گا، (شراح حدیث نے لکھا ہے کہ روضہ خاخ مدینہ منورہ سے بارہ میل کی مسافت پر ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ مقام مذکور تک پہنچ گئے، وہاں دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر جارہی ہے ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھادیا اور رقعہ تلاش کیا تو اس کے پاس کہیں سے برآمد نہیں ہوا۔ ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط نہیں فرمایا، اس کے پاس رقعہ ضرور ہوگا ہم نے کہا کہ تیرے پاس جو رقعہ ہے وہ نکال، کہنے لگی میرے پاس کوئی رقعہ نہیں ہے۔ ہم نے ذرا زوردار طریقہ پر کہا پرچہ نکال ورنہ ہم تجھے ننگی کردیں گے، جب اس نے یہ انداز دیکھا تو اپنی کمر باندھنے کی جگہ سے اور بعض روایات میں ہے کہ اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیوں سے پرچہ نکالا یہ پرچہ حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا، جس میں مشرکین کو یہ خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس پرچہ کو لے کر مدینہ منورہ واپس آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ کو جب اس کے مضمون کا علم ہوا تو فرمایا اے حاطب یہ کیا بات ہے؟ حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں میں نے کفر اختیار کرنے اور مرتد ہونے کے لئے یہ پرچہ نہیں لکھا بات یہ ہے کہ میں قریش میں مل جل کر رہتا تھا ان کا حلیف تھا خود قریشی نہیں تھا۔ آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں مکہ مکرمہ میں ان کی رشتہ داریاں ہیں جن کے ذریعہ ان کے اہل و عیال و اموال محفوظ ہیں، مجھے یہ بات پسند آئی کہ ان سے میرا کوئی سلسلہ نسب نہیں ہے تو ان پر ایک احسان ہی دھردوں تاکہ وہاں جو میرے متعلقین ہیں ان کی حفاظت کا ایک بہانہ بن جائے (تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ اصلاً یمن کے رہنے والے تھے صفحہ ۵۱: جلد ۱۸) یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی

گردن ماردوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حاطب نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے شرکا بدر کے بارے میں فرمایا ہے کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری بخشش کردی ہے اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے سورۃ ممتحنہ کی ابتدائی آیات یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ تک نازل فرمائیں حضرت حاطبؓ نے جو عمل کیا وہ تو غلط ہی تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس وجہ سے ان کو کوئی سزا دینا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ شرکاء بدر میں سے تھے جن سے سوچ اور فکر کرنے میں خطا ہوگئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوشِ ایمانی کی وجہ سے یہ دھیان نہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمادیا کہ انہوں نے سچ کہا ہے اس کے بعد انہیں منافق کہنے اور گردن مارنے کا موقع نہیں ہے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے شرکاء بدر میں ان کے شریک ہونے کی فضیلت بیان فرمائی تو حضرت عمر خاموش ہوگئے۔

البدایہ والنہایہ (صفحہ ۲۸۴: ج ۴) میں حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کے خط کی عبارت بھی نقل کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب ان کا مواخذہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے نفاق سے یا اللہ کے رسول کی خیانت کی وجہ سے یہ خط نہیں لکھا تھا یہ تو میں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غالب فرمائے گا اور اپنے دین کو مکمل فرمائے گا لہٰذا میرے لکھنے نہ لکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہاں اتنی بات ہے کہ میں جب مکہ میں تھا تو ان کے درمیان پردیسی تھا اور میری والدہ بھی وہیں ہیں لہٰذا میں نے چاہا کہ ان پر میرا کوئی احسان ہوجائے۔ یہ ان کی ایک سوچ تھی جس کی وجہ سے یہ خط لکھ دیا جو سورہ ممتحنہ کی آیات کے نزول کا سبب بن گیا اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لئے تنبیہ ہوگئی جب یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے لئے عنقریب تشریف لے جارہے ہیں اور آپ کو غلبہ ہونا ہی ہونا ہے تو چند دن کے لئے اہلِ مکہ پر احسان دھرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

اللہ جل شانہ نے اہلِ ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے دشمن کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، دشمنوں کی طرف دوستی پھینکنا اور ان کو یہ بتانا کہ ہم تمہارے ہمدرد ہیں اور دوست ہیں (گو ظاہری طور پر ہو) یہ شانِ ایمان کے خلاف ہے جو گناہ کے کام ہیں وہ ظاہراً کرو یا پوشیدہ کرو میں انہیں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ ایسی حرکت کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے جو بھی کوئی شخص ایسی حرکت کرے گا سَوَآءَ السَّبِیْلِ یعنی سیدھے راستے سے ہٹ جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ جو فرمایا۔ یہ شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے وطن کو چھوڑ کے اس لئے آئے ہو کہ میری راہ میں جہاد کرو، میری مرضی کے طالب بنو تو میرے اور اپنے دشمنوں کی طرف دوستی مت پھینکنا، مشرکین کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے حق کا انکار کردیا کفر پر جمے رہے اور رسول اللہ ﷺ کو اور تم لوگوں کو اپنے شہر سے نکال دیا جبکہ تمہارا کچھ بھی قصور نہ تھا بس اتنی بات تھی کہ تم اللہ پر ایمان لائے جو تمہارا رب ہے۔ یہ ایمان لانا اور مومن بندہ بننا کوئی عیب کی بات نہیں جس کی وجہ سے کسی کو نکالا جائے ان کا تو یہ حال ہے کہ انہوں نے تمہیں شہر بدر کردیا اور ان کی یہ دشمنی پوری نہیں ہوگئی وہ ابھی تک تمہارے دشمن ہیں انکا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم کو کہیں پالیں تو ان کی دشمنی ظاہر ہوجائے گی اور دست درازی بھی کریں گے اور زبان درازی بھی، تمہیں تکلیف پہنچانے کی اور قتل کرنے کی کوشش کریں گے اور تمہارے بارے میں برے الفاظ استعمال کریں گے اور ان کی یہ تمنا اور آرزو ہے کہ تم لوگ ایمان کو چھوڑ کر پھر کفر میں داخل ہوجاؤ یہ تو ان کا حال ہے اور تمہارا حال یہ ہے کہ چپکے سے ان کی طرف دوستی ڈالتے ہو جو سراسر شان ایمان کے خلاف ہے۔ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد ہرگز تمہیں نفع نہ دیں گی) یہ ایک عام مضمون ہے ہر مسلمان سے متعلق ہے۔ خصوصی طور پر یہاں اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حضرت

حاطب رضی اللہ عنہ نے جو خط بھیجا تھا اس کی معذرت کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ میں نے اپنی رشتہ داریوں کی خاطر بھیجا ہے تا کہ قریش مکہ پر میرا یہ احسان ہو جائے اور میرے اقرباء کو تکلیف نہ پہنچائیں رشتہ داریوں کا تو خیال رہا اور یہ دھیان نہ رہا کہ رسول اللہ کی جاسوسی کر بیٹھے سورہ لقمان میں ارشاد فرمایا ہے۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا (اے ایمان والو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی جانب سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا۔

اور سورہ عبس میں فرمایا: فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ☆ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (پھر جس وقت کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہوگا ہر آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو اس کو کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا)۔

جب رشتہ داروں کا یہ حال ہوگا تو دوسرے لوگ کیا کام آ سکتے ہیں جس دن انسان سب اوقات اور احوال سے زیادہ حاجت مند ہوگا سب ہی اس سے دور بھاگیں گے ان سے دوستی کرنا اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ علیہ کی جاسوسی کرنا ایمان کے صریح خلاف ہے۔

جاسوسی کا شرعی حکم: فائدہ: حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں باب **فی حکم الجاسوس اذا کان مسلماً** قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ لکھا ہے اس کے بعد **باب فی الجاسوس الذمی** اور اس کے بعد تیسرا **بابٌ فی الجاسوس المستامن** قائم کیا ہے۔

جاسوس مسلم جاسوس ذمی جاسوس مستامن یہ تین قسم کے جاسوس ہوئے اور چوتھا جاسوس حربی ہے۔ جس سے کوئی معاہدہ نہ ہو ان چاروں قسم کے جاسوسوں کے بارے میں حضرات فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں شارح مسلم امام نووی نے فرمایا کہ جاسوس حربی تو باجماع المسلمین قتل کر دیا جائے گا اور جو جاسوس معاہد اور ذمی ہے اس کے بارے میں حضرت امام مالک اور امام اوزاعی نے فرمایا ہے کہ جاسوسی کی وجہ سے معاہدہ ٹوٹ جائے گا اب امام المسلمین اسے غلام بھی بنا سکتا ہے اور قتل کی بھی اجازت ہے اور جمہور علماء کا فرمان ہے کہ اس سے اس کا معاہدہ منقوض نہیں ہوگا، ہاں اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی تھی کہ جاسوسی کرے گا تو معاہدہ منسوخ ہو جائے گا تو پھر نقض عہد میں شمار ہوگا اور جو شخص مسلمانوں میں سے جاسوسی کرے اس کے بارے میں امام شافعی اور امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ اور بعض مالکیہ نے فرمایا ہے کہ امام المسلمین اس کو جو چاہے تعزیر کے طور پر سزا دیدے اور اسے قتل کرنا جائز نہیں ہے اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ امام المسلمین اجتہاد کر کے اپنی رائے کے مطابق عمل کرے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا

تمہارے لئے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے

مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ

ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا

وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ

جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ لیکن ابراہیم کی اتنی بات جو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا

لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ

اور تمہارے لئے مجھ کو خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں، اے ہمارے پروردگار ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی

الْمَصِیْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ

طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار آپ ہم کو کافروں کا فتنہ نہ بنائیے اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف فرمادیجئے، بیشک آپ زبردست

الْحَكِیْمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ

حکمت والے ہیں، بیشک ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہو

وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝۶

اور جو شخص روگردانی کرے گا سو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور مستحق حمد ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ قابل اقتداء ہے اور کافر کے لئے استغفار ممنوع ہے

تفسیر: ایمان اور کفر کی ہمیشہ سے لڑائی رہی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جو اپنی قوم سے اور اپنے باپ سے مباحثے ہوئے جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں، ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے بغیر کسی مداہنت کے اپنی قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم تم سے اور تم اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کرتے ہو اس سے بھی بیزار ہیں، اس اعلان کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ ہم تمہارے منکر ہیں ہم تمہارے دین کو نہیں مانتے اور ہمارے تمہارے درمیان بغض ہے اور دشمنی ہے اور یہ دشمنی ہمیشہ رہے گی جب تک تم اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہ لاؤ۔

اہلِ ایمان کو اسی طرح کھلے طور پر اپنے ایمان کا اعلان کرنا چاہیئے کافروں کے سامنے جھکنا اور ان سے ایسی ملاقات کرنا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ان سے دوستی ہے یا یہ کہ وہ بھی دینِ حق پر ہیں یا یہ کہ ہمارا دین کمزور ہے (العیاذ باللہ) یہ سب باتیں ایمان کے خلاف ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیں کہ ہم تم میں سے نہیں اور تم ہم میں سے نہیں، کافروں سے کسی قسم کی موالات و مداہنت کا معاملہ نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ سے باتیں کی تھیں ان میں ایک یہ بات بھی تھی لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا، اور ساتھ یہ بھی کہا تھا، وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔

(میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں) یعنی ایمان قبول نہ کرو گے اور کفر ہی اختیار کئے رہو گے تو میں اللہ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا اس میں مغفرت کی دعاء کا جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق انہوں نے دعا بھی کی تھی جس کا سورہ شعراء میں ذکر ہے۔ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ان کو ایمان کی توفیق دے اور مغفرت فرما، سورہ توبہ میں فرمایا ہے فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ (جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے یعنی یہ یقین ہو گیا کہ کفر پر باپ کی موت ہو گی تو بیزاری ظاہر کر دی)۔

سورہ ممتحنہ میں جو اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور ان کے ساتھی جو توحید اور اعمالِ صالحہ میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم

علیہ السلام نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوہ نہیں ہے۔

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی دعاء ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں قُوْلُوْا مقدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کو حکم دیا ہے کہ یوں دعا کریں کہ اے ہمارے رب ہم نے آپ پر بھروسہ کیا اور آپ ہی کی طرف رجوع کیا اور آپ ہی کی طرف جانا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا (اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دیجئے) یعنی انہیں ہمارے اوپر مسلط نہ کیجئے وہ ہمیں تکلیف نہ پہنچا سکیں۔ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا (اور ہماری مغفرت فرما دیجئے اے ہمارے رب)۔ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بے شک آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں)۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الآیہ) یعنی حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اصحاب کے طرز عمل میں اس شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہو۔ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

اور جو شخص روگردانی کرے گا، سو اللہ بے نیاز ہے اور حمد کا مستحق ہے (جو کوئی شخص کافروں سے موالات کرے گا ان کی طرف جھکے گا اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا وہ غنی ہے بے نیاز ہے اور حمید بھی ہے ہمیشہ تعریف کا مستحق ہے۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ

عنقریب اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان دوستی پیدا فرما دے گا جن سے تمہاری عداوت ہے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو

يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾

تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا

اللہ تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھر سے نکالا

عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٩﴾

اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو شخص ان سے دوستی کرے گا سو یہ وہ لوگ ہیں جو ظالم ہیں

ہجرت کرنے کے بعد وطن سابق کے لوگوں سے تعلق رکھنے کی حیثیت

تفسیر: جیسا کہ معلوم و معروف ہے جو حضرات ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے مکہ معظمہ میں ان کے رشتہ دار تھے جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا طبعی طور پر مہاجرین کے دلوں میں اسکا احساس ہونا ممکن تھا کہ ان لوگوں سے تعلقات ٹوٹ گئے (لیکن ایمان و کفر کے مقابلہ کی وجہ سے تعلقات ٹوٹنا بھی ضروری تھا) اوپر جن آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے پہلی آیت

میں اہلِ ایمان کو تسلی دی ہے اور امید دلائی ہے کہ ایمان کی وجہ سے جن رشتہ داروں سے تعلقات ختم ہو گئے اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے اور ان کے درمیان مودت یعنی محبت پیدا فرما دے گا (یہ محبت اس طرح وجود میں آئے گی کہ جو لوگ اب تک مسلمان نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی توفیق دیدے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کچھ لوگ فتح مکہ سے پہلے اور کچھ اس دن اور کچھ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے جس کی وجہ سے رشتہ داریوں کے تعلقات استوار ہو گئے ابوسفیان بن حرب حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، حکیم بن حزام مسلمان ہو گئے ان میں ابوسفیان وہ شخص ہیں جو مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کے لشکر کی قیادت کرتے تھے اور سہیل بن عمرو وہی شخص ہیں۔ جو صلح حدیبیہ کے موقع پر اہلِ مکہ کے نمائندہ بن کر آئے تھے اور صلح نامہ میں محمد رسول اللہ نہیں لکھنے دیا تھا۔

کافروں کو ایمان کی توفیق دینا ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دینا۔ اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے اسی لئے آیت کے ختم پر فرمایا **وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ** (اور اللہ قادر ہے) نیز **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** بھی فرمایا جس میں یہ بتایا کہ کفار جب مسلمان ہو جائیں گے تو ان کا پچھلا سب معاف کر دیا جائے گا، جب اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ معاف فرما دے گا تو اہلِ ایمان کو ان لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کے بارے میں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہ آدمی تو کل تک دشمن تھا آج دوستی کیسے کریں۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا ان میں دو قسم کے آدمی تھے اول وہ لوگ جنہوں نے نہ جنگ میں حصہ لیا اور نہ اہلِ ایمان کو نکالنے میں کوشش کی اور نہ اس سلسلہ میں مدد کی اور دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں سے قتال بھی کیا اور مکہ سے نکالنے پر تل گئے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی آیت کریمہ **لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ** پہلے گروہ کے بارے میں اور اس کے بعد والی آیت **اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ** دوسرے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ صاحب روح المعانی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلی آیت **لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ** عورتوں اور بچوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان سے متصف نہیں ہوئے تھے۔ اور حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ایمان قبول کر لیا تھا مگر ہجرت نہیں کی مہاجرین و انصار ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے پرہیز کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے فرض کے تارک تھے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ان کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ میں رہ گئے تھے ہجرت نہ کر سکے تھے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے آیت کا سبب نزول ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب مومن کافر دونوں فریق امن و امان سے رہنے لگے اسماء بنت ابی بکر کی والدہ مدینہ منورہ آئیں اور کچھ اپنی ضرورت کا اظہار کیا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو مشرک عورت پر مال خرچ کرنے میں تامل ہوا لہٰذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال پیش کر دیا اور عرض کیا کہ میری والدہ آئی ہیں ان کی طرف سے کچھ حاجت مندی ظاہر ہو رہی ہے کیا میں صلہ رحمی کے طور پر انہیں کچھ دے دوں آپ نے فرمایا ہاں صلہ رحمی کرو۔ راوی حدیث حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے کہ اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ **لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ** نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۴: ج ۲)

صاحب روح المعانی نے بحوالہ مسند امام احمد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے یوں حدیث نقل کی ہے کہ قتیلہ بنت عبدالعزی اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس کچھ ہدیہ لے کر آئیں قتیلہ مشرک تھیں۔ حضرت اسماءؓ نے ان کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور گھر میں بھی داخل نہ ہونے دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس خبر بھیجی کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے بتائیں۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی اور ہدیہ قبول کرنے اور گھر

میں بلانے کی اجازت دے دی۔

آیت کریمہ میں واضح طور پر بتادیا کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ دین کے بارے میں قتال کیا اور تم کو گھروں سے نکالا اور نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ کہ جو لوگ اس قسم کے کافروں سے دوستی کا تعلق رکھیں گے وہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی جانوں کو مستحق عذاب بنانے والے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کرلیا کرو، ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ

پس اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ

يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ

کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں، اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو ان کو ادا کردو، اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہوگا، جبکہ تم ان کے مہر ان کو دے دو،

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ

اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو، اور جو کچھ تم نے خرچ کیا وہ مانگ لو اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہو وہ مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم اور حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جائے پھر تمہاری نوبت آجائے

فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اس کے برابر تم ان کو دے دو، اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو

مومنات مہاجرات کے بارے میں چند احکام

تفسیر: ۶ھ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو راستہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ عمرہ کرنے میں رکاوٹ ڈالنے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں آپ نے تحقیق حال کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ کے پاس بھیجا اور خود مقام حدیبیہ میں تشریف فرما ہو گئے حضرات صحابہ بھی آپ کے ساتھ وہیں ٹھہر گئے اہل مکہ نے سہیل بن عمرو کو بھیجا (وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) باتیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ آپس میں صلح کرنے پر راضی ہو گئے دس شرطوں پر دس سال کے لئے صلح ہو گئی جس کی تفصیل سورۃ الفتح کی تفسیر میں گزر چکی ہے، ان دس شرطوں میں یہ بھی تھا کہ جو بھی کوئی شخص اہل مکہ میں سے مدینہ منورہ پہنچ جائے گا اگرچہ مسلمان ہو کر آئے تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور جو شخص مسلمانوں میں سے مکہ پہنچ جائے گا وہ لوگ اسے واپس نہیں کریں گے، ابھی صلح نامہ لکھا ہی جارہا تھا کہ خود سہیل بن عمرو کا بیٹا جس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں پہنچ گیا جو مسلمان ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے اسے بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا۔ اس نے مسلمانوں سے کہا تم مجھے

لے چلو واپس نہ ہونے دو، مسلمانوں کی خواہش تھی کہ انہیں واپس نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی سہیل سے کہا کہ اسے مجھے دے دو لیکن سہیل نے نہیں مانا (جس کا قصہ طویل ہے) جب صلح نامہ کی کتابت ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے اپنی اپنی ہدی کے جانور ذبح کر دیئے اور حلق بھی کرلیا حلال ہوگئے اور احرام سے نکل گئے۔

اس کے بعد کچھ عورتیں آ گئیں انہوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں ساتھ لے چلو اس موقع پر آیتِ بالا یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنٰتُ (الآیۃ) اور اس کے بعد والی آیت وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ نازل ہوئی۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آ جائیں تو ان کا امتحان کرلو۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان کا علم ہے کیونکہ وہ دلوں کا حال جانتا ہے لیکن تم اپنے طور پر امتحان کرلو، سو اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کافروں کی طرف مت لوٹانا نہ یہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ مردان کے لئے حلال ہیں (اگرچہ زمانہ کفر میں وہ میاں بیوی تھے) جب کوئی عورت مسلمان ہو کر دار الحرب سے آ گئی تو سابق کافر شوہر سے اس کا نکاح ختم ہوگیا۔ معاہدہ میں جو یہ شرط تھی کہ جو شخص اہلِ مکہ میں سے جائے گا اسے واپس کر دیا جائے گا اس کے عموم میں تخصیص کر دی گئی اور عموم الفاظ سے مومنات مہاجرات کا استثناء کر دیا گیا، پھر دشمن بھی اس پر راضی ہوگئے لہٰذا کوئی اشکال نقض عہد کے بارے میں وارد نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی فرما دیا کہ کافروں نے مومن عورتوں پر جو کچھ خرچ کیا وہ ان کو دے دو، (جیسا کہ آئندہ ذکر آ رہا ہے)۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب عورت مسلمان ہوگئی تو وہ ہمارے پاس خوش دلی سے نہیں رہ سکتی، اور مسلمانوں میں چلی جائے تو اس سے جنگ کا خطرہ بھی نہیں، پھر اوپر سے ہمارے خرچ کئے ہوئے پیسے بھی مل رہے ہیں اس لئے انہوں نے عورتوں کو واپس کرنے کے لئے اصرار نہیں کیا۔

ان مومنات مہاجرات میں سے ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط بھی تھیں جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں تو ان کے خاندان والے حاضر ہوئے اور واپس کرنے کے لئے کہا رسول اللہ ﷺ نے واپس نہیں کیا۔

صاحب روح المعانی صفحہ ۷۶:ج ۲۸) نے سبیعہ بنت الحارث امیمہ بنت بشر کا نام بھی لکھا ہے یہ بحالت ایمان رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوگئیں ان کے خاندان والوں نے واپس کرنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے واپس نہیں کیا۔

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ گئیں ان کے کافر شوہروں نے ان پر جو مال خرچ کیا اتنا مال ان کو دے دیں (یہ حکم خاص اسی وقت کے لئے تھا کیونکہ صلح حدیبیہ میں یہ بات داخل تھی کہ جو شخص اہل مکہ میں سے آپ کے پاس آئے گا اسے واپس کرنا ہوگا پھر اس میں مہاجرات مومنات کا استثناء کر دیا گیا تو حکم دیا گیا کہ ان کے سابقہ شوہروں کو اتنا مال دے دیا جائے جو انہوں نے خرچ کیا تھا)۔

اس وقت جو صلح کی تھی، ایک سال کے اندر قریش مکہ کی طرف سے اس کی خلاف ورزی کر دی گئی جس کی بنیاد پر مکہ معظمہ فتح کیا گیا جب صلح ختم ہوگئی تو صلح کا اثر بھی ختم ہوگیا اگر اب کوئی عورت کافروں کے ملک سے مسلمان ہو کر مسلمانوں کے ملک میں آ جائے گی تو اسے واپس نہ کیا جائے اور اس کے شوہر کو یا حکومتِ کافرہ کو کوئی مال نہیں دیا جائے گا۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ ان ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے نکاح کرلو جبکہ تم ان کے مہر ادا کر دو)۔

اس میں ان عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیدی جو مسلمان ہو کر دار الحرب چھوڑ کر دار الاسلام میں آ جائیں چونکہ وہ

مسلمان تھیں اس لئے دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان احکام شرعیہ کے مطابق ان سے نکاح کر سکتے ہیں، رہی یہ بات کہ اس عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں اس کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس پر عدت لازم نہیں ہے اور عدت گزارے بغیر کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور حضرات صاحبین نے فرمایا کہ اس پر عدت لازم ہے اس کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی لیکن اگر ہجرت کر کے آنے والی عورت حامل ہو تو جب تک وضع حمل نہ ہوا سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(دیکھو ھدایہ باب نکاح اہل الشرک)

اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ جو فرمایا یہ جواز نکاح کی قید نہیں ہے بلکہ اس میں التزامِ مہر کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی مہر مقرر کر دیا جائے پھر اسی وقت ادا کر دیا جائے یا اس کی ادائیگی کا وعدہ کر دیا جائے۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی نہ رکھو) یعنی تمہاری جو کافر بیویاں (دارالحرب میں رہ گئی ہیں ان کا نکاح ختم ہو چکا اب سابق نکاح کے اثر کو باقی نہ سمجھو حتیٰ کہ دارالحرب والی کافرہ بیوی کی کوئی بہن دارالاسلام میں ہو تو اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔

وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا (اور تم نے جو کچھ کیا ہے وہ طلب کر لو اور انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ طلب کر لیں) یعنی جو عورت دارالحرب میں کافرہ رہ گئی اور مسلمان ہو کر دارالاسلام نہ آئی (جس کی وجہ سے نکاح ختم ہو گیا) اس عورت پر جو تم نے خرچ کیا تھا یعنی مہر وہ دارالحرب کے کافروں سے طلب کر لو۔

اور کافروں نے جو ان عورتوں پر خرچ کیا ہے جو تمہارے پاس مسلمان ہو کر آ گئیں وہ تم سے مانگ لیں یہ احکام بھی صلح حدیبیہ سے متعلق ہیں بعد میں منسوخ کر دیئے گئے۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ (یہ اللہ کا حکم ہے) **یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ** (وہ تمہارے درمیان فیصلے فرماتا ہے) **وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ** (اور اللہ علیم ہے حکمت والا ہے)۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ (الآیۃ) اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے کی وجہ سے تمہارے ہاتھ سے نکل گئی یعنی تمہارے ذمہ اسی طرح کا کوئی حق کسی کافر کا نکل آئے تو ان مسلمانوں کو جن کی بیویاں دارالحرب میں رہ گئیں اس قدر دیدو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا یعنی تمہارے ذمہ جو کافروں کو ان کی سابق بیویوں کو مہر دینا واجب ہے (جو مسلمان ہو گئیں اور دارالاسلام میں آ گئیں) ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں اگر برابر سرابر ہے تو کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں اگر کمی بیشی ہو تو اس کو معاملات کے طور پر سوچ لیں یعنی جو کافر کا حق ہے وہ ادا کر دیں اور جو اپنا حق باقی ہے اس کا مطالبہ جاری رکھیں۔

یہ حکم بھی صلح حدیبیہ کے ساتھ مخصوص تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ** (اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو) اس میں تمام احکام کی پابندی کا حکم فرما دیا اور خلاف ورزی پر وعید کی طرف اشارہ فرما دیا۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ

اے نبی جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں جو آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا

وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا

کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لے کر آئیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراشیں اور یہ کہ

يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی سوانہیں بیعت کر لیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

بیعت کے الفاظ اور شرائط کا بیان

تفسیر: صلح حدیبیہ کے اگلے سال مکہ معظمہ فتح ہوگیا، اہل مکہ تو ڈر رہے تھے کہ دیکھو ہماری زیادتیوں کے بدلہ میں ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے لیکن حضور اقدس ﷺ نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ پڑھ کر سب کچھ معاف فرمادیا اکا دکا بعض افراد کے سوا عموماً اہل مکہ سب ہی مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مردوں سے بھی عہد لیا اور عورتوں سے بھی، عورتوں سے جو عہد لیا تھا وہ اس آیت میں بیان فرمایا ہے عام طور پر جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھی رسول اللہ ﷺ ان سے ان چیزوں پر عہد لیتے تھے اور زبانی بیعت فرما کر رخصت کر دیتے تھے۔ آیت بالا میں چھ چیزیں مذکور ہیں جن پر بیعت کرنے کا حکم ہے علماء نے بتایا ہے گذشتہ آیت میں جو فَامْتَحِنُوْهُنَّ فرمایا ہے اس میں ان چیزوں پر عہد لینا مراد ہے حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے قسم لیتے تھے کہ وہ اپنے شوہر کے بغض کی وجہ سے آئی ہے اور نہ کسی مسلمان کے عشق میں مبتلا ہے اور نہ کسی سرزمین سے بے رغبت ہو کر آئی ہے اور نہ کوئی ایسی حرکت کی ہے جس کی وجہ سے مواخذہ کی مستحق ہو اور نہ دنیا کے لئے آئی ہے بلکہ محض اسلام میں رغبت کرنے اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے آئی ہے جب وہ قسم کھا کر یہ بیان دے دیتی تھی تو رسول اللہ ﷺ اس کو مشرکین کی طرف نہیں لوٹاتے تھے اور مشرکین کی طرف سے مشرکین کو مہر یا جو کچھ اس پر خرچ ہوا ہو وہ دیدیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب مومن عورتیں ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو ان سے آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ کے ذریعہ امتحان لیتے تھے، جو چیزیں آیت کریمہ میں مذکور ہیں جب وہ ان کا اقرار کر لیتی تھیں تو اسی سے ان کا امتحان ہو جاتا تھا اس اقرار کے بعد رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے جاؤ میں نے تمہیں بیعت کر لیا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، آپ صرف زبان سے بیعت فرما لیتے تھے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۳۱: ج ۲)

آیت بالا میں جن چیزوں پر بیعت لینے کا ذکر ہے بظاہر چھ چیزیں ہیں پہلی پانچ چیزوں میں منفی پہلو بیان فرمائے ہیں جن میں یہ ہے کہ ایسا ایسا نہ کریں گی اور چھٹی چیز کے الفاظ بھی بظاہر نہی کے الفاظ ہیں لیکن ان کا عموم دین کے سب کاموں کو شامل ہے اور اس میں پورے دین پر چلنے کا عہد لیا گیا ہے۔

پہلا عہد اس بات کا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں گی۔

دوسرا عہد یہ ہے کہ چوری نہ کریں گی

تیسرا عہد یہ ہے کہ زنا نہ کریں گی

چوتھا عہد یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی (یہ عہد اس زمانے میں لینا ضروری تھا کیونکہ اہل عرب اس وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے، اور لڑکی پیدا ہو جاتی تو شرماتے ہوئے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور اسے زندہ دفنا دیتے تھے اس کا تذکرہ سورہ اعراف اور سورۃ الاسراء اور سورۃ النحل میں گزر چکا ہے) اولاد کو قتل کرنے میں حمل گرانا بھی داخل ہے۔

پانچواں عہد یہ ہے کہ بہتان کی اولاد نہ لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراش لیں یعنی جھوٹ نہ بنائیں، علماء کرام نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں۔

اول یہ کہ زنا سے جو حمل ٹھہرا ہوا سے شوہر کی اولاد نہ بنائیں گی۔

دوم یہ کہ کوئی بچہ کہیں پڑا مل جائے تو اس کو اٹھالیں اور شوہر سے کہیں کہ یہ میرا بچہ ہے جو تجھ سے پیدا ہوا ہے ایسا نہ کریں جن عورتوں کے شوہر پردیس میں رہتے ہیں ان کی عورتوں کو ایسا کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں مثلاً شوہر ایک سال میں آیا اور بچہ زنا سے پیدا ہوا تو اس کو بتا دیا کہ اس کا حمل تمہیں سے قرار پایا تھا۔

چھٹا عہد جو عورتوں سے لیا جاتا تھا وہ یہ ہے کہ کسی معروف کام میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گی لفظ معروف میں ہر وہ چیز داخل ہے جسے مسلمان آدمی کو اپنی زندگی میں اپنانا چاہیے رسول اللہ ﷺ جو بھی حکم فرمائیں درجہ فرض و واجب میں ہو یا درجہ استحباب و استحسان میں مومن مرد اور عورت کو اس پر عمل کرنا ایمان کا اہم تقاضا ہے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی آپ نے آیت کریمہ اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا تلاوت فرمائی اور ہمیں کسی کے مرجانے پر نوحہ کرنے سے منع فرمایا (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۷: ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں عید الفطر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ پڑھا خطبہ سے فارغ ہو کر آپ مردوں کی صفوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے عورتوں کے پاس تشریف لائے آپ کے ساتھ بلال بھی تھے آپ نے ان کے سامنے پوری آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم سب اس پر قائم ہو؟ عورتیں خاموش رہیں صرف ایک عورت نے کہا کہ ہاں ہم اس پر قائم ہیں اس کے بعد آپ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا حضرت بلال نے کپڑا پھیلا دیا، عورتیں اس میں اپنی انگوٹھیاں ڈالتی رہیں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۳۳: ج ۱)

جن چیزوں کا عہد رسول اللہ ﷺ عورتوں کو بیعت کرتے وقت لیتے تھے، ان امور کا مردوں سے بھی عہد لینا ثابت ہے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے آس پاس موجود تھے آپ نے فرمایا آؤ مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے اور چوری نہ کرو گے اور زنا نہ کرو گے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور کوئی بہتان کی چیز نہ لاؤ گے جسے تم اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراش لو اور معروف میں نافرمانی نہ کرو گے، سو جو شخص ان چیزوں کو پورا کر دے گا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جس شخص نے خلاف ورزی کر لی اور دنیا میں اس کی سزا دی گئی تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے، اور جس شخص نے کوئی خلاف ورزی کی پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے معاف فرما دے اور اگر چاہے عذاب دے روایت نقل کر کے حضرت عبادہ نے فرمایا کہ ہم نے ان باتوں پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷: ج ۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں سے بھی یہ عہد لیا کہ کوئی بہتان نہ لاؤ گے جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے تراش لو، یہ الفاظ عورتوں کی بیعت میں بھی مذکور ہیں، وہاں اس کے دو معنی بتائے ہیں ایک یہ کہ کوئی پڑا ہوا بچہ اٹھا کر اپنے شوہر کے ذمہ نہ لگا دیں دوسرا معنی یہ کہ زنا کی اولاد کو شوہر کی اولاد نہ بتا دیں چونکہ یہ بات مردوں سے متعلق نہیں ہے اس لئے اس حدیث کی تشریح میں شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ کسی پر تہمت نہ رکھیں اور بہتان نہ باندھیں اور ہاتھ پاؤں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اکثر گناہ انہیں سے وجود میں آتے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ما بین الایدی والارجل (ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان) سے قلب مراد ہے کیونکہ زبان اسی کی ترجمانی کرتی ہے، لہٰذا بہتان و افترا کو قلب کی طرف منسوب کیا گیا۔ (ذکرہ الحافظ فی فتح الباری)

احقر کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اگر عورتوں کے بارے میں بھی یہی مطلب لے لیا جائے اور لقیط (گرے پڑے بچہ) اور زنا کی

اولاد کو شوہر کے ذمہ لگانے کو بطور مثال سمجھ لیا جائے تو یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ ایک ہی سیاق میں واقع ہونے والے الفاظ کے معانی بیان کرنے میں تشتت نہ ہو۔

حضرت ام عطیہؓ کی روایت جواوپر نقل کی گئی اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے عورتوں سے یہ عہد بھی لیا کہ کسی کی موت پر نوحہ نہ کریں گی یعنی رونے پیٹنے والا کام نہ کریں گی (جو اعزہ واقرباء کی موت پر کیا کرتی ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ بیعت لینے میں صرف انہی چیزوں پر انحصار نہیں ہے جو آیت شریفہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ میں مذکور ہیں بلکہ بیعت کرنے والے کے اعمال اور احوال کے اعتبار سے بیعت کرنے کی چیزوں میں حسب موقعہ اضافہ کر دیا جائے۔

اسی لئے بیعت لینے میں اکابر امت کے یہاں بعض باتوں کا امت کے حالات دیکھ کر اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ ہمارے بعض مشائخ نے دور حاضر میں بیعت کرنے کی چیزوں میں یہ بھی اضافہ کر دیا تھا کہ داڑھی نہیں مونڈیں گے اگر اور کوئی گناہ پھیل جائے اور کوئی شخص بیعت کرنے لگے تو اس گناہ سے بچنے کی تاکید کے لئے اس کا اضافہ کر لیا جائے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ان شرطوں پر بیعت کی کہ آسانی میں اور سختی میں اور خوشی میں اور ناگواری میں آپ کی فرمانبرداری کریں گے اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی تو اس میں بھی فرمانبرداری کریں گے اور اس بات پر بھی بیعت کی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے اور اس بات پر بھی بیعت کہ امراء سے جھگڑا نہیں کریں گے ہاں اگر تم کھلا ہوا کفر دیکھو جس کے کفر ہونے میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو تو امراء سے منازعت کرنے کا موقع ہوگا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۴۵: ج۲)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ (اور آپ ان عورتوں کے لئے اللہ سے استغفار کیجئے) اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ
اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا وہ لوگ آخرت سے ایسے ناامید ہوگئے
كَمَا یَىٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾
جیسے کافر لوگ ناامید ہوگئے جو قبروں میں ہیں۔

اہل کفر سے دوستی نہ کرنے کا دوبارہ تاکیدی حکم

تفسیر: شروع سورت میں اور درمیان سورت میں کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت کا تذکرہ تھا یہاں اس آیت میں خصوصی طور پر یہودیوں سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، یوں تو تمام کافروں پر اللہ کا غضب ہے لیکن بعض آیات میں چونکہ یہودیوں کے مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ ہونے کا خصوصی تذکرہ آیا ہے۔

(کمافی سورۃ البقرہ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ وکمافی سورۃ آل عمران وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ)

اسی لئے بعض مفسرین نے یہاں قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ سے یہودیوں کو مراد لیا ہے، مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ بعض فقراء مسلمین یہودیوں کو مومنین کی خبریں پہنچا دیتے تھے اور کچھ پھل مل جاتا تھا اس آیت میں ان کو منع فرما دیا، اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ سے یہود و نصاریٰ دونوں قومیں مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ منافق مراد ہیں۔

درحقیقت عموم الفاظ میں تمام کافروں کو مراد لینے کی گنجائش ہے، ابتداء سورت میں جو دشمنانِ اسلام سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ آخر سورت میں پھر بطورِ تاکید اس حکم کو دہرادیا ہے۔ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْاٰخِرَةِ . یہ قَوْمًا غَضِبَ اللهُ کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو کافر مرگئے قبروں میں چلے گئے اب دنیا میں آنے سے اور کسی طرح کی خیر ملنے سے ناامید ہوگئے اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں جن پر اللہ کا غصہ ہوا، آخرت سے ناامید ہوگئے یہ ایمان قبول نہیں کرتے اور آخرت کو نہیں مانتے ان کا ڈھنگ یہ ہے کہ جیسے ان کے عقیدہ میں قیامت قائم نہیں ہوگی اور میدان حشر میں حاضر نہیں ہوں گے جب ان کا یہ حال ہے تو ایسے لوگوں سے دوستی کرنے کا کیا موقع ہے۔

هذا اذا كانت "من" بيانية كما اختاره جماعة واختار ابوحيان كونها لابتداء الغاية والمعنىٰ ان هولاء القوم المغضوب عليهم قد يئسوا من الاخرة كما يئسوا من موتاهم ان يبعثو و يلقوهم فى دار الدنيا و هو مروى عن ابن عباس والحسن وقتادة فالمراد بالكفار اولائك القوم ووضع الظاهر موضع ضميرهم تسجيلا لكفرهم واشعاراً بعلة ياسهم.

(یہ تب ہے جبکہ "من" بیانیہ ہو جیسا کہ ایک جماعت نے اسے ترجیح دی ہے اور ابوحیان کے ہاں یہ پہلو راجح ہے کہ من ابتداء غایت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ مغضوب علیہم قوم آخرت سے ایسے مایوس ہے جیسے یہ اپنے مردوں کے اٹھنے اور دنیا میں ان سے ملنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حسن سے مروی ہے اور حضرت قتادہ سے بھی اور کفار سے مراد یہی قوم ہے اور ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ان کے کفر کی تخصیص اور ان کی مایوسی کی علت بتلانے کے لئے رکھا گیا ہے) (راجع روح المعانی صفحہ ۸۳: ج ۲۹)

اور صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ چونکہ جس طرح آیت يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ آپ کی نبوت کو اور اسی طرح مخالفِ نبی کے کافر اور غیر ناجی ہونے کو خوب جانتے ہیں گو وہ عار و حسد کی وجہ سے اتباع نہ کرتے تھے اس لئے ان کو دل سے یقین تھا کہ ہم ناجی نہیں ہیں تو شیخی کے مارے ظاہراً اس کے خلاف کرتے ہوں پس حاصل یہ ہوا کہ جن کی گمراہی ایسی مسلم ہے کہ وہ خود بھی اس کو دل سے تسلیم کرتے ہیں ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا ضروری ہے؟ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ جو گمراہ اشد درجہ کا نہ ہو اس سے دوستی جائز ہے جوازِ دوستی سے تو مطلق کفر مانع ہے مگر اس صفت سے وہ عدمِ جواز اور شدید ہوجائے گا اور شاید تخصیص یہود کی اس جگہ اس لئے ہو کہ مدینہ میں یہود زیادہ تھے اور دوسرے وہ لوگ شریر و مفسد بھی بہت تھے۔ انتہی۔

تم سورة الممتحنة وانتهى والحمدلله اولاً وآخراً

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الصّف مدینہ میں نازل ہوئی اس میں چودہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ کی تسبیح بیان کی ان سب چیزوں نے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے، اے ایمان والو

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

تم وہ بات کیوں کہتے ہو جسے نہیں کرتے، اللہ کے نزدیک بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم ایسی باتیں کہو جن پر عمل نہ کرو، بے شک اللہ

اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بنا کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایسی عمارت ہیں جس میں سیسہ پلایا گیا ہے

جو کام نہیں کرتے ان کے دعوے کیوں کرتے ہو؟

تفسیر: حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ ہم چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آپس میں ہم نے (اچھے) اعمال کا تذکرہ کیا اور ہم نے کہا کہ اگر ہمیں پتہ چل جاتا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے اس پر اللہ جل شانہ نے سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ نازل فرمائی۔ (سنن الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الصف)

اور معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب صحابہ نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے تو ہم اس عمل کو اختیار کر لیتے اور ہم اپنے جان و مال خرچ کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ نازل فرمائی پھر قریب ہی میں غزوہ احد کا واقعہ پیش آ گیا جب اس میں ابتلا ہوا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ نازل فرمائی کہ تم وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ جب شہداء بدر کا ثواب سنا تو صحابہ نے کہا کہ اگر آئندہ ہم کسی جہاد کے موقعہ پر حاضر ہوئے تو پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں گے پھر اگلے سال جب غزوہ احد کا موقع آیا تو بھاگ کھڑے ہوئے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ بات کیوں کہتے ہو جسے کرتے نہیں ہو۔

روح المعانی میں ابن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو وہ مسلمانوں سے جھوٹے وعدے کیا کرتے تھے کہ ہم مدد کریں گے پھر ساتھ نہیں دیتے تھے۔

مفسر قرطبی نے ایک اور بھی قصہ لکھا ہے (ص ۷۸ ج ۱۸) وہ یہ کہ ایک شخص مسلمانوں کو بہت ایذا دیتا تھا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا قتل تو کیا انہوں نے لیکن ایک آدمی نے اس عمل کو اپنی طرف منسوب کر لیا اور خدمتِ عالی میں جا کر عرض کیا کہ فلاں شخص کو میں نے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کے قتل کی خبر سے خوشی ہوئی اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے حضرت صہیبؓ کو توجہ دلائی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر کیوں نہ دی کہ میں نے قتل کیا ہے دوسرے شخص نے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ (اور رسول اللہ ﷺ کو غلط خبر دیدی) اس پر صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو صحیح صورت حال بتا دی۔ اس پر آیت کریمہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ نازل ہوئی۔ جس میں غلط خبر دینے والے آدمی کو تنبیہ فرما دی۔

آیت کریمہ کا سبب نزول اگر وہ سب امور ہوں جن کا مذکورہ بالا روایات میں تذکرہ کیا گیا ہے تو اس میں کچھ بُعد نہیں ہے آیت میں مسلمانوں کو جو عمومی خطاب فرمایا ہے سب کو اس میں غور کرنا لازم ہے ہر شخص آیت کے مضمون کو سوچے اور اپنی جان پر نافذ کرے اور یہ دیکھے کہ زندگی میں کیا کیا جھول جھال ہیں اور قول اور فعل میں جو یکسانیت ہونی چاہئے وہ ہے یا نہیں، ہر مسلمان ایمان کے تقاضے پورے کرے اللہ تعالیٰ سے جو وعدے کئے ہیں ان کو پورا کرے جو نذر کرے اسے پوری کرے جس کسی سے جو وعدہ کرے اسے بھی پورا کرے۔ (بشرطیکہ گناہ کا وعدہ نہ کیا ہو، گناہ کا وعدہ کرنا بھی گناہ ہے اور اسے پورا کرنا بھی گناہ ہے) جو کوئی کام خیر کا نہ کیا ہو اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے، لوگوں کے سامنے دینی باتیں بیان کرے اور امر و نہی والی آیات اور احادیث

پڑھ کر سنائے اور اس پر خود بھی عمل کرے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ (اللہ کے نزدیک یہ ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو)۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی ہر شخص کوشش کرے اور اپنے قول اور فعل میں یکسانیت رکھے۔

ان خطباء کی بدحالی جن کے قول وفعل میں یکسانیت نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں، میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر خود عامل نہیں اور اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۸)

واضح رہے کہ آیت کریمہ کا مضمون یہ ہے کہ اپنے قول وفعل میں یکسانیت رکھو جو بات کرو تمہارا اپنا عمل بھی اس کے مطابق ہو اس میں دعوت تبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی آ گیا۔

آیت کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ عمل نہیں کرتے تو دینی باتیں بھی نہ کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ خیر کی باتیں بھی کرو اور ان پر عمل بھی کرو، یہ بات اس لئے واضح کی گئی کہ بہت سے وہ لوگ جو بے عمل ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب ہم عمل نہیں کرتے تو ہم تبلیغ کر کے گناہگار کیوں بنیں یعنی کہ سورہ الصّف کی مخالفت کیوں کریں۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے اور نفس کی شرارت ہے۔

قرآن کریم نے یہ تو نہیں فرمایا کہ نہ حق کہو نہ عمل کرو، قرآن کریم کا مطلب تو یہ ہے کہ دونوں عمل کرو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ احکام شرعیہ پر چلنے کا مستقل حکم ہے اور حق بات کہنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا مستقل حکم ہے۔

ایک حکم چھوٹا ہوا ہے تو دوسرے حکم کو چھوڑ کر گناہگار کیوں ہوں جس جس موقع پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرمان انجام دینے کا حکم ہے اسے پورا کریں دونوں حکموں کو چھوڑ کر دوہرے گناہگار کیوں ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیته

کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان کے بارے میں سوال ہوگا جن کی نگرانی سپرد کی گئی ہے (رواہ البخاری صفحہ ۷۸۳: ج ۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَن رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان**۔ (تم میں سے جو کوئی شخص منکر یعنی خلاف شرع کام دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل دے سو اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے سو اگر زبان سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو دل سے بدل دے یعنی دل سے خلافِ شرع کام کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۵۱: ج ۱)

اس حدیث میں ہر شخص کو برائی سے روکنے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ بھی کرو اور عمل بھی کرو۔ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کرو نہ تبلیغ کرو۔

مجاہدین اسلام کی تعریف وتوصیف: پھر جہاد کرنے والوں کی تعریف فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت فرماتا ہے جو اس کی راہ میں صف بنا کر قتال کرتے

ہیں گویا کہ مجموعی حیثیت سے سب مل کر ایک عمارت ہیں جس میں سیسہ پگھلایا گیا ہو، اس سے جہاد کرنے اور جم کر لڑنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ (بعض مرتبہ صف سے نکلنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جبکہ دشمن کے افراد هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کہہ کر مسلمان کو مقابلہ کی دعوت دیں یہ کبھی کبھار اور تھوڑی دیر کو ہوتا ہے اصل جنگ وہی ہے جس میں صف بنا کر جم کر اور ڈٹ کر لڑا جائے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا

اور جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں پھر جب وہ لوگ

زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا اور جبکہ عیسیٰ بن مریم نے فرمایا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا

کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، مجھ سے پہلے جو توراۃ ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد

بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہو گا ان کی بشارت دینے والا ہوں پھر جب ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا اعلان کہ ہم اللہ کے رسول ہیں

تفسیر: پہلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔ "تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں" اللہ کے رسول کی تعظیم اور احترام ہونا چاہئے اور ایذا دینا اس کے بالکل خلاف ہے۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو طرح طرح سے ایذا دی جس کا تذکرہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے اور سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ان کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی اطاعت کرو ایذا مت دو، لیکن بات ماننے اور حق قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے اسی کو فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (پھر جب وہ حق سے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو حق سے ہٹا دیا)۔ گمراہوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ حق کو قبول نہیں کرتے، حق پہنچنے اور بار بار سمجھانے کے باوجود حق پر نہیں آتے جب باطل پر ہی جمے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی اس ضد اور عناد اور مخالفت کی وجہ سے محرومیت کی مار پڑتی ہے پھر انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوتی لہٰذا برابر نافرمانی کو ہی اختیار کرتے چلے جاتے ہیں اور فرمانبرداری کو اختیار نہیں کرتے اور اپنے دلوں میں ہدایت کو جگہ دینے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتے۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اراءۃ الطریق یعنی راہ حق دکھانے کے بعد انہیں قبول حق کی توفیق نہیں دی جاتی دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ یقین جانو میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تمہارے پاس جو پہلے سے کتاب یعنی توراۃ ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہوگی ان کی آمد کی خوشخبری دیتا ہوں ان کا نام احمد ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے بہت سی باتیں کیں انہیں توحید کا سبق دیا شرعی احکام سکھائے لیکن ان میں سے

چند ہی لوگوں نے بات مانی جنہیں حواری کہا جاتا ہے اکثر بنی اسرائیل ان کے دشمن ہو گئے اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے، قتل تو نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اوپر اٹھالیا جیسا کہ سورۃ النساء میں رکوع نمبر۲۲ میں بیان فرمایا ہے لیکن بعد میں بعض یہودیوں کے ورغلانے اور بہکانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا عقیدہ بنالیا جیسا کہ سورہ المائدہ اور سورہ توبہ میں بیان ہو چکا ہے یہ لوگ آج تک اسی عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے مخالف ہیں آیت بالا میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نقل کیا ہے اس میں ایک بات تو یہ ہے کہ میں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں ان کی یہ بات انجیل متی میں بھی لکھی ہے جسے نصرانی پڑھتے پڑھاتے اور پھیلاتے ہیں تحریف اور تبدیل کے باوجود اب تک اس میں یہ موجود ہے کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں نہ جانا بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کی طرف جانا۔ (انجیل متی باب ۱۰) نیز یہ بھی فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا (انجیل متی باب ۱۵)

یہ نصاریٰ نے جو دنیا بھر میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے دینِ شرک کو پھیلاتے ہیں اس میں اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں جنہوں نے فرمایا تھا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں اور تم کسی اور شہر کی طرف نہ جانا۔

اپنے دعوے کے مطابق یہودی بنی اسرائیل ہیں وہ تو اپنے دینی معاملے میں نصاریٰ کو پاس پھٹکنے ہی نہیں دیتے بلکہ اپنی مکاریوں سے سیاستِ باطلہ میں نصاریٰ کو استعمال کر لیتے ہیں اور نصاریٰ اپنے رسول کے خلاف غیر قوموں میں اور خاص کر مسلمانوں میں شرکیہ مذہب کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اور مال کا لالچ دے کر اپنے شرکیہ دین کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دینِ حق پھیلانے کے لئے لالچ نہیں دیا جاتا جو لوگ اپنے مذہب کو ثابت کرنے میں دلیل سے عاجز ہیں وہ لوگ کھانے پینے کی چند چیزیں مفت تقسیم کر کے غیر قوموں کو قریب کرتے ہیں پھر اپنا دینِ شرک سکھلاتے ہیں۔ **قاتلهم الله انی یؤفکون۔**

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا کہ میرے بعد احمد نامی ایک رسول آئیں گے:

دوسری بات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ ایک ایسے رسول کی بشارت دے رہا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہوگا اس میں انہوں نے اپنے بعد آخر الانبیاء احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نام ہیں آپ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور ماحی ہوں میرے ذریعہ اللہ کفر کو مٹائے گا اور حاشر ہوں اللہ تعالیٰ لوگوں کو میرے قبر سے نکلنے کے بعد قبروں سے نکالے گا اور میں عاقب بھی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (رواہ مسلم صفحہ۲۶۱: ج۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں عیسیٰ بن مریم سے قریب تر ہوں دنیا میں بھی آخرت میں بھی، تمام انبیاء کرام آپس میں ایسے ہیں جیسے باپ شریک بھائی ہوں اور مائیں مختلف ہوں ان سب کا دین ایک ہی ہے (یعنی توحید اور رسالت اور وقوعِ قیامت پر ایمان لانا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ ہمارے اور عیسیٰ بن مریم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ۲۶۵: ج۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بشارت دی تھی وہ ان کے ماننے والے راہبوں میں مشہور تھی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو متعدد راہبوں میں سے (جن کے پاس یکے بعد دیگرے وقت گزارا) آخری راہب نے نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی جو ان کے درمیان آپس میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اسی لئے وہ مدینہ منورہ میں آ کر بس گئے تھے اور اس راہب نے سرور عالم ﷺ کی جو علامات بتائی تھیں وہ علامات دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے جس کی تفصیل ہم سورہ اعراف کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں۔

توراۃ وانجیل میں خاتم الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت

نزول قرآن کے وقت بھی یہود و نصاریٰ توریت اور انجیل میں رسول اللہ ﷺ کے آنے کی خبر پاتے تھے جسے اعراف کی آیت کریمہ **اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ** میں بیان فرمایا ہے۔

موجودہ انجیلوں میں (جن میں نصرانی بہت کچھ ادل بدل کر چکے ہیں) بھی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ قرآن مجید کی تصریح کے بعد کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک رسول کے آنے کی بشارت دی تھی اس کی تصدیق کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے قرآن کا فرمان ہی کافی ہے، تاہم نصرانیوں پر خود انہیں کی کتاب سے حجت قائم کرنے کے لئے انجیل یوحنا کی یہ عبارت پڑھ لینا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے'' (۱۴/ ۱۵۔۱۶) اور فرمایا ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا'' (۱۶/ ۷)۔ (یہ ترجمہ ''بائبل فور دی ورلڈ'' امریکہ کی طرف سے ۱۹۷۵ء میں زندہ کلام کے نام سے شائع ہوا)۔

لفظ فارقلیط کے بارے میں ضروری وضاحت: ہم نے بلفظہ نصاریٰ کا اپنا کیا ہوا ترجمہ اوپر نقل کر دیا ہے تینوں عبارتوں میں جو لفظ ''مددگار'' آیا ہے یہ لفظ ''فارقلیط'' کا ترجمہ کیا گیا ہے جو انجیلوں کے پرانے ایڈیشنوں میں پایا جاتا ہے، اس لفظ کا ترجمہ ''احمد'' کے معنی کے قریب تر ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے آپ کے فرمان کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا، الفاظ بدل گئے لیکن مفہوم باقی رہا۔ جب نصاریٰ نے دیکھا کہ ان الفاظ سے ہم پر حجت قائم ہوتی ہے تو انہوں نے فارقلیط کا لفظ چھوڑ کر اس کی جگہ ''مددگار'' کا ترجمہ کر دیا۔ اصل لفظ پیرکلوطوس تھا جس کا معنی محمد اور احمد کے قریب ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پیشین گوئی دوسرے الفاظ میں دی ہے جو انجیل یوحنا کے سولھویں باب میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔ ''لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا''۔ یہ پیشینگوئی پوری طرح سیدنا محمد ﷺ پر صادق آتی ہے۔

یہود و نصاریٰ اپنی کتابوں کی تحریف میں مہارت رکھتے ہی ہیں انہوں نے لفظ پیرکلوطوس کا ترجمہ کبھی ''مددگار'' اور کبھی شافع کر دیا لیکن ان کی تغییر اور تحریف سے ان کو کفر پر جمے رہنے کے بارے میں کچھ فائدہ نہ پہنچا کیونکہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ احمد بھی تھے اور محمد بھی تھے اور اپنے صفات کے اعتبار سے معین اور مددگار بھی تھے اور روز محشر میں اہل ایمان کے شافع ہوں گے پھر نصاریٰ سے یہ بھی سوال ہے کہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق نہیں ہیں تو کون شخص ہے جس کی انہوں نے بشارت دی تھی اگر کٹ حجتی کے طور پر کسی شخصیت کا نام جھوٹ موٹ پیش کر دیں تو ان سے یہ سوال ہے کہ اگر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

کی بعثت سے پہلے اس بشارت کا مصداق ہو چکا تھا تو یہود و نصاریٰ نبی آخر الزماں علیہ السلام کی بعثت کے کیوں منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہوگئی تو نصرانی بادشاہوں اور راہبوں نے اسی بشارت کے مطابق جو انکے یہاں چلی آ رہی تھی آپ کو کیوں اللہ کا رسول تسلیم کیا۔ شاہ روم ہرقل اور ملک حبشہ کا قصہ مشہور ہی ہے اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک راہب نے کہا تھا اب نبی آخر الزماں کا انتظار کرو نجران کے نصاریٰ آئے وہ بھی قائل ہو کر چلے گئے اور یہ بھی سب پر واضح ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد یہود و نصاریٰ کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق کے لئے کسی شخص کی نہ تلاش ہے اور نہ انتظار ہے مزید تشریح اور توضیح کے لئے ''اظہار الحق'' عربی از مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور اس کا اردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' کا مطالعہ کیا جائے۔

جھوٹے مدعی نبوت کی گمراہی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد جس نبی کے آنے کی خبر دی تھی اس کا نام احمد بتایا اور اس رسولؐ کی بعثت ہوگئی جس کے بارے میں قرآن کریم نے بتا دیا کہ وہ خاتم النبیین ہے اور خود صاحبِ رسالت علیہ السلام نے بھی فرما دیا **انا خاتم النبیین لا نبی بعدی** لیکن غیر منقسم ہندوستان میں بعض جھوٹے مدعیانِ نبوت نے آیت شریفہ کا مصداق اپنے آپ کو بنا دیا اور آیت کے مضمون میں تحریف کر دی۔ دعوائے نبوت سے بھی یہ شخص کافر ہوا اور سورۃ الاحزاب کی آیت میں جو محمد رسول اللہ علیہ السلام کو خاتم النبیین فرمایا اس کی تحریف سے بھی کافر ہوا اور سورۃ الصف میں جو احمد مجتبیٰ رسول مصطفیٰ علیہ السلام کی بشارت دی اپنی ذات کو اس کا مصداق قرار دے کر بھی کفر در کفر کا مرتکب بن گیا۔ خود سورۃ الصف کی آیت میں آگے موجود ہے **فَلَمَّا جَآءَهُم بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ** جب وہ رسول آ گیا جس کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے اس میں ایک تو **جَآءَ** ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اس وقت اس رسول کی بعثت ہو چکی تھی اور لوگوں نے کہا تھا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے دنیا جانتی ہے کہ جس کسی نے بھی احمد مجتبیٰ خاتم النبیین رسول اللہ علیہ السلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ایسے لوگوں کو جھوٹا بھی کہا گیا اور ان کے بارے میں دوسری باتیں بھی کہی گئیں لیکن جادوگر نہیں کہا گیا۔

جو شخص محمد رسول اللہ علیہ السلام کے بعد اپنے آپ کو نبی بتاتا ہے اور اپنے کو سورۃ صف کا مصداق بتاتا ہے اس کا جھوٹا ہونا آیت کریمہ کے الفاظ **فَلَمَّا جَآءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ** سے ظاہر ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ اس شخص کا نام احمد نہیں تھا ہم نے اس کے نام سے تفسیر کو ملوث کرنا نہیں چاہا اس لئے نام ذکر نہیں کیا، جاننے والے جانتے ہیں وہ کون شخص ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو، اور اللہ ظالموں کو ہدایت

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

نہیں دیتا یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے گا۔ گو کافر کیسے ہی

الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

ناخوش ہوں وہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں

اللہ کا نور پورا ہو کر رہے گا اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ جنہیں اسلام قبول کرنا نہیں ہے یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کے پھونکوں سے بجھادیں ان کے ارادوں سے کچھ نہ ہوگا اسلام بڑھ چڑھ کر رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا فرمادے گا کافروں کو برا لگتا رہے انہیں اسلام کی ترقی اور اس کا عروج گوارا نہیں ان کی اس ناگواری کا اسلام کی رفعت اور بلندی پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

جب سے دنیا میں اسلام آیا ہے۔ دشمنانِ اسلام نے اس کی روشنی کو بجھانے اور اس کی ترقی کو روکنے کے لئے کبھی بھی کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ اور آج بھی کفار اعداء دین اسلام اور مسلمان کے مٹانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں لیکن الحمد للہ اسلام بڑھ رہا ہے خود دشمنوں کے ممالک میں اسلام پھیل رہا ہے اور ان کے افراد برابر مسلمان ہو رہے ہیں اپنی آنکھوں سے اسلام کا پھیلاؤ دیکھ رہے ہیں اور اسلام کو روکنے کے لئے کروڑوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں مگر اسلام بڑھتا چڑھتا چلا جارہا ہے۔

مفسر قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا سبب نزول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چالیس دن تک وحی نہیں آئی اس پر کعب بن اشرف یہودی نے کہا کہ اے یہود یو خوش ہو جاؤ اللہ نے محمد کا نور بجھادیا اور اندازہ یہ ہے کہ ان کا یہ دین پورا نہ ہوگا اس پر رسول اللہ ﷺ کو رنج ہوا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس کے بعد وحی کا تسلسل جاری ہوگیا۔

مفسر قرطبی نے اس بارے میں پانچ قول نقل کئے ہیں کہ نور اللہ سے کیا مراد ہے؟

۱۔ قرآن مراد ہے ۲۔ دینِ اسلام مراد ہے ۳۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مراد ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے دلائل مراد ہیں۔ ۵۔ جس طرح کوئی شخص اپنے منہ سے سورج کے نور کو بجھانا چاہے تو نہیں بجھا سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کو ختم کرنے اور اس کے پھیلاؤ کو روکنے والے اور اس کا ارادہ کرنے والے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

(وھذا راجع الی القول الثانی)۔

تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے اس کے مطابق ہو کر رہے گا۔ مشرکین جو اس کے لئے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلام نہ پھیلے ان کی ناگواری کے باوجود اسلام پھیل کر رہے گا۔

مزید تفصیل اور تشریح کے لئے سورۃ توبہ رکوع نمبر ۳ کی تفسیر دیکھی جائے۔ (انوار البیان صفحہ ۲۶۰: جلد ۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ⑩ تُؤْمِنُونَ

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچالے۔ تم لوگ

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ

اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے یہ بڑی اور عمدہ کامیابی ہے اور ایک دوسری نعمت بھی ہے جسے تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد

وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

او جلد فتح یابی اور آپ مومنین کو بشارت دیجئے

ایسی تجارت کی بشارت جو عذاب الیم سے نجات کا ذریعہ اور جنت ملنے کا وسیلہ ہو جائے

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کو آخرت کی تجارت کی طرف توجہ دلائی ہے دنیا میں کھانے پینے پہننے اور دیگر ضروریات کے لئے کسب مال کی ضرورت ہوتی ہے جسے بہت سے لوگ تجارت کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں اس میں بہت سے لوگ بہت زیادہ انہاک کر لیتے ہیں موت اور موت کے بعد کے حالات اور آخرت کے اجر و ثواب میں دھیان ہی نہیں دیتے زیادہ مال کی طلب میں ایسے لگتے ہیں کہ آخرت میں کام دینے والے اعمال کو بھول ہی جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی تجارت اور سوداگری نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دیدے، تجارت میں دونوں چیزیں دیکھی جاتی ہیں اول یہ کہ نفع ہو دوسرے یہ کہ نقصان نہ ہو اور دوسری چیز کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے اور یہ مقولہ تو مشہور ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت سے بہتر ہے لہٰذا عذاب سے نجات دینے کو پہلے بیان فرمایا بعد میں جنت کے داخلہ کی بشارت دی۔

دونوں چیزوں میں کامیاب ہونے کا یہ راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے بہتر ہے جب یہ عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا (جو عذاب کا سبب ہیں) اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ عمدہ اچھے رہنے کے گھروں میں رہنا نصیب ہوگا جو اقامت کرنے کی جنتوں میں ہوں گے یعنی وہ جنتیں ایسی ہوں گی جہاں رہنا ہی رہنا ہوگا وہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا اور وہاں سے نکلنا بھی نہ چاہیں گے اسی کو سورہ کہف میں فرمایا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا اور سورہ فاطر میں اہلِ جنت کا قول نقل فرمایا: اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۞ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ. (بیشک ہمارا پروردگار غفور ہے شکور ہے جس نے اپنے فضل سے ہمیں رہنے کی جگہ میں نازل فرمایا)۔

معلوم ہو گیا کہ ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ (جو نفس سے جہاد کرنے کو بھی شامل ہے) عذابِ الیم سے بچانے کا بھی ذریعہ ہیں اور جنت دلانے کا بھی دنیا کی تجارت اس نعمتِ عظیمہ کے سامنے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتی وہ تو فنا ہونے والی چیز ہے اور گناہوں کے ذریعہ جو دنیا حاصل کی جائے وہ تو آخرت میں وبال بھی ہے اور عذاب بھی لہٰذا مومن بندے آخرت کی تجارت میں لگیں وہاں کی کامیابی سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے اسی کو فرمایا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ مفسر قرطبی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کونسی تجارت محبوب ہے تو میں وہ

تجارت اختیار کرلیتا اس پر آیت بالا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ نازل ہوئی سورہ توبہ میں اسی تجارت کو فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ میں اور سورہ فاطر میں یَرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ میں فرمایا ہے۔ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا (اور تمہارے لئے ایک نفع کی چیز اور بھی ہے یعنی اللہ کی مدد اور زمانہ قریب میں حاصل ہونے والی فتح) اس میں یہ بتادیا کہ جو مومن اور مجاہد ہوں ان کی تجارت کا نفع صرف آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کے منافع ملیں گے جنہیں تم پسند کرتے ہو اس میں سے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوگی اور دوسرے یہ کہ عنقریب فتح نصیب ہوگی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس سے فارس اور روم فتح ہونا مراد ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فتح مکہ مراد ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور مومنین کو خوشخبری دے دو) اس میں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہونے پر پیشگی خوشخبری دی گئی ان بشارتوں کا بارہا ظہور ہو چکا ہے اگر مسلمان آج مذکورہ تجارت میں لگیں تو پھر مدد اور فتح کا ظہور ہو)۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہوجاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا کون

اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ بَنِیْٓ

لوگ اللہ کی طرف میرے مددگار ہیں حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں سو بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت ایمان لے آئی

اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ﴿۱۴﴾

اور دوسری جماعت نے کفر اختیار کرلیا، سو جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کے دشمن کے مقابلہ میں ان کی مدد کی سو وہ غالب ہوگئے

اللہ کے انصار اور مددگار بن جاؤ

تفسیر: شروع سورت میں جہاد کرنے کا ذکر تھا پھر درمیان سورت میں بھی اس کی فضیلت سنائی اب یہاں سورت کے ختم پر بھی دینِ اسلام کی بلندی کے لئے نصرت کرنے کا حکم فرمایا اہلِ ایمان کے لئے ایسے احوال سامنے آتے رہتے ہیں کہ ہجرت اور نصرت اور جہاد کی ضرورت پڑتی ہے ان تینوں چیزوں پر عمل کرنے سے دین اسلام کی ترقی ہوتی ہے اور اس کی دعوت آگے بڑھتی رہی ہے اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں لیکن جو لوگ اس کے دین کو بلند کرنے کی محنت کریں۔ انہیں محض اپنے فضل سے مبارک لقب یعنی لفظ ''اَنْصَارُ اللّٰہِ'' سے یاد فرمایا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی ان کا زمانہ بنسبت دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے قریب تھا اور ان کی دعوت و تبلیغ کے بارے میں نزولِ قرآن کے وقت جو لوگ موجود تھے وہ کچھ نہ کچھ اس کا علم رکھتے تھے خاص کر جو راہب بنے ہوئے تھے ان سے ملنے جلنے والے افراد کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا کچھ نہ کچھ حال معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اکثر بنی اسرائیل نے ان کی نبوت کا انکار کیا تھوڑے سے آدمیوں نے (جنہیں حواری کہا جاتا تھا) ایمان قبول کیا اور آپ کا ساتھ دیا، اور آپ کا پیغام لے کر مختلف اطراف و اکناف چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے امتِ حاضرہ کے اہلِ ایمان سے خطاب فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ کے مددگار ہو جاؤ یعنی اس کے دین کی خدمت کرو جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی طرف یعنی اللہ کے دین کی دعوت میں لگنے

کی طرف میرا ساتھ دیتے ہیں؟ حواریوں نے جواب میں کہا کہ ہم انصار اللہ ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے کام میں آپ کی مدد کریں گے۔
مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حواریین نے یہ کہا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں بلادِ شام میں داعی بنا کر بھیج دیا۔
حواری کون تھے اور وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے بارے میں ہم سورۃ آلِ عمران میں لکھ چکے ہیں (انوار البیان صفحہ ۶۴: ج ۲)۔
بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی (یہ تھوڑے سے لوگ تھے) اور ایک جماعت نے کفر اختیار کیا۔
جسے **فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ** میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نسبت رکھنے والوں کی تین جماعتیں: معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا تو لوگوں میں اختلاف ہوگیا ایک جماعت نے کہا کہ عیسیٰ عین اللہ تھے وہ خود سے اوپر چلے گئے اور ایک جماعت نے کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے اللہ نے انہیں اٹھالیا اور تیسری جماعت نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے اللہ نے ان کو اوپر اٹھالیا یہ تین فرقے تھے اور ہر فرقے کے ماننے والے لوگ تھے، جنگ ہوئی تو دونوں کافر فرقے مومنین کی جماعت پر غالب آگئے پھر جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ایمان والی جماعت کفر والی جماعت پر غالب ہوگئی اس کو **فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ** میں بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ہی حق ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے جو اہلِ ایمان تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرمائی اور وہ لوگ دلیل سے غالب آگئے اور یہ بات تائیدِ قرآنی سے صحیح ثابت ہوگئی کہ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۳۴۹: ج ۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد ان کے ماننے والوں کا کفر اختیار کرنے والے فرقوں پر غالب آنے کا چونکہ تاریخ میں کوئی واقعہ ماثور اور منقول نہیں ہے اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے **فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ** کا یہ مطلب بتایا کہ اہلِ ایمان اہلِ کفر پر دلیل اور حجت سے غالب ہوگئے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع بھی نصیب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن میں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کو لے کر کافر فرقوں پر حجت کے ذریعہ غلبہ بھی پالیا۔

یہ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک تھا، اس کے بعد جو نصاریٰ کے فرقوں سے مسلمانوں کی صلیبی جنگیں ہوئیں ان میں تو اہلِ ایمان کو تلوار کے ذریعہ بھی غلبہ حاصل ہوگیا۔

فللّٰه الحمد و النعمة علی دین الاسلام و هزم اعداء الاسلام وهذا آخر تفسير سورة الصف والحمدلله رب العلمين والصلوٰة علی جميع الانبياء والمرسلين و علی من تبعهم باحسان الی يوم الدين

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی جس میں گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ

اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں جو بادشاہ ہے، بہت زیادہ پاک ہے، غالب ہے، حکمت والا ہے، وہ ہی ہے جس نے

بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ

بے پڑھے لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور

اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

بلاشبہ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہی میں تھے، اور دوسروں کے لئے بھی جو ان میں سے ہونے والے ہیں، جو ان کے ساتھ نہیں ملے، اور وہ عزیز ہے،

الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۴﴾

حکیم ہے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے

اللہ تعالیٰ قدوس ہے عزیز ہے، حکیم ہے اس نے تعلیم و تزکیہ کے لئے بے پڑھے لوگوں میں اپنا رسول بھیجا

تفسیر: یہاں سے سورۃ الجمعہ شروع ہو رہی ہے۔ پہلے رکوع میں ارشاد فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی چار صفات جلیلہ بیان فرمائیں یعنی **اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ** جس کا ترجمہ اور مطلب سورۃ الحشر کے ختم کے قریب آیت کریمہ **هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے۔

مزید جو دو صفات بیان فرمائیں ان میں ایک **اَلْعَزِيْزُ** اور دوسری **اَلْحَكِيْمُ** ہے ان دونوں صفات کا تذکرہ بار بار قرآن مجید میں فرمایا ہے، **اَلْعَزِيْزُ** عزت والا زبردست غلبہ والا اور **اَلْحَكِيْمُ** حکمت والا۔ ان دونوں صفات کے بار بار بیان کرنے میں مخلوق کو اس بات پر تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غالب ہے اس کی گرفت سے نکل کر کوئی کہیں نہیں جا سکتا اور یہ کہ وہ حکمت والا ہے اس کا کوئی فعل اور کوئی امر حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کا تذکرہ فرمایا، اور وہ یہ ہے کہ اس نے **اُمِّيّٖنَ** (یعنی بے پڑھے لوگوں) میں ایک رسول بھیجا جو انہیں میں سے ہے، امیین سے عرب مراد ہیں جن میں پڑھنے لکھنے کا بہت کم رواج تھا اگرچہ شاعری کرتے رہتے تھے۔ (جس کے لئے علم سے متصف ہونا ضروری نہیں ہے)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ** یعنی ہم (عرب) بے پڑھے لوگ ہیں **لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ** نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب جانتے ہیں، اہل مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی وہ امی تھے اور خود آپ بھی امی تھے جیسا کہ آیت بالا

میں رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اور سورۃ الاعراف میں فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ فرمایا ہے اور سورہ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل والے شبہ لگا لیتے)۔

اللہ تعالیٰ نے امیین میں رسول بھیجا جو خود بھی امی تھا اس امی پر کروڑوں پڑھے لکھے قربان جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب لایا کہ اس کے مقابلہ میں بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء ایک چھوٹی سی سورۃ بنا کر لانے سے بھی عاجز رہے اور عاجز ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس رسول کو سارے عالم کیلئے ہادی اور رحمت بنا کر بھیجا بڑے بڑے اہل علم نے اس رسول امی ﷺ کے دامن میں پناہ لی، اور آپ کے سامنے علمی ہتھیار ڈال دیئے، اس رسول عظیم کی بعثت کا تذکرہ فرما کر اس کی صفات بھی بیان فرمائیں۔

اولاً: فرمایا رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی انہیں امیین میں سے رسول بھیجا۔

ثانیاً: فرمایا کہ وہ رسول ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے یعنی پڑھ کر سناتا ہے۔

سوم: یہ فرمایا کہ وہ ان کا تزکیہ فرماتا ہے۔ اس سے نفوس کا تزکیہ کرنا مراد ہے انسانوں کے نفوس میں جو رذائل اور بری صفات اور عادات ہوتی ہیں ان سے پاک کرنے کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔

چوتھی: صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ رسول کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

مفسرین نے فرمایا کہ کتاب سے قرآن مجید اور حکمت سے فہم قرآن مراد ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ کا سکھانا اور اس کے معانی اور مفاہیم اور مطالب کا سمجھانا۔ یہ سب حکمت میں شامل ہے۔ مزید توضیح اور تفسیر کے لئے سورہ بقرہ کی آیت رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ کا مطالعہ کیا جائے (دیکھو انوار البیان جلد ۱: صفحہ ۲۱۹ تا ۲۲۲)

پھر فرمایا وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یہ امی لوگ جن میں رسول امی ﷺ کو بھیجا اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے مشرک تھے بت پرست تھے۔ قتل وقتال اور لوٹ مار میں لگے رہتے تھے، صاحب رسالت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے اہلِ عرب میں ہدایت بھی آ گئی برے اعمال بھی چھوٹ گئے اور چونکہ آپ کی بعثت عمومی ہے اس لئے آپ کی دعوت وتبلیغ پورے عالم میں پھیل گئی۔

اہلِ عجم کی اسلام کی خدمتیں: جب حدودِ عرب سے نکل کر آپ کا لایا ہوا پیغام توحید شرقاً غرباً عجم میں پھیل گیا تو عجمیوں نے قرآن کو لیا حفظ کیا قرائتیں اور روایتیں محفوظ کیں، طرق ادا سیکھے، معانی سمجھے، قرآن کی تفسیریں لکھیں اور احکام قرآن پر کتابیں تالیف کیں، قرآن کے مواعظ کو امت میں پھیلایا حتیٰ کہ کثیر تعداد میں علماء وصلحاء وجود میں آ گئے اہلِ عرب کے بعد اہلِ عجم کا خدماتِ اسلام میں بہت بڑا حصہ ہے اسی کو فرمایا وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (اور ان امیین کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف بھی ان ہی کو رسول بنا کر بھیجا جو ابھی تک امیین سے نہیں ملے (یعنی ان تک اسلام نہیں پہنچا یا انہوں نے ابھی قبول نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے اس وقت سورۃ الجمعہ نازل ہوئی جس میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے؟ تین بار سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا اس وقت وہاں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے ان پر ہاتھ رکھ دیا (اور اس طرح بتا دیا کہ وہ لوگ ان میں سے ہوں گے) پھر فرمایا اگر ثریا (ستاروں) کے

نزدیک بھی ایمان ہوتو ان میں ایسے لوگ ہوں گے جو وہاں سے لے لیں گے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۲۷: جلد۲)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارس کے رہنے والے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فارس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو یہ لوگ وہاں سے لے لیں گے یہ بطور مثال ہے ان کے علاوہ جو غیر عرب ہیں انہوں نے بھی اسلام کی بہت خدمت کی۔ جب اہل فارس نے ایمان اور قرآن کو چھوڑ دیا اور شیعیت اختیار کر لی اس وقت سے دوسری اقوام نے الحمدللہ تعالیٰ اسلام کو خوب بڑھایا اور طرح طرح سے اس کی خوب خدمات انجام دیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے)۔ **وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ جس کو بھی ایمان کی توفیق دیدے یہ اس کا فضل ہے۔ تمام اہل ایمان اور خاص کر وہ لوگ جو اسلام کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں مومن بنایا اور اسلام کی خدمت میں لگایا۔ فلہ الحمد والمنہ۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ
مثال ان لوگوں کی جنہیں توراۃ اٹھانے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے نہیں اٹھایا گدھے کی سی مثال ہے، جو کتابوں کو لادتا ہے، بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے
الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، آپ کہہ دیجئے اے وہ لوگو جنہوں نے
هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶
یہودیت اختیار کی اگر تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو
وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ
اور یہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں کبھی بھی اس بات کی تمنا نہ کریں گے اور اللہ جانتا ہے ظالموں کو آپ فرما دیجئے کہ بیشک موت جس سے
الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے ملاقات کرے گی پھر تم لوٹا دیئے جاؤ گے غیب اور شہادت کے جاننے والے کی طرف
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸
سو وہ تمہیں تمہارے اعمال سے باخبر کر دے گا

یہودیوں کی ایک مثال اور ان سے خطاب کہ جس موت سے بھاگتے ہو وہ ضرور آ کر رہے گی

تفسیر: ان آیات میں یہود کی بے دینی اور ان کی دنیا و آخرت کی بدحالی بیان فرمائی ہے، یہود حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جن کا لقب اسرائیل تھا اور اسی مناسبت سے یہودیوں کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان میں جو انبیاء بھیجے ان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام زیادہ معروف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے توراۃ شریف عطا

فرمائی، جس میں یہودیوں کے لئے احکام تھے، ان میں اہل علم بھی تھے اور اہلِ عمل بھی جیسا کہ سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے۔ یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰهِ وَکَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ۔

(انبیاء جو کہ مطیع تھے اس کے موافق حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے)۔

کچھ عرصہ تو یہودیوں کے علماء توراۃ شریف کے مطابق چلتے رہے اور قوم کو چلاتے رہے پھر توراۃ شریف کی تعلیمات کو چھوڑ دیا بلکہ ادل بدل کر دیا اور اس کے احکام پر عمل پیرا نہ ہوئے۔ جو علم تھا اس پر عمل نہ رہا تو حامل کتاب ہونا ان کے لئے فائدہ مند نہ رہا ان لوگوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں سے توراۃ اٹھوائی گئی یعنی انہیں حکم دیا گیا کہ احکام توراۃ پر عمل کرو پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا (اور یہ دعوے کرتے رہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے) ان کی ایسی مثال ہے جیسے گدھے پر کتابیں لاد دی گئی ہوں وہ کتابیں لادے پھرتا ہے اور اس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ میرے اوپر کیا ہے؟

یہود کی بدعملی اور اپنے بارے میں خوش گمانی: یہود کے پاس توراۃ شریف تھی لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی قتل کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تکذیب کی اور ان کے قتل کے در پے ہو گئے پھر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ کو پہچان بھی لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا توراۃ و انجیل میں ذکر ہے پھر بھی ایمان نہ لائے۔

ان کی اس بدحالی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا) وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

یہودیوں کا اپنے بارے میں یہ گمان تھا کہ ہم اللہ کے دوست ہیں اور ہمارے سوا اللہ کا کوئی دوست نہیں بلکہ یوں کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں) اور یوں بھی کہتے تھے کہ دار الآخرۃ صرف ہمارے لئے ہے ان کی ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: قُلْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (آپ فرما دیجئے کہ اے یہودیو اگر تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ اس دوستی میں شریک نہیں تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں پکا یقین ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہو اور اس میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں ہے تو اس دنیا والی زندگی میں کیوں تکلیفیں اٹھا رہے ہو، اگر اپنے کو حق پر سمجھتے ہو اور یہ خیال کرتے ہو کہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں جلد از جلد مر جانا چاہئے تاکہ دنیا چھٹے اور جنت ملے جبکہ تم جانتے اور مانتے ہو کہ جنت کی زندگی اس دنیا کی زندگی سے بہت زیادہ بہتر ہے۔ تمہیں جلد سے جلد مر کر جنت کے لئے فکر مند ہونا چاہئے اگر یوں کہو کہ موت کا لانا اپنے قبضہ میں نہیں ہے تو موت کی تمنا ہی کر کے دکھا دو اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو۔ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ (اور یہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے)

یعنی یہ ان کے زبانی دعوے ہیں کہ جنت ہمارے ہی لئے ہے اور ہم اللہ کے ولی ہیں۔ لیکن کفر اور اعمال بد کی وجہ سے یہ موت سے ڈرتے ہیں یہ موت کی تمنا کرنے والے نہیں ہیں سورۃ البقرۃ میں فرمایا ہے: وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ (اور آپ ان کو ایسا پائیں گے کہ لوگوں میں زندگی کے سب سے زیادہ حریص ہیں) یہ یقین کرتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد عذاب میں گرفتار ہوں گے لہٰذا جتنی بھی دنیاوی زندگی مل جائے بہتر ہے اپنے بارے میں اللہ کے اولیاء اور احباء ہونا محض زبانی دعویٰ ہے۔

شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ اگر کسی مسلمان سے کہا جائے کہ تو موت کی تمنا کر تو وہ بھی ایسی تمنا نہیں کرے گا پھر یہ حق اور باطل کا معیار کیسے ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں سے جو بات کی جارہی تھی وہ ان کے اس دعوے سے متعلق ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں دوست ہیں اور پیارے ہیں جنت میں صرف ہم ہی کو جانا ہے۔ان کے اس دعوے کا الزامی جواب دیا گیا ہے انہیں اپنے دعویٰ کے مطابق عقلی طور پر بغیر کسی جھجک کے فوری طور پر مرجانا چاہئے تاکہ اپنے عقیدہ کے مطابق مرتے ہی جنت میں چلے جائیں، اگر مر نہیں سکتے تو مرنے کی تمنا ہی کریں۔

رہا مومنین اہلِ اسلام کا معاملہ تو ان میں سے کسی کو اگر موت سے کراہت ہے تو وہ طبعی امر ہے پھر احادیث شریفہ میں موت کی تمنا کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے، مومن کے زندہ رہنے میں خیر ہے اگر نیک آدمی ہے تو اچھا ہے اور زیادہ اچھے عمل کرلے گا اور اگر گناہوں کی زندگی گزار رہا ہے تو ہوسکتا ہے کہ توبہ کی توفیق ہوجائے، البتہ جس نے قصداً کفر اختیار کیا ہے اور کفر پر جما ہوا ہے اور کفر پر ہی رہنے کا ارادہ ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ کفر کے باوجود مجھے جنت ملے گی اور مجھے اور میرے ساتھیوں کے سوا کسی اور کو نہ ملے گی اس سے وہی خطاب ہے جو یہودیوں سے ہے۔

یاد رہے کہ بعض یہودی اپنے بارے میں دوزخ میں جانے کا بھی یقین رکھتے تھے لیکن یوں کہتے تھے کہ ہم چند دن دوزخ میں رہیں گے پھر جنت میں داخل کردیئے جائیں گے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں ان یہودیوں سے خطاب ہے جو اپنے بارے میں اولیاء اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم کو مرتے ہی جنت میں داخل ہونا ہے۔

اسی طرح ایک مضمون سورۃ البقرہ میں بھی گزرا ہے وہاں ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا تھا کہ اس میں یہودیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آجاؤ ہم مل کر موت کی دعاء کریں کہ دونوں فریق میں جو بھی جھوٹا ہے وہ فوراً مرجائے جب یہ بات سامنے آئی تو وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اور راہ فرار اختیار کرلی۔ (سورۃ البقرہ ع ۱۱)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ جس موت سے تم بھاگتے ہو اس سے تمہاری ملاقات ضرور ہوگی۔ موت سے بھاگنے کی کوئی صورت نہیں ہر ایک کی اجل مقرر ہے جو شخص جہاں بھی ہوگا اپنے وقت پر اسے موت وہیں آجائے گی اور ضرور آئے گی۔ سورہ نساء میں فرمایا: اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں ضرور پکڑ لے گی اگرچہ تم مضبوط برجوں میں ہو) موت سے کسی کو چھٹکارہ نہیں اور زیادہ عمر ہوجانے سے عذاب سے بچاؤ نہیں، جو لوگ بحالت کفر مرجائیں گے انہیں جہنم میں داخل ہونا ہے اور عذاب ضرور ہونا ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ (ان کا ایک ایک فرد یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش اسے ہزار سال کی عمر دیدی جائے) وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ (اور حال یہ ہے کہ اسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر ہزار سال کردی جائے) دیر سویر ہر ایک کو موت آنی ہی ہے اور اہلِ کفر کے لئے جو عذاب طے شدہ ہے وہ انہیں ملنا ہی ہے جو دائمی عذاب ہوگا۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پھر تم اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے سو وہ تمہیں بتادے گا جو عمل تم دنیا والی زندگی میں کیا کرتے تھے) جب قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ کفر کی سزا دائمی عذاب ہے تو سمجھداری کا تقاضا یہ ہے کہ تم ایمان قبول کرلو، کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ میرے اعمال کا کسے پتہ ہے۔ جس نے پیدا کیا اسے سب علم ہے وہ غیب اور شہادہ سب جانتا ہے وہ سب بتادے گا کہ کس نے کیا کیا ہے پھر وہ اپنے علم کے مطابق اعمال کی جزا سزا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو، اور بیع کو چھوڑ

الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٩ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي

دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پھر جب نماز کی ادائیگی ہو چکے تو زمین میں پھیل

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝١٠

جاؤ اور اللہ کے فضل سے تلاش کرو اور اللہ کو خوب زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

جمعہ کی اذان ہو جائے تو کاروبار چھوڑ دو اور نماز کے لئے روانہ ہو جاؤ

تفسیر: ان آیات میں جمعہ کی فرضیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے پکارا جائے یعنی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو۔ نماز جمعہ سے پہلے جو خطبہ ہوتا ہے اسے ذکر اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کو سننے کے لئے دوڑ جانے کا حکم دیا ہے دوڑ جانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ بھاگ کر جاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی حاضری میں جلدی کرو۔ اور خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاؤ۔

وَذَرُوا الْبَيْعَ (اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو) خرید فروخت بطور مثال فرمایا ہے کیونکہ تاجر لوگ اپنی سوداگری کے دھندوں کی وجہ سے جمعہ کی اذان سن کے مسجد کی حاضری دینے میں کچے پڑ جاتے ہیں اور دنیاوی نفع سامنے ہونے کی وجہ سے خرید و فروخت میں لگے رہتے ہیں اور کاروبار بند کرنے کے لئے طبیعتیں آمادہ نہیں ہوتیں۔ اس لئے تنبیہ فرمائی۔

دنیاوی نفع حاصل کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے اور بہت سے لوگ صرف آدھا تہائی خطبہ سن لیتے ہیں۔ اس لئے صاف صاف اعلان فرمادیا۔ **ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** (یہ جمعہ کی حاضری تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)۔ نزول قرآن کے وقت صرف ایک ہی اذان تھی جو امام کے منبر پر چڑھنے کے بعد دی جاتی تھی اس زمانہ کے لوگ رغبت سے نماز کے لئے پہلے سے حاضر رہتے تھے کوئی اکادکارہ گیا تو اذان سن کر حاضر ہو جاتا تھا۔

حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں ایسا ہی رہا۔ پھر جب نمازیوں کی کثرت ہو گئی تو خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان خطبہ سے پہلے ایک اور اذان جاری کردی جو مسجد سے ذرا دور بازار میں مقام زوراء پر ہوتی تھی (صحیح بخاری صفحہ ۱۲۴) اس وقت سے یہ پہلی اذان بھی جاری ہے علماء نے فرمایا کہ کاروبار چھوڑ کر جمعہ کے لئے حاضر ہونا اب اسی اذان اول سے متعلق ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ خلفاء راشدین میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين** (تم پر میری سنت اور میرے خلفائے مہدیین کی سنت کا لازم پکڑنا ضروری ہے) فرمایا ہے اس لئے ان کا اتباع بھی لازم ہے۔

جمعہ کے فضائل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آیا اس کا نام پہلے اور جو بعد میں آیا اس کا نام بعد میں لوگوں کی آمد کے اعتبار سے نام لکھتے رہتے ہیں پھر فرمایا کہ جو شخص دوپہر کا وقت شروع ہوتے ہی جمعہ کے لئے روانہ ہو گیا اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ گویا

اس نے بدنہ یعنی اونٹ کی ہدی پیش کی پھر جو اس کے بعد آیا اس کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے گائے کی ہدی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا اس نے مینڈھا ھدی میں پیش کیا اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے جیسا کہ اس نے مرغی پیش کی اس کے بعد آنے والے کا ایسا ثواب ہے گویا کہ اس نے انڈا پیش کیا، پھر جب امام (اپنے حجرہ سے ممبر پر آنے کیلئے) نکلتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفوں کو لپیٹ دیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں (رواہ البخاری صفحہ ۱۲۱، ۱۲۷، و مسلم صفحہ ۲۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ میں حاضر ہوا اور کان لگا کر (خطبہ) سنا اور خاموش رہا اس کے لئے اس جمعہ سے لیکر آئندہ جمع تک کے گناہوں کی مغفرت کردی جائے گی اور مزید تین دن کی مغفرت ہوگی (کیونکہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا زیادہ دیا جاتا ہے) پھر فرمایا کہ جس نے کنکریوں کو چھولیا اس نے لغو کام کیا (کیونکہ جو شخص خطبہ کی طرف سے غافل ہوگا وہ ہی کنکریوں سے کھیلے گا یا اسی طرح کا اور کوئی لغو کام کرے گا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۸۳: ج۱)

اس حدیث میں اچھی طرح وضو کر کے آنے کا حکم ہے اور بعض روایات میں غسل کرنے، تیل یا خوشبو لگانے، اور پیدل چل کے جانے اور مسواک کرنے اور اچھے کپڑے پہننے اور امام کے قریب ہو کر خطبہ سننے کی بھی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳)۔

جو شخص خطبہ کے درمیان بات کرنے لگے اس کو یوں کہنا کہ خاموش ہو جا یہ بھی ممنوع ہے (کیونکہ اس میں دھیان سے خطبہ سننے میں فرق آتا ہے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے بات کرنے والے سے یوں کہہ دیا کہ چپ ہو جا تو نے لغو کام کیا (رواہ البخاری صفحہ ۱۲۷: ج۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب دنوں سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے (ان کا وہاں سے نکالا جانا دنیا میں ان کی نسل بڑھنے کا اور ان میں سے انبیاء، شہداء، صدیقین، صالحین اور عام مومنین کے وجود میں آنے کا سبب بنا۔ جنہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوا) اور فرمایا کہ قیامت جمعہ ہی کے دن آئے گی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۸۲: ج۱)

ترکِ جمعہ پر وعید: فائدہ: مریض اور مسافر اور عورت اور غلام پر جمعہ کی حاضری ضروری نہیں ہے۔ بالغ مرد جسے کوئی ایسا مرض لاحق نہ ہو جو نماز کو جانے سے مانع ہو اس پر خوب ہمت کر کے کاروبار چھوڑ کر اور آداب کا خیال کر کے حاضر ہونا لازم ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے رک جائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ لوگ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۸۲: ج ۲)

حضرت ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین جمعہ سستی کی وجہ سے چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۲۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ جمعہ کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں میں نے ان کے بارے میں پکا ارادہ کرلیا ہے کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر پیچھے سے جا کر ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ کی نماز کی حاضری سے رہ جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۲۱)

ساعت اجابت: فائدہ: جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے بعض روایات میں ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سے نماز کے ختم ہونے تک کے درمیان دعا قبول ہونے کا وقت ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۸۱)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جمعہ کے دن جس گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے اس گھڑی کو عصر کے بعد سورج غروب

ہونے تک تلاش کرو۔ (رواہ الترمذی صفحہ ۱۱۱: ج ۱)

سورہ کہف پڑھنے کی فضیلت: فائدہ: جمعہ کے دن سورہ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ تین آیات پڑھ لیا کرے وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ الترمذی صفحہ ۱۱۶: ج ۲) بعض روایات میں جمعہ کے دن سورہ کہف کی آخری آیات پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے، اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھ لی اس کے لئے دونوں جمعوں کے درمیان نور روشن رہے گا یعنی جمعہ کے دن اس سورہ کے پڑھنے کی وجہ سے اس کی قبر میں یا قلب میں ایک ہفتہ کے بقدر روشنی رہے گی۔ (رواہ البیہقی فی دعوات الکبیر)

فائدہ: جمعہ کے دن سورہ ہود پڑھنے کا بھی حکم وارد ہوا ہے (رواہ الدارمی صفحہ ۳۲۶)

جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت: فائدہ: جمعہ کے دن درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیئے یوں تو درود شریف پڑھنے کا ہمیشہ ہی بہت زیادہ ثواب ہے لیکن جمعہ کے دن خاص طور پر آپ ﷺ نے درود پڑھنے کا حکم دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۲۰)

نماز جمعہ کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو: اس کے بعد ارشاد فرمایا **فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ** (الآیۃ) (یعنی جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو)۔ یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے اباحت اور اجازت کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ جب نماز ختم ہو گئی تو مسجد کی حاضری والا کام ختم ہو گیا اب اپنے دنیاوی مشاغل میں لگ سکتے ہو مسجد سے فارغ ہو کر بازار میں جاؤ۔ اللہ کا رزق حاصل کرو۔ جمعہ کی حاضری کیلئے جو کاروبار چھوڑ کر آئے تھے۔ چاہو تو اس میں لگ جاؤ چونکہ یہ امر اباحت ہے اس لئے اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر عصر تک یا مغرب تک مسجد میں رہ جائے اعتکاف، تلاوت ذکر، ساعت اجابت کی تلاش میں وقت گزارے تو یہ بھی اچھی بات ہے۔

خرید و فروخت کی اجازت دینے کے بعد **وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** بھی فرمایا اور یہ بتادیا کہ خرید و فروخت کی مشغولیت یا دوسرے کام اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں، مومن کو ہر حال میں اللہ کے ذکر میں لگا رہنا چاہیئے جو حاصل زندگی ہے، نماز بھی اللہ کے ذکر کے لئے ہے جیسا کہ سورۃ طہٰ میں فرمایا ہے۔ **اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ** (کہ نماز کو میرے ذکر کے لئے قائم کرو) سورۃ العنکبوت میں فرمایا **وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ** (اور یقیناً اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے) سورۃ الاحزاب میں فرمایا ہے۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا** (اے ایمان والو، اللہ کا ذکر کرو خوب زیادہ اور صبح و شام اس کی تسبیح میں مشغول رہو) پھر فرمایا **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہے اس سے قلب کو راحت ہوتی ہے اطمینان حاصل ہوتا ہے چونکہ بازار میں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے خرید و فروخت کی آوازیں لگتی ہیں۔ غفلت کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس لئے طلب رزق کے ساتھ کثرت ذکر کا بھی حکم فرمایا۔ ذیل میں لکھے ہوئے الفاظ پڑھنے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہوا اور اس نے یہ کلمات پڑھے:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ زندہ ہے اسے موت نہ آئے گی، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔ تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیں گے اور دس لاکھ گناہ معاف فرمادیں گے اور دس لاکھ درجے بلند فرمادیں گے اور اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنادیں گے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

اور جب وہ کسی تجارت یا لہو کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ ایسے

مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

لہو اور تجارت سے بدر جہا بہتر ہے اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے

خطبہ چھوڑ کر تجارتی قافلوں کی طرف متوجہ ہونیوالوں کو تنبیہ

تفسیر: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ رہے تھے۔ اچانک (مدینہ منورہ) میں ایک اونٹوں کا قافلہ آ گیا جن پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا (جب حاضرین کے کانوں میں اس کی بھنک پڑی تو) اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور بازار کی طرف چلدیئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ آدمی رہ گئے اس پر آیت کریمہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا ☆ نازل ہوگئی (رواہ البخاری صفحہ ۱۲۸: جلد ا صفحہ ۷۲۷: جلد ۲)

یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور صحیح مسلم صفحہ ۲۸۴ میں اس روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ پڑھنے کو نماز پڑھنے سے تعبیر کر دیا۔ **قال النووی فی شرح مسلم والمراد بالصلوة (فی روایة البخاری) انتظارها فی حال الخطبة کما وقع فی روایات مسلم** (علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔ (بخاری کی روایت میں) لفظ صلوٰۃ سے مراد حالت خطبہ میں اس کا انتظار کرنا ہے (جیسا کہ مسلم کی روایات میں موجود ہے)

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ جو بارہ افراد رہ گئے تھے ان میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے مراسیل ابوداؤد صفحہ ۷ میں مقاتل بن حبان سے نقل کیا ہے کہ پہلے یہ طریقہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز عیدین کی طرح جمعہ کا خطبہ بھی نماز کے بعد دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر خطبہ میں مشغول تھے کہ ایک شخص اندر مسجد میں آیا اور اس نے کہا کہ دحیہ بن خلیفہ اپنی تجارت کا سامان لے کر پہنچ گیا ہے (اس وقت دحیہ مسلمان نہیں ہوئے تھے)

جب وہ باہر سے تجارت کا سامان لے کر آتے تھے تو ان کے گھر والے دف بجا کر استقبال کیا کرتے تھے جو لوگ خطبہ سن رہے تھے وہ یہ سمجھ کر خطبہ چھوڑ کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مسجد سے باہر نکل گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا ☆ نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد سے خطبہ کو نماز سے مقدم کر دیا اور نماز سے خطبہ پہلے پڑھا جانے لگا۔

مراسیل ابوداؤد کی روایت بالا سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ اس موقع پر مسجد سے نکل گئے تھے انہوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ نماز تو ہو ہی گئی ہے خطبہ نماز کا جزء نہیں ہے اور نصیحت کی باتیں رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہی رہتے ہیں، اس لئے خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی یہ اجتہادی غلطی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ جب یہ تجارت کو دیکھتے ہیں یا کسی لہو کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چل دیتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ کر دیتے ہیں۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ لہو سے طبل مراد ہے (جسے مراسیل ابوداؤد میں دف بتایا ہے معالم التنزیل میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کتنے لوگ مسجد میں رہ گئے؟ عرض کیا بارہ مرد اور ایک عورت باقی رہ گئے آپ نے فرمایا اگر یہ بھی باقی نہ رہتے تو ان پر آسمان سے پتھر برسا دیئے جاتے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سب یکے بعد

دیگر ے چلے جاتے اور کوئی بھی مسجد میں نہ رہتا تو یہ وادی آگ بن کر بہہ پڑتی (معالم التنزیل صفحہ ۳۴۵،۳۴۶: ج ۴)

بات یہ ہے کہ وہ زمانہ خوراک کی کمی کا بھی تھا اور بھاؤ کے مہنگے ہونے کا بھی دحیہ بن خلیفہ تجارت کا سامان لے کر آئے جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھی تھیں۔ اس ڈر سے کہ ممکن ہے اور لوگ خرید لیں اور ہم کو کچھ بھی نہ ملے حاضرین مسجد سے اس طرف چلے گئے۔

ایک تو چیزوں کی نایابی کا زمانہ تھا دوسرے انہوں نے یہ سمجھا کہ نماز کے بعد خطبہ چھوڑ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مال خریدنے میں یہودی اور منافق بھی ہیں اس لئے ہمیں بھی مال جلدی خرید لینا چاہیئے۔ اس خیال نے خطبہ چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ کر دیا۔

اگر معاملہ کی ساری صورت حال سامنے رکھی جائے تو بات سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ حضرات صحابہؓ نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن غلطی، غلطی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرما دی **قُلْ مَا عِنْدَاللهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ** (آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے لہو سے اور تجارت سے، اس میں یہ بتا دیا کہ نماز میں اور خطبہ کی مشغولیت میں بڑی برکات ہیں۔ ان چیزوں میں مشغول ہوتے ہوئے جو اللہ کی طرف سے دنیا و آخرت میں خیر ملے گی وہ ان چیزوں سے بہتر ہے جن کے لئے اللہ کے ذکر کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں اور اس کے احکام پورے کریں اور اسی سے مانگیں۔

وَاللهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ تمام دینے والوں سے بہتر ہے) اسی نے رزق و اسباب پیدا فرمائے ہیں اور مقدر بھی فرمائے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی دینے والا نہیں ہے جو کچھ ملتا ہے اس کی مشیت سے ملتا ہے جو کوئی شخص کسی کو کچھ دیتا ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے دل میں ڈالا جاتا ہے۔

فائدہ: جمعہ کا خطبہ اداء صلوٰۃ کے لئے شرط ہے خطبہ پڑھے بغیر دو رکعتیں پڑھ لیں تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

فائدہ: نماز جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور سورۃ **اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ** پڑھنا مسنون ہے (صحیح مسلم صفحہ ۲۸۷: ج ۱)

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین میں اور صلوٰۃ جمعہ میں **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى** اور **هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ** پڑھتے تھے اگر کسی دن ایسا ہو گیا کہ عید بھی ہے اور جمعہ بھی تو دونوں نمازوں میں **هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ** اور **سبح اسم ربک الاعلیٰ** پڑھتے تھے (صحیح مسلم صفحہ ۲۸۸: ج ۱)

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المنافقون اس میں گیارہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝١ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا سو انہوں نے اللہ کی راہ سے روک دیا

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

بیشک یہ لوگ جو کرتے ہیں برا عمل کرتے ہیں یہ اس وجہ سے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوگئے پھر ان کے دلوں پر مہر ماردی گئی،

لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٣ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ

لہٰذا وہ نہیں سمجھتے اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو اچھے معلوم ہوں گے اور اگر وہ باتیں کرنے لگیں گے تو آپ ان کی بات سننے کی طرف دھیان دیں گے گویا

خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ

کہ وہ لکڑیاں ہیں جو ٹیک لگا کر رکھ دی گئی ہیں وہ ہر چیخ کو اپنے اوپر خیال کرتے ہیں کہ یہ دشمن ہی ہیں سو آپ ان سے ہوشیار رہئے، اللہ ان کو ہلاک کرے

اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٤ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ

کہاں پھرے جارہے ہیں، اور جب ان سے کہا گیا کہ آجاؤ اللہ کا رسول تمہارے لئے استغفار کرے تو وہ اپنے سروں کو موڑ لیتے ہیں

رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٥ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ

اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کر رہے ہیں۔ برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں

لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٦ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

بلاشبہ اللہ انہیں نہیں بخشے گا، بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسقوں کو، یہ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو اللہ کے رسول کے پاس ہیں یہاں تک کہ وہ منتشر ہوجائیں اور اللہ ہی کے لئے ہیں خزانے زمین کے اور آسمان کے

وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٧ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ

لیکن منافقین نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس ہوگئے تو

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨

عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا اور اللہ ہی کے لئے ہے عزت اور رسول کے لئے اور مومنین کے لئے، لیکن منافقین نہیں جانتے

منافقین کی شرارتوں اور حرکتوں کا بیان

تفسیر: یہاں سے سورۃ المنافقون شروع ہورہی ہے۔ اس میں منافقین کی بے ایمانی اور بات کر کے مکر جانے اور جھوٹی قسم کھا جانے کا تذکرہ ہے۔ منافقین جو اوپر اوپر سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے یہ لوگ نمازوں میں بھی برے دل سے شریک ہوجاتے تھے نیز جہاد کے مواقع میں بھی حاضر ہوتے تھے اور اپنی حرکتیں جاری رکھتے تھے، شرارتوں سے اور ناگوار باتوں سے باز نہیں آتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ جہاد کے لئے تشریف لے گئے (شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ غزوہ بنی المصطلق کا واقعہ ہے اور سنن نسائی میں اس کی تصریح ہے) منافقین بھی حسب عادت ساتھ لگ گئے تھے وہاں یہ قصہ

پیش آیا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھپ مار دیا۔ اس پر انصاری نے مدد کے لئے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا رسول اللہ ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا یہ کیا جاہلیت کی دہائی ہے (کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی گروہ بندی کی عصبیت کام کرنے لگی)۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصاری کو ایک دھپ مار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس جاہلیت کی دہائی کو چھوڑو۔ یہ بدبودار چیز ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی مہاجرین اور انصاری کے جھگڑے والی بات سن لی اس نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے کہ مہاجرین انصار کو مارنے لگے۔ یہ لوگ جو باہر سے آئے ہیں ہم نے انہیں کھلایا پلایا تو یہ اتنے چڑھ گئے، یہ تو وہی بات ہوئی کہ جس کا کھائے اس پر غرائے۔ اب ان لوگوں پر خرچ نہ کرو تا کہ خود ہی منتشر ہو جائیں کھانے کو نہیں ملے گا تو خود ہی تتر بتر ہو جائیں گے، اور اس نے یہ بھی کہا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے (عزت والا اس نے اپنے آپ کو کہا کیونکہ انصاری پہلے سے مدینہ میں رہتے تھے اور ذلت والا مہاجرین کو کہا جو مکہ مکرمہ سے آ کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے)

یہ واقعہ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ارقم اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ صحیح بخاری میں صفحہ ۲۸، ۲۹ پر مذکور ہے۔ حضرت زید بن ارقم نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عبداللہ بن ابی منافق کی بات نقل کر دی، جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو عبداللہ زوردار قسم کھا گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی، عبداللہ کے جو دوسرے ساتھی تھے انہوں نے بھی جھوٹی قسم کھالی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق فرما دی اس پر مجھے اتنی ندامت ہوئی اور طبیعت پر بوجھ ہوا اور رنج کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے **اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ** سے **لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ** تک آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرما دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے مواقع پر اپنے جذبات پر قابو پانے والے کہاں تھے جو بات انہوں نے حاطب بن بلتعہ کے بارے میں کہی تھی وہ ہی بات یہاں بھی عرض کر دی اور کہا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں اس منافق کی گردن مار دوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑو اگر ایسا کرو گے تو لوگ یوں کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

رئیس المنافقین کے بیٹے کا ایمان والا طرزِ عمل: سنن الترمذی میں بھی حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت مذکور ہے اس میں یہ ہے کہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بھی امام ترمذی نے نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ یہ غزوہ بنی المصطلق کا قصہ ہے علماء کرام نے اس دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔

جب عبداللہ بن ابی کی یہ بات اس کے بیٹے نے سنی کہ عزت دار ذلت والے کو نکال دے گا تو اس نے باپ سے کہا کہ تو مدینہ میں واپس نہیں ہو سکتا جب تک تو یہ اقرار نہ کر لے کہ تو ذلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں چنانچہ جب اس نے یہ اقرار کر لیا تو مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے دی یاد رہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا جو مسلمان تھا۔ اب آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھیے اور بات سمجھتے جائیے۔ (الدر المنثور)

جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو معلوم ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ اپنی گواہی اور اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ یہ بات تو سچ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن ان کا اس انداز سے گواہی دینا اور قسم کھانا کہ وہ آپ کو دل سے اللہ کا رسول مانتے ہیں اس میں وہ جھوٹے ہیں، آدمی اس لئے قسم کھاتا ہے کہ وہ سننے والوں کو یہ بتائے کہ میرا ظاہر و باطن ایک ہے اور جو کہہ رہا ہوں وہ ہی دل میں ہے چونکہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے ان کی اس قسما دھرمی کو اور اپنے اس دعوے کو کہ ہم دل کی گہرائی

سے آپ کے رسول ہونے کی گواہی دے رہے ہیں جھوٹا قرار دیدیا درمیان میں یہ بھی فرمادیا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ (اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) آپ کی رسالت کے لئے ان کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بات یہ ہے کہ جھوٹا ہی قسمیں زیادہ کھایا کرتا ہے سچے آدمی تو بہت کم کبھی قسم کھالیتے ہیں جن کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے وہ ہی اپنی زبان اور دل کی موافقت ثابت کرنے کے لئے قسم کھاتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً (انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے) اپنے جھوٹے دعوے ایمان کو ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ مسلمان سمجھے جائیں اور مسلمانوں کے ماحول میں ان کی جانیں اور اموال اور اولاد محفوظ رہ سکیں اگر کھل کر کفر کا اقرار کرلیں تو اندیشہ ہے کہ جو دوسرے کافروں کے ساتھ جو معاملہ ہے وہ ہی ان کے ساتھ کیا جائے اور ان کے ساتھ جو امن وامان کا برتاؤ ہوتا ہے وہ ختم کردیا جائے۔

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (سو انہوں نے روک دیا اللہ کی راہ سے) اپنی جانوں کو بھی اللہ کی راہ سے دور رکھا اور اپنے اولاد کو بھی اور دوسرے ملنے جلنے والوں کو بھی اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (بیشک یہ لوگ جو عمل کرتے ہیں یہ برے عمل ہیں) گویہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے اپنے لئے اچھا طریقہ اختیار کیا کہ مسلمانوں سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور غیر مسلموں سے بھی) یہ لوگ اپنی بدعملی کی سزا پالیں گے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا (الآیۃ) (ان کی یہ بدعملی اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ پہلے ایمان لائے یعنی ظاہری طور پر اپنے کو مومن بتایا، ان لوگوں کے لئے خیر اسی میں تھی کہ ظاہر و باطن سے مومن ہوتے اور اپنے باطن کو بھی ظاہر کے مطابق کرلیتے یعنی سچے دل سے مومن ہوجاتے لیکن انہوں نے یہ حرکت کی کہ ظاہر میں بھی کافر ہوگئے یعنی ان سے ایسی باتیں ظاہر ہوگئیں جن سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ مومن نہیں جو ظاہری ایمان تھا اس کو بھی باقی نہ رکھ سکے۔ فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (جب یہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں پر مہر ماردی گئی) فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ (اب یہ حق کو نہ سمجھیں گے) اور حقیقی بات کو نہ جانیں گے۔

منافقوں کی ظاہری باتیں پسند آتی ہیں: وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ منافقین کی صفت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ یہ لوگ نظروں میں بھاتے ہیں ان کے قد بھی بڑے ہیں رنگ بھی اچھے ہیں۔ فی صحیح البخاری کانوا رجالا واجمل شئ۔ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ اور باتیں کرنے کا ڈھنگ اور فصاحت و بلاغت ایسی ہے کہ اگر آپ سے باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں گے اور آپ ان کی بات کو دھیان سے سنیں گے۔ کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ (گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں ٹیک لگائی ہوئی) یعنی ان کے جسم بھی قد و قامت والے ہیں اور باتیں بھی میٹھی ہیں مگر آپ کے کام نہیں آسکتے وہ ایسے ہیں جیسے لکڑیاں دیوار کے سہارے سے کھڑی ہوں۔ جیسے لکڑیاں بے جان ہیں ایسے ہی ان کے لمبے چوڑے جسموں کا حال ہے ایمان سے بھی خالی ہے اور جرات اور ہمت سے بھی، یہ آپ کے کام نہیں آسکتے۔

صاحب معالم التنزیل نے یوں تفسیر کی ہے کہ یہ لوگ اشجار مثمرہ یعنی پھل دار درخت نہیں ہیں بلکہ ایسے ہیں جیسے لکڑیاں ہوں جنہیں دیوار کے سہارے ٹیک دیا گیا ہو۔ اس کے بعد ان کی بزدلی اور باطنی خوف کا تذکرہ فرمایا ہے:

یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ ھُمُ الْعَدُوُّ (یہ لوگ ہر چیخ کو اپنے اوپر خیال کرتے ہیں کہ دشمن ہے) چونکہ دل سے مومن نہیں ہیں اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہمارے نفاق کا پتہ نہ چل جائے اور جو بھی چیخ سنتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر ہی کوئی مصیبت پڑنے والی ہے۔

فَاحْذَرْھُمْ لہٰذا آپ ان سے محتاط اور ہوشیار رہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو اور اہل ایمان کو کسی مصیبت میں مبتلا کرنے میں

کامیاب ہوجائیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ کہاں الٹے پھرے جارہے ہیں، ایمان کی طرف آتے ہی نہیں۔
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا (الآیۃ) معالم التنزیل صفحہ ۳۵۰: جلد ۴ میں لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق کے بارے میں آیت قرآنیہ نازل ہوگئی جس سے اس کا جھوٹا ہونا اور حضرت زید بن ارقم کا سچا ہونا، ثابت ہوگیا تو اس سے کسی نے کہا کہ دیکھ تیرے بارے میں کیسی سخت بات نازل ہوئی ہے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا کہ وہ تیرے لئے اللہ سے دعا کریں اس پر اس نے انکار کرتے ہوئے اپنے سر کو حرکت دی اور کہنے لگا کہ تم لوگوں نے مجھ سے ایمان لانے کو کہا تو میں ایمان لے آیا تم لوگوں نے زکوٰۃ دینے کے لئے کہا تو میں نے زکوٰۃ بھی دی۔ اب اتنی سی بات رہ گئی ہے کہ محمد رسول اللہ کو سجدہ کرلوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ نازل فرمائی (اور جب کہا گیا کہ آجاؤ اللہ کے رسول تمہارے لئے استغفار کردیں تو انکار کرتے ہوئے اپنے سروں کو پھیر دیتے ہیں اور تکبر کرتے ہوئے بے رخی اختیار کرلیتے ہیں۔

صحیح بخاری میں لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ کی تفسیر میں لکھا ہے:

حرکوا رؤسهم استهزوا بالنبی ﷺ

کہ یہ لوگ سر کو حرکت دیتے ہیں اور یہ حرکت دینا اس انداز میں ہوتا ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانا مقصود ہوتا ہے۔ ان کی بے رخی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں) آپ کا استغفار کرنا انہیں کوئی نفع پہنچانے والا نہیں)۔ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (اللہ تعالیٰ ہرگز کبھی ان کی بخشش نہیں فرمائے گا) کیونکہ کفر کی بخشش نہیں ہوسکتی اور یہ پہلے معلوم ہوگیا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے مزید فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

منافقین کہتے تھے کہ اہل ایمان پر خرچ نہ کرو وہ مدینہ سے خود ہی چلے جائیں گے: اس کے بعد منافقین کا دوسرا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا: هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (یہ وہ لوگ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خرچ مت کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں یہاں تک کہ وہ خود منتشر ہوجائیں) منافقین نے دوسری بیہودہ باتوں کی طرح یہ بھی بڑی جاہلانہ بات کہی انہوں نے اپنے کو رازق سمجھ لیا اور یہ سوچا کہ یہ مہاجرین کو کھانا نہیں دیں گے تو روٹی کی فکر انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہٹادے گی (عموماً جاہل دنیا دار اس طرح کی باتیں کہہ دیا کرتے ہیں اور مدارس و مساجد میں کام کرنے والوں پر اس طرح کی پھبتی کس دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمادیا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے) جس کو چاہے گا دے گا، کوئی یہ نہ سمجھے کہ فلاں کھانا دیتا ہے۔ سب کو کھلانے پلانے والا اللہ ہی ہے۔ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ (لیکن منافق نہیں سمجھتے)

اللہ اور رسول اور مومنین ہی کے لئے عزت ہے: (اور اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے) وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور لیکن منافقین نہیں جانتے) تھوڑی سی دنیا کے بل بوتہ پر یہ باتیں کررہے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ آگے کیا ہوگا۔ اللہ کے رسول اور اہل ایمان ہی عزت والے ہوں گے اور یہ جاہل منافق ہی ذلیل اور خوار ہوں گے، بالآخر ایک وہ دن آیا کہ ان کو مسجد نبوی سے ذلت کے ساتھ نکال دیا گیا پھر ایک ایک کرکے دفع اور دفن ہوگئے اور بعض اسلام قبول کرکے عزت کی زندگی میں داخل ہوگئے۔

منافقین نے یہ جو کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت دار ذلت والے کو نکال دے گا ان کی اس بات کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس

ہو گئے تو عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا) اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم عزت دار ہیں مدینہ شہر ہمارا شہر ہے۔ ہم اس میں پہلے سے رہتے ہیں مہاجر بعد میں آئے ہیں ہمارے سامنے ذلیل ہیں (العیاذ باللہ)۔ ہم ان کو نکال دیں گے بات صاف نہیں کہی مگر کہہ دی متکلم کا صیغہ کہنے کے بجائے غائب کا صیغہ اختیار کیا، اللہ جل شانہ نے جواب میں فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

اے ایمان والو! تمہارے اموال اور اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں، اور جو شخص ایسا کرے گا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

سو یہ لوگ وہ ہیں جو نقصان میں پڑنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تمہیں موت آجائے

فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾

سو وہ کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے تھوڑی مدت کے لئے مجھے کیوں مہلت نہ دی میں صدقہ کرتا اور صالحین میں سے ہو جاتا

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ ہرگز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کی اجل آجائے اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔

تمہارے اموال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں، اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرو!

تفسیر: دنیا میں مال اور اولاد دو چیزیں ایسی ہیں جن میں مشغول ہو کر انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ فرائض اور واجبات کو چھوڑنا نوافل واذکار سے دور رہنا زبان سے دنیاوی دھندوں میں پھنسا رہنا، یہ سب امور ایسے ہیں جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والے ہیں، آدمی مال کمانے میں لگتا ہے تو اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اولاد کو مالدار بنانے کے لئے اور موت کے بعد بہت سا مال چھوڑنے کے لئے کمائی کرتا ہے۔ حلال حرام کا خیال نہیں کرتا زکوٰۃ ادا نہیں کرتا واجبات شرعیہ میں خرچ نہیں کرتا، اگر کوئی شخص حلال مال ہی کمائے تب بھی کمانے کا انہماک اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے، پھر اولاد کے غیر ضروری اخراجات لاڈ اور پیار اور ایسی ہی بہت سی چیزیں ہیں جو گناہ پر لگاتی ہیں اور اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔ بقدر ضرورت اپنی جان کے لئے اپنی اہل اولاد کے لئے اپنے ماں باپ کے لئے مال کمانا جس میں اللہ کی رضا بھی مقصود ہو یہ تو اللہ کے ذکر میں ہی شامل ہے لیکن جس میں دنیا ہی مقصود ہو مال ہی مقصود ہو اس میں اللہ کے ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (اور جو شخص ایسا کرے یعنی اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے تو یہ لوگ نقصان میں پڑنے والے ہیں) جو شخص کافر ہے وہ تو پورا ہی خسارہ میں ہے یعنی اس کی ہلاکت کامل ہے آخرت میں اس کے لئے دائمی عذاب ہے اور جو شخص مومن ہوتے ہوئے دنیا کے جھمیلوں میں لگے وہ بقدر جھمیلوں کے اللہ کے ذکر سے غافل رہتا ہے اور اسی کے بقدر خسارہ میں ہے اور یہ خسارہ کوئی معمولی نہیں ہے اللہ کا نام لینے سے ذرا سی غفلت بھی بہت بڑے نقصان کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے ایک بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہا اس

کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں ایک بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ دوں تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے۔ دیکھو اللہ کے ذکر سے غافل ہونے میں کتنا بڑا نقصان ہے؟

اس کے بعد مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (الآیۃ) کہ موت آنے سے پہلے اس مال میں سے خرچ کرو۔ جو ہم نے تم کو دیا ہے چونکہ ذکر اللہ سے غفلت مال کمانے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے ساتھ ہی مال خرچ کرنے کا بھی حکم دیدیا، مال آتا ہے تو خرچ بھی ہوتا ہے مومنین صالحین اسے اللہ کی رضا میں خرچ کرتے ہیں اور جن لوگوں کو مال سے محبت ہوتی ہے دین پر چلنے کا شوق نہیں ہوتا وہ مال لے کر بیٹھے رہتے ہیں روپیہ پیسہ کے غلام بنے رہتے ہیں، فرض زکوٰۃ اور تھوڑا سا صدقہ بھی انہیں کھٹکتا ہے۔

آیت بالا میں یہ بھی فرمایا ہے کہ موت کے آنے سے پہلے مال خرچ کرو اگر زندگی میں اللہ کے لئے مال خرچ نہ کیا تو موت کے وقت یہ آرزو کام نہیں آئے گی کہ تھوڑی سی اور زندگی مل جاتی تو اللہ کے لئے خرچ کرتا اور صالحین میں سے ہو جاتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جس کے پاس اتنا مال ہو جس کے ذریعہ بیت اللہ کا حج کر سکتا ہے اور زکوٰۃ فرض ہوگئی پھر اس نے ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو وہ موت کے وقت رجعت کا سوال کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ مجھے واپس زندگی دے دی جائے تا کہ صدقہ دے دوں اور نیک کام کروں اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ سے لے کر آخری سورۃ تک تلاوت فرمائی۔ آخر میں فرمایا: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (کسی کی جان کی موت کو اللہ مؤخر نہ کرے گا جب اجل آ گئی۔ اجل پر تو مرنا ہی مرنا ہے جسے جو کچھ عمل کرنا ہے موت سے پہلے ہی کر لے، موت کے وقت حسرت کام نہ دے گی اور زندگی واپس نہ ملے گی۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ زندگی بھر میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی کسی کو کیا خبر ہے کیونکہ جس نے پیدا کیا جان دی اور زندگی دی اس کو تمہارے ہر کام کی خبر ہے)۔

آخر تفسیر سورة المنافقون والحمد للہ اولاً وآخراً

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ التغابن مکہ معظمہ میں اور ایک قول کے مطابق مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٢

قادر ہے وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا سو تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝٣ يَعْلَمُ مَا فِي

اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ اور تمہاری صورتیں بنادیں سو اچھی بنائیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے، وہ جانتا ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٤

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہ سب اعمال کو جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کیا تمہارے پاس ان کافروں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے سو انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

اَلِيْمٌ ۝٥ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا

یہ اس وجہ سے کہ بیشک ان کے پاس ان کے رسول کھلے ہوئے معجزات لائے تھے سو انہوں نے کہا کیا ہمیں آدمی ہدایت دیں گے سو انہوں نے کفر اختیار کیا

وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝٦ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ

اور اعراض کیا اور اللہ نے بے نیازی کا معاملہ کیا، اور اللہ بے نیاز ہے اور حمد کا مستحق ہے۔ کافروں نے یہ خیال کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے آپ فرما دیجئے

بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝٧ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی کہ تم ضرور ضرور اٹھائے جاؤ گے اور تمہیں ضرور ضرور تمہارے اعمال سے باخبر کیا جائے گا، اور یہ اللہ پر آسان ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر

وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٨ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ

اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے، جس دن تم کو جمع ہونے کے دن میں جمع فرمائے گا۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ

یہ دن ہے جس میں لوگ نقصان میں پڑیں گے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اسے ایسی جنتوں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩

میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے وہ بڑی کامیابی ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٠

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے

آسمان وزمین کی کائنات اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے تم میں بعض کافر اور بعض مومن ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے

تفسیر: یہاں سے سورۃ التغابن شروع ہو رہی ہے یہ لفظ ''غبن'' سے لیا گیا ہے۔ غبن نقصان کو کہتے ہیں آخرت میں جو نقصان ہوگا اس سورت کے پہلے رکوع کے ختم کے قریب اس کو تغابن سے اور یوم آخرت کو یوم التغابن سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے یہ

سورت، سورۃ التغابن کے نام سے معروف ہے اوپر چند آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں زبان قال یا زبان حال سے سب تسبیح میں مشغول ہیں، پھر فرمایا لَهُ الْمُلْكُ (اسی کے لئے ملک ہے) ساری مخلوق اسی کی ملکیت ہے وَلَهُ الْحَمْدُ (اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں) اس کے تصرفات اور اختیارات میں کسی کو کوئی دخل نہیں اور وہ اپنے تمام تصرفات میں محمود ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) وہ جو بھی کرنا چاہے کر سکتا ہے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں۔ پھر دوسری اور تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بیان فرمائی، فرمایا هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا سو تم میں سے بعض کافر ہوئے اور بعض مومن ہوئے) اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادیا سمجھ دیدی قوت فکریہ عطا فرمادی، انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا کتابیں نازل فرمائیں، ہدایت پوری طرح سامنے آگئی۔ اس کے باوجود جسے کفر اختیار کرنا تھا وہ کفر پر اڑا رہا، اور جنہیں مومن ہونا تھا، انہوں نے ایمان اختیار کرلیا۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے)۔ وہ اہل ایمان کے اعمال اور اہل کفر کے کام ان سب کو وہ دیکھتا ہے سب کے اعمال سے باخبر ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء یا سزا دے گا عمل کے عموم میں اعمال قلبیہ اور افعال جوارح سب داخل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حکمت سے پیدا فرمایا اور تمہاری اچھی صورتیں بنائیں:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق (یعنی حکمت) کے ساتھ پیدا فرمایا وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورتیں بنائیں سو تمہاری اچھی صورتیں بنائیں)۔

اس میں انسانوں پر امتنان فرمایا اور اپنے ایک احسان عظیم کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ نے ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورتیں بنادیں اور اچھی صورتیں بنائیں ہاتھ، پاؤں آنکھ ناک قد و قامت کے اعتبار سے جو اعضاء انسانی میں تناسب ہے اور ساتھ ہی حسن و جمال ہے۔ ان سب کو دیکھ کر انسانوں کو اپنے خالق کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ صورت اور شکل کے اعتبار سے جو انسان کی برتری ہے اسے انسان ہی سمجھتا ہے۔ زمین پر جو دوسری چیزیں رہتی اور بستی ہیں ان میں سے کوئی چیز کتنی بھی خوبصورت ہو اور کوئی انسان کتنا بھی بدصورت ہو وہ کبھی بھی یہ گوارا نہیں کرے گا کہ اس کی انسانی صورت سلب کرلی جائے اور وہ غیر انسانی صورت میں منتقل کردیا جائے۔ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) وہ ہی خالق ہے اور وہی مصور ہے اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ لہٰذا انسانوں کو اسی کی طرف متوجہ رہنا لازم ہے اس کی عبادت کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور اس کی یاد میں لگے رہیں۔

اللہ تعالیٰ مافی السمٰوٰت ومافی الارض اور مافی الصدور کو جانتا ہے:

چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بیان فرمایا، ارشاد فرمایا: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الآیۃ) (اور وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں)۔ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (اور وہ تمہارے سب اقوال اور اعمال اور احوال کو جانتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور جنہیں تم ظاہر کرتے ہو) وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (اور وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے)۔

یعنی اس کا علم اقوال اور افعال تک ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے بندے جو کچھ سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اگرچہ ادنیٰ وسوسہ ہو اسے اس سب کا بھی علم ہے۔ ظاہر ہے ایسی ذات جلیل الصفات پر ایمان لانا اور اس کے احکام پر چلنا لازم ہے اور یہ مراقبہ بھی ضروری ہے کہ ہمارا خالق اور مالک سب کچھ جانتا ہے۔

گزشتہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین:

پانچویں اور چھٹی آیت میں مخاطبین قرآن کو گزشتہ اقوام کی

بدحالی کا انجام بتایا جس میں یہ سمجھایا کہ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی برا انجام ہوگا، ارشاد فرمایا اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (کیا تمہارے پاس ان کافروں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے) فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ (سو انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا (یہ تو دنیا میں ہوا) وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

امم سابقہ کی گمراہی کا سبب: پھر ان لوگوں کے کفر پر جمے رہنے کا سبب بتایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ (الآیۃ) یہ اس وجہ سے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آئے ان لوگوں نے ان کی دعوت پر ایمان نہ لانے کا یہ حیلہ نکالا اور یہ بہانہ تراشا کہ یہ تو آدمی ہے اور ہم بھی آدمی ہیں بھلا آدمی، آدمی کو کیا ہدایت دے گا۔ اس جاہلانہ بات کو اٹھایا اور کفر پر جمے رہے اور حق سے اعراض کیا اور اللہ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ انجام کار وہ دنیا وآخرت میں سزا کے مستحق ہوئے۔

وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (اور اللہ بے نیاز ہے) کوئی بھی ایمان نہ لائے تو اس کا کوئی نقصان نہیں، وہ ستودہ صفات ہے ہمیشہ سے حمد وثناء کا مستحق ہے۔

منکرین قیامت کا باطل خیال: ساتویں آیت میں منکرین قیامت کا تذکرہ فرمایا: زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا (الآیۃ) (جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ جھوٹا خیال کیا کہ وہ ہرگز دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے)

قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ (اے محمد آپ فرما دیجئے کہ ہاں قسم ہے میرے رب کی تم ضرور ضرور اٹھائے جاؤ گے اور ضرور ضرور اپنے اعمال سے باخبر کئے جاؤ گے) وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ (اور یہ قبروں سے اٹھانا اور اعمال کا جتانا اللہ کے لئے آسان ہے) کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ یہ دشوار کام ہے یہ کیسے ہوگا۔

ایمان اور نور کی دعوت: آٹھویں آیت میں ایمان کی دعوت دی۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور ایمان لاؤ اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا یعنی قرآن حکیم)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے) نویں اور دسویں آیت میں روز قیامت کی حاضری کی خبر دی اور مومنین اور کافرین کا انجام بتایا فرمایا: یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ (اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ تمہیں جمع فرمائے گا اور یہ جمع کرنے کا دن نقصان میں پڑنے کا دن ہوگا) ہر ایک کو اپنے اپنے وقت پر مختلف ایام میں موت آئی۔ قیامت کا دن یوم الجمع ہے اس میں زندہ ہو کر سب جمع ہوں گے۔

قیامت کا دن یوم التغابن ہے: اس یوم الجمع کو یوم التغابن بھی فرمایا ہے یہ لفظ غبن سے لیا گیا ہے، غبن نقصان کو کہتے ہیں قیامت کے دن سب کا خسارہ ظاہر ہو جائے گا، کافر کا خسارہ تو ظاہر ہی ہے کہ جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں جائے گا اور مومنین کا خسارہ یہ ہوگا کہ جتنی بھی نعمتیں مل جائیں انہیں یہ حسرت رہ جائے گی کہ ہائے ہائے اور اچھے اعمال کر لیتے تو اور زیادہ نعمتیں مل جاتیں۔

قال صاحب معالم التنزیل فیظھر یومئذ غبن کل کافر بترکہ الایمان و غبن کل مومن بتقصیرہ فی الاحسان (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں اس دن ہر کافر کے لئے ایمان چھوڑنے کا نقصان اور ہر مومن کے لئے احسان چھوڑنے کا نقصان ظاہر ہو جائے گا) (صفحہ ۳۵۴: ج ۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص کو بھی موت آئے گی وہ (موت کے بعد) نادم ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کو کیا ندامت ہوگی؟ فرمایا اگر وہ اچھے عمل کرنے والا تھا تو اسے یہ ندامت ہوگی کہ کاش اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اچھا ہوتا اور جس نے برے کام کئے تھے اسے یہ ندامت ہوگی کہ کاش نافرمانیوں سے باز آ جاتا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۴۸۴)

حضرت محمد بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بندہ پیدائش کے دن سے لے کر

بوڑھا ہو کر مرنے تک اللہ کی فرمانبرداری کے طور سجدہ ہی میں پڑا رہے تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بہت ذرا سا سمجھے گا اور اس کی آرزو ہوگی کہ اسے دنیا کی طرف واپس کر دیا جائے تاکہ اور زیادہ اجر و ثواب کی کمائی کر لے۔

(رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۵۲، وذکرہ المنذری فی الترغیب صفحہ ۳۹۷: ج ۴ وعزاالی احمد ثم قال و رواته رواة الصحیح)

بعض علماء نے تغابن کو باب تفاعل ہونے کی وجہ سے شرکت فی الفاعلیت پر محمول کیا ہے لیکن ایسی کوئی صورت واضح نہ ہوئی جس سے معلوم ہو سکے کہ کافر مومنین کو وہاں کوئی نقصان پہنچاویں گے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

اخرج عبد بن حمید عن ابن عباس و مجاهد و قتادة انهم قالوا یوم یغبن فیه اهل الجنة و اهل النار فالتفاعل لیس فیه علی ظاهره کما فی التواضع والتحامل لوقوعه من جانب واحد واختیر للمبالغة والی هذا ذهب الواحدی. (عبد بن حمیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ مجاہد اور قتادہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دن جس میں اہل جنت اور اہل جہنم کا نقصان ہوگا۔ پس یہاں باب تفاعل اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے جیسا کہ تواضع اور تحامل میں ہے ایک جانب میں واقع ہونے کی وجہ سے اور یہاں مبالغہ کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور علامہ واحدی اسی طرف گئے ہیں)

اہل ایمان کو بشارت اور کافروں کی شقاوت: اس کے بعد اہل ایمان کی کامیابی کا تذکرہ فرمایا: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا (الآیۃ) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بڑی کامیابی ہے)

پھر کافروں کی بدحالی بیان فرمائی: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (الآیۃ) (اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے)

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

جو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے اور جو بھی کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے وہ اس کے قلب کو ہدایت دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

جاننے والا ہے اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی سو اگر تم اعراض کرو تو ہمارے رسول پر پہنچا دینا ہے

الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ

واضح طور پر اللہ ہے کوئی معبود نہیں مگر وہ ہی، اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں مومن بندے، اے ایمان والو! بیشک

مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا

تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں سو ان سے ہوشیار رہو، اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

سو بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے بات یہی ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ

سو تم اللہ سے ڈرو جہاں تک تمہاری طاقت ہے اور بات سنو اور فرمانبرداری کرو اور اچھے مال کو اپنی جانوں کے لئے خرچ کرو۔ اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے

نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ

بچا دیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اگر تم اللہ کو قرض دو اچھا قرض تو وہ تمہیں اس کو بڑھا کر دے گا اور تمہاری مغفرت فرما دے گا

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾

اور اللہ قدر دان ہے بردبار ہے، غیب اور شہادۃ کا جاننے والا ہے۔ عزیز ہے حکیم ہے

جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ اللہ کے حکم سے ہے

تفسیر: یہ سورۃ التغابن کے دوسرے رکوع کا ترجمہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے یہ آیات متعدد مواعظ اور نصائح پر مشتمل ہیں پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ تمہیں جو بھی کوئی مصیبت پہنچ جائے وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ اللہ کی قضاو قدر پر راضی رہے اور جو تکلیف پہنچ جائے اس پر صبر کرے۔ سنن ابن ماجہ صفحہ ۹ میں ہے:

اِنَّ مَآ اَصَابَکَ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَکَ وَاِنَّ مَآ اَخْطَاکَ لَمْ یَکُنْ لِیُصِیْبَکَ

(یعنی یہ بات اچھی طرح جان لو کہ (تمہیں جو تکلیف پہنچ گئی وہ خطا کرنے والی نہ تھی اور جو تکلیف نہیں پہنچی وہ پہنچنے والی ہی نہ تھی) لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو تسلیم کرو اور اس پر راضی رہو، پھر فرمایا: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ۔ (اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے) جس کی وجہ سے وہ سراپا رضاء وتسلیم بن جاتا ہے تکلیف پر صبر کرتا ہے اور اس کا ثواب لیتا ہے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر مزید ثواب عظیم کا مستحق ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اسے صابروں کا بھی پتہ ہے اور بے صبروں کا بھی علم ہے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا دے گا۔

اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری اور توکل اختیار کرنے کا حکم: دوسری نصیحت یہ فرمائی: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (اس میں بندوں کا اپنا ہی بھلا ہے) اللہ کے رسول نے پیغام پہنچا دیا اگر کوئی شخص روگردانی کرے تو اللہ کے رسول پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اسی کو فرمایا ہے: فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (سو اگر تم روگردانی کرو تو ہمارے رسول کے ذمہ اتنا ہی ہے کہ واضح طور پر پیغام پہنچا دے) جو نہ مانے گا وہ اپنا ہی برا کرے گا۔

تیسری نصیحت فرماتے ہوئے اول توحید کی تلقین فرمائی اور فرمایا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں) پھر توکل کا حکم فرمایا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (اور مؤمنین اللہ ہی پر توکل کریں)

بعض ازواج اور اولاد تمہارے دشمن ہیں: چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ تمہاری بیویوں اور اولاد میں ایسے (بھی) ہیں جو تمہارے دشمن ہیں لہٰذا تم ان سے ہوشیار رہو۔

فطری اور طبعی طور پر انسان کو نکاح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب نکاح ہو جاتا ہے تو اولاد بھی ہوتی ہے۔ میاں بیوی میں آپس میں محبت ہوتی ہے اور اولاد سے محبت ہونا امر طبعی ہے، اسلام نے بھی ان محبتوں کو باقی رکھا ہے لیکن اس کے لئے ایک حد بندی بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حق سب پر مقدم ہے، بیوی ہو یا شوہر بیٹا ہو یا بیٹی ہر ایک سے اتنی ہی محبت کی جاسکتی ہے جس کی وجہ سے اسلامی احکام پر چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق چلتے رہیں۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے جب انہوں نے مدینہ منورہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی ازواج اور اولاد نے انہیں ہجرت سے روک دیا اور یوں کہا کہ ہم نے تمہارے مسلمان

ہونے پر صبر کرلیا لیکن تمہاری جدائی پر صبر نہیں کرسکتے ان کی یہ بات سن کر انہوں نے ہجرت کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اس پر آیت کریمہ:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّالَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ نازل ہوئی اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ بال بچہ دار تھے وہ جب جہاد کے لئے جانے کا ارادہ کرتے تو یہ لوگ رونے لگتے اور یوں کہتے کہ آپ ہمیں کس پر چھوڑے جارہے ہیں؟ یہ سن کر انہیں ترس آجاتا تھا اور جہاد کی شرکت سے رہ جاتے تھے اس پر آیت بالا نازل ہوئی جس میں یہ بتادیا کہ بیوی بچے تمہیں نیک کام کرنے سے روکتے ہیں ان کی طرف سے ہوشیار رہو اور ان کی بات نہ مانو، دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

لفظ ازواج جمع ہے زوج کی، یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے لہذا آیت کریمہ کے عموم الفاظ سے معلوم ہوگیا کہ ہر شخص اس کا اہتمام کرے بیوی ہو یا شوہر آپس میں ایک دوسرے کی وجہ سے یا اولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ ہو جائیں۔

بیوی بچوں کی محبت میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں: بیوی اور شوہر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلیں اور اولاد کو بھی اسی پر چلائیں، اللہ کی نافرمانی نہ شوہر کرے نہ بیوی کرے اور نہ اولاد کو کرنے دیں، اگر ازواج اور اولاد سے اتنی محبت کی کہ اللہ کے فرائض اور واجبات چھوٹنے لگے تو ان لوگوں کی محبت خود اپنے حق میں دشمن بن جائے گی پھر اس دشمنی کا مظاہرہ میدان حشر میں ہوگا ان کی وجہ سے جو گناہ کئے ان پر مواخذہ اور عذاب ہوگا۔ یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ بیوی بچوں کے لئے کمائے اور انہیں کھلائے پلائے لیکن اس میں حلال وحرام کا خیال نہ رکھے۔ حرام کمانے کا بھی گناہ اپنے سر لے اور حرام کھانے اور کھلانے کا بھی اور ان کی وجہ سے قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہو جائے، دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ بیوی بچوں کی خواہش اور ضد کی وجہ سے گناہ کرلیتے ہیں سود پر قرض بھی لیتے ہیں دوسروں کے اموال میں خیانت بھی کرلیتے ہیں فضول خرچی بھی کرتے ہیں ہر تقریب میں بیوی کو نیا جوڑا پہنانے کے لئے ادھار بھی لیتے ہیں اور رشوت لے کر بھی گھر والوں کے اخراجات پورے کرتے ہیں۔ اور ان سب کا وبال اپنے سر لیتے ہیں، بیوی بچوں کو اس سے بحث نہیں کہ ہمارے ذمہ دار کا آخرت میں کیا بنے گا۔ انہیں تو اپنے نفس کے تقاضے پورے کرنا ہے، اگر اللہ کے قانون کو نہ دیکھا اور بیوی بچوں کی فرمائشیں پوری کردیں جن میں گناہوں کا ارتکاب کیا، پھر قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوئے یہ کہاں کی سمجھداری ہے اس وقت یہ بیوی بچے دشمن نظر آئیں گے اور یہ سمجھ میں آجائے گا کہ انہوں نے میرے ساتھ دشمنوں والا برتاؤ کیا یہ مجھے نصیحت کرکے اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے کی تاکید کرتے اور حرام چیزوں سے اور حرام کاموں سے روکتے انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ انہوں نے اپنی خواہشوں کو پورا کرنے میں مجھے رگڑ دیا اور مجھے حرام کاموں میں لگادیا:

قال صاحب الروح قال غیر واحد ان عداوتھم من حیث انھم یحولون بینھم و بین الطاعات والامور النافعة لھم فی آخرتھم وقد یحملونھم علی السعی فی اکتساب الحرام و ارتکاب الاثم لمنفعة انفسھم. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بہت سارے علماء نے کہا ہے کہ ان کی دشمنی اس لحاظ سے تھی کہ یہ والدین اور نیکیوں و آخرت کے لئے نفع مند کاموں میں حائل ہو جاتے ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے حرام کمائی اور گناہ کرنے پر اکساتے ہیں)

یہ بیوی بچوں کی عام حالت ہے اور بہت سے اولاد اور ازواج ایسے بھی ہوتے ہیں جو خیر کی دعوت دیتے ہیں اور خیر پر چلاتے ہیں اس لئے اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ فرمایا کہ تمہارے ازواج اور اولاد میں سے تمہارے دشمن (بھی) ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ سب ہی اولاد اور ازواج دشمن ہیں۔

معاف اور درگذر کرنے کی تلقین: وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور اگر تم

معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو سو اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)۔
بعض مرتبہ بیویوں کی اور اولاد کی فرمائشیں ایسی ہوتی ہیں کہ کبھی تو نفس کو فرمائش ہی ناگوار گزرتی ہے اور کبھی ان کو پورا کرنیکا موقع نہیں ہوتا ایسی صورت میں بھی طبیعت کو ناگواری ہوتی ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم انہیں معاف کر دو اور درگزر کر دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ہے تم ان کو معاف کر دو گے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے گناہ معاف کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ اللہ غفور ہے رحیم ہے اس کی مغفرت اور رحمت کے امیدوار رہو۔

اموال اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں: پانچویں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: **اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ** ۔(بات یہی ہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے)۔
اس میں یہ تنبیہ فرمائی کہ تمہارے اموال، تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ یعنی آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ مال کمانے اور مال خرچ کرنے میں اور اولاد کی پرورش کرنے میں اور ان کے ساتھ رہنے سہنے میں اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو جائے اور مال کی تحصیل اور اولاد کی محبت اور دیکھ بھال کو ہی زندگی کا مشغلہ نہ بنالیا جائے اللہ کے پاس اجر عظیم ہے اس کے لئے محنت اور کوشش میں لگنا ایمان کا اہم تقاضا ہے۔
اس آیت کے ہم معنی سورۃ الانفال کے تیسرے رکوع میں بھی ایک آیت گزر چکی ہے وہاں ہم نے اموال اور اولاد کے فتنہ ہونے کی تشریح کر دی ہے۔(دیکھو انوار البیان صفحہ ۱۶۸: ج ۴)

تقویٰ اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم: چھٹی نصیحت یہ ہے کہ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** (اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے) **وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا** (اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنو اور فرمانبرداری کرو) **وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ** (اور اپنی جانوں کے لئے اچھا مال خرچ کرو)۔ یہ نصیحت کئی نصیحتوں پر شامل ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو احکام بھیجے ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے جہاں تک ہو سکتا ہو ہر عمل کو پورا کریں۔ فرائض واجبات پورے کریں اور گناہوں سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو عمل کرنے والوں کے بس سے باہر ہو، ہاں بعض اعمال نفس پر شاق گزرتے ہیں ہمت کر کے اور نفس کو قابو میں کر کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنیں اور فرمانبرداری کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کریں یہاں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو کچھ خرچ کرے گا وہ اپنے ہی کام آئے گا اس میں اپنی جانوں کا بھلا ہوگا۔

بخل سے پرہیز کرنے والے کامیاب ہیں: **وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** (اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچالیا گیا سو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں) یہ مضمون سورۃ الحشر کے پہلے رکوع کے ختم کے قریب گزر چکا ہے۔ وہاں تفسیر اور تشریح دیکھ لی جائے۔ (انوار البیان صفحہ ۱۶۸: ج ۴)۔

اللہ کو قرض حسن دیدو وہ بڑھا چڑھا کر دے گا اور مغفرت فرمادے گا: **اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ** (اگر تم اللہ کو قرض دے دو گے اچھا قرض (جس میں اخلاص ہو اور خوش دلی سے ان کاموں میں خرچ کر دیا جائے جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے یا مستحب قرار دیا ہے) اللہ تعالیٰ اس پر چند در چند اضافہ کر کے اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا سب بندے اللہ کے ہیں اور سارے اموال بھی اللہ ہی کے ہیں اس نے کرم فرمایا کہ اس کی راہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے اس کا نام قرض رکھ دیا پھر اس پر چند در چند ثواب دینے کا وعدہ فرمالیا۔ یہ مضمون سورۃ البقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔ (دیکھو انوار البیان جلد اول ۴۶۸، ۵۰۳)

وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ (اور اللہ شکور ہے یعنی قدر دان ہے) تھوڑے عمل اور تھوڑے مال کے عوض بہت زیادہ دیتا ہے اور حلیم یعنی بردبار ہے گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا اور بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (وہ غیب اور شہادۃ کا جاننے والا ہے) الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (وہ زبردست ہے حکمت والا ہے)۔

وهذا آخر تفسير سورة التغابن بفضل الله الملك العلام والحمد لله على التمام والصلوٰة على البدر التمام و على اله و اصحابه البررة الكرام

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً فِيهَا رُكُوعَانِ

سورۃ الطلاق مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۖ

اے نبی ﷺ جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں عدت سے پہلے طلاق دو، اور عدت کو اچھی طرح شمار کرو، اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ

ان عورتوں کو تم ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کرلیں

وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، اے مخاطب شاید تو یہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے

يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا ۝١ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ

بعد کوئی نئی بات پیدا فرمادے پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں روک لو بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو

بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ

بھلائی کے ساتھ اور عدل والے دو آدمیوں کو گواہ بنالو اور اللہ کے لئے گواہی کو قائم کرو اور یہ وہ چیز ہے جس کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝٢ وَيَرْزُقْهُ مِنْ

اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائے، اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو وہ اس کے لئے مشکل سے نکلنے کا راستہ بنادیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ

جہاں اسے ملنے کا گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرلے سو وہ اس کے لئے کافی ہے بلاشبہ اللہ اپنا کام پورا ہی کر کے رہتا ہے

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

بیشک اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے

طلاق اور عدت کے مسائل، حدود اللہ کی نگہداشت کا حکم

تفسیر: یہاں سے سورۃ الطلاق شروع ہے اس کے پہلے رکوع میں طلاق اور عدت کے مسائل بتائے ہیں درمیان میں دیگر فوائد بھی مذکور ہیں چونکہ اس میں عورتوں سے متعلقہ احکام مذکور ہیں اس لئے اس کا دوسرا نام سورۃ النساء القصریٰ بھی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے اس نام سے موسوم کیا۔

اصل بات تو یہی ہے جب مرد عورت کا آپس میں شرعی نکاح ہو جائے تو آخر زندگی تک میل محبت کے ساتھ زندگی گزار دیں، لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ طبیعتیں نہیں ملتی ہیں اور کچھ ایسے اسباب بن جاتے ہیں کہ علیحدگی اختیار کرنی پڑ جاتی ہے لہٰذا شریعت اسلامیہ میں طلاق کو بھی مشروع قرار دیا ہے، جب شوہر طلاق دیدے تو اس کے بعد عورت پر عدت گزارنا بھی لازم ہے جب تک عدت نہ گزر جائے عورت کو کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے عدت کے بھی متعدد احکام ہیں، حیض والی عورت، اور حمل والی عورت اور بے حمل والی عورت اور زیادہ عمر والی عورت (جسے حیض نہ آتا ہو) ان کے ایام عدت میں فرق ہے، جن عورتوں کو حیض آتا ہو اگر ان کو طلاق دیدی جائے اور حمل سے نہ ہوں تو ان کی عدت حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین حیض ہیں اور حضرات شافعیہ کے نزدیک تین طہر ہیں یہ اختلاف لفظ قروء کا معنی متعین کرنے کی وجہ سے ہو گیا ہے جو سورۃ البقرہ میں وارد ہوا ہے۔

یہ لفظ قرء کی جمع ہے جو لفظ مشترک ہے حیض کے معنی میں بھی آتا ہے اور طہر کے معنی بھی۔ اپنے اپنے اجتہاد کے پیش نظر کسی نے اس کو حیض کے معنی میں لیا اور کسی نے طہر کے معنی میں لیا، ہر فریق کے دلائل اور وجوہ ترجیح اپنے اپنے مسلک کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

یہاں سورۃ الطلاق میں فرمایا کہ اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ایسے وقت میں طلاق دو کہ طلاق کے بعد ان کی عدت شروع ہو جائے۔ اس میں ابتدائی خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے اور اس کے بعد ضمیر جمع مذکر حاضر لا کر **طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ** فرمایا ہے کیونکہ امت کے لئے احکام بیان کرنا مقصود ہے، حیض والی عورت کی عدت حنفیہ کے نزدیک چونکہ تین حیض ہیں اس لئے ان کے نزدیک **فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ** کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دو کہ اس کے بعد عدت شروع ہو جائے، طلاق کے بعد جو پہلا حیض آئے گا وہ حیض اور اس کے بعد دو حیض آنے پر عدت تمام ہو جائے گی، جب عدت گزارنے کے لئے تین حیض پورے کرنے ہیں تو طلاق ایسے وقت پر دی جائے جو حیض شروع ہونے سے پہلے ہو اور یہ وقت طہر کا ہے، اور بموجب حکم حدیث طلاق اس طہر میں دینی چاہیے جس میں جماع نہ کیا ہو یا عورت کو حمل ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی جبکہ وہ حیض کے دن گزار رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کر دیا، آنحضرت ﷺ کو اس پر غصہ آ گیا پھر فرمایا کہ اس سے کہو کہ رجوع کر لے پھر پاک ہونے تک اسے روکے رکھے پھر جب ایک حیض آ جائے اور اس کے

بعد پاک ہوجائے اور طلاق دینے کی رائے ہو تو طلاق دیدے، یہ طلاق طہر کی حالت میں ہو اور ایسے طہر میں ہو جس میں جماع نہ کیا ہو، پھر فرمایا کہ یہ ہے وہ عدت جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۹۰، ج ۲)

صحیح مسلم جلد نمبر ا میں ہے:

فقال له النبی ﷺ لیراجعها و قال اذا طهرت فلیطلقها او یمسک قال ابن عمر رضی الله عنهما و قرء النبی ﷺ یایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن فی قبل عدتها و هو بضم القاف والباء ای فی وقت تستقبل فیه العدة و هو تفسیر النبی ﷺ للفظ لعدتهن. (چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا اس سے رجوع کرلے اور فرمایا جب وہ حالت طہر میں ہو تو اسے طلاق دے یا روک لے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اسے یوں پڑھا یایها النبی اذا طلقم النساء فطلقوهن فی قبل عدتها قاف اور باء کے ضمہ کے ساتھ یعنی ایسے وقت میں: جس میں عدۃ موجود ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لفظ "لعدتهن" کی یہی تفسیر ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے اگر حیض میں طلاق دیدی تو رجوع کرلے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق ایسے طہر میں دے جس میں جماع نہ کیا ہو فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کی مذکورہ بالا تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا مطلب یہ ہے کہ طہر میں طلاق دی جائے تاکہ اس کے بعد پورے تین حیض آجانے پر عدت ختم ہوجائے اور حضرات شوافع کے نزدیک چونکہ عدت طہروں سے معتبر ہے اس لئے ان کے نزدیک آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ طہر کے شروع میں طلاق دیدو تاکہ عدت وہیں سے شروع ہوجائے۔

عدت کو اچھی طرح شمار کرو: وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ کا معنی یہ ہے کہ عدت کو اچھی طرح سے شمار کرو کیونکہ اس سے متعدد مسائل متعلق ہیں، اس میں سے ایک تو رجعت کا ہی مسئلہ ہے، جب کسی عورت کو رجعی طلاق دیدے تو عدت کے اندر اندر رجوع کرنا جائز ہے اور زمانہ عدت کا خرچہ بھی طلاق دینے والے مرد کے ذمہ ہے، عدت گزرنے تک اس کا خرچہ دے، اگر عدت کے اندر شوہر نے رجوع نہ کیا تو عورت کو عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، اگر اچھی طرح عدت کو شمار نہ کیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ ان احکام میں فرق پڑجائے مثلاً عورت عدت کے اندر دوسرا نکاح کرلے یا عدت گزرنے کے بعد بھی شوہر سے خرچہ مانگتی رہے یا عدت کے ختم ہونے کے بعد شوہر یہ سمجھ کر کہ ابھی عدت پوری نہیں ہوئی رجوع کرلے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ((اور اللہ سے ڈرو) عورت جھوٹ نہ کہہ دے کہ میری عدت گزر گئی اور مرد عدت گزرنے کے بعد بھی رجوع کا دعویدار نہ ہوجائے اور عدت گزر جانے کے باوجود عورت خرچہ وصول نہ کرتی رہے۔

مطلقہ عورتوں کو گھر سے نہ نکالو: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (جن عورتوں کو تم نے طلاق دیدی انہیں عدت کے درمیان گھر سے نہ نکالو اور عورتیں بھی گھر سے نہ نکلیں) عدت گزرنے تک اس گھر میں رہیں جس میں طلاق ہوئی ہے۔ جس عورت کو طلاق ہوگئی ہو اس کا نفقہ یعنی ضروری خرچہ اور رہنے کا گھر طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ ہے، مرد بھی اسے اس گھر میں رکھے جہاں اسے طلاق دی ہے اور عورت بھی اسی گھر میں رہے: اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ اس میں استثناء کی ایک صورت بیان فرمائی ہے یعنی اگر مطلقہ عورت عدت کے زمانہ میں کھلی ہوئی بے حیائی کر بیٹھے تو اسے گھر سے نکالا جاسکتا ہے جس میں اس کو طلاق دی ہے مثلاً اگر اس نے زنا کرلیا تو حد جاری کرنے کے لئے اس کو گھر سے نکالا جائے گا پھر واپس اسی گھر میں لے آئیں گے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاحشہ مبینہ کا مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورت بدزبان ہو اگر شوہر اور شوہر کے گھر والوں کے ساتھ بدزبانی کرتی ہو تو اس کی وجہ سے گھر سے نکالا جاسکتا ہے۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ (اور یہ اللہ کے احکام ہیں) ان کی پابندی کرو۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (اور جو شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کرلیا) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اپنی جان پر ظلم ہے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں سزا مل سکتی ہے۔

طلاق اور عدت اور رجعت اور گھر سے نہ نکالنے کی تاکید ان میں سے کسی بھی حکم شرعی کی مخالفت کی تو یہ ظلم شمار ہوگا۔

لَاتَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا (ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ طلاق دینے کے بعد کوئی نئی بات پیدا فرمادے) مثلاً طلاق دینے پر ندامت ہوجائے اور دل میں رجوع کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے، لہٰذا سوچ سمجھ کر احکامِ شرعیہ کو سامنے رکھ کر طلاق دینے کا اقدام کیا جائے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تین طلاق بیک وقت نہ دی جائیں کیونکہ اس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔ اگر تین طلاق دینی ہی ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دیدے۔ دو طلاق تک عدت میں رجوع کرنے کا حق ہے اگر تین طلاقیں بیک وقت دیدیں تو رجوع کا وقت ختم ہوجائے گا اور طلاق بائن دینے سے بھی رجوع کا حق ختم ہوجاتا ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر اقدام کرے۔

طلاق رجعی کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو مطلقہ کو روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ اچھے طریقے پر چھوڑ دو:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (جب مطلقہ عورتوں کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو انہیں خوبی کے ساتھ روک لو) یعنی رجوع کرلو۔ اَوْفَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ (یا انہیں خوبی کے ساتھ جدا کردو) ایسا نہ کرو کہ انہیں دکھ تکلیف دینے کے لئے بار بار طلاق دیتے رہو اور رجوع کرتے رہو۔ یہ مضمون سورۃ البقرہ میں بھی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (اور انہیں نہ روکو یعنی ایسا نہ کرو کہ انہیں ضرر پہنچانے یا دکھ دینے کی وجہ سے روک کر رکھے رہو) وہاں یہ بھی فرمایا ہے: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا) (دیکھو انوار البیان صفحہ ۴۴۶: جلد اول) وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (اور اصحاب عدل میں سے اپنے دو آدمیوں کو گواہ بنالو) یہ امر استحبابی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلاق دینا ہو یا طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا ہو یا طلاق بائن دے کر رجوع نہ کرنا طے کردیا ہو تو ان چیزوں پر دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو نیک صالح اور سچے لوگ ہوں تاکہ اگر کبھی پھر کوئی اختلاف کی صورت بن جائے تو گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا جاسکے۔ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (اور گواہی کو اللہ کے لئے قائم کرو)

اس میں یہ بتادیا کہ گواہی ٹھیک طریقہ پر قائم کی جائے یعنی صحیح گواہی دی جائے نیز یہ بھی بتادیا کہ جو بھی گواہی دی جائے وہ اللہ کی رضا کے لئے ہو جس کے ذریعہ مظلوم کا حق اسے مل جائے اہلِ دنیا میں سے کسی کے دباؤ میں جھوٹی گواہی نہ دیدی جائے۔ اللہ کی رضاء کے لئے گواہی دینے میں یہ بھی شامل ہے کہ اجرت پر گواہی نہ دے۔ گواہی دینے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے البتہ آنے جانے کا کرایہ لے سکتا ہے۔

شہادت کے تفصیلی احکام سورۃ البقرہ کے رکوع نمبر ۳۹ میں گزر چکے ہیں:

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اوپر جو باتیں بیان ہوئیں ان کے ذریعہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو۔

اوپر جو احکام مذکور ہوئے سراپا ہدایات ہیں ان کے ماننے میں خیر ہی خیر ہے۔ اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ ان کا دھیان کریں اور ان کے مطابق چلیں، سامنے آخرت کا دن بھی ہے، جسے آخرت کا یقین ہے حساب کتاب کا ڈر ہے اسے تو ضرور ہی نصیحت پر عمل کرنا لازم ہے۔

تقویٰ اور توکل کے فوائد: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے لئے اللہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنادیتا ہے)۔

وَیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے رزق ملنے کا خیال بھی نہ ہو) اس میں مومن بندوں کے لئے بہت بڑی تعلیم ہے جو شخص فرمانبرداری کرے گا، نیک اعمال میں لگے گا، گناہوں سے بچے گا اور احکام شرعیہ پر عمل کرے گا (خواہ طلاق یا رجعت سے متعلق ہوں جن کا یہاں ذکر ہے۔ خواہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے) ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی ہے۔

تقویٰ مومن بندوں کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح کا ذریعہ ہے مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ والوں سے دو وعدے کئے ہیں اول یہ کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی مخرج یعنی مشکلات سے نکلنے کا راستہ نکال دے گا۔ دنیا میں مشکلات تو پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ لوگ ان کے لئے تدبیریں کرتے رہتے ہیں بعض لوگ گناہوں کے ذریعہ ان کو دفع کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر بھی مشکلات میں پھنسے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے وعدہ فرمایا کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں (کیا رجوع کرنے کی کوئی صورت ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم لوگ حماقت کا کام کرتے ہو پھر کہتے ہو اے ابن عباس، اے ابن عباس، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا اور اے سائل تو اللہ سے نہیں ڈرا۔ میں تیرے لئے کوئی مخرج یعنی مشکل سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا، تو نے اللہ کی نافرمانی کی تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۹)

دوسرا وعدہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے والے کو اللہ ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں اس کا دھیان بھی نہ ہوگا۔

دونوں وعدے دنیا سے متعلق ہیں اور آخرت سے بھی، تقویٰ اختیار کرنے والے کے لئے دنیا میں بھی خیر ہے مشکلات سے چھٹکارہ ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے جہاں سے خیال بھی نہ ہو۔ یہ باتیں آزمائی ہوئی ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اس پر عمل کرلیں تو ان کے لئے کافی ہوجائے، وہ آیت یہ ہے: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا وَّیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۳)

وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ (اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے سو اللہ اس کے لئے کافی ہے) اس سے پہلے متقی کے لئے غیبی مدد اور خیر و خوبی اور رزق کا وعدہ فرمایا اور اس جملہ میں توکل کرنے والوں سے خیر کا وعدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لئے اللہ کافی ہے یہ بھی بہت بڑی بشارت ہے اور اللہ کی طرف سے مدد اور نصرت کا اعلان ہے۔

تقویٰ اور توکل دونوں بڑی اہم چیزیں ہیں مومن کی گاڑی کے پہیے ہیں۔ کوئی دونوں کو اختیار کر کے تو دیکھے پھر دونوں چیزوں کی برکات بھی دیکھ لے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا دل ہر وادی میں کچھ نہ کچھ مشغول رہتا ہے۔ سو جس شخص نے اپنے دل کو ان سب مشغولیتوں میں لگادیا۔ اس کے بارے میں اللہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا کہ اسے کس وادی میں ہلاک کردیا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے اللہ اس کے سب کاموں کی کفایت فرمائے گا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آجاتے ہیں۔

(رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۵۲)

توکل کے درجات ہیں ترکِ اسباب بھی ایک درجہ ہے رسول اللہ علیہ ﷺ نے اسی کو اختیار فرمایا ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ علیہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ (اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کیجئے اور سجدہ کرنیوالوں میں سے رہیے اور موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کیجئے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴)

اسباب اختیار کرتے ہوئے بھی بندہ متوکل ہوسکتا ہے بشرطیکہ اسباب پر بھروسہ نہ ہو بھروسہ اللہ پر ہی ہو اور حقیقی رازق اسی کو سمجھتا ہو جب یہ بات حاصل ہو جائے تو بندہ اسباب اختیار کرنے میں بھی گناہ سے بچتا ہے اور رزق حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا جس میں گناہ کو اختیار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا انداز مقرر فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ (بیشک اللہ اپنا کام پورا کر ہی دیتا ہے) وہ جو ارادہ فرمائے گا اس کے ارادہ کے مطابق ہو کر رہے گا اور احکام تشریعیہ میں جو حکم دینے کا ارادہ کرے گا وہ حکم دے ہی دے گا اس کے ارادہ کو کوئی روکنے والا نہیں: قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (بے شک اللہ نے ہر چیز کو ایک انداز مقرر رکھا ہے)۔ اسی کے مطابق تکوینی اور تشریعی احکام نافذ ہوتے رہتے ہیں۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ

اور تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں

وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ

اور اسی طرح جن عورتوں کو حیض نہیں آتا، اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ

لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝٤ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا، یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا

وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝٥ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ

اور اس کو بڑا اجر دے گا، تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لئے

لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ

ضرر مت پہنچاؤ اور اگر وہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان پر خرچ کرو۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ

پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لئے دودھ پلائیں تو تم ان کو اجرت دو۔ اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو۔ اور اگر باہم کشمکش کرو گے تو

فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝٦ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ

کوئی دوسری عورت دودھ پلا دیگی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰـهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰـهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞

اس کو چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے اللہ کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اس کو دیا ہے اللہ تنگی کے بعد جلدی خوشحالی دیدے گا

عدت سے متعلق چند احکام کا بیان، حاملہ، حائضہ، آئسہ کی عدت کے مسائل

ان آیات میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں۔ اولاً تو ان عورتوں کی عدت بیان فرمائی۔ دوم وہ عورتیں جن کو حیض آنا شروع نہیں ہوا، ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

پھر ان عورتوں کی عدت بیان فرمائی جن کو حمل ہوان کا حمل جب بھی ختم ہو جائے (بچہ پیدا ہو جانے سے یا ایسے حمل ساقط ہو جانے سے جس کا کوئی عضو بن گیا تھا۔ عدت ختم ہو جائے گی، حمل والی عورتوں کی عدت علی الاطلاق وضع حمل جو بتائی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا عموم ہر عدت گزارنے والی عورت کو شامل ہے۔ جس کسی عورت کا شوہر مر گیا ہو اور جس کو طلاق ہوئی ہو اگر اس کو حمل ہے تو حمل ختم ہو جانے پس اس کی عدت ختم ہو جائے گی شوہر کی وفات پر جو چار مہینے اور دس دن اور طلاق والی عورت کو جو عدت گزارنے کے لئے تین حیض گزارنے کا حکم ہے یہ ان عورتوں سے متعلق ہے جن کو حمل نہ ہو۔

فائدہ:— جس کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہوا ہو پھر میاں بیوی کی تنہائی ہونے سے پہلے ہی طلاق ہو جائے تو ایسی عورت پر کوئی عدت واجب نہیں۔

فائدہ: جس عورت کو حیض آتا تھا پھر حیض آنا بند ہو گیا اور ابھی اس عمر کو بھی نہیں پہنچی جس میں حیض آنا بند ہو جاتا ہے (جس کو سن ایاس کہتے ہیں) ایسی عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین مہینے گزرنے سے نہیں پوری ہوگی وہ انتظار کرے یا تو تین حیض آجائیں یا پھر سن ایاس آجائے جس میں بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض آنا ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے آسانی فرما دیتا ہے (دنیا و آخرت میں اس کے لئے آسانیاں ہو جاتی ہیں)

پھر فرمایا: ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ (یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کو اس نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے)
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا)

اس رکوع میں تین بار تقویٰ کی فضیلت بیان فرمائی ہے پہلے تو یہ فرمایا جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ بنائے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو، پھر فرمایا جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کاموں میں آسانی فرما دے گا، پھر فرمایا جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔ تینوں آیات ملانے سے تقویٰ کی بڑی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوئی، اور اللہ تعالیٰ شانہ نے تقویٰ اختیار کرنے پر جو وعدے فرمائے ہیں ان کا علم ہوا۔

کوئی شخص تقویٰ اختیار کر کے تو دیکھے پھر دیکھے اللہ تعالیٰ کے وعدے کس طرح پورے ہوتے ہیں لوگوں نے تقویٰ اور توکل کو چھوڑ دیا، عام طور سے لوگوں میں گناہگاری اور دنیاداری آ گئی لہٰذا غیبی مددیں بھی نہیں رہیں۔

تیسرا حکم یہ فرمایا اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ کہ ان عدت گزارنے والی عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ،

جہاں تم ٹھہرے ہوئے ہو اپنی استطاعت کے مطابق۔

چوتھا حکم یہ فرمایا: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ (اور تم ان کو ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ انہیں تنگی میں ڈال دو اور وہ تمہارے گھر سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔

پانچواں حکم یہ فرمایا کہ حمل والی عورتوں پر حمل وضع ہونے تک خرچ کر دو۔

مطلقہ عورتوں کے اخراجات کے مسائل: ان احکام کی توضیح اور تفسیر یہ ہے کہ عدت والی عورتوں کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ رجعی طلاق دی ہوئی ہو۔ ۲۔ طلاقِ بائن یا مغلظہ دی گئی ہو اور عورت حمل والی نہ ہو۔ ۳۔ طلاق ملنے والی عورت حاملہ ہو ۴۔ وہ عورت جس نے شوہر سے خلع کر لیا ہو ۵۔ عدۃ الوفاۃ گزار رہی ہو۔

ان عورتوں کو جن اخراجات کی ضرورت ہوتی ہے وہ تین ہیں:

۱۔ کھانے کا خرچہ ۲۔ رہنے کا گھر ۳۔ کپڑے پہننے کی ضرورت

طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلظہ حالتِ حمل میں ہو یا غیر حمل میں۔ ہر صورت میں طلاق دینے والے کے ذمہ ہے کہ عدت کے زمانے کا نان نفقہ برداشت کرے اور رہنے سہنے کے لئے گھر بھی دے اگر خود بھی اسی گھر میں رہے تو طلاق بائن یا مغلظہ ہونے کی صورت میں پردہ کر کے رہے اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر سے خلع کر لی تو یہ بھی طلاق بائن کے حکم میں ہے (**و هو مقيد بما اذا لم تجعله داخلا في بدل الخلع، راجع البحر الرائق**) اس میں بھی عدت واجب ہوتی ہے اور عدت کا نان نفقہ اور رہنے کے لئے گھر دینا واجب ہوتا ہے اور جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو اس پر عدت تو لازم ہے لیکن شوہر کے مال میں نان نفقہ واجب نہیں یہ عورت اپنے مہر میں سے یا میراث کے حصہ میں سے اپنے اوپر خرچ کرے اگر خرچہ موجود نہ ہو اور میکہ والے بھی خرچ نہ کریں تو محنت مزدوری کر کے گزارہ کر لے، اگر اس کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑے تو پردہ کے ساتھ دن میں باہر جا سکتی ہے اگر واپسی میں دیر ہو جائے اور تھوڑی سی ابتدائی رات اپنے گھر سے باہر گزر جائے تو اس کی اجازت ہے ضرورت پوری ہوتے ہی واپس آ جائے اور رات کو اسی گھر میں رہے جس میں رہتے ہوئے شوہر نے وفات پائی ہے عدت وفات والی عورت کے شوہر کی میراث سے مذکورہ گھر میں اگر اتنا حصہ نہ نکلتا ہو جو اس کی رہائش کے لئے کافی ہو یا شوہر کے ورثاء اس کو گھر سے نکال دیں یا مکان کرائے پر تھا اس کا کرایہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو یا اپنی جان یا مال کے بارے میں خوف و خطرہ ہو تو اس گھر کو چھوڑ سکتی ہے جس میں شوہر کی وفات ہوئی۔

مطلقہ عورتوں کو رہنے کی جگہ دینے کا حکم: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ میں فرمایا ہے اور مِنْ وُّجْدِكُمْ فرما کر یہ بتا دیا کہ اپنی وسعت قوت اور طاقت کو دیکھو اس کے مطابق اسے رہنے کو جگہ دو، شریعت کی پاسداری کرو حکم شرعی ہونے کی وجہ سے انہیں اسی گھر میں ٹھہراؤ جس میں تم رہتے ہو وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ. اور ان کو تکلیف نہ دو تا کہ تم انہیں تنگدل کر دو یعنی ایسی صورت اختیار نہ کرو کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں قول سے یا فعل سے کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے اس کا تمہارے ساتھ رہنا دوبھر ہو جائے یہ تو مطلقہ عورتوں کو رہائش دینے کا حکم ہوا۔ اس کے بعد فرمایا:

وَاِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور اگر مطلقہ عورتیں حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ وضع کر دیں۔ حمل والی عورت کی عدت وضع حمل ہے جب حمل وضع ہو جائے گا اس کی عدت بھی ختم ہو جائے گی اور عدت کے لوازم یعنی نان، نفقہ رہنے کا گھر بھی سابق شوہر کے ذمہ نہیں رہے گا۔

بچوں کو دودھ پلانے کے مسائل: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو ماں

باپ دونوں مل کر پرورش کرتے ہیں۔ بچے شفقت میں پلتے بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ ماں دودھ پلاتی ہے اور باپ بچہ پر اور بچہ کی ماں پر خرچ کرتا ہے لیکن اگر طلاق ہو جائے تو بچہ کی پرورش کا اور دودھ پلانے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ماں کا دل تو چاہتا ہے کہ میں ہی اسے دودھ پلاؤں اگر مفت میں پلائے تو اسے اختیار ہے۔ اور اچھی بات ہے اور اگر بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی مناسب اجرت مانگے تو یہ بھی جائز ہے اور باپ کے ذمہ ہے کہ اسے دودھ پلانے کی اجرت دے۔ اس مضمون کو مذکورہ عبارت میں بیان فرمایا ساتھ ہی **وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ** بھی فرما دیا مطلب یہ ہے کہ ماں اور باپ دونوں باہمی مشورہ کر لیں اور بچہ کی خیر خواہی ہر ایک کے پیش نظر رہے عورت بھی مناسب سے زیادہ اجرت نہ مانگے اور باپ بھی اجرت طے کرنے کے بعد انکار نہ کرے۔ حق واجب کو نہ روکے، باپ یوں نہ سمجھے کہ چونکہ اس کا بچہ ہے اس کو پلانا پڑے گا میں اجرت دوں یا نہ دوں، کم دوں یا زیادہ دوں اور ماں یہ سوچ کر زیادہ اجرت نہ مانگے کہ اپنے بچہ کی وجہ سے یہ منہ مانگی اجرت دینے پر راضی ہوگا۔

شرعاً باپ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بچہ کی ماں کی مطلوبہ اجرت ضرور ہی دے۔ زائد اجرت طلب کرنے کی صورت میں دوسری عورت سے بھی دودھ پلوا سکتا ہے لیکن ماں، ماں ہی ہے وہ زیادہ شفقت سے رکھے گی باپ بچہ کو اسکی ماں کے ذمہ لگائے اور اس سے دودھ پلوائے تو اسے بھی چاہیئے کہ مناسب اجرت سے زائد نہ لے۔ رضاع اور ارضاع کے مسائل سورہ بقرہ میں بھی گزر چکے ہیں۔

فائدہ: جب کسی مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لئے لے لیا تو جب تک شوہر کی طرف سے زمانہ عدت کا نان نفقہ مل رہا ہے تو اس وقت تک دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کر سکتی، یعنی دوہرا خرچہ نہیں دیا جائے گا۔ اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے بچہ کے دوسرے اخراجات اس کے سوا ہوں گے۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى اور اگر تم آپس میں تنگی محسوس کرو کہ نہ ماں مناسب اجرت پر دودھ پلانے پر تیار ہو اور نہ باپ اس کی مطلوبہ اجرت دینے پر راضی ہو تو دوسری عورت پلا دے گی یہ بظاہر خبر، بمعنی الامر ہے یعنی بچہ کا والد اور کسی دودھ پلانے والی کو تیار کرلے جو دودھ پلا دے، اس طرز خطاب میں تربیت ربانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک جان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے زندہ بھی رکھتا ہے اور اس کی پرورش بھی کروانی ہے تو وہ کسی اور کو آمادہ فرما دے گا آخر بے ماؤں کے بچے بھی تو پرورش پاتے ہی ہیں۔

ہر صاحب وسعت اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے: **لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ** (وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے)۔ **وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ** (اور جس کے رزق میں تنگی ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دے رکھا ہے) یعنی پیسہ والا آدمی بچہ پر اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور تنگ دست آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا (اور اللہ کسی جان کو اس سے زیادہ خرچ کرنے کا مکلف نہیں بناتا جتنا اس کو دیا ہے)

اللہ تنگی کے بعد آسانی فرما دے گا: **سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا** (اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد آسانی فرما دے گا) لہٰذا کوئی خرچ کرنے والا راہ خیر میں خرچ کرنے سے پہلوتہی نہ کرے اور مالیات کے سلسلہ میں جو فرائض و واجبات ہیں ان میں خرچ کرے اور یہ نہ سوچے کہ اس کو خرچ کر دوں گا تو اور کہاں سے آئے گا۔ عموماً فقہاء کے کلام میں مطلقہ عورت کے

لئے زمانہ عدت کا نان نفقہ اور سکنٰی یعنی رہائش کا گھر دینے کا ذکر ہے کسوۃ یعنی پہننے کے کپڑے دینے کا ذکر نہیں ہے صاحب البحر الرائق نے اس پر توجہ فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ ذخیرہ اور خانیہ اور عنایہ اور مجتبیٰ میں پوشاک کے مستحق ہونے کا بھی ذکر ہے۔ پھر لکھا ہے کہ اس کا تعلق حاجت اور ضرورت سے ہے اگر عورت کے پاس پہننے کے کپڑے ہیں اور مدت بھی مختصر ہے مثلاً تین حیض یا تین ماہ ہیں تو کپڑے کا انتظام کرنا واجب نہیں اور اگر اسے کپڑوں کی ضرورت پڑ گئی اور عدت کی مدت لمبی ہو گئی مثلاً حیض نہیں آتا جس کی وجہ سے طہر میں امتداد ہو گیا تو قاضی کپڑے بھی دلائے گا۔

ولم یذکر الکسوۃ والمنقول فی الذخیرۃ والخانیۃ والعنایۃ والمجتبیٰ ان المعتدۃ تستحق الکسوۃ قالوا وانمالم یذکرھا محمد فی الکتاب لان العدۃ لا تطول غالبا فتستغنی عنھا حتی لو احتاجت الیھا یفرض لھا ذلک اھ فظھر بھذا ان کسوۃ المعتدۃ علی التفصیل اذا استغنت عنھا لقصر المدۃ کما اذا کانت عدتھا بالحیض وحاضت اوبالاشھر فانہ لا کسوۃ لھا وان احتاجت الیھا لطول المدۃ کما اذا کانت ممتدۃ الطھر ولم تحض فان القاضی یفرض لھا وھذا ھوالذی حررہ الطرسوسی فی انفع الرسائل و ھو تحریر حسن مفھوم من کلامھم (کپڑوں کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ ذخیرۃ' خانیۃ' عنایۃ اور المجتبیٰ میں منقول ہے کہ عدۃ والی عورت کپڑوں کی بھی مستحق ہے امام محمدؒ نے کتاب میں کپڑوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا کیونکہ عدۃ عموماً لمبی نہیں ہوتی اس لئے عورت کپڑوں کی ضرورتمند نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر اسے کپڑوں کی ضرورت پڑے تو اس کے لئے کپڑے مقرر کئے جائیں گے اھ اس سے واضح ہوا کہ عدت والی عورت کے کپڑوں کا مسئلہ میں تفصیل ہے اور اگر وہ کپڑوں کی ضرورت مند نہ ہو عدت کی مدت کے کم ہونے کی وجہ سے جیسا کہ اگر اس کی عدت حیض کے ساتھ ہو اور (مسلسل) اسے حیض آئے یا عدت مہینوں کے ساتھ ہے تو اس کے لئے کپڑے نہیں ہیں اور اگر عدت لمبی ہو جانے کی وجہ سے کپڑوں کی ضرورت پڑی جیسا کہ جب اس کا طہر لمبا ہو جائے اور جلدی حیض نہ آئے تو قاضی اس کے لئے کپڑے مقرر کرے گا اور اس تفصیل کو طرسوسی نے انفع الرسائل میں لکھا ہے اور یہ بہت عمدہ تحریر ہے جو فقہاء کے کلام سے ماخوذ ہے) (البحر الرائق صفحہ ۲۱۶: ج ۴)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی۔ سو ہم نے ان کا سخت حساب کیا اور انہیں

عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝٩ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

برا عذاب دیا سو اس نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور ان کا انجام کار خسارہ ہوا۔ اللہ نے ان کے لئے

عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝١٠

سخت عذاب تیار فرمایا سو اے عقل والو جو ایمان لائے اللہ سے ڈرو۔ اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ نازل فرمایا

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ

ایک ایسا رسول جو تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے جو واضح طور پر بیان کرنے والی ہیں تاکہ ان لوگوں کو اندھیریوں سے نور کی طرف نکالے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ اللہ اسے ایسی جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝١١

نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ نے اس کے لئے اچھی روزی مقرر فرمائی ہے۔

گزشتہ ہلاک شدہ بستیوں کے احوال سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں سرکش اقوام کی ہلاکت اور بربادی کا اور ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کی کامیابی کا تذکرہ فرمایا ہے

صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان بستیوں کے رہنے والوں کو دنیا میں بھوک اور قحط کا اور تلواروں سے مقتول ہونے کا اور دوسری مصیبتوں کا عذاب دیا اور آخرت میں ان سے سخت حساب لیں گے، ان لوگوں نے سرکشی کی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے سے منہ موڑا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا لہٰذا دنیا میں بھی عذاب میں گرفتار ہوئے اور عذاب بھی منکر تھا بہت سخت اور برا تھا اور رسوا کن تھا پھر آخرت میں بھی ان سے سخت حساب لیا جائے گا وہاں سخت حساب کے جواب کی کسے تاب ہوگی لہٰذا وہاں پوری طرح خسارہ یعنی ہلاکت و بربادی کا سامنا ہوگا اور انجام کے طور پر دوزخ کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے دنیا میں بھی اپنے کئے کا وبال چکھا، اور آخرت میں بھی برباد ہوں گے اسی کو فرمایا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا کہ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار فرمایا ہے۔

قرآن کریم ایک بڑی نصیحت ہے: اس کے بعد اہلِ ایمان سے خطاب فرمایا اور انہیں اہلِ عقل بتایا ارشاد فرمایا اے عقل والو! جنہوں نے ایمان قبول کیا اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت نامہ نازل فرمایا ہے یعنی قرآن اور تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے یہ رسول تمہارے اوپر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے یہ آیات بینات ہیں جو واضح طور پر صاف صاف کھول کر حق اور باطل کے درمیان فرق بتاتی ہیں تاکہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کئے انہیں اندھیریوں سے نور یعنی روشنی کی طرف نکال دے (جو لوگ اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور اس کے رسول کریم ﷺ کو نہیں مانتے وہ برابر کفر و شرک کی اندھیریوں میں رہتے ہیں، دنیا میں کفر و شرک کی گمراہی کی اندھیریوں میں رہتے ہیں اور آخرت میں دوزخ کی اندھیریوں میں رہیں گے)

اہلِ ایمان کا انعام: اس کے بعد اہل ایمان کا انعام بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے پھر اس مضمون کو قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا پر ختم فرمایا یعنی جو بندہ مومن ہوا اور اعمال صالحہ انجام دیتا رہا اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اچھا رزق تیار فرمایا ہے وہ جنت میں جائے گا تو اپنا رزق لے لے گا یہ رزق بے مثال عمدہ اور دائمی ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۚ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى

اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی ان سب میں احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

ہر شئ پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے

اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور انہیں کی طرح زمینیں پیدا فرمائیں

تفسیر: یہ آیت سورہ طلاق کی آخری آیت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت اور شان قادریت اور تکوین کو بیان فرمایا، ارشاد فرمایا اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمینیں بھی ان کی جیسی یعنی تعداد میں ان کے برابر پیدا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام ان کے درمیان نازل ہوتے ہیں۔ سب سے اوپر کے آسمان سے لے کر سب سے نیچے والی زمین تک جو بھی مخلوق ہے سب پر اس کے احکام تکوینیہ نافذ ہیں اور بہت سی مخلوق احکام شرعیہ کی بھی مکلف ہے۔ یہ سات زمینیں کہاں ہیں کس طرح ہیں جمہور علماء کا یہی فرمانا ہے کہ یہ بھی آسمانوں کی طرح اوپر نیچے سات طبقات ہیں اللہ تعالیٰ کا فرما دینا مومن بندوں کے لئے کافی ہے یہ بات کہ وہ سات زمینیں بنی آدم کے مشاہدہ میں نہیں ہیں اس سے ان کے وجود میں کوئی فرق نہیں پڑتا، احادیث

صحیح مرفوعہ سے سات زمینوں کا وجود ثابت ہوتا ہے یہ احادیث حضرت سعید بن زید اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں (دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۴۵۴ اور صحیح مسلم صفحہ ۳۳،۳۲: ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ جس نے بھی کسی کی زمین ناحق لے لی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک سب زمینوں کو ساتویں زمین کے ختم تک طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دے گا۔ (صحیح مسلم صفحہ ۳۲: ج ۲)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ کلمات ضرور پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَآ اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَآ اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی)

(اے اللہ جو ساتوں آسمانوں اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے سو ہم تجھ سے اس آبادی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس کے شر سے اور اس کی آبادی کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں)۔

وَلِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا

اللہ تعالیٰ نے تمہیں آسمانوں اور زمینوں کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس لئے ہے کہ تم یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ بھی جان لو اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے (کوئی چیز اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں ہے)۔

وھذا آخر تفسیر سورۃ الطلاق والحمد للہ العلی الخلاق، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی عرج الی سبع السموات و علی الہ و اصحابہ الذین نشروا الدین فی الآفاق

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ التحریم مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

اے نبی آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا، آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے،

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ②

اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر فرمادیا ہے اور اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے

حلال کو حرام قرار دینے کی ممانعت

تفسیر: یہاں سے سورۃ التحریم شروع ہو رہی ہے۔ اس کی ابتدائی آیات کے سبب نزول کا ایک واقعہ ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ تھوڑا تھوڑا وقت ہر ایک کے پاس گزارتے تھے ایک دن جو حضرت زینب بنت جحش کے پاس تشریف لے گئے ان کے پاس شہد پی لیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی تشریف لائیں تو ہم کہہ دیں گے کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے (یہ ایک قسم کا گوند ہوتا تھا) چنانچہ آپ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس تشریف لائے تو یہی بات عرض کر دی آپ نے فرمایا کہ میں نے مغافیر تو نہیں کھایا بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں نے قسم کھالی ہے کہ اس کے بعد ہرگز نہیں پیوں گا اس پر آیت کریمہ **یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ** نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری صفحہ ۷۲۹: ج ۲)

یہ قصہ ذرا تفصیل سے صحیح البخاری صفحہ ۷۹۳ میں بھی ہے اس میں کچھ اختلاف روایت بھی ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو اسوہ اور مقتدیٰ بنا کر بھیجا تھا اس لئے طرح طرح کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تاکہ امت کو اپنے حالات اور معاملات میں ان سے سبق ملے آپ کی بعض بیویوں نے جو ایسا مشورہ کیا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم ایسا ایسا کہیں گے یہ شوہر اور بیوی کی آپس کی دل لگی کی بات ہے اس میں یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ ان عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کو کیوں ایذاء پہنچائی، جب یہ عرض کیا گیا کہ آپ نے گوند کھایا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے گوند نہیں کھایا۔ میں زینب کے پاس شہد پی کر آیا ہوں اور ساتھ ہی قسم بھی کھالی کہ اب میں نہیں کھاؤں گا اور سوال کرنے والی بیوی سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی کو نہیں بتانا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے نبی جو چیزیں اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دی ہیں۔ آپ ان کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہیں آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، یہ حرام قرار دینا ان کی خوشنودی کے لئے ہے حلال کو حرام قرار کر لینا اور پھر اس پر قسم کھانا آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی عظمت بتائی ہے کہ ترکِ اولیٰ بھی آپ کے مقامِ رفیع کے خلاف ہے۔ یہ بھی توقع نہیں ہونا چاہئے تھا اور جو کچھ ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اسے بھی معاف فرما دیا (آپ نے اعتقاداً حلال کو حرام قرار نہیں دیا تھا البتہ ترک مباح پر قسم کھالی تھی)۔

قسم کھانے کے بعد کیا طریقہ اختیار کیا جائے: **قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ** (اے مسلمانو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کا کھول دینا مشروع فرمایا ہے) اس میں لفظ **لَكُمْ** بڑھا کر یہ بتا دیا کہ ساری امت کے لئے یہی حکم ہے کہ جب کسی چیز کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے عہدہ برآہ ہونے کا جو طریقہ مشروع فرمایا ہے۔ اس کے مطابق عمل کر لیں۔ یہ قسم کا کھولنا یعنی قسم کھا کر جو بات اپنے ذمہ کر لی ہے اس سے نکلنا دو طریقہ سے ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ قسم کھا کر جو بات اپنے ذمہ کر لی ہے اس سے نکلنا دو طریقہ سے ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ قسم کو پورا کر دے (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اور دوسرا یہ کہ اگر قسم ٹوٹ جائے تو اس کا کفارہ دیدیا جائے ان دونوں صورتوں سے قسم ختم ہو جاتی ہے یعنی اس کا حکم باقی نہیں رہتا، پھر معلوم ہونا چاہئے کہ ایک تو یہ قسم ہے کہ اللہ کی قسم ایسا کروں گا یا ایسا نہیں کروں گا (پھر اس میں معلق اور غیر معلق کی تفصیلات ہیں) اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی حلال کو اپنے اوپر حرام کر لے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی یمین ہے اس کا بھی کفارہ واجب ہے جیسا کہ قسم کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

تفسیر قرطبی میں بلاسند نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا تھا پھر زید بن اسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا تھا۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ
اور جب نبی ﷺ نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے آہستہ سے بیان فرمادی پھر جب وہ بات اس بیوی نے بتادی اور اللہ نے وہ بات نبی پر ظاہر فرمادی
عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ
تو پیغمبر ﷺ نے کچھ بات بتادی اور کچھ بات سے اعراض کیا پھر جب نبی ﷺ نے وہ بات اس بیوی کو بتادی تو اس نے کہا کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟
قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝
آپ نے فرمایا مجھے جاننے والے خبر رکھنے والے نے خبر دی۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک خصوصی واقعہ جو بعض بیویوں کے ساتھ پیش آیا

تفسیر: بعض مفسرین نے اس آیت کا تعلق بھی شہد والے قصہ سے بتایا ہے اور یوں تفسیر کی ہے کہ آپ نے جو یوں فرمایا تھا کہ میں شہد نہیں پیوں گا، اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا تھا کہ کسی سے کہنا نہیں لیکن جس اہلیہ سے یہ فرمایا تھا اس نے آپ کی دوسری اہلیہ کو یہ بات بتادی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی اس سے مطلع فرمادیا تو آپ نے اہلیہ کو تھوڑی سی بات بتادی۔ یعنی یہ جتادیا کہ تو نے اتنی بات ظاہر کردی ہے اور فلاں عورت سے کہہ دی اور آپ نے تھوڑی سی بات سے اعراض فرمایا یعنی غایت کرم کی وجہ سے پورے اجزاء کا اظہار نہیں فرمایا، تاکہ ظاہر کرنے والی اہلیہ کو یہ بات جان کر شرمندگی نہ ہو کہ میں نے جو کچھ دوسری خاتون سے کہا ہے وہ سب آپ کو معلوم ہوگیا، جب آپ نے بات بتانے والی بیوی کو یہ جتلایا کہ تو نے میری بات کہہ دی ہے تو اس نے سوال کیا کہ آپ کو کس نے خبر دی آپ نے فرمایا کہ مجھے علیم وخبیر یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی، صاحب بیان القرآن نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

لیکن تفسیر کی کتابوں میں یہاں ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے اور آیت بالا کو اسی سے متعلق بتایا ہے وہ واقعہ معالم التنزیل میں یوں لکھا ہے کہ: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے گھر جانے کی اجازت مانگی، آپ نے اجازت دیدی آپ کی ایک باندی ماریہ قبطیہ تھی جن سے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے تھے (رضی اللہ عنہما) وہ وہاں پہنچ گئیں آپ نے ان سے اپنی حاجت پوری کرلی حفصہ جو واپس آئیں تو انہوں نے دروازہ بند دیکھا اور صورت حال کو بھانپ لیا جب آپ تشریف لائے تو شکایت کی کہ آپ نے میرے اکرام کے خلاف کیا اور میری نوبت کے دن اور میرے بستر پر باندی سے استمتاع کرلیا، آپ نے فرمایا اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے میری باندی ہے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اس کو حلال قرار دیا ہے چلو خاموشی اختیار کرو میں اسے اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں تو راضی ہوجا اور کسی کو خبر نہ دینا، جب آپ باہر تشریف لے گئے تو حضرت حفصہ نے حضرت عائشہؓ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انہیں خوشخبری سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا ہے، اس کے بعد صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی باندی کو اپنے اوپر حرام فرمالیا تھا۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ سے یہ بات مراد ہے، جس میں یہ ہے کہ آپ نے حفصہؓ سے فرمایا تھا کہ کسی کو خبر نہ دینا، پھر حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اسی وقت یہ بھی بتادیا تھا کہ میرے بعد ابوبکر وعمر خلیفہ ہوں گے حضرت حفصہ نے یہ باتیں اپنی سہیلی حضرت عائشہؓ کو بتادیں آپ نے فرمایا کہ تو نے عائشہ کو یہ بات بتائی ہے انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ

نے فرمایا مجھے علیم وخبیر نے بتادیا، حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو باندی حرام کرنے والی بات بھی بتادی تھی اور خلافت والی بھی لیکن رسول اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک بات کا ذکر فرمایا اور ایک بات چھوڑ دی یعنی یوں نہیں فرمایا کہ تو نے عائشہ کو خلافت والی بات بھی بتائی ہے آپ چاہتے تھے کہ خلافت والی بات لوگوں میں نہ پھیلے۔ مفسر قرطبی نے بھی حضرت ماریہ کو حرام قرار دینے والی بات لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ سند کے اعتبار سے اور معنوی تعلق کے اعتبار سے یہ زیادہ ٹھیک ہے، لیکن صحیح احادیث میں مذکور نہیں ہے اگر اس روایت کو سامنے رکھا جائے تو عَرَّفَ بَعْضَهٗ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کو جو باتیں بتائی تھیں ان میں سے آپ نے کچھ بات بتادی اور کچھ بات سے خاموشی اختیار فرمالی۔

آیت بالا کو شہد والے قصہ سے متعلق مانا جائے تو اس میں چونکہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم یوں کہیں گے کہ آپ نے شہد پیا ہے لہٰذا دونوں کی ذات پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے والا مشورہ کیوں کیا، ارادہ خواہ ایذاء دینے کا نہ ہو صرف دل لگی مقصود ہو لیکن صورت حال ایسی بن گئی کہ آپ علیہ وسلم کو اس سے تکلیف پہنچی لہٰذا توبہ کا حکم دیا گیا۔ دوسرے قصہ میں بظاہر حضرت عائشہؓ پر کوئی بات نہیں آتی کیونکہ انہوں نے صرف بات سنی تھی اور آگے بڑھانے کا ذکر بھی نہیں ملتا، ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت حفصہؓ نے ان سے یوں کہا ہو کہ تمہیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں مجھے منع تو کیا ہے کہ کسی کو نہ بتاؤں لیکن تم سے جو سہیلی پن کا تعلق ہے اس لئے بیان کر دیتی ہوں اگر انہوں نے یوں کہا اور انہوں نے سن لیا تو ایذاء دینے والی بات بن سکتی ہے ان کو چاہیے تھا کہ یوں کہہ دیتیں کہ جب آپ نے بیان کرنے سے منع فرما دیا ہے تو میں نہیں سنتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ

اے دونوں بیویو! اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل مائل ہو گئے، اور اگر پیغمبر علیہ وسلم کے مقابلہ میں تم دونوں آپس میں کاروائیاں کرتی رہو تو اللہ ان کا مولیٰ

وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ﴿٤﴾ عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ

ہے اور جبریل بھی اور نیک مسلمان بھی، اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں، اگر پیغمبر علیہ وسلم تم عورتوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلہ ان کو تم

أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ

سے اچھی بیویاں عطا فرمادے گا جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی،

ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ﴿٥﴾

کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں

رسول اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج سے خطاب

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کو توبہ کی طرف متوجہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرلو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل صحیح راہ سے ہٹ گئے تھے تمہاری باتوں سے متاثر ہو کر رسول اللہ علیہ وسلم نے شہد پینے اور اپنی جاریہ سے متمتع ہونے سے اجتناب کرنے کا ارادہ فرمالیا تھا اور اس کے بارے میں قسم کھالی تھی حالانکہ آپ کو یہ چیزیں پسند تھیں ان باتوں سے جو رسول اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے توبہ

کرنے کی طرف متوجہ فرمایا۔

دوسری آیت میں آپ کی ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ تم کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار عنقریب تمہارے بدلہ تم سے اچھی عورتیں عطا فرمادے گا یہ عورتیں اسلام والی ایمان والی، فرمانبرداری کرنیوالی، توبہ کرنے والی، عبادت کرنیوالی، روزہ رکھنے والی ہونگی، جن میں بیوہ بھی ہوں گی اور کنواری بھی، پھر ایسا واقعہ پیش نہیں آیا، نہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق دی اور نہ ان کے بدلہ دوسری بیویاں عطا کی گئیں۔

مزید فرمایا کہ اگر تم دونوں آپس میں کسی ایسے امر پر ایک دوسرے کی مدد کرتی رہو گی جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچ سکتی ہو تو رسول اللہ ﷺ کو اس سے ضرر نہیں پہنچے گا کیونکہ اللہ ان کا مولیٰ ہے اور جبریل بھی اور مومنین بھی، اور اس کے بعد فرشتے بھی مددگار ہیں، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو اور فرشتوں کی خاص کر جبریل کی اور صالح مومنین کی مدد ہو، اسے تمہارے مشورے کیا نقصان دے سکتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا وہ دونوں کون سی عورتیں ہیں جن کے بارے میں **وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ** فرمایا ہے ابھی میری بات پوری نہ ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس سے عائشہؓ اور حفصہؓ مراد ہیں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۳۱: ج ۲)

رسول اللہ ﷺ کے ایلاء فرمانے کا ذکر: رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ناراض ہو کر ایک ماہ کا ایلاء کر لیا تھا یعنی یہ قسم کھالی تھی کہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے اس زمانہ میں آپ نے ایک بالا خانہ میں رہائش اختیار فرمالی۔ صحابہؓ میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کا پتہ چلانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے پہلے سمجھانے کے طور پر حضرت عائشہؓ اور اپنی بیٹی حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے سے حاضر خدمت ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں کے بارے میں آپ کو کیا پریشانی ہے اگر آپ نے ان کو طلاق دیدی ہے تو آپ کے ساتھ اللہ اور جبریل اور میکائیل اور میں اور ابوبکر اور دوسرے مومنین ہیں اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق فرمائی اور آیت کریمہ: **عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا** اور آیت کریمہ **وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ** نازل فرمائی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا مومنین بیٹھے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے آپ نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا آپ کی اجازت ہو تو میں انہیں بتادوں کہ طلاق نہیں دی آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بتادو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بالا خانے سے نیچے اتر آئے، ابھی آپ کو انتیس دن ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابھی ۲۹ دن ہوئے ہیں آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے، آپ نے فرمایا یہ انتیس کا مہینہ ہے۔ (راجع صحیح مسلم صفحہ ۴۷۸ الی ۴۸۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، اس پر

مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

فرشتے مقرر ہیں جو سخت مزاج ہیں مضبوط ہیں وہ اس کام میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے، اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

اے کافرو! آج عذر بیان نہ کرو تمہیں اسی چیز کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور میں سچی توبہ کرو

تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ

نہریں جاری ہوں گی، جس دن اللہ نبی ﷺ کو اور ان کو رسوا نہ فرمائے گا جو اہل ایمان ان کے ساتھ ہیں ان کا نور ان کے سامنے اور

بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا وہ عرض کرتے ہونگے کہ ہمارے رب ہمارے نور کو پورا فرمادے اور ہماری مغفرت فرمادے، بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اے نبی!

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

جہاد کیجئے کافروں سے اور منافقوں سے، اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے

اپنی جانوں کو اور اہل وعیال کو دوزخ سے بچانے کا اور سچی توبہ کرنے کا حکم

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ایمان والوں سے خطاب فرمایا کہ تم اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں دنیا میں جو آگ ہے وہ لکڑی یا تیل یا گیس سے جلتی ہے اور ہے بھی کم گرم اور دوزخ کی آگ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں اور وہ آگ بہت زیادہ گرم بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ گرم ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۲) ایسی آگ سے بچنا اور اپنے گھر والوں کو بچانا عقل کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور یہ بچنا اسی طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خود بھی بچے اور اپنے گھر والوں کو بھی بچائے انہیں دینی احکام سکھائے اور ان پر عمل کرائے دنیا میں کھلانے پہنانے کے لئے اپنے اہل وعیال کے لئے انتظام تو کرتے ہیں لیکن دوزخ کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا اس میں عموماً غفلت برتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ تم اپنی جانوں کو بھی اس آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس میں فرائض وواجبات کا خود اہتمام کرنے اور اہل وعیال سے عمل کرانے کا حکم آ گیا اور گناہوں سے بچنے اور بچانے کا بھی بلکہ حلال کھانے اور کھلانے کا حکم بھی آ گیا، حرام کھانا اور اولاد کو حرام کھلانا دوزخ میں جانے اور لے جانے کا ذریعہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہوگا جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہوگا، دوزخ اسکی زیادہ مستحق ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۲) حلال کمائے، حلال کھائے اور بیوی بچوں کو بھی حلال کھلائے حرام سے بچے اور حرام سے بچائے حرام سے پیٹ بھر دینا ان کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ظلم ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو دین سکھانا بھی ضروری ہے کیونکہ عمل بغیر علم کے نہیں ہوسکتا علم کے بغیر جو

عمل ہوگا وہ غلط ہوگا وہ بھی عذاب دوزخ کا سبب بنے گا۔

تفسیر درمنثور میں صفحہ ۲۳۶: ج ۶ بحوالہ طبرانی، حاکم، اور بیہقی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ میں فرمایا ہے کبریت (گندھک) کے پتھر ہیں اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرمادیا (اس آگ کی تیزی پھر گندھک کے پتھروں کا ایندھن ہونا اس سب کا تصور کرے، خود بھی سوچے اور اہل وعیال کو بھی سمجھائے تاکہ گناہوں کے چھوڑنے پر نفس آمادہ ہو جائے، دوزخ پر جو فرشتے مقرر ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ سخت مزاج ہیں اور بہت زیادہ مضبوط ہیں، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے جو کچھ انہیں حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں، اس میں یہ بتادیا کہ کوئی بھی دوزخی ان فرشتوں سے جان چھڑا کر دوزخ کا دروازہ کھول کر یا دیواروں کو پھاند کر نہیں جاسکتا، انہیں جو بھی حکم ہوتا ہے مضبوطی کے ساتھ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں اس خطاب کا تذکرہ فرمایا جو کافروں کے ساتھ قیامت کے دن ہوگا۔ کافر عذاب سے چھوٹنے کے لئے عذر پیش کریں گے ان سے کہا جائے گا اے کافرو! آج تم عذر پیش نہ کرو، دنیا میں پہلے ہی سب کچھ بتادیا تھا تم نے اللہ کو نہیں مانا اس کی باتوں کو جھٹلایا قیامت کے دن کا انکار کردیا جو کچھ تم نے دنیا میں کیا آج یہاں پر اسی کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

تیسری آیت میں اہل ایمان کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور اس کا فائدہ بتایا، ارشاد فرمایا کہ اللہ کے حضور میں توبہ کرو۔ یہ توبہ پکی اور مضبوط ہو۔ توبہ کرنے سے تمہارا رب تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور ایسے باغات میں داخل فرمادے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

معالم التنزیل میں توبۃ النصوح کی تشریح میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایسی توبہ ہو جس کے بعد گناہ کرنے کے لئے واپس نہ لوٹے جیسے کہ دودھ تھنوں میں واپس نہیں آتا۔

اور حضرت حسن رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ بندہ گزشتہ اعمال پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے پختہ عزم وارادہ کے ساتھ یہ طے کرلے کہ اب گناہ نہیں کروں گا، یہ توبۃ النصوح ہے۔ اس کے بعد بہت بڑی بشارت دی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ اہل ایمان ہیں رسوا نہیں کرے گا کیونکہ اس دن کی رسوائی کافروں کے لئے مخصوص ہے جو کفر کی وجہ سے ہوگی۔ سورہ النحل میں فرمایا: اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (کہ بلاشبہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے)۔ چونکہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ سے کاملین فی الایمان مراد ہیں جو عذاب سے محفوظ رہیں گے اس لئے یہ اشکال نہیں ہوتا کہ جو اہل ایمان اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ ان کا یہ داخلہ بھی تو ذلت کی بات ہے۔

اہل ایمان کی خوبی اور خوشی کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا یعنی پل صراط پر انہیں عطا کیا جائے گا اس نور کی وجہ سے وہ پل صراط سے بغیر کسی خراش اور جھلن کے پار ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن اہل ایمان کا نور: یہ حضرات بارگاہِ الٰہی میں دعاء کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور پورا فرما دیجئے یعنی جو نور کامل ہمیں عطا فرمایا ہے اسے باقی رکھیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے جب منافقین کا نور بجھ جائے گا یعنی اہل ایمان کی روشنی میں ان کے پیچھے پیچھے آکر جو ان کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہوں گے اور مومنین کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے پیچھے رہ جائیں گے اس وقت اہل ایمان اپنا نور باقی رکھنے کی دعا کریں گے اور نور باقی رہنے کی دعا کے ساتھ مغفرت کی درخواست بھی کریں گے اور گناہوں کی بخشش کروانے کے لئے یوں عرض کریں گے وَاغْفِرْ لَنَا (اور ہمیں بخش دیجئے)۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں)

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم: چوتھی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ اے نبی آپ کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کافروں سے جہاد بالسیف کا اور منافقوں پر حجت قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے انہیں یہ بتانا کہ آخرت میں تمہاری بدحالی ہوگی اور تمہارے ساتھ نور نہ ہوگا اور مومنین کے ساتھ پل صراط پر نہ گزر سکو گے یہ سب ان کے ساتھ جہاد کرنے اور سختی کا معاملہ کرنے کو شامل ہے پھر حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ سختی کا معاملہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر حدود قائم کیجئے کیونکہ وہ ایسے کام کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کی جاتی تھی۔ صاحب روح المعانی نے بھی حضرت حسن سے یہ بات نقل کی ہے ان حضرات نے جو کچھ فرمایا وہ بھی ٹھیک ہے، احقر کے خیال میں **وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** کا مصداق یہ بھی ہے کہ منافقوں کی حرکتیں ایک عرصہ تک برداشت کرنے کے بعد انہیں ذلت کے ساتھ نام لے لے کر پکڑ پکڑ کر مسجد نبوی سے نکال دیا گیا تھا۔ کما ذکرناہ فی تفسیر سورۃ البقرۃ۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ
اللہ نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرمایا یہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو
مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ
صالح بندوں کے نکاح میں تھیں، سو ان دونوں کی خیانت کی پھر وہ اللہ کے مقابلہ میں ان عورتوں کے ذرا بھی کام نہ آسکے، اور حکم دیا گیا کہ تم دونوں دوسرے داخل
مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ
ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور اللہ نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان فرمایا ہے جبکہ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لئے
عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ⑪ وَمَرْيَمَ
اپنے قرب میں جنت میں گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون سے اور ظالم قوم سے نجات دیجئے اور عمران کی بیٹی مریم
ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا
کا حال بیان فرمایا جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی
وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ⑫
اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

حضرت نوح ولوط علیہما السلام کی بیویاں کافرہ تھیں
اور فرعون کی بیوی اور حضرت مریم مومنات میں سے تھیں

تفسیر: ان آیات میں دو ایسی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو نبیوں کے نکاح میں ہوتے ہوئے کافرہ تھیں اور کفر پر جمی رہیں اور دو ایمان والی عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن کافرہ عورتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں سے ایک حضرت نوح علیہ السلام کی اور دوسری

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے (یہ شرائع سابقہ کی بات ہے ان کی شریعتوں میں کافرہ عورت سے نکاح جائز تھا ہماری شریعت میں صرف مسلمہ اور کتابی عورت سے نکاح جائز ہے کافرہ غیر کتابیہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے)

حضرت نوح علیہ السلام کا جیسے ایک بیٹا کافر تھا سمجھانے بجھانے اور طوفان کا عذاب نظروں سے دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا اسی طرح سے آپ کی بیوی نے بھی ایمان قبول نہ کیا اللہ کے ایک نبی کے ساتھ رہتی رہی لیکن مومن ہونا گوارہ نہ کیا، معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ عورت یوں کہا کرتی تھی کہ یہ شخص دیوانہ ہے۔

دوسری کافرہ عورت جس کا ذکر فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی قرآن مجید میں کئی جگہ یہ بتایا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ غیر فطری عمل کرتے تھے اور مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے حضرت لوط علیہ السلام نے بارہا انہیں سمجھایا لیکن وہ لوگ نہ مانے، معالم التنزیل میں یہ لکھا ہے کہ ان کی بیوی قوم کے لوگوں کی مدد کرتی تھی اور جب کوئی مہمان حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتا تو لوگوں کو گھر میں آگ جلا کر بتا دیتی تھی کہ اس وقت تمہارا مقصد پورا ہوسکتا ہے (آگ جلانے کو اس نے مہمانوں کی آمد کا نشان بنا رکھا تھا قوم کے لوگ دھواں یا روشنی دیکھ کر سمجھ جاتے تھے کہ مہمان آئے ہیں اور پھر ان سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے) روح المعانی میں بھی فَخَانَتٰهُمَا کی تفسیر کرتے ہوئے ان دونوں باتوں کو لکھا ہے یعنی یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ کو دیوانہ بتاتی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کی خبر دے دیتی تھی (ثم قال رواہ جمع وصححہ الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

ان دونوں میں سے ہر عورت، اللہ کے نبی کی بیوی تھی لیکن دونوں کفر پر ہی قائم رہیں اور اسی پر موت آئی لہذا اس کی سزا میں ان کو دوسرے دوزخیوں کے ساتھ دوزخ میں جانا پڑا ان کے شوہروں کا نبی ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ہر ایسے شخص کی امید کو قطع کر دیا جو خود گناہگار ہو (کفر کی معصیت ہو یا فسق کی) اور امید یہ رکھتا ہو کہ جن نیک بندوں سے میرا تعلق ہے ان کی نیکی اور خوبی میرے تعلق کی وجہ سے مجھے نفع دے گی، خود گناہگار ہوتے ہوئے اپنے متعلقین کا نیک ہونا کام نہیں آسکتا، اپنی نجات کی خود فکر کریں، جو لوگ نسبتوں پر بھروسہ کرکے ایمان سے اور اعمالِ صالحہ سے دور رہتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ کسی کی بیوی یا بیٹا یا پوتا یا نواسہ ہونے سے ہماری نجات ہو جائے گی۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ قطع اللہ بھذہ الآیۃ طمع کل من یرکب المعصیۃ ان ینفعہ صلاح غیرہ (اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ہر اس آدمی کی امید ختم کر دی ہے جو خود تو گناہ کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ اسے دوسروں کی نیکیاں فائدہ دیں گی) (صفحہ ۳۶۸: ج ۴)

جن دو مومن عورتوں کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک فرعون کی بیوی تھی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی۔ جو لوگ ایمان لے آئے تھے فرعون انہیں بڑی تکلیفیں پہنچاتا تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ اہلِ ایمان کو زمین پر لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا اور اس وجہ سے اسے سورہ صٓ اور سورہ والفجر میں ذو الاوتاد (کیلوں والا) بتایا ہے، تفسیر روح المعانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے اپنی بیوی کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیلیں گاڑ دی تھی جب کیلیں گاڑنے والے جدا ہو گئے تو فرشتوں نے اس پر سایہ کر دیا اس وقت اس نے یہ دعا کی: رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ (اے میرے رب میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا دیجئے)۔ یعنی مقرب بندوں کے مقامات عالیہ میں جگہ نصیب فرمائیے۔ دعاء کی تو ان کا جنت والا گھر اسی وقت منکشف ہو گیا۔

جنت میں بلند مرتبوں کی درخواست کرنے کے بعد یوں دعا کی کہ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ (کہ یا رب مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے نجات دیدے) اور ساتھ ہی یوں بھی دعاء کی وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (کہ مجھے ظالم قوم سے نجات دے دیجئے) ان ظالموں سے فرعون کے کارندے انصار واعوان مراد ہیں جو فرعون کے حکم سے اہلِ ایمان کو تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے (روح المعانی صفحہ ۱۶۳، ۱۶۴: ج ۲۸) معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب فرعون نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس

کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جائے۔ جب پتھر لے کر آئے تو انہوں نے مذکورہ بالا دعا کی انہوں نے اپنا گھر جنت میں دیکھ لیا جو موتیوں کا گھر تھا اور اسی وقت روح پرواز کر گئی جب لوگوں نے پتھر رکھا تو بلا روح کا جسم تھا انہیں اس پتھر سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور حضرت حسن اور ابن کیسان سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے فرعون کی بیوی کو جنت میں اوپر اٹھا لیا وہ وہاں کھاتی پیتی ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

رسول اللہ ﷺ نے جن عورتوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں حضرت خدیجہؓ، حضرت مریمؑ، حضرت سیدہ فاطمہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، اور حضرت آسیہؓ کی فضیلت کا ذکر ملتا ہے (روح المعانی)۔ آسیہ فرعون کی بیوی کا نام تھا۔

صحیح بخاری صفحہ ۵۳۲: ج ا میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں سے کامل نہیں ہیں مگر مریم (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) اور آسیہ (فرعون کی بیوی) اور عائشہؓ کی فضیلت لوگوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت ہے ثرید کی باقی کھانوں پر۔

اہل ایمان کو حضرت مریم بنت عمران کا حال بھی بتایا ان کا تذکرہ سورۃ آل عمران رکوع نمبر ۴ اور نمبر ۵ میں اور سورۃ مریم رکوع نمبر ۲ اور سورۃ الانبیاء رکوع نمبر ۶ میں پہلے گزر چکا ہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے بنی اسرائیل نے حضرت مریم پر تہمت دھری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت اور پاکبازی بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا: وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (اور اللہ نے اہل ایمان کے لئے مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی جس نے اپنی ناموس کو محفوظ رکھا)

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا جنہوں نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک دیا اسی سے حمل قرار پا گیا اور کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے، جس کی تفصیل سورۃ مریم میں گزر چکی ہے۔

حضرت مریم کی پاکدامنی بیان فرمانے کے بعد ان کی دو صفات بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا: وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ (اور اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی) یہ مضمون تمام ایمانیات کو شامل ہے۔ نیز فرمایا: وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ (اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی رہتی تھی، عربی قواعد کے اعتبار سے بظاہر و کانت من القانتات ہونا چاہئے (جو صیغہ تانیث ہے) وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ جو فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسر نے یوں کہا ہے کہ یہاں لفظ القوم محذوف ہے یعنی و کانت من القوم القانتین۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ ایسے کنبہ اور قبیلہ سے تھیں جو اہل صلاح تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور بعض علماء نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ صیغہ تذکیر تغلیب کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت کرنے میں ان مردوں کے شمار میں آ گئیں جو عبادت و طاعت میں ہی لگے رہتے تھے چونکہ عموماً عبادات میں مرد ہی پیش پیش ہوتے ہیں اس لئے حضرت مریم کو عبادت میں مشغول رہنے والے مردوں میں شمار فرما دیا۔ حدیث شریف میں جو كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَاَةُ فِرْعَوْنَ فرمایا ہے اس سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔

وھذا آخر تفسیر سورۃ التحریم والحمد للہ العلی الکریم العظیم

والصلوٰۃ علی نبی محمد المصطفیٰ الذی ھدیٰ الی الطریق المستقیم و علی الہ و صحبہ الذین اٰمنوا بہ بقلب سلیم و دعوا الی الدین القویم

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ ملک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں تیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ① الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

وہ بڑی عالی ذات جس کے قبضے میں ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے پیدا کیا موت کو

وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ② الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

اور حیات کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون شخص عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے اور وہ عزیز ہے غفور ہے جس نے پیدا کیا سات

سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ

آسمانوں کو تہ بہ تہ، اے مخاطب تو رحمان کی تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا، سو تو پھر نظر ڈال کر دیکھ لے کیا تجھے کوئی

فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ وَلَقَدْ زَيَّنَّا

خلل نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ تیری نگاہ ذلیل ہو کر تھک کر تیری طرف لوٹ آئے گی، اور ہم نے

السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤

قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا دیا ہے، اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے سارا ملک اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اسی نے موت و حیات کو پیدا فرمایا تاکہ تمہیں آزمائے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کی عظمت اور سلطنت اور قدرت اور شانِ خالقیت بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ وہ ذات برتر ہے اور بالا ہے جس کے قبضے میں پورا ملک ہے سارے عالم میں اسی کا راج ہے اسی کی سلطنت ہے اس کی قدرت سے کوئی بھی باہر نہیں، سورہ یٰس میں فرمایا:

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (سو پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی سلطنت ہے) دوم یہ فرمایا کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے سوم یہ فرمایا کہ اس نے موت کو اور حیات کو پیدا فرمایا ہے اور ان دونوں کے پیدا فرمانے میں بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے اعتبار سے سب سے اچھا کون ہے مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا میں آتے جاتے ہیں پیدا ہوتے ہیں، زندہ رہتے ہیں پھر مر جاتے ہیں یہ موت و حیات یوں ہی بغیر حکمت کے نہیں ہے، انسان یوں نہ سمجھے کہ میں یوں ہی عبث بغیر کسی حکمت کے پیدا کیا گیا۔ سورہ قیامۃ میں فرمایا: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا)۔

نہ انسان کی تخلیق عبث ہے نہ اس کی زندگی خواہ مخواہ ہے اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی زندگی کے لئے احکام بھیجے ہیں ان احکام پر عمل کرنا جتنا بھی زیادہ کوئی شخص اچھا عمل کرلے گا اسی قدر اچھا آدمی ہوگا اور خوبی کی صفت سے متصف ہوگا، پھر جب مرے گا تو زندگی کے اعمال کا حساب ہوگا اور جتنے جس کے اچھے اعمال ہونگے اسی قدر عالم آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا، دنیا میں جینا ہے عمل کرنا ہے پھر مرنا ہے پھر حساب کتاب ہے اچھے اعمال کا اچھا بدلہ ہے اور برے اعمال کی بری سزا ہے۔ سورہ مومنون میں فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے) سورہ ہود رکوع نمبر ایک میں بھی لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ (انوار البیان صفحہ ۴۷۷: ج ۴)

چہارم یہ فرمایا ہے کہ وہ عزیز یعنی زبردست ہے کوئی بھی اس کی گرفت اور سلطنت سے باہر نہیں جا سکتا، جسے عذاب دینا چاہے وہ اس کے عذاب سے بچ نہیں سکتا اور وہ غفور بھی ہے جسے بخشنا چاہے کوئی اس کی بخشش کو روک نہیں سکتا۔

پنجم یہ فرمایا کہ اس نے سات آسمان تہ بہ تہ یعنی اوپر نیچے پیدا فرمائے۔

ششم یہ فرمایا کہ کہ اے مخاطب تو رحمٰن جل مجدہ کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا اس نے جس چیز کو جس طرح چاہا بنایا آسمانوں کو جیسا بنانا چاہا وہ اسی طرح وجود میں آگئے نہ ان میں کوئی شگاف ہے (وَمَالَهَا مِنْ فُرُوْجٍ) اور نہ ایک آسمان دوسرے آسمان پر گرتا ہے۔

بغیر ستونوں کے قائم ہیں۔ ہر ایک کے درمیان جتنا بعد رکھا ہے اسی کے مطابق قائم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر آسمان سے لے کر دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے (کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۵۱۰ عن احمد والترمذی)

ہفتم یہ فرمایا کہ اے مخاطب تو نظر ڈال اور دیکھ کیا تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے پھر نظر ڈال اور بار بار دیکھ گہری نظر سے دیکھ غور وفکر و تامل کے ساتھ نگاہ ڈال جب تو نظر ڈالے گا تو تیری نظر ذلیل اور درماندہ اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی تجھے کسی طرح کا رخنہ نظر نہ آئے گا۔

ہشتم یہ بیان فرمایا کہ ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا چراغوں سے ستارے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الصافات میں فرمایا: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ (بیشک ہم نے قریب والے آسمان کو بڑی زینت یعنی ستاروں کے ذریعہ زینت دی)۔ رات کو آسمان کی طرف دیکھو تو ستاروں کی جگمگاہٹ سے ایک خوبصورتی کا کیف محسوس ہوتا ہے یہ بات اصحاب فرحت وسرور اور اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

نہم یہ فرمایا کہ ہم نے ان چراغوں یعنی ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا۔ شیاطین اوپر جاتے ہیں تاکہ اہل سماء یعنی حضرات ملائکہ علیہم السلام کی باتیں سنیں۔ ستاروں سے ان کے مارنے کا کام بھی لیا جاتا ہے ضروری نہیں کہ ستارہ خود اپنی جگہ سے ہٹ کر شیطان کو لگے ستاروں میں سے چنگاریاں نکلتی ہیں جو شیاطین کو مارتی ہیں سورہ حجر میں فرمایا: اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ (مگر یہ کہ کوئی بات چوری سے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ لیتا ہے)

دہم یہ فرمایا کہ ہم نے شیاطین کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے شیاطین کی بڑی بڑی شرارتیں ہیں خود بھی کافر ہیں بنی آدم کو بھی کفر پر رکھنا چاہتے ہیں اور جو شخص ایمان لے آئے اس کو گناہوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں جو تکوینی امور سے متعلق ہیں جیسے ہی پہنچتے ہیں، انگاروں اور چنگاریوں کی مار

پڑتی ہے جس سے بعض مر جاتے ہیں اور بعض مجنون یعنی دیوانے ہو جاتے ہیں، اگر انگارہ لگنے سے پہلے ان میں سے کسی نے ایک آدھ بات سن لی تو زمین پر آکر اس بات کو کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے پھر وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر بیان کر دیتا ہے شیاطین اس لئے یہ حرکت کرتے ہیں کہ لوگوں کو کاہنوں کا معتقد بنائیں اور ایمان سے دور رکھیں۔ (مزید تفصیل کے لئے سورۃ النحل (ع ۲) اور سورۃ الصافات (ع ۱) اور سورۃ سبا (ع ۳) کی تفسیر ملاحظہ کی جائے)۔

فائدہ: سورۃ الملک کے شروع میں جو خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ فرمایا ہے اس سے بظاہر متبادر یہی ہے کہ موت اور حیات دونوں وجودی چیزیں ہیں اگر موت کو عدم الحیاۃ سے تعبیر کیا جائے تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی روحیں نکال لی جاتی ہیں روح کا نکالنا اور نکلنا یہ تو وجودی چیزیں ہے اس اعتبار سے موت کو وجودی چیز کہنے میں کسی تامل کی بات نہیں ہے اور اس میں زیادہ غور و فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے جب یہ لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی زوردار آواز سنیں گے،

شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۞ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ

اور وہ جوش مار رہی ہوگی ایسا محسوس ہوگا کہ وہ غصہ کی وجہ سے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی اس میں کافروں کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا

نَذِيْرٌ ۞ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ

تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ وہ جواب میں کہیں گے ہاں ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو تھا سو ہم نے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کوئی چیز بھی نازل

اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۞ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۞ فَاعْتَرَفُوْا

نہیں کی تم لوگ صرف بڑی گمراہی میں ہو، اور وہ یوں کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم جلنے والی آگ میں نہ ہوتے، حاصل یہ کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں

بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۞

گے۔ سو دوری ہے جلنے والی آگ والوں کے لئے

کافروں کا دوزخ میں داخلہ، دوزخ کا غیظ و غضب، اہل دوزخ سے سوال وجواب اور ان کا اقرار کہ ہم گمراہ تھے

تفسیر: گزشتہ آیت میں بتایا کہ شیاطین کے لئے جلتی ہوئی آگ کا عذاب تیار فرمایا ہے۔ ان آیات میں کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جو کفر میں شیاطین کے ہمنوا ہیں، اور شیاطین کے ترغیب دینے اور کفر پر جمانے سے کفر کو اختیار کئے ہوئے ہیں، فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور جہنم بری جگہ ہے اور برا ٹھکانہ ہے پھر فرمایا کہ جب یہ لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو دوزخ کی سخت دہشت ناک اور وحشت ناک آواز سنیں گے وہ جوش مارتی ہوگی اس کے جوش کا یہ عالم ہوگا کہ گویا ابھی غصے کی وجہ سے پھٹ پڑے گی یہ غصہ اسے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر آئے گا۔ سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا جب دوزخ انہیں دور سے دیکھے گی تو غصے میں

بھری ہوئی اس کے جوش کی آوازسنیں گے۔ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ (الآیات) جب بھی کافروں کی کوئی جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی تو جھڑکنے اور ڈانٹنے کے طور پر دوزخ کے محافظین ان سے دریافت کریں گے (کہ تمہیں یہاں آنا کیسے ہوا) کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بنی آدم کی طرف اپنی رسول بھیجے تھے ان میں سے کوئی رسول تمہارے پاس نہیں پہنچا تھا جس نے تمہیں منکرین کے عذاب سے باخبر کیا اور جھٹلانے والوں کی سزا بیان فرمائی؟ کافر یہ سن کر جواب دیں گے کہ ہاں ڈارنے والا تو آیا تھا لیکن ہم نے ان کو جھٹلایا اور یوں کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا اور صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں ہی کو بڑی گمراہی میں بتادیا کافرلوگ ساتھ ہی یوں بھی کہیں گے کہ اگر ہم سمجھنے کے طور پر ان حضرات کی بات سنتے اوران کی بات کو سمجھتے تو آج ہم جلنے کے عذاب میں نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ (یہ بات کہہ کر کہ اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو آج جلنے کے عذاب میں نہ ہوتے اپنے گناہ کا اقرار کرلیں گے یعنی یہ مان لیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (سوجلتی ہوئی آگ میں داخل ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے) یہ دوری ہمیشہ کے لئے ہے کبھی بھی ان پر رحم نہ کیا جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات کو چپکے سے کہو یا زور سے

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾

بیشک وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے، کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین ہے اور باخبر ہے

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے بڑی مغفرت ہے اور اجر کریم ہے

تفسیر: یہ تین آیات ہیں پہلی آیت میں اہل ایمان کا اور اعمالِ صالحہ کا اور گناہوں سے بچنے کا فائدہ بتایا ان کے لئے مغفرت ہے اوران کے لئے بڑا اجر بھی ہے (جس طرح یعنی کہ کافروں کے لئے عذابِ سعیر ہے اسی طرح اہلِ ایمان کے لئے اجر کبیر ہے جو بھی کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا اسے اس کا اجر وہاں کی نعمتوں کی صورت میں ملے گا، دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ تم لوگ آہستہ سے بات کرو یا زور کی آواز سے اللہ تعالیٰ دونوں طرح کی آواز کو سنتا ہے اور اگر کوئی بات بالکل ہی بے آواز ہو مثلاً دل میں کوئی بات طے کرلی ہو یا کسی بھی گمراہی کا یقین کرلیا ہو اللہ تعالیٰ کو اس سب کی خبر ہے کیونکہ وہ سینہ کی باتوں کو جانتا ہے۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آپس میں ایک دوسرے سے یوں کہا کہ چپکے چپکے باتیں کرو ایسا نہ ہو کہ محمد ﷺ کا معبود سن لے۔ (اس پر آیت بالا نازل ہوئی)۔

کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا فرمایا: تیسری آیت میں فرمایا کہ تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی سب کو پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے جب وہ ہر چیز کا خالق ہے تو اپنی ہر مخلوق کو کیسے نہ جانے گا تمہارے احوال واقوال بھی اس کی مخلوق ہیں اسے ان سب کا علم ہے زور سے یا آہستہ سے بات کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اسے ظاہر او وباطن کا اور ہر چیز ہر قول ہر فعل کا اس کو علم ہے اس کے احاطہ علمی سے کوئی چیز باہر نہیں تمہارا یہ خیال کرنا کہ آہستہ بات کریں گے تو وہ نہ سنے گا اور اسے ہماری بات کا علم نہ ہوگا اور علم نہ ہوگا تو ہماری گرفت بھی نہ ہوگی یہ سب تمہاری جہالت اور ضلالت یعنی

گمراہی ہے۔ وہ تمہارے عقائد اور اعمال پر ضرور سزا دے گا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝۱۵

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر بنا دیا سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اس کی روزی میں سے کھاؤ، اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝۱۶ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ

کیا تم اس سے نڈر ہو گئے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ زمین تھرتھرانے لگے یا تم اس سے بے خوف ہو گئے جو آسمان میں ہے

اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ۝۱۷ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہ وہ تم پر ایک سخت ہوا بھیج دے سو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا

فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ۝۱۸ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ؔۘ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ

سو میرا عذاب کیسا تھا؟ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا جو پر پھیلائے ہوئے ہیں اور پروں کو سمیٹ لیتے ہیں، رحمٰن کے علاوہ کوئی انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝۱۹

بے شک وہ ہر چیز کا دیکھنے والا ہے

اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے مسخر فرما دیا اسے قدرت ہے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا سخت آندھی بھیج دے بلندی پر جو پرندے اڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی ان کا محافظ ہے

تفسیر: ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ خالقیت اور رزاقیت بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ یہ زمین جس پر تم بستے ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر فرما دی ہے۔ اس کو جیسے چاہتے ہو اپنے تصرف میں لاتے ہو نرم چیز ہے اسے کھودتے ہو بنیادیں ڈال کر گھر بناتے ہو۔ کنویں کھودتے ہو، ہل اور ٹریکٹر چلا کر کھیتی بوتے ہو۔ اس پر رہتے سہتے ہو ناپاکی تک اس پر ڈالتے ہو۔ غرض یہ کہ وہ تمہارے کاموں میں آتی ہے اور تمہاری ضرورتوں میں استعمال ہوتی ہے، تم اس کے راستوں میں چلو پھرو سفر کرو تجارت کرو یہاں کی چیزیں وہاں لے جاؤ اور وہاں کی چیزیں یہاں لے کر آؤ اور جو رزق تمہیں سفر کئے بغیر مل جائے یا سفر کر کے حاصل ہوا سے کھاؤ پیو۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا رزق ہے اور ساتھ ہی یہ سمجھ لو کہ زمین کی یہ نعمت اور رزق کی دولت صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ یہیں کھا پی کر بے فکر ہو جاؤ تمہیں مرنا بھی ہے اور اسی زمین میں دفن ہونا ہے پھر صور پھونکے جانے پر قبروں سے اٹھنا ہے اور حساب کتاب کے لئے خالق جل مجدہ کے حضور پیش بھی ہونا ہے، چلو پھرو، کھاؤ پیو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اس کی فرمانبرداری میں لگو۔

پھر فرمایا کہ تمہارے سامنے یہ ہمارا رسول ایمان کی دعوت پیش کرتا ہے اس کی بات مانو اور فرمانبرداری کرو۔ اس کی دعوت پر کان نہ دھرنے اور قبول نہ کرنے سے آسمان سے بھی عذاب آ سکتا ہے اور زمین سے بھی جس ذات پاک کا حکم آسمانوں میں نافذ ہے کیا تم اس کی طرف سے نڈر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ یہی زمین جس پر تمہارے قابو میں دیا ہے وہ اسی زمین کو تمہارے لئے ہلاکت اور عذاب کا سبب بنا سکتا ہے وہ اس زمین میں شگاف ڈال کر تمہیں اس میں دھنسانے لگے تو زمین تھرا کر

الٹ پلٹ ہونے لگے گی جس سے تم اس کے اندر چلے جاؤ گے اور اس ذات پاک کو یہ بھی قدرت ہے جس کا آسمان میں حکم اور تصرف جاری ہے کہ تم پر وہ ایک سخت ہوا بھیج دے زمین کے اوپر ہوا چلتی ہے یہاں سے وہاں جاتی ہے۔ عام حالات میں معتدل رہتی ہے کبھی تیز بھی ہو جاتی ہے لیکن عام طور سے اس کی رفتار میں اتنی تیزی نہیں آتی کہ لوگوں کو اٹھا کر پھینک دے اس کے خالق اور مالک جل مجدہ کو پوری طرح قدرت حاصل ہے کہ وہ ہوا کو خوب زیادہ تیز چلا دے جو زمین پر بسنے والوں کو تہس نہس کر دے جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے انہیں اس سے ڈرنا چاہیئے کہ وہ ہوا کے ذریعہ تمہیں ختم نہ کر دے جیسا کہ بعض گزشتہ امتوں پر ہوا کا عذاب آیا تھا۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (سو عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا) اگر دنیا میں عذاب نہ آیا تو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہاں سے صحیح سالم گزر گئے آگے گرفت نہیں، موت کے بعد جو کفر پر عذاب ہوگا وہ بہت سخت ہوگا۔ اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ رسولوں کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے دین بھیجا تھا وہ حق تھا، ہم جو اس کے منکر ہوئے خود اپنا ہی برا کیا اور عذاب شدید میں گرفتار ہوئے: وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے حق کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب پرانے مکذبین (جھٹلانے والوں کا انجام تمہیں معلوم ہے اس سے عبرت حاصل کرلو)۔

اس کے بعد پرندوں کا حال بیان فرما کر اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ بیان فرمائی اور فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ (کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو ان کے اوپر ہوا میں اپنے بازو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں اور وہ اپنے بازوؤں کو پھیلانے کے بعد سکیڑ لیتے ہیں اور دونوں حالتوں میں وہ فضا میں موجود رہتے ہیں اور باوزن ہونے کے باوجود فضا میں پھرتے رہتے ہیں زمین پر نہیں گرتے) مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ (رحمٰن کے علاوہ انہیں کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے)۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ (بلاشبہ وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر استدلال کرنے کے لئے پرندوں کا فضا میں پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرنا بلکہ بعض مرتبہ پروں کو سکیڑ کر بھی فضا میں رہنا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایک بڑی دلیل ہے۔ یہی بازو جو جانوروں کے ہیں اس طرح کے جانور اگر پرندوں کے علاوہ دوسرے جانداروں کو لگا دیئے جائیں تو وہ نہیں اڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا جس خصوصیت سے نواز دیا، آسمان میں سب تصرفات اللہ تعالیٰ کے ہیں جسے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ میں بیان فرمایا اور زمین میں بھی اس کا تصرف ہے جسے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا میں ذکر فرمایا اور آسمان اور زمین کے درمیان جو فضا ہے اس میں بھی اسی قادر مطلق کا تصرف ہے جسے اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ میں بیان فرمایا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۚ﴿۲۰﴾

ہاں یہ تو بتاؤ رحمٰن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری مدد کر سکے، کافر لوگ صرف دھوکے میں پڑے ہیں

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

اور یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنے رزق کو روک لے، بلکہ یہ لوگ سرکشی پر اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں۔

رحمٰن کے سوا تمہارا کون مددگار ہے؟ اگر وہ اپنا رزق روک لے تو تم کیا کر سکتے ہو

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے مدد فرمانے اور رزق عطا فرمانے کا اور کافروں کے غرور اور نفور میں اور سرکشی میں بڑھتے چلے جانے کا ذکر ہے۔ ان آیتوں کا سبب نزول بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو کافر دعوت حق قبول کرنے سے گریز کرتے تھے اور عناد پر تلے ہوئے تھے انہیں دو چیزوں پر گھمنڈ تھا تو یوں کہتے اور سمجھتے تھے کہ ہمارے اموال اور ہمارے افراد قوم اور قبیلہ کے لوگ ہماری حفاظت کر لیں گے، وہ بتوں سے نفع ضرر کی امید رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں باتوں کی تردید فرمائی اول تو یہ فرمایا کہ بتاؤ تمہارے وہ کون سے لشکر ہیں جو رحمٰن جل مجدہ کے علاوہ تمہاری مدد کر دیں گے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آ جائے تو اسے دفع کرنے والا اور تمہاری مدد کرنے والا کون ہے؟ یعنی کوئی بھی نہیں ہے، تم جھوٹی خام خیالیوں میں مبتلا ہو شیطان نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور یہ سمجھا رکھا ہے کہ کوئی عذاب آ گیا تو ہمارے جو کثیر افراد ہیں وہ حفاظت کر لیں گے؛ پھر فرمایا کہ یہ بھی بتاؤ کہ رازق مطلق جو تمہیں رزق دیتا ہے اگر وہ اپنے رزق کو روک لے تو بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دیدے؟ یعنی اس کے علاوہ تمہیں کوئی بھی رزق دینے والا نہیں۔

طرح طرح کے دلائل سامنے آتے ہیں لیکن پھر بھی سرکشی میں اور نفور میں یعنی حق سے دور ہونے میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اسی کو فرمایا: بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ (بلکہ وہ لوگ سرکشی اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں)

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾
سو کیا جو شخص منہ کے بل گر کر اوندھا چل رہا ہو وہ شخص زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ شخص جو سیدھے راستے پر چل رہا ہو؟
قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
آپ فرما دیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو
قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
آپ فرما دیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا اور تم اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔

جو شخص اوندھا منہ کر کے چل رہا ہو کیا وہ صراط مستقیم پر چلنے والے کے برابر ہو سکتا ہے

تفسیر: ان آیات میں پہلے تو کافر اور مومن کی مثال بیان فرمائی ارشاد فرمایا کہ ایک شخص منہ کے بل گرا ہوا ہے اور اسی طرح اوندھا چل رہا ہے (یہ کافر کی مثال ہے) اور ایک وہ شخص ہے جو ٹھیک راستے پر جا رہا ہے نہ اسے گرنے کا خطرہ ہے نہ پھسلنے کا ڈر ہے (یہ مومن کی مثال ہے) بتاؤ ان دونوں میں صحیح راہ پر کون ہے اور دونوں میں کون بہتر ہے۔ ظاہر ہے ایک سمجھدار آدمی اس کو بہتر اور صحیح راہ پر بتائے گا جو اعتدال کے ساتھ ٹھیک طریقہ سے سیدھے راستہ پر جا رہا ہے جس میں نہ کجی ہے نہ پھسلنے کا خطرہ ہے مومن اس صفت سے متصف ہے اور اس کی حالت ہر طرح سے اوندھے منہ چلنے والے کافر سے بہتر ہے۔

اعضاء و جوارح کا شکر ادا کرو: اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ احسان بیان فرمایا کہ اس نے تمہیں پیدا کیا، تمہارا بالکل ہی وجود نہ تھا اس نے تمہیں وجود بخشا اور صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ بہترین اعضاء و جوارح سے آراستہ فرما دیا، تمہیں اس نے قوتِ سامعہ دی آنکھیں عطا فرمائیں دل عنایت فرمائے۔ ان سب نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ خوب بڑھ چڑھ کر اس کا شکر ادا کرو۔ قلب سے اور قالب سے شکر گزار بندے بنے رہو۔ سمجھداری کا تو تقاضا یہی ہے مگر تمہارا حال یہ ہے کہ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے علم و فہم اور ادراک و شعور عطا فرمایا ہے ان کے کچھ ذرائع بھی بنا دیئے ہیں۔ دیکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دیں سننے کے لئے قوتِ سامعہ عطا فرمائی، سونگھنے کے لئے ناک کے اندر قوت شامہ رکھ دی اور چکھنے کے لئے زبان کے جسم میں قوت ذائقہ ودیعت فرما دی اور قوتِ لامسہ یعنی چھونے کی قوت سارے بدن میں رکھ دی۔ اعضاء کی نعمتوں میں سے یہاں تین چیزوں یعنی سمع اور بصر اور افئدہ یعنی قلوب کو ذکر فرمایا ہے یہ مضمون سورہ نحل اور سورۃ المومنون اور سورہ الم میں بھی بیان فرمایا ہے افئدہ فؤاد کی جمع ہے فواد دل کو کہتے ہیں جو علم اور فہم ادراک اور شعور کا مرکز ہے اور انسان کو زیادہ معلومات سننے سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے بعد دیکھنے کا مرتبہ ہے۔ اس سے بھی علم حاصل ہوتا ہے لیکن جو معلومات سننے سے حاصل ہوتی ہیں وہ ان معلومات سے زیادہ ہیں جو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہیں اس سے سمع و بصر کے ذکر پر اکتفا فرمانے اور سمع کو بصر پر مقدم فرمانے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی گو دل کو ان حواس کے ذریعہ علم حاصل ہوتا ہے لیکن ان حواس کا ذریعہ علم ہونا بھی صحت قلب پر موقوف ہے اگر انسان کا دل ٹھکانے نہ ہو تو یہ چیزیں ادراک سے قاصر اور عاجز رہتی ہیں۔ اس اعتبار سے سمع بصر اور فواد کی نعمت کو اکٹھا بار بار بیان کرنے کی حکمت معلوم ہوگئی۔

اللہ نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے: پھر فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلا دیا (زمین میں چلتے پھرتے کھاتے کماتے ہو اور زمین کی پیداوار سے منتفع اور متمتع ہوتے ہو اس پر گھر بناتے ہو آرام سے رہتے سہتے ہو) ان نعمتوں کی قدر دانی کرو اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس زمین پر ہمیشہ رہنا نہیں ہے۔ تمہیں موت آئے گی پھر قیامت کے دن اسی خالق اور رازق کی طرف جمع کئے جاؤ گے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور نعمتوں سے نوازا وہاں جمع کیا جانا اعمال کا بدلہ دینے کے لئے ہوگا لہٰذا حساب کے دن کی پیشی کے لئے فکر مند رہو۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟ آپ فرما دیجئے کہ علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صرف واضح طریقہ پر ڈرانے والا ہوں،

مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾

پھر جب اس کو اپنے پاس آتا ہوا دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے

منکرین کا سوال کہ قیامت کب آئیگی اور ان کا جواب

تفسیر: منکرین کے سامنے جب قیامت آنے اور وہاں پیشی ہونے کی باتیں آتی تھیں اور انہیں وعید سنائی جاتی تھی تو مذاق کے طور پر انکار کے پیرایہ میں سوال کرتے تھے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو تو اس کی تاریخ بتا دو، ان کے جواب میں فرمایا: قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ (آپ فرما دیجئے کہ علم صرف اللہ کے پاس ہے) وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں) میرا کام بتانا سمجھانا واضح طور پر بیان کرنا ہے (اگر مجھے قیامت کے واقع ہونے کا وقت معلوم

ہوتا تو تمہیں بتادیتا) لیکن یہ بھی نہ سمجھو کہ اس کے وقوع کی تاریخ معلوم نہ ہوسکی تو وہ آنے والی ہی نہیں۔

جب قیامت آنے لگے گی اور اس کا وقوع قریب ہوجائے گا تو کافروں کا برا حال ہوگا۔ عذاب نظر آئے گا تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے ان پر ذلت سوار ہوگی، سورہ زمر میں فرمایا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن دیکھے گا کہ جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے) اور سورہ عبس میں فرمایا: وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ أُولَئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (اور بہت سے چہروں پر اس روز سیاہی ہوگی ان پر کدورت چھائی ہوگی۔ یہ لوگ کافر وفاجر ہوں گے)

وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَدَّعُونَ (اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم طلب کیا کرتے تھے)

یعنی تم جو یہ کہتے تھے کہ قیامت آنے کا وعدہ کب پورا ہوگا اس کا انداز بیان ایسا تھا جسے تم قیامت کے چاہنے والے ہو، لو اب وعدہ پورا ہوگیا تمہاری مانگ پوری ہوگئی آج اپنے انکار وتکذیب کی سزا بھگت لو۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ

آپ فرمادیجئے کہ تم بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک فرمادے یا ہم پر رحم فرمائے سو وہ کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچائے گا۔

أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٩﴾

آپ فرمادیجئے کہ وہ رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اسی پر بھروسہ کیا۔ سو تم عنقریب جان لوگے کہ وہ کون ہے جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے،

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿٣٠﴾

آپ فرمادیجئے کہ تم بتاؤ اگر تمہارا پانی زمین میں نیچے چلا جائے سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس چشمہ والا پانی لے آئے

اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک فرمادیں تو کون ہے جو کافروں کو عذاب سے بچائے گا

تفسیر: ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ اپنے مخاطبین سے یہ باتیں فرمادیں، پہلی بات یہ ہے کہ تم میرے لئے اور میرے ساتھ والوں کے لئے دکھ تکلیف میں مبتلا ہونے کی آرزو رکھتے ہو تم اپنے بارے میں غور کرو، دیکھو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کردے (جیسا کہ تم چاہتے ہو) یا ہم پر رحم فرمادے جیسا کہ ہم اس سے یہی امید رکھتے ہیں تو اس سے تمہارا کوئی بھلا ہونے والا نہیں ہمارے لئے تو ہر حالت بہتر ہے موت بھی بہتر ہے۔ زندگی بھی رحمت ہے تم پر جب کفر کا عذاب آئے گا تو تم کو کون بچائے گا اس کو سوچو۔

دوسری بات ان سے یہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے اسی پر توکل کیا ہمیں اس سے ہر طرح سے خیر کی امید ہے اور ہم سراپا ہدایت پر ہیں لیکن تم اس بات کو نہیں مانتے۔ سو تم کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے جب تم کفر کی سزا پاؤ گے اس وقت واضح طور پر معلوم ہوجائے گا کہ تم گمراہ تھے اگرچہ ہمیں یہاں گمراہ بتاتے ہو ہم اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم اپنے بارے میں ہدایت پر ہونے کا یقین رکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ فیصلے فرمائے گا اور تم عذاب میں پڑو گے تو معلوم ہوجائے گا کہ گمراہ ہم ہیں یا تم ہو؟

اگر پانی زمین میں واپس ہو جائے تو اسے واپس لانے والا کون ہے؟

تیسری بات یہ فرمائی کہ آپ ان سے یوں فرمادیں کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا یہ پانی جو بارش کے ذریعہ تمہیں ملتا ہے اور جسے کنوؤں سے نکالتے ہو اور جسے میٹھی نہروں سے حاصل کرتے ہو یہ تمہارے پینے کھانے پکانے نہانے دھونے میں اور باغوں اور کھیتوں کی آب پاشی میں کام آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پانی کو ایسا کردے کہ بالکل ہی زمین میں دور تک اترتا چلا جائے اور جہاں تک تمہاری رسائی نہ ہو وہاں تک پہنچ جائے تو بتاؤ وہ کون ہے جو پانی کو لے آئے۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر تلاوت کرنے والا لفظ معین کے بعد یوں کہے کہ **اَللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ** (اللہ رب العالمین ہی پانی لاسکتا ہے) یعنی اللہ اس نعمت عظیمہ کو غائب فرمادے تو اس کے علاوہ کوئی بھی کہیں سے پانی دینے والا نہیں۔

تفسیر جلالین شریف میں لکھا ہے کہ جب سورۃ الملک کی آخری آیت بعض متکبروں نے سنی تو **فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ** کے جواب میں اس نے کہا **تاتی به بالفؤس والمعاول** (یعنی کدال اور پھاوڑہ کے ذریعہ پانی لے آئیں گے) اس کا کہنا تھا کہ اس کی آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا آنکھوں میں جو پانی ہے جس سے چمک دمک اور روشنی ہے وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کا پیدا فرمودہ ہے، جسے کدال اور پھاوڑہ پر غرور ہے وہ اپنی آنکھ کا خشک شدہ پانی پھاوڑہ چلا کر کھدائی کرکے لے آئے۔

فضیلت. احادیث شریفہ میں سورۃ الملک کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ قرآن میں ایک سورت ہے جس کی تیس آیتیں ہیں اس نے ایک شخص کے لئے شفاعت کردی یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا وہ سورت تبارک الذی بیدہ الملک ہے (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۸۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک جگہ اپنا خیمہ لگایا وہاں قبر تھی جس کا انہیں پتہ نہ تھا وہاں انہوں نے ایک شخص کی آواز سنی جو سورہ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا تھا اس نے پوری سورت ختم کرلی یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو پوری کیفیت سنائی آپ نے فرمایا یہ سورت عذاب سے روکنے والی ہے قبر والے شخص کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۸۸)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک سورہ الم تنزیل (جو اکیسویں پارہ میں ہے) اور سورہ تبارک الذی بیدہ الملک نہیں پڑھ لیتے تھے اس وقت تک (رات کو) نہیں سوتے تھے۔ (رواہ احمد والترمذی والدارمی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۸۸)

وهذا آخر تفسير سورة الملك بفضل الله المليك العلام والحمدلله على التمام والصلوٰة على البدر التمام و على اله و اصحابه البررة الكرام

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ القلم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں باون آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③

نٓ، قسم ہے قلم کی اور فرشتوں کے لکھنے کی، آپ اپنے رب کی نعمت کی وجہ سے مجنون نہیں ہیں، اور بلاشبہ آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

اور بیشک آپ بڑے اخلاق والے ہیں، سو عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو جنون تھا، بلاشبہ آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦

جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے

رسول اللہ ﷺ سے خطاب کہ آپ کے لئے بڑا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور آپ صاحب خلق عظیم ہیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ القلم شروع ہو رہی ہے (ن) حروف مقطعات میں سے ہے جو متشابہات میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قلم کی اور فرشتے جو کچھ لکھتے ہیں اس کی قسم کھا کر فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے رب کے انعام کی وجہ سے مجنون نہیں ہیں، مشرکین جو بطور عناد رسول اللہ ﷺ کو العیاذ باللہ دیوانہ بتاتے تھے اس میں ان کی تردید فرمائی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ قلم سے وہ قلم مراد ہے جس نے لوح محفوظ میں کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب کچھ لکھ دیا تھا جو آئندہ وجود میں آنے والا تھا اور وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے ان فرشتوں کا اعمال لکھنا مراد ہے جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں (علی ان ما مصدریۃ) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر فرمایا کہ لکھ قلم نے کہا کیا لکھوں؟ فرمایا وہ سب چیزیں لکھ دے جو مقدر ہو چکی ہیں۔ لہٰذا قلم نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو ہمیشہ آئندہ تک ہونے والا ہے۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث اسنادہ غریب کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۱)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں القلم سے مطلق قلم مراد ہے جو قلم تقدیر کو اور فرشتوں اور انسانوں کے قلموں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے قلم اور جو کچھ قلم سے لکھا جاتا ہے اس کی قسم کھا کر فرمایا ہے: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (آپ اپنے رب کی نعمت کی وجہ سے مجنون نہیں ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمت دی ہے۔ اپنے فضل سے نوازا ہے اور یہ نعمت نبوت ہے اس نعمت کی وجہ سے آپ انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں اس دعوت کو سن کر یہ لوگ آپ کو مجنون کہتے ہیں حالانکہ جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت مکمل ہو وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ قال صاحب الروح والمعنی انتفی عنک المجنون فی حال کونک متلبسا بنعمة ربک۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے جنون کی نفی ہو گئی جبکہ آپ اس حال میں ہیں کہ آپ پر اپنے رب کی نعمتیں ہیں)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ شانہ نے جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ مذکورہ مضمون (مقسم بہ) کے بارے میں ایک قسم کی شہادت ہوتی ہے۔ یہاں جو وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ لوگو دنیا کی تاریخ دیکھ لو کیا کیا لکھا گیا ہے۔ اور کیا کیا حالات اور وقائع سنتے آرہے ہو کیا ایسے اعلیٰ اعمال اور اکمل اخلاق والے بھی دیوانے ہوا کرتے ہیں خود ان لوگوں کی عقلیں کہاں ہیں جو ایسے عاقل کامل اور صاحب خلق عظیم کو مجنون بتارہے ہیں۔ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ (اور بلاشبہ آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے)۔ یعنی یہ لوگ آپ کو دیوانہ کہہ رہے ہیں اور آپ انہیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں انجام کار دعوت کی مشغولیت پر اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بڑا اجر و ثواب ملے گا جو کبھی بھی ختم نہ ہوگا۔

پھر فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (اور بے شک آپ بڑے اخلاق والے ہیں)

اس میں رسول اللہ ﷺ کی خلق عظیم کی تعریف بھی ہے اور آپ کے دشمنوں کی تردید بھی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ کاملہ سے نوازا ہے آپ کے اخلاق ان لوگوں کی تردید کررہے ہیں جو آپ کو مجنون کہتے تھے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک دیکھنا چاہیں تو احادیث شریفہ میں جو آپ کے مکارم اخلاق اور معاشرت و معاملات کے واقعات لکھے ہیں ان کا مطالعہ کرلیا جائے توراۃ شریف تک میں آپ کے اخلاق فاضلہ کا ذکر پہلے ہی سے موجود تھا۔ (دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۸۵)

آپ صاحبِ خلق عظیم تھے اپنی امت کو بھی اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے موطا مالک میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن مومن کی ترازو میں جو سب سے زیادہ بھاری چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے اور یہ بھی فرمایا کہ فحش گو اور بدکلام کو اللہ تعالیٰ مبغوض رکھتا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے تم میں سے سب سے زیادہ وہ لوگ محبوب ہیں جن کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ایمان والوں میں کامل ترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے ایک شاگرد نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں کس طرح رہتے تھے انہوں نے کہا کہ اپنے گھر والوں کے کام کاج میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کیلئے تشریف لے جاتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ نے کبھی کسی کو اپنے دستِ مبارک سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو ہاں اگر فی سبیل اللہ جہاد میں کسی کو مارا ہو تو اور بات ہے اور اگر کسی سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو تو اس کا انتقام نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمت والی چیزوں میں سے کسی کی بے حرمتی ہونے لگتی تو آپ اس کا انتقام لے لیتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ آپ نہ فحش گو تھے نہ بتکلف فحش گو بنتے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے بلکہ معاف فرماتے اور درگزر فرمادیتے تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی مجھ سے کبھی کوئی نقصان ہوگیا تو کبھی ملامت نہیں فرمائی، اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی کی طرف سے ملامت ہوتی تو فرماتے کہ چھوڑ و جانے دو جو چیز مقدر میں تھی وہ پیش آنی ہی تھی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۹ عن المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی شخص مصافحہ کرتا تو آپ اس کی طرف سے اپنا چہرہ نہیں پھیر

لیتے تھے جب تک وہ ہی اپنا چہرہ نہ پھیر لیتا اور آپ کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی کے پاس بیٹھنے والے کی طرف ٹانگیں پھیلائے ہوئے ہوں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مسکرانے والا میں نے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۲۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے (یمن جانے کیلئے) رخصت فرمایا تو جب انہوں نے رکاب میں پاؤں رکھا تو آخری وصیت یہ فرمائی کہ اَحۡسِنۡ خُلُقَکَ لِلنَّاسِ کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ (رواہ مالک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مومن آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں کو نمازوں میں قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد)

فَسَتُبۡصِرُ وَیُبۡصِرُوۡنَ (سو آپ دیکھ لیں گے) بِاَیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ (کہ تم میں سے کسے جنون ہے) جو لوگ آپ کو دیوانہ کہتے تھے (العیاذ باللہ) پہلے دلائل سے ان کی تردید کی پھر فرمایا کہ عنقریب ہی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ دیوانہ کون ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا مطلب یوں منقول ہے کہ یہ اہل باطل جو آپ کو دیوانہ بتارہے ہیں روز قیامت ان کو پتہ چل جائے گا کہ یہ خود ہی دیوانہ تھے۔ اور بعض حضرات نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عنقریب ہی سب کے سامنے اسی دنیا میں بات آجائے گی کہ دیوانہ کون ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پھیلی دعوت آگے بڑھی، اہل عرب مسلمان ہوئے اور جو دشمن تھے جان نثار ہو گئے اور جنہیں قبول حق کی توفیق نہ ہوئی وہ ذلیل اور خوار ہوئے غزوہ بدر کے واقعہ نے سب کو بتادیا کہ دیوانہ کہنے والے ہی دیوانے تھے۔ (روح المعانی صفحہ ۲۹: ج ۲۹)

اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ (بلاشبہ آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے) ہر ایک کو اس کے مطابق جزا دے گا۔

فَلَا تُطِعِ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۸﴾ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیۡنٍ ﴿۱۰﴾

سو آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانئے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں اور آپ کسی ایسے شخص کی بات نہ مانیے جو بہت قسمیں کھانے والا ہے ذلیل ہے

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ

جو دوسروں کو عیب لگاتا ہے چغل خور ہے، خیر سے روکنے والا ہے گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے، سخت مزاج ہے اور اس کے بعد منقطع النسب بھی ہے اس وجہ سے کہ وہ مال والا

وَّبَنِیۡنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾

بیٹوں والا ہے جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں سے نقل کی جانے والی باتیں ہیں، ہم عنقریب اس کی سونڈ پر نشان لگا دیں گے

آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیے وہ آپ سے مداہنت کے خواہاں ہیں

تفسیر: یہ نو آیات کا ترجمہ ہے ان میں سے پہلی دو آیتوں میں یہ فرمایا کہ آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانئے وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی آپ کے معاملہ میں نرمی اختیار کرلیں، اہل باطل کا یہ طریقہ رہا ہے کہ خود تو حق کی طرف جھکتے نہیں ان کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ داعیان حق کو دعوت دیں کہ تم اپنی دعوت چھوڑ دو اور ہمارے کفر و گمراہی میں شریک ہو جاؤ،

جب اس پر قابو نہیں چلتا تو کہتے ہیں کہ اچھا آپ کچھ نرم پڑ جائیں اپنی دعوت اور دعوت کے کاموں میں نرمی اختیار کر لیں ہم بھی اپنی مخالفت میں اور سختی میں کمی کر دیں گے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی باتوں میں نہ آئیں جو حکم ہوا ہے اس کے مطابق دعوت دیتے رہیں اور دعوت میں کسی بھی طرح کی نرمی اور مداہنت کو منظور نہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشرکین مکہ نے یوں کہا تھا کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں ہم بھی آپ کی مخالفت نہ کریں گے۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کسی حق کام یا حق بات کا چھوڑ دینا جائز نہیں۔

ایک کافر کی دس صفات ذمیمہ: اس کے بعد جو سات آیات ہیں ان میں کسی کا نام نہیں لیا البتہ دس صفات ذمیمہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان صفات والے شخص کا اتباع نہ کیجئے اس سے ان صاحب کی مذمت بھی ہوگئی اور جو شخص ان صفات سے متصف ہو اس کی مذمت بھی ہوگئی مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مکہ میں جو لوگ اسلام اور داعی اسلام ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے ان میں ایک شخص ولید بن المغیرہ بھی تھا یہ شخص بہت ہی زیادہ مخالفت پر اترا ہوا تھا ان آیات میں اسی کا ذکر ہے، نام لئے بغیر ارشاد فرمایا کہ ایسے ایسے شخص کی اطاعت نہ کیجئے اول تو (**حَلَّافٍ**) فرمایا یعنی بہت زیادہ قسمیں کھانے والا دوسرے (**مَهِينٍ**) فرمایا یعنی ذلیل تیسرے (**هَمَّازٍ**) فرمایا جو دوسروں کو عیب لگاتا ہے غیبتیں کرتا ہے چوتھے (**مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ**) یعنی چغل خور ہے جو لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کے لئے چغلی کرتا ہے اور اس مشغلہ میں خوب آگے بڑھا ہوا ہے۔ پانچویں (**مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ**) یعنی خیر سے روکنے والا، اس میں ہدایت سے روکنا بھی آ گیا اور جہاں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو وہاں ہاتھ روک لینے اور کنجوسی کرنے کو بھی شامل ہو گیا چھٹے (**مُعْتَدٍ**) فرمایا یعنی حد سے بڑھنے والا ظلم کرنے والا۔ ساتویں (**اَثِيمٍ**) فرمایا یعنی گناہگار، آٹھویں (**عُتُلٍّ**) فرمایا یعنی سخت مزاج، نویں فرمایا (**بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ**) یعنی یہ جو کچھ مذکور ہوا اس کے بعد یہ بھی ہے کہ وہ منقطع النسب ہے۔ یہ شخص ثابت النسب نہیں تھا یعنی اس کا باپ معلوم نہ تھا حقیقت میں قریشی نہ تھا مغیرہ نے اس کی اٹھارہ سال عمر ہونے کے بعد اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اسی وجہ سے بعض مفسرین نے لفظ زنیم کا ترجمہ حرام زادہ کیا ہے۔ یہاں یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو بچہ ثابت النسب نہ ہو اس کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے پر ملامت نہیں ہے حرام زادوں میں افعال قبیحہ اور اخلاق ذمیمہ تربیت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں لہٰذا ان میں ثابت النسب والے افراد والی شرافت عموماً نہیں پائی جاتی، اس کی دسویں ذمیمہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چونکہ یہ مال والا اور بیٹوں والا ہے اس لئے یہ حرکت کرتا ہے کہ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جھٹلانے کے طور پر کہہ دیتا ہے کہ یہ پرانے لوگوں کی چیزیں ہیں جو نقل در نقل چلی آ رہی ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرتا اور اس کی آیات کی تصدیق کرتا لیکن اس نے مال اور اولاد پر گھمنڈ کر کے آیات قرآنیہ کی تکذیب پر کمر باندھ لی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جہاں تک ہمارا علم ہے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی فرد کو اتنی صفات ذمیمہ کے ساتھ موصوف نہیں فرمایا جو ولید بن المغیرہ کی صفات فرمائیں۔ آخرت میں جو کفر پر مر جانے کی سزا ہے وہ اپنی جگہ ہے دنیا میں اس کو یہ سزا دی کہ اس کی ناک پر غزوہ بدر کے موقع پر ایک تلوار لگی جس کی وجہ سے ناک پر زخم آ گیا اور مستقل ایک نشان بن گیا اس کی ناک بھی بڑی تھی جسے خرطوم سے تعبیر فرمایا ہے خرطوم ہاتھی کی ناک کو کہتے ہیں یہ شخص زندگی بھر اپنی اس عیب دار ناک کو لئے پھرتا تھا اور سب کے سامنے اس کی بدصورتی عیاں تھی۔

إِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾

بلاشبہ ہم نے انہیں آزمایا جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا جبکہ ان لوگوں نے آپس میں قسم کھائی کہ صبح کو چل کر پھل توڑلیں گے اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿۱۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا

کہا، سواس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے، سووہ باغ صبح کو ایسارہ گیا جیسے کٹا ہوا کھیت ہو، سوصبح کے وقت

مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِينَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿۲۳﴾

وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ صبح سویرے اپنے کھیت پر چلے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج

أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا إِنَّا

تمہارے پاس کوئی مسکین نہ آنے پائے اور وہ اپنے کو اس کے نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے، پھر جب اس باغ کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بے شک ہم

لَضَآلُّونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾

راستہ بھول گئے بلکہ بات یہ ہے کہ ہم محروم کردیئے گئے، ان میں جو اچھا آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں بیان نہیں کرتے،

قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُونَ ﴿۳۰﴾

کہنے لگے ہم اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں بلاشبہ ہم قصوروار ہیں، پھر ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر باہم الزام دینے لگے،

قَالُوا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طٰغِينَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ أَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُونَ ﴿۳۲﴾

کہنے لگے ہائے ہماری خرابی بلاشبہ ہم حد سے بڑھ جانیوالے تھے امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کے بدلہ اس سے بہتر عطا فرمادے، بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنیوالے ہیں

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

اسی طرح عذاب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہے کیا خوب ہوتا کہ یہ لوگ جان لیتے

ایک باغ کے مالکوں کا عبرت ناک واقعہ

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد مکہ معظمہ کے مشرکوں پر اللہ تعالیٰ نے قحط بھیج دیا تھا۔ قحط کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی، اس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو آزمائش میں ڈالا جیسا کہ باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا تھا، یہ باغ کہاں تھا باغ والے کون تھے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ باغ یمن میں شہر صنعاء سے دو فرسخ کے فاصلہ پر تھا اسے نمازی لوگوں نے بویا تھا جو لوگ اس کے وارث چلے آرہے تھے وہ بڑے سخی تھے جس دن باغ کے پھل کاٹتے تھے مساکین جمع ہو جاتے تھے اسی طرح کھیتی کاٹنے کے دن اور جس دن بھوسہ اور دانہ الگ کرتے تھے مساکین آجاتے تھے، یہ لوگ مساکین کو دل کھول کر پھل اور کھیتی اور بھوسہ سے نکالے ہوئے دانے دے دیا کرتے تھے۔ آخر میں یہ ہوا کہ ان میں سے ایک شخص کی موت ہوگئی اس نے اپنے تین لڑکے وارث چھوڑے اب جو کھیتی کاٹنے کا موقعہ آیا تو ان تینوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ مال کم ہے اہل وعیال زیادہ ہیں اب اگر ہم اسی طرح سخاوت کرتے رہیں اور مسکینوں کو دیتے رہیں تو ہمارے لئے مال کم پڑ جائے گا اب تو مسکینوں سے جان چھڑانا چاہیئے لہٰذا انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ آئندہ ہم بالکل صبح صبح باغ میں پہنچ جائیں گے اور مسکینوں کے آنے

سے پہلے کاٹ کر گھروں میں لے آئیں گے۔ مشورے سے آپس میں یہ باتیں طے کیں اور قسمیں بھی کھائیں کہ ہم ضرور ایسا کریں گے۔ لیکن انشاء اللہ کسی کے منہ سے بھی نہ نکلا، اول تو مسکینوں کو محروم کرنے کی قسم کھائی دوسرے انشاء اللہ کہنا بھول گئے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے راتوں رات اس باغ پر آفت بھیج دی، یہ لوگ سوہی رہے تھے انہیں پتہ بھی نہ چلا کہ باغ کا کیا بنا رات کو جو آفت آئی تو وہ کھیتی ایسا ہوگئی کہ پہلے سے کاٹ دی گی ہو اسی کو فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ سے تعبیر فرمایا، وہاں پہنچے تو کچھ بھی نہ پایا حضرت ابن عباسؓ نے کالصریم کا ترجمہ کالرماد الاسود کیا ہے اور فرمایا ہے کہ بنی خزیمہ کے لغت میں اس کا یہی ترجمہ ہے یعنی ان لوگوں کی کھیتی سیاہ راکھ کی طرح ہوگئی۔

صبح کو جو یہ لوگ اٹھے تو آپس میں ایک دوسرے کو بلایا کہ آؤ اگر تمہیں اپنی کھیتی کی پیداوار پوری لینی ہے اور مسکینو کو کچھ نہیں دینا ہے تو صبح صبح چلے چلو اور جلدی چلو ورنہ عادت کے مطابق مساکین آجائیں گے، چنانچہ یہ تینوں بھائی چل دیئے چلے جارہے تھے اور آپس میں چپکے چپکے یوں کہہ رہے تھے کہ دیکھو آج ہم تک کوئی مسکین نہ پہنچنے پائے، جو کچھ مشورہ کیا ہے اس پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ اور اپنے مال کو اپنے قبضہ میں کرلو۔

باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ باغ تو جلا ہوا ہے کہنے لگے کہ اجی یہ ہمارا باغ نہیں ہے ہم تو راستہ بھٹک گئے ہیں چلو اپنا باغ تلاش کروان میں سے بعض نے کہا کہ ارے یہ بات نہیں ہے ہمارا باغ یہیں تھا ہم اس کی خیر سے محروم کر دیئے گئے ہیں کیونکہ ہم نے یہ ٹھان لیا تھا کہ مساکین کو کچھ نہیں دینا ہے اس پر ہماری گرفت ہوئی ہے جس وجہ سے ہمیں کچھ بھی نہیں ملا، ان میں سے جو سب سے اچھا آدمی تھا اس نے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے یعنی انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے اب جب ان لوگوں نے باغ کو برباد دیکھا تو بڑی ندامت ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے ظلم کا فیصلہ کیا تھا کہ مسکینوں کو کچھ نہ دیں گے۔

اس کے بعد آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور الزام دینے لگے کہ تو نے یہ رائے دی تھی اور تو نے یوں کہا تھا اور کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی ہم نے سرکشی والا کام کیا اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرتے۔ مساکین کو دیتے تو اچھا ہوتا سرکشی کر کے ہم نے اس محرومی کو خود مول لیا (اب سمجھ میں آگیا کہ ہمیں وہی کرنا چاہیئے تھا جو ہمارے باپ دادے کرتے تھے) امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باغ سے بہتر عطا فرمائے گا جو باغ جل کر خاکستر ہوگیا ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک باغ عطا فرمادیا جس کے انگور کے خوشے اتنے بڑے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لاد کر لے جاتے تھے۔

آخر میں فرمایا كَذٰلِكَ الْعَذَابُ (اسی طرح عذاب ہے) جو شخص ہماری حدود سے آگے بڑھتا ہے اور حکم کی مخالفت کرتا ہے ہم اسے اسی طرح عذاب دیتے ہیں۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے)

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (تاکہ یہ لوگ جانتے ہوتے)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمت والے باغ ہیں کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾

تمکو کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جسمیں پڑھتے ہو کہ اسمیں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی) ہے جسکو تم پسند کرتے ہو

أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ

کیا تمہارے لئے ہمارے اوپر قسمیں ہیں جو قیامت تک باقی رہنے والی ہیں کہ تمہیں وہ دیا جائے گا جس کا تم فیصلہ کرتے ہو ان سے دریافت

أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٤١﴾

کیجئے کہ ان میں اس کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا ان کیلئے ٹھہرائے ہوئے شریک ہیں سو وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر سچے ہیں

متقیوں کے لئے نعمت والے باغ ہیں اور مسلمین و مجرمین برابر نہیں ہو سکتے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقی بندوں کے انعامات بیان فرمائے ہیں اولاً ارشاد فرمایا کہ انہیں ان کے رب کے پاس نعمتوں والے باغ ملیں گے، اس کے بعد فرمایا کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح کر دینگے؟ یعنی جو لوگ مجرم ہیں انہیں اپنے جرم کی سزا ملے گی۔ اور فرماں بردار بندے اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کا پھل پائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نوازش ہوگی اور نعمتیں ملیں گی، نہ تو یہ ہوگا کہ فرماں بردار نعمتوں سے محروم ہو کر مجرمین کے برابر ہو جائیں اور نہ یہ ہوگا کہ کافرین کو نعمتیں دیدی جائیں، جب اہل ایمان اور اہل تقویٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوتا تھا تو اہل کفر یوں کہتے تھے کہ دنیا میں ہمیں بھی یہ نعمتیں ملیں گی بلکہ ہم نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں ان کی اس بات کی تردید فرمادی کہ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ اور مزید فرمایا مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو) تمہارا یہ فیصلہ تو عقل کے اور دنیا داری کے اصول کے بھی خلاف ہے دنیا میں جو اہل انصاف ہیں کیا مجرم اور غیر مجرم کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتے ہو؟ تم نے یہ کیسے کہا کہ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین اور سب سے بڑا انصاف والا ہے وہ مجرم اور غیر مجرموں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کریگا۔

أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ (الی آخر الآیات) یہ بات جو تم نے کہی ہے تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا تمہارے پاس آسمان سے کوئی کتاب نازل ہوئی ہے جسے تم آپس میں پڑھتے ہو؟ اور کیا اس کتاب میں یہ مضمون ہے کہ تم جو چاہو اپنے پاس سے اپنی خواہش کے مطابق کہہ دو گے اسی کے مطابق فیصلہ ہو جائے گا؟ پھر فرمایا کیا تمہارے لئے ہمارے اوپر قسمیں ہیں جو قیامت تک باقی رہنے والی ہیں کہ تمہیں وہ دیا جائے گا جس کا تم فیصلہ کرتے ہو؟ مطلب یہ ہے کہ تم بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا عہد ہے کہ جو تم کہہ دو گے ہم وہی کر دیں گے اور تمہارے کہنے کے مطابق فیصلہ ہوگا؟ ایسا نہیں ہے پھر بڑھ چڑھ کر یہ باتیں اپنی طرف سے کیسے تجویز کر رہے ہو؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا: سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ (آپ ان سے دریافت کیجئے کہ ایسا کون شخص ہے جو ان کی باتوں کو صحیح ثابت کرنے کا ذمہ دار ہے)۔ یعنی ان کی نامعقول باتوں کو کوئی عاقل صحیح نہیں کہہ سکتا۔

پھر فرمایا أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ (الآیۃ) کیا ان کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک ہیں سو وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر سچے ہیں) یعنی کیا انہوں نے شریک ٹھہرائے ہوئے ہیں جنہوں نے انہیں ثواب دینے کا اور فرمانبرداروں کے برابر کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے اگر ایسا ہے تو اپنے شریکوں کو پیش کریں اگر اپنے خیال میں سچے ہیں۔

یعنی یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ فرماں بردار اور مجرم برابر ہوں گے نہ ان کے پاس اس مضمون کی کوئی آسمانی کتاب ہے نہ کسی دوسرے طریق وحی سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا وعدہ فرمایا ہے نہ اللہ کی مخلوق میں سے اس کے شریک کچھ ہیں جنہوں نے اس بات کی ذمہ داری لی ہو کہ ہم تمہاری بات سچ کر دیں گے یا کروا دیں گے جب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو یہ

جاہلانہ بات کیسے کہتے ہیں؟

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ

جس دن ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے سو سجدہ نہ کرسکیں گے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿۴۳﴾

ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوا اور یہ لوگ سجدہ کی طرف اس حالت میں بلائے جاتے تھے جبکہ صحیح سالم تھے

ساق کی تجلی اور منافقوں کی بری حالت

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض مظاہر بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب ساق کی تجلی ہوگی اور لوگوں سے کہا جائے کہ سجدہ کرو تو مومنین سجدہ کرلیں گے اور منافقین اور ریاکار سجدہ نہ کرسکیں گے اور ان کی کمریں تختہ ہو جائیں گے، سجدہ کرنا چاہیں گے تو گدھی کے بل گر پڑیں گے۔ صحیح بخاری صفحہ ۷۳۱ اور صفحہ ۱۱۰۷ اور صحیح مسلم ۱۰۲ پر اس کی تفسیر وارد ہوئی ہے اور ساق کی تجلی ہونا متشابہات میں سے ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیفیت کے سمجھنے کی فکر نہ کریں یہی اصل طریقہ ہے، صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں سجدہ کی طرف بلائے جانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ دار التکلیف نہیں ہے کیونکہ بلایا جانے سے مراد امر بالسجود نہیں ہے بلکہ اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ سب بالاضطرار سجدہ کرنا چاہیں گے، جس میں مومن اس پر قادر ہوں گے اور اہل ریا و نفاق قادر نہ ہوں گے اور کفار کا قادر نہ ہونا اس سے بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوتا ہے جس کا آگے ذکر ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل قوله عزوجل یدعون الی السجود فلا یستطیعون یعنی الکفار والمنافقون تصیر اصلابهم کصیاصی البقر فلا یستطیعون السجود. (علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں فرماتے ہیں ارشاد الٰہی یدعون الی السجود فلا یستطیعون سے مراد کفار اور منافقین ہیں ان کی پیٹھیں گائیوں کی پیٹھوں کی طرح ہو جائیں گی۔ لہٰذا سجدہ نہیں کرسکیں گے)

کافروں اور منافقوں کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اخلاص کے ساتھ سجدہ کریں اس وقت یہ لوگ صحیح سالم تھے۔ سجدہ پر قادر تھے لیکن سجدہ نہیں کرتے تھے اگر کرتے تھے تو اخلاص سے نہ تھا دنیا میں حکم نہ ماننے کی وجہ سے آج ان کی رسوائی اور ذلت ہوئی۔ معالم التنزیل میں صفحہ ۳۸۳: ج۴ حضرت سعید بن جبیر سے وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کانوا سمعون حی علی الفلاح فلا یجیبون یعنی دنیا میں وہ اذان کی آواز سنتے تھے اور کانوں میں حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی آواز آتی تھی لیکن نماز کے لئے نہیں آتے تھے۔

فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾

سو آپ مجھے اور ان لوگوں کو چھوڑیے جو اس بات کو جھٹلاتے ہیں ہم انہیں تدریجاً لے جا رہے ہیں اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں،

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۴۵﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿۴۶﴾

اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر مضبوط ہے کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ وہ اس کے تاوان سے دبے جا رہے ہیں،

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿۴۷﴾

کیا ان کے پاس غیب ہے جسے وہ لکھا کرتے ہیں

مکذبین کے لئے استدراج اور ان کو مہلت

تفسیر: ان آیات میں منکرین اور مکذبین کو وعید سنائی ہے اور پیرایہ ایسا اختیار کیا ہے کہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور اس ضمن میں آپ کی تسلی بھی مضمر ہے ارشاد فرمایا کہ آپ مجھے اور ان لوگوں کو رہنے دیجئے جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں یعنی عذاب آنے میں جو دیر لگ رہی ہے آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں، ہم انہیں بتدریج جہنم کے عذاب کی طرف لے جا رہے ہیں اور وہ بھی اس طور پر کہ انہیں خبر بھی نہیں، انہیں مہلت دی جا رہی ہے انہوں نے اس مہلت کو اپنے لئے فائدہ مند سمجھ رکھا ہے اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر اپنی جانوں کو کامیاب سمجھ رہے ہیں حالانکہ سراسر ناکامی اور عذاب کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ ڈھیل ایک تدبیر ہے اور مضبوط تدبیر ہے انکو جو مہلت دی جا رہی ہے وہ اس کی وجہ سے اور زیادہ معاصی میں منہمک ہو رہے ہیں اور یہ ہماری طرف سے استدراج ہے۔

پھر فرمایا کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں جس کے تاوان سے وہ دبے جاتے ہیں؟ یہ بطور استفہام انکاری کے ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کا تبلیغ فرمانا اور ایمان کی دعوت دینا یہ سب اللہ کی رضا کے لئے ہے آپ اللہ تعالیٰ ہی سے ثواب کی امید رکھتے ہیں ان سے تو آپ کسی طرح کی اجرت یا معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے اگر ان سے کچھ طلب فرماتے ہوتے تو ان کو اس کی ادائیگی مشکل پڑ جاتی جب آپ ان سے کوئی چیز طلب کرتے ہی نہیں تو انہیں خود سمجھ لینا چاہئے کہ دعوت کے کام میں اتنی محنت کوشش کیوں کر رہے ہیں (لیکن وہ تو دنیاداری کے نشہ میں سمجھداری کو پاس آنے ہی نہیں دیتے اور برابر اعراض کئے جا رہے ہیں)

پھر فرمایا اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ (کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھ لیا کرتے ہیں)

یہ بھی استفہام انکاری کے طور پر ہے مطلب یہ ہے کہ انکو کسی طریقے سے خود احکام خداوندی معلوم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ صاحب وحی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے بے نیاز ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے احکام خود ہی معلوم کر لیا کریں حالانکہ اپنے خالق کے احکام جاننا ضروری ہے جب اور کوئی ذریعہ اللہ کے احکام معلوم کرنے کا نہیں ہے اور آپ کی نبوت کا انکار کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے تو اس کا انکار کرنا ان کی ناسمجھی، بیوقوفی اور حماقت ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ

سو آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے جب کہ اس نے اس حالت میں پکارا کہ وہ غم سے گھٹ رہا تھا اگر اس کے رب کی نعمت اس کی

نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٥٠﴾

دستگیری نہ کرتی تو وہ بدحالی کے ساتھ میدان میں ڈال دیا جاتا، پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کر لیا اور اس کو صالحین میں شامل فرما دیا

آپ صبر کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائے

تفسیر: ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو صبر فرمانے کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کے مخاطبین منکرین کو مہلت دی ہے ان پر جلد عذاب نہیں آیا اور آپ کو صبر کی تلقین فرمائی ہے اس پر عمل کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے۔ مچھلی والے سے حضرت یونس علیہ السلام مراد ہیں جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے (جس کا ذکر سورہ یونس اور سورۃ الانبیاء اور سورۃ الصافات میں گزر چکا ہے) تو انہیں مچھلی نے نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے، اللہ تعالیٰ سے اس

حالت میں انہوں نے دعا کی کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے، یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک بلا اذن صریح حق تعالیٰ کے وہاں سے چلے آنے کا ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہو جانے کا، اور وہ دعا یہ ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ جس سے مقصود استغفار اور طلب نجات عن الحبس ہے (کذا فی بیان القرآن)

لَوْ لَآ اَنْ تَدَارَكَهٗ (الآیۃ) اگر اللہ تعالیٰ کا انعام ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ بدحالی کے ساتھ میدان میں ڈال دیئے جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرما دیا مچھلی کے پیٹ سے باہر لایا خشکی میں پہنچے ضعیف اور کمزور تھے اور ان پر ایک بیلدار درخت اگا دیا جس سے سایہ ہو گیا جیسا کہ سورہ صافات مذکور ہے۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ

(پھر ان کے رب نے ان کو چن لیا اور برگزیدہ بنا لیا اور انہیں صالحین میں شامل فرما دیا (بلا اذن خداوندی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کی خطا اجتہادی کا جو صدور ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا اور صالحین کاملین ہی میں ان کا درجہ رکھا۔

وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ

اور کافر لوگ جب ذکر کو سنتے ہیں تو گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے اور کہتے ہیں

اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

کہ یہ مجنون ہے حالانکہ یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے

کافر لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی نظروں سے پھسلا کر گرا دیں

تفسیر: مشرکین عرب کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی تھی رسول اللہ ﷺ پر ہر طرح کا وار کرنے کو تیار رہتے تھے اور جو بھی موقعہ لگتا تھا اس سے نہیں چوکتے تھے آپ کو تکلیف پہنچانے کی جو طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے انہوں نے آپ کو نظر بد لگوانے کی تدبیر بھی سوچی بعض لوگ جن کی آنکھوں میں فطری طور پر نظر لگانے کی خاصیت ہوتی ہے اس وقت اس طرح کا ایک شخص تھا اسے قریش مکہ نے آمادہ کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایسی نظر ڈال جس سے آپ مریض ہو جائیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جائے صاحب معالم التنزیل اور صاحب روح المعانی نے یہ بات لکھی ہے کہ ان لوگوں نے آپ پر نظر لگوانے کا ارادہ کیا اور ایک آدمی کو اس پر آمادہ کیا لیکن اس کی آنکھوں کا آپ پر کچھ بھی اثر نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے معروف نظر لگانا مراد نہیں ہے بلکہ بری بری نگاہوں سے دیکھنا مراد ہے یعنی وہ آپ کو دشمنی کی وجہ سے بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی عداوت کی وجہ سے آپ کو دیوانہ بتاتے ہیں حالانکہ یہ قرآن جو آپ سناتے ہیں تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے بھلا دیوانہ آدمی ایسی باتیں سنا سکتا ہے؟

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نظر کا لگ جانا اور اس کا موثر ہونا حق ہے جو بامر اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس کے بعد انہوں نے کثیر تعداد میں ایسی احادیث نقل کی ہیں جس میں نظر دور کرنے کے لئے دعا پڑھنے کا ذکر ہے موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر لگ جانا حق ہے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یارسول اللہ جعفر کے بچوں کو نظر جلدی لگ جاتی ہے تو کیا میں ان کے لئے جھاڑ سکتی ہوں، آپ نے فرمایا ہاں جھاڑ دیا کرو کیونکہ اگر کوئی چیز

تقدیر سے آگے بڑھنے والی ہوتی تو نظر بڑھ جاتی (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو (تکالیف سے) محفوظ رکھنے کے لئے یہ پڑھا کرتے تھے **أُعِيذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَ هَآمَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ** (اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ میں تمہیں ہر شیطان سے اور ہر زہریلے جانور سے اور برائی کے ساتھ نازل ہونے والی ہر آنکھ سے پناہ میں دیتا ہوں) (رواہ البخاری) اور فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات کو اسمٰعیل اور اسحٰق علیہما السلام کی حفاظت کے لئے پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں ہے جھاڑ نا مگر نظر لگانے سے یا زہریلے جانور کے ڈسنے سے (رواہ احمد والترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۹۰)

دیگر امراض کے لئے بھی جھاڑ نا جائز ہے جو حضور ﷺ سے ثابت ہے ان دونوں چیزوں کے لئے جھاڑنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس لئے ایسا فرمایا جو کچھ بھی جھاڑ ہو اللہ کے ناموں سے قرآن مجید کی آیات سے اور مسنون دعاؤں سے ہو شرکیہ الفاظ سے نہ ہو۔ سورۃ ن والقلم کی یہ آخری دو آیتیں مجرب ہیں نظر بد کے لئے پڑھا جائے تو فائدہ ہوتا ہے۔

تم تفسیر نٓ والقلم والحمد للہ اولا و آخرا و باطنا و ظاهرا

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَانِ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الحاقۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ

ہو جانے والی کیا ہے وہ ہو جانے والی۔ اور آپ کو کیا خبر ہے کہ کیا ہے وہ ہو جانے والی، ثمود نے اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی چیز کی تکذیب کی، سو ثمود تو زور والی

فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ ہلاک کئے گئے اللہ نے اس ہوا کو لگاتار سات رات

وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾ فَهَلْ

اور آٹھ دن ان پر مسلط کر دیا تھا۔ سو اے مخاطب تو ان لوگوں کو اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے دیکھتا کہ گویا وہ کھجور کے کھوکھلے درختوں کے تنے ہیں، سو کیا

تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ

تجھے ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے اور الٹی ہوئی بستیوں نے گناہ کئے سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی

رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ

پھر اس نے ان کو سختی کے ساتھ پکڑ لیا، بلاشبہ جب پانی کو طغیانی ہوئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں اٹھا دیا تا کہ ہم تمہارے لئے اس واقعہ کو

تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

نصیحت بنادیں اور تا کہ اسے یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں

کھڑکھڑانے والی چیز (یعنی قیامت) کو جھٹلانے والوں کی ہلاکت

تفسیر: یہاں سے سورۃ الحاقۃ شروع ہو رہی ہے الحاقۃ حق یحق سے اسم فاعل ہے جس کا ترجمہ ہے واقع ہونے والی چیز۔ یعنی جس کا وجود میں آ جانا ضروری ہے وہ ٹل نہیں سکتی، اس سے قیامت مراد ہے قرآن مجید میں اس کے کئی نام آئے ہیں ان میں سے ایک القارعۃ بھی ہے جو اس سورت کی چوتھی آیت میں مذکورہ ہے علماء نحو نے فرمایا ہے الحاقۃ مبتدا ہے اور ما الحاقۃ خبر ہے۔

طرز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے جس سے قیامت کی اہمیت ظاہر ہو جائے ارشاد فرمایا کہ کیسی چیز ہے وہ ہو جانے والی اور اے مخاطب تجھے کیا خبر ہے کہ وہ ہو جانے والی چیز کیا ہے؟ یعنی وہ بڑی چیز ہے اس دن کی پیشی کے لئے فکر مند ہونا لازم ہے۔

جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ان کی بنیادی دعوت تین چیزوں پر ایمان لانے کی تھی:۔

۱۔توحید ۲۔ رسالت ۳۔معاد یعنی وقوع قیامت

قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام اور قوم عاد کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے ان لوگوں نے اپنے اپنے پیغمبر کی دعوت کو نہیں مانا، وقوع قیامت کو جھٹلایا لہٰذا عذاب میں پکڑے گئے اور ہلاک کئے گئے اسی کو فرمایا: كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌۢ بِالۡقَارِعَةِ (ثمود اور عاد نے کھڑکھڑانے والی چیز یعنی قیامت کو جھٹلایا) فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ (سو قوم ثمود کے لوگ طاغیہ یعنی سخت چیز کے ذریعے ہلاک کئے گئے جو اپنی شدت میں حد سے بڑھی ہوئی تھی (یہ سخت ترین چیخ تھی جس کے ذریعہ ہلاک کئے گئے)۔سَخَّرَهَا عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوۡمًا (اللہ تعالیٰ نے اس تیز ہوا کو ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار مسلط رکھا)۔اسی کو سورہ حٰم السجدہ میں یوں بیان فرمایا ہے: فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِيۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰى وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ (سو ہم نے ان پر ایک سخت تیز ہوا منحوس دنوں میں بھیج دی تا کہ ہم انہیں دنیا والی زندگی کی ذلت کا عذاب چکھائیں اور البتہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی)۔

فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيۡهَا صَرۡعٰى كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِيَةٍ (سو ان لوگوں کے گر پڑنے کا جو منظر تھا اے مخاطب اگر تو اسے دیکھتا تو یوں معلوم ہوتا کہ وہ کھوکھلی کھجوروں کے تنے ہیں)۔اسی تیز ہوا کے چلنے سے سب مر گئے ان میں سے ایک بھی نہ بچا اسی لئے بعد میں فرمایا فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ (اے مخاطب کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھ رہا ہے جو بچا ہوا ہو)

فرعون کی بغاوت اور ہلاکت: اس کے بعد فرعون اور اس سے پہلے باغیوں اور ان بستیوں کا ذکر فرمایا جو برے افعال کرنے کی وجہ سے پلٹ دی گئی تھیں ارشاد فرمایا: وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَهٗ وَالۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ (اور فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والوں نے گناہ کئے)

فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً (سو انہوں نے اپنے رب کے پیغمبر کی نافرمانی کی لہٰذا اس نے انہیں سخت گرفت کے ساتھ پکڑ لیا)

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا ذکر: اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰكُمۡ فِى الۡجَارِيَةِ (بلا شبہ جب پانی

میں طغیانی آئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کردیا) اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کا تذکرہ ہے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں مومنین سوار ہوگئے تھے جن کی تھوڑی سی تعداد تھی پھر انہی سے دنیا میں آبادی بڑھی اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسل پھلی پھولی، نزول قرآن کے وقت جو لوگ موجود تھے اور جو اب موجود ہیں مومن ہوں یا کافر سب انہی لوگوں کی نسل ہیں جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر نجات پا گئے چونکہ ان لوگوں کا وجود ان لوگوں کی نجات سے متعلق ہے جو کشتی میں سوار ہوگئے تھے اس لئے بطور امتنان حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ فرمایا کہ ہم نے تمہیں کشتی میں اٹھا دیا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (تاکہ ہم اس کو یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں) کیونکہ اس میں اہل فکر اور اہل نظر کے لئے عبرت اور نصیحت ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾
سو جب صور میں پھونکا جائے گا ایک مرتبہ اور اٹھادی جائے گی زمین اور پہاڑ پھر دونوں کو ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیا جائے گا،
فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى
سو اس دن واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس روز بالکل ضعیف ہوجائے گا اور فرشتے اس کے
اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى
کناروں پر آجائیں گے، اور اس روز آپ کے پروردگار کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے جس روز تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ
مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ
ہوگی، سو جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ کہے گا کہ لو میرا اعمال نامہ پڑھ لو، بلاشبہ میں پہلے ہی یقین رکھتا تھا کہ
مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
میرا حساب میرے سامنے پیش ہونے والا ہے، سو یہ شخص پسندیدہ زندگی میں ہوگا بہشت بریں میں ہوگا، اس کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے کھاؤ اور پیو
هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ
مبارک طریقہ پر ان اعمال کے بدلہ جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا سو وہ کہے گا کہ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى
ہائے کاش میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے، ہائے کاش موت ہی میرا فیصلہ کردیتی میرے مال
عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ
نے مجھے فائدہ نہ پہنچایا میری جو سلطنت تھی وہ برباد ہوگئی، اس کو پکڑو اور اس کو طوق پہنادو پھر اسے دوزخ میں داخل کردو پھر
سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ
ایسی زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے، بلاشبہ یہ شخص اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا جو عظیم ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾
دیتا تھا، سو آج اس کے لئے کوئی دوست نہیں ہے اور نہ غسلین کے علاوہ کوئی کھانا ہے

لَّا يَأْكُلُهُۥٓ إِلَّا ٱلْخَٰطِـُٔونَ ﴿۳۷﴾

اسے صرف گناہگار ہی کھائیں گے۔

قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا، زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے عرشِ الٰہی کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے

تفسیر: ان آیات میں روز قیامت کے مناظر ذکر فرمائے ہیں پہلے تو یوں فرمایا کہ جب صور پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا دیئے جائیں گے اور وہ دونوں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی یعنی قیامت آ جائے گی اور آسمان پھٹ پڑے گا سو وہ اس دن ضعیف ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس دن اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عرش کو آٹھ فرشتوں کا اٹھانا نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا اس کے بعد قیامت کے دن کی پیشی کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا: يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ (اس دن تم پیش کئے جاؤ گے اس دن تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہ ہوگی) یوں تو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ علم ہے لیکن اس نے فرشتوں سے سب کے اعمال لکھوا بھی رکھے ہیں سورۃ الجاثیہ میں فرمایا:

هَٰذَا كِتَٰبُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِٱلْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (یہ ہماری کتاب جو تمہارے اوپر حق کے ساتھ بولتی ہے بلاشبہ ہم لکھوا لیتے تھے جو تم کرتے تھے)

اعمالناموں کی تفصیل اور دائیں ہاتھ میں اعمالنامے ملنے والوں کی خوشی: اس کے بعد اعمال ناموں کی تفصیل ذکر فرمائی، ارشاد فرمایا: فَأَمَّا مَنْ أُوتِىَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَٰبِيَهْ (سو جسکے دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا وہ خوشی خوشی لوگوں سے کہے گا آؤ میری کتاب پڑھ لو) داہنے ہاتھ میں کتاب کا دیا جانا ہی دلیل اس بات کی ہوگی کہ یہ شخص کامیاب ہوگیا: إِنِّى ظَنَنتُ أَنِّى مُلَٰقٍ حِسَابِيَهْ (مجھے پتہ تھا کہ بلاشبہ میں اپنے حساب سے ملاقات کرنے والا ہوں) مجھے دنیا میں پیشی کا اور اعمالنامے دیئے جانے کا یقین تھا، اسی لئے دنیا میں سنبھل کر اور سوچ سمجھ کر گناہوں سے بچا اور نیک کام کئے۔

فَهُوَ فِى عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ (سو یہ شخص ایسی زندگی میں ہوگا جس سے راضی ہوگا اور خوش ہوگا)۔ فِى جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (بہشت بریں یعنی اونچی جنت میں ہوگا)

قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ (اس کے پھل قریب ہوں گے)

جیسا کہ سورہ رحمٰن میں فرمایا: وَجَنَى ٱلْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (اور دونوں جنتوں کے پھل قریب ہوں گے یعنی ہر شخص جو پھل بھی چاہے گا با آسانی کھڑے ہوئے لیٹے بیٹھے توڑ سکے گا۔

كُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ هَنِيٓـًٔۢا بِمَآ أَسْلَفْتُمْ فِى ٱلْأَيَّامِ ٱلْخَالِيَةِ (ان سے کہا جائے گا کہ کھاؤ پیو تمہارا کھانا پینا مبارک ہے اس وجہ سے کہ تم نے گزشتہ دنوں میں یعنی دنیا میں اچھی زندگی گزاری تھی اور اعمالِ صالحہ اختیار کئے تھے)

بائیں ہاتھ میں اعمالنامے ملنے والوں کی بدحالی: اس کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جن کے بائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی فرمایا: وَأَمَّا مَنْ أُوتِىَ كِتَٰبَهُۥ بِشِمَالِهِۦ فَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِى لَمْ أُوتَ كِتَٰبِيَهْ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ

(اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میری کتاب مجھے نہ دی جاتی اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے)

جس شخص کے حساب میں گڑ بڑ ہو وہ یہی چاہتا ہے کہ میرا حساب مجھے نہ دکھایا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے تو اچھا ہوتا۔ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ (ہائے کاش دنیا میں جو مجھے موت آئی تھی وہی فیصلہ کر دینے والی ہوتی) اور دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب کے لئے حاضر نہ کیا جاتا)

مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ (میرے مال نے مجھے فائدہ نہ دیا) هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ (دنیا میں جو اقتدار اور اختیار اور عہدہ اور منصب تھا وہ سب ختم ہو گیا اس نے بھی کوئی فائدہ نہیں دیا۔

کافروں کی ذلت: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ☆ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ☆ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ ☆ (اس کو پکڑ لو پھر اس کو طوق پہنا دو پھر اس کو دوزخ میں داخل کر دو پھر ایک ایسی زنجیر میں اس کو جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے)

اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ☆ (بلاشبہ یہ اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا جو عظیم ہے)

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (اور وہ مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا) داہنے ہاتھ میں اعمال دیئے جانے والوں کی خوشی اور خوش بختی اور بائیں ہاتھ میں اعمالنامے دیئے جانے والوں کی بدحالی اور بدبختی آیت بالا میں علی الترتیب بیان فرمائی ہے۔

اہل جنت کے تذکرہ میں یہ فرمایا کہ وہ یوں کہیں گے کہ دنیا میں جو ہم سوچ سمجھ کر زندگی گزارتے رہے کہ ہمارے سامنے ہمارا حساب پیش ہوگا آج ہمیں یہ اس کا انعام ملا ہے، اور اہل جہنم کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ یوں کہیں گے ہمارا دوبارہ زندہ ہونا ہمارے لئے وبال ہو گیا پہلی بار جو زندگی گزار کر موت آ گئی تھی وہی سب کچھ ہوتی اور ہمیں دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا تو اچھا ہوتا، یہ جو ہم دنیا کے اموال اور اقتدار اور عہدوں اور منصبوں کی فکر میں لگے رہے یہ تو بیکار ہی گیا یہاں نہ کوئی مال کام آیا اور نہ کسی عہدہ نے فائدہ پہنچایا وہاں پچھتانے سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا، بس خیر اسی میں ہے کہ اسی دنیا میں ایمان قبول کر لیں اور نیک بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہو جائیں عہدوں کے طالب نہ ہوں اور مال کو مطلوب نہ بنائیں۔

دنیاوی حکومتیں: دنیا میں جو عہدے ہیں وہ تو بڑی مصیبتوں سے ملتے ہیں اور ان میں بڑے بڑے مظالم کرنے پڑتے ہیں جب دنیا میں بادشاہت کا رواج تھا تو بادشاہت حاصل کرتے تھے اور اب جب سے دنیا میں جھوٹی جمہوریت آ گئی ہے اس کی وجہ سے الیکشن لڑنے میں اور الیکشن کے بعد عہدہ مل جانے کی صورت میں پھر عہدہ کو باقی رکھنے کے لئے پھر الیکشن میں جو رقمیں خرچ کی گئیں ان کی جگہ مال جمع کرنے کے لئے جو جو مظالم ہوتے ہیں قتل و خون کی نوبت آتی ہے رشوتیں دی جاتی ہیں اور رشوتیں وصول کی جاتی ہیں اور طرح طرح سے انسانوں کو ووٹ دینے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور ووٹوں کی خریداری ہوتی ہے ان سب باتوں کو الیکشن لڑنے لڑانے والے جانتے ہیں اتنی معصیتوں اور گناہوں کے ارتکاب کے بعد جو عہدہ ملا وہ لامحالہ وبالِ جان ہوگا پھر شریعت کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ جو شخص عہدہ کا طالب ہو اسے عہدہ نہ دیا جائے۔ (کیونکہ وہ اسی لئے عہدہ طلب کرتا ہے کہ وہ اپنی دنیا سیدھی کر لے اور جائداد جمع کر لے) یہ عہدے آخرت میں وبال بنیں گے، یہاں دنیا میں بڑے خوش ہوتے ہیں کہ کوئی عہدہ مل گیا، وزیر بن گئے وہاں زنجیر میں جکڑے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ رانگ کا ایک حصہ چھوٹے سے پیالہ کے برابر زمین کی طرف آسمان سے چھوڑ دیا جائے تو رات کے آنے سے پہلے زمین تک پہنچ

جائے جو پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اگر رانگ کا وہ حصہ دوزخی کی زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک چلتا رہے گا۔

فائدہ: دوزخی کی سزا کا سبب بتاتے ہوئے ایک تو یہ فرمایا کہ وہ مومن نہیں تھا دوسرے یہ فرمایا کہ وہ مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا، مسکین کو نہ کھلانا اور اس کے کھلانے کی ترغیب نہ دینا اتنی اہم بات ہے کہ اسے کفر کے ساتھ ذکر کیا گیا تو مسکین پر ظلم کرنا اور اسے کسی نے کچھ دیا ہو تو اسے چھین کر کھا جانا یا خود قابض ہو کر اپنا بنا لینا کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

مجرمین غسلین کھائیں گے: فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ☆ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ☆ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ☆ (سو آج اس کے لئے یہاں کوئی دوست نہیں اور نہ غسلین کے علاوہ اس کے لئے کوئی کھانا ہے جسے صرف خطا کار ہی کھائیں گے)۔

لفظ غسلین فعلین کے وزن پر ہے جو لفظ غسل سے ماخوذ ہے غسل دھونے کو کہتے ہیں۔ علماء تفسیر نے اس کا ترجمہ زخموں کے دھوون سے کیا ہے غسلین کا معنی اگرچہ زخموں کا دھوون ہے اور زخموں کو اس وقت دھویا جاتا ہے جب مرہم پٹی کی جائے اور صاف کر کے مرہم لگایا جائے لیکن دوزخیوں کے زخموں کا دھوون خود ان کے جسموں کی پیپ ہی ہوگی جو اوپر سے نیچے تک بہتی رہے گی علاج اور شفاء کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غسلین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

انه الدم و الماء الذی یسیل من لحوم اهل النار

(یعنی غسلین سے وہ خون اور پانی مراد ہے جو دوزخیوں کے گوشتوں سے بہتا رہے گا) (ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۵۸: ج ۲۹)

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

سو میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے بلاشبہ یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے

قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۳﴾

تم بہت کم ایمان لاتے ہو، اور وہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے تم بہت کم سمجھتے ہو، یہ اتارا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے،

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر یہ شخص ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا لیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی دل کی رگ کاٹ دیتے

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ

پھر تم میں سے کوئی اسے سزا سے بچانے والا نہ ہوگا، اور بلاشبہ وہ متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور بلاشبہ ہم ضرور جانتے ہیں کہ

مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۵۲﴾

تم میں جھٹلانے والے ہیں اور بلاشبہ یہ کافروں کے حق میں حسرت ہے اور بلاشبہ وہ بالیقین حقیقی بات ہے سو آپ رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کیجئے

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے متقیوں کے لئے نصیحت ہے

تفسیر: ان آیات میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کریم کی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں اور دشمنوں کی باتوں کی تردید فرمائی ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کو تیار نہ تھے۔

اولاً ارشاد فرمایا: کہ تم جن چیزوں کو دیکھتے ہو اور جن چیزوں کو نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے۔ شاعر لوگ شاعرانہ باتیں کرتے تھے وہ عام لوگوں کی باتوں سے مختلف ہوتی تھی اور کاہن لوگ شیاطین سے سن کر آئندہ ہونے والی کوئی بات بتا دیتے تھے۔ (جس کا ذکر سورہ جن میں آ رہا ہے اور سورہ حجر اور سورہ سباء اور سورہ صافات میں گزر چکا ہے) اور ان میں اپنے پاس سے اور بہت سی باتیں ملا کر بیان کر دیتے تھے اور تک بندی کی طرح کچھ باتیں کہہ جاتے تھے اہل مکہ نے قرآن کریم کو شاعروں کاہنوں کا کلام بتا دیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نہ شاعر ہیں نہ کاہن ہیں نہ ان لوگوں کے پاس آپ کا اٹھنا بیٹھنا ہے مگر انسان کی ضد و عناد ایسی چیز ہے کہ جب انسان اس پر کمر باندھ لے اور حق سے بالکل ہی منہ موڑ لے تو قبول حق کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے ان میں بہت کم کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو ضد اور عناد کو چھوڑ کر حق کو قبول کرے اور اپنی سمجھ سے کام لے اس لئے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا:

قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (تم بہت کم ایمان لاتے ہو) اور

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (تم بہت کم سمجھتے ہو) بھی فرمایا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۞ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۞

جو فرمایا اس میں ان چیزوں کی قسم کھائی جنہیں بندے دیکھتے ہیں اور جنہیں نہیں دیکھتے صاحب روح المعانی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی قسم کھائی جو بندوں کے مشاہدات اور مغیبات ہیں اس لئے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری ہی مخلوق کی قسم کھا کر بتاکید یہ فرمایا کہ قرآن رسول کریم ہی کا لایا ہوا کلام ہے حضرت عطا نے فرمایا کہ **تُبْصِرُوْنَ** سے آثار قدرت اور **مَالَا تُبْصِرُوْنَ** سے اسرار قدرت مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اجسام اور ارواح مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انسان اور جن اور ملائکہ مراد ہیں وقیل غیر ذلک (روح المعانی صفحہ ۶۰: ج۲۹)

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ رسول کریم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلام جس کے واسطہ سے تم لوگوں تک پہنچ رہا ہے وہ اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہے جو اللہ کے یہاں گرامی قدر ہے جس کا بڑا مرتبہ ہے وہ اس کلام کو لے کر اللہ کی زمین والے رسول کے پاس آیا ہے یعنی بواسطہ جبرئیل علیہ السلام حضرت سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ رسولِ کریم سے خود رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ کلام تمہیں ہمارا رسول سناتا ہے جسے اللہ تعالیٰ شرف رسالت سے نواز دے وہ سچا ہی ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ فرمایا **تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (یہ کلام رب العلمین کی طرف سے اتارا ہوا ہے) اس میں کلام سابق کی تاکید بھی ہے اور توضیح بھی ہے کوئی کم فہم **قول رسول کریم** کا یہ مطلب سمجھ سکتا تھا کہ یہ ان کا ذاتی کلام ہے لہٰذا واضح فرما دیا کہ یہ کلام تمہارے سامنے نکلا تو ہے رسول کریم کی زبان سے لیکن اتارا ہوا رب العلمین کی طرف سے ہے۔

ثالثاً یہ فرمایا: **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۞ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۞ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۞ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ** (اور اگر یہ شخص ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم اس کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی اسے سزا سے بچانے والا نہ ہوتا)۔

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت کو سچا ثابت فرمایا ہے ارشاد فرمایا یہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول اور نبی ہوں اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی ہے اگر یہ ہماری طرف کچھ جھوٹی باتیں منسوب کر دیتا یعنی

نبوت کا جھوٹا دعویدار ہوتا اور ہماری طرف کسی ایسی بات کی نسبت کر دیتا جو ہماری طرف سے نازل نہیں کی گئی تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے یعنی اس کی گرفت فرما لیتے اور اس کو موت دے دیتے جب اس کو ہم سزا دیتے تو اس کو تم میں سے کوئی شخص بچا نہیں سکتا، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ موت دینے کو اس طرح جو تعبیر فرمایا کہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی دل کی رگ کو کاٹ ڈالتے اس میں ہلاک کرنے کی ایک رسوا کن تصویر بیان فرمائی، جب بادشاہ کسی پر غصہ ہوتے تھے تو اس کے قتل کرنے کے لئے جلاد کو حکم دیتے تھے جلادیوں کرتا تھا کہ پہلے مقتول کے داہنے ہاتھ کو پکڑتا تھا پھر اس کی گردن مار دیتا تھا اس کے بعد حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ **ان المعنی لقطعنا یمینه ثم لقطعنا وتینة عبرة ونکالا** یعنی ہم اولاً اس کے داہنے ہاتھ کو کاٹ دیتے پھر ہم اس کی رگ جان کو کاٹ دیتے تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ناک سزا ہو جائے۔

رابعاً یہ فرمایا **وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ** (اور بلاشبہ یہ قرآن نصیحت ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے)

خامساً یہ فرمایا **وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ** (اور بلاشبہ ہم یہ جانتے ہیں تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو جھٹلانے والے ہیں) لہٰذا ان جھٹلانے والوں کو ان کے جھٹلانے کی سزا ملے گی۔

سادساً یہ فرمایا: **وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ** (اور بلاشبہ یہ قرآن کافروں کے لئے بہت بڑی حسرت کا سبب ہے) جب قیامت کے دن اہل ایمان کو قرآن کے ماننے اور اس پر ایمان لانے کی وجہ سے اور اس کے مطابق اعمال اختیار کرنے کی وجہ سے ثواب ملے گا اور جنت کی نعمتوں سے مستفید اور منتفع ہوں گے اسوقت کافروں کو حسرت ہوگی اور خیال ہوگا کہ ہائے کاش ہم نے بھی قرآن کو مان لیا ہوتا اور عذاب سے بچ جاتے۔

سابعاً **وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ** فرمایا (اور بلاشبہ یہ قرآن یقینی طور پر حق ہے) جس کے حق اور سچا ہونے میں ذرا سا بھی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں۔

سورت کے ختم پر فرمایا **فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ** (اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کیجئے) اللہ سب سے بڑا ہے اس کا نام بھی سب ناموں سے بڑا ہے اس کی پاکی بیان کریں اور اس کی تسبیح میں لگے رہیں اس کی کمال ذات اور کمال صفات کو بیان کرتے رہیں۔

تنبیہ

خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد (جن پر نبوت ختم کرنے کا سورہ احزاب رکوع نمبر ۶ میں اعلان فرما دیا ہے) بہت سے آدمیوں نے نبوت کے دعوے کئے یہ ظاہر ہے کہ دعوے جھوٹے تھے ایسے لوگ آتے گئے مقتول بھی ہوئے اور کیفر کردار تک پہنچے، ان میں سے ایک شخص مسیلمہ پنجاب بھی تھا جو قادیان ضلع گورداسپور کا رہنے والا تھا اس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور جھوٹی پیشین گوئیوں کا سہارا لیا اور اس کی ہر پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوئی اور خاص کر جس جس پیشین گوئی پر سچا ہونے کا مدار رکھا تھا خاص کر وہ تو دنیا کے سامنے کھل کر واضح طور پر جھوٹی ثابت ہوگئی۔ اس جھوٹے مدعی نبوت نے اپنے نبی ہونے پر سورۃ الحاقہ کی مذکورہ بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے یوں کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوتا تو اب تک مجھے سزا مل گئی ہوتی، میں مر چکا ہوتا، اور میری رگ جان کٹ چکی ہوتی۔ آیت کریمہ میں صرف محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور رسالت کا ذکر ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر ان کا دعویٰ صحیح نہ ہوتا تو ہم ان کو سزا دے دیتے اس میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ آپ کے بعد جو بھی کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا ہم اسے موت دے دیا کریں گے اور اس کی رگ جان کاٹ دیا کریں گے۔ آیت کا یہ مفہوم اس جھوٹے شخص نے اور اس کے مشورہ دینے والوں نے خود

سے نکلا ہے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ ہو آنحضرت ﷺ کے بعد بہت سے نبوت کے دعویدار گزرے ہیں ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوا جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے تو کیا العیاذ باللہ وہ سب سچے ہو گئے؟ پھر ایک سمجھدار آدمی کے لئے یہ کافی ہے کہ اگر یہ پنجاب کا مدعی نبوت جلد ہی مرجاتا تو اس سے اس کی ذلت زیادہ ظاہر نہ ہوتی، ہوا یہ کہ جیسے جیسے اس کے دعوے بڑھتے گئے پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت ہوتی چلی گئیں وہ برابر ذلیل ہوتا گیا اور اسہال میں مرگیا۔

اس جھوٹے مدعی نبوت کو سورۃ النساء کی آیت کریمہ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ نظر نہ آئی جس میں واضح طور پر یہ بتادیا گیا ہے کہ جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی ہو اور وہ مسلمانوں کے راستہ کے خلاف کسی دوسرے راستہ کا اتباع کرے تو ہم اس کو اسطرف پھیرے رکھیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کردیں گے بات یہ ہے کہ جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے اور تنبیہ کرنے والوں کی تنبیہ پر واپس نہیں آتا اللہ جل شانہ اس کے دل میں مزید زیغ اور گمراہی ڈال دیتا ہے جیسا کہ سورہ صف میں فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بھی مدعی نبوت اور کوئی بھی ملحد اور زندیق اور گمراہی کا داعی اور ضلال اور عقائد باطلہ کا پیشوا اس دھوکہ میں نہ رہے کہ چونکہ میں جی رہا ہوں اور کھا رہا ہوں اور پی رہا ہوں اور میرے ماننے والے بڑھ رہے ہیں اور مجھے کوئی سزا نہیں مل رہی ہے اس لئے میں صحیح راہ پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى بھی سامنے رکھنا لازم ہے اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ مومنین کے راستہ سے ہٹ کر جو بھی کوئی شخص گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا ہم اسے اس پر رہنے دیں گے اور ساتھ ہی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ کا استحضار رہنا بھی لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ہم ایسے شخص کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

سورہ نساء کی آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنا دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔

الحمد للہ علی تمام تفسیر ھٰذہ سورۃ الحاقۃ اولاً و آخراً و باطناً و ظاہراً

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المعارج مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چوالیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾

سوال کیا ایک سوال کرنے والے نے عذاب کے بارے میں جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے اسے کوئی دفع کرنے والا نہیں، یہ عذاب اللہ کی طرف سے واقع ہوگا

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا

جو معارج والا ہے فرشتے اور روحیں اس کی طرف چڑھ کر جاتی ہیں یہ عذاب اس دن واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، سو آپ ایسا صبر کیجئے جو صبر جمیل ہو،

جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾

بیشک وہ اس دن کو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں

قیامت کے دن کافروں کی بدحالی اور بے سروسامانی، ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا

تفسیر: یہاں سے سورہ معارج شروع ہو رہی ہے چونکہ اس میں لفظ ذی المعارج وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے سورۃ المعارج کے نام سے موسوم ہوئی۔ المعارج مَعْرَج کی جمع ہے جس کا معنی ہے چڑھنے کی جگہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ المعارج سے آسمان مراد ہیں چونکہ آسمانوں سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمانوں کی طرف فرشتوں کا آنا جانا رہتا ہے اس لئے آسمانوں کو المعارج فرمایا اور خالق تعالیٰ شانہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے آسمان بھی اس کی مخلوق ہیں جہاں سے فرشتوں کا گزر ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ایک وصف ذی المعارج ذکر فرمایا۔ مفسرین کرام نے اس سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول یہ ذکر فرمایا ہے کہ نضر بن حارث جو ایک بڑا مشرک اور مکہ معظمہ میں اسلام کا اور مسلمانوں کا بہت زیادہ کٹر دشمن تھا اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ دین (جو محمد ﷺ لائے ہیں) حق ہے (جسے ہم قبول نہیں کر رہے ہیں) تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دیجئے یا ہم پر دردناک عذاب لے آیئے۔ روح المعانی میں امام نسائی سے یہ روایت نقل کی ہے مذکورہ بالا دعا ابوجہل نے کی تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ☆ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ☆ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ☆ (یعنی ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں یہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو معارج یعنی آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کا مالک ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے بیان فرمانے میں بظاہر یہ نکتہ ہے کہ زمین پر رہنے والے عذاب کا سوال کر رہے ہیں زمین تو ان کے قریب ہی ہے اس میں بھی دھنسائے جاسکتے ہیں اور زلزلہ اور بھونچال کے ذریعے بھی ہلاک کئے جاسکتے ہیں اور آسمان کی جانب سے بھی ان پر عذاب آسکتا ہے انہوں نے جو آسمان سے پتھر برسانے کی دعا کی ہے یہ دعاء بعینہٖ بھی قبول ہوسکتی ہے اور پتھر برس سکتے ہیں۔ جیسے زمین میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے اسی طرح وہ آسمانوں اور جو چیزیں ان میں ہیں ان سب کا بادشاہ ہے، یہ تو آیات کا ترجمہ اور سبب نزول بیان ہوا اور نتیجہ اس دعا کا یہ ہوا کہ نضر بن حارث اور ابوجہل دونوں غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے مشرکین بھی مارے گئے جن میں کفر کے بڑے بڑے سرغنہ تھے بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کی تعداد ستر تھی اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لایا گیا خود ان کی بددعا ان کے حق میں لگ گئی پھر ان قیدیوں میں سے بعض لوگ بعد میں مسلمان بھی ہوگئے تھے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ (فرشتے اور روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں) یعنی عالم بالا میں جو مواقع ان کے عروج کے مقرر فرما دیئے ہیں وہاں تک پہنچتی ہیں۔ قال صاحب الجلالین الی مهبط امره من السماء۔

فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ☆ (ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی)

صاحب بیان القرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ ذی المعارج کے بعد تعرج الملئکة والروح میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان فرمائی ہے اور فی یوم متعلق ہے محذوف سے اور مطلب یہ ہے کہ سائل نے جس عذاب کا سوال کیا ہے وہ عذاب ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

صاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حیث قال فی یوم متعلق بمحذوفٍ ای یقع العذاب بهم فی یوم القیامة۔ (جبکہ یوم کے بارے میں کہا ہے کہ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ ان پر قیامت کے دن عذاب واقع ہوگا) اس میں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جو عذاب مانگا تھا وہ تو غزوہ بدر میں آچکا پھر لفظ فی یوم کو یقع سے کیوں متعلق کیا جارہا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے معارض نہیں ہے دنیا میں بھی عذاب واقعہ ہوگیا اور آخرت میں بھی واقع ہوگا اگر دونوں کا تذکرہ مقصود ہو تو اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں، جملہ فی یوم کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وایاما کان فالجملة استئناف مؤکد لما سبق له الکلام و قیل هو متعلق بواقع و قیل بدافع والمراد بالیوم علی هذه الاقوال ما ارید به فیما سبق و تعرج الملئکة والروح الیه مستطرد عند وصفه عزوجل بذی المعارج وقیل هو متعلق بتعرج کما هو الظاهر الا ان العروج فی الدنیا والمعنی تعرج الملئکة والروح الی عرشه تعالیٰ ویقطعون فی یوم من ایامکم ما یقطعه الانسان فی خمسین الف سنة لو فرض سیره فیه. (اور جو بھی ہو جملہ استینافیہ ہے مقصد کلام کے لئے مؤکد ہے اور بعض نے کہا یوم واقع کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا دافع کے متعلق ہے۔ ان اقوال کے مطابق یوم سے مراد وہی جو کہ پہلے مراد لیا گیا ہے اور فرشتوں وروح کا اس کی طرف چڑھنا اللہ تعالیٰ کی صفت ذی المعارج کی طرف لوٹتا ہے۔ بعض نے کہا تعرج کے متعلق ہے جیسا کہ ظاہر ہے مگر یہ کہ تب یہ عروج دنیا میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ فرشتے اور روح اللہ تعالیٰ کے عرش کی طرف تمہارے دنوں میں سے ایک دن کی مقدار میں چڑھتے ہیں جس فاصلہ کو انسان پچاس ہزار سال میں طے کرے اگر اس میں اس کا چلنا فرض کیا جائے تو)

ہزار سال اور پچاس سال میں تطبیق: یہ دن جس کی مقدار پچاس سال کے برابر ہوگی۔ اس سے بظاہر قیامت کا دن مراد ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کی سزائیں بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے، اور سورہ الم سجدہ میں فرمایا ہے: یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ☆ اس آیت سے ظاہر ہورہا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے جو آدھا دن ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۷)

ایک ہی دن کے بارے میں ایک ہزار سال بھی بتایا اور اس کی مقدار پچاس ہزار سال بھی بتائی اس کے بارے میں علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہوگا کافروں کے لئے پچاس ہزار سال ہی کا دن ہوگا اور انہیں حساب کی سختی کی وجہ سے اتنا ہی لمبا معلوم اور محسوس ہوگا اور مومن آدمی کے لئے ہلکا کردیا جائیگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جو دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اس کی لمبائی کتنی زیادہ ہوگی (بطور تعجب اور اظہار تشویش یہ سوال کیا) آپ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ دن مومن پر ہلکا کردیا جائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں ایک شخص نماز پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ ہلکا کردیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷)

اس سلسلہ میں ہم نے سورہ حج کی آیت وَاِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ اور سورہ الم سجدہ کی مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بھی مراجعت کرلی جائے۔

فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا (سو آپ ایسا صبر کیجئے جو صبر جمیل ہو) صبر جمیل اسے کہتے ہیں جس میں شکایت کا نام نہ ہو مطلب یہ ہے کہ آپ نے ان کو حق پہنچایا حق کی دعوت دی آپ کے ذمہ جو کام تھا وہ آپ نے کردیا اب جو یہ لوگ نہیں مانتے کفر پر

جمے ہوئے ہیں آپ ان کی طرف سے دلگیر نہ ہوں اور رنج میں نہ پڑیں صبر سے کام لیں اور صبر جمیل اختیار فرمائیں دنیا میں نہیں تو قیامت کے دن تو ہر کافر کو سزا ملنی ہی ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا (یہ لوگ قیامت کے دن کو دور دیکھ رہے ہیں (یعنی یہ سمجھ رہے ہیں کہ صرف کہنے کی باتیں ہیں قیامت آنے والی نہیں ہے) اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں، ہمیں علم ہے کہ قیامت آنی ہے اور ان لوگوں کو اس دن عذاب میں مبتلا ہونا ہی ہے اسی کو سورہ انعام میں فرمایا۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ☆ (بلاشبہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ ضرور آ جانے والی چیز ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو)

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾

جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہوں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾

باوجود یکہ ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے مجرم شخص اس بات کی تمنا کرے گا کہ کاش وہ اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً

اور اپنے کنبے کو جس میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنی جان کے بدلہ میں دے دیتا پھر یہ اس کو بچالیتا یہ ہرگز نہیں ہوگا بے شک وہ آگ شعلے مارنے والی ہے سر کی کھال اتار

لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾

دینے والی ہے وہ اس شخص کو بلاتی ہے جس نے پشت پھیری اور بے رخی اختیار کی اور مال جمع کیا پھر اس کو سنبھال کر رکھا

قیامت کے دن ایک دوست دوسرے دوست کو نہ پوچھے گا رشتہ داروں کو اپنی جان کے بدلہ عذاب میں بھیجنے کو تیار ہوں گے

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کی بعض بڑی چیزوں کے ادل بدل ہو جانے کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہے کہ اس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور پہاڑ رنگی ہوئی اون کی طرح ہوں گے۔ سورۃ القارعہ میں لفظ اَلْمَنْفُوْش کا بھی اضافہ ہے مطلب یہ ہے کہ پہاڑ رنگی ہوئی اون کی طرح ہوں گے جو اڑتے ہوئے پھریں گے۔

آسمان کے بارے میں جو **کالمھل** فرمایا ہے اس کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے یعنی تیل کی تلچھٹ اور صاحب جلالین نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے کذائب الفضۃ کہا ہے یعنی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سے ہوگا اس میں آسمان کی ایک کیفیت ذکر فرمائی ہے جو وَاهِيَة کی تصویر ہے جیسا کہ گزشتہ سورت میں فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ گزر چکا ہے۔

آسمانوں اور پہاڑوں کا حال بیان فرمانے کے بعد میدان قیامت میں حاضر ہونے والوں کی حیرانی اور پریشانی بیان فرمائی ارشاد فرمایا وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا (اور اس دن کوئی بھی دوست کسی بھی دوست کو نہ پوچھے گا) يُّبَصَّرُوْنَهُمْ (آپس میں ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے) یعنی ایک دوسرے کو دیکھیں گے مگر کوئی کسی کی مدد اور ہمدردی نہیں کر سکے گا۔

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ یُنْجِیْهِ (مجرم شخص آرزو کرے گا کاش اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبہ کو جو اسے ٹھکانہ دیتا تھا اور تمام اہلِ زمین کو اپنی جان کے بدلہ میں دے کر عذاب سے چھٹکارا پالے) مطلب یہ ہے کہ اس دن سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور ایسی نفسانفسی ہوگی کہ انسان دنیا میں جن لوگوں پر جان دیتا تھا ان کو اپنی جان کے عوض عذاب میں ڈال کر اپنی جان بچانے کی تمنا کرے گا لیکن وہاں کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا اور ہر شخص کو اپنا اپنا عذاب بھگتنا ہوگا اسی کو فرمایا کَلَّا (ہرگز ایسا نہ ہوگا) کہ کوئی شخص اپنی جان کا بدلہ دے کر چھوٹ جائے۔

اِنَّهَا لَظٰی ☆ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی ☆ (بلاشبہ وہ دوزخ سخت گرم چیز ہے جو سر کی کھال اتار دینے والی ہے)

جب دوزخ کی آگ جلائے گی تو سر کی چمڑی اتر کر علیحدہ ہو جائے گی۔ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی (دوزخ اس کو پکارے گی جس نے دنیا میں پشت پھیری اور بے رخی کی اور مال جمع کیا اور پھر اس کی حفاظت کرتا رہا)

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ سے یہاں تک کافر کا حال بیان ہوا ہے۔ پہلے تو یہ بتایا کہ کافر مجرم عذاب سے بچنے کے لئے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو اور کنبہ قبیلہ کو اور جتنے بھی اہلِ زمین ہیں سب کو اپنی جان کے عوض دے کر اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کی آرزو کرے گا پھر یہ بتایا کہ وہ کسی طرح عذاب سے چھوٹ نہیں سکتا اسے دوزخ میں جانا ہی جانا ہے دوزخ اپنے لوگوں کو پہچانے گی اور پکار پکار کر آواز دے دے کر بلائے گی کافروں کے کرتوت تو بہت ہیں لیکن اجمالی طور پر دنیا میں حق سے پشت پھیر کر جانے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے اعراض کرنے اور مال جمع کرنے اور اسے اٹھا اٹھا کر رکھنے یعنی خرچ نہ کرنے کا تذکرہ فرمایا۔

اَدْبَرَ وَتَوَلّٰی میں کفر سے متصف ہونا بیان فرمادیا اور جَمَعَ فَاَوْعٰی میں مال کی محبت کا تذکرہ فرمادیا اور کافروں کی صفت بخل بھی بتادی اور یہ بھی بتادیا کہ انہیں مال سے محبت تھی حقوق اللہ ضائع کر کے اور حقوق العباد تلف کر کے مال پر مال جمع کرتے رہے، سود بھی لیا اور غبن بھی کیا، خیانتیں بھی کیں اموال غصب بھی کیے، نوٹوں کی گڈوں کی محبت میں اور بنک بیلنس کی فکر میں حلال حرام کچھ نہ دیکھا ایسی صورت میں لامحالہ دوزخ ہی ٹھکانہ ہوگا، جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں انہیں بھی فکر کرنا چاہیئے کہ ہمارا مال کہاں سے آرہا ہے اور مال جمع کرنے میں کتنے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے پھر حلال مال مل جائے تو اس میں سے فرائض اور حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا لازم ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اے ابن آدم تو اللہ کی وعید سنتا ہے پھر بھی مال سمیٹتا ہے۔ (ذکرہ ابن کثیر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھتی ہوگی اور دو کان ہوں گے جن سے سنتی ہوگی اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتی ہوگی وہ کہے گی میں تین یہ شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں۔

۱۔ ہر سرکش ضدی پر ۲۔ ہر شخص پر جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا کوئی معبود ٹھہرالیا ۳۔ تصویر بنانے والے پر

(مشکوٰۃ المصابیح)

تفسیر ابن کثیر میں سے نقل کیا ہے کہ جس طرح جانور دانہ تلاش کر کے چگ لیتا ہے اسی طرح دوزخ میدان حشر سے ان لوگوں کو دیکھ بھال کر چن لے گی جن کا دوزخ میں جانا مقرر ہو چکا ہے۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾

بے شک انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو خوب گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے اور جب اس سے اچھی حالت مل جاتی ہے تو منع کرنے والا بن جاتا

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ

ہے، سوائے ان لوگوں کے جو نمازی ہیں جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور وہ لوگ جن کے مالوں میں

مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ

سوال کرنے والے کے لئے اور محروم کے لئے حق معلوم ہے اور جو لوگ روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے

عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ

رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں بلاشبہ ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی

حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ

حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ملکیت میں آنے والی باندیوں کے سو وہ ان کے بارے میں ملامت کئے جانے والے نہیں ہیں۔ سو جس نے اس

وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾

کے علاوہ کوئی جگہ تلاش کی تو یہ وہ لوگ ہیں جو حد سے آگے بڑھ جانے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں

وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو بہشتوں میں باعزت رہیں گے

انسان کا ایک خاص مزاج، گھبراہٹ اور کنجوسی،
نیک بندوں کی صفات اور ان کا اکرام وانعام

تفسیر: آیات بالا میں انسان کی بعض صفات رذیلہ اور بہت سی صفات جمیلہ بیان فرمائی ہیں اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ دوزخ انہیں بلائے گا جنہوں نے روگردانی کی پشت پھیری اور مال جمع کیا اور اٹھا اٹھا کر رکھا اور ان آیات میں سے پہلی اور دوسری اور تیسری آیت میں انسان کا ایک خاص مزاج بتایا ہے ارشاد فرمایا: إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا (بلاشبہ انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ الھلع سرعۃ الجزع یعنی جلدی سے گھبراہٹ میں پڑ جانے کو ہلع کہا جاتا ہے یہ لفظ ناقۃ ہلوع سے لیا گیا ہے جو اونٹنی سریع السیر ہو تیز چلنے والی ہو اس کے لئے ناقۃ ہلوع بولا جاتا ہے اس کے بعد فرمایا:

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں میں ہلوع کا معنی بیان فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان کے ہلوع ہونے کا زیادہ مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ تکلیف پہنچتی ہے تو بہت زیادہ گھبراہٹ میں پڑ جاتا ہے خوب جزع فزع کرتا ہے اور ہائے ہائے کرنے بیٹھ جاتا ہے (اسی کو ''کم ہمت'' سے تعبیر کیا گیا ہے)

اور جب مال مل جاتا ہے تو اسے خرچ کرنا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ جب مال دے دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات

میں اور مقرر کردہ حقوق میں خرچ نہیں کرتا۔ ضرورت مندوں کی حاجتیں رکی رہتی ہیں لیکن مال کو بھینچ کر رکھے رہتا ہے اس کا دل چاہتا ہے کہ تجوری بھری رہے بینک بیلنس بڑھتا رہے اس میں اور ملالوں لیکن جو موجود ہے اس میں سے خرچ نہ کروں یہ جانتے ہوئے کہ نہ میں ہمیشہ رہوں گا نہ مال ہمیشہ رہے گا نہ مال ساتھ جائے گا پھر بھی مال کو دبائے بیٹھا رہتا ہے یہی خرچ نہ کرنے کا جذبہ بخل اور کنجوسی کہلاتا ہے بخل کی صفت انسان کو نیک کاموں میں آگے نہیں بڑھنے دیتی اور صدقات اور خیرات کے کاموں سے روکتی ہے۔ بخیل آدمی جب خرچ کرنے لگتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی جان نکل جائے گی۔ اسی کو حدیث شریف میں فرمایا شـر مـا فی الـرجـل شح هالعٌ وجبنٌ خالعٌ (بلاشبہ انسان میں جو سب سے بری خصلت ہے وہ کنجوسی ہے جو گھبراہٹ میں ڈال دیتی ہے اور وہ بزدلی ہے جو جان نکال دینے والی ہے (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۶۵)

اس کے بعد ان حضرات کی صفات بیان فرمائی جو صفت ھلوع سے بچے ہوئے ہیں۔

اولاً نمازیوں کا ذکر فرمایا: اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ☆ (سوائے ان لوگوں کے جو نمازی ہیں جو اپنی نماز پر متوجہ رہتے ہیں) لفظ دائمون دوام سے ماخوذ ہے، صاحب روح المعانی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ای مواظبون علی ادائها لا یحلون بها ولا یشتغلون عنها بشی عن الشواغل (جب تو نماز پڑھنا شروع کرے تو الوداع ہونے والے کی طرح نماز پڑھ)

یعنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں ان میں ذرا سا خلل بھی گوارا نہیں کرتے اور دیگر مشغولیتیں انہیں نماز سے نہیں ہٹاتیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: و قیـل دائـمـون ای لا یلتفتون فیها یعنی جب نماز پڑھنے لگتے ہیں تو برابر نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں، نہ ادھر ادھر کی باتیں سوچتے ہیں اور نہ دائیں بائیں دیکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے:

اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۵)

ثانیاً ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کے مالوں میں سوالی اور محروم کا حق معلوم ہے یعنی جو لوگ سوال کرنے والے ہیں انہیں بھی اپنے اموال میں سے دیتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی دے دیتے ہیں جن کا سوال کرنے کا مزاج نہیں ہے وہ اپنی حاجتیں دبائے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور اموال سے محروم رہتے ہیں یہ اصحاب خیر انہیں جا کر مال دے دیتے ہیں اس انتظار میں نہیں رہتے کہ کوئی شخص مانگے گا تب دیں گے۔

حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ جو فرمایا اس کے بارے میں بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے زکوٰۃ مفروضہ مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے وہ حق مراد ہے جو صاحب مال خود اپنے اوپر مقرر کرلے کہ مہینہ میں یا ہفتہ میں یا روزانہ یا اپنی آمدنی میں سے اس قدر ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں گے۔

ثالثاً وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (اور جو لوگ روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا جانی اور مالی عبادت میں جو لگے ہوئے ہیں اس عبادت کے اجر و ثواب کی سچے دل سے آرزو رکھتے ہیں اور ثواب آخرت کے لئے اپنی جانوں کو نیک کاموں میں لگاتے اور تھکاتے ہیں چونکہ قیامت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا اور اس ایمان میں سبھی برابر ہیں اس لئے امتیازی شان بتانے کے لئے ان کی تعریف فرمائی ہے یہ لوگ آخرت پر ایمان تو رکھتے ہی ہیں وہاں کے لئے دوڑ دھوپ بھی کرتے ہیں۔

رابعاً فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ (بلاشبہ ان کے رب کا عذاب ایسا نہیں جس سے بے خوف ہوں) مطلب یہ ہے کہ صالحین کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی لگتے ہیں۔ جانی عبادت بھی کرتے ہیں اور مالی بھی، ان سب کے باوجود

ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ قبول ہوا یا نہیں ہوا جو اعمال کئے ہیں ان کے علاوہ کتنے چھوٹ گئے ہیں ان کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اپنی ہر طرح کی لغزش، کمی، کوتاہی اور معصیت کی طرف خیال کرتے ہوئے مواخذہ اور محاسبہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے بے فکر اور مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جاتے۔

سورۃ المومنون میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ انہوں نے دیا اس حال میں دیا کہ ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں)

اللہ کے عذاب سے مطمئن ہو کر بیٹھ جانا مومنین کی شان نہیں ہے۔ خوف اور طمع دونوں ساتھ ساتھ رہنی چاہیے۔

خامساً فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں)

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ (مگر اپنی بیویوں پر اور اپنی مملوکہ باندیوں پر) کہ ان سے شرمگاہوں کی حفاظت کی ضرورت نہیں کیونکہ بیویاں اور باندیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کر دی گئی ہیں فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ (لہٰذا ان سے استمتاع کرنے پر انہیں کوئی ملامت نہیں)۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (سو جو شخص اس کے علاوہ کا طلب گار ہو گا یعنی بیوی اور شرعی باندی کے علاوہ اور کسی جگہ شہوت پوری کرے گا سو یہ لوگ ہیں حد سے آگے بڑھ جانے والے)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حد مقرر فرمائی کہ شہوت پورا کرنے کے جذبات کو صرف بیویوں اور باندیوں تک محدود رکھیں اس کے خلاف ورزی کر کے مقررہ حد سے آگے نکل کر اپنے کو گناہ گار بنانے والے ہیں اور حدود سے آگے بڑھ جانے پر جو دنیاوی اور اخروی عذاب ہے اس کے مستحق ہو جانے والے ہیں۔

بیویوں اور شرعی باندیوں کے علاوہ جس طرح سے بھی شہوت رانی کی جائے وہ حرام ہے اس میں زنا کاری اور بیویوں کے ساتھ غیر فطری عمل اور ہم جنسوں کے ساتھ شہوت رانی اور روافض کا متعہ سب داخل ہے۔ روافض جو متعہ کرتے ہیں وہ بھی حرام ہے دیگر دلائل کے علاوہ اس آیت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہو رہی ہے کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جاتا ہے وہ روافض کے نزدیک بھی بیوی نہیں ہوتی اگر متعہ کر کے کوئی شخص مدت مقررہ ختم ہونے سے پہلے مر جائے تو اس عورت کو میراث نہیں ملے گی (بیوی ہوتی تو میراث پاتی) اور دیگر احکام متعلقہ ازواج بھی اس پر نافذ نہیں کئے جاتے۔

سادساً یوں فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی نگرانی کرنے والے ہیں)۔ اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں نماز، زکوٰۃ، روزے، کفارات، نذر کا پورا کرنا اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں یہ سب امانتیں ہیں جن کی ادائیگی یا اضاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور زندگی میں کس موقعہ پر حکم عدولی کی اس کی دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں امانتدار ہے چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤسا اور وزراء امانت دار ہیں انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں کسی بھی معاملہ میں عوام کی خیانت نہ کریں اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی، میاں بیوی اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا، جو مال کوئی شخص کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھدے کہ میں بعد میں لے لوں گا یہ بھی امانت ہے اس کی حفاظت بھی لازم ہے اور اس کا ضائع کرنا اور اس میں خیانت کرنا بہت بڑی گناہ گاری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کر رہے تھے۔ ایک اعرابی (دیہات کا رہنے والا) آیا اس نے سوال کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے قیامت کا انتظار کرنا اس پر اس شخص نے سوال کیا کہ امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ جب نااہلوں کو کام سپرد کر دیئے جائیں اس وقت قیامت کا انتظار کرنا۔

امانتوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ عہود کی نگرانی کا بھی حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کئے ہیں وہ بھی پورے کریں اور بندوں سے جو عہد کئے ہیں انفرادی واجتماعی معاہدات ہیں ان کو بھی پورا کرنے کا اہتمام کریں۔ سورۃ الاسراء میں فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (اور عہد پورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔

سابعاً فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ (اور جو اپنی گواہیوں کے ساتھ قائم رہنے والے ہیں)

یعنی گواہیوں کو ٹھیک طرح سے ادا کرتے ہیں، اس میں ہر قسم کی گواہی داخل ہے، ایمانیات کی گواہی دینا اور اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اس کے مطابق حق اور ناحق کی تعلیم اور تفہیم میں مشغول رہنا اور جہاں کہیں کسی کا کوئی حق مارا جاتا ہوا اپنی سچی گواہی سے اسے ثابت کرنا اور صاحب حق کو اس کا حق دلوا دینا یہ سب (**شهاداتهم قائمون**) کے عموم میں داخل ہے حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں وہ شخص نہ بتادوں جو گواہوں میں سب سے بہتر ہے، پھر خود ہی فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو سوال کرنے سے پہلے اپنی گواہی پیش کر دے (رواہ مسلم)

جب کسی کا حق مارا جا رہا ہو اور کسی کو صورت حال کا صحیح علم ہو وہ حق کی حفاظت کرنے کے لئے گواہ بن کر پیش ہو جائے اور گواہی دے دے اور جب صاحب حق گواہی دینے کے لئے بلائے تو نہ گواہی کو چھپائے اور نہ گواہی دینے سے انکار کرے جیسا کہ سورۃ البقرہ میں فرمایا: وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (اور گواہ انکار نہ کریں جب بلائے جائیں) اور فرمایا: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (اور گواہی کو مت چھپاؤ، اور جو شخص اس کو چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے)

ثامناً فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں)

نمازوں کی پابندی یعنی اہتمام کے ساتھ ادا کرنا مومن کی صفات خاصہ اور لازمہ میں سے ہے یہاں اس کو دو مرتبہ ذکر فرمایا ایک مرتبہ مومنین کی صفات کے شروع میں اور ایک مرتبہ آخر میں۔

آخر میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ مومنین کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد ان کی جزا بیان فرما دی کہ وہ موت کے بعد بہشتوں میں باعزت رہیں گے۔

فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾ اَیَطْمَعُ كُلُّ

سو کیا ہوا کافروں کو کہ آپ کی طرف دائیں سے اور بائیں سے جماعتیں بن بن کر دوڑ رہے ہیں، کیا ان میں سے ہر شخص اس کا لالچ کرتا ہے

امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ

کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کر دیا جائے ایسا ہرگز نہ ہوگا، بلاشبہ ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کو وہ جانتے ہیں، سو میں مشارق اور مغارب کے رب کی

الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾

قسم کھاتا ہوں بے شک ہم اس پر قدرت رکھنے والے ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ

سو آپ ان کو ان کے شغل میں رہنے دیجئے باطل چیزوں میں غور وخوض کیا کریں اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے ملاقات کر لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے جس دن قبروں

سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ

سے نکل کر جلدی جلدی چلیں گے گویا کہ وہ کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑ رہے ہیں ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی

الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾

یہ وہ دن ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

کافروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے باطل میں لگے رہیں، قیامت میں ان کی آنکھیں نیچی ہونگی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی

تفسیر: ان آیات میں منکرین کا طرز عمل بتایا ہے جو انہوں نے دنیا میں اختیار کر رکھا تھا۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہوتے تو مشرکین آپ کے چاروں طرف حلقے بنا بنا کر جمع ہو جاتے تھے اور ان کی مختلف جماعتیں بن جاتی تھیں، قرآن کو سن سن کر اس کا مذاق بناتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو مسلمان ہوتے تھے (جو بظاہر ٹوٹے پھوٹے حال میں تھے) انہیں دیکھ کر کہتے تھے کہ اگر یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ محمد ﷺ کا بیان ہے تو بلاشبہ ہم ان سے پہلے داخل ہوں گے، اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کیا ان میں سے ہر شخص یہ آرزو رکھتا ہے کہ کافر ہوتے ہوئے نعمتوں والی جنت میں داخل ہو جائے اول تو اسے استفہام انکاری کی صورت میں بیان فرمایا پھر مزید تردید فرمائی (**كَلَّا**) یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ کوئی کافر جنت میں داخل ہو جائے یہ ان کی جھوٹی آرزوئیں ہیں (ان کے نفس نے انہیں دھوکہ دے رکھا ہے اپنے مال اور اولاد کو دیکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ جب ہم دنیا میں اموال اور اولاد والے ہیں تو آخرت میں بھی ہم کامیاب ہوں گے اور اچھے حال میں ہوں گے۔ یہ ان کی جہالت اور حماقت تھی۔ کروڑوں کافر آج بھی اسی دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ (بلاشبہ ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا جسے وہ جانتے ہیں)

یعنی انکو ہم نے نطفہ سے پیدا کیا ہے جس کی انہیں خبر ہے اس میں منکرین کے انکار بعث کی تردید ہے وہ لوگ قیامت قائم ہونے پر ایمان نہیں لاتے تھے اور یہ جو کہتے تھے کہ یہ لوگ (اہل اسلام) جنت میں جائیں گے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے انکا یہ کہنا بطور تمسخر تھا جب ان کے سامنے بعث و حشر و نشر کی بات آتی تھی تو تعجب کرتے تھے اور منکر ہو جاتے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے تمہیں کس چیز سے پیدا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری پیدائش نطفہ منی سے ہوئی ہے جس ذات پاک نے بے جان نطفہ سے پیدا فرما دیا اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ موت دے کر دوبارہ زندہ فرما دے، اسی کو سورہ قیامہ کے آخر میں فرمایا: **أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ** (کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جو ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا لوتھڑا تھا پھر اللہ نے اسے بنایا پھر اعضاء درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں مرد اور عورت، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ مردوں کو زندہ فرما دے)

اس کے بعد فرمایا: **فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ** (الآیتین) (سو میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ بلاشبہ ہم اسپر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں) یعنی ہمیں اس پر قدرت ہے کہ ان لوگوں کو بالکل

ختم کردیں اوران کی جگہ دوسرے لوگ لے آئیں جوان سے بہتر ہوں، یعنی ہم ان کوختم کر کے ان سے بہتر لوگ پیدا کرنے پر قادر ہیں تم بھی دوبارہ پیدا ہوسکتے ہواور تمہاری جگہ دوسری مخلوق بھی پیدا ہوسکتی ہے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا (سو آپ انہیں چھوڑیے۔ یہ باطل چیزوں میں پڑے رہیں اور کھیل لگے رہیں انہیں ایمان لانا نہیں ہے۔ انکار وعناد پر تلے ہوئے ہیں انہیں اس دن سے سابقہ پڑنا ہی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (اس سے قیامت کا دن مراد ہے) جس دن صور پھونکا جائے گا یہ اس دن اپنی قبروں سے ایسی تیزی سے نکلیں گے جیسا کہ دنیا میں پرستش گاہوں کی طرف جلدی جلدی جایا کرتے تھے جن میں بت وغیرہ رکھے ہوئے ہوتے تھے یہ لوگ دنیا میں بڑا شور شر مچاتے تھے قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ ان کی آنکھیں نیچے کو جھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ (یہ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔

دنیا میں جو اس دن کے واقع ہونے کی خبر دی جاتی تھی اور یہاں کے احوال واھوال سے باخبر کیا جاتا تھا اسے نہیں مانتے تھے آج سب کچھ سامنے آ گیا۔ تو ذلت چھائی ہے اور عذاب سامنے ہے۔

وھٰذا اٰخر تفسیر سورۃ المعارج

و للہ الحمد علی اتمامه و انعامه و اکرامه

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَفِيهَا رُكُوعَانِ

سورہ نوح مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھائیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ①

بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو اس سے پہلے ڈرایئے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے

قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ② أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ③ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ

انہوں نے کہا کہ اے میری قوم بلاشبہ میں تمہیں صاف طریقہ پر ڈرانے والا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو وہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیگا

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ④ قَالَ رَبِّ

اور تمہیں وقت مقرر تک مہلت دے گا بلاشبہ جب اللہ کی مقرر کی ہوئی اجل آجائے تو موخر نہیں کی جاتی کیا خوب ہوتا اگر تم جانتے ہوتے انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اے میرے رب

إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ⑥ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

بیشک میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا سو میرے بلاوے نے ان کا بھاگنا زیادہ ہی کر دیا اور بلاشبہ جب میں نے انہیں بلایا تاکہ آپ ان کی مغفرت فرمائیں

جَعَلُوٓا اَصَابِعَهُمْ فِیٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷ ثُمَّ اِنِّیْ

تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اصرار کیا اور حد درجہ کا تکبر کیا پھر میں نے انہیں

دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

بلند آواز سے بلایا پھر انہیں اعلانیہ بھی سمجھایا اور پوشیدہ طریقہ پر بھی دعوت دی۔ سو میں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ

بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر خوب زیادہ برسنے والی بارش بھیجے گا، اور مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری امداد فرمائے گا اور تمہارے لئے

جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝۱۳ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝۱۴ اَلَمْ

باغیچے اور تمہارے لئے نہریں بنادے گا، تمہیں کیا ہوا کہ اللہ کی عظمت کے معتقد نہیں ہوتے، حالانکہ تمہیں اس نے مختلف اطوار سے پیدا فرمایا، کیا

تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ

تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح اوپر نیچے سات آسمان پیدا فرمائے اور ان میں چاند کو نور بنادیا اور سورج کو

سِرَاجًا ۝۱۶ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝۱۸ وَاللّٰهُ

چراغ اور اللہ نے تمہیں ایک خاص طور پر زمین سے پیدا فرمایا اور پھر وہ تمہیں اس میں واپس لے جائے گا اور تمہیں خاص طور پر نکالے گا، اور اللہ

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝۱۹ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝۲۰

نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا تاکہ تم اس کے کھلے ہوئے رستوں میں چلو

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب، نعمتوں کی تذکیر توحید کی دعوت، قوم کا انحراف اور باغیانہ روش

تفسیر: یہاں سے سورہ نوح شروع ہو رہی ہے اور بھی کئی سورتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا اور ان کی قوم کی نافرمانی کا اور قوم کے انجام کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے تقریباً ایک ہزار سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی وہ اپنی قوم میں ساڑھے نوسو سال رہے ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ بت بنا لیتے تھے اور ان کے نام بھی تجویز کر لیتے تھے جو اس سورت کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں طرح طرح سے سمجھایا توحید کی اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور طرح طرح سے کٹ حجتی کرنے لگے جس کا کچھ تذکرہ سورۃ اعراف میں اور سورہ ھود میں گزر چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو میں اللہ کا رسول ہوں میری بات مانو میں جس طرح کہوں اس طرح زندگی گزارو۔ ایمان قبول کرلو گے تو تمہارے گزشتہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے ایک اجل مقرر فرمادی ہے وہ تمہیں اس اجل تک پہنچادے گا (یہ اجل ایمان اور اطاعت کی صورت میں ہے) اور اگر تم کفر اور معصیت پر جمے رہے تو وہ اجل تمہارا صفایا کردے گی جو ایمان اور اطاعت والی اجل کے علاوہ ہے اور بصورت عدم ایمان تمہیں اس کے وقت پر ہلاک ہونا ہوگا، بلاشبہ اللہ نے جو اجل مقرر فرمائی ہے اس میں تاخیر نہیں کی جاتی لہٰذا تم اس اجل کے

آنے سے پہلے ایمان قبول کرلو جو بحالت کفر تمہارے ہلاک ہونے کے لئے مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ اجل جب آتی ہے تو مؤخر نہیں کی جاتی کیا ہی اچھا ہوتا تم جانتے ہوتے حق کو مانتے، موحد بنتے۔

اوپر جن باتوں کا تذکرہ تھا وہ باتیں تھیں جن کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا ان کے مخاطب ان کی بات نہ مانے تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی ایمان کی طرف بلایا اور اس بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی سستی سے کام نہیں لیا۔ لیکن وہ لوگ الٹی ہی چال چلے۔ میں نے انہیں جس قدر بھی دعوت دی وہ اسی قدر دور بھاگے، میں نے کہا کہ ایمان قبول کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں یعنی بات سننا بھی گوارا نہ کیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کپڑے اوڑھ کر لیٹ گئے تاکہ نہ مجھے دیکھ سکیں نہ میری بات سن سکیں، انہیں کفر پر اصرار ہے اور ان میں تکبر کی شان بھی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ میری بات مانیں گے (شرک کو چھوڑ کر توحید پر آجائیں گے) تو ان کی بڑائی میں فرق آجائے گا۔ قبول حق کی راہ میں تکبر رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مزید عرض کیا کہ اے میرے رب میں نے انہیں زور سے بھی دعوت دی۔ شاید زور سے بات کرنے سے مان جائیں لیکن وہ نہ مانے، آہستہ طریقہ پر بھی انہیں سمجھایا بجھایا۔ حق پر لانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے دھیان نہ دیا ان سے میں نے کہا کہ دیکھو ایمان قبول کرلو اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بہت بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔

اور خوب زیادہ بارش بھی بھیجے گا، یہ جو تمہیں قحط سالی کی تکلیف ہو رہی ہے دور ہو جائے گی اللہ تعالیٰ تمہارے اموال میں بھی اضافہ فرمائے گا اور بیٹوں میں بھی، وہ تمہیں باغ بھی دے گا اور نہریں بھی جاری فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق اور اس کے انعامات تمہارے سامنے ہیں اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ یہ سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے۔

دیکھو اس نے تمہیں مختلف اطوار سے پیدا فرمایا تم پہلے نطفہ تھے پھر جمے ہوئے خون کی صورت بن گئے۔ پھر ہڈیاں بن گئیں اور ان پر گوشت چڑھ گیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے اس نے تمہیں پیدا فرما کر احسان فرمایا لیکن تمہیں کیا ہو گیا عقلوں پر پتھر پڑ گئے کہ خالق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

انسانوں کے اپنے اندر جو دلائل توحید ہیں ان کے ذکر کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام نے دوسرے دلائل کی طرف بھی متوجہ کیا اور فرمایا کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے نیچے اوپر سات آسمان پیدا فرمائے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔ جس طرح ایک گھر میں ایک چراغ کے ذریعہ سارے گھر کی چیزوں کو دیکھ لیا جاتا ہے اسی طرح سورج کے ذریعہ اہلِ دنیا سورج کی روشنی میں وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں جو زمین کے اوپر ہے۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقہ پر پیدا فرمایا ہے جسکا ذکر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلہ میں گزر چکا ہے پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس فرما دے گا یعنی موت کے بعد اسی زمین میں چلے جاؤ گے پھر وہ تمہیں قیامت کے دن ایک خاص طریقہ پر قبروں سے نکالے گا ہڈیاں آپس میں مرکب ہو جائیں گی وہ ان پر گوشت پیدا فرما دے گا اور قبروں سے تیزی کے ساتھ نکل کر میدان حشر کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔

اس میں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت بھی بیان فرمائی اور میدان حشر کی حاضری کا بھی احساس دلا دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عالم علوی کے ذکر کے بعد عالم سفلی کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ دیکھو اللہ نے تمہارے لئے زمین کو بساط یعنی فرش بنادیا جس طرح بستر بچھا ہوا ہوتا ہے اسی طرح زمین تمہارے لئے بچھی ہوئی ہے اس زمین پر چلتے پھرتے ہو یہاں سے وہاں آتے جاتے ہو اللہ تعالیٰ نے جو راستے بنادیئے ہیں ان سے فائدے اٹھاتے ہو اپنی حاجات پوری کرتے ہو، زمین کو تمہارے قابو میں دے رکھا ہے، اس سے طرح طرح کے منافع حاصل کرتے ہو۔

قال تعالیٰ فی سورۃ الملک: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر فرمایا، سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اللہ کے رزق میں سے کھاؤ)

فائدہ: آفتاب کو جو سراج یعنی چراغ بتایا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے سراج سے اس لئے تشبیہ دی ہو کہ چراغ میں خود اپنی ذاتی روشنی ہوتی ہے کسی دوسری چیز سے منعکس ہو کر نہیں آتی۔ سورج میں اپنی روشنی ہے جو کسی دوسرے سیارہ سے نہیں آئی جبکہ چاند کی روشنی آفتاب سے منعکس ہو کر آتی ہے لہذا چاند کو نور اور شمس کو سراج فرمایا۔

اور (وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا) جو فرمایا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:۔

و جعله فيهن مع انه فى احداهن و هى السماء الدنيا كما يقال زيد فى بغداد و هو فى بقعة منها

(چاند کا ذکر فرماتے ہوئے فِیْهِنَّ ضمیر جمع استعمال فرمائی ہے حالانکہ وہ سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ زید بغداد میں ہے حالانکہ وہ بغداد کے ایک حصہ میں ہوتا ہے)

اور صاحب بیان القرآن نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ چاند گو سب آسمانوں میں نہیں مگر فِیْهِنَّ باعتبار مجموعہ کے فرمادیا۔

زمین کو جو یہاں سورہ نوح میں بساط فرمایا اور سورہ نباء میں مِهَادًا فرمایا اور سورۃ الغاشیہ میں وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ فرمایا اس سے زمین کا مسطح یعنی غیر کرہ ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بڑے کرہ پر بہت سی چیزیں رکھدی جائیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں تو یہ محسوس نہیں ہوگا یہ کرہ پر رکھی ہیں جیسے ایک گیند پر ایک چیونٹی بیٹھ جائے تو اس کے جسم کے اعتبار سے گیند ایک سطح ہی معلوم ہوگی اور یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ زمین کا کرہ ہونا یا کرہ نہ ہونا کوئی امر شرعی نہیں ہے جس کا اعتقاد رکھا جائے زمین اگر کرہ ہو تو کسی آیت سے اس کی نفی نہیں ہوتی۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا

نوح نے کہا اے میرے رب بلاشبہ انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی بات مانی جن کے مال اور اولاد نے ان کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا ہے اور انہوں نے

مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَ

مکر کیا بڑا مکر اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز مت چھوڑو اور ہرگز مت چھوڑو ود کو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق کو اور

نَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۚ۬ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا

نسر کو اور واقعی بات یہ ہے کہ انہوں نے بہتوں کو گمراہ کردیا اور آپ ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ لوگ غرق کردیئے گئے پھر آگ میں

نَارًا ۙ۬ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

داخل کردیئے گئے۔ سو اللہ کے سوا انہوں نے کچھ بھی حمایتی نہ پائے اور نوح نے کہا کہ اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بھی رہنے والا مت

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

چھوڑیئے، بلاشبہ اگر آپ نے ان کو زمین پر رہنے دیا تو یہ آپ کے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور صرف فاجر اور کافر ہی ان کی اولاد پیدا ہوگی،

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

اے میرے رب مجھے اور میرے والدین کو اور اس شخص کو جو میرے گھر میں بحالت ایمان داخل ہوا اور مومن مردوں کو اور مومن عورتوں کو بخش دیجئے

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اور ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دیجئے۔

قوم کا کفر وشرک پر اصرار، حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا
وہ لوگ طوفان میں غرق ہوئے اور دوزخ میں داخل کردیئے گئے

تفسیر: ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی کافر قوم کی بربادی کے لئے اور اہل ایمان کی مغفرت کے لئے دعا کرنا اور قوم کی سرکشی اور قوم کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں نے ان لوگوں کو سمجھایا لیکن ان لوگوں نے میری بات نہیں مانی اہل دنیا کی بات مانتے ہیں جن کے پاس مال اور اولاد ہے ان کی نظریں انہیں پر جمی ہوئی ہیں اور وہ لوگ انہیں جو کچھ سمجھاتے اور بتاتے ہیں اسی کو مانتے ہیں وہ لوگ ایمان پر آنے نہیں دیتے کفر پر ہی جمے رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

لہٰذا دنیاوی رئیسوں اور چودھریوں کا مال اور اولاد ان کے عوام کے لئے خسارہ در خسارہ کا سبب بن گیا نہ وہ لوگ مال اولاد والے ہوتے نہ یہ لوگ انہیں بڑا مانتے نہ ان کے کہنے سے کفر پر جمتے۔ ان کے چودھریوں نے حق سے باز رکھنے کے لئے بڑی بڑی تدبیریں کیں اور انہیں تاکید کے ساتھ یہ سمجھایا کہ تم اپنے ان معبودوں کو جن کی عبادت کرتے ہو ہرگز مت چھوڑو، یہ تو انہوں نے اجمالاً سبق پڑھایا۔ پھر تفصیل کے ساتھ ان کے ایک ایک بت کا نام لے کر کہا کہ تم لوگ ہرگز نہ وُدّ کو چھوڑنا نہ سُواع کو اور نہ یَغُوث کو اور نہ یَعُوق کو اور نہ نسر کو، ان رئیسوں اور چودھریوں نے قوم کے لوگوں کو کثیر تعداد میں گمراہ کردیا اب ان سے خیر کے آنے پر ذرا بھی امید نہیں رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں مزید عرض کیا کہ ان کی گمراہی اور زیادہ بڑھا دیجئے۔ ان لوگوں نے حق کو قبول نہ کیا کفر پر اور خطاؤں پر جمے رہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ (لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ) کہ اب تمہاری قوم میں سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جنہیں ایمان لانا تھا وہ لا چکے، اور یہ تھوڑے سے لوگ تھے جیسا کہ سورہ ہود میں فرمایا (وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ) اور ان کے ساتھ نہیں ایمان لائے مگر تھوڑے سے لوگ، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ایک کشتی بنالیں، جب کشتی تیار ہوجائے تو اپنے اہل و عیال کو اور دیگر اہلِ ایمان کو اس میں سوار کرلینا، حضرت نوح علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کشتی روانہ ہوگئی آسمان سے پانی برسا اور زمین سے پانی ابلا زبردست طوفان آیا، پوری کافر قوم ہلاک ہوگئی جن میں نوح علیہ السلام کی بیوی اور ایک بیٹا بھی تھا، حضرت نوح علیہ السلام قوم کی طرف سے بہت زیادہ بددل ہوگئے تھے، دل کھٹا ہوگیا تھا کسی کے بھی ہدایت پر آنے کی امید نہ رہی اسی لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے لئے بددعا کردی تھی کہ اے رب کافروں میں سے کسی ایک

شخص واحد کو بھی نہ چھوڑیئے اگر یہ زندہ رہے تو نہ ان سے ایمان لانے کی امید ہے اور نہ ان کی اولاد سے مومن ہونے کی امید ہے، ان کی جو اولاد ہوگی وہ بھی کافر اور فاجر ہی ہوگی جب ان کا یہ حال ہے تو زمین پر کیوں بوجھ بنیں، ان کا ہلاک ہونا ہی زیادہ لائق اور مناسب ہے پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لئے مغفرت کی دعا کی اس میں اپنے ساتھ والدین کو اور ان مسلمانوں کو ان کے گھر میں داخل ہوئے اور عام مومنین اور مومنات کو بھی شامل کرلیا اور آخر میں کافروں کو مزید بددعا دے دی کہ اے رب ظالموں کی ہلاکت اور زیادہ بڑھا دیجئے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا: مِمَّا خَطِيٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (اپنی خطاؤں کی وجہ سے وہ لوگ غرق کردیئے گئے پھر آگ میں داخل کردیئے گئے) اس میں چونکہ اُغْرِقُوْا اور اُدْخِلُوْا دونوں ماضی کے صیغے ہیں اس لئے حضرات علماء کرام نے اس آیت سے عذاب قبر کو ثابت کیا ہے عذاب قبر میں کافر مبتلا ہوتے ہیں اور بعض گناہگار اہل ایمان کا بھی ابتلا ہوتا ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں۔ ثبوت عذاب قبر کے جو دلائل ہیں ان میں ایک آیت بھی ہے ظاہر ہے کہ دوزخ کا داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا صیغہ ماضی کے ساتھ جو فرمایا ہے کہ وہ لوگ غرق کردیئے جانے کے بعد آگ میں داخل کردیئے گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ برزخ میں بھی آگ کا عذاب ہے اس برزخ کی تکلیف کو جو موت کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے ہے عذاب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے، بہت سے ملحد جو نئے زمانہ میں پیدا ہوگئے ہیں۔ عذاب قبر کے منکر ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

الحمد لله على اتمام تفسير سورة نوح اولا و آخرا و باطنا و ظاهرا

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ جن مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھائیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝١ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ

آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے میری طرف بات سننے کے لئے دھیان دیا پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے

فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝٢ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝٣

سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور بہت بلند ہے ہمارے رب کی عزت، نہیں بنایا اس نے کسی کو بیوی اور نہ اولاد

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝٤ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ

اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ ہم میں جو احمق ہیں وہ اللہ کی شان میں ایسی باتیں کہتے تھے جو حد سے بڑھی ہوئی ہیں اور ہم یہ خیال کرتے تھے کہ انسان اور جن اللہ کی ذات کے بارے میں

كَذِبًا ۝٥ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝٦ وَّاَنَّهُمْ

جھوٹ بات نہ کہیں گے اور بیشک بات یہ ہے کہ بہت سے مرد انسانوں میں سے ایسے تھے جو جنات کے مردوں کی پناہ لیا کرتے تھے تو انہوں نے ان کو تکبر میں زیادہ کیا اور بات یہ ہے کہ انہوں نے

ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿٧﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا

خیال کیا جیسا تم نے خیال کیا ہے کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ نہ فرمائے گا اور بلاشبہ ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہا تو ہم نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ سخت پہرہ سے

وَّشُهُبًا ﴿٨﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾

اور شعلوں سے بھرا ہوا ہے، اور بے شک ہم آسمان کے مواقع میں باتیں سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے سو جو شخص اب سننا چاہے وہ اپنے لئے ایک شعلہ تیار پاتا ہے،

وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾ وَّاَنَّا مِنَّا

اور بلاشبہ ہم نہیں جانتے کہ جو لوگ زمین میں ہیں ان کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے بارے میں ہدایت کا ارادہ فرمایا ہے، اور بیشک ہم

الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿١١﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ

میں سے بعض نیک ہیں اور بعض اس کے علاوہ ہیں ہم مختلف طریقوں پر تھے اور بلاشبہ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور بھاگ کر اس کو

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿١٢﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا

ہرا نہیں سکتے اور بیشک بات یہ ہے کہ جب ہم نے ہدایت کو سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے سو جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آیا سو اسے نہ کسی کمی کا خوف ہے

وَّلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَاَمَّا

اور نہ کسی طرح کے ظلم کا، اور بلاشبہ ہم میں سے بعض مسلمان ہیں اور بعض ظالم ہیں سو جس شخص نے اسلام قبول کر لیا تو ان لوگوں نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا اور جو

الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾

لوگ ظالم ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے اور اگر وہ راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم انہیں فراغت پانی سے سیراب کرتے

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ

تاکہ ہم اس میں ان کا امتحان کریں اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے وہ اسے چڑھتے ہوئے عذاب میں داخل فرمائے گا، اور بلاشبہ سب سجدے اللہ ہی کے لئے ہیں

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾

سو تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی مت پکارو اور بیشک بات یہ ہے کہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوتا ہے کہ وہ اسے پکارے تو یہ لوگ اس کے اوپر جمگھٹا لگانے والے بن جاتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنات کا قرآن سننا اور اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا

تفسیر: یہاں سے سورۃ الجن شروع ہو رہی ہے جن پرانی مخلوق ہے جو حضرت آدم اور بنی آدم کی تخلیق سے پہلے سے دنیا میں موجود ہے ان لوگوں میں بھی مومن اور کافر نیک اور بد سب قسم کے افراد ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی ایمان کے مکلف تھے اور ہیں جس طرح بنی آدم میں انسانوں میں کافر اور مشرک ہیں اس طرح جنات میں بھی مشرک اور کافر رہے ہیں اور ان میں مومن بھی ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ:

حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا۔ انسانوں میں کچھ لوگ کاہن بنے ہوئے تھے یہ لوگ آنے والے واقعات کی خبریں بتایا کرتے تھے۔ اور یہ خبریں شیاطین ان کے پاس لاتے تھے، شیاطین کا یہ طریقہ

تھا کہ آسمان کے قریب تک جاتے تھے اور وہاں جو زمین میں پیش آنیوالے حوادث کا فرشتوں میں ذکر ہوتا تھا اسے سن لیتے تھے پھر کاہنوں کے کان میں آ کر کہہ دیتے تھے۔ کاہن اس بات کو لوگوں میں پھیلا دیتے تھے یہ بات چونکہ اوپر سے سنی ہوئی ہوتی تھی اس لئے صحیح نکل جاتی تھی، سننے والے ان کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو اس کو آنے والے واقعات کا علم نہ ہوتا تو پہلے کیسے بتا دیتا؟ اس طرح سے شیاطین اور کاہنوں نے مل کر انسانوں کو بہکانے کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو شیاطین کو اوپر پہنچنے سے روک دیا گیا اس کے بعد سے ان میں سے کوئی فرد خبریں سننے کے لئے اوپر پہنچتا تو اس پر انگارے پھینکے جانے لگے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب یہ صورت حال پیش آئی تو شیاطین آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان آڑ لگادی گئی ہے اور ہم پر انگارے پھینکے جانے لگے ہیں لہٰذا زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے، جس کی وجہ سے ہمیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور اصل صورتِ حال کا سراغ لگاتے ہوئے گھومتے پھرے۔ ان میں کی ایک جماعت تہامہ کی طرف آئی (یہ عرب کا وہ علاقہ ہے جس میں حجاز واقع ہے) اس جماعت نے دیکھا کہ مقامِ نخلہ میں آنحضرت سرورِ عالم ﷺ اپنے صحابہؓ کو نماز فجر پڑھا رہے ہیں جب ان کے کانوں میں قرآن کی آواز پہنچی تو خوب دھیان کے ساتھ سننے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو یہی چیز ہے جو تمہارے خبریں سننے کے درمیان حائل ہوگئی ہے اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوگئے۔ اور ان سے کہا: **اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا**۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے **قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ** نازل فرمائی (صحیح بخاری صفحہ ۷۳۲: ج ۲)

شیاطین جس آزادی سے آسمان تک جاتے تھے اور وہاں فرشتوں کا جو مذاکرہ دنیاوی امور سے متعلق ہوتا تھا اسے سن کر نیچے آ جاتے اور کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے تھے یہ سلسلہ تو آنحضرت ﷺ کی بعثت پر ختم ہو گیا۔ لیکن شیاطین نے ایک اور دھندہ نکالا اور وہ یہ کہ نیچے سے لے کر بادلوں تک پرا لگا لیتے ہیں، وہاں فرشتوں کی باتیں سننے کے لئے کان لگا کر پہنچتے ہیں تو ان پر انگارہ پھینک دیا جاتا ہے اس انگارہ کے لگنے سے پہلے کوئی بات سن کر اوپر والے نے اپنے نیچے والے کے کان میں ڈال دی اور ہوتے ہوتے وہ بات کاہن تک پہنچ گئی تو وہ اپنے پاس سے اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں خبریں پھیلا دیتا ہے۔ ان خبروں میں کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو وہ وہی ہوتی ہے۔ احادیث شریف میں تفصیل وارد ہوئی ہے اور سورہ صافات کی آیت **اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ** ☆ میں اسی کو بیان فرمایا ہے کہ شیاطین اوپر سے بات اچکنے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ثاقب یعنی روشن انگارہ سے مارے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشینگوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاہن جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل جاتی ہے، آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات وہ ہوتی ہے۔ جسے جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کر کر کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۹۲ از بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی سنا کہ فرشتے بادلوں میں اترتے ہیں وہ آپس میں ان فیصلوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو عالم بالا میں ہو چکے ہوتے ہیں شیاطین کان لگا کر چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو

بات سنتے ہیں اسے کاہنوں کے کانوں میں جا کر ڈال دیتے ہیں اور کاہن اس میں اپنے پاس سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۹۳ عن البخاری)

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الآیات)

آپ فرما دیجئے کہ مجھے اللہ کی طرف سے یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات میں سے چند افراد نے قرآن سنا اور پھر اس سے متاثر ہوئے اور اپنی قوم سے کہا کہ یقین جانو کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے ہماری سمجھ میں قرآن کی بات آ گئی اس میں جو ہدایت ہے یعنی توحید کی دعوت ہے وہ ہم نے قبول کر لی اور ہم اس پر ایمان لے آئے جب ہم نے توحید کو سمجھ لیا تو شرک کی گمراہی ہم پر واضح ہوگئی اب ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اسی شرک کے سلسلہ میں یہ بات تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور اولاد تجویز کرتے تھے ہم اس سے بھی توبہ کرتے ہیں ہمارے رب کی بڑی شان ہے اس نے کسی کو نہ اپنی بیوی بنایا اور نہ اپنے لئے کوئی اولاد تجویز کی اب تک جو ہم کفر اور شرک اختیار کئے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم میں سے جو احمق لوگ تھے وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کرتے تھے اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ انسان اور جنات اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو باتیں کہتے ہیں وہ جھوٹی نہ ہوں گی اور اتنے اشخاص اور افراد مل کر جھوٹ نہ بولتے ہوں گے لہٰذا ہم نے بھی ان کی بتائی ہوئی باتوں کو اختیار کر لیا تھا، یہ ان لوگوں نے اپنے مشرک ہونے کا عذر بیان کیا لیکن یہ عذر غلط ہے توحید جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے گمراہوں کا اتفاق لائق اتباع نہیں ہوتا۔

جنات نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ انسانوں میں سے بہت سے آدمی جنات کی پناہ لیا کرتے تھے جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کبھی سفر میں رات کو کہیں کسی خوف زدہ جگہ میں ٹھہرنا ہوتا تو ان میں سے بعض لوگ یوں پکارتے تھے۔ **یاعزیز هذا الوادی اعوذبک من السفهاء الذین فی طاعتک** (اے اس وادی کے سردار میں ان بیوقوفوں سے تیری پناہ لیتا ہوں جو تیری فرمانبرداری میں ہیں) اس بات نے جنات کو اور چڑھا دیا اور بد دماغ بنا دیا وہ سمجھنے لگے کہ دیکھو ہم اتنے بڑے ہیں کہ جنات اور انسان ہم سے ہماری پناہ لیتے ہیں جیسا کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جاتی ہے اسی طرح ہماری پناہ لی جاتی ہے۔

جنات نے اپنی قوم کو یہ بھی بتایا کہ جس طرح تمہارے اندر یوم قیامت اور بعث ونشور کا انکار کرنے والے ہیں ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ اسی طرح انسانوں میں بھی ہیں قرآن سن کر ہمیں پتہ چل گیا کہ قیامت کا انکار بھی گمراہی ہے انکار کرنے سے قیامت ٹلنے والی نہیں خواہ انسان انکار کرے خواہ جنات انکار کریں۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ (الآیات) جنات نے یہ بھی کہا کہ ہم اس سے پہلے آسمان کی طرف جایا کرتے تھے وہاں موقع دیکھ دیکھ کر بیٹھتے تھے اور اوپر جو باتیں ہوتی تھیں انہیں سنا کرتے تھے اب تو حالت یہ ہے کہ ہم اوپر جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آسمان سخت پہرہ سے بھرا ہوا ہے (یہ پہرہ فرشتوں کا ہے) اور اس پہرہ کے علاوہ ایک یہ بات بھی ہے کہ جب ہم اوپر جاتے ہیں تو شعلوں کو تیار پاتے ہیں اب اگر کوئی اوپر کی باتوں کو سننا چاہے تو جو شعلے پہلے سے تیار ہیں ان میں سے کوئی شعلہ اسے مار دیتا ہے (اس کی تفصیل سورہ حجر اور سورہ صٰفّٰت میں گزر چکی ہے)۔

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ (الآیات) جنات نے مزید کہا کہ یہ جو پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں ان کی آمد کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے زمین والے ان کی رسالت کے منکر ہو کر سزا پانے والے ہیں یا زمین کے بسنے والے ان کا اتباع کر کے ہدایت پر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور بھلائی کے مستحق ہوں گے یعنی تکوینی طور پر نتیجہ کیا نکلنے والا ہے ہمیں اس کا علم نہیں ممکن ہے جنات نے اپنے اس اجمالی کلام سے جنات کو متنبہ کیا ہو کیونکہ وہ بھی زمین کے رہنے والے ہیں

اور مطلب یہ ہو کہ دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آ گئی ہے اگر تم نے اسے نہ مانا تو عذاب میں پڑو گے جنات نے مزید کہا کہ پہلے سے ہم میں نیک لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ہیں جو صالح نہیں ہیں کافر اور فاجر ہیں جواب تک ہم مختلف طریقوں پر تھے اور ہم میں چونکہ بہت سے لوگ ہدایت پر نہیں تھے اس لئے یوں سمجھتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت کی بات ہوئی تو ہم بھاگ نکلیں گے۔ لیکن اب ہماری سمجھ میں آ گیا کہ ہم زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور ہم کہیں بھی بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اس کو پوری طرح ہم پر قدرت ہے ہم جہاں بھی ہوں۔

قولہ قدداً قال صاحب الروح القدد المتفرقة المختلفة جمع قدة من قدًّا اذاقطع كان كل طريق لامتيازها مقطوعة. (قدداً کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے مختلف و متفرق یہ قدۃ کی جمع ہے جو کہ قد سے بنا ہے جب کوئی چیز کاٹی جائے تو قد کہا جاتا ہے ہر راستہ اپنے امتیازات میں دوسرے سے الگ ہے)

وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (اور بے شک جب ہم نے ہدایت کو سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے)۔ (الآیات)

جو شخص اپنے رب پر ایمان لے آئے اسے کسی طرح کے کسی نقصان کا خوف نہیں ہوگا۔ ایمان کا بھی صلہ ملے گا اور اعمال کا بھی ثواب ملے گا اس میں کوئی کمی نہ ہوگی کسی کی کوئی نیکی شمار سے رہ جائے یا کسی نیکی کا ثواب نہ ملے ایسا نہ ہوگا۔

وَلَا رَهَقًا جو فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن صالح کو کسی ذلت کا سامنا نہ ہوگا اور بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ کسی مومن پر کوئی ظلم نہ ہوگا یعنی ایسا نہ ہوگا کہ کوئی برا عمل نہ کیا ہو اور وہ اس کے اعمالنامہ میں لکھ دیا جائے (گو ایسا تو کافروں کے ساتھ بھی نہ ہوگا لیکن کافروں کے حق میں یہ چیز کوئی مفید نہ ہوگی)۔

مومن بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا بڑے انعام و اکرام کا معاملہ ہے جو بھی نیکیاں دنیا میں ہوں گی ان کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر کے اجر و ثواب دیا جائے گا۔

قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ النساء **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَّاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا** (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کرے گا اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو اسے کئی گنا کر دے گا اور عمل کرنے والے کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا)

جنات نے یہ بھی کہا کہ ہم میں بعض مسلم ہیں یعنی اللہ کے فرمانبردار ہیں اور بعض قاسط ہیں سو جو شخص فرمانبردار ہو گیا اسلام قبول کر لیا ان لوگوں نے سوچ سمجھ کر بہت بڑی ہدایت کا ارادہ کر لیا (یعنی دنیا و آخرت میں اپنا بھلا کر لیا) اور جو لوگ قاسط یعنی ظالم ہیں راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں اسلام سے باغی ہیں وہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ اَنَّهُ اسْتَمَعَ پر معطوف ہے مطلب یہ ہے کہ میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی بھی کی گئی ہے کہ انسان اور جن اسلام کے طریقے پر مستقیم رہتے تو ہم انہیں خوب اچھی طرح پانی پلاتے یعنی انہیں مال کی فراوانی سے نوازتے اور انہیں بڑی بڑی نعمتیں دیتے **لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ** تا کہ ہم اس میں ان کا امتحان کریں کہ نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں داخل کرے گا)۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (اور بلاشبہ سب سجدے اللہ ہی کے لئے ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کو

مت پکارو) یعنی کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ بعض حضرات نے مساجد کو مَسْجَدٌ بفتح الجیم کی جمع لیا ہے اور اسے مصدر میمی بتایا ہے ہم نے اسی کے مطابق آیت کریمہ کا ترجمہ کیا ہے یہ معنیٰ لینے سے غیر اللہ کے لئے ہر طرح کے سجدے کرنے کی ممانعت ہو جاتی ہے سجدہ عبادت کا ہو یا سجدہ تعظیمی ہو ان سب سجدوں کی ممانعت ہے اور اللہ کے علاوہ کسی کے لئے بھی کسی قسم کا کوئی سجدہ جائز اور مباح نہیں ہے پہلے تو بادشاہوں میں رسم تھی کہ دربار میں آنے والے ان کو سجدے کیا کرتے تھے اور اب بہت سے پیروں اور فقیروں نے یہ طریقہ نکال رکھا ہے کہ مریدان کے پاس آتے ہیں یا رخصت ہوتے ہیں تو انہیں سجدہ کرتے ہیں یہ حرام ہے اور شرک ہے۔

اگر مساجد کو مسجد (بکسر الجیم) کی جمع لیا جائے تب بھی معنی سابق کی طرف مفہوم راجع ہوتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جہاں جہاں کہیں بھی کوئی سجدہ کرنے کی جگہ ہے یہ جگہ اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنے کے لئے مخصوص ہے خواہ عبادت گاہ کے نام سے کوئی جگہ بنالی جائے جسے مسجد کہتے ہیں خواہ ضرورت کے وقت سفر حضر میں کہیں بھی کسی جگہ بھی نماز پڑھنے کا ارادہ کر لیا جائے۔ یہ عبادت بہر حال اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص رکھنا لازم ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا حرام ہے۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ بھی اَنَّهٗ اسْتَمَعَ پر معطوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ میری طرف یہ بھی وحی آئی ہے کہ جب اللہ کا بندہ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو یہ جنات ان کے پاس جمگھٹے لگا کر جمع ہو گئے۔ یعنی انہوں نے جو آپ کی عبادت کا مشاہدہ کیا اور آپ کی قراءت سنی اور آپ کی اقتداء میں جو آپ کے اصحاب کا رکوع سجود دیکھا تو جماعتیں بن بن کر کھڑے ہو گئے کیونکہ یہ منظر انہوں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔

حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ** کی ضمیر کفار قریش اور دیگر اہل عرب کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کا بندہ (رسول اللہ ﷺ) جب اپنے کام یعنی کار رسالت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور ان لوگوں کو توحید کی دعوت دیتا ہے تو ان کو ناگوار معلوم ہوتا ہے اور آپ کی دشمنی پر تل جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے آپ کے پاس جمگھٹا لگا دیتے ہیں۔

فائدہ: **اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ** (میں اللہ کے پورے کلمات کے واسطہ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ لیتا ہوں جو اللہ نے تعالیٰ نے پیدا فرمائے)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی منزل پر اتر کر ان کلمات کو پڑھ لے تو وہاں سے روانہ ہونے تک اسے کوئی بھی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی۔ (رواہ مسلم)۔ زمانۂ جہالت میں عرب کے لوگ جب کسی منزل پر اترتے تھے تو شیاطین کی پناہ لیتے تھے رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ دعا پڑھنے کو بتائی جس میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ذریعے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ

آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتا آپ فرما دیجئے کہ بیشک میں تمہارے لئے کسی ضرر کا اور کسی بھلائی کا مالک نہیں ہوں، آپ فرما دیجئے

لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

کہ بلا شبہ مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور میں ہرگز اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکتا، لیکن اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کو ادا کرنا میرا کام ہے

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ

اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بیشک اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ

تو اس وقت جان لیں گے کہ کس کے مددگار کمزور تر ہیں اور عدد کے اعتبار سے کس کی جماعت کم ہے آپ فرما دیجئے میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے

يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ

یا میرے رب نے اس کے لئے کوئی مدتِ دراز مقرر فرما رکھی ہے، وہ غیب کا جاننے والا ہے سو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا ہاں مگر جو کوئی اس کا برگزیدہ

رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

رسول ہو سو وہ اس کے آگے اور پیچھے محافظ بھیج دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے،

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اور جو کچھ ان کے احوال ہیں اللہ ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز پوری طرح اس کے شمار میں ہے

توحید کی دعوت، کفر سے بیزاری، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا، نافرمانوں کے لئے دائمی عذاب ہے

تفسیر: ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کا اور نافرمانوں کی تعذیب کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت علم کمال اور جامعیت کا بیان ہے پہلے تو یہ فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ (الآیات الاربع) کہ آپ مخاطبین سے یہ فرما دیں کہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا (جو اپنے لئے میرا ذاتی فیصلہ ہے اور یقین کے ساتھ ہے اسی کی طرف میں تمہیں بھی دعوت دیتا ہوں) آپ یہ بھی بتا دیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس کی مخلوق ہوں، اس کا رسول ہوں میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کی دعوت دیتا ہوں کسی ضرر یا کسی بھلائی کے پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا (تم جو یوں کہتے ہو کہ آپ رسول ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دیں تمہاری یہ فرمائش غلط ہے عذاب لانا میرے اختیار کی بات نہیں ہے اور جب عذاب آ جائے اس کو دور کرنا بھی میرے بس کا کام نہیں ہے) اور یہ بھی سمجھ لو کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی کام کروں اور اللہ تعالیٰ میرا مواخذہ فرمائے تو مجھے اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ پا سکتا ہوں لہٰذا مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ رسالت کا کام چھوڑ دوں یا رسالت کے مضامین کو بدل دوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا، اللہ کی طرف سے پیغام پہنچانا اس کے پیغام کو ادا کرنا میرا یہی کام ہے اگر تم نہ مانو گے اور اللہ کی نافرمانی کرو گے اور میری نافرمانی کرو گے تو سمجھ لو کہ نافرمان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ جس میں نافرمان ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا...... (الآیۃ) اب تو باتیں بنا رہے ہیں لیکن جب قیامت کا دن ہوگا جس کے منکر ہو رہے ہیں (حالانکہ وہ وعدہ سچا ہے) تو اس وقت پتہ چلے گا کہ مددگاروں کے اعتبار سے کون کمزور تر ہے اور جماعت کے اعتبار سے بھی سمجھ لیں گے کہ کس کی جماعت کم ہے، یہاں اس دنیا میں مسلمانوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان کی تعداد کم ہے اور اپنے کو بلند و برتر سمجھتے ہیں۔ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ جنہیں حقیر جانا وہی بلند نکلے ان کی تو آپس میں شفاعتیں بھی ہوں گی اور مجرمین کا کوئی دوست ہوگا نہ مددگار نہ سفارش کرنے والا۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ (الآیۃ) جب رسول اللہ ﷺ اپنے مخاطبین کو قیامت کی بات بتاتے تھے اور یہ سمجھاتے تھے کہ مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے اور میدان حشر میں حاضری دو گے اور وہاں فیصلے ہوں گے تو وہ لوگ بطور انکار یوں کہتے تھے کہ بتاؤ قیامت

کب آئے گی اس کے آنے کا کون سا وقت مقرر ہے؟ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اس کی آمد قریب ہے یا میرے رب نے اسکی لمبی مدت مقرر فرما رکھی ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا (اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے وہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا) اور قیامت کا وقت بھی انہی چیزوں میں سے ہے جن سے کسی کو مطلع نہیں فرمایا۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا☆

ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علمِ نبوت سے ہو خواہ مثبتِ نبوت ہو جیسے پیشین گوئیاں خواہ فروعِ نبوت سے ہو جیسے علمِ احکام تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے (یعنی جمیع جہات میں وحی کے وقت) محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (تاکہ وہاں شیاطین کا گزر نہ ہو) چنانچہ حضور ﷺ کے لئے ایسے پہریدار فرشتے چار تھے، اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے کہ (ظاہری طور پر) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام (رسول تک بحفاظت) پہنچا دیئے (اور اس میں کسی کا دخل و تصرف نہیں ہوا)۔ اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس لئے پہرہ دار ایسے مقرر کئے گئے ہیں جو اس کام کے پورے پورے اہل ہیں) اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے پس وحی کے سب اجزاء بھی اس کو معلوم ہیں حاصل مقام یہ ہے کہ علم ساعت علوم نبوت سے نہیں اس لئے اس کا علم نہ ہونا قادح نبوت یا مستلزم عدم وقوع ساعت نہیں، البتہ علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور وہی مقصود بعثت سے ہیں اور ان میں احتمال خطا کا نہیں ہوتا۔ تم ایسے علوم سے مستفید ہو اور زوائد کی تحقیق کو چھوڑو۔ (از بیان القرآن بحذف)

الحمدللہ علی اتمام تفسیر سورۃ الجن اولاً و آخراً و باطنا و ظاہراً

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المزمل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں بیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو قیام کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی آدھی رات یا آدھی سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو ترتیل

الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ○﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ

کے ساتھ پڑھو، بے شک ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے والے ہیں، بلاشبہ رات کا اٹھنا خوب زیادہ مشقت والا ہے اور اس وقت بات خوب ٹھیک

قِیْلًا ؕ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ؕ﴿۷﴾ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ؕ﴿۸﴾ رَبُّ

طرح ادا ہوتی ہے بلاشبہ دن میں آپ کو زیادہ کام میں مشغولیت رہتی ہے، اور آپ اپنے رب کا نام یاد کرتے رہیں اور قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں،

الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ﴿۹﴾

وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو اپنے کام سپرد کرنے کے لئے صرف اسی کو اپنا کارساز بنائے رہو۔

رات کے اوقات میں قیام کرنے اور قرآن کریم ترتیل سے پڑھنے کا حکم، سب سے کٹ کر اللہ ہی کی طرف متوجہ رہنے کا فرمان

تفسیر: یہ سورت مکی ہے اگرچہ بعض حضرات نے بعض آیات کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور مدنی بتایا ہے لفظ مُزَّمِّلٌ زا اور میم کی تشدید کے ساتھ ہے اصل میں مُتَزَمِّلٌ تھا ت کو زا سے بدل دیا گیا اور زا کا زا میں ادغام کر دیا گیا لہٰذا مُزَّمِّلٌ ہو گیا جیسے مُتَطَهِّرٌ سے مُطَّهِّرٌ بن گیا۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے ترجمہ ہے اے کپڑوں میں لپٹنے والے۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی طرف سے آپ کو کوئی رنجیدہ کرنے والی بات پہنچی تھی جو آپ کو بہت ناگوار گزری، آپ کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئے جیسے غمگین آدمی کیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو خطاب فرمایا کہ ''اے کپڑا اوڑھنے والے'' (تفسیر قرطبی) صفحہ ۳۲: ج ۱۹) یہ خطاب ملاطفت کی وجہ سے تھا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اسی ملاطفت کے لئے قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ (صحیح بخاری صفحہ ۶۲: ج۱) فرما کر اور حضرت حذیفہؓ کو قُمْ یَا نَوْمَان فرما کر جگایا تھا۔

مشرکین نے آپ کے حق میں کوئی نامناسب لقب تجویز کیا تھا اس سے آپ کو رنج پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ سے خطاب فرما کر اس کا ازالہ فرما دیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھا کریں اور یوں فرمایا۔

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ☆ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ☆ یعنی نصف رات قیام کر و یا نصف سے کچھ کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو۔ نصف سے کم کا مصداق ایک ثلث ہے اور نصف سے کچھ زیادہ کا مصداق دو ثلث ہے اللہ تعالیٰ نے رات کو قیام فرمانے کا حکم دیا اور مقدار وقت میں تین صورتوں کا اختیار دے دیا۔

رات کو قیام کرنے کے ساتھ ہی وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا بھی فرمایا یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، یوں تو جب بھی قرآن کی تلاوت کی جائے ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کریں اور جلدی جلدی نہ پڑھیں جس سے حروف کٹیں اور معنی مقصود کے خلاف ایہام ہو جائے لیکن خاص طور سے نماز تہجد میں جو ترتیل کا حکم فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کی نمازوں میں لمبی تلاوت کی جاتی ہے اور رات کے وقت سہانے وقت میں تلاوت میں زیادہ دل لگتا ہے لیکن ساتھ ہی کبھی نیند کے جھونکے بھی آ جاتے ہیں ان جھونکوں کی وجہ سے جلدی جلدی ختم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ جتنا پڑھیں صحیح پڑھیں۔ صاف پڑھیں اور جب نیند آ جائے تو سو جائیں۔ حدیث شریف میں بھی ارشاد فرمایا۔

اذا نعس احدکم و هو یصلی فلیرقد حتیٰ ذهب عنه النوم. (جب نماز پڑھتے ہوئے تم میں کسی کو نیند آنے لگے تو وہ سو جائے حتیٰ کہ نینداس کی پوری ہو جائے) (الحدیث رواہ الشیخان مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۰)

آدھی رات قیام کریں یا تہائی رات یا دو تہائی رات۔ راتوں کو نماز میں قیام کرنا جسے نماز تہجد کہتے ہیں امت کے لئے سنت ہے افضل ہے اور بہت زیادہ فضیلت کا کام ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کو جو حکم دیا ہے اس کا کیا درجہ تھا؟ اس کے بارے میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رات کو قیام کرنا آپ پر فرض تھا اور ضروری تھا حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قیام اللیل نہ صرف نبی اکرم ﷺ پر بلکہ آپ سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تھے ان پر بھی فرض تھا۔

قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر بھی پڑھے اور صاف بھی پڑھے اور مخارج اور صفات کا لحاظ کر کے پڑھے حضرات قراء کرام نے تلاوت کے تین درجات بتائے ہیں ترتیل، تدویر، حدر، یہ ان کے اصطلاحی الفاظ ہیں ترتیل کا مطلب یہ ہے کہ خوب آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کی جائے اور حدر کا مطلب یہ ہے کہ جلدی جلدی پڑھا جائے اور تدویر دونوں کے درمیان پڑھنے کو کہتے ہیں لیکن تینوں

صورتوں میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے حرفوں کو کاٹنا اور تجوید کے خلاف پڑھنا درست نہیں ہے حضرات قراء کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ **الترتیل تجوید الحروف و معرفة الوقوف** (کہ تجوید حروف کو صحیح طریقے پر ادا کرنا اور وقوف کے پہچاننے کا نام ہے)۔ آج کل بہت سے لوگ جن میں قراء حضرات ؒ ہیں۔ حدر سے پڑھتے وقت بہت سے حروف کھا جاتے ہیں اور کلمات کے اخیر میں جو الف ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ **رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا** میں ہر جگہ الف کھا جاتے ہیں، یہ آج کل کا فیشن ہے۔

پھر فرمایا، **اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا** (بلاشبہ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے والے ہیں) بھاری کلام سے قرآن مجید مراد ہے جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت قرآن شریف کا کچھ حصہ نازل ہو چکا تھا اکثر حصہ نازل ہونا باقی تھا دشمنوں کی طرف سے معاندانہ سلوک بھی ہونے والا تھا اور دعوت وارشاد کی مزید ذمہ داری سونپی جانے والی تھی۔ اس لئے ارشاد فرمایا کہ ہم تم پر عنقریب ایک بڑا بھاری کلام ڈالیں گے۔ کلام کو پہنچانے پر دشمنوں کی طرف سے معاندانہ روش سامنے آنے کی وجہ سے جو آپ کو تکلیف پہنچی تھی اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ جس وقت آپ پر وحی آتی تھی آپ کو بڑی مشقت برداشت کرنا پڑتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ سخت سردی کے زمانہ میں وحی آتی تھی تو آپ کی حالت بدل جاتی تھی اور جب فرشتہ رخصت ہو جاتا تھا تو آپ کا پسینہ بہتا ہوتا تھا (صحیح بخاری صفحہ۲ ج۱) اور ایک مرتبہ وحی کے آنے کے وقت آپ کی ران مبارک زید بن ثابت ؓ کی ران پر تھی اس سے زید بن ثابت کی ران پھٹنے لگی۔

اس کے بعد فرمایا: **اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً** (بلاشبہ رات کا اٹھنا خوب زیادہ مشقت والا ہے) یعنی اس سے نفس پر دباؤ پڑتا ہے اور نفس کو خوب تکلیف ہوتی ہے۔ یہ تکلیف بظاہر تکلیف ہے اور دنیاوی تکلیف ہے لیکن اس میں نفس کا فائدہ بھی بہت ہے۔ نماز تہجد کی وجہ سے جو درجات بلند ہوں گے ان کی وجہ سے انسان ساری تکلیفیں بھول جائیگا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بلاشبہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر اندر سے اور جن کا اندر باہر سے نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کے لئے تیار فرمایا ہے جو کھانے کھلائیں اور سلام پھیلائیں اور رات کو نماز پڑھیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ (الترغیب والترہیب جلد۱: صفحہ۴۲۴)

وَّاَقۡوَمُ قِیۡلًا (اور رات کا اٹھنا بات ادا ہونے کے لئے خوب عمدہ ہے)

یعنی رات کو اٹھ کر جب تہجد پڑھتے ہیں اور دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت چونکہ سناٹا ہوتا ہے شور شغب نہیں ہوتا اور ادھر ادھر کی آوازیں نہیں آتیں اس لئے عبادت میں خوب جی لگتا ہے اور دل اور زبان دونوں موافق ہو جاتے ہیں اور اطمینان کے ساتھ قراءت بھی ادا ہوتی ہے اور دعا بھی حضور قلب کے ساتھ ہوتی ہے۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا (بے شک آپ کو دن میں لمبا کام رہتا ہے) آپ کے مشاغل منتشر ہیں اور متفرق ہیں۔ امور خانہ داری بھی ہے آنے جانے والے لوگ بھی ہیں دعوت وارشاد کا کام بھی ہے اس لئے لمبی نماز پڑھنے کے لئے رات تجویز کی گئی۔

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ (اور اپنے رب کا نام لیتے رہیئے)

یعنی رات کو تو آپ نماز پڑھتے ہی ہیں دیگر اوقات میں بھی اللہ کا نام لیتے رہیئے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا نماز ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اس لئے عام اوقات میں بھی اللہ کی یاد میں لگے رہیئے۔ حضور ﷺ اس پر خصوصیت کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں۔ **اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کان یذکر اللہ فی کل احیانه** یعنی

رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (اور قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہیں) اپنی پورا قلبی رخ اللہ کی طرف رکھیے یعنی اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے اس تعلق کے مظاہرے اور آثار ہر تعلق پر غالب رکھیے بظاہر بیویوں سے بھی تعلق رہے اور اولاد سے بھی اولیاء اور اصدقاء سے بھی لیکن اللہ تعالیٰ کا تعلق بہر حال غالب رہے اس کے احکام کی ادائیگی میں کوئی فرق نہ آئے درحقیقت یہ بہت بڑی نصیحت ہے جو بھی بندہ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے وہ لوگوں سے بھی ملتا جلتا ہے لیکن اس کا باطن اللہ کی یاد ہی سے معمور رہتا ہے اور مخلوق کو راضی رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہیں کرتا۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا☆ (وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو آپ اسی کو اپنا کارساز بنائے رہیں)

اس میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی حاجت روا نہیں اور کوئی معبود بھی نہیں۔ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان وجود میں آتا ہے سب اسی کی مشیت سے ہوتا ہے وہی سب کا رب ہے آپ اسی کو اپنا کارساز بنائے رہیں اسی کے سامنے اپنی حاجت رکھیں اسی سے سب کچھ مانگیں اور اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

قوله تعالىٰ: "يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ" قال الاخفش سعيد "الْمُزَّمِّلُ" اصله المتزمل فادغمت التاء فى الزاى و كذلك "المدثر" و فى اصل المزمل مولان: احدهما انه متحمل يقال ازمل الشئ اذا حمله و منه الزاملة لانها تحمل القماش . الثانى ان المزمل هو المتلفف: يقال: تزمل و مدثر بثوبه اذا تغطى. وزمل غيره اذا غطاه، وكل شى لفف فقد زمل و دثر، قال امرءالقيس: (كبيرا ناس فى بجادٍ مزمل). قال السهيلى: ليس المزمل باسم من اسماء النبى ﷺ: ولم يعرف به كما ذهب اليه بعض الناس وعدوه فى اسمائه عليه الصلاة والسلام، وانما المزمل اسم مشتق من حالته التى كان عليها حين الخطاب، وكذلك المدثر. قوله تعالى: "هِيَ اَشَدُّ وَطْاً" بفتح الواو وسكون الطاء المقصورة و اختاره ابو حاتم، من قولك، اشتدت عل القوم وطاة سلطانهم. اى ثقل عليهم ما حملهم من المون، ومنه قوله عليه السلام (اللهم اشدد وطاتك على مضر) فالمعنى انها اثقل على المصلى من ساعات النهار. وذلك ان الليل وقت منام و تودع واجمام فمن شغله بالعبادة فقد تحمل المشقة العظيمه (من روح المعانى) قوله تعالىٰ: "وَاَقْوَمُ قِيْلًا": اى القراءة بالليل اقوم منها بالنهار اى اشد استقامة واستمرار اعلى الصواب لانه الاصوات هادئة والدنيا ساكنة فلا يضطرب على المصلى ما يقرئه. قوله تعالىٰ: "ان ناشئة الليل هى اشد وطا" يريد القيام والانتصاب للصلاة. و منه نسا انسحاب لحدوثه فى الهواء و تربيته شيئا فشيئا. (ذكره الراغب فى مفرداته)

(ارشاد الٰہی یا ایھا المزمل: اخفش سعید کہتے ہیں المزمل اصل میں المتزمل تھا پھر تاء کو زاء کر کے زاء میں مدغم کر دی گئی اور المدثر بھی اسی طرح ہے۔ المزمل کے مطلب میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے متحمل (اٹھانے والا) کہا جاتا ہے ازمل الشی جب اس نے کوئی چیز اٹھائی ہو اور زاملۃ (باربردار اونٹنی) اسی سے کیونکہ وہ چادر نہیں اوڑھتی دوسرا قول یہ ہے کہ مزمل کا معنی ہے متلفف کہا جاتا ہے تزمل و دثر بہ جب وہ کپڑا اوڑھ لے اور تزمل غیرہ کا مطلب ہے دوسرے کو ڈھانپ دینا اور ہر چیز جس نے ڈھانپا تو وہ زمل اور دثر ہے۔ اور امرؤ القیس نے کہا ہے۔ ع کبیر اناس فی بجاد مزمل علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں مزمل حضور اکرم ﷺ کے ناموں میں سے کوئی نام نہیں ہے۔ لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں اور مزمل کو حضور اکرم ﷺ کے ناموں میں شمار کیا ہے۔ مزمل تو ایک اسم ہے جو اس حالت سے مشتق ہے جس میں آپ اس خطاب کے وقت تھے اور مدثر بھی اسی طرح ہے۔ ارشاد الٰہی ھی اشد و طاء: وطاء واؤ کے فتحہ اور طاء مقصورہ کے سکون کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے کہ اشتدت علی القوم وطاة سلطانهم یعنی قوم پر بادشاہ نے جو ٹیکس لگایا ہے وہ بھاری ہو گیا۔ اور اسی سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللھم اشدد وطاتک علی مضر۔ بہر حال اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رات دن کی نسبت نمازی پر بھاری ہے اور یہ اس لئے کہ رات نیند کا وقت ہے اور راحت و اطمینان کا وقت ہے جو اس میں عبادت میں مشغول ہوا تو اس نے بڑی مشقت برداشت کی۔ ارشاد الٰہی و اقوم قیلا: مطلب یہ کہ رات کا پڑھنا دن کے پڑھنے سے زیادہ اقوم ہے یعنی استقامت و استمرار کے لحاظ سے سخت ہے۔ درست پڑھنے میں کیونکہ اس وقت آوازیں خاموش ہیں اور دنیا ساکن ہے لہٰذا اس وقت نمازی جو پڑھے گا وہ اس پر پریشان نہ ہوگا۔ ارشاد الٰہی ان ناشئة الیل ھی اشد و طاء: اس سے مراد رات کا قیام اور نماز کے لئے کھڑا ہونا ہے اس معنی کے لحاظ سے کہتے ہیں نشاء السحاب کیونکہ بادل ہوا میں پیدا ہوتا ہے پھر تھوڑا تھوڑا بڑھتا ہے)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ

اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے علیحدگی اختیار کیجئے اور مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو جو نعمت والے ہیں چھوڑ دیجئے

وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾ إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ

اور انہیں تھوڑے دنوں کی مہلت دیجئے بیشک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔ جس دن زمین اور

الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾

پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا تودہ بن جائیں گے جو ڈھلا جارہا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر فرمانے کا حکم، دوزخ کے عذاب کا تذکرہ وقوع قیامت کے وقت زمین اور پہاڑوں کا حال

تفسیر: یہ پانچ آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تسلی دی ہے کہ آپ جلدی نہ کریں یہ لوگ جو آپ کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں ان کو کچھ مہلت دے دیں۔ یہ ناز و نعمت میں پل رہے ہیں اور بڑھ رہے ہیں اور دنیاوی اموال اور نعمتیں ان کے لئے غفلت کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ان چیزوں میں پڑ کر وہ آپ کی دعوت کو ٹھکرا رہے ہیں یہ ان کے حق میں کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کھا پی رہے ہیں اور مزے کر رہے ہیں۔ تھوڑے سے دن کی بات ہے اور اس میں ان کا استدراج بھی ہے۔

کما قال تعالیٰ فی سورۃ القلم: وَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (سو آپ مجھے اور ان کو چھوڑ دیجئے جو اس بات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو اس طور پر ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کو خبر بھی نہیں)۔ اس کے بعد کافروں کی تعذیب کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب میں لگے ہوئے ہیں ہم نے ان کی تعذیب کے لئے بیڑیاں تیار کر رکھی ہیں اور ان کے لئے دوزخ ہے اور ان کے لئے ایسا کھانا ہے جو گلے میں پھنس جانے والا ہوگا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ دوزخیوں کو (اتنی زبردست) بھوک لگا دی جائے گی جو تنہا اس عذاب کے برابر ہوگی جو ان کو بھوک کے علاوہ ہو رہا ہوگا۔ لہٰذا وہ کھانے کے لئے فریاد کریں گے اس پر ان کو ضریع (سورۃ الغاشیہ کی تفسیر دیکھیں) کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے گا پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو طَعَامٍ ذِي غُصَّةٍ (گلے میں اٹکنے والا کھانا) دیا جائے گا۔ جو گلوں میں اٹک جائے گا اس کے اتارنے کے لئے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں پینے کی چیزوں سے گلے کی اٹکی ہوئی چیزیں اتارا کرتے تھے۔

لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کی سنڈاسیوں کے ذریعے ان کے سامنے کر دیا جائے گا۔ وہ سنڈاسیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گی پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا (مشکوٰۃ المصابیح)

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا

یہ عذاب اس دن ہوگا جس دن زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے یعنی ان میں بھونچال آ جائے گا اور پہاڑ ریت کے تودے بنے ہوئے ہوں گے جن میں جماؤ نہ ہوگا اور نیچے کو ڈھلے جا رہے ہوں گے۔ (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ یوم ترجف ظرف ہو عَذَابًا أَلِيمًا کا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ذَرْنِي سے متعلق ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿۱۵﴾ فَعَصَىٰ

بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تمہارے اوپر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔ سو فرعون نے

فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ

رسول کی نافرمانی کی سو ہم نے اسے پکڑ لیا سخت پکڑنا، سو اگر تم کفر کروگے تو اس دن سے کیسے بچوگے جو

الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿۱۸﴾ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ

بچوں کو بوڑھا کردے گا آسمان پھٹ جائے گا اس سے اُس کا وعدہ کیا ہوا ہے بلاشبہ یہ ایک نصیحت ہے

فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۱۹﴾

سو جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے

فرعون نے رسول کی نافرمانی کی، اسے سختی کے ساتھ پکڑ لیا گیا، قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کردے گا، قرآن ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے

تفسیر: ان آیات میں مکذبین کو خطاب ہے کہ جس طرح تم جھٹلاتے ہو اسی طرح تم سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا ہے اور پھر اس کی سزا پائی ہے ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو قیامت کے دن تم پر گواہی دے گا کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت پکڑ ادنیا میں وہ اپنے لشکروں کے ساتھ دریا میں ڈبو دیا گیا اور آخرت کی سزا اس کے سوا ہے، اب تم جو ہمارے رسول کو جھٹلا رہے ہو اور کفر پر جمے ہوئے ہو تم سوچ لو کہ اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا یعنی اس دن ایسی سختی ہوگی جو بچوں کو بوڑھا کردے گی، اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور اللہ کا جو وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

(بچوں کو بوڑھا کردینے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ کنایہ ہے شدت سے یعنی وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ مصیبت کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ وہ دن بہت لمبا ہوگا اس لئے دن میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے جو بچپن میں وفات پا گئے تھے وہ قبروں سے اسی حال میں نکلیں گے پھر قیامت کے امتداد اور اشتداد کی وجہ سے بوڑھے ہو جائیں گے)

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ (بلاشبہ یہ نصیحت ہے) فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (سو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے) یعنی جس راستہ پر چلنے سے وہ راضی ہوتا ہے اور جس کے اختیار کرنے پر اس سے آخرت کی نعمتوں کا وعدہ ہے اس راستہ کو اختیار کرلے وہ دین اسلام ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ

بلاشبہ آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت رات کے دو تہائی حصہ کے قریب اور آدھی رات اور تہائی

مِنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا

رات کھڑے رہتے ہیں اور اللہ رات اور دن کو مقدر فرماتا ہے اور اللہ کو علم ہے کہ تم اس کو ضبط نہیں کر سکتے سو اس نے تمہارے حال پر مہربانی فرمائی سو تم قرآن

مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ

سے اتنا حصہ پڑھ لو جو آسان ہو، اسے معلوم ہے کہ تم میں سے مریض آدمی ہوں گے اور بعض وہ لوگ ہوں گے جو زمین میں سفر کرتے ہیں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ

اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں اور بعض وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے سو تم قرآن میں سے اتنا حصہ پڑھ لیا کرو جو آسانی سے پڑھا جا سکے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسن دیدو اور اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی بھیج دوگے

خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اسے اللہ کے پاس پالوگے وہ اس سے اچھا اور خوب بڑے ثواب والا اور اللہ سے مغفرت طلب کرو بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے

قیام لیل کے بارے میں تخفیف کا اعلان

اقامۃ الصلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا حکم

تفسیر: ابتدائے سورت میں جو رات کو نمازوں میں قیام کرنے کا حکم فرمایا تھا (گو علیٰ سبیل التخییر تھا) اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی رات کو نماز میں قیام فرماتے تھے علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ جب آیت کریمہ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کو اس پر عمل کرنا دشوار ہوا کیونکہ تہائی رات دو تہائی رات اور آدھی رات کا پہچاننا مشکل تھا۔ لہٰذا اس ڈر سے صبح تک قیام کرتے تھے کہ وقت مقرر میں کمی نہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے ان کے پیر پھول گئے اور رنگ بدل گئے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں بعض لوگ دو تہائی رات کے قریب اور بعض آدھی رات اور بعض تہائی رات کھڑے رہتے ہیں جس سے مشقت میں مبتلا ہوتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور پہلا حکم منسوخ فرما دیا سو اب تم سے جتنا قرآن مجید آسانی کیساتھ پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو (اس سے نماز تہجد میں قرآن پڑھنا مراد ہے) اب اللہ تعالیٰ نے آسانی فرما دی اور تہجد کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی اور کتنی نماز پڑھے اور کتنی دیر نماز پڑھے اس کی بھی مقدار متعین اور مقرر نہیں رکھی گئی، لہٰذا آسانی کی صورت بن گئی اس نسخ کی ایک علت تو عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے مریض بھی ہونگے اور وہ لوگ بھی ہونگے جو تلاش معاش کیلئے زمین میں سفر کرینگے اور وہ لوگ بھی ہونگے جو اللہ کی راہ میں قتال کرینگے ان حالات میں تہجد کی اور اوقات مقررہ کی پابندی مشکل تھی لہٰذا آسانی کردی گئی۔ تہجد پڑھنا مستحب قرار دیدیا گیا اور وقت کی بھی کوئی مقدار مقرر نہیں رکھی گئی۔

علامہ قرطبی شیخ ابونصر قشیری سے نقل کرتے ہیں کہ مشہور بات یہ ہے کہ قیام لیل کی فرضیت امت کے حق میں منسوخ ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں باقی رہی اور ایک قول یہ ہے کہ اصل وجوب تو سب کے لئے باقی رہا البتہ مقدار قیام

واجب نہیں رہی۔ جتنی دیر چاہیں پڑھ لیں۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۵۴: ج)

صاحب روح المعانی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المزمل کے شروع میں قیام کو فرض قرار دیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بارہ ماہ تک سورۃ مزمل کا آخری حصہ نازل نہیں فرمایا اس کے بعد آخری حصہ نازل فرما کر تخفیف فرمادی اور قیام لیل نوافل کے حکم میں باقی رہ گیا اور ایک روایت میں ہے کہ آٹھ ماہ کے بعد تخفیف نازل ہوئی۔ (روح المعانی صفحہ ۱۸۷: ج۲۹)

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض دو اچھا قرض) یعنی اس کی مخلوق پر خرچ کرو اور اس کی رضا کے کاموں میں مال لگاؤ۔ ہے تو مال اللہ تعالیٰ ہی کا اور مال والے بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور مملوک ہیں لیکن اس نے کرم فرمایا کہ اپنے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور کرم بالائے کرم یہ ہے کہ اس پر بڑے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمادیا سورہ بقرہ میں فرمایا: **مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً** (کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض حسن پھر وہ اس کے لئے اسے چند در چند یعنی بہت گنا کر کے اضافہ فرمادے)

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (اور جو کوئی خیر اپنی جانوں کے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے وہ بہت بہتر ہوگی اور بہت بڑے ثواب کا ذریعہ ہوگی)

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ (اور اللہ سے مغفرت طلب کرو) کیونکہ اعمال میں کچھ نہ کچھ کوتاہی ہوتی رہتی ہے)

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے)

تم تفسیر سورۃ المزمل بحمد اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

یہ سورۃ مدثر ہے جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھپن آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو پھر ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، اور بتوں سے علیحدہ رہو اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ مل جائے اور اپنے رب کے لئے صبر کیجئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی دعوت کے لئے کھڑے ہو جانے کا حکم، اور بعض دیگر نصائح کا تذکرہ

تفسیر: لفظ مدثر اصل میں مُتَدَثِّر تھا اس میں بھی تَفَعُّل کی ت فاکلمہ سے بدل کر اسی میں مدغم ہوگئی، اصل مادہ دثر (د ث ر)

ہے جس کا معنی کپڑا اوڑھنے کا اور کپڑے میں لپٹنے کا ہے صحیح بخاری صفحہ ۲: ج ۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلی مرتبہ وحی آنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غار حرا میں عبادت کے لئے متعدد راتیں گزارا کرتے تھے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جایا کرتے ایک دن فرشتہ آیا اس نے کہا کہ اِقْرَأْ کہ پڑھیے (آگے آپ کی زبانی بیان کیا) میں نے کہا مَا اَنَا بِقَارِئٍ کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اتنے زور سے دبایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور وہی بات کہی کہ اِقْرَأْ میں نے وہی جواب دیا: مَا اَنَا بِقَارِئٍ پھر اس نے مجھے دوبارہ پکڑ کر اسی قدر دبایا کہ تکلیف انتہا کو پہنچ گئی۔

فرشتے نے تیسری مرتبہ پھر مجھے دبایا اور چھوڑ دیا اور فرشتہ یوں عبارت پڑھتا چلا گیا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ رسول اللہ ﷺ نے یہ عبارت سن لی اور اس کو دہرا لیا، اس کے بعد آپ وہاں سے اپنے گھر تشریف لے آئے اس وقت دل کانپ رہا تھا، اپنی اہلیہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ) چنانچہ انہوں نے آپ کو کپڑا اڑھا دیا، آپ تھوڑی دیر لیٹے رہے یہاں تک کہ گھبراہٹ کی کیفیت جاتی رہی اس کے بعد بہت دن تک وحی نہیں آئی۔ بعض حضرات نے کہا تین سال تک وحی رکی رہی (قسطلانی)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فترۃ الوحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے یوں نقل کیا ہے کہ میں ایک دن جا رہا تھا میں نے آسمان سے آواز سنی نظر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتہ میرے پاس حراء میں آیا تھا وہی آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اسے دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہو گیا میں واپس ہو کر گھر پہنچا اور وہی بات کہی کہ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ☆ قُمْ فَاَنْذِرْ ☆ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ☆ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ ☆ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ☆ اس کے بعد مسلسل وحی آنے لگی اور آتی رہی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳: ج ۱)

مذکورہ بالا آیات میں رسول اللہ ﷺ کو اول تو یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ سے مخاطب فرمایا کیونکہ اس وقت آپ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے پھر حکم فرمایا کہ قُمْ (آپ کھڑے ہو جائیے) فَاَنْذِرْ (اور آپ ڈرائیے) اس میں آپ کو دعوتِ توحید کے کام پر مامور فرما دیا صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یوں تو آپ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی لیکن ابتدائے نبوت میں چونکہ انذار ہی غالب تھا اس لئے صرف انذار کا ذکر فرمایا یہ بطور اکتفاء ہے جس میں ایک چیز کو ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ شیٔ مذکور سے سمجھ میں آتی ہے۔

دوسرا حکم فرمایا وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے) یعنی اپنے رب کی عظمت اور کبریائی کا اعتقاد بھی رکھئے اور اسے بیان بھی کیجئے۔ چنانچہ اللہ کی بڑائی بیان کرنا نماز کے شروع میں بھی مشروع ہو گیا اور نماز کے انتقالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے بار بار اَللّٰهُ اَکْبَرُ کہا جاتا ہے۔

وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ (اور اپنے کپڑوں کو پاک کیجئے) اس میں ظاہری الفاظ میں تو کپڑوں کو پاک رکھنے کا حکم ہے لیکن حضراتِ مفسرین اور علمائے محققین نے اس سے یہ بات بھی مستنبط کی ہے کہ اپنے نفس کو اور قلب کو اخلاق رذیلہ غیر مرضیہ سے صاف اور پاک رکھیے کیونکہ جہاں کپڑوں کو غیر طاہر رکھنے کی اجازت نہ ہوگی وہاں قلب اور نفس کو پاک رکھنا کیونکر ضروری نہ ہوگا۔

مزید فرمایا وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اور گناہوں کو چھوڑے رہو) اس میں اعضاء کی تطہیر کا حکم بھی ہو گیا کیونکہ عموماً گناہ اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں، بعض حضرات نے اَلرُّجْزَ سے عبادۃ الاصنام مراد لیا ہے یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ دو رسول اللہ ﷺ نے

کبھی بتوں کی عبادت نہیں کی یہ خطاب آپ کے توسط سے مشرکین مکہ کو ہے صاحب روح المعانی نے (صفحہ ۱۳۶: ج۲۹) بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ **الرُّجزَ** سے دنیا مراد ہے جو سب سے بڑا بت ہے کیونکہ بتوں کی عبادت تو مندروں میں ہوتی ہے اور دنیا کی عبادت ہر جگہ ہے مساجد تک میں دنیا کی عبادت ہوتی ہے یعنی دنیا کے لئے جنگ کی جاتی ہے۔ دنیا کے لئے مساجد بنائی جاتی ہیں۔ دنیا کے لئے قرآن پڑھایا جاتا ہے دنیا کے لئے وعظ وتقریر کو اختیار کیا جاتا ہے جس میں اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوتی اپنی تعریف کروانا حاضرین سے پیسے لینا وغیرہ وغیرہ مقصود ہوتا ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (یعنی کسی پر احسان کرتے ہوئے یہ نیت نہ رکھو کہ جس کو دے رہا ہوں یہ شخص مجھے اس کے بدلہ میں زیادہ دے گا، نہ زبان سے طلب کرو نہ دل میں اس کا خیال رکھو، جو دینا ہو اللہ کی رضا کے لئے دیدو سورہ دھر میں اللہ کے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: **وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ☆ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُورًا** (اور کھانا کھلاتے ہیں۔ کھانے کی محبت ہوتے ہوئے مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں تم سے کسی بدلہ یا شکریہ کے طلبگار نہیں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کچھ دے یا مال خرچ کرے تو جس پر خرچ کیا ہے اس سے مالی فائدہ کی امید تو کیا شکریہ تک کی آرزو نہ رکھے۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (اور اپنے رب کے لئے صبر کئے رہو) چونکہ آپ کو دعوت کا کام کرنے کا حکم ہوا اور اس میں مخاطبین سے تکلیف پہنچنا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے انذار کے حکم کے ساتھ اصطبار کا حکم بھی فرمادیا یعنی آپ دعوت توحید کے کام پر جمے رہیں اور دشمنوں سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر بھی کرتے رہیں اور یہ صبر اللہ کی رضا کے لئے ہو جب اللہ کی رضا مقصود ہوگی تو صبر کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا ثواب ملنے کی امید تکلیف کو آسان بنادے گی۔ قال اللہ تعالیٰ: **اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ**

فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِىْ

پھر جب صور پھونکا جائے گا سو یہ دن کافروں پر سخت ہوگا، آسان نہ ہوگا، مجھے اور اس شخص کو رہنے دو

وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾

جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے میں نے مال دیا، جو بڑھتا جارہا ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے بیٹے دیئے اور میں نے اس کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کردیا

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾

پھر وہ آرزو کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں گا وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے عنقریب میں اسے دوزخ کے پہاڑ پر چڑھادوں گا بے شک اس نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

سو اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾

پھر بولا کہ یہ تو ایک جادو ہے جو منقول ہوتا آرہا ہے یہ کچھ نہیں مگر آدمی کا کلام ہے میں عنقریب اسے دوزخ میں داخل کروں گا اور اے مخاطب تجھے کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیا ہے

لَا تُبْقِىْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

نہ وہ باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی وہ بدن کی حیثیت کو بگاڑ دینے والی ہے اس پر انیس فرشتے مقرر ہوں گے۔

مکہ معظمہ کے بعض معاندین کی حرکتوں کا تذکرہ اور اس کے لئے عذاب کی وعید، عذاب دوزخ کیا ہے؟

تفسیر: معالم التنزیل صفحہ ۴۱۵: ج۴ میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک دن ولید بن مغیرہ مسجد حرام میں تھا رسول اللہ ﷺ سے اس نے سورہ غافر کی شروع کی دو آیات سنیں اور آیات سن کر متاثر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرمالیا کہ یہ متاثر ہو رہا ہے۔ آپ نے دوبارہ آیات کو دہرایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا اور اپنی قوم بنی مخزوم میں جا کر کہا کہ اللہ کی قسم میں نے محمد ﷺ سے ابھی ابھی ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کا کلام ہے نہ جنات کا اور اس میں بڑی مٹھاس ہے۔

اور وہ خود بلند ہوتا ہے دوسروں کے بلند کرنے کی ضرورت نہیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا جب قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ ولید نے تو نیا دین قبول کرلیا اب تو سارے قریش اس نئے دین کو قبول کرلیں گے، یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ میں تمہاری مشکل دور کرتا ہوں یہ کہہ کر وہ ولید کے پاس گیا اور اس کی بغل میں رنجیدہ بن کر بیٹھ گیا، ولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے کیا بات ہے تم غمگین نظر آرہے ہو، ابو جہل نے کہا رنجیدہ ہونے کی بات ہی ہے قریش نے فیصلہ کیا تھا کہ تیرے لئے مال جمع کریں اور تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کریں اب وہ یہ خیال کررہے ہیں کہ تو نے محمد ﷺ کا کلام سنا ہے اور تو ان کے پاس جاتا ہے وہاں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) بھی موجود ہوتا ہے اور تو ان لوگوں کے کھانے میں سے کھالیتا ہے یہ بات ولید کو بڑی بری لگی اور کہنے لگا (کہ قریش نے ایسا خیال کیوں کیا؟) کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ میں ان سے بڑھ کر ہوں اور محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کبھی پیٹ بھرا بھی ہے جو ان کے پاس فاضل کھانا ہو (جس سے میں کھالوں)

اس کے بعد ولید ابو جہل کے ساتھ روانہ ہوا اور اپنی قوم کی مجلس میں پہنچا اور کہنے لگا تم لوگ خیال کرتے ہو کہ محمد ﷺ دیوانہ آدمی ہے تو کیا تم نے کبھی دیکھا کہ وہ اپنا گلا گھونٹ رہا ہو۔ سب نے کہا نہیں پھر کہنے لگا کہ تم لوگ خیال کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے تو کیا تم نے کبھی انہیں کاہنوں والی بات کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا تم لوگ کہتے ہو کہ محمد ﷺ شاعر ہے کیا تم نے انہیں کبھی کوئی شعر کہتے ہوئے سنا ہے؟ کہنے لگے نہیں! کہنے لگا تم کہتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تم نے اس کی زندگی میں کبھی کوئی بات ایسی آزمائی ہے جس میں اس نے جھوٹ بولا ہو، سب نے کہا نہیں! (ان لوگوں کو کیا مجال تھی کہ کوئی جھوٹ آپ کی طرف منسوب کرتے انہوں نے تو خود ہی آپ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے امین کا لقب دے رکھا تھا)

قریش نے ولید سے کہا تو تو بتا پھر کیا بات ہے اس نے کہا کہ میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ وہ جادوگر ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی باتوں سے میاں بیوی کے اور باپ بیٹوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔

روح المعانی میں یوں ہے کہ ابو جہل نے ولید سے کہا کہ تیری قوم تجھ سے راضی نہیں ہو سکتی جب تک کہ تو اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے (جس سے معلوم ہو جائے کہ تو اس شخص کا معتقد نہیں ہے) ولید نے کہا کہ مجھے مہلت دی جائے تاکہ میں سوچ لوں پھر اس نے سوچ کر کہا کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید بن مغیرہ مالدار بھی تھا، کھیتی باڑی، دودھ کے جانور، پھلوں کا باغ، تجارت، غلام اور باندی کا مالک ہونا، ان سب چیزوں کا مفسرین نے تذکرہ کیا ہے نیز اس کے لڑکے بھی تھے جو حاضر باش رہتے تھے ان کی تعداد دس تھی، اور جب اس کے سامنے جنت کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ محمد ﷺ جنت کی خبر دے رہے ہیں اگر یہ سچی ہے تو سمجھ لو کہ وہ میرے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔

ان باتوں کو سامنے رکھ کر اور آیات کا ترجمہ اور تفسیر ذہن نشین فرمائیے اول تو قیامت کا تذکرہ فرمایا کہ جس دن صور پھونکا جائے گا وہ دن کافروں پر سخت دن ہوگا، جس میں ان کے لئے ذرا آسانی نہ ہوگی، اس کے بعد ایک بڑے معاند کٹر کافر یعنی ولید بن مغیرہ کا تذکرہ فرمایا۔

وَذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا (مجھے اور اس شخص کو رہنے دیجئے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے ہم اسے سزا دیدیں گے) آپ کو اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اس کے کے پیدا کرنے میں میرا کوئی شریک نہیں اور جب اسے میں نے پیدا کیا تو وہ بالکل اکیلا تھا مال اور اولاد اس کے پاس کچھ نہیں تھا (علی ان یکون "وحیدا". حالا من الفاعل او المفعول۔ اس بناء پر کہ وحیداً فاعل سے یا مفعول سے حال ہے) اس کافر کے بارے میں دوسری بات یہ بتائی کہ میں نے اسے کثیر مال دیا ہے جو بڑھتا رہتا ہے (قال فی معالم التنزیل ممدوداً ای کثیراً قیل هو ما یمد بالنماء کالزرع والضرع والتجارة'' (تفسیر معالم التنزیل میں ہے ممدوداً یعنی کثیرا بعض نے کہا اس کا معنی ہے جو چیز بڑھ کر پھیلتی ہے جیسے کھیتی وتجارت وغیرہ) اور تیسری بات یہ فرمائی کہ میں نے اس کو بیٹے دیئے ہیں جو اس کے سامنے رہتے ہیں اور چوتھی بات یہ فرمائی کہ میں نے اسے ہر طرح کا سامان مہیا کردیا (یہ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا کا ترجمہ ہے قال فی معالم التنزیل ای بسطت له فی العیش و طور العمر بسطا و قال الکلبی یعنی المال بعضه علیٰ بعض کما یمهد الفرش۔ (تفسیر معالم التنزیل میں ہے یعنی میں نے اسے زندگی گزارنے میں کشادگی دی اور اس کی عمر لمبی کردی اور کلبی کہتے ہیں میں نے اسے مال پر مال دیا جیسا کہ فرش بچھایا جاتا ہے)

پھر فرمایا ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ (پھر وہ آرزو رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ مال اور اولاد دے دوں) اس سے دنیا میں مزید مال اور اولاد دینے کی بھی نفی ہوگئی اور وہ جو اس نے کہا تھا اگر جنت واقعی پیدا ہوئی ہے تو مجھے ہی ملے گی اس کی بھی تردید ہوگئی۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ولید برابر مال اور اولاد کے اعتبار سے نقصان میں جاتا رہا یہاں تک کہ وہ مرگیا، کب مرا کہاں مرا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض اہل سیر کا قول ہے کہ غزوہ بدر میں مارا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ اسے ملک حبشہ نے قتل کردیا تھا۔ بہر صورت وہ کفر پر ہی مقتول ہوا۔

اس کے بعد فرمایا سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (میں اسے صعود پر چڑھاوں گا) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صعود آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر دوزخی کو ستر سال تک چڑھایا جائے گا۔ جب ایک بار چڑھایا جائے گا تو اسی طرح ستر سال تک اترتا رہے گا اور ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہے گا (یعنی ہمیشہ ہمیش چڑھنے اور اترنے میں رہے گا اس سے کبھی فارغ نہ ہوگا (اور یہ اترنا چڑھنا جبری ہوگا) (رواہ الترمذی)

آگے اس بات کا ذکر ہے کہ جب ولید سے کہا گیا کہ قوم قریش تجھ سے راضی نہیں ہوسکتی جب تک تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو قریش کے جذبات کے موافق ہو تو اس نے کہا کہ میں سوچ کر بتاؤں گا۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (بلاشبہ اس نے سوچا کہ قرآن کے بارے میں کیا بات تجویز کروں۔ پھر سوچ کر ایک بات تجویز کی۔ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ (پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی) ثُمَّ نَظَرَ (پھر اس نے حاضرین کے چہروں کو دیکھا کہ جو بات اپنے نفس میں تجویز کی ہے وہ ان سے کہہ دوں) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (پھر اس نے منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا تاکہ دیکھنے والے یوں سمجھیں کہ اسے قرآن سے واقعی بہت کراہت ہے اور اندر سے انقباض بہت زیادہ ہے۔ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (پھر اس نے منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا) اس میں بھی نفرت کا اظہار تھا۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (پھر کہنے لگا یہ تو بس جادو ہی ہے جو منقول ہے یعنی دوسروں سے لیا گیا ہے اور یہ اللہ کا کلام نہیں ہے اور نہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے بلکہ انسانوں کا کلام ہے۔

ولید بن مغیرہ کی یہ بات نقل کرکے ارشاد فرمایا سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ (میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا) وَمَآ اَدْرٰىكَ

مَاسَقَرُ (اور اے مخاطب تجھے کچھ خبر ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے) لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (نہ وہ باقی رہنے دے گی نہ چھوڑے گی) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (وہ بدن کی حالت کو بگاڑ کر رکھ دے گی) عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں)

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ

اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے جو ان کی تعداد رکھی ہے صرف اس لئے کہ کافروں کے لئے فتنہ کا ذریعہ بنیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا وَّلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ

اور تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے اور شک نہ کریں اہل کتاب اور اہل ایمان

وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ

اور تاکہ وہ لوگ یوں کہیں جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو لوگ کافر ہیں کہ اللہ نے اس عجیب مضمون سے کیا ارادہ فرمایا اللہ ایسے ہی گمراہ کرتا ہے

مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِیَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ نہیں ہے مگر ایک نصیحت انسانوں کے لئے

دوزخ کے کارکن صرف فرشتے ہیں ان کی معینہ تعداد کافروں کیلئے فتنہ ہے، رب تعالیٰ شانہ کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی جس میں انیس فرشتوں کا ذکر ہے تو ابوجہل نے قریش سے کہا تمہارا ناس ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں تو کیا تم پہلوان ہوتے ہوئے ان سے مار کھائے جاؤ گے کیا تم میں سے ہر دس آدمی ایک فرشتے کے لئے کافی نہ ہوں گے وہیں اسید بن کلدہ بھی ایک شخص موجود تھا اس نے کہا کہ سترہ فرشتوں سے تو میں نمٹ لوں گا دس میری پیٹھ پر سات میرے پیٹ پر ہوں تو میں نمٹا دوں گا اور باقی دو سے تم نمٹ لینا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے کہا کہ میں پل صراط پر تمہارے آگے آگے چلوں گا دس فرشتوں کو داہنے مونڈھے سے اور نو فرشتوں کو بائیں مونڈھے سے دھکیل دوں گا اور ہم پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً نازل فرمائی مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے کارکن فرشتے ہیں انسان نہیں ہیں تاکہ انسانوں پر قیاس کر کے کوئی شخص یوں کہنے لگے کہ میں اتنے عدد سے نمٹ لوں گا۔ ہر ہر فرشتے کی بہت بہت زیادہ قوت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک فرشتے کی قوت تمام جنات اور انسانوں کے برابر ہے۔ (الدر المنثور صفحہ ۲۸۴: ج ۶)

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا (اور ہم نے کارکنان دوزخ کی جو مقدار رکھی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ کافرین کی جانچ اور امتحان ہو وہ اس کی تکذیب کریں اور گمراہی میں پڑیں۔ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (تاکہ وہ لوگ یقین کرلیں جنہیں کتاب دی گئی ہے)۔ یعنی یہود و نصاریٰ کے پاس جو کتابیں ہیں ان میں بھی یہ تذکرہ تھا کہ کارکنان دوزخ کی تعداد انیس ہے۔ اب جب انہوں نے اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کا یہ اعلان سنا جس میں فرشتوں کی یہی تعداد بتائی ہے تو انہیں یقین آجائے گا کہ واقعی قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور اس طرح سے ایمان قبول کرنے کی رغبت ہوگی

وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا (اور ان میں سے جو لوگ ایمان لاچکے ہیں ان کا ایمان اور بڑھ جائے گا)۔

وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ (اور اہل کتاب اور مومنین شک نہ کریں) کہ کارکنان دوزخ کی تعداد انیس ہے۔ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْكٰفِرُونَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا (اور تا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور کافر لوگ یوں کہیں کہ اللہ نے اس عجیب مضمون سے کیا ارادہ کیا ہے) جن کے دلوں میں ایمان ہوتا ہے وہ اعتراض نہیں کرتے اللہ اور اس کے رسول کی جو بات سنتے ہیں فوراً مان لیتے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ اسی طرح گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے) اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (اور آپ کے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ مشرکین کی اس بات کا جواب ہے کہ محمد ﷺ کے مددگار بس انیس ہی افراد ہیں، ارشاد فرمایا کہ آپ کے رب کے لشکر تو بہت زیادہ ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے۔

(یہ انیس عدد تو اصل ذمہ دار ہیں اس کے خازن ہیں یعنی بڑے ذمہ دار ہیں اور ان کے اعوان و انصار بہت زیادہ ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس وقت اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی، ہر باگ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ (یعنی دوزخ کا ذکر اور اس کے احوال کا بیان صرف اس لئے ہے کہ انسان نصیحت حاصل کریں اور وہاں کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائیں)۔ لوگ ایمان تو لاتے نہیں انکار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مزید کفر میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ یہ منکرین کی بدبختی ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَآ أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ

بالتحقیق قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ جانے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ روشن ہو جائے بلاشبہ یہ دوزخ بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک ہے جو انسان کے لئے بڑا ڈراوا ہے

شَآءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّآ أَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ

تم میں سے جو شخص آگے بڑھے اس کے لئے بھی یا جو پیچھے ہٹے اس کے لئے بھی، ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ مرہون ہوگا سوائے اصحاب یمین کے کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے،

يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ

مجرمین کے بارے میں دریافت کرتے ہوں گے تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا ہو کہیں گے کہ ہم

نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ أَتٰىنَا

نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور مشغلہ رکھنے والوں کے ساتھ مشغلہ رکھتے تھے اور بدلہ کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے

الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَأَنَّهُمْ

پاس موت آ گئی، سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہ دے گی، سو انہیں کیا ہوا کہ نصیحت سے روگردانی کرنے والے ہیں گویا کہ

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا

وہ وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگ رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے کھلے ہوئے نوشتے دے دیئے جائیں

مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلۡ لَّا يَخَافُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ ؕ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذۡكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذۡكُرُوۡنَ

ہرگز نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے، یہ یقینی بات ہے کہ یہ قرآن نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرلے اور نصیحت حاصل نہیں کریں گے

اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهۡلُ التَّقۡوٰى وَاَهۡلُ الۡمَغۡفِرَةِ ﴿۵۶﴾

مگر یہ کہ اللہ چاہے، وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے

دوزخیوں سے سوال کہ تمہیں دوزخ میں کس نے پہنچایا؟ پھر ان کا جواب، ان کو کسی کی شفاعت کام نہ دے گی، یہ لوگ نصیحت سے ایسے اعراض کرتے ہیں جیسے گدھے شیروں سے بھاگتے ہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ چاند کی اور رات کی اور صبح کی قسم یہ دوزخ (جس کا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے) بڑی بھاری چیزوں میں سے ایک چیز ہے اس کے عذاب کو معمولی نہ سمجھا جائے اسی دنیا میں رہتے ہوئے جو اس کی خبر اللہ کی کتاب نے دی ہے یہ خبر سچی ہے اور اس کا بیان کرنا اس لئے ہے کہ انسان اس کے اخبار اور احوال سن کر خوف کھائے (قال القرطبی صفحہ ۸۵: ج۱۹) **وذكّر، لان معناه معنى العذاب، اواراد ذات انذار على معنى النسب كقولهم امراة طالق و طاهر و قال الخليل: النذير مصدر كالنكير ولذلك يوصف به المؤنث۔**

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّتَقَدَّمَ اَوۡ يَتَاَخَّرَ (یعنی قیامت کا تذکرہ ڈرانے والا ہے اس شخص کے لئے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے)۔ ہر شخص اپنے اپنے عمل کو دیکھ لے کہ ایمان اور اعمال صالحہ میں آگے بڑھ رہا ہے یا تکذیب وانکار کی وجہ سے جنت سے پیچھے ہٹ رہا ہے۔

كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ رَهِيۡنَةٌ (ہر جان اپنے عمل کی وجہ سے مرہون ہے) جیسے کوئی شخص کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رہن رکھ دیتا ہے پھر اسے چھڑا نہیں سکتا۔ جب تک وہ مال ادا نہ کردے جس کے عوض چیز رہن رکھی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن ہر شخص کا عمل روکے رکھے گا یعنی حساب کتاب ہوگا اہل کفر اور اہل شرک کا جرم چونکہ سب سے بڑا ہے اس لئے اہل کفر اور اہل شرک اپنے اس جرم کی وجہ سے ہمیشہ ہی محبوس رہیں گے۔ انہیں کوئی عمل کوئی فدیہ کوئی سفارش دوزخ سے نہ چھڑا سکے گی، اب رہے وہ لوگ جو مومن تو تھے لیکن انہوں نے اعمال صالحہ بھی کئے اور برے اعمال کا ارتکاب بھی کرلیا تو یہ لوگ نیکیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے اور بہت سے لوگ شفاعتوں سے اور بہت سے لوگ حقوق العباد ادا کرکے اور بہت سے لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل ومغفرت کی وجہ سے چھوٹ جائیں گے جن کی نیکیوں کے اعمالنامے بھاری ہوں گے وہ لوگ نجات پائیں گے اور جن لوگوں پر دوسرے لوگوں کے حقوق تھے وہ حقوق کی وجہ سے ماخوذ ہوں گے ان کی نیکیاں اصحاب حقوق کو دیدی جائیں گی اگر حقوق ادا کرنے سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان پر اصحاب حقوق کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(رواہ مسلم کما حدیث القصاص فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۳۵)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ اپنے بندوں کو جمع

فرمائے گا جو ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی ہاتھ ہوں گے پھر ایسی آواز سے ندا دیں گے جیسے دور والے ایسے ہی سنیں گے جیسے قریب والے سنیں گے اور اس وقت یہ فرمائیں گے کہ میں بدلہ دینے والا ہوں، میں بادشاہ ہوں (آج) کسی دوزخی کے حق میں یہ نہ ہوگا کہ دوزخ میں چلا جائے اور کسی جنتی پر اس کا ذرا بھی کوئی حق ہو اور یہ بھی نہ ہوگا کہ کوئی جنتی جنت میں چلا جائے اور کسی دوزخی کا اس پر کوئی حق ہو جب تک کہ میں صاحب حق کو بدلہ نہ دوں حتی کہ ایک چپت بھی ظلماً مار دیا تھا تو اس کا بدلہ بھی دلا دوں گا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ بدلہ کیسے دلایا جائے گا؟ حالانکہ ہم ننگے بے ختنہ اور بالکل خالی ہاتھ ہوں گے جواباً سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نیکیوں اور برائیوں سے لین دین ہوگا۔ (قال فی الترغیب صفحہ ۴۰۴: ج ۴ رواہ احمد باسناد حسن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے زرخرید غلام کو ظلماً ایک کوڑا بھی مارا تھا قیامت کے روز اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اگر) والدین کا اپنی اولاد پر قرض ہوگا تو جب قیامت کا دن ہوگا وہ اپنی اولاد سے الجھ جائیں گے (کہ ہمارا قرض ادا کرو) وہ جواب دے گا کہ میں تو تمہاری اولاد ہوں (وہ اس کا کچھ اثر نہ لیں گے اور مطالبہ پورا کرنے پر اصرار کرتے رہیں گے، بلکہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش اس پر ہمارا اور بھی قرض ہوتا۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۴۰۵: ج ۴ از طبرانی واسنادہ ضعیف)

اِلَّا اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ (لیکن داہنی طرف والے مرہون نہ ہوں گے یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ان حضرات کی نجات ہو جائے گی وہ اپنے اعمال کی وجہ سے محبوس نہ ہوں گے جنت میں داخل ہونے کے لئے ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی یہ وہی اصحاب یمین ہیں جن کا سورۃ الواقعہ میں ذکر ہے **وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ☆فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ☆**(الآیات)

فِیۡ جَنّٰتٍ (حضرات اصحاب الیمین بہشتوں میں ہوں گے) **یَتَسَآءَلُوۡنَ☆عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ☆** یعنی کافروں کے بارے میں سوال کر رہے ہوں گے اور یہ سوال خود مجرمین سے ہوگا۔ **مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ☆** (تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا) **قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ☆وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ** مجرمین جواب دیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ **وَکُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ** (اور مشغلہ رکھنے والوں کے ساتھ مشغلہ رکھتے تھے) لفظ خوض کا معنی ہے کسی چیز میں گھسے چلے جانا مطلب یہ ہے کہ اہل باطل کافر اور معاند جب اسلام کی برائیاں کرنے بیٹھتے اور اسلام کی مخالفت میں دور دور کی باتیں سوچتے تو ہم بھی ان کے ساتھ لگ جاتے تھے اور ان کی باتوں میں شریک ہو جاتے تھے ہمارا جرم صرف احکام پر عمل نہ کرنے ہی کا نہ تھا بلکہ ہم کافر تھے اور کافروں کے ساتھ اسلام کی مخالفت کرنے میں مشغول رہتے تھے۔

وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ (اور ہم بدلہ کے دن یعنی یوم آخرت کی تکذیب کرتے تھے اور یہ تکذیب اور انکار اخیر وقت تک رہا یہاں تک ہمیں موت آگئی)

فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیۡنَ (سو ان لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی) کافر کے لئے کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا جو اسے دوزخ سے نکلوا دے سورہ مومن میں فرمایا۔

مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ حَمِیۡمٍ وَّلَا شَفِیۡعٍ یُّطَاعُ (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا

ہوگا جس کی بات مانی جائے)

آخرت میں ان کی یہ بدحالی ہوگی اور دنیا میں ان کا یہ حال ہے کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں اعراض کرکے چلے جاتے ہیں اور اعراض بھی معمولی نہیں سخت اعراض کرتے ہیں۔

اسی کو فرمایا کَاَنَّھُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (قرآن کی باتیں سن کر وہ اس طرح اعراض کرتے ہیں کہ گویا گدھے ہیں جو شیر سے متنفر ہوکر بھاگ رہے ہیں، قسورہ کا ترجمہ شیر کیا گیا ہے یہ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کماذکر فی معالم التنزیل و فیه اقوال اخر و هذه الکلمة لا واحد لها من لفظها۔ (تفسیر معالم التنزیل میں ہے: اور اس میں دیگر اقوال بھی ہیں اور اس کلمہ کی اس کے مادہ سے واحد نہیں آتی)

بَلْ یُرِیْدُ كُلُّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (یعنی ان کو ایمان لانا نہیں ہے کفر پر جمے رہنے کے لئے ایسے مطالبات کرتے ہیں جو رسول اللہ علیہ کے بس میں نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم میں سے ہر شخص کے سر کے پاس جب صبح کو سو کر اٹھے تو ایک پرچہ ہونا چاہیے جس میں اللہ کی طرف سے یہ لکھا ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ بھی لکھا ہو کہ ان کا اتباع کرو۔ یہ ان کی جاہلانہ باتیں ہیں واضح ہونے کے بعد حق کو نہ ماننا اور حیلے بہانے تلاش کرنا مزید کفر در کفر ہے۔ (الدر المنثور صفحہ ۲۸۶: ج ۶)

كَلَّا بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ (حقیقت میں بات یہ ہے کہ یہ آخرت سے نہیں ڈرتے نہ انہیں آخرت کا یقین ہے اور نہ وہاں کے عذاب کا خوف ہے اسی لئے ایسی باتیں کرتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

وَمَا یَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (اور نہیں نصیحت حاصل کریں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے)

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی معاف کرنے والا ہے)

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ نے آیت کریمہ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اس کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے لہٰذا کوئی میرے ساتھ کوئی معبود نہ ٹھہرائے سو جو شخص مجھ سے ڈرا اور میرے ساتھ کوئی معبود نہ ٹھہرایا میں اس کا اہل ہوں کہ اسے بخش دوں۔

(روح المعانی صفحہ ۱۵۴: ج ۲۹ وعزاہ الی احمد والترمذی والحاکم)

احیانا اللہ تعالیٰ علیٰ توحیدہ و اماتنا علیه وهذا آخر تفسیر سورة المدثر
والحمد للہ علی التمام و حسن الختام والصلوٰة والسلام علی نبیه
خیر الانام و علی اله و صحبه البررة الکرام

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ القیامہ، جس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے، کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ

ہم ضرور جمع کریں گے۔ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک درست کر دیں بلکہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق و فجور کرتا رہے

الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا، سو جس وقت آنکھیں حیران رہ جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند ایک حالت میں ہو جائیں گے اس

يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ

روز انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں ہرگز نہیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں، اس دن صرف تیرے رب ہی کے پاس ٹھکانا ہے، اس دن انسان کو اس کا سب اگلا

وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

پچھلا کیا ہوا جتلایا جائے گا بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا، گو حیلے بہانے پیش کرے گا

انسان قیامت کا انکار کرتا ہے تاکہ فسق و فجور میں لگا رہے، اسے اپنے اعمال کی خبر ہے اگرچہ بہانہ بازی کرے قیامت کے دن بھاگنے کی کوئی جگہ نہ ہوگی

تفسیر: یہاں سے سورۃ القیامہ شروع ہو رہی ہے اس میں قیامت کے اھوال اور احوال بیان فرمائے ہیں اور انسان کی موت کے وقت کی حالت بتائی ہے اور انسانوں کو آخرت کے لئے فکر مند ہونے کی تنبیہ فرمائی ہے۔

مشرکین وقوع قیامت کا انکار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ مردہ ہڈیوں میں جان کیسے پڑے گی؟ اور ہڈیاں کیسے جمع کی جائیں گی اسی طرح ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عدی بن ربیعہ ایک آدمی تھا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد مجھے بتا دیجئے قیامت کب ہوگی کیسے ہوگی کیا کیا احوال گزریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے قیامت کا حال بتا دیا وہ سن کر کہنے لگا اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی تمہاری تصدیق نہ کروں گا اور تم پر ایمان نہ لاؤں گا مگر اس صورت میں کہ اللہ ہڈیوں کو جمع فرما دے اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ابو جہل نے انکار کے طور پر یوں کہا تھا کہ کیا محمد یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ہڈیاں جب گل جائیں گی تو اللہ تعالیٰ ان کو جمع فرما دے گا؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تردید فرمائی اور قیامت کے دن کی اور ایسے نفس کی قسم کھائی

جو اپنے اوپر ملامت کرے یعنی گناہ ہو جانے پر نادم ہو اور نیکی کر کے بھی اپنے نفس پر ملامت کرے کہ اس میں اخلاص کی یا فلاں فلاں آداب کی کمی رہ گئی، جواب قسم لَتُبۡعَثُنَّ محذوف ہے یعنی قیامت کے دن کی اور نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم قیامت کے دن ضرور بالضرور اٹھائے جاؤ گے۔

اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ (کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہرگز ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کریں گے)

بَلٰى قٰدِرِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ (ہاں ہم اس پر ضرور قادر ہیں کہ ہم انسان کی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کر دیں) یعنی نہ صرف یہ کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع کر سکتے ہیں بلکہ اس کی جسمانی ساخت کو دوبارہ پاوں سے لے کر سر تک اسی طرح بنا سکتے ہیں جیسا کہ وہ موت سے پہلے تھا انگلیوں کے پورے جو جسم میں چھوٹی چیزیں ہیں ان کو بھی حسب سابق ان کی جگہ لا سکتے ہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل صفحه ۴۲۱: ج۴ و قال الزجاج و ابن قتیبة: معناه ظن الکافر انا لانقدر علیٰ جمع عظامه بلی نقدر علی ان بغیر اسلامیات علیٰ صغرها فنؤلف بینها حتی نسوی البنان فمن قدر علی جمع صغار العظام فهو علی جمع کبارها اقدر. (علامہ بغوی معالم التنزیل میں لکھتے ہیں زجاج اور ابن قتیبہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر نے گمان کیا کہ ہم اس کی ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر نہیں ہیں بلکہ کیوں نہیں ہم تو اس کے اجزاء کے چھوٹا ہونے کے باوجود ان کے جمع کر کے ملانے پر قادر ہیں حتیٰ کہ ہم اس کے پوروں کو برابر کر سکتے ہیں پس جو چھوٹی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر ہے تو وہ بڑی کو جمع کرنے پر زیادہ قادر ہے)

بَلۡ يُرِيۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِيَفۡجُرَ اَمَامَهٗ يَسۡئَلُ اَيَّانَ يَوۡمُ الۡقِيٰمَةِ

(بلکہ انسان یوں چاہتا ہے کہ قیامت کی بات سن کر تسلیم نہ کرے اور آئندہ آنے والی زندگی میں فسق و فجور کرتا رہے) وہ قیامت کا دن واقع ہونے کا منکر ہے اور بطور انکار یوں پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا (یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ فسق و فجور میں جو ذرا سا مزا ہے اس کی وجہ سے قیامت کو ماننے کے لئے نہیں تیار ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے قیامت کو مانا تو اس کے لئے تیاری کرنی ہی پڑے گی۔ گناہوں کو چھوڑنا ہوگا۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ خالق اور مالک نے جو چیز مقدر اور مقرر فرما دی ہے اور فیصلہ فرما دیا ہے اس کا واقع ہونا ضروری ہے نہ ماننے سے اور انکار کرنے سے فیصلہ شدہ واقع ہونے والی چیز ٹل نہ جائے گی آنے والی آ کر رہے گی۔

فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ وَخَسَفَ الۡقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ☆ (سو جس وقت آنکھیں حیران رہ جائیں گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند ایک حالت کے ہو جائیں گے)۔

يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ (اس دن انسان کہے گا کہاں ہے بھاگنے کی جگہ)

یعنی میں کہاں بھاگوں اور کیا کروں كَلَّا لَا وَزَرَ (اللہ پاک کی طرف سے جواب ملے گا کہ ہرگز بھی کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے) اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ الۡمُسۡتَقَرُّ آج کے دن تیرے رب ہی کے پاس ٹھکانا ہے) نہ بھاگنے کی جگہ ہے نہ بھاگنا فائدہ دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ جس حال میں رکھے اسی میں رہنا ہوگا اسی کے فیصلے نافذ ہوں گے۔

قوله تعالیٰ: وجمع الشمس والقمر ای جمع بینهما فی ذهاب ضوء هما فلا ضوء للشمس کما لا ضوء للقمر بعد خسوفه قاله الفراء والزجاج و قال ابوعبیدة هو علی تغلیب المذکر و قال المبرد التانیث غیر حقیقی. (اور ارشاد الٰہی: و جمع الشمس والقمر: مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو ان کی روشنی ختم کر دینے میں جمع کر دیا جائے گا لہٰذا سورج کی بھی روشنی نہیں رہے گی جیسا کہ چاند کی روشنی اس کے گرہن کے بعد نہیں رہے گی فراء، زجاج اور ابوعبیدہ نے کہا یہ مذکر کو غالب رکھنے کی بنیاد پر ہے اور مبرد کہتے ہیں یہ مونث غیر حقیقی ہے)

يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (اس روز انسان کو سب کچھ اگلا پچھلا جتلا دیا جائے گا) دنیا میں جو بھی اعمال کئے تھے پہلے کئے ہوں یا بعد میں سب اس کے سامنے کر دیئے جائیں گے اور اعمالنامے سب کچھ بتا دیں گے۔

بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰى نَفۡسِهٖ بَصِيۡرَةٌ (بلکہ انسان اپنے نفس کو خوب جاننے والا ہے دنیا میں بھی جانتا ہے اور وہاں بھی جانتا ہوگا کہ میں کیا کیا کر کے آیا ہوں۔ (اپنے اعمال خود بھی یاد ہوں گے اور اعضاء بھی گواہی دے دینگے)۔

قالوا فی معنی "بصیرہ" حجہ بینة واضحة علی نفسه شاهدة بما صدر عنه من الاعمال السیئة.(ذکرہ صاحب الروح) و فی احکام القرآن للقرطبی قال ابن عباس بصیرة ای شاهدٌ وهو شهود جوارحه علیه و ناس یقولون هذه الهاء فی قوله بصیرة هی التی یسمیها اهل الاعراب هاء المبالغة کالهاء فی قولهم داهیة وعلامة وراویة. (علماء نے کہا ہے بصیرۃ سے مراد اس کے نفس کے خلاف وہ واضح دلیل ہے جو اس سے صادر ہونے والے گناہوں کی گواہی ہوگی۔ تفسیر قرطبی میں ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بصیرۃ سے مراد گواہ ہے اور وہ اس کے خلاف خود اس کے اعضاء کا گواہی دینا ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں بصیرۃ میں ہاء وہ ہے جسے ہاء مبالغہ کہتے ہیں جیسا کہ داھیۃ' علامۃ اور روایت میں ہے)

وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (اگرچہ حیلے حوالے پیش کرے)

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب مَعَاذِیْر اعذار کے معنی میں ہو اور یہ معنی یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ کے موافق ہے اور بعض حضرات نے معاذیر کا معنی مستور جمع ستر بمعنی پردہ کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان اگرچہ پردہ کے پیچھے کوئی عمل کرے اور یوں سمجھے کہ کسی نے دیکھا ہی نہیں جو میرے اس عمل کی گواہی دے تو یہ اس کی بیوقوفی ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خود اپنے عمل کا گواہ بنے گا اور اس کا اقراری ہوگا۔

قال صاحب الروح قال السدی والضحاک المعاذیر الستور بلغة الیمن واحدها معذار وحکی ذلک عن الزجاج ای ولو ارخی ستوره والمعنی ان احتجابه فی الدنیا والاستتارة لا یغنی عنه شیئا لان علیه من نفسه بصیرة و فیه تلویح الی معنی قوله تعالیٰ وما کنتم تستترون ان یشهد علیکم الایة(انتهی) وقال البغوی واهل الیمن یسمون الستر معذاراً و جمعه معاذیر ومعناه علی هذا القول: وان اسبل الستر لیخفی ما کان یعمل فان نفسه شاهده علیه وَمَعَاذِیْرَهٗ ان کان جمع معذار بمعنی استر فلا اشکال فی الجمع لان المفعال یجمع علی مفاعیل کالمصباح والمصابیح وان کان جمع معذرة بمعنی العذر فهو جمع علی خلاف القیاس والقیاس معاذر مغیریاءٍ وقال صاحب الفوائد یمکن ان یقال الاصل فیه معاذر فحصلت الیا من اشباع الکسرة ذکرہ صاحب الروح ولم یرض بقول صاحب. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں سدی اور ضحاک نے کہا ہے المعاذیر کا معنی یمن کی لغت میں پردے ہے اور اس کی واحد معذار ہے اور یہ معنی حجاج سے منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ پردے لٹکالے۔ مقصد یہ ہے دنیا میں اس کا چھپنا اور پردہ کی اوٹ میں ہونا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ اس کے نفس کی طرف سے اس پر نگرانی ہے اور اس میں وما کنتم تستترون ان یشهد علیکم کے معنی کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں یمن والے پردے کو معذار کہتے ہیں جس کی جمع معاذیر ہے۔ اس قول کی بناء پر اس کا معنی یہ ہے اگرچہ وہ اپنے عمل کو چھپانے کے لئے پردے لٹکائے مگر پھر بھی اس کا نفس اس کو دیکھنے والا ہے اور معاذیر اگر معذار بمعنی پردہ کی جمع ہے تو کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ مفعال کی جمع مفاعیل کے وزن پر آتی ہے جیسے مصباح کی جمع مصابیح آتی ہے اور اگر معاذیر معذرۃ معنی عذر کی جمع ہے تو پھر خلاف قیاس ہے قیاس کے مطابق تب اس کی جمع معاذر اور مغیر یاء آنی چاہئے اور صاحب الفوائد نے کہا ہے ہوسکتا ہے معاذیر اصل میں معاذر ہی ہو اور یا کسرہ میں اشباع کرنے سے پیدا ہوئی ہو اسے صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے مگر اسے پسند نہیں کیا)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾

آپ قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لے لیں، بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھوا دینا سو جب ہم اس کو

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾

پڑھیں سو آپ اس کے پڑھنے میں تابع ہو جایا کریں پھر اس کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے

رسول اللہ ﷺ سے مشفقانہ خطاب، آپ فرشتہ سے قرآن کو خوب اچھی طرح سن لیں پھر دہرائیں، ہم آپ سے قرآن پڑھوائیں گے اور بیان کروائیں گے

تفسیر: ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مشفقانہ خطاب فرمایا ہے جیسا کہ دوسرے خطابات بھی اسی طرح کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کا شان نزول یوں بیان فرمایا کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو رسول اللہ ﷺ مشقت برداشت کرتے تھے اور اپنے دونوں ہونٹوں کو ہلاتے تھے (تاکہ جو کچھ نازل ہو رہا ہے وہ فوراً یاد ہو جائے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں ہم اسے آپ کے سینہ میں جمع کر دینگے اور آپ سے پڑھوا دیں گے۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (پھر جب ہم قرآن کو پڑھیں یعنی ہمارا فرشتہ وحی لے کر آئے اور آپ کو سنائے تو آپ سنتے رہیں اس کے بعد آپ پڑھیں)۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (پھر بیشک ہمارے ذمہ اس کا بیان کرنا ہے) یعنی ہم آپ سے قرآن پڑھوائیں گے اور آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے آپ لوگوں کو سنائیں گے اور پہنچائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس کے بعد یہ ہوتا تھا کہ جب جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے تھے تو آپ متوجہ ہو کر سنتے تھے پھر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام چلے جاتے تھے تو آپ اسی طرح دہرا لیتے تھے جیسے جبرئیل نے پڑھا تھا۔

(صحیح بخاری صفحہ ۳: ج ۱ اور صفحہ ۷۳۳: ج ۲)

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾

ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّا اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ

سے چہرے اس دن بدرونق ہوں گے خیال کر رہے ہوں گے کہ ہمارے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا واقعی بات ہے کہ جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے

رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾

اور کہا جائے کہ کون ہے دم کرنے والا اور وہ یقین کرلے بلاشبہ یہ جدائی کا وقت ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے اس روز تیرے رب کی طرف چلنا ہے

قیامت کے دن کچھ چہرے تر و تازہ اور کچھ بدرونق ہوں گے، موت کے وقت انسان کی پریشانی

تفسیر: نزول قرآن کے وقت جو رسول اللہ ﷺ کو یاد کرنے میں تکلیف ہوتی تھی اس کے بارے میں آپ کو تسلی دی کہ آپ مشقت میں نہ پڑیں آپ پہلے سن لیں پھر یاد کریں ہم آپ کو یاد کرا دیں گے اور اس کے احکام بھی آپ سے بیان کروا دیں گے یہ مضمون بیان فرما کر پھر قیامت سے متعلق مضمون شروع فرما دیا اور فرمایا کَلَّا بیشک بات یہ ہے کہ مکذبین اور معاندین قرآن پر ایمان نہیں لاتے یہ ان کی گمراہی ہے ان کے نہ ماننے سے قیامت ٹلنے والی نہیں ہے، جیسا وہ غلط خیال کرتے ہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا پھر ان کی گمراہی کا سبب بتایا۔

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ (اے منکرو تم ایمان نہیں لاتے جو آخرت کا فکرمند بناتا ہے اور وہاں بلند درجات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو یہ دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تمہیں ایمان نہیں لانے دیتی۔

اس کے بعد اہل ایمان کی خوشی اور اہل کفر کی بدحالی بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا: **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ** (اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے) یعنی خوش و خرم ہونگے انکے چہروں کی خوبی اور چمک اور دمک دیکھنے والوں کو بتا رہی ہوگی کہ یہ لوگ بڑے خوش ہیں ان کو کوئی فکر نہیں پوری طرح ہشاش بشاش ہیں۔ (کما قال تعالیٰ **تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ**)

ان میں بہت سے اشخاص رسول اللہ علیہ کی احادیث کی خدمت کر کے دعا لینے والے بھی ہوں گے۔ رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: نَضَّرَ اللّٰہ امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه فرب مبلغ اوعیٰ من سامع (اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی پھر اس نے اسی طرح دوسروں کو پہنچادی جیسے سنی تھی کیونکہ بہت سے افراد جن کو بات پہنچائی گئی اس سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں جس نے خود سنی تھی)

اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (یہ چہرے جو تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے)

دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے جنت میں اللہ تعالیٰ شانہ کا دیدار ہوگا جیسا کہ آیت شریف سے ظاہر ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ادنیٰ درجہ والا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغوں اور بیویوں اور نعمتوں اور خادموں اور تختوں کو ہزار سال کی مسافت کے اندر دیکھے گا (یعنی اس کی نعمتیں اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہوں گی کہ کوئی شخص اول سے آخر تک ان کے پاس سے گزرنا چاہے تو ہزار سال میں چل کر پہنچے) اور ان میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہوگا جو صبح شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا اس کے بعد رسول اللہ علیہ نے (مذکورہ بالا آیتوں) وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کی تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی واحمد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۵۰۱)

پھر فرمایا وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ (اور کچھ چہرے اس دن بدرونق ہوں گے اور وہ خیال کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا) یعنی یہ سمجھ لیں گے کہ دنیا میں جو نافرمانی کی زندگی گزاری ہے اس کی سزا ملنے والی ہے اس سزا کو فاقرۃ سے تعبیر فرمایا، ریڑھ کی ہڈی کو فقار کہا جاتا ہے یہ لفظ اسی سے ماخوذ ہے۔ قال صاحب الروح ای داهیة عظیمة تفصم فقار الظهر من فقره اصاب فقاره۔ کَلَّا یہ بات ہرگز ٹھیک نہیں ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے رہو، بلکہ موت کے وقت کے لئے اور موت کے بعد کے حالات کے لئے فکر مند رہنا ضروری ہے۔ یہ دنیا بہر حال چھوٹ جانے والی ہے۔ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے (یعنی روح نکلنے لگے) وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ (اور یوں کہا جائے کہ جھاڑ پھونک کرنے والا کون ہے یعنی پاس کے بیٹھنے والے تیماردار عزیز قریب سوچنے لگیں کہ کوئی علاج کرنے والا ہے)۔ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ اور یہ یقین کرلے گا کہ اب جدائی ہے یعنی جس کی روح ہنسلیوں تک پہنچی اس کے تیماردار تو معالج کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ اب میرا چل چلاؤ ہے روح جسم سے جدا ہو رہی ہے۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے) جیسا کہ بعض مرنے والوں کا سکرات موت کے وقت ایسا حال بن جاتا ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے پنڈلی کا لپٹنا ہی مراد نہیں بلکہ نزع کے احوال اور سکرات مراد ہیں چونکہ سب سے پہلے پنڈلیوں سے روح نکلتی ہے اور یہ دونوں ٹھنڈی پڑ جاتی ہیں۔ اور خشک ہو جاتی ہیں اس لئے ان کا تذکرہ فرمایا۔

اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ (اس دن تیرے رب کی طرف چلا جانا ہے)۔

یعنی جس وقت مذکورہ بالا حالات انسان پر گزرتے ہیں اس وقت دنیا اور اہل دنیا سے کٹ کر انسان اپنے رب کی طرف چل دیتا ہے یعنی کوئی معاون و مددگار نہیں رہتا اللہ تعالیٰ ہی کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں جنت ملتی ہے یا دوزخ میں جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کا فیصلہ فرما دے گا۔

قال صاحب الروح و تقدیم الخبر للحصر والکلام علی تقدیر مضاف هو حکم و قیل هو موعدٌ والمراد به الجنة او النار والمساق مصدر میمیٌ کالمقال قوله تعالیٰ التراقی ای اعالی الصدر وهی العظام المکتنفة صغرة النحر عن یمین و شمال جمع ترقوة (من روح المعانی) (صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ خبر کی تقدیم حصر کے لئے ہے اور کلام میں مضاف مقدر ہے جو کہ حکم ہے اور بعض نے کہا وہ موعد ہے اور اس سے مراد جنت یا جہنم ہے المساق مصدر میمی ہے جیسے مقال اور التراقی کا معنی ہے۔ سینہ کا اوپر والا حصہ اور وہ ہڈی ہے جو گردن کے نیچے دائیں بائیں ابھری ہوئی ہوتی ہے اور یہ ترقوۃ کی جمع ہے)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾

سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی اور لیکن جھٹلایا اور منہ موڑا پھر اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا تیرے لئے کمبختی ہے پھر کمبختی ہے

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ

پھر تیرے لئے کمبختی ہے پھر کمبختی ہے، کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ منی کا نطفہ نہ تھا

يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾

جو ٹپکایا گیا پھر وہ خون کا لوتھڑا تھا، سو اللہ تعالیٰ نے اسے بنادیا اور پھر اس کے اعضاء درست کردیئے پھر اس کی دو قسمیں بنادیں ایک مرد اور ایک عورت

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے

انسان کی تکذیب کا حال اور اکڑفوں، کیا اسے پتہ نہیں کہ نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے، جس کی یہ تخلیق ہے کیا اِس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ فرمادے

تفسیر: صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى کی ضمیر ابوجہل کی طرف راجع ہے (اور اگر کافروں کا ہر سرغنہ مراد لیا جائے تو اس میں بھی کوئی بعد نہیں ہے کیونکہ کفر کے سردار اور چودھری اسی مزاج کے ہوتے ہیں جس کا یہاں تذکرہ فرمایا ہے) فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (سو اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی)۔ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (اور لیکن اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا) ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى (پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا)۔

جن کا متکبرانہ انداز ہوتا ہے ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنی چال ڈھال سے تکبر ظاہر کرتے ہیں اکڑتے مٹکتے اتراتے ہوئے چلتے ہیں جب کسی نے کوئی حق بات کہی اور حق کی دعوت دی تو اسے ٹھکرا کر منہ موڑ کر متکبرانہ چال سے گزر جاتے ہیں اور جب مجلس سے اٹھ کر گھر میں جانے لگیں تو ان کی متکبرانہ رفتار کا پوری طرح مظاہرہ ہوجاتا ہے۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى (تیرے لئے کمبختی ہے پھر کمبختی ہے پھر تیرے لئے کمبختی ہے پھر کمبختی ہے)

یہ جھٹلانے والے اور منہ موڑنے والے کے لئے وعید ہے اور وعید پر وعید ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو نجات پانے والا نہیں ہے عذاب میں مبتلا ہوگا تو عذاب کا مستحق ہے اور عذاب تیرے حال سے قریب تر ہے، لفظ اولیٰ وَلِیٌ سے مشتق ہے جس کا معنی قرب اور نزدیکی کا ہے مطلب یہ ہے کہ تو عذاب کا مستحق ہے اور عنقریب ہی تیری کمبختی آنے والی ہے، حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سنگریزوں والی زمین میں ابوجہل کے کپڑے پکڑے اور اسے آیت کریمہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى سنادی۔ ابوجہل نے کہا کہ اچھا تم مجھے دھمکی دیتے ہو، تم اور تمہارا رب میرا کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ مکہ کے پہاڑوں کے درمیان جو لوگ چلتے پھرتے ہیں میں ان میں سب سے زیادہ معزز ہوں پھر غزوہ بدر کے موقع پر وہ بری طرح مقتول ہوا۔

قال صاحب الروح اولیٰ لک فَاَوْلٰی من الولی بمعنی القرب فھو للتفضیل فی الاصل و غلب فی قرب الھلاک و دعاء السوء کانہ قیل ھلاکاً اولیٰ لک بمعنی اھلک اللہ تعالیٰ ھلاکاً اقرب لک من کل شر و ھلاک و عن ابی علی ان اولی لک علم للویل مبنی علی زنۃ افعل من لفظ الویل علی القلب و اصلۃ اویل الی اخر ما قال صاحب الروح (صفحہ ۱۷۰: ج ۲۹) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اولیٰ لک فاولی یہ الولی سے قرب کے معنی میں ہے اور یہ اصل میں تفصیل کے لئے ہے پھر ہلاکت اور بری دعا کے معنی میں غالب استعمال ہونے لگا۔ گویا کہ کہا گیا۔ ھلاکاً اولیٰ لک یعنی اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے ایسا ہلاک کرنا جو تیرے لئے ہر شر کے زیادہ قریب ہو اور ابوعلی سے مروی ہے کہ اولی لک ہلاکت کا نام ہے جو کہ افعل کے وزن پر مبنی ہے اور قلب کی بناء پر لفظ ویل سے ہے اور اس کی اصل اویل ہے)

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ☆ (کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا)

قرآن مجید کے مخاطبین ایمان لانے کو تیار نہ تھے اور جب انہیں قیامت اور وہاں کے حساب کتاب اور جنت اور جہنم کے داخلے کی باتیں بتائی جاتی تھیں تو ان سب کو جھٹلا دیتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ دنیا میں رہیں گے مزے اڑاتے رہیں گے۔ دنیا میں آئے وقت پورا کیا چلے گئے، موت کے بعد پوچھ گچھ جزا سزا کچھ نہیں ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کیا انسان یوں سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ انسان کا اپنے بارے میں یہ سوچ لینا کہ میں یوں ہی بلا حساب کتاب چھوڑ دیا جاؤں گا غلط ہے۔

اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی (کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جسے ٹپکایا گیا)

ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی (پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء درست کر دیئے۔

فَجَعَلَ مِنْہُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی (پھر اس نے اس کی دو قسمیں بنا دیں ایک مرد ایک عورت)

اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی (ان تصرفات اور تخلیقات والا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ فرمادے) انسان جو قیامت کا منکر ہے انکار کرتے ہوئے یوں کہتا ہے کہ بھلا مر کھر کر بھی زندہ ہوں گے، اس کے جواب میں فرمادیا کہ دیکھ لو منی کا ایک قطرہ تھا وہ تیری ماں کے رحم میں ڈالا گیا پھر وہ جما ہوا خون بن گیا پھر اللہ نے اس کا باقاعدہ جسم بنا دیا یعنی اس لوتھڑے میں اعضاء پیدا فرمادئے اور پھر اس کی دو قسمیں بنا دیں ایک نر اور ایک مادہ، یہ سب باتیں تو جانتا ہے اور مانتا ہے جس ذات پاک نے اتنے تصرفات فرمائے اور قطرہ منی سے بہت سارے مرد و عورت بنا دیئے تو کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے؟ اس کے لئے ابتداءً پیدا فرمانا اور دوبارہ پیدا فرمانا دونوں برابر ہیں، انسان کی عقل اور قیاس میں ہدایت کے ساتھ یہ بات آجاتی ہے کہ دوبارہ پیدا کرنا بنسبت پہلی بار پیدا کرنے کے آسان ہونا چاہیے لیکن انسان پھر بھی معاد کا یعنی دوبارہ پیدا ہونے کا منکر ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھے اور اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پر پہنچے تو اس کے بعد یوں کہے، بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ (ہاں وہ احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر نہ گواہ ہوں) اور جو شخص سورہ لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ پڑھے اور اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پر پہنچے تو بَلٰی کہے (یعنی یوں کہے کہ ہاں میں یہ مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے) اور جو شخص سورہ والمرسلت پڑھے اور فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو یوں کہے اٰمنّا باللہ (کہ ہم اللہ پر ایمان لائے)۔

(رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۸۱)

وھذا آخر تفسیر سورۃ القیامہ والحمد للہ اولا و آخرا وباطنا ظاھرا

سُورَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً فِيْهِمْ رُكُوْعَانِ

سورۃ الدھر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی، اس میں اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

بے شک انسان پر ایک ایسا وقت آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا ہم نے اس کو

نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾

مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا، ہم نے اس کو راستہ دکھایا تو وہ شکر گزار ہو گیا یا ناشکرا ہو گیا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا اور اسے دیکھنے والا سننے والا بنایا اسے صحیح راستہ بتایا، انسانوں میں شاکر بھی ہیں کافر بھی ہیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ الدھر شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الانسان بھی ہے اس کے پہلے رکوع میں انسان کی ابتدائی آفرینش بتائی ہے اس کے بعد انسان کی دو قسمیں بتائیں ایک شکر گزار اور ایک ناشکرا اس کے بعد ناشکروں کا عذاب اور شکر گزاروں کے انعامات بیان فرمائے ہیں دوسرے رکوع میں رسول اللہ ﷺ کو صبر کرنے اور ذکر کرنے اور راتوں کو نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور دنیاداروں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑا دن چھوڑ رکھا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ بالکل ہی قابل ذکر کوئی چیز نہ تھا نہ اس کا کوئی تذکرہ کرتا تھا نہ اس کا کچھ نام تھا نہ اس کی کچھ حیثیت تھی، مطلب یہ ہے کہ یہ انسان جو دنیا میں نظر آ رہے ہیں ان میں بڑے بھی ہیں چھوٹے بھی ہیں متکبر بھی ہیں اکڑفوں دکھانے والے بھی ہیں ان میں سے ہر شخص پر ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی چیز بھی نہ تھا جو قابل ذکر ہو بلکہ نطفہ منی تھا اور اس سے پہلے غذا تھا اور یہ غذا مٹی سے نکلی تھی، ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا یعنی مرد اور عورت دونوں کے مخلوط مادہ منویہ سے رحم مادر میں اس کی ابتداء کی پھر وہ ایک عرصے تک نطفہ رہا پھر علق یعنی خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر اس کے اعضاء بنا دیئے پھر اس میں جان ڈال دی اس کے بعد رحم مادر سے باہر آ گیا یہ اس کا باہر آنا پلنا بڑھنا بے حکمت نہیں ہے انسان یوں نہ سمجھے کہ میں یوں ہی چھوڑ دیا جاؤں گا۔ (کما مر فی السورۃ السابقۃ) بلکہ اس کی یہ تخلیق ابتلاء اور امتحان اور آزمائش کے لئے ہے اسے بہت سے کاموں کا مکلف کیا گیا ہے۔ سورہ ملک میں فرمایا: لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے اعمال والا کون ہے)

اور انسان کو صرف حیات دے کر آزمائش میں نہیں ڈالا بلکہ اس کو عقل و فہم و سمع و بصر کا عطیہ دیا ہے وہ سمجھتا ہے دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہدایت کو اس کی عقل و فہم پر نہیں رکھا بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا

اوران کے واسطے سے حق راہ بتائی چاہیے تو یہ تھا کہ تمام انسان اپنے خالق کو پہچانتے، مخلوق کو دیکھ کر خالق کی معرفت حاصل کرتے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو دین پیش کیا اسے قبول کرتے اور اللہ کے شکر گزار بندے بنتے لیکن انسانوں کی دو قسمیں ہوگئیں ان میں سے بعض شکر گزار بنے اور بعض ناشکرے بن گئے، مومن بندے شکر گزار ہیں اور غیر مومن یعنی کافر ناشکرے ہیں جنہوں نے عقل اور سمع بصر سے فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر کے کفر اختیار کرلیا۔

(قال صاحب الروح و حاصله دللنا على الهداية والاسلام فمنهم مهتد مسلم و منهم ضال كافر) قوله تعالىٰ :هل اتى قيل هل بمعنى قد و قيل اصله اهل على ان الاستفهام للتقرير اى الحمل على الاقرار بما دخلت عليه. و قوله: امشاج؛ جمع مشج بفتحتين او بفتح فكسر او جمع مشيج جمع خلط بمعنى مختلف ممتزج يقال مشجت الشئ اذا اخلطة ومزجته فهو مشيج و ممشوج و هو صفة لنطفة ووصف بالجمع و هى مفردة لان المراد بها مجموع ماء الرجل و المراة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے ہدایت اور اسلام کی طرف رہنمائی کر دی ہے۔ پس ان میں سے کچھ تو ہدایت یافتہ مسلمان ہو گئے اور بعض گمراہ و کافر۔ ارشاد الٰہی ھل اتیٰ : بعض نے کہا ھل قد کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا اس کی اصل اھل ہے اور استفہام تقریری ہے یعنی جس پر داخل ہوا ہے اس کے اقرار پر ابھارنا۔ ارشاد الٰہی امشاج: یہ مَشَج کی جمع ہے یا مَشِج کی جمع ہے یا مَشِیج کی جمع ہے اس کا معنی ہے مختلف و ملا ہوا کہا جاتا ہے مشجت الشئی جب کہ اسے خلط ملط کر کے ملا دیا جائے پس وہ مشیج اور ممشوج ہوگئی۔ یہاں پر امشاج نطفہ کی صفت ہے۔ نطفہ مفرد ہے اس کی صفت اس لئے لائی گئی ہے کہ اس سے مراد عورت و مرد دونوں کا پانی ہے)

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿٤﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ

بلاشبہ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے بلاشبہ نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے

مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ﴿٦﴾ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ

جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، یعنی ایسے چشمہ سے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے جس کو وہ بہا کر لے جائیں گے وہ لوگ نذر کو پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے

يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا

ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور کھانا کھلاتے ہیں، اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾

ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے، بیشک ہم اپنے رب کی طرف سے ایک ایسے سخت دن کا اندیشہ رکھتے ہیں جو بہت ہی تلخ ہوگا،

فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾

سو اللہ انہیں اس دن کی سختی سے محفوظ فرمائے گا اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا اور انہوں نے جو صبر کیا اس کے بدلہ میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا،

مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا

وہ اس میں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوں گے، نہ وہاں دھوپ محسوس کریں گے اور نہ ٹھنڈک اور ان پر اس کے سائے قریب ہوں گے

وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَا

اور اس کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آبخورے جو شیشے کے ہوں گے، وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى

بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا، اور اس میں انہیں ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے جس کا نام

سَلْسَبِيْلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ

سلسبیل ہوگا اور ان کے پاس ایسے لڑکے آمدورفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے اے مخاطب اگر تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے

رَأَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوْا أَسَاوِرَ مِنْ

تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے گی ان پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے

فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾

اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا بلاشبہ یہ تمہاری جزا ہے اور تمہاری کوشش کی قدردانی کی گئی ہے۔

کافروں کے عذاب، اور اہل ایمان کے ماکولات، مشروبات اور ملبوسات کا تذکرہ

تفسیر: یہ انیس آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے زنجیریں ہیں اور طوق ہیں اور دہکتی ہوئی آگ ہے۔ قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی ان چیزوں کا ذکر ہے۔ دیکھو سورہ یٰس رکوع نمبر ۱ اور سورۃ الحاقۃ رکوع نمبر ۱ اس کے بعد کی آیات میں نیک بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور ان کی ماکولات اور مشروبات اور مرغوبات اور ظروف کا تذکرہ فرمایا ہے یہ چیزیں انہیں ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بدلہ میں بطور انعام دی جائیں گی۔

ارشاد فرمایا کہ نیک بندے ایسے جام سے شراب پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی اور چند سطر کے بعد فرمایا ان حضرات کو ایسا جام پلایا جائے گا جس کی شراب میں زنجبیل یعنی سونٹھ کی آمیزش ہوگی یہ کافور اور زنجبیل وہاں کا ہوگا اور اس کا کیف اور لذت بھی بے مثال ہوگی جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قرآن میں جنت کی چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے یہ سب (سمجھانے کے لئے) نام کی حد تک ہے۔ وہاں کی چیزوں میں سے دنیا میں کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا

لفظ عَیْنًا کیوں منصوب ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہاں لفظ اعنی محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات جو جام پئیں گے وہ ایک ایسے چشمہ سے بھرا جائے گا جسے وہ لوگ بہا کر لے جائیں گے یعنی وہ چشمہ ان کی مرضی کے مطابق بہتا ہوگا اپنے منزلوں اور محلات میں جیسے چاہیں گے جہاں چاہیں گے اسے جاری کرلیں گے۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ دنیا میں وہ لوگ اپنی نذر پوری کرتے ہیں نذر کا معنی تو معروف ہی ہے مطلب یہ ہے کہ جب یہ حضرات کسی نیک کام کی نذر مان لیتے ہیں تو اسے پوری کرلیتے ہیں، جب کوئی شخص کسی کام کی نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ نذر نہ مانے تو کوئی گناہ نہیں لیکن اگر نذر مان لے (اور گناہ کی نذر نہ ہو) تو اس کا پورا کرنا واجب ہے اگر گناہ کی نذر مان لے تو اسے پوری نہ کرے بلکہ اس کا وہی کفارہ دیدے جو قسم کا کفارہ ہے

احادیثِ شریفہ میں نذر کے بارے میں یہ ہدایات وارد ہوئی ہیں (دیکھو مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۹۷)

وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيرًا یہ بھی نیک بندوں کی صفت ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے نیک بندے قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے ستارے جھڑ جائیں گے آسمان پھٹ پڑیں گے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے لوگ قبروں سے گھبرائے ہوئے اٹھیں گے۔ حساب ہوگا، پیشیاں ہوں گی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن رونے لگیں تو آپ نے فرمایا کیوں روتی ہو عرض کیا مجھے دوزخ یاد آ گئی اس کی وجہ سے رو رہی ہوں۔ یہ ارشاد فرمایئے کہ آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد فرمائیں گے آپ نے فرمایا تین مواقع میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

۱۔ ایک تو اعمال کے وزن کئے جانے کے وقت جب تک یہ نہ جان لے کہ اس کے تول ہلکی ہوتی ہے یا بھاری۔

۲۔ جب اعمال نامے تقسیم کئے جانے لگیں گے جب تک یہ نہ جان لے کہ اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے سے۔

۳۔ جب دوزخ کی پشت پر پل صراط رکھ دی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۸: ج ۲)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا

یہ نیک بندوں کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی محبت کی وجہ سے اس کی مخلوق پر مال خرچ کرتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اس میں جو لفظ اسیر آیا ہے یعنی قیدی اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے مسلمان قیدی مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ہر قیدی کو عام ہے کافر مشرک قید میں ہو اس کو بھی کھانا کھلانا ثواب ہے خصوصاً جب کسی کو ظلماً قید کر لیا گیا ہو، پھر جب کسی کو قتل کرنا نہیں ہے اور جیل میں رکھنا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے کھانا دینا ہی ہوگا کیونکہ وہ مجبور ہے۔

نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے مزید فرمایا:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُورًا

یہ حضرات جو ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں کوئی احسان نہیں دھرتے اور انہیں بتا دیتے ہیں کہ آپ لوگ بے تکلف کھائیں ہماری طرف سے نہ کسی عوض کا مطالبہ ہے اور نہ کسی شکریہ کا ہمیں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید ہے ہم صرف اسی کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مخلوق میں سے جب کسی پر کچھ خرچ کیا جائے تو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہونی چاہیئے نہ نام آوری مقصود ہو نہ کسی عوض کی طلب ہو۔ حد یہ ہے کہ دل میں یہ بھی نہ ہو کہ جس پر خرچ کیا ہے وہ میرا شکریہ ادا کرے، جاہ اور مال کی ذرا سی بھی طلب ہوگی تو اخلاص میں فرق آ جائے گا۔

بہت سے لوگ کسی ضرورت مند پر خاص کر اپنے عزیزوں پر مال خرچ کر دیتے ہیں پھر کسی موقعہ پر احسان جتا دیتے ہیں اور یوں کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے ان کے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا ہے وہ تو ایسا نکلا کہ اس نے پھوٹے منہ سے جزاک اللہ بھی نہ کہا ایسا کہہ کر سب ڈبو دیا، جس کے ساتھ احسان کیا تھا اسے تو چاہیئے کہ شکریہ بھی ادا کرے اور دعاء بھی دے نیز لوگوں کو بتائے بھی کہ فلاں نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے لیکن دینے والا اور خرچ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرے، حدیث شریف میں احسان جتانے کے لئے بڑی وعید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ بات نہ کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور

ان کے لئے دردناک عذاب ہے راوی حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کا برا ہو نقصان میں پڑیں یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا:

۱۔ اپنے تہبند کو نیچے لٹکا کر چلنے والا۔ ۲۔ احسان جتانے والا ۳۔ اپنے بکری کے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعے چالو کرنے والا۔ (رواہ مسلم)

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا (یہ بھی اللہ کے نیک بندوں کا قول ہے، وہ قیامت کے دن کا استحضار رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے رب سے سخت دن کا اندیشہ رکھتے ہیں یعنی ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ قیامت کے سخت دن میں اللہ تعالیٰ ہماری گرفت نہ فرمائے لفظ عَبُوْس فَعُوْلٌ کے وزن پر ہے جس کا معنی منہ بھی بگاڑنا اور ناراضگی اور ترش روئی کے ساتھ پیش آنا ہے، اور قَمْطَرِیْر بھی تقریباً اسی معنی میں ہے لیکن یہ بہت زیادہ منہ بگاڑنے پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ قرطبی نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ عَبُوْس وہ ہے جو ہونٹوں سے منہ بگاڑے اور قَمْطَرِیْر وہ ہے جو پیشانی سے اور بھووں سے چہرہ بگاڑ کر سامنے آئے قیامت کے دن کو عَبُوْسًا اور قَمْطَرِیْرًا دونوں صفات سے متصف فرمایا ہے اس لئے عَبُوْس کا ترجمہ سخت اور قَمْطَرِیْرًا کا ترجمہ تلخ کیا گیا ہے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا (سو اللہ انہیں اس دن کی سختی سے محفوظ فرمائے گا اور انہیں تازگی اور خوشی سے ہمکنار فرمائے گا) وہ دنیا میں قیامت کے دن سے ڈرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کی سختی سے بچادے گا ان کے چہروں میں حسن ہوگا تروتازگی ہوگی اور دلوں میں خوشی ہوگی خوب ہشاش ہوں گے۔ جعلنا اللہ تعالیٰ منہم (امین)۔

وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِیْرًا (اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے صبر کی وجہ سے جنت عطا فرمائے گا اور ریشمی لباس)

مُتَّكِئِیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ (اس میں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے)۔

لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا (اس میں نہ دھوپ دیکھیں گے اور نہ ٹھنڈک)

یعنی وہاں کی فضا پر کیف ہوگی گرمی اور دھوپ کی تپش اور کسی طرح کی سردی اور ٹھنڈک محسوس نہ ہوگی۔

بِمَا صَبَرُوْا جو فرمایا اس کا عموم تینوں قسم کے صبر کو شامل ہے طاعات پر جمنا (یعنی احکام کی پابندی کرنا) اور اپنے نفس کو گناہوں سے بچائے رکھنا اور مصائب اور مکروہات پر صبر کرنا صَبَرُوْا کے عموم میں سب داخل ہے۔

جنت کی پر فضاء بہار اور موسم کی کیفیت بیان کرنے کے بعد وہاں کے پھلوں کی کیفیت بیان فرمائی۔

وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا (اور ان پر اس کے سائے قریب ہوں گے اور ان پر اس کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے)۔ جنت میں دھوپ نام کو نہ ہوگی سایہ ہی سایہ ہوگا اور سایہ قریب بھی ہوگا اور گہرا اور گھنا بھی کما قال تعالیٰ: وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا اور جو پھل ملیں گے وہ ان کے اختیار میں ہوں گے، کھڑے اور لیٹے اور بیٹھے توڑ سکیں گے۔

اس کے بعد اہل جنت کے برتنوں کا تذکرہ فرمایا۔

وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَا (اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آب خورے جو شیشے کے ہوں گے وہ شیشے چاندی کے ہوں گے)۔ یعنی جن برتنوں اور آب خوروں میں یہ حضرات جنت کی شراب پئیں گے ان میں چاندی والی سفیدی ہوگی اور وہ شیشے کی طرح شفاف بھی ہوں گے۔

قال صاحب الروح فالمراد تکونت جامعة بین صفا من الزجاجة وشفیفها ولین الفضة وبیاضها. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں وہ برتن شیشے کی شفافیت وصفائی اور چاندی کی نرمی وسفیدی سے بنائے گئے ہوں گے) قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا برتن اور آب خورے جن کا ذکر اوپر ہوا شراب سے بھرے ہوئے پیش کئے جائیں گے ان کے

بھرنے اور پلانے پر جو خادم مامور ہوں گے وہ اس انداز سے انہیں پر کریں گے کہ اس وقت جو پینے کی خواہش ہوگی اسی کے مطابق ان میں شراب بھریں گے نہ اس وقت کی خواہش میں کمی رہے گی اور نہ اس سے کچھ بچے گا کیونکہ یہ دونوں چیزیں بے لطفی کی ہوتی ہیں۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا (اور اس میں انہیں ایسا جام پلایا جائے گا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی یعنی ایسے چشمہ سے جس کا نام سلسبیل ہوگا) یہ آمیزش زنجبیل یعنی سونٹھ کی ہوگی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ایسا جام پئیں گے جس کی آمیزش کافور کی ہوگی اور کبھی ایسا جام پئیں گے جس کی آمیزش زنجبیل سے ہوگی۔

اس کے بعد خدمتگاروں کا تذکرہ فرمایا جو شراب پلائیں گے اور دیگر خدمات انجام دیں گے۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ (اور ان کے پاس ایسے لڑکے آمد ورفت کریں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے)۔ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا (اے مخاطب اگر تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں)

یعنی وہ چمک دمک میں موتی کی طرح ہوں گے اور خدمات انجام دینے میں جو ادھر ادھر آئیں جائیں گے اس کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے بکھرے ہوئے موتی ہیں کوئی موتی یہاں رکھا ہے اور کوئی وہاں دھرا ہے، سورہ والطور میں فرمایا:

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ اور ان کے پاس ایسے لڑکے آمد ورفت کریں گے گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں یہ لڑکے ان کی خدمت کے لئے خاص ہوں گے (اور سورہ واقعہ میں فرمایا)۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام لے کر آمد ورفت کریں گے جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا انہیں اس سے نہ دردسر ہوگا اور نہ عقل میں فتور آئے گا)

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا (اور اے مخاطب اگر تو وہاں دیکھے گا تو تجھے بڑا ملک نظر آئے گا)

اس میں جنت کی وسعت بتائی ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے ہی چھوٹے موٹے گھر اور باغیچے ہوں گے جیسے دنیا میں ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہاں بہت بڑا ملک ہے ہر ہر شخص کو جو جگہ ملے گی اس کے سامنے ساری دنیا کی وسعت ہیچ ہے۔

سب سے آخر میں جو شخص جنت میں داخل ہوگا اللہ تعالیٰ کا اس سے ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو جا تیرے لئے اس دنیا کے برابر جگہ ہے اور اس جیسی دنیا کے برابر دس گنا اس کے علاوہ اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس شخص کے بارے میں یوں کہا جاتا تھا کہ وہ اہل جنت میں سب سے کم درجہ کا جنتی ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۲ از بخاری ومسلم)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ادنیٰ درجہ کا جنتی اپنے باغوں اور بیویوں اور نعمتوں اور خادموں اور مسہریوں کو ہزار سال کی مسافت میں دیکھے گا (یعنی اپنی مذکورہ نعمتوں کو اتنی دور تک پھیلی ہوئی دیکھتا چلا جائے گا جتنی دور تک ہزار سال میں چل کر پہنچے)۔ اور اللہ کے ہاں سب سے بڑا معزز وہ شخص ہوگا جو صبح شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ اس کے بعد آپ نے آیت کریمہ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ پڑھی (جو عنقریب ہی سورۃ القیامۃ میں گزر چکی ہے) (رواہ احمد والترمذی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۵۰۱)

جب ادنیٰ درجہ کے جنتی کا اتنا بڑا رقبہ ہوگا تو مختلف درجات کے اعتبار سے دیگر حضرات کے رقبہ کے بارے میں غور کرلیا جائے۔

عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ (اور ان پر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہونگے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی

ہوں گے) یہ ریشم وہاں کا ہوگا دنیا کا ریشم نہ سمجھ لیا جائے اور باریک اور دبیز دونوں قسم کے ریشم عمدہ ہوں گے من بھاتے ہوں گے۔

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (اور ان کو زیور کے طور پر چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے) سورۃ الکہف اور سورۃ الحج میں ہے کہ کنگن سونے کے ہوں گے اس میں کوئی منافات نہیں دونوں طرح کے کنگن ہونگے کہیں سونے کے کنگن کا ذکر فرمادیا اور کہیں چاندی کا۔ اہل جنت کے کپڑے ہرے رنگ کے ہوں گے کیونکہ یہ رنگ نظروں کو زیادہ بھاتا ہے اور کوئی لفظ حصر پر دلالت کرنیوالا بھی نہیں ہے جس سے سمجھا جائے کہ صرف سبز رنگ ہی کے کپڑے زیب تن کریں گے۔ آیت کریمہ **وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ** سے ظاہر ہے کہ جو کچھ جی چاہے گا وہی ملے گا اگر دوسرے رنگ کے کپڑے پہننے چاہیں گے تو وہ بھی عطا کردیئے جائیں گے اور جس کا جو جی چاہے گا پہنے گا اہل جنت کو جو کنگن پہنائے جائیں گے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنتیوں میں سے اگر کوئی شخص (دنیا کی طرف) جھانک لے جس سے اس کے کنگن ظاہر ہوجائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کردے جیسے سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کردیتا ہے۔ (رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۸)

سوال: کنگن تو عورتوں کے ہاتھوں میں اچھے لگتے ہیں مردوں پر بھلا کیا سجیں گے؟

جواب: کسی بھی لباس یا زیور کا سجنا اور شائستہ و آراستہ ہونا ہر جگہ کے عرف پر موقوف ہوتا ہے دنیا میں اگرچہ عموماً مرد کنگن نہیں پہنتے مگر جنت میں خواہش کرکے پہنیں گے اور سب ہی کو دیکھنے میں بھلے معلوم ہوں گے گھڑی کی چین ہی کو لیجئے طرح طرح کی بناوٹ اور چمک و زیبائش والی پہنی جاتی ہے اور مردوں کے ہاتھوں میں اچھی لگتی ہے بلکہ بعض قوموں میں تو بیاہ شادی کے موقعوں پر دولہا کو کنگن پہناتے ہیں اور برادری کے سب لوگ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں چونکہ رواج ہے اس لئے سب کی نظر بھی قبول کرتی ہے اور سب کے دل بھی اچھا سمجھتے ہیں اور اس رواج پر اس قدر اڑے ہوئے ہیں کہ شریعت کی ممانعت کا بھی خیال نہیں کرتے۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا☆ (اور ان کا رب انہیں پاک کرنے والی شراب پلائے گا)

اس سورت میں پہلی جگہ **اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ** فرمایا پھر دوسری جگہ **وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ** فرمایا جس میں ان کے مزید اعزاز کا ذکر ہے کہ خدام شراب لے کر آئیں گے۔

تیسری جگہ **وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ** فرمایا اس میں پلانے کی نسبت رب جل شانہ کی طرف کی گئی ہے جس میں زیادہ اعزاز ہے۔

شَرَابًا کو متصف کیا ہے **طَهُوْرًا** سے۔ اس کا ترجمہ بعض حضرات نے بہت زیادہ پاکیزہ کیا ہے۔ **فَعُوْلٌ** کو مبالغہ کا صیغہ لیا ہے اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ بہت زیادہ پاکیزہ شراب ہوگی۔

قال المحلی مبالغة فی طهارته و نظافته بخلاف خمر الدنیا (علامہ محلی فرماتے ہیں یہ اس شراب کی پاکیزگی وطہارت میں مبالغہ ہے۔ بخلاف دنیا کی شراب کے) اور صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابوقلابہ اور حضرت ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ **لا یصیر بولا نجسا ولکن یصیر رشحا فی ابدانهم کریح المسک الخ** (وہ شراب ناپاک شراب نہیں بنے گی لیکن وہ جنتیوں کے بدن میں جاکر کستوری کی خوشبو والے قطرے بنے گی)

یعنی اسے شراب طہور اس لئے فرمایا کہ وہ ناپاک پیشاب نہ بنے گی بلکہ مشک کی طرح پسینہ ہوکر نکل جائے گی اول کھانا کھائیں گے پھر شراب طہور لائی جائے گی جب اسے پی لیں گے تو جو کچھ کھایا تھا وہ سب ان کے مسامات سے خوب تیز مشک سے بھی زیادہ خوشبو والا پسینہ بن کر نکل جائے گا جن سے ان کے پیٹ خالی ہوجائیں گے اور کھانے پینے کی خواہش پھر عود کر آئے گی۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لفظ طہور مُطَهِّر کے معنی میں ہے یعنی پاک کرنے والی چیز اس کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے۔ جو حضرت ابوقلابہ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ کھایا ہوگا یہ شراب اندر جاکر مشک کی طرح باہر آجائے گی جس کی وجہ سے پیٹ

خالی ہو جائیں گے۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ یقین جانو یہ تمہارا صلہ ہے اور تم نے جو کوشش کی تھی (یعنی نیک کاموں میں لگے تھے) وہ مقبول ہوگئی اور اس کی قدردانی کی گئی جو اس انعام اور اکرام کا ذریعہ بن گئی)۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾

بلاشبہ ہم نے آپ پر قرآن اتارا تھوڑا تھوڑا کر کے، سو آپ پروردگار کے حکم پر جمے رہیے اور ان میں سے کسی فاسق کافر کی بات نہ مانئے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ

اور صبح شام اپنے رب کا نام ذکر کیجئے اور رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیجئے اور رات کو بڑی دیر تک اس کی تسبیح بیان کیجئے، بلاشبہ یہ لوگ جلدی والی

الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَ اِذَا شِئْنَا

چیز سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن چھوڑ بیٹھے ہیں ہم ہی نے انہیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ مضبوط بنائے اور ہم جب چاہیں

بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ

ان کے جیسے لوگ بدل دیں، بلاشبہ یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے، اور اللہ کی

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ

مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں چاہ سکتے، بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے، وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمائے، اور جو ظالم ہیں

اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

ان کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ آپ صبح شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کیجئے اور رات کو نماز پڑھیئے اور دیر تک تسبیح میں مشغولیت رکھئے فاسق یا فاجر کی بات نہ مانیئے

تفسیر: اہل جنت کے انعامات کا ذکر فرمانے کے بعد اس انعام عظیم کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جس کے ذریعہ آخرت میں انعامات ملیں گے، یہ انعام قرآن کریم کی تنزیل ہے تنزیل تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اول سے آخر تک بیک وقت پورا نازل نہیں فرمایا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ اس میں آپ کے لئے بھی آسانی ہوگئی اور حضرات صحابہؓ کے لئے بھی، تھوڑا تھوڑا کر کے یاد بھی ہوگیا اور جیسے جیسے نازل ہوتا رہا آپ مخاطبین کو پہنچاتے رہے چونکہ قرآن کے پہنچانے پر دشمن تکلیف پہنچاتے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (کہ اپنے رب کے حکم کی ادائیگی میں صبر کے ساتھ لگے رہیئے)۔

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (اور ان لوگوں میں سے کسی فاسق یا کافر کی بات نہ مانئے) یہ لوگ آپ کو تبلیغ سے

روکتے ہیں آپ ان کی فرمانبرداری نہ کریں اور تبلیغ کے کام میں لگے رہیں۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (اور صبح شام اپنے رب کا نام ذکر کیجئے)۔ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا (اور رات کے حصے میں بھی اپنے رب کو سجدہ کیجئے اور رات کے بڑے حصے میں اس کی تسبیح کیا کیجئے) اس میں یہ بتایا کہ کار دعوت کی مشغولی کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی عبادت میں بھی مشغول رہیں نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص عابد و ذاکر ہوگا۔ تبلیغی کاموں میں اس کی معاونت ہوتی رہے گی اور کام آگے بڑھتا رہے گا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ (بلاشبہ یہ لوگ جلدی والی چیز سے محبت کرتے ہیں)

جو لوگ دینِ اسلام قبول نہیں کرتے تھے (اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں کہ ان کے سامنے حق پیش ہوتا ہے تو نہیں مانتے) ان لوگوں کا حق سے منہ موڑنا اس لئے ہے کہ انہیں عاجلہ (جلدی والی چیز) یعنی دنیا محبوب اور مطلوب ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے نہ جائداد رہے گی نہ گھر در اور عہدہ بھی جاتا رہے گا، لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ موت کے بعد جو حق قبول نہ کرنے کی سزا ملے گی وہ بہت بڑی ہوگی اور ہمیشہ رہے گی کبھی نہ ٹلے گی یہ ہمیشہ والی سزا جس دن سامنے آئے گی اس دن کی مصیبت کا خیال نہیں کرتے، اسی کو فرمایا:

وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا (یہ لوگ اپنے سامنے بڑے بھاری دن کو چھوڑے ہوئے ہیں) درحقیقت دنیا امتحان کی جگہ اور دنیا و آخرت دونوں سوتنیں ہیں ایک سے محبت کی تو دوسری گئی، اور عجیب بات یہ ہے کہ جن کے پاس ذراسی بھی دنیا نہیں ہے نہ مال ہے نہ جاہ ہے نہ پیسہ نہ کوڑی نہ عہدہ نہ منصب نہ جاہ نہ عزت، وہ بھی کفر سے چپکے ہوئے ہیں۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنے پر تعجب کرتے تھے اور وقوعِ قیامت کے منکر تھے ان کے استعجاب اور انکار کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ (ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے انکے جوڑ بند مضبوط کئے)۔

وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا (اور ہم جب چاہیں ان کے جیسے لوگ بدل دیں) یعنی ان کی جگہ ان جیسے لوگ پیدا کر دیں۔ جس ذات پاک نے اولاً پیدا کیا مضبوط بنایا وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ پیدا فرما سکتا ہے اور وہ تمہیں موت دے کر دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔

وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے جوڑ مضبوط کئے) اس میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا بیان ہے کہ گوشت اور ہڈی اور کھال سے جو اعضاء بنے ہوئے ہیں یہ رات دن حرکت میں رہتے ہیں اٹھنے بیٹھنے میں مڑتے ہیں، کام کاج میں رگڑے جاتے ہیں لیکن نرم اور نازک ہوتے ہوئے نہ گھستے ہیں نہ ٹوٹتے ہیں، جبکہ لوہے کی مشینیں بھی گھس جاتی ہیں، اور بار بار پرزے بدلنے پڑتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ انسانی اعضاء بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کام کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تم سے ہر شخص کے جوڑوں کی طرف سے صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے سو ہر **سُبحان اللہ** کہنا صدقہ ہے اور ہر **الحمدللہ** کہنا صدقہ ہے اور ہر **لاالٰہ الا اللہ** کہنا صدقہ ہے اور ہر **اللہ اکبر** کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور دو رکعتیں چاشت کی پڑھ لی جائیں تو وہ اس سب کے بدلہ کا کام دے جاتی ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ہر انسان تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے سو جس نے **اللہ اکبر** کہا اور **الحمدللہ** کہا اور **لاالٰہ الا اللہ** کہا اور **سُبحان اللہ** کہا اور اللہ سے مغفرت طلب کی اور لوگوں کے راستہ سے پتھر کا نا ہڈی کو ہٹا دیا یا امر بالمعروف کیا یا نہی عن المنکر کیا اور ان چیزوں کی تعداد تین سو ساٹھ ہوگئی تو وہ اس دن اس حال میں چلے پھرے گا کہ اپنی

جان کو دوزخ سے بچا چکا ہوگا۔ (رواہ مسلم)

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (بلاشبہ یہ نصیحت ہے سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے)۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (اور اللہ کی مشیت کے بغیر تم کچھ نہیں چاہ سکتے) جو وہ چاہے گا وہی چاہو گے جو وہ چاہے گا وہی ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (بیشک اللہ علیم ہے حکیم ہے) يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ (وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمائے)۔ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (اور جو ظالم ہیں ان کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے)

و هذا آخر تفسير الانسان والحمدلله المليک الرحمن والصلوٰة والسلام علی سيد ولدعدنان، و علی آله و صحبه الذين نقلوا القرآن، فلهم الاجر الی آخر الازمان

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ مرسلات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پچاس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں، پھر ان ہواؤں کی جو سختی کے ساتھ چلتی ہیں اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں، پھر ان ہواؤں کی جو بادلوں کو جدا کردیتی ہیں، پھر ان ہواؤں کی جو اللہ کی یاد

ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾

کا القاء کرنے والی ہیں توبہ کے طور پر یا ڈرانے کے طور پر بات یہی ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے سو جب ستارے بے نور کردیئے جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ

اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب پیغمبر معین وقت پر جمع کئے جائیں گے، کس دن کے لئے ان کا معاملہ ملتوی کیا گیا۔ فیصلہ کے دن کے لئے اور آپ کو معلوم ہے

مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

فیصلہ کا دن کیا ہے، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کیلئے

قیامت ضرور واقع ہوگی، رسولوں کو وقت معین پر جمع کیا جائے گا، فیصلہ کے دن کے لئے مہلت دی گئی ہے

تفسیر: مذکورہ بالا آیات میں ہواؤں کی قسمیں کھائیں اور قسمیں کھا کر یہ بتایا کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جارہا ہے وہ چیز

ضرور واقع ہوگی یعنی قیامت ضرور ہی آئے گی انکار کرنے سے ٹلنے والی نہیں ہواؤں کی جو قسمیں کھائیں اس میں دونوں قسم کی ہوائیں مذکور ہیں۔ فائدہ پہنچانے والی بھی اور ضرر دینے والی بھی۔ بادلوں کو لانے والی فائدہ پہنچانے والی ہیں اور تیزی اور تندی سے چلنے والی تکلیف پہنچانے والی ہیں پہلی ہوائیں شکر ادا کرنے کا ذریعہ ہیں، اور خوفناک ہوائیں اللہ کی گرفت اور نعمت یاد دلانے والی ہیں انسان کو دنیا میں دونوں حالتیں پیش آتی ہیں۔ اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے اس روز شکر کا ثواب ملے گا اور توبہ کرنے والوں کو فائدہ پہنچے گا۔

اس کے بعد قیامت کے دن کی کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ستارے بے نور ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا۔ پہاڑ اڑتے پھریں گے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وقت مقرر پر جمع کیے جائیں گے اس وقت فیصلہ کیا جائے گا۔

لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ (کس دن کے لئے پیغمبروں کا معاملہ ملتوی رکھا گیا ہے)

اس کے جواب میں فرمایا کہ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ (کہ فیصلے کے دن کے لئے معاملہ ملتوی کیا گیا ہے) یعنی دنیا میں جو کفار ایمان قبول نہیں کرتے اور خاتم النبیین ﷺ اور ان سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں سزا نہیں مل رہی ہے تو ہمارا چھٹکارہ ہی رہے گا ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کا فیصلہ، فیصلے کے دن کے لئے مؤخر کیا گیا ہے اور فیصلہ کا دن کیسا ہے اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝١٦ ثُمَّ نُتۡبِعُهُمُ الۡاٰخِرِيۡنَ ۝١٧ كَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝١٨

کیا ہم نے اگلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا پھر پچھلے لوگوں کو ان ہی کے ساتھ کردیں گے ہم مجرمین کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں،

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝١٩ اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۝٢٠ فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۝٢١

اس روز حق جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی سے نہیں پیدا کیا سو ہم نے اسے ٹھہرنے کی محفوظ جگہ میں

اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝٢٢ فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ۝٢٣ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝٢٤

ایک وقت مقرر تک رکھا سو ہم نے ایک اندازہ ٹھہرادیا سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں اس دن بڑی خرابی ہے جھٹلانے والوں کے لئے،

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ۝٢٥ اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا ۝٢٦ وَّجَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنائی اور ہم نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ بنادیئے اور ہم نے تمہیں

مَّآءً فُرَاتًا ۝٢٧ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝٢٨

میٹھا پانی پلایا، اس روز بڑی خرابی ہے جھٹلانے والوں کے لئے۔

پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں ان سے عبرت حاصل کرو، اللہ کی نعمتوں کی قدر دانی کرو، جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے

تفسیر: جب تکذیب پر عذاب میں مبتلا کیے جانے کی وعید سنائی جاتی تھی تو مکذبین و منکرین کہتے تھے کہ یہ ایسی ہی باتیں ہیں عذاب وذاب کچھ آنے والا نہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کیا دنیا میں ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا؟ اسے تو تم

مانتے ہو کہ تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں اور ان پر عذاب آیا ہم نے انہیں ہلاک کیا ان کے بعد والوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے یعنی بعد والوں کو بھی عذاب دیں گے اور ہلاک کریں گے اور ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں یعنی کافروں کے کفر پر سزا دینا طے شدہ امر ہے خواہ دنیا و آخرت دونوں میں سزا ملے خواہ صرف آخرت میں عذاب دیا جائے۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

جو لوگ قیامت کے منکر تھے انہیں یہی تعجب ہوتا تھا کہ دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کیا ہم نے تمہیں ذلیل پانی یعنی قطرہ منی سے پیدا نہیں کیا؟ اس نطفہ کو ٹھہرنے کی محفوظ جگہ میں یعنی مادر رحم میں ٹھہرایا یعنی وقت ولادت تک اور یہ وقت ہم نے مقرر کر دیا سو ہم اچھے وقت مقرر کرنے والے ہیں، جو وقت مقرر کیا ٹھیک مقرر کیا اسی کے مطابق ہر ایک کی ولادت ہوئی بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

اس کے بعد فرمایا کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنائی؟ دیکھو اس نے زندوں اور مردوں کو سب کو سمیٹ لیا جب قیامت کا دن ہوگا (جو زندہ ہوں گے وہ بھی مر جائیں گے) پھر یہ سب زندہ ہو کر اٹھیں گے تم بھی اللہ کی مخلوق ہو اس نے تمہیں اپنی زمین میں دوسری مخلوق کی طرح جمع فرما دیا ہے قیامت کے دن زمین کے پیٹ سے نکل کر باہر آ جاؤ گے، مزید فرمایا کہ ہم نے اس زمین میں بڑے بڑے پہاڑ بنا دیئے ان پہاڑوں سے تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ زمین کی میخیں بنے ہوئے ہیں جو اسے ملنے نہیں دیتے پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین میں زلزلہ آ جائے گا اور پہاڑ بھی دھنے ہوئے اون کی طرح اڑے اڑے پھریں گے۔

مزید فرمایا کہ ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا، یہ میٹھا پانی تمہیں سیراب کرتا ہے خوب پیتے ہو اور پیاس بجھاتے ہو۔ اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ لہٰذا تم اپنے خالق اور مالک کی طرف متوجہ ہو اس کے نبی ﷺ کی تصدیق کرو اور قیامت کے دن کے لئے متفکر ہو وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾

تم اس کی طرف چلو جس کو جھٹلایا کرتے تھے ایک سائبان کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں

لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾

جس میں نہ سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے، وہ انگارے پھینکے گا جیسے بڑے بڑے محل، جیسے کالے کالے اونٹ

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے یہ وہ دن ہوگا جس میں بول نہ سکیں گے اور انہیں اجازت نہ دی جائیگی کہ عذر کر سکیں

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ

بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تمہیں اور اگلے لوگوں کو جمع کیا ہے، سو اگر

لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

تمہارے پاس کوئی تدبیر ہے تو میرے مقابلے میں اس تدبیر کو استعمال کر لو، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے

منکرین سے خطاب ہوگا کہ ایسے سائبان کی طرف چلو جو گرمی سے نہیں بچاتا وہ بہت بڑے بڑے انگارے پھینکتا ہے، انہیں اس دن معذرت پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی

تفسیر: منکرین اور مکذبین جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے یہ لوگ دوزخ کو اور دوزخ کے عذابوں کو جھٹلاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یوں ہی کہنے کی باتیں ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے ابھی اس میں داخل نہ ہوں گے کہ دوزخ سے ایک بڑا دھواں نکلے گا دیکھنے میں سایہ کی طرح ہوگا (جس کا ترجمہ سائبان کیا گیا ہے) اس سایہ کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے دیکھنے میں سایہ ہوگا لیکن سایہ کا کام نہ دے گا نہ اس سے کوئی ٹھنڈک حاصل ہوگی اور نہ وہ گرمی سے بچائے گا مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافر لوگ حساب سے فارغ ہونے تک اسی دھوئیں میں رہیں گے جیسا کہ مقبولان بارگاہ الٰہی عرش کے سایہ میں ہونگے۔

یہ تو دھوئیں کا ذکر تھا جو دوزخ سے نکلے گا اس کے بعد دوزخ کے شراروں اور انگاروں کا ذکر فرمایا ارشاد فرمایا کہ جہنم ایسے ایسے انگاروں کو پھینکے گا جیسے بڑے بڑے محل یعنی مکانات ہوں اور جیسے کالے کالے اونٹ ہوں۔ کچھ انگارے بہت بڑے بڑے ہوں گے اور کچھ چھوٹے ہوں گے یہ چھوٹے بھی ایسے ہوں گے جیسے کالے کالے اونٹ (جب اس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے تو وہ آگ کتنی بڑی ہوگی اسی سے سمجھ لیا جائے) وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ (بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

مزید فرمایا کہ یہ وہ دن ہوگا جس میں یہ لوگ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی لہذا عذر بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ یہ شروع میں ہوگا بعد میں بولنے اور عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ لیکن وہ کچھ فائدہ نہ دے گی۔ کما قال تعالیٰ: يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ الظّٰلِمِيۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ (اس دن ظالموں کو معذرت نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور وہاں کی بدحالی ہوگی)

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ (خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

مجرمین سے کہا جائے گا کہ یہ فیصلہ کا دن ہے آج ہم نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو جمع کیا آج ہمارا ہی فیصلہ چلے گا ہمارے فیصلہ سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے نہ عذاب سے بچ سکتے ہیں نہ بھاگ سکتے ہیں اگر کوئی تدبیر کر سکتے ہو تو میرے مقابلہ میں کر لو لیکن وہاں کوئی تدبیر نہیں ہو سکے گی۔ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ (بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا ۢ بِمَا

بلاشبہ پرہیزگار لوگ سایوں اور چشموں میں اور ایسے میووں میں ہوں گے جن کی اشتہاء ہوگی، کھاؤ اور پیو مبارک طور پر

كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۴۴﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا

ان اعمال کے عوض جو تم کرتے تھے بلاشبہ ہم اسی طرح اچھے کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے کھاؤ اور برت لو

قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا

تھوڑے سے دن بے شک تم مجرم ہو۔ بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو

لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

نہیں جھکتے، بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے، سو قرآن کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

متقیوں کے سایوں، چشموں اور میووں کا تذکرہ

تفسیر: منکرین و مکذبین کا عذاب بیان فرمانے کے بعد متقیوں (پرہیزگاروں) کے انعامات بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا یقین جانو پرہیزگار لوگ سایوں میں ہونگے (یہ وہی سایہ ہے جس کا سورہ دھر کی آیت وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا میں فرمایا) اور چشموں میں ہوں گے (ان میں سے بعض چشموں کا ذکر سورہ دھر میں گزر چکا ہے) اور یہ لوگ ایسے میووں میں ہوں گے جن کی انہیں اشتہاء ہوگی، من بھاتے میوے ہونگے مرغوب ہوں گے، ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ کھاؤ پیو مبارک طریقہ پر ان اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے، مبارک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کھائیں پئیں گے وہ جسموں کے لئے بھی مبارک ہوگا اور نفسوں کو بھی مرغوب ہوگا، وہاں کی ماکولات اور مشروبات طبیعت اور مزاج کے خلاف نہ ہوں گے اور ان سے جسم اور جان کو ذرا سی بھی تکلیف نہ پہنچے گی۔ قال تعالیٰ: وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ. پھر مستقل قانون بیان فرمایا کہ ہم اچھے عمل کرنیوالوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)

اس کے بعد کافروں سے خطاب فرمایا کہ تم دنیا میں تھوڑے دن کھالو اور اللہ کی نعمتوں کو برت لو ان سے فائدہ اٹھالو تم مجرم ہو کافر اور مشرک ہو عذاب کے مستحق ہو اگر تم ایمان نہ لائے تو عذاب میں جانا پڑے گا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (بڑی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کیلئے)

دنیا میں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سامنے جھکو رکوع کرو سجدہ کرو اور نماز پڑھو تو فرمانبرداری نہیں کرتے اللہ کی بارگاہ میں نہیں جھکتے، نماز سے دور رہتے ہیں اور ایمان سے دور بھاگتے ہیں۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (اور خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)۔

آخر میں فرمایا فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (کہ یہ لوگ اس قرآن کو سنتے ہیں جو طرح طرح سے سمجھاتا ہے اس کی فصاحت اور بلاغت کو بھی مانتے ہیں لیکن اس پر ایمان نہیں لاتے، جب اس پر ایمان نہیں لاتے تو انہیں کس چیز کا انتظار ہے اس کے بعد کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

الحمد للہ علیٰ تمام تفسیر سورۃ المرسلت اولا و آخراً وباطنا و ظاهرا

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النباء مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝۲ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝۳ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۴

یہ لوگ کس چیز کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، بڑی خبر کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں خبردار، وہ عنقریب جان لیں گے

ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۵ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝۶ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝۸ وَّجَعَلْنَا

پھر خبردار وہ عنقریب جان لیں گے، کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا، اور ہم نے تمہیں جوڑے پیدا کیا ہے اور تمہاری

نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝۱۰ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝۱۲

نیند کو ہم نے آرام کی چیز بنایا اور رات کو لباس بنایا، اور دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا، اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے،

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝۱۵

اور ہم نے بنادیا ایک روشن چراغ، اور ہم نے اتار دیا پانی سے بھرے ہوئے بادلوں سے خوب بہنے والا پانی تاکہ ہم اس کے ذریعہ دانے اور سبزی

وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶

اور گنجان باغ نکالیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ النباء شروع ہو رہی ہے اس کے ابتداء میں لفظ عم ہے یہ عَنْ حرف جار اور مَا استفہامیہ سے مرکب ہے اس میں آخر سے الف ساقط ہو گیا اور نون ساکن کا میم میں ادغام کر دیا گیا۔

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا تو قریش مکہ آپس میں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے (قرآن مجید میں قیامت کا ذکر بھی ہوتا تھا) اسے سن کر بعض لوگ تصدیق کرتے اور بعض تکذیب کرتے تھے، اور معالم التنزیل میں ہے کہ وہ لوگ قیامت کی باتیں سن کر کہتے تھے مَاجَاءَ بِهٖ مُحَمَّدٌ ﷺ (کہ محمد ﷺ کیا لے کر آئے ہیں؟) ان لوگوں کی اس گفتگو پر عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ نازل ہوئی کہ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں پھر خود ہی جواب دے دیا کہ بڑی خبر کے بارے میں آپس میں سوال کرتے ہیں جس میں اختلاف کر رہے ہیں کوئی منکر ہے اور کوئی تصدیق کر رہا ہے۔

مزید فرمایا كَلَّا (خبردار) اس میں زجر اور توبیخ ہے کہ قیامت کا انکار کرنا ان کے حق میں اچھا نہیں ہے عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا اور تکذیب کی سزا سامنے آجائے گی اس کو دو مرتبہ بیان فرمایا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت کے مظاہر بیان کئے جو لوگوں کے سامنے ہیں اور وہ اقراری ہیں کہ یہ چیزیں اللہ نے بنائی ہیں جو اس کی قدرت باہرہ پر دلالت کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ جس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں وہ مُردوں کو زندہ

کرنے پر بھی قادر ہے۔

قال القرطبی ولهم علیٰ قدرته علی البعث ای قدرتنا علی ایجاد هذه الامور اعظم من قدرتنا علیٰ الاعادة.

فرمایا کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور کیا پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟ زمین کو پیدا فرمایا پھر اسے پھیلا دیا اور بڑے بڑے بوجھل پہاڑ اس میں پیدا فرما دیئے تاکہ وہ حرکت نہ کرے بندے اس زمین پر چلتے پھرتے ہیں سفر کرتے ہیں گاڑیاں دوڑاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، پھر فرمایا کہ ہم نے تمہیں ازواج بنادیا یعنی تم میں مرد بھی پیدا کیے اور عورتیں بھی تاکہ آپس میں میاں بیوی بنتے ہو، ایک دوسرے سے انس حاصل کرتے ہو پھر مرد عورت کے ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے جس سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے نیند کو آرام کی چیز بنادیا ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے محنت اور مشقت کرتے ہو جب تھک جاتے ہو تو سو جاتے ہو نیند کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور تازہ دم ہو کر پھر کام کرنے کے لائق ہو جاتے ہو، اس مضمون کو سُبَاتًا سے تعبیر فرمایا سُبَات قطع یعنی کاٹنے پر دلالت کرتا ہے۔ نیند کئی اعتبار سے سبات ہے، جب کوئی شخص سو جاتا ہے تو اس کے اعضاء کی اختیاری حرکت اور مشغولیت ختم ہو جاتی ہے اور جو تکان ہو گئی تھی وہ بھی منقطع ہو جاتی ہے۔

رات کو آرام کے لئے اور دن کو طلب معاش کے لئے بنایا راتوں کو گھروں میں آرام کرنے کے بعد دن کو باہر نکلتے ہیں اپنی اپنی حاجات پوری کرتے ہیں دن کی روشنی میں رزق حاصل کرتے ہیں دن بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور رات بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اگر ہمیشہ دن ہی دن ہوتا یا رات ہی رات ہوتی تو بڑی مصیبت میں آ جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اوپر سات آسمان بھی بنائے ہیں جو اس کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتے ہیں نیز سِرَاج وھَّاج (روشن چراغ) یعنی آفتاب بھی پیدا فرمایا جو خود روشن ہے اور اس دنیا کو روشن کرنے والا بھی ہے، روشنی کے سوا اس کے اور بھی بہت سے منافع ہیں جس میں سے پھلوں کا پکنا اور کھیتی کا تیار ہونا اور بقدر ضرورت حرارت حاصل ہونا بھی ہے اور نئی ایجادات اور نئے آلات کی وجہ سے تو سورج کے بہت سے فوائد سامنے آ گئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے پانی سے بھرے ہوئے بادلوں سے خوب زیادہ بہنے والا پانی اتارا اور اس پانی کو زمین کی سرسبزی کا سامان بنادیا اس کے ذریعہ کھیتیاں اگتی ہیں گیہوں جو وغیرہ اگتے اور باغات میں پھل پیدا ہوتے ہیں، جو انسانوں کی خوراک ہیں اور اسی پانی کے ذریعے گھاس پھونس اور بہت سی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو چوپایوں کی خوراک ہیں، چوپائے اپنی خوراک کھاتے ہیں اور انسان کے کام آتے ہیں دودھ بھی دیتے ہیں اور کھیت کیاری میں اور بوجھ ڈھونے میں کام آتے ہیں۔

انسانوں اور جانوروں کی غذا کا تذکرہ فرماتے ہوئے حَبًّا وَّ نَبَاتًا فرمایا اور پھل لانے والے درختوں کے لئے وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا فرمایا یعنی ہم نے گنجان باغ پیدا کئے۔

لفظ اَلْفَافًا کا مادہ لفف ہے جو لپٹنے کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ باغوں میں جو درخت آس پاس کھڑے ہوتے ہیں اور ایک درخت کی ٹہنیاں دوسرے درخت میں گھسی ہوئی رہتی ہیں اس کیفیت کو آپس میں ایک دوسرے سے لپٹ جانے سے تعبیر فرمایا لفظ اَلْفَافًا کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ (یہ بظاہر جمع ہے لیکن) اس کا کوئی واحد کا صیغہ نہیں ہے جیسا کہ اوزاع اور اخیاف جماعات متفرقہ کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور ان کا واحد کا صیغہ کوئی نہیں ہے۔

اور امام کسائی سے نقل کیا ہے کہ یہ لفیف کی جمع ہے جیسے شریف واشراف پھر جمہور اہل لغت کا قول لکھا ہے کہ یہ لفٌّ بکسر اللام کی جمع ہے جو ملفوف کے معنیٰ میں ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ

بلاشبہ فیصلوں کا دن مقرر ہے، جس دن صور پھونکا جائے گا سو تم لوگ فوج در فوج آجاؤ گے اور آسمان کھول دیا جائے گا۔

فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

سو وہ دروازے ہی دروازے ہوجائے گا اور پہاڑ چلا دیئے جائیں گے سو وہ ریت ہوجائیں گے

تفسیر: اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کے چند مظاہر بیان فرمائے جو سب کے سامنے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات آجانی چاہیے کہ جس کی اتنی بڑی قدرت ہے وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، ان آیات میں یہ بتایا کہ فیصلوں کا دن جسے یوم القیامۃ کہا جاتا ہے اس کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے اس کا وقوع نہ ہوگا۔ منکروں کے سوالات کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے وہ وقت مقرر سے پہلے نہیں آئے گی۔ اور جب وہ دن واقع ہوگا تو نفخ صور یعنی صور پھونکے جانے سے اس کی ابتداء ہوگی، اور صور پھونکے جانے سے لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور فوج در فوج یعنی گروہ در گروہ میدان قیامت میں آ کر جمع ہوجائیں گے اور آسمان کا یہ حال ہوگا کہ اس میں دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے یعنی کثیر تعداد میں بہت سے دروازے ظاہر ہوجائیں گے۔

قال صاحب الروح بتقدیر مضاف الی السماء ای فتحت ابواب السماء فصارت کان کلها ابواب. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں السماء کا مضاف مقدر ہے۔ یعنی آسمانوں کے دروازے کھولے گئے تو وہ سب کے سب دروازے ہی ہوگئے)

اور پہاڑوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنی جگہوں سے چلا دیئے جائیں گے سورۃ النحل میں فرمایا: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔ (اور تو پہاڑوں کے بارے میں خیال کرے گا کہ وہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ ایسے گزریں گے جیسے بادل گزرتے ہیں)۔

پہاڑ اپنی جگہوں سے ٹل جائیں گے اور ان کی حالت اور کیفیت بھی بدل جائے گی اور وہ سراب یعنی ریت بن جائیں گے سورۃ مزمل میں فرمایا: يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (جس روز زمین اور پہاڑ ہلنے لگیں گے اور پہاڑ چلنے والی ریت بن جائیں گے)۔

اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا: اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا (جبکہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گے پھر پراگندہ غبار ہوجائیں گے)

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا

بلاشبہ جہنم ایک گھات کی جگہ ہے، سرکشوں کا ٹھکانہ ہے جس میں وہ بہت زیادہ عرصہ ہائے دراز تک رہیں گے، اس میں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے

وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا

اور نہ پینے کی کوئی چیز، سوائے گرم پانی کے اور پیپ کے یہ بدلہ ہوگا ان کے اعمال کے موافق بلاشبہ وہ حساب کا خیال نہیں رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیات کو

بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾

دلیری کے ساتھ جھٹلایا اور ہم نے ہر چیز کو کتاب میں پوری طرح سے لکھ دیا ہے سو تم چکھ لو، سو ہم تمہارے لئے عذاب کو بڑھاتے ہی رہیں گے۔

تفسیر: قیامت کا وقوع وقتِ معین پر ہوگا۔ اس دن کیا کیا حالات سامنے آئیں گے اس کا تذکرہ فرما کر میدانِ قیامت میں حاضر ہونے والی دونوں جماعتوں کا انجام بتایا، پہلے کفر و شرک والوں کی سزا بتائی جو اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا سے شروع ہے پھر متقیوں کا انعام بتایا جس کی ابتداء اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا سے ہے، آیات بالا میں پہلے تو یہ فرمایا کہ جہنم گھات کی جگہ ہے اس میں کام کرنے والے فرشتے جو عذاب دینے پر مامور ہیں وہ انتظار کرتے ہیں کہ کفار مشرکین اس میں کب داخل ہوتے ہیں جیسے ہی آئیں ان کا عذاب شروع کر دیا جائے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ (مِرْصَادٌ) جہنم کی صفت ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ اس انتظار میں ہے کہ میرے اندر داخل ہونے والے کب آتے ہیں، آئیں اور مبتلائے عذاب ہوں یہ معنیٰ لینا بھی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ سورہ فرقان میں فرمایا ہے اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا (دوزخ جب ان کو دور سے دیکھے گی تو وہ لوگ اس کا جوش اور خروش سنیں گے)۔

لِلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا (دوزخ سرکشی کرنے والوں کے لوٹنے کی جگہ ہوتی) یعنی دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا وہ اسی میں رہیں گے۔ سب سے بڑی سرکشی کفر اور شرک ہے کافروں مشرکوں کے لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ انہیں دوزخ ہی میں رہنا ہوگا۔

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا. (جس میں وہ زمانہ ہائے دراز تک رہیں گے) لفظ احقاب حقب کی جمع ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر غیر محدود زمانہ سے کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک حقبہ اسی سال کی مدت کا نام ہے اور ساتھ ہی سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ ان اسی سال کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا بہر حال نص قرآنی سے یہ ثابت ہوا کہ اہلِ کفر کو دوزخ میں بقدر مدت احقاب رہنا ہوگا، چونکہ احقاب کی گنتی نہیں بتائی کہ کتنے احقاب ہوں گے اور سورہ نساء اور سورۃ الجن میں اہل کفر کی سزا بیان کرتے ہوئے خٰلِدِيْنَ کے ساتھ اَبَدًا بھی فرمایا ہے جیسا کہ دوسری آیات میں اہل جنت کے لئے بھی خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وارد ہوا ہے اس لئے اہل سنت والجماعت کی عقائد کے کتابوں میں یہی عقیدہ لکھا ہے کہ جنتی ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے اور جو کفار اور مشرکین جہنم میں داخل ہوں گے اور ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے نہ اہل جنت کا انعام ختم ہوگا نہ اہل دوزخ کا عذاب، اسی لئے مفسرین نے فرمایا ہے کہ احقابا کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ہمیشہ ہمیش ایک حقبہ ختم ہوگا تو دوسرا شروع ہو جائے گا اور مسلسل عذاب دائمی میں رہیں گے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

اذا لا فرق بين تتابع الاحقاب الكثيرة الىٰ مالا يتناهى وتتابع الاحقاب القليلة كذلك (روح المعانی صفحہ۱۷: ج۳۰)

(کیونکہ کثیر احقاب کے بغیر کسی انتہا کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے اور اسی طرح قلیل احقاب کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں کوئی فرق نہیں ہے)

وقال البغوی فی معالم التنزيل قال الحسن ان الله لم يجعل لاهل النار مدة بل قال لابثين فيها احقابا فوالله ما هو الا اذا مضى حقب دخل آخر ثم آخر الىٰ الابد فليس للاحقاب عدة الاالخلود. (علامہ بغوی معالم التنزیل میں فرماتے ہیں۔ حضرت حسن نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے بلکہ فرمایا وہ اس میں کئی احقاب رہیں گے۔ اللہ کی قسم ایک حقب گزرے گا تو دوسرا شروع ہو جائے گا۔ پھر دوسرا اسی طرح ابد تک سلسلہ جاری رہے گا پس احقاب کی تعداد خلود ہی ہے)

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا. (دوزخ میں داخل ہونیوالے سرکش اس میں کوئی ٹھنڈک نہ پائیں گے نہ وہاں کی آب و ہوا میں ٹھنڈک ہوگی جو آرام دہ ہو اور نہ پینے کی چیزوں میں کوئی ایسی چیز دی جائے گی جس میں مرغوب ٹھنڈک ہو، جو ٹھنڈک عذاب دینے کے لئے ہوگی (یعنی زمہریر) جس کا بعض احادیث میں ذکر آیا ہے اس میں اس کی نفی نہیں ہے۔

قال صاحب الروح والمراد بالبرد مایروحهم وینفس عنهم حر النار فلا ینافی انهم قد یعذبون بالزمهریر
(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ٹھنڈک سے مراد وہ ٹھنڈک ہے جو انہیں راحت پہنچائے اور جہنم کی آگ سے بچاؤ کر لے لہٰذا یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ انہیں جہنم میں زمہریر سے عذاب دیا جائے گا)۔

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا (پینے کے لئے انہیں گرم پانی اور غساق کے سوا کچھ نہیں دیا جائے گا)۔ اس گرم پانی کے بارے میں سورہ محمد میں فرمایا: وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)۔
اور غَسَّاق کے بارے میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والے سڑ جائیں (مشکوٰۃ المصابیح)۔ غساق کیا چیز ہے؟ اس کے متعلق اکابر امت کے مختلف اقوال ہیں صاحب مرقاۃ نے چار قول نقل کئے ہیں۔

۱۔ دوزخیوں کی پیپ اور ان کا دھوون مراد ہے۔ ۲۔ دوزخیوں کے آنسو مراد ہیں۔
۳۔ زمہریر یعنی دوزخ کا ٹھنڈک والا عذاب مراد ہے۔ ۴۔ غساق سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جاسکے گی۔

جَزَآءً وِّفَاقًا (یہ جو ان لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا ان کے عقیدہ اور عمل کا پورا پورا بدلہ ہوگا) کفر اور شرک بدترین عمل ہے اسی لئے ان کا عذاب بھی بدترین ہے اور چونکہ ان کی نیت یہ تھی کہ مشرک ہی رہیں گے اور اسی پہ ان کی موت آئی اس لئے عذاب بھی دائمی رکھا گیا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (بلاشبہ وہ حساب کا خیال نہیں رکھتے تھے)
وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا (اور انہوں نے ہماری آیات کو دلیری کے ساتھ جھٹلایا)
وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا (اور ہم نے ہر چیز کو کتاب میں پوری طرح لکھ دیا ہے)
فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (سو تم چکھ لو، سو ہم تمہارے لئے عذاب ہی کو بڑھاتے رہیں گے)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

بلاشبہ متقیوں کے لئے کامیابی ہے، باغ ہیں اور انگور ہیں، نوخیز ہم عمر بیویاں ہیں، اور لبالب بھرے ہوئے جام ہیں۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

وہ اس میں کوئی لغو بات اور جھوٹ نہ سنیں گے، آپ کے رب کی طرف سے بدلہ دیا جائے گا جو بطور انعام ہوگا، کافی ہوگا جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا

ان کے درمیان ہے، وہ رحمٰن ہے یہ لوگ اس سے بات نہ کرسکیں گے جس دن تمام ذی ارواح اور فرشتے صف بنائے کھڑے ہوں گے، کوئی بھی نہ بول سکے گا مگر

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

جس کو رحمٰن اجازت دے اور ٹھیک بات کہے، یہ دن یقینی ہے، سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانہ بنا لے،

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

بلاشبہ ہم نے تمہیں عنقریب آجانے والے عذاب سے ڈرایا ہے، جس دن انسان ان اعمال کو دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور کافر کہے گا ہائے کاش میں مٹی ہوجاتا

تفسیر: اہل کفر اور اہلِ شرک کا انجام اور عذاب بتانے کے بعد متقی حضرات کے انعام اور اکرام کا تذکرہ فرمایا، تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں، سب سے بڑا تقویٰ یہ ہے کہ کفر وشرک سے بچے اور اس کے بعد گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے اور اس کے بھی درجات مختلف ہیں حسب درجات انعامات ہیں فرمایا اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا (بلاشبہ تقویٰ والوں کیلئے کامیابی ہے (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ مَفَازًا مصدر میمی ہو اور اگر اسم ظرف لیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا کہ متقیوں کے لئے کامیابی کی جگہ ہے) اس کے بعد کامیابی پر ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (یعنی ان حضرات کو باغیچے ملیں گے اور انگور ملیں گے) حدائق حدیقۃ کی جمع ہے جس باغ کی چار دیواری ہو اسے حدیقہ کہا جاتا ہے اور گو حدائق کے عموم میں انگور بھی داخل ہو گئے لیکن ان کو علیحدہ بھی ذکر فرمایا کیونکہ پھلوں کی یہ جنس دوسرے پھلوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے، مزید فرمایا وَکَوَاعِبَ اور ساتھ ہی اَتْرَابًا بھی فرمایا۔ کاعب نوخیز لڑکی کو کہتے ہیں التی تکعب شدیاھا واستدار مع ارتفاع یسیر، اور اتراب ترب کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہم عمر کیا گیا ہے اس میں یہ بات بتادی کہ وہاں میاں بیوی سب ہم عمر ہوں گے۔ دنیا میں عمروں کے بے تکے تفاوت میں جو زوجین کو بدمزگی پیش آتی رہتی ہے اسے جاننے والے جانتے ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جانے والا جو شخص بھی اس دنیا سے رخصت ہوگا چھوٹا ہو یا بڑا (داخلہ جنت کے وقت) سب تیس سال کے کردیئے جائیں گے اس سے کبھی آگے نہیں بڑھیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے مزاح کا ایک واقعہ جو سورہ واقعہ کے پہلے رکوع کے ختم پر ہم نے لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کرلی جائے۔

وَکَاْسًا دِهَاقًا (اور متقیوں کے لئے لبالب بھرے ہوئے جام ہوں گے) یہاں قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا کے مضمون سے اشکال نہ کیا جائے کیونکہ جنہیں اور جس وقت پورا بھرا ہوا جام پینے کی رغبت ہوگی انہیں لبالب پیش کیا جائے گا۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (وہاں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹی بات)۔ وہاں جو کچھ ہوگا سچ ہوگا اور نہ صرف یہ کہ کوئی غلط بات نہ ہوگی بلکہ جس بات کا کوئی فائدہ نہ ہوگا وہ وہاں سننے میں بھی نہ آئے گی۔ ایسی بات کو لغو کہا جاتا ہے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (متقی حضرات کو جو اکرام اور انعام سے نوازا جائے گا یہ ان کے ایمان اور اعمال صالحات کا بدلہ ہوگا اور جو کچھ ملے گا کافی ہوگا یعنی وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ انکی تمام خواہشیں پوری ہوں گی اور مزید جو کچھ اضافہ ہوگا وہ اپنی جگہ رہا۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ (متقی حضرات کو جو صلہ ملے گا وہ پروردگار جل مجدہ کی طرف سے عطیہ ہوگا، وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کا مالک ہے اور رحمٰن ہے)

لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (اس دن کوئی بھی اس سے خطاب نہ کرسکے گا)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والمراد نفی قدرتهم علیٰ ان یخاطبوه عزوجل بشی من نقص الاوزار وزیادة الثواب من غیر اذنه تعالیٰ. (عذاب میں کمی اور ثواب میں زیادتی کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے درخواست کرنے کی قدرت کی نفی مراد ہے)

یعنی جو عذاب میں مبتلا کردیا گیا وہ عذاب کم کرنے کی درخواست نہ کرسکے گا اور جسے ثواب دے دیا گیا وہ اور زیادہ طلب کرنے لگے اس بارے میں کسی کی ہمت نہ ہوگی ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اجازت دیدے تو وہ بات کرسکے گا جیسا کہ آئندہ آیت میں آرہا ہے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (یعنی روح والی مخلوق اور فرشتے سب صف بنا کر کھڑے ہوں گے) اور بہت سی صفیں ہونگی۔

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (یہ حاضر ہونے والے بات نہ کرسکیں گے مگر وہی شخص بول سکے گا جسے رحمٰن جل مجدہ اجازت دے اور اجازت ملنے پر ٹھیک بولے)

یعنی جسے اجازت ملے گی وہ بھی مقید ہوگی ایسا نہیں کہ جو چاہے بولنے لگے، ٹھیک بات میں سے ایک یہ ہے کہ جس کے لئے سفارش کی اجازت دی جائے اسی کے لئے سفارش کی جاسکے گی۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا: وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (اور فرشتے صرف اسی کے لئے سفارش کرسکیں گے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو) ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ (یہ دن یقینی ہے) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا (سو جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانہ بنالے) یعنی ایمان لائے اور نیک عمل کرتا ہے اور موت تک اسی پر باقی رہے۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا (بلاشبہ ہم نے تمہیں ایسے عذاب سے ڈرایا ہے جو عنقریب آنے والا ہے)۔ یعنی آخرت کا عذاب، اس کو قریب اس لئے فرمایا کہ جو چیز آنے والی ہے وہ ضرور آکر ہی رہے گی۔ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (جس دن انسان دیکھ لے گا جو کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یعنی دنیا میں جو کچھ اعمال کئے ہوں گے انہیں اپنے اعمال نامہ میں پالے گا۔ سورہ کہف میں فرمایا: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (اور جو کچھ عمل انہوں نے کئے تھے انہیں موجود پائیں گے)۔ اور سورۃ زلزال میں فرمایا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (سو جس شخص نے ذرہ کے برابر خیر کا عمل کیا ہوگا اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ کے برابر برائی کا عمل کیا ہوگا اسے دیکھ لے گا۔

وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (اور کافر کہے گا کہ ہائے کاش میں مٹی ہو جاتا)۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن چوپائے جانور چرند پرند جمع کئے جائیں گے پھر ان کے درمیان دنیا میں جو ظالم ہوئے تھے ان کا بدلہ دلایا جائے گا یہاں تک کہ سینگ مارنے کا بدلہ سینگوں والی بکری سے بے سینگوں والی بکری کو بدلہ دلایا جائے گا۔ جب جانوروں کو ایک دوسرے سے بدلے دلا دیئے جائیں گے تو ان سے فرمادیا جائے گا کہ تم مٹی ہو جاؤ، جب کافر یہ منظر دیکھیں گے تو یہ جان کر کہ ہم سے تو جانور ہی اچھے رہے بدلے دلا کر ان کا کام تمام ہوگیا اور آگے ان کے لئے کوئی عذاب نہیں اب یہ مٹی بنادیئے گئے ان کے لئے ثواب نہیں تو عذاب بھی نہیں ہمارے لئے تو عذاب ہی عذاب ہے۔ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے تو کیسا اچھا ہوتا۔

اور بعض مفسرین نے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا کا یہ مطلب بتایا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر کافریوں کہیں گے کہ کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتے، نہ ایمان کی اور اعمال کی تکلیف دی جاتی نہ نافرمان ہوتے نہ عذاب میں مبتلا ہوتے۔

وهذا آخر تفسير سورة النبا والحمدلله اولا و آخرا وباطنا وظاهرا

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النازعات مکہ میں نازل ہوئی اس میں چھیالیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ

قسم ہے ان فرشتوں کی جو جان سختی سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں، اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں، پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں، پھر ہر امر کی تدبیر کرتے

أَمْرًا ۝٥ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩

ہیں، جس روز ہلا دینے والی ہلا ڈالے گی، جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی آجائے گی، بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی،

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢

کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت میں واپس ہوں گے کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے پھر پہلی حالت پر واپس ہوں گے کہنے لگے کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے خسارے کی ہوگی

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤

وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی میدان میں آموجود ہوں گے

تفسیر: ان آیات میں وقوع قیامت اور وقوع کے بعد والے احوال کا تذکرہ فرمایا ہے پہلے فرشتوں کی قسم کھائی اور قسم کھا کر فرمایا کہ ہلا دینے والی چیز ضرور واقع ہوگی، (اس سے پہلی بار صور پھونکنا مراد ہے)۔ جن فرشتوں کی قسم کھائی ہے ان میں پہلے وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا فرمایا یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو سختی کے ساتھ روح کھینچنے والے ہیں اس میں لفظ غرقاً مصدر ہے جو اغراقاً کے معنی میں ہے یعنی جسم کے ہر ہر حصہ سے فرشتے روح کو نکال لیتے ہیں اور اس میں مرنے والے کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، پھر فرمایا وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو بند کھول دیتے ہیں یعنی سہولت کے ساتھ روح نکالتے ہیں جیسے بند کھول دیا اور چیز آسانی سے نکل گئی۔

قال صاحب معالم التنزيل حلا رفيقا فتقبضها كما ينشط العقال من يد البعير اي يحل بالرفق۔ (صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ: آسانی سے نکالنا پھر اسے قبض کرلیں گے جیسے اونٹ کی دستی سے رسی کھول لی جاتی ہے یعنی نرمی سے کھولا جانا)

حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ پوری طرح سختی سے کافروں کی جان نکالی جاتی ہے اور سہولت اور آسانی کے ساتھ اہل ایمان کی روح قبض ہوتی ہے (کسی وجہ سے موت کے وقت مومن کو زیادہ تکلیف ہو مثلاً یہ کہ اس کے درجات بلند کرنے کا ذریعہ بنانا ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ وانما قلنا ذلک لان عائشة رضي الله عنها قالت ما رايت احدا الوجع عليه اشد من رسول الله ﷺ وقالت فلا اكره شدة الموت لاحد بعد النبي ﷺ (ہم نے یہ اس لئے کہا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے کسی پر حضور ﷺ سے زیادہ تکلیف نہیں دیکھی اور فرماتی ہیں حضور ﷺ کے بعد کسی پر موت کی شدت کو میں اجنبی نہیں سمجھتی) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۳۴ عن البخاری)

حدیث شریف میں مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مومن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آجاتا ہے اور کافر کی موت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر حضرت ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں اے خبیث جان اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل، ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں بھاگی پھرتی ہے لہذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۴۲)

وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا یہ سَبَحَ یَسْبَحُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو تیرنے کے معنی میں آتا ہے مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ فرشتے مومنین کی روحوں کو آسمان کی طرف بڑی سرعت و سہولت کے ساتھ لے جاتے ہیں گویا تیرتے ہوئے چلتے ہیں۔

وَّالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا پھر یہ فرشتے تیزی کے ساتھ دوڑنے والے ہیں، وہ جب روحوں کو لے کر اوپر پہنچتے ہیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہ کا حکم جو ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرنے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا پھر وہ فرشتے حکم خداوندی کے مطابق تدبیر کرتے ہیں یعنی جس روح کے متعلق جو حکم ہوتا ہے اس حکم کے مطابق عمل کرنے کی تدبیروں میں لگتے ہیں۔

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ یہ جواب قسم ہے فرشتوں کی قسمیں کھا کر فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی، اس کا وقوع کس دن ہوگا اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا دے گی اس دن قیامت کا وقوع ہوگا۔ ہلا دینے والی چیز سے نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار کا صور پھونکنا مراد ہے۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ یعنی (ہلا دینے والی چیز) کے پیچھے اس کے بعد آنیوالی چیز آجائے گی اس سے نفخہ ثانیہ یعنی دوسری دفعہ صور پھونکنا مراد ہے۔

قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ (اس دن دل دھڑک رہے ہوں گے)

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی)

یہ قیامت کے دن کی حالت کا بیان ہوا۔ اس کے بعد منکرین قیامت کا قول نقل کیا۔

یَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ (وہ کہتے ہیں کیا ہم اپنی پہلی حالت پر واپس ہوں گے؟)

یہ استفہام انکاری ہے منکرین کہتے ہیں کہ ایسا ہونیوالا نہیں کہ ہم پہلی حالت میں آجائیں یعنی موت سے پہلے جو ہماری حالت تھی مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی مل جائے اور پہلی حالت پر آجائیں ایسا ہونے والا نہیں۔ انہوں نے اپنے واپس ہونے کا استبعاد ظاہر کرنے کے لئے مزید کہا ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوجائیں گے اس وقت دوبارہ زندگی میں آئیں گے)

قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّةٌ خَاسِرَةٌ (ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آرہا کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر دوبارہ زندگی ملے گی بالفرض اگر دوبارہ زندہ ہو گئے جیسا کہ نبوت کے دعویٰ کرنے والے نے بتایا ہے تو ہماری خیر نہیں اس وقت تو ہمارا برا حال ہو جائے گا کیونکہ جس چیز کو جھٹلا رہے ہیں اس کا واقع ہو جانا لامحالہ ہمارے جھٹلانے کی سزا کا سبب بنے گا اور یہ سزا بھی بڑی ہوگی، ان لوگوں کا یہ قول بھی بطور تکذیب اور مسخرہ پن ہی کے ہے کیونکہ کسی درجہ میں بھی ان کے نزدیک وقوع قیامت کا احتمال نہیں تھا اسی لئے انہوں نے ایسی بات کہی حالانکہ جس کو کسی درجہ میں بھی اتنے بڑے نقصان کا احتمال ہو وہ تو فکر مند ہوتا ہے، دیکھو دنیا میں ذرا ذرا سے احتمال پر خبر دینے والوں کی تصدیق کرتے ہیں کہ ممکن ہے سچ ہی کہہ رہا ہو، اگر کوئی جھوٹا آدمی یوں کہہ دے کہ وہاں نہیں جانا۔ ادھر ایک اژدھا پڑا ہے تو وہاں جانے کی ہمت نہیں کریں گے، یہ منکرین کی حماقت اور شقاوت ہے کہ وقوع قیامت کی بار بار خبر ملنے اور اس پر دلائل قائم ہونے کے باوجود اور یہ جانتے ہوئے کہ اگر قائم ہوگئی تو ہمارا برا حال ہوگا، پھر بھی اس کی تصدیق نہیں کرتے اور اپنی فلاح کے لئے فکر مند نہیں ہوتے۔

قوله تعالىٰ الحافره قال صاحب الروح الحافرة الارض التى حفرها السابق بقوائمه فهو من قلوهم رجع فلان فى حافرته اى طريقه التى جاء فيها فحفرها اى اثر فيها بمشيه والقياس الحفورة فهى اما بمعنى ذات حفر اوالاسناد مجازى. وقوه نخرة من نخر العظم اذ بلى وصار اجوف تمر به الريح فيسمع له نخير او صوت. وقوله تعالى "كرة خاسرة" اى ذات خسرا و خاسر اصحابها. (الحافرة: صاحب روح المعانی فرماتے ہیں حافرۃ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر آگے جانے والے نے اپنے پاؤں کے نشان چھوڑے ہوں۔ یہ رجع فلان بحافرہ سے ماخوذ ہے یعنی فلاں اسی راستہ سے لوٹا جس سے گیا تھا۔ تو اس نے اسی راستہ میں اپنے پاؤں کے نشان ڈالے۔ قانون کے مطابق اسے محفورۃ ہونا چاہیے۔ الحافرۃ کا معنی یا تو ہے پاؤں کے نشان والی یا یہ اسناد مجازی ہے۔ نخرۃ: یہ نخر العظم سے بنا ہے جب ہڈی بوسیدہ اور اندر سے کھوکھلی ہو جائے اور اس میں سے ہوا گزرتی ہے تو آواز یا سیٹی سنائی دیتی ہے۔ ایسی ہڈی کو نخرہ کہتے ہیں۔ کرۃ خاسرۃ: خسارے والا لوٹنا یا مطلب ہے کہ ایسا لوٹنا کہ لوٹنے والے نقصان میں ہوں گے۔)

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (وہ بس ایک ہی سخت آواز ہوگی جس سے سب لوگ فوراً ہی

میدان میں آموجود ہوں گے) اس میں منکرین کی تکذیب کی تردید ہے اس وقت طرح طرح کی باتیں بنارہے ہیں جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں، حالانکہ اس کا واقع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی بھاری بات نہیں ہے جب اس کا حکم ہوگا تو ایک چیخ وجود میں آئے گی (یعنی دوسری مرتبہ کا صور پھونکا جانا) اس وقت بغیر کسی دیر وانتظار کے ایک میدان میں موجود ہو جائیں گے، جو حساب کتاب کی جگہ ہوگی۔

قال صاحب الروح الساھرۃ قیل وجه الارض والفلاۃ و فی الکشاف الارض البیضاء ای التی لانبات فیھا المستویة سمیت بذلک لان السراب یجری فیھا من قولھم عین ساھرۃ جاریة الماء اھ. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: الساھرۃ کے بارے میں بعض نے کہا کہ زمین کی سطح کو اور صحرا کو کہتے ہیں اور کشاف میں ہے کہ ساہرۃ وہ زمین ہے کہ جس میں ہے جو سیدھی وصاف ہو اس میں کوئی پودا و کھیت نہ ہو۔ اسے ساہرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سراب چلتی ہے اور یہ لفظ عین ساھرۃ سے ماخوذ ہے یعنی وہ آنکھ جس سے پانی بہتا ہے)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ

کیا آپ کے پاس موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے، جبکہ ان کے پروردگار نے وادی مقدس یعنی میدان طویٰ میں انہیں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾

اس نے سرکشی اختیار کر رکھی ہے، سو اس سے کہو کیا تجھے اس بات کی خواہش ہے کہ تو پاکیزہ بن جائے اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف رہنمائی کروں تو تو ڈرنے لگے،

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ

اپھر انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھلائی سو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی میں لگا رہا، پھر اس نے پشت پھیری کوشش کرتے ہوئے، سو اس نے جمع کیا پھر زور سے آواز دی پھر کہا کہ میں

الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾

تمہارا پروردگار اعلیٰ ہوں، سو اللہ نے اسے پکڑ لیا جس میں دنیا و آخرت کی سزا تھی، بلاشبہ اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو ڈرے۔

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے مصر میں رہتے تھے وہاں جوان کی مظلومیت کا حال تھا اس کی تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں ان پر فرعون اور آل فرعون کی طرف سے مظالم کے پہاڑ ٹوٹتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ہی حالات میں وہاں پیدا ہوئے پھر فرعون کے محل میں پلے بڑھے جوان ہوئے ایک اسرائیلی یعنی ان کی قوم کے آدمی اور قبطی (فرعون کی قوم کے ایک فرد) کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے گزر رہے تھے اسرائیلی نے ان سے مدد طلب کی انہوں نے قبطی کو ایک گھونسہ مار دیا گھونسہ کا لگنا تھا کہ وہ تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا وہیں اس کا ڈھیر ہو گیا، فرعونیوں کو پتہ چلا کہ فلاں شخص نے ہمارے آدمی کو مارا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں لگ گئے اور ان کے قتل کے بارہ میں مشورہ کرنے لگے، ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رائے دی کہ تمہارے بارے میں ایسے ایسے مشورے ہو رہے ہیں تم یہاں سے پھوٹ لو اور کسی دوسری جگہ چلے جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے نکلے اور مدین پہنچ گئے وہاں ایک بوڑھے شخص تھے ان کی ایک لڑکی سے نکاح ہو گیا اپنے خسر صاحب کی بکریاں چراتے اور زندگی گزارتے تھے، مقررہ میعاد کے مطابق دس سال گزار کے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر مصر کی طرف واپس ہو رہے تھے کہ راستہ بھی بھول گئے اور سردی بھی لگ گئی، دور سے انہوں نے دیکھا کہ آگ نظر آ رہی ہے اپنی بیوی سے کہا کہ تم ذرا یہیں ٹھہرو میں تاپنے کے لئے آگ لے کر آتا ہوں آگ نہ ملی تو کوئی راستہ بتانے والا ہی مل جائے گا، جس جگہ آگ نظر آ رہی تھی اس جگہ کا نام طویٰ تھا جسے الوادی المقدس یعنی پاک میدان فرمایا ہے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا اور حکم دیا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش بنا ہوا ہے اور انہیں دو بڑے بڑے معجزے بھی عطا فرما دیئے ایک یہ کہ وہ اپنی لاٹھی زمین پر ڈالتے تھے تو اژدھا بن جاتی تھی دوسرے یہ کہ اپنے ہاتھ کو گریبان میں

ڈالتے تھے تو وہ بہت زیادہ روشن ہو کر نکلتا تھا۔ یہاں سورۃ النازعات میں اس کا اجمالی تذکرہ ہے فرمایا: هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی (کیا تمہارے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے)۔ اِذْنَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (جبکہ موسیٰ کو ان کے پاک میدان وادی طویٰ میں ان کو پکارا) اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (تم فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے سرکشی اختیار کررکھی ہے) فَقُلْ هَلْ لَّکَ اِلٰۤی اَنْ تَزَکّٰی (سو اس سے فرمایئے کیا تجھے اس بات کی رغبت ہے کہ تو پاکیزہ بن جائے)۔ وَاَهْدِیَکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخْشٰی (اور کیا تجھے اس بات کی رغبت ہے کہ میں تجھے تیرے رب کی طرف ہدایت دوں) یعنی تیرے خالق اور مالک کی ذات وصفات اور اس کی الوہیت اور ربوبیت اور اس کی قدرت کاملہ اور اس کے قہر اور غلبہ سے تجھے واقف کراؤں۔ فَتَخْشٰی تاکہ تو اپنے رب سے ڈرنے لگے اور اس سرکشی کو چھوڑ دے جو تو نے اختیار کررکھی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا فرمان سن کر وادی مقدس سے روانہ ہو کر مصر پہنچے وہاں سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ساتھ لیا (اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمادیا تھا) یہ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اسے حق کی دعوت دی پاکیزہ بننے کے لئے کہا (کیونکہ وہ کفر اور ظلم کی ناپاکی میں لت پت تھا)۔ اور اس سے فرمایا کہ تو ہماری بات مان لے ہدایت پر آجا ورنہ تجھ پر عذاب آجائے گا۔ کمافی سورۃ طٰہٰ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔

فرعون تو اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہتا تھا جب اس نے یہ سنا کہ میرا بھی کوئی رب ہے (اور بظاہر بھرے دربار میں یہ باتیں ہوئیں) تو وہ بڑا چونکا، اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعدد سوال جواب کئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پوری جرات اور دلیری کے ساتھ ہر بات کا جواب دیتے رہے جب فرعون دلیل سے عاجز ہو گیا تو کہنے لگا: لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (اگر تو نے میرے علاوہ کسی کو معبود بنایا تو تجھے ضرور قیدیوں میں شامل کردوں گا)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں تیرے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں تب بھی تو ایسا ہی کرے گا؟ فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو لے آ وہ کیا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ اژدھا بن گئی اور اپنا داہنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ خوب زیادہ روشن ہو گیا اسی کو فرمایا: فَاَرٰهُ الْاٰیَةَ الْکُبْرٰی (پھر انہوں نے اسے بڑی نشانی دکھائی) فَکَذَّبَ وَعَصٰی (سو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی پر جما رہا) دلیل سے بھی عاجز ہو گیا اور دو بڑے بڑے معجزے بھی دیکھ لئے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور رب جل شانہ کی نافرمانی پر بدستور قائم رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر بنا دیا پھر جادوگر بلائے ان سے مقابلہ کرایا جادوگر ہار گئے اور ایمان لے آئے۔ فرعون اب بھی نہ مانا اور اپنی سرکشی پر اڑا رہا، چونکہ وہ مطلق العنان بااختیار تھا اور اس کے غرور کا یہ حال تھا کہ وہ یوں کہتا تھا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں اس لئے اسے اپنی اقتدار کی فکر پڑ گئی اور طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات دب جائے اور عوام وخواص ان کی دعوت کو قبول نہ کریں اسی کو فرمایا ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی (اس نے پشت پھیری اور کوشش کرنے لگا) فَحَشَرَ فَنَادٰی (سو اس نے لوگوں کو جمع کیا پھر بلند آواز سے پکارا)۔ یعنی اپنے لوگوں کو خطاب کیا۔

فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (اور اپنا دعویٰ دہرا دیا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں یعنی سب سے بڑا رب ہوں) لیکن اس کی ہر تدبیر ناکام ہوئی اور بالآخر ہلاک ہوا دنیا میں بھی سزا پائی، یعنی اپنے لشکروں سمیت سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوگا بلکہ دوزخ میں داخل ہوتے وقت اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا۔ سورہ ہود میں فرمایا: یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے ہوگا سو انہیں دوزخ میں پہنچا دے گا)۔

سورۃ القصص میں فرمایا: وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ (اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی اور وہ لوگ قیامت کے دن بدحال ہوں گے)۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی (بلاشبہ اس میں اس شخص کے لئے عبرت ہے جو ڈرے) جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں اور عبرت کے قصے سن کر خوف کھاتے ہیں کہ کہیں ہمیں نافرمانی کی وجہ سے دنیا و آخرت میں بدحالی اور عذاب میں گرفتار نہ ہونا پڑے ایسے لوگوں کے لئے اس میں عبرت اور نصیحت ہے (اور جو لوگ نافرمانیوں میں لگ کر اپنی سمجھ کی پونجی کو کھو بیٹھے اور کسی بات سے متاثر نہیں ہوتے ایسے لوگ نافرمانی ہی میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں)۔ جیسے فرعون نے سرکشی کی راہ اختیار کی اور برباد و ہلاک اور مستحق عذاب نار ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون سے مکالمہ اور فرعون کا اپنے لشکروں سمیت ڈوب جانا سورۃ طٰہٰ میں تفصیل سے مذکور ہے نیز سورۃ یونس رکوع نمبر ۸ اور سورہ قصص رکوع نمبر ۱، ۲، ۳، اور سورہ نمل رکوع نمبر ۱ کی بھی مراجعت کر لی جائے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ

کیا پیدائش کے اعتبار سے تم زیادہ سخت ہو یا آسمان؟ اللہ نے اس کو بنایا اس کی چھت کو بلند کیا، سو اسے درست بنایا، اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو

ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾

ظاہر فرمایا، اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا، اس سے اس کا پانی نکالا اور اس کا چارہ، اور پہاڑوں کو جمادیا،

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے

تفسیر: جو لوگ قیامت کے منکر تھے ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم اپنی دوبارہ تخلیق کو مشکل سمجھ رہے ہو یہ بتاؤ کہ تمہاری تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق، ذرا سی سمجھ والا آدمی بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ بظاہر آسمان کی تخلیق زیادہ مشکل ہے (یعنی انسان سوچے گا تو یہی سمجھ میں آئے گا حالانکہ قادر مطلق کے لئے ہر معمولی اور بڑی سے بڑی چیز پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں) جب اللہ تعالیٰ نے آسمان جیسی چیز کو پیدا فرمادیا تو تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اس کے بعد آسمان کی بلندی کا اور رات و دن کا تذکرہ فرمایا۔

رَفَعَ سَمْكَهَا (اسی کی چھت کو بلند فرمایا) فَسَوّٰىهَا (سو اسے بالکل درست بنایا) وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا (اور اس کی رات کو تاریک بنایا) وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا (اور اس کے دن کو ظاہر فرمایا) رات اور دن کے وجود اور ظہور کا ظاہری سبب چونکہ آفتاب کا طلوع وغروب ہے اور وہ بلندی پر ہے اس لئے لیلها و ضحها کی اضافت السماء کی ضمیر کی طرف کی گئی۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا)۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا (زمین سے اس کا پانی نکالا اور اس کا چارہ نکالا (جو جانوروں کے کام آتا ہے)۔ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا (اور پہاڑوں کو جمادیا) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے) یعنی رات اور دن کا وجود اور زمین کا پھیلاؤ اور زمین میں پانی کا ہونا اور چارہ پیدا ہونا اور بہت وزنی پہاڑوں کا زمین پر جما رہنا تاکہ حرکت نہ کریں یہ سب چیزیں انسانوں کے لئے اور ان کے مویشیوں کے لئے بڑے نفع کی چیزیں ہیں، انسان پر لازم ہے کہ اپنے رب کا شکر گزار ہو اور اس کے نبیوں اور کتابوں کی خبروں کے مطابق وقوع قیامت کا اقراری ہو اور اس دن کے لئے فکر مند ہو۔

آسمان اور زمین کی پیدائش میں جو ترتیب ہے اس کا ذکر سورہ بقرہ میں اور سورۃ حٰمٓ السجدہ کی تفسیر میں دیکھ لیا جائے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾

سو جب بڑی مصیبت آجائے جس دن انسان اپنی کوششوں کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے لئے دوزخ کو ظاہر کردیا جائے گا،

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

سو جس نے سرکشی کی اور دنیاوالی زندگی کو ترجیح دی سو بلاشبہ دوزخ ہے ٹھکانا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾

اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا سو بلاشبہ جنت ہے ٹھکانا، وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہوگا،

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا

اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس کا منتہائے علم صرف آپ کے رب کی طرف ہے آپ تو بس اس شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے وہ جس دن اس کو دیکھیں گے

لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں رہے ہوں یا اس کے اول حصہ میں۔

تفسیر: ان آیات میں قیامت کا منظر بتایا ہے۔ اَلطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى جس کا ترجمہ بڑی مصیبت سے کیا گیا ہے یہ طَمَّ یَطِمُّ سے ماخوذ ہے جو بلند ہونے دلالت کرتا ہے قیامت کے لئے اس لفظ کا اطلاق اس لئے کیا گیا کہ اس دن کی مصیبت ہر مصیبت پر غالب ہوگی۔ اس سے بڑی مصیبت اس سے پہلے کسی نے نہیں دیکھی ہوگی، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

والطامة اعظم الدواهی لانه من طم بمعنی علا کما ورد فی المثل جری الوادی فطم علی القری وجاء السیل فطم الرکی وعلوها علی الدواهی غلبتها علیها فیرجع لما ذکر، قیل فوصفها بالکبریٰ للتاکید ولو فرکونها طامة بکونها غالبة للخلائق لایقدرون علی دفعها لکان الوصف مخصصا، وقیل کونها طامة باعتبار انها تغلب و تفوق ماعرفوا من دواهی الدنیا وکونها کبری باعتبار انها اعظم من جمیع الدواهی مطلقا و قیل غیر ذلک (الطامۃ: سب سے بڑی آفت کو کہتے ہیں کیونکہ یہ طم سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے بلند ہوا جیسا کہ مثال ہے جری الوادی فطم علی القریٰ وادی میں پانی اور بستیوں پر بلند ہوگیا وجاء السیل فطم الرکی سیلاب آیا اور کنوؤں پر بلند ہوگیا۔ اور طامۃ کی باقی آفتوں پر بلند ہونا ان پر غالب ہونا ہے لہٰذا اس کا وہی مفہوم ہے جو مذکور ہوا۔ بعض نے کہا اسے کبری کے ساتھ موصوف کرنا تاکید کے لئے ہے اور اگر اس کی تفسیر یہ کریں کہ یہ طامۃ ہے اس طرح کہ مخلوق پر غالب ہوگی وہ اسے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے تو اس وقت صفت مخصص ہوگی اور بعض نے کہا اس کا غلبہ اس طرح سے ہے کہ لوگوں نے دنیا کی جتنی آفتیں دیکھی سنی ہوں گی یہ ان سب سے بڑھ کر ہوگی اور کبریٰ اس لحاظ سے ہوگی کہ مطلقاً سب سے بڑی ہوگی۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں) (روح المعانی صفحہ ۴۰: ج ۳۰)

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى سے نفخۂ ثانیہ (دوسری بار صور پھونکنا مراد ہے۔ ارشاد فرمایا جس دن سب سے بڑی مصیبت آئے گی انسان یاد کرے گا اپنی کوششوں کو یعنی دنیا میں جو اعمال کئے تھے ان کو یاد کرے گا کیونکہ ان اعمال پر عذاب وثواب کا مدار ہوگا اور اس وقت جحیم یعنی دوزخ کو ظاہر کردیا جائے گا جسے سب دیکھنے والے دیکھ لیں گے۔

حساب وکتاب کے بعد جو فیصلے ہوں اس میں دو ہی جماعتیں ہوں گی ایک جماعت دوزخ میں اور ایک جماعت جنت میں جائے گی، جسے سورۃ الشوریٰ میں بیان فرمایا ہے۔

فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (اور جو لوگ اعراف پر ہوں گے وہ بھی آخر میں جنت میں داخل ہوں گے)

جنت اور دوزخ کے داخلہ کی بنیاد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (سو جس نے سرکشی کی اور دنیاوالی زندگی کو ترجیح دی یعنی دنیا ہی کے لئے کام کرتا رہا اور آخرت کی تیاری نہ کی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا)۔

عام طور سے کفر کا اختیار کرنا اور حق ظاہر ہوتے ہوئے حق قبول نہ کرنا اسی لئے ہوتا ہے کہ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں مال اور دولت اور کرسی چلے جانے کے ڈر سے حق قبول نہیں کرتے، یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی گناہوں میں بھی منہمک رہتے ہیں اس کا باعث بھی دنیا کو ترجیح دینا ہوتا ہے۔ مال کی طلب یا جاہ اور شہرت اور عہدہ کا لالچ یہ چیزیں گناہوں پر ڈالتی ہیں فرائض و واجبات چھڑاتی ہیں اور کاروبار میں خیانت ملاوٹ وغیرہ پر آمادہ کرتی ہیں، جو شخص آخرت کو ترجیح دے گا اور یہ یقین کرتے ہوئے زندگی گزارے گا کہ قیامت کے دن پیش ہونا ہے وہ دنیا کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ دنیا کی طلب حلال کما کر حلال مواقع میں خرچ کرنے کے لئے جائز ہے۔ البتہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہلاکت کا سبب ہے۔

اب دوسرا رخ لیجئے، ارشاد فرمایا: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا یعنی وہاں کے حساب سے خوف زدہ ہوا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔)

بات یہ ہے کہ انسان گناہوں کو چھوڑنا چاہتا ہے۔ حرام سے بچنے کا ارادہ کرتا ہے فرائض و واجبات کا اہتمام کرنا چاہتا ہے تو اس کا نفس آڑے آ جاتا ہے، نفس کو آرام چاہیئے مزہ اور لذت چاہیئے اسے ہری بھری دنیا محبوب ہے، آخرت میں کیا بنے گا اسے اس کی فکر ہی نہیں لہٰذا وہ گناہوں میں منہمک رہنے ہی کو پسند کرتا ہے، جو لوگ اپنے نفس پر قابو پاتے ہیں اسے گناہوں سے روکتے ہیں حرام سے بچاتے ہیں اور صرف جائز مال اور حلال لذت پر اکتفاء کر لیتے ہیں ایسے لوگ مبارک ہیں ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے جہاں ہر خواہش پوری ہوگی قیامت کے دن کے حساب کتاب کا جس نے دھیان رکھا اور وہاں کی پیشی سے خوف زدہ ہوا اس کے لئے جنت کا داخلہ ہے اور اسے دو باغ ملیں گے جیسا کہ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اس کے لئے دو باغ ہوں گے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے کہ نفس کی خواہشوں پر چلیں گے اور لمبی لمبی امیدیں باندھ کر رہیں گے، پھر فرمایا کہ نفس کی خواہش حق سے روکتی ہے اور امید کی درازی آخرت کو بھلا دیتی ہے (مزید فرمایا کہ یہ دنیا برابر جا رہی ہے اور یہ آخرت کے سفر میں ہے برابر چلی آ رہی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں سو اگر تم سے ہو سکے کہ دنیا کے بیٹے نہ بنو تو ایسا کر لو، کیونکہ آج تم دار العمل میں ہو اور حساب نہیں ہے اور کل کو دار آخرت میں ہوگے اور وہاں عمل نہیں ہوگا، اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آخرت کے بیٹے بنو دنیا کے بیٹے مت بنو کیونکہ آج عمل ہے اور حساب نہیں اور کل کو حساب ہوگا اور عمل نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴)۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا (وہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا؟)۔

ان لوگوں کا یہ سوال بظاہر سوال تھا اور حقیقت میں قیامت کا انکار کرنا مقصود تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا: فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا (اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق) یعنی آپ کو تو اس کے وقت وقوع کا علم ہی نہیں لہٰذا آپ اس کا وقت نہیں بتا سکتے۔ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (اس کا منتہائے علم آپ کے رب کی طرف ہے) یعنی قیامت کے واقع ہونے کا وقت معین اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے سورۃ الاعراف میں جو قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ فرمایا ہے (ترجمہ: آپ فرما دیجئے قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اس کے وقت پر اسے صرف وہی ظاہر فرمائے گا) یہاں بھی وہی مضمون مذکور ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا (آپ تو صرف ایسے شخص کے ڈرانے والے ہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو) یعنی

آپ کی بات مان کر ایمان لے آئے اور قیامت کے مواخذہ اور محاسبہ سے خوف زدہ ہو، جسے ماننا نہیں ہے آپ کا ڈرانا اس کے حق میں مفید نہیں۔ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (جس دن وہ اس کو دیکھیں گے ایسا معلوم ہوگا کہ گویا صرف ایک دن کے آخری حصہ میں رہے ہوں یا اس کے اول حصہ میں) آج تو بار بار پوچھ رہے ہیں کہ قیامت کب آئے گی اور بطور استہزا اور تمسخر یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا جب قیامت آئے گی اس وقت دنیا والی زندگی (جس میں برسہا برس گزارے تھے۔ تھوڑی سی معلوم ہوگی اور یوں سمجھیں گے کہ ہم نے جو عذاب کی جلدی مچائی تھی) وہ واقعی جلدی آ گیا، وقوع کے وقت جلدی ہی سمجھیں گے اگر چہ اب یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

وهذا آخر تفسير سورة النازعات، والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات والصلوٰة والسلام على سيدالكائنات و على آله وصحبه رواة الآيات الهداة الى الجنات

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ كَذَا الخ
سورہ عبس مکہ میں نازل ہوئی اس میں بیالیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④
منہ بنایا اور روگردانی کی اس وجہ سے کہ ان کے پاس نابینا آیا، اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا، یا نصیحت قبول کرتا، سو نصیحت اسے فائدہ دیتی
اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧
لیکن جس نے بے پرواہی کی سو آپ اس کے لئے پیش آجاتے ہیں، حالانکہ اس بات کا آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے
وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬
اور وہ ڈرتا ہے سو آپ اس کی طرف سے بے توجہی برتتے ہیں ہرگز ایسا نہ کیجئے بے شک یہ قرآن نصیحت کی چیز ہے سو جس کا جی چاہے اس کو قبول کر لے وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں
مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ⑭ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ⑯
بلند ہیں، مقدس ہیں ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو مکرم ہیں نیک ہیں

تفسیر: حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو نابینا تھے ان کا نام عبداللہ بن ام مکتوم معروف و مشہور ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام عمرو تھا اور والد کا نام قیس تھا، وہ مہاجرین اولین میں سے تھے مشہور قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے سے پہلے مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ گئے تھے، ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ مشرکین کے سرداروں میں سے بعض لوگ موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے باتیں کر رہے تھے اور اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم حاضر خدمت ہو گئے (چونکہ وہ نابینا تھے اس لئے انہیں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشغولیت کا پتہ نہ چلا) اور بار بار عرض کرتے رہے کہ مجھے بھی کچھ سکھا دیجئے، آپ کو اس وقت ان کا آ جانا اچھا نہ لگا کیونکہ وہ گفتگو کے درمیان بیچ میں آ گئے جس سے ایسی صورتِ حال

پیدا ہوگئی کہ ان کا جواب دیں تو حاضرین سے جو بات ہو رہی تھی وہ کٹ جاتی، آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف سے اعراض فرمایا اور سرداران قریش میں سے جس سے بات ہو رہی تھی اس کی طرف متوجہ رہے آپ کے خیال مبارک میں یہ بات تھی کہ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے کبھی بھی میرے پاس آ سکتا ہے اور سوال کر سکتا ہے لیکن ان قریش کے سرداروں میں سے کوئی شخص اسلام قبول کر لے تو سارے قریش پر اس کا اثر پڑے گا اور اس کا فائدہ زیادہ ہوگا، اس وقت ابن ام مکتوم پر توجہ دیتا ہوں تو یہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے ساتھی یہ ہی نابینا اور نیچے درجہ کے لوگ (غلام باندی ہیں) سنن ترمذی میں یوں ہے کہ **وعند رسول الله ﷺ رجل من عظماء المشركين**۔ لیکن معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جس وقت ابن مکتوم حاضر ہوئے اس وقت آپ کی خدمت میں عتبہ بن ربیعہ اور ابوجہل اور عباس بن عبدالمطلب اور ابی بن خلف اور امیہ بن خلف موجود تھے اور تفسیر بیضاوی میں ہے **و عنده صناديد قريش** کہ آپ کے پاس سرداران قریش موجود تھے۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ کو اس وقت ابن ام مکتوم کا آنا اور بات کرنا ناگوار ہوا اور اس کا اثر چہرہ انور پر ظاہر ہوا، اس پر اللہ جل شانہ نے عتاب فرمایا اور سورہ عبس نازل فرمائی ارشاد فرمایا **عَبَسَ وَتَوَلّٰى** (منہ بنایا اور روگردانی کی) **اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى** (یعنی رخ پھیر لیا اس وجہ سے کہ ان کے پاس نابینا آ گیا) پہلے تو غائب کا صیغہ استعمال فرمایا اس میں آپ کا اکرام ہے۔ پھر بصیغہ خطاب ارشاد فرمایا:

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى (اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا)۔ **اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى** (یا وہ نصیحت قبول کرتا سو نصیحت اسے فائدہ دیتی) یعنی وہ نابینا جو آیا وہ پہلے سے مومن تھا اس نے آپ سے دینی باتیں معلوم کرنا چاہیں آپ اسے کچھ بتاتے سمجھاتے تو وہ اپنی حالت کو سنوار لیتا اور نصیحت حاصل کرتا اور اسے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا آپ کو اس کے سنورنے اور سدھرنے اور نصیحت سے نفع حاصل کرنے کی امید رکھنا چاہیے۔ لفظ لَعَلَّ جو ترجی کے لئے آتا ہے اسی مفہوم کے ظاہر کرنے کے لئے استعمال فرمایا۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى (لیکن جس نے بے پرواہی کی اس کے لئے آپ پیش آ جاتے ہیں)۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى (اور آپ پر اس بات کا کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے) یعنی جس نے آپ کا دین قبول نہیں کیا اگر وہ اپنی حالت کو نہ سدھارے یعنی ایمان قبول نہ کرے تو اس بارے میں آپ سے کوئی مواخذہ نہیں۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى (اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈرتا ہے سو آپ اس کی طرف سے بے توجہی برتتے ہیں)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد نیک تھا مشرکین کے اسلام قبول کرنے کی امید پر ان سے باتیں کرتے رہے اور حضرت ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہ دی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تا کہ اصحاب صفہ کے دل نہ ٹوٹیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ فقیر مومن غنی کافر سے بہتر ہے، اور مومن کا خیال کرنا اولیٰ ہے اگر چہ فقیر ہو، مزید فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ الانعام میں **وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ** اور سورۃ الکہف میں **وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** فرمایا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابن مکتوم کا خاص اکرام فرماتے تھے اور جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو فرماتے تھے **مرحبا بمن عاتبني فيه ربي** (مرحبا ہے اس شخص کے لئے جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا) اور ان سے بار بار دریافت فرماتے تھے کہ کیا تمہاری کوئی حاجت ہے۔ الاستیعاب اور الاصابہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے پیچھے غزوات

میں تیرہ مرتبہ خلیفہ بنایا یعنی جب آپ جہاد کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو امام اور امارت ان کے سپرد کر کے جاتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ آپ ہرگز ایسا نہ کیجئے کہ جو شخص آپ کے پاس دینی باتیں معلوم کرنے آئے اس کی طرف سے بے توجہی کریں کیونکہ قرآن ایک نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے جو قرآن اور اس کی نصیحت قبول نہ کرے اس کا وبال اسی پر ہے، آپ پر کوئی ضرر نہیں اس کے بعد قرآن کے اوصاف بیان فرمائے کہ وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو اللہ کے یہاں مکرم ہیں اور بلند ہیں اور مقدس ہیں، کیونکہ شیاطین وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور یہ صحیفے ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں، جو باعزت ہیں اور نیک ہیں (فرشتے چونکہ لوح محفوظ سے قرآن مجید کو نقل کرتے ہیں اس لئے بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ فرمایا)۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ
انسان پر خدا کی مار ہو وہ کیا ہی ناشکرا ہے اسے کس چیز سے پیدا فرمایا، نطفہ سے اس کو پیدا فرمایا، سو اسے ایک انداز سے بنایا، پھر اس کا راستہ
يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾
آسان فرمادیا، پھر اس کو موت دیدی، اس کے بعد اسے قبر میں چھپادیا پھر جب چاہے اسے اٹھائے گا۔ خبردار اس کو جو حکم دیا اسے بجا نہیں لایا

تفسیر: ان آیات میں انسان کی ناشکری کا اور اس کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا: قُتِلَ الْاِنْسَانُ (انسان پر خدا کی مار ہو) یعنی وہ اس لائق ہے کہ ذلیل ہو اور اس پر اللہ کی لعنت ہو (قال فی معالم التنزیل ای لعن الکافر) مَآ اَكْفَرَهٗ (وہ کتنا بڑا ناشکرا ہے) اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا کتنی نعمتوں سے نوازا۔ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور سب سے بڑی ناشکری یہ ہے کہ ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا اسے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس چیز سے پیدا کیا ہے، لیکن نافرمانی پر تلا ہوا ہے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (اسے کس چیز سے پیدا فرمایا) مِنْ نُّطْفَةٍ (نطفہ سے پیدا فرمایا) جو حقیر اور ذلیل مادہ ہے اگر اپنی اصل کو دیکھے تو شرم سے آنکھیں نیچی ہو جائیں اور خالق کائنات جل مجدہ کی طرف سے سچے دل سے متوجہ ہو جس نے ذلیل پانی سے ایسی اچھی جیتی جاگتی گوشت اور ہڈی اور بال اور کھال والی مورتی بنادی۔ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ (انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا پھر اس کے اعضاء کو ایک خاص انداز سے بنایا اور ترتیب سے لگایا (کمافی سورۃ القیامۃ ثُمَّ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى)۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ (پھر اس کے نکلنے کا راستہ آسان کردیا) ماں کے رحم میں نطفہ سے خون کے لوتھڑے سے شکل وصورت بنتی ہے پھر اس میں جان ڈالی جاتی ہے یہ جاندار بچہ جس کا اچھا خاصا جسمانی وجود ہوتا ہے ایک تنگ راستہ سے باہر آجاتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے اسی نے اندر مادر رحم میں تخلیق فرمائی اور اسی نے باہر آنے کا راستہ بنایا اور باوجود تنگ راستہ ہونے کے بچہ کے باہر آنے میں آسانی فرمادی۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (پھر اسے موت دی پھر اسے قبر میں چھپادیا) مرنا اور جینا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے اور موت کے بعد تو بالکل ہی بے بس ہو جاتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندے بحکم الٰہی تشریعاً و تکویناً قبر میں پہنچا دیتے ہیں، چونکہ عموماً بنی آدم مردوں کو دفن ہی کرتے ہیں اس لئے لفظ اَقْبَرَهٗ فرمایا انسان کے دفن کئے جانے میں اس کا اکرام ہے اگر میدان میں پڑا رہے اور جانور کھاتے رہیں اور ادھر ادھر ہڈیاں پڑی رہیں اس کی بجائے اس کی نعش کو زمین کے حوالے کردیا جاتا ہے وہ اسے سنبھال لیتی ہے یہ ظاہری اکرام ہے اس کے بعد قبر میں کیا ہوتا ہے اس کا تعلق مرنے والے کے ایمان اور کفر اور اچھے برے

اعمال سے ہے بعض قومیں اپنے مردوں کو جلا دیتی ہیں اور بعض گدھوں کو کھلا دیتی ہیں لیکن جو لوگ دین سماوی کے مدعی ہیں وہ اپنے مردوں کو دفن ہی کرتے ہیں، جو لوگ دفن نہیں کرتے وہ بالآخر راکھ بن کر یا جانور کی غذا بن کر زمین ہی کے حوالے ہو جاتے ہیں کیونکہ جانور بھی مر کر مٹی ہی میں جاتے ہیں اسی کو سورۃ مرسلات میں فرمایا: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا (کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والا نہیں بنایا)۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ فرما دے گا) یعنی دنیا میں جینا اور مر جانا اسی پر بس نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر زندہ ہونا ہے اور دنیا والی زندگی کے اعمال کا حساب دینا ہے۔ كَلَّا (انسان نے ہرگز شکر ادا نہیں کیا) (قال صاحب الروح: ردع للانسان عما هو عليه من كفران النعم البالغ نهايته) (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ انسان کے کفران نعمت پر اس کے لئے انتہائی درجہ کی تنبیہ ہے)

لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا انسان اس حکم کو نہیں بجا لایا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی خلاف ورزی مراد ہے، اللہ تعالیٰ کے رب ماننے کا اقرار کیا پھر دنیا میں آئے تو خلاف ورزی کی، اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ جو ہدایت آئی اور احکام نازل ہوئے ان کے مطابق عمل نہ کیا (عام طور سے انسانوں کا مزاج اور رواج اور چال چلن اسی طرح سے ہے)۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾
سو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے ہم نے خوب اچھی طرح پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو عجیب طریقہ پر پھاڑ دیا
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾
سو ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کر دیا
مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾
تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے انسان کو غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے کھانے کی چیزوں میں غور کرے، یہ چیزیں زمین سے نکلتی ہیں۔ ان میں غلے بھی ہیں اور پھل بھی، انگور بھی ہیں اور زیتون بھی۔ کھجوریں بھی ہیں اور سبزیاں ترکاریاں بھی، نیز فواکہ بھی ہیں جنہیں بطور تفکہ کھاتے ہیں اور گھاس پھوس بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بن جاتا ہے، جن درختوں پر پھل آتے ہیں وہ صرف یہی نہیں کہ اکادکا کوئی درخت کہیں نکل آیا بلکہ ان کے باغ ہیں جن میں بڑے بڑے درخت ہیں، ان میں خوب کثرت سے پھل پیدا ہوتے ہیں، لفظ حَدَآئِقَ حدیقہ کی جمع ہے جس باغ کی چار دیواری بنا دی گئی ہو وہ حدیقہ ہے اور جس کی چار دیواری نہ ہو وہ باغ تو ہے حدیقہ نہیں اور غُلْبًا کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں عظاما شجرها یعنی ان کے درخت بڑے بڑے ہوتے ہیں اس میں تنہ آور ہونا پھیلنا شاخوں کا گنجان ہونا سب داخل ہے۔ کھیتیاں ہوں یا باغ ان کا ظاہری سبب اللہ نے یہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ زمین پر پانی برساتا ہے وہ پانی زمین کے اندر جاتا ہے جو بیج اور گٹھلی کے ابھرنے کا سبب بن جاتا ہے اور پودے نکلتے ہیں اسی کو فرمایا: اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (ہم نے خوب اچھی طرح پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو عجیب طریقہ پر پھاڑ دیا)

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ اوپر جن چیزوں کا بیان ہوا انہیں تمہارے لئے اور تمہارے جانوروں کے فائدہ کے لئے پیدا فرمایا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں ان کے ذریعہ انسان جیتا ہے زندگی گزارتا ہے اس پر لازم ہے کہ ان چیزوں میں غور کرے اور ان کے اور اپنے خالق کی طرف رجوع ہو۔

قوله تعالیٰ وَاَبًّا اختلف فی معناه علی اقوال کثیرہ فقیل هو ما تا کله البهائم من العشب قال ابن عباس و الحسن الاَبُّ کل ما انبتت الارض مما لا یاکله الناس و ما یاکله الادمیون هو الحصید، وعن ابن عباس ایضا و ابن ابی طلحة الاب الثمار الرطبة، وقال الضحاک هو التین خاصة وهو محکی عن ان عباس ایضا، و قال ابراهیم التیمی سئل ابوبکر الصدیق رضی الله عنه عن تفسیر الفاکهة والاب فقال ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب الله مالا اعلم وقال انس سمعت عمر بن الخطاب رضی الله عنه قرا هذه الایة ثم قال کل هذا قد عرفناه فما الاب؟ ثم رفع عصا کانت بیده وقال هذا لعمر الله التکلف وما علیک یا ابن ام عمر الاتدری ما الاب ثم قال اتبعوا ما بین لکم من هذا الکتاب وما لا فدعوه. (و ابا: اس کے معنی میں بہت سارے اقوال ہیں۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے وہ گھاس وچارہ جو چوپائے کھاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حسن فرماتے ہیں ہر وہ چیز جسے زمین اگاتی ہے اور وہ انسانی خوراک نہیں ہے وہ ابا ہے۔ اور ابن عباس اور ابوطلحہ سے منقول ہے کہ الاب سے مراد تازہ پھل ہیں۔ ضحاک کہتے ہیں اب انجیر کو کہتے ہیں۔ یہ بھی حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بتایا جاتا ہے۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فاکھۃ اور اب کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اگر میں بغیر علم کے کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہوں تو مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین جگہ دے گی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا کہ آپ نے یہ آیت تلاوت کی پھر فرمایا یہ سب ہم نے جان لیا مگر اب کا علم نہیں۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کا عصا بلند کیا اور فرمایا اللہ کی قسم تکلف ہے اور اے عمر کی ماں کے بیٹے تجھے کیا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ اب کیا ہے۔ پھر فرمایا اس کتاب کے جو مفاہیم تم پر واضح کردیئے گئے ان کی اتباع کرو اور جو واضح نہیں ہوئے ان کو چھوڑ دو (غلط تفسیر نہ کرو) (راجع تفسیر القرطبی الجزء التاسع عشر صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳)

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَ

سو جب خوب زوردار آواز والی آجائے گی جس روز انسان اپنے بھائی اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور

بَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ

اپنے بیٹوں سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو کسی طرف متوجہ نہ ہونے دے گی اس روز بہت سے چہرے روشن ہوں گے، ہنس مکھ ہوں گے،

مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

خوش ہوں گے اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے جن پر کدورت ہوگی، ان پر ظلمت چھائی ہوگی یہ وہ لوگ ہوں گے جو کافر تھے فاجر تھے

تفسیر: ان آیات میں روز قیامت کے بعض مناظر بیان فرمائے ہیں۔ الصَّآخَّةُ سخت آواز سے بولنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ایسی سخت آواز کو کہتے ہیں جو کانوں کو بہرا کردے اس سے نفخہ ثانیہ مراد ہے جب یہ سخت آواز آئے گی تو انسان اپنی مصیبت میں ایسا مبتلا ہوگا کہ اسے کسی کی طرف کوئی توجہ نہ ہوگی جو خاص اپنے لوگ تھے ان سے بھی بھاگے گا ہر شخص کا اپنا حال جدا ہوگا۔

ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے نیک بندوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کی صورتوں سے بشاشت اور خوشی ظاہر ہو رہی ہوگی اور جن نالائقوں نے دنیا میں خدا کو فراموش کیا ایمان اور اعمال صالحہ کے نور سے علیحدہ رہے اور کفر و فجور کی سیاہی میں گھسے رہے قیامت کے دن ان کے چہروں پر سیاہی چڑھی ہوگی ذلت اور رسوائی کے ساتھ حاضر محشر ہوں گے اپنے اعمال بد کی وجہ سے اداس ہو رہے ہوں گے اور خوف زدہ ہوکر یہ سوچتے ہوں گے کہ یہاں ہم سے برابر تاؤ ہونے والا ہے اور وہ آفت آنیوالی ہے جو کمر توڑ دینے والی ہوگی (تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ)۔ سورہ آل عمران میں فرمایا:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ☆ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا

خَالِدُوْنَ☆ (اس روز بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم لوگ کافر ہو گئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد سو سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے، اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)۔

آخر تفسیر سورۃ عبس، والحمد للہ اولاً و آخراً

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً
سورۃ التکویر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں انتیس آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعِشَارُ
جب سورج بے نور ہوجائے اور جب ستارے گر پڑیں اور جب پہاڑ چلادیے جائیں اور جب حمل والی اونٹنیاں
عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷
بے کار کردی جائیں اور جب وحشی جانور جمع کردیے جائیں اور جب سمندروں کو دہکا دیا جائے اور جب نفوس کے جوڑے بنادیے جائیں،
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ
اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کے بارے میں سوال کیا جائے کہ وہ کس گناہ کے سبب قتل کی گئی اور جب اعمال نامے کھول دیے جائیں اور جب آسمان
كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴
کھول دیا جائے اور جب دوزخ کو دہکا دیا جائے اور جب جنت کو قریب کردیا جائے ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو اس نے حاضر کردیے

تفسیر: اس سورت میں قیامت کے دن کے احوال اور اھوال بیان کیے گئے ہیں کچھ نفخہ اولیٰ کے وقت اور کچھ نفخہ ثانیہ کے وقت کے ہیں، نفخہ اولیٰ کے وقت کے چھ حالات بیان فرمائے ہیں اولاً اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (جب سورج کو لپیٹ دیا جائے)۔ كُوِّرَتْ کا لغوی ترجمہ یہی ہے اس کا لپیٹ دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی یعنی بے نور کردیا جائے گا یہ مطلب حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے۔

ثانیاً وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (اور جب ستارے گر پڑیں)۔

ثالثاً وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (اور جبکہ پہاڑ چلادیے جائیں) پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا، سورۃ النمل سورۃ طٰہٰ، سورۃ

مزمل میں بھی مذکور ہے، پہاڑ ریت کی طرح ہوجائیں گے اور اپنی اپنی جگہوں سے چل دیں گے جیسے بادل چلتے ہیں (وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ)۔

رابعاً وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (اور جب حمل والی اونٹنیاں بے کار کردی جائیں) اس میں لفظ العشار عشراء کی جمع ہے جس اونٹنی کو دس ماہ کا حمل ہوا سے عشراء کہتے ہیں، اور بیکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا نہ کوئی طالب رہے گا نہ چرانے والا، نہ سواری کرنے والا، عرب کے لوگ حمل والی اونٹنیوں کو اپنے لئے بہت بڑا سرمایہ سمجھتے تھے اور قرآن کے اولین مخاطبین وہی تھے اس لئے اونٹنیوں کے بیکار ہونے کا تذکرہ فرمایا کہ تم جن چیزوں کو اپنی مرغوب ترین چیز سمجھتے ہو ان پر ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے کہ ان کی طرف ذرا بھی کوئی توجہ نہ کرے گا۔

خامساً وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ (اور جب وحشی جانور جمع کردیئے جائیں)۔ مفسرین نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں بعض حضرات نے اس کا یہ معنی لیا ہے کہ وحشی جانوروں کو موت آجائے گی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے قیامت کے دن کا محشور ہونا مراد ہے جیسا کہ سورہ نباء کی آخری آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ضرور تم حقوق ادا کرو گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو سینگوں والی بکری نے مارا ہوگا تو اس کو بھی بدلہ دلوایا جائے گا، اس میں بطور مثال بکری کا ذکر ہے لیکن دوسرے جانوروں کا حال بھی اسی سے معلوم ہو رہا ہے جس میں وحشی جانور بھی آجاتے ہیں، صاحب روح المعانی نے مسند احمد سے اسی حدیث میں حتی الذرة من الذرة کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں یعنی چیونٹی کو بھی چیونٹی سے بدلہ دلایا جائے گا، اگر حُشِرَتْ کا یہ معنی لیا جائے تو الفاظ قرآن سے بعید نہیں لیکن اس کا تعلق نفخہ ثانیہ سے ہے، اگر یہ بات ملحوظ نہ رکھی جائے کہ ترتیب میں اولاً نفخہ اولیٰ والی چیزیں بیان کی گئی ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ مجموعی حیثیت سے نفختین سے متعلق احوال بیان کردیئے گئے ہیں تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

سادساً وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (اور جب سمندروں کو دہکا دیا جائے) لفظ سجرت تسجیر سے ماخوذ ہے یہ لفظ آگ جلانے دہکانے بڑھکانے اور تیز کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاحب روح المعانی اس کا مطلب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای احمیت بان تغیض میاھھا وتظھر النار فی مکانھا یعنی سمندروں کو گرم کردیا جائے گا جس سے ان کے پانی خشک ہوجائیں گے اور ان کی جگہ ظاہر ہوجائے گی۔

اس کے بعد نفخہ ثانیہ سے متعلق چھ واقعات بیان کئے۔

اولاً وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھے کئے جائیں) کافر علیحدہ اور مسلمان علیحدہ ہوں گے اور ہر فریق کی جماعتیں ہوں گی۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا: وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (اور تو اس دن مجرموں کو بیڑیوں میں کہ ایک ساتھ جوڑے ہوئے زنجیروں میں دیکھے گا)۔

ثانیاً وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ (اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کے بارے میں پوچھا جائے۔ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی) زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ انتظار میں رہتے تھے کہ دیکھو کیا پیدا ہوتا ہے اگر لڑکا پیدا ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے تھے اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اپنے لئے عار سمجھتے تھے اور اسے اسی وقت زندہ ہی دفن کردیتے تھے اگر کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوجاتی تو اسے عیب سمجھ کر چھپا چھپا پھرتا تھا جیسا کہ سورۃ النحل میں فرمایا يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ زندہ نومولود لڑکی کو دفن کردیا جاتا تھا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی بخشش سے ناراض تھے بے گناہ بچی کو زندہ در گور کردیتے تھے آیت بالا میں اسی کو بیان فرمایا کہ یہ سوال کیا جائے گا کہ لڑکی کو کس گناہ میں زندہ دفن کیا گیا۔

ثالثاً وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (اور جب صحیفے پھیلا دیئے جائیں گے) وہ صحیفے جن میں بندوں کے اعمال لکھے گئے تھے سامنے لائے جائیں گے اچھے لوگوں کے داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کے بائیں ہاتھ میں ہوں گے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا (اور ہم اس کے لئے اعمال نامہ نکال دیں گے جسے وہ کھلا ہوا اپنے سامنے موجود پالے گا) اور سورۃ الکھف میں فرمایا: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَّلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (اور نامہ عمل رکھدیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہوگا اس سے ڈرتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اس نامہ عمل کی عجیب حالت ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا گناہ اس نے نہیں چھوڑا جسے نہ لکھا ہو اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا)۔

رابعاً وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (اور جب آسمان کھول دیا جائے گا)۔

خامساً وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (اور جب دوزخ کو دہکا دیا جائے گا یعنی دوزخ کی جو آگ ہے اسے مزید جلایا جائے گا تا کہ اور زیادہ گرم ہو جائے)۔

سادساً وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے گا) یعنی متقیوں کے لئے قریب کردی جائے گی جیسا کہ گمراہوں کے لئے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا کما فی سورۃ الشعراء وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ (اور متقیوں کے لئے جنت قریب کردی جائے گی اور گمراہوں کے لئے دوزخ کو سامنے ظاہر کر دیا جائے گا)۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو اس نے حاضر کئے) یعنی جب مذکورہ بالا امور پیش آئیں گے تو ہر جان کو اپنے کئے دھرے کا پتہ چل جائے گا، اعمال نامے سامنے ہوں گے اور خیر اور شر کا جو بھی عمل کیا ہوگا وہ وہاں موجود ہوگا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ

سو میں ان ستاروں کی قسم کھاتا ہوں جو پیچھے کو ہٹتے ہیں جو چلنے والے ہیں چھپنے والے ہیں قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے بلاشبہ یہ

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا

قرآن کلام ہے رسول کریم کا معزز فرشتہ کالایا ہوا جو عرش والے کے نزدیک قوت والا ہے مرتبہ والا ہے، اس کی اطاعت کی جاتی ہے وہ وہاں امانت دار ہے

صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾

اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے اور بات واقعی ہے کہ اس نے اس فرشتے کو واضح کنارہ پر دیکھا ہے، اور وہ غیب کی باتوں پر بخل کرنے والا نہیں ہے

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ

اور وہ شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے، سو تم لوگ کہاں جا رہے ہو، بس وہ جہان والوں کیلئے ایک بڑی نصیحت ہے ایسے شخص کے لئے جو تم میں

مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

سے سیدھے راستہ پر چلنا چاہے اور تم نہیں چاہتے ہو مگر یہ کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے چند مخصوص ستاروں کی اور رات کی اور صبح کی قسم کھا کر قرآن کریم کی اور قرآن مجید لانے والے فرشتے یعنی جبریل علیہ السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور جو لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کو دیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے ان کی تردید کی ہے۔

جن ستاروں کی قسم کھائی ہے ان کے بارے میں اَلْخُنَّسِ اور اَلْجَوَارِ اور اَلْکُنَّسِ فرمایا ہے۔ اَلْخُنَّسِ خانس کی جمع ہے جس کا معنیٰ پیچھے ہٹنے والا ہے اور اَلْجَوَارِ جاریة کی جمع ہے جو جَرٰی یَجْرِیْ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور فواعل کے وزن پر ہے ی کو لکھنے اور پڑھنے میں حذف کر دیا گیا ہے اس کا معنیٰ ہے چلنے والے اور الکنس کانس کی جمع ہے جو کنس یکنس کا اسم فاعل ہے جس کا معنیٰ چھپ جانے کا ہے یقال کنس الوحش اذا دخل کناسه الذی یتخذه من اغصان الشجر۔ (کہا جاتا ہے کنس الوحش جبکہ وہ درختوں کی ٹہنیوں سے بنائے ہوئے اپنے نشیمن میں داخل ہو گیا ہو) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے پانچ ستارے مراد ہیں یعنی زحل اور عطارد اور مشتری اور مریخ اور زہرہ ان کو خمسہ متحیرہ بھی کہتے ہیں یہ چلتے چلتے پیچھے کو ہٹنے لگتے ہیں پھر پیچھے ہی کو چلتے رہتے ہیں اور کبھی پیچھے چلتے چلتے اپنے مطالع میں جا چھپتے ہیں۔

(ووصفت بما ذكر فی الآية لانها يجری مع الشمس والقمر و ترجع حتى تخفى تحت ضوء الشمس فخنوسها رجوعها بحسب الرؤية و كنوسها اختفاء ها تحت ضوئها و تسمى المتحيرة لاختلاف احوالها و فی سيرها فيما يشاهد فلها استقامة ورجعة واقامة فبينما تراها تجری الى جهة اذا بها راجعة تجری الى خلاف تلك الجهة و بينما تراها تجری اذا بها مقيمة لا تجری وسبب ذلك علىٰ ماقال المتقدمون من اهل الهيئة كونها فی تداوير فی حوامل مختلفة الحركات على ما بين فی موضعه وللمحدثين منهم النافين لما ذكر مما هو مذكور فی كتبهم، وهی مع الشمس والقمر يقال لها السيارات السبع لان سيرها بالحركة الخاصة مما لايكاد يخفىٰ على احد بخلاف غيرها من الثوابت) (آیت میں ان کی جو صفت بیان کی گئی ہے وہ اس لئے کہ یہ سورج اور چاند کے ساتھ چلتے ہیں اور لوٹتے ہیں حتیٰ کہ سورج کی روشنی کے نیچے چھپ جاتے ہیں پس ان کا خنوس دیکھنے کے لحاظ سے ان کے لوٹنے کا نام ہے اور ان کا کنوس سورج کی روشنی میں ان کے چھپ جانے کا نام ہے اور ان کا نام متحیرہ اس لئے رکھا جاتا ہے کہ مشاہدہ کے مطابق ان کے چلنے کے حالات مختلف ہیں۔ چنانچہ ان کے لئے استقامت بھی ہے۔ لوٹنا بھی ہے اور پھر اقامت بھی ہے۔ پس آپ انہیں دیکھیں گے کہ ایک سمت کو چل رہے ہیں پھر اچانک اس کے مخالف سمت کو لوٹ کر چل رہے ہوں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ چل رہے ہیں کہ اچانک رکے ہوئے نظر آئیں گے چل نہیں رہے اور قدیم ہیئت دانوں کے مطابق ان کے اس اختلاف احوال کا سبب یہ ہے کہ یہ مختلف زاویوں میں حرکات والے دائروں میں ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اور محدثین محققین کے ہاں بھی اس کا سبب ہے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے اور یہ سورج اور چاند کے ساتھ ہوتے ہیں ان کو سات سیارے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی رفتار ایک خاص حرکت کے ساتھ ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے بخلاف دوسرے ثوابت کے (کہ ان کی ایسی رفتار نہیں ہے) (روح المعانی صفحہ ۶۶: ج ۳۰)

وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ (اور قسم ہے رات کی جب جانے لگے) لفظ عَسْعَسَ رباعی مجرد ہے ماضی کا صیغہ ہے اس کے دونوں معنیٰ ادبر ظلامہ واقبل اور دونوں معنی کے لئے آتا ہے صاحب روح المعانی نے فراء نحوی سے نقل کیا ہے کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں عَسْعَسَ بمعنیٰ اَدْبَرَ ہے (جس کو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے) اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں بمعنی اقبل ظلامہ (تاریکی لے کر آ گیا) زیادہ مناسب ہے تاکہ آئندہ جملہ کے موافق ہو جائے کیونکہ صبح دن کے اول حصہ میں ہوتی ہے لہٰذا دوسری جانب رات کا پہلا حصہ مراد لینا مناسب ہوگا۔

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے)۔ یعنی جب وہ آنے لگے (اس سے فجر اول مراد ہے) ان چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ یہ قرآن کلام ہے رسول کریم کا جسے ایک معزز فرشتہ لایا ہے یہ فرشتہ قوت والا ہے اور مالک عرش کے نزدیک رتبہ والا ہے اور وہاں یعنی آسمان میں اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ فرشتہ امانت دار ہے جو وحی کو بالکل صحیح صحیح پہنچاتا ہے۔ اس میں حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کلام یعنی قرآن کریم کو لایا کرتے تھے اور رسول اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے اس کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو تمہارے ساتھ کے رہنے والے ہیں یعنی محمد رسول اللہ علیہ وسلم جن کا حال تم خوب جانتے ہو وہ مجنوں نہیں ہیں جیسا کہ منکرین نبوت کہتے ہیں وحی لانے کی صفات بھی تمہیں معلوم ہو گئی اور جس پر وحی آتی ہے اس کا حال بھی تمہیں معلوم ہے۔ لہٰذا قرآن کے بارے میں یہ شک

کرنا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے یا نہیں یہ تمہاری غلطی ہے جس نے تمہیں کافر بنا رکھا ہے اوپر جو ستاروں کی اور رات کی اور صبح کی قسمیں کھائی ہیں ان قسموں کے بارے میں صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ مقام مطلوب کے اعتبار سے نہایت مناسب ہیں چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور رکنا اور چھپ جانا فرشتہ کے آنے اور جانے اور عالم الملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے ظلمت کفر کے رفع ہو جانے کے اور نور ہدایت ظاہر ہو جانے کے اور ان دونوں کا سبب قرآن کریم ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (اور اس فرشتہ کو رسول اللہ ﷺ نے افق مبین یعنی آسمان پہ صاف کنارے پر دیکھا ہے) حضرت جبریل علیہ السلام جب وحی لاتے تھے تو حضرت دحیہ کلبی صحابی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ سرور عالم ﷺ نے انہیں دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا، ایک مرتبہ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اور ایک مرتبہ محلہ جیا میں (جو مکہ معظمہ کا ایک محلہ ہے) دیکھا آپ نے دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں اور پوری افق کو گھیر رکھا ہے (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النجم)۔

پھر فرمایا وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (اور رسول اللہ ﷺ غیب کی باتیں بتانے میں بخل کرنے والے نہیں ہیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آتی ہے اسے نہیں چھپاتے جیسا کہ لوگ غیب کی بات جاننے کے مدعی ہوتے تھے اور اسے چھپاتے تھے اور اس پر اجرت پاتے تھے۔

وَمَاهُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کی کہی ہوئی بات نہیں ہے) فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ (پس جبکہ وحی لانے والا فرشتہ مذکورہ بالا صفات سے متصف ہے اور جن پر وحی آتی ہے وہ دیوانے بھی نہیں ہے اور نہ کاہن ہیں اور نہ اجرت طلب کرتے ہیں اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کا کلام بھی نہیں ہے تو تم اس کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ بس یہ قرآن دنیا جہان والوں کے لئے ایک بڑی نصیحت ہے جو تم میں سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (اور تم نہیں چاہو گے مگر یہ کہ اللہ رب العلمین چاہے، سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔

والحمدللہ اولا و آخرا و باطنا و ظاہرا

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الانفطار مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْقُبُوْرُ

جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے جھڑ جائیں گے اور جب سمندر بہا دیئے جائیں گے اور جب قبریں

بُعْثِرَتْ ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝۵

اکھاڑ دی جائیں گی تو ہر شخص ان اعمال کو جان لے گا جو اس نے پہلے بھیجے اور بعد میں بھیجے

تفسیر: ان آیات میں بھی وقوع قیامت کے بعض احوال کا ذکر ہے، ارشاد فرمایا جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ پڑیں گے اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے، یعنی دریائے شور اور شیریں بہہ کر آپس میں ایک دوسرے سے مل جائیں گے، اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی یعنی ان میں سے مردے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر شخص اپنے اعمال کو جان لے گا جو اس نے پہلے بھیجے اور بعد میں بھیجے (ان میں سے اول کے تین واقعات نفخہ اولیٰ سے اور چوتھا واقعہ نفخہ ثانیہ سے متعلق ہے۔

روح المعانی میں وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب سارے دریا میٹھے اور نمکین اکٹھے ہو جائیں گے تو زمین اس سارے پانی کو چوس لے گی اور زمین پر ذرا سا بھی پانی نہیں رہے گا۔ **وروی ان الارض تنشف الماء بعد امتلاء البحار فتصیر مستویة ای فی ان لا ماء وارید ان البحار تصیر واحدة اولا ثم تنشف الارض جمیعا فتصیر بلاماء.**

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾
اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ دھوکہ میں ڈالا جس نے تجھے پیدا فرمایا سو تیرے اعضا درست بنائے پھر تجھے اعتدال پر رکھا
فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۭ﴿۸﴾
جس صورت میں چاہا تجھے مرکب فرمادیا

تفسیر: ان آیات میں انسان کو اس کا حال بتایا ہے اور اسے توجہ دلائی ہے کہ وہ خالق و مالک کی طرف متوجہ ہو۔ انسان کچھ بھی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اسے پیدا فرمایا، وجود بخشا اس کے جسم کو نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ ٹھیک بنایا اور اپنی حکمت کے مطابق جس صورت میں چاہا ڈھال دیا، انسان اپنے اختیار سے نہ پیدا ہوا نہ قد کی درازی میں اسے کوئی دخل ہے نہ موٹا پتلا ہونے میں نہ حسین قبیح ہونے میں، وہ جس صورت اور حالت میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے ہر شخص اپنی اپنی صورت میں چلتا پھرتا ہے اسی کی طرف متوجہ رہنا اور اسی کا بھیجا ہوا دین قبول کرنا اور اسی کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اب انسانوں میں بہت سے لوگ تو ملحد زندیق ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو خالق جل مجدہ کے وجود کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اس کے دین کو قبول نہیں کرتے اور کچھ لوگ ایسے ہیں اس کا دین بھی قبول کرتے ہیں لیکن اس کے اوامر و نواہی پر عمل نہیں کرتے فرائض چھوڑتے رہتے ہیں اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور جب کسی کے یاد دلانے سے خیال آجاتا ہے کہ گنہگاری کی زندگی اچھی نہیں ہے تو نفس اور شیطان یہ سمجھا دیتے ہیں کہ ارے میاں چلتے رہو مزے کرتے رہو تمہارا رب کریم ہے بخش دے گا بڑی زندگی پڑی ہے توبہ کر لینا وغیرہ وغیرہ حالانکہ جس ذات پاک کے اتنے بڑے بڑے احسانات اور انعامات ہیں اس کی تو ذرا سی نافرمانی کرنا بھی مقتضائے عقل کے خلاف ہے۔

بات یہ ہے کہ وفاداری کا مزاج نہیں ہے جس ذات پاک نے وجود بخشا ان گنت نعمتوں سے نوازا اس کی نافرمانی بڑی ہو یا چھوٹی (صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ) سراسر بے وفائی ہے اگر گناہ پر عذاب نہ ہونا یقینی ہوتا اور بخش دیا جانا ہی متعین ہوتا تب بھی ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا لازم تھا عذاب کے ڈر سے نافرمانی سے بچنا یہ نمک حرام غلام کا خاصہ ہے جو ڈنڈے کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ یہ آقا کا فرمانبردار نہیں، نمک حلال اور وفادار تو ذرا سی نافرمانی کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ اس کے سامنے نعمتیں ہوتی ہیں جن کے استحضار سے وفاداری کا مزاج بنا ہوا ہوتا ہے وفادار کی نظر صرف حکم پر ہوتی ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ حکم نہ مانا تو مار پڑے گی یا معافی ہو جائے گی بلکہ نافرمانی کی زندگی ہی کو عذاب کے برابر سمجھتا ہے ڈنڈا لگنے سے تو بظاہر جسم کو تکلیف ہوتی ہے لیکن نافرمانی کی وجہ سے جو وفاداری میں فرق آگیا اس کی ندامت میں پگھلنا وفادار بندہ کے لئے جسمانی عذاب سے زیادہ ہے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾

ہرگز نہیں، بلکہ بات یہ کہ تم جزاء کو جھٹلاتے ہو اور بلاشبہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے ہیں جو عزت والے ہیں لکھنے والے ہیں وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو،

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿١٣﴾ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿١٤﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا

بلاشبہ نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بلاشبہ بدکار دوزخ میں ہوں گے، وہ اس میں بدلہ کے دن داخل ہوں گے اور وہ اس سے غائب ہونے والے نہ

بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

ہوں گے اور اے مخاطب تجھے خبر ہے کہ بدلہ کا دن کیا ہے پھر تجھے کیا خبر ہے کہ بدلہ کا دن کیا ہے، وہ ایسا دن ہوگا جس میں کوئی شخص کسی شخص کے لئے نفع کا مالک نہ

لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾

ہوگا اور اس دن ساری حکومت اللہ ہی کے لئے ہوگی

تفسیر: کلا (ہرگز نہیں) یعنی نفس وشیطان کے دھوکہ میں نہ آئیں دھوکہ میں پڑنا اپنی خیر خواہی کے خلاف ہے اور اس سے بڑھ کر تمہارا اپنی جانوں پر یہ ظلم ہے کہ تم جزا اور سزا ہی کو جھٹلاتے ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ کوئی مواخذہ اور محاسبہ ہونا نہیں ہے) حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں جو معزز ہیں (اللہ کے نزدیک مکرم ہیں) اور تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں اور تم جو کام کرتے ہو وہ ان کو جانتے ہیں (لہذا تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرو اور گناہوں سے بچو)

اس کے بعد قیامت کے دن کی جزا اور سزا کا اجمالی تذکرہ فرمایا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ (بلاشبہ نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے)۔ جن کی تفصیل دوسری آیات میں مذکور ہے۔

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ (اور بلاشبہ بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے)۔

يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ (وہ بدلہ کے دن اس میں داخل ہوں گے)۔

وَمَاهُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ (اور وہ اس سے باہر نہ جائیں گے) یعنی دائماً ابداً سرمداً دوزخ ہی میں رہیں گے اس مضمون کو سورۃ المائدہ میں یوں بیان فرمایا: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (وہ چاہیں گے کہ اس میں سے نکلیں حالانکہ وہ اس میں سے نہ نکل پائیں گے اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے)۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (اور اے مخاطب تجھے معلوم ہے کہ روز جزا کیا ہے)۔ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (پھر تجھ سے سوال ہے بتا روز جزا کیا ہے)۔ تجھے بار بار اس کے حالات بتائے گئے ہیں اور جزا و سزا کی تفصیل بیان کی گئی ہے ان سب کو جان کر سمجھ کر تجھے روز جزا کے لئے فکرمند ہونا چاہیئے اس دن کا حال اجمالی طور پر پھر تجھے بتایا جا رہا ہے۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا (یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی جان کا کسی جان کے لئے کچھ بھی بس نہ چلے گا)۔

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (اور اس دن ساری حکومت اللہ ہی کے لئے ہوگی)۔ دنیا میں جو مجازی حکومتیں ہیں بادشاہ ہیں اور حکام ہیں قاضی ہیں اور جج ہیں ان میں سے کسی کا کچھ بھی زور اس روز نہ چلے گا بلکہ یہ خود پکڑے ہوئے آئیں گے اور ان کی پیشیاں ہوں گی اپنے کفر یہ مظالم اور غیر شرعی فیصلوں کی سزا انہیں بھگتنی ہوگی۔

وھذا آخر تفسیر سورۃ الانفطار والحمد للہ العلی الغفار والصلوٰۃ علی نبیه
سید الابرار و علی آله و صحبه المهتدین الاخیار

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ المطففین مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھتیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کے لئے، جن کا طریقہ یہ ہے کہ جب لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں،

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾

کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے

تفسیر: یہاں سے سورہ تطفیف شروع ہو رہی ہے، یہ لفظ طفف سے باب تفعیل کا مصدر ہے اور مطففین اسی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تطفیف کا معنی ہے گھٹانا اور کم کرنا۔ لفظ کَالُوْا، کیل سے لیا گیا ہے ماضی معروف جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ عربی میں برتن کے بنائے ہوئے پیمانہ سے بھر کر دینے کو کیل کہتے ہیں اور اِکْتَالُوْا لفظ کیل سے باب افتعال سے ماضی کا صیغہ ہے۔

اس آیت شریفہ میں ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کی مذمت فرمائی ہے جو لوگ دوسروں کے ہاتھ مال بیچتے ہیں تو کم ناپتے ہیں یا کم تولتے ہیں۔ تولتے وقت ڈنڈی مار دیتے ہیں اور ایک طرف کو کسی ترکیب سے پلڑا جھکا دیتے ہیں اور لوگوں سے مال لیتے ہیں تو پورا تلواتے ہیں اور پورا ہنواتے ہیں۔ ان لوگوں کو قیامت کے دن کی پیشی یاد دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ تطفیف کرنیوالوں کے لئے اس دن بڑی خرابی ہوگی جس دن رب العلمین کے حضور کھڑے ہوں گے ذرا سی حقیر دنیا کے لئے اپنے ذمہ حقوق العباد لازم کرتے ہیں اور دھوکہ فریب دے کر تجارت کرتے ہیں اس کا وبال آخرت میں بھی ہے اور دنیا میں بھی ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں تمہارے سپرد کی گئیں ہیں ان دونوں کے بارے میں گزشتہ امتیں ہلاک ہو چکی ہیں (مشکوٰۃ المصابیح)۔

ناپ تول میں کمی کرنے کا رواج حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم میں تھا۔ انہوں نے ان کو بار ہا سمجھایا وہ نہ مانے بالآخر عذاب آیا اور ہلاک ہو گئے جیسا کہ سورہ شعراء میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے، ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا۔ یعنی ان کے رزق میں کمی کردی جائے گی۔ یا رزق کی برکت اٹھالی جائے گی۔ ناپ تول میں کمی کر کے دینا حرام ہے۔ ایسا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی بر خلاف اس کے جھکا کر تولنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جارہے تھے ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جو مزدوری پر تول رہا تھا (یعنی بیچنے والے کا مال زیادہ مقدار میں تھا ایک شخص اس کی طرف سے تول رہا تھا اور اس نے اپنے اس عمل کی مزدوری طے کرلی تھی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''زِنْ وَارْجِعْ'' کہ تم تولو اور جھکا کر تولو۔

جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح سے دیگر امور میں کمی کرنے سے کہیں گناہ ہوتا ہے اور کہیں ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ مومن ہونے کے اعتبار سے جو ذمہ داری قبول کی ہے ہر شخص اسے پوری کرے۔ حقوق اللہ بھی پورے کرے اور

حقوق العباد بھی، کسی قسم کی کٹوتی نہ کرے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نماز عصر سے فارغ ہوئے تو ایک شخص سے ملاقات ہوئی وہ نماز عصر میں حاضر نہیں ہوا تھا اس سے دریافت فرمایا کہ تم نماز عصر سے کیوں پچھڑ گئے۔ اس شخص نے کچھ عذر پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا طَفَّفْتَ کہ تو نے اپنے حصے میں کمی کر دی، یعنی جماعت کا جو ثواب ملتا اس سے محروم رہ گیا اور اپنا نقصان کر بیٹھا، یہ روایت لکھ کر حضرت امام مالک فرماتے ہیں: وَيُقَالُ لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَّ تَطْفِيفٌ (کہ ہر چیز کے لئے پورا کرنا بھی ہے اور کم کرنا بھی ہے)۔ نماز کی ایک تطفیف اوپر مذکور ہوئی (جس شخص کو تنبیہ کی تھی کہ نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہوا تھا)

نماز کی یا حج کی سنتیں چھوڑ دینا روزہ رکھنا لیکن اس میں غیبتیں کرنا، تلاوت کرنا لیکن غلط پڑھنا یہ سب طفف میں شامل ہے۔ یعنی ثواب میں کمی ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ تلاوت غلط ہونے کی وجہ سے نماز ہی نہیں ہوتی، اگر زکوۃ پوری نہ دے تو یہ بھی طفف ہے۔

جو لوگ حکومت کے کسی بھی ادارہ میں یا کسی انجمن یا مدرسہ وغیرہ میں ملازم ہیں انہوں نے معروف اصول وقواعد یا معاملہ اور معاہدہ کے مطابق جتنا وقت دینا طے کیا ہے اس وقت میں کمی کرنا اور تنخواہ پوری لینا یہ سب طفف ہے۔

جو لوگ اجرت پر کسی کے ہاں کام کرتے ہیں ان کے ذمہ لازم ہے کہ جس کام پر لگا دیا گیا ہے اسے صحیح کریں اور پورا کریں۔ اگر غلط کریں گے یا پورا نہ کریں گے تو طفف ہوگا اور پوری اجرت لینا حرام ہوگا، یہ جو مزدوری کا طریقہ ہے کہ کام لینے والا دیکھ رہا ہے تو ٹھیک طرح کام کر رہے ہیں اگر وہ کہیں چلا گیا تو سگریٹ سلگا لی یا حقہ پینے لگے یا باتیں پھوڑنے لگے یا عالمی خبروں پر تبصرہ کرنے لگے یہ سب طفف ہے، ہر مزدور اور ملازم پر لازم ہے کہ صحیح کام کرے اور وقت پورا دے۔ جو شخص کسی کام پر مامور ہے اور اس کام کے کرنے کے لئے ملازمت کی ہے اگر مقررہ کام کے خلاف کرے گا اور رشوت لے گا تو یہ طفف ہے۔ رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حرام ہوگی۔ چونکہ جس کام کے لئے دفتر میں بٹھایا گیا وہ کام اس نے نہیں کیا۔ (پورے مہینہ میں کتنی خلاف ورزی کی اسی حساب سے تنخواہ حرام ہوگی)۔

آیت شریفہ میں فکر آخرت کی طرف متوجہ فرمایا۔ ارشاد ہے: اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (کیا یہ لوگ یہ یقین نہیں رکھتے کہ یہ ایک بڑے دن کے لئے اٹھائے جائیں گے جس دن لوگ رب العالمین کے لئے کھڑے ہوں گے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ (رب العلمین کے حضور کھڑے ہونا) اس دن ہوگا جس میں یہ لوگ اتنے زیادہ پسینہ میں کھڑے ہوں گے جو (نیچے سے لیکر) آدھے کانوں تک ہوگا۔ (جیسے کوئی شخص نہر میں کھڑا ہو)۔

ہر مومن پر لازم ہے کہ ہر معاملہ میں اور ہر عمل میں اس بات کو سامنے رکھے کہ مجھے مرنا ہے قیامت کے دن حاضری دینا ہے، حساب دینا ہے، اعمال کی جزا و سزا ملنا ہے اگر اس بات کا مراقبہ کرتا رہے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ نہ حقوق اللہ ضائع ہوں گے نہ حقوق العباد، جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑا دخل اسی کا ہے کہ قیامت کے دن سے اور حساب کتاب کی طرف سے غفلت رہتی ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ہرگز نہیں، بدکار لوگوں کا اعمالنامہ سجین میں رہے گا۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے؟ وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے

لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ﴿١٢﴾ اِذَا

والوں کو بڑی خرابی ہو گی، جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں اور اس کو وہی شخص جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہے مجرم ہے، جب

تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلۡ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿١٤﴾

اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں، ہرگز ایسا نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے

كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمۡ لَصَالُوا الۡجَحِيۡمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ

ہرگز ایسا نہیں، یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے۔ پھر یہ دوزخ میں داخل ہوں گے پھر کہا جاوے گا کہ

هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿١٧﴾

یہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے

تفسیر: اہل کفر جو قیامت کے منکر ہیں ان کے بارے میں فرمایا: كَلَّا (کہ ہرگز ایسا نہیں ہے) جیسا کہ تم خیال کرتے ہو بلکہ جزاء وسزا کا وقوع ضرور ہوگا، اور کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرے اعمال تو ہوا میں اڑ گئے وہ کہاں محفوظ ہیں، اور ان کی پیشی کا کیا راستہ ہے، کیونکہ بندوں کے سب اعمال محفوظ ہیں اور منضبط ہیں، کافروں کے اعمال نامے سجین میں ہیں، جو ساتویں زمین میں کافروں کی روحوں کے رہنے کی جگہ ہے یہ اعمال نامے محفوظ ہیں روز جزاء یعنی قیامت کے دن ہر ایک کا اپنا اپنا اعمال نامہ سامنے آجائے گا جو عمل کرنے والے پر حجت ہوگا اور انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا سِجِّيۡنٌ (اور آپ کو معلوم ہے کہ سجین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا ہے؟ (بحذف مضاف) ای ما کتاب السجین) كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ (وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں اعمال لکھے ہیں)۔

بعض اہل تفسیر نے مرقوم بمعنی مختوم لیا ہے) مطلب یہ ہے کہ اس اعمال نامہ پر مہر لگی ہوئی ہے جس میں کوئی تغیر وتبدل کا احتمال نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ (خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے)۔ الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ (جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں)۔ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ (اور اسے نہیں جھٹلاتا مگر وہ شخص جو حد سے گزرنے والا ہے گناہ گار ہے)۔ اس میں یہ بتادیا کہ روز جزاء ہی کو وہ ہی لوگ جھٹلاتے ہیں جو سرکشی میں آگے نکل گئے اور گناہگاری کو اپنا طریقہ بنالیا۔ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ (جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو یوں کہہ دیتا ہو کہ یہ بے سند باتیں اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں)۔

لے فی الدر المنثور صفحہ ۳۲۵: ج ۶

واخرج عبدبن حمید عن مجاهد رضی الله عنه فی قوله کلا ان کتاب الفجار لفی سجین' قال تحت الارض السفلی' فیها ارواح الکفار واعمالهم اعمال السوء واخرج ابو الشیخ فی العظمة والمحاملی فی امالیه عن مجاهد رضی الله عنه قال سجین صخره تحت الارض السابعة فی جهنم تقلب' فیجعل کتاب الفجار تحتها اه وهناک حدیث مرفوع ذکره فی الدر المنثور ایضاً وهو انه ﷺ قال ان الفلق جب فی جهنم مغطی واما سجین فمفتوح لکن یقول الحافظ ابن کثیر فی تفسیره حدیث غریب منکرٌ لا یَصِحُّ (صفحہ ۴۲۵: ج ۴) (درمنثور میں ہے کہ عبد بن حمید نے حضرت مجاہد سے کلا ان کتاب الفجار لفی سجین کی تفسیر میں نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ سجین نچلی زمین کے نیچے ہے۔ اس میں کافروں کی روحیں اور ان کے برے اعمال ہیں۔ اور ابوالشیخ نے کتاب العظمة میں اور محاملی نے اپنی امالی میں حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے۔ سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے جو جہنم میں پھیری جاتی ہے تو فاجروں کے اعمال نامے اس کے نیچے رکھے جاتے ہیں۔ اھ اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث ہے جو درمنثور میں بھی مذکور ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فلق جہنم میں ایک بند کنواں ہے اور سجین کھلی ہوئی ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں یہ حدیث غریب ہے منکر ہے صحیح نہیں ہے)

اس کے بعد فرمایا: كَلَّا (یعنی ہرگز نہیں کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب نہ ہو) بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (بلکہ ان کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے)۔ برے اعمال میں کفر و شرک بھی ہے اور دیگر معاصی بھی ہیں اس زنگ کی وجہ سے حق بات کرنے اور حق بات سمجھنے سے بچتے ہیں اور عناد پر اصرار کرتے ہیں۔

گناہوں کا جو زنگ ہے وہ اہل ایمان کے قلوب کا بھی ناس کھو دیتا ہے۔ حضرت اغر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب مومن بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے پس اگر توبہ واستغفار کر لیتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر توبہ واستغفار نہ کیا بلکہ گناہوں میں بڑھتا چلا گیا تو یہ (سیاہ داغ) بھی بڑھتا رہے گا یہاں تک کہ اس کے دل پر غالب آ جائے گا۔ پس یہ داغ وہ رَان ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی وجہ سے دل پر زنگ آ جاتا ہے۔ دل کا زنگ دور کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کو تجویز فرمایا۔ دل کی صفائی ستھرائی کے لئے استغفار نسخۂ کیمیا ہے۔ اس کو گناہوں کی آلائش سے صاف کرنا لازم ہے۔ لہٰذا اگر کبھی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار کریں۔ جو لوگ توبہ واستغفار کی طرف متوجہ نہیں ہوتے گناہوں کی وجہ سے ان کے دل کا ناس ہو جاتا ہے پھر نیکی بدی کا احساس تک نہیں رہتا اور اس احساس کا ختم ہو جانا بدبختی کی علامت ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

ہرگز نہیں نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں رہے گا، اور آپ کو معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے، وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں

تفسیر: اس سے پہلے یہ بتایا تھا کہ فجار کا اعمال نامہ سجین میں رہے گا۔ اب یہاں یہ فرمایا کہ نیک بندوں کا اعمال نامہ علیین میں رہے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جانتے ہو علیین کیا ہے پھر خود ہی فرمایا کہ وہ نشان کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

سجین ساتویں زمین میں ایک مقام ہے جو ارواح کفار کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور علیین ساتویں آسمان میں مومنین کی روحوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں مومنین کی موت کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مومنین کی موت کے وقت فرشتے تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ روح اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف نکل کر چل، چنانچہ اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل آتی ہے جیسے مشکیزہ میں سے (پانی کا) قطرہ بہتا ہوا باہر آ جاتا ہے۔ پس اسے حضرت ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے (جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں) پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے، حتیٰ کہ اسے لے کر اسی کفن اور خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں، اس خوشبو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو بھی عمدہ سے عمدہ خوشبو مشک کی پائی گئی ہے اس جیسی وہ خوشبو ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اس روح کو لے کر فرشتے (آسمان کی طرف) چڑھنے لگتے ہیں، اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ (اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو کتاب علیین میں لکھ دو۔ اور

کافر کی موت کے بارے میں فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل، ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح سے نکالتے ہیں جس طرح بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پل جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے، حتیٰ کہ فوراً ان سے لے کر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ان ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے حتیٰ کہ وہ اسے لے کر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں، مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: **لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ** (سورہ الاعراف)۔ (ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے اور اونٹ سوئی کے ناکہ میں جا نہیں سکتا لہٰذا وہ بھی جنت میں نہیں جاسکتے)۔

پھر اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ دو جو سب سے نیچی زمین میں ہے، چنانچہ اس کی روح (وہیں سے) پھینک دی جاتی ہے، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝٢٢ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝٢٣ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝٢٤ يُسْقَوْنَ
بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش میں ہوں گے، مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے اے مخاطب تو ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچانے گا، ان کو پینے کے لئے شراب
مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝٢٥ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝٢٦ وَمِزَاجُهٗ مِنْ
خالص سربمہر ملے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز میں حرص کرنا چاہیے اور اس کی آمیزش
تَسْنِيْمٍ ۝٢٧ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝٢٨
تسنیم سے ہوگی یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پیتے ہوں گے۔

تفسیر: ان آیات میں ابرار یعنی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا انعام واکرام ذکر فرمایا ہے (جن کی کتاب کے بارے میں اوپر والی آیت میں فرمایا کہ وہ علیین میں ہے)۔ ارشاد فرمایا کہ نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے، مسہریوں پر (تکیے لگائے ہوئے) دیکھ رہے ہوں گے یعنی جنت کی نعمتیں اور وہاں کے مناظر ان کے پیش نظر ہوں گے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ

آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے اگرچہ بعد مکانی ہوگا۔

مزید فرمایا کہ اے دیکھنے والے تو ان کے چہروں میں نعمت کی تروتازگی پہچان لیگا۔ یعنی ان کو دیکھنے ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ حضرات اپنی نعمتوں میں خوب زیادہ خوش وخرم ہیں جیسا کہ سورۃ دہر میں فرمایا۔ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا (کہ اللہ تعالیٰ انہیں تروتازگی اور خوشی عطا فرمائے گا) یہ خوشی حقیقی اور اصلی ہوگی۔ اندر کی خوشی سے چہروں پر تروتازگی ظاہر ہو رہی ہوگی۔

اس کے بعد نیک بندوں کی شراب کا تذکرہ فرمایا۔ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ☆ (انہیں خالص شراب میں سے پلایا جائے گا۔ جس کے وہ برتنوں میں لائی جائے گی ان پر مہر لگی ہوگی)۔ مزید فرمایا: خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (یہ مہر مشک کی ہوگی)۔ اس مشک کی مہر کی وجہ سے اس کی لذت چند در چند دوبالا ہو جائے گی، یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ جس شراب کی مہر مشک کی ہوگی اور مشک بھی وہاں کا ہوگا۔ اس شراب کی اپنی لذت اور کیفیت کا کیا عالم ہوگا۔ وہاں کی شراب میں نہ نشہ ہوگا نہ اس سے سر میں درد ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ واقعہ میں فرمایا: لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (نہ اس کی وجہ سے سر میں درد ہوگا نہ عقل میں فتور آئے گا)۔ ابھی شراب کا وصف بیان کرنا باقی ہے۔ درمیان میں اہل ایمان کو ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (اور حرص کرنیوالوں کو اسی میں حرص کرنا چاہیے)۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا والے دنیا کی مرغوبات اور لذیذ چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ان چیزوں کو حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ ان چیزوں میں دنیا کی شراب بھی ہے۔ جس کے پینے سے نشہ آتا ہے جو وجود سے عدم میں لے جاتا ہے اور اس کے گھونٹ بھی مشکل سے اترتے ہیں اور منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ جہالت کی وجہ سے لوگ اسی میں دل دیئے بیٹھے ہیں۔ وہ تو کوئی چیز رغبت کی ہے ہی نہیں جس میں رغبت اور منافست کی جائے دنیا کی شراب پی کر گنہگار نہ ہوں اور آخرت کی شراب سے محروم نہ ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں یہ لوگ داخل نہ ہوں گے۔ ا۔ شراب پینے کی عادت والا۔ ۲۔ قطع رحمی کرنے والا۔ ۳۔ جادو کی تصدیق کرنے والا۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ (تسنیم ایک ایسا چشمہ ہے جس میں سے مقرب بندے پئیں گے)۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مقربین بندے خالص تسنیم پئیں گے اور دوسرے جنتیوں کی شراب میں اس کی آمیزش ہوگی (گو ان کی شراب بھی خالص ہوگی)۔ مگر مقربین کو ان کی شراب میں بھی شراب ملے گی جو تسنیم کے چشمہ میں بہہ رہی ہوگی۔ اس میں سے دوسرے جنتیوں کی شراب میں بھی اس میں سے کچھ حصہ ملا دیا جائے گا۔

وقوله تعالىٰ عَيْنًا نصب على المدح وقال الزجاج على الحال من تسنيم والباء اما زائدة اى يشربها او بمعنى من اى يشرب منها او على تضمين يشرب معنى يروى اى يشراب الراوين بها.

(ارشاد الٰہی عیناً: یہ صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور زجاج کہتے ہیں تسنیم سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور باء یا تو زائدہ ہے یعنی اسے پئیں گے یا باء من کے معنی میں ہے یعنی اس میں سے پئیں گے۔ یا یشرب میں یروی کے معنی کی تضمین ہے یعنی اس سے سیر ہو کر پئیں گے) (من روح المعانی)

إِنَّ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے جرم کیے، وہ ایمان والوں پر ہنستے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو آپس میں اشارہ بازی کرتے تھے

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾

اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگی کرتے ہوئے لوٹتے تھے، اور جب ان کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں

وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ

حالانکہ یہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے، سو آج ایمان والے کافروں پر ہنسیں گے۔ مسہریوں پر

يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

دیکھتے ہوں گے۔ واقعی بات یہ ہے کہ کافروں کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دیا جائے گا۔

تفسیر: نیک بندوں کا ایمان اور خوشی کا انجام بیان فرمانے کے بعد مجرمین کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو لوگ اہلِ ایمان کے مخالف ہیں ان سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں دنیا میں ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب کہیں اہل ایمان بیٹھے ہوتے اور یہ لوگ وہاں سے گزرتے تو اہلِ ایمان کا مذاق بنانے کے لئے آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے کہ دیکھو کہ یہ جا رہے ہیں پھٹیچر، جنت کے دعوے دار، تن پر کپڑا نہیں، پاؤں میں جوتا نہیں، بنتے ہیں بڑے اللہ کے پیارے وغیرہ وغیرہ۔ حضرت خباب حضرت بلال اور دیگر فقراء مومنین رضی اللہ عنہم پر ایسی پھبتیاں کستے تھے اور جب یہ مجرمین اپنے گھروں کو جاتے تھے تو خوش ہوتے ہوئے جاتے تھے کہ دیکھو ہم نے بڑا کمال کیا، فقیروں کا مذاق بنایا۔

مومنین کے سامنے اشاروں سے ان کا مذاق کیا کرتے تھے اور اہلِ ایمان کو دیکھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ یقینی طور پر یہ گمراہ ہیں۔ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ (حالانکہ یہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے)۔ یعنی ان کو اہلِ ایمان کا نگران نہیں بنایا گیا۔ قیامت کے دن ان کے بارے میں ان سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ گمراہ تھے یا ہدایت پر تھے، ان مجرموں کو خود اپنے بارے میں غور کرنا چاہیئے کہ ہم ہدایت پر ہیں یا گمراہ ہیں آخرت میں معاملہ الٹ جائے گا کافر عذاب میں اور مصیبت میں ہوں گے اور اہلِ ایمان مسہریوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے دنیا میں اہلِ کفر اہلِ ایمان کا مذاق بناتے تھے، اس روز اہل ایمان کافروں پر ہنسیں گے۔ اسی کو فرمایا: فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ (نیز اہل ایمان کی فضیلت اور شرف اور مرتبہ کی بلندی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔ عَلَى الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ (یہ اہل ایمان مسہریوں پر دیکھتے ہوں گے) کافروں کی بدحالی ان کے سامنے ہو گی۔ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (کافروں کو کفر کا اور اعمال بد کا جو بدلہ ملے گا وہ ان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہوگا) ان میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے دنیا میں اہلِ ایمان کا مذاق بنایا۔

سُوۡرَۃُ الۡاِنۡشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ وَّ هِیَ خَمۡسٌ وَّعِشۡرُوۡنَ اٰیَۃً

سورۃ الانشقاق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پچیس آیتیں ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡهَا

جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے اور جب زمین کھینچ کر بڑھا دی جائے گی اور وہ سب کچھ ڈال دے گی جو اس کے اندر ہے

وَ تَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ

اور خالی ہو جائے گی اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے، اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کوشش کر رہا ہے پھر اس سے ملاقات ہو جائیگی۔ سو جس

اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ

کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا سو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے متعلقین کی طرف خوش ہو کر لوٹے گا اور جس کا اعمال نامہ اس کی

اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ﴿۱۱﴾ وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ کَانَ فِیۡۤ اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ﴿۱۳﴾

پشت سے دیا گیا سو یہ شخص ہلاکت کو پکارے گا اور دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا بے شک وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا،

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنۡ لَّنۡ یَّحُوۡرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ کَانَ بِهٖ بَصِیۡرًا ﴿۱۵﴾

بیشک اس نے یہ خیال کیا کہ وہ واپس نہ جائے گا، ہاں ضرور واپس ہونا ہے بیشک اس کا رب اسے دیکھنے والا ہے

تفسیر: یہ سورۃ الانشقاق پندرہ آیات کا ترجمہ ہے۔ ان آیات میں اولاً آسمان و زمین کا حال بیان فرمایا ہے پھر انسان کے اعمال والی محنت اور حاصل محنت یعنی آخرت کے دن کی کامیابی اور ناکامیابی کو بتایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم کو سن لے گا اور مان لے گا اور حکم ماننا اس کے لئے ضروری ہی ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے نافرمانی اور سرتابی کی مجال نہیں ہے اور جب کہ زمین کو پھیلا دیا جائے گا یعنی اس وقت جو اس کا انبساط اور پھیلاؤ ہے اس سے زیادہ پھیلا دی جائے گی اور اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو نکال کر باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی، جو اموات اس میں دفن ہیں اور ان کے علاوہ جو دفینے ہیں اس سے باہر آ جائیں گے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا جیسے آسمان کو حکم کے مطابق انکار کرنے کی کوئی مجال نہیں ہے اسی طرح زمین کو بھی نافرمانی کی کوئی گنجائش نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اس کو حکم ہوگا اسے ماننا ہی لازم ہوگا، دونوں جگہ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتۡ جو فرمایا ہے اس کا یہی مطلب ہے، حکم کے مطابق آسمان کو پھٹنا ہی پڑے گا زمین کو مزید بڑھایا جائے گا اور اسے بڑھنا ہی پڑے گا اور اسے خالی ہونے اور مردوں اور دفینوں کو باہر ڈالنے کا حکم ہوگا تو اسے حکم ماننا لازم ہی ہوگا دونوں جگہ جو لفظ اِذَا آیا ہے اس کی جزا محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ **رای الانسان عمله** مطلب یہ ہے کہ جس دن آسمان پھٹ پڑے گا اور زمین پھیلا دی جائے گی اور اس کے اندر جو چیزیں ہیں اسے باہر ڈال دے گی اس دن انسان اپنے اعمال کو دیکھ لے گا۔

سورۃ ابراہیم کی آیت یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ وَ السَّمٰوٰتُ سے معلوم ہو رہا ہے کہ آسمان زمین بدل

دیئے جائیں گے بدلے بھی جائیں اور وہ صورت حال بھی ہو جائے جس کا یہاں سورۃ الانشقاق میں تذکرہ فرمایا ہے اس میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔

یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ (الآیۃ) (اس میں انسان کی زندگی کا حاصل اور خلاصہ بیان فرمایا دنیا میں رہتے بستے ہیں کچھ نہ کچھ محنت اور عمل کرتے ہی ہیں جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں فرشتے اسے لکھتے ہیں زندگی سب کی گزر رہی ہے اعمال بھی ہو رہے ہیں دنیا بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے قیامت قریب آتی جارہی ہے مرنے والے مر رہے ہیں اپنے اعمال ساتھ لے جا رہے ہیں اسی طرح دنیا رواں دواں ہے حتیٰ کہ اچانک قیامت آجائیگی، پہلا صور پھونکا جائے گا، تو اس سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔

پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے میدان حشر میں جمع ہوں گے حساب ہوگا اعمال نامے دیئے جائیں گے ہر شخص اپنے عمل سے ملاقات کر لے گا، اچھے لوگوں کے اعمال نامے سیدھے ہاتھ میں اور برے آدمیوں کے اعمال بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے سورہ الحاقہ میں اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کا ذکر ہے اور یہاں پشت کے پیچھے سے دینے کا تذکرہ فرمایا ہے دونوں آیات کے ملانے سے معلوم ہوا کہ برے لوگوں کو جو اعمال نامہ دیا جائے گا وہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فَمُلٰقِیْهِ میں یہ بتا دیا کہ انسان جو عمل کرتا ہے اس کے سارے اعمال اس کے سامنے آجائیں گے اور ان سے ملاقات کرے گا۔ اعمال ناموں میں اعمال لکھے ہوئے ہوں گے جس کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ میرے لئے خیر ہی خیر ہے اور میری نجات ہوگئی! اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ نجات پا کر اپنے اہل وعیال کے پاس خوشی خوشی چلا جائے گا، سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے کہ جس کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ کہے گا: **هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ** (آؤ پڑھ لو میری کتاب)۔ اور جس کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا وہ تو سمجھ لے گا کہ میں ہلاک ہو گیا اعمال نامہ ملتے ہی یوں کہے گا: **يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ** (ہائے کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور میں اپنا حساب نہ جانتا) اور اسی حال میں وہ اپنی ہلاکت کو پکارے گا یعنی یوں کہے گا کہ مجھے موت آجاتی تو اچھا تھا تا کہ حساب کتاب اور اس کا نتیجہ سامنے نہ آتا لیکن پچھتانے سے اور افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ایسے شخص کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اسی کو فرمایا: **وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا** (اور جس کو پشت کے پیچھے سے اعمالنامہ دیا گیا تو وہ ہلاکت کو پکارے گا اور دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا)۔

ایسے شخص کی بربادی کا سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا** (بیشک جب وہ دنیا میں تھا تو اپنے کنبہ خاندان میں خوش تھا) یعنی ایمان سے اور ایمان والے اعمال سے غافل تھا قیامت کو نہیں مانتا تھا اور وہاں کی حاضری کا یقین نہیں رکھتا تھا دنیا کی مستی اور مسرت اور اکڑ مکڑ میں زندگی گزارتا رہا مزید فرمایا: **اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ** (بے شک اس کا خیال تھا کہ اسے واپس نہیں ہونا ہے) یعنی میدانِ حساب میں نہیں جانا اسی غلط گمان کی وجہ سے وہ ایمان لایا **بَلٰٓى** (ہاں اس کو ضرور اپنے رب کی طرف لوٹنا ہوگا اور حساب کے لئے پیش ہوگا)۔

اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا (بیشک اس کا رب اس کو دیکھنے والا ہے) وہ یہ نہ سمجھے کہ میں آزاد ہوں جو چاہوں کروں۔ بلکہ اس کو مرنا ہے پیشی ہونی ہے۔

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جس سے حساب

لیا گیا وہ تو ہلاک ہی ہوگا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا (جس کے داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسان حساب سے مراد یہ ہے کہ صرف اعمال نامہ پیش کر دیا جائے اور پوچھ گچھ نہ کی جائے اور جس کے حساب میں چھان بین کی گئی وہ ضرور ہلاک ہوگا کیونکہ جواب نہیں دے پائے گا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۲۶: ج۲، صفحہ ۹۶۸: ج۲)

فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾
سو میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات نے سمیٹ لیا اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے تم ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچو گے
فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿۲۲﴾
سو ان لوگوں کو کیا ہوا جو ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے بلکہ کافر لوگ جھٹلاتے ہیں
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں، سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے
لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۲۵﴾
ان کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

تفسیر: اللہ جل شانہ نے ان آیات میں شفق کی اور رات کی اور ان چیزوں کی قسم کھائی جو آرام کرنے کے لئے رات کو اپنے اپنے ٹھکانے پر آ جاتی ہیں اور چاند کی قسم کھائی جب کہ وہ پورا ہو جائے یعنی بدر بن کر آشکارا ہو جائے، قسم کھا کر فرمایا کہ تم ضرور ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچو گے یعنی احوال کے اعتبار سے مختلف طبقات سے گزرو گے ایک حال گزشتہ حال سے شدت میں بڑھ کر ہوگا پہلا حال موت کا اور دوسرا حال برزخ کا اور تیسرا حال قیامت کا ہوگا پھر ان حالات میں بھی تکثر تعدد ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (پھر کیا بات ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے) جب دنیا کے احوال سے گزر رہے ہیں اور انہیں مرنا بھی ہے اور مرنے کے بعد کے احوال سے بھی گزرنا ہے تو کیا مانع ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے)۔

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ (اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے)۔ نہ ان کا قلب جھکتا ہے نہ ان کا سر جھکتا ہے۔ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ (بلکہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ جھٹلاتے ہیں) یعنی ایمان کی طرف رجوع کرنے کی بجائے تکذیب ہی پر جمے رہتے ہیں وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں) اپنے دلوں میں کفر وحسد، بغض اور بغاوت کو چھپائے ہوئے ہیں یہ بِمَا يُوعُونَ کی ایک تفسیر ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اعمال ناموں میں جو برے اعمال جمع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے وہ اپنے علم کے مطابق انہیں سزا دیدے گا یہ معنی بعد کی آیت سے زیادہ اقرب وانسب ہے کیونکہ بعد میں فرمایا ہے:

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (سو آپ انہیں عذاب الیم کی بشارت دے دیں) بشارت تو خوشی کی چیزوں کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر دینے کو بطور بشارت سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ وہ لوگ اپنے کفر کو اپنے لئے کامیابی کا سبب سمجھتے تھے۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ عذاب سے محفوظ رہیں گے اور ایمان اور اعمال کی وجہ سے انہیں بڑا اجر ملے گا جو کبھی بھی ختم نہ ہوگا)۔

وهذا اخر سورة الانشقاق والحمد لله العلي الخلاق

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البروج مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی بائیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝١ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝٢ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝٣ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝٤ النَّارِ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی، اور قسم ہے وعدہ کئے ہوئے دن کی، اور قسم ہے حاضر ہونے والے دن کی، اور قسم ہے اس دن کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے کہ خندق والے

ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝٥ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝٦ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝٧ وَمَا

یعنی بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہوئے جس وقت وہ لوگ اس آگ کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ

نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا بجز اس کے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے اور سزاوار

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٩

حمد ہے، ایسا کہ اسی کی سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے آسمان کی قسم کھائی ہے اور اس کی صفت ذات البروج بتائی ہے (ان بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں) نیز اَلْيَوْمِ الْمَوْعُوْد کی اور شاہد اور مشہود کی بھی قسمیں کھائی ہیں، سنن ترمذی (ابواب التفسیر من سورۃ البروج) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اَلْيَوْمِ الْمَوْعُوْد سے یوم القیامۃ اور اَلْيَوْمِ الْمَشْهُوْد سے یوم عرفہ اور اَلشَّاهِد سے یوم الجمعہ مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں جس پر سورج نکلتا چھپتا ہو جو یوم جمعہ سے افضل ہو، اس دن میں ایسی گھڑی ہے کہ جو بھی کوئی مومن بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا اور جس چیز سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پناہ دے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں جس میں امکنہ وازمنہ دونوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام امکنہ وازمنہ کا مالک ہے ایسی ذات کی مخالفت کرنے والے بہر حال لعنت اور عقوبت کے مستحق ہیں۔ قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ خندق والے ملعون ہوئے، یہ خندق سراپا آگ بنی ہوئی تھی خوب زیادہ ایندھن والی تھی جبکہ یہ لوگ اس خندق کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اہلِ ایمان کے ساتھ جو حرکتیں کر رہے تھے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے،

اس خندق میں انہوں نے بہت زیادہ ایندھن ڈال رکھا تھا، آگ جل رہی تھی اور اس میں اہل ایمان کو ڈالتے جا رہے تھے، صحیح مسلم (صفحہ ۴۱۵: ج ۲) میں ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا، وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری عمر تو زیادہ ہو گئی میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دے اسے میں جادو سکھا دوں، بادشاہ نے اس کے پاس جادو سیکھنے کے

لئے ایک لڑکا بھیج دیا، یہ لڑکا جادو سیکھنے جاتا تو راستہ میں ایک راہب کے پاس سے گزرتا تھا، ایک مرتبہ اس کے پاس بیٹھ گیا اس کی باتیں سنیں تو اسے پسند آئیں، اب اس کے بعد بھی جب جادوگر کی طرف جاتا تو راہب پر گزرتا اور اس کے پاس بیٹھ جاتا پھر جب جادوگر کے پاس جاتا تو وہ اس کی پٹائی کرتا تھا کہ دیر میں کیوں آیا اس نے اپنی یہ مصیبت راہب کو بتائی، راہب نے کہا کہ تو ایسا کر کہ جب جادوگر کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو یوں کہہ دیا کر کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والوں کی طرف سے پوچھ پاچھ کا اندیشہ ہو تو یہ کہہ دیا کر کہ جادوگر نے روک لیا تھا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ راستہ میں جاتے ہوئے ایک بڑا جانور سامنے آ گیا جو لوگوں کا راستہ روکے ہوئے تھا اس لڑکے نے کہا کہ آج پتہ چل جائے گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب، یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر لیا اور یہ دعا کر کے اس جانور کو مار دیا کہ **اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ اَمْرُ الرَّاھِبِ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ اَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ ھٰذِہِ الدَّابَّۃَ حَتّٰی یَمْضِیَ النَّاسُ** (اے اللہ راہب کا طریق کار آپ کے نزدیک جادوگر کے طریق کار کے مقابلہ میں محبوب ہے تو اس جانور کو قتل کر دیجئے تا کہ لوگ گزر جائیں)۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس پتھر سے وہ جانور قتل ہو گیا اور وہ جن لوگوں کا راستہ روکے ہوئے تھا وہ وہاں سے گزر گئے، اس کے بعد یہ ہوا کہ یہ لڑکا راہب کے پاس پہنچا اور اسے صورت حال کی خبر دی راہب نے کہا اے پیارے بیٹے، اب تو تو مجھ سے افضل ہو گیا تو اس درجہ پر پہنچ گیا جو میں دیکھ رہا ہوں تو اگلی بات سن لے اور وہ یہ کہ اب تیرا امتحان لیا جائے گا (اور تو مصیبت میں مبتلا ہو گا) ایسی صورت پیش آئے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔

اب اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے (مزید یوں نوازا) کہ وہ مادرزاد اندھے کو اور برص والوں کو اچھا کرتا تھا (یعنی ان کے حق میں دعا کر دیتا تھا اور ان کو شفا ہو جاتی تھی) اس کا یہ حال بادشاہ کے پاس بیٹھنے والے ایک شخص نے سن لیا جو نابینا ہو چکا تھا۔ یہ شخص لڑکے کے پاس بہت سے ہدایا لایا اور اس سے کہا کہ اگر تو مجھ کو شفا دیدے تو یہ سب تیرے لئے ہے لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر تو اللہ پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دوں گا وہ تجھے شفا دے دے گا۔ وہ شخص اللہ پر ایمان لے آیا، اللہ نے اسے شفا دے دی، اب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور حسب دستور بادشاہ نے کہا کہ میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے، اس شخص نے کہا کہ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس پر اس شخص کو پکڑ لیا اور اسے برابر تکلیف پہنچاتا رہا، یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا نام بتا دیا۔

اب لڑکے کو لایا گیا اس سے بادشاہ نے کہا کہ اے بیٹا تیرا جادو اس درجہ کو پہنچ گیا کہ تو مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اچھا کرتا ہے اور ایسے ایسے کام کرتا ہے، لڑکے نے کہا کہ میں تو کسی کو شفاء نہیں دیتا شفاء صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، اس پر بادشاہ نے اسے پکڑ لیا اور اسے برابر تکلیف دیتا رہا۔ حتیٰ کہ اس نے یہ بتا دیا کہ فلاں راہب سے میرا تعلق ہے (اور اس کے پاس آنے جانے کی وجہ سے مجھے یہ بات حاصل ہوئی ہے) اس کے بعد راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے اس نے انکار کر دیا، لہٰذا ایک آرہ منگایا گیا جو اس کے سر کے درمیان میں رکھدیا گیا اور اسے درمیان سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے دونوں ٹکڑے زمین پر گر گئے، اس کے بعد باشاہ کے اسی ہمنشیں کو لایا گیا (جو اس لڑکے کے دعوت دینے سے ایمان قبول کر چکا تھا اور لڑکے کی دعا سے اس کی بینائی واپس آ گئی تھی) اس سے کہا گیا کہ تو ایمان سے پھر جا اس نے بھی انکار کر دیا لہٰذا اس کے سر کے درمیان آرہ رکھ کر چیر دیا گیا اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ زمین پر گر پڑا، اس کے بعد اس لڑکے کو لایا گیا اس سے کہا گیا کہ تو اپنے دین کو چھوڑ دے (یعنی ایمان سے پھر جا جو راہب کی صحبت میں آنے جانے سے حاصل ہوا تھا) لڑکے نے بھی ایمان سے پھرنے کا انکار کر دیا، لہٰذا اسے بادشاہ نے اپنے چند آدمیوں کے حوالہ کیا اور ان سے کہا کہ اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ، اسے پہاڑ پر لیکر

چڑھو جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اس سے کہو کہ اپنے دین سے پھر جا، اگر یہ بات مان لے تو چھوڑ دینا ورنہ اسے وہیں سے نیچے پھینک دینا، وہ لوگ اس لڑکے کو پہاڑ پر لے کر چڑھے لڑکے نے دعا کی اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ (اے اللہ تو جس طرح چاہے ان لوگوں (کے شر) سے میرے لئے کافی ہو جا) اس کا دعا کرنا تھا کہ پہاڑ میں زلزلہ آ گیا اور جو لوگ اسے لے کر گئے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے اور یہ لڑکا بچ گیا اور بادشاہ کے پاس چل کر آ گیا، بادشاہ نے پوچھا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے کر گئے تھے لڑکے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ فرما لیا۔

اس کے بعد چند دیگر افراد کے حوالہ کیا اور کہا اس لڑکے کو لے جاؤ اور ایک کشتی میں سوار کرو اور کشتی کو سمندر کے بیچ میں لے جاؤ اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو کوئی بات نہیں ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا وہ لوگ اسے لے گئے اور کشتی میں بٹھا کر سمندر کے درمیان پہنچ گئے اس لڑکے نے وہی دعا کی کہ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ دعا کرنا تھا کہ کشتی الٹ گئی اور وہ لوگ غرق ہو گئے لڑکا بچ گیا اور بادشاہ کے پاس پہنچ گیا، بادشاہ نے کہا کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو تجھے لے گئے تھے، لڑکے نے کہا کہ اللہ میرے لئے کافی ہو گیا اس نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا۔

اس کے بعد لڑکے نے کہا کہ تو مجھے (اپنی تدبیر سے) قتل نہیں کر سکتا ہاں قتل کا ایک راستہ ہے وہ میں تجھے بتاتا ہوں، بادشاہ نے کہا وہ کیا طریقہ ہے؟ لڑکے نے کہا وہ یہ طریقہ ہے کہ تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر اور مجھے درخت کے تنے پر لٹکا دے اور میرے اس ترکش سے ایک تیر لے اور پھر اسے کمان میں رکھ کر بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ کہتے ہوئے میری طرف پھینک دے (لڑکے نے یہ سمجھ کر کہ مجھے مرنا تو ہے ہی اپنی موت کو دعوتِ ایمان کا ذریعہ کیوں نہ بنا دوں لہٰذا اس نے یہ تدبیر بتائی کہ لوگوں کے سامنے میرا قتل ہو اور اللہ کا نام لے کر قتل کیا جاؤں، بادشاہ بدھو تھا اس تدبیر کو سمجھ نہ سکا) چنانچہ اس نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور لڑکے کو درخت کے تنہ پر لٹکا دیا اور اس کے ترکش سے ایک تیر لیا اور کمان میں تیر رکھ کر بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ کہہ کر لڑکے کو تیر مار دیا تیر اس کی کنپٹی پر لگا، لڑکے نے تیر کی جگہ ہاتھ رکھا اور مر گیا، لوگوں نے جو یہ ماجرا دیکھا تو اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ کی رٹ لگانے لگے (یعنی ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے)۔

اب بادشاہ کے پاس اس کے آدمی آئے اور انہوں نے کہا کہ تجھے جس بات کا خطرہ تھا (کہ اس لڑکے کی وجہ سے حکومت نہ چلی جائے) وہ تو اب حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ گلی کوچوں کے ابتدائی راستوں میں خندقیں کھودی جائیں چنانچہ خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ جلائی گئی، بادشاہ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ جو شخص اپنے دین ایمان سے نہ لوٹے اسے آگ میں ڈال دو، چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا، اہل ایمان لائے جاتے رہے ان سے کہا جاتا تھا کہ ایمان سے پھر جاؤ وہ انکار کر دیتے تھے تو انہیں زبردستی جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کے ساتھ ایک بچہ تھا وہ آگ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگی اس کے بچہ نے کہا کہ اے امی آپ صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں۔

سنن ترمذی (ابواب التفسیر) میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اس کے شروع میں یہ بھی ہے کہ بادشاہ کا ایک کاہن تھا جو بطور کہانت آئندہ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا (ان باتوں میں سے یہ بھی تھا کہ تیری حکومت جانے والی ہے) اور اسی کاہن نے یہ بھی کہا کہ کوئی سمجھدار لڑکا تلاش کرو، جسے میں اپنا علم سکھا دوں اور ختم کے قریب یہ بھی ہے کہ جب عامۃ الناس نُؤْمِنُ بِرَبِّ الْغُلَامِ کہہ کر مسلمان ہو گئے تو بادشاہ سے کہا گیا کہ تُو تو تین آدمیوں کی مخالفت سے گھبرا اٹھا تھا (یعنی راہب اور لڑکا اور بادشاہ کا ہم نشین)

دیکھ اب تو یہ سارا جہان تیرا مخالف ہو گیا اس پر اس نے خندقیں کھدوائیں ان میں لکڑیاں ڈالیں اور اعلان کیا کہ جو شخص اپنے دین (یعنی اسلام) کو چھوڑ دے گا ہم اسے کچھ نہ کہیں گے اور جو اپنے اس دین سے واپس نہ ہوگا اسے ہم اس آگ میں ڈال دیں گے لہٰذا وہ اہلِ ایمان کو ان خندقوں میں ڈالتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ میں بیان فرمایا ہے۔

سنن ترمذی میں قصہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اس لڑکے کو دفن کر دیا گیا تھا پھر اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نکالا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جیسا کہ اس نے قتل ہوتے وقت رکھی تھی۔

حافظ ابن کثیر نے مقاتل سے نقل کیا ہے کہ خندقوں کا واقعہ تین مرتبہ پیش آیا ہے ایک مرتبہ یمن میں اور ایک مرتبہ شام میں اور ایک مرتبہ فارس میں شام میں جو بادشاہ تھا وہ الطنایوس رومی تھا اور فارس میں جو واقعہ پیش آیا وہ بخت نصر کے زمانہ میں تھا عرب کی سرزمین (یعنی یمن نجران) میں جو واقعہ پیش آیا وہ یوسف ذونواس بادشاہ کے زمانہ کا واقعہ ہے پہلے دو واقعوں کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہے اور نجران والے واقعہ کے بارے میں سورۃ البروج کی آیات نازل ہوئیں، اس کے بعد بحوالہ ابن ابی حاتم، حضرت ربیع بن انس سے نقل کیا ہے کہ اصحاب الاخدود کا واقعہ زمانہ فترہ میں پیش آیا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ابن کثیر)

وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ میں یہ بتایا کہ لوگوں نے جن اہلِ ایمان کو تکلیف دی آگ میں ڈالا انہوں نے کوئی چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا، کسی کا مال نہیں لوٹا ان سے ناراض ہونے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، ایمان لانا کوئی جرم کی بات نہیں ہے انسان کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک پر ایمان لائے اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرے، بجائے اس کے کہ خندقیں کھودنے والے خود ایمان لاتے ایمان لانے والوں پر اپنا غصہ اتارا اور انہیں آگ میں ڈالا یہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آ گیا جسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو ایک لشکر کے ساتھ رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ان حضرات کو رومیوں نے قید کیا اور ان کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور بادشاہ سے کہا کہ ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہے جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ رہا ہے یہ بادشاہ عیسائی تھا اس نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سے گفتگو کی جس کے سوال و جواب اور پورا قصہ درج کیا جاتا ہے۔

عیسائی بادشاہ: میں تم کو اپنی حکومت اور سلطنت میں شریک کرلوں گا اگر تم عیسائی مذہب قبول کرلو۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ: تیری حکومت تو کچھ بھی نہیں اگر تو اپنی حکومت دیدے اور سارے عرب والے بھی مل کر مجھے اپنا ملک صرف اس شرط پر دینا چاہیں کہ پلک جھپکنے کے برابر جتنا وقت ہوتا ہے صرف اتنی دیر کے لئے بھی دین محمدی سے پھر جاؤں تو میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا۔

عیسائی بادشاہ: اگر تم عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تو میں تمہیں قتل کردوں گا۔

حضرت عبداللہ: تو چاہے تو قتل کردے میں اپنی بات ایک مرتبہ کہہ چکا ہوں، نہ اس میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے اور نہ سوچنے سے دوسری رائے بدل سکتی ہے بلکہ وہ ایسی حق ہے کہ اس کے خلاف سوچنا بھی مومن بندہ کبھی گوارہ نہیں کرسکتا۔

یہ سن کر عیسائی بادشاہ نے ان کو صلیب (سولی) پر چڑھوادیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں میں تیر مارو اور یہ سمجھ لو کہ اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ تکلیف دے کر عیسائیت قبول کرانا مقصود ہے، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، اللہ کا یہ بندہ صرف اس بات کا مجرم تھا کہ اللہ کو مانتا تھا اور اس کے بھیجے ہوئے دین حق کو ماننے والا تھا، بادشاہ کے آدمیوں نے تیر مارنے

شروع کردیئے۔ تیر مارتے جاتے اور کہتے جاتے کہ اب بھی ہمارا مذہب مان لے اور دین محمدی کو چھوڑ دے اور وہ اللہ کا بندہ یہی کہتا جاتا تھا کہ جو مجھے کہنا تھا کہہ چکا اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

جب اس ترکیب سے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا ایمان غارت کرنے میں ناکام ہوگئے تو اس عیسائی بادشاہ نے کہا کہ ان کو سولی سے اتارلو اور ایک دیگ میں خوب پانی گرم کرو اور ان کو دیگ کے پاس کھڑا کرکے ان کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو ان کے سامنے اس دیگ میں ڈالدو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ کے سامنے ان کا ایک ساتھی دیگ میں ڈالا گیا جس کی جان انہیں کے سامنے نکلی اور گوشت و پوست جلا اور ہڈیوں کے جوڑ جوڑ علیحدہ ہوئے اس درمیان میں بھی حضرت ابن حذافہ کو عیسائیت قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور جان بچ جانے کا لالچ دلاتے رہے۔

الحاصل جب وہ عیسائیت قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے تو بادشاہ نے ان کو اس جلتی ہوئی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ دیگ کے پاس گئے اور جب ان کو ڈالنے لگے تو وہ رونے لگے۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ وہ رو رہے ہیں بادشاہ نے سمجھا کہ وہ موت سے گھبرا گئے اب تو ضرور عیسائی مذہب قبول کرلیں گے۔ چنانچہ ان کو بلا کر اس نے پھر عیسائی ہوجانے کی ترغیب دی مگر انہوں نے اب بھی انکار کیا۔

عیسائی بادشاہ: اچھا یہ بتاؤ کہ تم روئے کیوں؟

حضرت عبداللہ: میں نے کھڑے کھڑے سوچا کہ اب میں اس وقت اس دیگ میں ڈالا جارہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں جل بھن کر ختم ہوجاؤں گا اور ذرا دیر میں جان جاتی رہے گی۔ افسوس کہ میرے پاس صرف ایک ہی جان ہے کیا اچھا ہوتا کہ آج میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم میں بال ہیں وہ سب اس دیگ میں ڈال کر ختم کردی جائیں۔ اللہ کی راہ میں ایک جان کی کیا حقیقت ہے۔

عیسائی بادشاہ: میرا ماتھا چوم لو گے تو تمہارے ساتھ سب ہی کو چھوڑ دوں گا۔

حضرت عبداللہ اپنی جان بچانے کے لئے اس پر بھی تیار نہ تھے کہ اس کا ماتھا چوم لیتے (کیونکہ اس سے کافر کی عزت ہوتی ہے) لیکن اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ میرے اس عمل سے سارے مسلمانوں کی رہائی ہوجائے گی اس کا ماتھا چومنے پر راضی ہوگئے اور قریب جاکر اس کا ماتھا چوم لیا۔ اس نے ان کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو رہا کردیا۔

جب حضرت عبداللہ مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا قصہ سنا اور پھر فرمایا کہ چونکہ انہوں نے مسلمانوں کی رہائی کے لئے ایک کافر کا ماتھا چوما ہے اس لئے ضروری ہے کہ اب ہر مسلمان ان کا ماتھا چومے، میں سب سے پہلے چومتا ہوں چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ماتھا چوما۔

اہلِ ایمان سے دشمنی رکھنے والے صرف اپنے اقتدار کو دیکھتے ہیں اور قادرِ مطلق جل مجدہ کی قدرت کی طرف نظر نہیں کرتے وہ قادر بھی ہے اور اسے ہر بات کا علم بھی ہے اس کے بندوں کے ساتھ جو بھی زیادتی کرے گا وہ اس کی سزا دیدے گا کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ میرا ظلم یہیں رہ جائے گا اس کی اللہ تعالیٰ کو خبر نہ ہوگی ایسا سمجھنا جہالت ہے۔ آیت کے ختم پر اس مضمون کو بیان فرمادیا۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (اور اللہ ہر چیز سے پورا باخبر ہے)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ

بلاشبہ جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف پہنچائی پھر توبہ نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلنے کا عذاب

الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ

ہے بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ

الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾

بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف میں ڈالا الفاظ کا عموم اصحاب الاخدود کو بھی شامل ہے اور ان کے علاوہ دیگر دشمنان اہلِ ایمان کو بھی ارشاد فرمایا: ان لوگوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور جلنے کا عذاب ہے درمیان میں ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا بھی فرمایا، یعنی ان لوگوں کے لئے مذکورہ عذاب اس صورت میں ہے جبکہ موت سے پہلے توبہ نہ کی ہو، کسی بھی کافر نے کسی بھی مومن کو کچھ بھی اور کیسی بھی تکلیف دی ہو اور کیسے بھی گناہ کئے ہوں اگر توبہ کر لی، ایمان قبول کر لیا تو زمانہ کفر میں جو کچھ کیا وہ سب ختم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے ایمان لانے کے بعد کافر کا سب کچھ معاف ہو جاتا ہے چونکہ یہاں اصحاب اخدود کے قصہ کے بعد یہ مغفرت والی بات بیان فرمائی ہے اس لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **انظروا الٰی هذا الكرم والجود قتلوا اولياء وهو يدعوهم الى التوبة والمغفرة**
(اللہ تعالیٰ کے کرم اور جود کو دیکھو ان لوگوں نے اس کے اولیاء کو قتل کر دیا اور اس کی طرف سے توبہ اور مغفرت کی دعوت دی جارہی ہے)۔

دوسری آیت میں ایمان اور اعمالِ صالحہ والے بندوں کو بشارت دی ہے کہ ان لوگوں کو باغات ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، آیت کو ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ پر ختم فرمایا ہے جس میں یہ بتادیا کہ مذکورہ باغات کا مل جانا بڑی کامیابی ہے۔ دنیا میں جیسی بھی کوئی تکلیف پہنچے وہ اس کامیابی کے سامنے ہیچ ہے اگر ایمان کی وجہ سے کوئی شخص آگ میں ڈالا گیا تو وہ ایک دومنٹ کی تکلیف ہے جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ دائمی اور ابدی نعمت ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ

بلاشبہ آپ کے رب کی پکڑ سخت ہے، بلاشبہ وہ پہلی بار پیدا فرماتا ہے اور دوبارہ پیدا فرمائے گا، اور وہ بڑا بخشنے والا ہے بڑی محبت والا ہے۔ عرش کا مالک ہے۔

الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا

عظمت والا ہے وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے کیا آپ کے پاس لشکروں کی بات پہنچی ہے یعنی فرعون اور ثمود کی، بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا

فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

وہ تکذیب میں ہیں اور اللہ ان کو ادھر ادھر سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی چند صفاتِ عالیہ بیان فرمائی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اقوام اور افراد تاخیر عذاب کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں۔ عذاب اور ہلاکت کی میعاد اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی حکمت کے

مطابق مقرر فرما رکھی ہے اس کا وقت نہ آنے کی وجہ سے جو تاخیر اور ڈھیل ہوتی ہے اس کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ گرفت ہونے ہی کی نہیں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو نہیں چھوڑتا، اس کے بعد آپ نے سورہ ہود کی آیت وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۷۸)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ (بلاشبہ وہ پہلی بار بھی پیدا فرماتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا)۔

اس میں منکرین بعث کا استبعاد دور فرما دیا جو کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ مرکھر کر مٹی ہو کر جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے؟ ان کا جواب دے دیا کہ جس ذات پاک نے پہلے پیدا فرمایا وہی دوبارہ پیدا فرما دے گا۔

اس کے بعد فرمایا: وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ (اور وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے بڑی محبت والا ہے)۔ اس میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شانِ غفاریت بتائی اور مودت کی شان بھی بیان فرمائی۔ وہ اپنے بندوں کو بخشتا بھی ہے اور مومنین صالحین سے محبت بھی فرماتا ہے، عرش کا مالک ہے، مجید ہے یعنی بڑی عظمت والا ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وہ جو کچھ چاہتا ہے پورے اختیار و اقتدار کے ساتھ اپنی مشیت اور ارادہ کے مطابق کرتا ہے بَطْشَ شَدِيْدٌ (سخت پکڑ) ابتدائی تخلیق، پھر موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانا، گنہگاروں کو بخشنا اہلِ ایمان پر مودت اور رحمت کے ساتھ متوجہ ہونا یہ سب کچھ اس کی مشیت کے تابع ہے اور اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں۔

سورۃ الحج میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل فرما دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو بھی ارادہ فرماتا ہے)۔ پھر چند آیات بعد فرمایا:

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے)۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (الی آخر السورۃ) (کیا آپ کے پاس لشکروں کی بات پہنچی ہے یعنی فرعون اور ثمود کی، بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ تکذیب میں ہیں، اور اللہ ان کو ادھر اُدھر سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے)۔

ان آیات میں بعض بڑے بڑے کافروں باغیوں یعنی فرعون و ثمود کا تذکرہ فرمایا ہے، ارشاد فرمایا کیا آپ کے پاس لشکروں کا قصہ پہنچا ہے یعنی فرعون اور اس کے لشکروں کا واقعہ اور قوم ثمود کا واقعہ آپ کو معلوم ہے یہ استفہام تقریری ہے یعنی آپ کو ان لوگوں کے کبر نخوت اور غرور اور بغاوت پھر ان کی تعذیب اور ہلاکت کے واقعات معلوم ہو چکے ہیں (آپ یہ واقعات موجودہ منکرین اور معاندین کو سنا چکے ہیں ان کو ان قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے لیکن اس کی بجائے کافر لوگ تکذیب میں لگے ہوئے ہیں آپ کو بھی جھٹلاتے ہیں، اور قرآن کو بھی جھٹلاتے ہیں ان کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر ہے اسے ان کی سب حرکتوں کا علم ہے وہ ہر طرف سے انہیں گھیرے ہوئے ہے یعنی ان کے سب اعمال اور افعال احوال اور اشغال کا اسے پوری طرح علم ہے گزشتہ باغی قوموں کو جس طرح سزا دی گئی یہ بھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔

ان کا عناد اور تکذیب ان کی حماقت اور گمراہی کی وجہ سے ہے۔ قرآن ایسی چیز نہیں جس کی تکذیب کی جائے وہ تو ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس میں کسی تغیر و تبدل کا احتمال نہیں وہاں بھی محفوظ ہے اور جو فرشتہ لاتا ہے وہ بھی امین ہے۔ پوری حفاظت کے ساتھ لاتا ہے اگر کوئی شخص اس پر ایمان نہ لائے تو اس کی عظمت اور حفاظت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وهذا آخر سورة البروج، والحمدلله العلي الخلاق

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً
سورۃ الطارق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں سترہ آیات ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④
قسم ہے آسمان کی، اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہو، اور آپ کو معلوم ہے وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے، وہ روشن ستارہ ہے کوئی شخص ایسا نہیں جس پر نگہبان
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ⑥ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦
مقرر نہ ہو، سو انسان غور کرلے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا، وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے،
اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧
بیشک وہ ضرور اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے آسمان کی اور چمکتے ہوئے ستارہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ دنیا میں جو لوگ بھی رہتے اور بستے ہیں ان کے اعمال کی نگرانی کے لئے ہم نے فرشتے لگا رکھے ہیں ہر جان کے ساتھ فرشتہ لگا ہوا ہے۔ یہ فرشتے انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں اور اعمالنامہ کو محفوظ کر لیتے ہیں پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ اعمال نامے انسانوں کے سامنے آجائیں گے۔ یہ حافظ کی ایک تفسیر ہے جو آیت کریمہ **وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ** کے مطابق ہے بعض مفسرین نے فرمایا ہے اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جس کا سورہ رعد کی آیت **لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** میں ذکر ہے یعنی اللہ پاک نے ہر انسان کے لئے فرشتے مقرر فرمادیئے ہیں جو رات دن آفات سے انسان کی حفاظت فرماتے ہیں البتہ جو تکلیف مقدر ہے وہ تو پہنچ کر ہی رہے گی۔ سیاق کلام کے اعتبار سے پہلا معنی مراد لینا ہی اظہر و اقرب ہے کیونکہ قیامت کے دن کی آزمائش اور پیشی کا ذکر ہے چونکہ انسانوں کو موت کے بعد زندہ کرنے کے بارے میں شک و شبہ رہتا ہے اس لئے ان کے شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا: **فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ** (سو انسان غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے)۔

پھر خود ہی اس کا جواب ارشاد فرمایا: **خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ** ☆ (وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے)۔

یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (وہ پانی پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے)۔

اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان نطفہ منی سے پیدا کیا گیا ہے جسے سورہ الم سجدہ میں مَآءٍ مَّھِیْنٍ (ذلیل پانی) سے تعبیر فرمایا ہے۔ انسان جو قیامت کا منکر ہے اور یوں کہتا ہے کہ موت کے بعد کیسے اٹھائے جائیں گے اور مٹی میں ملے ہوئے ذرات آپس میں کیسے ملیں گے اس کا جواب دے دیا کہ تو دیکھ لے تیری اصل کیا ہے تجھے اپنی حقیقت اور نشوونما کا علم ہے پھر بھی ایسی باتیں کرتا ہے، جس نے تجھے نطفہ سے پیدا فرمایا وہ دوبارہ بھی پیدا فرما سکتا ہے، اسی کو فرمایا: اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ☆ (بلاشبہ وہ اس کے لوٹانے پر قادر ہے)۔

سورۃ القیامہ میں فرمایا: اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ☆ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ☆ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ☆ اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ☆ کیا انسان ایک قطرہ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا، پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا پھر اس نے بنایا پھر اعضاء درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں، مرد اور عورت۔ کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے۔

نطفہ منی کو مَآءٍ دَافِقٍ (اچھلتے ہوئے پانی) سے تعبیر فرمایا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ وہ پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ عربی میں الصلب پشت کو کہتے ہیں اور الترائب جمع ہے تریبۃ کی، سینہ کی ہڈیوں کو ترائب کہا جاتا ہے۔ بچہ کی تخلیق مرد عورت دونوں کی منی کے امتزاج سے ہوتی ہے اور مَآءٍ دَافِقٍ کو مفرد کا صیغہ لانا اس اعتبار سے ہے کہ مرد کا نطفہ ہی اصل ہے اور وہ دافق یعنی اچھلنے والا ہے اس کے بغیر تخلیق نہیں ہوتی۔ صاحب بیان القرآن نے یہ توجیہ کی ہے کہ دونوں نطفے مل کر چونکہ شی واحد ہو جاتے ہیں اس لئے مفرد کا صیغہ لایا گیا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ عورت کی منی میں بھی قدرے اندفاق یعنی اچھال ہوتا ہے۔

قال صاحب الروح ووصفه بالدفق قيل باعتبار احد جزئيه وهو منی الرجل و قیل باعتبار کلیهما و منی المراة دافق ایضا الی الرحم. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور اس کو اچھلنے کی صفت کے ساتھ موصوف کرنا بعض نے کہا اس کے ایک جزء کے اعتبار سے ہے اور وہ مرد کی منی ہے۔ اور بعض نے کہا دونوں کی منی کے اعتبار سے ہے کہ عورت کی منی بھی اچھل کر رحم میں جاتی ہے)

عورت کی منی ہونا اور بچہ کی تخلیق میں اس کے مادہ منویہ کا شریک ہونا یہ تو حدیث شریف سے ثابت ہے۔

کما روی مسلم عن عائشة رضی الله عنها ان امراة قالت لرسول الله ﷺ: هل تغتسل المرء ه اذا احتملت و ابصرت الماء؟ فقال "نعم" فقالت لها عائشة: تربت یداک: قالت فقال رسول الله ﷺ دعیها. وهل یکون الشبه الامن قبل ذلک. اذا علا ماؤها ماء الرجل اشبه الولد اخواله و اذا علاماء الرجل ماء ها اشبه اعمامه. (جب کہ مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک خاتون نے حضور ﷺ سے پوچھا کیا عورت کو جب احتلام ہو اور وہ پانی دیکھے تو غسل کرے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عائشہ نے اس عورت سے کہا تو ہلاک ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ اور بچہ کی مشابہت اسی وجہ سے ہی تو ہوتی ہے کہ اگر عورت کا پانی مرد کے پانی سے آگے بڑھ گیا تو بچہ اپنے ننھیال کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر مرد کا پانی عورت کے پانی سے آگے بڑھ گیا تو بچہ ددھیال کا ہم شکل ہوتا ہے)

مادہ منویہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے، یہاں اس طب جدید کی تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ اشکال کیا گیا ہے۔ اطباء کا کہنا ہے کہ نطفہ ہر عضو سے نکلتا ہے اور بچہ کا ہر عضو اس جز و نطفہ سے بنتا ہے جو مرد و عورت کے اسی عضو سے نکلا ہے۔ اگر اطباء کا کہنا صحیح ہو پھر بھی قرآن کی تصریح پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ قرآن مجید میں نہ مرد عورت کی کوئی تخصیص فرمائی ہے اور نہ کلام میں کوئی حرف حصر موجود ہے جو یہ بتاتا ہو کہ نطفہ صرف پشت اور سینہ سے ہی نکلتا ہے، اگر سارے بدن سے نکلتا ہو تو پشت اور سینہ کا ذکر اس کے معارض نہیں ہے۔

البتہ یہ سوال رہ جاتا ہے کہ تمام اعضاء میں سے صرف پشت اور سینہ ہی کو کیوں ذکر فرمایا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سامنے اور پیچھے کے اہم اعضاء کو ذکر کر کے سارے بدن سے تعبیر کر دیا گیا۔

قال صاحب الروح و قیل لو جعل مابین الصلب والترائب کنایة عن البدن کله لم یبعد وکان تخصیصهما بالذکر لما انها کالوعاء للقلب الذی هو المضغة العظمی فیه. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں بعض حضرات نے کہا ہے اگر ما بین الصلب والترائب کو تمام بدن سے کنایہ سمجھا جائے تو بعید نہیں ہے اور پورے بدن میں سے خصوصاً اسی حصہ کا ذکر کرنا اس لئے کہ یہ حصہ دل کے لئے گویا برتن ہے جو کہ بدن کا سب سے عظیم حصہ ہے)

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾
جس دن چھپے ہوئے بھیدوں کی جانچ کی جائے گی سو انسان کے لئے نہ کوئی قوت ہوگی نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے آسمان کی جس سے بارش ہوتی ہے اور زمین کی جو پھٹ جاتی ہے
اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾
یہ قرآن ایک فیصلہ کر دینے والا کلام ہے اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے بلاشبہ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں،
فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾
تو آپ ان کافروں کو مہلت دیجئے ان کو تھوڑے دنوں رہنے دیجئے

تفسیر: گزشتہ آیات میں انسان کی پیدائش بیان فرمائی اور یہ بھی بتایا کہ جس ذات پاک نے انسان کو ابتداء ایسے ایسے پانی سے پیدا فرمایا وہ موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا فرمانے پر بھی قادر ہے اس کے بعد دو آیتوں میں قیامت کے دن کی پیشی اور وہاں جو انسان کی مجبوری ہوگی اس کو بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ جس روز انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور محاسبہ کے لئے پیشی ہوگی اس وقت ساری بھید کی چیزوں کی جانچ کر لی جائے گی۔ سارا کچا چٹھا سامنے آ جائے گا۔ جو بھی کچھ کیا تھا وہ نظر کے سامنے ہوگا۔

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (اور جو کچھ کیا تھا سب حاضر پائیں گے)۔

انسان کی بدحالی اور مجبوری کا یہ عالم ہوگا کہ نہ تو اسے عذاب کے دفع کرنے کی کوئی قوت ہوگی اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اس کے بعد آسمان اور زمین کی قسم کھائی اور قسم کھا کر قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ فیصلہ کرنے والا کلام ہے فرمایا: قسم ہے آسمان کی جو بارش والا ہے اس کی طرف سے زمین پر بار بار بارش کا نزول ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو پھٹ جانے والی ہے (جب اس میں بیج ڈالا جاتا ہے تو پھٹ جاتی ہے اور اس سے پودے اور کھیتیاں نکل آتی ہیں)۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (بلاشبہ یہ قرآن ایک کلام ہے فیصلہ دینے والا) اس میں جو کچھ بتایا ہے سب صحیح ہے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (اور وہ کوئی لغو چیز نہیں ہے)۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا. بلاشبہ یہ لوگ حق کو دبانے کے لئے قرآن سے خود دور رہنے اور دوسروں کو اس سے دور کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں آپ کو تکلیف بھی دے رہے ہیں مکہ معظمہ آنے والوں کے راستہ میں بیٹھ کر انہیں آپ کے پاس آنے سے روکتے ہیں۔ قرآن کو شعر اور اساطیر الاولین بتاتے ہیں۔ اہل ایمان کو مارتے پیٹتے ہیں۔

وَاَكِيْدُ كَيْدًا (اور میں طرح طرح کی تدبیریں کرتا ہوں)۔ ان لوگوں کی تدبیروں کا کاٹ مجھے معلوم ہے ان کی تدبیریں فیل ہوں گی۔ میری تدبیر غالب آئے گی۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ (سو کافروں کو چھوڑیئے) یعنی ان کی حرکتوں سے غمگین نہ ہو جایئے۔ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (انہیں تھوڑے دنوں کے لئے مہلت دیجئے)۔

اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں آپ اپنا کام کریئے تھوڑے دنوں بعد ہم ان پر عذاب نازل کریں گے، ہر کافر کو موت کے بعد عذاب تو ہونا ہی ہے۔ موت سے پہلے بھی عذاب ہو سکتا ہے جیسا کہ قریش مکہ غزوہ بدر میں مبتلائے عذاب ہوئے۔

وهذا آخر سورة الطارق والحمد لله العلى الخلاق

سُورَةُ الْأَعْلٰى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الاعلیٰ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ③ وَالَّذِىْ

آپ اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح بیان کیجئے جس نے پیدا فرمایا، سو ٹھیک طرح بنایا اور جس نے تجویز کیا پھر راستہ دکھایا اور جس نے

اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ⑤ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ⑥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ

چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا بنادیا ہم آپ کو پڑھائیں گے۔ سو آپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ چاہے، بیشک وہ ظاہر کو

وَمَا يَخْفٰى ⑦ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ⑧ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ⑩

اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔ اور ہم آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے، سو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دے۔ وہی شخص نصیحت حاصل کرے گا جو ڈرتا ہے،

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ⑪ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ⑫ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ⑬

اور اس سے وہ شخص پرہیز کرے گا جو بڑا بدنصیب ہے، جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا،

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ⑭ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ⑮ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ⑯ وَالْاٰخِرَةُ

وہ شخص کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی کو اختیار کیا، اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی بلکہ تم لوگ دنیا والی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، اور آخرت

خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ⑰ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ⑱ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ⑲

بہت بہتر ہے اور بہت زیادہ باقی رہنے والی ہے، بلاشبہ یہ اگلے صحیفوں میں ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں

تفسیر: یہاں سے سورۃ اعلیٰ شروع ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح بیان کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان فرمائی ہیں، سب سے پہلے الاعلیٰ فرمایا یعنی برتر اور بلند تر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِجْعَلُوْهَا فِىْ رُكُوْعِكُمْ (کہ رکوع میں جاؤ تو اس پر عمل کرو پھر جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو فرمایا کہ سجدہ میں جاؤ تو اس پر عمل کرو (یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّىَ الْعَظِيْمِ کہو اور سجدہ میں "سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى" کہو۔ (رواہ ابوداؤد)۔

الاُعلیٰ کا معنیٰ ہے خوب زیادہ بلند اور برتر، یہ پروردگار عالم جل مجدہ کی صفت ہے، اس کو بیان کرنے کے بعد دوسری صفت بیان فرمائی۔

اَلَّذِىْ خَلَقَ (جس نے پیدا فرمایا) اور تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَسَوّٰى (کہ اس نے بالکل ٹھیک بنایا)۔

اور چوتھی صفت بیان فرمائی: وَالَّذِىْ قَدَّرَ (اور جس نے جانداروں کے لئے ان کے مناسب حال چیزوں کو تجویز فرمایا۔

فَهَدٰى (پھران جانداروں کوراہ بتائی) یعنی ان کی طبیعتوں کوایسا بنادیا کہ وہ ان چیزوں کو چاہتی ہیں، جوان کے لئے تجویز فرمائی ہیں۔ معالم التنزیل صفحہ ۴۷۵: ج ۴ میں وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى کی تفسیر میں اور بھی چند اقوال لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ انسان کوخیر اور شر کا سعادت وشقاوت کا راستہ بتایا اور ایک معنی یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کومقدر فرمایا پھر انسانوں کورزق کے کمانے اور حاصل کرنے کے طریقے بتائے اور ایک قول یہ ہے کہ اشیاء میں منافع پیدا فرمائے پھر انسان کو ان سے مستفید ہونے کے طریقے بتائے۔ پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى (اور وہ ذات جس نے چارہ نکالا)۔ اس چارہ کوانسانوں کے جانور کھاتے ہیں، پھر یہ جانور اس سے حاصل شدہ طاقت اور توانائی سے انسانوں کی خدمات بجالاتے ہیں۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى (پھر اسے سیاہ کوڑا بنادیا) یعنی زمین سے جو چارہ نکلتا ہے اس میں سے بہت سا تو مویشی کھالیتے ہیں اور بچا کھچا جورہ جاتا ہے وہ کوڑا کرکٹ بن جاتا ہے جو پڑے پڑے کالا ہوجاتا ہے۔

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓى (ہم آپ کوقرآن پڑھائیں گے سوآپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ کی مشیت ہوگی)۔

اس میں وعدہ فرمایا ہے کہ یہ قرآن جو آپ پر نازل ہو چکا ہے اور اس کے بعد مزید نازل ہوگا آپ اس قرآن کو بھولیں گے نہیں، یہ وہی مضمون ہے جسے سورہ قیامہ کی آیت کریمہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ میں بیان فرمایا ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (مگر اللہ جو چاہے اس میں یہ بتادیا کہ آپ پر جو وحی آئے اس میں سے آپ بعض چیزوں کو بھول جائیں گے اور آپ کا یہ بھولنا ہماری مشیت سے ہوگا حکمت کے مطابق ہوگا اس میں منسوخ التلاوۃ اور منسوخ الحکم دونوں کو بیان فرمادیا، سورہ بقرہ میں فرمایا ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (ہم جس کسی آیت کومنسوخ کرتے ہیں یا بھلادیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں)۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى (بلاشبہ وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور چھپی ہوئی چیزوں کو بھی، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر حالت کا اور بندوں کی ہر مصلحت کا علم ہے ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو، وہ اپنے علم کے موافق اور حکمت کے مطابق قرآن کا جو حصہ چاہے بھلادے گا۔

وَنُيَسِّرُکَ لِلْيُسْرٰى (اور ہم آسان شریعت کے لئے آپ کو سہولت دیں گے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو جو شریعت دی ہے اس پر عمل کرنے کے لئے اور اس کو بھلانے کے لئے آپ کو سہولت دیں گے۔

اَلْيُسْرٰى: آسان کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین ﷺ کو جو شریعت دی ہے اس پر عمل کرنا سہل اور آسان ہے، کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو بندوں کی استطاعت سے باہر ہو یا اس کی ادائیگی میں بہت مشقت برداشت کرنی پڑتی ہو، مریض آدمی اگر کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ ادا کرلے اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشارہ سے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھ لے۔

زکوٰۃ بھی صاحب نصاب پر فرض ہے جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ بھی بہت تھوڑا سا ہے یعنی کل مال کا چالیسواں حصہ اور وہ بھی چاند کے حساب سے نصاب پر ایک سال گزر جانے کے بعد اسی طرح حج بھی ہر شخص پر فرض نہیں ہے۔

جس کے پاس مکہ معظمہ سواری سے آنے جانے کی استطاعت ہو سفر خرچ ہو۔ بال بچوں کا ضروری خرچہ بھی پیچھے چھوڑ جانے کے لئے ہو ایسے شخص پر حج فرض ہوتا ہے وہ بھی زندگی میں ایک بار۔

رمضان میں مریض اور مسافر اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے آسانی رکھ دی گئی ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں اس کی قضاء کرلے (جس کی شرائط اور تفاصیل کتب فقہ میں مذکور ہے)۔

انہیں آسانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ شرعی مسافر کے ذمہ چار رکعت فرض والی نماز کی جگہ دو رکعت کی ادائیگی ذمہ کردی گئی ہے، دیگر احکام میں بھی جو آسانیاں ہیں وہ بھی عام طور پر مشہور و معروف ہیں۔

معالم التنزیل میں بعض حضرات سے وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی کی تفسیر یوں نقل کی ہے۔ ای نھون علیک الوحی حتی تحفظه و تعلمه یعنی ہم آپ کے لئے وحی کو آسان کردیں گے تاکہ آپ اسے یاد کرلیں اور دوسروں کو سکھادیں۔ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی (سو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دے) بظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت کرنا اسی صورت میں ہے جبکہ نفع مند ہو لیکن معالم التنزیل میں ہے کہ یہ من قبیل الاکتفاء ہے جس میں ایک چیز کے ذکر کرنے پر اکتفا کرلیا جاتا ہے اور اس کے مخالف دوسری صورت کو ترک کردیا جاتا ہے لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوانفعت او لم تنفع۔ یعنی آپ نصیحت کیا کریں نفع دے یا نہ دے۔

ولم یذکر العاله الثانیة، کقوله: سرابیل تقیکم الحر و اراد الحر و البرد جمیعا (اور دوسری صورت کو ذکر نہیں کیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے سرابیل تقیکم الحر (پاجامے جو تمہیں گرمی سے بچائیں) جبکہ مراد سردی و گرمی دونوں ہیں) اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوسری آیت میں وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر نفع دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نصیحت نفع کی چیز ہے لہٰذا آپ نصیحت کیا کیجئے۔

وقد سنح قلبی احتمال آخر وھو ان تکون ان مخففة من المثقلة وقد حذف اسمھا، والمعنی انه نفعت الذکری، واللہ تعالیٰ اعلم. (اور میرے دل میں ایک اور احتمال آیا ہے اور وہ یہ کہ ان جو ہے یہ ان کا مخفف ہے جس کا اسم حذف کردیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان نفعت الذکری (یعنی بے شک وہ نصیحت نفع دے گی)

پھر فرمایا: سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰی (وہ شخص نصیحت حاصل کرے گا جو ڈرتا ہے)۔ وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقٰی (اور اس نصیحت سے وہ شخص پرہیز کرے گا جو بڑا بدبخت ہے)۔

الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰی (جو بڑی آگ میں داخل ہوگا)۔ اس سے دوزخ کی آگ مراد ہے جس کی آگ کی حرارت دنیا کی آگ سے ستر درجہ زیادہ گرم ہے یعنی اگر دنیا والی آگ کی حرارت جمع کرلی جائے تو اس سے جو حرارت کی ڈگری حاصل ہو وہ دوزخ کی آگ کی گرمی ہے۔

ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی (پھر وہ دوزخ کی آگ میں نہ مرے گا نہ جئے گا)۔ مرے گا تو اس لئے نہیں کہ وہاں موت آنی ہی نہیں ہے۔ اور جئے گا اس لئے نہیں کہ وہ زندگی، زندگی کہنے کے قابل نہیں۔ بھلا وہ بھی کوئی زندگی ہے جو اتنی بڑی آگ میں گزر رہی ہو جس کا اوپر ذکر ہوا۔ سورہ فاطر میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ (اور کافروں کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا نہ وہ مرجائیں اور نہ ان سے اس کا عذاب ہلکا کیا جائے گا ہم اسی طرح ہر کافر کو سزا دیتے ہیں)۔ آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ نصیحت حاصل کرنا انہیں لوگوں کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، وہ جانتے اور مانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر جئے اور مرے تو اس کا انجام برا ہوگا۔

قیامت کے دن کافر ناکام ہوں گے دوزخ میں جائیں گے جنت سے محروم ہوں گے ان کی ناکامی بتانے کے بعد ارشاد فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی ☆ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ☆ (وہ شخص کامیاب ہوا جو پاک ہوا اور اس نے اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی) پاک ہونے میں عقائد باطلہ شرکیہ اور بدعیہ سے اور برے اخلاق اور برے اعمال سے پاک ہونا سب داخل ہے۔ اس

میں لفظ تزکّی باب تفعل سے لایا گیا ہے۔ جو مشقت پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ نفس راضی ہوا یا نہ ہوا بہر حال پاکیزہ زندگی اختیار کی اور سب سے بڑا تزکیہ نماز کے اہتمام سے حاصل ہوتا ہے اس لئے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ اس نے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی، نماز کا اہتمام کرنا برائی سے بچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بلاشبہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے)۔

واستدل بالاٰیۃ الکریمۃ الحنفیۃ علی ان لفظ التکبیر لیست بشرط فی التحریمۃ بل لو قال اللہ الاجل او لاعظم اہ الرحمٰن اکبر اجزاہ عند ابی حنیفہ کما ذکرہ صاحب الھدایہ. (اور اس آیت سے احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ تحریمہ میں تکبیر شرط نہیں ہے۔ بلکہ اگر کسی نے اللہ الاجل یا اللہ الاعظم یا اللہ الرحمان کہا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لئے یہ کافی ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے اس طرح ذکر کیا ہے)

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (بلکہ تم لوگ دنیا والی زندگی کو ترجیح دیتے ہو)۔

پہلے تو انسانوں کی کامیابی اس میں بتائی کہ انسان اپنے نفس کو پاک صاف رکھے کفر و شرک سے بھی اور دوسرے گناہوں سے بھی اور نمازوں کا اہتمام کرے جو تزکیہ نفس کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد انسانوں کی ناکامی کا سبب بتایا اور وہ دنیا کو ترجیح دینا اور آخرت سے غافل ہونا ہے۔ بہت سے لوگ اسلام کو حق جانتے ہوئے دنیاوی عہدوں اور مال و جائداد کی وجہ سے کفر و شرک میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ جو مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں وہ فرائض و واجبات تک کو دنیاداری اور دکان داری اور نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں جبکہ مستحبات تک کا اہتمام کرنا چاہیے جس طرح فرائض و واجبات سے آخرت کے اجور اور رفع درجات سے تعلق ہے اسی طرح سنن و مستحبات سے بھی ہے، لوگ دنیا پر نظر رکھتے ہیں اور اس کے حقیر منافع کے لئے حلال و حرام کا خیال کئے بغیر) آخرت کے اعمال کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی)۔ آخرت کا بہتر ہونا تو اسی سے سمجھ لیا جائے کہ ساری دنیا آخرت کے تھوڑے سے عمل کے سامنے بھی ہیچ ہے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: لغدوۃ فی سبیل اللہ او روحۃ خیر من الدنیا وما فیھا۔ (البتہ اللہ کے راستہ میں ایک صبح کو یا ایک شام کو چلا جانا ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے)۔

فجر کی دوسنتوں کے بارے میں یہی فرمایا: رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیھا کہ فجر کی دوسنتیں دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے۔

یاد رہے کہ دنیا میں رہنا اور حلال کمانا اور حلال کھانا اور حلال پہننا اور حلال مال سے بیوی بچوں کی پرورش کرنا۔ یہ دنیاداری نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو اس سب میں بھی ثواب ہے، دنیاداری یہ ہے کہ آخرت سے غافل ہو جائے وہاں کام آنے والے اعمال کی طرف دھیان نہ دے اور دنیا ہی کو آگے رکھ لے اسی کے لئے مرے اور اسی کے لئے جئے گناہوں میں لت پت رہے۔

سورۃ القیامہ میں فرمایا: کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ ☆ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ☆ (بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو)۔

اور سورۃ الدھر میں فرمایا: اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ یُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَھُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا ☆ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں)۔

اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی (بلاشبہ یہ ان صحیفوں میں ہے جو پہلے نازل کئے گئے جو ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفے تھے)۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ ھذا کا اشارہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے لے کر وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى تک جو مضامین بیان ہوئے ان سب کی طرف ہے۔

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن مردویہ اور ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ انہوں نے خدمتِ عالی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں سے آپ پر کچھ نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا: ہاں اس کے بعد آپ نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے لیکر وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى تک آیات تلاوت فرمائیں۔

صاحب روح المعانی نے آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ واللہ تعالیٰ اعلم بصحۃ الحدیث۔

بعض حضرات نے پوری سورہ کے مضامین کو اور بعض حضرات نے مضامین قرآن کو ھذا کا مشار الیہ قرار دیا ہے والعلم عند اللہ العلیم۔

سورہ النجم میں بھی حضرت موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں کے بعض مضامین کا تذکرہ فرمایا ہے۔

آیت کریمہ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِىْ وَفّٰى اور ان کے بعد کی چند آیات کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الغاشیہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھبیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۞١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۞٢ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۞٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۞٤

آپ کو ایسی چیز کی خبر پہنچی ہے جو چھا جانے والی ہے۔ اس دن چہرے جھکے ہوئے ہوں گے مصیبت جھیلنے والے دکھ تکلیف اٹھانے والے ہوں گے، جلتی ہوئی آگ میں

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۞٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۞٦ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِىْ مِنْ جُوْعٍ ۞٧

داخل ہوں گے، انہیں کھولتے ہوئے چشموں سے پلایا جائے گا ان کے لئے خاردار جھاڑ کے سوا کچھ کھانا نہ ہوگا، وہ نہ فربہ کرے گا، نہ بھوک دور کرے گا

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۞٨ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۞٩ فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۞١٠ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۞١١ فِيْهَا عَيْنٌ

اس دن بہت سے چہرے بارونق ہوں گے، اپنی کوشش کی وجہ سے خوش ہوں گے بہشت بریں میں ہوں گے اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے، اس میں بہتے ہوئے چشمے

جَارِيَةٌ ۞١٢ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۞١٣ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۞١٤ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۞١٥ وَّزَرَابِىُّ مَبْثُوْثَةٌ ۞١٦

ہوں گے، اس میں بلند کئے ہوئے تخت ہوں گے، اور رکھے ہوئے آب خورے ہوں گے اور برابر برابر گدے لگے ہوئے ہوں گے اور قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے۔

تفسیر: یہاں سے سورۃ الغاشیہ شروع ہو رہی ہے۔ الغاشیہ سے قیامت مراد ہے جو غشی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ قرآن مجید میں قیامت کو بہت سے ناموں سے موسوم فرمایا ہے جن میں ایک نام الغاشیہ بھی ہے، اس کا معنی ہے "ڈھانک دینے

والی'' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ قیامت کو الغاشیہ اس لئے فرمایا کہ وہ لوگوں پر اپنی سختیوں کے ساتھ چھا جائے گی اور اس کے دل ہلا دینے والے احوال واھوال (یعنی خوف زدہ کردینے والے حالات ہر طرف سے گھیر لیں گے)۔ هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ میں جو لفظ ھل ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ قدْ کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس قیامت کی خبر آچکی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ھَلْ اپنے معروف معنی میں ہے یعنی استفہام کے لئے لایا گیا ہے اور یہ استفہام تشویش کے لئے ہے پہلے استفہام سے شوق دلا دیا تاکہ سننے والا آئندہ بیان ہونے والے مضامین کو دھیان سے سنے پھر وہاں کے احوال بیان فرمائے ہیں۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (اس دن چہرے جھکے ہوئے ہوں گے)۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (مصیبت جھیلنے والے دکھ تکلیف اٹھانے والے ہوں گے)۔ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے)۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (انہیں کھولتے ہوئے چشموں سے پلایا جائے گا)۔ ان آیات میں نافرمانوں کے احوال بیان فرمائے ہیں جو وہاں پیش آئیں گے۔

اول تو یہ فرمایا کہ بہت سے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے۔ دنیا میں جو ان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کو اور اس کی مخلوق کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کو کہا جاتا تھا تو تکبر کرتے تھے، اور ذرا سا جھکاؤ بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ قیامت کے دن انہیں ذلت اٹھانی پڑے گی۔

سورۃ القلم میں فرمایا: خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوگی)۔ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ (اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اس حال میں کہ وہ صحیح سالم تھے) نافرمانوں کی مزید بدحالی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (بہت سے چہرے مصیبت جھیلنے والے دکھ تکلیف اٹھانے والے ہوں گے) صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس اور حضرت حسن وغیرہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے قیامت کے دن کے سلاسل واغلال یعنی زنجیروں اور بیڑیوں کو لے کر چلنا اور دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا اور اترنا اور اس کے اثر سے خستہ ہونا مراد ہے اور حضرت عکرمہ سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ بہت سے لوگ دنیا میں عمل کرتے ہیں (دنیاوی اعمال بھی اور عبادت کے لائن کی ریاضتیں بھی کرتے ہیں اور اس میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں لیکن چونکہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر نہیں اس لئے یہ سب کچھ ضائع ہوگا اور کفر پر موت آنے کی وجہ سے آخرت میں عذاب میں پڑیں گے اور وہاں کی بہت بڑی تکلیف اٹھائیں گے)۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً (جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے)۔ لفظ حامیۃ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ہے ''انتہائی گرم'' جو حَمِيَتِ النَّارُ سے ماخوذ ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ آگ (جس کو تم جلاتے ہو) دوزخ کی آگ کا سترھواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا (جلانے کو تو) یہی بہت ہے، آپ نے فرمایا (ہاں اس کے باوجود) دنیا کی آگوں سے دوزخ کی آگ گرمی میں ۶۹ درجہ بڑھی ہوئی ہے۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (انہیں کھولتے ہوئے چشموں سے پلایا جائے گا)۔

لفظ آنیہ انا یانی سے مشتق ہے جو خوب زیادہ گرم ہونے پر دلالت کرتا ہے سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے: يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (وہ لوگ دوزخ کے اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان دورہ کرتے ہوں گے)۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ (ان کے لئے ضریع کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا)۔

گزشتہ آیت میں ان کے پینے کی چیز بتائی اور اس آیت میں ان کا کھانا بتایا۔ لفظ ضریع کا ترجمہ خاردار جھاڑ کیا گیا ہے۔

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں ضریع حجاز میں ایک کانٹے دار درخت کا نام ہے، جس کی خباثت کی وجہ سے جانور بھی پاس نہیں پھٹکتے۔ اس کو کھالے تو مرجائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:۔

الضريع شی فی النار شبه الشوک امر من الصبر وانتن من الجيفة واشد حراً من النار

(معالم التنزیل)

یعنی ضریع دوزخ میں ایک ایسی چیز ہوگی جو کانٹوں سے مشابہ ہوگی ایلوے سے زیادہ کڑوی اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے یادہ گرم ہوگی۔

لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (یہ ضریع نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک دفع کرے گا)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دوزخیوں کو (اتنی زبردست) بھوک لگا دی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو بھوک کے علاوہ ہوگا، لہٰذا وہ کھانے کے لئے فریاد کریں گے۔ اس پر ان کو ضریع کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو طَعَامَ ذِيْ غُصَّةٍ (گلے میں اٹکنے والا کھانا) دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا، اس کے اتارنے کے لئے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں پینے کی چیزوں سے گلے کی اٹکی ہوئی چیزیں اتارا کرتے تھے، لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے، چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کی سنڈاسیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کردیا جائے گا، وہ سنڈاسیاں جب ان کے قریب ہوں گے تو چہروں کو بھون ڈالیں گی، پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں یعنی آنتوں وغیرہا کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے گا (الحدیث)۔

اہل کفر کے بعض عذابوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد اہلِ ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (اس دن بہت سے چہرے بارونق ہوں گے)۔

یعنی خوب خوش وخرم ہوں گے۔

یہ اپنی عمدہ حالت اور نعمتوں کی خوبی اور فراوانی کی وجہ سے ان کے چہروں میں خوشی کی وجہ سے چمک اور دمک دیکھنے میں آرہی ہوگی، جیسے سورہ تطفیف میں فرمایا ہے: تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ☆ (اے مخاطب تو ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی کو پہچان لے گا)۔

لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ (اپنی کوشش کی وجہ سے خوش ہوں گے) یعنی دنیا میں جو انہوں نے اعمال صالحہ والی زندگی گزاری اور احکام الٰہیہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں جو محنت اور کوشش کی ان کی وجہ سے خوش ہوں گے کیونکہ دنیا میں جو اچھے اعمال کئے تھے وہ انہیں وہاں کی نعمتیں ملنے کا سبب بنیں گے۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (بہشت بریں میں ہوں گے)۔

وہ جنت ارتفاع مکانی کے اعتبار سے بھی بلند ہوگی اور نعمتوں کے اعتبار سے بھی۔

لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے)۔ کیونکہ جنت ایسی جگہ ہے جہاں کسی قسم کی بھی ناگواری پیش نہ آئے گی۔ نہ آنکھیں ایسی چیز دیکھیں گی جس کا دیکھنا ناگوار ہو اور نہ کانوں میں ایسی چیز پڑے گی جس کا سننا گوارا نہ ہو، وہاں

نہ چیخ نہ پکار، نہ لغو بات نہ فضول کلام، نہ کوئی گناہ کی بات ہر طرح سے خیر ہی خیر اور آرام ہی آرام ہوگا سورۃ الواقعہ میں فرمایا:
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا☆اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا☆ (نہ اس میں کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ کوئی گناہ، بس سلام ہی سلام سنیں گے)۔

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (اس بہشت میں چشمے جاری ہوں گے)۔

محمول علی الجنس لان فی الجنة عیون کثیرة کما قال تعالیٰ: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ وفی سورة الذاریات (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ). (عین: یہ جنس پر محمول ہے کیونکہ جنت میں بہت سارے چشمے ہیں جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ ان المتقين في جنات و عيون اور سورۃ الذاریات میں ہے ان المتقين في ظلال و عيون)

ان چشموں سے پئیں گے بھی جیسا کہ سورۃ الدہر میں اور سورۃ التطفیف میں گزر چکا اور ان کو دیکھنے سے بھی فرحت ہوگی۔

اس کے بعد اہل جنت کی دوسری نعمتوں کا تذکرہ فرمایا:

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ (اس میں بلند کئے ہوئے تخت ہوں گے)۔

وَاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ (اور رکھے ہوئے آب خورے ہوں گے)۔

وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ (اور قالین پھیلے ہوئے پڑے ہوں گے)۔

(تختوں کا اور آب خوروں کا اور جام کا ذکر سورۃ الواقعہ میں بھی گزر چکا ہے۔ سورۃ الدہر میں اکواب یعنی آب خوروں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ وہ شیشے کے ہوں گے اور شیشے چاندی کے ہوں گے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾
کیا وہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کس طرح پیدا کئے گئے۔ اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے کھڑے کئے گئے،
وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾
اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح بچھائی گئی

تفسیر: ان آیات میں چار چیزوں کی طرف نظر کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بلند کئے گئے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح کھڑے کئے گئے اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بچھائی گئی۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں جنت کی نعمتوں کو بیان فرمایا تو اہل کفر کو اس پر تعجب ہوا انہوں نے اس کو جھٹلا دیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اولاً اونٹوں کا ذکر فرمایا، اہل عرب کے سامنے ہر وقت اونٹ رہتے تھے ان سے کام لیتے تھے اور بار برداری اور کھیتی کے کام میں لاتے تھے۔ اس سے بہت سے فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں، پھر صابر بھی بہت ہے۔ خاری خور دو باری برد، کانٹے دار درخت کھاتا ہے اور بوجھ اٹھاتا ہے) اور ایک ہفتے کا پانی پی لیتا ہے اور فرمانبرداری اس قدر ہے کہ اگر ایک بچہ بھی نکیل پکڑ کر چلے تو اس کے ساتھ چل دیتا ہے پھر اس کی خلقت عجیب ہے اردو کا محاورہ ہے، اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی، یاروں کی پہلے گردن ہی دیکھ لو۔

خاص طور سے اونٹ ہی کی خلقت کو کیوں بیان فرمایا گیا جبکہ اس سے بڑا جانور (فیل) یعنی ہاتھی بھی موجود ہے اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کے اولین مخاطبین یعنی عرب کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز مال بھی وہی تھا۔

ثانیاً ارشاد فرمایا: وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ☆ (اور کیا آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے بلند کیا گیا)

ثالثاً فرمایا: وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ (اور کیا پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کیسے کھڑے کئے)

رابعاً فرمایا: وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (اور کیا نہیں دیکھتے زمین کی طرف کیسے بچھائی گئی)۔

یہ سب عجائب قدرت ہیں نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا اس کو اس پر بھی قدرت ہے کہ وہ جنت کو اور جنت کی نعمتوں کو پیدا کر دے جس کا اوپر ذکر ہوا۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں ان چیزوں کو دیکھ کر قدرتِ الٰہیہ پر استدلال نہیں کرتے تا کہ اس کا بعث پر قادر ہونا سمجھ لیتے، اور تخصیص ان چار چیزوں کی اس لئے ہے کہ عرب کے لوگ اکثر جنگلوں میں چلتے پھرتے رہتے تھے، اس وقت ان کے سامنے اونٹ ہوتے تھے اور اوپر آسمان اور نیچے زمین اور اطراف میں پہاڑ اس لئے ان علامات میں غور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا، اور جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے۔

زمین کے لئے جو لفظ (سطحت) فرمایا ہے۔ یہ زمین کے پھیلا ہوا ہونے پر دلالت کرتا ہے اس سے زمین کے کرہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ کرہ ہوتے ہوئے بھی اس پر بسنے والی چیزوں کے لئے پھیلا ہوا جسم معلوم ہوتی ہے۔

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ
سو آپ نصیحت کیجئے آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے مگر جو روگردانی کرے اور کفر کرے تو اللہ اسے بڑا عذاب دے گا، بلاشبہ
الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾
ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے۔ پھر بلاشبہ ہمیں ان کا حساب لینا ہے

تفسیر: مخاطبین کو قیامت کے وقوع اور اس دن کی پریشانی اور اہل ایمان کی خوبی اور خوشحالی سے اور وہاں کی نعمتوں سے باخبر فرمادیا اور ان چیزوں کے بارے میں جو مخاطبین کو تعجب تھا اسے دور فرما دیا اس سب کے باوجود اگر کوئی نہیں مانتا اور ایمان نہیں لاتا تو اس کے نتیجے کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے مخاطبین کو ہدایت پر لانے کا زیادہ فکر رہتا تھا۔ لوگ آپ کی دعوت کو قبول نہ کرتے تھے تو اس سے آپ رنجیدہ ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ان کو نصیحت کر دیا کریں۔ ان کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ ان کو بتا دیں۔ نصیحت فرما دیں، آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے کہ ان کو منوا کر ہی چھوڑیں، آپ نے بتا دیا سمجھا دیا، جو مان لے گا اس کے لئے بہتر ہوگا لیکن جو نہ مانے گا کفر ہی پر جما رہے گا۔ نصیحت سے روگردانی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بڑا عذاب دے گا اسے عذاب دینے پر پوری طرح قدرت ہے، کوئی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا، پھر فرمایا: اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ (بلاشبہ ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (پھر بلاشبہ ہمارے ذمہ ان کا حساب لینا ہے)۔

وهذا آخر تفسير سورة الغاشية اعاذنا الله تعالىٰ من اهوال الغاشية وادخلنا فى الجنة العالية

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الفجر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی، اور جفت کی اور طاق کی، اور رات کی، جب وہ چلنے لگے، کیا اس میں قسم ہے عقل والے کے لئے،

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے کیا کیا قوم عاد کے ساتھ جو قوم ارم تھی یہ لوگ ستون والے تھے ان کے جیسے لوگ شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے اور قوم ثمود

الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا

کے ساتھ جنہوں نے وادی میں پتھروں کو تراشا اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی، سو انہوں نے

الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

بہت فساد مچایا، سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسادیا۔ بلاشبہ آپ کا رب گھات میں ہے

تفسیر: ان آیات میں چند سابقہ قوموں کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے جو امتِ حاضرہ کے لئے باعثِ عبرت و موعظت ہے، پہلے پانچ چیزوں کی قسم کھائی۔

اولاً فجر کی قسم کھائی جیسا کہ اسی طرح سورۃ التکویر میں وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ فرما کر صبح کی قسم کھائی۔

ثانیاً دس راتوں کی قسم کھائی ان دس راتوں سے عشرہ اولیٰ ذی الحجہ کی راتیں مراد ہیں درمنثور میں بروایت حضرت جابر بن عبداللہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہی نقل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بھی یہی منقول ہے بعض احادیث میں ان دنوں کی بہت فضیلت آئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں نیک عمل کرنا دوسرے تمام دنوں میں نیک عمل کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان دنوں کا عمل دوسرے دنوں میں جہاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے آپ نے فرمایا ہاں جہاد کرنے سے بھی افضل ہے الا یہ کہ کوئی شخص ایسی حالت میں نکلا کہ اس نے اپنی جان و مال کو دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ختم کر دیا پھر کچھ بھی لے کر واپس نہ ہوا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۳۲ ج:۱)

ثالثاً وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ جفت اور طاق کی قسم کھائی، جفت جوڑے کو اور طاق بے جوڑے کو کہتے ہیں سنن ترمذی (ابواب التفسیر) میں حضرات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے الشفع والوتر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے نماز مراد ہے (کیونکہ) بعض نمازیں ایسی ہیں جو شفع ہیں یعنی دو یا چار رکعت کر کے پڑھی جاتی ہیں اور وتر سے وہ نمازیں مراد ہیں جن کی طاق رکعتیں ہوں یعنی مغرب اور وتر کی نماز۔ و فیہ راوٍ مجهول۔

تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ وتر اللہ کی ذات ہے اور تم سب لوگ شفع ہو پھر حضرت مجاہد تابعی سے

نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا آسمان ہے اور زمین ہے خشکی ہے اور سمندر ہے، انسان ہیں اور جن ہیں، چاند ہے اور سورج ہے اور ذکور ہیں اور اناث ہیں یعنی مرد اور عورت اور اللہ تعالیٰ وتر ہے یعنی تنہا ہے وفیہ اقوال آخر۔

رابعاً وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ فرمایا اس میں رات کی قسم کھائی، لفظ یَسْرِ مضارع کا صیغہ ہے حضرت حفص کی قراءت میں ی حذف کردی گئی ہے سری یسری سریاً جانے کے معنی میں ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اِذَا یَسْرِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا (کما قال فی الدر المنثور)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رات کی قسم ہے جب وہ چلی جائے سورۃ التکویر میں بھی یہ قسم گزری ہے وہاں وَالَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ فرمایا ہے۔

چاروں قسموں کے بعد فرمایا: هَلْ فِیْ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ (کیا اس میں قسم ہے عقل والے کے لئے)۔

یہ استفہام تقریری ہے جس سے تاکید کلام مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ قسمیں سمجھدار آدمی کے لئے کافی ہیں:۔

قال صاحب الروح تحقیق و تقریر لفخامة الاشیاء المذکورہ المقسم بھا و کونھا مستحقة لان تعظیم بالاقسام بھا فیدل علیٰ تعظیم المقسم علیه و تاکیدہ من طریق الکنایة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مذکورہ اشیاء جن کی قسم کھائی گئی ہے ان کی عظمت کی تاکید ہے اور ان کے ان پر قسم کھانے کے استحقاق کی تاکید ہے۔ پس یہ مقسم علیہ کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تاکید کنایہ کے طور پر ہے)

قسموں کے بعد جواب قسم محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے مخاطبین میں جو لوگ منکر ہیں ان کا انکار پر اصرار کرنا عذاب لانے کا سبب ہے جیسا کہ ان سے پہلے مکذب اور منکر امتیں اور جماعتیں ہلاک ہوئیں اسی طرح یہ منکرین بھی ہلاک ہوں گے۔

اس کے بعد بعض گزشتہ اقوام کی بربادی کا تذکرہ فرمایا خطاب بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور آپ کے واسطہ سے تمام انسانوں کو ہے تاکہ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں یہاں ان اقوام کی ہلاکت کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں دیگر مواقع میں ان کے تفصیلی حالات جگہ جگہ مذکور ہیں، فرمایا: اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا جو ارم نام کے ایک شخص کی نسل میں سے تھے اور ذات العماد تھے) ان کے بڑے بڑے قد تھے (مشہور ہے کہ ان کے قد بارہ ہاتھ کے تھے (کما ذکرہ فی الروح) یہ ذات العماد کا ایک معنی ہے اور بعض حضرات نے اس کا لغوی یہ معنی لیا ہے کہ وہ لوگ ستونوں والے تھے خیمے لئے پھرتے تھے جنگلوں میں جہاں سبزہ دیکھا وہیں خیمے لگا دیتے تھے اور خیموں کو ستونوں سے باندھ دیتے تھے پھر جب سبزہ ختم ہو جاتا تھا تو اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے تھے۔

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ اس قبیلہ کے لوگ ایسے تگڑے اور قوت والے تھے کہ ان جیسے شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے (اسی قوت کے زور پر انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً کون ہے جو قوت کے اعتبار سے ہم سے زیادہ سخت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر ہوا کا عذاب بھیج دیا جو سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط رہی اور سب ہلاک ہو کر رہ گئے۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ ارم حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام بن نوح کا بیٹا تھا اور عاد اور بن عاصی اس کا پوتا تھا۔

وھو عطف بیان لعاد للایذان بانھم عاد الاولی وجوز ان یکون بدلا ومنع من الصرف للعلمیه والتانیث باعتبار القبیلة و صرف عاد باعتبار الحیی وقد یمنع من الصرف باعتبار القبیلة ایضا. (اور یہ عاد کا عطف بیان ہے یہ بتلانے کے لئے کہ ان سے مراد عاد اولیٰ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بدل ہو اور علیمت اور قبیلہ کے معنی میں ہو کر تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہو اور عاد کا صنعرف ہونا باعتبار حی کے اور کبھی قبیلہ کے اعتبار سے صنعرف ہونے سے مانع ہے۔)

قرآن مجید میں کئی جگہ قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ ہے سورہ اعراف اور سورہ ہود کی تفسیر کا مطالعہ کر لیا جائے۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ اور قوم ثمود کے ساتھ آپ کے رب نے کیا معاملہ کیا جنہوں نے وادی القریٰ میں پتھروں کو تراش لیا تھا، قوم ثمود کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا یہ لوگ حجاز اور شام کے

درمیان رہتے تھے ان کے رہنے کی جگہ کو حجر کہا جاتا تھا اور وادی القری بھی کہتے تھے۔ سورۃ الحجر میں فرمایا:

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (اس میں شک نہیں کہ حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں دیں سو وہ ان سے روگردانی کرنے والے تھے اور وہ امن وامان سے رہتے ہوئے پہاڑوں کو تراش کر گھر بنالیتے تھے سو صبح کی چیخ نے ان کو پکڑ لیا سو ان کے کچھ بھی کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے)۔

ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کا قصہ سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورہ شعراء، سورہ نمل میں گزر چکا ہے، ان لوگوں نے جو پہاڑوں کو تراش کر گھر بنائے تھے۔ وہ ابھی تک باقی ہیں، رسول اللہ ﷺ تبوک تشریف لے جاتے وقت ان کی بستیوں سے گزرے تو سر ڈھانک لیا اور سواری کو تیز کر دیا اور فرمایا کہ روتے ہوئے یہاں سے گزر جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اوپر بھی عذاب آجائے۔ (رواہ البخاری)

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ یہ بھی ماقبل پر معطوف ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے رب نے فرعون کو ہلاک کر دیا جو میخوں والا تھا۔ عاد وثمود کی طرح وہ بھی ہلاک ہوا اور اس کی حکومت بھی اور ڈوبنے کے عذاب میں مبتلا ہوا۔ لفظ اَلْاَوْتَاد وتد کی جمع ہے وتد عربی میں میخ کو کہتے ہیں۔ فرعون کو جو ذِيْ الْاَوْتَاد (میخوں والا) فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کے بہت سے لشکر اور بہت سے خیمے تھے۔ لشکر جہاں جہاں ٹھہرتے تھے وہاں خیمے لگاتے تھے اور میخیں گاڑتے تھے اس لئے فرعون کے بارے میں ذِي الْاَوْتَادِ فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ فرعون جب کسی کو سزا دیتا تھا تو چار میخیں گاڑ کر ان میخوں سے اسے باندھ دیتا تھا، پھر اس کی پٹائی کرواتا تھا، یا دوسری سزا دیتا تھا۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اسے لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گڑواتا تھا۔ سورۃ ص کے پہلے رکوع میں بھی یہ بیان گزر چکا ہے۔

اَلَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ یہ قومیں جن کا اوپر ذکر ہوا (عاد اور ثمود اور فرعون) انہوں نے شہروں میں سرکشی کی اور نافرمانی میں بہت آگے بڑھ گئے۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (سو ان لوگوں نے شہروں میں زیادہ فساد کر دیا)۔ کفر وشرک اور طرح طرح کی نافرمانیاں اللہ کے بندوں پر ظلم ان سب چیزوں میں منہمک ہو گئے اور بڑھ چڑھ کر برے اعمال واشغال کو اختیار کیا۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا)۔ لفظ صَبَّ کا اصل ترجمہ (ڈال دیا) ہے اور ترجمہ میں اردو کا محاورہ اختیار کیا گیا ہے یعنی ان لوگوں پر برابر طرح طرح کا عذاب نازل کیا جاتا رہا۔ جب کسی کو زیادہ اور سخت سزا دینی ہو تو کثیر تعداد میں کوڑوں سے پٹائی کی جاتی ہے اسی طرح ان لوگوں پر مسلسل طرح طرح کا عذاب آتا رہا اور بالآخر صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بلاشبہ آپ کا رب گھات میں ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال اور احوال سے غافل نہیں ہے اسے سب کچھ خبر ہے جو نافرمان دنیا میں موجود ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ سابقہ اقوام ہی عذاب کی مستحق تھیں ہم عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ دنیا میں اگر کوئی شخص جرم کر کے بھاگنے لگے اور اس کے راستہ پر پکڑنے والے بٹھا دیئے جائیں جو

خوب گہری نظروں سے دیکھتے رہیں اور گھات میں لگے رہے کہ یہاں سے کب گزرے اور کب پکڑیں، اسی طرح سمجھ لیں کہ مجرمین پکڑے جائیں گے، یہ نہ سمجھیں کہ ہم کہیں بھاگ کر بچ جائیں گے۔

ان ربک لبالمرصاد میں اس مضمون کو ادا فرمایا ہے۔ قال صاحب الروح والمرصاد المكان الذى يقوم به الرصد ويترقبون فيه، مفعال من رصده كالميقات من وقته و فى الكلام استعارة تمثيلية الى آخره. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مرصاد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انتظار کرنے والے ٹھہرتے ہیں اور اس میں بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں۔ جیسے وقت سے میقات بنا ہے۔ اسی طرح سے رصد سے مرصاد بنا ہے۔ اور اس کلام میں استعارہ تمثیلیہ ہے)

فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ

سو انسان کو اس کا پروردگار جب آزماتا ہے سو اس کا اکرام فرماتا ہے اور اسے نعمتیں دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا اور جب وہ اس کو آزماتا ہے

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾

سو اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ شانہ نے ابتلاء اور امتحان کا تذکرہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی انسان کا مزاج بھی بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کا کبھی انعام اکرام کے ذریعہ امتحان لیتا ہے اور کبھی ان کے رزق میں تنگی فرما کر آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مضمون، مضمون سابق سے متصل ہے (اسی لئے مضمون کے شروع میں ف لائی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کے مخاطبین ہیں انہیں چاہیے تھا کہ سابقہ اقوام کے احوال سے عبرت لیتے اور نصیحت پکڑتے اور کفر و شرک اور نافرمانی سے توبہ کرتے لیکن انسانی مزاج کے مطابق انہوں نے اپنا وہی دنیاداری کا مزاج بنا رکھا ہے اور یہ دنیاداری کا مزاج اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر نہیں آنے دیتا، دنیا کی نعمتیں مل جانا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی دلیل نہیں ہے اور دنیا کی چیزوں سے محروم ہونا، رزق کی تنگی ہونا، یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مردود ہے اسی لئے کافر بھی تنگ دست اور مالدار ہوتے ہیں اور اہل ایمان میں بھی دونوں طرح کے بندے پائے جاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ انعام و اکرام اور فقر و فاقہ اور تنگدستی ان احوال میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان لیا جاتا ہے انسان پر لازم ہے کہ نعمتیں مل جائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اس کی نافرمانی نہ کرے اور تکبر کی شان اختیار نہ کرے اور اپنے مال پر نہ اترائے اور یہ پیش نظر رکھے کہ یہ چیزیں دے کر میرا امتحان کیا گیا ہے اور اگر تنگدستی کی حالت آ جائے پیسہ پاس نہ ہو مال چلا جائے نعمتیں جاتی رہیں تو صبر سے کام لے نہ اللہ تعالیٰ کی شکایت کرے نہ نافرمانی کرے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔

كَلَّا ۖ بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

اور مال سے بہت محبت رکھتے ہو

تفسیر: ان آیات میں اول تو انسان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ مالدار ہونا اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہونے کی اور تنگدست ہونا اللہ تعالیٰ کا مردود بندہ ہونے کی دلیل ہے اور اس کو کلّا فرما کر بیان فرمایا یعنی ایسا ہرگز نہیں جیسا تم سمجھتے ہو۔

اس کے بعد انسانوں کی دنیاداری اور حب مال کا مزاج بیان فرمایا: بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (بلکہ تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے (جو مدد کا مستحق ہے) اور نہ صرف یہ کہ یتیم کا اکرام نہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دیتے۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا (اور تم میراث کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو)۔ جب کوئی مرنے والا مر جاتا ہے تو مال کی محبت کی وجہ سے دوسروں کے حصوں کا مال بھی کھا جاتے ہو چھوٹے بچے جو یتیم ہوتے ہیں اور مرنے والوں کی بیویاں جو بیوہ ہو جاتی ہیں اور جو وارث غائب ہوتے ہیں ان سب کا مال جس کے ہاتھ لگ جاتا ہے لے اڑتا ہے اور اصحاب حقوق کو نہیں دیتا وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (اور تم مال سے بہت محبت رکھتے ہو) اس آخری جملہ میں حب مال کی مذمت فرمادی، جتنے طریقوں سے بھی مال حاصل کیا جاتا ہے ان سب طریقوں میں لگ کر جو لوگ مال کے کمانے میں منہمک ہو جاتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں اور احکام شرعیہ کا لحاظ نہیں رکھتے اور نماز سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں آیت شریفہ کے الفاظ میں مجموعی طور پر ان سب کی مذمت بیان فرمادی، بلکہ جہاں جہاں وجوباً یا استحباباً مال خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ نہ کرنا بھی اسی مذمت کے ذیل میں آ گیا، درحقیقت مال کی محبت انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے اور بہت سے گناہوں پر آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها يجمع من لا عقل له** (دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اس کے لئے وہ شخص جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔

ہر شخص اس دنیا کو چھوڑ کر جائے گا اور جو کمایا ہے اسے بھی یہیں چھوڑے گا پھر اس کا کیا رہا؟ بقدر ضرورت حلال مال کمالے اگر اللہ تعالیٰ شانہ زیادہ دیدے جو حلال ہو تو اسے اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے بندوں پر خرچ کردے، حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو چیزیں ہیں جنہیں انسان مکروہ سمجھتا ہے موت کو مکروہ سمجھتا ہے حالانکہ موت مومن کے لئے بہتر ہے تاکہ فتنوں سے محفوظ رہے اور مال کی کمی کو مکروہ سمجھتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی کا ذریعہ ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۸)۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ

ہر گز ایسا نہیں، جب زمین کو پوری طرح چورا چورا کر دیا جائے گا۔ اور آپ کا پروردگار آ جائے گا اور فرشتے آ جائیں گے تو صفیں بنالیں گے اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

اس دن انسان کی سمجھ میں آ جائے گا، اور اب سمجھنے کا موقع کہاں رہا؟ کہے گا کاش میں اپنی زندگی کے لئے آگے بھیج دیتا سو اس دن اللہ کے عذاب کے

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ

برابر کوئی عذاب دینے والا نہ ہوگا اور اس کی جیسی بندش کوئی نہیں کرے گا اے نفسِ مطمئنہ لوٹ جا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

تو خوش ہو اور تجھ سے بھی اللہ تعالیٰ خوش ہے، سو تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا

تفسیر: كَلَّآ ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھتے ہو کہ میراث کا مال سمیٹنا اور مال سے محبت کرنا تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور اس پر مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ یہ چیزیں تمہارے حق میں مضر ہیں اور باعث عذاب ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے ہولناک مناظر کا تذکرہ فرمایا۔ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا (جب زمین کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کر دیا جائے گا) اور اس پر کوئی پہاڑ اور عمارت اور درخت باقی نہیں رہے گا اور برابر ہموار میدان ہو جائے گی۔

وَجَآءَ رَبُّكَ اور آپ کا پروردگار آ جائے گا یعنی اس کا حکم پہنچ جائے گا اور اس کے فیصلوں کا وقت آ جائے گا وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۔ معالم التنزیل میں حضرت عطا کا قول نقل کیا ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے الگ الگ صف بنالیں گے۔

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ (اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس دن جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی ہر باگ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ کر لا رہے ہونگے۔

یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اس دن انسان کی سمجھ میں آ جائے گا۔ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (اور سمجھنے کا موقع کہاں رہا) یعنی سمجھنے کا وقت تو دنیا میں تھا جہاں ایمان لانے اور عمل صالح کرنے کا موقع تھا اب تو دار الجزاء میں پہنچ گئے۔ اب نہ سمجھنے کا موقع رہا نہ عمل کا، نہ توبہ کا۔ جب انسان اپنی محرومی کو دیکھ لے گا اور محاسبہ اور مواخذہ سامنے آئے گا۔

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ (حسرت اور افسوس کے ساتھ یوں کہے گا ہائے کاش میں اپنی زندگی کے لئے خیر اور عمل صالح آگے بھیج دیتا) وہاں پہنچ کر احساس ہوگا کہ دنیا میں نیک بندہ بن جاتا اور گناہوں سے بچ جاتا اور ایمان اور اعمالِ صالحہ آگے بھیج دیتا تو آج کے دن مصیبت سے چھٹکارا پائے ہوئے ہوتا اس دن کی زندگی کو زندگی سے تعبیر کرے گا کیونکہ وہ ایسی زندگی ہے کہ ختم نہ ہوگی اور اس کے بعد موت نہ ہوگی۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ (سو اس دن اللہ کے عذاب کے برابر کوئی عذاب دینے والا نہ ہوگا)۔

وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ (اور اس دن کی جیسی بندش کوئی نہ کرے گا) یعنی اس دن ایسی سخت سزا دی جائے گی کہ اس سے پہلے کسی نے کسی کو اتنی سخت سزا نہ دی ہوگی اور اس سے پہلے کسی نے ایسی سخت جکڑ بندی نہ کی ہوگی۔

سورہ سبا میں فرمایا: وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈالیں گے)۔

اور سورہ مومن میں فرمایا: فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ (سو ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا جبکہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں) اس کے بعد اہل ایمان کو بشارتیں دیں اور فرمایا: یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (اے نفسِ مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا تو راضی خوشی ہے اور تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہے)۔ نفس مطمئنہ سے کہا جائے گا کہ تو اپنے رب کی طرف یعنی اس کے ثواب کی طرف اور جو کچھ اس نے تیرے لئے اپنی جنت میں تیار کیا ہے اس کی طرف لوٹ جا (ذکرہ فی کنز العمال (الادعیة المطلقه حدیث صفحه۶۸۷: ج۲ بمعه حلب وعزا فی الروح الی الطبرانی ایضاً)۔

رَاضِیَةً (اس حال میں کہ تو اللہ سے راضی ہے اور جو نعمتیں اس نے تیرے لئے تیار فرمائی ہیں ان سے تو خوش ہے)۔

مَّرْضِیَّةً مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہے۔ مفسر ابن کثیر نے لکھا کہ نفسِ مطمئنہ کو یہ خوشخبری موت کے وقت دی جاتی ہے اور قیامت کے دن بھی اسے یہ خوشخبری دی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں اگر نیک بندہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اے پاکیزہ نفس جو پاکیزہ بدن میں تھی اور تو اللہ کی نعمت اور اللہ کے رزق پر خوش ہو جا اور اس بات پر خوش ہو جا کہ تیرا رب تجھ پر غصہ نہیں ہے۔ حضرت

ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم علیہ السلام نے ایک شخص کو دعا بتائی، (کہ اس کو پڑھا کرو)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْأَلُکَ نَفْسًا مُطْمَئِنَّةً تُوْمِنُ بِلِقَائِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔ (اے اللہ میں آپ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی ملاقات کا یقین رکھتا ہو اور آپ کی قضا پر راضی اور آپ کی عطا پر قناعت کرتا ہو)۔

اس دعا میں نفس مطمئنہ کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں اول تو یہ فرمایا کہ وہ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہے، یقین ہی تو اصل چیز ہے اور یہ ہی اطمینان کا ذریعہ ہے جب کسی کو آخرت کے دن کی حاضری کا یقین ہوگا تو اپنی عبادات اور معاملات اور تمام امور اچھی طرح انجام دے گا اور یوم الحساب کی حاضری کا یقین ہوگا تو دینی کاموں کو اچھی طرح ادا کرے گا، مثلاً نماز میں جلدی نہیں کرے گا اطمینان سے ادا کرے گا۔ نفس مطمئنہ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی قضا یعنی اس کے فیصلہ پر راضی ہو وہ جس حال میں رکھے اس پر راضی رہے، یہ بھی اطمینان کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ نفس مطمئنہ کی تیسری صفت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ کی عطاء پر قناعت کرے، قناعت بھی بہت بڑی نعمت ہے اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا اس پر قناعت کرتا رہے تو بڑے اطمینان میں رہتا ہے، مال زیادہ کمانے کی حرص نہیں رہتی، مال کمانے کے لئے نہ گناہوں میں ملوث ہونا پڑتا ہے اور نہ عبادات میں کوتاہی ہوتی ہے، خیانت کرنے سے، کسی کا حق دبانے سے، غصب سے، چوری سے کمائی کے تمام حرام طریقوں سے حفاظت رہتی ہے۔

فَادْخُلِیۡ فِیۡ عِبَادِیۡ (اے نفس مطمئنہ تو میرے بندوں میں داخل ہو جا)۔

وَادْخُلِیۡ جَنَّتِیۡ (اور میری جنت میں داخل ہو جا) اس میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس مطمئنہ کو یہ خطاب بھی ہوگا کہ تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا یعنی جنت میں تنہا داخل ہونا نہیں ہے انسان مدنی الطبع ہے اسے انس اور الفت کے لئے دوسرے افراد بھی چاہئیں آیت کریمہ میں یہ بھی بیان فرما دیا کہ جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہاں دوسرے اہل جنت سے بھی ملاقاتیں رہیں گی سورہ حجر میں فرمایا: وَنَزَعْنَا مَا فِیۡ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ (اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کر دیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے)۔

اور سورہ طور میں فرمایا: یَتَنَازَعُوْنَ فِیۡھَا کَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیۡھَا وَلَا تَاْثِیۡمٌ (وہاں آپس میں جام شراب میں چھینا جھپٹی بھی کریں گے اس میں نہ کوئی لغویات ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات) جنت میں آپس میں میل محبت سے رہیں گے کسی کے لئے کسی کے دل میں کوئی کھوٹ، حسد، جلن، بغض نہ ہوگا، اگرچہ وہاں کسی چیز کی کمی نہ ہوگی لیکن بطور دل لگی مشروبات میں چھینا جھپٹی کریں گے اور ایک دوسرے سے پیالے چھینیں گے۔

جعلنا اللہ تعالیٰ ممن رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ وجعل الجنة مثواہ

وھذا آخر سورۃ الفجر، والحمد للہ اولا و آخرا والصلوٰۃ علی من ارسل طیبا و طاھرا

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البلد مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں، اور آپ اس شہر میں حلال ہونے کی حالت میں داخل ہونے والے ہیں، اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی، یہ واقعی بات ہے کہ ہم

فِيْ كَبَدٍ ۝۴ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶

نے انسان کو مشقت میں پیدا فرمایا، کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا، وہ کہتا ہے کہ میں نے خوب زیادہ مال ہلاک کردیا،

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰

کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا، کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتا دیئے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے شہر مکہ مکرمہ کی اور انسان کے والد یعنی آدم علیہ السلام کی اور ان کی ذریت کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے، درمیان میں بطور جملہ معترضہ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ بھی فرمایا جس وقت یہ سورت نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ہی تھے، وہاں مشرکین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔

مکہ معظمہ حرم ہے اس میں قتل وقتال ممنوع ہے مشرکین مکہ بھی اس بات کو جانتے اور مانتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کی قسم کھا کر اس کی عزت کو بیان فرما دیا اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیشگی خبر دیدی کہ ایک دن آنے والا ہے، جب آپ اس میں فاتحانہ داخل ہوں گے اور اس دن آپ کے لئے اس شہر میں قتال حلال کر دیا جائے گا چنانچہ ہجرت کے بعد ۸ھ میں آپ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے تشریف لائے اور مکہ میں داخل ہوئے اور بہت سے لوگوں کے بارے میں امان کا اعلان کردیا جو اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور بعض لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ پاک نے جس دن آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا مکہ معظمہ (میں قتل وقتال) کو حرام قرار دے دیا تھا اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۳۷ از مسلم)۔

اور میرے لئے صرف دن کے تھوڑے سے حصے میں حلال کیا گیا، لہٰذا وہ قیامت کے دن تک اللہ کے حرام قرار دینے سے حرام ہے یعنی اب قیامت تک اس میں قتل وقتال حلال نہیں ہوگا وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ والد سے حضرت آدم علیہ السلام اور وَمَا وَلَدَ سے ان کی ذریت مراد ہے اس طرح حضرت آدم کی اور تمام بنی آدم کی قسم ہوگئی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا فرمایا)۔

انسان اشرف المخلوقات احسن تقویم میں پیدا فرمایا ہے وہ اپنے احوال میں مشقتوں تکلیفوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شرف بھی بخشا اور مشکلات اور مسائل میں بھی مبتلا فرما دیا، اس کی اپنی دنیاوی حاجات اور ضروریات جان کے ساتھ ایسی لگی ہوئی ہیں جو اس کے لئے مشقتوں کا باعث ہوتی ہیں، انسان کو کھانے پینے کو بھی چاہیئے، پہننے کی بھی ضرورت ہے، رہنے کے

لئے مکان بھی چاہیئے ساتھ ہی بیماریاں بھی لگی ہوئی ہیں وہ خود تو مصیبت ہیں ہی ان کے علاج کے لئے تدبیریں بھی کرنی پڑتی ہیں اور مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے، مال آسانی سے حاصل نہیں ہوتا اس کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ پہاڑ توڑنے پڑتے ہیں بوجھ ڈھونڈنا پڑتا ہے نیند چھوڑ کر ڈیوٹی پر جانا پڑتا ہے، حالت مرض میں بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں جی نہیں چاہتا مگر ضرورتیں پوری کرنے کے لئے نفس کو دبا کر کام پر جانا ہوتا ہے، غذا کو زمین سے حاصل کرنا پڑتا ہے، زمین میں ٹریکٹر چلاؤ یا ہل کو ہلاؤ بیج ڈالو، پودے نکلیں تو پانی دیتے رہو کھیتی پک جائے تو اسے کاٹو، کاٹنے کے بعد بھوسے سے دانے کو نکالو پھر اسے پیسو پھر گوندو، پھر روٹی پکاؤ چاول ہوں تو دیگچہ چڑھاؤ۔ اور اسی پر بس نہیں۔ بلکہ کھاؤ بھی اور نکالو بھی۔ قبض ہو گیا تو دوا تلاش کرو، دست ہو گئے تو بار بار جاؤ، نکاح نہ ہو تو مشکل، نکاح ہو گیا تو بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش اور ان کے دکھ درد کا سامنا، یہ سب دنیاوی مسائل اور مشکلات کی چند مثالیں ہیں۔ غور کریں گے تو اور بہت سی چیزیں سامنے آجائیں گی۔ یہ تو دنیاوی مشکلات کی طرف کچھ اشارہ ہوا دین پر عمل میں بھی نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ نیند چھوڑ کر نماز پڑھنی پڑتی ہے روزے رکھ کر بھوک پیاس برداشت کرنی پڑتی ہے نفس نہیں چاہتا پھر بھی زکوٰۃ دینی پڑتی ہے۔ حج میں پیسہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے، وغیرہ وغیرہ یہ مشکلات انسان کی جان کے ساتھ ہیں، دوسری مخلوق ان چیزوں سے آزاد ہے۔

جو شخص کوئی بھی تکلیف اللہ کی رضا کے لئے برداشت کرے گا آخرت میں اس کا ثواب پائے گا اور جو شخص محض دنیا کیلئے عمل کرے گا اس کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ اور اگر گناہ کرے گا (جن میں اپنے اعضاء کو اور مال کو استعمال کرے گا) تو اس کی سزا پائے گا۔

جب انسان مشقت اور دکھ تکلیف میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ جو میرے پاس ہے میرے خالق ومالک کا دیا ہوا ہے تو اسے اللہ جل شانہ کا مطیع اور فرمانبردار ہونا اور ہر حال میں اسی کی طرف متوجہ رہنا لازم تھا، اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرنا اور اس کی عبادتیں بھی کرنا اور اس کے احکام پر بھی عمل کرنا۔ لیکن انسان کا یہ طریقہ ہے کہ باغی بن کر رہتا ہے اپنے خالق اور مالک کے مواخذہ سے نہیں ڈرتا۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ (کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا)۔ یعنی انسان کا رویہ یہ بتاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو آزاد سمجھتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے دنیا و آخرت میں مواخذہ ہوگا اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتا اس کا ڈھنگ یہ بتاتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر اپنے دنیاوی مشاغل میں لگتا ہے کہ میں آزاد ہوں جو چاہوں کروں، مجھے کوئی پکڑنے والا نہیں اور مجھ پر کسی کو کوئی قدرت نہیں حالانکہ جس ذات پاک نے اس کو پیدا فرمایا ہے قوت اور طاقت بخشی ہے وہ اس پر پوری طرح قادر ہے انسان کے اعمال میں اموال کا خرچ کرنا بھی ہے۔ وہ بے فکری کے ساتھ مال خرچ کرتا ہے اور گناہوں میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔ اسراف بھی کرتا ہے۔ حرام مواقع میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے اور شیخی بگھارتے ہوئے شیخی کے ساتھ کہتا ہے کہ میں نے خوب زیادہ مال خرچ کر ڈالا، ان معصیت والے اخراجات میں خرچ کرنے پر جرأت بھی کی اور شیخی بھی بگھاری اور یہ بالکل نہ سوچا کہ ان مواقع میں خرچ کرنا میرے خالق اور مالک کی رضامندی کے خلاف ہے۔ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اسی کو فرمایا: **اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ** (کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا) یعنی اس کو ایسا سمجھنا غلط ہے کہ اگر کسی کو پتہ نہیں تو اس کے خالق کو تو پتہ ہے اسی نے مال دیا اور وہ ہی معصیت میں خرچ کرنے پر مواخذہ کرے گا۔ تفسیر جلالین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں خوب زیادہ مال خرچ کیا تھا اور بطور فخر یوں کہا تھا کہ میں نے بہت زیادہ مال خرچ کر دیا اس پر مذکورہ

وعید نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ اس کا یہ خیال کرنا غلط ہے کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے اسے خرچ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور کتنا مال خرچ کیا ہے وہ بھی دیکھا ہے وہ اپنے علم کے مطابق مواخذہ فرمائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ (الآیتین) (کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں اور زبان اور ہونٹ نہیں بنائے) یہ استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو آنکھیں بھی دیں۔ زبان بھی دی ہونٹ بھی دیئے۔ انسان کے یہ اعضاء اس کے لئے بہت بڑے مددگار ہیں آنکھوں سے دیکھتا ہے زبان سے بولتا ہے ہونٹوں سے حروف بھی ادا ہوتے ہیں اور بہت بڑی خوبصورتی کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے ان اعضاء کے ذریعہ انسان اپنی دنیاوی زندگی بھی اچھی گزار سکتا ہے اور ان کو اپنے خالق و مالک کی رضامندی میں استعمال کر کے آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتا ہے اسی لئے آخیر میں وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ بھی فرما دیا یعنی ہم نے انسان کو دونوں راستے بتا دیئے خیر و فلاح کا راستہ بھی بتا دیا اور شر اور ہلاکت کا راستہ بھی دکھا دیا، اب یہ انسان کی سمجھداری ہے کہ وہ اپنے اعضاء اپنی بصیرت و بصارت کو اور اپنے فکر و فہم کو اپنی کامیابی کے راہ میں خرچ کرے اپنے خالق و مالک کی شانِ خالقیت اور شانِ مالکیت اور شانِ ربوبیت کو تسلیم کرے اور اس کے مطابق زندگی کو بھی گزارے اپنا بھی بھلا کرے اور اللہ کی دوسری مخلوق سے بھی اچھا سلوک کرے اس آخری بات کو آئندہ آیت میں بیان فرمایا ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾
سو وہ گھاٹی سے ہو کر کیوں نہ آگے بڑھا اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے؟ چھڑا دینا ہے گردن کا یا کھلا دینا ہے بھوک والے دن میں
یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
کسی یتیم کو جو رشتہ دار ہو، یا کسی مسکین کو جو مٹی والا ہو، پھر ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی
وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ
اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی، یہ داہنے ہاتھ والے لوگ ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا وہ
اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾
بائیں ہاتھ والے ہیں ان پر آگ ہوگی جسے بند کر دیا جائے گا

تفسیر: ایمان قبول کرنے کے بعد بہت سے تقاضے پورے کرنا لازم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر بھی نفس کو آمادہ کرنا پڑتا ہے اور مخلوق کے بھی حقوق ادا کرنے ہوتے ہیں ان میں حقوقِ واجبہ بھی ہوتے ہیں اور مستحب چیزیں بھی ہوتی ہیں اس بارے میں فرمایا کہ انسان اس گھاٹی سے کیوں نہ گزرا جس میں نفس پر قابو پایا جاتا ہے پھر تفخیم شان کے لئے فرمایا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کیا گھاٹی ہے؟ پھر بطور مثال تین چیزیں ذکر فرمائیں۔

اول فَكُّ رَقَبَةٍ (گردن کا چھڑانا) یعنی اللہ کی رضا کے لئے غلام اور باندی کا آزاد کرنا یہ آزاد کرنا کفاراتِ واجبہ میں بھی ہوتا ہے اور مستحب بھی ہوتا ہے جس میں ایک صورت مکاتب بنانے کی ہے اور دوسری صورت مدبر کرنے کی بھی ہے ان مسائل کو کتب فقہ میں کتاب العتاق کا مطالعہ کرنے سے یا کسی عالم سے معلوم کرنے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے مسلمان شخص کو آزاد کر دیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض آزاد

کرنیوالے کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرمادے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو بھی دوزخ سے بچادے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (دیہات کا رہنے والا) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے ایسا عمل بتادیں جو مجھے جنت میں داخل کردے آپ نے فرمایا اَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُکَّ الرَّقَبَةَ سائل نے کہا کیا دونوں کا ایک ہی مطلب نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں عتق نسمۃ یہ ہے کہ تو کسی غلام کو پورا اپنی طرف سے تنہا آزاد کردے اور فک رقبۃ یہ ہے کہ تو اسکی قیمت میں مدد کردے (مثلاً کسی مکاتب غلام کی قسطوں کی ادائیگی میں مدد کردے) اور اعمال جنت میں سے یہ بھی ہے کہ تو کسی کو خوب دودھ دینے والے جانور ہبہ کردے اور یہ کہ تو کسی ظالم رشتہ دار پر بھلائی کے ساتھ توجہ کرے اگر یہ نہ کرسکتا ہو تو بھوکے کو کھانا کھلا اور پیاسے کو پانی پلا، اور اچھے کاموں کا حکم کر اور برے کاموں سے روک دے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان کو اچھی باتوں کے علاوہ دوسری باتوں سے روکے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۲۹۲)

دوم بھوک کے دن میں کسی یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلائے اور سوم مسکین کو کھانا کھلانا جو مٹی والا ہے یعنی ایسا مسکین ہے کہ اس کے پاس اپنی جان کے سوا کچھ نہیں ہے زمین سے اپنی جان کو لگائے ہوئے ہے ایسے مسکین کو کھانا کھلانا بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ کہ مذکورہ افعالِ خیر ایمان کے ساتھ ہونے چاہئیں کیونکہ ایمان کے بغیر آخرت میں کوئی عمل نافع نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ صفت ایمان اور دوسری صفات کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین بھی کرنے رہنا چاہیے نیکیوں پر جمار ہنا اور گناہوں سے رکا رہنا اور مشکلات ومسائل پر جزع وشکوہ وشکایت نہ کرنا یہ سب کچھ صبر میں آجاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو مرحمت یعنی مخلوق پر رحمت کرنے کی وصیت بھی کرتے رہنا چاہیے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ جن مومن بندوں کا اوپر ذکر ہوا یہ اصحاب المیمنہ یعنی داہنے ہاتھ والے ہیں جن کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے اور جن سے جنت میں داخل ہونے کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا یہ بائیں ہاتھ والے ہیں)۔ ان کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے اور انہیں دوزخ میں جانا ہوگا جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (ان پر آگ ہوگی بند کی ہوئی) یعنی ان کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کردیئے جائیں گے۔

قولہ تعالیٰ مُّؤْصَدَةٌ قال فی معالم التنزیل مطبقة علیهم ابوابها لا یدخل فیها روح ولا یخرج منها غم قرا ابو عمرو وحمزة و حفص بالهمزة ها هنا و فی الهمزة المطبقة وغیر الهمزة المغلقة. (ارشادالٰہی ''موصدۃ'' معالم التنزیل میں ہے کہ ''موصدۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بند ہوگی نہ اس میں کوئی راحت داخل ہو سکے گی۔ اور نہ اس میں سے کوئی غم و دکھ باہر نکل سکے گا۔ ابوعمر، حمزہ، حفص نے اسے یہاں ھمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ھمزہ کے ساتھ ہو تو معنی ہے ڈھکی ہوئی اور ہمزہ کے بغیر ہو تو معنی ہے بند کی ہوئی)

وهذا آخر تفسیر سورة البلد والحمد لله الواحد الاحد الصمد والصلوٰة علی من بعث الی کل والد وما ولد و علی اصحابه فی کل یوم وغد

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الشمس مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس میں پندرہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ④ وَالسَّمَآءِ

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی، اور چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے سے آ جائے، اور قسم ہے دن کی جب وہ اس کو خوب روشن کر دے، اور قسم ہے رات کی جب وہ اسے چھپا لے، اور قسم ہے آسمان کی

وَمَا بَنٰهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ⑧ قَدْ

اور اس کی جس نے اس کو بنایا اور قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے اسے بچھایا اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کا فجور اور اس کا تقویٰ اس کو القاء کر دیا یہ یقینی بات ہے کہ

اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ⑪ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا ⑫

وہ کامیاب ہوا جس نے اس کو پاک کیا اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے اسے دبا دیا، ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا جبکہ اس کا سب سے زیادہ بدبخت شخص اٹھ کھڑا ہوا

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ⑬ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

سو ان سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اونٹنی سے اور اس کے پینے سے خبردار رہنا سو انہوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلا دیا پھر اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا، سو ان کے

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ⑭ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑮

رب نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پوری طرح ہلاک کر دیا۔ سو اس کو عام کر دیا اور وہ اس کے انجام سے اندیشہ نہیں رکھتا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ نے سورج کی اور اس کی روشنی کی قسم کھائی ہے اور چاند کی بھی قسم کھائی ہے اس میں اِذَا تَلٰهَا کا بھی اضافہ فرمایا یعنی چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے سے آ جائے یعنی سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو جائے اس سے مہینوں کی درمیانی یعنی تیرہ چودہ پندرہ تواریخ کی راتیں مراد ہیں ان راتوں میں جیسے ہی سورج غروب ہوتا ہے چاند نکل آتا ہے اور خوب زیادہ روشن رہتا ہے اور پوری رات اس کی روشنی کامل رہتی ہے۔ جس طرح وَضُحٰهَا فرما کر آفتاب کی کامل روشنی کی طرف اشارہ فرمایا اسی طرح چاند کے کمالِ نور کی طرف اِذَا تَلٰهَا فرما کر اشارہ فرما دیا اس کے بعد دن کی قسم کھائی اور فرمایا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا (قسم ہے دن کی جب وہ سورج کو روشن کر دے) یہ اسناد مجازی ہے چونکہ دن میں آفتاب کی روشنی ہوتی ہے اس لئے روشنی کو دن کی طرف منسوب فرما دیا۔

پھر فرمایا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا (اور قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپا لے) یہ بھی اسناد مجازی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے رات کی جب خوب اچھی طرح تاریک ہو جائے اور دن کی روشنی پر چھا جائے۔ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا)۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا (اور قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بچھایا۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (اور قسم ہے جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو اچھی طرح بنایا)

ان تینوں آیتوں میں جو مَا موصولہ ہے یہ مَن کے معنیٰ میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی بھی قسم کھائی اور اپنی ذات کی بھی

کیونکہ وہ ہی آسمان کو بنانے والا اور نفس کو بنانے والا ہے۔ نفس یعنی جان کی قسم کھاتے ہوئے وَمَا سَوّٰهَا بھی فرمایا مفسرین نے اس سے نفس انسانی مراد لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسانی کو بنایا اور اسے جس قالب میں ڈالا اس کے اعضاء کو خوب ٹھیک طرح مناسب طریقہ پر بنادیا اس کے اعضاء ظاہرہ بھی خوب اچھی طرح کام کرتے ہیں اور اعضاء باطنہ بھی عقل وفہم تدبر و تفکر ان سب نعمتوں سے نواز دیا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (پھر نفس کو اس کے فجور اور تقویٰ کا الہام فرمادیا)۔ جب اسے عقل وفہم سے اور اعضاء صحیحہ ظاہرہ وباطنہ سے نواز دیا تو اسے احکام کا مکلف بھی بنادیا وہ اپنے خالق و مالک کو پہچاننے کا بھی اہل ہے اور اس کے اعضاء معبود حقیقی کی عبادت کرنے کی بھی قوت رکھتے ہیں، پھر چونکہ امتحان بھی مقصود تھا اس لئے انسان کے لئے دونوں راستے واضح فرمادیئے، جسے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ میں بیان فرمایا نفسِ انسانی میں فجور کے جذبات بھی ابھرتے ہیں یعنی معاصی کی طرف بھی ابھار ہوتا ہے اور خیر کے جذبات بھی امنڈتے ہیں خیر اور شر دونوں چیزیں نفسِ انسانی میں پیدا ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس میں ڈالی ہیں اب انسان کی یہ سمجھداری ہے کہ وہ معاصی سے بچے اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا یہ جواب قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے چند چیزوں کی قسم کھائی جن کا وجود انسان کے سامنے ہے اور بہت واضح اور ظاہر ہے آسمان کو سب دیکھتے ہیں، زمین پر سب بستے ہیں اور سب پر رات دن گزرتے ہیں چاند سورج دونوں بڑی روشنی والی چیزیں ہیں۔ اور نفسِ انسانی تو سب کے ساتھ لگا ہی ہوا ہے ان سب چیزوں کی تخلیق اور ان کے تصرفات سب میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے انسان پر لازم ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے اس کے احکام پر عمل کرے گناہوں سے بچے، طاعات میں لگے اگر ایمان قبول کیا۔ گناہوں سے بچا، نفس کو سنوارا اور سدھارا اور گناہوں کی آلائش اور گندگی سے بچایا تو وہ کامیاب ہو گیا اس کی دنیا بھی اچھی ہے اور آخرت بھی، سورۃ النور میں فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ. (اور جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ سے ڈرا اور اس کے ڈر سے گناہوں سے بچا تو یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں)

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (اور وہ شخص نامراد ہوا جس نے اسے میلا کیا)۔

یہ سابقہ آیت پر معطوف ہے گزشتہ آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو پاک اور صاف ستھرا کرلیا ہو کامیاب ہو گیا اور اس آیت میں یہ بتایا کہ جس نے اپنے نفس کو دبادیا یعنی اس کو کفر وشرک و معاصی میں لگایا وہ ناکام رہا یہ لفظ تدسیس سے ماضی کا صیغہ ہے اصل میں دَسَّسَهَا تھا مضاعف کے آخری حرف کو حرف علت سے بدل دیتے ہیں یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہے تدسیس لغت میں چھپانے کو کہتے ہیں یہاں چونکہ مَنْ زَكّٰهَا کے مقابلہ میں وارد ہوا ہے۔ اس لئے مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو کفر ومعصیت میں دبا کر چھپادیا اسے انوار ایمان اور انوار طاعات سے چمکدار نہ بنایا وہ تزکیہ سے محروم رہا لہذا ہلاک ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں یہ بھی تھا۔

اللهم اٰت نفسي تقواها وزكها انت خير من زكها انت وليها ومولاها.

(اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرمادے اور اس کو پاک کردے تو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے تو اس کا ولی ہے اس کا مولیٰ ہے)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا (قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا)۔ یعنی ان کی سرکشی نے انہیں اس پر آمادہ کردیا کہ اللہ کے رسول کی تکذیب کردی اور اللہ کی توحید اللہ کی عبادت کی طرف جو انہوں نے بلایا اس میں انہوں نے ان کو جھوٹا بتادیا، وہ

لوگ حضرت صالح علیہ السلام سے جھگڑتے رہے اور ان سے کہا کہ اگر تم نبی ہو تو پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دکھاؤ۔ جب پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوگئی تو اب اس کے قتل کرنے کے لئے مشورے کرنے لگے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتادیا تھا کہ دیکھو ایک دن تمہارے کنویں کا پانی یہ اونٹنی پئے گی اور ایک دن تمہارے جانور پئیں گے اور یہ بھی بتادیا کہ اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ عذاب میں گرفتار ہوجاؤ گے، لیکن وہ باز نہ آئے اور ایک شخص اس پر آمادہ ہوگیا کہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالے اسی کو فرمایا، اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا (جبکہ قوم کا سب سے بڑا بد بخت آدمی اٹھ کھڑا ہوا)۔ تاکہ اس اونٹنی کو قتل کردے۔

فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا (تو اللہ کے رسول یعنی صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ کی اونٹنی کو اور اس کے پانی پینے کو چھوڑے رکھو)۔

یعنی اس اونٹنی کو کچھ نہ کہو اس کی باری کا جو دن ہے اس میں پانی پینے دو لیکن ان لوگوں نے نہ مانا۔ فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا (سو وہ برابر تکذیب پر جمے رہے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا) ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اونٹنی کو کاٹ ڈالا بلکہ حضرت صالح علیہ السلام سے یوں بھی کہا: یٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ (اے صالح لے آ وہ عذاب جس کی ہمیں تو دھمکی دیتا ہے اگر تو پیغمبروں میں سے ہے)۔ لہٰذا ان لوگوں پر عذاب آ ہی گیا۔ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا (سو ان کے رب نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پوری طرح ہلاک کردیا اور ہلاکت کو ایسا عام کیا کہ کوئی شخص بھی نہیں بچا)۔

ان لوگوں کی ہلاکت زلزلہ سے اور آسمان سے چیخ آنے کی وجہ سے ہوئی تھی ان کا واقعہ سورہ اعراف سورہ ہود، سورہ شعراء اور سورہ نمل میں گزر چکا ہے۔

وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا یعنی اللہ تعالیٰ جس کسی کو ہلاک فرمائے کچھ بھی سزا دینا چاہے وہ اپنی مشیت وارادہ کے مطابق سزا دے سکتا ہے وہ دنیا والے ملوک اور اصحاب اقتدار کی طرح نہیں ہے جو مجرمین سے اور مجرمین کی اقوام سے بعض مرتبہ ڈر جاتے ہیں اور سزا نافذ کرنے میں تامل کرتے ہیں اور یہ سوچتے کہ اگر ہم سزا دینے کا اقدام کریں تو کہیں یہ قوم بغاوت پر نہ اتر آئے اور ہمارا اقتدار کھٹائی میں نہ پڑ جائے۔

وهذا تفسير آخر سورة الشمس ولله الحمد

قوله تعالى والشمس وضحاها اى ضوء ها كما اخرجه الحاكم و صححه عن ابن عباس والمراد اذا اشرقت و قام سلطانها والقمر اذا تلها اى تبعها فقيل باعتبار طلوعه و طلوعها اى اذا تلا طلوعه طلوعها وذلك اول الشهر فان الشمس اذا طلعت من الافق الشرقى فى اول النها يطلع بعدها القمر لكن لا سلطان له فيرى بعد غروبها هلالاً و قيل باعتبار طلوعه و غروبها اى اذا تلاطلوعه غروبها و ذلك فى ليلة البدر رابع عشرالشهر و قال الحسن والفراء كما فى البحراى تبعها فى كل وقت لانه يستضيئ منها فهو ييلوها لذلك و قال الزجاج وغيره تلاها معناه واستدارفكان تابعاً لها فى الاستدارة وكمال النور والنهار اذا جلاها اى جلى النهار الشمس اى اظهرها فانها تنجلى و بظهر اذا النبسط النهار فالاستناد مجازى كالاسناد فى نحوصام نهاره و قيل الضمير المنصوب يعود على الارض و قيل على الدنيا والمراد بها وجه الارض وما عليه و قيل يعود على الظلمة و وجلاها بمعنىٰ ازالها و بجذم ذكرالمرجع على هذه الاقوال للعلم به والاول اولىٰ لذكر المرجع واتساق الضمائر والليل اذا يغشاها اى الشمس فيغطيى ضوء ها و قيل اى الارض و قيل اى الدنيا و جيئ بالمضارع هنادون الماضى كما فى السابق قال ابوحيان راعية للفاصلة ولم يقل غشاها لانه يحتاج الىٰ حذف احد المفعولين لقعديه اليها. والسماء ومابنها اى ومن بنها والقادر العظيم الشان الذى بناها و دل علىٰ وجوده وكمال قدرته بناء هما. والارض وماطحاها اى بسطها من كل جانب ووطها كدحاها ونفس وما سواها اى انشاها وابدعهامستعدة لكما لها وذلك بتعديل اعضاء هاوقواها الظاهرة والباطنة والتنكير المتكثير و قيل للتفخيم على ان المراد بالنفس آدم عليه السلام والاول انسب بجواب القسم الأتى وذهب الفراء والزجاج والمبردوقتادة وغيرهم الىٰ ان ما فى المواضع الثلاث مصدريه اى وبناء ها و طحوها و تسويتها وجوز ان تكون ما عبارة عن الامرالذى له بينت السماء وطحيت الارض و سويت النفس من الحكم والمصالح التى لا تحصٰى ويكون اسناد الافعال اليها مجازاً. فالهمها فجورها و تقواها الفجوروالتقوىٰ على مااخرج عبد بن حميد وغيره عن الضحاك المعصية والطاعة مطلقا قلبين

کانا او قالبین و الهما مهما النفس علی ما اخرج هو و ابن جریر و جماعة عن مجاهد تعریفهما ایاها بحیث تمیز رشدها من ضلالها وروی ذلک عن ابن عباس کما فی البحر و قریب منه قول ابن زید فجورها و تقواها بینهما لهما و الایة نظیر قوله تعالیٰ وهدیناه النجدین. قد افلح من زکها و قد خاب من دسها هذاجواب القسم و حذف اللام کثیر لا سیما عند طول الکلام المقتضی للتخفیف و التزکیة النمیة و التدلیس الاخفاء و اصل دسی دس فابدل من ثالث التماثلات یاء ثم ابدلت الفاً لتحرکها و انفتاح ماقبلها ای لقد فازبکل مطلوب و نجامن کل مکروه من انمیٰ نفسه و اعلاها بالتقوی علما و عملا و لقد خسر من نقصها و اخفاها بالفجور جهلا و فسوقًا.(من روح المعانی). فَدَمَ قال الراغب فی مفرداته ای اهلکهم و ازعجهم و قالی المحلی اطبق علیهم و لا یخاف عقبهاای عاقبتها قال الحسن معناه لا یخاف الله احدا تبعة فی اهلاکهم و هی روایة عن ابن عباسؓ کما فی معالم التنزیل.

(ارشادالٰہی والشمس وضحها: ضحا سے مراداس کی روشنی ہے جب حاکم نے ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباس سے منقول ہونے میں اسے صحیح کہا ہے مراد یہ ہے کہ سورج جب طلوع ہو جائے اور اس کی روشنی پھیل جائے۔والقمر اذا تلها: یعنی چاند جب سورج کے پیچھے آئے' بعض نے کہا چاند اپنے طلوع کے لحاظ سے سورج کے طلوع کے پیچھے آتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب چاند کا طلوع سورج کے طلوع کے پیچھے آئے اور ایسا مہینہ کے شروع میں ہوتا ہے کہ جب دن کے شروع میں جب سورج مشرقی کنارہ سے طلوع ہوتا ہے تو چانداس کے بعد طلوع ہوتا ہے لیکن اس کی روشنی پھیلتی نہیں لہٰذا غروب آفتاب کے بعد ہلال نظر آتا ہے۔بعض نے کہا چاند کا طلوع سورج کے غروب کے بعد آتا ہے۔یعنی جب چاند کا طلوع سورج کے غروب کے پیچھے آئے اور یہ مہینے کی چودھویں رات میں ہوتا ہے۔اور حسن وفراء نے کہا ہے جیسا کہ بحر میں ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہر وقت چاند سورج کے پیچھے آتا ہے کیونکہ چاند سورج سے روشنی لیتا ہے اسی لئے چاند سورج کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔زجاج وغیرہ کہتے ہیں تلاھا کا معنی ہے گھوما چنانچہ چانداپنے گھومنے اور روشنی کے مکمل ہونے میں سورج کے تابع ہے۔والنهار اذا جلاها: یعنی دن نے سورج کو روشن کر دیا (ظاہر کر دیا) کیونکہ جب دن آتا ہے تو سورج روشن ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے۔سورج کے ظاہر کرنے کا استنادن کی طرف مجازی ہے۔جیسے صام نھارہ میں اسناد مجازی ہے۔بعض نے کہا ھا ضمیر منصوب زمین کی طرف لوٹتی ہے بعض نے کہا دنیا کی طرف لوٹتی ہے اور اس سے مراد روئے زمین ہے اور جو اس پر ہے وہ ہے بعض نے کہا یہ ضمیر تاریکی کی طرف لوٹتی ہے۔وجلاها: ازالھا کے معنی میں ہے یعنی اس کو زائل کر دیا۔ان اقوال کی صورت میں ضمیر کے مرجع کا مذکور نہ ہونا اس لئے ہے کہ یہ معلوم ہیں۔پہلا قول مرجع مذکور ہونے اور ضمیروں کے باہم موافق ہونے کی وجہ سے زیادہ راجح ہے۔والليل اذا يغشاها ھا سے مراد سورج ہے کیونکہ رات سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے۔بعض نے کہا ھا ضمیر سے مراد زمین ہے۔بعض نے کہا دنیا مراد ہے۔اور سابقہ فعلوں کے برعکس یہاں پر فعل مضارع ابوحیان کے قول کے مطابق فاصلہ کے لئے لائے ہیں اور غشاھا نہیں کہا کیونکہ تب ایک مفعول کے حذف کی ضرورت پڑتی۔والسمآء و ما بناها: ما من کے معنی میں ہے۔یعنی جس نے آسمان کو بنایا ہے اور قادر وعظیم الشان ہے۔وہ ذات جس نے اسے بنایا ہے اور یہ آسمان کی بناوٹ اس قادر کی قدرت کے کمال اور اس کے وجود پر دلالت کر رہی ہے۔والارض و ماطحاها: یعنی اسے ہر جانب سے پھیلایا اور اسے بچھایا جیسے دحھا ہے۔ونفس و ما سواها: یعنی اسے پیدا کیا اور کمال تک پہنچنے کے لئے تیار کیا اور یہ اس کے اعضاء اور ظاہری و باطنی قویٰ کی تعدیل کے ساتھ ہے اور نفس کا نکرہ ہونا تکثیر کے لئے ہے۔اور بعض نے کہا کہ تنکیر تفخیم کے لئے ہے۔اس لئے کہ یہاں مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور پہلی توجیہ آگے آنے والے جواب قسم کے زیادہ مناسب ہے۔فراء' زجاج' مبرد اور قتادہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ تینوں جگہوں میں ''ما'' مصدریہ ہے اور مراد ہے اس کا بنانا' بچھانا اور برابر کرنا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماان بے شمار مصلحتوں حکمتوں سے عبارت ہو جس کے لئے آسمان بنایا گیا' زمین پھیلائی گئی اور نفس سنوارا گیا۔اور ان کی طرف افعال کا اسناد مجازی ہیں۔فالهمها فجورها و تقوٰها: عبد بن حمید وغیرہ نے ضحاک سے جو روایت کیا ہے اس کے مطابق فجور و تقویٰ سے مراد معصیت و طاعت ہے اور نفس کو ان کے الہام کا مطلب ابن جریر وغیرہ کی مجاہد سے روایت کے مطابق گمراہی سے ہدایت کی تمیز ہے اور جیسا کہ بحر میں ہے کہ یہی مطلب حضرت ابن عباس ﷺ سے بھی مروی ہے۔اور ابن زید کا قول بھی اسی کے قریب ہے کہ اس کے فجور اور تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کو واضح کر دیا ہے اور یہ آیت ارشادالٰہی وھدیناه النجدین کی طرح ہے۔قد افلح من زکها و قد خاب من دسّها: یہ جواب قسم ہے اور لام کا حذف کرنا کثرت سے پایا جاتا ہے۔خصوصاً جبکہ کلام طویل ہو جو تخفیف کا تقاضا کرتا ہو۔التزکیہ کا معنی ہے سنوارنا اور تدسیس کا معنی ہے چھپانا۔دسّیٰ کی اصل دسس ہے تیسری سین کو یاء سے تبدیل کیا پھر اس کے متحرک اور اس کے ماقبل کے مفتوح ہونے کی وجہ سے اسے الف سے تبدیل کر دیا۔مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو سنوارا اور علم و عمل میں تقویٰ سے بلند کیا تو وہ ہر تکلیف سے نجات پا گیا اور مقصود کو اس نے حاصل کر لیا اور جس نے اسے بگاڑا اور جہالت و بدعملی سے اسے ملوث کیا اس نے نقصان اٹھایا۔فدمدم: امام راغب نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا۔اور انہیں اکھاڑ مارا۔محلی نے کہا کہ ان پر زمین الثادی۔ولا يخاف عقبها: یعنی اللہ تعالیٰ اس کے انجام سے خائف نہیں۔حسن کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے ہلاک کرنے میں کسی پاداش کا خوف نہیں ہے۔اور یہی معنی حضرت ابن عباس ﷺ سے بھی مروی ہے جیسا کہ معالم التنزیل میں ہے)

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ اللیل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اکیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝١ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝٣ اِنَّ سَعْيَكُمْ

قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھپالے، اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہوجائے اور قسم ہے اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا کہ بیشک تمہاری کوششیں

لَشَتّٰى ۝٤ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ

مختلف ہیں سو جس نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور الحسنٰی کو سچا جانا تو ہم اس کے لئے راحت والی خصلت کو آسان کردیں گے اور جس نے بخل کیا

وَاسْتَغْنٰى ۝٨ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝١٠ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰى ۝١١

اور بے پروائی اختیار کی اور الحسنٰی کو جھٹلایا تو ہم اس کے لئے مصیبت والی خصلت اختیار کرنا آسان کردیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝١٢ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝١٣

واقعی ہمارے ذمہ راہ کا بتلا دینا ہے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا

تفسیر: یہ سورۃ اللیل کی تیرہ آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی تین آیات میں قسم ہے اور چوتھی آیت میں جواب قسم ہے، اولاً رات کی قسم کھائی جب کہ وہ دن پر چھا جائے پھر دن کی قسم کھائی جب وہ روشن ہوجائے پھر اپنی قسم کھائی اور فرمایا۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (اور قسم ہے اس کی جس نے نر کو اور مادہ کو پیدا کیا)۔ پھر بطورِ جواب قسم ارشاد فرمایا: **اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى** (بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں)۔

انسان کی عام طور سے دو ہی صنفیں ہیں ایک مذکر اور ایک مؤنث (نر اور مادہ) اور عمل کرنے والے انسان ان ہی دو جماعتوں پر منقسم ہیں اور اعمال دن میں ہوتے ہیں یا رات میں زمانہ کے دونوں حصوں کی اور بنی آدم کے دونوں قسموں کی قسم کھا کر فرمایا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔ دنیا میں اہلِ ایمان بھی ہیں اور اہلِ کفر بھی، اچھے لوگ بھی ہیں اور برے لوگ بھی گناہوں پر جمنے والے بھی ہیں اور توبہ کرنیوالے بھی۔ اعمال حسنہ اور سیۂ کے اعتبار سے قیامت کے دن فیصلے ہوں گے۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو ہر شخص کام کاج کے لئے نکلتا ہے اور اپنے نفس کو مشغول کرتا ہے پھر اپنے نفس کو آزاد کرالیتا ہے (یعنی دوزخ کے کاموں سے بچتا ہے) یا اسے ہلاک کردیتا ہے۔ **(رواہ مسلم ص ۱۱۸)**

اس کے بعد اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سیۂ کا تذکرہ فرمایا

ارشاد فرمایا: **فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى** (سو جس نے دیا اور حسنٰی یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تصدیق کی سو ہم اس کے لئے آرام والی خصلت اختیار کرنا آسان کردیں گے)۔ **وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى** (اور جس نے کنجوسی کی اور بے پرواہی اختیار کی اور حسنٰی یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کو جھٹلایا سو ہم اس کے لئے مصیبت والی خصلت اختیار کرنا آسان کردیں گے)۔

یعنی دنیا میں مصیبتوں میں پڑے گا اور آخرت میں دوزخ میں جائے گا۔ بعض حضرات نے دونوں جگہ الحسنیٰ سے جنت مراد لی ہے یعنی ایمان لانیوالے جنت پر ایمان لائے ہیں اور ان کے مخالف دوسرے فریق یعنی کافروں نے اس کو جھٹلایا۔

انسان جو دنیا میں آیا ہے کچھ نہ کچھ عمل کرتا ہے اور دنیا دارالامتحان ہے اس میں مومن بھی ہیں کافر بھی ہیں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں پھر موت کے بعد انجام کے اعتبار سے بھی مختلف ہوں گے، انسانوں کے احوال مختلف ہیں دنیا کے حالات اور مجلسیں اور صحبتیں بدلتی رہتی ہیں اچھے لوگ برے اور برے لوگ اچھے بن جاتے ہیں۔ مومن ایمان چھوڑ بیٹھتے ہیں اور کافر ایمان لے آتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ لکھا ہوا ہے۔ دوزخ میں بھی اور جنت میں بھی (یعنی کسی کا دوزخ میں جانا لکھا ہے اور کسی کا جنت میں جانا نوشتہ ہے)۔

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ تو کیا ہم اس پر بھروسہ نہ کرلیں جو ہمارے بارے میں لکھا جاچکا ہے اور کیا عمل کو نہ چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر شخص کے لئے وہی چیز آسان کردی جائے گی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہلِ سعادت میں سے ہے یعنی نیک بخت ہے اس کے لئے سعادت والے اعمال آسان کردیئے جائیں گے اور جو شخص اہلِ شقاوت میں سے ہے۔ اس کے لئے بدبختی والے اعمال آسان کردیئے جائیں گے اس کے بعد آپ نے آیات کریمہ **فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی** (الآیات) کی تلاوت فرمائی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۳۷: ج۲، صفحہ ۷۳۸: ج۲) آیت کریمہ میں الیسریٰ سے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنا مراد ہے جس کا ترجمہ راحت والی خصلت کیا گیا ہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سب کچھ مقدر ہے لیکن انسان عمل میں اپنی سمجھ اور فہم کو استعمال کرے ایمان قبول کرے اعمال صالحہ میں لگا رہے۔ کفر و شرک سے دور رہے اور معاصی سے پرہیز کرتا رہے بندہ کا کام عقل و فہم کا استعمال کرنا اور ایمان قبول کرنا اور اچھے کاموں میں لگنا ہے۔ **وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی** میں ایمان کو اور **کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی** میں کفر کو بیان فرمادیا اور **اَعْطٰی وَاتَّقٰی** میں اعمال صالحہ کی طرف اشارہ فرمادیا۔

اَعْطٰی میں مال کو اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے اور **اتَّقٰی** میں تمام گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمادی اور بخیل کا تذکرہ کرتے ہوئے جو **وَاسْتَغْنٰی** فرمایا ہے۔ اس میں یہ بتادیا کہ بخل کرنے والا دنیا والے مال سے تو محبت کرتا ہے اور جمع کرکے رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرنے پر جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا اس سے استغناء برتتا ہے گویا کہ اسے وہاں کی نعمتوں کی ضرورت ہی نہیں۔

وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی (اور اس کا مال اسے نفع نہیں دے گا جب وہ ہلاک ہوگا)۔

اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی (بیشک ہمارے ذمہ ہدایت ہے)۔

بندوں کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔ عبادت کے طریقے بتادیئے ہدایت کے راستے بیان فرمادیئے رسولوں کو بھیج دیا کتابیں نازل فرمادیں اس کے بعد جو کوئی شخص راہِ ہدایت کو اختیار نہ کرے گا، مجرم ہوگا اور اپنا ہی برا کرے گا۔

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی (اور بلاشبہ ہمارے ہی لئے آخرت اور اولیٰ ہے)۔

دنیا کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کا اختیار ہے جیسا چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمائے اور آخرت میں بھی اسی کا اختیار ہوگا وہ اپنے اختیار سے اہلِ ہدایت کو انعام دے گا اور اہلِ ضلالت کو عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں خود مختار ہوں اور آخرت میں میرا کچھ نہ بگڑے گا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا

تو میں تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں اس میں وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو

الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى

بڑا پرہیز گار ہے جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہوجائے اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے اس کے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

کہ اس کا بدلہ اتارنا ہوا اور یہ شخص عنقریب خوش ہوجائے گا

تفسیر: گزشتہ آیات میں ایمان اور کفر اور اعمالِ صالحہ اور اعمال سیئہ کے نتائج کا فرق بیان فرمایا جس میں یہ بھی تھا کہ کفر عذاب میں مبتلا کرنے والی چیز ہے چونکہ یہ جلنے کا عذاب ہوگا کافر دوزخ میں داخل ہوں گے ان پر آگ مسلط ہوگی اس لئے دوزخ کے عذاب کی حقیقت بتادی اور فرمادیا کہ میں تمہیں ایسی آگ سے ڈراتا ہوں جو خوب اچھی طرح جلتی ہوگی۔ مزید فرمایا کہ اس میں صرف وہی داخل ہوگا جو سب سے بڑا بدبخت تھا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، آیت کے الفاظ سے جو حصر معلوم ہوتا ہے اس سے بظاہر فاسق مسلمانوں کے دوزخ میں داخلے کی نفی ہوتی ہے، صاحب روح المعانی نے یہ اشکال کیا ہے پھر یوں جواب دیا ہے کہ سخت ترین عذاب سب سے بڑے بدبخت یعنی کافر ہی کو ہوگا اور فاسق مسلم کا عذاب کافر کے عذاب سے بہت کم ہوگا۔

قَوْلُهٗ تَلَظّٰى اَصْلُهٗ تَتَلَظّٰى بالتائين حذفت احداهما كما فى تنزل الملئكة (ارشاد الٰہی تلظٰی یہ اصل میں تتلظی تھا۔ اس کی ایک تا حذف کردی گئی جیسا کہ تنزل میں ایک تاء حذف کردی گئی ہے) اس کے بعد فرمایا وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى (اور عنقریب بہت زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا شخص اس آگ سے بچالیا جائے گا) الاتقیٰ مبالغہ کا صیغہ ہے جو کفر سے اور دوسرے معاصی سے بچنے پر دلالت کرتا ہے دوزخ سے بچائے جانے والے متقی کی صفت بتاتے ہوئے الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى فرمایا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ اللہ کے نزدیک وہ پاک بندوں میں شمار ہوجائے (یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب یتزکّی مال خرچ کرنے والے سے متصل ہو اور اگر مال سے متعلق ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے بارے میں اللہ سے یہ امید رکھتا ہے کہ اس کا اجر و ثواب بڑھتا چڑھتا رہے اور خوب زیادہ ہوکر ملے جبکہ مال صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے۔ دکھاوا اور شہرت مقصود نہ ہو اس وقت رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے۔

مزید فرمایا، وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى (اللہ کے لئے مال خرچ کرنیوالوں بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں کسی کا ان پر کچھ چاہتا نہیں ہے جس کا بدلہ اتار رہے ہیں اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ان لوگوں کا خرچ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہے۔

وهو منصوب على الاستثناء المنقطع من نعمة لان الابتغاء لا يدرج فيها فالمعنى لكنه فعل ذلك لابتغاء وجه ربه سبحانه وطلب رضاء عزوجل لالمكافئة نعمة (اور ابتغآء نعمۃ سے استثناء منقطع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ ابتغاء نعمت میں داخل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے یہ عمل اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کے قرب کے لئے اور اس کی رضا کی طلب کے لئے کیا ہے۔ کسی احسان کے بدلہ کے لئے نہیں کیا)

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (اور یہ مال خرچ کرنے والا عنقریب راضی ہوگا)۔ یعنی موت کے بعد جنت میں داخل کردیا جائے گا اور اس کو وہ وہ نعمتیں ملیں گی جن سے خوش ہوگا۔

مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آخری آیات وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى سے لی کر آخر تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا بہت ساتھ دیا جان سے بھی اور مال سے بھی ہجرت سے

پہلے بھی اور ہجرت کے بعد بھی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ایمان قبول کرنے کے بعد مشرکین کی طرف سے بہت زیادہ تکلیف دی جاتی تھی ان کی اذیت اور مار پیٹ انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت بلال ایک مشرک امیہ بن خلف کے غلام تھے اور حبشہ کے رہنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ مشرکوں کو جب اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ ابوبکر نے بلال کو خرید کر اس لئے آزاد کیا ہے کہ بلال کا ابوبکر پر کوئی احسان تھا اس کی تردید کی اور فرمایا **وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى**۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلال کو خرید لیا تو حضرت بلالؓ نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنے کاموں میں مشغول رکھنے کے لئے خریدا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مشغول رہنے کے لئے خریدا ہے، حضرت بلال نے کہا کہ بس تو مجھے اللہ کے اعمال کے لئے چھوڑ دیجئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں آزاد چھوڑ دیا اور وہ پورے اہتمام کے ساتھ دین کے کاموں میں لگے رہے پھر ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن بن گئے اور آپ کی حیات طیبہ کے آخر عمر تک یہ عہدہ ان کے سپرد رہا چونکہ مکہ معظمہ کی زندگی میں اسلام کے بارے میں مارے پیٹے جاتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں دنیا میں یہ سعادت نصیب فرمائی کہ امن وامان کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن رہے اور اذان واقامت کا کام ان کے سپرد رہا اس طرح اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے فضائل ہیں جن میں سے مال خرچ کرنے میں مسابقت کرنا بھی ہے عموماً اللہ کی راہ میں تو مال خرچ کرتے ہی رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو سارا ہی مال لے کر آ گئے اور خدمت عالی میں پیش کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ اے ابوبکر تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا؟ عرض کیا ان کے لئے اللہ اور رسول ہی کافی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خیال کر رہے تھے کہ اس مرتبہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جاؤں گا وہ اپنا آدھا مال لے کر آ گئے جب یہ دیکھا کہ ابوبکر اپنا پورا ہی مال لے آئے تو کہنے لگے کہ میں ان سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جو بھی کوئی احسان ہمارے ساتھ کیا ہے ہم نے ان سب کا بدلہ دے دیا، سوائے ابوبکرؓ کے ان کے جو احسانات ہیں اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا بدلہ دے گا اور مجھے کسی کے مال سے کبھی اتنا نفع نہیں ہوا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے مجھے نفع دیا اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل (یعنی ایسا دوست) بناتا (جس میں کسی نے ذرا بھی شرکت نہ ہو) تو ابوبکر کو خلیل بنا لیتا خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا خلیل ہوں۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا یہ سن کر حضرت ابوبکر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ کہ میں اور میرا مال آپ ہی کے لئے ہے۔ (سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۰)

فائدہ: سورۃ واللیل کے آخر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں **وَلَسَوْفَ يَرْضٰى** فرمایا اور اس کے بعد والی سورت یعنی سورۃ والضحیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا۔ **وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى** دیکھو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دوست اور معاون خاص یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہے لیکن روافض (شیعہ) نہ اللہ تعالیٰ سے راضی جس نے یہ مرتبہ دیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی جنہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق خاص اور رفیق غار بنایا اور نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سارا مال پیش کر دیا اور ہر طرح سے سفر وحضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔

فائدہ: جو کوئی شخص کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا دھیان رکھنا چاہئے جب کبھی

موقع ہواس کی مکافات کردے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من صنع الیکم معروفا فکا فئوہ فان لم تجدو ماتکافئوہ فادعولہ حتی تروا انکم قد کافاتموہ۔** (جو شخص تمہارے ساتھ کوئی حسن سلوک کردے تو تم اس کا بدلہ دے دو اگر بدلہ دینے کو کچھ نہ ملے تو اس کے لئے اتنی دعا کرو کہ تمہارا دل گواہی دیدے کہ اس کا بدلہ اتر گیا)۔

یاد رہے کہ حسن طریق سے اس کا بدلہ اتاردو اس سے یوں نہ کہے کہ یہ تمہارے فلاں احسان کا بدلہ ہے اس سے دل رنجیدہ ہوگا اور شریف سخی آدمی بدلہ کے نام سے قبول بھی نہیں کرے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے احسان کی مکافات کرنا بھی اچھی بات بلکہ مامور بہ ہے لیکن اپنی طرف سے احسان جو احسان کے بدلہ میں نہ ہو اس کی فضیلت زیادہ ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى جو فرمایا ہے اس میں اسی بات کی فضیلت بیان فرمائی ہے یہ مطلب نہیں کہ بطور مکافات کسی کے ساتھ احسان کیا جائے تو اس میں ثواب نہ ہو۔

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ ضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤

قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ دشمنی کی اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝٦ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝٧

اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتلایا

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝٨ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠

اور اللہ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنادیا تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ سائل کو مت جھڑکئے

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

اور اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے

تفسیر: اوپر سورۃ الضحیٰ کا ترجمہ لکھا گیا ہے یہ سورہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس کے سبب نزول کے بارے میں معالم التنزیل میں ایک تو یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیماری کی وجہ سے دو تین رات نماز نہیں پڑھی یعنی نماز تہجد ناغہ ہوگیا، ایک عورت (فتح الباری میں ہے کہ یہ بات ابولہب کی بیوی ام جمیل نے کہی تھی) نے کہا کہ بس جی سمجھ میں آگیا کہ جو شیطان ان کے پاس آتا تھا اس نے ان کو چھوڑ دیا، دو تین رات سے قریب نہیں آیا اور ایک بات یہ لکھی ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے

ذوالقرنین، اصحاب کہف اور روح کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کل کو بتاؤں گا انشاء اللہ کہنا رہ گیا تھا لہذا چند دن تک وحی نازل نہیں ہوئی اس پر مشرکین نے کہا کہ محمد کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بغض کر لیا اس پر یہ سورت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی اور رات کی قسم کھائی اور قسم کھا کر فرمایا: **مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی** (آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ دشمنی کی)۔ رات اور دن کی قسم کھائی ہے مقسم بہ سے اس کی مناسبت بیان فرماتے ہوئے صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ وحی کا تتابع اور ابطاء مشابہ لیل ونہار کے تبدل کے ہے اور دونوں متضمن حکمت کو ہیں پس جیسا ایک تبدل دلیل تودیع وعداوت کی نہیں اسی طرح دوسرا تبدل بھی۔ اور دوسری بشارات مکمل ہیں اسی عدم تودیع کی پس مقسم بہ کو بواسطہ اس کے سب سے مناسبت ہوئی۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے)۔ اس میں آپ کو مزید تسلی دی اور بتادیا کہ دشمنوں کی باتوں سے دلگیر نہ ہوں۔ دنیا والوں کی باتیں اعراض اور اعتراض سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جو کچھ آخرت میں عطا فرمائے گا، بہت زیادہ ہوگا دائمی ہوگا۔ اس دنیا سے بہت ہی زیادہ ہوگا۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دے گا سو آپ خوش ہو جائیں گے)۔

یعنی دنیا والی زندگی میں جو کچھ مال کی کمی ہے اس کا خیال نہ فرمائیں آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے کسی چیز کی کوئی کمی محسوس نہ کریں گے۔

عموم الفاظ میں دنیاوی اموال کی کمی کی طرف اشارہ ہے۔ مخالفین جو آپ کو یہ دیکھ کر کہ آپ کے پاس دولت نہیں ہے نامناسب کلمات کہنے کی جرأت کرتے ہیں یہ کوئی قابل توجہ چیز نہیں ہے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش کا پوری طرح آخرت ہی میں مظاہرہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کو مقام محمود عطاء کیا جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا تذکرہ فرمایا جو دنیا میں آپ کو دی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد کی وفات ہوگئی (اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد ان کی وفات ہوئی)۔ آپ یتیم تو تھے ہی جب پانچ سال کی عمر ہوئی آپ کی والدہ بھی وفات پا گئیں اور وہ بھی مقام ابواء میں جو جنگل بیابان تھا۔ وہاں سے آپ کی باندی ام ایمن رضی اللہ عنہا مکہ معظمہ لے گئیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی پھر چند سال بعد ان کی بھی وفات ہوگئی تو آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری لی اور بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش کی اسی کو فرمایا: **اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی** (کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا پھر ٹھکانہ دیا)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ شفقت کے ساتھ پرورش کرائی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم اور انعام ہے۔ **وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی** (اور اللہ نے آپ کو بےخبر پایا سو راستہ بتادیا)۔ اس میں دوسرا انعام بیان فرمایا اور وہ یہ کہ آپ امی تھے پڑھے لکھے نہیں تھے۔ جن لوگوں نے آپ کی کفالت کی ان کو بھی خیال نہ آیا کہ آپ کو کچھ پڑھائیں باہر کے لوگوں سے بھی کوئی میل جول نہ تھا جو کچھ علم حاصل کر لیتے اور خاص کر دینی علوم ومعارف اور احکام ومسائل کے جاننے کا تو کوئی طریقہ تھا ہی نہیں جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں فرمایا ہے۔ **مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔**

اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا آپ کو نبوت اور رسالت سے نوازا، کامل اور جامع شریعت عطا فرمائی، اپنی معرفت بھی عطاء کی ملائکہ سے متعلق بھی علوم دیئے، حضرات گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کے احوال بھی بتائے آخرت کی تفصیلات سے

بھی آگاہ فرمایا، اصحاب جنت اور اصحابِ جہنم کے احوال سے بھی باخبر فرمایا اور وہ علوم نصیب فرمائے جو کسی کو نہیں دیئے۔

سورۃ النساء میں فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (اور اللہ نے آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے)۔

بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (بلاشبہ اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے)۔

(۱) قال القرطبی أی غافلاً عما یراد بک من امر النبوۃ فهداک ای ارشدک والضلال ھنا بمعنی الغفلة کقوله جل ثناءہ لا یضل ربی ولا ینسی ای لا یغفل وقال فی حق نبیه وان کنت من قبله لمن الغفلین وقال قوم ضالًا لم تکن تدری القران والشرائع فهداک اللّٰہ الی القرآن وشرائع الاسلام (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ سے نبوت کا جو کام مقصود تھا آپ اس سے بے خبر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی کی۔ یہاں پر ضلال بے خبری کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لا یضل ربی ولا ینسیٰ یعنی وہ غافل (بے خبر) نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا و ان کنت من قبله لمن الغافلین آپ اس سے پہلے بے خبر تھے۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ ضَالًا کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرآن کریم اور شرعی احکام کا علم نہیں رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور شرعی احکام کی طرف آپ کی رہنمائی کی)

پھر فرمایا: وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى (اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مال والا پایا سو آپ کو غنی کر دیا)۔ آپ کی کفالت آپ کے چچا ابوطالب کرتے رہے لیکن وہ مالدار آدمی نہیں تھے انہیں کے ساتھ گزر بسر کرنا ہوتا تھا جو ان کا حال تھا وہی آپ کا حال تھا، آپ کی امانت داری کی صفت مشہور تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تجارت کے لئے اپنا مال ملک شام بھیجا کرتی تھیں (جیسا کہ اہلِ مکہ کا طریقہ تھا) جب آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس سال ہوئی تو انہوں نے آپ کی صفات سن کر آپ کو بطورِ مضاربت تجارت کا مال دے کر ملک شام جانے کی درخواست کی آپ نے منظور فرمالی۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کے ساتھ اپنا ایک غلام بھی بھیج دیا آپ ملک شام سے واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ کے غلام نے آپ کی بڑی بڑی صفات بیان کیں اور وہ باتیں بتائیں جن کا ظہور عموماً نہیں ہوا کرتا نیز مالِ تجارت میں نفع بھی بہت زیادہ ہوا حضرت خدیجہ بیوہ عورت تھیں۔ پہلے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں ان سے اولاد بھی تھی انہوں نے آپ کو نکاح کرنے کا پیغام بھیجا۔ ابوطالب آپ کے چچا اور خاندان کے دیگر افراد آپ کے ساتھ گئے اور حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو گیا۔ حضرت خدیجہ مالدار عورت تھیں انہوں نے اپنے مال میں آپ کو تصرف کرنے کا حق دے دیا (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان ہوا کرتا ہے) اسی لئے مفسرین نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ای فاغناک بمال خدیجة۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (سو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے)۔ چونکہ آپ نے یتیمی کا زمانہ گزارا اور آپ کو معلوم تھا کہ ماں باپ کا سایہ اٹھ جانے سے کیسی زندگی گزرتی ہے اس لئے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ یتیم پر سختی نہ کرنا، گو خطاب آپ کو ہے لیکن اس میں ساری امت کو تلقین فرما دی کہ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کریں یتیم کی پرورش کرنے اور اس کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کرنے کی احادیثِ شریفہ میں بڑی فضیلت آئی ہے حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ ہاتھ پھیرنا صرف اللہ کی رضا کے لئے تھا تو ہر بال جو اس کے ہاتھ کے نیچے آئے اس کے بدلہ میں بہت سی نیکیاں دی جائیں گی اور جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ اچھا سلوک کیا میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے لفظ ''اسطرح'' فرماتے ہوئے آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ساتھ ملایا۔ (رواہ احمد والترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور لیکن سوال کرنے والے کو مت جھڑکئے)۔ جس طرح یتیم بچہ بے یار و مددگار ہوتا ہے اس کے لئے رحمت اور شفقت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بعض مرتبہ غیر یتیم بھی حاجت مند ہو جاتا ہے اور حاجت مندی اسے سوال کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جب کوئی سوال کرنے آئے تو اسے کچھ دیکر خوش کر کے رخصت کیا جائے اگر اپنے پاس کچھ دینے کے

لئے نہ ہو تو کم از کم اس سے نرمی سے بات کرلیں تاکہ اس تکلیف پر اضافہ نہ ہو جس نے سوال کرنے کے لئے مجبور کیا، سائل کو جھڑکنا ظلم وزیادتی کی بات ہے ایک تو اس کو کچھ دیا نہیں اور پھر اوپر سے جھڑک دیا، یہ اہلِ ایمان کی شان کے خلاف ہے ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے: رُدُّوا السَّائِلَ وَلَو بِظِلْفٍ مُحَرَّقٍ (سوال کرنے والے کو کچھ دیکر واپس کیا کرو اگرچہ جلا ہوا کھر ہی ہو)۔

بہت سے پیشہ ور سائل ہوتے ہیں جو حقیقت میں محتاج نہیں ہوتے، ایسے لوگوں کو سوال نہیں کرنا چاہئے ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتادی گئی۔ مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ سائل کی مجبوری دیکھ کر خرچ کردے سائل کو جھڑکے بھی نہیں کیا معلوم مستحق بھی ہو اور غور وفکر بھی کرے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور آپ اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑی تعداد میں نعمتیں عطا فرمائیں، دنیا میں بھی نعمتوں سے سرفراز فرمایا، مال بھی دیا، شہرت و عظمت بھی دی اور سب سے بڑی نعمت جس سے اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا، وہ نبوت اور رسالت کی نعمت ہے آپ کے کروڑوں امتی گزر چکے ہیں اور کروڑوں موجود ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ کروڑوں قیامت تک آئیں گے اور ہر وقت آپ پر کروڑوں درود بھیجے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان نعمتوں کی قدردانی کریں اس قدردانی میں یہ بھی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان فرمائیں۔ اس میں آپ کی امت کو بھی تعلیم دیدی کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کیا کریں۔ (البتہ تحدیث بالنعمت کے نام پر ریاکاری اور خودستائی اور فخر ومباہات نہ ہو)۔

حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی (جن کا نام مالک بن نضر تھا) کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں گھٹیا درجے کے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپ نے دریافت فرمایا کیا تیرے پاس مال ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! فرمایا کون سے اموال میں سے ہے؟ میں نے کا ہر قسم کا مال اللہ نے مجھے دیا ہے اونٹ، گائے، بکری اور گھوڑے اور غلام سب موجود ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا، جب تجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تجھ پر نظر آئے۔

(رواہ احمد والنسائی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۷۵)

معلوم ہوا تحدیث بالنعمت اپنے حال اور مال اور قال تینوں سے ہونی چاہیئے شرط وہی ہے کہ صرف اللہ کی نعمت ذکر کرنے کی نیت ہو بڑائی بگھارنا اور ریاکاری مقصود نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ: كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا اَخْطَاَتْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَمَخِيلَةٌ. (رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب کما فی المشکوٰۃ)

(کھا جو چاہے اور پہن جو چاہے جب تک کہ دو چیزیں نہ ہوں، ایک فضول خرچی دوسرے تکبر)۔

فائدہ: سورۃ والضحیٰ سے لے کر آخری سورت سورۃ والناس کے ختم تک ہر سورۃ کے ختم پر تکبیر پڑھنا حضرات قراء کرام کے نزدیک سنت سے ثابت ہے جسے وہ اپنی کتابوں میں سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں امام القراء حضرت شیخ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب النشر فی القراءت العشر کے آخر میں صفحہ ۴۰۵ سے لے کر صفحہ ۴۳۸ تک اس پر بہت لمبی بحث کی ہے اور حصر کے صیغے اور حضرات قراء کرام کا عمل اور حدیث کی سند پر خوب جی کھول کر لکھا ہے اور مستدرک حاکم کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرات محدثین کرام حدیثِ مسلسل بالقراء بھی نقل کرتے ہیں جو قاری مقری عبداللہ ابن کثیر مکی (احد القراء السبعۃ) کے راوی ابوالحسن محمد بن احمد البزی رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً مروی ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اپنی مسلسلات میں ذکر کیا ہے چونکہ حضرت امام بزی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے راوی ہیں اس لئے ان کے نزدیک تو تکبیر پڑھنا مشروع اور مسنون

ہے ہی دیگر قراء سے بھی اس کا پڑھنا مروی ہے پھر بعض قراء صرف اللہ اکبر پر اکتفاء کرتے ہیں اور بعض قراء سے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ دونوں لفظ کہنا منقول ہے جن سورتوں کے درمیان تکبیر پڑھی جائے وقف اور وصل کے قواعد کا خیال رکھا جائے سورت کو ختم کر کے اللہ اکبر کہہ کر آئندہ سورت کے شروع کرنے کے لئے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے اور ایک ہی سانس میں پڑھ لے یہ بھی درست ہے یہ وصل کل کی صورت ہے اور اگر تینوں پر قطع کرے تو یہ بھی درست ہے جو فصل کی صورت ہے البتہ وصل اول اور وصل ثانی کے ساتھ فصل ثالث نہ کرے کیونکہ اس صورت میں بسملہ آنے والی سورت سے منفصل ہو جائے گی جب کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اوائل سور کے لئے مشروع ہے یہ جو کہا کہ وصل اور وقف کے قواعد کا خیال رکھا جائے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ساکن کو حرکت دیتے ہوئے اور ہمزہ وصل کو ساقط کرتے ہوئے پڑھتے چلے جائیں مثلاً سورہ والضحیٰ ختم کر کے یوں پڑھے فَحَدِّثِ اللّٰہُ اَکْبَرُ اور سورۃ العادیات کو ختم کر کے یوں پڑھا جائے۔ لَخَبِیْرُ نِ اللّٰہُ اَکْبَرُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْقَارِعَۃُ۔

اسی طرح سورہ ہمزہ کے ختم پر نون تنوین کو کسرہ دے کر اللّٰہُ اَکْبَرُ کے لام سے ملا دیا جائے یہ بات حضرات اساتذہ کرام سے سمجھنے اور مشق کرنے سے متعلق ہے حاشیہ میں حافظ ابو عمر دانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التیسیر کی عبارت نقل کر دی گئی ہے اہل علم ملاحظہ فرمالیں۔

(قال ابوعمر و فاعلم ایدک اللہ تعالی ان البزی روی عن ابن کثیر باسنادہ انہ کان یکبر من اخر والضحی مع فارغہ من کل سورۃ الی اخر قل اعوذ برب الناس یصل التکبیر باخر السورۃ وان شاء القاری قطع علیہ وابتداء بالتسمیۃ موصولۃ باول السورۃ التی بعدھاو ان شاء وصل التکبیر بالتسمیۃ باول السورۃ والا یجوز القطع علی التسمیۃ اذا وصلت بالتکبیر و قد کان بعض اھل الاداء یقطع علیٰ اواخر السور ثم یبتدی بالتکبیر موصولا بالتسمیۃ وکذا روی النقاش عن ابی ربیعۃ عن البزی وبذلک قرات علی الفارسی عنہ والاحادیث الواردۃ عن للکیین بالتکبیر دالۃ علی ما ابتدانابہ لان فیھا مع وھی تدل علی الصحۃ والاجتماع واذا اکبر فی اخر سورۃ الناس قرا فاتحۃ الکتاب و خمس ایات من اول سورۃ البقرۃ علی عدد الکوفیین الی قولہ تعالیٰ اولئک ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ثم دعا بدعاء الختمۃ وھذا یسمی الحال المر تحل و فی جمیع ماقدمناہ احادیث مشھورۃ یرویھا العلماء یؤید بعضھا بعضا تدل علی صحۃ ما فعلہ ابن کثیر ولھا موضع غیر ھذا قد ذکرنا ھا فیہ واختلف اھل الاداء فی لفظ التکبیر فکان بعضھم یقول اللہ اکبر لا غیر ودلیلھم علی صحۃ ذلک جمیع الاحادیث الواردۃ بذلک من غیر زیادۃ کما حدثنا ابو الفتح شیخنا قال حدثنا ابوالحسن المقری قال حدثنا احمد بن سالم قال حدثنا الحسن بن مخلد قال حدثنا البزی قال قرات علی عکرمۃ بن سلیمان و قال قراء ت علی اسمعیل بن عبداللہ بن قسطنطین فلما بلغت والضحی کبر حتی تختم مع خاتمۃ کل سورۃ فانی قرات علی عبداللہ بن کثیر فامرنی بذلک واخبرنی ابن کثیر انہ قرا علی مجاھد فامرہ بذلک واخبرہ مجاھد انہ قرا علی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما فامرہ بذالک واخبرہ ابن عباس انہ قراء علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فامرہ بذلک واخبرہ ابی انہ قراء علی رسول اللہ ﷺ فامرہ بذلک و کان اخرون یقولون لا الہ الا اللہ واللہ اکبر فیھللون قبل التکبیر واستدلوا علی صحۃ ذلک بما حدثنا فارس بن احمد المقری قال حدثنا عبدالباقی بن الحسن قال حدثنا احمد بن مسلم الختلی واحمد بن صالح قالاحدثنا الحسن بن الحباب قال سالت البزی عن التکبیر کیف ھو فقال لی لا الہ الا اللہ واللہ اکبر قال ابوعمرو ابن الحباب ھذا من اھل الاتقان والضبط و صدق للھجۃ بمکان لا یجھلہ احد من علماء ھذہ الصنعۃ وبھذا قرات علی ابی الفتح و قرات علی غیرہ بما تقدم. واعلم ان القاری اذا وصل التکبیر باخر السورۃ فان کان اخرھا ساکنا کسرہ لالتقاء الساکنین نحو فحدث اللہ اکبر فارغب اللہ اکبر وان کان منونا کسرہ ایضا کذلک سواء کان الحرف المنون مفتوحا او مضموماً او مکسوراً نحوتوا بان اللہ اکبر ولخبیر اللہ اکبر و من مسد اللہ اکبر و شبھہ وان کان آخر السورۃ مفتوحا فتحہ وان کان اخر السورۃ مکسوراکسرہ وان کان مضموما ضمہ نحو قولہ تعالیٰ اذا حسد اللہ اکبر والناس اللہ اکبر والابتر اللہ اکبر و شبھہ وان کان اخر السورۃ ھاء کنایۃ موصولۃ بواو حذف صلتھا للساکنین نحوربہ اللہ اکبر و شرا یرہ اللہ اکبر قال ابو عمرو واسقطت الف الوصل التی فی اول اسم اللہ تعالیٰ فی جمیع ذلک استغناءً عنھا. فاعلم ایدک اللہ تعالیٰ ذلک موفقا لطریق الحق ومنھاج الصواب والیہ المرجع والماب۔

(ابوعمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے تو جان لے کہ علامہ بزی نے حافظ ابن کثیر سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہ سورۃ الضحیٰ سے آخری سورۃ تک ہر سورہ کے آخر پر تکبیر کہتے تھے۔ تکبیر کو سورۃ کے آخر کے ساتھ متصل کرتے تھے۔ اور اگر چاہے تو سورۃ کی ابتداء میں تسمیہ کے ساتھ تکبیر کو متصل کرے۔ اور جب تسمیہ کو تکبیر کے ساتھ ملائے تو پھر تسمیہ پر وقف جائز نہیں ہے۔ بعض اہل اداء سورۃ کے آخر پر وقف کرتے اور تکبیر کو تسمیہ کے ساتھ ملا کر پھر شروع کرتے۔ نقاش نے ابن ربیعہ سے اور انہوں نے علامہ بزیؒ سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ان سے علی الفارسی کی قراءت

بھی اسی طرح ہے۔اور تکبیر کے بارے میں مکیین سے مروی احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔جو ہم نے شروع میں بیان کیا ہے کیونکہ یہ صحت و اجتماع دونوں پر دلالت کرتی ہیں اور جب سورۃ الناس کے آخر میں تکبیر کہے تو سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں کوفیین کے شمار کے مطابق تلاوت کرے۔اولئک هم المفلحون تک پھر ختم قرآن کی دعا پڑھے۔اسی کا نام حال مرتحل ہے۔اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس بارے میں مشہور احادیث ہیں جو علماء نے روایت کی ہیں اور ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں یہ احادیث حافظ ابن کثیر کے عمل کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔اور اس مسئلہ کی تفصیل کا مقام اس مقام کے علاوہ اور ہے ہم نے وہاں اس کا ذکر کیا ہے۔اور تکبیر کے الفاظ میں اہل اداء کا اختلاف ہے بعض اللہ اکبر کہتے تھے نہ کہ کوئی اور جیسا کہ ہم سے ہمارے شیخ ابوالفتح نے ان سے ابوالحسن المقری نے ان سے احمد بن سالم نے ان سے حسن بن مخلد نے ان سے بزی نے بیان کیا میں نے عکرمہ بن سلیمان سے پڑھا۔انہوں نے اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین سے پڑھا وہ کہتے ہیں جب میں والضحیٰ پر پہنچا تو اسماعیل نے تکبیر کہی۔حتیٰ کہ ہر سورۃ کے خاتمہ پر انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن کثیر پر پڑھا اس نے مجھے اس کا حکم دیا اور کہا کہ ابن کثیر نے مجھے بتلایا کہ اس نے حضرت مجاہد سے پڑھا انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے پڑھا تو انہوں نے اسے اس کا حکم دیا اور بتلایا کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب ؓ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے اس کا حکم دیا۔حضرت ابی نے انہیں بتلایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑھا تو آپ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا۔اور دیگر حضرات لا الہ الا اللہ اکبر کہتے تھے۔یعنی وہ تکبیر سے پہلے تہلیل کرتے تھے۔اور انہوں نے اس کے صحیح ہونے پر اس سے استدلال کیا جو ہم سے فارس بن مقری نے بیان کیا۔ان سے عبدالباقی بن حسن نے ان سے احمد بن سلم ختلی اور احمد بن صالح نے ان سے حسن بن حباب نے بیان کیا۔میں نے بزی سے تکبیر کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے ہے! تو انہوں نے مجھے لا الہ الا اللہ اکبر بتلائی۔ابوعمرو بن حباب کہتے ہیں یہ اہل اتقان و ضبط اور صدق لہجہ کے مقام رکھنے والوں سے مروی ہے۔جس سے اس فن کے علماء میں کوئی ناواقف نہیں ہے اور میں نے ابوالفتح اور دیگر حضرات مذکورہ سابقہ سے یہی پڑھا۔جان لے کہ جب قاری سورۃ کے آخیر میں تکبیر ملائے تو اگر سورۃ کا آخری حرف ساکن ہو تو اسے التقائے ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیا جائے گا۔جیسے فحدث الله اکبر' فارغب الله اکبر اور اگر آخری حرف پر تنوین ہو تو اسے بھی کسرہ دے خواہ وہ تنوین والا حرف مفتوح ہو یا مضموم یا مکسور جیسے توابا الله اکبر اور الخبیر الله اکبر اور من مسد الله اکبر وغیرہ اور آخری سورۃ کا آخری حرف مفتوح ہو تو اسے مفتوح پڑھے۔اور اگر مکسور ہو تو کسرہ پڑھے۔اگر مضموم ہو تو ضمہ پڑھے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔اذا حسد الله اکبر اور الناس الله اکبر اور الابتر الله اکبر وغیرہ ذالک اور اگر سورۃ کا آخری حرف ھاء ہو جس کے اوپر واؤ ہو تو اس واؤ کو حذف کیا جائے گا۔التقائے ساکنین کی وجہ سے جیسے ربہ اللہ اکبر اور شراً یرہ اللہ اکبر۔ابوعمرو کہتے ہیں ہمزہ وصلی جو کہ اسم اللہ کے شروع میں ہے وہ تمام جگہ گر جائے گا اس کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے)

سُوْرَۃُ الْاِنْشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانِیْ اٰیَاتٍ

سورۃ الانشراح مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳ وَرَفَعْنَا لَكَ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا، اور ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی، اور ہم نے آپ کی خاطر ذکر

ذِكْرَكَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷

آپ کا بلند کیا، سو بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے بیشک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہے، سو آپ جب فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیا کیجئے

وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

اور اپنے رب کی طرف توجہ رکھیے

تفسیر: یہ پوری سورہ الم نشرح کا ترجمہ ہے (جو سورۃ الانشراح کے نام سے معروف ہے) اس میں بھی اللہ تعالیٰ شانہ نے رسول اللہ ﷺ پر اپنے بڑے بڑے انعامات کا امتنان فرمایا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھولدیا)۔ یہ استفہام تقریری ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو جانتے اور مانتے ہیں کہ ہم نے آپ کا سینہ کھول دیا سینہ کو نورِ نبوت سے بھی بھر دیا اور علم ومعرفت سے بھی ایمان کی دولت سے بھی، صبر وشکر سے بھی، کتاب وحکمت سے بھی، قوت برداشت سے بھی، وحی کی ذمہ داری اٹھانے سے بھی، دعوت ایمان پر اور دعوت احکام پر استقامت سے بھی، اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر انعام فرمائے ان میں ایک بہت بڑا انعام شرح صدر بھی ہے آپ کی برکت سے آپ کی امت کو بھی شرح صدر کی نعمت حاصل ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ **فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ** کی تلاوت کی پھر فرمایا بیشک جب نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے فرمایا ہاں اس کی یہ نشانی ہے کہ دار الغرور (دھوکہ والا گھر یعنی دنیا) سے بچتا رہے اور دار الخلود (یعنی ہمیشہ رہنے کے گھر) کی طرف توجہ رکھے اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری رکھے۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۶)

بعض حضرات نے یہاں ان روایات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو چاک کر کے علم اور حکمت سے بھر دیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے یہ کام کیا۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں بچپن میں رہتے تھے اور ایک مرتبہ معراج کی رات میں پیش آیا۔ (کمارواہ البخاری ومسلم)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے درمنثور میں صفحہ ۳۶۳: ج۶ میں نقل کیا ہے اس وقت آپ کی عمر بیس سال چند ماہ تھی صاحبِ درمنثور نے یہ واقعہ زوائد مسند احمد سے نقل کیا ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ☆ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ☆ (اور ہم نے آپ کا وہ بوجھ اٹھا دیا یعنی دور کر دیا جس نے آپ کی کمر توڑ دی) اس بوجھ سے کون سا بوجھ مراد ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورہ فتح کی آیت: **لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ** کے ہم معنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ چھوٹے موٹے اعمال جو آپ سے لغزش کے طور پر بلا ارادہ یا خطاء اجتہادی کے طور پر صادر ہوئے ان کا جو بوجھ آپ محسوس کرتے تھے اور اس بوجھ کا اس قدر احساس تھا کہ اس احساس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یعنی خوب زیادہ بوجھل بنا دیا تھا، وہ بوجھ ہم نے ہٹا دیا یعنی سب کچھ معاف کر دیا۔

احقر کے خیال میں اس آیت کو سورہ فتح کی آیت میں لینے کے بجائے یہ معنی لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو علامہ قرطبیؒ نے عبدالعزیز بن یحییٰ اور حضرت ابوعبیدہ سے نقل کیا، یعنی **خففنا عنك اعباء النبوة والقيام بها حتى لا تثقل عليك**. یعنی ہم نے نبوت سے متعلقہ ذمہ داریوں کو ہلکا کر دیا تا کہ آپ کو بھاری معلوم نہ ہوں، درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت بھی بہت دی اور کام بھی بہت دیا مشرکین کے درمیان توحید کی بات اٹھانا بڑا سخت مرحلہ تھا۔ آپ کو تکلیفیں بہت پہنچیں جن کو آپ برداشت کرتے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے صبر دیا اور استقامت بخشی پھر ایمان کے راستے کھل گئے، آپ کے صحابہ بھی کارِ دعوت میں آپ کے ساتھ لگ گئے اور عرب وعجم میں آپ کی دعوت عام ہوگئی۔ **فصلى الله عليه وعلى اله وعلى من جاهد معه**۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا) اس کی تفصیل بہت بڑی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، خطبوں میں، کتابوں میں، وعظوں میں، تقریروں میں، تحریروں میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالمِ بالا میں بلایا آسمانوں کی سیر کرائی، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا جب کسی آسمان تک پہنچتے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دروازہ کھلواتے تھے، وہاں سے پوچھا جاتا تھا کہ آپ کون ہیں؟ وہ

جواب دیتے تھے کہ میں جبرئیل ہوں پھر سوال ہوتا تھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے، وہ جواب دیتے تھے کہ محمد ﷺ اس طرح سے تمام آسمانوں میں آپ کی رفعت شان کا چرچا ہوا۔ علامہ قرطبی نے بعض حضرات سے اس کی تفسیر میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام پر نازل ہونے والی کتابوں میں آپ کا تذکرہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ آپ کی تشریف لانے کی بشارت دیں اور آخرت میں آپ کا ذکر بلند ہوگا۔ جبکہ آپ کو مقامِ محمود عطا کیا جائے گا اور اس وقت اولین و آخرین رشک کریں گے۔ آپ کو کوثر عطا کر دیا جائے گا۔ دنیا میں اہل ایمان تو محبت اور عقیدت سے آپ کا ذکر کرتے ہی ہیں اہلِ کفر میں بھی بڑی تعداد میں ایسے لوگ گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جنہوں نے دنیاداری کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کیا لیکن آپ کی رسالت و نبوت اور رفعت و عظمت کے قائل ہوئے آپ کی توصیف و تعریف میں کافروں نے مضامین بھی لکھے ہیں اور نعتیں بھی کہی ہیں اور سیرت کے جلسوں میں حاضر ہو کر آپ کی صفات اور کمالات برابر بیان کرتے رہتے ہیں۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ☆ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ☆ (بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے)۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ جو مشکلات درپیش ہیں یہ ہمیشہ نہیں رہیں گی اور اسے مستقل ایک قانون کے طریقہ پر بیان فرمادیا کہ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہے اس کلمہ کو دو مرتبہ فرمایا جو آپ کے لئے بہت زیادہ تسلی کا باعث ہے، آپ کے بعد آنے والے آپ کی امت کے افراد و اشخاص جب آپ کے بتائے ہوئے کاموں میں لگیں اور دینی دعوت میں مشغول ہوں مشکلات سے پریشان نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے دور ہونے کی امید رکھیں، ابتداء میں مشکلات ہوتی ہیں پھر ایک ایک کر کے چھٹتی چلی جاتی ہیں۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ عبدالرزاق و ابن جریر و حاکم و بیہقی حضرت حسن (مرسلا) سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بہت خوشی کی حالت میں ہنستے ہوئے باہر تشریف لائے، آپ فرمارہے تھے لَنْ يَّغْلِبَ عُسْرٌ يُّسْرَيْنِ (کہ ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوگی) اور آپ یہ پڑھ رہے تھے۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ☆ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ☆

دوسری روایت میں یوں ہے جو بحوالہ طبرانی اور حاکم و بیہقی (فی شعب الایمان) حضرت انس بن مالک ؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مشکل آئے جو اس پتھر میں اندر داخل ہو جائے تو آسانی بھی آئے گی جو اس کے پیچھے سے داخل ہوگی اور اس کو نکال دے گی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ: فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ☆ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا نازل فرمائی۔

حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ جب کسی اسم کو معرف باللام ذکر کیا جائے پھر اسی طرح دوبارہ اس کا اعادہ کیا جائے تو دونوں ایک ہی شمار ہوں گے اور اگر کسی اسم کو نکرہ لایا جائے اور پھر اس کا بصورت نکرہ اعادہ کر دیا جائے تو دونوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھا جائے گا۔ جب آیت کریمہ میں عسر کو دوبار معرفہ لایا گیا اور یسر کو دوبار نکرہ لایا گیا تو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا وعدہ ہو گیا اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پوری دنیا ایک ہی ہے اس میں جو مشکلات ہیں ان کا مجموعہ شئ واحد ہے مشکلات کے بعد دنیا ہی میں آسانی آتی رہتی ہے ایک آسانی تو یہ ہوئی، اور دوسری آسانی وہ ہے جو اہلِ ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگی جس کا فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى میں وعدہ فرمایا ہے اور وہ بہت بڑی نعمت ہے یہ دنیا کی تھوڑی سی مشکلات جن کے بعد دنیا میں اور آخرت میں بڑی بڑی آسانیاں نصیب ہو جائیں اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

اس کے بعد اللہ جل شانہٗ نے حکم فرمایا: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کے کام میں لگ

جائیں)۔ یعنی داعیانہ محنت میں آپ کا اشتغال خوب زیادہ ہے آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دینِ حق کی دعوت دیتے ہیں اللہ کے احکام پہنچاتے ہیں۔ اس میں بہت سا وقت خرچ ہو جاتا ہے یہ خیر ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم سے ہے اس میں مشغول ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے لیکن ایسی عبادت جس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع ہو بندوں کا توسط بالکل ہی نہ ہو ایسی عبادت کرنا ضروری ہے جب آپ کو دعوت اور تبلیغ کے کاموں سے فرصت مل جایا کرے تو آپ اپنی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جایا کریں، تاکہ اس عبادت کا کیف بھی حاصل ہو اور وہ اجر و ثواب بھی ملے جو براہِ راست عبادت اور انابت میں ہے۔ اور حقیقت میں یہ جو بلاواسطہ ہے یہی اصل عبادت ہے بندوں کو جو توحید اور ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اس کا حاصل بھی تو یہی ہے کہ سب لوگ ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے جسے سورہ والذاریات کی آیت **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ** ☆ میں بیان فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ اس پر عمل کرتے تھے فرائض بھی ادا کرتے تھے ان کے ساتھ عبادات میں بھی مشغول رہتے تھے آپ راتوں رات نماز میں کھڑے رہتے تھے جس سے آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے۔

وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ (اور اپنے رب کی طرف رغبت کیجئے)۔ یعنی نماز، دعا، مناجات، ذکر، تضرع، زاری میں مشغول ہو جائیں۔

فَانْصَبْ کا ترجمہ 'محنت کیا کیجئے' کیا گیا ہے کیونکہ یہ نصب بمعنی مشقت سے مشتق ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عبادات میں اس قدر لگنا چاہیئے کہ نفس تھکن محسوس کرنے لگے، نفس کی آسانی پر نہ چھوڑیئے اگر نفس کا آرام اور رضامندی دیکھی تو وہ فرض بھی ٹھیک طرح سے ادا نہ کرنے دے گا۔

وھذہ آخر تفسیر سورۃ الانشراح والحمد للہ العلیم العلی الفتاح، والصلوٰۃ علی سید رسلہ صاحب الانشراح و مروح الارواح و علی الہ و صحبہ اصحاب النجاح والفلاح و علی من نام بعدھم بالصلاح والاصلاح

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ والتین مکی ہے اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ

قسم ہے انجیر کی، اور زیتون کی، اور طور سینین کی، اور اس امن والے شہر کی ہم نے انسان کو سب سے

أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ

اچھے سانچہ میں پیدا کیا ہے، پھر ہم اس کو اسفل السافلین کی طرف لوٹا دیتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ سو ان کے لئے ثواب

غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا، پھر کون سی چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے

تفسیر: اوپر سورہ والتین کا ترجمہ لکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے تین اور زیتون اور البلد الامین (شہر مکہ مکرمہ) اور طور سینین کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسے احسن تقویم میں پیدا کیا پھر اسے پست ترین حالت میں لوٹا دیا۔ تینٌ انجیر کو کہتے ہیں اور زیتون ایک مشہور درخت ہے جس کے پھلوں سے تیل نکالتے ہیں جسے سورۃ النور میں **شَجَرَةٌ مُّبٰرَكَةٌ** سے تعبیر فرمایا ہے۔ تیسرا مقسم بہ (جس کی قسم کھائی گئی) **طُوْرِ سِيْنِيْنَ** ہے۔ اسی کو سورہ مومنون میں **طُوْرِ سَيْنَآءَ** فرمایا ہے یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ تین اور زیتون کثیر البرکت اور کثیر المنافع درخت ہیں اور کوہ طور کا مشرف ہونا تو واضح ہی ہے۔ چوتھا مقسم بہ البلد الامین یعنی مکہ معظمہ ہے، اس کا کثیر البرکت ہونا بھی معلوم ہی ہے وہاں کعبہ مکرمہ ہے۔ جسے سورۃ آل عمران میں **مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ** فرمایا ہے ان چاروں چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا کہ ہم نے انسان کو **اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ** (سب سے اچھے سانچہ) میں پیدا فرمایا ہے، درحقیقت انسان اللہ تعالیٰ کی بہت ہی عجیب مخلوق ہے اس کی روح عقل، شعور، ادراک، فہم وفراست تو بے مثال ہیں ہی، جسمانی ساخت، حسن و جمال، اعضاء و جوارح، قد و قامت، شیریں گفتگو، سمع و بصر، دیکھنے کی ادائیں، رفتار و گفتار کے طریقے، قیام و سجود کے مظاہر، سب ہی عجیب و حسین ہیں جن میں مجموعی حیثیت سے کوئی بھی اس کا شریک اور سہیم نہیں ہے۔ انسان قد و قامت والا ہے اس کے دو پاؤں ہیں دو ہاتھ ہیں، پاؤں سے سر تک لمبا قد ہے پھر اس کے سر میں چہرہ ہے جس میں منہ اور آنکھیں اور ناک کان ہیں۔ آنکھوں کی پتلیوں کی چمک، کنکھیوں کے اشارے، ہونٹوں کی مسکراہٹ، دانتوں کی جگمگاہٹ کو بھی ذہن میں لاؤ، دماغ میں مغز ہے سینہ میں قلب ہے، دونوں علوم معارف کا مخزن و مظہر ہیں ہر چیز حسن و جمال کا پیکر ہے۔ سر پر جو بال ہیں سراپا زینت ہیں اور داڑھی کے جو بال ہیں وہ بھی زینت ہیں (داڑھی مونڈنے والوں کو برا تو لگے گا لیکن بحکم حدیث **سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب** ہم نے لکھ ہی دیا، حدیث کا ترجمہ یہ ہے اللہ تعالیٰ پاک ہے جس نے مردوں کو داڑھیوں کے ذریعہ اور عورتوں کو سر کے بالوں کے ذریعہ زینت دی۔ (والحدیث ذکرہ السناوی فی کنوز الحقائق وعزاہ الی الحاکم)

سر کے نیچے سینہ ہے اس میں دل ہے جو تدبر کی جگہ ہے پھر اس کے نیچے پیٹ ہے جو خالی ہے اس کو بھرنا پڑتا ہے۔ انسان کے ہاتھوں کو دیکھو، دس انگلیاں ہیں، ہر ایک میں تین تین پورے ہیں۔ پھر ہتھیلی ہے جس میں انگوٹھا بھی لگا ہوا سب انگلیاں مڑتی ہیں، موڑنے سے ہتھیلی میں بھی گہراؤ پیدا ہو جاتا ہے پھر پہنچے پر موڑ ہے اوپر کو دیکھو تو کہنیاں بھی مڑتی ہیں اور اوپر نظر ڈالو تو مونڈھوں کے قریب بغلوں میں بھی موڑ ہے وہاں سے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے جا سکتے ہیں اور عام حالات میں نیچے لٹکے رہتے ہیں۔ دونوں انگوٹھے جو دونوں ہاتھوں میں ہیں بڑے کمال کی چیزیں ہیں۔ اگر انگوٹھا نہ ہوتا تو اشیاء کے پکڑنے سے عاجز ہوتے۔ اس کے بغیر کسی چیز کو اٹھا نہیں سکتے، منہ میں دانت ہیں جو چبانے کا کام دیتے ہیں اور ان کی سفیدی میں سراپا حسن و جمال ہے، منہ میں زبان بھی ہے بات بھی کرتی اور چیزوں کا مزہ بھی چکھتی ہے۔ سر میں کان جوڑے ہوئے ہیں، سننے کا کام تو سوراخوں ہی سے ہو جاتا ہے لیکن کانوں سے چہرہ اور سر میں ایک عجیب حسن آ گیا ہے، اور ایک بات اور مزیدار ہے وہ یہ کہ اگر کان ابھرے ہوئے نہ ہوتے تو چشمہ کہاں لگاتے، کانوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ چشمہ ان پر ٹھہرا رہتا ہے۔ حروف کی ادائیگی پر بھی نظر ڈالو، اقصائے حلق سے لے کر ہونٹوں کے بیرونی حصہ تک حروف کی ادائیگی ہوتی ہے۔ خالق کائنات جل مجدہ نے جس حرف کا جو مخرج مقرر فرما دیا ہے

اس کے علاوہ اور کسی جگہ سے نہیں نکل سکتا۔

انسان قد و قامت کا نیچے والا نصف حصہ کمر کے نیچے سے شروع ہوتا ہے اس میں ٹانگیں ہیں جو رانوں اور پنڈلیوں اور گھٹنوں پر مشتمل ہیں، ان کے درمیان شہوت کی چیز ہے اور ناپاکی کے نکلنے کا راستہ بھی ہے۔ کمر کا موڑ جھکنے کے لئے ہے جو رکوع کرنے میں اور نیچے کی چیزیں اٹھانے میں کام دیتا ہے، پھر گھٹنوں کا موڑ ہے اس کے ذریعے اونکڑوں بیٹھتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں اور کرسی پر بیٹھتے ہیں تو پنڈلیاں لٹکا لیتے ہیں، اگر گھٹنوں کا موڑ نہ ہوتا تو کرسی پر بیٹھنا مشکل ہو جاتا، پھر ابھرے ہوئے ٹخنوں کا حسن دیکھو اور انگلیوں کا تناسب اور تناسق دیکھو ساتھ ہی ناخنوں کے حسن و جمال پر بھی نظر ڈالو، اور ہاں پاؤں کا پھیلاؤ بھی تو دیکھنا چاہیئے اگر پاؤں پھیلے ہوئے نہ ہوتے صرف ایڑیوں پر ٹانگیں ختم ہو جاتیں تو میاں صاحب یہاں گرتے اور وہاں گرتے، نہ چلتے نہ پھرتے نہ دوڑتے نہ بھاگتے وغیرہ وغیرہ، یہ انسان کی جسمانی ساخت ہے جو کمال و جمال کا آئینہ ہے اور اعضائے انسانی کی حرکات میں جو ادائیں ہیں ان کے حسن کو بھی انسان ہی سمجھ پاتا ہے جسمانی کمال و جمال کے علاوہ اللہ جل شانہ نے انسان کو جو عقل و ادراک نصیب فرمایا ہے جس کے ذریعہ وہ دوسری مخلوقات پر حکمران ہے۔ بحر و بر پر اس کی حکومت ہے اور جو کچھ اس نے اپنے آرام و راحت کی چیزیں ایجاد کی ہیں عمارتیں بنائی ہیں طیارے سیارے چلائے ہیں ان سب میں اس کے ظاہری اعضاء اور فہم و ادراک دونوں چیزوں کا دخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو فضیلت اور فوقیت دی ہے۔ سورۃ الاسراء میں اس کے بارے میں فرمایا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔ کسی شاعر نے انسان کو خطاب کر کے کہا ہے

وتزعم انک جرم صغیر وفیک انطوی العالم الاکبر

انسان کے احسن تقویم ہونے کا ایک بہت بڑا مظاہرہ اس میں بھی ہے کہ کسی بھی بدصورت سے بدصورت انسان سے سوال کیا جائے کہ تو فلاں خوبصورت حیوان کی صورت میں داخل ہونے کو تیار ہے تو وہ ہرگز قبول نہیں کرے گا، نہ کر سکتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (پھر ہم انسان کو نیچے درجہ والوں سے بھی نیچی حالت میں لوٹا دیتے ہیں)۔ بعض مفسرین کرام نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ شانہ نے اچھی صورت میں پیدا فرمایا اچھے سے اچھے سانچے میں ڈھال دیا حسن و جمال کا پیکر بنا دیا، وہ قوت اور طاقت کے ساتھ جیتا رہا اور اپنے ناز و انداز دکھاتا رہا پھر جب اللہ تعالیٰ نے بڑھاپا دیا تو بہت گئی گزری حالت میں ہو گیا، نظر بھی کمزور، کان بھی بہرے، دل میں خفقان اور بھول و نسیان، دماغ بیکار، شعور اور ادراک ختم، قد جھک گیا، کمر کمان بن گئی، ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں دوسروں پر وبال، خدمت کا محتاج، یہ بدحالی بڑھاپے میں انسان کو لاحق ہو جاتی ہے۔

سورہ یٰسٓ میں اسی کو فرمایا ہے: وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ (اور ہم جس کی عمر زیادہ کر دیتے ہیں اس کو سابقہ طبعی حالت پر لوٹا دیتے ہیں)۔

اس کے بعد فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیہ) (مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لئے بڑا ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا)۔

اوپر جو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ کی تفسیر کی گئی اس کے مطابق مفسرین نے اس استثناء کا یہ مطلب بتایا ہے کہ مومنین اور صالحین بندے بڑھاپے کی حالت کو پہنچ کر بھی ناکام نہیں رہتے وہ ایمان پر جمے رہتے ہیں ان کے ایمان اور اعمال کی وجہ سے ان

کا ثواب جاری رہتا ہے اور یہ اجر موت کے بعد انہیں مل جائے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا (مطلب یہ ہوا کہ کافر اپنی قوت اور طاقت اور جوانی سے دھوکہ کھا کر ایمان اور اعمال صالحہ سے دور رہتا ہے پھر اسے دوہرا خسران اور نقصان لاحق ہوجاتا ہے اول تو دنیا میں بڑھاپے کی بدحالی دوم موت کے بعد دوزخ کا داخلہ اور وہاں کے عذاب کی فراوانی) اور اہل ایمان ہر حال میں ایمان اور اعمالِ صالحہ پر جمے رہتے ہیں آخرت میں ان کیلئے بے انتہا اجر ہے تفسیر میں تکلف ہے استثناء کا جوڑ اطمینان بخش طریقے پر نہیں بیٹھتا۔ علمائے تفسیر میں سے جن حضرات نے اَسۡفَلَ سَافِلِیۡنَ سے دوزخ مراد لی ہے ان کی بات دل کو زیادہ لگتی ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے: **وقال الحسن و قتادة ومجاهد يعني ثم رددناه الى النار يعني الى اسفل السافلين لان جهنم بعضها اسفل من بعض** ۔ (حضرت حسن، قتادہ اور مجاہد کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ پھر ہم نے اس کو آگ کی طرف لوٹایا یعنی اسفل السافلین کی طرف کیونکہ جہنم اوپر نیچے ہے)

یعنی حضرات حسن وقتادہ ومجاہد نے فرمایا ہے کہ اسفل السافلین سے دوزخ مراد ہے اس کے مختلف طبقات ہیں بعض بعض سے نیچے ہیں اس صورت میں دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے انسان کو سب سے اچھے سانچہ میں ڈھالا، حسن قامت اور حسن اعضاء کا جمال دے کر اس پر احسان فرمایا سارے انسانوں کو اس انعام کے شکریہ میں شکر گزار ایماندار اور اعمال صالحہ والا ہونا لازم تھا لیکن انسانوں کی دو قسمیں ہوگئیں بعض مومن ہوگئے بعض کافر اور کافروں میں بھی فرق مراتب ہے ان مراتب کے اعتبار سے جہنم کے طبقات میں داخلہ ہوگا ان میں بہت سے وہ بھی ہوں گے جو اسفل السافلین میں جائیں گے جیسا کہ سورۃ النساء میں: اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ فرمایا ہے۔ انسانوں کی یہ جماعت یعنی کافر جو دنیا میں حسن وجمال اور اچھے قد وقامت والے تھے دوزخ میں جائیں گے یہ دنیا کی خوبصورتی اور چال ڈھال اور ناز وانداز کی رفتار قیامت کے دن کچھ کام نہ آئے گی۔ بنی آدم کا دوسرا گروہ یعنی مومنین صالحین دوزخ سے بچ جائیں گے انہیں جنت نصیب ہوگی اور اعمال صالحہ کا اجر وثواب ہمیشہ ملتا رہے گا۔

صاحب روح المعانی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے **حيث قال ثم المتبادر من السياق الاشارة الى حال الكافر يوم القيامة وانه يكون على اقبح صورة وابشعها بعد ان كان على احسن صورة وابدعها لعدم شكره تلك النعمة وعمله بموجبها.** (کہ آپ نے کہا سیاق کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ قیامت کے دن کافر کی حالت ہے اور باوجود اس کے کہ وہ بہترین شکل والا اور عمدہ شکل والا تھا ان نعمتوں کی ناشکری اور ان کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بدترین حالت و بری صورت پر ہوگا)

یاد رہے کہ لفظ الانسان سے جنس انسان مراد ہے لہٰذا ہر انسان کا خوبصورتی میں ایک ہی طرح ہونا پھر اَسۡفَلَ السّٰفِلِیۡنَ میں داخلہ ہونا لازم نہیں آتا۔

فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ (سوائے انسان اس کے بعد تجھے کیا چیز قیامت کا جھٹلانے والا بنا رہی ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ اے انسان تجھے اپنی تخلیقی حالت معلوم ہے کہ کس طرح پیدا کیا گیا اور تجھے کیسی حسین تقویم میں وجود بخشا گیا تو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتا رہا۔ یہ سب دیکھتے ہوئے اور خالقِ کائنات جل مجدہ کی قدرت کو سمجھتے ہوئے اس بات کا کیسے منکر ہو رہا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے اور ایمان اور کفر اور اعمال کی جزا وسزا ملے گی۔ یہ سب تخلیقی احوال دیکھ کر تجھے اللہ کی قدرت کا یقین نہیں آتا جسے ان چیزوں پر قدرت ہے جو تیرے سامنے ہیں اسے دوبارہ زندہ کرکے محاسبہ اور مواخذہ پر بھی قدرت ہے۔

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ (کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟) یہ استفہام تقریری ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات میں دیکھنے سے یہ پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ سب حاکموں کا حاکم ہے سب پر اسی کی حکومت ہے تکوینی طور پر بھی سب اسی کے اختیارات ہیں اور تشریعی طور پر بھی سب اسی کے بھیجے ہوئے دین کے پابند ہیں جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے یہاں دنیا میں بھی اسی کا حکم نافذ ہے اور آخرت میں بھی اسی کے فیصلے نافذ ہوں گے۔

وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

فائدہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سورہ والتین والزیتون پڑھنا شروع کرے پھر اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پر پہنچے تو یوں کہے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ (واقعی اللہ احکم الحاکمین ہے، اور میں اس پر گواہ ہوں) اور جو شخص لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ پڑھنا شروع کرے پھر اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پر پہنچے تو یوں کہے بَلٰی (واقعی یہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے) اور جو شخص سورۃ المرسلات پڑھنا شروع کرے پھر فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو یوں کہے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۸۱)

وھذا آخر تفسیر سورۃ التین، والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی من ارسل بالقرآن المبین و علی اصحابہ اصحاب الھدی والتقی والیقین و علی من تبعھم باحسان الی یوم الدین

سُوْرَۃُ الْعَلَقِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ تِسْعَ عَشَرَۃَ اٰیَۃً

سورۃ العلق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ

اے پیغمبر آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵

ہے جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا

تفسیر: یہاں سے سورۃ العلق شروع ہو رہی ہے اس میں رسول اللہ علیہ السلام کو خطاب فرمایا ہے کہ آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے سب کچھ پیدا فرمایا ہے تعمیم کے لئے مفعول محذوف فرما دیا، نیز رعایت فاصلہ بھی مطلوب ہے اس کی وجہ سے بھی مفعول حذف کیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا (کہ فرشتہ کی آمد سے پہلے رسول اللہ علیہ السلام غار حرا میں تنہا وقت گزارا کرتے تھے یہ تنہائی آپ کو محبوب تھی متعدد راتیں وہاں گزار کر اپنے گھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے تھے وہ مزید چند دن کے لئے کھانے پینے کا سامان تیار کر دیتی تھیں یہ سامان لے کر آپ پھر غار حرا میں واپس چلے جاتے تھے ایک دن آپ غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ اچانک فرشتہ آ گیا۔ فرشتہ نے کہا اِقْرَاْ (پڑھیے) آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) فرشتے نے آپ کو پکڑ کر خوب اچھی طرح بھینچ دیا، پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے آپ نے پھر وہی فرمایا کہ

میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، فرشتہ نے دوبارہ اسی زوردار طریقے پر بھینچ دیا پھر چھوڑ دیا، اور وہی بات کہی کہ پڑھیے آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں فرشتہ نے تیسری بار پھر آپ کو بھینچ دیا پھر چھوڑ دیا اور اس مرتبہ اس نے یہ پورا پڑھ دیا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ☆ آپ نے ان الفاظ کو دہرایا اور غار حرا سے گھبرائے ہوئے واپس تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے ان سے فرمایا کہ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ، انہوں نے کپڑا اوڑھا دیا۔ یہاں تک کہ جب خوف و پریشانی کی کیفیت دور ہوگئی تو حضرت خدیجہ کو پوری بات بتائی (حدیث طویل ہے جو صحیح بخاری صفحہ ۳ ،۴: ج ۱ اور صحیح مسلم صفحہ ۸۸: ج ا پر مذکور ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی اس میں آیات مذکورہ بالا ہی تھیں قال النووی فی شرح صحیح المسلم ھذا ھو الصواب الذی علیه الجماھیر من السلف والخلف (علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں یہی وہ درست قول ہے جس پر جمہور سلف و خلف ہیں) اس کے کچھ عرصے کے بعد آیات یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ نازل ہوئیں اور برابر وحی نازل ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳: ج ۱)

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ☆ سے شروع کرنا چاہیے اور سورہ اعراف کی آیت فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے معلوم ہوا کہ پہلے اعوذ باللہ پڑھا جائے، پہلے استعاذہ پھر بسملہ دونوں پر امت کا عمل ہے رسول اللہ ﷺ کا اور صحابہؓ اور تابعینؒ کا یہی معمول رہا ہے۔

سورت کے شروع میں اولاً مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کیونکہ ساری مخلوق اللہ جل شانہ کی شان ربوبیت کا مظہر ہے پھر خصوصی طور پر انسان کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا فرمایا لہٰذا انسان کو اپنے رب کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہونا چاہیے اپنے خالق اور پروردگار کے ذکر میں اور اس کی نعمتوں کے شکر میں لگا رہے گو دوسرے حیوانات بھی نطفہ منی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان میں وہ عقل اور شعور و ادراک نہیں ہے جو انسان کو عطا فرمایا گیا ہے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ (آپ پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے)۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا)۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)۔

ارشاد فرمایا کہ آپ پڑھیے، اس کا خیال نہ کیجئے کہ آپ نے مخلوق سے نہیں پڑھا۔ آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے اسے علم دینے کے لئے اسباب کی حاجت نہیں ہے اس نے قلم کے ذریعہ سکھایا اور جسے چاہا بغیر قلم کے بھی سکھا دیا انسانوں کے پاس جو علم ہے سارا استاد اور کتاب اور قلم ہی سے تو نہیں ہے جس ذات پاک نے اسباب کے ذریعہ علم دیا اسے بلا اسباب بھی علم دینے پر قدرت ہے آپ کو جو علم دیا ہے بغیر قلم عطا فرمایا ہے۔

کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ﴿۸﴾

یہ واقعی بات ہے کہ بلاشبہ انسان سرکشی کرتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اے مخاطب بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ﴿۱۰﴾ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ﴿۱۲﴾

اے مخاطب تو اس شخص کا حال بتادے جو بندہ کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے اے مخاطب یہ بتادے کہ اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا وہ تقویٰ کا حکم کرتا ہو،

اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۳﴾ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ﴿۱۴﴾

اے مخاطب تو بتادے اگر وہ جھٹلاتا ہو اور روگردانی کرتا ہو خبردار کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بیشک اللہ دیکھتا ہے

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

ہرگز نہیں اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم ایسی پیشانی کو جو جھوٹی ہے خطاکار ہے پکڑ کر

خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۩ ﴿١٩﴾

گھسیٹیں گے، سوچاہیے کہ اپنی مجلس کو بلالے ہم عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے ہرگز نہیں آپ اس کا کہنا نہ مانئے اور نماز پڑھتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے۔

تفسیر: روایت احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ابوجہل کو رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی تھی رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں تشریف لاتے تھے اور نماز ادا فرماتے تھے ایک دن ابوجہل نے لات اور عزیٰ کی قسم کھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد (ﷺ) مٹی میں اپنا چہرہ ملائیں گے (یعنی سجدہ میں جائیں گے) تو میں ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو اس نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لئے آگے بڑھا فوراً الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور وہ ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہا تھا جیسے کسی چیز سے بچاؤ کر رہا ہو، لوگوں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ڈراؤنی حالت ہے اور بازوؤں والی مخلوق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ مجھ سے قریب ہو جاتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو کر کے اچک لیتے۔ اس پر آیات کریمہ كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ سے آخر سورت تک نازل ہوئیں۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۷۲: ج ۲)

اب سبب نزول جاننے کے بعد آیات کا مطلب اور ترجمہ سمجھ لیجئے: كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ (یہ تحقیقی بات ہے کہ انسان ضرور ضرور سرکشی اختیار کر لیتا ہے) یعنی آدمیت کی حد سے نکل جاتا ہے اور اپنے کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اپنے خالق کی نافرمانی اور سرکشی میں لگ جاتا ہے۔ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ (اس کا یہ سرکشی پر اتر آنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے) یعنی مال و دولت کی وجہ سے یوں سمجھتا ہے کہ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے میں ہی سب کچھ ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے سب کچھ دیا ہے وہ دے بھی سکتا ہے اور چھین بھی سکتا ہے۔ سرکش انسان پیدا کرنے والے اور مال دینے والے کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتا۔

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ (اے مخاطب بے شک تجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے) یہ سرکشی کرنے والا بھی اپنے رب کی طرف واپس ہوگا، دنیاوی مالداری کو نہ دیکھے اور اموال دنیا پر نظر کر کے اپنے رب کو نہ بھولے کیونکہ ہر حال میں مرنا ہے مر کر جہاں جائے گا وہاں مال و اولاد کوئی کسی کے کام نہ آئیں گے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ☆ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ☆ (اے مخاطب تو بتا کہ جو شخص بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے اس کا کیسا عجیب اور قبیح حال ہے)۔

أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ (مخاطب تو ہی بتا کہ جو بندہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیا ہے اس کو نماز سے روکنا کتنی بڑی قبیح اور شنیع بات ہے)۔

أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ (اے مخاطب تو بتا دے کہ اگر یہ نماز سے روکنے والا شخص حق کو جھٹلاتا ہو اور حق سے اعراض کرتا ہو تو اس کا کیا انجام ہوگا) ہر شخص غور کر لے، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں، وتقدیر نظم الآیۃ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ و هو على الهدى وأَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ والناهی مکذب متول عن الایمان فما اعجب من هذا اھ۔ (نظم آیت کی تقدیر یوں ہے کہ ''کیا آپ نے اس آدمی کو دیکھا ہے جو ہمارے بندہ کو روکتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ بندہ ہدایت پر ہے۔ اور تقویٰ کا حکم کرتا ہے اور روکنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے اعراض کرنے والا ہے۔ پس اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کیا ہوگی)

عربی میں لفظ اَرَاَیْتَ محاورہ کے اعتبار سے اَخْبِرُنِیْ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں تین جگہ لفظ اَرَاَیْتَ وارد ہوا ہے جو ہر صاحبِ فہم وبصیرت کو خطاب ہے، ہر سمجھنے والا بتائے کہ جو شخص نماز پڑھنے والے کو نماز سے روکتا ہے اور یہ نماز پڑھنے والا خود ہدایت پر رہتے ہوئے دوسروں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہے اس کو نماز سے روکنے والے کا عمل کیسا ہے اور اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہیئے؟ جو شخص جھٹلانے والا اور اعراض کرنے والا ہے پھر اوپر سے نماز پڑھنے والے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے اس کا انجام سوچ لیا جائے پھر اس انجام کو اجمالی طور پر یوں بیان فرمایا کہ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی (کیا اسے معلوم نہیں ہے کہ بیشک اللہ دیکھتا ہے) جب اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے اور اسے نماز پڑھنے والے اور نماز سے روکنے والے کی حالت کا علم ہے تو وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے دے گا۔ نمازی کو نماز کا ثواب ملے گا اور نماز سے روکنے والے کو روکنے کی سزا ملے گی اور عذاب ہوگا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکا تو آپ نے ابوجہل کو جھڑک دیا۔ اس پر ابوجہل نے کہا (کہ مجھے جھڑکتے ہو) میں پوری وادی کو گھوڑوں سے اور فوجی لوگوں سے بھردوں گا اس پر آیات ذیل نازل ہوئیں۔

کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ نَاصِیَةٍ کَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (خبردار اگر یہ شخص اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹ لیں گے جو پیشانی جھوٹی ہے خطا کار ہے)۔ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ (سو جب وہ عذاب میں مبتلا ہوا پنی مجلس والوں کو بلالے) سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ (ہم عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے) جن کے سامنے اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا۔ معالم التنزیل میں زجاج سے نقل کیا ہے کہ زبانیۃ سے دوزخ کے فرشتے مراد ہیں جنہیں سورۃ التحریم میں غِلَاظٌ شِدَادٌ فرمایا ہے نیز حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اگر ابوجہل اپنی مجلس والوں کو بلالیتا تو اللہ تعالیٰ کے زَبَانِیَه فرشتے اسے پکڑ لیتے، لفظ زبانیہ زبن سے ماخوذ ہے جو دفع کرنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ دوزخ پر مقررہ فرشتے دوزخیوں کو دھکے دے دے کر دوزخ میں ڈالیں گے اس لئے ان کو زبانیہ فرمایا۔ کَلَّا اس شخص کا ایسی حرکتیں کرنا اچھا نہیں ہے ان سے باز آجائے۔

لَا تُطِعْهُ اے رسول ﷺ آپ اس کی بات نہ مانئے نماز نہ چھوڑیئے اور ایمان اور اعمال خیر سے جو یہ روکتا ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کیجئے وَاسْجُدْ (اور اپنے رب کے لئے سجدہ کرتے رہیئے) وَاقْتَرِبْ (اور اپنے رب کا قرب حاصل کرتے رہیے) اس میں خوب زیادہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا جس میں تکثیر سجدات کا حکم بھی آجاتا ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب سجدہ کی حالت میں ہو لہٰذا تم خوب زیادہ دعا کیا کرو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۹۱: ج ۱) حضرت ربیعہ بن کعب نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات گزارا کرتا تھا ایک مرتبہ (نماز تہجد کے لئے) میں نے آپ کی خدمت میں وضو کا پانی اور دوسری ضرورت کی چیزیں حاضر کردیں آپ نے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو میں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں آپ نے فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے کہا کہ میرا تو یہی مطلوب ہے آپ نے فرمایا اچھا تو اپنے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو خوب سجدے کیا کرو (رواہ مسلم صفحہ ۱۹۳: ج ۱) مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس آگے بڑھنے نہیں دیتا اور صرف دعا پر بھروسہ کرنا چاہیئے تم بھی محنت کرو میں بھی دعا کروں نفس سستی کرے تو اس کی بات نہ ماننا خوب ہمت اور محنت کے ساتھ سجدوں کی کثرت کرتے رہنا، بندہ کے پاس اپنا عجز و نیاز اور تذلل اور شانِ عبدیت کا عملی اقرار ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنے اشرف الاعضاء یعنی سر کو ارذل العناصر یعنی مٹی پر رکھ دیئے اور اپنے رب کریم کے حضور اپنی ذات کو بالکل ذلیل کرکے پیش کردے اسی لئے حضرات اکابر نے فرمایا ہے کہ نماز کے ارکان میں سب سے بڑا رکن سجدہ ہی ہے اور اسی لئے ہر رکعت میں قیام اور رکوع ایک ایک بار اور سجدہ دوبار ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا آیات بالا ابوجہل لعین کی بے ادبی اور بدتمیزی اور گستاخی پر نازل ہوئیں اس کے بارے میں جو

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ فرمایا ہے اس سے اس کی دنیا کی ذلت بھی مراد لی جاسکتی ہے بدر کی لڑائی میں وہ دیگر مشرکین مکہ کے ساتھ بڑے طمطراق اور فخر وغرور کے ساتھ آیا اور بری طرح مقتول ہوا اگر آیت کریمہ سے یہ دنیا والی سزا مراد لی جائے تو پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے ذلیل کرنا مراد ہوگا اور روح المعانی میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جنگ بدر کے موقعہ پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اس کا سر کاٹ دیا اور خدمت عالی میں حاضر کرنے کے لئے اٹھانا چاہا تو اٹھا نہ سکے لہٰذا انہوں نے ابوجہل کے کان میں سوراخ کیا اور اس میں دھاگہ ڈال کر کھینچتے ہوئے لے گئے۔

اور آخرت کا عذاب اور وہاں کی ذلت مراد لی جائے تو وہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔ سورۃ المومن میں فرمایا ہے۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلَالُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (سو عنقریب جان لیں گے جبکہ طوق ان کے گردنوں میں ہوں گے کھولتے ہوئے پانی میں کھینچے جائیں گے پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے)۔

اور سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے: يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ (مجرمین کو ان کی پیشانیوں سے اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا)۔

نَاصِيَةٍ (پیشانی) کو كَاذِبَةٍ سے موصوف فرمایا اس سے پوری شخصیت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا ہر ہر جزو ہر ہر عضو جھوٹا اور خطا کار ہے۔

قال صاحب الروح ويفيد انه لشدة كذبه وخطائه كان كل جزء من اجزائه يكذب و يخطي (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جھوٹ کی شدت اور اس کی خطا کاری کی شدت کی وجہ سے ہے گویا کہ اس کے اجزاء میں سے ہر جز جھٹلاتا تھا اور انکار کرتا تھا)

اس سورت میں کلا تین جگہ آیا ہے عربی زبان میں یہ لفظ ردع یعنی جھڑکنے اور روکنے کے لئے آتا ہے اور کبھی کبھی حقًّا کے معنی میں بھی آتا ہے پہلی جگہ حقًّا کے معنی میں ہے اور دوسری تیسری جگہ زجر و توبیخ کے لئے لایا گیا ہے یعنی جس شخص کی یہ حرکتیں ہیں اسے ان حرکتوں سے بچنا لازم ہے۔

لَنَسْفَعًا مصاحف میں الف کے ساتھ مکتوب ہے جو صیغہ جمع متکلم بالام تاکید و نون خفیفہ ہے سَفَعَ يَسْفَعُ سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے شدت کے ساتھ کھینچنا نونِ خفیفہ کو الف کے ساتھ لکھا گیا ہے اس پر وقف کریں گے تو الف ہی کے ساتھ وقف کیا جائے گا یعنی نون واپس نہیں آئے گا جیسا کہ وَلَيَكُوْنًا مِنَ الصّٰغِرِيْنَ میں نونِ خفیفہ کو تنوین کی صورت میں لکھا گیا ہے اس کے آخر میں بھی الف ہے، اس پر بھی الف کے ساتھ وقف کیا جائے گا۔

فائدہ: آیت کریمہ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے سے روکنا مسلمان کا کام نہیں ہے، یہ کام رسول اللہ ﷺ کے دشمن ابوجہل نے کیا تھا جس پر سورۃ العلق کی آیات نازل ہوئیں بہت سے لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں اپنی اولاد کو فرض نماز تک پڑھنے سے روکتے ہیں اور ایسے کاموں میں لگا دیتے ہیں جس میں نماز فرض کے اوقات آجاتے ہیں اور محکمے والے یا کمپنی والے نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے اگر کسی لڑکے کو اس کا احساس ہو کہ فرائض ضائع ہو رہے ہیں اور ماں باپ سے کہے کہ میں اس کام کو چھوڑتا ہوں تو کہتے ہیں ایک تو ہی رہ گیا ہے ملا بننے کے لئے؟ کتنی دنیا ہے جو نماز نہیں پڑھتی تو نے ہی نہ پڑھی تو کیا ہو جائے گا؟ (یہ نہیں سمجھتے کہ فرض نماز چھوڑنے والوں کے لئے دوزخ کا داخلہ ہے) اسی طرح کمپنیوں کے ذمہ دار بڑے بڑے تاجر نہ خود نماز پڑھتے ہیں نہ ملازمین کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اگر کوئی شخص نماز کی بات کرے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا نقصان ہوگا قضاء نماز گھر جا کر پڑھ لینا اول تو ایسی جگہ ملازمت کرنا ہی حرام ہے جہاں فرائض ضائع ہوتے ہیں اور ایسی

کمپنیوں کا ذمہ دار بنا جن میں نماز پڑھنے کا موقع نہ دیا جائے یہ بھی حرام ہے لوگ دنیا کے نقصان کو دیکھتے ہیں نماز کی دینی دنیاوی برکات، آخرت کے فوائد اور عذاب سے نجات اور بے انتہا اجر و ثواب کو نہیں دیکھتے۔

بندہ مومن کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں فریضوں کو انجام دے نہ یہ کہ نماز پڑھنے والوں کو نماز سے روک دے ایک نماز ہی پر کیا منحصر ہے شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہر گناہ سے روکنا لازم ہے ہر گناہ سے بھی روکیں اور نیکیوں کا بھی حکم کرتے رہیں اگر کوئی شخص حرام روزی کماتا ہو اور کوئی عالم بتادے کہ یہ پیشہ حرام ہے اور فلاں کاروبار کی آمد حرام ہے اور کوئی نوجوان اس کو چھوڑنے لگے اور حلال کے لئے فکر مند ہو جائے تو ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار اور دوست واحباب اس سے کہتے ہیں کہ تجھے تقوے کا ہیضہ ہو گیا ہے دنیا میں کون ہے جو حلال کھا رہا ہے وغیرہ وغیرہ، حالانکہ دوسروں کے حرام کھانے سے اپنے لئے حرام کھانا حلال نہیں ہو جاتا فَتَفَکَّرُوْا یَااَھْلَ الْاِسْلَامِ۔

فائدہ: اس سورت کی آخری آیت سجدہ تلاوت کی آیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر سجدہ فرمایا تھا:

کما روی مسلم (صفحہ ۲۱۵: ج ۱) عن ابی ھریرۃ قال سجدنا مع النبی ﷺ فی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ. (جیسا کہ مسلم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم نے اذا السماء انشقت اور اقراء باسم ربک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا)

وھذا آخر تفسیر سورۃ العلق، والحمد للہ الذی خلق والصلاۃ والسلام علی رسولہ الذی صدع بالحق، من امن بہ اطمئن من البخس والرھق

سُوْرَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّ ھِیَ خَمْسُ اٰیَاتٍ

سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ② لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۵ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ③

بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے،

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ ④ سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤

اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں، وہ سراپا سلامتی ہے وہ فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے

تفسیر: اوپر سورۃ القدر کا ترجمہ کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید نازل فرمانے کا اور شب قدر کی برکات کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یوں فرمایا کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ (بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا) قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے تئیس سال میں نازل ہوا ہے پھر شب قدر میں نازل فرمانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ پورا قرآن مجید لوح محفوظ سے اتار کر سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں اتار دیا گیا، وہاں بیت العزت میں رکھ دیا گیا پھر جبرئیل علیہ السلام حسب الحکم تھوڑا تھوڑا کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی کے طور پر لاتے رہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے۔ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم ماہ رمضان میں نازل ہوا، چونکہ شب قدر ماہ رمضان میں ہوتی اس لئے اس میں کوئی تعارض نہیں۔

شب قدر کی فضیلت بتاتے ہوئے اول تو سوال کے پیرایہ میں اس کی اہمیت بتائی اور فرمایا **وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ** (اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟) اس کے بعد ارشاد فرمایا: **لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ** (شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ہزار مہینے تک اعمالِ صالحہ میں مشغول رہے جن میں شب قدر نہ ہو اور کوئی شخص شب قدر میں مشغول عبادت رہے تو اس کا یہ عمل ہزار ماہ اعمالِ صالحہ میں لگے رہنے والے شخص سے افضل ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو فی سبیل اللہ ہزار ماہ تک اپنے کاندھے پر جہاد کے لئے ہتھیار اٹھائے رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند آئی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے پروردگار آپ نے میری امت کو دوسری امتوں کے مقابلہ میں عمریں کم دی ہیں اور عمریں کم ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال بھی کم ہیں (ان کے لئے بھی زیادہ ثواب کی کوئی سبیل ہونی چاہیئے) اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورۂ قدر نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۵۱۳: ج ۴)۔

ہزار مہینے کے ۸۳ سال اور ۴ مہینے ہوتے ہیں، پھر شب قدر کو ہزار مہینے کے برابر نہیں بتایا بلکہ ہزار مہینے سے بہتر بتایا کس قدر بہتر ہے علم اللہ ہی کو ہے۔ مومن بندوں کے لئے شب قدر بہت خیر و برکت کی چیز ہے، ایک رات جاگ کر عبادت کرلیں اور ہزار مہینوں سے زیادہ عبادت کا ثواب پالیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے؟ اسی لئے تو حدیث شریف میں فرمایا: **مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ وَلَا یُحْرَمُ خَیْرَھَا اِلَّا کُلُّ مَحْرُوْمٍ** (یعنی جو شخص شب قدر سے محروم ہوگیا، گویا پوری بھلائی سے محروم ہوگیا اور شب قدر کی خیر سے وہی محروم ہوتا ہے جو کامل محروم ہو (ابن ماجہ)۔

مطلب یہ ہے کہ چند گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور اس میں عبادت کرلینے سے ہزار مہینے سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے چند گھنٹے بیدار رہ کر نفس کو سمجھا بجھا کر عبادت کرلینا کوئی ایسی قابل ذکر تکلیف نہیں جو برداشت سے باہر ہو، تکلیف ذرا سی اور ثواب بہت بڑا، اگر کوئی شخص ایک پیسہ تجارت میں لگادے اور بیس کروڑ روپیہ کا نفع پائے اس کو کتنی خوشی ہوگی اور جس شخص کو اتنے بڑے نفع کا موقعہ ملا پھر اس نے توجہ نہ کی اس کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ پورا اور پکا محروم ہے۔

پہلی امتوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں، اس امت کی عمر بہت سے بہت ۷۰، ۸۰ سال ہوتی ہے اللہ پاک نے یہ احسان فرمایا کہ ان کو شب قدر عطا فرمادی اور ایک شب قدر کی عبادت کا درجہ ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کردیا، محنت کم ہوئی، وقت بھی کم لگا، اور ثواب میں بڑی بڑی عمر والی امتوں سے بڑھادیا اس امت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و انعام ہے۔ (**فللّٰہ الحمد علی ما اعطی و انعم و اکرم**)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو (یعنی ان راتوں میں محنت کے ساتھ لگو، ان میں سے کوئی نہ کوئی رات شب قدر ہوگی) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۸۲)۔ کیونکہ بعض روایات میں ستائیسویں شب کا خصوصی ذکر آیا ہے اس لئے اس میں شب بیداری کرنا یعنی نماز اور تلاوت اور ذکر میں لگے رہنے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے، اور جس نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے

ساتھ اور ثواب سمجھتے ہوئے نمازوں میں قیام کیا۔ اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے شب قدر میں قیام کیا یعنی نمازیں پڑھتا رہا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

قیام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں کھڑا رہے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو، اور ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریاء وغیرہ کسی طرح کی خراب نیت سے عبادت میں مشغول نہ ہو، بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت سے عبادت میں لگا رہے، علماء نے فرمایا کہ ثواب کا یقین کر کے بشاشت قلب سے کھڑا ہو بوجھ سمجھ کر بددلی کے ساتھ عبادت میں نہ لگے، ثواب کا یقین اور اعتقاد جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قرب الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں اس کا انہماک زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے، علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے وہاں صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ ہی انسان سے بہت زیادہ سرزد ہوتے ہیں، عبادت کا ثواب ملے اور ہزاروں گناہوں کی معافی بھی ہو جائے کس قدر نفع عظیم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس میں کون سی دعا مانگو آپ نے فرمایا یوں دعا مانگنا **اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ** (اے اللہ اس میں شک نہیں کہ آپ معاف کرنیوالے ہیں، معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، لہذا مجھے معاف فرما دیجئے)۔

دیکھیے کیسی دعا ارشاد فرمائی، نہ زر مانگنے کو بتایا نہ زمین، نہ دھن نہ دولت، کیا مانگا معافی! بات اصل یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ سب سے زیادہ کٹھن ہے وہاں اللہ کے معاف فرمانے سے کام چلے گا، اگر معافی نہ ہوئی اور خدانخواستہ عذاب میں گرفتار ہوئے تو دنیا کی ہر نعمت اور دولت وثروت بیکار ہوگی، اصل شئے معافی اور مغفرت ہی ہے۔

لڑائی جھگڑے کا اثر: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن اس لئے باہر تشریف لائے کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرما دیں، مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا کہ تمہیں شب قدر کی اطلاع دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی تعیین میرے ذہن سے اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو۔ (رواہ البخاری)

اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس کا جھگڑا اس قدر برا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ پاک نے نبی اکرم ﷺ کے قلب مبارک سے شب قدر کی تعیین اٹھالی یعنی کس رات کو شب قدر ہے مخصوص کر کے اس کا علم جو دے دیا گیا تھا وہ قلب سے اٹھالیا گیا اگرچہ بعض وجوہ سے اس میں بھی امت کا فائدہ ہو گیا، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ابھی ذکر کریں گے، لیکن سبب آپس کا جھگڑا بن گیا، جس سے آپس میں جھگڑے کی مذمت کا پتہ چلا۔

شب قدر کی تعیین نہ کرنے میں مصالح: علماء کرام نے شب قدر کو پوشیدہ رکھنے یعنی مقرر کر کے یوں نہ بتانے کے بارے میں کہ فلاں رات کو شب قدر ہے چند مصلحتیں بتائی ہیں۔

اول: یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سے کوتاہ طبائع دوسری راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے اور موجودہ صورت میں اس احتمال

پر شاید آج ہی شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

دوسری: یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو معاصی یعنی گناہ کئے بغیر نہیں رہتے۔ تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے معصیت کی جرأت کی جاتی تو یہ بات سخت اندیشہ ناک تھی

تیسری: یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا بشاشت کے ساتھ نصیب نہ ہوتا، اور اب بشاشت کے ساتھ رمضان کی چند راتوں کی عبادت شب قدر کی تلاش میں نصیب ہو جاتی ہے۔

چوتھی: یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جل شانہ ملائکہ پر تفاخر فرماتے ہیں اس صورت میں تفاخر کا موقع زیادہ ہے کہ باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال پر رات رات بھر جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتی ہیں۔ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعیین بھلادی گئی اور اس کے بعد مصالح مذکورہ یا دیگر مصالح کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین چھوڑ دی گئی۔ اس میں بھی امت کے لئے خیر ہی ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ (اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں) الملائکہ کے ساتھ الروح بھی فرمایا جس سے جمہور علماء کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اسی لئے ترجمہ میں لفظ روح القدس اختیار کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے روح کا ترجمہ رحمت بھی کیا ہے۔

مِنْ كُلِّ اَمْرٍ کی تفسیر کے بارے میں روح المعانی میں چند اقوال لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فرشتے اللہ کی طرف سے ہر طرح کی خیر و برکت لے کر نازل ہوتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت میں نازل ہوتے ہیں اور ہر وہ بندہ جو کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہا ہو ان سب پر رحمت بھیجتے ہیں پھر جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے بطور فخر ان بندوں کو پیش فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! اس مزدور کی کیا جزاء ہے جس نے اپنا عمل پورا کر دیا ہو، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب اس کی جزاء یہ ہے کہ اس کا اجر پورا دے دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے کہ اے میرے فرشتو! میرے بندوں اور میری بندیوں نے میرا فریضہ پورا کر دیا جو ان پر لازم تھا اور اب گڑگڑانے کے لئے نکلے ہیں، قسم ہے میرے عزت و جلال اور کرم کی اور میرے علو و ارتفاع کی کہ میں ضرور ان کی دعا قبول کروں گا۔ پھر بندوں کو ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے تم کو بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا لہٰذا اس کے بعد (عیدگاہ سے) بخشے بخشائے واپس ہوتے ہیں۔ (بیہقی شعب الایمان)۔

سَلٰمٌ یہ رات سراپا سلامتی ہے پوری رات فرشتے ان لوگوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں جو اللہ کے ذکر و عبادت میں لگے رہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ شب قدر پوری کی پوری سلامتی اور خیر والی ہے۔ اس میں شر نام کو نہیں ہے اس میں شیطان کسی کو برائی پر ڈال دے یا کسی کو تکلیف پہنچا دے اس کی طاقت سے باہر ہے۔ (ذکرہ فی معالم التنزیل)۔

هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (یہ رات فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے) اس میں یہ بتا دیا کہ لیلۃ القدر رات کے کسی حصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے شروع حصے سے لے کر صبح صادق ہونے تک برابر شب قدر اپنی خیرات اور برکات کے ساتھ باقی رہتی ہے۔

فائدہ: وجہ تسمیہ: لیلۃ القدر اس نام سے کیوں موسوم کی گئی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ چونکہ اس رات میں عبادت گزاروں کا شرف بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے اعمال کی قدردانی بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے شب قدر کہا گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ اس رات میں تمام مخلوقات کا نوشتہ آئندہ سال کے اسی رات کے آنے تک ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لئے مامور ہیں اس لئے اس کو لیلۃ القدر کے نام سے موسوم کیا گیا اس میں ہر انسان کی عمر اور مال اور رزق اور بارش وغیرہ کی مقادیر مقررہ فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہیں محققین کے نزدیک چونکہ سورۃ دخان کی آیت **فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ** کا مصداق شب قدر ہی ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال پیش آنے والے امور کا اس رات میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے یعنی لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

شب قدر کی پندرہویں شب جسے لیلۃ البرأت کہا جاتا ہے اس کی جو فضیلتیں وارد ہوئی ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں یہ بھی ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال میں کونسا بچہ پیدا ہوگا اور کس آدمی کی موت ہوگی اور اس رات میں بنی آدم کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اسی میں ان کے رزق نازل ہوتے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۵ میں یہ حدیث کتاب الدعوات للامام البیہقی سے نقل کی ہے جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے شب قدر اور شب برات کے فیصلوں کے بارے میں یہ توجیہ کی ہے کہ ممکن ہے کہ واقعات شب برات میں لکھ دیئے جاتے ہوں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہوں۔ صاحب بیان القرآن نے سورہ دخان کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ احتمال کے لئے ثبوت کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فائدہ: چونکہ شب قدر رات میں ہوتی ہے اس لئے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر مختلف اوقات میں ہو تو اس سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ بمشیت الٰہی ہر جگہ کے اعتبار سے جو رات شب قدر ہوگی وہاں اس رات کی برکات حاصل ہوں گی۔

فائدہ: جس قدر ممکن ہو سکے شب قدر کو عبادت میں گزارے، کچھ بھی نہیں تو کم از کم مغرب اور عشاء اور فجر کی نماز تو جماعت سے پڑھ ہی لے اس کا بھی بہت زیادہ ثواب ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی گویا اس نے آدھی رات نماز میں قیام کیا اور جس نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھ لی گویا اس نے پوری رات نماز پڑھ لی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۳۲: ج ۱)۔

وهذه آخر تفسير سورة القدر والحمد لله الذى اكرم هذه الامة بها وانعم عليها والصلوٰة والسلام على سيد الرسل الذى انزلت عليه وجاء بها وعلى اله وصحبه ومن تلاها عمل بها

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِي اٰيَاتٍ

سورہ بینہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①

جو لوگ کافر تھے اہل کتاب اور مشرکوں میں سے وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی،

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا

اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنا دے جن میں درست مضامین لکھے ہوں، اور جو لوگ اہل کتاب تھے

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ

وہ اس واضح دلیل کے آنے ہی کے بعد مختلف ہوگئے حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی لئے خاص رکھیں یکسو ہو کر،

وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤

اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں، اور یہی طریقہ ہے ان درست مضامین کا

تفسیر: یہاں سے سورۃ البینہ شروع ہو رہی ہے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں مشرکین بھی بہت تھے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی تھے، یہ سب جماعتیں اپنے اپنے دین پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ شانہ نے خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا یہ لوگ اتنے اڑیل تھے کہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کوئی مضبوط واضح دلیل سامنے نہ آجائے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مضبوط واضح دلیل بھیجی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے آپ پر قرآن نازل ہوا، لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کے معجزات دیکھے اور برکات کا ظہور رہا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا یعنی اہل کتاب اور مشرکین وہ اپنے کفر سے جدا ہونے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ یعنی گواہ آگئے ان گواہوں نے ثابت کردیا کہ تم لوگ کفر و شرک پر ہو تمہاری نجات کا راستہ اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرو یہ گواہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی ہے اور وہ صحیفے بھی ہیں (یعنی انبیائے متقدمین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں) جن پر قرآن مجید مشتمل ہے نیز ان سے قرآن مجید کی سورتیں بھی مراد ہوسکتی ہیں، ان صحیفوں کی تعریف میں مُطَهَّرَةً بھی فرمایا ہے کہ وہ ہر طرح کے کذب اور جھوٹ سے پاک ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ان صحیفوں میں کتب قیمہ یعنی آیات اور احکام ہیں جو اس میں مکتوب ہیں اور یہ صحف قیمہ عدل و انصاف والے احکام اور صراط مستقیم والے قوانین ہیں جیسا کہ سورۃ الزمر میں فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (عربی قرآن میں ذرا کجی نہیں تا کہ یہ لوگ ڈریں)۔

قرآن کے جن مخاطبوں کو ہدایت قبول کرنا تھا انہوں نے ہدایت قبول کرلی (ان میں اہل کتاب بہت کم تھے) اور جنہیں ہدایت قبول کرنا نہ تھا وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان نہ لائے۔ کھلی ہوئی دلیل سامنے آنے کے باوجود اپنی جگہ منکر ہی رہ گئے اور ان میں دو جماعتیں ہوگئیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے یہود و نصاریٰ دونوں اس بات پر متفق تھے کہ آپ کی بعثت

ہونے والی ہے اور ہم آپ پر ایمان لائیں گے لیکن جب آپ تشریف لے آئے تو متفرق ہو گئے یعنی ایک جماعت آپ پر ایمان لے آئی جن کی تعداد تھوڑی سی تھی اور دوسرا فریق جو کثیر تعداد میں تھے وہ لوگ انکار پر ہی جمے رہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا (الآیۃ) اور مشرکین اور کفار کو صرف یہی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور اسی کے لئے توحید میں بھی مخلص رہیں اور دیگر عبادات میں بھی اور دین اسلام کے علاوہ تمام ادیان سے بچ کر اور ہٹ کر رہیں ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کیا کریں، اور یہ جو کچھ انہیں حکم دیا گیا وہ دین قیمہ ہے یعنی ایسی شریعت کے احکام ہیں جو بالکل سیدھی ہے اس میں کوئی کجی نہیں یہی دین سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے سب نے اسی کی تعلیم دی یہود ونصاریٰ خود بھی اس بات کو جانتے تھے اور جانتے ہیں لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے حق کو حق جانتے ہوئے قبول نہ کیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ
جو لوگ اہلِ کتاب اور مشرکوں میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جائیں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ
هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۷﴾
بدترین خلائق ہیں، بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وہ لوگ بہترین خلائق ہیں
جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾
اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے

تفسیر: شرک وکفر کی مذمت اور توحید کا حکم بیان فرمانے کے بعد آخر کی تین آیتوں میں ہر دو فریق کا انجام بتایا ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ.

اس میں اہل یہود ونصاریٰ ومشرکین کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے آگ میں جلیں گے ساتھ ہی ان کے بارے میں **شَرُّ الْبَرِيَّةِ** بھی فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق پیدا فرمائی یہ ان میں سب سے بدترین مخلوق ہیں۔

انسانوں میں بہت بڑی تعداد میں وہ لوگ بھی گزرے ہیں اور اب بھی ہیں جو نہ اہل کتاب ہیں اور نہ مشرک ہیں یعنی وہ کسی معبود کے قائل ہی نہیں ہیں نہ موحد ہو کر اور نہ مشرک بن کر، اور ان میں وہ بھی ہیں جو خالق تعالیٰ شانہ کے وجود ہی کے قائل نہیں اور ملحد اور زندیق بھی ہیں جن کا کوئی دین نہیں یہ سب لوگ بھی **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** کا مصداق ہیں یعنی کافر ہیں ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی نبی پر ایمان نہ لایا یا خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لایا یہ سب لوگ بھی کافر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام کے علاوہ کوئی دین مقبول نہیں ہے اور دین اسلام کا ہر منکر کافر ہے سورہ نساء میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (اے لوگو تمہارے پاس رسول آ گیا حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تم اس پر ایمان لاؤ اور اپنی جانوں کے لئے خیر کا ارادہ کرو اور اگر تم کفر اختیار کرو تو بیشک اللہ کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے)۔ سورہ آل عمران میں فرمایا: **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا**

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ حال لوگوں میں سے ہوگا)۔

پھر سورہ آل عمران میں چند آیات کے بعد فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سونا قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ جان چھڑانے کے لئے دینا چاہے، یہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کی کوئی مدد کرنیوالا نہ ہوگا)۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ دین اسلام کا ہر منکر کافر ہے اسلام کے جھوٹے دعوے دار منافق بھی کافر ہیں کیونکہ دل سے اسلام کے منکر ہیں یہ لوگ اگر کفر پر مر گئے تو ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہوگا اس میں ہمیشہ رہیں گے جو حال منکرین اسلام اہل کتاب اور مشرکین کا ہوگا وہی دوسرے کافروں کا بھی ہوگا دوزخ میں ہمیشہ کے لئے جانے والوں کو شَرُّ الْبَرِيَّةِ سب سے زیادہ بدترین مخلوق بتایا ہے کیونکہ دنیا میں انہوں نے اپنے خالق اور مالک کو نہ پہچانا اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول نہ کیا یا وہ لوگ آخرت میں بدترین عذاب میں ہوں گے جس سے کبھی بھی چھٹکارہ نہ ہوگا اپنے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے بھی بدترین اور انجام کے اعتبار سے بھی بدترین ہوں گے۔

پھر اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ والے بندوں کے لئے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے یہ لوگ (خیر البریہ ہیں) یعنی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں)۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (ان لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس ایسے باغ ہیں جو رہنے کے باغ ہیں، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے)۔

رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت بھی راضی تھا جب دنیا میں تھے اور عالم آخرت میں بھی ان سے راضی ہوگا۔

وَرَضُوْا عَنْهُ (اور جو بندے جنت میں داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے) انہیں اتنا ملے گا اتنا ملے گا کہ ان کے تصور سے باہر ہوگا اور وہ اس سب پر بہت بڑی خوشی کے ساتھ راضی ہوں گے کوئی طلب اور تمنا باقی نہ رہے گی۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ کہیں گے کہ اے رب ہم حاضر ہیں اور فرمانبرداری کے لئے موجود ہیں اور ساری خیر آپ ہی کے قبضے میں ہے؟ پھر ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے کہ اے رب ہم کیوں راضی نہ ہوں گے آپ نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو کسی کو بھی نہیں دیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کردوں، وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ خبردار میں تم پر ہمیشہ کے لئے اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں، اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہوں گا (رواہ البخاری صفحہ ۹۶۹: ج ۲)

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهٗ (یہ نعمتیں اس کے لئے ہیں جو اپنے رب سے ڈرا)۔ یعنی اس نے اپنے رب کی شان خالقیت اور شانِ ربوبیت اور شانِ انتقام کو سامنے رکھا اور اس بات کو بھی سامنے رکھا کہ قیامت کا دن ہوگا اس دن ایمان اور کفر کے فیصلے ہوں گے رب تعالیٰ شانہ منکرین کا مواخذہ فرمائے گا اور عذاب میں داخل کرے گا لہٰذا مجھے اسی دنیا میں رہتے ہوئے صاحبِ ایمان اور صاحبِ اعمال صالحہ ہونا چاہیئے جب دنیا میں فکر مند ہوا اور اپنے رب سے ڈرتا رہا تو قیامت میں جا کر وہ نعمتیں پالے گا جن کا اوپر ذکر ہوا۔

واللہ المستعان علی کل خیر

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سورۃ زلزال مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾

جب زمین میں زوردار زلزلہ آجائے گا اور زمین اپنے بوجھوں کو نکال دے گی، اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا

اس دن وہ اپنی خبریں بیان کر دے گی اس وجہ سے کہ بیشک تیرا رب اس کو حکم فرما دے گا، اس دن لوگ واپس ہوں گے مختلف جماعتیں بن کر تاکہ انہیں ان کے

اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

اعمال دکھائے جائیں سو جس نے ایک ذرہ کے برابر خیر کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر شر کا کام کیا ہوگا وہ اس کو دیکھ لے گا

تفسیر: یہ سورۃ الزلزال کا ترجمہ ہے لفظ زلزال اور زلزلہ دونوں سخت جھٹکا کھانے اور سخت حرکت کرنے کے معنی میں آتے ہیں دونوں باب فعللہ (رباعی مجرد) کے مصادر ہیں زِلْزَالَهَا مفعول مطلق ہے جو تاکید اور بیانِ شدت کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں فرمایا: وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا یہاں بھی قیامت کے زلزلہ کو بیان فرمایا ہے، یہ زلزلہ بہت سخت اور شدید ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (اے لوگو! بے شک اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے) وہ زلزلہ دنیا والے زلزلوں جیسا نہیں کہ دو چار شہروں میں آ گیا وہ تو پوری زمین کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گا، اس وقت کی سخت مصیبت کو سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا ہے: يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (جس روز تم اس کو دیکھو گے اس روز تمام دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل ڈال دیں گی، اور لوگ تجھے نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، اور لیکن اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز) اتنے بڑے سخت زلزلہ کے بعد میدانِ حشر میں حاضری ہوگی، سب قبروں سے نکل کر حساب کتاب کے لئے جمع کئے جائیں گے، اب زمین اپنے اندر کے دفینوں کو نکال دے گی جسے وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا میں بیان فرمایا ہے، مردے بھی باہر آ جائیں گے اور اموال بھی، یہ سب اموال کسی کے کچھ کام نہ آئیں گے جن پر دنیا میں لڑائیاں لڑا کرتے تھے اور لوگوں کی جانیں لیتے تھے میدانِ حشر میں لوگ جمع ہوں گے اعمال نامے پیش ہوں گے۔ گواہیاں ہوں گی انہی گواہیاں دینے والوں میں زمین بھی ہوگی جسے يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا میں بیان فرمایا ہے۔

انسان یہ حالت دیکھ کر حیران رہ جائے گا اور کہے گا کہ مَا لَهَا ہائے ہائے اس زمین کو کیا ہوا یہ تو بے جان چیز تھی نہ بولتی تھی نہ کسی سے بات کرتی تھی آج تو باتیں کر رہی ہے، بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا زمین کا یہ بات کرنا اس لئے ہے کہ اس کے رب نے اسے حکم دیا ہے اور بولنے کی قوت اور طاقت دے دی ہے (جیسے انسان کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے ایسی ہی زمین گواہی دے دے گی جس پر سکونت اختیار کئے ہوئے تھے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ **یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا** تلاوت فرمائی پھر صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا تم جانتے ہو اس کا خبر دینا کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا اس کا خبر دینا یہ ہے کہ ہر بندہ اور بندی کے بارے میں ان اعمال کی گواہی دے گی۔ جو اعمال اس کی پشت پر کئے تھے وہ کہے گی کہ فلاں دن فلاں کام کیا تھا، زمین کی خبریں دینے کا یہ مطلب ہے۔ (رواہ الترمذی فی اواخر ابواب التفسیر)

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ (الآیۃ) قیامت کے دن پیشیوں اور حساب کتاب سے فارغ ہو کر لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہوں گے۔ متفرق جماعتوں میں بٹ کر چلیں گے ان میں سے جنت والے داہنے ہاتھ کو روانہ ہو جائیں گے اور دوزخ والے بائیں طرف کے راستہ پر چل پڑیں گے لفظ **اَشْتَاتًا** میں مختلف جماعتیں بیان کرنا مقصود ہے، یہ شتیت کی جمع ہے جو متفرق کے معنی میں آتا ہے اس کو سورۃ الروم میں **وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ** میں بیان فرمایا ہے اور سورۃ الزمر کی آیات **وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا** اور **وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ** میں بیان فرمایا ہے، وہ دن کیسا ہیبت ناک ہوگا جب ایمان و کفر کی بنیاد پر بٹوارہ ہوگا، دنیا میں جو مومن اور کافر، فاجر اور متقی ملے جلے رہتے تھے یہ مل جل کر رہنے کی حالت ختم کر دی جائے گی اور ارشاد ہوگا **وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ** (اور اے مجرمو! آج جدا ہو جاؤ)۔

لِیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ میں یہ بتا دیا کہ میدان حشر سے آگے اپنے مقام میں جانے کے لئے جو روانگی ہوگی وہ اپنے اپنے اعمال کی جزا سزا دیکھنے کے لئے ہوگی۔

پھر اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی (گو وہ تفصیل بھی اجمال کو لئے ہوئے ہے جو بڑی محکم اور فیصلہ کن بات کرنے والی ہے) ارشاد فرمایا **فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ** (سو جو شخص ذرہ برابر بھی کوئی خیر کا کام کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جنت میں نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (اور جس شخص نے ایک ذرہ برابر کوئی شر (یعنی برائی) کا کام کیا وہ اس کو دیکھ لے گا) یعنی اسکی سزا پالے گا اور اپنے کئے کا انجام دیکھ لے گا۔

ان دونوں آیتوں میں خیر اور شر اور اصحاب خیر اور اصحاب شر کے بارے میں دوٹوک فیصلہ فرمایا ہے ایمان ہو یا کفر، اچھے اعمال ہوں یا برے اعمال سب کچھ سامنے آ جائے گا، لہٰذا کوئی کسی بھی نیکی کو نہ چھوڑے خواہ کتنی بھی معمولی معلوم ہو اور کسی بھی برائی کا ارتکاب نہ کرے خواہ کتنی ہی معمولی ہو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اموالِ زکوٰۃ کے نصاب بیان فرمائے زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کا قیامت کے دن کا عذاب بتایا آخر میں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایئے اگر کسی کے پاس گدھے ہوں، ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں کیا تفصیل ہے؟ آپ نے فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم (خصوصی) نازل نہیں کیا گیا۔ یہ آیت جو اپنے مضمون میں منفرد اور جامع ہے نازل کی گئی ہے یعنی **فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ**۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۴۱ او مسلم صفحہ ۳۱۹: ج ۱)

مومن بندوں کو کسی موقعہ پر بھی ثواب کمانے سے (اگرچہ تھوڑا ہی سا عمل ہو) غفلت نہیں برتنی چاہیئے جیسا کہ گناہ سے بچنے کا فکر کرنا بھی لازم ہے، آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کا ہمیشہ یہی طرز رہا ہے۔ جس قدر بھی ممکن ہو جانی اور مالی عبادت میں لگے رہیں۔ اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کریں۔ اگر ایک مرتبہ **سُبْحَانَ اللّٰهِ** کہنے کا موقع مل جائے تو کہہ لیں۔ ایک چھوٹی سی آیت

تلاوت کرنے کا موقع ہو تو اس کی تلاوت کرنے سے دریغ نہ کریں۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اتقوا النار ولو بشق تمرة فمن لم یجد فبکلمةٍ طیبةٍ**۔ (دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دو، سو اگر وہ بھی نہ پاؤ تو بھلی بات ہی کہہ دو) (رواہ البخاری صفحہ ۹۷۱: ج۲)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور خطبے میں فرمایا خبردار! یہ دنیا ایسا سامان ہے جو سامنے حاضر ہے اس میں سے نیک اور بد سب کھاتے ہیں پھر فرمایا خبردار آخرت (اگرچہ ادھار ہے اس) کا وعدہ سچا ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلے فرمائے گا جو قدرت والا ہے، پھر فرمایا خبردار ساری خیر پوری کی پوری جنت میں ہوگی اور خبردار شر یعنی برائی پوری کی پوری دوزخ میں ہوگی۔ پھر فرمایا کہ خبردار عمل کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ تم اپنے اعمال پر پیش کئے جاؤ گے۔ **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ☆ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ** (سو جس نے ایک ذرہ کے برابر خیر کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ کے برابر شر کا کام کیا ہوگا وہ اس کو دیکھ لے گا) (رواہ الشافعی کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۵)

ہر مومن کے سامنے سورۃ الزلزال کی آخری دونوں آیات پیش نظر رہنی چاہئیں خیر میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور ہلکے سے ہلکے کسی گناہ کا بھی ارتکاب نہ کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہؓ معمولی گناہوں سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والے ہیں (یعنی اعمال کے لکھنے والے فرشتے مقرر ہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۵۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ بعض ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہیں یعنی انہیں تم معمولی سا گناہ سمجھتے ہو اور ہمارا یہ حال تھا کہ ہم انہیں ہلاک کرنے والی چیزیں سمجھتے تھے۔

(رواہ البخاری صفحہ ۹۶۱: ج۲)

فضیلت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ **اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ** نصف قرآن کے برابر ہے اور سورہ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورہ **قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ** چوتھائی قرآن کے برابر ہے (رواہ الترمذی فی ابواب فضائل القرآن)

وهذا آخر تفسير سورة الزلزال والحمدلله الكبير المتعال والصلاة والسلام على من جاء بالحسنات والصالح من الاعمال، وعلى من صحبه وتبعه باحسان الى يوم المآل

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ العادیات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ① فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ② فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④ فَوَسَطْنَ

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑنے والے ہیں ہانپتے ہوئے پھر ٹاپ مار کر آگ جلانے والے ہیں پھر صبح کے وقت غارت گری کرنے والے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں پھر اس

بِهٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨

وقت جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں، بیشک انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور بے شک وہ اس بات پر گواہ ہے اور بے شک وہ خیر کی محبت میں بہت سخت ہے

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١

کیا وہ نہیں جانتا جب وہ اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں اور جو کچھ سینوں میں ہے اسے ظاہر کیا جائے گا، بے شک ان کا رب ان سے اس دن پوری طرح ضرور باخبر ہوگا

تفسیر: یہ سورۃ العادیات کا ترجمہ ہے اس میں گھوڑوں کی پانچ حالتوں کی قسم کھا کر انسان کا ناشکرا ہونا بتایا ہے۔ عَادِيَات سے دوڑنے والے گھوڑے اور ضَبْحًا سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو دوڑتے وقت ہانپتے ہیں یہ لفظ فعل محذوف تَضْبَحُ کا مفعول مطلق ہے، اور اَلْمُوْرِيَاتِ اَوْرٰى يُوْرِىْ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ آگ جلانے کا ہے اور قَدْحًا اس کا مفعول ہے چقماق کو ایک دوسرے پر مار کر آگ لگانے کو قدح کہا جاتا ہے، دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہوا کہ قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہوئے ہانپنے والے ہیں اور جو چلتے ہوئے آگ جلانے والے ہیں یعنی جس طرح چقماق سے آگ نکلتی ہے اسی طرح ان کے پاؤں مارنے سے آگ نکلتی ہے (خاص کر جن میں لوہے کے نعل لگے ہوئے ہوتے ہیں)۔

فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا (پھر یہ گھوڑے صبح صبح غارت گری ڈالنے والے ہیں پھر اپنے کھروں سے غبار اڑانے والے ہیں۔ اَثَرْنَ اَثَارَ يُثِيْرُ سے ماضی معروف جمع مونث کا صیغہ ہے اور نَقْعًا اس کا مفعول ہے مطلب یہ ہے کہ یہ گھوڑے دوڑتے ہوئے جاتے ہیں تو ان کے پاؤں سے غبار اڑتا ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا (پھر یہ گھوڑے کسی جگہ پہنچتے ہیں تو اس وقت جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں) اہل عرب کے نزدیک گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی ان کا تو کام ہی یہی تھا کہ باہم لڑتے رہتے تھے اور بڑے قبیلے چھوٹے قبیلوں پر صبح صبح کو غارت گری ڈالتے تھے یعنی رات کو دور کے رہتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو جہاں حملہ کرنا ہوتا وہاں حملہ کر دیتے تھے اموال لوٹ لیتے تھے اور جو کوئی سامنے آتا اسے قتل کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی اور انہیں یاد دلایا کہ دیکھو ہم نے تم کو جو نعمتیں دی ہیں ان میں ایسے ایسے جاندار جنگوں میں کام آنے والے گھوڑے بھی دیئے ہیں دوسری نعمتوں کی طرح ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی لازم ہے اس شکر میں یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی ﷺ بھیجا ہے اس پر ایمان لاؤ (آپ پر ایمان لانے سے پہلے گھوڑوں کو غلط استعمال کرتے رہے ہو، اب اس کا رخ بھی بدل جائے گا اور یہ گھوڑے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں استعمال ہونے لگیں گے)۔ **ھذا ما سنح فی قلبی فی ربط القسم به والمقسم به واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابه.** (یہ وہ ہے جو میرے دل میں قسم اور مقسم بہ کے درمیان ربط کے بارے میں آیا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے اسرار کو خوب جانتا ہے)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے جہاد فی سبیل اللہ کے گھوڑے مراد ہیں (کمافی روح المعانی)۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے حج میں کام آنے والے گھوڑے مراد ہیں جو عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے تھے۔ **(واعترض علیٰ ھذین القولین بان السورة مکیه ولم یکن فی ذلک الحین جھادا ولا حج ولم یفرض ای واحد منھما فی مکة المکرمه۔** (اور ان دونوں قولوں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سورۃ مکی ہے اور اس وقت نہ جہاد تھا نہ حج اور نہ ان میں سے کوئی فرض ہوا تھا)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (بلاشبہ انسان اپنے رب کا واقعۃً بڑا ناشکرا ہے۔ لفظ کَنُوْد کا ترجمہ کفور (یعنی بہت ناشکرا کیا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بعض تفسیریں کی گئی ہیں ابو عبیدہ نے اس کا مطلب قلیل الخیر بتایا ہے اور حضرت حسن نے فرمایا

کہ کنود وہ شخص ہے جو مصیبتوں کو شمار کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ (من معالم التنزیل صفحہ ۵۱۸: ج ۴)

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ (اور بلاشبہ انسان اس بات پر گواہ ہے) یعنی وہ اپنی ناشکری کے حال سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے میں کیسا ہوں اور کیا کیا کرتا ہوں۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔ (اور بے شک وہ حُبَّ الْخَیْر یعنی مال کی محبت میں بڑا سخت اور مضبوط ہے) مال دینے سے اور خرچ کرنے سے اس کا دل دکھتا ہے ہاتھ ہاتھ کا ایک ہونے کے لئے بڑھتا ہی نہیں ہے اور مال جمع کرنے میں بہت تیز ہے اور آگے آگے ہے۔

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ (کیا انسان کو اس وقت کا علم ہے جب قبروں والے اٹھائے جائیں گے۔) یعنی مردہ زندہ ہو کر باہر نکلیں گے (يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا) اور دلوں میں جو کچھ ہے وہ ظاہر کر دیا جائے گا انسان کو یہ وقت جان لینا چاہیے اور نہیں جانتا تو اب جان لے اور یہ سمجھ لے کہ مالک کے بارے میں خالق کائنات جل مجدہ نے بہت سے احکامات عطا فرمائے ہیں ان کی خلاف ورزی پر پکڑ ہوگی۔

وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ اور سینوں میں جو کچھ چھپا رکھا ہے وہ سب ظاہر کر دیا جائے گا جو کوئی گناہ بری نیت مال کی محبت، دنیا کی الفت دل میں چھپائے ہوئے تھے قیامت کے دن سب کو ظاہر کر دیا جائے گا، یوں تو آج بھی اسی دنیا میں ہر ایک کے احوال اور اعمال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ پوری طرح سب حالات سے باخبر ہے چونکہ وہ حساب کا دن ہوگا اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو اس دن پوری طرح بندوں کے حالات کی خبر ہوگی۔ نیز بندوں پر بھی ان کے اعمال واضح ہو جائیں گے جسے گزشتہ سورت کے آخر میں واضح فرما دیا ہے۔

والحمد لله تعالىٰ على ما انعم واكرم من الآلاء والنعم

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ القارعہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں گیارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ

وہ کھڑکھڑانے والی چیز کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز، جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح

الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے، پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ خوشی

رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

والی زندگی میں ہوگا جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے ایک دہکتی ہوئی آگ ہے

تفسیر: یہ سورۃ القارعۃ کا ترجمہ ہے، القارعہ قرع یقرع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ہے کھڑکھڑانے والی چیز، جب قیامت قائم ہوگی تو لوگ اپنے اپنے مشغلوں میں کاروباری دھندوں میں لگے ہوں گے۔ کوئی سور ہا ہوگا، کوئی جاگ رہا ہوگا وہ بغتۃ یعنی اچانک آ جائے گی۔ ساری زمین پر جو زندہ لوگ ہوں گے اور زمین کے اندر جو مردے ہوں گے سب ہی کو کھڑکھڑا دے گی، ذہنوں میں اس کی اہمیت بڑھانے کے لئے اول فرمایا اَلْقَارِعَةُ (کھڑکھڑانے والی) اس میں بظاہر خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور حقیقت میں سب انسان اس کے مخاطب ہیں۔

قیامت کی کھڑکھڑاہٹ بیان کرتے ہوئے انسانوں کے اور پہاڑوں کے بعض حالات بیان فرمائے ارشاد فرمایا: یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ یعنی قیامت کا ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ انسان حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے ایسے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے جیسے پروانے روشنی کے آس پاس منتشر نظر آتے ہیں، ان میں کوئی ٹھہراؤ اور جماؤ نہیں ہوتا، یہاں سورۃ القارعہ میں كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ اور سورۃ القمر میں كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (گویا کہ وہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی) فرمایا۔ پھر پہاڑوں کا حال بتایا وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ اور پہاڑ جو زمین پر سب سے بڑی اور بوجھل اور بھاری چیز سمجھے جاتے ہیں قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ وہ اون کی طرح اڑتے ہوئے پھریں گے۔ اور اون بھی وہ جسے کسی دھننے والے نے دھن دیا ہو، جب پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو زمین پر بسنے والی دوسری مخلوق کا کیا حال ہوگا اسی کو سورۃ الواقعہ میں فرمایا: وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا (اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے سو وہ پھیلا ہوا غبار بن جائیں گے) اور سورۃ التکویر میں فرمایا ہے۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (اور جبکہ پہاڑوں کو چلا دیا جائے گا)۔

لفظ العِهن رنگین اون کے لئے بولا جاتا ہے یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ پہاڑوں کے حسب حال یہ لفظ لایا گیا ہے کیونکہ وہ عموماً رنگین ہوتے ہیں اور یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ اون جانوروں کے پشتوں سے کاٹ کر حاصل کیا جاتا ہے اور وہ عموماً کالے یا لال یا کتھئی رنگ کے ہوتے ہیں اس لئے جانب مشبہ بہ کی حالت کے مطابق لفظ العھن (رنگین اون) لایا گیا انسانوں اور پہاڑوں کی حالت بیان کرنے کے بعد (جو قیامت کے دن ہوگی) میدان حشر میں حاضر ہونیوالوں کے حساب کتاب اور حساب کتاب کے نتائج کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ (پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا یعنی جنت میں جائے گا)۔ ایسے حضرات کو ایسی زندگی ملے گی جس سے راضی اور خوش ہوں گے مفسرین نے لکھا ہے کہ رَاضِيَةٌ بمعنی مَرْضِيَّةٌ ہے جیسا کہ وَرَضُوْا عَنْهُ کی تفسیر میں بیان کیا گیا کہ اہل جنت اپنی نعمتوں سے پوری طرح دل و جان سے راضی ہوں گے وہ اپنی زندگی کو بہت ہی عمدہ طیبہ جانتے اور مانتے ہوں گے کسی قسم کی کوئی بھی تکلیف اور ناگواری انہیں محسوس نہ ہوا اپنے احوال اور نعمتوں میں خوش اور مگن ہونگے۔

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (اور جن لوگوں کے وزن ہلکے پڑ گئے یعنی برائیاں نیکیوں پر بھاری ہو گئیں ان کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا)۔ ہاویہ کے بارے میں سوال فرمایا، فرمایا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ (اور اے مخاطب تجھے کیا معلوم ہے ہاویہ کیا ہے؟ یہ سوال دوزخ کی عظیم مصیبت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا، پھر خود ہی جواب میں فرمایا نَارٌ حَامِيَةٌ (کہ وہ آگ ہے خوب گرم تیز) وزن اعمال کے بارے میں سورۃ الاعراف کی آیت وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ کے ذیل میں ہم پوری تفصیل لکھ چکے ہیں (انوار البیان صفحہ ۳۹۲: ج ۲)۔ مختلف علمائے تفسیر کے اقوال بھی وہاں لکھ دیئے ہیں مطالعہ کر لیا جائے۔ سورہ کہف کی آیت فَلَا نُقِيْمُ

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا اور سورۃ المومنون کی آیت فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ کی بھی مراجعت کرلی جائے۔

سورۃ القارعہ میں جو وزن اعمال کا ذکر ہے اگر اس سے ایمان اور کفر کا وزن مراد لیا جائے (جیسا کہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ پہلے ایمان اور کفر کو تولا جائے گا۔ پھر جب مومن اور کفار کا امتیاز ہو جائے گا تو خاص مومنین کے اعمال کا وزن ہوگا۔ تو اس صورت میں عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ والوں سے اہل ایمان اور اُمُّهٗ هَاوِيَةٌ والوں سے اہل کفر مراد ہوں گے بظاہر آیت سے یہی متبادر ہوتا ہے یہ ان حضرات کے قول کے مطابق ہے جنہوں نے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا کا یہ مطلب لیا ہے کہ کفار کے اعمال بالکل تولے ہی نہ جائیں گے اور اگر اہلِ ایمان کے اوزان مراد لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جن مومنین کے اعمالِ صالحہ بھاری ہوں گے۔ گناہوں کا پلہ ہلکا رہ جائے گا وہ امن اور چین کی زندگی میں ہوں گے اور جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا (اور برائیوں کا پلڑا نیکیوں کے مقابلے میں بھاری ہو جائے گا) وہ دوزخ میں جائیں گے۔ پھر اللہ کی مشیت کے مطابق سزا بھگت کر جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس کی نیکیاں غالب ہوں گی وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ برائیوں کے مقابلہ میں ایک ہی نیکی زیادہ ہو اور جس کی برائیاں زیادہ ہوں گی وہ دوزخ میں جائے گا اگرچہ ایک ہی گناہ زیادہ نکلے گا اس کے بعد انہوں نے سورۃ الاعراف کی دونوں آیتیں فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آخر تک) تلاوت کیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ترازو ایک حبہ کے برابر بوجھ کے ذریعہ بھی بھاری اور ہلکی ہو جائے گی پھر فرمایا جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں وہ اصحاب اعراف میں سے ہوگا ان کو اعراف میں روک دیا جائے گا (پھر یہ اعراف والے بھی بعد میں جنت میں چلے جائیں گے) اور جو لوگ گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ میں چلے جائیں گے وہ بھی شفاعت سے یا سزا بھگت کر یا محض اللہ کے فضل سے جنت میں داخل کر دیے جائیں گے کیونکہ کوئی مومن ہمیشہ نہ دوزخ میں رہے گا نہ اعراف میں **کما هو المقرر عند اهل السنة والجماعة۔**

اہل دوزخ کے لئے فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ فرمایا یعنی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا ام عربی میں ماں کو کہتے ہیں اس میں یہ بتا دیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذوق رکھنے والے دنیا میں گناہوں سے ہی چپکے رہتے ہیں جیسے ماں اپنے بچوں سے چمٹی رہتی ہے ایسی طرح دوزخ ان سے چمٹ جائے گی لفظ ہاویہ **هوى يهوى** سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے گہرائی میں گرنے والی چیز دوزخ کی گہرائی میں تو انسان گریں گے لیکن دوزخ کو ہاویہ سے تعبیر فرمایا یہ استعمال مجازی ہے جو ظرف کے معنیٰ میں ہے۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ پتھر کو دوزخ کے منہ سے اندر پھینکا جائے تو وہ ستر سال تک گرتا رہے گا پھر بھی اس کی آخری گہرائی کو نہ پہنچے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۹۷ از مسلم)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ یہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں ہے بلکہ **ماهي** میں ہائے سکتہ ملحق کر دی گئی ہے اور نَارٌ حَامِيَةٌ جو فرمایا ہے یہ حَمِيَ يَحْمِيْ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو سخت گرمی پر دلالت کرتا ہے۔

ادخلنا الله تعالیٰ جنته واعاذنا من ناره

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سورۂ تکاثر جو مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

تم کو کر دیا کثرت کے مقابلہ نے غافل، یہاں تک کہ تم نے قبرستانوں کی زیارت کر لی، ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لو گے پھر ہرگز نہیں تم عنقریب جان لو گے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ

ہرگز نہیں اگر تم علم الیقین کے طور پر جان لیتے، تم ضرور ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر یہ ضروری بات ہے کہ تم اسے عین الیقین کے طریقہ پر دیکھ لو گے، پھر اس دن

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور ضرور سوال کیا جائے گا

تفسیر: یہ سورۃ التکاثر کا ترجمہ ہے لفظ **تکاثر** کثرت سے تفاعل کا مصدر ہے، یہ باب دونوں طرف سے مقابلہ کرنے کے معنی میں آتا ہے جیسے **تَقَاتَلَ** دونوں نے آپس میں مل کر قتال کیا اور **تَقَابَلَ** دونوں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے آئے، یہاں پر مال کی کثرت میں مقابلہ کرنے کا تذکرہ ہے، اہلِ دنیا کا طریقہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کے لئے کوششیں کرتے ہیں اور جس کے پاس زیادہ مال ہو جائے وہ اس پر فخر کرتا ہے پھر دوسرا شخص اس کے مقابلے میں اپنے مال کی کثرت بیان کرتا ہے اور اگر بیان نہ کرے تو ذہنی مقابلہ تو رہتا ہی ہے۔ اس کو سورۃ الحدید میں یوں بیان فرمایا ہے: اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۔ (جان لو کہ دنیا والی زندگی لعب اور لہو ہے اور سجاوٹ ہے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کرنا ہے اور اموال و اولاد میں آپس میں اپنے کو دوسرے سے بڑھ کر بتانا ہے)۔

مال کی طلب اور کثرتِ مال کی مقابلہ بازی لوگوں کو اللہ کی رضا کے کاموں کی طرف اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے فکر مند ہونے سے غافل رکھتی ہے اسی طرح دنیا گزارتے ہوئے مر کر قبروں میں پہنچ جاتے ہیں غفلت کی زندگی گزاری تھی وہاں کے لئے کچھ کام نہ کیا تھا، جب وہاں کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو یہ چھوڑا ہوا مال کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہوتا اس غفلت کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے انسانوں کی عمومی حالت بیان کی اور فرمایا: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (تم کو مال کی کثرت کی مقابلہ بازی نے غافل رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں چلے گئے)۔

معالم التنزیل صفحہ ۵۲۰: ج ۴ میں اس موقعہ پر عرب کی مقابلہ بازی کا ایک قصہ بھی لکھا ہے اور وہ یہ کہ بنی عبد مناف بن قصی اور بنی سہم بن عمرو میں وہی دنیا داری والا تفاخر چلتا رہتا تھا۔ ایک دن آپس میں اپنے افراد کی تعداد میں مقابلہ ہوا کہ دیکھو کن کے سرداروں اور اشراف کی تعداد زیادہ ہے، ہر فریق نے اپنی اپنی کثرت کا دعویٰ کیا جب شمار کیا تو بنو عبد مناف تعداد میں زیادہ نکلے، بنی سہم نے کہا کہ ہمارے مُردوں کو بھی تو شمار کرو وہ بھی ہم ہی میں سے تھے، اس کے بعد قبروں کو شمار کیا تو بقدر تین گھروں کی آبادی کے بنو سہم کے چند افراد گنتی میں بڑھ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل فرمائی، تفسیر ابن کثیر میں بھی اس طرح

مقابلہ بازی کے بعض قصے ذکر کئے ہیں اور انصار کے مقابلہ کے ذیل میں بنی حارثہ اور بنو الحارث کا نام ذکر کیا ہے۔ سبب نزول کے بارے میں جو باتیں نقل کی گئی ہیں کوئی بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی کی طرف ان واقعات کے تذکرہ کو منسوب کیا ہے اور آیت شریفہ کی تفسیر اور توضیح ان واقعات کے جاننے پر موقوف بھی نہیں ہے آیت شریفہ کا جو مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تم تفاخر و تکاثر میں ایسے لگے کہ قبروں میں پہنچ گئے اس کے بعد تین مرتبہ لفظ کلا لاکر متنبہ فرمایا، یہ لفظ جھڑکنے، ڈانٹنے اور تنبیہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ "ہرگز نہیں" کیا گیا ہے۔ فرمایا كَلَّا (ہرگز یہ بات نہیں ہے کہ مالوں کا جمع کرنا اور ان کی کثرت پر مقابلہ کرنا تمہارے لئے مفید ہوگا) دنیا ہی میں تو ہمیشہ نہیں رہنا مرنا بھی تو ہے۔ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (عنقریب ہی تم جان لوگے) مکرر فرمایا ثُمَّ كَلَّا (پھر اس بات کو خوب سمجھ لو کہ عنقریب جان لوگے) تیسری بار پھر تاکیداً فرمایا: كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ جواب شرط محذوف ہے اور مطلب یوں ہے لشغلکم ذلک عن التکاثر یعنی اگر تم پوری صورت حال خوب یقین والے علم کے ساتھ جان لیتے تو یہ جو تم نے زندگی کا طریقہ بنا رکھا ہے کہ اموال جمع کرتے ہو اور اس کی کثرت پر مقابلہ کرتے ہو اس شغل میں نہ لگتے عِلْمَ الْيَقِيْنِ میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے اور بمعنی العلم الیقین ہے کیونکہ کبھی کبھی علم کا اطلاق غیر یقین کے لئے بھی آجاتا ہے اس لئے یہ لفظ لایا گیا جو لَوْ تَعْلَمُوْنَ کا مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔

پھر فرمایا لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ یہ جواب قسم ہے اور قسم محذوف ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قسم تم لوگ دوزخ کو ضرور ضرور دیکھو گے ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ پھر دوبارہ قسم ہے کہ تم ضرور ضرور دوزخ کو دیکھو گے یہ دیکھنا عین الیقین ہوگا اس کا دیکھنا ہی اس کے یقین کا سبب ہو جائے گا اور یہ دیکھنا تمام انکشافات سے بڑھ کر ہوگا۔ صاحب روح المعانی نے بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ ہر عاقل کو اس بات کا یقین ہونا کہ مجھے مرنا ہے یہ علم الیقین ہے اور جب وہ موت کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو یہ عین الیقین ہے اور جب واقعی موت کا مزہ چکھ لیتا ہے تو یہ حق الیقین ہے۔ (روح المعانی صفحہ ۲۶۰: ج ۳۰)

قرآن مجید میں تمام ایسے لوگوں کو تنبیہ فرما دی جو دنیا میں ڈوبے رہتے ہیں کمانا بھی دنیا کے لئے اور مقابلہ بھی دنیا کی کثرت میں دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنا آگے بھی دنیا پیچھے بھی دنیا۔ دنیا ہی کے لئے مرتے ہیں اور دنیا ہی کے لئے جیتے ہیں۔ اس غفلت کی زندگی کا جو انجام ہوگا اس سے باخبر فرما دیا کہ اس سب کا نتیجہ دوزخ کا دیکھنا ہے اور دوزخ میں داخل ہونا ہے یہ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے اس کے بعد موت اور آخرت بھی ہے اور نافرمانوں کے لئے دوزخ ہے۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ صاحب روح المعانی نے یہاں طویل مضمون لکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ نعمتوں کا سوال کس سے ہوگا اور کب ہوگا؟ چونکہ یہ آیت بھی ماسبق پر معطوف ہے اور اس میں بھی جمع مذکر حاضر کا صیغہ لایا گیا ہے اس لئے سیاق کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب بھی انہی لوگوں سے ہوگا جو دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل ہوں گے اور یہ سوال بطور سرزنش اور ڈانٹ کے ہوگا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کس کام میں لگایا؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا تھا اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں لگانے کی بجائے دنیا میں منہمک رہے، اللہ کی یاد سے اور آخرت سے غافل ہو گئے۔

قال صاحب الروح قد روی عن ابن عباس انه صرح بان الخطاب فی لترون الجحیم للمشرکین وحملوا الرؤیة علی رؤیة الدخول و حملوا السؤال هنا علی سوال التقریع والتوبیخ لما انهم لم یشکروا ذلک بالایمان به عزوجل. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ لترون الجحیم میں خطاب مشرکین سے ہے اور انہوں نے رؤیت کو دخول کی رؤیت پر محمول کیا ہے اور یہاں سوال کو تنبیہ وڈانٹ کے سوال پر محمول کیا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر اس کا شکر ادا نہیں کیا۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے

گا گویا کہ وہ بھیڑ کا بچہ ہے (یعنی ذلت کی حالت میں لایا جائے گا) اور اسے اللہ تعالیٰ شانہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا اللہ شانہ کا سوال ہوگا کہ میں نے تجھے نعمتیں دی تھیں اور تجھ پر انعام کیا تھا سو تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں نے مال جمع کیا اور خوب بڑھایا اور اس سے زیادہ چھوڑ کر آیا جو پہلے تھا سو مجھے واپس لوٹا دیجئے میں سارا مال آپ کے پاس لے آتا ہوں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تو مجھے وہ دکھا جو تو نے پہلے بھیجا تھا، ابن آدم پھر وہی بات کہے گا کہ میں نے مال جمع کیا خوب بڑھایا اور اس سے خوب زیادہ چھوڑ کر کے آیا جتنا پہلے تھا آپ مجھے واپس لوٹا دیجئے سارا مال لے کر آپ کے پاس واپس آ جاتا ہوں (نتیجہ یہ ہوگا کہ) اس شخص نے ذرا سی خیر بھی آگے نہ بھیجی ہوگی، لہٰذا اسے دوزخ کی طرف روانہ کر دیا جائیگا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۳)

گو بظاہر متبادر یہی ہے کہ یہ خطاب ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ بھی انہی لوگوں کو ہے جو شروع سورت سے مخاطب ہیں لیکن عمومی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اہلِ ایمان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سوال ہوگا، متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن انسان کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہیں ہٹیں گے، جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے۔ (۱) عمر کو کہاں فنا کیا۔ (۲) جوانی کو کن کاموں میں ضائع کیا۔ (۳) مال کہاں سے کمایا۔ (۴) اور کہاں خرچ کیا۔ (۵) علم پر کیا عمل کیا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ سے نعمتوں کے بارے میں جو سب سے پہلا سوال کیا جائے گا، وہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کیا ہم نے تیرے جسم کو تندرست نہیں رکھا تھا، کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ التکاثر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا دھیان رکھتے تھے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ہمراہ لے کر ایک انصاری صحابی کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے کھجوروں کا خوشہ پیش کیا جن میں تینوں قسم کی کھجوریں تھیں۔ تر کھجوریں بھی اور خشک بھی اور کچی پکی کے درمیان بھی۔ صاحب خانہ انصاری نے ایک بکری بھی ذبح کی آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں کھائیں اور کھانا کھایا اور پانی پیا جب سیر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں تم سے ضرور سوال کیا جائے گا (کہ نعمت کا کیا حق ادا کیا اور اس سے جو قوت حاصل ہوئی اس کو کس کام میں لگایا شکر ادا کیا یا نہیں؟) تم کو بھوک نے گھروں سے نکالا، ابھی تم واپس نہیں لوٹے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمت عطا فرما دی۔ (رواہ مسلم)

ایک اور حدیث میں اسی طرح کا قصہ مروی ہے آپ اپنے دونوں ساتھیوں یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اس میں سے کھایا پھر ٹھنڈا پانی طلب فرمایا پانی پی کر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کا خوشہ ہاتھ میں لے کر زمین پر مارا جس سے کھجوریں بکھر گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں سوال ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر نعمت کے بارے میں سوال ہوگا۔ سوائے تین چیزوں کے (۱) اتنا چھوٹا سا کپڑے کا ٹکڑا جس سے آدمی اپنی شرم کی جگہ کو لپیٹ لے۔ (۲) (روٹی کا) ٹکڑا جس سے اپنی بھوک کو دفع کر دے۔ (۳) اتنا چھوٹا سا گھر جس میں گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے بتکلف داخل ہو سکے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۹ از احمد بیہقی فی شعب الایمان)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لئے تین چیزوں کے سوا کسی چیز میں حق

نہیں ہے (وہ تین چیزیں یہ ہیں) ۱۔ رہنے کا گھر ۲۔ اتنا کپڑا جس سے اپنے شرم کی جگہ چھپالے ۳۔ روکھی روٹی بغیر سالن کے اور اس کے ساتھ پانی۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزھد)

حضرت عبداللہ بن شخیر نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ **اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ** پڑھ رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے کہ انسان کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال (انسان تو سمجھ لے کہ تیرا کون سا مال ہے؟) تیرا مال بس وہ ہے جو تو نے کھالیا اور فنا کردیا وہ ہے جو تو نے پہن لیا اور بوسیدہ کردیا۔ یا وہ ہے جو صدقہ دے دیا اور پہلے سے آگے بھیج دیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ ان تینوں اموال کے علاوہ جو کچھ ہے اسے لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۰)

سنن ترمذی میں ہے کہ جب آیت کریمہ **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ** نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم سے کون سی نعمت کا سوال ہوگا ہم تو کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے ہیں آپ نے فرمایا عنقریب نعمتیں مل جائیں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز انسان کے تین دفتر ہوں گے۔ ایک دفتر میں اس کے نیک عمل لکھے ہوں گے دوسرے دفتر میں اس کے گناہ درج ہوں گے، اور ایک دفتر میں اللہ کی وہ نعمتیں درج ہوں گی جو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں دی گئی تھیں۔ اللہ عزوجل سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائیں گے کہ اپنی قیمت اس کے نیک اعمال میں سے لے لے۔ چنانچہ وہ نعمت اس کے تمام اعمال کو اپنی قیمت میں لگالے گی اور اس کے بعد عرض کرے گی کہ (اے رب) آپ کی عزت کی قسم (ابھی) میں نے پوری قیمت وصول نہیں کی ہے، اب اس کے بعد گناہ باقی رہے اور نعمتیں بھی باقی رہیں (جن کی قیمت ادا نہیں ہوئی ہے) رہے نیک عمل سو وہ سب ختم ہو چکے ہوں گے، کیونکہ سب سے چھوٹی نعمت اپنی قیمت میں تمام نیک اعمال کو لگا چکی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر رحم کرنا چاہیں گے (یعنی مغفرت فرما کر جنت عطا فرمانا چاہیں گے) تو فرمائیں گے کہ اے میرے بندے میں نے تیری نیکیوں میں اضافہ کردیا اور تیرے گناہوں سے درگزر کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ غالباً آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر خدائے پاک کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں نے تجھے اپنی نعمتیں (یوں ہی بغیر عوض کے) بخش دیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۳۹۷: ج ۴)

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عنایت فرمایا ہے بغیر کسی استحقاق کے دیا ہے۔ اس کو یہ حق ہے کہ اپنی نعمت کے بارے میں سوال کرے اور مواخذہ کرے کہ تم میری نعمتوں میں رہے ہو، بولو ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور میری عبادت میں کس قدر لگے؟ اور ان نعمتوں کے استعمال کے عوض کیا لے کر آئے؟

یہ سوال بڑا کٹھن ہوگا، مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکریہ میں عمل صالح کرتے رہتے ہیں اور آخرت کی پوچھ سے لرزتے اور کانپتے ہیں، برخلاف ان کے وہ بدنصیب ہیں جو اللہ کی نعمتوں میں پلتے بڑھتے ہیں اور نعمتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو ذرا دھیان نہیں اور اس کے سامنے جھکنے کا ذرا خیال نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے: **وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا** پھر ساتھ ہی یوں فرمایا: **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ** (اور اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کرسکتے، بلاشبہ انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے)۔

بلاشبہ یہ انسان کی بڑی نادانی ہے کہ مخلوق کے ذرا سے احسان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے اور جس سے کچھ ملتا ہے اس سے دبتا ہے اور اس کے سامنے باادب کھڑا ہوتا ہے حالانکہ یہ دینے والے مفت نہیں دیتے بلکہ کسی کام کے عوض یا آئندہ کوئی کام لینے کی امید میں دیتے دلاتے ہیں خداوند کریم خالق و مالک ہے، غنی و مغنی ہے وہ بغیر کسی عوض کے عنایت فرماتا ہے لیکن اس کے احکام پر

چلنے اور سر بسجود ہونے سے انسان گریز کرتا ہے، یہ بڑی بدبختی ہے، اللہ کی نعمتوں کو کوئی کہاں تک شمار کرے گا جو نعمت ہے ہر ایک کا محتاج ہے ایک بدن کی سلامتی اور تندرستی ہی کو لے لیجئے، کیسی بڑی نعمت ہے جب پیاس لگتی ہے تو غٹا غٹ ٹھنڈا پانی پی جاتے ہیں، یہ پانی کس نے پیدا کیا ہے؟ اس پیدا کرنے والے کے احکام پر چلنے اور شکر گزار بندہ بننے کی بھی فکر ہے یا نہیں؟ یہ غور کرنے کی بات ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیت پڑھ لو صحابہ نے عرض کیا روزانہ ایک ہزار آیت پڑھنے کی کسے طاقت ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ لو (اس کے پڑھنے سے ہزار آیت پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰ از شعب الایمان)

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورۃ العصر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں تین آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

قسم ہے زمانے کی بلاشبہ انسان ضرور بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣

اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے

تفسیر: اوپر سورۃ العصر کا ترجمہ لکھا گیا ہے اس میں انسان کی ناکامی اور کامیابی کا اجمالی طور پر ایک خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

وَالْعَصْرِ (قسم ہے زمانہ کی) اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے زمانہ کو پیش فرمایا، زمانہ اس بات کا گواہ ہے (جو اس کی زندگی کی انمول پونجی بھی ہے) کہ دنیا میں جو لوگ ہیں عموماً خسارہ ہی میں ہیں، دنیا میں جو کچھ کماتے ہیں اسے تو چھوڑ ہی جاتے ہیں اور چونکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے خالی ہوتے ہیں اس لئے آخرت میں ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے، انسان اگر گزشتہ اقوام کی تاریخ پڑھے اپنے سامنے جو انقلاباتِ جہاں ہیں ان کو دیکھے تو اس کی سمجھ میں اچھی طرح یہ بات آجائے گی کہ عام انسانوں کے عمومی حالات ایسے ہی ہیں کہ وہ آخرت کے اعتبار سے بڑے خسارہ میں ہیں۔ دنیا میں برے لوگ بھی جی رہے ہیں اور مومن بھی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ زندگی بخشی ہے انسان اگر صحیح طریقہ پر چلے تو کامیاب ہوگا اور اگر غلط طریقہ پر زندگی گزارے تو نقصان اٹھائے گا اور خسارہ میں پڑے گا۔

سب سے بڑا مقابلہ ایمان اور کفر کا ہے چونکہ اکثر انسان کفر ہی کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس لئے جنس کے طور پر فرمایا کہ انسان خسارہ میں ہیں۔ پھر اہلِ ایمان کو مستثنیٰ فرما دیا کافروں کا خسارہ بتاتے ہوئے سورہ زمر میں فرمایا: قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آپ فرما دیجئے کہ بیشک نقصان والے لوگ وہ ہیں جو قیامت کے

دن اپنی جانوں کا نقصان کر بیٹھے اور اپنے اہل و عیال کا بھی)۔

اپنی جانیں بھی دوزخ میں گئیں اور اہلِ عیال بھی جدا ہوئے۔ کچھ کام نہ آئے۔ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (خبردار یہ کھلا ہوا خسارہ ہے)۔

کافروں سے بڑھ کر کسی کا بھی خسارہ نہیں ہے۔ دنیا میں جو کچھ کمایا وہ بھی چھوڑا اور آخرت میں پہنچے تو ایمان پاس نہیں اور دنیا میں واپس لوٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ لہٰذا ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جانا ہوگا اور اس سے بڑا کوئی خسارہ نہیں ہے۔

خسارہ والوں سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (اور آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی) جو حضرات ان صفات سے متصف ہیں وہ نقصان والے نہیں ہیں پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ انجام دینے والے ہیں اور دوسری صفت یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے ہیں یعنی خود تو اچھے اعمال کرتے ہی ہیں (جن میں گناہوں کا چھوڑنا بھی شامل ہے)۔ اپنے آپس کے ملنے جلنے والوں، پاس اٹھنے والوں مجلس کے ساتھیوں ہمسفر اصحاب اور دیگر احباب اور گھر کے لوگ سب آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں کہ حق قبول کریں حق کے ساتھ چلیں اور انہی اعمال کو اختیار کریں جو حق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح ہوں اور تیسری صفت یہ ہے آپس میں یہ بھی وصیت کریں کہ جو دنیا میں تکلیفیں آئیں انہیں برداشت کریں اور گناہوں سے بچتے رہیں اور نیکیوں پر لگے رہیں (یہ تینوں صبر کے اجزاء ہیں)۔ اور صبر کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کو حق کی دعوت دی جائے ان کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو بھی برداشت کیا جائے۔

انسان کو سوچنا چاہیئے کہ میری زندگی کے لیل و نہار کس طرح گزر رہے ہیں؟ نقصان والی زندگی ہے یا فائدہ والی؟ جو لوگ اہلِ ایمان ہیں اپنے ایمان کی پختگی اور مضبوطی کی طرف دھیان دیں کہ کس درجہ کا ایمان ہے اعمالِ صالحہ میں بڑھتے چلے جائیں۔ عمر کا ذرا سا وقت بھی ضائع نہ ہونے دیں، ذرا ذرا سے وقت کو آخرت کے کاموں میں خرچ کریں جب اللہ تعالیٰ شانہ نے سب سے بڑے خسارہ یعنی کفر سے بچا دیا ایمان کی دولت سے نواز دیا تو اب اس کیلئے فکرمند ہوں کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیں اور آخرت میں بلند درجات حاصل کریں۔ لوگوں کو نہ اپنے آخرت کے منافع کی فکر ہے نہ دین اسلام کی قدر دانی ہے۔ خود بھی نیک بنیں دوسروں کو بھی نیک بنائیں گناہوں سے روکیں اور جو کوئی تکلیف پہنچے اس پر صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کریں۔ رات دن کے ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں۔ ان میں سے عام طور سے تجارت یا سروس اور محنت مزدوری میں ۸ گھنٹے خرچ ہوتے ہیں کچھ وقت سونے میں گزرتا ہے۔ باقی گھنٹے کہاں جاتے ہیں؟

ان میں سے مجموعی حیثیت ۲، ۳ گھنٹے نماز کے اور کھانے کے، باقی وقت ضائع ہو جاتا ہے، اور یہ ضائع بھی ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے جو گناہوں میں مشغول نہ ہوں کیونکہ جو وقت گناہوں میں لگا وہ تو وبال ہے اور باعث عذاب ہے۔ مسلمان آدمی کو آخرت کی نجات کے لئے اور وہاں کے رفع درجات کے لئے فکرمند ہونا لازم ہے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ملازمتوں سے ریٹائرڈ ہو گئے، کاروبار لڑکوں کے سپرد کر دیئے دنیا کمانے کی ضرورت بھی نہیں رہی بہت کرتے ہیں فرض نماز پڑھ لیتے ہیں یا پوتی پوتا کو گود میں لے لیتے ہیں، اس کے علاوہ سارا وقت یوں ہی گزر جاتا ہے حالانکہ یہ وقت بڑے بڑے اجر و ثواب میں لگ سکتا ہے۔ ذکر میں تلاوت میں، درود شریف پڑھنے میں اہلِ خانہ کو نماز سکھانے اور دینی اعمال پر ڈالنے اور تعلیم و تبلیغ میں سارا وقت خرچ کریں تو آخرت کے عظیم درجات حاصل ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ۵۰، ۵۵ سال کی عمر میں ریٹائرڈ ہوتے ہیں کاروبار سے فارغ

ہو جاتے ہیں، اس کے بعد برس ہا برس تک زندہ رہتے ہیں۔

بہت سے لوگ ۸۰ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر پاتے ہیں ریٹائر ہونے کے بعد یہ ۲۵، ۳۰ سال کی زندگی لایعنی فضول باتوں بلکہ غیبتوں میں، تاش کھیلنے میں، ٹی وی دیکھنے میں اور وی سی آر سے لطف اندوز ہونے میں گزار دیتے ہیں نہ گناہ سے بچتے ہیں نہ لایعنی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرتے ہیں یہ بڑی محرومی کی زندگی ہے۔ گناہ تو باعث عذاب اور وبال ہیں ہی ہوشمند وہ ہے جو اپنی زندگی کو نیک کاموں میں خرچ کرے تا کہ اس کی محنت اور مجاہدہ دوزخ میں جانے کا ذریعہ نہ بنے، آخرت کی عظیم اور کثیر نعمتوں کے نقصان اور خسران اور حرمان کی راہ اختیار نہ کرے۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مومن کے لئے خود اپنا نیک بننا ہی کافی نہیں ہے دوسروں کو بھی حق اور صبر کی نصیحت کرتا رہے اور اعمالِ صالحہ پر ڈالتا رہے خاص کر اپنے اہل و عیال کو اور ماتحتوں کو بڑے اہتمام اور تاکید سے نیکیوں پر ڈالے اور گناہوں سے بچنے کی تاکید کرتا رہے۔ ورنہ قیامت کے دن یہ پیار و محبت سے پالی ہوئی اولاد وبال بن جائے گی۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے **کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔** (یعنی تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت (جس کی نگرانی سپرد کی گئی) کے بارے میں سوال کیا جائے گا) (رواہ البخاری)

آجکل اولاد کو دیندار بنانے کی فکر نہیں ہے، ان کو خود گناہوں کے راستے پر ڈالتے ہیں، حرام کمانا سکھاتے ہیں ایسے ممالک میں لے جا کر انہیں بساتے ہیں جہاں ہر گناہ کرنے کا ماحول مل جاتا ہے اور اس کا نام ترقی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

واللہ المستعان وھو ولی الصالحین والصابرین

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورہ ہمزہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں نو آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب نکالنے والا ہو، طعنہ دینے والا ہو جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا، وہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۗ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى

ہر گز نہیں، وہ ضرور ضرور بھوسہ بنانے والی چیز میں ڈال دیا جائے گا اور کیا آپ کو معلوم ہے وہ بھوسہ بنا دینے والی چیز کیا ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو جلائی گئی ہے جو

الْاَفْـِٕدَةِ ۗ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

دلوں پر چڑھ بیٹھنے والی ہے، بیشک وہ ان پر بند کر دی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں

تفسیر: اوپر سورۃ الھمزہ کا ترجمہ لکھا گیا ہے اس میں هُمَزَةٌ اور لُمَزَةٌ کی ہلاکت بتائی ہے یہ دونوں فُعَلَةٌ کے وزن پر

ہیں۔ پہلے لفظ کے حروف اصلی ھ۔م۔ز، اور دوسرے کلمہ کے حروفِ اصلی ل۔م۔ز ہیں یہ دونوں کلمے عیب نکالنے اور عیب دار بتانے پر دلالت کرتے ہیں۔قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی وارد ہوئے ہیں سورۃ القلم میں ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ اور سورہ توبہ میں فرمایا **وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ** اور سورۃ الحجرات میں فرمایا **وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ**۔

حضرات مفسرین کرام نے دونوں کلموں کی تحقیق میں بہت کچھ لکھا ہے۔خلاصہ سب کا یہی ہے کہ دونوں کلمے عیب لگانے، غیبت کرنے، طعن کرنے آگے پیچھے کسی کی برائی کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔زبان سے برائی بیان کرنا یا ہاتھوں سے یا سر سے یا بھوؤں کے اشارہ سے کسی کو برا بتانا ہنسی اڑانا مجموعی حیثیت سے یہ دونوں کلمے ان چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔

(راجع تفسیر القرطبی صفحہ ۱۸۱، صفحہ ۱۸۴: ج ۱۰)

مفسرین نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے یہ آیات اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئیں یہ لوگوں پر طعن کرتا تھا، اور ابن جریج کا قول ہے کہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں، جو غیر موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کی غیبت کرتا تھا اور سامنے بھی آپ کی ذاتِ گرامی میں عیب نکالتا تھا تیسرا قول یہ ہے کہ ابی بن خلف کے بارے میں اور چوتھا قول یہ ہے کہ جمیل بن عامر کے بارے میں ان کا نزول ہوا۔سبب نزول جو بھی ہو مفہوم اس کا عام ہے، جو لوگ بھی غیبت کرنے اور عیب لگانے اور بدزبانی اور اشارہ بازی کا مشغلہ رکھتے ہیں وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں قرآن کریم میں ان لوگوں کے لئے ویل یعنی ہلاکت بتائی ہے۔جن لوگوں کو اپنی عمر کی قدر نہیں ہوتی وہ دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور عیب لگانے اور غیبت کرنے اور تہمتیں باندھنے میں اپنی زندگی برباد کرتے ہیں۔ذکر وفکر اور عبادت میں وقت لگانے کی بجائے ان باتوں میں وقت لگاتے ہیں اور اپنی جان کو ہلاک کرتے ہیں۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۱)۔حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سب سے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کو لئے پھرتے ہیں دوستوں کے درمیان برائی ڈالتے ہیں جو لوگ برائیوں سے بری ہیں انہیں مصیبت میں ڈالنے کے طلب گار رہتے ہیں۔(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے صفیہ کا قد بیان کرتے ہوئے یوں کہہ دیا کہ صفیہ اتنی سی ہیں (ان کا قد چھوٹا بتا دیا اور وہ بھی ازواج مطہرات میں سے ہیں) آپ نے فرمایا تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر وہ سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی بگاڑ کے رکھ دے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طعنے دینے والا اور لعنت بکنے والا اور فحش کلام اور فحش کام میں لگنے والا مومن نہیں ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۳)

غیبت کے بارے میں مستقل مضمون سورہ حجرات کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں گزر چکا ہے اس کا مراجعہ کر لیا جائے۔

اَلَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ دنیا سے محبت کرنیوالے اسی کو سب کچھ سمجھنے والے جہاں دوسروں کی غیبت و بدگوئی اور عیب تراشی میں وقت گزارتے ہیں وہاں مال سے محبت کرنا بھی ان کا خاص مزاج ہوتا ہے، مال کی محبت کے مظاہرے کئی طرح سے ہوتے ہیں اولاً مال کو جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا، جسے **اَلَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ** میں بیان فرمایا ہے جب مال جمع کرنے کا ذہن ہوتا ہے تو نہ حلال حرام کا خیال رہتا ہے اور نہ لوگوں کے حق مارنے کو برا سمجھا جاتا ہے اور نہ مال کمانے میں فرائض اور واجبات کے ضائع کرنے سے دکھ ہوتا ہے اور نہ نیکیاں کرنے کی توفیق ہوتی ہے ثانیاً مال جمع کرنے والے مال ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کا

خیال ہوتا ہے کہ مال ہی سب کچھ ہے یہ ہمیں دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا (موت کا یقین ہوتے ہوئے رنگ ڈھنگ ایسا ہوتا ہے جیسے مرنا نہیں ہے اور یہ مال ہمیشہ کام دیتا رہے گا)۔

ان لوگوں کے اس مزاج کی تردید کرتے ہوئے فرمایا **كَلَّا** (ہرگز ایسا نہیں ہے) نہ یہ شخص ہمیشہ دنیا میں رہے گا نہ اس کا مال باقی رہے گا اور اسی پر بس نہیں کہ صرف دنیا میں جان و مال ہلاک ہوں گے بلکہ اس کے آگے بھی مصیبت ہے اور وہ یہ کہ **لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ** (اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا) دوزخ کے لئے لفظ حطمۃ استعمال فرمایا ہے جو اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کوٹ پیٹ کر بھوسہ بنا کر رکھ دے (کمافی آیۃ اُخریٰ: **يَجْعَلُهُ حُطَامًا**)۔

پھر فرمایا **وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ** (اور آپ کو معلوم ہے کہ حطمہ کیا چیز ہے) **نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ** (وہ اللہ کی آگ ہے جو جلائی گئی ہے) **الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ** (جو دلوں پر چڑھ جائے گی) یعنی سارے جسموں کو جلا دے گی یہاں تک کہ دلوں پر چڑھ جائے گی) دنیا میں جب دل جلنے لگے لامحالہ انسان مرجاتا ہے دوزخی لوگ جلیں گے مگر مریں گے نہیں دلوں پر بھی آگ چڑھے گی مگر موت نہ آئے گی۔ سورۃ النساء میں فرمایا: **كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ** (جب بھی ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ دوسری کھال پیدا کردیں گے تاکہ عذاب ہی بھگتے رہیں)۔ سورۃ اعلیٰ میں فرمایا: **لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى** (نہ اس میں مرہی جائے گا اور نہ جئے گا)۔

پھر اس آگ کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ** (بیشک وہ آگ ان پر بند کی ہوئی ہوگی یعنی وہ اندر دوزخ میں ہوں گے، باہر سے دروازے بند کردیئے گئے ہوں گے۔ **فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ** (وہ ایسے ستونوں میں بند ہوں گے جو دراز یعنی لمبے لمبے بنائے ہوئے ہوں گے)۔

معالم التنزیل میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ مطلب نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو ستونوں کے اندر داخل کردیا جائے گا یعنی ستونوں کے ذریعہ دوزخ کے دروازے بند کردیئے جائیں گے اور تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ **عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ** سے مراد وہ طوق ہیں جو دوزخیوں کے گلے میں ڈال دیئے جائیں گے اور بعض اکابر نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ دوزخی آگ کے بڑے بڑے شعلوں میں ہوں گے جو ستونوں کی طرح ہوں گے، اور وہ لوگ اس میں مقید ہوں گے۔

فائدہ: **نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ** (اللہ کی آگ جو جلائی ہوئی ہوگی) اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ دوزخ کی آگ دوزخیوں کے داخل ہونے سے پہلے ہی سے جلائی ہوئی ہوگی ایسا نہیں ہوگا جیسا دنیا میں پہلے ایندھن تیار کرتے ہیں پھر اس ایندھن میں آگ لگاتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سفید ہوگئی پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوگئی لہٰذا اب وہ سیاہ ہے اندھیری ہے۔ (رواہ الترمذی)

اعاذنا اللہ تعالیٰ من سائر انواع العذاب وھو الغفور الوھاب الرحیم التواب

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ الفیل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا ان کی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کردیا، اور ان پر

عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

پرندے بھیج دیئے غول در غول وہ ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے، سو اللہ نے ان کو ایسا کردیا جیسے کھایا ہوا بھوسہ ہو۔

تفسیر: اس سورت میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان فرمایا ہے لفظ فیل فارسی کے لفظ پیل سے لیا گیا ہے۔ عربی میں چونکہ (پ) نہیں ہے اس لئے اسے (ف) سے بدل دیا گیا۔ اصحاب فیل (ہاتھی والے لوگ) ان سے ابرہہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں یہ شخص شاہ حبشہ کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، ابرہہ اپنے ساتھیوں کو ہاتھیوں پر سوار کر کے لایا تھا اور مقصد ان لوگوں کا یہ تھا کہ کعبہ شریف کو گرادیں تا کہ لوگوں کا رخ ان کے اپنے بنائے ہوئے گھر کی طرف ہوجائے جسے انہوں نے یمن میں بنایا تھا اور اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ یہ لوگ کعبہ پر حملہ کرنے کے لئے آئے مگر خود ہی برباد ہوئے وہ بھی پرندوں کی پھینکی ہوئی چھوٹی چھوٹی کنکریوں کے ذریعہ، واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ یمن پر اقتدار حاصل ہونے کے بعد ابرہہ نے ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا کنیسہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یہ لوگ اس کنیسہ کی عظمت وشوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کی بجائے اس کی طرف آنے لگیں۔ چنانچہ اس نے اتنا اونچا کنیسہ تعمیر کیا کہ اس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا اور اس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع کیا اور پوری مملکت میں اعلان کردایا کہ اب یمن سے کوئی شخص مکہ والے کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے اس کنیسہ میں عبادت کرے۔ عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب تھی مگر کعبہ کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں پیوست تھی اس لئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ مالک بن کنانہ کے ایک شخص نے رات کے وقت ابرہہ والے کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کردیا۔ ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ کسی قریشی نے ایسا کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کو گرا کر چھوڑوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کردی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا۔ بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے۔ ان کا پروگرام تھا کہ بیت اللہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے۔ اور تجویز یہ کیا کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور لمبی زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکادیں تا کہ سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) زمین پر آگرے۔

غرب میں جب اس حملہ کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا اس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی مگر اللہ

تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست انسانوں کے ذریعہ نہ ہو لہذا عرب سے مقابلہ ہوا اور عرب اس کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابرہہ نے ان کو شکست دیدی اور ذونفر کو قید کرلیا۔ اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے ان کو بھی شکست دے دی اور فضل بن حبیب کو بھی قید کرلیا ارادہ تو اس کے قتل کا تھا لیکن یہ خیال کر کے کہ اس سے راستوں کا پتہ معلوم کریں گے اس کو زندہ چھوڑ دیا اور ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو چونکہ طائف کے باشندے قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا ہم اس سے مقابلہ نہ کریں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ طائف میں جو ہم نے ایک بت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اس کو چھیڑ دے انہوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی طے کرلیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ابورغال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں، ابرہہ اس پر راضی ہوگیا۔ ابورغال کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مغمس پر پہنچ گیا جہاں قریشِ مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے حملہ کر کے اونٹ گرفتار کرلئے جن میں دو سو اونٹ رسول اللہ ﷺ کے دادا جان عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنے ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کردے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حناطہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کرسکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر ہے اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کرلے، پھر دیکھے کہ اللہ کا کیا معاملہ ہوتا ہے۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔ ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبدالمطلب سے پوچھے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبدالمطلب نے کہا کہ میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے گرفتار کرلئے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو اول دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عزت ہوئی مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کردیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دو سو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ میں آپ کے کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے ان کی فکر ہوئی اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں ہوں اس کا جو مالک ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے، انہوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور واپس لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے مگر ابرہہ نے ماننے سے انکار کردیا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کردیئے وہ اپنے اونٹ لے کر واپس آئے تو بیت اللہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر دعاء میں مشغول ہوئے۔ آپ کے ساتھ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی تھی۔ سب نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں ہے، آپ ہی اپنے بیت کی حفاظت کا انتظام فرمائیں، الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر مختلف پہاڑوں پر چلے گئے کیونکہ ان کو یہ یقین تھا کہ اس کے

لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا، اسی یقین کی بناء پر انہوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا تو مطالبہ کیا لیکن بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لئے پسند نہ کیا کہ خود اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دے گا۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا نفیل بن حبیب جن کو ابرہہ نے راستہ میں گرفتار کر لیا تھا اس وقت آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا کیونکہ تو اللہ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اس کو اٹھانا چلانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، اس کو بڑے بڑے آہنی تیروں سے مارا گیا اس نے اس کی بھی پرواہ نہ کی، اس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو بیٹھ گیا۔ دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک ساتھ تین تین کنکریاں چنے یا مسور کے برابر تھیں (ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں)۔

واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے۔ جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے ان کے پنجے سرخ تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جن کی چونچیں پیلے رنگ کی تھیں اور حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ یہ پرندے دریا سے نکل کر آئے تھے جن کے سر چوپایوں کی طرح تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک چونچ میں لئے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے ہر ایک کنکر نے وہ کام کیا جو بندوق کی گولی بھی نہیں کر سکتی کہ جس پر پڑتی اس کے بدن سے پار ہوتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکر سے ہلاک ہوا۔ نیز لشکر کے سب آدمی اس موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے ان سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ وہ ابرہہ جسے راستہ کے قبائل شکست نہ دے سکے اسے اللہ نے پرندوں سے شکست دلوائی، اس نے شکست بھی کھائی اور بدترین مرض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوا۔ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دار الحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور وہ مر گیا ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپاہج ہو گئے تھے، ان کو مکہ معظمہ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا (ابن کثیر صفحہ ۵۴۹ ومعالم التنزیل صفحہ ۵۲۵: ج ۴)۔ اس وقت بہت سے آنکھوں سے دیکھنے والے موجود تھے۔ **فسبحان من جلت قدرته وعظمت حكمته**

ہاتھی والوں کا کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لئے آنا پھر شکست کھانا اور ناکام ہونا یہ ایک عجیب اور اہم واقعہ تھا، اس کے بعد اہل عرب جب تاریخی واقعات بیان کیا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ یہ عام الفیل کا واقعہ ہے رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا بھی یہی سال ہے جس سال اصحاب الفیل برا ارادہ لیکر آئے تھے۔ اصحاب فیل کے واقعہ کے پچاس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ جس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اصحاب فیل کے واقعہ سے مکہ معظمہ کے رہنے والے بلکہ عرب کے سب ہی لوگ واقف تھے۔ اس لئے **أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ** (اے مخاطب کیا تو نے دیکھا) فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا تو قریش نے آپ کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں اپنا احسان یاد دلایا کہ دیکھو اس کعبہ کی وجہ سے سارا عرب تمہارا احترام کرتا ہے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہو اس کعبہ پر دشمن چڑھائی کرنے آ گئے تھے اور دشمن بھی ایسے قوی تھے کہ ان سے مقابلہ کرنا تمہارے بس سے باہر تھا۔ تمہارے پروردگار نے ان کی تدبیر ناکام بنا دی، سوچا انہوں نے کیا تھا اور ہوا کیا؟ ذرا ذرا سے

پتھروں سے پورے ہاتھی اور ہاتھی والے ایسے ہلاک ہوئے کہ صرف مرے ہی نہیں بلکہ ان کے جسم ایسا بھوسہ بن کر رہ گئے جسے گائے بیل نے کھا کر اگل دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی بھی حفاظت فرمائی اور نبی امی خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی یہیں مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت سے اس کعبہ کی مزید عظمت ہوگئی لہذا قریش کو دونوں نعمتوں کا شکر گزار رہنا لازم ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ نبوت سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ جو ایسی چیزیں پیش آتی ہیں جن سے انسان عاجز ہوتے ہیں انہیں ارہاص کہا جاتا ہے اور نبوت کے بعد ان کو معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اصحاب فیل کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ارہاصات میں سے ہے گویا اس میں یہ بتا دیا کہ اس شہر میں ایک ایسی شخصیت کا ظہور ہونے والا ہے جس کا اس کعبہ شریف سے خاص تعلق ہوگا۔ اس کی آمد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی حفاظت ہوگئی۔ وقال القرطبی قال علماؤنا کانت قصة الفیل فیما بعد من معجزات النبی ﷺ وان کانت قبل التحدی لانها کانت توکیداً لامرہ وتمهیدا لشانه ولما تلا علیهم رسول اللہ ﷺ هذه السورة کان بمکة عدد کثیر ممن شهد تلک الواقعة۔ (علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں ہمارے علماء نے کہا ہے بعد کے حالات کے مطابق اصحاب فیل کا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے مگر یہ دعویٰ سے پہلے ہوا کیونکہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کی تاکید اور آپ کی عظمت شان کی تمہید تھا۔ اور جب اہل مکہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورۃ تلاوت فرمائی تو اس وقت مکہ میں بہت بڑی تعداد موجود تھی جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا تھا)

طیر: عربی میں پرندہ کو کہتے ہیں جس کی جمع طیور ہے اور چونکہ یہاں اسم جنس واقع ہوا ہے اس لئے ابابیل اس کی جمع لائی گئی ہے بہت زیادہ پرندے تھے جو جھنڈ کے جھنڈ غول در غول آموجود ہوئے تھے۔ لہذا طیراً کے ساتھ ابابیل بھی فرمایا۔ ابابیل کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ معنی کے اعتبار سے جمع ہے اس کا واحد نہیں ہے اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس کا واحد ابول یا ابال یا ابیل ہے (کما ذکرہ فی الجلالین) پرندوں کا جماعت در جماعت آنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ابرہہ کے ساتھی بہت بڑی تعداد میں تھے اگرچہ ہاتھیوں کی تعداد آٹھ یا بارہ ہی بتائی جاتی ہے، عام طور سے ایک خاص چھوٹے سے پرندہ کو جو لوگ ابابیل کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں وہ مراد نہیں ہے۔ ابرہہ اور اس کے ساتھیوں پر جن پرندوں نے بارش برسائی ان کے بارے میں مفسرین نے کئی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنی جس مخلوق سے جو چاہے کام لے۔

پرندوں نے جو پتھر پھینکے تھے ان کے بارے میں حِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ فرمایا ہے یعنی سجیل کے پتھر، یہ لفظ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے تذکرہ میں بھی آیا ہے لفظ سجیل سنگ اور گل سے معرب ہے فارسی میں سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کا گارہ بنا کر اس کی ذرا بڑی بڑی گولیاں بنا کر جو آگ میں پکالی جائیں وہ سجیل کا مصداق ہیں ان میں زیادہ وزن بھی نہیں ہوتا اور پہاڑ والے پتھروں کی طرح ان کی مار بھی نہیں ہوتی۔ اس لفظ کے لانے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان میں ذاتی طور پر کوئی ایسی طاقت نہ تھی جس سے آدمی مر جائے۔ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ لوگ ہلاک کئے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے لئے ظاہری انتظام کے طور پر سجیل کو استعمال فرمایا، مفسر قرطبی نے ابو صالح سے نقل کیا ہے کہ ام ہانیؓ بنت ابی طالب کے گھر میں میں نے ان کنکریوں میں سے دو قفیز کنکریاں دیکھی تھیں جو اصحاب فیل پر پھینکی گئی تھیں ان کا رنگ کالا تھا سرخ رنگ کی لکیریں پڑی ہوئی تھیں نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ پرندوں کی پھینکی ہوئی پتھریاں اصحاب فیل پر گرتی تھیں تو ان کے جسم پر چھوٹے چھوٹے چھالے بن جاتے تھے اور دنیا میں سب سے پہلے چیچک کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ القریش مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ہے

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳

قریش کی الفت رکھنے کی وجہ سے ان کی وہ الفت جو سردی اور گرمی کے سفر کرنے سے ہے۔ سو ان کو چاہیے کہ اس بیت کے رب کی عبادت کریں

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

جس نے انہیں بھوک میں کھانے کو دیا اور انہیں خوف سے امن دیا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام سے کعبہ مکرمہ تعمیر کرایا اور اس کا حج مشروع فرمایا زمانۂ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب اس کا حج کرتے تھے اگرچہ مشرک تھے اور چونکہ مکہ مکرمہ میں کعبہ شریف واقع تھا جسے بیت اللہ کے نام سے لوگ جانتے اور مانتے تھے اس لئے قریش مکہ کی پورے عرب میں بڑی عزت تھی اہل عرب لوٹ مار کرنے کا مزاج رکھتے تھے لیکن اہل مکہ پر کبھی کوئی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو سورۃ العنکبوت میں فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو پر امن بنا دیا اور لوگوں کو ان کے ارد گرد سے اچک لیا جاتا ہے کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں)۔

یوں تو گزشتہ زمانہ ہی سے اہل عرب اہل مکہ کا اکرام واحترام کرتے تھے، جب اصحاب فیل کا واقعہ پیش آیا اور عرب میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے محفوظ فرمایا تو اور زیادہ ان کے قلوب میں اہل مکہ کی عظمت بڑھ گئی، یہ جو ان کی حرمت مشہور ومعروف تھی اس کی وجہ سے پورے عرب کے علاوہ دوسرے علاقے کے لوگ بھی ان کا احترام کرتے تھے، مکہ معظمہ چٹیل میدان تھا اس میں پہاڑ تھے پانی کی بھی کمی تھی، نہ باغ تھے نہ کھیتی باڑی تھی، زندگی گزارنے کے لئے ان کے پاس ذرائع معاش عام طور سے نہیں پائے جاتے تھے، زندگی کے مقاصد پورا کرنے کے لئے یہ لوگ ملک شام اور یمن جایا کرتے تھے۔ ایک سفر سردی کے زمانہ میں اور ایک سفر گرمی کے زمانہ میں کیا کرتے تھے، سردی میں یمن جاتے تھے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے اور دونوں ملکوں سے غلہ لاتے تھے جو ان کی غذا میں کام آتا تھا۔ دیگر اموال بھی لاتے اور فروخت کرتے اور دوسرے کاموں میں بھی لاتے تھے۔ ابوسفیان کو بلا کر ہرقل نے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوال جواب کئے وہ اسی تجارت کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ کفار قریش کا قافلہ تجارت کے لئے بیت المقدس میں پہنچا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے لئے سردی اور گرمی کے سفروں کو ان کے کھانے پینے اور پہننے کا اور کعبہ شریف کی عظمت اور حرمت کو ان کے امن وامان کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ سورۃ الفیل میں کعبہ شریف کی حفاظت کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے قریش کو امن وامان حاصل تھا اس لئے اس کے متصل ہی سورۃ القریش کو سورۃ الفیل کے بعد ہی لایا گیا جس میں قریش مکہ کو یاد دلایا کہ دیکھو تم سردی اور گرمی میں تجارت کے لئے سفر کرتے ہو اور ان دونوں سفروں سے تمہیں دیگر مالوفات کی طرح خاص الفت ہے۔ سفروں میں جاتے ہو جن کے منافع اور مرابح سے فائدہ اٹھاتے ہو اور چونکہ تم مکہ

معظمہ کے رہنے والے ہو اس لئے اپنے اسفار میں جن قبائل پر گزرتے ہو تمہارا احترام کرتے ہیں تم مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی امن وامان میں ہو اور بلاخوف وخطر زندگی گزارتے ہو اور اسفار میں بھی مکہ معظمہ کی نسبت سے امن وامان کا فائدہ اٹھاتے ہو۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی عبادت میں لگو جو اس بیت یعنی کعبہ شریف کا رب ہے وہ تمہیں کھانے پینے کو بھی دیتا ہے اور امن وامان سے بھی رکھتا ہے یہ خالق جل مجدہ کی ناشکری ہے کہ اس کی نعمتوں میں زندہ رہیں، پلیں اور بڑھیں اور عبادت میں کسی مخلوق کو شریک کر دیں۔

قال القرطبی ناقلاً عن الفراء: هذه السورة متصلة بالسورة الاولى لانه. ذكر اهل مكه عظيم نعمته عليهم فيما فعل بالحبشة ثم قال (لِإِيلٰفِ قُرَيْشٍ) ای فعلنا ذلک باصحاف الفيل نعمة منا على قريش و ذلک ان قريشا كانت تخرج فی تجارتها فلا يغار عليها فی الجاهلية يقولون هم اهل بيت الله عز وجل. (علامہ قرطبی فراء سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ پچھلی سورۃ سے متصل ہے اس لئے کہ اس سورۃ میں اللہ نے اہل مکہ کو اپنی عظیم نعمت یاد دلائی ہے اس بارے میں جو انہوں نے حبشہ میں کیا۔ پھر فرمایا لایلف قریش یعنی یہ سب ہم نے اصحاب فیل قریش پر نعمت کرنے کے لئے کیا اور وہ یہ کہ قریش اپنی تجارت کے لئے نکلتے تھے تو ان پر زمانہ جاہلیت میں بھی ڈاکو ڈاکہ نہ ڈالتے تھے کہتے کہ یہ لوگ بیت اللہ کے رہائشی ہیں)

ترکیب نحوی کے اعتبار سے اقرب الی الفہم یوں کہا جاتا ہے کہ ایلاف اول مبدل منہ ہے اور اِیْلٰفِهِمْ اس سے بدل ہے اور جار مجرور مل کر لِیَعْبُدُوْا سے متعلق ہے سمجھنے کے لئے عبارت یوں ہوگی ليعبدوا رب هذا البيت لاجل ايلافهم رحلة الشتاء والصيف، والفاء زائدة والايلاف افعال من الالفة مهموز الفاء (فليعبدوا رب هذا البيت: اس لئے کہ سردی و گرمی کے سفر میں ان کا انس پیدا کیا۔ فاء زائدہ ہے اور ایلاف افعال کا مصدر ہے مہموز الفاء سے) (راجع روح المعانی صفحہ ۲۷۶: ج ۳۰)

فائدہ: سورۃ القریش میں قریش کے سالانہ دو سفروں کا ذکر ہے یہ قریش کون شخص تھا جس کے نام سے قریش کا قبیلہ ملقب ہوا؟ اول یہ سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ ہاشمی بھی تھے اور قریشی بھی آپ کے دادا کا لقب عبدالمطلب اور نام شیبہ تھا اور ان کے والد کا نام عمرو بن عبد مناف اور لقب ہاشم تھا اس وجہ سے آپ بنی ہاشم میں شمار ہوتے ہیں اور عبد مناف کا نام مغیرہ بن قصی تھا اس کے بعد نسب یوں ہے قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ (الی آخر ما ذکرہ اہل الانساب)۔

اس میں اختلاف ہے کہ قریش کس کا لقب تھا بعض علماء کا قول ہے کہ یہ فہر بن مالک اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نضر بن کنانہ کا لقب ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں دونوں قول نقل کئے ہیں اور دونوں کی دلیلیں بھی لکھی ہیں پھر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ نضر بن کنانہ کا لقب قریش تھا اور اس سلسلہ میں مسند احمد اور سنن ابن ماجہ سے ایک حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ وهذا اسناد جيد قوی و هو فيصل فی هذه المسئلة فلا التفات الى قول من خالفه والله اعلم الحمد منه. (اور یہ عمدہ وقوی سند ہے اور یہ اس مسئلہ میں فیصل ہے پس جو اس کا مخالف ہے اس کے قول کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں ہے)

اب رہی یہ بات کہ لفظ قریش کا معنی کیا ہے اور قریش کو یہ لقب کیوں دیا گیا اس بارے میں بھی کئی قول ہیں اصل لفظ قرش ہے اور قریش اس کی تصغیر ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے جو بڑا قوی ہیکل ہوتا ہے اور چھوٹے بڑے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انہوں نے یہی بات بتلائی گویا قوت اور طاقت میں اس بڑے دریائی جانور کے مشابہ ہونے کی وجہ سے قریش کو قریش کا لقب دیا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ حارث بن یخلد بن نضر بن کنانہ کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا وہ باہر سے غلے لاتا تھا اور عرب کہا کرتے تھے قد جاءت عير قريش، یوں بھی کہا جاتا ہے کہ بدر میں جس کنویں کے قریب جنگ ہوئی تھی اسے بدر بن قریش نے کھودا تھا اور اسی لئے اس جگہ کا نام بدر معروف ہوا۔ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ لفظ قریش مجتمع ہونے پر دلالت کرتا ہے قصی بن کلاب سے پہلے یہ لوگ منتشر تھے اس نے انہیں حرم

میں لاکر اور بلا کر جمع کیا ایک قول یہ بھی ہے کہ قصی ہی کالقب قریش تھا اور ایک قول یہ ہے کہ **تقرُّش تکسُّب** (یعنی مال کمانے) اور تجارت کرنے کے معنی میں آتا ہے اسی وجہ سے قریش اس لقب سے معروف اور مشہور ہوئے۔ نضر بن کنانہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ غریبوں کی حاجات کی تفتیش کرتا اور ان کی مدد کرتا تھا اور اس کے بیٹے موسم حج میں لوگوں کی حاجات کی تفتیش کرتے تھے پھر انہیں اس قدر مال دیتے تھے کہ اپنے شہروں تک پہنچ جائیں۔ اس عمل کی وجہ سے وہ قریش کے لقب سے مشہور ہوا (**قالوا التقریش هو التفتیش**) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ قریشی بھی تھے اور ہاشمی بھی (کیونکہ بنی ہاشم قریش ہی کی ایک شاخ ہے) اور آپ کے چچا عباسؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اور حضرت عقیلؓ بھی بنی ہاشم میں تھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور تمام بنی امیہ قریش میں سے تھے، ہاشمی نہیں تھے۔ حضرت واثلہ بن اسقع نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل کی اولاد سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور مجھے بنی ہاشم سے چن لیا۔ (رواہ مسلم)

قریش مکہ نے بہت دیر سے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں بھی بہت پہنچائیں حتیٰ کہ آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی اور خدمتِ اسلام کی توفیق دی ان حضرات نے بڑے بڑے ممالک فتح کیے۔ حضرت عمرو بن عاص خالد بن ولید رضی اللہ عنہما انہی حضرات میں سے تھے سنن ابی داؤد طیالسی صفحہ ۴۰ میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ:

اللهم انک اذقت اولها عذابا اووبالا فاذق اٰخرها نوَالًا (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۵)

(اے اللہ آپ نے قریش کے پہلے لوگوں کو عذاب اور وبال چکھایا سو ان کے آخر کے لوگوں کو بخشش عطا فرما) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ان کو بہت کچھ عطا فرمایا اور ان سے دین کی بڑی خدمت لی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خلافت میرے بعد قریش میں ہوگی۔

جو شخص ان سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ چہرہ کے بل اس کو اوندھے منہ کر کے ڈال دے گا جب تک یہ لوگ دین کو قائم رکھیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۵۰) اور یہ بھی فرمایا کہ بارہ خلفاء تک دین اسلام غالب رہے گا اور یہ بارہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۵)

رسول اللہ ﷺ نے تو یہی فرما دیا تھا کہ خلافت برابر قریش میں رکھی جائے لیکن ملوکیت کا مزاج جب دنیا میں آ گیا اور اس کے بعد جمہوریت کی جہالت نے جگہ پکڑ لی تو دوسرے لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے ملوک اور امراء بن گئے اور بنتے رہے۔

جو لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ہاشمی، قریشی، صدیقی، عثمانی، علوی، رضوی، نقوی لکھتے ہیں یہ صرف نام بتانے تک ہے۔ بے عملی میں شکل وصورت میں، نمازیں چھوڑنے میں، دیگر معاصی میں دوسروں سے کم نہیں ہیں دوسری قوموں کے افراد علوم و معارف واعمال میں ان سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جب انہوں نے اپنی ساکھ خود ہی کھو دی تو امت میں بھی ان کی وہ حیثیت نہیں رہی جو ہونی چاہیئے تھی جب ان کا یہ حال ہے تو خلافت کون ان کے سپرد کرے گا جہاں کہیں ان کی کوئی حکومت باقی ہے اس میں بھی ملوک اور وزراء دین داری کا خیال نہیں کرتے، دشمنوں کے اشاروں پر گناہگاری کے اصول پر حکومت چلاتے ہیں، اسلامی قوانین کی بڑھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ **فالی اللہ المشتکی وهو المستعان و علیه التکلان.**

سُوْرَۃُ الْمَاعُوْنِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سَبْعُ اٰیَاتٍ

سورہ ماعون مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں سات آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ﴿۲﴾ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب

الْمِسْکِیْنِ ﴿۳﴾ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ﴿۴﴾ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ ﴿۵﴾ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ ﴿۶﴾

نہیں دیتا،سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں، جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں۔

وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

اور ماعون سے منع کرتے ہیں

تفسیر: اوپر سورۃ الماعون کا ترجمہ لکھا گیا ہے۔ ماعون ایسی چیز کو کہتے ہیں جو معمولی سی چیز ہو اگر کسی کو استعمال کے لئے دیدی جائے تو دینے والے کے مال میں کوئی خاص کمی نہ آئے چونکہ اس سورت کے آخر میں ماعون سے منع کرنے والوں کی مذمت وارد ہوئی ہے اس لئے سورۃ الماعون کے نام سے معروف اور مشہور ہے۔

اس سورت میں چھ چیزوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اولاً فرمایا **اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ** ☆ اے نبی کیا آپ نے اسے دیکھا جو دین یعنی جزاء کو جھٹلاتا ہے یعنی قیامت کے دن کا اور اس بات کا انکار کرتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوں گے اور اعمال کی جزا سزا ملے گی۔

ثانیاً: اس شخص کی بے رحمی کا ذکر کیا اور فرمایا: **فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ** (سو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے)

ثالثاً یوں فرمایا: **وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ** (کہ یہ شخص مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا) اس میں اس منکر قیامت کی کنجوسی کی انتہا بتادی کہ یہ خود تو کسی مسکین کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا) اس میں اس منکر قیامت کی کنجوسی کی انتہا بتادی کہ یہ خود تو کسی مسکین پر کیا خرچ کرتا، دوسروں کو بھی خرچ کرنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ یتیم کو بھی دھکے دیتا ہے اور مسکین پر بھی رحم نہیں کھاتا، روز جزاء کی تکذیب کرنے والے کی یہ دونوں صفات بیان فرمائیں جس میں یہ معلوم ہوا کہ ایمان ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے دل نرم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مومن بندے رحم کرتے ہیں اور ترس کھاتے ہیں اور یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اس کی جزا ملنے کی امید رکھتے ہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور روز جزا کے واقع ہونے کا انکار کرتے ہیں ان میں رحم دلی نہیں ہوتی اگر کسی پر کچھ خرچ کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے دنیوی مطلب سے کرتے ہیں اور یوم جزاء میں ثواب ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ جب آخرت ہی کو نہیں مانتے تو ثواب کی کیا امید رکھیں گے۔ سورۃ الحاقۃ میں کافروں کا عذاب بتانے کے بعد فرمایا ہے: **اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ** (بیشک وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور مسکین کے کھانے کی ترغیب

نہیں دیتا تھا)۔ منکر قیامت کی بعض صفات بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی تین صفات بیان فرمائیں، جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر دعوے کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو منافق ہیں۔ (ان کا دعوائے ایمان جھوٹا ہے) اور وہ لوگ بھی ہیں جو ملت اسلامیہ سے تو خارج نہیں لیکن اعمال کے اعتبار سے ان کا طرز زندگی اوامر اسلامیہ کے خلاف ہے، فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ☆ (سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا دینے والے ہیں)۔ (یہ پہلی صفت ہوئی) الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُ وْنَ جو دکھلاوا کرتے ہیں (یہ دوسری صفت ہوئی) وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ اور معمولی چیز کو منع کر دیتے ہیں (یہ تیسری صفت ہوئی)۔

پہلی صفت میں یہ بیان کیا کہ کہنے کو نمازی بھی ہیں لیکن نماز سے غفلت برتتے ہیں، یہ لفظ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو نماز کو بالکل ہی نہیں پڑھتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو وقت سے ناوقت کر کے پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو اسکے ارکان اور شروط کے مطابق ادا نہیں کرتے اور ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو خشوع کی طرف دھیان نہیں دیتے اور اس کے معانی میں غور نہیں کرتے، مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو شخص ان صفات میں سے کسی بھی ایک صفت سے متصف ہوگا اسی درجہ میں آیت کا مضمون اس کو شامل ہوگا، پھر لکھا ہے کہ جس میں یہ سب صفات موجود ہوں وہ پوری طرح آیت کی وعید کا مستحق ہوگا، اور اس میں پوری طرح نفاق عملی پایا جائے گا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سورج شیطان کی دونوں سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے ان میں اللہ کو بس ذرا سا یاد کرتا ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ ریاء کاری کرتے ہیں بعض لوگ سستی کی وجہ سے اور بعض کاروباری دھندوں کی وجہ سے نماز کو بے وقت کر کے پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے دل میں نماز پڑھنے کا حقیقی جذبہ ہی نہیں ہوتا، دل تو چاہتا نہیں مگر یہ بھی خیال ہے کہ لوگ کیا کہیں گے اس لئے وقت نکلتے ہوئے کھڑے ہو کر جلدی سے جھوٹے دل سے ٹکریں مار لیتے ہیں۔

ریاء کاری بہت بری بلا ہے سورہ نساء میں منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُ وْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ ان کے دھوکے کی جزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر ذرا سا)۔

بات یہ ہے کہ جسے اللہ سے ثواب لینا ہو وہ خوب اچھی طرح دل کے ساتھ عبادت میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زبان پر جاری کرتا ہے اور دل میں بساتا ہے اس کے لئے خلوت اور جلوت برابر ہے وہ مخلوق کو اس لائق سمجھتا ہی نہیں کہ ان کے لئے کوئی ایسا عمل کرے جو عبادات میں سے ہو، اور جسے مخلوق کو راضی کرنا ہے وہ برے دل سے تھوڑا سا عمل کرتا ہے وہ بھی لوگوں کے سامنے (تنہائی میں نہیں کر سکتا) ذرا سا عمل کیا اس کا ڈھنڈورہ پیٹ دیا، تہجد پڑھا لوٹا بجا دیا، صبح ہوئی تو لوگوں کے سامنے ترکیب سے بیان کر دیا کہ میاں آج رات کو اٹھا تو سردی کے مارے لرزہ چڑھ گیا، قرآن شریف پڑھا، لوگوں کو معتقد بنانے کے لئے، اگر چند قاری جمع ہو گئے تو مجلس منعقد کرنیوالوں سے ناراض ہو گئے کہ تم نے میرے بعد دوسرے کی تلاوت کیوں رکھی، میرا جو رنگ جما تھا اسے خراب کر دیا، مقرر صاحب اسٹیج پر تشریف لائے۔ تقریر فرمائی نہ اپنے گلے سے اتری نہ سننے والوں کے کانوں سے آگے بڑھی، مقرر داد لینے والے اور سننے والے کانوں کو غذا دینے والے۔ عمل کا ارادہ کسی کا نہیں ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُ وْنَ کو مستقل آیت قرار دے کر اور يُرَآءُ وْنَ کا مفعول حذف فرما کر ہر قسم کے ریاکاروں کی

مذمت بیان فرمادی۔ بدنی عبادات کے علاوہ مالیات خرچ کرنے میں بھی ریاکاری ہوتی ہے۔ مسجد بنادی تو شہرت کے لئے اپنے نام پر مسجد کا نام رکھنے کی ضد، کسی مدرسہ میں کوئی حجرہ بنوادیا اس پر اپنے نام کا کتبہ لگانے کا اصرار، کوئی کتاب چھپوا کر تقسیم کردی اس پر اپنے نام کی تشہیر، زکوٰۃ دے دی تو اس کا اشتہار، مدارس کے سفراء سے رسید لے کر اپنے ہاتھ سے اپنے القاب وآداب کے ساتھ نام لکھنا تاکہ روئیداد میں معلے القاب کے ساتھ نام چھپے یہ چیزیں دیکھنے میں آتی رہتی ہیں اور بہت سے لوگ کسی کی مالی امداد کرتے ہیں تو احسان جتاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں سورہ بقرہ میں فرمایا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان دھر کے اور ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتا)۔

یاد رہے کہ اللہ نے جو عبادت کی توفیق دی اس سے دل میں مسرت اور خوشی آجانا، یہ ریاکاری نہیں ہے اور لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام بھی ریاکاری نہیں۔ ریاکاری یہ ہے کہ لوگوں کو معتقد بنانے کا اور شہرت اور جاہ کا ارادہ ہو بعضے جاہل مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھتے شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھائی ہے کہ لوگوں کے سامنے عمل کروں گا تو ریاکاری ہوجائے گی حالانکہ ریاءکاری دل کے اس ارادہ کا نام ہے کہ لوگ میری تعریف کریں اور میرے معتقد بنیں، سورۃ البقرہ میں فرمایا:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (اگر تم صدقات کو ظاہر کرکے دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے)۔

دیکھو صدقات ظاہر کرکے دینے کو بھی اچھی بات بتادی، مؤمن بندے کے لئے لازم ہے کہ خلوت میں ہو یا جلوت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کرے۔ مخلوق سے نہ جاہ کا امیدوار ہو نہ مال کا طالب۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (کہ یہ لوگ ماعون سے روکتے ہیں) ماعون کے بارے مفسر ابن کثیر نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز استعمال سے نہ بڑھتی ہے اور گھٹتی ہے نہ بدلتی ہے نہ خراب ہوتی ہے اس کے دینے میں کنجوسی کرنا یہ ماعون کا روکنا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ماعون کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ جو لوگ آپس میں مانگنے کے طور پر دیدیتے ہیں جیسے ہتھوڑا، ہانڈی، ڈول، ترازو اور اسی طرح کی چیزیں ماعون ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا متاع البیت یعنی گھر کا استعمالی سامان ماعون ہے حضرت عکرمہ نے ماعون کی مثال دیتے ہوئے چھلنی، ڈول اور سوئی کا بھی تذکرہ فرمایا۔ بعض حضرات نے وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کا یہ مطلب بتایا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ حضرت علیؓ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عکرمہؒ سے یہ تفسیر نقل کی گئی ہے۔ (ابن کثیر صفحہ ۵۵۵، ۵۵۶: ج۴)

اگر ریاکاری کے طور پر اچھی نماز پڑھے چونکہ وہ اللہ کے لئے نہیں اس لئے خالق جل مجدہ کے حق کی ادائیگی میں وہ بھی کنجوسی ہے اس کنجوسی کو ذکر کرنے کے بعد مال کی کنجوسی ذکر کی اس میں مانگنے پر استعمالی چیز نہ دینے کا تذکرہ فرماتے ہوئے وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ فرمایا جو مانگنے پر کوئی چیز صرف استعمال کے لئے نہ دے۔ جو استعمال سے نہ گھٹے وہ بالکل کوئی چیز کسی کو کیا دے سکتا ہے جو بالکل ہاتھ سے نکل جائے۔

زکوٰۃ نہ دینا بھی کنجوسی کی ایک شق ہے ایک آدمی کے پاس مال جمع ہوگیا اس میں قواعد شرعیہ کے مطابق زکوٰۃ فرض ہوگئی۔ جو

کل مال کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے وہ بھی پورا ایک سال گزرنے پر فرض ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کی تو یہ بہت بڑی کنجوسی ہے۔ کوئی شخص استعمال کی چیز ذرا بہت دیر کے لئے دینے سے منکر ہو جائے۔ جیسے یہ کنجوسی ہے اسی طرح معمولی چیز نہ دینا بھی کنجوسی ہے کسی کو آگ دیدی ماچس کی تیلی دیدی تلاوت کرنے کیلئے قرآن مجید دیدیا نماز پڑھنے کے لئے چٹائی دیدی۔ ان سب چیزوں میں ثواب بہت زیادہ مل جاتا ہے اور روک لینے سے کوئی اپنے پاس مال زیادہ جمع نہیں ہو جاتا جن لوگوں کا مزاج کنجوسی کا ہوتا ہے وہ کسی کو کچھ دینے یا ذرا سی مدد کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں؟ فرمایا پانی، نمک اور آگ، عرض کیا یا رسول اللہ پانی کی بات تو سمجھ میں آ گئی نمک اور آگ میں کیا بات ہے۔ فرمایا جس نے کسی کو آگ دیدی گویا اس سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے آگ نے پکایا اور جس نے نمک دیدیا گویا اس نے سارے مال کا صدقہ کر دیا جسے نمک نے مزیدار بنایا اور جس نے کسی مسلمان کو پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا، گویا اس نے ایک جان کو زندہ کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶۷ از ابن ماجہ)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کے سامنے تیرا مسکرا دینا صدقہ ہے اور امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے جو شخص راستہ گم کئے ہوا ہے راہ بتا دینا صدقہ ہے کمزور بینائی والے کی مدد کر دینا صدقہ ہے اور راستے سے پتھر، کانٹا، ہڈی ہٹا دینا صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا صدقہ ہے۔

(رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۶۹)

فائدہ: لفظ حض (مضاعف) قرآن مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ یتیم کو کھانا نہ کھلانے کی شکایت کے تذکرہ میں وارد ہوا ہے دو جگہ مجرد ہے ایک جگہ سورۃ الحاقہ میں اور ایک جگہ سورۃ الماعون میں، تیسرا جو سورۃ الفجر میں ہے باب تفاعل سے ہے۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان فی کل حین و آن

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورہ الکوثر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تین آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی سو آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔

تفسیر: یہ سورۃ الکوثر کا ترجمہ ہے بعض حضرات نے اسے مدنی سورت بتایا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں تین آیات ہیں اور تعداد آیات کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کی سب سے چھوٹی آیت ہے۔ لفظ کوثر فوعل کے وزن پر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے اسی خیر کثیر میں سے نہر کوثر بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عطا فرمائی۔ سورت کے سبب نزول کے بارے میں کئی روایات تفسیر کی کتابوں میں لکھی ہیں جنہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ہم آخری آیت کی تفسیر کے

ذیل میں لکھیں گے۔

ارشاد فرمایا اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ☆ (ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا)۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے نوازا، سید الانبیاء والرسل بنایا، قرآن عطا فرمایا، بہت بڑی امت آپ کے تابع بنائی۔ آپ کا دین سارے عالم اور ساری اقوام میں پھیلایا اور آخرت میں آپ کو بہت بڑی خیر سے نوازا۔ مقامِ محمود بھی عطا فرمایا۔ نہر کوثر بھی خیر کثیر میں کا ایک حصہ ہے۔ خیر کثیر اسی میں منحصر نہیں۔ احادیث شریفہ میں نہر کوثر کی بھی بہت عظیم صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (شب معراج) میں جنت میں چل پھر رہا تھا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہر ہے اس کے دونوں جانب موتیوں کے بنائے ہوئے ایسے قبے ہیں کہ موتیوں کو اندر سے تراش کر ایک ایک موتی کا ایک ایک قبہ بنادیا گیا ہے۔ میں نے دریافت کیا اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کے اندر کی مٹی بہت تیز خوشبو دار مشک ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے حوض کا طول اور عرض اتنا زیادہ ہے کہ اس کے ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لئے ایک ماہ کی مدت درکار ہے اور اس کے گوشے برابر ہیں۔ (یعنی طول و عرض دونوں برابر ہیں) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے اور اس کے لوٹے اسقدر ہیں جتنے آسمان کے ستارے ہیں، جو اس میں سے پیے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض اس قدر عریض و طویل ہے کہ اس کی دو طرفوں کے درمیان اس فاصلہ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جو ایلہ سے عدن تک ہے۔ سچ جانو وہ برف سے زیادہ سفید اور اس شہد سے زیادہ میٹھا ہے جو دودھ میں ملا ہوا ہو، اور اس کے برتن ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں اور میں (دوسری امتوں) کو اپنے حوض پر آنے سے ہٹاؤں گا، جیسے (دنیا میں) کوئی شخص دوسرے کے اونٹوں کو اپنے حوض سے ہٹاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس روز ہم آپ کو پہچانتے ہوں گے؟ ارشاد فرمایا ہاں (ضرور پہچان لوں گا اس لئے کہ) تمہاری ایک علامت ہوگی جو کسی اور امت کی نہ ہوگی۔ اور وہ یہ کہ تم حوض پر میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ وضو کے اثر سے تمہارے چہرے روشن ہوں گے اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از مسلم)

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آسمان کے ستاروں کی تعداد میں حوض کے اندر سونے چاندی کے لوٹے نظر آرہے ہوں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۸۷ از مسلم)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض میں دو نالے گر رہے ہوں گے جو جنت (کی نہر) سے اس کے پانی میں اضافہ کر رہے ہوں گے، ایک پرنالہ سونے کا اور دوسرا چاندی کا ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح) احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہر کوثر جنت میں ہے۔ میدانِ قیامت میں اس میں سے ایک شاخ لائی جائے گی جس میں اوپر سے پانی آتا رہے گا اور اہل ایمان اس میں سے پیتے رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ ہے (حوض کی وسعت کئی طرح ارشاد فرمائی ہے کہیں ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ اس کی طرفوں کے درمیان فرمایا کہیں ایلہ اور عدن کے درمیانی فاصلہ سے بھی اس کی وسعت کو تشبیہ دی کہیں کچھ اور فرمایا۔ ان مثالوں کا مقصد حوض کی وسعت کو سمجھانا ہے۔ ناپی ہوئی مسافت بتانا مراد نہیں ہے۔ اہل مجلس کے لحاظ سے وہ مسافت اور فاصلہ ذکر فرمایا ہے جسے وہ سمجھ سکتے

تھے۔ حاصل سب روایات کا یہ ہے کہ اس حوض کی مسافت سینکڑوں میل ہے)۔ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور مشک سے بہتر اس کی خوشبو ہے۔ اس کے پیالے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ جو اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔ سب سے پہلے اس پر مہاجر فقراء آئیں گے۔ کسی نے (اہل مجلس میں سے) سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ان کا حال بتا دیجئے۔ ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں (دنیا میں) جن کے سروں کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے (بھوک اور محنت و تھکن کے باعث) بدلے ہوتے تھے۔ ان کے لئے (بادشاہوں اور حاکموں) کے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے اور عمدہ عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دی جاتی تھیں، اور (ان کے معاملات کی خوبی کا یہ حال تھا کہ) ان کے ذمہ جو (کسی کا) حق ہوتا تھا سب چکا دیتے تھے اور ان کا حق جو (کسی پر) ہوتا تھا تو پورا نہ لیتے تھے (بلکہ تھوڑا بہت) چھوڑ دیتے تھے۔ (الترغیب والترہیب)

یعنی دنیا میں ان کی بدحالی اور بے مائیگی کا یہ حال تھا کہ بال سدھارنے اور کپڑے صاف رکھنے کا مقدور بھی نہ تھا، اور ظاہر کے سنوارنے کا ان کو ایسا خاص دھیان بھی نہ تھا کہ بناؤ سنگار کے چوچلوں میں وقت گزارتے، اور آخرت سے غفلت برتتے۔ ان کو دنیا میں افکار و مصائب ایسے درپیش رہتے تھے کہ چہروں پر ان کا اثر ظاہر تھا، اہلِ دنیا ان کو ایسا حقیر سمجھتے تھے کہ مجلسوں اور تقریبوں اور شاہی درباروں میں ان کو دعوت دے کر بلانا تو کیا معنی ان کے لئے ایسے مواقع میں دروازے ہی نہ کھولے جاتے تھے اور وہ عورتیں جو ناز و نعمت میں پلی تھیں ان خاصانِ خدا کے نکاحوں میں نہیں دی جاتی تھیں۔ مگر آخرت میں ان کا یہ اعزاز ہوگا کہ حوضِ کوثر پر سب سے پہلے پہنچیں گے، دوسرے لوگ ان کے بعد اس مقدس حوض سے پی سکیں گے۔ (بشرطیکہ اہلِ ایمان ہوں اور اس میں سے پینے کے لائق ہوں)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب آنحضرت سید عالم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا کہ حوض کوثر پر سب سے پہلے پہنچنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے رہتے تھے اور جن سے عمدہ عورتوں کے نکاح نہ کئے جاتے تھے اور جن کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے تھے تو اس ارشادِ نبوی ﷺ کو سن کر (گھبرا گئے) اور بے ساختہ فرمایا کہ میں تو ایسا نہیں ہوں، میرے نکاح میں عبد الملک کی بیٹی فاطمہ (شہزادی) ہے اور میرے لئے دروازے کھولے جاتے ہیں لامحالہ اب تو ایسا کروں گا کہ اس وقت تک سر کو نہ دھوؤں گا جب تک بال بکھر نہ جایا کریں گے اور اپنے بدن کو اس وقت تک نہ دھوؤں گا جب تک میلا نہ ہو جایا کرے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حوض (کوثر) پر تمہارے پلانے کا انتظام کرنے کے لئے پہلے سے پہنچا ہوا ہوں گا۔ جو میرے پاس سے گزرے گا پی لے گا اور جو اس میں سے پی لے گا کبھی اسے پیاس نہیں لگے گی پھر فرمایا بہت سے لوگ میرے پاس سے گزریں گے۔ جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ لگا دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ میرے آدمی ہیں جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں نکال لی تھیں اس پر میں کہوں گا دور ہوں، دور ہوں جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

دین میں پچر لگانے والوں کا اس وقت کیسا برا حال ہوگا جبکہ قیامت کے دن پیاس سے بے تاب اور عاجز و بے کس ہوں گے اور حوض کوثر کے قریب پہنچا کر دھتکار دیئے جائیں گے، اور رحمۃ للعالمین ﷺ ان کی ایجادات کا حال سن کر ''دور دور'' فرما کر پھٹکار دیں گے۔

قرآن و حدیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسی پر چلنے میں بھلائی ہے کامیابی ہے لوگوں نے سینکڑوں بدعتیں نکال رکھی ہیں اور دین میں ادل بدل کر رکھا ہے جن سے ان کی دنیا بھی چلتی ہے اور نفس کو مزہ بھی آتا ہے اور مختلف علاقوں میں مختلف بدعتیں رواج

پا گئی ہیں۔ایسے لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے تو الٹا سمجھانے والے ہی کو برا کہتے ہیں۔ہم سیدھی اور موٹی سی ایک بات کہے دیتے ہیں کہ جو کوئی کام کرنا ہو آنحضرت ﷺ نے جیسے فرمایا اس طرح کریں اور جس طرح آپ نے کیا اسی طرح عمل کریں اور اپنے پاس سے کوئی عمل تجویز نہ کریں۔

دنیا دار پیر فقیر یا علم کے جھوٹے دعویدار اگر کہیں کہ فلاں کام میں ثواب ہے اور اچھا ہے تو ان سے ثبوت مانگو اور پوچھو کہ بتاؤ آنحضرت ﷺ نے کیا ہے یا نہیں؟ اور حدیث شریف کی کس کتاب میں لکھا ہے، آنحضرت ﷺ کو ایسا کرنا پسند تھا؟

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سو آپ اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے) جب آپ کے رب نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمادی تو عبادت کی طرف زیادہ توجہ کیجئے، نمازیں پڑھتے رہا کریں، فرائض بھی اور نوافل بھی، اور جانوروں کی قربانی کرتے رہیں۔ان کے ذبح کے وقت اپنے رب کا نام لیں۔

پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو کوثر یعنی دنیا و آخرت میں خیر کثیر عطاء فرمانے کی خوش خبری دی اب اس آیت میں اس کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور دو کاموں میں مشغول ہونے کی خاص تلقین فرمائی۔ایک نماز، دوسری قربانی۔نماز بدنی اور جسمانی عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے اور قربانی مالی عبادتوں میں سے ہے اور اس بناء پر خاص امتیاز اور اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے خلاف ایک جہاد ہے مشرکین بتوں کے نام سے قربانی کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے نبی ﷺ کو اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کو حکم دیا کہ اللہ کے نام سے قربانی کیا کریں۔

لفظ **نَحر** عربی زبان میں اونٹوں کو ذبح کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا، اہلِ عرب کے نزدیک اونٹ بڑا قیمتی مال سمجھا جاتا تھا اس آیت میں اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔گائے اور بکری کی قربانی بھی مشروع ہے جو احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ایام حج میں منیٰ میں اور پورے عالم میں ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخوں میں اللہ کی رضا کے لئے قربانیاں کی جاتی ہیں۔چونکہ لفظ **لِرَبِّكَ** بھی ساتھ ہی لایا گیا ہے۔اس لئے مطلق ذبح کرنا مراد نہیں ہے قربانی وہی ہے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو۔

بعض لوگوں نے **وَانْحَرْ** کا ترجمہ کیا ہے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنے چاہئیں اور اسے حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے یہ صحیح نہیں۔(ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ صفحہ ۵۵۸: ج ۴)

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (بے شک آپ سے بغض رکھنے والا ہی ابتر ہے)۔

تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عاص بن وائل (جو کہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک دشمن تھا) جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرتا تھا تو کہتا تھا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑو ان کے آل و اولاد تو ہے نہیں موت کے بعد ان کا ذکر و فکر ختم ہو جائے گا اس پر سورۃ الکوثر نازل ہوئی اس میں بتادیا کہ آپ کا ذکر اللہ تعالیٰ بہت بڑھائے گا، جو شخص آپ سے دشمنی کرنے والا ہے وہ ہی بے نام نشان رہ جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف (جو مدینہ منورہ کے رہنے والے یہودیوں میں ایک مالدار شخص تھا) وہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ پہنچا اس سے قریش مکہ نے کہا کہ تو سردار آدمی ہے تو اس نوعمر لڑکے کو دیکھ، بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے ہم لوگ حجاج کی خدمت کرتے ہیں انہیں پانی پلاتے ہیں کعبہ شریف کے متولی ہیں (کیا ہم اس سے بہتر نہیں ہیں؟) اس پر کعب بن اشرف نے کہا کہ تم لوگ اس سے بہتر ہو، اس پر آیت کریمہ **اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ** نازل ہوئی۔(رواہ البزار قال ابن کثیر ھو اسناد صحیح)

اور حضرت ابن عباس سے یوں مروی ہے کہ یہ سورت ابولہب کے بارے میں نازل ہوئی، جب رسول اللہ ﷺ کے ایک

صاحبزادہ کی وفات ہوگئی تو ابولہب مشرکین کے پاس گیا اور کہا کہ ان کی نسل ختم ہوگئی۔ اب ان کا ذکر وفکر کچھ نہیں ہوگا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، آپ کے دشمنوں نے یہ خیال کیا کہ آل اولاد ہی سے انسان کا ذکر اور چرچا باقی رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد میں سے کوئی باقی نہیں لہٰذا ان کا ذکر تھوڑے ہی سے دن ہے یہ ان لوگوں کی جہالت اور حماقت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کا ذکر خوب بلند کیا، آسمانوں میں بھی بلایا، فرشتوں میں تعارف کرایا، پوری دنیا میں آپ پر ایمان لانے والے پیدا فرمائے۔ سلام بھیجنا مشروع فرمایا، آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ کروڑوں افراد کو پورے عالم میں آپ کی امت اجابت میں شامل فرمایا، ہروقت لاکھوں کی تعداد میں آپ پر امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے اور دشمنان اسلام بھی آپ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

حضرت سرورِ عالم ﷺ کی نسل (جو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے) لاکھوں کی تعداد میں گزر چکی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں اب بھی موجود ہے اور آپ پر ایمان لانے والے کروڑوں گزر چکے ہیں اور کروڑوں موجود ہیں، جن لوگوں نے آپ سے دشمنی رکھی اور یوں کہا کہ ان کا ذکر فکر کچھ نہ رہے گا خود یہ دشمن بے نام ونشان ہوگئے آج ان کا نام لیوا کوئی نہیں ہے۔ دنیا سے خود بھی گئے نسل بھی ختم ہوگئی۔ **فلعنة الله علی من عادی انبیاء الله تعالیٰ** ۔ (پس اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی مخالفت کرتا ہے)

لفظ شانئ صیغہ اسم فاعل ہے اس کا مصدر شَنَآن ہے سورۃ مائدہ میں فرمایا ہے ”**وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا**“ اور لفظ اَبْتَر اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا مادہ بتر ہے جو کاٹنے کے معنی میں آتا ہے یہاں مبتور کے معنی میں ہے جس کا ذکر منقطع ہوگویا ہوآگے پیچھے کوئی نہ رہا ہو ایسے شخص کو ابتر کہتے ہیں اردو والے اس کو بدتر کے معنی میں لیتے ہیں یہ ان کی وضع ہے عربی میں ابتر کا یہ معنی نہیں ہے۔

سقانا الله من حوض نبيه المجتبیٰ و رسوله المصطفیٰ ﷺ دائما ابدا

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۂ کافرون مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو، اور نہ میں

عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے

تفسیر: یہ سورہ کافرون کا پورا ترجمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل مکہ مشرک تھے کعبہ معظمہ تک کے اندر بت رکھ چھوڑے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایمان کی دعوت دی اور شرک چھوڑنے کی تبلیغ کی تو ان کو یہ بات بہت کھلی، پہلے تو آپ سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو الصادق الامین کہتے تھے۔ جب آپ نے بت پرستی چھوڑنے کا حکم فرمایا تو سخت ترین دشمن

ہو گئے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگے، ایک دن ایسا ہوا کہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور اسود بن المطلب اور امیہ بن خلف آپس میں مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد آؤ ہم اور تم ساجھا کرلیں آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں اس طرح سے ہمارا اور آپ کا دین مشترک ہو جائے گا، آپ کو بھی ہمارے دین میں سے کچھ حصہ مل جائے گا۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ قریش مکہ میں جو بہت سرکش لوگ تھے انہوں نے کہا اے محمد آؤ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ شانہ کے سوا کسی کی عبادت کروں، کہنے لگے کہ آپ اتنا کیجئے ہمارے بعض معبودوں کو بوسہ دے دیجئے ہم آپ کی تصدیق کرلیں گے اور ہم آپ کے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے۔ اس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔ آپ مسجد الحرام تشریف لے گئے وہاں قریش کی ایک جماعت موجود تھی۔ وہیں کھڑے ہو کر آپ نے برملا بلاخوف وخطر یہ سورت ان لوگوں کو سنادی اسے سن کر یہ لوگ آپ کی طرف سے بالکل ناامید ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا یہ کبھی ذرا بھی نہیں جھک سکتے اور ہمارا دین قبول نہیں کر سکتے۔ (ذکرہ صاحب الروح)

دوسری اور تیسری آیت بظاہر چوتھی پانچویں کے ہم معنی ہے اس لئے بعض حضرات نے بعد والی دونوں آیتوں کو پہلی دو آیتوں کی تاکید قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ان چاروں میں پہلی آیت چونکہ جملہ فعلیہ ہے جو وقت موجودہ میں کسی کام کے کرنے پر دلالت کرتا ہے اس لئے وہ اور اس کے بعد والا جملہ یہ بتا رہا ہے کہ وقتِ موجودہ میں نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو، اور اس کے بعد جو وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ فرمایا ہے یہ جملہ اسمیہ ہے اس کی دلالت کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں لہٰذا یہ آئندہ زمانہ پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ آئندہ بھی کبھی میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرنے والا نہیں ہوں، اور تم بھی آئندہ میرے معبود کی عبادت کرنے والے نہیں ہو۔

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ دو جگہ ہے۔ دونوں جگہ ایک ہی معنی ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظی اعتبار سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے لیکن چونکہ پہلی جگہ صیغہ مضارع کے ساتھ منسلک ہے اسی لئے اسی کے ہم معنی لیا گیا اور چونکہ تاسیس اولیٰ ہے تاکید سے اسلئے پہلی تصریح کو حال پر اور دوسری تصریح کو استقبال پر محمول کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابہ)

یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس زمانے کے کافروں میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے پھر یہ کیسے فرمایا کہ تم لوگ آئندہ بھی میرے معبود کی عبادت کرنے والے نہیں ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص موحد ہوتے ہوئے مشرک نہیں ہو سکتا اور مشرک ہوتے ہوئے موحد نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ بالا خطاب کافروں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تک تم مشرک ہو میرے معبود کی عبادت نہیں کر سکتے جو اس کے ہاں مقبول ہے۔

آخر سورۃ میں لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ فرمایا اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ پہلی بات کی تاکید ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارا دین شرک ہے جس پر تم جمے ہوئے ہو اور میرا دین توحید ہے جس پر میں پختگی سے جما ہوا ہوں نہ تم میرا دین قبول کرنے والے ہو نہ میں تمہارے دین پر آنے والا ہوں، اور بعض مفسرین نے یہ مطلب بتایا ہے کہ تم میرا دین قبول نہیں کرتے تو تم جانو میں دعوتِ حق دے چکا، نجات کا راستہ بتا چکا، تم دعوتِ حق کو قبول نہیں کرتے تو میرا پیچھا چھوڑو، مجھے تو شرک کی دعوت نہ دو، اور تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے عقیدہ اور عمل کی جزا ملے گی تمہیں تمہارے شرک وکفر کا بدلہ ملے گا اور مجھے توحید پر رہنے اور جمنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا بدلہ ملے گا۔ تم تو حق قبول نہیں کرتے اور مجھے باطل کی دعوت دے

کر باطل کی جزا میں مبتلا کرنا چاہتے ہو میں اپنے رب کی طرف سے ملنے والی جزائے خیر کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

بعض حضرات نے سورۃ الکافرون کا یہ مطلب لے کر کہ کافروں سے صلح نہیں کی جاسکتی یوں کہا ہے کہ مضمون سورۃ منسوخ ہے کیونکہ شریعت مطہرہ میں بعض مواقع میں کفار ومشرکین سے صلح کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود مدینہ سے صلح کرلی تھی، بات یہ ہے کہ سورۃ الکافرون میں اس خاص قسم کی صلح سے براءت ظاہر فرمائی ہے جس میں مسلمانوں کو کفر اختیار کرنا پڑے یا اصولِ اسلام کے خلاف کسی شرط کو قبول کرلیا جائے یا کسی ایسے عمل کو اختیار کرنا لازم آئے جو اصولِ اسلام کے خلاف ہو۔ عمومی احوال میں جو شریعت کے مطابق مصالحت کرنے کی اجازت ہے سورۃ الکافرون کی آیت کریمہ میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا لہٰذا منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ: بعض ایسے فرقے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں جب انہیں کوئی شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ خود ساختہ دین کو چھوڑو اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ عقائد اور اعمال کو قبول کرو تو **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ** سنا کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو پورے قرآن مجید میں بس یہی ایک آیت ملی ہے وہ بھی حق سے دور بھاگنے کے لئے یاد کر رکھی ہے۔ آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایمان وکفر سے کوئی بحث نہیں اور جو شخص جو بھی دین اختیار کرلے کفر ہو یا ایمان اسے اس کی اجازت ہے۔ (العیاذ باللہ)

شروع سورت میں کافروں کو کافر کہہ کر خطاب فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے اعلان کروایا ہے کہ تمہارا دین الگ ہے اور میرا دین الگ ہے پھر بھلا اس دین کے اختیار کرنے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے جو قرآن کی تصریحات کے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہو، گمراہ فرقوں کے قائدوں نے (جنہیں یہ لوگ امام کہتے ہیں) انہیں یہ آیت بتادی ہے یہ ان کی گمراہی کی بات ہے۔

فائدہ: احادیثِ شریفہ میں سورۃ الکافرون کے پڑھنے کی فضیلت اور اس کی تلاوت کے مواقع جگہ جگہ مذکورہ ہیں۔ سورۃ الزلزال کی تفسیر میں حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورہ **قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ** چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو سنتوں میں **قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُونَ** اور **قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ** پڑھی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز میں **قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُونَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ** پڑھتے تھے۔ (رواہ ابن ماجہ) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نہیں شمار کرسکتا کہ کتنی مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مغرب کے بعد والی دو رکعتوں میں اور فجر سے پہلے دو رکعتوں میں **قُلْ يَاأَيُّهَا الْكٰفِرُونَ** اور **قُلْ هُوَ اللّٰهُ** پڑھتے ہوئے سنا۔ (الاحادیث من المشکوٰۃ صفحہ ۸۰)

حضرت فروہ بن نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جسے میں اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھ لیا کروں آپ نے فرمایا کہ سورت **قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ** پڑھ لیا کرو کیونکہ اس میں شرک سے بیزاری ہے۔ (رواہ الترمذی وداؤد والدارمی)۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کو پڑھ کر سو جاؤ (سوتے وقت جو آخری چیز تمہاری زبان سے نکلے وہ سورۃ الکافرون ہونی چاہیئے (رواہ ابوداؤد)۔

نسال اللہ تعالیٰ الدوام علی الایمان

وھو المستعان و علیہ والتکلان

سُوْرَۃُ النَّصْرِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثُ اٰیَاتٍ

سورۃ نصر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

جب آجائے اللہ کی مدد اور فتح اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں سو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے جس کے ساتھ حمد بھی ہو

وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

اور اس سے مغفرت طلب کیجئے بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے

تفسیر: اوپر سورہ نصر کا ترجمہ کیا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ فوج درفوج، جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول ہو جائیں اور تسبیح کے ساتھ اللہ کی حمد بھی بیان کریں مثلاً یوں کہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کریں اور آخر میں یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو ہمیشہ ہی تسبیح وتحمید و استغفار میں لگے رہتے تھے اس صورت میں جو ان چیزوں میں مشغول رہنے کے لئے خطاب فرمایا ہے اس خطاب کی وجہ سے آپ نے اور زیادہ تسبیح وتحمید اور استغفار کی کثرت شروع فرمادی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ آپ اپنی آخر عمر میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ (ذکرہ ابن کثیر وعزاہ الی الامام احمد)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا کرتے تھے میں نے جو اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے، پھر آپ نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کو آخر تک تلاوت فرمایا۔ (ذکرہ ابن کثیر ایضاً وعزاہ الی ابن جریر)

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں الفتح سے فتح مکہ مراد ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات سے دو سال پہلے یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری موت قریب ہے یہ سن کر وہ رونے لگیں پھر آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے گھر والوں میں سے تم مجھ سب سے پہلے آکر ملوگی یہ سن کر وہ ہنسنے لگیں۔

(ابن کثیر عن البیہقی صفحہ ۵۶۱: ج ۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو مشائخ بدر کی مجلس میں ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ بعض حضرات کو نا گوار ہوا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلس میں کیوں بٹھاتے ہیں (حالانکہ نو عمر ہیں) اور ان جیسے ہمارے لڑکے بھی ہیں انہیں ہمارے ساتھ مجلس میں کیوں نہیں بٹھاتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو ایک دن ان حضرات کی موجودگی میں حضرت ابن عباس کو بلایا اولاً ان حضرات سے پوچھا کہ بتاؤ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ میں کیا بات بتائی گئی ہے ان میں سے بعض نے تو خاموشی اختیار کی اور بعض نے جواب

دیا کہ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ کی مدد آجائے اور ممالک فتح ہو جائیں تو اللہ کی حمد کریں اور استغفار میں مشغول رہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ سے کہا کیا بات اسی طرح ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے کہا نہیں۔ فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی اس سورت کا مطلب یہی سمجھتا ہوں۔ (تفرد بہ البخاری)

چونکہ اس سورت میں آپ کی وفات کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ دنیا سے جلدی تشریف لے جانیوالے ہیں اور تسبیح وتحمید اور استغفار میں مشغول ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے آخر عمر میں آپ ان تینوں چیزوں کی مشغولیت کے ساتھ دیگر امورِ متعلقہ آخرت میں بھی پہلے کی بنسبت اور زیادہ کوشش فرماتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ پوری سورت الفتح پڑھی اور آخیر میں کہا فاخذ باشد ما کان قط اجتهاداً فی امر الاخرة (پس آپ آخرت کے امور میں سب سے زیادہ کوشش میں لگ گئے) (ابن کثیر عن الطبرانی)۔

رسول اللہ ﷺ کسی وقت بھی اعمال آخرت سے غافل نہیں رہتے تھے، اور ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے اور سورۃ النصر نازل ہونے کے بعد اس طرف اور زیادہ متوجہ ہو گئے، جو دعوت کا کام آپ کے ذمہ تھا یعنی لوگوں کو دینِ اسلام اور احکامِ اسلام پہنچانا یہ بھی بہت بڑا کام ہے اور بہت بڑی عبادت ہے لیکن اس کے انجام دینے میں مخلوق کی طرف بھی توجہ دینی پڑتی ہے لہٰذا آپ کو حکم دیا گیا کہ خصوصیت کے ساتھ ایسی عبادت کا بھی اہتمام کریں جس میں بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اسی کو فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ میں ارشاد فرمایا ہے اور اس سورت میں فرمایا کہ اب جب کہ اس دنیا سے جانے کا وقت قریب ہے تو اور زیادہ تسبیح وتحمید اور استغفار میں لگے رہیں آپ نے اس پر عمل فرمایا اور آیت کریمہ کے نازل ہونے کے دو سال بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کے کام میں بہت محنت کی بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں مکہ والوں میں سے چند ہی آدمیوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کو ہجرت پر مجبور کیا پورے جزیرہ عرب میں آپ کی بعثت کی خبر پھیل گئی تھی اور آپ کی دعوتِ حق کا علم ہو گیا تھا لیکن ایمان نہیں لاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ابھی انتظار کرو، دیکھتے رہو ان کا اپنی قوم کے ساتھ کیا انجام ہوتا ہے جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تب بھی قریش مکہ ایمان نہ لائے اور بدر اور احد میں جنگ کرنے کے لئے چڑھ آئے اور غزوہ احزاب میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا پھر جب رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو مکہ والے بھی مسلمان ہو گئے اور عرب کے دوسرے قبائل نے بھی اسلام قبول کر لیا یہ لوگ جوق در جوق فوج در فوج مدینہ منورہ میں آتے تھے اور اسلام قبول کر کے واپس جاتے تھے اسی کی وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا میں پیشگی خبر دے دی تھی۔

حضرات مشائخ نے فرمایا کہ جو حضرات کسی بھی طرح سے دین کی خدمت کرتے ہیں۔ جب بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور موت قریب معلوم ہونے لگے تو حسب ہدایت قرآنیہ ذکر وتلاوت اور عبادت میں خوب زیادہ مشغول ہو جائیں۔

فضیلت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے دریافت فرمایا کیا تم نے نکاح نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں، کیسے نکاح کروں؟ فرمایا کیا سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ نہیں ہے، عرض کیا، ہاں ہے، فرمایا وہ چوتھائی قرآن ہے پھر فرمایا کہ کیا تیرے پاس قل یایھا الکفرون نہیں ہے، عرض کیا ہاں وہ میرے پاس ہے۔ فرمایا وہ چوتھائی قرآن ہے۔ پھر فرمایا کیا تیرے پاس سورہ اذا زلزلت الارض نہیں ہے۔ عرض کیا ہاں ہے فرمایا وہ چوتھائی قرآن ہے، تم نکاح کر لو۔ ان سورتوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارا نکاح کر دے گا۔

(ذکرہ ابن کثیر تفسیر فی سورہ زلزال وعزاہ الی سنن الترمذی)

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ لہب مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو جائے، نہ اس کے مال نے اسے فائدہ دیا اور نہ اس کی کمائی نے وہ عنقریب شعلہ مارتی ہوئی بڑی آگ میں داخل ہوگا

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤

اور اس کی بیوی بھی، بری عورت جو لکڑیاں لادنے والی ہے اس کے گلے میں رسی ہے کھجور کی چھال کی

تفسیر: سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے والد کے دس بھائی تھے جو عبدالمطلب کے بیٹے تھے ان میں ایک شخص ابولہب بھی تھا اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا تو قریش مکہ میں سے جن لوگوں نے بہت زیادہ آپ کی دشمنی پر کمر باندھی ان میں ابولہب بھی تھا۔ یہ بہت زیادہ مخالفت کرتا تھا اور اس کی بیوی بھی آپ کی مخالفت میں بہت آگے بڑھی ہوئی تھی، جب سورۃ الشعراء کی آیت کریمہ **وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ صفا پہاڑ پر تشریف لے گئے اور قریش کے قبیلوں کو نام لے لے کر پکارتے رہے اے بنی عدی ادھر آؤ اور اے بنی فہر ادھر آؤ، آپ کے بلانے پر قریش جمع ہو گئے اور انہوں نے اتنا اہتمام کیا کہ جو شخص خود نہیں آ سکتا تھا اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو بھیج دیا، جو وہاں حاضر ہو کر بات سن لے، حاضر ہونے والوں میں ابولہب بھی تھا آپ نے فرمایا کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ یہاں قریب ہی وادی میں گھوڑا سوار دشمن ٹھہرے ہوئے ہیں جو تم پر غارت گری والے حملہ کا ارادہ کر رہے ہیں کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں ہم تصدیق کریں گے ہم نے آپ کے بارے میں یہی تجربہ کیا ہے کہ آپ ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں۔ آپ نے نام لے لے کر سب کو موت کے بعد کے لئے فکرمند ہونے کی دعوت دی اور فرمایا کہ اپنی جانوں کو خرید لو یعنی ایسے اعمال اختیار کرو جن کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے بچ جاؤ، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے چھڑانے کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا، اے بنی عبد مناف میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتا۔ اے عباس عبدالمطلب کے بیٹے میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتا۔ اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد (ﷺ) لو مجھ سے جو چاہے میرے مال سے طلب کر لے میں تجھے اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتا اور آپ نے تمام حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے یوں بھی فرمایا: **اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ** (میں تمہیں پہلے سے عذاب شدید سے ڈرا رہا ہوں (اگر تم نے میری بات نہ مانی تو سخت عذاب میں مبتلا ہو گے)۔ یہ سن کر ابولہب بول پڑا اور اس نے کہا **تبا لک سائر الیوم الھذا جمعتنا** (ہمیشہ کے لئے تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے اس بات کے لئے ہمیں جمع کیا ہے) اس پر **تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ☆ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ☆** نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۷۰۲: ج ۲)

صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اس میں یہ لفظ ہے کہ **فَعَمَّ وَخَصَّ** کہ آپ نے عمومی خطاب بھی فرمایا اور الگ الگ نام لے کر بھی بات کی، بنی کعب بن لوی اور بنی مرہ بن کعب بنی عبد شمس اور بنی عبد مناف اور بنی ہاشم سے فرمایا کہ اپنی جانوں کو

دوزخ سے بچالو، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتا، اس پر ابولہب بول پڑا اور اس نے وہی بات کہی جو اوپر مذکور ہے اور سورہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی۔ (مسلم صفحہ ۱۱۴: ج ۱)

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اس لئے اسے ابولہب کے لقب سے معروف تھا (لہب آگ کی لپٹ کو کہتے ہیں) خوبصورتی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی اس کا یہ لقب مشہور تھا جب اس نے آپ کے خطاب کے جواب میں گستاخی والے الفاظ زبان سے نکالے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دنیا و آخرت والی رسوائی اور تکلیف اور عذاب کی خبر دی تو لہب یعنی آگ کی لپٹ کی مناسبت سے (جس میں اس کے جلنے کی پیشگی خبر دی ہے) لفظ ابولہب استعمال فرمایا جو آگ میں جلنے پر دلالت کرتا ہے پرانا لفظ جو اس کے لئے خوشی کا لقب تھا اب اس کی مذمت اور قباحت اور دنیا و آخرت کی رسوائی اور عذاب شدید میں مبتلا ہونے کی خبر پر دلالت کرنے والا بن گیا۔

تَبَّ ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل ضمیر ہے جو ابولہب کی طرف راجع ہے اور تبت واحد مونث غائب کا صیغہ ہے اور يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ اس کا فاعل ہے (اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا) یہ لفظ تباب سے ماخوذ ہے تباب ہلاکت کو کہا جاتا ہے کما فی سورۃ المومن وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ☆ ۔ یہ جو فرمایا کہ ابولہب کے ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود بھی ہلاک ہو اس میں ہاتھوں کا ذکر کیوں لایا گیا؟ اس کے بارے میں علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے ہاتھوں سے پتھر پھینکا تھا جس سے آپ کی پاؤں مبارک کی ایڑی خون آلودہ ہوگئی تھی لہذا اس کے ہاتھوں کی ہلاکت کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا۔

ترجمہ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں، یہ اردو کے محاورے میں ہے اردو میں کہا جاتا ہے کہ فلاں کے ہاتھ ٹوٹیں یعنی پوری طرح ہلاک اور برباد ہو۔

ابولہب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو پیشگی خبر دی کہ وہ ہلاک ہوا اور یہ کہ جلنے والی آگ میں داخل ہوگا اس میں پہلی بات کا مظاہرہ دنیا ہی میں ہو گیا اور وہ اس طرح سے کہ اس کے جسم میں بہت خطرناک قسم کی چیچک نکل آئی جس کی وجہ سے لوگ اس سے گھن کرنے لگے اور اپنے عقیدہ کی وجہ سے اس کے پاس جانے سے ڈرنے لگے کہ کہیں یہ مرض ہمیں نہ لگ جائے لہذا اپنے اور پرائے اس سے دور ہو گئے، ایک گھر میں علیحدہ ڈال دیا گیا اور وہ بے بسی اور بے کسی کی حالت میں مر گیا تین روز تک اس کی نعش یوں ہی پڑی رہی جب سڑنے لگی تو لوگوں نے اس کے بیٹوں کو عار دلائی کہ دیکھو تمہارا باپ کس حال میں پڑا ہے اس پر انہوں نے ایک شخص کی مدد سے ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور اس کے بعد اس کو برابر پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ وہ ان میں دب گیا۔ (البدایہ صفحہ ۳۰۹: ج ۳)

اور الروض الانف میں ہے کہ اس کو ایک لکڑی کے گڑھے میں ڈالدیا پھر اس پر پتھر برسا دیئے گئے۔ مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ابولہب کو اسی پر ڈال دیا گیا تھا اور یہ پہاڑ جبل ابولہب کے نام سے معروف ہے۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (ابولہب کو اس کے مال نے اور جو کچھ اس نے کمایا اس نے کچھ فائدہ نہ دیا)۔ ابولہب کثیر المال تھا تجارت کے منافع سے مالا مال تھا اور اولاد بھی اس کی خاصی تعداد میں تھی بعض مفسرین نے فرمایا ہے مَا كَسَبَ سے اولاد مراد ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ كسبكم یعنی انسان کی اولاد اس کے کسب میں سے ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۹۲)۔ لہذا آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ ابولہب کو اس کے مال نے اور اس کی اولاد نے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا دنیا میں بھی بدحالی کے ساتھ مرا اور آخرت میں تو دوزخ میں جانا ہے ہی۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو ایمان کی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے چھڑالو۔ اس پر ابولہب نے کہا کہ اگر وہ بات صحیح ہے جو میرا بھتیجا بتا رہا ہے (کہ ایمان نہ لائے تو عذاب میں مبتلا ہونگے) تو میں اپنی جان کے بدلہ میں اپنا مال اور اولاد دے کر چھوٹ جاؤں گا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت کریمہ **مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ** نازل فرمائی۔

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (عنقریب یعنی قیامت کے دن لپٹ مارنے والی آگ میں داخل ہوگا)۔

وَامْرَاَتُهٗ (اور اس کی بیوی بھی) اس کی بیوی کا نام اروٰی اور کنیت ام جمیل تھی جو ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی اپنے شوہر کی طرح یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی بہت سخت دشمن تھی میاں بیوی دونوں کو لپٹیں مارنے والی آگ میں داخل ہونے کی خبر دنیا ہی میں دیدی گئی۔ یوں تو سبھی کافر دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن ان دونوں کا خصوصی نام لے کر نار کی خبر دیدی جو مزید مذمت اور قباحت کا باعث بن گئی۔ رہتی دنیا تک یہ سورت پڑھی جاتی رہے گی اور قارئین کی زبان سے نکلتا رہے گا کہ یہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (بالنصب فی قراۃ عاصم) اس کا عامل محذوف ہے جو اَذُمُّ ہے یعنی میں اس کی مذمت بیان کرتا ہوں، وہ لکڑیاں اٹھائی پھرتی تھی، اس کی دوسری مذموم حرکتیں تو تھیں ہی ان میں سے یہ حرکت بھی تھی کہ کانٹے دار لکڑیاں جمع کر کے اٹھائے پھرتی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے راستے میں ڈال دیتی تھی آپ تو اس پر آسانی سے گزر جاتے تھے لیکن اس عورت کی شقاوت اور بدبختی کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ **حَمَّالَةَ الْحَطَبِ**۔ میں اس کی کنجوسی بیان کی گئی ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کو تنگ دستی کا طعنہ دیا اس کے مقابلہ میں اس عورت کی کنجوسی ظاہر کی گئی کہ پیسے والی ہوتے ہوئے اپنی کمر پر لکڑی کی گھٹڑیاں اٹھا کر لاتی ہے۔ حضرت مجاہد تابعی نے حمالۃ الحطب کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ چغلی کھاتی تھی چغلی کھانے والا چونکہ لوگوں کے درمیان آگ جلاتا ہے اس لئے چغلی کھانے کو ہیزم کش لکڑیاں جلانے والا کہا جاتا ہے اس کی تفسیر میں چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے گناہوں کا بوجھ لاد کر لے جانا مراد ہے۔ اور پانچویں تفسیر یوں کی گئی ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں اپنے شوہر کی مدد کرتی تھی اسی طرح دوزخ میں وہ اپنے شوہر پر لکڑیاں ڈالتی رہے گی تاکہ اس کو اور زیادہ عذاب ہو۔ (ذکرہ ابن کثیر)

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (اس کی گردن میں رسی ہے کھجور کی چھال کی) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ پہلی بات سے متعلق ہے یعنی لکڑیاں لانے اور اٹھانے کے لئے اپنے گلے میں رسی باندھ لیتی تھی (یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ گٹھری اٹھانے کے لئے گلے میں رسی نہیں ڈالی جاتی) حضرت سعید بن مسیّب نے فرمایا ہے کہ اس کے گلے میں ایک قیمتی ہار تھا وہ کہتی تھی کہ میں اس ہار کی قیمت کو محمد ﷺ کی دشمنی میں خرچ کردونگی اس کے عوض دوزخ کی ایک رسی اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی جو آگ کی رسی ہوگی جس طرح کھجور کی چھال سے رسی بناتے ہیں اسی طرح سے وہ رسی آگ سے بنائی ہوئی ہوگی۔

لفظ مَسَدٍ کا ایک ترجمہ وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی کھجور کی چھال اور بعض حضرات نے اس کو بٹنے کے معنی میں لیا ہے یعنی اس کی گردن میں رسی ہوگی جو خوب بٹی ہوئی ہوگی۔ بیان القرآن میں اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہن تھیں اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان دونوں کے درمیان حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ چونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ کو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے ہی تینوں بڑی لڑکیوں کی شادی کی ضرورت کا احساس ہوگیا تھا اس لئے آپ نے حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے اور حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ کا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کردیا تھا ابھی

صرف نکاح ہی ہوا تھا رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ سورہ تبت یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی لہذا ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم دونوں محمد ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دیدو ورنہ میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں، اس پر وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ایک نے تو صرف طلاق دے دی اور دوسرے نے گستاخی کے الفاظ بھی زبان سے نکال دیئے آپ نے اس کو بددعا دے دی اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ۔ (کہ اے اللہ اس پر اپنے پھاڑنے والے جانوروں میں سے ایک جانور مسلط فرمادے)۔

اس وقت آپ کے چچا ابوطالب بھی موجود تھے وہ خود مسلمان نہ ہونے کے باوجود یہ بددعا سن کر سہم گئے اور اس لڑکے سے کہا کہ اس بددعا سے تجھے خلاصی نہیں ہوسکتی ابولہب کو آنحضرت ﷺ سے بڑی دشمنی تھی مگر وہ بھی یہ سمجھتا تھا کہ میرے لڑکے کو آپ کی بددعا ضرور لگ کر رہے گی جب ایک مرتبہ شام کے سفر کے لئے مکہ والوں کا قافلہ روانہ ہوا تو ابولہب نے اپنے اس لڑکے کو بھی ساتھ لے لیا ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ مجھے محمد ﷺ کی بددعا کا فکر ہے۔ سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ چلتے چلتے ایک منزل پر پہنچے۔ وہاں درندے بہت تھے۔ لہذا احفاظتی تدبیر کے طور پر یہ انتظام کیا کہ تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کر کے ایک ٹیلہ سا بنادیا۔ اور پھر اس کے اوپر اس لڑکے کو سلا دیا اور باقی تمام آدمی اس کے چاروں طرف سو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو کون بدل سکتا ہے؟ تدبیر نا کام ہوئی اور رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے، اور سب کو چھوڑتا چلا گیا۔ پھر اس زور سے زقند لگائی کہ سامان کے ٹیلہ پر جہاں وہ لڑکا سو رہا تھا وہیں پہنچ گیا۔ اور پہنچتے ہی اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اس نے ایک آواز بھی دی۔ مگر ساتھ ہی ختم ہو چکا تھا نہ کوئی مدد کر سکا نہ مدد کا فائدہ ہو سکتا تھا۔

ولم تكن له فئة ينصرونه من دون الله وما كان منتصرا

جمع الفوائد میں اس (شیر والے واقعہ) کو عتیبہ کے متعلق لکھا ہے۔ اور اسی کو حضرت ام کلثومؓ کا شوہر بتایا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ شام کو جاتے ہوئے جب اس قافلہ نے مقام زرقاء میں منزل کی تو ایک شیر آ کر ان کے گرد پھرنے لگا۔ اس کو دیکھ کر عتیبہ نے کہا کہ ہائے ہائے یہ تو مجھے کھائے بغیر نہ چھوڑے گا جیسا کہ محمد ﷺ نے بددعا دی تھی ''محمد ﷺ نے بیٹھے بیٹھے مجھے یہاں قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ شیر چلا گیا اور جب مسافر سو گئے تو دوبارہ آ کر اس کو قتل کر دیا۔

دلائل النبوت میں بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ مگر مقتول کا نام عتبہ بتایا ہے۔ سلسلہ بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ قافلہ شام میں داخل ہو گیا تو ایک شیر زور سے بولا۔ اس کی آواز سن کر اس کے لڑکے کا جسم تھرتھرانے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ تو کیوں کانپتا ہے جو ہمارا حال وہی تیرا حال۔ اس قدر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ محمد ﷺ نے مجھے بددعا دی تھی۔ خدا کی قسم! آسمان کے نیچے محمد ﷺ سے سچا کوئی نہیں اس کے بعد رات کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو ڈر کی وجہ سے اس لڑکے کا ہاتھ کھانے تک نہ گیا پھر سونے کا وقت آیا تو سب قافلہ والے اس کو گھیر کر اپنے درمیان میں لے کر سو گئے شیر بہت معمولی آواز سے بھنبھناتا ہوا آیا اور ایک ایک کو سونگھتا رہا حتیٰ کہ اس لڑکے تک پہنچ گیا اور اس پر حملہ کر دیا آخری سانس لیتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ محمد ﷺ سب سے زیادہ سچے ہیں۔ یہ کہہ کر مر گیا۔ ابولہب نے بھی کہا کہ میں پہلے سمجھ چکا تھا کہ محمد ﷺ کی بددعا سے اس لڑکے کو چھٹکارہ نہیں۔ (دلائل النبوت صفحہ ۱۶۳ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد)

لیکن صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عتیبہ کے ساتھ پیش آیا۔ کیوں کہ عتبہ کے متعلق الاصابہ، اور الاستیعاب اور اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ فتح کے موقع پر مکہ معظمہ تشریف لائے تو آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی (ابولہب) کے بیٹے عتبہ معتب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ دونوں مکہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو لے آؤ۔ چنانچہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو عرفات سے جا کر لے آئے۔ وہ دونوں عجلت کے ساتھ آ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے چچا کے ان دونوں لڑکوں کو اپنے رب سے مانگ لیا ہے اس کے بعد لکھا ہے کہ: عتبہ مکہ ہی میں رہے اور وہیں وفات پائی۔ غزوہ حنین کے موقعہ پر یہ دونوں بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

کتنی بڑی شقاوت اور بدبختی ہے کہ ابولہب اور خود اس کالڑکا جان رہے ہیں اور دل سے مان رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔ اور ان کی بد دعا ضرور لگے گی اور خداوند عالم کی طرف سے ضرور عذاب دیا جائے گا۔ مگر پھر بھی دین حق قبول کرنے اور کلمہ اسلام پڑھنے کو تیار نہ ہوئے۔ جب دل میں ہٹ اور ضد بیٹھ جاتی ہے تو اچھا خاصا سمجھدار انسان باطل پر جم جاتا ہے اور عقل کی رہنمائی کو قبول کرنے کی بجائے نفس کا شکار بن کر اللہ رب العزت کی ناراضگی کی طرف چلا جاتا ہے۔ **اعاذنا اللہ من ذلک۔**

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں ۸ھ میں وفات پائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کرنے کے لئے خود ان کی قبر میں اترے اور جب عتبہ اور عتیبہ نے اپنی اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا۔ دونوں میاں بیوی نے دو مرتبہ حبشہ کو اور تیسری مرتبہ مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ میں ۲ھ میں وفات پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ بدر کے لئے تشریف لے گئے تھے آپ کے پیچھے ہی ان کی وفات ہو گئی۔ **رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاھا۔**

جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا چونکہ ان کے نکاح میں یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رہیں اس لئے وہ ذوالنورین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ (یعنی دو نور والے) ۹ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی (بے بیاہی) ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا اور اولاد بھی ہوئی اور انہیں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل چلی آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی۔

(تفصیلات کے لئے الاصابہ اسد الغابہ کا مطالعہ کیجئے)

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورہ اخلاص مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

آپ کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے اس کے اولاد نہیں، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے

تفسیر: اس سورت میں اللہ جل شانہ کی ذات اور صفات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ الفاظ اگرچہ مختصر ہیں لیکن واضح طور پر یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ بالکل تنہا ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے نہ ذات میں نہ صفات میں اور کوئی بھی ذرا بھی کسی طرح اس کا برابر نہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کردیجئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، اور حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عامر نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس کی طرف ہمیں دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں عامر نے کہا کہ اللہ کی توصیف کیجئے ہمیں بتادیجئے کہ وہ سونے کا ہے یا چاندی کا لوہے کا ہے یا لکڑی کا (ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا تھا کہ اللہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ کیا وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے؟) اس پر سورۃ الاخلاص نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اربد کو بجلی سے ہلاک فرمادیا اور عامر بن طفیل طاعون میں ہلاک ہوگیا۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل)

چونکہ اس سورت میں خالص توحید ہی بیان کی گئی ہے اس لئے اس کا نام سورۃ الاخلاص معروف ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس سورت کا نام سورۃ الاخلاص مروی ہے۔ (کما ذکرہ السیوطی فی الدر المنثور صفحہ ۴۱۴: ج ۶)

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان تھے اور سب سے پہلے نبی بھی تھے ان سے اور ان کی بیوی حوا سے انسان دنیا میں پھیلے اور ان کی بتائی ہوئی تعلیم پر چلتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیم خالص توحید پر مشتمل تھی۔ بہت سی قرنیں اسی طرح گزر گئیں پھر شیطان ابلیس اور اس کی ذریت نے لوگوں کو شرک پر ڈال دیا خالق و مالک جل مجدہ کے وجود کا انکار کرانا تو اس زمانہ کے اعتبار سے ناممکن کے درجہ میں تھا البتہ شرکیہ عقائد اور شرکیہ عبادات پر ڈالنے میں وہ کامیاب ہوگیا، جو شرکیہ عقائد ابلیس نے بنی آدم کے دلوں میں ڈالے ان میں سے ایک یہ تھا کہ خالق تعالیٰ شانہ کی ذات ایسی ہی ہے جیسے تم لوگوں کی ہے۔ اس کا وجود بھی تمہاری طرح سے ہے، اس کی اولاد بھی ہے اور اسے چیزوں کی حاجت بھی ہے، اور یہ بھی بتایا کہ اس کی طرح مخلوق میں بھی معبود ہیں اور یہ معبود تمہیں تمہارے خالق تک پہنچادیں گے ان کی سفارش سے تمہیں اس کا قرب حاصل ہوگا، شیطان نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتایا اور حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کو اس کا بیٹا بتایا اور بتوں کو سجدے کرائے اور ان پر نیازیں چڑھوائیں۔ دنیا میں ان چیزوں کا بہت زیادہ رواج ہوگیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے ہی میں بلکہ اس سے پہلے ہی بت پرستی شروع ہوگئی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھی نازل فرمائیں، صحیفے بھی اتارے لیکن عموماً بنی آدم نے توحید کی دعوت کو قبول نہ کیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی عرب اور عجم میں کفر اور شرک کا دور دورہ تھا آپ نے توحید کی دعوت دی تو مشرکین کو بڑا تعجب ہوا کہنے لگے: **اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ**۔ (کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنادیا۔ بیشک یہ تو بڑے تعجب والی بات ہے)۔

جب کوئی چیز رواج میں آجائے خواہ کیسی ہی بری ہو اس کے خلاف جو بھی کچھ کہا جائے تعجب سے سنا جاتا ہے اور رواج کی وجہ سے لوگ اچھائی کی طرف پلٹا کھانے کو تیار نہیں ہوتے۔ عرب میں شرک کا یہ حال تھا کہ داعی توحید سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا انہی کی نسل کے لوگوں نے کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھ دیئے تھے اور عرب کے مختلف علاقوں میں بڑے بڑے بت اور بت خانے تھے ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے اور ان کے نام کے نعرے اور جیکارے لگاتے تھے۔

جب ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے تو سورہ اخلاص نازل ہوگئی جس میں اللہ تعالیٰ شانہ کی توحید خالص بیان فرمادی۔ ارشاد فرمایا: **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** (آپ فرمادیجئے کہ وہ اللہ ہے تنہا ہے) (**فالله خبر هو واحد بدل منه. او خبر ثان**) اس آیت میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے تنہا ہے متوحد اور منفرد ہے

اس کے ارادے میں کوئی بھی ایسی بات سوچنا یا کوئی بھی ایسا سوال کرنا جس سے مخلوق کی کسی بھی مشابہت کی طرف ذہن جاتا ہو غلط ہے (لفظ اَحَدٌ اصل میں وَحَدٌ ہے ہمزہ واو سے بدلا ہوا ہے)۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ (اردو میں اس کا ترجمہ بے نیاز کیا جاتا ہے (یعنی جو محتاج نہیں) روح المعانی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ھو المستغنی عن کل احد المحتاج الیہ کل احد (وہ ہر ایک سے مستغنی ہے اور ہر ایک اسی کا محتاج ہے) نقل کیا ہے لفظ بے نیاز اس کا آدھا ترجمہ ہے اس کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہیے کہ جس کے سب محتاج ہیں، لفظ الصمد میں بہت بڑی معنویت ہے صاحب روح المعانی نے ابن الانباری سے نقل کیا ہے کہ اہلِ لغت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ الصمد کا معنی یہ ہے انہ السید الذی لیس فوقہ احد الذی یصمد الیہ الناس فی حوائجھم و امورھم (یعنی صمد وہ سردار ہے جس سے برتر و بالا کوئی نہیں جس کی طرف لوگ اپنی حاجتوں میں اور تمام کاموں میں متوجہ ہوتے ہیں)۔

اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے ھو السید الذی قد کمل فی سوددہ و الشریف الذی قد کمل فی شرفہ و العظیم الذی قد کمل فی عظمتہ و الحلیم الذی قد کمل فی حلمہ و العلیم الذی قد کمل فی علمہ و الحکیم الذی قد کمل فی حکمتہ و ھو الذی قد کمل فی انواع الشرف و السودد (یعنی صمد وہ سید ہے جس کی سرداری مکمل ہے اور جس کا شرف کامل ہے وہ عظیم ہے جس کی عظمت کامل ہے وہ حلیم ہے جس کا حلم پورا ہے اور وہ علیم ہے جس کا علم کامل ہے وہ حکیم ہے جس کی حکمت پوری ہے اور وہ ذات ہے جو شرف اور سرداری کے تمام انواع میں کامل ہے) یہ معنی بہت اشمل و اکمل ہے۔

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے) اس میں ان لوگوں کا جواب ہو گیا جنہوں نے کہا تھا کہ اپنے رب کا نسب بیان کریں اس میں واضح طور پر بتا دیا کہ کسی خاندان کی طرف اس کی نسبت نہیں ہے والد اور مولود میں مشابہت مجالست ہوتی ہے وہ تو بالکل تنہا ہے ہر اعتبار سے واحد اور متوحد ہے وہ کسی کی اولاد ہو یہ بھی محال ہے اور اس کے کوئی اولاد ہو۔ سورہ مریم میں ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا☆لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا☆ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا☆اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا☆وَمَا یَنْبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا☆ (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر لی ہے تم نے یہ ایسی سخت حرکت کی ہے اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے۔) اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے اس کا وجود ازلی و ابدی ہے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور اس کی اولاد ہونا اسکی شانِ احدیت کے خلاف ہے لہٰذا مشرکین نے اس کے لئے جو اولاد تجویز کی ہے جیسا کہ عرب کے مشرکوں نے فرشتوں کو اس کی بیٹیاں بتایا اور یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح ابن مریم کو اللہ کا بیٹا بتایا۔ یہ سب باطل ہے اور جھوٹ ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا والد بنے۔

ذٰلِکَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ اس میں ہر طرح کی برابری کی نفی فرما دی کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا مثل نہیں اور برابر نہیں، نہ اس کی ذات میں نہ صفات میں وہی معبود وحدہ لاشریک ہے صرف وہی حاجتیں پوری فرماتا ہے وہی علیم ہے قدیر ہے حکیم ہے حیٌّ لا یموت ہے سب اسی کی طرف متوجہ ہوں اسی سے مانگیں اور اسی کی عبادت کریں۔ سورۃ الاخلاص اور سورۃ الشوریٰ کی آیت لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ کو سامنے رکھا جائے، ان دونوں میں بہت جامع طریقے پر اللہ تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی ہے اثبات المحامد بھی ہے اور معایب اور نقائص سے تنزیہ کا بیان بھی ہے، تجسیم تشبیہ تعطیل سب اس کی شانِ عالی کے خلاف ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخر احد(وهو اسم يكن) عن خبرها رعاية للفاصلة قرء حفص كفواً بضم الفاء و فتح الواو من غير همزة ابدل الهمزة واواً مفتوحة اتباعاً للخط والقياس ان يلقى حركتها على الفاء والباقون بضم الفاء مع الهمزة۔ (احد جو کہ یکن کا اسم ہے۔ اسے فاصلہ کی رعایت کرتے ہوئے مؤخر کیا گیا ہے۔ حفص نے اسے کفواً فاء کے ضمہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہمزہ کے بغیر اور یعقوب نے فاء کے سکون اور وصل میں ھمزہ کے ساتھ پڑھا ہے پس جب ہمزہ پر وقف کیا جاتا ہے تو ہمزہ واؤ مفتوحہ سے بدل جاتا ہے۔ رسم الخط کے اتباع کی وجہ سے قیاس یہ ہے کہ اس کی حرکت فاء پر دی جائے اور باقی فاء کے ضمہ اور ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ آپس میں برابر یہ سوال کرتے رہیں گے کہ یہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا جب لوگ ایسا سوال کریں تو یوں کہو اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ برابر آپس میں یہ سوال کرتے رہیں گے کہ یہ مخلوق ہے اس کو اللہ نے پیدا فرمایا۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا، جب کوئی شخص اپنے اندر یہ بات محسوس کرے تو یوں کہہ دے: آمنت باللہ ورُسُلِهٖ کہ میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا اور وہیں رک جائے۔ (البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے ابنِ آدم نے جھٹلایا اس کو ایسا کرنا نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اسے ایسا کرنا نہ تھا، اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ مجھے موت کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے مجھے پہلے کیا تھا حالانکہ یہ بات نہیں ہے کہ میرے لئے پہلی بار پیدا کرنے کی نسبت دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہو (میرے لئے ابتداءً پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا دونوں برابر ہیں۔ جب یہ بات ہے تو دوبارہ پیدا کرنے کو مشکل سمجھنا اور بعثت پر ایمان نہ لانا یہ مجھے جھٹلانا ہوا) اور انسان کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اولاد بنائی ہے حالانکہ میں احد ہوں صمد ہوں میں نے کسی کو نہیں جنا اور نہ میں کسی سے جنا گیا اور میرا کوئی ہمسر نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۳)

فضائل: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سنی وہ اسے بار بار پڑھ رہا تھا، جب صبح ہوئی تو یہ شخص (جس نے رات تلاوت سنی تھی) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ سے عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو بار بار سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ رہا تھا اور سائل کا اندازِ بیان ایسا تھا کہ جیسے اس عمل کو وہ کم سمجھ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۵۰: ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں تہائی قرآن پڑھ کر سناتا ہوں اس کے بعد آپ نے سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ☆ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ختم تک پڑھ کر سنائی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۷۱: ج ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک (فوجی) دستہ روانہ فرمایا اور ایک شخص کو اس کا امیر بنا دیا یہ شخص اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تھا تو ہر رکعت کو سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر ختم کرتا تھا، جب یہ حضرات واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا اس سے دریافت کرو ایسا کیوں کرتا تھا۔ اس سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے، اور میں اس بات کو محبوب جانتا ہوں کہ اس کو پڑھا کروں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے خبر دیدو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۷۱: ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے اور وہ یوں ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس سورت سے تیری جو محبت ہے اس نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دس مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لی اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیا جائے گا اور جس نے بیس مرتبہ پڑھ لی اس کے لئے جنت میں دو محل بنا دیئے جائیں گے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم اس صورت میں تو ہم اپنے بہت زیادہ محل بنالیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ بہت بڑا داتا ہے جتنا عمل کرلو گے اس کے پاس اس سے بہت زیادہ انعام ہے۔ (رواہ الدارمی صفحہ ۳۳۰: ج ۲ وھو حدیث مرسل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے روزانہ دو سو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لی اس کے پچاس سال کے گناہ (صغیرہ) اعمال نامہ سے مٹا دیئے جائیں گے، ہاں اگر اس کے اوپر کسی کا قرض ہو تو وہ معاف نہ ہوگا۔ (مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۸۸ عن الترمذی)

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا ہے کہ جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے اور داہنی کروٹ پر لیٹ کر سو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لے قیامت کے دن اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کہ اے میرے بندے تو اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے ہوئے سن لیا۔ آپ نے فرمایا (اس کے لئے) واجب ہوگئی میں نے پوچھا کیا؟ فرمایا جنت؟ ان احادیث کو سامنے رکھ کر فضائل پر عمل کریں۔

والله الموفق والمعین

نسأل الله الواحد الاحد الصمدان یوفقنا لما یحب و یرضی

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ الفلق مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝١ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝٢ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝٣ وَمِنْ

آپ یوں کہیئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی اور اندھیرے کے شر سے جب وہ آجائے اور

شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝٤ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝٥

گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ الناس مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ۝٤

آپ یوں کہیئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں جو لوگوں کا بادشاہ ہے لوگوں کا معبود ہے وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جانے والا ہے

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، جنات میں سے، اور انسانوں میں سے

تفسیر: سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں یہ دونوں سورتیں معوذتین کے نام سے معروف ومشہور ہیں بعض یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کردیا تھا اس کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف پہنچی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بنی زریق کے یہودیوں میں سے ایک شخص نے جادو کردیا تھا جسے لبید بن اعصم کہا جاتا تھا اس کے اثر سے آپ کا یہ حال ہوگیا تھا کہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ وہ کام ہوا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ جب ایک رات رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی پھر فرمایا کہ عائشہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے جو کچھ میں نے اپنے مرض کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا میرے پاس (خواب میں) دو آدمی آئے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا دوسرا میرے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے دریافت کیا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ان پر جادو کیا گیا ہے، پھر اس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے، پھر دریافت کیا کہ کس چیز پر کیا ہے؟ جواب دیا کہ کنگھی سے نکالے ہوئے بالوں پر اور کھجور کے پٹھوں پر جادو کیا ہے، پھر سائل نے دریافت کیا کہ یہ چیزیں کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ ذی اَرْوَان نامی کنویں میں ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس خواب کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے چند صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے وہاں جا کر دیکھا کہ اس کنویں کا پانی ایسا رنگین ہو چکا ہے جیسے اس میں مہندی ڈال دی گئی ہو اور وہاں جو کھجور کے درخت تھے وہ ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے شیاطین کے سر ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ نے ان چیزوں کو نکالا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جب مجھے اللہ تعالیٰ نے عافیت دے دی تو مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ لوگوں میں شر پھیلاؤں (یعنی مجھے اس کا چرچا ہونا پسند نہیں) لہٰذا میں نے اس کو دفن کردیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۵۸: ج ۲ و صحیح مسلم صفحہ ۲۲۱: ج ۲)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کردیا تھا اس کی وجہ سے چند دن آپ کو تکلیف رہی۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے، اس نے (بالوں میں گرہیں لگادی ہیں) جو فلاں فلاں کنوئیں میں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو بھیجا انہوں نے اس میں سے ان بالوں کو نکالا جب آپ کی خدمت میں ان کو لایا گیا تو آپ اپنے مرض سے اس طرح شفایاب ہوگئے جیسے کوئی شخص رسی میں بندھا ہوا ہو پھر اس کو کھول دیا جائے، اس یہودی سے اس بات کا تذکرہ نہیں فرمایا اور نہ اس کے بعد کبھی اسے اپنے سامنے دیکھا۔ (سنن نسائی تحت عنوان سحرۃ اہل الکتاب)

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ مذکورہ کنوئیں سے جب کھجوروں کا گچھا نکالا گیا تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی کنگھی بھی تھی اور مبارک بال بھی تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی صورت شریفہ بھی تھی جو موم سے بنائی گئی تھی اس میں سوئیاں گڑی ہوئی تھیں اور ان بالوں میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** اور **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** دونوں سورتیں لے کر حاضر خدمت ہوئے (ان دونوں سورتوں میں مجموعی طور پر گیارہ آیات ہیں) آپ ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھولتے گئے اور سوئیاں بھی نکالتے گئے۔ آپ کو پوری طرح شفاء حاصل ہوگئی۔

روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جادو کا عمل کرنے میں لبید بن عاصم کے ساتھ اس کی بیٹیاں بھی شریک تھیں اس اعتبار سے النَّفّٰثٰتِ مؤنث کا صیغہ لایا گیا۔ جو نفاثہ کی جمع ہے اور وہ نفاث کی تانیث ہے اور نفاث نافث کا صیغہ مبالغہ ہے جو دم کرنے والے

کے معنی میں آتا ہے اگرچہ صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ نفاثات نفوس کی صفت ہے اور یہی مراد لینا بہتر ہے تا کہ مردوں کے نفوس خبیثہ اور ارواح شریرہ کو بھی شامل ہوجائے۔ اور اَلْعُقَدِ عقدۃ کی جمع ہے جو گرہ کے معنی میں آتا۔ (کما فی قوله تعالیٰ ناقلا عن دعاء موسیٰ علیه السلام وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ)۔

مفسر ابن کثیر نے تفسیر ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں میں سے ایک لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، یہودیوں نے اسے آمادہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے کنگھی سے نکلے ہوئے بال اور کنگھی کے کچھ دندانے حاصل کر کے یہودیوں کو دیدے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ان بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر یہودیوں نے جادو کر دیا۔ (چونکہ جادو کرنے کے لئے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جس کا اس شخص سے تعلق رہا ہو جس پر جادو کرنا ہے اس لئے ان لوگوں نے اس لڑکے سے بال طلب کئے)۔

اس ساری تفصیل کے بعد اب سورۃ الفلق کا ترجمہ اور مطلب سمجھیں ارشاد فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (آپ اپنے رب کی پناہ لیتے ہوئے یوں کہئے کہ میں فلق یعنی صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔

مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ (ہر اس چیز کے شر سے جو میرے رب نے پیدا فرمائی ہے)۔

لفظ فَلَق عربی میں پھاڑنے کے معنی میں آتا ہے ومنه قوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى عموماً مفسرین کرام نے یہاں فلق سے صبح مراد لی ہے جب صبح ہوتی ہے تو اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور صبح اس طرح ظاہر ہوتی ہے جیسے اندھیرے کو پھاڑ کر روشنی ظاہر ہوگئی۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رَبِّ الْفَلَقِ فرما کر قیامت کے دن کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس طرح دنیا میں صبح ہونے پر لوگ اپنے مختلف اعمال واشغال کے لئے نکلتے ہیں کوئی خوش ہے کوئی رنجیدہ ہے کوئی آرام میں ہے کوئی تکلیف میں ہے اسی طرح جب قیامت قائم ہوگی اور لوگ قبروں سے نکلیں گے تو مختلف احوال میں ہوں گے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ فلق مخلوق کے معنی میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں ساری مخلوق کے رب کی پناہ لیتا ہوں، کچھ بھی وجود میں نہ تھا اس نے سب کو عدم سے نکال کر وجود بخش دیا اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ رب الفلق جل مجدہ کے حکم سے جس طرح صبح ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اندھیرا چھٹ جاتا ہے اور روشنی آجاتی ہے اسی طرح اللہ جل شانہ ان تمام ضرر دینے والی چیزوں سے محفوظ فرماتا ہے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ رب الفلق کی پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا فرمائی اس کے عموم میں ساری مخلوق داخل ہوگئی۔ انسان، جنات، حیوانات، جمادات، پھاڑنے والے جانور، ڈسنے والے سانپ بچھو جلانے والی آگ، ڈبونے والا پانی اڑانے والی ہوا اور ہر وہ چیز اس کے عموم میں داخل ہے جس سے کسی کو کوئی بھی تکلیف جسمانی یا روحانی پہنچ سکتی ہے حتیٰ کہ اپنے نفس سے جو شر پہنچ سکتا ہو اس کو بھی شامل ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (اور صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں فاسق سے جب وہ داخل ہوتا ہے)۔

لفظ غَاسِقٍ غسق سے لیا گیا ہے جو تاریکی پر دلالت کرتا ہے اور وَقَبَ ماضی کا صیغہ ہے وقوب سے، یہ لفظ داخل ہونے کے معنی پر دلالت کرتا ہے ای اذا دخل ظلامه في كل شي۔ (یعنی جب اس کا اندھیرا ہر چیز میں داخل ہوجائے۔)

مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ غاسق سے رات مراد ہے جب وہ اندھیرے کے ساتھ آجائے اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ چونکہ رات کے وقت میں جنات اور شیاطین اور حشرات الارض اور موذی جانور پھیل پڑتے ہیں اور چور ڈاکو بھی عموماً رات کی تاریکی میں اپنا کام کرتے ہیں اور جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے اس لئے رات کی اندھیری سے پناہ مانگی۔

غسق کا معنی تاریکی اور غاسق کا معنی اندھیرے والی چیز ہے اسی لئے حضرت ابن عباس ﷺ نے غاسق کو رات کے معنی میں

لیا ہے۔ یہاں ایک حدیث بھی وارد ہوتی ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے چاند کی طرف دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: یَاعَائِشَۃُ اِسْتَعِیْذِیْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ ھٰذَا فَاِنَّہٗ ھٰذَا ھُوَ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ (کہ اے عائشہ! اس سے اللہ کی پناہ مانگ کیونکہ یہ غاسق ہے جبکہ وہ داخل ہو جائے)۔

اس میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ چاند تو روشن ہوتا ہے اسے تاریک کیوں فرمایا گیا؟ صاحب قاموس نے تو یوں لکھ دیا ہے کہ الغاسق القمر اوالليل اذا غاب الشفق و من شر غاسق اذا وقب ای اللیل اذا دخل (غاسق چاند ہے یا رات ہے جب شفق غائب ہو جائے و من شر غاسق اذا وقب کا مطلب ہے رات جب داخل ہو جائے) پس اگر لفظ غاسق مشترک ہو چاند اور رات دونوں اس کا مدلول ہوں تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چاند جب چھپ جاتا ہے یا گرہن ہوتا ہے اس وقت جو تاریکی آجاتی ہے اس تاریکی کی وجہ سے اس کو غاسق فرمایا اس میں شرور کے وہ سب احتمالات سامنے آجاتے ہیں۔ جو رات کے اندھیرے میں پیش آتے ہیں اور آسکتے ہیں۔ قال القاضی الغاسق الیل اذا غاب الشفق و اعتکر ظلامه من غسق یغسق اذا اظلم و اطلق ھھنا علی القمر لانه یظلم ووقوبه دخوله فی الکسوف و السواد و انما استعاذ من کسوفه لانه من ایات اللہ الدالة علیٰ حدوث بیته و نزول نازلة (قاضی عیاضؒ کہتے ہیں الغاسق سے مراد رات ہے جب کہ شفق غائب ہو جائے اور اس کا سایہ پھیل جائے۔ یہ لفظ غسق یغسق سے ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب اندھیرا چھا جائے۔ یہاں چاند پر بولا گیا ہے اس لئے کہ وہ بھی تاریک ہو جاتا ہے اور اس کا وقوب' گرہن اور سیاہی میں داخل ہونا ہے اور چاند گرہن سے پناہ اس لئے مانگی گئی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے جو کسی مصیبت کے نازل ہونے پر دلالت کرتی ہے) (ذکرہ فی التعلیق الصبیح صفحہ۱۵۷ : ج۳)۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (اور رب الفلق کی پناہ لیتا ہوں گرہوں پر دم کرنے والیوں کے شر سے) اس کی پوری تفصیل سبب نزول کے بیان میں گزر چکی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (اور صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے) حسد بری بلا ہے انسان کا ناس کھو دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو علوم سے اعمال سے یا جمال سے یا اموال اور کمال سے نواز دیتا ہے تو دیکھنے والے اس سے جلنے لگتے ہیں اور چاہتے کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے بعضے لوگ تو صرف اتنی آرزو ہی سے اپنے نفس کی خواہش کا کام چلا لیتے ہیں اور بعض لوگ اس میں اضافہ کر لیتے ہیں اور وہ یہ کہ اس کے پاس نہ رہے بلکہ ہمیں مل جائے اور بعض لوگ صرف آرزو ہی پر بس نہیں کرتے۔ صاحب نعمت کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں اسے پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں اس کے مقابل کسی کو کھڑا کر دیتے ہیں لوگوں کو اس کی دشمنی پر ابھارتے ہیں۔ حکام اور اصحاب اقتدار کو اس کی مخالفت پر آمادہ کرتے ہیں اور حسد اور جلن میں ایسی ایسی حرکتیں ہیں جن کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ حسد کرنے والے جنات بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی اپنے بھی اور پرائے بھی مسلم بھی اور کافر بھی، رسول اللہ ﷺ پر لبید بن الاعصم یہودی نے جو جادو کیا تھا وہ حسد ہی کی وجہ سے تھا۔ حسد دل و دماغ کا ناس کھو دیتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے الحسد حسک من تعلق به ھلک (حسد ایک کانٹا ہے جس نے اسے پکڑا ہلاک ہوا)۔

حسد کرنا حرام ہے اس کے حرام ہونے کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کچھ دیا ہے حکمت کے بغیر نہیں دیا ہے اب جو حسد کرنیوالا یہ چاہتا ہے کہ یہ نعمت فلاں شخص کے پاس نہ رہے تو درحقیقت یہ اللہ پر اعتراض ہے کہ اس نے اس کو کیوں نوازا اور حکمت کے خلاف اس کو اس حال میں کیوں رکھا، ظاہر ہے کہ مخلوق کو خالق کے کام میں دخل دینے کا کچھ حق نہیں ہے اور نہ مخلوق اس لائق ہے کہ اس کو یہ حق دیا جائے ہم اپنے دنیاوی انتظام میں اور خانگی امور میں روزانہ ایسے کام کر گزرتے ہیں جو ہمارے بیوی بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں اگر ہمارے بیوی بچے ہمارے کام میں دخل دیں تو ہمیں کس قدر برا معلوم ہوتا ہے پھر اللہ رب العزت فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کی تقسیم میں کسی کو دخل دینے کا کیا حق ہے؟

جب کسی کو حسد ہو جاتا ہے تو جس سے حسد کرتا ہے اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے اس کی غیبت کرتا ہے اور اس کو جانی مالی نقصان پہنچانے کے فکر میں رہتا ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے گناہوں میں گھر جاتا ہے پھر اول تو نیکی کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا اور اگر کوئی نیکی کر گزرتا ہے تو چونکہ وہ آخرت میں اسے ملے گی جس سے حسد کیا ہے تو نیکی کرنا نہ کرنا برابر ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو کیونکہ وہ نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے (ابوداود) اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ پہلی امتوں کا مرض یعنی حسد تم تک آ پہنچا ہے اور بُغض تو مونڈ دینے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ (رواہ احمد والترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۲۸)۔

آنحضرت سید عالم ﷺ نے بُغض کو دین کا مونڈنے والا فرمایا۔ تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح استرہ ہر بال کو مونڈتا چلا جاتا ہے اور ہر چھوٹے بڑے بال کو علیحدہ کر دیتا ہے اسی طرح بغض کی وجہ سے سب نیکیاں ختم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ حاسد دنیا و آخرت میں اپنا برا کرتا ہے نیکیوں سے بھی محروم رہتا ہے اور کوئی نیکی ہو بھی جاتی ہے تو حسد کی آگ اسے راکھ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ دنیا میں حاسد کے لئے حسد ایک عذاب ہے۔ حسد کی آگ حاسد کے سینہ میں بھڑکتی رہتی ہے اور جس سے حسد کیا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا و نعم ما قیل۔

دع الحسود وما یلقاہ من کمدہ کفاک منہ لھیب النار فی کبدہ

اذا لمت ذا حسد نفثت کربتہ وان سکت فقد عذبتہ بیدہ

(حاسد کو اور اسے جو تکلیف پہنچتی ہے اسے چھوڑ دے۔ تیرے لئے اس کی طرف یہی کافی ہے جو آگ کے شعلے اس کے جگر میں ہیں۔ جب تو نے حسد کرنے والے کو ملامت کی تو تو نے اس کی تکلیف ختم کر دی اور اگر تو خاموش رہا تو تو نے اسے خود اپنے ہاتھوں عذاب دیا)

کیسا اچھا کلمہ حکمت ہے جو کسی نے کہا ہے۔

کَفٰی بِالْحَاسِدِ اَنَّہٗ یَغْتَمُّ وَقْتَ سُرُوْرِکَ حاسد سے انتقام لینے کے خیال میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہی انتقام کافی ہے کہ تمہاری خوشی کی وجہ سے اسے رنج پہنچتا ہے۔

حسد ایسی بری بلا ہے جو انسان کو جانتے بوجھتے ہوئے حق قبول کرنے سے روک دیتا ہے۔ یہودی اسی مرض میں مبتلا ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں لیکن اس وجہ سے ایمان قبول نہیں کیا کہ ہمارے علاوہ دوسری قوم میں نبی کیوں آیا انہیں ناگوار تھا کہ بنی اسماعیل میں سے اللہ نے رسول بھیجا اور یہ بات اپنے طور پر بنالی تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ہمیشہ ان کی ذریت میں سے کوئی نہ کوئی نبی ضرور رہے گا۔ (کما رواہ النسائی)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ یہ سورہ آل عمران میں ہے اور سورۃ نساء میں فرمایا: اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (بلکہ وہ لوگوں سے یعنی نبی اکرم ﷺ سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل سے عطا فرمایا۔ یہودی نہ صرف یہ کہ خود ایمان نہیں لاتے تھے بلکہ یوں چاہتے تھے کہ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا وہ بھی مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) اسی کو سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔ وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ (بہت سے اہل کتاب نے یہ آرزو کی کہ کاش تم لوگوں کو ایمان قبول کرنے کے بعد واپس لوٹا کر کافر بنا دیں اپنی جانوں کی طرف سے حسد کرتے ہوئے اس کے بعد کہ ان کے لئے حق ظاہر ہو گیا)۔ جس طرح یہودی حسد میں برباد ہو گئے۔ حق کو قبول نہیں کیا اسی طرح بہت سے مشرکین بھی اسی مصیبت میں مبتلا تھے جب ایک مرتبہ اخنس بن شریق نے ابو جہل سے تنہائی میں کہا کہ اس وقت یہاں ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے تو اپنے دل کی بات سچ بتا کہ محمد ﷺ صادق ہیں یا کاذب ہیں، اس پر ابو جہل نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم وہ سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا

لیکن بات یہ ہے کہ بنوقصی ہی جھنڈے کے ذمہ دار ہیں، اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بھی انہی کے سپرد ہو چکی ہے اور کعبہ کے چابی بردار بھی وہی ہیں اور نبوت بھی ان ہی میں چلی جائے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا، اس پر آیت کریمہ:
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ☆ نازل ہوئی۔ منکرین کو حسد کھائے جارہا تھا کہ فلاں فلاں خدمات تو بنوقصی کو مل گئیں اب ان کے کسی آدمی کے لئے ہم نبوت کیسے تسلیم کریں۔ ان لوگوں نے کفر پر مرنا گوارا کرلیا اور دوزخ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن حسد کی پوٹلی کو اپنے دلوں سے نہیں نکال سکے۔ **اعاذنا اللّٰہ من شر الحساد و لا جعلنا اللہ منھم۔**

آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض خاندانوں پر حسد کی مصیبت سوار ہو جاتی ہے فلاں شخص کیوں علم حاصل کر رہا ہے اور فلاں شخص کے پاس کیوں اٹھیں بیٹھیں، وہ تو ایسے خاندان کا فرد ہے جسے دنیا والے اپنی نظروں میں گھٹیا سمجھتے ہیں اور وہ مال کے اعتبار سے بھی کمزور ہے اور فلاں شخص کے پاس باغ نہیں مال نہیں جائیداد نہیں اس کو علم کیسے مل گیا، اور عجیب بات یہ ہے کہ علوم اسلامیہ اور اعمالِ صالحہ کی طرف نہ خود بڑھتے ہیں اور نہ قوم وقبیلہ کو بڑھاتے ہیں اور اس جلن کی وجہ سے کہ فلاں شخص جو نسب اور نسل میں ہم سے کم ہے، اس کے پاس کیوں جائیں جاہل رہنے کو پسند کر لیتے ہیں اور جاہل ہی رہ جاتے ہیں۔

اولاً **مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ** فرمایا جس سے تمام مخلوق کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی پھر تین چیزوں کے شر سے محفوظ ہونے کے لئے مزید دعاء فرمائی (اول) تاریکی سے جس کا شر عموماً سامنے آتا رہتا ہے، (دوسرے) جادو کرنیوالوں کے شر سے کیونکہ اس شر سے خاص تکلیف ہوتی ہے اور اس کے دفاع کی طرف ذہن نہیں جاتا جسمانی مرض سمجھ کر علاج کرتے رہتے ہیں جس سے فائدہ نہیں ہوتا اور جادو کی تکلیف بڑھتی رہتی ہے۔ اور (تیسری) چیز جس سے پناہ مانگی وہ حسد کرنے والے کا حسد ہے۔ حاسدین اپنے حسد کی وجہ سے خفیہ حرکتیں کرتے ہیں بعض مرتبہ ان کا پتہ نہیں چلتا اور محسود (جس سے حسد کیا) ان کا دفاع کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔ **اعاذنا اللہ تعالیٰ من شر جمیع خلقہ۔**

سورۃ الناس میں بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کی ہیں اول **رب الناس** دوم **ملک الناس** سوم **الٰہ الناس**، چونکہ وسوسہ ڈالنے والے انسانوں ہی کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اس لئے رب اور ملک اور الٰہ کی اضافت الناس ہی کی طرف کی گئی جس میں یہ بتادیا کہ وسوسہ ڈالنے کے شر سے انسانوں کا رب ہی بچا سکتا ہے اور ان وسوسوں کے اثر سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہ لوگوں کا رب ہے بادشاہ بھی ہے اور معبود بھی، نفوسِ انسانیہ میں جو برے وسوسے آتے ہیں عموماً ایسے وساوس ہوتے ہیں جن پر عمل کرنے سے دین وایمان کی تباہی ہو جاتی ہے اس لئے اہلِ معرفت نے فرمایا ہے کہ سورۃ الفلق میں دنیاوی آفات ومصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور سورۃ الناس میں اخروی آفات سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے، شیاطین ایمان میں بھی وسوسے ڈالتے ہیں اور کفر وشرک کے خیالات بنی آدم کے سینوں میں ڈالتے ہیں اور گناہوں پر بھی ابھارتے ہیں اس لئے شیاطین کے وسوسہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے۔ سورۃ المومنون میں فرمایا ہے: **وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ** ☆ (اور آپ اللہ کی بارگاہ میں یوں عرض کیجئے کہ اے رب میں شیاطین کے وسوسوں سے آپ کی پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس شیطان آئے گا اور وہ یوں کہے گا کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ سوال اٹھاتے اٹھاتے وہ کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا۔ سو جب یہاں پہنچ جائے گا تو اللہ کی پناہ لے اور وہیں رک جائے (یہ بخاری ومسلم کی روایت ہے) اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ جب لوگوں میں اس طرح کے سوالات اٹھیں تو تم (ان کے جوابات کے خیال میں نہ لگو بلکہ) یوں کہو۔ **اَللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ**

الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ۔

اس کے بعد تین بار اپنی بائیں طرف تھتکار دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ حدیث میں یہ جو فرمایا کہ شیطان تمہارے پاس آ کر یوں سوال اٹھائے گا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا یہ ایمانیات میں وسوسے ڈالنے کی ایک مثال ہے۔ وساوس شیطانیہ کی ایسی مثال ہے جیسے بھڑوں کا چھتہ ہو اگر اسے چھیڑ دیا جائے تو بھیڑیں لپٹ جاتی ہیں۔ اور پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وسوسہ آئے تو اس کو وہیں چھوڑ دے اور آگے نہ بڑھائے اگر آگے بڑھاتا رہا تو مصیبت میں پڑ جائے گا اور چھٹکارہ مشکل ہوگا یہ مشورہ بہت کامیاب ہے اور مجرب ہے۔

شیطان ایمان کا ڈاکو ہے۔ ایمان کی دولت سے محروم کرنے کے لئے وسوسے ڈالتا ہے۔ کافروں کے بارے میں شیطان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ کفر اور شرک پر جمے رہیں۔ اور اہل ایمان کے بارے میں اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایمان سے پھر جائیں، ان کا بہت پیچھا کرتا ہے اور مختلف طریقوں سے ستاتا ہے۔ ایمانیات اور اعتقادیات کے بارے میں شک ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور برے برے وسوسے ڈالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات (علم وقدرت وغیرہ) کے بارے میں شیطان طرح طرح کے سوالات اٹھاتا ہے جب کہ ان سوالات اور ان کے جوابات پر ایمان موقوف نہیں پھر جب بندہ ان سوالات کے جوابات نہیں دے پاتا تو شیطان کہتا ہے کہ تُو تو کافر ہو گیا۔ لہذا سارے سوالات کے جوابات نہیں پاتا تو شیطان سے کہہ دے کہ بھاگ تو تو خود ہی کافر ہے تجھ میرے اسلام کی کیا فکر پڑی۔ اگر شیطان کے ساتھ ساتھ چلتا رہے اور اس کے شکوک وشبہات اور وسوسوں کا ساتھ دیتا رہے تو وہ کافر ہی بنا کر چھوڑتا ہے۔

رسول اللہ علیہ نے ان وسوسوں کا علاج بتا دیا کہ وسوسہ آئے، تو وہیں رک جائے اور بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے۔ یہ تھوکنا شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہے۔

شیطان جس طرح اہلِ ایمان کے دل میں کفریہ وسوسے ڈالتا ہے اسی طرح گناہوں پر بھی ابھارتا ہے۔ چوری، خیانت، حرام خوری، زناکاری کے وسوسے ڈالتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان بھی موجود ہوتا ہے (رواہ الترمذی)

اس میں نامحرم عورتوں کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنے کی ممانعت فرمائی کیوں کہ شیطان مرد عورت کے جذبات کو بڑھاتا ہے اور برا کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک میں لگ جاتا ہے (رواہ الترمذی) عورت باہر نکلی اور شیطان نے اسے تاکنا نظریں اٹھا کر دیکھنا اور گزرنے والوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ شیطان ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی کے وسوسے بھی ڈالتا ہے جو انسانوں میں اثر کر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ، رسول اللہ علیہ اعتکاف میں تھے۔ آپ کی ازواج میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اعتکاف کی جگہ میں زیارت کرنے کے لئے آئیں کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد جب واپس ہونے کے لئے کھڑی ہوئیں تو آپ بھی ان کے ساتھ اٹھے تاکہ ان کو (مسجد کے حدود میں رہتے ہوئے) رخصت کر دیں۔ اسی وقت وہاں سے دو انصاری صاحب نکلے۔ جب انہوں نے آپ علیہ کو دیکھا تو تیزی سے چلنے لگے، آپ نے فرمایا تم ٹھیک اپنی رفتار کے موافق چلتے رہو یہ (میری بیوی) صفیہؓ ہے، وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول علیہ (کیا آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی کر سکتے ہیں) آپ علیہ نے فرمایا کہ بلاشبہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح چلتا ہے مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی برا خیال نہ ڈال دے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۴۶۴: ج:۱)

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۙ۬ الۡخَنَّاسِ میں وسوسہ ڈالنے والے شیطان کی ایک صفت اَلۡخَنَّاسِ بیان فرمائی کہ وہ وسوسے ڈالتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان اپنی سونڈ کو انسان کے دل پر جمائے ہوئے ہے اگر وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کے دل کا لقمہ بنالیتا ہے اس کو الو سواس الخناس بتایا ہے۔ (حصن حصین)

آخر میں مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ فرمایا اور یہ بتادیا کہ یہ وسوسہ ڈالنے والے صرف جنات ہی نہیں ہوتے انسان بھی ہوتے ہیں انسانوں کا وسوسے ڈالنا اندر داخل ہو کر تو نہیں ہوتا البتہ باہر ہی سے زبانی طور پر اقوال کے ذریعہ اور جسمانی حرکات اور اعمال کے ذریعہ وسوسے ڈالتے ہیں یعنی انسانوں کو راہِ حق سے ہٹانے اور کفر و شرک اور معاصی میں فوائد بتانے اور دنیوی منافع سمجھانے اور بتانے کی کوشش کرتے ہیں آج کل تو انسانی وسوسوں اور گمراہی کے آلات کی کثرت ہوگئی ہے زبانی باتیں لیڈروں کی تقریریں، بے شرمی پھیلانے والے اخبار و رسالے ٹیلی ویژن اور اس کے پروگرام، وی سی آر، انٹرنیٹ جیسی چیزیں انسان میں برائی کے جذبات داخل کرتی ہیں جن کے جراثیم واثرات سے انسان برے اعمال اور بری حرکات میں مبتلا ہو جاتا ہے وسوسہ ڈالنے والے انسان کی شرارتیں اور حرکات بعض مرتبہ جنات کے وسوسوں سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس اعتبار سے کہ انسان، انسان کا ہم جنس ہے اور آپس میں میل جول بھی زیادہ رہتا ہے اور انسان، انسان کو اپنا ہمدرد بھی سمجھتا ہے، شریر انسانوں کے مشورے اور وسوسے انسان کو زیادہ متاثر کر دیتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ شیطان وسوسے ڈالنے والا نظر نہیں آتا، وسوسہ ڈال کر چکنے سے اپنا کام کر جاتا ہے۔ شیاطین کے وسوسے زیادہ شدید ہو جاتے ہیں۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا: یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ یَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىکُمۡ هُوَ وَقَبِیۡلُهٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (اے بنی آدم! تمہیں ہرگز شیطان فتنہ میں نہ ڈالدے جیسے کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا جو ان سے ان کے لباس کو علیحدہ کر رہا تھا تا کہ انہیں ان کی شرم کی جگہ دکھادے، بیشک وہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھتے بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے)۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ جنات میں بھی شیاطین ہیں اور انسانوں میں بھی۔ اور یہ دونوں انسانوں کی بدخواہی میں لگے رہتے ہیں۔ سورۃ الانعام میں فرمایا: وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں)۔

اللہ تعالیٰ شانہ ہر طرح کے شیاطین سے محفوظ فرمائے۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جادو کا اثر ہوا بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جس سے صحیحین کی روایات کی تکذیب لازم آتی ہے یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جادو سے متاثر ہونا شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے اور بشریت کے اثرات ان پر بھی طاری ہو جاتے تھے اور ان کے اجسام تکالیف سے متاثر ہوتے تھے۔

بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو تو ان کی قوموں نے قتل کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیز بخار آجاتا تھا۔ آپ ایک مرتبہ سواری سے گر گئے تو آپ کی ایک جانب چھل گئی، اس زمانہ میں آپ نے بیٹھ کر نمازیں پڑھائیں، صاحبزادے کی وفات پر آپ

کے آنسو جاری ہو گئے۔ بچھو نے بھی آپ کو ڈس لیا آپ نے اس کا علاج کیا آپ کو بھوک بھی لگتی تھی اور پیاس بھی۔ یہ امور طبعیہ ہیں جن سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مستثنیٰ نہیں تھے اور جادو کا اثر بھی اسی قسم کے اثرات میں سے ہے اس سے متاثر ہو جانا شانِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

استعاذہ کی ضرورت: دنیا میں ایسی چیزیں بھی بے شمار ہیں جو انسانوں کے حق میں نافع اور مفید ہیں اور بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہیں۔ جو انسان کے لئے ضرر رساں ہیں اور تکلیف دینے والی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے بہت سی چیزوں سے پناہ مانگنا ثابت ہے حضرت امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب سنن کے ختم کرنے سے چند صفحات پہلے کتاب الاستعاذہ کا عنوان قائم کیا ہے اور اچھی خاصی تعداد میں ضرر دینے والی چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر کیا ہے مثلاً بخل، بزدلی، سینہ کا فتنہ (کفر اور شرک) قبر کا عذاب، سمع بصر، لسان قلب، بہت زیادہ بڑھاپا، عاجزی، مرض، سستی، غمِ زندگی اور موت کا فتنہ، دجال، تنگ دستی، ذلت، کفر، عذاب النار، خیانت بھوک، شقاق، نفاق، سوء الاخلاق، لغزش کھانا، گمراہ ہونا، ظالم ہونا، دشمن کا غالب ہونا، دشمنوں کا خوش ہونا، بدبختی کا پالینا، برے امراض مثلاً جنون، جذام اور برص کا لاحق ہونا، مظلوم کی بددعاء، شیاطین الجن والانس، احیاء اور اموات کا فتنہ، زمین میں دھنس جانا، اوپر سے گر پڑنا، کسی چیز کے نیچے دب جانا، غرق ہونا، جل جانا، موت کے وقت شیطان کا پچھاڑنا، جہاد میں پشت پھیر کر بھاگتے ہوئے مرجانا، کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مرنا، علم کا نفع نہ دینا، دل میں خشوع نہ ہونا، نفس کا پیٹ نہ بھرنا، دعا کا مقبول نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

جن احادیث میں ان چیزوں سے پناہ مانگنا مذکورہ ہے ان میں سے انتخاب کر کے استعاذہ کی دعائیں بعض علماء نے علیحدہ بھی لکھ دی ہیں (مناجات مقبول میں بھی مذکور ہیں) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات اور انسان کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب معوذتین یعنی سورہ قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس نازل ہوئی تو آپ نے ان دونوں کو پکڑ لیا اور ان کے سوا (استعاذہ کی) باقی دعاؤں کو چھوڑ دیا۔

بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص سورہ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** پڑھتا ہے تو ہر اس چیز کے شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہے جو اللہ نے پیدا کی ہے اور رات کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے اور گرہوں میں دم کرنیوالی عورتوں کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے جو جادو کرتی ہیں اور حسد کرنیوالے کے شر سے بھی پناہ لیتا ہے اور **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** پڑھنے والا سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ لیتا ہے اتنی چیزوں کے شر سے بچنے کے لئے دعا کی جاتی ہے اسی لئے ان دونوں سورتوں کا پڑھنا ہر طرح کے شر اور بلا مصیبت اور جادو ٹونہ ٹوٹکہ سے محفوظ رہنے کے لئے مفید اور مجرب ہیں ان کو اور سورہ اخلاص کو صبح شام تین تین بار پڑھے اور دیگر اوقات میں بھی ورد رکھے کسی بچے کو تکلیف ہو، نظر لگ جائے تو ان دونوں کو پڑھ کر دم کرے، بچوں کو یاد کرادیں۔ دکھ تکلیف میں ان سے بھی پڑھوائیں۔

پریشانی کے وقت: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرورِ عالم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھا کہ اچانک آندھی آئی اور سخت اندھیرا ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ سورہ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** اور سورہ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** کے ذریعہ اس مصیبت سے اللہ کی پناہ مانگنے لگے یعنی ان کو پڑھنے لگے اور فرمایا کہ عقبہ ان سورتوں کے ذریعہ اللہ کی پناہ حاصل کرو کیونکہ ان جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے جس کے ذریعہ کوئی پناہ لینے والا حاصل کرے (رواہ ابوداود)

حضرت عبداللہ بن خبیب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایسی رات میں جس میں بارش ہو رہی تھی اور سخت اندھیری بھی تھی۔ حضورِ اقدس ﷺ کو تلاش کرنے کے لئے نکلے چنانچہ ہم نے آپ کو پالیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو میں نے عرض کیا، کیا کہوں، فرمایا جب صبح ہو اور شام ہو سورہ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** اور سورہ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ** اور سورہ **قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ** تین بار پڑھ

لو۔ یہ عمل کرلو گے تو ہر ایسی چیز سے تمہاری حفاظت ہو جائے گی جس سے پناہ لی جاتی ہے (یعنی ہر موذی سے اور ہر بلا سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

فرض نمازوں کے بعد: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عقبہ کیا میں تمہیں ایسی دو سورتیں نہ بتا دوں جو پناہ مانگنے کے لئے سب سے بہتر سورتیں ہیں پھر آپ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس دونوں سورتیں سکھائیں، آپ کو اندازہ ہوا کہ مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی جب فجر کی نماز کے لئے اترے تو آپ نے ان دونوں سورتوں کی نماز میں تلاوت فرمائی اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا بولو اے عقبہ، تم نے کیسا دیکھا؟ (یہ فرما کر آپ نے ان دونوں کی فضیلت جتائی) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا اے عقبہ کیسا دیکھا؟ ان دونوں کو پڑھا کرو جب سونے لگو اور سو کر اٹھو۔ (مشکوۃ المصابیح)۔

رات کو سوتے وقت کرنے کا ایک عمل: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ روزانہ رات کو جب حضور اقدس ﷺ بستر پر تشریف لاتے تو سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر ان میں اس طرح پھونک مارتے تھے کہ کچھ تھوک بھی پھونک کے ساتھ نکل جاتا تھا۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو پورے بدن پر جہاں تک ممکن ہوتا تھا پھیر لیتے تھے یہ ہاتھ پھیرنا سر اور چہرے سے اور سامنے کے حصہ سے شروع فرماتے تھے اور یہ عمل تین بار فرماتے تھے۔ (بخاری صفحہ ۷۵۰: ج ۲)

بیماری کا ایک عمل: نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی تھی تو اپنے جسم پر سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے (جس کا طریقہ ابھی اوپر گزرا ہے (پھر جس مرض میں آپ کی وفات ہوئی اس میں میں یہ کرتی تھی کہ دونوں سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر دم کر دیتی تھی پھر آپ کے ہاتھ کو آپ کے جسم پر پھیر دیتی تھی۔ (بخاری صفحہ ۷۵۰: ج ۲)

دم صرف پھونکنے کو نہیں کہتے دم یہ ہے کہ پھونک کے ساتھ تھوک بھی کچھ نکل جائے۔

اَلْحَالُّ الْمُرتحل: حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے (قبیل ابواب تفسیر القرآن) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے فرمایا الحال المرتحل یعنی اس شخص کا عمل جو منزل پر نازل ہو کر پھر سفر شروع کر دے اس کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند سے حدیث نقل کی ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام نہیں ہے (اور روایت کرنیوالا زرارہ بن اوفی (تابعی کو بتایا ہے) اس اعتبار سے حدیث مرسل ہوئی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وھذا عندی اصح یعنی یہ حدیث مرسل میرے نزدیک حدیث متصل کے مقابلہ میں زیادہ صحیح ہے امام ترمذی کے علاوہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شعب الایمان صفحہ ۳۴۸: ج ۱ میں ذکر کیا ہے اس میں یوں ہے کہ زرارہ بن اوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ سب اعمال میں کون سا عمل افضل ہے، آپ نے فرمایا تم حال اور مرتحل والے شخص کا عمل اختیار کرو، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ حال اور مرتحل کا کیا مطلب ہے فرمایا اس سے صاحب قرآن مراد ہے وہ قرآن کو پڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آخر تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اول پر پہنچ جاتا ہے جب کبھی بھی ٹھہرتا ہے۔ پھر سفر شروع کر دیتا ہے، امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے النشر میں اس مضمون کی حدیث طبرانی سے بھی نقل کی ہے۔ اور عموماً یہ روایات حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہیں اور النشر میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔

ان روایات کے جمع کرنے سے الحال المرتحل کا مطلب واضح ہو گیا یعنی یہ کہ قرآن پڑھتے پڑھاتے جب ختم کرے تو دوبارہ اول سے پھر شروع کردے (الحال) نازل ہونے والا یعنی سفر پورا کر کے ٹھہر جانے والا اور (المرتحل) سفر شروع کرنے والا۔

ان روایات کی وجہ سے حضرات قراء کرام کا اور خاص کر قاری ابن کثیر مکی (احد القراء السبعہ) کی قراءت پڑھنے والوں اور روایت کرنے والوں کا یہ معمول رہا ہے قرآن کریم آخیر تک ختم کر کے سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر سورۃ البقرہ شروع کرتے ہیں اور وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید ختم کرتے ہی دوبارہ شروع کر دیا ایسا کرنے سے حضرت ابن عباس کی روایت کردہ حدیث مذکورہ بالا پر عمل ہو جاتا ہے۔ ایسا کرنا مستحب ہے کوئی فرض واجب نہیں ہے بہرحال قراء کا معمول ہے حافظ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ النشر میں لکھتے ہیں کہ یہاں مضاف محذوف ہے سائل نے جب سوال کیا ای الاعمال افضل گویا آپ نے فرمادیا عمل الحال المرتحل۔

ضروری تنبیہ: بعض علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن مجید کی سورتوں میں شمار نہیں کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ دونوں پناہ مانگنے کے لئے تعلیم دی گئی ہیں۔ بعض علماء نے ان کے قول کی تاویل بھی کی ہے۔ لیکن تاویل ایسی نہیں ہے جس سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی بھی روایات ہیں (گو صحیح السند ہیں) اخبار آحاد ہیں اور اخبار احاد ظنی ہوتی ہیں تواتر کے مقابلہ میں ان کا اعتبار نہیں کیا جاتا اسی لئے تحقیق نے ان روایات کو تسلیم نہیں کیا۔ حافظ ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں:۔

وکل ماروی عن ابن مسعود من ان المعوذتین وام القرآن لم تکن فی مصحفه فکذب موضوع لا یصح وانما صحت عنه قراءة عاصم عن زربن حُبَیش عن ابن مسعود فیها ام القرآن والمعوذتان. (تمام روایتیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہیں کہ ان کے قرآن پاک کے نسخے میں معوذتین اور فاتحہ نہیں تھی تو یہ جھوٹ ہے گھڑی ہوئی بات ہے ان سے تو عاصم عن زر بن حبیش کی قراءت صحیح ثابت ہے اس میں معوذتین بھی ہیں اور فاتحہ بھی) (المحلی صفحہ ۱۶ ج ۱)

اور امام نوویؒ نے شرح مہذب میں فرمایا ہے۔ **اجمع المسلمون علی ان المعوذتین والفاتحة من القرآن و ان من جحد منها شیئا کفر وما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح.** (مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور فاتحہ قرآن کریم کا حصہ ہیں اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے کفر کیا اور حضرت ابن مسعود کے حوالہ سے جو منقول ہے وہ باطل ہے صحیح نہیں ہے)

اور مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں:

فلعله لم یسمعها من النبی ﷺ ولم یتواتر عنده ثم قد رجع عن قوله ذلک الی قول الجماعة فان الصحابه رضی اللہ عنہم اثبتوهما فی المصاحف الائمة ونفذوها الی سائر الافاق کذلک فلله الحمد والمنة۔ (شاید کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے نہیں سنا اور اس کے ہاں متواتر نہیں ہے پھر آپؓ نے اپنے اس قول سے جماعت صحابہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ یقیناً صحابہؓ نے معوذتین کو آئمہ کرام کے مصاحف میں قائم رکھا اور انہیں اس طرح اطراف عالم میں بھیجا)

حضرت امام عاصم کی قرات جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور حضرت زر بن جبش کے واسطہ سے ماثور ہے۔ اس میں معوذتین تواتر کے ساتھ حضرت زر بن جبش کے واسطہ سے ماثور ہے۔ اس میں معوذتین تواتر کے ساتھ محفوظ اور مروی ہیں یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ معوذتین قرآن کریم کی سورتیں نہیں ہیں یہ نقل صحیح نہیں اور یہ روایت ہی غلط ہے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تھا تو فوراً رجوع فرمالیا تھا۔ چونکہ قراء سبعہ کی قراءت متواتر ہیں اس لئے قرآن مجید کی کسی بھی سورۃ یا کسی بھی آیت کا انکار کرنا کفر ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں وانت تعلم انه قد وقع الاجماع علی قرانیتهما وقالو ان انکار ذلک الیوم کفر و لعل ابن مسعود رجع عن ذلک. (اور آپ کو معلوم ہے کہ معوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس لئے علماء نے کہا ہے اب ان کا انکار کرنا کفر ہے۔ شاید ابن مسعودؓ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا)

چونکہ حضرت امام عاصم کی قراءت متواتر ہے اور معوذتین ان کی قراءت میں مروی ہیں اور تمام مصاحف میں مکتوب اور منقول ہیں اور جو مصاحف حضرات صحابہ نے آفاق میں بھیجے تھے ان سب میں یہ دونوں سورتیں بھی تھیں اس لئے ان کا قرآن ہونے کا انکار کرنا کفر ہے۔

حضرت ابن مسعود نے رجوع فرما لیا تھا تو کوئی سوال باقی نہیں رہتا اور بالفرض رجوع نہ کیا ہو تو جو بات ان سے بطور خبر واحد منقول ہے (جو ظنی ہے) اجماع امت اور تواتر کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ صاحب روح المعانی نے شرح المواقف سے نقل کیا ہے۔

ان اختلاف الصحابة فی بعض سور القرآن مروی بالآحاد المفیدة للظن ومجموع القرآن منقول بالتواتر المفید للیقین الذی یضمحل الظن فی مقابلته فتلک الآحاد مما لا یلتفت الیه ثم ان سلمنا اخلافهم فیما ذکر قلنا انهم لم یختلفوا فی نزوله علی النبی ﷺ ولا فی بلوغه فی ابلاغه بل فی مجرد کونه من القرآن و هو لایضر فیما نحن بصدده. انتهی. (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بعض سورتوں میں اختلاف اخبار احاد سے منقول ہے جو ظن کا فائدہ دیتی ہیں اور پورا قرآن کریم تواتر سے منقول ہے جو کہ یقین کو ثابت کرتا ہے کہ جس کے مقابلہ میں ظن ختم ہو جاتا ہے پس یہ احاد ایسی چیز ہیں جن کی طرف التفات کی ضرورت نہیں ہے پھر اگر ان کا مذکورہ اختلاف ہم تسلیم بھی کر لیں تو ہم کہتے ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے نازل ہونے میں اختلاف نہیں کیا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے ابلاغ میں اختلاف کیا ہے بلکہ خالی ان کے قرآن میں سے ہونے میں اختلاف کیا ہے اور ہم جس چیز کو ثابت کر رہے ہیں اس لئے یہ اختلاف مضر نہیں ہے)

آج کل بہت سے ملحد اور زندیق ایسے نکلے ہیں جو بہانے بنا بنا کر قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن روایات کو ائمہ الاسلام نے رد کر دیا ہے ان کو اپنے کتابچوں میں درج کر کے مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کھرچنا چاہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کافر کہتے ہو تو ابن مسعود صحابی کو بھی کافر کہو۔ یہ ان لوگوں کی جہالت اور ضلالت ہے۔ مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ہم نے یہ سطور حوالۂ قرطاس کر دی ہیں۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ من شر اعداء الاسلام الذین یوسوسون فی صدور المسلمین سواء کانوا من الجنة او من الناس

بحمد اللہ تعالیٰ

ختامه مسک
وفی ذٰلک فلیتنافس المتنافسون

وهذا آخر تفسیر المعوذتین، وبتمامه تم تفسیر انوار البیان فی کشف اسرار القرآن، والحمد لله الممنان الحنان المنان الذی یسرلی مفاهیم القرآن والقٰی علی علومه و معارفه الذی تنشرح بها الصدور و تستضیٔ بها الاذهان، اشکره وکیف لا اشکره وهوالذی استعملنی فی هذا الامر العظیم واورد علی قلبی مالا یتوارد علی قلوب الاقران ، وفتح علی مایصعب فهمه علی علماء هذا الشان،

ولقد اشتغلت فی هذاالعمل الجلیل عشر سنوات وعدة اشهر فی مدینة سید ولد عدنان وکان تمامه و ختامه فی العشر الاوسطه من جمادی الاولیٰ سنة تسع عشرة بعد الفٍ واربع مائةٍ من هجرة من انزل علیه الفرقان و بعث بشیراً و نذیراً الی کافة الانس والجان، صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مدی الدهور والازمان و علیٰ آله و اصحابه الذین حملواالقرآن و بلغوه الی أقاصی القریٰ والبلد ان فتجلّی به الاکوان، واستنار به الثقلان، و علی من تبعهم باحسان فی کل حین و ان ماتعاقب الملوان و سریٰ فی کبد السماء النیّران. ولقد کتبت سطور الخاتمة فی روضة من ریاض الجنّة من مسجد الرسول علیه الصلاة والسلام، الاتمان الاکملان الذی تدارس فیه اصحاب الصفة القران و تفجرت منه انهار الیقین والایمان.

والله الموفق وهو المستعان و علیه التکلان.

(بقلم ابن المؤلف عبدالرحمٰن الکوثر عفا الله عنه)